[illegible]

تصدیق صحتِ متن

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً پورے غور و امعانِ نظر سے پڑھا
اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس مصحفِ مقدس کے متن میں کوئی کمی بیشی
اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے ۔ ان شاء اللہ تعالےٰ ۔

حافظ عبدالرؤف

الحافظ عبدالرؤف بن عبدالواحد
سند یافتہ
مدرسہ حمیدیہ سابق ریاست بھوپال

تصدیق صحت جلد بندی

میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس قرآن مجید کے ہر صفحہ کو چیک
کیا گیا ہے ۔ اور اس میں جلد بندی کی کوئی غلطی نہیں ہے

محمودیہ بک بائینڈنگ فیکٹری

الحکیم جل جلالہ	الودود جل جلالہ	المجید جل جلالہ	الباعث جل جلالہ	الشہید جل جلالہ	الحق جل جلالہ
الوکیل جل جلالہ	القوی جل جلالہ	المتین جل جلالہ	الولی جل جلالہ	الحمید جل جلالہ	المحصی جل جلالہ
المبدئ جل جلالہ	المعید جل جلالہ	المحیی جل جلالہ	الممیت جل جلالہ	الحی جل جلالہ	القیوم جل جلالہ
الواجد جل جلالہ	الماجد جل جلالہ	الواحد جل جلالہ	الاحد جل جلالہ	الصمد جل جلالہ	القادر جل جلالہ
المقتدر جل جلالہ	المقدم جل جلالہ	المؤخر جل جلالہ	الاول جل جلالہ	الآخر جل جلالہ	الظاہر جل جلالہ
الباطن جل جلالہ	الوالی جل جلالہ	المتعالی جل جلالہ	البر جل جلالہ	التواب جل جلالہ	المنتقم جل جلالہ
العفو جل جلالہ	الرءوف جل جلالہ	مالک الملک جل جلالہ	ذوالجلال والاکرام جل جلالہ	المقسط جل جلالہ	الجامع جل جلالہ
الغنی جل جلالہ	المغنی جل جلالہ	المانع جل جلالہ	الضار جل جلالہ	النافع جل جلالہ	النور جل جلالہ
الہادی جل جلالہ	البدیع جل جلالہ	الباقی جل جلالہ	الوارث جل جلالہ	الرشید جل جلالہ	الصبور جل جلالہ

تاج کمپنی لمیٹڈ، ناشران قرآن مجید و اسلامی مطبوعات کراچی - لاہور - ڈھاکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو الله	الذی لا اله	الا هو	الرحمن جل جلاله	الرحیم جل جلاله	الملک جل جلاله
القدوس جل جلاله	السلام جل جلاله	المؤمن جل جلاله	المهیمن جل جلاله	العزیز جل جلاله	الجبار جل جلاله
المتکبر جل جلاله	الخالق جل جلاله	البارئ جل جلاله	المصور جل جلاله	الغفار جل جلاله	القهار جل جلاله
الوهاب جل جلاله	الرزاق جل جلاله	الفتاح جل جلاله	العلیم جل جلاله	القابض جل جلاله	الباسط جل جلاله
الخافض جل جلاله	الرافع جل جلاله	المعز جل جلاله	المذل جل جلاله	السمیع جل جلاله	البصیر جل جلاله
الحکم جل جلاله	العدل جل جلاله	اللطیف جل جلاله	الخبیر جل جلاله	الحلیم جل جلاله	العظیم جل جلاله
الغفور جل جلاله	الشکور جل جلاله	العلی جل جلاله	الکبیر جل جلاله	الحفیظ جل جلاله	المقیت جل جلاله
الحسیب جل جلاله	الجلیل جل جلاله	الکریم جل جلاله	الرقیب جل جلاله	المجیب جل جلاله	الواسع جل جلاله

۱۰۲ یعنی نہ آپ کی نافرمانی کرونگا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ پر کوئی روک ٹوک کرونگا۔ صَابِرًا کا مفہوم یہاں ہے ضبط کر جانے والا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسے مقبول بزرگ کوئی حرکت خلاف شریعت کرینگے۔ اسی لئے انہوں نے مطیع رہنے کی حامی بھرلی گویا حالاًان کا وعدہ یہ تھا کہ امورِ مباح میں آپ کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ انشاء اللہ ملائی جس سے اقرار عہد و پیمان پیدا نہیں ہونے پایا اور اس لئے ان دونوں باتوں کی بنا پر آیندہ نقض عہد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ متعلم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاذ کے احکام کی اطاعت اور اس پر ترک اعتراض و مخالفت کی عادت اختیار کرے اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی اور تذلل برتے۔ ~~هذا يدل على ان المتعلم يجب عليه في اول الامر التسليم وترك المنازعة والاعتراض~~ (کبیر) ~~وقوله موسى له تواضع شديد واظهار للتحمل التام والتواضع الشديد وكل ذلك يدل على ان الواجب على المتعلم اظهار التواضع باقصى الغايات~~ (کبیر)

إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعْصِى لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾

مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا ۱۰۲

قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعْتَنِى فَلَا تَسْـَٔلْنِى عَن شَىْءٍ حَتَّىٰٓ

(خضرؑ) بولے کہ اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھ گچھ نہ کیجئے گا جب تک

أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَٱنطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَا رَكِبَا

کہ میں خود ہی اس کے ذکر کی ابتدا نہ کردوں ۱۰۳ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں

ع ۱۰ / ۲۱

فِى ٱلسَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ

کشتی میں سوار ہوئے تو ۱۰۴ (خضرؑ نے) اس میں سوراخ کردیا (موسٰیؑ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے سوراخ کردیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ

أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا إِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ

آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کردیں یقیناً آپ نے بہت بری بات کر ڈالی ۱۰۵ (خضرؑ نے) کہا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ

لَن تَسْتَطِيعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِى بِمَا

میرے ساتھ نباہ نہ کرسکیں گے ۱۰۶ (موسٰیؑ نے) کہا میری بھول چوک پر گرفت

نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِى مِنْ أَمْرِى عُسْرًا ﴿٧٣﴾

نہ کیجئے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے ۱۰۷

فَٱنطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَا لَقِيَا غُلَٰمًا فَقَتَلَهُۥ قَالَ أَقَتَلْتَ

(اسکے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضرؑ نے) اسے مار ڈالا حضرت موسٰیؑ نے کہا

نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بیجا حرکت کی ۱۰۸

~~المتعلم اظهار التواضع باقصى الغايات~~ (کبیر)

۱۰۳ یہ شرط حضرت خضرؑ کی طرف سے زائد ہے حضرت موسٰیؑ کا وعدہ اس حد تک کے لئے نہ تھا۔ نہ آپ کی زبان سے اب بھی اس کا اقرار منقول ہے۔ ۱۰۴ کوئی ایسا مقام سفر میں آگیا تھا جس کے آگے کشتی کی ضرورت پڑجاتی تھی اور اب سفر بحری شروع ہوا۔ سمندر یا دریا کے کنارے کنارے تو یوں بھی چل رہے تھے۔

۱۰۵ (جس پر سکوت کرنا میرے حدِ عہد سے خارج ہے) اِمْرًا کہتے ہیں امر منکر و معیوب کو۔ ~~امرًا اى عجبًا منكرًا~~ (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر) لِتُغْرِقَ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا فعل جس کا نتیجہ بھی مرتب ہو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ اکابر سے بھی ایسے امور صادر ہوسکتے ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو۔ (گو حقیقت یہ نہ ہو) دوسرے یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باذن حق تکوینیات میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ کی زبان میں انہیں کو قطب التکوین یا صاحبِ خدمت کہتے ہیں۔

۱۰۶ (سو دیکھیے وہی بات آگے آئی) اس نباہ نہ کرسکنے سے جس کا مبنٰی و منشا تمام تر غیرت دینی و جوش ایمانی تھا حضرت موسٰی علیہ السلام کی منقصت نہیں اور مدح و منقبت ہی نکلتی ہے۔ ۱۰۷ حضرت موسٰیؑ ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہرًا یکسر معصیت تھے قدرۃً اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت خضرؑ کی ہدایت کا بھی پاس و لحاظ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ ٹوک بیٹھے۔ عدمِ مخالفت کا وعدہ بھی آپ نے وفورِ شوق ہی میں کیا تھا لیکن اب جن افعال کو خلاف رضائے محبوب (کہ اُسی کا دوسرا نام حکم شریعت ہے) پاتے تھے، بلا تامل اور بے دھڑک ٹوک بیٹھتے تھے۔ سکوت محض کا اول تو آپ کی طرف سے وعدہ ہی نہ تھا، وعدہ صرف عدم مخالفت کا تھا۔ اور بالفرض ہوتا بھی تو خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی ہی روا نہیں۔ لَا تُؤَاخِذْنِى بِمَا نَسِيتُ۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سہو و نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ ~~ذكر ان النسيان لا يقتضي المؤاخذة وهذا يدل على ما قدمناه من انه لا يدخل تحت التكليف~~ (ابن العربی) ۱۰۸ نُكْرًا کے معنی ہیں امر عظیم کے۔ ایسا امر جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ ~~نكرًا اى داهية~~ (بخاری) ~~قال ابو عبيدة نكرًا اى عظيمًا~~ (فتح الباری) ~~النكر الدهاء والامر الصعب الذي لا يعرف~~ (مفردات) ~~قال الليث الدهاء والنكر لغة للامر الشديد~~ (تاج) نکر کا درجہ قبح میں اِمر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ~~النكر اعظم من الامر في القبح~~ (کبیر) ~~وقيل النكر ما انكرته العقول ونفرت منه النفوس وهو ابلغ في تقبيح الشيء من الامر~~ (کبیر) حضرت موسٰی علیہ السلام تو مامور ہی تھے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر۔ اب کی آپ کے ٹوکنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کی پہلی ہی حرکت کیا کم تھی کہ اب کی تو آپ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بے جا حرکت کر گزرے۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو بہرحال ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ ~~لانه قتل لا يمكن تداركه ... ذلك كان خرقًا يمكن تداركه بالسد وهذا لا سبيل الى تداركه~~ (کشاف) اَقَتَلْتَ ..... نَفْسًا۔ یعنی ایک تو وہ لڑکا یوں ہی نابالغ۔ قابل قصاص نہیں۔ چہ جائے کہ بالکل بے قصور قتل ہوا!

بحمد اللہ آج سہ شنبہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء مطابق ۶ جمادی الثانیہ کو بعد نماز ظہر اس پارۂ پانزدہم کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

۹۶ "عجب طرح" یوں کہ زندہ ہو کر خشکی سے دریا تک راہ پاگئی۔ اَرَءَیۡتَ کلمۂ تعجب ہے اور محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں "ارے!" یا "دیکھیے" یا "میہ ملاحظہ ہو!" نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ۔ یعنی مچھلی کے عجیب قصہ کا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ۔ مذہب کی زبان میں ہر بُری بات کا انتساب شیطان ہی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی ذات مرکز ساری برائیوں کی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ شیطان کے اثر سے وسوسہ ونسیان کا پیش آجانا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔

قَالَ اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَةِ فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ

وہ بولا کہ دیکھیے ہم لوگ جب اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو

الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَهٗ وَ

بھول ہی گیا اور مجھے بس شیطان ہی نے بھلادیا کہ میں اس کا ذکر کرتا اور

اتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا کُنَّا

اس نے تو دریا میں عجب طرح اپنی راہ لی ۹۶ (موسیٰؑ نے) کہا وہی تو وہ (مقام) تھا جس کی

نَبۡغِ فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبۡدًا

ہم کو تلاش تھی ۹۷ پھر دونوں اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے تو انہوں نے ہمارے

مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ

بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے

مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰی هَلۡ اَتَّبِعُكَ

پاس سے ایک (خاص) علم سکھایا تھا ۹۸ موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ

عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ

رہ سکتا ہوں کہ جو علم مفید آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھادیں ۹۹ انہوں نے کہا

اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾ وَکَیۡفَ تَصۡبِرُ

آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا ۱۰۰ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں

عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ

ایسے امر پر جو آپ کے احاطۂ واقفیت میں نہیں ہے ۱۰۱ (موسیٰ نے) کہا آپ انشاء اللہ

۹۷ یعنی وہی مقام تو ہماری منزل مقصود تھا۔ وہیں کا پتہ تو ہمیں بتایا گیا تھا۔ ۹۸ حدیث بخاری اور دیگر احادیث میں ان عبدِ مقرب ومقبول کا نام خضر آیا ہے۔ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا۔ اس خصوصی رحمۃ سے مراد مقبولیت کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ البتہ یہ لازمی نہیں کہ نبوت ہی کی شکل میں ہو۔ چنانچہ حضرت خضر کی نبوت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ فالجمہور علی انہ علیہ السلام نبی ولیس برسول وقیل ہو رسول وقیل ہو ولی وعلیہ القشیری وجماعۃ (روح) ولم یکن الخضر نبیا عند اکثر اہل العلم (معالم) عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا۔ یہ علم بلاواسطہ اسباب واکتساب وتعلم براہ راست حضرتِ حق سے عطا ہوا تھا۔ اور یہ علم اسرار کونیہ کا تھا محققین نے کہا ہے کہ جس علم پر قرب الٰہی مرتب ہوتا ہے وہ علم اسرار کونیہ نہیں، علم اسرار الٰہیہ یا شرعیہ ہے۔ اس پر بھی اظہار حیرت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ تو خود ایک پیمبر جلیل القدر اور اس لئے لازمی طور پر اپنے وقت کے اعلم الناس تھے، انہیں کسی اور کے پاس کیسے تعلم کے لئے بھیجا گیا ہے لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ ایک شخص بہت سے علوم میں عالم ترین ہو پھر بھی بعض علوم سے ناواقف ہو۔ اور اس کے سیکھنے کے لئے وہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔ لا یبعد ان العالم الکامل فی اکثر العلوم یجہل بعض الاشیاء فیحتاج فی تعلمہا الی من دونہ وہذا امر متعارف معلوم (کبیر)۔ عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ۔ وہ بزرگ باایں مرتبۂ کمال بہرحال اللہ کے ایک بندہ ہی تھے۔ "بندہ" سے ذرہ بھر بھی زائد نہ تھے اور بندہ بھی کیسے؟

عَلَّمۡنٰهُ

حق تعالیٰ کے بہت سے بندوں میں سے ایک! ——— اللہ اللہ! قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام تحفظ توحید کا اور شائبۂ شرک سے احتراز واحتیاط کا ہے! من عبادنا حق تعالیٰ کا ایسے بندہ کی اضافت اپنی جانب کرنا اس کے اکرام وتخصیص کے لئے ہے۔ ہذہ اضافۃ تشریف واختصاص (بحر) ۹۹ حضرت موسیٰؑ باایں جلالت مرتبہ ودرجۂ نبوت ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کے علم خصوصی سے کچھ میں بھی کسب واکتساب کروں؟ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ حضرت خضر کے ساتھ اپنی گفتگو میں کس قدر تواضع اور ادب ولطف کی رعایتیں جمع کر رہے ہیں۔ ۱۰۰ (بلکہ آپ میرے بعض افعال کو ظاہر شریعت کے خلاف پاکر ان پر روک ٹوک ضرور کریں گے) حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ جیسے پیمبر جلیل القدر کے جوش ایمانی کا پورا اندازہ رکھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر (خواہ وہ محض ظاہری ہی ہو) ہرگز تحمل نہ کر سکیں گے۔ ۱۰۱ یعنی وہ افعال بظاہر خلاف شریعت ہوں گے، اور آپ کو جب ان کے منشاء صحیح کی اطلاع نہیں تو آپ ان منکرات پر بغیر روک ٹوک کئے کیسے رہ سکتے ہیں؟ ——— یہ صاف حضرت موسیٰؑ کی طرف سے عذر خواہی بھی خود ہی کر دی ہے اور آپ کو دار وگیر پر معذور قرار دے دیا ہے۔

۸۶ (اسکے سننے سے) یَفْقَهُوْهُ میں ضمیرہ الحق کی طرف ہے جو ایک آیت قبل لیدحضوا بہ الحق میں گزر چکا۔ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً - فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا - دلوں پر پردہ پڑنے اور کانوں میں ڈاٹ دے رکھنے پر حاشیے کئی
بار گزر چکے۔ بندہ جب اپنے قصد و اختیار سے کام لے کر حق کی مخالفت عرصہ تک کرتا رہتا ہے تو نتیجہ کے طور پر اس سے توفیق ہی حق کے سمجھنے اور سننے کی سلب ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل ابتداءً نہیں ہوتا۔
قُلوب اور اٰذان دونوں کے غیر متاثر رہنے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ایمان نہ تحقیق کی راہ سے لائیں گے اور نہ تقلید ہی کی راہ سے۔ ۸۷ (سو آپ کا ان پر زیادہ غم کرنا بھی بے فائدہ ہی ہے) اِذًا یعنی جب کہ ان کے دل اور
کان ان کی ارادی بے توجہی اور عناد کی بنا پر قبولِ حق کی استعداد بھی ضائع کر چکے ہیں۔ ۸۸ چنانچہ اس صفت غفر کے تقاضہ سے اب بھی باوجود اس ہجوم عصیان و کفر کے اگر راہِ راست پر آجائیں تو توبہ قبول ہو سکتی اور مغفرت
ہو سکتی ہے۔ اور صفت رحمة کے تقاضہ سے اس نے انہیں اتنی مہلت دے رکھی ہے۔ ۸۹ اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دیا گیا۔ کہ عذاب الٰہی فوراً انہیں آتا بلکہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت ضرور ملتی
ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔ ضمیر موعد کی طرف ہے یعنی اس یوم موعود کے ادھر یا قبل یہ کوئی پناہ نہیں پا سکتے کہ پیشتر ہی سے اس میں چھپ چھپا کر اپنے کو محفوظ کر لیں۔ والضمير المجرور عائد على الموعد [illegible]
یہ بھی جائز ہے کہ رب کی طرف سمجھی جائے۔ قیل يرجع على الله تعالىٰ [illegible] ۹۰ (چنانچہ وہ اپنے اسی وقت معین و مقرر پر ہلاک ہوئیں) تِلْكَ الْقُرٰٓى یعنی ان بستیوں کے باشندے۔ والكلام على

وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا

دے رکھی ہے ۸۶ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ ایسی حالت میں ہرگز راہ پر نہ

اَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

آئیں ۸۷ اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے ۸۸ وہ اگر ان پر داروگیر ان

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اس نے ان کے واسطے ایک معین

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا

وقت ٹھہرا رکھا ہے اسکے ادھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے ۸۹ اور یہ بستیاں وہ ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا

ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے انکی ہلاکت کیلئے ایک وقت معین کیا تھا ۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے

لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ

خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تا آنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں ۹۱ یا (یوں ہی) سالہا سال

حُقُبًا ۝۶۰ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ

تک چلا کروں ۹۲ پھر جب دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے ۹۳ سو اس نے

سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ

سرنگ بناتی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑی ۹۴ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے اپنے خادم سے بولے

اٰتِنَا غَدَاۗءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝۶۲

کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہمیں اس (آج کے) سفر سے بڑی تکلیف پہنچی ہے ۹۵

ع ۲۰

تقدیرہ مضاف ای اهل القرى (روح) اشارہ ان سرکش و نافرمان پُرقوت قوموں کی جانب ہے جن کی ہلاکت کا بیان قرآن مجید میں بار بار آ چکا ہے، اور جو ہر قرآن خوان کیلئے معلوم و معروف ہیں۔ ای قرى عاد وثمود وقوم لوط واشباههم (روح) ۹۱ (جہاں کا پتہ مجھے ایک برگزیدہ بندۂ حق سے ملاقات کا بتایا گیا ہے) توریت میں حضرت موسیٰؑ کے اس سفر کا کوئی ذکر نہیں —— اور اسی سے ظاہر ہے کہ توریت موجودہ و مروجہ بہ حیثیت تاریخ و تذکرہ کے بھی نامکمل و ناقص ہے۔ لِفَتٰىهُ۔ فتیٰ کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں اور مجازی معنی غلام یا خادم کے۔ الفتى الطرى من الشباب والانثى فتاة [illegible] يكنى بهما عن العبد والامة (راغب) المراد بالفتى الخادم فتى لان الخدم اكثر ما يكونون في سن الفتوة (روح) وقيل للخادم فتى على جهة حسن الادب (بحر) مراد حضرت یوشع بن نون سے ہے۔ حدیث بخاری میں یہ تصریح موجود ہے اور مفسرین بھی تقریباً سب اس پر متفق ہیں۔ حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے عزیز خاص و خادم خاص تھے —— بعد کو خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ وانطلق معه بفتاة يوشع بن نون (البخاری کتاب التفسیر) توریت میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر حضرت موسیٰؑ کے خادم کی حیثیت سے ملتا ہے۔ ”موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے برگزیدوں میں سے تھا، موسیٰ سے کہا“ (گنتی۔ ۱۱:۲۸) ”اور موسیٰ اور اسکے خادم یشوع آئے“ (خروج ۲۴:۱۳) ”اور وہ لشکرگاہ کو پھرا پر اسکا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمہ میں سے نہ نکلا“ (خروج۔ ۳۳:۱۱) حسب روایت توریت ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ”اور ایسا ہوا کہ بعد ان باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کر گیا“ (یشوع۔ ۲۴:۲۹) مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ۔ اس مقام کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ یہ سفر اگر حضرت موسیٰؑ کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو دریائے نیل کی دونوں شاخوں کے ملنے کی جگہ مراد ہو سکتی ہے اور اگر جیسا کہ اغلب ہے، سفر جزیرہ نمائے سینا کے دوران قیام میں پیش آیا تو عجب نہیں کہ جو بحر قلزم کے شمالی دو شاخہ کے اتصال کی جگہ مراد ہو یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سویز۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انہیں سفر میں رفیق رکھنا سنتِ انبیاء میں سے ہے۔ ۹۲ (تا آنکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اور مقصد سفر حاصل ہو جائے) محققین نے لکھا ہے کہ اس سے طلب علم میں ہر قسم کے صعوبات برداشت کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔ ذلك تنبيه على ان المتعلم لو سافر من المشرق الى المغرب لطلب مسئلة واحدة لحق له ذلك (كبير) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کامل کی طلب میں سعی بلیغ چاہئے جب تک کہ اس سے کوئی واجب نہ فوت ہونے لگے۔ ۹۳ یعنی اس مچھلی کو جو بطور ناشتہ ان کے ساتھ ناشتہ دان میں رکھی ہوئی تھی۔ فاخذ حوتا فجعله في مكتل [illegible] کتب التفسیر
نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ یعنی اس مچھلی کا انہیں خیال ہی نہ آیا۔ جس برگزیدہ بندہ سے ملنے کو حضرت موسیٰؑ نکلے تھے۔ اس کے ملنے کی جگہ کا پتہ یہ بتایا گیا تھا کہ طویل سنگم پر جس مقام پر وہ ساتھ والی مچھلی پھر سے پانی میں چلی جائے
وہی جگہ ان بزرگ کی ہے۔ نسیا حوتهما مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ زادِ راہ کا جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔ ۹۴ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ مچھلی تلی ہوئی تھی۔ اور بطور خارق عادت
زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ سَرَبًا یعنی سرنگ کی طرح راستہ بنا لیا۔ السرب المذهب في الدرب (راغب) یا محض راستہ پکڑ لیا۔ امام بخاریؒ سے یہ معنی مروی ہیں۔ سربا مسلكا منهما [illegible]
۹۵ یعنی آج خوب تھک گئے ہیں —— ممکن ہے اس منزل میں چلنا زیادہ پڑ گیا ہو۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا ذکر بالکل جائز ہے بلکہ منافی کمال بھی نہیں
البتہ بے صبری و شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ يدل على اباحة اظهار مثل هذا القول من ما يلحق الانسان من نصب او تعب في سعي في قربة [illegible] شكوى (جصاص)
آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں۔ زادِ راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، تھکن بھی محسوس کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شے کمال ولایت کیا معنی، کمال نبوت کے بھی منافی نہیں —— آیت میں
سبق ہے ان ”خوش عقیدہ“ مریدوں اور معتقدوں کے لئے جو ”بزرگوں“ کی جانب بھوک، پیاس یا اور بشری ضرورتوں کا انتساب تمام تر بے ادبی سمجھتے ہیں۔ فَلَمَّا جَاوَزَا۔ یعنی جس مقام کی نشان دہی
کی گئی تھی، اس سے دور نکل آئے۔

۸۱ یعنی ہر ایسی مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔ یعنی ای اجدل الناس اکثر من جدل کل شئی (بحر) اَلْاِنْسَانُ۔ یعنی سرکش نافرمان انسان۔ محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔ وکثیرا ما ذکر الانسان فی معرض الذم (بحر) ۸۲ مطلب یہ ہے کہ جب صاف صاف ہدایت آچکی اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے جائیں یا یہ کہ یہ زندہ تو رہیں لیکن عذاب در عذاب کے چکر میں ڈال دیئے جائیں۔ اَلْھُدٰی۔ یعنی رسول اور قرآن مع دلائل و شواہد کے وھو الرسول الداعی والقرآن المبین (بیضاوی) سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ۔ جو کچھ اگلی قوموں کو مسلسل نافرمانی کی پاداش میں پیش آ چکا تھا۔ یعنی عذاب ہلاکت و استیصال وھو عذاب الاستیصال (کبیر) قُبُلًا۔ جمع ہے قبیل کی اور اس کے معنے جھنڈ جھنڈ کے یا متواتر و مسلسل انواع عذاب کے ہیں۔ قال جماعۃ جملۃ تیکون جمع قبیل (راغب) وھو جمع قبیل بمعنی نوع ای انواع العذاب تتواصل معکو نہا جملۃ (کبیر)

لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ

(عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور انسان جھگڑنے میں سب سے

جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی

بڑھکر ہے ۸۱ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے

وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ

اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں رہا تھا بجز اسکے کہ (انکو اس کا انتظار ہو کہ) انہیں بھی اگلوں کا سا

اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ

معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب در عذاب ان پر نازل ہو ۸۲ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشخبری سنانے والے

اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور ڈرانے والے (بناکر) بھیجا کرتے ہیں ۸۳ اور کافر لوگ ناحق جھگڑے نکالتے ہیں

بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَمَاۤ

تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو بچلادیں اور انہوں نے میری نشانیوں کو اور اس کو

اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝۵۶ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ

جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے دل لگی بنا رکھا ہے ۸۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اسکے پروردگار کی نشانیوں

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا

کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے سو وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اسے بھلا دے ۸۵ ہم نے انکے

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ

دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس کے سمجھنے سے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ

۸۳ اور جتنے دلائل و شواہد اس منصب کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ انہیں دے دیتے ہیں) آیت سے دو مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ ہر پیمبر کی حیثیت محض مبشر و منذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر و انذار ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ پیمبر سے خواہ مخواہ معجزات و خوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک امر لغو ہے۔ ۸۴ یعنی تذکیر عذاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے لیکن اس کے برعکس سنگدل منکروں نے الٹا اسی کو ہدف تمسخر بنالیا! کیا حد ہے انکی ذہنیت کی مسخ شدہ کیفیت کی! وَمَاۤ اُنْذِرُوْا۔ یعنی میرے عذاب کو۔ وَیُجَادِلُ ..... اَلْحَقَّ۔ یعنی طرح طرح کی کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کو ڈگمگا دیں۔ یجادل کے باب مفاعلۃ سے ایک فرع یہ نکالی گئی ہے کہ حضرات انبیاء بھی ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ وھذا یدل علی ان الانبیاء کانوا یجادلونہم لما بیّنّا ان المجادلۃ انما تحصل من الجانبین (کبیر) ۸۵ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ۔ یعنی اپنی عصیان کاری کو۔ نَسِیَ۔ نسیان سے یہاں غیر ارادی سہو مراد نہیں۔ بلکہ ارادی تغافل مراد ہے۔ والمراد من النسیان التشاغل والتغافل عن کونہا ملتقیٰ (کبیر)

ـــ لِلْمَلٰٓئِكَةِ - اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ - اِبْلِیْسَ - اور سارے واقعہ آدم، ابلیس پر حاشیے سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں میں گزر چکے۔ ۷۴ (جیسا کہ ایک جنّی سے مستبعد بھی
نہیں) كَانَ مِنَ الْجِنِّ - اس میں صراحت کے ساتھ تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا ------ اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد
بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھے جا رہے ہیں! ~~فیہ بیان ان ابلیس من الملٰئکۃ لانہ اخبر انہ من الجن وھو جنس غیر جنس الملٰئکۃ (جصاص) والظاھر من ھذہ~~
~~الاٰیۃ ان ابلیس من الملٰئکۃ وانما ھو من الجن (بحر)~~ ابلیس کے جنّی ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ناری مخلوق تھا اس لئے سرکشی تو اس کے عنصر غالب کا عین مقتضا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی
قوت ارادہ واختیار سے صحیح کام لیتا تو اپنے اس مقتضائے طبعی کو بہ آسانی روک سکتا تھا اس لئے اسے معذور سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ فَفَسَقَ میں ف فا سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بنا پر تو اس نے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو جھکو، وہ جھکے البتہ ابلیس (نہ جھکا) ۷۴

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ

وہ جنات میں سے تھا سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا ۷۵ سو کیا تم اسے اور

ذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ

اس کی نسل کو میرے مقابلہ میں دوست بناتے ہو درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ۷۵ ظالموں

لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ

کے لئے بہت برا بدل ہے ۷۶ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش

وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ

کے وقت بلایا اور نہ انہیں کی پیدائش کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو (اپنا) دست بازو

عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَیَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ

بنانے والا ہی نہ تھا ۷۷ اور (یاد رکھو) وہ دن جب اللہ فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو جنہیں تم مانا

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

کرتے تھے ۷۸ بس وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب ہی نہ دینگے اور ہم انکے درمیان ایک آڑ کر دیں گے ۷۹

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ

اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ

یَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اس سے کوئی راہ بچنے کی نہ پائیں گے ۸۰ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے

ع ۷ / ۱۹

سرکشی کی۔ فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی کیونکر تھا ~~الفاء~~
~~للسبب وفیہ دلیل علی ان الملٰئکۃ لا یعصون البتۃ وانما~~
~~عصی ابلیس لانہ کان جنیّاً فی اصلہ (بیضاوی) والفاء~~
~~للسبب ایضاً جعل کونہ من الجن سبباً فی فسقہ یعنی~~
~~انہ لو کان ملکاً کسائر من سجد لاٰدم لم یفسق عن امر اللّٰہ~~
~~لان الملٰئکۃ معصومون (البحر)~~ فِسق اب جس
معنی میں چل گیا ہے۔ یعنی سرکشی اور طاعت حق سے نافرمانی یہ
زبان عرب میں تمامتر قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ نزولِ
قرآن سے قبل یہ معنی شائع و رائج نہ تھے۔ ~~وقال ابو عبید لم~~
~~نسمع ذلک فی شیء من اشعار الجاھلیۃ ولا احادیثھا~~
~~وانما تکلم بہ العرب بعد نزول القراٰن ووافقہ المبرد~~
~~علی ذلک (روح) قال ابن العربی لم یسمع الناس فی وصف~~
~~الانسان فی کلام العرب (قرطبی)~~ ۷۵ (جن کا کام ہی تمہیں
بھڑکانا، ضرر پہنچانا ہے) اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ - یعنی میرے مقابلہ
پر، شیطان اور شیطان زادوں کو اپنا دوست اور کارساز و
چارہ ساز سمجھتے ہو۔ ذُرِّیَّتَهٗ - ذریت کے معنی نسل یا اولاد کے
ہیں۔ اور سلسلۂ نسل جس طرح انسانوں میں چل رہا ہے۔ جنات
میں بھی قائم ہے۔ ابلیس کے فرشتہ نہ ہونے پر محققین نے اس
لفظ ذریت سے استشہاد مزید کیا ہے کہ سلسلۂ نسل تو جنات
ہی میں قائم ہے نہ کہ فرشتوں میں۔ ~~واستدل بالاٰیۃ علی ان~~
~~الاٰیۃ حیث انہا دلت انہ لہ ذریۃ والملٰئکۃ لیس لہم~~
~~ذلک (روح)~~ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ میں حرف ہمزہ انکار وحیرت کے
لئے ہے جیسے اردو میں کہیں ارے یہ غضب کرتے ہو!
~~الھمزۃ للانکار والتعجب (بیضاوی) الھمزۃ للتوبیخ والانکار~~
~~والتعجب (بحر)~~ ۷۶ بَدَلًا - بدل کے معنی اگر عوض کے
لئے جائیں جب تو ظاہر ہی ہے کہ ظالموں یعنی کافروں اور منکروں
کو معاوضے کیسے بُرے بُرے ملیں گے لیکن فقرہ کا دوسرا مفہوم
یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ظالم خدا ناشناس کیسے احمق ہیں کہ دوست

اور کارساز سمجھنا تو چاہئے حق تعالیٰ کو اور یہ بجائے اسکے دوست وکارساز ابلیس و ذریاتِ ابلیس کو بنائے ہوئے ہیں۔ لِلظّٰلِمِیْنَ - یعنی مشرکین جو شیطانوں کے ساتھ تعلق کتنا غلط اور بے جا قائم
کئے ہوئے ہیں۔ صیغۂ مخاطب سے آیت میں دفعتہً صیغۂ غائب کی طرف التفات میں اشارہ کمال ناگواری کی جانب ہے۔ ۷۷ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان گمراہ کن شیطانوں کو کسی معاملہ میں کسی حد
تک بھی اپنا معین یا مشیر بناتا۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - یعنی آفرینش کائنات کے وقت ان کا وجود ہی سرے سے کہاں تھا؟ یہ تو بہت بعد کی مخلوق ہیں۔ پھر اس کارخانۂ ایجاد
تکوین کے کسی شعبہ میں بھی ان کی شرکت، مشورہ کی حد تک بھی کیونکر ممکن تھی۔ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ - یعنی جن ''معبودوں''، کو تم شریکِ خدائی ٹھہرا رہے ہو، یہ کسی اور معاملہ میں مشیر وشریک تو کیا ہوتے،
خود اپنے ہی وجود کے باب میں یہ کب کوئی سا بھی مشورہ دے سکتے تھے؟ وَمَا كُنْتُ ...... عَضُدًا - بعض فقہاء مفسرین نے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ کافروں سے امور دین میں مدد لینا ناجائز ہے۔
~~واستدل بھا علی انہ لا ینبغی الاستعانۃ بالکافر وھو فی امور الدین کجھاد الکفار وقال اھل العلم واما الاستعانۃ بھم فی امور الدنیا فالذی یظھر انہ لا باس بھا (روح)~~ ۷۸ یعنی
اپنی امداد واعانت کیلئے بلاؤ۔ شُرَكَآءِیَ - یعنی وہ تمہارے پندار کے مطابق میرے شریکِ خدائی تھے۔ ۷۹ (جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے گی) بَیْنَهُمْ - یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود
شیطانوں کے درمیان۔ ۸۰ اور اس وقت کی شدت یاس! معاذ اللہ! فَظَنُّوْٓا - ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ ~~ای ایقنوا (بیضاوی) قال ابن عطیۃ اطلق اھل العلم ان الظن ھنا بمعنی~~
~~الیقین (بحر)~~

٦٦ؔ ایجاد و اعدام، ابقاء و افنا سب پر یکساں قادر، جب اور جیسے چاہے ہست سے نیست کردے اور نیستی سے ہستی میں لے آئے۔ کَمَآءٍ ...... الرِّیٰحُ سو یہی حال دنیا کا بھی ہے، ابھی ہری بھری نظر آرہی ہے، اور عنقریب ہلاک و برباد ہو کر رہے گی۔ ٦٧ؔ نفسِ اعمال تو ظاہر ہے کہ آنی و فانی بلکہ سریع الفنا چیزیں ہیں۔ لیکن ہر عمل خیر و شر سے جو اثر انسان پر مترتب ہوتا ہے اس کا نام ثواب و عذاب ہے اور وہ ایک دائمی اور ثابت و قائم رہ جانے والی حقیقت ہے اور چونکہ ثواب و عذاب کا رشتہ اعمال کے ساتھ غیر منفک ہے اس لئے مجازاً اعمال صالحہ ہی کو باقیات ارشاد فرمادیا گیا۔ لما کانت الاعمال اسبابًا فی الثواب والعقاب [illegible] علیها [illegible]

كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

قدرت رکھتا ہے ٦٦ؔ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی ایک رونق ہیں

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

اور باقی رہ جانے والے اعمال صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہیں اور امید

اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ

کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ٦٧ؔ اور (وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ہم پہاڑوں کو ہٹا دینگے اور تو زمین کو

حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ

دیکھے گا کہ کھلا میدان ٦٨ؔ ہے اور ہم ان (سب) کو جمع کردینگے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے ٦٩ؔ اور وہ تیرے پروردگار

صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ

کے روبرو برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائینگے۔ آخر تم ہمارے ہی پاس آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ لیکن تم تو خیال

اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

کرتے رہے کہ ہم تمہارے لئے وقت موعود نہ لائینگے ٧٠ؔ اور نامۂ عمل رکھ دیا جائیگا سو تو مجرموں کو

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہماری کمبختی اس نامۂ عمل کی

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ

تو عجیب حالت ہے ٧١ؔ کہ اس نے (کوئی گناہ) نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا بغیر اس کو قلمبند کئے ہوئے ٧٢ؔ

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ ع ٦ / ١٨

اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسے (لکھا ہوا) موجود پائینگے اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا ٧٣ؔ

علیها [illegible] اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔ محققین نے کہا کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفتِ الٰہی یا محبتِ الٰہی یا طاعتِ الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو وہ اسی باقیاتِ صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔ کل عمل وقول [illegible] الی الاشتغال بمعرفة الله ومحبته وخدمته فهو الباقيات الصالحات [illegible] كل [illegible] به وجه الله [illegible] زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی مال و اولاد اسی دنیوی زندگی کی ایک بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں۔ تو جب خود دنیا ہی کو ثبات نہیں تو اسکے تابع و ضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بھی بڑھ کر ہوگی۔ یہ مال و اولاد کو تحقیرًا محض زینتِ حیاتِ دنیوی کہنا خود ان کے مال، اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے، اور ان سے طاعتِ الٰہی و خدمتِ دین کا کام لیا جانے لگے تو یہی مال و اولاد مقصود و مطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی ان باقیاتِ صالحات میں ہونے لگتا ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی اور قائم اور لایزال ہیں، ان کی رضا و طاعت کے لئے جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ خود بھی حیاتِ ابدی حاصل کرلیتا ہے اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اس لئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود ہی زود فنا ہوتے ہیں ٦٨ؔ یعنی پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہوچکے ہونگے۔ ٦٩ؔ یعنی سارے کے سارے انسان بلا استثناء قبروں سے اٹھا اٹھا کر میدانِ حشر میں۔ ٧٠ؔ (اور تم باوجود اپنے خلقِ اول کے علم و یقین کے اپنی خلقِ ثانی کے معتقد و قائل نہ ہوئے) یہ سب کچھ منکروں، ملحدوں سے خطاب کر کے ارشاد ہوگا۔ والخطاب لكفار المنكرين البعث على سبيل التقريع [illegible] لَقَدْ ...... مَرَّةٍ۔ یعنی آئے بھی تو مال، جاہ، اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر دنیا میں فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ بَلْ کا ترجمہ 'بلکہ' اور 'لیکن' دونوں سے ہو سکتا ہے۔ بل للاضراب بمعنی الانتقال من خبر الی خبر [illegible] ٧١ؔ منکروں کے حق میں منظرِ حشر کی یہ کس درجہ مؤثر و پُرحسرت تصویر ہے! صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً۔ یعنی کوئی بھی معصیت چھوٹی سی چھوٹی یا بڑی سی بڑی ایسی نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ [illegible] صغيرة ولا كبيرة الا وهى مذكورة فى هذا الكتاب [illegible] ٧٢ؔ (کہ کسی کی ادنیٰ سی نیکی بھی لکھنے سے رہ جائے یا حقیر سی بدی بھی کسی کے نامۂ اعمال میں بڑھا دی جائے۔) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ بعض اہلِ کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال لکھی ہوئی صورت میں نہیں، بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہونگے۔ یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہٖ وہی عمل کرتا ہوا پائیگا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔

ف۶۰ یعنی بالکل اجڑ جائے۔ عَلَیْهَا۔ یعنی تیرے اسی باغ پر۔ حُسْبَانًا۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو۔ مصیبت تقدیری۔ بمعنی الحساب اے مقدرًا قدرہ اللہ [illegible] اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔ وانما [illegible] الحقیقة [illegible] (راغب) وذالک الحسبان [illegible] (اچہ جائیکہ اسے حاصل کر سکے) یعنی پڑوس کی جس نہر پر تجھے بڑا ناز ہے خود اسی کا پانی بالکل خشک ہو جائے، اور باغ و کاشت سب کا ستیاناس ہو جائے۔ ف۶۲ یہ قول ندامت ضرر کی بنا پر تھا، اس سے عقیدہ کفر پر ندامت لازم نہیں آتی۔ اس حسرت و ندامت سے بھی مقصود تمامتر دنیا ہی تھی، اس لئے یہ قول نجات کے لئے کافی نہ ہوا۔ انما رغب فی التوحید والرجوع عن الشرك لاجل طلب الدنيا فلهذا السبب ما صار توحيده مقبولًا عند الله (کبیر) يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ۔ محاورہ میں تقلیب کفین سے مراد حسرت و ندامت ہوتی ہے۔ وتقلیب الکفین کنایة عن الندم والتحسر [illegible] هو كناية عن الندم والحسرة (کبیر)

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا

اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت آ جائے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر

زَلَقًا ﴿٤٠﴾ أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿٤١﴾

رہ جائے ف۶۰ یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے ف۶۱

وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَآ أَنفَقَ فِيهَا

اور اس (بددین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ)

وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ

پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بددین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے

بِرَبِّيٓ أَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُۥ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُۥ مِن دُونِ

ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا ف۶۲ اور کوئی جتھا اس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی

اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَٰيَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ

مدد کرتا اور نہ وہ (ہم سے) بدلہ لے سکا ف۶۳ ایسے موقع پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔ اسی کا

خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَوٰةِ

ثواب سب سے بہتر اور (اسی کا) نتیجہ سب سے بہتر ف۶۴ اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت

الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنزَلْنَٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ

بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اسکے ذریعہ سے زمین کی نباتات

الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَٰحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ

خوب گنجان ہو گئی ہے ف۶۵ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوا اسے اڑائے اڑائے پھرے اور اللہ ہر چیز پر پوری

ع ۱۳
۵
۱۷

ف۶۳ اپنے جن مجمع اور جتھے پر اسے ناز تھا اور وہ فخر کے ساتھ کہتا تھا۔ انا اعزمنك مالًا واكثر نفرًا اس کی حقیقت و بساط اس نے یہیں اسی دنیا میں دیکھ لی! يَنصُرُونَهُۥ ...... مُنتَصِرًا۔ منتصر کے معنی بچا لینے والے کے بھی ہیں اور ینصرونہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بچا لے۔ ینصرونہ [illegible] من عذاب الله وما كان منتصرًا [illegible] من عذاب الله (ابن جریر۔ عن قتادة) مطلب یہ ہوا کہ بجز اللہ کے کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں۔ نصرت صرف اسی کی ہے۔ ان الله تعالى وحده القادر على نصرته ولا يقدر احد غيره ان ينصره (کبیر) ف۶۴ یعنی اللہ ہی کی مدد دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ کام آتی ہے اور اس کے مقبولوں کا کوئی ظاہری نقصان ہوتا بھی ہے تو اس کا ثمرہ نیک مل کر رہتا ہے۔ اَلْوَلَایَة۔ ولایة (بالفتح) کے معنی کارسازی و انصرام امور کے ہیں اور وِلایة (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔ الولاية النصرة والولاية تولی الامر (راغب) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔ قیل الوَلاية والوِلاية واحدة [illegible] حقیقة تولی الامر (راغب) ابن جریر نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر وَلایة (بالفتح) ہے جس کے معنی دوستی یا مدد کے ہیں اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأة وِلایة (بالکسر) ہے جس کے معنی حکومت و غلبہ کے ہیں۔ ف۶۵ (اور خوب سرسبز و شاداب) دنیا کے مال و جاہ کے حقیر، فانی اور بے حقیقت ہونے پر ایک تمثیل ابھی اوپر گذر چکی، مذاق و فہم عرب کے خاص طور پر موافق۔ اور دوسری تمثیل اب بیان ہو رہی ہے۔ كَمَآءٍ۔ كَ حرف تشبیہ ہے۔ اس کا تعلق محض لفظ ماء سے نہیں، بلکہ آگے کی پوری عبارت سے ہے۔

۵۲ (درانحالیکہ تُو توحید کا قائل ہے) اور اپنے کو اہلِ حق سمجھ رہا ہے) اور اپنے کو اہلِ حق سے قرار دیتا ہی) کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ میرا طریقہ اگر خلافِ حق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہوتا تو آج میں اس مرفہ حالی میں کیوں ہوتا؟ بلکہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے۔ نَفَرًا۔ یعنی جتھے اور مجمع کے لحاظ سے بھی۔ یعنی انصارا وحشما وقیل اولادا ذکورا (کشاف) لِصَاحِبِهٖ۔ اس ملحد کا یہ رفیق موحّد و دیندار تھا۔ ۵۳ (مع اپنے اسی دیندار ساتھی کے) وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی اپنے اوپر جرم کفر قائم کرتا ہوا۔ ۵۴ غیر خدا پرست مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی و مادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقا، نشوونما، ترقی کے انہیں مادی و قریبی اسباب پر نظر کر کے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعاً کوئی آثار

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَ

اپنے (اس) ساتھی سے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب ۵۲ اور

دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا ۵۳ اور بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی

هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝۳۵ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

بھی برباد ہو ۵۴ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (کبھی) آئے گی اور اگر میں اپنے پروردگار

اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ

کے پاس پہنچایا گیا (بھی) تو میں یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا ۵۵ (اس پر) اس کا وہ ساتھی بولا

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہ ارے کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے ۵۶ جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ

نطفہ سے (تجھ کو بنایا) پھر تجھے صحیح و سالم آدمی بنایا ۵۷ لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار

اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝۳۸ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور تو جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یہ کیوں نہ کہا

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ

کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں بجز اللہ (کی مدد) کے ۵۸ (اور) اگر تو مجھے مال و

مَالًا وَّوَلَدًا ۝۳۹ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے دے ۵۹

نہیں۔ بقول ایک فاضل محقق کے "اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے سو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسبابِ طبیعیہ کو کوئی معطل کر سکے اور اس باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے کس طرح محتمل ویرانی کا ہو"۔ تَبِيْدَ۔ بید کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ البید الہلاک (کبیر) ۵۵ یعنی اول تو میں قائل ہی قیامت کا نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں لیکن بالفرض اگر تیرے عقیدہ کے مطابق حشرونشر حق نکلا تو میں جس عیش و عشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں، اس سے زیادہ چین و آرام میں وہاں رہوں گا۔ ۵۶ (جیسا کہ تیری تقریر عقیدۂ توحید و قیامت کا انکار ظاہر کر رہی ہے) صَاحِبُهٗ۔ یعنی اس کا وہی دیندار موحّد رفیق۔ ۵۷ یعنی تیرے سب اعضا اور قویٰ درست کئے اور صحیح ترکیب صحیح کے ساتھ انسان بنا کر نمودار کیا۔

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ ہر انسان کا مادۂ بعید مٹی ہی ہے، بہ واسطۂ آدم علیہ السلام۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ ہر انسان کا مادۂ قریب نطفۂ پدری ہے، بواسطۂ رحم مادر۔ ۵۸ (کہ جس کسی مخلوق میں کچھ بھی قوت ہے، اسی کے سہارے ہی) بِاللّٰهِ۔ ب بار الاستعانۃ ہے۔ ای لا اقوی علی امر من الامور الا باعانۃ اللہ (کبیر) موحّد کی تقریر کا پہلا حصہ نفسِ توحید پر تھا اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے۔ وَلَوْ ...... شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائیگا۔ اسباب طبعی سب اس کی مشیت کے ماتحت ہیں، نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی۔ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کی قوت سے۔ ای ما اجتمعنا بقوتی اللہ لا بقوتی (ابن عباسؓ) متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا، وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا۔ واحتج اصحابنا بھذا علی ان کل ما ارادہ اللہ وقع وکل مالم یردہ لم یقع (کبیر) ۵۹ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) خَيْرًا۔ خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش و راحت آ گیا۔ اِنْ ...... وَلَدًا۔ یہ ملحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے، وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی۔ انا اکثر منک مالا واعز نفرا۔

۴۷ ہراندازی اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولات قرآنی میں سے ہے۔ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واوِ عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ~~یدل علی ان العمل الصالح مغایر للایمان لان العطف یوجب المغایرۃ (کبیر) ان~~ ... عَمَلًا۔ مسلک اہلِ سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔ ~~عند اصحابنا ذلک الاستیجاب حصل بحکم الوعد (کبیر)~~ ۴۸ اہلِ دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں یہ اہلِ جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے۔ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ۔ جنت میں جو دار العمل نہیں تمام تر دار الجزاء ہے نہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے سو ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے
مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۳۰ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ
جو عمل اچھے طور پر کرے ۴۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہمیشگی کے باغ ہیں ان کے
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ
نیچے ندیاں بہ رہی ہونگی ان کو اس میں سونے کے کنگن پہنائے
ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ
جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز پہنیں گے
مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ
اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے کیسا اچھا صلہ ہے اور کیسی بہتر
مُرْتَفَقًا ۳۱ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا
جگہ ہے ۴۸ اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے ۴۹ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ
جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا
انگور کے دے رکھے تھے اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے
زَرْعًا ؕ ۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا
درمیان کھیتی بھی لگا رکھی تھی ۵۰ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی
وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۳۳ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ
اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس (اور بھی) تمول تھا ۵۱ سو اس نے

بالکل اس کا شمار اسباب زینت میں سے ہونے لگے گا اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہونگے جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسباب زینت میں ہے جہاں جہاں یہ عرفاً رائج ہیں۔ ثِيَابًا خُضْرًا۔ یہ رنگ لباس کی سبزی یہاں بطور مثال بیان فرمائی گئی ہے، حصر مقصود نہیں، چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورتیں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے، پالیں گے۔ ~~والظاهر ان لباسهم غير منحصر فيما ذكر ولهم فيها ما تشتهي الانفس وتلذ الاعين (روح)~~ يُحَلَّوْنَ۔ يلبسون امام رازیؒ نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ ایک ہی آیت کے اندر یحلون صیغۂ مجہول میں اور یلبسون صیغۂ معروف میں کیوں ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ یلبسون میں اشارہ اہلِ جنت کے اجر واجب کی طرف ہے اور یحلون اس اجر واجب سے زاید یعنی اللہ کے فضل محض کو بتا رہا ہے ~~یحتمل ان یکون اللبس اشارۃ الی ما استوجبوہ بعملهم وان یکون الحلی اشارۃ الی ما تفضل اللہ علیهم ابتداء من زوائد الکرم (کبیر)~~ ۴۹ (دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی مقصودیت ظاہر کرنے کو) رَجُلَيْنِ۔ ان دو شخصوں میں سے ایک ملحد و بے دین تھا، اور دوسرا موحد و دیندار، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ۵۰ (لیکن یہ شخص تھا بدعقیدہ و بددین) انگور کا باغ ایک تو بجائے خود قیمتی پھر ایک ہی نہیں، دو دو۔ اور پھر ان کے گرداگرد خرموں کی باڑ لگی ہوئی۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بے کار اور خالی پڑی ہوئی نہیں بلکہ سرسبز و شاداب کھیتی سے لدی ہوئی ——— عرب کے نقطۂ نظر سے آسودگی مرفہ حالی کا کامل و مکمل مرقع! ۵۱ باغ بھی ایسے کہ پوری پوری فصل دینے والے۔ کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں اور پڑوس میں دریا۔ کھیتی کی سرسبزی اور باغ کی شادابی کے سامان ہر طرح کے بہ افراط اور عام دولتمندی اس پر مستزاد۔ مادی فراغت و خوش نصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ثَمَرٌ۔ ثمر کے معنی علاوہ اپنے مشہور معنی کے، دولت کے بھی ہیں۔ ~~ویکنی به عن المال المستفاد (راغب) ومن المجاز الثمر انواع المال (روح)~~ اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔ ~~انواع من المال من ثمر لذا كثر كثف عن جامع الذهب والفضة اي كان له مع الجنتين اشياء من النقود وكثير من عابد يراد بها الذهب والفضة خاصة (ذكر عن مجاهد)~~

۴۲ (اگر بفرض محال مخالفین کی آپ نے ایسی دلجوئی کرنا چاہی کہ احکام الٰہی ہی ترک ہو گئے) حاصل یہ کہ رؤسا کفار کی طرف سے آپ پورا استغنا برتئے۔ وَاتْلُ ... رَبِّكَ یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ تو آپ پر فرض ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اسی فکر اور وہم میں نہ پڑیے کہ مخالفین کی دلجوئی اگر نہ کی گئی تو دین کی اشاعت و ترقی کیونکر ہو گی۔ امام رازیؒ نے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ آپ وحی کی تعلیم اور اس پر عمل میں لگے رہیئے اور منکروں معاندوں کے طنز و تشنیع کی طرف التفات ہی نہ کیجئے۔

مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ

آپ کے پروردگار کی کتاب کے ذریعہ سے آئی ہے۔ کوئی بدل اسکی باتوں کا نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ

دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

ہی پائیں گے ۴۲ اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو

رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ

پکارتے رہتے ہیں صبح و شام محض اسکی رضاجوئی کے لئے ۴۳ اور اپنی آنکھیں

عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ

کو ان سے نہ ہٹائیے دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اور اس شخص کا کہنا

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ

نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور

اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ

اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے ۴۴ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے سو جس کا جی چاہے

وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ

ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ۴۵ ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں

بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

ان کو گھیرے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو انکی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائیگی جو تیل کی

يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ

تلچھٹ کی طرح ہو گا۔ چہروں کو بھون ڈالے گا کیسا برا ہو گا وہ پانی اور کیسی بری ہو گی وہ جگہ ۴۶ بیشک

الربع

جل کلاصل فی ھذا الباب شیئًا ولوذًا وھوان یواظب علی تلاوۃ الکتاب الذی اوحاہ اللہ الیہ والعمل بھوان لایلتفت الی اقوال المقترحین وتعنت المتعنتین (کبیر)

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ اور اسی لئے کسی مخالف معاند کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ نے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں وہ پورے ہونے سے روک دے۔ کلمات کے تحت میں اللہ کے وعدے شامل ہیں۔ مُلْتَحَدًا کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ اتعدولا علی الملتحد ھو الملجا (کبیر)

۴۳ (نہ کہ کسی دنیوی غرض باطل سے) وصف ان مومنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے۔ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ۔ یعنی علی الدوام۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں۔ المراد کونھم مواظبین علی ھذا العمل فی کل الاوقات (کبیر) شاع استعمال مثل ھذہ العبارۃ للدوام (روح)

۴۴ (خواہش نفس کی پیروی میں) وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ۔ محاورہ ہے اس سے مراد بے توجہی، بے اعتنائی کرنے سے ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ رسول اللہ صلعم کو جوش و انہماک تبلیغ میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤساء قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو امت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ امت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامان دنیوی اور مال و جاہ مادی سے نہیں، بلکہ وہ اخلاص و اطاعت کاملہ سے ہے۔ خواہ ان کے وجود کا تحقق فقراء و غرباء و عوام الناس ہی میں ہو۔ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا اعناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لئے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بحیثیت مسبب الاسباب کے منسوب کر دیا گیا ہے۔ وَلَا تُطِعْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔ اس لئے اتباع فساق حرام ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اغنیاء کی طرف ایسا میل تو اضع جسکی بنیاد ان کا غنا ہو آیت اسکی مذمت میں ہے۔ آیت آج کل کے بہت سے "مصلحین" کے لئے قابلِ غور ہے۔ آج ہر "اصلاح" پر زور (خواہ وہ عقاید سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کر لیں گے وقس علیٰ ہذا۔ غرض مقصود و مطلوب ہر "اصلاح" سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اسکی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں ——— تعلیمِ قرآنی اس ذوقِ فاسد سے کس درجہ ابا کرتی ہے!

۴۵ بندہ ہی کے اختیار میں ہدایت بھی ہے اور کفر کی ذمہ داری بھی بندہ ہی پر ہے۔ حق تعالیٰ مجبور کسی کو بھی نہیں کر رہا ہے۔ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حق تو اپنی ساری تابانی و وضاحت کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے آ ہی چکا ہے اور راہِ ہدایت خوب اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔ فَمَنْ شَآءَ۔ وَمَنْ شَآءَ۔ ان صیغوں سے تخییر مراد نہیں۔ تہدید و وعید مراد ہے۔ نقل عن علی بن ابی طالب انہ قال ھذہ الصیغۃ تھدید و وعید ولیس بتخییر (کبیر)

۴۶ حق کی تمام و کمال وضاحتوں کے بعد بھی جو ایمان نہ لائے گا اور کفر پر مصر رہے گا وہ خود ہی اپنا خرابہ بلائے گا، اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ یعنی خود وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہوں گی۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا۔ یہ فریاد شدت تشنگی سے ہو گی۔ بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ۔ کالمھل میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور یشوی الوجوہ میں اسکے مزہ کی تیزی اور گرمی کا بیان آ گیا۔

٣٥ (اور اس نے قرآن سے اس کا کوئی فیصلہ کیا نہیں ہے) لیکن حضرت ابن عباسؓ وغیرہ اسی آٹھوی عدد کے قائل ہوئے ہیں اور مفسر تھانوی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ آیت سے بھی اشارۃً اس کی صحت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس خیر
قول کو نقل کر کے اسے رد نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔ قال [illegible] ٣٦ (کیونکہ ضروری کی تعلیم تو وحی سے ہوگئی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے غیر ضروری ہے)
فَلَا تُمَارِ .... ظَاهِرًا یعنی آپ وحی کے مطابق نفسِ قصہ تو بیان کر دیجئے۔ باقی اس کے آگے بحث و مباحثہ میں نہ پڑیے۔ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ۔ اور انہیں قلیل اشخاص میں ایک عبداللہ بن عباسؓ صحابی ترجمان
القرآن ہیں۔ وکان ابن عباس یقول انا من اولئک [illegible] والقلیل (کبیر) ٣٧ یعنی آپ سے جب کوئی شخص کوئی بات جواب طلب دریافت کرلے۔ اور آپ اس سے آئندہ جواب کا وعدہ کریں تو لفظ ان شاء اللہ
تعالیٰ یا کوئی اور لفظ اس کے مرادف ضرور کہہ دیا کریں اور ایک وعدہ ہی کی تخصیص نہیں، اس کا لحاظ ہر امر میں رکھیں۔ آیت کی شانِ نزول یا آج کل کی اصطلاح میں پس منظر یہ ہے کہ ایک بار منکرین نے آکر رسول اللہ

رَبِّىٓ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۬ فَلَا

میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے ٣٥ ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز قلیل کے۔ پس آپ

تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ

ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجئے بجز سرسری بحث کے اور آپ ان کے باب میں ان لوگوں سے

مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ

کسی سے بھی نہ پوچھیے ٣٦ اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل

غَدًا ۙ﴿٢٣﴾ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذۡكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ وَ

کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے ٣٧ اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجئے جب آپ بھول جائیں

قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّهۡدِيَنِ رَبِّىۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

اور آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے باعتبار راہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتائے ٣٨

وَلَبِثُوۡا فِىۡ كَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيۡنَ وَازۡدَادُوۡا

اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس

تِسۡعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَهٗ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ

اور رہے ٣٩ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے تھے۔ اسی کے لئے (علم)

وَالۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِهٖ وَاَسۡمِعۡ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ

غیب آسمانوں اور زمین کا ہے ٤٠ وہ کیا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز

وَّلِىٍّ وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ

نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے ٤١ اور آپ پڑھ دیا کیجئے جو کچھ وحی آپ پر

ع ٣
١٥

منزل ۴

صلعم سے تین سوالات بطورِ امتحان دریافت کئے۔ ایک یہ کہ ماہیت روح کیا ہے؟
دوسرے یہ کہ اصحاب کہف کون تھے؟ تیسرے یہ کہ ذو القرنین کا کیا قصہ ہے؟ آپ
نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر وعدہ کر لیا کہ کل جواب دوں گا۔ اتفاق سے وحی پندرہ
دن تک نہ آئی۔ آپ کو قدرۃً غم و صدمہ رہا۔ اس کے بعد وحی سے سوالات کے
جوابات بھی ملے اور یہ حکم بھی۔ لِشَایْءٍ۔ شیء، تنوین کے ساتھ نکرہ ہے۔ مفہوم
عموم و استغراق کے لئے۔ گویا یہ بتا دیا کہ اپنے چھوٹے بڑے ہر ارادہ کو ارادۂ الٰہی پر
معلق اور اس سے وابستہ رکھئے۔ اس چھوٹی سی تعلیم سے ایک طرف تو رد نکل آیا
معتزلہ کا جو بندہ کو بعض افعال کا خالق و موجد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف جبریہ
کا جو بندہ کو جماد و مجبورِ محض مانتے ہیں۔ صحیح مسلک اہل سنت کا یہ ہے کہ بندہ اپنے
افعال پر قادر تو ہے لیکن مشیتِ الٰہی کے بعد اور اس کے ماتحت۔ غَدًا۔ غد سے
مراد مطلق زمانہ مستقبل ہے، نہ کہ متعین و مخصوص (کل) ہی کا دن۔ ای فی ما یستقبل
من الزمان [illegible] (کشاف) ای فی ما یستقبل من الزمان
مطلقًا (روح) اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ اِلّا حرفِ استثناء ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے
الا ان تقول ان شاء اللہ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں قول کے لئے
زبانی تلفظ شرط نہیں۔ اس لئے کہ مسئلہ اعتقادیات سے متعلق ہے اور اعتقادیات
میں محض تصدیقِ قلبی کافی ہے۔ ٣٨ یعنی میری نبوت پر دلیل بننے کے اعتبار
سے کوئی بات اس سے بھی بڑھ کر بتلائیے۔ منکروں نے یہ قصہ اصحاب کہف سے
متعلق سوال کر کے اپنے نزدیک کوئی بہت بڑا امتحان رسول اللہ صلعم کا لے ڈالا تھا۔ آپ
کو یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میں تو اپنی نبوت پر دلائل خدا کے فضل سے اس سے
کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتا ہوں۔ معناہ لعل اللہ یؤتینی من البینات والدلائل
علی صحۃ انی نبی [illegible] من نبأ اصحاب
الکھف (کبیر) [illegible] اصحاب الکھف (بیضاوی)
وَاذۡكُرْ رَّبَّكَ۔ یعنی جیسے ہی خیال آجائے اور تنبیہ ہو جائے، مشیتِ الٰہی کا استحضار
کر لیا کیجئے۔ [illegible] ٣٩ یعنی حسابِ شمسی
مسیحی رکھو تو پورے تین سو سال اور حسابِ قمری اسلامی رکھو تو ٣٠٩ سال۔ تین سال
کا فرق ہر صدی میں سنۂ قمری اور سنۂ شمسی کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ اکابر سلف سے
بھی یہی سہل تفسیر مروی ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود حضرت علیؓ سے ہے۔
[illegible]

[illegible] و ھو ثلثمائۃ سنۃ بالشمسیۃ [illegible] ثلثمائۃ
[illegible] (روح) قدیم مسیحی روایتوں اور نوشتوں میں یہ مدت ٢٠٧ سال درج ہے
اور بعض نسخوں میں ٣٥٣ سال —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ غار نشینی کا زمانہ اگر (قول اکثر کے مطابق) ٢٤٩ء فرض کیا جائے تو اس پر ٣٠٠ سال شمسی اضافہ کرنے سے ٥٤٩ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلادِ رسولؐ
(٥٧٠ء) سے ٢١ سال اور ہجرتِ نبوی (٦٢٢ء) سے تقریبًا ٧٢ سال قبل۔ لَبِثُوۡا فِىۡ كَهۡفِهِمۡ۔ فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار کر جانا جائز ہے بلکہ اولیاء انبیاء کے معمولات میں سے ہے۔ [illegible]
[illegible] ٤٠ یعنی مخلوق کے اعتبار سے جو کچھ بھی غیب ہے، سب کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے —— ایک اسی واقعہ مدتِ خواب اصحاب کہف پر کیا موقوف ہے اس پر تو
جو بڑا ہو اقعہ روشن ہے۔ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے اور جب اس نے یہ مدت قطعی طور سے بتا دی، تو اب کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔ ٤١ (کہ وہ شریک مشورہ ہی ہو کر کسی کی نفع رسانی یا ضرر رسانی
کر سکے) خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کا نہ کوئی مزاحم ہو سکتا ہے نہ کوئی شریک کار —— شرک کی جڑ ہر طرح کٹ کر رہتی ہے۔ اَبۡصِرۡ بِهٖ۔ وَاَسۡمِعۡ کلمہ حیرت ہے یعنی وہ کیسا کچھ ان لوگوں اور ان کے حالات کا دیکھنے
(اور) جاننے والا ہے؟ [illegible] اھل السموات والارض [illegible] الاھل السموات والارض
[illegible]

۲۹؎ (ورنہ حکومت کی طرف سے گرفتاری، تلاشی اور سزا یابی یقینی ہے) وَلْيَتَلَطَّفْ - یعنی ایسی خوش تدبیری سے کام لے کہ کسی کو اس پر حکومت کے مجرم یا باغی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا
کہ سالکین کو معاملت میں ہر ایک کے ساتھ لطف و رفق برتنا چاہیے۔ ۳۰؎ (اور تم شرک و ارتداد کی ملعونیت و نحوست کے چکر میں پڑے رہو گے) اِنَّهُمْ - یعنی مشرک اہل شہر یا مشرک اہل حکومت - يَرْجُمُوكُمْ -
سزائے سنگساری دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور اس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ میں جو مشرک مسیحیت اختیار کر لیتے تھے وہ مرتد سمجھے جاتے اور شدید ترین عقوبت
کے مستحق قرار پاتے۔ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ - یعنی یہ بت پرست حکومت ترغیب سے یا ترہیب سے، طمع یا خوف کے پھندے لگا کر تمہیں پھر دین توحید سے بچلا کر دین شرک میں واپس لے لیں گے۔ وَلَنْ
تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا - یعنی جب ملت کفر میں شریک و شامل ہو گئے تو پھر تو فلاح دنیا و آخرت سے محرومی ہی رہے گی۔ ~~ان رجعتم الى دينهم لن تسعدوا في الدنيا ولا في الآخرة (كبير)~~ ۳۱؎ اصحاب کہف کی
غار نشینی کو کوئی تین سو سال کی مدت ہوئی تھی کہ دنیائے مسیحیت میں یہ سوال زور و شور سے چھڑ گیا کہ عقیدۂ نشر و جزائے جسمانی آیا صحیح ہے بھی؟ وقت کا ایک مشہور پادری تھیوڈر حشر اجساد کا صاف منکر تھا۔ بحث و

مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ اِنْ

پاس سے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے ۲۹؎ کہ اگر وہ تمہاری

يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

خبر پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا

اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تمہیں فلاح نہ ہو گی ۳۰؎ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ۳۱؎ اور وہ وقت

يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ

بھی قابل ذکر ہے) جب (اس زمانہ کے لوگ) انکے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو ان لوگوں نے کہا کہ انکے پاس کوئی

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ

عمارت بنوا دو ۳۲؎ انکا پروردگار ہی انکے احوال کو خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب (وقادر) تھے انہوں نے کہا

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ

کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنا دیں گے ۳۳؎ عنقریب بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور

كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اٹکل کے

بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ

تیر تکے ۳۴؎ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا آپ کہہ دیجیے کہ

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف ... النصف الاول ... من النصف الاخر

مباحثہ کے عین شباب کے زمانہ میں اصحاب کہف اپنی نوم طویل سے جاگے۔ اور ان
کے عجیب معاملہ کا علم عوام و خواص سب کو ہوا ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن
وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ - یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت و حکمت سے
ان اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا تھا۔ اسی طرح اپنی خصوصی حکمت و قدرت سے
عام خلقت کو ان کے حال پر مطلع بھی کر دیا۔ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ - یعنی تاکہ
ان کے معاصرین کو بھی یقین آ جائے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ حشر و نشر کے باب میں سچا ہے
——— ایک بڑا مانع عقیدۂ حشر و نشر کے قبول میں عام ذہنوں میں اس کا استبعاد
رہتا ہے۔ واقعۂ اصحاب کہف یعنی ان کی طویل نیند اور بیداری سے اہل مادیت
کو واقعۂ بعث و حشر کی ایک سند و نظیر ہاتھ آ جاتی ہے۔ اور ذہن سے استبعاد دور
ہو جاتا ہے۔ وہ صاحب جو روپیہ لیکر کھانا خریدنے چلے تھے۔ جب بازار پہنچے
تو چونکہ قرنہا قرن کی مدت گذر چکی تھی۔ شہریوں کے وضع، لباس، زبان، مکانات
سبھی کی ہیئت بالکل بدل چکی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کا تختہ الٹ چکا
تھا۔ اور بادشاہت اب بجائے دشمنان مسیحیت کے خود مسیحیوں کی قائم تھی۔ وہ
صاحب اپنے صدیوں قبل کے لباس و وضع کے باعث یوں ہی تماشہ بنے ہوئے
تھے اور جب انہوں نے جیب سے نسلوں قبل کا سکہ نکالا، جب تو لوگوں کی
حیرت اور بدگمانی بدرجہا بڑھ گئی۔ سب نے انہیں گھیر لیا اور انہیں حیران و پریشان
ہو کر مجبوراً اپنا پتہ بتانا اور اپنی سرگذشت دہرانی پڑی اور کچھ لوگ ان کے بیان
کی تصدیق کے لئے آخر ان کے ساتھ غار کے دہانہ تک آئے۔ ۳۲؎ (کہ اس
حیرت انگیز و عظیم الشان واقعہ کی یادگار قائم ہو جائے) اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ -
یعنی جب لوگوں میں اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ان بزرگوں کی نعشوں کے ساتھ
کیا معاملہ کیا جائے۔ ہوا یہ کہ جب لوگ ان کی زیارت کو جوق جوق آنے لگے،
اور غار کے دروازہ پر میلہ سا لگنے لگا تو ان حضرات کو وفات دے دی گئی۔ اور
اب گفتگو یہ ہونے لگی کہ ان مقدس جسموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔
ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا - عليهم سے ان کے غار کے اوپر۔ ان کے غار کے دروازہ
پر۔ ~~اى على باب كهفهم (مدارک)~~ ۳۳؎ (تاکہ اس امر کی علامت قائم
رہے کہ یہ لوگ عابد و اہل توحید تھے۔ کوئی انہیں معبود نہ بنا لے) جو غار اصحاب
کہف کی جانب منسوب ہے اس کے دہانہ پر ایک مسیحی خانقاہ اب بھی موجود
ہے ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ -
یعنی حکام وقت۔ ~~قال قتادة هم الولاة (بحر)~~ قيل المراد به الملك المسلم وقيل رؤساء البلد ~~(كبير)~~ عليهم - یعنی اس غار کے اوپر۔ غار کے دہانہ پر۔ ~~اى على باب الكهف (مدارک)~~ مسجدا - مسجد
یہاں معبد یا پرستش گاہ کے عام معنی میں ہے۔ اسلامی مسجد کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا - مفسر تھانویؒ اور دوسرے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں مسجد کے بنانے
سے بجائے مصالح کے مفاسد کا ظہور ہونے لگے تو مسجد بنانا جائز نہ رہے گا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس مسجد سے وہ قصد نہ تھا، جو جاہلوں کا قبوروں کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے قبر پرستوں کو
کوئی حجت و نظیر اس سے نہیں مل سکتی۔ ۳۴؎ یعنی بغیر کسی علم صحیح کے، محض ظن و تخمین سے۔ رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے لفظی معنی بغیر دیکھے بھالے تیر پھینکنے کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد وہی ہوتی ہے
جو اردو میں "اٹکل کے تکے چلانے" سے۔ اور یہ شرعاً ممنوع بھی ہے ——— محض اٹکل اور ظن و گمان سے بغیر کسی سند عقلی یا شرعی کے کام لینا اور چیز ہے اور دلیل شرعی سے حسب قواعد استخراج نتائج
کرنا بالکل اور چیز۔ اول الذکر لغو و ممنوع، ثانی الذکر جائز ہی نہیں، محمود و مستحسن۔ بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب۔ سَيَقُوْلُوْنَ - یعنی آپ جس وقت یہ صحیح قصہ بیان کریں گے۔ ان کے معاصرین یہ رائے زنی
شروع کر دینگے۔ ~~سیقولون میں مستقبل کا ہے~~ - الضمير فيه كما اختاره ابن عطية بعض المحققين لليهود المعاصرين له صلى الله عليه وسلم الخائضين في قصة اصحب الكهف (روح)

۲۰ اس لئے نہ ہوا سے محروم تھے نہ روشنی سے) کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ یہ جگہ جہاں یہ اصحاب کہف اہل توحید مقیم تھے تنگ نہ تھی۔ خوب کشادہ تھی۔ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ۔ یعنی اے مخاطب تو آفتاب کو اسکے طلوع کے وقت وہاں یوں دیکھتا۔ شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۳۰ شمال ہے۔ ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا۔ اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً داخل نہ ہوسکیں گی۔ اور اسکے اندر کے رہنے والے اگر شمال ہی کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں گے ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ تَزٰوَرُ ...... الشِّمَالِ۔ یعنی دھوپ نہ ان پر چڑھتے وقت پڑتی تھی، اور نہ ڈھلتے وقت۔ غار کی وضع وہیئت ہی ایسی تھی کہ غار نشین دھوپ کی اذیت سے امن میں رہتے۔ ذَاتَ الْيَمِينِ۔ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ مفسر تھانوی نے کہا ہے کہ یہ غار کی داہنی اور بائیں جانب یا تو اس میں داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس سے خارج ہونے کے۔ تقدیر اول پر وہ غار شمال رویہ ہوگا۔ اور تقدیر ثانی پر جنوب رویہ۔ ورنہ شرق رویہ یا غرب رویہ ہونے کی صورت میں یا تو ان پر طلوع کے وقت دھوپ پڑتی اور یا غروب کے وقت۔ ۲۱ یعنی یہ قصہ جو اوپر مع اپنے جزئیات وتفصیلات کے بیان ہوا، یہ حق تعالیٰ کی قدرت، حکمت وربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ۲۲ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے نشانوں کو دیکھ کر سب ہی توحید کے قائل ہو جاتے لیکن ہدایت وہی پاتا ہے جس کے شامل حال توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جسے وہ ان کے پاداش عمل میں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت گمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے۔ ان کی ہدایت یابی کی بھی کوئی صورت نہیں۔

مِنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

کشادہ موقع میں تھے ۲۰ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے ۲۱ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (۱۷) وَتَحْسَبُهُمْ

اور جسے وہ بے راہ کردیتا ہے تو آپ اسکے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار راہ بتانے والا ۲۲ اور (تو انکو دیکھتا تو)

اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ

تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا درانحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے ۲۳ ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی

الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ

اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا ۲۴ اگر تو انہیں جھانک کر

عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (۱۸)

دیکھتا تو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا ۲۵

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ۲۶ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے انہیں

كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا

سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہونگے یا دن بھر سے کم (بعض

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى

اور) بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے ہو تو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ تو اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دیکر شہر کی

الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ

طرف بھیجو ۲۷ سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے ۲۸ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے

ع ۲ / ۱۴

۲۳ یعنی اے مخاطب جس وقت وہ غار میں تھے، اور ہم نے اعجازی رنگ میں ان پر نیند مسلط کر رکھی تھی تو اگر انہیں کہیں دیکھ پاتا تو ان کے نورانی چہروں کی رونق وتازگی دیکھ کر انہیں جاگتا ہوا ہی سمجھتا ——— نوم ثقیل وغرق کی کوئی ظاہری علامت ان میں نمایاں نہ تھی۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح ذاکر بیدار دل حالت خواب میں بھی ایسا بے خبر نہیں ہوجاتا کہ سوتے ہوئے کی طرح بے حس نظر آئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم خلق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ۔ ۲۴ (جیسا کہ اس جانور کی عام عادت ہے) کتا وہ جانور ہے جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا، اور انہیں کے ساتھ خود بھی غار نشین ہوگیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں دو جانور بھی ہونگے۔ ایک بلعم باعور کا گدھا، دوسرا اصحاب کہف کا کتا۔ اس روایت کے صحیح وغیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجب اثر رکھتی ہے اور شیران خدا کی برکتیں سگ دنیا کو بھی بشرط صحبت ورفاقت شامل ہو جاتی ہیں اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی مجالست وقرب بھی بہت غنیمت ہے، گو مجانست نہ بھی ہو۔ ۲۵ ہیبت حق تو ہر اہل حق کا حصہ ہوتی ہے ان سوتے ہوئے حضرات کہف پر عجب نہیں جو اس مصلحت سے اور زیادہ طاری کردی گئی ہو کہ ہر شخص کی ہمت ان کے قریب جانے کی نہ پڑے اور اس طرح ان کے جسم ہر طرح محفوظ رہیں۔ ۲۶ (اور اس میں ان پر حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور زیادہ منکشف ہو) وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی جس عجیب اعجازی رنگ میں ہم نے ان پر نیند مسلط کردی تھی، اسی اعجازی انداز میں انہیں اس سے جگا بھی دیا۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی انہیں اس نوم طویل وثقیل سے بیدار کردیا۔ لِيَتَسَآءَلُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مراد نہیں کہ وہ بیدار ہی اس غرض سے کئے گئے تھے۔ ~~واللام فیہ لام العاقبۃ لانہم لم یبعثوا للسؤال~~ ۲۷ (کہ خوراک وغیرہ ضرورت کی چیزیں لائے) قَالَ ...... بِمَا لَبِثْتُمْ۔ نیند اتنی غفلت کی اور ایسی بیہوشی کی تھی کہ ان لوگوں کو اس کی مدت کا بھی مطلق ادراک نہ ہوا، اور جب جیتے تو آپس میں پوچھ پاچھ کرنے لگے کہ ہم لوگ کتنی دیر سوئے ہونگے۔ کسی نے کچھ اندازہ کیا کسی نے کچھ۔

آخر کسی نے کہا کہ اس تعیین وقت کی بحث کو تو اللہ کے حوالہ کرو اور اب کام کی بات کرو۔ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کنایہ محض وقت قلیل سے ہو۔ فقہاء نے ان کے اس قول سے جس پر قرآن نے کوئی گرفت نہیں کی، یہ نکالا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہہ دی جائے تو اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو لیکن اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ۔ روپیہ سے یقیناً وہی سکہ مراد ہے جو دقیانوس رومی کے زمانہ میں چل رہا تھا اور اس سکہ پر رومی شہنشاہ کی تصویر کندہ رہتی تھی اسی وقت کے کچھ سکے ان کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ~~قال المفسرون کانت معہم دراہم علیہا صورۃ الملک الذی کان فی زمانہم~~ (کبیر) محققین نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر ہجرت میں زاد راہ ہمراہ لیکر چلنا توکل کے منافی نہیں۔ ~~وحملہم الورق عند فرارہم دلیل علی ان حمل النفقۃ وما یصلح للمسافر ہو رأی المتوکلین علی اللہ دون المتکلین علی الاتفاقات~~ (مدارک) ~~وحملہم لہ دلیل علی ان التزود رأی المتوکلین~~ (بیضاوی) ~~وفی ہذہ الآیۃ تدل علی ان السعی فی امساک الزاد امر مشروع وانہ لا یبطل التوکل~~ (کبیر) فقہاء نے آیت سے اس صورت کا جواز نکالا ہے کہ کئی انسان (مثلاً سفر میں) اپنے مشترک سرمایہ سے خریدیں اور سب اس میں سے کھائیں خواہ ایک کے کھانے کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو۔ ~~یدل علی جواز خلط دراہم الجماعۃ والشری بہا والاکل من الطعام الذی بینہم بالشرکۃ وان کان بعضہم قد یاکل اکثر مما یاکل غیرہ وہذا الذی یسمیہ الناس المناہدۃ ویفعلونہ فی الاسفار~~ (جصاص) ۲۸ اہل توحید کو ہمیشہ غذاؤں میں حلت وحرمت کا خیال رہا ہے اور بتوں کے چڑھاوے وغیرہ سے محترز رہے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح اصحاب کہف نے بجائے کسی سے سوال کرنے کے کھانا قیمۃً خریدنا پسند کیا، طالبوں اور سالکوں کو بھی چاہئے کہ ہمت بلند رکھیں اور خلق سے سوال ترک کردیں۔ اَزْكٰى طَعَامًا۔ بعض نے اسکی تفسیر لذیذ ونفیس کھانے سے بھی کی ہے۔ ~~قیل الاطیب والالذ~~ (کبیر) اور یہیں سے ہے کہ بعض صوفیہ نے بعض دینی مصلحتوں سے لذیذ ونفیس کھانوں ہی کو پسند کیا ہے۔

زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا
ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ لوگ پختہ اور مستعد
رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا
ہو گئے تو بولے ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم تو اسکے علاوہ کسی معبود کو نہ
لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هٰۤؤُلَاۤءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ
پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بیجا بات کے مرتکب ہو گئے۔ ان لوگوں (یعنی) ہماری قوم والوں نے اللہ
دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ
کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں۔ یہ لوگ ان معبودوں کے وجود پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ سو
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ
اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے؟ ١٨ پھر جب تم انہیں بھی چھوڑ چکے
وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ
اور ان معبودان غیر اللہ کو بھی، تو (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَتَرَى
پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کر دیگا ١٩ اور جب
الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
دھوپ نکلتی ہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے
وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ
اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب اور وہ اس (غار) کے ایک

١٥ (کہ وہ تثلیث کے بجائے حسب تعلیم مسیح توحید ہی پر قائم رہے) اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ۔ یعنی اپنے وقت کی باطل پرستیوں کو چھوڑ انہوں نے دین توحید اختیار کیا۔

١٦ (اور دین حق سے انہیں نہ کوئی ترغیب اور طمع پھیر سکی اور نہ کوئی دھمکی اور تخویف بھی) ڈی سیس (دقیانوس) رومی کے زمانہ میں موحد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر و ستم ہوئے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ہم نے ہمت، صبر، ثبات و استقلال دیکر ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ ١٧ ان سب اقوال سے جو بار بار اصحاب کہف کی زبان سے نقل ہوئے ہیں یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل و راسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنی میں۔ حضرت عیسیٰ نبی کے لائے ہوئے دین کے متبع تھے، نہ کہ پولوسی و تثلیثی نام نہاد "مسیحیت" کے! لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا۔ اس انکار و تردید سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سے فرمائش شرک و بت پرستی کی کی جا رہی تھی۔ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ قدیم رومی مذہب میں زمین و آسمان کے مستقل دیوتا الگ الگ تھے —— یہاں اسی کی تردید میں توحید کا اثبات ہو رہا ہے۔ ١٨ یعنی اس کی ذات و صفات میں کسی شرکت کا گزر سمجھے۔ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ۔ یہاں دلیل کا مطالبہ مشرکوں سے کیا ہے کہ تم اپنے دھرم کی حقانیت کے اگر قائل ہو تو لاؤ کوئی دلیل پیش کر کے تو دکھاؤ۔ ١٩ یہ سب گفتگو اہل توحید کے آپس میں بطور مشورہ ہو رہی ہے۔ اِعْتَزَلْتُمُوْهُمْ میں ضمیر هُمْ انھیں مشرک قوموں کی جانب ہے۔ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ۔ فلاں غار میں چل کر پناہ لو، کہ وہاں حکومت کے جور و ستم سے بھی امن ملے گا اور اپنے طور پر ذکر و عبادت بھی بہ اطمینان و فراغت ہو سکے گی۔ يَنْشُرْ ۔ ۔ ۔ مِرْفَقًا۔ مخلص اہل توحید کا تکیہ و اعتماد اپنے پروردگار کی رحمت و ربوبیت پر اسی طرح ہوتا ہے۔

ف۶ جب کہ آپ کے شدت حزن اور فرطِ فکر اصلاح سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس میں آنحضور صلعم کو ممانعت تو وہی ہے کہ افراطِ شفقت سے اتنا غم ان نالائقوں کی خاطر نہ اٹھایئے کہ خود قریب بہ ہلاکت پہنچ جایئے۔
علیٰ اٰثَارِھِمْ۔ یعنی ان کے اعراض و انکار کے بعد۔ اذا (ولوا عن الایمان بعدی) ف۷ (اور کون ناقص و قاصر ٹھہرتا ہے) یہ گویا آیت سابق ہی کے مضمون کا تکملہ ہے۔ اور رسول اللہ صلعم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تو عالم ابتلاء ہے اس میں تو تکوینًا لازمی ہے کہ کوئی مبتلائے کفر ہو اور کوئی مشرف بہ ایمان اس لئے آپ کا غم مفرط بے کار ہے۔ مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّھَا۔ اس روئے زمین پر زینت و آرائش کی جتنی بھی چیزیں ہیں، بجائے خود ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔ صرف ان کا غلط طریقہ استعمال انہیں ناجائز بنا دیتا ہے۔ صحیح طریقہ استعمال وہی ہے جو شریعت کے ماتحت و مطابق ہو۔ ف۸ (اور اپنی صنعت ایجاد کے بعد حکمت اعدام کا بھی نمونہ دکھا دیں گے) یعنی یہی آباد و سرسبز، شاداب و گلزار، با رونق و پُربہار زمین ایک روز چٹیل میدان ہو جائیگی۔ اور اس کائنات کی ساری رعنائیوں اور دلفریبیوں پر فنا طاری ہو کر اور قیامت آ کر رہے گی۔ اور اس حشر کے بعد سب کی جزا و سزا ہر ایک کے مناسب حال واقع ہوگی۔ ف۹ قریش نے یہود کے اشارہ سے آنحضور سے جو چند سوالات کئے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصحاب کہف کون اور کیا تھے؟ قرآن مجید اس کے جواب میں ان کا صحیح قصہ بیان کرتا ہے۔ الکھف۔ کھف کے لفظی معنی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔ الکھف الغار الواسع فی الجبل (کبیر) اَصْحٰبَ الْكَهْفِ کے کھلے ہوئے معنی ہیں غار والے۔ عام اس سے کہ وہ غار کہیں کا ہو۔

يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝٦ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى

اس مضمون (قرآنی) پر ایمان نہ لائے ف۶ ہم نے (اس) زمین پر جو کچھ

الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧

ہے اسے اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں انہیں کون بہتر عمل کے لحاظ سے ف۷

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝٨ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ

اور ہم اس پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے ف۸ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ

اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩ اِذْ

غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے ف۹ (وہ وقت

اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی ف۱۰ پھر بولے اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝١٠ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى

رحمت (وفضل) عطا کر اور ہمارے لئے (اس) کام میں درستی کا سامان کر دے ف۱۱ سو ہم نے غار میں

اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝١١ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ

ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا ف۱۲ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں

اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝١٢ نَحْنُ نَقُصُّ

کہ (ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ (اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے ف۱۳ ہم ہی ان کا قصہ

عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ

آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں ف۱۴ یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور

ع ۱ / ۱۲ / ۱۳

الرَّقِیْمِ۔ رقیم سے مراد کتبہ یا لوحِ مزار ہے۔ اصحاب کہف کے مزار پر ایک برنجی تختی لگا دی گئی تھی جس پر انکے نام، نسب اور مختصر حکایت درج تھی اور اسی مناسبت سے یہ اصحاب الرقیم بھی کہلاتے۔ لوح رصاص نقش فیہ نسبھم واسمائھم وقصتھم ودینھم ... ونقل ذلک عن الفراء ونقله السھیلی ایضا (الجوھری) (تاج) دوسرے معنی اس مقام یا پہاڑ یا وادی کے کئے گئے ہیں جہاں وہ غار واقع تھا، یا اس شہر کے جہاں سے اصحاب کہف ہجرت کر کے گئے تھے۔ ھی قریة اصحاب الکھف التی خرجوا منھا (تفسیر الزجاج) کانوا فیھا او جبلھم الذی کان فیه الکھف او الوادی الذی فیه الکھف (تاج) لیکن ابن عباسؓ صحابی اور تابعین سے وہی پہلے معنی منقول ہیں۔ الرقیم ھو اللوح من رصاص فیه اسماء الفتیة وقصتھم (ابن عباسؓ، عن سعید بن جبیر) قال ... کتبوا فیه قصص اصحاب الکھف ثم وضعوه علی باب الکھف (ابن جریر ...) ... وقد قال اھل الاخبار ان ذلک لوح کتب فیه اسماء اصحاب الکھف (ابن جریر) شہر افسوس (بہ کسرۂ اول) جس کے کھنڈر پر موجودہ شہر ایاسلوک قائم ہے۔ سمرنا سے ۴۶ میل اور سمندر سے کل ۶ میل کے فاصلہ پہ ایشیائے کوچک میں واقع تھا اور اسی کی نواح غالبًا یہاں مراد ہے۔ مسیحی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ ہمارے قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے کیا ہے۔ "شہر ہے ثغور طرسوس میں، اس کو شہر اصحاب کہف کہتے ہیں" (مراصد الاطلاع یاقوت حموی ترجمہ اردو) ف۱۰ یہ لوگ کون اور کس زمانہ کے تھے؟ قرآن مجید کو بحث و سروکار چونکہ صرف بصیرتوں و عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتی ہے اس لئے وہ تاریخی و جغرافی تفصیلات کو اکثر نظر انداز کر دیتا ہے اور اس باب میں احادیث صحیح بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔ مفسرین قدیم و جدید کی اکثریت نے اسے مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔ رومی شہنشاہ ڈی سیس یا دقیانوس (متوفی ۲۵۱ء) اپنے مذہب بت پرستی میں غلو رکھتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اسی کے زمانہ میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا۔ اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی۔ اس سے تنگ آ کر چند شریف نوجوان شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور قریب کے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لی۔ وہاں ان پر ایک غیر طبعی، بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہوگئی اور وہ کچھ اوپر تین سو سال تک سوتے رہے اور جب ایک اعجازی انداز سے جاگے تو خود رومی حکومت کا مذہب اسی درمیان میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اپنا خیال غالب یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ظہور مسیحؑ سے قبل دور یہودیت کا ہے۔

ورنہ یہود اتنا اس کے کھوج میں نہ رہتے اور اس قدر اعتنا و التفات اس کی جانب نہ کرتے۔ وقد ذکر انھم کانوا علی دین المسیح عیسی بن مریم فاللہ اعلم والظاھر انھم کانوا قبل ملة النصرانیة بالکلیة فانھم لو کانوا علی دین النصرانیة لما اعتنی احبار الیھود بحفظ خبرھم (ابن کثیر) ہمارے زمانے کے بھی بعض مصنفین نے حکایات اسرائیل سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قصہ ۱۶۱ ق م کا ہے۔ جب ملک شام کے ظالم بادشاہ (انطیوکیس) چہارم نے بیت المقدس کو مسمار کر کے اسکی جگہ زلمیس دیوتا کے مندر کی بنا ڈالی تھی اور مکابی خاندان کے پانچ یا سات بہادر نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس قصہ کو حق تعالیٰ نے خود ہی مجمل رکھا ہو اور رسولؐ نے بھی اسکی تفصیل پر اعتنا کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اس کی تعیین جزم و وثوق کے ساتھ کرنا ہے بھی مشکل۔ اور پھر احکام دین میں سے کسی کا دار و مدار اس تفصیل و تعیین پر ہے بھی نہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ خوف فتنہ کے وقت انسان پر لازم ہے کہ اپنا دین سلامت لیکر اس مقام سے چلا جائے اور کلمہ کفر کے تلفظ سے تقیۃً بھی احتراز رکھے۔ فیه الدلالة علی الاولی الانسان ... الفتنة ... ان علیه ... لاظھار کلمة الکفر وان کان علی وجه التقیة (جصاص) ف۱۱ یعنی ہمیں مقصد میں بھی کامیاب کر اور ہمارے لئے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کر دے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب انسان اپنے دین کے لئے خوف فتنہ سے ترک وطن کرے تو اسی طرح کی دعا حق تعالیٰ سے کرے کہ حق تعالیٰ نے اس دعا کو موقع مدح و استحسان میں پیش کیا ہے۔ یدل علی ان اللھرب بدینه من خوف الفتنة ... یدعو بالدعاء الذی حکاه اللہ عنھم لان اللہ قد رضی ذلک من فعلھم واجاب دعاءھم وحکاه لنا علی جھة الاستحسان (جصاص) ف۱۲ یعنی ایسے غافل ہو کر سوئے کہ کوئی آواز بھی ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی۔ ... انمناھم انامة لا تنبھھم فیھا الاصوات (بیضاوی) ضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ۔ ضرب اذان سے عربی محاورہ میں کنایہ ہوتا ہے۔ سِنِيْنَ عَدَدًا۔ عدد کا اضافہ یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا کثرت عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ ذکره اللہ علی سبیل التاکید وقیل ذکره لیدل علی الکثرة (معالم) ف۱۳ جب وہ لوگ اس خارق عادت نیند سے جاگے تو ان میں آپس میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی مدت گزری۔ بَعَثْنٰهُمْ یعنی اس گہری طویل نیند سے انہیں بیدار کیا۔ لِنَعْلَمَ۔ یعنی تاکہ ہم اپنے اس علم کو خلق کے روبرو بھی مشاہدۃً و عیانًا لے آئیں۔ ای لنظھر لعلمنا ... (بحر) الْحِزْبَيْنِ۔ دو گروہوں سے مراد یا تو

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيَاتٍ وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ کہف مکی ہے اس کی ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ
ساری خوبی اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندۂ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں (ذرا)
لَّهٗ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ
کجی نہیں رکھی ہے ۱ قائم و مستقیم تاکہ عذاب سخت سے ڈرائے (جو) اللہ کے پاس سے ہوگا اور
يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ
ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے رہتے ہیں خوشخبری سنادے کہ ان کے لئے اجر ۲
اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا
اچھا اجر ہے ۳ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۴ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ
اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ
خدا نے ایک بیٹا بنایا ہے ۵ اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل نہ انکے پاس ہے اور نہ انکے باپ دادوں کے پاس تھی
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا
بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے
كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ
ہیں ۶ سو شاید آپ ان کے (اعراض کئے) پیچھے غم سے اپنی جان دے دینگے اگر یہ لوگ

۱ (نہ لفظی نہ معنوی) لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے عیب سے نفی آگئی۔ یعنی ایسی کتاب جو ہر پہلو اور ہر جہت سے کامل و جامع، پاکیزہ و اجمل ہے۔ نہ کہیں مبالغہ شاعرانہ نہ عبارت میں کہیں سے تناقص، نہ عقائد میں کوئی پہلو رمزیت اور پر اسرار ہونے کا۔ ہر بیان مدلل، ہر حکم واضح۔ اس حقیقت پر اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی شہادتیں موجود ہیں کہ دین سلام کے اندر کسی قسم کا اینچ پینچ، کوئی کجی اور انحراف اور افراط و تفریط نہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ عَبْدِهٖ۔ بندۂ خاص سے مراد رسول اللہ صلعم کا ہونا اور الکتاب سے قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهٖ سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ مقامِ عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں اور رسول اللہ صلعم اس پر فائز ہیں۔ ۲ یعنی دوسروں کی زندگیوں کو قائم و مستقیم رکھنے والی (قَيِّم)۔ دین قیم یا کتاب قیم کے سیاق میں اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل معاش و معاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل و مکمل نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو۔ قيما اے ثابتاً مقويا لامور معاشهم ومعادهم (راغب) قيما بمصالح العباد فيكون وصفا له بالتكميل بعد وصفه بالكمال (بیضاوی) لِيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا یعنی اس غرض سے کہ یہ کتاب کافروں منکروں کو عذاب شدید سے ڈرائے۔ "ڈرائے" کا فاعل کتاب ہے اور مفعول "کفار و منکرین"۔ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ۔ یہاں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ کون کون سے نیک کام مقصود ہیں؟ اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے مذاق و بصیرت کے مطابق ان کی فہرستیں بھی الگ الگ دی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر وہ عمل مراد لی جائے جس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہو اور جو قواعد شرعی کے مطابق و ماتحت ہو۔ ۳ انعام بڑا اور بہت بڑا، وہم و گمان سے بھی بڑا تو بہرحال ہوگا ساتھ ہی اسکے دائمی، ابدی، غیر منقطع بھی ہوگا۔ فِيْهِ۔ یعنی اس مقامِ اجر یا جنت میں۔ ۴ یعنی مسیحیوں کو۔ جو رسول کو خدا کا بیٹا مانے ہوئے ہیں۔ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ ۱) میں گزر چکا۔ وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ الخ قرآن مجید کی عام انذاری حیثیت کا ذکر تو ابھی ابھی لينذر باسا شديدا میں آچکا ہے۔ اب اس پر اس ينذر الذين الخ کے عطف کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی تہدید و تنبیہ تو عام تھی سارے منکروں اور ہر قسم کے کافروں کے لئے اور یہ جدید تہدید و تنبیہ خصوصیت کے ساتھ ہے اسی عقیدۂ ولدیت والے کافروں یعنی مسیحیوں کے لئے۔ ۵ (اور ایسا مہمل اور خرافی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں جو واقعہ کے خلاف تو ہے ہی، خود عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور جس کے صدق کا امکان ہی نہیں بلکہ وہ عقلاً ممتنع ہے) عقائد شرکیہ مہمل تو سب کے سب ہی ہیں لیکن حق تعالیٰ کے لئے بیٹا فرض کرنا اور بھی گستاخانہ اور سب سے بڑھ کر کریہ و مکروہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کے اس زجر تاکیدی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی دلیل عقلی اور کوئی بھی سند نقلی تو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ علم یہاں سند اور دلیل کے معنی میں ہے۔ من علم۔ مِن زائد، تاکید نفی کے لئے ہے۔ لِاٰبَآئِهِمْ۔ یعنی ان کے احمق اسلاف جو اس قدر لغو، مہمل اور گستاخانہ عقیدہ کے موجد ہوئے ہیں۔ لفظ اٰباء سے عجب نہیں جو ایک لطیف اشارہ مسیحی پادریوں کے لقب کی جانب ہو۔ كَبُرَتْ .... اَفْوَاهِهِمْ ان کی زبانیں کیسے شدید گستاخانہ عقیدہ کا تلفظ کر رہی ہیں!

إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۩ ﴿١٠٧﴾ وَ

جب یہ انکے سامنے پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ۱۵۳ اور

يَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾

کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار بیشک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے ۱۵۴

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے ۱۵۵

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا

آپ کہیے اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمٰن (کہہ کر) پکارو جس نام سے بھی پکارو

فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا

اس کے اچھے ہی اچھے نام ہیں ۱۵۶ اور آپ نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیے اور نہ

تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ

(بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھیے اور ان دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجیے ۱۵۷ اور آپ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن

کہیے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے ۱۵۸ اور نہ حکومت میں اس کا

لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ

کوئی شریک ہے ۱۵۹ اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری

الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

کی وجہ سے ۱۶۰ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے ۱۶۱

السجدۃ ۳

ع ۱۲ / ۱۲

۱۵۳ بطور ادائے شکر و اعترافِ حقیقت کے) مطلب یہ ہوا کہ جو اہلِ علم قبل نزول سے موجود تھے وہ تو اس کتاب اور آخری نبی کے منتظر ہی تھے وہ اس کلام کو سن کر اپنی اگلی کتابوں کی پیشگوئیوں اور پیش خبریوں کی تصدیق پاتے ہیں اور قرآن کو پاکر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ۔ سجدہ کی اصل ہیئت کو محاورۂ عرب کے مطابق "ٹھوڑیوں کے بل سجدہ" سے ادا کیا ہے۔ عن ابن عباسؓ قال للوجوه (جصاص) عن قتادة قال للوجوه (جصاص) الخرور للذقن ای السقوط علی الوجه (کشاف) العرب تقول اذا خر الرجل فوقع علی وجهه خر للذقن (کبیر) الَّذِينَ .... قَبْلِهِ۔ یعنی حق پسند علماء اہل کتاب۔ قال مجاهد هم ناس من اهل کتاب (کبیر) هم العلماء الذين قرءوا الكتب السابقة (بیضاوی) قَبْلِهِ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای من قبل نزول القرآن (کبیر) اٰمِنُوا بِهٖ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا۔ مشرکین کی جانب اس میں اشارہ حقارت ہے یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس سے ہوتا کیا ہے۔ ۱۵۴ (سو جس کتاب کے نازل کرنے کا وعدہ اس نے جس نبی پر کیا تھا، اس کو پورا کر دیا) سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ یعنی ہر عیب سے پاک ہے۔ وعدہ خلافی کا اسکے ہاں گذر نہیں۔ يَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ قرآن مجید نے اس تسبیح سجودی کو محل مدح میں بیان کیا ہے اور یہیں سے فقہاء نے یہ استدلال کر لیا ہے کہ سجدہ میں ذکر مسنون تسبیح ہی کا ہے۔ فهم بهذا القول عند السجود فدل علی ان المسنون فی السجود من الذکر هو التسبیح (جصاص)

۱۵۵ خشیتِ حق سے گریہ طاری ہو جانا بہت سے لوگوں کے لئے ایک امر طبعی ہے اس کا محلِ فضیلت میں بیان ہونا بجائے خود ایک دلیل اس کے محمود و مطلوب ہونے پر ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نماز میں خوف خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں۔ فيه الدلالة علی ان البكاء فی الصلوة من خوف الله لا يقطع الصلوة لان الله تعالیٰ قد مدحهم بالبكاء فی السجود ولم يفرق بين سجود الصلاة وسجود التلاوة وسجدة الشكر (جصاص) حضرت عمرؓ ایک بار صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب آیۂ کریمہ انما اشكوا بثی وحزنی الی الله پر پہنچے تو شدتِ گریہ سے سسکیاں لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری صف میں آواز پہنچی۔ نمازیوں میں صحابہ تھے، کسی نے انکار نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ فضیلت گریہ اجماعی ہے۔ عن عبد الله بن شداد قال سمعت نشيج عمرؓ وانی لفی اخر الصفوف قرأ فی صلاة الصبح سورة يوسف حتّٰی اذا بلغ انما اشكوا بثی وحزنی الی الله نشج ولم ينكر عليه احد من الصحابة وقد كانوا خلفه فصار اجماعًا (جصاص) يَزِيدُهُمْ خُشُوعًا۔ یعنی یہ قرآن کا سننا ان میں اور خشوع بڑھا دیتا ہے یا یہ مراد ہو کہ ان کا حالت سجدہ میں یہ گریہ و بکا ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خوفِ خدا سے گریہ کا طاری ہونا عین طاعت و اخلاص کی دلیل ہے۔ يعنی به ان بكاءهم فی حال السجود يزيدهم خشوعًا الی خشوعهم وفيه الدلالة علی ان مخافتهم لله تعالیٰ حتّٰی تؤديهم الی البكاء داعية الی طاعة الله واخلاص العبادة (جصاص) اور احادیثِ نبوی تو فضائلِ گریہ خشیت الٰہی سے لبریز ہیں۔ وقد جاء فی مدح البكاء من خشيته تعالیٰ اخبار كثيرة (روح) ۱۵۶ (تو اسے جس پاکیزہ نام سے بھی پکارو، مقصود و مطلوب وہی رہے گا) عرب میں حق تعالیٰ کے لئے اللہ کا لفظ بطور اسم ذات کے شروع سے چلا آرہا تھا۔ یہود کے ہاں اسم الرحمٰن کا استعمال جاری تھا۔ اسلام نے دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو بعض "دانشمند" مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ یہ دو دو خدا کیسے؟ ـــــــ جواب ملا کہ دو خدا کیسے! یہ تو صرف دو نام ہیں، ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے اور نام اس کے پاک و پاکیزہ دو کیا معنی اور بھی بہت سے ہیں۔ ۱۵۷ (جس سے نہ کوئی ضروری منفعت فوت ہونے پائے اور نہ کوئی لازمی مضرت مرتب ہونے پائے) شروع شروع میں نماز جہری میں قرآن مجید کی قرأت بلند سے مشرکین معاندین چڑتے تھے اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے جس سے نمازیوں کے قلب میں بھی تشویش پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھیے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جائے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جائے۔ باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ ۱۵۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے اور بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے) ۱۵۹ (نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، جیسا کہ جاہلی مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے) ۱۶۰ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں نے فرض کر رکھا ہے) غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ کوئی اس کا شریک، سہیم و مساوی ہے اور نہ کوئی اس کا حافظ و ناصر ہے ـــــــ شرک کی ہر ممکن صورت اس سے منتفی ہے۔ ۱۶۱ اسی کے دینِ توحید کو پھیلائیے، اسی کی ذات و صفات کی تبلیغ کرتے رہیے۔ محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغۂ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔ والتكبير ابلغ لفظة للعرب فی معنی التعظيم والاجلال وفی الامر بذلك بعد ما تقدم مؤكدا بالمصدر المنكر من غير تعيين اشارة الی انه مما لا تسعه العبارة ولا تفی به قوة البشرية (روح)

۱۴۷ (اور اس لئے عقل وہوش سے عاری (سحر مسری کا ذکر پیشتر آچکا ہے۔ ۱۴۸ یعنی تیری ہلاکت کا وقت آپہنچا۔ اب اس میں زیادہ دیر نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ جواب قولِ فرعون انی لاظنك یموسی مسحورًا کے عین مقابل ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جواب ترکی بہ ترکی، جب کہ تسامح و رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو، کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ۔ یعنی اے فرعون تیرا یہ انکار دانستہ اور عمدًا ہے۔ تو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ دل میں تو خوب میری صداقت کو سمجھ گیا ہے۔ انکار زبان ہی کے چلی جا رہی ہے ——— بائبل کے بیانات سے بھی قرآن ہی کی تائید ہوتی ہے۔

يٰمُوسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ

سحر زدہ سمجھتا ہوں ۱۴۷ انہوں نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائب بس آسمانوں

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ

اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں اور میں تجھے اے فرعون

يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں ۱۴۸ سو اس نے چاہا کہ ان کا قدم (اس) سرزمین سے اکھاڑ دے

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِىْٓ

سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا ۱۴۹ اور ہم نے اس کے (غرق ہونے کے)

اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا

بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ سرزمین پر رہو بسو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا ہم تم (سب)

بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ

کو سمیٹ لائیں گے ۱۵۰ اور ہم نے اس (کلام) کو حق کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ

آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۱۵۱ اور قرآن (تو ہم نے اسے جدا جدا رکھا ہے تاکہ

عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا

آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے اتارا بھی تدریج سے ہے ۱۵۲ آپ کہہ دیجئے کہ

بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ

تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (بہرصورت) جن لوگوں کو اس سے قبل علم دیا جا چکا ہے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حق تعالیٰ کا نام فرعون کے سامنے اسی حیثیت سے لینے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ مصر میں اصلی حکومت جن دو بڑے دیوی دیوتاؤں کی تھی، ان میں سے ایک آسمان تھا دوسری زمین ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

بَصَآئِرَ۔ یعنی وہ چیزیں جو نبوت موسوی کی تصدیق کر رہی تھیں۔ [illegible] (ابن عباسؓ) مَآ اَنْزَلَ ...... بَصَآئِرَ یعنی یہ بات تو تجھ پر بھی خوب منکشف ہو چکی ہے کہ یہ عجائب و خوارق نہ میرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں نہ کسی سحر کا نتیجہ ہیں نہ کسی دیوی دیوتا کی قوت کے نتائج ہیں۔ بلکہ تمامتر حق تعالیٰ ہی کے نازل کئے ہوئے معجزات میری نبوت کی تائید میں ہیں۔ ۱۴۹ یعنی قبل اس کے کہ وہ خدا پرستوں کو مٹا سکے وہ خود ہی ملیا میٹ کر دیا گیا۔ فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے پارہ اول میں گزر چکے۔

يَسْتَفِزَّهُمْ۔ ضمیر بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ آیت میں اشارہ فرعون کی اس کوشش کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ملک بدر کر دے۔ ۱۵۰ (جس میں مومن و منکر، مطیع و فاسق سب ہی ملے جلے ہوں گے) [illegible] يعنى جميع الخلق المسلم والكافر والبر والفاجر (كبير) اسْكُنُوا الْاَرْضَ۔ یعنی اب تم فرعون مصر کی محکومی و غلامی سے آزاد ہو، جہاں چاہو رہو بسو۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی غرقابیٔ فرعون کے بعد۔ اى من بعد فرعون على معنى من بعد اغراقه (روح) ۱۵۱ (اس لئے آپ پر کسی کے ایمان لاتے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کو کسی کے ایمان نہ لانے پر زیادہ غم و تردد کی کوئی وجہ ہے) بِالْحَقِّ۔ یعنی بلا تحریف و ترمیم و تصرف بعینہٖ اپنی اصلی حالت میں۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ یعنی یہ کلام جس طرح اپنے مرسل کے پاس سے چلا تھا اسی طرح بلا تغیر و تصرف مرسل الیہ تک پہنچ بھی گیا۔ فهذا الكتاب كتاب تكفل الله بحفظه عن تحريف الزائغين وتبديل الجاهلين لكان هذا الكلام حقًا من كل الوجوه (كبير) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔

ضمير الغائب للقرآن (روح) محققین نے کہا ہے کہ اس آیت کا ربط آیت نمبر (۸۸) لئن اجتمعت الانس والجن الخ سے ہے۔ فهو مرتبط بقوله تعالىٰ لئن اجتمعت الانس والجن۔ اہل عرب کے ادب و انشا میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک ذکر میں دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا ذکر نکالتے چلے آتے، اور پھر اسی پہلے ذکر کی طرف رجوع کرتے۔ وهكذا طريقة العرب فى كلامها تأخذ فى شىء وتستطرد منه الى آخر ثم الى آخر ثم تعود الى ما ذكرته اولًا (روح) ۱۵۲ (تاکہ اس کے حفظ اور فہم دونوں میں سہولت رہے) فَرَقْنٰهُ۔ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ [illegible] (راغب) [illegible] (کشاف) اس کی دوسری تفسیر بیناء سے بھی آگئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔ [illegible] (راغب) [illegible] (جصاص) لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ۔ یعنی تاکہ آپ کے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے لوگ بہ آسانی فہم مطالب و استخراج مسائل کر سکیں۔ [illegible] (بیضاوی)

لِتقرأهٗ علی

النصف

خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا
دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے ۱۴۱ یہ سزا ہے ان کی اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں
بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
سے کفر کیا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائینگے تو بھلا کیا اس وقت ہم
خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ
ازسرنو پیدا کئے جائیں گے ۱۴۲ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کر دے ۱۴۳ اور
جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا
اس نے ان کیلئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں اس پر بھی ظالم لوگ بے انکار
كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا
کئے نہ رہے ۱۴۴ آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس
لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع
وقت ضرور تم (اسکے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے (ہاتھ) روک لیتے ۔ انسان ہے ہی بڑا تنگ دل ۱۴۵
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔـلْ بَنِيْٓ
اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں جب کہ وہ بنی اسرائیل
اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ
کے پاس آئے تھے سو آپ ان سے پوچھ دیکھئے ۱۴۶ پھر فرعون نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسیٰ

ع ۱۱/۷

۱۴۱ یعنی یہ نہ ہوگا کہ آگ ایک مرتبہ جلنے کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ جائے گی، بلکہ دوزخ کی آگ ایسی ہوگی کہ اسکی تیزی برابر بڑھتی ہی رہے گی ——— عذاب نار کے ابدی اور غیر منقطع ہونے پر ایک اور دلیل۔ ۱۴۲ مذہب مادیت کوئی آج کی نو پیدائشی نہیں۔ یونان قدیم میں بڑے بڑے "روشن خیال" "عقل پرست" پیدا ہو چکے تھے اور اس کی صدائے بازگشت عرب میں بھی پہنچ چکی تھی ——— عرب ظہور اسلام سے قبل جس طرح یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئیت، بت پرستی ہر مذہب و ملت کا نمائندہ تھا، مذہب مادیت، روشن خیالی و عقلیت کا نمائندہ بھی تھا ——— تو اس قسم کی کج بحثیاں اسی فریق کے لوگ کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے اور اپنے زعم میں عقلیت کی کوڑی بہت دور سے لا کر کہتے تھے۔ کہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ جب ہڈیاں تک چور چور اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گی اور سارے جسم سڑ گل چکیں گے اس کے بعد ازسرنو پیدا کئے جائیں گے! ۱۴۳ یعنی اتنی موٹی اور سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر علی الاطلاق نے زمین و آسمان جیسی عظیم الشان ہستیوں کو بلا کسی سابق مادہ کے نیست سے ہست کر دیا، اس کیلئے انسان جیسی نسبتۃً حقیر مخلوق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے! اَوَلَمْ يَرَوْا۔ کیا یہ لوگ اتنی بات پر غور نہیں کرتے! ۱۴۴ (باوجود حشر و بعث پر دلائل قوی کے قیام کے) وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا۔ کائنات انسانی کے حشر و بعث کے لئے تو ایک وقت معین و موعود ہے، اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ حشر و بعث اب تک کیوں نہیں ہوا؟ فِيْهِ یعنی اس میعاد مقرر کے آجانے پر بعث ثانی نہیں۔ ۱۴۵ (چنانچہ اس موقع پر بھی انسان بخل و تنگ دلی ہی سے کام لیتا) لَوْ اَنْتُمْ .... رَبِّيْ۔ یعنی پروردگار عالم کی رحمتوں کے ذخیرہ کا جو غیر محدود ہے، مالک انسان ہوتا اور ان کی تقسیم اس کے اختیار میں ہوتی۔ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ۔ لفظ عام ہے، ہر قسم کے کمالات اور جملہ اقسام نعمت پر شامل، لیکن خصوصیت کے ساتھ اشارہ نعمت نبوت کی جانب ہے۔ آیت میں فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان تو حرص و بخل کا پتلا ہے، یہاں تک کہ یہ نعمتیں غیر محدود ہیں ان کی بھی تقسیم میں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ یہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔ ۱۴۶ ان کے متدین اہل علم سے اسکی تصدیق و تحقیق کر لیجئے۔ تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ ملاحظہ ہو پارہ ۹۔ رکوع کی آیت اول۔

ع ۱۰ ۹ ۱۰

نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں آپ کہہ دیجیے کہ پاک ہے میرا پروردگار میں تو بس ایک آدمی اور رسول ہی ہوں

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ

اور جب (ان) لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی بجز

اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي

اسکے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے رسول بنا کر ایک بشر کو بھیجا ہے آپ کہہ دیجیے کہ اگر زمین

الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ

پر فرشتے ہوتے کہ چلتے بستے تو ضرور ہم ان پر

مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ

آسمان سے کسی فرشتہ کو بطور رسول کے اتارتے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ بطور گواہ کے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَ

میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے بیشک وہی اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے اور

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ

جسے اللہ راہ پر لاتا ہے وہی راہ پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دے تو آپ ایسوں کا

لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى

ہرگز کسی کو بھی اللہ کے سوا نہ پائیں گے اور ہم قیامت کے دن انہیں ان کے منہ کے بل

وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا

چلائیں گے اندھا اور گونگا اور بہرا کر کے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب وہ آگ ذرا بھی

منزل ۴

۱۳۴ (اور ہر بشر کی طرح میں بھی خوارق و معجزات پیش کرنے سے معذور ہوں) جواب ان خرافی مطالبات کا رسول برحق کی زبان سے یہ ادا کر دیا گیا کہ معاذ اللہ میں تو محض بشر ہوں۔ میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی کہاں ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بشر ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں لیکن رسول کے کام تو امانت و دیانت، صداقت کے ساتھ، حق تعالیٰ کا پیام اور شریعت کے احکام کا پہنچا دینا ہے اور بس! میری صداقت کا دار و مدار معجزات پر ہرگز نہیں۔ سُبْحٰنَ رَبِّيْ۔ مشرکین کی درخواست کی تہ میں یہ شئے تھی کہ جیسے کوئی آپ بھی نیم دیوتا سے تھے اور قوت و قدرت میں حق تعالیٰ کے کسی درجہ میں شریک! سبحان ربی میں یہی اشارہ ہے کہ اس ذات پاک کی توحید مطلق ہر قسم اور ہر درجہ کی شرک کی آلودگی سے پاک ہے! محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ ان سے جو درخواست کی جائے وہ اسے پورا کر دیں یا کرا دیں۔ ۱۳۵ مشرکین اپنی بدعقلی اور کج فہمی سے بشریت اور رسالت میں تنافی سمجھ رہے تھے اور بے یقینی کے لہجہ میں پوچھ رہے تھے کہ کیا اتنا بڑا منصب ایک بشر محض کے سپرد ہوا ہے؟ —— جو دیوتاؤں کی پرستش کے لئے بآسانی آمادہ ہو جاتے ہیں، انہیں ایک انسان کی تصدیق رسالت کرتے ایسی ہی دشواری نظر آتی ہے! اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ ھُدٰی سے مراد اس سیاق میں قرآن اور حقانیت قرآن کے دلائل ہیں۔ قَالُوْٓا۔ ان کا یہ کہنا بطور استفہام و استفسار کے نہیں، تعجب و انکار کے لہجہ میں تھا۔ ۱۳۶ یعنی اس زمین کے باشندے ہوتے جیسے کہ انسان ہیں —— فرشتے موجود تو زمین پر آج بھی ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ انسانوں کے بجائے اگر دنیا انہیں ہی سے اسی طور پر آباد ہوتی اور انہیں بھی ہدایت کے لئے کسی پیمبر کی ضرورت ہوتی۔ ۱۳۷ (کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں تبلیغ کرتا) یہیں سے یہ ایک اہم اصل ہاتھ آتی ہے کہ ہدایت کے لئے مناسبت باہمی شرط ہے، اور مناسبت کا سبب قوی مجانست ہے —— ایک جنس کی مخلوق دوسری جنس والی سے بآسانی نہیں سیکھ سکتی۔ ۱۳۸ (سو وہی تمہارے معاد کو بھی خوب جان رہا ہے اور تمہاری ہٹ دھرمی کو بھی خوب دیکھ رہا ہے کہ باوجود وضوح دلائل اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو) شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ۔ اللہ کی گواہی سے اس سیاق میں مراد یہ ہے کہ وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ اثبات نبوت محمدی و حقانیت قرآن پر کتنے دلائل واضح جمع ہیں لیکن اہل فساد اپنی ضد و جہل سے انکار کئے چلے جا رہے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت عقلی یہ تھی کہ ہر طرح کی بے سر و سامانی کے باوجود نصرت الٰہی علانیہ داعیٔ اسلام علیہ السلام ہی کا ساتھ دے رہی تھی۔ ۱۳۹ یعنی مدد اگر ممکن تھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ممکن تھی لیکن اسکی مدد سے تو ان کا کفر انہیں محروم ہی رکھے گا۔ پھر انکے مدد پانے کی اور کیا صورت ہے؟ کوئی نہیں! وَمَنْ يَّهْدِ …… دُوْنِهٖ۔ تکوینی حیثیت سے ہدایت و ضلالت دونوں کے اسباب کا آخری سرا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ۔ یعنی جو کوئی اپنے عناد و تعنت کی راہ سے اپنے کو گمراہ ہی رکھتا ہے۔ ۱۴۰ (جیسا کہ یہاں دنیا میں انہوں نے اپنے کو حق کی طرف سے اندھا اور گونگا اور بہرا کر لیا تھا)

هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ

(جب بھی) اس جیسا نہ لاسکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے

لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

مددگار بھی بن جاویں ۱۳۰ اور بالیقین ہم نے لوگوں کے لئے اس

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

قرآن میں ہر قسم کا اعلیٰ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے لیکن اکثر لوگ بے انکار کئے

كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ

نہ رہے ۱۳۱ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے

الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ

زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو گے ۱۳۲ یا خود تمہارے لئے ایک باغ کھجوروں اور

عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ

انگوروں کا (پیدا) ہو جائے پھر اسکے بیچ بیچ میں جگہ جگہ نہریں جاری کر دو یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے

كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

گرادو جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو (ہمارے) سامنے

قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي

لا کھڑا کرو یا پھر تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان پر

السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا

چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (وہاں سے) ہمارے لئے

۱۳۰ یہ دنیا کے سامنے کس زور و قوت کے ساتھ تحدی ہے کہ سارے کے سارے انسان ہر دور اور ہر ملک کے، بڑے بڑے باکمال اور فضلاء و محققین سب ملکر بھی اور اپنے ساتھ ایک دوسری صنف مخلوق (جنات) کو ملا کر بھی (جو بعض قوتوں کے لحاظ سے انسان سے افضل ہیں) اگر پورا زور لگا دیں جب بھی دوسرا قرآن نہیں تیار کر سکتے۔ بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَبِمِثْلِهٖ۔ اس "مثلیت" میں مضامین کی جامعیت، مطالب کی کاملیت، حسنِ ادا، حسنِ انشاء کے سارے پہلو آگئے۔ ویدل علٰی ذلك تحدیه فی هٰذه الاٰیة العرب والعجم والجن والانس معلوم ان العجم لا یتحدون من طریق النظم فوجب ان یکون التحدی لهم من جهة المعانی (جصاص)

۱۳۱ (جو دلیل ہے ان کے ناشکرے پن کے کمال کی) صَرَّفْنَا یعنی ایک ایک مضمون بار بار مختلف طریقوں سے سہولت تفہیم کے لئے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لئے، ان کی نصیحت کے لئے۔ مَثَلٍ کے معنی ہیں ہر وہ مضمون جو ندرت یا حسن رکھتا ہو یا کلمہ پر تاثیر ہو۔ من کل جنس من العبر والاحکام والوعد والوعید وغیرها (معالم) ای بینا لهم الحجج والبراهین القاطعة ووضحنا لهم الحق وشرحناه وبسطناه (ابن کثیر)

۱۳۲ یہ کہنے والے مشرکین مکہ تھے۔ اعجازِ قرآنی کے اس کھلے ہوئے ثبوت کو چھوڑ کر الٹا آپ سے مطالبہ متعین حسّی خوارق اور مادی معجزات کا کیا کرتے تھے۔ —— لیکن پیغمبروں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں بلکہ مشرکانہ مذاق کے عین مطابق ہے۔ اور قدیم قومیں بھی اپنے اپنے وقت کے داعیانِ حق سے برابر ایسے ہی فرمائشی معجزات چاہتی رہی ہیں۔

۱۳۳ خلاصہ ان تمام فرمائشوں کا یہ کہ ہم تو تمہارے دعوائے رسالت و نبوت میں تمہیں سچا اس وقت سمجھیں گے جب ایسے عجیب و غریب حسی و مادی خوارق سے ہمیں دو چار کر دو —— نبوت و رسالت کی کل کائنات ان "عقلاء" کے ذہن میں یہ تھی کہ نبی و رسول کو (نعوذ باللہ) اعلیٰ درجہ کا بازیگر یا شعبدہ باز ہونا چاہیئے! جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ۔ کھجور اور انگور کے باغ اہلِ عرب کے نزدیک بہت ہی بڑی نعمت تھے۔ فَتُفَجِّرَ...... تَفْجِيْرًا۔ پھر ان باغوں میں نہروں ندیوں کا چلنا اہلِ عرب کے نزدیک خوشحالی اور راحت کی آخری معراج تھی۔ تُسْقِطَ السَّمَآءَ۔ یہ آسمان کے ٹکڑوں کا گرانا اہلِ عرب کے نزدیک انتہائی قدرت کی دلیل تھی۔ تَاْتِيَ...... قَبِيْلًا۔ یعنی آسمان اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ يَكُوْنَ...... زُخْرُفٍ / تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ } یہ سونے کا مکان ہونا یا آسمان پر چڑھ جانا سائلین کی نظر میں آخری اور انتہائی عجائب و خوارق تھے۔

۱۲۱ یعنی جو لوگ قرآن کے باب میں ظالم ہیں اس کے حقائق کو بہ نظر انصاف نہیں دیکھتے ان کے کام اشاعت قرآنی کے عموم سے اور بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ شِفَآءٌ یعنی عقاید فاسد اور اعمال فاسد سے نجات۔ دَحْمَۃٌ یعنی احکام الٰہی پر عمل خود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائیگا۔ مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ اصطلاح سلوک میں شفاء سے اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رحمۃ سے اشارہ ہے تجلیہ کی جانب۔ ۱۲۲ (اپنی کامیابی اور ہماری رحمت وفضل کی طرف سے) اَلْاِنْسَانِ سے مراد یہاں کافر اور ناشکر گذار انسان ہے۔ یعنی الکفر من کفر مالہ و معیشتہ (ابن حیان) اَعْرَضَ وَنَا یہ منہ موڑ لینا اور کروٹ پھیر لینا اللہ اور احکام الٰہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ اِذَآ اَنْعَمْنَا۔ وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ۔ اول الذکر سے مراد انعامات تکوینی،

صحت، عافیت، مال و اولاد وغیرہ ہیں اور آخر الذکر سے مراد انہیں سے محرومی۔ یہ اعراض ویاس دونوں نتیجہ ہوتی ہیں حق تعالیٰ سے بے تعلقی رکھنے کا۔ اَعْرَضَ کے بعد نا بجانبہٖ کا اضافہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔ تاکید للاعراض (کشاف) ۱۲۳ (اور وہی سب کو ان کے موافق حال جزا دے گا) آیت میں یہ بتایا کہ کسی کو حق نہیں کہ یونہی بلا دلیل شرعی اپنے کو راہ حق پر سمجھ لے۔ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔ یعنی ہر شخص کی ایک خاص افتاد طبیعت ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد مقتضا ہو علم صحیح کا یا جہل قبیح کا۔ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔ یعنی اپنی افتاد طبیعت کے مطابق۔ ای علی مذہبہ وطریقتہ التی تشاکل حالہ فی الھدی والضلالۃ (کشاف) ای علی نیتہ [illegible] الذی ھو [illegible] قال مجاھد علی طبیعتہ وقیل علی عادتہ التی الفہا [illegible] والمذہب الذی [illegible] (بحر)

یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی
اس سے اور نقصان ہی بڑھتا ہے ۱۲۱ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا
الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِہٖ ۚ وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ
کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے
کَانَ یَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ؕ فَرَبُّکُمْ
تو ناامید ہو جاتا ہے ۱۲۲ آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے تمہارا پروردگار
اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ
ہی خوب جانتا ہے کہ کون صحیح تر راستہ پر ہے ۱۲۳ اور آپ سے یہ روح کی بابت
الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ
پوچھتے ہیں ۱۲۴ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے ۱۲۵ اور تمہیں علم تو
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْھَبَنَّ بِالَّذِیْٓ
تھوڑا ہی دیا گیا ہے ۱۲۶ اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے
اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا ﴿۸۶﴾ ۙ اِلَّا
وہ سلب کر لیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے ۱۲۷ مگر یہ
رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضْلَہٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ
(آپ پر) رحمت ہی ہے آپ کے پروردگار کی ۱۲۸ بیشک اس کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے ۱۲۹ آپ کہہ دیجئے
لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ
کہ اگر (کل) انسان وجنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں

ع ۷ ۹

۱۲۴ (کہ اس کی حقیقت وماہیت کیا ہے) یہ سوال کرنے والے یا تو مشرکین قریش تھے (جیسا کہ نسائی و ترمذی کی روایتوں میں آیا ہے) اور یا یہود مدینہ تھے (جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے) بہرصورت سائل جو بھی ہوں سوال سے مقصود استفادہ اور اپنے جہل کا دور کرنا نہ تھا بلکہ مقصود امتحان تھا۔ ۱۲۵ (اور اس لئے تمام دوسری مخلوقات کی طرح حادث وفانی ہے) قرآن کی اس مختصر و حکیمانہ، جامع و لفظی جواب نے ان تمام لاطائل بحثوں کی بے حاصلی ظاہر کر دی جو صدیوں سے جاہلی فلاسفہ کے درمیان چلی آرہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی؟ بسیط ہے یا مرکب؟ جوہر ہے یا عرض؟ وغیرہا۔ روح کی حقیقت بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جن کے باب میں اکثر مذاہب باطلہ کو ٹھوکر لگی ہے اور روح کا قدیم وغیر فانی ہونا تو بہت مشرکانہ مذاہب میں مسلم رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماجیوں کے نام سے جو فرقہ انیسویں صدی مسیحی کی پیداوار ہے اور جو بت پرستی کا دشمن اور عقیدۂ توحید کا مدعی ہے وہ بھی روح کی قدامت ہی کا قائل ہے۔ وہ خدا کی طرح پرش (روح) اور پرکرتی (مادہ) کو بھی قدیم مانتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود اسی عقیدۂ روح پرستی پر ضرب لگانا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۱۲۶ (اور حقیقت روح کا علم نہ تمہارے حدود فہم کے اندر ہے اور نہ تمہاری ضروریات دینی وعلمی میں داخل ہے۔ اس لئے تمہیں عطا بھی نہیں ہوا) ۱۲۷ اس میں رد ہے اس خیال کا کہ آپ قرآن اپنے اختیار و ارادہ سے تصنیف کر لیتے یا کر سکتے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی کمال عظمت کا بیان ہے کہ وہ رسول سے اس کا کمال وحی بھی سلب کر سکتا ہے۔ ۱۲۸ (کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ رحمت آپ پر قائم ہی رہنے والی ہے) ۱۲۹ (سو وہ آئندہ کبھی اس کی نوبت ہی کیوں آنے دیگا۔ آپ اللہ کے اس فضل و رحمت کو یاد کر کے خوش رہیے اور کسی کی مخالفت وغیرہ کا غم نہ کیجیے)

۱۱۰ یعنی جب ان کی قوم نے ان پیغمبران برحق کو اپنے اوران کے وطن سے نکال دیا، تو خود ان منکروں کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ سُنَّۃَ۔ نحوی ترکیب مقدرین بھی گئی ہے۔ [illegible] سنۃ کا نصب مصدر تاکیدی کا نصب مانا گیا ہے۔ [illegible] ۱۱۱ یعنی صابرین مطیعین کی مدد و نصرت اور منکرین کی مغلوبی و پامالی تو ہمارا قطعی قانون ہے آپ اس باب میں کوئی شک و تردد لائیں ہی نہیں۔ لِسُنَّتِنَا۔ یہ سنت ہے سنت الٰہی ہی، جیسا کہ اس جزء میں بالکل صاف ارشاد ہوا ہے اور اس کے قبل جو سنۃ کی اضافت رسلنا کے ساتھ آئی ہے تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ سنتِ الٰہی رسولوں کے باب میں ہے۔ [illegible] ۱۱۲ وقت کی قدرتی تقسیم حرکت آفتاب کے تابع ہے، اور قرآن مجید نے اس کو اوقات عبادت کیلئے معیار قرار دیا ہے ——— قرآن کا ''اسٹینڈرڈ ٹائم'' یہی ہے، ہر گرینچ ٹائم'' و ''مدراس ٹائم'' سے بے نیاز۔ الصَّلٰوۃ سے مراد ظاہر ہے کہ نماز مفروضہ ہے اور اسی نماز فرض کے اوقات کا بیان ہو رہا ہے۔
دلوك کے مطلق معنی جھکاؤ یا میلان کے ہیں۔ [illegible]

مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا
ان کے باب میں رہا ہے جنہیں آپ کے قبل ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا ۱۱۰ اور آپ ہمارے (اس) دستور میں
تَحْوِيْلًا ۝۷۷ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ
کوئی تبدیلی نہ پائیں گے ۱۱۱ نماز ادا کیا کیجئے آفتاب ڈھلنے (کے بعد) سے رات کے اندھیرے
الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸
ہونے تک ۱۱۲ اور صبح کی نماز بھی ۱۱۳ بیشک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے ۱۱۴
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ
اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجئے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے ۱۱۵ عجب کیا کہ آپکا پروردگار
رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ
آپ کو مقام محمود میں جگہ دے ۱۱۶ اور آپ کہتے رہئے کہ اے میرے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے
صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ
کے وقت خوبی کے ساتھ ۱۱۷ اور مجھے نکالتے وقت خوبی سے نکالیو ۱۱۸ اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ
لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۸۰ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ
دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ ملا ہوا ۱۱۹ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق (بس اب) آہی گیا اور باطل
الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱ وَنُنَزِّلُ مِنَ
مٹ گیا بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا ۱۲۰ اور ہم قرآن میں
الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا
ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کا

ع ۸ / ۷

[illegible] ڈھلنے کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک تو اس کا عروج نصف النہار سے پستی کی طرف مائل ہونا۔ جسے عام بول چال میں دوپہر کہتے ہیں۔ دوسرے اس کا بالکل ڈھل کر افق پر نظر کے مقابل آجانا جسے عام بول چال میں سہ پہر کہتے ہیں۔ اوقات کی اسی قدرتی تقسیم کی مناسبت سے دو نمازیں ظہر و عصر کی تجویز ہوئیں۔
غَسَقِ الَّيْلِ۔ ٹھیک اسی طرح شب کے اندھیرے کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ سورج افق سے غائب ہو جائے۔ خواہ روشنی باقی ہو۔ دوسرے یہ کہ تاریکی خوب اچھی طرح پھیل جائے۔ انہیں دو قدرتی وقتوں کی مناسبت سے رات کی نمازیں بھی دو یعنی مغرب و عشا کی قرار پائیں۔ [illegible] بعض نے بعد کے معنی میں بھی لیا ہے۔ قال الواحدی [illegible]
لدلوك...... الیل۔ چاروں نمازوں کے وقت کی ابتدا اور انتہا، آغاز و ختم دونوں کا بیان اس میں آگیا۔ [illegible] الآیۃ جامعۃ لمواقیت الصلاۃ [illegible] صلاۃ الظہر والعصر والی غسق اللیل یتناول المغرب والعشاء وقرآن الفجر ہو صلاۃ الصبح [illegible] ۱۱۳ قرآن الفجر۔ قرآن یہاں نماز کے معنی میں ہے۔ یا قرأت قرآن کے معنی میں۔ اور اس سے بھی مراد نماز ہی ہے۔ [illegible] (ابن جریر عن ابن عباسؓ) [illegible] تفنیکلام یوں سمجھی گئی ہے۔ اقم قرآن الفجر۔ وانتصابہ بالعطف علی الصلاۃ والتقدیر اقم الصلاۃ واقم قرآن الفجر (کبیر) ۱۱۴ (فرشتوں کی) یہ تفسیر تو دو حدیث میں آگئی ہے کہ یہ وہ نماز ہے کہ اسکے وقت رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں دونوں کی حاضری ہوتی ہے۔ عن النبی صلعم قال تشہدہ ملائکۃ اللیل وملائکۃ النہار (ابن جریر عن ابی ہریرۃؓ) ۱۱۵ یعنی یہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ۔ فرض یہ نہیں، ہے زائد ہی لیکن آپ اسے بھی پڑھتے رہئے۔
نَافِلَةً لَّكَ۔ [illegible]
فَتَهَجَّدْ۔ تہجد وہ نماز ہے جو شب میں سوتے سوتے اٹھ کر پڑھی جائے۔ التہجد فی اللغۃ السہر للصلاۃ او لذکر اللہ [illegible] مِنَ الَّيْلِ (ابن جریر) [illegible] (کشاف) نماز تہجد کا پُرمشقت ہونا ظاہر ہی ہے لیکن اجر و صلہ بھی اسی درجہ کا ہے۔ احادیث اسکی فضیلتوں سے لبریز ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کے لئے تو اس حکم کے بعد یہ نماز تہجد لازمی ہو گئی تھی۔ خواہ بطور فرض زائد کے، خواہ بطور نفل کے [illegible] القرآن کی جانب ہے۔ [illegible] ۱۱۶ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے۔ [illegible] عسیٰ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک نہیں تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ [illegible] ۱۱۷ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر و راحت کے ساتھ اتاریو۔ ادخلنی واخرجنی کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے۔ [illegible] ۱۱۸ (سرزمین مکہ سے) یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر و خوبی کے ساتھ نکالیو۔ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔ یعنی مکہ معظمہ۔ [illegible] مفہوم میں توسیع پیدا کر کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ہمیں قبر میں داخل کیجیو ایمان و صدق کے ساتھ اور خیر کے ساتھ باہر نکالیو قیامت کے دن ایمان و صدق کے ساتھ۔ [illegible] ۱۱۹ (کہ وہی غلبہ حقیقی اور پائدار ہوتا ہے ورنہ عارضی اور ظاہری غلبہ تو کسی مصلحت تکوینی سے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے) ۱۲۰ آیت کے آخری ٹکڑے نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ پائداری اور قیام باطل کے نصیب میں نہیں۔ الْحَقُّ۔ الْبَاطِلُ۔ حق سے مراد ہے دین توحید اور باطل اسکی ضد ہے اور ہر قسم کے کفر۔

[illegible]

بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھنے لگیں گے اور ان کا نقصان
فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
ذرہ برابر بھی نہ کیا جائیگا ۱۰۴ اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی
اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ
اندھا رہے گا اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ۱۰۵ اور یہ کافر آپ کو اس سے بچلا ہی چاہتے تھے
الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا
جو ہم آپ پر وحی کر چکے ہیں تاکہ آپ اس (حکم وحی) کے سوا ہم پر کوئی بات گڑھ لیں اور وہ اس
لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ
حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ۱۰۶ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ قریب
تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ
تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل ٹھیک چلتے ۱۰۷ اس حالت میں ہم آپ کو دوگنا عذاب چکھاتے
وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾
زندگی میں بھی اور (بعد) موت بھی پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی مددگار نہ پاتے ۱۰۸
وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ
اور قریب تھا کہ یہ (کافر) اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں
مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ
اور اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے ۱۰۹ (جیسا کہ ہمارا) دستور

۱۰۴ یعنی انکے ایمان واعمال کے اجر میں کمی ذرا بھی نہ کی جائے گی۔ چاہے زیادتی جتنی بھی کر دی جائے۔ فَمَنْ ...... بِكِتٰبِهِمْ۔ حدیث میں تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ میدانِ حشر میں لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑ اڑ کر پہنچیں گے۔ جنتی کے داہنے ہاتھ میں اور جہنمی کے بائیں ہاتھ میں ——— تو داہنے ہاتھ میں پانے والے جلدی جلدی انہیں پڑھنے ہی لگیں گے خوش ہو کر کہ اب پروانۂ مغفرت آ ہی گیا۔ ۱۰۵ یہاں ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حشر میں جو کچھ بھی ہوگا، اسی دنیا ہی کے اعمال کا پورا ظہور اور صرف نتائج وثمرات کا تحقق ہوگا۔ کوئی اور نئی بات نہ ہوگی ——— آخرت ناسوت ہی کے تکملہ کا نام ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى۔ یعنی جو کوئی اس دار العمل میں اپنی آنکھیں راہ نجات کی طرف سے اندھی رکھے گا۔ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ سو ایسا شخص دار الجزاء میں جمالِ حق کی دید سے اور جنت کے نظاروں سے محروم رہے گا۔ ۱۰۶ (کہ اس صورت میں آپ حمایت الٰہی ونصرت الٰہی کے دامن سے نکل جاتے) روایتیں اپنی تفصیلات میں مختلف ہیں، لیکن اتنا جز سب میں مشترک ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف یا کہیں اور کے کچھ کافروں نے آکر نبی صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ فلاں فلاں احکام میں ہمارے لئے تخفیف کر دیں تو ہم ابھی مسلمان ہوئے جاتے ہیں۔ آپ کو ان کے ایمان کی طمع سے خیال کچھ ایسا ہی پیدا ہو چلا تھا کہ اتنے میں نزول وحی نے فیصلہ ان کے برخلاف صادر کر دیا۔ ۱۰۷ (اس لئے کہ وہ طمع ایمان لانے کی دلا رہے تھے۔ اور آپ اس کے حریص ہیں) لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا ——— لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی، اور معصومیت لازمۂ نبوت ہے۔ لَقَدْ كِدْتَّ ...... قَلِيْلًا۔ بعض نے آیت کو کسی درجہ میں قادحِ عصمت سمجھا ہے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے عکس پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا رکون (جھکاؤ) اول تو ہوا ہی نہیں، صرف قربِ رکون ~~(كِدْتَّ تَرْكَنُ)~~ مذکور ہے اور وہ بھی صرف مرتبۂ اولین (شَيْئًا قَلِيْلًا) کے لحاظ سے ——— گویا رکون ہی نہیں صرف وسوسۂ رکون! اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا؟ لولا ان ثبتنٰک کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ہلنے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشاد الٰہی بطور الزام نہیں بلکہ یہ تو آپکی صفت کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے، اور یہ قول مفسر تھانویؒ۔ "یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے رکونِ قلیل کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا" فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلوں کا استنباط کیا ہے، مثلاً یہ کہ (۱) شر ذریعۂ خیر نہیں بن سکتا خیر کے ذرائع ووسائل کو بھی خیر ہی ہونا چاہئے۔ (۲) احکام شریعت کسی قیمت پر بھی نرم نہیں کئے جا سکتے ورنہ شریعت خداوندی کا مصلحت انسانی کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے۔ (۳) ارتکاب شر بشر ہی کی رعایت سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا تم جھکنے کے قریب تھے لقد كدت تركن اليهم (۴) توفیق خیر حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا، ہم نے ثابت قدم رکھا۔ ثبتنٰک۔ (۵) انبیاء معصوم ہوتے ہیں حق تعالیٰ ان کا محافظ رہتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس باب میں نص ہے کہ حضرات انبیاء کا بھی محافظ حق تعالیٰ ہی ہے محض ان کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنی محفوظیت اور اپنی نسبت باطن کی قوت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے، جب کہ ان کی خود نسبت ہی کے وجود میں گفتگو کی گنجائش ہے۔ ۱۰۸ (اگر آپ چونکہ معصوم ہیں اور ثابت قدم رہے اس لئے قرب میلان بھی نہیں ہوا۔ اور ان وعیدوں سے بھی بالکل بچ گئے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ علماء وخواص پر جاہل عوام سے سخت تر گرفت ہوگی۔ مباح ان کی شان سے بعید اور مکروہ انکے حق میں سزاوار وعید ہو جاتا ہے۔ اذًا یعنی اگر اس میلان ورجحان کا ترتب وتحقق ہو جاتا جو کہ نہیں ہوا ——— وہ صورت حال اگر ہو جاتی جس کی ابھی نفی کی جا چکی ہے۔ اردو مصرعہ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے" اور فارسی مقولہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" ان ہی مقامات کے ترجمان ہیں۔ رسول کا مرتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی نسبت سے گرفت بھی سخت تر رکھی گئی ہے۔ ~~والسبب في تضعيف هذا العذاب ان اقسام نعم الله تعالى في حق الانبياء عليهم السلام اكثر فكانت ذنوبهم اعظم فكانت العقوبة المستحقة عليها اكثر (كبير)~~

۱۰۹ یعنی انہیں بھی مہلت نہ ملنے پاتی، اور یہ بھی زمانہ قریب میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاتے۔ وان ...... مِنَ الْاَرْضِ۔ ملک عرب میں آپ کے قدم اکھیڑ دینا خواہ جبر سے ہوتا یا مکر سے ——— بعض نے یہاں کافروں سے مراد یہود سے لی ہے۔ انہوں نے آپ سے کہنا شروع کیا تھا کہ انبیاء کی سرزمین تو شام ہے، یہ آپ حجاز میں کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ وہیں چلے جائیے۔ اور بعض نے مراد قریش سے لی ہے کہ وہی مکہ معظمہ سے آپ کے اخراج کے در پے تھے۔ بہرحال وہ مخالفین معاندین میں سے خواہ مشرکین خواہ یہود، دیکھا تو یہ گیا، اور یہ کوئی بہت لمبی مدت کے بعد نہیں، چند ہی سال کے اندر، کہ سارے جزیرۃ العرب میں اس سرے سے اس سرے تک نہ کوئی مشرک رہ گیا نہ یہودی۔ سب کے سب آپ ہی محمد کی رسالت کے کلمہ پڑھنے والے رہ گئے۔ اِذًا یعنی اگر ایسا کافروں کے حسب خواہش واقع ہو گیا ہوتا، جو نہیں ہوا۔ ~~خِلٰفَكَ~~ خلاف یہاں بعد کے معنی میں ہے ~~ای بعدك (بیضاوی) زعم الاخفش ان خلافك في معنى خلفك (كبير)~~

۹۸ (کہ ایسی جلدی منعم کا انعام و احسان اور اپنا عجز و الحاح سب بھول جاتا ہے) ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ - یعنی وہ دیوی دیوتا جن پر تمہیں اتنا بھروسہ ہوتا ہے - اور جنہیں مدد کے لئے پکارتے رہتے ہو، سب گئے گذرے ہوتے ہیں - کوئی بھی کام نہیں آتا - ۹۹ یعنی ایسا جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری حمایت و نصرت کچھ اور کسی درجہ میں بھی کر سکے - اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا - ایسی تند ہوا یا طوفانی آندھی چلا دے یا تم پر کنکر پتھر برسا دے - اَفَاَمِنْتُمْ ...... حَاصِبًا - یعنی یہ تمہاری کیسی غفلت و نادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو، خیال نہیں کرتے کہ عذاب الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آ جانا ممکن ہے، خواہ نیچے سے یا اوپر سے - ۱۰۰ یعنی تمہارے اس غرقابی پر ہم سے نہ بدلہ لے سکے نہ کوئی بازپرس کر سکے - ۱۰۱ (اور اسے ایک معزز مخلوق بنایا ہے) بعض ادیان باطل خصوصاً یہودیت و نصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ انسان ایک ذلیل ترین مخلوق ہے، جسے پیدا کر کے اس کا خالق خود پچھتایا! ملاحظہ ہو توریت :-

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اسکے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں - تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا - اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا - انسان کو بھی اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک - کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں" (پیدائش - ۶:۶)

آیت نے یہ بات صاف کر دی کہ خلقۃً و فطرۃً ہر انسان معزز و مکرم ہی بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کفر و معصیت کی راہ اختیار کر کے اپنے کو انتہائی پستیوں میں ڈال دے - امام شافعیؒ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے، کہ آدمی موت سے نجس نہیں ہو جاتا - ~~[illegible]~~ ۱۰۲ انسان بجائے خود ایک معزز و مکرم ہستی ہے، اور بیشتر مخلوقات سے افضل یہ تو نصِ قرآنی ہی سے ثابت ہو گیا - لیکن بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لیکر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے -

إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ

اللہ کے پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو اور انسان بڑا ہی

كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ

ناشکرا ہے ۹۹ کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا

يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ ۹۹

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ

کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ

سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي

اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے ۱۰۰ اور ہم نے بنی آدم کو عزت

آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ

دی ہے ۱۰۱ اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں

الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے ۱۰۲

يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ

(یاد رکھو) وہ دن جب ہم تمام انسانوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلائیں گے ۱۰۳ سو جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال

ع ۷ / ۱۰

حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ - یعنی جانوروں پر اور کشتیوں پر دونوں پر سوار کرایا اور جاندار و بے جان دونوں طرح کی سواریاں اسے عنایت کیں ـــــ الفاظ قرآنی کا عموم جاندار اور بے جان، ہر قسم کی سواری، ہر قسم کے مشینی آلہ نقل و حرکت موٹر، لاری، ریل، موٹر کشتی، دخانی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے - ۱۰۳ (میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے) اِمَام کی تشریح یہاں عام طور پر یہی سمجھی گئی ہے - ~~[illegible]~~ لیکن دوسرے معنی یہ بھی اکابر ہی سے مروی ہیں کہ انسان گروہ در گروہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں یا اپنے زمانہ کے انبیاء کے ساتھ بلائے جائیں گے ~~[illegible]~~ اور امام ابن جریر نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے - ~~[illegible]~~

٩٣ (اور وہ گروہ مومنین مخلصین کا ہے) یہ ساری گفتگو اس وقت کی ہے، جب ابلیس نافرمانی کی پاداش میں مردود و مطرود ہو چکا ہے۔ اسی لئے اسکے آغاز میں یہ جتانے کو کہ یہ مستقل کلام ہے لفظ قال الگ آیا ہے۔ حالانکہ اوپر سے بھی قول ابلیس ہی کا چلا آرہا ہے۔ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ ابلیس اسکی درخواست کرچکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ درخواست منظور ہو جائیگی۔ لَاَحْتَنِكَنَّ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قَلِيْلًا۔ انسان کی جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب پر نظر کرکے شیطان اپنی فراست سے ابتدا ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں اپنی کوشش اغوا و اضلال میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ لَاَحْتَنِكَنَّ۔ حنك کے معنی پوری طرح چھا جانے اور چھاپ بیٹھنے کے ہیں۔ ~~علیہ عن الاحد بالکلیۃ (کبیر)~~ تفسیر احتوار، استیلا یعنی اپنے ڈھب میں کرلینے ان کے اوپر چھا جانے سے آئی ہے۔ اور اہلاک و استیصال سے بھی نقل ہوئی ہے۔ ~~اہلاکھم (ابن جریر عن ابن عباس) لاستاصلنھم (ابن جریر عن مجاہد) لاستاصلنھم بالاغواء (کبیر)~~ ٩٤ (تو چاہئے کہ اس سزا کو سن کر اب تو اہلِ باطل اپنے دلوں میں ڈریں)

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾

روزِ قیامت تک تو میں اس کی (ساری) اولاد کو اپنے بس میں کرلونگا بجز ایک قدرے قلیل گروہ کے [٩٣]

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ

ارشاد ہوا چل نکل، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا سو بیشک تم (سب) کیلئے سزا ہے جہنم

جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ

سزا ہے پوری [٩٤] اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا

بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ

قدم اکھاڑ دیکھ اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان سے اپنا ساجھا

فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ

کرلے مال اور اولاد میں اور ان سے وعدہ کرلے (خوب جھوٹے جھوٹے) اور شیطان تو

اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۗ وَ

ان سے بس جھوٹے ہی وعدے کرتا ہے [٩٥] بیشک جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور

كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ

آپ کا پروردگار ہی کافی کارساز ہے [٩٦] تمہارا پروردگار تو وہی ہے جو تمہارے لئے سمندر میں

فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۗ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو بیشک وہ تمہارے حق میں بڑی رحمت والا ہے [٩٧]

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ

اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز

جَزَآؤُكُمْ۔ کُم کے صیغۂ جمع میں شیطان خود اور اس کے سارے پیرو آگئے۔ ~~اجمع ابلیس وجنوده (روح)~~ فَاذْهَبْ ذھاب سے یہاں مراد پیروں سے جانا "آنے" کے مقابل نہیں۔ بلکہ محاورہ میں مراد یہ ہے کہ جا، جو کچھ تیرے بس میں ہے کر دیکھ۔ ~~وھذا لیس من الذھاب الذی ھو نقیض المجی وانما معناہ امض لشانک الذی اخترتہ والمقصود التخلیۃ وتفویض الامر الیہ (کبیر) لیس المراد بہ حقیقۃ الامر بالذھاب ضد المجیٔ بل المراد تخلیتہ وما سولتہ لہ نفسہ كما تقول لمن يخالفك افعل ما تريد (روح)~~

٩٥ (تو چاہئے کہ انسان اب اسکے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر اسکے دام میں پھنسنے سے باز رہے) بِصَوْتِكَ۔ یعنی اپنے اغوا اور وسوسہ اندازی سے اپنے مخفی پروپیگنڈے سے۔ صوت کا خاص تعلق گانے اور کھیل تماشہ کی آوازوں سے بھی سمجھا گیا ہے۔ ~~روی عن مجاہد انہ الغناء واللھو (جصاص) قیل اراد بصوتک الغناء واللھو واللعب (کبیر)~~ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آواز بھی معصیت و فسق کی جانب لائے یا بلائے وہ سب شیطان ہی کی آواز ہے۔ ~~قال ابن عباس ھو الصوت الذی یدعو بہ الی معصیۃ اللہ وکل صوت دعی بہ الی الفساد فھو من صوت الشیطان (جصاص)~~ ~~وصوتہ دعاؤہ الی معصیۃ اللہ تعالٰی (کبیر)~~

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ۔ یعنی ان پر تو اپنا حملہ ہر طرح کر دیکھ۔ خیل اور رجل کے لفظی معنی مقصود نہیں بلکہ محاورہ میں ان سے مراد مطلق لشکر سے ہوتی ہے۔ ~~والمعنی ضرب المثل کما تقول للرجل المجد فی الامر جئتنا بخیلک ورجلک وھذا من اللغو المزجر (کبیر)~~ گو اگر کوئی یہی سمجھے کہ شیطان سوار ہو کر بھی آتا ہے تو اس کے انتفاء پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تفسیر بھی صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ دنیا میں جو سوار اور جو پیادے بھی معصیت کی راہ میں چلتے ہوئے ملیں، یہ سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔ ~~روی عن ابن عباس ومجاہد وقتادۃ کل راکب وماش الی معصیۃ اللہ من الانس والجن فھو من رجل الشیطان وخیلہ (جصاص) فعلی ھذا التقدیر خیلہ ورجلہ کل من شارکہ فی الدعاء الی المعصیۃ (کبیر)~~ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ یعنی انکے مال اور اولاد کو بھی ذریعۂ گمراہی بنا دیکھ۔ وَعِدْهُمْ۔ یعنی ان کو جھوٹے وعدوں کے خوب سبز باغ دکھا۔ مثلاً یہی کہ فلاں فلاں بات سے کوئی گناہ نہ ہوگا یا یہ کہ ابھی گناہ کرتے ہو تو بے کھٹکے کرتے رہو۔ بس مرتے وقت توبہ کرلینا ——— پروپیگنڈے کے فن کا تو شیطان استاد اعظم ہے۔

٩٦ (تو ابلیس کو فکر و تردد ہی کیا۔ بس وہ اپنا تعلق عبدیت ہمارے ساتھ جوڑے رکھیں، ہم خود ہی انکی ہر حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہینگے اس مردود میں قوت ہی کتنی ہے) آیت سے ضمناً ان مذاہب کی بھی تردید ہو گئی جنہوں نے شیطان کو بھی خدا ہی کی طرح قوت و طاقت کا مستقل مالک سمجھا، اور اہرمن نام دے کر اسے بدی کا خدا مانا ہے۔ اِنَّ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سُلْطٰنٌ۔ مومنین مخلصین کی تسکین و تسلی کے لئے ایک بار پھر اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ ڈرنے کے قابل تو صرف خالق و مالک کی نافرمانی ہے۔ شیطان مردود میں قوت ہی کتنی ہے۔ عِبَادِىْ۔ یعنی وہ بندے جو اپنے تعلق عبدیت کو اللہ کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ ~~المراد اھل الفضل والعلم والایمان (کبیر)~~ عباد کی اضافت جو ضمیر متکلم حق تعالٰی کی جانب ہے ~~بندوں کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ والاضافۃ للتعظیم (روح)~~

٩٧ (چنانچہ یہ سامان بھی تمہارے نفع و آسائش کے لئے کر دیا ہے) لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی تجارت بحری سے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کا اگر وجوب نہیں تو استحسان تو اس آیت سے صاف نکل رہا ہے ——— بحری تجارت کا تعلق ذاتی ثروت اور ملکی خوشحالی دونوں سے بالکل ظاہر ہے۔

۵۸۴ یعنی ہر کافر کے معذب ہونے کی، وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، صراحت لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ اَلْکِتٰب سے مراد علم الٰہی کی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔ ای الکتاب الذی کتب فیہ کل ما هو کائن وهو اللوح المحفوظ [illegible] ۵۸۵ یعنی یہ موجودہ منکرین جو فلاں فلاں مخصوص و متعین معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں ان معجزات کے نزول سے امر مانع بس یہ ہوا ہے کہ ایسے ہی فرمائشی معجزات پہلے، ایسے ہی منکرین کے اصرار پر نازل کئے جا چکے ہیں، لیکن وہ سب بے اثر رہے۔ بِالْاٰیٰتِ۔ اٰیٰت سے مراد منکرین کے طلب کئے ہوئے، فرمائش کئے ہوئے معجزات ہیں۔ الآیات التی اقترحها قریش [illegible]

۵۸۶ یعنی اس سے بصیرت تو کچھ نہ حاصل کی بلکہ اور الٹا ظلم کر کے اسے مار ہی ڈالا۔ مُبْصِرَةً کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔ [illegible] فَظَلَمُوْا بِهَا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کفر کیا اور یہ بھی کہ اس کے باعث اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ ای فکفروا بها او فظلموا انفسهم بسبب عقرها (بیضاوی)

فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ

میں لکھا ہوا (موجود) ہے۵۸۴ اور ہم کو معجزات (خاص) کے بھیجنے سے بس یہی امر مانع ہوا کہ

اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ

پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں۵۸۵ اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی

مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾

بصیرت کے ذریعہ کے طور پر لیکن انہوں نے (بڑا ظلم) اس کے ساتھ کیا۵۸۶ اور ہم (ایسے) معجزات کو ڈرانے ہی کے موقع پر بھیجا کرتے ہیں۵۸۷

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا

اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیر رکھا ہے۵۸۸ اور ہم نے جو منظر

الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

آپ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۵۸۹ اور اس درخت کو بھی

الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا

جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۵۹۰ اور ہم لوگوں کو ڈراتے تو رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی

طُغْیَانًا كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۵۹۱ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو

فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿۶۱﴾

سو وہ (سب) جھکے ہاں ابلیس نہ جھکا وہ بولا کہ کیا میں اس کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟۵۹۲

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ

(اور) وہ بولا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے اگر تو نے مجھے مہلت دیدی

ع ۶ ۷

[illegible] (بیضاوی) ۵۸۷ (اور جب قوم ان پر بھی ایمان نہیں لاتی، تو بس مگا عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاتی ہے) بِالْاٰیٰتِ۔ اٰیٰت سے مراد وہی فرمائشی معجزات ہیں۔ ای بالآیات المقترحة (بیضاوی) ۵۸۸ (اپنے احاطۂ علم سے) حق تعالیٰ کی احاطت علمی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ خدائے اسلام مشرکوں کے خدا کی طرح محدود علم والا نہیں۔ اسے بندوں کے سارے حالات کا علم ہے ان کے حال کا بھی، استقبال کا بھی۔ [illegible] ۵۸۹ اشارہ اس واقعۂ اسرا یا معراج کی جانب ہے، جس کا ذکر سورۃ کے بالکل شروع میں آچکا ہے یعنی وہ عجائب قدرت جو ہم نے آپ کو شبِ شب کے سفر بیت المقدس میں دکھا دیئے تھے۔ [illegible] الرُّءْیَا۔ رؤیا کے عام معنی تو خواب ہی کے ہیں۔ [illegible] لیکن رویت مطلق بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے جس کے تحت میں چشم بیداری کے منظر بھی آجاتے ہیں اور جمہور کے خیال میں وہی یہاں مراد ہیں۔ [illegible] فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ یعنی کسی نے تصدیق کیا۔ اور کسی نے خارق عادت جان کر تکذیب کی۔ ۵۹۰ یعنی شجر زقوم جو دوزخ میں ہوگا قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔ ان شجرة الزقوم طعام الاثیم طلعها کأنه رءوس الشیاطین۔ [illegible] اَلْمَلْعُوْنَةَ۔ لعنت سے مراد ہے مذمت۔ [illegible] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔ [illegible]

(روح) ۵۹۱ چنانچہ سنہ محمدی کی پہلی صدی کے بڑے روشن خیال ابوجہل نے (ٹھیک آج کے "روشن خیالوں" کے انداز میں) شجر زقوم کا ذکر سن کر تمسخر و استہزاء کے لہجہ میں کہا تھا کہ آگ کے شعلوں کے درمیان کوئی درخت رہ کیسے سکتا ہے؟ —— گویا عالم آخرت اور جہنم کے قوانین طبعی بھی بالکل عالم ناسوت کے قوانین کی نقل ہوں گے! وَنُخَوِّفُهُمْ۔ یعنی انہیں آیات و احکام قرآنی کے ذریعہ سے ہم ڈراتے رہتے ہیں۔ ۵۹۲ (درانحالیکہ مٹی کا بنا ہوا مخلوق مجھ جیسے آتشیں مخلوق سے کہیں پست ہوتا ہے) اس ابلیسی منطق کی پردہ دری ان تفسیری حاشیوں میں بیشتر کی جا چکی ہے۔ اس کے استدلال منطقیانہ کے صغریٰ کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ نہ تو یہی ثابت ہے کہ مٹی ہر حال میں آگ سے پست تر ہے اور نہ یہ مسلم ہے کہ افضل ہر کسی حال میں بھی غیر افضل کے آگے نہ جھکے!

اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ ملائکہ جو افضل ترین مخلوق اس وقت تک تھے ان کے ضمن میں دوسری مخلوق کا بھی آجانا۔ اسْجُدُوْا۔ سجدہ سے یہاں لغوی نہ کہ اصطلاحی معنی کا مراد لیا جانا۔ لِاٰدَمَ۔ آدم کا کعبۃ اللہ کی طرح صرف سمت سجدہ ہونا نہ کہ مسجود ہونا۔ اِبْلِیْسَ۔ ابلیس کا مخلوق ناری و جنی ہونا۔ } ان سب پر مفصل حاشیے سورۃ البقرۃ و سورۃ الاعراف میں گذر چکے۔

۷۸ (پھر آپ کو ان کیلئے اتنا زیادہ فکرمند رہنا کیا ضرور ہے) رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ۔ وہی سب سے خوب واقف ہے کہ کون کس قابل ہے۔ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تمہیں توفیقِ ہدایت دے دیگا اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا فضل ہے۔ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تم سے توفیق ہدایت سلب ہوجائے گی۔ اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا عذاب ہے۔ آیت میں ان اہلِ حق کیلئے تسکین کا بڑا سامان موجود ہے جو اہلِ باطل سے مناظرہ و مذاکرہ میں مشغول رہتے ہیں اور طبعاً اس پر جھنجھلا اٹھتے ہیں کہ اہل باطل کیسا حق صریح کو چھوڑے ہوئے ہیں ـــــ کسی کے راہ ہدایت پر آنے نہ آنے کی ذمہ داری جب رسول تک پر نہیں، تو آپ کے کسی بڑے یا چھوٹے نائب پر کیوں ہونے لگی! ۷۹ (اور یہ فضیلت انہیں بہت سے دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے) وَرَبُّكَ ...... الْاَرْضِ یعنی اس نے ہر ایک کے حسب استعداد اور اپنے حسب مصلحت سب کو ایک ایک مقام اور درجہ پر رکھا۔ وَلَقَدْ ...... بَعْضٍ۔ پھر اگر ایک نبی سارے انبیاء کے کمالات کا جامع پیدا ہوگیا تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے۔ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ داؤد پر بہت حاشیے پہلے گزر چکے۔ زبور ~~(تنکیر تنوین کے ساتھ)~~ ہر کتاب عظیم کے لئے عام ہے۔ ~~وکل کتاب غلیظ الکتابۃ یقال له زبور ...~~ الزبور (بطور علم کے) وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد نبی پر نازل ہوئی تھی۔ ~~وخص الزبور بالکتاب المنزل علی داود علیہ السلام (راغب)~~ بعض نے زبور کی ~~تنکیر سے اس کی تعظیم~~ کاملیت کے معنی پیدا کئے ہیں۔ ~~التنکیر ههنا یدل علی~~ تعظیم حاله ~~(کبیر) کان معنی التنکیر انه~~ کامل فی کونه کتابا ~~(کبیر)~~ ۸۰ یعنی تمہارے دیوی دیوتا جن پر تم اتنا سہارا لگائے بیٹھے ہو، یہ اتنا بھی تو نہیں کرسکتے کہ تم سے کسی تکلیف کو دفع کردیں یا یہ کہ اس کی شدت میں خفت ہی پیدا کردیں! ۸۱ یعنی خود ہی طاعت و عبادت کے ذریعہ سے اللہ کا قرب اور قرب مزید ڈھونڈ رہے ہیں۔ مراد یہاں ملائکہ و جنات اور بعض انبیاء لئے گئے ہیں جنہیں مشرکوں اور مبتلائے شرک اہل کتاب نے درجۂ الوہیت دے رکھا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بندگان صالح تو اپنے کمال عبدیت و عبودیت کی بناء پر خود ہی ہر طرح تلاش قرب و قرب مزید میں لگے رہتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۵۴ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ

اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بناکر نہیں بھیجا ہے ۷۸ اور آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ

ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض دوسرے نبیوں پر

عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۵۵ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ

فضیلت دی ہے ۷۹ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ہے آپ کہئے تم جن کو اللہ کے سوا

زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ

(معبود) قرار دے رہے ہو ذرا انکو پکارو تو سہی سو وہ تم سے تکلیف دور ہی کرسکتے ہیں

وَلَا تَحْوِیْلًا ۵۶ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی

اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں ۸۰ یہ لوگ جن کو یہ مشرکین پکار رہے ہیں، خود ہی اپنے پروردگار

رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ

کا قرب ڈھونڈ رہے ہیں کہ دیکھیں ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے ۸۱ اور اسکی رحمت کی امید رکھتے

یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۵۷

ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک آپ کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ڈرنے ہی کے قابل ۸۲

وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ

اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم روز قیامت سے قبل (یا)

الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ

ہلاک نہ کردیں یا اس کے رہنے والوں کو عذاب شدید نہ دیں ۸۳ یہ کتاب

اَلْوَسِیْلَةَ۔ وسیلة کے معنی قرب کے ہیں اور یہی یہاں بھی صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے مروی ہیں۔ ~~الوسیلة القربة (ابن جریر عن ابن عباس)~~ القربة والزلفی (ابن جریر عن قتادة) القربة والزلفة ~~(ابن جریر)~~ ۸۲ مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام گرفتے جو بزعم خود ہر طرح محتاج ہیں اور معبودیت کی صلاحیت سے بالکل عاری۔ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ یعنی نافرمانی کی صورت میں اسکے عذاب سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ ۸۳ (قیامت کے دن) یعنی کوئی کافر اگر یہاں بچ بھی گیا تو قیامت کے دن تو بہرحال عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ۔ بستیوں سے کافروں اور نافرمانوں کی آبادیاں مراد ہیں۔ ~~قیل المراد قری الکفار~~ (کبیر) اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا۔ اهلاك سے یہاں مراد اہلاک بالعذاب ہے ورنہ نفس موت و ہلاکت تو طبعی اسباب سے مومن و کافر سب کی ہوتی رہتی ہے۔

ف ۷۱ آج کے "روشن خیالوں" کی طرح جاہلیت عرب میں "روشن خیالوں" اور مادئیین کا گروہ موجود تھا۔ جو امکان بعث وحشر کے منکر تھے۔ یہ قول انہیں کا نقل ہو رہا ہے۔
قَالُوْا۔ یہ وہ برسبیلِ انکار واستہزار کہہ رہے ہیں۔ ف ۷۲ (قبولِ حیات سے پھر بھی دوبارہ زندہ کئے ہی جاؤ گے۔) [illegible]
[illegible] (یعنی تم ہڈیوں ہی کی حیاتِ ثانی پر تعجب کر رہے ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز

جَدِيْدًا ۝٤٩ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝٥٠ اَوْ
کئے جائیں گے؟ف آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی
خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ
اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہوف ۷۲ پھر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون
يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ
دوبارہ جِلائے گا؟ آپ کہیے کہ وہ وہی ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھاف ۷۳ پھر وہ آپ کے
اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ
آگے سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہو گا کب؟ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں یہ
يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝٥١ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ
(وقت) قریب ہی آپہنچا ہوف ۷۴ یہ اس روز ہو گا جب (اللہ) تمہیں پکارے گا سو تم اسکی حمد کرتے ہوئے حکم
وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٥٢ ع وَقُلْ لِّعِبَادِيْ
کی تعمیل کرو گے اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھےف ۷۵ اور آپ کہیے میرے بندوں سے
يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ
کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہوف ۷۶ بیشک شیطان لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے
اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝٥٣ رَبُّكُمْ
بیشک شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ہی ف ۷۷ تمہارا پروردگار
اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ
تم سب کا حال خوب جانتا ہے۔ وہ اگر چاہے تم پر فضل کر دے اور وہی اگر چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے

ع ۵ / ۱۲ / ۸

قبولِ حیات سے بعید تر تصور کر لو، پھر بھی بہر حال تم میں دوبارہ جان ڈالی ہی جائے گی۔
ف ۷۳ (جب کہ تم معدوم محض تھے) یہ وہ گروہ تھا جو وجودِ باری کا نہیں، صرف امکان بعث وحشر کا منکر تھا۔ اسی سے جرح ہو رہی ہے کہ تم جب اسے تسلیم کر رہے ہو کہ صانع حقیقی کی قدرت تمہیں عدم محض سے وجود میں لے آئی، تو اب کیا اسکی قدرت اس سے سلب ہو گئی ہے، جواب وہ اس سے آسان تر چیز یعنی ایجاد معدوم کے بجائے اعادۂ معدوم پر بھی قادر نہیں رہا ہے؟
ف ۷۴ مطلب یہ ہوا کہ جب یہ امکان قیامت کے مسئلہ پر لاجواب ہو جائینگے تو اب بحث یہ نکالیں گے کہ اچھا قیامت آئے گی کب؟ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ۔ سر کی یہ حرکت بطور اعراض وانکار ہو گی [illegible] نغض کے لفظی معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت دینے کے ہیں۔ [illegible] (ابن جریر)
ف ۷۵ (اس) دنیا میں اور قبر کے برزخ میں) احساس کا یہ فرق اس روز کی ہیبت وہول سے پیدا ہو گا۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ منکروں نے چونکہ یہاں سارا وقت سرکشی ونافرمانی میں صرف کیا، وہاں انکشاف حقائق کی گھڑی، یہ سارا وقت تمامتر ضائع شدہ اور معدوم معلوم ہو گا۔ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ۔ یہ پکار فرشتہ کے ذریعہ سے میدان حشر میں جمع ہونے کی ہو گی۔ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ یعنی تعمیلِ ارشاد اور حمد الٰہی پر اپنے کو مجبور ومضطر پاؤ گے۔ ف ۷۶ (حسن اخلاق وشائستگی کے اعتبار سے) ای ولا یخاشنو المشرکین (بیضاوی) لِعِبَادِيْ۔ عباد سے یہاں مراد مسلم ومطیع بندے ہیں۔ [illegible] آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ غیروں سے مناظرہ ومجادلہ میں حتی الامکان سب وشتم اور خشونت سے احتراز چاہیے ــــــ کاش ہمارے مولوی صاحبان اور لیڈر صاحبان کی اکثریت اس تعلیم پر غور کرتی! ف ۷۷ اس کا تو کام ہی لوگوں کو قبول حق سے دور کرنا اور باز رکھنا ہے) اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ۔ شیطان تو مومنین مطیعین کی زبان سے ایسے پُر خشونت الفاظ نکلوانے کی پوری کوشش کرے گا جو دلوں کو قبولِ حق سے اور دور کر دیں اور غیروں میں عداوت اور قساوت اور زیادہ پیدا کر دیں۔

٦٤ (اس لئے اگر اب بھی توبہ کرلو تو اس کی صفت غفر اب بھی سارے قصور معاف کر دے گی) اس کی اسی صفت حلم کا اثر ہے کہ مشرکانہ عقاید و اعمال پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ برابر مہلت ملتی رہتی ہے۔ ٦٥ (اور وہ باریک پردہ عدم فہم و عدم ارادہ فہم کا ہے) مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آخرت کے منکر یا آخرت فراموش ہیں جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بجائے اس سے متاثر ہونے کے یہ اپنے اور اس کے درمیان ایک حجاب حاجز سا محسوس کرتے ہیں۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی جب آپ انہیں قرآن بغرض تبلیغ سناتے ہیں۔ جَعَلْنَا الخ یہ ضمیر متکلم لا کر حق تعالیٰ کا اس فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا تمام تر تکوینی حیثیت سے اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ جس سے اس کی رضا کو قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مَسْتُوْرًا۔ ایسا جو عام طور پر نظر نہ آتا ہو۔ [illegible] ٦٦ حق تعالیٰ کے ضمیر متکلم لانے پر حاشیہ ابھی ابھی گزر چکا۔ اَنْ یَّفْقَهُوْهُ ان یہاں نفی کے معنی دے رہا ہے۔ [illegible] ٦٧ کہ انہیں دلچسپی تو خدا سے نہیں، بلکہ اس کے شریکوں دیویوں دیوتاؤں سے ہے (مشرک قومیں زبان سے تو خدا کا بھی اقرار کرتی جاتی ہیں لیکن حقیقۃً و عملاً ان کے قلب کا سارا تعلق جھوٹے خداؤں یعنی دیویوں دیوتاؤں سے رہتا ہے —— اور سخت افسوس ہے کہ یہی حال مشرک صفت، مبتلائے بدعات کلمہ گوؤں کا بھی ہوگیا ہے۔ جن بزرگ سے جس کسی کو اعتقاد ہوگیا ہے بس ساری توجہ و عقیدت کا مرکز اسی کی ذات رہتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ ٦٨ (اور وہ غرض بھی عیب جوئی، اعتراض و طعن ہوتی ہے) بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ۔ [illegible] آج بڑے بڑے نامور "مستشرقین" کی بھی غرض قرآن پڑھنے یا اسکا ترجمہ کرنے سے بجز اپنے اسی معاندانہ شوق کے پورا کرنے کے اور کیا ہوتی ہے؟ الا ماشاءاللہ

غَفُوْرًا ﴿٤٤﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ
بڑا مغفرت والا ہے ٦٤ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿٤٥﴾ وَّ
درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں ٦٥ یعنی
جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ
ہم ان کے دلوں پر اس طرف سے حجاب ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں
وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي
ڈاٹ دے دیتے ہیں ٦٦ اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی
اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ
پیٹھ پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں ٦٧ ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ لوگ اسے سنتے ہیں جب
يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ
یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ٦٨ اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم کہتے
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا
ہیں کہ تم تو بس ایک سحر زدہ مرد کی راہ پر چل رہے ہو ٦٩ آپ دیکھیے تو یہ لوگ آپ کے
لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾ وَ
لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ گمراہ ہو گئے تو اب رستہ نہیں پا سکتے ٧٠ اور
قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو ہم از سر نو پیدا اور جمع

٦٩ (جو خبط یا مالیخولیا میں مبتلا ہے) وَاِذْ هُمْ نَجْوٰى۔ یعنی جب یہ قرآن سننے کے بعد آپس میں آپ کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں۔ ٧٠ (حق و صواب کا یعنی قرآن کے ساتھ اور رسول کے ساتھ استہزاء کر کے انہوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بالکل ہی ضائع کر دیا ہے۔ اور اب انہیں راہ ہدایت بھلا کیا ملے گی!۔ فَضَلُّوْا۔ یعنی اب بالکل ہی گمراہ ہو گئے ہیں۔ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ۔ چنانچہ ان "عقلاء" قوم میں سے کوئی تو آپ کے لئے یہ رائے قائم کرتا کہ آپ شاعر ہیں اور کوئی یہ کہتا کہ آپ ساحر ہیں۔ کوئی روشن خیال صاحب یہ فرماتے کہ آپ "مجنون" ہیں اور کوئی یہ لگا لگاتے کہ ہو نہ ہو آپ کاہن ہیں —— بیسویں صدی کے "روشن خیال" بھی تو کچھ ایسی ہی طبع آزمائیاں فرماتے رہتے ہیں۔

۵۸ اے مشرکو! (قرآن مجید میں خطاب بار بار اور جلد جلد بدلتا ہے۔ اب خطاب مشرکین سے ہے۔ ۵۹ یعنی ایک تو اللہ کا صاحب اولاد ہونا ہی کیا کم ہے اور پھر اس پر اولاد بھی اسکی محض لڑکیوں کو قرار دیتے ہو۔ جن کا انتساب خود اپنی جانب باعث ننگ وتحقیر سمجھتے ہو! خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ جو ملائکہ کو دیویاں اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اس عقیدہ پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ۶۰ قرآن مجید کا اصلی، مرکزی، بنیادی موضوع تو توحید ہی ہے۔ مذمت شرک ومدح توحید کی تکرار اور تصریحات سے قرآن مجید اسی لئے لبریز ہے کہ یہ خوب

فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

ملامت زدہ (اور) راندہ کرکے جھونک دیا جائے گا ۵۸ تو کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو

بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ

مخصوص کرلیا لڑکوں کے ساتھ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ بیشک تم

لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا

(بڑی) سخت بات کہہ رہے ہو ۵۹ اور ہم نے اس قرآن میں (مضمون توحید کو)

الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ

طرح طرح بیان کیا ہے تاکہ اچھی طرح سمجھ لیں لیکن انہیں نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے ۶۰ آپ کہہ دیجئے

لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی

کہ اگر اس (معبود برحق) کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں تو اس وقت تک

ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ

انہوں نے عرش والے تک راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا ۶۱ پاک ہے وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو

عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ

یہ لوگ کہتے ہیں ۶۲ اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اسکی پاکی نہ بیان کرتی ہو

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا

البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو ۶۳ بیشک وہ بڑا حلم والا ہے

دلوں میں گھر کر جائے۔ لیکن مشرکین کی ضد اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اور الٹی توحید سے نفرت وبیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے! ۶۱ (اور نوبت مقابلہ ومقاتلہ کی آگئی ہوتی، جس سے نظامِ عالم کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا! آیت میں رد اُن مذاہب جاہلی کا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خدائے اعظم ہے جو عرش پر سریر آرا ہے۔ اور باقی اور دیوتا بھی بہت سے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کوئی اور بھی خدا ہے تو خدا ہونے کی حیثیت سے اسکے لئے بھی مستقلاً صاحبِ قوت، صاحبِ ارادہ، خود مختار ہونا لازم ٹھہرا تو جب دو یا زاید خدا ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں قوت واختیار کا استعمال اور باہمی جدال وقتال لازم ٹھہرا (جیسا کہ جاہلی مذہبوں کی روایتوں میں کثرت سے آیا بھی ہے) پھر اس جدال وقتال کے بعد یہ نظم کائنات کیونکر برقرار رہ سکتا تھا؟ ۶۲ اسکی شانِ ربوبیت، اس کی شانِ الوہیت، اس کی شانِ حاکمیت اعلیٰ میں کسی دیوی دیوتا کی شرکت کا گزر نہیں۔ وہ ہر ایسے انتساب سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے! ۶۳ (اے مشرکو!) وَمَنْ فِیْهِنَّ۔ انسان، جنات، حیوان، فرشتہ وغیرہ ساری ہی مخلوق اس میں آگئی۔ تسبّح۔ یسبّح ہر ایک مخلوق اپنے خالق کی قدوسیت کا اعلان اپنے مرتبۂ وجود کے متناسب ومطابق برابر کرتی رہتی ہے، خواہ زبان سے ہو یا زبان حال سے۔ موجودات عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث وامکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوبِ وجود کی بلکہ یکتائی، صناعی قدرت کی بھی شہادت علانیہ دے رہا ہے۔ محققین عارفین نے تصریح کی ہے (اور یہی بات دل کو بھی لگتی ہے) کہ آیت میں لفظ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی دونوں پر شامل ہے مطیعین کی تسبیح حقیقی وقالی ہوتی ہے غیر مطیعین کی صرف حالی۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ مشرکوں سے خطاب ہے کہ تم نے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی عقل کو اندھا کرلیا ہے تو تمہاری سمجھ میں یہ دلالت حالی بھی نہیں آتی جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق وصانع عالم کی قدوسیت وتوحید کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے! ~~[illegible] انواع الدلائل~~ (کبیر)

ہو سکے گا جو پ۴ و پ۵ میں اسی مسئلہ پر گزر چکے ہیں۔ التی ھی احسن کے تحت میں صرف مال یتیم کے وہ سارے طریقے آگئے جن سے خود یتیم کا نفع متصور ہو، خواہ تجارت ہو یا کچھ اور۔ الا احسن ما کان فیہ حفظہ لہ وتثمیرہ (جصاص) وقد دلت الآیۃ علی جواز اجارۃ مال الیتیم والعمل بہ مضاربۃ (جصاص) ۵۲ اور اپنے نفع و نقصان کو خوب پہچاننے لگے اور اس وقت اس کی جائداد اسکے حوالہ کر دی جائیگی ——— یعنی یتیم کی کم سنی بھر تو اسکی جائداد اولیاء کی نگرانی و انتظام میں رہے اور اولیاء ہمیشہ اسی کی مصلحتوں کو مصارف کے وقت ملحوظ رکھیں پھر جب وہ یتیم پوری طرح سن شعور کو پہنچ جائے تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کر کے خود سبکدوش ہو جائیں۔ بلوغ اشد کا معیار کیا ہے؟ مختلف فقہاء نے اسکے جواب میں مختلف عمریں تجویز کی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ سب محض تخمینے اور اندازے ہیں مختلف قوموں اور ملکوں میں بلکہ ایک ہی برادری کے افراد میں تو ائے جسمانی و ذہنی کی پختگی کا کوئی ایک سن متعین ہی نہیں اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی قصداً اسے مبہم ہی رکھا ہے۔ فقیہ

اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٤﴾

سن پختگی کو پہنچ جائے۵۲ اور عہد کی پابندی رکھو بیشک عہد کی باز پرس ہوگی۵۳

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

اور جب ناپو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو اور وزن بھی صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا

کیا کرو یہی اچھا ہے اور (یہی) انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۵۴ اور

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ

اس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بیشک کان اور آنکھ

وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٦﴾ وَلَا

اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہوگی۵۵ اور

تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ

زمین پر اترا کر نہ چلا کر تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے

وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ

اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۵۶ یہ سارے برے کام

عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ

تیرے پروردگار کے نزدیک بالکل ناپسند ہیں۵۷ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے

مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى

پروردگار نے آپ پر وحی کی ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ ٹھہرا ورنہ تو جہنم میں

ابوبکر الرازی مختلف عمروں کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔ واذا کان کذلک فالاشد لیس لہ مقدار معلوم فی العادۃ لا یزید علیہ ولا ینقص منہ وقد یختلف احوال الناس فیہ فیبلغ بعضہم الاشد فی مدۃ لا یبلغہ غیرہ فی مثلہا (جصاص) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ بلوغ عقل بھی اس سن کو کہیں گے جب قوائے عقلی و حسی و حرکی اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ وبلوغ الشد ان یکمل بعقلہ وقواہ الحسیۃ والحرکیۃ (کبیر) ۵۳ العہد کے تحت میں ہر قسم کے جائز وعدے اور معاہدے آگئے بلکہ اگر اسے ذرا زیادہ وسیع معنی میں لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ اعلم ان کل عقد تقدم لاجل توثیق الامر وتوکیدہ فہو عہد (کبیر) وحاصل القول فیہ ان مقتضی ہذہ الآیۃ ان کل عقد وعہد جری بین انسانین فانہ یجب علیہما الوفاء (کبیر) ۵۴ یعنی یہی احکام دین جو ابھی بتلائے گئے ہیں بجائے خود بھی فطرت سلیم کے مطابق ہیں اور نتائج بھی دنیا و آخرت دونوں میں انہیں سے بہتر نکلتے ہیں۔

وَاَوْفُوْا .... الْمُسْتَقِيْمِ۔ غرض یہ کہ تجارتی، معاشرتی، قانونی زندگی کے ہر شعبہ اور معاملات باہمی کی ہر شاخ میں پوری طرح دیانت، امانت و صداقت کے اصول پر کاربند رہو ——— اسلام کچھ ریت رسم یا پوجا پاٹ کے قسم کے اعمال کا نام نہیں۔ سارے نظام زندگی کو قانون الٰہی کے سانچہ میں ڈھال لینے کے مرادف ہے۔

۵۵ (قیامت کے دن) یعنی ہر ہر شخص سے سوال اس کا ہوگا کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا۔ اور ناجائز اور غلط موقعوں پر کتنا! ——— احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قضیے آج دنیا سے مٹ جائیں! ——— وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ یعنی بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہو لیا کرو البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجہ مختلف ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ کے متناسب فقہاء و اصولئین نے کہا ہے کہ قطعیات میں دلائل بھی قطعی ہونے چاہئیں اور ظنیات میں ظنی۔ فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض اٹکل سے بتا دینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔ وقد اقتضی ذلک نہی الانسان عن ان یقول فی احکام اللہ ما لا علم بہ علی جہۃ الظن والحسبان وان لا یقول فی الناس من السوء ما لا یعلم صحتہ (جصاص) ۵۶ (تو جب متکبرین کی وضع و ہیئت اس قدر ممنوع و مذموم ہے تو نفس تکبر کس درجہ کا ممنوع و مذموم ہوگا!) مقصود ہر طرح کے فخر و تکبر کی روک تھام ہے۔ ۵۷ (اور ان کی ممانعت صراحۃً یا دلالۃً اوپر مذکور ہو چکی) مَكْرُوْهًا۔ مکروہ کے معنی فعل ممنوع کے ہیں۔ المراد من المکروہ المنہی (کبیر)

۴۳ مخلوقات کی ضرورتوں سے مصلحتوں سے حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر و واقفکار اور کون ہو سکتا ہے؟ کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر و باطن دونوں کی خبر ہے۔ اس نے تقسیم دولت جملہ مقتضیاتِ حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق، تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔ یعنی اس کی مشیتِ تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اسکے ذرائع رزق وسیع کر دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ و محدود کر دیتی ہے۔ غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یوں ہی اندھا دھند اور بغیر کسی مقصد و مصلحت کے نہیں ہو رہا ہے۔ سب آئینِ حکمت اور نقشۂ مصلحت کے ماتحت مطابق ہی ہو رہا ہے۔ فالتفاوت فی ارزاقہم لیس لاجل البخل بل لاجل رعایۃ المصالح (کبیر) ۴۴ قتلِ اولاد کی حمایت میں ایک بڑی دلیل جاہلی قوموں کے ہاتھ میں والدین کی مفلسی رہی ہے اور اسی دلیل سے کام لے کر آج بیسویں صدی میں بڑے طمطراق کے ساتھ "منع حمل" کی تحریک کو اٹھایا گیا ہے۔ قرآن مجید اس نظریۂ باطل کی قطعی تردید کرتا ہے۔ سورۂ انعام پ۸ میں بھی اس پر حاشیہ گزر چکا۔ متعدد جاہلی قوموں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ افراد کا سب چونکہ عورتوں میں نہیں، صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا اور اس لئے زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ عرب جاہلی میں بھی یہی نظریہ عام تھا۔ کانوا یقتلون البنات لعجز البنات عن الکسب وقدرۃ البنین علیہ بسبب اقدامہم علی النہب والغارۃ (کبیر) ۴۵ (اور ہماری ربوبیت و رزاقیت کے قوانین ان اصول سے بالکل الگ ہیں جو تم نے اپنی محدود نظر

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی) کر دیتا ہے۔ بیشک وہی
بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھتے رہنے والا ہے۴۳ اور اپنی اولاد کو ناداری کے
خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ
اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو۴۴ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۴۵
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی
بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ
اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا
یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بُری راہ ہے۴۶ اور جس شخص (کی
النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ
جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اُسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر۴۷ اور جو کوئی ناحق قتل
مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ
کیا جائے گا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے۴۸ سو اسے چاہئے کہ قتل
فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا
کے باب میں حد سے آگے نہ بڑھے۴۹ بیشک وہ شخص قابل طرفداری کے ہے۵۰ اور یتیم کے مال
مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ
کے پاس بھی نہ جاؤ بجز اس طریق کے جو مستحسن ہے۵۱ یہاں تک کہ وہ اپنے

ع ۳ ۸ ۴

کے موافق معاشیات و اقتصادیات کے گڑھ رکھے ہیں) اسی طرح کی ایک آیت، ایسے ہی موقع پر سورۃ الانعام (رکوع ۱۹) میں بھی آئی ہے۔ مگر وہاں الفاظ ہیں نحن نرزقکم وایاھم یہاں اس کے برعکس صیغۂ غائب پہلے اور صیغۂ مخاطب بعد کو، یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ دو مسئلہ الگ الگ ہیں ایک چیز تو ہے نفسِ افلاس یا اس کا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری چیز ہے خوف افلاس، یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہو گئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی ——— قرآن مجید نے ان دونوں نفتوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اول الذکر کے موقع پر محض من املاق آیا ہے اور آخر الذکر کے موقع پر من خشیۃ املاق لایا گیا ہے۔ اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے لیکن جہاں من املاق ہے یعنی افلاس کا تحقق پایا جا چکا ہے وہاں خطاب براہ راست ہے۔ نحن نرزقکم وایاھم یعنی اے گروہ والدین تمہیں تو بہرحال ہم رزق پہنچا ہی رہے ہیں اسی طرح اولاد کو پہنچاتے رہیں گے اور جہاں خشیۃ املاق یعنی تحقق افلاس فی الحال نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں ترتیب خطاب میں ایک ذرا سا لطیف و نازک فرق کر دیا ہے نحن نرزقھم وایاکم ہم انہیں بھی رزق پہنچاتے رہیں گے جیسا کہ تمہیں اب تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ۴۶ یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے بھی۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی اور صلاح تمدن و معاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرہ پر بھی ایک داغ اور جسمانی، معاشری، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار و لحاظ سے بھی قابل نفرت۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی۔ الفاظ قرآنی پر غور رہو۔ لا تزنوا ارشاد نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے لا تقربوا الزنٰی زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس کے مبادی و دواعی مقدمات تک سے بچو۔ یقول تعالٰی ناھیا عن الزنٰی وعن مقاربتہ ومخالطۃ اسبابہ ودواعیہ (ابن کثیر) وھو نھی عن دواعی الزنا اولا ثم قید بالنھی عن نفس الزنا فقال ولا تزنوا (مدارک) گویا اس حکم امتناعی کے تحت میں بےحیائی و بےحجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہرے آ گئے ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دے دیا ہے۔ ورنہ اکثر قدیم و جدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود تو کوئی جرم ہی نہیں جب تک کہ جبر کی آمیزش یا حقوق شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں ایک عبادت یا عمل مقدس مان رکھا ہے! ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ ۴۷ یعنی جب تک کوئی شرعی سبب وجوب قتل یا جواز قتل کا نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک قتل ہرگز جائز نہ ہوگا۔ وَلَا تَقْتُلُوْا۔ قتل یہاں اپنے وسیع لغوی معنی میں یعنی ہلاک کے مرادف ہے۔ محدود اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں۔ جان لے لینے کی ہر صورت پر شامل ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف دھار دار آہنی آلہ سے جان نہ لو۔ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور جان تو ہر انسان کی محفوظ ہی ہے۔ تاآنکہ کوئی خاص سبب حسب قواعد شرعی اس کے واجب القتل یا مباح الدم ہونے کا نہ پیدا ہو جائے ۴۸ (قصاص طلب کرنے کا) تسلطا علی القاتل فی الاقتصاص (مدارک) ای فی استیفاء القصاص من القاتل (کبیر) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا۔ اس قتل ناحق کے تحت میں ہر وہ قتل آ گیا جو بغیر وجہ شرعی کے ہو۔ مظلوم کے لفظ نے یہ بھی صاف کر دیا کہ یہ قتل قتلِ عمد ہوگا، قتلِ خطا کو ظلم نہیں کہتے۔ ای غیر مستوجب القتل (بیضاوی) یدل علی ان القتل عمد عدوان فان الخطا لا یسمی ظلما (جصاص) وَلِیِّهٖ۔ اسی وارث کے تحت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کے وارث آ گئے۔ سُلْطٰنًا۔ سلطان کے معنی یہاں حجۃ کے لئے گئے ہیں۔ یعنی ولی کو حق قصاص حاصل ہوگا۔ سلطانا ای حجۃ (جصاص۔ عن ابن عباسؓ و سعید بن جبیر و مجاہد) ۴۹ یعنی یہ نہ کرے کہ جوش انتقام میں قاتل کے ساتھ غیر قاتل کو بھی قتل کر ڈالے یا اور کسی طرح زیادتیاں کرنے لگے ——— کہاں ایک طرف شریعت اسلامی کی یہ معتدل و متوازن تعلیم، اور کہاں بڑی بڑی مہذب فرنگی حکومتوں کا عمل متواتر کہ اگر اپنا ایک آدمی یا چند آدمی بھی مار دیئے گئے تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کر ڈالا! ۵۰ قانون شریعت تو خود ہی اس کی حمایت، نصرت اور پشت پناہی پر آمادہ ہے اور حکومت اسلام خود ہی مقتول مظلوم کے معاملہ میں مدعی بنی جاتی ہے پھر ایسے شخص کے وارثوں پر یہ شامت کیوں سوار ہو کہ وہ خواہ مخواہ حدود شرع سے تجاوز کریں اور دوسروں پر ظلم زیادتی کرتے پھریں۔ اِنَّهٗ، ضمیر ولی کی جانب لی جائے یا خود مقتول کی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے منقول دونوں ہیں۔ کلا المعنیین عائد الی الولی وقال مجاہد علی المقتول (جصاص) ۵۱ (شریعت کی نگاہ میں) یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کی دست اندازی روا نہ رکھو بجز ان صورتوں کے کہ جنہیں خود شریعت نے روا رکھا ہے۔ یتیموں کی جائداد کے تحفظ کے باب میں قرآن مجید کو جو اہتمام ہے اس کا اندازہ کچھ ان حاشیوں سے بھی

صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا

بچپن میں پالا، پرورش کیا۳۶ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اسکو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۳۷ اگر تم

صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾ وَاٰتِ

(دل سے) سعادتمند ہو تو وہ بھی توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑا مغفرت کرنے والا ہے۳۸ اور تو قرابت دار

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

کو (بھی) اس کا حق ادا کر اور محتاج اور مسافر کو (بھی ان کا حق)

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ

اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا۳۹ بیشک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے

الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَ

بھائی بند ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۴۰ اور

اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

اگر تجھے ان سے پہلو تہی کرنا پڑے اس انتظار میں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے وہ کشائش

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ

آئے جسکی تجھے امید ہو تو تو ان سے نرمی کی بات کہہ دے۴۱ اور تو نہ اپنا ہاتھ

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ

گردن ہی سے باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول

الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ

ہی دے ورنہ تو ملامت زدہ، تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا۴۲ بیشک تیرا پروردگار

۳۶ خدمتِ والدین کے سلسلہ میں محض سلبی ہدایات یا نواہی کافی نہیں۔ ایجابی اوامر بھی مل رہے ہیں قل لهما قولًا كريمًا تو ابھی آہی چکا ہے۔ اب دو ہدایتیں اور ملیں۔ واخفض لهما جناح الذل محاورۂ زبان کے اعتبار سے اس فقرہ سے والدین کے ساتھ انتہائی فروتنی اختیار کرنے کی تاکید نکل آئی۔ هو [illegible] الذل [illegible] في التذلل والتواضع [illegible] (جصاص) مبالغة في التذلل والتواضع لهما [illegible] المقصود [illegible] في التواضع (كبير)۔ قل ...... صغیرًا۔ یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان تندرست وتنومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بےکسی وبےبسی یاد دلادی گئی ——— قدرۃً یہاں پہنچ کر ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح ضعیف ومعذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج ودست نگر ہونا ہے۔ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا۔ والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق جذبات محبت وکشش بیدار ہو جائیں گے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے ——— اور پھر یہ دعا کرنا کہ ”اے پروردگار ان پر رحمت فرما“ گویا یہ دعا کرنا ہے کہ اے پروردگار انہیں دنیا وآخرت کی ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور کر، کہ لفظ رحمۃ عربی میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے۔ ولفظ الرحمة جامع لكل الخيرات في الدين والدنيا (البحر من التفضل) كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرت اسلامی میں بچوں کی پرورش والدین ہی کا حق ہے (اور ہر صالح تمدن میں یہی ہونا بھی ہے) نہ کہ حکومت کا یا کسی اور ادارہ کا ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۳۷ (اس لئے محض ظاہری اور لفظی تعظیم پر اکتفا نہ کرنا بلکہ دل سے بھی ان کی توقیر وتعظیم اور ادب ولحاظ میں لگے رہنا) اللہ اللہ خدمت والدین واطاعت والدین کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام منظور رہا ہے۔

۳۸ (اس لئے اگر اتفاقی طور سے کبھی کوئی بات تم سے ان کے مرتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو فوراً نادم ہو کر اسکی تلافی کرو) صٰلِحِيْنَ۔ یعنی نیکی اور حسن سلوک کا ارادہ رکھنے والے، ہماری زبان میں سعادتمند ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ اے قاصدین الصلاح والبر دون العقوق والفساد (بحر) قاصدين الصلاح والبر (کشاف) اَوَّابِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو غلطی یا لغزش صادر ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے ساتھ رجوع کریں۔ اے الراجعين اليه تعالىٰ التائبين عما فرط منهم مما لا يكاد يخلو منه البشر (مدارک) ۳۹ اسلام نفس جمع مال وکسب مال کا مانع نہیں۔ البتہ پہلے تو وہ کسب مال کیلئے شرائط جائز وحلال کی قید لگاتا ہے اور پھر صرف مال کے قاعدے مقرر کرتا ہے کہ مال ودولت پر تو عزیزوں کے، مسکینوں کے، نادار مسافروں، پردیسیوں کے حق قائم ہیں یہ انہیں کے کام میں آنے کی چیزیں ہیں۔ حَقَّهٗ۔ حق کا لفظ مالی وغیر مالی ہر قسم کے حقوق پر شامل ہے لیکن یہاں ذکر حقوق مالی ہی کا ہو رہا ہے۔ حق کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ عزیزوں، مسکینوں وغیرہ کی اعانت واجب ہے۔ انکا حق ہے کہ وہ مالداروں سے اعانت طلب کریں اور مالداروں پر لازمی ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر ان کی اعانت کریں ——— یہ معنی ہیں صحیح سوشلزم (اشتراکیت) کے۔ نہ یہ کہ ایک طرف ناداروں کو سرمایہ داروں کے خلاف بھڑکا دیا جائے اور غصہ دلا دیا جائے۔ اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری مالداروں کے قلب میں قساوت پیدا کر دے۔ خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی مل چکا ہے۔ اس کے معاً بعد یہ ہدایت لانا گویا یہ کہنا ہے کہ حقوق خدمت صرف والدین تک محدود نہ رہیں، والدین کے بعد ہی دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق اور سابقہ رکھنے والے کا۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے۔ جائز حدود کے اندر اس نے اسکی بھی پوری اجازت دی ہے۔ البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے قطعاً روکتا ہے جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔ تبذیر کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ایک معصیت بالذات مثلاً زنا، شراب، قمار بازی وغیرہ۔ اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ (۲) دوسرے معصیت بالغیر یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو، لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت وتفاخر وغیرہ ہو۔ التبذير انفاق المال في غير حقه (جصاص عن ابن عباس وعبد الله بن مسعود) التبذير تفريق المال في غير الحل والمحل (مدارک) ۴۰ کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل کی دی تھی مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں لٹا دیا) اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ یعنی ناشکری اور کفران نعمت میں شیطان کے مشابہ وہم سطح ہوتے ہیں۔ والمراد من هذه الاخوة التشبه بهم في هذا الفعل القبيح (کبیر) اخوان۔ اخ کا اطلاق عربی میں بہت وسیع اور ہر قسم کے اشتراک ومشابہت کے لئے عام ہے۔ يستعار في كل مشارك لغيره في القبيلة او في الدين او في صنعة او في معاملة او في غير ذلك من المناسبات (راغب) العرب يسمون الملازم للشيء اخاله فيقولون فلان اخو الكرم والجود واخو السفر اذا كان مواظبا على هذه الاعمال (کبیر) انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دیدی جائے جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے۔ وهي غاية المذمة لانه لا شر من الشيطان (کشاف) ۴۱ یعنی نرم زبانی اور انکی دلجوئی ملحوظ رکھ کر ان سے آئندہ کیلئے وعدہ کر لینا، کوئی کڑا اور دل شکن جواب انہیں ہرگز نہ دینا۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ یعنی جب وہ لوگ تم سے طالب اعانت ہوں اور عارضی طور پر تم خود اس وقت تہی دست ہو۔ عنهم سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا حقدار ہونا ابھی اوپر گذر چکا ہے۔ ۴۲ (جیسا کہ بے تحاشا اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے) خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصادی ومیانہ روی کی ہے ——— نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ اور نہ بالکل کنجوسی ہی نہ صرف بے محل، خلاف موقع، نہ موقع و محل پر صرف سے گریز۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے غایت بخل سے۔ اے لا تجعل يدك في انقباضها كالمغلولة الممنوعة عن الانبساط (کبیر) وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے انتہائے اسراف سے۔ اے ولا تتوسع في الانفاق توسعا مفرطا بحيث لا يبقى في يدك شيء (کبیر) فَتَقْعُدَ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۳۳۔

لا تبسطها

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿٢٠﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ

اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں ۳۱ تو دیکھ ہم نے

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ

ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے

دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ

درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی ۳۲ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود

اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿٢٢﴾ وَقَضٰى

نہ بنا ورنہ تو بیٹھ رہے گا بدحال بے یار و مددگار ہو کر ۳۳ اور تیرے

رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ

پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا ۳۴

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا

اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا

تو تو ان سے ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے

قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

ساتھ بات چیت کرنا ۳۵ اور ان کے سامنے محبت سے انکسار

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ

کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے

ع ۲ / ۱۲ / ۲

۳۱ یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک و بد، سعید و شقی، مقبول و مردود تکوینی طور پر خزانۂ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی و نباتی موجودات سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ كُلًّا یعنی ہر دو فریق۔ ای كل واحد من الفريقين (مدارک)

۳۲ (سو اصل اہتمام اور پورا اہتمام اسی آخرت کا چاہیے) وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ۔ جس آخرت میں یہ مرتبہ عطا ہوں گے وہ مخصوص ہے مومنین مقبولین کے لئے ——— آیت میں اشارہ اسی جانب ہے کہ دنیا میں جو فرق مراتب و مدارج تمہارے لئے محسوس و مشاہد ہے وہ تو اس قدر ہے تو آخرت میں باہمی فرق درجات تو اس سے ہزاروں گنا زیادہ نمایاں ہوگا! فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ ایک پر دوسرے کی فضیلت انعامات دنیوی کے لحاظ سے ہے۔ مال، جاہ، کمالات وغیرہ۔ اُنْظُرْ۔ سبق لینے کی نیت سے دیکھو۔ انظر بعين الاعتبار (مدارک)

۳۳ شرک کی ایک نمایاں قباحت اس دنیا میں تو یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے کٹ کر بالکل بے سہارے اور بے یار و مددگار رہ جاتا ہے ——— اور آخرت میں بھی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے۔ فَتَقْعُدَ۔ قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع و ہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے متمایز ہے بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہنے" سے مراد صرف ناخوشگوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے جیسے ان فقروں میں "صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا رو پیٹ کر بیٹھ رہے" "تھک کر بیٹھ رہے"۔ اسی طرح عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستمر ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔ ومنه المكث اى فتمكث فى الناس مذموما مخذولا وهذه اللفظة مستعملة فى لسان العرب والفرس فى هذا المعنى (كبير) معناه المكث سواء كان قائما او جالسا (كبير)

۳۴ ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل و بالغ اور صاحب اختیار ہو جائے تو بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کر لے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے اس کا عطف اُس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم و بلند ہے۔ بين الله تعالى بهذه الآية تاكيد حق الابوين فتقرن الامر بالاحسان اليهما الى الامر بالتوحيد (جصاص) آیت میں کوئی نسخ و تخصیص نہیں، والدین اگر مشرک ہیں تو ان کے حق میں دعائے ہدایت جاری رہنا چاہیے اور اگر مومن ہیں تو دعائے رحمت، لا نسخ ولا تخصيص لان الوالدين اذا كانا كافرين فله ان يدعو لهما بالهداية والارشاد وان يطلب الرحمة لهما بعد حصول الايمان (كبير) فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین اگر مشرک ہوں جب بھی ان کے ساتھ حسن معاشرت واجب ہے بجز اس کے کہ باب شرک میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ فامر بمصاحبة الوالدين المشركين بالمعروف مع النهى عن طاعتهما فى الشرك (جصاص)

۳۵ دنیا میں اس سطح ارض پر ایسی ایسی مہذب و شائستہ قومیں بھی گزری ہیں جن کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لئے بیکار بلکہ اس پر ایک بار ہو جاتے تھے تو سعادتمند صاحبزادے انہیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی وغیرہ پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مر جائیں یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ اسی سن میں والدین معذور ہو کر دوسروں کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور اسی سن میں ان کی خدمت طبیعت کو گراں گزرنے لگتی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں بھی مضمون آیا ہے کہ بڑا بد قسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر انہیں خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنا لے۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ جب ان کے سامنے ہوں کرنے کی بھی ممانعت ہو گئی تو ظاہر ہے کہ جو چیزیں اس سے بڑھ کر ان کے مقابلہ میں گستاخانہ یا ان کے حق میں تکلیف دہ ہیں۔ ان کی ممانعت تو کہیں زائد ہوگی۔ حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدین کو قولاً فعلاً بڑی چھوٹی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچانا جائز نہیں صرف لفظ "اُف" کے تلفظ سے روکنا ہرگز مقصود نہیں۔ ثم انهم توسعوا فذكروا هذه اللفظة عند كل مكروه يصل اليهم (كبير) والتقدير لا تقل لهما اف مثل ما يضرب المثل فى كل مكروه ولا خف وقل كثير المقصود من هذا الكلام للمبالغة فى تعظيم الوالدين (كبير) وبالوالدين احسانا سے اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف و نرمی کا حکم نکلا تو فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما سے قول میں انکے ساتھ ادب اور تمیز داری کی تاکید نکلی، اور وقل لهما قولا كريما سے مخاطبت و گفتگو میں ان کے ادب و عظمت کے لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا۔

ف یہاں اسی عام ضابطہ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کی شدت کفر وطغیان کی بنا پر حکمتِ الٰہی کو اس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اسے ایمان و اطاعت احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر عدول حکمی کرتے رہتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور بستی تہس نہس کر ڈالی جاتی ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَا۔ یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ مصالح تکوینی اور آئین حکمت کے ماتحت ہوتا ہے، رضائے الٰہی ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً۔ یعنی کسی بستی کی ہلاکت بطریق عذاب اسکی مسلسل نافرمانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے خود بخود نہیں واقع ہو جاتی۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا۔ اطاعتِ احکام الٰہی کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو امت کے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر پیشوا یا مقتدا کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ عوام تو بس انہی کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ گرفت دفعۃً اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی۔ پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ف۲۸ (اسے کسی اور کی اعانت کی ذرا بھی حاجت نہیں) صفات خبیر و بصیر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ حق تعالیٰ سب کے ظاہر و باطن سے پوری طرح خبردار ہے اور بصیرت میں کامل ہے۔ اس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بلا قصور سزا مل جائے۔ عام مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے ہاں انسانوں کے ساتھ برتاؤ کا کوئی قانون وقاعدہ ہی نہیں گاہے بسلامے برنجند گاہے بدشنامے خلعت دہند کا معاملہ رہتا ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ۔ یہ انہیں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے جو اپنے کفر وطغیان کے پاداش میں ہلاک ہوئیں۔ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ۔ یعنی جب سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے ——— دنیا از سر نو طوفان نوح کے بعد ہی آباد ہوئی اور تاریخ عالم کا آغاز کہنا چاہئے کہ اسی وقت سے ہوتا ہے۔

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا
پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس بستی کو تباہ و
تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ
غارت کر ڈالتے ہیں ۲۷ اور ہم نے کتنی ہی امتوں کو نوح کے بعد سے
بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا
ہلاک کر ڈالا ہے اور آپ کا پروردگار ہی اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا،
بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ
دیکھنے رہنے والے کی حیثیت سے کافی ہے ۲۸ جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو دنیا میں
فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ
سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فوراً ہی دیدیں گے پھر ہم اس کے
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَ
لئے جہنم رکھیں گے اس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر داخل ہو گا ۲۹ اور
مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ
جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کرے گا بشرطیکہ
مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾
وہ مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہو گی ۳۰
كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ
ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان میں سے بھی اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے

ف۲۹ آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسرِ حق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت کھٹا کھٹ چلی آ رہی ہے اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی چیز نہیں۔ دیکھنا تو یہ چاہئے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہی تو انجام تمامتر خراب ہی ہونا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اسی عارضی و فانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ دونوں قیدیں اہم ہیں یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی، جس کے لئے اور جس حد تک مشیتِ الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہو گی۔

ف۳۰ (اللہ کے ہاں اور ایسوں کو اجر پورا مل کر رہے گا) بہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالب عقبیٰ کو (جو حقیقۃً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) اسے ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمحِ نظر اس مکمل و پایدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے ——— گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ محض تمنا ہرگز کافی نہیں۔ جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اسکی طرف قدم بڑھائے محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے۔ اور عمل بھی اپنے ظن و تخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو ——— گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی حسب ضابطہ شریعت۔ اعمال وطاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہو سکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ تیسری اور سب سے زبردست شرط تصحیح عقیدہ کی ہوئی منکر قانون الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔

۲۱ (اس کتاب عزیز و حکیم کے اندر) محوناً- جعلنا- دن جیسا کہ وہ ہے اور رات جیسی کہ وہ ہے، انکی ترتیب، ترکیب سب کچھ اللہ ہی کی کارگیری کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ محض بخت و اتفاق سے خود بخود وجود میں آگئے ہوں یا کسی دیوی دیوتا نے انہیں خلعت وجود سے مشرف کیا ہو۔ لِتَبْتَغُوْا- وَلِتَعْلَمُوْا- سورج ہو کر چاند، دن ہو کر رات، سب کی خلقت کی غایت انسان کی خدمت ہے نہ یہ کہ انسان ہی الٹی ان کی پرستش میں لگ جائے۔ كُلَّ شَيْءٍ کو اگر بالکل اپنے لفظی معنیٰ میں لیا جائے اور اسکے اندر چھوٹی بڑی ہر قسم کی چیز سمجھ لی جائے تو مراد بجائے قرآن کے لوح محفوظ ہوگی۔ لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ- یعنی تلاش معاش میں مشغول رہو جس کی صورتیں بے شمار ہیں اور ان سب کے لئے دن کی روشنی اور اجالے کا انتظام حق تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ایک معمولی مظہر ہے۔

رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَ

تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور (دوسرے) حساب معلوم کر لیا کرو اور

كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝۱۲ وَكُلَّ اِنْسَانٍ

ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے ۲۱ اور ہر انسان کا عمل

اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ

ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے ۲۲ اور اس کے واسطے قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ

ہم (اس کا) نامۂ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لیگا ۲۳ (لے) اپنا نامۂ اعمال پڑھ

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴ۭ مَنِ

آج تو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے ۲۴ جو کوئی

اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

راہ پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی بے راہی کرتا ہے

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ

وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا ۲۵

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ وَاِذَآ

اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو ہم بھیج نہیں لیتے ۲۶ اور جب

اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا

ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے تو اس (بستی) کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ- دنیا اور دین کے سارے کاروبار اسی وقت و زمان ہی کے حساب و کتاب پر معلق رہتے ہیں۔

۲۲ یعنی ہر شخص کا عمل نیک ہو یا بد، ہر حال میں ہم نے اسکے ساتھ بطور جزو غیر منفک کے لازم کر دیا ہے۔ طٰۗىِٕرَهٗ- ہر مکلف انسان کے افعال اختیاری مراد ہیں۔ العمل الصادر منه باختياره (روح) ... اَلْزَمْنٰهُ فِيْ عُنُقِهٖ- محاورۂ عرب میں شدت لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ تصوير لشدة اللزوم وكمال الارتباط (روح) ... عادة العرب (جصاص) ... في عنقه ...

۲۳ یہ نامۂ اعمال جو اس وقت تک عالم غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہوگا، حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ ۲۴ (کسی اور کو ضرورت ہی نہیں کہ تجھے تیرے اعمال گنائے) اِقْرَاْ كِتٰبَكَ- یہ بندہ سے کہا جائے گا۔ نامۂ اعمال کے اس تھرا دینے والے ذکر پر اس نامہ سیاہ کو اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیاں یاد آگئیں لیکن ساتھ ہی بندہ نواز مولیٰ کی بے انداز شفقتوں اور بے حد و حساب بندہ پروری کا بھی خیال آگیا! اللہ ٹھنڈی رکھے اقبالؔ کی تربت کو کیا لاجواب مضمون باندھ گیا ہے۔ گو پیرایۂ ادا ذرا خلاف ادب ہے ؎

روزِ حساب جب میرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

۲۵ مشرک قوموں کا تو ذکر ہی نہیں، خود اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ہاں انفرادی ذمہ داری مٹ مٹا کر سارا زور مسئلہ "شفاعت" و "کفارہ" وغیرہ پر رہ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے ان عقاید کی پر زور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔

۲۶ یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا گیا کہ تبلیغ دین، رسول یا اس کے کسی نائب کے ذریعہ سے ہو جانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ اور محققین نے اس سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اصلا خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذب نہ ہوں گے۔ اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اگر اسلام لے آئے اور اسے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے تو جب تک اطلاع نہ پہنچ لے اس پر ان واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔ هذا يدل على ان من اسلم من اهل الحرب ... بالصلوٰة والزكوٰة ... (جصاص) ... اور نتیجہ یہ بھی نکالا ہے کہ جب تک رسول ہی کے پیامات کی مخالفت نہ ہو محض عقلی واجبات و فرائض کی مخالفت سے عذاب ہلاکت نازل نہیں ہوتا۔ انه لا يعذب عذاب الاستيصال ... السمع بالرسول ... موجبات احكام العقول ... من جهة الرسول ... عذاب الاستيصال (جصاص)

ف١٥ (اور تم کو مزید ذلت و ادبار سے بچالے) اب خطاب اُن اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور براہِ راست مخاطب تھے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پچھلی تباہیاں جو آنا تھیں آچکیں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے خاتم النبیینؐ پر، شریعت موسوی وعیسوی کے جامع پر اگر آج ایمان لے آؤ اور شریعت اسلامی کو قبول کرو، تو اب بھی یہ ادبار ٹل سکتا ہے۔ ف١٦ یہ آخرت کی سزا دنیوی سزا کے علاوہ ہے۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفت حق، وہی انانیت واستکبار جاری رکھا تو پھر وہی سزائیں قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں —— بدنصیب یہود عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انکے سارے پُرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع وغیرہ ایک ایک کر کے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔ حَصِیْرًا۔ یہ عالم آخرت کا وہ حلقۂ عذاب ہوگا جس سے کافر کبھی مخلصی حاصل نہ کر سکیں گے۔ [illegible]

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ
عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر مہربانی کرےف١٥ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی ہی
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨ اِنَّ هٰذَا
کرینگے اور جہنم کو تو ہم نے کافروں کا قید خانہ بنا ہی رکھا ہےف١٦ بیشک یہ
الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
قرآن ایسے (طریقہ) کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩
جو نیک عمل کرتے رہتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہےف١٧
وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ
اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ
دردناک تیار کر رکھا ہےف١٨ اور انسان برائی کی درخواست بھی (اسی تقاضہ سے) کرتا ہے
بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝١١ وَجَعَلْنَا
(جس طرح) بھلائی کی درخواست اور انسان ہے ہی جلد بازف١٩ اور ہم نے رات
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ
اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہےف٢٠ سو ہم نے رات والی نشانی کو تو دھندلا بنایا اور
جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ اپنے پروردگار کی روزی

وقف لازم

ع ١

منزل ٤

[illegible] ف١٧ صلاح و فلاح دارین، دنیوی واخروی فوز و کامرانی کی راہیں اسی کتاب حقیقت ترجمان سے وابستہ ہیں۔ ذرا اس پر عمل کر کے دیکھو تو۔ اَقْوَمُ سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ سابق کتب آسمانی کی بتائی ہوئی راہیں بھی اپنی اپنی جگہ سیدھی ہیں لیکن یہ قرآن والی شاہراہ سب سے بڑھ کر اور سب کی جامع ہے۔ [illegible] یَهْدِیْ۔ اس کا مفعول عام ہے۔ یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے۔ کسی مخصوص فرقہ کو نہیں۔ [illegible] ف١٨ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنٰی میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے اس لئے کہ یہود باوجود دعوئ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کر دیتی ہے —— موجودہ توریت محرف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے۔ سارا زور اسی دنیا کے انعامات کا ہے ف١٩ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا) یَدْعُ الْاِنْسَانُ۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔ [illegible]

یَدْعُ .... بِالْخَیْرِ۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا، اپنے کو عذاب یا برائی کی دعوت ہی دینا ہے۔ کَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اس کے ماتحت وہ انسان نہیں آتے جنہوں نے اپنے کو اتباعِ شریعت سے مہذب و مزین کر لیا ہے۔ اس ذرا سے فقرہ میں گمراہ و باطل پرست انسان کی ساری ذہنیت کی تشریح آگئی۔ ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کی طرف لے جانے والی چیز انسان کی یہی عجلت پسندی اور فوری لذت کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ذرا وہ سوچ سمجھ سے کام لے لیا کرے تو کبھی ان نتائج کی نوبت ہی نہ آئے۔ ف٢٠ (اپنی قدرت، صنعت وحکمت کی) حکمت وعرفان کی نظر سے دیکھا جائے تو رات اور دن کے طلوع وغروب میں ان کی مسلسل پابندیوں میں حکمتوں اور صنعتوں کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی۔ بدبخت قوموں نے الٹا انہیں بھی دیوی دیوتا مان کر ان کی پرستش شروع کر دی۔

عقیدۂ توحید ہے) ۷ (خلق پر ظلم کرکرکے اور خالق کے قانون سے بغاوت اختیار کرکرکے) فسادٍ فی الارض اور علوّ دونوں سے مراد حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کا اتلاف ہے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ۔ وَقَضَيْنَآ ..... الکتٰب یہ خبر بنی اسرائیل کو ان کے مختلف پیغمبروں کے ذریعہ سے سنادی گئی تھی ——— خود توریت ہی کے بعض مقامات انذاری پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً احبار باب ۲۶۔ یا استثناء باب ۲۸۔ پھر اسکے علاوہ یرمیاہ نبی کی ہولناک پیش گوئیاں موجود ہیں اور حضرت یحییٰ نبی اور حضرت عیسیٰ نبی کی انذاری پیشگوئیاں، سب انہیں اسرائیلی صحیفوں میں ہیں، مَرَّتَيْنِ. یوں تو قوم اسرائیل کی تاریخ تباہیوں اور بربادیوں ہی کی ایک مسلسل سرگزشت ہے، تاہم دو مرتبہ کی قیامت خیز ہلاکتیں تاریخ کے صفحات پر بہت گہرے الفاظ میں نقش ہیں۔ ایک بار ۵۸۶ ق م میں بخت نصر تاجدار بابل و نینوا کے ہاتھوں اور دوبارہ ۷۰ء میں رومی شہنشاہ طیطاوس (TITUES) کے زمانہ میں۔ ۸ (اور تمہارے جرائم تمہیں عقوبت شدید کا مستحق بنادیں گے) یرمیاہ نبی کی کتاب جو آج بھی صحائف عہد عتیق کا ایک جزو ہے، دیکھی جاسکتی ہے۔ یہود کی شرارتوں، بدکاریوں کی داستان سے لبریز ہے۔ احبار اور ربیون کے نزدیک بھی انتقام الٰہی کی محرک یہود کی تباہ کاریاں ہی ہوئی تھیں ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ۹ (اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی)

الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ

جتلا دیا تھا کہ تم ملک میں دوبار بڑی خرابی پیدا کروگے اور بڑا زور

عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ

چلانے لگوگے ۸ پھر جب دو باروں میں سے پہلی کی میعاد آئے گی ۹ تو ہم تمہارے اوپر اپنے

عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ

(ایسے) بندوں کو مسلط کردیں گے جو بڑے جنگجو ہونگے سو وہ گھروں میں گھس

الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ

پڑیں گے ۱۰ اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہوکر رہے گا ۱۱ پھر ایک بار پھر ہم تمہارا

الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ

ان پر غلبہ کردیں گے ۱۱ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرینگے

وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ

اور تمہیں ایک بڑی جماعت بنادیں گے ۱۲ اگر اچھے کام کروگے اپنے ہی لئے

لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ

اچھائی کروگے اور اگر برائی کروگے تو بھی اپنے ہی حق میں ۱۳ پھر جب پچھلی بار میعاد

الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ

آئے گی (ہم دوسروں کو مسلط کردیں گے) تاکہ تمہارے چہرے بگاڑدیں اور تاکہ (تمہاری) عبادتگاہ میں

كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦

گھس پڑیں جیسا کہ اس میں (اگلے لوگ) اگلی بار گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر بھی زور چلے اسے تہس نہس کرڈالیں ۱۴

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ. اس عالم اسباب میں سزا و غضب الٰہی کا انفاذ ہمیشہ کسی نہ کسی مخلوق ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے ہوگا۔ بعثت سے یہاں مراد بعثت تشریعی نہیں، محض بعثت تکوینی ہے اور عباد سے مراد وہ انسان جو عذاب الٰہی کے کارندوں کی حیثیت سے ان پر مسلط کئے گئے تھے اور ان کیلئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ خود بھی مومنین صالحین میں سے ہوں۔ اس لئے عِبَادًا لَّنَآ پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بخت نصر تو ایک کافر تاجدار تھا پھر قرآن نے اسکے لشکر کا انتساب اپنی جانب کیسے کرلیا۔ یہی مضمون یہود کے مقدس صحیفہ یرمیاہ میں بھی ہے اور اس میں بخت نصر کو خدا کا خدمت گذار کہا گیا ہے:۔ ”رب الافواج یوں کہتا ہے۔ اس لئے کہ تم نے میری باتیں نہ سنیں، دیکھ میں اُتر کے سارے گھرانوں کو اور اپنے خدمتگزار شاہ بابل بنوکد نضر کو بُلا بھیجوں گا“ (یرمیاہ۔ ۲۵: ۸، ۹) اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ بابل والے عموماً بڑے جنگجو اور نبرد پیشہ تھے، اور بخت نصر کی خون آشامی کے ذکر سے تو تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ جَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ بخت نصر کے لشکر نے جس جس طرح سرزمین شام کو تاخت و تاراج کیا، ہیکل سلیمانی کو شہید کیا، شہر میں آگ لگائی، ایک ایک گھر میں گھس گھس کر جان، مال، عزت سب کو برباد کیا، یہ سب اسی مختصر جامع فقرۂ قرآنی کی تفصیلات ہیں۔ ۱۰ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں خود یہ وعید اور پھر اس کے ظہور محل دونوں کی تفصیلات درج ہیں۔

”میں ایسا کروں گا کہ ان کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز، دلہے کی آواز، دلہن کی آواز، چکّی کی آواز اور چراغ کی روشنی باقی نہ رہے اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائیگی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کرینگی۔ اور ایسا ہوگا خداوند کہتا ہے کہ جب ستر برس پورے ہونگے، میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کی سرزمین کو ان کی بدکاری کے سبب سزا دوں گا اور میں اسے ایسا اجاڑوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے“ (یرمیاہ۔ ۲۵: ۹-۱۲) ”خداوند نے صیہون کی بیٹی کو اپنے قہر کے ابر تلے چھپادیا۔ اس نے اسرائیل کے جمال کو آسمان سے زمین پر پٹک دیا اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں رکھنے کی کرسی کو نہ یاد کیا۔ خداوند نے یعقوب کے سارے مکانوں کو غارت کیا اور رحم نہ کیا۔ اس نے اپنے قہر میں یہوداہ کی بیٹی کے قلعوں کو ڈھادیا، اس نے انہیں خاک کے برابر کردیا اس نے بادشاہت اور امیروں کو ناپاک کیا اُس نے اپنے قہر شدید میں اسرائیل کا ہر ایک سینگ بالکل کاٹ ڈالا“ (یرمیاہ کا نوحہ۔ ۲: ۱-۳) ۱۱ (کسی ایسی حکومت کے ذریعہ سے جو تمہاری ہمدرد و ہوا خواہ ہوگی اور یہ اس وقت جب تم اپنی حرکتوں پر پشیمان ہولو گے)

دارائے اول سایرس یا مورس شاہ ایران نے کلدانیوں کو شکست دیکر اور خود ان کے ملک پر قابض ہوکر ۵۳۹ ق م میں یہود کو جلاوطنی سے نجات دے کر وطن جانے اور اسے دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ قرآن مجید کا یہ اشارہ اسی تاریخی واقعہ کی جانب ہے۔ ۱۲ یعنی تمہاری جو جائدادیں چھن گئی تھیں وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور تمہارے افراد جو قید ہوگئے تھے چھوٹ کر اپنے وطن آجائینگے اور تمہاری آبادی اچھی خاصی ترقی کرجائے گی۔ جلاوطنی کے بعد اسرائیلیوں کو جو مال واپس ملا تھا، اس کا تذکرہ عہد عتیق میں ہے۔ ۱۳ (اور خود ہی سزا بھگتوگے) یہ سب کچھ اسرائیلیوں سے اسی وقت ان کے پیمبروں کی وساطت سے کہہ دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اس کے تحت میں ساری ہی نیکیاں اور طاعتیں آجاتی ہیں، لیکن خاص اشارہ اور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم نے انبیاء کا اتباع شروع کردیا ——— یہود کا اصل اور بنیادی جرم ہی اپنے انبیاء سے بار بار سرکشی اور نافرمانی تھی، توحید کے تو وہ بہرحال کسی نہ کسی صورت میں قائل ہی تھے۔ ۱۴ یعنی جس طرح چھ صدیوں قبل کلدانی اور بابلی سپاہیوں نے تمہیں ہلاک و تباہ کرڈالا تھا اور تمہاری عبادتگاہ میں آگ لگادی تھی۔ اب کی بار رومی سپاہی عذاب الٰہی کے مؤکل بن کر تم پر نازل ہونگے ——— ان پیش خبریوں کا عملاً جس طرح ظہور ہوا، اس کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جن دو بار کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، ان میں سے دوسری بار ——— ۷۰ء میں ٹائیٹس رومی کے عہد میں۔ پہلی سزا شریعت موسوی کے ترک و تحریف پر ملی تھی۔ اب یہ دوسری سزا رسالت عیسوی کی مخالفت و انکار پر دی جارہی ہے۔ ~~[illegible] لِيَسُوْۗءٗا ... لِيُتَبِّرُوْا ان تینوں افعال میں لام تعلیل ہے~~، مراد اس سے مقصود الٰہی تکوینی کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ مقصود الٰہی تشریعی کا ——— مظہر ارادۂ الٰہی کا ہے نہ کہ رضائے الٰہی کا۔

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّيَّةٌ وَّهِیَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا
سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ
پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتی رات
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے
بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
اردگرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تاکہ اُن (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں بیشک سمیع
الْبَصِيْرُ (1) وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ
بصیر (وہی اللہ) ہے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے اس
هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ
(کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے (ذریعہ) ہدایت بنایا تھا کہ کہیں میرے سوا کسی اور کو کارساز مت
وَكِيْلًا (2) ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
قرار دے لینا اے ان لوگوں کی نسل جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا وہ بے شک
عَبْدًا شَكُوْرًا (3) وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي
بڑے شکر گذار بندہ تھے اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ

ف۱ (اور اپنے اس برگزیدہ بندہ کو اس عجیب اور انوکھی سرفرازی سے نواز دیا) سُبْحٰنَ وہ ذات ہر نقص اور کمی سے پاک، ہر عجز سے منزّہ، ہر قید اور حد بندی سے بالاتر ہے۔ تسبیح کا لفظ لایا ہی ایسے موقع پر جاتا ہے جہاں کسی امر اہم وعظیم الشان کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام (ابن کثیر) لَيْلًا یعنی رات کے ایک حصہ میں۔ ایک ہی رات کے تھوڑے سے وقت میں۔ اسریٰ کے معنی میں تو خود ہی رات کا سفر داخل ہے السریٰ سیر اللیل (راغب) لفظ لیلًا بصیغۂ نکرہ کے اضافہ سے بہ تاکید و تصریح مقصود ہے کہ اتنا بڑا سفر جو عادۃً کئی کئی ہفتہ میں یا بہ دن کی مدت میں ممکن تھا فوق العادۃ طور پر رات کی چند گھڑیوں ہی میں انجام پاگیا اراد بقولہ لیلا بلفظ التنکیر تقلیل مدۃ الاسراء وانہ اسری بہ فی بعض اللیل من مکۃ الی الشام مسیرۃ اربعین لیلۃ (کشاف) وفائدۃ الدلالۃ بتنکیرہ علی تقلیل مدۃ الاسراء (بیضاوی) بِعَبْدِهٖ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہے۔ محلِ تخصیص پر قرآن مجید میں آپ کو اکثر عبد ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً نزل القراٰن علیٰ عبدہٖ یا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا۔ وغیرہ لفظ عبد سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ بہ ایں شرف وکرامت و بہ ایں کمالات معجزانہ محمد مصطفےٰ صلعم عبد محض ہی رہے، یہ نہیں ہوا کہ کچھ شرکت الوہیت و ربوبیت میں ہوگئی ہو۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز مثال سب کے سامنے ہے۔ وقیلہ حکمۃ اخریٰ فی التعبیر بہا دون حبیبہ ... صلعم ... للنصاریٰ فی نبیہم (روح) اور مقام عبدیت میں پستی تو صرف عوام وجہلا کو نظر آتی ہے محققین عارفین کے نزدیک یہ تو عین اشرفیت اور کمال افضلیت کا مظہر ہے۔ والعبودیۃ علیٰ ما نص علیہ العارفون اشرف الاوصاف واعلی المراتب (روح) یہ واقعہ معراج پیش کب آیا تھا؟ ہجرت سے قبل قیام مکہ کے زمانہ میں تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہجرت سے کتنا قبل ہے اس میں بھی کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ سال سوا سال قبل پر اتفاق ہے۔ بعض تابعین کی روایت پورے ایک سال کی ہے، اور بعض کی ۱۶ مہینہ کی۔ عن الزہری کان الاسراء قبل الہجرۃ بسنۃ وکذا قال عروۃ وقال السدی بستۃ عشر شہرا (ابن کثیر) اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ سے یہ حقیقت بھی صاف ہوگئی کہ اس سفر کا کرانے والا، اس عجیب و معجز واقعہ کو تکمیل تک پہنچانے والا حق تعالیٰ تھا۔ رسولؐ خود نہ تھے۔ جس حیرت انگیز شبانہ سفر نبوی کا یہاں ذکر ہے اس کا اصطلاحی نام معراج ہے۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ معراج ایک نہیں متعدد واقع ہوئی ہیں لیکن محققین کا ارشاد ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اور علماء سلف میں سے کوئی اس طرف نہیں گیا ہے۔ ہذا بعید جدا ولم ینقل ہذا عن احد من السلف (ابن کثیر) معراج سے متعلق اور بھی بڑی بڑی بحثیں پیدا ہوگئی ہیں مثلاً یہ کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، بیداری میں ہوئی یا حالتِ خواب میں، مختلف جوابات مختلف فریقوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور ہر ہر فریق کچھ نہ کچھ دلائل بھی اپنی تائید میں رکھتا ہے لیکن آیتِ قرآنی کی تفسیر ان میں سے کسی پہلو کے بھی اختیار کرنے پر موقوف و معلق نہیں۔ واقعہ معراج جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ بھی پیش آیا ہو بہرحال ایک حیرت انگیز معجزہ اور عام بشری تجربہ سے مافوق واقعہ ہوا ہے اور اسکے نفس وقوع پر ایمان رکھنا واجب ہے —— پیمبران کو جو جو تجربے کرائے گئے ہیں (اکیلے سید الانبیاء ہی کو نہیں ابراہیم خلیلؑ اور دوسرے انبیاء کو بھی) ان کی پوری تفصیلات عام انسانوں کے ذہن کی گرفت میں آ ہی کب سکتی ہیں؟ بقول عارف رومیؒ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

محدث سہیلیؒ نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض الانف میں ایک مستقل عنوان یہ قائم کیا ہے ہل کان الاسراء فی یقظۃ ... او کان فی نومہ ... (آپ کی معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی تھی یا حالت خواب میں محض روحانی؟) اور خود سیرۃ ابن ہشام میں محدث اور مشہور صاحب السیرۃ ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے چنانچہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپؐ کو عجائب الٰہی میں سے یہ جو کچھ دکھلایا گیا یہ خواب یا بیداری کس حالت میں دکھایا گیا بہرحال جو بھی حالت ہو وہ عین حق و صدق ہے۔ قال ابن اسحٰق وکان رسول اللہ صلعم یقول فی ما بلغنی تنام عینی وقلبی یقظان اللہ اعلم ای ذلک کان قد جاءہ وعاین فیہ ما عاین من امر اللہ علی ای حالیہ کان نائما او یقظان کل ذلک حق وصدق۔ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی خانہ کعبہ کی مسجد سے اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا یعنی قبلہ اول بیت المقدس کی مسجد تک اقصیٰ یعنی شہر مکہ سے بہت دور۔

ف۲ واقعہ اسرا ایک تو بجائے خود عجیب و غریب، مکہ معظمہ سے یروشلیم کی صدہا میل کی مسافت کا گویا آناً فاناً طے ہوجانا اور پھر حسب تصریح احادیث بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا اور پھر ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب ترین۔ الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ یعنی ملک شام بٰرکنا کے تحت میں مادی و روحانی ہر قسم کی برکتیں آگئیں، ملک کی سرسبزی و شادابی، سرزمین سے (بزبان توریت) دودھ اور شہد کی نہروں کا ابلنا برکت مادی کی مثال ہوئی، اور انبیاء کرام کا کثرت سے اس سرزمین سے اٹھنا اور اسی کی خاک میں مدفون ہونا روحانی برکتوں کو واضح کر رہا ہے۔ برکات الدین والدنیا (بیضاوی) مِنْ اٰيٰتِنَا یہ عجائبات جو کچھ بھی تھے ان کی حیثیت محض آیات الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت و حکمت کے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں، تفریح اور تماشہ کی نہ تھی۔ اوپر سے بیان صیغۂ غائب چلا آرہا تھا، یہاں کا صیغۂ متکلم میں منتقل ہوگیا۔ یہ انتقال ان برکات و آیات کے اظہار عظمت و تکریم کے لئے ہے وصرف الکلام من الغیبۃ الی التکلم لتعظیم تلک البرکات والاٰیات (بیضاوی) ف۳ (رسولؐ کے ان مراتب قرب و کمال قرب سے کہیں یہ نہ سمجھنے لگنا کہ آپ بھی ان صفات باری میں کچھ شریک ہوگئے تھے معاذ اللہ سمیع و بصیر تو بلا شرکت غیرے وہی حق تعالیٰ ہی ہے) یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ پر سب کچھ روشن ہے، اس نے رسولؐ کے اقوال سن کر اور احوال کو دیکھ کر آپؐ کو اس درجہ کا قرب عطا کیا۔ ف۴ توریت موجودہ میں اب تک متعدد آیتیں تعلیم توحید کی مل رہی ہیں مثلاً ”خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں، میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے سے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ انکی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں“ (خروج ۲۰:۲-۵) الْكِتٰبَ توریت کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ یہود برائے نام تو ہمیشہ توحید کے قائل رہے ہیں، البتہ دنیا پرستی میں مبتلا ہوکر عملاً اس راہ سے بار بار ہٹ جاتے تھے یہ وعید اسی پر ہو رہی ہے۔ ف۵ (اور اسی طرح ہلاکتِ عام سے بچالیا تھا) سو اے اسرائیلیو! اس کو کہ یہ خطاب تمہیں سے ہے۔ ہم ہی نے اس ہلاکت عام کے وقت تمہارے مورثوں کو بچالیا تھا اور تم انہیں بچے ہوؤں کی نسل میں ہو۔ تم پر تو شکر گذاری اور زیادہ واجب ہے۔ مَعَ نُوْحٍ نوحؑ، ان کی کشتی اور طوفان سب پر حاشیہ پہلے گذر چکے۔ ذُرِّيَّةَ۔ صیغہ ندا کا ہے ”اے ذریت“ کے معنی میں ... یا ذریۃ من حملنا (معالم) ف۶ (اور شکر گذاری ہی کی ایک بڑی فرد

۱۸۶ (اپنے پیمبروں کی ہدایات واحکام سے) جُعِلَ السَّبْتُ۔ یعنی ان لوگوں پر اس روز کا تعطل تو بطور سزا عاید کیا گیا تھا۔ اصل دینِ ابراہیمی میں نہ تھا۔ السبت۔ ہفتہ کا ساتواں دن سنیچر یا شنبہ۔ جو شریعتِ یہود کی
ایک مقدس دن تھا، جس میں ہر دنیوی مشغولیت سے احتراز واجب تھا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ فِيْهِ۔ یعنی احکام حرمتِ سبت کے بارہ میں۔ ۱۸۷ یہ اختلافات خواہ آپس کے ہوں یا اپنے پیمبروں اور ہادیوں کی ہدایات
سے۔ لَيَحْكُمُ۔ اس فیصلہ سے فیصلہ عملی ومشاہد یعنی ترتب اجر وعذاب مراد ہے۔ ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ ~~والمعنی انہ تعالیٰ یحکم یوم القیمۃ بین المحقین بالثواب والمبطلین بالعقاب (کبیر)~~
۱۸۸ (جس میں شدت وخشونت نہ ہو) بِالْحِكْمَةِ۔ یعنی دلائل علمی کے ساتھ۔ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ یعنی ترغیب وترہیب سے ان کے جذبات اعلیٰ ابھار کے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ یعنی جب بحث آ ہی پڑے تو شائستہ
عنوان سے گفتگو کیجیے۔ ۱۸۹ (سو کس نے مانا اور کس نے نہ مانا، اس کا فیصلہ اللہ ہی پر چھوڑ دیجیے۔ آپ اس تحقیق میں نہ پڑیے) ۱۹۰ (اور ان حدود سے آگے نہ بڑھو) انتقام کا وقت بھی نازک ہوتا ہے۔ مظلوم کا نفس

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
جنہوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا تھا ۱۸۷ اور بیشک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اس بارہ میں
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ
قیامت کے دن فیصلہ کردیگا جس بارہ میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ۱۸۸ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف
رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ
پسندیدہ طریقہ سے ۱۸۸ بیشک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے
عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ
بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت پلئے ہوؤں کو بھی خوب جانتا ہے ۱۸۹ اور اگر تم لوگ بدلا لینا چاہو
فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ
تو انہیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے ۱۹۰ اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے
خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ
حق میں بہت ہی اچھا ہے ۱۹۱ آپ صبر کئے رہیے اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے ۱۹۲
لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اور آپ اُن پر غم نہ کیجیے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں، تنگدل نہ ہوجیے ۱۹۳
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ / ۹ / ۲۲
بیشک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ (رہتا) ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں اور جو لوگ کہ حُسنِ سلوک کرتے رہتے ہیں ۱۹۴

جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا اور اب خود ظالم ہوجاتا ہے۔
قرآن مجید نے اس اشتعال کے وقت جذبات پر قابو رکھنے کی بار بار تاکید
کی ہے، اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ۔ خطاب اب محض رسول اللہ صلعم سے نہیں، عام اُمت سے
ہے۔ شریعت میں عام فطرت بشری کا لحاظ کرکے انتقام لینا بالکل جائز
رکھا گیا ہے ——— اور اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں مقامِ رخصت
ہے۔ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ یہاں عقاب محض بہ طریقِ مشاکلت استعمال
ہوا ہے ورنہ عقاب کے عام لغوی معنی تو کسی جرم سابق پر سزا دینے کے ہیں۔
~~ای بمثل الفعل بکم ...... علی نہج المشاکلۃ (روح)~~ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ الخ
ترکیبِ کلام خود کہہ رہی ہے کہ بہتر اور افضل تو انتقام نہ لینا ہی ہے لیکن اگر
اس پر نہ قدرت ہو اور مجرم کو سزا دینے ہی پر تُل جاؤ، تو اتنی احتیاط تو بہرحال
ضروری ہے کہ سزا بس جرم ہی کے متناسب ہو۔ اُس سے زاید ہرگز نہ ہونے
پائے ——— جیسے مریض سے طبیب کہتا ہے کہ بدپرہیزی اگر کرنا ہی ہے،
تو فلاں مقدار سے زاید نہ کرنا۔ یعنی ان ~~رغبتھم فی استیفاء القصاص فاقتصوا~~
~~بالمثل ولا تزیدوا علیہ ... (کبیر)~~
۱۹۱ (کہ اس سے خوب مراتب قربت بڑھتے ہیں) اس مقام کا نام
اصطلاح سلوک میں عزیمت ہے ——— اسلام نے بالکل صحیح طور پر فطرت
بشری کے مطابق اجازت تو انتقام لے لینے کی بھی دی ہے لیکن مقام بلند
صبر وتحمل اور عفو ودرگزر ہی کا ہے۔ متعدد مفسرین نے یہاں یہ لکھدیا ہے
کہ یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے لیکن جیسا کہ فخر المفسرین رازیؒ نے فرمایا، اور
بالکل صحیح فرمایا، اس کو جہاد وقتال کے مسئلہ سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس میں تو
ایک اخلاقی تعلیم حُسنِ ادب کی، اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کرنیکی دی گئی ہے اور
وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ ~~وھذا فی غایۃ البعد لان المقصود من ھذہ الآیۃ~~
~~تعلیم حسن الادب فی کیفیۃ الدعوۃ الی اللہ تعالیٰ وترک التعدی وطلب الزیادۃ~~
~~ولا تعلق لھذہ الاشیاء بآیۃ السیف (کبیر)~~ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ
قصاص لینے سے بڑھکر مرتبہ عفو کر دینے کا ہے۔ ~~وقد دلت علی ان العفو عن الجانی~~
~~افضل من استیفاء القصاص (روح)~~ ۱۹۲ (جیسا کہ ہر شخص کا بھی صبر
توفیق الٰہی ہی سے ہوتا ہے) مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ بدون توفیق الٰہی کوئی شخص نہ صبر
کرسکتا ہے نہ اور کوئی طاعت یا حسنہ لیکن توفیق کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، گو نفس توفیق مشترک رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ توفیق الٰہی خاص اور زاید ہوتی ہے اور اُن کے اعمال میں مؤثر رہتی ہے۔ وَاصْبِرْ۔ یعنی آپ صبر کئے
رہیے جیسا کہ اب تک بھی کئے رہے ہیں۔ اور آپ کیوں نہ کرتے، آپ تو عزیمت کے بلند ترین مقام پر سرفراز تھے۔ بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے لطف وتوفیق سے۔ ~~ای بعون اللہ وتوفیقہ (طبری) وقال غیر واحد ای الا بتوفیقہ ومعونتہ (روح)~~
۱۹۳ (اور یقین رکھیے کہ ان کی یہ بڑی سی بڑی چالیں بھی آپ کو ضرر نہ پہنچاسکیں گی) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی ان کے حال پر زیادہ غم وتاسف نہ کیجیے۔ ۱۹۴ (پھر آپ تو تقویٰ واحسان دونوں کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر ہیں۔
آپ کو تو اللہ کی معیت سب سے بڑھ کر حاصل رہیگی) مَعَ الَّذِيْنَ الخ۔ حق تعالیٰ کی یہ معیت متقین کے ساتھ اس معنی میں ہوتی ہے کہ وہ انہیں گناہوں سے بچاتا رہتا اور طاعتوں کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اور اپنی رحمت وفضل سے انہیں گھیرے رہتا ہے
~~ومعیۃ نصرتہ فالمراد معیۃ فی الحفظ ... بالعون والنصرۃ ... المراد بالمعیۃ الولایۃ ...~~ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہی کی پوری
پوری تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تعمیل احکام کی فضیلت کی جانب اشارہ ہوگیا ~~اشارۃ الی التعظیم لامر اللہ تعالیٰ (کبیر)~~ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو خلق کے ساتھ بہترین سلوک سے پیش آتے رہتے ہیں۔ اس میں مخلوق
الٰہی کے ساتھ حُسنِ سلوک کی فضیلت کی جانب اشارہ ہوگیا ~~اشارۃ الی الشفقۃ علی خلق اللہ (کبیر)~~ محققین عارفین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فنِ سلوک کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق الٰہی کے
ساتھ شفقت۔ ~~ذلک یدل علی ان کمال السعادۃ للانسان فی ھذین الامرین اعنی التعظیم لامر اللہ تعالیٰ والشفقۃ علی خلق اللہ~~ اور بعض صوفیہ نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے کہ حضرت حق کے ساتھ معاملہ صدق اور
خلق کے ساتھ معاملہ خُلق بس یہی طریقت کی معراج ہے۔ ~~وعبر عنہ بعض المشائخ فقال کمال الطریق صدق مع الحق وخلق مع الخلق (کبیر)~~

مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اس کے قبل کرچکے ہیں، اور ہم نے اُن پر کوئی زیادتی نہیں کی، بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کرتے رہے ۱۸۰

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

پھر آپ کا پروردگار اُن لوگوں کے حق میں جو نادانی سے (کوئی) بُرا کام کرگزرے، پھر اُس کے بعد

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

توبہ کرلے اور اپنی حالت درست کرلے تو آپ کا پروردگار اس (توبہ) کے بعد بڑا

۱۵ ع ۹ ۲۱ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۸۱، بیشک ابراہیمؑ بڑے مقتدا اللہ کے فرمانبردار (اور اُس کی طرف)

حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ

یک رُخ رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۱۸۲ (اللہ) کی نعمتوں کے بڑے شکرگزار

اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ

(اللہ نے) اُن کو چُن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا ۱۸۳ اور ہم نے دنیا

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

میں بھی انہیں بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو وہ صالحین میں ہیں ہی ۱۸۴

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلیے جو بالکل ایک رُخ کے تھے،

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى

اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۱۸۵ سبت (کا احترام) تو بس اُنہی لوگوں پر عاید کیا گیا تھا

۱۸۰ یعنی جو ماکولات یہود پر بطور سزا حرام کردیئے گئے، اُن کے باب میں بھی حقیقۃً سارا قصور اُنہی کا تھا۔ زیادتی ہماری طرف سے ذرا بھی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ صورۃً بھی۔ مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ۔ ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، آیت وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر کے حاشیے۔ ۱۸۱ (چنانچہ ان نادانوں نافرمانوں کے بھی قصوروں سے درگزر کردیگا) ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا۔ یعنی حسبِ احکام وقواعد شرعی، ماضی سے متعلق توبہ اور حال سے متعلق اصلاح کرلے۔ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا ...... وَاَصْلَحُوْا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ النساء، رکوع ۳ کے حاشیے۔ السُّوْٓءَ۔ اس کے تحت میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی برائی معصیت آگئی، یہاں تک کہ کفر وشرک بھی۔ ~~ھو ما یعم من کفر او صغیرۃ وید خل فیہ الافتراء علی اللہ وعن ابن عباس انہ الافتراء والتعمیم اولی (روح)~~ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ ضمیر توبہ واصلاح کی جانب ہے۔ ~~ای التوبۃ کما قال غیر واحد ولعل الاصلاح مندرج فی التوبۃ (روح)~~ ثُمَّ تَابُوْا ~~ای ثم تاکید ... للتوکید والمبالغۃ (روح)~~ بِجَهَالَةٍ۔ ہر معصیت ونافرمانی کی آخری بنیاد اسی نافہمی ونادانی ہی پر تو ہوتی ہے۔ ~~التقیید بالجہالۃ لبیان الواقع لان کل من یعمل السوء لا یعمل الا بجہالۃ (روح)~~ ۱۸۲ (تو تم کس مُنہ سے اُن کی پیروی اور اُن کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کررہے ہو، اے مُشرکینِ عرب!) تم تو ہر معاملہ میں اُن کی بالکل ضد ہو۔ وہ قانت وفرمانبردار تھے، تم نافرمان۔ وہ مومن حنیف، اللہ کی طرف یکسوئی سے لگے ہوئے اور ایک رُخ تھے، اور تم اُدھر سے منہ موڑے ہوئے دُنیا طلبی پر گرے ہوئے۔ وہ مُوحّد تھے، تم مُشرک۔ تمہارے اُن کے درمیان رشتۂ اشتراک ہی کیا؟ اِبْرٰهِيْمَ۔ حضرت ابراہیمؑ پر حاشیہ سورۂ بقرہ، پ ۱، رکوع ۱۵ میں گزرچکا۔ اُمَّةً۔ یعنی اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور طاعات وحسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔ ~~ای کان وحدہ امۃ من الامم لکمالہ فی جمیع صفات الخیر کقول ابن عباس کان عندہ من الخیر ما کان عند امۃ وھی الجماعۃ الکثیرۃ (روح)~~ دوسرے معنی امام یا مقتدا، کے ہیں، جو امورِ خیر میں بطورِ نمونہ کے کام دے۔ ابو عبیدہ لغوی نے یہی معنی لئے ہیں، اور مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ اور فراّ لغوی سے معلّمِ خیر کے معنی منقول ہیں۔ ~~الامۃ الامام ... قال الفراء ... ای معلم الخیر ... ابن مسعود ایضاً (تاج) امۃ بمعنی ماموم ای یؤمہ الناس لیاخذوا منہ الخیر ... فھو الامام الذی یقتدی بہ معلم الخیر~~ حَنِيْفًا۔ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دینِ حق کی طرف جھکے ہوئے اور اس پر ثابت وقائم۔ ~~مائلا عن کل دین باطل الی الدین الحق غیر زائل عنہ (روح)~~ ۱۸۳ (چنانچہ اُنہی کے نقشِ قدم پر چلنے اور اُنہی کی ملتِ حنیف اختیار کرنے میں آج بھی فلاح ونجات ہے) اِجْتَبٰىهُ۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ دنیا کے تین مشہور وزبردست مذہبوں کے آج بھی مُسلّم مقتدا وپیشوا ہیں —— اسلام کے، یہودیت کے، نصرانیت کے۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ۔ کہاں وہ اتنے شکرگزار بندہ تھے، اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے۔ انعم۔ پر سوال یہ ہوا ہے کہ یہ تو جمع قلت ہے، پھر حضرت ابراہیمؑ پر تو بڑی کثرت سے نعمتیں نازل ہوئی تھیں، پھر اُن کے لئے یہ جمع قلت کیسے آئی؟ امام رازیؒ نے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اس جمع قلت کا تعلق تو شاکراً، آپؑ کی شکرگزاری سے ہے۔ تو جب آپ قلیل نعمتوں تک کے شکرگزار تھے، تو پھر بڑی اور کثیر نعمتوں کی شکرگزاری کا پوچھنا ہی کیا؟ ~~المراد انہ کان شاکراً لجمیع نعم اللہ ان کانت قلیلۃ فکیف الکثیرۃ (کبیر)~~ ۱۸۴ آیت منجملہ دوسری آیات کے، اس باب میں نص قاطع ہے کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی، مراتبِ اُخروی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ~~وھذا لا ینافی ... فی المنازل ... مقامہ فی العقبیٰ (روح)~~ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہوسکتی ہیں، سب حضرتؑ کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔ —— مفسرین ہی نہیں، مؤرخین کا بیان بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اور صالح بھی کیسے؟ صالحیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز۔ صالحین کے سرور وسردار۔ ۱۸۵ (تو پھر اے مشرکو، تم اپنے کو طریقِ ابراہیمی کا پیرو کس منہ سے کہتے ہو؟) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ الخ۔ ثم یہاں اظہارِ فضیلت کے لئے ہے یعنی علاوہ اُن فضائل کے، سب سے بڑی فضیلت انہیں ہم نے یہ دی کہ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔ ~~فی ثم ما فیھا من تعظیم منزلۃ رسول اللہ صلعم واجلال محلہ والایذان بان اشرف ما اوتی خلیل اللہ ابراھیم من الکرامۃ واجل ما اولی من النعمۃ اتباع رسول اللہ صلعم ملتہ (کشاف)~~ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اور وہ طریقۂ ابراہیم حنیف توحیدِ کامل کا تھا —— چنانچہ اب وہ طریقۂ ابراہیمی طریقۂ محمدی میں منحصر اور اسی کے مرادف ہوکر رہ گیا ہے۔ ~~والمراد من ملۃ ابراھیم التوحید ونفی الشرک (روح)~~ حَنِيْفًا۔ سب سے یکسو، یک رُخ یعنی غیر اللہ سے رشتہ بالکل توڑے ہوئے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۲۔ ملۃ۔ ابراھیم۔ حنیفا۔ وما کان من المشرکین۔ سب پر حاشیے سورۂ بقرہ، پ ۱، رکوع ۱۵ میں گزرچکے ہیں۔ سورۃ الانعام میں بھی اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت آچکی ہے۔ یہاں چونکہ رسولِ اسلام صلعم کو ملتِ ابراہیمی ہی کی تجدید کا حکم مل رہا ہے، اس لئے حضرت ابراہیمؑ کی اس خصوصیت کو پھر دُہرا دیا ہے، کہ آپؑ کی ملت بس توحید اور نفیٔ شرک ہی کی تو تھی۔

۱۷۶ یعنی اگر خدا پرست اور توحید کے قائل ہو تو مشرکوں کی طرح اپنے دل سے فلاں فلاں چیز کو ناجائز و حرام مت ٹھیرالو۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی شریعت نے حلال کی ہیں، انہیں جائز ہی سمجھتے رہو
اسیں اللہ کی نعمتیں سمجھ کر انہیں برتو، اور حق تعالیٰ کا شکر زبان سے اور عمل سے ادا کرتے رہو۔ ۱۷۷ خود اُس نے اپنی انہی صفات مغفرت و رحمت کے تقاضہ سے اس اضطرار کی حالت میں
حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر ضرورت جائز کردیا

حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
جائز اور ستھری دے رکھی ہیں اُن میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم (واقع میں) خاص
تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ
اُسی کی پرستش کرتے ہو ۱۷۶ اُس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور
لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ
سور کا گوشت اور جس چیز کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، حرام کیا ہے لیکن جو کوئی بیقرار ہوجائے
غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ
نہ یہ کہ طالب لذت ہو، اور نہ یہ کہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو بیشک اللہ مغفرت والا ہے، رحمت والا ہے ۱۷۷
لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز
حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
حلال ہے اور فلاں حرام جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے ۱۷۸
اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا
بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں
يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾
پاتے، (سو) عیش چند روزہ ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۱۷۹
وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ
اور جو لوگ دینِ یہود اختیار کئے ہوئے ہیں اُن پر ہم نے وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے

ہے) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الخ یہاں ذکر انہی چیزوں کا ہے، جن کی حلت و حرمت مشرکین مکہ میں زیر بحث تھی۔ حدیث نبوی سے جو دوسری چیزیں حرام ثابت ہوئی ہیں، وہ اُن کے علاوہ ہیں۔ اِنَّمَا کا حصر محض اضافی ہے۔ یعنی حرام وہ چیزیں نہیں جنہیں تم نے اپنے دل سے حرام ٹھیرالیا ہے۔ بلکہ حرام تو بس یہ چیزیں ہیں باقی جو چیزیں کسی دوسری دلیل شرعی سے حرام ٹھیرائی گئی ہیں، اُن سے یہاں کوئی تعرض ہی نہیں۔ ~~والحصر اضافی علی ما قال غیر واحد اے انما حرم اکل هذه الاشیاء دون ما تزعمون من البحائر والسوائب ونحوها (روح)~~ وَالْمَيْتَةَ۔ وَالدَّمَ۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ ان سب پر حاشیے پ ۸ سورۃ الانعام میں گزر چکے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ۔ یعنی جو شخص بھوک اور فاقہ کی شدت سے نڈھال ہوجائے۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ۔ حاشیہ پ ۸ سورۃ الانعام میں گزر چکا۔ ۱۷۸ یعنی جب خدائی شریعت میں وہ مضمون ہے ہی نہیں جو تم بتا رہے ہو، تو تمہارا اُس کو خدائی شریعت کی جانب منسوب کرنا، اُسے خدا پر گڑھنا ہی تو ہوا۔ لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ۔ یعنی اس پر کوئی دلیل صحیح تو قائم ہے نہیں، محض تمہارے زبانی دعوے ہی ہیں۔ ~~لِتَفْتَرُوْا لیں لام عاقبت کا ہے یعنی تمہارے اس قول کا حاصل یہی افتراء علی اللہ ہے۔ واللام من التعلیل الذی لا یتضمن معنی الغرض (کشاف) ملخص ان هذا اللام لیس لام الغرض بل کل لام العاقبة (کبیر) اللام لام العاقبة والصیرورة (روح)~~ ~~وَلَا تَقُوْلُوْا ... حَلٰلٌ۔ ترجمہ متن میں جو ترکیب اختیار کی گئی ہے، وہ کسائی نحوی اور زجاج نحوی کے قول کے مطابق ہے اور بہت سے مفسرین کی اختیار کردہ ہے لا تقولوا لوصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام الی هذا ذهب الکسائی والزجاج (روح)~~ ۱۷۹ ایسے مجرموں کو حقیقۃً فلاح و عافیت کہاں نصیب، یہ عیش جو انہیں بظاہر نصیب ہو رہا ہے، تمام تر عارضی و فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔

۱۷۲ (جو مغفرت و رحمت تو نفس ایمان ہی پر مرتب کر دیتا ہے، پھر ان اعمال شاقہ کے امتحان سے گزرنے پر مغفرت و رحمت کے درجاتِ عالیہ و کاملہ کیوں نہ عنایت کر دیگا) لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ ہجرت سے مُراد ہجرتِ مدینہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن ہجرتِ حبشہ بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ آزمائشوں سے کھلا ہوا اشارہ آغاز ظہورِ اسلام کے شدائد شاقہ کی جانب ہے، ——— نفس ابتلاءِ کفر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جٰهَدُوْا۔ جہاد اپنے لغوی معنیٰ میں ہر جہادِ نفس پر شامل ہے۔ قتال اصطلاحی ہی کا مُرادف نہیں۔ مِنْ بَعْدِهَا۔ ضمیر اعمالِ سابقہ مذکورہ یعنی آزمائش میں پڑنے اور ہجرت اور جہاد اور ثابت قدمی کی طرف ہے۔ ای المذکور لمعنی المتقدم الھجرة والجھاد والصبر (روح) سوال یہ اُٹھایا گیا ہے کہ سورۃ تو مکی ہے، پھر اس میں ہجرت و جہاد کا ذکر کیسا؟ ——— لیکن اول تو ابن عطیہ کی روایت میں ہے کہ آیت مدنی ہے (اور مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں) اور ہجرت سے مُراد ہجرتِ حبشہ تو بہ آسانی ہو ہی سکتی ہے، اور جہاد اپنے لغوی معنیٰ (جد و جہد) میں پھر ان سب کے علاوہ، صیغۂ ماضی سے اخبارِ مستقبل کی مثالیں بھی قرآن میں شاذ نہیں۔ ۱۷۳ وہ وقت انصافِ کامل کا ہوگا۔ دنیا کی طرح وہاں خیر و شر کو مخلوط اور حق و باطل کو باہم ملتبس رکھنے کی قطعاً حاجت نہ ہوگی۔ يَوْمَ ...... نَّفْسِهَا۔ وہ گھڑی ایسی نفسی نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی گو زیادتی ہو جائے۔ اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی، گو کمی ہو جائے۔ (تھانوی) عَنْ نَّفْسِهَا۔ اس دوسرے نفس کے معنیٰ عین یا ذات کے ہیں۔ اور پہلا نفس شخص کے مُرادف ہے۔ یقال للجسد النفس وذات الشیء نفسه (کشاف) والنفس الجملة كما هي فالنفس الاولى هي الجملة والثانية عينها (کشاف) تُجَادِلُ۔ جدال یہاں عذر معذرت اور معذرت پیش کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ ومعنى المجادلة عنها الاعتذار عنها (کشاف) ۱۷۴ مثال سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفر و انکار کے نتائج اس دنیا میں بھی کیسے سخت اور ہولناک ہو سکتے ہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود نتائج کفر پر متنبہ کرنا ہے۔ اٰمِنَةً .... بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا میں امن و فراغت سے رہنا سہنا اور کافی سامانِ معیشت بہم پہنچتے رہنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، تحقیر کے نہیں شکریہ کے قابل۔ فَاَذَاقَهَا ...... يَصْنَعُوْنَ۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ یہ ناشکری انہوں نے عقاید کفر و شرک کو اختیار کر کرکے کی۔ ۱۷۵ (سو اے اہلِ مکہ ڈرو، کہ کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو جائے) تاریخ کا بیان ہے کہ یہ انجام واقع ہو کر رہا۔ اور فاذاقها الله لباس الجوع والخوف کی بات اہل مکہ کے حق میں، اُن کے انکارِ رسولؐ کے پاداش میں، پوری ہو کر رہی۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ مکہ میں قحط شدید پڑا۔ جانور مرنے لگے، آدمی جان سے گزرنے لگے۔ وَالْخَوْفِ۔ مکہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سرنگوں ہوا۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ عذابِ الٰہی نے اُن کی گرفت عین اس حال میں کی، کہ وہ ارتکابِ کفر و تکذیب میں مبتلا تھے۔ ای حال التباسهم بالظلم وهو الكفران والتكذيب (روح) مِّنْهُمْ۔ یعنی خود انہی کی جنس و قوم میں سے جس کے ایک ایک حال سے یہ خوب واقف تھے۔ ای من جنسهم يعرفونه باصله ونسبه (روح)

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

آزمائش میں پڑ چکے تھے ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو آپ کا پروردگار

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ

بیشک ان اعمال کے بعد بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۱۷۲ (یہ جزا و سزا اس روز ہوگی) جس روز

ع ۱۴/۲۰

نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اُس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا

عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

اور اُن پر ظلم (ذرا) نہ کیا جائے گا۱۷۳ اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان

قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا

کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں رہتے تھے اُن کے کھانے کا سامان بہ فراغت اُن کے پاس

رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا

ہر طرف سے آتا رہتا لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے

اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا بسبب اُن کے کرتوتوں کے۱۷۴

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ

اور اُن کے پاس ایک رسول بھی انہی میں سے آیا تھا سو اُس کو انہوں نے جھٹلایا، پس انہیں

الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

عذاب نے آپکڑا اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم تھے۱۷۵ سو جو چیزیں تمہیں اللہ نے

١٦٧ (کہ جو صادق اور سرتاسر صدق ہے، اُسے کاذب و مفتری بتارہے ہیں، اور خالق کے کلام کو مخلوق کا کلام ٹھیرا رہے ہیں) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ یعنی پکے جھوٹے، اوّل نمبر کے لپاڑیے۔
الکاملون فی الکذب (کشاف) بعض محققین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ کذب ایک بدترین کبیرہ ہے۔ اِنما کے کلمۂ حصر کے ساتھ کذب کا ذکر آنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ کذب کا ارتکاب تو بس انہی
لوگوں سے ممکن ہے جو سرے سے آیاتِ الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ فی هذه الاٰیة دلالة قویة علی ان الکذب من اکبر الکبائر وافحش الفواحش والدلیل علیه ان کلمة انما للحصر والمعنی ان
الکذب والفریة لایقدم علیهما الا من کان غیر مؤمن بآیات اللّٰه تعالیٰ والا من کان کافرا وهذا تهدید فی النهایة (کبیر)

الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ

جھوٹے ہیں ١٦٧ جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ

بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ تو

مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ

مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا

اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا

اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہوگا ١٦٨ یہ اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی، اور اللہ کفر اختیار کرنے والے لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

ہدایت نہیں کیا کرتا ١٦٩ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور

قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

جن کی سماعت پر اور اُن کی بینائی پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور یہی لوگ تو

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

(اپنے انجام سے) بالکل غافل ہیں ١٧٠ لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل ہی نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ

میں رہیں گے ١٧١ پھر بیشک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے بعد اس کے کہ (سخت

١٦٨ ایمان کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے، اور بہت ہی سخت ہونا چاہیئے بھی ——— بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانون تعزیرات میں اور سنگین جرم ممکن ہے؟ اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد و پیمان مؤکد کے بعد! مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ رسالت سے انکار، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر سے انکار، یہ سب بھی کفر باللہ میں آگیا۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ۔ یعنی اُسے ڈرا دھمکا کر یا مبتلائے عذاب کر کے اُسے زبان سے انکار پر مجبور کردیا گیا ہو ——— ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔ اکراہ کے شرائط وغیرہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملیگی، باب الاکراہ میں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو وہ اگر قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے، تو کلمۂ کفر کا زبان سے تلفظ جائز ہو جائیگا، لیکن جبکہ ڈرانے والا اس پر قادر نہ ہو، یا خوف صرف مار پیٹ کا دلایا جائے تو یہ عذر کافی نہ ہوگا۔ الاکراه الملجیٔ لذلك هو ان یخاف علی نفسه او بعض اعضائه التلف ان لم یفعل ما امره به فابیح له فی هذه الحال ان یظهر کلمة الکفر (جصاص) وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ دل ایمان پر مطمئن ہو یعنی عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے اور دل سے اُس قول یا فعل کافرانہ کو بُرا سمجھے جائے۔ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا۔ یعنی وہ مذہب کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ وسوسہ میں یہ شرح صدر نہیں ہوتا ہے اور نہ اپنے اُوپر اختیار ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وسوسہ میں کوئی پہلو ذم کا نہیں۔ ١٦٩ یعنی اللہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی توفیقِ ہدایت نہیں چپک دیا کرتا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اللہ کا غضب و عذاب۔ اِسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ استحبوا کے لفظ میں عزم و قصد شامل ہے۔ بس اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جو دُنیا کو عمداً و شعوراً آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دُنیا کی جس قدر محبت درجۂ طبعی میں ہے، اور عین مقتضائے بشریت ہے وہ اس حکم میں شامل نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آیت حُبّ دنیا کے مذموم ہونے کے باب میں نص صریح ہے، جس طرح کہ اس باب میں کہ یہ حُبّ دنیا مذموم وہ ہے، جس میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہو۔ ١٧٠ اپنے اختیاری حُبّ دُنیا اور آخرت فراموشی کی بنا پر۔ طَبَعَ ...... اَبْصَارِهِمْ۔ دل اور کان اور آنکھ پر مُہر لگنے پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پارۂ اوّل) کے پہلے رکوع کے خاتمہ پر آچکا ہے۔ یہ مُہر لگنے کا عمل حق تعالیٰ کی طرف سے بطور تکوینی علت العلل کے ہوتا ہے، بندہ کے اختیاری کفر کے نتیجہ کے طور پر۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ یعنی پلے سرے کے غافل الغفلت میں حد سے گزر جانے والے۔ ای الکاملون فی الغفلة الذین لا اغفل منهم (کشاف) ١٧١ جس نے بیج سرے سے ڈالا ہی نہیں، وہ کھیت کاٹے گا کیا؟ آخرت تو صرف دار الجزاء کا نام ہے، جب دار العمل میں کوئی عمل سرے سے ہوا ہی نہیں تو جزائے عمل کیسی؟

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ بھیجتا رہتا ہے، تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم تو نرے گڑھ لینے والے ہو

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

نہیں بلکہ ان میں سے زیادہ تر بے علم ہیں ۱٦۲ آپ کہدیجیے کہ اسے رُوح القدس نے

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

آپ کے پروردگار کے پاس سے حکمت کے موافق اتارا ہے، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے حق میں

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۰۲ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

ہدایت وبشارت بن جائے ۱٦۳ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ

انہیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے ۱٦۴ (حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۳ اِنَّ

کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ کلام (تو فصیح عربی زبان (میں) ہے ۱٦۵ بیشک

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (بھی) نہیں کرتا اور

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ

اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ۱٦٦ جھوٹ افترا کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ (پورے پورے)

۱٦۱ (اے مدعیِ نبوت ورسالت) وَاِذَا .... اٰيَةٍ ۔ مثلاً کسی آیت محکم کی تعمیم میں تخصیص پیدا کردیتے ہیں، یا اس کے برعکس تخصیص میں تعمیم۔ نسخ آیات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ (پ ۱) میں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا کے تحت میں گزرچکا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ ۔ یعنی یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مکلفین ومخاطبین کے اعتبار سے، کون سا حکم کس وقت مناسب وپُر مصلحت ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۔ یہ کہ اس معاندین رسول کی ہوتی تھی۔ جب کبھی بھی وہ کوئی ایسا حکم سُنتے جو اُن کے خیال میں کسی سابق حکم کے معارض ہوتا، تو چٹ یہی کہنے لگتے، کہ یہ کیا؟ یہ تو تم اپنے قصد وارادہ سے، اور اپنی مصلحتِ وقت دیکھ کر احکام میں اَدل بَدل کرتے رہتے ہو ——— گویا تبدیلی کا انتساب ایک انسان کی جانب تو ہو سکتا تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اسکے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا! اتنی موٹی سی بات جس طرح ان جاہلینِ قدیم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، بہت سے جاہلینِ جدید کی بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اور یہ لوگ بھی محض ان "ترمیمات" کے وقوع سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا نہیں، انسان کا کلام ہے!

۱٦۲ (کہ اپنے غایتِ جہل ونافہمی سے احکام کے ارتقاء وترتیب کو دلیل سمجھ رہے تھے افتراء کی) یہ ارتقاء مخاطبین ومکلفین کے فہم واستعداد کی نسبت سے کہا گیا۔

۱٦۳ رسول اللہ صلعم کو حکم مل رہا ہے کہ آپ حقیقت حال بیان کردیجیے کہ یہ کلام جسے تم میرا فرض کر رہے ہو، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے فرشتۂ مقرب جبریل امین، حکمتِ الٰہی کے مطابق میرے پاس لا رہے ہیں، اور اس ترتیب وتدریج میں ایک مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے قدم توحید پر اور زیادہ جمتے رہیں۔ اور اُن کی تربیت ایک خاص آئینِ حکمت کے مطابق ہوتی رہے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ ۔ یعنی فرشتۂ جبریل۔ حاشیہ گزر چکا۔ بِالْحَقِّ ۔ یعنی آئینِ حکمت کے ماتحت ومطابق۔ ~~[illegible]~~

۱٦۴ یہ ایک نومسلم رومی نصرانی غلام تھا، انجیل وغیرہ سے واقف۔ رسول اللہ صلعم کی باتوں کو شروع ہی سے توجہ ودلچسپی کے ساتھ سُنتا تھا، تو آپ بھی کبھی کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے، تو بس اتنی سی بات پر عقل کے دشمنوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آگیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو غلام تھے، جو مکہ میں شمشیر سازی کا کام کرتے تھے، اور توریت وانجیل بھی پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلعم اُدھر سے گزرتے، تو وہاں رُک جاتے۔ بعض نافہموں نے ایک دن خود انہی سے پوچھ دیا کہ کیا تمہی انہیں قرآن سکھاتے ہو؟ "وہ بولے" ہم بھلا انہیں سکھا سکتے ہیں۔ ہم تو خود ہی اُن سے سیکھتے ہیں"۔ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۔ عجب کج فہم لوگ تھے۔ قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب، اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے، تو یہ کہہ اُٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ضرور ہے۔ اور اب اُن کا حمق اس "کوئی نہ کوئی" کی تلاش کرنے لگتا۔ اور اس بدحواسی میں کبھی اِس کا نام لے دیتے کبھی اُس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے، اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی خود حق تعالیٰ ہی کا نام فرض کر لیتے! ——— ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے "روشن خیال" مستشرقین بھٹکتے رہتے ہیں۔

۱٦۵ عرب کے اہل زبان سے خطاب ہے کہ قرآن مجید کی معنوی بلندیوں تک تمہارا ذہن اگر نہیں پہنچتا تو خیر، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اس کی معجزانہ فصاحت وحُسنِ انشاء کا بھی تم کچھ لحاظ نہیں کرتے، اور اس بے انتہا بلیغ کلام کو منسوب ایسے شخص کی جانب کر رہے ہو، جو سرے سے اہلِ زبان تک نہیں! اعجمی وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔ ~~قال ابو الفتح الموصلی ترکیب ع ج م وضع فی کلام العرب للابہام والاخفاء وضد البیان والایضاح [illegible] قال الفراء واحمد بن یحیی الاعجم الذی فی لسانہ عجمۃ وان کان من العرب (کبیر) وقال ابو علی الفارسی الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب او من العجم [illegible] (راغب)~~ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ ۔ اِلحاد کے معنی راہِ حق وصواب سے ہٹ جانے کے ہیں، اور مُلحد کو اسی لئے ملحد کہتے ہیں کہ وہ راہِ حق اور تمام ادیان سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ ~~یقول لحد الحد اذا مال عن القصد وقال [illegible] الملحد المائل عن الادیان کلھا (کبیر)~~ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۔ یعنی یہ کلام تو معجزانہ حد تک فصیح ہے۔ جسے ہر اہلِ زبان، مومن ہو یا منکر بین طور پر دیکھ سکتا ہے۔

۱٦٦ (آخرت میں) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی سے دیدہ ودانستہ منہ پھیرے رہتے ہیں۔ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں چپیک دیتا۔

۱۵۴ یعنی دُنیا کا سارا ذخیرہ اوّلاً تو وہ ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے اسریع الزوال کیسا ہے، ماناً فاناً ختم ہوجانے والا۔ اور اجرِ آخرت اوّل تو بے حساب وبے نہایت، اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم ولازوال غیر منقطع۔ موجودہ مہذب دُنیا عقاید میں جس شے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوتی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور اُن کی اہمیت ہے۔ فسق ومعصیت کی طرف لے جانے والی، اور تقویٰ وطاعت کی طرف سے بے پروا کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت صریح ہے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں۔ ۱۵۵ ترہیب وتخویف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ترغیب وتشویق سے بھی یکساں کام لیتا رہتا اور ہر نیک کار کو جنت کا مشتاق کس کس طرح بناتا رہتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ احکام دین پر قائم وثابت قدم رہے اور اس کے لئے ہر کڑی جھیل لے گئے۔ صیغۂ

اللّٰہِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَھُمْ

باقی رہنے والا ہے ۱۵۵ اور جو لوگ ثابت قدم رہے ہم اُن کا اجر انہیں ضرور دے کر رہیں گے

بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

جو کچھ وہ اچھے کام کرتے رہے ہیں اس کے عوض میں ۱۵۶ نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا

مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً

مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی

طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا

عطا کریں گے ۱۵۶ اور ہم انہیں اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر

یَعْمَلُوْنَ ۝۹۷ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ

دیں گے ۱۵۷ تو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے

مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝۹۸ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ

اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے ۱۵۸ اُس کا کچھ بھی قابو اُن لوگوں پر نہیں چلتا

عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝۹۹

جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۱۵۹

اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

اُس کا قابو تو بس اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بنائے رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ

بِہٖ مُشْرِکُوْنَ ۝۱۰۰ؑ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ ع ۱۳ / ۱۱ / ۱۹

شرک کرتے رہتے ہیں ۱۶۰ اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بھیج دیتے ہیں

مخاطب سے یہ صیغۂ غائب کی طرف دفعۃً انتقال عربی کے مشہور ومعلوم اسلوبِ بلاغت، طریقِ التفات کے مطابق ہے۔ لَنَجْزِیَنَّ۔ ن ثقیلہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ نون العظمۃ (روح) ۱۵۶ (اسی دنیا میں، جیسا کہ انبیاء ومومنین المتقین کی پاکیزہ زندگیاں خود اس پر گواہ ہیں) مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو ایک بار پھر روشن کر دیا کہ اجرِ اعمال کے لحاظ سے عورت اسلام کی نظر میں مرد سے کم نہیں، اُس کے مساوی ہے۔ اور مشرک قوموں نے عورت کو حق تعالیٰ کی نظر میں جو ایک پست وحقیر مخلوق ٹھہرایا ہے، اُس کی پوری تردید ہوگئی ——— یہ تو ماضی کا قصہ تھا۔ لیکن کیا عجب ہے کہ جاہلیت جدید کسی دنیا کو اس عقیدہ کی جانب بھی لے جائے کہ نظامِ فطرت میں عورت نہیں بلکہ مرد پست وحقیر ہے، تو قرآن مجید کی یہ آیت اس وہم کی تردید کے لئے بھی کافی ہوگی۔ وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ ایمان تو پہلی اور بنیادی شرط ہے عمل صالح کی۔ بغیر اس کے کوئی عمل صالح حقیقۃً صالح ہی نہیں، صرف صورۃً صالح کہا جا سکتا ہے۔ اہلِ سُنّت نے یہیں سے معتزلہ کے برخلاف یہ دلیل حاصل کی ہے، کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور۔ وھو دلیل علی ان العمل لیس من الایمان (مدارک) حَیٰوۃً طَیِّبَۃً۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر یا مرض طاری نہ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اُس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں صابر وشاکر اور تسلیم ورضا سے رہے گا اور سکون وجمعیت خاطر کی اصل یہی رضا ہے۔ ۱۵۷ (آخرت میں) گویا ایمان وعمل صالح یا مومنانہ زندگی کا ایک معاوضہ تو جس کا نام حیاتِ طیبہ ہے، نقد اسی دنیا میں مل جائیگا۔ اور پھر دوسرا اور اس سے کہیں بڑا معاوضہ آخرت میں نصیب میں آئیگا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۵۵۔ ۱۵۸ (دل سے تو ضرور، اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ استعاذہ کی حقیقت ہے دل سے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا۔ اور اس کا یہ درجہ شریعت میں واجب ہے۔ اور زبان سے بھی کلماتِ استعاذہ کا دُہرانا مسنون ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ قرأتِ قرآن کے وقت شیطان کا دخل وتصرف یوں ہی بہت کم ہوتا ہے (بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں سے تو شیطان کے فرار کی تاثیر منقول ہے) تو جب ایسے خاص الخاص عمل میں استعاذہ ضروری ہوا، تو دوسرے اعمالِ صالحہ میں اس کی ضرورت جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ الخ۔ مُراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے استعاذہ کرلے۔ یہ مراد نہیں کہ جب قرآن پڑھ چکے تو اس کے بعد استعاذہ کرے۔ معنی اذا قرأت فقدم الاستعاذۃ قبل القرآن حقیقۃ معناہ اذا اردت القرآن فاستعذ (جصاص)

ای اذا اردت قراءۃ القرآن فعبر عن ارادۃ الفعل بلفظ الفعل لانھا سبب لہ (مدارک) اور عامۂ قرآنی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ مثلاً ان آیتوں میں۔ واذا قلتم فاعدلوا۔ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم۔ وراء جلب۔ اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ۔ وغیرھا۔ ان سب موقعوں پر ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام کی حیثیت دی گئی ہے۔ ۱۵۹ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہلِ ایمان واہلِ توکل پر شیطان کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا۔ شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے۔ یہ صاف اعلانِ الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ، اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو۔ وہ تم پر قابو پا نہیں سکتا۔ اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمان کامل اور توکل راسخ ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے اس حدیثِ نبوی کو نقل کر کے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے، لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے کر لیا جائے۔ ۱۶۰ (کہ ان لوگوں کا طریقِ عمل ٹھیک اُن مومنین، متوکلین کے مقابل ہوتا ہے) وہ مومن یہ مشرک، اُن کی شان میں علیٰ ربہم یتوکلون یہ الذین یتولونہ کے مصداق۔ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ میں ضمیر واحد مذکر غائب حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ فیہ قولان الاول انہ راجع الی ربھم ای بربھم وجوزان یکون الضمیر للہ تعالیٰ شانہ وروی ذالک عن مجاھد (روح) بعض نے ابلیس کی جانب بھی لی ہے۔ اور بہ کو من اجلہ کا مرادف قرار دیا ہے یعنی اُس کے سبب سے۔ انما ارادھم من اجلہ مشرکون باللہ وھذا کما یقال صار فلان بک عالماً ای من اجلک وبسببک والقول الثانی انہ راجع الی الشیطان والمعنی بسببہ اشرکوا لسبب الشیطان واغوائہ ایاھم (روح)

نہ یہ روز روز کے نئے نئے معاہدے ہوتے کہ آج پُرقوت فلاں قوم ہے، تو ساتھ اُس کا دے دیا گیا، اور قدیم مُعاہد قوم سے عہد توڑ لیا گیا۔ اور نہ اُس کے نتیجہ میں یہ روز روز کی جنگ اور بدامنی دُنیا پر مُسلّط رہتی!
۱۴۷ (اور مختلف راہیں اختیار کرتے رہے تھے) یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ۔ بہ میں ضمیر یا تو فقرہ ان تکون امۃ الخ کی طرف ہے۔ یعنی ایک گروہ کی افزائش قوت و ثروت سے آزماتا ہے۔ اور یا یہ مراد ہو کہ اللہ اپنے
اس امر و نہی سے تمہیں آزماتا ہے۔ ~~الضمیر لقوله ان تکون امۃ [illegible]~~ یَبْلُوْكُمْ۔ یعنی یہی آزمائش کر دیکھیں کہ

يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا
اللہ اسی سے تو تمہاری آزمائش کرتا رہتا ہے، اور (اُن کی حقیقت) تمہارے اُوپر ظاہر کر دیگا قیامت کے دن، جن
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے ۱۴۷ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے
مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا
راہ دکھا دیتا ہے ۱۴۸ اور جو کچھ تم کر رہے ہو ضرور اس کے باب میں تم سے سوال ہو کر رہیگا ۱۴۹ اور اپنی
تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ
قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ، کہیں (کسی اور کا) قدم اس کے جمنے کے بعد
ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ
پھسل جائے ۱۵۰ اور تم کو تکلیف بھگتنا پڑے بسبب اس کے کہ تم (دوسروں کے) مانع ہوئے
اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ
اللہ کی راہ سے، اور تمہیں بڑا عذاب ہوگا ۱۵۱ اور اللہ کے عہد کو (دنیا کے) تھوڑے نفع کے
اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
عوض میں نہ بیچ ڈالو ۱۵۲ بیشک اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے، اگر تم
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ
علم (صحیح) رکھتے ہو ۱۵۳ جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے

اب بھی پاسِ وفا کون رکھتا ہے، اور پلّا جھکتے دیکھکر کون دُوسری طرف خود ہی جُھک جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عہد کے بعد نقضِ عہد اگر آسان اور مفید نظر آئے، جب بھی وفائے عہد لازم ہے۔ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے دن کا فیصلہ عملاً دعیاناً ہوگا، ورنہ دلائل کے لحاظ سے تو آج بھی ہو چکا ہے۔ ۱۴۸ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی، کہ کوئی گمراہ ہونے ہی نہ پائے، تو سب کو ایک ہی طریقہ پر لازمی طور پر چلا دیتا، اور مذہب و ملت کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن اس کی حکمتِ بالغہ کو یہ تو منظور ہی نہیں۔ اس نے تو ہدایت و ضلالت کا قانون ہی دوسرا رکھا ہے۔ ۱۴۹ (سو تم کہیں جبریت کے فریب میں نہ آجانا، اور اپنے کو مجبورِ محض نہ سمجھ بیٹھنا۔ تم فاعل مختار اور اپنے افعال کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو تمہیں عقل شعور، ارادہ و اختیار سے سرفراز کیا گیا ہے، تم سے ایک ایک عمل کے بابت سوال ہوگا) ۱۵۰ (اور وہ دوسرے عہد شکنی میں تمہاری تقلید کرنے لگیں) وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ وہ اس طرح کہ اپنے عہدوں اور قسموں کو توڑنا شروع کر دو ۱۵۱ ایک تو خود اپنی معصیت کے سبب سے، اور دوسرے اس لئے کہ دوسرے لوگ تمہاری ہی مثال دیکھ کر نقضِ عہد کے مُرتکب ہوئے —— اس عذاب سے، عذابِ آخرت مُراد ہے۔ وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ۔ السوء سے اس سیاق میں مُراد دنیوی مصیبتیں، قتل، اسیری، جلاوطنی وغیرہ ہیں۔ ~~والمراد من السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسر والنهب والجلاء وغیر ذلک (روح)~~ السوء۔ لفظاً صیغہ واحد ہے۔ مُراد مجموعہ مصائب ہے۔ ~~مراعاۃ المجموع او اللفظ الجمع على الوجه الكبير (روح)~~ ۱۵۲ اجرِ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا کثیر ترین نفع بھی قلیل ہی ہے۔ یہ مُراد نہیں کہ دنیا کا نفع اگر کثیر ہو رہا ہو تو احکام کی خلاف ورزی جائز ہے، مُراد یہ ہے کہ اجرِ آخرت کو دنیا کے کسی معاوضہ پر بھی ہرگز فروخت نہ کر دینا۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ عہد اللہ سے مُراد رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر بیعت ایمانی ہے، جس کے اندر سارے ہی احکامِ شریعت آگئے۔ ~~المراد به عند کثیر بیعۃ رسول اللہ صلعم علی الایمان (روح)~~ ۱۵۳ (کہ اجرِ آخرت کیا قدر و قیمت رکھتا ہے) مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجرِ آخرت۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ دنیا کی ہر لذت، ہر نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔

ع ١٢ / ١٨

بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ
اور بشارت ۱۴۰ ... بیشک اللہ ... عدل کا ... اور

الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ
حسنِ سلوک کا ... اور اہلِ قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے، اور کھلی برائی سے ... اور

الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ
مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے ممانعت کرتا ہے ... وہ تمہیں (یہ) پند دیتا ہے اس لئے کہ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ
تم نصیحت قبول کرو ۱۴۱ ... اور پورا کرو اللہ کے عہد کو ... جب تم عہد کر چکے ہو ۱۴۲

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ
اور قسموں کو ... بعد اُن کے استحکام کے ... مت توڑو ... درآنحالیکہ تم

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
اللہ کو گواہ ... بنا چکے ہو ۱۴۳ ... بیشک اللہ جانتا ہے ... جو کچھ کہ

تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا
تم کرتے ہو ۱۴۴ ... اور تم اُس (عورت) کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت ... کاتنے پیچھے

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا
اسے تار تار نوچ ڈالا ۱۴۵ ... کہ تم بھی اپنی قسموں کو ... باہمی فساد کا ذریعہ

بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا
بنانے لگو ... اس غرض سے کہ ایک دوسرے سے گروہ ... بڑھ جائے ۱۴۶

منزل ٣

۱۴۰ یعنی یہ سب بیانِ نعمت نفع دنیوی و اُخروی، مادی و روحانی تو بس وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے ماننے والے ہوں گے، جو پہلے اس کی تصدیق تو کریں۔ نہ ماننے والوں کے لئے اس کا وجود اس کے عدم کے برابر ہے ——— پیدائشی نابینا کے لئے آفتاب و ماہتاب کا عدم و وجود یکساں ہے۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ کل شئ سے مُراد وہ تمام چیزیں ہیں، جن کا تعلق اعتقاد اور عمل سے ہے یعنی دین و شریعت کے سارے اجزاء اجمالاً یا تفصیلاً اس کے اندر آگئے۔ یعنی بیانا لکل شئ [illegible] النص والدلالۃ (جصاص) ای تبیانا بلیغا لکل شئ من امور الدین علی التفصیل او الاجمال بالاحالۃ الی السنۃ او القیاس (بیضاوی) رسول اللہ صلعم نے جن دقائق احکام کی تشریح کی ہے، وہ سب کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے، اور اسی لئے نبی کا حکم بھی خدا ہی کا حکم سمجھا گیا ہے۔ [illegible] جلیا ... الا وقد بین اللہ ما احکم ... فی الکتاب نصا او دلیلا ... النبی صلعم ... عن الکتاب (جصاص) اور فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس فقہاء سے جو احکام و مسائل ثابت ہیں، وہ بھی سب اسی تبیان کتاب اللہ کے تحت میں داخل ہیں۔ ومما حصل علیہ الاجماع فمستندہ ایضا الی الکتاب لان الکتاب دل علی صحۃ حجۃ الاجماع وما اوجبہ القیاس واجتہاد الرای وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان وقبول خبر الواحد جمیع ذلک من تبیان الکتاب ... انما کان تبیانا لکل شئ ... الاجماع وخبر الواحد والقیاس ... الاحکام المنصوصۃ ظاہر وکذا ما ثبت بالسنۃ او بالاجماع او بقول الصحابۃ او بالقیاس لان مرجع الکل الی الکتاب (مدارک) ۱۴۱ یہ آیت شریف جہاں تک کہ تعلیماتِ اسلام کا تعلق ہے، قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیات میں ہے ایک معجزانہ ایجاز و جامعیت کے ساتھ اس کے اندر دین و شریعت کے اہم ترین احکام و نواہی دونوں آگئے ——— احکام ایجابی بھی اور احکام سلبی بھی۔ کتاب اللہ کا وصف تبیانا لکل شیء ابھی ابھی بیان ہوا تھا۔ یہ آیت خود اسی ”تبیانیت“ کی بہترین مثال و نمونہ ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے عبداللہ بن مسعود صحابیؓ اور قتادہ تابعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے بیان کو اس آیت کے اندر اکٹھا کر دیا ہے۔ اور کوئی عقیدہ، خُلق، نیت، عمل، معاملہ، اچھا یا بُرا ایسا نہیں، جو امراً یا نہیاً ایجاباً یا سلباً اسکے اندر نہ آگیا ہو۔ اور خود بھی آیت کو ہر طرح جامع احکام قرار دیا ہے۔ جمع فی ہذہ الآیۃ ما یتصل بالتکلیف فرضا ونفلا وما یتصل بالاخلاق والآداب عموما وخصوصا (کبیر) وعن ابن مسعودؓ اجمع آیۃ فی القرآن لخیر وشر ہذہ الآیۃ وعن قتادۃ لیس من خلق حسن کان فی الجاہلیۃ یعمل ویستحب الا امر اللہ تعالیٰ بہ فی ہذہ الآیۃ ولیس من خلق سیئ الا نہی اللہ تعالیٰ فی ہذہ الآیۃ (کبیر) حضرات تابعین کے بھی خیال میں سارے دستورِ حیات کا ایک جامع و مکمل خاکہ اس آیت کے اندر آگیا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وقت سے یہ آیت اہلِ سنت کے خطباتِ جمعہ میں داخل ہوگئی، تاکہ ہر ہفتہ متواتر اُمت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں۔ اور اُس وقت سے آج تک یہ آیت اُمت کے خطباتِ جمعہ کا جزو بنی ہوئی چلی آرہی ہے۔

بِالْعَدْلِ۔ عدل سے مُراد ہے قوائے علمی و عملی میں اعتدال و توسط۔ عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات کے سارے شخصی مامورات اس کے اندر آگئے۔ ای بالتوسط فی الامور اعتقادا ... وخلقا (بیضاوی)

الْاِحْسَانِ۔ احسان سے مُراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک متعدی ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے ان کا ذکر الگ کر کے کیا گیا۔ اور اسی میں اپنے اعمال و طاعات کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی آگیا۔ ای احسان الطاعات وہو ... الکیفیۃ (بیضاوی) ای احسان الاعمال والعبادات ... بہا علی الوجہ اللائق ... الکمیۃ او بحسب الکیفیۃ (روح) وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى۔ یہ اُسی احسان کی اہم ترین و افضل ترین شکل ہے۔ ای اعطاء الاقارب ما یحتاجون الیہ (بیضاوی) ان تینوں مامورات کے مقابل منہیات بھی تین ہی ہیں:۔ عَنِ الْفَحْشَآءِ۔ فحشاء۔ ایسی برائی ہے جو کھُلی ہوئی اور صریح ہے، یعنی علانیہ، پبلک میں کی جاتی ہے، اس کے تحت میں وہ سب بُرائیاں آگئیں، جو قوتِ شہویہ کی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ عن الفحشاء عن الافراط فی متابعۃ القوۃ الشہوانیۃ (بیضاوی) ای الافراط فی متابعۃ القوۃ الشہویۃ (روح) وَالْمُنْكَرِ۔ منکر عام ہے ہر ایسے امر کو جو شعائرِ اسلامی سے باہر ہو۔ اس کے تحت میں وہ سب معاصی آگئے جو قوتِ غضبیہ کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ما ینکر علی متعاطیہ فی اثارۃ القوۃ الغضبیۃ (بیضاوی) ما ینکر علی متعاطیہ من الافراط فی اظہار القوۃ الغضبیۃ (روح) وَالْبَغْىِ۔ بغی وہ ظلم و سرکشی ہے جس کا اثر دوسروں تک پہنچے۔ اس کے ماتحت وہ سب حرکتیں آگئیں، جو قوتِ وہمیہ کے غلبہ و افراط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیہم (بیضاوی) ای الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیہم وہو من آثار القوۃ الوہمیۃ (روح) لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ اس وعظ سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے میں تذکر و تنبّہ پیدا کرو۔ ... المقصود من ہذا الوعظ ان یقع ... تحصیل ذلک التذکر ... طلبا لان تتعظوا ... تنتبہوا (روح) ۱۴۲ (خواہ صراحۃً خواہ دلالۃً والتزاماً) بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ اس کے عموم میں ہر وہ عہد آگیا، جو شریعت کے موافق ہو، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو خواہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ اس کے اطلاق سے باہر صرف وہ عہد رہ جاتے ہیں، جو خلافِ شریعت ہیں۔ المراد منہ کل عہد یلتزمہ الانسان باختیارہ ... الی ... الکل امر یجب الوفاء بمقتضاہ (کبیر) ۱۴۳ (ان معاہدات کا، انہی قسموں کے ذریعہ سے) بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا۔ اللہ کا واسطہ درمیان میں لا کر معاہدہ اور مؤکد و مستحکم ہو جاتا ہے۔ ای بعد توثیقہا بذکر اللہ (بیضاوی) ۱۴۴ (اور معاوضہ بھی ہر صورت میں اسی کے مطابق دیگا) ... فیہ ... علی ما تفعلون (کبیر) وفاء عہد کے کرنے اور نقضِ عہد سے بچنے کی پوری تاکید اس تنبیہ میں آگئی۔ ۱۴۵ (کہ کہیں تم بھی اُس کی طرح اپنی قسموں کو، اُن کی پختگی کے بعد توڑ ڈالنے لگو) روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک دیوانی عورت تھی۔ دن بھر مشقت سے سوت کاتتی، اور پھر بیدردی سے اپنے ہاتھ سے تکا بوٹی کر ڈالتی۔ اوّلین مخاطبینِ قرآن اُس سے خوب واقف تھے۔ اس کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کہیں تم اپنا حال اُس کا سا نہ کر لینا۔ ۱۴۶ (کثرت یا ثروت میں یا اور کسی اعتبار سے) اَرْبٰى کے معنی ہیں کہ عدد یا مال میں بڑھ جائے۔ ... الاکثر عددا ... فی العدد او القوۃ او الشرف (کبیر) یعنی مثلاً کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی، اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے لیکن تم نے پلّہ دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا، تو تمہیں بھی خیال آیا کہ اُس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہو لیا جائے ——— یہ صورت شریعت کی نظر میں ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ کہ اس عہد شکنی اور حلف کی خلاف ورزی سے دوستوں میں بے اعتباری بڑھیگی اور دشمنوں میں ناگواری۔ دَخَلًا۔ دخل کے معنی دغل کی طرح فساد اور چھپی ہوئی عداوت کے ہیں۔ الدخل کنایۃ عن الفساد والعداوۃ المستبطنۃ کالدغل ... (روح) بَعْدِ قُوَّةٍ۔ یعنی اس سوت کو خوب مضبوطی سے بٹ چکنے کے بعد۔ ... فتلا شدیدا ... (بیضاوی) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد پھر اُسے پورا نہ کرنا، سوت کات چکنے کے بعد اُسے نوچ ڈالنا ہی ہے۔ ... نفسہ عقدا او ... فیہا ... بمنزلۃ التی نقضت غزلہا (جصاص) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کر چکنے کے بعد اُسے اِتمام تک پہنچانا واجب ہو جاتا ہے۔ ... من دخل فی صلوۃ تطوع او صوم نفل ... القربات ... لزومہ ... اتمامہ (جصاص) فرنگی قوموں نے قرآن مجید کی صرف اسی ہدایت پر عمل کر لیا ہوتا، تو آج دُنیا کا نقشہ کتنا مختلف اور کتنا زیادہ پُرامن ہوتا۔

۱۳۶ۓ (تم حقیقۃً تو پرستار صرف اپنے نفس اور اپنی ہوا و ہوس کے تھے، اور اپنی پرستاری کو منسوب ہماری جانب کر دیتے تھے) شُرَكَآءَهُمْ شُرَكَآؤُنَا۔ شریکوں، سے مراد اُن کے وہی دیوی
دیوتا، ٹھاکر وغیرہ ہیں، جنہیں یہ شریکِ خدائی سمجھا کرتے تھے۔ ۱۳۷ۓ (اور جتنے سہارے اپنے عقاید باطلہ کی بنا پر قایم کر رکھے تھے اُن میں سے کوئی بھی اُن کے کام نہ آئے گا) وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ
يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ۔ یہ اطاعت اور خوشامد کی راہ اس وقت اختیار کریں گے، جب اپنے کو ہر طرح مجبور و مضطر پالیں گے ——— آخرت میں اُن کا یہ طریق استسلام و اطاعت دنیا کے ٹھیک طریق استکبار و اعراض کے مقابل ہوگا۔

مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ افترا پردازی یہی، کہ ہمارے یہ معبود ہمیں بچالیں گے، ہمارے کام آجائیں گے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ۔ یہی چیزیں تو سب اُن سے بالکل گم ہو جائینگی۔ ان خیالات و اوہام کی واقعیت کا کہیں شائبہ بھی نہ ملے گا۔ ~~[illegible]~~

۱۳۸ۓ پہلی سزا ابتلائے کفر رہنے پر ہوگی، اور دوسری سزا دوسروں کے مبتلائے کفر کرنے پر ملیگی۔ ~~[illegible]~~ فَوْقَ الْعَذَابِ۔ یہ عذاب تو وہی کفر والا ہے۔ ~~[illegible]~~ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ۔ یہ زاید عذاب سزائے اضلال و اغوار ہوگی۔ ~~[illegible]~~

۱۳۹ۓ یعنی آپ کی شہادت عالمگیر ہوگی سب کے مقابلہ میں حجت ہوگی ——— شہادت تو ظاہر ہے کہ آپؐ بھی اپنی ہی اُمت کے متعلق دینگے لیکن آپؐ کی اُمتِ دعوت تو ساری انسانی آبادی ہے، اس لئے قدرۃً آپؐ کی شہادت بھی عالمگیر ہی ہوگی۔ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۳۳ۓ۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ لفظ عام ہے۔ یہ گواہ یا پیمبر اُن اُمتوں کے خواہ

شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ
تو بول اُٹھیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے وہ "شرکار"
كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ
جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے پھر وہ (شرکار) اُن کی طرف مخاطب ہو کر
اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ٨٦ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ
کہینگے کہ تم (بڑے) جھوٹے ہو ۱۳۶ اور (مشرکین) اُس روز اللہ سے صلح (و اطاعت) کی طرح ڈال
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ٨٧ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
چلیں گے، اور جو کچھ وہ افترا پردازیاں کرتے رہتے تھے وہ سب اُن سے غائب ہو جائینگی ۱۳۷ جو لوگ کفر
وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ
کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ٨٨ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ
بڑھا دینگے بعوض اُن کے فساد کے ۱۳۸ اور اُس دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے،
كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ
جس دن ہم ہر اُمت سے ایک ایک گواہ انہی میں سے اُٹھائیں گے اور
جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ
ان (سب) لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ۱۳۹ اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے،
الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّ
ہر بات کو کھول دینے والی اور مسلموں کے حق میں ہدایت اور رحمت

ہم نسب ہوں، یا ہم وطن ہوں۔ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ۔ هٰٓؤُلَآءِ سے عام طور پر مُراد اُمتِ محمدی سے لی گئی ہے۔ ~~[illegible]~~
بعض نے هٰٓؤُلَآءِ سے مُراد انبیاء سابقین کو بھی لیا ہے یعنی آنحضور صلعم اُن سب انبیاء علیہم السلام پر گواہ ہیں لیکن محققین نے اس قول کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ ~~[illegible]~~
فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ۔ امۃ سے مُراد ہر دور (قرن) یا جماعت ہے۔ ~~[illegible]~~

۱۲۸ (مثلاً غار کہ سردی گرمی سے، بارش سے، دشمن سے، جنگلی جانوروں سے سب ہی سے پناہ کا کام دیتے ہیں) مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا - درختوں کے، عمارتوں کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے سایہ سے انسان کا آسائش اُٹھانا بالکل ظاہر ہے۔ ۱۲۹ یہ سب اللہ کی مختلف نعمتوں ہی کی تفصیل ہو رہی ہے۔ سَرَابِيْلَ - سربال کا لفظ عام ہے ہر قسم کے پیراہن کے لئے۔ ~~القمیص~~ ~~ای جنس~~ یہاں اس قمیص یا بالائی جسم کی پوشش کی دو خاص قسمیں ارشاد ہو رہی ہیں۔ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ - ایک وہ پوشش جو موسم کی سختیوں سے جسم کو محفوظ رکھے

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ

پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں ۱۲۸ اور تمہارے لئے (وہ) پیراہن بنائے

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

جو تمہاری حفاظت گرمی سے کرتے ہیں اور (وہ) پیراہن جو تمہاری حفاظت تمہاری آپس کی جنگ میں کرتے

يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝٨١ فَاِنْ

ہیں ۱۲۹ (اللہ) اسی طرح اپنی نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو ۱۳۰ لیکن اگر یہ

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝٨٢ يَعْرِفُوْنَ

رُوگردانی کئے رہیں تو آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۱۳۱ یہ لوگ اللہ کی

نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٣

نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور پھر اُن سے انجان ہو جاتے ہیں اور اکثر تو اُن میں کے کافر ہیں ۱۳۲

ع ۱۱ ۱۷

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا

اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر اُمّت میں سے ایک گواہ پھر کافروں کو

يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٨٤ وَ

نہ اجازت دی جائے گی ۱۳۳ اور نہ اُن سے (اللہ کو) راضی کرنے کی فرمائش کی جائیگی ۱۳۴ اور

اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ نہ اُن سے ہلکا کیا جائے گا،

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝٨٥ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

اور نہ اُنہیں مہلت دی جائیگی ۱۳۵ اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے

سردی کو چھوڑ کر یہاں صرف گرمی کی تخصیص کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کا ذکر کچھ ہی اُوپر آچکا ہے لکم فیها دفء اور دوسری بات یہ ہے کہ مخاطبین اوّل عرب تھے اور عرب میں لباس کی اصلی ضرورت ظاہر ہے کہ بادِ سموم کی تند لپٹ اور آفتاب گرم کی کڑی کرنوں ہی سے بچنے کے لئے ہے۔ ~~قال عطاء الخراسانی المخاطبون بهذا الکلام هم العرب وبلادهم حارة فکانت حاجتهم الی ما یدفع الحر فوق حاجتهم الی ما یدفع البرد کبیرا~~ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ - پوشش کی دوسری قسم سے مراد ہیں جنگی پیراہن، زرہ، جوشن وغیرہ۔ ۱۳۰ (کم سے کم ان نعمتوں ہی کے اعتراف میں) ان نعمتوں میں سے بعض تو کھلی ہوئی، بالکل قدرتی اور غیبی ہیں، اور دوسری جو انسانی صنّاعی اور دستکاری کی رہینِ منّت ہیں، اُن کا بھی مادہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا، اور اُن کے بارہ میں انسان کو جو سلیقہ ترتیب و ترکیب ملا ہے وہ بھی تو عطیۂ الٰہی ہی ہے۔ ۱۳۱ (تو آپ اِن کے لئے غم و تردد میں ہرگز نہ پڑیں) فَاِنْ تَوَلَّوْا - ف سے اشارہ اِدھر ہو گیا، کہ وضوحِ دلائل کے بعد بھی اگر یہ توحید و ایمان سے برگشتہ رہیں۔ ~~صیغہ مخاطب سے غائب کی طرف انتقال صنعتِ التفات میں سے ہے جس کا ذکر کئی بار آچکا ہے~~۔ ۱۳۲ (جو زبانی بھی اقرارِ توحید نہیں کرتے، بلکہ سرے سے منکرِ حق ہیں) ~~ای الجاحدون غیر معترفین~~ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ - یہ معذور بھی نہیں، کہ سرے سے اللہ کی ان نعمتوں کو پہچان ہی نہ سکے ہوں۔ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا - یعنی اپنی عملی زندگی میں اللہ منعمِ حقیقی کی طرف سے انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں۔

۱۳۳ (کہ اب کچھ عذر و معذرت پیش کر سکیں) مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا - یہ گواہ اُسی امت کا رسول ہوگا۔ یہ گواہ شہادت دیگا کہ میں نے تمام احکام کی تبلیغ پوری پوری کر دی تھی، اس پر بھی اُمّت منکر و باغی رہی۔ اُمَّةٍ - اُمّۃ سے مراد ظاہر ہے کہ اُمّتِ دعوت ہے یعنی وہ قوم جو نبی کے پیام کی مخاطب رہی۔ یہ مراد نہیں کہ جنہوں نے اُس پیام کو قبول بھی کیا۔ ۱۳۴ اور وجہ بالکل ظاہر ہے۔ آخرت صرف دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔ ۱۳۵ (کہ عذاب شروع ہی کچھ دیر بعد کیا جائے، یا یہ کہ وہ لوگ اس درمیان میں کچھ سعی و تدبیر کر لیں) الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا - ظالم سے مراد کافر ہیں یعنی اپنے حق میں ظلم کرنے والے۔ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ - یعنی جب وہ عذاب اُن پر آپڑیگا۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ - ذرا بھی کمی نہ کی جائیگی چاہے وہ کتنا ہی روئیں، پیٹیں، چلّائیں،

۱۲۳ (یہ خیال کرکے کہ اُس نے اِن آلات کے ذریعہ سے تمہاری بے علمی علم سے بدل دی) جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۔ سماعت اِس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو۔ آنکھیں اس لئے دیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نمونے مشاہدہ کرو۔ اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس، اور اس پر غور وتدبر کرو۔ ~~جَعَلَ لكم السمع لتسمعوا مواعظ الله والابصار لتبصروا دلائل الله والافئدة لتعقلوا عظمته (کبیر)~~ السمع والابصار والافئدۃ ۔ سماعت اور بصارت کی تخصیص شاید اس لئے کہ آلات علم وذرائع معرفت میں اہم ترین یہی دو ہیں۔ اور دل کی تخصیص اس لئے کہ حواس ظاہری وباطنی سب اسی کے تابع ہیں۔ ~~وجعل لکم ... ترتیب ...~~

۱۲۴ یعنی اُس صانع مطلق ہی نے ان کا جسم اس ڈھنگ وضع کا بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے، ہوائے لطیف ورقیق میں دَوڑتے پھرتے ہیں۔ آیت میں ضمناً پرند پرستی کی بھی تردید آگئی۔ یعنی یہ پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے، اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذنِ خداوندی کے ——— مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا ہے۔ باز، شکرا، اُلّو، مور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے، اور نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۲۵ (حق تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور ربوبیت کی)

۱۲۶ (اور اس لئے سفر میں اُن کا لادنا، اُکھاڑنا، نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے) جعل لکم من بیوتکم سکنا۔ یہ حالتِ حضر کا ذکر ہے، اور اس کے مابعد خیموں کی سفری زندگی کا بیان ہے ——— گویا انسانی معاشرت کی دونوں حالتوں کی مکمل تصویر آگئی۔ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا ۔ یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی، اور چونے اور لکڑی کے گھر، بیشتر انسانی آبادی کے مسکن، انسان کے لئے راحتِ قلب وسکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کوئی اُس غریب سے پُوچھے، جو بیچارہ بے گھرا ہو، اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو! ——— جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہنے رہنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں اُن کا دھیان تک نہیں محسوس ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا، کوئی نہ کوئی، اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہے، اس لئے اس کا پُورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا کہ مکان ہے کتنی بڑی نعمت۔ ——— یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اُسے وجہِ سکون ومایۂ تسکین پکار کر کہہ دے۔ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا ۔ یہ سفری مکان یا خیمے ڈیرے عموماً چرمی اور پوستینی ہوا کئے ہیں۔ تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۔ یہ خیمے ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام میں نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں ——— عرب اہل بادیہ نے جس طرح نسلوں پر نسلیں خیموں ڈیروں ہی میں گزار دیں، کسی پر مخفی نہیں۔ یہود کی بھی قدیم عبری نسل مدتوں خیمہ بدوش رہی۔ آج بھی دنیا کی نیم وحشی 'خانہ بدوش'، قوموں سے اکثر کا، اور بڑی سی بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے ——— ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔

بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

پیٹ سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے سماعت اور

وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ أَلَمْ

بینائی اور دل پیدا کئے تاکہ تم شکر گزار بنو ۱۲۳ کیا

يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا

ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں (قدرت کے) مسخر ہیں، انہیں

يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ

کسی اور نے نہیں تھام رکھا ہے بجز اللہ کے ۱۲۴ بیشک اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ایمان

يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا

والوں کے لئے ۱۲۵ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وجہ سکون بنائے اور

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا

تمہارے لئے جانوروں کے کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا

اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو ۱۲۶ اور اُن کے اُون اور

وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۸۰﴾

اُن کے روئیں اور اُن کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مُدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں ۱۲۷

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ

اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے

۱۲۷ اس کے اندر کمّل، دُھسّے، شال، دوشالے، کملیاں، جُوتے، کوڑے، موزے، تھیلے، تھیلیاں، شکیزے، بکس، بیگ، پیٹیاں، گھوڑے کی کاٹھیاں اور ساز، اور ہر قسم کا چرمی اور ریشمی سامان آگیا۔ أَثَاثًا وَمَتَاعًا ۔ متاع کا مفہوم اثاث سے وسیع تر ہے اور سامانِ تجارت، اسبابِ آرائش وزینت وغیرہ سب پر شامل ہے۔ اور امام رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ اثاث تو وہ ہے جو انسان کی پوشش اور دوسری ضروریات میں کام آتا ہے، اور متاع وہ سامان ہے جن سے مکانوں میں فرش اور زینت کا کام لیا جاتا ہے۔ ~~الاثاث ما یکتسی به المرء ویستعمل فی الغطاء والوطاء، المتاع ما یفرش فی المنازل ویتزین به (کبیر)~~ آیت سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بال، کھال وغیرہ کا انتفاع مُردہ جانوروں سے بھی جائز ہے۔ ~~فیه دلالة علی جواز الانتفاع ... (جصاص)~~۔

۱۱۵ (جب اور جس طرح چاہے، کوئی اُس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں) ۱۱۶ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو جب مالک مجازی و مملوک مجازی مساوی نہیں ہو سکتے، جو اپنی اصل و خلقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں، اور باہم فرق محض اعتباری و اضافی رکھتے ہیں، تو مالک حقیقی و مملوک حقیقی کیونکر یکساں و مساوی ہو سکتے ہیں۔ جن کے درمیان کوئی شے بطور قدر مشترک ہی نہیں۔ هَلْ يَسْتَوُنَ ذکر ایک ہی صفات کے لوگوں کا ہو رہا ہے مقصود یہاں دو فرد نہیں، بلکہ ان متضاد صفات کے کُل اشخاص ہیں۔ ایک ایک طرف، دوسرے دوسری طرف ——— صیغہ بھی اسی لئے بجائے تثنیہ کے جمع کا آیا ہے۔ ۱۱۷ (نہ کہ اصنام اور معبودانِ باطل کے لئے) کامل الذات والصفات اور مستحق عبادت وہی ایک ہے۔ اور نعمتوں کے دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ~~هو المستحق للحمد~~

رَزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ

جسے ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا

جَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

ہے ۱۱۵ کیا ایسے لوگ باہم برابر ہو سکتے ہیں ۱۱۶؟ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ۱۱۷ بلکن اکثر ان (مشرکین)

لَا يَعْلَمُوْنَ ۷۵ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ

ہیں سے علم ہی نہیں رکھتے ۱۱۸ اور اللہ (ایک اور) مثال بیان کرتا ہے، کہ دو شخص ہیں ایک اُن میں سے

اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ

گونگا ہے کسی چیز پر قادر نہیں اور وہ اپنے مالک پر وبالِ جان ہے

اَيْنَـمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ

اور وہ جہاں اُسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا ۱۱۹ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر

وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۷۶

ہو سکتے ہیں، جو اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور وہ خود سیدھے راستہ پر ہے ۱۲۰

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ

اور اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ۱۲۱ اور قیامت کا معاملہ

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

بھی ایسا ہو گا جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر بیشک اللہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۷۷ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ

ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۲ اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے

ع ۱۰ / ۲

~~دون ما يعبدون من دونه اذ لا نعمة الا منه علیهم فحمد عليها (بحر)~~ ۱۱۸ (اور شرک سے باز نہیں آتے) اَكْثَرُهُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مشرکین کی جانب ہے۔ ان لوگوں کا عدم علم حقیقت چونکہ عدم تدبر اور عدم توجہ کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے لوگ معذور بھی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ ۱۱۹ گویا اس درجہ خرف و لایعقل ہے کہ خود تو کیا کرتا، مالک کی تعلیم کے باوجود بھی کوئی کام درست نہیں کر پاتا۔ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ یعنی علاوہ غلام ہونے اور ہر طرح معذور ہونے کے گونگا بھی ہے، اور تکلم پر غیر قادر۔ جو نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سُن سکے ~~ــ~~ ابکم کے ایک معنی اہلِ لغت سے، لایعقل اور سماعت و بصارت سے محروم ہونے کے بھی منقول ہیں۔ ~~حی~~ ~~ابن الاعرابي الابكم الذي لا يعقل (كبير) قال الزجاج الابكم المطبق الذي لا يسمع ولا يبصر (كبير) الابكم الذي ولد اخرس فلا يفهم ولا يفهم (كشاف)~~ ہیدائشی گونگا بہرا بھی ہوتا ہے۔ جو نہ کسی کی سُنتا ہے اور نہ اپنی کسی کو سُنا سکتا ہے۔ ~~الابكم الخرس المتكلم للخلق وملازمه الصمم (روح) نمثيل لحدهما اخرس اصم لا يفهم ولا يفهم (روح)~~ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ نہ اپنے متعلق قدرت نہ اپنے سے غیر کے متعلق قدرت۔ ~~لا يقدر على شئ من الافعال المتعلقة بنفسه او بغيره بحدس او فراسة لقلة فهمه وادراكه (روح)~~ تمثیل سے مقصود مشرک کی تمام تر بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔ ۱۲۰ یعنی ناطق ہے، عاقل ہے، فاعل مختار ہے، قوتِ علمی و عملی کا جامع ہے۔ ۱۲۱ (جو ایک فرع ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کی) لِلّٰهِ کی ترکیب ہی سے اشارہ ہو گیا کہ یہ علم غیب خاصہ صرف حق تعالیٰ کا ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ~~لله تعالى خاصة لا لاحد غيره استقلالا ولا اشتراكا (روح) يفيد الحصر ... ان العلم بهذه الغيوب ليس الا لله (كبير)~~

۱۲۲ آیت کے شروع میں بیان حق تعالیٰ کے کمال علم کا ہے، اور آخر آیت میں بیان کمال قدرت کا۔ دونوں کے درمیان ذکر قیامت کا ہے۔ جو قبل وقوع دیکھیے تو ایک مثال ہے کمال علم کی، اور بعد وقوع کے لحاظ سے نظر کیجئے تو ایک مثال ہے کمال قدرت کی! اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ یعنی ایسا ہی آناً فاناً۔ عام محاورۂ انسانی میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طرز تعبیر یہی ہے۔ ~~الغرض هو التشبيه بيان سرعة لا بيان مقدارها من وقوعه ... (روح) والمراد منه تقرير كمال القدرة (كبير)~~ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔ او یہاں بل کا مرادف ہے۔ ~~اظہار شک و تردد کے لئے نہیں۔ او قال الفراء بمعنى بل (روح) قيل بمعنى بل (بيضاوي) لا شبهة في انه ليس المراد طريقة الشك بل المراد بل هو اقرب (كبير)~~ اَمْرُ السَّاعَةِ سے مراد ہے مُردوں میں جان پڑ جانے کا ماجرا۔

۱۰۷ (بلکہ ایسی تقسیم تو فطرتِ بشری پر ایک بار ہے) آیت جڑ کاٹ رہی ہے اہلِ باطل کے اس نظامِ معاشی کی، جس کا پرانا نام مزدکیت تھا، اور جدید نام سوشلزم یا (انتہائی صورتوں میں) کمیونزم ہے۔ ۱۰۸ شرک پر اصرار کئے جانا عین نعمتِ الٰہی سے انکار کرنا ہے۔ ۱۰۹ (اور اس طرح تمہاری بقائے نوعی کا سامان کردیا) مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہی جنس و نوع سے۔ حَفَدَةً۔ حافد کے عام معنی پوتے کے ہیں۔ المراد بالحفدة على ما روى عن الحسن والازهري وجماعة في رواية عن ابن عباس اختاره ابن العربي اولاد الاولاد (روح) لیکن ایک معنی خادم، مددگار وغیرہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ روی عن ابن عباس ان الحفدة الخدم والاعوان وقال الحسن من عاونك فقد حفدك وقال مجاهد وقتادة وطاؤس الحفدة الخدم ... ابن عباس امام رازیؒ نے متعدد معانی و مفہومات بیان کرکے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ان سارے مفہوموں کی وسعت کو شامل رکھا جائے۔ والاولیٰ دخول الکل فیہ لما بینا ان اللفظ محتمل للکل بحسب المعنی المشترک الذی ذکرناہ (کبیر)

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ

وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر

سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ

ہوجائیں ۱۰۷ تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں ۱۰۸ اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

بیویاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ۱۰۹

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ

اور تمہیں نفیس چیزیں کھانے کو دیں ۱۱۰ تو کیا پھر بھی یہ لوگ

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ وَيَعْبُدُوْنَ

باطل پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے ۱۱۱ اور یہ لوگ اللہ کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں

وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ

اور نہ زمین ہی سے کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں ۱۱۲ سو تم اللہ کے لئے مثالیں

الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ

گڑھو بیشک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ۱۱۳ اللہ ایک مثال

اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ

بیان کرتا ہے کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ۱۱۴ اور ایک وہ،

۱۱۰ (اور اس طرح تمہاری بقائے شخصی کا سامان کردیا) اَلطَّيِّبٰتِ۔ یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی نفیس و لذیذ کے مرادف ہے۔ اطلاقہ على ما ... (روح) مِنَ الطَّيِّبٰتِ میں مِن تبعیض کا ہے من للتبعیض (بیضاوی۔ روح)

۱۱۱ (اس کے سچے دین کے منکر رہ کر) اَفَبِالْبَاطِلِ۔ ف سے مراد ہے پھر بھی یعنی اللہ کی توحید و ربوبیت کے سارے دلائل و شواہد سننے اور جاننے کے بعد۔ بِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی بے بنیاد وہمی چیزوں پر، مثلاً بتوں کی معبودیت پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۱۲ یعنی نہ صرف یہ کہ بالفعل اختیار نہیں رکھتے، بلکہ سرے سے اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اگر چاہیں جب بھی یہ اختیار نہیں حاصل کرسکتے۔ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان سے رزق مثلاً بارش۔

۱۱۳ صحیح مثال اپنے متعلق وہی بیان کرسکتا، اور صحیح صفات اپنی وہی بتا سکتا ہے۔ تم جب اپنی نافہمی سے کوشش کروگے، ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کروگے۔ مشرکین کا ایک مایۂ ناز استدلال اُس وقت یہی تھا، اور اب بھی ہے کہ آخر دنیا کے بادشاہوں کی خدمت میں براہِ راست عرض معروض کون کرسکتا ہے۔ درمیانی واسطوں کی، عرض بیگیوں کی، امیروں وزیروں کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ پھر جو سب سلاطین کا سلطان اور شہنشاہِ اعظم ہے، اس سے براہِ راست اور بلاواسطہ تعلق پیدا کرنا کیونکر ممکن ہے؟ اور ہم جو اِن مورتیوں کی اور اِن ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی لئے کہ وہ ربُّ الارباب کے خادم اور اُس کے ہاں مقرب ہیں۔ استدلال کی خرافت بالکل ظاہر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر ہی کے سے محدود و ناقص قوٰی رکھتا ہے۔ وہ تو اس پر مجبور ہے کہ دوسروں کی اعانت حاصل کرے۔ اس کے برخلاف کہاں رب العالمین، جو ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود، ہر حد و نہایت سے برتر ہے۔ دونوں کا کوئی مقابلہ ہے؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت ہے؟ اس بے نیاز ہستی کو محتاج ہستیوں پر کسی طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟ مغالطۂ قیاس مع الفارق کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی مثال اور کیا ہوگی؟ ——— آیت کی یہ توضیح امام رازیؒ کے مذاق کے مطابق تھی۔ عام مفسرین نے امثال کو مِثل کی جمع قرار دے کر معنی یہ کئے ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی شے کو اُس کے مثل نہ بتاؤ۔ قال المفسرون يعني لا تشبهوه بخلقه (کبیر)

۱۱۴ (کہ کسی مال میں تصرف کرسکے، بجز اپنے مالک کی اجازت کے) غلام کے لئے تو خیر مالک سے اجازت کے بعد امکان تصرف باقی ہے، معبودانِ باطل میں تو مالک کی اجازت سے بھی ملکیت میں دخل پانے کا امکان نہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود بطلانِ شرک کا اظہار ہے۔

۹۸ (کہ ایک ہی مادہ سے کہاں ایک طرف مسکرات جیسی گندی چیزیں تیار کردیں اور کہاں دوسری طرف لطیف وپاکیزہ مشروبات و ماکولات، عرق، شربت، مربّے وغیرہ) سکرًا و رزقًا حسنًا۔ گویا ایک ہی مادہ میں سم و تریاق دونوں کی خاصیتیں رکھ دیں۔ النخیل والاعناب ۔ انگور اور کھجور دونوں کی شرابیں مشہور شرابیں ہیں۔ عرب میں بھی مشہور تھیں، اور آج یورپ میں بھی مشہور ہیں۔ سکرًا ۔ سکر کے لفظ پر سوال پیدا ہوا ہے کہ نشہ کا ذکر محل مدح پر قرآن مجید نے کیسے کردیا؟ ——— جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہاں مقصود مدح نہیں، بلکہ ذکر صرف اس کا ہے کہ خرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جاسکتے ہیں، اور مخاطب صرف مومنین نہیں، بلکہ کافر بھی شامل ہیں، اور وہ برابر ان پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں، اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت مکّی ہے، اور نشہ کی حرمت اُس وقت تک ہوئی نہیں تھی۔ اس پر بھی قرآن مجید نے سکر کو رزق حسن سے علیحدہ وممتاز کرکے ظاہر کردیا، کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام انہیں پھلوں سے لئے جاسکتے ہیں۔ ۹۹ چنانچہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتا انہی مقامات پر لگاتی ہیں۔ ان مکھیوں کا چھتا بھی صنعت وکاریگری کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مہندس یا انجینیر نے اسے تیار کیا ہے۔ اَوْحٰی ۔ وحی یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں، جو وحی نبوت کے مرادف ہے، بلکہ اپنے عام و وسیع معنیٰ میں ہے۔ دل میں بات ڈال دینے کے مرادف ہے۔ ~~واصل الوحی الاشارة السریعة~~ (راغب) ~~اصلاً تعالیٰ قدر فی انفسہا من الاعمال العجیبة~~ (کبیر) ماہرین نفسیات انگریزی میں جس شے کو (جبلّت) سے تعبیر کرتے ہیں، وہ وحی حیوانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور علامہ راغب نے اسی مفہوم کو "تسخیر" سے ادا کیا ہے۔ النحل ۔ شہد کی مکھی اپنی فراست، دانائی، عقلی توانائی کے لحاظ سے ساری حیوانی دنیا میں مشہور وممتاز ہے۔ فرنگی ماہرین فن نے کتابوں پر کتابیں ان مکھیوں کی فراست و دانائی اور حُسن انتظام و تدبّر پر لکھ ڈالی ہیں ——— حق تھا کہ اس ننھی سی مخلوق کی ذہانت خاصہ کو وحی الٰہی اپنی جانب منسوب کرتی۔ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ سے مُراد عمارتیں بھی ہوسکتی ہیں، اور انگور وخرما کی ٹہنیاں بھی۔ مِنَ الۡجِبَالِ، مِنَ الشَّجَرِ، مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ۔ من ہر جگہ تبعیضیہ ہے یعنی یہ مُراد نہیں کہ مکھی اپنا چھتا ہر پہاڑ، ہر درخت، ہر اُونچی عمارت پر لگاتی ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جو بھی اُسے مناسب معلوم ہوتی ہیں، اُن پر لگاتی ہے۔ ۱۰۰ ان مکھیوں کا ایک ایک پھل پھول پر رس چُوسنے کے لئے بیٹھتے رہنا اور میلوں کا سفر طے کرکے بغیر راستہ بھولے بھٹکے، اپنے چھتے کی طرف واپس آجانا ایک مشہور عالم واقعہ ہے۔ سُبُلَ رَبِّکِ ۔ راستوں کا انتساب حق تعالیٰ نے اپنی جانب کیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے آنے جانے کے راستہ اس حکمت سے بنانا صرف اسی ذات کا کام ہے، جسے اپنی ہر مخلوق سے رشتۂ ربوبیت حاصل ہے۔ ذُلُلًا ۔ بے روک ٹوک، جیسے اور راستے خاص اس مکھی کے لئے مسخر ومنقاد ہیں۔ ۱۰۱ کوئی آٹھ نو قسم کے شہد تو اکیلے مُلک عرب ہی میں ہوتے ہیں۔ شَرَابٌ کہ اسی شیریں مشروب کو شہد کہتے ہیں۔ ۱۰۲ (بہت سی بیماریوں سے) شہد کے منافع و فضائل طب یونانی (عربی)، طب ہندی (ویدک)، طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مُسلّم ہیں۔ اور یہاں اگر اس کے فوائد نقل کئے جائیں، تو خود ایک مستقل مقالہ ہوجائے۔ ۱۰۳ (اور یہ خیال میں لاتے ہیں کہ قدرت حق نے ایک زہریلے نیش زن جانور سے کیسی حیرت انگیز، شفابخش چیز پیدا کردی) لَاٰیَةً ۔ نشانی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بے انتہا کی۔ ۱۰۴ (جیسا کہ بہت زیادہ پیرانہ سالی کے وقت اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے) یہ پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت بنادینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے، کوئی اس میں اُس کا شریک وسہیم نہیں ——— یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، اور زندہ رکھنے کا کوئی اور۔ اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ ۔ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوت جسمانی ہی برقرار رہے، اور نہ قوتِ دماغی۔ ~~لکی لا یعلم بعد علم شیئا~~ ۔ ۱۰۵ وہ اپنی صفتِ علم کے اقتضاء سے ہر شخص کی ضرورت ومصلحت کا علم رکھتا ہے، اور صفتِ قدرت کے اقتضاء سے ویسا ہی اس کا انتظام بھی کردیتا ہے۔ ۱۰۶ (تکوینی مصلحتوں سے) آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑگئی کہ مال و دولت میں عدم مساوات فطری وطبعی ہے، اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہا اور فقہا مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفیٔ مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ ~~قال الجصاص تضمنت الآیة انتفاء المساواة بین المولیٰ وبین عبدہ فی الملک~~ (احکام)

لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ
نشانی ہے اُن لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۹۸ اور آپکے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں
اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
القا کیا کہ تو گھر بنالے پہاڑوں میں (بھی) اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے
یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ
ہیں اُن میں (بھی) ۹۹ پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے
سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ
راستوں میں چل جو تیرے لئے آسان ہیں ۱۰۰ اُس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے
مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ
کہ اُس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں ۱۰۱ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ۱۰۲ اس کے اندر (بڑی) نشانی
لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ یَتَوَفّٰىکُمۡ
ہے اُن لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ۱۰۳ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہ تمہیں موت
وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡ لَا یَعۡلَمَ
دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باخبری کے بعد
بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۷۰﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ ع ۹ / ۵ / ۱۵
چیزوں سے بے خبر ہوجاتا ہے ۱۰۴ بیشک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ۱۰۵ اور اللہ نے
بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا
تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے ۱۰۶ سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے

۹۳ (اور یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح کفر کر رہے ہیں۔ تو یہ سزا بھی لامحالہ انہی کی سی پائیں گے۔ آپ اِن کے لئے غم و تردد میں نہ پڑیئے) ~~المراد منہ کفار مکہ اوکبیرہ~~ الیوم۔
آج یعنی اسی دنیا میں۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ۔ یعنی شیطان اُن کا رفیق رہ کر اُنہیں طرح طرح کی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔ ۹۴ یعنی یہ کتاب الٰہی مومنین کے حق میں سراسر ہدایت و رحمت
ہے۔ اور آپؐ پر یہ اِس لئے نازل ہوئی، کہ آپؐ اِن اہل باطل اور اہل حق کے درمیان جو معتقدات نزاعی ہیں مثلاً توحید یا معاد، اس باب میں مسلکِ حق کی خوب توضیح و تشریح کر دیں۔ لِتُبَيِّنَ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ پیمبر کا منصب محض من و عن، پیام پہنچا دینے کا نہیں، بلکہ اس کی شرح و ترجمانی کر دینے کا بھی ہے۔ ۹۵ (اِن باتوں کو گوش ہوش سے) وَاللّٰهُ ......
...... الْاَرْضَ۔ اوپر سے پانی برسانا اور اُس سے زمین خشک و مُردہ کو از سرِ نو سرسبز کر دینا، جو روزمرہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے، کسی دیوی دیوتا کا نہیں، اور نہ انسان کے اپنے بس کا۔ لَاٰيَةً۔ یعنی اللہ کی قدرت، ربوبیت، صناعی کی بڑی دلیل ہے۔ نباتات کی حیاتِ تازہ و نو سے حشر و بعث اجساد کی طرف ہر فطرت سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے۔ ۹۶ ان گھریلو جانوروں کی ساخت و ترکیب اور اِن کے اعضاء کے افعال میں جو صدہا عجائب ہیں، اُن کی تفصیلات بیالوجی (حیاتیات) اور زوآلوجی (حیوانیات) کے ہر ماہر پر روشن ہیں۔ یہ سب صناعیاں اور حکمتیں پتہ کس چیز کا دیتی ہیں؟ ایک صناع اعظم کا، ایک حکیم مطلق کا۔ لَعِبْرَةً۔ عبرۃ کہتے ہیں معلوم سے مجہول اور مُشاہد سے غیر مُشاہد تک پہنچنے کو۔ والعبرۃ ~~مختصۃ بالحالۃ التی یتوصل بھا من معرفۃ المشاہد الی ما لیس بمشاہد (راغب)~~ ۹۷ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں، وہیں سے دودھ جیسی نفیس و پاکیزہ

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳ وَمَآ
سو وہ آج بھی اُن کا رفیق ہے اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ۹۳ اور ہم نے
اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى
آپ پر کتاب بس اسی لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ اُس کو
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۶۴ وَاللّٰهُ
ان پر واضح کر دیں نیز ایمان والے لوگوں کی ہدایت و رحمت کی غرض سے ۹۴ اور اللہ نے
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
اوپر سے پانی اتارا پھر اُس سے زمین کو اُس کے خشک ہونے کے بعد
ع ۱۴ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۵ وَ
جِلا دیا بیشک اِس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو سُنتے ہیں ۹۵ اور
اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ
بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے ۹۶ اُن کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور
مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
خون (کے قسم) سے اُس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں
لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ
پینے کو دیتے ہیں ۹۷ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں بھی تمہارے لئے سبق ہے) تم
تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ
ان سے نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو بیشک اس میں (بڑی)

نعمت انسان کے لئے تیار کر دینا، جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیا دان اور کیمیا ساز مع اپنی ساری تجربی کارگاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک کھلی ہوئی دلیل ایک صناع اعظم کے وجود پر نہیں، تو اور کیا ہے؟ بُطُوْنِهٖ ~~میں ضمیر واحد مذکر غائب اُس چیز کے لئے ہے جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے یعنی الانعام کے لئے بجائے مؤنث کے ضمیر مذکر واحد جائز ہے~~۔ کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے اور ~~قرآن مجید ہی سے اس کی سندیں پیش کی ہیں [illegible]~~ سَآئِغًا۔ سائغ وہ مشروب ہے جو لذت یا آسانی کے ساتھ حلق سے اُترے۔ ~~[illegible]~~ (کشاف)

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ
بُری حالت ہے اُن لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اللہ کے لئے
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ
اعلیٰ صفات ثابت ہیں ۵۸۶ اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ۵۸۷ اور اگر
يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا
اللہ لوگوں پر اُن کی زیادتی کے سبب (فوراً) داروگیر کرتا رہتا تو زمین پر کوئی حرکت کرنے والا جاندار
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
نہ چھوڑتا ۵۸۸ لیکن وہ انہیں ایک میعاد معین تک مہلت دیئے ہوئے ہے
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
پھر جب اُن کی وہ میعاد آجائے گی تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے
يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ
ہٹ سکینگے اور نہ آگے بڑھ سکینگے ۵۸۹ اور اللہ کے لئے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند
اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ
کرتے ہیں، اور اُن کی زبانیں جھوٹ کہتی جاتی ہیں کہ اُن کے لئے بھلائی (ہی) ہے ۵۹۰ لازمی ہے کہ اُن کے
لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ
لئے دوزخ ہو اور بیشک یہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ۵۹۱ اللہ کی قسم ہم (رسولوں کو)
اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
آپ کے قبل کی بھی امتوں کی طرف بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے اُن کے اعمال انہیں خوشنما کر دکھائے ۵۹۲

ع ۷ / ۱۰ / ۱۲

۵۸۶ یعنی تمام صفات کمال و جمال، خصوصاً قدرت کاملہ اور نزاہت۔ مَثَلُ السَّوْءِ۔ دنیا میں بُری حالت یہ کہ ایسے شدید جہل وحمق میں مبتلا رہے، اور آخرت میں یہ کہ ہر طرح کی عقوبت وذلت کے شکار ہونگے۔ ۵۸۷ چنانچہ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت سزا دینے پر قادر ہا لیکن اسم حکیم کے تقاضہ سے سزائے شرک کو موت کے وقت تک ملتوی کردیا ہے۔ ۵۸۸ یعنی بدکار تو بہر حال اپنی بدی کے پاداش میں ہلاک کرہی دیے جاتے، اور جب وہ باقی ہی نہ رہ جاتے، تو نیک کاروں کا وجود بھی بے معنی رہ جاتا ——— اگر دنیا میں ظلم اور ظالم کا وجود نہ باقی رہے تو کوئی انصاف کس کے مقابلہ میں کریگا؟ دنیا میں کوئی مفلس نہ باقی رہے، تو صفت فیاضی کے ظہور کی کیا صورت باقی رہے گی؟ مصیبت زدوں کے وجود سے دنیا خالی ہوجائے تو کوئی ہمدردی اور شفقت کے لئے کس کو تلاش کریگا؟ ——— غرض انسانی آبادی تو ساری کی ساری یوں ختم ہوجاتی۔ اور جب کوئی انسان نہ زندہ رہتا، تو پھر حیوانات کی بھی ضرورت نہ رہ جاتی جو تمامتر انسان ہی کی خدمت کے لئے ہیں۔ دَآبَّةٍ کے معنی انسان کے لئے بھی لئے گئے ہیں لیکن مفہوم کا عموم ہی بہتر سمجھا گیا ہے، جس میں ہر جاندار آجائے۔ ~~قال ابو عبیدة عن الانسان خاصة والاولیٰ اجراؤها على العموم (راغب)~~ ~~عَلَيْهَا کا ضمیر ها زمین کی جانب ہے یعنی~~ على الارض ~~(بیضاوی) الكناية فی قوله عليها لم تذكر الارض (کبیر)~~ بِظُلْمِهِمْ۔ ظلم یہاں ہر قسم کے کفر و معصیت کو شامل ہے۔ ~~بجب کفرهم ومعاصیهم (روح) بکفرهم ومعاصیهم (بیضاوی)~~ ۵۸۹ (بلکہ ٹھیک ٹھیک قدرتی پروگرام کے مطابق ہی ہلاک ہو کر رہیں گے) ۵۹۰ کسی اُخروی زندگی کے اول تو یہ قائل ہی نہیں اور جو قائل ہیں بھی تو وہاں اپنے لئے چین ہی چین سمجھ رہے ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ۔ مشرکانہ مذہبوں پر نظر ہو، تو اندازہ ہو کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی پست بلکہ سرتاسر گندی باتیں اپنے دیوی دیوتاؤں بلکہ خود معبود اعظم کے حق میں گڑھ رکھی ہیں! ۵۹۱ (دوزخ میں) یعنی یہ لوگ تو دوسرے اہل جہنم کے لئے بطور مقدمۃ الجیش کے ہونگے۔ مفرطون۔ فرط اُسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑ کر انہیں پانی تک پہنچادے۔ ~~مفرطون لے معجلون قال الواحدی ... قال ابو زید ... وغیرهم فرط الرجل اصحابه یفرطهم فرطا وفروطا اذا تقدمهم الى الماء ليصلح الدلاء (کبیر)~~ ۵۹۲ (اس لئے وہ لوگ پیمبروں کی تعلیمات سے غیر متاثر رہکر اپنے کفریات ہی کو پسند کرتے رہے) زَيَّنَ ...... لَهُمْ۔ شیطانی تحریک اس کے سوا اور کچھ نہیں کرہ وہ ایسی چیزوں کو جو واقعی حسن وزیبائی سے خالی ہیں مظاہری اور عارضی خوشنمائی دے دیتی ہے۔ چنانچہ جتنے بھی شیطانی اعمال ہیں، اُن کا جائزہ لے ڈالیئے، سب میں یہی چیز مشترک ملے گی۔ شرابی کو فوری اور عارضی لذت شراب میں محسوس ہوتی ہے، سینما باز کو سینما میں، جواری کو جوئے میں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اس سے بچنے کا آسان و مؤثر طریقہ صرف اپنی عقل اور قوتِ فکر کا صحیح استعمال ہے۔ جہاں انسان نے غور و تامل سے کام لیا، اور اشیاء کا اصلی حسن و قبح اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگا، شیطانی ترغیبات کی کشش بھی اس کے لئے از خود مفقود ہوجاتی ہے۔

۵۷۷ (اس کے رفع کرنے کو) یہاں اس حقیقت کو یاد دلایا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہے، اس کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو خود بھی اس کا احساس ہے چنانچہ جب اُس پر مصیبت پڑتی ہے تو بے ساختہ خدا ہی کو یاد کرنے لگتا ہے۔ فخر المفسرین رازیؒ آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۶۰۲ھ ہجری کو جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا ہوں، صبح کے وقت شدید زلزلہ آیا، اور لوگ دعا و تضرع میں مصروف ہو گئے لیکن جب زلزلہ ختم ہو گیا تو اُسے بھول بھال کر پھر غفلت میں پڑ گئے، اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔

تَجْئَرُوْنَ۔ یعنی گڑگڑاتے ہو، دہائی دیتے ہو، فریاد کرتے ہو۔ جؤار کے لفظی معنی جنگلی جانوروں کے چلانے کے ہیں۔ (ای ترفعون اصواتکم بالاستغاثۃ وتتضرعون الیہ بالدعاء ... والجؤار فی الاصل صیاح الوحش واستعمل فی رفع الصوت بالدعاء والاستغاثۃ ...)

۵۷۸ (اپنی نعمتوں میں سے) ——— اور رفع تکلیف تو خود ہی ایک بڑی نعمت ہے۔ لِيَكْفُرُوْا میں لِ ... لام العاقبۃ ...)

۵۷۹ (کہ اس کفر و شرک کا انجام کیا ہوتا ہے)

سَوْفَ۔ عنقریب یعنی مرتے ہی۔ ۵۸۰ یعنی یہ مشرکین ہماری اُن نعمتوں میں جو ہم نے اُنہیں دے رکھی ہیں، اُن معبودوں کا بھی حصّہ لگاتے ہیں، جن کے معبود ہونے ہی پر کوئی دلیل اُن کے پاس نہیں ——— ذکر مشرکین عرب کا ہو رہا ہے۔ اُن کے ان خصوصیات کا ذکر سورۃ الانعام (پ۸) میں آچکا ہے۔ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وہ جن کی بابت اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ ثبوت ہے نہ تحقیق ہے۔ بس بلا دلیل و حجت اندھا دھند انہیں اپنا دیوتا مانے جاتے ہیں۔ ۵۸۱ (اے مشرکو!)

موقع تہدید پر صیغہ ایک طرف تو غائب سے مخاطب ہوا اور دوسری طرف متکلم سے غائب کا ہو گیا۔ تَاللّٰهِ۔ زور و تاکید کے موقع پر قسم کا لانا عربی اسلوبِ بیان کی ایک صناعت ہے۔ تَاللّٰه حرفِ قسم کا ت کے ساتھ لانا لفظ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لَتُسْئَلُنَّ۔ بازپرس سے مؤاخذۂ حشر مراد ہے۔

۵۸۲ یعنی اولادِ نرینہ ——— مطلب یہ ہوا کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب خود ہی کیسی جہالت و سفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے نزدیک حقیر و ذلیل جانتے ہو یعنی لڑکے کے بجائے لڑکیاں! اور بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص

فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا

تو اُسی (اللہ) سے فریاد کرتے ہو۔ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کا

فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ

ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے حاصل یہ کہ وہ اس کی ناشکری کرتے ہیں،

فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا

جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، سو خیر چند روزہ عیش کر لو پھر تو عنقریب تمہیں معلوم ہی ہوا جاتا ہے اور یہ لوگ ان کے بارہ میں جنہیں

يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا

کوئی علم نہیں اُن کا حصّہ لگاتے ہیں اُن چیزوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، قسم ہے اللہ کی کہ تم جو کچھ گڑھتے

كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ

رہتے ہو اس پر ضرور تم سے بازپرس ہو گی اور اللہ کے لئے انہوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں، سبحان اللہ!

وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى

اور اپنے لئے وہ (رکھا ہے) جس کے لئے اُن کا جی چاہتا ہے، اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سُنائی جاتی

ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ

ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ (دل میں) گھُٹتا رہتا ہے اس بُری خبر پر وہ لوگوں سے

الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ

چھپا چھپا پھرتا ہے آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے

اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ ہائے کیسی بُری تجویز یہ کرتے رہتے ہیں

رکھتے ہو! وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بلا قریش کے قبائل بنی خزاعہ اور بنی کنانہ میں زائد تھی۔ وہی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (ھم خزاعۃ وکنانۃ ...) ۵۸۳ (کہ کیسی عار و ننگ کی چیز خاندان میں آئی) لڑکی سے عار آنے کی بلا قبائلِ قریش کے علاوہ، یوں بھی دنیائے شرک میں عام رہی ہے۔ ۵۸۴ (یہ سوال مشرک باپ کے دل میں برابر گردش کرتا رہتا ہے) عرب میں قبیلہ تمیم اس بلا میں خاص طور پر مبتلا تھا۔ لیکن دنیا کی تاریخ میں مشرک قوموں نے بکثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کر دیا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "دختر نوزاد کو زندہ دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے" (جلد ۸۔ ص۱۰) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ دخترکشی کے اسباب و محرکات دوگانہ تھے کبھی تو لڑکی کا وجود باعثِ عار سمجھتے تھے اور شرم و حیا کے مارے اُسے مار ڈالتے تھے، اور کبھی اُس کے بارِ مصارف کے خیال سے۔ (وھم کانوا یفعلون ذلک الغیرۃ والحمیۃ وتارۃ خوفا من الفقر والفاقۃ ولزوم النفقۃ ... کبیر) اور یہ آخری محرک یورپ کی جدید تحریک "برتھ کنٹرول" کا بالکل نقشِ اوّل تھا۔ ۵۸۵ (کہ اوّل تو خدا کو صاحبِ اولاد ٹھیرایا اور پھر اس میں بھی اس کے لئے بیٹی تجویز کی!) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ لڑکی کے نام سے اتنی چڑھ اور اُس کے ساتھ یہ شقاوت کا برتاؤ سب اُن کی عقل کی کیسی بدترین تجویزیں ہیں۔

يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ
اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی طرف اور
عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
بائیں طرف جھکتے ہیں تابع ہیں اللہ کے، اور (اللہ کے روبرو) عاجز ہیں ۷۰
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ
اور اللہ ہی کی مطیع ہیں ۷۱ جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں اور
دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ
فرشتے بھی اور وہ اپنی بڑائی نہیں کرتے ۷۲ وہ ڈرتے رہتے ہیں
رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ
اپنے پروردگار سے جو ان پر بالادست ہے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا رہتا ہے ۷۳ اور
قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
اللہ نے کہہ رکھا ہے کہ دو معبود نہ قرار دینا ۷۴ خدا تو بس وہی ایک
وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
ہے، سو تم لوگ صرف مجھی سے ڈرتے رہو ۷۵ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور
وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾
زمین میں ہے اور اسی کا دین واجب الاطاعت ہے ۷۶ تو کیا (پھر بھی) غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ ۷۷
وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ
اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے

رکوع ۶ ع ۱۰ آیات ۱۲ (حاشیہ)

۶۹ یعنی کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ تکوینی طور پر اس کائنات کی ایک ایک چیز، یہاں تک کہ سایہ دار چیزوں کے سائے بھی، حکم الٰہی کے مطیع و منقاد ہیں ــــــ مشرک جاہلی قوموں میں سایہ کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات گڑھ رکھے ہیں۔ قرآن مجید ان سب کا قلع قمع کرکے بتاتا ہے کہ سارے سائے اور سایہ دار چیزیں قانونِ الٰہی ہی کی محکوم ہیں۔ ظِلٰلُهٗ، مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ سایہ کے موجبات و مسببات، حرکت سایہ کے اسباب، پھر سایہ کے خواص یہ سب حکمِ الٰہی ہی سے ہیں۔ سُجَّدًا لِّلّٰهِ۔ مُسجَّدًا یہاں اپنے اصلی معنی میں ہے، یعنی فرمانبردار، جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور فاعل حکیم کے روبرو ہونا ہی چاہیے۔ هذا بحسب تسخیر وهو الدلالة الصامتة الناطقة المنبهة على كونها مخلوقة وانها اخلق فاعل حكيم (راغب) المراد بهذا السجود الانقياد والتواضع (كبير) وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۔ یعنی یہ سایہ دار چیزیں سب اسی کی مطیع و فرمانبردار ہیں۔ داخرون اے اذلاء (راغب) ۷۰ (تکوینی طور پر) يَسْجُدُ۔ سجود یہاں اپنے اصل مفہوم انقیاد و استسلام کے معنی میں ہے ــــــ آیت کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی یا بڑی کوئی سی بھی ہو، اور عالم ارواح یا عالم اجسام میں کہیں بھی ہو، سب کی سب عظمتِ الٰہی کی مسخر و منقاد ہیں۔ اے کل ما سوی الله سواء كان من عالم الارواح او من عالم الاجسام ومنقاد خاضع لجلال الله تعالىٰ وكبريائه (كبير) ۷۱ یعنی اللہ کی مطیع و منقاد جب تکوینی طور پر ساری زمین و آسمان کی ساری ہی زندہ و متحرک مخلوق ہے، اور سب سے بڑھ کر خود فرشتے جو ایک لحاظ سے اعظم مخلوقات ہیں، اور مشرکوں نے انہی کو دیوی دیوتا قرار دیا اور خدا کا مدِ مقابل سمجھا ہے، وہ تو خاص طور پر مطیع و منقاد ہیں، تو ان مشرکوں بیچاروں کی بساط ہی کیا ہے۔ يَسْتَكْبِرُوْنَ کے باب استفعال سے بعض نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کے دل میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں پیدا ہوتی، چہ جائیکہ خود بڑائی کرنے لگیں۔ لا يطلبون ذلك فضلًا عن فعله والاتصاف به (روح) مِنْ دَآبَّةٍ۔ دابّة کے معنی یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں، اور متحرک کے بھی۔ اور سجدۂ انقیاد کے ایک سرے پر دابّة اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لاکر گویا یہ بتا دیا کہ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر ذی حیات زنجیرِ انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔ بيّن بهذه الاية ان الحيوانات باسرها منقادة لله تعالىٰ لان اخسها الدواب واشرفها الملئكة (كبير) ۷۲ یہ سب دیوتا پرستی اور ملائکہ پرستی کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ فوق سے یہاں کھلی ہوئی مراد فوقیت معنوی کی غلبہ کی ہے، ورنہ محض سمت یا جہت کے فوق ہی تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ المراد بالفوقية الفوقية بالقهر والقدرة لانها هي الموجبة للخوف (كبير) اے عاليًا عليهم بالقهر (جلالين) راغب نے فوق کے استعمال کے چھ موقع بتائے ہیں۔ مکان، زمان، جسم، عدد، منزلت اور انہی میں سے ایک معنی فوقیت بہ اعتبار قہر و غلبہ کے رکھے ہیں۔ توریت موجودہ میں بعض فرشتوں کو عاصی و نافرمان فرشتہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اس تخیل کی جڑ ہی کاٹے دیتا ہے ــــــ قرآن فرشتوں کو بار بار تمامتر معصوم ہستی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وهي دلالة قاهرة قاطعة على عصمة الملائكة عن جميع الذنوب (كبير) يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ۔ سوال یہ ہوا ہے کہ ملائکہ سے جب معصیت کا امکان ہی نہیں تو وہ پروردگار سے ڈرتے کیوں رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ خوف وہ نہیں، جو اپنی معصیت سرشتی سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ وہ خوف ہے جو محض عظمتِ الٰہی کے احساس اور حق تعالیٰ کی ہیبت و جلال سے پیدا ہوتا ہے ــــــ اس قسم کا خوف جو عوام سے کہیں زیادہ خواص و اہل معرفت کے دلوں میں اور سب سے بڑھ کر حضرات انبیاء کے سینوں میں موجزن رہا کرتا ہے۔ امام المفسرین رازیؒ نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ذٰلك الخوف خوف الاجلال هكذا روي عن ابن عباس والدليل على صحته قوله تعالىٰ انما يخشى الله من عباده العلماء وهذا يدل على انه كلما كانت معرفة الله اتم كان الخوف منه اعظم وهذا الخوف لا يكون الا خوف الاجلال (كبير) اور جب عصمت ملائکہ کی یہ ایک اصل سمجھ میں آگئی، تو اس سے خود بخود بہت سے بے سند اور غلط لیکن زبان زد عوام قصوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، جن میں فرشتوں کو کبائر کے مرتکب کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، مثلاً ہاروت و ماروت کی بدنامی زہرہ کے ساتھ، یا خود ابلیس کا زمرۂ ملائکہ میں سے سمجھا جانا ہے۔ ۷۳ (جیسا کہ مجوس نے اور بعض اور بددین فرقوں نے قرار دے رکھا ہے) قرآن مجید جس طرح شرک کی اور ہر صورت کو مٹا رہا ہے، اسی طرح ثنویت کو بھی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَقَالَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے اپنی مخلوق کو پیمبروں کے ذریعہ سے یہ حکم دے رکھا ہے۔ ۷۴ (کہ میں ہی ہر طرح کے انعام اور عقاب پر قادر ہوں) هُوَ صیغہ غائب سے فَاِيَّايَ صیغہ متکلم کی طرف انتقال صنعت التفات کہلاتا ہے اور عربی اسلوب بلاغت میں ایک اعلیٰ صفت ہے ــــــ اور اتنی بات تو اردو خوانوں کی سمجھ میں بھی آسکتی ہے کہ تخویف و ترہیب کے موقع پر صیغہ غائب سے کہیں زیادہ زور و اثر صیغہ متکلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو من طريقة الالتفات وهو ابلغ في الترهيب من قوله واياه فارهبوه (كشاف) ۷۵ (پھر اس میں کسی دوسرے کی شرکت کے کیا معنی) واصب کے معنی واجب و ثابت کے ہیں۔ الواصب الواجب الثابت (كشاف) اور دین واصب سے جزائے دائمی بھی مرادلی گئی ہے یعنی عذاب و ثواب۔ وله الجزاء دائمًا سرمدًا لا زوال له والثواب والعقاب (ای لانه تعالى له الجزاء دائمًا لا ينقطع ثواب المطيع وعقاب العاصي (روح) ۷۶ شرک کی اصل و بنیاد عمومًا اسی غیر اللہ کے خوف پر ہوتی ہے۔ مشرک انسان سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں سو انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آگے یوں نذر ماننی چاہئے، یوں بھینٹ چڑھانا چاہیئے۔ وقس علی ہذا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ انگریزی تفسیر القرآن) قرآن نے اسی پر ضرب لگائی ہے۔

۶۲ (چنانچہ وطن چھوڑتے وقت یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ کیا کھائیں گے، کہاں سے پائیں گے) خیال رہے کہ یہ سفر ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں خشکی اور تری دونوں سے مکّہ سے سینکڑوں میل دُور حبشہ کا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کی پُرتکلف ریل گاڑیوں اور پُرتعیش جہازوں میں نہ تھا۔ اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا یعنی ہر طرح کی تکلیفوں اور ناخوشگوار واقعات پر صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ۶۳ (نہ کہ کسی فرشتہ، جن، یا فوق البشر کو رسُول بناکر) مشرکینِ عرب دیوتا، اوتار وغیرہ کے تخیل سے تو خوب آشنا تھے لیکن نفسِ رسالت، یا کسی بشرِ محض کا پیمبری سے سرفراز ہوجانا اُن کی سمجھ سے باہر تھا، اسی میں وہ بار بار اُلجھتے تھے، اور ذاتِ مُصطفوی پر اپنے نزدیک بڑا اصولی اور گہرا اعتراض یہی کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے بشر ہوکر پیمبر کیسے ہوگئے؟ یہ انھی منکرین کو سُناکر آنحضرت صلعم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ انسانوں کے لئے سلسلۂ نبوت تو ازل سے برابر بشر ہی کے ذریعہ سے قائم ہے۔ رِجَالًا کے لفظ سے، یہ استدلال اور بالکل صحیح استدلال کیا گیا ہے کہ مرتبۂ نبوت مَردوں ہی کے لئے محدود و محصور ہے، اور کسی عورت کے لئے اس منصب کی گنجائش ہی نہیں۔

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۴۲) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۶۲ اور ہم نے آپ کے قبل مرد ہی رسول بنا کر
اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجے ہیں جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں، سو اگر تم لوگوں کو
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۴۳) بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ
علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو ۶۴ اور ہم نے آپ پر بھی
اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ
یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ اُن کے پاس بھیجا گیا ہے اور
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۴۴) اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا
تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیسا کریں ۶۵ کیا وہ لوگ جو بُرے بُرے منصوبے باندھتے رہتے ہیں
السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ
اس امر سے بےفکر ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا اُن پر عذاب ایسے
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۴۵) اَوْ يَاْخُذَهُمْ
موقع سے آپڑے کہ انہیں گمان بھی نہ ہو ۶۶ یا انہیں اُن کے چلتے پھرتے
فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۴۶) اَوْ يَاْخُذَهُمْ
پکڑلے، سو یہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے ۶۷ یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے
عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۴۷) اَوَلَمْ
پکڑلے لیکن تمہارا پروردگار بڑا شفیق ہے، بڑا رحمت والا ہے ۶۸ کیا انہوں نے

النصف

دلت الاٰیۃ علی انہ تعالٰی ما ارسل احدًا من النساء (کبیر) سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۹ میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں۔ وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔ امام رازیؒ نے فرمایا، اور بہت صحیح فرمایا کہ ان دو مختصر لفظوں کے اندر سارا خلاصۂ رسالت آگیا۔ البینٰت کے اندر سارے معجزات و شواہدِ صدقِ پیمبر۔ اور الزبر کے اندر اصل احکام و ہدایات۔ الزبر لفظۃ جامعۃ لکل ما تکامل بہ الرسالۃ لان مدار امرھا علی المعجزات الدالۃ علی صدق مدعی الرسالۃ وھی البینات وعلی التکالیف التی یبلغھا الرسول من اللہ تعالٰی الی العباد وھی الزبر (کبیر) الاولی للدلالۃ علی الصدق والثانیۃ لبیان الشرائع والتکالیف (روح) بِالْبَيِّنٰتِ۔ البینٰت کے معنی دلائل و شواہد بھی بالکل درست ہیں۔ ای بالحجج والدلائل (ابن کثیر) ۶۴ خطاب مشرکینِ عرب سے ہے۔ اور اُن سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جنہیں تم بھی اہلِ علم سمجھتے ہو یعنی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ، ذرا انھی سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ گچھ کرکے اپنا اطمینان کرلو مسئلۂ رسالت میں، اور بشر ہی کے رسُول ہونے میں تو وہ بھی مسلمانوں ہی کے ہمزبان ہیں۔ اَهْلَ الذِّكْرِ کے معنی اہلِ کتاب کے، صحابہ، تابعین، ائمۂ لغت و اکابر مفسرین سب سے منقول ہیں۔ ای اھل الکتاب من الیہود والنصاریٰ (ابن جریر عن ابن عباس و مجاہد والسدی) واھل الذکر اھل الکتاب وقیل للکتب الذکر لانہ موعظۃ وتنبیہ للغافلین (کشاف) الذکر الکتاب فیہ تفصیل الدین ووضع الملل (قاموس) وکل کتاب من الانبیاء ذکر (تاج) الذکر الکتب المتقدمۃ (راغب)

۶۵ (ان مضامینِ قرآنی کے اندر) الذکر سے مُراد یہاں قرآن مجید ہی ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ یعنی تاکہ آپ ان مضامین کو اپنی تشریح و توضیح کے ساتھ خلق سے روشناس کردیں ——— یہ آیت قرآنی اس باب میں نص ہے کہ رسُول اللہ صلعم کی حیثیت محض حاملِ وحی یا "خط رساں" کی نہیں، بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے۔ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ قرآن مجید کی اصل مخاطب رسُول اللہ صلعم کے ذریعہ و واسطہ سے، ساری نوعِ انسانی ہے۔ ۶۶ چنانچہ معرکۂ بدر میں ہُوا بھی یہی کہ سردارانِ قریش کو اس کا گمان تک نہ تھا کہ ہم لوگ باایں سازوسامان اور بایں کثرت تعداد تھوڑے سے اور وہ بھی بےسروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی بُری طرح شکست کھا جائیں گے۔ اَلَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ۔ یعنی وہ لوگ جو اسلام اور رسُولِ اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ والمراد بہم اھل مکۃ فانہم مکروا برسول اللہ صلعم واصحابہ علی سبیل الخفیۃ (کبیر) يَخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ناگہانی مصیبت زمینی آپڑے۔ ۶۷ متمرد و سرکش انسان اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کرکے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لے، حق تعالیٰ کا کسی معاملہ میں ذرا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا، آخرکار خود ہی ہار کر، تھک کر مجبور ہوکر بیٹھ جانا پڑیگا۔ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ۔ یعنی نزولِ عذاب کے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت تھوڑے ہی ہے، وہ ان کے جس حال میں چاہے انہیں گرفتار کرلے۔ ۶۸ (چنانچہ فوراً عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا، بلکہ رجوع و توبہ کے لئے بار بار مہلت دیتا ہے) والمعنی انہ یھلک فی اکثر الامر (روح) رحیم لا یعاجلکم بالعقوبۃ (کبیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح انسان کی ہلاکت و بربادی پر قادر ہے۔ چاہے اس کا ظاہری ذریعہ کوئی طبعی سبب مثل زلزلہ وغیرہ کے ہو، چاہے وہ کسی قوی و زبردست دشمن کو مسلط کردے، چاہے وہ یونہی چلتے پھرتے ہلاک کردے، اور چاہے پہلے سے جتاکر، ہنلاکر، قبضہ کرکے کوئی سامانِ ہلاکت کا پیدا کردے۔ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ۔ یعنی بار بار بلائیں لاکر، تدریجاً لوگوں کو ہلاک کردے۔ ای یاخذھم علی ان ینتقصھم شیئًا بعد شیء فی انفسھم واموالھم حتی یھلکوا (کشاف) تنقص شیئًا فشیئًا حتی یھلک الجمیع (معالم) تَخَوُّف کے اصلی معنی انسان میں لفظ خوف کے ہیں۔ التخوف ظھور الخوف من الانسان (راغب) اور اسی مصدر سے جو فعل متعدی آتا ہے اس کے معنی اشیاء کے گھٹانے کے ہیں۔ وتخوفناھم ای تنقصناھم تنقصًا اقتضاہ الخوف (راغب)

۵۵ (سو آپ صبر سے کام لیجئے) اب پھر خطاب رسول اللہ صلعم سے ہے۔ آپؐ کی افراطِ شفقت علی الخلق کی بنا پر آپؐ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پروا نہیں رکھتے، اُن کے لئے قانونِ تکوینی بدلا نہیں جائے گا، وہ بدستور یوں ہی گمراہی میں پڑے رہینگے۔ ۵۶ (اور یہ حشر و نشر، جزا و سزا سب ڈھکوسلے ہیں) جاہلیتِ عرب کے "روشن خیال" آج بھی کل کے "روشن خیالوں" کی طرح آپس میں بڑے زور و شور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کیسا حشر و نشر؟ یہ کچھ بھی ہونا ہوانا نہیں، محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ ۵۷ اِن "آزاد خیالوں" کی تردید

مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا

جسے وہ (اس کے عناد کے باعث) گمراہ کر چکا ہے، اور نہ اُن کا کوئی حمایتی ہوگا ۵۵ اور یہ بڑے زور و شور

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ

سے خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے خدا اسے دوبارہ نہیں اُٹھائے گا ۵۶

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

کیوں نہیں (اُٹھائیگا) اس وعدہ کو اُس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے لیکن اکثر لوگ (اتنا بھی)

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

علم نہیں رکھتے ۵۷ (اور یہ دوبارہ اٹھانا اس لئے ہوگا) کہ جس امر کے باب میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾

اس کا ان کے روبرو اظہار کر دے اور تاکہ اہل کفر یقین کرلیں کہ وہ (واقعی) جھوٹے ہی تھے ۵۸

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ

ہم جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو بس اُس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا

فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا

بس وہ ہو جاتی ہے ۵۹ اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ اُن پر

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ

ظلم ہو چکا تھا ۶۰ ہم اُن کو دنیا میں بھی بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجرِ آخرت تو

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

کہیں بڑھ کر ہے کاش انہیں خبر ہوتی ۶۱ (وہ مہاجرین ایسے ہیں) جو صبر کرتے ہیں

ع ۵ / ۱۱ — وقف لازم

میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہاری لغو و لایعنی تردید سے ہوتا کیا ہے، یہ عقیدۂ جزا و سزا تو دینِ حق کے بنیادی عقائد میں ہے، اور عقیدۂ توحید کا ایک لازمی تتمہ ہے۔ بَلٰی نفی کے جواب میں ہے یعنی کیوں نہ کریگا، ضرور کریگا۔ ~~لایجاب النفی ای بلی یبعث [illegible]~~

۵۸ (اور انبیاء و مومنین ہی سچے تھے) ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ وقوعِ معاد تو عین حکمت ہے۔ وہیں تو اِن کافروں پر پوری طرح ظاہر ہو کر رہیگا کہ اس دارِ ابتلا میں جن جن مسائل کے باب میں وہ اہلِ حق سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، اُن میں وہ کس قدر ناحق پر تھے۔ اور وہیں اُن پر شہوداً و عیاناً یہ روشن ہو کر رہیگا، کہ وہ خود سر تا سر باطل پر، اور انبیاء و مومنین حق پر تھے۔ ~~لِيُبَيِّنَ میں ل کا تعلق فعل مقدر سے ہے~~ ~~لَهُمْ~~ کی ضمیر جمع غائب ہر مرنے والے کافر و مومن پر شامل ہے۔ ~~[illegible] من یموت وھو شامل للمومنین والکفار (بحر)~~

۵۹ (سو ایسے قادرِ مطلق کو مُردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟ اور اس میں شبہ عقلی ہو ہی کیا سکتا ہے؟) قولنا اور نقول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمۂ کُن کا (جو خود ایک دو حرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتا ہو۔ مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی سی بھی چیز ہو، اس کی تکوین کے لئے، اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے۔ اِدھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اور اُدھر معاً اور فی الفور وہ شے عدم سے وجود میں آگئی۔ ~~لشیء اور لہ دونوں میں ل تبلیغ کا ہے والظاھر ان اللام فی لشیء وفی لہ للتبلیغ (بحر)~~

۶۰ (مشرکین معاندین کی طرف سے) مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ ہجرت یعنی اپنے وطن کی سرزمین کو مع وہاں کے دوستوں، عزیزوں وغیرہ بے شمار مرغوبات و مالوفات کے چھوڑ دینا ہمیشہ ہی نفس پر شاق گزرتا ہے۔ شدید مظلومیت و بیچارگی کے بعد تو نفس پر یہ دشواری کئی گنی اور بڑھ جاتی ہے۔ فِي اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے واسطے یا اللہ کی راہ میں۔ ~~[illegible]~~ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ یہاں ذکر اُن مومنین سابقین و صادقین کا ہے، جنہوں نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ صلعم کے حکم سے، نہ صرف شہرِ مکہ بلکہ ملکِ حجاز اور سارے علاقۂ عرب کو چھوڑ کر، ایک دُور دراز ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ ~~[illegible] اصحاب محمد ظلمھم اھل مکۃ فاخرجوھم من دیارھم حتی لحق طوائف منھم بالحبشۃ [illegible] قتادۃ)~~ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ۔ اس قید سے فقہا مفسرین نے یہ بھی نکالا ہے کہ ہجرت شریعت میں معتبر وہی ہے جو دینِ الٰہی کے خاطر ہو، ورنہ نفسِ ہجرت تو محض انتقالِ وطن کے مرادف و ہم سطح ہے۔ ~~دل تعالٰی بقولہ والنبی ماجر الی اللہ ان الھجرۃ اذا لم تکن للہ لم یکن لہ موقع وکانت بمنزلۃ الانتقال من بلد الی بلد (کبیر)~~

۶۱ یعنی کاش ان بے خبر کافروں کو آخرت کے اجرِ بے نہایت اور راحتِ دائمی کا کچھ اندازہ ہوتا! كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ضمیرِ غائب کافروں کی جانب ہے۔ ~~الضمیر للکفار (کشاف) [illegible] الی الکفار (کبیر)~~

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ چنانچہ مہاجرینِ مکہ کو بھی مدینہ پہنچ کر بالآخر ہر طرح کی حکومت و عزت حاصل ہو گئی۔ اور ریاستِ مکہ ہی نہیں، سارا صوبۂ حجاز، کُل ملکِ عرب، بلکہ اطرافِ مشرق و مغرب بھی اُن کے زیرِ نگیں آگئے۔ ~~ومکن اللہ لھم علی اھل مکۃ الذین ظلموھم وعلی العرب قاطبۃ وعلی اھل المشرق والمغرب (کبیر)~~

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ

اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی کی بھی

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

پرستش نہ کرتے (نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اُس کے بدُون

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

(حکم) کسی چیز کو حرام کر سکتے ۵۰ ایسی ہی (حرکت) وہ لوگ بھی کر چکے ہیں جو اِن کے

قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۳۵

قبل ہوئے ہیں ۵۱ سو پیمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ۵۲

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک پیامبر بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ

شیطان (کی راہ) سے بچو ۵۳ سو اُن میں وہ بھی ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت دی

مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي

اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت ہو کر رہی تو زمین پر چلو پھرو

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۳۶

پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (بُرا) انجام ہوا ۵۴

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

اگر آپ کو اِن کے راہِ راست پر آنے کی تمنا ہے تو اللہ ایسے کو راہ نہیں دکھاتا

۵۰ مشرکین کہتے تھے کہ خدا کو اگر ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک ہی کیوں نہیں دیتا، اُس نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت ہی کیوں دی؟ —— یہ احمق حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی (یا بندوں کی قوتِ انتخاب و آزادیٔ عمل) اور اُس کی رضا و حکم کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے تھے! ۵۱ یعنی یہی ضابطہ زمانۂ ماضی کے گمراہوں کو بھی پیش آچکا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی سوچیں، تو یہی سوال اُلٹ کر خود اُن پر بھی عائد ہوتا ہے —— آخر اُن کے عقائد کی رُو سے بھی تو خدا کو کچھ چیزیں پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔ تو وہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو واقع ہی کیوں ہونے دیتا ہے؟ ۵۲ (اور اس فریضہ سے وہ ہر دور اور زمانہ میں پوری طرح ادا ہو چکے) ~~هل یہاں بھی نفی کے مفہوم میں اور ما کے مرادف~~ ہے۔ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ پوری تبلیغ یہ کہ جو دعوے ہوں وہ واضح ہوں، اُن میں کوئی گنجلک یا خفا باقی نہ رہ جائے۔ اور ہر دعویٰ پر دلیلیں صحیح، روشن اور عام فہم قائم ہو جائیں۔ ۵۳ (سو یہ توحید اور دینِ حق کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں۔ شروع سے چلی آرہی ہے) رَسُوْلًا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک و قوم میں، مستقلاً کوئی رسول ہی (اصطلاحی معنی میں) آیا ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیمبر کی تعلیم پہنچ گئی ہو، خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعے۔

ہندوستان میں کوئی پیمبر ہوئے یا نہیں؟ یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہر حال ہے لیکن جزم و یقین کے ساتھ کسی صاحب کو پیمبر قرار دے لینا، جب تک کہ اُن کی پیمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے، زیادتی ہے۔ الطَّاغُوْتَ۔ یہ منجملہ اُن الفاظ کے ہے، جن کا ترجمہ اردو میں ایک لفظ سے ہونا دشوار ہے۔ اس لفظ پر حاشیہ سورۂ آل عمران پ۳) ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ کے ذیل میں گذر چکا۔ ۵۴ (اور تاریخ و علم الآثار سے مدد لے کر دیکھو کہ وہ سرکش و خود فراموش قوموں کا کیا انجام بیان کر رہی ہیں) فَسِيْرُوْا خطاب مشرکوں سے ہے۔ ~~الخطاب للمشرکون المکذبون~~ (روح) فَمِنْهُمْ.... الضَّلٰلَةُ۔ پیغمبر علیہ السلام کو تسکین دی ہے کہ آپ زیادہ غم و تردّد نہ کیجیے، ضلالت و ہدایت کے یہ معاملات تو قدیم سے چلے آرہے ہیں۔

۴۳ اس دُنیا کی بھلائی سے تو مُراد یہاں کی کُل نعمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً فتح و مالِ غنیمت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینانِ قلب وغیرہ، اور پھر سب سے بڑھ کر اجرِ آخرت کا وعدہ و بشارت۔ اور عالمِ آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر اس لحاظ سے ہوگا کہ اوّل تو وعدۂ اجر کے تحقق و ظہور کا مقام وہی ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں کیا بہ لحاظ تعداد، کیا بہ لحاظ مقدار، اور کیا بہ لحاظ دوام و قیام، اور کیا بہ لحاظ کیفیت و نوعیت، دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہوں گی۔ اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا۔ یعنی اہلِ ایمان۔ وھؤلاء مؤمنون (ابن جریر عن قتادہ) ۴۴ الْمُتَّقِيْنَ۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ایک آیت قبل الذین اتقوا سے آچکا ہے۔ یعنی اہلِ ایمان۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ۔ ایک بڑی گہری اور اصولی حقیقت ان دو مختصر لفظوں کے اندر آگئی ہے۔ جنت میں جو ہوا بھی چلے گی، سب اہلِ جنت کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ جو کچھ

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰ جَنّٰتُ عَدْنٍ

اور (زیادہ) بہتر ہے ۴۳ اور اہلِ تقویٰ کا وہ گھر واقعی اچھا ہے ۴۴ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا

جن میں یہ داخل ہوں گے، اُن (باغوں) کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی، انہیں ہر چیز (مل جائیگی)

مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱ الَّذِيْنَ

جو کچھ وہ چاہیں گے اسی طرح کا عوض اللہ اہلِ تقویٰ کو دیتا ہے ۴۴ (یعنی وہ لوگ)

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ

جن کی رُوحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ۴۵ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے ۴۶ یہ منکرین تو بس اسی کے منتظر

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ

ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آجائے ۴۷

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ

ایسا ہی اُن لوگوں نے بھی کیا تھا جو اِن کے قبل تھے اُن پر اللہ نے ظلم ذرا بھی

اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ

نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۴۸ آخر انہیں

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴

اُن کے اعمال کی سزائیں ملیں ۴۹ اور انہیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس پر وہ تمسخر کرتے تھے

ع ۴
۱۰

بھی جس کسی کا جی چاہیگا، سب پُورا ہو کر رہے گا۔ ہر تمنا نکل کر، ہر آرزو حاصل ہو کر رہے گی۔ ایک ایک نعمت اور اس کے جزئیات و تفصیلات کہاں تک بیان کئے جا سکتے ہیں۔ بس ایک جامع جواب ہر مذاق اور ہر درجہ کے سائلین کے لئے آگیا۔ ۴۵ (ہر کفر و شرک کی آلودگی سے) مثلھم علی ما روی عن ابی معاذ طاہرین من دنس الشرك وھو المناسب لجعلہ فی مقابلۃ ظالمی انفسھم (روح) قال ابو معاذ طاہرین من الشرك بالكلمۃ الطیبۃ (بحر) طاہرین من ظلم انفسھم بالكفر (مدارك) یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو آخر وقت تک توحید و ایمان پر قائم رہتے ہیں ——— یہاں ٹھیک اُن طبقات کا مقابلہ ہو رہا ہے، جن کا ذکر آیت ۲۸ میں آچکا ہے کہ فرشتے اُن کی جانیں سختی اور عذاب سے نکال رہے ہوں گے۔ طَيِّبِيْنَ۔ جو لوگ کفر و شرک، فسق و فجور کی آلودگیوں سے پاک ہیں، اُن کی روحیں صحیح معرفت و محبت الٰہی سے معمور رہتی ہیں اور یہ قدرۃً اپنی جانیں بڑے سرور و شوق کے ساتھ جاں آفرین کو سپرد کرتے ہیں۔ ۴۶ فرشتوں کا زبان سے یہ کہتے جانا ظاہر ہے کہ مومنین کی تعظیم و اکرام کے لئے ہوگا۔ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ محققین کا بیان ہے کہ منامی، رؤیائی یا روحانی حیثیت سے تو مومن وفات پاتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (خود برزخ جس عالم کا نام ہے، وہ آخرت ہی کی ایک ہلکی منامی، رؤیائی شکل ہے) البتہ پوری طرح مادّی اور جسمانی طور پر قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ وھو وقت قبض ارواحھم قالہ ابن مسعود ومحمد بن کعب و مجاھد والاکثرون بعد البعث بالجنۃ و(بحر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی جنت میں یہ آپ کی باریابی آپ ہی آپ یا کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان سے نہیں ہو رہی ہے، بلکہ خود آپ ہی کے حسنِ عمل و شیوۂ طاعت کا ثمرہ ہے۔ ——— یہ کہہ کہہ کر مومنین اہلِ جنت کے دل کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا۔ اس تصریح اور اُن نصوص کے درمیان، جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جنت تو صرف افضال الٰہی سے ملے گی، کوئی تعارض و تناقض نہیں۔ سببِ حقیقی تو بے شک وہی رحمتِ الٰہی ہی ہے، لیکن سببِ قریب و سببِ عادی ان لوگوں کا حُسنِ عمل ہے۔ ۴۷ (جس کے بعد قبولِ ایمان کی گنجائش ہی نہ باقی رہ جائے) ذکر اُن منکرین معاندین کا ہے جو وضوح حق کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔ ھل نفی کے معنی میں ما کا مرادف ہے۔ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ۔ یعنی موت یا عذاب کے فرشتے آجائیں جس کے بعد ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ لقبض ارواحھم (ربیع عن علیہ قتادۃ) لقبض ارواحھم (ابن جریر) يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ۔ یعنی قیامت برپا ہو جائے، یا عذاب دنیوی نازل ہو جائے ای العذاب المستاصل او القیامۃ (کشاف، مدارک) ای القیامۃ (روح عن مجاھد وقتادۃ) قال بعضھم المراد بالعذاب الدنیوی (روح) ۴۸ یعنی کفر، شرک و فسق، غرض سزا کے سارے کام جان جان کر کرتے تھے۔ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی انہوں نے بھی کفر و عناد پر اصرار کیا تھا، اور اُنہیں بھی سزا ملی تھی۔ ۴۹ (خواہ اسی زندگی میں، خواہ بعدِ موت، خواہ دونوں جگہ) ✦

ف۳٦ (اہلِ ایمان سے) یعنی آخرت میں منکرین پوری اور انتہائی طور پر ذلت و رسوائی کے شکار ہوں گے، اور انہیں اور زیادہ جلانے، کڑھانے کے لئے اُن سے سوال ہوگا، کہ اب بتلاؤ، وہ تمہارے معبود کدھر گئے، جنہیں تم شریکِ الوہیت سمجھا کرتے تھے، اور جن کی خاطر تم اہلِ ایمان سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ شُرَكَآءِیَ یعنی میرے شریک تمہارے زعم و پندار کے مطابق۔ اضاف الیٰ نفسہ على الاضافة الى نفسه حکایة لاضافتهم (کشاف) الذین کنتم تزعمون فی الدنیا انهم شرکاءی (ابن جریر) ف۳۷ وہ منکرین مردود و مخذول تو کیا جواب دینگے، البتہ اہلِ حق پکار اُٹھیں گے کہ آج کے دن (جیساکہ ہم دنیا میں کہا کرتے اور کہتے رہتے تھے) پوری ذلت و رسوائی اور ساری سختی و مصیبت منکرینِ حق ہی کے لئے ہے! فرقۂ مُرجیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ عذابِ آخرت کافروں ہی کے ساتھ مخصوص، محدود ہے، مومنین عاصی کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی انبیاء، مرسلین اور اُن کے متبعین صادقین۔ وھم الانبیاء علیهم السلام والمؤمنین الذین اوتوا علماً بدلائل التوحید (روح المعانی) ف۳۸ یعنی موت کے وقت تک کفر و شرک میں مبتلا رہے تھے۔ لصحال کونهم مستمرین علی الکفر (روح)

ف۳۹ اس پُر ہیبت و ہولناک منظر سے دو چار ہو کر منکرینِ حق اب خوشامدانہ لہجہ میں عرض کرنا شروع کریں گے کہ بھلا ہماری کیا مجال تھی، جو ہم شرک میں مبتلا ہوتے! ——— کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑے ہوئے رہتے تھے، اور کہاں اب خوشامد پر اُتر آئینگے۔ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ۔ یعنی اپنے خیال و عقیدہ میں تو ہم کوئی بُری بات نہیں کر رہے تھے۔ المراد ما کنا عاملین السوء فی اعتقادنا لکمال اعتقادنا ان عملنا خیر (روح) ف۴۰ تو اب تمہارے اقرار و انکار سے ہوتا کیا ہے۔ تمہارا احال تو عالم الغیب پر خود ہی سب روشن ہے) ف۴۱ یعنی ان لوگوں کا جو رعونتِ نفس کی بنا پر قبولِ حق سے انکار کرتے رہتے ہیں۔ فَلَبِئْسَ میں ل تاکید کا ہے۔ واللام فی فلبئس لام التاکید (بحر) مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ تکبر کی قدرتی جزا، دوزخ ہی ہے۔ وصف التکبر دلیل علی استحقاق صاحبه النار (بحر) فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ۔ یعنی اپنی اپنی منزل و طبقہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔ خطاب لکل صنف منهم ان یدخل باباً من ابواب جهنم (بحر) خٰلِدِیْنَ فِیْهَا۔ یہاں تمام اہلِ جہنم کو سُنا دیا کہ درجاتِ عذاب گو نسبتہً کم اور زاید ہوں، لیکن خلود و دوام بہرحال سب کے لئے ہے۔ رہائی مخلصی کی صورت کسی کے لئے نہیں۔ ف۴۲ یعنی ایسا کلام جو سرتاسر خیر و برکت ہی ہے۔ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ یعنی وہ لوگ جو کفر و شرک سے بچے رہتے ہیں۔ قال ابن عباس یرید المؤمنین اتقوا الشرک واتقوا ان لا اله الا الله محمد رسول الله (کبیر) یعنی المؤمنین (بیضاوی) آیت ۲۴ میں ابھی مکذبینِ قرآن کا ذکر آچکا ہے کہ جب اُن سے پُوچھا جاتا ہے کہ کیا چیز اُتری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اساطیرالاولین۔ اب ٹھیک اُن کے مقابل گروہِ مومنین کا ذکر ہے، کہ جب انہی سے قرآن کی بابت سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اُسے سرتاسر خیر و برکت بتاتے ہیں۔

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ
اور کہے گا میرے وہ "شریک" کہاں ہیں جن کے باب میں تم لڑا جھگڑا
فِیْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ
کرتے تھے ف۳٦ علم والے (اس وقت) بول اُٹھیں گے کہ آج (پوری) رسوائی
الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۙ﴿۲۷﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
اور سختی کافروں پر ہے ف۳۷ جن کی جانیں فرشتوں نے
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا
اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے ف۳۸ تب وہ صلح کا پیغام ڈال چلیں گے
نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ
کہ ہم تو کوئی بُرائی نہیں کرتے رہے ف۳۹ ضرور کر رہے تھے، بیشک اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ
تم کرتے رہے تھے ف۴۰ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو، اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہوکر)
فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ
غرض کیسا بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا ف۴۱ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں اُن سے
اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ
پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بڑی (خیر) نازل فرمائی ہے ف۴۲
اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ
جن لوگوں نے نیکی کی، اُن کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالمِ آخرت تو

۳۱ (قبولِ حق سے) اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ خطاب ساری نسلِ انسانی کو ہے۔ سب کو بتایا ہے کہ حق تعالیٰ لاثانی اور لاشریک لہٗ ہے۔ یعنی حق کے اتنے وضوح کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔
قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ یعنی اُن کے قلب ایسے ناکارہ اور فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ ہر معقول بات سے انکار ہی پر تلے ہوئے ہیں۔ اُن کے دلوں میں نہ حق کی طلب و تلاش ہے، اور نہ کوئی فکرِ عاقبت
ہے۔ ۳۲ (چنانچہ ہر مستکبر کو سزا بھی وقت مقرر پر دے گا) خوب غور کرکے دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ دینِ حق قبول کر لینے کے بعد بہر حال نفس کو قانونِ الٰہی کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے، اور یہ اکثر طبائع کو بھی سخت گراں گزرتا ہے۔ ان کے انکار و الحاد کی بنیاد عموماً خود سری، خود بینی و خود رائی ہی پر ہوتی ہے۔ ۳۳ یہ گُہر افشانی قرآن مجید جیسی محقق کتاب سے متعلق!!— مشرکین مکہ تو خیر اپنی بے خبری، تاریک خیالی اور جہالت کے لئے ضرب المثل ہی ہیں، کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے ”روشن خیال“، مدعیانِ علم و دانش بہک بہک کر بس یہی کہتے ہیں کہ ”قرآن“ میں ہے کیا، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصے لے کر انہیں مسخ و تحریف کے بعد جمع کر دیا گیا ہے“ لَهُمْ سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ یعنی جب اُن سے باہر کا کوئی شخص سوال کرتا ہے۔ یا خود آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کرتے ہیں۔ ۳۴ وعید اُن لوگوں کے حق میں ارشاد ہو رہی ہے، جو دوسروں سے قرآن کا تعارف اسے اساطیر الاولین کہہ کر کراتے تھے۔ آخرت میں یہ اپنے انکار کا ثمرہ بھی چکھیں گے، اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی۔ لِيَحْمِلُوْٓا میں لِ عاقبت کا ہے۔ (اللام لام العاقبۃ کبیر) بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق ایسی بے سرو پا رائے یہ خود ہی بلا تحقیق، بلا سند، بلا ثبوت دے بیٹھتے ہیں۔ ۳۵ واقعاتِ تاریخی کو یہاں

مُسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
تکبر کر رہے ہیں ۳۱ اللہ ضرور جانتا ہے اُس کو بھی کہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور اُس کو بھی جو کچھ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ وَاِذَا
کہ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۳۲ اور جب
قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ
اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی تو کہتے ہیں کہ (وہی) اگلوں کے
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ
بے سند قصے ۳۳ نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے (گناہوں کا بھی) پورا بوجھ اُٹھائیں گے اور
وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا
اُن لوگوں کے بھی (گناہوں کا) بوجھ جنہیں یہ بغیر علم سے کام لئے گمراہ کر رہے ہیں دیکھو جی!
سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ع ٣
(کیسا) بُرا ہے (یہ بوجھ) جو اپنے اوپر لاد رہے ہیں ۳۴ بڑی بڑی چالیں وہ لوگ چلے جو ان کے قبل تھے
فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
سو اللہ نے اُن کی (ساری) عمارت جڑ بنیاد سے اکھیڑ دی پھر اُن کے اوپر سے اُن پر
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
چھت آ پڑی اور اُن پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے اُن کو
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ
خیال بھی نہ تھا ۳۵ پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا

تمثیلی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جن پُر قوت و شوکت منکرین سابقین نے انبیاء کرام کے خلاف خوب خوب منصوبے گانٹھے تھے، بڑی بڑی زبردست چالیں سوچی تھیں، حق تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ اُن کی ساری خیالی عمارتیں مسمار ہو کر رہیں، اور وہ اس طرح برباد و نابود ہوئے کہ جیسے سب چھت کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ شامت زدہ قوموں پر تباہی عموماً ایسے ہی راستوں اور طریقوں سے آتی ہے، جدھر اُن کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ١٥

وہ تم کو لیکر ڈگمگانے نہ لگے ۲۲ اور دریا اور راستے (بنادیئے) تاکہ تم راہ پاتے رہو اور

وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ١٦ اَفَمَنْ

علامتیں بھی (بنائیں) ۲۳ اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں ۲۴ اچھا تو کیا وہ جو

يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ١٧ وَاِنْ

پیدا کرتا ہے اُسی جیسا ہو جائیگا جو پیدا نہیں کرسکتا؟ تو کیا تم (اتنا بھی) غور نہیں کرتے ۲۵ اور اگر تم

تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ

اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو اُن کا احاطہ نہ کر پاؤ گے ۲۶ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمٌ ١٨ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ١٩

بڑا رحمت والا ہے ۲۷ اور اللہ جانتا ہے اُس کو بھی جو تم چھپاتے ہو اور اُس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو ۲۸

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا

اور جن کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی کو پیدا نہیں کرسکتے

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ٢٠ ۭ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ

اور وہ خود بھی مخلوق ہیں ۲۹ اور وہ مُردے ہیں نہ کہ زندہ اور اُن کو اتنی بھی خبر نہیں کہ

ع ۲ ۱۲ ۸ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ٢١ ۧ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا

(مُردے) کب اٹھائے جائینگے ۳۰ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ

نہیں لاتے اُن کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ

ف۲۲ (اور یہ پہاڑ سطحِ زمین کا توازن قائم رکھیں) اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ سے جس حرکتِ ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی دولابی یا اضطرابی حرکت ہے، جیسے ہلکا جسم ہوا سے پتّانے لگتا ہے مطلق حرکت ارض کے مسئلہ کو، جو تمامتر ایک سائنسی بحث ہے، قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ ف۲۳ (انہی راستوں کی شناخت کے لئے) ٹیلے، پہاڑیاں، درخت، چشمے وغیرہ سب علاماتِ راہ کا کام دیتے ہیں۔

ف۲۴ ستاروں کی قدر و قیمت اس حیثیت سے کوئی سمندر کے ملاحوں، جہاز رانوں کشتی بانوں اور صحرا اور ریگستان کے مسافروں سے پوچھے! اِس دَورِ ترقی میں بھی بڑے بڑے دُخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا بھی "قطب نما" ہی رہتا ہے! یعنی وہ آلہ جو قطب "ستارہ" کی سمت متعین کرتا رہتا ہے۔

بِالنَّجْمِ۔ نجم بطور اسم جنس کے آیا ہے، صرف صورۃً مفرد ہے نہ کہ معنیً۔ ~~والمراد به الجنس~~ ~~الکبیر~~ ف۲۵ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے، اور اتنا واضح اور بیّن فرق بھی تمہیں محسوس نہیں ہوتا۔

ف۲۶ یعنی یہ چند نعمتیں تو محض نمونہ کے طور پر بیان ہوئیں، ورنہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا حصر بھلا کس کے امکان میں ہے؟

~~نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمۃ صورۃً مفرد ہے۔ معنیً بطور اسم جنس آیا ہے۔ تمام اقسامِ نعمت کو شامل۔~~ ف۲۷ چنانچہ صفتِ غفر کے تقاضہ سے وہ مشرکین و ملحدین تک کی توبہ قبول کرکے انہیں بخش دیتا ہے۔ اور صفتِ رحم کے تقاضہ سے وہ مشرکوں اور کافروں کو اُن کی زندگی میں دنیوی نعمتوں سے یکسر محروم نہیں کرتا۔ ف۲۸ یعنی یہ حاضر و غائب کی تفریق تو ہمارے معیار سے ہے۔ اللہ کے لئے ہر شے یکساں، اور اس پر سب عیاں ہے۔ اُس کا علم کامل بھی ہے، محیط بھی۔ ف۲۹ یعنی ان مشرکین کی کیسی حماقت ہے کہ دیوی دیوتا انہیں بناتے ہوئے ہیں، جو ایک گھاس کے تنکے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود تک کے لئے بھی خالقِ کائنات کے محتاج ہیں۔ ف۳۰ چنانچہ بعض کو تو سرے سے بعث کا علم و احساس ہی نہیں۔ بعض جن کو اتنا علم ہے، اُنہیں بھی وقتِ معیّن کا علم نہیں۔ ایسے بے خبروں کو، ایسے ناقص علم والوں کو معبود تسلیم کرلینا جہل و سفاہت کی انتہا ہے! اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ۔ یہ صفت کسی نہ کسی معنیٰ میں سارے معبودانِ باطل میں مشترک پائی جاتی ہے —— مورتیوں کا بے جان ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جن "بزرگوں" کی پرستش کی جاتی ہے، وہ بھی یا تو وفات پائے ہوئے ہوتے ہیں، اور یا عنقریب وفات پانے والے ہیں۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ
اور ہر قسم کے پھل بیشک اس میں (بڑی) نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو

یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ
سوچتے رہتے ہیں ۱۶ اور اُسی نے تمہارے فائدہ کے لئے (اپنا) مسخّر کیا ہے رات کو اور دن کو

وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
اور سُورج کو اور چاند کو، اور ستارے بھی اُس کے حکم سے مسخّر (قدرت) ہیں بیشک اس میں اُن لوگوں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ
کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں ۱۷، اور (اُن چیزوں کو بھی مسخر بنایا) جنہیں زمین پر

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
تمہارے لئے پھیلایا، اُن کے اقسام مختلف ہیں، بیشک اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا
رہتے ہیں ۱۸ اور وہ وہی (اللہ) ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اُس میں سے تازہ گوشت کھاؤ ۱۹

وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى
اور تاکہ تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو ۲۰ اور تو کشتیوں کو

الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ
دیکھتا ہے کہ اُس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کے فضل سے تلاش کرتے رہو،

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ
اور تاکہ تم (اُس کا) شکر ادا کرتے رہو ۲۱ اور اُس نے زمین میں پہاڑ رکھدیئے ہیں تاکہ

۱۶ یعنی اس سارے محکم نظام و انتظام نباتی میں اہلِ فکر و تدبر کے لئے اللہ کی ربوبیت، قدرت، حکمت و توحید کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ الزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ۔ زیتون کھجور، انگور کے طبی فوائد نیز اہلِ عرب کے لئے اُن کی اہمیتِ خصوصی پر ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ یُنْۢبِتُ لَكُمْ سے یہ مسئلہ ایک بار پھر روشنی میں آگیا کہ یہ سارا انتظام نباتی انسان ہی کے لئے ہے۔ ۱۷ یعنی اس سارے نظامِ فلکی کے جزئیات و تفصیلات پر اگر عقل و تدبر سے کام لو، تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک جس نے ایسے کامل و مستحکم انتظامات کر رکھے ہیں وہی ذات واحد قادرِ مطلق و حکیمِ کُل اور سب کی پروردگار ہے۔

سَخَّرَ لَكُمُ ...... بِاَمْرِهٖ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے مخلوقات جو اپنے فرائضِ تکوینی انجام دیتے رہتے ہیں، اُن سے مقصود خلیفۃ اللہ، نوعِ بشری کی خدمت ہے تو یہ کیسی اُلٹی سمجھ اور کس درجہ حماقت و سخافت ہے کہ خود اُنہی خادموں کو دیوی، دیوتا کے مرتبہ تک پہنچا دیا جائے! مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ۔ سارے اجرامِ فلکی باایں عظمت و بے نہایتی اللہ کے قوانینِ طبعی ہی کے پابند ہیں، اور اُن سے بال بھر اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتے ـــــ مشرک قوموں کی دیومالا اُٹھا کر دیکھیے چندرماں برہسپت دیوتا سے لڑتے نظر آئیں گے۔ اور زہرہ و عطارد کے درمیان جنگ ہوتی ملے گی۔

۱۸ ایک ہی سطحِ زمین پر، ایک ہی آفتاب کی روشنی میں، ایک ہی فضائے ہوائی میں، ایک ہی بارش سے اور بعض اوقات تو فضا میں ایک دوسرے سے بالکل متصل ہی، مختلف شکل و صورت کے مختلف جسامت کے، مختلف مزہ اور بو باس کے مختلف رنگوں کے مختلف خاصیتوں کے پھول، پھل، میوے ہمیشہ پیدا کرتے رہنا جس قدر حکیمانہ انتظامِ قدرت پر دلالت کر سکتا ہے کسی صاحبِ نظر و اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں، اَلْوَانُهٗ۔ لون کے اصل معنی تو رنگ کے ہیں لیکن الوان سے انواع و اقسام بھی مراد ہوتی ہیں۔ ~~ویعبر بالالوان عن الاجناس والانواع (راغب)~~

۱۹ (حلال دریائی جانوروں کا) اَلْبَحْرَ۔ بحر کا مفہوم عربی میں وسیع ہے۔ سمندر اور دریا دونوں اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ~~البحر یستعمل الملح والعذب (بحر) اصل البحر کل مکانٍ واسعٍ جامعٍ للماء الکثیر (راغب)~~ سَخَّرَ الْبَحْرَ یعنی دریا و سمندر بھی اُسی کے قانون تکوینی کے محکوم و مسخر ہیں۔ نہ خود آفریدہ ہیں، نہ خود مختار ـــــ مصر میں دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ اسی طرح عام رہ چکا ہے، جس طرح آج ہندوستان میں گنگا مائی اور جمنا مائی، اور سرجو مائی اور نربدا مائی اور تاپتی مائی اور بھاگیرتی مائی، اور اور بے شمار دریاؤں کی پرستش کا ہے۔ ۲۰ جیسے موتی یا مونگے۔ صوفیۂ محققین نے کہا ہے کہ پُر زینت لباس جبکہ حاجب عن الحق نہ ہو، خلافِ طریق نہیں۔ ۲۱ یہ ابتغاء فضل اور توقع شکر اس کی صاف دلیل ہیں کہ بڑی سی بڑی بحری تجارتیں کرنا، اور اُن سے نفع اٹھانا ذرا بھی منافی تقویٰ نہیں، تَرَی الْفُلْكَ۔ خطاب عام ناظرین سے ہے۔ فِیْهِ۔ یعنی دریا میں، سمندر میں۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی ان بحری سواریوں سے تجارت کرو۔ ابتغاء فضل سے مُراد تجارت ہے۔ ~~ابتغاء الفضل لی التجارۃ (کشاف)~~

ف٨ محققین نے لکھا ہے کہ منافع ضروری کے بعد جمال کا ذکر لانا اس کی دلیل ہے کہ زینت، جمال وغیرہ مصالح زاید کا قصد بھی مُضر نہیں، جبکہ مانع شرعی (مثلاً فخر و تکبر) سے خالی ہو، اور کوئی امر مباح مقصود ہو، مثلاً دفع مذلّت یا حصول مسرّت۔ ف٩ یعنی دُور دراز مقامات کی مسافت طے کرنے اور سامان منتقل کرنے میں کیسی مدد اور سہولت، اونٹ گھوڑے، بَیل وغیرہ سے میسّر آجاتی ہے۔ ف١٠ (چنانچہ تمہارے نفع اور آسایش کے لئے کیسے کیسے سامان اُس نے بہم پہنچا دیئے!) ف١١ اس عموم کے تحت میں جانوروں کے علاوہ تمام انسان کی ایجاد کی ہوئی سواریاں بھی قیامت تک کے لئے آگئیں۔ انسانی صنعت و صناعت کی مدد سے جو جو طریقے حمل و نقل کے نکلے ہیں، وہ آخر اللہ ہی کے خلق میں داخل ہیں۔

تَأْكُلُوْنَ (٥) وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ
تم کھاتے بھی ہو۔ اور اُن کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ (اُن کو) شام کے وقت (گھر)

وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ (٦) وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ
لاتے ہو اور جبکہ (انہیں) صبح کے وقت (چرنے کو) چھوڑ دیتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں

لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ
جہاں تم بغیر نفس کی سخت مشقت کے پہنچ نہیں سکتے ف٩ تمہارا پروردگار بیشک

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (٧) وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا
بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف١٠ اور اُسی نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم اُن پر

وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٨) وَعَلَى اللّٰهِ
سوار ہو اور زینت کے لئے بھی، اور وہ پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں ف١١ اور اللہ ہی پر ہے

قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ
راستہ (کا دکھانا) ف١٢ اور بعض اُس میں سے ٹیڑھے بھی ہیں ف١٣ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب ہی کو راہ یاب

ع ١ ٩ ٧

اَجْمَعِيْنَ (٩) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ
کر دیتا ف١٤ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا

مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ (١٠) يُنْۢبِتُ
جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اُسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو ف١٥ اور اُسی سے

لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ
تمہارے لئے کھیتی اگاتے ہیں نیز زیتون اور کھجور اور انگور

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ ۔ مشرک قوموں نے گھوڑے کی بھی پرستش کی ہے اور گدھے کی بھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ عرب میں ان تینوں جانوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ .... ہٹّی نے اپنی "تاریخِ عرب" میں لکھا ہے کہ نجد کے گھوڑے اور حسا کے گدھے اور عمان کے خچر ساری دنیا میں مشہور ہیں (ص ٢٢)

وَزِيْنَةً یعنی طرح طرح کے نفیس سامانِ آرایش و زینت انہی جانوروں سے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور خود یہ جانور بھی تجمل و تزئین انسانی کا ذریعہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ف٨۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جن فقہاء نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کو ناجائز قرار دیا ہے، اُن کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِدھر جہاں اَنعام (مویشیوں) کا ذکر آیا وہاں حق تعالیٰ نے ومنہا تأکلون کی بھی تصریح کر دی۔ اور یہاں صرف لترکبوہا وزینۃ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور صرف سواری اور آرائش کے کام کے ہیں، کھانے کے لیے نہیں۔

ف١٢ (طالبانِ حق کے لئے) عَلَى اللّٰهِ سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے طالبانِ حق کو راہِ راست دکھا ہی دیتا ہے۔ یہ مراد نہیں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھ لیا ہے) کہ اللہ پر راہِ راست دکھانا واجب ہے۔ ~~المراد علی اللہ بحسب الفضل والکرم ان یبین دین الحق والمذھب الصحیح (کبیر) ای اتمام السبیل وتعدیلہ احسنہ فضلاً (بیضاوی) ولیس ذلک الوجوب اذ لا یجب علی اللہ شیئاً ولکن یفعل ذلک تفضلاً (مدارک)~~ قَصْدُ السَّبِيْلِ۔ قصد یہاں صورۃً مصدر ہے، لیکن معنیً فاعل یعنی راہ قاصد یا مستقیم۔ ~~الطریق الموصل الی الحق کانہ مصدر بمعنی الفاعل وھو القاصد یقال سبیل قصد وقاصد ای مستقیم (کشاف) السَّبِيْل صورۃً مفرد ہے لیکن مراد جنس سبیل ہے والمراد بالسبیل الجنس ولذلک اضاف الیہ القصد (کشاف)~~ ف١٣ یعنی ایسے راستے جو دین حق کے خلاف ہیں، اور حق تعالیٰ تک نہیں پہنچاتے۔ اور ان پر چلنے سے بچنے کا حکم ہے۔ مراد اس سے کفر و ضلالت کے مختلف طریقے ہیں۔ ~~یعنی من السبیل ما ھو جائر غیر قاصد للحق وھو انواع الکفر والضلال (کبیر)~~ مِنْهَا ~~ضمیر سبیل کی طرف ہے، جو لفظاً عربی میں مؤنث ہے۔ تعود علی السبیل وھی مؤنثۃ فی لغۃ الحجاز (کبیر)~~ جاۗىِٕر۔ جور کے معنی حق سے انحراف یا کجی کے ہیں۔ ~~ای عادل مائل ومعنی الجور فی اللغۃ المیل عن الحق (کبیر)~~ ف١٤ (لیکن اُس کی مشیت تکوینی میں ہدایت عام و عالمگیر و اضطراری نہیں رکھی گئی، بلکہ صرف اُنہی افراد کے لئے رکھی گئی (جو اپنے ارادہ سے حق کی تلاش کریں) ف١٥ یہاں یہ بتایا کہ کھانے پینے کی ساری لذتوں اور نعمتوں کا آخری سرا اُسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ ~~قال الزجاج کل ما نبت علی الارض فھو شجر (کبیر) ای نبات مطلقاً سواء کان لہ ساق ام لا کما نقل عن الزجاج (روح)~~ یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔ ~~یعنی الشجر الذی ترعاہ المواشی (کشاف)~~

سورۂ نحل۔ ۱ے (اے منکرو!) منکرین بار بار شرارت وطعن کی راہ سے کہا کرتے تھے کہ عذابِ الٰہی اگر فی الواقع کوئی چیز ہے، تو آکیوں نہیں جاتا۔ اُس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ جواب اسی کا ارشاد ہو رہا ہے۔ اَمْرُ اللّٰہِ۔ یعنی سزائے کفر و شرک کا حکم الٰہی ــــــــ مُراد عذابِ دنیوی بھی ہو سکتا ہے اور عذابِ قیامت بھی۔ قریب تو دونوں ہی عذاب آچکے۔ ذٰلک [illegible]

[illegible]

[illegible]

(روح) ۲ے اس کی ذات بھی منزہ اور اس کی صفات بھی ارفع ان تمام نالائق اُمور سے جو اہلِ شرک وجاہلیت اُس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ ۳ے یعنی انبیاء و مرسلین پر۔ مَنْ یَّشَآءُ نے ظاہر کر دیا کہ نبوت عطیۂ الٰہی ہے، امر استحقاقی نہیں۔ بِالرُّوْحِ۔ روح سے مُراد یہاں وحیٔ الٰہی ہے۔ بالروح ای بالوحی [illegible] المراد من الروح [illegible] کلام اللّٰہ (کبیر) مِنْ اَمْرِہٖ میں اس کی تاکید ہے کہ یہ نزول ملائکہ و نزول وحی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے، کوئی اور اس میں دخیل نہیں۔ یعنی ان ذٰلک التنزیل والنزول لا یکون الا بامر اللّٰہ تعالیٰ (کبیر) فرشتوں کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہے، وہاں برابر اسی طرح کی قیدیں لگادی ہیں، مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فرشتے اپنی طرف سے کسی امر میں سبقت کی مجال نہیں رکھتے، پابند ہیں تمام تر حکمِ الٰہی کے۔ امام رازیؒ اس طرح کی متعدد آیات نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ کل ھٰذہ الآیات دالۃ علی انھم لا یقدمون علی عمل من الاعمال الا بامر اللّٰہ تعالیٰ واذنہ (کبیر) دیوتا پرستی ملائکہ پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید کا اس لئے اس باب میں اس قدر اہتمام و احتیاط بالکل قدرتی ہے۔ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ صیغۂ جمع میں بمعنیٰ جنس ملائکہ ہے، خواہ مراد اس سے صرف حضرت جبرئیل ہی ہوں، لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے، رسول اللہ صلعم پر نزول تنہا جبرئیل علیہ السلام کا تھا ہی کب۔ کبھی غزوات میں فرشتوں کی پوری پوری فوجیں اتاری جاتیں، کبھی ملک الجبال آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے، کبھی ملک البحار، کبھی کوئی اور۔ انہ سبحانہ وتعالیٰ ما انزل علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم جبریل وحدہ بل فی اکثر الاحوال کان ینزل مع جبریل [illegible] الملئکۃ (کبیر) المراد بالملئکۃ عند الجمھور جبریل علیہ السلام [illegible] الواحد بالجمع کما قال الواحدی اذا کان [illegible] عند بعض ھو علیہ السلام [illegible] من [illegible] الوحی (روح) مِنْ کو بعض نے بیانیہ و تفسیریہ لیا ہے اور مِنْ اَمْرِہٖ سے وحی ہی مراد رکھی ہے۔ من امرہ بیان للروح المراد به الوحی (روح) ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا: نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ۔ اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ پیمبر پر وحی جو آتی ہے ملائکۂ امین و صادق کے ذریعہ سے آتی ہے کسی شیطان فاسق کے ذریعہ سے نہیں۔ نیز آیت سے اس کی تعلیم بھی مل جاتی ہے کہ پیمبر صاحبِ وحی ہو جانے کے بعد بھی بندہ رہتا ہے، اور فرشتے بھی باایں کمال تقرب منزلت حدِ عبودیت سے نہیں آگے بڑھنے پاتے۔ ۴ے (اور میرے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاؤ) انذار ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ خوف بھی ملا جلا ہو۔ الانذار ھو الاعلام مع التخویف (کبیر) ۵ے آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ (۱) آسمان و زمین خود ساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔ (۲) مخلوق اللہ کی ہے نہ کسی اور کی۔ (۳) ان سب کی خلقت بلا کسی غرض و مقصد کے، سیر و تفریح، کھیل و تماشہ کی طرح نہیں، گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔ ۶ے اور اپنے رب کی ذات و صفات کے باب میں کیسے کیسے مناقشے برپا کر دیئے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ انسان جو استکبار و انانیت سے لبریز ہو جاتا ہے، حقیقۃً اُس کی اصل مادّی ہے کتنی حقیر و پست! ۷ے مطلب یہ ہوا کہ چوپایوں میں کوئی شانِ ربوبیت والوہیت اصلاً نہیں۔ سب کے سب اللہ کے مخلوق و مربوب ہیں، انسان ہی کے نفع و خدمت کے لئے۔ نہ کہ اُلٹے انسان کے مخدوم اور دیوتا بننے کے قابل ــــــ یہ تردید ہو رہی ہے اُن مشرک و جاہل قوموں کی جنہوں نے گائے اور بیل اور بھینس وغیرہ کی پرستش کی ہے۔ دِفْءٌ لفظی معنیٰ سرمائی پوشش کے ہیں۔ الدفء خلاف البرد (راغب) اس عموم میں دوشالے، شال، پوستین، دُھسّے، خیمے، ڈیرے وغیرہ سب آگئے۔ وَّمَنَافِعُ۔ چنانچہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی بار برداری کے، اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور دوسرے قسم کا چرمی سامان بنتا ہے، وقس علیٰ ہذا۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال، اُون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا، زندہ اور مُردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ [illegible] جواز الانتفاع باصوافھا واوبارھا فی سائر الاحوال [illegible] (جصاص)

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ نحل مکی ہے اور اس میں ۱۲۸ آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بے انتہا رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ

اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا

اللہ کا حکم آپہنچا تو اب اس میں جلدی نہ مچاؤ ۱ے پاک اور برتر ہے وہ (اللہ) شرک سے جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں ۲ے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا رہتا ہے جس پر وہ چاہے ۳ے اپنے بندوں میں (اس حکم کے ساتھ) کہ (لوگوں کو) خبردار کر دو کہ کوئی معبود بجز میرے نہیں ہے، سو مجھی سے ڈرتے رہو ۴ے اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے حکمت کے ساتھ، وہ برتر ہے ہر شرک سے، جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں ۵ے اُس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، مگر وہ تو کھُلم کھُلا مقابلہ پر آگیا ۶ے اور چوپائے بھی اُسی نے بنائے، اُن میں تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے، اور (اور بھی) فائدے ہیں، اور اُن میں سے

۱۶۱ (تم منکروں کو) ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ آپ معاند کافروں کے ساتھ اپنا فرضِ تبلیغی بس ادا کر دیجیے، باقی اُن کا دل پھیر دینا تو آپ کے ہاتھ میں ذرا سا بھی نہیں۔ آگے اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ ۱۶۲ (اور بعض ٹکڑوں کو جو اپنی مرضی کے مطابق ہوتے تھے، لے لیتے تھے، اور جن حصّوں کو اپنے لئے ناخوشگوار پاتے تھے، اُن سے انکار کر دیتے تھے) یہ حال شروع شروع میں سب ہی منکرینِ قرآن کا تھا۔ اس کی صداقت کے وہ سَو فیصدی منکر نہ تھے۔ جن حصّوں کو چاہتے مان لیتے اور جسے نہ چاہتے نہ مانتے۔ یہاں اُنہی کا ذکر ہے کہ بالآخر وہ کیسے پارہ پارہ اور معذب ہو کر رہے ——— آیت اگر مدنی ہے جب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ صاف منکرین تباہ شدہ و ہلاک شدہ کے انجام کی جانب اشارہ ہے لیکن اگر مکّی ہے تو مستقبل کا جو واقعہ یقینی طور پر قطعی ہوتا ہے، اُس کے لئے عربی اسلوبِ بیان میں ماضی کا صیغہ لانا عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں ایک آدھ نہیں، بہ کثرت موجود ہیں۔ اَنْزَلْنَا۔ مُراد حسبِ سیاق "نازل کر چکے ہیں" (بہ صیغۂ ماضی) بھی ہو سکتی ہے، اور "نازل کر کے رہیں گے" (بہ صیغۂ مستقبل) بھی ہو سکتی ہے۔ اَلْمُقْتَسِمِیْنَ۔ قسم سے مشتق ہے، اور

الْمُبِيْنُ ۸۹ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۹۰

ڈرانے والا ہوں ۱۶۱ جیسا ہم نے (وہ عذاب) نازل کر رکھا ہے قسما قسمی کر لینے والوں پر

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۹۱ فَوَرَبِّكَ

جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے ۱۶۲ سو آپ کے پروردگار کی قسم

لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۹۲ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹۳ (الربع)

کہ ہم اُن سب سے ضرور سوال کریں گے اُن اعمال کی بابت جنہیں وہ کرتے رہے ہیں ۱۶۳

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۹۴

غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اُسے صاف سُنا دیجیے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجیے ۱۶۴

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۹۵ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ

ہم آپ کے لئے تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں کافی ہیں ۱۶۵ وہ تمسخر کرنے والے جو اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۹۶ وَلَقَدْ

دوسرا معبود بھی قرار دیئے ہیں سو اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ۱۶۶ اور بالیقین

نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۹۷

ہم کو معلوم ہے کہ (یہ لوگ) جو کچھ کہتے رہتے ہیں اُس سے آپ کا دل تنگ ہونا رہتا ہے ۱۶۷

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۹۸

سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیئے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیئے ۱۶۸

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۹۹ (ع)

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیئے، یہاں تک کہ آپ کو امرِ یقین پیش آ جائے ۱۶۹

(السجدۃ) (ع ۶)

اس کے معنی حلف اُٹھانے والوں کے ہیں یعنی وہ دشمنانِ اسلام جنہوں نے مکّہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں باہم سازش کر کے حلف اُٹھائے تھے۔ اے الذین تقاسموا بشعب مکۃ وقیل الذین تحالفوا علی کیدہ علیہ السلام (راغب) قال ابن عرفۃ ہم الذین تقاسموا وتحالفوا علی کید الرسول صلعم (تاج) اے الذین حلفوا (بخاری کتاب التفسیر) قال مجاہد تقاسموا تحالفوا (بخاری) قوم تحالفوا علی عضۃ النبی صلعم ولی تنیبوا ذلک بکل طریق (ابن تیمیہ) عِضِیْنَ۔ یعنی متفرق۔ پارہ پارہ۔ تعضیہ کے معنی حصّوں کے الگ الگ کرنے کے ہیں۔ اے تفرقوا التعضیۃ تجزیۃ الاعضاء (راغب) ۱۶۳ (اور انہی اعمال کے مطابق انہیں سزائیں دینگے) یہ سوال قیامت میں بہ طور عتاب و مواخذہ ہوگا نہ بہ طور استفسار۔ ۱۶۴ (یہ نہ مانیں گے اور مخالفت میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہیں گے) فَاصْدَعْ۔ صدع کے معنی تفصیل سے بیان کر دینے کے ہیں۔ صدع الامر اے فصلہ (راغب)
۱۶۵ مکّی زندگی میں جہاں رسول اللہ صلعم کو ایک طرف ہر طرح کی جسمانی و رُوحانی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں وہاں دوسری طرف طنز و تمسخر و استہزاء کا بھی ایک بے پناہ طوفان برپا تھا۔ بعض مفسّرین اِن جزئیات کی طرف چلے گئے ہیں کہ مستہزئین کون کون تھے، اور اُن کا طریقِ استہزاء کیا کیا تھا۔ لیکن جیسا کہ امام المفسّرین نے فرمایا ہے، مفسّر کو اس کا زیادہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے، کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ایک پُورا طبقہ صاحبِ اثر و وجاہت مستہزئین کا تھا۔ ولا حاجۃ الی شئ منہا والقدر المعلوم انہم طبقۃ لہم قوۃ وشوکۃ ورئاسۃ (کبیر) ۱۶۶ (کہ تمسخر و شرک کا کیا انجام ہوتا ہے) سَوْفَ۔ یعنی فردائے قیامت میں۔
۱۶۷ اور یہ دل کی تنگی ایک بالکل امرِ طبعی ہے بلکہ اگر بغض فی اللہ سے عقلاً پیدا ہو، تو عین عبادت ہے۔ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی وہی کفر و شرک انکار و استکبار، طنز و تمسخر کی باتیں۔ اے بما یقول ھولاء المشرکون من قومك من تکذیبہم ایاك واستہزائہم بك وبما جئتہم بہ (ابن جریر) ۱۶۸ (کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں انہماک ضیقِ صدر سے بھی نجات دلا دیگا) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں لگ جانے سے عالمِ قدس کے انوار کا فیضان شروع ہو جاتا ہے، اور اس سے دنیا بالکل حقیر و ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اسی لئے غم و الم کی طرف سے بھی طبیعت ہلکی اور بے فکر ہو جاتی ہے۔ السّٰجِدِیْنَ۔ یعنی نماز پڑھنے والے۔ اے من المصلین (بیضاوی) والمراد واللہ اعلم من المصلین فکنی بالسجود عن الصلاۃ (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں غم و ضیقِ صدر کا علاج بتا دیا گیا ہے، اور وہ ذکر و توجہ الی الحق ہے۔ ۱۶۹ (اسی حالت ذکر و عبادت میں) گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ منکرین سے خفگی و بیزاری، جو بغض فی اللہ کا نتیجہ ہے، گو خود بھی ایک عبادت ہے لیکن ذکر و تسبیح الٰہی کی مداومت اس سے بھی افضل ہے۔ وقتِ وفات آئے تو اسی نام جاں بخش پر آئے۔ اَلْیَقِیْنُ۔ یقین یہاں بمعنی موت ہے۔ اے حتی یاتیك الموت (اے الیقین الموت لانہ متیقن لحاقہ لکل مخلوق حی (تاج) اکثر ائمۂ لغت کے نزدیک، موت اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی۔ مال کثیرون الی انہ حقیقی وصوب بعضہم الی انہ مجاز (روح) خود قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنی میں آیا ہے۔ وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتنا الیقین (مدثر) اور حدیث میں بھی حضرت عثمانؓ بن مظعون صحابی کی شہادت کے سلسلے میں لفظ یقین اسی معنی میں آیا ہے۔ اما ھو فقد جاءہ الیقین وانی لارجو لہ الخیر (صحیح البخاری کتاب الجنائز) حضرت عبداللہ بن عمر صحابیؓ اور تابعین میں مجاہد، معالم، حسن بصری، ابن زید، قتادہ وغیرہ سب اسی طرف گئے ہیں۔ اے الموت کما روی عن ابن عمر والحسن وقتادۃ وابن زید (روح) اور جمہور مفسّرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ والجمہور علی ان المراد بالیقین الموت (بحر) انما المراد بالیقین ھہنا الموت (ابن کثیر) محققین نے لکھا ہے کہ یہ رد میں اُن مدعیانِ باطل کے ہے جو کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا آتا ہے، جس میں تکلیفاتِ شرعی ساقط ہو جاتی ہیں، اور یہ اعتقاد الحادِ محض ہے۔ ویستدل بہا علی تخطئۃ من ذہب من الملاحدۃ الی ان المراد بالیقین المعرفۃ فمتی وصل احدہم الی المعرفۃ سقط عنہ التکلیف عندہم وہذا کفر وضلال وجہل (ابن کثیر)

۱۵۳ (ہر قسم کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو کر) قوم ثمود بڑی صناع قوم تھی۔ ہر قسم کے انجینیئر اور ماہرین ریاضیات و تعمیرات ان میں موجود تھے۔ قوم ثمود پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ۱۵۴ (اور ساری قوم زلزلہ سے ہلاک ہو کر رہ گئی) ۱۵۵ یعنی اُن کے دنیوی علوم و فنون، اُن کی ہنرمندی اور صناعیاں، اُن کی ہندسہ دانی اور انجینیئری، کوئی چیز بھی انہیں خدائی قانون کی گرفت سے پناہ نہ دے سکی۔
۱۵۶ (اُن کی شرارتوں سے۔ اور اُن کا فیصلہ ہمارے اُوپر حشر میں چھوڑے رہیے) اب خطاب درمیان میں پھر براہِ راست رسُول اللہ صلعم سے شروع ہو گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا...... بِالْحَقِّ۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں لے آنے والا عظیم الشان نظامِ کائنات، آسمان و زمین، سُورج اور چاند، یوں ہی بے مقصد اور خود بخود نہیں، یہ سب ایک حکیمانہ نظم کے ماتحت ایک متعین مقصود کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور وہ منزل آخرت کی ہے جب سب کا حساب کتاب، امتحان یقینی ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ۔ یعنی ان سب کے آخری فیصلہ کا دن آرہا ہے، آپ ان کے عناد و مخالفت سے زیادہ غم میں نہ پڑیئے۔ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ صفح (درگزر) یہ کہ غم و تردّد میں نہ پڑا جائے۔ اور اس کی خوبی (الصفح الجمیل) یہ کہ شکوہ و شکایت بھی نہ کیا جائے۔
۱۵۷ (جس کے احاطۂ علم سے نہ آپ کا صبر و تحمل باہر رہ سکتا ہے نہ ان معاندین کی شقاوتیں اور شرارتیں) الْخَلّٰقُ۔ جزو و کل، صغیر و کبیر، جوہر و عرض، سب ہی کا خالق۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اپنی تخلیق میں اس سے بے نیاز ہو۔ اس قسم کے تمام صفات کے اثبات سے ایک مقصود اہلِ شرک کے شرک فی الصفات کی تردید ہوتی ہے۔
۱۵۸ (توجب اتنی بڑی نعمت آپؐ کو مِل چکی ہے، تو بس ہمارے ہی لطف و عنایت پر نظر رکھیے، اور کافروں کا جو معاملہ آپکے ساتھ ہے اُسے خیال میں بھی نہ لائیے) سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ جو حقیقۃً اپنی عظمت و اہمیتِ خصوصی کے لحاظ سے مستحق اسی کی تھی کہ اُس کا ذکر مستقلاً بھی کیا جائے۔ سبع المثانی کی تفسیر سورۃ الفاتحہ سے حدیث صحیح میں خود رسول اللہ صلعم سے منقول ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایتوں سے اور عینی کی عمدۃ القاری میں یہی قول صحابیوں میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اور تابعین میں حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور ربیع اور کلبی کا نقل ہوا ہے۔ ائمہ تفسیر بھی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ وھو قول اکثر المفسرین ان فاتحۃ الکتاب وھو قول عمر و علی و ابن مسعود و ابوہریرۃ والحسن و ابی العالیۃ و مجاھد و الضحاک و سعید بن جبیر و قتادۃ و روی ان النبی صلعم قرأ الفاتحۃ وقال ھی السبع المثانی رواہ ابوہریرۃ (کبیر) مِنَ الْمَثَانِيْ۔ مِن تبعیض کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور محض بطور صلہ کے بھی کام دے سکتا ہے۔ قال الزجاج فیھا وجھان احدھما ان تکون للتبعیض من القراٰن و یجوز ان تکون من صلۃ والمعنی اٰتینٰک سبعًا ھی المثانی (کبیر)
۱۵۹ (اور عنقریب اُن سے جُدا کر لی جائیں گی) یہ چند روزہ عیش (اور وہ بھی تلخیوں سے ملا ہُوا) چیز ہی کونسی ایسی ہے، جسے ایک دولتِ عظیم سمجھا جائے؟ مَتَّعْنَا بِهٖٓ میں صاف اشارہ اِدھر ہو گیا کہ یہ کافران نعمتوں کے کہیں مالک تھوڑے ہی کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تو سر تا سر عارضی اور فانی چیزیں انہیں مستعار عنایت ہوئی ہیں۔

يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بنانے کہ (اُن میں) امن چین سے رہیں ۱۵۳ سو اُن کو صبح کے وقت

الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

آواز سخت نے آپکڑا ۱۵۴ سو جو کچھ انہوں نے حاصل کر رکھا تھا

يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

اُن کے کچھ کام نہ آیا ۱۵۵ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے، پس آپ خوبی کے ساتھ

الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

درگزر کیجیے ۱۵۶ بیشک آپ کا پروردگار تو خالق اعظم ہے، بڑا علم والا ہے ۱۵۷

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ

اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات (آیتیں) دیں (جو) مکرر (پڑھی جاتی ہیں) اور قرآن عظیم

الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ

(دیا) ۱۵۸ اپنی آنکھ اُٹھا کر بھی اُن چیزوں کو نہ دیکھیے جو ہم نے ان (کافروں کی)

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ

مختلف قسموں کو دے رکھی ہیں ۱۵۹ اور نہ اُن لوگوں پر غم کیجیے اور ایمان والوں

جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ

کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیے ۱۶۰ اور کہیے کہ میں تو صاف صاف (عذاب سے)

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ کافروں کی مختلف قسمیں۔ یہود، نصرانی، مجوس، مشرکین وغیرہا۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ۔ رسُول اللہ صلعم ان ظاہری نعمتوں پر شوق و التفات کی نظریں تو ڈال سکتے ہی نہ تھے۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بغض فی اللہ کے ماتحت غصّہ سے نظر فرماتے کہ یہ دشمنانِ خدا اور ایسی نعمتوں سے لذت یاب ہوں! دوسری صُورت رنج و تاسف کے نقطۂ نظر سے ممکن تھی کہ کہیں یہی چیزیں تو انہیں ایمان سے مانع نہیں ہو رہی ہیں، یہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں تو ممکن تھا کہ یہ ایمان لے آتے! ——— آیت میں آپؐ کو غیظ و غم کی ان دونوں صورتوں سے نظر کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ ۱۶۰ (کہ آپ کی شفقت اور فکر مصلحت کے محل صحیح یہی اہل ایمان ہیں اور یہی نفع بھی حاصل کریں گے) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ ان پر غم و تاسف نہ کیجیے کہ یہ کافر و معاند سرے سے آپؐ کی شفقت و فکر مصلحت کے محل ہی نہیں۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ خفض جناح کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مُراد ہوتی ہے، شفقت و نرم خوئی سے پیش آنے کے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپؐ اپنی شفقت کو تمامتر مومنین پر متوجہ رکھیے۔ و خفض الجناح کنایۃ عن اللین والرفق والتواضع والمقصود انہ تعالٰی لما نھاہ عن الالتفات الی اولئک الاغنیاء من الکفار امرہ بالتواضع لفقراء المسلمین (کبیر) کنایۃ عن التواضع لھم والرفق بھم (روح)

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝٧١ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ

کچھ کرنا ہی ہے ۱۴۲ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مدہوشی میں (بالکل) بہکے ہوئے

يَعْمَهُوْنَ ۝٧٢ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝٧٣

تھے ۱۴۳ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک سخت آواز نے پکڑ لیا ۱۴۴

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

چنانچہ ہم نے اُس (بستی) کا اُوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور اُن لوگوں پر کھنگر کے پتھر

مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٧٤ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝٧٥

برسا دیئے ۱۴۵ بیشک اس (واقعہ) میں اہلِ بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں ۱۴۶

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝٧٦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور وہ (بستی) تو ایک آباد راستہ پر (ملتی) ہے ۱۴۷ بیشک اس واقعہ کے اندر ایمان والوں

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٧٧ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

کے لئے نشانی ہے ۱۴۸ اور بے شک بَن والے بھی (بڑے) ظالم

لَظٰلِمِيْنَ ۝٧٨ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝٧٩

تھے ۱۴۹ سو ہم نے انہیں بھی ٹھیک کر دیا، اور دونوں بستیاں شاہراہ پر واقع ہیں ۱۵۰

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٨٠ وَ

اور بالیقین حجر والوں نے (بھی ہمارے) فرستادوں کو جھٹلایا ۱۵۱ اور

اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٨١ وَكَانُوْا

ہم نے اُن کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں، پر وہ اُن سے رُوگردانی ہی کرتے رہے ۱۵۲ اور وہ لوگ

ع ۵

۱۴۲ بنات (بیٹیوں) پر حاشیہ سورۂ ہُود (پ۱۲) میں گزر چکا۔ اہلِ اُمّت کی بیٹیاں خود رسُولِ اُمّت کے لئے بمنزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ یعنی اگر تم میری بات ماننے پر عقل وشرافت کے مقتضا پر عمل کرنے کو تیار ہو ——— قدرۃً آپ کو بہت شک تھا کہ وہ آبرو باختہ لوگ آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے بھی؟ ۱۴۳ (اور جذباتِ سفلی کی بدمستی میں کوئی بات عقل وفہم کی کیوں سننے لگے تھے) لَعَمْرُكَ۔ عَمر اور عُمر عربی میں ہم معنی ہیں لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے۔ العمر والعُمر واحد لكن خص القسم بالعَمر دون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء الا ان الفتح غلب في القسم ولا يجوز فيه الضم (ابو البقاء) لِ قسم کا ہے۔ عربی اسلوبِ بلاغت میں قسم ایک ادبی صنعت وفنکاری ہے۔ اور بہترین ادیب وشاعر اس سے حسبِ موقع آزادی سے کام لیتا رہتا ہے ——— یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں مذاقِ عرب پر بالکل گراں نہیں گزریں۔ اور جو اہلِ زبان مخالفت میں غرق اور اعتراض ونکتہ چینی کے لئے تلے ہوئے بیٹھے رہتے تھے اُن میں سے بھی کسی نے یہ نہ پوچھا کہ خدا کے کلام میں یہ مخلوقات کی قسمیں کیسی؟ اور قسموں کے فلسفہ یا اُن کی توجیہاتِ عقلی پر توجہ صرف عجمی اور ہندی اہلِ علم نے شروع کی۔ اس بحث پر تفصیلی نظر کے لئے مولانا حمید الدین فراہی کا رسالہ "اقسام القرآن" قابلِ مطالعہ ہے۔ باقی یہاں رسُولِ اسلام علیہ السلام کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مُسلّم تھی، بطور گواہ پیش کیا جا رہا ہے، اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے۔ اصل قصّہ کے درمیان یہ اتنا جزو براہِ راست رسُول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے، اور یہ طریقہ عین خطباتِ عرب کے موافق ہے۔ ۱۴۴ گویا جو کام فجر کے وقت شروع ہوا تھا، جیسا کہ آیت ۶۶ میں لفظ مصبحین سے واضح ہے، وہ وقتِ اشراق تک اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ توریت میں ہے:۔ "جس وقت لُوط ضغر میں داخل ہوا سُورج کی روشنی زمین پر پھیلی"۔ (پیدائش ۱۹: ۲۳)

۱۴۵ اور تاریخ آج تک اُن کی اس ہلاکت وبربادی پر گواہ ہے۔ توریت میں ہے:۔ "تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اُس نے اِن شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کیا"۔ (پیدائش۔ ۱۹: ۲۴، ۲۵)

۱۴۶ (اللہ کی قدرت وحاکمیت کی، اور بدی کی مکافات کی) لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ وسم وتوسّم کے معنی فراست وفہم کے ہیں۔ وفى الخبر التوسم هو الذى سماه قوم الزكانة وقوم الفراسة وقوم الفطنة (راغب) اور متوسّمین وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کریں، اور اہلِ عبرت وعرفان میں سے ہوں۔ ای المتبصرين المتفهمين المتأملين (راغب) اى المتفرسين المتأملين (کشاف) ۱۴۷ یعنی عرب وشام کے درمیان خوب چلتے ہوئے راستہ پر ——— سدوم وعمورہ کے برباد شدہ شہر، بحرِ لُوط یا بحرِ مُردہ کے کنارے عین اسی راستہ پر واقع تھے، جس پر حجاز وشام کے درمیان قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے، اور جس سے قرآن مجید کے مخاطبین اوّل، اہلِ عرب خوب واقف ومانوس تھے۔ مقیم وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہوا ہو۔ ثابت يسلكه الناس (کشاف) وَاِنَّهَا ضمير ها شهر قوم لوط کی جانب ہے۔ الضمير عائد الى مدينة قوم لوط (کبیر) ۱۴۸ (کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے بخت واتفاق یا اسبابِ طبعی پر محمول نہیں کرتے) ۱۴۹ (جو مدین سے متصل رہتے تھے اور حضرت شعیبؑ ہی کی اُمّت میں تھے) اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ۔ نولڈیکی وغیرہ اہلِ فرنگ نے اصحاب ایکہ کو اصحاب مدین ہی قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمۂ تفسیر کے ہاں یہ دو قومیں الگ الگ تھیں گو متقارب۔ لیکن بعض اقوال ہمارے ہاں بھی ایسے ملتے ہیں کہ ان دو ناموں کی قومیں دو نہ تھیں، ایک ہی تھیں۔ وهم قوم شعيب عليه السلام والايكة اه ان اصل دونوں تاکید کے لئے ہیں۔

۱۵۰ (جن سے اہلِ عرب کے قافلہ اکثر گزرتے رہتے ہیں) اِنَّهُمَا۔ دونوں بستیاں، یعنی قوم لُوط اور اصحٰب الایکہ کی بستیاں۔ یعنی قریتا قوم لوط والايكة (کشاف) لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ امام کہتے ہیں وسیع راستہ یا شاہراہ کو۔ اور طریق کو امام عجب نہیں کہ اس لئے کہا گیا ہو کہ اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ الامام الطريق الواسع (راغب) قال الفراء جعل الطريق اماما لانه يؤم ويتبع (راغب) الامام اسم لما يؤتم به فسمى به الطريق (کشاف) ۱۵۱ الحجر شمالی عرب اور شام کے درمیان کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہ حضرت صالحؑ کی اُمّت قوم ثمود کا مسکن تھا۔ شام سے مدینہ کو آنے لگیے تو سب سے پہلے ارضِ لُوط پڑے گی پھر سرزمین شعیبؑ (مدین) ملے گی اور سب سے آخر میں علاقۂ حِجر یا مسکن قوم ثمود۔ تینوں عبرت انگیز خطّے باہم متصل ہیں۔ اور شاید اسی مناسبت سے تینوں کا ذکر بھی یہاں ایک ساتھ ہے۔ المرسلین کے صیغۂ جمع سے متعلق امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ قوم ہندی برہمنوں کی طرح کُل سلسلۂ رسالت ہی کی منکر ہو۔ لعل القوم كانوا براهمة منكرين لكل الرسل (کبیر) ۱۵۲ یعنی ہمارے رسولوں نے معجزات ودلائل ہر طرح کے پیش کر کر کے انہیں راہِ راست پر لانا چاہا، لیکن وہ برابر ہٹ اور انکار ہی پر قائم رہے۔ ؛

۱۲۵ (اور ہمارے مُلک کا دستور ہے کہ بیرونیوں اور پردیسیوں سے ہر طرح کی شرارت و بدسلوکی کرتے رہتے ہیں) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۱۳۶ یعنی عذاب و ہلاکت۔
بسل میں یہ سارا مضمون آگیا کہ ہم انسان ہیں ہی نہیں، بلکہ فرشتے ہیں۔ ۱۳۷ یعنی مُلک شام ہی کے کسی دوسرے شہر کی طرف۔ توریت میں اس شہر کا نام ضغر بتایا گیا ہے (پیدائش

مُّنكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَٰكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ
معلوم ہوتے ہو ۱۳۵ وہ بولے نہیں، بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ
يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَأَتَيْنَٰكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَٰدِقُونَ ﴿٦٤﴾
شک کیا کرتے تھے ۱۳۶ اور ہم آپکے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں، اور بیشک ہم بالکل سچے ہیں
فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَٰرَهُمْ
سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جائیے اور آپ اُن کے پیچھے پیچھے چلیے
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾
اور تم میں سے کوئی پیچھے مُڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا حکم تمہیں ملا ہے (سب) اُسی طرف چلے جاؤ ۱۳۷
وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ
اور ہم نے لوطؑ کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ بھیج دیا کہ صبح ہوتے اِن لوگوں کی جڑ ہی
مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ
(بالکل) کٹ جائے گی ۱۳۸ اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ہوئے
يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا
آئے ۱۳۹ (لوطؑ نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھے (عام لوگوں میں) فضیحت تو
تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ
مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے (مہمانوں کی نظر میں) رسوا مت کرو ۱۴۰ وہ بولے کیا ہم نے
نَنْهَكَ عَنِ الْعَٰلَمِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِن
تم کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر دیا تھا؟ ۱۴۱ (لوطؑ نے) کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں

۲۲:۱۹)۔ موجودہ جغرافیہ میں تو کوئی شہر اس نام کا نہیں ملتا لیکن بابل کے علماء کا خیال ہے کہ یہ شہر بحرِ مُردہ کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کو راتی راتا نکال لے جائیے، ایسا کہ کوئی رہ نہ جائے۔ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ۔ یعنی بس سیدھے ان کا پیچھا لئے رہیے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی راستہ سے پلٹ آئے۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ۔ یعنی یہ بھی نہ ہو کہ آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے پھر پھر کر دیکھے۔ ۱۳۸ یعنی صبح تڑکے سے ان بدبختوں پر عذاب ہلاکت نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔ وَقَضَيْنَا اِلَيْهِ۔ یہ فیصلۂ خداوندی حضرتؑ کے پاس اُنہی فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچا۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں پہلے اس فیصلہ کو مبہم رکھنا، اور پھر خود ہی اس کی تفصیل کر دینا اس فیصلہ کی اہمیت و عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ ~~[illegible] اولاً وتفسیرہ ثانیاً لتفخیم الامر~~ وتعظیم لہ (کبیر) ۱۳۹ (یہ سمجھ کر کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا) اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ یعنی شہر سدوم والے۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ مسرتِ حیوانی و شیطانی اس کی تھی کہ اپنی گندہ مذاقی کی تسکین جی بھر کر ہو سکے گی۔ ۱۴۰ حضرت لوطؑ ہر طرح اپنی قوم والوں کو سمجھا رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ نوواردتو میرے مہمان ہیں، اِن کی تم نے بےعزتی کی تو پہلے میری ہی عزت اُتار لی۔ میں تو تمہاری بستی کا ہوں، میری ہی طرف دیکھو۔ کبھی فرماتے کہ ذرا اپنے دل میں خوفِ خدا لاؤ اور سوچو تو سہی کہ کیسی گندہ حرکتوں میں مبتلا ہو، اور کبھی ارشاد فرماتے، کہ اپنے والوں کا خیال نہیں ہے تو نہ سہی، کم سے کم میرے مہمانوں کی نظر میں تو مجھے حقیر و رسوا نہ ٹھیراؤ۔ ۱۴۱ (کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کے ٹھیرانے کے ہم روادار نہیں۔ سو تم نے خود ہی ہماری اس مخالفت کی پروا نہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کرائی!) کسی پہلے حاشیہ میں آچکا ہے کہ قوم لُوط والے باہر والوں کو اپنے ہاں آنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے اور اگر وہ آجاتے تو اُن سے ہر طرح کی بیہودگی کے ساتھ پیش آتے ——— جو اُس وقت کی شریفانہ تہذیب و معاشرت اور آئینِ مہمانی کے قطعاً منافی تھا۔

۱۲۷ کہ تم جو پیش کیا ہوا ماحضر قبول نہیں کرتے ہو، تو کہیں دشمنی کے ارادہ سے تو نہیں آئے ہو) عرب، عراق و شام کی قدیم تہذیب و معاشرت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ ڈاکو، چور یا غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تھے تو پھر اُس کے بعد اُسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ اور اجنبیوں اور مسافروں کے لباس میں اکثر یہی غارتگر ہی چھپے ہوتے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اِن نَو واردوں کی مہمانی کرنی چاہی، اور انہوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرۃً آپؑ کا ذہن اِس طرف منتقل ہُوا کہ کہیں یہ کوئی جرائم پیشہ تو نہیں ——— حضرتؑ ان انسانی قالب میں آنے والے فرشتوں کو اب تک انسان ہی سمجھ رہے تھے ——— پیمبری کا کوئی جزو غیب دانی ہرگز نہیں۔ حاشیے پہلے بھی گذر چکے ہیں۔

۱۲۸ مُراد حضرت اسحٰقؑ ہیں، آپ نبیؑ تھے اور اس لئے ظاہر ہے کہ بڑے صاحبِ علم بھی تھے۔ لَا تَوْجَلْ یعنی ہم سے پریشان نہ ہوجیے۔ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔

۱۲۹ آپؑ کا مطلب تھا کہ یہ امر آثار و علامات ظاہری اور اسباب عادی کے لحاظ سے تو مستبعد ہے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اللہ کی قدرت سے بعید ہے۔

۱۳۰ یعنی اسباب عادی وظاہری پر نظر نہ کیجیے، ہم تو خالقِ کائنات کی طرف سے آپ کو خوشخبری سُنا رہے ہیں۔

۱۳۱ قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے اور یاس و نا اُمیدی کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا رازدان ابراہیم خلیلؑ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا چنانچہ آپ نے اسی کا یہاں اظہار کیا ہے۔

۱۳۲ حضرت ابراہیمؑ کو جب ان آنے والوں کے فرشتے ہونے کا علم ہو گیا تو آپؑ فراستِ نبوّت سے یہ بھی سمجھے کہ ضرور ان کی تعیناتی محض اتنی بشارت کے لیے نہیں بلکہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہوئی ہے۔ خطب کہتے ہیں مقصدِ اہم کو "مشن" کو۔ الخطب الامر العظیم الذی یکثر فیہ التخاطب (راغب)

إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ
ہم کو تم سے ڈر لگ رہا ہے ۱۲۷ (فرشتے) بولے کہ آپ ڈریئے نہیں ہم آپ کو بشارت
بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ
ایک صاحبِ علم فرزند کی دیتے ہیں ۱۲۸ (ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھے بشارت اس حال میں دیتے ہو کہ مجھ پر
الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ
بڑھاپا آچکا سو بشارت کس چیز کی دیتے ہو ۱۲۹ وہ بولے ہم آپ کو امرِ واقعی کی بشارت دیتے ہیں
فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ
سو آپ ناامید نہ ہوں ۱۳۰ (ابراہیمؑ نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی
مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ
رحمت سے ناامید ہونا ہی کون ہے بجز گمراہوں کے ۱۳۱ (پھر ابراہیمؑ نے) کہا اب تم کو کیا مہم
أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ
درپیش ہے اے (اللہ کے) فرستادو ۱۳۲ وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف
مُّجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾
بھیجے گئے ہیں بجز خاندانِ لوطؑ کے کہ ہم ان سب کو بچالیں گے ۱۳۳
إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا
بجز اُن کی بیوی کے کہ اُس کی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہے گی ۱۳۴ پھر
جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ
جب وہ فرستادے لوطؑ کے گھرانے میں آئے تو (لوطؑ نے) کہا کہ تم تو اجنبی قوم کے لوگ

۱۳۳ (عذاب و ہلاکت سے، اور انہیں سزا پانے والے مجرموں سے الگ کر دینگے) قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ۔ یعنی لوطؑ پیمبرؑ کی اُمّت۔ حاشیے اُوپر گزر چکے ہیں۔

۱۳۴ (اُس قوم معذب کے ساتھ۔ اور اُنہی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوگی) حضرت لوطؑ کی بیوی کافرہ تھیں، اور یہ ضرور نہیں کہ آپؑ کو اس کا علم بھی ہو۔ قَدَّرْنَا۔ اس تجویز کے عمل کو فرشتوں نے منسوب اپنی جانب کیا، حالانکہ یہ فعل براہِ راست حق تعالیٰ کا تھا ——— یہ نسبت مجازی عجب نہیں جو فرشتوں کے مرتبۂ قرب و اختصاص کے اظہار کے لئے ہو۔

۱۱۸ سو کوئی شخص گناہ پر مجبور و مضطر ہرگز نہیں۔ توفیقِ الٰہی ساتھ جب ہی چھوڑتی ہے، جب انسان خود شیطان کی جانب میل قوی رکھنے لگتا ہے۔ شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ دم دلاسا خوب دلا لیتا ہے، انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب دلا دیتا ہے، بس اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ فلا منفعۃ تنبیہہ التزیین والتضلیل (بیضاوی) ابلیس کے قول میں ابھی گزرا تھا کہ الا عبادک منہم المخلصین۔ حق تعالیٰ کے قول میں اب ارشاد ہو رہا ہے الا من اتبعک من الغوین۔ مفسرین نے کلام کی اس ترتیب سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جس کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے وہ اسی کو مقدم رکھتا ہے چنانچہ ابلیس نے اغوا کو مقدم رکھا اور حق تعالیٰ نے مخلصین کی حفاظت کو۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے اوپر جو دعویٰ کر دیا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور سبز باغ دکھاؤں گا تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے۔ آیت میں اسی غلط عقیدہ کی تردید ہے اور اعلان ہے کہ شیطان کا زور کسی بندہ پر بھی نہیں، خواہ وہ برگزیدہ ہو یا غیر برگزیدہ۔ ہاں البتہ جو بندہ خود ہی شیطان کی راہ پر چلنے لگے تو اُسے اختیار ہے۔ غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی ممکن غلط فہمی دُور کر دی ہے۔ الحاصل فی ہذا القول ان ابلیس اوہم ان لہ علی بعض عباد اللہ سلطانا فبین تعالیٰ کذبہ فیہ وذکر انہ لیس لہ علی احد منہم سلطان ولا قدرۃ اصلا (کبیر) ۱۱۹ یعنی خود شیطان، اُس کی ذریات اور اُس کے پیروؤں کی وعدہ گاہ۔ قال ابن عباس یرید ابلیس واشیاعہ ومن اتبعہ من الغاوین (کبیر) ۱۲۰ (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائیگا کوئی کسی سے) دروازوں کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاقِ عذاب کے لحاظ سے سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو۔ لاھلھا سبع فرق (بیضاوی) ای سبعۃ اطباق بعضہا فوق بعض [illegible] سبع طبقات ینزلونہا بحسب مراتبہم فی الغوایۃ والمتابعۃ (روح) یہ بھی ممکن ہے کہ محض خلود مراد ہو، اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرتِ تعداد کا اظہار ہو۔ قیل [illegible] لہا سبعۃ ابواب یدخلونہا لکثرتہم والاسراع بتعذیبہم [illegible] حلون [illegible] الکثرتہم (بیضاوی) ۱۲۱ یعنی اہلِ ایمان سے ارشاد ہوگا کہ تمہیں اس وقت بھی ہر مکروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں۔ متقین۔ متقی سے یہاں مُراد وہ لوگ نہیں، جو جمیع معاصی صغیرہ و کبیرہ سے بچے رہے ہوں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے) بلکہ صرف شرک و کفر سے بچنے والے مقصود ہیں۔ وھو قول جمہور الصحابۃ والتابعین وھو المنقول عن ابن عباس ان المراد الذین اتقوا الشرک باللہ تعالیٰ والکفر بہ واقول ہذا القول ھو الحق الصحیح (کبیر) یتناول جمیع القائلین بلا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ قولا واعتقادا سواء کانوا من اہل الطاعۃ او من اہل المعصیۃ (کبیر)۔ ۱۲۲ یعنی دنیا میں خود ان متقین میں باہم جو کچھ کینہ و کدورت طبعی اسباب سے ہوگی، اُسے بھی قدرتِ الٰہی آخرت میں یکقلم محو کر دیگی، جس سے سب اہلِ جنت ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہو کر آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں گے۔ اہلِ حق کے درمیان اگر طبعی اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں، غلط فہمیاں اور ناگواریاں پیدا ہو جائیں، تو یہ تقویٰ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ جیسا کہ بعض اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ ۱۲۳ یعنی آپس میں مجالست و مخالطت غایتِ اُلفت و محبت کے ساتھ رکھیں گے۔ ۱۲۴ اس میں یہ بتایا کہ جنت کی نعمتیں صرف کامل و اکمل ہی نہ ہونگی بلکہ دائم و قائم بھی ——— اس عالمِ ناسوت میں مداومتِ عیش کا ایک ضمیمہ تعب یا خستگی بھی ہے۔ عیشِ جنت کے لئے تصریح سے بتا دیا گیا کہ وہاں دوام کے باوجود تکان مطلق نہ ہوگا۔ ۱۲۵ مومن کی شان جو حدیث میں بتائی گئی ہے کہ اُس کا قلب ہمیشہ بیم و رجا خوف و اُمید کے درمیان رہتا ہے، اُس کی بنیاد انہی صفاتِ الٰہی پر ہے ——— بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمتِ بیکراں اور مغفرتِ بے پایاں پر نظر کرتا ہے، تو اُسے ہر طرف اُمید ہی اُمید نظر آتی ہے لیکن جب نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، خطاؤں کی طرف جاتی ہے، تو قلب کا خشیتِ الٰہی سے تھرا جانا بھی بالکل قدرتی اور صحیح ہے۔ عبادی میں بندوں کی اضافت اللہ کی طرف اُن کی انتہائی قدر و منزلت کے لئے ہے۔ اضاف العباد الی نفسہ ہذا تشریف عظیم (کبیر) اس عمومِ بشارت کے تحت میں مومن متقی کے ساتھ مومن عاصی بھی آجاتا ہے۔ نبی کل عبادی بکلمۃ [illegible] ہذا [illegible] المطیع ذلک التشدید خل فیہ المومن العاصی (کبیر) اِنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ رحمت و مغفرت پر زور و تاکید کے یہاں تین تین طریقے جمع کر دیئے ہیں۔ ایک اِنِّیْ دوسرے انا تیسرے ال غفور و رحیم پر۔ لما ذکر الرحمۃ والمغفرۃ بالغ فی التاکید بالفاظ ثلثۃ اولہا قولہ انی وثانیہا قولہ انا وثالثہا ادخال حرف الالف واللام علی قولہ الغفور الرحیم (کبیر) ۱۲۶ سورۂ ہُود (پ۱۲) میں اس قصہ پر حاشیے گزر چکے۔

اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ
بہکے ہوؤں میں سے بھی جو تیری پیروی کرنے لگیں ۱۱۸ اور بیشک جہنم ان سب کی
اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ
وعدہ گاہ ہے ۱۱۹ اُس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے اُن میں سے
جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤٥﴾
(وہاں کے) الگ الگ حصے ہیں ۱۲۰ بیشک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے
اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ
تم داخل ہو اُن میں سلامتی (اور) امن کے ساتھ ۱۲۱ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں کینہ ہوگا
مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ
اُسے ہم دُور کر دینگے ۱۲۲ (سب) بھائی بھائی کی طرح رہینگے آمنے سامنے تختوں پر ۱۲۳ اُس کے اندر اُن کو
فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ
کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے (کبھی) نکالے جائیں گے ۱۲۴ میرے بندوں کو
عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ
خبر کر دیجئے کہ میں یقیناً بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا
هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ
دردناک عذاب ہے ۱۲۵ اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں (کے قصہ) کی خبر
اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ
کر دیجئے ۱۲۶ جبکہ وہ اُن کے پاس آئے اور کہا (تم پر) سلام ہو (ابراہیمؑ) بولے

ع ۳/۱۹ ۳
وقف لازم

١١١ یعنی ایسے حقیر و ذلیل مادّہ سے بنی ہوئی مخلوق کو اور میں سجدہ کروں، جو نورانی مادّہ آتش سے بنا ہُوا ہوں! آتشی کہیں خاکی کے آگے، نُورانی کہیں ظلماتی کے آگے جُھک سکتا ہے؟ —— گویا مادّہ لطیف مادّہ کثیف سے افضل و بہتر ہر جہت و اعتبار سے ہوتا ہے، اور افضل کو غیر افضل کے آگے کبھی اور کسی اعتبار سے بھی جُھکنا غلط ہے! ابلیس کی ان باطل آرائیوں کی تردید سورۃ الاعراف کے حواشی میں پُوری طرح ہو چکی ہے۔ لَاَسْجُدَ میں ل تاکید نفی ہے یعنی ایسا کرنا ہرگز میرے لئے ممکن نہیں۔ اللام لتاکید النفی ومعناه لایصح منی وینافی حالی ویستحیل ان اسجد لبشر (کشاف) ١١٢ (اپنی اس ضد و نافرمانی کی بنا پر) ١١٣ (اور تو نہ راہِ راست پر آئیگا، نہ تجھے توفیقِ توبہ ہوگی) لعنت کے معنی اُوپر گزر چکے ہیں کہ رحمت سے مہجوری کے ہیں۔ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ قیامت تک سے محاورہ میں مراد دوام ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیامِ قیامت کے بعد ابلیس کی ملعونیت جاتی رہیگی۔ المراد به التابید وذكر القيامة ابعد غاية يذكرها الناس في كلامهم (کبیر) اور محاورہ زبان سے قطع نظر تو بھی ظاہر ہے کہ جو محل رحمت قیامت تک نہ ہو اُس کے لئے بعد قیامت محل رحمت ہونے کی گنجائش کیا ہے؟ —— دار الجزاء میں تو دار العمل کا صرف تکملہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ اُس سے قطع نظر کر کے کسی جدید شے کی پیدائش۔ ١١٤ (کہ اس درمیان میں جی بھر کر بدلہ آدمؑ اور اولادِ آدم سے لوں) یہ مہلت ابلیس نے موت اور عذاب سے مانگی تھی۔ ١١٥ یعنی جب تک اس عالمِ ناسُوت کی عمر قائم ہے، تجھ پر گرفت نہ ہوگی —— ابلیس کی ہستی یا قوت اگر باقی نہ رہے، تو اس عالمِ ابتلاء کی مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں کوئی قوّت جبر و استیلاء کی نہیں، صرف بہلانے، پُھسلانے، سبز باغ دکھلانے کی ہے۔ ١١٦ (اور تو انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھے گا، تو وہ تو بیشک میرے بہکانے میں نہ آئینگے) آیت سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نیک بندوں کو پھانسنے کی کوشش نہ کریگا۔ جال تو وہ سب ہی پر پھینکتا ہے۔ البتہ مخلص بندوں کے باب میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ لَھُمْ۔ یعنی آدمؑ و حوّاؑ اور اُن کی نسل کی نظر میں۔ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ۔ اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذاتِ حق کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے صرف تکوینی حیثیت سے یا علّت العلل کے معنی میں ہے۔ بما میں باء سببیہ ہے ای بسبب اغوائك ایای (بیضاوی) ١١٧ وہ سیدھا راستہ ایمان و اطاعت و اعمال صالحہ کا ہے کہ اسی پر چل کر بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جو کوئی راہِ ہدایت پر چلنے کا واقعی قصد کرے اُسے وہ راہ مل ضرور جاتی ہے۔ حق علیّ ان اراعیه (بیضاوی)

لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ

میں وہ نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تُو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی ہوئی

مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ

مٹی سے پیدا کیا ہے ١١١ (اللہ نے) فرمایا تو تُو نکل اس (آسمان) سے، بیشک تُو

رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾

مردود ہو گیا ١١٢ اور بیشک تیرے اُوپر روزِ قیامت تک لعنت رہے گی ١١٣

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ

بولا اے میرے پروردگار تو پھر مجھے مہلت دے حشر کے دن تک ١١٤ (اللہ نے) فرمایا اچھا تو

مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ

تجھے مہلت ہے وقتِ معلوم کے دن تک ١١٥ وہ بولا

رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ

اے میرے پروردگار چونکہ تُو نے مجھے بہکایا ہے میں بھی یقیناً اُن کی نظر میں دنیا میں (معاصی کو) خوشنما کر کے اور

لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

اُن سب کو بہکا کے رہوں گا بجز اُن میں سے تیرے ان بندوں کے

الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾

جو منتخب کر لئے گئے ہیں ١١٦ (اللہ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک (پہنچنے والا) ١١٧

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ

بیشک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں

۱۰۵ چنانچہ وہ ہر شخص سے واقفیت بھی پوری اور جزئی و تفصیلی رکھتا ہے، اور سب سے معاملہ بھی بہ تقاضائے حکمت، عین اُنہی کے مناسب حال کریگا۔ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی قیامت کے دن سب کا
حشر اللہ ہی کریگا۔ یہ نہ ہوگا کہ اس دن فیصلہ کسی دیوتا، کسی اوتار کسی ابن اللہ کے ہاتھ میں آجائے! ۱۰۶ یعنی انسان اوّل کا پُتلا اِسی خشک مٹی سے بنایا، جو چٹکی مارنے سے کھن کھن آواز دیتی
ہے، اور پھر اُسی ابوالبشر سے ساری نسلِ انسانی نکالی ہے۔ ۱۰۷ یعنی اسی آگ سے جو اجزاء دخانیہ و کثیفہ سے خالی ہیں اور اس لئے غایت لطافت سے مثل ہوا کے غیر مرئی تھے۔ الْجَانَّ۔ جنّات
بھی بالکل انسانوں جیسے بے بس مخلوق ہیں۔ کوئی وصف
ذرّہ بھر بھی اُن میں معبودیت کا موجود نہیں۔ فرق صرف
مادّہ کا ہے۔ انسان کی ترکیب مٹی سے ہوئی اور اُن
کی آگ یا ہوائی آگ سے۔ اُن کی مخلوقیت اور عجز
کو دکھانے ہی کے لئے قرآن مجید نے اُن کا ذکر تخلیقِ
انسانی کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ توریت میں
اس موقع پر زمین پر "خدا کے بیٹوں" کے موجود ہونے
کا ذکر ہے۔ نیز ایک اور مخلوق کا جس کے لئے
انگریزی ترجموں میں لفظ (GIANTS) کا آیا ہے۔
اُردو میں اِس کا ترجمہ "جبّار" سے کیا گیا ہے۔ (پیدائش
۶: ۲، ۴) شُستہ و بامحاورہ اُردو میں انہیں "دیوزاد"
ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ "دلائل مختلفہ سے
جنّات کے متعلق یہ امُور معلوم ہوتے ہیں۔ آگ ۱ سے
پیدا ہونا۔ توالد ۲ و تناسل ہونا۔ عادۃً ۳ اُن کا نظر نہ آنا۔
مختلف ۴ اشکال میں اُن کا متشکل ہو سکنا مگر جن ۵ اشکال میں
متشکل ہونے سے کوئی التباس مضرِ دین ہوتا ہو اُس
پر بہ حکمتِ الٰہی قادر نہ ہونا، اور جس ۶ میں التباس مضر
دنیا ہوتا ہو اُس پر کم قادر ہونا۔" (تھانویؒ)
۱۰۸ یہ خطاب جب ملائکہ نوری سے ہوا جو اعلیٰ
مخلوق تھے، تو اس کے مخاطب جنّاتِ آتشیں تو بدرجۂ
اولیٰ ہوئے، جو پست تر مخلوق تھے۔ سورۂ بقرہ
رکوع ۴ کے حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔
۱۰۹ (اس کی تعظیم و تکریم کے لئے) سَوَّيْتُهُ
میں ضمیر مذکر واحد غائب بشر کے اُسی خاکی پُتلے کی طرف
ہے۔ مِن رُّوحِي۔ اللہ کا روحِ انسانی کی اضافت
اپنی جانب کرنا، اُس کے اظہارِ قدر و منزلت کے لئے
ہے۔ ~~انما اضاف اللہ سبحانہ روح آدم الی~~
~~نفسہ تشریفا لہ~~ (~~کبیر~~) اور اسی
نفخ روح کا شاید نتیجہ ہے کہ روحِ انسانی میں خلافتِ
الٰہی کی استعداد پیدا ہوگئی ہے۔ نَفَخْتُ۔

ع ۲

هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
انہیں (سب کو) جمع کریگا، بیشک وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے ۱۰۵ اور بالیقین ہم نے انسان کو
الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾
لسدار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ۱۰۶
وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ وَ
اور جن کو ہم اس کے قبل گرم آگ سے پیدا کرچکے تھے ۱۰۷ اور
إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن
(یاد کرو وہ وقت) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٨﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ
لسدار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ۱۰۸ سو جب میں اُسے پورا بنا چکوں
وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٢٩﴾
اور اُس میں اپنی طرف سے رُوح پھونک دوں تو تم اُس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا ۱۰۹
فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ إِلَّا
چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر
إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ
ابلیس نے (نہ کیا)، اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو، (اللہ نے) کہا
يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ
اے ابلیس تیرے لئے کیا باعث ہے اس کا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ۱۱۰ بولا

مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ روحِ انسانی اگر جسم لطیف ہو، جیسا کہ عموماً متکلمین کا قول ہے، جب تو نفخ کے حقیقی ہی معنی مراد ہوں گے یعنی جسم کے جن حصّوں میں خلا ہو اُن میں ہوا بھرنا لیکن اُسے
غیر مادّی، جوہر مجرد تسلیم کیا جائے، تو نفخ سے استعارہ مطلق تعلق کا ہوگا۔ رُوحِی۔ روح کو ہمارے محققین میں سے اکثر نے جسم ہی تسلیم کیا ہے، گو جسم لطیف ہے۔ ~~الروح جسم لطیف یحیی بہ~~
~~الانسان ... جمہور اہل السنۃ علی انہا جسم لطیف یخالف الاجسام بالماہیۃ والصفۃ متصرف فی البدن حال فیہ حلول الزیت فی الزیتون ... الی ہذا ذہب امام الحرمین~~ (روح)
لیکن بعض کی تحقیق میں (اور انہی میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بھی ہیں) روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ اُس سے خارج، نہ اُس کے متصل نہ اُس سے منفصل۔ ~~ہذا الذی ... عند جماعۃ~~
~~من المحققین ... حلول الماء فی الاناء ... فی القلب والدماغ حلول السواد فی الاسود والعلم فی العالم بل ہو جوہر مجرد لیس داخل البدن ولا خارجہ ولا متصلا~~
~~ولا منفصلا ... علی ذلک ... (روح)~~ ۱۱۰ یہ ابلیس جو بعد کو شیطان کے لقب سے مشہور ہوگیا، فرشتہ نوری نہیں، جن ناری تھا، جیسا کہ سورۂ کہف میں نص موجود ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْجِنِّ۔
باقی عام قصۂ آدمؑ و ابلیس پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ رکوع ۴ میں گذر چکے۔

٩٩ زمین کا بنانا، پھیلانا، اُس پر پہاڑوں کا قائم کرنا، زمین سے ہر نباتات ایک مقدارِ معین کے مطابق اُگانا، یہ سب کام اُسی خدائے واحد، قادر و حکیم کے ہیں۔ نہ یہ چیزیں خودبخود ہوگئی ہیں، نہ انہیں کسی دیوی دیوتا نے کیا ہے۔ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ ۔ یہ پہاڑ اس لئے قائم کر دیئے گئے ہیں کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے، جیساکہ ایک دوسری جگہ ہے رواسی ان تمید بکم۔ گویا پہاڑ حکمت تکوینی میں، زمین کا لنگر بٹھائے رہنے کے لئے، اُس کا توازن درست رکھنے کے لئے ہیں۔ قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے۔ اس کے آگے زمین کی گردش سالانہ، اس کی حرکت محوری وغیرہ دوسرے مسائل سے قرآن مجید کو نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ

اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اُس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا

اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اُگائی ٩٩ اور ہم نے اُس میں

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾

معاش کے سامان تمہارے لئے بھی بنائے اور اُن کے لئے (بھی) جنہیں تم روزی نہیں دیتے ١٠٠

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ

اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس اُس کے (خزانے کے) خزانے ہیں اور ہم اُسے ایک مقدار

اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ

معین ہی سے اتارتے رہتے ہیں ١٠١ اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو بھیجتے ہیں

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ

پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں پھر وہی (پانی) ہم تم کو پلاتے ہیں اور تم

اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَ

اُس کے جمع کر لینے والے نہ تھے ١٠٢ اور ہم ہی ہاں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور

نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

ہم ہی وارث رہیں گے ١٠٣ اور بالیقین ہم تم میں سے اگلوں کو بھی خوب جانتے ہیں

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

اور بالیقین ہم پچھلوں کو بھی خوب جانتے ہیں ١٠٤ اور بیشک آپ کا پروردگار ہی تو

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۔ اشارہ جنس نباتات کی جانب ہے۔ **١٠٠** یعنی زمین کے ذریعہ سے انسان کے علاوہ اُن مخلوقات کو بھی سامانِ زیست بہم پہنچا دیا گیا، جو ظاہر میں بھی انسان کے واسطہ سے پرورش نہیں پاتیں۔ یہ سب قانونِ الوہیت کی ہمہ گیری کا بیان ہو رہا ہے۔ مَعَايِشَ کے تحت میں ماکولات، مشروبات، ملبوسات سب آگئے۔ **١٠١** (حسب حکمت و مصلحت) اللہ کے ہاں کمی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟ ہر چیز کا ظہور اپنی کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بس قانونِ حکمت کے ماتحت ہی ہوتا رہتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ سے اشارہ مخلوق کی طرف سے ترکِ التفات کا ہوگیا۔ **١٠٢** یعنی تم ایسے تو بنائے نہیں گئے ہو کہ پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لئے بارش سے مستغنی ہو جاؤ۔ نہ تمہیں یہ قدرت کہ جب اور جہاں چاہو آسمان سے پانی برسا لو، نہ یہ اختیار کہ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دیا جائے، تو تم اپنے زورِ بازو سے نکال لو۔ اَرْسَلْنَا، اَنْزَلْنَا، اَنْۢبَتْنَا، سب میں اشارہ یہ ہے کہ یہ ہوا، بارش وغیرہ کے جتنے بھی کاربار ہیں، سب ہماری اور محض ہماری ذات سے قائم ہیں کسی دیوی دیوتا کے دخل کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ **١٠٣** (سب کے فنا ہو جانے کے بعد) یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے۔ بلکہ اور سب فنا ہو جائیں گے، اور صرف ہماری ذات بابرکات باقی رہ جائیگی۔ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ ۔ یہاں یہ تاکید کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی وشنو جی ہیں زندگی بخشنے والے اور قائم رکھنے والے، اور نہ کوئی شیو جی ہیں ہلاک کرنے اور عملِ فنا طاری کرنے والے۔ **١٠٤** یعنی ہمارے علمِ کامل و محیط میں کسی غلطی، نقص، خطا کا امکان ہی نہیں، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں ——— پہلے صفت قدرت کاملہ کا اثبات ہو چکا، اب صفت علم کامل کا اثبات ہو رہا ہے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو صفاتِ باری میں ٹھوکریں سب سے زیادہ انہی دو صفات کے باب میں لگی ہیں۔ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور الْمُسْتَاْخِرِيْنَ سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔ ~~احصینا من مضی~~ (ابن جریر عن عکرمۃ ومجاہد) ~~لمن استقدم ولادۃ وموتا ومن تاخر من الاولین والآخرین~~ (کشاف) بعض نے مستقدمین سے مراد نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے لئے ہیں۔ ~~من تقدم فی الاسلام وسبق الی الطاعۃ ومن تاخر~~ (کشاف)

مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ
آپ کے قبل بھی (پیمبر) بھیج چکے ہیں اگلوں کے گروہوں میں ۹۲ اور کوئی رسول اُن کے پاس ایسا
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ
نہیں آیا کہ اُس کے ساتھ انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو اسی طرح یہ (استہزا)
فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ
ہم (ان) مجرموں کے دلوں میں ڈالے دیتے ہیں (چنانچہ) یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے (یہ)
خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
دستور پہلوں سے چلا آتا ہے ۹۳ اگر ہم ان کے لئے کوئی دروازہ آسمان میں
مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا
کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اُس میں سے چڑھ جائیں ۹۴ تب بھی یہ بس یہی کہیں
سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵ ع ۱۵ ۱
کہ ہماری نظر بندی کردی گئی بلکہ ہم لوگوں پر تو (بالکل) جادو ہی کردیا گیا ہے ۹۵
وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶
اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے ستارے بنائے اور اُسے دیکھنے والوں کے لئے اُن سے آراستہ کردیا ۹۶
وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ
اور ہم نے اُسے ہر شیطان مردود سے محفوظ کردیا ۹۷ ہاں مگر کوئی بات
اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸
چوری چھپے سُن بھاگے تو اُس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہولیتا ہے ۹۸

۹۲ اور اُن کی بھی برابر تکذیب ہی ہوتی رہی۔ سو آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں) ۹۳ ایک مخلص و ہوا خواہ قوم مصلح جب اپنی شدید مخالفت و مزاحمت اُسی قوم کی طرف سے دیکھتا ہے جس کی ہوا خواہی میں وہ گھلا جاتا ہے تو طبعاً وہ دنگ اور حیران رہ جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر اخلاص و شفقت ہوا ہے! آپ کے دل پر اُس وقت کیا کچھ گزر رہی ہوگی! قرآن کریم اسی لئے بار بار آپ کی تسکین و تشفی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ یہ مجرموں کے دل میں استہزاء کا القاء بالکل اُسی طرح کا ہے، جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی میں مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزاء کسی درجہ میں بھی مطلوب و مقصود خداوندی ہے۔ ۹۴ (آسمان پر) ظَلُّوْا کے معنی ہیں کہ کسی فعل کو روزِ روشن میں کیا یعنی یہ خارقِ عادت عمل میں آئے، اور ہوش و بیداری کے عالم میں، پوری روشنی میں عمل میں آئے۔ نیند کی بیہوشی اور تاریکی وغیرہ سے شبہات کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ ~~تقول العرب ظل يظل كالكل عمل عمل بالنهار (كبير) يعبر به عما يفعل بالنهار (راغب)~~ مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر معاند اگر اپنے فرمایشی معجزہ یعنی کافروں کے نزول زمینی سے کہیں بڑھے ہوئے خارقِ عادت یعنی اسرار و عجائب آسمانی کو بہ چشم خود جاکر دیکھ لیں۔ لَوْ فَتَحْنَا الخ۔ یہ سب باتیں بہ طور فرض کے کہی گئی ہیں، اور مخاطبین اوّل کے عام انسانی خیالات اور علمی تحقیقات کے مطابق کہی گئی ہیں۔ اس سے اِس پر استدلال ہوسکتا ہے کہ آسمان واقعۃً بھی کوئی ٹھوس مادی جسم ہے، جس کے دروازے کھل سکتے ہیں، درست نہیں۔ ۹۵ تو غرض یہ کہ ایک اسی فرمایشی معجزہ یعنی ملائکہ کے نزولِ آسمانی پر کیا موقوف ہے، کوئی سا بھی خارقِ عادت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بھی انہیں دکھا دیا جائے تو اِن معاندوں کی زبانیں خاموش نہیں ہوسکتیں، یہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات اعتراض و انکار کی اپنی کٹ حجتی سے پیدا کرلیں گے۔ ۹۶ (کہ ان ستاروں کے باعث آسمان دیکھنے والوں کو خوشنما نظر آتا ہے) آیت میں اس کی تعلیم بھی مل گئی کہ یہ بڑے بڑے روشن اور چمک دار ستارے نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں نہ خود آفریدہ ہیں۔ بلکہ تمام تر اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور ان کے وجود سے مقصود تو آسمان کو ناظرین کی نظر میں خوشنما بنانا ہے۔ ۹۷ (ان ستاروں کے ذریعہ سے کہ شیاطین کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے دیتے) ۹۸ (اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہوجاتا ہے) اہلِ سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں، اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہوجاتے ہیں، اور کہیں زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، قرآن کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ قرآن کو ان کی ترکیب، ساخت وغیرہ سے مطلق بحث نہیں۔ وہ تو اپنے موضوع کے اندر رہ کر صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ اُن سے کام شیطان کے بھگانے کا بھی لیا جاتا ہے۔

۵۸۵ (اور ان شدید ترین اور ناقابلِ برداشت عذابوں سے محفوظ رہتے!) یہ کلمات حسرت و تأسف کافروں کی زبان پر آخرت میں جاری ہونگے، جب اپنا حشر اُن پر منکشف ہو چکے گا، اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ رُبَمَا۔ یہ کلماتِ حسرت کی تکرار شاید اس لئے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ اس میں ہر نوع کے کافر شامل ہیں، جن میں قدرِ مشترک صفتِ کفر ہے۔ لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۔ آیت میں صرف مسلمین ہے، متقین، خاشعین وغیرہ نہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ وغیرہ متعدد صحابیوں سے متعدد تابعین کے واسطہ سے روایتیں اسی مضمون کی ملتی ہیں کہ جہنم میں کافروں کے ساتھ گنہگار مسلمان بھی ملے جُلے ہوئے ہونگے۔ اِس پر کافر اُن سے طنز سے کہیں گے کہ تمہارا کلمۂ شہادت کچھ بھی کام نہ آیا۔ معاً اُس سے غیرتِ الٰہی حرکت میں آئے گی، اور کُل اہلِ قبلہ آگ سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اُس وقت کافروں کی زبان سے یہ پُر حسرت کلمات نکلیں گے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، معالم، کبیر وغیرہ) مفسرین کی اکثریت نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وعلٰی ھٰذا القول اکثر المفسرین کما روی ذٰلک عن کثیر من السلف الصالح (روح) آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مراتبِ طاعت و تقویٰ کا تو ذکر ہی نہیں، مجرد اسلام اور اقرار شہادتین بھی کتنی بڑی رحمت اور نعمت عظیم ہے۔ ۵۸۶ یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی مرنے کے ساتھ ہی۔ ذَرْهُمْ۔ یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم و حزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ یَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی اُلٹ پھیر میں لگے رہنا، مدتِ عمر کو دُور و دراز کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھیں، آج بھی فرنگستان کی "مہذب" و "روشن خیال" قوموں پر کیسی صادق آرہی ہیں! تَمَتَّعُوْا۔ تمتع سے مراد اُنہی مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمام تر عاجل و فوری ہے۔ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ سے صاف اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ طولِ امل میں پڑے رہنا ہرگز مومن کے شایانِ شان نہیں۔ ۵۸۷ (چنانچہ ان کافروں پر بھی فی الفور جو گرفت نہیں ہوتی، اُس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی اُن کا وقت موعود نہیں آیا ہے) ۵۸۸ (جو پیمبری اور وحی کے دعوے کرتا ہے) الذِّكْرُ۔ ذکر کے لفظی معنی تو نصیحت کے ہیں، مگر الذکر اصطلاحِ قرآنی میں قرآن ہی کا ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ اسم القرآن (روح) ۵۸۹ ان کافروں نے فرطِ عناد سے بیخود ہو کر قرآن کے اصل دعویٰ و دلیل یعنی اس کے مضامین کی صداقت، اس کی تعلیمات کے معجز ہونے پر غور ہی نہ کیا، بلکہ لغو مطالبہ ہی پیش کر دیا کہ سچے پیمبر ہو تو بطور خارقِ عادت فرشتوں کو اپنے ساتھ لاکر ہمیں دکھادو۔ ۵۹۰ مطلب یہ ہوا کہ جس طریقہ پر یہ کافر فرمائش کر رہے ہیں، اس طرح فرمائشی نزول تو فرشتوں کا ہوتا ہی نہیں۔ فرشتے تو نافرمان قوموں پر اتمامِ حجت کے بعد عذاب ہی لے کر اُن کی ہلاکت کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور اِن پر اگر فرشتے نازل ہوتے، تو یہ لوگ تو معاً ہلاک ہی کر دیئے جاتے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یعنی کسی حکیمانہ مقصود کے ساتھ۔ اور وہ مقصود آخر کار ان نافرمانوں کے حق میں عذاب ہی ہوتا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ان لوگوں پر رد ہے، جو ایسے شخص سے خوارق کے طالب رہتے ہیں جسکی حقانیت پر دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں۔ ۵۹۱ (کہ نہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے اسے مٹنے دینگے، نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دینگے) قرآن مجید کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل، اور پھر شروع ہی سے دھڑلے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجز دلیل اس کے کلام الٰہی ہونے کی ہے۔ دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو ساڑھے تیرہ سو سال سے، اپنے الفاظ، حروف، نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آرہی ہو۔ میور، پامر، آرنلڈ وغیرہ مشاہیر فرنگ کی رائیں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ حفاظ وغیرہ انسانی مدد سے قرآن کا محفوظ رہ جانا، یہ وعدہ حفاظتِ الٰہی کے منافی نہیں، عین اسی کا ذریعہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا۔ زور اور تاکید کے موقع پر متکلم کی تین تین ضمیریں اکٹھی لے آنا عربی اسلوب بلاغت کے عین مطابق ہے۔ اُردو میں اس مفہوم کو ادا کرنے کی یہی صورت ہے جو ترجمہ میں اختیار کی گئی۔ ثبوت و دلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعویٰ کہ یہ لفظ بلفظ کلام الٰہی ہے، آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں۔ یہاں تک کہ توریت اور انجیل کا بھی نہیں۔ قرآن اس دعویٰ میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری کتابوں سے متعلق دعویٰ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اُن کے اندر مغز و روح خدائی تعلیم کی آگئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمام تر انسانوں کی ہیں، اور اُن کی عبارتیں صرف خاصان خدا کی لکھی ہوئی ہیں۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲
کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ۵۸۵

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ
آپ انہیں (اُن کے حال پر) چھوڑے رہیئے یہ کھا پی لیں اور مزے اُڑا لیں اور خیال آرائی انہیں غفلت میں

يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا
ڈالے رہے عنقریب انہیں معلوم ہوا جاتا ہے ۵۸۶ اور ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی ہے اُس کے لئے ایک معین وقت کا

كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا
نوشتہ تھا کوئی قوم اپنی میعاد مقرر سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ

يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ
پیچھے رہ سکتی ہے ۵۸۷ اور (کفارِ مکہ) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (بہ قول اسکے) نصیحت نامہ اُترا ہے

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ
تو تو مجنون ہے ۵۸۸ ہمارے پاس فرشتوں کو لے آ،

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ
اگر تو (اپنے دعوٰی میں) سچا ہے ۵۸۹ ہم فرشتوں کو نہیں اُتارتے مگر

اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ
(فیصلۂ) حق کے لئے اور اُس وقت اُن کو مہلت بھی نہ دی جاتی ۵۹۰ (اس نصیحت نامہ کو ہم نے

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۵۹۱ اور بیشک ہم

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۸) وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ

اللہ واحد (اور) زبردست کے روبرو پیش ہونگے، اور اُس روز تو مجرموں کو ایک دوسرے کے ساتھ

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (۴۹) سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا ۸۰ اُن کے کرتے قطران کے ہوں گے ۸۱ اور

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (۵۰) لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ

آگ اُن کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی ۸۲ تاکہ اللہ ہر جہنمی شخص کو اُس کے

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۵۱) هٰذَا

کرتوت کا بدلہ دے بیشک اللہ حساب بڑی جلدی ہی کر لینے والا ہے ۸۳ یہ (قرآن)

بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

لوگوں کے لئے ایک پیام ہے اور تاکہ اِس کے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ وہی ایک

وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۵۲)

خدا ہے اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں ۸۳

ع ۱۱/۷ ۱۹

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حجر مکی ہے اور اس میں ۹۹ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان اور باربار رحم کرنے والے کے نام سے

الۤرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱)

الف۔لام۔را، یہ کتاب (کامل) کی اور قرآن واضح کی آیتیں ہیں ۸۴

۷۹ یعنی اُس خدائے قدوس کے حضور میں جو سب پر برتر، سب پر غالب ہے، کوئی اس پر حاکم و متصرف نہیں، اور وہ عدد، ذات، صفات ہر لحاظ سے واحد لاشریک لہ ہے، توحید خالص کی اس پُر اجلال و پاکیزہ تعلیم کی پوری قدر اِس وقت ہو گی جب اس کے مقابل انجیل کا یہ بیان پیش نظر رکھا جائے:۔ "جب ابنِ آدم اپنے جلال میں آوے گا، اور سب فرشتہ اس کے ساتھ آوینگے تو اُس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے ساتھ جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جُدا کرے گا۔" (متی۔۲۵:۳۱-۳۲) یہ حال جب "اہل کتاب" مدعیان توحید کی کتاب کا ہے تو مشرک غریبوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ اَلْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ وہی ایک اکیلا، جو سب پر غالب ہے، اور جس کے سب ہی تابع و محکوم ہیں۔ ای الذی قہر کل شیء وغلبہ ودانت لہ الرقاب وخضعت لہ الالباب (ابن کثیر) الذی یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید (عالم)

۸۰ (اے مخاطب!) اَلْمُجْرِمِيْنَ۔ یعنی کفار و منکرین کو۔ مُقَرَّنِيْنَ یعنی ایک جرم کے مجرمین ایک ساتھ جکڑے ہوئے ہونگے، کفر و انکار کی ہر نوعیت کے مجرمین کی ٹولی الگ الگ ہو گی۔ [illegible]

۸۱ قَطِرَان کے مشہور معنی تو گندھک کے ہیں، دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کئے گئے ہیں، بہر حال دوزخیوں کے جسم پر لباس ایسا ہو گا جو آگ کو خوب اور زیادہ تیزی کے ساتھ قبول کر لے۔

۸۲ (تو اس کے لئے تنہا مجرموں کا فیصلہ آناً فاناً کر ڈالنا کیا مشکل ہے) لِيَجْزِيَ۔ میں ل تعلیل کا ہے یعنی یہ سب کچھ اس غرض سے ہو گا کہ ہر مجرم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے۔

۸۳ اُولُوا الْاَلْبَابِ پر حاشیہ صفحہ ۱۵۱ نمبر ۴۹۴ میں گزر چکا۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے ایک پیام ہے کہ وہ پیام اور پیامبر دونوں کی تصدیق کریں۔ بَلٰغٌ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی یہ پیامِ معظم لوگوں کی ہدایت کے لئے بالکل کافی۔ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ۔ یعنی تاکہ اس کے ذریعہ اور واسطہ سے وہ عذابِ الٰہی سے ڈرائے جائیں۔ لِلنَّاسِ میں ناس کا عموم لائق لحاظ ہے یعنی یہ پیامِ ہدایت ساری نوع انسانی کے لئے، کسی مخصوص قوم یا ملک کے لئے نہیں۔ وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ انسان کو درجۂ شرف و فضیلت جو کچھ بھی حاصل ہے وہ عقل اور اس کے صحیح استعمال ہی سے ہے۔ هٰذه الاية دالة على انه لا فضيلة للانسان [illegible] (کبیر)

۸۴ دونوں صفتیں ایک ہی موصوف کی بیان ہوئی ہیں یعنی وہ کتاب کامل بھی ہے اور قرآن واضح بھی۔ قُرْاٰنٍ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ وتنکیرہ للتفخیم (بیضاوی) [illegible] الۤرٰ۔ انا الله ارٰى۔ کا مخفف سمجھا گیا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

۵۷۲ حشر میں جب انکشافِ حقائق درجۂ تام میں ہوجائیگا اور غفلت کے پردے ہر طرح چاک ہوجائیں گے، بدنصیب کافر عرض کرینگے کہ اب ہم نے خوب مزہ چکھ لیا اب ایک بار پھر ہمیں مہلتِ حیات عطا ہو کہ ہم دنیا میں جاکر از سرِ نو زندگی بسر کریں اور اب کی اپنی پوری فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیں۔ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۔ مراد کفار ہیں۔ اے الکفار (مدارک) ۵۷۳ (اس دنیا میں) اُن کے جواب میں ارشاد ہوگا کہ دنیا میں رہنے کی تمہیں مہلت قلیل تو نہیں مدت طویل ملی تھی، پھر تم نے اُس سے کیا فائدہ اٹھایا بلکہ تم تو اُلٹے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور اور دعوی کے

النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا
لوگوں کو اُس دن سے جس میں اُن پر عذاب آپڑے گا پھر (یہ) ظالم کہیں گے
رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ
اے ہمارے پروردگار ہم کو (اور) مہلت دے دے ایک مدتِ قلیل تک، ہم تیری دعوت قبول کرلینگے اور پیمبروں کا
الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم
اتباع کرینگے ۵۷۲ کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں (کہیں بھی) جانا
مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
نہیں ہے ۵۷۳ حالانکہ تم انہی لوگوں کے مسکنوں میں آباد تھے جو اپنے اوپر ظلم
أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ
کرچکے تھے اور تمہارے اوپر روشن ہوچکا تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا اور ہم نے
الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ
(بھی) تم سے مثالیں بیان کی تھیں، اور انہوں نے اپنی بھی (بڑی بڑی) چالیں چلیں اور اللہ کے سامنے ان کی یہ
وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ
چالیں تھیں اور واقعی ان کی یہ چالیں ایسی تھیں کہ اُن سے پہاڑ بھی ٹل جائیں ۵۷۵ سو اللہ کو اپنے پیمبروں سے
اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٤٧﴾
وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز نہ سمجھ لینا ۵۷۶ بیشک اللہ زبردست ہے، پورا بدلہ لینے والا ہے ۵۷۷ (اور یہ
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا
اُس روز ہوگا) جس روز کہ زمین بدل کر دوسری زمین کردی جائے گی اور آسمان بھی ۵۷۸ اور (سب)

ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ حشر و نشر کا قصہ سب ڈھکوسلا ہے وجود جو کچھ ہے صرف اسی مادّی دنیا اور اسی مادی زندگی سے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زبان سے یہ سب تقریر نہ کی ہو، جب بھی زبانِ حال سے تو وہ بھی یہی کہتے رہے تھے۔ اقسموا بطرا وغرورا او دل علیه حالهم (بیضاوی) او بلسان الحال ولا الله الافضال (روح) مِنْ زَوَالٍ۔ میں مِنْ تاکید نفی کے لئے ہے۔ ومن صلة لتاكيد النفي (روح)

۵۷۴ یہ خطاب زمانۂ مابعد کی نسلوں سے ہے مطلب یہ ہوا کہ تم تو بعد کو آئے پھر نہ اپنے پیش رو کفار معاندین و منکرین آخرت کے عبرتناک انجام اور تباہی و بربادی سے کوئی عبرت و نصیحت تم نے حاصل کی اور نہ کتب سابقہ کی ہدایتوں فہمائشوں سے تم ذرا بھی بیدار ہوتے۔ تمہارے لئے تو انکار کے نہیں، منع انکار کے کتنے زبردست اسباب اکٹھے تھے، پھر بھی تم اپنی شامت سے راستہ وہی ہلاکت و بدانجامی ہی کا اختیار کئے رہے۔ وَسَكَنْتُمْ ...... اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی تم روئے زمین کے اُنہی خطوں قطعوں، علاقوں میں تو آباد ہو جہاں تم سے پیشتر اور منکرین و معاندین رہ چکے تھے۔ تَبَيَّنَ ...... بِهِمْ۔ یعنی تمہیں تاریخ سے، روایات و حکایات سے، پوری طرح ان منکروں کی سزایابی، ہلاکت و بربادی کا حال معلوم ہوچکا تھا۔ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ۔ یہ اشارہ سابقہ کتب آسمانی کی جانب ہے، اُنہی کے ذریعہ سے بار بار تنبیہیں ہوچکی تھیں۔ ۵۷۵ (لیکن حق پھر بھی غالب رہا، اور اُن کی ساری چالیں خود اُنہی پر اُلٹ گئیں) وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ۔ دینِ حق کو مٹادینے کے لئے وہ کبھی کبھی زبردست چالیں چلتے رہے۔ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ۔ اللہ سے یہ چالیں کچھ مخفی تو رہ نہیں سکتی تھیں، سب اُس کے علم میں تھیں۔ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۔ "پہاڑوں کے ٹل جانے" کا استعارہ عربی اسلوب بیان میں کسی شے کی انتہائی قوت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ ولیس المقصود من هذا الكلام الاخبار عن وقوعه بل التعظيم والتهويل (كبير) ان كان مكرهم في غاية الشدة والمهانة وعبر عن ذلك بكونه معدا لازالة الجبال عن مقارها لكونه مثلا في ذلك (روح) والذي يظهر ان زوال الجبال مجاز ضرب مثلا لمكر قريش وعظمه والجبال لا تزول وهذا من باب الغلو والايغال والمبالغة في ذم مكرهم (بحر) لیکن بجائے استعارہ کے اگر اسے لفظی ہی معنی میں لیا جائے جب بھی اب تو اس میں کوئی امر محال رہا نہیں۔ پہاڑوں کے توڑنے اور اُڑا دینے کی تدبیریں جدید و مہذب انسان نے نکال ہی لی ہیں۔ ۵۷۶ (اس تاخیر عذاب سے شبہ میں پڑکر اے مخاطب!) ۵۷۷ اُس کی قوت بھی کامل، جزا و سزا پر قدرت بھی اُسے پوری حاصل۔ پھر وعدہ خلافی کی اُس کے ہاں گنجائش و امکان ہی کیا! ۵۷۸ یعنی قیامت کے دن جب آسمان و زمین سب بدلے ہوئے ہونگے، اور جس آسمان و زمین سے ہم واقف ہیں اُن کے بجائے دوسرے ہی موجود ہونگے۔ وهي هذه على غير الصفة المالوفة كما جاء في الصحيحين (ابن كثير) مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ تبدیلِ ذات و صفات دونوں کے لحاظ سے صحیح ہوسکتی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبدیلیوں کے وقت اہل حشر زمین پر نہ ہونگے بلکہ پُلِ صراط پر ہونگے۔ والتبديل قد يكون في الذات وقد يكون في الصفات والآية الكريمة ليست بنص في احد الوجهين (مدارك)

۶۶ (چنانچہ ان دعاؤں سے بھی یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تو اب تک ہماری ان حاجتوں اور تمناؤں سے بے خبر تھا تیرے لئے تو ہر پوشیدہ اور علانیہ یکساں ہے بلکہ یہ دعائیں تو فقا تر ہماری عبودیت اور افتقار سے پیدا ہوتی ہیں) آیت سے تردید ان تمام مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کی ہوگئی جنہوں نے خدا کے علم کو ناقص، محدود یا صرف کلیات پر مشتمل قرار دیا ہے، ہندوستان، مصر، یونان سب کے بڑے بڑے حکماء اور عقلاء اس جہل میں شریک ہیں۔ رَبَّنَا۔ ندا کی تکرار تضرع وخشوع طلب کی دلیل ہے۔ النداء المکرر دلیل التضرع واللجأ الی اللہ (مدارک) مِن شَیۡءٍ۔ مِنۡ استغراق کے لئے ہے۔ من للاستغراق (مدارک) ترجمہ اسی لئے "کوئی بھی چیز" سے کیا گیا ہے۔ ۶۷ (چنانچہ اس نے جس طرح میری پچھلی دعائیں سن لیں اور قبول کرلیں اس کی ذات سے یقین ہے کہ آیندہ بھی ایسا ہی کرتا رہیگا) لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ۔ یعنی بڑا قبول کرنے والا۔ ای مجیب الدعاء ... انا استجیب ممن دعا ... فالسمع بمعنی القبول والاجابۃ مجاز کما فی سمع اللہ تعالیٰ لمن حمدہ (روح) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الخ۔ اولاد خصوصاً کبرسنی کی اولاد، اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، مسرت وشکر کے قابل نہ کہ کوئی عیب جسے چھپایا جائے یا اس سے شرمایا جائے۔ عَلَی الۡكِبَرِ۔ توریت میں ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی، (پیدائش ۱۶: ۱۶) اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت ۱۰۰ سال کی (پیدائش ۲۱: ۵) اس وقت کے اوسط عمر کے لحاظ سے باپ بننے کا یہ سن اگرچہ کچھ ایسا غیر معمولی نہیں پھر بھی بہرحال ضعیفی ہی کا تھا، علی الکبر میں علیٰ مع کے مرادف ہے اور مراد حالت کبرسنی سے ہے۔ علی الکبر بمعنی مع وھو فی موضع الحال ومعناہ وھب لی فی حال الکبر (کبیر) ۶۸ دعاء کے آداب اور طریقے کوئی حضرات انبیاء ہی سے سیکھے، عبودیت کے کن کن پہلوؤں سے کیسے کیسے لجاجت کے انداز سے اپنے محبوب مالک کو پکارتے رہتے ہیں۔ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوةِ۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں اس کے واسطے دعائے خصوصی کرتے ہیں۔ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کو وحی سے علم ہوگیا تھا کہ حضرتؑ کی نسل میں سب مومن ہی نہ ہوں گے کچھ غیر مومن بھی ہوں گے اس لئے دعاء سب کے حق میں نہ فرمائی، ای بعض ذریتی ..... انما بعض لانہ علم باعلام اللہ انہ یکون فی ذریتہ کفار (مدارک) ۶۹ حضرتؑ کا اپنے لئے اور مومنین کے حق میں دعاء مغفرت کرنا تو ایک صاف اور سیدھی سی بات ہے البتہ شبہہ اس میں پیدا ہوتا ہے کہ آپؑ نے اپنے کافر والد کے حق میں دعائے مغفرت کیسے کردی؟

وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ
اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز نہیں چھپی رہتی ہے نہ زمین میں اور
وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿٣٨﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى
نہ آسمان میں ۶۶ ساری حمد ہے اللہ کے لئے جس نے مجھے
الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾
بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو بیٹے) دیئے بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا بڑا سننے والا ہے ۶۷
رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا
اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا پابند رکھئے اور میری نسل میں سے بھی (کچھ کو) اے ہمارے پروردگار ۶۸
وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
ہماری دعا قبول کر لے اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کر دے اور میرے والدین کی اور
يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا
ایمان والوں کی جس روز حساب کتاب قائم ہو ۶۹ اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ، جو کچھ
عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ
(یہ) ظالم لوگ کر رہے ہیں ۷۰ انہیں تو بس اس روز تک وہ مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں
فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا
نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی وہ دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اٹھا رکھے ہوں گے ان کی
يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾ وَأَنذِرِ
نظر ان کی طرف واپس نہ آئے گی اور ان کے دل بدحواس ہوں گے ۷۱ اور آپ ڈرایئے

ع ۷ ۱۸

سو اگر یہ دعاء آپؑ نے ان کی زندگی ہی میں کی تھی جب تو آپؑ کی مراد یہی ہوگی کہ انہیں توفیقِ ہدایت دے کر ان کی مغفرت کا سامان کر دیا جائے، اور اگر بعد وفات یہ دعا کی تھی تو یہ دعاء ان کی ایمان کے ساتھ (علمِ الٰہی میں) مشروط ہوگی یعنی اے پروردگار اگر تیرے علم میں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو ان کی مغفرت کر دے۔ اِغۡفِرۡ لِیۡ۔ غفر کے معنی ہیں رحمتِ الٰہی کا ڈھانپ لینا، اور اس کی حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے معصوم کو بھی رہتی ہے اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا اپنے حق میں طلب مغفرت کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ۷۰ (اے مخاطب!) الخطاب لغیر الرسول علیہ السلام (مدارک) ... الظّٰلِمُوۡنَ سے یہاں مراد کافر ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان معاند کافروں کو جو فوراً سزا نہیں مل رہی ہے تو یہ اس لئے ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے۔ اس کا تو احتمال بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح تکوینی سے جزاء وسزا کو ایک وقت مقرر کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ ۷۱ (شدت ہول وہراس سے) سارا منظر یوم حشر کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا ہے۔ تَشۡخَصُ فِیۡهِ الۡاَبۡصَارُ۔ یعنی کافروں کی نگاہیں فرطِ حیرت وہیبت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ مُهۡطِعِیۡنَ۔ یعنی موقف حساب کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ مُقۡنِعِیۡ رُءُوۡسِهِمۡ۔ یعنی فرطِ حیرت سے کسی اور طرف نہ نظر جائے گی نہ خیال۔ لَا یَرۡتَدُّ اِلَیۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ۔ یعنی آنکھ جھپکے گی تک نہیں۔ بس ٹکٹکی بندھ کر رہ جائیگی۔

۵۸ (کہ نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا بلکہ اور اُلٹا کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے) لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ نے انسان کے یہ دو وصف بیان کئے ہیں، اور سورۂ نحل میں اپنے دو وصف ذکر کئے ہیں۔ ان اللہ لغفور رحیم۔ گویا وہ آیت اس آیت کے ٹھیک مقابل ہے اور انسان کی ناانصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفرانِ نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے۔ والمقصود کانہ یقول ان کنت ظلوما فانا غفور وان کنت کفارا فانا رحیم (کبیر) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ نعمت بطور جنس کے ہے اس لئے ترجمہ صیغۂ جمع سے کیا گیا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے احسان سے تو اہلِ نار تک خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہرحال اس سے بھی سخت تر سزا پر قادر تھا ——— اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ لَا تُحْصُوْهَا۔ احاطہ میں نہ لے پاؤ گے کہ وہ تو ہیں ہی بے پایاں ——— انسان کہاں سے اتنی فرصت اور اتنی ہمت لائیگا! الْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں مُراد ہر فردِ انسانی نہیں بلکہ جنسِ انسانی ہے عام اس سے کہ اس ظلم اور کفران کا تحقق چند میں پایا جائے یا زائد میں۔ والمراد من الانسان ھھنا الجنس یعنی ان عادۃ ھذا الجنس ھو ھذا (کبیر)

تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ

اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے بیشک انسان بڑا ہی ناانصاف

لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ

ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے ۵۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار

ع ۱۷

هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵

اس شہر (مکہ) کو امن (والا) بنا دے اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتیوں کو پوجا کریں ۵۹

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ

اے میرے پروردگار ان (مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے ۶۰ سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا

فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۶

وہ تو میرا ہی ہے ۶۱ اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۶۲

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ

معظم گھر کے قریب ۶۳ (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں ۶۴ سو

اَفْـــِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۳۷ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ

پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں ۶۵ اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں

۵۹ (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا ہے) آیت میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ حضرات انبیاء تک امکان کفر و شرک سے ماورا نہیں ہو جاتے بلکہ برابر اس سے ڈرتے ہی رہتے ہیں، کہنا چاہیئے کہ اسی خوفِ لغزش ہی نے تو انہیں معصوم رکھا ہے تو بھلا ہم دنیاداروں کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس اور شیطان کی کمند میں پھنسے ہوتے ہیں۔ هٰذَا الْبَلَدَ۔ یعنی شہر مکہ۔ اٰمِنًا۔ یعنی اسے حرم مقرر کر دے جس کے رہنے بسنے والے مستحقِ امن ہوتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ۔ یہ وقت وہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ شہر مکہ میں خانۂ کعبہ کے قریب حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لا کر چھوڑ گئے ہیں۔

۶۰ یعنی یہ بُت ان کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بن گئے ہیں، یہ مراد نہیں کہ ان بیجان مورتیوں نے عمداً اور قصداً کسی کو گمراہ کیا ہے۔ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ۔ اس میں دنیا میں بُت پرستوں کی کثرت تعداد کی جانب اشارہ ہے جو مشاہد ہے۔

۶۱ (اور اس کے لئے تیرا وعدۂ مغفرت موجود ہی ہے) **۶۲** (تو تیرے لئے کیا مشکل ہے کہ تو اب انہیں ہدایت دے کر ان کی مغفرت و رحمت کا سامان کر دے) وَمَنْ عَصَانِيْ یعنی جو لوگ دینِ حق کے پیرو نہ بنے،

۶۳ یعنی خانۂ کعبہ سے متصل، کعبہ اگرچہ اُس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اسکی جگہ تو خوب جانی پہچانی ہوئی اور نگاہوں میں محترم و متبرک تھی۔ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ ذریت سے مُراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کا سلسلۂ اولاد ہے۔ من تبعیضیہ ہے یعنی اپنی اولاد میں سے کچھ۔ من بمعنی بعض اے اسکنت بعض ذریتی (روح) لے بعض ذریتی اور ذریۃ من ذریتی (بیضاوی) غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔ شہر مکہ جو ملکِ عرب کے صوبہ حجاز میں بحر احمر سے ۴۸ میل پر سمت مشرق میں واقع ہے اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور ہے اور زمین کے کہیں تو پتھریلی اور کہیں ریتلی ہونے کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس وقت تک بھی ناقابل کاشت ہے ——— اور اگر کہیں آئندہ مصنوعی ذرائع و تدابیر سے اسے کسی حد تک قابلِ کاشت بنا لیا جائے تو یہ اس قرآنی بیان کے ذرا بھی منافی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں، انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ بعض فقہاء نے یہاں تصریح کر دی ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک میں لا کر اپنے بیوی بچوں کو ڈال دینا اور اس امر کو اسوۂ ابراہیمی کا اتباع سمجھنا اب جائز نہیں۔ لا یجوز لاحد ان یتعلق بہ فی طرح عیالہ وولدہ بارض مضیعۃ اتکالا علی العزیز الرحیم واقتداء بفعل ابراہیم (جصاص)

۶۴ (اور نماز کے تحت میں یہاں طواف وغیرہ کل عبادات داخل ہیں) حضرت ابراہیمؑ کا مقصود گزارش یہ ہے کہ یہ آبادی خداپرستی کے لئے ہے اور کعبہ خداپرستوں کا مقام ہے۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں حضرت اسماعیلؑ کو کعبہ کے گرد بسانے کی غرض خدمتِ کعبہ بتا کر یہود و نصاریٰ کے اس خیال کی تردید کر دی کہ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت اسماعیلؑ کو وہاں وادیٔ مکہ میں چھوڑنا محض حضرت سارہؑ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔ لیقیموا کے ل کا نحوی تعلق اسکنت سے ہے یعنی میں نے اپنی اولاد کی تو آبادی جو یہاں قائم کی ہے اس کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام رکھا جائے۔ اللام متعلقۃ باسکنت اے ما اسکنتھم بھذا الوادی البلقع الا لیقیموا الصلوٰۃ (مدارک)

۶۵ (اور تیری ہی عبادت میں لگے رہیں) فَاجْعَلْ ..... اِلَيْهِمْ۔ ابراہیم خلیلؑ عرض کر رہے ہیں کہ اے پروردگار میں نے جو اپنی اولاد کو یہاں لا بسایا ہے تو اوّل تو اس سرزمین میں کوئی مادی کشش ہی نہیں کوئی یہاں آنے کیوں لگا، تو ہی اپنی قدرت سے خلقت کے دل میں یہاں کی حاضری کی تمنا و آرزو ڈال دے کہ خود بخود کھنچے ہوئے چلے آئیں، اور پھر اس خشک اور بے آب و گیاہ سرزمین میں پھل پھلاری کہاں، تو انہیں اپنی قدرت سے یہ بھی نصیب کر دے! ——— یہ دُعا ابراہیمیؑ پوری ہوئی اور کس معجزانہ حد تک پوری ہوئی اس کا کچھ اندازہ سفرِ حج کے بعد ہی ہو سکتا ہے، وہ ہزارہا اور لاکھوں انسانوں کا چین سے اور روس سے، جاپان سے اور جاوا سے مصر سے اور ایران سے، افغانستان سے اور ہندوستان سے پاکستان سے اور شام سے مراقش سے اور برما سے اس وادیٔ غیرِ ذی زرع میں جمع ہو جانا اگر افئدۃ من الناس تھوی الیھم کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مکہ کی منڈیوں کا اور منیٰ کے بازاروں کا تر و تازہ سیب و انار و انگور اور سنترے اور ہر ہر طرح کے شاداب میووں اور رسیلے پھلوں سے پٹے پڑے رہنا اگر وارزقھم من الثمرٰت کا حیرت انگیز عملی ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟ اَفْـــِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ۔ تقدیر کلام یوں ہے افئدۃ من افئدۃ الناس مِنَ النَّاسِ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من للتبعیض (مدارک) فاجعل افئدۃ الخ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مال و جاہ کا بقدرِ ضرورت اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں خصوصاً جبکہ اعانت علی الدین کے لئے ہو جیسا کہ لیقیموا الصلوٰۃ اور لعلھم یشکرون سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۵۳ دنیا کو مشیتِ حق نے دارالعمل بنا رکھا ہے، دار الجزاء بنایا ہی نہیں، اس لیے کسی سخت سے سخت کافر کو بھی دنیا میں سزا ملنا ہرگز ضروری نہیں، جَعَلُوْا ۔ جعل کے معنی یہاں ٹھیرا لینے قرار دے لینے سمجھ لینے
کے ہیں ۔ والمراد من هذا الجعل الحکم والاعتقاد کبیر جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔ شرک کی مختلف صورتیں اور عجیب عجیب قسمیں مسلمانوں، موحدوں کے خیال میں بھی آنی مشکل ہیں —— ایک شرک
ستارہ پرستی کا ہے کہ زحل، مشتری، زہرہ وغیرہ مستقل دیویاں ہیں، ایک شرک آفتاب پرستی و ماہتاب پرستی کا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب بھی بڑے بڑے دیوتا اور اس نظامِ کائنات میں دخیل و متصرف ہیں، ایک شرک اوتار
پرستی کا ہے کہ خدا فلاں انسان یا فلاں حیوان کا قالب اختیار کر کے اس دنیا میں آگیا اور اتنی مدت تک زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہا ۔ لِیُضِلُّوْا ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس ساختہ ٹھیرا لینے کا لازمی
نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ یہ خود اور دوسرے راہِ حق سے بھٹک کر رہیں ۔
اللام لام العاقبة لان عبادتها لا وثان سبب یؤدی الی الضلال کبیر

عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰
اُس کی راہ سے (اپنے کو اور دوسروں کو) گمراہ کریں، آپ کہہ دیجیے چندے عیش کر لو پھر تمہارا (آخری) انجام تو دوزخ ہی ہے
قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا
آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجیے جو ایمان رکھتے ہیں کہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ
دیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ خرچ کرتے رہیں بیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں
يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی (ہی) ۵۴ اللہ وہی ہے جس نے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں سے پانی اتارا
فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
پھر اس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بطور رزق پیدا کئے اور تمہارے (نفع کے) لئے
الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝۳۲
کشتی کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا تاکہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے (نفع کے) لئے دریاؤں کو (بھی قدرت کا)
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
مسخر کر دیا ۵۵ اور تمہارے (نفع کے) لئے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا جو دوام رکھنے والے ہیں اور
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝۳۳ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ
تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا ۵۶ اور تم کو ہر اُس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی ۵۷ اور اگر تم

۵۴ (بلکہ خالص اور کامل انصاف ہی کا سکہ چلے گا) لِعِبَادِيَ ۔ عبادی میں مومن بندوں کی اضافت حق تعالیٰ کا اپنی ذات پاک کی طرف کرنا ان کے غایت اکرام و شرف کے لئے ہے ۔
خصھم بالاضافة تنویھا لھم (بیضاوی) وَيُنْفِقُوْا ۔ یعنی نیک اور مطابق شریعت کاموں میں خرچ کرتے رہیں —— حکم انفاق قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ظاہر ہے کہ مراد مطلق خرچ کرنا نہیں، بلکہ امورِ خیر میں خرچ کرنا ہے، مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۔ رزق کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کر کے اُوپر بھی اشارہ کر دیا کہ رزق حلال ہونی چاہیئے، حرام کمائی کا گزر ہی نہ ہو ۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ۔ پوشیدہ و علانیہ جہاں جیسی بھی مصلحتِ شرعی نظر آئے ۔
لَا بَيْعٌ فِيْهِ ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس وقت کچھ قیمت دے دلا کر نجات حاصل کی جا سکے —— بعض جاہلی عقاید پر ضرب ۔
وَلَا خِلٰلٌ ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کی دوستی اور مروت اور رو رعایت سے کام نکل جائے —— یہود وغیرہ کا عقیدہ تھا کہ پیمبروں اور مقبولانِ الٰہی کی عزیزداری کام آجائے گی، جس دوستی اور تعلق سے نفع کی نفی مطلق بیان کی گئی ہے وہ وہ دوستی اور تعلق ہے جو بغیر ایمان کے ہو، ۵۵ آیت نے شرک کی بہت سی قسموں کی جڑ کاٹ دی، زمین و آسمان کوئی دیوی دیوتا نہیں، سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں آسمان سے پانی اور کوئی نہیں برساتا، ہوا اور بارش کا کوئی دیوتا نہیں یہ سب وہی کرتا ہے ۔ پھر زمین سے طرح طرح کے پھل اور میوے اگانا بھی تمامتر اُسی کا کام ہے، زراعت، باغبانی وغیرہ کے لئے کوئی الگ دیوی دیوتا نہیں، علیٰ ہذا سمندر اور دریاؤں کو پیدا کرنا اور انہیں انسانی ضروریات کے لئے مسخر کر دینا بھی سو فیصدی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ۔
رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ ۔ یہ سب اسی حقیقت کو واضح اور مؤکد کر رہے ہیں، کہ اس کارخانۂ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب
انسان ہی کی خدمت کے لئے ہے نہ یہ کہ اُلٹا انسان، زمین، آسمان، شجر و حجر، دریا، سمندر کی پرستش شروع کر دے —— اور یہی معنی ہیں انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کے ۔ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ ۔ تاکہ
یہ جہاز اور کشتیاں سمندر میں چلیں اور تم ان کے ذریعہ سے تجارت، سفر وغیرہ کے نفع حاصل کرو ۔ اسلام مسلمانوں کو راہب، بادیہ نشین نہیں بنا دینا چاہتا، بحری تاجر بنانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن ملحد و خدا فراموش نہیں، بلکہ مومن و
مسلم بحری تاجر ۔ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۔ یعنی تاکہ تم دریاؤں کے پانی کو اپنی ہر انفرادی و اجتماعی تمدنی ضرورت کے کام میں لاؤ، کشتیاں چلاؤ، آبپاشی کرو، ان سے نہریں کاٹو، پن چکیاں چلاؤ، بجلی پیدا کرو، وقس علیٰ ہذا ۔
غرض اپنی جائز تمدنی ترقی کے کام میں لاؤ، بس شرط صرف اتنی ہے کہ خود مسلمان اور صاحبِ ایمان بنے رہو ۔ ۵۶ (کہ اس سارے عظیم الشان اور حیرت انگیز طور پر وسیع کارخانۂ قدرت سے اپنے لئے ہر جائز شخصی اور تمدنی
نفع حاصل کرتے رہو) الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۔ آفتاب اور ماہتاب اور رات اور دن تو سب خلیفۃ اللہ بشر کی خدمت کے لئے ہیں، پھر یہ کیسا شدید جاہلانہ ظلم ہے کہ اُلٹا انہی کو معبود سمجھ لیا جائے !!
دَآئِبَيْنِ ۔ یعنی اپنی عادتِ جاریہ پر ثبات و دوام رکھنے والے اپنی روشنی و اپنی گرمی، اپنی شرحِ رفتار اور اپنی دوسری طبعی خصوصیات سے ہمیشہ فائدہ پہنچاتے رہنے والے ۔ معنی الدؤب فی اللغة مرور الشیء
فی العمل علی عادة مطردة کبیر الدَّأْبُ والدؤوب مثنی حثیث واغب یقال للمعرف داب نحوما یدل مان فی سیرهما وافادتهما وتاثیرهما کبیر ۵۷ (اور اس کا دینا بھی تمہارے حق میں قرینِ مصلحت ہوا)
مِنْ كُلِّ ۔ یعنی تمہاری ہر طلب کی ہوئی شے میں سے تمہیں کچھ دیا ۔

۴۵ف کلمۂ توحید کی شاخیں وہ اعمالِ حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہِ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں ——— کلمۂ حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ فِي السَّمَآءِ۔ سے مُراد صرف بلندی کی سمت ہے ~~ای فی جھۃ العلو (روح) ومن فی السمآء ای جھۃ العلو (بحر)~~ كَلِمَةً طَيِّبَةً۔ یعنی کلمۂ ایمان و توحید۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے۔ کلمۂ توحید و ایمان کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے یعنی عقیدۂ صحیح جو قلبِ مومن میں راسخ رہتا ہے۔ ۴۶ف (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع نہیں جاتا) ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائماً مرتب ہوتا رہتا ہے۔ اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں۔ اسی سے ملتی ہوئی ایک تمثیل عہد نامۂ عتیق میں بھی ملتی ہے :-

"مُبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا ..... سو وہ اس درخت کے مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے اور اپنے وقت پر پھل لائے جس کے پتے مُرجھاتے نہیں اور اپنے ہر ایک کام میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ شریر ایسے نہیں بلکہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے"۔ (زبور ۱ : ۱-۴)

۴۷ف (معنی و مقصود کو اور پھر اسی پر عمل کرتے رہیں) تمثیلات کی غرض و غایت بھی توضیحِ مطالب و مقاصد ہے۔ ۴۸ف (زمین میں) تو ظاہر ہے کہ جب اُس کی جڑ ہی جمی ہوئی نہیں، تو اُس کی شاخیں کہاں سے بلند ہوں گی اور اُس میں پھل کہاں سے آئینگے؟ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ۔ یعنی کلمۂ کفر و شرک۔ اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ۔ راہِ ایمان و توحید کے سوا جتنی بھی راہیں ہیں، خواہ انھیں مذہب کا لقب دیا جائے یا فلسفہ کہہ کر پکارا جائے یا اور کوئی شاندار نام رکھ دیا جائے بہرحال وہ سب بالکل سطحی ہوں گی۔ عمق اُن میں نام کو نہ ہوگا ——— ایسا درخت جسے زمین کے اُوپر ہی اُوپر اکھاڑ لیا جائے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ غیر اسلامی جتنے فلسفے، جتنے نظریے، جتنے مذاہب ہیں، وہ عقلاً ہی کب ثابت ہیں؟ ——— قرآنی فقرہ سے مقصود اُن کی بے حقیقتی کی تاکید ہے۔ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ۔ مزہ کے لحاظ سے گندہ، رنگ کے لحاظ سے گندہ، بُو کے لحاظ سے گندہ، طبعِ سلیم ہرگز اُس کی طالب نہ ہو۔ ۴۹ف یعنی دنیا کے ہر امتحان میں بھی اور آخرت کے امتحان میں بھی ——— اسی دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ یہی ایمان ہی کی صراطِ مستقیم ایسی ہے جو اُسے ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھلاتی رہتی ہے اور پھر برزخ اور محشر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہولناک منظر کے وقت بھی آڑے آنے والی چیز یہی کلمۂ توحید و ایمان ہے ——— نجات کی راہ دنیا اور آخرت دونوں میں بجز دینِ توحید کے اور کوئی نہیں۔ ۵۰ف (دنیا و آخرت دونوں میں) بے دین حقیقی چین اور آرام سے دنیا میں بھی محروم رہتا ہے اور آخرت میں اُس کی حرماں نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی راہِ توحید و ایمان کو چھوڑ کر جاہلی اور مشرکانہ نظریوں اور فلسفوں کو ماننے والے اور ان پر چلنے والے، ~~والمراد بھم الکفرۃ~~ (روح) ۵۱ف (اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق) نہ اس کی مشیت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی حاکم، نہ اس کی راہ میں کوئی حائل یا مانع ——— مشرک قومیں وجودِ باری کی قائل ہونے کے باوجود ارادۂ الٰہی کو بھی کسی نہ کسی چیز سے مغلوب و محدود سمجھتی رہی ہیں، قرآن مجید ان تمام باطل عقیدوں پر ضرب بار بار لگاتا ہے۔ ۵۲ف یہ ذکر سردارانِ کفر و پیشوایانِ ضلالت کا ہو رہا ہے چھوٹے چھوٹے مذہبوں کے بابوں کا اور فلسفوں کے بابوں کا اور اہلِ باطل کے رئیسانِ نامدار کا، بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا یعنی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ شکر مزید ادا کرتے اور اُلٹے ناشکری اور کوششِ ابطالِ حق میں مصروف ہو گئے، نعمۃ اللہ میں نعمۃ بطور اسم جنس کے ہے ایک مفرد نعمت مراد نہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں۔ بِئْسَ الْقَرَارُ۔ قرار کے لفظ سے یہ بھی نکل آیا کہ جہنم میں یہ داخلہ بطور گزرگاہ کے نہ ہوگا بلکہ قیام و دوام کے لئے ہوگا۔ ~~(المتفق الکبیر)~~

ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ

مضبوط ہے اور اس کی شاخیں خوب اونچائی میں جا رہی ہیں ۴۵ف، وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے

رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

حکم سے دیتا رہتا ہے ۴۶ف اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ

خوب سمجھ لیں ۴۷ف اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ درخت ہو کہ

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

وہ زمین کے اُوپر ہی اُوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اُسے کچھ بھی ثبات نہ ہو ۴۸ف

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ

اللہ ایمان والوں کو اُس پکی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے دنیوی زندگی

الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ

میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) ۴۹ف اور ظالموں کو بچلائے رکھتا ہے ۵۰ف اور اللہ

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ

جو چاہتا ہے کرتا ہے ۵۱ف کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے

اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ

معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں لا اُتارا جس میں وہ داخل

يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا

ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے ۵۲ف اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے تھے تاکہ

ع ۲ / ۱۶

قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ

ہو چکیگا شیطان کہیگا ۴۰ کہ اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا)، اور میں نے بھی تم سے

فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا

وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ۴۱ اور میرا تم پر کچھ زور تو تھا نہیں البتہ میں نے

أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا

تمہیں بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا سو تم ملامت مجھ پر نہ کرو ملامت

أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي

اپنے آپ کو کرو ۴۲ (آج) نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ تم میرے فریاد رس ۴۳ میں خود

كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ

بیزار ہوں اس سے کہ تم اس کے قبل مجھے شریک (خدائی) قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے حق میں

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

دردناک عذاب ہے ۴۳ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، اُن میں وہ اپنے پروردگار

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ

کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اُس کے اندر اُن کی دعا (آپس میں) اسلام ہوگی ۴۴ کیا آپ نے نہیں دیکھا

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا

کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمۂ طیبہ کی بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جسکی جڑ (خوب)

۳۹ (اہل دوزخ سے اُن کے گلے شکووں کے جواب میں) قُضِيَ الْأَمْرُ۔ فیصلہ سے مُراد یہ کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے۔ ۴۰ اللہ کا وعدہ یہ کہ ایک روز جزا و سزا کا آنے والا ہے۔ اہل ایمان کو اُس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت ——— دُنیا میں اس عقیدہ پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی کے صدق کا ظہور ہوگا۔ شیطان کا وعدہ یہ کہ کفر پر ایمان کو کوئی ترجیح نہیں اور کوئی جزا و سزا آخرت میں نہیں ہونا ہے ——— دنیا میں اس عقیدہ کے ابطال پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی ابطال کا ظہور ہوگا۔

۴۱ (کہ عذاب کا اصل باعث خود تمہارا ہی فعل ہُوا ہے۔ میرا اس میں کیا دخل) مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ۔ میرا تم پر کچھ زور اور دباؤ تو تھا نہیں کہ میں تمہیں مجبور کر دیتا۔ یہ عقیدۂ اسلام میں بالکل صاف ہے کہ شیطان کو کسی کو گمراہی پر مجبور کرنے کی قوت بالکل نہیں دی گئی ہے۔ باقی دوسرے جنات وغیرہ کی طرح جو دوسری قوتیں انسان کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی دی گئی ہیں۔ اُن سے یہاں کوئی تعرض نہیں۔ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ یعنی میں نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں سبز باغ دکھا کر اپنی راہ کی طرف بُلایا، ترغیب و تشویق پیدا کی اور تم نے اپنے ارادہ و اختیار سے بہ سلامتی حواس وصحت عقل، میری دعوت کو قبول کر لیا، تو اصلی ذمہ دار تم ہوئے نہ کہ میں۔ یہاں سے یہ حقیقت صاف ہوگئی ہے کہ ہر کفر و معصیت کی اصلی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ شیطان کی حیثیت محض شریکِ جُرم یا معینِ جرُم کی ہے۔ فَلَا تَلُومُونِي۔ مجھے ذمہ دار کیسے ٹھیرا رہے ہو کہ میرا فعل تو درحقیقت صرف ایک سبب بعید و غیر مستلزم تھا۔ ۴۲ آخرت میں کفار و مشرکین الگ رہے۔ شیطان تک کو اپنی اور ہر مخلوق کے عجز کامل اور بے بسی کا انکشاف کامل ہو جائے گا۔ ۴۳ سو تم اپنے کئے ہوئے ظلم بھگتو اور میں اپنے کئے ہوئے بھگتونگا۔ مجھ سے کسی قسم کی اُمید نہ رکھو) إِنِّي .... مِنْ قَبْلُ۔ میں تو خود تمہارے طریق کو غلط سمجھ رہا اور اس سے بَری و بیزار ہوں۔ أَشْرَكْتُمُونِ۔ شیطان کی ہر امر میں اطاعت کئے جانا ہی عملاً اُس کو شریک خدائی بنا لینا ہے۔ ۴۴ یعنی اہلِ جنت جب آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا فرشتے انہیں سلام کریں گے تو سلامتی ہی کی دُعا سے ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔

عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

لے جائے ۳۲ انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا جو کچھ انہوں نے کیا دھرا تھا (اس سے)

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۱۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

بڑے دُور دراز کی گمراہی یہی تو ہے ۳۳ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے ۳۴ وہ اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۱۹ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى

تم سب کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ۳۵ اور یہ اللہ کو (کچھ بھی)

اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۲۰ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

مشکل نہیں اور اللہ کے سامنے سب (ہی) پیش ہونگے ۳۶ پھر کمزور لوگ اُن سے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

کہیں گے جنہوں نے بڑائی کی تھی کہ ہم تو تمہارے تابع تھے ۳۷ سو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ

اللہ کے عذاب کا کچھ جزو ہٹا سکتے ہو؟ ۳۸ تو وہ کہیں گے

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ

اگر اللہ نے ہم ہی کو راہ (بچنے کی) بتائی ہوتی تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے (اور اب تو) ہم دونوں کے لئے

ع ۳ ۱۵ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۲۱ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا

برابر ہے خواہ ہم چیخیں چلائیں خواہ ہم صبر کریں (بہرحال) ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں، اور جب (سب) فیصلہ

۳۲ محرومی اور بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے کہ اپنے جن اعمال پر انسان کو بھروسہ اور ناز ہو، عین وقت پر وہی بالکل ہیچ اور ناکارہ نکلیں۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ۔ یعنی نفع اور اثر کے قسم سے انہیں کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ ۳۳ یعنی یونہی اور بے مقصد نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانۂ کائنات ایک غرض صحیح اور مقصد متعین کے ساتھ مخصوص منافع و مصالح کو لئے ہوئے برپا کیا گیا ہے۔ بہت سی مشرک قوموں کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ کائنات کا وجود خالق کی محض شوقیہ تفریح کا نتیجہ ہے۔ یہ اُس کا رد ہو رہا ہے۔ اَلَمْ تَرَ یعنی اے مخاطب تُو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔

۳۴ (تم سے بہتر طور پر اس مقصد کو پُورا کرنے والی) ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ عالم فناپذیر اور قائم بالغیر ہے۔ ۳۵ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کی پیشی وہاں نہ ہو، اور کوئی ایسا نہیں کہ بجائے اللہ کے پیشی اُس کے سامنے ہو۔

۳۶ (چنانچہ ہم تمہاری ہی پیروی میں گمراہ ہوئے) قَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں عوام و اصاغر سمجھے جاتے تھے وہ قیامت میں اسی دنیا کے خواص و اکابر سے یوں گفتگو کریں گے۔

۳۷ (کہ شدید ترین مصیبت کے وقت اس کا کسی قدر ہلکا ہو جانا بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی کُل عذاب تو بہرحال نہیں ہٹ سکتا، اس کا کچھ بھی جزو ہٹ جائے تو ہم اسی کو غنیمت سمجھیں۔ وہ جو دنیا میں خواص و اکابر سمجھے جاتے تھے وہ تمامتر اپنی بےبسی اور بےکسی کا اعتراف کریں گے۔ ۳۸ یہ سب دنیا کے خواص و اکابر جہنم میں یہاں کے عوام اصاغر سے ان کے گلے شکووں اور طعن و تشنیع کے جواب میں کہیں گے۔

اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ

یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ ۲۵ پھر ان (رسولوں) پر اُن کے پروردگار نے وحی نازل فرمائی

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ

کہ ہم ضرور (ان) ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے ۲۶ اور اُن کے بعد تم کو زمین پر آباد

بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾

کر دیں گے یہ (وعدہ) ہر اُس شخص کے لئے ہے جو میرے رُوبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۙ﴿۱۵﴾ مِّنْ

میری وعید سے ڈر رکھے ۲۷ اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا ۲۸ اُس کے

وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۙ﴿۱۶﴾

آگے دوزخ ہے اور اُسے پیپ لہو پانی پلایا جائے گا ۲۹

یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَ یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ

اُسے گھونٹ گھونٹ پئے گا جیسے وہ حلق سے نہ اُترے گا ۳۰ اور ہر طرف سے اُس پر موت آئیگی

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآىٕهٖ

اور وہ (کسی طرح) مر نہ چکے گا اور اُسے ایک (اور)

عَذَابٌ غَلِیْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

عذاب سخت کا سامنا کرنا ہوگا ۳۰ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے رہتے ہیں

اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ

اُن کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے ۳۱ اُڑا

۲۵ حضرات انبیاء کی گفتگو سے بجائے اس کے کہ منکروں کے دل کچھ نرم پڑتے۔ اُلٹے انہوں نے یہ معاندانہ قہر شروع کر دی۔ لَتَعُوْدُنَّ۔ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پیمبر بھی کبھی کفر و شرک میں مبتلا رہ چکے ہوتے ہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ قبل بعثت حضرات انبیاء جو حکومت اور مذہب رائج سے بے تعلقی رکھتے تھے اُس کی تاویل بھی اہل کفر یہی کر لیا کرتے تھے کہ یہ بہرحال ہیں ہمارے ہی مذہب پر۔ اور عَوْد کے معنی اگر بجائے پلٹ آنے یا واپس آنے کے محض آجانے کے لئے جائیں جیسا کہ لغت عرب میں ہیں تو کوئی سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور متعدد ائمۂ تفسیر ولغت اسی طرف گئے ہیں۔ العود بمعنی الصیرورة وهو کثیر فی کلام العرب کثرة فاشیة (کشاف) وقد تستعمل بمعنی صار فلا تستدعی الرجوع الی حالة سابقة (بحر البحار) والمراد من العود الصیرورة وانتقال من حال الی اخری وهو کثیر الاستعمال بهذا المعنی (سمع)

۲۶ (تو یہ بے چارے تمہیں کیا نکال سکیں گے) قوم کی قوم جب مخالفت پر تُل جائے اور اُس کے پاس سامان قوت و اقتدار بھی ہر طرح کا موجود ہو تو اس کی دھمکیوں سے کسی حد تک متاثر ہونا ایک امر طبعی ہے۔ پیمبروں کو ایسے ہی موقع پر وحی الٰہی سے تسکین دی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی اتنی کیا مجال ہے، یہ تو خود عذاب سے ہلاک ہونے والے ہیں۔ ۲۷ ابھی ابھی فتح و نصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمہارے مخالفین تمہارے سامنے نیست و نابود کئے جائیں گے اور سرفرازی و سربلندی تو تم کو نصیب ہوگی۔ معاً بعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کر کے اُسے ہر مومن کے لئے عام کر دیا جاتا ہے۔ اور مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور اللہ کی وعیدوں کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہو۔ ۲۸ یعنی اس عملی فیصلہ کے وقت عذاب سے ہلاک ہو کر رہا)۔ وَاسْتَفْتَحُوْا۔ کا فاعل کون ہے؟ یعنی فیصلہ کس نے چاہا؟ اکثر کی رائے ہے کہ یہ فیصلہ کا مطالبہ کرنے والے کافر تھے ای استنصروا بمعنی الاصوام مالم علیهم قاله ابن عباس ومقاتل الضمیر للکفار (روح عن ابن زید) ضمیر بجائے کفار کے حضرات انبیاء کی طرف بھی جا سکتی ہے۔ والضمیر للانبیاء علیهم السلام (بیضاوی)

۲۹ (شدت حرارت یا غایت کراہت سے) مِنْ وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ۔ وراء لغات اضداد میں سے ہے۔ اور اس کے معنی جس طرح "پیچھے" کے ہیں، "آگے" کے بھی آتے ہیں۔ ائمۂ لغت سے یوں ہی منقول ہے۔ قال ابو عبیدة وابن السکیت الوراء من الاضداد یقع علی الخلف والقدام …… یقال لمن خلفه وبقال لمن قدامه …… ۳۰ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوزخی کے لئے بس یہی ایک عذاب ہوگا۔ سلسلۂ عذاب تو بے نہایت ہے۔ برابر اُس میں اضافہ و ترقی ہی ہوتی جائے گی۔ وَمَا هُوَ بِمَیِّتٍ۔ اور وہ کسی طرح مر نہ چکے گا، بلکہ اسی طرح پڑا سسکتا رہے گا۔ عذابِ دوزخ کی شدت اور ہولناکی کا جو منظر حق تعالیٰ نے خود کھینچ دیا ہے کسی شارح یا مفسر کی قدرت میں ہے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکے۔ اللھم احفظنا ۳۱ (اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ جائے) مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ مثال کافروں کے ان اعمال کی جو بظاہر اعمال حسنہ ہیں، انکی بے اثری ولا حاصلی کے لحاظ سے دی جا رہی ہے۔

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا
تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو ١٨ تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ١٠
جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں اُس سے ہم کو روک دو، سو لاؤ ہمارے پاس کھلا ہوا معجزہ ١٩

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ
اُن سے اُن کے پیمبروں نے کہا بیشک ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن

لَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا
اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمادے ٢٠ اور یہ

كَانَ لَنَا أَنْ نَّأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ
ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ بجز حکم الٰہی کے لے آئیں ٢١ اور

عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ١١ وَمَا لَنَا أَلَّا
ایمان والوں کو تو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ٢٢ اور ہم اللہ پر بھروسہ

نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ
کیسے نہ رکھیں درآنحالیکہ اُس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیئے ٢٣ اور تم نے جو ہمیں

ع ٢ / ١٤ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ١٢
ایذا پہنچائی اس پر ہم صبر ہی کریں گے، اور بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ٢٤

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ
اور کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال کر رہیں گے

ف ١٨ (اور بشر کسی فوق البشر روحانی مرتبہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟) مشرک اور مشرک مزاج قوموں کا یہ وصف ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا مسئلہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود تو خیر ایک بات ہے۔ اوتار یعنی خدا کا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں تجسّم یہ بھی ہماری سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ کہ انسان انسان بھی رہے، انسانوں ہی کی طرح رہے سہے، چلے پھرے، سوئے جاگے، اور پھر دعویٰ کرے کہ میرا تعلق خصوصی خالقِ کائنات سے جڑا ہوا ہے۔ میں اُس کی مرضیات کا علم رکھتا ہوں اور دوسروں کو وہی راہ بتاتا ہوں یہ چیز ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے! آہ! کہ آج مسلمان بھی کس کثرت اور شدت سے اسی مرض میں مبتلا ہے۔ سیّد الانبیاء تو خیر بڑی چیز ہیں اُن کے ایک ایک خادم و چاکر کو جس سے بھی عقیدت پیدا ہو جائے، اسے فوق البشر بنائے بغیر "دیوتا" کے مرتبہ پر پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ف ١٩ (جس کے بعد انکار و تردد کی گنجایش ہی نہ رہے) معجزہ کوئی نہ کوئی تو ہر پیمبر کے پاس ہوتا ہی تھا، یہ احمق معاندین جب دلیل میں مغلوب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ اچھا کوئی ایسا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس میں چون وچرا کی گنجایش ہی سرے سے نہ رہ جائے!—— احمق اتنا بھی نہ سوچتے کہ یہ صورت تو جبر و اضطرار کی ہوگئی اور جب انسان ایمان پر مضطر و مجبور ہو گیا تو اس ایمان کے کوئی معنی ہی نہیں اور نہ ایسا ایمان سرے سے مطلوب ہی ہے۔ تُرِيدُونَ ..... آبَاؤُنَا۔ کفر و انکار کے سلاح خانہ میں ایک بڑا مؤثر و قوی حربہ یہی ہے جب گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ یہ پیمبر وغیرہ (نعوذ باللہ) ایک ڈھکوسلا ہے۔ تمہارا اصل مقصود بس یہی ہے کہ ہمارے آبائی دین و آئین میں رخنہ ڈال دو اور ہمیں ہمارے بزرگوں سے چھڑا دو! ف ٢٠ اور بندوں پر اس کا عظیم ترین ممکن احسان یہی منصب رسالت سے سرفرازی ہے) منکروں کے استدلال کا ایک مقدمہ (صغریٰ) تو تمامتر صحیح تھا، یعنی پیمبر بھی محض بشر ہی ہوتے ہیں لیکن جب اس پر مقدمہ اوّل (کبریٰ) ان پر لگا کر کہ جو بشر ہے وہ رسُول نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ نکالنا چاہتے تھے کہ "اس لئے" "تم رسُول ہو ہی نہیں سکتے"، تو اُن کا استدلال تمامتر فاسد ہو جاتا تھا۔ اس لئے کہ اُن کا یہ مفروضہ کہ بشر رسُول نہیں ہو سکتا، خود تمامتر باطل تھا۔ حضرات انبیا کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "ہم کب اپنی بشریت کے منکر ہیں یقیناً ہم بشر ہی ہیں لیکن بشریت ہی کے سب سے اعلیٰ، اشرف، اکمل و افضل مرتبہ کا نام نبوت و رسالت ہے اور یہ اُنھی کو عطا ہوتا ہے جن کو حق تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نواز دے"! بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یہ مثلیت جو حضرات انبیاء اور کافروں، منکروں کے درمیان ثابت ہے اصل انسانیت اور عجز عبودیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ مراتب فضل اور اعمال کے اعتبار سے۔ ف ٢١ یہ حضرات انبیاء کے اسی جواب کا تتمہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے معجزہ دکھلانے کے مدعی ہی نہیں، وہ تو سب اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے تو کوئی امر دکھلا دیا جاتا ہے جو تمہیں خارق عادت معلوم ہوتا ہے۔ ف ٢٢ (چہ جائیکہ پیمبر جو مومنین میں افضل و اکمل ہوتے ہیں ان کا تو بھروسہ ہی اللہ پر اسی درجہ و مرتبہ کا ہونا چاہیئے) آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ کا منتہائے کمال و قوت اُس کے اندر عبدیت کا احساس اور توکل و رجوع الی اللہ ہے نہ کہ حصولِ اقتدار یا اس کا احساس۔ ف ٢٣ (تو ایسے شفیق محسن پر تو کامل بھروسہ کرنا اور ضروری ہو گیا) سُبُلَنَا۔ یعنی ہمارے نفع دارین کے راستے۔ ف ٢٤ (نہ کہ کسی اور پر، یا اپنی تدبیروں پر) توکل شریعتِ اسلامی میں ہرگز ترک تدبیر کے مرادف نہیں۔ حضرات انبیاء اور اُن کے اصحاب و رفقاء تدبیر اُمور سے کبھی بھی غافل نہ ہوئے۔ بلکہ اس بات میں نہایت مستعد رہے۔ البتہ مؤثر ان تدبیروں ہی کو کبھی نہ سمجھے۔ بلکہ انجام و تاثیر میں ہمیشہ اللہ ہی کے فضل و کرم کے امیدوار رہے۔ وَلَنَصْبِرَنَّ۔ یہ صبر بھی ایک فرد اُسی توکل علی اللہ کی ہے۔ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا۔ اس ایذا کے تحت میں دماغی، جسمانی ہر قسم اور ہر درجہ کی اذیتیں آگئیں جو مخالفین معاندین کے ہاتھوں حضرات انبیاء کو برابر پہنچتی رہیں +

جَمِيعًا ۙ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ

تو اللہ بالکل بے احتیاج ہے ستودہ صفات ہے ١٢ کیا نہیں اُن لوگوں کی

نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَ

خبر نہیں پہنچی جو تم سے قبل ہو چکے ہیں (یعنی) قوم نوحؑ اور عاد و

ثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ

ثمود اور جو لوگ اُن کے بعد ہوئے ہیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا ہے

إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا

بجز اللہ کے ١٣ ان کے پیمبران کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے مگر انہوں نے

أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا

اپنے ہاتھ اُن کے منہ میں دے دے دیا اور بولے ہم منکر ہیں اُس (حکم) کے جسے

أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ

لے کر تم بھیجے گئے ہو ١٤ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بُلا رہے ہو اس کی طرف سے ہم بڑے شبہ میں ہیں جو ہم کو

مُرِيبٍ ﴿٩﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ

تردد میں ڈالے ہوئے ہے ١٥، اُن کے پیمبر بولے تو کیا (تم کو) شک اللہ کے بارے میں ہے (جو) پیدا کرنیوالا

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ

ہے آسمانوں اور زمین کا ١٦ وہ تمہیں (توحید کی طرف) بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف

مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۚ قَالُوا

کر دے اور تمہیں ایک مدت معین تک حیات دے ١٧ (اس پر وہ) کہنے لگے

مع ٦

الثلثة

١٢ نہ اُسے کسی کی ناشکری سے مطلق ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ اُس کے استکمال بالغیر کا گزر ہے۔ ضمناً ان مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی جن کے دیوتا خود اپنے پجاریوں کے چڑھاوے وغیرہ کے محتاج رہتے ہیں ؎

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں

١٣ بہت سی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جن کا کوئی تفصیلی علم نہ تاریخ کو ہے نہ اُن کے آثار ہی کسی تفصیل کے ساتھ اثریات کی کھدائی کرنے والوں کو ہاتھ لگ سکے ہیں۔ قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود سب پر مفصل حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔

١٤ (اپنے زعم و دعوے کے مطابق) بِالْبَيِّنَاتِ۔ بینات میں دلائل و معجزات دونوں آگئے۔ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ۔ ان کافروں کی شدتِ عناد کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیمبروں کی بات تو کیا مانتے کوشش یہ رہتی تھی کہ انہیں بولنے تک نہ دیا جاتے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفر و انکار کے علاوہ پیمبروں کے ساتھ سوءِ ادب ایک مستقل جرم ہے۔

١٥ (کہ تم کیسی عجیب عجیب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہہ رہے ہو) مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ۔ یعنی عقیدۂ توحید و قانونِ شریعت۔ فِي شَكٍّ۔ کے بعد مُرِيب کا اضافہ تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ یعنی شک ایسا نہیں جو نکل جائے بلکہ شبہات اور زیادہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

١٦ پیمبر یہ سُنکر غایتِ حیرت و استعجاب سے بول اُٹھے۔ ارے تو کیا تمہیں شک و شبہ ایسی کھُلی ہوئی حقیقت کے بارہ میں ہے۔

١٧ (اس دنیا میں خیر و خوبی کے ساتھ۔ مِنْ ذُنُوبِكُمْ۔ یعنی تمہارا پچھلا کفر و انکار اور پھر جتنے گناہ اس سے پیدا ہوتے۔

۵۷ (رحمت وعذاب دونوں کے اہم معاملات جو جزو تاریخ بن چکے ہیں) قَوْمَكَ یعنی قوم بنی اسرائیل کو۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی معاصی سے طاعت کی طرف۔
فقہائے یہاں سے یہ پہلو نکالا ہے، کہ وعظ و تذکیر میں واقعات اثر انگیز و رقت انگیز کا لانا جائز ہے۔ فی ھذا دلیل علی جواز الوعظ المرقق للقلوب المقوی للیقین (ابن العربی) اَیّٰامِ اللّٰهِ یعنی
جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت و اقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں مثلاً وبا و قحط، محکومی و غلامی۔
غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔ عن ابن عباس و الربیع و مقاتل و ابن زید المراد بایام اللہ وقائعہ سبحانہ و نعماؤہ فی الامم الخالیۃ (بح) والذی رجحہ الزمخشری وقائعہ التی وقعت علی الامم قبلھم (کشاف) یعبر بالایام عن الوقائع العظیمۃ التی وقعت فیھا یقال فلان عالم بایام العرب ویرید وقائعھا (کبیر) ایام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ اضافۃ الایام الی اللہ تعالٰی تشریف لامرھا لما افاض اللہ علیھم من نعمہ فیھا (راغب) اَنْ اَخْرِجْ میں ان کے معنی میں ہے اس لئے کہ ارسلنا میں قلنا کے معنی بھی شامل ہیں۔ بمعنی ای اخرج لان الارسال فیہ معنی القول کانہ قیل ارسلنا وقلنا لہ اخرج (کشاف)
۵۸ (صابر کے لئے یہ کہ وہ مصیبت پر صبر کرنا سیکھے اور شاکر کے لئے یوں کہ وہ نعمت پر شکر ادا کرنا سیکھے) فِیْ ذٰلِكَ یعنی اُنہی ایام اللہ میں قوم کے ساتھ اللہ کے اُنہی تاریخی معاملات میں۔ یا ان کی تذکیر میں۔ ای فی التذکیر بایام اللہ تعالٰی او فی الایام (روح)
۵۹ آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ پارۂ اوّل سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں آچکی ہے۔ اور وہیں مفصل حاشیے بھی گزر چکے ہیں۔ ۶۰ (پیمبر کے ذریعہ سے) گفتگو ابھی حضرت موسیٰؑ ہی کی چل رہی ہے۔ ۶۱ (دنیا اور آخرت دونوں میں) لَاَزِیْدَنَّكُمْ۔ زیادتی اور افزونی کس چیز میں ہوگی؟ خود اسی نعمت میں ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی اگر توفیق شکر وغیرہ بھی مُراد لی جائے تو عموم لفظ سے یہ سب بھی بخوبی نکل سکتا ہے۔ بائبل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ۔ شکر کی تعریف امام رازیؒ نے یہ کی ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اس کی تعظیم کی جائے اور طبیعت کو اس طریقہ کا عادی کیا جائے۔ اما الشکر فھو عبارۃ عن الاعتراف بنعمۃ المنعم مع تعظیمہ و توطین النفس علی ھذہ الطریقۃ (کبیر)
بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اُمورِ ناگوارِ طبع پر عمل اور ثبات اور ترک شکایت کا نام صبر ہے اور امورِ موافقِ طبع کی قدر کرنا اور اس پر مدح و ثنا کرنا یہ شکر ہے، اور یہ دونوں حالات رفیع ہیں لیکن ان حجاباتِ لطیف سے بھی گزر کر ہر حال میں نظر اپنے رب رؤف و رحیم پر رکھنا، اُسی کو فاعلِ حقیقی سمجھنا اور حال طاری کی تلخی و شیرینی دونوں سے غیر متاثر رہ کر فعلِ محبوب ہی سے لذت و مسرت حاصل کرتے رہنا اور اُسی کے آگے بہ کمال ادب سر جھکائے رکھنا رضا و تسلیم ہے اور اُس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔

اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۵ وَذَكِّرْهُمْ
قوم کو نکال لاؤ تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور انہیں
بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
اللہ کے معاملات یاد دلاؤ ۵۸ بیشک ان میں بڑی نشانیاں ہیں ہر صابر
شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا
شاکر کے لئے ۵۹ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ اللہ کا انعام
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
اپنے اوپر یاد کرو جب کہ اُس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
تمہیں سخت تکلیف پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ
اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے
رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ع وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ
بڑی آزمائش تھی ۵۹ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں اطلاع دے ۶۰ دی تھی کہ اگر
لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷
شکر کرو گے تو تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے ۶۱
وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اور موسیٰؑ نے کہا کہ اگر تم اور روئے زمین کے سارے لوگ بھی ناشکری کریں

ع ۱۲

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں اُن کے پروردگار کے حکم سے یعنی (خدائے) غالب وستودہ

الْحَمِيْدِ ۙ ١ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

صفات کی راہ کی طرف لہ وہی اللہ کہ اُس کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ٢

ہے ٢ اور بڑی خرابی ہے عذاب شدید سے کافروں کے لئے جو

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ

اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور اُس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں

اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ٣ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

یہ لوگ بڑی دُور کی گمراہی میں پڑے ہیں ٣ اور ہم نے ہر رسُول کو اُس کی

رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ

قوم کی طرف بھیجا اُسی کی زبان میں کہ وہ ان لوگوں پر (احکام و تعلیمات کو) کھول کر بیان کریں ٤ پھر اللہ (ہی)

اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ٥ اور وہی غالب ہے

الْحَكِيْمُ ٤ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ

حکمت والا ہے ٦ اور بالیقین ہم نے مُوسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی

سُورۂ ابراہیمؑ :- ١ یعنی اس کتابِ مقدس کی تنزیل کی غرض وغایت تمامتر یہ ہے کہ آپؐ اس کے واسطہ سے لوگوں کو جو اب تک تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں، توحید وہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔ الٓرٰ۔ یہاں مخفف سمجھا گیا ہے انا اللہ اری کا۔ میں اللہ ہوں دیکھنے والا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ لِتُخْرِجَ۔ اس نکال لانے کا حکم مرتبۂ تبلیغ میں ہے۔ یہ مُراد نہیں کہ آپ سب کو نکال لائیں ہی گے۔ مُراد یہ ہے کہ آپ تبلیغ اسی کی اور اسی غرض سے کرتے رہیں۔ النَّاسَ۔ ال استغراق کا کلیت کو چاہتا ہے۔ یعنی جمیع نسلِ انسانی۔ یہ ایک مزید دلیل ہے اس کی کہ آپؐ کی بعثت کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں، بلکہ عام اور کافۂ اَنام کی جانب تھی۔ والناس علم انہ ھو مبعوث الی الخلق کلھم بعد المراد من الناس جمیعھم (روح) کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ۔ یعنی اس کتاب کے ذریعہ سے آپؐ لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائیں۔ ظُلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ ظلمٰت کا صیغہ جمع اور نور کا صیغہ واحد اس کی دلیل ہیں کہ گمراہیاں اور اقسامِ کفر کثرت سے ہیں بہ خلاف اس کے راہِ ہدایت ایک ہی ہے۔ ——— وہی فرق جو ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خطوطِ منحنی اور خطِ مستقیم میں ہوتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یہ جو کچھ بھی ہوگا، خدائے قادر و توانا ہی کی قدرت ومشیت سے ہوگا، پیغمبر متصرف وحاکم اس حد تک بھی نہیں۔ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ غلبہ وقوت بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور مدح وتحسین کی حقدار بھی اُسی کی ذات ہے ——— وہی ایک صفاتِ کمال وجمال دونوں کا مالک ہے۔ ٢ مالکِ حقیقی وہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا ہے کوئی دوسری ہستی اُس کی مالکیت کے کسی ادنیٰ جزء میں بھی شریک نہیں۔ ٣ (اصل حقیقت سے بہت ہی دُور) الَّذِيْنَ ..... الْاٰخِرَةِ۔ گمراہی، بے دینی، کفر کی اصلی بنیاد بھی آخرت پر اسی دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ محبتِ دنیا مطلق صُورت میں ممنوع نہیں (جیسا کہ بعض اہلِ غلو نے ٹھہرا لیا ہے) بلکہ وہ تو ایک امر طبعی وجبلّی ہے۔ البتہ آجل پر عاجل کو ترجیح دینا "آج" کے پیچھے "کل" کو بھلا دینا، یہ جُرم اور جُرم عظیم ہے۔ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی اُس میں شبہہ نکال نکال کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ٤ تو گویا اصل مقصود پیغمبر کی زبان اور اُس کی اُمّت کی زبان کے توافق سے یہ ہے کہ احکام وتعلیمات کی خوب تبیین وتشریح ہو جائے جس سے اُمّت کو عمل میں کوئی دشواری نہ رہ جائے۔ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ یعنی اس قوم کی زبان جو اس پیغمبر کی مخاطب اوّل و براہِ راست ہوتی ہے رسُول اللہ صلعم اور تمام پیغمبروں سے ممتاز، دوہری حیثیت رکھتے تھے ایک حیثیت تو آپؐ کے رہبرِ عالم ہونے کی تھی جس کی توضیح قرآن مجید کی ایک آیت میں نہیں متعدد آیتوں میں ہے۔ للناس۔ کافۃ للناس وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے۔ دوسری حیثیت پیغمبرِ عرب ہونے کی تھی اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔ ٥ (چنانچہ وہ احکام کو قبول کر لیتا ہے) فَيُضِلُّ اللّٰهُ۔ یعنی جسے حق تعالیٰ گمراہی میں چھوڑے رکھتا ہے وہ احکامِ شریعت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ مَنْ يَّشَاۗءُ۔ یعنی یہ اضلال وہدایت کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں، سب مشیت ومصلحتِ تکوینی کے ماتحت ہی ہوتی ہیں۔ ٦ یہ صفات یہاں لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اس کی قدرت میں ہر ایک کو ہدایت دینا ہے، لیکن وہ ہدایت اُنھی کو دیتا ہے جن کی ہدایت مصالحِ تکوینی کے عین موافق ہوتی ہے۔

نَقۡصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ

ہر طرف سے کم کرتے چلے آتے ہیں ؎ اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو

لِحُكۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ

ہٹانے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ؎ اور ان کے قبل والے بھی (بڑی بڑی)

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا ؕ يَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ

چالیں چل چکے ہیں حالانکہ تدبیر تمام تر اللہ ہی کی ہے ؎ وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ

كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَسَيَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوۡلُ

کرتا رہتا ہے اور کافروں کو ابھی علم ہوا جاتا ہے کہ آخرت کی خوش انجامی کس کے لئے ہے ؎ اور

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا

کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان

بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۙ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ ﴿٤٣﴾ ع ۶ ۱۲

اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے، بہ طور گواہ کے کافی ہیں ؎

سُوۡرَةُ اِبۡرٰهِيۡمَ مَكِّيَّةٌ وَهِىَ اثۡنَتَانِ وَخَمۡسُوۡنَ اٰيَةً وَسَبۡعُ رُكُوۡعَاتٍ

سورہ ابراہیم مکی ہے اور اس میں ۵۲ آیتیں اور ۷ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ

الف۔لام۔را (یہ) کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو

۵۸۱ (ان کے حق میں) یعنی یہ مغرور اور سرکش اتنی موٹی بات بھی نہیں دیکھتے کہ ہم برابر ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ ملک اور حصۂ زمین ان کے ہاتھ سے نکال نکال کر اسے اہل ایمان کے قبضے میں دیتے جاتے ہیں، عذاب دنیوی یہ اگر نہیں تو اور کیا ہے؟ ——— ایک ایسا انسان جو بظاہر تمام تر تائیدی اسباب سے محروم و معرا تھا، اس کا رفتہ رفتہ اتنا غالب آجانا اگر تائید غیبی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سورۃ مکی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ خاص آیت مدنی ہو۔ مکی سورتوں کے اندر ملی جلی مدنی آیتوں کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے مل جاتی ہیں، لیکن آیت اگر مکی ہی ہو جب بھی اشکال وارد نہیں ہوتا اسلام پھیل تو برابر رہا تھا اور مسلمانوں کی آبادی مغلوبیت و مظلومیت کے باوجود بہر حال بڑھتی ہی جاتی تھی۔

۵۸۲ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ حساب کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اب یہ بیان ہوا کہ حساب کتاب میں دیر نہ لگے گی، اللہ بہت ہی جلد سب کا حساب چکا دینے والا ہے۔ اور کوئی قوت اس کی مشیت و ارادہ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی (جیسا کہ احمق مشرکین سمجھ رہے ہیں)

۵۸۳ (اپنے اپنے رسول وقت کے مقابلہ میں اور بری طرح ناکام بھی رہ چکے ہیں) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو قدیم مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ ان کے معاصر کافروں کی بھی ناکامی یقینی ہے۔

۵۸۴ سَيَعۡلَمُ۔ ابھی علم ہوا جاتا ہے۔ یعنی اپنی موت کے وقت۔ س دلالتِ قرب کے لئے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ س تاکید کا ہے یعنی ایسا یقیناً واقع ہو کر رہیگا قيل السين للتاكيد ووقوع ذلك وعلى به (روح) فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا۔ چنانچہ وہی ان کافروں کی چالبازیوں کو چلنے نہیں دیتا۔ مکر کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو بہ طریقِ مشاکلت آتا ہے اور معنی جوابِ مکر کے ہوتے ہیں۔ اس پر حاشیہ کہیں ہاں گزر چکا۔ محاورۂ اردو میں مکر صرف برائی کے موقع پر ہے عربی زبان میں اس کا استعمال عام ہے اچھائی اور برائی ہر موقع کے لئے۔

۵۸۵ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ۔ یعنی محققینِ اہل کتاب۔ هم اهل الكتاب من اليهود والنصارى (ابن جریر عن ابن عباس) اناس من اهل الكتاب كانوا يشهدون بالحق ويعرفون به (ابن جریر عن قتادہ) اللہ کی گواہی تو وہ ہوئی جو آپ کی امانت سے، دیانت سے، صداقت سے، پاکبازی و پارسائی سے، غرض آپ کی عملی زندگی کے گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی تھی، اور اہل کتاب کی گواہی سے اشارہ ہے ان پیشگوئیوں اور بشارتوں کی طرف جو آپ کے متعلق کتب سابق میں موجود تھیں۔ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا۔ یہ کہنے والے اہل کتاب ہی تھے قيل قاله رؤساء اليهود (روح) قرآن مجید کا انداز بیان خود کہے دے رہا ہے کہ اہل کتاب ہی مراد ہیں، وہی کہتے تھے کہ سلسلۂ نبوت برحق، ایک پیغمبر آخر الزمان کا آنا درست لیکن لَسۡتَ مُرۡسَلًا تم وہ پیمبر مرسل نہیں ہو، تمہارا دعوائے نبوت صحیح نہیں ——— ورنہ محض مشرکوں کے جواب میں اہل کتاب کی شہادت پیش ہونا لاحاصل تھی۔

۵۷۳ ذرا اسے غور کرکے دیکھا جائے تو اتنے سے فقرہ میں توحید، رسالت، معاد تینوں بنیادی عقیدے آگئے۔ هذا الكلام جامع لكل ما ورد التكليف به (کبیر) ان الکامل الانسان فی هذه الالفاظ القليلة
وقد نفسها عرف اماعتنه جتمل جميع المطالب المعتبرة فی الدين (کبیر) اُمِرْتُ۔ یعنی میرے پاس وحی سے حکم بھیجا ہے۔ اثباتِ رسالت۔ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ۔ اثباتِ توحید، اِلَيْهِ اَدْعُوْا۔ اثباتِ رسالت
اِلَيْهِ مَاٰبِ۔ اثباتِ معاد۔ ۵۷۴ (جس کے اصل مسائل واحکام میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے) كَذٰلِكَ یعنی جس طرح انبیاء سابقین پر وحی وکتاب نازل کی تھی، عَرَبِيًّا۔ صاف واضح، عربی پر حاشیہ ۳
سورۂ یوسف آیت ۲ کے ذیل میں گذر چکا۔ ۵۷۵ اللہ اکبر! دائرۂ عبدیت سے ذرہ بھر قدم باہر نکالنے کی گنجائش، سید البشر بلکہ سرور انبیاء تک کو نہیں دی گئی ہے! اَهْوَآءَهُمْ۔ ضمیر اہل کتاب کی جانب
سمجھی گئی ہے اور ان کی اهواء (خواہشوں) کے اندر ان کی تحریفات بھی آگئیں۔ ۵۷۶ (اور یہ عیالداری کمالات نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں تو پھر بعض احمقوں کو آپ کے صاحب ازواج واولاد ہونے پر کیسا

اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۳۶ وَكَذٰلِكَ
عبادت کروں اور اس کا شریک کسی کو نہ کروں، اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے
اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا
اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو نازل کیا بطور ایک صاف حکم کے اور اگر آپ کہیں انکی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۳۷
کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ۵۷۵
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
اور بالیقین آپ سے قبل ہم نے پیمبر بھیجے اور ان کے لئے بیویاں
اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا
اور بچے بھی رکھے ۵۷۶ اور کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر اللہ کے حکم کے
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۳۸ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ
لا سکے ۵۷۷ ہر زمانہ کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے ۵۷۸ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے
وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۳۹ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ۵۷۹ اور جس چیز کا ہم ان سے وعدہ کررہے ہیں
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ
اس میں کا کچھ حصہ خواہ ہم آپ کو دکھلادیں یا آپ کو وفات دیدیں تو آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کو) پہنچا دینا ہے اور
عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۴۰ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ
ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ۵۸۰ کیا یہ اسے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کی

ع ۵
۱۱

اعتراض ہو رہا ہے؟) آیت میں یہ بتایا ہے کہ سلسلۂ رسالت تو بہت قدیم ہے اور آپ کا دعوائے رسالت دنیا کی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں، نوحؑ اور ابراہیم خلیلؑ، اسحاقؑ واسماعیلؑ یعقوبؑ وموسیٰ کلیمؑ، داؤدؑ وسلیمانؑ، آخر ان سب کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں، یہ سب حضرات عیال دار ہی ہوئے ہیں، پھر آخر آپؐ کی عیال داری پر اعتراض کیوں ہے؟ آیت میں تردید ہے، بودھ مت اور مروجہ مسیحیت اور دوسرے مذاہب جاہلی کی جہاں خانہ داری اور عیال داری کی زندگی کو تقربِ الٰہی وخدا رسی کے منافی سمجھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت میں بڑی عبرت وبصیرت کا سبق ہمارے زمانہ کے "مجرد" اور "تارک الدنیا" مشائخ اور اہلِ خانقاہ کے لئے ہے، جنہوں نے شادی بیاہ، بیوی اور اولاد کو کمالات ولایت وروحانیت کے منافی قرار دے لیا ہے! ۵۷۷ (خواہ وہ آیت مکتوبی تنزیلی ہو یا آیت تکوینی ہو معجزہ وخارق) اٰيَةٌ کے دو مختلف معنی ہیں ایک تو آیتِ قرآنی یا حکمِ الٰہی، دوسرے نشانی یا معجزہ۔ یہاں مراد دونوں ہو سکتے ہیں، یعنی کوئی رسول نہ اپنی طرف سے کوئی تنزیلِ الٰہی لا سکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ۔ اکابرِ تفسیر سے منقول بھی دونوں معنی ہیں۔ لیکن آگے جو مضمون آرہا ہے اس سے مناسب تر معنی آیت مکتوبی وتنزیلی ہی کے ٹھیرتے ہیں۔ قد یراد بالاٰية اٰية الكتابية التنزلة بالحكم على وفق مراد المرسل اليهم وهو اوفق بما بعد (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے مطالبہ خوارق کی ممانعت نکلتی ہے اور جب اس کی ممانعت پیمبروں سے ہے جن کا صاحبِ خوارق ہونا ضروری ہے تو اولیاء سے تو اس کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ٹھیرتی ہے، جن کا صاحبِ خوارق ہونا ضروری ہی نہیں، ۵۷۸ (اس زمانہ اور اس ماحول کے مطابق ومناسب احکام لانے والی یہاں تک کہ یہ آخری کتاب ایسی آگئی کہ جس کے احکام ومسائل کسی زمانہ اور کسی ماحول کے بھی غیر مطابق نہ ہوں گے) لِكُلِّ اَجَلٍ۔ معنی ہر دور کے لئے۔ ہر مدت معین کے لئے۔ كِتَابٌ۔ کتاب کے معنی حکم کے بھی ہو سکتے ہیں اور حدیث میں بکتاب اللہ بحکم اللہ کے معنی میں آیا بھی ہے۔ بكتاب الله ای بحكم الله الذی انزل فی كتابه وكتبه على عباده (تاج) ای حكم معين يكتب على العباد حسب ما تقتضيه الحكمة (روح) ۵۷۹ چھوٹی بڑی ہر شے اسی کی مشیت اور قدرت کے ماتحت ہے۔

اُمُّ الْكِتٰبِ۔ سے عموماً مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ ای عنده اصل الكتب وجملته (ابن جریر) اصل كل كتاب وهو اللوح المحفوظ (کشاف) هو الذی يكون اصلا لجميع الكتب (کبیر) ۵۸۰ قبل اس کے کہ وہ عذاب موعود آئے۔ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں خواہ دونوں جگہ، ضمناً وتبعاً اتنے جزو سے دو اور مسئلے بھی روشنی میں آگئے۔ (۱) ایک یہ کہ آپؐ کی وفات واقع ہوگی آپؐ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ جن وعدوں اور دعووں کا اظہار آپؐ کی زبان سے کرایا گیا۔ ان میں سے بعض کا وقوع آپؐ کے بعد ہی ہوگا، اَلَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔ یعنی عذابِ الٰہی خصوصاً اسی دنیا میں۔ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔ یعنی آپؐ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر آئیں۔ یہ سب کافروں کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جارہا ہے کہ آخر عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا ہے؟ صوفیہ محققین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ طالب سالک پر اطاعت وامتثال بہرصورت لازم ہے۔ دنیا میں کشود واثر سے اور آخرت میں صلہ واکرام سے اسے بحث نہ ہونا چاہئے۔ الغرض عذاب جلد آئے یا بدیر، بہرصورت آپ زیادہ فکر وتشویش میں نہ پڑیں عذاب اپنے وقت معین پر آئیگا ضرور۔ آیت نے ایک بار پھر اس واضح حقیقت کو واضح تر کردیا کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جداگانہ ہیں خلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں رسول مقرب ترین رسول کا کام صرف تبلیغ احکام اور تبلیغ دین ہے باقی اس پر سزا وجزا، سوال وباز پرس کا تعلق صرف فاطرِ کائنات سے ہے۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ
بلکہ بات یہ ہے کہ ان (کافروں) کی نظر میں ان کا مکر خوشنما کر دکھایا گیا ہے اور یہ لوگ راہ (حق) سے
السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ٣٣
محروم رہ گئے ہیں ٦٦ اور جسے اللہ گمراہ رکھے اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں ٦٧
لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
ان (کافروں) کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور عذاب آخرت (اس سے) بدرجہا
اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ٣٤ مَثَلُ الْجَنَّةِ
سخت ہے ٦٨ اور انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ٦٩ جنت جس کا وعدہ
الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ
متقیوں سے ہوا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی
اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ
اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہوگا یہ انجام ہوگا اہل تقوے کا
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ٣٥ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
اور کافروں کا انجام آتش (دوزخ) ہے ٧٠ اور جن لوگوں کو کتاب ملی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں
الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ
اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے ٧١ اور انہی کے گروہ میں ایسے بھی
مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ
ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں ٧٢ آپ کہیے کہ مجھے تو بس اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی

٦٦ (اپنے عناد و تعصب اختیاری کی بنا پر) مَكْرُهُمْ۔ یعنی ان کی مغالطہ پرور تقریریں، ان کے جھوٹے عذرات۔ ان کی طرح طرح کی چالیں عداوت اسلام و مسلمین میں۔ ٦٧ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشیے بار بار آچکے ہیں۔ ٦٨ (بہ لحاظ شدت بھی اور بہ لحاظ مدت بھی) عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ قتل، وہلاکت، اسیری وہزیمت، مرض وقحط، بہت سی صورتیں عذاب دنیوی کی ہو سکتی ہیں۔ ٦٩ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) ٧٠ آیت میں صاف صاف دونوں راستوں کفر و ضلالت اور ایمان وہدایت کا انجام بتادیا ہے، ایک کا نتیجہ دائمی سکھ ہے اور دوسرے کا مستقل دکھ۔ کسی کو اس باب میں اشتباہ رہنا ہی نہ چاہیے۔ الْمُتَّقُوْنَ۔ تقویٰ کی اولین شرط کفر و شرک سے احتیاط ہے۔ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ۔ جنت کی نہ تو کوئی نعمت فنا ہوگی اور نہ کوئی راحت زائل۔ ٧١ (چنانچہ وہ اس پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی) لانهم آمنوا به وصدقوه (کبیر عن ابن عباس) الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو سچے اہل کتاب تھے صحیح معنی میں اپنے اپنے دین و شریعت کے پیرو تھے، یہ رسول اللہ پر بھی بلا تامل ایمان لے آئے، هم الذين آمنوا بالرسول من اهل الكتاب (کبیر عن ابن عباس) ٧٢ یعنی ایسے حصوں سے انکار جو ان کی مرضی و خواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔ الْاَحْزَابِ۔ یعنی کافروں ومنکروں کے وہ حصے جنہوں نے رسول اسلام کی مخالفت پر جتھے بنا بنا لئے اور اس میں مشرکین عام اہل کتاب سب آگئے۔ والاحزاب بقیة

اهل الكتاب وسائر المشركين (کبیر عن ابن عباس) يعني كفرتهم الذين تحزبوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعداوة (بیضاوی)

جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ

کیا پھر بھی ایمان والوں کو یکسوئی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو ہے

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ

سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا ۵۹ اور یہ کافر تو ہمیشہ اسی حال میں

كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا

رہیں گے کہ کوئی نہ کوئی حادثہ ان پر ان کے کرتوتوں کے باعث پڑتا ہی رہتا ہے یا ان کی بستی کے

مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

قریب ہی نازل ہوتا رہتا ہے ۶۱ یہاں تک کہ اللہ کا (وقت) موعود آجائیگا یقیناً اللہ (اپنے) وعدہ کے

الْمِيْعَادَ ۝٣١ۧ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

خلاف نہیں کرتا ۶۲ اور بالیقین رسولوں کے ساتھ اس کے قبل بھی استہزا ہو چکا ہے لیکن میں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٣٢

کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو میری سزا کیسی سخت تھی! ۶۳

اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

پھر کیا وہ جو ہر شخص کے اوپر مطلع ہے کہ اس نے کیا کیا (وہ دوسروں کے برابر ہے؟) ۶۴

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّــــُٔـوْنَهٗ

ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھیرا لئے ہیں، آپ کہیئے ان کے صفات تو بتاؤ ۶۵ کیا تم اللہ کو ایسی چیز

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ

کی خبر دے رہے ہو جسے وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا یہ کہ وہ محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے (معبود ہیں)؟ ۶۶

۵۹ یعنی بالفرض اس قرآن میں یہ سب مؤثرات خارجی جمع کر دیئے جاتے جب بھی مؤثر حقیقی یہ خوارق با لکل نہیں۔ توفیق ہدایت تو تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ طالب کو توفیق مل جاتی ہے اور معاند محروم رہتا ہے۔ بہت سے سادہ دل مسلمان اب بھی اپنی سادہ دلی سے یہ تمنا کئے ہوئے تھے کہ ان خوارق کا ظہور کسی طرح ہو جاتا تو کفار شاید ایمان لے ہی آتے۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اب بھی ان کے تعصب و عناد کے اتنے مشاہدات کے بعد بھی یہ امید لگائے بیٹھے ہو! فاطر کائنات اور ناظم فطرت کی مشیت اگر کہیں یہ ہوتی کہ ہر انسان کو اس کی طرف سے کسی طلب اور اس میں کسی صلاحیت کے وجود کے بغیر از خود ہدایت ہو جائے تو ان سب کو بھی اضطراراً ہدایت نصیب ہو ہی جاتی لیکن جب اس نے اس عالم کو عالم ابتلا بنا رکھا ہے اور ہر مکلف کے لئے طلب ہدایت لازمی رکھدی ہے تو اب ان معاندین کے ایمان کی توقع ہی عبث ہے، ۶۰ (جس سے انہیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر یہ بلا آپڑے) وَلَا يَزَالُ۔ یعنی یہ صورت حال تو مستقل ہو گئی ہے۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مراد وہی کافر و معاند ہیں جو از راہ عناد خوارق کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ قَارِعَةٌ مثلاً جنگ میں شکست، یا قید، یا قتل۔ ۶۱ (اور ان کفار معاندین سے وعدہ عذاب کا ہے) وَعْدُ اللّٰهِ وقت موعود یعنی موت یا قیامت۔ الموت او القيامة (بیضاوی) مطلب یہ ہوا کہ یہ معاندین اپنی ان حالتوں میں مبتلا رہینگے۔ یہاں تک کہ موت آپہنچے گی اور عذاب برزخی و اُخروی کا مشاہدہ شروع ہو جائیگا، ۶۲ اور سرکش اور نافرمان قوموں کی عبرتناک تباہی و ہلاکت کی داستان تاریخ کے صفحات، اثری کتبات اور عمارتوں کے کھنڈروں پر یکساں ثبت ہے۔ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی ان تمسخر کرنے والوں پر بھی گرفت معاً نہیں ہو گئی انہیں ایک مدت تک برابر مہلت ملتی رہی، جس سے ان کا تمرد و عصیان اور بڑھتا ہی گیا، تا آنکہ کوئی گنجائش ہی عذر و ترحم کی نہ رہ گئی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ۔ سو ان مثالوں سے چاہیئے تھا کہ موجودہ کفار و معاندین بھی اپنے انجام سے غافل نہ ہوں، ایک زمانہ آئیگا جب مہلتیں ختم ہوں گی اور سزا اپنے وقت موعود پر مل کر رہیگی، ۶۳ یعنی کہیں ایسا علیم کل، ہمہ بین، ہمہ دان معبود برحق اور تمہارے خود ساختہ، بے خبر معبودان باطل برابر ہو سکتے ہیں! قَاۗىِٕمٌ ...... كَسَبَتْ۔ یعنی ہمہ دان، ہمہ تواں قادر مطلق و علیم کل۔ المتقادر على كل الممكنات عالم بجميع المعلومات الحفيظ الرقيب (مهيمن) (روح) ۶۴ جن سے ان کی معبودیت پر کچھ تو روشنی پڑے) سَمُّوْهُمْ۔ اسم۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا کے تحت میں گزر چکا ہے۔ مراد یہاں صفات سے ہے جیسے اردو فقرہ میں کہیں کہ ذرا تعریف تو کیجئے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے نام گنانا شروع کردو۔ قيل صفوهم ثم انظروا هل هي اهل لان تعبد (اسلام)، والمعنى صفوهم فانظروا هل لهم ما يستحقون به العبادة (بیضاوی) وليس المراد ان يذكروا اسماءها نحو اللات والعزى وانما المعنى اظهار تحقيق ما تدعونه الٰهاً وانه هل يوجد معاني تلك الاسماء فيها (راغب) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ۔ شریک ٹھیرانا یہی ہے کہ کسی صفت خداوندی میں بھی کسی مخلوق کو شریک کر لیا جائے۔ ۶۵ (اور لفظ کے عقب میں حقیقت کچھ بھی نہیں) تو اگر یہ شق قبول ہے، تو خود ہی اعتراف ان نام کے معبودوں کے معبود نہ ہونے کا ہے، اَمْ تُنَبِّــــُٔـوْنَهٗ ...... الْاَرْضِ۔ حق تعالیٰ تو انہی چیزوں کو موجود جانیگا جو موجود ہیں، اور جو سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ معدوم ہیں، انہیں موجود سمجھ لینا، یہ تو علم نہ ہوا جہل و کذب ہوا، تو اب یہ تمہارے نام نہاد معبود بہ حیثیت معبود خارج میں وجود رکھتے ہی کہاں ہیں، جو حق تعالیٰ کو ان کے وجود کا علم ہو! ان کا وجود تو جو کچھ بھی ہے بس وہ تمہارے وہم ہی میں تو ہے۔

يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
راہ دکھا دیتا ہے اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرے ۵۵۲ (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور

تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ
اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہوگیا ۵۵۳ خوب سُن لو کہ اللہ کے ذکر سے

تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے ۵۵۴ ۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ
ان کے لئے خوشحالی اور خوش انجامی ہے ۵۵۵ اسی طرح ہم نے آپ کو

اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ
ایک اُمت میں بھیجا ہے جس کے قبل بھی اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنا دیں

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ
جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے (مگر) وہ لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر ہی کر رہے ہیں ۵۵۶

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ
آپ کہہ دیجئے وہی میرا پروردگار ہے کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف

مَتَابِ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ
(مجھے) واپس جانا ہے ۵۵۷ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعے

بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ
زمین (جلدی جلدی) طے ہو جاتی یا اُسکے ذریعہ سے مُردے بولنے لگتے (جب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) ہے یہ کہ سارا اختیار اللہ ہی کو

۵۵۲ (اور یہ رجوع و انابت بندہ کا فعل اختیاری ہے) اس فعل اختیاری کے اختیار پر اللہ کی طرف سے ترتّبِ ہدایت کا وعدہ ہے۔ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی جسے اپنی حکمتِ تکوینی کے ماتحت اسے گمراہ رکھنا ہی منظور ہوتا ہے ——— گمرہی کی بابت کئی بار اُوپر آچکا ہے کہ یہ اُنہی کے نصیب میں آتی ہے جو اپنی فہم خداداد سے کام نہیں لیتے، ۵۵۳ (اور اس اطمینان کی بڑی اور اصلی علامت یہ کہ ان کا ایمان اللہ کے کلام پر قائم ہوگیا) ۵۵۴ یعنی ذکرِ الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے اُلجھاؤ سے بچاتا ہے، اور شرک سے جو انتشارِ ذہنی پیدا ہوتا ہے یقین توحید اس کے لئے سپر ہو جاتا ہے ——— البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے و مرتبے ہوتے ہیں، جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اُسی نسبت سے اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف و خشیت کا ہے۔ اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان و فراغت خوفِ خدا کے منافی ذرا بھی نہیں، بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم و مکمل ہیں۔ ۵۵۵ خوشحالی اس دنیا میں اور خوش انجامی آخرت میں ——— خوشحالی سے مراد مالی یا معاشی خوشحالی نہیں، بلکہ فراغ خاطر ہی مقصود ہے۔ ۵۵۶ (اور ایسے رحمت والے آقا کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے اُلٹے اس کی ناشکری اور ناقدری ہی کر رہے ہیں) کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح ہم اور اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ ای کما ارسلنا الانبیاء قبلک (کبیر عن ابن عباس و الحسن و قتادۃ) ۵۵۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے جو میری ہر حفاظت و کفالت کے لئے کافی ہے اور آخری جزاء و صلہ کی توقع بھی بس اسی ایک سے ہے۔ ۵۵۸ لَوْ کلمہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے جو متن ترجمہ میں توسین میں ظاہر کر دی گئی اور اسلوب بلاغت خصوصاً قرآن مجید میں اس قسم کے محذوفات عام ہیں۔ حرف بَلْ خود اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فقرۂ ماقبل میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ مؤثر حقیقی نہیں۔ منکروں نے یہود کی تعلیم و ترغیب سے فرمائشیں اس قسم کی کی تھیں کہ پیمبری کا دعویٰ ہے تو داؤد پیمبر کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے یا سلیمان رسول کی طرح سفر کیوں نہیں طے کرا دیتے، یا عیسیٰ نبی کی طرح مُردے کیوں نہیں جلا دکھاتے، آیت انہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں ہے ؞

۴۷ھ حالت سرور، فرحت ونشاط میں انسان گفتگو بھی اسی قسم کی سننا چاہتا ہے جو اس کے لئے اور زیادہ کیف آور ونشاط انگیز ہو، چنانچہ فرشتے بھی ہر طرف سے آآکر ایسے ہی پیام پہنچائیں گے۔ مِنْ كُلِّ بَابٍ۔ "ہر ہر دروازے سے" کے ایک معنیٰ تو ظاہر ہی ہیں، جنت کے ہر محل میں دروازے متعدد ہوں گے اور یہ پیامِ مسرت لانے والے ہر ہر طرف سے داخل ہوں گے، دوسرے معنیٰ یہ لئے گئے ہیں کہ مومن نے دنیا میں جتنی قسم کی طاعتیں کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حسنِ معاملت، سچائی وغیرہ ان میں سے ہر ہر قسم کے لئے ایک ایک دروازہ قائم ہو جائیگا اور فرشتے اس میں سے داخل ہوں گے۔ قال ابو بکر الاصم من کل باب من ابواب البر (کبیر)

يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ

ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوتے ہوں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) سلامتی ہو تم پر اس کے

بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ

صلہ میں کہ تم صبر کرتے رہے، سو تمہارا اس جہان میں بہت ہی اچھا انجام ہے ۴۸ھ اور جو لوگ

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ

اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں اور اسے کاٹتے رہتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي

جس کے لئے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد کرتے رہتے

الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

ہیں ایسوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا

(ہی) ہے ۴۹ھ اللہ جس پر چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہے تنگ کر دیتا ہے ۵۰ھ اور

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا

یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ایک حقیر ہی سودا

مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ ع ۳

ہے ۵۰ھ اور جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ

کوئی معجزہ (ہمارا فرمائشی) کیوں نہیں اترا ۵۱ھ آپ کہدیجئے کہ واقعی اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور

۴۸ھ اب اولو الالباب کے مقابلہ میں نافہم، کج فہم بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کی علامتیں بھی اس دنیا میں ان سے بالکل مختلف رہتی ہیں، اور ان کا انجام بھی قدرۃً ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ ..... يُوْصَلَ۔ یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد سب میں یہ شریعتِ الٰہی کی خلاف ورزی ہی کرتے رہتے ہیں۔ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ عقایدِ شرکیہ اور اعمال شرک وفسق سے ملک میں ہر طرح کی ابتری ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ وذلك الفساد هو الدعاء الى غير دين الله وقد يكون بالظلم في النفوس والاموال وتخريب البلاد (کبیر)

۴۹ھ (اس انتظامِ تکوینی کو مقبولیت وعدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں) بعض گم کردہ راہ قوموں اور فرقوں نے حق وباطل کا معیار معیشت کی خوشحالی وفارغ البالی اور تنگ دستی اور بدحالی کو سمجھا ہے، یہاں اس کی پوری تردید ہو رہی ہے، اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق تمامتر مشیت تکوینی سے ہے۔ يَقْدِرُ۔ کے معنیٰ یہاں تنگ کر دینے کے لئے گئے ہیں، جیسا کہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے، قال المفسرون معنى يقدر ههنا يضيق (کبیر)

۵۰ھ ان منکرینِ آخرت کی تنگ دماغی کا یہ حال ہے کہ یہ اسی محدود اور چند سالہ مختصر زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، اور اس بے انتہا وسیع عالم کو جو اس کے مابعد شروع ہونے والا ہے نذرِ بے خبری کئے ہوئے ہیں ———— جیسے یہ سارا کارخانہ حیات کسی صاحبِ شعور صاحبِ ارادہ کا برپا کیا ہوا ہی نہیں۔ متاع میں تنوین تحقیر کی ہے۔

۵۱ھ یعنی یہ کافر ازراہِ طعن وعناد کہتے ہیں، کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں، آخر اپنے خدا کے ہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند اور ہمارے معیار کے لائق لے کر کیوں نہیں آئے ہیں۔

۴۲ (اور جو لوگ فہم خداداد سے کام ہی نہیں لیتے وہ محروم رہتے ہیں) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ ...... الْحَقُّ ۔ یعنی مومن ومسلم۔ مَنْ هُوَ اَعْمٰى ۔ یعنی کافر ومنکر۔ یَعْلَمُ ۔ علم یہاں یقین واعتقاد کے معنی میں ہے۔ اُنْزِلَ اِلَیْكَ ۔ اس سے قرآن مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی رسول اللہ صلعم نے وحی خفی کی بنا پر قرآن سے باہر جو احکام دیئے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ یہ اولوالالباب یا صاحبانِ فہم خالص وہی لوگ ہوتے ہیں، جو اپنی عقل پر تعصبات یا جذبات عناد وغیرہ کو غالب نہیں آنے دیتے اور یہی فرق ہے لُبّ اور مطلق عقل کے درمیان۔ اللب العقل الخالص من الشوائب سمی به وقیل هو ما زکی من العقل فکل لب عقل ولیس کل عقل لبًا (راغب) واللُّبُّ اخص من العقل وهو الذی ذهب الیه الراغب (روح) فقہاء نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عقل معتبر عقل معاد ہی ہے وہی جو تذکر کرتی ہے اور ایسا ہی شخص عاقل کہنے کے قابل ہے اگرچہ امورِ دنیوی میں وہ ناواقف ہو۔ ۴۳ (جو اللہ سے یوم الست میں کر چکے ہیں) اہلِ فہم کی پہلی شناخت یہ ارشاد ہوئی کہ یہ لوگ اپنے عہدِ الٰہی کے ایفا کرنے والے ہیں ——— عهد اللہ ۔ سے مراد وہ عہدِ اطاعت ہے، جو انسان روزِ اوّل اللہ سے کر چکا ہے۔ اے ما عقدوا علی انفسهم من الاعتراف بربوبیته حین قالوا بلیٰ (بیضاوی)

رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا

نازل ہوا ہے حق ہی ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو بس اہلِ فہم ہی قبول

الْاَلْبَابِ ۝١٩ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ

کرتے ہیں ۴۲ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں اور (اس) پیمان کو

الْمِيْثَاقَ ۝٢٠ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

توڑتے نہیں ہیں ۴۳ اور جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جوڑے رکھتے

يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝٢١

ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں ۴۴

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی کی تلاش میں مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ

رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں خفیہ بھی اور ظاہر طور پر

يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى

بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں انہی کے حق میں نیک انجام

الدَّارِ ۝٢٢ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ

ہے ۴۵ (یعنی) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہوں گے اور (وہ بھی) جو

مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

جنت کے لائق ہونگے انکے ماں باپوں میں سے اور انکے میاں بیویوں میں سے اور انکی اولاد میں سے ۴۶ اور فرشتے

وسعت دے کر اس کے تحت میں وہ سب مسائل داخل کر لئے گئے ہیں جو دلائل شرعی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اے کل ما قام الدلیل علیه (کبیر) یدخل فیه الاتیان بجمیع المامورات والانتهاء عن کل المنهیات (کبیر) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ حقوق اللہ کے مرادف ہے۔ اور اس کی ادائی کا درجۂ اقل یہ ہے کہ معاصی کبیرہ سے اجتناب رہے۔ واقله درجة اجتناب الکبائر (ابن عطیه) ۴۴ (اور کبھی اپنی طاعت و اطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن و بے فکر نہیں ہو جاتے) یَصِلُوْنَ ... یُوْصَلَ یہ انہی اہلِ فہم کی دوسری شناخت ارشاد ہوئی۔ پہلی آیت میں جس طرح حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید تھی، اس میں حقوق العباد کا اہتمام آگیا۔ رعایة جمیع الحقوق الواجبة للعباد (کبیر) حاصل الکلام ان قوله الذین یوفون بعهد اللہ اشارة الی التسلیم لامر اللہ وقوله والذین یصلون مآ امر اللہ به ان یوصل اشارة الی الشفقة علی خلق اللہ (کبیر) یَخْشَوْنَ ...... الْحِسَابِ ۔ یعنی ان کے اس حُسنِ کردار کی بنیاد ان کی خشیت الٰہی پر ہوتی ہے۔ ۴۵ حق تعالیٰ کی رضا یہی لوگ حاصل کریں گے اور یہی لوگ رضاء الٰہی کے محل و مقام میں ہوں گے ——— یہ سب شناختیں انہی صاحبانِ فہم کی بیان ہوئیں۔ الَّذِیْنَ ..... رَبِّهِمْ ۔ یعنی دینِ حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں۔ اس صبر کے عموم میں ہر قسم کے احکام تشریعی اور مصائب تکوینی پر صبر شامل ہے۔ یدخل فی الصبر علی فعل العبادات والصبر علی ثقل الامراض والمضار والغموم والاحزان والصبر علی ترك المشتهیات وبالجملة الصبر علی ترك المعاصی وعلی اداء الطاعات (کبیر) سِرًّا وَّعَلَانِیَةً ۔ یعنی حسب موقع و مصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اور کبھی اسے مخفی بھی رکھتے ہیں، مثلاً جو رقم سلطنتِ اسلامی میں واجب الادا ہو اسے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں، اور جہاں اپنے تنگ دست عزیزوں، پڑوسیوں، مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے وہاں اسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں۔ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ ۔ اس کے ایک معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے ہیں۔ اے یتبعون السیئة الحسنة فتمحوها (بیضاوی) عن ابن عباس انه قال یدفعون بالصالح من العمل السیئ من العمل وهو معنی قوله ان الحسنات یذهبن السیئات (معالم) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۔ یعنی اپنی جائز و حلال کمائی سے۔ حرام آمدنی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ہی نہیں سکتا۔ قالت المعتزلة ذلك یدل علی انه لا رزق الا الحلال ولو کان الحرام رزقا لکان قد رغب فی انفاق الحرام وانه لا یجوز (کبیر) ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ۔ یعنی ان کے صبر و ثابت قدمی سے مقصود دنیوی ناموری یا اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ محض اجر و رضاء الٰہی ہی مقصود رہتا ہے۔ معناه انه صبر لوجود ثوابه وطلب رضاء اللہ تعالیٰ (کبیر) وغیرہ عن اغراض الدنیا (جلالین) عُقْبَى الدَّارِ ۔ یعنی جنت جو اسی دنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے۔ اے عاقبة الدنیا وهی الجنة (مدارک) ۴۶ یعنی یہ نیک کردار اور اولوالالباب جنت میں خود تو خیر داخل ہونگے، ان کے ساتھ ہی ان کے بڑے اور چھوٹے اور برابر والے عزیزوں کو بھی جنت میں پہنچا دیا جائیگا بشرطیکہ ان میں صلاحیت بھی کسی درجہ کی جنت میں جانے کی ہوئی۔ مَنْ صَلَحَ ۔ اس قید نے صاف کر دیا کہ اہلِ جنت سے مطلق قرابت کا تعلق مغفرت کے لئے کافی نہیں مغفرت تو ایمان ہی پر مرتب ہوگی البتہ ترقی درجات و مراتب کی گنجائش اعزہ و اقربا کی شفاعت کی بنا پر ہے۔ قال ابن عباس رض یرید من صدق بما صدقوا به وان لم یعمل مثل اعمالهم (کبیر) قال الواحدی والصحیح ما قال ابن عباس (کبیر) والمعنی انه یلحق بهم من صلح من اهلهم وان لم یبلغ مبلغ فضلهم تبعا لهم وتعظیما لشانهم (بیضاوی) وهو دلیل علی ان الدرجة تعلو بالشفاعة (بیضاوی) وفی التقیید بالصلاح دلالة علی ان مجرد الانساب لا تنفع (بیضاوی) وان لم یعملوا بعملهم یکونون فی درجاتهم تکرمة لهم (جلالین) اے یجمع بینهم وبین احبائهم فیها من الاباء والاهلین والابناء ممن هو صالح لدخول الجنة من المؤمنین لتقر اعینهم بهم (ابن کثیر) اٰبَاۗىِٕهِمْ ۔ اس کے تحت میں عجب نہیں جو کل بزرگان خاندان آجائیں، باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اَزْوَاجِهِمْ ۔ زوجہ میں میاں بیوی مذکر و مونث دونوں آگئے۔ ذُرِّیّٰتِهِمْ ۔ ذریت کے تحت میں عجب نہیں کہ فروع و توابع سب آجائیں لڑکے لڑکی، پوتے، نواسے اور پھر شاگرد و مسترشدین وغیرہ۔

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ
پھر وہ سیلاب جھاگ کو اُوپر لے آیا اور جن چیزوں کو آگ کے اندر
فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ
تپاتے ہیں زیور یا (اور) اسباب بنانے کی غرض سے اُس میں ایسا ہی جھاگ ۳۶ ہے
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ
اسی طرح حق و باطل کی اللہ مثال بیان کرتا ہے ۳۷ سو جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے
جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ
اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہے سو وہ دنیا میں رہ جاتی ہے ،
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا
اللہ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتا ہے ۳۸ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہنا
لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ
مان لیا اُن کے لئے نیک (بدلہ) ہے ۳۹ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا اُن کے پاس اگر
مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ
دنیا بھر کی چیزیں بھی ہوں اور اسی کے ساتھ اتنی ہی اور بھی تو وہ سب اپنی طرف ۴۰ سے بطور فدیہ دے
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ
ڈالیں ۴۱ سخت حساب ان لوگوں کا ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور
بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
وہ بُرا قرارگاہ ہے ۴۲ کیا جو شخص یقین رکھتا ہے کہ آپ پر جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

وقف النبی علیہ السلام

النصف ع ۲ / ۸

۳۶ (اور وہ بھی اُوپر آجاتا ہے) زَبَدًا۔ سے یہاں مُراد ہے مَیل کچیل خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ۔
۳۷ یعنی ایک طرف توحید و ایمان اور دوسری طرف کفر و شرک کی،
۳۸ (اپنے کلام میں ہر مضمون کے لئے) فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ یعنی اپنی نفع رسانی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لئے اصل چیز کے اُوپر نظر آتا ہے لیکن آخرکار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے، اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح گو باطل چند روز کے لئے حق پر غالب آجائے لیکن انجام کار باطل مغلوب ہی ہوکر رہتا ہے، اور حق باقی و ثابت رہتا ہے۔
۳۹ یعنی جنت۔ اِسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ۔ اور اپنے رب کا کہنا مان لینا یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کرلی۔
۴۰ (قیامت کے دن اس اُمید پر کہ کسی طرح جان تو بچے اور عذاب سے رہائی ملے) لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ یعنی بدستور راہ معصیت و کفر پر قائم رہے۔
۴۱ یعنی قیامت میں ساری کائنات اور اس سے بڑھ کر بھی تصدق کرنا ان منکروں اور بے دینوں کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اور یہ بدستور گرفتارِ عذاب رہیں گے۔

۲۸ یعنی ساری کی ساری مخلوقات اللہ ہی کی قانون تکوینی کی مطیع و منقاد ہے۔ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ۔ اس ترکیب کے اقتضار سے معنیٰ یہ پیدا ہوئے کہ اللہ ہی کی مطیع و منقاد ہے نہ کسی اور کی۔ اے للہ وحدہٗ یخضع و ینقاد ولا بشی ءغیرہ (روح) مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد جمیع مخلوق سے ہے۔ المراد مایشمل اولٰئک وغیرھم والتعبیر بمن للتغلیب (روح) یَسْجُدُ۔ سجدہ یہاں باصطلاح شرعی نہیں بلکہ اپنے اصلی و لغوی معنیٰ میں ہے یعنی سب کے سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور اُس کی مشیت کے مطیع و منقاد ہیں۔ المسجود اصلہ التطامن والتذلل..... وذٰلک ضربان سجود باختیار ولیس ذٰلک الا للانسان و سجود تسخیر وھو للانسان والحیوانات، والنبات وعلیٰ ذٰلک قولہ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض (راغب) السجود عبارۃ عن الانقیاد والخضوع وعدم الامتناع وکل من فی السمٰوٰت والارض ساجدٌ للہ بھٰذہ المعنیٰ لان قدرتہ ومشیتہٗ نافذۃ فی الکل وکیراء ینقاد انہ لاحداث ما ارادہٗ فیھم من افعالہ (کشاف)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
اور اللہ ہی کے آگے جھکے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں ۲۸ (کوئی) ارادۃً (تو)
وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۱۵ قُلْ مَنْ
اور (کوئی) جبراً (تو) ۲۹ اور اُن کے سائے بھی صبح و شام کے وقت ۳۰ آپ پوچھیے کہ
السجدۃ ۲
رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ
آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ (پھر) کہیے کہ تو کیا تم نے (پھر بھی)
مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا
اس کے سوا (اور) کارساز قرار دے لئے ہیں جو اپنی ہی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار
وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ
نہیں رکھتے ۳۱ آپ کہیے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے
اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا
یا یہ کہ کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہوئی ہے ۳۲ یا یہ کہ انہوں نے
لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ
اللہ کے شریک ایسے ٹھیرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اس کی خلق کی طرح کسی کو خلق کیا ہے جس سے انکو خلق میں
قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶
اشتباہ ہوگیا ۳۳ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ واحد ہے، غالب ہے ۳۴
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا
(اسی نے) آسمان سے پانی اُتارا جس سے نالے اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے ۳۵

۲۹ یعنی افعالِ اختیاری میں تو قصد و اختیار سے اور اُمورِ غیر اختیاری میں اضطراراً۔ ۳۰ یعنی علی الدوام ہر حال میں، ہر وقت۔ ب یہاں فی کے مرادف ہے۔ والمراد بھا الدوام (بیضاوی) والباء بمعنی فی (روح) وَظِلٰلُهُمْ۔ سایہ ایک عدمی اور سلبی شے ہے جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی کسی جسم کثیف کے توسط سے دُور ہو جائے —— جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے یہاں پر اگر یہ لفظی معنیٰ لئے جائیں جب بھی کوئی اشکال نہیں۔ مُراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور ان کے اظلال سب ہی قادرِ مطلق کے مطیع و منقاد ہیں۔ وحشی قوموں میں سایہ، کو عالمِ بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے قرآن مجید نے بتایا کہ ہر موجود شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق اور منقاد مشیتِ الٰہی ہے، لیکن محققین ہی سے ایک قول اور بھی منقول ہے، وہ یہ کہ اظلال سے مُراد آثار و توابع ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہُوا کہ ہر موجود بذاتِ خود بھی مطیع و سربسجود ہے اور اس کے آثار و خواص و افعال بھی۔ ۳۱ (چہ جائیکہ اپنے پرستاروں کی سُن سُنا سکیں، یا ان کی کچھ مدد کر سکیں) مطلب یہ ہُوا کہ ان مشرکینِ عرب سے بھی اگر یہ سوال کر دیجئے کہ اس سارے نظامِ کائنات کا خالق و مُوجد حافظ و مبقی مُدبر و حاکم کون ہے؟ تو باوجود اپنے شرک کے اس کے قائل نکلیں گے کہ وہ تو ایک ہی خدائے قادر و توانا ہے جسے عرب کی بولی میں اللہ کہتے ہیں، پس اس پر ان کی گرفت کیجئے، اور ان سے یہ کہئے کہ اس صحیح بنیادی عقیدہ کے باوجود پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے، کہ تم تعددِ الٰہ کی لعنت میں گرفتار ہو اور چھوٹے چھوٹے خداؤں دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟ —— جب ایک خدا کو مان لیا تو پھر اب دوسرے بے چاروں کے پاس کسی قسم کا اختیار و تصرف سرے سے باقی ہی کہاں رہ جاتا ہے؟ ۳۲ (اور جب یہ نہیں اور بداہۃً نہیں تو پھر موحد و مشرک یعنی صاحبِ ایمان اور محروم الایمان اور شرک اور توحید یا کفر و ایمان کیسے ایک سطح پر آ سکتے ہیں؟!) آیت میں رَد آگیا آج کے اُن "روشن خیالوں" کا جو دنیا کے ہر مذہب کو یکساں سمجھتے ہیں اور اُن "آزاد خیالوں" کا جو فلاحِ دنیوی کے لئے ایمان کی شرط غیر ضروری جانتے ہیں۔ ۳۳ (اور یہ دھوکے میں پڑ کر اُس خالقِ اعظم کی طرح دوسرے خالقوں کو بھی خدا سمجھ بیٹھے!) مطلب یہ ہُوا صفتِ خالقیت میں انہوں نے اپنے کسی گڑھے ہوئے خدا کو خدائے حقیقی کا شریک اپنے تجربہ و مشاہدہ میں پایا ہے؟ اور جب کسی کو بھی نہیں تو پھر آخر کیا یہ غضب کی مار ہے کہ ان دوسروں کو معبودیت میں شریک کئے جاتے ہیں؟ ۳۴ یہاں مختصراً تین صفات بیان کر کے بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور کثیر التعداد مذاہبِ شرک کی جڑ کاٹ دی۔ پہلی صفت یہ کہ اللہ ہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا جوہر و عرض، ایجاب و سلب خوشگوار و ناخوشگوار، سب کا خالق ہے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی "شخصیت" تو ایک ہو لیکن اس کے "بروز"، اور اس کے "اقنوم" کئی کئی ہوں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے خود اس کے اُوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم و متصرف نہیں۔ ۳۵ (یعنی چھوٹے نالے کم پانی کے ساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ سب اپنی اپنی بساط و حیثیت کے مطابق) ؞

۲۰ؔ ان میں سے جن کی امداد کا بڑا بھروسہ اور زعم ان نافرمانوں کو رہا کرتا ہے) مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا ۔ اور یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ اسی نافرمان قوم کے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔ مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ۔ یہاں تک کہ جو فرشتہ انسان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں وہ بھی اب بہ حکم خدا اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جائیں۔ ۲۱ؔ (جو پانی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں) مُدعا یہ کہ بجلی اور بادل نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ کسی اور دیوی دیوتا کے محکوم و ماتحت ہیں محض اللہ کی ایک مخلوق اور دوسری بیجان مخلوق کی طرح تابع فرمان ہیں، اِندر دیوتا یا کوئی اور دیوتا بجلی اور بارش کے خدا نہیں۔ خَوۡفًا ۔ یعنی یہ کہ کہیں گر کر سامانِ ہلاکت نہ بن جائے ——— ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت ناری موجود ہے۔ طَمَعًا ۔ یعنی یہ کہ اب تیز بارش ہو گی اور اس سے سرسبزی شادابی، خوشحالی پھیلے گی ——— ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت نوری موجود ہے ۲۲ؔ (اپنے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسبت سے، اور کوئی بھی اللہ کی عبدیت و محکومیت سے باہر نہیں) اَلرَّعۡدُ ۔ رعد کے لفظی معنی بادل کی گرج کے ہیں۔ صوت السّحاب (راغب) اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ناظم ابر و سحابیات ہے۔ ملك من الملائكة موكل بالسّحاب (جامع ترمذی۔ الباب تفسیر القرآن۔ عن ابن عباس رض) انه ملك يسوق السّحاب (راغب) الرعد هو الملك موكل بالسّحاب (کبیر) مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ گرج یا بادل کا کوئی مستقل اور متصرّف بالذات دیوتا نہیں، جیسا کہ مشرق و مغرب کی جاہل قومیں ہزارہا سال تک سمجھتی رہیں بلکہ یہ کام تو ایک محکوم و مطیع ایک حمد و تسبیح کرتے رہنے والے فرشتہ کے سپرد ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ

صورت ہی اُسکے ہٹنے کی نہیں اور نہ کوئی اللہ کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہتا ہے ۲۰ؔ وہ وہی

الَّذِیۡ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّ یُنۡشِیُٔ

(خدا) ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک) دکھلاتا ہے ذریعۂ خوف بھی بنا کر اور ذریعۂ امید بھی بنا کر اور

السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ وَیُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ

بوجھل بادلوں کو بلند کرتا ہے ۲۱ؔ اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اُس کی حمد کے ساتھ

وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ مِنۡ خِیۡفَتِهٖ ۚ وَیُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیۡبُ

اور (دوسرے) فرشتے بھی اس کے رُعب و جلال سے (یہی کرتے ہیں) ۲۲ؔ اور وہ (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر گرا

بِهَا مَنۡ یَّشَآءُ وَهُمۡ یُجَادِلُوۡنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ

دیتا ہے اُسے جس پر چاہتا ہے ۲۳ؔ اور یہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ

شَدِیۡدُ الۡمِحَالِ ﴿۱۳﴾ ؕ لَهٗ دَعۡوَۃُ الۡحَقِّ ؕ وَالَّذِیۡنَ

بڑا ہی زبردست قوت والا ہے ۲۴ؔ اسی کے لئے (خاص) ہے سچا پکارنا ۲۵ؔ اور جن کو یہ لوگ

یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا یَسۡتَجِیۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَیۡءٍ

اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا

اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیۡهِ اِلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا

پانی (اسے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اس کے

هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

منہ تک پہنچ جائے، درآنحالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ۲۶ؔ اور کافروں کی پکار تو محض بے اثر ہی ہے ۲۷ؔ

مِنۡ خِیۡفَتِهٖ ۔ حق تعالیٰ کا رُعب و جلال بڑی سی بڑی مقتدر و معصوم مخلوق پر بھی غالب اور مسلّط ہے، وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ ۔ ملائکہ کے اس عطف سے یہ شبہہ پیدا نہ ہو کہ رعد بھی اگر کوئی فرشتہ ہی ہے تو ملٰٓئکۃ ہی پر اس کا عطف کیسا؟ عربی میں عطف ہمیشہ مغائرت جنس ہی کے موقع پر نہیں، بلکہ ہم جنسی کے باوجود تعظیم و تکریم کے لئے بھی آتا ہے، جس کی نظیریں خود قرآن مجید ہی میں موجود ہیں۔ لا يبعد ان يكون من جنس الملائكة وانما حسن افراده بالذكر على سبيل التشريف كما فى قوله وملائكته ورسله وجبريل وميكال وفى قوله واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح (کبیر) ۲۳ؔ یہ فضائے ارضی کی طرف بجلیاں بھیجتے رہنا اور پھر اُسے حسب مصلحت و مشیت تکوینی جس پر اور جہاں چاہنا گراتے رہنا یہ سب کام اسی قادر مطلق حکیم کُل کا ہے کسی اور کا نہیں۔ یونانی سمجھتے تھے کہ بجلی زی اُس دیوتا کا حربہ ہے اور رومی عقیدہ رکھتے تھے کہ جوپیٹر (عطارد) دیوتا کا، اور ہندیوں کے خیال میں اِندر دیوتا کا، دوسری مشرک قومیں بھی ایسی ہی خوش خیالیوں میں مصروف تھیں۔ قرآن مجید نے ایک چند لفظی فقرے سے ان ساری وہم پرستیوں پر ضرب کاری لگا دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) ۲۴ؔ (اپنی قدرت خلاقی اور قوتِ صناعی کے لحاظ سے بھی اور اپنی طاقت و گرفت و سزا دہی کے لحاظ سے بھی) مطلب یہ ہوا کہ ایسا خدا جس کے نظام کائنات کی کارفرمائیاں اتنی عجیب و عظیم ہوں اور جس کا اختیار و اقتدار اتنا ہمہ گیر اور کامل، یہ نادان اسی خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو لاتے ہیں اور اُس کی ذات و صفات میں اوروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۵ؔ یعنی حقیقی دُعا صرف اسی کے حضور میں ہو سکتی ہے سُننے کی قوت، قبول کرنے کی قوت اسی اکیلے میں تو ہے، اُس کے علاوہ کسی اور سے دُعا مانگنا حماقت محض اور سفاہت خالص نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی اور میں کوئی اختیار ہی کب ہے؟ ۲۶ؔ یہ غیر خدا کے آگے عرض نیاز کرنے (دُعا مانگنے) کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی احمق پیاسا پانی جیسی بے جان، بے ارادہ، لایعقل چیز کی طرف اسی امید پر ہاتھ پھیلائے رہے کہ پانی از خود اُس کے منہ تک پہنچ کر اُس کی پیاس بجھائیگا تو اس سے بڑھکر حماقت اور کیا ہو گی، اسی طرح یہ احمق دعا کے ذریعہ سے فریاد رسی اُسی سے چاہتے ہیں جو سرے سے قادر ہی فریاد رسی پر نہیں! ۲۷ؔ (اس لئے کہ وہ تو غیر اللہ کے سامنے رہتی ہے) کافروں کی جو دعائیں بظاہر مقبول معلوم ہوتی ہیں اُن واقعات کا تعلق دعا سے بالکل نہیں ہوتا، اُن کی وہ آرزوئیں یوں ہی بغیر دُعا کے پوری ہو جاتی ہیں، تکوینی اسباب و مصالح سے عام نظام ربوبیت کے ماتحت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافروں کی غیر مقبول دعاؤں سے مُراد اُن کی آخرت سے متعلق دعائیں ہیں، نہ کہ دنیا سے متعلق۔ المراد دعاؤهم الله تعالى بما يتعلق بالاٰخرة (روح)

ف۱۳ (اور آپؐ کا اصل کام سرکشوں کو ڈرانا اور انہیں راہ بتانا ہے نہ کہ ہر فرمایشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا) قرآن مجید نے پُورا پورا جواب ذرا سے فقرہ میں اعجوبہ پرستوں کو دے دیا کہ یہ نادان رسُولؐ کی صداقت کا معیار فرمایشی خوارق و معجزات کو سمجھ رہے ہیں، یہ کس قدر جہل ہے، کہ پیمبر کے اصلی فرائض سے اسے اصلاً تعلق نہیں۔ انجیل میں حالانکہ صاحبِ انجیل اپنے خوارق و معجزات ہی کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں معجزات کی فرمائش کرنے والوں پر یوُں لتاڑ آئی ہے۔ "اے اُستاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں"۔ (متی۔ ۱۲: ۳۹) "جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں وہ نشان طلب کرتے ہیں"۔ (لوقا ۱۱: ۲۹)

أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ

(فلاں) معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اُترا بیشک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں ف۱۳ اور ہر

قَوْمٍ هَادٍ ۝ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ

قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے ف۱۴ اللہ کو علم رہتا ہے اس کا جو کچھ کسی عورت کے حمل میں ہوتا ہے اور جو کچھ

الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝

(عورتوں کے) رحم میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور ہر شے اُس کے نزدیک ایک (معین) اندازہ ہی سے ہے ف۱۵

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاءٌ

(وہ) پوشیدہ اور کھلی چیزوں (سب) کا جاننے والا ہے بڑائی والا ہے عالی شان ہے ف۱۶ (اُس کے علم میں)

مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ

برابر ہے تم میں سے جو کوئی بات چھپائے اور جو کوئی اسے ظاہر کرے اور جو کوئی

مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ

رات میں چھپ جائے اور جو کوئی دن میں چلے پھرے ف۱۷ ہر ایک کے لئے

مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ

باری باری آنے والے فرشتے ہیں اُس کے آگے بھی اور اُس کے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم کے

أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا

اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں ف۱۸ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ

مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا

خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے ف۱۹ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی

"پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لئے اُس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اُس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"۔ (مرقس، ۸: ۱۱-۱۲)

ف۱۴ (اور اس قوم کے لئے ہادیٔ اعظم آپؐ ہیں) هَادٍ۔ لفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیمبر کا مرادف نہیں ہے۔ اس کے تحت میں نبی اور نائبانِ نبی سب ہی آجاتے ہیں۔ اس لئے آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے اُن کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجۂ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے، اور اسی لئے مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث و مباحثہ غیر ضروری ہے۔ ~~عن ابن عباس~~ ~~الهادی الداعی الی الحق ... یعنی به ولکل قوم~~ ~~داعٍ ... عن ابی صالح قال لکل قوم قائد (ابن جریر)~~

ف۱۵ یعنی قدرت کے سارے انتظامات ایک خاص نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں، اٹکل پچو نہیں، اور نہ اس میں کسی سہو یا غلطی کا امکان ہے۔ اَللّٰهُ ۔۔۔۔ تَزْدَادُ۔ خدائے اسلام کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی۔ ہر ہر جزئیہ اور سارے مخفیات و مغیبات پر شامل۔ یہ جاہلی مذہبوں پر ضرب کاری ہے جن میں خدا کا علم ناقص یا صرف کلیات کا مانا گیا ہے۔ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ ۔ مثلاً یہی کہ حمل میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۔ مثلاً یہ کہ کسی کی مدت حمل بڑھ گئی اور کسی کی گھٹ گئی، یا یہ کہ کسی کے حمل میں ایک بچہ ہے، اور کسی کے زاید۔

ف۱۶ اُسی کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم کوئی اس کا بالادست نہیں، اور اس کا علم محیط و کامل ——— وہی ہمہ داں، ہمہ بیں، اور وہی ہمہ تواں۔ مذاہب شرکیہ اور ادیانِ جاہلی کو سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفات علم و قدرت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے اسی لئے قرآن مجید ان عقاید کو بار بار صاف کرتا جاتا ہے اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا جاتا ہے۔

ف۱۷ یعنی یہ ستر و جہر، یہ پوشیدگی و ظہور، یہ تاریکی و روشنی، سب تمہاری نسبت سے ہے۔ اس کے علم کے اعتبار سے سب یکساں ہے ——— مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنے ہی محدود و ناقص حواس اور قوتوں پر قیاس کیا ہے اس کی اصلاح ضروری تھی۔

ف۱۸ خالق کا تعلق مخلوق سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کا نہیں، وہ غایت شفقت و کرم سے سب کی حفاظت کی فکر و اہتمام رکھتا ہے۔ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۔ توحید کی تاکید و اہتمام مزید کے لئے ہے۔ فرشتے تک بھی متصرف بالذات نہیں، جو کچھ بھی کرتے ہیں، اطاعت سرشت بندوں کی طرح، اپنے خالق کے حکم ہی سے کرتے ہیں، اللہ اللہ! توحید خالص پر اس کتاب برحق نے کن کن طریقوں سے زور دیا ہے۔ مُعَقِّبَاتٌ ۔ مُراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے، پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے،

ف۱۹ (مسلسل نافرمانیاں کرکے) یہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تو عدل مطلق ہے، اُس کی طرف سے کسی ظلم و زیادتی کا امکان ہی نہیں، وہ تو جب کبھی کسی قوم کو گرفت میں لے گا، تو اُس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش ہی میں لیگا۔ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۔ اس تغیر کی نسبت فاعلی قوم کی طرف کرکے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ تبدیلیاں قوم کے اپنے قصد، عمد و اختیار سے، ہوتی ہیں، باقی اگر کوئی تبدیلی کسی قوم میں، کسی مجبوری یا اضطرار یا لاعلمی کے نتیجہ کے طور پر ہو جائے تو اس پر یہ گرفت نہیں۔ مَا بِقَوْمٍ سے مراد اچھی حالتوں سے ہے۔ ~~... من النعمة والعافية ...~~

۸ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ۔ یعنی زمین کے یہ قطعے ہوتے تو پاس ہی پاس ہیں لیکن اثرات کے لحاظ سے مختلف۔ حاصل ان سب مثالوں کا یہ ہے کہ مؤثراتِ مادّی ایک ہی ہوتے ہیں، اور پھر بھی اثرات مختلف ہوتے ہیں طبیعت ایک اور حکم مختلف یہ سب اس لئے کہ فاعل حقیقی کوئی اور ہی ہے ماس میں رد آگیا ان "نیچری" مذاہب کا جو کائنات کو محض قوانین طبعی کا دہنیر کسی قانون گر و قانون ساز کے، مقید و محکوم سمجھتے ہیں۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ ان سب واقعات میں جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں رد شرک اور اثبات توحید کے پورے پورے دلائل موجود ہیں۔ **۹** (آخرت سے انکار کرکے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نادان و

عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں بیشک ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا

جو عقل سے کام لیتے ہیں دلائل موجود ہیں ۸؎ اور اگر آپ تعجب کریں تو تعجب کے قابل خود ان کا (یہ) قول ہے کہ

تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جب ہم خاک ہو گئے تو پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ

پروردگار سے کفر کیا ۹؎ اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾

اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ۱۰؎

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ

اور یہ لوگ آپ سے جلدی کرتے ہیں مصیبت کی قبل عافیت کے درآنحالیکہ

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ

ان کے قبل واقعاتِ عقوبت گزر چکے ہیں ۱۱؎ اور بیشک آپ کا پروردگار لوگوں کے

مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ

حق میں باوجود ان کی زیادتیوں کے صاحب مغفرت ہے اور بیشک آپ کا پروردگار

لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ

سخت سزا دینے والا بھی ہے ۱۲؎ اور کافر کہتے ہیں کہ ان پر

نافہم جو بڑے استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہو گئے تو دوبارہ پھر مجسم و متشکل ہو کر برآمد ہوں تو در اصل حیرت و استعجاب کے قابل تو خود ان کا یہ انکار ہے، یہ نافہم اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انہی کے اقرار کے مطابق خدائے قادر و توانا کیسی کیسی عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدم محض سے پیدا کر چکا اور برابر پیدا کرتا رہتا ہے تو اس کے لئے ان کا اعادہ انہیں دوبارہ شکل دے دینا مشکل ہی کیا ہے؟ مضحکہ کے قابل عقیدۂ آخرت ذرا بھی نہیں بلکہ تمامتر قابلِ مضحکہ انکارِ آخرت ہے۔ **۱۰** (اور کبھی نجات نہ پا سکیں گے) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ منکرینِ آخرت بھی ویسے ہی کافر اور ویسے ہی معذب رہیں گے جیسے دوسرے منکرینِ توحید و منکرینِ رسالت۔ **۱۱** یعنی یہ منکرین وقوعِ عذاب کو اس قدر مستبعد سمجھ رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ ان کی میعاد و مہلت ختم ہو لے آپ سے نزولِ عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں، حالانکہ تاریخ کی شہادت انہیں خود مل سکتی ہے کہ مکذب و آخرت فراموش قوموں کی کیسی کیسی حسرتناک بربادیاں اسی دنیا میں واقع ہو چکی۔ مَثُلٰتُ ۔ مثلہ کی جمع ہے۔ یہاں مراد واقعاتِ عذاب و عقوبت ہے۔ اے عقوبات امثالهم من المكذبين (جلالين) السيئة سے مراد عذاب اور الحسنة سے مقصود عافیت ہے۔ قال ابن عباس رض السيئة العذاب والحسنة العافية (کبیر)

۱۲ یعنی حق تعالیٰ میں دونوں صفات موجود ہیں، جن کا ظہور اپنے اپنے موقع پر ہوتا ہے صفت عذاب کا ظہور اگر ابھی ان کافروں پر نہیں ہوا ہے تو یہ احمق آخر غافل و بے فکر کس برتے پر ہوئے جا رہے ہیں؟ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۔ حضرت ابن عباسؓ صحابی سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر پُر امید و پُر تسلّی یہی آیت ہے۔ قال ابن عباس ليس في القرآن آية ارجى من هذه (کبیر) متکلمین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ صاحب کبائر کی مغفرت توبہ کے قبل بھی ہو سکتی ہے۔ فاعلم ان اصحابنا تمسكوا بهذه الآية على انه تعالى قد يعفو عن صاحب الكبيرة قبل التوبة (کبیر)

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ
پھر قائم ہوا عرش (سلطنت) پر اور آفتاب و ماہتاب کو مطیع کیا ۵۳
كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ
ہر ایک ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے ۵۴ (اللہ) ہر امر کا انتظام کرتا رہتا ہے، نشانوں کو
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَهُوَ
کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کرلو ۵۵ اور وہ
الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ؕ
وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا رکھ دیئے اور
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ
اس میں ہر پھل کی دو دو قسمیں رکھ دیں ۵۶
يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے بیشک ان (سب) میں سوچنے والوں کے واسطے
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ
نشان موجود ہیں ۵۷ اور زمین میں پاس پاس قطعے ہیں اور انگوروں کے
مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ
باغ اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں گنجان (بھی) اور جیترے
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۚ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا
(بھی) ایک ہی پانی سے سیراب کئے جانے والے اور (پھر بھی) ہم ان میں سے پھلوں میں

۵۳ (اپنے احکامِ تکوینی کا اور انہیں کام میں لگا دیا) سُورج اور چاند دیوی دیوتا ہونا تو خیر بڑی چیز ہے خود مختار اور آزاد بھی نہیں ـــــ مشیتِ الٰہی کے آگے تمامتر مسخر و مجبور ہیں اُن کے خالق نے انہیں جس کام میں چاہا لگا دیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ یعنی قوانین جہانبانی کا نفاذ شروع کردیا۔ استواء اور عرش دونوں پر مفصل حاشیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ ۵۴ (اپنے اپنے مدار پر حسب قانونِ خداوندی) كُلٌّ۔ یعنی سُورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک۔ ۵۵ مطلب یہ ہُوا کہ جو قادرِ مطلق ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات کی خلق اور ایجاد پر قادر ہے اس کے لئے انسان کا دوبارہ پیدا کردینا کچھ دشوار ہے؟ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ ہر امر کا انتظام حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع و خالق ہی نہیں جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا (جیسا کہ بہت سے گمراہ فرقوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ حاکم و متصرف بھی ہے۔ الْاٰيٰتِ۔ اس کے اندر تکوینی نشانات اور تشریعی دلائل دونوں آگئے۔ ۵۶ ایک دوسرے کے مقابل مثلاً بڑے اور چھوٹے یا تُرش اور شیریں وقس علی ہذا۔ سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلق زوجیت پھلوں کے درمیان منکشف ہو سب آیت کے تحت میں آجائے گا۔ رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا۔ یعنی نہ کوئی پہاڑ (نہ گوری شنکر نہ بندھیاچل نہ ننگا پربت) اور نہ کوئی دریا (نہ گنگا نہ نربدا نہ سرسوتی) معبود یا نیم معبود یا کسی دیوی دیوتا کا مسکن جیسا کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر بھی بہت سی جاہل قوموں کا عقیدہ ہے اور رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مَدَّ الْاَرْضَ۔ یعنی یہ زمین بھی نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی مائی جی محض اللہ کا پھیلایا ہُوا ایک فرش ہے جس پر اُس کی مخلوق آزادی سے چلے پھرے، دَوڑے دُھوپے۔ مد و امتداد سے زمین کی کرویت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا اصلی شکل جو کچھ بھی ہو، قرآن مجید کو اس سے مطلق بحث نہیں۔ بشری آنکھ کو تو بہر حال پھیلی ہوئی اور سطح ہی نظر آتی ہے۔ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر تو ساتویں صدی ہجری کی بالکل ابتداء کی تصنیف ہے زمین کی کرویت اس وقت بھی مسلّم ہو چکی تھی۔ ثبت بالدلیل ان الارض کرۃ فکیف یمکن المکابرۃ فیہ (کبیر) لیکن چونکہ یہ کرہ ہے نہایت ہی عظیم جسامت رکھنے والا اس لئے بشری آنکھ کے سامنے اس کا جتنا ٹکڑا آتا ہے سطح ہی نظر آتا ہے اور اس کی کرویت غیر مشاہد رہتی ہے۔ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں:۔ والکرۃ اذا کانت فی غایۃ الکبر کان کل قطعۃ منہا تشاھد کالسطح (کبیر) ۵۷ یعنی تردید شرک و تعدد الٰہ کے اور اللہ کی توحید اور صنعت گری کے دلائل۔ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ۔ یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا دیتی ہے۔ دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گزری ہیں جنہوں نے ''رات'' اور ''دن'' کو مستقل دیوتا مان مان کر ان کی پُوجا کی ہے۔ پارۂ سیقول کے حاشیوں میں اس کا ذکر آچکا ہے ؏

۲۰۰ یعنی عذاب موعود اپنے وقت مقرر پر آکر رہا اور کفار منکرین معاندین بہر حال اپنے کیفر کردار کو پہنچے، عام قانونِ الٰہی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے۔ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ اور ظاہر ہے کہ بچا لینے کی مشیتِ الٰہی ہمیشہ مومنین ہی سے متعلق رہی ہے۔ (هم الرسل والمومنون (معالم)) مطلب یہ ہوا کہ عذاب عمومی جب بھی آیا تو اہلِ ایمان کو بچا لیا گیا۔ ۲۰۱ (اور وہ اہلِ فہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا انجام کیا) قَصَصِهِمْ۔ ضمیر انبیاء سابقین اور اُن کی اُمتوں کی طرف ہے۔ ~~ای قصص الانبیاء وامصهم (بیضاوی)~~

يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي

ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں ۲۰۰ ان کے قصوں میں

قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا

اہل فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے ۲۰۱ (قرآن) کوئی گڑھی ہوئی بات تو

يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ

ہے نہیں یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اُس کا جو اُس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے اور تفصیل کرنے والا ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ ع ۱۲ / ۶

ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے ۲۰۲

سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَأَرْبَعُونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورۂ رعد مدنی ہے اور اس میں ۴۳ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الْمر ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ۗ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ

الف۔لام۔میم۔را یہ کتاب (عظیم) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١﴾

نازل کیا جاتا ہے وہ (بالکل) سچ ہے لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے ۱

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے بغیر ستون کے (جیسا کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو ۲

۲۰۲ جب ہی اسی کے ذریعہ سے اہلِ ایمان دنیا میں ہدایت حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں رحمت۔ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر ایسی چیز کی تفصیل جس کا تعلق ہدایت سے ہے۔ چنانچہ اصل دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو براہِ راست یا بالواسطہ قرآن مجید میں نہ نکل آئے۔ ~~کل شیء یحتاج الیه فی الدین اذ ما من امر دینی الا وله سند من القرآن بوسط او بغیر وسط (بیضاوی) یستند الی القرآن بذات او بوسطه~~

تذئیل۔ سورۂ یوسف میں جسے قرآن مجید خود احسن القصص قرار دے رہا ہے برادرانِ یوسفؑ کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اسی مناسبت سے یہ نامۂ سیاہ عرض پرداز ہے کہ وہ بھی اسی خانوادۂ بزرگ کا ایک ادنیٰ وحقیر و ننگ خاندان نام لیوا ہے۔ سلسلۂ نسب جہاں تک خاندانی شجروں سے پتہ چل سکا ہے اٹھاونویں پشت میں لاوی بن یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

سورۂ رعد۔ ۱ (حالانکہ اس کلام کی حقانیت وصداقت کا مقتضاء یہ تھا کہ سب کے سب اُس پر ایمان لے آتے) الٓمّٓرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ یہاں ان حروف کو فقرہ انا اللہ اعلم وارٰی ما تعملون کا بھی مخفف سمجھا گیا ہے اور فقرہ انا اللہ الملک الرحمٰن کا بھی انا اللہ اعلم وارٰی ما تعملون (ابن عباسؓ) ~~انا اللہ الملک الرحمٰن (کبیر عن عطاء)~~ ۲ زمین سے آسمان کا اتنا بلند نظر آنا اور اتنی بلند چیز بغیر کسی ظاہری مادّی سہارے کے —— یہ بجائے خود ایک دلیل خالقِ فطرت کی اعلیٰ صناعی وقدرت کی ہے۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نفی عمد کی گئی ہے۔ آیت میں ان یونانی ومصری حکماء وفلاسفہ کا رد آگیا۔ جو آسمان کو قائم بالذات صاحبِ عقل وارادہ دیوتا تسلیم کرتے تھے۔ تَرَوْنَهَا۔ کے ترجمہ میں ضمیر مؤنث السماوات کی طرف لی گئی ہے لیکن جائز ہے کہ عمد کی طرف بھی لی جائے اس صورت میں نفی عمد کی نہیں بلکہ رویت عمد کی رہے گی یعنی آسمانوں کے لئے ایسے ستون ہیں جو تمہارے لئے غیر مرئی وغیر مشاہد ہیں۔ ~~قیل ضمیر النصب فی ترونها عائد علی عمد ای بغیر عمد مرئیة (بحر) یحتمل وجهین احدهما انها بعمد ولا ترون تلک العمد وهذا ذهب الیه مجاهد وقتادة (بحر) وقال ابن عباس وما یدریک انها بعمد لا ترونها (بحر)~~ اس صورت میں قانون کشش وغیرہ جس نام سے بھی سائنس توجیہات پیش کرے، سب آیت کے ماتحت غیر مرئی کے عموم میں داخل ہو جائیں گی۔ اور سب سے بہتر اس باب میں وہ تشریح ہے جو امام رازیؒ نے پیش کی ہے۔ امام موصوفؒ فرماتے ہیں کہ آسمان کو قائم رکھنے والے اصلی ستون حق تعالیٰ کی قوت حفظ و تدبیر ہیں اور یہ تمہارے لئے غیر مرئی ہیں۔ ~~وقد دللنا علی ان هذه الاجسام انما بقیت واقفة فی الجو العالی بقدرة الله تعالی وحینئذ یکون عمدها هو قدرة الله تعالی (کبیر)~~

السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هٰذِهٖ
قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ۱۹۱ آپ کہہ دیجئے کہ
سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۣ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ
میرا طریق یہی ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ۱۹۲ دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے
اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾
پیرو بھی ۱۹۳ اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ۱۹۴
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ
اور ہم نے بستیوں والوں میں سے آپ سے قبل بس مردوں ہی کو بھیجا کہ ہم نے ان کی طرف
مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
وحی کی ۱۹۵ تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
ورنہ دیکھ لیتے کہ ۱۹۶ اُن لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو اُن کے قبل تھے
وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾
اور عالم آخرت ہی اُن لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کئے ہوئے ہیں، سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے ۱۹۷
حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ
(پہلے بھی مہلتیں دی جا چکی ہیں) یہاں تک کہ پیمبر مایوس ہو ہو گئے ہیں اور گمان کرنے لگے کہ ان سے
كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا
غلطی ہوئی ۱۹۸ (کہ اتنے میں) انہیں ہماری مدد آپہنچی ۱۹۹ سو ہم نے جس کیلئے چاہا نجالیا گیا اور

وقف النبی علیہ السلام

۱۹۱ مطلب یہ ہے کہ ہر کفر فی نفسہٖ سزا و عقوبت کا مستحق و مستوجب ہے خواہ فوراً خواہ بتاخیر لیکن یہ شامت زدہ آخرت فراموش نفس سزا ہی کی طرف سے غافل اور بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۹۲ اتنے سے فقرہ میں توحید و رسالت دونوں کا اثبات ہو گیا۔ هٰذِهٖ - یعنی یہی اثبات توحید و رسالت و یوم آخرت جن کا ذکر اوپر آچکا۔ یعنی الدعوة الی التوحید والاعداد للمعاد (بیضاوی) هٰذِهٖ الدعوة التی ادعو الیها والطریقة التی انا علیها (کبیر) ۱۹۳ یعنی میں تو اصالۃً اور بالذات اور میرے پیرو میرے واسطہ سے اور میرے طفیل ہیں۔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ - سے اشارہ ہو گیا کہ اسلام کورانہ تقلید کا نام نہیں بلکہ دین حق ایک ثابت شدہ مدلل حقیقت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت اس پر ناطق ہے کہ علم کلام اور علم اصول خاص پیمبرانہ علم ہیں اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انہی علوم سے کام لینے کے لئے ہوتی ہے۔ وهٰذه الاٰية تدل علی ان حرفة الكلام وعلم الاصول حرفة الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام وان الله ما بعثهم الى الخلق الا لاجلها (کبیر) ۱۹۴ (میرے اور دین شرک کے درمیان اشتراک ہی کیا ہے میں اس کے ایک ایک جزیہ سے علیحدہ و بیزار) سُبْحٰنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آلائشِ شرک سے پاک و بالاتر ہے، جو اس کی ذات یا صفات سے متعلق مشرکوں نے روا رکھا ہے۔ ۱۹۵ یعنی پیمبر بنا کر تو ہمیشہ بشر ہی کو بھیجا گیا ہے، بشریت پیمبری کے منافی ہونا کیا معنی عین اس کا جزو لازم ہے اتنی موٹی حقیقت بھی دیوتا پرست، اوتار پرست مشرکوں کے ذہن میں نہیں آتی۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے بہ اشارۃ النص دو اور مسئلہ بھی روشنی میں آجاتے ہیں:- (۱) ایک یہ کہ پیمبر ہمیشہ آبادی والی بستیوں میں سے ہوئے ہیں نہ کہ بے تعلق خانہ بدوش جرگوں قبیلوں میں سے۔ من اهل القرىٰ لم يبعث رسولًا من اهل البادية (کبیر) يعني من اهل الامصار دون اهل البوادي (ابن جریر) (۲) دوسرے یہ کہ پیمبری ہمیشہ مردوں ہی میں رہی ہے کوئی عورت کبھی اس مرتبہ پر فائز نہیں کی گئی۔ اِلَّا رِجَالًا - والاٰية تدل على ان الله تعالىٰ ما بعث رسولا الى الخلق من النسوان (کبیر) يخبر تعالىٰ انه انما ارسل رسوله من الرجال لا من النساء وهذا قول جمهور العلماء (ابن کثیر) الذی علیه اهل السنة والجماعة وهو الذي نقله الشيخ ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری عنهم انه ليس في النساء نبية (ابن کثیر) يعني رجالا لا نساء لانه عليه السلام قال الرسول لا يكون امرأة (کبیر) قيل معناه نفي استنباء النساء (بیضاوی) ۱۹۶ (کفار و منکرین میں سے) یعنی پچھلی سرکش و نافرمان قوموں کے کھنڈروں پر گزرنے سے عبرت کا سبق یہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں اور یہی مقصد کسی درجہ میں اب تاریخوں کے مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور مقصود اگر عبرت و تذکر ہو تو سیاحت عالم اور علم آثار قدیمہ سے اشتغال بھی ایک عبادت ہے۔ ۱۹۷ (کہ باقی کے مقابلہ میں فانی کی ہستی اور بساط ہی کیا ہے!) ۱۹۸ موجودہ کافروں کو تاخیرِ عذاب سے خوش و مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے، پچھلی بدکار اور نافرمان قوموں پر آمد عذاب موعود میں بعض دفعہ دوسری مصلحتوں سے اتنی تاخیر ہوئی ہے کہ خود پیمبروں کو باایں ہمہ استقامت و صبر و سلامتِ فکر، یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ہم ہی سے تو وعدۂ نزولِ عذاب کے سمجھنے اور تعین مدت عذاب میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔ آیت کی تفسیر اور بھی متعدد طریقوں سے منقول ہے مگر سب سے زیادہ صاف بے تکلف اور بے غبار مفسر تھانویؒ کی اختیار کی ہوئی تفسیر ہے، ۱۹۹ اور نصرتِ غیبی یہی کفار پر عذاب موعود تھی۔

۱۸۴ (اور جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے آخرت میں بھی میرے سارے کام بنا دے۔ یہاں کی کارسازی کا پورا جلوہ وہاں بھی دکھا دے) تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا سے آرزوئے موت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کا اثبات ہوتا ہے کہ موت جب بھی آئے دینِ اسلام پر آئے۔ ~~قال ابن عباسؓ فی روایۃ عطاء یرید اذا توفیتنی فتوفنی علی دین الاسلام فھذا طلب لان یجعل اللہ وفاتہ علی الاسلام ولیس فیہ ما یدل علی انہ طلب الوفاۃ~~ (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ توفنی مسلماً الخ سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک باوجود عصمت اور امتناعِ کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرتے رہنا، دوسرے شوقِ لقاء میں موت کی آرزو کرنا۔ امام رازیؒ نے آیت کے تحت میں لذائذِ دنیوی کی بے حاصلی اور زود فنائی وغیرہ کو تفصیل سے بیان کرکے لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیفیتیں حال بن گئی ہیں اور میں مکروہاتِ دنیوی سے عاجز آکر اکثر اس دعائے یوسفی کا ورد کرتا رہتا ہوں۔ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ اس پر شبہہ یہ کیا گیا ہے کہ صالحین تو عامۂ مؤمنین میں ہوتے رہتے ہیں، اور حضرت یوسفؑ خود ایک نبی جلیل القدر تھے پھر آپ نے محض درجۂ صالحین کی تمنا کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ صالحین کا مفہوم اضافی ہے اس کا معیار ہر ایک کے درجہ و مرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتا ہے حضرتؑ جس مرتبہ صالحین کی تمنا کر رہے تھے آپؑ کے پیشِ نظر حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے مرتبے و عظمت کے "صالحین" تھے۔ ۱۸۵ (اے رسولؐ!) یہاں پر زور دے کر ارشاد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ محض وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے ورنہ یوں ساری دنیا کی طرح آپ کے لئے بھی یہ قصہ غیب ہی میں داخل تھا۔ ۱۸۶ (یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں ڈالنے کا اور حضرت یعقوبؑ کے پاس آکر باتیں بنا رہے تھے) لَدَيْهِمْ یعنی برادرانِ یوسفؑ کے پاس۔ ~~یرید اخوۃ یوسف~~ (روح) مطلب یہ ہوا کہ نہ آپؐ خود ان واقعات کے وقت موجود تھے اور نہ آپؐ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معلوماتِ صحیح کا بجز وحیِ الٰہی کے ہے کوئی دوسرا آپ کا رہنما نہیں۔ ۱۸۷ (اس لئے آپ توقع ہی نہ رکھیے کہ ان تمامتر صحیح اخبار بالغیب کے بعد بھی یہ لوگ ایمان لے آویں گے) مراد یہ ہے کہ یہود وغیرہ تو آپؐ کے امتحان کے لئے آپ سے اس قصہ کی فرمائش کر رہے تھے اب آپؐ نے بغیر کسی ظاہری و مادی ماخذ کے جو صحیح و مستند قصہ اوّل سے آخر تک انہیں سُنا دیا! تو چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ فوراً آپؐ کے صاحبِ وحی ہونے پر ایمان لے آتے اور آپؐ کے دل سے لگی ہوئی بھی یہی تھی، لیکن اس کی توقع نہ رکھیے ان میں سے اکثر اس کا قصد ہی نہ کریں گے۔

وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ

میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے مجھے دنیا سے (اپنا) فرماں بردار اٹھا اور مجھے

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ

صالحین میں جا ملا ۱۸۴ یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں ۱۸۵

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

اور آپ اُن کے پاس اُس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا اور وہ

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

چالیں چل رہے تھے ۱۸۶ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں گو آپ کا کیسا ہی جی چاہے ۱۸۷ اور

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ تو مانگتے نہیں یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دنیا جہان کے لئے ۱۸۸ اور کتنی ہی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ

اُن پر سے (یہ لوگ) گزرتے ہیں اور اُن کی طرف سے منہ پھیرے رہتے ہیں ۱۸۹ اور ان میں سے

اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ

اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں ۱۹۰ سو کیا یہ اس کی طرف سے

تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ

بے فکر ہیں کہ انہیں اللہ کا کوئی عذاب چھا لے یا اِن پر اچانک

ع ۱۱ ۵

وَلَوْ حَرَصْتَ۔ حرص کے لئے اردو محاورہ میں دل سے لگی ہونا ہی آئے گا۔ ~~ومعنی الحرص طلب الشیء باقصی ما یمکن من الاجتہاد~~ (کبیر) ۱۸۸ یعنی اس کے اندر تو دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں کوئی ذرا طلب کرکے دیکھے تو۔ ۱۸۹ یعنی نہ اُن پر یہ توجہ کرتے ہیں۔ اور نہ اُن سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ ~~ای لا یعتبرون بھا~~ (کشاف) ~~ولا یلتفتون الیھا~~ (کشاف) يَمُرُّوْنَ۔ ھُمْ کی ضمیریں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ۔ نشانیوں سے مراد توحید و قدرتِ الٰہی پر دلالت کرنے والے واقعات و حوادثِ کائنات ہیں۔ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا۔ یعنی وہ واقعات و حوادث ان منکرینِ آخرت کے علم و مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ ای یشاھدونھا (روح) ۱۹۰ (جس سے اُن کا دعوائے ایمان باللہ ہی باطل ہوا جاتا ہے) مطلب یہ ہوا کہ آخرت کے منکر تو کثرت سے ہیں ہی، باقی جو لوگ انکارِ خدا نہیں بلکہ اقرارِ خدا کے مدعی ہیں ان کا بھی عموماً حال یہ ہے کہ ایک طرف تو خدا کو بھی مانے جاتے ہیں، اور دوسری طرف اس کے شریک دیوی اور دیوتا بھی، قرار دیئے چلے جاتے ہیں، جو صفاتِ الوہیت کے منافی ہے۔ مُشرکوں اور جاہل مشرکوں کا جو انجام ہوتا ہے اُسے چھوڑیئے خود ہماری قوم کے "اہلِ قبور" ٹھنڈے دل سے غور کریں، کہ "مزارات و مقابر" سے بالکل تعبّد کا معاملہ رکھنا ان پر چادریں چڑھانا ان پر نذریں ماننا، نفع و نقصان انہیں سے وابستہ جاننا یہ سب کہیں اُن کو اس آیت کی زد میں تو نہیں لے آتا۔ ~~ومن اولئک عبدۃ القبور الناذرون لھا المعتقدون للنفع والضر ممن اللہ تعالیٰ اعلم بحالہ فیھا وھم الیوم اکثر من الدود~~ (روح)

۱۷۷ف حضرت یوسفؑ نے اس مبارک قافلے کا استقبال پایۂ تخت سے نکل کر سرحدِ مصر پر کیا تھا اور اب خاص شہر میں چلنے اور رہنے کا التماس کر رہے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور یوسف نے اپنی گاڑی تیار کی اور اپنے باپ کے استقبال کے لئے جشن کو چلا اور اپنے تئیں اُس پاس حاضر کیا اور اُس کے گلے لپٹا اور دیر تک رویا" (پیدائش ۴۶: ۲۸، ۲۹) اٰوٰٓى اِلَيْهِ۔ یعنی اپنے پاس تعظیم و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور ہر طرح خاطر مدارات بزرگداشت کی۔ اَبَوَيْهِ۔ حضرت یوسفؑ کی والدہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، پرورش سوتیلی ماں اور حقیقی خالہ نے کی تھی، یہاں مجازاً اُنہی کو والدہ کہا گیا۔ عَلَى الْعَرْشِ عرش کا لفظ عام ہے ہر بلند تخت، اور چبوترہ (پلیٹ فارم) مراد ہو سکتا ہے، اور اگر تخت شاہی ہی مراد لی جائے تو ممکن ہے کہ حضرت یوسفؑ اس وقت تک مرتبۂ شاہی تک پہنچ گئے ہوں ~~قال اهل اللغة العرش السرير المرتفع والمراد بالعرش هٰهنا السرير الذي كان يجلس عليه يوسف (كبير)~~ **۱۷۸ف** (جیسا کہ عبرانی آداب و تہذیب میں داخل تھا) سُجَّدًا۔ سجدہ سے جیسا کہ اُوپر بھی کئی موقعوں پر آچکا ہے مراد ہر جگہ یہی اصطلاحی سجدہ نہیں ہوتا جو کسی مخلوق کے لئے اب حرام ہے، بلکہ یہاں مراد محض زمین بوس ہونا ہے جو اکثر قوموں میں ایک متعارف طریقہ اظہار تعظیم کا ہے اور شریعتِ اسلامی میں یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ ~~قد يسمى التواضع سجودًا وكان المراد هٰهنا التواضع (كبير) وكان تحية الناس يومئذ السجود ولم يرد بالسجود وضع الجباه على الارض انما هو الانحناء والتواضع (معالم) السجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم في ذٰلك الزمان (جلالين) وقيل ما كانت الا انحناء ولا تعفير الجباه (مدارك)~~ خَرُّوْا لَهٗ میں ل کے معنی لاجل کے بھی لئے گئے ہیں یعنی گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو پاکر اس خوشی میں ان سب نے اللہ کا سجدۂ شکر ادا کیا ~~وهو قول ابن عباس في رواية عطاء وان المراد بهٰذه الآية انهم خروا له اي لاجل وجدانه سجدا لله تعالٰى (كبير)~~ **۱۷۹ف** یعنی وہی خواب جو میں نے شروع میں دیکھا تھا اور آپ سے عرض کیا تھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ ستارے میرے آگے تعظیم سے جھکے ہیں۔ **۱۸۰ف** (اور اس مرتبۂ سلطنت تک پہنچا دیا) ابدی نعمتیں اور راحتیں بھی اللہ کے قانون و شریعت میں حقیر و ناقابلِ التفات نہیں جیسا کہ متشددین نے اور اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ **۱۸۱ف** (جس کا ظاہری اقتضاء تو یہ تھا کہ اب میرے اور ان کے درمیان صفائی اور یکجائی تمام عمر نہ ہو سکتی) نبی کی کریم النفسی ملاحظہ ہو کہ الزام ایسے شدید دشمن بھائیوں پر ذرا نہ آنے دیا بلکہ ذمہ داری شیطان کی قرار دے کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حیثیت ایک ہی رکھی۔ مِنَ الْبَدْوِ۔ یعنی اُس دیہات یا ویرانے سے نکال کر اِس شہر اور مرکزِ تمدن میں لے آیا۔ بدو حضر کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ ~~البدو خلاف الحضر (راغب) اي من البادية و قال الواحدي البدو بسيط من الارض يظهر فيه الشخص من بعيد (كبير)~~ کنعان اس وقت مصر کے مقابلہ میں جو مرکزِ تہذیب و تمدن تھا ایک دیہات ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ ~~كان يعقوب وولده بارض كنعان اهل مواشي وبرية (كبير)~~ **۱۸۲ف** اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت و مصلحت کے ماتحت ہی واقع ہونے دیتا ہے۔ لَطِيْفٌ۔ یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کر دینے والا مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کر دینے والا۔ ~~اي لطيف التدبير (روح) فاذا اراد حصول شيء سهل اسبابه فحصل وان كان في غاية البعد عن الحصول (كبير)~~ ساری سورۃ کے واقعات اسی اسم لطیف کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ **۱۸۳ف** (اور علم بھی کیسا ظنی، اور تخمینی نہیں، یقینی ـــــ اور یقینیات تک رسائی تو وحی کے بعد ہی ہو سکتی ہے) مِنَ الْمُلْكِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی باقاعدہ بادشاہت و فرمانروائی اگر تاریخ سے ثابت نہیں تو عملاً تو آپ اس مرتبہ پر بہرحال پہنچ چکے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "اور اُس نے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور فرعون نے یوسف کو کہا کہ میں فرعون ہوں، اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ پاؤں نہ اُٹھائیگا اور فرعون نے یوسفؑ کا خطاب 'جہاں پناہ' رکھا" (پیدائش ۴۱: ۴۲، ۴۴) اور بعض نے مِن کو تبعیضیہ قرار دے کر اس سے یہ نکالا ہے کہ آپ ملک کے تمامتر فرمانروا تھے بلکہ بہرحال ایک بادشاہ کے ماتحت ہی تھے۔ ~~قال الاصم انما قال من الملك لانه كان دون ملك فوقه (كبير)~~ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ یہاں بھی مِن کے تبعیضیہ ہونے سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بشر بڑے سے بڑا عالم ہو جب بھی بہرحال اس کا علم محدود و متناہی ہوگا۔ ~~اي بعضًا من ابعاض العلم فلهٰذا السبب ذكر فيه كلمة من لانهما دالة على التبعيض (كبير)~~ تاویل الاحادیث سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم تو ظاہر ہی ہے باقی اور علوم الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ~~المراد بتاويل الاحاديث اما تعبير الرؤيا وهو الظاهر واما تفسير غوامض اسرار الكتب الالٰهية ودقائق سنن الانبياء (روح)~~

يُوسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ

یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں چلئے

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝٩٩ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ

(اور) انشاءاللہ (وہاں) امن چین سے (رہیے گا) ۱۷۷ اور اپنے والدین کو انہوں نے تخت پر بٹھایا

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

اور سب یوسف کے سامنے جھک گئے ۱۷۸ اور (یوسف) نے کہا اے میرے باپ یہ ہے میرے قبل والے خواب کی

مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ

تعبیر، اسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا ۱۷۹ اور اس نے میرے ساتھ کیسا احسان

اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ

اُس وقت کیا جب مجھے قید خانہ سے نکالا ۱۸۰ اور آپ (سب) کو صحرا سے لے آیا

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ

بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا ۱۸۱

اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝١٠٠

بیشک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے ۱۸۲ بیشک وہی ہے علم والا، حکمت والا

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت (بھی) دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم

تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ

بھی دیا ۱۸۳ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی

۱۶۸ھ واقعہ اعجازی رنگ کا ہے، اور قصۂ یوسفی سے جہاں اور بہت سے سبق براہِ راست قدرتِ خداوندی کے مل رہے ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ۱۶۹ھ (والد ماجد تو بغیر بیان آئے رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ تو بہر حال تشریف لائیں گے لیکن اُن کے ساتھ تم سب اور گھر بار کو بھی لیتے آنا) بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کا کنبہ اچھا خاصہ وسیع ہو چکا تھا بیٹے، بہوئیں، پوتے، پوتیاں سب ملا کر ستر نفوس تھے۔ توریت میں ہے:۔ "اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا، وہ اپنے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کو جو اُس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو مصر میں لایا۔" (پیدائش ۴۶: ۶،۷) "سو وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے ستر جانیں تھیں۔" (پیدائش ۴۶: ۲۷) ۱۷۰ھ یعنی جب برادرانِ یوسف کا قافلہ مصر سے کنعان کے لئے روانہ ہوا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ

(اب تم) میرے اس پیراہن کو لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو

يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا

(ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی ۱۶۹ھ اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ ۱۷۰ھ اور جب

فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ

(ادھر سے) قافلہ چلا ہے ۱۷۰ھ تو ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ سمجھو تو مجھے تو یوسفؑ کی خوشبو

لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ

محسوس ہو رہی ہے ۱۷۱ھ (لوگوں نے) کہا بخدا! آپ تو اپنے اسی قدیم وہم میں (مبتلا)

الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ

ہیں ۱۷۲ھ پھر جب خوشخبری لانے والا آپہنچا تو اُس نے وہ پیراہن آپؑ کے منہ پر

فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ

ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں ۱۷۳ھ روشن ہو گئیں، (یعقوبؑ نے) فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے ۱۷۴ھ (بیٹے) بولے اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت

اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ

کی دُعا کیجئے، بیشک ہم ہی خطا دار رہے ہیں ۱۷۵ھ، فرمایا اچھا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى

مغفرت کرونگا۔ بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۷۶ھ پھر جب (سب)

۱۷۱ھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے آس پاس کے لوگوں سے فرمائی اور چونکہ جانتے تھے کہ لوگ آسانی سے باور نہ کریں گے، پیرایۂ بیان بھی اسی قسم کا اختیار فرمایا لولا ان تفندون حضرات انبیاء کی لطافتِ احساس اور قوت ادراک کا کیا کہنا! مصر سے کنعان صدہا میل کے فاصلہ پر، اُدھر قافلہ کو حرکت ہوئی اور ادھر اتنی دُور آپؑ کو پیراہنِ یُوسفی کی خوشبو محسوس ہو گئی، لیکن یہ حیرت انگیز ذکاوتِ حس بھی ان حضرات کی اپنی اختیاری چیز نہیں ہوتی اور اسی لئے ہر وقت قائم نہیں رہتی، محض فیضانِ الٰہی کے تابع ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں —— قصۂ یوسفی اعجازی رنگ کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ تُفَنِّدُوْنِ۔ فند وہی شئے ہے جسے اُردو میں سٹھیا جانا کہتے ہیں یعنی کبر سنی کی بنا پر عقل و حواس میں فتور آجانا۔ التفنید النسبۃ الی الفند وھو الخرف وانکار العقل من ھرم او کبر ... تنسبونی الی الفند ... قال الحسن تهرمون ... قال الضحاک تهرمونی تقولون شیخ کبیر قد خرف وذھب عقله (معالم) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ ملاقات کا وقت موعود قریب آ لگا تھا، یہ خوشبو اتنے فاصلہ سے مدرک ہو گئی، اور جب وہ کنوئیں میں نسبۃً بہت قریب تھے چونکہ وقت نہ آیا تھا یہ خوشبو مدرک نہ ہوئی اور یہی معاملہ حضرات اولیاء کے مکاشفات کا ہے ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

۱۷۲ھ وہی ہوا جو آپؑ کا خیال تھا۔ لوگوں نے آپؑ کے کہے کا یقین نہ کیا اور آپؑ کو سچا اور نیک سمجھنے کے باوجود آپؑ کے اس "وہم" کو غلوئے محبتِ یوسفی پر محمول کرنے لگے۔ ۱۷۳ھ خوشبو اور خوشی کے اثر سے ضعفِ بصر کے دُور ہو جانے اور نورِ نظر کے عود کر آنے میں کوئی بات "خلافِ عقل" اور "خلافِ فطرت" نہیں۔ البتہ یہ واقعہ ہی چونکہ معمولِ عام کے خلاف ہے یہاں اعجازی ہی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "جب اس نے گاڑیاں جو یوسف نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں دیکھیں تو اُن کے باپ یعقوب کی زندگی دوبارہ ہوئی اور اسرائیل بولا یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے میں جاؤنگا اور پیشتر اس سے کہ میں مروں اُسے دیکھوں گا۔" (پیدائش ۴۵: ۲۷، ۲۸) اَلْبَشِيْرُ۔ بشیر جو خبر دینے کو قافلہ کے آگے آگے چلے۔ یہاں مراد یہودا ابن یعقوبؑ سے لی گئی ہے۔ قال ابن مسعود جاء البشير بين يدي العير قال ابن عباس هو يهودا (معالم) ۱۷۴ھ (چنانچہ اب تو تم کو اپنی رائے کی غلطی اور میرے علمِ خداداد کی صحت کا مشاہدہ ہو گیا) قافلہ اب مصر سے کنعان پہنچ چکا ہے اور حضرت یعقوبؑ کا نورِ بصارت عود کر آیا ہے۔ اُس موقعہ کی گفتگو، ۱۷۵ھ (کہ اپنی نالائقی سے آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائیں۔ اب آپ خود بھی معاف فرما دیں اور حق تعالیٰ سے بھی ہمارے حق میں دُعا فرما دیں) برادرانِ یُوسف آخر نبی زادے تھے اور اسحاق نبی کے پوتے اور ابراہیم خلیل کے پرپوتے اتنی اعلیٰ خاندانی شرافت اور پھر صالح ترین ماحول اپنا اثر آخر کب تک نہ دکھاتے۔ ۱۷۶ھ چنانچہ پچھلی تقصیریں بھی معاف کر دیتا ہے اور آیندہ ترقی مراتب کے رستے برابر کھلے رکھتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی عنقریب ہی قبول دُعا کے موزوں ترین وقت پر ؏

۱۶۰ (غلہ کی ناداری سے) دَخَلُوْا عَلَيْهِ ۔ ضمیر عزیز کی جانب ہے اور یُوسفؑ ہی اب عزیز تھے۔ یہ تیسرا سفر بھی ان بھائیوں نے مصر ہی کا اختیار کیا ایک تو "راشن" کی حاجت شدید اور یہ حاجت وہیں سے پوری ہوسکتی تھی۔ دوسرے بن یامین کی رہائی کی کوئی تدبیر اگر ممکن تھی تو وہیں جانے سے بن پڑسکتی تھی۔ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ ۔ اب کی لہجہ میں اضطرار اور عاجزی قدرۃً زاید ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجت کے وقت بہ طریق اظہار جائز ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شکایت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ دل ذلك على جواز اظهار مثل ذلك عند الحاجة اليه وانه لا يجري مجرى الشكوى من الله تعالىٰ (جصاص) ۱۶۱ اپنی پیش کردہ رقم کو حقیر و ناقص کہہ کر پیش کرنا عزیز پر اور زیادہ اپنی مسکنت و احتیاج کا اظہار کرنا تھا، یوسفؑ اپنے بھائیوں کے

وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ

اور ہمارے گھر والوں کو (بڑی) تکلیف پہنچ رہی ہے ۱۶۰ اور ہم یہ نکمی پونجی لے کر آئے ہیں سو آپ ہمیں

لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي

ہمارے لئے غلہ پوری ناپ سے دیجئے اور ہمارے ساتھ رعایت کیجئے، بیشک اللہ رعایت کرنے والوں کو

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ

جزائے خیر دیتا ہے ۱۶۱ (یوسفؑ) بولے وہ بھی تمہیں یاد ہے جو تم نے یوسف اور اُسکے

بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ

بھائی سے (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تم نادان تھے ۱۶۲ وہ بول پڑے ارے تو کیا

لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ

تم یوسف ہی ہو ۱۶۳ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ ہے میرا بھائی واقعی

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہم پر اللہ نے (بڑا ہی) احسان کیا ۱۶۴ واقعی جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے سو اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ۱۶۵ وہ بولے قسم ہے اللہ کی کہ اللہ نے تم کو

اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ

ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اور بیشک ہم ہی خطادار رہے ہیں ۱۶۶ (یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں) آج

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۶۷

منزل ۳

مزاج کی تمکنت سے خوب واقف تھے اب جو اِن کا لہجہ گدایانہ اور سائلانہ دیکھا۔ نہ رہا گیا، دل پگھل گیا، شفقتِ پیمبری تو غیروں تک کا دُکھ دیکھ نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ تو اپنے بھائی ہی تھے۔ تصدق ۔ المتصدقین ۔ تصدق اور صدقہ سے یہاں اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں کسی کے ساتھ معاملت میں بہت زیادہ رعایت برتنا مجازاً صدقہ ہی کے حکم میں داخل ہے۔ قال سعيد بن جبير انهم سألوا التفضل بالنقصان في السعر ولم يسألوا الصدقة (جصاص) اى تفضل علينا بالمسامحة والاغماض عن رداءة البضاعة او زد على حقنا (كشاف) اى تفضل علينا ولا تنقصنا هذا القول اكثر المفسرين سمى ما هو فضل وزيادة لا يلزمه صدقة (خازن) فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ ۔ یعنی ہماری راشننگ میں کمی نہ کر دیجئے گا۔ ہماری ضرورتوں کا لحاظ کرکے للہ ہم پر رحم کیجئے۔ ۱۶۲ (اور اپنے افعال کے انجام سے بے خبر) اس طرزِ خطاب میں خود ایک حد تک ان مجرموں کی دلدہی آگئی۔ جٰهِلُوْنَ ۔ اکابرِ سلف نے کہا ہے کہ ہر معصیت جہالت ہی سے سرزد ہوتی ہے۔ قال بعض السلف كل من عصى الله فهو جاهل (ابن كثير) لما لم يفعلوا ما يقتضيه العلم ولا يقدم عليه الا جاهل سماهم جاهلين (كشاف) ۱۶۳ عزیز کی زبان سے یہ سوال ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کے ساتھ آگئی اور وہ اپنے رشک کے جذبات اور یُوسفؑ کے خواب سے ان خیالات میں ترقی اور یُوسفؑ و بن یامین کے ساتھ عداوت وہ گھر سے جنگل میں لے جانا اور کنوئیں میں گرانا وہ وہاں انہیں غلام کہہ کر قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالنا اور اپنی بدسلوکیاں ایک ایک کرکے یاد آگئیں اور ساتھ ہی یہ خیال تازہ ہوگیا کہ یُوسفؑ کا خواب جھوٹا نہیں ہوسکتا تھا عجب نہیں کہ یہی اُس کی تعبیر ہو رہی ہو، ءَاِنَّكَ ۔ استفہام حیرت و حیرانی کا ہے۔ الاستفهام يدل على الاستعظام اى انهم تعجبوا من ذلك (ابن كثير) قَالُوْٓا وہ لوگ یہ سُن، فرطِ حیرت سے بول پڑے۔ ۱۶۴ (کہ پہلے ہمیں توفیق صبر و تقویٰ عطا کی اور پھر اُس کی برکت سے یہ دنیوی نعمتیں عطا کیں!) ۱۶۵ (بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے) قرآن مجید تو دوسروں کی زبان سے بھی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصُول و کلیات ادا کرا دیتا ہے پھر یُوسفؑ تو نبی ہی تھے۔ اُن کی زبان سے ایک گہری اصُولی حقیقت بیان کر دی۔ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ ۔ تقویٰ سے مُراد گناہوں سے بچنا اور صبر سے مُراد بلا و مصیبت پر صبر کرنا ہے، ۱۶۶ (تمہارے اور بن یامین دونوں کے ساتھ اپنے معاملات میں) بڑے بھائیوں اور وہ بھی ایسے خیرہ سر بڑے بھائیوں کا چھوٹے بھائی کی عجز و نیاز کے ساتھ معافی مانگنا، اللہ اکبر، کیسا مؤثر سماں ہوگا! تَاللّٰهِ سے الْخٰطِئِيْنَ تک پڑھ جائیے تو لب و لہجہ میں حسرت، ندامت، معذرت سب کچھ ملیں گی۔ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۔ بے شک اللہ نے تمہیں بزرگی دے رکھی ہے اور تم بزرگی کے اہل بھی ہو۔ ۱۶۷ (تو جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور دل سے وہ باتیں بھلا دیں، تو میرا خدا کیوں نہ معاف کریگا۔ وہ تو تائبین کی خطائیں معاف کرتا ہی رہتا ہے) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ میری طرف سے تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں میں نے تمہیں معاف کر دیا، میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہوگیا۔ یہی آیت وہ تھی، جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اپنے جانی اور شدید دشمنوں کے مقابلہ میں پڑھکر یُوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا ؞

١٥٥ه اُسی کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون کس حال میں، کہاں کہاں ہے۔ اور وہی جب ملانا چاہے گا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کرے گا۔ میرا حال زار بھی اُس پر خوب روشن ہے اور مجھے جو اس ابتلا میں اسی نے ڈالا ہے وہ بھی کسی حکمت و مصلحت ہی سے ہے۔ **١٥٦ه** جسے فطرتِ بشری سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ نئی چوٹ سے پُرانی چوٹ تازہ ہو جاتی ہے اور تازہ غم سے پُرانا غم ہرا ہو جاتا ہے۔ یہ امر انسان کے لئے طبعی ہے۔ چنانچہ اسی کے اقتضار سے آپ بھی حضرت یوسفؑ کو از سرِ نو شدت کے

إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ

بیشک وہی بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ١٥٥ه اور اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے

يَٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَٱبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ ٱلْحُزْنِ

ہائے یوسف! اور غم سے (روتے روتے) اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئیں

فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوا۟ تَٱللَّهِ تَفْتَؤُا۟ تَذْكُرُ يُوسُفَ

اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے ١٥٦ه (بیٹے) بولے تم تو واللہ یوسف ہی کی یاد میں سدا لگے رہو گے

حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ ٱلْهَٰلِكِينَ ﴿٨٥﴾

یہاں تک کہ جاں بلب ہو جاؤ گے یا دم ہی نکل جائے گا ١٥٧ه

قَالَ إِنَّمَآ أَشْكُوا۟ بَثِّى وَحُزْنِىٓ إِلَى ٱللَّهِ وَأَعْلَمُ

(یعقوبؑ نے) فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے کر رہا ہوں اور میں اللہ کی

مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ يَٰبَنِىَّ ٱذْهَبُوا۟ فَتَحَسَّسُوا۟

طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ١٥٨ه اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور

مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَا۟يْـَٔسُوا۟ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ

اُس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

إِنَّهُۥ لَا يَا۟يْـَٔسُ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٨٧﴾

اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی لوگ ہوتے ہیں ١٥٩ه

فَلَمَّا دَخَلُوا۟ عَلَيْهِ قَالُوا۟ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْعَزِيزُ مَسَّنَا

پھر جب وہ لوگ (عزیز) کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز ہم کو اور

ساتھ یاد کرنے لگے ——— پیمبر اپنے جذبات و احساسات کے لحاظ سے بالکل بشر ہوتا ہے، مافوق البشر نہیں ہوتا ہے۔ یہ سبق قصۂ یوسفی کے ایک ایک جزئیہ سے بار بار دُہرایا جا رہا ہے۔ تَوَلّٰى عَنْهُمْ۔ یہ مُنہ پھیر لینا انقباضِ طبعی کے اثر سے تھا۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ یہ اشک افشانی کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں (جیسا کہ آج کل کے بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے) بلکہ اور زیادہ شفقت اور رقتِ قلب کی علامت ہے۔ یجوز للنبی علیہ السلام ان یبلغ الجزع ذالک المبلغ لان الانسان مجبول علی ان لا یملک نفسه عند الحزن (مدارک) اور حضرت یوسفؑ تو خیر نوجوان تھے ہمارے حضور انورؐ تو اپنے فرزند ابراہیمؓ کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں جو ابھی شیر خوار ہی تھے فَهُوَ كَظِيمٌ۔ یعنی دل پر اور آنکھوں پر تو اختیار نہ تھا باقی زبان پر کوئی کلمہ بے صبری یا جزع فزع کا نہیں آنے پاتا تھا۔ یہ فقرہ اس لیے بڑھا دیا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کی شدتِ غم کے ساتھ ساتھ آپ کی شدتِ ضبط بھی نمایاں ہو جائے، مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محبتِ طبعی محبتِ حق کے منافی نہیں اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، بلکہ کاملین میں اس کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کر دیتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔ **١٥٧ه** لڑکوں نے یہ جھنجھلا کر اور چڑ بڑ ہو کر کہا ہے ——— بوڑھوں کی ضد پر یہ جوانوں کا جھنجھلاہٹ فطرتِ بشری کی کتنی صحیح تصویر ہے۔ تَاللّٰهِ۔ خدا کی قسم جس میں ناگواری اور حیرت کے جذبات بھی شامل ہیں۔ **١٥٨ه** نہ تمہیں اس کے الطافِ بیکراں کا وہ علم ہے جو مجھے ہے اور نہ تمہیں وہ اسرار و علوم مرحمت ہوئے ہیں جو مجھے ہوئے ہیں۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی میں جو کچھ بھی عرض و معروض شکوہ و شکایت کر رہا ہوں اپنے اللہ سے کر رہا ہوں، تمہیں اس سے کیا سروکار اور تم اس میں خواہ مخواہ ہی دخل دے رہے ہو۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے صبرِ جمیل کے منافی اگر ہے تو شکایت الی الخلق نہ کہ شکایت الی الخالق جو عین دعا و التجائے مطلوب ہے۔ **١٥٩ه** کیا ٹھکانہ ہے اس اعتماد علی اللہ کا یہی شانِ نبوت! اظہارِ درد و غم اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں کر کے اب آپ ظاہری تدبیروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوسفؑ اور بن یامین کی تلاش پر اُن کے انہی بھائیوں کو پھر لگاتے ہیں۔

١٤٩ (وہی کیا پرانی شرمندگی کیا کم ہے، کہ نئی شرمندگی لے کر ان کے پاس جاؤں) قَالَ كَبِيرُهُمْ ۔ توریت میں اس موقع پر نام یہودا کا درج ہے جو اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھا۔ قرآن نے اس تاریخی غلطی کی تصحیح کر دی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبیر سے مراد لازمی طور پر سن کی بڑائی نہ ہو۔ عقل وغیرہ کی بڑائی بھی مراد لئے جانے کی گنجائش ہے۔ قيل كبيرهم في العقل وهو يهودا وهو الذي نهاهم عن قتل يوسف (کبیر) اعقلهم (ابن قتیبہ) یعنی فی العلم والعقل لا فی السن قال ابن عباس والکلبی هو یهوذا وهو اعقلهم

قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوٓا۟ أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم

ان میں سے سب سے بڑے نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے اللہ کی قسم کھلا کر

مَّوْثِقًا مِّنَ ٱللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِى يُوسُفَ ۖ

قول لے چکے ہیں اور اس کے قبل یوسف کے بارہ میں تو تقصیر کر ہی چکے ہو ١٥٠

فَلَنْ أَبْرَحَ ٱلْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِىٓ أَبِىٓ أَوْ يَحْكُمَ

سو میں تو اس سرزمین سے ٹلتا نہیں جب تک میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا اللہ ہی میرے حق میں

ٱللَّهُ لِى ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ ۝٨٠ ٱرْجِعُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَبِيكُمْ

فیصلہ کر دے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ١٥١ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور

فَقُولُوا۟ يَٰٓأَبَانَآ إِنَّ ٱبْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ إِلَّا بِمَا

ان سے کہو کہ اے ابا آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو شاہد اتنے ہی کے تھے جتنا ہم

عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَٰفِظِينَ ۝٨١ وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ

جانتے تھے اور ہم غیب کے تو جاننے والے تھے نہیں ١٥٢ آپ اس بستی والوں سے

ٱلَّتِى كُنَّا فِيهَا وَٱلْعِيرَ ٱلَّتِىٓ أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا

دریافت کر لیجئے جہاں ہم تھے اور اس قافلہ والوں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک

لَصَٰدِقُونَ ۝٨٢ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ

ہم ہی سچے ہیں ١٥٣ (یعقوب نے) کہا (جی نہیں) بلکہ تمہارے لئے تمہارے دل نے ایک بات گڑھ لی ہے

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِيَنِى بِهِمْ جَمِيعًا ۚ

میں صبر ہی کروں گا بلا آمیزش شکایت، کیا عجب کہ اللہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے ١٥٤

(هم) أَلَمْ تَعْلَمُوٓا۟ ...... ٱللَّهِ ۔ یعنی ہم تو حلف مؤکد کے ساتھ بن یامین کی حفاظت کا وعدہ کر چکے ہیں، اور ایسی مجبوری ابھی تک لاحق ہوئی نہیں ہے کہ ہم کوئی تدبیر کسی درجہ میں بھی نہ کر سکیں۔ **١٥٠** یعنی یا تو والد ماجد ان حالات میں خصوصی کوشش کر کے خود ہی مجھے یہاں سے ہٹنے اور وطن آنے کی اجازت دے دیں، اور یا اللہ تعالیٰ بن یامین کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے اور ہم سب اسے ساتھ لے کر چلیں۔ **١٥١** یعنی ہمیں کیا خبر تھی کہ بن یامین یہ حرکت کریگا ورنہ ہم کبھی قول و قرار نہ کرتے۔ وَمَا شَهِدْنَآ إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا ۔ یعنی قول و قرار دیتے وقت تو ہم نے صرف اتنی ہی ذمہ داری لی تھی جتنی ہمارے ظاہر علم میں آ سکتی تھی۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ ظاہر علم پر بھی بغیر حقیقت علم کے شمول کے اسم علم کا اطلاق جائز ہے۔ هذا يدل على جواز اطلاق اسم العلم من طريق الظاهر وإن لم يعلم حقيقته (جصاص) **١٥٢** یعنی اگر آپ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجئے یا ہمارے ساتھ جو اور اہل قافلہ تھے انہی سے دریافت کر لیجئے سب ہمارے ہی بیان کی تصدیق کریں گے۔ وَٱلْعِيرَ ٱلَّتِىٓ أَقْبَلْنَا فِيهَا ۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مل کر اور قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے اور پھر قحط و گرانی کی مصیبت تو آس پاس کے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی، آل یعقوب کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے اس طرح قافلہ بنا کر مصر پہنچ رہے تھے۔ **١٥٣** (جیسا کہ واقعہ یوسف میں پہلے ہی تم کر چکے ہو) شدت غم و حزن میں انسان ایسے ہی کلمات پر طبعاً مضطر ہے اور پیمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں، سارے انسانی جذبات کے ساتھ۔ یہ گفتگو اب اس موقع کی ہے کہ بڑے بھائی اور بن یامین کو مصر میں چھوڑ کر سب بھائی کنعان میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچے ہیں اور روداد مصائب سنائی ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو متہم و مشتبہ ہو اسکو یقین کے ساتھ نہیں لیکن حدود ظن تک متہم و مشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں کہ اس پر انسان طبعاً مضطر ہی ہے۔ **١٥٤** (اور میرے یوسف کے خواب کی تعبیر سچی نکل آئے) بِهِمْ جَمِيعًا ۔ بهم صیغہ جمع کا ہے، تثنیہ کا نہیں۔ مراد حضرت یعقوب کی اپنے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں سے تھی۔ یوسف و بن یامین کی محبوبیت تو ظاہر ہی ہے لیکن معلوم ہوا کہ تعلق خاطر اس تیسری اولاد سے بھی پوری طرح تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۔ فقرہ کی ترکیب مختلف طریقوں سے کی گئی ہے سب سے صاف اور بے تکلف وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ متن میں درج کیا گیا ہے۔ جمیل سے مراد ایسا صبر ہے جو بلا آمیزش شکوہ و شکایت ہو۔

۱۴۱ ... قانون میں چوری کی سزا غلامی نہیں تھی ... بلکہ ... تھی۔ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ - بادشاہ کے قانون میں یعنی مصر کے ... کے نہیں گرفتار تو بنیامین ہو ہی گئے تھے۔ یہاں اس سے مراد یوسفؑ کا انہیں اپنے پاس رکھ لینا ہے جیسا کہ اگلی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ ... مصری قانون کے لحاظ سے یہ بات حضرت یوسفؑ کے لئے ممکن نہ تھی۔ [illegible]
[illegible]
... اور ظاہر ہے کہ یہ باہر کے آئے ہوئے لوگ ضرور اسی ملک کے قانون کے ماتحت تھے جس میں اس وقت مقیم تھے جیسا کہ آج تک بین الاقوامی قانون کا دستور چلا آتا ہے۔ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ یوسف علیہ السلام کو نورِ نبوت سے معلوم ہو چکا تھا کہ آئندہ کو نظامِ حکومت انہی کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے آپ سرِ دست مصری آئین سے کوئی تعرض نہ فرماتے تھے۔

الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ

نہیں لے سکتے تھے مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کے مرتبے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوا إِن يَسْرِقْ

اور ہر صاحبِ علم سے بڑھ کر ایک عالم ہے ۱۴۲ برادرانِ یوسفؑ بولے کہ اگر اس نے چوری کی

فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ

کی ہے تو اس کا عینی بھائی بھی اس سے پیشتر چوری کر چکا ہے ۱۴۳ پس یوسفؑ نے اسے اپنے دل میں

فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۖ

پوشیدہ رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا ۱۴۴ کہا کہ تم تو (درجہ میں) بدتر ہو

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ۱۴۵ وہ بولے اے عزیز!

إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا

اس کا باپ بہت بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے ہم تو

نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن

آپ کو بہت نیک مزاج پاتے ہیں ۱۴۶ (یوسفؑ نے) کہا اللہ اس سے پناہ میں رکھے کہ

نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا

ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو ہم پکڑ رکھیں اس حالت میں تو

لَّظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ

ہم ہی بڑے ناانصاف ٹھہریں گے ۱۴۷ پھر جب وہ اس کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ ہو کر مشورہ کرنے لگے

ع ۹/۱۱ ۳

۱۴۲ یعنی ہر ذی علم اپنے علم پر نازاں نہ ہو جائے سب کا علم ختم ہو جاتا ہے اس کے بھی اوپر اس ہستی کا علم ذاتی اور علم محیط ہے جس کا نام عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ - چنانچہ خود انہی لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ ہم میں جس کسی کی بھی چوری ثابت ہو اُسے اپنا غلام بنا لو ——— یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو یوسفؑ کو کوئی اختیار تھا ہی نہیں کہ بن یامین کو اپنے پاس روک رکھیں یہ تو محض اللہ نے اپنی مشیتِ تکوینی سے یہ بات عمداً ان کے دل میں ڈال دی جو انہوں نے خود اسرائیلیوں سے ان کے قانون کی بات سوال کر لیا۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ - سیاق چاہتا ہے کہ یہاں درجاتِ علم مراد ہوں - چنانچہ یوسف علیہ السلام کا مرتبہ علم میں ممتاز رہا۔ [illegible]

۱۴۳ (اس لئے اس کی چوری پر کچھ ایسا تعجب نہیں) برادرانِ یوسفؑ کی سیرت جو شروع سے نمودار ہو رہی ہے اب اس میں ایک اور عنوان کا اضافہ ہوا ایک الزام یوسف علیہ السلام پر اور دھر دیا کہ انہوں نے اپنے بچپنے میں اپنے نانا کے ہاں ایک سونے کی مورتی اٹھا کر غائب کر دی تھی اس خیال سے کہ اب بت پرستی سے باز رہیں گے۔ [illegible]
[illegible]

۱۴۴ یوسفؑ کو اپنے برادران کا یہ قول سن کر غصہ تو قدرۃً آیا لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا۔ ... ضمیر دونوں جگہ اس فقرہ کی طرف ہے جو آگے آ رہا ہے۔ [illegible] ... یوسفؑ نے اس وقت جواب نہ دیا ... یوسفؑ نے ... حقیقت ان پر نہ کھول دی۔ [illegible]
[illegible]

۱۴۵ یعنی تم جو ہم دونوں کو چور بنا رہے ہو اس کی حقیقت اللہ ہی پر خوب روشن ہے۔ قَالَ - یوسفؑ نے یہ سب کچھ اپنے دل میں کہا۔ ... اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا کہ دوسرے تو مال ہی چراتے ہیں اور تم نے تو انسان کو چرا لیا اور وہ بھی اپنے باپ کے محبوب ترین بیٹے کو!

۱۴۶ برادرانِ یوسفؑ نے جب دیکھا کہ اب تو بڑے پھنسے اور ضابطے کی کوئی صورت بن یامین کی عزیزِ مصر کی قید سے چھوٹنے کی نظر میں نہ آئی اور باپ کو جو زبردست صدمہ پہنچے گا وہ سب یاد آنے لگے تو اب بڑی خوشامد کی راہ سے کہنے لگے کہ حضور اس لڑکے کے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ ان کے قلب کو بہت سخت صدمہ ہو گا اس لئے آپ یہ کیجئے کہ اس لڑکے کے بجائے ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور اسے جانے دیجئے اور حضور جیسے رحیم مزاج حاکم ہماری درخواست ضرور منظور کر لیں گے ہمیں اُمید اسی کی ہوئی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ - سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ مدارج عالی پر فائز ہو چکے ہیں۔

۱۴۷ آپؑ نے فرمایا کہ تم نے بھی غضب کر دیا مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ مال کسی کے پاس نکلے اور سزا کسی کو ملے حاشا مجھ سے تو یہ ناانصافی نہیں ہو سکتی شریعتِ اسلامی میں بھی سزائے بدنی میں مبادلہ جائز نہیں۔ زید اگر اپنی خوشی سے اپنے کو عمرو کے عوض رجم یا قتل یا قطع عضو کے لئے پیش کر دے تو قاضی یا مدعی کو اس کے قبول کرنے کا اختیار نہیں۔ حضرت یوسفؑ کمال احتیاط سے بن یامین کو اپنی زبان سے چور نہیں کہتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ مال تو تمہارے سامنے جس کی تلاشی میں نکلا اب تم اُس کے سوا کسی اور کو ... چاہتے ہو!

۱۴۸ کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ بن یامین کو چھوڑ کر واپس جانے بنتا ہے نہ یہاں ٹھہرتے۔ مِنْهُ ضمیر یوسفؑ کی طرف بھی جا سکتی ہے اور بنیامین کی طرف بھی ... پہلی صورت میں مطلب ان لوگوں کو یوسفؑ کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ دوسری صورت میں جب ان لوگوں کو بن یامین کی طرف سے بن یامین کے متعلق مایوسی ہو گئی۔

ف۱۳۴ یہ ندا کرنے والا یقیناً مہمان خانہ کا کوئی افسر ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ اُس نے یہ بطور خود کیا یا حضرت یوسفؑ کے حکم سے؟ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ ازخود کیا ہوگا۔ وزیر تک اس صاف اور سیدھی کارروائی کو لے جانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور نہ قرآن مجید ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ صرف بعض مفسرین کی یہ رائے ہے اور اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ صورت توریہ کی لازم آتی ہے یعنی سرقہ سے حقیقۃً مُراد وہ سرقہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ سے غائب کردیا تھا۔ لیکن سامعین معنیٰ قریب یعنی پیمانہ کا سرقہ سمجھے۔ لیکن اگر یوسفؑ کا اذن وحکم نہ فرض کیا جائے تو اس توجیہ و تاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں بات بالکل صاف ہو رہتی ہے کہ مہمان خانہ کے اہل کاروں اور عملہ والوں نے ازخود ہی یہ قیاس کرکے یہ صدا لگائی، اکابر اہل تفسیر ادھر ہی گئے ہیں۔ لیس فی القرآن انهم نادوا بذلك النداء عن امر یوسف علیه السلام والاقرب الی ظاهر الحال انهم فعلوا ذلك من انفسهم (کبیر) قال قائل من الموکلین بالصیعان وقد فقدوه ولم یدروا من اخذه ایتها العیر انکم لسارقون علی ظن منهم انهم کذلك ولم یامرهم یوسف بذلك (جصاص) قیل قالوه من غیر امر یوسف (معالم) وهو من قبل المؤذن بناءً علی زعمه (معتع)

لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

چور ہو ف۱۳۴ وہ بولے اور اُن کی طرف متوجہ ہوتے کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے ف۱۳۵

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ

وہ بولے ہم سے شاہی پیمانہ گم ہوا ہے اور جو کوئی اُسے لے آئے گا اس کے لئے

بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ

ایک بار شتر غلہ ہے اور مَیں اُس کا ذمہ دار ہوں ف۱۳۶ وہ بولے بخدا! تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ

مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم چور ہیں ف۱۳۷

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا

وہ بولے اُس (چور) کی کیا سزا اگر تم جھوٹے نکلے؟ ف۱۳۸ وہ بولے

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ

کہ اُس کی سزا یہ ہے کہ جس کسی کے شلیتے میں وہ پیمانہ مل جائے تو وہی شخص اپنی سزا ہے ہم لوگ

نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ

مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں ف۱۳۹ پھر (یوسفؑ) نے اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے قبل دوسروں کے

اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ

تھیلوں سے تلاش کی ابتدا کی، پھر اُس (پیمانہ) کو اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے برآمد کرلیا اس طرح کی

كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ

تدبیر ہم نے یوسفؑ کی خاطر کردی ف۱۴۰ (یوسفؑ) اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کے لحاظ سے

حضرت یوسفؑ کو ملزم قرار دینے کی اصل ذمہ داری توریت پر ہے۔ چنانچہ اس میں ہے:۔ "جوں ہی صبح کی روشنی ہوئی وہ سب اپنے گدھے لے کے چل نکلے جب وہ شہر سے تھوڑی دُور باہر گئے یوسف نے اپنے گھر کے داروغہ کو کہا کہ اُٹھ اور ان لوگوں کا پیچھا کر اور جب تو انہیں پاوے تو انہیں کہہ کہ تم نے کس لئے نیکی کے عوض یہ بدی کی" (پیدائش ۴۴: ۴، ۵) ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ یعنی جب قافلہ کچھ دُور نکل گیا اور شاہی مہمان خانہ کے اہل کاروں کو وہ پیمانہ غائب نظر آیا تو قدرۃً انہیں شبہ اسی قافلہ والوں پر گزرا اور ان میں سے کسی نے لپک کر یہ آواز دی۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظن غالب کی بناء پر اگر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ فلم یکن قول هذا القائل کذبا لانه کان عنده انهم کذلك فی غالب ظنه (جصاص)

ف۱۳۵ (کہ جس سے ہم پر شبہہ چوری کا کر رہے ہو) برادران یوسفؑ نے یہ صدا سُن کر پیچھے مُڑ کر دیکھا اور حیران ہو کر کہا کہ آخر وہ ہے کیا چیز جس کے غائب ہوجانے سے آپ ہم لوگوں کو چور سمجھنے لگے! عَلَيْهِمْ کے صیغہ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش میں تعاقب کرنے والا کوئی فرد واحد نہ تھا بلکہ متعدد سلطانی اہلکار تھے۔ ف۱۳۶ یہ انعام خزانۂ سرکار کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور قحط وخشک سالی کے زمانہ میں غلّہ کا راشن اتنی بڑی مقدار میں ایک بہت بڑا انعام تھا۔ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ یہ کہنے والا کون تھا اور انا کی ضمیر کس کی طرف ہے! لازمی نہیں کہ حضرت یوسفؑ ہی سے مُراد لی جائے۔ سرکاری اہلکار متعلقہ بھی مُراد ہوسکتا ہے اور اکثر اکابر سلف اسی طرف گئے ہیں۔ الزعیم هو المؤذن الذی قال ایتها العیر (ابن عباس) یقول المؤذن (معالم) وهو قول المؤذن (روح)

ف۱۳۷ برادران یوسفؑ نے اپنے اُوپر یہ عجیب وغریب اور توہین آمیز الزام سُن کر اُن اہلکاران سرکاری سے کہا کہ ہم اپنے ملک وقوم کے اعیان واشراف میں ہیں، چوری سے ہمیں واسطہ کیا۔ اور پھر ہم تو آپ کے مہمان ایک بار قبل بھی رہ چکے ہیں اور ہمارے اطوار وخصائل آپ پر واضح ہوچکے ہیں آپ کو یہ خیال ہی کیسے گزرا کہ ہم آپ کے ملک میں کوئی جرم کرنے یا قانون شکنی کرنے آئے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ خطاب یہاں عہدہ داران سرکاری سے ہے اور تائے قسم اور نقد کی دُہری تہری تاکید سے اپنے دعویٰ پر انتہائی زور دینا مقصود ہے جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی آپ کو کیسے پیدا ہوا۔ تَاللّٰهِ۔ ت قسم کی ہے۔ اور یہ تائے قسم عربی میں صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ اُس کے کسی مرادف رحمٰن۔ رب وغیرہ پر نہیں آتی۔ ف۱۳۸ (اور چور ثابت ہوگئے) اُن افسروں نے کہا اگر تلاش کے بعد سامان تمہارے ہی پاس نکل آیا اور تمہاری صفائی جھوٹی ثابت ہوئی تو تم ہی اپنے ملک وقوم کے آئین کے لحاظ سے بتاؤ کہ تمہاری کیا سزا؟ ف۱۳۹ یعنی ہماری شریعت اسرائیلی میں چور کی سزا یہی ہے ـــــ توریت میں جو سزائیں درج ہیں، خیال رہے کہ وہ شریعت موسوی کی ہیں شریعت اسرائیلی سے کئی سال بعد کی۔ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔ یعنی چوری کی سزا یہی ہے صاحب مال چور کو اپنا غلام بنالے۔ والمعنی ان استبارة هو جزاء ذلك الجرم (کبیر) ف۱۴۰ (بن یامین کو پاس رکھ لینے کی) كِدْنَا۔ صیغہ متکلم لاکر گویا یہ صاف کردیا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی مخفی کارروائیاں تھیں سب ہمارے ایماء سے ہوئیں یوسفؑ کسی منزل پر بھی قابل الزام نہیں۔ فَبَدَاَ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاشی یوسفؑ نے اپنے ہاتھ ہی سے لی ہو۔ اُن کے کسی نائب کا فعل بھی انہی کا سمجھا جائیگا۔ کید۔ مکر کے قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتے ہیں تو اُن سے مراد محض مخفی تدبیر ہوتی ہے نہ کہ اُردو محاورہ کے مطابق دغا، فریب وغیرہ۔ الکید من الخلق الحیلة ومن الله التدبیر بالحق (لسان) امام رازیؒ نے کہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو اُن سے مراد ان اعمال کی منتہائے مقصود اور حاصل غرض ہوتی ہے نہ کہ ان اعمال کے ابتدائی مدارج۔ انا ذکرنا قانونا معتبرا فی هذا الباب وهو ان امثال هذه الالفاظ تحمل علی نهایات الاغراض لا علی بدایات الاغراض (کبیر) كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقصد مباح کے حاصل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔ دلالة علی اجازة الحیلة فی التوصل الی المباح (جصاص)

عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیۡهِ

اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے اُسی پر

تَوَكَّلۡتُ ۚ وَعَلَیۡهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ۶۷ وَلَمَّا دَخَلُوۡا

بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے بھی بھروسہ رکھنے والوں کو ۱۲۷ اور جب وہ داخل

مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَهُمۡ اَبُوۡهُمۡ ؕ مَا كَانَ یُغۡنِیۡ عَنۡهُمۡ

ہوئے جس طرح اُن کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی

مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیۡ نَفۡسِ یَعۡقُوۡبَ

ان کے کام نہ آسکا ہاں وہ تو ایک ارمان تھا یعقوبؑ کے دل میں جو انہوں نے

قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ

پورا کرلیا ۱۲۸ اور بیشک وہ (بڑے) صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے اُن کو علم دیا تھا ۱۲۹ لیکن اکثر لوگ

النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۶۸ ع وَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ اٰوٰۤی

(اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۱۳۰ اور جب یہ لوگ یُوسُفؑ کے پاس پہنچے تو (یوسفؑ نے) اپنے (حقیقی)

ع ۸ ۱۱ ۲

اِلَیۡهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡكَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا

بھائی کو اپنے پاس جگہ دی ۱۳۱ (اور) کہا کہ میں تو تمہارا بھائی (یوسفؑ) ہوں سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں

یَعۡمَلُوۡنَ ۶۹ فَلَمَّا جَهَّزَهُمۡ بِجَهَازِهِمۡ جَعَلَ السِّقَایَةَ

اس پر اب رنجیدہ نہ ہو ۱۳۲ پھر جب ان کا سامان تیار کردیا تو پانی کا گلاس اپنے حقیقی

فِیۡ رَحۡلِ اَخِیۡهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الۡعِیۡرُ اِنَّكُمۡ

بھائی کے شلیتہ میں رکھ دیا ۱۳۳ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا اے قافلہ والو ضرور تم ہی

۱۲۷ (سو میں بھی اصل بھروسہ اُسی پر رکھتا ہوں۔ اپنی تدبیروں پر نظر نہ رکھنا) وَمَاۤ اُغۡنِیۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ۔ یعنی میں کیا اور میری تدبیر ہی کیا! میں کوئی تقدیر الٰہی تھوڑے ہی تم پرسے ٹال سکتا ہوں ——— کیا شانِ عبدیت ہر پیمبر میں ہوتی ہے! آیت سے معلوم ہوا کہ نفس تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، البتہ اُس تدبیر پر پورا اعتماد کر بیٹھنا اور اُسی کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگنا منافی توکل ہے مِنۡ شَیۡءٍ۔ میں نفی کامل کا بیان ہے۔ یعنی میری تدبیریں کسی خفیف و ادنیٰ درجہ میں بھی مشیتِ الٰہی کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ سارے اختیارات تکوینی و تقدیری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی مخلوق کو مشیت الٰہی میں ذرا بھی دخل نہیں۔ عَلَیۡهِ ...... الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ۔ کلام یعقوبی کا اصل مقصد اسی مسئلہ توکل پر زور دینا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲۸ (کچھ اس ظاہری تدبیر سے خدانخواستہ انہیں تقدیر الٰہی سے معارضہ تھوڑے ہی مقصود تھا) آیت میں بڑا سبق تسکین و تسلی کا عام اُمتیوں کے لئے ہے۔ درجۂ تدبیر و تدبیر جائز میں خدا معلوم کتنے امور ہیں جو دل میں آتے رہتے ہیں۔ ان سب کے لئے یہ بڑی سند ایک پیمبر کے عمل سے ہاتھ آگئی ۱۲۹ (اور وہ علم مرضیات الٰہی کا تھا، جیسا کہ ہر نبی کو ہم دیتے رہتے ہیں) حضرت یعقوب علیہ السلام اس علم صحیح کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تدبیر کو مؤثر حقیقی کب سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو صرف درجۂ تدبیر میں ایک احتیاط برتی تھی، اور ایسی احتیاطیں نامشروع نامحمود نہیں بلکہ عین مشروع و محمود ہیں۔ ۱۳۰ (بلکہ اپنے جہل سے تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگتے اور معتوب ہوتے ہیں) مومن صادق اور عارف اس کے برعکس تدبیر کو بھی ایک ذریعہ تعمیل ارشاد کا بنا لیتا اور مستحق اجر و ثواب ہوجاتا ہے۔ ۱۳۱ (شفقت و عزت کے ساتھ) خاطرداریوں اور مہمان نوازیوں کی تفصیلات توریت میں بھی درج ہیں، لیکن دوسرے بھائیوں کے شمول میں ——— ہمارے مفسرین نے مخصوص بنیامین کی خاطرداریوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہی سیاق قرآنی کے زیادہ مطابق ہے اور عقل بھی اسی کو قبول کرتی ہے۔ ۱۳۲ (کہ اب تو اللہ نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا) ملنے کے بعد یقیناً بھائی بھائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی۔ اور یہ تجویز یقیناً زیر بحث آئی ہوگی کہ آئندہ کے لئے ان ظالم بھائیوں سے بچ کر بن یامین کی یوسفؑ ہی کے پاس رہنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے اور بالآخر ایک صورت طے پاگئی جس کا ذکر ابھی بعد کی آیتوں میں آتا ہے۔ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡكَ یہ مکالمت ظاہر ہے کہ آپؑ نے کہیں تخلیہ میں اُن سے کی ہوگی۔ ۱۳۳ (اس مصلحت کے ساتھ کہ جب یہ لوگ رخصت ہوجائیں گے تو آپ ہی اس جام شاہی کی تلاش شروع ہوگی، اور شبہہ خواہ مخواہ انہی قافلہ والوں پر ہوگا) یہ منصوبہ بن یامین کے مشورہ ہی سے تیار ہوا تھا، اس لئے وہ قدرۃً بے فکر اور مطمئن تھے اور ان کے کسی دھوکے یا غلط فہمی میں پڑنے کا امکان نہ تھا۔ السِّقَایَةَ غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی یہی تھا۔ اور توریت میں ہے کہ یہ گلاس چاندی کا تھا۔ ہمارے یہاں کی بھی بعض روایتیں چاندی ہی سے متعلق ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور اُس نے اپنے گھر کے داروغہ کو یہ حکم کیا کہ ان آدمیوں کے بوروں کو غلہ سے جتنا کہ وہ لے جاسکیں بھر اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے کے اندر ڈال دے اور میرا پیالہ روپے کا پیالہ چھوٹے کے بورے میں اوپر دار اس کے غلہ کی قیمت سمیت رکھ دے چنانچہ اُس نے یُوسُفؑ کے فرمانے کے موافق عمل کیا۔" (پیدائش ۴۴ : ۲۰۱)

۱۲۱ (سو میری نگہبانی اور میری شفقت سے ہوتا کیا ہے) حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم اپنی ذمہ داری اور ضمانت کس منہ سے پیش کر رہے ہو، تم وہی تو ہو جو یوسف کو بھی انہی ضمانتوں اور وعدوں کے ساتھ
لے گئے تھے لیکن تم کہتے ہو کہ غلہ بغیر بنیامین کے ساتھ کئے ہوئے ملے گا نہیں تو خیر اگر لے ہی جانا ہے تو اسے اللہ کے سپرد کیا۔ حفاظت و ذمہ داری بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی اور شفقت و
عنایت بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی۔ ۱۲۲ (یعنی ہم تو سرتاسر نفع ہی میں رہے) اپنے اندازہ اور توقع سے بھی کہیں بڑھ کر اور اب تو بن یامین کو ساتھ لے کر دوسرا سفر بہت ہی ضروری ہو گیا
ہے) ~~[illegible]~~ الیھم ... وَلَمَّا ... تورہت میں ہے :- "اور یوں ہوا کہ جب انہوں نے اپنے

عَلَىٰٓ اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ

اس کے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں سو اللہ ہی سب سے بڑھ کر نگہبان ہے اور وہ ہی سب

الرّٰحِمِيْنَ ۝۶۴ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ

مہربانوں سے بڑھکر مہربان ہے۱۲۱، اور پھر جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہیں اپنی نقدی بھی مل گئی

رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا

انہی کی طرف واپس کر دی گئی تھی، وہ بولے اے ہمارے باپ اور ہم کو کیا چاہیئے یہ ہماری نقدی بھی

رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ

ہم ہی کو لوٹا دی گئی ہے ۱۲۲ اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لائینگے اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھینگے اور

كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝۶۵ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ

ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور لائینگے یہ غلہ تو تھوڑا سا ہے ۱۲۳ (یعقوب نے) کہا میں تو اسے تمہارے ساتھ

حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

ہرگز بھیجنے کا نہیں، جب تک تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول۔ دے دو گے کہ تم اسے دوبارہ لے ہی آؤ گے ہاں

يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا

بجز اس کے تم (خود) ہی (کہیں) گھر جاؤ ۱۲۴ پھر جب وہ انہیں قسم کھا کر اپنا قول دے چکے تو (یعقوب) بولے ہم لوگ

نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۶۶ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ

جو بات چیت کر رہے ہیں اللہ کے حوالے ۱۲۵ اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو، ایک ہی دروازہ سے داخل

وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ

نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا ۱۲۶ اور میں

بورے خالی کئے تو دیکھا کہ ہر شخص کی نقدی بندھی ہوئی اُس کے بورے میں تھی۔" (پیدائش ۴۲ : ۳۵) ۱۲۳ یعنی یہ غلہ جواب کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تک چلیگا تھوڑے ہی دن میں تو پھر ضرورت پڑ جائے گی۔ ~~[illegible]~~ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلہ ہے"۔ یعنی محض بنیامین کے ساتھ ہونے سے ایک اونٹ غلہ اور بڑھا جاتا ہے۔ یہ سودا تو بڑے مزہ کا ہے۔ وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ۔ (تو آپ اُسے ساتھ لے جانے کی ہمیں اجازت دے ہی دیجیے) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فی کس ایک ایک اونٹ بھر غلہ ملتا تھا۔ ۱۲۴ (تو البتہ مجبوری کی بات ہے) زمانہ قدیم کے سفر ہر طرح کی بدامنی اور خطرات کے شکار رہتے تھے اور پھر یہ سفر تو کنعان سے مصر تک کا اُس وقت کے معیار سے بہت دُور دراز کا تھا۔ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ۔ قول و قرار کا قسم سے مؤکد کرنا ظاہر ہے کہ مزید احتیاط اور مضبوطی کے لئے تھا۔ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء دلیل ہے شفقتِ پدری کی۔ توریت میں اس مقام پر یوں ہے:۔ "اور اُن کے باپ یعقوبؑ نے انہیں کہا تم نے مجھے بے اولاد کیا یوسف نہیں ہے اور شمعون بھی نہیں۔ بن یامین کو بھی لے جاؤ گے۔ یہ سب باتیں میرے مخالف ہیں۔ تب روبن نے اپنے باپ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر میں اُس کو تجھ پاس نہ لاؤں تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کیجیو۔ اسے میرے ہاتھ میں سونپ دے کہ میں اسے پھر تجھ پاس پہنچا دوں گا" (پیدائش ۴۲ : ۳۶، ۳۷) ۱۲۵ (کہ وہی تمہارے قول و قرار کا گواہ بھی ہے اور وہی اُسے پورا کرانے پر بھی قادر ہے) گویا اس ایک فقرہ میں تشریعی تاکید اور تکوینی توکل دونوں پہلو آگئے۔ توریت میں ہے:۔ "تب یہوداہ نے

اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیج کہ ہم اُٹھیں اور جاویں تاکہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جیویں اور مر نہ جاویں۔ اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہی ہاتھ سے اس کو طلب
کیجیو۔ اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔" (پیدائش ۴۳ : ۸، ۹) ۱۲۶ (جب ملک مصر کے پائے تخت میں شہر پناہ سے داخل
ہونا) یہ ایک تدبیر تھی حضرت یعقوبؑ کے خیال میں مختلف مکروہات مثلاً شبہ جاسوسی و نظر بد وغیرہ سے بچنے کی۔ ~~[illegible]~~ مِنْ
اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ زمانہ قدیم میں ہر بڑے شہر کے گرداگرد شہر کے اندر داخلہ کے متعدد پھاٹک ہوتے تھے نظر بد کا اعتقاد قدیم شریعتوں میں عام تھا۔ اس لئے اگر اس سے تحفظ حضرت یعقوبؑ کی غرض
مانی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک دوسرے معنی بھی ممکن ہیں۔ حضرت یعقوبؑ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اب مصر کے لوگ تمہیں جان پہچان گئے ہیں اور عزیز کی نظرِ عنایت تم پر معلوم و معروف ہو چکی
ہے اب شہر پناہ کے ایک ہی دروازے سے داخل ہو گے تو تم ٹھہرے پردیسی۔ تمہاری وجاہت، تمہاری جمعیت، خواہ مخواہ اہل مصر کی نظر میں کھٹکے گی اور اُن کے جذبات حسد کو حرکت میں لائیگی
اس سے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بجائے ایک ساتھ رہنے کے الگ الگ متفرق پھاٹکوں سے داخل ہو۔ تو ممکن ہے لوگوں کی نظر نہ پڑے، اور تم ہدفِ حسد ہونے سے بچ جاؤ۔

۱۱۵ اب حضرت یوسفؑ کا عالم ہی ظاہر ہے کہ دوسرا تھا۔ وہ غریب بھلا اس عالم میں آپ کو کیا پہچانتے، اُن کا تو ذہن بھی ادھر نہیں جا سکتا تھا کہ جس ذلیل غلام کو وہ قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ آئے ہیں وہ کہیں اتنی بڑی سلطنت کا وزیرِ اعظم یا مدار المہام ہو سکتا ہے! اور کہاں لڑکپن کے چہرہ کا نقشہ اور کہاں اب پختہ سن و سال کا چہرہ مُہرہ! توریت میں ہے:۔ ”سو یوسفؑ کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکائے ہوئے اُس کے حضور خم ہوئے۔ یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا...... یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچانا، پر انہوں نے اُسے نہ پہچانا“ (پیدائش ۴۲: ۷-۹) ۱۱۶ یعنی اب تو تمہیں خود ہی مشاہدہ ہو گیا کہ میں ہر شخص کا حصہ دیتا رہتا ہوں، کسی کا حصہ کاٹتا نہیں۔ گیارہ آدمی آؤ گے تو پورے گیارہ حصے ملیں گے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور تم کال کے لئے اپنے گھر میں غلّے لے جاؤ لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو مجھ پاس لے آئیو۔ تمہاری باتیں یوں ثابت ہوں گی اور تم نہ مرو گے“ (پیدائش ۴۲: ۱۹، ۲۰) اِئْتُوْنِیْ...... اَبِیْکُمْ۔ ان دس بھائیوں کو جب اُن کے حصہ کا پورا غلہ مل گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ علاوہ ہمارے بوڑھے باپ کے ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے۔ اس

لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۸ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ
اُن سے نا آشنا ہے ۱۱۵ اور جب (یوسفؑ) اُن کا سامان تیار کر چکے (تو) اُن سے کہا کہ (اب کی)
بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ
اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پوری پوری ناپ کر دیتا ہوں
وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝۵۹ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ
اور میں مہمان نوازی خوب کرتا ہوں ۱۱۶ لیکن اگر تم اُسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہارے پیمانہ (کا غلہ)
لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝۶۰ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ
میرے پاس ہو گا اور نہ تم خود میرے پاس آنا ۱۱۷ وہ بولے ہم اُس کے باپ سے ضرور اُس کو طلب
وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝۶۱ وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ
کریں گے اور (ایسا) ہم ضرور کر یں گے ۱۱۸ اور (یوسفؑ) نے اپنے خادموں سے کہا کہ ان کی نقدی انہی کے سامان
فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤی اَهْلِهِمْ
میں رکھ دو کہ جب اپنے لوگوں کے پاس واپس پہنچیں تو اُسے پہچانیں
لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝۶۲ فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا
اس سے شاید کہ وہ پھر آئیں ۱۱۹ غرض جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے تو بولے اے ہمارے باپ
مُنِعَ مِنَّا الْكَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ
ہمارے لئے غلہ بند کر دیا گیا ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے تو ہم غلہ لا سکیں اور ہم
لَحٰفِظُوْنَ ۝۶۳ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ
اِن کے پورے محافظ ہیں ۱۲۰ انہوں نے کہا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا (اس سے) قبل

کا حصہ بھی عطا ہو۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے ضابطہ کا جواب دیا کہ اُس کو لا کر حاضر کرو۔ جب تمہارا دعویٰ ثابت ہو۔ اور جب ہی اُس کا حصہ بھی ملے۔ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ یعنی فی نفر پورا پورا حساب کر کے دیتا ہوں۔ اسی طریقہ کو آج کی اصطلاح میں راشننگ یا راتب بندی کہتے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انا خیر المنزلین سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر مقصود اس سے اپنی مدح نہ ہو بلکہ کوئی اور مصلحت ہو تو تواضع کے منافی نہیں۔

۱۱۷ (کہ اس صورت میں میں تمہیں کاذب سمجھوں گا۔ اور یہی نتیجہ نکالنا ہو گا کہ تم نے مجھے دھوکا دے کر ایک زاید حصہ وصول کرنا چاہا تھا) غلہ ایک ایک کو ایک مقدار معین میں ملتا تھا اور اس میں غائبوں کا کوئی حصہ نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فرضی تعداد غائبوں کی بتا کر جتنا چاہتا خود حاصل کر لیتا اور دوسروں کا حصہ کٹ جاتا۔ حضرت یوسفؑ نے بھی بس یہی فرمایا کہ اپنے دعوے کا ثبوت لا حاضر کرو، ورنہ تمہارا دعویٰ سرے سے باطل سمجھا جائے گا ——— نفع اندوزی (پرافیٹیرنگ) اور چور بازاری (بلیک مارکیٹنگ) جس طرح آج گرانی اور کمیابیٔ اشیاء کے زمانہ میں ایک سخت قانونی جرم ہے۔ عجب کیا ہے جو اُس وقت کے مصری قانون میں بھی ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طریق عمل نے ثابت کر دیا کہ خشک سالی کے زمانہ میں جب ہلاکت نفوس کا اندیشہ ہونے لگے، ہمیشہ حکام کے لئے جائز ہے کہ ہر فرد کے لئے اس کی ضرورت کے مطابق راتب بندی کر دی جائے۔ وفی ما قص اللہ تعالٰی علینا من قصۃ یوسف وحفظہ للاطعمۃ فی سنی الجدب وقسمتہ علی الناس بقدر الحاجۃ دلالۃ علی ان الائمۃ فی کل عصر ان یفعلوا مثل ذلک اذا خافوا ھلاک الناس من القحط (جصاص) ۱۱۸ یعنی باپ سے کہہ سُن کے اُس بھائی کے لانے کی کوشش اپنی والی تو ضرور ہی کر ڈالیں گے۔ ۱۱۹ یعنی جب اپنے وطن پہنچ کر قیمت بھی واپس شدہ پائیں گے تو اس احسان و کرم سے متاثر ہو کر پھر تو ضرور ہی آئیں گے۔ توریت میں ہے:۔ ”تب یوسفؑ نے حکم کیا کہ اُن کے بورے غلّہ سے بھریں اور ہر شخص کی نقدی اُس کے بورے میں رکھ کے پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیں۔ اُن سے یوں سلوک کیا گیا“ (پیدائش۔ ۴۲: ۲۵) ۱۲۰ (آپ ان کو ہمارے ہمراہ کرنے میں ان کے متعلق کسی پس و پیش کو دخل نہ دیں، ہم ان کی بہ حفاظت واپسی کا پورا ذمہ لیتے ہیں) فرزندانِ یعقوبؑ نے آکر اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے گیارھویں بھائی کا حصہ تو ملا نہیں بلکہ آیندہ کے لئے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم لوگ اگر اُسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دغا سے گیارھواں حصہ وصول کرنا چاہتے تھے اور غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا۔ تو اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اب کی بن یامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجیے۔ توریت میں ہے:۔ ”آخر وہ زمین کنعان میں اپنے باپ یعقوب پاس پہنچے، اور اپنا سب حال جو اُن پر گزرا تھا اُس سے کہا اور بولے کہ وہ شخص جو اُس ملک کا مالک ہے ہم سے سختی سے بولا اور ہمیں زمین کے جاسوس ٹھیرایا۔ ہم نے اُسے کہا ہم سچے آدمی ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم بارہ بھائی ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ ہم میں سے ایک نہیں ملتا۔ اور سب سے جو چھوٹا ہے، آج اپنے باپ پاس زمین کنعان میں ہے۔ تب اُس شخص نے جو ملک کا مالک ہے، ہم کو کہا میں اب تمہیں جانچوں گا کہ سچے ہو کہ نہیں۔ اپنا ایک بھائی مجھ پاس چھوڑ دو اور اپنے گھرانے کے لئے کال کی خورش لو اور جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ۔ تب میں جانوں گا کہ تم جاسوس نہیں بلکہ سچے ہو۔ پھر میں تمہارے بھائی کو تمہارے حوالے کروں گا۔ اور تم ملک میں سوداگری کیجیو“ (پیدائش ۴۲: ۲۹-۳۴)

۱۰۵ (جیساکہ وہ ہر نبی کے نفس کو اس آلائش سے پاک کردیتا ہی ہے) نبی برحق حضرت یوسفؑ کی عصمت اب سب پر روشن ہو چکی ہے۔ اور آپؑ خود بھی ابھی ابھی اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔ ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ ... اَنِّیۡ ... الخ۔ اس کے معاً بعد آپؑ یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ نفسِ بشری تو برائیوں کی جانب رجحان رکھتا ہی ہے۔ اور خود میرا نفس بھی بذاتِ خود اس سے مستثنیٰ نہیں، جیساکہ بدی سب انسانوں کے نفس میں ہے ہر برے نفس میں بھی ہے لیکن حکیم مطلق جسے نبی بناتا ہے اُسے نفسِ بشری کے ساتھ ایک نفسِ پیمبری بھی دے دیتا ہے، ان آلائشوں سے پاک صاف جس کا تعلق اپنے مالک و مولیٰ سے ہر وقت برقرار رہتا ہے اور یہی ہمہ وقتی تعلق اُسے ہر معصیت سے ہر اخلاقی لغزش سے روکے اور سنبھالے رہتا ہے۔ پس میں اگر معصوم رہا یا معصوم رہوں تو اس میں میرا کوئی ذاتی کمال ذرا سا بھی نہیں۔ یہ تو تمام تر میرے مالک و مولیٰ کے فضلِ خاصہ کا نتیجہ ہے۔ وَمَاۤ اُبَرِّئُ ..... السُّوۡٓءِ۔ انسان اپنے نفس کی اطاعت کرے یا نہ کرے، یہ الگ سوال ہے، نفس تو بہرحال بدی کی ترغیب دیتا اور بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہی رہتا ہے تو بھلا نفس کا تبریہ کیونکر ممکن ہے۔ یعنی ان النفس کثیرۃ النزاع الی السوء فلا یبری نفسہ وان کان لا یطیعھا (جصاص) اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ۔ حضرات انبیاء کے مرتبہ تواضع کا کیا کہنا۔ اپنی خوبی کے حصہ کو منسوب اپنی جانب کرنے کے بجائے اُسے نتیجہ تمام تر فضلِ خداوندی کا قرار دیا جا رہا ہے۔ ۱۰۶ چنانچہ

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا
اور میں اپنے نفس کو بھی بَری نہیں بتلاتا بیشک نفس تو بُری ہی بات کا بتلانے والا ہے بجز
مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِکُ
اُس نفس کے جس پر میرا پروردگار رحم کردے ۱۰۵ بیشک میرا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ۱۰۶ اور بادشاہ نے
ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ
کہا انکو میرے پاس لاؤ میں اُن کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا ۱۰۷ پھر جب اُن سے گفتگو کی تو (اُن سے)
الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی
کہا کہ تم آج سے ہمارے ہاں بڑے معزز ہو، معتبر ہو ۱۰۸ (یوسفؑ نے) کہا مجھے ملک کے پیداوار پر
خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا
مامور کر دیجیے میں دیانت بھی رکھتا ہوں، علم بھی رکھتا ہوں ۱۱۰ اور ہم نے اسی طرح
لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ
یوسفؑ کو ملک میں بااختیار بنا دیا کہ اُس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ۱۱۱ ہم جس پر
بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾
چاہیں، اپنی رحمت نازل کریں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ۱۱۲
وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع ۷
اور آخرت کا اجر کہیں بڑھ کر ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں ۱۱۳
وَجَآءَ اِخۡوَۃُ یُوۡسُفَ فَدَخَلُوۡا عَلَیۡہِ فَعَرَفَہُمۡ وَہُمۡ
اور یوسفؑ کے بھائی بھی آئے، پھر اُن کے پاس پہنچے ۱۱۴ سو (یوسفؑ نے) اُن کو پہچان لیا درآنحالیکہ وہ لوگ

شانِ غفر کا تقاضہ یہ ہے کہ نفسِ امارہ کو بھی توبہ و انابت کے بعد لوامہ بنا کر مغفرت اس پر مرتب کردیتا ہے اور شانِ رحیمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی موہبت خاص سے انبیاء کو نفسِ مطمئنہ عطا کر دیتا ہے۔ ۱۰۷ کہ یہ تو اپنی سیرت خاص اور کردار اعلیٰ اور انتظامی اہلیت کے لحاظ سے سرکاری و شاہی مناصب کے لائق ہیں۔ یہ اب تک نیچ کی ملازمت میں کیسے پڑے رہ گئے) توریت میں ہے:- "یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اُس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی۔ فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے، پا سکتے ہیں؟" (پیدائش ۴۱: ۳۸) ۱۰۸ (اور اس گفتگو سے بادشاہ پر آپؑ کے مزید کمالات و فضائل منکشف ہوتے) ۱۰۹ (ان اونچے اونچے عہدہ و منصب کے لائق) توریت میں ہے:- "اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا ازبسکہ خدا نے اس سب میں تجھے بینائی دی ہے سو کوئی تجھ سا عاقل و دانشور نہیں ہے۔ تو میرے گھر کا مختار ہوگا اور تیرا حکم میری سب رعیت پر جاری ہوگا۔ فقط تخت نشینی میں، میں تجھ سے بزرگ تر ہوں گا۔" (پیدائش ۴۱: ۳۹، ۴۰) ۱۱۰ یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے ضرورت دو ہی چیزوں کی ہوتی ہے۔ ایک دیانت و امانت، دوسرے اس کام سے واقفیت۔ سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں۔ حضرت یوسفؑ کا عہدہ گویا آج کل کی اصطلاح میں وزیر مال (ریونیو منسٹر) اور وزیر خزانہ (فنانس منسٹر) کا جامع تھا۔ اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ۔ یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریونیو منسٹر (وزیر محاصل و مالگذاری) اور فنانس منسٹر (وزیر مال و خزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، تو اپنے کو عہدہ و منصب کے لئے پیش کر دینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ غیر مسلم نظامِ حکومت کے ماتحت بھی عہدہ و منصب قبول کر لینا مطلق صورت میں حرام نہیں۔ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کیلئے اپنے فضل و کمال کو بیان کر دینا بالکل جائز ہے اور فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ کے تحت میں نہیں آتا۔ فوصف نفسہ بالعلم والحفظ وفی ھذا دلالۃ علی انہ جائز للانسان ان یصف نفسہ بالفضل عند من لا یعرفہ وانہ لیس من المحظور من تزکیۃ النفس (جصاص) دلت الاٰیۃ علی انہ یجوز للانسان ان یصف نفسہ بما فیہ من علم وفضل (قرطبی) دلت الاٰیۃ علی جواز ان یخطب الانسان عملا یکون لہ اھلا (قرطبی) توریت میں ہے۔ "پھر فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسفؑ کے ہاتھ میں پہنا دی۔ تب اُس کے آگے منادی کی گئی کہ سب ادب سے رہو۔ اور اُس نے اُسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور یوسف کو کہا میں فرعون ہوں اور تیرے بغیر مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا۔" (پیدائش ۴۱-۴۴) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب و حکومت کی درخواست جبکہ اُس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے، قادح کمال نہیں۔ ۱۱۱ (اور عملاً اُنہی کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا) کَذٰلِکَ مَکَّنَّا۔ یعنی اس عجیب و غریب طریقہ سے، ایسے معجزانہ انداز سے ——— کہاں تو وہ کنوئیں کی گہرائیوں اور جیل کی چار دیواری کے اندر وہ بے بسی اور بیکسی تھی اور کہاں یہ اقتدار مطلق العنانی کی حد تک حاصل ہو گیا، اُس وقت کی متمدن ترین سلطنت میں! توریت میں ہے:- "اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا..... اور یوسف مصر کی زمین میں پھرا..... اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا" (پیدائش ۴۱-۴۴) مَکَّنَّا یُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ۔ خوب خیال کر لیا جائے، ایک کافر بادشاہ کی بخشی ہوئی اس عزت کو قرآن مجید تمکین فی الارض سے تعبیر کرتا اور موقع مدح و احسان پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ ۱۱۲ یعنی نیک کاروں، نیک کرداروں کا اجر و معاوضہ تو موعود ہی ہے، باقی رحمت و فضل کا کوئی ضابطہ تعین نہیں، جس پر وہ چاہے بلا حق و استحقاق کر دے۔ ۱۱۳ یعنی اہل ایمان و تقویٰ کے لئے آخرت میں جو انعام ہے، وہ دنیا کی ہر دولت و نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی نیکوکاری کا اصل صلہ نہیں۔ ۱۱۴ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قحط شدید نہ صرف مصر میں پڑ چکا ہے بلکہ اُس کے اثرات فلسطین وغیرہ دوسرے ملکوں تک محیط ہو چکے ہیں اور یہ ذکر یوسفؑ کے اُن دس سوتیلے بھائیوں کا ہو رہا ہے، جو آپ کے سر مصیبت لائے تھے۔ یہ عظیم الشان اور تاریخی قحط تو مصر کے تمام ملحقہ ممالک میں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری اور جگہوں میں قحط ہی قحط تھا، اور یہاں یوسف علیہ السلام کے حسن تدبیر سے قحط کا انتظام بھی تھا۔ ایسا کہ نہ صرف مصریوں کو غلہ پہنچتا رہا بلکہ باہر والوں کے ہاتھ بھی ایک نرخ مقرر پر فروخت ہوتا رہا ——— "راشننگ" اور "کنٹرول" کی یہ بہترین تاریخی نظیر بھی ایک پیمبر ہی کے روئداد زندگی کا جزو ہے۔ توریت میں ہے:- "اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی۔ پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کیلئے فرعون کے آگے چلائی ..... اور تمام روئے زمین پر کال تھا..... اور سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔" (پیدائش ۴۱: ۵۴-۵۷) "سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے۔" (پیدائش ۴۲: ۳) آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملکی معاملات میں حسن انتظام و تدبر اعلیٰ، کمالاتِ نبوت تک کے منافی نہیں، چہ جائیکہ اسے کسی اور مقبول و برگزیدہ بندہ کے کمالاتِ روحانی کے منافی سمجھا جائے۔ وَجَآءَ اِخۡوَۃُ یُوۡسُفَ۔ یعنی برادران یوسف مصر میں غلہ لینے کے لئے آئے۔

الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ
میرے پاس تو لاؤ ۹۸ پھر جب قاصد اُن کے پاس پہنچا تو (یوسفؑ نے)

قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے

الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ
جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے ۹۹ بے شک میرا پروردگار عورتوں کے چرتر سے

عَلِیْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ
خوب واقف ہے ۱۰۰ (بادشاہ نے) کہا کہ (اے عورتو) تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسفؑ سے اپنا مطلب

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ
نکالنے کی خواہش کی تھی؟ ۱۰۱ وہ بولیں حاشاللہ ہم کو تو اُن میں کوئی بھی بات برائی کی

مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ
نہ معلوم ہوئی ۱۰۲ عزیز کی بیوی بولی کہ اب تو سچی بات سب پر

الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ
ظاہر ہو ہی چکی ہے، ان سے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش تو میں نے کی تھی اور وہی بیشک

الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ
سچے ہیں ۱۰۳ یہ (سب) اس لئے تھا کہ (عزیز کو اور زیادہ) علم ہو جائے کہ میں نے

بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝۵۲
ان کے پیچھے بھی ان کی خیانت نہیں کی ہے اور یہ کہ اللہ خیانت کرنیوالوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا ۱۰۴

۹۸ ساقی آکر مفصل رپورٹ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے بادشاہ اتنی مفصل اور دلنشین تعبیر سُن کر یوسفؑ کا غائبانہ معتقد ہو جاتا ہے اور قدرۃً مشتاقِ زیارت بھی۔

۹۹ (کبھی انہیں بُلاکر میرے حال کی بھی تحقیق کی؟) اِلٰی رَبِّكَ۔ رب کا لفظ اس سُورۃ میں بار بار آقائے مجازی و ظاہری کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ان کو میرے پاس

۱۰۰ یعنی اللہ پر تو میری بے گناہی اور عورتوں کے جوڑ توڑ روشن ہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے سے قبل خلق پر بھی میری بے گناہی روشن ہو جائے۔ كَیْدِهِنَّ۔ میں ضمیر بعض نے کہا کہ انہی مخصوص عورتوں کی جانب ہے، اور بعض نے کہا کہ نہیں عام جنس نسوان کی جانب ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ آپؑ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہو جائے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے، تاکہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو۔

۱۰۱ (یعنی آیا تم نے ان میں اپنی جانب رغبت والتفات پایا تھا؟ هل وجدتن فیه میلا (کشاف) اب وہ "سہیلیاں" دربار میں بلائی گئی ہیں اور ان سے تحقیقات شروع ہوئی ہے۔

۱۰۲ (اور ہماری شہادت ہے کہ وہ بالکل پاک و صاف ہیں) حَاشَ لِلّٰهِ۔ کلمہ تعجب یوسفؑ کے کمال عصمت و پاکبازی کے اظہار کے لئے ہے۔ قلن حاشا للّٰه تعجبا من عفته وذهابه بنفسه عن شیٔ من الریبة ومن نزاهته عنها (کشاف) مِنْ سُوْٓءٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی بُرائی، کوئی شائبہ بھی بُرائی کا ان میں نہ پایا۔

۱۰۳ زلیخا نے جب دیکھا کہ بڑی چھوٹی سب شہادتیں اس کے خلاف ہی گزر گئیں تو اب صاف لفظوں میں اقرار کر لیا کہ قصور سر تا سر میرا ہے دامنِ یوسفی ہر لوث ہر داغ سے پاک ہے وہ شروع ہی سے متقی و پاکباز رہے۔

۱۰۴ جیسا کہ اس سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پاتی آخر میں سب کی اصلیت ظاہر ہی ہو کر رہی —— یہ سارا قول یوسف علیہ السلام کا ہے ذٰلِكَ یعنی یہ اہتمام برأت و رفع تہمت ای ذٰلك التثبیت والتشهیر لظهور البراءة (کشاف) ای ذٰلك التثبیت (بیضاوی) لِیَعْلَمَ ضمیر عزیز کی طرف ہے لیعلم العزیز (حاکم) لیعلم العزیز (کشاف، بیضاوی) عزیز کو یوسف کی پارسائی اور بے گناہی کا علم تو پہلے ہی ہو چکا تھا مقصود یہ ہے کہ اب یقین اور زاید ہو جائے۔ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ عزیز کی خیانت اس کے غیب میں یہی تھی کہ اس کی بیوی کے ناموس کو داغدار کیا جائے —— حضرت یوسفؑ ملک میں اس جرم کی اہمیت کو دیکھ کر اس سے اپنی تبری کا خاص اہتمام فرماتے ہیں اور یہیں سے ان مفسرین کی صحت تفسیر کی ایک اور شہادت ملتی ہے جنھوں نے ان ربی احسن مثوای میں رب سے مُراد عزیز ہی سے لی ہے۔ سطور ماسبق میں بیان ہو چکا ہے کہ مصری تہذیب و تمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت +

۹۳ (جیل خانہ میں یوسفؑ صدیق تک) اَلَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا - ظاہر ہے کہ وہی ساقی مراد ہے جو عرصہ ہوا جیل کی حوالات سے چھوٹ آیا تھا۔ وَادَّكَرَ - یعنی اسے حضرت یوسفؑ کا ماجرا بادشاہ سے کہنا یاد آگیا۔ بَعْدَ اُمَّةٍ - امۃ مُدّت طویل کے معنیٰ میں ہے۔ ای ~~بعد مدۃ طویلۃ (کشاف بحر)~~ توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۹-۱۳)

۹۴ ساقی آپؑ کی بزرگی کا پُوری طرح معتقد ہے جیسا کہ اس کے خطاب اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ سے بالکل ظاہر ہے۔ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ یعنی ان لوگوں کے پاس واپس پہنچوں جنہوں نے مجھے یہ تعبیر دریافت کرنے بھیجا ہے اور جو میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ - انہیں علم پہلے تو تعبیر خواب کا ہو جائے اور پھر ضمناً آپؑ کی بزرگی اور پاکبازی بھی ان پر روشن ہو جائے۔

أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝٤٥ يُوسُفُ أَيُّهَا

(اور بولا) کہ میں (ابھی) اس کی تعبیر لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے دیجیے ۹۳ اے یوسف اے

الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

صدقِ مجسم ہم لوگوں کو حکم تو بتایئے (اس خواب کا) کہ سات گائیں موٹی ہیں انہیں سات (گائیں) دبلی

عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي

کھائے جاتی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) اور خشک تاکہ میں

أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝٤٦ قَالَ تَزْرَعُونَ

لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو (بھی) معلوم ہو جائے ۹۴ (یوسفؑ) نے کہا تم

سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ

سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ پھر جو فصل کاٹو اسے اس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ۝٤٧ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ

تھوڑی مقدار کے کہ اسی کو کھاؤ ۹۵ پھر اس کے بعد سات سال سخت

سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا

آئیں گے کہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے جو تم نے فراہم کر رکھا ہے بجز اس تھوڑی مقدار کے

مِّمَّا تُحْصِنُونَ ۝٤٨ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ

جو تم (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے ۹۶ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا

ع ۷/۱۶ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝٤٩ وَقَالَ

جس میں لوگوں کے لئے (خوب) بارش ہوگی اور اس میں وہ شیرہ بھی نچوڑیں گے ۹۷ اور بادشاہ نے کہا

۹۵ یہ واضح رہے کہ مصر تمامتر ایک زرعی ملک تھا۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔

۹۶ حضرت یوسفؑ آخر نبی ہی تھے یا اُس وقت ہونے والے نبی تھے آپؑ کے اخلاق کی بلندی کا کیا کہنا ساقی سے اس کی مجرمانہ غفلت پر کسی قسم کے شکوہ و شکایت کے بجائے پُوری خوش دلی کے ساتھ اسے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اور تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کرتے ساتھ ہی ساتھ اور بلا سوال و درخواست انتظام قحط کی تدبیر بھی بتائے جاتے ہیں! توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۲۵، ۲۶)

۹۷ تعبیر و تدبیر کے بعد اب آپؑ بشارت بھی غالباً وحیِ الٰہی کے ماتحت سُنا رہے ہیں۔ یہ قحط جو اس وقت پڑا دنیا کے سخت ترین قحطوں میں سے ہُوا ہے اور عالم کی تاریخ قحط میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، آگے چل کر یہ حدود مصر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز فلسطین شام تمام ممالک ملحقہ میں اس کی شدت محسوس ہوئی، بلکہ توریت میں تو یہاں تک درج ہے کہ یہ قحط عالمگیر تھا اور ساری دُنیا اس مصیبت سے مبتلا اُٹھی۔

"اور سب زمین میں گرانی ہوئی" (پیدائش ۴۱: ۵۴)

"اور تمام روئے زمین پر کال تھا" (پیدائش ۴۱: ۵۶)

"سارے ملک مصر میں یوسفؑ کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا" (پیدائش ۴۱: ۵۷)

ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِيهِ يَعْصِرُوْنَ - حضرت کا مخاطب براہ راست یاد کر لیجیے کہ شاہی ساقی ہے جس کا تعلق ہی شیرہ اور شراب سے ہے اس سے گفتگو میں اسی کے کام کی چیز لانا کس درجہ بلیغ اور برمحل ہے يُغَاثُ مصدر غیث کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ بارش کے ہیں ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد تابعی وغیرہ سے بھی منقول ہے اور جمہور نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی نقل ہُوا ہے کہ یہ مصدر غوث کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ کشایش ہو جانے، فریاد رسی ہونے کے ہیں۔ او يغاثون من الغوث (بیضاوی) قيل هو الغوث لا الفرج (روح) يحتمل ان يكون من الغوث وهو الفرج (بحر) من الغوث اى يجاب مستغيثهم (مدارک) یغات۔ یعصرون۔ ادپر سے حضرت یوسفؑ کا تخاطب اہل مصر سے چلا آرہا ہے اور ہر جگہ صیغہ جمع مخاطب استعمال ہو رہا ہے اور اس سارے کلام کا تعلق انتظامات قحط سے ہے یہاں پہنچ کر یک بیک صیغہ بدل جاتا ہے اور بجائے مخاطب کے غائب کا ہو جاتا ہے یعنی "لوگوں کے لئے" بارش یا فریاد رسی ہوگی اور "لوگ" شیرہ نچوڑیں گے گویا صاف اشارہ اس امر کی طرف کر دیا کہ رفع قحط کا تعلق تنہا مصر سے نہیں باہر کے ملکوں سے بھی ہے اور بارش دنیا کے مختلف علاقوں میں ہوگی ——— قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان کہ ضمناً بھی کہاں کہاں کی باتیں بتا جاتا ہے اگر بجائے خود اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ عَامٌ کے معنیٰ بھی سنۃ کی طرح سال ہی کے ہیں لیکن استعمال میں فرق یہ ہے کہ خشکی اور تنگی کے موقع پر سنۃ لایا جاتا ہے اور شادابی و خوشحالی کے موقع پر عام بولا جاتا ہے۔ العام كالسنة لكن كثيرا ما تستعمل السنة في الحول الذي يكون فيه الشدة والجدب والعام في ما فيه الرخاء والخصب (راغب)

۵۸۶ یہ تعبیر نان پز کے خواب کی تھی۔ توریت میں ہے :۔ " یوسفؑ نے جواب دیا اور کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں فرعون اب سے تین دن میں تیرا سر تیرے تن سے جدا کریگا اور ایک درخت پر تجھے لٹکائے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے" (پیدائش ۴۰: ۱۸-۱۹) ۵۸۷ جس جزم و وثوق کے ساتھ حضرت یوسفؑ نے یہ ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر وحی الٰہی کے ماتحت تھی۔ ۵۸۸ (کہ ایک شخص ایسا اور ایسا بے قصور جیل میں بند ہے) حضرتؑ کی پاکبازی تو ان قیدیوں کے خود مشاہدہ میں آچکی تھی اور وہ کہہ چکے تھے انا نرٰک من المحسنین۔ حضرتؑ نے اس سے کوئی اور نئی بات نہیں چاہی صرف اتنا چاہا کہ جو بات اس کے علم و تجربہ میں آچکی ہے بس اس کا تذکرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا دیا جائے۔ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا - یعنی اس ساقی سے۔ توریت میں ہے :۔

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ
پھر اس کے سر کو پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے ۵۸۶ وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت

فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا
تم دونوں پوچھ رہے ہو ۵۸۷ اور دونوں میں سے جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا اس سے (یوسفؑ نے)

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ
کہا کہ میرا بھی ذکر اپنے آقا کے سامنے کر دینا ۵۸۸ لیکن اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ
تو وہ جیل خانہ میں کئی سال تک رہے ۵۸۹ اور بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں)

اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں سو انہیں کھائے جاتی ہیں سات دُبلی (گائیں)

وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا
اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) خشک ۵۹۰ اے سردارو!

الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳
میرے (اس) خواب کا حکم مجھے بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے لیتے ہو ۵۹۱

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ
وہ بولے کہ (یہ تو) پریشان خیالیاں ہیں اور ہم پریشان خوابیوں کی تعبیر کے

بِعٰلِمِيْنَ ۝۴۴ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ
ماہر نہیں ۵۹۲ اور دو (قیدیوں) میں جس کو رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا

ع ۷
۵
۱۵

" لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجیو اور مجھ پر مہربانی کیجیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو اور مجھے اس گھر سے خلاصی دلوائیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے قیدخانہ میں رکھیں" (پیدائش ۴۰: ۱۴-۱۵) عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے ——— بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لئے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیمبر حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں پرجوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۹ صفحہ ۲۸۱ اذ لک حرف فی العربان یقال للسید رب (قرطبی) الرب المالک والسید والمصلح المعبود (ابو البقاء) محققین نے لکھا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے اس لئے اس باب میں حضرت یوسفؑ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جا رہی ہے وہ تو سرے سے مومن ہی نہ تھا کافر ہی تھا۔ اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق ہیں! ——— یہاں سے ان تقویٰ میں غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقتی بالکل واضح ہو جاتی ہے جنہوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ازالۂ شدت و محن کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ ۵۸۹ اس "چند سال" کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہو سکی البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی عربی میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ کے عدد تک ہوتا ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؑ کی مدت قیام جیل میں ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ بِضْعَ سِنِيْنَ سے مراد آپؑ کی کل مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو۔ یہ آپؑ کے جیل خانہ میں پڑے رہنے کا ذکر بطور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اسے محض نسیان پر مرتب کرنے سے مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ وہ شخص جو درمیانی واسطہ تھا چونکہ بھول گیا اس لئے کوئی سامان آپؑ کے نکلنے کا نہ ہو سکا ——— اپنی دنیوی راحت کے جائز حصول کی فکر کرنا اور اس کے لئے اسباب عادیہ کو کام میں لانا مثلاً یہیں جیل سے رہائی پانے کے لئے ایک کافر خیرخواہ کو واسطہ بنانا اس کے ذریعہ سے ایک کافر بادشاہ تک بات پہنچانا جب مرتبۂ نبوت و کمال تقویٰ کے منافی نہیں تو عام دنیاداروں کے لئے تو مباح بدرجۂ اولیٰ ہے۔ توریت میں ہے :۔ " اور تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا اس نے اپنے سب نوکروں کی مہمانی کی اور اس نے سردار ساقی اور نان پز کی اپنے نوکروں سے سربلندی کی اور اس نے سردار ساقی کو اس کی خدمت پر پھر قائم کیا اور اس نے فرعون کے ہاتھ میں جام دیا ..... پر سردار ساقی نے یوسفؑ کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا" (پیدائش ۴۰: ۲۰-۲۳) ۵۹۰ اب تذکرہ ایک عرصہ بعد کا شروع ہوتا ہے بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور اپنے ارکان دولت سے بیان کیا ——— یہ واضح رہے کہ ملک مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) توریت میں اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے (پیدائش ۴۱: ۱-۷) ۵۹۱ اب آج کوئی بادشاہ ایسا خواب دیکھے تو شاید پروا بھی نہ کرے لیکن اس وقت مصر میں سحر۔ نجوم و کہانت کے علوم کے ساتھ ساتھ خوابوں کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ توریت میں ہے :۔ " اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا اور یوں ہوا کہ صبح کو اس کا جی گھبرایا تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب ان سے کہا پر ان میں سے کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کر سکا" (پیدائش ۴۱: ۸) ۵۹۲ درباریوں نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ مربوط تعبیر طلب خواب تھوڑے ہی ہے یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں ان کی تعبیر کا ہمیں کوئی علم نہیں۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ
ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شَی کو بھی شریک قرار دیں ۵۷۷ یہ اللہ کا
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ
ایک فضل ہے ہمارے اُوپر اور (کل) لوگوں کے اُوپر لیکن اکثر لوگ
النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ
(اس نعمت کا) شکر نہیں ادا کرتے ۵۷۸ اے یارانِ محبس جُدا جُدا
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا
معبود اچھے یا اللہ اکیلا سب پر غالب ۵۷۹ تم لوگ تو
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ
اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے
وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ
رکھ لئے ہیں ۵۸۰ اللہ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اُتاری ہے ۵۸۱ حکم (اور حکومت) صرف
اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ
اللہ ہی کا حق ہے ۵۸۲ اسی نے حکم دیا ہے کہ بجز اسکے کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین مستقیم ہے ۵۸۳
وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ
لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ۵۸۴ اے یارانِ محبس
اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ
تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا ۵۸۵ اور رہا وہ دوسرا سو اُسے سُولی دی جائیگی

بالکل خالی ہے۔ ۵۷۶ اپنی عالی نسبی کا ذکر ایسے موقع پر بالکل جائز ہے مقصد اس سے سامعین کے دل میں جذبۂ شوق و توجہ کو ترقی دینا تھا۔ یُوسف خود تو اس وقت تک اپنے مخاطبین کی نظر میں ایک معمولی اور گمنام شخص تھے بخلاف اس کے ان کے اُن آباء و اجداد کا نام اس وقت بھی بہ حیثیت موحّد و داعیٔ دین توحید کے مشہور ہو چکا تھا اور ان کی شہرت حدود کنعان سے باہر بھی خاصی پھیل چکی تھی۔ ۵۷۷ (خواہ کسی حیثیت سے ہو) اس میں شرک کی ہمہ جہتی نفی آ گئی اور شرک کی ہر قسم کا انکار آ گیا بُت پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، بحر پرستی وغیرہ سب مِنْ شَیْءٍ۔ اسی نفی کامل کے لئے ہے۔ لَنَا۔ سے مُراد گروہ انبیاء بھی لی گئی ہے اور اولاد ابراہیمؑ بھی لیکن ایک مُراد نوعِ انسانی بھی ہو سکتی ہے یعنی شرک کسی انسان کو بھی زیبا نہیں۔ ۵۷۸ یعنی نہ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں نہ اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی عقیدۂ توحید و دینِ حق۔ ای التوحید (بیضاوی) هو ترك الاشراك (کبیر) عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ یعنی ہمارے اُوپر براہِ راست اور ساری خلقت پر ہمارے واسطے سے۔ ۵۷۹ مخاطبہ مشرکوں سے تھا جنہوں نے ہر ہر شعبۂ زندگی میں اپنے لئے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر رکھے تھے ——— حضرتؑ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس تعدد و تفرق پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ بندگی ایک خدائے واحد و زبردست کی بھلی یا اتنے ایک دیویوں اور دیوتاؤں کی؟ اَلْقَهَّارُ یعنی وہ جو سب پر غالب اور کوئی اس پر غالب نہ ہو۔ ای الغالب الذی لا یغالبه احد (روح) ۵۸۰ یعنی تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کی حقیقت ہی کیا؟ ان کا وجود خارجی بہ حیثیت معبود ہے کہاں؟ یہ تو صرف چند گڑھے ہوئے نام ہیں حقیقت سے بالکل خالی۔ نام جو اور جتنے چاہو گڑھ لو کوئی ثبوت ادنیٰ سا بھی تو ان کی خدائی کا لاؤ۔ وَاٰبَآؤُكُمْ میں اشارہ ہے کہ دینِ شرک محض اندھی تقلید کے بل پر چل رہا ہے۔ ۵۸۱ (نہ عقلی نہ نقلی) یعنی شرک پر دلیل کوئی سی بھی قائم نہیں۔ تم دلیل توحید پر مانگتے ہو حالانکہ کوئی معمولی سی دلیل شرک پر تو لاؤ۔ بِهَا میں ضمیر غیر اللہ کی معبودیت کی طرف ہے۔ ای بعبادتها (جلالین) ۵۸۲ حکم تکوینی صرف اُسی کا چل رہا ہے کائنات کا کون سا شعبہ ہوا، پانی، آگ، بادل، موت، زندگی، بیماری، صحت آخر کون سی چیز تمہارے کسی دیوی دیوتا کے حکم و اختیار سے چل رہی ہے؟ اس کا کوئی ادنیٰ ہی ثبوت پیش کرو۔ اور اس حکم تکوینی کے ساتھ حکم تشریعی بھی صرف اسی کا حق ہے ان مسائل میں کہ جن میں اس نے خدائی تشریع کی ضرورت سمجھی اور باقی مسائل اس نے عقل و بصیرت دے کر بندوں ہی کے اُوپر چھوڑ دیئے ہیں۔ حکم تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا۔ آیت کی اس صحیح تفسیر کے بعد خوارج قدیم و جدید کو کوئی موقع اپنے دعویٰ کے اثبات کا نہ رہا۔ ۵۸۳ (جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے) قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعوے کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دینِ فطرت اور انسان کا دین قدیم یہی مسلک توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے "روشن خیال" مُدتوں اس منزل میں بھی بھٹکتے رہے اور یہی کہے گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہل سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا ہے کہ انسان کا قدیم ترین دین دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۵۸۴ یعنی ایسی صاف اور سیدھی بات پر بھی اکثر لوگ جمود رسم پرستی یا عناد کی بنا پر غور نہیں کرتے اور اس سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ ۵۸۵ (جیسا کہ پہلے پلاتا رہتا تھا) یہ خطاب ساقی سے ہے ——— خواب کی تعبیر اب جا کر شروع ہوتی ہے۔ اتنی مفصل اور حکیمانہ دعوتِ توحید کے بعد توریت میں ایک لفظ بھی اس وعظ کا نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "تب یوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ڈالیاں تین دن ہیں اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا اور تجھے تیرا منصب پھیر دے گا اور تو آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا اس کے ہاتھ میں پھر جام دے گا" (پیدائش ۴۰: ۱۳) رَبَّهٗ۔ رب سے مراد ظاہر ہے کہ اس ساقی کا آقا یا بادشاہِ مصر ہے اور قرآن مجید میں رب آقائے مجازی کے معنیٰ میں کثرت سے آیا ہے۔

۵۶۷ بڑا سُننے والا دعاؤں اور ظاہر الفاظ کا اور خوب جاننے والا دلوں کے احوال و اسرار کا۔ قرآن مجید پیمبر پرستی کے امکان پر بار بار ضرب لگاتا جاتا ہے۔ ہر اصلی بڑائی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔ ۵۶۸
(اور غالباً رفع بدنامی کے خیال سے) ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں ایک مصری امیرزادی کی کتنی بدنامی ہو چکی تھی اس کے لئے انتظاماً یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک مُدت تک کے لئے خود اس غلام کو عام نگاہوں اور چرچوں سے دُور کہیں
محبوس کر دیا جائے۔ لَهُمْ۔ یعنی خود عزیز اور اس کے مشیروں کو۔ یعنی العزیز واصحابه من الرائی (بیضاوی) ای للعزیز واصحابه المتصدین للحل والعقد (روح) مِّنۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰيٰتِ۔ یعنی بعد اس کے کہ انہیں
شہادتیں یُوسُف کی پاکدامنی اور بے قصوری کی مل چکی تھیں اور وہ خود بھی اس پر یقین کر چکے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین پر بھی رامائن میں قصہ اسی طرح کا مذکور ہے کہ راجہ رامچندر جی کو اگرچہ بذات خود اپنی بیوی سیتا کی عصمت و وفاداری پر
پُورا اعتماد تھا تاہم پبلک کی بدظنی رفع کرنے کے خیال سے انہیں گھر سے نکال دیا۔ لَيَسۡجُنُنَّهٗ۔ یہ جیل خانہ عام اور معمولی نہ تھا۔ سخت قسم کا اور خطرناک مجرموں کے لئے مخصوص تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ توریت
میں اس مقام پر ہے:۔ "اور یُوسف کے آقا نے اُس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے قید میں ڈالا" (پیدائش ۳۹: ۲۰) الۡاٰيٰتِ۔ سے مُراد یُوسف کی بیگناہی اور عصمت کی شہادتیں ہیں۔ ای الشواهد الدالة

السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰيٰتِ
بڑا سُننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۵۶۷ پھر ان لوگوں کو بعد اسکے کہ وہ ثبوت دیکھ چکے تھے یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ
لَيَسۡجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجۡنَ فَتَيٰنِؕ
(یُوسُفؑ) کو ایک مُدت کے لئے قید میں رکھیں ۵۶۸ اور (یُوسفؑ کے) ساتھ جیلخانہ میں دو (اور) جوان داخل ہوئے ۵۶۹
قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّىۡۤ اَرٰٮنِىۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَقَالَ الۡاٰخَرُ
ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ میں (انگور کا) شیرہ نچوڑ رہا ہوں ۵۷۰ اور دوسرے نے کہا
اِنِّىۡۤ اَرٰٮنِىۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِىۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ
کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر (خوان میں) روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں ۵۷۱
نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ
آپ ہم کو اس کی تعبیر بتائیے بیشک ہم تو آپ کو بزرگوں میں پاتے ہیں ۵۷۲ وہ بولے
لَا يَاۡتِيۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَـبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ قَبۡلَ
جو کھانا تم دونوں کے کھانے کیلئے آتا ہے وہ ابھی آنے نہ پائیگا کہ میں اسکی تعبیر تم سے بیان کردوں گا قبل اسکے کہ
اَنۡ يَّاۡتِيَكُمَا ؕ ذٰ لِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىۡ رَبِّىۡ ؕ اِنِّىۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ
(کھانا) تم دونوں کے پاس آئے ۵۷۳ یہ اس میں سے ہے جسکی میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی ہے ۵۷۴ میں تو ان لوگوں کا
قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ‏ ﴿۳۷﴾
مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے وہ (بالکل) منکر ہیں ۵۷۵
وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ
اور میں نے تو اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ۵۷۶

ع ۴
۱۴

علیٰ براءته علیه السلام وطهارته (روح) حَتّٰى حِيۡنٍ۔ اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور تھا
کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص و متعین میعاد کے لئے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی
ہوا سے قید رکھتا تھا۔ حضرت یُوسُفؑ کی سزایابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو۔ ہماری تفسیروں
میں اس میعاد قید کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعاد معین کا حکم
نہ لگایا جائے بلکہ محض ایک طویل مُدت مراد لی جائے۔ والاولی ان لا یجزم بمقدار و
انما یجزم بالمدة الطویلة (روح) والصحیح ان هذا التقدیر غیر معلوم وانما القدر
المعلوم انه بقی محبوسًا مدة طویلة (کبیر) ۵۶۹ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی
تھا دُوسرا شاہی نان پز۔ الزام دونوں پر یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا۔ تحقیقات
اسی جُرم کی ہو رہی تھی اور یہ لوگ جیل کی حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ توریت میں ہے:
"بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہِ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہِ مصر کے مجرم ہوئے
اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا دُوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا غصے ہوا
اور اُس نے ان کو نگہبانی کے لئے جلوداروں کے سردار کے گھر میں اسی جگہ جہاں یُوسف بند
تھا قید خانہ میں ڈالا" (پیدائش ۴۰: ۱-۴) مَعَهُ۔ یعنی اسی زمانہ میں۔ یہ لازم نہیں کہ یہ
دونوں حضرتؑ کے ساتھ ہی ساتھ داخل ہوئے ہوں۔ ۵۷۰ (انگور سے) متقی کہیں
بھی ہو کسی فضا و ماحول میں بھی ہو آثار تقویٰ بے ظاہر ہوئے رہ نہیں سکتے۔ چند ہی روز
میں اُن قیدیوں نے حضرت یُوسفؑ میں بزرگی کے آثار پا لئے تھے اور اُن کے سامنے اپنے
اپنے خواب عرض کئے۔ پہلا خواب شاہی ساقی کا ہے۔ توریت میں ہے:۔ "وہ بولے
ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں، یُوسفؑ نے انہیں کہا کیا تعبیر
کی قدرت خدا کو نہیں؟ مجھ سے بیان کیجئے تب سردار ساقی نے اپنا خواب یُوسف سے بیان کیا
اور اس نے کہا دیکھ میرے خواب میں ایک تاک میرے سامنے تھی اس تاک میں تین ڈالیاں
تھیں ان میں کلیاں نکلیں اور اُن میں پھول آئے اور اسکے سب گچھوں میں انگور پکے اور فرعون
کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے ان انگوروں کو لے کے فرعون کے جام میں نچوڑا اور وہ
جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا" (پیدائش ۴۰: ۸-۱۱) اَعۡصِرُ خَمۡرًا۔ سے شراب
و شربت دونوں کے پہلو نکل سکتے ہیں۔ یہ بادشاہ انگور کا شربت پیا کرتا تھا۔
۵۷۱ یہ خواب بادشاہی نان پز کا تھا۔ توریت میں اس کی زبان سے ہے:۔
"میں بھی خواب میں تھا اور دیکھا کہ سر پر تین ٹوکریاں روٹی کی تھیں اور اوپر کی ٹوکری میں
فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا مال تھا اور پرندے میرے سر پر اس ٹوکری میں سے کھاتے
تھے" (پیدائش ۴۰: ۱۶، ۱۷) ۵۷۲ حسن و جمال کی طرح فضل و کمال بھی چھپنے والی چیز
نہیں۔ اور اس کا اثر کافر تک محسوس کر لیتے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "وہ وہاں قید خانہ میں رہا کرتا تھا لیکن خداوند یُوسف کے ساتھ تھا" (پیدائش ۳۹: ۲۰، ۲۱) قتادہ تابعی کے قول میں ہے کہ آپؑ مریضوں کا علاج کرتے تھے غمگینوں
کو تسلی دیتے تھے اور عبادت میں منہمک رہتے تھے اور دوسرے اقوال بھی ایسے ہی نقل ہوئے ہیں۔ قال قتادة کان یداوی مریضهم ویعزی حزینهم ویجتهد فی عبادة ربه (جصاص) وقیل کان یعین المظلوم وینصر الضعیف ویعود المریض
... الی غیر ذلک من الاحسان ونحو ذلک من مکارم الاخلاق وجمیع الافعال الحمیدة (کبیر) اور توریت میں ہے:۔ قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یُوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کے حکم سے کرتے
تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا" (پیدائش ۳۹: ۲۲، ۲۳) بِتَاۡوِيۡلِهٖ میں ضمیر دونوں خوابوں کے ماجرے کی طرف ہے۔ والضمیر للرؤیین بتاویل ما ذکر او ما رأی (روح)
۵۷۳ آپؑ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں خواب کی تعبیر بتا دوں گا بس ایک ذرا دم لو۔ اور اس درمیان میں آپ کو موقع تبلیغ کا ہاتھ آ گیا۔ بِتَاۡوِيۡلِهٖ میں ضمیر ان بیان شدہ خوابوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔ ای بتاویل ما
قصصما علیّ (بغوی) ۵۷۴ (نہ کہ علم جوتش نجوم کہانت وغیرہ کا کوئی شعبہ جس کا مصر جاہلی میں اتنا زور تھا) آپؑ نے پہلے تو مصری سائلوں کے اس ممکن خیال کو مٹایا کہ آپؑ کا ملکہ تعبیر بھی جوتشیوں وغیرہ کے عملیات کی قسم کا ہے اور پھر آپ اپنے ذاتی
کمال کی نفی کر کے اپنے علم کو تمامتر افضال الٰہی کا ثمرہ قرار دے رہے ہیں ——— اور یوں دین حق کی تبلیغ معاً شروع کر دی۔ ذٰلِكُمَا۔ یعنی یہ علم تعبیر رؤیا۔ ای ذلک التاویل (بیضاوی) ذٰلِكَ کا اشارہ بعید اس علم کے شرف و منزلت کے
اظہار کے لئے ہے۔ وفی البعد فی ذلک الاشارة الی بعد منزلته وعلو درجته (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کوئی عالم دین اگر اپنے کمالات و اوصاف اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ اُن سے نفع اُٹھائیں تو جائز ہے۔ ۵۷۵ مصری
مذہب مسئلہ توحید اور وقوع آخرت دونوں کا منکر تھا۔ تَرَكۡتُ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے دین شرک پر تھے اور اب اسے چھوڑا ہے ترک کے معنی عدم اختیار کے ہیں اور یہ ضروری ہرگز نہیں کہ انسان پہلے اس عادت میں پڑ چکا ہو۔ الترک عبارة عن عدم
التعرض للشیء ولیس من شرطه ان یکون قد کان خائضا فیه (کبیر) المراد بالترک الامتناع (روح) یہ مراد بھی لگائی ہے کہ اب تک مصری آپؑ کو اپنا ہم مذہب سمجھ رہے تھے اور آپؑ نے کھل کر کبھی اپنے عقائد کا اظہار کیا نہ تھا آج پہلی بار آپؑ علانیہ
توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے دین سابق سے الگ ہو رہے ہیں۔ هُمۡ کی تکرار تاکید معنی کے لئے ہے وقوع آخرت کے اہل مصر خصوصیت سے منکر تھے۔ کرر هذا اللفظ للتاکید (کبیر) توریت حسب معمول ان مطالب عالیہ

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ

اور ان کے واسطے مسندیں لگادیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں

سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ

چھری دیدی اور بولی کہ (اے یوسفؑ) ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ ۵۷ اب جب ان لوگوں نے (یوسفؑ کو) دیکھا

قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ

اس پر حیران رہ گئیں ۵۸ اور اپنے ہی ہاتھ زخمی کر لئے ۵۹ اور بولیں ماشاء اللہ یہ آدمی نہیں

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ

یہ تو کوئی فرشتہ ہے نورانی ۶۰ وہ بولی یہی وہ شخص ہے جس کے باب میں تم مجھے ملامت

فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ

کر رہی تھیں ۶۱ بیشک میں نے اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہا تھا لیکن یہ پاک صاف رہا ۶۲ اور اگر (آئندہ)

لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس نے وہ نہ کیا جو میں اس سے کہہ رہی ہوں تو یہ ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا ۶۳

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا

(یوسفؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھے گوارا تر ہے بہ مقابلہ اس (کام) کے جس کی طرف مجھے یہ لوگ بلا

تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

رہی ہیں ۶۴ اور اگر تو ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کردیگا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا ۶۵

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

پس ان کے پروردگار نے اُن کی دُعا قبول کرلی اور اُن سے ان عورتوں کے چرتر کو دُور رکھا ۶۶ بیشک وہ

۵۷ یوسفؑ بہرحال خادم تو اب تک تھے اُنہیں گھر کی مالکہ نے آواز دی کہ سامنے آجاؤ ــــــ آگئے۔ نظریں نیچی کئے ہوئے چہرہ نُورِ عصمت سے جگمگایا ہوا اور شہر کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین جمیل وزیر زادیوں امیرزادیوں کا مجمع۔ سِكِّيْنًا۔ یہ چھریاں کھانے کے لئے دی گئی تھیں۔ مصری تمدن کھانے کے لئے چھری چمچوں سے بیگانہ نہ تھا۔ ۵۸ اکر یہ حسن و جمال کا پُتلا کیسا نوجوان ہے کہ ایسی زہد شکن فضا میں آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا) ای اعظمنه ودهشن برؤية جماله الفائق (روح) ۵۹ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی معجزہ یوسفی ہو جیسا کہ بعض کا قول نقل ہوا ہے لیکن حالات طبعی کا تقاضہ بھی تو کچھ ایسا ہی تھا اور اس کے لئے مجلس کا نقشہ ذرا وضاحت کے ساتھ پیش نظر کر لیجئے۔ دعوت اور ضیافت کا اہتمام شاہی پیمانہ پر ہے۔ میزبان وزیر سلطنت کی بانوے محترم ہیں۔ عشوہ وناز سے لبریز وزیر زادیاں امیرزادیاں جمع ہیں۔ میووں پھلوں سے شغل ہو رہا ہے چھری کانٹے کے رواج سے یُوں بھی مصری تمدن ناآشنا نہ تھا اور اس وقت تو ذرہ ہی میووں اور پھلوں کا چل رہا ہے۔ ہاتھوں میں چھریاں ہیں گپ شپ ہو رہی ہے یک بیک ایک ڈرامائی انداز سے ایک نُور پیکر سامنے لے آیا جاتا ہے۔ نظریں نیچی، آنکھوں پر حیا کے پردے، چہرے پر عصمت کے سہرے جن کے چہرے اس وقت تک خود ہی سب کو دعوتِ نظارہ دینے کے عادی تھے وہ آپ اس وقت تماشائی بنی ہوئی اس حسن و جمال عصمت وعفاف کے پُتلے کے نظارے میں محو! اور وہ نہ کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہے نہ کسی سے دلچسپی لیتا ہے ایسے میں عجب کیا جو ٹکٹکی لگ گئی ہو اور پلک جھپکانا تک بار ہو رہا ہو ــــــ اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی جلد پر چل گئی ہوں! پھر آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ سب ہی کے کٹے ہوئے ہوں چند کا بھی زخمی ہو جانا صیغہ جمع لانے کے لئے کافی ہے۔ اور قطع سے یہ مراد نہیں کہ ہاتھ کاٹ ہی ڈالے محض زخمی کر لینا خراش آجانا بھی کافی ہے۔ ~~ای جرحنها کما یقال کنت یدی (روح)~~ ۶۰ یوسف علیہ السلام حسن وجمال میں ممتاز تو تھے ہی توریت میں ہے:- "اور یُوسفؑ خوبصورت اور نور پیکر تھا" (پیدائش ۳۹ : ۶) تقویٰ وعفاف میں بھی اپنی مثال آپؑ تھے۔ جاہلی متمدن قوم کی عورتیں تقویٰ وعفاف کے اس معیار سے بھلا کیا واقف دنگ ہو گئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اپنی زبان میں بول اُٹھیں کہ یہ نوجوان انسان کا ہے کو ہے یہ تو کوئی دیوتا ہیں۔ آکاش سے اُترے چلے آ رہے ہیں ــــــ جاہلی قوموں نے فرشتوں ہی کو اپنی زبان میں دیوی دیوتا کہا ہے۔ مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یعنی شرافت وتقدس کا پُتلا۔ ~~ای شریف کثیر المحاسن (روح)~~ حَاشَ لِلّٰهِ۔ عربی محاورہ میں کلمہ تعجب ہے جو مصر کی فیشن ایبل لیڈیاں حسین کنعانی نوجوان کے کمال عفت وتقویٰ پر دنگ ومتحیر ہو کر زبان پر لا رہی ہیں۔ ~~کلمۃ تعجب عن قدرته علی خلق عفیف مثله وبحره~~ ۶۱ (نواب تو قائل ہوئیں اُسے معمولی کنعانی غلام سمجھ رہی تھیں وہ کیسا حسین وجمیل جوان رعنا نکلا!)

۶۲ یوسف صدیق کی پاک دامانی پر یہ مزید بلیغ شہادت زلیخا کی زبان سے ہے۔ فَاسْتَعْصَمَ۔ استعصام۔ نام ہے کمال پاکبازی اور شدت احتیاط کا۔ ~~الاستعصام بناء مبالغة يدل على الامتناع البليغ والتحفظ الشديد (کشاف)~~ ۶۳ یہ حضرت یوسفؑ کے دھمکانے اور سُنانے کو کہا اور دوسری حسین وجمیل خاتونیں امیرزادیاں اور وزیرزادیاں بھی عجب نہیں جو یوسفؑ کو سمجھانے بجھانے لگی ہوں کہ یہ کیسی حماقت ہے جو ایسی حسین و نازنین مالکہ کو اپنے سے ناخوش کر رہے ہو۔ لَيُسْجَنَنَّ۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ مصری حکومتوں میں جیل خانہ کا رواج ہو چکا تھا۔ ۶۴ زلیخا نے ابھی ابھی قید کی دھمکی دی تھی اس پر یوسفؑ دُعا میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! مجھے جیل کی سختیاں گوارا ہیں اور ان لوگوں کے نفسانی مشوروں پر عمل گوارا نہیں۔ اللہ اکبر کیا مقام تھا عصمت یوسفی کا ــــــ خوب خیال رہے حضرت یوسفؑ جیل جانے کی دُعا نہیں کر رہے ہیں۔ جیل جانا اپنا مقصود نہیں قرار دے رہے ہیں صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ معصیت کا صدور تو مجھے جیل کی سختیوں سے بھی ناگوار تر ہے۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ مصیبت کو معصیت پر اختیار کرنا صدیقین کا شیوہ ہے، اور اپنے تقویٰ وتحمل پر بھروسہ نہ رکھنا بلکہ معصیت کے دواعی واسباب سے بھاگتے رہنا سعادت مندوں کا شعار ہے۔ ۶۵ کمال عبدیت وشکستگی یہ ہے کہ کمال تقویٰ پر بھی ناز و اعتماد اپنی ذات پر نہیں ہوتا دعا بس اللہ تعالیٰ ہی سے ہے کہ آپ ہی مجھے سنبھالے رکھیئے، جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں۔ مفسر تھانویؒ نے یہاں کیا خوب فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دُعا ذرا بھی منافی عصمت کے نہیں کیونکہ یہ عصمت بھی تو بدولت حفاظت خداوندی ہی کے ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد وناز ذرا نہیں ہوتا۔ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ۔ کے کھلے ہوئے معنیٰ اصرف عنی ہیں جیسا کہ اگلی ہی آیت میں فَصَرَفَ عَنْهُ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ یہاں گویا یہ بتا دیا کہ تقویٰ کے برعکس راہ اختیار کرنا شعار اہل جاہلیت کا ہے لفظ جاہلیت کا تعلق تمامتر کردار وسیرت سے ہے خواندگی اور تعلیم ظاہری کے فقدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ اپنے نفس کو غافل وعاجز جاننا اور ہر توفیق خیر منجانب اللہ جاننا اور خبث اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے رہنا صالحین ومتقین کی روش ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ مقام کمال صدیقیت ہے جوان حسین امیرزادی اپنی طرف بُلا رہی ہے اور آپؑ بھی نوجوان ہیں حسین ہیں اس پر بھی خوفِ خدا اس درجہ غالب ہے کہ ان لذتوں کو چھوڑ کر جیل جانا گوارا کر لیتے ہیں۔ ~~وهذا فی غایة مقامات الکمال انه مع شبابه وجماله وکماله تدعوه سیدته وهی امرأة عزیز مصر وهی مع هذا فی غاية الجمال والمال والرياسة ويمتنع من ذلك ويختار السجن على ذلك خوفا من الله ورجاء ثوابه (ابن کثیر)~~ ۶۶ (یعنی آپؑ کو عصمت وعفاف کے مقام بلند سے ذرا بھی ہٹنے نہ دیا) فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ۔ آپؑ کی دُعا وہ کونسی تھی جو قبول ہوئی؟ وہ دُعا یہی ثباتِ عصمت کی تھی کہ ایسے تقویٰ شکن حالات میں بھی میرے قدم ثبات کو ذرا بھی لغزش نہ ہو۔

اُس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا" (پیدائش ۳۹: ۱۲) صُوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ شیطان کا آخری حملہ غضب کا ہوتا ہے تاہم نیک بندے کسی طرح اس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔ ۴۹ زلیخا نے جب دیکھا کہ اب توراز فاش ہُوا ہی جاتا ہے تو جھٹ یُوں بات بنائی اور اُلٹی اپنی مظلومیت کی داستان شوہر اور بااختیار شوہر کو سُنانا شروع کر دی توریت میں اس مقام پر بھی حسبِ معمول ایک بلاضرورت طویل عبارت ہے اور اس کے بعد ہے:۔ "وہ سو اُس نے اس کا پیراہن اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں آیا تب اُس نے ایسی ہی باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تُو نے ہم پاس لا رکھا گھُس آیا کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب مَیں نے آواز بلند کی اور چلّا اُٹھی تو وہ اپنا پیراہن مجھ پاس چھوڑ کر باہر نکل بھاگا" (پیدائش ۳۹: ۱۵-۱۸) مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا۔ زلیخا کی اس فردِ قرار دادِ جُرم سے بھی اس قرینہ کی تائید ہوتی ہے کہ اُس مُلک اور وقت کے قانون میں اقدامِ زنا بجائے خود کوئی جُرم نہ تھا بلکہ ناموسِ شوہری میں خیانت اصل جُرم تھی۔ ۵۰ (اور اب اُلٹا الزام میرے اُوپر ڈالے دیتی ہے) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مخالف کی شرارت کا ایسے وقت میں اظہار جبکہ اخفار میں اپنے ضرر کا احتمال ہو مکارمِ اخلاق کے منافی نہیں۔ ۵۱ جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرینہ کی گواہی (Circumstantial Evidence) کہتے ہیں یہاں شاہد اور

نَفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ

نکالنے کیلئے پھُسلا رہی تھی ۵۰ اور اس عورت کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی ۵۱ کہ ان کا پیراہن اگر آگے

قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶ وَاِنْ

سے پھٹا ہو تو وہ سچّی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر

كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ

ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ

الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ

سچّے ۵۱ سو جب (عزیز) نے اُن کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہُوا دیکھا تو بول اُٹھا بیشک

مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸ يُوْسُفُ اَعْرِضْ

یہ (سب) تم عورتوں کا چرتر ہے بیشک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے ۵۲ اے یوسفؑ (اب) تم اسے

عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ

جانے دو ۵۳ اور تو اے عورت تو اپنے قصور پر معافی مانگ بیشک تو ہی (سرتاسر)

الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹ۧ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

خطاوار ہے ۵۴ اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو

تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ

اس سے اپنا مطلب نکالنے کو پھُسلاتی ہے اس کے عشق میں دیوانی ہو گئی ہے ہم تو اسے کھُلی حماقت

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ

میں (مبتلا) پاتے ہیں ۵۵ جب اس (عورت) نے ان عورتوں کی زبان درازی سُنی تو انہیں بُلا بھیجا ۵۶

ع ۳ / ۱۲

شہادت اپنے اصطلاحی فقہی معنیٰ میں نہیں جو گواہ کے عاقل ہونے بالغ ہونے وقوعِ واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں یہ گواہ تو صرف اس معنیٰ میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سمجھا دیا۔ تفسیروں میں ایک حدیث مرفوع کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیرخوار بچہ تھا بطورِ خرقِ عادت کے حضرت یُوسفؑ کی صفائی میں بول اُٹھا لیکن بہت سے ائمۂ تفسیر لے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے چچیرے بھائی اور حکیمِ وقت تھے تقربِ سلطانی رکھنے والے اور دربار کے مشوروں میں شریک ہونے والے۔ ملم کان بصبی ولکن کان رجلا حکیما (ابن جریر عن عکرمہ) كان من خاصة الملك (ابن جرير عن ابن عباس) كان رجلا حكيما من اهلها ذا رأي يأخذ الملك برأيه (ابن كثير عن قتادة) كان لها ابن عم وكان رجلا حكيما وهذا قول طائفة عظيمة من المفسرين (كبير) قال الحسن وعكرمة وقتادة ومجاهد لم يكن صبيا ولكنه كان رجلا حكيما ذا رأي (معالم) عن ابن ابي مليكة عن ابن عباس كان من خاصة الملك وكذا قال مجاهد وعكرمة والحسن وقتادة والسدي ومحمد بن اسحق وغيرهم انه كان رجلا (ابن كثير) فقہا نے اس آیت کے ذیل میں ایک بڑی بحث اس کی اٹھائی ہے کہ پڑی ہوئی گمشدہ چیز جب مل جائے تو آیا محض اس کی علامات بتا دینے سے اس چیز کی مِلک کا ثبوت ہو جاتا ہے یا نہیں اور جصّاص کی احکام القرآن میں اسی باب میں مختلف فقہاء کے مذاہب نقل ہوئے ہیں۔ فقہاء مفسّرین نے آیت سے قیاس شرعی کے جواز اور عُرف و عادت قوم سے استدلال کے جواز کا بھی استنباط کیا ہے۔ وفى الآية دليل على القياس والاعتبار والعمل بالعرف والعادة (قرطبی) ۵۲ ہندی میں اسی کید کو تریا چرتر کہتے ہیں اور ہندی ادبیات اس طرح کے قصّوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عورت میں جو ایک خاص مادہ ناز و انداز کا ہوتا ہے اور مرد کے دل میں عورت کے لئے جو طبعی کشش رکھ دی گئی ہے قدرۃً اس نے عورت کے ہاتھ میں اثر اندازی کا ایک زبردست حربہ دے دیا ہے۔ یہاں یہ قول اگرچہ عزیزِ مصر کی زبان سے نقل ہُوا ہے اس کے اپنے تجربہ کچھ اسی قسم کے ہوں گے لیکن قرآن نے بھی اسے بلانکیر نقل کر دیا ہے۔ عزیز کے مقولہ کی تائید میں فرنگی اور ہندی حکماء نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ علماء نے ایک سوال یہاں پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے کید کو ضعیف بتایا ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا اور یہاں عورتوں کے کید کو عظیم ٹھہرایا ہے تو کیا عورتوں کا کید شیطان سے بھی بڑھا ہُوا ہے؟ اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید جو یہاں ضعیف قرار دیا گیا ہے وہ خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے اور نسائی کید جو عظیم بتایا گیا ہے وہ بہ مقابلہ مردوں کے ہے۔ (والاظهر كون ضعف كيد الشيطان انما هو في مقابلة كيد الله تعالى وعظم كيدهن انما هو بالنسبة الى كيد الرجال (روح)

۵۳ انکشافِ حقیقت کے بعد عزیز پہلے تو عورتوں کی چالبازی پر نفرت کرتا ہے پھر حضرت یوسفؑ کی طرف مخاطب ہو کر نیم معذرت کے انداز میں کہتا ہے جو ہونا تھا ہو چکا اب تم بھی اس پر خاک ڈالو نہ اس کا چرچا دوسروں سے کرو نہ اس کا غبار اپنے دل میں رکھو۔ ۵۴ (کہ اوّل تو خود اتنی بڑی جرأت کر گزری اور پھر خواہ مخواہ ایک بیگناہ کو پھانس دینا چاہا) وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ۔ پھر سوال پیدا ہُوا ہے کہ قصور کی معافی کس سے مانگی جائے؟ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ خُدا سے۔ دوسرا جواب یہ نقول ہے کہ اپنے شوہر سے مصریوں کے مشرکانہ عقائد پر نظر کرتے ہوئے پہلا قول ضعیف اور دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ۵۵ (کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی خادم اور غلام پر اور وہ بھی اپنا ہم وطن و ہم نسب نہیں پردیسی اور کنعانی!) قَالَتْ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ واقعہ کے چرچے سوسائٹی میں شروع ہو گئے اور سوسائٹی کی عورتوں نے حسبِ معمول اس میں خوب دلچسپی لی اور برابر کی وزیرزادیوں اور امیرزادیوں نے یہ طعنہ زنی شروع کر دی۔ نسوة جمع تکسیر ہے جو قلتِ عدد پر دلالت کرتی ہے گویا یہ لفظ لا کر قرآن مجید نے ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ ایسی بیویوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہ تھی صرف گنتی کی چند تھیں جو ہر طرح بیگم وزیر کی ہمسر و ہم چشم تھیں۔ شَغَفَهَا۔ شغف دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔ (المعنى وصل الى القلب نفذ الى القلب (کبیر)) ۵۶ خواتینِ مصر کے طبقۂ اُمراء میں اس وقت اُونچی اُونچی مسندوں پر بیٹھنے اور مہمانوں کے بٹھانے کا رواج عام تھا ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ زلیخا کو بھی آخر ان لوگوں کی زبان درازیوں کی خبر پہنچی اور انہیں نیچا دکھانے کی نئی تدبیر سُوجھی سب کو دعوت میں اپنے ہاں بُلا بھیجا۔ مکر یہاں طعن طنز و تعریض کے معنی میں ہے۔ (هو اغتيابهن اياها وسوء مقالتهن (کبیر))

ف ۳۶ قرآن مجید کا یہ ایک عام وحکیمانہ اسلوب بیان ہے کہ کسی جزئی اور مخصوص واقعہ کا ذکر کرتے کرتے معاً اس کا عام قانون بھی بیان کر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہ ارشاد ہوگیا کہ یہ دینی و دنیوی اکرام واعزاز یوسف علیہ السلام کے خواص ذاتی میں سے نہ تھا بلکہ جو کوئی بھی ایمان وحسن عمل کو اپنا شعار رکھے وہ انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اَشُدَّهٗ ۔ اس پختگی عمر کی تعیین میں متعدد قول نقل ہوئے ہیں تاہم ۲۰ سال سے کم کا کوئی قول سلف سے منقول نہیں البتہ ابن جریر نے ۱۸ سال کو بھی اس کا ایک ممکن مصداق بتایا ہے۔ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔ محکم سے مراد عام طور پر دنیوی قوت واقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ف ۳۷ یہ عورت جو سن میں یقیناً یوسف علیہ السلام سے بڑی ہوگی جیسا کہ آیۂ کریمہ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا سے اشارۃً ظاہر ہو رہا ہے حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہوگئی یہاں تک کہ اُن سے تعلق ناجائز پیدا کرنے پر تل گئی ——— حرامکاری آج تہذیبِ فرنگ میں عورت کے لئے کب عیب ہے جو اس کا عیب ہونا مصر جاہلی کی تہذیب میں فرض کر لیا جائے؟ اَلَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا۔ قرآن مجید صاف بیتھا (اس عورت کا گھر) فرما رہا ہے۔ بیتہ (عزیز کا گھر) نہیں کہتا ——— مصری تمدن میں عورت بڑی حد تک "آزاد" وخود مختار تھی۔ رَاوَدَتْهُ... هَيْتَ لَكَ ۔ توریت میں ہے:۔ "اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اُس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو" (پیدائش ۳۹: ۷) "اور وہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی، پر اُس نے ایک نہ سُنی کہ اس کے ساتھ سووے یا اُس کے ساتھ رہے" (پیدائش ۳۹: ۱۰) ف ۳۸ (کہ میں اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کروں) حضرت یوسفؑ کا اس فرمائش حرامکاری کے جواب میں پہلا اور اصلی جواب یہی ہے کہ یہ معصیت بہر حال پناہ مانگنے کے قابل ہے۔ وهذا الاجتناب منه عليه السلام على اتم الوجوه واشارة الى التعليل بانه منكر هائل يجب ان يعاذ بالله منه ف ۳۹ (اس کے ناموس میں خیانت کی جرأت کس طرح کرسکتا ہوں) اِنَّهٗ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّيْٓ ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق وپروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔ كل من ملك شيئا فهو ربه ولا يقال الرب مطلقا الا لله تعالى وبالاضافة يقال له ولغيره (راغب) حضرات انبیاء (قبل نبوت بھی) شاعر نہیں ہوتے اُن کی زبان حقیقت سے خالی اور شاعرانہ نہیں ہوتی تمامتر حقایق کی ترجمان ہوتی ہے۔ حضرت یوسفؑ اُس وقت جس کی رعایا بلکہ غلام یا مملوک تھے اس کے لئے یہ کہتے ہوئے بھی آپ کو مطلق عار نہ تھا آج کل کے پُرجوش خطیبوں کا سا انداز بیان ان کا نہیں ہوتا کہ سرتاسر محکوم اور رعیت ہوکر زبان سے بڑے بڑے شاندار الفاظ اس کے برعکس ادا کیا کریں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محسن گو چہ کافر ہو جب بھی اس کی رعایت کرنا چاہیئے اور اہلِ طریق اس باب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت یوسفؑ کا دوسرا اور تائیدی جواب ہوا اور فہم مخاطب کے لحاظ سے بہت اہم۔ آپؑ فرما رہے ہیں کہ حرامکاری ایک تو بجائے خود کیسی شدید معصیت اور پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟ اپنے ہی آقا کے حرم کے ساتھ بہت سے جاہلی مذہبوں میں زناکاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوقِ شوہری میں خیانت جرم ہے عجب نہیں جو اُس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ ٹکڑا حضرتؑ نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے ہی کے لئے اضافہ کیا ہو؟ ——— جواب کے اس جزء کو جنہوں نے مرتبۂ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے۔ یہ جواب تو حضرتؑ کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔ ف ۴۰ (ایسے محسن کا حق میں یوں ادا کروں!) یہ تیسرا جواب حضرت یوسفؑ کا ہوا۔ فرماتے ہیں کہ ایک تو میں اپنے آقا کے ناموس میں خلل اندازی کروں اور پھر آقا بھی کیسا؟ ایسا محسن وشفیق! گویا کفرانِ نعمت کی حد ہی ہوگئی! البتہ توریت نے اصل جواب اسی کو قرار دیا ہے اور اس سے توریت کی پستی بیشک قرآن کے مقابلہ میں ثابت ہوتی ہے۔ توریت میں ہے:۔ "لیکن اُس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ میرا آقا کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے واقف نہیں ہے۔ اور اُس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا۔ اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور اس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی اور یہ اس لئے ہے کہ تو اُس کی جورو ہے پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار ہوؤں" (پیدائش ۳۹: ۹) ف ۴۱ بلکہ اکثر تو آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں تباہ وپریشان ورسوا ہو کر رہتے ہیں) اَلظّٰلِمُوْنَ ۔ ظالم یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہر فاسق وبدکار کے مرادف ہے۔ یہ گویا بطور تتمیم کلام کے حضرتؑ کا چوتھا جواب ہے یعنی آپؑ فرماتے ہیں کہ ایک اسی پر کیا موقوف ہے بدکار وفاسق کسی قسم کے بھی ہوں رسوا ونامراد ہی رہتے ہیں۔ ف ۴۲ (درجۂ عزم واقدام عمل میں) اى قصدت المخالطة وعزمت عليها عزما جازما والهم بمعنى القصد الجازم والعقد الثابت كما هو المراد هنا بلا مع توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ ایک دن وہ اپنے کام کے لئے گھر کے اندر گیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اُس نے اُس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو" (پیدائش ۳۹: ۱۱) ف ۴۳ (امر طبعی کے درجہ میں) خلوت کی یکجائی میں جوان عمر تندرست مرد کا محض خیال اگر جوان حسین عورت کی طرف جائے خصوصاً جبکہ پیشقدمی اور تشویق عورت کی طرف سے ہو رہی ہو تو یہ عیب نہیں بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح وتندرست اور مرد ہونے کی۔ اى مال الى مخالطتها بمقتضى الطبيعة البشرية ومثل ذلك لا يكاد يدخل تحت التكليف والمراد بهمه عليه الصلوة والسلام ميل الطبع ومنازعة الشهوة لا القصد الاختيارى (بيضاوى) قال الشيخ ابو منصور الماتريدى وهم بها هم خطرة ولا صنع للعبد فيما يخطر بالقلب ولا مواخذة عليه منه، فعل هَمَّ ۔ کے دونوں معنی آئے ہیں خیال قوی بدرجۂ عزم بھی اور خیال ضعیف بدرجۂ امر طبعی بھی زلیخا کے لئے ھمّ پہلے معنی میں آیا ہے اور یوسفؑ کے لئے دوسرے معنی میں۔ انما عبر عنه بالهم لمجرد وقوعه في صحبة همها في الذكر بطريق المشاكلة لا لشبهه بها (ابو سعود) پیمبر اخلاقی خطاؤں اور لغزشوں سے معصوم ومحفوظ بلاشبہ ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے احساسات بھی مردہ ہو جاتے ہیں (اور حضرت یوسفؑ کے لئے تو یہ بھی مسلّم نہیں کہ اس سن میں وہ نبی تھے بھی) ——— پیمبر کے سامنے کوئی حرام غذا اگر لذیذ وخوشبودار بنا کر رکھ دی جائے تو اس کی ناک خوشبو تو بہر حال محسوس کرے گی گو اس حرام غذا کے کھانے کے لئے التفات دل میں ذرا بھی نہ پیدا ہوگا۔ ف ۴۴ (لیکن وہ دلیل خداوندی تو اُن کے علم ومشاہدہ میں تھی اس لئے وہ ادنیٰ خیال بھی نہیں پیدا ہونے پایا) بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے مراد ہے علم شریعت تقویٰ وطہارت والمراد برؤيته لها كمال ايقانه بها ومشاهدته لها مشاهدة واصلة الى مرتبة عين اليقين (روح) مطلب یہ کہ اگر آپ خیال کے ابتدائی درجوں میں مبتلا ہو جاتے جب بھی عصمت نبی پر حرف نہیں آسکتا تھا چہ جائیکہ آپ کے لئے تو یہ بھی نہیں ہوا۔ ف ۴۵ (چنانچہ آپ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے) اَلسُّوْٓءَ سے مراد گناہ صغیرہ ہے اور اَلْفَحْشَآءَ سے مراد کبیرہ۔ السوء مقدمات الفحشاء وقيل هو الامر القبيح مطلقا (مع) ف ۴۶ (چنانچہ ان سے صدور معصیت کیا معنی ارادۂ معصیت بھی نہ ہونے پایا) ف ۴۷ (آگے آگے آپ کہ بھاگ کر بچنا چاہتے تھے اور پیچھے پیچھے وہ عورت کہ دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی) آپؑ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت مخلصی کی نہیں تو بے تحاشا باہر نکل بھاگنے کا قصد کر لیا باوجود اس کے کہ دروازے بند تھے۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ ۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کشاد قفل میں اشارہ اسی طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہیں غیب سے کُھل جاتی ہیں اور عارف رومیؒ کا اشارہ اپنی مثنوی کے اس شعر میں اسی منزل کی جانب ہے ؎ نیست رخنہ گرچہ در عالم پدید ہمچو یوسف خیرہ سر باید دوید ف ۴۸ (جیسا کہ اس موقع پر بالکل قدرتی ہوتا ہے جب کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور کوئی دوسرا اُسے پیچھے سے پکڑنا چاہے) توریت میں ہے:۔ "تب

حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۲۲ وَرَاوَدَتْهُ
حکومت اور علم عطا فرمایا اور اسی طرح ہم نیککاروں کو عوض دیا کرتے ہیں ف ۳۶ اور جس عورت کے گھر میں
الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ
وہ تھے وہ انہیں اپنا مطلب حاصل کرنے کو پھسلانے لگی اور دروازے بند کر لئے اور
قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ
بولی کہ بس آجاؤ ف ۳۷ یوسفؑ نے کہا اللہ کی پناہ ف ۳۸ (اور پھر) وہ میرا مربی ہے ف ۳۹ اس نے مجھے کیسی
مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ
اچھی طرح رکھا ف ۴۰ بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے ف ۴۱ اور اس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی
وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ
رہا تھا ف ۴۲ اور انہیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا ف ۴۳ اور اگر اپنے پروردگار کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا ف ۴۴ اسی طرح
عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝۲۴
(ہم نے انہیں بچا دیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بےحیائی کو دور رکھیں ف ۴۵ وہ بیشک ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے ف ۴۶
وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا
اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے ف ۴۷ اور اس نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا ف ۴۸ اور دونوں نے اس کے
لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ
آقا (یعنی شوہر) کو دروازے کے پاس (کھڑا ہوا) پایا وہ بول اٹھی کیا سزا ہے اس کی جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے
اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۵ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ
بجز اس کے کہ وہ قید میں ڈالا جائے یا اور کوئی عذاب دردناک (دیا جائے) ف ۴۹ (یوسفؑ) بولے کہ یہی (خود) تو مجھ سے اپنا مطلب

منزل ۳

~~اسی فاعلی صبر جمیل اور فصبر جمیل اجمل ... اولی فصبر جمیل~~

ف ۲۷ کہ مجھے توفیق صبر دے۔ صَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ مُبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی تقدیر کلام دونوں طرح جائز ہے۔ ~~اسی فاعلی صبر جمیل~~ بڑی سی بڑی مصیبت کے وقت بھی اگر ذہن میں اس کا استحضار رہے کہ یہ ابتلاء حضرت حق کی طرف سے ہے جو ہر طرح حکیم بھی ہیں اور ہر طرح رحیم وشفیق بھی تو ظاہر ہے کہ انتہائی رنج طبعی کے ساتھ یہ تسکین عقلی بھی ضرور شامل رہے گی کہ بہرحال ہماری ہی ہر طرح کی مصلحتیں اس سے وابستہ ہیں صبر جمیل اسی کا نام ہے اور اس کے حقدار ایک پیمبر برحق نہ ہوتے تو اور کون ہوتا۔ اس صبر جمیل کے بجائے توریت میں ہے :- "تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا" (پیدائش ۳۷: ۳۴) ف ۲۸ (اس کنوئیں کے پاس سے جہاں یوسفؑ مقید تھے اور وہ قافلہ بیں یا مصر کو جا رہا تھا) توریت میں یہ تصریح ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا۔ اور "وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اُٹھائی اور دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انھیں مصر کو لے جائیں" (پیدائش ۳۷: ۲۵)
ف ۲۹ اور سارے قافلہ والے قدرۃً بڑے خوش ہوئے۔ ~~غُلٰم کی تنوین اگر تفخیم کے لیے سمجھی جائے تو ترجمہ ہوگا ایک بڑا اچھا لڑکا۔~~ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ۔ حضرت یوسفؑ اسی کنوئیں میں تھے چنانچہ آپ رسی کو تھام باہر آ گئے۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ
سو صبر (ہی) اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے ف ۲۷ اور
جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ
ایک قافلہ آ نکلا ف ۲۸ سو ان لوگوں نے اپنا سقہ بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا اور بول اٹھا
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا
ارے واہ واہ یہ تو ایک لڑکا نکل آیا ف ۲۹ اور انہوں نے اسے مال تجارت (قرار دے کر) چھپا لیا اور اللہ خوب واقف
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا
تھا جو کچھ وہ (سب) کر رہے تھے ف ۳۰ اور انہوں نے یوسفؑ کو بہت کم قیمت گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا ف ۳۱ اور
فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ
وہ ان کے بارے میں بیزار (سے) تھے ف ۳۲ اور جس نے انہیں مصر میں خریدا تھا اُس نے
ع ۲ / ۱۴ / ۱۲
لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
اپنی بیوی سے کہا کہ اسے خاطر میں رکھنا کیا عجب کہ ہمارے کام آوے اور یا ہم اس کو بیٹا ہی
وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ
بنا لیں ف ۳۳ اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو (اس) سرزمین میں خوب تمکین دی تاکہ ہم انہیں
مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ
خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں ف ۳۴ اور اللہ اپنے امر (کام) پر غالب ہے لیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ
اکثر انسان (اتنا بھی) نہیں جانتے ف ۳۵ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے انہیں

ف ۳۰ یعنی اس کی نظر سے نہ برادرانِ یوسفؑ کی کاروائیاں پوشیدہ تھیں، نہ اہلِ قافلہ کی۔ بردہ فروشی کا رواج اُس وقت عام تھا۔ یہ تجارتی قافلہ والے آخر کاروباری لوگ تھے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ایسے خوش جمال لڑکے کو خوب گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔ ف ۳۱ برادران یوسفؑ کو اس اثناء میں اطلاع مل گئی تھی دوڑے ہوتے آئے اور قافلہ والوں سے کہا یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کو یوسفؑ کی جان سے کوئی دشمنی نہ تھی وہ تو صرف اپنے والد ماجد کے پاس سے ہٹا دینے کے درپے تھے کہ ان کے بعد خود اُن کے منظورِ نظر ہو کر رہیں۔ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ۔ توریت کا بیان ہے کہ یہ رقم ۲۰ روپیہ تھی۔ (پیدائش ۳۷: ۲۸) دراھم میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قیمت میں چاندی ہی کے کچھ سکے ملے نہ کہ سونے کے دینار۔ بعض علماء نے یہاں یہ لکھا ہے کہ جب برادرانِ یوسفؑ نے آپؑ کو اپنا غلام بیان کیا ہے تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر خاموش رہے حالانکہ حُر (آزاد) کی بیع شریعت اسلامی میں جائز نہیں اس سے مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ خوفِ ضرر سے امر منکر سے انکار نہ کرنا اس پر سکوت اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ توریت میں ہے :- "تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپا دیں تو کیا نفع ہوگا آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے اور اس کے بھائی راضی ہوئے" (پیدائش ۳۷: ۲۶-۲۷) ف ۳۲ یعنی انہیں کچھ تجارت تو مقصود تھی نہیں جو کچھ وہ دام بڑھاتے انہیں مقصود تو اپنے خیال کے مطابق اپنے پاس سے ایک بلا کا دور کرنا تھا اونے پونے جو کچھ بھی دام مل گئے اسے غنیمت سمجھے۔ ~~کَانُوْا کی ضمیر اکثر نے بھائیوں کی جانب لی ہے اور یہی لگتی ہوئی بھی ہے۔ والضمیر فی وکانوا ان کان للاخوۃ فظاھر (روح)~~ ف ۳۳ یہ میاں بیوی لاولد تھے اور اولاد کی تمنا رکھتے تھے۔ یوسفؑ کی خاطر داریوں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ "اور خداوند یوسفؑ کے ساتھ تھا اور وہ صاحبِ اقبال ہوا۔ سو وہ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اسکے سب کاموں میں اسے اقبالمند کیا چنانچہ یوسفؑ اس کی نظر میں موردِ لطف ہوا اور اُس نے اس کی خدمت کی، اور اُس نے اُسے اپنے گھر کا مختار کیا اور سب جو کچھ کہ اُس کا تھا اُس کے قبضہ میں کر دیا" (پیدائش ۳۹: ۲-۵) اَلَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ۔ قافلہ والے یوسفؑ کو اپنے ہمراہ لائے اور ملک مصر میں بہ حیثیت غلام کے فروخت کیا یہاں جس نے اچھی قیمت دے کر ایسے

ہونہار اور صاحبِ آثار رُشد غلام کو خرید کیا وہ حکومتِ مصر کا ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ توریت میں اس عہدہ دار کو فوطیفار کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے آگے چل کر اسی کو عربی زبان میں عزیز سے تعبیر کیا ہے۔ توریت میں ہے :- "اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا بیچا" (پیدائش ۳۷: ۳۶) "یوسفؑ کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے جلوداروں کا سردار تھا اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو اسے وہاں لائے تھے مول لے لیا" (پیدائش ۳۹: ۱) ~~من مصر بیان ہے تعلقات اہل مصر کے قبل محذوف ہے اور یا غرض کوئی کے معنی میں لے لیا جائے۔~~ لِامْرَاَتِهٖ۔ عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایات یہود میں زلیخا آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا ان کے لئے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ بعد کو حضرت یوسفؑ کے عقد نکاح میں آ گئی تھیں لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے نہ توریت سے ف ۳۴ (جو آگے چل کر ان کے کام آئے گی) مطلب یہ ہوا کہ یوسفؑ کے نجات دینے سے ہماری غرض یہ تھی کہ ہم انہیں مادی و روحانی ہر انعام سے مالا مال کریں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم انہیں پہلے اندھیرے کنوئیں سے نجات دلا چکے تھے اسی طرح اب ایک بڑے سردار حکومت کے گھر میں جگہ دے کر۔ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ پر حاشیہ ابھی اوپر گذر چکا۔ الفاظ قرآن کی جامعیت اور عموم حضرت یوسفؑ کے ہر قسم کے انتظامی تجربہ اور واقفیت تدبیر منزل کو شامل ہے محض خوابوں کی تعبیر تک محدود نہیں۔ توریت میں ہے :- "اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اُس نے اُسے گھر پر اور اپنی سب چیزوں پر مختار کیا خداوند نے اس مصری کے گھر میں یوسفؑ کے سبب سے برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں خداوند کی طرف سے برکت ہوئی اور اُس نے اپنا سب کچھ یوسفؑ کے قبضہ میں کر دیا اور اس نے روٹی کے سوا جسے کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا اور یوسفؑ خوبصورت اور نوپیکر تھا" (پیدائش ۳۹: ۴-۶) ف ۳۵ دنیا کی مشرک اور جاہل قومیں (اور اکثریت انہی کی ہے) اللہ کی اس صفت یعنی قدرت کاملہ سے متعلق طرح طرح کے غلط تصورات اور لغو عقاید میں مبتلا ہیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔ جو امور عقل انسان کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں اللہ ان کا سامان بھی خفی اور لطیف طریقوں سے کر دیتا ہے۔

۲۰؎ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ ایک تو یوسفؑ کی جدائی ہی مجھے شاق ہے اور پھر یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ تم لوگ نوجاکر اپنے مشاغل میں لگ جاؤ گے ایسا نہ ہو کہ اسے اکیلا چھوڑ جاؤ اور کہیں کوئی بھیڑیا آکر اُٹھالے جائے۔ ارض فلسطین کے جنگلوں میں بھیڑیئے اب تو خال خال رہ گئے ہیں لیکن قدیم زمانہ میں یہ وہاں کے جنگلوں میں خاص طور سے آباد تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۰ طبع چہاردہم) حضرت یعقوبؑ تو بہرحال نبی تھے اتنی فراست ایمانی سے کام ایک عام مومن بھی لے سکتا ہے۔ لَيَحْزُنُنِيٓ ـ اَخَافُ۔ آیت میں حزن اور خوف دونوں کا اثبات حضرت یعقوبؑ پیمبر کے حق میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کیفیات طبعی کا طاری ہونا کاملین کے لئے ان کے کمال کے منافی نہیں۔ ۲۱؎ روایاتِ یہود میں تصریح کے ساتھ آتا ہے کہ یہ برادرانِ یوسفؑ بڑے تنومند و قوی ہیکل تھے اپنی قوت و تنومندی دونوں پر ان کا ناز کچھ بے جا نہ تھا۔)

لَيَحْزُنُنِيٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ
بھی رنج ہوگا کہ تم اس کو لئے جاتے ہو اور (پھر) مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو بھیڑیا کھا جائے اور
وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ
تم اس کی طرف سے بے خبر رہو ۲۰؎ وہ بولے اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور
نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ
ہم ایک پوری جماعت موجود ہوں تو ہم بالکل گئے گذرے ہی ہوئے ۲۱؎ سو جب وہ ان کو لے گئے اور
اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ
پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں ۲۲؎ اور ہم نے (یوسفؑ) پر وحی کی
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْ
کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت) وہ جانتے بھی نہ ہوں گے ۲۳؎ اور یہ لوگ
اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ
اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے ۲۴؎ بولے اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے
وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ
اور ہم نے یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا انہیں کھا گیا اور آپ تو
بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ
ہمارا یقین کریں گے نہیں گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں ۲۵؎ اور ان کے کرتہ پر جھوٹ موٹ
بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۚ
کا خون (بھی) لگا لائے (اس پر یعقوبؑ) بولے ہاں (یہ کہو کہ) تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے

منزل ۳

۲۲؎ (اور اس پر عمل بھی کر گزرے) توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ یوسف جب اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی قبا کو یعنی بوقلمون قبا کو جو وہ پہنے تھا اُتار کے اُسے ننگا کیا اور اُسے لے کے کنوئیں میں ڈال دیا وہ کنواں اندھا تھا اُس میں ایک بوند پانی نہ تھا" (پیدائش، ۳۷: ۲۳-۲۴) فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ۔ قیل و قال کے بعد بالآخر حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے لے جانے کی اجازت ان کے چرب زبان بھائیوں کو دے دی تھی۔ ۲۳؎ رحمتِ الٰہی نے اس وقت بھی حضرت یوسفؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا عین جس وقت کہ کنوئیں میں گر رہے تھے۔ غیب سے الہام ہوا کہ شکستہ دل و ملول نہ ہو خوف نہ کرو ان کے کید سے تمہیں رہائی مل کر رہے گی اور ایک روز وہ آئے گا کہ تم ان کی حرکتیں انہیں یاد دلاؤ گے اور یہ تمہیں پہچانیں گے تک نہیں تم اُس وقت ایسے ممتاز مرتبہ پر ہو گے۔ توریت کا قصہ قرآن کے ان بلند ٹکڑوں سے بالکل خالی ہے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ۔ اس وحی سے وحی اصطلاحی مُراد نہیں جو حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے یہ وحی الہام کے معنی میں ہے جو غیر نبی کو یا نبی کو قبل نبوت ہوتا رہتا ہے وهو وحی الهام (بحر عن مجاہد) ۲۴؎ (اپنا مصنوعی رنج و الم ظاہر کرنے کو) یہ لوگ گھر روزانہ شام کو واپس آتے ہوں گے آج ذرا اور دیر کر کے آئے یہ ظاہر کرنے کو کہ اتنی دیر یوسفؑ کی تلاش کرنے میں لگی۔ ایک جُرم کو نباہنے کے لئے دوسرے جرائم تک فطرتِ بشری مجرم کو ناگزیر طور پر لے جاتی ہے۔ ۲۵؎ حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ صحیح نکلا۔ برادرانِ یوسفؑ نے آکر ایک لگتی ہوئی کہانی گڑھ کے بیان کر دی۔ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ۔ یہ نوجوان یا تو شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے ہوں گے یا محض آپس میں دوڑ کا کھیل کھیل رہے ہوں گے۔ یا یہ کچھ بھی سرے سے نہ ہوا ہو سب بناوٹ ہی بناوٹ ہو۔ ۲۶؎ توریت میں اس کے برعکس قصہ یوں درج ہے:۔ "پھر انہوں نے یوسفؑ کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا، اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انہوں نے اس بوقلمون قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا۔ آپ اسے پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں۔ اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا" (پیدائش ۳۷: ۳۱-۳۳) گویا حسب بیانِ توریت پیمبرؑ نے ان فسوں سازوں کے دعوائے باطل کو بالکل تسلیم کر لیا تھا! ——— قرآن مجید نے حسب معمول توریت کی اس غلط بیانی کی بھی تردید کر دی۔

دانی نہیں۔ ؎۱۱ وہ علیمِ کُل ہر ایک کے ظرف و استعداد سے بھی خوب واقف ہے اور صفتِ حکمت کے تقاضے سے ہر ایک کے مناسبِ حال عطا سے فیض کرنے والا بھی ہے۔ دَ
عَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ آلِ یعقوب بنی اسرائیل کا مرادف ہے اور آیت کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ برادرانِ یُوسفؑ کو بھی نبوت ملی ہو۔ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ۔ اتمامِ نعمت کے تحت میں ساری دنیوی و اُخروی نعمتیں آگئیں
گنا۔۔ اِسْحٰقَ۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اتمامِ نعمت کے موقع پر حضرت یعقوبؑ نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔ ابراھیم۔ اسحٰق۔ دونوں پر حاشیے پارۂ اوّل کے آخر میں گذر چکے۔ ؎۱۲ یعنی عام طالبانِ
حق اور جویندگانِ علم کے لئے عموماً اور اُن اہلِ کتاب کے لئے خصوصاً جنہوں نے امتحان کی غرض سے رسُول اللہ صلعم سے اس باب میں سوال کیا تھا۔ اٰیٰتٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت و حکمت کی نشانیاں —— مطلب یہ ہوا
کہ یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے باہمی معاملات سے بڑے بڑے اخلاقی اور دینی سبق حاصل ہو سکتے ہیں اگر کوئی لینا چاہے۔ ؎۱۳ یعنی یوسفؑ اصلاً اور ان کے بھائی بن یامین تبعاً۔ توریت میں ان کے بھائی کا نام
بنیامین درج ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کو جائز ہے کہ کسی مُرید کے ساتھ دوسرے مُریدوں سے زیادہ شفقت و اختصاص رکھے جبکہ اس میں آثارِ رشد دوسروں سے زائد پائے۔ ؎۱۴ (اس تعداد

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝۷
یقیناً یُوسفؑ اور اُن کے بھائیوں (کے قصہ) میں نشانیاں (موجود) ہیں پُوچھنے والوں کے لئے ؎۱۲
اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیْنَا مِنَّا وَ
(وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب وہ (سوتیلے) بھائی بولے کہ یُوسفؑ اور اُن کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے
نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۝۸ اقْتُلُوْا
کہیں زیادہ پیارے ؎۱۳ ہیں درآنحالیکہ ہم ایک (پوری) جماعت ہیں ؎۱۴ بیشک ہمارے باپ تو بالکل بہک گئے ہیں ؎۱۵ (لاؤ)
یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ
یُوسف کو قتل کر ڈالو یا انہیں کسی سرزمین پر ڈال آؤ تو تمہارے لئے تمہارے باپ کا رُخ (خالص) ہو جائیگا
وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ
اور اس کے بعد تمہارے سب کام بن جائیں گے ؎۱۶ (اتنے میں) اُنہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا
لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ
کہ یُوسف کو قتل نہ کرو بلکہ انہیں (ایسے) اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو کہ انہیں کوئی راہگیر
بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝۱۰ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَالَكَ
نکال لے جائے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو ؎۱۷ وہ بولے اے ہمارے باپ آپ کو یہ کیا ہے
لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱ اَرْسِلْهُ مَعَنَا
کہ آپ یُوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ؎۱۸ درآنحالیکہ ہم تو اُن کے بڑے خیرخواہ ہیں، انہیں کل ہمارے
غَدًا یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲ قَالَ اِنِّیْ
ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ ذرا کھائیں کھیلیں، اور ہم ان کے محافظ تو ہیں ہی ؎۱۹ (یعقوبؑ نے) کہا کہ (ایک تو) مجھے

و قوت دونوں کی بنا پر قدر ہماری ہونا چاہئے نہ کہ ان دو کمسن نادانوں کی جو باپ کے کسی کام بھی تو نہیں آسکتے) یہ گفتگو ان دسوں بھائیوں میں آپس میں ہوئی —— تمدن کی اس منزل میں اولاد کی تعداد اور قوت اہمیت کا جو درجہ رکھتی تھی وہ آج خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ ؎۱۵ (کہ خود اپنے نفع و نقصان کا اندازہ نہیں کرتے) ضَلٰلٍ سے مُراد کوئی دینی اعتقادی یا اخلاقی گمراہی نہیں بلکہ محض دنیوی کم اندیشی و کم فہمی مُراد ہے۔ المراد به الضلال عن رعاية المصالح فی الدنیا لا البعد عن طریق الرشد والصواب (کبیر) یعنون عن صواب الرأی (جصاص) اپنے حق میں کمال حُسنِ ظن اور اپنے بزرگوں کی فہم سے سوءِ ظن رکھنا عام بشری کمزوری ہے اور یہ پیمبرزادے اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض اوقات مُریدوں کو بھی شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا ہی گمان ہوتا ہے جیسا ان بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوا تھا۔ ؎۱۶ (اور یہ قضیہ نامرضیہ باقی ہی نہ رہ جائے گا) ای صالحین فی امر دنیاکم فانه ینتظم لکم بعده (روح) انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دُور تک جا سکتا تھا اور بدخواہی کے کن حدود تک پہنچ سکتا ہے یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ جس طرح کمیٹی یا جلسۂ شوریٰ میں مختلف تجویزیں اور مشورے پیش ہوتے رہتے ہیں یہاں بھی مختلف سمتوں سے یہ تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد اپنی اس حرکت سے توبہ کر کے بھلے آدمی بن جانا —— اور اکثر مفسرین نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ ای بالتوبة والتنصل الی الله تعالیٰ عما جنیتم من الذنب الیه ذهب الجمهور (روح) مِنْۢ بَعْدِهٖ یعنی یہ یُوسفؑ کا قصہ پاک کر لینے کے بعد۔ ای بعد یوسف علی معنی بعد الفراغ من امره (روح) ؎۱۷ یعنی واقعی اگر کچھ کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ یُوسفؑ کو یہاں سے یوں دفع کرو، مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خونِ ناحق کے الزام سے بھی بچ جاؤ گے۔ اَلْقُوْهُ ۔۔۔۔ السَّیَّارَةِ۔ کنوئیں اس زمانہ اور اس سطحِ تمدن میں عموماً ایسے موقعوں پر ہوتے تھے جو عام رہگذر ہوں۔ قافلے جب اُن کے پاس سے گذرتے تو ضرور پانی بھرتے اور یہ تاریخ کی ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسطین کے جنوبی مشرقی علاقہ میں تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ایک طرف فلسطین اور مصر کے اور دوسری طرف عرب و مصر کے

درمیان برابر رہا کرتی تھی۔ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ سے بعض اہلِ تفسیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس نے قتل کی رائے دی تھی وہ ان بھائیوں میں سے نہ تھا کوئی غیر تھا۔ ؎۱۸ (اور کبھی انہیں ہمارے ساتھ سیر و شکار کے لئے نہیں بھیجتے) جب باہم مشورہ سے وہ خاص صورت طے پا گئی تو اب سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو شروع کی توریت میں جہاں اور مسخ شدہ روایتیں ہیں اس روایت کو بھی بالکل خلط ملط کر کے درج کیا ہے۔ توریت کا بیان ہے کہ یُوسف خود ہی اپنے باپ کے فرستادہ اپنے بھائیوں کے پاس جنگل میں پہنچے جہاں وہ اپنے گلّے چرا رہے تھے اور ان کے قتل وغیرہ کے منصوبے وہیں ہوئے:۔ " اور جونہی انہوں نے اسے دُور سے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ نزدیک پہنچے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا اور ایک نے دوسرے سے کہا دیکھو یہ صاحبِ خواب آتا ہے سو آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی کنوئیں میں ڈال دیں اور کہیں کہ کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا اور دیکھیں کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہوگا۔ تب روبن نے سُن کر اس کو ان کے ہاتھوں سے بچایا اور بولا چاہیئے کہ ہم اسے قتل نہ کریں اور ان سے کہا کہ خونریزی نہ کرو بلکہ اسے اس کنوئیں میں جو بیابان میں ہے ڈال دو اور اس پر ہاتھ نہ ڈالو تاکہ وہ ان کے ہاتھوں سے بچا کے اس کے باپ تک پہنچا دے۔" (پیدائش، ۳۷: ۱۸-۲۲) ؎۱۹ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلّے چرانے جنگل جایا کرتے تھے محافظت کا وعدہ اس لئے کیا کہ جنگل پُرخطر جانوروں سے بھرے ہوئے تھے اور یُوسفؑ ابھی کم سن بھی تھے۔ دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گڑھ لینا سخن سازی کی مشق کر لینا بناوٹی زندگی اختیار کر لینا فطرتِ بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔ یَرْتَعْ وَ یَلْعَبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سیر و تفریح جائز کھیل ہیں۔ وفی الاٰیة دلالة علی ان اللعب الذی ذکروه کان مباحًا ولولا ذلک لانکره یعقوب علیه السلام (جصاص) المراد من اللعب الاقدام علی المباحات و هٰذا یوصف بانه لعب (کبیر)
حلال کھیل اور تفریح اگر اس کے اندر کوئی جزء معصیت کا نہ ہو بالکل جائز ہے اور ملاعبت کا جواز صریح تو حدیثِ نبوی میں موجود ہے۔ جاز ان یکون المراد من اللعب الاقدام علی المباحات لاجل انشراح الصدر کما روی عن النبی صلعم انه قال لجابر فهلا بکرًا تلاعبها و تلاعبك (کبیر)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ

آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝٣ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ

اور اس کے قبل آپ اس سے (محض) بے خبر تھے ۝ جب یوسفؑ نے

لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ

اپنے والد سے کہا ۝ کہ اے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں)

وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ۝٤ قَالَ يٰبُنَىَّ لَا

دیکھا، دیکھتا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھک رہے ہیں ۝ وہ بولے اے میرے پیارے بیٹے اپنے

تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ

(اس) خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا ۝ ورنہ وہ تمہاری (ایذا) کیلئے کوئی چال چل اٹھینگے

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝٥ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ

بیشک شیطان تو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۝ اور اسی طرح تمہارا پروردگار تم کو

رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

منتخب کریگا ۝ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا ۝ اور اپنا انعام

عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ

تمہارے اوپر اور اولاد یعقوبؑ پر پورا کرے گا جیسا کہ وہ اسے اس کے قبل پورا کر چکا ہے تمہارے دادا

مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٦

پردادا ابراہیمؑ و اسحٰقؑ پر بیشک تمہارا پروردگار بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۝

ع ١ ۔ ١١

منزل ٣

۝٣ یعنی اس قصہ کے صحیح تفصیلات آپ کو نہ اپنے ذوق و وجدان سے معلوم تھے اور نہ کسی راوی یا مورخ کے ذریعہ سے۔ احسن القصص سورہ تقریباً ایک مسلسل قصہ پر شامل ہے۔ اسے بہترین قصہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ قصہ سے بہترین اخلاقی سبقوں کا نکلنا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی مختلف اہل تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے کی ہیں ـــــــ عجب نہیں جو بڑی وجہ یہ ہو کہ جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود تھیں وہ سب اس میں یکجا کردی گئی ہوں، اور یہ تو بہرحال واقعہ ہے کہ فطرت بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق و اسرار اس ایک سورت میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسفؑ اور برادران یوسفؑ کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورت حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلعم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔ نَحْنُ نَقُصُّ ۔ عربی کے اس دوہرے صیغۂ متکلم سے مقصود زور دینا اور حصر کر دینا ہے کہ ہم ہی صحیح مستند و مفصل واقعات آپ تک پہنچا رہے ہیں یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ مِنْ قَبْلِهٖ یعنی قبل اس کے کہ ہم یہ قرآن آپ کی جانب وحی کریں۔ ای من قبل ایحائنا الیک ذلک (روح)۔ ۝٤ یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے شرف نبوت خاندان میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا زمانہ بقول اغلب ١٩١٠ء تا ١٨٠٠ء ق۔م مولد و مسکن ارض فلسطین میں وادی حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ١٨ میل جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ ولادت حضرت یعقوبؑ کے محبوب ترین محل حضرت راحیلؑ کے بطن سے ہوئی خود بھی حسین و خوبرو اور والد ماجد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیمبر بھی ہونے والے تھے آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے۔ توریت میں ہے:۔ ”اسرائیل یوسفؑ کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا اس لئے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اس کے لئے ایک بوقلموں قبا بنائی“ (پیدائش ٣٧ : ٣) لِاَبِيْهِ ۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں آپ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ١٦ میں گذر چکا۔ ۝٥ سٰجِدِيْنَ ۔ ”سجدہ“ سے یہاں اصطلاحی و شرعی سجدہ مراد نہیں جس کے معنی ایک متعین و معروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنے کے ہیں بلکہ سجدہ یہاں اپنے اصلی و لغوی مفہوم میں یعنی انقیاد، اطاعت و تذلل کے مرادف آیا ہے۔ اصل السجود التطامن و التذلل (راغب) ساجدین ای متواضعین (مدارک) اِنِّىْ رَاَيْتُ ۔ یعنی خواب میں دیکھا۔ رایت ”رویت“ سے بھی ہوسکتا ہے اور ”رؤیا“ سے بھی لیکن مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں رؤیا ہی سے ہے۔ (لیس من الرؤیۃ بل من الرؤیا (کشاف)) اور مفسرین کے اتفاق سے قطع نظر خود قرآن مجید کی تصریح اگلی ہی آیت میں آرہی ہے لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ ـــــــ توریت میں بھی ذکر خوابوں ہی کا ہے۔ رَاَيْتُ ۔ سٰجِدِيْنَ ۔ اجرام سماوی کے اس انحناء کی کیفیت کے تفصیلی ذکر سے قرآن مجید حدیث نبوی بلکہ توریت بھی خاموش ہے البتہ یہ خوب مستحضر رہے کہ یہ منظر بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا تھا، جہاں ہر وہ چیز جو تصور یا تخیل میں آسکتی ہے جسم و تمثل کے ساتھ واقعہ بن کر بھی سامنے آجاتی ہے اس لئے اس پر وہ سوالات پیدا ہی نہیں ہونے جو بیداری کے مشاہدہ پر عائد ہوسکتے تھے مثلاً یہ کہ سورج کے ساتھ چاند اور ستاروں کا اجتماع ممکن کیونکر ہوا؟ وقس علیٰ ہذا۔ یہ بھی واضح رہے کہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ کمال ادب سے سلام کرنے کا مرادف اور خاص علامت انقیاد تھا۔ حضرت یوسفؑ جس اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے خواب کو تعبیر کے لئے بیان کر رہے ہیں اور پھر حضرت یعقوبؑ جس طرح اس کی تعبیر دے رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر و ناقابل التفات شے نہیں جیسی کہ آج کی ”روشن خیالی“ میں بغیر کسی دلیل کے فرض کرلی گئی ہے۔ ۝٦ حضرت یعقوبؑ کے ذہن میں خواب کی تعبیر فوراً آگئی ـــ آپ اپنے چہیتے فرزند حضرت یوسفؑ کو منع کرتے ہیں کہ کہیں اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ دہرا دینا وہ بھائی بھی بہرحال خاندان نبوت ہی سے تھے اور تعبیر خواب سے مناسبت رکھتے تھے اور مناسبت نہ بھی رکھتے جب بھی خواب کا مضمون جذبات رشک و حسد کے برانگیختہ کر دینے کو بہرحال کافی تھا۔ اِخْوَتِكَ ۔ آپؑ سے بڑے بھائی آپ کی دوسری ماؤں سے دس تھے گیارھویں بھائی بن یامین آپ ہی کی والدہ کے بطن سے اور آپؑ سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے نبی کوئی بھی نہ تھا۔ يٰبُنَىَّ ۔ بُنَىَّ صیغہ تصغیر کا ہے۔ مگر ایسی تصغیر جو تحقیر پر نہیں بلکہ محبت و شفقت پر مبنی ہو۔ صغرہ للشفقۃ وہی النحاۃ مثل ہذا التصغیر التحبیب (روح) ۝٧ ان بھائیوں کے تعلقات (جیسا کہ دنیا میں اکثر سوتیلے بھائیوں میں ہوتا ہے) آپؑ سے کشیدہ تھے اس کشیدگی کے صحیح اسباب کا علم تو اللہ ہی کو ہے البتہ توریت میں دو سبب لکھے ہوئے ہیں، ایک یہ کہ یوسفؑ بچپن ہی سے بہت ہی سلیم الطبع تھے نہ صرف یہ کہ خود شرارتوں سے الگ رہتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں کی شرارتوں کی رپورٹ بھی اپنے والد ماجد سے کر دیتے تھے:۔ ”یوسفؑ ان کے باپ کے پاس ان کے برے کاموں کی خبر لاتا تھا“ (پیدائش ٣٧ : ٢) دوسری بات یہ کہ حضرت یعقوبؑ کو ان کے ساتھ محبت غیر معمولی تھی یہ بات بجائے خود دوسروں کو ناگوار گزرتی:۔ ”اس کے بھائیوں نے یہ دیکھ کے کہ اس کا باپ اس کے سب بھائیوں سے اسے زیادہ پیار کرتا ہے اس کا کینہ پیدا کیا اور اس سے محبت کی بات نہ کرسکتے تھے“ (پیدائش ٣٧ : ٤) لیکن ایک وجہ تو بالکل کھلی ہوئی ہے یعنی بچپن ہی سے آپ کا سعید و رشید ہونا۔ گیارھواں بھائی (جو سوتیلا نہیں حقیقی بھائی تھا) مخالف نہ تھا لیکن اس کی کمسنی کی بنا پر یہ ممکن نہ تھا کہ بڑے بھائی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کینہ کا اندیشہ ہو۔ اس سے اللہ کی نعمتوں کا اخفاء جائز ہے۔ وہو اصل فی جواز ترک اظہار النعمۃ وکتمانہا عند من تخشی حسدہ وان کان اللہ تعالیٰ امر بالاظہار (جصاص) ۝٨ (اسے تمہارے بھائیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتے کیا دیر لگتی ہے) حضرت یعقوبؑ کا یہ خیال ہی خیال نہ تھا۔ توریت میں ہے کہ بھائیوں نے یوسفؑ کا خواب سن کر زبان سے بھی اپنے غصہ کا اظہار کر ڈالا:۔ ”تب اس کے بھائیوں نے اسے کہا کہ کیا تو سچ مچ ہمارا بادشاہ ہوگا یا تو ہمارا حاکم ہوگا۔ اور انہوں نے اس کے خوابوں اور اس کی باتوں سے اس کا زیادہ کینہ پیدا کیا“ (پیدائش ٣٧ : ٨) توریت کی یہ روایت بھی اگرچہ حسب معمول تحریفات سے پر ہے، تاہم جا بجا اس سے قرآنی صداقتوں کی توثیق بھی ہوتی جاتی ہے۔ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیطان کے اثر اور کینہ کے اخلاقی مرض سے محفوظ رکھنے کے لئے پیمبر زادگی ہرگز کافی نہیں۔ چہ جائیکہ مشائخ و صالحین کی اولاد میں سے ہونا! ۝٩ (اے یوسفؑ نبوت کے لئے) قال الحسن یجتبیک ربک بالنبوۃ (کبیر) كَذٰلِكَ حضرت یعقوبؑ فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس خواب کے ذریعہ سے تمہاری آیندہ عزت افزائی کی ایک جھلک تمہیں دکھا دی گئی ہے اور اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمہیں اپنے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ پر سرداری حاصل ہوگی، اسی طرح اور بھی عزتیں تمہارے لئے پردۂ غیب میں منتظر ہیں۔ ۝١٠ خوابوں کی صحیح تعبیر بھی اللہ کی ایک نعمت ہے اگرچہ اس نعمت میں زندگی، رزق، صحت، دولت وغیرہ دوسری نعمتوں کی طرح مسلم کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ کے عام و متداول معنی تو تعبیر خواب ہی کے ہیں۔ قال مجاہد والسدی تاویل الاحادیث عبارۃ الرؤیا بعبر ذلک تعبیر الرؤیا (ابن جریر) لیکن احادیث کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے علم و حکمت و فہم مسائل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ قال الحسن تواقب الامور (بحر) قال ابن زید العلم والحکمۃ (بحر) یجوز ان یراد بتاویل الاحادیث معانی کتب اللہ وسنن الانبیاء وما غمض واشتبہ علی الناس فی اغراضہا ومقاصدہا یفسرہا لہم ویشرحہا (کشاف) خواب کی بنا پر آیندہ کے واقعات تکوینی کے مکشوف ہو جانے کا نام غیب

١٦٩ مطلب یہ ہوا کہ ان قرآنی قصوں کے مضامین و مطالب ایک تو بجائے خود حق اور واقعی پھر ایک تو بُرے کاموں سے رُکنے کی نصیحت ان میں ملتی ہے دوسرے اچھے کاموں کی یاد دہانی ان سے ہوتی ہے اور ثبات قلب ان سے جو آپؐ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس سب سے الگ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مقبولین کی سرگذشت میں ایک خاص اثر تثبیت قلب و تقویتِ قلب کا ہے اس لئے مشائخ نے اولیاء صالحین کی حکایات کے جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔

مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا

(ان میں) نصیحت اور یاد دہانی اہل ایمان کے لئے ہے ١٦٩ اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو

يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿١٢١﴾

ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ

اور تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ١٧٠ اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں

وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ

آسمانوں اور زمین کی اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ١٧١ تو آپ اسی کی عبادت کیجیے اور

تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ع ١٠

اسی پر بھروسہ رکھیے اور آپ کا پروردگار اس سے بےخبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو ١٧٢

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّاثْنَا عَشَرَ رُکُوْعًا

(١٢) سورۂ یوسف مکی ہے اور اس میں ١١١ آیتیں اور ١٢ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بڑے رحمت کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

الف۔ لام۔ را۔ یہ ایک کتاب واضح کی آیتیں ہیں ١ بیشک ہم نے اتارا ہے قرآن

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

فصیح تاکہ تم (اسے) سمجھو ٢ ہم نے جو یہ قرآن

١٧٠ ظاہر ہے کہ یہ تقریر آخری موقع کی ہے جب اثرات تبلیغ سے بالکل مایوسی ہو جاتی ہے وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ انتظار سے مُراد نتائج اعمال کے ظہور کا انتظار ہے۔

١٧١ علم اور مِلک بھی اسی کا کامل اور اختیار و تصرف بھی اسی کا کامل۔ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ زمین و آسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز اللہ ہی کے لئے بہ اعتبار علم بھی اور بہ اعتبار مِلک بھی۔

١٧٢ کوئی فعل کسی کا جیسا اور جس درجہ کا بھی ہو اس کے علم اور قدرت کی گرفت سے باہر نہیں۔ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی اگر تبلیغ توحید میں اذیت کا احتمال ہو تو اسے خاطر میں نہ لائیے اور یقین یہی جمائے رکھیے کہ تصرفات تکوینی سب کے سب بس اسی کے اختیار میں ہیں۔

١ یعنی ایسی کتاب کہ جس کی عملی تعلیمات میں کسی قسم کا خفاء و ابہام نہیں عملی مسائل اس کے صاف سادہ اور متفق علیہ ہیں۔ الٓرٰ۔ ابن عباس صحابیؓ سے اس کے معنی انا اللّٰہ اریٰ منقول ہیں۔ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا اور الٓرٰ پر شروع سورۂ یونس میں۔

٢ (اور سمجھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرو) عَرَبِيًّا۔ خطاب سارے انسانوں کو ہے نہ کہ صرف اہل عرب کو قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کے معنی اگر "عربی زبان کا قرآن" کئے جائیں تو دائرۂ خطاب سمٹ کر صرف اہلِ عرب تک محدود رہ جاتا ہے لیکن عربی کے معنی فصاحت سے بیان کرنے والے اور خود کلام فصیح و واضح کے ہیں اور یہاں یہ معنی لینے سے خطاب عامۃ الناس کی طرف رہتا ہے۔ ~~العربی المفصح بنا العربی الفصیح البیّن من الکلام~~ (راغب) ~~التعریب التبیین والایضاح ویقال اعرب عنہ لسانہ وعرّب ای ابان افصح~~ (تاج) خود عرب کا نام عرب اس لئے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے ~~واختلف فی سبب تسمیۃ العرب فقیل لاعراب لسانہم ای ایضاحہ وبیانہ لان اشرف الالسن واوضحہا واعربہا وانفسال الیہ جماعۃ وعزوہم من جوہر~~ (تاج) اَنْزَلْنٰهُ ضمیر کتاب کی طرف ہے جس کے اندر قصۂ یوسفؑ مذکور ہے۔ ~~والتقدیر انا انزلنا الکتب الذی فیہ قصۃ یوسف فی حال کونہ قرانا عربیا~~ (کبیر)

۱۶۴ یعنی اگلی اُمتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناہ لکن قلیلاً ممن انجینا من القرون نہوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنھی (کشاف) اُولُوا بَقِيَّةٍ کے معنی اصحاب خیر و اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحابِ فہم کے بھی۔ ای اولوا فضل وخیر (کشاف) اولوا خصلۃ باقیۃ من الرأی والعقل (روح) افساد فی الارض قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح میں ہر قسم کی بے دینی اور بد دینی آجاتی ہے مِنْهُمْ یعنی انہی قدیم قوموں اور اُمتوں میں سے۔ مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچا لیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر و شرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ ۱۶۵ (اور اس سے باز ہی نہ آئے) یعنی منکرین بددین بدستور اپنی مادی عیش و عشرت میں پڑے رہے اور سب کے سب مجرم ہی رہے۔ ۱۶۶ (بلکہ عذاب ہلاکت تو ان پر اس وقت واقع ہوتا ہے۔ جب نہ وہ خود فساد فی الارض سے رُکتے ہیں نہ دوسروں کو روکتے ہیں) مُصْلِحُونَ اصلاح سے یہاں مراد اپنی اور دوسروں دونوں کی اصلاح ہے۔ بِظُلْمٍ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر لیا گیا ہے اور ظلمٍ کا صیغۂ نکرہ ظلم کی عظمت ظاہر کرنے کو ہے۔ والتنکیر للتفخیم (روح) لیکن بعض اکابر مفسرین نے آیت کے بالکل دوسرے ہی معنی قرار دیے ہیں وہ ظلم کو شرک کا مرادف قرار دے کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی قوم کو محض اس کے شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کر دیتا اس حال میں کہ وہ قوم آپس کے معاملات (بندوں کے معاملات) ٹھیک رکھے ہوئے ہو۔ المراد من الظلم ھھنا الشرک والمعنی انہ تعالیٰ لا یھلک اھل القری بمجرد کونھم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فی ما بینھم والحاصل ان عذاب الاستیصال لا ینزل لاجل کون القوم معتقدین للشرک والکفر بل انما ینزل ذلک العذاب اذا ساؤا فی المعاملات وسعوا فی الایذاء والظلم (کبیر) ای لا یھلک القری بسبب شرک اھلھا وھم مصلحون فی المعاملات فیما بینھم لا یضمون الی شرکھم فسادا اٰخر (مدارک) اور امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ مذہب اہل سنت کے موافق آیت کی یہی تفسیر ہے۔ وھذا تأویل اھل السنۃ لھذہ الاٰیۃ (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ تزاحم حقوق کے وقت حقوق العباد مقدم ہیں۔ ومن ذلک تقدم الفقہاء عند تزاحم الحقوق حقوق العباد (بیضاوی) لِيُهْلِكَ میں لِ تاکید نفی کے لئے ہے۔ اللام لتاکید النفی (کشاف) واللام فیہ مثل ذلک اللام لتاکید النفی عند الکوفیین (روح) ۱۶۷ گویا انسان کی اب جو خلقت رکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے یہ ضرور ہے کہ اہلِ حق کے مقابلہ میں اہلِ ضلال بھی برابر پیدا ہوتے رہیں اور جس طرح صفت رحم و کرم کے مظہر اہلِ حق و اہلِ جنت ہیں اسی طرح صفت غضب کے مورد اہل باطل و اہل جہنم ہوتے ہیں۔ وذلک لیکونوا مظاھر جمالہ وجلالہ ولطفہ وقہرہ (روح) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ یعنی اگر مشیت تکوینی کا اقتضا یہی ہوتا۔ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ یعنی سب کے سب اضطراراً و جبلۃً حق پر جمع ہو جاتے اور دنیا میں بس ایک ہی قوم اہلِ حق کی رہتی۔ قال قتادۃ یجعلھم مسلمین وذلک بالالجاء الی الایمان (جصاص) ۱۶۸ (سوائے پیغمبرؐ آپ طبقۂ اہلِ ضلال کے وجود پر زیادہ غم و حیرت نہ کریں) لِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھدی گئی ہے کہ اہلِ حق کے مقابلہ میں اہلِ ضلال برابر پیدا ہوتے رہیں اور رسول اللہ صلعم کو سمجھا دیا گیا کہ آپ اس پر زیادہ غم و حیرت نہ کریں۔ یہ بیان انسان کی غایت تکوینی کا ہوا اس لئے اس میں اور اس غایت تشریعی کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔ جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان و جنات کی غایت آفرینش عبادتِ الٰہی ہے۔ بعض ائمۂ تفسیر نے خلق کا تعلق رحم سے سمجھا ہے اور فقرہ کے معنی یہ لئے ہیں کہ "رحمت ہی کے غرض سے انہیں پیدا کیا ہے"۔ روی عن ابن عباس ومجاھد وقتادۃ والضحاک خلقھم للرحمۃ (جصاص) أَجْمَعِينَ سے ظاہر ہے کہ مُراد یہ نہیں کہ کل جنات اور انسان دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے بلکہ مُراد یہ ہے کہ جتنوں کو دوزخ میں جانا ہے ان میں جن و انس سب ہی ہوں گے إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ اختلافِ باطل سے محفوظ رکھ لے۔ الا ما ھو استثناء من المختلفین بالباطل بالاطلاق فی الایمان المؤدی الی الثواب (جصاص)

مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ
ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے
إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا
بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا ۱۶۴ اور جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے
مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
تھے وہ جس نازونعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہوگئے ۱۶۵ اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا
لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ
نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کرے (انکی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں ۱۶۶
شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ
اور اگر آپکے پروردگار کی مشیت ہوتی تو (سب) انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ اختلاف ہی
مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ
کرتے رہیں گے ۱۶۷ بجز اس کے جس پر آپکے پروردگار کی رحمت ہو، اور اسی لئے اس نے انہیں پیدا کیا ۱۶۸
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ
اور آپکے پروردگار کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں
النَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ
سے بھر دوں گا ۱۶۹ اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سب (قصے) آپ سے
الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَ
بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان (قصوں) کے اندر آپکے پاس حق پہنچا ہے اور

۱۵۴ یعنی اس فیصلہ ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور فیصلہ سے مراد عذاب موعود ہے۔ کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہوگیا ہوتا، اور فیصلہ سے مُراد عملی شاہد فیصلہ ہے۔ بینھم سے مُراد اختلاف کرنے والوں کے درمیان ہے۔ ۱۵۵ اچھے بُرے مومن وکافر، صالح، فاسق ہر بڑے چھوٹے سب ہی کی پوری پوری فردِ عمل اس کے سامنے موجود ہے۔ اس کے ہاں جزائے اعمال میں کسی غلطی سہو ونسیان کا امکان ہی نہیں۔ ۱۵۶ یعنی آپ راہِ دین پر پوری طرح قائم رہیئے اور کفار و منکرین کے انجام کی فکر میں نہ پڑیئے۔ اور یہی حکم آپ کے متبع مومنین کے حق میں بھی ہے ——— آپ کا درجۂ استقامت آپؐ کے مرتبہ کے لائق اور آپ کے ہمراہی مومنین کا ان کے مرتبہ کے لائق۔ محققین نے لکھا ہے کہ اعلیٰ استقامت یہی ہے کہ حقوق حق اور حقوق خلق دونوں پوری طرح ادا ہوتے رہیں۔ ای القیام بحقوق الحق والخلق (روح) وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اس عطف سے یہ ہرگز لازم

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ
پہلے ہی سے آپ کے پروردگار کی طرف سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہوگیا ہوتا اور یہ لوگ اسکی طرف سے
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ
شک کرکے تردد میں پڑے ہوئے ہیں ۱۵۴ بیشک سب ہی ایسے ہیں کہ آپ کا پروردگار انہیں اُنکے اعمال کا عوض پورا پورا دیگا
اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ
بیشک جو کچھ یہ کرتے ہیں اسکی وہ پوری خبر رکھتا ہے ۱۵۵ تو آپ مستقیم رہیئے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور وہ لوگ بھی
تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا
جو تائب ہو کر آپکے ہمراہ ہیں ۱۵۶ اور تم لوگ سرکشی نہ کرو ۱۵۷ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اسکو وہ خوب دیکھ رہا ہے ۱۵۸ اور اُن
تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں (اپنے حق میں) ۱۵۹ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائیگی اور (اسوقت) اللہ کے
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ
سوا کوئی تمہارا رفیق نہ ہوگا پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی ۱۶۰ اور آپ نماز کی پابندی رکھیئے
طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں ۱۶۱ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں
السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
بدیوں کو ۱۶۲ یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے ۱۶۳ اور صبر کرتے رہیئے بیشک اللہ
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ
نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۱۶۴ پس کاش تمہارے پیشتر کی اُمتوں سے

نہیں آتا کہ پیمبر کی استقامت اور مومنین کی استقامت ایک درجہ یا ایک مرتبہ کی چیز ہے اشتراک صرف نفس عمل میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ مراتب عمل میں۔ والعطف لا یقتضی بلکنه من المشارکة فی مطلق الفعل (روح) تَابَ۔ توبہ کس چیز سے مُراد ہے؟ کفر وضلالت سے توبہ۔ ۱۵۷ اس کا علم بھی کامل، محیط اور اس کو قدرت جزا بھی ہر طرح پر حاصل ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا۔ طغیان سے مُراد ہے عقائد، عبادات یا اخلاق و معاملات کسی بات میں بھی افراط یا تفریط اختیار کرنا اور یہ استقامت کی ضد ہے جس کا حکم ابھی مل چکا ہے۔ ۱۵۸ (اے مسلمانو) خطاب عام اُمت سے ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْا۔ یہ رکون یا جھکنا بہ اعتبار دوستی اور محبت اور شرکت احوال واعمال کے ہے۔ ۱۵۹ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کی طرف۔ یہ ساری وعیدیں رکون الی الکفار یعنی کافروں کی طرف محض مائل ہونے پر بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ اللہ! کفر کس درجہ اللہ کی نظر میں مبغوض ہے! علماء محققین کے حسب تصریح بلاضرورت کفار کی وضع اختیار کرنا باوجود قدرت ان پر نکیر نہ کرنا اُن کی تعظیم وتوقیر کرنا بلاضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت و مجالست اور ان کے ساتھ مداہنت یہ سب اسی نہی کے تحت میں آجاتا ہے اور یہ سب مثالیں رکون الی الکفار کی ہیں۔ (فتضمن ذلك النهي عن مجالسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم (جصاص)). ۱۶۰ اس میں بدرجۂ اجمال دن رات کی پانچوں فرض نمازیں آگئیں۔ طَرَفَيِ النَّهَارِ۔ یا دن کے دونوں سروں سے مُراد ایک طلوعِ فجر ہے دوسرے بعد زوال ——— پھر بعد زوال بجائے خود ظہر وعصر کے دو حصوں پر شامل ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ کے اندر مغرب وعشاء کے اوقات آگئے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اوقات نماز کا ذکر ہے بدرجۂ اجمال ہی ہے تفصیلات صرف سنت رسول کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوں گی ہمارے زمانہ کے جن علماء مجددین نے محض قرآن مجید سے پوری تفصیلات نکالنی چاہی ہیں۔ انہوں نے عجب عجب مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔ ۱۶۱ (اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہو) یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب وغریب دفعہ ہے، جس کی نظیر مشکل ہی سے کسی دوسرے صحیفۂ دینی میں ملے گی ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حسنہ بجائے خود تو خیر نیکی ہے ہی، ایک خاصہ اذہاب سیئہ (بدی کو مٹانے) کا بھی رکھتی ہے نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانون کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا ——— اللہ تو اپنے ہاں کا یہ قاعدہ رکھے کہ نیکیوں کے ہوتے ہوئے بدیوں پر نظر نہ کی جائے اور بندے اس کے برعکس یہ عمل جاری رکھیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں لغزشوں خطاؤں کے آگے ان کی خوبیوں پر برابر خاک ہی ڈالے رہیں! مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ طاعت کے انوار سے معصیت کی ظلمتیں دُور ہو جاتی ہیں اور ملکۂ طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت مضمحل ہو جاتا ہے۔

۱۶۲ یعنی یہ قاعدہ کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ایک بڑی جامع نصیحت ہے ان لوگوں کے حق میں جو اسے سننا اور اس سے نفع اٹھانا چاہیں کہ اس سے نیکیوں کی بڑی ترغیب ہوتی ہے۔ ۱۶۳ (سو آپ کے اجر کا درجہ تو بہت بڑا ہے وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے) وَاصْبِرْ۔ صبر کرنے سے یہاں مراد کافروں اور منکروں کی اذیت رسانیوں پر صبر کرنا ہے۔

۱۴۸ شَقِیٌّ یعنی بدبخت یا سزاوارِ نار۔ الذی وجبت لہ النار لاساءتہ (کشاف) سَعِیْدٌ یعنی خوش نصیب یا قابلِ عفو سزاوارِ جنت۔ الذی وجبت لہ الجنۃ لاحسانہ (کشاف) لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ
اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ یہ بیان یومِ قیامت کے ہول اور دہشت کا ہو رہا ہے۔ مِنْھُمْ یعنی اہلِ محشر میں سے۔ ضمیر ھُمْ اہلِ موقف کے لئے ہے اور ایسے موقع کے لئے جو سیاق سے بخوبی سمجھ میں آجائے عربی
اسلوبِ بلاغت میں ضمیر کے قبل اسم لانا بالکل غیر ضروری ہے۔ الضمیر لاھل الموقف ولم یذکر لان ذلک معلوم (کشاف)۔ ۱۴۹ زَفِیْرٌ اور شَھِیْقٌ۔ دونوں گدھے کی آوازیں ہیں۔ زفیر اس کی
شروع کی آواز شہیق اس کے آخر کی آواز۔ قال الضحاک ومقاتل والفراء الزفیر اول نہیق الحمار والشھیق آخرہ (کبیر) قال اہل اللغۃ من الکوفیۃ والبصریۃ الزفیر بمنزلۃ ابتداء صوت الحمار والشھیق
بمنزلۃ آخر نہیقہ (روح)، مُراد یہ ہے کہ اہلِ دوزخ طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیختے چلاتے رہیں گے۔ ۱۵۰ اسلام نے جس خدا کو پیش کیا ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اس
کا اقتدارِ اعلیٰ سب پر حاکم ہے اس کے ارادہ کو قید میں رکھنے والی نہ
کوئی اور قوتِ ارادی ہے نہ کوئی اور بے جان ضابطہ، آیت میں رد آ
گیا ان تمام ادیانِ باطل کا جنہوں نے خدا کا وجود تو مانا ہے لیکن محدود
قویٰ اور اختیارات کے ساتھ یا یہ کہہ دیا ہے کہ خدا صرف انصاف کر
سکتا ہے عفو پر قادر نہیں۔ یا یہ تعلیم دی ہے کہ "کرم" (ہندی زبان میں
قانونِ مجازات کا مرادف) خدا یا قانون ساز کی بھی قوت سے بالادست
ہے! اس طرح کا کوئی عجیب و غریب خدا ہرگز اسلام کی نظر میں خدا
نہیں ——— وہ جس عاصی، خاطی، مجرم کو چاہے بغیر کسی سزا کے یا
بہت خفیف سزا کے بعد بخش دینے پر قادر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر
انگریزی۔ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ محاورہ میں اس سے مراد
ابدیت یا دوام سے ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان تو اس وقت
فنا ہی ہو چکے ہوں گے اس لئے لفظی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔ عبارۃ
عن تابیدہ ونفی الانقطاع (کشاف) العرب یعبرون عن الدوام والابد
بقولہم مادامت السموٰت والارض (کبیر) ھذا عبارۃ عن التابید
ونفی الانقطاع علیٰ منہاج قول العرب (روح) التعبیر عن التابید للمبالغۃ
بما کانت العرب یعبرون بہ عنہ (بیضاوی) من عادۃ العرب اذا
ارادت ان تصف الشیٔ بالدوام ابداً قالت ھذا دائم دوام
السموٰت والارض (ابن جریر) اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ۔ یہ استثنا اَلَّذِیْنَ
شَقُوْا سے ہے یعنی ہر شقی دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں
پڑا رہے گا۔ عام قاعدہ و ضابطہ تو یہی ہے لیکن فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کی مشیت
اس پر بھی غالب ہے وہ جس مجرم کو جس طرح اور جس حد تک چاہے بچا
لے۔ جمہور علماءِ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کا عذاب دائمی
ہوگا جس سے اسے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ واما الجمہور الاعظم
من الامۃ فقد اتفقوا علیٰ ان عذاب الکافر دائم (کبیر) کانہ تعالیٰ یقول
اظہرت القہر والقدرۃ ثم اظہرت المغفرۃ والرحمۃ لانی فعال لما ارید و
لیس لاحد علیّ حکم البتۃ (کبیر)۔ ۱۵۱ یہ بخشش غیر منقطع ہوگی، ایسا
نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی کچھ روز بعد جنت سے باہر کر دیا جائے۔ اِلَّا
مَا شَاءَ رَبُّکَ۔ استثنا اَلَّذِیْنَ سُعِدُوْا سے ہے یعنی ہر مطیع و

فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ
پھر بعض تو ان میں شقی ہوں گے اور بعض سعید ۱۵۰ سو جو لوگ شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اس
لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ
میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ۱۴۹ اس میں پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) جب تک کہ
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ
آسمان اور زمین قائم ہیں ہاں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار ہی چاہے بیشک آپ کا پروردگار جو چاہے
لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ
پورے طور پر کر سکتا ہے ۱۵۰ اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے اس میں رہیں گے (ہمیشہ ہمیش)
فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ
جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار چاہے
عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّمَّا یَعْبُدُ
(یہ) عطیہ غیر منقطع ہے ۱۵۱ سو (اے مخاطب) شک نہ کر اس چیز کے بارے میں جس کی یہ لوگ پرستش
ھٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُھُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ
کرتے ہیں یہ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادا ان کے قبل پرستش کرتے رہے ہیں
وَاِنَّا لَمُوَفُّوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ
اور ہم یقیناً ان کا حصہ ان کو پورا پورا دینے والے ہیں بے کم و کاست ۱۵۲ اور بالیقین
اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ ؕ وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ
ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا ۱۵۳ اور اگر ایک بات

ع ۹

سعید بھی مشیتِ الٰہی و فضلِ خداوندی کے بعد ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ معنی الاستثناء ھھنا ان دوامہم فی ما ھم فیہ من النعیم لیس امراً واجباً بذاتہ بل ھو موکول الیٰ مشیۃ اللہ تعالیٰ (ابن کثیر)
مذہبِ اہلِ سُنّت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ عاصی مسلم بہرحال خلودِ نار کا مستوجب نہیں۔ اگر بالکل معافی نہ ہوئی جب بھی کچھ سزا جھیلنے کے بعد جنت میں لے آیا جائیگا۔ احادیث میں یہ مضمون بہت صراحت کے
ساتھ آیا ہے مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کو جب ان احادیث کی گرفت سے مفر نہ ملا تو خود ان احادیث ہی سے انکار کر بیٹھے۔ والمعتزلۃ لما لم یروا الخروج العصاۃ من النار ردوا الاحادیث المرویۃ فی ھذا
الباب وکفیٰ بہ اثماً مبینا (مدارک) اور یہی دستور ہمارے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا بھی ہے۔ ۱۵۲ (قیامت کے دن) فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ یعنی مذہبِ شرک شک و تذبذب کا مستحق نہیں صاف
صاف قطعی انکار کے قابل ہے۔ کَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُھُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ یعنی جیسے اُن کے آباد اجداد غیر اللہ کی پرستش میں بالکل بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل لگے رہتے تھے یہ بھی اسی طرح اسی مرض میں مبتلا ہیں۔
نَصِیْبَھُمْ یعنی اُن کے عذاب و سزا کا حصہ۔ ۱۵۳ یعنی کچھ نے اسے مانا اور کچھ اس میں بھی طرح طرح کے شبہات اعتراضات بھی نکالتے رہے، حالانکہ کتاب توریت تو اسرائیلیوں کی اپنی "قومی" کتاب
بھی تھی تو پھر قرآن کے باب میں تو جو کچھ بھی تردد و انکار ہو کوئی نئی بات نہ ہوگی۔

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝١٠٠
بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (بعض) ان میں سے قائم ہیں اور (بعض) ختم ہی ہو گئیں ۱۴۳

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ
اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہی نے اپنے اُوپر ظلم کیا سو اُن کے وہ

عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
دیوتا اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے جب کہ

شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝١٠١
آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آپہنچا اور وہ (اُلٹے) ان کی ہلاکت ہی بڑھاتے رہے ۱۴۴

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ
اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اُوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں

اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝١٠٢ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ
بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت ہے ۱۴۵ بیشک ان (واقعات) میں اس کے لئے نشانی ہے جو

خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ
آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو ۱۴۶ وہ ایسا دن ہوگا کہ اس میں (کل) انسان جمع کئے جائیں گے

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝١٠٣ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ
اور وہ دن ہے حاضری کا اور ہم اُسے بس ایک گنی ہوئی ہی مدت کے لئے ملتوی

مَّعْدُوْدٍ ۝١٠٤ ۭ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ
کئے ہوئے ہیں ۱۴۷ جس وقت وہ آئے گا کوئی شخص بول نہ سکے گا بجز اللہ کی اجازت کے

۱۴۳ یہاں یہ بتادیا کہ مغضوب ومقہور بستیوں میں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کا بیان کیا ہے ایک وہ جو سرے سے ملیامیٹ ہو گئیں مثلاً اُمتِ لُوطؑ کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف آبادی ہلاک کر دی گئی باقی وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہیں۔ مثلاً سرزمین مصر کہ فرعونی ڈبو دیئے گئے لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر بیان کئے قصص وحکایات کے مجموعہ کی طرف ہے۔ (اشارة الى ما قص من انباء الامم وبعض كا باعتبار تقضيه روح) اَلْقُرٰى۔ یعنی سابق کی تباہ وہلاک شدہ بستیاں۔ ۱۴۴ یعنی یہ جھوٹے دیوتا اور معبود اپنے پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے اُلٹے اُن کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے ——— نہ یہ ان کی پُوجا کرتے نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔ ۱۴۵ (اور وہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو سخت نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں) القرٰی۔ قرٰی سے مُراد اہل قرٰی ہیں۔ ۱۴۶ یعنی نشانی عبرت وبصیرت کی۔ اس سے بڑھ کر عبرت کا موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب دُنیا ہی کا عذاب اس قدر سخت ہے، حالانکہ دُنیا مُہلت گاہ ہے تو پھر آخرت تو دار الجزا ہی ہے وہاں کے عذاب کی شدّت کا کہنا ہی کیا!
۱۴۷ یعنی وہ دن جو سب کی حاضری کا ہے اس کی آمد اور وقوع یقینی ہے اور اسے ملتوی تو صرف ایک قلیل مُدت کے لئے رکھا گیا ہے۔ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ مشہود کے معنیٰ مشہود فیہ کے لئے گئے ہیں۔ (اى مشهود فيه كشاف) (والمراد بالمشهود الذى كثر شاهدوه كشاف)

ف۱۳۷ اب عنقریب عذابِ الٰہی خود ہی عملی فیصلہ کیے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلّت کا کون مستحق تھا۔ یہ حضرت شعیبؑ کی بالکل آخری اپیل ہے۔ آپؑ نے جب دیکھا کہ سارے دلائل بے اثر رہے اور کسی تبلیغ کا کچھ اثر ہی نہ ہوا تو آخر میں آپؑ فرماتے ہیں کہ اچھا اب تک تو تم مجھکو جھوٹا سمجھتے ہی رہے اب عنقریب عذابِ الٰہی خود ہی عملی شکل میں فیصلہ کیے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلّت کا مستحق کون؟ ف۱۳۸ (مُردہ و بے جان ہو کر) اَمْرُنَا۔ یعنی ہمارا حکمِ عذاب۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ پھر ایک بار اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ نجات جس کسی کو بھی ملتی ہے مومنین بلکہ پیمبر تک کو بھی فضلِ خداوندی ہی سے ملتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے یعنی منکرینِ توحید و معاندینِ نبوت۔ ف۱۳۹ رحمتِ الٰہی سے محروم و بعید ہو جاتے ہیں تو اہلِ مدین کی مثال ہر پُرانی مغضوب و مقہور قوم سے دی جا سکتی ہے۔ قومِ ثمود کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے میں شاید کہ یہ مناسبت ہو کہ قومِ ثمود بھی اس سے قبل اسی نواح اور اسی علاقہ میں آباد رہ چکی تھی! اہلِ مدین نے اپنے ہی گرد و نواح کی تاریخ سے عبرت نہ حاصل کی! بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اہلِ مدین بھی قومِ ثمود ہی کی طرح نسل عرب سے تھے۔ اور ان کی بے دینی اور بد اعمالی بھی انہی کی سی تھی۔ ~~وکانوا جیرانھم قریبا منھم فی الدار وشبیھا بھم فی الکفر وقطع الطریق وکانوا عربا مثلھم (ابن کثیر)~~ ف۱۴۰ یعنی حکومتِ فرعون کی پالیسی ہر قسم کی صلاح و خیر سے خالی تھی۔ ~~ای لیس فیہ رشد ولا ھدی (ابن کثیر)~~ موسیٰ، فرعون، ملاء فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ف۱۴۱ فرعون جس طرح دنیا میں بدی اور بدکاری کی راہ کا لیڈر تھا دوزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ مخصوص نہیں، محققین نے لکھا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنی فدویات کو لے کر ہی داخلِ جہنم ہوگا۔ وِرد اصلاً مصدر ہے یہاں بہ معنی جائے وُرود و فرودگاہ۔ مُراد دوزخ سے ہے۔ ف۱۴۲ آخرت میں ملعونیت کا ظہور تو کامل ترین صُورت میں ہو ہی گا، دُنیا میں بھی قہر و غضب کے ساتھ غرق ہوتے ہوئے سب نے دیکھ لیا +

اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا
تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں ف۱۳۷ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے بچا لیا شعیبؑ کو
وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ
اور اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت (خاص) سے اور ظلم کرنے والوں کو ایک زور کے
ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ
کڑاکے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے رہ گئے ف۱۳۸
كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے! خوب سُن لو مدین کو (رحمت سے) دُوری ہوئی جیسی دُوری ثمود کو
ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ۧ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ ۙ
ہو چکی تھی ف۱۳۹ اور بالیقین ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور ایک روشن دلیل کے ساتھ بھیجا
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ
فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، وہ لوگ فرعون ہی کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کا حکم
فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ
ذرا (بھی) درست نہ تھا ف۱۴۰ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر اُن کو دوزخ میں
النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِىْ هٰذِهٖ
جا اُتاریگا اور بُری ہے وہ جگہ اُترنے کی جہاں یہ اتارے جائیں گے ف۱۴۱ اس (دنیا) میں بھی لعنت انکے پیچھے
لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ
لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہیگی) بُری ہے وہ بخشش جو ان پر کی جائے گی ف۱۴۲ یہ اُن

ع ۸/۱۲ ۸

شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ
نہ ہو جائے کہ تم پر بھی مصیبت آپڑے جیسی مصیبت آپڑی تھیں قوم نوحؑ یا قوم
هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ۝۸۹
ہودؑ یا قوم صالحؑ پر ۱۳۲ف اور قوم لوطؑ تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہوئی ۱۳۳ف
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ
اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اُس کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے
وَّدُوْدٌ ۝۹۰ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا
بڑا محبت والا ہے ۱۳۴ف، وہ لوگ بولے اے شعیبؑ تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم
لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ
تم کو تو اپنے (مجمع) میں کمزور ہی دیکھتے ہیں اور اگر تمہارے کنبہ کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے
عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝۹۱ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
اور تم ہم پر کچھ غالب تو ہو نہیں ۱۳۵ف، شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا حق، تم پر اللہ سے غالب تر ہے؟
وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝۹۲
اور اُسکا لیکر اسی کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے بیشک میرا پروردگار احاطہ میں لیے ہوئے ہے سب کو جو تم کر رہے ہو ۱۳۶ف
وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ
اور اے میری قوم والو تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں اپنے طور پر عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے
مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا
کہ کس پر عذاب اُس کا رسوا کرنے والا آیا اور کون جھوٹا ہے اور تم انتظار کرو

۱۳۲ف ہر پیمبر اپنی اُمّت کے حق میں رافت رحمت و شفقت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ کہیں میری ضد میں آ کر تم ایسی حرکتوں کے مرتکب نہ ہو بیٹھنا کہ آخر اُنہی سزاؤں کے مستحق ٹھہر جاؤ جو تم سے پہلے مقہور و مخذول قوموں پر آ چکی ہیں۔ شِقَاقِیْٓ۔ آیت سے جہاں انبیاء کرام کی کامل اور انتہائی درد مندی روشنی میں آجاتی ہے وہیں سرکش و متمرّد قوموں کی ضد و عناد کا درجہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ ۱۳۳ف چنانچہ حضرتِ شعیبؑ کے شہر مدین کا فاصلہ حضرت لُوطؑ کے مسکن (وادی دریائے یردن) سے کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔ بِبَعِیْدٍ۔ مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے اس بعد و قرب زمانی پر محمول کر کے گویا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اُمّت لُوطؑ کا زمانہ تو تم سے ایسا بعید ابھی ہوا بھی نہیں ہے"۔ وذلك انهم كانوا حديثي عهد بهلاك قوم لوط (معالم)۔ یہ قول بھی اگرچہ فی نفسہٖ بالکل صحیح ہے یعنی حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ ان سب سے قریب تر زمانہ حضرت لوطؑ ہی کا ہوا تھا لیکن ترجیح اس کو ہے کہ بعید کو بُعد مکانی ہی کے معنی میں لے کر مسکن اُمّتِ لوطؑ اور مسکن اُمّتِ شعیبؑ کے درمیان قرب مکانی کی طرف مشیر سمجھا جائے۔ اي بعدار قوم لوط منكم ببعيد (ابن جرير) ذلك انهم كانوا جيران قوم لوط (معالم)۔ بہرحال وہ قرب زمانی ہو یا قرب مکانی مقصود دونوں صورتوں میں اُمت لوطؑ کے انجام سے عبرت خصوصی دلانی تھی۔ قيل المراد في الزمان وقيل في المكان ويحتمل الامران (ابن کثیر)۔ ۱۳۴ف چنانچہ وہ صفت رحمۃ کے تقاضہ سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور صفت وُدّ کے تقاضہ سے طاعتوں کو قبول کرے گا۔ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یعنی اس کی طرف رجوع طاعت و عبادت کے ساتھ کرو۔ ۱۳۵ف جاہلی قومیں دباؤ صرف قوت کا مانتی تھیں چنانچہ اب سلسلۂ بحث و استدلال کو چھوڑ کر قوم شعیبؑ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ تم ہم پر کچھ غالب و حاکم تو ہو نہیں قوت تو ہم ہی کو حاصل ہے ہم تو صرف تمہارے کنبہ و قبیلہ کا لحاظ کر رہے ہیں جو ہمارے ہم مذہب ہیں ورنہ ہم تو اب تک تم پر سزائے سنگساری جاری کر چکے ہوتے۔ رهطك۔ رهط یہاں مضاف الیہ ہے اس کا مضاف مقدر ہے۔ اي مراعاة رهطك (۸) والتقدير ولولا مراعاة جانب رهطك (روح)۔ پُرانی جاہلی قوموں میں کنبہ اور خاندان کا پاس و لحاظ بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ لَرَجَمْنٰكَ پُرانی قوموں کے ضابطۂ تعزیرات میں آخری اور انتہائی موقعوں کے لئے سزائے سنگساری عام طور پر رائج تھی۔ ۱۳۶ف اور تمہارا چھوٹا بڑا ایک ایک عمل اس کے علم میں ہے۔ حضرت شعیبؑ اپنی قوم کی غیرت اور شعورِ دینی کو بیدار کر رہے ہیں کہ خدا کی عظمت و جلال کی بس اچھی قدر تم نے کی کہ قبیلہ اور کنبہ تک کی رعایت کرتے ہو لیکن ایک نہیں خیال کرتے تو بس خدائے تعالیٰ کے حقوق کا۔

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ

چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو ۱۲۶ اللہ کے دیئے میں

اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

سے) بچا ہوا کہیں بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو

بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ

ہوں نہیں ۱۲۷ وہ بولے اے شعیب کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ

دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

واقعی تم ہی تو بڑے عقلمند بڑے دیندار ہو ۱۲۸ (شعیبؑ) بولے اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر

كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے ایک عمدہ دولت دی ہو ۱۲۹

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ

اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ۱۳۰ میں تو بس

اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کرسکوں اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۳۱ اور اے میری قوم میری ضد تمہارے لئے اس کا باعث

۱۲۶ قرآن مجید نے یہاں صاف صاف بتا دیا کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک و قوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ——— اور اس سب کے لئے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔ ۱۲۷ (اپنے ہر قول و عمل کی ذمہ داری تمہیں خود محسوس کرنی چاہیئے) حضرت شعیبؑ نے اپنی تقریر سے ایک طرف تو مخاطبین میں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا چاہا دوسرے یہ بتایا کہ پاک مال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی بہرحال بہرصورت گندے اور ناجائز ذریعے سے حاصل کی ہوئی آمدنی سے بہتر ہے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ۔ یعنی وہ مال جو شریعت الٰہی نے تمہارے لئے جائز رکھا ہے اور جس کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔ ای ما ابقاہ اللہ حلالا لکم ولم یحرمہ علیکم (بحر) ۱۲۸ مخالفین کی یہ تقریر برطور طنز و تمسخر ہے۔ قال ابن عباس و میمون بن مہران و ابن جریج و اسلم و ابن جریر یقولون ذلک اعداء اللہ علی سبیل الاستہزاء (ابن کثیر) قیل قالوا علی وجہ الاستہزاء وصفوہ علیہ السلام بھذین الوصفین الجلیلین علی طریقۃ الاستعارۃ التھکمیۃ فالمراد بھما ضدھما وھذا ھو المروی عن ابن عباس والیہ ذھب قتادۃ والمبرد (روح) وہ بار بار اس پر الجھ رہے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسا نبی ہے جو ایک طرف تو ہمارے آبائی معتقدات، عبادات، رسوم و شعار کا تختہ الٹ دینا چاہتا ہے اور دوسری طرف ہمیں ہمارے مال و جائداد تک کے بارے میں آزاد و خود مختار نہیں چھوڑتا بلکہ الٹے ہمارے آمد و خرچ پر بھی طرح طرح کی قیدیں لگاتا اور پابندیاں عائد کرتا رہتا ہے۔ حتی نتخلی کا خلف مایعبد آباؤنا ۱۲۹ یعنی دولت نبوت۔ ھو النبوۃ والحکمۃ (روح) اسی کو کہیں رحمۃ سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۶۳ میں حضرت صالحؑ کے سلسلہ میں اور جائز آمدنی بھی مراد لی گئی ہے۔ اشارۃ الی ما اتاہ اللہ من المال الحلال (بیضاوی) اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ۔ یعنی اگر اللہ کی توحید وغیرہ کا علم مجھے صریحاً ہو چکا ہو۔ ۱۳۰ یعنی یہ تو ہے نہیں کہ میں تمہیں کوئی راہ بتا دوں اور خود کسی اور راہ پر چلوں میری یہ تبلیغ تو سرتا سر خیر خواہی و دلسوزی سے ہے اور دلیل یہ ہے کہ میں تمہیں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ ۱۳۱ یہ ہوتا ہے پیمبروں کا کمال عبدیت! ادھر دلسوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی جانب زبان سے ذرا نکل گئی تھی معاً اسے بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک پیمبر اور دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر کے حدود جدا ہو جاتے ہیں لیڈر کی نظر اپنے مجمع بجتھے، مادی طاقت مالی وسائل وغیرہ پر رہتی ہے۔ برخلاف اس کے پیمبر کی نظر اول بھی اور آخر بھی اللہ ہی پر رہا کرتی ہے ؞

۱۲۱ؔ توریت میں ہے:- "اور جس وقت لُوط ضُغر میں داخل ہُوا سُورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عموں پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اُس سارے مَیدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کر دیا" (پیدائش ۱۹: ۲۳-۲۵) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ
اسے بھی وہی آفت آئیگی جو ان (سب) پر نازل ہو گی ان (پر عذاب) کے وعدہ کا وقت صبح کا ہے اور
اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ٨١ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا
صُبح میں اب دیر ہی کیا ہے؟ ۱۲۱ؔ سو جب ہمارا حُکم آپہنچا ہم نے اس (زمین) کے
عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ
بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر کھنگر کے
مَّنْضُوْدٍ ٨٢ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِىَ مِنَ
تہ بہ تہ ۱۲۲ؔ خاص نشان کئے ہوئے آپ کے پروردگار کے پاس اور وہ (مقام) ان ظالموں سے
الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ٨٣ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ
کچھ دُور بھی نہیں ۱۲۳ؔ اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا ۱۲۴ؔ
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا
وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو تمہارے لئے بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں اور
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ
ناپ اور تول میں کمی نہ کرو میں تو تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ٨٤ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا
ڈرتا ہوں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ۱۲۵ؔ اور اے میری قوم
الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
ناپ اور تول پُوری پُوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی

۱۲۲ؔ یعنی لگاتار گرنے اور برسنے لگے۔ جَآءَ اَمْرُنَا یعنی عذاب موعود کا وقت آپہنچا۔ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔ یعنی ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ سِجِّيْل سے مُراد ہے سُکھائی ہوئی مٹی کا پتھر جسے ہمارے ہاں جھانواں کہتے ہیں۔

۱۲۳ؔ یعنی اہل مکہ سے۔ قوم لُوطؑ کا مسکن دریائے یردن کی وادی میں تھا جہاں اب بحر مُردہ واقع ہے اور لُوطیوں کے بڑے شہر سدُوم اور عمورہ بحر مُردہ کے ساحل پر واقع تھے۔ اور قریش مکہ اپنے سفر شام میں برابر اسی راہ سے آتے جاتے تھے ان آبادیوں کی آسمانی ہلاکت کا زمانۂ وقوع جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱ ق۔م ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مُسَوَّمَةً یعنی دوسرے پتھروں سے ممتاز۔ عِنْدَ رَبِّكَ یعنی عالمِ غیب میں۔ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ۔ اس آتشیں پتھراؤ کی توجیہ کوہ آتش فشاں کی آتش فشانیوں سے بھی کی گئی ہے جو کسی قرآنی بیان کے منافی نہیں عذاب الٰہی وہ بہر صورت تھا۔

۱۲۴ؔ مَدْيَن اور شعیبؑ دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ اَخَاهُمْ بھائی سے مُراد وہی وطنی یا نسلی بھائی ہیں قرآن میں اس لفظ کے بار بار آنے سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے نسبی اور وطنی اشتراک کے باوجود کسی کے نصیب میں ہدایت آجاتی ہے اور کوئی بدستور ظلمتوں اور ضلالتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

۱۲۵ؔ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ یعنی وہ دن جو مجرم کو ہر طرف سے گھیر کر اُسے مجبور و بے بس کر دے گا اور کوئی صُورت اس کی مخلصی اور رہائی کی باقی نہ رکھے گا۔ يٰقَوْمِ .... غَيْرُهٗ۔ ہر نبی کی پہلی اور بنیادی دعوت دعوتِ توحید ہی ہوتی ہے۔ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اہل مدین ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی، اور اُن کے کاروباری اخلاق بھی سخت گندے اور پست تھے ——— قرآن مجید اعتقادی گمراہیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی معاشرتی معاملات کی بھی برابر اصلاح کرتا جاتا ہے۔

ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝٧٧ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ
ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے ۱۱۳ اور ان کے پاس ان کی قوم (کے لوگ)
يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ
دوڑے ہوئے آتے ۱۱۴ اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کیا کرتے تھے ۱۱۵ (لوطؑ)
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
بولے اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (بھی تو موجود) ہیں یہ تمہارے حق میں پاکیزہ ہیں سو اللہ سے ڈرو
وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ
اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی
رَّشِيْدٌ ۝٧٨ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ
نہیں ۱۱۶ وہ بولے تم تو خوب جانتے ہو کہ ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت
حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝٧٩ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ
نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ ہم ارادہ رکھتے ہیں ۱۱۷ (لوطؑ) بولے کاش میرا تم پر کچھ
بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝٨٠ قَالُوْا يٰلُوْطُ
زور و بل ہوتا یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ لیتا ۱۱۸ وہ (فرشتے) بولے اے لوطؑ
اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ
ہم تو آپ کے پروردگار کے فرستادے ہیں ان کی رسائی آپ تک بھی نہ ہو سکے گی ۱۱۹ آپ رات ہی کے کسی حصہ
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ
میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے گا مگر ہاں آپ کی بیوی (دیکھے گی) ۱۲۰

۱۱۳ (دیکھا چاہیئے جو عزت و آبرو سے گزر جائے) لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے کمسن اور خوبرو لڑکوں کی شکل میں لوطؑ کے شہر سدوم میں (جو ملک شام میں بحر مردہ کے عین ساحل پر واقع تھا) پہنچے۔ لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے اور خود بھی پیمبر تھے آپ پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ قوم لوطؑ کی غیر طبعی اور خلاف وضع فطرت شہوانیت آج ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں۔ حضرت لوطؑ کو قدرۃً اپنے مہمانوں سے متعلق یہی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان بیچاروں کی کیسی بے عزتی ان نابکاروں کے ہاتھ ہوگی۔ ضَاقَ بِهٖ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں اس موقع پر بولتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ اس کا آناجی کو کھل گیا۔ ~~مضاقت ... ... (ابن جریر)~~ ۱۱۴ (اپنے اس ارادۂ بد کے ساتھ حسب معمول) قَوْمُهٗ سے مراد ساری کی ساری قوم نہیں بلکہ مراد ہیں ان کی قوم کے کچھ لوگ۔ ۱۱۵ قوم لوطؑ والے علاوہ اس مخصوص فسق کے اور بھی طرح طرح کی شناعتوں میں مبتلا تھے اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو ان کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حواشی۔ ۱۱۶ بَنَاتِيْ کے لفظ پر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت لوطؑ کی صلبی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں وہ تو کل دو تھیں اور یہاں مجمع کا مجمع نشۂ فسق میں مست تھا مراد امت کی عورتیں ہیں امت کی عورتیں پیمبر کے لئے بمنزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنے دروازہ پر مجمع فساق دیکھ کر فرمایا کہ آخر عورتیں بھی تو موجود ہیں ان کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ ~~المراد ... ... سعید بن جبیر ... وهذا القول عندی هو المختار (کبیر) ... ... الاحسن ... ... النبی ... منزلة ... (کبیر)~~ اَطْهَرُ یہاں طاہر کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں، اکبر، کبیر کے معنی میں ہے یہ مراد نہیں کہ عمل نکاح نسبۃً طاہر تر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عمل نکاح فی نفسہٖ طاہر و پاکیزہ ہے (کبیر) ~~وصیغة افعل فی ذلک مجاز (روح)~~ توریت میں اس موقع پر ہے۔ ”شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے لوطؑ کو پکار کے اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے ہاں آئے کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم ان سے صحبت کریں تب لوطؑ دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو ان کو تمہارے پاس نکال لاؤں اور جو تمہاری نظر میں پسند ہو ان سے کرو مگر ان مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سایہ میں آئے۔ (پیدائش ۱۹: ۴-۸)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ آپؑ کی اصلی اپیل تو یہی ہے آپ نے انہیں خوف خدا سے ڈرایا کہ وہی اصل بنیاد ہر معصیت سے رکنے کی ہے۔ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ۔ آپؑ نے دوسری اپیل فہم مخاطبین کی رعایت سے یہ کی کہ انہیں عرف عام کا واسطہ دلایا۔ مہمانوں کے سامنے سبکی عرفاً بھی بہت معیوب تھی۔ ۱۱۷ ہم کو عورتوں کی طرف رغبت و التفات ہی کب ہے؟ ہم تو کسی اور ہی پھیر میں ہیں جو تم پر خوب روشن ہے۔ ~~انک یا لوط لتعلم ان ما لنا حاجة فی غیر بناتك ... والظاهر ان معنی من حق ... من نصیب ... من غرض ولا من شهوة ... (بیضاوی)~~ ۱۱۸ یعنی یا تو خود مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں بزور حکومت تم کو تمہارے شر سے روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا، کنبہ، قبیلہ ہوتا۔ حضرت لوطؑ تو خود ہی پردیس میں مقیم تھے اس لئے قدرۃً آپ کے ساتھ عزیزوں، قریبوں کی کوئی خاص جماعت نہ تھی۔ پریشان کن حالات میں اسباب ظاہری سے تمسک کرنا ایک امر طبعی ہے اور شریعت میں بالکل جائز ہے۔ ۱۱۹ فرشتوں کو حضرت لوطؑ ابھی تک تو اپنے نوعمر و حسین مہمان سمجھ رہے تھے اب انہوں نے آپ کا اضطراب و اضطرار دیکھ اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور اطمینان دلایا کہ ہم تو ہم ان فساق کی اتنی بھی مجال نہیں کہ آپ تک بھی پہنچ سکیں۔ ۱۲۰ یہ عورت دل سے کافرہ اور ان بدمعاشوں سے ملی ہوئی تھی فرشتوں نے کہا کہ اس کے حق میں کوئی نصیحت کارگر نہ ہوگی اور نہ یہ ہماری ہدایت پر عمل کرے گی اس کا دل تو کافروں میں اٹکا ہوا ہے عین نزول عذاب کے وقت یہ بکمال ہمدردی ادھر مڑ کر دیکھے گی ضرور۔ اور خود بھی عذاب کا شکار ہو کر رہے گی۔ توریت میں ہے:۔ ”مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کے دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی“ (پیدائش ۱۹: ۲۶)

۱۰۶ (بہ طور پوتے کے) اس میں ضمناً یہ بات بھی آگئی کہ اسحٰق زندہ رہیں گے اور صاحبِ اولاد ہوں گے۔ توریت میں ہے:۔ "پھر خداوند نے ابراہام سے کہا کہ سرہ کیوں ہنس کر بولی کہ کیا میں جو ایسی بوڑھیا ہوگئی ہوں سچ مچ جنوں گی کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۱۳-۱۴) ۱۰۷ (بہ اعتبار اسباب ظاہر کے) حضرت سارہ کا یہ خوشخبری سُن کر اسباب ظاہری و مادّی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا۔ ~~وهو استبعاب من حيث العادة دون القدرة~~ (بیضاوی) اور یہیں سے ہمارے محققین نے کہا ہے کسی واقعہ پر

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (٧١) قَالَتْ

پھر ہم نے انہیں بشارت دی اسحٰق کی اور اسحٰقؑ کے آگے یعقوبؑ کی ۱۰۶ بولیں

يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا

ہائے خاک پڑے کیا (اب) میں بچہ جنوں گی در آنحالیکہ میں بوڑھی ہوچکی اور یہ میرے میاں (بھی بالکل) بوڑھے یہ تو

لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ (٧٢) قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ

بڑی ہی عجیب بات ہے ۱۰۷ وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو اللہ کے کام میں ۱۰۸ اے

اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (٧٣)

خاندان والو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اسکی برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے ۱۰۹

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى

پھر جب ابراہیمؑ سے خوف زائل ہوگیا اور ان کو خوشخبری مل گئی ۱۱۰ تو وہ لگے ہم سے

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (٧٤) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ

قوم لوطؑ کے باب میں بحث کرنے ۱۱۱ بیشک ابراہیمؑ بڑے حلیم بڑے دردمند بڑے نرم دل

مُّنِيْبٌ (٧٥) يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ

تھے ۱۱۲ اے ابراہیمؑ اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار

جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (٧٦)

کا حکم آچکا ہے اور ان پر ضرور ایک نہ ہٹنے والا عذاب آنے والا ہے ۱۱۳

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے کڑھے اور ان کی وجہ سے بہت تنگدل

اسباب ظاہر کے لحاظ سے تعجب کرنا مسبّب الاسباب پر یقین کامل رکھنے کے منافی نہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "ابراہام اور سرہ بوڑھے اور بہت دن کے تھے اور سرہ سے عورتوں کی معمولی عادت موقوف ہوگئی تھی تب سرہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اس کے کہ میں ضعیف ہوگئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہوا کیا مجھ کو خوشی ہوگی"۔ (پیدائش ۱۸: ۱۱-۱۲) يٰوَيْلَتٰٓى عربی میں یہ اظہار حیرت و تعجب کے موقع پر بولتے ہیں ~~تقولها العرب عند التعجب من الشئ~~ (ابن جریر) اُردو میں یہ ترجمہ یہاں کی زنانہ بول چال کے مطابق مفسّر تھانویؒ کا کیا ہوا ہے۔ ۱۰۸ (حالانکہ پیمبر کے گھر میں رہ کر خوارق اور قدرتِ الٰہی کے عجائب تمہاری نظر سے برابر گزرتے ہی رہتے ہیں) زوج پیمبر حضرت سارہؓ کے اس اظہارِ حیرت پر اب خود فرشتے اظہار حیرت کر رہے ہیں محققین نے اس مکالمہ سے یہ نکالا ہے کہ ملائکہ کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ ناممکن نہیں۔ ۱۰۹ (کہ اس کے نزدیک کوئی بڑا سا بڑا کام بھی مشکل نہیں اور اسی کی ذات ہر تحمید ہر تمجید کی مستحق ہے۔ اَهْلَ الْبَيْتِ اس آیت نے اسے صاف کر دیا کہ پیمبرؑ کے زوج پر "اہل بیت"، کا اطلاق تو بہر حال ہوتا ہے بلکہ اہل بیت نبوی کا مفہوم اوّل تو ازواج نبی ہی ہوتے ہیں ~~دلالة على ان ازواج النبی صلعم من اهل بيته~~ (جصاص) ۱۱۰ یعنی قوم لُوطؑ کی سفارش میں اصرار بلیغ کرنے۔ اس کی ضروری تفصیلات سورۂ عنکبوت میں انشاء اللہ ملیں گی۔ فَلَمَّا ... الْبُشْرٰى۔ جب آپ کو اطمینان ہوگیا کہ آئے ہوئے مہمان انسان نہیں فرشتہ ہیں، اور آپ کا قلب فرزند کی بشارت سے مزید مسرت حاصل کرچکا۔ آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ پیمبر بھی اپنی طبعی زندگی میں عام بشری قوانین ہی کا پابند ہوتا ہے۔ توریت میں اس مقام پر ایک خاصہ طویل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۲۲-۳۳) ۱۱۱ حضرت ابراہیمؑ کی نرم دلی اور حلیم المزاجی پر حاشیے پہلے گذر چکے نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ۱۱۲ حضرت ابراہیمؑ کی دعا و سفارش پر ارشاد ہوا کہ اپنی درخواست پر اصرار نہ کرو یہ لوگ ایمان لانے والے اور سدھرنے والے ہیں ہی نہیں۔ آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ مقبول سے مقبول بندے کی بھی ہر دعا یا سفارش کا قبول ہوجانا لازمی نہیں۔ بندہ کی نگاہ بہر حال محدود ہی ہوتی ہے حکمت کاملہ کا احاطہ کہاں کرسکتی ہے۔

جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور اُن کو جو اُن کے ساتھ ایمان لے آئے اپنی رحمت

مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بیشک تیرا پروردگار ہی بڑا قوت والا ہے بڑا غلبہ والا ہے ٩٨

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

اور جو ظالم لوگ تھے انہیں ایک چیخ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا

رہ گئے ٩٩ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سن لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار

رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ

سے کفر کیا، خوب سن لو کہ قوم ثمود کو دوری ہوگئی ١٠٠ اور بالیقین ہمارے فرستادے

اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ

ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے ١٠١ (اور) بولے (آپ پر) سلام ہو (ابراہیمؑ نے) کہا (تم پر) سلام پھر دیر

اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ

نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے ١٠٢ پھر جب (ابراہیمؑ) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی

اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ

طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے اور اُن سے دل میں خوفزدہ ہوئے ١٠٣ وہ بولے کہ ڈریئے نہیں

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ

ہم تو قوم لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں ١٠٤ اور اُن کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں ١٠٥

ع ٦ ٨

٩٨ وہ جس کو چاہے مبتلائے عذاب بھی کرسکتا ہے اور جسے چاہے بچا بھی سکتا ہے وہ ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ یعنی ایک نجات تو عذاب ہلاکت سے دی دوسری نجات ذلّت و رسوائی سے۔ ٩٩ (اور اسی حال میں سب کے سب فنا ہوگئے) اَلصَّيْحَةُ۔ یہاں صیحۃ وارد ہوا ہے جس کے معنی چیخ چنگھاڑ یا بلند آواز کے ہیں اور سورۂ اعراف میں اس موقع کے لئے رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں لیکن زلزلہ اور بلند آواز کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں جس کے لئے ضرورت تطبیق کی پڑے بلکہ تیز زلزلہ اور سخت گھڑگھڑاہٹ کا ساتھ تو مشاہدہ میں عموماً آچکا ہے۔ ١٠٠ (اپنے پروردگار کی رحمت سے) اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اس نے خوب واضح کردیا کہ قوم ثمود پر ہلاکت ناگہانی کا جو عذاب آیا وہ کفر ہی کی بنا پر آیا۔ ١٠١ (آپ کے صاحبزادہ اسحٰقؑ کے تولد کی) رُسُلُنَا یعنی فرشتے بشری شکل میں۔ توریت میں یہ تفصیل مزید درج ہے کہ یہ آنے والے تعداد میں تین تھے:۔ "اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کیا اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں"۔ (پیدائش ١٨: ١-٢) ١٠٢ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں کے دور سے بہت ہی پہلے اور سراؤں کے دور سے بھی بہت پہلے مسافروں، راہگیروں، نوواردوں کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی اس وقت کا عام دستور اور دلیل شرافت تھا اور پھر حضرت ابراہیمؑ ایک تو شیخ القبیلہ اور پھر ذاتی حیثیت سے شریف ترین انسان! آپ کی مہمان نوازیاں تاریخ کا ایک مسلّم واقعہ ہیں ——— اللہ کے فرشتے بشری قالب میں تھے آپ انہیں معمولی مسافر سمجھ فوراً ان کی خاطر داری میں لگ گئے۔ توریت میں اس ضیافت و مہمانی کی مزید تفصیلات درج ہیں:۔ "اور ابراہام خیمہ میں سرہ کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانہ آٹا لے کے جلد گوندھ کے پھلکے پکا اور ابراہام گلّے کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لاکر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اس نے مکھن اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کے ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا۔" (پیدائش ١٨: ٧-٨) اس حکایت قرآنی سے یہ بھی نکل آیا کہ پیمبر برحق کے لئے (معاذ اللہ) عالم الغیب ہونا تو الگ رہا صاحب کشف ہونا بھی ضروری نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر بلکہ بہت سے پیمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی آپ شناخت نہ کرسکے کہ یہ نووارد انسان ہیں یا فرشتے۔ قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ سلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور (٢) اسلام میں بھی ہر دور میں رائج و شائع رہا ہے۔ فیہ دلالۃ علی ان السلام تحیۃ اہل الاسلام وانہ تحیۃ الملائکۃ (جصاص) ١٠٣ (کہ یہ کوئی مفسد دشمن یا کوئی ڈاکو تو نہیں ہیں) وقت کا دستور یہ تھا کہ جو دشمن یا کوئی ڈاکو کسی کو اپنا ہدف بنانا چاہتے تھے اُس کے ہاں کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور جس کے ہاں کھالیتے پھر اس کو نہ ستاتے حضرت ابراہیمؑ کو قدرۃً ایسے موقع پر یہی خیال گذرا اور اُن سے خوف و ہراس بھی طبعی طور پر پیدا ہوا ——— خوف و ہراس اُمور طبعی ہیں (جس طرح بھوک اور پیاس) اور مرتبۂ ولایت کیا معنی مرتبۂ رسالت کے بھی ذرہ بھر منافی نہیں۔ رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ۔ توریت موجودہ میں یہ فقرہ کہ "انہوں نے کھایا"، قطعاً ایک ایجاد بندہ ہے اور قرآن مجید کو اسی بیان کی تردید کے لئے یہ صراحت کرنی پڑی۔ ١٠٤ (ایک خاص مقصد کے لئے اور ہم انسان نہیں فرشتے ہیں) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کرلینا صرف اُن کے دعوے پر نہ تھا بلکہ قوت مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہوکر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصّہ پیش آتا ہے۔ ١٠٥ خوشگوار حیرت کے وقت ہنسی کا آجانا بالکل امر طبعی ہے اور خوشگوار حیرت کا موقع اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ گھر کے اندر جن آنے والوں کو انسان اور وہ بھی دشمن سمجھا جارہا تھا وہ دوست اور دوست بھی کیسے اللہ کے فرشتے نکلے۔ امْرَاَتُهٗ مراد حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ اولیٰ حضرت سارہؑ ہیں۔ مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ ظاہراً حضرت سارہؑ پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہوگیا کہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن ہی کے لفظ فَاَقْبَلَتْ سے معلوم ہوتا ہے۔

ثُمَّ تُوبُوٓا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَٰصَٰلِحُ

اور اسی کی طرف توجہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے ٩٣ وہ بولے اے صالح

قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ ۖ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

تم تو اس کے قبل ہم میں (بڑے) ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ ہم ان کی عبادت

ءَابَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ

کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں تردد میں پڑے ہوئے جس کی

يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَءَاتَىٰنِي

طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ٩٤ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس

مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ ٱللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُۥ ۖ فَمَا

نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (خاص) عطا کی ہو ٩٥ سو یہ تو بتاؤ) مجھے کون بچا لیگا اللہ سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں،

تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَٰقَوْمِ هَٰذِهِۦ نَاقَةُ ٱللَّهِ لَكُمْ

سو تم تو سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو ٩٥ اور اے میری قوم یہ اونٹنی اللہ کی ہے، اور تمہارے حق میں ایک

ءَايَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِيٓ أَرْضِ ٱللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ

نشان، سو اسے چھوڑے رہو کہ اللہ کی زمین پر چرتی کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ

فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي

تم کو قریبی عذاب آ پکڑے گا ٩٦ پھر (ان لوگوں نے) اس کو مار ڈالا تب (صالح نے) کہا تم اپنے

دَارِكُمْ ثَلَٰثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا

گھروں میں تین دن اور بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں ٩٧ پھر جب

٩٢ (اس عرض و معروض کا جو اس سے استغفار کے لئے کی جائے) تُوبُوٓا إِلَيْهِ یعنی اس کی طرف طاعت و عبادت کے ساتھ توجہ کرو۔ فَاسْتَغْفِرُوهُ میں اشارہ ماضی کی طرف ہے اور توبوا الیہ میں آیندہ کی اصلاح کی جانب۔ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ یعنی جو اس کی طرف توجہ کرے تو خدائے اسلام اس سے دور اور اجنبی و بیگانہ نہیں اس کے قریب ہی ہے اور کوئی درخواست معافی اور ندامت اس کے سامنے نامسموع نہ رہیگی وہ ہر عرض کرنے والے کی سننے والا اور قبول کرنے والا بھی ہے۔ ٩٣ یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ یعنی ہمیں تو تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں اور ہم سمجھتے تھے کہ تم فخر قوم و نازش وطن ثابت ہو گے اب یہ تم نئی اور انوکھی باتیں کیسی کرنے لگے؟ ہر پیمبر میں دیانت و صداقت ذہن و ذکا، عقل و فہم حلم و رشد کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا۔ سوال بطور استفہام انکاری اور استعجاب کے ہے۔ قوم حیرت کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ کیا تم ایسا غضب کر رہے ہو کہ ہمیں اپنے اور ہمارے آبائی دین سے روک رہے ہو شرک میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے "عقلاء" کو آج بھی صدائے توحید ایسی ہی عجیب اور نامانوس نظر آتی ہے! ٩٤ (اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو) رحمة سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ اى نبوة (بیضاوی) نبوة وحكمة (معالم) إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت روشن ہو چکی ہو ٩٥ (یہ فرمایش کر کے کہ میں دعوتِ توحید ترک کر دوں) إِنْ عَصَيْتُهُۥ یعنی تمہاری حسب فرمایش میں دعوتِ توحید میں تساہل و تغافل سے کام لینے لگوں۔ ٩٦ یعنی ایسا عذاب جس کے آنے میں دیر نہ لگے گی اور جو تم کو یہیں اسی مادی دنیا میں محسوس ہو جائے گا۔ نَاقَةُ ٱللَّهِ۔ اضافت تعظیم کے لئے ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ وغیرہ میں۔ الاضافة للتشريف (مدارک)، اس اونٹنی اور اس کے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ٩٧ (اس لئے کہ خدائی وعدہ ہے) تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَٰثَةَ أَيَّامٍ۔ یعنی اس تین دن کے بعد پھر تو عذاب آنا ہی ہے۔

۵۸۶ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ اس کی نظر کبھی کسی معاملہ میں بھی چوک سکتی ہی نہیں۔ فَاِنۡ ... اَبۡلَغۡتُکُمۡ یعنی میں تو اپنی تبلیغ کے بعد بری الذمہ ہو گیا اتنی صریح ہدایتوں کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ وَیَسۡتَخۡلِفُ رَبِّیۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ۔ یعنی تم تو تباہ و ہلاک کر دیئے جاؤ گے باقی اللہ کو جو کام دنیا میں تم سے لینا تھا اس کے لئے وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَیۡـًٔا یعنی تمہاری ان نافرمانیوں اور سرکشیوں سے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر — ضرر تو سراسر تمہارا اپنا ہی ہے۔ ۵۸۷ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جَآءَ اَمۡرُنَا یعنی اس قوم کی ہلاکت کا حکم آ پہنچا۔ نَجَّیۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ۔ عذاب ہلاکت سے بچ جانے کا ذکر تو ابھی ابھی اس آیت کے اندر آ چکا ہے۔ اس نجات عذاب غلیظ سے مراد آخرت کے عذاب سخت سے نجات پانا ہے۔ ~~فالمراد من النجاة الاولی هی النجاة من عذاب الدنیا والنجاة الثانیة من عذاب القیامة (کبیر)~~ ۵۸۸ یعنی علاوہ شرک و بدعقیدگی کے طرح طرح کی اخلاقی لعنتوں میں بھی مبتلا رہے۔ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ یعنی معبود حقیقی کے احکام اور اس کی توحید کے دلائل سب کی طرف سے منہ پھیرے رہے۔ کفر جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل میں یقین آ جانے کے بعد محض ضد و عناد سے کیا جائے۔ ~~الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفیه (راغب)~~ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ۔ رُسُل کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو علاوہ حضرت ہودؑ کے اور بھی کوئی رسول مستقلاً یا بطور آپؑ کے نائب کے ہوں گے اور یا پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سلسلۂ انبیاء سے انکار ہے۔ ۵۸۹ (دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت سے) فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً۔ دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگ گئی یعنی ان پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا — یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس دنیا کی مادی زندگی بھی ان پر طرح طرح کی مصیبتوں سے تنگ کر دی گئی جیسا کہ آج بھی تمام نافرمان قوموں سے متعلق مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ۔ آخرت میں لعنت سے مراد ہی عذاب دائمی میں گرفتار ہو جانا ہے۔ ۵۹۰ ہر نبی کی تعلیم ہر دور میں اسی خالص توحید کی رہی ہے۔ مِنۡ اِلٰهٍ۔ مِنۡ جب نفی کے ساتھ آتا ہے تو نفی کو اور مؤکد و مکمل بنا دیتا ہے یعنی کوئی بھی نہیں۔ ثمود اور صالح پر حاشیے سورۂ اعراف میں گذر چکے نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جس طرح قوم عاد عرب کے جنوبی مشرقی علاقہ یعنی اطراف یمن و عراق عرب میں آباد تھی، اسی طرح قوم ثمود کا مستقر عرب کے شمالی و مغربی علاقہ وادی القریٰ میں تھا اور نبی ہودؑ کی طرح نبی صالحؑ کا مزار بھی آج تک موجود ہے وادی سیر میں۔ اَخَاهُمۡ۔ اخ سے مراد وطنی اور نسبی بھائی ہیں۔ ۵۹۱ یعنی پیدا بھی اسی نے کیا اور زندہ و قائم بھی وہی رکھے ہوئے ہے عجب نہیں جو قوم ثمود بھی ہندی مشرکوں کی طرح ایجاد اور ابقاء کے الگ الگ خداؤں برہما اور وشنو کی قائل تھی۔ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ۔ زمین سے پیدا کیا یعنی زمینی مادہ سے پیدا کیا۔ ~~نسبه الی الارض لان اباهم آدم خلق من تراب الارض (جصاص)~~ وَاسۡتَعۡمَرَکُمۡ فِیۡهَا۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقت نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی۔ ~~وفیه الدلالة علی وجوب العمارة للزراعة والغراس والابنیة (جصاص)~~

رَبِّیۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۚ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی
میرا پروردگار تمہاری جگہ تمہارے سوا کسی قوم کو آباد کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو بیشک میرا
کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا هُوۡدًا
پروردگار ہر شے پر نگہبان ہے ۵۸۶ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو
وَّالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ
جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا ۵۸۷ اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت عذاب
غَلِیۡظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلۡكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا
سے بچا لیا اور یہ قوم عاد تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے رسولوں
رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتۡبِعُوۡا فِیۡ
کی نافرمانی کی اور یہ ظالموں سرکشوں کے حکم کی پیروی کرتے رہے ۵۸۸ اور اس دنیا میں بھی
هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً وَّیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا کَفَرُوۡا
لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی ۵۸۹ خوب سن لو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کا
رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ
کفر کیا، خوب سن لو کہ دوری ہے قوم عاد کو جو قوم ہودؑ تھی اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو
قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ هُوَ
(بھیجا) انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ۵۹۰ اسی نے
اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَکُمۡ فِیۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ
تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کر دیا ۵۹۱ سو تم اسی سے گناہ معاف کراؤ

ع ۵ وقف لازم

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
برسائے گا اور تم کو (اور) قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دے گا اور مجرم ہو کر روگردانی
مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ
مت کرتے رہو ۵۸۲ وہ بولے اے ہودؑ تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر تو آئے نہیں اور ہم اپنے
بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾
دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں تمہارے (محض) کہہ دینے سے اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں ۵۸۳
اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ
ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا ہی نے تم کو شامت میں مبتلا کر رکھا ہے ۵۸۴ (ہودؑ نے) کہا میں
اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لا
اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک قرار دیتے رہتے ہو
مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ
اللہ کے علاوہ تو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو میں نے تو
تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ
اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے (جو) میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ جتنے بھی جاندار ہیں سب کی
اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ
پیشانی وہی پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار ہے صراط مستقیم پر ۵۸۵ لیکن اگر تم
تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ
پھرے رہے تو میں نے تو تمہیں وہ (پیام) پہنچا دیا جسے دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور

۵۸۲ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات کو راحت دنیوی میں بھی دخل ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ طاعت و حُسنِ عمل کا ثمرہ کبھی کبھی برکتوں کی صورت میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ گو اصل دار الجزاء عالمِ آخرت ہی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ قومِ عاد تین سال سے خشک سالی میں مُبتلا تھی۔ ۵۸۳ بیّنہ یا سند سے مراد کوئی دلیل عقلی نہیں، دلائل عقلی تو توحید پر متعدد اور شروع سے موجود تھیں ان جاہلین کی مُراد اس سے ان کے فرمائشی خوارق، معجزات و عجائب سے تھی۔ ۵۸۴ یعنی تم نے جو ہمارے فلاں دیوتا کی شان میں گستاخی کی اس نے اپنی مار یوں ماری کہ تمہیں خبطی باؤلا کر دیا اور تم لگے بہکی بہکی باتیں کرنے ——— جاہلی ذہنیت کی کتنی صحیح ترجمانی! ۵۸۵ یعنی وہی صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور وہ ملتا بھی صراط مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہودؑ کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلّغ و داعی کے لئے ہمیشہ کے لئے نمونہ ہے۔ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ یعنی سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ کوئی بے اُس کے حکم کے کان نہیں ہلا سکتا۔ المعنی حیوان الا هو تحت قهره وقدرته ومنقاد لقضائه وقدره بكير بعادات العرب اذا وصفوا انسانا بالذلة والخضوع قالوا ما ناصية فلان الا بيد فلان اى انه مطيع له فخوطبوا في القرآن بما يعرفون (كبير)

یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ
کہ اے نوحؑ اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی جو

مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا
تمہارے ساتھ ہیں ۵۷۴ اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چندروزہ عیش دے دیں گے پھر ان پر

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۸ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ
ہماری طرف سے عذاب دردناک ہوگا ۵۷۵ یہ (قصہ) اخبارِ غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک

مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ
پہنچایا، اس کو اس (بتانے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم ۵۷۶

فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۹ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ
سو صبر کیجیے یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے ۵۷۷ اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے

هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
بھائی ہودؑ کو بھیجا ۵۷۸ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ
باقی (سب) تم محض افترا کر رہے ہو ۵۷۹ اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱
میرا معاوضہ تو بس اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے؟ ۵۸۰

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ
اور اے میری قوم والو اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو ۵۸۱، وہ تم پر خوب بارشیں

معانقۃ الوقف علیٰ فاصبر احسن والبین

ع ۴ / ۴

۵۷۴ (بہ لحاظ ایمان و اعتقاد) مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔ مِن ابتداء غایت کے لئے ہے۔ یعنی وہ نسل بھی جو اس وقت حضرت نوحؑ کے ہمراہ موجود تھی اور ان سے چلنے والی ایمانی نسلیں بھی گویا معیتِ ایمانی حضرت نوحؑ کے ساتھ اس وقت تک کے مومنین کو بھی حاصل ہے اور اس طرح سلامتی اور برکات کی بشارت میں ہر دور کے اہلِ ایمان شامل ہو گئے۔ ~~المراد~~ من معك نسلاً و تولداً ~~(کبیر) و من فی قولہ ممن معک لابتداء الغایۃ والمعنی و علی امم ناشئۃ من الذین معک کمن لابتداء الغایۃ ای ناشئۃ من الذین معک وھم الامم المؤمنون الی آخر الدھر (کبیر)~~ اِهْبِطْ ۔ جہاز سے کوہ جودی پر اترنے کا حکم تو اوپر مل چکا تھا اب حکم ہو رہا ہے کہ پہاڑ سے زمین پر اترو۔ ~~الھبوط النزول قیل من الجبل الی الارض (روح)~~ قیل یہ حکم اس وقت ہو رہا ہے جب طوفان پوری طرح ختم ہو چکا ہے اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہو گئی ہے۔ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ آیت میں مِنَّا کا اضافہ حضرت نوحؑ کے مرتبہ عرفان و صدیقیت کے لحاظ سے ہے۔ ۵۷۵ (آخرت میں) ظاہر ہے کہ ان سے مراد بعد کی آنے والی کافر قومیں ہیں۔ اُمَمٌ ۔ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وامم منھم اور مفسرین محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے دونوں ٹکڑوں میں ایک طرف مومنین قیامت تک کے لئے، اور دوسری طرف کفار قیامت تک کیلئے شامل ہو گئے ایک کے لئے سلامتی کا وعدہ اور دوسرے کے لئے عذاب کی وعید۔ ~~قال المفسرون دخل فی تلک السلامۃ کل مؤمن وکل مؤمنۃ الی یوم القیمۃ و دخل فی ذلک المتاع وفی ذلک العذاب کل کافر وکافرۃ الی یوم القیامۃ (کبیر)~~ ۵۷۶ یعنی واقعاتِ نوحؑ کا صحیح اور مستند و مفصل علم اہلِ تاریخ و اہلِ توریت کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپ کو وحیِ الٰہی سے ہی یاد کرایا جا رہا ہے۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ۔ یہ غیب ظاہر ہے کہ علمِ بشری کے اعتبار سے ہوگا ورنہ علمِ الٰہی میں ظاہر ہے کہ غیب کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ۵۷۷ تو آپ اے رسول بددل و شکستہ خاطر نہ ہوں یہ ہٹ دھرم اور معاند کافر تو اب بھی آپ کو جھٹلائے جائیں گے لیکن آپؐ ان کی تکذیب پر صبر کیجیے اور حکایتِ نوحؑ سے تسکین حاصل کیجیے کہ جس طرح ان کے عہد میں آخری انجام مومنوں ہی کا اچھا اور کافروں کا برا ہوا، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آکر رہیگا۔ ~~فَاصْبِرْ میں ف جزائی ہے یعنی اب جب یہ معلوم ہو چکا تو صبر لازم ہے۔ ای واذ قد اوحیناھا الیک و علمتھا بذلک فاصبر علی مشاق تبلیغ الرسالۃ واذیۃ قومک (روح)~~ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ آخری کامیابی و کامرانی صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ~~فیہ تنبیہ علی ان الصبر عاقبتہ النصر والظفر والفرح والسرور کما کان لنوح علیہ السلام ولقومہ (کبیر)~~ ۵۷۸ قوم عاد اور حضرت ہودؑ نبی پر حاشیے سورۂ الاعراف کے رکوع ۹ میں گذر چکے۔ اِلٰى عَادٍ ۔ عرب قدیم کی قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی سرحد تک آباد تھی اس کا اصل مسکن یمن و حضرموت کا علاقہ تھا۔ مزار نبی ہود کے نام سے علاقہ حضرموت میں قشم کے مشرق میں ایک زیارت گاہ آج تک موجود ہے۔
۵۷۹ یعنی اصل حقیقت تو صرف توحید ہے باقی سب تمہارے گڑھے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ ۔ یعنی صرف خدائے واحد کی پرستش کرو کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو ~~وحدہ لا تعبد وا غیر اللہ کی ہے ای وحدوا اللہ تعالیٰ امرھم بعبادۃ اللہ وحدہ لا شریک لہ ونھاھم عن الاوثان التی افتروھا (ابن کثیر)~~ اللہ کے وجود اور اس کی عبادت سے منکر تو دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی قوم ہوئی ہے ورنہ انسانیت کا اصل مرض الحاد نہیں بلکہ شرک رہا ہے یعنی ایک خدائے اعظم کے اقرار کے ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے موٹے دیوی دیوتاؤں کی شرکت اور انتظاماتِ کائنات میں ان کا دخل و تصرف۔ فخر المفسرین امام رازیؒ نے آیت کے تحت میں اپنی سیاحتِ ہند کا ذکر کیا ہے اور اپنا مشاہدہ درج کیا ہے کہ وجود باری کے منکر مشرکین ہند بھی نہ تھے صرف اس کی توحید کے منکر تھے اور بت پرستی میں مبتلا —— یہی بیماری پہلے بھی تھی اور یہی آج بھی ہے۔ کاش کوئی صاحب ذرا تلاش کر کے اس کا پتہ لگاتے کہ امام موصوف ہندوستان میں کب آئے تھے کہاں کہاں کی سیاحت کی تھی کل کتنے دن رہے تھے۔ و قس علیٰ ہذا۔ یہ خدمت اگر دین کی نہیں تو ایک بڑے خادمِ دین کی ضرور ہو جاتی۔ ۵۸۰ ضروری اور مناسب حاشیے سورۂ یونس میں گزر چکے۔ ۵۸۱ یعنی استغفار تو کرو ماضی سے متعلق اور اب توبہ و رجوع اللہ کی جانب کرو مستقبل کے لئے۔

٦٧ (بارش اور طوفانی بارش سے) پہلے زمین اور آسمان کے مالک نے زمین کو حکم دیا تھا کہ پانی اُبلنا شروع کر دے اور آسمان کو کہ برسانا شروع کر دے۔ بے تکان دونوں نے تعمیل کر دکھائی اب جب مقصد پورا ہو گیا تو زمین کو حکم ملتا ہے کہ اپنا پانی اپنے اندر جذب کرے اور آسمان کو کہ مزید بارش موقوف ——— دیر ارشاد کی تھی تعمیل میں دیر ہو ہی کیا سکتی تھی۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھہر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا۔" (پیدائش ۸: ۱-۲)

قیل یہ ارشاد اس وقت ہوا جب طوفان اپنا کام کر چکا اور منکروں کو ڈبو چکا تھا توریت میں اس طوفان کی مدت ایک جگہ چالیس دن درج ہے اور ایک جگہ ۵ مینہ چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی۔" (پیدائش ۷: ۱۷) "اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی۔" (پیدائش ۷: ۲۴)

يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ

کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا ٦٧ اور پانی گھٹ گیا

وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا

اور کام پورا ہو گیا اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر اور کہہ دیا گیا کہ (اپنے اوپر)

لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٤٤ وَنَادَىٰ نُوحٞ رَّبَّهُۥ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ

ظلم کرنے والے لوگ (رحمت سے) دور ہو گئے، اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار

ٱبۡنِي مِنۡ أَهۡلِي وَإِنَّ وَعۡدَكَ ٱلۡحَقُّ وَأَنتَ أَحۡكَمُ

میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ بھی بالکل سچا اور تو تو ہر حاکم کے

ٱلۡحَٰكِمِينَ ۝٤٥ قَالَ يَٰنُوحُ إِنَّهُۥ لَيۡسَ مِنۡ أَهۡلِكَۖ إِنَّهُۥ

اُوپر حاکم ہے ٦٩ اللہ نے فرمایا اے نوح یہ تمہارے گھر والوں ہی میں سے نہیں ٧٠ یہ ایک

عَمَلٌ غَيۡرُ صَٰلِحٖۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌۖ

تباہ کار شخص ہے ٧١ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو

إِنِّيٓ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ۝٤٦ قَالَ رَبِّ

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں) نادان نہ بن جاؤ ٧٢ (نوح) بولے اے میرے

إِنِّيٓ أَعُوذُ بِكَ أَنۡ أَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِي بِهِۦ عِلۡمٞۖ وَإِلَّا

پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر

تَغۡفِرۡ لِي وَتَرۡحَمۡنِيٓ أَكُن مِّنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ۝٤٧ قِيلَ

تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا ٧٣ ارشاد ہوا

٦٨ اس آیت کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی داد منکرین اسلام نے بھی دی ہے۔ ابن مقفع نامی ایک ملحد طبع شخص گذرا ہے۔ اس نے بزعم خود قرآن کا جواب کہنا شروع کیا تھا جیسے ایک دوسرے کے جواب میں شاعر اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جب اس آیت پر پہنچا تو قلم جواب سے رک گیا عاجز ہو کر بولا کہ اس کلام کا جواب بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ (بحر) مستشرق اور لغوی لین (Lane) نے بھی اس کی داد دی ہے۔ الجودی کوہستان ارارط کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (Vam) کے جنوب و مغرب میں واقع ہے اس جوار میں کردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ کشتی نوح یہیں آکر رکی تھی۔ توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان ارارط کا ہے۔ (پیدائش ۸: ۵) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔

٦٩ (تیری قدرت لا انتہا تیرے اختیارات غیر محدود تیرے لئے کیا دشوار کہ اب بھی اسے مومن بنا کر اس کی نجات کا سامان کر دے) وَنَادَىٰ نُوحٞ رَّبَّهُۥ۔ یہ مناجات حضرت نوحؑ نے اس وقت کی جب دیکھا کہ کنعان اب ڈوبنے ہی پر ہے۔ إِنَّ وَعۡدَكَ ٱلۡحَقُّ۔ وہ وعدۂ الٰہی یہ کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئیگا بچا دیا جائیگا

٧٠ ہمارے علم ازلی میں) اہل سے مراد وہی اہل ایمان گھر والے ہیں جن کے لئے نجات کا وعدہ ہو چکا تھا اور یہیں سے علمائے محققین نے یہ نکالا ہے کہ شریعت میں معتبر قرابت ایمانی ہے نہ کہ قرابت نسبی۔ ای لیس منہم اصلا لان مدار الاھلیۃ ھو القرابۃ الدینیۃ (روح) ھذہ الآیۃ تدل علی ان العبرۃ بقرابۃ الدین لا بقرابۃ النسب فان فی ھذہ الصورۃ کانت قرابۃ النسب حاصلۃ من اقوی الوجوہ ولکن لما انتفت قرابۃ الدین لاجرم نفاہ اللہ تعالیٰ بابلغ الالفاظ (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شرف نسب کے ساتھ جب تک صلاح جمع نہ ہو وہ کالعدم ہے۔

٧١ (جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا) عمل سے مراد ذو عمل لی گئی ہے۔ مراد صحت عمل فاسد کی بنا پر۔ والمعنی انہ ذو عمل فاسد فحذف ذو للمبالغۃ بجعلہ عین عملہ لمداومتہ علیہ (روح) ای انہ ذو عمل باطل فحذف المضاف (المدارک) اللوم علیہ (کبیر)

٧٢ (اور آئندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگو) منشائے خداوندی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نوحؑ ہمارا وعدۂ نجات جو تمہارے گھر والوں کے لئے تھا وہ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيۡهِ ٱلۡقَوۡلُ کے ساتھ مقید تھا اور اس کے مصداق کو عمداً مبہم و غیر متعین رکھا گیا تھا سو تمہارا یہ فرزند اسی استثنا کے تحت میں آ جاتا ہے ایسے مشتبہ اشخاص کے حق میں دعا کرنے سے احتیاط مناسب تھی۔ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ الحال لوگوں کے حق میں دعا سے ممانعت آ چکی ہے تو جن لوگوں کا فساد عقیدہ ظاہر ہو چکے ان کے حق میں تو اور زیادہ احتیاط واجب ہے۔ فیکون النھی وارداً فی مشتبھۃ الحال وفیھم من حال معلوم الفساد بالطریق الاولیٰ (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے ہمارے زمانے کے مشائخ کی دعاؤں کا حال کھلا جاتا ہے کہ ان سے مقدمہ کی عہدہ کی جس چیز کی بھی دُعا کرائی جاتی ہے وہ بلالحاظ حرام و حلال اس کے لئے دعا کر دیتے ہیں۔

٧٣ حضرات انبیاء کی شان عبدیت کا کیا کہنا گویا ہر وقت مناجات و ابتہال و استغفار کا بہانہ ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ادنیٰ سی لغزش محض اجتہادی لغزش نفس کی خرابی سے نہیں محض فہم و تعبیر کی بنا پر ہوئی اور انہیں بس عرض حال کا موقع مل گیا۔

۵۵۸ [illegible] التنور [illegible] فقرہ کے صحیح معنی [illegible] کہ زمین سے پانی نے جوش مارنا شروع کیا۔
[illegible]
[illegible] اہل لغت نے یہی کہا ہے کہ یہ لفظ اصلاً
عربی نہیں [illegible] دیباج۔ دینار۔ سندس۔ استبرق وغیرہ کی طرح اس پر بہت سے ہوتے
[illegible] تنور [illegible] تعین تنور ہوگا اور [illegible]
[illegible] پانی کا یہ جوش مارنا طوفان عظیم کی علامت کے ہوگا۔ ۵۵۹ [illegible] من کل
[illegible] اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ [illegible]

التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ
[illegible]
وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ
[illegible]
مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ
[illegible]
اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
[illegible]
وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰى نُوْحُ ࣙابْنَهٗ
[illegible]
وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ
[illegible]
مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ
[illegible]
الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ
[illegible]
وَ حَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۝ وَ قِیْلَ
[illegible]

منزل ۳

[illegible] لفظ کُلٍّ کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید
[illegible] بکثرت مل جاتی ہیں۔ [illegible] چھوٹے سے جہاز میں پاک و ناپاک پرندے
[illegible] حشرات الارض [illegible] صرف بائبل میں ملتی ہے۔ وہاں وعدہ
[illegible] سب وہ جاندار [illegible] زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔
(پیدائش ۷: ۴) اور عمل بھی اسی وعید کے مطابق ہوا چنانچہ ”سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے
چرندے اور پرندے اور جنگلی جانور اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور سب انسان مر گئے۔
سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا اُن میں سے جو خشکی پر رہتے تھے مر گئے بلکہ سب موجودات
جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں۔ انسان سے لے کے حیوان تک اور کیڑے مکوڑے
اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں“ (پیدائش ۷: ۲۱-۲۳)
زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ۔ یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔ ۵۶۰ چنانچہ وہی بہت
قلیل مقدار مومنین جہاز پر سوار کئے گئے۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ۔ یعنی جن پر ان کے
[illegible] ان کے کفر کے پاداش میں غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا۔ باوجود نوح علیہ السلام
کے رشتہ دار ہونے کے توریت میں اس مقام پر ہے:۔ ”اور تو کشتی میں جانے گا، تو
اور تیرے بیٹے اور تیری جورو اور تیرے بیٹوں کی جوروں تیرے ساتھ اور سب جانوروں
میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جائیں۔ چاہیئے کہ وہ نر
و مادہ ہوں“ (پیدائش ۶: ۱۸-۱۹) ۵۶۱ اس لئے اس پر سوار ہو کر غرق کا اندیشہ بھی
[illegible] قَالَ ارْكَبُوْا۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول کے مخاطب آپ کے عیال اور آپ کے
متبعین ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے مراد یہاں بامر اللہ یا باذن اللہ لی گئی ہے یعنی اس کا
چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔ ای بقدرتہ او بامرہ او باذنہ [illegible]
[illegible]
مَجْرٖىهَا عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یائے معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی
ہر جگہ اسی قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں لیکن اس خاص موقع پر مجریہا کی ی کی آواز یائے مجہول کی
نکلے گی اور اسے بجائے مجْرِیہا کے مجرے ہا پڑھا جائے گا۔ ۵۶۲ اصل مقصود طوفان
کی شدت کا اظہار ہے۔ [illegible] یہ اور بات
ہے کہ یہاں واقعی اونچی اونچی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔ توریت میں اس موقع پر
ہے ”اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوح کی عمر چھ سو
برس کی ہوئی۔ دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اُسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ
نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی
رہی“ (پیدائش ۷: ۱۰-۱۲) ۵۶۳ (سفینۂ نوح و اہل نوح دونوں سے الگ جسماً بھی اور عقیدۃً بھی) ابنہ یہ لڑکا کافر تھا اور اس کا نام کنعان آتا ہے۔ فِیْ مَعْزِلٍ۔ علیحدگی اور کنارہ کشی صوری و معنوی دونوں قسم کی
مراد ہو سکتی ہیں [illegible] (معنوی و اعتقادی حیثیت سے اور صوری و جسمانی حیثیت سے) یٰبُنَیَّ کلمہ محبت و شفقت کا
[illegible] ۵۶۴ [illegible] یہ مراد بھی ہو
[illegible] یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔ حضرت کا اپنے کافر بیٹے سے یہ فرمانا یقیناً اسی بنا پر ہوگا کہ آپ کو اس کے کفر کا علم نہ تھا
[illegible] ۵۶۵ (مجھے آپ کی کشتی تک آنے کی کیا ضرورت ہے آپ میرے
سکتی ہے کہ شرط معیت پوری کر کے یعنی اب ایمان لا کر ہمارے ساتھ آ جا [illegible]
گھبرا کیوں رہے ہیں [illegible] مجھے سیلاب سے غرقابی کا اندیشہ ہے [illegible] کسی چوٹی تک پہنچ جاؤں گا اور پہاڑ تو
[illegible] البتہ اسباب غیر مباح کی طرف دوڑنا بالکل منافی توکل ہے۔ مثلاً کنعان کا پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا۔
ڈوبنے سے بچ [illegible] لَا عَاصِمَ ...... رَّحِمَ۔ حقیقت میں پیمبر اور شفیق باپ نے فرمایا
[illegible] مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے عذاب و قہر سے۔ ای من عذاب اللہ [illegible]
۵۶۶ اس سبق آموز قصہ کنعان سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔ [illegible] بائبل میں اس شدت طوفان کے ذکر میں ہے
[illegible] یہ سیلاب و طوفان معمولی اور طبعی واقعہ نہیں [illegible] اس سے پناہ دینے کی مجال کسی کو نہیں نہ پہاڑ کو نہ پہاڑ کی چوٹی کو۔ ہاں اللہ خود ہی جس کو بچا لینا چاہے بچ جائے۔
”اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اوپر اٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے تھے چھپ گئے۔
پندرہ ہاتھ پانی اُن کے اوپر بڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے“ (پیدائش ۷: ۱۷-۲۱)

افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ

تم لوگ کہتے ہیں کہ اسے (یعنی قرآن کو) گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ پر رہے گا اور میں بری ہوں اس جرم سے جو

مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن

تم لوگ کرتے ہو ۔ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی

قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا

ایمان نہیں لائے گا بجز اُن کے جو ایمان لا چکے، سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم

يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا

نہ کرو ۔ اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو اور مجھ سے

تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ

ان لوگوں کے بارے میں گفتگو نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے ۔ اور نوح کشتی

الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ

بنانے لگے ۔ اور جب جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تھے تو ان سے تمسخر کرتے تھے

قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾

نوح بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہنستے ہو ۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ

سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا جو اسے رسوا کر دیگا

عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ

اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے ۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابل

ع ۱۱ ۳

۵۴۹ یہ آخری اور انتہائی جواب ہے کہ خیر تم کسی طرح نہیں سمجھتے تو سمجھو اپنا جرم میں خود بھگتوں گا تم خود اپنی خبر لو۔ منکرین کے اعتراض کا اصل جواب آیت ۱۳ کے ذیل میں آچکا ہے کہ اگر میں قرآن تصنیف کر سکتا ہوں تو خیر تم سب مل ملا کر پورا قرآن، نہیں اس کی دس ہی سورتیں تیار کر کے دکھا دو۔ اوپر سے حکایت حضرت نوحؑ کی چل رہی تھی آگے بھی وہی رہے گی درمیان میں مناسبت مقام سے یہ آیت رسول اللہ صلعم اور آپ کے معاند معاصرین سے متعلق آگئی۔ [illegible] لیکن دوسرے اقوال میں اسے حکایت نوح ہی سے متعلق قرار دیا ہے۔ مِمَّا تُجْرِمُونَ۔ یعنی یہ کہ افترائے وحی کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہو۔ [illegible] یعنی میرے گناہ کا وبال میرے ہی اوپر رہے گا۔ تقدیر کلام [illegible]

۵۵۰ جب دعوت و تبلیغ کو مدت مدید ہو چکی۔ توریت میں ہے:۔ "اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ پر زمین خدا کے آگے بگڑی ہوئی تھی اور زمین ظلم سے بھری تھی اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی۔ کیونکہ ہر ایک بشر نے اپنے طریقہ کو زمین پر بگاڑا تھا" (پیدائش ۶: ۱۰-۱۲) ۵۵۱ کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے اور اب ان سے کوئی توقع ہی بجز مخالفت کے نہیں، گویا حضرت نوحؑ کو حکم مل گیا کہ اب نصیحت و تذکیر بے سود ہے بد دعا کیجئے سزا دی جائے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے نوح سے کہا کہ سب بشر کی اجل میرے سامنے آپہنچی ہے۔ اس لئے کہ ان کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی اور دیکھ میں ان کو زمین کے ساتھ نابود کروں گا" (پیدائش ۶: ۱۳) ۵۵۲ (کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رکھے جاؤگے) الفُلْكَ مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی طول میں ۵۲۵ فٹ عرض میں ½۸۷ فٹ اور بلندی میں ½۵۲ فٹ تھی، ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی، نیز ملاحظہ ہوں پارہ ۱۱ میں سورۂ یونس میں حواشی متعلقہ۔ توریت میں ہے:۔ "تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشندان بنا۔ اوپر سے لے کے ہاتھ بھر میں اسے تمام کر اور کشتی کی ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا اور تیسرا بھی بنا" (پیدائش ۶: ۱۴-۱۶) یہ کشتی کس ساخت اور پیمانہ کی تھی، اس کی جو تفصیلات بائبل میں ہیں، قرآن نے ان سے یکسر قطع نظر کر لی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور اسی لئے اس قسم کی تحقیقات کے زیادہ درپے ہو جانا کوئی مفید خدمت دین کی نہیں۔ امام رازیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ یہ ساری بحثیں بیکار ہیں۔ مومن کے لئے بس اس قدر جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے کہ قرآن میں مذکور اسی قدر ہے۔ (کبیر) اور صاحب روح المعانی نے بھی اسی قسم کی تقریر کی ہے۔ بِأَعْيُنِنَا۔ محاورہ میں اس سے کنایہ ہوتا ہے حفاظت و نگرانی سے۔ [illegible]

۵۵۳ (اور ان کے حق میں سفارش بیکار ہے) توریت میں ہے:۔ "اور دیکھ میں ہاں، میں ہی زمین پر طوفان کا پانی لاتا ہوں کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے، آسمان کے نیچے سے مٹا ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں مر جائیں گے۔ پر میں تجھ سے اپنا عہد قائم رکھوں گا۔" (پیدائش ۶: ۱۷)

۵۵۴ اس کا یہ مطلب لازمی طور پر نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے بنانے لگے اپنی نگرانی میں کاریگروں سے بنوانا بھی اپنے ہی بنانے کے حکم میں داخل ہے۔ ۵۵۵ (کہ یہ کیسے خشکی میں پانی کا نام و نشان نہیں اور یہ خواہ مخواہ اپنے کو اس زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں) اور کوئی کوئی اس طرح کے فقرہ بھی کہہ گزرتا کہ واہ نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ [illegible] جہاں یہ قوم آباد تھی وہ کوئی نشیبی علاقہ نہیں ایک بلند میدان تھا اور قریب ترین سمندر یعنی خلیج فارس سے صدہا میل کے فاصلہ پر اس لئے ان لوگوں کا اپنے نقطۂ نظر سے حیرت کرنا کچھ بیجا بھی نہیں ۵۵۶ کہ عذاب کا وقت موعود تو قریب آلگا اور تم اسے ہنسی کھیل سمجھ رہے ہو ہمیں اس پر ہنسی آرہی ہے۔ [illegible] دوسرے معنی صیغۂ مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح تم آج ہم پر ہنس رہے ہو ہم کل تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ [illegible] رہا یہ شبہ کہ تمسخر پیغمبری کی شان سے فروتر ہے بالکل ہی سطحی ہے جواب و مقابلہ کے موقع پر اس قسم کے الفاظ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں عام ہے۔ جزاء سيئة سيئة مثلها۔ انهم يكيدون كيدا واكيد كيدا۔ ومكروا ومكر الله۔ وغیرہ، اور دیباچہ تفسیر میں اسلوب عرب کی صنعت مشاکلہ کا ذکر مستقلاً آچکا ہے۔ [illegible] مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔ ۵۵۷ عذاب مقیم کا تعلق بعد مرگ اور عالم آخرت سے ہے اور عذاب خزی کا تعلق اسی موجودہ زندگی سے۔ [illegible]

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ
(اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟ ۴۴۱ اور مَیں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ
نہ مَیں غیب کی باتیں جانتا ہُوں اور نہ مَیں تم سے کہتا ہوں کہ مَیں فرشتہ ہوں اور نہ مَیں ان لوگوں کے
لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ
لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ انہیں اللہ بھلائی دے ہی گا نہیں ۴۴۲
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٣١﴾
اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ۴۴۳ ورنہ مَیں ہی ظالم ٹھیروں گا ۴۴۵
قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا
وہ بولے اے نوحؑ تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی خوب کر چکے اب لے آؤ ہمارے
بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ
سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم سچے ہو ۴۴۶ (نوحؑ نے) کہا اسے تو بس اللہ ہی
بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا یَنْفَعُكُمْ
تمہارے سامنے لائیگا اگر اس کی مشیت ہوئی اور تم (اسے) ہرا نہیں سکتے ۴۴۷ اور میری خیر خواہی تمہیں
نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ
نفع نہیں پہنچا سکتی گو میں تمہارے ساتھ (کیسی ہی) خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور
اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٤﴾ؕ اَمْ یَقُوْلُوْنَ
ہو ۴۴۸ وہی تمہارا (مالک و) پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ

۴۴۲ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ بالفرض میں تمہاری خوشی پُوری کرنے کو انہیں اپنے پاس سے دھتکار بھی دُوں تو مَیں تو خود ہی اللہ کی گرفت میں آجاؤنگا۔ اُس وقت مجھے کون بچائیگا؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ کے تحت میں طالب کے حقوق شیخ پر آگئے۔ آیت کے الفاظ میں اشارہ ادھر ہو کہ جو شخص حق تعالٰی کی طرف متوجہ ہو، اس سے اعراض نہ چاہئے کیونکہ اُس کی طرف حق تعالٰی کو بھی توجہ ہوتی ہے۔ ۴۴۳ یہاں حضرت نوحؑ اپنے مخاطبین کے ایک ایک شبہہ کا ازالہ فرما رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ مَیں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دنیوی نعمتوں میں سے جو جس کو چاہوں اُسے دِلا دوں اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعوے رکھتا ہوں، اور نہ دیوتا کی قسم سے ہوں اور نہ ان عوام ہی کی قسمت کا ذمہ لئے ہوں۔ پیمبر کی اس تقریر میں وقت کی ایک ایک گمرہی کا رد موجود ہے۔ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ۔ جاہلی قومیں بس یہی چاہتی ہیں کہ جس کا دامن پکڑیں اس کے وسیلہ سے دنیوی فلاح و ترقی بھی ہر قسم کی حاصل ہوجائے۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ جاہلی قوموں نے بزرگی کا ایک لازمہ غیب دانی کو بھی سمجھا ہے۔ اِنِّیْ مَلَكٌ۔ ملك کا ترجمہ جاہلی قوموں کے سیاق میں "دیوتا"، یا "مافوق البشر" سے ہونا چاہئے۔ لَآ اَقُوْلُ .... خَیْرًا۔ جاہلی قوموں میں خواص کو بڑی فکر اس کی لگی رہتی ہے کہ عوام بھی کہیں ان کے برابر نہ آجائیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد کا صاحبِ تصرف ہونا یا صاحبِ کشف ہونا، یا ضروریاتِ بشری میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں صرف صاحب علم و عمل ہونا ضروری ہے۔ ۴۴۴ (مَیں اُن کی قسمت کی بھلائی سے انکار کرنے والا کون، اگر یہ مخلص و صادق ہیں تو خیر دارین ان کا حصہ ہے اور اُن کے صدق و اخلاص کا جاننے والا اللہ ہے)۔ ۴۴۵ یعنی اگر مَیں نے خواہ مخواہ تمہاری رائے کی موافقت میں اپنے ان پیرووں کو منافق ٹھہرا دیا۔ ۴۴۶ اب منکرین کھلم کھلا پیمبر وقت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے چلے آئے ہو وہ اب لے آؤ نا! یٰنُوْحُ .... جِدَالَنَا۔ آیت سے یہ مضمون نکل رہا ہے کہ حضرت نوحؑ عقائدِ حق کی تائید میں دلائل و شواہد ایک طویل مُدت تک پیش کرتے رہے۔ ۴۴۷ (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو) اِنَّمَا .... شَآءَ۔ یعنی میں عذاب لانے والا کون میرا کام تو بس احکام و پیام کا پہنچا دینا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسا ہی کہنا اہلِ حق کی شان ہے ورنہ اہلِ باطل کی زبان پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اس کا حال یہ کر دُونگا اور وہ کر دُونگا۔ ۴۴۸ (تمہارے عناد و استکبار کی بنا پر) اِنْ كَانَ اللّٰهُ۔ اللہ کا ذکر یہاں بہ حیثیت تکوینی علت العلل یا مسبب الاسباب کے ہے۔ حضرت نوحؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی بدقسمتی سے تم خود ہی اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں

۳۵ (اور کوئی بات تم میں بشریت سے مافوق پاتے نہیں پھر تمہیں مرد خدا کیسے مان لیں) مشرکوں اور مشرک صفتوں کی سمجھ میں کسی بشر کا خدا رسیدہ ہونا یا فرستادہ خدا ہونا نہ پہلے کبھی آیا نہ اب آرہا ہے وہ بزرگی کے صرف اسی کے قائل ہوتے ہیں جو نہ کھاتا پیتا ہو، نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، پانی پر چلتا ہو، آگ پر بے تکلف قدم رکھ دیتا ہو، ہوا پر اڑتا ہو، غرض طرح طرح کے خوارق اور کرشمے دکھا کر اپنے "مافوق البشر" ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہو ــــــ بشر کو دیوتا تسلیم کر لینا اُن کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ وہ بشر کو خدا کا بندۂ مقرب و مقبول اور الٰہی تصور کریں۔ مِثْلَنَا۔ بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بشر بھی ایسے جو ہم سے ذرا ممتاز نہیں بس ہماری ہی طرح کھانے پینے، رہنے بسنے والے۔ ۳۶ (سو ان کا تمہیں نبی مان لینا کونسی سند اور افتخار کی بات ہے بلکہ ہم شرفا و معززین کو تو اُلٹا ننگ آتا ہے ان کی صف میں بیٹھنے سے۔ بڑے اور چھوٹے اُونچ اور نیچ کا یہ نسبی و نسلی معیار جاہل قوموں میں ہمیشہ مشترک رہا ہے ــــ دعوتِ توحید پر ایمان اس وقت تک صرف عوام لائے تھے یہ ان عوام پر طنز بڑے لوگوں کی طرف سے ہے۔ ۳۷ (تمہارے اس دعوائے نبوت و زعمِ رسالت میں) مِنْ فَضْلٍ سے مُراد مال، جاہ، ثروت و ریاست ہیں جو دنیوی و مادی اعتبار سے معیارِ فضیلت سمجھے گئے ہیں۔ علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہلِ جاہلیت میں سے تھے ہی، دنیا کے صرف ظاہری و مادی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اسی مرضِ حُبِّ دنیا میں مبتلا ہیں اور عزت و تحقیر کا معیار اسی دولتِ دنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔ ~~كانوا جهالا لا يعلمون الا ظاهرا من الحياة الدنيا فكان الاشراف عندهم من له جاه ومال كما ترى اكثر المتسمين بالاسلام يعتقدون ذلك و يبنون عليه اكرامهم واهانتهم (كشاف)~~ اور آگے بھی سطروں پر سطریں اسی رنگ میں لکھتے چلے گئے ہیں (اور صاحبِ مدارک نے بھی ان کی تقلید میں بعض انہی فقروں کو دُہرا دیا ہے ــــــ حُبِّ دنیا اس امتِ مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی میں اس قدر غالب آچکا تھا تو پھر اب چودھویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی کی طرف سے ان کے باطنی کمالات، اُن کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔ ۳۸ (اور اپنے کو صریح صاحبِ وحی پا رہا ہوں) ۳۹ یعنی دلائل و شواہد پر جب تم غور کیا ہی نہ چاہو تو کیا اسے میں زبردستی تمہارے حلق میں اتار دوں؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ

قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں ۳۶ اور ہم تو بس یہ

اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى

دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری طور سے ۳۷ اور ہم

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝۲۷ قَالَ

تم لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں ۳۸ نوحؑ نے کہا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ

اے میری قوم والو یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں ۳۹

اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا

اور اُس نے مجھے رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اسے تمہارے سر

وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝۲۸ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ

چپکا دیں درآنحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ، ۴۰ اور اے میری قوم والو، میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ مال

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور میں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لے آتے ہیں نکالنے

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۹

والا نہیں ۴۱ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں، البتہ میں تمہی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کئے جا

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا

رہے ہو، ۴۲ اور اے میری قوم والو کون میری حمایت کریگا اللہ کے مقابلہ میں، اگر میں انہیں نکال بھی دوں کیا تم

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے نفع نہ حاصل کر سکے گا۔ ۴۰ (جیسا کہ تم چاہتے ہو) اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی میرا اسہارا تو صرف رضاءِ الٰہی اور اجرِ اُخروی ہے۔ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا۔ میں کیا اپنے موعظت و دعوت کی کوئی فیس تم سے طلب کر رہا ہوں جو تم اُس کی گراں باری سے کھلے جاتے ہو؛ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عبادتِ واجب پر معاوضہ لینا ناجائز ہے، وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو حضوری مجالس اور التفاتِ خاص سے محروم نہ رکھنا عین سُنّتِ انبیاء ہے ۴۱ (کہ توحید جیسے عقیدہ سے جو سرتاسر فطرتِ سلیم کے عین مطابق ہے گریز کئے چلے جا رہے ہو) اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ یعنی یہ لوگ عزت و مقبولیت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں۔ سو ان کی اہانت میں کیسے کر سکتا ہوں۔ ~~(هم من اهل الزلفى المقربون الفائزون عند الله تعالٰى)~~ (روح) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ای ~~مصدقون~~ بلقاء ربهم یؤمنون (بحر کشاف)

۲۸ یعنی نہ کلامِ حق کو غایت عناد سے سنتے تھے اور نہ راہِ حق کو غایت عناد سے دیکھتے تھے، روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ جس بات سے ضد اور نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔
اُس کے نہ سُننے کی تاب دل میں باقی رہ جاتی ہے نہ دیکھنے کی۔ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوگنی سزائیں کہ ایک سزا خود اپنے کافر رہنے کی، اور دُوسری دوسروں
کو کافر بنانے کی۔ یُضٰعَفُ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان پر سزا برابر بڑھتی رہے گی ——— اور عجب نہیں جو صیغۂ مضارع اسی استمرار کی
دلالت کے لئے ہو۔ **۲۹** (اور
کوئی بھی ان کے کام نہ آیا!)
۳۰ لَاجَرَمَ۔ کا مفہوم عربی میں وہی
ہے جو اُردو میں لامحالہ یا "ناگزیر ہے" سے
ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ~~معناہ لابد~~
~~لا یقطع قاطع عنهم (کبیر) قال الفراء انها~~
~~بمنزلة قولنا لابد ولا محالة (کبیر)~~
اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔
جُملہ کی ترتیب هُمْ کی تکرار اَنَّ اور
لَاجَرَمَ کا اضافہ سب کلام میں انتہائی زور
اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہیں۔
۳۱ اَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ یعنی اپنے پروردگار کا
خشوع و انقیاد دل میں پیدا کرلیا۔ ~~الاخبات هو~~
~~الخشوع والخضوع (کبیر)~~ اصحابِ
جنت کے اوصاف کی ترتیب آیت میں
خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔ اَلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا۔ پہلا درجہ تو ایمان یا تصحیحِ عقائد
کا ہوا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ دُوسرا مرتبہ
عملِ صالح کا یا اصلاحِ اعمال و اخلاق کا
ہوا۔ وَاَخْبَتُوْٓا۔ تیسرا مرتبہ تزکیۂ
نفس کا ہوا۔ **۳۲** یعنی دونوں کے
درمیان اتنے موٹے اور بیّن فرق کو محسوس
نہیں کرتے؟ فَرِیْقَیْنِ۔ سے مُراد ظاہر
ہے کہ ایک طرف مومن اور فرماں بردار
ہیں اور دوسری طرف کافر و نافرمان جن
کے انجام و مآل کا فرق ابھی اُوپر بیان ہو
چکا ہے ——— ایک ہدایت سے
موصُوف دوسرا ہدایت سے محروم۔
۳۳ (پیمبر بناکر اور یہ پیام دے
کر) نوحؑ اور قومِ نوحؑ پر حاشیے پارۂ

السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ (٢٠) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اور نہ دیکھتے تھے ۲۸ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو تباہ
اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (٢١) لَا جَرَمَ
کرڈالا اور (آج) ان سے غائب ہوگئے (وہ سب معبود) جو انہوں نے گڑھ رکھے تھے ۲۹ لازمی طور پر
اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (٢٢) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
آخرت میں یہی سب سے زیادہ گھاٹا اُٹھانے والے ہوں گے ۳۰ بیشک جو لوگ ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے وہی لوگ اہلِ جنّت
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (٢٣) مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰی
ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ۳۱ دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک
وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ
اندھا اور بہرا اور ایک دیکھنے والا اور سُننے والا ہو کیا (یہ) دونوں حالت میں برابر ہیں
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (٢٤) ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ۫
تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ۳۲ اور بالیقین ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا ۳۳
اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (٢٥) ۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ
میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں اچاہیئے کہ تم پرستش نہ کرو (کسی کی) بجز اللہ کے میں
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (٢٦) فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ
تمہارے حق میں دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۳۴ اس پر اُن کی

ع ۲/۲

میں سورۂ یُونس میں گزر چکے۔ **۳۴** پیمبروں کا پیام شروع سے ایک ہی چلا آیا ہے۔ یعنی پیامِ توحید اور پھر اس دعوت سے انکار پر وعیدِ عذاب ———
کوئی قوم وحشی ہو یا کوئی قوم متمدن، پیمبر بہرحال سب سے پہلے اس کے عقائد ہی کی اصلاح کرتے ہیں اور عقائد میں رأس المسائل یہی عقیدۂ توحید ہے۔
فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ پیمبروں کی مخالفت قوم کے اکابر ہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔

مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ

سو اُس کے لئے وعدہ گاہ دوزخ ہے ۲۳ پس تو اس کی طرف سے شک میں نہ پڑنا

اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾

بے شبہ وہ سچا (کلام) تیرے پروردگار کی طرف سے ہے البتہ بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ۲۴

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰۤـئِكَ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گڑھے ایسے لوگ اپنے

يُعۡرَضُوۡنَ عَلٰى رَبِّهِمۡ وَيَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ

پروردگار کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی

كَذَبُوۡا عَلٰى رَبِّهِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيۡنَ

نسبت جھوٹ باتیں لگائی تھیں ۲۵ سنو سنو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو

يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ

اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں اور آخرت

بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰۤـئِكَ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ

تک کے منکر ہیں ۲۶ یہ لوگ زمین پر بھی (اللہ کو)

فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ

عاجز نہ کر سکے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی بھی

اَوۡلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ مَا كَانُوۡا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ

مددگار ہوا ۲۷ ان کے لئے عذاب دوگنا ہوگا یہ نہ سنتے ہی تھے

وقف لازم

۲۳ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ میں اُولٰٓئِكَ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی دلیل پر قائم رہنے والے
مِنَ الۡاَحۡزَابِ - احزاب سے مراد کفار ہی کے مختلف گروہ ہیں خواہ وہ کسی ملک کسی قوم کسی دین باطل سے تعلق رکھنے والے ہوں - ~~الاحزاب جميع الملل قال ابن جبير~~ بحر
عن قتادة ~~ان الاحزاب الكفار مطلقاً لانهم تحزبوا على الكفر (روح)~~ آیت میں یہ بتادیا گیا کہ قرآن کا منکر کوئی بھی ہو اور کفار کے کسی گروہ اور فرقہ سے بھی تعلق رکھنے والا
ہو، انجام بہرحال سب کا دوزخ ہی
ہے ۲۴ (ان کھلے ہوئے دلائل
وشواہد کے باوجود) تَكُ رَبِّكَ خطاب
اب عام مخاطب اور ناظر قرآن سے ہے
۲۵ ان مجرموں کی عدالت خداوندی
میں حاضری اور فرشتوں کی گواہی یہ سب
عالم آخرت کے واقعات ہیں۔ وَمَنۡ
اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ
پر جھوٹ گڑھنا یہی ہے کہ اس کی توحید
سے یا رسولؐ کی رسالت سے یا قرآن کے
کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا جائے
یا کسی کو اس کا شریک وہمسر قرار دے
لیا جائے۔ يَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ۔ ان
گواہوں کے بیان سے مجرموں کی مزید
تفضیح ورسوائی تو خیر ہوہی گی لیکن سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ گواہی دینے والے ہونگے
کون؟ مجاہد تابعی اور بعض اور اکابر
سے منقول ہے کہ یہ گواہ کاتب اعمال
فرشتے ہوں گے۔ ~~هم الملئكة الذين~~
~~كانوا يحفظون اعمالهم عليهم فى الدنيا~~
~~(كبير عن مجاهد)~~ لیکن لفظ قرآن کا عموم،
سفارش کرتا ہے کہ انبیاء اور مومنین اور
خود ان کافروں کے اعضاء وجوارح بھی
شامل کئے جائیں۔ ~~قيل المراد بهم~~
~~الملئكة والانبياء والمؤمنون (روح) من~~
~~الملائكة والنبيين او من جوارحهم (بيضاوى)~~
۲۶ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ - یہ
ایک ہی اسم کے لئے ضمیر هُمۡ کی تکرار
تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔
تكرير هم ~~لتاكيد كفرهم واختصاصهم~~
به (بيضاوى) ~~قال الزجاج كلمة هم كررت على جهة التوكيد~~ (كبير) اس مفهوم تاکید کے ادا کرنے کے لئے اُردو ترجمہ میں "تک" لایا گیا ہے۔ ~~يَبۡغُوۡنَهَا میں ضمیر ها~~ اسی
~~سبیل اللہ کی جانب~~ ہے۔ ۲۷ (کہ کوشش کر کے یا سفارش کر کے انہیں چھڑا دیتا) مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ~~میں مِنۡ زائدہ استغراق یا کلیت نفی کے لئے ہے~~ من
زائدة ~~لاستغراق النفى (روح)~~ اُردو ترجمہ میں "بھی" اس مفہوم کے اظہار کے لئے ہے۔ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ۔ ان کا اللہ کو عاجز کرنا یہی تھا کہ یہ کہیں چھپ
جاتے اور اللہ کے ہاتھ نہ آتے۔ اور اگر يصدون کے معنی محض يعرضون کے لئے جائیں تو سزا کا دوگنا ہونا تعدد عمل کی بنا پر نہیں شدت عمل کی بنا پر ہوگا۔

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا

(بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو ۱۷ پھر اگر یہ تم لوگوں کا یہ کہنا نہ کرسکیں

لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا

تو ان سے کہو کہ یقین کر لو کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم (و قدرت) سے اُترا ہے اور (یہ بھی یقین کر لو) کہ کوئی

هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ

معبود نہیں بجز اس کے تو اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ ۱۸ جو کوئی دنیا ہی کی زندگی

الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ

اور اس کی رونق کو مدنظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو اُن کے اعمال (کی جزا) اسی دنیا میں پوری

فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

طرح دیدیتے ہیں اور انکے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی ۱۹، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کچھ بھی

الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ

نہیں بجز آگ کے ۲۰ اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب آخرت میں ناکارہ نکل

مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

جائیگا اور بے اثر ۲۱ (سو کیا طالب دنیا ایسے کی برابری کر سکتا ہے) جو اپنے پروردگار کی طرف

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا

سے (آئی ہوئی) کھلی دلیل پر قائم ہو ۲۲ اور اس کے ساتھ ایک گواہ اسی میں ہے اور (ایک) اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی

وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

کتاب وہ امام ہے اور رحمت ۲۳ ایسے لوگ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں اور گروہوں سے جو کوئی اس سے انکار کریگا

۱۷ (اپنے اس پندار باطل میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے۔) آج کے "روشن دماغ فرنگی محققین" ہی کی طرح عرب جاہلیت کے "روشن خیال" بھی اپنی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلام محمدی ہے ان کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمد ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعہ پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے؟ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل ملا کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو۔ پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے؟ ۱۸ (یا ابھی کوئی اور انتظار باقی ہے؟) لَكُمْ۔ یہ خطاب جمع عام مومنین سے ہے ——— تحدی جس طرح رسول اللہ صلعم کر سکتے تھے ساری اُمت بھی کر سکتی ہے۔ جمع الضمير لان المؤمنين ايضا كانوا يتحدونهم (بیضاوی)۔ فَاعْلَمُوْٓا تقدیر کلام یہاں یوں مانی گئی ہے کہ اے مومنین کفار سے کہو کہ یقین کر لو۔ فيه اضمار والتقدير فقولوا لهم ايها المسلمون الكفار اعلموا (کبیر)۔ اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ یعنی اللہ ہی کے علم و قدرت سے اُترا ہے نہ کہ کسی اور کے۔ ۱۹ آیت میں ایک بڑی تلخ مگر گہری حقیقت کا اعلان ہے جو لوگ یا قومیں سرتاسر دنیا ہی کو اسی کی "ترقیوں" کو اپنا منتہائے نظر اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور اپنی ساری سرگرمیوں کا مرکز اسی کو قرار دیئے ہوئے ہیں وہ گھبرائیں نہیں، انہیں مایوسی نہ ہوگی۔ انہیں اپنی ساری جدوجہد کا صلہ یہیں اور ابھی ملا جاتا ہے ——— وہ دولت چاہتے ہیں ان میں کا ایک ایک فرد قارونِ وقت ہو کر رہیگا۔ انہیں حکومت کی ہوس ہے دُنیا کے سارے ملک انہی کے درمیان تقسیم ہو کر رہیں گے! انہیں عزت و ناموری فتحمندی کی چاٹ ہے تو اچھا وہ دل کھول کر اپنے دل کے ارمان نکال کر رہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا۔ حیات و زینتِ حیات سے اُلفت تو ایک امر طبعی ہے اور ہر انسان بڑے سے بڑا متقی انسان بھی کسی درجہ میں اس کا آرزومند ضرور رہتا ہے البتہ حیات دنیوی اور زینتِ دنیوی کو آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنا مقصود بنا لینا اور اپنے وقت و قوت کو اسی میں خرچ کئے چلے جانا یہ ایک بالکل دوسری چیز ہے اور یہاں ذکر اسی کا ہے جیسا کہ لفظ یرید سے ظاہر ہے۔ ای ان تكون ارادته مقصورة على حب الدنيا وزينتها ولم يكن طالبا لسعادات الآخرة كان حكمه كذا وكذا (کبیر)۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جو اعمال محض دنیوی نفع اور حصول معاوضہ کے خیال سے انجام دیئے جاتے ہیں گو وہ ذکر و تلاوت ہی پر شامل ہوں، موجب ثواب و حُسن آخرت نہ ہونگے۔ هذا دليل على ان ما سبيله ان لا يفعل الا على وجه القربة لا يجوز اخذ الاجرة عليه لان الاجرة من حظوظ الدنيا فمتى اخذ عليه الاجرة خرج من ان يكون قربة بمقتضى الكتاب والسنة (جصاص)۔ ۲۰ ظاہر ہے کہ جب دُوسری دنیا کا تخیل ہی سرے سے اُن کے دماغوں میں نہیں اور اس کا کوئی ادنیٰ محرک عمل بھی رضائے الٰہی یا ثواب آخرت نہیں تو ظاہر ہے انہیں آخرت میں نمبر کس چیز کے ملیں گے نمبر سب کے سب کٹ ہی جائیں گے۔ مَا صَنَعُوْا۔ اس عموم میں اُن کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جنہیں وہ کارِ خیر سمجھ کر کرتے رہے تھے۔ فِيْهَا اس کا تعلق حبط سے ہے اور ضمیر ھا سے مراد الآخرۃ ہے۔ والظاهر انه عائد على الآخرة (بحر)۔ بٰطِلٌ۔ نفس الامر اور ان لوگوں کے فساد نیت کے اعتبار سے تو ان اعمال کا کھوکھلا اور باطل ہونا اب بھی ظاہر ہے۔ آخرت میں اس کا مشاہدہ سب کو ہو جائیگا۔ ۲۱ (نہیں دونوں برابر ہرگز نہیں ہو سکتے) بَيِّنَةٍ سے مراد قرآن ہی سمجھی گئی ہے۔ البينة هو القرآن (کبیر) والمراد بها القرآن (روح)۔ بَيِّنَةٍ کی تنوین اس دلیل کی عظمت و اہمیت کے لئے ہے۔ التنوين فيها للتعظيم اى بينة عظيم الشان (روح)۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ افمن كان على بينة من ربه كمن يريد الحيوة الدنيا (کبیر)۔ ۲۲ امام تو اپنی تعلیمات و احکام کی عظیم الشان اہمیت تقدس کے لحاظ سے اور رحمت اس معنی میں کہ باعث رحمت ہے۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ يتلوه کو يتبعه کے مرادف سمجھا گیا ہے اور مراد یہ لی گئی ہے کہ قرآن کا ایک گواہ تو خود قرآن کے اندر موجود ہے اور یہ داخلی گواہ قرآن کا معجز ہونا ہے۔ ومعنى كونه منه انه غير خارج منه (روح)۔ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى یہ شہادت خارجی ہوئی کتاب توریت کی جو قرآن مجید سے مُدتوں قبل نازل ہو چکی تھی اور کلام کا عطف شَاهِدٌ مِّنْهُ پر ہے۔ عطف على شاهد والضمير المجرور لما يتلوه في التصديق كتاب موسى منزلا من قبله (روح)۔ اِمَامًا یعنی دین کے لحاظ سے مقتدا و متبوع۔ ومعنى كونه اماما انه كان مقتدى العالمين واماما لهم يرجعون اليه في معرفة الدين والشرائع (کبیر) مؤتما به في الدين مقتدى (روح)۔ رَحْمَةً۔ یعنی رحمت کا ذریعہ و سبب۔ لانه يهدي الى الحق في الدنيا والدين وذلك سبب لحصول الرحمة والثواب فلما كان سببا للرحمة اطلق اسم الرحمة عليه (کبیر)

ف۱۲ (کہ گویا اسے اعادۂ رحمت کا احتمال ہی نہیں رہتا) عام فطرتِ بشری کا بیان ہے۔ ف۱۳ (کہ گویا اب پھر دُکھ درد کبھی ہونے ہی کا نہیں) اب بیان اُسی فطرتِ بشری کے
دُوسرے پہلو کا ہو رہا ہے ـــــــ واقعی اَن گڑھ، تربیت سے محروم انسان بھی کیسا افراط وتفریط کے دونوں سِروں کے درمیان جُھولا کرتا ہے۔ ف۱۴ عام فطرتِ بشری اور اس
کے مقتضائے طبعی کا بیان اُوپر ہو چُکا۔ اب ذکر اُن خوش نصیبوں کا ہے جنہیں ایمان وتقویٰ کی تربیت مِل چکی ہے۔ یہ ایسے نہیں ہوتے۔ ہر زوالِ نعمت کے وقت صبر وتسلیم سے اور حصُولِ
نعمت کے وقت شُکر وطاعت سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ف۱۵ (رسُول معصوم سے اس کا وقوع ممکن کیونکر ہے)۔ لَعَلَّ۔ کے عام معنیٰ توقع و ترجی کے ہیں۔ اس صُورت میں بے

اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ
انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اور پھر اُسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ نا اُمید (و)
كَفُوْرٌ ۞۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ
ناشکر ہو جاتا ہے۱۲ اور اگر ہم اس کو بعد تکلیف کے جو اُسے واقع ہو چکی ہے کسی نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو
ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۞۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ
وہ کہنے لگتا ہے کہ میرا دُکھ درد رخصت ہو گیا بیشک وہ بڑا اترانے والا ہے بڑا شیخی بگھارنے والا ہے۱۳ بجز اُن لوگوں کے
صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
جو صبر کرنے والے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں یہی لوگ تو ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا
كَبِيْرٌ ۞۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ
اجر ہے۱۴ سو (ان کو یہ اُمید لگی ہوئی ہے کہ) شاید آپ کچھ حصہ اس میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف
بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ
وحی کیا جاتا ہے۱۵ اور آپ کا دل اس سے تنگ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل
مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
ہوا یا اس (شخص) کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ تو بس ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی
وَّكِيْلٌ ۞۱۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ
ہے۱۶ کیا یہ کہتے ہیں کہ (آپ نے) اسے گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم بھی دس
سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
سُورتیں اسی کی مثل گڑھی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم

تکلف توجیہ کلام یہ ہوگی کہ یہ کافر اور منکر آپؐ سے اس جزئی ترکِ تبلیغ کی لَو لگائے بیٹھے ہیں۔ ای یظن بک الناس ~~ذٰلک (رغب) ای انک بلغت من التھالک علی ایمانھم مبلغًا یرجون ان تترک بعض ما یوحیٰ الیک~~ (ابو البقاء) اور یہ آپؐ کے لئے عصمتِ رسالت کی بنا پر ممتنع ہے تو آپؐ کو چاہیئے کہ آپ بابِ تبلیغ میں اور زیادہ مستعد و باہمت ہو جائیں۔ والمقصود من ذٰلک ~~تحریضہ صلعم و تھییج داعیتہ لاداء الرسالۃ~~ (رح) باقی لعل کا استعمال محاورۂ عرب میں علاوہ ترجی کے موقع بتعید پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی اظہارِ بُعد کے لئے اس صُورت میں مفہوم صاف یہ ہوگا کہ آپ بھلا اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ آپؐ ہرگز اسے ترک نہ کیجیئے گا۔ ~~قیل ان لعل ھنا لیست للترجی بل ھی للتبعید وقد تستعمل لذٰلک کما تقول العرب لعلک تفعل کذا لمن لا یقدر فالمعنی لا تترک~~ (روح) ~~المراد ھا الزجر والعرب تقول للرجل اذا ارادوا ابعادہ عن امر لعلک تقدر ان تفعل کذا مع انہ لا شک فیہ~~ (کبیر) ف۱۶ (نہ کہ اس کا برگزیدہ بندہ اور رسُول) آیت میں اہلِ جاہلیت کے جہل اور دنیا کی عام غلط فہمی کے رفع کرنے کو ایک بار پھر یہ صاف صاف بتایا کہ خُدا اور فرستادۂ خُدا کے حدود الگ الگ ہیں رسُول کا کام تو محض پیامِ الٰہی صداقت و دیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کو بہم پہنچانا یہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں یہ امُور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسُول یا نبی کی بھی دسترس میں نہیں۔ لَوْلَا ...... مَلَكٌ اہلِ جاہلیت نے رسُولؐ کے اصل پیام اور تعلیمات پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ فرمائش ایسے ہی اعجوبوں اور خوارق کی کی ہے۔ ضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ مصلحِ اعظمؐ
کی طبع لطیف وفطرتِ سلیم کا ایسی بے جا فرمائشوں سے گرانی محسُوس کرنا ایک بالکل امرِ طبعی تھا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ کلمہ اِنَّ کے حصر نے اسے خوب واضح کر دیا کہ رسُول کے اختیار
میں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ تو تمام تر ایک مبلغ و منادی ہوتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائیوں سے کام لینے والے مشائخ وصُوفیہ، کاش قرآن مجید کی ان تصریحات کو فضُول
اور بے معنی نہ سمجھیں۔ اِفْتَرٰىهُ ~~ضمیر ہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی جانب ہے~~۔ مِّثْلِهٖ میں مثلیت زبان وحُسنِ بیان، معنویت وخوبیٔ مضامین ہر اعتبار ولحاظ سے ہے بلحاظ
معنویت چیلنج ساری دُنیا کے لئے ہے اور بہ لحاظ ادب و انشاء اہلِ عرب کے لئے۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ۔ سورۂ ہُود مکّی ہے اُس وقت تحدّی دس سُورتوں کی بابت رکھی گئی۔ سورہ بقرہ جو
اس سے بہت متأخر اور مدنی ہے۔ اُس میں بہ مقدار دسویں حصّہ تک گھٹا کر صرف ایک سُورت تک لے آئی گئی ہے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ گویا آخری چیلنج ایک ہی سُورت کا ہے۔

ف۷ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ، حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی سامان رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کی ربوبیت اور صفت علم کا احاطہ کون کرسکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق کی طرف سے غافل و بے فکر ہو جائے بلکہ مُراد یہ ہے کہ تکیہ اسباب پر نہ کرے، سبب کا مبدأ، مرجع و منتہا اللہ ہی کو سمجھے۔ ہے دَآبَّۃٍ کے معنی مطلق جانور کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر قسم کے حیوان پر ہوتا ہے۔ قال الزجاج الدابۃ اسم لکل حیوان واطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر) یہاں بھی اپنے اسی وسیع مفہوم میں ہے اور اس پر اکابر تفسیر کا اتفاق ہے۔ والمراد بھذا اللفظ فی ھذہ الآیۃ الموضوع الاصلی اللغوی فیدخل فیہ جمیع الحیوانات وھذا متفق علیہ بین المفسرین (کبیر) عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ ای واجب علی اللہ بحسب الوعد والفضل والاحسان (کبیر) ورنہ حقیقۃً تو کوئی شے بھی حق تعالیٰ کو پابند نہیں بنا سکتی۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مُسبّب اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بدون اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں حاصل یہ کہ وثوق اور ربطِ قلب بس حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا
اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اُس کا رزق نہ ہو ف۷
وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۗ كُلٌّ فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶
اور وہ ہر ایک کے زیادہ رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر چیز کتاب میں درج ہے ف۸
وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا
وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ
اور اُس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے بہترین کون ہے ف۹
وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ
اور اگر آپ (اُن سے) کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد اُٹھائے جاؤگے تو جو لوگ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا
کافر ہیں ضرور کہہ اُٹھیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰ اور اگر ہم اُن پر سے
عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا
عذاب ملتوی رکھیں کچھ مُدت تک تو کہنے لگتے ہیں کہ (آخر) کیا چیز اسے
يَحْبِسُهٗ ۗ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ
روک رہی ہے سُن رکھو جس دن وہ اُن پر آہی پڑیگا تو ان سے ٹل کر نہ رہیگا اور جس (عذاب)
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع ۱ وَلَئِنْ
کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں وہ انہیں آ ہی گھیرے گا ف۱۱ اور اگر ہم

ف۸ (اور اسی صحیفہ علم الٰہی کا دُوسرا نام لوح محفوظ ہے) مُسْتَقَرّ اور مُسْتَوْدَع کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ماثور کوئی بھی نہیں اور نہ ماہرینِ لغت ہی کا کسی ایک مفہوم پر اتفاق ہے۔ ترجیح اُسی مفہوم کو ہے جو ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا

ف۹ یہاں یہ تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی جو کل سلسلۂ حیات و کائنات کا ایک بہت مختصر و محدود حصّہ ہے اس کی آفرینش کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ کر کے نیکوں کو حشر میں انعام سے سرفراز کیا جائے۔ ایام عرش..... یوم اور عرش دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں جن میں دکھایا جا چکا ہے کہ اس قبل آفرینش والے یوم سے مُراد یہ بعد آفرینش والا ۲۴ گھنٹے کا دن رات تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس سے مُراد صرف چھ حالتیں یا چھ مختلف زمانے ہیں۔ علیٰ ہذا عرش سے مُراد کوئی بچھا ہُوا مادّی تخت نہیں بلکہ تختِ حکومت ہی مُراد ہو سکتا ہے۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ آسمان و زمین اور سارا نظامِ کائنات سب حادث و مخلوق ہیں اُن کو قدیم اور معبود سمجھنے والے، انہیں دیوی دیوتا قرار دینے والے، اُن کی پُوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سُن لیں کہ یہ سب اسی قادرِ مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہ تھے اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مانا لیکن جب یہ کچھ عالم و مافی العالم تھا ہی نہیں تو پھر آخر خُدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کس پر تھی؟ اسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک اس کی حکومت قدیم ہے۔ وہ اس عالم سے قبل اُس عالم پر تھی جو اُس وقت موجود تھا یعنی عالم آب! كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک دُوسری جگہ یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا ہے کہ اس کائنات کی جاندار مخلوق کا مادۂ حیات پانی ہی ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء) لِيَبْلُوَكُمْ کا نحوی تعلق خلق سے ہے یعنی آفرینش کی غرض و غایت یہی امتحان آزمایش اور جانچ ہے۔ اللام التعلیل متعلقۃ بخلق ای خلقھن لحکمۃ بالغۃ وھی ان یجعلھا مساکن لعبادہ وینعم علیھم فیھا بفنون النعم ویکلفھم الطاعات واجتناب المعاصی فمن شکر واطاع اثابہ ومن کفر وعصی عاقبہ ولما اشبہ ذلک اختبار المختبر قال لیبلوکم یرید لیفعل بکم ما یفعل المبتلی لاحوالکم کیف تعملون (کشاف)

ف۱۰ (جو مؤثر تو ضرور ہے لیکن حقیقت و صداقت سے خالی) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی جو لوگ عقیدۂ بعث و حشر کے منکر ہیں۔ منکر و مومن کے درمیان یہی تو بڑا فرق ہے کہ مومن اپنے ہر "آج" کا دامن "کل" سے وابستہ سمجھتا ہے۔ هٰذَا یعنی وہ کتاب جو اس عقیدۂ حشر کی تبلیغ کر رہی ہے یا خود یہ عقیدہ ہی۔ اشارۃ بھذا الی القرآن لان القرآن ھو الناطق بالبعث ... او الظاہر الاشارۃ بھذا الی القول ... ای القول بہ او القرآن المتضمن لذکرہ (بیضاوی) سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی یہ کلام ہے تو باطل ہی اور غیر خدائی لیکن بڑا مؤثر ——— بجنسہٖ اسی خیال باطل کی ترجمانی "عقلاء فرنگ" فرماتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنے کلام اور عمل سے انقلاب تو عظیم الشان پیدا کر دیا ہے اصلاحیں بھی بہت کچھ کر دیں لیکن تھے وہ ایک خود ساختہ ہی نبی بڑے زمانہ شناس، بڑے صاحبِ تدبیر!

ف۱۱ جاہلی ذہنیت پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ یہ بھی عجب اُلٹی سمجھ کے لوگ ہیں جس عذاب کے یہ ہر طرح مستحق ہیں، اُسے ہم عارضی طور پر روکتے تو اپنی کسی حکمت و مصلحت سے ہیں اور یہ لگتے ہیں طنز و تعریض کے ساتھ مسلمانوں سے دریافت کرنے کہ آخر اس عذاب موعود میں دیر ہی کیا ہے ہم پر آ کیوں نہیں پڑتا؟ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ یہ ارادی تاخیر کسی نہ کسی مصلحت و حکمت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ لَيَقُوْلُنَّ ان کا یہ قول محض استفسار نہیں ہوتا انکار و استہزاء ہی سے ناشی ہوتا ہے۔ الى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ اُمّۃ یہاں اپنے مجازی معنیٰ میں یعنی حصۂ وقت کے مرادف ہے۔ معناھا الی حین ووقت معلوم (بحر) ابن عباسؓ صحابی سے لے کر مشاہیر تابعین اور اکابر مفسرین سب نے یہی معنی لئے ہیں۔ الامۃ ھنا المدۃ من الزمن قالہ ابن عباس وقتادۃ ومجاھد والجمہور (بحر) يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ سے مُراد اس عذاب کا وقت موعود ہے۔ حَاقَ صیغہ ماضی ہے حالانکہ ذکر عذاب مستقبل کا ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر صیغۂ ماضی لانا کمال تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اخبر عن احوال القیامۃ بلفظ الماضی مبالغۃ فی التاکید والتقریر (کبیر) وضع الماضی موضع المستقبل تحقیقا ومبالغۃ فی التھدید (بیضاوی)

۲ یعنی اس کتاب حکیم وخبیر کا سب سے اہم و مقدم مضمون یہی ہے۔ ۳ یعنی مُدت حیات تک۔ آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تقویٰ وطہارت کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش کچھ گھٹ نہیں جاتا بلکہ یہ صالحانہ زندگی حصول راحت وسکون میں اور معین ہی ہوتی ہے۔ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یعنی کفر وشرک وغیرہ کے گناہوں سے معافی چاہو۔ اور ایمان صحیح اختیار کرو۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یہ رجوع اللہ کی طرف طاعت، عبادت، عمل صالح کے ذریعہ سے رہنا چاہیئے۔ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نظام صالح کے ماتحت صالحانہ زندگی گذارنا دنیوی عیش وراحت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔ ۴ (آخرت میں) یعنی جو عالی ہمت طالبانِ حق ہیں، انہیں آخرت میں مرتبے بھی انہی کی جانکاہیوں کے مطابق ملیں گے۔ اور جس طرح طاعت وتقویٰ کی کوئی حد معین نہیں، مراتب اُخروی کی بھی کوئی حد ونہایت نہیں۔ اور فضل سے مُراد موجباتِ فضل ہی لی گئی ہے کہ موجباتِ فضل بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ ~~[illegible]~~ ذِیْ فَضْلٍ سے مُراد عمل میں صاحب فضل ہے۔ (جلالین) ~~[illegible] فضل فی العمل~~ ۵ (تو پھر ایسے قدرت لامحدود والے کو ماننے کے بعد تمہیں نظام آخرت اور سلسلۂ جزا کی کسی کڑی پر بھی حیرت کیوں ہے؟) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ۔ یعنی آخری واسطہ اسی ایک سے پڑنا ہے نہ کہ کسی اور سے ~~ترکیب کلام کلمہ حصر کی ہے۔ [illegible]~~ فخر المفسرین فخر رازیؒ نے آیت مذکور کے تحت میں جو نکتہ سنجی کی ہے، اُس کے لئے اصل تفسیر کبیر ہی مطالعہ کر لی جائے۔

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ
حکیم باخبر کی طرف سے ہے ۲ (اس مضمون کے ساتھ) کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اللہ کے، میں تم کو اُس
مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری سُنانے والا ہوں، اور (یہ مضمون بھی ہے) کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ
چاہو، پھر اُس کی طرف رجوع کئے رہو وہ تمہیں خوش عیشی دیگا ایک وقت مقرر تک ۳ اور
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ
ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اُس کا زیادہ (اجر) دے گا ۴ اور اگر تم
تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③
رُوگردانی کرتے رہے تو مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، تم
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④
(سب) کی واپسی اللہ ہی کی طرف (ہونا) ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۵
اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ
سُنو سُنو، وہ لوگ اپنے سینوں کو دُہرا کئے دیتے ہیں تاکہ (اپنی باتیں) اللہ سے چھپا سکیں
اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
سنو سنو! وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں (اُس وقت بھی) وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں،
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤
اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ (ان کے) دلوں کے اندر (کی باتوں) سے خوب واقف ہے،

۶ منافق اور کافر اللہ کی اس صفت عالم الغیبی کو برابر بھولے رہتے ہیں، ورنہ اُن کی ہمت بھی سازشوں کی نہ پڑے۔ قرآن بار بار اسی کا استحضار چاہتا ہے۔ اِنَّهُمْ ... مِنْهُ۔ رسُول اللہ صلعم کو بھی ہر مزاج وطبیعت و ہر ذہنیت کے مخالفین سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک گروہ ان "عقلمندوں" میں ایسا بھی تھا کہ جب یہ لوگ آپس میں چُپکے چپکے اسلام اور رسُولِ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تو ان سرگوشیوں کے وقت افراطِ سعی اخفار میں اس اس طرح سمٹ سمٹ کر رہتے کہ گویا اپنے سینوں کو دُہرا کئے ڈالتے ہیں۔ اور کپڑا اپنے اُوپر الگ ڈالتے چلے جاتے! ——— قرآن مجید نے اُن کی اسی ہیئت کذائی کو بے نقاب کر دیا اور ان پر گرفت یہ کی کہ کیا تمہاری یہ رازداری حق تعالیٰ عالم الغیب کے مقابلہ میں بھی چل جائے گی! ~~[illegible] قالوا اذا [illegible]~~ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر اس آیت کا مراقبہ عادۃً جاری رکھے۔ اور اپنی ہر خلوت ومجلس اور خطرۂ قلب وحدیث نفس میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر یقین کرے اور یہ سمجھے رہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تو گناہ کی جرأت ہی شاید نہ ہو سکے ——— تقویٰ کی اصل بنیاد ہی اللہ کی عالم الغیبی کا استحضار ہے +

يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ

اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کردے، اور وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۶۰

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

آپ کہہ دیجئے اے لوگو، تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے پہنچ چکا ۱۶۱

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

سو (اب) جو کوئی راہِ ہدایت پر آجائے گا سو وہ بس اپنے ہی لئے ہدایت پائیگا اور جو کوئی بھٹکا رہیگا

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ ؕ

اُس کے بھٹکنے کا (وبال) بھی اُسی پر رہیگا اور میں تمہارے اُوپر ذمہ دار (بنا کر نہیں بھیجا گیا) ہوں ۱۶۲

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ

اور آپ اُس کی پیروی کئے جائیے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور صبر کئے رہیئے، یہاں تک کہ اللہ

ع ٦ ١١ ١٦

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ۧ

فیصلہ صادر کردے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۱۶۳

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ہود مکی ہے اور اس میں ایک سو تیئس آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع (ہے)

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الف لام را، یہ ایک کتاب کہ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں ۱ ایک

۱۶۰ اللہ کے یہ صفات کمال جو ہر مسلمان کے نزدیک ایک معلوم و معروف و مسلّم حیثیت رکھتے ہیں، غیر مسلم ہمیشہ انہی صفات کے باب میں ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ اور آج بھی خدا معلوم کتنے انہی چکروں میں پڑے ہوئے ہیں

۱۶۱ (دلائل و شواہد کے ساتھ) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی یہی پیامِ قرآنی اور وحیِ الٰہی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ایک بار پھر عام نسلِ انسانی سے ہے۔ پیامِ قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل۔

۱۶۲ شخصی ذمہ داری اور انفرادی جوابدہی کی ایک اور تاکید ——— کفارہ، توسل وغیرہ جو دوسرے مذاہب کی عین جان ہیں، ان پر ایک اور ضرب۔

۱۶۳ (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا میں اُس نے فیصلہ آگے چل کر حکم جہاد و قتال کی صورت میں صادر کردیا۔ وَاصْبِرْ۔ یعنی منکرین مکذبین کی اذیت رسانی پر صبر کرتے رہیئے۔

۱ (اور متکلم کی حکمت اور باخبری کا ظہور کلام کے ایک ایک جزء سے بھی قدرۃً ہو رہا ہے) اُحْكِمَتْ۔ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں دلائل و شواہد کے ساتھ۔ ثُمَّ کا مفہوم اس سیاق میں اردو میں پوری طرح "مزید برآں"، یا "اور اس پر یہ کہ" سے واضح ہوگا۔ ثُمَّ کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ آیتیں پہلے مضبوط کی گئیں اور اس کے بعد اُن کی تفصیل کی گئی بلکہ مُراد یہ ہے کہ ان میں قوت و پختگی و استحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل و وضاحت کا ہے۔ ~~لیس معناها~~

~~التراخی فی الوقت ولکن فی الحال کما تقول~~
~~ھی محکمۃ احسن الاحکام ثم مفصلۃ احسن~~
~~التفصیل (کشاف) ثم جاءت لترتیب~~
~~الاخبار لا لترتیب الوقوع فی الزمان (بحر)~~

ع ۱۱/۱۰ ۱۵

نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ

نجات دیا کرتے ہیں (یہ) ہمارے ذمہ ہے[۱۵۵] آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے

شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ

اشتباہ میں ہو[۱۵۶] سو میں ان (معبودوں) کی عبادت نہیں کرتا، جن کی عبادت تم کرتے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ‌ۖ‌

رہتے ہو اللہ کے سوا بلکہ میں (تو) اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے[۱۵۷]

وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنۡ اَقِمۡ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی ایمان لانے والوں میں ہوں اور یہ کہ اپنا رُخ

وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾

دین کی طرف خالصۃً کر لینا اور کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا[۱۵۸]

وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ‌ ۚ

اور اللہ کے علاوہ (کسی اور) کو نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے

فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ‏ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنۡ

پھر اگر تو نے (ایسا) کیا تو یقیناً تو ظالموں میں ہو جائے گا[۱۵۹] اور اگر

يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ ۚ وَاِنۡ

اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو کوئی اس کا دُور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے اور اگر

يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ‌ ؕ يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ

وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کا ہٹانے والا نہیں، وہ

۱۵۵ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار مختلف پیرایوں میں واضح کیا ہے کہ عذاب الٰہی جب آتا ہے صرف کافروں اور منکروں پر آتا ہے۔ اور مومنین اس سے بچا لئے جاتے ہیں ——— اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ تکوینی حادثے جن میں مومن و کافر سب بلا امتیاز و تفریق یکساں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قحط سیلاب، وبا، یہ ہرگز صحیح معنیٰ میں "عذاب الٰہی" نہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں نمونۂ عذاب الٰہی کہا جا سکتا ہے۔ ثُمَّ۔ ربط کلام انہی پچھلی ہلاک شدہ قوموں سے ہے۔ نُنَجِّىۡ۔ یعنی اس عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔ **۱۵۶** (اور تم پر یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ جس دین کی دعوت میں دے رہا ہوں وہ اصلاً اور اپنی روح و مغز کے اعتبار سے ہے کیا) **۱۵۷** یہاں داعیٔ اسلام کی زبان سے اصلی و اساسی فرق دین اسلام و دین جاہلیت کے درمیان بیان کر دیا ہے۔ ارشاد یہ کرایا جا رہا ہے، کہ اگر اب بھی ابہام و اشتباہ باقی ہے تو سُن لو کہ بنیادی فرق میری دعوت اور تمہارے دینِ جاہلیت کے درمیان یہ ہے کہ تم سب شرک میں مبتلا ہو اور کسی نہ کسی صورت میں غیر اللہ کو معبود بنائے بیٹھے ہو اور میری دعوت خالص توحید کی ہے۔ میں اُس خدا کی عبادت کی طرف بُلا رہا ہوں جو مطلق الاختیار ہے، تمہاری موت و زندگی دونوں پر حاکم ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ۔ بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خالق کسی اور کو سمجھا ہے۔ اور موت و ہلاکت کا دیوتا کسی اور کو، عجب نہیں کہ مشرکین عرب بھی کچھ اسی قسم کے عقائد میں مبتلا ہوں۔ اور یہ نہ ہو جب بھی يَتَوَفّٰٮكُمۡ یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے لا رہا ہے کہ موت تمام تر اسی خدائے برحق کے ہاتھ میں ہے۔ سابقہ اسی سے پڑنے والا ہے، ڈرنا اُسی سے چاہیئے۔ **۱۵۸** اَنۡ اَكُوۡنَ سے لے کر مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ تک برابر اسی مضمون کا بیان رسُول کی زبان سے ہے کہ میری حیثیت واضعِ قانون کی نہیں صرف حاملِ قانون کی ہے، جو قانونِ حیات لیکر میں آیا ہوں خود بھی اسکے دائرۂ نفاذ سے مستثنیٰ اور مافوق نہیں ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے تو خود ہی اُس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ سے بہ قاعدۂ اشارۃ النص علماء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے، جو معیتِ مومنین میں اتباعِ نبی سے حاصل ہو، نہ وہ جو محض استدلال نظری و فلسفی سے حاصل ہو جائے۔ **۱۵۹** (اے مخاطب) خطاب یہاں عام ہے ہر ناظرِ قرآن سے۔ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔ اس کے تحت میں ساری مخلوقات آگئی۔ نفع رسانی و ضرر رسانی حقیقۃً غیر اللہ میں سے کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں۔ اَلظّٰلِمِيۡنَ۔ یعنی اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والے۔

ف۱۴۷ (لیکن بے شمار تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے مشیتِ الٰہی نے اس عالم کو عالمِ ابتلا ہی رکھا ہے اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر و مجبور نہیں کیا ہے) للاختلاف لکونہ مخالفا للحکمۃ التی علیہا بناء اساس التکوین والتشریع (بیضاوی) اے لاضطرھم الیہ (قرطبی) کلھم تاکید کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک من فی الارض کی تاکید کے لئے اور بعض کے نزدیک جمیعا کی تاکید کے لئے۔ ف۱۴۸ اس میں رسول اللہ صلعم کو تسکین و تسلی دی گئی ہے کہ آپ سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم و محزون نہ ہوں۔ یہیں سے بعض علمائے محققین نے یہ نکالا ہے کہ کافی تبلیغ کے بعد پھر نتائج کے درپے ہونے اور ثمرات تبلیغ کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ ف۱۴۹ اِذن آیت میں مشیت و توفیق کے معنی میں ہے۔ اے بمشیتہ او بعصابہ او بتوفیقہ (ملک) الا بفضلہ وقدرہ و مشیتہ و ارادتہ (قرطبی)

اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ

تک کے لئے خوش عیشی دی۔ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے

كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا

سب ایمان لے آتے ف۱۴۷ سو کیا آپ لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں جس میں وہ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ

ایمان لے ہی آئیں ف۱۴۸ اور کسی شخص کو (یہ قدرت حاصل) نہیں کہ وہ ایمان لے آئے بجز اللہ کی

اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾

مشیت کے ف۱۴۹ وہ گندگی واقع کراتا ہے انہی لوگوں پر جو عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۱۵۰

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِى

آپ کہہ دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ف۱۵۱ اور کوئی بھی نشانیاں

الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ

اور ڈراوے ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے ف۱۵۲ سو وہ تو بس

يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

ان لوگوں کے لئے حوادث کا جو ان کے قبل گزر چکے ہیں انتظار کر رہے ہیں ف۱۵۳

قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم انتظار کئے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۱۵۴ پھر

نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا

ہم اپنے پیمبروں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان والے تھے بچا لیتے تھے (اسی طرح ہم (سب) مومنوں کو

ف۱۵۰ یعنی اس کی مشیت صرف انہی لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے، جو اپنی عقل و فہم خداداد سے کام نہیں لیتے، اور حق کے قبول و اتباع کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اس قسم کی آیتوں نے بار بار اسی حقیقت کو صاف کر دیا ہے کہ کسی کے ایمان و ہدایت کی راہ میں اصلا رکاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوتی صرف انسان کی اپنی کج نظری اور بدنفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ الرِّجس۔ یعنی کفر و بدعقیدگی کی گندگی (رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے معنی کفر کے ہیں۔ الرجس الذی یقابل الایمان لیس الا الکفر (کبیر) ف۱۵۱ (حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور صنعت پر دلالت کرنے والی)۔ انظُرُوا یعنی چشمِ بصیرت سے دیکھو، سوچو اور غور کرو۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے، قرآن تو خود دعوت تکوینیات میں غور و فکر کرتے رہنے کی دیتا رہتا ہے۔ اے تفکروا (جمعی) امر بالنظر والاستدلال فی الدلائل حتی لا یتوھم ان الحق ھو الجبر المحض (کبیر) انظُرُوا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلق پر حق کے لئے نظر کرنا نظر الی الحق کا منافی نہیں۔ ف۱۵۲ یعنی ایمان لانا چاہتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دلائل حق پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے ان کے حق میں سارے ہی ترغیبی و ترہیبی دلائل و شواہد لاحاصل ہیں۔ النُّذُرُ۔ نُذُر جمع نذیر کی ہے اور نذیر یہاں مصدر انذار کے مرادف ہے۔ المنذر الرسل المنذرون او الانذارات (کبیر) والنذر جمع نذیر بمعنی منذر او بمعنی انذار ای الانذارات (روح) جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا کہ انواع و اقسام کے ارادے اس میں شامل ہو جائیں۔ جمع لارادۃ الانواع (روح)

مِنْ قَبْلِهِمْ۔ خلوا کے لفظ میں قبلیت کا مفہوم تو خود ہی شامل ہے۔ پھر جو مِنْ قَبْلِهِمْ کا اضافہ آیا ہے اس سے مقصود ایک تو تاکید ہے دوسرے یہ اشارہ بھی کہ یہ موجودہ منکرین بھی عنقریب اس طرح گزر جائیں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ گزر چکے ہیں۔ معنی خلوا جیء بہ للتاکید والایماء بانھم سیخلون کما خلوا (روح) ف۱۵۳ یعنی ان موجودہ منکروں اور معاندوں کے وجود سے تو بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ سابق ہلاک شدہ قوموں کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں! هَلْ يَنْتَظِرُوْنَ۔ یعنی دلالت حال سے تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اَيَّامِ۔ محاورۂ عرب میں ایّام کا اطلاق اہم ترین شدید ترین واقعات و حوادث پر ہوتا ہے۔ الایام ھنا بمعنی الوقائع والحروب تسمی العذاب ایاما والنعم ایاما کل ما سلف لک من الخیر او الشر فھو ایام (قرطبی) ای وقائع اللہ تعالیٰ فیھم کما ان منھا استعمال الایام فی الوقائع کقولھم ایام العرب وھو مجاز مشھور من التعبیر بالزمان عما وقع فیہ (روح) الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ پرقوت و شوکت و نافرمان و سرکش قومیں جو ان سے قبل عذاب سے ہلاک و برباد ہو چکی ہیں، ان میں سے بہتوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہا۔ المراد المشرکون من الامم الماضیۃ (روح) ف۱۵۴ (عنقریب یہ واضح ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے)۔

۱۴۰ اسرائیلیوں، فرعونیوں وغیرہ کی حکایات اور تاریخ سے متعلق) ذکر ابھی بالکل متصل اسرائیلی تاریخ کے بعض اجزاء اور فرعونیوں کی سرگزشت کا آیا ہے۔ اس لئے مما انزلنا الیک کا تعلق بھی انہی قصص ثابت ہی سے متعلق معلوم ہوتا ہے اور مفسرین قدیم بھی یہی سمجھے ہیں۔ ~~ای من القصص~~ (بیضاوی) ~~ای من القصص المنزلة الیک التی من جملتها قصة فرعون وقومه واخبار بنی اسرائیل~~ (روح) لیکن اگر یہ محدود معنی نہیں بلکہ وہ وسیع معنی مُراد لئے جائیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں یعنی کُل مضامین کتاب میں شک جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ قرآن نے تو یہ بات محض بہ طور فرض و احتمال کے کہی ہے اور قرآن نے اس سے بڑھ بڑھ کر احتمالات یعنی محال محض چیزوں کے امکانات، اسی ترکیب کلام کے ساتھ پیش کئے ہیں، مثلاً خدائے قدوس کا صاحب اولاد ہونا۔ ان کان للرحمٰن ولد۔ اِن کنت فی شک۔ لازمی نہیں کہ یہ خطاب رسولؐ ہی کے ساتھ سمجھا جائے۔ مخاطب اگر محض انسان سمجھا جائے تو اس کی بھی گنجایش نکل سکتی ہے۔ اور بعض اہل علم نے تقدیر کلام یوں ہی فرض کی ہے۔ ~~ای ان کنت ایها الانسان فی شک مما انزلنا الیک من الهدی علی لسان رسولنا محمد صلعم~~ یہ تقدیر کلام بھی بڑے بڑے ائمہ ادب ولغت سے منقول ہے کہ اے محمدؐ آپ کافر سے کہئے کہ اگر تجھے شک ہو تو الخ۔ ~~قال ابو عمر محمد بن عبد الواحد الزاهد سمعت الامامین ثعلبا والمبرد یقولان ای قل یا محمد للکافر فان کنت فی شک~~ (قرطبی) ۱۴۱ (اُن کی اصلی، غیر محرّف صورتوں میں) مراد یہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کی اصل عبارتیں، انسانی تصرف وتحریف سے الگ کرکے اگر دیکھی جائیں تو وہ بیانات قرآنی کی تمام تر تصدیق وتائید ہی کریں گی۔ ۱۴۲ (اس کے کسی مضمون سے متعلق بھی) نزول قرآن کے زمانہ میں علم وتحقیق کی اجارہ داری گویا یہود ہی کی تھی اور نمبر دوم پر عیسائی تھے۔ یہ دونوں رسولؐ اُمّی کی تکذیب و تضحیک پر بات بات پر تیار وآمادہ رہتے تھے۔ اُدھر قرآن انہی اہلِ علم کے مذہب اور تاریخ سے متعلق پوست کندہ حالات اسی رسولؐ اُمّی کی زبان سے دھڑلّے سے ادا کرا رہا تھا۔ بشر کوئی سا بھی ہو، یہاں تک کہ سیّد البشر بھی، اُس کا ایسے موقعوں پر رُکنا، جھجکنا، بالکل ایک امر طبعی تھا خلق سے بالکل بے جھجک، بے دھڑک ہوکر حقائق کو بے تکان ادا کرنا یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہو سکتا تھا۔ اور اسی سے ملتی ہوئی وہ توجیہ ہے جو فخر المفسرین رازیؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں الوجه الثالث کے ماتحت کی ہے۔ ۱۴۳ (اے مخاطب!) خطاب یہاں عام انسان سے ہے۔ ~~ای الخطاب لکل سامع یجوز علیه الشک~~ (مدارک) ۱۴۴ (اور اُس وقت "معائنہ" عذاب کے بعد ایمان لانا بھی بے سود ہوگا) حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ کلمۂ رب "پروردگار کی بات" سے مُراد اللہ تعالیٰ کا علم تکوینی ہے۔ ~~ای وعیده انهم یصیرون الی العذاب~~ (بحر) ~~ای حکمه وقضاؤه المفسر عند الاشاعرة بارادته تعالیٰ~~ (روح) كُلُّ اٰيَةٍ۔ یعنی توحید ورسالت کے کُل شواہد ودلائل۔ ۱۴۵ (کہ صرف وہی وقت کے وقت ایمان لے آئی اور عذاب دنیوی سے نجات پاگئی) فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ۔ ذکر اُن بستیوں کا ہو رہا ہے جو تکذیب انبیاء کی بنا پر ہلاک و برباد ہوئیں۔

فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ
شک ہو ان (مضامین) کے باب میں جو ہم نے آپ پر نازل کئے ہیں ۱۴۰ تو آپ اُن لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ
آپ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے رہتے ہیں ۱۴۱ بالیقین آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ
طرف سے سچی (کتاب) آچکی ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں ۱۴۲ اور آپ اُن لوگوں
مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ
میں سے ہرگز نہ ہو جائیے جنھوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ورنہ آپ بھی تباہ کاروں میں
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ
(شامل) ہو جائیں گے ۱۴۳ بیشک جن لوگوں کے حق میں آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى
ہے وہ ایمان نہ لائیں گے خواہ اُن کے پاس نشانیاں ساری (کی ساری) آجائیں جب تک کہ
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
وہ عذاب دردناک (نہ) دیکھ لیں گے ۱۴۴ چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ اُس کا
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا
ایمان لانا اُسے نفع پہنچاتا بجز قوم یونس کے ۱۴۵ جب وہ (لوگ) ایمان لے آئے ہم نے
عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ
اُن پر سے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں دُور کردیا اور ان کو ایک وقت (خاص)

فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ۔ یعنی وقوع عذاب سے قبل وہ ایمان لے آتی اور تائب ہوجاتی۔ قَوْمَ يُوْنُسَ۔ یونس سے مُراد پیمبر برحق یونسؑ بن متّیٰ ہیں۔ توریت میں ان کا نام (JONAH) یاونا کرکے آیا ہے اُن کا زمانہ آٹھویں صدی ق،م کے وسط کا ہے۔ ان کا معاصر اسرائیلی بادشاہ یربعام تھا جس کا زمانہ ۷۸۱ ق،م تا ۷۴۱ ق،م ہے۔ باشندہ شہر نینوا کے تھے۔ جو اپنے زمانہ میں اسیریا کی پُرقوت سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ اور آج ملک عراق میں جہاں موصل ہے اُس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ اُس وقت شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا۔ اُس کی قدامت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر حمورابی کے نوشتوں میں ملتا ہے ۲۲۸۵ ق،م میں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۱۴۶ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں بہ اطمینان و بہ فراغت رہنے دیا۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا یعنی وہ ایمان لے آئے ایسے وقت کہ ابھی نزولِ عذاب نہیں ہوا تھا صرف نزول عذاب کی علامتیں دُور سے نظر آتی تھیں۔ ~~قال الزجاج انهم لم یقع بهم العذاب وانما رأوا العلامة التی تدل علی العذاب ولو رأوا عین العذاب لما نفعهم الایمان~~ ~~وقول الزجاج حسن~~ (قرطبی) ~~ای عند ما رأوا امارات العذاب ولم یحل بهم~~ (بحر) كَشَفْنَا ...... الدُّنْيَا۔ یہ نجات کی صراحت صرف عذاب دنیوی سے متعلق ہے۔ باقی ایمان کے بعد نجات اُخروی کا [illegible] متوقع ہوجاتا ہے۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا الخ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مُرید پر کوئی ایسا فیضان ہو جس کی خبر شیخ کو نہ ہو گو وہ فیضان شیخ ہی کی برکت سے ہو۔ جیسا کہ حضرت یونسؑ [illegible] اُمّت کے ایمان کی اطلاع نہ ہوئی، حالانکہ خود وہ ایمان حضرت یونس نبیؑ ہی کی برکات سے تھا۔

۱۳۲ (اور توحید کا اقرار کرتا ہوں، اور رسالتِ موسوی کی تصدیق کرتا ہوں) اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ۔ «بنی اسرائیل کے خدا»، کی تصریح اس لئے کہ وہی تو ایک قوم توحید کی قائل تھی۔ دوسرا نکتہ یہ بھی کہ وہی قوم جو آج تک نظر میں اس قدر حقیر و ذلیل تھی۔ آج تصدیق اُسی کے برسرِحق ہونے کی کرنا پڑ رہی ہے! محض یہ کہنے میں کہ «میں خدائے واحد پر ایمان لایا»، یہ بات کہاں تھی۔ خدائے واحد کی تصدیق میں بڑی رکاوٹ اب تک فرعون اور اُس کے ہم قوموں کو یہی تھی کہ ہم اعلیٰ برتر اور حاکم قوم کے افراد ایسے خدا کا اقرار کیونکر کرلیں جو ہمارے محکوموں اور ہماری رعایا کا خدا ہے۔ ۱۳۳ (تو اب مجھے نجات ملے اس غرق سے بھی اور عذابِ آخرت سے بھی) ۱۳۴ (سو اب نہ ایمان مقبول، نہ نجاتِ آخرت کی کوئی صورت) آٰلْـٰٔنَ یہ اب! جبکہ انکشافِ آخرت شروع ہو چکا اور قبول ایمان کا وقت نہیں رہا۔ ~~[illegible]~~ (مدارک) وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ۔ یعنی عین اس لمحہ سے قبل تک تیری

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ
بولا ۱۳۱ میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں بجز اُس کے جس پر بنی اسرائیل
بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ
ایمان لائے ہیں ۱۳۲ اور میں مسلموں میں (داخل ہوتا) ہوں ۱۳۳ (یہ) اب! حالانکہ
وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾
تو تو سرکشی ہی کرتا رہا قبل تک اور تو مفسدوں (ہی) میں شامل رہا ۱۳۴
فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دینگے تاکہ تو ایک نشان (عبرت) پیچھے آنے والوں کے
اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا
لئے رہے ۱۳۵ اور بے شبہ بہت سے لوگ ہماری (ایسی) نشانیوں سے
لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ
غافل ہیں ۱۳۶ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا اور
صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی
ہم نے انہیں نفیس چیزوں کا رزق عطا کیا ۱۳۷ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک
جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ
کہ اُن کے پاس علم (حق) آگیا ۱۳۸ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن
الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ
اُمور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کردے گا ۱۳۹ پھر اگر (بالفرض) آپ کو

ساری عمر تو ہماری مخالفت و سرکشی و نافرمانی میں گزری اور اب جب مشاہدہ ہمارے عذاب کا ہونے لگا تو اب اقرار تسلیم و اطاعت کو چلا ہے۔ ~~[illegible] عند نزول العذاب والایمان فی [illegible] غیر مقبول~~ (ابن کثیر) مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ مفسد یہاں منکر اور باغی، گمراہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ ~~[illegible]~~ (ابن کثیر) حیرت ہے کہ قرآن کی ان تصریحات کے باوجود بھی بعض صوفیہ غیر محققین کو فرعون کی نجات اور صحتِ ایمان پر اصرار ہے۔ «اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ کسی شخص نے ان کی تصنیف میں الحاق کردیا ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس کی تفصیل موجود ہے»۔ (تھانویؒ) ۱۳۵ (اور تیرے لئے مزید رسوائی و تفضیح کا سامان بنا رہے) فرعون کا ایمان جس طرح عالمِ یاس میں تمام تر ظاہری و صوری تھا، معنی و حقیقت سے خالی، اسی طرح اور اسی مناسبت سے اُس کے جسمِ مُردہ کی نجات بھی اُس کے حق میں تمام تر بے سُود رہی۔ اٰیَةً۔ یہاں ~~عبرت کے مراد~~ ہے۔ ~~[illegible]~~ (روح) ایک غرق شدہ فرعونِ مصر کی نعش ماہرین اثریات کو مدّت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور مؤرخین و ماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا —— رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے۔ اور یا فرعونِ مغروق، اگر کوئی اور ہوا ہے تو ماہرینِ فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اُسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی، ۱۳۶ (اور خود اپنی غفلتوں اور طغیانیوں میں مبتلا ان چیزوں سے ذرا بھی اثر نہ قبول کرنے والے۔ ~~[illegible]~~ (ابن کثیر) ۱۳۷ (اسی مُلک اور وطن میں) مُراد فلسطین و شام کے سرسبز و شاداب علاقے ہیں اور ذکر اب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد کا ہو رہا ہے۔ مُبَوَّاَ صِدْقٍ کے لفظی معنی منزلِ حَسَن اور مکان خوب و دلپسند کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر اچھی چیز کو اسی صفت سے ظاہر کرتے ہیں۔ ~~[illegible]~~ (تاج) مُراد شام و ارضِ فلسطین سے قدیم مفسرین نے بھی لی ہے۔ ~~[illegible] الشام و بیت المقدس [illegible]~~ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ۔ مُلک شام اور اُس کے ملحق علاقے اپنی سرسبزی، شادابی، خوش پیداواری کے لئے شروع سے آج تک مشہور چلے آرہے ہیں۔ توریت موجودہ میں ہے:۔ «میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں .... کی جگہ میں لاؤں۔» (خروج ۳: ۸) آج بھی جغرافیہ کی جن کتابوں اور جن سیاحت ناموں میں چاہیے یہی تفصیلات پڑھ لیجیے۔

۱۳۸ (پہلے اُنہی کے پیمبروں کے ذریعہ سے اور پھر آخر میں نبی آخر الزماں کے ذریعہ سے) فَمَا اخْتَلَفُوْا یعنی راہِ حق سے انحراف نہیں کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ان نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سپاس گزار رہ کر توحید و رسالت کے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے دینِ حق سے اختلاف و انحراف شروع کردیا۔ اور وہ بھی بیاناتِ نبوّت سننے کے بعد۔

۱۳۹ اور وہ فیصلہ عملی، مشاہد و مرئی ہوگا۔ علمی، عقلی، تحقیقی فیصلہ تو اب بھی ہو چکا ہے۔

۱۲۵ (اے موسیٰ کہ اب وقت مخلصی کا نزدیک آگیا) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ - کہ اقامتِ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد تر اپنا فضل کرے گا اور تمہیں جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات دلا دیگا۔ ۱۲۶ لِيُضِلُّوْا میں ل عاقبت کا ہے یعنی تیری ان بخششوں اور انعامات کا نتیجہ یہ ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ تیری بخشش و انعام سے مقصود ہی یہ تھا۔ اگرچہ یہ مفہوم بھی تکوینی اعتبار سے بالکل درست ہو سکتا ہے۔ والاظہر ما قیل فیہا ھو قول الخلیل وسیبویہ انہا لام العاقبۃ والصیرورۃ (قرطبی) اللام لام العاقبۃ لما کانت عاقبۃ قوم فرعون ھو الضلال وقد اعلمہ اللہ تعالیٰ لا جرم عبر عن ھذا المعنی بھذا اللفظ (کبیر) ۱۲۷ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کے نفوس کو باقی ہی کیوں رکھا جائے یہ کفر میں ترقی ہی کرتے جائیں تا آنکہ عذابِ الٰہی کے پوری طرح مستحق ہو کر اس سے ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بدبختوں کی ہلاکت و بربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے موذی جانوروں، سانپ، بچھو وغیرہ کے ہلاک کی تمنا کرنا، پھر حضرت موسیٰؑ پر تو ان کا انجام کشوف ہی ہو چکا تھا، ان کے لیے سوائے ہلاکت ہیں اور بھی کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا تھا اپنی دعوت و تبلیغ اور کوشش و اصلاح سودہ آخر تک جاری رہی۔ ۱۲۸ (اور اب یہ نافرمان ہلاک ہی ہو کر رہیں گے) اس جواب کے صیغۂ تثنیہ سے معلوم ہوا کہ دعا میں حضرت ہارونؑ بھی شریک تھے۔ بلاغتِ قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق سے از خود روشن ہو جائیں قرآن اُن کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ ۱۲۹ (ہمارے دعووں کے برحق اور قطعی ہونے کا، گو ان کا ظہور بہ توقف و بتاخیر ہو) فَاسْتَقِيْمَا - یعنی اپنے فرضِ منصبی پر قائم رہو اور دعوت و تبلیغ میں بدستور لگے رہو۔ لَا يَعْلَمُوْنَ - یعنی ہماری حکمت تاخیر و مصالح توقف سے بے خبر ہیں۔ لا یعلمون صدق الاجابۃ وحکمۃ الامہال (مدارک)

قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾
نماز گاہ قرار دے لو ۱۲۴ اور نماز کی پابندی رکھو اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے ۱۲۵
وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ
اور موسیٰ نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار تُو نے فرعون اور اُس کے
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا
سرداروں کو (سامان) تجمل اور (طرح طرح کے) مال دنیوی زندگی میں دیئے ہی تھے اس نتیجہ کے ساتھ
لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ
کہ اے پروردگار وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں ۱۲۶ اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نابود کر
وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا
دے اور ان کے دلوں کو (اور زیادہ) سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا
دردناک کو دیکھ لیں ۱۲۷ (اللہ نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی ۱۲۸
فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾
سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو، اُن لوگوں کی راہ نہ چلنے لگنا جو علم نہیں رکھتے ۱۲۹
وَ جٰوَزْنَا بِبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ
اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار کر دیا پھر فرعون اور اُس کے لشکر نے ظلم و
وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ
زیادتی (کے ارادہ) سے اُن کا پیچھا کیا ۱۳۰ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو

۱۳۰ (کہ انہیں پکڑیں، سزا دیں، قتل کریں) بنی اسرائیل کے اس سفرِ بحری اور فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ الٓمّٓ میں گزر چکے۔ بَغْيًا وَّ عَدْوًا - یعنی جو سرتاسر ناحق پر تھا، کیا از روئے قول اور کیا از روئے عمل۔ بغی کا تعلق قول سے ہے، اور عدو کا عمل سے۔ قال المفسرون بغیا طلبا للاستعلاء بغیر حق فی القول وعدوا فی الفعل (ترطبی) قیل بغیا فی القول وعدوا فی الفعل (معالم) ۱۳۱ (بدحواس و سراسیمہ ہو کر اور ملائکہ عذاب کو معاینہ کرنے کے بعد جیسا کہ ہر کافر و منکر کو موت کے وقت فرشتگانِ عذاب کا معاینہ ہوتا رہتا ہے) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ - اس میں بیان اس امر کا آگیا کہ عمل غرقابی شروع ہو چکا تھا اور ڈوبنے والے کو اب عالم برزخ کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ فآمن حیث لا ینفعہ الایمان (ابن کثیر) ترکت الاصلاح فوقت فرعون وغشیتہ سکرات الموت فقال وھو کذالک (ابن کثیر)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى
پھر موسیٰؑ کی ہر بات کسی (اور) نے نہ مانی بجز اُن کی قوم کے تھوڑے سے لوگوں کے، فرعون اور
خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ
اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت میں نہ ڈال دے اور
وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ
واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا اور واقعی وہ زیادتی کرنے والوں
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
میں سے تھا ۱۲۱ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم والو! اگر تم اللہ پر ایمان
بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
رکھتے ہو تو بھروسہ بھی اُسی پر کرو اگر تم فرماں بردار ہو ۱۲۲
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
وہ بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو تختۂ مشق نہ بنا
لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
ظالم لوگوں کا اور ہم کو اپنی رحمت سے نجات دے
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ
کافر لوگوں سے ۱۲۳ اور ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم
تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ
دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو

۱۲۱ (اس لئے لوگوں کا اتنا ڈر بے جا تھا بھی نہیں) فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰی۔ اٰمَنَ کا صلہ یہاں بجائے ب کے ل (مکسور) کے ساتھ آرہا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ آپ کی بات کی تصدیق نہ کی۔ ذُرِّيَّةٌ۔ یہاں قلتِ عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ بس مُٹھی بھر لوگ۔ فهذا ما القليل العدد (كبير) ابن عباسؓ کا قول منقول ہوا ہے کہ یہ لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اُس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔ قال ابن عباس لفظ الذرية يعبر به عن القوم على وجه التحقير والتصغير (كبير) اور چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ ہے نہیں، اس لئے مقصود تصغیرِ عددی ہی ہے۔ مِّنْ قَوْمِهٖ کی ضمیر نے دو بالکل مختلف معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ مُراد قومِ موسیٰؑ بھی ہو سکتی ہے اور قومِ فرعون بھی۔ پہلی صورت میں مُراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے شروع شروع اسرائیلیوں کی بھی بہت ہی تھوڑی تعداد نے حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کی۔ اور دوسری شق کو مان کر اشارہ اُن چند فرعونی ساحروں کی طرف سمجھا جائے گا جو بعد مقابلہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس عاصی کا ذوق پہلی شق کو ترجیح دیتا ہے۔ سلف سے منقول دونوں قول ہیں۔ الهاء عائدة على موسى (بحر) اى طائفة من ذرية بنى اسرائيل (كشاف) والضمير لموسى كما هو احدى الروايات عن ابن عباس (مدارک) عَلٰى خَوْفٍ۔ خوف کی تنوین شدتِ خوف کے لئے ہے۔ التنوين للتعظيم اى كائنين مع خوف عظيم (روح)

۱۲۲ (اور خواہ مخواہ زیادہ حیران پریشان نہ ہو۔ وہی تمہاری مدد کرے گا) یہ آپ نے اُس وقت فرمایا جب دیکھ لیا کہ حکومتِ فرعونی کے مظالم سے اسرائیلی بلبلا اُٹھتے ہیں

۱۲۳ اسرائیلی مومنین جواب دیتے ہیں کہ بےشک ہمارا بھروسہ تو حق تعالیٰ ہی پر ہے۔ اور پھر معاً مناجات کرنے لگتے ہیں کہ یا الٰہی، جب تک ان کی حکومت مقدر ہے، وہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور پھر اُن کی حکومت ہی کے دائرہ سے ہم کو نکال دے!

۱۲۴ آیت میں قِبْلَةً کا لفظ قرآن کا ایک دشوار ترین لفظ ہے۔ بہر حال قبلہ کے ایک مشہور معنی اس مکان کے ہیں جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ في التعارف صار اسمًا للمكان المقابل المتوجه اليه للصلوٰة (راغب) یہ معنی لے کر مُراد یہ ہوگی کہ گو اُمت میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے کسی ایک متعین مکان کی طرف عبادت کا رُخ ضروری ہے لیکن تمہارے لئے حالاتِ موجودہ میں یہی کافی ہے کہ اپنے گھروں میں اُنہی کی طرف رُخ کر لیا کرو۔ لیکن یہاں معنی علی العموم "نماز کی جگہ"، یا مصلیٰ کے لئے گئے ہیں۔ اى مصلى (بیضاوی) اور مُراد حکم سے یہ ہے کہ نمازیں اپنے اپنے گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔ اى صلوا فى بيوتكم (كبير) كانوا خائفين فأمروا ان يصلوا فى بيوتهم (ابن كثير) اور عجب نہیں جو مظالم فرعونی میں سے ایک چیز یہ بھی رہی ہو کہ بنی اسرائیل اپنی اپنی عبادت گاہوں تک نہ پہنچنے پائیں۔

۱۱۵ ملاحو - یعنی آخری اور مستقل کامیابی ساحروں، شعبدہ بازوں کے نصیب میں کہاں؛ ذرا دیر کے لئے وہ گرمیٔ محفل بھی پیدا کریں، لیکن کمالات اخلاق سے وہ عاری اور تزکیۂ
رُوحانی سے ان کا دامن خالی۔ دنیوی اعتبار سے بھی تو کوئی اعلیٰ مستقل کمال اُن میں نہیں ہوتا۔ اَسِحْرٌ هٰذَا - حضرت موسیٰؑ کمال حیرت و حیرانی سے فرما رہے ہیں کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ایسی کھلی
ہوئی صداقتوں کے لئے تمہارے پاس لفظ "سحر" کا ہے؟ جو تمہارے نزدیک بھی ایک بے حقیقت سی شے ہے۔ ۱۱۶ مصری مذہب کے "ہزار دیوتا" مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی
مشرکوں کی طرح مصریوں میں حیوان پرستی بھی جاری تھی۔ گائے، بندر، کتا، بلی وغیرہ اُن کے مقدس جانور تھے۔ اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ وقس

اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ
کہ کیا تم حق کے بارہ میں یہ کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا (واقعی) یہ جادو ہے؟ درآنحالیکہ جادوگر
السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا
(کبھی) فلاح نہیں ۱۱۵ پاتے، وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہٹا دے اُس (طریقہ)
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ
سے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا) کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے ہو جائے
وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
تو ہم تو تم دونوں کو (کبھی) ماننے والے نہیں ۱۱۶ اور فرعون بولا کہ لاؤ
ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ
میرے پاس سارے ماہر جادوگروں کو ۱۱۷ پھر جب جادوگر آگئے تو
قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ
موسیٰؑ نے اُن سے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال چکو ۱۱۸ پھر جب انہوں نے
اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
(رسے) ڈال دیئے تو موسیٰؑ بولے جادو یہ ہے جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو یقیناً اللہ اسے ابھی
سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾
توڑ پھوڑ دے گا یقیناً اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا ۱۱۹ اور
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع ۸ / ۱۲ / ۱۳
اللہ حق کو سچ کر دکھاتا ہے اپنے وعدوں کے موافق خواہ مجرموں کو (کیسا ہی) ناگوار گزرے ۱۲۰

علیٰ ہذا ـــــــ تبلیغ موسوی سے ان سارے
عقائد پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام
محض قومی لیڈر نہ تھے جو اپنی قوم اسرائیل کو "سوراج"
دلانے کے لئے مصری گورنمنٹ سے نامہ و پیام کر رہے
تھے وہ سب سے پہلے توحید و عقیدۂ آخرت کے مناد
تھے، اور پھر کچھ اور۔ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ
فِى الْاَرْضِ- دنیا پرست مادّی زاویۂ نظر رکھنے والا
اپنے نفس پر قیاس کر کے دوسروں کو بھی اسی عینک سے
دیکھتا ہے۔ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ - ایمان یہاں شرعی
اصطلاحی معنیٰ میں نہیں، مُراد صرف بات کا ماننا یا
تسلیم کرنا ہے۔ صلہ بھی اسی لئے ب کے بجائے ل
کے ساتھ آیا ہے ۱۱۷ یہ بادشاہ نے اپنے
اہل دربار و عمّال سلطنت کو حکم دیا ـــــــ
تشخیص چونکہ یہی ٹھیری تھی کہ یہ دونوں نبی بلغ
بڑے ماہر ساحر ہیں اس لئے ان کا زور توڑنے،
ان سے مقابلہ کرنے، انہیں نیچا دکھانے کے لئے
اجتماع بھی ماہرین فن ساحروں کا کیا جائے!
۱۱۸ (اپنے جادو کے سامان میں سے)
فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ - یعنی میدان مقابلہ طے پا گیا اور
جادوگر وہاں جمع ہو لئے۔ امام رازیؒ فرا نحوی
دلنوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ پہلے فرعون اور
فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کے پیام کو سن کر کہا تھا
ہذا سحر۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس قول کے جواب
میں کہہ رہے ہیں کہ سحر وہ تو نہیں تھا یہ البتہ ہے۔
بل ما جئتم به السحر اسی لئے سحر نکرہ کو یہاں
الف لام کے ساتھ لا کر السحر معرفہ کر دیا گیا انما
قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام
سبق (کبیر) ۱۱۹ (جبکہ وہ بنیادی معجزات
انبیاء سے معارضہ کو کھڑے ہوتے ہیں) قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سحر میری وہ دعوت حق نہ تھی جسے فرعون اور فرعونی سحر سے موسوم کر رہے تھے۔ البتہ سحر تو
یہ ہے جسے تم لے کر آئے ہو! اَلسِّحْرُ- یہاں ال کے ساتھ معرفہ کی صورت میں لانا اسی لئے ہے کہ وہ قول فرعون هٰذَا سِحْرٌ (نکرہ) کے جواب میں ہے۔ قال الفراء انما قال السحر بالالف
واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) قال الفراء وانما قال السحر بالالف واللام لان النكرة اذا اعيدت اعيدت بالالف واللام (بحر) قال ابن عطية والتعريف هنا في السحر ارتب
لانه تقدم منكرا في قولهم ان هذا لسحر فجاء هنا بلام العهد (بحر) ۱۲۰ حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کو جو کچھ مدنظر ہے وہ بہرحال و بصورت واقع ہو کر رہیگا، منکرین خواہ کچھ بھی کر
لیں۔ بِكَلِمٰتِهٖ - کلمات کے مفہوم میں کلام اور دلائل و شواہد سب داخل ہیں۔ اے بحجة التى جعلها الله تعالىٰ لكم عليهم سلطانا مبينا (ابن جرير) ای بكلامه وحججه وبراهينه
(ابن کثیر) یہاں مُراد وعدہائے نصرت سے لی گئی ہے۔ ای بوعده النصر لمن جاء به (روح المعانی)

مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا
ہم نے نوحؑ کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انہیں آباد کیا ۱۰۸ اور

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا ۱۰۹ سو دیکھ کہ جو ڈرائے جا چکے تھے

الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا
اُن کا کیا انجام ہوا ۱۱۰ پھر ہم نے (نوحؑ) کے بعد (اور) پیمبروں کو اُن کی قوم

اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا
کی طرف بھیجا سو وہ اُن کے پاس روشن دلائل لے کر آئے مگر یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو انہوں

بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى
نے پہلے جھٹلا دیا تھا اُس پر ایمان لے آتے ۱۱۱ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں

قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۷۴ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى
کے دلوں پر مُہر کر دیا کرتے ہیں ۱۱۲ پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسیٰؑ اور

وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا
ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس، سو انہوں نے تکبر

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
کیا، اور وہ لوگ تھے ہی جرم کرتے رہنے والے ۱۱۳ سو جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچا

عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰى
تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ۱۱۴ موسیٰؑ نے کہا

منزل ۳

(روئے زمین پر) فَنَجَّيْنٰهُ ...... الْفُلْكِ - یعنی نوحؑ اور ہمراہیانِ نوحؑ کو عذاب طوفان و سیلاب سے نجات مل گئی۔ اس طوفانِ عظیم کے آثار قدیم ماہرین سائنس کو آج بھی ارضِ نوحؑ میں مل رہے ہیں۔ یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا۔ اس علاقہ کا رقبہ، موجودہ ماہرینِ اثریات کے تخمینہ کے مطابق ۴۰۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا۔ الْفُلْكِ - کشتیٔ نوحؑ کا طول حسب تصریح توریت ۳۰۰ ہاتھ کا عرض ۵۰ ہاتھ کا اور بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔ گویا یہ کشتی اتنی ہی بڑی تھی جیسے آج کل کے برطانیہ اور امریکہ کے درمیان چلنے والے مسافروں کے جہاز یا (LINERS) عموماً ہوتے ہیں۔ غرقابی قوم نوحؑ کے بعد آپ کے مخلص رفیق پھر اُسی علاقہ میں آباد ہوئے اور انہی سے سلسلۂ نسل آدمؑ چلا۔ نوعِ انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دَور میں صرف اسی سَر زمین کے حدود تک محدود تھی۔ ۱۰۹ یہ بیان کہ خداوند تعالیٰ نے غصّہ ہو کر ساری نسل انسانی کو ہلاک کر ڈالنا چاہا، قرآن کا نہیں، بائبل کا ہے، بائبل ہی میں یہ تصریحات ملتی ہیں کہ :- ”خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا رُوئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں اُن کے بنانے سے پچھتاتا ہوں“ (پیدائش ۶: ۵-۷) اسلام میں تو یہ عقیدہ ہی سرے سے کفر ہے کہ حق تعالیٰ بھی اپنے کسی عمل سے پچھتاتا ہے اور غرقابی کو تو قرآن مجید صراحت کے ساتھ مکذبین حق (الذين كذبوا بآيٰتنا) تک محدود رکھتا ہے ——

یہ ایک الگ بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی آبادی ہی اُس وقت تک بجز قوم نوحؑ کے نہ تھی۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ کو ابھی کل دس ہی پشتیں تو ہوئی تھیں۔ خاندان انسانی اتنے عرصہ میں کہاں تک پھیل جاتا؟ ایک ہی ملک کے اندر سمٹا سمٹایا ہوا تھا۔ غرقابی عام وعالمگیر رہی ہے یا اُسی اُمتِ نوحؑ کے ساتھ مخصوص۔ یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آچکا ہے اور محققین کی اکثریت شقِ ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن و حدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ هل خص به اهل الارض او كان لبعضهم وهم اهل دعوته المكذبين به كما هو ظاهر كثير من الادلة والعلامة قال ابن عطية الراجح عند المحققين هو الثاني وكثير من اهل الارض كاهل الصين وغيرهم ينكرون عموم الغرق (روح) ۱۱۰ یعنی وہ مکذبین منذرین عذاب الٰہی سے کس طرح مٹ کر اور ہلاک و برباد ہو کر رہے! الْمُنْذَرِيْنَ کی یہ تصریح پھر اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے کہ عذاب کی ہدف وہی سرکش و نافرمان قوم ہی تھی۔ فَانْظُرْ - یعنی دیکھ اور سوچ سمجھ اے مخاطب! دیکھنے سے مُراد سیاق میں ظاہر ہے کہ ظاہر کی آنکھوں سے رؤیت کرنا نہیں: بلکہ دل کی آنکھوں سے سبق لینا اور عبرت حاصل کر لینا ہے۔ نظر کا لفظ عربی میں ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں کے لئے عام ہے۔ النظر تقليب البصر والبصيرة لادراك الشيء ورؤيته (راغب) قرآن مجید میں غور و تامل تفحص و تدبر کے معنی میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے اور اُردو محاورہ میں بھی ”دیکھنا“ دونوں مفہوموں کے لئے آتا ہے۔ ۱۱۱ اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔ جہاں ایک بار بھی شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے ”نہیں“ نکل گئی۔ بس آخر تک وہی قائم رہے گی۔ چاہے ہزار شواہد و دلائل نظر سے گزر جائیں۔ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ - یہ سب قومی انبیاء تھے یعنی اُن کے مخاطب اُنہی کے وطن قبیلہ یا قوم کے لوگ تھے۔ انسانیت اُس وقت تک یوں ہی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور رسائل و مواصلات کے موجودہ ذرائع اُس وقت یکسر ناپید تھے۔ ایک عالمگیر پیام ساری نوعِ انسانی کے نام کا وقت ابھی فطرت کی جنتری میں آیا نہ تھا۔ فيه اشارة الى ان عموم الرسالة الى البشر لم يثبت لاحد من اولئك الرسل عليهم الصلوٰة والسلام بل هو ظاهر كلامهم الاجماع على ان ذالك مخصوص بنبينا صلعم ولم يثبت لاحد من الرسل بعد نوح (روح) ۱۱۲ مُراد یہ ہے (جیسا کہ پیشتر بھی کئی بار عرض ہو چکا ہے) کہ چونکہ وہ اپنے قصد کو طلب حق میں نہیں، بلکہ اس کی مخالفت میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اِس لئے اُن سے توفیق بھی قبولِ حق کی سلب ہو جاتی ہے۔ ۱۱۳ یعنی شرک و مخلوق پرستی اور حق دشمنی و نفس پرستی میں مبتلا۔ بِاٰيٰتِنَا ”نشانیوں کا لفظ دلائل و معجزات دونوں کے لئے عام ہے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بائبل میں اس کی تصریح کہیں نہیں کہ ان دونوں پیمبرانِ برحق نے اپنے پیام توحید کی تبلیغ میں مصریوں کو بھی مخاطب کیا تھا حالانکہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جو اللہ کی توحید کا منادی ہو، وہ اصلاح عقائد کی کوشش سب سے پہلے ہی مرتبہ پر نہ کرے۔ اور کفر، شرک اور ضلالتوں کو اُسی حال پر چھوڑے رکھے۔ یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا جو حصہ نسبۃً محفوظ ہے اُس میں بھی کیسے کیسے تغیرات و تصرفات ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کس طرح ضروری ضروری موقعوں پر اُس کی فروگزاشتوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ فَاسْتَكْبَرُوْا - یعنی اُن کی بڑائی انہیں اس سے مانع ہوئی کہ وہ پیمبروں کی تصدیق کرتے۔ فرعون لقب تھا مصر کے قبطی شہنشاہ کا، موسیٰؑ و ہارونؑ اُسی نسل بنی اسرائیل سے تھے جو ہر طرح اُس کی محکوم اور رعایا تھی۔ اپنے محکوموں اور ”غلاموں“ کی زبان سے اتنے بڑے روحانی منصب کا دعویٰ سُننا حاکم قوم کی رعونت گوارا کیسے کر سکتی تھی۔ ۱۱۴ جاہلی قومیں فضائل اخلاقی و کمالات روحانی کی قدر تو بھلا کیا کرتیں۔ انبیاء کے خوارق حسّی جب دیکھتیں تو انہیں سحر و کہانت پر محمول کرنے لگتیں ــــ نکرہ کس بہ قدر ہمت اوست۔ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا - یعنی دین حق کی تبلیغ، جس کے اندر احکام، دلائل، خوارق سب کچھ آگیا۔

الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹

جو لوگ اللہ پر جھوٹ گڑھتے رہتے ہیں وہ فلاح نہیں پانے کے ۱۰۳

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ

دنیا (ہی) میں (بس) تھوڑا سا عیش ہے پھر ہماری ہی طرف اُن کی واپسی ہے پھر ہم انہیں سزائے

الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

سخت کا مزہ چکھائیں گے اُس کفر کے بدلہ میں جو یہ کرتے رہتے تھے ۱۰۴ آپ انہیں نوحؑ کا قصہ

نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

پڑھ کر سنائیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ۱۰۵ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام

مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ

(تمہارے درمیان) اور (میری) وعظ گوئی اللہ کے احکام کے ذریعہ سے بہت ہی گراں گزر رہی ہے تو

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ

میں تو اللہ پر بھروسہ کر چکا! تم اپنی تدبیر پختہ کر لو مع اپنے شرکاء کے پھر (وہ) تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ

غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا

رہے پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ۱۰۶ اور اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ سو میں

سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ

تم سے (کوئی) معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۷۲ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ

فرمان برداروں میں رہوں ۱۰۷ برابر ہم وہ لوگ نوحؑ کو جھٹلاتے رہے۔ پھر

ع ۱۲ / ۷ الثلثہ — وقف لازم

۱۰۳ فلاح حقیقی فلاح کم از کم جس معنیٰ میں عربی میں مستعمل ہے تو وہی ہے جو مستقل دیرپا اور دائمی ہو اور یہ کسی منکر مکذب مشرک کے نصیب میں نہیں ــــــــ عارضی چند روزہ دنیوی عیش و تنعم جس کا خاتمہ یقینی طور پر ذلت و مصیبت پر ہے اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ۱۰۴ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔ کہہ کر قرآن مجید نے منکر و مکذب قوموں کی بالکل صحیح تصویر کھینچ دی ہے تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رُوس اور امریکہ اور برطانیہ اور اور بڑی بڑی "مہذب"، "ترقی یافتہ"، "اقبال مند" قوموں کا حال ــــــــ ان کے آپس کے رشک و حسد کا حال، ان کی حرامکاریوں کا حال، ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی سُود خواریوں کا حال۔ اُن کے جرائم کا حال، اُن کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، اُن کے ہاں کی اسٹرائیکوں اور ہڑتالوں کا حال، اُن کے ہاں کی کثرت طلاق اور کثرت فواحش کا حال، اُن کے ہاں کی معاشی ابتری اور بیروزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجئے کہ متاعِ دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرین حق کو باوجود اپنی انتہائی "ترقیوں"، کے فلاح کسی معنیٰ میں بھی حاصل ہے؛ اور آج جو کج فہم "ہمدردانِ قوم"، قوم و ملت کو انہی "ترقی یافتہ قوموں"، کی روش پر چلانا چاہتے ہیں وہ ملت کو فلاح کی جنت کی طرف لئے جا رہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟ ــــــــ قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے۔ اور ہمارے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں دنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری و سطحی ہوتا ہے۔ اندر سے بالکل کھوکھلا!

~~متاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے۔ والتنوین للتحقیر والتقلیل~~

~~یعنی~~ یعنی متاع دنیوی تو خود ہی قلیل ہے پھر منکرین کے حصہ میں اور بھی قلیل تر۔ ۱۰۵ (جس کا مذہب شرک و بت پرستی تھا) حضرت نوحؑ جن کا شمار قدیم ترین انبیاء میں ہے اُن کی شخصیت اُن کے زمانہ، اُن کے ملک وغیرہ پر حاشیے بیشتر گزر چکے۔ ۱۰۶ حضرت نوحؑ جب مسلسل اور بہت طویل تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے عاجز آگئے ہیں اور مایوس ہو چکے ہیں تو اب اس سے انقطاعی گفتگو اس رنگ میں فرما رہے ہیں۔ مَقَامِيْ۔ بعض مفسرین نے لفظ مقام سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضرت نوحؑ تبلیغی وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔ وعظ و خطبہ کے وقت کھڑے رہنا رسول اللہ صلعم سے ثابت اور حضرت عیسیٰؑ کی بابت منقول ہے۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ۔ تو اب میں تمہاری یا کسی کی بھی مخالفت سے کیوں ڈرنے لگا ــــــــ مخلوق سے خوف کا اصلی علاج یہی توکل علی اللہ ہے فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ۔ یعنی میرے ضرر پہنچانے کی جو جو تجویزیں اور تمہارے منصوبے تمہارے ذہن میں ہوں انہیں پختہ کر لو۔ اجماع کے معنیٰ ہی کسی امر کے پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ ~~قال الفراء الاجماع العزم على الامر والاحكام عليه (تاج) قال ابن عرفة اجمع امره عليه (تاج)~~ امر سے مُراد کافروں کی سازش اور اسکیم کی پختگی ہے۔ ~~والمعنى امرهم بالعزم والاجماع على قصدي والسعي في اهلاكم~~ (روح) وَشُرَكَآءَكُمْ۔ یعنی جن جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو۔ اُن سب کو بھی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں شریک کر لو۔ اُن کی منتیں مان لو۔ اُن سے فریاد کر دیکھو۔ فال اور شگون اُن کے استھانوں سے حاصل کر لو۔ و یہاں ~~مع کے مُراد~~ ہے۔ ~~قال ابو اسحٰق والواو بمعنى مع (تاج) والواو بمعنى مع (کشاف) قال ابو اسحٰق الزجاج المعنى مع شركاءكم~~ (قرطبی) لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ آزادانہ کھلم کھلا کر گزرو۔ چُرانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے ~~یعنی ولا یکن قصدکم الی اهلاکی مستورا علیکم ولکن مکشوفا مشهورا تجاهرونني به~~ (کشاف) ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ۔ جو کچھ تمہیں میرے ساتھ کرنا ہے کر گزرو۔ ~~المراد اَن وجهوا كل تلك الشرور الي~~ (کبیر) قصہ میں تسلی ہے رسول اللہ صلعم کے لئے کہ انبیاء سابقین کو بھی ہجوم مخالفت سے کیسا کیسا دو چار ہونا پڑا اور اس عالم میں بھی وہ کیسے صابر اور ثابت قدم رہے۔ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ جلد سے جلد کر گزرو۔ مُہلت مجھے اب ذرا سی بھی نہ دو۔ ~~اے عجلوا ذلک باشد ما تقدرون علیه من غیر انظار~~ (کبیر) اس قطعیت کے لب و لہجہ میں دشمنوں سے گفتگو وہی کر سکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمام تر جڑا ہوا ہو اور جو خلق کی قوت ضرر رسانی و قوت نفع رسانی دونوں سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔ ۱۰۷ پیمبر قانون الٰہی کی پابندیوں سے مافوق و ماورا، نہیں ہوتا، بلکہ ساری اُمت کی طرح وہ خود بھی اس کا پوری طرح پابند ہوتا ہے اس میں رد ہے جاہلی قوموں کا جو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہر اخلاقی قانون سے ماورا سمجھتے ہیں۔ فَاِنْ ...... اَجْرٍ۔ سو تم مجھے تبلیغ سے روکنے کا حق ہی کیا رکھتے ہو؟ کیا میں تم سے اس کی کچھ فیس مانگتا رہتا ہوں جس کے رُک جانے کا مجھے اب اندیشہ ہو، خوف خلق کی نفی اُوپر کی آیت میں ہو چکی تھی۔ طمع خلق کی نفی اب ہو گئی ــــــــ پیمبر خلق کے خوف اور طمع دونوں سے یکسر بے نیاز رہتا ہے۔ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو امر دین میں واجب ہے اُس پر اُجرت جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء پر واجب ہی ہوتی ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور اُس نے اپنے کرم سے اس کا وعدہ کر لیا ہے سو اب مجھے غم و فکر ہی کیا؟

۹۶ یعنی یہی مقبولیت یا دونوں جہانوں میں محفوظیت اور اس محفوظیت کا وعدہ۔ ~~اصلاً فکلمہ لھم البشریٰ فی الدارین (روح)~~ اَلْبُشْرٰی۔ یہ خوشخبری اسی خوف و حزن سے محفوظ رہنے کی ہے۔ اور خوف و غم سے مراد دنیوی خوف و غم ہے جس سے مومنین کاملین اس لئے محفوظ ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمت الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ۹۷ وہ منکرین کے طنز و تعریض اور آپ کی تبلیغ و موعظہ سب سُن رہا ہے۔ اور ان کی شرارت و عناد اور آپ کا تحمل اور دردِ اصلاح سب اس پر روشن ہے۔ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُھُمْ۔ کفریات سے آپ کا مغموم ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا۔ آپ کی اسی سے تسلی کی جا رہی ہے۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا۔ اور وہی اپنی قدرت سے آپ کی اور اسلام کی نصرت و حمایت کریگا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کسی دوسرے میں جو عزت بظاہر نظر آتی ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور وہ غیر اُس کی عزت کا ایک مظہر ہے جیسے ضیاء درحقیقت آفتاب کی صفت ہے اور زمین پر ایک گونہ تعلق یا سبب اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (64) وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ

یہی تو بڑی کامیابی ہے ۹۶ اور آپ کو ان (کافروں) کی باتیں غم میں نہ ڈالیں،

الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (65) اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی

غلبہ تمامتر اللہ ہی کے لئے ہے، وہ خوب سُننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۹۷، سنو سنو! اللہ ہی کی مِلک تو

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ

ہیں جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے ۹۸ اور وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ شرکاء کو بھی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ

پکارتے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں؟ یہ اتباع کر رہے ہیں محض خیال کا اور یہ محض اٹکل

اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (66) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ

سے کام لے رہے ہیں ۹۹ وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (67)

اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے جو (غور و تدبر کے ساتھ) سنتے ہیں دلائل

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِیُّ لَهٗ مَا فِی

(موجود) ہیں ۱۰۰، کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے سُبحان اللہ! بےنیاز ہے وہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

آسمانوں میں اور جو کچھ بھی ہے زمین میں ۱۰۱ تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس کی نہیں تو کیا اللہ پر

بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (68) قُلْ اِنَّ

ایسی بات گڑھتے ہو جس کا (خود) علم نہیں رکھتے ہو ۱۰۲ آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً

وقف لازم

منزل ۳

۹۸ انسان، جنات، ملائکہ کوئی مخلوق کیسی ہی پُرعظمت ہو بہرحال سب حق تعالیٰ ہی کے مملوک ہیں۔ اُس کے وعدۂ حفاظت یا اُس کے وعید مکافات کے درمیان کس کی مجال ہے جو حائل ہو سکے۔ ۹۹ حقائق کے حامل اور مالک تو صرف اہل ایمان ہیں۔ ایمانیوں کے علاوہ جو بھی ہیں، ان کے پاس بجز اوہام، ظنون، نظریات و مفروضات کے اور ہے کیا؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اٹکل یا اندازہ کا درجہ شریعت میں تو بس اس قدر ہے کہ بندوں کے معاملات کے چکانے میں اس سے کام لے لیا گیا، باقی اثباتِ حق و اسقاطِ حق میں ظن و تخمین کا کچھ دخل نہیں۔

وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ الخ۔ یعنی اُن کے پاس دلیل یا بنیاد ہے کیا؟ قرآن مجید نے شرک پر یہ گرفت بار بار کی ہے۔ توحید پر تو ماشاء اللہ قوی سے قوی دلیلیں کثرت سے موجود ہیں لیکن شرک پر آخر کونسی دلیل موجود ہے؟ ۱۰۰ (حق تعالیٰ کی توحید اور صفت اور قدرت کا) هُوَ الَّذِیْ .... مُبْصِرًا۔ دن اور رات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ نور و ظلمت کوئی دو خدا یا دو خداؤں کے مظہر یا دو خداؤں کی مخلوق ہیں۔ وقت کے یہ دونوں حصے خدائے واحد کی اُسی طرح مخلوق ہیں جس طرح اور سب مخلوقات ہیں۔ اور دونوں کی خلقت کی غرض انسان ہی کے کام آنا ہے۔ اَلَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ۔ رات تو اسی کے لئے ہے کہ انسان اس میں آرام و استراحت کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد کسل دور کر کے دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہو جائے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صوفیۂ عارفین نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ بجائے ساری رات جاگنے کے کچھ دیر سو رہنا بہتر ہے کہ اس میں مصلحت الٰہی اور ادب کی رعایت زیادہ ہے۔ مُبْصِرًا۔ یعنی جس کی روشنی میں انسان دیکھ بھال سکتا ہے۔ ~~ای مضیئا لتھتدوا بہ فی حوائجکم (قرطبی)~~

فِیْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی حقائق میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

۱۰۱ ساری موجودات بڑی ہو یا چھوٹی بشری ہو یا غیر بشری اللہ کے ساتھ نسبت صرف مخلوقیت اور مملوکیت کی رکھتی ہے نہ کہ معاذ اللہ کسی طرح کی قرابت اور عزیز داری کی ——— دیوتاؤں کے ساتھ فوق البشر انسانوں کی قرابت عزیز داری مذاہب جاہلی کا بہت قدیم اور مشترک عقیدہ ہے قرآن بار بار مختلف طریقوں سے اس عقیدہ پر ضرب لگاتا رہتا ہے۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ یہ کہنے والے اور عقیدہ رکھنے والے بت پرست مشرکین ہی تھے اور مسیح پرست مسیحیوں کے بعض فرقے بھی۔ اتخاذِ ولد پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول آیت ۱۱۶ میں اسی قسم کی آیت پر گزر چکا ہے ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔ سُبْحٰنَهٗ۔ حق تعالیٰ پاک و منزّہ ہے مخلوقات کے ساتھ کسی قسم کی نسبت قرابت رکھنے سے۔ اللکارا اور پھٹکارا ہے اہل باطل کو کہ کیسے جہل و سفاہت میں مبتلا ہو ایک طرف تو خدا کو خدا کہے جاتے ہو اس کی قدرت کا کلمہ بھی پڑھتے ہو اور پھر اسے اس کا محتاج سمجھتے ہو کہ وہ دُنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی سے نقصان محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح کسی کو گود لے کر اپنی لاولدی کی تلافی کرے! هُوَ الْغَنِیُّ۔ خدائے اسلام تو ہر ممکن احتیاج سے ماوراء ہے اسے اتخاذ ولد کی (بیٹا بنانے کی) ضرورت ہی بھلا کیا پیش آ سکتی ہے! لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ اس کا تو سب ہی کچھ ہے اعلیٰ و ادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کا مالک سب اس کے مملوک جس سے جو چاہے کام لے ملک کا تعلق تو فرزندی و تبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی موجود ہے آخر ممکن ہی اس کے لئے کون سا ارمان ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اسے کسی کو گود لینے یا متبنیٰ بنانے کی ضرورت پیش آئے۔ ۱۰۲ (کسی دلیل سے بھی) قرآن مجید نے جہاں ایک طرف اثبات توحید پر بیسیوں دلائل قائم کئے ہیں وہاں اہل شرک سے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی باطل پرستی پر آخر دلیل ہی کونسی رکھتے ہو؟ تم تو سراسر ایک دعویٰ بے دلیل کی پیروی میں مبتلا ہو۔ اِنْ عِنْدَكُمْ۔ میں اِنْ نافیہ ہے۔ مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی بھی دلیل۔ بِهٰذَا۔ یعنی ایسے لغو و باطل دعویٰ کی۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ۔ قول کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گڑھ لینے، جھوٹ جوڑ لینے کے ہو جاتے ہیں۔ ~~قال علیہ ای افتری (راغب)~~

۹۰ (اور اُس سے ڈرتے نہیں۔ تو کیا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت آئے ہی گی نہیں یا آئے گی مگر ان سے کچھ تعرض نہ کرے گی؟) ۹۱ (چنانچہ سب سے بڑی ناشکری یہی ہے کہ اپنی
اصلاح کرنا الگ رہا، اس خبر ہی پر نہیں یقین کرتے اور نہ اس پیش خبری کی کوئی قدر کرتے ہیں) اِنَّ ...... النَّاسِ۔ چنانچہ اسی فضل کا مقتضا یہ ہے کہ اُس نے انہیں اتنے قبل
سے وقوع قیامت کی اطلاع، اور منکرین کو توبہ و اصلاح کی پوری مہلت دے دی۔ ۹۲ (تو ہم کو کسی کے بھی حال سے کسی حال میں غافل نہ سمجھنا) قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح یہ
آیت بھی پوری طرح واضح اُس وقت ہوتی ہے، جب اہل ضلال کے عقائد بھی پیش نظر ہوں بعض جاہلی قوموں کا عقیدہ ہے کہ خدا تو ہے اور صفت علم سے متصف بھی ہے لیکن اُس کا علم
صرف قدیم ہے —— اُس کی واضح تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم اُس وقت بھی ہوتا رہتا ہے، جو کوئی فعل واقعۃً و عملاً وقوع میں آنے لگتا ہے۔ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ ۔ رسول اللہ صلعم کے احوال تو سب ہی اعلیٰ تھے لیکن قرآن مجید پڑھنا اور قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ و ہدایت کرنا ان میں بھی ایک درجۂ امتیاز رکھتا تھا، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا گیا۔ التلاوۃ اعظم شؤنہ صلعم ولذا خصت بالذکر (روح) مِنْهُ ضمیر شان کی طرف ہے۔ جن مفسرین نے قرآن کی بابت سمجھی ہے وہ مِنْ قرآن کی تکرار سے تعظیم و تفخیم مراد لیتے ہیں۔ و الضمیر للشأن (کشف) قال الفراء والزجاج الھاء فی منہ تعود علی الشأن (قرطبی) من قرآن اعادۃ تفخیما کقولہ انی انا اللّٰہ (قرطبی) وَلَا تَعْمَلُوْنَ خطاب ابھی صیغہ واحد ماتکون۔ ماتتلوا میں رسول اللہ صلعم کی جانب تھا۔ اب صیغہ جمع میں آپ کے ساتھ آپ کی ساری اُمت سے بھی ہو گیا۔
۹۳ (شروع ہی سے مندرج) ایک گمراہی کا ابھی ابھی شھودا اذ تفیضون فیہ سے سدِّباب ہو چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف قدیم ہی نہیں بلکہ عین حدوث واقعات کے وقت بھی ہوتا رہتا ہے۔ اب اُس کے مقابل کی دوسری گمراہی کی تردید ہو رہی ہے اور فی کتاب مبین لاکر یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف حدوث کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ اہل ضلال سمجھ رہے ہیں بلکہ روزِ ازل سے چھوٹی بڑی ہر شے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ یعنی اللوح المحفوظ مع علم اللّٰہ تعالیٰ به (قرطبی) وَمَا يَعْزُبُ ...... السَّمَاۗءِ ۔ یعنی چھوٹی بڑی، ہر مقدار اور ہر بساط کی شے علمِ الٰہی میں موجود ہے۔ کوئی شے بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ جاہلی قومیں کثرت سے ایسی ہوئی ہیں جنہوں نے خدا کو تو مانا ہے لیکن محدود العلم، ناقص العلم اور یونان و مصر کے فلسفیوں تک کو یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں رہا ہے۔ آیت انہی گمراہیوں کی تردید کر رہی ہے۔ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۔ عرفِ عام میں اس سے مراد دائرہ وجود و امکان ہوتا ہے۔ اور قرآن بھی انسانی ہی محاورہ میں نازل ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں بھی ہو۔ المعنی دائرۃ الوجود والامکان والتعبیر عنھا بالارض والسماء لان العامۃ لا تعرف سواھما (ابو سعود)
۹۴ یعنی نہ آنے والے مہلکات و حوادث کا کوئی اندیشہ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا کوئی غم۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامی مدعا سے اور عاشقانِ سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو انہیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے۔ اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے۔ امر مکروہ کے پیش آجانے سے۔ محبین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم بھی نہیں رکھتے تو محبوب اور اُس کے عشووں اور اداؤں سے خوف کے کیا معنیٰ۔ ۹۵ (کفر و معصیت سے) ابھی ابھی ذکر اولیاء اللہ کا آچکا ہے۔ اب اُن کی پہچان بھی بتا دی۔ وہ کیا ہے۔ وہ صرف ایمان اور تقویٰ۔ آیت کو مکرر پڑھ کر غور کر لیا جائے۔ ولایت کی علامتیں کیا ارشاد ہو رہی ہیں۔ نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں، نہ عامۃ الناس کو حیرت میں ڈال دینے والے خوارق بلکہ صرف ایمان اور تقویٰ! اللہ کا ولی کون ہوتا ہے اور اللہ کس کا ولی ہوتا ہے۔ اس پر امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے

الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
جھوٹ گڑھتے رہتے ہیں۔ بیشک اللہ لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ
لیکن انہی میں سے اکثر ناشکرے ہیں ۹۱ اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ
مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا
اس (حال) میں قرآن (بھی) پڑھ رہے ہوں، اور تم لوگ بھی جو کوئی کام کر رہے ہو ہم تمہارے
كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ
برابر گواہ رہتے ہیں جب تم اُسے کرنے لگتے ہو ۹۲ اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی
رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ
کوئی چیز) غائب نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ اَلَآ
چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہیں ۹۳ سنو، سنو!
اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾
اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹۴
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي
یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے ۹۵ اُن کے لئے خوشخبری ہے
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ
دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں،

ع ۷ ۱۱

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ أَلَآ إِنَّ وَعْدَ

یاد رکھو کہ جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی مِلک ہے ۵۸۴ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ

اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَ

سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۵۸۵ وہی جِلاتا ہے اور

يُمِيْتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ

وہی مارتا ہے اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۵۸۶ اے لوگو بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے

مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ

پروردگار کے پاس سے آگئی ہے اور شفاء بھی (ان بیماریوں کے لئے) جو سینہ میں ہوتی ہیں اور

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ

ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ۵۸۷ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل سے اور

بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

اُس کی رحمت سے، ہاں اس سے چاہئے کہ (لوگ) خوش ہوں وہ اس (دنیا) سے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے ۵۸۸

قُلْ أَرَءَيْتُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اُس میں سے

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ

(کچھ) حرام اور (کچھ) حلال قرار دے لیا آپ کہیئے کہ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے یا تم اللہ پر گڑھ ہی

تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

رہے ہو؟ ۵۸۹ اور کیا روز قیامت کی نسبت اُن لوگوں کا خیال ہے جو اللہ پر

۵۸۴ (چنانچہ وہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو تصرف اور جو سلوک چاہے کرے، اس کا ہر عمل عادلانہ ہی ہوگا، خواہ انسانی معیار سے غیر عادلانہ ہی نظر آئے) أَلَآ حرف تنبیہ ہے۔ فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آگے کوئی بہت اہم حقیقت بیان کی جارہی ہے جسے خاص توجہ سے سننا چاہیئے۔ کلمة تنبيه للسامع تزاد في اول الكلام ايذانا بان ما بعدها يلقى اليه (قرطبی)

۵۸۵ یعنی ایسے قطعی اور یقینی حقائق سے بھی غافل و بے خبر ہیں۔ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ سو قیامت اپنے وقت معین پر ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ ۵۸۶ (نہ کہ مسیح ابن اللہ کی طرف، اگنی دیوتا کی طرف، یا کسی اور کی بھی طرف) کثرت سے جاہلی مذہبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کا مرجع کوئی اور ذات ہے، خالق کردگار کے علاوہ، یہاں اسی کی تردید ہو رہی ہے۔ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۔ مشرکوں کی طرح یہاں یہ نہیں کہ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہو۔ ایک خدا پیدا کرنے والا ہو۔ ایک خدا قائم، سلامت رکھنے والا، اور ایک خدا موت و ہلاکت لانے والا۔ یہاں پیدا کرنا، باقی رکھنا، فنا طاری کرنا سب ایک ہی خدائے واحد کا کام ہے۔ ۵۸۷ یہاں قرآن مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے۔ مَوْعِظَةٌ۔ شِفَآءٌ، هُدًى، رَحْمَةٌ۔ یہ سب تنوین کے ساتھ صیغہ نکرہ میں ہیں یہ تنکیر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنكير فيها للتفخيم (روح)

ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کے لئے حصول کمال میں چار مرتبہ یا منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ (۱) پہلا مرتبہ، تہذیب ظاہر کا، یعنی معاصی سے اور اعمالِ بد سے بچنے کا ہے۔ موعظة اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا، یعنی اخلاق ذمیمہ و عقائد فاسدہ سے بچنے کا ہے۔ اس کو شفاء لما في الصدور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳) تیسرا مرتبہ عقائدِ حقہ و اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے۔ یہ منزل هُدًى کی ہے۔ (۴) چوتھا مرتبہ انوارِ الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے اور یہ حاصل ہے مقام رحمة کا۔ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کا عموم ملحوظ رہے۔ يا ايها العرب ارشاد نہیں ہو رہا ہے مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم و ملک نہیں۔ مَوْعِظَةٌ۔ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کے لئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد و اشخاص کے حق میں بھی اور اقوام و جماعات کے حق میں بھی۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراض قلب اور عوارض باطن کو، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی شفاء ہو جائے۔ لِلْمُؤْمِنِيْنَ کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو اس کی ان صفات سے استفادہ کریں گے۔ ۵۸۸ دنیا کا نفع اول تو قلیل اور پھر فانی، قرآن کا نفع ایک تو کثیر اور پھر باقی۔ بِفَضْلِ ...... فَلْيَفْرَحُوْا۔ ذٰلك سے اشارہ اسی فضل و رحمة ہی کی جانب ہے۔ اور مقصود اس ترکیب کلام میں تاکید و زور ہے۔ ورنہ یہی مفہوم سادہ صورت میں فَبِذٰلِكَ کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز پر اگر خوش ہونا ہی ہے تو وہ یہی ہے نہ کہ کچھ اور۔ ترکیب کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔ الا هل ان فرحوا بشیء فبذلك ليفرحوا لا بشيء آخر (روح) قوله فبذلك فليفرحوا يفيد الحصر يعني يجب ان لا يفرح الانسان الا بذلك (کبیر) بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ۔ فضل اور رحمة دونوں سے اشارہ یہاں قرآن مجید ہی کی جانب ہے اور اسی کیلئے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی نعمت عظیم مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہیئے۔ لفظ چونکہ دو ہیں، اس لئے یہ قول بھی اکابر ہی سے منقول ہے کہ ایک یعنی فضل سے مراد قرآن ہے اور دوسرے یعنی رحمة سے مراد اسلام ہے۔ قال ابو سعيد الخدری وابن عباس فضل الله القرآن ورحمته الاسلام (قرطبی) فَلْيَفْرَحُوْا۔ فرح کی متعدد قسمیں ہیں، فرح حقیقی و کامل وہی کہی جائے گی جو اعلیٰ فرحت روحانی ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔ ثبت ان الفرح باللذات الجسمانية فرح باطل وانما الفرح الكامل هو الفرح بالروحانيات والجواهر المقدسة وعالم الجلال ونور الكبرياء (کبیر)

۵۸۹ مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام و حلال کے باب میں بڑا گڑبڑ کیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔ اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعت الٰہی حرام قرار دے نہ کہ وہ جنہیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھیرا رہے ہو۔ اتنی دور رس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب و بُعد، جلی و خفی، سارے فوائد و نقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الٰہی کے اور کہیں ممکن نہیں۔ بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رو سے ناجائز ٹھیرانا چاہا ہے۔ حالانکہ فقہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم و ذکاء سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو اُن کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ بنیاد تو بہرحال کلام باری ہی رہتا ہے۔ استدل بهذه الآية من نفى القياس وهذا بعيد فان القياس دليل الله تعالى فيكون التحريم والتحليل من الله تعالى (قرطبی) ربما احتج بعض من نفاة القياس بهذه الآية في ابطاله وزعم ان القائس يحرم بقياسه ويحل وهذا جهل من قائله لان القياس دليل الله تعالى كما ان حجة العقل دليل الله تعالى وكالنصوص والسنن كل هذه دلائل فالقائس انما يتبع موجب الدلالة على الحكم فيكون الله هو المحرم والمحلل بنصبه الدليل عليه (جصاص) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں اُن غالی صوفیہ کا رد ہے، جو مباحات کو بربنار تقشف و تزہد اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں۔ ہاں بطور اپنے معالجہ کے کوئی شخص اپنے لئے کسی چیز کو ترک کردے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا

نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ۵۷۷ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو

اَوْ نَهَارًا مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ

اُس میں کون چیز ایسی ہے جس کے لئے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں ۵۷۸ کیا جب وہ

اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

آ ہی پڑے گا جب اُس کا یقین کروگے؟ ۵۷۹ ہاں اب! حالانکہ تم اسی کی تو جلدی مچایا کرتے تھے ۵۸۰

ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ

پھر جنہوں نے (اپنے اوپر) ظلم کیا ہے اُن سے کہا جائیگا ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو بدلہ اُسی کا تو مل

تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَیَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ

رہا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو ۵۸۱ اور یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں

اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ

کہ کیا وہ (عذاب) برحق ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ برحق ہے، اور تم کسی

بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی

طرح (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ہو ۵۸۲ اور اگر ہر ہر ظالم کے پاس دنیا بھر کا (زر ومال) ہو تو بھی اسے فدیہ میں

الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

دے دینا چاہیگا اور جب (اوّل اوّل) عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو چھپائیں گے اور اُن کے

الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائیگا اور اُن پر ظلم (ذرا) نہ کیا جائے گا ۵۸۳

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۵/۱۲ ۱۰

۵۷۷ (بلکہ وقت معین آجانے پر فوراً ہی عذاب واقع ہوجاتا ہے) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی نافرمان وسرکش ہر امت کے مٹنے اور برباد ہونے کا ایک معین ومقرر وقت علمِ الٰہی میں ہے۔ اُمَّةٍ۔ کے عام لفظ سے مراد وہی عذاب زدہ امتیں ہیں۔ ای من الامم الذین اصروا علی تکذیب رسلھم (روح) سَاعَةً۔ ساعت سے یہاں مراد کوئی متعین وقت ایک گھڑی یا گھنٹہ کا نہیں بلکہ زمانے کا مطلق چھوٹے سے چھوٹا وقت مراد ہے۔ ای شیئا قلیلا من الزمان (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) ۵۷۸ یعنی عذابِ الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے یہ اس کے لئے جلدی مچانے کے کیا معنی؟ عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ معصیت سے توبہ واستغفار میں اور عمل خیر کے اختیار میں توقف بلاضرورت ایک دم کا بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ وقوعِ عذاب کے لئے کوئی علامت اور مہلت شرط نہیں معصیت کے صدور کے ساتھ ہی جس قدر جلد ممکن ہو توبہ وتدارک پر متوجہ ہوجائے۔ مِنْهُ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے والضمیر فی منہ قیل یعود علی العذاب (قرطبی)

۵۷۹ (اور اُس وقت کی تصدیق اضطراری کچھ نفع نہ دے سکے گی اُس وقت تو اپنے کو تصدیق پر مضطر ومجبور پاؤ گے) ثُمَّ کی ایک قراءۃ ثَمَّ بالفتح بھی آئی ہے۔ یعنی ھنالك۔

۵۸۰ یعنی اب اتنا کیوں گھبرائے ہوئے ہو، اور بدحواس ہو رہے ہو، تم تو خود اسی عذاب کی طنزاً فرمائشیں کیا کرتے تھے! شریعت کا یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ جب ملائکۂ عذاب نظر آنے لگیں اور عالمِ برزخ کا انکشاف شروع ہوجائے، توبہ و ایمان مقبول نہیں۔ بهٖ تستعجلون علی سبیل السخریۃ والاستھزاء (کبیر)

۵۸۱ یہ کہنے والے عذاب کے فرشتے ہوں گے۔ ای تقول لھم خزنۃ جھنم (قرطبی) لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی مشرکین سے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ یعنی تمہارے کفر وبے دینی کا بدلہ۔ ای جزاء کفرکم (قرطبی)

۵۸۲ (کہ وہ تم کو عذاب کی گرفت میں لینا چاہے اور تم بچ جاؤ) یَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ سوال اور اظہار حیرت واستعجاب سے مقصود دریافت حال نہیں بلکہ تکذیب وتعریض تھی۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔ الضمیر راجع الی العذاب ای العذاب الموعود (روح) اِیْ۔ موقع اثبات میں تاکید وتحقیق کے مفہوم میں آتا ہے جیسے اُردو میں زور دینے کے موقع پر ہاں، ہاں (ہاں مکرر) آتا ہے۔ کلمۃ تحقیق وایجاب وتاکید بمعنی نعم (قرطبی)

۵۸۳ فیصلۂ روزِ جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہرحال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہوجائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ .... بِهٖ۔ یوم قیامت کے ہول وشدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو، تو اپنی جان بچانے کو اُس سب کے دے ڈالنے پر وہ آمادہ ہوجائیں گے۔ كُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ یعنی ہر مشرک ای اشرکت وکفرت (قرطبی) اَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت ورسوائی کے خوف سے ہوگا۔ اور ندامۃ سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، منہ پیٹنا وغیرہ۔ المراد اخفاء آثارھا کالبکاء وعض الید (روح) لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑ لیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور اُن آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔ ذٰلك قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فی النار الھتھم النار عن التصنع (قرطبی) وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔ ای بین الرؤساء والسفلۃ بالعدل (قرطبی)

۵۷۰ (اس دُنیا میں) یعنی باوجود دنیا میں بڑی بڑی طویل عمریں پانے کے جب وہ حشر میں اُٹھائے جائیں گے اور خواب برزخ و خواب ناسُوت دونوں سے بیدار ہوں گے۔ تو اب اُنہیں اپنے اندازہ میں
جو زمانِ حشر کے مطابق و ماتحت ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا میں کچھ رہے ہی نہیں۔ بہت رہے تو بس ایک گھڑی بھر۔ والمراد طول اعمارهم فی مقابلة الخلود کمدة (ترجمان ابن عباس) یعنی تقلیل
لبثهم وذلک لطول ما یلقون من شدائد القیامة (بحر) یوم حشر چونکہ مدید بھی ہوگا اور شدید بھی۔ اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا (تھانوی)
ساعة بعض نے کہا کہ کوئی متعین مقدار مدت نہیں، بلکہ صرف قلتِ مدت بتانا مقصود ہے اور گھڑی بھر سے کنایہ تقلیل مدت ہی کا ہوتا ہے۔ اے شیئًا قلیلا لأنه مما یمثل به فی غایة القلة (روح) الوقت
القلیل من الزمان (راغب) آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور اُن خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداریٔ تام کے عالم میں آجاتا ہے تو احساس یہ ہوتا

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ
جب (اللہ) ان کو اس طرح حشر میں اکٹھا کرے گا کہ گویا وہ دن کی (کُل) ایک گھڑی رہے، ایک دوسرے
بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا
کو پہچانیں گے، واقعی وہ لوگ گھاٹے میں آگئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ
ہدایت پانے والے تھے (ہی) نہیں، اور اگر ہم آپ کو کچھ حصہ اس عذاب کا دکھلا بھی دیں جس کا ہم
اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي
ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو اُن کی واپسی (بہرحال) ہے تو
مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُهُمْ
اللہ کو خوب اطلاع اس کی ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اور ہر وقت کے لئے ایک پیام رساں ہوا ہے پھر
قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷ وَيَقُوْلُوْنَ
جب اُن کے ہاں پیام رساں آچکتا ہے تو اُن کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم (ذرا)
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ
نہیں کیا جاتا، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدۂ (عذاب) (آخر) کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو، آپ کہہ دیجئے کہ میں تو
لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ
اپنی ذات کے لئے بھی ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے کہ جتنا اللہ چاہے، ہر اُمت کے لئے
اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
ایک معین وقت ہے جب اُن کا وہ وقت معین آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور

ہے کہ ابھی دم بھر ہی تو سویا تھا ——— احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول کا تابع ہوتا ہے۔
امام رازیؒ نے اس مقام پر ایک مفصل کلام کر کے جو اصل تفسیر کبیر ہی میں قابل ملاحظہ ہے، آخر میں لکھا ہے۔ فنقول انه متی توبلت الخیرات الحاصلة بسبب الحیاة العاجلة بالآفات الحاصلة للکافر وجدت اقل من اللذة بالنسبة الی جمیع العالم فقوله کان لم یلبثوا الا ساعة من النهار اشارة الی ما ذکرناه من قلتها وحقارتها فی جنب ما حصل من العذاب الشدید (کبیر) ۵۷۱ (اور اس پر بھی ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے) وقت ہی ایسا نفسی نفسی کا ہوگا۔ آج بھی انتہائی کرب و اذیت میں ابتلاء کے وقت نہ بھائی بھائی کو پوچھتا ہے نہ باپ بیٹے کے کام آتا ہے، ہر ایک کو بس اپنی ہی فکر پڑ جاتی ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیتیں ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حشر میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھیگا بھی نہیں۔ وہ آیتیں اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اور اس کا تکملہ کرتی ہیں۔ ۵۷۲ (اور اسی لئے اپنی زندگی و اشغال زندگی کے سارے پروگرام میں کوئی دفعہ یاد آخرت کی آنے ہی نہ دی) ۵۷۳ (اور اس لئے اگر انہیں دنیا میں پوری سزا نہ بھی ملی، جب بھی اُس آخری موقع پر تو ضرور ہی مل کر رہے گی) وَاِمَّا ...... نَعِدُهُمْ۔ یعنی خواہ آپؐ کی حیات ہی میں کچھ حصہ عذاب موعود کا ان منکرین و مکذبین پر آبھی جائے چنانچہ معرکۂ بدر، فتح مکہ وغیرہ متعدد واقعات آپؐ کی زندگی ہی میں ایسے پیش آکر رہے جن میں مکذبین منکرین کو ہر طرح ذلت، رسوائی، شکست نقصان جانی و مالی ہی نصیب رہا۔ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ یعنی اس نزولِ عذاب کے قبل ہی آپؐ کو اُٹھا لیں اور اپنے وعدۂ فتح اسلام، ہزیمت کفار کی تکمیل آپؐ کے بعد کریں۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ تکمیل ہو کر رہی۔ اعلم ان هذا یدل علی انه تعالیٰ یری رسوله انواعا من ذل الکافرین وخزیهم فی الدنیا وسیزید علیه بعد وفاته ولا شک انه حصل الکثیر منه فی زمان حیاة رسول الله صلعم وحصل الکثیر ایضا بعد وفاته (کبیر) ۵۷۴ پوری طرح تبلیغ احکام اور اتمامِ حجت کے بعد سرکشوں اور باغیوں پر اجراء سزا میں کوئی سوال ہی ظلم اور زیادتی کا باقی نہیں رہ جاتا۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ امت سے مُراد اُمت مکلف ہے تو معنیٰ یہ ہونگے کہ ہر وہ اُمت جسے ارادۂ الٰہی نے مکلف بنانا چاہا، اُسے پہلے تبلیغ ضرور کی گئی۔ وقد یقال ان المراد من کل امة کل جماعة اراد الله تعالیٰ تکلیفها (بحر) اس تشریح کے بعد یہ سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ دور فترۃ میں (یعنی نبی کے وجود سے پیشتر) گزرے ہیں، اُن کا کیا حشر ہوگا؟ ——— جواب بالکل ظاہر ہے کہ جب اُن پر تبلیغ ہی نہیں ہوئی تو وہ لوگ مُکلف ہی نہیں ٹھیرے۔ اُن سے سوال صرف اُن کی استعداد و فہم و بصیرت کے مطابق ہوگا۔ رَسُوْلٌ۔ رسول یہاں اصطلاحی معنیٰ میں نہیں لغوی معنیٰ میں ہے یعنی اللہ کی طرف سے پیام حق پہنچا دینے والا اور اس عموم کے تحت میں رسُول اصطلاحی اور اس کے نائب، شاگرد وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں ”رسُول“ (بمعنیٰ اصطلاحی) کے آنے کی کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وہاں کے مشہور ہادیوں اور رہبروں کے باب میں سکوت اختیار کیا جائے۔ احتمال ہے کہ وہ لوگ رسُول ہی ہوں یا ممکن ہے کہ نائب رسُول ہوں۔ اخذ منه المحققون الاحتیاط بکف اللسان عن من لم یعلم حاله من القرون الاولیٰ فی اقالیم لم یعرف بعث الرسل فیها لاحتمال کونهم رسلا الی اهل تلک الاقالیم (روح) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ اور وہ فیصلہ حق و انصاف کے مطابق یہی ہے کہ سرکشوں، باغیوں، طاغیوں کو مبتلائے عذاب کیا جائے۔ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ دو دو فقروں کا لانا تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور اس امر کے بالکل صاف کر دینے کو کہ خدائی عدالت میں ظلم ممکن ہی نہیں۔ فالعکس لاجل التاکید والمبالغة فی نفی الظلم (کبیر) ۵۷۵ سوال بطور استفسار حال اور بغرض اظہار حقیقت نہیں بلکہ تعریض و تکذیب کی غرض سے ہے۔ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ سوال کے مخاطب تنہا رسُول اللہ صلعم نہیں، بلکہ جماعت مومنین بھی ہے۔ چنانچہ صیغہ جمع اسی لئے ہے۔ ۵۷۶ (اور بس اُتنے ہی نفع نقصان پر قادر ہوتا ہوں۔ تم پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں کہاں) یہ بے اختیاری عین شان عبدیت کے مطابق، جب افضل البشر بلکہ افضل الرسل کی تھی تو مشائخ و اولیاء اُمت کو اپنے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر پہنچا دینے والے حضرات ذرا اپنے انجام پر غور کرلیں۔

۵۶۴ یہاں مُراد مآل فعلی یا انجام سے لی گئی ہے۔ اور وہ عذاب الٰہی ہی ہے۔ اے ولم یاتہم حقیقۃ عاقبۃ التکذیب من نزول العذاب بھم (ارلی) جوزان یراد
بالتاویل وقوع مدلولہ وھو عاقبتہ سعد کَذٰلِكَ ۔ یعنی ایسے ہی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے لگے تھے۔ اے مثل تکذیبھم من غیر تدبر و تامل (رح)

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾
نے بھی جھٹلایا تھا جو اِن سے قبل ہو چکے ہیں سو دیکھ لیجئے کیسا (بُرا) ظالموں کا انجام ہوا ہے ۶۴
وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَ
اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان نہ لائیں گے اور
رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ
آپ کا پروردگار ہی مفسدوں سے خوب واقف ہے ۶۵، اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے رہیں تو کہہ دیجئے کہ میرا
عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ
عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم اس سے بری الذمہ ہو کہ جس پر میں عمل کر رہا ہوں
وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ
اور میں اُس سے بری الذمہ ہوں کہ جس پر تم عمل کر رہے ہو ۶۶ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی
اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَ
طرف کان لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سُنا دیں گے جبکہ وہ سمجھ سے بھی کام نہ لے رہے ہوں ۶۷ اور
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ
ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکیں گے
كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْــــًٔا وَّ
جبکہ وہ بصیرت سے کام بھی نہیں لے رہے ہیں ۶۸، یقیناً اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، البتہ لوگ ہی اپنی
لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۶۹ اور انہیں اُس دن کی یاد دلائیے

ع ۹ / ۴

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ منکرین سابق نے اپنے اپنے زمانہ کے انبیاء کی تکذیب اسی طرح کی تھی۔ ۵۶۵ یعنی اُن سے جو ایمان لانے والے نہیں۔ اے من یصر علی کفرہ (ولی) اعلم بالمعاندین او المصرین (مدارک) ۵۶۶ (تو جس طریقہ پر چاہو، قائم رہو) یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے اس موقع کے لئے، جب سب دلائل پہلے پیش ہو چکے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل طریق اسی سُنّت پر عمل کرتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب محض ضد اور ہٹ سے کام لے رہا ہے۔ برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ مناظرہ کے موقع پر کبھی ایسی بات نہیں کہتے بلکہ ایسا کہنے میں اپنی شکست اور کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ۵۶۷ (یعنی اُن کے دل ارادۂ ایمان و طلب حق سے بالکل خالی ہوں) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۔ یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے ——— آج یہ تصویر بہت سے "مستشرقین"، یورپ پر سیرت نبویؐ اور شریعتِ اسلامی پر قلم اُٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ اُن کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیئے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند تحقیق دوست ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے۔ ۵۶۸ اندھے انہیں اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ اُن کے دل قصد ایمان اور حق طلبی سے خالی ہیں اور وہ دلائل حق کا مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۔ یعنی اُن کے دیکھنے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے کمالات، فضائل، معجزات کے مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔ ۵۶۹ (کہ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور اُن سے کام نہیں لیتے) اِنَّ ... ... شَيْـــًٔا ۔ یعنی یہ کہ اللہ پہلے تو خود ہی انہیں صلاحیت ہدایت سے محروم رکھے اور پھر اُن سے مؤاخذہ کرنے لگے۔

لَا يَهِدِّيٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۳۵
(خود ہی) راستہ نہ ملتا ہو، بلکہ اُسے راستہ بتایا جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ ۵۸
وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ
ان میں سے اکثر تو صرف (اپنے) گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً گمان تو حق (کے اثبات) میں ذرا
الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۳۶ وَمَا كَانَ
بھی مفید نہیں یقیناً اللہ خوب واقف ہے اُس سے جو کچھ یہ کر رہے ہیں ۵۹ اور یہ قرآن
هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ
ایسا ہے ہی نہیں کہ غیر اللہ سے گڑھ لیا جائے ۶۰ بلکہ یہ تو تصدیق
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ
(کرنے والا) ہے اُس (کلام) کی جو اس کے قبل سے ہے اور تفصیل (بیان کرنے والا ہے) احکام
لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۳۷ ۣ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ
کی، اور اس کے اندر کوئی شک (وشبہ کی بات) ہی نہیں، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے ۶۱ کیا یہ لوگ کہتے
قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
ہیں کہ اِس شخص نے اس کو گڑھ لیا ہے؟ آپ کہیے کہ اچھا تو تم ایک ہی سورۃ مثل اسکے لے آؤ اور اللہ کے
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ
سوا تم جس کسی کو بُلا سکو، بُلا لو، اگر سچے ہو ۶۲ نہیں بلکہ یہ لوگ ایسی چیز کو جھٹلانے
يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ
لگے جسے اپنے علم سے نہ گھیر پائے ۶۳ اور ابھی اِن کے پاس انجام نہیں پہنچا ہے اسی طرح اُن لوگوں

۵۸ (کہ توحید جیسی سیدھی بات نہیں قبول کرتے ہو۔ اور شرک پر اڑے ہوئے ہو) مشرکوں سے سوال ہے کہ جو (خالق) راستہ دکھا اور بتا رہا ہے، وہ پیروی کیے جانے کا اہل ہے یا وہ (مخلوق) جسے خود ہی راستہ معلوم نہیں اور وہ اپنی راہ یابی میں دوسروں کا محتاج ہے؟ مَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۔ یعنی حق پر چلاتا ہوا اپنی قدرت ونصرت سے۔ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۔ اس عموم کے تحت میں ساری مخلوق آجاتی ہے ——— باقی اگر شیاطین ہی مُراد لئے جائیں تو وہ تو اور بھی گئے گزرے ہوئے ہیں انہیں تو بتانے اور سمجھانے پر بھی راستہ نہیں سوجھتا۔ ۵۹ (اور وقت مناسب پر اپنے اسی علم کامل ومحیط کے مطابق جزا وسزا بھی دیگا) وَمَا ..... ظَنًّا ۔ یہاں یہ صاف بتا دیا کہ مشرکین ومنکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم۔ یہ لوگ تو اندھیرے میں پڑے محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں ——— ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانی نے یہ بات بہت خوب کہی ہے کہ اثبات توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہل شرک سے کرنا چاہیے کہ وہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد آلہہ کے ثبوت میں لائیں! اِنَّ ..... شَيْـــًٔا ۔ یہاں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ انسانی ظن وتخمین، وہم وخیال جن کا شاندار اور مرعوب کن نام "حکمت وفلسفہ" یا "علوم عقلیہ" رکھا گیا ہے، قرآن اور شریعت اسلامی میں مطلق ان کا کوئی درجہ نہیں۔ قرآن صرف حقائق کا قائل ہے، جو ہر روز بدلتے نہیں رہتے۔ "علوم نظری"، "اصول موضوعہ" اور "نظریات"، انہیں کو مبارک رہیں جن کی تحقیقات ہر صبح اور ہر شام بدلتی رہتی ہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ عقائد کے لئے دلائل ظنی کافی نہیں۔ ~~وفی هذه الاٰية دليل على انه لا يكتفى بالظن فى العقائد (قرطبی)~~ فقہاء نے بھی آیت سے خوب خوب مسائل مستنبط کئے ہیں مثلاً:- (۱) یقین شک سے زائل نہیں ہوسکتا۔ (۲) نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں۔ (۳) اطلاق وعموم قرآنی کی تحدید وتقیید اخبار آحاد سے جائز نہیں۔ (۴) وہ دلائل جو ثبوت میں یا دلالت میں ظنی ہوں قطعی ویقینی کے معارض ومقابل نہ ہوسکیں گے۔ (۵) ایمانیات اعتقادیات امر ثابت وحق سے متعلق ہیں۔ اس لئے ان میں دلائل ظنی کافی نہیں۔ (۶) جب کوئی دلیل قطعی نہ موجود ہو تو دلائل ظنی پر عمل ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ظن کی عدم کفایت بمقابل حق مذکور ہے نہ کہ مطلقاً۔ (۷) مسائل فقہی میں اختلاف اجتہاد معتبر ہے اس لئے کہ اجتہاد ظن ہے اور یہاں ظن مقید اور مسائل اعتقادی میں تاویل واختلاف ممنوع۔ اس لئے کہ اُن کا مدار الیقین پر ہے پس فرق ضالہ دائرۂ اہل حق سے خارج ہیں۔ اِنَّ .. شَيْـــًٔا ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے علماء رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر متکلمین اہل ظاہر کے دلائل (ذات وصفات حق کے بارہ میں) باہم متعارض پائے جاتے ہیں جو ظنیات کی شان ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اس سے بچنا چاہے۔ چاہیے کہ وہ سلف صالح کے اتباع میں لگا رہے اور فلسفیات میں مشغول نہ ہو جس سے بجز شک بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ۶۰ کوئی غیر اللہ یعنی کوئی مخلوق، ایسے بے مثل وبےمثال کلام پر جو عبارت اور معنیٰ دونوں کے اعتبار سے بےنظیر ہے، قادر ہی کب ہوسکتا ہے؟ ایسی تصنیف کو کسی انسان کی جانب منسوب ہی کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ۶۱ یہاں قرآن مجید کے خصوصیات مختصراً گنا دیئے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ سابق کتابوں اور کلاموں کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں احکام مکتوبہ ومفروضہ کی تفصیل ہے۔ تیسری یہ کہ اس کے اندر کہیں شک وشبہ کا گزر نہیں۔ ہر چیز اس کی یقینی ہے اور چوتھی یہ کہ یہ کتاب سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے ہے۔ اَلْكِتٰبِ ۔ یہاں احکام مکتوبہ ومفروضہ کے معنیٰ میں ہے۔ ~~المراد بتفصيل الكتاب ما بيّن فى القراٰن من الاحكام (قرطبی) اى ما كتب واثبت من الحقائق والشرائع (روح) اى ما كتب وفرض من الاحكام والشرائع (مدارک)~~ ۶۲ (اپنے اس دعویٰ میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے) جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کرسکتا ہے تو کئی بلکہ سب انسانی دماغ مل کر تو اس سے کہیں چھوٹی چیز یعنی اس کی ایک سورۃ تو بہرحال تیار ہی کرسکتے ہیں۔ پھر ہمت ہو تو یہی کر دکھاؤ! اِفْتَرٰىهُ ۔ افتری میں ضمیر فاعل رسول اللہ صلعم کی جانب ہے یعنی اس شخص محمدؐ نامی نے یہ کتاب اپنے ذہن سے گڑھ لی ہے۔ سُوْرَةٍ ۔ پر حاشیہ شروع تفسیر میں گزر چکے۔ مِّثْلِهٖ ۔ مثلیت لفظی ومعنوی ہر اعتبار سے مُراد ہے۔ ~~مثله فى البلاغة وحسن الارتباط وجزالة المعنى (روح)~~ قرآن مجید کی معنوی حیثیت سے یہ مستقل تحدی تو سارے عالم کے لئے ہے یعنی قرآن کی معنوی بلندی اور جامعیت کے لحاظ سے کوئی ایسی کتاب بھلا تیار تو کر دکھائے لیکن جہاں تک اس چیلنج کے ظاہری جزو کا تعلق ہے یعنی فصاحت وبلاغت اور ادب وانشاء کی خوبیوں کا اس کے مخاطب صرف اہل زبان عرب ہیں، خصوصاً نزول قرآن کے وقت کے عرب، جو ادبیت کے نشہ میں جھومتے رہتے تھے، اور جن کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا کمال ادبیت ہی کا کمال تھا۔ ۶۳ یعنی بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس کی اعجازی خصوصیات پر غور کرتے اور پوری تحقیق سے کام لیتے چٹ اس کی تکذیب پر مستعد ہوگئے۔ ~~المراد انهم سارعوا الى التكذيب من غير ان يتدبروا (کشاف)~~ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۔ تاویل کے معنیٰ اصل حقیقت کی طرف رجوع کے بھی ہیں اور مآل علمی وفعلی کے بھی۔ ~~الرجوع الى الاصل (راغب) ورد الشىء الى الغاية المرادة منه علما كان او فعلا (راغب)~~

۵۳ یہ سارے سوالات مشرکین سے بطور جرح ہو رہے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلۂ ربوبیت میں مبرا اول پر ہے۔ پھر انسان کے حواس ظاہری سے متعلق ہے جن کے بغیر بشر و جماد سب برابر ہیں پھر حیات و موت سے متعلق ہے اور آخری انتظام امور سے متعلق ہے۔ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی کون ہوائیں چلاتا ہے؟ کون پانی برساتا ہے؟ کون سورج کی روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے؟ کون بارش کے وقت مناسب فصل اور مناسب مقدار کا فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر کون زمین کو گرماتا ہے اسے زرخیز بناتا ہے، اس سے نباتات اگاتا ہے؟ ——— غرض زمین و آسمان دونوں جگہ اس کی قدرت و حکمت کی مستقل کارفرمائیاں ہیں اور السماء اور

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ

جاندار سے؟ اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے ۵۴ (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ

کہیے کہ پھر کیوں نہیں بچتے ہو؟ ۵۵ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار حقیقی اور (امر) حق کے

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۳۲

بعد رہ کیا گیا بجز گمراہی کے تو کدھر پھرے چلے جاتے ہو؟ ۵۵

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ

اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی ہے کہ وہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا

ایمان نہ لائیں گے ۵۶ آپ کہیے کیا تمہارے (تجویز کیے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پیدا کرے پھر دوبارہ بھی کرے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

بھی کریگا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو ۵۷؟ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تمہارے (تجویز کیے ہوئے) شرکاء میں کوئی

مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

ایسا ہے جو حق کے راستہ پر چلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتلاتا ہے تو پھر

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

جو کوئی حق کا راستہ دکھاتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو

الارض دونوں ناموں میں سے کوئی نام بیکار نہیں لایا گیا۔ مَنْ يُّخْرِجُ ۔۔۔۔ الْحَيَّ بے جان سے جاندار جیسے انڈے سے مرغی۔ جاندار سے بے جان جیسے مرغی سے انڈا۔ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ الامر میں الٰ استغراق کا ہے یعنی چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام کون کرتا ہے۔ ۵۴ (شرک سے اور افعال شرکیہ سے) ۵۵ (حق کو چھوڑے ہوئے اور باطل کی طرف رخ کیے ہوئے) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی یہی اللہ جس کے صفات و افعال اوپر بیان ہو چکے اور جس کی ذات میں سارے کمالاتِ ربوبیت جمع ہیں۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ مطلب یہ کہ امرِ حق کی جو ضد ہے اسی کا نام گمراہی ہے اور توحید کا حق ہونا ثابت ہو چکا پس شرک تو یقیناً گمراہی ہی ہوا قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ نے آیت کے تحت میں شطرنج نرد وغیرہ کے جواز و عدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور اسی ضمن میں مسئلہ غناء پر بھی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ غناء کو اکثر علماء نے ایک ہیجان انگیز لہو قرار دیا ہے لیکن اس کی حرمت پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل قائم نہیں۔ بلکہ ایک حدیث صحیح سے تو اس کی اباحت ہی نکلتی ہے لیکن جن الفاظ میں آنحضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گرفت کو رد کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں غناء کی مستقلاً تو کراہت ہے البتہ خاص حالات میں اجازت بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقیہ موصوف کا یہی فیصلہ عین حق و صواب اور افراط و تفریط کی راہوں سے الگ ہے۔ والغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك ابن انس وليس في القرآن ولا في السنة دليل على تحريمه اما ان في الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث الصحيح ان ابابكر دخل على عائشة عندها جاريتان جاريتان من جاريات الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابوبكر امزمار الشيطان في بيت رسول الله صلعم فقال رسول الله صلعم دعهما يا ابابكر فانه يوم عيد فلو كان الغناء حراما ما كان في بيت رسول الله صلعم وقد انكره ابوبكر بظاهر الحال فاقره النبي صلعم بفضل الرخصة والرفق بالخليقة في اجمام القلوب اذ ليس جميعها يحمل الجد دائما وتعليل النبي صلعم بانه يوم عيد يدل على كراهيته دوامه ورخصته في الاسباب كالعيد والعرس وقدوم الغائب ونحو ذلك وكل حديث يروى في التحريم او اية تتلى فيه فانه باطل سندا باطل معتقدا خبرا وتاويلا وقد ثبت ان النبي صلعم رقص في القلعة في العيدين (ابن عربی)

۵۶ (تو پھر آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اس قدر مغموم و محزون کیوں ہوں) كَذٰلِكَ۔ اس کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے یعنی جس طرح اللہ کی وحدت و ربوبیت حق ہے۔ وضوح حق کے بعد ضلال کا اور قیام دلائل کے بعد انکار پر جمے رہنے کا حمق و عصیان ہونا بالکل ثابت و مسلم ہے اسی طرح کلمۂ رب یعنی تخویفِ عذاب نافرمانوں کے حق میں ثابت و حق ہے۔ الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ سے کفر پر قائم رہے۔ اے تمردوا في كفرهم وخرجوا الى الحد الاقصى فيه (مدارک) اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ میں انهم تعلیلیہ مانا گیا ہے۔ لانهم كما هو تعليل اے لانهم لا يؤمنون (مدارک) اس ترکیب کو ماننے کے بعد معنی یہ ہونگے کہ ان سرکش نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا تحقق اس لیے ہو کر رہیگا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ ۵۷ یعنی حق سے ضلال کی طرف۔ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر جواب میں "اللہ" بھی مشرکوں ہی کی زبان سے نقل کر دیتا ہے۔ فسیقولون اللہ۔ لیکن یہاں کوئی ایسا اقرار مشرکوں کی زبان سے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ قل اللہ خود اپنی طرف سے کہا ہے ——— راز اس فرق کا یہ ہے کہ مخاطبین اول یعنی مشرکین عرب تو سرے سے عقیدہ بعثت و معاد کے قائل ہی نہ تھے۔

۴۷ حشر جو حقائق کے ظہور و انکشاف کا وقت ہوگا، اُس وقت اہلِ کفر کے دلوں کی سیاہیاں چہروں سے نمایاں ہو کر رہیں گی۔ كَاَنَّمَآ ...... مُظْلِمًا۔ یہ حالت ان رُوسیاہ دوزخیوں کے چہروں کی ہوگی۔ حکمارِ اسلام نے کہا ہے کہ یہ سیاہی جہل و ضلالت کی ہوگی۔ اعلم ان حکماء الاسلام قالوا المراد من هذا السواد المذكور ههنا سواد الجهل وظلمة الضلالة (کبیر) صاحب بحر المحیط علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی نے اس موقع پر جوش میں آکر "حکمارِ اسلام" کو بہت ہی بُرا بھلا کہا ہے اور کہا ہے کہ ان "فلاسفہ" کو حقیقۃً جہلاء و سفہار کہنا چاہیے، یہ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر دشمن ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور شریعت کے محرفین ہیں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام ہونا چاہیئے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یعنی الحکماء الفلاسفة الذین خلقوا فی هذه الملة الاسلامية هو احق بان یسموا اسفهاء جهلاء من ان یسموا حکماء اذهم اعداء الانبياء والمحرفون الشريعة وهو اضر على المسلمين من اليهود والنصارى الخ لیکن ستم یہ کیا ہے کہ اپنی خفگی کی اس لپیٹ میں سید المفسرین امام رازیؒ کو بھی لے لیا ہے اور ان کا ذکر صرف "ہذا الرجل" سے کیا ہے۔ امام رازیؒ کے سنہ وفات اور علامہ غرناطی کے سنہ وفات میں فرق کچھ کم ڈیڑھ سو سال کا ہوا ہے۔

مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا
لپیٹ دیئے گئے ہیں دوزخ والے یہی ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے
خٰلِدُوۡنَ ۲۷ وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ
رہیں گے ۴۸ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے ۴۸ پھر ہم شرک کرنے
اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ اَنۡتُمۡ وَشُرَكَآؤُكُمۡ ۚ فَزَيَّلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَ
والوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکار (خدائی) اپنی جگہ ٹھیرو ۴۹ پھر ہم اُن میں باہم خوب پھوٹ ڈال
قَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ۲۸ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
دیں گے اور اُن کے (وہ مزعومہ) شرکار (اُن سے) کہیں گے تم ہماری عبادت تو کرتے نہ تھے ۵۰ تو اللہ ہمارے
شَهِيۡدًاۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۲۹
تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر ہی نہ تھی ۵۱
هُنَالِكَ تَبۡلُوۡا كُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ وَرُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ
اس جگہ ہر شخص اس (عمل) کا امتحان کرلے گا جو وہ پیشتر بھیج چکا ہے اور یہ لوگ اللہ اپنے مالک
مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۳۰ قُلۡ
حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ (معبود) انہوں نے گڑھ رکھے تھے ان سے غائب ہو جائیں گے ۵۲
مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ
آپ کہیئے کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا کون کان اور آنکھوں پر پورا
وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ يُّخۡرِجُ الۡحَـىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ
اختیار رکھتا ہے؟ اور کون جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے

ع ۲/۸ النصف

۴۸ (میدانِ حشر میں) نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا۔ یعنی سارے خلائق کو۔ ۴۹ (ذرا کی ذرا) تاکہ تم پر تمہارے عقیدہ کی حقیقت روشن ہو جائے) شُرَكَآؤُكُمۡ یعنی وہ جنہیں تم اپنے زعم میں شریکِ خدائی سمجھتے رہے ہو۔ مَكَانَكُمۡ یعنی اپنی جگہ ٹھیر جاؤ۔ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ امکثوا مکانکم ای امکثوا مکانکم حتی تنظروا ما يفعل بكم (روح) ۵۰ (تو آج ہم تمہارے شرک کے وبال میں کیوں پھنسیں) زَيَّلۡنَا۔ زَيَّلۡنَا کے کھلے ہوئے معنیٰ فرقنا کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ صیغہ بابِ تفعیل سے لایا گیا ہے تاکہ معنیٰ سے شدت و تکثیر کا اظہار ہو سکے۔ وقال فزيلنا اراد تكثير الفعل وتكريره ولم يقل فزلنا بينهم لان معنى التضعيف التكثير والتشديد (روح) اہلِ شرک کے لئے سب تکلیفوں اور عذابوں سے بڑھ کر اس منظر کا بھی سامنا کرنا ہوگا کہ خود انہی کے معبود اُلٹے اُن سے تبری و بیزاری کر رہے ہیں۔ ذالك يدل على نهاية التهويل والخزى في حق هؤلاء الكفار (کبیر) ۵۱ (چہ جائیکہ ہم اس سے راضی ہوتے!) عجب نہیں یہ گفتگو پتھر کی مورتیاں اور ٹھاکر دواروں کے بُت اپنے پجاریوں سے کر رہے ہوں۔ قيل الاصنام ينطقها الله تعالى فتكون بينهم هذه المحاورة (قرطبی) ۵۲ یعنی کوئی کام نہ آئے گا، اُس وقت سب گم ہو جائیں گے۔ هُنَالِكَ ...... اَسۡلَفَتۡ۔ یعنی ہر شخص عیاناً دیکھ لے گا کہ جو اعمال اُس نے کئے تھے، وہ واقع میں نافع تھے یا اس کے برعکس، یہ اجمالی علم تو انسان کو مرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے حشر میں اس کا تحقق کامل اور مفصل طور پر ہوگا۔ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ۔ یعنی واقعی اور حقیقی مالک۔ کوئی گڑھا ہوا معبود نہیں۔ ای المتحقق الصادق في ربوبيته لا ما اتخذوه ربا باطلا (روح) یہاں اللہ کو جو کافروں کا "مولیٰ" کہا گیا ہے تو یہ مالکیت باعتبار اصل واقعہ کے ہے اور سورۂ محمدؐ میں جہاں اس کی نفی آئی ہے۔ ان الكافرين لا مولى لهم وہاں "مولیٰ" حامی، ناصر اور سہارے کے معنیٰ میں ہے۔ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ۔ کے ایک معنیٰ یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ مالک جو حق و انصاف کے مطابق انہیں جزاء دیگا۔ قال ابن عباسؓ الذي يجازيهم بالحق (قرطبی) هُنَالِكَ۔ اصلی معنیٰ تو اُس جگہ کے ہیں۔ مجازاً اُس وقت بھی مُراد ہو سکتی ہے۔ معناه في ذلك المقام وفي ذلك الموقف او يكون المراد في ذلك الوقت على استعارة اسم المكان للزمان (کبیر)

٤٢ھ (سو یہ دُنیا اپنی ساری زیب و زینت کے ساتھ بس ایسی ہی ناپائدار اور سریع الزوال ہے) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا - یعنی اُس کی خوشنمائی اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ استعیرت و شبکلت جسمها (روح) یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور شور کی بارش ہو، ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہو۔ آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری، میوہ، غلہ اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو۔ پھر جب ہر طرف خوب سرسبزی و شادابی پھیل جائے، لہلہاتا کھیت، سرسبز درخت، شاداب باغ ہر طرف پورے زیب و زینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لُطف اُٹھانے کے پوری طرح مالک و مختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آجائے کہ سارا گُل و گلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں! یہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے سے بڑے نامور و بااقبال

وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ

اور اُس کی زیبایش ہوگئی اور اُس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اُس پر بالکل متصرف ہو چکے تو ہمارا

اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

حکم اس پر آ اچانک، رات کو یا دن کو آ پڑا سو ہم نے اُسے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

نہ تھی ٤٢ھ ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو سوچتے رہتے ہیں،

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ

چلا دیتا ہے ٤٣ھ جو لوگ نیکی کرتے رہے اُن کے لئے بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی ٤٤ھ

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اُن کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت ہوگی، اہل جنت یہی ہیں

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ

یہ اُس میں ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے ٤٥ھ اور جن لوگوں نے بدیاں کمائی ہیں (سو بدی کی

جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ

سزا بھی ویسی ہی (بدی) ہے اور ایسے لوگوں کو ذلت چھائے گی اور کوئی نہیں اللہ

اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا

(کے عذاب) سے نہ بچا سکے گا ٤٦ھ گویا اُن کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے

انسان کا بھی خاتمہ دفعۃً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے! اور یہ حال ہے دنیا کا جس میں غافل انسان ہمہ تن مصروف رہتا ہے!

وَازَّيَّنَتْ - یعنی سبزہ سے خوب خوشنما معلوم ہونے لگی۔

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا - امر سے مُراد ہے کوئی تکوینی عذاب مثلاً پالا، پتھر، سیلاب وغیرہ (قرطبی) قال ابن عباس ... (کبیر) ظَنَّ اَهْلُهَا - ظن یہاں بھی یقین کے معنی میں ہے۔ ای ایقن (قرطبی)

٤٣ھ اور یہی لوگ ہیں جنہیں اُس سلامتی کے گھر تک پہنچ جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا - اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انہیں احکام و ہدایات کے ذریعہ سے۔ اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ - سلامتی کا گھر یعنی اس فانی و ناپائدار دنیا کے برعکس ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والا گھر مُراد جنت ہے۔ ای الی الجنۃ (قرطبی) قال قتادۃ والحسن السلام ہو اللہ وداره الجنۃ وسمیت الجنۃ دار السلام لان من دخلها سلم من الآفات (قرطبی) لاشبهۃ ان المراد من دار السلام الجنۃ الا انهم اختلفوا فی سبب الذی لاجلہ حصل هذا الاسم (کبیر) عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے تو عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بُلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں اور منکرین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت و نعمت سے محروم رہے جا رہے ہیں اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست و حقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں اور عاشقوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہو رہے ہیں۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ - اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہمیشہ مشیت تکوینی اور بیشمار مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔

٤٤ھ یعنی دیدار الٰہی جو ہر نعمت اور ہر لذت سے افضل تر ہے۔ زِيَادَةٌ کی یہ تفسیر خود حدیث میں آچکی ہے۔ عن النبی صلعم فی هذه الآیۃ قال اذا دخل اهل الجنۃ الجنۃ فیکشف الحجاب فیتجلی لهم فواللہ ما اعطاهم شیئا احب الیهم من النظر الی اللہ (ابن جریر) قال رسول اللہ صلعم الزیادۃ النظر الی وجہ اللہ الکریم (ابن ابی حاتم) یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب صحابی کی روایت سے آئی۔ صحابہ و تابعین سب سے یہی تفسیر منقول ہے۔ الزیادۃ النظر الی وجہ اللہ تبارک و تعالٰی (ابن جریر عن ابی بکر الصدیق) زیادۃ النظر الی الرب (ابن جریر عن الحسن) الزیادۃ هنا النظر الی وجہ الرحمٰن (ابن جریر عن قتادہ) وهو قول ابی بکر الصدیق وعلی فی روایۃ وحذیفۃ وعبادۃ بن الصامت وکعب بن عجرۃ وابی موسٰی وصهیب وابن عباس فی روایۃ وهو قول جماعۃ من التابعین (قرطبی) دیدار الٰہی کو لفظ زیادۃ سے تعبیر کرنے میں بھی شاید یہی اشارہ ہے کہ وہ ایسی نعمت ہے جو ہر ممکن نعمت کے علاوہ اور اس کے مافوق ہے۔ اشارۃ الی انها حال لا یمکن تصورها فی الدنیا (مفہم) اَحْسَنُوْا - نیک کام کئے، نیک کرداری کرتے رہے۔ اور سب سے بڑی نیکی خود ایمان لانا ہے۔ الْحُسْنٰى یعنی اجر عمل - نیک کرداری کا صلہ - یا خود جنت۔ المراد الحسنٰی وهی الجنۃ (روح) آیت میں مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ نیک روی اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو خیر ملے ہی گا لیکن اس کے علاوہ "کچھ اور" بھی ملے گا، یہ صرف عالم آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے ـــــ اس "کچھ اور" کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔ ٤٥ھ یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل ہے ہی گا لیکن اس کے علاوہ کسی ہمّ و غم و الم سے بھی وہ کبھی دوچار نہ ہو سکینگے۔ ٤٦ھ اور ان کے دیوی دیوتا، اکابر و اعاظم جن پر آج انہیں اتنا بھروسہ ہے، یہ سب اُس روز بیکار ہی نظر آئیں گے۔ بِمِثْلِهَا - یعنی بدی کی سزا بس بدی کے برابر ہی ملے گی۔ اس سے زاید نہیں۔ یہ لفظ جزاء بدی کے سلسلہ میں وزیادۃ کے مقابل آیا ہے جو نیکی کے سلسلہ میں آچکا ہے یعنی نیکی کا صلہ تو اصل معاوضہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملے گا لیکن بدی کا معاوضہ بس اسی درجہ کا ملیگا، اُس سے زاید نہیں۔ والمقصود من هذا القید التنبیہ علی الفرق بین الحسنات وبین السیئات لانہ تعالٰی ذکر فی اعمال البر انہ یوصل الی المشتغلین بها الثواب مع الزیادۃ واما فی عمل السیئات فانہ تعالٰی ذکر انہ لا یجازی الا بالمثل (کبیر) تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ - یعنی ہر طرح کی توہین و رسوائی بھی ان کے شامل حال رہیگی۔ یصیبهم ذلۃ وخزی وهوان ای تغشاهم هوان وخزی (قرطبی) مِنَ اللّٰهِ - یعنی عذاب الٰہی سے۔ اللہ کی گرفت سے۔ ای من عذاب اللہ (قرطبی)

ف۳۸ (اور اب نجات پانے کی کوئی سبیل مادّی اسباب وذرائع سے ممکن نہیں) ھُوَ الَّذِیْ ...... الْبَحْرِ۔ یعنی انہیں سفر برّی وسیاحت بحری کے آلات واسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ زمین اور سمندر دونوں کے طے کرنے کے لئے سواریاں، گھوڑے، گدھے، ہاتھی، اونٹ سے لے کر ریل، موٹر، سائیکل، موٹر لانچ، آبدوز کشتی، آہن پوش جہاز وغیرہا تک جتنی بھی نکل چکی ہیں یا آئندہ نکل سکیں، یہ سب بالکل آخر میں جا کر کسی علّتِ فاعلی پر ٹھیرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ یا حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں پر۔ قرآن مجید درمیانی واسطوں کو چھوڑ کر علّتِ حقیقی کی یاد دلا رہا ہے۔ جَرَیْنَ بِھِمْ۔ صنعت التفات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچۂ تفسیر۔ حاضر سے معاً غائب کی طرف منتقل ہو جانے کا اسلوب بیان عربی ادب وانشا میں عام ہے۔ خروج من الخطاب الی الغیبۃ وھو فی القرآن واشعار العرب کثیر (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس طرح صیغۂ غائب سے حاضر کی طرف انتقال اظہار تقرب واکرام کے لئے ہوتا ہے یہ حاضر سے غائب کی طرف انتقال اس کے برعکس اظہار بعد وبیزاری کے لئے ہے ھو الذی خاطبھم ... [illegible] الانتقال فی الکلام من لفظ الغیبۃ الی لفظ الحضور یدل علی مزید التقرب والاکرام و[illegible] الانتقال من لفظ الحضور الی لفظ الغیبۃ یدل علی المقت والتبعید (کبیر) بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ۔ یعنی ہوائے نرم مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے موافق ہو۔ والمراد بطیبۃ [illegible] التی تجری موافقۃ للمقصود (روح) رِیْحٌ عَاصِفٌ۔ یعنی ہوائے تند وتیز، مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے مخالف ہو والعاصف الشدیدۃ [illegible] العاصف [illegible] ظَنُّوْٓا الظن کے معنی جس طرح گمان وقیاس کے ہیں یقین یخیال اغلب کے بھی ہیں [illegible] تعبیر کی ہے [illegible] بمعنی گمان [illegible] کہ

بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ

ہوتے ہیں کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اُٹھتی چلی آتی ہیں

مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے ف۳۸ (تو اُس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ اعتقاد کو (بالکل) خالص

لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کرکے پکارتے ہیں (کہ) اگر تُو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلا دی تو ہم یقیناً بڑے

الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ

شکرگزاروں میں ہونگے ف۳۹ پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی زمین میں ناحق کی سرکشی

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ

کرنے لگتے ہیں ف۴۰ اے لوگو یہ تمہاری سرکشی تمہارے ہی اوپر (اُلٹ پڑنے والی) ہے (یہی)

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا

دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع ہے پھر ہماری ہی طرف تمہاری واپسی ہے پھر ہم تمہیں جتلا دیں گے جو کچھ

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ

تم کرتے رہے ہو ف۴۱ بس دنیا کی زندگی کا حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا

مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ

پھر اس سے زمین کی سبزی گنجان ہو کر نکلی جس کو انسان اور

النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا

چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق پر پہنچ چکی،

اصلی معنی میں ہے اور [illegible] بمعنی گمان [illegible] کہ ف۳۹ (اور بڑا شکر یہی ہے کہ مومن مخلص بن جائیں گے) ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کرکے ساری توجہ مسبّب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرت سلیم کا مقتضا ہے۔ اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع وانابت کی توفیق نہیں پاتے اُن کے دل نور انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یہ حالت اضطرار کا اخلاص ایمان کے قائم مقام اور نجات اُخروی کے لئے کافی نہیں۔ والاخلاص [illegible] عن الاضطرار لا ینفع [illegible] (روح) البتہ کشائش دنیوی یعنی غرق سے بچانے میں مؤثر ہو سکتا ہے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اقرار مشروط مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دین توحید قبول کرلوں گا شریعت میں معتبر نہیں۔ ظَنُّوْٓا ...... الشّٰكِرِيْنَ۔ علامہ آلوسیؒ بغدادی صاحب تفسیر رُوح المعانی نے اس مقام پر کچھ دُور تک اپنی ملّت کے حالِ زار پر نوحہ وماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے موقع پر خدائے واحد وقدوس کو پکارنے لگتے ہیں لیکن ہم لوگوں میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے، کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے سو خدا کے لئے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ [illegible] (روح) ہمارے ملک کے ”یاغوث“، اور ”یاخواجہ“، کی صدائیں لگانے والے اور ”یاعلی مشکل کشا“، کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے انجام پر غور کرلیں۔ منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادقؒ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ پروردگار عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمائیے، آپ نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ تجارت بحری میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اُس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا بہا جا رہا تھا کہ ہوائے تند وتیز کا تھپیڑا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں خشوع وشکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اُس نے کہا، بیشک، آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع وشکستگی نے رُخ کیا تھا بس وہی تو پروردگار عالم ہے۔ (کبیر) ف۴۰ (اور اپنے اس وعدہ واقرار کو بھول بھال کر پھر شرک وفساد میں لگ جاتے ہیں) بِغَيْرِ الْحَقِّ کی قید اس لئے ہے کہ ان لوگوں کی یہ زیادتی اور سرکشی خود اُن کے ضمیر میں اور اُن کے معیار سے بھی جُرم تھی۔ ف۴۱ یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر ومعصیت کے ساتھ دنیا میں جو عیش وکامرانی جمع ہو سکتی ہے وہ محض چند روزہ ہے اس کی دائمی سزا آخرت میں بھگتنا ہے۔

۳۲ؔ (اور ایک گروہ اُن میں کا شرک میں مبتلا ہو گیا) کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ یعنی ابتداءً سب کے سب موحد تھے۔ قرآن اِن کھلے ہوئے الفاظ میں دین میں "ارتقاء" کی قطعی تردید کر رہا ہے۔ ابتداءً صرف دین توحید ہی تھا۔ اس کے بعد ارتقاء کے نہیں انحطاط کے اثر سے شرک اور بُت پرستی کی مختلف صورتیں ظہور میں آنے لگیں۔ چنانچہ اب جدید ترین ماہرین علم الاصنام و ماہرین اثریات پروفیسر (SCHMIDT) (اشمٹ) پروفیسر (LANGDEN) (لینگڈن) سرچارلس مارسٹن وغیرہ سب تسلیم کر رہے ہیں۔ اور "ارتقاء عقیدۂ توحید" کا وہ نظریہ جو انیسویں صدی کے آخر میں بہ طور فیشن کے چلا ہُوا تھا علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو گیا ہے۔ ۳۳ؔ یعنی عذاب موعود جو عملی فیصلہ ہے اسی دنیا میں نازل ہو گیا ہوتا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ۔ کلمہ سے مُراد یہ وعدہ یا حکم ہے کہ پورے عذاب کے لئے انہیں مہلت آخرت تک کی ملے گی۔ [illegible] (بحر)

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً
اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ۳۲ اور انسان تو ایک ہی طریقہ پر تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا
وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے ٹھہر چکی ہوتی تو اُن کے درمیان اس
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ
باب میں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ۳۳ اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر اُن کے
اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ
پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل ہوتا ۳۴ سو آپ کہہ دیجئے کہ غیب (کی خبر) تو بس اللہ
فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا
ہی کو ہے، سو انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۳۵ اور جب ہم (ناشکر) لوگوں
النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ
کو بعد اس کے کہ اُن پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو، اپنی رحمت کا مزا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ لوگ ہماری
فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا
نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتے ہیں ۳۶ آپ کہہ دیجئے اللہ چالوں میں اُن سے بھی بڑھا ہوا ہے، یقیناً جو
تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي
چالیں تم چل رہے ہو ہمارے قاصد انہیں لکھتے جا رہے ہیں ۳۷ وہ (وہی اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے لئے پھرتا ہے چنانچہ
اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا
جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لیکر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش

ع ۱۰ ۲ ۷

۳۴ؔ (ہمارے فرمایشی نشانوں اور معجزات میں سے) پیمبر کی زندگی تو سرتاپا معجزہ ہی ہوتی ہے اُس کی ایک ایک بات سے خدائی روح ٹپکتی رہتی اور قدم قدم پر اُس کے اور عام مخلوق کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے۔ ع۔ روئے و آواز پیمبر معجزہ ست۔ لیکن یہ سب صرف اہل بصیرت کے لئے ہے۔ باقی معاندین، جہلاء ہر زمانہ میں مخصوص فرمایشیں کر کر کے فلاں فلاں متعین مادّی معجزات کی طلب کرتے رہے ہیں، فلاں پہاڑ سونے کا ہو جائے، فلاں فلاں کھانوں کا خوان آسمان سے نازل ہو جائے، آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ یہاں بھی اٰیۃ سے مُراد اسی قسم کے متعین فرمایشی معجزات ہیں۔ [illegible] يَقُوْلُوْنَ ۔ یہ طلب ہی تحقیق حق کی راہ سے نہیں۔ عناد و تعریض کے طور پر تھی۔ ورنہ اگر دل میں ذرا بھی طلب صحیح ہوتی تو سیرت مصطفوی کا تو ایک ایک جزئیہ معجزہ تھا، ہر دوسرے اور خارجی معجزہ سے مستغنی کر دینے والا۔ [illegible] انہ رسول اللہ صلعم (روح) ۳۵ؔ پیمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بشریت و عبدیت پر یہ کیسے کھلے کھلے نصوص موجود ہیں اور حیرت ہے کہ ایک گروہ ان تک کو پس پُشت ڈالے رکھنے کی جرأت رکھتا ہے! پیمبر کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع و عدم وقوع میں بالکل نہیں۔ ظہور معجزات تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے جہاں تم وہیں میں ہوں۔ انتظار کرنے میں ہم سب شریک۔ ۳۶ؔ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ وہ تسکین تو کسی معجزہ کسی نشان کسی آیت سے بھی نہیں حاصل کرتے اور تسکین تو انہیں مقصود ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادّی توجیہ و تاویل پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اور اُس پر اعتراض کر۔ چٹ دوسرے معجزہ کی فرمایش شروع کر دیتے ہیں۔ مَكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۔ یعنی آیاتِ الٰہی میں طرح طرح کی تاویلیں اور توجیہیں۔ [illegible] النَّاسَ سے مُراد اس سیاق میں دنیا کی کافر آبادی ہے۔ [illegible] (روح) رَحْمَةً ۔ صحت و عافیت، جاہ و ثروت یہ سب اسی رحمت کی فردیں ہیں۔ ۳۷ؔ (اور وقت معیّن پر انہیں پوری پوری سزائیں مل کر رہیں گی) رُسُلَنَا ۔ رُسُل یہاں فرشتوں کے لئے ہے۔ [illegible] اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۔ یعنی اللہ نہ ان کی کوئی تدبیر چلنے دے گا، نہ انہیں کوئی موقع بچاؤ کا دے گا اور جلد سے جلد ان کی چالوں کا توڑ کر دیگا۔ [illegible] عربی کے قاعدۂ مشاکلت کا ذکر دیباچہ تفسیر میں آچکا ہے۔ مکر کا لفظ اللہ کے سلسلہ میں بہ قاعدۂ مشاکلت ہی آیا ہے۔ مکر پر حاشیہ واللہ خیر الماکرین کے تحت میں پ۳ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ [illegible] مشاکلۃ (روح)

بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ ۚ
اسی میں ترمیم کردو، آپ کہدیجئے، میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کرڈوں میں تو بس اسی کی
اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ
پیروی کرونگا جو میرے پاس وحی سے پہنچتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں
رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵﴾ قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ
یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲۹ آپ کہدیجئے کہ اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو میں نہ
عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰٮكُمۡ بِهٖ ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ
تم کو یہ کلام پڑھ کر سنا سکتا اور نہ (اللہ) تم کو اس کی اطلاع کرتا، اور پھر میں تو تمہارے درمیان اس کے قبل
قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى
بھی اتنے حصۂ عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے ۳۰، اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو
اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ
اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے، یقیناً مجرموں کو فلاح نہیں ہوتی ۳۱، یہ
يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ
اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور
وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـئُوۡنَ
کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَهٗ
چیز کی خبر دیتے ہو جو (اللہ کو) معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ۳۲ وہ پاک

۲۹ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا تصریحی اعادہ ہے کہ رسول اللہ صلعم صرف حامل شریعت ہیں، بانیٔ شریعت نہیں۔ احکامِ الٰہی کا اتباع آپؐ پر بھی اسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر۔ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ ۔ یعنی تمہاری اس فرمایشی ترمیم پر عمل کرنا میری بساط سے باہر ہے۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بدعت حرام ہے۔ دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب پیمبر معصوم تک کو حاصل نہ ہوسکا تو کسی غیر معصوم کو کب اس کا حوصلہ ہوسکتا ہے ——— اور علماء حق نے یہ جو لکھا ہے کہ سنت بعض حالات میں قرآن کی ناسخ ہوجاتی ہے سو "نسخ" سے اُن کی مُراد ترمیم و تبدیل ہرگز نہیں کہ یہ تو بالاتفاق حرام ہے۔ "نسخ" سے اُن کی اصطلاح میں مُراد صرف اس قدر ہے کہ قرآن میں جو حکم مجمل تھا۔ سنت نے اس کی تفصیل کردی۔ اور جس باب میں اجمال تھا اُس کی تصریح کردی۔ یا یہ کہ جو حکم موقت تھا اور اُس کا موقت ہونا ہم پر مخفی تھا، اُسے واضح کردیا۔ اور پھر جو سنت کسی معنیٰ میں بھی قرآن کو "نسخ" کرتی ہے وہ بھی رسولؐ کی اپنی رائے و فہم کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے۔ ان نسخ القران لا یجوز عندنا الا بسنة هی وحی من قبل اللہ تعالیٰ اللہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ فنسخ حکم القران بالسنة انما ھو نسخ بوحی اللہ من قبل النبی صلعم (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی حاکم یا قاضی کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی رعایت سے یا نفع کی خاطر کسی شرعی حکم کو متروک اور مسکوت عنہ قرار دے دے۔ البتہ فتنہ اور خوفِ حاکم سے سکوت کی گنجایش نکالی ہے۔ پیر پرستی بلکہ پیر زادگی پرستی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ رسول معصوم تک امکان عذابِ آخرت سے خائف ہو رہے ہیں۔ ایسے حال میں کسی شیخ یا کسی شیخ کی اولاد کو بہرحال مامون و محفوظ سمجھتے رہنا تعلیماتِ اسلام پر کیسا ظلم صریح ہے!

۳۰ "روشن خیالان" عرب کی اسی فرمایشی ترمیم کے جواب میں رسول اللہ صلعم کے جواب کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ (۱) اپنی عمر کے ۴۰۔ ۴۵ سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزار چکا ہوں۔ میرے تدین، راستبازی، صداقت شعاری پر تم سب گواہ۔ تم نے کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی کذب و افترا سے مجھے کام لیتے تم نے دیکھا یا سنا ہے؟ پھر جب یہ نہیں، تو اتنے بڑے افترا کی کہ اپنے کلام کو خدا کا کلام کہہ کر پکار دوں، آخر مجھے جرأت ہو ہی کیونکر سکتی ہے؟ تمہاری عقلیں اس احتمال ہی کو کیسے تسلیم کر رہی ہیں؟ (۲) تمہارے درمیان اپنی عمر کا اتنا بڑا حصہ میں گزار چکا۔ میری ایک ایک خو بو سے تم واقف ہوچکے۔ میری بولی، میرے اندازِ کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے۔ تمہیں قرآن میں اور میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ میں چاہوں بھی تو قرآن جیسے ممتنع النظیر کلام پر کب قادر ہوسکتا ہوں؟ اب تک میرا کوئی کلام اس ٹکر کا جب نہ ہوا، تو آج کیسے ہوا جا رہا ہے؟ قرآن کا یہ استدلال اپنے کلام الٰہی ہونے پر پورا وزن دار اُس وقت بھی تھا۔ پھر جس وقت سے احادیثِ رسول مدون ہوگئیں اُس وقت سے تو اس دلیل میں اور زیادہ جان پڑ گئی ہے حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعے ایک دو کی نہیں، بیسیوں کی تعداد میں آج سے نہیں صدیوں سے شائع چلے آ رہے ہیں۔ کیا عقل کے اندھوں کو اتنا نظر نہیں آتا کہ جو زبان بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی ہے وہ قرآن کی ہے یا ہوسکتی ہے؟ ——— زبان، اندازِ بیان، اسلوبِ کلام، نوعیت تراکیب کا اتنا نمایاں و واضح فرق بھی کیا شام، مصر فلسطین، عراق وغیرہ کے اہل زبان یہود اور نصرانیوں کو نہیں سجھائی دیتا؟ اور ذکر میں ضمیر فاعلی حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ الی اعلمہ کذلک قتادہ ترجمہ بعض نے رسول کی طرف بھی سمجھی ہے۔ مقصد حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

۳۱ یہاں یہ بتایا کہ اپنے دل کی گڑھی ہوئی چیزوں کو وحی الٰہی قرار دے دینا اور آئی ہوئی وحی الٰہی کی تکذیب دونوں یکساں اور شدید ترین جرائم ہیں اور فلاح ایسے مجرموں کے نصیب میں نہیں۔

۳۲ اس آیت میں تمام مشرک قوموں کے معبودانِ باطل کی بے حقیقتی بیان کی ہے اور ان کا یہ جھوٹا عذر بھی کہ ہم ان دیویوں دیوتاؤں کو کچھ مستقلاً متصرف فی الکائنات اور خدا تھوڑے ہی مانتے ہیں ہم تو ان کی حیثیت مستقل شفیع کی مانتے ہیں۔ عرب کے مشرکین کی طرح یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ مسیح پرستی کے سلسلہ میں تو کھلا ہوا اور سب کا اور اولیاء پرستی کے سلسلہ میں اُن کے فرقہ کیتھولک کا۔ اولیاء کو وہ شفعاء ہی ٹھہراتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اہل بدعات کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے کہ اگر قبور اکابر کی تعظیم مفرط کی جائے گی تو یہ اکابر صالحین اپنے پرستاروں کے حق میں شافع و شفیع بن جائیں گے۔ اور ہر طرح عذاب الٰہی سے اُن کے آڑے آجائیں گے اور یہ بلا اس اُمت پر آج سے نہیں کم از کم امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ ہجری) کے زمانہ سے تو ضرور مسلط ہے۔ ونظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد انھم اذا عظموا قبورھم فانھم یکونون شفعاء لھم عند اللہ (کبیر) اور ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ کے علم میں نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ کے حدودِ علم سے خارج کون سی چیز ہے؟ آیا ان "معبودوں" کا شفیع ہونا یا ہر شفیع کے لئے مرتبۂ معبودیت کا لزوم؟ جواب یہ ہے کہ دونوں۔ استدلال مشرکین کے صغریٰ و کبریٰ دونوں ہی مہمل تھے۔

طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا
سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں۲۲، اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے
لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ کَاَنۡ
لیٹے بھی اور بیٹھے بھی اور کھڑے بھی ۲۳ پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں
لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلۡمُسۡرِفِیۡنَ
تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اسے پہنچی ہے اس کے لئے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۲۴ اسی طرح فضول کاروں
مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدۡ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ
کو انکے اعمال خوشنما کر دکھائے جاتے ہیں۲۵، اور بالیقین ہم تم سے قبل بہت سی نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں
لَمَّا ظَلَمُوۡا ۙ وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَمَا کَانُوۡا
جبکہ انہوں نے ظلم کیا درآنحالیکہ ان کے پاس انکے پیمبر کھلے دلائل کے ساتھ آتے رہے اور وہ ایسے تھے
لِیُؤۡمِنُوۡا ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰکُمۡ
ہی نہیں کہ ایمان لے آتے ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو ۲۶ پھر ہم نے ان کے
خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ
بعد تمہیں زمین پر نائب کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ
عمل کرتے ہو ۲۷ اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو
الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ
ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ ۲۸ یا

۲۲ (کہ فوراً عذاب لے آنا حکمت تکوینی کے منافی ہے) ۲۳ یعنی ہر حال میں اور ہر وضع کے ساتھ ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ شدت اضطراب و اضطرار میں ناشکرا انسان بھی توجہ الی اللہ میں لگ جاتا ہے۔ اَلۡاِنۡسَانَ۔ انسان سے یہاں مراد ناشکرا کافر انسان ہے۔ قیل المراد بالانسان الکافر (بحر)۔ ۲۴ یعنی ادھر مصیبتیں دور ہوئیں، ادھر غافل انسان پھر غفلتوں کا شکار ہو گیا۔ انما اراد جمیع حالاتہ (قرطبی) ای فی حال اضطجاعہ و قعودہ و قیامہ وفی جمیع احوالہ (ابن کثیر)

۲۵ عارفین نے اسی لئے ہمیشہ بڑے تضرع و ابتہال کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو حق ہمیشہ حق ہی کی صورت میں اور باطل ہمیشہ باطل ہی کی شکل میں دکھا۔ ع آب خوش را صورت آتش مدہ!

۲۶ (بوجہ اپنی غایت قساوت قلب و عناد کے) مراد یہ ہے کہ جب بعثت رسل اور ان کافروں کی طرف سے ان کی تکذیب کے بعد حجت ان پر پوری طرح ثابت ہو چکی تھی تو اب مزید تاخیر و امہال سے کوئی نتیجہ ہی نہ تھا۔ لَمَّا ظَلَمُوۡا۔ اس ظلم کے تحت میں کفر و شرک کے جملہ اقسام آگئے۔ نیز حدود شرعی سے تجاوز اور بدنی و مالی حق تلفیاں۔ بِالۡبَیِّنٰتِ۔ اس میں اللہ کی توحید اور پیمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہا آگئے۔ لِیُؤۡمِنُوۡا۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاکید النفی (مدارک، بیضاوی)

۲۷ یعنی آیا ویسے ہی کفر و شرک میں لگے رہتے ہو یا ایمان لے آتے ہو۔ لِنَنۡظُرَ۔ یعنی ظاہری طور پر بھی تمہاری جانچ کر لیں۔ ۲۸ (کہ ہمارے مسلک کے خلاف اس میں کوئی مضمون باقی نہ رہے) ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ۔ مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم تھے۔ آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے "روشن خیال" جاہلیت فرنگ کے "روشن خیالوں" کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے اور اس لئے قدرۃً فرمایش بھی آپ ہی سے کرتے تھے کہ یا تو اپنی کوئی دوسری تصنیف سنائیے یا کم از کم اسی تصنیف میں ہمارے نقطۂ نظر سے مناسب کانٹ چھانٹ کر دیجیے۔

۱۳ف یا " جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی اُمید ہی نہیں"۔ رجاء لغات اضداد میں سے ہے، اس کے معنی "اندیشہ" اور "امید" دونوں کے ہیں۔ اور مطلق توقع کے بھی۔ يطلق على توقع الخير وعلى الخوف وتوقع الشر وعلى مطلق التوقع (روح) بہرحال آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔ ۱۴ف (اور اس لئے آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے، اسی دنیوی زندگی میں مگن ہیں) گمراہی کی یہ دوسری منزل ہوئی۔ ۱۵ف (اور مادی زندگی پر شاد و شادمان ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پروا ہو بیٹھے ہیں) گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی۔ پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمت آخرت کی تمنا و طلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر یہ ہوجاتا ہے کہ اپنے انجام

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا

بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا ہی نہیں [۱۳] اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے [۱۴]

وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿۷﴾

اور اسی سے جی لگا بیٹھے ہیں [۱۵] اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے (بالکل) بے پروا رہتے ہیں [۱۶]

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ

یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بہ سبب اس کے جیسے وہ کرتے دھرتے رہے، بیشک جو لوگ ایمان

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ

لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا پروردگار انہیں پہنچا دیگا (ان کی منزل تک) بوجہ انکے

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۹﴾

ایمان کے ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی عیش (و مسرت) کے باغوں میں [۱۷]

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ

اسی میں ان کا قول ہوگا، پاک ہے تو اے اللہ [۱۸] اس میں ان کی (باہمی) دعا "سلام" [۱۹] ہوگی

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ

اور ان کی آخری بات ہو گی کہ ساری تعریف اللہ پروردگار عالمین کے لئے ہے [۲۰] اور اگر

يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ

اللہ لوگوں پر بُرائی واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ بھلائی کی جلدی مچاتے ہیں تو اُن کی میعاد کبھی کی

إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي

پوری ہو چکی ہوتی [۲۱] لیکن ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ان کی

ع ۱

وفنا کی طرف بھی خیال نہیں جاتا۔ اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہوجاتا ہے۔ کہ "ادھر" کی کھٹک کبھی کبھی بھی نہیں پیدا ہوتی۔

۱۶ف یعنی روزمرہ کی غفلت و بے حسی و بے پروائی کے علاوہ ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں مثلاً قحط، زلزلہ، وبا، جنگ عمومی، نگہانی مالی و جانی صدمات، یہ تک بھی انہیں بیدار نہیں کرتے۔ اور یہ بدستور فکر آخرت کی طرف سے بے پروا ہی رہتے ہیں — شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے! اور افسوس ہے کہ ذکر و فکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز و سامان اور مادی علوم و فنون و صنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات تہذیب فرنگی کا جزء اعظم ہیں! "مہذب" اور "اعلیٰ سوسائٹی" میں دوزخ و جنت برزخ اور وقت نزع کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ۱۷ف جنت تک اصلی رہنمائی کرنے والی شے ایمان ہے نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اعمال صالحہ اس میں صرف معین ہو جاتے ہیں اسی لئے يَهْدِيهِمْ کے ساتھ ذکر صرف ایمان کا کیا گیا يَهْدِيهِمْ۔ انہیں پہنچا دیگا ان کی منزل تک اور خود منزل سے مراد جنت ہے۔ يهديهم يجعل ايمانهم الى مآلهم ومقصدهم وهي الجنة (روح) قال ابو روق يهديهم ربهم بايمانهم الى الجنة (قرطبی) ۱۸ف یہ نعرہ بے اختیار اُس وقت زبانوں پر آئیگا جب وہ عجائبات جنت کا دفعۃً معائنہ کریں گے (حسب تفسیر تھانویؒ) ۱۹ف یہ اُس وقت جب وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے ملیں گے اور باہم مخاطب ہونگے۔ (حسب تفسیر تھانویؒ) ای يحيي بعضهم بعضا بالسلام (حالم)

۲۰ف یہ اُس وقت جب وہ اطمینان سے وہاں بیٹھ لیں گے، اور دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ وہاں کے دائمی عیش و سرور سے کریں گے۔ (حسب تفسیر تھانویؒ) دَعْوٰهُمْ۔ دعویٰ یہاں دونوں موقعوں پر دعا، یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔ دعوٰهم اي دعاؤهم (قرطبی) آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کی تسبیح اور خلق کے سلام سے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ اور آخر میں منزل ادائے شکر کی آتی ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں ذکر و عبادت بہ طور شعار و عادت ہوگا۔ تکلیف و جہد کا وجود نہیں۔ ورنہ صبر و مشقت کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ بعض صوفیۂ عارفین نے آخر دعوٰهم الخ سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ عاشقان صادق کے لئے آخرت میں حجاب لذات بھی حائل نہ ہوگا۔ ۲۱ف (اور یہ کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے) وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ مشرکین مکہ نے کہا یہ نبی اگر سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ جواب ملتا ہے کہ اگر کہیں اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ عذاب کے باب میں بھی اسی عجلت کا ہوتا جس کی توقع یہ باب رحمت میں رکھتے ہیں تو اب تک ان کا قلع قمع ہی ہو گیا ہوتا۔ قيل المعنى لو فعل الله مع الناس في اجابته الى المكروه مثل ما يريدون فعله معهم في اجابته الى الخير لاهلكهم (قرطبی) بِالْخَيْرِ۔ یعنی جس طرح کی عجلت وہ ثواب و رحمت کے موقع پر چاہتے ہیں یا جس طرح خیر و رحمت کے موقع دعا پر حق تعالیٰ کا دستور ہے۔ اي كما يستعجلون استعجالهم بالخير [illegible] لهم اذا دعوا على انفسهم او على اموالهم او اولادهم بالخير (ابن کثیر)

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ
کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟[57] تم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا
حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ
ہے، بیشک اُسی نے خلق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہی اُس کو دُہرائیگا، تاکہ انصاف کے ساتھ اُن لوگوں
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے[58] اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اُن کے لئے
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا
پینے کو کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بسبب اس کے کہ کفر
يَكْفُرُونَ ④ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ
کرتے رہتے تھے، وہ (اللہ) وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن[59]
نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ
اور اُس کے لئے منزلیں مقرر کردیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو[60]
مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
اللہ نے یہ (چیزیں) بے مقصد نہیں پیدا کی ہیں وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، اُن لوگوں کے
يَعْلَمُونَ ⑤ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ
لئے جو علم رکھتے ہیں[61]، بیشک رات اور دن کے اُلٹ پلٹ میں اور اللہ نے جو کچھ
اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ⑥
آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان (سب) میں اُن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو (اللہ سے) ڈرتے رہتے ہیں[62]

۵۷ (اور اب تک اپنی مشرکانہ گمراہیوں پر مُصِر ہو) ۵۸ انصاف سے جزا دینے کے معنی یہ ہیں کہ جو اجر و انعام موعود ہے، اُس میں کمی ذرا بھی نہ کرے اور اُس سے زاید اپنے فضل و کرم سے جتنا چاہے عطا کردے۔ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ - اِبْداء میں یہ بات بھی آگئی کہ خلق کی پیدائش عدم محض سے ہوئی ہے، کسی مادہ وغیرہ سے نہیں، جیسا کہ بعض مشرک فرقے اب تک سمجھ رہے ہیں۔ ۵۹ یہاں یہ بتادیا کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نور رکھنا سب اُسی قادرِ مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرامِ فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کرلی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر انگریزی کے حاشیے ملاحظہ ہوں۔ ضِيَاء - وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نُور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو۔ اس کا انعکاس ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک اُمّی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لاکر جدید سائنس کے اس بیان پر مُہرِ تصدیق لگادی کہ چاند بذاتِ خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سُورج کے عکس سے ہے۔ ۶۰ یہاں یہ حقیقت ظاہر کردی کہ اللہ نے ان اجرامِ فلکی کو خود انسان کی خدمت و راحت و نفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ اُلٹی انہی کی پوجا شروع کردیتا ہے! قَدَّرَهُ - ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے یعنی چاند کی چال کے لئے منزلیں مقرر کردی ہیں۔ مَنَازِلَ - منزل سے مُراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب و روز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ - کو قدّرہ سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔ ۶۱ (اور ہر چیز سے معرفت حاصل کرتے رہتے ہیں) إِلَّا بِالْحَقِّ - کل مقاصد و مصالح تو خدا معلوم کتنے ہوں گے سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور اُن کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحیدِ باری اور ردِّ شرک پر استدلال کرے۔ اھ مااراد اللہ بخلقہ ذلک الا بالحکمۃ والصواب واظہار الصنعۃ وحکمتہ ودلالۃ علی قدرتہ وعلمہ (قرطبی) ۶۲ (اور بُرائیوں سے بچتے رہتے ہیں) لَآيَاتٍ - اور سب سے بڑا نشان ہے مخلوقات کے عاجز، فانی اور محکوم ہونے پر اور اللہ کی صنعت، قدرت، تصرف و حکومت پر استدلال۔ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ - یہ دلائل ہیں تو ساری ہی خلقت کے لئے۔ لیکن ان سے نفع یاب وہی ہوں گے جو اہلِ تقویٰ ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگر آیت ماقبل کے ساتھ ملاکر پڑھی جائے تو اس سے ہیئت، حساب اور دیگر علوم طبعیات کے سیکھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ لیکن قید اتقاء نے ان تمام علوم کو اصلاح معاد و معاش تک بہ شرط اتباعِ شریعت محدود کردیا ہے۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاِحْدٰى عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یونس مکی ہے اور اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بڑے رحم کرنے والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا

الف، لام، را، یہ پُرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں ف۱ کیا لوگوں کو اس پر حیرت ہے کہ

اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ

ہم نے انھی میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

آئیں انکو خوشخبری سنائیے کہ اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس اونچا مرتبہ ہے ف۲

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ

کافر کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو کھلا ہوا جادوگر ہے ف۳ بے شک تمہارا پروردگار

اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ

پھر وہ عرش (حکومت) پر مستوی ہوا (ہر) کام کی تدبیر (وہی) کرتا ہے ف۴ کوئی سفارش کرنے

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ

والا نہیں ہے مگر ہاں بعد اُس کی اجازت کے ف۵ یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار، سو اسی کی عبادت کرو ف۶

ف۱ (اور اس لئے ہر طرح واجب الاحترام ہیں) الٓرٰ حروف مقطعات پر حاشیہ آغاز پارہ الٓمٓ میں گزر چکا۔ الٓرٰ کو یہاں ابن عباس صحابیؓ اور ضحاک تابعی نے انا اللہ اریٰ کا مخفف قرار دیا ہے۔ (ابن جریر) اَلْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یعنی ایسی کتاب جو پختہ اور سچی اپنے الفاظ و معانی، علوم و احکام، اخبار و قصص، ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہے اور ہر طرح کلام الٰہی مانے جانے کے قابل ہے۔ حکیم محکم کے معنیٰ میں ہے جیسے الیم مؤلم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ ~~ومعنی الحکیم فی ہذا الموضع المحکم صرف مفعل الی فعیل کما قیل عذاب الیم بمعنی مؤلم~~ (ابن جریر) تِلْكَ یہاں ھٰذا کے مرادف ہے اور اٰیات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں۔ ذٰلک پر جو حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ~~واولی التاویلین فی ذالک بالصواب تاویل من قال ... ہذہ آیات القرآن ... قال ابو عبیدۃ ... ہذہ~~ ~~قال الضحاک وغیرہ ای ہذہ آیات القرآن المحکم المبین~~ (ابن کثیر) ف۲ دنیا شرک پسند دنیا دیوی دیوتاؤں کو تو مان لیتی ہے، اوتار اور مظہر ربانی کے عقیدہ کو بھی بہ آسانی قبول کر لیتی ہے لیکن بشر کا بشر رہ کر رسول ہو جانا کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا —— قرآن مجید کہتا ہے کہ اُن کا اس عقیدہ پر حیرت کرنا یہ خود بڑی حیرت کی بات ہے۔ لِلنَّاسِ۔ الناس سے مُراد دنیا کی اکثریت ہے جو اوہامِ مشرکانہ میں گرفتار ہے مفسّرین نے کفار عرب مُراد لی ہے ~~المراد بالناس کفار العرب~~ (بحر) اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ۔ یعنی محمد صلعم کے پاس —— محض ایک شخص کے پاس، ایک مرد کے پاس! —— جاہلی دماغ انسان کو خدا مان لے گا، خدا کا بیٹا مان لے گا، خدا کا اوتار مان لیگا لیکن نہ مانے گا تو انسان کو رسُولِ خُدا! ~~ای الی بشر من جنسہم~~ ~~ان یعجبوا من ان یجعل الرسول بشرا~~ (کبیر) اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ پیمبر کے اصلی فرائض یہی دو ہیں۔ ایک انذار دوسرے تبشیر۔ قَدَمَ صِدْقٍ۔ یعنی درجۂ عالی۔ ~~قال الزجاج درجۃ عالیۃ~~ [illegible] ف۳ مشرکین عرب اپنے سے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت و تاثیر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے۔ اور آج جاہلیت جدیدہ کے علمبردار بڑے بڑے "دانایانِ فرنگ" بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز، محیر العقول محمدی کامیابیوں اور فتح مندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے بس تعبیر یہ کرنے لگتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ساری اسکیمیں کسی بڑے "چالاک دماغ" کا نتیجہ تھیں۔ ف۴ (سورۂ یُونس مکّی ہے۔ اب تک سُورتیں (زیادہ تر) مدنی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، جہاد، میراث، نکاح، طلاق وغیرہ احکام فقہی و تفصیلاتِ شریعت سے لبریز۔ اب اس سورۃ میں عام مکّی سورتوں کی طرح بیان عقائد ہی کا شرح و تفصیل کے ساتھ ہوگا، توحید، رسالت، معاد وغیرہ، آیت میں متعدد صفاتِ الٰہی کا اثبات کیا جارہا ہے، مثلاً یہ کہ وہی خالق ہے، ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی حاکم و آمر ہے، زمین و آسمان سب کہیں احکام اُسی کے جاری و ساری ہیں۔ رَبَّكُمُ۔ رب پر حاشیہ سورۂ فاتحہ رب العالمین کے تحت میں گذر چکا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ سب کا حاکم و خالق ہی نہیں، سب کو تربیت دینے والا، سب کو پستی سے بلندی تک، ضعف سے کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس میں دُہرے دُہرے مشرکانہ مغالطوں کی تردید ہے۔ پہلی بات تو یہی کہ یہ آسمان و زمین خود آفریدہ نہیں، مخلوق ہیں کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں، خود بخود نہیں آ گئے ہیں، دوسری بات یہ بتا دی کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ یوم سے مُراد ۲۴ گھنٹہ والا دن نہیں۔ ذکر وقت آفرینش عالم کا ہو رہا ہے۔ جب یہ "دن"، "رات"، اور ان کی تقسیم کا وجود ہی کہاں تھا۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش اور استوٰی دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ مراد یہ ہے کہ خالقِ کل ہونے کے ساتھ حاکمِ کل بھی وہی ہے۔ خلق کے بعد وہ معطل ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے (جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد ہے) بلکہ چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام بھی اُسی کی مشیت کر رہی ہے۔ ~~تدبیرہ بقضیہ ... وحدہ~~ (قرطبی) ف۵ یعنی مستقل منصب شفاعت رکھنے والا (MEDIATOR) تو کوئی بھی نہیں۔ ہاں اللہ ہی اپنے جس کسی مقرب و مقبول بندہ کو جس حد تک اور جن حالات میں جس کے لئے چاہے اجازت شفاعت دے دے۔ تو اصل اور مقدم شے شفاعت نہیں۔ بلکہ اذن شفاعت ہوئی۔ اِذْن کے لفظ نے پورا یہ مفہوم ادا کر دیا کہ اصل حاکم متصرف و مختار تو بس وہی ہے۔ شفاعت ہونے دینا اور نہ ہونے دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں جاہلی مشرک قوموں کا ردّ تو خیر ہی ہے، پوری تردید مسیحیت کی بھی آ گئی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کا دار و مدار ہی عقیدۂ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ عربی شرک میں بھی دیوتاؤں کے شفیع ہونے کا عقیدہ بہت زیادہ گھُسا ہوا تھا۔ ف۶ (اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو) ~~اعبدوہ واخلصوا لہ العبادۃ~~ (قرطبی)

فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اس نے ان کے ایمان میں ترقی دی اور وہ خوش ہو رہے ہیں ۲۳۴ اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ
مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
ہے سو اس (سورت) نے ان کی گندگی میں ایک اور گندگی بڑھا دی ۲۳۶ اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر
اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ
ہی تھے ۲۳۷ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی
لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ
نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ۲۳۷ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک
بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ
دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں ۲۳۸ اللہ نے
صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَاۗءَكُمْ
ان کا دل ہی پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ سمجھ سے کام نہ لینے والے لوگ ہیں ۲۳۹ بیشک تمہارے پاس
رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ
ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے، جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے تمہاری بھلائی
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ڶ لَاۤ
کے حریص ہیں ۲۴۰ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں مہربان ہیں ۲۴۱ پھر اگر وہ لوگ روگردانی کرتے رہیں تو آپ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾
کہہ دیجیے کہ میرے لیے تو اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ۲۴۲

ع ۱۶

منزل ۲

برابر ہوتی رہیں۔ اور جوں جوں وہ شرائط تقویٰ سے ہٹتے گئے، تقدمندی بھی ان سے کنارہ کرتی گئی۔ ۲۳۴ (اپنی اس ترقی ایمانی کے ادراک سے) مومن کا دل انوار تصدیق و یقین سے لبریز ہوتا ہے، ضرور تھا کہ ہر تازہ نزول قرآنی سے اس کے ایمان کی نورانیت، حلاوت و تازگی میں اضافہ ہو ـــــ پہلے تو وہ اپنے ایمان میں ترقی محسوس کرے اور پھر اپنی اس ترقی ایمان کے ادراک سے خوش بھی ہو۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ..... اِيْمَانًا۔ منافقین یہ سوال عوام مومنین سے بطور طنز و تعریض کرتے تھے ـــــ کہ بھلا بتاؤ تو اس نئی سورۃ کے نزول سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ ـــــ جواب اس کا کھلا ہوا یہی چاہتے تھے کہ کسی کے نہیں لیکن برعکس اس کے واقعۃً انہیں جواب مومنین کی زبان سے یہ ملتا تھا کہ "ہمارے ایمان میں" ۲۳۵ (کہ پہلے جتنے حصۂ قرآن سے انکار تھا، اب اس پر ایک اور حصہ کا اضافہ ہوا) منافق کا دل انکار و نفاق کی گندگی سے پہلے ہی لبریز ہوتا ہے، لازمی ہے کہ ہر نئے انکار سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو۔ ۲۳۶ یعنی ان میں سے جو مر چکے وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر رہیں گے وہ کافر مریں گے۔ ۲۳۷ یعنی یہ کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ آیت سے ضمناً حکمت ابتلاء پر بھی روشنی پڑ گئی۔ بلائیں اور مصیبتیں تکوینی طور پر تازیانۂ تنبیہ ہوتی ہیں جن کا کام انسان کو اللہ کی طرف لانا ہی ہوتا ہے۔ [illegible] مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ۔ کسی عدد معین کا بیان مقصود نہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔ والمراد من المرة والمرتين [illegible] يُفْتَنُوْنَ۔ یعنی یہ منافق اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انہیں منافقت کی بنا پر آفتوں ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے کبھی یہ کہ ان کی سازشیں کھل گئیں اور انہیں سزا مل کر رہی اور تفضیح جو ہوئی سو الگ کبھی یہ کہ ان کے حلیف مشرکوں کو شکست ہو گئی اور ان کے سارے سہارے ٹوٹ گئے۔ [illegible]

۲۳۸ (مجلس نبوی سے) منظر ایسے وقت کا ہے کہ منافقین بھی مجلس نبوی میں حاضر ہیں اور کسی سورت کا نزول رسول اللہ صلعم پر ہوا۔ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ۔ یعنی اٹھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی مومن تو ہمیں اٹھتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہے۔ جو رسول اللہ صلعم سے جا لگائے۔ اوپر ذکر منافقین کے تمسخر کا تھا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے، اب ذکر ان کے اس تنفر کا ہے جو انہیں مجلس نبوی سے تھا۔ ۲۳۹ یعنی ایسے لوگ جو خود اپنے نفع سے بھاگتے ہیں اور جتنی سمجھ انہیں عطا ہوئی ہے، اس سے کام نہیں لیتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ یعنی یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے، ان کا دل ہی اللہ نے ایمان سے بلکہ ہر خیر و طاعت سے پھیر دیا۔ [illegible] قال ابن عباس عن كل خير و رشد و هدى (کبیر) [illegible] ۲۴۰ یعنی تمہارے دکھ سے یہ خود دکھ محسوس کرتے ہیں اور تمہارے ہر نفع کے بڑے آرزومند رہتے ہیں! ـــــ یہ تھی شفقت رسول خدا کی خلق خدا کے ساتھ! لَقَدْ جَاۗءَكُمْ ـ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ کُمْ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں جگہ کس کی جانب ہے؟ یعنی رسول اللہ کس کے درمیان آئے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ مخاطب عرب ہیں کہ آپ اہل عرب کے درمیان بھیجے گئے تھے لیکن قول محقق یہ ہے کہ خطاب ساری نوع انسان سے ہے۔ آپ کی بعثت تنہا عرب کی جانب نہیں، سارے عالم کی جانب تھی۔ قال الزجاج [illegible] مشرک قوموں اور مشرک مزاج گروہوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ منصب رسالت پر کوئی بشر کیسے مامور ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بشریت پر بار بار زور دینا اسی عام گمراہی کے رد میں ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ الخ۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ یہ صفات ہیں جناب رسول اللہ صلعم کے، اور چونکہ شیخ مربی بھی رسول ہی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لئے یہ صفات شفقت علی الخلق اس میں بھی ہونے ضروری ہیں۔ ۲۴۱ جب آپ کی شفقت ساری خلق اللہ کے لئے تھی اور آپ کے دل میں درد نوع انسانی کے لئے تھا تو خاص مومنین کے ساتھ آپ کے درجۂ رأفت و کرم اور شفقت و تعلق قلب کا کہنا ہی کیا! ۲۴۲ (اور عرش عظیم موجودات میں سب سے اعظم ہے تو جو اس کا مالک ہے، اس کی تحت اور ملک کامل میں اور سارے موجودات عالم کا ہونا بالکل ظاہر ہے) [illegible] فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی یہ لوگ یہ سب کچھ جاننے، سمجھنے اور سننے کے بعد بھی اگر انکار پر قائم رہیں۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ یعنی میرا حافظ و ناصر تو وہی مولیٰ حقیقی ہے مجھے تمہارے اعراض و انکار سے ضرر کیا؟ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ یعنی میرا تکیہ اسی ذات عظیم پر ہے، نہ کہ اپنے نفس پر یا کسی اور ذات کے اوپر۔

(…مواش نے دعلاء میں بھی خلف کا احتمال ہی نہیں) ۲۲۸ یعنی ان میں ہی سے ہر عمل پر ان کے نام نیکی لکھ لی گئی۔ اللہ کی راہ میں ہر قدم اُٹھانے کیلئے بے حساب اجر و انعام کا اگر استحضار رہے تو اس کے بعد پھر جہاد و قتال کی سخت سے سخت کلفتوں کے پتھر بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ ۲۲۹ غزوۂ تبوک کی صورت خاص تھی اس کے بعد آیندہ کے لئے مستقل ہدایت ہو گئی کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز اکبارگی نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیرِ عام کا حکم دے دے، اور جہاد ہر فرد پر فرض عین ہو جائے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دینی مہم کا انتظام ایسا کرنا چاہیئے کہ دوسری ضروریات جن میں امر معاش بھی داخل ہے مختل نہ ہونے پائیں۔ ۲۳۰ (تعلیم و تعلّم کے ذریعہ سے) مِن كُلِّ فِرْقَةٍ۔ یعنی شہر کی کُل آبادی سے فرقة کا استعمال یہاں گروہ کثیر کے لئے ہُوا ہے۔ ~~[illegible] فرقة [illegible] (بحر) مدارک~~ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ۔ طائفة کا لفظ یہاں چھوٹی جماعت کے لئے آیا ہے اور فرقة کے مقابل ہے۔ ~~اے جماعة قليلة [illegible] مدارک)~~ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ۔ یعنی انتظام یہ رہنا چاہیئے کہ آبادی کا ایک حصّہ جہاد کے لئے باہر جائے، جنگ اور دوسری فوجی ضروریات (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کے لئے اور دوسرا حصّہ عام ملکی و شہری ضروریات (سول ڈیپارٹمنٹ) کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔ فقہار نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر قسم کا ساز و سامان تیار اور آدمی ہر قسم کی ہر ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئیں تاکہ رفاہ خلق صحت نفوس نظم اُمّت و شوکتِ اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے، سپاہی، اہل قلم، اہل حرفہ، تاجر، کاشتکار وغیرہ سب ہی ملّتِ اسلامی کے ضروری عناصر ہیں۔ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ فقہار مفسّرین نے یہیں سے طلب علم دین کا وجوب نکالا ہے۔ ~~[illegible] في وجوب طلب العلم [illegible] في هذا الباب [illegible] الكتاب و السنة (قرطبی)~~ فقہار نے لکھا ہے کہ تحصیل علم دین فرض کفایہ ہے، پس ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب عاصی ہونگے۔ ~~[illegible] دلالة على وجوب طلب العلم [illegible] فرض على الكفاية [illegible] سقط عن الباقين (جصاص)~~ فقہار صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض و غایت تفقہ فی الدین اور امر بالمعروف رہنی چاہیئے نہ کہ حصول جاہ و جمع مال یا بحث و جدال۔ فقہار مفسّرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریاتِ دین کی تعلیم و تعلّم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ~~استوى المومنين [illegible] الى النفير [illegible] عن التفقه في الدين [illegible] ان ينفر من كل فرقة منهم طائفة الى الجهاد ويبقى سائرهم يتفقهون [illegible] الجهاد [illegible] اشد من الجهاد [illegible] (مدارک)~~ ۲۳۱ (ہر بدی اور بدکاری سے۔ اور اس طرح ساری قوم میں نیک کرداری کا دَور دَورہ برابر قائم رہے) آج ”مہذب“ ”شائستہ“، قوموں کی فوجیں ہر قسم کے اخلاقی جن ناگفتہ بہ پستیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ (اور یہی دستور شروع سے تمام جاہلی قوموں کی فوجوں کا رہا ہے) اس کا حال کس سے مخفی ہے؟ اُمّت اسلامی کو اس قسم کے تمام خطرات سے مستقل نجات میں رکھنا دین کے مہمات اُمور میں سے ہے۔ قرآن مجید کی مستقل ہدایت ہے کہ مجاہدین و غیر مجاہدین کو برابر علمار حقانی اور فقہار ربانی کی تربیت اور ٹریننگ ملتی رہنی چاہیئے۔ ليتفقهوا ولينذروا ۔ دونوں میں ضمیر جمع غائب ان لوگوں کی طرف ہے جنہیں رسُول اللہ صلعم کے پاس ٹھیرا رہنا تھا۔ ~~الضمير للمقيمين مع النبي صلعم [illegible] (قرطبی) [illegible] الفرقة الباقية [illegible] الكلام (بحر)~~ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ یعنی یہ مجاہدین جب جہاد و قتال سے اپنے والوں کی طرف واپس آجائیں۔ وَلِيُنذِرُوا۔ یعنی احکامِ الٰہی سُنا سُنا کر اور بتا بتا کر انہیں ہر معصیت، بدکرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں۔ فقہار نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علمار حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایت خلق کے کام سے غافل ہوں، وہ ساری آبادی گنہگار ہوگی۔ بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے علمار حق اس کے خصوصاً ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔ ۲۳۲ یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے ــــــ گویا موجودہ جنگی اصطلاح میں ملّت کو ایک مستقل لام بندی (**Perpetual mobilisation**) کی حالت میں رہنا چاہیئے۔

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً
نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۲۲۷ اور جو کچھ چھوٹا بڑا خرچ انہوں نے کیا اور
وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ
جو میدان انہوں نے طے کئے یہ سب اُن کے نام لکھا گیا، تاکہ اللہ انہیں اُن کے
اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ
کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے ۲۲۸ اور مومنوں کو نہ چاہیے کہ (آیندہ)
لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ
سب کے سب نکل کھڑے ہوں ۲۲۹ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصّہ نکل کھڑا ہُوا کرے تاکہ
لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ
(یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں ۲۳۰ اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ اُن کے پاس
ع ۱۵ ۴ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ
واپس آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں ۲۳۱ اے ایمان والو اُن کافروں سے جنگ کرو جو
يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا
تمہارے آس پاس ہیں اور اُن کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے ۲۳۲ اور جانے رہو کہ
م أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم
اللہ تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۲۳۳ اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا نازل ہوتا ہے تو ان (منافقین)
مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا
میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی؟ سو جو لوگ ایمان والے ہیں

غِلْظَةً۔ یہاں خشونت کے معنی میں اس قدر نہیں جس قدر شدت، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں ہے جس سے ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے بلکہ اُلٹا ہمارا رعب اُن کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ ~~غلظة اے شدة وقوة وحمية (قرطبی) [illegible] (حاکم)~~ قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ۔ یہ حکم جہاد میں خاص ترتیب کا مل رہا ہے اور اس کے مصالح بالکل ظاہر ہیں۔ چنانچہ سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ نے نیز خلفار راشدین نے بہ اختیار خود جتنے بھی جہاد کئے یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ ~~ولهذا بدأ رسول الله صلعم بالعرب فلما فرغ قصد الروم وكانوا بالشام (قرطبی) اے ابدؤا بالقتال الاقرب فالاقرب اليكم دارا دون الابعد فالابعد [illegible] الذين يلون المخاطبين [illegible] (ابن جریر)~~ محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ۔ فقہار نے لکھا ہے کہ یہ ترتیب یا تو قربِ ملک کے لحاظ سے رکھنا چاہیئے اور یا پھر شدتِ کفر کے لحاظ سے۔ مشرکین کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کا رُخ نہ کریں اور قریب کو چھوڑ کر بعید پر تاخت نہ کریں، بجز اس کے کہ کوئی مصلحت خاص اس کی مقتضی ہو۔ فقہار مفسّرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ جہاد واجب نفس کفار کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں کے بھی ہوں، البتہ جو قریب تر ہیں ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔ ~~القتال واجب مع جميع الكفرة قريبهم و بعيدهم [illegible] (مدارک) [illegible] بالذكر الذين يلونهم من الكفار [illegible] قتال جميع الكفار في وقت واحد وان الممكن منه هو قتال طائفة فكان من قرب منهم اولى بالقتال ممن بعد (جصاص)~~ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیئے کہ یہی سب سے قریب تر ہے نفس اگر کافر (لغوی معنی میں) ہے تو ان مجاہدات سے وہ مطیع اور مومن اور مطمئنہ ہو جائیگا۔ ۲۳۳ (سو جہاد و قتال کی بنیاد بھی تقویٰ ہی پر رہنا چاہیئے) یہاں اگر ایک طرف لفظ متقین لا کر جہاد و قتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی اور طمع مال اور حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیئے تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاقہ معیّت اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تمہیں اب خوف و ہراس کی بات ہی کیا ہے، تمہاری نصرت کے لئے تو ہر قوی سے قوی تر ناصر و حافظ موجود ہے۔ ~~اے ليقينوا عند قتالكم [illegible] الله معكم وهو ناصركم عليهم (ابن جریر) فان الله ناصر من اتقاه ومعينه (بحر) [illegible] ان الله [illegible]~~ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جن مسلمان سلاطین نے یہ تقویٰ کی شرط پوری رکھی اور احکام شریعت پر عمل جاری رکھا۔ اُن کے زمانہ میں فتوحات بھی

۲۲۱ قرآن مجید مبالغہ بیانی سے آشنا نہیں جو سختیاں ان تین صاحبوں کو پیش آرہی تھیں وہ حقیقۃً ناقابلِ برداشت ہو چلی تھیں۔ ساری اسلامی سوسائٹی نے ان کا کامل مقاطعہ کر رکھا تھا مدینہ کی اتنی بڑی آبادی میں اب نہ ان کا کوئی دوست آشنا تھا نہ کوئی عزیز و قریب۔ حد یہ ہے کہ اُن کی بیویوں تک نے (جن کا کام ہی ہمدردی و غمگساری تھا) ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا چنانچہ انہی میں سے ایک صاحب کعب بن مالکؓ کی زبان سے جو طویل روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہے خود اس میں یہ الفاظ ہیں:۔ فاجتنبنا الناس وتغیروا لنا حتی تنکرت لی فی نفسی الارض فما ھی بالارض التی کنت اعرف (لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگے اور ہمارے حق میں اجنبی بن گئے، چنانچہ مجھے اپنا وطن وہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جس سے میں واقف تھا یعنی وطن پردیس بن گیا تھا) اور پھر آگے چل کر قرآن ہی کے لفظ اختیار کر لئے ہیں:۔ قد ضاقت علیّ نفسی وضاقت علی الارض بما رحبت (میں اپنی جان سے تنگ آگیا اور زمین باوجود اپنی فراخی کے میرے اُوپر تنگ ہو گئی) اور پھر یہ خیال رہے کہ یہ مصیبت کوئی ایک دو دن کی نہ تھی۔ سات سات ہفتہ یا پورے ۵۰ دن قائم رہی! ان تین صحابیوں میں سے دو بدری تھے۔ (اور اصحاب بدر کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں) اور تیسرے صاحب بھی بجز بدر کے اور غزوات میں برابر شریک رہ چکے تھے!— یہ سزا ایسے ایسے اکابر کو مل رہی ہے! یہ معنی ہیں نظام اسلامی میں ڈسپلن یا اطاعت کے! یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترک سلام و کلام بالکل درست ہے۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ترک کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے تو اس سے وہ موقع مُراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہو (تھانوی)

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا

زمین اُن پر باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ

اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ

لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اُسی کی طرف کے ۲۲۱ پھر اُس نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی ۲۲۲

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ١١٨ ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

تاکہ وہ رجوع کرتے رہا کریں ۲۲۳ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ اے ایمان والو، اللہ سے

اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ١١٩ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ

ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہا کرو ۲۲۴ مدینہ والوں اور اُن کے

مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

اردگرد جو دیہاتی ہیں انہیں نہ چاہیئے تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر

وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا

پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو انکی جان سے عزیز رکھیں ۲۲۵ یہ (رفاقت ضروری) اسلئے تھی کہ ان

يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

(مجاہدین) کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا وہ چلے کافروں

اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ

کو غیظ میں لانے والا اور دشمن سے انہیں جو کچھ حاصل ہوا ان سب پر اُن کے نام

عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

(ایک ایک) نیک عمل لکھا گیا ۲۲۶ بیشک اللہ

ع ١٤ / ٢

۲۲۲ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت اپنے محبین کے ساتھ یہ جاری ہے کہ جب اُن سے کوئی امر اُن کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے اُن کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اُس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو پھر اُن پر کرم کی بارش کی جاتی ہے یعنی انہیں توفیق نیک دی اور پھر اُن کا قصور معاف کر دیا۔ اے وفقھم للتوبۃ (جلی)

۲۲۳ یعنی آیندہ بھی ہر موقع مصیبت و معصیت میں اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہوں۔ قبل توبتھم من التخلف لیتوبوا فی المستقبل ان صدرت منھم ھفوۃ ولا یتخطوا من کرمہ سبحانہ (روح)

۲۲۴ یعنی صادقوں کی راہ پر چلو۔ انہی کی طرح صدق اختیار کرو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجماع اُمت کے حجت شرعی ہونے پر یہ آیت ایک مستقل دلیل ہے۔ دل علی قیام الحجۃ علینا باجماعھم (جصاص) والاٰیۃ تدل علی ان الاجماع حجۃ لانہ امر بالکون مع الصادقین فلزم قبول قولھم (مدارک) یدل علی ان اجماع الامۃ حجۃ (کبیر) عارفین نے شیوخ کامل و ائمہ مجتہدین کی اقتداء و صحبت کا اشارہ بھی اس سے سمجھا ہے۔ الصَّادِقِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو دین میں نیت اور قول اور عمل کے لحاظ سے صادق ہیں۔ الذین صدقوا فی الدین نیۃ وقولاً وعملاً (مدارک) مَعَ الصّٰدِقِيْنَ بعض نے معیت کی تفسیر قرب و قرین رہنے سے کی ہے۔ اس صورت میں صحبت صالحین کی ترغیب آیت سے نکلے گی۔

۲۲۵ یعنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ لوگ خود تو آرام سے گھر بیٹھے رہیں اور شقتیں اور صعوبتیں رسول اللہ صلعم جھیلتے رہیں۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ معیت و نصرت صرف عرب تک محدود یا شانِ رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ نصرت دین مقصود ہے۔ اس لئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت و حفاظت میں مستعد رہے۔ آیت کا صیغہ ظاہری خبر کا ہے۔ حالانکہ مُراد نہی یا امر امتناعی ہے یعنی مقصود کسی خبر یا واقعہ کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا تھا۔

۲۲۶ (سو یہ لوگ بھی اگر اخلاص کے ساتھ رسول اللہ کے ساتھ جاتے تو ان کے لئے بھی اسی طرح بات بات پر اجر اور قدم قدم پر ثواب تھا) یہ مقتضائے مقبولیت و محبوبیت ہے کہ امور اضطرار یہ بھی مثل اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے (تھانوی) لیکن یہ اعمال و کیفیات اضطراری تو ہیں بھی نہیں، جہاد میں چلنا تو بہرحال تمام تر اختیاری تھا، ممکن جو کچھ حاصل ہوئی وہ اسی عمل اختیاری کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ یہ پیاس، بھوک وغیرہ کا ذکر محض بطور نظیر ہے، یہ مُراد نہیں کہ اجر صرف انہی چند اعمال و کیفیات پر محدود ہے۔ لَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ۔ لا دونوں جگہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ لا مزیدۃ للتوکید (روح) لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا۔ غنیم سے مسلمانوں کو حاصل کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کی چیزیں یعنی ایک طرف مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت۔ دوسری طرف زخم، قتل، گرفتاری وغیرہ مفسرین نے دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ ا یصیبون من عدوھم قتلاً او اسراً او غنیمۃ او ھزیمۃ (قرطبی) وھو ما لھم من احد امرین اما الظفر بھم او الشہادۃ (منھم جصاص)

۲۱۰ (اس کی حالتِ حیات میں جبکہ آپؐ کو یہ علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اُس کی موت کفر پر ہوگی اور اس لئے وہ مثال اب کسی کے لئے حجت و سند نہیں) اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت میں ہے۔ سأستغفر لك ربی انه
کان بی حفیا۔ ماکان۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال دو مختلف مفہوموں کے لئے ہوا ہے کہیں تو تکوینی حیثیت سے کسی واقعہ کی نفی مراد ہوتی ہے مثلاً اس آیت میں ماکان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ اور کہیں تشریعی
طور پر نہی یا ممانعت مثلاً اسی آیت میں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ جس فعل سے مرید کو منع کرے اور خود اُس کو کسی عارض سے کرنا پڑ جائے تو چاہیے کہ مرید کے سامنے اسے کھول کر بیان کر دے تاکہ وہ
اُس کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائے۔ ۲۱۱ (اور اُس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی) جب موت کفر پر واقع ہو جائے جب تو مغفرت کا احتمال ہی نہیں، لیکن زندگی بھر تو یہ اُمید قوی یا ضعیف بہر حال لگی رہتی ہے کہ
شاید اب اُسے توفیق ہدایت ہو جائے اور مغفرت ہدایت سے لازم آجاتی ہے چنانچہ زندہ کافر والدین کے حق میں دعائے مغفرت مطلق ممنوع نہیں۔ وقد قال کثیر من العلماء لا بأس ان یدعو الرجل لابویه الکافرین و
یستغفر لهما ما داما حیین (قرطبی) بلکہ حضرات صحابہ کا عمل ہی یہی تھا۔ قال ابن عباس کانوا یستغفرون لهم حتی نزلت فلما نزلت امسکوا عن الاستغفار لأمواتهم ولم ینهوا ان یستغفروا للاحیاء حتی یموتوا (قرطبی)

مَوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ

وعدے کے سبب تھا جو انہوں نے اُس سے کر لیا تھا پھر جب اُن پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق

مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوۡمًۢا

ہو گئے ۲۱۲ بیشک ابراہیمؑ بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے ۲۱۳ اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو اس کے ہدایت کئے پیچھے

بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىهُمۡ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمۡ مَّا یَتَّقُوۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

گمراہ کر دے جب تک اُن لوگوں کو صاف صاف نہ بتلا دے کہ وہ ان چیزوں سے بچتے رہیں ۲۱۴ بیشک اللہ

شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ یُحۡیٖ

ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ۲۱۵ بیشک وہ اللہ ہی ہے جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے (وہی) جلاتا

وَیُمِیۡتُ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۱۶﴾

ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی بھی یار و مددگار نہیں [illegible]

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالۡمُهٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِیۡنَ

بیشک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی

اتَّبَعُوۡهُ فِیۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ یَزِیۡغُ قُلُوۡبُ

جنہوں نے نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا ۲۱۶ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں

فَرِیۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱۷﴾

کچھ تزلزل ہو چلا تھا ۲۱۷ پھر اللہ نے ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرما دی ۲۱۸ بیشک وہ ان کے حق میں بڑا

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَیۡهِمُ

شفیق بڑا رحمت والا ہے ۲۱۹ اور ان تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا ۲۲۰ یہاں تک کہ جب

منزل ۲

۲۱۲ (چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں آپؑ برابر حلم ہی سے کام لیتے گئے۔ یہاں تک کہ جوشِ شفقت سے طلب مغفرت کا وعدہ بھی کر لیا) مفسر تھانویؒ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں اُس کے لئے طلب مغفرت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اُس کے حق میں طلب ہدایت کی جائے۔ اور یہ جو حدیث بخاری میں آیا ہے کہ آخرت میں حضرت ابراہیمؑ آذر کو دوزخ میں دیکھ کر دُعا کریں گے کہ مجھے حسبِ وعدہ رسوائی سے بچایا جائے اور اس پر آذر کی شکل انسان سے جانور میں تبدیل ہو جائے گی کہ کوئی دیکھ کر پہچان ہی نہ سکے، اس پر بہترین تقریر مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں موجود ہے۔ اُسی کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ یعنی اللہ کے دین کا دشمن، اللہ کے قانون کا باغی، ورنہ براہ راست اللہ سے دشمنی کوئی بندہ کر ہی کیسے سکتا ہے۔ اَوَّاهٌ کہتے ہیں خشیتِ الٰہی سے مغلوب کو۔ یعنی [illegible] (روح) حیثیت [illegible] التضرع سے آتی ہے۔ [illegible] (قرطبی) ۲۱۳ (پس اس قاعدہ کے مطابق جب تک تم کو استغفار مشرکین سے ممانعت کی نہیں گئی تھی، اُس استغفار کی پرسش تمہیں ہو نہیں سکتی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے) "ناجائز افعال کا خاصہ ہے کہ ان کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ... اور اس پر نظر کر کے مومن خائف کو توہم ہو سکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار ناجائز سے کہیں یہ ضرر مذکور نہ پہنچا ہو۔ اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل میں اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے۔" (تھانوی)
لِیُضِلَّ۔ حق تعالیٰ کی طرف یہ اضلال یا گمراہ کرنے کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بنا پر ہے ورنہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کسی کو کسی حال میں بھی گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے، بلکہ آیت پر پورے طور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی ارادی نافرمانی ہی اُسے اضلال کی طرف لے جاتی ہے جب بندہ حکم مَا یَتَّقُوۡنَ کی پروا نہیں کرتا اور اس کی "تبیین" ہو چکنے کے بعد بھی اس کی خلاف ورزی کئے جاتا ہے، جب جا کر اُس کا عمل اضلال شروع ہوتا ہے۔
[illegible] انتهاك محارمه كانت سببا للضلالة والردی [illegible] الرشاد والهدی (قرطبی) ۲۱۴ (چنانچہ اس کا بھی علم رکھتا ہے کہ بغیر اُس کے بتلائے ہوئے کوئی بھی ایسے احکام کو سمجھ نہیں سکتا اور اسی لئے قبل حکم ممانعت ان افعال سے مضرت نہیں پہنچنے دیتا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق اضلال کون) ۲۱۵ (وہی قبل ممانعت ضرر سے بچاتا ہے اور وہی بعد ممانعت عدم تعمیل پر سزا بھی دینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ ..... یُمِیۡتُ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ہر طرح کی قدرت، حکومت، اختیار اُسی کا ہے۔ وہی جو چاہے حکم دے اور جس ضرر سے چاہے بچالے کسی شے میں فی نفسہ کوئی خاصیت موجود نہیں، مضرت و منفعت کی جو بھی خاصیت پیدا ہوتی ہے، اسی مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی مشیت و
ارادہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ۲۱۶ ذکر اب پھر غزوۂ تبوک کا چلا ہوا اور پہلے دُور تک آچکا ہے۔ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ۔ نبی پر توجہ برحمت یہ کہ آپؐ کو نبوت سے اور امامت جہاد سے اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا۔ وَ
الۡمُهٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ۔ ان انصار و مہاجرین پر توجہ برحمت یہ کہ انہیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا۔ فِیۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ اس غزوہ کے خصوصیات جن کی بنا پر یہاں ساعۃ العسرۃ لایا گیا ہے، حسب ذیل
تھے:۔ (۱) شدید گرمی کا موسم۔ (۲) باغات کی فصل تیار ہونے کا زمانہ۔ (۳) مسافت دُور دراز کا سفر۔ (۴) مقابلہ میں منتشر و متفرق قبائل نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ و قواعد داں رُومی شہنشاہی فوج ہر طرح کے سامان
جنگ سے آراستہ۔ (۵) سواری کی اتنی کمی کہ ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔ (۶) سامانِ رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا ہے اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا۔ ان مصائب کی تفصیل حدیث و سیر
کی کتابوں میں ملے گی۔ لَقَدۡ تَّابَ ...... الۡاَنۡصَارِ۔ آیت مدح صحابہ کے باب میں بالکل شافی و وافی ہے۔ اور جن فرقوں نے اصحاب نبیؐ پر زبانِ طعن دراز کی ہے ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ [illegible]
[illegible] (بحر) ۲۱۷ (اور قریب تھا کہ وہ گروہ جہاد پر جانے سے ہمت
ہار جائے) ای کادوا لا یثبتون علی اتباع الرسول (کبیر) لفظ مَا كَادَ "قریب تھا" خود اس پر دلیل ہے کہ یہ عمل وقوع میں آیا نہیں تھا صرف آنے کے قریب تھا۔ ۲۱۸ (کہ اس گروہ کو بھی سنبھال لیا، اور یہ لوگ ساتھ ہو لئے)
۲۱۹ (چنانچہ ہر ایک کے حال پر رحمت ہی کے ساتھ توجہ فرمائی) ۲۲۰ (اور جن کا ذکر آیت ۱۰۶ میں گزر چکا ہے) احادیث میں ان تین صحابیوں کے نام حسب ذیل ملتے ہیں کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعۃ الانصاریؓ، ہلال بن
امیہ الواقفیؓ۔ خُلِّفُوۡا یعنی ان کا معاملہ چھوڑ رکھا گیا تھا، وحی الٰہی پر موقوف رکھا گیا تھا۔ ای خلفوا عن امرهم (ابن جریر) خود صاحب معاملہ حضرت کعب بن مالکؓ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ لیس الذی ذکر اللہ مما خلفنا تخلفنا
عن الغزو وانما هو تخلیفه ایانا وارجاؤه امرنا عمن حلف له واعتذر الیه فقبل منه (قرطبی)

۲۰۵ (اور وہ معاملۂ بیع دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے) اصل معاملۂ بیع صرف اس قدر ہے کہ مومنین اپنے جان و مال کو بلا شرط و قید و حجت کے اللہ کے حضور میں نذر کر چکے ہیں اور اُدھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔ جہاد و قتال اسی اصل کی ایک اہم فرع ہے۔ اِشْتَرٰی۔ لفظ اشترا، کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت و کرم ہی سے ہے ورنہ کسی بندہ کی جان اور مال اس کی اپنی ملک ہے کب؟ یہ ملک تو تمامتر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے ——— اپنی ہی ملک کو دوسرے سے خرید کر لینا اور اُس کی قیمت ادا کرنا کیسا احسان بے غایت اور کیا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ کے ستر شرفاء نے مکہ میں آکر رسول اللہ صلعم سے بیعت کی (اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے) اور اُن کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو، میری بھی حفاظت کرو۔ وہ بولے کہ اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا "جنۃ"۔ وہ لوگ بول اُٹھے ربح البیع لا نقیل ولا نستقیل یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا۔ ہم نہ اس بیع کو توڑیں نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں! تو غرض یہ کہ اصل بیع اسی بذل نفوس و اموال کا تھا۔ قتال و مقاتلہ اسی کی فرع ہے۔

وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
اور (کبھی) وہ مار ڈالے جاتے ہیں، اس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت اور انجیل اور
وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
قرآن میں ۲۰۶ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے؟ ۲۰۷ سو تم خوشی مناؤ
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾
اپنی بیع پر جس کا تم نے سودا کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے ۲۰۸
اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ
(وہ مجاہدین) توبہ کرتے رہنے والے ہیں عبادت کرتے رہنے والے ہیں حمد کرتے رہنے والے ہیں روزہ رکھنے والے ہیں
السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
رکوع کرتے رہنے والے ہیں، سجدہ کرتے رہنے والے ہیں، نیک باتوں کا حکم کرنے رہنے والے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہنے
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ
والے ہیں اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے ۲۰۹ نبی اور جو لوگ
لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ
ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین)
كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ
رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہل دوزخ
الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ
ہیں ۲۱۰ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض

اللہ کا یہ وعدہ ظاہر ہے کہ اس خاص واقعہ کے بعد سے اُمّتِ محمدی کے ایک ایک مجاہد سے قیامت تک کے لئے ہے۔ ثم هي بعد ذلك عامة في كل مجاهد في سبيل الله من امة محمد صلعم الى يوم القيامة (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مالک اور غلام کے درمیان معاملت جائز ہے۔ [illegible] دليل على جواز معاملة السيد مع عبده وان كان الكل للسيد (قرطبی) يَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ اس ٹکڑے نے صاف کر دیا کہ وہ انعام بے بدل یعنی جنت، مقتول ہونے یا شہادت پانے ہی پر منحصر نہیں۔ محض اپنی طرف سے جان پیش کر دینے پر ہے۔ دنیا میں انجام اس کا خواہ کچھ بھی ہو۔ [illegible] (روح) ۲۰۶ قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے۔ اور قرآن کے ساتھ توریت و انجیل کے ناموں کا اضافہ تاکید بیان کے لئے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتب آسمانی میں درج ہو چکا ہے۔ عَلَيْهِ۔ یعنی اسی بذل نفوس و اموال پر، ایثار جان و مال پر۔ وَعْدًا حَقًّا۔ سچا وعدہ جنت کا۔ فِي التَّوْرٰىةِ۔ توریت جس کی تحریفات دوست دشمن سب کو مسلم ہیں، اب اُس میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا نہ ملے، جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی شاید قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اللہ کی محبت و رضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ توریت بھی خالی نہیں:۔ "سُن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ" (استثناء ۶: ۴، ۵) "اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کریگا تاکہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور سارے جی سے دوست رکھے" (استثناء ۳۰: ۶) وَالْاِنْجِيْلِ۔ انجیل تو توریت سے بھی محرّف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے۔ تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اُس سے بھی ابھی تک محو نہیں ہو سکا ہے:۔ "جس کسی نے گھروں، یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اُس کو سَو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا" (متی ۱۹: ۲۹) ۲۰۷ یعنی یہی آخرت کا اطمینان اور جنت کا یقین۔ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ انتہائی تاکید و تنبیہ کے طور پر یاد دلا دیا ہے کہ وعدہ کسی اور کا نہیں، جس میں احتمال بھی خلف وعدہ کا ہو۔ وعدہ اُس کا ہے جس کے وعدہ میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فَاسْتَبْشِرُوْا اُوپر سے صیغۂ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب معاً بہ قاعدۂ صنعت التفات صیغۂ مخاطب شروع ہو گیا۔ جو دلیل ہے مخاطبین کے کمال شرف و اکرام کی۔ ہر مومن جب توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے تو اس خاص بیع کا اقرار بھی ضمناً کسی درجہ میں کر ہی لیتا ہے۔ اور شاید اسی لئے حسن بصریؒ نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بشارت اُمّت محمدی کے ایک ایک فرد کے لئے ہے۔ وقال الحسن والله كل [illegible] (قرطبی) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دس دس تاکیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ مثلاً لفظ وعدًا اور پھر علیہ اور پھر حقًّا وغیرہا۔ ۲۰۸ (اسی جنت کی)

الْمُؤْمِنِيْنَ مُراد وہی مسلمان ہیں جن میں جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ صفاتِ بالا بھی موجود ہوں جن پر جنت کا وعدہ ہے۔ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ ...... اللّٰهِ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان صفات کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں۔ یہ صفات اجرِ جہاد کی شرط نہیں، البتہ اُن کے اجتماع پر ثواب و فضیلت میں کثرت و قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا مجاہدین کو ترغیب ہے کہ محض جہاد پر نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجا لاتے رہیں۔ السَّاۗىِٕحُوْنَ۔ حدیث نبوی میں اس کی شرح الصائمون (روزہ داروں) سے آئی ہے اور صحابہ و تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ [illegible] (قرطبی) [illegible] (روح) ایک معنی طلبۂ علم کے بھی لئے گئے ہیں جو علم کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ [illegible] (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جنتیوں کی جن صفات کا ذکر اس تصریح کے ساتھ ہے یہ صاف ان جاہل صوفیہ کے رد میں ہے جو شریعت کے خلاف چلنا اور احکام شریعت کو توڑنا کوئی دلیل کمال سمجھتے ہیں۔ ۲۰۹ (اور اس کے ظہور کی صورت یہی ہے کہ وہ لوگ حالتِ کفر میں مرے ہوں یعنی وقت نزع تک اقرار ایمان انہوں نے نہ کیا ہو) حکم اسی ظاہر پر لگایا جائیگا باقی اصل حال تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ مرنے کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ایک بڑا حق ہے جو میّت کا زندوں پر رہ جاتا ہے سورۃ بھر میں برابر کافروں سے ترک تعلقات کے احکام ہیں۔ اب حکم یہ مل رہا ہے کہ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے اس بڑے حق سے بھی دست بردار ہو جائیں۔ جرم شرک و کفر ان کے اس حق کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ یہ قرابت کا تعلق خواہ مومنین کے ساتھ ہو یا خود نبی کے ساتھ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جانا ہی نجات کے لئے بالکل کافی ہے۔ وہ ذرا سوچیں کہ جب رسول اللہ صلعم تک سے مجرد نسبت (بلا ایمان) اس آیت کی رُو سے کافی نہیں تو پھر کسی اور بزرگ کا ذکر ہی کیا۔

انہ دلت ھذہ الآیۃ علی ترتیب الفضل فی الحسن والقرب بالاذاعۃ (جصاص) ۱۹۷ منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو اُمّتِ اسلامیہ کی عین آسائش اور اس کے لئے مزید گنجائش ہی مقصود ہے بجائے ایک کے دو مسجدیں ہوگئیں، قریب والوں کو کتنی آسانی ہوگئی، وقس علی ہذا ——— آہ، کہ آج بھی کتنے اِن اردنا الحسنیٰ کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے مار رہے ہیں! ۱۹۸ (نماز کے لئے) اے لاتقم فیہ للصلوٰۃ (قرطبی) یہ مسجد ضرار تو صرف صورۃً مسجد تھی ورنہ حقیقۃً تو عداوتِ اسلام کے لئے ایک کمین گاہ تھی جیساکہ ابھی قرآن مجید تصریح کرچکا ہے۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد معصیت اور مخالفتِ مؤمنین پر ہو گرادینے کے قابل ہے۔ فیہ الدلالۃ علی ان المسجد المبنی لضرار المومنین والمعاصی لا یجوز القیام فیہ وانہ یجب ھدمہ (جصاص) بعض نے لا تقم سے مجاز مُرادلی ہے یعنی کسی قسم کا التفات ونصرت اس عمارت اور اس کے بانیوں کی جانب نہ کریں۔ ای لا تلتفت الیہ ولا تنکر معھم۔ محض نام یا نیت جبکہ حقیقت سے خالی ہو ہرگز کسی حکمِ شرعی پر مؤثر نہیں ہوسکتا، چنانچہ نام اس عمارت کا بھی مسجد ہی تھا تاہم چونکہ حقیقتِ مسجدی سے بالکل خالی تھی اس لئے قابل توقیر واحترام تو کیا سمجھی جاتی اُلٹے گرادیئے جانے اور جلادیئے جانے کے قابل سمجھی گئی۔ چنانچہ احادیث میں تصریح آتی ہے کہ آپؐ نے صحابہ کو بھیج کر اُسے منہدم کرادیا اور اس میں آگ لگوادی ——— اور یہی حکم ہر خلاف شریعت رسم کا ہے، خواہ اس کا انتساب اسمی کسی ولی یا کسی نبی کی جانب ہو۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے کہ امرِ مکروہ شرعی کے لئے سبب بننے سے بھی تحرز ضروری ہے۔ ۱۹۹ (اور نماز پڑھا کریں) لَمَسْجِدٌ الخ یعنی مسجدِ قبا۔ لام ابتدا کا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لامِ قسم کا ہے۔ اللام لام الابتداء (روح) وقیل لام القسم تقدیرہ واللہ لمسجد اُسس (روح) اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسی عمارت سے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو صفائے وقت و طیبِ حال وذوق ووجدان کا اثر پیدا ہوتا ہے برخلاف اس کے جو خلافِ تقویٰ پر مبنی ہوگی اُس میں کدورت اور تفرقہ اور قبض کا اثر نفس میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ مسجد ضرار کے لئے منافقین نے حضورؐ سے درخواست کی تھی کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ ایک بار یہاں نماز پڑھ لیں تو بڑی برکت حاصل ہوجائے اس کا جواب اُوپر مل چکا اور مسجد قبا کے لئے یہ مدح بلا درخواست ارشاد ہوگئی۔ فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلے نکالے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض عمارتیں نماز کے لئے دوسری عمارتوں سے افضل ہوتی ہیں اور بعض میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا ہے۔ ھذا یدل علی ان بعض الاماکن قد یکون اولیٰ بفعل الصلوٰۃ فیہ من بعض وان الصلوٰۃ قد تکون منھیا عنھا ویدل علی فضیلۃ الصلوٰۃ فی المسجد بحسب ما بنی علیہ فی الاصل (جصاص)۔ ۲۰۰ (پس مسجد قبا والے تو عین مقامِ محبوبیت پر ٹھیرے) فقہاء مفسّرین نے لکھا ہے کہ اہلِ مسجد کی فضیلت خود مسجد کی اور اُس میں نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔ فیہ الدلالۃ علی ان فضیلۃ اھل المسجد فضیلۃ للمسجد وللصلوٰۃ فیہ (جصاص) بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سے مُراد مسجدِ نبوی ہے تو یہ ارشادِ نبویؐ اس تفسیرِ قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں مسجدِ قبا کا مدلول ہونا تو بعبارت النص ہے اور مسجدِ نبوی کا مدلول ہونا بدلالۃ النص ہے یعنی جب صحابۂ متقین کے بانی ہونے سے مسجد قبا اتنی مقبول ٹھیری تو مسجد نبوی کے بانی تو امام المتقین خود حضورؐ سرورِ عالم تھے وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔ فقہاء مفسّرین نے آیت کے عمومِ الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور ہر وہ نمازی جو طہارت کو لازم ومحبوب بنائے، اس خطاب کے تحت میں شامل ہیں اس لئے کہ حکم وصف پر لگایا گیا ہے نہ کہ ذات پر ——— اور رجال سے بھی مرد ہی مخصوص نہیں، مرد وعورت سب اس حکم میں داخل ہیں۔ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت کو بھی اثرِ عظیم ہے (جیساکہ اس مسجد میں قیام کی ترجیح کی علت کے موقع میں اس کو فرمادیا گیا) غرض یہ کہ حصولِ جمعیت میں مکان اور اخوان کی رعایت ضروری ہے اور اہلِ طریق سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ زمانہ کی رعایت کو بھی دخل ہے۔ ۲۰۱ مُراد اس سے اغراضِ باطلہ کفریہ ہیں تشبیہ ناپائداری بےثباتی، کمزوری میں دی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دو عمارتیں ہیں ایک کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر ہے اور دوسری کی معصیت وکفر پر۔ پہلی معزز ہے اور باقی رکھنے کے قابل، دوسری ذلیل ہے اور گرادیئے جانے کے قابل۔ وحاصل الکلام ان احد البنائین قصد بانیہ ببنائہ تقوی اللہ ورضوانہ والبطل الثانی قصد بانیہ ببنائہ المعصیۃ والکفر فکان البناء الاول شریفا واجب الابقاء وکان الثانی خبیثا واجب الھدم (کبیر) ۲۰۲ یعنی ان کو جو نام دین کا لے کر طرح طرح کے مفسد دین ہی میں برپا کرتے رہتے ہیں۔ فانھار بہ الضمیر فی بہ للبنیان ای عمارت کی طرف ہے اور جواس میں راہ کتنا ... بالبانی ... (بحر) مفسّرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ بعینہٖ حقیقت کا بیان ہے یعنی وہ مسجد ضرار واقعۃً اسی طرح دوزخ میں گرادی گئی لیکن بہتوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بیان صرف مثال وتشبیہ کے طور پر ہے کہ ہر ایسے کام کا جس کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ کفر ونفاق پر ہوتی ہے، خاتمہ جہنم وہلاکت ہی پر ہوتا ہے۔ قیل ھذا ضرب مثل ای من اسس بنیانہ علی الاسلام خیر ام من اسس بنیانہ علی الشرک والنفاق وبین ان بناء الکافر کبناء علی شفا جرف ھار یتھور باھلہ فی جھنم (بحر) والاختیار غیر واحد ان معنی الآیۃ افمن اسس بنیان دینہ علی قاعدۃ محکمۃ ھی التقوی وطلب الرضا بالطاعۃ خیر ام من اسس علی قاعدۃ ھی اضعف القواعد ... فی النار (روح) فقہاء مفسّرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس کام کی ابتدا اللہ کی رضاجوئی اور اخلاص نیت سے کی جاتی ہے اُسے پائداری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ فی ھذہ الآیۃ دلیل علی ان کل شیء ابتدیٔ بنیۃ تقوی اللہ والقصد لوجھہ الکریم فھو الذی یبقی ویسعد بہ صاحبہ ویصعد الی اللہ ویرفع الیہ (قرطبی) ۲۰۳ (تو البتہ ان دلوں کے فنا ہونے کے ساتھ ہی وہ دل کی حسرتیں بھی ختم ہوجائیں۔ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ہمیشہ موجبِ حسرت وحرمان ہی رہے گی کہ جن اغراض سے بنائی تھی، وہ کوئی بھی پوری نہ ہوئیں اور رسوائی جو ہوئی وہ الگ۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ۔ کنایہ ہے دوامِ حسرت سے۔ یہ مراد نہیں کہ موت وفنا کے بعد انہیں راحت نصیب ہوجائے گی۔ ھذا کنایۃ عن تمکن الریبۃ فی قلوبھم التی ھی محل الادراک واضمار الشعور بحیث لا یزول منھا ما داموا احیاء (روح) والمقصود ان ھذہ الریبۃ باقیۃ فی قلوبھم ابدا ویموتون علی ھذا النفاق (کبیر)

۲۰۴ وہ سب کی ایک ایک حالت سے واقف ہے۔ اور ایک ایک سے اُسی کے حال کے مطابق ومناسب معاملہ کرے گا۔

اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ
مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اوّل روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں ۱۹۹ اس میں
فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۱۰۸
(ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے ۲۰۰
اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ
سو آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھی وہ بہتر ہے
خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی کو ہے ۲۰۱ پھر
فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ
وہ (عمارت) اس کو لے کر آتشِ دوزخ میں گر پڑی اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ
الظّٰلِمِیْنَ ۱۰۹ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ
نہیں دکھاتا ۲۰۲ ہمیشہ اُن کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے اُن کے دلوں میں کھٹکتی
ع ۱۴ / ۲ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۱۱۰
رہے گی سوا اس کے کہ ان کے دل ہی فنا ہوجائیں ۲۰۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۲۰۴
اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
بلاشبہ اللہ نے مومنین سے خرید لیا ہے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انہیں
بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۗ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ
جنت ملے گی یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں

بالزکوٰۃ [illegible] خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ۔ صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم جو رسُول اللہ صلعم کو مل رہا ہے اس سے فقہا نے یہی نکالا ہے کہ تقسیم صدقات امام مسلمین کا حق ہے اس لئے کسی شخص کا بطور خود صدقہ ادا کر دینا جائز نہیں کہ اس سے حق امام کا اتلاف لازم آتا ہے ۔ [illegible] ف ۱۹۱ سوائے
ان کے توبہ واستغفار کو اور اُن کے الفاظ اعتراف کو خوب سُن بھی لیا اور اُن کے احساس ندامت کو خوب جان بھی لیا ۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۔ علماء نے یہاں سے نکالا ہے کہ صدقہ جس کو دیا جائے وہ اور امام جس کی خدمت میں صدقہ تقسیم کے لئے پیش کیا جائے
ان دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دُعا دینا مستحب ہے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ امام جو اپنے لئے صدقہ نہیں لیتا بلکہ تقسیم صدقات کا صرف امین ومنتظم ہے جب وہ دعائے خیر پر مامور ہوا تو مسکین ومحتاج تو بدرجۂ اولیٰ دعائے خیر وادائے شکر پر مامور ہوگا
مشائخ صوفیہ نے اور ترقی کر کے بعد فراغ ضیافت صاحب ضیافت کے حق میں دعائے خیر وبرکت اختیار کی ہے اور مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے امداد ہمت اور افاضہ انوار صحبت کا حکم نکل رہا ہے ۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ اس میں اثبات ہے
ان اشخاص کے کمال اخلاص کا ۔ فقہاء صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ظاہر ہو رہا ہے کہ رسُول اللہ صلعم مومنین کے تزکیۂ اخلاق وتصفیۂ قلوب اور عطائے مقام تسکین ورضا پر مامور تھے اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص یہ کہ بزرگوں
کی خدمت بہ غرض حصول دعائے خیر کرنی چاہیئے ۔ یہ بھی کہا ہے کہ رسُول کی دعا اُمت کے حق میں ، امام کی رعایا کے حق میں ، مشائخ کی شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی چھوٹوں کے حق میں وعدۂ قبول رکھتی ہے ۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ
کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو
يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ
قبول کرتا ہے اور وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے ۱۹۲ اور آپ کہہ دیجیے
اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ
کہ عمل کئے جاؤ، سو تمہارے عمل کو اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھے لیتے ہیں اور تمہیں ضرور
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
غیب وشہادۃ کے جاننے والے کے پاس واپس جانا ہی ہے تو وہ تم کو بتلا دیگا کہ تم اب تک کیا کرتے رہے ہو، ۱۹۳
وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ
اور کچھ اور لوگ (بھی) ہیں (اُن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی خواہ وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ
عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا
اُن کی توبہ قبول کرے ۱۹۴ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۹۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے
وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ
کو بنائی ہے اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی غرض سے اور اسی غرض کے لئے جو اس
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ
کے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے اُسے ایک کمین گاہ مل جائے ، ۱۹۶ اور یہ لوگ قسم کھا جائیں گے کہ ہماری
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ
غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں ۱۹۷ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ (بالکل) جھوٹے ہیں ، آپ اس میں کبھی بھی کھڑے ہوں ۱۹۸ البتہ جس

متعدد مسائل صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے ، مثلاً اعتراف ذنوب کی فضیلت معترف کا قبول عذر ، بعض اعمال
(مثلاً صدقہ) کی برکات شیخ کی برکات (جیسا کہ تزکیہ کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا) وقس علیٰ ہذا ۔ ف ۱۹۲
(چنانچہ اُس تواب نے ان گنہگاروں کی توبہ قبول کر لی اور اُس رحیم نے ان لوگوں کا مال قبول کرنے اور
اُن کے حق میں دُعا کرنے کا حکم دے دیا) يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ۔ اخذ یہاں لفظی معنیٰ میں نہیں بلکہ قبول کر
لینے کے مفہوم میں ہے ۔ [illegible] اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ۔
یہاں پر زور دے کر بتایا ہے کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب رحیم سے ہے نہ کہ رسُول سے ۔ [illegible]
ذلک لیس الی رسول اللہ صلعم انما اللہ ھو الذی یقبل التوبۃ [illegible]
[illegible] (قرطبی)
الفائدۃ الثانیۃ فی ھذا التخصیص ھو ان قبول التوبۃ لیس الی رسول اللہ صلعم انما الی اللہ
الذی ھو یقبل التوبۃ [illegible] (کبیر) عن
[illegible] فعل قبول کا صلہ عن کے ساتھ آیا ہے تو تجاوز عن الذنوب کے مفہوم کے لئے ۔ [illegible]
[illegible] (روح)
ف ۱۹۳ نفاق قلب اور ضعف ایمان کا علاج اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ آخرت وجزائے اعمال کا
استحضار پوری پوری طرح رہے اور قرآن مجید ہر ایسے موقع پر اسی علاج سے کام لیتا ہے ۔ سَيَرَى اللّٰهُ
عَمَلَكُمْ ۔ س عنقریب یا ابھی کے معنیٰ میں ہے ۔ مُراد یہ ہے کہ اسی دُنیا میں تمہارے اعمال سے تمہارے
اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا ۔ اِعْمَلُوْا ۔ اس صیغۂ جمع کے مخاطب کُل لوگ ہیں ۔ [illegible]
(قرطبی) ف ۱۹۴ (شرائط قبول توبہ کے نہ موجود اور موجود ہونے کی بنا پر عدم اخلاص واخلاص کی
بنا پر) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۸ ۔ اب بیان مومنین کے ایک دوسرے طبقے کا ہو رہا ہے ۔ یہ لوگ بھی
کاہلی اور سہل انگاری ہی کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے ۔ ان لوگوں نے رسُول اللہ صلعم کی
واپسی پر نہ تو ایک طرف منافقین کی طرح کچھ عذرات تراشے لیکن دوسری طرف تائبین صادقین کی طرح
یہ بھی نہ کیا کہ اپنے کو ستون سے باندھ دیتے یا کوئی اور سزا اپنے کو دینے لگتے ، انہوں نے خدمت اقدس میں حاضری
دے کر محض سیدھی اور سچّی بات عرض کر دی ، انہیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو ، جیسا بھی حکم تمہارے
باب میں نازل ہو ۔ ان لوگوں کا اپنی کوتاہی پر نادم ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن آیت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے
کہ قبول توبہ کے لئے محض ندامت کافی نہیں جب تک کہ امکانی تدارک کا بھی سامان نہ ہو ، [illegible]
[illegible] (کبیر) مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ مُرید کے معاملہ کو
بعض اوقات خوف واُمید کے درمیان معلّق ہی چھوڑ دینا قرین مصلحت ہوتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول
کیا جاتا ہے کہ اس سے نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے توحش
پھر مایوسی پھر بعد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب اُس کے لئے مُضر ہیں ۔ کچھ روز تک معلّق رہنے میں اسی کی
بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں ۔ اِمَّا کلمۂ تردد ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تردد حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں ، وہاں تو ہر فیصلہ قطعی ہے ، لفظ کا استعمال محاورۂ انسانی کے مطابق ہے اور بندوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ صرف حالت اُمید میں رہیں ۔ [illegible]
[illegible] (قرطبی) ف ۱۹۵ چنانچہ وہ سب کے اخلاص ، درجۂ اخلاص وعدم اخلاص سے بھی خوب واقف ہے اور جیسا
بھی مقتضائے حکمت ہو ، وہ بلا توبہ یا بعد توبہ معاف بھی کرتا رہتا ہے ۔ ف ۱۹۶ مومنین کا تذکرہ یہاں روک کر اب ذکر پھر منافقین کا شروع ہو گیا ۔ [illegible]
الذین اتخذوا [illegible] (روح) [illegible] (قرطبی) رسُول اللہ صلعم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے مضافات شہر کی آبادی محلہ قبا میں قیام فرمایا ۔ اور وہیں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کر لی ۔ پھر جب آپ
شہر میں آگئے تو مومنین مخلصین نے محلہ قبا میں آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر لی ۔ اور وہیں نماز باجماعت ہونے لگی ۔ اب منافقین نے سازش کر کے ایک دوسری جگہ سوچی کہ یہاں مسجد کی شکل کی ایک عمارت تیار ہو جائے تو اس میں
بیٹھ کر خوب اسلام کے خلاف کمیٹیاں ، جلسے اور منصوبہ بازیاں ہُوا کریں ۔ مسجد ضرار اس کا نام اسی لئے مشہور ہُوا کہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا ۔ ضِرَارًا ۔ یعنی مقاصد اسلام ومسلمین کو ضرر پہنچانے کو ۔ كُفْرًا ۔ یعنی عداوت
رسُول کا چرچا کرنے کو ۔ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ جب ایک مسجد خاص شہر میں بن جاتی تو اہل شہر کی ایک جماعت تو شہر سے باہر جانے کے بجائے وہاں ضرور ہی آجاتی ۔ [illegible]
[illegible] (جصاص) اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ اشارہ ہے ایک مسیحی راہب ابُو عامر کی جانب
منافقین میں طے ہو گیا تھا کہ اب وہ جب مدینہ آیا کرے گا تو اُس کو اسی میں ٹھیرایا کریں گے ۔ یہ راہب اسلام کا شدید دشمن تھا ۔ ہرقل مسیحی شہنشاہ روم سے دوستی کا مدعی تھا ۔ کہتا تھا وہاں سے باقاعدہ فوج لا کر اسلام کو نیست ونابود کر دونگا ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے کمال شناعت اُس شخص کے فعل کی معلوم ہوئی جو دین کو اپنی غرض فاسد کا آلہ بنائے ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فعل پر حُسن وقبح کا حکم ارادہ فاعل کے لحاظ سے لگایا جائے گا ۔

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ اُن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ
یہی بڑی کامیابی ہے ١٨٥ اور کچھ تمہارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں سے اور
مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ
کچھ مدینہ والوں میں سے (ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق میں اڑ گئے ہیں ١٨٦
لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ
آپ (بھی) انہیں نہیں جانتے، ہم ہی انہیں جانتے ہیں ہم انہیں دہری سزا دیں گے پھر
يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا
وہ عذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے ١٨٧ اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا
بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ
اعتراف کرلیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے (کچھ) بھلے اور کچھ برے ١٨٨، توقع ہے کہ اللہ ان پر
اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ
توجہ کرے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ١٨٩ آپ اُن کے مالوں
اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
میں سے صدقہ لے لیجیے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کردیں گے ١٩٠ اور آپ اُن کے لئے
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾
دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دُعا اُنکے حق میں (باعث) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ١٩١

١٨٥ خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں بتکرار و تصریح دونوں کے ساتھ اصلی و حقیقی کامیابی اُخروی ہی کامیابی کو قرار دیا ہے نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو — مسلمان کا منتہائے مقصود فلاح آخرت ہے نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ ١٨٦ (اور اُسے حد کمال تک پہنچا دیا ہے) اے تمرنوا علیہ ... (کبیر) ... مِمَّنْ حَوْلَكُمْ۔ "تمہارے گردوپیش" یعنی تمہارے شہر کے گردوپیش، یعنی حول بلدکم وھی المدینة (کشاف، مدارک) ١٨٧ لَا تَعْلَمُهُمْ۔ یعنی اُن کا نفاق اس حد کمال کو پہنچا ہوا ہے، اس قدر خفی ہے کہ آپ کو بھی، بایں فطانت و ذکاوت و کمال باخبری، ان کے منافق ہونے کا علم نہیں۔ اس آیت میں رسول اللہ صلعم کے علم غیب کی صریح نفی موجود ہے۔ جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔ وورد الآیة فی نفی علم الغیب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ماجدی) کشف کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیئے۔ لاینبغی الاقدام علی دعوی الامور الخفیة من اعمال القلب ونحوہا (روح) یہ اور اسی قسم کی متعدد آیات قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب و اشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشف صدور و اطلاع غیوب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اور یہ مرض علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سفہاء کے اندر شدت سے پھیلا ہوا ہے۔ وفی ہذہ الآیات ونحوھا اقوی دلیل فی الرد علی من یزعم الکشف والاطلاع علی المغیبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل ... (روح) امام ابن جریر نے آیت کے ذیل میں قتادہ تابعی (٦١ھ تا ١١٦ھ) کا طویل قول نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کی جسارتیں کیسی بڑھ گئی ہیں کہ فلاں کے جنتی اور فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اور پھر کئی آیات قرآنی نقل کی ہیں۔ قتادہ بھی پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول کے آدمی تھے، علامہ ابن حیان غرناطی (٦٥٤ھ تا ٧٥٤ھ) اُن کا یہ قول نقل کرکے کہتے ہیں کہ یہ حال اُس زمانہ کا ہے جو عہد صحابہ سے اس قدر متصل تھا اور کثرت خیر کے لئے ممتاز تھا لیکن شیاطین انس کے وجود سے وہ بھی خالی نہ رہا تو اب ہماری آٹھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے جب بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے ہی دعووں پر کھل گئی ہے، یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ سُنت رسول ؐ کی طرف اور غیب دانی کے خرافات پر اتنے دلیر ہیں! (بحر) ——— یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا غریب رہنے والا اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے! اور یہیں سے اکابر علماء سنت نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی پر قطعی طور سے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم لگا دینا درست نہیں) فہذا یمنعان یحکم علی احد بجنة اونار (قرطبی) نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا۔ یہ صرف علم خداوندی کا خاصہ ہے۔ وہذا یمنعان یحکم علی احد بجنة اونار (قرطبی) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ (یہ دُہری سزا قبل آخرت ہوگی۔ ایک سزا انفاق کی، دوسری سزا کمال نفاق کی) لعل تکریر عذابھم لما فیہم من الکفر المشفوع بالنفاق او النفاق المؤکد بالتمرد فیہ (بیضاوی) ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ۔ یہ عذاب عظیم ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہے۔ دو عذاب اس کے قبل کے۔ جس پر لفظ ثُمَّ دلالت کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک سزا اسی دُنیا کی ہو اور دوسرا عذاب قبر ہو۔ قبل آخرت کے عموم میں، دنیا اور برزخ دونوں داخل ہیں۔ احدہما فی الدنیا والاخری فی القبر (ابن جریر) ای عذاب الدنیا وعذاب القبر ... اکثر الناس علی ان عذاب الثانی ھو عذاب القبر ... القتل ... وعذاب القبر (مدارک) ١٨٨ غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں علاوہ منافقین کے کچھ مومنین بھی تھے جو محض کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اب یہاں سے بیان اُن کا شروع ہو رہا ہے۔ ان میں بھی کچھ ایسے تھے جنہیں ندامت اس درجہ قوی تھی کہ انہوں نے جب آپؐ کی واپسی کی خبر سُنی تو اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپؐ کھولیں گے تو خیر ورنہ یوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ پہلے ذکر اسی قسم کے نادمین تائبین کا شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا بلکہ نور استعداد پوری طرح باقی تھا۔ عَمَلًا صَالِحًا۔ مثلاً سابق کے غزوات میں شرکت یا خود اسی موقع پر یہ احساس ندامت۔ اٰخَرَ سَيِّئًا جیسے بلا عذر معقول اسی غزوہ میں پیچھے رہ جانا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد عام حالت میں صرف فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ لوگ نہ شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب امام المسلمین اور چہ جائیکہ رسول اللہؐ حکم عام دے دیں تو اب فرض عین ہو جائے گا اور یہی صورت یہاں تھی۔ واٰخرسیئ ... والواو بمعنی الباء لان الواو للجمع والباء للالصاق (مدارک) مُرشد تھانویؒ نے کہا ہے کہ یہ لوگ تھے جو نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے۔ جو کبھی نفس مطمئنہ کا منقاد ہو کر اعمال صالح کرنے لگتا اور کبھی اُس سے بھاگنے لگتا ہے۔ ١٨٩ چنانچہ اسی شان غفور و رحمت کے تقاضہ سے ان لوگوں کا قصور معاف ہوگیا اور رسول اللہ صلعم نے خود آکر ان کے ہاتھ ستونوں سے کھول دیئے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی توجہ رحمت کے ساتھ کرے اور ان کی توبہ قبول کرے۔ عسیٰ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شک کیلئے نہیں بلکہ یقین دلانے کیلئے آتا ہے۔ قال الحسن عسیٰ من اللہ واجب (جصاص) آیت سے محققین نے یہ نکالا ہے کہ گنہگار کے لئے توبہ سے یاس جائز ہی نہیں۔ اور امید قبول وعفو کی برابر اُس وقت تک قائم ہے جب تک بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی کچھ کئے جاتا ہے۔ فی ہذہ الآیة دلالة علی ان المذنب لایجوزلہ الیاس من التوبة وانما بعض ... (جصاص) ١٩٠ (ہر ظلمت وکدورت سے) "جب توبہ سے گناہ معاف ہوگیا تو صدقہ کے آلۂ تطہیر و تزکیہ کے کیا معنیٰ۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اُس کی ظلمت وکدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مؤاخذہ نہیں لیکن اُس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقة تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے یہ ظلمت وکدورت عموماً مندفع ہو جاتی ہے"۔ (تھانوی) تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ کو صدقہ کی صفت بھی بتایا گیا ہے، اور حال بھی قرار دیا گیا ہے لیکن بہترین ترکیب یہ ہے کہ ضمیر مخاطب یعنی رسول اللہ صلعم کی طرف بھی جائیں۔ والاجود ان تکون المخاطبة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ای فانک تطہرہم وتزکیہم بہا (قرطبی۔ بحر محیط) گناہوں سے صفائی تو تطہیر میں خود ہی آگئی، اب اُس کے بعد تزکیہ لانا معنیٰ میں مزید ترقی کے لئے ہے۔ التزکیة مبالغة فی التطہیر وزیادة فیہ (کشاف، مدارک) تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انفاق مال سے خواہشیں ضعیف ہوتی ہیں اور قوائے نفس منکسر ہوتے ہیں اور مادۂ شہوات کی اصلاح ہوتی ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ یہ حضرات بندش سے رہائی پانے کے بعد فرط اخلاص سے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں کچھ مال لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ خُذْ امر وجوبی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو قبول صدقات میں توقف و تردد جائز نہیں، صدقہ سے یہاں مراد زکوٰۃ فرض ہے یا کفارۂ گناہ والا صدقہ؟ قول دونوں ہی نقل ہوئے ہیں لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ لیس المراد الصدقة الواجبة وانما ھی صدقة کفارة الذنب الذی صدر منہم (کبیر) ... عن الحسن انہ لیس ...

۱۷۶ اور اسی جہل، بعد و بیگانگی کی بنا پر اسلام سے بعید تر ہیں۔ اَجْدَرُ یعنی اسی قابل، اسی لائق ہیں۔ ~~احق واولی (کبیر)~~ اَجْدَرُ الخ اعراب کا یہ جہل صحبت علماء و عقلاء سے بعد رکھنے کی بنا پر اشد تھا۔ ~~[illegible]~~
~~القرآن [illegible] المنافقین الذین کانوا بالحضرۃ النبی صلعم (بحر)~~ عارفوں نے کہا ہے کہ صحبت صالحین سے بعید ہونے سے طریق خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہو جاتی ہے اور اسی لئے اہل طریق صحبت کا بڑا اہتمام
رکھتے ہیں۔ حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ حدود یہاں احکام کے معنی میں ہے۔ ~~[illegible]~~ بعض فقہاء نے اعرابی کی
امامت جو شہریوں کے لئے ناجائز قرار دی ہے اُس کی بنا بھی یہی ہے کہ دیہاتیوں کو مجالستِ علماء اور سمعِ احکام کے موقع کم تر ملتے ہیں۔ ~~[illegible]~~ ۱۷۷ چنانچہ صفتِ علم کے تقاضہ سے وہ واقف بھی
ان تمام اُمورِ خفی و جلی پر ہے اور صفتِ حکمت کے تقاضہ سے سب کو سزا بھی وقتِ مناسب ہی پر دے گا۔ ۱۷۸ (کہ تمہیں مصائب ناگہانی سے دوچار ہونا پڑے) مَا يُنْفِقُ یعنی زکوٰۃ، جہاد وغیرہ اُمورِ خیر میں جو کچھ خرچ کرتا ہے۔ انفاق کے معنی تو مطلق
خرچ کرنے کے ہیں خواہ وہ خرچ کسی نوعیت کا بھی ہو لیکن قرآن مجید نے اسے عموماً موقع مدح ہی پر استعمال کیا ہے اور مطلق انفاق سے مُراد کارِ خیر میں خرچ ہی لی ہے۔ جیسے مطلق قتال بول کر قرآن مجید نے عموماً مُراد جہاد فی سبیل اللہ لی ہے۔ بُرے اور بے جا
موقعوں پر خرچ کے لئے قرآن مجید نے عموماً لفظ "اسراف" کا استعمال کیا ہے۔ يَتَّخِذُ مَغْرَمًا ۔ یعنی ایسے موقعوں پر یہ منافقین مسلمانوں کی شرما شرمی خرچ تو کر گزرتے ہیں لیکن اسے جرمانہ ہی کی رقم کی طرح اپنے لئے گراں سمجھتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے بخل کا،
محققین نے لکھا ہے کہ مصارفِ شرعی کو تکلیف و جبر تصور کرنا علاماتِ نفاق میں سے ہے۔ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۔ یعنی مسلمانوں کے حق میں منتظر یہی رہا کرتے ہیں کہ کب یہ زمانہ کی گردش کا شکار ہوتے ہیں۔
یہ نمونہ ہے اُن کے حسد و عداوتِ اسلام کا۔ اَلدَّوَآئِرُ ۔ دائرۃ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔ ~~الدائرۃ هی المصائب التی [illegible]~~
~~[illegible]~~ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کو روپیہ کا مالک سمجھے گا، اُسے خرچ کرنا یقیناً گراں گزرے گا اور جو کوئی مالک اللہ کو سمجھے گا اور اپنے کو محض امین یا متولی، اُسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔ ۱۷۹ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے اُس نے منافقوں اور مجرموں والے الفاظ اُنہی پر اُلٹ دیئے اور عملاً یہ پیش گوئی لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔ اسلام کی فتحمندیوں میں وسعت ہوتی گئی منافقین کی حسرتیں دل ہی میں رہیں، ہر طرح ذلیل و خوار ہوئے۔ آیت سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حاسد و بد بین خود ہی گرفتارِ بلا ہوتے ہیں۔ ۱۸۰ چنانچہ وہ منافقین کی گفتگوئے نفاق بھی خوب سُن رہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی چالبازیوں، سازشوں اور منصوبوں سے بھی خوب واقف ہے۔ ۱۸۱ (سو وہ کیوں نہ ان مومنین صادقین پر رحمت و مغفرت کی بارش کر دے گا) اعرابی سب کے سب منافق نہ تھے۔ بہت سے اُن میں سے اچھے مخلص مسلمان بھی تھے، آیت میں ذکر اُن کا ہو رہا ہے۔ يَتَّخِذُ مَا .... الرَّسُوْلِ ۔ یعنی اُن کا یہ امورِ خیر میں خرچ نمائشی اور شرما شرمی میں نہیں ہوتا، اخلاص و حُسنِ نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِنَّهَا ۔ ضمیر ھا خرچ یا النفقہ کی طرف ہے۔ ~~یعنی النفقۃ [illegible]~~

يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
احکام کا علم نہ رکھیں (جو) اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں ۱۷۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا
حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا
حکمت والا ہے ۱۷۷ اور دیہاتیوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اُسے جُرمانہ سمجھتا ہے
وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ
اور تمہارے لئے گردشوں کا منتظر رہتا ہے ۱۷۸ بُری گردش خود انہی (منافقین) کے لئے ہے ۱۷۹ اور اللہ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
خوب سُننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۱۸۰، اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ
ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسولؐ کی
صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ
دعائیں (لینے) کا ذریعہ بناتے ہیں سو بیشک یہ (خرچ کرنا) اُن کے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے ضرور
اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ
اُن کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کر لیگا، یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۸۱ اور (جو) مہاجرین
الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
و انصار میں سے سابق و مقدم (ہیں) ۱۸۲ اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں اُن کی
بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ
پیروی کی ۱۸۳ اللہ ان (سب) سے راضی ہوا اور وہ (سب) اُس سے راضی ہوئے ۱۸۴ اور اُس نے اُن کیلئے

ع ۱۲ / ۱

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ یعنی رضائے الٰہی ان کا اصلی اور آخری مقصود ہو گیا ہے اور صلوٰت الرسول یعنی رسُول کی دعائیں اس کا ذریعہ ہیں۔ ~~لا نہا غایۃ القصوی وصلوۃ الرسول من ذرائعہا (روح)~~
مَا يُنْفِقُ ۔ یعنی دین کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۔ اعرابی مومنین مخلصین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اُن کا یہ خرچ کرنا بے کار نہ جائے گا۔ واقعی اس سے قربِ الٰہی و مقبولیت حاصل ہو کر رہیگی۔ ~~سَيُدْخِلُهُمُ ۔ س تاکید و تحقیق وعدہ کے لئے ہے۔ وما فی السین من تحقیق الوعد (کشاف) السین للتحقیق والتاکید (روح)~~ ۱۸۲ (ساری اُمت سے، ایمان لانے کے لحاظ سے اور وہ سارے ہی کے سارے مہاجر و انصار ہیں) اَلسّٰبِقُوْنَ اور اَلْاَوَّلُوْنَ دونوں میں ال استغراق و جنس کا ہے۔ اور مِن تبعیض کا نہیں، تبیین کے لئے ہے، اس لئے آیت میں جو مدح آئی ہے، اُس کے مصداق سارے ہی صحابہ کرام ہیں نہ کہ اُن کا کوئی مخصوص طبقہ۔ اَلْمُهٰجِرِيْنَ ۔ مہاجر وہ مسلمان کہلائے جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر رسُولؐ کی اطاعت و متابعت کے لئے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اَلْاَنْصَارِ ۔ انصار وہ مسلمان اہلِ مدینہ کہلائے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسُولؐ اور دینِ اسلام کی ہر طرح خدمت و نصرت کی۔ ۱۸۳ (اور اس میں اُمت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آگئے) اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۔ بِاِحسان کی قید بہت قابلِ غور ہے۔ مہاجرین ہوں یا انصار، صحابہ کرام کی کوئی سی بھی قسم ہو،
بہرحال یہ حضرات معصوم نہ تھے۔ عصمت صرف خاصۂ نبوت ہے۔ اس لئے حکم ان حضرات کے اتباع مطلق کا نہیں۔ بلکہ قید یہ لگی ہوئی ہے کہ "نیک کرداری میں اُن کا اتباع کیا جائے۔" ~~باحسان [illegible]~~
~~[illegible] فی الاعمال الحسنۃ [illegible] (القرطبی)~~ محققین اہلِ سُنت نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اصحابِ نبیؐ مقتدایانِ اُمت ہیں اور تمام صالحین ان کے تابع۔ انہی محققین نے ایک نکتہ اور بھی پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باہمی مشاجراتِ صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ اُن سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہو جاتا کہ ایک کے اتباع کے زور میں ہم دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں۔ پس امیر المومنین حضرت علیؓ تو خیر اجلّ اصحابِ نبی اور خلفائے راشدین میں ہیں، امیر معاویہ جو یہ مرتبہ نہیں رکھتے وہ بھی بہرحال صحابی ہیں۔ اُن تک کے حق میں زبانِ طعن کھولنا درست نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ ۔ فقہاء نے اس سے یہ بھی نکالا ہے کہ سابق کو متاخر پر فضیلت ہے اس لئے کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اُس کا تابع و مقلد، اور سابق کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ ~~[illegible]~~ ۱۸۴ (اللہ کی طرف سے رضا تو یہ کہ اُس نے ان سب کا ایمان مقبول فرمایا اور سب کو صلہ و جزا سے سرفراز کیا اور بندوں کی طرف سے رضا یہ کہ انہوں نے دل سے طاعت و اطاعت اختیار کی) ~~[illegible] (راغب)~~ بہرحال آیت نے مہاجرین سابقین اور ان کے تابعین سب کی مدح صاف صاف کر دی بشرطیکہ اتباع نیک کرداری میں پورا پورا ہو بھی۔ ~~[illegible]~~ رَضُوْا عَنْهُ کے تحت میں عارفین و مشائخ طریق نے بندہ کی رضامندی کے تین طبقہ قرار دیئے ہیں:- (۱) دل مانے یا نہ مانے مگر اتباع احکام لازم و مقدم جانے۔ یہ مبتدی صاحبِ تقویٰ کا مقام ہے۔ (۲) تقدیرِ الٰہی اور احکام حضرتِ حق ایسے بامزہ و محبوب ہو جائیں کہ نفسانی خواہشوں کی طرف التفات ہی نہ ہو۔ یہ متوسطین کا طبقہ ہے جن کا مقام لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہوتا ہے۔ (۳) کمال توحید و عرفان میں ایسا مستغرق ہو کہ یہ تمام کائنات ذاتی و صفاتی عین فعل و امرِ حضرتِ حق ہی دکھائی دے اسباب کا حجاب اور وسائط و وسائل کا دخل ہی نہ رہ جائے۔ یہ مقام کاملین کا ہوتا ہے ——— امام غزالیؒ کا قول ہے کہ مقام رضا سے فائق و افضل کوئی مقام نہیں۔

١٦٩ (اور ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا کوئی عذر بھی صحیح نہ تھا) يَعْتَذِرُونَ اِلَيْكُمْ۔ خطاب میں اب رسُول اللہ صلعم کے ساتھ مومنین بھی شریک ہیں اور ذکر اُنہی منافقین مخلّفین کا چل
رہا ہے۔ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ نزولِ آیت کا زمانہ سفرِ تبوک کا زمانہ ہے۔ یہ بات بطورِ پیشگوئی فرمائی جا رہی ہے کہ جب لشکرِ اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین اپنے اپنے عذرات پیش کریں گے۔
قُلْ یعنی اے رسُولؐ آپ سب مومنین کی طرف سے کہہ دیجیے۔ لَا تَعْتَذِرُوْا۔ اعتذار یہاں بہانہ بنانے کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی لنذا لھم عذر لھم والمعاذیر ینبو بہا الکذب (جلالین)
لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ۔ فعل ایمان کا صلہ ل کے ساتھ آنے سے معنیٰ یہ ہو گئے کہ ہم تمہاری تصدیق نہ کریں گے، تمہاری بات کو صحیح باور نہ کریں گے۔ ای لن نصدقکم (قرطبی) اَخْبَارِكُمْ۔ یعنی تمہاری
وہ خبریں جنہیں تم چھپانا چاہتے تھے۔ ای اخبرنا بسرائرکم (قرطبی)
١٧٠ منافقوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری نیت کا کھوٹ اللہ
پر تو سب روشن ہی ہے اور آخرت میں تم سب پر بھی روشن ہو کر رہیگا
لیکن اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بھی اللہ اپنی وحی خاص سے
اپنے رسُولؐ اور ان کے ذریعہ سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کئے
دیتا ہے۔ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی یہ معلوم ہی ہو کر
رہے گا کہ تم اخلاص و اطاعت کے دعووں میں کہاں تک صادق ہو
اور ہنوز نفاق پر قائم ہو، یا اب نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔ اِلٰى
عٰلِمِ الْغَيْبِ۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اُس حاکم مطلق سے تمہارا
نہ کوئی اعتقاد مخفی ہے نہ کوئی عمل۔ نفاق و اخلاص دونوں کا امُورِ غیب
سے ہونا ظاہر ہے۔ ١٧١ (اور کسی قسم کی ملامت و مواخذہ اُن
سے نہ کرو) سَيَحْلِفُوْنَ۔ یہ حلف اس مضمون کا ہوگا کہ ہم کو فلاں فلاں
مجبوریاں اور معذوریاں لاحق رہیں۔ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ یعنی
جب تم معرکۂ جہاد سے مدینہ واپس ہو گے۔ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ۔
اعراض یہاں عفو و درگزر اور چشم پوشی کے معنیٰ میں ہے۔ ای
لتصفحوا عنھم (قرطبی) ١٧٢ (اور اس دنیا میں اُن
کی اصلاح کی امید نہ رکھو) یعنی اچھی بات ہے ان کی خواہش پوری
کر دو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تعرض سے مقصود تو اصلاح
ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بنا پر نہیں۔
فَاَعْرِضُوْا۔ اعراض یہاں رد و ترک اور قطع تعلق کے مفہوم میں ہے۔
١٧٣ (اپنے عقاید کفر و نفاق کے اعتبار سے اور اس خبث
کا علاج آتشِ جہنم ہی سے ہو سکے گا، تمہارا التفات ہی ان کی طرف
بے کار ہے) اِنَّهُمْ رِجْسٌ۔ تقدیر کلام یہاں ذو رجس کی سمجھی گئی
ہے اور معنیٰ یہ لئے گئے ہیں کہ ان کے عمل گندے ہیں۔ تعلیل لترک
معاتبتھم ای ان المعاتبۃ لا تنفع فیھم (مدارک) ای
عملھم رجس والتقدیر انھم ذو رجس (قرطبی) فقہاء امت
نے ان الفاظ سے کافروں سے ترک موالات و ترک مخالطت وغیرہ کا
حکم مستنبط کیا ہے۔ ھذا یدل علی وجوب مجانبۃ الکفار و
ترک موالاتھم ومخالطتھم وایناسھم وتقریبھم (جصاص) المعنی ان خبث باطنھم رجس روحانی فکما یجب الاحتراز عن الارجاس الجسمانیۃ فوجوب الاحتراز عن الارجاس
الروحانیۃ اولیٰ خوفا من سریانھا الی الانسان (کبیر) ١٧٤ (سو تمہاری رضامندی سے ان دشمنانِ دین کو نفع ہی کیا پہنچ سکتا ہے) منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ کے بجائے اُس
کے بندوں کی رضاجوئی میں لگے رہتے ہیں، قرآن مجید کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ مومنین کی رضامندی اللہ کی رضامندی کو مستلزم نہیں۔ انما قیل ذلک لئلا یتوھم ان رضا المؤمنین یقتضی
رضا اللہ عنھم (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ حلف کے بعد قبول عذر لازم نہیں۔ یدل علی ان الحلف علی الاعتذار ممن کان منھم لا یوجب الرضا عنہ وقبول عذرہ لان الآیۃ قد
اقتضت النھی عن الرضا عن ھولاء مع ایمانھم (جصاص) لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ۔ یعنی تمہارے سامنے یہ جو قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کر لینا چاہتے ہیں تو اس سے بھی اُن کی غرض صرف اس قدر ہے کہ یہ دنیا
میں تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچنے سے محفوظ رہیں۔ ١٧٥ (اپنی سخت مزاجی اور تُند خوئی کی بنا پر) ذکر اب دیہاتی عربوں کا شروع ہوا ہے ان میں سے جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی بڑھے
ہوئے تھے۔ اَلْاَعْرَابُ۔ اعراب کی جمع ہے۔ اردو میں بھی انہیں اعرابی ہی کہتے ہیں۔ جمع الاعرابی اعراب و اعاریب (قرطبی) یجمع الاعراب علی الاعاریب (کبیر) اور اعراب کا اطلاق بدوی یا دیہاتی
اہل عرب پر ہوتا ہے۔ الاعراب سکان البادیۃ خاصۃ (قرطبی) صار ذلک اسما لسکان البادیۃ (راغب) فمن استوطن القری العربیۃ فھم عرب ومن نزل البادیۃ فھم اعراب (کبیر) ان میں کثرت سے
منافقین تھے۔ مراد طائفۃ منھم الاکثر منھم (جصاص)۔

١١ع

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا
یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے آپ کہہ دیجیے کہ
تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ
بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے بیشک ہم کو اللہ تمہاری خبریں دے چکا ہے ١٦٩
وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
اور عنقریب اللہ اور اس کا رسُول تمہارا عمل دیکھ لیں گے پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٩٤
کے پاس واپس کئے جاؤ گے، تو وہ تمہیں جتلا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے ١٧٠
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا
عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے اللہ کی قسم کھا جائیں گے تاکہ تم اُن کو
عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
اُن کی حالت پر چھوڑے رہو ١٧١ سو تم اُن کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو ١٧٢ بیشک یہ گندے ہیں ١٧٣ اور ان کا ٹھکانا
جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٩٥ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا
دوزخ ہے بدلہ میں اُس کے جو کچھ وہ کرتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں اس لئے کھائیں گے کہ تم
عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ
ان سے راضی ہو جاؤ، سو تم اگر اُن سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو اللہ (تو) نافرمان لوگوں سے راضی
الْفٰسِقِيْنَ ٩٦ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا
نہیں ہوتا ١٧٤ دیہاتی (منافقین) کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں ١٧٥ اور ایسے ہی ہیں کہ اُن

الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ
بیماروں پر اور نہ اُن پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں
حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ
پاتے جب کہ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ وہ خلوص رکھیں نیکوکاروں پر کوئی
مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى
الزام نہیں ١٦٥ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ١٦٦ اور نہ اُن
الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ
لوگوں پر (کوئی الزام ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری دے دیں اور آپ
مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ
کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں جس پر تمہیں سوار کردوں، تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾
اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انہیں کچھ مُیسّر نہیں جو وہ خرچ کریں ١٦٧
اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ
الزام تو بس اُن لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں درآنحالیکہ وہ
هُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ
اہل مقدرت ہیں، یہ راضی ہوگئے اس پر کہ رہ جائیں خانہ نشین عورتوں کے ساتھ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾
اور مُہر کردی اللہ نے اُن کے دلوں پر سو یہ جانتے ہی نہیں ١٦٨

١٦٥ (کہ یہ سب عذر واقعی رکھنے والے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے قاعدۂ کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں) اس آیت میں صفائی اُن اعراب کی طرف سے پیش ہوگئی جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے۔ نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی دوسرے احکام میں اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت دل سے کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت یہ رکھتا ہو کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو ضرور یہ عمل کرتا تو وہ اُس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔ ١٦٦ کسی پر خواہ مخواہ گرفت اور سختی کا تو اس کے ہاں امکان ہی نہیں۔ ١٦٧ (سامان جہاد میں)۔ آیت میں اُن مخلص، معذور دیہاتیوں کے مزید اخلاص پر گواہی مل رہی ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اُن کے لئے سواری کا انتظام کردیں۔ احملنی اے اعطنی ظهرًا ارکبه (راغ) اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ یہ طرزِ ادا ابلغ تر ہے۔ یفیض دمعها سے، کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنادیا گیا ہے۔ هو ابلغ من یفیض دمعها لان العین جعلت کان کلها دمع فائض (کشاف) ١٦٨ (کہ گناہ و ثواب کیا ہے۔ اور حمیّت و بے حمیتی کیا ہے) يَسْتَاْذِنُوْنَكَ۔ یعنی جہاد سے جی چُرا کر گھر پر رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ اور طبع اللہ علی قلوبهم کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ١٦٠ بالا ؂

۱۶۰ (اور اُن سے احساس ہی اپنی دون فطرتی کا رخصت ہوگیا ہے) اَلْخَوَالِفُ سے مُراد یہاں عورتیں ہیں۔ ابن عباسؓ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے۔ عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں اسی لئے اُنہیں خوالف کہتے ہیں۔ الخوالف اے النساء (ابن جریر۔ عن ابن عباس وقتادہ ومجاہد والضحاک والحسن وابن زید) الخوالف النساء قالہ الجمہور کابن عباس ومجاھد و قتادہ وشمر بن عطیہ وابن زید والفراء (بحر) اے النساء اللاتی تخلفن فی البیوت (جلالین) رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ شریعت اسلام نے جو شاغل حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو اُن سے الگ کر رکھا ہے، اُن میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے۔ آیت میں جہاد سے جی چُرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہوکر اچھے خاصے عورت بنے جا رہے ہیں۔ تھجین لھم ومبالغۃ فی الذم والخوالفُ النساء قالہ الجمہور۔۔۔۔ وذلک ابلغ فی الذم لانھم نزلوا انفسھم منزلۃ النساء (بحر) طُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ یعنی اُن کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں اور کفر و نفاق اختیاری کی بنا پر توفیق خیر ہی اُن سے سلب ہو گئی ہے۔ لاختیارھم الکفر والنفاق (مدارک) فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ کے معنی بھی کئے گئے ہیں کہ یہ مُہر زدہ لوگ احکام جہاد کی مصلحتوں اور حکمتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اے لا یفقھون اسرار حکمۃ اللہ فی الامر بالجھاد (کبیر)

۱۶۱ (دنیا و آخرت دونوں میں) اَلْمُفْلِحُوْنَ۔ فلاح کی وسعت و عموم مفہوم پر حاشیہ شروع پارۂ اوّل میں اولٰئک ھم المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔ اَلرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ۔ محقق تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ مومنین کے ساتھ یہاں ذکر رسولؐ لے آنا مومنین کی ہمت افزائی و قدر افزائی کے لئے ہے کہ جہاد میں اُن کا اخلاص بھی کامل ہے جیسا کہ رسولؐ کا اخلاص اکمل ہے۔ اَلْخَیْرٰتُ۔ یہ دنیوی و اُخروی دونوں عالموں کی خوبیوں کا جامع ہے۔ وظاھر اللفظ عمومھا لمنافع الدارین کالنصر والغنیمۃ فی الدنیا والجنۃ ونعیمھا فی الاخرٰی (روح) تناول منافع الدارین لاطلاق اللفظ (مدارک)

۱۶۲ منافقین کا دائرہ شہری آبادیوں تک محدود نہ تھا، شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلے بھی منافق تھے۔ اب ذکر ان کا آرہا ہے، اور ان کی بھی دو قسمیں بیان ہوں گی۔ اَلْاَعْرَابُ۔ عرب کہتے ہیں نسل حضرت اسمٰعیلؑ کو اور اعراب اسی کی جمع ہے لیکن اعراب کا اطلاق صرف دیہاتی آبادی کے لئے مخصوص رہ گیا ہے۔ صار ذٰلک اسمًا لسکان البادیۃ (راغب) ھم سکان البادیۃ خاصۃ (تاج) اَلْمُعَذِّرُوْنَ۔ مُعَذِّرْ ایسے عذر ظاہر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے پاس حقیقۃً کوئی عذر نہ ہو اور وہ محض بہانہ کر رہے ہوں۔ ازہری لغوی نے ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ معذّرین وہ لوگ ہیں جو عذر نہ رکھتے ہوں اور عذر پیش کریں۔ المعذّر ھو المظھر للعذر اعتلالًا من غیر حقیقۃ لہ فی العذر وھو لا عذر لہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ والمعذرین الذین یعتذرون بلا عذر (لسان) ھم الذین لا عذر لھم ولٰکن یتکلفون عذرًا (تاج) المعذر الذی یعتذر بلا عذر (کبیر) بلکہ معتذر و معذّر کے درمیان فرق ہی یہ ہے کہ معتذر کا عذر ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن معذّر کا عذر ہمیشہ غلط ہی ہوگا۔ المتعذر یکون محقًا ویکون غیر محق والمعذر الذی لیس بمحق یعتذر بلا عذر (لسان) قال الازھری قد یکون المعذر غیر محق وھم الذین یعتذرون بلا عذر (تاج)

۱۶۳ (اور ایسے بے باک نکلے کہ ظاہر داری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے) کَذَبُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ یہ کذب دعوٰی ایمان میں تھا۔ یعنی ان کا دعوٰی ایمان کذب خالص تھا۔ قَعَدَ الَّذِیْنَ۔ ذکر انہی دیہاتیوں کا چل رہا ہے۔

۱۶۴ (دنیا میں قتل سے اور آخرت میں دوزخ سے) اے فی الدنیا بالقتل وفی الاخرۃ بالنار (کبیر) مِنْھُمْ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ عالم الغیب کو علم تھا کہ بعض ان میں سے ایمان لے آئیں گے اور عذاب سے مخلصی حاصل کرلیں گے۔ انما قال منھم لانہ تعالٰی کان عالمًا بان بعضھم یؤمن ویتخلص عن ھٰذا العقاب (کبیر)

بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
اس پر راضی ہوگئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں، اور ان کے دلوں پر مُہر لگ گئی
فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
سو وہ سمجھتے ہی نہیں ۱۶۰ البتہ رسول اور جو لوگ اُن کی ہمراہی میں ایمان
مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ
لا چکے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے
لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ
خوبیاں ہیں اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ۱۶۱ اللہ نے ان
اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
کے لئے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ
ع ۱۱ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ
رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے اور دیہاتیوں میں سے بہانہ باز
مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا
لوگ آئے کہ انہیں اجازت مل جائے ۱۶۲ اور جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
سے (بالکل ہی) جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ۱۶۳ ان میں جو کافر رہیں گے وہ عذاب دردناک
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى
میں مبتلا ہوں گے ۱۶۴ کوئی گناہ ناطاقتوں پر نہیں ہے اور نہ

۱۵۳ (تمہارے دل کا خبث اللہ نے مجھ پر روشن کر دیا۔ اسی وحی الٰہی کے بھروسہ پر میں یہ وثوق سے کہہ رہا ہوں) فَاسْتَأْذَنُوكَ۔ یہ اُن کا اجازت طلب کرنا خوشامد تملق کی راہ سے ہوگا
۱۵۴ (اسلئے کہ دل میں عزم بھی تمہارے ساتھ ہی ہی) الخالفین یعنی وہ کل لوگ جو کسی عذر حقیقی کی بنا پر پیچھے رہ گئے، مثلاً بیمار یا بوڑھے یا بچے یا عورتیں۔ اے المخلفین لعدم لیاقتھم کالنساء
والصبیان والرجال العاجزین وجمع المذکر للتغلیب (روح) وتفسیر الخالف بالمخلف ھو المأثور عن اکثر المفسرین السلف (روح) ۱۵۵ (دفن وغیرہ کے واسطے تعظیماً) مقیام
علی القبر سے مُراد وہ ہے جو بطور اکرام کے ہو خواہ بہ غرضِ زیارت ہو یا بہ غرض دفن اور اگر عبرت اور تذکر موت کے لئے ہو، یا ضرورت کے لئے ہو تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بہ غرض عبرت میں کوئی

وَلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ
اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے ۱۵۳ تم وہی ہو کر پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے
اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (۸۳) وَلَا تُصَلِّ
کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو ۱۵۴، اور ان میں سے جو
عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ
کوئی مر جائے اُس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہو جیے ۱۵۵
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (۸۴)
بیشک انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ
وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
نافرمان تھے ۱۵۶ اور اُن کے مال اور اُن کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے ۱۵۷، اللہ کو تو یہی منظور
اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ
ہے کہ انہیں ان کے ذریعہ سے دنیا میں بھی عذاب کرتا رہے اور اُن کی جانیں اس حال میں نکلیں
هُمْ كٰفِرُوْنَ (۸۵) وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
کہ وہ کافر ہوں ۱۵۸ اور جب کوئی ٹکڑا (قرآن کا) اس مضمون کا نازل کیا جاتا ہے کہ اللہ پر
وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ
ایمان لاؤ ۱۵۹ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو اُن میں سے مقدرت والے آپ سے
مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ (۸۶) رَضُوْا
رخصت مانگنے لگتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے کہ ہم یہاں ٹھیرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں''

مفسدہ دینیہ ہو تو جائز نہیں'' (تھانوی) وَلَا تُصَلِّ
عَلٰٓي اَحَدٍ مُراد نماز جنازہ ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ
پڑھنا ممنوع ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ قبر پر حاضر
ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا نفع اُس سے زاید ہے جتنا غیبت
میں دعا کرنے سے ہوتا۔ آیت سے فقہاء نے کئی مسائل
نکالے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ہر مسلمان کی میت پر نماز جنازہ
ضروری ہے۔ اور کفار کی میت کے لئے اس کی ممانعت ہے
فیه الدلالة علی معان احدھا فعل الصلوٰة علی موتی
المسلمین وحظرھا علی موتی الکفار (جصاص) کان ھذا
یصنع من اکبر القربات فی حق المومنین فشرع ذالك
وفی فعله الاجر الجزیل کما ثبت فی الصحاح وغیرھا
(کبیر) دوسری بات یہ کہ قبرِ مسلم پر اہتمام دفن کے لئے کھڑا
ہو جائے۔ چنانچہ اس پر رسول اللہ صلعم کا عمل بھی تھا۔ و
یدل ایضاً علی القیام علی القبر الیٰ ان یدفن وعلی
ان النبی صلعم قد کان یفعله (جصاص) عن عثمانؓ
کان رسول اللہ صلعم اذا فرغ من دفن المیت وقف
علیه وقال استغفروا لاخیکم واسألوا له التثبیت
فانه الاٰن یُسْئَل (ابو داؤد) ۱۵۶ فاسقون
یہاں کافروں کے معنیٰ میں ہے۔ اے متمردون
فی الکفر خارجون عن حدودہ (روح) فاسقون اے
کافرون (جلالین) اور جو کافر مرے اُس کے لئے
دعا، واستغفار یا اُس کے کفن و دفن میں شرکت درست
نہیں، وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ یہ گویا ممانعت نماز
جنازہ وغیرہ کی علّت بیان کر دی گئی یعنی جب وہ ایمان
سے خالی ہیں اُن میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ اُن پر
نماز جنازہ پڑھی جائے۔ تعلیل للنھی اے انھم
لیسوا باھل للصلوٰة علیھم لانھم کفروا باللّٰہ
ورسوله (مدارک) ۱۵۷ (کہ جب یہ

مبغوض و مردود ہیں تو ان پر نعمتیں کیسی؟) ۱۵۸ (جس سے آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہی رہیں) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۲ بالا۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ۔ اللہ کے اس ارادہ سے ظاہر ہے
کہ اُس کی مشیت تکوینی ہی مُراد ہے۔ آیت ابھی چند سطر قبل اُوپر آچکی تھی تکرار سے مقصود تاکید اور زور دینا ہے۔ التکریر للمبالغة والتاکید (مدارک) ۱۵۹ (محض زبان
سے نہیں، دل سے بھی) سُوْرَةٌ۔ سورت سے یہاں اصطلاحی سورت مُراد نہیں لفظی معنیٰ مُراد ہیں، یعنی قرآن مجید کا چھوٹا بڑا کوئی سا بھی ٹکڑا خواہ وہ پوری سورت ہو یا اس کا کوئی جزء۔
یجوزان یراد سورة بتمامھا وان یراد بعضھا (مدارک) اے طائفة من القراٰن (جلالین) لفظ قران سے بھی تو اسی طرح پورا قرآن ہی مراد ہوتا ہے اور قرآن کا ہر حصہ بھی۔ اور لفظ
الکتاب سے بھی اسی طرح کل کتاب بھی مُراد ہوتی ہے اور ہر حصہ کتاب بھی۔ اُولُوا الطَّوْلِ۔ یعنی وسعت و مقدرت والے لوگ۔ اے اصحٰب الفضل والسعة (کشاف)
اولوا الطول کے ذکر سے یہ مُراد نہیں کہ صرف اہلِ مقدرت رخصت مانگتے تھے بلکہ اس سے غیر اہل مقدرت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ جب مقدرت والوں کا یہ حال تھا تو غیر اہل مقدرت کا حال ضرور
ہی یہ ہوتا۔ وَقَالُوْا۔ و یہاں عاطفہ نہیں، تفسیری ہے یعنی پچھلے فقرہ کے استاذنک کی شرح اگلے فقرہ میں کر رہا ہے۔ عطف تفسیری (ابو السعود)

۱۴۷ اس لئے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے اور منافقین کے حق میں دُعا اور عدمِ دُعا دونوں عدمِ نفع کے لحاظ سے یکساں ہیں؛ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ستر سے مُراد یہاں عددِ کامل
یا کثرتِ استغفار ہے اور ستر تحدید کے لئے نہیں صرف تکثیر کے لئے آیا ہے جیسا کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔ والسبعون جار مجری المثل فی کلامھم للتکثیر (کشاف) ذکر تسبعین علی وجہ المبالغۃ
فی الیاس من المغفرۃ (جصاص) لان العرب فی اسالیب کلامھم تذکر السبعین فی مبالغۃ کلامھا ولا تریداالتحدید بھا (ابن کثیر) روایتوں میں آتا ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ بن سلول
منافقین مدینہ کا رئیس و سردار تھا۔ اُس کا لڑکا مومنِ مخلص تھا۔ باپ کے مرنے پر آکر رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں درخواست جنازہ پڑھانے کی کی۔ آپ کھڑے ہو گئے حضرت عمرؓ نے دامن پکڑا کہ آپ تو نماز سے

سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
ستر بار (بھی) استغفار کریں گے جب بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا ۱۴۷ یہ اس لئے کہ انہوں نے
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ
اللہ اور اُس کے رسُول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ
کرتا ۱۴۸ (یہ) پیچھے رہ جانے والے رسُول اللہ کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر
رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
خوش ہو گئے ۱۴۹ اور اُن کو گراں گزرا کہ یہ اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ
وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی
اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ کہنے لگے کہ (ایسی تیز) گرمی میں
الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾
(گھر سے) مت نکلو ۱۵۰ آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی گرمی اس سے بھی (زاید) تیز ہے ۱۵۱ کاش وہ سمجھتے ہوتے!
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
سو تھوڑے دن ہنس لیں اور پھر (آخرت میں) بہت دن روتے رہیں اُن کاموں کے بدلہ میں جو
يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ
وہ کرتے رہتے ہیں ۱۵۲ تو اگر اللہ آپ کو واپس لائے ان کے کسی گروہ کی طرف اور یہ
فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا
لوگ آپ سے (ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے،

ع ١٠ ٨ ١٦

منع کر دیئے گئے ہیں، آپ نے کہ مجسمۂ رحمت و شفقت تھے اور منافقین و منکرین کی تالیفِ قلوب کی مصلحت بھی آپ کی نگاہ دُور رس میں تھی، باوجود اہلِ زبان ہونے کے آیت میں تاویل فرمالی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اختیار دیا گیا ہے چاہوں استغفار کروں چاہوں نہ کروں ستر بار تک مغفرت نہ ہوگی میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھا دی۔ آیت ولا تصل علی احد منھم مات ابدا اس کے بعد اتری۔ آیت پر سوال یہ ہوا ہے کہ آپؐ نے منافق کے کفر کے علم کے باوجود اُس کے لئے استغفار کیسے کر دیا۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُس کے کفر کا علم قطعی تو آپؐ کو اس آیت کے نزول کے بعد ہی ہوا نہ کہ اُس کے قبل سے تھا۔ محققین نے آیت اور اس کے شانِ نزول دونوں سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مجتہد کو چاہیئے کہ آیاتِ عذاب میں تاویل اور وعدۂ انعام میں توسیع کرتا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپؐ کا یہ استغفار اگر ہوتا تو فرطِ رحمت و شفقت کی بنا پر ہوتا۔ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ عدمِ استغفار اصل ضابطۂ شریعت اور استغفار کی عدمِ نافعیت کی بنا پر ہوتا۔ کفر ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے پیمبرِ برحق تک کی سفارش بےاثر رہتی ہے اعاذنا اللہ منہ۔ فیہ اخبار بان استغفار النبی صلعم لھم لا یوجب لھم المغفرۃ (جصاص)

۱۴۸ چنانچہ یہ لوگ کفر ہی پر قائم رہے اور کفر ہی پر ختم رہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار اور اُس کی نماز جنازہ درست نہیں؛ آیت میں استغفارِ رسُول کی عدمِ نافعیت کی وجہ بیان کر دی کہ وہ کفر ہے اور اس مانع کا دفعیہ عددِ استغفار کی کمی زیادتی سے نہیں ہو سکتا۔ بین ان العلۃ التی لاجلھا لا ینفعھم استغفار الرسول وان بلغ سبعین مرۃ کفرھم وفسقھم وھذا المعنی قائم فی الزیادۃ علی السبعین (کبیر) اَلْفٰسِقِيْنَ۔ یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو ایمان و حق کی طلب ہی نہیں کرتے محض گنہگار ہونا مُراد نہیں، بلکہ ایمان سے خارج ہونا مراد ہے۔ ای الخارجین من الایمان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ مغفرت کی طرف سے قطعی محرومی و مایوسی۔ اشارۃ الی الیاس من المغفرۃ (مدارک)

۱۴۹ (جب کہ آپؐ غزوۂ تبوک پر روانہ ہو چکے) حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ۔ اس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے"، رہ جانے والے وہ منافقین ہیں جنہوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ خِلٰفَ۔ کے معنی بعد کے ہیں۔ ای خلفہ (کشاف) بمعنی بعد وخلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنی خلف وان یونس رواہ عن عیسی بن عمر ومعناہ بعد رسول اللہ (کبیر) لیکن دوسرے معنی "مخالفت میں"، کے بھی ہیں۔ قیل ھو بمعنی المخالفۃ (کشاف وروح) یعنی مخالفۃ لرسول اللہ صلعم (کبیر عن قطرب والزجاج)

۱۵۰ یہ منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ غزوۂ تبوک کا زمانہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے مشابہ اُن اہلِ باطل کا حال ہے جو سلوک کے شدائد اور لذائذِ دنیوی کے فوت ہونے کو بڑے شد و مد سے بیان کر کے سالکین و طالبین کو راہِ سلوک سے روکتے ہیں۔ ۱۵۱ (لیکن اس آگ سے نہ ڈرتے ہو نہ اُس سے بچنے کا کوئی سامان کرتے ہو)

۱۵۲ (اس دنیا میں جس کی عمر چند روزہ ہے) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ ہنسنے کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور رونے کا عالمِ آخرت سے جس کی مُدت ختم ہونے والی نہیں۔ فليضحكوا اور وليبكوا گو صورۃً امر ہیں لیکن مراد یہاں صیغۂ امر سے بھی محض خبر ہی ہے جو اپنے وقوع میں تمام تر یقینی ہے۔ والامر بالضحک والبکاء فی معنی الخبر (بحر) اخرجہ علی صیغۃ الامر للدلالۃ علی انہ حتم واجب (بیضاوی) قَلِيْلًا وَّكَثِيْرًا۔ قلیل میں اشارہ اس دنیا کی عارضی حیثیت کی جانب ہے اور کثیر میں آخرت کے دوام کی جانب۔ قلیلا اشارۃ الی مدۃ العمر فی الدنیا وکثیرا اشارۃ الی تابید الخلود (بحر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ وليبكوا كثيرا کو جو خبر بہ صورتِ انشاء اور آخرت سے متعلق ہے، صیغۂ امر سمجھ کر اپنے مرشدوں سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں رونا نہیں آتا حالانکہ گریہ اگر خشیت و محبت سے ہے تو محمود ضرور ہے لیکن محمود ہونا کسی فعل کے واجب ہونے کو مستلزم نہیں۔ احکام تو صرف اُمور اختیاری میں ہیں اور گریہ امرِ غیر اختیاری ہے۔

۱۴۲ (یعنی ایمان اُن کے دلوں سے مفقود تو پیشتر ہی سے تھا۔ فکر، پروا اعمالِ ایمانی کی پہلے بھی نہ تھی۔ اب عمل بھی ترک کر دیا۔ اے وھم قوم عادتھم الاعراض عن الطاعات فلا ینکر منھم ھذا (روح) ۱۴۳ (شروع ہی سے) ''یعنی نیت ایفار کی اُس وقت بھی نہ تھی، پس نفاق تو اُس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ کذب و اخلاف ہے۔ پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے اور اس زیادت غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ نفاقِ سابق اب دائم و غیر زائل ہو گیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی۔ اُسی حالت پر مر کر ابدالآباد جہنم میں رہنا نصیب ہوگا،، (تھانوی) فَاَعْقَبَهُمْ الخ۔ یعنی چونکہ انہوں نے اپنے اِرادہ سے گمراہی اختیار کر لی، اللہ بھی ان کے اِرادہ کے خلاف ان کی گمرہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا، اور انہیں بدستور اُسی حال میں پڑا رہنے دے گا۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
پھر جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے (مال) دے دیا تو لگے وہ اُس میں بخل کرنے اور رُوگردانی کرنے
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ
اور مُنہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی، ۱۴۲ سو اللہ نے اُن کی سزا میں اُن کے قلوب میں نفاق قائم کر دیا جو
يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا
اُس کے پاس جانے کے دن تک رہیگا اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ سے اور اُس کے خلاف کیا جو کچھ اُس سے
يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ
وعدہ کر چکے تھے اور اسلئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے ۱۴۳، کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ کو ان کے دل کے راز کا اور ان
وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ
کی سرگوشی کا سب کا علم ہے اور یہ کہ اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے ۱۴۴، یہ ایسے ہیں جو
يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ
صدقات کے باب میں نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور (خصوصاً)
وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ
اُن لوگوں پر جنہیں بجز ان کی محنت مزدوری کے کچھ نہیں ملتا سو اُن سے یہ تمسخر کرتے
مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾
ہیں اللہ اُن سے تمسخر کرتا ہے ۱۴۵ اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ۱۴۶
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
آپ اُن کے لئے استغفار کریں خواہ اُن کے لئے استغفار نہ کریں، اگر آپ اُن کے لئے

قال الزجاج ان معناہ انھم لما ضلوا فی الماضی فھو تعالیٰ اضلھم عن الدین فی المستقبل (کبیر) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح سے معصیتوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے۔ ۱۴۴ (تو ان کا ظاہری اسلام اور نقلی اظہار اطاعت ان کے کیا کام آسکتا ہے؟!) روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اُس نے بہت ہائے واویلا کی مگر آپؐ نے قبول نہ فرمائی، اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ تینوں کی خلافت میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا اور ہر دفعہ وہ رَد ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔'' ''احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا۔ بلکہ دفع عار و بدنامی کے لئے تھا۔ کیونکہ اعقبھم الخ سے اُس کا دائماً کافر رہنا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے اور شاید ممانعت قبول سے مُراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی ہو، اس طرح کہ قبول صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے اور شرط کا انتفار مخصوص ہے پس مشروط بھی منہی عنہا ہوگا! اور ممکن ہے کہ مستقل وحی بھی اس میں نازل ہوئی ہو۔ اور خلفائے راشدینؓ کا قبول نہ کرنا آپؐ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا۔'' (تھانوی) اَلَمْ يَعْلَمُوْا۔ ہمزہ یا تو انکار، توبیخ و تہدید کے موقع پر آتا ہے کہ اُن کی جرأتیں اتنی بڑھتی گئیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور یا پھر اس تنبیہ کے لئے کہ اللہ اس امر پر اُن سے مواخذہ شدید کرنے والا ہے، والھمزة اما للانکار والتوبیخ والتھدید اے الم یعلموا ذٰلک حتی اجترؤا علی ما اجترؤا علیہ من العظائم او للتقریر والتنبیہ علی ان اللہ سبحانہ مؤاخذھم ومجازیھم بما علم من اعمالھم (روح) اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ۔ ان لوگوں کی سرگوشیاں اور ان کی رازداریاں چونکہ وقتی چیزیں اور حادث تھیں اس لئے یہاں علم کا ذکر صیغۂ فعل (مضارع) کے ساتھ فرمایا گیا۔ وفی ایراد العلم المتعلق بسرھم ونجواھم الحادثین شیئا فشیئا بصیغة الفعل الدال علی الحدوث والتجدد (روح) اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ یہاں علم کا تعلق چونکہ بندوں سے نہیں بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لئے صیغہ بھی اسم کا لایا گیا دوام کے ظاہر کرنے کو اور پھر اسم بھی صیغۂ مبالغہ کا؛ والعلم المتعلق بالغیوب الکثیرة بصیغة الاسم الدال علی الدوام والمبالغة من الفخامة والجزالة ما لا یخفی (روح) ۱۴۵ (اور تمسخر کا درجہ مطلق طعن سے بڑھا ہوا ہے) اَلَّذِيْنَ۔ ھم الذین کے مرادف ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ منکرین اولیار کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی اُن کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔ ۱۴۶ (خواہ دنیا خواہ آخرت میں) سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ یعنی اُن کے تمسخر کی خوب سزا انہیں دے کر رہے گا۔ عربی میں بہ طریق مجازات و مشاکلت اسی لفظ کو اُلٹ دینے کا دستور عام ہے جیسا کہ دیباچہ میں ذکر آچکا ہے اور محاورۂ قرآنی میں بار بار یہ استعمال ہوا ہے۔ اے جازاھم جزاء السخریة (ابن قتیبہ) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ تمسخر سے دل چونکہ اور زیادہ دُکھتا ہے اس لئے اس کا ذکر وقوع اور جزار دونوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔

۱۳۶ (ہر ایک کے حسبِ حال) لفظ جہاد قتال کے مُرادف نہیں، قتال اُس کی صرف ایک فرد ہے محققین نے تصریح کردی ہے کہ کافروں سے جہاد کی شکل ایک ہوگی اور منافقوں سے جہاد کی شکل دوسری۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ۔ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ وقتال سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی عن ابن عباسؓ) دلت الدلائل المنفصلة على ان المجاهدة مع الكفار يجب ان تكون بالسيف (کبیر) وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ منافقوں کے مقابلہ میں جہاد قول ولفظ اور عملی برتاؤ سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (قرطبی عن ابن عباس) باقامة الحدود عليهم وباللسان (قرطبی عن الحسن وقتادة) باظهار الحجة تارةً وبترك الرفق ثانيًا وبالانتهار ثالثًا (کبیر) ۱۳۷ (جس کے وہ مستحق ہیں) غِلْظَه کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے۔ اور غلظ لغت میں رافت یا نرمی کی ضد ہے، مُراد یہ ہے کہ اُن کے مقابلہ میں نرم د پڑیے مضبوطی سے قائم رہیے۔ الغلظ نقيض الرأفة وهي شدة القلب (قرطبی) آج کے دَورِ دجل وتلبیس میں

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
کیجیے ۱۳۶ اور ان پر سختی کیجیے ۱۳۷ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ
(وہ) بُری جگہ ہے یہ لوگ اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی
قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ
حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کافر ہوگئے اور
هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ
ایسی بات کا بھی ارادہ کیا جو انہیں حاصل نہ ہوسکی ۱۳۸ اور انہوں نے بدلہ صرف اس بات
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا
کا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مالدار کردیا تھا ۱۳۹ سو اگر یہ توبہ کرلیں
لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي
تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور اگر رُوگردانی کریں تو اللہ انہیں ایک دردناک سزا دنیا اور
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ
آخرت میں دے گا اور اُن کا روئے زمین پر نہ کوئی یار ہے
وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا
اور نہ مددگار ۱۴۰ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل
مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾
سے ہمیں (مال) عطا کردے تو ہم خوب (اُس میں سے) تصدق کریں گے اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں ۱۴۱

لفظ "رواداری" جس معنیٰ میں چلا ہوا ہے، اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں۔ دوستانِ حق سے وہ اُس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں، اسی طرح دشمنانِ حق سے بھی اسی سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اُٹھا اُٹھا کر انہیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے اور سانپوں، بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے، عقل کی تعلیم یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں "رواداری" سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اُس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا اور اُس کے مقابلہ میں سختی بھی حسبِ طاقت وضرورت استعمال کی جائے گی۔ كل من وقف منه على فساد في العقيدة فهذا الحكم ثابت فيه يجاهد بالحجة وتستعمل معه الغلظة ما امكن منها (مدارک)

۱۳۸ تبوک سے واپسی کے موقع پر چند منافقوں نے حضورِ اکرم صلعم سے متعلق سازش کی کہ فلاں گھاٹی سے آپ شب میں گزریں گے سب مل کر آپؐ پر ہاتھ چلائیں اور ہوسکے تو زندگی ہی کا خاتمہ کردیں چنانچہ راستہ میں ایک جگہ چھپ کر اور اپنے چہروں کو چھپا کر بیٹھ گئے آپؐ کے ہمراہ صحابیوں میں سے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ تھے عمارؓ کو تو ان لوگوں نے گھیر لیا، لیکن حذیفہؓ کی شجاعت کام آئی اور یہ بزدل منتشر ہوگئے۔ رات کے اندھیرے اور چہرے کے چھپے ہونے کے باعث پہچانے نہ گئے۔ حذیفہؓ نے جب رسول اللہ صلعم تک خبر پہنچائی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ بارہ آدمی فلاں اور فلاں تھے ان لوگوں سے جب سوال کیا گیا تو وہ حلف کے ساتھ انکار کر گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ اسلام ایمان کے مُرادف ہے، اس لئے کہ ٹھیک کفر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ فيه دلالة على ان الايمان والاسلام واحد لانه قال وكفروا بعد اسلامهم (مدارک) كَلِمَةَ الْكُفْرِ۔ ہر وہ بات ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہو، پائی جائے۔ وكلمة الكفر كل كلمة فيها جحد لنعمة الله او بلغت منزلتها في العظم (جصاص)

۱۳۹ یہ ایک طنز لطیف ان منافقوں کی کمینہ فطرتی پر ہے، منافقینِ مدینہ عموماً غریب تھے، اسلام ہی کی بدولت انہیں مالِ غنیمت میں کچھ حصہ ملنے لگا تھا اور اسی سے اُن میں کچھ خوشحالی آگئی تھی۔ پھر سازشیوں کا ایک خاص سرغنہ جُلاس (جو بعد کو بحمد اللہ پختہ مسلمان ہوگیا تھا) تو خاص طور پر رسول اللہ صلعم کا ممنونِ کرم تھا کہ آپؐ نے ایک بار اُس کا ایک بڑا قرضہ اتار دیا تھا۔ ایسے طنز بہ محاورہ ہر زبان میں ہیں۔ اُردو میں بھی تو کہتے ہیں کہ "جی ہاں مجھ سے یہ خطا تو ضرور ہوئی تھی کہ وقت پر اُس شخص کے کام آگیا تھا"۔ ۱۴۰ (کہ انہیں اس سزائے دردناک سے بچالے اور جب دنیا ہی میں انہیں کوئی یار مددگار نہیں ملتا تو آخرت میں تو بدرجۂ اولیٰ منفی ہوگا) فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی اگر اپنے نفاق سے توبہ کرلیں تو دنیا و آخرت دونوں کی سزاؤں سے بچ جائیں گے بلکہ دارین میں نفع ہی میں رہیں گے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اظہار ایمان کرنے والے اور باطناً کفر میں پڑے رہنے والے زندیق کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ وما قص الله علينا من شان المنافقين دلالة على قبول توبة الزنديق المستتر للكفر والمظهر للايمان (جصاص) يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اس بہتری کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے ۱۴۱ (اُسی مال و دولت کے ذریعہ سے) شانِ نزول کی روایتوں میں یہاں ایک خاص شخص ثعلبہ بن حاطب کا نام لیا گیا ہے لیکن روایات شانِ نزول کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سبب نزول وہ مخصوص واقعہ تھا یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت کی دلالت صرف اُس شخص یا واقعہ تک محدود ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اُس کا ادا کرنا واجب ہے۔ فيه الدلالة على ان من نذر نذرًا فيه قربة لزمه الوفاء به (جصاص)

۱۳۲ سو انہی قدیم قوموں کی طرح یہ معاصر معاندین بھی اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں) نَبَاُ الَّذِیْنَ - ان لوگوں کی خبر یعنی ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر
اَصْحٰبِ مَدْیَنَ - مُراد قوم شعیبؑ ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتِ - اُلٹی ہوئی بستیاں، یعنی قوم لُوطؑ کے اُجڑے ہوئے، برباد شدہ شہر۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ - یعنی اُن قوموں کے پیمبر تو کھلے
کھلے نشانات لے کر آتے رہے۔ پر اُن لوگوں کی طرف سے انکار بھی اسی شدت سے جاری رہا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ - خدائے اسلام دوسری قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۷۰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۱۳۲ اور ایمان والے
وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ
اور ایمان والیاں ایک دُوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کا (آپس میں)
بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں،
وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ
اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۷۱
وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا ۱۳۳ بیشک اللہ بڑا اختیار والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۳۴
وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
اللہ نے ایمان والوں اور ایمان والیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، باغوں کا کہ اُن کے نیچے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً
نہریں بہ رہی ہوں گی یہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور (وعدہ کر رکھا ہے) پاکیزہ مکانوں کا ہمیشگی
فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ
کے باغوں میں اور اللہ کی رضامندی (سب نعمتوں) سے بڑھ کر ہے، بڑی
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۷۲ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
کامیابی یہی ہے ۱۳۵ اے نبی کافروں اور منافقوں پر جہاد

وقف لازم

ع ۹ ۱۵

وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔ بلا وجہ و سبب کسی پر سختی کرنا اُس کی شانِ عدل و حکمت دونوں کے منافی ہے لانہ حکیم لا یعاقبہم بغیر جرم (مدارک)

۱۳۳ ابھی اُوپر ذکر آچکا ہے کہ منافقین اور منافقات سب ایک گروہ ہیں۔ المنافقون والمنافقات بعضہم من بعض۔ اب اس کے بالمقابل ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین و مومنات بھی سب ایک گروہ ہیں ایک دوسرے کے دوست، رفیق، ہوا خواہ اور اس گروہ مومن کے صفات و خصوصیات ٹھیک اس کے برعکس بیان ہو رہے ہیں جو ابھی گروہ منافق کے بیان ہوئے تھے۔ یُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ رسُول کی اطاعت آنحضورؐ کی وفات کے بعد حضورؐ کی شریعت کی اطاعت ہے۔ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ - س یہاں وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔ السین مفیدۃ وجود الرحمۃ لا محالۃ فھی تاکد الوعد (کشاف) لا محالۃ فان السین موکدۃ للوقوع (بیضاوی) والسین علی ما قال الزمخشری وتبعہ غیر واحد لتاکید الوعد (روح)
فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت کی رُو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پا گیا اور دُوسرا مستقل طبقہ اہل ایمان کا۔ اس لئے جو سلوک و محبت باہمی مومنین کے لئے ثابت و لازم ہے وہ کفار و منافقین سے نہ رکھنی چاہیے اور جو تشدد اور غلظت کفار کے مقابلہ میں مقتضائے دین ہے وہ مسلمان کے حق میں جائز نہیں، اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قول یا عمل یا مجرد قصد سے بھی ضرر پہنچائے۔ یطیعون سے صوفیۂ عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جب اطاعت ایمان کی علامت ہے تو عدم اطاعت یا معصیت سلبِ ایمان کی طرف لے جانے والی ہوگی، بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ - امام رازی نے لکھا ہے کہ منافقین و منافقات کے ذکر میں یہی مضمون بعضہم من بعض سے ادا ہوا ہے اور مومنین و مومنات کے ذکر میں بجائے من بعض کے اولیاء بعض سے، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کفر و نفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلید جامد اور مناسبت طبعی کی راہ سے کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی و توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ۱۳۴ یعنی ہر جزا و صلہ پر قادر اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزا و صلہ دینے والا۔ ای غالب علی کل شیٔ قادر علیہ و واضع کلا موضعہ (مدارک) ۱۳۵ (اور یہ اہلِ جنت کو تمام تر نصیب رہے گی) رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ - یعنی رضائے الٰہی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ تعمیل احکام سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ صوفیۂ عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدارِ الٰہی گو ایک عظیم الشان نعمت ہے، لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے، عاشق کے لئے بیشک دیدار محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوب حقیقی کی رضا صرف تعمیل احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خود جنت میں جانے اور ہر قسم کی نعمت پانے کا سبب بھی تو یہی رضائے الٰہی ہے اور عاشقوں کا منتہائے مقصود بھی یہی رضا ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۙ﴿٦٨﴾ كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا
اُن کے لئے عذاب دائم ہے ١٢٩ (تمہاری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے
أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا
ہیں، وہ شدت قوت میں اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے بڑھے ہوئے تھے سو انہوں نے
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ
اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا ان لوگوں
الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي
نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے قبل ہو چکے ہیں ١٣٠ اور تم لوگ بھی گھسے، جیسا وہ
خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
لوگ گھسے تھے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع
وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ
ہو کر رہے اور یہی لوگ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں ١٣١ کیا انہیں ان لوگوں
نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَ
کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے قبل ہو چکے ہیں (مثلاً) قوم نوحؑ اور عادؑ و ثمودؑ کی، اور
قَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ
قوم ابراہیم و اہل مدین کی اور الٹی ہوئی بستیوں کی،
أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ
ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے نشانات لے کر آئے، سو اللہ تو ان پر کوئی ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں

١٢٩ یعنی ایسا عذاب جو آ کر جائے گا نہیں، قائم ہو کر اور جم کر رہ جائے گا۔ هِيَ حَسْبُهُمْ۔ یعنی اس آتش دوزخ سے بڑھ کر کوئی سزا متصور ہی نہیں، اور وہی اُن کے لئے ہو گی۔ فيه دلالة على عظم عذابها وانه بحيث لا يزاد عليه (مدارک) والمعنى ان تلك العقوبة كافية لهم ولا شئ ابلغ منها ولا يمكن الزيادة عليها (کبیر) لَعَنَهُمُ اللهُ۔ اللہ کی لعنت کے معنی جیسا کہ کئی بار اُوپر آ چکا ہے، اللہ کی رحمت خاصہ سے دور کر دیتے کے ہیں۔ ١٣٠ یعنی جیسا پرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ و ثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور ناز بے جا رہ چکا ہے اسی طرح تم بھی آج ظاہری و لفریبیوں اور مادی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو۔ خطاب منافقین ہی سے چل رہا ہے۔ كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ۔ یہ تمثیل جس طرح کفر مشترک میں ہے اسی طرح جزائے کفر مشترک میں بھی ہے۔ ١٣١ (کہ دونوں جہانوں میں مسرت و راحت سے محروم ہو گئے) مطلب یہ ہوا کہ جب حبط اعمال اور سزائے شدید اُخروی سے وہ قدیم قومیں باایں جاہ و شوکت نہ بچ سکیں تو تم تو ان سے کہیں کم ہو، تم کیسے بچ سکتے ہو، خُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا خوض کے معنی گھسنے یا در آنے کے ہیں، اور اس کا استعمال موقع ذم پر ہوتا ہے۔ الخوض الدخول فى الباطل واللهو (مدارک) ظاہری ٹیپ ٹاپ کے ساتھ بُری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے، اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج بھی "مہذب" قوموں کے شفاخانوں، محتاج خانوں، ڈاک خانوں، درسگاہوں کے پہلو بہ پہلو ان کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر، اُن کے تھیٹر اور اُن کے سنیما دیکھ لئے جائیں۔

عنهم ، بهم عذبوا وقال ... صورة نجم وسماه الامر تقديره لعذر لما نفوا (ص م) ١٢٤؎ (اور کچھ واقعی بُرائی یا عیب چینی ہمیں تھوڑے ہی مقصود تھی) یہ عذر آج بھی کتنا چلا ہوا ہے۔ شعر و ادب کے پردہ میں کون سی گستاخی اللہ اور اس کی شریعت اور اس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اُٹھ رہی ہے۔ اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض ادبی دلچسپیوں کے لئے تھا۔ کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی مقصود تھی! ١٢٥؎ یعنی بالفرض تمہاری غرض محض تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی ہی تھی جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزا کن چیزوں سے کر رہے ہو! اللہ سے؟ اس کے احکام سے؟ اس کے رسول سے؟ ـــــ یہ چیزیں محل استہزا کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں؟ آج کے ادیب اور شاعر (ایک دو نہیں صدہا کی تعداد میں) ذرا ان پہلوؤں کو بھی سوچ رکھیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکم شرعی کے اعتبار سے استہزاء کی تینوں قسمیں (استہزاء باللہ، استہزاء بآیات اللہ و استہزاء برسول اللہ) برابر ہیں۔ دل علی ان الاستهزاء بآيات الله بشیء من شرائع دینه کفر فاعله (جصاص) فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمۂ کفر خواہ ارادہ و سنجیدگی سے ادا کیا جائے خواہ محض ایک لطیفہ و خوش طبعی کے طور پر، حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے اُن کے عذر لہو و لعب کو بالکل مسترد کر دیا اور حکم کفر ان پر باقی رکھا۔ ہاں حالت جبر و اکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔ فيه الدلالة على ان اللاعب والجاد سواء في اظهار كلمة الكفر على غير وجه الاكراه (جصاص) فاخبر ان هذا القول كفر منهم على اى وجه قالوه من جد او هزل فدل ذلك على استواء حكم الجاد والهازل في اظهار كلمة الكفر (جصاص) اور امام رازیؒ نے اس بات کو عقلی پہلو سے بیان کیا ہے۔ انه تعالى بين ان ذالك الاستهزاء كان كفرا والعقل يقتضي ان الاقدام على الكفر لاجل اللعب غير جائز (کبیر) اَبِاللّٰهِ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ عمل استہزاء کا وقوع اللہ تعالیٰ پر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ مُراد یا تو احکام شرعی سے ہوگی یا اسماء الٰہی سے اور یا قدرتِ الٰہی سے۔ المراد بالاستهزاء بالله هو الاستهزاء بتكاليف الله تعالى (کبیر) يحتمل ان يكون المراد الاستهزاء بذكر الله فان اسماء الله قد يستهزئ الكافر بها (کبیر) ثم ان بعض الجهال من المنافقين ذكر كلاما مشعرا بالقدح في قدرة الله كما هو عادات الجهال والملحدة (کبیر)

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾
آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم استہزاء کر رہے تھے اللہ اور اُس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ ١٢٥،

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ
(اب) بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد ١٢٦ اگر ہم تم میں سے ایک

عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ
گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ کو تو سزا دیں ہی گے اس لئے کہ وہ

كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ
مجرم رہیں گے ١٢٧ منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی طرح کے ہیں،

مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
بُری بات کا حکم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ
رہتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بُھلا دیا سو اُس نے انہیں بھلا

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
دیا، بیشک منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں ١٢٨ اللہ نے منافق مردوں

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ
اور منافق عورتوں سے اور کافروں (سب) سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، اس

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ
میں وہ (ہمیشہ) پڑے رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان پر لعنت کرے گا اور

ع ٧ وقف لازم

١٢٦؎ (اس لئے اب بات بنانے کی کوششیں سب بے کار ہیں) بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۔ بعد اظہار ایمانکم کے معنی میں ہے ورنہ اصل ایمان ظاہر ہے کہ منافقوں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ اے بعد اظهاركم الايمان (کشاف) اے كفرتم بعد ايمانكم الذى اظهرتموه (کبیر عن الحسن) دین کے ساتھ استہزاء فقہاء نے تصریح کر دی ہے اگر قصداً ہے تو خواہ بد اعتقادی سے نہ ہو جب بھی کفر ہے۔ قَدْ كَفَرْتُمْ ۔ یعنی اس استہزاء کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہی ہو گیا ورنہ موجود تو وہ پہلے ہی سے تھا۔ اے قد اظهرتم كفركم باستهزائكم (مدارک) قال الحسن المراد كفرتم بعد ايمانكم الذى اظهرتموه وقال آخرون ظهر كفركم للمؤمنين بعد ان كنتم عندهم مسلمين (کبیر) لَا تَعْتَذِرُوْا ۔ یعنی بہانے نہ بناؤ۔ اے لا تشتغلوا باعتذاراتكم الكاذبة (مدارک) ١٢٧؎ (اور آخر وقت تک انہیں توفیقِ توبہ نصیب نہ ہوگی) اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ ۔ یہ معافی انہیں تائب ہو جانے اور مومن مخلص بن جانے پر حاصل ہوگی۔ ١٢٨؎ (اور سب دائرۂ ایمان سے خارج ہیں) بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس کے ہیں صفت نفاق میں سب شریک و متحد اور مومنین کے دائرہ سے یکسر خارج۔ اے فی صفة النفاق كما يقول الانسان انت منى وانا منك اے امرنا واحد ولا مباينة فيه (کبیر) وفيه نفى ان يكونوا من المؤمنين (مدارک) اصناف بعضهم الى بعض باجتماعهم على النفاق فهم متشاكلون متشابهون فى تعاضدهم على النفاق (جصاص) يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ ۔ یعنی فسق و کفر و عداوت اسلام کی طرف بُلانے اور دعوت دینے میں سب شریک ہیں۔ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ۔ یعنی ایمان و اتباع نبوی سے سب ایک دوسرے کو روکتے رہتے ہیں۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔ نَسِيَهُمْ ۔ اللہ کا انہیں بھلانا یہ ہے کہ اُس نے اپنی رحمت خاصہ ان پر سے ہٹالی۔ قاعدۂ مشاکلت دیباچہ میں ملاحظہ ہو۔ اے جازاهم بان صيرهم بمنزلة المنسى من ثوابه ورحمته (کبیر) قاعدۂ مشاکلت کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کا دیباچہ۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ یہ ترکیب فسق پر زور و تاکید کے لئے ہے یعنی بڑے ہی فاسق ہیں۔ اے هم الكاملون فى الفسق الذى هو التمرد فى الكفر والانسلاخ عن كل خير (مدارک)

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ
اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ۱۱۶ اور مومنین کا یقین رکھتے ہیں ۱۱۷ اور ان پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان
يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ
کا اظہار کرتے ہیں ۱۱۸ اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۱۱۹، یہ لوگ تمہارے
بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ
سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو خوش کرلیں ۱۲۰ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ
يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ
خوش اس کو کرلیں اگر (واقعی) یہ لوگ ایمان والے ہیں ۱۲۱ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت
مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا
کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی سو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، اس میں وہ ہمیشہ
فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ
پڑا رہیگا اور یہ بڑی ہی رسوائی ہے ۱۲۲ منافقین اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ
اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ
کہیں مومنین پر ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کو منافقین کے مافی الضمیر کی خبر دیدے
قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَ
آپ کہہ دیجئے کہ تم استہزا کئے جاؤ، یقیناً اللہ اسے ظاہر کرکے رہے گا جس کی بابت تم اندیشہ کرتے
لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ
رہتے ہو ۱۲۳ اور اگر آپ ان سے سوال کیجئے تو کہہ دینگے کہ ہم تو محض شغل اور خوش طبعی کر رہے تھے ۱۲۴

ع ۱۰

۱۱۲ یعنی مجاہدین کی امداد میں، بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے بعض نے دینی طالب علموں کو بھی۔ وقیل المراد طلبة العلم واقتصر علیه فی الفتاوی الظهیریة (روح) اور بعض فقہاء نے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کے جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔ وفسره فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة اللّٰه تعالیٰ وسبل الخیرات (روح) **۱۱۳** وہ ہر مناسب نامناسب کو جانتا ہے اور اس کے احکام ہمیشہ مناسب حال اور مصلحتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ یہ تاکید ہے ان احکام کے واجب العمل ہونے کی۔ **۱۱۴** (اور اس لئے انہیں دھوکے میں لے آنا ان کے سامنے بات بنا جانا کوئی بڑی بات نہیں) منهم۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی طرف ہے۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ منافقین آپس میں ایسی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اُذُنٌ۔ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سنے اس کا یقین کرلے۔ الاذن الرجل الذی یصدق ویقبل قول کل واحد (کشاف) اے یقبل کل ما قیل له (ابن قتیبہ)

يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ۔ یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جو نبی صلعم کے لئے باعث اذیت ہیں۔ **۱۱۵** قرآن مجید نے منافقین ہی کے لفظ کو ان پر دہرا کر اسے ایک بالکل دوسرے پہلو سے پیش کر دیا ہے۔ اُذن خیر کے درمیان کی اضافت فی کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں جو بات خیر کی ہے اسی کو وہ کان دھر کر سنتے ہیں۔ ای هو اذن فی الحق والخیر (کشاف) **۱۱۶** یعنی اللہ کی وحی کی ہوئی ساری اطلاعوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ایمان یہاں اپنے شرعی اصطلاحی معنیٰ میں ہے جو کفر کی ضد ہے اور اسی لئے اس کا صلہ "ب" کے ساتھ آیا ہے۔ اے التصدیق بالله الذی هو نقیض الکفر فعدی بالباء (کشاف) **۱۱۷** یعنی مومنین مخلصین کی باتوں کا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کو سن لینا دو طور پر ہے ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اس کو صحیح سمجھیں۔ دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ باوجود اس سمجھ جانے کے کہ یہ بات محض غلط ہے خلق و کرم جبلی سے اس کو ٹال دیں اور راوی پر دار و گیر سے اس کی صریح تکذیب نہ کریں۔ غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف اللہ کی اور مخلصین کی باتیں سنتے ہیں" (تھانوی) ایمان یہاں لغوی معنیٰ میں ہے یعنی مومنین کی بات کی تصدیق اور اسی لئے اس کا صلہ ل کے ساتھ آیا ہے۔ قصد السماع من المومنین وان یسلم لهم ما یقولونه فعدی باللام (کشاف) معناه الاستماع منهم والتسلیم لقولهم فیتعدی باللام (کبیر) قیل انما ادخلت اللام للفرق بین ایمان التصدیق وایمان الامان (جصاص) **۱۱۸** (گو وہ ایمان دل میں نہ ہو اور اسی شفقت و خوش خلقی کی بنا پر تمہاری باتیں بھی سن لیتے ہیں باوجودیکہ اس کی حقیقت خوب سمجھ چکے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دلوں کا حال بجز عالم الغیب کے کسے معلوم، رسول تو تمہارے اظہار ایمان ہی کو ایمان سمجھ کر تم پر شفقت کرتے ہیں۔ اے اظهر والایمان (کشاف)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ رحمة للذین اٰمنوا منکم سے آپ کا کمال کرم ظاہر ہوتا ہے کہ محض اظہار ایمان پر ہی آپ کی شفقت مرتب ہو جاتی ہے **۱۱۹** (آخرت میں یقیناً اور دنیا میں اغلباً) اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس ایذاء کے عموم کے تحت میں سب کچھ آگیا یعنی لفظ اذن کے استعمال سے بھی اور ہر دوسرے طریقہ سے **۱۲۰** اور اس طرح ہمارے انتقام و تعزیر سے اپنے جان و مال کو بچالے جائیں) لکم یعنی تم مسلمانوں کے سامنے، تمہیں سنا سنا کر۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ۔ قسمیں اس امر پر کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ یا فلاں الزام میں ہم بالکل بے قصور ہیں۔ **۱۲۱** یعنی اگر یہ لوگ واقعی اہل ایمان ہیں تو انہیں جاننا چاہیے تھا کہ مومنین کی رضاجوئی پر اللہ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کہیں مقدم ہے۔ يُرْضُوْهُ۔ میں ضمیر رسول کی جانب بھی ہو سکتی ہے جو مرجع قریب ہے اور اللہ کی جانب بھی جو مرجع بعید ہے اور ایک ہی ضمیر سے دونوں کام نکالنے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ رسول کی رضا اللہ کی رضا سے منضم ہے اور یہ کمال قرب و قبول رسولؐ کا ہے۔ انما وحد الضمیر لانه لا تفاوت بین رضا الله ورضا رسوله صلعم فکانا فی حکم مرضی واحد (کشاف) اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ اس پر اشارہ ادھر آگیا کہ اللہ کی رضا تو موقوف ہے ان لوگوں کے اخلاص و ایمان پر۔ **۱۲۲** اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اس طرز خطاب میں اشارہ یہ ہے کہ اتنے دنوں سے رسول انہیں تعلیم دے رہے ہیں اور اتنی سی بات بھی یہ لوگ اب تک نہ سمجھے۔ قال اهل المعانی قوله الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعلیمه مدة وبالغ فی ذلک التعلیم ثم انه لم یعلم فیقال له الم تعلم بعد هذه الساعات الطویلة والمدة المدیدة (کبیر) مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جو کوئی اللہ اور رسول کی مخالفت کریگا جیسا کہ یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ خبر محذوف ہے۔ اے فحق ان له (کشاف) **۱۲۳** مثلاً یہی کہ جو باتیں اپنے جلسہ میں دین کے ساتھ استہزاء کی کرتے رہتے ہیں مسلمانوں پر وہ ظاہر ہو جائیں۔ قُلُوْبِهِمْ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی جانب ہے۔ الضمیر فی قلوبهم للمنافقین (کشاف) عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ۔ ضمیر دونوں جگہ مومنین کی جانب ہے۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ ایک ترکیب یہ بھی جائز سمجھی گئی ہے کہ خبر امر کے معنیٰ میں ہو اور مراد لیحذر المنافقون ہو۔ خبر بمعنی الامر ای لیحذر المنافقون (مدارک) قال الحسن ومجاهد کانوا یحذرون فحمله علی معنی الاخبار

۱۰۶ اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے اغراض کی بنیاد تمام تر خود غرضی پر تھی۔ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۔ یعنی یہ منافقین آپؐ کی شکایت کرتے ہیں کہ تقسیم میں عدل کی رعایت نہیں کرتے۔
فَإِنْ أُعْطُوْا مِنْهَا ۔ یعنی اگر خود انہی کو اُن کی حسب مرضی و خواہش مل جائے۔ ۱۰۷ (اور اسی سے سب اُمیدیں قائم کئے ہوئے ہیں) مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی جو کچھ اللہ
نے انہیں اپنے رسُول کے ذریعہ سے دلوائے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ ۔ یعنی جتنا ہمیں اللہ نے دلوا دیا وہی ہمارے حق میں مناسب تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل رضا کی علامت یہی ہے کہ جو کچھ بھی
حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آجائے اس پر شاداں رہے اور بلا سے بھی لذت حاصل کرے۔ ۱۰۸ یعنی صدقات کی آمدنی انہی مدوں میں خرچ ہونی چاہیئے۔ اِنَّمَا ۔ کلمہ حصر کا ہے۔ یعنی صرف انہی
مدوں میں کسی اور مد میں نہیں، الصَّدَقٰتُ ۔ صدقہ سے یہاں مراد صدقۂ واجبہ یعنی زکوٰۃ۔ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ۔ دونوں لفظوں کی تعبیر و تفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ محققین نے یہ معنی لئے

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا
میں سے نہیں ملتا تو بس ناراض ہو جاتے ہیں ۱۰۶ کاش! یہ اس پر راضی ہوتے جو کچھ
مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
انہیں اللہ اور اُس کے رسول نے دیا تھا، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے،
سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ
اللہ ہم کو اپنے فضل سے اور اُس کے رسُول (بھی اور) دے دینگے ہم تو اللہ ہی کی
رٰغِبُوْنَ ۝۵۹ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ع ۱۷ ۱۳
طرف راغب ہیں ۱۰۷! صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي
ہیں جو اُن پر مقرر ہیں ۱۰۸ نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے ۱۰۹ اور (صدقات کو
الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں ۱۱۰ اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں ۱۱۱ اور اللہ کی
السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰
راہ میں ۱۱۲ اور مسافروں (کی امداد) میں، یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا
وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ
حکمت والا ہے ۱۱۳، اور اُن میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان
اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
دیکر سُن لیتے ہیں ۱۱۴ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمہارے حق میں خیر ہی کے باب میں کان دے کر سنتے ہیں ۱۱۵

ہیں کہ فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور مسکین وہ نادار ہے جو سوال کرے۔ اور ابن عباسؓ صحابی اور حسن بصری اور جابر بن زید اور مجاہد اور زہری تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الزهري الفقير الذي لا يسئل والمسكين الذي يسئل وروى ابن سماعة عن ابي يوسف عن ابي حنيفة في حد الفقير والمسكين مثل هذا (جصاص) وروي عن ابن عباسؓ والحسن وجابر بن زيد والزهري ومجاهد قالوا الفقير المتعفف الذي لا يسأل والمسكين الذي يسأل فكان قول ابي حنيفة موافقا لقول هؤلاء السلف (جصاص) فقراء و مساکین کی تفسیریں جتنی بھی مختلف ہوں لیکن حکم زکوٰۃ کی حد تک یہ اختلاف کچھ بھی اثر انداز نہیں البتہ حکم وصیت میں یہ بحث چلتی ہے کہ وصیت اگر فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگ مُراد ہیں اور اگر مساکین کے لئے ہے تو کیسے لوگ۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ۔ یعنی جو ان صدقات کی تحصیل وصول کرنے پر مامور ہیں، اُن کی تنخواہوں میں۔ ۱۰۹ مؤلفة القلوب سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی اُمید ہو۔ یا اُن کے شر و فتنہ سے بچنا مقصود ہو۔ اور پھر ایسے مسلمان جو اگرچہ اور حیثیتوں سے غیر مستحق ہوں لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انہیں اسلام سے مزید محبت پیدا ہو جائے گی غرض یہ کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے کسی نہ کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی نہ کوئی خطرہ درپیش ہو۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم رسُول اللہؐ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا۔ "صحابہ کے وقت میں اجماع ہوگیا اُن کے عدم استحقاق پر جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی۔" (تھانویؒ) لیکن بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ محض وقتی رفع حکم تھا بسبب عدم ضرورت و استغناء کے۔

فاضل گرامی مولانا گیلانی مدظلہ کی تحقیق حسب ذیل ہے:۔

انہی مصارف میں ایک مد ان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے۔ ان لوگوں کے چپ کرنے کے لئے بھی الصدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفة القلوب کی ایک مد رکھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا اور اب ساقط ہو گیا۔ دلیل میں حضرت عمرؓ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے مؤلفة القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی۔ حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمرؓ نے دینے سے یہ فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ ان الله اعز الاسلام فاذهبا (اب خدا اسلام کو عزت و شوکت عطا کر چکا، بس تم دونوں جاؤ کچھ نہ ملے گا) لیکن اس کا یہ مطلب قرار دینا کہ ہر شخص کے لئے حضرت عمرؓ نے اس مد کو ساقط کر دیا میری کچھ سمجھ میں نہ آیا قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمرؓ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں نیز ایک ایسی واحد خبر سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ نہیں پھیرا جا سکتا بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ امام اور حکومت وقت کے صواب دید پر ہے جس وقت جن لوگوں کے لئے ان کی ضرورت سمجھے دے جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے نہ دے۔" (اسلامی معاشیات از فاضل گیلانی) ۱۱۰ یعنی غلاموں کے آزاد کرانے کی مد میں۔ "گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اُس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے اس غلام کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے۔" (تھانوی) ۱۱۱ (خواہ وہ قرضدار بجائے خود غنی و متمول ہی ہو) جس کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو اور گیارہ ہزار کا مثلاً قرضدار ہے، اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (تھانوی) دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء و مساکین ہی کی طرح حاجتمند سمجھا ہے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی لکھتے ہیں:۔ "یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کے ستانے والوں اور ان پر ظلم و تشدد کے بناؤ توڑنے والوں کو صرف زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد و اعانت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی فوجی اور عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرضخواہوں کا جو دین و مطالبہ ہے صرف اصل ہی نہیں۔ بلکہ سُود در سُود کے ساتھ اس سے وصُول کرا دیا جائے خواہ اس راہ میں اس کی ساری جائداد، گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے اور تہذیب و تمدن کی برقی روشنیوں میں ہے یہ اندھا کھلا کھلا ادھم مچا ہے

۱۰۰ یہاں صاف تصریح کردی ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی سا بھی عمل قبول نہیں۔ ایمان تو پہلی اور سب سے بڑی شرطِ قبولِ اعمال کی ہے۔ ۱۰۱ اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گران باری خود دلیل ہیں ان کے فقدانِ ایمان کی۔ ادائے طاعت سے طبیعت میں تازگی، بشاشت اور ستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر و ثواب کی امید قوی ہو۔ آیت میں ہم سب نام کے مسلمانوں کے لئے ڈرنے کی بات ہے۔ ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ خیر خیرات میں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے۔ اس پر بھی حکم ان پر کفر اور فقدانِ ایمان ہی کا لگا! خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کسی کا یہ حشر ہو۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسلِ نماز نفاق کی علامت قرار پائی تو ترکِ نماز پر ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذّتِ عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمالِ معبود سے محروم ہیں۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس کو آمر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل سے اٹھیگا اور جس کے دل میں آمر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے اُٹھے گا۔

نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ
بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے ۱۰۰ اور یہ لوگ نماز
الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ
نہیں پڑھتے مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے
كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ
ساتھ ۱۰۱ سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں ۱۰۲
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ انہی (نعمتوں) کے ذریعہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی عذاب دیتا
تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
رہے، اور ان کی جانیں ایسی حالت میں نکلے کہ وہ کافر ہوں ۱۰۳ اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے
اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾
ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن (ہے یہ کہ) وہ بزدل لوگ ہیں ۱۰۴
لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا
یہ اگر کوئی سی بھی پناہ کی جگہ پا جاتے یا کوئی غار یا کوئی (اور) جگہ گھس بیٹھنے کی تو یہ ضرور
اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي
منہ اٹھا کر ادھر چل پڑتے ۱۰۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ پر صدقات کے بارہ میں
الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ
طعن کرتے ہیں، لیکن اگر انہیں ان میں سے مل جاتا ہے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں ان

۱۰۲ یعنی یہ خیال نہ گزرے کہ جب غیر مقبولین ہیں تو انہیں مال اور اولاد کی نعمتیں کیسے نصیب ہو رہی ہیں۔ یہ سوال آج بھی کافر قوموں کی خوشحالی، کثرت آبادی، اقبال مندی کو دیکھ دیکھ بہ کثرت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ دنیوی نعمتوں کے لئے مقبولیت ذرا بھی شرط لازمی نہیں۔ تُعْجِبْكَ۔ بہ ظاہر خطاب صرف رسول اللہ صلعم سے ہے لیکن جواب کی یہ تعلیم کل مسلمانوں کو ہے۔ هذا الخطاب وان كان فى الظاهر مختصا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين (كبير) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہلِ دنیا کے مال و زینت کو مستحسن نہ سمجھیں اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ ۱۰۳ (جس سے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں) "دنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا حبِّ دنیا کے لئے لازم ہے۔ اوّل اس کی تحصیل و تمنا میں کیسی کیسی کوفت جسمانی و روحانی اٹھانا پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا ذرا مرض ہو گیا بس ایک کوہِ غم سر پر سوار ہے سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار نہ پیش آجائے پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ خدا کی پناہ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں ہوں گی اس کا کفر دونا پڑے گا جس پر عذابِ آخرت موعود ہے" (تھانوی) منافقوں پر ایک عذاب تو دنیا ہی میں مشاہد ہے کہ جن اہلِ ایمان سے وہ دل میں بغض رکھتے ہیں انہی کی خوشامد میں زبان سے لگے رہنا پڑتا ہے۔ انهم كانوا يبغضون محمدا عليه الصلوٰة والسلام بقلوبهم ثم كانوا يحتاجون الى بذل اموالهم واولادهم ونفوسهم فى خدمته ولا شك ان هٰذه الحالة شاقة شديدة (كبير) فقہاء نے اس آیت سے بہ عبارۃ النص (کیونکہ لَا تُعْجِبْكَ بمعنیٰ نہی تحریمی ہے)۔ یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر ان کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ لِيُعَذِّبَهُمْ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی جو حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں، ان کا انجام یہی ہونا ہے کہ نعمتیں ان کے حق میں عذاب بن کر رہیں۔ یہ مُراد نہیں کہ انہیں یہ نعمتیں دینے سے اللہ کا مقصود یہی تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں محجوبین کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو راحت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں ان کو راحت نہیں محض جمع و حفاظت کی مشقتیں ہی ہیں اور پھر چونکہ اعتقادِ اجر اور تعلق مع اللہ سے محروم ہیں اس لئے ان مشقتوں میں تسہیل بھی نہیں ہوتی۔ ۱۰۴ (اور اس بزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقاید کا کھلم کھلا اظہار کر دیں تو ان کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کئے ہوتے ہیں، اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کئے ہوئے ہیں) آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کئے ہوئے، اپنے آپ کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں! اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ۔ یعنی قسمیں اس کی کھاتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار بھی تم مسلمانوں میں ہے۔ يَفْرَقُوْنَ۔ فرق کے معنیٰ خوف سے اپنے اصلی عقیدہ کو چھپا ڈالنے کے ہیں۔ الفرق تفرق القلب من الخوف (راغب) اى يخافون القتل وما يفعل بالمشركين فيتظاهرون بالاسلام تقية (كشاف) ۱۰۵ (اور اظہارِ اسلام کی کوئی ضرورت بھی نہ محسوس کرتے) یعنی یہ تو اظہارِ اسلام پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں جب ہی اتنی ظاہرداری بھی ہے۔ اگر انہیں کہیں پناہ گاہ مل گئی ہوتی تو یہ اتنی پروا بھی نہ کرتے۔

ف۹۴ ھُمۡ اور سارے صیغہ جمع مذکر غائب کے منافقین کے لئے آئے ہیں۔ حَسَنَةٌ۔ مُصِيبَةٌ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطۂ نظر سے ہے یعنی اسی مادی دنیا کا نفع، ضرر۔ قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا۔ مثلاً یہی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ امر یہاں احتیاط یا پیش بندی کے معنی میں ہے۔ امرنا ای حذرنا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۹۵ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فضل خدا پر بھروسہ اور تقدیر الٰہی پر اعتماد اہلِ ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے۔ قُلۡ۔ یعنی آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجیے جو اہلِ ایمان سے حسد رکھتے ہیں۔ لَّنۡ ..... مَوۡلٰنَا۔ سو وہ جو کچھ بھی کرے گا ہمارے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ ع

"ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود" ——

تُصِبۡكَ مُصِيبَةٌ يَّقُولُوا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا
آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنا امر
مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُونَ ۝۵۰ قُلۡ لَّنۡ
(احتیاط) اختیار کر لیا تھا اور خوش خوش منہ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں ف۹۴ آپ کہہ دیجیے کہ ہم پر
يُّصِيبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰنَا ۚ وَعَلَى
کچھ بھی پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی
اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُونَ ۝۵۱ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُونَ بِنَاۤ
کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیئے ف۹۵ آپ یہ (بھی) کہہ دیجیے کہ تم تو ہمارے حق میں دو
اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ
بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو ف۹۶ درآنحالیکہ ہم تمہارے حق میں انتظار اس کا
اَنۡ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِينَا ۖ
کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے ف۹۷
فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُونَ ۝۵۲ قُلۡ اَنۡفِقُوا
سو تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) منتظر ہیں ف۹۸ آپ کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ
طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ
کرو یا ناخوشی سے، تم سے کسی طرح نہ قبول کیا جائے گا کیونکہ تم تو
قَوۡمًا فٰسِقِينَ ۝۵۳ وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ
نافرمان لوگ ہو ف۹۹ اور اس سے کہ ان کے چندے قبول کئے جائیں کوئی امر مانع نہیں

سکونِ خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان، سستا اور مؤثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے بدنصیب ترین ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں پہلے ایسے مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو سہل کر دے، اس کے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔

ف۹۶ مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے جن دو باتوں کو فرض کر سکتے ہو یعنی فتح یا موت و شکست تو ہمارے لئے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی خیر ہے فتح کا خیر ہونا تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے۔ رہی مصیبت تو مومن کے حق میں وہ بھی عین رحمت ہے، رفع درجات و کفارۂ سیئات کا بہترین ذریعہ!

ف۹۷ عَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ۔ یعنی کوئی بلائے آسمانی، بلا توسط دستِ انسانی۔ بِاَيۡدِينَا۔ یعنی کوئی سزا ہمارے ہاتھوں سے۔

ف۹۸ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت، دو جوابوں کی ہوئی۔ "پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم ہیں۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم راضی ہیں۔ اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں بخلاف تمہارے کہ تمہاری خوش حالی کا انجام بھی وبال و نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔" (تھانوی) حاصل یہ کہ مومن کسی صورت میں بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ اگر تدبیر و کوشش میں کامیابی ہو گئی تو فوری مسرت ظاہر ہے۔ اگر ناکامی ہوئی تو اجر و ثواب، حسرت و تاسف میں بھی ہے۔ صوفیہ نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ قبض و بسط دونوں صورتیں عنایت الٰہی کی ہیں۔ طالب عارف کو مستقل مزاج ہر صورت میں رہنا چاہیئے۔ ف۹۹ اور نافرمانی جو یہاں فقدان ایمان کے مرادف ہے تمہاری مالی اعانت کی مقبولیت سے مانع ہے۔ ایمان تو عند اللہ پہلی شرط قبول ہے اور عمل قبول کیسے ہوتا جبکہ خود ان لوگوں کو مقصود رضا و ثواب و قرب تھا ہی نہیں۔ آیت کے اندر ہماری قوم کے امراء و روساء کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو بجنسگیٔ ایمان اور حُسنِ عمل کی طرف سے غافل، محض اپنے بھاری بھاری قومی چندوں پر نازاں اور انہی پر تکیہ کئے رہتے ہیں۔ مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی لیکن نفس ایمان اور ایمان صحیح کا وجود ان پر بھی مقدّم ہے۔

٥٨٨ سارے افعال کا حق تعالیٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا اسی معلوم و معروف قرآنی محاورہ و اسلوب بیان کے مطابق ہے کہ بندہ کے ہر فعل تکوینی کی نسبت مسبب الاسباب کی جانب کر دینی درست ہے۔ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ۔ اللہ کی طرف سے یہ ناپسندیدگی یا کراہت ان لوگوں کی کفر پروری اور ایمان بیزاری ہی کی بنا پر ہے۔ فَثَبَّطَهُمْ۔ یعنی انہیں چلنے کی ہمت و توفیق ہی نہ دی۔ اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ اخلاص و ارادت کے لئے توفیق الٰہی شرط ہے وَقِيْلَ۔ اس "قول" سے مُراد حکم تکوینی ہے۔ الْقٰعِدِيْنَ۔ وہ پیچھے رہ جانے والے مُراد ہیں جنہیں کسی عذر صحیح کی بنا پر مجبوری تھی۔ اے الرجال الذین یکون لھم عذر یمنعھم عن الخروج (روح)

اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ
لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند ہی نہ کیا اسی لئے انہیں جما رہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ
الْقٰعِدِيْنَ ٤٦ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو، اگر یہ لوگ تمہارے شامل ہو کر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی
وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ
بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے ؁ اور تمہارے
سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ٤٧ لَقَدِ ابْتَغَوُا
درمیان ان کے جاسوس (اب بھی موجود ہیں، اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے، یہ تو پہلے بھی
الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى
فتنہ پردازی کی فکر میں لگ چکے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک
جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ٤٨
کہ سچا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب آکر رہا اور ان کو ناگوار گزرتا رہا ؁
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا
اور ان میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے ؁
فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ
خوب سن لو کہ خرابی میں تو یہ پڑ ہی چکے ہیں، اور بیشک دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے
بِالْكٰفِرِيْنَ ٤٩ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ
ہے ؁ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ انہیں غمگین کر دیتی ہے اور اگر

٥٨٩ مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکرِ اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا۔ یہ ساتھ جاتے تو سوا اس کے اور کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے۔ جھوٹی خبریں اُڑا کر پریشان کرتے، اور دشمن کا خوف و رعب دلوں میں بٹھاتے۔ فِيْكُمْ۔ یعنی تمہارے درمیان شامل ہو کر۔ اے فی جیشکم وفی جمعکم (جمل) قیل فی بمعنی مع اے معکم (جمل) وَلَا۟۔ میں و عطف تفسیری کے لئے ہے ٥٩٠ (چنانچہ اس سے بھی خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الرائے نہیں، اس لئے ان کا شامل رہنا چنداں مُضر بھی نہیں) سَمّٰعُوْنَ کے معنی اس سیاق میں جاسوس کے یا ٹوہ لینے والوں کے ہیں۔ اے جواسیس للکفار (ابن جریر) المراد فیکم عیون لھم ینقلون الیھم ما یسمعون منکم (کبیر عن مجاہد و ابن زید) وفیکم مخبرون لھم یؤدون الیھم ما یسمعون منکم وھم الجواسیس (معالم عن مجاہد) ٥٩١ (تو آئندہ بھی اسی طرح ہوگا۔ آپ فکر و تردد میں نہ پڑیں) ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ۔ اشارہ ہے جنگِ اُحد وغیرہ کی جانب قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ۔ مثلاً یہ کہ آپ کے شریک ہوئے اور پھر ہٹ گئے تاکہ مسلمان پراگندہ خاطر و دل شکستہ ہو جائیں۔ ٥٩٢ رومی مسیحی لیڈیاں بالکل آج کل کی فرنگنوں کی طرح اپنے گورے رنگ، اپنے بناؤ سنگار اور اپنی بے حجابی و عشوہ طرازی کے لئے مشہور تھیں

بعض چالاک منافقوں نے اس کو ایک عذر تراش لیا تھا اور رسول اللہ صلعم سے آکر عرض کیا تھا کہ ہم کو تو یہیں رہ جانے دیجیے۔ ہمیں اپنی شرکت سے اُلٹے اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی انہی مخالفین متخلفین میں سے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کر کے عذر کرنا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں مفسدے ہیں جن کا شر طاعت کی خیر سے بڑھا ہوا ہے۔ ٥٩٣ (جس کا ظہور کامل تو گو آخرت میں ہوگا لیکن بہرحال اعمالِ کفریہ کی بنا پر اُس احاطت جہنم کا آغاز تو ابھی ہو چکا ہے) اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ رسول اللہ صلعم کی نافرمانی اور آپ کی شریعت سے کفر سے بڑھ کر خرابی اور ہو کونسی سکتی ہے! اور اپنی اس نافرمانی و کفر کے دنیوی و اُخروی ثمرات و نتائج کو تو یہ اپنے ہاتھوں بُلا چکے۔ دین کو مصیبت اور طاعت کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہدِ رسولؐ اور دورانِ نزول قرآن میں تو امن میں نہ رہ سکے۔ صحابۂ کرام سر بکف سرگرم جہاد رہے۔ اور دنیا میں ہر طرح کامیاب و منصور۔ منافقین نے جتنی تمنائیں احکامِ دین سے بچنے کی کیں اور زیادہ ہدفِ مصائب بنتے گئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اشارات کے نزدیک یہی اخلاق سیئہ و اعمال قبیحہ جو آج کفّار اشرار کو گھیرے ہوئے ہیں کل بصورتِ نار ظاہر ہوں گے

۵۸۲ (جھوٹی قسمیں کھا کھا کر) سَیَحْلِفُوْنَ - میں س یعنی عنقریب سے مُراد یہ ہے کہ جب تم لوگ جہاد سے واپس آجاؤ گے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس طرح سالک کو اس کا نفس جھوٹے دعووں سے دھوکا دیتا رہتا ہے اور طاعات کی راہ میں طرح طرح کے باطل عذرات تراشتا رہتا ہے۔ ۵۸۳ (چنانچہ اُن کو استطاعت تھی اور پھر بھی یہ نہ گئے) ۵۸۴ ذکر اُن منافقین کا ہے، جو رسُولؐ اللہ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہوگئی، یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر

لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں ۵۸۲
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ
حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ۵۸۳ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا (لیکن) آپ نے
اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ
اُن کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور آپ
تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
جھوٹوں کو جان نہ لیتے ۵۸۴ جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ (کبھی)
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ
وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ
کریں اور اللہ پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے ۵۸۵ آپ سے اجازت تو وہی لوگ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ
مانگتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں
قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ
پڑے ہوئے ہیں سو اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں ۵۸۶ اور اگر ان
اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ
لوگوں نے چلنے کا اِرادہ کیا ہوتا تو اس کا کچھ سامان تو کرتے ۵۸۷

ع ۶/۱۲

آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔ اَلَّذِيْنَ صَدَقُوْا سے مراد مومنین صادقین ہیں جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ اجازت سے مراد ہے جنگ میں شریک نہ ہونے اور وطن میں رہ جانے کی اجازت۔ یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی البتہ حالاتِ وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ۔ لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا۔ عفو جس طرح گناہ اور جرم کیے جاتے ہیں، اسی طرح معافی خلافِ احتیاط اور خلافِ اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح آیت میں حق تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا، یہی معاملہ حق تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ رہا کرتا ہے، کہ عین عتاب میں بھی اپنا لُطف دکھاتے رہتے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ الخ میں شیوخ کو یہ تعلیم ہے کہ مُریدوں کے عذر قبول کرنے میں احتیاط و بیداری سے کام لیں کہ آیا وہ عذر واقعی و صحیح ہے بھی۔ ۵۸۵ (اللہ انہیں اجر بھی خوب اور پورا پورا دے گا) لَا يَسْتَاْذِنُكَ الخ بلکہ یہ صاحبِ ایمان لوگ جہاد سے جی چُرانا کیا، اُلٹا تعمیل حکمِ الٰہی کے لئے اور دوڑیں گے۔ یہ مومنین سے جو نفی استیذان کی ہو رہی ہے، اس سے مراد استیذان بلا عذر ہے۔ ورنہ عذرِ واقعی کی بناء پر استیذان تو بڑے سے بڑے کمالِ ایمان و تقویٰ کے منافی نہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مومن جب خیر کو سنتا ہے تو بلا تامل اُس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حرکت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا۔ ۵۸۶ (کہ نہ ایمان کا قصد کرتے ہیں اور نہ اُمّتِ اسلامیہ کے دائرہ سے انہیں اپنے کو بالکل نکالتے ہی بن پڑتا ہے) يَتَرَدَّدُوْنَ ۔ تردّد کے معنیٰ ہیں حیران و سرگرداں ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا۔ واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ ۔ یعنی جہاد سے بلا عذر بچ جانے کی اجازت تو آپ سے وہی لوگ مانگتے ہیں۔ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔ یہ شک ان کو اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارہ میں ہے۔ ۵۸۷ یہ منافقین اب بعد کو عذر یہ کرنے لگے کہ چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں اور مجبوریاں پیش آگئیں۔ جرح ان کے اس بیان پر ہو رہی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کی تیاریاں بھی کچھ کی تھیں؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تعطل علامت ہے عدمِ ارادہ کی چنانچہ بہت سے لوگ اپنے نفس کے دھوکے میں پڑے ہوئے طاعات کی رغبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

۵۷۵ (اور وہ وقت اس سے بھی زیادہ سخت اور ان کی سخت تر بےبسی کا تھا) اشارہ ہے واقعۂ ہجرت کی طرف، جب مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تُل گئے تھے اور آپ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا کر شبا شب تنہا حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے کر غار میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔ ۵۷۶ آپ دونوں صاحب غارِ ثور کے اندر چھپے ہوئے تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقشِ قدم کے نشانات کی مدد سے اُس غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ نشان شناس نے بتایا کہ نشان قدم یہیں تک ملتے ہیں اسی غار کے اندر ہوں گے۔ کون انسان تھا جو ایسے موقع پر اپنے کو جان کے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھ کر پریشان و مضطرب نہ ہوجاتا، حضرت ابوبکرؓ اس خیال پر سخت مضطرب تھے کہ اگر خدانخواستہ دشمنانِ دین نے رسول اللہ پر قابو پالیا تو اس کا کیا انجام ہوگا، لیکن آپ اللہ کے فضل سے اس وقت بھی بالکل مطمئن تھے، آپ نے فرمایا کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے، ہم دو تنہا نہیں۔ ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید و نصرت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا - یعنی اس کی نُصرت و حفاظت ہماری رفیق ہے۔ ای بالنصر والرعایۃ والحفظ والکلاءۃ (قرطبی) مَعَنَا سے معیت نصرت ہی مُراد ہے ورنہ معیت ذاتی تو ہر مخلوق کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔ ای بالعصمۃ والمعونۃ فھی معونۃ مخصوصۃ والا فھو تعالٰی مع کل واحد من خلقہ (روح)

اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا

اُن کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جبکہ اُن کو کافروں نے وطن سے نکال دیا تھا جبکہ دو میں سے ایک

فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ

وہ تھے دونوں غار میں موجود تھے جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بیشک اللہ

مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ

ہم لوگوں کے ساتھ ہے ۵۷۶ سو اللہ نے اپنی تسلی اُن (رسول) کے اوپر نازل کی، اور اُن کی تائید ایسے

لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ

لشکروں سے کی جنہیں تم لوگوں نے نہ دیکھا ۵۷۷ اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی

اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا

بات اُونچی رہی، اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۵۷۸ نکل پڑو

خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جان سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اللہ کی راہ میں ۵۷۹ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو ۵۸۰

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ

اگر کچھ مال لگے ہاتھ مل جانے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو

لٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

لیتے لیکن انہیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہوئی ۵۸۱ اور یہ لوگ عنقریب اللہ کی قسم کھا جائیں گے

فِي الْغَارِ - یہ غار غارِ ثور مضافاتِ مکہ میں سے تھا۔ مکہ سے جنوب و مشرق میں۔ آپؐ اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ - لِصَاحِبِهٖ - دو سے مُراد ایک ذاتِ رسُول ہے دوسرے آپ کے مقرب ترین صحابی ابوبکر صدیقؓ صاحبِ رسُول یا رفیقِ رسول کے اس تعین میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس سے حضرتِ صدیقؓ کی افضلیت و اشرفیت پر جو روشنی پڑتی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ بعض علماء نے آیت سے حضرت صدیقؓ کے خلیفۂ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ وقال بعض العلماء مایدل علی ان الخلیفۃ بعد النبی صلعم ابوبکر الصدیق لان الخلیفۃ لایکون ابداً الا ثانیاً (قرطبی) علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر الصدیقؓ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آجاتا ہے۔ وقالوا من انکر صحبۃ ابی بکر فقد کفر لانکارہ کلام اللہ ولیس ذٰلک لسائر الصحابۃ (مدارک)

۵۷۷ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا - سے مُراد فرشتوں سے تو سب نے لی ہے۔ اب ممکن ہے یہ فرشتے ہوں جو سکینۂ قلب عالمِ غیب سے لے کر آئے تھے۔ یا ممکن ہے مُراد اُن فرشتوں سے ہو جنہوں نے آگے چل کر بدر وغیرہ غزوات نبوی میں امداد کی۔ واللہ اعلم۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ - یعنی اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔ ۵۷۸ ہر تدبیر اُس کے لئے حاضر بھی اور تدبیر پر وہ قادر بھی۔ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى - چنانچہ کافروں کا کوئی منصوبہ چلنے نہ پایا۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا - چنانچہ اسی کی تدبیر غالب رہی۔ ۵۷۹ خفافاً اور ثقالاً دو مقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف و متعدد تفسیریں آئی ہیں، مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رَو اور پیر سُست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوشدلی سے اور بیدلی سے، وغیرہا۔ ای شیباً وشباناً (ابن جریر عن الحسن) ای اغنیاء و مساکین (ابن جریر۔ عن قتادہ) ای مشاغیل وغیر مشاغیل (ابن جریر عن الحکم) ای نشاطاً وغیر نشاط (ابن جریر عن ابن عباس وقتادہ) مقصود بہر صورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو۔ ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کرکے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوشحالی، بےشغلی غرض کسی بنا پر آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے ماتحت وہ سب آجاتے ہیں جنہیں اس کے برعکس مذکورہ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے۔ حتم علی المومنین فی الخروج معہ علی کل حال فی المنشط والمکرہ والعسر والیسر (ابن کثیر) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - جہاد خواہ اپنے عام و وسیع معنی میں ہو یا محدود و اصطلاحی معنی میں قتال کا مترادف، فی سبیل اللہ کی قید ہر حال میں لگی ہوئی۔ فقہاء نے انفروا خفافاً و ثقالاً سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہوجائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے ساتھ بھی واجب رہتا ہے۔ فان قیل ھل یجوز الجھاد مع الفساق قیل لہ ان کل احد من المجاھدین فانما یقوم بفرض نفسہ فجائز لہ ان یجاھد الکفار وان کان امیر الجیش وجنودہ فساقاً (جصاص) چنانچہ اصحاب نبیؐ سے خلفائے راشدین کے بعد فاسق امیروں کی سرداری میں جہاد کرنا ثابت ہے۔ وقد کان اصحاب النبی صلعم یغزون بعد الخلفاء الاربعۃ مع الامراء الفساق وغزا ابوایوب الانصاری مع یزید اللعین (جصاص) اور فقہاء نے یہ نکتہ بھی خوب لکھا ہے کہ فاسق جب جہاد میں شریک ہوگیا تو اس حیثیت سے وہ فاسق رہا کہاں، وہ تو خود اب مطیع ہوگیا۔ فان الفساق اذا جاھدوا فھم مطیعون فی ذٰلک (جصاص) ۵۸۰ جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہراً یقینی ہے یعنی وہاں کا اجر و قرب۔ باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہی ہوجاتی ہے یعنی فتح و عزت اور مالِ غنیمت وغیرہ۔ ۵۸۱ (اور اس لئے یہیں رہ گئے) ذکر منافقین کا ہو رہا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کردیا تھا۔ تبوک کی مسافت مدینہ منورہ سے ۱۲ منزلوں کی تھی۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں سالک کے لئے اپنے اخلاص کے امتحان کا طریقہ درج ہے یعنی وہ یہ دیکھے کہ جس امر میں کوئی نفع دنیوی نہیں بلکہ مشقت ہی ہو اُس میں نفس کا کیا رنگ ہے، نفع دنیوی والے ہی اعمال کا کرتے رہنا دلیل اخلاص نہیں۔

کا فہ ۵۔ یعنی ان سے ہر موسم میں۔ سال کے ہر مہینہ پڑ سکتے ہو جس طرح یہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ **۵۶۹** یعنی کا فرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے۔ النَّسِیۡٓءُ ۔ ہندوستان میں جو سنہ فصلی شمسی حساب سے رائج ہے۔ اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کو ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینہ کو دُہرا دیتے ہیں۔ اور اسے اصطلاح میں لوند لگانا کہتے ہیں۔ مثلاً اب کی سال اساڑھ میں لوند لگا یعنی اساڑھ کی مدت بجائے ایک مہینہ کے دو مہینہ قائم رہی۔ یہ تو محض حسابی ضرورتوں سے ہوتا ہے۔ عرب جاہلی کے رو سا یہ کرتے تھے کہ محض ان مصلحتوں کے تابع سنہ قمری کے جس ماہ کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے جس مہینہ کو چاہتے دُہرا دیا کرتے اور سال کو جب چاہتے بجائے بارہ کے تیرہ یا چودہ ماہ کا کر دیا کرتے۔ اس سے سارے نظامِ تقویمی میں خلل پڑ جاتا۔ **۵۷۰** یعنی شریعتِ الٰہی نے تو چار مخصوص و متعین مہینوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں، اپنی ذاتی و نفسانی اغراض کو پورا کرتے کبھی اس مہینہ کو محترم قرار دے لیا اور کبھی اُس مہینہ کو۔ اور اسی طرح چار کی گنتی بلا تخصیص و تعیین پوری کر لی۔ یُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۔ گمراہ جو کئے جاتے ہیں وہ تو عوام کفار ہوتے ہیں اور گمراہ کرنے والے اُن کے سردار اور رؤسا ہوتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے۔ رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔ هٰذه الآية تدل على ان الواجب تعليق الاحكام من العبادات وغيرها انما يكون بالشهور والسنين التي تعرفها العرب دون الشهور التي تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد على اثنى عشر شهرا (قرطبی) **۵۷۱** وہ اس لئے کہ یہ لوگ خود راہ پر نہیں آنا چاہتے اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے) سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۔ لوند کا مہینہ جو تصحیح حساب موسم کے لئے بارہ پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں، اسی طرح دوسرے حسابوں کی اس میں نفی نہیں ہے، جیسا بعض اہل زمانہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان حسابوں سے احکام شرعیہ میں تو فرق و خلل نہیں پڑتا اور مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے جس سے احکام شرعیہ میں اختلال یا غلطی ہونے لگے۔ جیسا اہل جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا۔ البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ پس اگر ساری اُمت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنا لیوے جس سے حساب قمری ضائع ہو جائے سب گنہ گار ہوں گے۔ اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے لیکن خلاف سنتِ سلف ضرور ہے۔ اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے افضل و احسن ہے۔ (تھانوی) زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۔ شیطان کا بڑا دھوکا یہی ہے کہ معصیت اور بد عملی کو انسان کی نظر میں ایک عمل نیک کر دکھاتا ہے —— اہل طریق نے اس سے بچنے کے لئے خاص طور پر دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں ؎

آنچہ در کون ست زاشیا آنچہ ہست ٭ دائماً جاں را بہر حالت کہ ہست
گر سگی کردیم اے شیر آفریں ٭ شیر را مگمار بر ما زیں کمیں
آب خوش را صورت آتش مدہ ٭ اندر آتش صورت آبے منہ
از شراب قہر چوں مستی دہی ٭ نیستہا را صورتِ ہستی دہی

عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ
حرام مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں تاکہ اُن (مہینوں) کی جنہیں اللہ نے حرام قرار

اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ
دیا ہے گنتی پوری کر لیں، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں، اُن کی بد عملیاں انہیں اچھی معلوم

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
ہوتی ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۵۷۱ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
تو تم زمین سے لگے جاتے ہو ۵۷۲ کیا تم دنیا کی زندگی پر بہ مقابلہ آخرت کے

مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ
راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت

اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
ہی قلیل ہے ۵۷۳ اگر تم نہ نکلوگے تو اللہ تمہیں ایک دردناک سزا دے گا

وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ
اور تمہارے بدلے ایک دوسری قوم پیدا کر دیگا اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکوگے، اور

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ
اللہ ہر شے پر قادر ہے ۵۷۴ اگر تم لوگ اِن کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کروگے تو

ع ۵ / ۱۱

۵۷۲ یعنی مستعدی کے ساتھ اُٹھتے اور چلتے نہیں۔ اشارہ رجب ۹ھ ۶۳۰ء کے غزوۂ تبوک کی جانب ہے۔ تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے۔ شام اُس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا۔ جب رسول اللہ صلعم غزوۂ حُنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپ نے خود ہی بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ۳۰ ہزار کی جمعیت آپ کے ہمراہ ہو گئی۔ تاہم اسے ایک طرف مقابلہ کسی قبیلہ سے نہیں ایک باضابطہ قواعد دان شاہی فوج سے کرنا تھا۔ پھر موسم بھی شدید گرمی کا، فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ بھی قریب اور سفر خاصہ دُور دراز، قدرۃً بہتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے۔ لشکر نصاریٰ کو جب لشکرِ اسلام کی اس مستعدی کی اطلاع ملی تو خود ہی اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور اُن کی ہمت فوج کشی کی نہ پڑی۔ لشکرِ اسلام ایک مُدت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔ مَا لَكُمْ ۔ کلمۂ ملامت و توبیخ ہے یعنی آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ معناه التقرير والتوبيخ التقدير اي شيء يمنعكم عن كذا (رازی) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یعنی جہاد و قتال کے لئے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ اقتضى ظاهر الآية وجوب النفير على من لو يستنفر (جصاص) **۵۷۳** اُمت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعیۂ عمل یہی اجر آخرت ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بکثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ "روشن خیالی" نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور مؤثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اب مسلمان کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جاتی ہے۔ دنیوی ترقی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی، وغیرہ وغیرہ اور زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک وہی اجر آخرت کا۔ مِنَ الْاٰخِرَةِ ۔ یعنی آخرت اور وہاں کی نعمتوں کے بدلہ میں۔ اے بدل الآخرة ونعيمها (مدارک) فِي الْاٰخِرَةِ ۔ یعنی آخرت کے مقابلہ میں۔ اے في جنب الآخرة (معالم) **۵۷۴** عَذَابًا اَلِيْمًا ۔ یہ عذاب الیم اسی دنیا میں نمودار ہوگا۔ یعنی تمہارے اوپر موت و ہلاکت مسلط کر دی جائے گی۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۔ اور اللہ اپنا کام اُسی دوسری قوم سے لے گا۔ لَا تَضُرُّوْهُ ۔ ضمیر غائب اللہ کے دین کی طرف ہے۔ خود اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف بھی ضمیر جا سکتی ہے۔ قيل الهاء لله تعالى وقيل للنبي صلعم (قرطبی)

فتویٰ دے دیا اور اُن سے نذرانہ وصول کرلیا ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اَلْبَاطِل۔ کے تحت میں رشوت اور ناجائز نذرانوں کی ہر صورت آگئی۔ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ عوام اُن کے انہی جھوٹے سچے فتووں میں آکر عمر بھر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ ٦٣ یعنی شریعت کے واجب کئے ہوئے مصارف خیر میں۔ يَكْنِزُوْنَ۔ کنز کے لغوی معنی اُس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زیرِ زمین دفن کر دیا گیا ہو۔ الکنز اسم للمال اذا احرز فی وعاء ولما یحرز فیہ وقیل الکنز المال المدفون (لسان) اور یکنزون۔ یدخرون کے مرادف ہے لیکن حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اُس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔ محدث بیہقی نے نافع مولیٰ، ابن عمرؓ صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔ ما اُدی زکاتہ فلیس بکنز (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کل ما ادیت زکاتہ وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز وکل ما لا تودی زکاتہ فھو کنز وان کان ظاہرا علی وجہ الارض (فتح الباری۔ کتاب الزکاۃ) اذا اخرج منہ الواجب علیہ لم یبق کنزا وان کان مکنوزا وھو حکم شرعی تجوز فیہ عن الاصل (لسان) ھو فی الشرع مالم یود زکاتہ (جصاص) روی عن عمرؓ وابن عباسؓ وابن عمرؓ والحسن وعامر والسدی قالوا مالم یؤد زکاتہ فھو کنز (جصاص) وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید خوب ذہن نشین رہے وعید انہی لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے **حقوق واجب** ادا نہیں کرتے۔ فالمراد منھا مالم یؤد حقھا (بیضاوی) مرادہ من الزکاۃ (جصاص) اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس جمع مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابی ابوذرؓ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہ، اکابر تابعین اور جمہور علماء اُمت کا اتفاق ہے۔ قال ابن عبد البر الجمہور علی ان الکنز المذموم مالم تود زکاتہ ..... لم یخالف فی ذلک الا طائفۃ من اھل الزھد کابی ذر (فتح الباری۔ کتاب الزکوٰۃ) وکان ابوذر یحمل الحدیث علی اطلاقہ فلا یری بادخار شئ اصلا .... خالفہ جمہور الصحابۃ ومن بعدھم (ایضا)

مطلق جمع مال کی ممانعت قرآن میں نہیں، موجودہ انجیل محرف میں ملے گی:۔ "اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو"۔ (متی۔ ٦: ١٩، ٢٠) اصحاب نبی صلعم میں جہاں بہت سے فقراء تھے وہاں بہت سے امیر کبیر بھی تھے مثلاً حضرت عثمان غنیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ وغیرہم۔ ولقد کان کثیر من الصحابۃ رضی اللہ عنھم کعبد الرحمٰن بن عوف وطلحۃ یقتنون الاموال ویتصرفون فیھا وما عابھم احد (مدارک) اَلذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لے دیا گیا کہ عموماً مال و جائداد کے بڑے ذریعہ یہی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ حصول دولت و جمع دولت کا حصر انہی دو چیزوں میں ہے۔ خصا بالذکر من بین سائر الاموال لانھما قانون التمول واثمان الاشیاء وذکرکنزھما دلیل علی ما سواھما (مدارک) الحکم عام وتخصیصھما بالذکر لانھما قانون التمول (بیضاوی) ٦٤ اتنی صریح، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں۔ مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ سے قبل لفظ عذاب محذوف ہے۔ اے عذاب ما کنتم تکنزون (قرطبی) ٦٥ یعنی شریعت الٰہی میں معتبر قمری سنہ کے بارہ ہی مہینہ ہیں، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اور یہ کچھ آج سے نہیں، روز آفرینش سے۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعتِ خداوندی میں۔ اے فی ما اثبتہ واوجبہ من حکمہ (مدارک) یا لوح محفوظ میں، فی اللوح (مدارک) يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس تصریح سے مقصود زور و تاکید پیدا کرنا ہے۔ والمقصود بیان ان ھذا الحکم حکم محکوم بہ من اول خلق العالم وذلک یدل علی المبالغۃ والتاکید (کبیر) ٦٦ اور وہ بھی متعین و معروف یعنی محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، یہ نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح اپنی وقتی مصلحتیں دیکھ جس مہینہ کو چاہا ادب والا قرار دے لیا۔ اور سال کے مہینہ جب چاہا بڑھا دیئے۔ حُرُمٌ۔ حرمت والے مہینہ وہ جن میں قتال ممنوع تھا۔ یہ تو فقہی پہلو ہوا۔ باقی یہ مہینہ وہ ہیں جن میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔ معنی الحرم ان المعصیۃ فیھا اشد عقابا والطاعۃ فیھا اکثر ثوابا (کبیر) لا یبعد ان یعلم اللہ تعالیٰ ان وقوع الطاعۃ فی ھذہ الاوقات اکثر تاثیرا فی طہارۃ النفس ووقوع المعاصی فیھا اقوی تاثیرا فی خبث النفس وھذا غیر مستبعد عند الحکماء (کبیر) ٦٧ (عادتِ جاہلیت کا اتباع اور دستور الٰہی سے انحراف کر کے) ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی مذہب کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے۔ اس کے خلاف روش اختیار کرنا بددینی ہے لیکن دین کے معنی "حساب" کے بھی آئے ہیں۔ اس صورت میں مُراد یہ ہوگی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے گو ترجیح اُسی پہلے معنی کو ہے۔ الدین قد یراد بہ الحساب فتفسیر الآیۃ علی ھذا التقدیر ذلک الحساب المستقیم الصحیح (کبیر) اے الحساب الصحیح والعدد المستوفی ...... والاصوب عندی ان یکون الدین ھھنا علی اشھر وجوھہ اے ذلک الشرع والطاعۃ (قرطبی) فِيْهِنَّ۔ یہ ضمیر جمع مؤنث کس کی طرف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا کی جانب ہو یعنی ان بارہ مہینوں کے باب میں گڑبڑ کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اے فلا تظلموا فی الشھور الاثنی عشر انفسکم (ابن عباسؓ) علی قول ابن عباسؓ لاجرائی جمیع الشھور (قرطبی) اور یہ بھی درست ہے کہ اربعۃ حرم کی جانب ہو، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کر کے گنہگار نہ ہو۔ قول الاکثرین ان الضمیر فی قولہ فیھن عائد الی الاربعۃ الحرم (کبیر) علی قول بعضھم راجع الی الاشھر الحرم خاصۃ (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ متبرک اوقات میں معصیت کی بُرائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تو وائے برحال اُن لوگوں کے جو اولیاء و صالحین کے مزارات و مقابر پر اور وہ بھی زمانۂ عرس میں فجور و بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ امام رازیؒ نے حسب معمول اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا جس میں ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں۔ لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کر کے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کر دیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے۔ متعدد علماء نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی و سنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔ قال اھل العلم الواجب علی المسلمین بحکم ھذہ الآیۃ ان یعتبروا فی بیوعھم ومدد دیونھم واحوال زکوتھم وسائر احکامھم السنۃ العربیۃ بالاھلۃ ولا یجوز لھم اعتبار السنۃ العجمیۃ والرومیۃ (کبیر) ٦٨ (بہ لحاظ اپنی نصرت کے) مطلب یہ ہوا کہ مشرکوں یا اُن کے سامان و جمعیت سے ڈرنا ہی کیا، ایمان و تقویٰ پر قائم رہو تو نصرت الٰہی تو تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔ اَلْمُشْرِكِيْنَ۔ مُراد مشرکین عرب ہیں، جزیہ اُن کے حق میں نہ تھا، انہیں لازمی طور پر مسلمان ہی ہونا تھا

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ
اُس روز (واقع ہوگا) جبکہ اُس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ
ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جسے تم
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۳۵ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ
اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا ٦٤ بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے
عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ
نزدیک بارہ ہی مہینہ ہیں کتاب الٰہی میں (اُس روز سے) جس روز کہ اُس نے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ
آسمان اور زمین پیدا کئے ٦٥ اور اُن میں سے چار (مہینہ) حرمت والے ہیں ٦٦ یہی دین
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ
مستقیم ہے سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو ٦٧ اور
قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً
لڑو مشرکوں سے سب سے جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۳۶ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ
جانے رہو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ٦٨ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں
زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ
اور ترقی کرنا ہے ٦٩ اس سے عام کفار گمراہ کئے جاتے ہیں وہ کسی سال

بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے تکاد السموٰت یتفطرن منہ وغیرہا۔ دوسری گمراہی حضرت مسیح کو خدا کا فرزند مجازی Child of God قرار دینا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے اور گویہ بھی بجائے خود شدید ہے
پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے اشد ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ہمارے بعض پُرانے مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے کہ یہاں ابنیت سے مُراد ابنیت نسبی و نسلی نہیں بلکہ لاڈ پیار والی ابنیت ہے اور یہ
بھی کفر ہے۔ قال ابن عطیۃ ویقال ان بعضھم یعتقد ھا بنوۃ حنو ورحمۃ وھذا المعنی ایضا لایحل ان تطلق البنوۃ علیہ وھو کفر (قرطبی) یقال ان بعضھم یعتقدھا بنوۃ حنو و رحمۃ (بحر) ۵۳ (جس کا حقیقت اور
واقعیت سے کوئی بھی تعلق نہیں) یہ فقرہ تاکید کلام کے طور پر لایا گیا ہے۔ قیل معناہ التاکید (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی خوب نکالا ہے کہ جس قول کو ابتداءً زبان سے ادا کرنا کفر ہے، اسے تردید کی غرض سے دہرانا اور نقل کرنا بالکل
درست ہے۔ فی ھذا من قول ربنا دلیل علی ان من اخبر عن کفر غیرہ الذی لایجوز لاحد ان یبتدی بہ لاحرج علیہ لانہ انما ینطق بہ علی معنی الاستعظام لہ والرد علیہ فلاینعم ذٰلک منہ (ابن العربی) ۵۴ یعنی ان
مہمل عقاید پر اُن کے پاس نہ دلیل عقلی نہ نقلی۔ یہ تو محض ان جاہلی شرک قوموں کی نقالی ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول یا اوتار کو ماننے والی تھیں۔ اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے کہ اُنہی کے ’’حکماء فلاسفہ‘‘ کے
اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے، اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقاید کا جزء بناتے چلے گئے تھے۔ مسیحیت پر یونانی اور رُومی مذہبوں کے گہرے اثر کی دریافت انیسویں صدی کے نصف

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ
معبود نہیں اُس کے سوا، وہ اُس سے پاک ہے جو یہ اُس کے ساتھ شریک کرتے رہتے ہیں ۵۹ چاہتے ہیں کہ
يُّطۡفِـــُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَيَاۡبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ
اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ کو نامنظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے
يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ
نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار گزرے ۶۰ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے
رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى
رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اُسے وہ غالب کر دے سارے بقیہ
الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ
دینوں پر خواہ مشرکوں کو (کیسا ہی) ناگوار ہو ۶۱ اے ایمان والو
اٰمَنُوۡۤا اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ لَيَاۡكُلُوۡنَ
اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال
اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ
باطل طریقوں پر کھاتے (اُڑاتے) رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے
اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا
ہیں ۶۲ اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس کو
يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍۙ ﴿۳۴﴾
خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں ۶۳ آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سُنا دیجئے،

النصف

آخر کے محققین و فضلاء کا خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں قبل جبکہ کوئی نام بھی Higher Criticism کا نہیں جانتا تھا، ایک اُمّی کی زبان سے دُنیا کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا، ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔ ۵۵ (کہ صاحب کتاب ہونے کی دولت سے مشرف ہو کر، انبیاء کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کے باوجود، ایسے ایسے افتراء اللہ پر باندھتے چلے ہیں) قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۔ فطرت بشری ہے کہ ایسے موقعوں پر سخت بیزاری اور غصہ و نفرت کی حالت میں زبان پر بے اختیار ایسے فقرے آجاتے ہیں کہ خدا انہیں غارت کرے۔ قرآن نے فطرت بشری کا لحاظ کر کے گویا یہ فقرے پڑھنے والے کی زبان سے ادا کر کے، اُس کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ ۵۶ یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحبِ اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں۔ جو چاہیں وہ جائز کر دیں، جو چاہیں وہ حرام ٹھیرا دیں۔ سارے اختیارات شریعت و قانون سازی کے گویا اُنہی کو حاصل ہیں مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں آج بھی پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے۔ اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھے ہیں۔ یہود کے ہاں بھی ربیوں کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا انھم الٰھۃ العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم (کبیر) آیت کی تفسیر ماثور بھی یہی ہے۔ عدی بن حاتم نومسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں صریح ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال و حرام کے اختیارات اُن میں مان لینا عملاً انہیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہنچا دینا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے۔ انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ کو سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے! امام رازیؒ نے اس موقع پر اپنے اُستاد کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین جامد گزرے ہیں جن کے سامنے اُن کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ انہوں نے آیات کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا، اُن کی طرف التفات نہ کیا، اُلٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ اُن کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیاتِ قرآنی ہو کیونکر سکتی ہیں۔ اور تاویل بجائے اُن کے اقوال کے خود ان آیات میں کرنا چاہیئے۔ یہ قول نقل کر کے امام موصوف خود لکھتے ہیں کہ:۔ لو تاملت حق التامل وجدت ھٰذا الداء ساریًا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا! کہ غور کر کے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اسی بیماری میں مبتلا نظر آئیں گے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کی توحید فی الطاعت چھوڑ کر۔ ۵۷ مسیحیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ مسیح کو علاوہ ولد الٰہ اور ابن اللہ

سمجھنے کے مطاع مطلق بھی سمجھتے تھے، اور مطاع مطلق بھی، بالکل اور براہِ راست حق تعالیٰ کے مساوی اور ہم رُتبہ کی حیثیت سے۔ اور اُن کی مطاعیت چونکہ پوپ اور کلیسا کی مطاعیت کے برخلاف اصلاً و مستقلاً ہے اس لئے قرآن مجید نے اس کا
ذکر بھی احبارھم و رھبانھم سے الگ کر کے کیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب انہیں بدعات و منکرات سے منع کیا جاتا ہے
تو اپنے مشائخ سے تمسک کرنے لگتے ہیں۔ ۵۸ (اور یہ حکم انہیں اپنے پیمبروں کے ذریعہ سے اُن کے آسمانی نوشتوں میں دیا گیا تھا جو کسی حد تک آج بھی موجود و محفوظ ہے) چنانچہ توریت میں ہے:۔ ’’میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ
ہووے‘‘ (خروج ۲۰: ۳) نیز (استثناء ۵: ۶) اور انجیل میں ہے:۔ ’’سب حکموں میں اوّل کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے، اے اسرائیل سُن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے‘‘ (مرقس ۱۲: ۲۹) ۵۹ یہاں ذکر
قریش اور عرب کے جاہلی مشرکوں کا نہیں، اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا ہے جو توحید کی دولت سے بار بار مشرف کئے جا چکے تھے۔ ۶۰ آیت کی صداقت پر اُمت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پُوری تاریخ گواہ ہے، یہود، نصاریٰ، مشرکین غرض ہر
مخالف و معاند مکر و حیلہ، زور و جبر کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے۔ اور پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ
روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ نُوۡرَ اللّٰهِ ۔ یعنی دین اسلام۔ يُطۡفِـُٔوۡا بِاَفۡوَاهِهِمۡ ۔ جس طرح چراغ
پھونک مار کر بجھایا جاتا ہے یہ مخالفین و معاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ الۡكٰفِرُوۡنَ اشارۂ خاص یہود و نصاریٰ کی جانب ہے اور کافر انہیں ان کے منکر نبوت محمدی ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔
۶۱ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۔ یہ غلبۂ دین بہ لحاظ قوتِ دلائل کے ہے کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے۔ ای بالحجۃ والبراھین (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل و استدلال کی رُو سے تو مطلق ہے اور کسی
وقت و زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادّی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت و اہلیت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے۔ الۡمُشۡرِكُوۡنَ اشارۂ خاص یہود و نصاریٰ کی جانب ہے۔ اور مشرک انہیں اُن کے شرک فی التوحید کے اعتبار سے کہا گیا
ہے۔ ۶۲ اور خود حق کی تلاش و طلب رکھنا تو الگ رہا، اُسے قبول تک نہیں کرتے) یاکلون اموال الناس بالباطل ۔ سلیس و عام فہم اردو میں لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ معتقدین کی مرضی دیکھ کر انہیں اُس کے موافق

۴۹ یعنی اُن سے جنگ وقتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک وہ ہتھیار رکھ کر، امن طلب کرکے جزیہ دینے پر مجبور نہ ہوجائیں۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ الخ۔ یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے۔ آیت کے عموم میں جملہ اہل کفر آجاتے ہیں قتال ان سب سے واجب ہے۔ اہل کتاب کا تصریحی ذکر صرف ان کے شرف مرتبہ اور ان کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ امر سبحانہ وتعالٰی بمقاتلة جمیع الکفار لاصفاقهم علی هٰذا الوصف وخص اهل الکتاب بالذکر اکرامًا لکتابهم ولکونهم عالمین بالتوحید والرسل والشرائع والملل (قرطبی) اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ۔ یہ تصریح تو اہل کتاب کی ہے، لیکن جو صفات اُن کی بیان ہوئی ہیں وہ اُن سے کہیں بڑھ کر مشرکین میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مشرکین سے قتال بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب سنت واحادیث رسُول کی بنا پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے حق میں جزیہ نہیں۔ جزیرۃ العرب قیامت تک کے لئے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا۔ اُس کے حدود کے اندر کفر وشرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جاسکتی۔ ان لوگوں کے حق میں قرآن کی دوسری آیتیں ہیں مثلاً قاتلوهم حتی لاتکون فتنة۔ وغیرہا مجوس ومشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔ ومن الذین اوتوا الکتاب بیان للذین قبله فاما المجوس فملحقون باهل الکتاب فی قبول الجزیة وکذا الترك والهنود وغیرهما بخلاف مشرکی العرب (مدارک) ثبت جواز اخذها من سائر الکفار اهل کتاب کانوا اوغیر اهل کتاب الاعبدة الاوثان من العرب بان النبی صلعم لم یقبل منهم الا الاسلام والسیف (جصاص) قال اصحابنا لایقبل من مشرکی العرب الا الاسلام والسیف وتقبل من اهل الکتاب ومن سائر کفار العجم الجزیة (جصاص)

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ
رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اُسکے
وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا
رسُول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں یہاں تک کہ
ع ۴ ۵ ۱۰ الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾
وہ جزیہ دیں رعیت ہو کر ۴۹ اور اپنی پستی کا احساس کرکے ۵۰
وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی
اور یہود کہتے ہیں کہ عُزیر خدا کے فرزند مجازی ہیں ۵۱ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ
الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
مسیح خدا کے فرزند مجازی ہیں ۵۲ یہ ان کا قول ہے محض ان کے مُنہ سے (بک دینے کا) ۵۳
یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ
یہ بھی انہی لوگوں کی ایسی باتیں کرنے لگے جو اُن سے پہلے کافر ہو چکے ہیں ۵۴
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ
اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ۵۵ انہوں نے اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء
رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ
اور اپنے مشائخ کو (بھی) اپنا پروردگار بنا رکھا ہے ۵۶ اور مسیح ابن مریم کو (بھی) ۵۷
مَرْیَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ
حالانکہ انہیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ ایک ہی معبود (برحق) کی عبادت کریں ۵۸ کوئی

"حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔ اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں۔ بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجۂ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ من الذین اوتوا الکتاب میں من بیانیہ ہے پس سب اہل کتاب انہی صفات سے موصوف ہوں گے۔ لا یؤمنون الخ پس مدار وضع جزیہ کا یہ ٹھہرا اور ظاہر ہے کہ یہ صفات مشرکین میں بدرجۂ اولیٰ پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب توحید اور معاد کا عقیدہ رکھتے ہیں گو اس میں غلطیوں کی وجہ سے لا یومنون فرمادیا ہے۔ اور مشرکین تو خود ان عقاید کی اصل ہی میں مخالف ہیں پس جب مدار حکم ان میں اقویٰ ہے تو حکم بھی بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب خاص دلیل سے اس عام سے مخصوص ہوگئے۔ یہی مذہب ہے حنفیہ کا، اور اس کی تائید ہوتی ہے ابن شہاب کے قول سے" (تھانوی) واما المجوس فقال ابن المنذر لا اعلم خلافًا ان الجزیة توخذ منهم (قرطبی) جِزْیَة کے معنیٰ ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کے جان ومال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے۔ الجزیة خراج الارض ومایوخذ من اهل الذمة (لسان) وهی فعلة من الجزاء کانها جزت عن قتله (ابن کثیر) اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر فوجی خدمت لازم ہے بہ وقت ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہ بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثنا۔ ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کرسکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جزیہ معاوضۂ کفر یا کسی اعتقادی گمرہی کا نہیں بلکہ معاوضہ فوجی خدمات کا ہے۔ فقہاء کے ہاں اس کی پوری تصریحات ملتی ہیں۔ وجب نصرة للمقاتلة! جزیہ واجب اس لئے کیا گیا ہے کہ جنگ کرنے والوں کی امداد باشندوں کی طرف سے ہو۔ خلفًا عن نصرة مقاتلة اهل الدار لان من هو من اهل دار الاسلام علیه نصرتهم وقد فاتت (فتح القدیر) یعنی اسلامی عملداری میں جو گروہ جنگی خدمات انجام دیتا ہے اُن کی امداد کے کام کے لئے۔ اس لئے کہ اسلامی عملداری میں جو بھی ہے اُس پر لڑنے والوں کی امداد واجب ہے اور ذمی چونکہ اس خدمت سے معاف ہیں۔ اس لئے اس کا قائم مقام یہ محصول ہے۔ بعض فارسی اہل لغت نے اسے فارسی لفظ گزیت (بروزن فعیل) اور گزیۃ (بروزن فعلۃ) کا معرب بنایا ہے (برہان قاطع) وقال الخوارزمی انها معرب کزیت وهو الخراج بالفارسیة (روح) بہرحال لفظ کا اشتقاق جو کچھ بھی ہو مراد اس سے یہی ہے۔ "یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچے اور بہت بڈھے اور اپاہج اور رُہبان اور تارکانِ دنیا، اُن پر جزیہ نہیں اور اگر بوجہ قرار علی الکفر کے ہوتا تو اُن پر بھی ہوتا کیونکہ کفر میں مشترک ہیں" (تھانوی) جزیہ کی شرح ۱۲ درم سالانہ سے لے کر ۴۸ درم سالانہ تک ہے۔ "عورت، بچے، بیمار، معذور، بڈھے، بے روزگار، مذہبی طبقہ (مثلاً پادری، جوگی) غلام وغیرہ مستثنیٰ تھے۔ صرف کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ وہ بھی اگر صلحی جزیہ ہے تو اُس کی مقدار معیّن تھی۔ ورنہ یوں معمولاً امراء سے تقریباً عہ ماہوار یعنی ۱۲ سالانہ، متوسط طبقہ والوں سے ۸ ماہوار یعنی ۶ سالانہ، ادنیٰ طبقہ سے ۴ ماہوار یعنی ۳ سالانہ، اور درمیان سال میں اگر کوئی مرجاتا تو اُس سے جزیہ ساقط ہوجاتا" (اسلامی معاشیات) (از علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ) روم اور ایران کی رعایا کو مسلمانوں کی حکومت میں آجانے کے بعد جو رقم جزیہ کی دینا پڑتی تھی وہ اُن محصولوں سے کہیں کم تھی جو ان لوگوں کو پہلی حکومتوں کے وقت دینا پڑتی تھی۔ یہ شہادت حال کے ایک مشہور عیسائی اہل قلم جرجی زیدان مصری کی ہے۔ والجزیة التی کانوا یتکلفون دفعها الی المسلمین اقل کثیر عن مجموع الضرائب التی کانوا یودونها الی الروم او الفرس ۵۰ یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ۔ اس میں اشارہ آگیا کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کرکے اور شریعت اسلام نے اُنہیں جو آرام وآسائش دی اُس نعمت کا احساس کرکے جزیہ پیش کریں۔ ای یعطون ما یعطون عن مقابلة نعمة علیهم فی مقارنتهم (راغب) عن انعام منکم علیهم (قرطبی) یحتمل عن ید ای عن نعمة فیکون تقدیره حتی یعطوا الجزیة عن اعتراف منهم بالنعمة فیها علیهم بقبولها منهم (جصاص) وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس حال میں کہ اپنی پستی کا احساس رکھتے ہوں۔ الصاغر الراضی بالمنزلة الدنیة (راغب) ای توخذ منهم علی الصغار والذل (کشاف) امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ صغار یہی ہے کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کرلی جائے۔ نقل عن الشافعی ان الصغار هو جریان احکام المسلمین علیهم (روح) ۵۱ عُزیر یا توریت کے تلفظ میں عزرا (متوفی غالباً ۴۵۸ ق۔م) یہود کے مذہبی نوشتوں میں زیادہ "کاتب" کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کے حملہ اور کامل تباہی اور بربادی کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس سے بالکل غائب ہوگئے تو انہی عُزَیر (عزرا) نے توریت کو از سرِ نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود مثیل موسیٰ تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے غلو کرکے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔ اِبْنُ اللّٰهِ۔ عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لڑکے اور بیٹے کے مرادف لفظ ہیں اور انگریزی میں بھی اُن کے مقابلہ میں دو اصطلاحیں Son of God اور Child of God کی الگ الگ ہیں۔ ابن اللہ جو ترجمہ ہے Child of God کا اس سے مُراد صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی ومجازی ہے۔ جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے۔ قالوا نحن ابناء الله واحباؤه یہاں پر ابناء الله کے کھلے ہوئے یہی مجازی معنی ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیر کو اپنا مطاع کل اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۵۲ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید، دوسری شدید تر الگ الگ ہیں۔ ایک حضرت مسیح کو اللہ کا ولد Son of God قرار دینا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے، اکثر

بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۲۵ ثُمَّ اَنْزَلَ

تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے ۳۹ اس کے بعد اللہ نے

اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ

اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلی نازل کی ۴۰ اور

اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نازل کئے (ایسے) لشکر جنہیں تم دیکھ نہ سکے ۴۱ اور (اللہ نے) کافروں کو سزا دی اور

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۲۶ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ

یہی کافروں کی جزا ہے ۴۲ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۷ يٰۤاَيُّهَا

توبہ نصیب کردے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۴۳ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا

ایمان والو مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۴۴ سو اس سال کے بعد

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ

مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں ۴۵ اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ

عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ

ہو ۴۶ سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز کردیگا ۴۷

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۲۸ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۴۸ اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان

منزل ۲

۳۹ مسلمان فتح مکہ کے ۲ ہزار طلقاء یعنی جدید العہد نومسلموں کو ملا کر ۱۲ ہزار کی تعداد میں تھے مسلمانوں کو قدرۃً خیال گزرا کہ آج تو ہماری جیت یقینی ہے چنانچہ اول اول ہوئی بھی مسلمانوں کو فتح۔ مشرکین بھاگے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ مشرکین موقع دیکھ پلٹ پڑے اور تیراندازی اس غضب کی کی کہ مسلمانوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ مشرکین کے تیرانداز دستے پہاڑیوں کی آڑ میں بہترین کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے مسلمانوں کو جگہ بُری ملی۔ مورچہ جما کر صفیں قائم کرنے کا موقع نہ ملا۔ پہلے پیر طلقاء کے اُکھڑے پھر عام مسلمانوں کے، صرف رسُول اللہ صلعم مع چند مخصوص صحابہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ علیؓ ابن سعد وغیرہ کے میدان جنگ میں رہ گئے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب آپؐ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ اور آپؐ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھتے ہی جاتے تھے۔ بار بار پکار کر فرمایا انا النبی لاکذب، انا ابن عبد المطلب۔ میں عبد المطلب کا بیٹا، نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں۔ الیٰ عباد اللہ انی رسول اللہ۔ آخر مسلمانوں کو دوبارہ غیرت آئی، پھر سے مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکین آخر بھاگ نکلے، کچھ قید ہوئے، کچھ قتل ہوئے۔ شرر کی تاریخ اسلام میں ہے:- ۱۰ ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے علم اسلام کے ساتھ آئے تھے اور ۲ ہزار اہل مکہ تھے ان میں بہت سے مشرک بھی تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مکہ مفتوح ہونے کے بعد بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے (جلد اول ص ۹۲) اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ۔ یہاں صاف بتا دیا کہ شکست کا اصل راز مسلمانوں کی خود بینی تھی، اپنی کثرت تعداد پر ناز وغرہ، فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی آیاتِ احکام میں شمار کیا ہے اور چونکہ حدیث مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں صفوان مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں۔ امام مالک کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔ قال مالک ولم یکن ذٰلک بامر رسول اللہ صلعم ولا اری ان یستعان بالمشرکین علی المشرکین الا ان یکونوا خدما او نواتیۃ (قرطبی) دوسرے ائمہ فقہ ابوحنیفہ، شافعی، ثوری، اوزاعی کی رائے میں جب کلمۂ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔ وقال ابوحنیفۃ والشافعی والثوری والاوزاعی لا باس بذٰلک اذا کان حکم الاسلام هو الغالب وانما تکره الاستعانة بهم اذا کان حکم الشرك هو الظاهر (قرطبی) ۴۰ چنانچہ جو ہٹ گئے تھے، وہ پھر میدان میں آکر جم گئے۔ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے مطلق تسلی نہیں، وہ تو آپؐ کو اور جو صحابی آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی، اور اسی بنا پر وہ ثابت قدم بھی رہے بلکہ مراد اس سے تسلی خاص ہے جس سے سب کو غلبہ کی امید ہو گئی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ترک عُجب نزول سکینت کا سبب ہو جاتا ہے۔ ۴۱ (یعنی ملائکۂ آسمانی) یعنی الملائکۃ (مدارک) هو الملائكة بلا خلاف (بحر) لَمْ تَرَوْهَا۔ سے مُراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکر عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بطور کرامت یا خرق عادت کوئی فرشتہ نظر آگیا تو وہ اس بیان قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لئے قرآن کا یہ انداز بیان عام ہے۔ قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کر دیا کہ اصل شئے اعتماد علی اللہ ہے۔ ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔ ۴۲ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی، ۷۰ آدمی قتل ہوئے، ہزارہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی ۶ ہزار تھیں، مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹوں اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلت عذاب دنیوی۔ ۴۳ چنانچہ اِنہی صفات مغفرت و رحمت کے تقاضہ سے بہت سے کافر مسلمان بھی ہو گئے۔ ۴۴ (بہ لحاظ خبثِ عقاید) نجسٌ۔ مراد اس نجاست سے نجاستِ عقاید ہے نہ کہ نجاست اعیان و اجسام۔ والمراد ذو نجس لخبث بواطنهم وفساد عقائدهم (روح) ۴۵ (بہ غرض خدمت و تولیت یا بہ غرض حج و طواف وغیرہ) یعنی حدود حرم کے اندر بہ غرض حج و عمرہ نہ داخل ہونے پائیں، ممانعت کا تعلق مطلق داخلۂ حرم و داخلۂ مسجد حرام سے نہیں۔ ای فلا یحجوا ولا یعتمروا کما کانوا یفعلون فی الجاهلیة (مدارک) حنفی مذہب میں مشرکوں کے عام داخلۂ حرم یا داخلۂ مساجد کی ممانعت نہیں، اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب بھی اس حیثیت سے مشرکین ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ولا یمنعون من دخول الحرم والمسجد الحرام وسائر المساجد عندنا (مدارک) حدیثوں سے تمام جزیرۂ عرب کا یہی حکم ثابت ہے مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی۔ چنانچہ حسب وصیت آپؐ کے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا۔ اور فقہ حنفی کی رُو سے مُراد اس سے قرب و دخول بطور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں۔ . . . . اور جب حرم کے اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے: (تھانوی) بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ اس سال سے مراد ۹ھ ہجری ہے جبکہ حضرت ابوبکرؓ کی زیر امارت حج ادا ہوا تھا۔ اُس کے بعد سے مُراد ۱۰ھ ہجری ہے جب سے اس کا نفاذ شروع ہوا۔ سنه عشر قاله قتادة وقال ابن العربي وهو الصحيح الذي يعطيه مقتضى اللفظ (قرطبی) اس سال کے بعد کی قید سے فقہاء حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ نجاست اعتقادی (کفری) فی نفسہ مانع داخلۂ مساجد نہیں۔ وفی ذٰلک دلالة علی ان نجاسة الكفر لا تمنع الكافر من دخول المسجد (جصاص) ۴۶ عرب کا ملک کوئی زراعتی تو ہے نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار تجارت ہی پر رہتا ہے۔ نومسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر غیر مسلموں سے معاشی و تجارتی تعلقات بھی منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پئیں گے کہاں سے؟ یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے۔ ۴۷ (چنانچہ اس نے بھی یہی کر دیا۔ اس طریقہ پر کہ خود ان تاجروں کو مسلمان کر دیا) اِنْ شَآءَ۔ اگر چاہے گا، سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں محض اس کی مشیت کافی ہے چنانچہ جب اس کی مشیت ہوئی سارا ملک مسلمان ہو گیا۔ سامان تجارت دُور دُور سے بکثرت آنے لگا۔ بارشیں اچھی ہوئیں پیداوار خوب ہونے لگی فتوحات اور غنیمتوں کے دروازے کُھل گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی۔ غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسباب غناء ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ رزق کے باب میں تعلق خاطر اسباب ظاہری سے رکھنا جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ فی هذه الآية دليل على ان تعلق القلب بالاسباب فی الرزق جائز وليس ذلك منافيا للتوكل ... من فضله سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ رزق ثمرہ کوشش کا نہیں ہوتا بلکہ عطیۂ خداوندی ہے۔ دليل على ان الرزق ليس بالاجتهاد وانما هو من فضل الله تولى قسمته بين عباده (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے کہ مصلحت دنیوی کو تکمیل مصلحت دینی میں مانع نہ ہونا چاہیئے ورنہ اگر اہم ہو تو توکل سے علاج کرنا چاہیئے ۴۸ (چنانچہ وہ اپنے علم کامل سے سب احکام کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے اور حکمت کاملہ سے نہایت افلاس کے انسداد کا بھی انتظام کر دے گا)

۳۵ (خود اپنے حق میں) ہجرت کی راہ میں عموماً انہی عزیزوں قریبوں کی محبت حائل ہوجاتی تھی، شریعت نے ایسی اور اس درجہ کی محبت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ - یہاں سے یہ مسئلہ فقہاء نے مستنبط کیا ہے کہ جس کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو تو اس مصلحت سے اُس سے تعلق رکھنا جائز ہے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ - بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ لوگ بھی مشرکوں کے حکم میں داخل ہوں گے کہ رضا بالشرک بھی شرک ہی ہے۔ قال ابن عباس هو مشرك مثلهم لان من رضی بالشرك فهو مشرك (قرطبی)

۳۶ (اور وہ حکم سزائے ترکِ ہجرت کا ہوگا) أَحَبَّ إِلَيْكُمْ - نے اس مسئلہ کو اور زیادہ صاف کردیا جس کا ذکر ابھی اوپر کی آیت میں آچکا ہے یعنی عزیزوں کی محبت بجائے خود ممنوع نہیں، صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ احکامِ شریعت کی تعمیل میں سدِ راہ بننے لگے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا درجہ وجوب کا ہے۔ وفی الاٰية دليل على وجوب حب الله ورسوله ولا خلاف فى ذالك بين الامة (قرطبی) مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ سے مراد من العمل بامر الله ورسوله ہے یعنی احکامِ خدا و رسول پر عمل سے عزیز تر۔ وفی الكلام حذف اے احب اليكم من امتثال امر الله تعالى ورسوله (بحر) آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ ہجرت سے ایک بڑا اندیشہ یہی ہوتا تھا کہ یہی سب عزیز قریب چھُٹ جائیں گے۔ أَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا - دوسرا بڑا اندیشہ یہ ہوتا تھا کہ اموال و املاک تلف ہوجائیں گے تجارت کا انتظام و سلسلہ بگڑ جائے گا، مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا - تیسرا ممکن اندیشہ یہ تھا کہ راحت و آسائش کے گھر بار چھوٹ جائیں گے۔ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ - ہجرت سے ایک درجہ ترقی کر کے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ کا لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے مسلمان کو تو جہاد تک کو ہر دنیوی و مادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔ فَتَرَبَّصُوا - ایسے موقع پر قرآن مجید جب صیغۂ امر اختیار کرتا ہے تو مقصود ہمیشہ تہدید و تخویف ہوتی ہے۔ صيغته صيغة امر ومعناه التهديد (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ زیادہ رعایت کے قابل ہے۔

۳۷ چنانچہ انہیں ان مرغوبات و مالوفات سے تمتع کا موقع دینے کے بجائے کبھی خلاف توقع ان کی موت لے آتا ہے کبھی کوئی اور ایسی ہی صورت پیدا کر دیتا ہے۔

۳۸ جیسے جنگِ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر، اور بنو قریظہ و بنو نضیر کے مقابلہ میں وقس علی ہذا۔ نصرتِ غیبی و تائیدِ ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا، علماء نے ۸۰ ایسے موقع گنائے ہیں۔ وان ائمة التاريخ وعلماء المغازى نقلوا انها كانت ثمانين موطنا (بحر) حنین، طائف کے راستہ میں مکہ کی ایک وادی کا نام ہے، مکہ سے غالباً ۳ میل کے فاصلہ پر، فتح مکہ کے دو ہی ہفتہ بعد یہاں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے مشہور تیر انداز قبیلوں سے ہوا تھا، معرکہ کی تاریخ ۶ شوال ۸ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء ہے۔

الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ
کفر سے ایمان کے مقابلہ میں محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی انہیں دوست رکھے گا سو ایسے
هُمُ الظَّالِمُونَ (۲۳) قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
ہی لوگ تو ظالم ہیں ۳۵ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور
وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو
اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ
تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم
تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ
پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ
میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ۳۶ اور اللہ
ع ۹ ۳ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (۲۴) لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ
نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا ۳۷ بیشک اللہ نے بہت سے موقعوں پر
فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
تمہاری نصرت کی ہے ۳۸ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر غرہ ہو گیا
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ
تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے

ف ۳۱ کہ جس طرح عمل عمل برابر نہیں ہوتے اسی طرح عامل عامل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ کہاں ایمان صحیح وکامل اور جہاد فی سبیل اللہ اور کہاں بلا اعتقاد صحیح محض سقایۂ حجاج و خدمت حرم! کہاں مومن کامل ومجاہد اور کہاں غیر مومن ساقی حجاج! کعبہ چونکہ مشرکین کے نزدیک بھی مقدس تھا اُس کی خدمت اور اُس کے زائروں کی خدمت سرداران قریش نے بھی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے زمانۂ کفر میں اور شیبہ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اپنی خدمتِ کعبہ وزائرین کعبہ پر فخر کیا تھا۔ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ
قرار دے لیا ہے اُس شخص (کے عمل) کے جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور روزِ آخرت پر اور اُس نے
اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
جہاد بھی اللہ کی راہ میں کیا۔ یہ لوگ برابر نہیں (ہو سکتے) اللہ کے نزدیک، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا
الظّٰلِمِيْنَ ۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
ظالم لوگوں کو ف ۳۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ
اپنے مال اور اپنی جان سے کیا وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں
دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۲۰
اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ف ۳۲
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ
انہیں اُن کا رب خوشخبری سناتا ہے اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور (ایسے) باغوں
لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۲۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ
کی کہ اُن کے لئے اُن میں دائمی نعمت ہوگی ف ۳۳ ان میں یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے، بیشک
اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۲۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے ف ۳۴ اے ایمان والو دوست نہ بناؤ
لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا
اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ

وقف لازم

اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے یا مشرکین۔ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ من اٰمن سے قبل عمل محذوف ہے۔ ای اجعلتم عمل من سقی الحجاج کعمل من اٰمن (زمخشری)

ف ۳۲ یہاں یہ بتایا ہے کہ اصل شئے تو ایمان باللہ اور اقرارِ توحید ہے۔ اور پھر جو اس پر ہجرت وجہاد کا اضافہ کرے اُس کے مرتبہ کا کیا کہنا! خانۂ کعبہ کی عظمت جو کچھ ہے وہ مرکزِ توحید ہی ہونے کی بنا پر تو ہے۔ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ۔ سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو درجہ ومرتبہ اپنے نزدیک انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ والمراد انهم قدروا لانفسهم الدرجة بالعمارة والسقی فخاطبهم علٰی ما قدروه فی انفسهم وان کان التقدیر خطأ (قرطبی)

ف ۳۳ اور اس خوشخبری سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ مقیم کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعاماتِ جنت جتنے بھی ہونگے مستقل، پائدار، دائمی ہوں گے، مسافرانہ انداز کے نہ ہوں گے۔

استعارة للدائم (روح) رحمة اور رضوان کے صیغۂ نکرہ رحمت اور رضوان الٰہی کی عظمت وکثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔ نکر الرحمة والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر) ف ۳۴ یہاں خلود کے ساتھ ابدًا کی بھی تصریح کر دی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانۂ طویل کے بھی آتے ہیں۔ اکد الخلود بالتابید لانه قد یستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہوگئی ہے کہ اجر جنت عظیم وگرانقدر ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگا۔ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ۔ جس محبت سے یہاں ممانعت ہو رہی ہے اس سے محبت طبعی مُراد نہیں ہے وہ تو ہر عزیز سے ہونا بہتر ہے۔ قید صرف یہ لگا دی ہے کہ وہ محبت طبعی عمل میں محبتِ ایمانی پر غالب نہ آنے پائے، مغلوب ہی رہے اور غالب ہمیشہ ہر معاملہ میں محبتِ ایمانی رہے۔

٢٧ اَنْ تُتْرَكُوْا یعنی کیا مومنین صادقین یوں ہی بلا امتحان وآزمائش چھوڑ دیئے جائیں گے۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی تحقیقی اور ازلی ہے۔ لیکن معلومات جب تک حدوث میں نہ آئیں، علم الٰہی کا تعلق فعلی اُن سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو یہاں لما یعلم اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً اس سے فقہاء نے حجیت اجماع اور اتباع مومنین کا استنباط کیا ہے۔ يقتضى لزوم اتباع المومنين وترك العدول عنهم كما يلزم اتباع النبى صلعم وفيه دليل على لزوم حجة الاجماع (جصاص)

٢٨ یعنی ایسے عقاید کا اقرار کر رہے ہوں جو داخل کفر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین میں اپنے عقاید شرکیہ کے ساتھ عمل آبادی مساجد کی اہلیت ہی مفقود ہے۔ یہ اگر آبادی مساجد کریں بھی تو اس سے انہیں کیا نفع حاصل ہوگا؟ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو اس کے لائق ہی نہیں۔ انہیں اس سے روکا جائے گا۔ اے لاينبغى لهم ولا يليق وان وقع (روح) ماينبغى للمشركين بالله ان يعمروا مساجد الله التى بنيت على اسمه وحده لا شريك له (ابن کثیر) ماينبغى للمشركين ان يعمروا مساجد الله اوجب على المسلمين منعهم من ذلك لان المساجد تعمر لعبادة الله وحده (معالم) اَنْ يَّعْمُرُوْا۔ عمارة۔ عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، اُن میں داخل ہونا، اُن کی تعمیر کرنا، اُن کی خدمت کرنا سب کچھ آگیا۔ بعض نے عمارت سے مراد تعمیر معروف یعنی مسجد کی بنا اور اُس کی مرمت وغیرہ مراد لی ہے اور کافر کو اس سے روکا ہے۔ چنانچہ وہ اگر اس کی وصیت کر جائے تو اس کی بھی تعمیل نہ ہوگی۔ ذهب جماعة الى ان المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد ومرمته عند الخراب فيمنع منه الكافر حتى لو اوصى به لا يمتثل (معالم) بعض نے مسجد میں داخلہ اور نشست و برخاست مراد لی ہے۔ وحمل بعضهم العمارة ههنا على دخول المسجد والقعود فيه (معالم) مَسَاجِدَ اللّٰهِ۔ اس عموم میں مسجد الحرام (حرم شریف) بھی آگئی۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی وخادم ہونے کے لائق نہیں، فاقتضت الأية منع الكفار من دخول المساجد ومن بناءها وتولى مصالحها والقيام بها (جصاص) البتہ جہاں تک مسجد بنانے کا تعلق ہے فقہاء کے ہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ اگر اُس کافر کے ہاں خود اُس کے مذہب کی رُو سے تعمیر مسجد میں اجر ہے اور اُسے تعمیر مسجد کی اجازت دینا کسی مصلحت اسلامی کے خلاف بھی نہیں تو اجازت دے دی جائیگی

٢٩ (کہ یہ خلود عذاب سزائے موعود ہے کفر کی) اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یعنی ایمان جو قبول اعمال کی بنیاد ہے وہ اُن کے ہاں منعدم ہے۔ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ۔ آیت کے صیغۂ حصر سے متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ خلود عذاب سزا صرف کافروں کی ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کی، یعنی صرف وہی (کافر) پڑے رہیں گے نہ کہ کوئی اور۔ واحتج اصحابنا بهذه الأية على ان الفاسق من اهل الصلوة لا يبقى مخلدا فى النار (کبیر)

٣٠ (اور اپنے مقصود کو پہنچ جائیں جو نجات اور جنت ہے) اے الى الجنة وما اعده الله تعالى فيها لعباده (روح) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یہ بیان ہوا اُن کے بنیادی عقاید کا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ یہ بیان ہوا اُن کے اعمال و احوال کا۔ عسٰی کے لئے اوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب یہ وعدۂ الٰہی کے سیاق میں آتا ہے تو اس میں معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں اور درجۂ احتمال باقی نہیں رہتا۔ عسى من الله واجب (معالم) وعسى من الله واجبة عن ابن عباس وغيرها (قرطبی) وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ دین کے باب میں بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، یہ مراد نہیں کہ جن چیزوں سے ڈرنا ایک امر طبعی ہے اُن میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے جیسا کہ عوام اور ناقص قسم کے مشائخ نے سمجھ رکھا ہے۔ اے فى ابواب الدين فان الخشية عن المحاذير جبلية لا يكاد العاقل يتمالك عنها (بیضاوی) واما الخوف الجبلى عن الامور المخوفة فليس من هذا الباب ولا هو مما يدخل تحت التكليف (روح) المراد من هذه الخشية الخوف والتقوى فى باب الدين ان لا يختار على رضاء الله رضا غيره (کبیر) المعنى ولم يخش الا الله مما يعبد (قرطبی) اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ۔ بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو اُن سے حسن ظن رکھنا لازم ہے۔ وقد قال بعض السلف اذا رأيتم الرجل يعمر المسجد فحسنوا به الظن (قرطبی) اور جامع ترمذی میں یہ حدیث نبوی ابو سعید الخدری صحابی کی روایت سے موجود ہے کہ اذا رايتم الرجل يعتاد المسجد فاشهدوا له بالايمان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اُس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا
تم میں سے جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے
رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ٢٧ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
سوا کسی کو گہرا دوست نہ بنایا اور اللہ کو خبر ہے اُس (سب) کی جو تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ
کرتے رہتے ہو ٢٧ مشرکین اس لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، درآنحالیکہ
اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ
وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہوں ٢٨ یہ وہ لوگ ہیں
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾
کہ ان کے (سب) اعمال اکارت جاچکے اور دوزخ میں وہی (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ٢٩
اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس اُن لوگوں کا کام ہے جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور
الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ
روزِ آخرت پر، اور پابندی کرتے ہوں نماز کی، اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہوں اور بجز اللہ کے
اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾
کسی سے نہ ڈریں پس ایسے لوگ امید ہے کہ راہ یاب ہو جائیں ٣٠
اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو (برابر)

ع ٢ ١٠ ٨

۲۱ (اپنے عقاید کفریہ سے) وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ - یعنی یہ عہد شکنی کر کر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ - یہ علامت مزید اُن کے کفر و عناد کی ملی۔ طعن کے لغوی معنیٰ نیزہ مارنے کے ہیں۔ طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی اختلاف رائے و عقیدہ پر نہیں ہوتا۔ طعن کہتے ہی ایسی بات کو ہیں جو دل کو چھید دے زخمی کر دے، طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہلِ دین کی دلآزاری ——— ایسی زبان درازی اس "روشن خیال" بیسویں صدی

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ

تم قتال کرو (ان) پیشوایانِ کفر سے کہ (اس صورت میں) ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا

یہ لوگ باز آجائیں ۲۱ تم ایسے لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنھوں نے اپنی

اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ

قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور انہوں نے تمہارے مقابلہ

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ

میں خود ہی ابتدار کی پہلے پہل ۲۲ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ حقدار ہے اس کا کہ اُس سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

اگر تم ایمان والے ہو ۲۳ ان سے لڑو اللہ انہیں تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا اور

بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مسلمان لوگوں کے

صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ

دلوں کو ٹھنڈا کرے گا ۲۴ اور ان کے دلوں سے جھنجھلاہٹ کو دُور کریگا ۲۵

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵

اور اللہ جس پر وہ چاہے گا رحمت کے ساتھ توجہ کریگا، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۲۶

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو

میں بھی ہر قانون میں جُرم ہے۔ ذمّی جس وقت دین اسلام پر زبان طعن دراز کرتا ہے، معاہدہ امن سے نکل جاتا ہے، اور اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔ اذ طعن الذمی فی دین الاسلام طعنًا ظاهرًا جاز قتله لان العهد معقود معه علی ان لا يطعن فاذا طعن فقد نكث عهده وخرج من الذمة (مدارک) قَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ - یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔ سرداروں کی تصریح اہتمام و خصوصیت و تاکید کے لئے ہے۔ ان کے قتل سے عوام خود بخود یا منتشر اور یا مطیع و منقاد ہونے لگیں گے۔ اے قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمة بالذکر لانهم هم الذین یحرضون الاتباع علی البقاء علی الکفر (بحر) تخصیصهم بالذکر لان قتلهم اهم لا لانه لا یقتل غیرهم (روح) سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کو مدد دی تھی۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔ طعن فی الدین کے سلسلہ میں توریت کا حکم ملاحظہ ہو: "اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا۔ ساری جماعت اُسے سنگسار کریگی خواہ وہ مسافر ہو، خواہ دیسی ہو، جب اُس نے اس کے نام پر کفر کیا تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار۔ ۲۴: ۱۶) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد ہو جائیگا فیه دلالة علی ان اهل العهد متی خالفوا شیئا مما عوهدوا علیه وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العهد (جصاص) ۲۲ وہ یوں کہ تمہاری طرف سے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اور انہوں نے خود ہی چھیڑ نکالی۔ ۲۳ ایمان والوں کو انہی کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ کافروں مردودوں سے ڈرنا ہی کیا۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ - کیا تم ان سے اس لئے ڈرتے ہو کہ یہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ۲۴ (کافروں کی ہزیمت اور تمہاری نصرت سے) يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ - سنّت الٰہی یہ ہے کہ اعداءِ دین کو دنیا میں سزا خادمانِ دین کے ہاتھوں سے دلائی جاتی ہے اور یہ انسان عذابِ الٰہی کے واسطہ یا آلہ کا کام دیتے ہیں۔ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ - اس سے معلوم ہوا کہ اعدائے دین کی مغلوبیت سے خوش ہونا امر طبعی بلکہ امر محمود ہے۔ ۲۵ یہ ذکر ایسے مسلمانوں کا ہے جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور کافروں کے غلبہ پر دل ہی دل میں کُڑھا کرتے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اُمورِ طبعی کاملین میں بھی رہتے ہیں چنانچہ بیانِ صحابہ میں غیظ کا ذکر موجود ہے۔ ۲۶ (چنانچہ اپنے علم کامل سے سب کا حال جان کر اپنی حکمت کاملہ سے سب کے مناسب حال احکام جاری فرمائے) يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ - یعنی اپنی مشیّت تکوینی کے ماتحت جس کو چاہے گا، ایمان کی توفیق دے دے گا۔

ف۱۵ (اور تقویٰ ہی کی ایک اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ہر ترغیب اور موقع کے باوجود انسان اپنے عہد پر قائم رہے) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ ۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں اپنا عہد نہ توڑیں۔ ولم یظہر منہم نکث۔ اے فما اقاموا علی وفاء العہد (مدارک) فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۔ یعنی اپنی طرف سے اُن کی مدتِ عہد پوری کرو۔ ف۱۶ (اور فسق و بدعملی کی ایک فرد عہد شکنی ہے) گویا ان مشرک جاہلیوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا رہے۔ اِلًّا ۔ الّ ۔ کے معنیٰ قرابت وعزیز داری کے ہیں۔ الال علی ما روی عن ابن عباس الرحم والقرابہ والی ذالک ذہب الضحاک (روح) فٰسِقُوْنَ ۔ فاسق تو ہر کافر ہوتا ہی ہے، یہاں مقصود ان کی بد اعمالی خصوصاً عہد شکنی کو

الْمُتَّقِيْنَ ۞۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا
پرہیزگاروں کو ف۱۵ کیسے (ان عہد شکنوں کا عہد قابلِ رعایت رہیگا) جب کہ یہ حال ہے کہ اگر وہ کہیں
فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى
تم پر غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا تمہیں پرچا رہے ہیں،
قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
(صرف) اپنی زبانی باتوں سے اور ان کے دل انکار کئے جارہے ہیں اور زیادہ تر ان میں کے بدعمل ہی ہیں ف۱۶
ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا
انہوں نے آیاتِ الٰہی کے معاوضہ میں بضاعتِ قلیل کو خرید لیا ہے سو یہ لوگ (اللہ) کے راستہ سے ہٹے ہوئے
يَعْمَلُوْنَ ۞۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ
ہیں، بیشک بہت بُرا ہے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ف۱۷ کسی مومن کے باب میں یہ لوگ نہ قرابت کا پاس
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۞۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
کریں اور نہ قول و قرار کا، اور یہ لوگ ہی ہیں زیادتی کرنے والے ف۱۸ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ
کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں ف۱۹ اور ہم
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا
آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں ف۲۰ اور اگر یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے
اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو

نمایاں کرنا ہے۔ اے ناقضون العہد و کل کافر فاسق ولکنہ اراد ہٰہنا المجاہرین بالقبائح ونقض العہد (قرطبی) ف۱۷ یعنی انہوں نے احکامِ الٰہی کی لازوال دولت کے بجائے حاصل کیا تو کیا، اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاعِ ناپایدار! یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لِم بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو اُن کو ہے نہیں، اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔ ف۱۸ (اور اس لئے ہرگز قابلِ اعتماد نہیں) لَا يَرْقُبُوْنَ ۔ الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ مواخذۂ اُخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے جس کے جوہر بلا قیدِ ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور اُس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قول و قرار کا پاس بہر حال کرتا ہے۔ یہ ننگِ انسانیت معاندینِ اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سرے سے تکرار ہی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی بار اس کا ذکر سارے مشرکوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور دوبارہ یہود کے سلسلہ میں، قال النحاس لیس ہٰذا تکریرًا ولکن الاول لجمیع المشرکین والثانی للیہود خاصۃً (قرطبی) ف۱۹ یعنی اگر یہ لوگ عقاید کفر و شرک سے اپنی تبرّی کا اظہار کردیں، اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا کرلیا جائے گا اور دل میں ان کے جو کچھ بھی ہو، بہرحال یہ اسلامی برادری کے جزو سمجھے جائیں گے، اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا۔ اور اب ان کے پچھلے جرائم عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔

یدل علی من اظہر لنا الایمان واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ فعلینا موالاتہ فی الدین علی ظاہر امرہ مع وجود ان یکون اعتقادہ فی المغیب علی خلافہ (جصاص) فَاِنْ تَابُوْا ۔ یعنی اپنے کفر سے توبہ کریں اور احکامِ اسلام پر قائم ہوجائیں۔ اے عن الکفر (مدارک) عما ہم علیہ من الکفر وسائر العظائم کنقض العہد وغیرہ (روح) اے عن الشرک والتزموا احکام الاسلام (قرطبی) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ۔ یعنی اعمالِ ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائے یا ان کی فرضیت کا اقرار کرے۔ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلامی برادری میں شمول کے لئے اور اُمّت کا ایک رُکن بن جانے کے لئے صرف اِس قدر کافی ہے۔ اس سے زاید کے مطالبات کو جزو لازمی سمجھنا محض تعمق و تشدد ہے۔ فِي الدِّيْنِ نے اسے بھی صاف کر دیا کہ یہ اخوت وہمسلکی دین کے لحاظ سے ہوگی، اور فقہاء نے جو بحث کفو کی کی ہے۔ اس کا تعلق تمام تر نسب سے ہے نہ کہ دینی اخوت سے۔ اے لا فی النسب (مدارک) ف۲۰ کہ وہ سوچیں سمجھیں، غور و تدبر سے کام لیں) اے یفہمون فیتفکرون فیہ (مدارک)

المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم و

قتل کرو جہاں کہیں تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو باندھو اور ہر گھات کے موقع پر

احصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فان تابوا

ان کی تاک میں بیٹھو ؁ پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور

واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم ان

نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بڑا

الله غفور رحيم ۝۵ وان احد من المشركين

مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ؁۱۲ اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو

استجارك فاجره حتى يسمع كلم الله ثم ابلغه

اُسے پناہ دیجئے تاکہ وہ کلامِ الٰہی سُن سکے پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ

مامنه ذلك بانهم قوم لا يعلمون ۝۶ كيف

پہنچا دیجئے یہ (حکم مہلت) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے ؁۱۳ (ایسے عہد شکن)

ع

يكون للمشركين عهد عند الله وعند رسوله

مشرکوں کا عہد کیسے اللہ اور اُس کے رسول کے ذمہ واجب رہے گا،

الا الذين عهدتم عند المسجد الحرام فما

مگر ہاں جن لوگوں سے تم نے عہد لیا مسجد حرام کے نزدیک ؁۱۴ سو جب تک یہ لوگ

استقاموا لكم فاستقيموا لهم ان الله يحب

تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے

۱۱؎ غرض یہ کہ جنگ میں جو کچھ ہوتا اور کرنا پڑتا ہے اس کی عام اجازت ہے۔ واقعدوا سے اس کے لفظی معنی مُراد نہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ غنیم کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت احصروھم کے لئے ہے
لیس معناہ حقیقة القعود بل المراد ترقبھم وترصدھم (روح) واحصروھم ای امنعوھم عن الخروج اذا تحصنوا منکم بحصن (من ابن عباس۔ روح) المشرکین۔ عام مشرکین مراد نہیں، بلکہ وہی محارب،
عہد شکن مشرکین مراد ہیں جنہوں نے اُلٹے دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے غداری کی۔ تبین ان المراد بالاٰیة اقتلوا المشرکین الذین یحاربونکم (ابن العربی) ای المشرکین الناکثین (بیضاوی) الذین نقضوکم
وظاھروا علیکم (مدارک) حیث وجدتموھم۔ یعنی خواہ وہ حرم ہی میں ہوں۔ من حل او حرم (مدارک) عام فی کل موضع وخص ابو حنیفة المسجد الحرام (قرطبی) وخذوھم۔ یہ گرفتاری اسی غرض سے ہوگی
کہ یا انہیں قتل کیا جائے یا بہ معاوضہ یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے۔ الاخذ ھو الاسر والاسر انما یکون للقتل او الفداء او المن علی ما یراہ الامام (قرطبی) ۱۲؎ (چنانچہ ایسے ایسے مجرموں
کی بھی معافی کا حکم دے دیا اور ان کی جان بچالی) فان تابوا۔ یہ
توبہ عقاید کفر و شرک سے ہونی چاہیے۔ ای عن الکفر (مدارک) ای
من الشرک (قرطبی) واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة۔ بجنسہٖ
یہی دو عمل مُراد نہیں، یہ دونوں عمل تو بطور نمونہ کے ہیں مراد یہ ہے
کہ مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں۔ فقہائے مفسّرین نے یہ
تصریح بھی کر دی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعةً نماز کا پڑھنا
(جو اپنے وقت ہی پر واجب ہوگی) اور زکوٰة کا دینا (جس کی ادائی سال
بھر گزرنے ہی پر ہوگی) ضروری نہیں، ضروری صرف ان اعمال
کے وجوب کا اعتقاد ہے۔ لا خلاف انھم لو قبلوا امر اللہ فی
فعل الصلوٰة والزکوٰة ولم یکن الوقت وقت صلاة انھم مسلمون
وان دماءھم محظورة فعلمنا ان شرط زوال القتل عنھم ھو قبول
اوامر اللہ والاعتراف بلزومھا دون فعل الصلوٰة والزکوٰة (جصاص)
اکتفی بذکرھما لکونھما رئیسی العبادات البدنیة والمالیة
(روح) فخلوا سبیلھم۔ چنانچہ اب اُن کے لئے حکم قید قتل وغیرہ
کا نہ رہے گا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے
ساتھ مخصوص تھا اسی لئے یہ عدم اخذ و حصر اور ”تخلیہ سبیل“ کا حکم
انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی عام کفار و مشرکین کے لئے بعد جہاد
غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت و مسلّم ہے۔ ۱۳؎ (سب
انہیں پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے) اس
علّیت نے یہ صاف کر دیا کہ مدار حکم مخاطب کی اس بے خبری پر ہے
باقی جہاں اسلام کا پیام عام ہو چکا ہو اور بے خبری و لاعلمی کا کوئی
قرینہ نہ ہو، وہاں یہ وجوب بھی باقی نہ رہے گا۔ من المشرکین۔
یعنی انہی واجب القتل مشرکین میں سے۔ ای من الذین
امرتك بقتالھم (قرطبی) حتّٰی کو یہاں بجائے ”یہاں تک“ کے
”تاکہ“ کے معنی میں لینا اور تعلیلیہ قرار دینا بہتر ہوگا۔ حتّٰی للتعلیل
(روح) یصح ان تکون للتعلیل (بحر) یسمع۔ سماع سے یہاں
مُراد محض سماع آواز نہیں بلکہ فہم و تدبّر کے ساتھ سوچنا سمجھنا مراد
ہے۔ وقد یراد بالسماع الفھم (بحر) ویتدبرہ (مدارک) لیس
یرید مجرد الاصغاء فیحصل العلم له بظاھر القول وانما اراد به فھم المقصود من دلالته علی النبوة (ابن العربی) ای بفھم احکامه واوامرہ ونواھیه (قرطبی) کلام اللہ۔ علاوہ قرآن مجید کے تمام دلائل
دینِ حق کے اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ کان علینا اقامة الحجة وبیان توحید اللہ وصحة نبوة النبی صلعم (جصاص) ویطلع علی حقیقة الامر (مدارک) ثم ابلغه مامنه۔ فقہاء مفسّرین نے اس سے یہ
نکالا ہے کہ حربی امن گزین کو چھیڑا ستایا نہ جائے۔ بلکہ اُس کی حفاظت اپنے ذمہ لی جائے۔ فیه دلیل علی ان المستامن لا یؤذی (مدارک) یدل علی ان علی الامام حفظ ھذا الحربی المستجیر وحیاطته و
منع الناس من تناوله بشر (جصاص) ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔ وفی ھذا دلیل ایضاً علی ان علی الامام حفظ اھل الذمة والمنع من اذیتھم والتخطی الی
ظلمھم (جصاص) یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر حربی کا دار الاسلام میں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا ٹھیک نہیں۔ اُسے چاہیے کہ بس ضرورت بھر قیام کرے اور چلا جائے۔ وفیه الدلالة علی انه لا یجوز
اقرار الحربی فی دار الاسلام مدة طویلة وانه لا یترك فیھا الا بمقدار قضاء حاجته (جصاص) یہ حکم بھی فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ جو کوئی دین کے مسائل ہم سے دریافت کرنا چاہے تو ہم پر اس کا بتانا
واجب ہے۔ فیه الدلالة ایضاً علی ان علینا تعلیم کل من التمس منا تعریفه شیئاً من امور الدین (جصاص) ۱۴؎ (اور اُن سے اُمید ہے کہ وہ عہد کو قائم رکھیں گے) المشرکین سے مُراد
یہاں بھی وہی عہد شکن مشرکین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ المراد من المشرکین الناکثون (روح) کیف یہاں استفہام کے معنی میں نہیں، استنکار کے معنی میں اور اظہار عجب کے لئے ہے۔
استفھام بمعنی الانکار والاستبعاد (کشاف۔ بیضاوی) کیف ھنا للتعجب کما تقول کیف یستبقی فلان ای لا ینبغی ان یستبقی (قرطبی)

ف۳ (کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ یا اُس کی مشیت پر غالب آجاؤ) یہاں پر بتا دیا کہ یہ مہلت تمہاری مصلحت اور تم پر شفقت کے خیال سے ہے۔ یہ نہیں کہ اس میں قادر مطلق کے عجز کو کوئی دخل ہو۔
فَسِیحُوا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ۔ یعنی اس چار مہینہ کی مہلت کے اندر یا تو اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا اس جغرافی مرکز توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کردو۔ عین عتاب کے موقع پر
اسلام اپنے معاندین کی راہ میں کتنی سہولت پیدا کر رہا ہے۔ انہیں مہلت پُورے ۴ مہینہ کی دے رہا ہے۔ یہ چار مہینہ کون سے تھے؟ اس کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ عام چار محترم مہینہ تو
ظاہر ہے کہ رجب، ذی قعدہ، ذی الحجۃ اور محرم ہیں لیکن یہاں بعض علماء سے شوال تا محرم منقول ہیں، اس بنا پر کہ آیت کا زمانۂ نزول زمانۂ شوال ہے۔ وھی شوال وذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم
عند الزھری لان الاٰیۃ نزلت فی الشھر الاول (روح) فَسِیحُوا۔ لفظ کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے ہیں۔ اب خطاب براہِ راست کافروں سے شروع ہوگیا قل محذوف ہے۔ اے سیروا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ مُخْزِی
اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ف۳ بلکہ اللہ ہی کافروں کا رسوا
الْکٰفِرِیْنَ ۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ
کرنے والا ہے ف۴ اور اعلان (کیا جاتا ہے) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے سامنے
یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ
بڑے حج کے دن کہ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے دست بردار
وَرَسُوْلُہٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ
ہیں ف۵ پھر بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ف۶ اور اگر تم روگردانی کئے
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
رہے تو جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ف۷ اور کافروں کو عذاب دردناک
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۳ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ
کی خوشخبری سُنا دیجیے ف۸ مگر ہاں وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر
ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا
انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو
فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ
اُن کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کردو ف۹ بیشک اللہ پرہیزگاروں کو
الْمُتَّقِیْنَ ۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
دوست رکھتا ہے ف۱۰ سو جب حرمت والے مہینے گزر لیں اُس وقت ان مشرکوں کو

ھی السیاحۃ (ابن العربی) وجعر عن الخبر الی الخطاب ای قل لھم سیحوا (قرطبی) ف۴ یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلہ کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی اُلٹا انہیں رسوا کر کے رہے گا۔ اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہرحال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی گا۔ باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔ قال ابن عباس بالقتل فی الدنیا والعذاب فی الاٰخرۃ (کبیر) آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلا دیا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آکر رہیں گے۔ قال الزجاج ھذا ضمان من اللہ عزوجل لنصرۃ المومنین علی الکافرین (کبیر) ف۵ یعنی انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔ اِلَی النَّاسِ۔ یعنی عام خلقت کے سامنے جس میں کافر، مومن، معاہد، غیر معاہد سب آگئے۔ الناس ھھنا جمیع الخلق (قرطبی) مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مشرکین سے سیاق آیت میں مراد وہی مشرکین ہیں جو نقض عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ۔ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں، کوئی مخصوص قسم کا حج مراد نہیں، اکبر کا لفظ صرف حج اصغر یا عمرہ سے تقابل و امتیاز کے لئے ہے۔ ھذا ھو الحج الاکبر لان العمرۃ تسمی الحج الاصغر (کبیر) قال مجاھد الحج الاکبر القران و الحج الاصغر العمرۃ (ابن العربی) قال القاضی اذا نظرنا فی ھذہ الاقوال فالمنقح منھا ان الحج الاکبر الحج کما قال مجاھد (ابن العربی) اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ یہاں مراد ۹ھ ہجری کا یوم الحج ہے جو یوم الحج کی اصطلاح ۹ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے لئے ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں۔ ثبت الحج فی الیوم التاسع من ذی الحجۃ وھو یوم عرفۃ والنحر یوم العاشر منہ (جصاص) قال ابن عباس فی روایۃ عکرمۃ انہ یوم عرفۃ وھو قول عمر وسعید بن المسیب وابن الزبیر وعطاء وطاؤس ومجاھد احدی الروایتین عن علی (کبیر) قیل یوم عرفۃ روی عن عمر وعثمان وابن عباس وطاؤس ومجاھد وھو مذھب ابی حنیفۃ وبہ قال الشافعی (قرطبی) لیکن دوسری روایتیں یوم النحر یا ۱۰ ذی الحجہ کی بابت بھی ہیں۔ یہ اعلان حضرت علیؓ نے تمام قبائل عرب کے روبرو کیا تھا۔
امیر الحج اس سال رسول اللہ صلعم نے اپنے بجائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مقرر کیا تھا۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ۔ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اختیار تو اُمت کو حاصل
رہتا ہے لیکن اس خاص موقع پر اس کا فسخ کرنا واجب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا انتساب مسلمانوں کی جانب نہیں بلکہ خود اللہ اور رسول کی جانب کیا جا رہا ہے۔ ف۶ یعنی تمہاری
عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجاتِ اُخروی تو توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کے بعد ظاہر ہی ہے۔ فَاِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی اگر اپنے عقاید کفر و شرک سے اب
بھی توبہ کر لو۔ ای عن الشرک (قرطبی) ف۷ (کہ اس کے قبضۂ قدرت سے کہیں نکل بھاگو) فانہ محیط بکم و منزل عقابہ علیکم (قرطبی) ف۸ اِس عذاب سے مُراد عذاب آخرت
ہے۔ ف۹ (اور اپنی طرف سے ذرا عہد شکنی نہ ہونے دو) لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا۔ یعنی اپنی طرف سے اُس عہد کے نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ وَلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے، تو وہ ناقض عہد ہو گیا۔ یدل علی ان المعاھد متی عاون علینا عدوا لنا فقد نقض عھدہ (جصاص)
ف۱۰ (اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفاء عہد بھی ہے)۔

۱۱۴ (جنت میں) آخرت میں کامیاب ترین لوگ یہی تو ہوں گے جو دنیا میں سارے مراتبِ ایمان بجا لے آئے۔ اَلَّذِیْنَ .... فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی طبقۂ مہاجرین جنھوں نے ایمان، ہجرت و جہاد کا حق ادا کر دیا۔ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا یعنی گروہ انصار جنھوں نے نصرتِ مہاجرین کا حق ادا کر دیا۔ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ یعنی ایمان میں کامل، سارے مراتبِ ایمان کے طے کر جانے والے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ۔ مغفرۃ کا صیغۂ نکرہ اس پر دال ہے کہ مغفرت اپنے پورے کمال پر ہوگی۔ وتنکیر لفظ المغفرۃ یدل علی الکمال والمعنی لهم مغفرة تامة كاملة عن جميع الذنوب السيات (کبیر)

۱۱۵ (بہ اعتبار احکام شرعی کے) مہاجرین سابقین اور مہاجرین مابعد میں بہ اعتبار فضل و مرتبہ جو کچھ بھی فرق ہو، بہ اعتبار احکام شرعی سب برابر ہیں۔ ۱۱۶ یعنی مہاجرین مابعد میں جو لوگ آپس میں یا ان مہاجرین سابق کے قرابت دار ہوں وہی حقدار میراث کے ہیں نہ کہ غیر قرابت دار خواہ فضل و مرتبہ میں یہ غیر قرابت دار ہی بڑھے ہوئے ہوں۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ اس قرابت کا تعلق آپس سے ہے یا مہاجرین سابق سے ہے۔ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یعنی حکم شرعی میں۔ ای فی حکمه وقسمته (کشاف) ای فی حکمه او فی اللوح المحفوظ (روح) یہ حکم فتح مکہ کے بعد سے باقی نہیں رہا۔ اب میت کا وارث مسلمان عزیز ہی ہوگا خواہ وہ کہیں ہو۔

۱۱۷ (اور اسی نے ہر وقت کے مناسب احکام دیئے ہیں اور احکام میراث وغیرہ میں ہر ایک کی مصلحت کا پورا لحاظ رکھ لیا ہے)

۱ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے صرف یہی ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے وقت جب قرآن اپنی بالکل آخری شکل میں مرتب ہونے لگا تو اس سورت کے باب میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا یہ مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء۔ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بسم اللہ کی تصریح رسول اللہ صلعم سے پائی نہ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ فیصلہ کر کے دونوں احتمالات کی رعایت کر لی کہ اسے لکھا تو جائے بہ حیثیت مستقل سورت کے البتہ اس کے اور اس کے ماقبل کے درمیان فصل بہ صورت بسم اللہ نہ چھوڑا جائے۔ فقیہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ فیصلہ خود اس کی دلیل ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں قیاس شرعی ایک مستقل حجت ہے۔ چنانچہ انھوں نے سورۂ براءۃ کے مضمون کو سورۂ انفال سے مشابہ پا کر ایک کو دوسرے سے ملحق کر دیا۔ اور جب خود تدوین قرآن میں قیاس شرعی سے کام لیا گیا تو دوسرے مسائل کا ذکر ہی کیا۔ هذا دليل على ان القياس اصل فی الدين الاترى الى عثمان واعيان الصحابة كيف لجئوا الى قياس الشبه عند عدم النص رأوا ان قصة براءة شبيهة بقصة الانفال فالحقوها بها فاذا كان الله تعالى قد بين دخول القياس فی تاليف القرآن فما ظنك بسائر الاحكام (قرطبی) "اور یہ جو حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں، بہ طور نکتہ کے ایک حکمت ہے" (تھانوی)

كَبِيْرٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت (بھی) کی اور جہاد (بھی) کیا اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ

راہ میں اور جن لوگوں نے (انہیں) رہنے کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، سو یہی لوگ تو ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۵﴾

پورے پورے مومن، ان کے لئے مغفرت اور معزز روزی ہے ۱۱۴ اور

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت (بھی) کی اور جہاد بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کر کیا

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

سو یہ لوگ بھی تمہی میں شامل ہیں ۱۱۵ اور (ان میں کے) قرابتدار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار

بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

ہیں ۱۱۶ کتاب اللہ کے نوشتہ میں بیشک اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے ۱۱۷

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ توبہ مدنی ہے۔ اس میں ۱۲۹ آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں ۱

بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے جن سے تم نے عہد

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴿۱﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

کر رکھا تھا ۲ سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ چل پھر لو

الربع ع ۱۰/۶

اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار ومن غضب الجبار العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہلِ عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورۂ براءۃ میں بھی چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے اس لئے اس میں بھی مذاقِ عرب کی رعایت رکھی گئی اور حضرت علیؓ نے جب اسے پڑھ کر سنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ قیل كان من شان العرب فی زمانها فی الجاهلية اذا كان بينهم وبين قوم عهد واراد وا نقضه كتبوا اليهم كتبا ولم يكتبوا فيه بسملة فلما نزلت سورة براءة بنقض العهد الذی كان بين النبی صلعم والمشركين بعث بها النبی صلعم عليا فقرأها عليهم فی الموسم ولم يبسمل فی ذلك على ما جرت عادتهم فی نقض العهد من ترك البسملة (قرطبی)

۲ (بلا تعیین مدت) مسلمانوں نے مشرک قبائل عرب سے معاہدے کر رکھے تھے بعض سے میعاد معین کے لئے بعض سے غیر میعادی یہاں انھی آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہو رہا ہے۔ بَرَاۗءَةٌ کے معنی ترک موالات و رفع امان کے ہیں۔ البراءة هی قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامان (جصاص) معنی البراءة انقطاع العصمة (کبیر) مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدہ ختم۔ بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ براءۃ کی تنوین تفخیم کے لئے ہے یعنی کامل انقطاع۔ مکمل دستبرداری۔ التنوين للتفخيم (روح) اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ صیغۂ جمع۔ حالانکہ معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ صلعم تھے اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت آمر و حاکم آپؐ کا فعل حکماً ساری اُمت کا فعل تھا۔ ولم يعاهدهم الا النبی صلعم وحده ولكنه كان الآمر والحاكم وكل ما امر به او احكمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربی) يعنی الى الذين عاهدهم رسول الله صلعم لانه كان المتولی للعهود واصحابه كلهم بذلك راضون وكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبی)

۱۰۵ (اور اُن کی خیانت کو چلنے نہ دیا) مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی نیت خالص نہ بھی ہو، اور اُن کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو، جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے۔ اللہ اُن کی چالاکی چلنے نہ دے گا۔ اور انہیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرادے گا جیساکہ اس کے قبل جنگِ بدر میں کر چکا ہے۔ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ ۔ یعنی یہ اگر دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہار اسلام سے آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ خیانۃ کا لفظ وسیع ہے۔ ہر قسم کی چالاکی اس کے تحت میں داخل ہے۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ۔ اور آپ کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آچکے ہیں۔ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ یعنی اللہ نے انہیں آپ کے قابو میں دے دیا۔ مثلاً معرکۂ بدر میں۔ اے اقدرك علیھم حسما رایت فی البدر (مدح) ۱۰۶ چنانچہ وہ خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور کوئی نہ کوئی تدبیر بھی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں۔ ۱۰۷ یہ صفات مہاجرین کے بیان ہوئے۔ یہ وہ مکہ والے تھے کہ پہلے تو اپنی قوم کی مخالفت کی پروا نہ کر کے اور ہر قسم کے خطرے مول لے کر ایمان

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ
خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو یہ اس کے قبل اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں پھر اُس نے انہیں
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا
گرفتار کرا دیا ۱۰۵ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۰۶ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی
وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں ۱۰۷ اور
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ
جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں ۱۰۸ اور جو لوگ
اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ
حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ
ہجرت نہ کریں ۱۰۹ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد
النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ
کرنا ۱۱۰ بجز اس کے کہ اُس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۱۱۱ اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث
بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ
ہیں ۱۱۲ اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا ۱۱۳

لائے۔ پھر ترکِ وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفاتِ وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے۔ پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامانِ جہاد درست کیا۔ پھر اپنی جانوں کو معرکۂ قتال میں پیش کر دیا۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ کی قید بڑی اہم اور لازمی ہے ——— وطن و قوم کے پرستاروں کو ان مہاجرین فی سبیل اللہ کے درجہ میں گننا اپنی قرآن فہمی پر شدید ظلم کرنا ہے۔ ۱۰۸ (جب تک کوئی مستقل قانون وراثت نازل نہیں ہوتا) قانونِ وراثت (سورۃ النساء میں) نازل ہونے کے بعد یہ عارضی انتظام خود بخود ختم ہو گیا۔ اور اسی کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔ ثم نسخ اللہ ذٰلك بفتح مكة والميراث بالقرابة سواء كان الوارث في دار الحرب او في دار الاسلام لسقوط اعتبار الهجرة بالسنة (ابن عربی) عن ابن عباس قال كان المهاجر لا يتولى الاعرابي ولا يرثه وهو مومن ولا يرث الاعرابي المهاجر فنسختها واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض (جصاص) وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا ۔ یہ مدح انصار مدینہ کی ہو رہی ہے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح انہیں آسائش پہنچا پہنچا کر پردیس اُن کے لئے دیس بنا دیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۔ ولایت سے یہاں مراد وراثت میں حصہ ہے۔ فی هذا دلالة على ان اطلاق لفظ الموالاة يوجب التوارث (جصاص) نقل الواحدی عن ابن عباس والمفسرين كلهم ان المراد هو الولاية في الميراث (كبير) في الميراث على ما هو المروي عن ابن عباس والحسن ومجاهد و السدي وقتادة (مع) ۱۰۹ آغازِ اسلام میں ہجرت لوازمِ ایمان میں سے تھی۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ یعنی نہ تم اُن کے مال کے وارث اور نہ وہ تمہارے مال کے۔ قال ابن عباس و مجاهد وقتادة ذٰلك في الميراث (بحر) معناه نفي الموالاة في التوارث (بحر) حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۔ چنانچہ جب انہوں نے ہجرت کر لی تو وہ بھی مہاجرین میں داخل ہو گئے۔ ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دار الکفر سے ہجرت کر جانا ہمیشہ اولیٰ اور موجب اجرِ عظیم ہے۔ وقد كانت الهجرة فرضا حين هاجر النبي صلعم الى ان فتح النبي صلعم مكة (جصاص) ۱۱۰ اِسْتَنْصَرُوْكُمْ کے فاعل غیر مہاجرین ہیں، یعنی دین کے باب میں یا قتالِ کفار میں یہ غیر مہاجرین بھی جب اور جس طرح مدد مانگیں تمہیں دینا واجب ہے۔ ۱۱۱ جب ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد طلب کی جائے کہ ان میں اور مہاجرین میں باہم عہد و پیمان ہے تو بقاءِ عہد تک مدد نہ دی جائے گی، البتہ عہد کو ختم کر کے مدد جائز ہے۔ باقی یہ کہ خود ایسا عہد توڑنا کب واجب ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ و احکام میں ملے گی۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ اللہ کے عالمِ کل اور بصیرِ مطلق ہونے کا استحضار تمہیں ہر نقضِ عہد، ہر بے احتیاطی سے روکے گا۔ ۱۱۲ (اور تم نہ اُن کے وارث، نہ وہ تمہارے وارث) دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں بڑھ کر اور اہم تر ہے۔ ولایۃ کے معنی اس بیان میں وراثت کے نہیں، بلکہ اشتراکِ عداوتِ اسلام کے ہیں کہ یہود اور نصرانی اور مشرکین قریش گو آپس میں شدید دشمن تھے، لیکن رسول اللہ صلعم کی عداوت میں سب ایک ہو گئے۔ الحق ان يقال ان كفار قريش كانوا في غاية العداوة لليهود فلما ظهرت دعوة محمد صلعم تناصروا وتعاونوا على ايذائه ومحاربته فكان المراد من الاية ذٰلك (كبير) ۱۱۳ (کیونکہ باہمی توارث سے سب ایک ہی جماعت سمجھی جائے گی اور ایک مستقل و علیحدہ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت و شوکت حاصل نہ ہوگی) اِلَّا تَفْعَلُوْهُ ۔ یعنی اگر اس حکم عدم توارث پر عمل نہ کیا اور باوجود تخالفِ دین محض قرابت کی بنا پر مومن و کافر میں علاقۂ توارث قائم رکھا۔ اے الا تفعلوا ما امرتكم به من تواصل المسلمين وتولي بعضهم بعضا (كشاف) اى تولى المسلمين وقطع الكفار (جلالين) يعنى ان لا تفعلوا ما امرتم به في هاتين الآيتين من ايجاب الموالاة والتناصر والتوارث بالاخوة والهجرة ومن قطعها بترك الهجرة (جصاص) تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۔ شوکت و قوت اسلام کا ضعیف ہونا ہی فتنہ و فساد عالم کا سرمایہ ہے۔

۹۹ؑ (تو مدار نصرت وتائید غیبی کا بھی صبر وثابت قدمی پر ہی) بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ کی قید نے صاف صاف بتادیا کہ یہ غلبہ وکامیابی خود بخود مشین کی طرح نہ حاصل ہوجائے گی بلکہ تمام تر اذنِ الٰہی ہی کے طفیل
میں ہوگی، اور یہیں سے یہ پہلو بھی نکل آیا کہ اگر کسی موقع پر حکمت الٰہی اس اذن کی مقتضی نہ ہوئی تو نصرت وغلبہ بھی نہ ہوگا۔ اسی قید سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نظر اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ
مسبّب حقیقی پر رکھنی چاہیئے۔ ۱۰۰ؑ وہ جب اور جس کو چاہے کافروں پر غالب اور فتوحات سے مالا مال کردے اور جب اور جس کے لئے چاہے کسی حکمت کے تقاضہ سے اس نتیجہ میں تاخیر کردے۔ آیت
کا پس منظر یہ ہے کہ معرکۂ بدر کے بعد غنیم کے ۷۰ آدمی گرفتار ہوکر آئے۔ سپہ سالارِ اعظمؐ نے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، اکثر اہلِ شوریٰ کی رائے ہوئی کہ اس وقت اُمت کو بڑی ضرورت روپیہ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى
ساتھ ہے ۹۹ؑ، نبی کی شان کے لایق نہیں کہ اُس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ
حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ
زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلے تم لوگ دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو،
وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا
اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۰۰ؑ اگر اللہ
كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ
ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اُسکے بارہ میں تم پر کوئی سخت سزا
عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا
نازل ہوتی ۱۰۱ؑ سو جو کچھ تم نے اُن سے لیا ہے اُس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ
ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۰۲ؑ اے نبیؐ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے
لِّمَنْ فِىْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ
جو آپکے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو تمہارے قلب میں
قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ
نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا ۱۰۳ؑ
يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا
اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۰۴ؑ اور اگر یہ آپ سے

ع ۵/۵

کی ہے اور مصالحِ ملّت کا تقاضا ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے خود آپؐ بھی اپنی خلقی رحمدلی کے مقتضا سے اسی طرف مائل ہورہے تھے۔ چنانچہ چند تو قتل کئے گئے اور باقی فدیہ لے کر بلکہ ایک تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیئے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ۔ اثخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنیٰ پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شے اس اثخان یا خونریزی کی غایت ومقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کٹنا ہے تو مطلب یہ ہُوا کہ پیمبر کو قتل وقتال اُس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیخکنی نہ ہو جائے۔ الیٰ ان یعز الاسلام بذل الکفر واھلہ (تھانوی) یعنی حتی یذل الکفر باشاعۃ القتل فی اھلہ ویعز الاسلام بالاستیلاء والقھر (مدارک) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ بندے لاکھ صالح ومتقی سہی بہرحال ان کی نظر سطحی اور محدود ہی ہوگی۔ یہ تو صرف خدائی حکمت تھی جسے منظور یہ تھا کہ دشمنانِ توحید بالکل مقہور ومغلوب ہوجائیں ان کا زور ہر طرح ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی کے ساتھ جوق جوق مسلمان ہونے لگیں۔ توریت کا قانون ایسے موقع پر یعنی جب غنیم کے شہر پر قبضہ ہوجائے تو حسب ذیل ہے:۔ ”جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کردیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کا سارا لُوٹ اپنے لئے لے“ (استثناء ۲۰: ۱۳، ۱۴) ”انہوں نے بارہ ہزار مرد بہادر روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ عاد کے باشندوں کو جاکے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کا تم کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور عورتوں کو جو مرد سے ہمبستر ہوئی ہوں ہلاک کردینا“ (قاضیون ۲۱: ۱۱) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خطائے اجتہادی جب نبی معصومؐ تک کے لئے جائز ہے تو شیوخ غیر معصوم کے متعلق امتناعِ خطا کا اعتقاد کس درجہ غلوئے قبیح ہے۔ ۱۰۱ؑ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ خطائے اجتہادی پر سزا نہیں ہے تو اگر یہ قانون میں بتایا پہلے سے
موجود نہ ہوتا تو مسلمانوں کی یہ غلطی بھی تو سخت مواخذہ اور سزا کے قابل۔ ان لا یعذب احدًا علی العمل بالاجتھاد وکان ھٰذا اجتھادًا منھم (مدارک) وھو ان لا یعاقب المخطی فی اجتھادہٖ
(بیضاوی) ۱۰۲ؑ چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے اُس نے تمہاری یہ خطا معاف کردی۔ اس پر کچھ گرفت نہ کی۔ اور شانِ رحمت کے تقاضہ سے زر فدیہ کو تمہارے لئے حلال وطیب بھی قرار دیدیا
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ یعنی جو کچھ فدیہ ان کافروں سے وصول ہوگیا ہے اُس کے جائز وپاک ہونے میں شک وشبہہ نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا اقتضاء یہ ہے کہ آیندہ ہر طرح
کی احتیاط زیادہ رکھوگے۔ ۱۰۳ؑ (اسی دنیا میں) حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ مجھے معرکۂ بدر کے بعد فدیہ میں ۲۰ اوقیہ دینے پڑے تھے (اور اوقیہ ۴۰ درہم یعنی تقریباً ۱۰ؑ کا ہوتا ہے گویا
۲۰ اوقیہ تقریباً ۲۰۰ؑ کے برابر ہوئے) اور آج میرے پاس غلام بھی ۲۰ ہیں اور ہر غلام مالدار ہے پس دنیا میں وعدۂ الٰہی کا ظہور تو یوں نمایاں طور پر ہوگیا۔ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا۔ اس سے مراد ایمان ہے۔
ای خلوص ایمان وصحۃ نیۃ (مدارک) ایمانًا واخلاصًا (بیضاوی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ طاعت سے دنیا وآخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی
صورت میں یا مقاماتِ باطنی کی صورت میں۔ ۱۰۴ؑ (اور ان صفات کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) آیت کے پہلے ٹکڑے میں ذکر دنیوی انعام کا ہے اور اس ٹکڑے میں اُخروی انعام کا۔

بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ
قلوب میں اتحاد نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کر دیا بیشک وہ بڑا قدرت والا
حَكِيْمٌ ۝٦٣ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ
بڑا حکمت والا ہے ۹۴ اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنہوں نے آپ کا
ع ٤
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٦٤ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ
اتباع کیا ہے ۹۵ اے نبی مومنین کو قتال پر
عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ
آمادہ کیجیے ۹۶ اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو
يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا
دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار
مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝٦٥ اَلْئٰنَ
کافروں پر غالب آجائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ۹۷ اب اللہ نے
خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ
تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے ۹۸ سو اب اگر تم میں سے
مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ
سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے
مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ
ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے

۹۴ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے اور جس طریق مناسب سے چاہے اپنی حکمت سے کر دکھائے۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۔ یہ اللہ کی کریمی اور کارسازی تھی کہ مسلمانوں سے نسلی، قبائلی، لسانی تفرقوں کو نہیں مٹا کر سب نصرتِ دین پر متحد و یکجا ہو گئے۔ بغیر اس یکجہتی کے نصرتِ دین پوری طرح پر ممکن ہی نہ تھی ـــــ اللہ کا خاص موقع احسان پر اس نعمتِ اتحاد کو یاد دلانا دلیل ہے اس کی کہ یہ نعمت کتنی اہم و عظیم الشان ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۔ یعنی باوجود اس کے کہ آپ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر صاحبِ حکمت صاحبِ تدبیر ہیں، آپ تک سارے ممکن مالی ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اس نعمتِ اتحاد و اتفاق پر قادر نہ ہو پاتے ـــــ یہ تو محض فضلِ خداوندی کا کرشمہ ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قلب میں کسی صفتِ محمود کا پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں۔ ۹۵ مرتبہ حقیقی میں صرف اللہ اور درجہ ظاہری میں تو متبعین بھی۔ ۹۶ (خواہ وہ طبعاً آمادہ ہوں یا نہ ہوں) حَرِّضْ کے لفظ سے اشارہ ادھر ہو رہا ہے کہ مسلمان سب کے سب اور ہر وقت آمادۂ قتال و جنگجو نہ تھے جیسا کہ مسیحی مصنفین نے ایک الزام تراش رکھا ہے، بلکہ انہیں قتال پر آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اَلْقِتَال ۔ واضح رہے کہ قرآن و شریعت نے اسلامی غزوات و جہاد کو قتال ہی سے تعبیر کیا ہے اور حرب کا لفظ جس کے ساتھ کید و خدع کی یادیں وابستہ ہیں، کافروں کی جنگ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ ۹۷ (اور چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لئے کفر پر مصر ہیں اور اس لئے امدادِ غیبی سے محروم ہیں اور بہ آسانی مغلوب ہو جاتے ہیں) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا اعداد کی نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنے لشکر کے مقابلہ میں بھی پسپا نہ ہو۔ اِنْ يَّكُنْ سے دونوں جملے جو شروع ہوئے ہیں ان سے مراد یہاں کوئی خبر دینا یا پیشگوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت و قائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو۔ قرار واجب ہے اور فرار حرام ـــــ عربی زبان اور بلاغتِ قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ زور و تاکید کے موقع پر حکم وجوبی کو خبر کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ وان کان لفظہ لفظ الخبر فمعناہ الامر (جصاص) لیس المراد منہ الخبر بل المراد الامر (کبیر) شرط فی معنی الامر (بحر) قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ فتح و غلبہ میں بڑا دخل اعتقادِ صحیح و ثباتِ قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ عِشْرُوْنَ ۔۔ مِائَتَيْنِ ۔ مِائَةٌ ۔ اَلْفًا ۔ بعض اہلِ تفسیر نے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ بجائے محض دس گنا کہنے کے یہاں جو متعین بڑے بڑے اعداد ارشاد ہوتے ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ امرِ جہاد موقوف ہے جماعت و فوج پر، یہ نہیں کہ ایک ایک، دو دو آدمی بھی جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ ۹۸ (یہ جوش طبعی طور پر سرد پڑ ہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہو جاتی ہے) اَلْئٰنَ یعنی ایک مدت کے بعد۔ پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان ایک خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔ خَفَّفَ ۔ کے لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اوپر بیان ہو چکا صرف مشقت تم پر سے گھٹا دی گئی۔ یعنی اب اگر تم متحمل نہ ہو سکو اور نہ اڑ سکو تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔ ضَعْفًا ۔ سے یہاں قوائے جسمانی کی کمی مراد نہیں بلکہ جوش و ہمت کی کمی مراد ہے۔ لم یرد بہ ضعف القوی والابدان وانما المراد ضعف النیۃ لمحاربۃ المشرکین (جصاص) قال اُخلیل الضعف فی العقل والرای (راغب)

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ
اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور پلے ہوئے
الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ
گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رُعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر ۸۹
مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا
اور انکے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے ۹۰ اور جو کچھ
تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ
بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پُورا پُورا دے دے گا اور
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ
تمہارے لئے ذرا بھی کمی نہ ہوگی ۹۱ اور اگر وہ جھکیں صُلح کی طرف تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱
بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے بیشک وہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۹۲
وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ
اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے آپ کو
الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ
اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی ۹۳ اور اس نے ان کے قلوب میں
قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ
اتفاق پیدا کر دیا اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے

۸۹ (اور اس دشمنی کی علت ان لوگوں کا کفر ہے)، آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے۔ وہ یہ کہ اہلِ کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے، تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں۔ مِنْ قُوَّةٍ قوۃ کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آگیا، یہاں تک کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی، وقد روی فی القوۃ انہ الرمی (جصاص) عموم اللفظ شامل لجمیع ما یستعان بہ علی العدو من سائر انواع السلاح و آلات الحرب (جصاص عن الحکم بن عمیر قال امر رسول اللہ صلعم ان لا نحفی الاظفار فی الجہاد وقال ان القوۃ فی الاظفار وھذا یدل علی ان جمیع ما یقوی علی العدو فھو مامور باستعدادہ (جصاص) اعم من کل ما یتقوی بہ فی الحرب کائنا ما کان (روح) صاحب رُوح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، طیارہ، اور ٹینک اور جیپ اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام لکھ جاتے رِبَاطِ الْخَيْلِ۔ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے، موجودہ جنگوں میں سوار فوج کی اہمیت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ و ضمیمہ، ۹۰ یہاں اشارۃً یہ بتا دیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمہارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمہارے علم میں نہیں لیکن مگر اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی اُن سے بھی تمہاری مڈبھیڑ ہوگی۔ اس میں ایران کے مجوسی اور روم کی مسیحی قومیں تو آہی گئیں، جن سے آگے چل کر حضرات صحابہ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالف قومیں آسکتی ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب و سیاست بتائی گئی ہیں اُن سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے بڑے کمالاتِ باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی و ناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔ ۹۱ نفس کو مال خرچ کرنے میں بڑی تنگی اسی خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں حاصل کچھ نہ ہوگا۔ یہاں اسی خیال کی جڑ کاٹ دی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کھوئیں گے کچھ بھی نہیں بلکہ سب وہاں پر حاصل کر لیں گے اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔ ۹۲ اس میں تعلیم اس کی آگئی کہ احکامِ خداوندی کے ماتحت ظاہری تدابیر اختیار کرتے رہیے اور مخالفوں کو جھکتے ہوئے دیکھیے تو آپ بھی صلح کے مجاز ہیں۔ لیکن اصل اعتماد اللہ ہی پر رکھیے، اس کا ہر حکم مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ وہی بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی باطن کو بھی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا۔ مُراد ظاہر ہے کہ کفار معاندین ہیں۔ فَاجْنَحْ لَهَا ضمیر مؤنث السلم کی جانب ہے۔ سلم مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔ السلم یذکر و یؤنث (ابو البقاء) یذکر و یؤنث (لسان۔ تاج) فَاجْنَحْ لَهَا۔ یہ حکم نہیں ہے صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے۔ صح ان الامر فی من تقبل منھم الجزیۃ علی ما یری فیہ الامام صلاح الاسلام و اھلہ من حرب او سلم ولیس بحتم ان یقاتلوا ابدا او یجابوا الی الھدنۃ ابدا (ابن جریر) و عقد الصلح لیس بلازم للمسلمین وانما ھو جائز باتفاقھم اجمعین (ابن العربی) ۹۳ (اور جس طرح اس نے یہ ماضی میں کیا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہے) اَنْ يَّخْدَعُوْكَ یعنی اسی صلح و مصالحت کی آڑ میں وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔ یہ محض اتفاق نہیں، اتفاق سے کچھ زائد ہی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد کسی موقع پر بھی رسُول اللہ صلعم کے مقابلہ میں کید و خدع سے کامیابی ثابت نہیں۔ بِنَصْرِهٖ کوئی خاص نصرت غیبی مثلاً نزولِ ملائکہ۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ دین کی ظاہری نصرت ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔

۵۸۴ عذاب جن جن کو بھی آیا، کفر و نافرمانی کی پاداش ہی میں آیا۔ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یہ تشبیہ تغیر نعمت کے لحاظ سے ہے۔ یہ امر سب میں مشترک رہا۔ ۵۸۵ اشارہ خاص یہود بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہ معاہدہ کرتے کہ ہم آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے، اور پھر جاکر انہی کے شریک ہو جاتے۔

قال ابن عباس هم قريظة (کبیر) شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کافر تو سب ہی اللہ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنہوں نے کفر پر بدعہدی کا اضافہ کرلیا۔ بيّن تعالیٰ أنّ من جمع بين الكفر الدائم وبين نقض العهد على هذا الوجه كان شر الدواب (کبیر) مِنْهُمْ میں من تبعیض کے لئے ہے کہ معاہدہ ان کے سرداروں اور اشراف ہی سے ہوتے تھے۔ ومن للتبعيض لان العهد انما كان يجرى مع اشرافهم (قرطبی) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی نہ ان کے دلوں میں خوف خدا ہے اور نہ یہ انجام کار سے ڈرتے ہیں۔ ۵۸۶ (کہ عہد شکنی کا انجام یہی ہوتا ہے) لعلهم يتعظون (کشاف) حتى لا يجسر عليك احد بعدهم اعتبارا بهم واتعاظا بحالهم (کشاف) تَثْقَفَنَّهُمْ۔ یعنی آپ ان پر قابو پاجائیں۔ فاما تصادفنهم وتظفرن بهم (کشاف) قال الليث يقال ثقفنا فلانا فی موضع كذا اى اخذناه وظفرنا به (کبیر) فَشَرِّدْ بِهِمْ۔ یعنی ان کے واسطہ سے، انہیں نمونہ بناکر انہیں پارہ پارہ کردے۔ التشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب والتشريد فی اللغة التبديد والتفريق (قرطبی) مَّنْ خَلْفَهُمْ۔ خلف یہاں علاوہ کے معنی میں ہے اور مَنْ الذی کے مرادف ہے۔ اى من وراءهم (کشاف) من بمعنى الذى (قرطبی) ۵۸۷ قرآن مجید کی اس قسم کی آیتیں عربی اسلوب بیان کے مطابق ہیں، اردو ادب میں ایسے موقع پر کہا جائیگا کہ اللہ خائنوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً۔ یعنی اس قوم نے ابھی بدعہدی عملاً کی نہ ہو لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہو رہا ہو کہ وہ بدعہدی کرنے پر ہے۔ اى اذا ظهرت آثار الخيانة وثبتت دلائلها (قرطبی) فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یعنی اسی طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع اس فریق کو کردیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ امر واجب نہیں، تخییری ہے۔ اور امام کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یہ اعلان استرداد معاہدہ کی تاکید اس لئے ہے کہ کہیں مخالفین نقض عہد کی ابتدا مسلمانوں کے سر نہ ڈال دیں۔ لئلا يتوهموا انك نقضت العهد بنصب الحرب (جصاص) ۵۸۸ یعنی یہ کہ اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائیں۔

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور اُن لوگوں کی سی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کردیا اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کردیا اور (وہ) سب

ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

(کے سب) ظالم تھے ۵۸۴ بیشک بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں سو وہ

فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

ایمان تو لانے کے نہیں جن سے آپ (بار بار) عہد لے چکے ہیں پھر بھی اپنا عہد

یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ۵۸۵

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

سو اگر آپ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کے ذریعہ سے ان لوگوں کو منتشر کردیں جو انکے

لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً

علاوہ ہیں، تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں ۵۸۶ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد)

فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىِٕنِیْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۷/۱۰ ۲

ان کی طرف اسی طرح واپس کردیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۵۸۷

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے ۵۸۸

۵۷۸ (وہ اپنے مومنین متوکلین کو ہر حال میں غلبہ دلاسکتا ہے اور جب نہیں دلاتا تو یہ بھی کسی خاص حکمت ومصلحت ہی کے ماتحت ہوتا ہے) ۵۷۹ یعنی یہ تکلیفیں تو صرف نزع و سکرات کی ہیں۔ ابھی کیا ہے ابھی آگے چل کر عذابِ جہنم کو برداشت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع وسکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنانِ دین کے لئے ہیں۔ مطلق موت کا جہاں ذکر ہے وہاں الفاظ "غمرات" یا "سکرۃ" وغیرہ ایسے رکھے ہیں جن کا مفہوم لازمی طور پر تکلیف ہی کا نہیں بلکہ مطلق غفلت، غشی اور بے ہوشی کو شامل ہے۔ متکلمین نے آیت سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ انسان جس شے کا نام ہے وہ اس جسم سے الگ ہے اور اس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے۔ قال الواحدی

فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۴۹) وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ
کرتا ہے، سو اللہ (بڑا) زبردست ہے (بڑا) حکمت والا ہے ۵۷۸، اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان) کافروں کی

كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ
جان قبض کرتے جاتے ہوں، مارے جاتے ہوں اُن کے مُنہ پر اور اُن کی پشتوں پر اور (کہتے جاتے ہوں

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۵۰) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ
کہ اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو ۵۷۹ یہ (عذاب) اُس کے پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۵۱) كَدَاْبِ اٰلِ
ہاتھوں نے سمیٹا ہے اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں ۵۸۰ اُن کی حالت ایسی ہی ہے جیسے

فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فرعون والوں کی اور اُن لوگوں کی تھی جو اُن سے قبل تھے (کہ) انہوں نے آیاتِ الٰہی سے کفر کیا

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ
سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا ان کے (ان) گناہوں پر، بیشک اللہ بڑی قوت والا ہے، سخت سزا دینے

الْعِقَابِ (۵۲) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً
والا ہے ۵۸۱ یہ (سب) اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر

اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَ
کر چکا ہو نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اُس کو نہ بدل دیں، جو کچھ اُن کے پاس ہے ۵۸۲، اور

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۵۳) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ
بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۵۸۳، اُن کی حالت فرعون والوں کی سی ہے

هٰذا يدل على ان الانسان شئ مغائر لهٰذا الجسد (کبیر) يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ سے امام رازیؒ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو اُدھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اس طرح اُس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔ فيه معنى اٰخر الطف منه وهو ان روح الكافر اذا خرج من جسده فهو معرض عن عالم الدنيا مقبل على الاٰخرة وهو لكفره لا يشاهد فى عالم الاٰخرة الا الظلمات فبسبب مفارقته لعالم الدنيا تحصل له الاٰلام بعد الاٰلام وبسبب اقباله على الاٰخرة مع عدم النور والمعرفة ينتقل من ظلمات الى ظلمات فهاتان الجهتان هما المراد من قوله يضربون وجوههم وادبارهم ۵۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے حق میں گمان کر رکھا ہے) بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ تصریح کر دی ہے کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا کفر کے پاداش ہی میں ہوگا، خواہ مخواہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تصریح مشرک قوموں کی اُن خام خیالیوں کی تردید میں ضروری تھی جو وہ اپنے معبودوں کے جبّار و ظلّام ہونے کے متعلق قائم کئے ہوئے تھے۔ ۵۸۱ (جس کی گرفت سے ان لوگوں کو کوئی بھی مادّی قوت و تدبیر نہ بچاسکی) خدائے اسلام جس طرح ظالم و جابر نہیں اسی طرح مشرکوں کے بعض دیوتاؤں کی طرح عضوِ معطل اور بے دست و پا بھی نہیں، کہ سب کچھ دیکھے اور محض دیکھتا رہ جائے، اُس کی گرفت بھی اُس کے مرتبۂ عظمت وحُرمت کے لحاظ سے شدید و بے پناہ ہوتی ہے۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ یہ تشبیہ کفر و عناد مسلسل پر معذب ہونے میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر و مشرک قومیں مُراد ہیں جو فرعون سے بھی پہلے تھیں۔ ۵۸۲ یعنی جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت اُس سے مختلف نہ کر لے جو نزولِ نعمت کے وقت اُس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان وطاعت کے کفر وخباثت پیدا کر لے۔ نعمت اور خبث کا اجتماع خلافِ حکمتِ الٰہی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی قانون جو اُوپر بیان ہوا ہے یہ کہ بے جرم شدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ نِعْمَةً کا لفظ عام ہے دنیوی و اُخروی، مادّی و روحانی، انفرادی و قومی سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آگئیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں وہ صُورت بھی داخل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہو جاتی یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اس سے انوار و برکات مقصودہ بھی منقطع ہو جاتے ہیں۔ ۵۸۳ چنانچہ وہ ہر تغیر قولی کو سُن رہا ہے اور ہر تغیر فعلی کو جان رہا ہے۔

۵۷۳ (اور وقت مناسب پر جزاء اعمال بھی دیگا) اَلَّذِیْنَ خَرَجُوْا سے مُراد قریش کے لشکریانِ بدر ہیں جو ناحق و باطل کی راہ میں حمیت جاہلی کے علمبردار ہو کر لڑنے کو نکلے تھے۔ بَطَرًا۔ اللہ کی طرف سے جب نعمتوں کا فیضان ہونے لگتا ہے تو اب بندہ کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہے اور اسی کی رضاجوئی میں انہیں لگائے اور اس کا نام شکر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُن سے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں فخر کا کام لینے لگے یہی بطر ہے۔ قال الزجاج البطر الطغیان فی النعمة والتحقیق ان النعم اذا کثرت من اللہ علی العبد فان صرفھا الی مرضاتہ وعرف انھا من اللہ تعالیٰ فذٰلک ھو الشکر واما ان توسل بھا الی المفاخرة علی الاقران والمکاثرة علی اہل الزمان فذٰلک ھو البطر (کبیر) وَرِئَآءَ النَّاسِ۔ رئاء کا مفہوم ہے کہ جو شئے واقعۃً زشت ہو اُسے خوشنما کرکے ظاہر کرنا۔ الرئاء عبارة عن القصد الی اظھار الجمیل مع ان باطنہ یکون قبیحا (کبیر) امام رازیؒ نے یہاں سوال یہ پیدا کیا ہے کہ بطر اور رئا، تو اسم ہیں اور یصدون فعل ہے تو یہ بات کیا ہے کہ ایک ہی فقرہ میں ایک وصف تو اسم کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا اور دوسرا فعل کے ذریعہ سے اور پھر خود ہی جرجانی نحوی و ادیب کے حوالہ سے جواب دیا ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے وصف کے استمرار و تمکین یا مستقل کیفیت پر اور فعل اُس کی وقتی اور عارضی حالت پر، تو یہاں چونکہ فخر و نمائش قریش کا وصف مستقل تھا، اُس کے لئے اسم لایا گیا۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ و مقاتلہ وقتی و عارضی کیفیت تھی اس کا اظہار فعل سے کیا گیا اور یہ بلاغتِ قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ۔ یہ فخر و نمائش، غرور اور اتراہٹ کے اوصاف آج کی "مہذب" فرنگی قوموں اور ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں، اُن کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعووں اور اعلانوں ان کی توپوں اور جہازوں، اُن کے طیاروں اور آبدوزوں، اُن کی بمباریوں اور اُن کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں! ۵۷۴ (جو وہ اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت میں کر رہے تھے) آیت میں کَالَّذِیْنَ بہت غور کے قابل ہے مسلمان ظاہر ہے کہ بطر و رئا میں مبتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جا رہی ہے ____ آج کے مسلمان خصوصاً گروہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہو کر کن کن چیزوں میں اور کیسی کیسی حرام و مکروہ چیزوں میں مشابہت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ شیطان کی اصلی کارفرمائی یہی تو ہے کہ وہ ہر معصیت، ہر کفر کو انسان کی نظر میں خوشنما و دلفریب بنا دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی قوت اُسے ہرگز حاصل نہیں، انسان کی تربیت اگر صحیح ہوئی ہے اور اُس نے اپنی عقلِ سلیم سے کام لینا سیکھ لیا ہے تو وہ ہر ترغیب شیطانی سے محفوظ رہیگا۔ ۵۷۵ قَالَ سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نے یہ گفتگو زبان اور الفاظ کی مدد سے کی ہو۔ دل میں اس کی وسوسہ اندازی کا مفہوم پُوری طرح قول سے ادا ہو جاتا ہے۔ لفظ قول عربی زبان میں بڑی ہی وسعت رکھتا ہے اور ہر طرح کی دلالت حال پر شامل ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اپنی قوت و حشمت کو دیکھ کر وسوسۂ شیطانی سے یہ خیال سردارانِ قریش کے دل میں گزرا۔ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جار یہاں حامی و پشت پناہ کے معنی میں ہے اور یہ مفہوم عربی زبان میں عام ہے۔ معنی الجار ھھنا الدافع عن صاحبہ انواع الضرر کما یدفع الجار عن جارہ والعرب تقول انی جار لکم من فلان ای حافظ لک من مضرتہ فلا یصل الیک مکروہ منہ (کبیر) حسن بصری اور اصم تابعی اور دوسرے محققین سے بھی منقول ہے کہ شیطان مجسم ہو کر سامنے نہیں آیا تھا بلکہ

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۵۷۳ اور ان لوگوں کی شکل نہ ہو جو اپنے گھروں سے اتراتے

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے نکلے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷ وَاِذْ زَيَّنَ

روکتے تھے درآنحالیکہ اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے ۵۷۴ اور (وہ وقت قابل

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ

ذکر ہے) جب شیطان نے انہیں اُن کے اعمال خوشنما کر دکھائے ۵۷۵ اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر

مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ

غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ۵۷۶ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں وہ

نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ

اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ

اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا

الْعِقَابِ ۝۴۸ۧ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

دیتے ہیں ۵۷۷ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی)

مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ

بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو انکے دین نے گھمنڈ میں ڈال رکھا ہے ۵۷۸ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ

ع ۲

اُس نے وسوسہ اندازی ہی کی تھی۔ وفی کیفیة ھذا التزیین وجھان، الاول ان الشیطان زین بوسوستہ من غیر ان یتحول فی صورة الانسان وھو قول الحسن والاصم (کبیر) وسوس الیھم (کشاف) ۵۷۶ جتنا علم شیطان کو اللہ کی عظمت و قوت کا ہے اتنا تو انسان کو بھی نہیں اور یہ خوف اسی علم سے پیدا ہوا، اس لئے اس کا یہ کہنا محلِ اشکال نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شیطان میں بھی خوف خدا کی بنا پر ایمان کی جھلک موجود ہے۔ تَرَاۗءَتِ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔ الْفِئَتٰنِ۔ سے مراد بدر میں مومنوں اور کافروں کی جماعتوں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ سے مُراد ہر خدائی قوت ہو سکتی ہے۔ سیاق میں فرشتوں کا وجود زیادہ لگتا ہوا ہے۔ وفیہ وجوہ الاول انہ رای الملائکة والثانی انہ رای اثر النصرة والظفر فی حق النبی علیہ السلام (کبیر) اَخَافُ اللّٰهَ۔ خوف خدا سے لازمی طور پر خوف آخرت مراد نہیں ہو سکتا ہو کہ شیطان اسی سے ڈرا ہو کہ کہیں یہیں اور ابھی میری خبر نہ لی جائے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں مثلاً۔ (۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں اِنِّیْ بَرِیْۗءٌ میں اس کی مثال موجود ہے اور یہ ترک وہ اُس وقت کرتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر میرے وسوسہ کے بھی گناہ کرے گا۔ (۲) کشف اہلِ باطل کے لئے بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ مکشوف ہو گئے۔ (۳) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں۔ مطلوب خوفِ ایمانی ہے۔ ۵۷۷ (کہ اُس میں آکر یہ اس بے سروسامانی پر اتنے زبردست لشکر سے مقابلہ کا حوصلہ کر بیٹھے ہیں) حالات ظاہری کی بنا پر منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا بالکل قدرتی تھا۔ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ المنافقون سے تو منافقین مدینہ کا مُراد ہونا ظاہر ہی ہے۔ الذین فی قلوبھم مرض سے مکہ کے کچے دل کے مسلمان مُراد ہیں۔ ھم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامھم فی قلوبھم ولم یھاجروا (کبیر)

مسلمانوں کے دس بارہ اور دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ استاذ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اور اس لئے فدنہ بلند اور ساحل سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترا کر گزر رہا تھا، نشیبی۔ ٦٢ یعنی عام دستور و معمول تو یہ ہے کہ مقاتلہ کے لئے فریقین اپنے قصد و مرضی سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں بھی اگر یہی صورت رہنے دی جاتی تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کر لیتا، جس سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدہ میں آرہے ہیں یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے۔ اسی لئے حالات تکوینی کا اجتماع ایسا کر دیا گیا کہ مسلمانوں کو قصد و ارادہ کے بغیر بھی لڑنا پڑ گیا۔ اور اس سے بہت سے مصالح پورے ہو گئے۔ ٦٣ یعنی جس امر کے وقوع سے مسلمانوں کے مدارج روحانی کی ترقیاں وابستہ تھیں، تکوینی حالات ایسے جمع کئے گئے کہ مسلمانوں کی خواہش، قصد و اختیار کے بغیر خود بخود اس کا اظہار ہو کر رہا۔ لِيَقْضِيَ میں ل متعلق ہے فعل محذوف کے۔ واللام فی ليقضى متعلقة بمحذوف والمعنى جمعهم ليقضى (قرطبی) ٦٤ مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہوئی کہ اس سے ایک خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اسی قلّتِ عدد و کم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو ایک حد تک خارقِ عادت اور دل میں یقین پیدا

بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ

کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے زندہ رہے ٦٤ اور بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ٦٥ اور وہ وقت

مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

بھی قابل ذکر ہے، جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے ٦٦ اور اگر (اللہ) انہیں آپ کو

فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ

زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس باب میں ٦٧ لیکن اللہ نے (تم کو) بچا لیا، بیشک وہ

الصُّدُوْرِ ﴿٤٣﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ

دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ٦٨، اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اس نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا

قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا

اور ان کی نگاہ میں کم کر کے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو

كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ہو کر رہنا تھا ٦٩ اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوں گے ٧٠ اے ایمان والو،

اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

جب تم کسی جماعت کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا

فلاح پاؤ ٧١ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں

تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ

جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک

ع ٥ / ٧ / ١

منزل ٢

کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام حق ہے اور اس سے حجتِ الٰہی تمام ہو گئی، اس کے بعد جو گمراہ ہو گا وہ وضوحِ حق کے بعد ہو گا جس سے عذاب کا پورا استحقاق ہو جاتا ہے اور عذر کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہو گا وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کرے گا۔ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ عن۔ دونوں جگہ بعد کے مرادف ہے اور بینۃ کے معنی اتمامِ دلیل کے ہیں۔ ای بعد مشاهدة هذه المعجزة (کبیر) ای بعد حجة ظاهرة (جلالین) والبینة اقامة الحجة والبرهان (قرطبی) لِيَقْضِيَ اور ليهلك دونوں میں ل غرض و غایت کا ہے۔ اللام لام الغرض وظاهره يقتضى تعليل افعال الله واحكامه بالاغراض والمصالح (کبیر) ٦٥ چنانچہ اس ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے کہ اس وضوحِ حق کے بعد کون کون زبان پر کلمۂ اسلام لاتا ہے اور کون کون کلمۂ کفر کا تلفظ کئے جاتا ہے اور اس باطنی حقیقت کا بھی کہ دل سے کون کون ایمان لایا اور کون اب تک دل میں کفر کو جگہ دیئے ہوئے ہے۔ ٦٦ (اور آپ نے وہ خواب اپنے صحابیوں سے بیان کیا جس سے ان کے دل قوی ہو گئے) يُرِيْكَهُمْ میں ضمیر ظاہر ہے کہ لشکرِ قریش کی جانب ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خواب کا اپنے ہر ہر جزئیہ کے ساتھ صحیح اترنا پیمبر تک کے لئے ضروری نہیں، چہ جائیکہ عام صالحین امت کے خوابوں کا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی صلعم سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ کفار تھے تو زیادہ مگر آنحضرت پر کم منکشف ہوئے) تو پھر غیر نبی کا کیا ذکر ہے اور اس شخص کا کیا کہنا جو اسے اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف و خواب پر جزم کر لے اور یہ واقعہ تو خواب کا ہے لیکن ایسا ہی بیداری میں بھی ممکن ہے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں آرہا ہے۔ ٦٧ یعنی اس قیل و قال، بحث و مباحثہ میں پڑ جاتے کہ ایسی حالت میں جنگ کی بھی جائے یا نہیں۔ لَفَشِلْتُمْ اور لَتَنَازَعْتُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات صحابہ باوجود اپنی قوتِ قدسی اور مقامِ عالی کے بہرحال بشر ہی تھے اور بشری کمزوریوں سے محفوظ و معصوم نہیں کر دیئے گئے تھے ٦٨ (اور اس پر روشن تھا کہ ضعف کن تدبیروں سے پیدا ہو گا اور ہمت کن تدبیروں سے، چنانچہ ویسا ہی اس نے انتظام کر دیا) سَلَّمَ یعنی اس اختلاف و کم ہمتی کے مظاہرہ سے تم کو بچا لیا۔ ٦٩ اب ذکر خواب کا نہیں عالمِ بیداری کا ہو رہا ہے۔ اور بیان اس کا ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مشاہدات و واقعات عین حکمت پر مبنی تھے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا۔ مراد دو چیزیں ہیں، ایک تو کافروں کے لشکروں سے مڈبھیڑ کرانا، دوسرے مشرکین کی ہلاکت و ذلت اور اسلام کی فتح و سربلندی۔ کرر هذا لان المعنى فى الاول من اللقاء وفى الثانى من قتل المشركين واعزاز الدين وهو اتمام النعمة على المسلمين (قرطبی) مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران، پارہ ۴ میں گزر چکے ٧٠ (اور اسی کا فیصلہ ہر گمراہ اور ہر راہ یاب کے حق میں ناطق ہو گا) آیت میں اشارہ اس طرف بھی آگیا کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے یہ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو ان سے آخرت میں حاصل ہو گا۔ الغرض منه التنبيه على ان احوال الدنيا غير مقصودة لذواتها وانما المراد منها ما يصلح ان يكون زادا ليوم المعاد (کبیر) ٧١ یہ حکم عام ہے۔ یہاں یہ بتا دیا گیا کہ فلاح کا ذریعہ یہی ثباتِ قلب و ثباتِ قدم کا اجتماع ہے۔ اور فلاح کے عموم میں شخصی و اجتماعی، دنیوی و اخروی ہر قسم کی فلاح آگئی۔ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً۔ اس لقا یا مڈبھیڑ ہو جانے سے جہاد میں سامنا ہو جانا مراد ہے۔ فَاثْبُتُوْا یعنی پست ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کہ قلب میں قوت و ثبات اسی ذکر الٰہی اور کثرتِ ذکر الٰہی سے پیدا ہو گی۔ امر بالذكر حتى يثبت القلب على اليقين ويثبت اللسان على الذكر (قرطبی) ٧٢ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس بیان میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالتِ جہاد میں بھی احکامِ شریعت کے دائرہ سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے۔ وَلَا تَنَازَعُوْا کوئی نزاع نہ افرادِ امت میں باہم ہونی چاہیئے نہ امام یا امیر قوم سے۔ یہ اندرونی کشمکش، ڈسپلن (نظم و اطاعت) کے حق میں زہرِ قاتل ہے۔ فَتَفْشَلُوْا یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشارِ قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے، وہ جاتا رہیگا۔ الريح الدولة شبهت فى نفوذ امرها وتمشيه بالريح وهبوبها فقيل هبت رياح فلان اذا دالت له الدولة ونفذ امره (؟) کمقال الربح الفلان اذا كان غالبا الامر (قرطبی) وَاصْبِرُوْا۔ یعنی جو ناگوار حالات گردوپیش میں پیدا ہوتے رہیں گے، ان پر بہرحال صبر سے کام لیتے رہو۔ صبر محمود تو ہر حال میں ہے، موقعِ قتال پر اور زیادہ۔ امر بالصبر وهو محمود فى كل المواطن وخاصة موطن الحرب (قرطبی) مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یہ معیتِ حق خود ضامنِ نصرت ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت حاصل ہو ٥٥٩ سو اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ

رسُول کے لئے اور (رسُول کے) قرابتداروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور

وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ

مسافروں کے لئے ہے ٥٦٠ اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے ہم نے

اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی

اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن ٥٦١ جس دن کہ دونوں جماعتیں مقابل

الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٤١﴾ اِذْ اَنْتُمْ

ہوئیں اور اللہ ہی ہر شے پر پُوری قدرت رکھنے والا ہے ٥٦٢ (یہ وہ وقت تھا) جب تم

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ

(میدانِ جنگ کے) نزدیک والے کنارہ پر تھے اور وہ دُور والے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے کی جانب

الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ

کو تھا اور اگر تم (اور وہ) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف

فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬

ہو جاتا ٥٦٣ لیکن (لڑائی بلا تعین ہی) تاکہ اللہ اس امر کو پُورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا ٥٦٤

لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ

یعنی تاکہ جسے برباد ہونا ہو وہ کھلے ہوئے نشان آنے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ ہونا ہے وہ (بھی)

٥٥٧ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں مالِ غنیمت اور اس کی تقسیم کا ذکر تھا۔ اب پھر اُسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اور اب مصارف غنیمت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ مَا غَنِمْتُمْ۔ غنیمت کے لغوی معنی عام و وسیع ہیں یعنی ہر شے جو انسان کوشش سے حاصل کرے۔ الغنیمۃ فی اللغۃ ماینالہ الرجل اوالجماعۃ بسعی (قرطبی) اصطلاح فقہا میں اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بزورِ قوت حالتِ جنگ میں حاصل ہو۔ الغنیمۃ ما نیل من الکفار عنوۃ و الحرب قائمۃ (قرب) الغنیمۃ فی الشریعۃ ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علی سبیل القہر بالخیل والرکاب (کبیر) مال الکفار اذا ظفر بہ المسلمون علی وجہ الغلبۃ والقہر (قرطبی) مَا الذی کے معنی میں ہے اور تقدیرِ کلام یُوں ہے۔ الذی غنمتموہ ٥٥٨ یعنی کُل مالِ غنیمت کا $\frac{4}{5}$ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائیگا اور باقی $\frac{1}{5}$ اللہ کی نذر ہوگا یعنی آج کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا۔ اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ یہ $\frac{1}{5}$ حصہ بھی اب یعنی رسُول اللہ صلعم کی وفات شریف کے بعد عملاً تین حصوں میں تقسیم رہیگا۔ لِلّٰہِ۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک و ملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ ذکرہ تعالٰی للتبرک باسمہ فی ابتداء الکلام (درمختار) فاما ذکراللہ تعالٰی فی الخمس فانہ لافتتاح الکلام تبرکاً باسمہ (ہدایہ) قال الشعبی ہو مفتاح الکلام (جصاص) وعن الحسن بن محمد بن الحنفیۃ قال ہذا مفتاح کلام لیس للہ نصیب فی الدنیا والاٰخرۃ (جصاص) لِلرَّسُوْلِ۔ اللہ اور رسُول کے یہ دو حصّے الگ الگ نہیں۔ کُل ایک ہی حصہ ہے جو رسُول اللہ صلعم کو زمانِ حیات میں ملتا تھا۔ نائبِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا ــــ سرکاری $\frac{1}{5}$ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کُل کا $\frac{1}{25}$ حصہ اُس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمرِ حکومت بھی تھا، امیرِ لشکر بھی، حاملِ رسالت بھی! وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔ وسہم النبی صلعم سقط بموتہ (ہدایہ) وسہم النبی صلعم انما کان لہ ما دام حیاً فلما توفی سقط سہمہ (جصاص) شافعیہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے بعد آپ کے خلیفہ کو یہ حصہ ملیگا۔ لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ حصہ تو منصبِ رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد ہی نہیں۔ لانہ علیہ السلام کان یستحقہ برسالتہ ولا رسالۃ بعدہ (ہدایہ) خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ اُنہوں نے کبھی رسُول کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔ لِذِی الْقُرْبٰی۔ یہ دُوسرا حصہ ہُوا۔ (پہلا حصہ اللہ اور رسُول کا ملا کر ایک تھا) یہ جاں نثاروں کا وہ گروہ تھا جس نے مکہ سے مدینہ تک ہر حال میں، ہر مصیبت میں ساتھ دیا تھا۔ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حصہ ان حضرات کی نصرتِ قدیم ہی کی بنا پر تھا۔ ان المراد من النص قرب النصرۃ لا قرب القرابۃ (ہدایہ) فقہاء مفسرین نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ لذی کا ل ملک و استحقاق کے اظہار کے لئے نہیں، محلِ وصرف کے بیان کے لئے ہے۔ لیست اللام لبیان الاستحقاق والملک وانما ہی لبیان المصرف والمحل (قرطبی) بعد وفات نبوی یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ واما بعد رسول اللہ صلعم فسہمہ ساقط بموتہ کذلک سہم ذوی القربٰی (کبیر) وَالْیَتٰمٰی یہ تیسرا حصہ ہُوا وَالْمَسٰکِیْنِ یہ چوتھا حصہ ہُوا۔ وَابْنِ السَّبِیْلِ یہ پانچواں حصہ ہُوا۔ فقہاء حنفیہ کی تحقیق میں اب یہ سرکاری خمس ($\frac{1}{5}$) انہی تین حصوں میں تقسیم ہوگا چنانچہ خلفاء راشدین سے انہی تین حصوں میں تقسیم منقول ہے۔ لنا ان الخلفاء الاربعۃ الراشدین قسموہ علی ثلثۃ اسہم وکفی بہم قدوۃ (ہدایہ) فان الخلفاء الاربعۃ متفقون علی انہ لا یستحق الا بالفقر (جصاص) یہ بھی جائز ہے کہ بجائے تینوں صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے صرف میں لے آیا جائے۔ ان تین حصوں کے اندر کی تقسیم یُوں ہوتی ہے کہ ایک ثلث یتیموں کو دیا جاتا ہے۔ ایک ثلث مسکینوں کو اور ایک ثلث مسافروں کو۔ الخمس الباقی یقسم اثلاثاً عندنا للیتیم والمسکین وابن السبیل (درمختار) سہم الیتٰمی وسہم المساکین وسہم ابن السبیل یعنی خاندانِ رسالت کے حاجتمند بھی اسی میں داخل سمجھے گئے ہیں۔ بلکہ اُن کا حق مقدم ہے۔ البتہ خوش حال قرابتداروں کو کچھ نہ ملیگا۔ یدخل فقراء ذوی القربٰی فیہم ویقدمون ولا یدفع الی اغنیاءہم (ہدایہ) وقدم فقراء ذوی القربٰی من بنی ہاشم ولاحق لاغنیاءہم عندنا (درمختار) اس طرزِ تقسیم کو آج کی عینک سے خوب غور کرکے دیکھ لیا جائے۔ سرکاری خزانہ کا $\frac{3}{5}$ ہی نہیں بلکہ پُورے کا پورا $\frac{5}{5}$ آج بھی دنیا کی کسی بڑی سی غریب نواز و ہمدردِ عوام سلطنت میں رعایا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ طبقوں لاوارث یتیموں، محتاج مسکینوں اور بے زادِ راہ مسافروں پردیسیوں کے لئے وقف ہے؟ اِبْنِ السَّبِیْلِ۔ مسافروں کی اہمیت شاید نظروں کو کچھ کھٹکے لیکن بے زاد و راحلہ تھکے ماندے، بھوکے پیاسے پیدل راہ گیروں پر آج بھی پردیس میں جو مصیبتیں پڑا کرتی ہیں اور مجہول تہات کے ماننے والوں کے درمیان دیہات میں جس طرح گرمی کی جلچلاتی ہوئی دوپہریں اور سردی کی کڑکڑاتی راتیں گزارنی پڑتی ہیں، اُن کا ہلکا اور سرسری اندازہ بھی جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے اور ریل کے اعلیٰ درجوں میں سفر کرنے والے مسافر کر نہیں سکتے۔ ٥٥٩ یعنی معرکۂ بدر کے دن، جب حق و باطل کے درمیان عملی اور حتمی فیصلہ بھی سب کے مشاہدہ میں آگیا، اور کفر و اسلام کے درمیان اس پہلی مادی ٹکر نے دنیا کی تاریخ میں ایک کامیاب انقلابی دعوت کی بنیاد قائم کر دی۔ ای الیوم الذی فرقت فیہ بین الحق والباطل وہو یوم بدر (قرطبی) مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا۔ یعنی نصرتِ غیبی، جو ہر تفصیل کو جامع ہے۔ والمراد منہ ما انزل علیہ من الاٰیات والملائکۃ والفتح فی ذلک الیوم (کبیر) عَبْدِنَا موقعِ تخصیص و تشریف پر رسُول اللہ صلعم کا ذکر اسی عنوان سے کرنا قرآنی بلاغت کا ایک خاص جزو رہا ہے۔ یہ جنگ رمضان سنہ ٢ھ (٦٢٣ء) میں لڑی گئی۔ مسلمان ٣١٣ اور مشرک ٩٥٠ کی تعداد میں تھے ٥٦٠ اس میں افرادِ اُمت کو تنبیہ ہے کہ یہ جو تمہیں مل رہا ہے، اُسے اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہیں محض فضلِ الٰہی کا نتیجہ سمجھو۔ الْجَمْعٰنِ مُراد ایک طرف لشکرِ قریش ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی سپاہ۔ ٥٦١ یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم آئے تھے، وہ تم سے بچ کر سمندر کے کنارہ کنارہ چلا جا رہا تھا۔ الْعُدْوَةِ الدُّنْیَا یعنی مدینہ سے قریب ترحصہ میں شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی اسی سے متصل شہر بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال و مغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی، الْعُدْوَةُ الْقُصْوٰی۔ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں یہ پہاڑی شہر بدر کے جنوب و مشرق میں تھی۔ ابوجہل اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ مقام بدر سمندر بحر احمر سے ہو اونٹ پر ایک منزل کی راہ پر تھا، مدینہ سے چار منزل اور مکہ سے آٹھ منزل کی راہ پر۔ اسلامی فوج شمال و مشرق سے آئی تھی، اور مشرکین کا لشکر جنوب و مشرق سے اس موضوع خاص کے محقق خصوصی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:۔ "تاریخ عالم کا یہ ایک انقلاب انگیز معرکہ ہے۔ مکہ، مدینہ اور شام کے راستوں کے جنکشن ہونے سے قریشی قافلہ کے آنے سے کچھ ہی پہلے آنحضرت صلعم مدینہ سے آکر شمال مغربی زد میں مقیم اور گھات میں رہے۔ ابوسفیان نے قافلہ کو کئی میل پہلے ہی روک کر ٹوہ لی اور اسلامی فوج کی بھنک ملنے سے بدل آئے بغیر راستہ کاٹ کر ساحل کے کنارے کنارے دو منزلہ کو یک منزلہ کرکے قافلہ کو بچا لیا۔ قافلہ کے بچ کر نکل جانے کی اطلاع کے باوجود آنحضرت صلعم وہیں کسی کام سے مقیم رہے تو مکہ سے ابوجہل کی قریشی فوج آپہنچی، پیشگی اطلاع ملنے پر آنحضرت صلعم نے پڑاؤ کی جگہ بدل کر پانی پر قبضہ کر لیا۔ صف بندی اور عمدہ فوج آرائی سے دشمن کی تگنی چوگنی فوج کو شکست دی۔

كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۳۶ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ
کفر اختیار کئے ہوئے ہیں انہیں دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائیگا ۵۵۰ تاکہ اللہ ناپاکوں کو الگ کردے

مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ
پاکوں سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملادے یعنی ان سب کو متصل کردے پھر

فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
اس مجموعہ کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ تو ہیں (پورے) خسارہ میں

الْخٰسِرُوْنَ ۳۷ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ
رہنے والے ۵۵۱ آپ کہہ دیجئے (ان) کافروں سے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ

ع ۱۸

لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ
پہلے ہوچکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کردیا جائیگا ۵۵۲ اور اگر وہی (عادت) دہراتے رہیں گے تو (ہمارا)

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۳۸ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ
معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے ۵۵۳ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا
اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہوجائے ۵۵۴ لیکن اگر یہ باز آجائیں تو

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۳۹ وَاِنْ تَوَلَّوْا
اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کا ۵۵۵ اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۴۰
تو جانے رہو کہ تمہارا رفیق اللہ ہی ہے، بہترین رفیق اور بہترین مددگار ۵۵۶

۵۵۰ یہ سزائے آخرت دنیوی سزا وحسرت کے علاوہ ہے۔ ۵۵۱ یہ معاندین کا انجام پوری وضاحت سے بتادیا ہے۔ فَيَرْكُمَهٗ میں ف تفسیری ہے۔ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ خبیث سے مراد کافر اور طیب سے مراد مومن ہے۔ ای المومن من الکافر (قرطبی) ۵۵۲ (اور اب پچھلے گناہوں پر باز پرس نہ ہوگی) اس مقام کی شرح حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ فقہاء نے کہا ہے کہ مواخذۂ حقوقِ عباد (مثلاً قرضہ، قصاص وغیرہ) کافر حربی سے تو ساقط ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ وہ حالت کفر میں ہماری شریعت کا معاملات میں پابند نہ تھا لیکن کافر ذمی پر اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اس لیے کہ وہ ذمہ دار تھا۔ باقی حقوق اللہ سے متعلق دونوں کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ قال ابو حنیفۃ ما کان للہ مسقط وما کان للآدمی لا یسقط قال ابن العربی وھو قول علمائنا لان اللہ تعالیٰ مستغن عن حقہ والآدمی مفتقر الیہ (قرطبی) عام فی الحقوق التی للہ تعالیٰ (قرطبی) اِنْ يَّنْتَهُوْا۔ باز آجانے سے مراد کفر سے باز آجانا ہے۔ یرید عن الکفر (قرطبی) ان ینتھوا عن الکفر وعداوۃ الرسول ودخلوا الاسلام (کبیر) مَا قَدْ سَلَفَ کے عموم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ زندیق کی بھی توبہ قبول ہوجائے گی وہ اس لئے کہ زندقہ بھی بہرحال کفر کی ایک نوع ہے۔ فان قولہ یغفر لھم ما قد سلف یتناول جمیع انواع الکفر (کبیر) ۵۵۳ یعنی انبیاء کے منکرین ومعاندین کے ساتھ جو خدائی تعزیر دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب کی پیش آتی رہی ہے وہی انجام ان جدید منکرین اور معاندین کا بھی رکھا ہوا ہے۔ عبارۃ تجمع الوعید والتھدید والتمثیل بمن ھلک من الامم فی سالف الدھر بعذاب اللہ (قرطبی) ای عادۃ اللہ الجاریۃ فی الذین تحزبوا علی الانبیاء من نصر المومنین علیھم وخذلانھم وتدمیرھم (روح) ۵۵۴ (اور یہ موقوف ہے قبولِ اسلام پر) ای یضمحل عنھم کل دین باطل ویبقی فیھم دین الاسلام وحدہ (مدارک) ای تضمحل الادیان الباطلۃ کلھا اما بھلاک اھلھا جمیعًا او برجوعھم عنھا خشیۃ القتل (روح) اس پر حاشیے اسی مضمون کی آیت پر پارہ دوم میں گزر چکے۔ قَاتِلُوْهُمْ۔ ضمیر ھُمْ مشرکین عرب کی جانب ہے۔ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی شرک باقی نہ رہ جائے۔ الیٰ ان لا یوجد فیھم شرک قط (مدارک) ای کفر (قرطبی) قال ابن عباس والحسن حتی لا یکون شرک (جصاص) یہ تفسیر فقہ حنفی کے مطابق ہے بعض ائمہ نے فتنۃ سے مراد فساد وحرب لی ہے۔ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ فقہاء نے آیت کے عموم سے جملہ اصناف کفار کے ساتھ قتال واجب ٹھیرایا ہے بجز اُن کے جن سے استثناء کی دلیل کتاب وسنت سے مل جائے۔ یدل علی وجوب قتال سائر اصناف اھل الکفر الا ما خصہ الدلیل من الکتاب والسنۃ (جصاص) ۵۵۵ (اور وہی احتساب کے لئے کافی ہے، بندوں کو بہت زیادہ ٹٹول اور کرید کی حاجت نہیں) فَاِنِ انْتَهَوْا۔ یہ باز آجانا کس چیز سے ہے؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مراد کفر سے باز آجانا اور اسلام قبول کرلینا ہے۔ ای عن الکفر واسلموا (مدارک) بعض دوسرے ائمہ نے قتال سے باز آجانا مُراد لیا ہے۔ (مفصل حاشیے پارۂ دوم میں گزر چکے) ۵۵۶ (سو تم مقابلہ میں ان سے ہٹنے کا خیال ہی نہ کرو۔ اور اللہ ہی کی رفاقت ونصرت پر بھروسہ رکھو) وَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اس روگردانی سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اسلام سے روگردانی مُراد ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک ذمیت سے روگردانی مقصود ہوگی ٭

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾
اللہ ان پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں ٤٦ ہاں یہی
وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ
ان لوگوں کے لیے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب (ہی سرے سے) نہ لائے درآنحالیکہ وہ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ
مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی ہی نہیں ٤٧ اس کے متولی تو بس
اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
متقی ہی (ہو سکتے) ہیں لیکن ان (لوگوں) میں سے اکثر تو علم (بھی)
يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا
نہیں رکھتے ٤٨ اور (خود) ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز
مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے سو عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کفر کی
تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
پاداش میں ٤٩ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں اپنے مال کو اس لیے خرچ
لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ
کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن
تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ
وہی (اموال) ان کے حق میں حسرت بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہو جائیں گے اور جو لوگ

٤٦ (گو وہ استغفار ایمان صحیح کی عدم موجودگی کی بنا پر آخرت میں نجات کے لئے کافی نہ ہو) یہاں یہ بتلایا کہ جس طرح کا خارق عادت عذاب یہ لوگ طلب کر رہے ہیں، اس کی راہ میں دو، دو مانع موجود ہیں۔ (١) ایک یہ کہ رسول اللہ صلعم ان کے درمیان زندہ و سلامت موجود ہیں۔ (٢) دوسرے یہ کہ باوجود ان کے کفر و شرک و معصیت شعاری کے، اللہ سے تعلق استغفار ان کا کسی درجہ میں باقی و قایم ہے چنانچہ طواف کے وقت یہ اس وقت بھی غفرانک. غفرانک کہتے جاتے ہیں۔ ٤٧ (اور عبادت الٰہی تو ان مومنین عابدین کا ایسا حق ہے کہ اس سے روکنے کا اختیار متولیوں کو بھی نہیں) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارق عادت کے لئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفس عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں بلکہ اس کا تو عین مقتضا موجود ہے۔ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف کے اندر داخلے سے اس میں نماز پڑھنے سے، اس کے اندر طواف کرنے سے یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو اور رسول اسلام صلعم کو برابر روک رہے ہیں۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ. قریش کا ایک زعم باطل یہ بھی تھا کہ چونکہ ہمارے باپ دادا خانۂ کعبہ کے متولی رہ چکے ہیں۔ ہم میں اس کی تولیت آج تک چلی آرہی ہے۔ یہاں اسی عقیدہ کی تردید ہے۔ اولیاءہ میں ضمیر المسجد الحرام کی طرف ہے۔ ٤٨ (کہ منصب تولیت کے سرے سے نااہل ہیں) اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ اور تقویٰ کی پہلی شرط ایمان و اسلام ہے۔ ٤٩ چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا فروں پر نازل ہو کر رہا۔ وَمَا كَانَ ..... تَصْدِيَةً۔ یہاں مشرکوں کی عبادت کی تحلیل کر کے بتایا ہے کہ بجز اس کے کہ منہ سے سیٹیاں بجائیں اور ہاتھ سے تالیاں اور ان کی عبادت تھی ہی کیا؟ —— خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ آج بھی عبادت کے جو غیر اسلامی اور جاہلی طریقے چلے ہوئے ہیں ان کا جزء اعظم بھی باجا گاجا، تالیاں اور سیٹیاں ہیں یا نہیں؟ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں ان جاہل صوفیہ کے لیے بھی وعید ہے جو وجد و حال لاکر اچھلتے کودتے، تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ اور اسے کوئی کمال روحانی سمجھتے ہیں۔ یہ صاف تشبیہ اعمال مشرکین کے ساتھ ہے۔ فيه رد على الجهال من الصوفية الذين يرقصون ويصفقون وذالك كله منكر يتنزه عن مثله العقلاء ويتشبه فاعله بالمشركين فيما كانوا يفعلونه عند البيت (قرطبی) يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ۔ اعمال اور اعمالِ مخالفت کی تین ہی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ قولی، بدنی اور مالی، قولی اور بدنی مخالفت اوپر بیان ہو چکی۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ ان معاندین کے مالی وسائل بھی مخالفت اسلام کے لیے وقف ہیں۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام سے۔ ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔ یہاں پیشگوئی فرمادی گئی ہے کہ ان کی یہ مالی کوششیں بھی رائیگاں رہیں گی اور آثار ناکامی محسوس ہونے کے بعد ان پر حسرت ہی کا غلبہ رہے گا۔ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ یہ حسرت اس وقت دہری ہو گی، ایک حسرت تو اپنے مال و دولت کے ضائع جانے پر دوسری حسرت خود اپنی مغلوبیت پر۔

سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

گناہ دُور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بے ہی بڑے

الْعَظِيْمِ ٢٩ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

فضل والا ٤٢ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب کہ کافر آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے

لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ

کہ آپ کو قید کریں یا آپؐ کو قتل کریں، یا آپ کو (وطن سے) خارج کر دیں اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ٣٠ وَاِذَا تُتْلٰى

تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ٤٣ اور جب اُن کے سامنے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا

ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں بس ہم نے سُن لیا ہم چاہیں تو اسی کا سا

مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٣١ وَ

ہم بھی کہہ لائیں یہ ہے ہی کیا بجز اگلوں کی کہانیوں کے ٤٤ اور

اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

(وہ وقت بھی یاد دلائیے) جب (ان لوگوں نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری طرف سے واقعی ہے

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ

تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا پھر (کوئی اور ہی) عذاب دردناک

اَلِيْمٍ ٣٢ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

لے آ ٤٥ حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ

٤٣ (جس کی تدبیر کے آگے ساری دنیا کے منصوبے اور تدبیریں ہیچ محض ہیں) اِذْ يَمْكُرُ بِكَ۔ مکہ کے رئیسوں سرداروں نے باہم جمع ہو کر آپؐ کی قید، جلاوطنی، قتل، سب تدبیروں پر غور کیا۔ اور اخیر رائے قتل ہی کی قرار پائی۔ آپؐ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ خاموشی سے نقل مکان کر، غارِ ثور میں پوشیدہ ہو گئے اور بہ فراغ خاطر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مکر پر حاشیے سورۂ آل عمران آیت مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ پر گزر چکے۔ لِيُثْبِتُوْكَ۔ اِثبات یہاں قید یا حبس کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔ الاثبات هو الحبس (ابن جریر۔ عن السدی) اے لیحبسوك (ابن جریر عن عطاء وعبد الله بن کثیر) ومعنی لیثبتوك لیحبسوك (قرطبی) ٤٤ (اور کلام حق ہرگز نہیں) یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ و سیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور "روشن خیال" ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کیے ہوئے —— جیسے آج کا "ولایت پلٹ" ہندوستانی! قد قیل ان قائل لذالك هو النضر بن الحارث كما قد قص على ذالك سعيد بن جبير والسدي وابن جريج وغيرهم فانه لعنه الله كان قد ذهب الى بلاد فارس وتعلم من اخبار ملوكهم رستم واسفنديار (ابن کثیر) هٰذَا سے اشارہ دونوں جگہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ...... بولے کہ بس ہم نے سُن لیا اور حال معلوم ہو گیا۔ ٤٥ (یعنی اسی طرح کا کوئی خارق عادت) صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا، اور طبرانی وغیرہ دوسری روایتوں میں نام نضر بن الحارث کا آتا ہے لیکن بہر حال ایک کا نام دوسرے کے منافی نہیں اور جیسا کہ محدث حافظ ابن حجر نے فیصلہ کیا ہے ممکن ہے دونوں نے ہی کہا ہو لیکن ترجیح ابوجہل والی روایت کو ہے۔ ولا نا فی ذالك ما فی الصحیح لاحتمال ان یکون قاله ولکن نسبه الی ابی جهل اولی (فتح الباری) یہ بھی بہ آسانی ممکن ہے کہ کہنے والا کوئی ایک ہو، اور اس کے ہمزبان اور بہت سے اہل قریش ہو گئے ہوں۔ قال الجمهور قائل ذالك كفار قريش (بحر) وان كان هذا القول نسب الى جماعة فلعله بدأ به ورضى الباقون فنسب اليهم (فتح الباری) هٰذَا یعنی وہ کلام جسے محمدؐ بہ طور خدائی کلام کے پیش کر رہے ہیں۔

ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ۵۳۸ اور جانتے رہو کہ بے شک اللہ سخت ہے
الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ
سزا دینے میں اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم تھوڑے تھے (اور) ملک میں کمزور سمجھے جاتے
فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ
تھے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں سو
فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
(اللہ نے) تمہیں رہنے کو جگہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی اور تم کو ستھری چیزیں عطا کیں
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا
تاکہ تم شکر گزار ہو ۵۳۹ اے ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ اور
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾
رسول کی اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآنحالیکہ تم جانتے ہو ۵۴۰
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ
اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور
اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
یہ بھی کہ بہت بڑا اجر اللہ ہی کے پاس ہے ۵۴۱ اے ایمان والو اگر تم
اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دیدیگا اور تم سے دور کر دیگا تمہارے

ع ۹ / ۱۷

۵۳۸ (بلکہ اُن گنہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اس کا وبال پڑے گا۔ جنہوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور خود بھی اس طرح جرم مداہنت کے مرتکب ہوئے یا شریک جُرم رہے) اسلام اُمّت کو جس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے افراد کا زمرۂ صالحین میں ہونا کافی نہیں، بلکہ ہر فرد بشر کو بہ قدر اپنی وسعت و بساط کے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلئے جرم درجرم سے مداہنت اسلام کے اندر خود ایک جرم ہے۔ "جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدر وسع دوسروں کی اصلاح میں بطریق امر بالمعروف ونہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترکِ اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے۔ کوشش کرو ورنہ درصورتِ مداہنت ان منکروں کا وبال جیسا مرتکبینِ منکرات پر واقع ہوگا۔ ایسا ہی کسی درجہ میں مداہنت کرنیوالوں پر بھی واقع ہوگا" (تھانویؒ) ۵۳۹ (اور طاعت واطاعت میں خوب مستعد ہو جاؤ) اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ۔ مسلمانوں کو اُن کی مکی زندگی قبل ہجرت کی یاد دلائی جارہی ہے۔ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ۔ یعنی تعداد میں کم ہونے کے علاوہ مکہ میں بہ لحاظ قوت بھی کمزور ہی شمار کیے جاتے تھے۔ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔ الناس سے مُراد مخالفین و اعداء ہیں۔ اٰوٰىكُمْ۔ یعنی مدینہ میں اطمینان سے جگہ دی۔ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ۔ یعنی تمہاری تعداد بھی بڑھ گئی۔ بے سروسامانی بھی نہ رہی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یعنی تمہیں ہر طرح کی خوش حالی عنایت کی۔ ۵۴۰ (کہ اعمال میں کوتاہیوں کے نتائج بد او مضر ہیں کیا کیا ہیں) لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اللہ اور رسول کے جو حقوق عاید ہوتے ہیں اُنہی کو پوری طرح ادا نہ کرنا بھی اُن میں خیانت کرنا ہے۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ۔ اللہ اور رسُول کے بتائے ہوئے اعمال سے جو منافع مرتب ہوتے ہیں اُنہی کو یہاں امانتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۵۴۱ (جس کے آگے ساری دنیوی لذتیں فانی، مصلحتیں ہیچ ہیں) فِتْنَةٌ۔ یعنی یہ مال واولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ اور رسُول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ۵۴۲ (اور اس بڑے داتا کی ساری بخششیں اور نعمتیں تمہارے وہم وگمان میں بھی کب آسکتی ہیں) اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اس تقویٰ وخشیت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعت واطاعت میں لگے رہو گے۔ فُرْقَانًا۔ فرقان کی تشریح اہلِ تفسیر نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ ان سب مفہوموں کا جامع سمجھا جائے اور ہدایت اور نورِ قلب جس سے حق وباطل میں فیصلہ ہو جائے اور غلبہ علی الاعداء اور نجات آخرت جس سے حق وباطل میں عملی فیصلہ ہو جائے۔ سب کو شامل رہے۔

۳۲ (اعتقاد کے ساتھ) مسلمانوں کا کلام الٰہی کا سننا ہمیشہ اعتقاد ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور یہاں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے عقیدت سے سُن رہے ہو، ویسے ہی عمل بھی کرو۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ ساری دنیوی کامرانیوں اور اخروی کامیابیوں کی بنیاد یہی اطاعت ہے۔ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ ۔ اس سے، یعنی اس اطاعت سے ضمیر حکم کی جانب ہے۔ الضمیر للجهاد او للامر الذی دل علیه الطاعة (بیضاوی) وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۔ سے فقہاء و مفسرین نے یہ استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ہونا چاہیے اور اگر کوئی اثر نہیں ملتا تو محض قول بیکار ہی ہے۔ دلت الاٰیة علٰی ان قول المومن سمعت والطعت لا فائدة فیه ما لم یظهر اثر ذالك علیه بامتثال فعله (قرطبی)

اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ
اطاعت کرتے رہو، اللہ اور اس کے رسُول کی اور اس سے رُوگرانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سُن رہے
تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ
ہو ۳۲ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ (کچھ بھی)
ھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ
سنتے (سناتے) نہیں ۳۳ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے،
الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ
گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا) کام نہیں لیتے ۳۴ اور اگر اُن میں کسی خوبی کا علم اللہ
فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ
کو ہوتا تو وہ انہیں سُنوا دیتا اور اگر (اب) وہ انہیں سُنوا دے تو یہ ضرور رُوگردانی کرینگے
ھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا
بے رُخی کرتے ہوئے ۳۵ اے ایمان والو اللہ اور رسُول کو لبیک کہو جب کہ وہ
لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا
(یعنی رسُول) تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بُلائیں ۳۶ اور جانے رہو
اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ
کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان انسان اور اس کے قلب کے اور یہ کہ تم (سب) کو اسی کے پاس
تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ
اکٹھا ہونا ہے ۳۷ اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا

۳۳ (مُراد کُفّار و منافقین ہیں) مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ترک اطاعت میں تم کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہو جانا۔ ۳۴ (اور سُن کر عمل نہ کرنا بھی مشابہ اُن لوگوں کے عمل کے ہے جو بہرے اور گونگے ہیں۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ ۔ کفّار و منافقین کے ذکر کے بعد یہ لفظ ان کی تحقیر و اہانت کے لیے ہے۔ عنی به الاشرار الذین هم فی الجهل بمنزلة الدواب (راغب) ۳۵ یعنی اگر ان کافروں اور منافقوں میں کوئی خوبی طلب حق کے سلسلہ میں موجود ہوتی تو اللہ انہیں اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بھی دے دیتا۔ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ ۔ یعنی انہیں اس بے پروائی کی حالت میں سُنوا دے، جیسا کہ ظاہری کانوں سے وہ اب بھی سُن ہی رہے ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا ۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ کے علم میں کسی شے کے نہ آنے کے معنیٰ ہی اس شے کی نفی کے ہیں۔ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ یہ ٹکڑا ان کی بے توجہی کو اور نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ ۳۶ یعنی احکام شریعت کی طرف۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیاتِ ابدی اور زندگی جاودانی بخشنے والی چیز یہی نظام دین ہے ـــــــ خصوصیت کے ساتھ مُراد جہاد ہے۔ لِلرَّسُوْلِ ۔ یہ بات لحاظ رکھنے والی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے تمام موقعوں پر رسول اللہ صلعم کا ذکر بجائے اسم ذات کے ہمیشہ رسول یا الرسول ہی سے آتا ہے۔ یہ آپ کی حیثیت رسالت کو نمایاں کرنے کے لئے ہے کہ آپ کا بلانا بھی فرستادۂ الٰہی کی حیثیت سے اللہ ہی کا بلانا ہوتا ہے۔ اِسْتَجِیْبُوْا ۔ یہاں اجیبوا کے معنیٰ میں ہے۔ ۳۷ (اور سب کا سابقہ بالآخر اُسی سے پڑتا ہے) یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ ۔ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یوں کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا۔ دوسرے یُوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا۔

۲۵ سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑنے اور میدانِ جنگ سے ہٹنے کی اگر ذرا گنجائش رکھ دی جائے تو نظامِ عسکری تو فوراً ہی تشریف لے جائے۔ اس لیے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی ذرا بھی اجازت نہیں بلکہ بزدلی ایک ناقابلِ عفو جرم ہے ——— اور پھر لشکرِ اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان بیچ کر اور اس کے عوض میں وعدۂ جنت لے کر تو قدم ہی میدان میں رکھتا ہے۔ اس کے لیے تو بزدلی کی اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔ الفرار کبیرۃ موبقۃ بظاھر القراٰن واجماع الاکثر من الائمۃ (قرطبی) قال ابن القاسم لا تجوز شہادۃ من فر من الزحف لا یجوز لھم الفرار وان فر اماما مھم (قرطبی) یَوْمَئِذٍ۔ جہاد کے دن یعنی جہاد کے موقع پر۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ۔ اس استثناء کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا مقصد حریف کو غافل کر کے اس پر اِکبارگی ٹوٹ پڑنا ہوتا ہے۔ مُتَحَيِّزًا اِلٰی فِئَةٍ۔ مثلاً سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا پڑ گیا۔ اور اب بھاگنے سے اس کا مقصود اپنی جماعت سے مل کر اور ساز و سامان حاصل کر کے پھر سے حملہ کرنا ہے۔ مَاْوٰهُ جَهَنَّمُ۔ محققین نے یہاں پر یاد دلا دیا ہے کہ اس دخولِ جہنم سے خلودِ جہنم لازم نہیں آتا۔ وھذا لا یدل علی الخلود (قرطبی) ۲۶ (تاثیرِ حقیقی کے مرتبہ میں، کہ مؤثرِ حقیقی صرف اسی کی قدرت ہے) سپہ سالارِ اعظم رسول اللہ صلعم نے حالتِ جہاد میں ایک مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی اٹھا کر مشرکوں کے لشکر کی طرف پھینکیں، ریزے ان کی آنکھوں میں جا کر گھس گئے اور انہیں شکست ہوئی۔ حدیث میں یہ روایت غزوۂ بدر و غزوۂ حنین دونوں کے سلسلہ میں آئی ہے۔ سیاقِ قرآن صاف غزوۂ بدر کے سلسلہ میں ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ۔ ف سے غرض یہ ہے کہ جب تم تائیدِ غیبی کے ایسے ایسے عجائب و خوارق خود مشاہدہ کر چکے ہو تو اب یہ بھی سمجھ لو۔ آیت اس مضمون کو صاف کر رہی ہے کہ فاعلِ حقیقی و مؤثرِ اصلی صرف حق تعالیٰ ہے گو عالمِ اسباب میں وہ کام آلات و وسائط ہی سے لیتا رہتا ہے۔ فنزلت الاٰیۃ اعلامًا بان اللہ تعالیٰ ھو الممیت والمقدر لجمیع الاشیاء وان العبد انما یشارکہ بتکسبہ وقصدہ (قرطبی) ای لیس بحولکم وقوتکم قتلتم اعداءکم مع کثرۃ عددھم وقلۃ عددکم ای بل ھو الذی اظفرکم علیھم (ابن کثیر) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی یہ آپ کے یا کسی مخلوق کے بھی بس میں نہ تھا کہ خاک کے وہ ذرّے ہر ہر کافر کی آنکھ تک پہنچا دیں۔ رمی کا یہ معجزانہ عمل تمام تر قدرتِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔ عنی بذالک ان اللہ بلغ بذالک التراب وجوھھم وعیونھم اذ لم یکن فی وسع احد من المخلوقین ان یبلغ ذالک التراب عیونھم من الموضع الذی کان فیہ النبی صلعم (جصاص) وما رمیت یا محمد رمیًا توصلہ الی اعینھم ولم تقدر علیہ اذ رمیت ای اذ رمیت بصورۃ الرمی ولکن اللہ رمی ای اتی بما ھو غایۃ الرمی فاوصلھا الی اعینھم جمیعًا حتی انھزموا (بیضاوی) ۲۷ اُس پر بندوں کے الفاظ و اقوال بھی اور احوال و اعمال بھی سب یکساں روشن ہیں۔ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۤءً حَسَنًا۔ مومنین کی اس آزمائش سے مقصد یہ کہ انہیں ان کے قصد سے اختیار کئے ہوئے اعمال پر خوب اجر و صلہ دے۔ ۲۸ یعنی یہ ایک مصلحت تو پوری ہو چکی۔ ۲۹ (اور وہ بھی کمزور اور بے سر و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں جس سے اُس کی قدرت و حکمت اور زیادہ واضح ہو کر رہے۔ ۳۰ (اور جو فریق حق پر تھا اُسے غلبہ حاصل ہو گیا) خطاب مشرکینِ مکہ سے ہے روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین کا لشکر معرکۂ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہو رہا تھا تو سردارِ قریش ابوجہل نے غلافِ کعبہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ کامیابی اُس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہو۔ کان المشرکون حین خرجوا من مکۃ الی بدر اخذوا باستار الکعبۃ فاستنصروا اللہ وقالوا اللھم انصر اعلی الجندین واکرم الفئتین وخیر القبیلتین (ابن کثیر عن السدی) وقیل قالہ ابو جہل وقت القتال (قرطبی) ۳۱ اس لیے فتح و غلبہ اصلاً حق ہی کا ہے گو کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت اس کا ظہور نہ ہو) وَاِنْ تَنْتَهُوْا۔ یعنی اتنے نمایاں وضوحِ حق کے بعد اگر اب بھی اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہ بہتری تمہارے حق میں دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ہوگی۔ اِنْ تَعُوْدُوْا۔ یعنی اسی طرح مخالفت و معاندت پر مُصر رہو گے۔ نَعُدْ۔ یعنی ہم بھی اسی طرح تمہارا زور توڑتے رہیں گے

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَاۤءَ
اس کے کہ پینترا بدل رہا ہو لڑائی کے لیے یا (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو تو وہ اللہ کے
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶
غضب میں آجائے گا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے ۲۵
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ
سو اُن کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے (اُن پر) خاک کی مٹھی نہیں
رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ
پھینکی جبکہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ۲۶ تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے
بَلَاۤءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ
اچھی آزمائش بیشک اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۲۷ یہ تو ہو چکا ۲۸ اور
اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ
بیشک اللہ کمزور کر کے رہیگا کافروں کی تدبیر کو ۲۹ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے سامنے
جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ
آموجود ہوا ۳۰ اور اگر تم باز آجاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور
اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ
اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور تمہاری جماعت تمہارے ذرا کام نہ آئے گی گو (کتنی ہی)
كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
زاید ہو اور (جانے رہو) کہ اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے ۳۱ اے ایمان والو

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۔ اس میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ طبعاً تسلی اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ یعنی کہیں وسائط و ذرائع پر نگاہ
نظر کر کے انہی میں نہ الجھ جانا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امداد ساری کی ساری اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ نبّه علی ان النصر من عنده عزوجل لا من الملٰئكة (قرطبی) مرشد تھانوی نے فرمایا
کہ آیت اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے بعد پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ ۱۹ "بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے، اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا
مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز (اور تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا)
ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ان اسباب سے قلب سخت پریشان ہوا، اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول و منصور ہوتے

عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ
اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث
بِهِ الْاَقْدَامَ ۞۱۱ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ
(تمہارے) قدم جما دے ۱۹ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا تھا فرشتوں کی جانب
مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو ۲۰ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے
كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ
دیتا ہوں سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو اور ان کے پور پور پر ضرب
كُلَّ بَنَانٍ ؕ۞۱۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ
لگاؤ ۲۱ یہ (حکم قتال) اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞۱۳
اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ سزا دینے میں سخت ہے ۲۲
ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۞۱۴
سو یہ سزا چکھو اور (جان لو) کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے ۲۳
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا
اے ایمان والو جب تمہارا سامنا ہو جائے گا کافروں کے لشکر کا تو ان سے
فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۞۱۵ ۚ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ
پشت مت پھیرنا ۲۴ اور جو کوئی ان سے اپنی پشت اس روز پھیرے گا سوا

تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لئے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے اوّل بارانِ رحمت نازل فرمایا جس سے پانی کی افراط ہو گئی۔ پیا بھی وضو غسل بھی کیا۔ اور اس سے ریت جم گیا اور دھنسن جاتی رہی، برخلاف اس کے کفار نرم زمین میں تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلف ہونے لگا۔ غرض سب وساوس و تشویشات رفع ہو گئے۔ اس کے بعد اُن پر اونگھ کا غلبہ ہوا، جس سے پوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی" (تھانویؒ) اَمَنَةً مِّنْهُ ۔ یعنی یہ غنودگی کا طاری ہونا بھی بلا سبب نہ تھا، ایک خاص حکمت و مصلحت کا نتیجہ تھا، منہ میں ضمیر حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ الهاء فی منه لله (قرطبی) لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ۔ یعنی وضو، غسل، وغیرہ کی سب ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ ۔ وہ شیطانی وسوسہ مومنین کے دل میں یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے ہم مخذول، غیر مقبول ہیں۔ جب ہی تو پانی سے محروم ہیں۔ قوتِ ارادی میں ضعف وسوسۂ شیطانی ہی پیدا کرتا ہے اس کا ازالہ مقدم ہے۔ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ۔ خطرناک موقعوں پر شجاعت و ثابت قدمی اسی قوت یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ لِيُثَبِّتَ بِهٖ ۔ میں ضمیر پانی کی طرف ہے۔ الضمیر فی به عائد علی الماء (قرطبی) ۲۰ یعنی اپنے تصرفات مَلَکی سے ان کی ہمت بڑھائے رکھو۔ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۔ یعنی اُنہی فرشتوں کی جانب جو امداد مومنین کے لئے نازل ہوئے تھے۔ اَنِّيْ مَعَكُمْ ۔ یعنی تم حسب ارشاد اپنا کام کئے جاؤ۔ اثر پیدا کرنا ہمارا کام ہے اور اصل شے یہی معیت الٰہی ہے۔ ۲۱ یہ سب بیان اور تفصیل ہے ثَبِّتُوْا کی۔ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ۔ یہ بیان ہے اَنِّيْ معكم کا۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ میں فوق، علیٰ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ فوق بمعنی علیٰ (سالم) بَنَان کہتے ہیں انگلیوں اور اُن کے پوروں کو۔ البنان
الاصابع (راغب) البنان الاصابع يريد الاطراف (کشاف) وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۔ جنگ ظاہر ہے کہ دست بدست تھی۔ نیزوں، اور تلواروں سے، ایسی جنگ کے لیے (بلکہ کہنا چاہیے کہ ہر جنگ
کے لیے) اس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں کی انگلیوں پر وار کرو اور ان کی جان لیے بغیر انہیں لڑائی کے ناقابل بنا دو۔ خصه لاجل انهم بها تقاتل
وتدافع (راغب) فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ۔ یعنی گردن کے اوپر کے حصہ پر وار کرو۔ تاکہ حریف فوراً مر جائے۔ خواہ مخواہ اور بلاضرورت مدت تک تڑپتا، اور موت و زندگی کے درمیان جھولتا نہ رہے۔
والمعنى فاضربوا المقاتل والشوى لان الضرب اما واقع علی مقتل او علی غير مقتل فامرهم بان يجمعوا عليهم النوعين معا (کشاف) دونوں ہدایتیں فنِ حرب کے لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ طریق حرب و
ضرب کی جامع ہیں۔ ۲۲ (خواہ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں، یا دونوں جگہ) شَآقُّوا اللّٰهَ ۔ سے مراد شاقوا اولیاء الله بھی لی گئی ہے۔ اے اولیاءه (قرطبی) ۲۳ ذکر اصلی
عذاب تو وہی ہے اور دنیوی سزا سے اس کا ٹل جانا لازم نہیں آتا) ۲۴ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ عام حکم یہی ہے، بطور استثنار اجازت خاص خاص صورتوں میں ہے۔ ان کی تفصیل کچھ
تو یہیں قرآن مجید میں آ رہی ہے اور کچھ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ۔ یعنی کافروں سے مڈبھیڑ ہو حالت جہاد میں۔ زحفًا ۔ زحف کے لفظی معنی چھوٹے
بچے کا گھسل گھسل کر چلنا ہے، مجازاً اُس کا اطلاق لشکر پر بھی ہونے لگا کہ اسے بھی ہجوم کے باعث رُک رُک ہی کر چلنا ہوتا ہے۔ كالعسكر اذا كثر فيعثر انبعاثه (راغب) الزحف الدنو
قليلاً قليلاً ثم سمی کل ماش فی الحرب الی آخر زاحفًا (قرطبی)

نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی و صالح شخص سانپ کا یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے پھر فریقاً سے یہ امر بھی صاف ہو گیا کہ یہ خوف و تردد بھی سب کو نہ تھا۔ وھذا فیما
لا یدخل تحت القدرۃ و الاختیار فلا یرد انہ لا یلیق بمنصب الصحابہؓ (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نفع کبھی بہ صُورت ضرر ہوتا ہے۔ اور عارفین کو اس کا مشاہدہ ہوتا
رہتا ہے۔ ف۱۲ یہ تفصیل بیان ہوئی اسی کراہت طبعی لگا دھون کی (ملاحظہ ہوں اُوپر کے دونوں حاشیے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلہ سے ملیں گے یا امدادی دستہ سے
مڈ بھیڑ ہو گی۔ دونوں امکانات تھے چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لا رہا تھا، اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لئے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے

الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کے لیے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی ف۱۳ اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ
جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے درآنحالیکہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے، اپنے
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ
احکام سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ف۱۴ تاکہ حق کا حق ہونا اور
يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ
باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے ف۱۵ اور اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہی ہوتا ہے (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تم
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے ف۱۶ پھر اُس نے تمہاری سُن لی (اور فرمایا) کہ میں تمہیں ایک ہزار فرشتوں
مُرْدِفِيْنَ ۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ
یکے بعد دیگرے آنے والوں سے مدد دوں گا ف۱۷ اور اللہ نے یہ بس اس لیے کیا کہ (تمہیں) بشارت ہو اور تاکہ
بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ
تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے درآنحالیکہ نصرت تو بس اللہ ہی کے پاس سے ہے بیشک اللہ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۱۰ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ
زبردست ہے حکمت والا ہے ف۱۸ (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب (اللہ نے) اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر
يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ
غنودگی کو طاری کر دیا تھا اور آسمان سے تمہارے اُوپر پانی اتار رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے

ع ۱۵

ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینہ سے زیادہ دُور مکہ کی سمت جانا بہتوں کے لیے موت کے مُنہ میں جانا معلوم ہوتا تھا۔ (کتاب مذکور۔ ص ۱۸۱۔۱۷)

یُجَادِلُوْنَكَ ۔ جدال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ موقع ذم ہی پر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے معنی کہیں صرف زور دے کر کہنے کے آتے ہیں اور اس لفظ کا استعمال کہیں پیمبران معصوم تک کے حق میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل ؑ کے لیے۔ یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ ...... فِی الْحَقِّ۔ یعنی لشکر مکہ سے قتال کے بارے میں درآنحالیکہ وہ محض قافلہ پر حملہ کے خیال سے گھر آئے تھے۔ والحق الذی جادلوا فیہ رسول اللہ صلعم تلقی النفیر (کبیر) بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ۔ یعنی بعد اس کے کہ اس عمل کا خیر ہونا انہیں رسُول اللہ صلعم کے ارشاد سے معلوم ہو چکا تھا۔ ای بعد ما تبین لھم انک لا تامر بشیء الا باذن اللہ (قرطبی)

ف۱۳ یعنی وہ مغلوب ہو جائے گی اور تم اُس پر غالب آ جاؤ گے۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ الٰہی رسُول اللہ صلعم کے واسطہ سے تھا۔ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ۔ دو جماعتوں (یعنی قافلہ و لشکر) میں سے ایک یعنی لشکر۔ ف۱۴ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر ایک فیصلہ کُن جنگ تھی۔ جمہوریہ مکہ کی قسمت کا پانسہ اسی نے ہمیشہ کے لیے پلٹ دیا۔ اور مشرکین کی جڑ جما دی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) مسلمانوں کی خواہش طبعی طور پر یہی تھی کہ سابقہ صرف تجارتی قافلہ سے پڑے، جس پر انہیں فتح بلا حرب و قتال کے حاصل ہو جائے۔ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ ۔ یعنی وہی تجارتی قافلہ۔ شوکۃ کے لفظی معنیٰ چبھنے والے کانٹے کے ہیں۔ مجازاً قوت، شدت اور اسلحہ سے مُراد ہوتی ہے۔ ما یدق ویصلب راسہ من النبات ویعبر بالشوک والشکۃ من السلاح والشدۃ (راغب) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبھی ضرر بہ صُورت نفع ہوتا ہے اور عارفین کو ہر وقت اس کا مشاہدہ اپنے حالات و معاملات میں ہوتا رہتا ہے۔ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ ۔ یعنی حق کا حق ہونا عیاناً و مشاہدۃً ظاہر کر دے۔

بِكَلِمٰتِهٖ ۔ کلمات سے مُراد احکام شرعی بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً رسُول اللہ صلعم کا بدر کی طرف روانہ ہونا، لشکر سے مقابلہ کے لئے حکم فرمانا وغیرہ، اور احکام تکوینی بھی مثلاً رؤسا مکہ کا اتنی تیاریاں کر کے آنا، اور پھر بھی مغلوب و مقہور ہونا وغیرہ، ف۱۵ یہاں بھی وہی احقاق حق اور ابطال باطل کا عیاناً و مشاہدۃً واقع ہونا مراد ہے۔ اور یحق الحق میں تکرار معنوی اس لیے نہیں ہے کہ ایک جگہ وہ خود مقصود ہے اور دوسری جگہ ایک مقصود قطع دابر کا واسطہ ہے۔ ف۱۶ (اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی اور دشمن کی کثرت تعداد و ساز و سامان پر نظر کر کے)
ف۱۷ یہی مضمون سورۂ آل عمران پارۂ چہارم میں آیا ہے اور حاشیے وہاں گزر چکے۔ مُرْدِفِيْنَ سے مراد شاید یہ ہو کہ جس طرح آج میدانِ جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں اُسی جنگی نظام و ترتیب کے ساتھ فرشتوں کے دستوں کا نزول ہوتا رہا۔ المردف المتقدم الذی اردف غیرہ (راغب) ای متتابعین تاتی فرقۃ بعد فرقۃ وذالک اھیب فی العیون (قرطبی) فَاسْتَجَابَ لَكُمْ ۔ یہ وعدۂ امدادِ الٰہی پیمبر کے ذریعہ سے ہُوا۔ ف۱۸ چنانچہ وہ بالکل براہِ راست بلا کسی واسطہ کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن وہ رعایت اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لیے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ ۔ ضمیر اسی وعدۂ امداد بذریعۂ ملائکہ کی جانب ہے۔ اِلَّا بُشْرٰى ۔ یعنی توقع فتح و غلبہ سے دل خوش ہو جائے۔

وانه ورسوله بامرالله بقسمتها على ما تقتضيه حكمته ويمتثل الرسول امرالله فيها وليس الامر فى قسمتها مفوضًا الى رأى احد (مدارک) ۵۳ (کہ یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے)
یہاں ادھر توجہ دلادی کہ طالب آخرت کے رہو نہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے وتجویز سے غنیمت تقسیم کرنے لگو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ۔ اپنے آپس کے سابقہ کو ایسا سنبھالو، سنوارو کہ باہمی رشک ومسابقت کا نام ونشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔ گویا تقویٰ واصلاح کی جامعیت کا حکم آیت میں آگیا۔ ۵۴ (عظمت الٰہی کے استحضار سے) اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا۔ خوفِ خدا و خشیت کی تاکید اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ توریت میں ایک مقام پر ہے ــــــ "خداوند کہتا ہے کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میرے حضور میں نہیں تھرتھراتے؟ (یرمیاہ ۵: ۲۲) اور انجیل میں ہے، جو سرتا سر رحمت وشفقت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے:۔ "اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی بڑائی نہ کرے گا؟ کیوں کہ صرف تو ہی قدوس ہے" (مکاشفہ ۱۵: ۴) ۵۵ (قوت اور تازگی کے لحاظ سے) یہ بیان مومنین کاملین کی صفائے باطنی کا ہوا۔ ۵۶ یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کی عملی حالت کا۔ توکل پر حاشیہ پارہ ۴ سورۂ آل عمران میں آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے تحت میں گزر چکا۔ ۵۷ یعنی حقوق اللہ میں سے شعبۂ بدنی اور شعبۂ مالی دونوں کی ادائی کا پورا پورا اہتمام رکھتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ اعمال باطنی میں توکل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کے تصریحی ذکر سے اشارہ اس طرف ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے اہم اور قابل اہتمام ہیں۔ خص من المقامات

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل
قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا
سہم جاتے ہیں ۵۴ اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اُن کا ایمان بڑھا دیتی
وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
ہیں ۵۵ اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں ۵۶ (اور) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ۵۷ یہی لوگ تو سچے (اور پکے) مومن
حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
ہیں بڑے درجے ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی
كَرِيْمٌ ۝۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ
(بھی) ۵۸ جیسا کہ آپ کے ۵۹ پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا ۶۰ اور
وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ
مومنوں کا ایک گروہ (اس کو) گراں سمجھ رہا تھا ۶۱ وہ آپ سے اس حقیقت کے
فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ
باب میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو چکا تھا اس طرح رد وقدح کر رہے تھے کہ گویا وہ موت کی
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى
طرف ہنکائے جا رہے ہوں اور وہ دیکھ رہے ہوں ۶۲ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے

الباطنة التوکل بالذکر على التعيين ومن الاعمال الظاهرة الصلوٰة والزكوٰة على التعيين تنبيهًا على ان اشرف الاحوال الباطنة التوكل واشرف الاعمال الظاهرة الصلوٰة والزكوٰة (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ یعنی اس میں حال بھی ہے وجل کے لفظ سے اور عقاید بھی ہیں ایمان کے واسطہ سے، اور عمل باطنی بھی توکل کے ذریعہ سے اور عمل ظاہری بھی صلوٰۃ وانفاق کے واسطوں سے، اور آیت کامل اس پر نص ہے کہ ایمان کامل ان سب اوصاف کو جمع کرتا ہے، اور صوفیہ چونکہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ ۵۸ یعنی جیسا کامل ان کا ایمان ہے ویسے ہی جزا بھی انہیں ہر اعتبار سے کامل ہی ملے گی۔ ۵۹ یعنی مال غنیمت کا یہ خدائی طرز تقسیم گو بعض طبائع کو اپنے خلاف مرضی ہونے کی بنا پر ناگوار گزرے لیکن حقیقۃً یہ حکم ایسا ہی پُر مصلحت ہے جیسا وہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ كَمَا۔ اس لفظ کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین ترکیبات نحوی میں سے ہے اضطرب المفسرون فى قوله كما الخ (بحر) چنانچہ صاحب بحر نے ۱۵ مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک دلنشیں قول زجاج لغوی کا ہے۔ الانفال ثابتة لله ثباتًا كما اخرجك ربك (بحر) زمخشری جیسے امام ادب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تقدیر کلام یوں رکھی ہے الانفال استقرت لله والرسول وثبتت مع كراهيتهم ثباتًا مثل ثبات اخراج ربك اياك من بيتك وهم كارهون (کشاف) صاحب بحر نے لکھا ہے کہ میں اسی غور وفکر میں ایک روز سو گیا تو میں نے خواب بھی اسی ترکیب سے متعلق دیکھا۔ اس خواب کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے كما کے معنی میں محض تشبیہ ہی کو نہیں لیا بلکہ تعلیل کو بھی شامل کیا ہے۔ الكاف ليست لمحض التشبيه بل فيها معنى التعليل (بحر) لیکن امام رازیؒ نے جو تقدیر کلام اختیار اور پسند کی ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ كان التقدير انهم رضوا بهذا الحكم فى الانفال وان كانوا كارهين له كما اخرجك ربك من بيتك بالحق الى القتال وان كانوا كارهين له (کبیر) ۶۰ (معرکۂ بدر کے لئے) رسول اللہ صلعم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کئے ہوئے یعنی وطن کو چھوڑ کر بہ حکم الٰہی جلاوطن ہوئے دوسرا سال ہو چکا تھا مگر مکہ کے مشرکوں کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ ان موذی دشمنوں کا قافلہ پچاس ہزار اشرفیوں کے مالِ تجارت سے لدا پھندا ایک مشہور مکی لیڈر ابوسفیان کی قیادت ورہنمائی میں شام سے مکہ کو واپس ہو رہا ہے اور مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرے گا۔ رسول اللہ صلعم کے رفیق اور صحابی برسوں سے ان کے مظالم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ قدرۃً خیال گزرا کہ موقع اچھا ہے، دشمن کی اس شہ رگ کو کاٹ دینا چاہیئے۔ (مکہ کوئی زراعتی ملک تو تھا نہیں باشندوں کی آمدنی کا دار ومدار اسی تجارتی قافلہ پر تھا) آپؐ تین سو تیرہ رفیقوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، نہ یہ کوئی باضابطہ فوج تھی اور نہ فوجی سامان وسلاح سے آراستہ اس وقت آپؐ نے اپنی بے مثال تنظیمی قابلیت کی بنا پر اتنے ہی لوگوں کو فوجی دستوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ ساتھ میں کُل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ادھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر یہ خبر قافلے والوں کو بھی لگ گئی انہوں نے فوراً اپنے آدمی فوجی کمک کے لئے مکہ کو دوڑائے اور خود بالا بالا راستہ کترا کر سمندر کے کنارہ کنارہ نکل آئے۔ جمہوریۂ مکہ کا رئیس ابوجہل اپنی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے رؤسا، اور عام مسلح سپاہی۔ ۹۵۰ کی تعداد میں لے کر جوش وخروش کے ساتھ مدینہ والوں پر جھپٹا، اور بدر کی منزل پر آگر دم لیا۔ جو مدینہ سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر اور اس کے جنوب ومغرب میں واقع ہے۔ یہ واقعہ رمضان ۲ھ مارچ ۶۲۴ء کا ہے۔ ادھر رسولؐ پر وحی آئی کہ قافلہ یا لشکر دونوں میں سے ایک پر آپ کی فتح یقینی ہے لیکن صحابہ تو بہرحال صاحب وحی نہیں تھے۔ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ اب مقابلہ آپڑا ہے تجارتی قافلہ سے یا فوج کے سامان رسد سے نہیں، بلکہ خود لشکر جرار سے اور لشکر بھی کیسا، اپنے سے تعداد اور سامان دونوں میں کئی گنا زاید! قدرۃً ایک گونہ تذبذب، تامل، تردد پیدا ہوا، رسول اللہ صلعم کو اس کم ہمتی پر تاسف ہوا لیکن خود صحابہ ہی کے گروہ میں سے، مہاجرین میں، ابوبکرؓ وعمرؓ اور انصار میں سعد بن معاذ رئیس اوس نے جوش اطاعت سے لبریز تقریریں کیں، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے آیت بالا میں انہی واقعات کی طرف اشارات ہیں ــــــ معرکہ کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانۂ حال کے ایک ماہر فن قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں:۔ "ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا جلاوطنی پر اُن کی جائدادوں کا ضبط کر لینا، اور اُن کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمد ورفت کو اپنے زیر اثر علاقہ میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اُس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال وآبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے" (ڈاکٹر حمید اللہ کی "عہد نبوی کے میدان جنگ" ص۱) بِالْحَقِّ۔ یعنی مقصد صحیح وصالح وپُر حکمت کے ساتھ، یوں ہی اور بلاوجہ نہیں۔ اے احراجًا متلبسًا بالحکمۃ والصواب (کبیر) مِنْۢ بَيْتِكَ۔ یعنی شہر مدینہ سے جو اب آپؐ کا وطن اختیاری تھا۔ يريد بيته بالمدينة والمدينة نفسها لانها موضع هجرته وسكناه (کبیر) ۶۱ کہاں ۳۱۳ اور وہ بھی بے سروسامان، کہاں ۹۵۰ اور پھر ہر طرح مسلح وباساز وسامان۔ خوف واندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت مورد عتاب

ف ٢٩٩ حکم کے مخاطب ظاہر ہے کہ کفارِ منکرین ہیں اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بغرض تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سنو تاکہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لاکر مستحق رحمت ہوجاؤ۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علماء حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسع پیدا کرکے اس سے حالت نماز میں مقتدی کے لیے قرأتِ سورۂ فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے۔ اور اس باب میں علمائے امت کے درمیان طویل مباحثے ہیں جن کے اعادہ کا یہاں محل نہیں۔ ظاھرہ وجوب الاستماع والانصات وقت قرأۃ القراٰن فی الصلوٰۃ والتهليل ونحو ذالك (مدارک) وظاهر اللفظ يقتضی وجوبهما حيث يقرأ القراٰن مطلقًا (بیضاوی) فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ صیغۂ امر میں ہیں لیکن امر سے مُراد یہاں وجوب ہے یا محض استحباب؟ فقہا نے جواب یہ دیا ہے کہ بسبب حرج اور اختلاف مجتہدین کے اَولیٰ اور اصح یہ ہے کہ صیغۂ امر کو استحباب کے لیے سمجھا جائے۔ عامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) اَنْصِتُوْا۔ انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں جو سننے ہی کی غرض سے اور بطور ادب ہو۔ الانصات السكوت للاستماع والاصغاء والمراعاة (قرطبی) قال اهل اللغة الانصات الامساك عن الكلام والسكوت لاستماع القراٰن (جصاص) ف ٣٠٠ (کہ ذکرِ الٰہی سے غفلت سے بڑھ کر اور کون غفلت ہوگی) دُوْنَ الْجَهْرِ۔ جو جہر ممنوع ہے وہ جہر مفرط ہے ورنہ جہر مطلق یا جہر معتدل ممنوع نہیں۔ المراد منه ان يقع ذالك الذكر بحيث يكون متوسطًا بين الجهر والمخافة۔ (کبیر) ملاحظہ ہوں اسی سورۃ کی آیت ۵۵ پر حاشیے پارۂ ۸ میں۔ واذكر ربك فی نفسك تضرعًا و خيفةً۔ مقصود تعلیم ادب ہے۔ ہیئت آواز ہر شے سے تذلل کا اظہار ہونا چاہیئے۔

تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

عاجزی اور خوف کے ساتھ نہ کر چلانے کی آواز سے صبح اور شام کو

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾

اور اہلِ غفلت میں نہ شامل ہو جانا ف ٣٠٠

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

بیشک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی

ع ١٨

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ السجدة

بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ف ٣٠١

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ انفال مدنی ہے اور اس میں پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بڑے رحمت والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ

(یہ لوگ) آپ سے غنیمتوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں ف ١، آپ کہہ دیجیے کہ غنیمتیں اللہ کی مِلک ہیں (اصلاً)

الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪

اور رسول کی (تبعاً) ف ٢ پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے آپس کی اصلاح کرو اور

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١﴾

اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو ف ٣

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یعنی ہمیشہ مقصود اِنہی دو وقتوں کا حصر نہیں۔ قيل المراد ادامة الذكر باستقامة الفكر (مدارک) المراد مداومة الذكر والمواظبة عليه بقدر الامكان (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ولا تكن من الغٰفلين سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو یعنی فکر ہو اگرچہ اس میں زبان کی حرکت نہ ہو یعنی خفی۔ ف ٣٠١ یعنی دل سے، زبان سے، جوارح سے، سب طرح اس کی عبادت میں لگے رہتے اور اپنی عبدیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اپنے کو کسی صفت باری میں شریک نہیں سمجھتا۔ یہ آیت آیتِ سجدہ کہلاتی ہے۔ اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بقول اصح چودہ ۱۴ ہیں اور بعض کے شمار میں پندرہ ۱۵ (اختلاف سورۂ حج کے دوسرے سجدہ سے متعلق ہے) سجدۂ تلاوت، آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت حنفیہ کے یہاں واجب ہے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ۔ مراد اصلی تو فرشتے ہیں توسع کرکے انبیاء، اولیاء، مقربین بھی اس میں داخل کئے جا سکتے ہیں۔ يعنی الملائكة بالاجماع (قرطبی) عِنْدَ سے مراد قربِ منزلت و مرتبت ہے نہ کہ قربِ مکانی۔ هو عبارة عن قربهم فی الكرامة لا فی المسافة (قرطبی) مكانةً ومنزلةً لا مكانًا ومنزلًا (مدارک) القرب المعتبر هو القرب بالشرف لا القرب بالجهة (کبیر) آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ملائکہ با ایں شرف و عظمت ہر وقت عبادتِ الٰہی و تسبیح میں لگے ہوئے ہیں تو انسان کو اپنی ناسوتی آلائشوں کے لحاظ سے اور زیادہ اس پر مستعد رہنا چاہیے۔ والمعنى ان الملائكة مع نهاية شرفهم وغاية طهارتهم لما كانوا مواظبين على العبودية والسجود والخضوع والخشوع فالانسان مع كونه مبتلًى بظلمات عالم الجسمانيات اولى بالمواظبة على الطاعة (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لا يستكبرون یعنی تکبر سے بری ہونے کو دوسری طاعتوں پر مقدم رکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ زوالِ کبر اصلاح کی باقی صورتوں کے لیے بمنزلہ شرط ہے۔ اور امام رازیؒ نے الفاظ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعمالِ قلوب، اعمالِ جوارح پر مقدم ہیں۔

سورۃ الانفال

ف ١ (کہ یہ مِلک کس کی ہیں اور انہیں تقسیم کس طرح کیا جائے، تقسیم مالِ غنیمت کے قدیم دستور کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ جب معرکۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار بہ حیثیت ایک جماعت کے شکست کھائے ہوئے کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا، کہ حکومت کی آمدنی مِلک کس کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل کس ترتیب سے کیا جائے؟ (State Property.) اَلْاَنْفَالُ جمع ہے نَفَل (بہ حرکت فا) کی اور نَفْل (بہ سکون فا) کے معنی زائد یا اُس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو۔ النفل اى الزيادة على الواجب (راغب) نَفَلْ (بہ حرکت فا) سے مراد (اصطلاح شریعت میں) وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو اور اس کا اطلاق مالِ غنیمت قبل تقسیم پر ہوتا ہے۔ النفل ما يحصل للانسان قبل القسمة من جملة الغنيمة (راغب) لیکن عموماً اسے مطلق غنیمت کا مرادف مانا گیا ہے۔ قال ابن عباس ومجاهد والضحاك وقتادة وعكرمة وعطاء الانفال الغنائم (جصاص) سميت الغنائم انفالًا لان المسلمين فضلوا بها على سائر الامم (کبیر) اى الاموال الماخوذة من الكفار قهرًا (کبیر) یہ سوال کرنے والے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ میں سے تھے، اُنہی میں آپس میں یہ سوال اُٹھا تھا کہ مالِ غنیمت مہاجرین و انصار وغیرہ میں سے حق کس کا ہے اور تقسیم کی بنیاد کیا ہونی چاہیئے۔ ولا شك انهم كانوا اقوامًا لهم تعلق بالغنائم والانفال وهم اقوام من الصحابة (کبیر) ولقد وقع اختلاف بين المسلمين فی غنائم بدر وفی قسمتها فسألوا رسول الله صلعم كيف تقسم ولمن الحكم فی قسمتها (مدارک) ف ٢ (اور وہی دونوں مالک و مختار ہیں، کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کریں۔ اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مالِ غنیمت اصلی حق غازیوں اور مجاہدوں، اور لشکر اسلامی کے سپاہیوں کا ہے ـــــــ ان سے وعدہ تو اجرِ آخرت کا ہے ان کا صلہ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مالِ غنیمت کے وہ مالک و متصرف ہوں گے۔ دنیا میں ظہور اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن و مہذب، پرقوت و شوکت سلطنتیں موجود تھیں۔ عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں، اور ہوتی رہتی تھیں۔ مصر، ہند، ایران، یونان، روما سب میں بڑے بڑے سیاسی و معاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے جنھوں نے غنائم جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے۔ قرآن مجید نے آکر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج دیا اور بتلایا کہ مالِ غنیمت نہ تو بادشاہ کی مِلک ہے نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ مُلک و قوم کی، بلکہ اصلاً و حقیقۃً صرف اللہ ہی کی مِلک ہے! ـــــــ سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاص کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ سوال کا جواب کتنا بلیغ و حکیمانہ ملا کہ وہی اس کا بھی مالک ہے جو جان و مال ہر چیز کا مالک ہے۔ گویا ارشاد یہ ہوا کہ جس طرح ربوبیت اُس ذاتِ پاک کی صفت خاصہ ہے، مالکیت بھی تمام تر اُسی کا وصفِ مخصوص ہے۔ ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظام حکومت میں قانون اُسی کا، اقتدار اعلیٰ اسی کا، زمین اسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا مال بھی اُسی کا ـــــــ اُسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے، یا جو کچھ چاہے کرے۔ وَالرَّسُوْلِ۔ کہ رسولؐ ہی کی معرفت اس حکم الٰہی کا اعلان اور بیان ہوگا کہ وہی اس دنیا میں اس مالک و مختار کی مرضی و اقتدار کے نمائندہ ہیں۔ ومعنى الجمع بين ذكر الله والرسول ان حكمها مختص

۲۹۲ؗ (اور بہت زیادہ ان کے درپے نہ ہوجیے) ۔ خُذِ الْعَفْوَ۔ یعنی ان لوگوں کی جاہلانہ اور اشتعال انگیز حماقتوں سے درگزر ہی کرتے رہیے۔ اے خذ العفو عن المذنبین والمراد اعف عنھم والی ھذا ذھب جمع من السلف یشھد لہ ما اخرجہ ابن جریر وابن المنذر وغیرھما عن الشعبی (روح) آیت سے محققین نے طرح طرح کے سبق حاصل کئے ہیں تحصیل علم، اعراض اہل ظلم اور ترک مجادلۂ سفہا وغیرہ کے۔ الحض علی التخلق بالعلم والاعراض عن اھل الظلم والتنزہ عن منازعۃ السفھاء (قرطبی) اور جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں لوگوں کے ساتھ تسامح اور شفقت کے برتاؤ کی اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنے کی تعلیم ہے۔ ۲۹۳ؗ اس لئے آپکے استعاذہ کو خوب سُنے گا۔ اور آپکے مقصود کو خوب سمجھے گا۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔ نزغ شیطانی سے یہاں مراد طبیعت میں اس غصہ و اشتعال کا پیدا ہونا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے، جو مشرکوں اور جاہلوں کی پیہم اشتعال انگیزیوں سے پیدا ہونا تقریباً ایک امر طبعی تھا لیکن اس پر عمل کرنے سے مصالح انتظامی میں فرق پڑنے کا بھی احتمال تھا۔ نزغ الشیطان وساوسہ (قرطبی) الاغواء بالوسوسۃ واکثر ما یکون عند الغضب (جصاص) اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
اور جاہلوں سے کنارہ کش ہوجایا کیجیے ۲۹۲ؗ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ
(فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے وہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے ۲۹۳ؗ یقیناً جو لوگ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا
خدا ترس ہیں جب انہیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں جس سے
فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي
یکایک انہیں سُوجھ آجاتی ہے ۲۹۴ؗ اور جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچے
الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا
رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے ۲۹۵ؗ اور جب آپ اُن کے سامنے کوئی نشان نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ
لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ
آپ اسے کیوں نہ چھانٹ لائے ۲۹۶ؗ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے اوپر
رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ
میرے پروردگار کی طرف سے وحی ہوا ہے ۲۹۷ؗ یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ
اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ۲۹۸ؗ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور
اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ
خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۲۹۹ؗ اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں یاد کیا کر

کیا پیمبر کے لیے نزغ شیطانی ممکن بھی ہے؟ سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ ممکن کیوں نہیں پیمبر سے صرف صدورِ معصیت ممتنع ہے، گناہ کی رائے و تجویز کا پیغمبر کے سامنے پیش ہونا، چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے، یہ تو کسی درجہ میں بھی ممتنع نہیں، اور نزغ شیطان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ شیطان نے ایک رائے آپؐ کے سامنے پیش کی —— اور قرآن مجید تو ہر بُری تحریک کو شیطان ہی کی جانب منسوب کرتا ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ آپ اللہ سے پناہ مانگیے وہ خود آپؐ کو پناہ میں لے لے گا یعنی اس عارضی وسوسہ کو آپ سے دُور کر دے گا۔ مفسر تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حضور صلعم کی لطافتِ قلب اسی سے ظاہر ہے کہ جو وسوسہ شیطانی محض مَس کے درجہ میں ہوتا تھا (چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی موقع کے لیے لفظ مسّ آیا ہے اور وہاں ذکر صالحین و متقین اُمت کا ہے) تو حضورؐ کے قلب مبارک کو اس کی اذیت مثل نزغ کے محسوس ہوتی تھی۔ ایراد النزغ فی موضع والمس فی اٰخر لعلہ للاشارۃ الی ان لطافۃ قلبہ صلعم ازید من غیرہ حیث یکون الوسوسۃ التی لا یکون ورودہ اکثر من المس نزغاً وایذاءً شدیداً فی حقہ ولذا اکد باسنادہ الی النزغ نفسہ مبالغۃً (تھانوی) ۲۹۴ؗ یعنی حقیقتِ امر اُن پر منکشف ہوجاتی ہے مکاید شیطانی اُن پر واضح ہوجاتے ہیں۔ اور وہ شیطانی خطرہ اُن پر اثر نہیں کرتا۔ تَذَكَّرُوْا۔ یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں۔ یعنی دعا، استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی عظمت کا استحضار کرکے اپنے ایمان کو تازہ کر لیتے ہیں۔ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصہ و اشتعال یا اور کسی امر ناجائز و ناپسندیدہ کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے۔ الشیطٰن سے یہاں مراد جنس شیاطین ہے نہ کہ ذات ابلیس۔ والمراد بالشیطٰن الجنس ولذالک جمع ضمیرہ (بیضاوی) انما جمع الضمیر فی اخوانھم والشیطان مفرد لان المراد بہ جنس (مدارک)
محققین نے لکھا ہے کہ وسوسۂ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ اور اس محفوظیت کے تین درجہ ہیں۔ درجۂ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اور حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح کے واقعہ میں منقول ہے۔ اور درجۂ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہوجائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے۔ یہ مقام صدیقین کا ہے اور قصۂ یوسف و زلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے۔ اور درجۂ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے۔ ذرے بہکے اور باز آجائے۔ یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے۔ اور ان تینوں مقامات کا صاحب عارف، متقی، ولی، صاحبِ دل ہوتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں کاملوں کو وسوسہ آنے کے امکان کی مع اس کے علاج یعنی استعاذہ اور تذکر امر و نہی کی تصریح ہے۔

۲۹۵ؗ (گمراہیوں سے) اور باز آئیں بھی تو کیسے؟ نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ ولا یکفون عن الغی ولا یقصرون کالمتقین (بیضاوی) لا ینوبون ولا یرجعون (قرطبی) اِخْوَانُهُمْ۔ یعنی مشرکین و اہل جاہلیت جو اہل طاعت و تقویٰ نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کے باعث گویا شیطانی برادری کے لوگ ہیں۔ ضمیر هُمْ الشیطٰن (اسم جنس) کی جانب ہے۔ المعنیٰ اخوان الشیاطین وھم الفجار من ضلال الانس (قرطبی) قال الحسن وقتادہ والسدی اخوان الشیاطین فی الضلال یمدھم الشیاطین (جصاص) ای اخوان الشیاطین من شیاطین الانس (مدارک) يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ۔ ضمیر ھم انہی اخوان کی طرف ہے۔ وھم الفجار من ضلال الانس یمدھم الشیاطین فی الغی (قرطبی) يَمُدُّوْنَهُمْ۔ مَدّ اور اَمَدّ دو قریب المعنیٰ لفظ ہیں۔ قرآن مجید میں دونوں برابر آتے ہیں۔ امدّ عموماً موقع مدح پر مدّ عموماً محل ذم میں۔ قال الواحدی عامۃ ماجاء فی التنزیل مما یحمد ویستحب امددت علی افعلت وما کان بخلافہ فانہ یجیٔ علی مددت (کبیر) ۲۹۶ؗ (کہ جب آپ نبی ٹھہرے تو سب کچھ آپکے اختیار میں ہوگا) لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے آپ کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ کانوا یطلبون اٰیات معینۃ ومعجزات مخصوصۃ علی سبیل التعنت (کبیر) ۲۹۷ؗ یعنی میرا کام تو صرف فرائض رسالت کو انجام دینا ہے، نہ کہ تمہارے فرمائشی معجزات بہ اختیار خود لانا —— جاہلی مشرک قوموں کے سمجھانے کے لئے جو نبوت کو الوہیت کی کوئی شاخ قرار دینے پر مُصر رہتے ہیں، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیسیوں مرتبہ مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے۔ عارفوں نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ نبوت نام ہے کمال عبدیت و عبودیت کا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تصریح ہے اس کی کہ امور غیبی غیر اختیاری ہیں اس لیے وہ کمال کی علامت بھی نہیں۔ کمال کی بڑی علامت بس اتباع وحی ہے ۲۹۸ؗ یعنی قرآن تو اپنے اعجاز لفظی و اعجاز معنوی کے اعتبار سے خود ہی بہت سے معجزات و دلائل کا قائم مقام ہے۔

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ
تمہارے ہی جیسے بندے ہیں سو اگر تم سچے ہو تو تم انہیں پکارو پھر اُن کو چاہیئے
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ
تمہیں جواب دیں ۲۸۶ کیا ان کے پَیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ
ہیں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتے ہیں؟ کیا ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا
بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ
اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے سب شریکوں کو بُلا لو پھر
ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ
میرے خلاف چال چلو اور مجھے مُہلت نہ دو ۲۸۷ یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے (مجھ پر یہ) کتاب
الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
نازل کی ہے اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے ۲۸۸ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ
دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾
نہ تو تمہاری ہی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ۲۸۹
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ
اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سُن نہ سکیں ۲۹۰ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ کی
اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ
طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ انہیں کچھ نہیں سُوجھ رہا ہے ۲۹۱ درگذر اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے

۲۸۶ (لیکن وہ جواب کہاں دے پاتے ہیں؟ اور یہی ایک بات تمہارے دعوے کو بدیہی البطلان بنا دینے کے لئے کافی ہے) عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ - یہ مثلیت و مشابہت انسان اور ان دیوتاؤں کے مخلوق ہونے اور بے بس و بے اختیار ہونے میں ہے - قال الحسن فی کونھا مملوکۃ للہ وقال التبریزی فی کونھا مخلوقۃ (بحر) اے مماثلۃ لکم من حیث انھا مملوکۃ للہ تعالیٰ مسخرۃ لامرہ عاجزۃ عن النفع والضرر (مدارک) من حیث انھا مملوکۃ مسخرۃ (بیضاوی) اشارہ ہے جاہلی قوموں کے دیوتاؤں، سُورج، چاند، زہرہ، مشتری، آکاش دیوتا وغیرہ کی جانب - اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو - ان کے معبود و رب ہونے کے باب میں - توریت میں بعل پرستوں اور بعل کے نبیوں کے سلسلہ ذکر میں ہے:- "انہوں نے وہ بیل جو انہیں دیا گیا تھا لیا اور اُسے تیار کیا - اور صبح سے دوپہر تک بعل کا نام لیا کئے کہ اے بعل ہماری سُن، پر کچھ آواز نہ ہوئی اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا - اور وہ اس مذبح پر جو بنا تھا کُودا کئے اور دوپہر کو ایسا ہُوا کہ ایلیاہ اُن پر ہنسا اور بولا بلند آواز سے پکارو کیونکہ وہ تو ایک خدا ہے - شاید وہ باتیں کر رہا ہے یا خلوت میں ہے یا کہیں سفر میں ہے اور شاید کہ وہ سوتا ہے - سو ضرور ہے کہ وہ جگایا جائے (۱ - سلاطین ۱۸: ۲۶، ۲۷) تَدْعُوْنَ میں دعاء سے مراد اُن بتوں کو معبود قرار دینا اور فادعوھم میں دعاء سے مراد اُن سے طلب نفع و دفع ضرر چاہنا ہے - عنی بالدعاء الاول تسمیتھم الاصنام الھۃ والدعاء الثانی طلب المنافع وکشف المضار من جھتھم (جصاص) تدعون اے تعبدونھم وتسمونھم الھۃ (بیضاوی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ندار غیر اللہ بطور استغاثہ آیت کی رُو سے ناجائز ثابت ہو رہی ہے -

۲۸۷ یعنی تم مع اپنے گونگے بہرے معبودوں کے سب مل کر اپنے دل کا ارمان نکال لو - اور میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لو کہ مجھے کہاں تک نقصان پہنچا سکتے ہو - قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ - خطاب پیغمبر سے ہے کہ آپ ان بُت پرستوں سے ان پر ان کے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی واضح کرنے کو یُوں فرمائیے - اَلَهُمْ ...... يَسْمَعُوْنَ بِهَا - جسمانیات میں کمال کا تحقق اُنہی آلات و اعضاء پر موقوف ہے - اس لیے ان پر جرح تفصیل سے فرمائی گئی - آیت میں یہ پہلو بھی آگیا ہے کہ انسان میں قوت و قدرت کے ظاہری آلات، پیر، ہاتھ، آنکھ کان تو کم سے کم ہیں بھی - یہ بے جان و بے حِس بُت تو ان سے بھی محروم ہیں پھر یہ مشرک انسان کی کیا شامت ہے کہ وہ ان کی پرستش میں لگا ہُوا ہے جو خود اُس سے بھی ابتر و کمتر ہیں - المقصود من ھٰذہ الاٰیۃ بیان ان الانسان افضل و اکمل حالاً من الصنم واشتغال الافضل الاکمل بعبادۃ الاخس الادون جھل کبیر (کبیر)

۲۸۸ (تو پھر اپنے نبی اور نبی بھی کیسا افضل الانبیاء کی کارسازی کیوں نہ کرے گا؟) یہاں اکیلے اور سچے معبود کے دو وصف بیان کر دئے ہیں - ایک یہ کہ اس نے کتاب نازل کی ہے جو دنیا و آخرت میں منافع اور سارے علوم کی جامع ہے - دوسرے یہ کہ وہ صالح بندوں کی نصرت و کارسازی کرتا ہے ——— دیوی دیوتا نام کے معبود ان دونوں ہی وصفوں سے عاجز و عاری! اے ومن عادتہ تعالیٰ ان یتولی الصالحین من عبادہ فضلاً عن انبیائہ (بیضاوی)

۲۸۹ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۸۴ اصل مقصود ان معبودوں کا کمال عجز دکھانا تھا اس لیے اس پر توجہ اس آیت میں دلائی گئی ہے -

۲۹۰ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۸۵ لَا يَسْمَعُوْا - ابھی اُوپر کی ایک آیت میں اسی مضمون کے خاتمہ پر لا یتبعوکم وارد ہُوا ہے - یہاں اس سے ترقی کر کے لایسمعوا ہے - عدم اسماع یقیناً عدم اتباع سے بھی بڑھ کر ابتر وصف ہے ——— یہ معبودان باطل اتباع تو کیا کرتے سننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے - ھٰذا ابلغ من نفی الاتباع (روح)

۲۹۱ تراھم میں ضمیر اُنہی معبودان باطل کی طرف ہے ——— صناع مشرک و جاہلی قومیں اپنی صناعی کے زور سے جیسی "جاندار" مورتیں تراش لیتی ہیں، ان کے اُوپر قرآن مجید کا یہ بیان کس قدر صادق آتا ہے -

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا
اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۲۷۸ تاکہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے۲۷۹ پھر جب وہ
حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا
(یعنی مرد) اُسے ڈھانک لیتا ہے اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے پھر وہ اُسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے۲۸۰
اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹
پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم
فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ
(اولاد) دیدی تو ہم (تیرے) بڑے شکرگزار ہوں گے۲۸۱ لیکن جب (اللہ) انہیں صحیح جاگتی (اولاد) دیدیتا ہے تو وہ لوگ
فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ
(اللہ) کی دی ہوئی چیز میں (اللہ کے) شریک قرار دینے لگتے ہیں۲۸۲ تو پاک ہے اللہ ان کے شرک سے۔ کیا (اللہ کے ساتھ) یہ
شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا
انہیں شریک کرتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں (بلکہ) خود ہی پیدا کئے گئے ہیں۲۸۳ وہ انہیں کسی قسم کی مدد بھی
وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى
نہیں دے سکتے ہیں (بلکہ) خود اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۲۸۴ اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہاری
الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ
پیروی نہ کر سکیں برابر ہیں (دونوں امر) تمہارے اعتبار سے کہ خواہ انہیں پکارو خواہ
اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝۱۹۳ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
خاموش رہو۲۸۵ بیشک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ

۲۷۸ یعنی حضرت حوّا کو۔ مِنْهَا۔ ضمیر نفس کی طرف بالکل ظاہر ہے لیکن خود نفس سے مراد جنس بھی لی جا سکتی ہے اور لی گئی ہے۔ قیل یرید به الجنس (جصاص) والمراد خلق من النوع الانسانی زوجة آدم والمقصود التنبیه علی انه تعالیٰ جعل زوج آدم انسانًا مثله (کبیر) ای من جنسها (مدارک) ملاحظہ ہو پارہ ۴ سورۃ النساء کی آیت اوّل۔

۲۷۹ گویا عورت کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ مرد اس سے راحت و سکون حاصل کرے اور لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا کے عموم کے تحت میں مادّی، رُوحانی، دماغی، جسمانی ہر قسم کی راحتیں آگئیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ مقصود آفرینش اصلاً مستقلاً مرد ہے اور عورت گویا مرد کے لیے ہے۔ اور ایک تبعی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۸۰ اب ابوالبشر و اُمّ البشر کے قصہ سے گزر کر مرد و زن کی عام خلقت کا بیان شروع ہو گیا —— خاص سے عام کی جانب التفات قرآن مجید کا ایک عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا۔ کنایہ مباشرت سے ہے۔ کنایة عن الوقاع (قرطبی) ای جامعها والغشیان اتیان الرجل المراة (کبیر)

۲۸۱ (اور ادائے حقوق توحید کریں گے) فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ۔ یعنی جب عورت کا پیٹ بھاری ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کے مشکلات و خطرات کا سامنا شروع ہو جاتا ہے۔

۲۸۲ آیت کے اندر شرک کی ساری قسمیں آگئیں۔ جَعَلَا کی ضمیر تثنیہ کس کی جانب ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدمؑ و حوّاؑ مراد ہیں —— لیکن قول محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوج نفس مراد ہیں بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الحسن وقتادة الضمیر فی جعلا عائد الی النفس و زوجه من ولد آدم لا الی آدم وحواء (جصاص) جعل الزوج والزوجة لله شرکاء (کبیر عن القفال) امام رازیؒ نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بطور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے۔ هذا جواب فی غاية الصحة والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدمؑ و حوّا کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے اور نہ ایسے قصہ پیمبروں کے لائق ہیں۔ لم تثبت فی قرآن ولا حدیث صحیح فاطرحت ذکرها (بحر) وامثال ذالك لا تلیق بالانبیاء (بیضاوی)

۲۸۳ اس میں مُورتیاں بُت، عناصر طبعی وغیرہ سارے ہی معبودانِ باطل آگئے۔

۲۸۴ مشرکوں کی کمال حماقت دکھائی ہے کہ ایسوں کے آگے جھکتے ہیں اور گرتے ہیں۔ جو کسی کو تو پیدا کیا کرتے خود اپنے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ اپنی پیدائش تک کے لیے دوسرے ہی کے تمام تر محتاج ہیں —— دوسری آیت میں ترقی کر کے ارشاد ہوا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ تخلیق الگ رہی وہ تو امداد تک پر قادر نہیں۔ نہ کسی دوسرے کی نہ خود اپنی ہی! حیرت اور کمال حیرت ہے کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجہ پر رکھا جائے!

۲۸۵ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ اگر تم انہیں اس غرض سے پکارو کہ یہ تمہیں کوئی راہ بتلائیں، تو تمہارا کہنا یہ نہ کر سکیں یعنی راہ نہ بتلا سکیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر تم انہیں اس لئے پکارو کہ تم انہیں راہ دکھلا دو تو یہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی ہدایت پر عمل نہ کر سکیں۔ تدعوهم میں خطاب مشرکین سے ہے اور ضمیر هم اصنام کی جانب ہے۔ قیل الخطاب للمشرکین وهم ضمیر الاصنام (بیضاوی)

۲۶۹ف (اور گرفت ہمیشہ فوراً ہی نہیں کرتا) مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ - اللہ کی طرف سے یہ اضلال، جیسا کہ بارہا پہلے آچکا ہے، بندہ کے عدم طلب ہدایت کے نتیجہ کے طور پر ہوتا ہے۔ ۲۷۰ف (علم و واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ تمسخر و استہزار کی راہ سے) منکرین کے اس سوال میں سنجیدگی ذرا بھی نہ ہوتی۔ محض تمسخر مقصود ہوتا۔ کانوا یسئلون عن وقت الساعة استبعادًا لوقوعها وتکذیبًا لوجودها (ابن کثیر) ۲۷۱ف اور وہ ظاہر کرنا یہی ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی) التجلیة اظهار الشئ (قرطبی) عِلْمُهَا - یعنی اس کے وقت وقوع کا تفصیلی علم۔ اِنَّمَا اس کلمۂ حصر نے صاف کر دیا کہ اس علم میں کوئی بھی مخلوق، نبی ہو یا فرشتہ باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ
چھوڑے رکھتا ہے ۲۶۹ف یہ لوگ آپ سے قیامت کی بابت دریافت کرتے ہیں ۲۷۰ف کہ اس کا وقوع کب ہوگا
قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا
آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اسے کوئی نہ ظاہر
هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا
کریگا بجز اُس (اللہ) کے ۲۷۱ف بھاری (حادثہ) ہے وہ آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر محض اچانک ہی آ
بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا
پڑے گی آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ گویا آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ
عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے ۲۷۲ف
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ
آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ہی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا
وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۖ وَ
اللہ چاہے ۲۷۳ف اور اگر میں غیب کو جانتا رہتا تو (اپنے لیے) بہت سے نفع حاصل کر لیتا ۲۷۴ف اور کوئی
مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ
مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی ۲۷۵ف میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو
ع ۲۳ ۷ ۱۳ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
ایمان رکھتے ہیں ۲۷۶ف وہ وہی پروردگار ہے جس نے تمہیں ایک جان واحد سے پیدا کیا ۲۷۷ف

انجیل تک میں یہ قول موجود ہے:۔ "اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ (متی ۲۴: ۳۶)

اَيَّانَ - حتّٰی کے معنیٰ میں ہے۔ متٰی کے معنیٰ میں بھی لیا گیا ہے۔ عبارة عن وقت الشئ ويقارب معنى متٰى (راغب)

لِوَقْتِهَا - ل یہاں فی کے معنیٰ میں ہے۔ اے فی وقتها (قرطبی)

۲۷۲ف جاہل منکرین حشر کے استدلال میں ترتیب مقدمات یہ تھی کہ جب آپ رسالت کے مدعی ہیں تو علم غیب بھی آپ کو ضرور ہی ہوگا اور جب علم غیب ہے تو وقوع قیامت کا تفصیلی علم بھی آپ کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے اگر یہ علم نہیں رکھتے تو آپ کا دعوائے رسالت بھی صحیح نہیں ___ کھلی ہوئی غلطی اس استدلال میں یہ تھی کہ غیب دانی کو کوئی جز منصبِ رسالت کا فرض کر لیا گیا تھا۔ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا وقت قیامت کے علم کی یہ مکرر اور تاکیدی نفی اُن تمام ظنی و تخمینی معلومات کی تردید و تغلیط کر رہی ہے جو دنیا کی مدت عمر سے متعلق عوام میں کبھی کسی اور کبھی کسی کے حوالہ سے مشہور ہوتے رہتے ہیں۔ فی هٰذه الاٰية دليل على بطلان قول من يدعي العلم ببقاء مدة الدنيا (جصاص) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. یعنی اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے کہ وقت قیامت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں۔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - یعنی وہ ایسا پُرہیبت و عظیم الشان واقعہ ہے کہ آسمان و زمین کوئی بھی اس کی برداشت کی قوت نہیں رکھتے، سب اُس وقت ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔ قال قتادة وغيره المعنى لا تطيقها السمٰوٰت والارض لعظمها (قرطبی) ۲۷۳ف (اور جس امر میں اس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی، اس میں ہر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں) ———

۲۷۴ف لیکن چونکہ میرا علم کامل و محیط نہیں اس لئے نفع تکوینی کے بہت سے مواقع ہاتھ سے جاتے ہی رہتے ہیں) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نص ہے اس باب میں کہ قدرت مستقل اور علم محیط مقبولین سے بھی منفی ہیں اور جہلا۔ اپنے مشائخ سے کس کس طرح اس کا گمان رکھتے ہیں۔ ۲۷۵ف (حالانکہ تکوینی حیثیت سے مجھے بھی مضرتیں حسب مشیت الٰہی واقع ہوتی رہتی ہیں) پیمبر بھی کبھی بیمار پڑتے ہیں کبھی مالی نقصان اُٹھاتے ہیں۔ وقس علی ہذا۔ اور یہ امُور ان کے کمال نبوت میں ذرا بھی قادح نہیں ہوتے۔ ۲۷۶ف (تو اس لیے ہیں علومِ شرعی اور احکامِ شرعی سے تو خوب بہرہ ور کر دیا گیا ہوں باقی اُمُورِ تکوینی کے علم کامل کی توقع ہی مجھ سے کیوں کی جاتی ہے؟) ۲۷۷ف یعنی حضرت آدمؑ سے۔ نہ کہ متعدد مُورثوں سے۔ قال جمهور المفسرين المراد بالنفس الواحدة اٰدم (قرطبی) خَلَقَكُمْ - میں ضمیر نوع انسان کی جانب ہے یعنی کل نسلِ انسانی ایک ہی ابوالبشر کی اولاد میں ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قوموں، نسلوں، قبیلوں کے مورثِ اعلیٰ بھی الگ الگ ہوں۔

ؒ۲۶۱ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ ۔ یعنی جو لوگ اللہ کے اسماء وصفات میں الحاد سے کام لیتے رہتے ہیں انہیں چھوڑے رہو۔ ایسوں سے بالکل بے تعلق رہو لیکن
خود الحاد فی الاسماء کیا چیز ہے؟ الحد کے لفظی معنی کجروی کے یا انحراف کے ہیں۔ اور یلحدون فی اسمائہٖ کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں نہ موجود ہوں یا
جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں۔ انہیں اس کی جانب منسوب کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو صفات اس موصوف میں ہوں۔ اُن میں خواہ مخواہ دوسروں کو شریک کر لیا جائے۔ والالحاد
فی اسمائہٖ علٰی وجھین احدھما ان یوصف بما لا یصح وصفہ بہٖ والثانی ان یتأوّل اوصافہ علٰی ما لا یلیق بہٖ (راغب) یہاں ممانعت دونوں چیزوں
کی ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کو اس کے کمالات سے خالی سمجھو
اور نہ اس کے کمالات میں دیوی، دیوتاؤں اپنے من
گڑھت معبودوں کو شریک کرو۔ لِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰی ۔ اللہ کے اسماء حُسنیٰ اس کے صفات
کمال کے حامل ہیں۔ اور یہ وہ مخصوص نام ہیں جن کا
اسماء الٰہی ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔
یونان وغیرہ کے بعض مشرک فلسفیوں کا قول ہے
کہ ذاتِ الٰہی کی نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی اس کا
نام۔ اکابر یہود بھی اس مہمل فلسفہ سے متاثر ہو گئے
تھے۔ یہاں ان کی تردید بھی مدِ نظر ہے۔ ملاحظہ ہو
انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ الاسماء
الحسنیٰ سے مراد صفاتِ کمالیہ بھی ہیں۔ المراد
بھا الالفاظ وقیل الصفات (بیضاوی)

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
اس کا بدلہ ملیگا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں۲۶۱، اور ہم نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت ایسی
بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
ہے جو حق کے مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۲۶۲، اور جو لوگ ہماری
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ
نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہیں ہم رفتہ رفتہ لیے جا رہے ہیں اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۲۶۳، اور
لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ
میں انہیں مہلت دیتا رہتا ہوں، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۲۶۴، کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا، انکے
مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا
ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۲۶۵ کیا ان لوگوں نے آسمانوں
فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ
اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں کی اور اس پر جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس پر بھی۲۶۶ اور
مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ
اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی
اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ
ہو۲۶۷ غرض یہ کہ اس (قرآن) کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟۲۶۸ جسے اللہ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا

ع ۲۲ / ۱۲

ؒ۲۶۲ یعنی ہماری مخلوق میں سب کے
سب ہی گمراہ نہیں۔ ایک جماعت اہلِ حق کی بھی
ہے۔ جو دوسروں کو دینِ حق کے مطابق ہدایت
کرتی رہتی ہے اور خود بھی بندوں کے ساتھ معاملات
میں اسی قانونِ حق کے ماتحت برتاؤ کرتی رہتی ہے۔
ؒ۲۶۳ پھر جب ان لوگوں کو آخری منزل
جہنم معلوم ہو گئی تو ان کی ظاہری فلاح سے یا مادی
چمک دمک سے دھوکا کھانا ہی کیا معنیٰ؟
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ۔ یعنی چپکے چپکے انہیں جہنم
کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ مِنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی انہیں اصل منزل مقصود
کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور اپنی شامت سے ہمیشہ
دوسرے اسباب کے الجھاوے میں پڑے رہتے ہیں۔
ؒ۲۶۴ اور خدائی تدبیر کی مضبوطی یہی ہے
کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے۔ اعمال موجب
عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہو جاتا۔ اور گرفت فوراً نہیں ہوتی۔ مجرم کو یہ غرہ ہو جاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں اور اس لیے جرأت عصیاں اور بڑھتی جاتی ہے۔
ؒ۲۶۵ (منکروں کو کہ جو قانون الٰہی کی نافرمانی کریں گے۔ وہ عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے) اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۔ اشارہ رسول اللہ صلعم کے معاصر منکرین کی طرف ہے۔ صاحبھم یعنی
تمہارے ہر وقت کے ساتھی رسول اللہ صلعم جن کے مزاج وسیرت، اوضاع واطوار، اخلاق ومعاملات کی تم ہر طرح جانچ پڑتال کر سکتے ہو۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔ یعنی شائبہ جنون ہوتا تو کجا وہ تو ایسے ایسے کمالوں
اور کمالات کے مالک ہیں کہ ایک دنیا ان پر دنگ رہ گئی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ تمہیں کہ تم انہیں مجنون قرار دیتے چلے جا رہے ہو! ؒ۲۶۶ (کہ اس غور وفکر سے انہیں توحید کا علم استدلالی حاصل ہو جاتا) ؒ۲۶۷
(کہ اس مراقبہ استحضار موت سے احتمال عذاب سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے) ؒ۲۶۸ (کہ سب سے زیادہ مؤثر وبلیغ کلام تو یہی ہے) بعدہٗ میں ضمیر ہٗ
قرآن مجید ہی کی طرف ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝١٧٦ سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ

شاید کہ لوگ سوچیں ؁۲۵۶ (کیسی) بُری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝١٧٧ مَنْ

ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں؁۲۵۷ جسے اللہ

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ

راہ دکھائے بس وہی راہ پانے والا ہے اور جسے وہ بے راہ کرے سو یہی لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝١٧٨ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ

نقصان اُٹھانے والے ہیں ؁۲۵۸ اور بیشک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنات

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ

اور انسان پیدا کئے ہیں ؁۲۵۹ ان کے دل ہیں (مگر) یہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں اور ان کے آنکھیں ہیں

اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ

(مگر) اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں (مگر) اُن سے سنتے نہیں،

بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ

یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں یہی لوگ

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝١٧٩ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠

تو غافل ہیں ؁۲۶۰ اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے (مخصوص) نام ہیں سو انہی سے اُسے

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا

پکارو اور اُن لوگوں کو چھوڑے رہو جو اُس کے صفات سے کجروی کرتے رہتے ہیں ضرور انہیں

؁۲۵۶ یہاں یہ صاف کر دیا کہ مقصود کسی فرد متعین کی تاریخ یا سیرت کو سُنانا نہیں بلکہ کل منکرین، مکذبین، مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ اے هو مثل جمیع الکفار (قرطبی) **؁۲۵۷** آیاتِ الٰہی کی تکذیب سے شامت زدہ انسان نقصان کسی اور کا نہیں، خود اپنا ہی کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا یہاں ایک بار پھر اعادہ ہے۔ **؁۲۵۸** اور اللہ کا کسی کو بے راہ کرنا خود بہ خود نہیں ہوگا۔ بلکہ بندہ کے قصد ضلالت پر محض نتیجہ کے طور پر مرتب ہوگا۔ **؁۲۵۹** یعنی ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو نہ قصد لو طلب ہدایت کی کریں گے۔ اور نہ ہدایت انہیں نصیب ہوگی اس لئے لامحالہ اُن کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف اِس فعل کا انتساب محض تکوینی حیثیت سے یعنی بطور علۃ العلل کے ہے نہ یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی یہ ہے لجھنّم میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کی غرض آفرینش یہ نہیں بلکہ وہ اعمال ایسے اختیار کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہو کر رہیگا۔ واللام للعاقبۃ عند الکثیر (روح) توریت وانجیل، دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:۔ "شریر ہلاکت کے دن کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے۔" (ایوب ۲۱: ۳۰) "خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لیے بنائی ہاں شریروں کو بھی اُس نے بُرے دن کے لئے بنایا۔" (امثال ۱۶: ۴) "یہ لوگ بے عقل جانوروں کی مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لیے حیوان مطلق پیدا ہوئے ہیں ...... اپنی خرابی میں خود خراب کیے جائیں گے۔" (۲ پطرس ۲: ۱۲) **؁۲۶۰** یعنی عقل سے کام لینے میں اور فکر آخرت رکھنے سے بے پروا رہتے ہیں۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ کیونکہ چوپائے تو ہدایت کے مکلف ہی نہیں یہ مکلف ہونے پر بھی اس قدر بے توجہ ہیں جو لوگ انسان انسان کو بلا قید کفر و اسلام مساوی سمجھتے ہیں وہ دیکھیں کہ قرآن نے کافر کا درجہ مراتب انسانیت میں کتنا پست رکھا ہے کہنا چاہیئے کہ اسے دائرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ یعنی یہ لوگ دل، آنکھ اور کان سے حق کے سوچنے سمجھنے حق کے دیکھنے بھالنے، حق کے سننے سنانے کا کبھی کام ہی نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ۔ ایک مضمون توریت میں اس سے ملتا جلتا ہوا ملتا ہے:۔ بَیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ ... بنی اسرائیل نہیں جانتے یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ (یسعیاہ ۱: ۳) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب ہوتی ہے دوزخ کا لیکن مدلول قیاسی یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب بن جاتی ہے شہوات وحرص دنیا کے جہنم کی۔ جیسا کہ ذکر الٰہی سبب بن جاتا ہے دنیا میں جنت قناعت وانوار کا۔ اور یہ دونوں مشاہدات دنیا میں برابر ہوتے رہتے ہیں۔

۲۴۹ؐ (اور ہم پر اس کی ذمہ داری ہی نہیں عاید ہوتی) عَنْ هٰذَا یعنی اس عقیدہ ربوبیت اور عقیدۂ توحید سے) شَهِدْنَا ۔ یہ قول بلیٰ کے تسلسل میں ذریت آدم ہی کی زبان سے ہے۔ شهدنا من بقیة کلام الذریة (کبیر) قال ابن عباس وأبی بن کعب قوله شهدنا هو من قول بنی آدم (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ اعتراف توحید اُن کے دل میں اُتر گیا اور یہ نقش ان کی فطرت میں جم گیا۔ اے نصب لهم دلائل ربوبیته ورکب فی عقولهم ما یدعوهم الی الاقرار بها حتی صاروا بمنزلة من قیل لهم الست بربکم قالوا بلی فنزل تمکینهم من العلم بها وتمکنهم منه بمنزلة الاشهاد والاعتراف علی طریق التمثیل (بیضاوی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ شَهِدْنَا کلامِ باری تعالیٰ ہے اور بلیٰ کا تتمہ نہیں بلکہ مستقل عبارت ہے یعنی بنی آدم کے اس میثاق توحید پر حق تعالیٰ کی شہادت۔ هو خبر من الله عن نفسه وملائکته (ابن جریر۔عن السدی) وقد قیل ان قوله شهدنا من قول الله تعالیٰ والملائکة والمعنی فشهدنا علی اقرارکم قاله ابو مالک وروی عن السدی ایضاً (قرطبی) قَالُوْا بَلٰی ۔ یہ اقرار خالق گویا ان پر واجب ہوگیا ہے۔ اے ان ذالک واجب علیهم (قرطبی) اَنْ تَقُوْلُوْا۔ یعنی تاکہ کہیں یہ نہ کہنے لگو۔ ای کراهة ان تقولوا (بیضاوی)

۲۵۰ؐ یہاں قرآن نے گویا تصریح کردی کہ نسلِ انسانی کا اصل اور ابتدائی دین توحید ہے اور شرک بہت بعد کی پیداوار ہے۔ "دانایانِ فرنگ" ابھی چند سال اُدھر کی بات ہے کہ زور دے دے کر اس کے برعکس کہہ رہے تھے کہ نسل انسانی کا ابتدائی دین شرک ہے، اور توحید تک تو انسان بہت بعد کو رفتہ رفتہ پہنچا ہے لیکن اب ان کے ماہرینِ فن (Ethnologists.) کی آنکھیں کھلی ہیں اور اب علانیہ اقرار ہونے لگا ہے کہ انسان کا ابتدائی دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہوں حاشیے انگریزی تفسیر القرآن کے۔ ۲۵۱ؐ (دین توحید کی طرف اور باز آجائیں کفر و شرک سے) ۲۵۲ؐ ایسا کوئی شخص حقیقۃً سلف میں گزر چکا ہے۔ کون تھا؟ کہاں کا تھا؟ کب تھا؟ یہ متعین نہیں اور جب قرآن اس بارہ میں ساکت ہے تو کسی فرد کی تعیین پر اصرار صحیح ہی نہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اشارہ رسول اللہؐ کے معاصر اُمیّہ بن ابی الصلت کی جانب ہے۔ وهو صاحبکم امیه بن ابی الصلت (ابن جریر۔عن ابن عمرؓ) ایک گروہ کی رائے میں اشارہ عہد بنی اسرائیل کے مشہور زاہد بلعم باعور کنعانی کی طرف ہے۔ هو بلعم بن باعوراء (ابن جریر۔عن ابن عباسؓ) رجل من بنی اسرائیل یقال له بلعم (ابن جریر۔عن ابن مسعودؓ) قال آخرون کان من الکنعانیین (ابن جریر) قال ابن مسعودؓ وابن عباسؓ هو بلعام بن باعوراء (قرطبی) اسی بلعم باعور کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ (گنتی۔ باب ۲۲۔ باب ۲۳۔ باب ۲۴) بہرحال اشارہ جس بھی فرد متعین کی طرف ہو اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ مثال عام ہے اور ہر اُس شخص پر صادق آتی ہے کہ جو دینِ حق کی نعمت پا چکنے کے بعد پھر اس کا تارک ہوگیا ہو۔ قتادہ۔ عکرمہ وغیرہ تابعین اور اکثر مفسرّین کا مسلک یہی ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ الخ یعنی ایک ایسے شخص کا حال بہ طور مثال و نظیر پڑھ کر سنائیے۔ اَلَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ۔ یعنی اسے اپنے احکام علم کی نعمت ہم نے عطاء کی تھی۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا یعنی اُس نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی بلکہ تمرد و سرکشی پر آمادہ ہوگیا۔ ضمیر ھا، اٰیات کی طرف ہے۔ اے من معرفة الله تعالیٰ اے نزع منه العلم الذی کان یعلمه (قرطبی) فانسلخ من الاٰیات (مدارک)

الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝١٧٢ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ

کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے ۲۴۹ؐ یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے

اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ

باپ دادا پہلے ہی سے کرتے آئے اور ہم تو اُن کے بعد اُن کی نسل میں ہوئے تو کیا تو ہلاک کردے گا

اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝١٧٣ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ہمیں (اصلی) اہل باطل کے کرتوت کی بنا پر ۲۵۰ؐ اور ہم اسی طرح نشانیاں کھول کھول کر

الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝١٧٤ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ

بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگ) لوٹ آئیں ۲۵۱ؐ اور اُن لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے

اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں پھر وہ اُن سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور

مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝١٧٥ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ

وہ گمراہوں میں داخل ہوگیا ۲۵۲ؐ اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ اُن (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا

اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ

کردیتے ۲۵۳ؐ لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا ۲۵۴ؐ سو اس

تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ

کی مثال کُتّے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اُسے چھوڑے رہ (جب بھی) ہانپے ۲۵۵ؐ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ

یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجیے (یہ حالات)

فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ ۔ سو شیطان اُس پر مسلط ہوگیا۔ انسان جب اپنے اِرادہ سے فسق اختیار کرتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اُس سے مستقل رفاقت پیدا کرلیتا ہے: محدّث طیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اس پر روشن ہوجائے گا کہ علماء سوء اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں مال وجاہ دنیوی اور اس کی لذتوں میں پھنسے ہوئے۔ عن الطیبی ان من تفکر فی هذا المثل تحقق له ان علماء السوء اسوءُ واقبح من ذالک (روح) ۲۵۳ؐ یعنی بہرحال و بہرصورت اُسے ان آیات پر عمل کی توفیق دیتے ہی رہتے۔ لَوْ شِئْنَا ، یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی کہ ہم بندہ کے اِرادہ میں دخل دے کر اُسے بہ جبر سیدھی راہ پر ڈال دیا کرتے۔ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ۔ بھا کے معنیٰ بالعمل بھا کے کئے گئے ہیں۔ اے بالعمل بھا (قرطبی) ۲۵۴ؐ یعنی عقیدہ و عمل کا معیار بجائے وحی الٰہی کے اپنی ہوائے نفس کو بنالیا۔ وَلٰكِنَّهٗ ، یعنی یہ قانون تکوینی تو ہم نے رکھا ہی نہیں۔ چنانچہ ——— اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وہ اپنے قصد و اختیار سے دنیا کی پستیوں کی طرف جھک گیا۔ اے مال الی زینة الحیوة الدنیا وزهرتها (ابن کثیر) رای الی شهوات الدنیا ورغب فیها (بحر) ۲۵۵ؐ تشبیہ پریشانی و پریشان خاطری کے لحاظ سے ہے، یعنی ایسے شخص کو راحت کسی حال میں بھی نہیں۔ پریشانی، ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آگئی۔ کفر و ارتداد پر جو یہاں ذلت و پریشانی کو مرتب فرمایا گیا، تو آخرت میں تو اس کا تحقق ظاہر ہی ہے۔ دنیا میں بھی اگر قلب کو ٹٹولا جائے تو اہل حق کی سی عزت و راحت نصیب نہیں ہوتی خصوصاً ارتداد کی حالت میں۔ هذا المثل فی قول کثیر من اهل العلم بالتاویل عام فی کل من اوتی القرآن فلم یعمل به وقیل هو فی کل منافق (قرطبی)

يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
کتاب میں اس کا عہد نہیں لیا جاچکا ہے کہ اللہ پر کوئی بات نہ گڑھیں ہاں صرف حق کہیں ۲۴۴ اور
اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں ہے اور آخرت ہی کا گھر ان لوگوں کے حق میں بہتر
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۶۹ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ
ہے جو ڈرتے رہتے ہیں سو کیا وہ عقل سے کام ہی نہیں لیتے ۲۴۵ اور جو لوگ کتاب (آسمانی) کے پابند
بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (سو) ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اپنی اصلاح
الْمُصْلِحِيْنَ ۱۷۰ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ
کرچکے ہوتے ہیں ۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے اُن کے اُوپر پہاڑ معلق کردیا تھا اس طرح کہ گویا وہ
وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا
سائبان ہے اور انہیں یقین ہوگیا تھا کہ وہ ان کے اُوپر گرا ہی چاہتا ہے (اور فرمایا تھا کہ جو (کتاب)
مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۷۱ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ
ہم نے تم کو دی ہے اُسے مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۲۴۷ اور
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
(اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپکے پروردگار نے نکالا اولاد آدمؑ کی پشت سے انکی نسل کو پیدا کیا اور خود انہی کو انکی جانوں پر
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
گواہ کیا ۲۴۸ اور کہا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے ضرور ہیں ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اسلیے ہوا کہ کہیں تم قیامت

۲۴۳ (اس کتاب آسمانی کے مضامین کے عوض میں) یہ بیان ہو رہا ہے یہود کے کسب مال رشوت خواری و بددیانتی کا پیسہ کے ایسے حریص ہیں کہ اپنی ہدایات آسمانی تک اس کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کی شریعت اس باب میں اتنی سخت ہے کہ رشوت اور خیانت تو الگ رہی ہدیہ تک اس میں ممنوع ہے۔ ”تو ہدیہ نہ لینا کیونکہ یہ دانشمندوں کو اندھا کردیتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے“۔ (خروج ۲۳: ۸) خَلْفٌ (بسکون لام) کے معنی نالائق وارث کے ہیں۔ المتاخر بقصور منزلتہ یقال لہ خلف (راغب) قال ابن الاعرابی الخلف بالفتح الصالح وبالجزم الطالح (قرطبی) فخلف بالاسکان فی الذم وخلف بالفتح فی المدح هٰذا هو المستعمل المشهور (قرطبی) قیل ان الاغلب فی خلف بتسکین العین انہ للذم (جصاص) عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى۔ عرض کے لفظ سے مال کے مفہوم میں پہلوئے بےثباتی اور زود فنائی کا بھی آگیا۔ اور یہاں مراد رشوت سے لی گئی ہے جو انہیں احکام دین میں تحریف پر ملتی تھی۔ وروی ان معناہ الرشوۃ علی الحکم (جصاص) المراد ما کانوا یاخذونہ من الرشا فی الاحکام علی تحریف الکلام (کبیر) وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ۔ یہ اشارہ یہود کی طمع غلیظ اور رشوت خواری وغیرہ کی جانب ہے۔ والاشارۃ فی هٰذہ الاٰیۃ الی الرشا والمکاسب الخبیثۃ (قرطبی) يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى۔ یعنی اپنی طمع غلیظ کے آگے ہر سامانِ دنیوی پر گرے پڑتے ہیں۔ العرض متاع الدنیا واخبر عنهم انهم یاخذون ما یعرض لهم من متاع الدنیا لشدۃ حرصهم ونهمهم (قرطبی) يَّاْتِهِمْ میں ضمیر یہود مدینہ معاصرین رسول اللہ کی جانب ہے۔ یعنی جیسے اُن کے اسلاف مالِ حرام کے حریص تھے ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ ای ان یات یهود یثرب الذین کانوا علی عهد النبی صلعم عرض مثله یاخذوہ کما اخذ اسلافهم (قرطبی) يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا۔ یہود کو اپنی نجات و مغفوریت پر گھمنڈ اپنے اُسی غرور نسب و فخر نسل کی بنا پر تھا۔ پارۂ اول کی آیت لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اور دوسری متقارب المعانی آیتوں کے ماتحت حاشیے گزر چکے۔ مفسر آلوسیؒ بغدادی نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عبرت کے لیے ڈیڑھ سو سال کے بعد آج کے اہل ہند کے سامنے بجنسہٖ پیش کردیا جائے۔

هٰذا حال کثیر من المتصوفۃ فی زماننا فانهم یتهافتون علی شهوات تهافۃ الفراش علی النار ویقولون ان ذالك لا یضرنا لانا واصلون۔ وحکی عن بعضهم انہ یاکل الحرام الصرف ویقول ان النفی والاثبات رافع ضررہ وهو خطأ فاحش وضلال بین اعاذنا اللہ تعالٰی من ذٰلك (روح)

یہی حال ہمارے زمانے کے بہ کثرت صوفیہ کا ہے شہوات ولذاتِ دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو مضر نہیں اس لئے کہ ہم واصل ہیں اور کسی کسی کی بابت تو یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ ذکر نفی واثبات اس کے ضرر کو دفع کردیتا ہے۔ یہ لغزش صریح اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

۲۴۴ توریت موجودہ کے صرف چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”تو ہر ایک بات پر جس کا حکم میں تمہیں دیتا ہوں دھیان رکھ کے عمل کیجیو تو اس سے زیادہ نہ کرنا اور نہ اس سے کم کرنا“۔ (استثناء ۱۲: ۳۲) ”تم اس کلام میں جو تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو“۔ (استثناء ۴: ۲) ”فقط تو مضبوط ہو اور خوب دلاوری کرنا تاکہ تو اس سب شریعت کے موافق جس کا میرے بندہ موسیٰ نے تجھ کو حکم کیا ہے دھیان کرکے عمل کرے اس سے دہنے یا بائیں ہاتھ کو مت پھر تاکہ تو ہر جگہ جہاں جہاں تو جاتا ہے کامیاب ہو“۔ (یشوع ۱) مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ۔ اس ترکیب اضافی میں اضافت فی کے قائم مقام ہے یعنی المیثاق المذکور فی الکتاب۔ ای المیثاق المذکور فی الکتاب (کشاف) الاضافۃ بمعنی فی (جلالین)

۲۴۵ (اس لیے کہ عقل سے ذرا بھی کام لیں تو یہ حقائق ان پر خود روشن ہو کر رہیں) وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ۔ یعنی یہ لوگ اس مضمون سے خوب واقف بھی ہو چکے ہیں۔ اور اس لیے ناواقفیت کا عذر بھی پیش نہیں کرسکتے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ یعنی جو لوگ اللہ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کیے رہتے ہیں اور عقاید کفر و اعمال فسق سے پرہیز کیے رہتے ہیں۔

۲۴۶ (چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اُتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا و آخرت دونوں عالموں میں پاکر رہتے ہیں) یہاں یہ بتلا دیا کہ اپنی اصلاح کے اہم ترین اجزاء یہ دو ہیں ایک کتاب آسمانی کے احکام کی تعمیل دوسرے نماز کی پابندی۔ اَلَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ۔ اور ”کتاب“ میں رسول اسلام پر ایمان لانے کا حکم بھی درج ہے تو تمسک بالکتب بغیر اسلام کی حلقہ بگوشی کے ممکن نہیں۔ اَلْكِتٰبِ سے اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد توریت سے ہے۔ ای بالتوراۃ (قرطبی) اَقَامُوا الصَّلٰوةَ۔ اقامت صلوٰۃ کا حکم تو تمسک بالکتب میں شامل ہی ہے۔ پھر الگ سے جو اس کا تصریحاً ذکر ہے تو وہ اس حکم کی عظمت خاص وامتیاز کے اظہار کے لیے ہے۔ اظهار العلو مرتبۃ الصلوٰۃ وانها اعظم العبادات بعد الایمان (کبیر)

۲۴۷ (جیسا کہ ہر صالح موحد قوم کو ہونا چاہیئے) اس رفع طور پر حاشیے سورۃ البقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ۔ اور توریت میں اہم ترین تعلیم توحید کی تھی۔ ظَنُّوْٓا۔ ظن۔ یہاں گمان وخیال کے معنی میں نہیں علم ویقین کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون ای علموا وایقنوا (کبیر) ای ایقنوا (بیضاوی)

۲۴۸ (بقدر ضرورت انہیں سمجھ عطا کرکے) واقعہ عالم ارواح کا بیان ہو رہا ہے۔ اوپر ذکر بنی اسرائیل کے میثاق توحید کا تھا۔ اور اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کو بار بار اُن کا میثاق توحید یاد دلایا جاچکا ہے۔ اس پر سوال ہوسکتا تھا کہ اسرائیلی میثاق دنیا کی غیر اسرائیلی آبادی کے لیے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ توحید کا عہد تو ساری نسل انسانی سے لیا جاچکا ہے اور توحید شناسی، توحید پرستی انسان کی فطرت میں راسخ کی جاچکی، اور بشر کی سرشت میں رچی جاچکی ہے۔ فطرت اگر مسخ نہیں ہوچکی ہے تو ایک خالق و رازق و مربی کا اعتراف ہر فطرت سلیم کا جزو ہے۔ هی عامۃ لجمیع الناس لان کل احد یعلم انہ کان طفلا فغذی وربی وان لہ مدبرا وخالقا (قرطبی) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب پہلے پُشتِ آدمؑ سے نسل آدمؑ وجود میں آچکی ہے۔ من ظهورهم ترکیب میں من بنی اٰدم سے بدل اشتمال ہے۔ بدل اشتمال من قولہ من بنی اٰدم والفاظ الاٰیۃ تقتضی ان الاخذ انما کان من بنی اٰدم۔ (قرطبی)

يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ

اسلیے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ۲۳۸ پھر جب وہ اس چیز کی حد سے نکل گئے جس سے وہ روکے گئے

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ

تھے ہم نے اُن سے کہدیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ ۲۳۹ اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپکے پروردگار نے یہ جتلادیا کہ وہ

عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ

ان (یہود) پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھیگا جو انہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا ۲۴۰

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾

بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے، بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۴۱

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ

اور زمین پر ہم نے انہیں مختلف جماعتوں میں تقسیم کردیا اُن میں سے (بعض) نیک بھی تھے اور اُن میں سے (بعض)

مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ

اس کے علاوہ بھی اور ہم انہیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

باز آجائیں ۲۴۲ پھر اُن کے بعد اُن کے جانشین ہوئے ایسے نالایق (لوگ) کہ کتاب کو

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ

تو اُن سے حاصل کیا (لیکن) اس دُنیا کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تو ضرور مغفرت ہوجائے گی اور

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ

اگر اُن کے پاس ویسا ہی مال (پھر) آجائے تو اُسے (بھی) پالیں ۲۴۳ کیا اُن سے

۲۳۸ عذابِ الٰہی کی یہ خصوصیت بار بار بیان کرنے کے قابل ہے (بار بار اس لئے کہ لوگ اسے بھول بھول جاتے ہیں) کہ اس میں گنہگار اور بے گناہ سب نہیں صرف گنہگار ہی مبتلا کئے جاتے ہیں۔ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ۔ یعنی جو لوگ راہِ ہدایت پر قایم ہے اور اس کی تلقین دوسروں کو کرتے رہے۔ وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔ ۲۳۹ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکا۔ ۲۴۰ اور یہ سزا دنیا میں اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور گستاخیوں کی پاداش میں مقرر ہوئی ہے) اس کا مشاہدہ آج تک (۱۹۴۶ء تک) ہو رہا ہے جرمنی میں ابھی کل تک اُن پر جو قیامت برپا رہی وہ اظہر من الشمس ہے۔ باقی یُوں بھی بنی اسرائیل اس دنیا کے پردہ پر کسی خطّہ و علاقہ میں مطمئن نہیں، رُوس، برطانیہ، فرانس، امریکہ کوئی بھی ان کا دوست اور مخلص نہیں ہر ایک موقع پاکر انہیں پیس ہی ڈالنا چاہتا ہے اور مشہور عالم دولت و ثروت کے باوجود یہ قوم آج تک مقہور ہی چلی آرہی ہے۔ عَلَيْهِمْ ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ قول جمہور یہ ہے کہ اس سے عہدِ نبوی کے معاصر یہود مراد ہیں اُنہی کو یہ خبر پہنچا دینا مقصود ہے کہ اگر اب بھی ایمان نہ لائے تو بس حشر تک اس دنیا میں ذلت و خواری کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ رہنا ہے۔ قال الاکثرون هذه الاٰية في اليهود الذين ادركهم الرسول صلعم ودعاهم الى شريعته وهذا اقرب (کبیر) لیکن خود سیاق قرآنی اس خیال کی تائید میں ہے کہ یہ وعید اُنہی قدیم سبت شکن یہود کو سنائی جارہی ہے کہ تم نے اگر اپنی اصلاح حال نہ کرلی تو قیامت تک محکومیت کے دنیوی عذاب میں مبتلا رکھے جاؤگے۔

توریت کے بھی بعض بیانات اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں:۔ ”اگر تم میرے سننے والے نہ ہو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو . . . اور مجھ سے عہد شکنی کرو، تو میں بھی تم سے ایسا ہی کروں گا . . . اور میرا چہرہ تمہارے خلاف ہوگا، اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کئے جاؤگے۔ اور جو تمہارا کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔ (احبار ۲۶: ۱۴-۱۷)“ ”تیرے بیٹے اور عزیز بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی، اور تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ اور سارے دن ان کی راہ تکتے تکتے تھک جائیں گی۔ اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا۔ (استثناء ۲۸: ۳۲) ۲۴۱ (تائبوں کے حق میں) بدکار نافرمان قومیں مایوس نہ ہوں۔ ان کے لیے اب بھی توبہ و رجوع کے بعد اللہ کے غفر و رحمت سے پوری طرح استفادہ کا موقع باقی ہے اور یہود کے لئے تو اس میں خاص بشارت کا اشارہ نکلتا ہے کہ اگر وہ اپنی اسلام دشمنی سے باز آگئے تو اللہ کی رحمت اُن کی پوری دستگیری کو موجود ہے۔ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ - اس کی اس صفت کا ظہور صرف مجرموں اور عادی مجرموں کے حق میں ہوتا ہے۔ ۲۴۲ (اپنی مجرمانہ حرکتوں سے، اور ایمان و اطاعت کی طرف لَوٹ آئیں) ای ليرجعوا عن كفرهم (قرطبی) يريد كي يتوبوا (کبیر) بَلَوْنٰهُمْ - ضمیر جمع افراد کی طرف نہیں بلکہ مجموعاً قوم یا اُمت کی طرف ہے۔ قومی خوشحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولتمند ہو، صحیح، تندرست ہو، قومی بدحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم و ماتحت ہو، ذلیل و ضعیف ہو، مفلس و تنگدست ہو۔ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں مراد تو ظاہری و مادی تنگی و فراخی ہے لیکن بندہ کا ابتلا کبھی حسناتِ باطنی سے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً معاصی کے ہوتے ہوئے بھی ذوق و وجد حاصل ہوجاتا ہے اس سے بندہ کو دھوکا ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں حالانکہ وہ باطل پر ہوتا ہے تو اگر معصیت کے ساتھ بسط جمع ہوجائے تو وہ استدراج ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ اس میں اس کا اشارہ آگیا کہ ابتلا بھی اصلاح ہی کی غرض سے تھا۔ قال اهل المعاني وكل واحد من الحسنات والسيئات يدعو الى الطاعة اما النعم فلاجل الترغيب واما النقم فلاجل الترهيب (کبیر) قَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۔ یعنی وہ قوم منتشر و متفرق ہوکر زمین پر پھیل گئی اور مختلف حصوں میں آباد ہوگئی۔ اے فرقناهم في البلاد (قرطبی) فرقناهم تفريقا شديدا۔ (کبیر)

٢٣٢ حاشیۂ سورۂ بقرہ، پارۂ اوّل، رکوع ۷ میں گزر چکے۔ ٢٣٣ (پیغمبر) وَاسْئَلْهُمْ میں ضمیر عہدِ رسولؐ کے معاصر یہود کی طرف ہے۔ ای واسئل الیھود الذین ھم جیرانك عن اخبار اسلافھم (قرطبی) اَلْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ حاشیۂ سورۃ البقرہ پارۂ اوّل رکوع ۸ میں گزر چکے۔ عَنِ الْقَرْيَةِ۔ القریہ سے مراد اھل القریۃ ہیں۔ ای عن اھل القریۃ (قرطبی) ٢٣٤ (بلکہ وہاں سے کہیں اور نکل جاتیں) حِيتَانُهُمْ۔ یعنی اُن کے سمندر کی مچھلیاں۔ تَأْتِيهِمْ

بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي

ظلم کرتے رہے تھے ٢٣٢ اور آپ ان سے اُس بستی (والوں) کی بابت دریافت

كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ

کیجیے جو سمندر کے کنارہ تھی ٢٣٣ جب کہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے

تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا

(اور) جب کہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب سبت

يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا

نہ ہوتا تو نہ آتیں ٢٣٤ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح سے کی اس لیے کہ وہ نافرمانی کر رہے

يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ

تھے ٢٣٥ اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے

قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

جاتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے والا ہے ٢٣٦

قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا

وہ بولے اپنے پروردگار کے رُوبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں ٢٣٧ پھر جب

مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَ

بھولے ہی رہے اُس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو بُری بات

أَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا

سے روکا کرتے تھے اور جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا

ع ٢٠ وقف لازم معانقة النصف

شُرَّعًا۔ یعنی وہ مچھلیاں سطحِ آب پر پانی سے سر نکال نکال کر نمودار ہو جاتی تھیں، اے شوارع ظاھرۃ علی الماء کثیرۃ (قرطبی)

٢٣٥ یعنی اس سخت آزمائش میں وہ اسی لئے ڈالے گئے کہ وہ نافرمانیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ آزمائشیں حق تعالیٰ کے ہاں سے تو نافرمانوں اور فرماں برداروں دونوں کی ہوا کرتی ہیں لیکن جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اہلِ طاعت کی آزمائش لطف اور تائید اور توفیق سے مقرون ہوا کرتی ہے۔ بعض اہلِ علم نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ احکامِ شریعت سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے۔ واستدل بعض اھل العلم بقصۃ ھٰؤلاءِ المعتدین علی حرمۃ الحیل فی الدین (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جن حیلوں کا شروع ہونا فقہاء و حکماءِ اُمّت سے وارد ہوا ہے وہ احکامِ شرعی کی تعمیل کے لئے ہے نہ کہ اُن سے بچنے کے لئے۔ ٢٣٦ (ان کے مسلسل جرائم کی پاداش میں) إِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جو خود نیک کار تھے لیکن مجرموں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے اور یہ کہا انہوں نے ان نیک کاروں سے جو اب تک وعظ و نصیحت میں لگے ہوئے تھے۔

٢٣٧ (اور اس خشیتِ الٰہی سے اپنی اصلاح کر لیں) مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ۔ یعنی کم از کم اپنی صفائی تو ہم پیش ہی کر دیں گے کہ ہم نے اپنی والی پند و نصیحت تو بہت کچھ کر ڈالی تھی، غرض یہ کہ ان مصلحین نے جواب دو دیئے، ایک یہ کہ اپنے اُوپر تو تلقین و اتمامِ حجّت کا بار نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ شاید اب بھی یہ لوگ اصلاح قبول کر لیں۔ مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونے کی اُمید بالکل نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو دلیل عالی ہمتی ہے۔ چنانچہ اہلِ حق میں سے جنہوں نے لِمَ تَعِظُونَ کا سوال کیا انہوں نے بوجہ یاس فتوائے عدمِ وجوب پر عمل کیا اور جنہوں نے مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ سے جواب دیا انہیں یا تو یاس ہی نہیں ہوئی اور یا انہوں نے عالی ہمتی سے کام لیا ——— اور دونوں فریقوں نے پُورا پُورا اجر پایا۔

قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا
وحی کی کہ اپنے (اس) عصا کو (فلاں) پتھر پر مارو تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) ہر شخص
عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا
نے اپنے پانی پینے کا مقام معلوم کر لیا ف۲۲۸ اور ہم نے اُن پر
عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا
ابر کا سایہ کر دیا اور ہم نے اُن پر من و سلویٰ اتارا (اور کہا کہ) پاکیزہ
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا
چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ف۲۲۹ اور انہوں نے (کوئی) ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ اپنے
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ
ہی اُوپر ظلم کرتے رہے ف۲۳۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب اُن سے کہا گیا کہ (فلاں) بستی میں جا کر سکونت اختیار
الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ
کرو، اور وہاں کھاؤ، جہاں سے بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور (شہر کے) دروازہ میں (عاجزی
ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ
سے) جھکے ہوئے داخل ہو، ہم تمہاری خطائیں تمہیں معاف کر دیں گے۔ ہم نیک کاروں کو
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
اور زیادہ دیتے ہیں ف۲۳۱ لیکن ان میں سے ظالموں نے کلمہ بدل ڈالا خلاف اس کے کہ جو اُن سے
الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ
کہا گیا تھا تو ہم نے اُن پر آسمان سے ایک آفت بھیجی اس لئے کہ وہ (اپنے اُوپر)

ف۲۲۷ (اور ہر جماعت کا نگراں ایک ایک سردار کو مقرر کر دیا) یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی آیا ہے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا

توریت میں اسی سلسلہ میں ہے:- "یہ سب بنی اسرائیل کے بارہ فرقے ہیں اور یہی ہے جو اُن کے باپ نے انہیں کہہ کے برکت دی" (پیدائش۔ ۴۹: ۲۸) نیز (خروج ۲۸: ۲۱) اَسْبَاطًا اُمَمًا اسباطًا یہاں بدل ہے۔ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ سے اور اُمَمًا صفت ہے اسباط کی۔ اسباطا بدل من اثنتى عشرة امما نعت للاسباط (قرطبی) امما بدل بعد بدل او نعت اسباطا (بیضاوی) قَطَّعْنٰهُمُ۔ یعنی انہیں اتنے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اے صیرناهم قطعا ای فرقا (کبیر)

ف۲۲۸ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

اِنْبَجَسَتْ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انفجرت کے معنی میں ہے اور انبجاس و انفجار مرادف ہیں اس قول پر آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یقال بجس الماء يبجس وانبجس وتبجس اذا تفجر هذا قول اهل اللغة (کبیر) اے انفجرت كما قال ابن عباس (روح) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انبجاس پانی کے تھوڑے تھوڑے نکلنے کو اور انفجار پانی کے جوش سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ قرآن مجید نے یہاں جو انبجست کہا ہے یہ پانی نکلنے کی ابتدار کا ذکر ہے اور سورہ البقرہ میں جو انفجرت ارشاد ہوا ہے وہاں آخر میں جوش و خروش سے جاری کرنے کا بیان ہے۔ قال آخرون الانبجاس خروج الماء بقلة والانفجار خروجه بكثرة وطريق الجمع ان الماء ابتدا بالخروج قليلاً ثم صار كثيراً و هذا الفرق مروی عن ابی عمرو بن العلاء (کبیر)

ف۲۲۹ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

ف۲۳۰ (احکامِ الٰہی کی نافرمانی کر کرکے) مشرک جاہلی قوموں میں خدا سے بغاوت خود خدا کے لئے باعثِ مصیبت سمجھی گئی ہے۔ یہ اسی کی تردید ہے اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ قانون الٰہی کے توڑنے سے خدا کا کیا نقصان؟ نقصان تو انسان کا اپنا ہوتا ہے۔

ف۲۳۱ حاشیے پارۂ اول، سورۂ بقرہ، رکوع ۶ میں گزر چکے۔

پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا رُوح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا۔ (۱۵: ۲۶)" یہ ابد تک ساتھ رہنے والا اور حضرت مسیح کی تصدیق کرنے والا بجز خاتم المرسلین کے جنہوں نے آکر حضرت مسیح کی تصدیق کی اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ حوالے ان نام نہاد "اناجیل" اربعہ کے تھے جو مسیحی کلیسا میں آج بھی مسلم ہیں باقی انجیل برنابا تو اس سے کہیں زیادہ اور کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے۔ ۲۲۱ یعنی اس کی شریعت تمام رسم و رواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ اور ان پر حاکم ہے۔ يَأْمُرُهُمْ ...... عَنِ الْمُنْكَرِ چنانچہ جیسا کہ ظاہر ہے شریعت اسلامی جامع ہے تمدن، معاشرت، اخلاق، سیاست، ہر شعبۂ حیات میں انفرادی و اجتماعی بہترین احکام و قوانین کی۔ يُحِلُّ ...... الْخَبٰٓئِثَ چنانچہ اسلامی شریعت پر عمل کے بعد کسی بھی گندگی، پلیدی کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ ۲۲۲ (دنیا و آخرت دونوں میں) دنیا میں بہترین دستور حیات و نظام عمل کا مالک اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش، فراغت سے مالا مال۔ اے هم الفائزون بالمطلوب فی الدنیا والاٰخرة (کبیر) النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اس نازل شدہ نور سے مراد ہے قرآن و سنت۔ وهو القراٰن وقیل الهدٰی والبیان والرسالة (کبیر) ۲۲۳ جس میں استثنا نہ کسی قوم و نسل کا ہے، نہ کسی ملک و زمانہ کا) آیت ایک محکم و روشن دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ پر ہے یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے، اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ عرب قوم، یا چھٹی یا ساتویں صدی مسیحی کی دنیا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ اس طرز خطاب نے صراحت کر دی کہ قرآن کے مخاطب سارے آدم زاد ہیں نہ کہ ان کا کوئی خاص ٹکڑا۔ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ اس نے ایک بار اور صراحت کر دی کہ محمد صلعم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک قاصد اور پیغمبر ہیں اور بس، نہ کہ اس کے مظہر یا اوتار، یا اس کے فرزند و رشتہ دار۔ ۲۲۴ یہ نہیں کہ بقاء حیات کے دیوتا وشنو جی ہوں اور موت و ہلاک کے دیوتا شوجی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ نہیں کہ معبود اعظم تو وہ ہے، اور چھوٹے بڑے دیوی، دیوتا اس کے ماتحت ہزاروں ہیں نہیں بلکہ کسی دوسرے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ معبود تو صرف وہی ایک اور اکیلا ہے۔ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس میں ایک لطیف اشارہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خدائے اسلام کی ربوبیت و الوہیت ہمہ گیر ہے، رسول اللہ صلعم کی بھی دعوت عالمگیر ہے۔ ۲۲۵ (اور انفرادی، اجتماعی، معاشی، مادی ہر قسم و نوعیت کی فلاح پا جاؤ) رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ۔ رسول اور نبی دُہری صفت لانے سے مقصود تاکید اور زورِ کلام ہے۔ رسول اور نبی کے درمیان فرق بھی متعدد بتلائے گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ نبی بشر کے لئے مخصوص ہے اور رسول ملائکہ کے لئے بھی عام ہے۔ اسمان لمعنیین فان الرسول اخص من النبی وقدم الرسول اهتماما لمعنی الرسالة والا فمعنی النبوة هو المتقدم (قرطبی) الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود اس رسول اشرف و اکرم کے لئے یہ امر باعث شرف و اکرام ہے کہ اس کا ایمان اللہ اور اس کے سارے کلاموں پر کامل و محکم ہے۔ كَلِمٰتِهٖ۔ یعنی جو وحی خدا ان پر نازل ہوئی اس پر اور اس سے سابق کی ساری وحیوں پر۔ اے ما انزل علیه وعلٰی سائر الرسل علیهم السلام من کتبه ووحیه (روح) ۲۲۶ یہود میں یہ وہی اہل حق و اہل انصاف ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئے۔ قیل هو الیهود الذین کانوا فی زمان الرسول علیه الصلوٰة والسلام واسلموا (کبیر) وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى۔ قوم موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ضمیر الحق کی طرف ہے، اور یعدلون یعنی حکم و فیصلہ میں انصاف کرتے ہیں۔ به ای بالحق ویعدلون بینهم فی الحکم (بیضاوی) قال الزجاج العدل الحکم بالحق (کبیر) يَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ یعنی دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ اے یدعون الناس الی الهدایة (قرطبی)

اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جو اُن پر (اب تک) تھیں اُتارے دیتا ہے ۲۲۱ سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے

بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اور اُس کا ساتھ دیا اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ اُتارا گیا

مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۵۷ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

ع ۱۹

ہے سو یہی لوگ تو ہیں (پوری) فلاح پانے والے ۲۲۲ کہہ دیجئے کہ اے انسانو! بیشک میں

اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۲۳ اُسی اللہ کا جس کی حکومت ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

زمین میں سوا اُس کے کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور (وہی) مارتا ہے ۲۲۴ سو ایمان لاؤ اللہ

وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

اور اُس کے اُمّی رسول و نبی پر جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلاموں پر، اور اس کی

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۱۵۸ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ

پیروی کرتے رہو تاکہ تم راہ پا جاؤ ۲۲۵ اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے

يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۱۵۹ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ

کہ (وہ لوگ) حق کے مطابق (دوسروں کو) ہدایت کرتے ہیں اور (خود بھی) اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ۲۲۶

عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ

اور ہم نے انہیں بارہ خاندانوں جماعتوں میں تقسیم کر دیا ۲۲۷ اور ہم نے موسیٰؑ کو جبکہ اُن کی قوم نے اُن سے پانی طلب کیا

۲۱۳ اور وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کا اور زیادہ قائل ہو جائے) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ - تو جسے اپنی مشیت تکوینی کے لحاظ سے چاہے گمراہ کردے اور وہ تیرے شکوہ و شکایت اور ناشکری میں لگ جائے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ - یہ تو تیری طرف سے ایک آزمائش ہے جس سے مقصود مجرموں کو سزا دینا ہے، نہ کہ ساری قوم کو ہلاک کر دینا۔ ۲۱۴ (سو تو اگر مجرموں اور خطا کاروں پر بھی مغفرت و رحمت کی نظر کرے تو کیا بعید ہے) اَنْتَ وَلِيُّنَا - تو ہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، اور ہمیں تیری ہی کارسازی اور چارہ فرمائی پر بھروسہ ہے ۲۱۵ (اخلاص و اطاعت کے ساتھ) وَاكْتُبْ لَنَا کے معنی لازمی طور پر یہ نہیں کہ قید کتابت میں لے آ، یا ہمارے لیے تحریر کردے، بلکہ یہ ہیں کہ ہمارے حق میں لازم و مقرر کردے، محاورۂ عرب میں کتابۃ کے یہ معنی عام ہیں۔ اے اوجب لنا والکتابۃ تذکر بمعنی الایجاب (کبیر) واثبت لنا (کشاف) ویعبر عن الاثبات والتقدیر والایجاب والفرض والعزم بالکتابۃ (راغب) هُدْنَآ اِلَيْكَ - یعنی ہم تیرے آگے رجوع و توبہ کے ساتھ حاضر ہو رہے ہیں۔ قال المفسرون اے تبنا و رجعنا الیک (کبیر) ۲۱۶ یعنی میرے قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مجرم و غیر مجرم نیک و بد سب ہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ البتہ قانون مکافات و مجازات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۲۱۷ مناجات موسوی کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ میری رحمت تو بہ طور کلیہ اور اصول کے ہر ایک کے لیے عام ہے تو اس کا تحقق ان لوگوں کے حق میں کیسے نہ ہوگا (ہوگا اور ضرور ہوگا) جو عقاید و اعمال میں صفاتِ ایمان و تقویٰ سے آراستہ ہیں۔ فَسَاَكْتُبُهَا میں ضمیر رحمت کی طرف ہے اور س تاکید کے لئے ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ - تقویٰ سے اشارہ اعمال قلب کی طرف ہے۔

مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

تو جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے ۲۱۴ تو ہی ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت کر ہم پر

الْغٰفِرِيْنَ ۝١٥٥ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

رحم کر اور تو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے ۲۱۵ ہمارے حق میں بھلائی لازم کردے اس دنیا میں (بھی) اور آخرت میں

الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

(بھی) ہم تو تیرے ہی آگے جھک گئے ہیں ۲۱۶ (اللہ نے) فرمایا اپنا عذاب میں اسی پر واقع کرتا ہوں جس کو

اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ

چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے ۲۱۷ سو اسے ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم

يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٥٦

کر دوں گا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں ۲۱۸

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

جو لوگ اس امی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں ۲۱۸ جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ

پاتے ہیں ۲۱۹ توریت اور انجیل میں ۲۲۰ انہیں وہ نیک کاموں کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز

الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور قیدیں

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ - اس سے اشارہ اعمال جوارح و عبادات کی طرف ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ میں اشارہ عقاید کی جانب ہے۔ ۲۱۸ اَلَّذِيْنَ کا لفظ سب انسانوں کے لئے عام ہے، یہاں خاص اشارہ اہل کتاب کی جانب ہے۔ اُمّی سے مراد ان پڑھ بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول اللہ صلعم تھے اور اُم القریٰ والا یعنی مکی بھی، اور اُمت والا بھی۔ اور حاصل ان دونوں آخری نسبتوں کا بھی وہی ہے یعنی ان پڑھ ہونا۔ قیل منسوب الی الامۃ الذین لم یکتبوا لکونہ علیٰ عادتھم وقیل سمی بذلک لانہ لم یکن یکتب ولا یقرء من کتاب وقیل سمی بذلک لنسبتہ الی ام القریٰ (راغب) قال الزجاج معنی الامی الذی ھو علیٰ صفۃ امتہ العرب فالعرب اکثرھم ما کانوا یکتبون ولا یقرءون والنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کان کذلک (کبیر) اے الذی لا یکتب ولا یقرأ (روح) ۲۱۹ "جسے" یعنی جس کی صفات و علامات کو۔ اے یجد نعتہ (کشاف) ۲۲۰ یہاں تک کہ اتنی تحریف و تصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت و انجیل سے اب تک بالکل نہ دُھل سکے چنانچہ توریت میں ہے:۔ "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو"۔ (استثنا ۱۸: ۱۵) "اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا"۔ (استثنا ۱۸: ۱۸) دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے "بھائیوں" سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی"۔ (استثنا ۳۳: ۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسولؐ کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپؐ ہی داخل ہوئے شہر میں دس ہزار پاک نفس صحابہؓ (قدوسیوں) کے جلو میں، اور سینا (حضرت موسیٰؑ) اور سعیر (حضرت عیسیٰؑ) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نورِ نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) "اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا۔ اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا" (پیدائش ۱۷: ۲۱) حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدے ہمارے رسول اکرمؐ کی ذات سے جاکر پورے ہوئے ہیں۔ "یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہیگا۔ جب تک کہ وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی"۔ (پیدائش ۴۹: ۱۰) زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائبل یعنی Dowey Version. کے مطابق ہے) دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسولؐ ہی کے علم کے نیچے جمع ہوئیں۔ وہی نبی مرسل تھے۔ انہی کے بعد سے یہود کا اقتدار نمایاں اور دیرپا طور پر ختم ہو گیا اور داؤد کے ایک نغمے میں ہے:۔ "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤنگا۔ پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے" (زبور ۴۵: ۱۷) ستائش ہی کو عربی میں محمدت کہتے ہیں اسم محمدؐ صاف ترجمہ ہے ستودہ کا۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ برا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائیگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کریگا، اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں" (یسعیاہ ۴۲: ۱-۴) یہ "میرا بندہ" (عبدہٗ و رسولہ) اور "میرا برگزیدہ" (مصطفیٰ) جس کا "زوال نہ ہوگا" (خاتم النبیین) صاف ہمارے ہی رسولِ اکرمؐ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے" نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ اور انجیل میں ہے:۔ "یسوع نے ان سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گریگا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالے گا"۔ (متی ۲۱: ۴۲، ۴۴) جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں) نے ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسماعیلی تھے آخر میں اسی اسماعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی، اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود، نصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے چُور چُور ہو کر رہ گئے۔ یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ "جب تک عالم بالا پر سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو"۔ (لوقا ۲۴: ۴۹) جب تک ہمارے حضورؐ کا نزول اجلال نہ ہو لیا تقدس شہر یروشلم ہی کا قیام رہا اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کی جانب منتقل ہوا حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے بعد:۔ "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ۱: ۱۹-۲۱) "انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"۔ (یوحنا ۱: ۲۵) یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی "وہ نبی"، "النبی" کی علوم و معروف ہستی کا انتظار یہود کو عرصہ سے تھا۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُن کر کہا بیشک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔ (یوحنا ۷: ۴۰) ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی منتظر "النبی"۔ "اس نبی" کا انتظار ہو رہا تھا۔ "اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"۔ (۱۴: ۱۶) "جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئیگا جس کو میں تمہارے

٢٠٧ یہ اسی گوسالہ پرستی کے سلسلہ میں سارا کلام حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا ۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ یعنی مفتری دنیا میں بھی مغضوب و ذلیل ہو کر رہتے ہیں ۔ گو کسی خاص حکمت سے کسی خاص عارض کے باعث اس کا ظہور دیر میں ہو یا بالکل نہ ہو۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیا میں ذلت کبھی سزائے معصیت کے طور پر بھی ہوتی ہے۔ ٢٠٨ یہ عام قاعدہ غفور رحمت کا بیان کر دیا کہ گنہگار و منکر کو زندگی بھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔ خدائے اسلام اُن بے رحم و خونخوار دیوتاؤں کی طرح نہیں جو معاف کرنا کسی حال میں جانتے ہی نہیں۔

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾

ذلت بہت جلد پڑے گی (اسی) دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گڑھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ

ہیں ٢٠٧ اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کیے پھر اُن کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور ایمان

اٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٥٣﴾ وَ

لے آئے (تو) بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد (ان کے حق میں) بڑا مغفرت والا ہے۔ بڑا رحمت والا ہے ٢٠٨

لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ

اور جب موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو اُٹھا لیا اور اس نسخہ (توریت)

نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾

میں ہدایت و رحمت تھی، اُن لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ٢٠٩ اور

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد انتخاب کیے ہمارے وقت موعود کے لیے ٢١٠ پھر جب

اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ

انہیں زلزلہ نے آپکڑا ٢١١ تو موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تجھے یہی منظور تھا

مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ

تو تو نے اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیا ہوتا تو کیا تو ہمیں اس (حرکت) پر ہلاک

اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ

کر دیگا جو ہم میں سے (چند) بیوقوفوں نے کی ٢١٢ یہ تو بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے۔ ان (آزمائشوں) سے

رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا میں ضمیر ھا توبہ و تجدید ایمان کے لیے ہے ٢٠٩ (اور اس خوفِ خدا کی بنا پر اس نسخہ ہدایت سے فائدہ اٹھانا بھی چاہتے ہیں) سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ حضرت ہارونؑ کا عذر معقول سُن کر قدرۃً حضرت موسیٰؑ کا جوشِ غضب فرو ہو جاتا ہے اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۔ لفظ قرآنی الواح ہے یعنی نفس تختیاں نہ کہ ان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے اس سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ تختیاں سالم تھیں ٹوٹ نہیں گئی تھیں۔ وظاهر هذا يدل على ان شيئا منها لم ينكسر ولم يبطل (كبير) فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ ۔ یعنی اس نسخہ کے مضامین ہدایت سے بھرے ہوئے اور رحمت کی طرف لے جانے والے تھے۔ ٢١٠ یعنی وقت معین پر اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے جانے کے لیے۔ یہ حاضری دوبارہ تھی یا یہ اُسی پہلی حاضری کی مزید تشریحات ہیں؟ توریت میں ذکر کسی دوسری میقات کا نہیں اور ہمارے یہاں کے عام مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں بلکہ نزول توریت کے وقت کی اُس حاضری کا ذکر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں ایک دوسری آیت فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ (سورۂ نساء) نیز خود اسی رکوع کی ترتیب مضامین ظاہراً اس خیال کی منافی ہے واللہ اعلم۔ ٢١١ (اور وہ ستر کے ستر مردہ یا نیم مردہ ہو کر رہ گئے) اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ٦ میں گزر چکا۔ قول جمہور یہ ہے کہ یہ لوگ واقعۃً مر گئے تھے پھر دوبارہ زندہ کیے گئے۔ والكثير على انهم ماتوا جميعا ثم احياهم الله تعالىٰ (روح) لیکن ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صرف بیہوش ہو گئے تھے پھر ہوش میں لائے گئے۔ قيل غشى عليهم ثم افاقوا (ج) ٢١٢ یعنی گستاخی کا اور تجھے عیاناً دیکھنے پر اصرار کا جُرم تو ہم میں سے ایک محدود جماعت نے کیا ہے کہیں یہ تھوڑے ہی ہو سکتا ہے کہ تو اس کے پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے! اَتُهْلِكُنَا یہ استفہام استعظام کہلاتا ہے مفہوم یہ ہے کہ تو ہرگز ایسا نہ کریگا۔ قال المبرد المراد بالاستفهام استفهام استعظام كانه يقول لا تهلكنا (قرطبی) لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ یعنی میری اور ان لوگوں کی ہلاکت سے قصہ ہی ختم ہو گیا ہوتا نہ میری بدنامی ہوتی اور نہ قوم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں پڑتی لیکن تو نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اہلاک بالذات مقصود نہیں۔ یعنی اگر تجھے مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔

لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾

رحمت نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کردے تو ہم تو بالکل گھاٹے میں پڑگئے ۲۰۱

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ

اور جب موسیٰؑ غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو بولے تم (لوگوں) نے

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

میرے پیچھے بہت ہی بُری حرکت کی! کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ

کرلی ۲۰۲ اور تختیاں تو (ایک طرف) ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بال) پکڑ کر لگے انہیں اپنی

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا

طرف گھسیٹنے ۲۰۳ (ہارونؑ نے) کہا اے میرے ماں جائے (قوم کے) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب

يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں ۲۰۴ سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے (اُن) ظالم لوگوں کے زمرے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَ

میں نہ داخل کیجیے ۲۰۵ (موسیٰؑ نے اب) کہا کہ اے پروردگار مجھے اور میرے بھائی سے درگزر

اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ ع ۱۸ ۸ اِنَّ

کر، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے،

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

بیشک جن لوگوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنالیا ہے۔ اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے غضب اور

منزل ۲

۲۰۱ یہ ندامت و استغفار کا واقعہ حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد کا ہے جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے ______ آیت ۱۴۸ کے بعد متصل سلسلۂ بیان کے لحاظ سے آیت ۱۵۰ کو پڑھا جائے۔ آیت ۱۴۹ بطور جملۂ معترضہ کے ہے۔ اور قرآن مجید کا عام اسلوبِ بلاغت ہی یہ ہے کہ واقعات کی تقدیم و تاخیر کا اعتبار کئے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو درمیانِ کلام میں لے آتا ہے۔ سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں۔ يعني الندم وانف تقول العرب لكل نادم على امر فد سقط فى يديه (سلم) وقال ابو عبيدة يقال لمن ندم على امر وعجز عنه سُقِطَ فى يده (كر) يقال للنادم المتحير قد سقط فى يده (قرطبى) سقط الندم وهو قول الازهرى والنحاس وغيرهما (قرطبى)

۲۰۲ یعنی میں تو احکامِ شریعت ہی لینے گیا تھا کم از کم اُنہی کا انتظار کرلیا ہوتا! رَجَعَ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ حضرت موسیٰؑ ابھی طور ہی پر تھے کہ آپ کو وحیِ الٰہی سے یہ حال معلوم ہوگیا۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ یعنی یہی کہ توحید چھوڑ شرک میں مبتلا ہوگئے!

۲۰۳ (کہ تم نے یہ کیا غضب کیا اور اس بے ہودگی کو کیسے روا رکھا!) وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ۔ توریت میں ذکر تختیوں کے توڑ ڈالنے کا ہی ہے۔ "اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکرگاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ راگ دیکھا تب موسیٰؑ کا غضب بھڑکا اور اُس نے تختے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالے"۔ (خروج ۳۲: ۱۹) حضرت موسیٰؑ سے یہ سارے افعال غیرتِ توحید کے جوش اور بے خودی میں سرزد ہوئے اس لئے نہ اُن پر گرفت کی جاسکتی ہے اور نہ یہ افعال دوسروں کے لئے ارادے کے بعد سند و نظیر کا کام دے سکتے ہیں۔ مفسر تھانویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا غضب چونکہ تمام تر للہ تھا اس پر دوسروں کے غصے کا قیاس نہیں کرسکتے جس میں نفس کا واسطہ شامل ہوتا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جو نشہ حرام سے پیدا ہو اُسے شارع نے عذر نہیں قرار دیا ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے ان اعمالِ موسوی کو اپنے حالتِ تواجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو سند و نظیر بنانا چاہا ہے محققین نے لکھ دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق سرتاسر لغو و باطل ہے۔ كيف تقاس احوال الانبياء على احوال هؤلاء السفهاء وقد سئل ابن عقيل عن تواجدهم وتخريق ثيابهم فقال خطأ وحرام (قرطبى) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرتِ موسیٰؑ نے یہ معاملہ حضرت ہارونؑ سے اپنے اس اجتہاد کی بناء پر کیا کہ حضرت ہارونؑ سے کوتاہی واقع ہوئی تھی، حالانکہ کوتاہی واقع نہیں ہوئی تھی تو جب پیمبر برحق کے اجتہاد کا مطابق واقع ہونا ضروری نہیں تو شیوخ غیر معصومین سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں۔

امام ابن جریر طبری کا شمار اکابر و مشاہیر میں ہے لیکن غلطی سے معصوم بہرحال وہ بھی نہیں اپنی تفسیر میں طویل روایت قتادہ تابعی کے حوالے سے اس مفہوم کی بھی نقل کردی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو (معاذ اللہ) اتنا غصہ اس پر آیا کہ ان الواح میں مدح و ستائش اُن کی اُمت کی نہیں بلکہ ایک دوسری اُمت (اُمتِ محمدی) کی درج تھی۔ ایسی روایت ایک معمولی صالح و متقی انسان کے لئے بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ چہ جائیکہ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر و اُولوالعزم پیمبر کے متعلق! اور مقامِ مسرت ہے کہ دوسرے محققین نے ایسی بے اصل روایت کی پوری طرح پردہ دری کردی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

ظاهر السياق انه انما القى الالواح غضبًا على قومه وهذا قول جمهور العلماء سلفًا وخلفًا وروى ابن جرير عن قتادة فى هذا قولًا غريبًا لا يصح اسناده الى حكاية قتادة وقد رده ابن عطية وغير واحد من العلماء وهو جدير بالرد وكانه تلقاه قتادة عن بعض اهل الكتاب وفيهم كذابون ووضاعون وافاكون وزنادقة۔

سیاقِ کلام کھلا ہوا کہہ رہا ہے کہ آپؑ نے جو تختیوں کو پٹخا ہے تو اپنی قوم پر غضبناک ہوکر پٹخا ہے اور یہ قول جدید و قدیم اہلِ علم کا متفقہ ہے اور وہ جو ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے اس کی سند بھی قتادہ تک نہیں پہنچی۔ اور ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے اس کی پوری طرح تردید کردی ہے اور وہ تردید ہی کا مستحق ہے عجب نہیں جو وہ روایت قتادہ کو اہلِ کتاب سے پہنچی ہو جن میں بڑے بڑے زندیق اور جھوٹے لپاڑیئے پڑے ہوئے تھے

اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے:-

ولا التفات لما روى عن قتادة ان صح عنه ولا يصح . . . . . . وهذا قول ردى لا ينبغى ان يضاف الى موسى عليه السلام۔

قتادہ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہو بھی تو قابلِ التفات نہیں لیکن وہ صحیح ہی نہیں . . . وہ روایت بالکل لغو ہے اس قابل ہی نہیں، کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے۔

۲۰۴ حضرت ہارونؑ اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ اے میرے پیارے بھائی میری بات تو سُن لیجئے! میں نے اپنی والی بہت کوشش کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے تو میری کیا پروا کرتے میری ایک نہ چلنے پائی بلکہ جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنا چاہا تو اُلٹے مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہوگئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے ______ کہاں عصمتِ انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی یہ تصریحات کہ اس بُت پرستی کے بانی و باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارونؑ تھے! ______ کتنا فرق دونوں کتابوں میں ہے بلکہ قرآن کی زبان سے یہ تفصیلات بھی کچھ غیر ضروری سی معلوم ہورہی ہیں۔ جب تک توریت میں درج کی ہوئی فردِ جرم سامنے نہ ہو نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ابْنَ اُمَّ - محاورۂ عرب میں انتہائی شفقت دلانے کے موقعہ پر آتا ہے۔ كلمة لين وعطف (قرطبى) وتخصيص الام بالذكر للترقيق (روح)

۲۰۵ توریت کے بیانات کے پیشِ نظر اور اُن کی تردید کے لئے ان سب فقروں کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ یعنی آپ میرے اوپر بلاقصور اتنی سختی کر رہے ہیں اس سے دشمنوں کو ہنسنے اور طعنہ زنی ہی کا موقع ملے گا۔

۲۰۶ حضرات انبیاء سے بڑھ کر رحمتِ الٰہی کا قدر شناس اور اندازہ دان اور کون ہوسکتا ہے۔ صحیح صورتِ حال کا علم ہوتے ہی معاً حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ استغفار و مناجات میں مشغول ہوگئے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ درخواستِ مغفرت اپنے ہی لیے نہیں اپنے اُن بھائی کے لیے بھی ہے جن پر ابھی ابھی تشدد ہو رہا تھا! اپنے لئے تو استغفار اس امر پر کہ غیرتِ توحید سے بے خود ہوکر قبل تحقیق ہارونؑ نبی پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کردی تھی۔ لما اقدمت عليه من هذا العصب والحدة (كبير) بما صنعت باخى (بيضاوى) اور حضرت ہارونؑ کے لئے استغفار اس امر پر کہ دفعِ فتنہ پر پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ ان فى تركه التشديد العظيم على عبدة العجل اكبر توهمًا بانه قصّر فى كفهم (بيضاوى) بھائی کو اپنی دعائے مغفرت کے ساتھ ملالینا اس لئے بھی تھا کہ وہ ان سے خوش ہوجائیں اور اس لئے بھی کہ ان پر سے شماتت دفع ہوجائے۔ ضمه الى نفسه فى الاستغفار ترضية له ودفعًا للشماتة عنه (مدارك)

لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ
ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اُسے (اپنا)
سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ
راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنالیں یہ (ساری برگشتگی)
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٤٦﴾
اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا ١٩٧
وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ
اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا اُن کے اعمال
اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٧﴾ وَ اتَّخَذَ
اکارت گئے اور اُن کو بدلہ اُسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ١٩٨ اور موسیٰؑ کی
قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا
قوم نے اُن کے (جانے کے) بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا (یعنی) ایک قالب جس کے
لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ
اندر ایک آواز تھی ١٩٩ کیا اُن کو یہ تک نہ سوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کر سکتا تھا اور نہ انہیں کوئی راہ
سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ
بتلا سکتا تھا اسی کو انہوں نے (معبود) بنالیا اور بڑا ہی ظلم (اپنے حق میں) کر بیٹھے ٢٠٠ اور جب وہ نادم ہوئے
فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ
اور محسوس کیا کہ وہ بڑی گمراہی میں پڑ گئے تو بولے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر

ع ١٧ وقف لازم

١٩٧ معاندین حق کی یہ کیفیت آج تک برابر چلی آرہی ہے۔ نیک سے نیک نمونے ان کے لئے بے اثر رہتے ہیں اور بدی کی ہر مثال ان کے لئے ایک سند اور نظیر کا کام دینے لگتی ہے۔ ساری آیت ان کے قساوت قلب کی ترجمان ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۔ آخر میں اس حقیقت کو اور زیادہ صراحت سے بیان کر دیا کہ ان گردن کشوں پر یہ خدائی پھٹکار آپ ہی آپ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا وبال خود اُنہی کی ارادی عدول حکمیوں، کج اندیشیوں اور نخوت پسندیوں کا ہے۔ ذلك مجازاة من تكبرهم (قرطبی) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی ہمارے تکوینی نشانوں اور تشریعی احکام کی انہوں نے بالقصد محض اپنے عناد سے تکذیب کی۔ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۔ یعنی ہمارے ان نشانوں پر غور سے کام ہی نہ لیا اور قصداً اُن سے اعراض کئے رہے۔ غَفْلَة۔ یہاں نادانستہ بے خبری و لاعلمی کے معنی میں نہیں۔ دانستہ اعراض کے معنی میں ہے

١٩٨ یعنی یہ سزا اُن کو خواہ مخواہ ہرگز نہ ملے گی۔ تمام تر اُن کا کفر ہی اس کا مقتضی ہوگا۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یہ سزا انہیں قیامت میں پہنچ کر ملے گی۔ جن جن اعمال پر انہیں دنیا میں بھروسہ اور ناز تھا قیامت میں دیکھیں گے تو وہ سب کے سب صفر محض! اُن کی کوئی وقعت، کوئی قیمت ہی نہیں، ایمان سے خالی۔ اس لئے ہر اجر سے خالی۔ صحیح مقصد تو اُن کا تھا ہی نہیں پھر نتیجہ بھی نیک کیسے نکلتا۔

١٩٩ اس نے معبود زریں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا بے جان، ایک قالب تھا، بے رُوح، ایک جسم حیات سے معرّیٰ، بس اُس میں سے ایک آواز نکلتی تھی جیسے گوسالہ بھیں بھیں کرتا ہے ——— اور ایسی آوازیں تو مٹی کے کھلونوں تک میں صنعت سے پیدا ہو جاتی ہیں، گراموفون وغیرہ اعلیٰ آلاتِ صناعی کا ذکر ہی نہیں۔ یہ بچھڑا سچ مچ کا نہیں بن گیا، وہی چاندی سونے کا رہا تھا جیسا کہ محققین سلف نے کہا ہے۔ كان جسدا من ذهب لا روح فيها كان يسمع منه صوت (معالم)

مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی جب موسیٰؑ کوہ طور پر توریت کے لینے کو تشریف لے گئے تو اُن کی چہل روزہ غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا کر اسرائیلیوں نے پہلے تو ایک بچھڑے کی سنہری مُورت بنائی جس کے اندر سے آواز بھی نکلتی تھی، اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی۔ مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ یہ زیور وہ تھے جو اسرائیلیوں نے مصر سے اپنے کُوچ سے قبل قبطیوں سے حاصل کئے تھے۔ توریت میں ہے:۔
"اور انہوں نے مصریوں سے رُوپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے۔ اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی۔ (خروج ١٢: ٣٥، ٣٦) یہ زیور تو اصلاً قبطیوں یا فرعونیوں کے تھے۔ اور قرآن مجید یہاں ان کی نسبت اسرائیلیوں کی جانب کر رہا ہے۔ اس سے فقہائے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ کافر کا مال جب مسلم کے قبضے میں آجائے تو اُس سے کافر کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے۔ فيه دليل على ان الاستيلاء على اموال الكفار يوجب زوال ملكهم عنها (مدارک) اِتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى ۔ "قوم موسیٰؑ" کی یہ تصریح موجودہ توریت محرّف کی تردید میں ہے جس نے گوسالہ سازی کی ساری ذمہ داری حضرت ہارونؑ کے سر ڈال دی ہے۔ (خروج باب ٣٢)

٢٠٠ کیسی شدید حماقت و جہالت تھی ایسے بے بس و بے قدرت کو اپنا معبود بنا لینا! اِتَّخَذُوْهُ ۔ توریت میں ہے۔ "انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا۔" (خروج ٣٢: ٤) "انہوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پُوجا اور اُس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا۔" (خروج ٣٢: ٨) اَلَمْ يَرَوْا ۔۔۔۔۔ سَبِيْلًا ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حجت شرعی کے سامنے خوارق سے دھوکا کھانا سفاہت ہے۔

۱۸۸ (اور اس سے یہ عیاناً ظاہر ہوگیا کہ بصرِ بشری میں رؤیت جمالِ باری کا تحمل نہیں) جَعَلَهٗ دَكًّا ضمیر ہ سے مراد پہاڑ کا وہ خاص حصہ ہے جس پر بہ اختیار خود تجلی فرمائی گئی تھی۔ تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ یعنی جو حجابات نورِ خداوندی کو بہ ارادۂ خداوندی آج نظرِ خلائق سے محجوب کئے ہوئے ہیں وہ پہاڑ کے حق میں کسی قدر اور کسی حد تک مرتفع کر دیئے گئے۔ ۱۸۹ (اپنے سے جسماً کہیں قوی تر پہاڑ کی یہ حالت مشاہدہ کر کے) حضرت کی غشی کی وجہ اغلباً یہ ہوئی کہ محلِ تجلی (پہاڑ) سے آپ بھی گونہ تعلق و تلبس رکھے ہوئے تھے۔ ۱۹۰ (ذاتی تجربہ کے بعد تیرے اس ارشاد پر کہ "مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے" لن ترانی) بانك لا ترٰى فى الدنيا لوعدك السابق فى ذٰلك (قرطبی) فَلَمَّآ اَفَاقَ - یعنی جب آپ کے ہوش بجا ہوئے۔ الافاقة رجوع العقل والفهم الى الانسان بعد ذهابهما عنه (راغ) سُبْحٰنَكَ - یعنی تو پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ عالمِ ناسوت میں انسانی حاسۂ بصر کی گرفت میں آسکے۔

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ

پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو (تجلی) نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا ۱۸۸ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے ۱۸۹ پھر جب انہیں

قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳

افاقہ ہوا تو بولے تو پاک ہے میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ۱۹۰

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

(اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ میں نے تمہیں انسانوں پر اپنی پیامبری اور

بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ

اپنے کلام کے ذریعہ سے ممتاز کیا ۱۹۱ سو اب لو جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اور شکر گزاروں

الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ

میں سے رہو ۱۹۲ اور ہم نے ان کو تختیوں پر ہر چیز لکھ دی نصیحت اور تفصیل ہر چیز

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ

سے متعلق ۱۹۳ انہیں قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو

قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ

حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے (احکام) کو لازم کر لیں ۱۹۴ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا مقام

الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۴۵ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ

دکھا دونگا ۱۹۵ میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو پھرا ہوا ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر

فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ

ناحق تکبر کرتے رہتے ہیں ۱۹۶ اور اگر یہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں جب بھی ان پر

تُبْتُ اِلَيْكَ - یعنی اپنی اس مشتاقانہ و بے تابانہ درخواست پر معذرت کرتا ہوں۔ قال مجاهد من مسألة الرؤية فى الدنيا (قرطبی) یہ خیال رہے کہ توبہ ہمیشہ معصیت ہی سے نہیں ہوتی۔ ہر نامناسب درخواست سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ واجمعت الامة علىٰ ان هٰذه التوبة ما كانت من معصية (قرطبی) مذہب اہلِ سنت میں رؤیتِ باری اس دنیا میں عقلاً بالکل جائز ہے۔ صرف شرعاً ممتنع ہے۔ ۱۹۱ (سو تمہارے لئے یہ امتیازات خاصہ کچھ کم ہیں؟) بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ - دونوں کے درمیان عطفِ مغایرت لا کر گویا ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ رسول اور کلیم دو مختلف منصبوں کے نام ہیں۔ اور ہر رسول کے لئے کلیم ہونا لازمی نہیں۔ ۱۹۲ (بہ خلاف اپنی ناشکری قوم کے) مَآ اٰتَيْتُكَ کے عموم میں رسالت ہم کلامی اور شریعت توریت سب آگئے۔ ۱۹۳ یعنی مسائل و احکامِ دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل ان میں درج کر دی گئی۔ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سے ساری دنیا کی چیزیں مراد نہیں بلکہ وہی احکام و مسائلِ دین مراد ہیں۔ اى مما يحتاج اليه فى دينه من الاحكام (قرطبی) ولا شبهة فيه انه ليس على العموم بل المراد من كل ما يحتاج اليه موسٰى وقومه فى دينهم (کبیر) مِنْ یہاں مزیدہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ من مزيدة لا تبعيضية (بح) لَهٗ - یعنی حضرت موسیٰ کے لئے۔ الْاَلْوَاحِ - انہی لکھی ہوئی تختیوں کا نام توریت پڑا۔ اجمال کی کسی قدر تفصیل خود توریت میں ہے:۔ "اور موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اُتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف اِدھر اور اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا" (خروج ۳۲: ۱۵) مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ - جار مجرور سے بدل ہے یعنی مواعظ و تفصیل احکام میں سے ہر چیز۔ وبدل من الجار والمجرور اى كتبنا له كل شئ من المواعظ وتفصيل الاحكام والى هٰذا ذهب غير واحد من المعربين (روح)

۱۹۴ یعنی اس کے سارے احکام کو، کہ اچھے تو اُس کے سب ہی احکام ہیں۔ خُذْهَا بِقُوَّةٍ - یعنی اے موسیٰ کوشش و اہتمام کے ساتھ اُن پر عمل کرو، ۱۹۵ (اے قوم اسرائیل) خطاب ابھی صیغۂ واحد میں حضرت موسیٰ سے تھا اب صیغۂ جمع میں اُمّتِ موسوی سے ہو رہا ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ سے مراد سرکش و بے دین عمالقہ ہیں جو اُس وقت تک ارضِ کنعان پر قابض تھے۔ آیہ کو بشارت کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے کہ عنقریب تمہیں تمہارے دشمنوں کے ملک پر قابض و مالک کر دیا جائے گا۔ اى سيورثهم ارض اعدائهم و ديارهم (کبیر) اور عبرت کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں داخل ہوگے۔ اُن کے انجام سے عبرت حاصل کروگے چنانچہ قتادہ تابعی سے یہی معنیٰ مروی ہیں۔ فادخلكم الشام واريكم منازل الكافرين الذين كانوا متوطنين فيها من الجبابرة والعمالقة لتعتبروا بها (کبیر) ۱۹۶ (اور دنیا میں تکبر کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا اس لیے تکبر جہاں کہیں بھی ہوگا ناحق ہی ہوگا) یعنی ایسے لوگ جو قصداً راہ کبر و انانیت اختیار کئے ہوئے ہیں، انہیں کبھی بھی قبولِ حق کی توفیق نہ ہوگی اور یہ برابر راہِ حق سے برگشتہ ہی رہیں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی طور پر قبولِ حق پر مجبور کر دیا جائے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی یہ راہ کبر و گردن کشی خود ان گردن کشوں کے معیار سے بھی سرتاسر مہمل و باطل ہے۔

وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تم کو سخت عذاب میں
الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ
ڈالے ہوئے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ؑ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ
میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی ۱۸۲ اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے
لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ
تیس شبوں کا پھر اُن کا تکملہ دس (اور راتوں) سے کیا سو موسیٰ کے پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری
وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ
ہوئی ۱۸۳ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور
اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ
اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر نہ چلنے لگنا ۱۸۴ اور جب موسیٰ ہمارے
مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ
وقت (موعود) پر آگئے اور اُن سے ان کا پروردگار ہمکلام ہوا ۱۸۵ موسیٰ بولے اے میرے پروردگار
اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ
مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ۱۸۶ (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ
فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ
تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے ۱۸۷ پھر جب ان کے پروردگار نے

۱۸۲ ان سب واقعات پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ میں گزر چکے۔ ۱۸۳ ان چالیس شبوں پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ میں گزر چکے۔ اب وقت وہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر آزاد و خود مختار ہو چکی ہے۔ اور اب اس قوم کے لئے ایک دستورِ شریعت نازل ہونے کو ہے اور حضرت موسیٰ اسی کو لینے کیلئے کوہ طور پر طلب کئے گئے ہیں۔ پہاڑ پر ایک چلّہ کی مدّت کے لیے حضرت موسیٰؑ نے خاص ریاضتوں کے ساتھ قیام کیا۔ لَیْلَةً میں دن اور رات دونوں شامل ہیں۔ اور لفظ لیلۃً ہی سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ شریعت میں معتبر تاریخ کا وہی حساب ہے جو بجائے دن کے رات سے کیا جائے۔ دلت الاٰیۃ علی ان التاریخ یکون باللیالی دون الایام (قرطبی) اور جو تقویم قمری حساب سے قائم ہوگی اس میں رات کی یہ اہمیت ویسی ہی قدرتی ہے جیسی تقویم شمسی میں دن کی اہمیت۔

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہی عدد اصل ہے صوفیہ کے ہاں کے چلّہ کی جس کی برکتیں مشاہد ہیں۔ ۱۸۴ (جیسا کہ مجھے اپنے وسیع تر تجربہ کی بنا پر حق حاصل ہے کہ تمہیں اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے لئے انتظامی امور میں مفصل احکام و ہدایات دے جاؤں) اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ۔ حضرت ہارونؑ تو خود نبی تھے۔ ان کی یہ جانشینی بہ حیثیت نبی نہیں، بہ حیثیت اعلیٰ سردار قوم کے تھی حضرت موسیٰؑ انہیں نبوت کی جانشینی سونپ کر نہیں جا رہے ہیں بلکہ بہ حیثیت نائب سردار اپنا جانشین بنا رہے ہیں اور اسی کے متعلق ہدایات بھی دے رہے ہیں ——— یہ نیابت و خلافت اسی طرح کی تھی جیسے نبی کریم صلعم جب مدینہ سے باہر کسی غزوہ وغیرہ میں جاتے تو انتظامی امور کی باگ کبھی حضرت علیؓ کے کبھی حضرت ابن اُمّ مکتومؓ کے اور کبھی کسی اور صحابی کے ہاتھ میں دے جاتے اس کو خلافت نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔

اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ۔ مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ مریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں۔

۱۸۵ حضرت موسیٰؑ کے لیے جناب باری سے ہم کلامی کا یہ دوسرا موقع ہے۔ ایک بار اس سے قبل عطائے نبوت کے وقت کوہِ طور پر ہی اس شرف سے مشرف ہو چکے تھے گو اس وقت کلام اس حد تک بے واسطہ اور براہِ راست نہیں ہوا تھا جیسا کہ نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِمِیْقَاتِنَا میں ل اختصاص کا ہے۔ ای لوقتنا الذی وقتناہ واللام للاختصاص (روح) ۱۸۶ (اپنی انہی مادّی آنکھوں سے) ایک پیمبر جلیل القدر کی زبان سے یہ درخواست بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رؤیت باری مادّی آنکھوں سے عقلاً محال و ممتنع نہیں۔ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ قول فرطِ اشتیاق سے مغلوب ہو کر تھا۔ ۱۸۷ اصل درخواست کا جواب لَنْ تَرٰىنِیْ پر ختم ہو گیا۔ یعنی اس ناسوتی دنیا میں اپنی مادّی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہو اور یہ جواب اس ناسوت میں رؤیت باری کے امتناع شرعی کی دلیل ہے گویا بہ طور اصول کے یہ حقیقت بتا دی گئی کہ انسان اپنی ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ضعیف البنیان ہے۔ اس کے قوائے ظاہری اس عالمِ عنصری میں رؤیت جمالِ باری کی تاب نہیں لا سکتے۔ اصل جواب تو وہیں ختم ہو گیا۔ آگے مزید شفقت و کرم سے ایک موقع حضرت موسیٰؑ کو عملی تجربہ اور اطمینانِ قلب کا اور دیا جا رہا ہے۔ اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا دیکھو پہاڑ جو ظاہری و مادّی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے۔ اس پر ہم اپنی تجلّی کی ایک جھلک ڈالے دیتے ہیں۔ اگر وہ اسے برداشت کر لے گیا تو تمہارے لیے بھی برداشت کرنا ممکن ہو گا ——— پیمبر بھی آخر جسمانی قویٰ وہی رکھتا ہے جو دوسرے انسان رکھتے ہیں۔

ف ١٧٦ غرقِ فرعون پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کی تفسیر میں گزر چکے۔ اِنْتَقَمْنَا۔ انتقام کے معنی محاورۂ عرب میں عذاب سے کسی نعمت کو سلب کر لینے کے ہیں۔ الانتقام فی اللغة سلب النعمة بالعذاب (کبیر) فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عقوبتِ دنیوی کبھی معصیت پر بھی مرتب ہو جاتی ہے۔ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۔ اس میں تصریح کر دی کہ سزا کی بنا، ان لوگوں کی تکذیبِ آیاتِ الٰہی اور ان کی طرف سے اعراض تھا۔ عنھا میں ضمیر آیات کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور نعمت کی طرف بھی جو ما نتبقمنا کا مدلول ہے۔ الکنایہ عائدة الی الآیات وھو اختیار الزجاج (کبیر) قیل انھا عائدة الی النقمہ (کبیر) غٰفِلِیْنَ۔ غفلت سے یہاں وہ

الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ
وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا
كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ١٣٧
وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ
یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ
اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ١٣٨
اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ١٣٩
قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ١٤٠

ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھ لیے گئے تھے اس سرزمین کے پچھم اور پورب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے[177] اور آپ کے پروردگار کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی بنا پر پورا ہو کر رہا اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو اونچی (عمارتیں) بنائی تھیں ان (سب) کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا۔[178] اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اُتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے جو اپنے بتوں کو لیے بیٹھے تھے (اس پر بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک دیوتا ایسا ہی بنا دیجیے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں (موسیٰ نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے[179] یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر رہیگا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہے بھی (بالکل) باطل[180] (موسیٰ نے) کہا کیا میں اللہ کے سوا کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کر دوں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے[181]

کیفیتِ قلب مُراد نہیں جو انسان کے اختیار کے باہر ہے بلکہ اعراض اختیاری مراد ہے۔ المراد بالغفلة ھنا الاعراض عن الآیات وعدم الالتفات الیھا فھم اعرضوا عنھا حتی صاروا کالغافلین (کبیر) فَانْتَقَمْنَا میں ف اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ سزا انہیں مسلسل گستاخانہ عہد شکنیوں کے بعد دی گئی۔

ف ١٧٧ (ظاہری و باطنی، مادی و روحانی دونوں قسم کی) مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا۔ یعنی سرزمین شام جس کی آبادیاں دریائے یردن کے مشرقی و مغربی دونوں ساحلوں پر ہیں۔ المراد بارکنا فیھا بالخصب وسعة الارزاق وذالک لا یلیق الا بارض الشام (کبیر) الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ۔ ظاہر ہے کہ مراد بنی اسرائیل ہیں۔ علاقہ شام پر بنی اسرائیل کا پورا قبضہ چند نسلوں بعد حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہوا۔

ف ١٧٨ مَا كَانَ یَصْنَعُ سے مراد عمارتیں ہیں۔ یرید المصانع (کبیر۔ عن ابن عباسؓ) ما کانوا یعملون ویسوّون من العمارات وبناء القصور (کشاف) وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ سے بھی مراد وہی اونچی عمارتیں ہیں۔ قال ابو عبیدة یبنون (راغب) یرفعون الابنیة المشیدة فی السماء (کبیر) یہ فرعون مغروق اپنے شوقِ تعمیرات کے لئے تاریخ میں مشہور بھی ہوا ہے۔ وما کانوا یعرشون کے دوسرے معنی فرعون کے لگائے ہوئے باغ اور چمن بھی ہو سکتے ہیں۔ ای ما کانوا یعرشون من الجنات (کبیر) كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی میں وعدہ نیک، فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے اور خود مختاری کا تھا۔ و معنی تمام الکلمة الحسنی انجاز الوعد الذی تقدم باھلاک عدوھم واستخلافھم فی الارض (کبیر) بِمَا صَبَرُوْا۔ یعنی یہ مرتبے جو کچھ حاصل ہوئے انہیں صبر ہی کی بنا پر نصیب ہوئے۔ انما حصل ذالک التمام بسبب صبرھم (کبیر)

ف ١٧٩ کہ توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بُت پرستی جیسی لعنت پر گرتے ہو) وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ۔ یعنی جب بنی اسرائیل بحر احمر کے شمالی سرے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھ چکے۔ اس پر حاشیہ سورۂ بقر رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ یہ قوم ممکن ہے کہ عمالقہ کی ہو اور ممکن ہے کہ بنی لخم ہو۔ بہرحال تھی کوئی بُت پرست قوم۔ اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا۔ بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پرستی ان کے دل میں بالکل ہی نہیں اُتری تھی اور جیسے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جیسے چاہے اپنی قوم کے لیے معبود قرار دیدے۔ عجب نہیں حضرت موسیٰؑ کے جواب انکم قوم تجھلون میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھہرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟

ف ١٨٠ یعنی ان کا یہ شغل بُت پرستی بجائے خود بھی باطل ہے اور انجام کار اس کے حق میں خدائے قادر و قدوس کی طرف سے تباہی و بربادی بھی ہے۔ تم آخر کیا ایسوں کی تقلید کی طرف جا رہے ہو؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبہ تو دنیوی عادات میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ رسوم عبادت وغیرہ میں!

ف ١٨١ (بہ حیثیت علمبردار توحید کے) حضرتؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو کسی قوم کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمہارے لیے جو شروع سے توحید کے حامل اور علمبردار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ افضلیت بنی اسرائیل پر حاشیے سورۂ بقر پارۂ اوّل رکوع ۵، ۶ میں گزر چکے۔

اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ فَاَرْسَلْنَا
ہمارے سامنے لاؤ جس سے ہم کو مسحور کرنا چاہو ہم تو تم پر ایمان لانے کے نہیں ١٧٠ پھر
عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَ
ہم نے اُن پر بلا نازل کی اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور
الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا
خون (یہ سب) جدا جدا نشان تھے ١٧١ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی (عادی)
مُّجْرِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى
مجرم ١٧٢ اور جب ان پر کوئی عذاب آپڑتا تو کہتے کہ اے موسٰی ہمارے لیے
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ
اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اُس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ١٧٣ اگر تم ہم پر سے (اس) عذاب کو
لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٣٤﴾
ہٹا دو تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے آئینگے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو کر دیں گے ١٧٤
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا
پھر جب ہم اُن سے عذاب کو اسی مدت تک کے لیے ہٹا دیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً
هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ
ہی عہد شکنی کرنے لگتے ١٧٥ غرض ہم نے انہیں سزا دے دی اور انہیں سمندر میں ڈبو دیا
بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاَوْرَثْنَا
اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے (بالکل ہی) غفلت میں پڑے رہتے تھے ١٧٦ اور

١٧٠ جب حق کے مقابلہ میں ضد و عناد حد سے بڑھ جاتا ہے اور انسان ہر صورت میں مخالفت ہی کی ٹھان لیتا ہے تو اس مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہو کر ہر سیدھی سی سیدھی بات اور صاف سی صاف دلیل سے اسی طرح انکار کر سکتا ہے۔ بجنسہٖ یہی ذہنیت جاہلین عرب کی دینِ محمدی کے عناد میں رہی اور جاہلینِ فرنگ کی آج تک چلی آ رہی ہے ——— سیرت نبوی کے روشن سے روشن اور پاکیزہ سے پاکیزہ واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا۔ اُلٹے سے اُلٹے نتیجہ نکالنا یہ خاص الخاص جوہر آج کے "روشن خیال محققینِ فرنگ" کے ہیں۔ مَهْمَا اصل میں ما مکرر سے مرکب ہے۔ پہلا ما شرطیہ اور دوسرا ما تاکید کے لیے ہے۔ پھر تکرار کے ثقل سے بچنے کے لئے پہلے ما کا الف ہ سے بدل دیا گیا ہے۔ اصلها ما الشرطية ضمت اليها ما المزيدة للتاكيد ثم قلبت الفها هاء استثقالاً للتكرير (بیضاوی) خلیل نحوی اور نحویین بصرہ کی تحقیق یہی ہے۔ هذا قول الخليل والبصريين (کبیر)

١٧١ (قہرِ خداوندی کے بھی اور صداقتِ موسوی کے بھی) توریت کی کتاب خروج باب ۷-۸-۹ کی مختلف آیتوں میں ان میں سے اکثر عذابوں کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اَلْجَرَادَ۔ ٹڈیوں نے مصریوں کی زراعت کو برباد کر دیا۔ القُمَّلَ مصریوں کے کپڑوں اور جسموں میں یہ گندے کیڑے لپٹ گئے۔ الضَّفَادِعَ۔ مینڈکوں کی ہرجائی افراط نے مصریوں پر کھانا، پانی سب حرام کر دیا۔ الدَّمَ۔ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خون ہو گیا تھا۔ الطُّوفَانَ۔ عربی میں طوفان ہر شدید و ملک گیر حادثۂ ابتلاء کو کہتے ہیں۔ الطوفان كل حادثة تحيط بالانسان (راغب) قال الزجاج الطوفان من كل شئ ما كان كثيرا محيطا مطبقا بالقوم كلهم (کبیر) توریت میں ذکر آتشین ژالہ باری (اولوں میں لپٹی ہوئی آگ) کا آتا ہے (خروج-۹: ۲۳-۲۷) ہو سکتا ہے کہ الطوفان سے اشارہ اسی جانب ہو۔ عام طور پر مفسرین نے اس سے مُراد موت یا وبائی مرض لیا ہے۔ الطوفان هو الموت (کبیر۔ عن ابن عباس) قيل الجدرى وقيل الطاعون (بیضاوی) وجاء من عطاء ومجاهد تفسيره بالموت (ج)

١٧٢ (کہ اتنے کھلے عجائبِ قدرت دیکھکر بھی قائل نہ ہوئے)۔ ١٧٣ کہ ہمارے تائب ہو جانے پر وہ اپنے قہر کو ہم سے ہٹا لیگا) بما میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ما بمعنى الذى اى بما استودعك من العلم (قرطبی)

١٧٤ یہ مضمون توریت کی متعدد آیتوں میں ملتا ہے مثلاً:۔ "تب فرعون نے موسٰیؑ اور ہارونؑ کو بُلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے! اور میں ان لوگوں کو جانے دُونگا تاکہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔" (خروج ۸: ۸) "تب فرعون نے موسٰیؑ اور ہارونؑ کو بُلوایا اور انہیں کہا کہ اس دفعہ میں نے گناہ کیا ہے۔ خداوند عادل ہے۔ میں اور میری قوم گنہگار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو کہ بس، کہ آگے کو اس طرح سے گرجے اور اولے نہ گریں تب میں تمہیں جانے دُونگا اور تم اس سے آگے یہاں نہیں رہنے کے (خروج ۹: ۲۷-۲۸) "تب فرعون نے موسٰیؑ اور ہارونؑ کو جلد بُلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں۔ سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ میرا گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دُور کرے۔ (خروج ۱۰: ۱۶-۱۷)

١٧٥ یعنی جب جب وہ عذاب عارضی طور پر ان سے ٹل جاتا تو معاً اُن کی وہ سرکشی و نافرمانی پھر لوٹ آتی۔ توریت میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً:۔ "وہ جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اُس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سُنی" (خروج ۸: ۱۵) "وہ فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا۔ ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی" (خروج ۸: ۳۲)
• اس مضمون کی آیتیں کتاب خروج کے باب ۷، ۸، ۹ میں بار بار آئی ہیں۔ باب ۱۱ میں آتا ہے:۔ "اور موسٰیؑ اور ہارونؑ نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا (خروج-۱۱: ۱۰) اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ یعنی اس وقت کے لیے جو علم الٰہی میں ان کی ہلاکت کے لئے مقرر تھا۔ اى الى اجل معين۔ (کبیر)

۱۶۴ف (سود نیوی عارضی حاکمیت ہرگز کوئی معیار مقبولیت وحقانیت کا نہیں) یہاں یہ اہم حقیقت صاف ہوگئی کہ حکومت کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت سے نہیں۔ بلکہ وہ مصالح تکوینی
کے تابع ہے نہ یہ ضرور ہے کہ جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو۔ محکومیت، مقبولیت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ دونوں کے درمیان منافات نہیں۔
۱۶۵ف بنی اسرائیل کے اس شکوہ سے متعلق ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ قَالُوْٓا کے فاعل یعنی یہ کہنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔ ۱۶۶ف (اور اپنے فرائضِ خلافتِ

اَلْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ
ہے وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ
ہی کے ہاتھ رہتا ہے ۱۶۴ف (وہ لوگ) کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے قبل بھی مصیبت میں رہے اور تمہارے
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
آنے کے بعد بھی ۱۶۵ف (موسیٰؑ نے) نے کہا کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع
تم کو زمین کا حاکم بنادے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ۱۶۶ف اور
وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ
ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں
الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
پکڑا تاکہ وہ تنبیہ حاصل کریں ۱۶۷ف لیکن جب ان پر خوشحالی آتی تو
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى
کہتے یہ تو ہمارے لیے ہی ہے اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی
وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ
نحوست بتاتے ۱۶۸ف سنو جی! ان کی نحوست تو بس اللہ ہی کے علم میں ہے لیکن
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ
ان میں سے اکثر (اتنی موٹی بات بھی) نہ جانتے ۱۶۹ف اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کیسا ہی نشان

ع ۱۵ / ۵

ارض کہاں تک انجام دیتے ہو) سود یکھنے اور فکر رکھنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا موقف تکوینی۔ فِى الْاَرْضِ۔ ارض کا لفظ عام ہے مخصوص ارض مصر ہی مُراد نہیں۔ شام، فلسطین کہیں بھی بنی اسرائیل کا آزاد وخود مختار حاکم ہوجانا اس وعدہ کے ایفار وتحقق کے لئے کافی ہے۔ عَسٰى۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنیٰ میں شک و احتمال نہیں رہتا بلکہ یقین اور وعدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عسىٰ من اللّٰه واجبٌ (قرطبی) عن ابن عباس كل عسىٰ فى القراٰن فهى واجبة الا فى موضعين (ابوالبقاء) عَسٰى .... فِى الْاَرْضِ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیۃ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ کافروں کا مغلوب اور مومنوں کا غالب ہونا ایک نعمتِ عظیم ہے۔ پس ترکِ دنیا کے یہ معنیٰ نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں بلا کسی عذر ومجبوری کے، ذلت وخواری کے ساتھ پڑا رہے۔ ۱۶۷ف یہ اس وقت پیش آیا جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے انکار ومخالفت بڑھتی ہی گئی بِالسِّنِيْنَ۔ سنين۔ سنة کی جمع ہے جس کے معنیٰ محض سال کے ہیں لیکن محاورۂ زبان میں اس کا اطلاق قحط والے سال پر ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ يعنى الجدوب وهٰذا معروف فى اللغة (قرطبی) عبارة عن الجدب

واكثر ما يستعمل السنة فى الحول الذى فيه الجدب (راغب) لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ غایت اس نافرمان وسرکش قوم کے ابتلار کی بھی اس کی اصلاح ہی تھی۔
۱۶۸ف (بجائے اس کے کہ اسے اپنی تکذیب وبدعملی کا نتیجہ سمجھ کر تائب ہوتے اور ان واقعات وحوادث سے عبرت کا سبق حاصل کرکے اپنی اصلاح کرتے) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ۔ یعنی اسے تمام تر اپنی خوش بختی، خوش تدبیری پر محمول کرتے۔ بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر توحید وطاعت کی راہ اختیار کرتے۔ ۱۶۹ف یعنی
یہ بدبخت اپنی بدنصیبیوں اور محرومیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے سر تھوپتے۔ حالانکہ یہ موٹی سی بات ہے کہ ان کے اعمال کفریہ اللہ پر روشن تھے۔ اور ان کی دنیوی محرومیاں انہی اعمال
کفریہ کا وبال تھیں۔ انما سبب شؤمهم عند اللّٰه وهو عملهم المكتوب عنده۔ (کشاف)

لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٣﴾ لَأُقَطِّعَنَّ
اس (شہر) سے یہاں والوں کو نکال دو ۱۵۸ سو تم کو ابھی (حال) معلوم ہوا جاتا ہے میں تمہارے
أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ
ہاتھ اور تمہارے پیر اُلٹی طرف سے کاٹے ڈالتا ہوں پھر تم سب کو سُولی پر ٹانگ کر
أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنقِمُ
رہوں گا ۱۵۹ وہ بولے (خیر) ہم اپنے پروردگار ہی کے پاس تو لوٹیں گے ۱۶۰ اور تو آخر ہمیں کیوں
مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ
سزا دے رہا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں
عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن
اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر (کے مشکیزے) اُنڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکال ۱۶۱ اور قوم
قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي
فرعون کے سردار بولے کیا آپ موسیٰؑ اور ان کی قوم کو (یوں ہی) چھوڑے رہیں گے کہ وہ ملک میں فساد
الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ
پھیلاتے پھریں اور موسیٰؑ آپ کو اور آپکے معبودوں کو چھوڑے رہیں ۱۶۲ وہ بولا (نہیں جی) ہم ابھی ان کے
وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ
لڑکوں کو قتل کرتے ہیں اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہی ہیں ۱۶۳ موسیٰ
مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ
نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کئے رہو زمین اللہ ہی کی

ع ۱۴

۱۵۸ (اور موسیٰؑ و ہارونؑ سے سازش کرکے اپنی حکومت قائم کرلو) قبل سے مُراد ہمیشہ "پیشتر" ہی نہیں ہوتا۔ "بغیر" بھی مُراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي (کہف) یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اللهم ارزقني عينين هطالتين تسقيان القلب بذروف الدمع من خشيتك قبل ان تكون الدموع دمًا والاضراس جمرًا ۱۵۹ سُولی کی سزا قدیم قوموں خصوصاً قدیم مصریوں میں عام تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِلَافٍ مثلاً داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں۔ ۱۶۰ (تو اس سزا اور موت سے ہمیں ڈراتا کیا ہے؟) اللہ اللہ! ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کردیتا ہے۔ یہ ساحر وہی ہیں کہاں تو ابھی اپنا کمال فن دکھانے کے لئے مال و جاہ، انعام و اکرام کے طالب تھے اور کہاں اب سرفروشی پر بے تکلف آمادہ ہو گئے۔ ۱۶۱ خاتمہ بالخیر کی دُعا کرتے رہنا خاص شیوۂ مومنین ہے۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہم کو صبر سے اتنا بہرہ ور کر کہ ہم ہر سختی پر ثابت قدم رہیں۔ باوجود کمال عزم و ہمت اپنے عزم و ہمت پر تکیہ نہ کرنا اور اللہ ہی سے مدد چاہے جانا خاص شعار مومنین ہے۔ ۱۶۲ یعنی آپ موسیٰؑ کو اس کی آزادی برابر دیئے رہیں گے کہ وہ خوب آپ کی، آپکے دین کی، آپکے دیوتاؤں کی جتنی چاہیں توہین کریں اور موسیٰؑ اور قوم اسرائیل سلطنت میں انقلاب و بغاوت پھیلاتے رہیں؟ يَذَرَكَ - لِيُفْسِدُوا میں ابھی ابھی ضمیر جمع غائب کی گزر چکی ہے اب ضمیر واحد غائب کی ہے جو حضرت موسیٰؑ کی طرف راجع ہے ——— گویا ملکی انقلاب میں تو ساری قوم اسرائیل شریک اور مجرم ہے۔ باقی مذہبی بغاوت کے کرتا دھرتا موسیٰؑ ہیں۔ آلِهَتَكَ - فرعون خود تو سُورج دیوتا کا اوتار تھا ہی۔ اور اس کے علاوہ بھی مصر کے دین شرک میں بہت سے دیوی دیوتا موجود تھے۔ ۱۶۳ (سو جو انتظام ہم کرنا چاہیں بے تکلف کر سکتے ہیں) سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ۔ یعنی ہم پھر وہی طریقے انسداد شر و فساد کے اختیار کریں گے جو ولادت موسیٰؑ سے قبل کر چکے ہیں۔

قَالُوا يٰمُوسٰى إِمَّآ أَن تُلْقِىَ وَإِمَّآ أَن نَّكُونَ نَحْنُ
وہ (ساحر) بولے اے مُوسیٰ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا ہم ہی ڈال
الْمُلْقِينَ ۝١١٥ قَالَ أَلْقُوا ۚ فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوٓا أَعْيُنَ
چلیں ۱۵۱ (مُوسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو ۱۵۲ پھر جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر
النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ۝١١٦ وَأَوْحَيْنَآ
جادُو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو کر دکھایا ۱۵۳ اور ہم نے وحی کی
إِلٰى مُوسٰىٓ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا
مُوسیٰ کو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجیے سو یک بہ یک اُس نے اُن کے گڑھے ہوئے (شعبدہ)
يَأْفِكُونَ ۝١١٧ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝١١٨
کو نگلنا شروع کر دیا ۱۵۴ سو حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ (ساحر) کرتے رہے تھے سب ضائع ہو کر
فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانقَلَبُوا صٰغِرِينَ ۝١١٩ وَأُلْقِىَ السَّحَرَةُ
رہا ۱۵۵ سو وہ لوگ وہیں ہار گئے اور ذلیل ہو کر رہے ۱۵۶ اور ساحر سجدے میں گر پڑے (اور)
سٰجِدِينَ ۝١٢٠ قَالُوٓا ءَامَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝١٢١ رَبِّ مُوسٰى
بولے کہ ہم تو ایمان لے آئے (سارے) جہانوں کے پروردگار پر (وہی جو) پروردگار ہے
وَهٰرُونَ ۝١٢٢ قَالَ فِرْعَوْنُ ءَامَنتُم بِهِۦ قَبْلَ أَنْ
مُوسیٰ اور ہارُون کا ۱۵۷ فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں
ءَاذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِى الْمَدِينَةِ
ہو نہ ہو یہ ایک چال ہے جو شہر میں تم چلے تاکہ تم

منزل ۲

۱۵۱ اب بیان ایک دُوسرے منظر کا ہو رہا ہے مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اس تاریخ پر سب میدان میں جمع ہوئے ہیں۔ قرآن مجید شعر بلیغ کی طرح درمیانی مضامین کی جو از خود سمجھ میں آ سکتے ہیں صراحت نہیں کرتا۔ انہیں چھوڑ کر دوسری منزل بیان کر دیتا ہے۔ ساحر اس وقت تک مُوسیٰؑ نبی کو بھی اپنے ہی طرح کا ایک ماہرِ فن ساحر سمجھ کر گویا کہہ رہے ہیں کہ مقابلہ ہمارے تمہارے فن کا تو اب ہو ہی رہا ہے۔ اب یہ بتلاؤ شروع کون کرے گا؟ —— کرکٹ کی اصطلاح میں پہلی اننگز (Innings.) کس کی ہوگی؟ ۱۵۲ احقاق حق کے لیے مقابلہ معجزہ سے سحر کا تو بہر حال ناگزیر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدرۃً وہ شق اختیار کی جس میں احقاق حق کا پہلو زیادہ قوی و نمایاں تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس سے خود اذن نہیں بلکہ اذن کو ان کے کفر کے ابطال اور اپنے معجزہ کے اثبات کا ذریعہ بنانا تھا۔ ایسی ہی مصلحت سے بعض اوقات شیوخ ایسے امر میں اذن دیتے ہیں کہ اس کا ظاہر معصیت ہوتا ہے مگر آخر میں اُس میں کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوتی ہے۔ ۱۵۳ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے اور انھوں نے پورا ثبوت اپنے کمال فن کا دے دیا۔ فَلَمَّآ أَلْقَوْا ۔ یعنی جب ساحروں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈال دیا۔ سَحَرُوٓا أَعْيُنَ النَّاسِ ۔ اور اس اثر سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح لہراتی دکھائی دینے لگیں۔ یہ نظر بندی اور آنکھوں کی مسحوریت سحر ہی کی قسم ہے۔ قرآن ساحروں کے کرتب کے سلسلہ میں تبدیلِ حقیقت کا مدعی نہیں۔ اور یہ دعویٰ کہ یہ لاٹھیاں یا رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں۔ اور سحر نے بھی وہی کر دکھایا جو معجزہ کا حاصل تھا۔ قرآن کا نہیں، البتہ توریت کا ہے۔ ”چنانچہ مصر کے جادُوگروں نے بھی اپنے جادُوں سے ایسا ہی کیا کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا۔ اور وہ سانپ ہو گیا“ (خروج۔ ۷: ۱۱، ۱۲) قرآن کے شارحین تو سب اُسے خیال بندی ہی کے معنیٰ میں لیتے ہیں۔ ای خیلوا لهم وقلبوها عن صحة ادراكها (قرطبی) اروها بالحيل والشعوذة وخيلوا اليها ما الحقيقة بخلافه (کشاف) ای خيلوا الى الابصار ان ما فعلوه له حقيقة فى الخارج ولم يكن الا مجرد صنعة وخيال (ابن کثیر) ای صرفوا اعينهم عن ادراك حقيقته ما فعلوه من التمويه والتخييل وهذا هو السحر (معالم) معجزہ حق دیکھیے کہ بائبل کے محققین کا فیصلہ آج توریت کی روایت کے حق میں نہیں۔ قرآنی بیان کی تائید میں ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ النّاس کے تحت میں مُوسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں چنانچہ انہیں بھی دھوکا لگا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے يُخَيَّلُ إِلَيْهِ تو اس سے اُمور ذیل مستنبط ہوئے۔ (۱) خوارق سے دھوکا نہ کھانا، اِس لیے کہ یہ تو اہل باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ (۲) سحر کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا بھی ہے اور اسی میں مسمریزم داخل ہے (۳) ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمالِ باطنی کے منافی نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے۔ (۴) اہلِ حق کا ایسے اُمور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ ۱۵۴ (اژدہا بن کر) مَا يَأْفِكُونَ کا فاعل السحرة (جادوگر ہی)۔ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ یعنی اپنا عصا ڈال دیجیے، جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کئی موقعوں پر ڈال چکے ہیں۔ ۱۵۵ جیسا کہ اکثر دنیا میں حق و باطل کے تصادم کے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حق تھا وہ ظاہر بھی حق ہو کر اور جو باطل تھا اُس کے بطلان کا بھی عملی ظہور ہو کر رہا۔ ۱۵۶ یہ مغلوبیت اور ذلت ظاہر ہے کہ علاوہ ساحروں کے ساری فرعونی پارٹی کے حصہ میں آئی تھی، انقَلَبُوا صٰغِرِينَ ۔ انقلب ہمیشہ رجع ہی کا مترادف نہیں ہوتا۔ صار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ای صاروا اذلاء (روح) ۱۵۷ یعنی ہم تو شرک و مخلوق پرستی کے گورکھ دھندے سے نکل آئے۔ ہم نے دین توحید اختیار کر لیا۔ اور مُوسیٰؑ کی رسالت کی ہم تصدیق کر رہے ہیں۔ ساحروں کو اب اس کا احساس ہو گیا تھا کہ مُوسیٰؑ کے پاس جو کچھ ہے وہ سحر و طلسم سے کہیں بلند تر کوئی اور ہی چیز ہے۔ اور اسی احساس نے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ سٰجِدِينَ ۔ لازمی نہیں کہ سجدہ یہاں اصطلاحی معنیٰ میں ہو، ہو سکتا ہے کہ جادوگروں کا محض جُھک جانا اور اطاعت اختیار کر لینا مُراد ہو۔ وحمل السجود على الخضوع اى انهم خضعوا (روح)

اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ
بنی اسرائیل کو جانے دے ۱۴۱ (فرعون نے) بولا اگر تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ
(اپنے دعوے میں) سچے ہو ۱۴۲ اس پر (موسیٰ) نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً

ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ۖ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ
ایک صاف اژدہا بن گیا ۱۴۴ اور (موسیٰ) نے اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں

لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا
کے روبرو یکایک خوب روشن تھا ۱۴۵ قوم فرعون کے سرداروں نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر

لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿١٠٩﴾ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ۚ
جادوگر ہے ۱۴۶ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے ۱۴۷

فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَاَرۡسِلۡ فِى
سو بتاؤ اب کیا صلاح ہے بولے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور ہرکارے

الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۙ﴿١١١﴾ يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿١١٢﴾
شہروں شہروں بھیجیے کہ وہ آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں ۱۴۸ اور

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا
جادوگر آگئے فرعون کے پاس (اور) بولے ہم کو کوئی بڑا انعام تو ضرور ہی ملے گا اگر ہم

نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿١١٤﴾
غالب آگئے ۱۴۹ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور تم (ہمارے) مقربوں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۱۵۰

ع ۱۳

۱۴۱ یعنی ایسا معجزہ جو تمہاری سمجھ میں بھی آجائے۔ حَقِیۡقٌ عَلٰی ..... الخ۔ پیمبر کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وصف اس کی غیر متزلزل بلکہ غیر مشتبہ دیانت، امانت و راستبازی ہوتی ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق سب سے پہلے اسی کا اعلان فرماتے ہیں۔ حقیق قیل معناہ جدیر و قیل واجب (معا)۔ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ۔ صیغہ جمع مخاطب سے مراد کل فرعونی ہیں
۱۴۲ بنو اسرائیل اصلاً ایک موحد قوم تھی اور اس وقت ایک مشرک تمدن کے ظلم و ستم کی تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا مطالبہ قدرۃً یہی ہے کہ میں ان موحدوں کو اس مشرکانہ و جاہلی فضا سے دور اور الگ لے جا کر ایک الگ خطۂ زمین میں آباد کروں گا۔ آج (۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں) ہندوستان میں جو تحریک ایک مستقل اور جداگانہ اسلامی آبادکاری کی پاکستان کے نام سے چل رہی ہے اس تحریک کو خلاف اسلام کہنے والے علماء براہ کرم اس آیت پر خلوص ذہن کے ساتھ غور فرمائیں۔ ۱۴۳ مشرکوں کی سمجھ میں بجائے عقلی دلائل اور شہادت ضمیر و وجدان کے مادی معجزات ہی زیادہ آسانی سے آتے ہیں اور وہ فرمائشیں ہمیشہ لوہی معجزہ و خارق عادت ہی کی سب سے بڑھ کر کرتے رہتے ہیں ۱۴۴ یہ خیال رہے کہ مصر قدیم میں سانپ ایک مقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہندوستان میں گائے بلکہ ہندوستان میں تو خود سانپ بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ہندوؤں میں سانپ کی پوجا کا دن "ناگ پنچمی" بڑے دھوم سے منایا جاتا ہے۔ ثعبان کہتے ہیں ایک بڑے اور نر قسم کے سانپ یا اژدر کو۔ الحیۃ الضخم الذکر وھو اعظم الحیات (قرطبی)۔ الثعبان الحیۃ الضخمۃ الذکر فی قول جمیع اھل اللغۃ (کبیر) عصائے موسوی جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ہو گیا تھا جبکہ اس کی تیز رفتاری کا جہاں تذکرہ ہے وہاں قرآن مجید اس کے لیے جان لایا ہے۔ امکان اس کا بھی ہے کہ وہی عصا کہیں ثعبان بن جاتا ہو اور کہیں جان۔ توریت میں یہ واقعات درج ہیں مگر حسب معمول بڑے خلط ملط کے ساتھ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ۔ یعنی اژدر بھی ایسا جس کے اژدر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ای حیۃ لا لبس فیھا (قرطبی)۔ لا یشك فیه انه ثعبان (کشاف)۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا۔ (تھانوی)۔ ۱۴۵ لِلنّٰظِرِيۡنَ سے کوئی نظربندی کا شبہہ کرے کیونکہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلاب حقائق کا محال ہونا جو فلسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب و امتناع و امکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا؟ (تھانوی)۔ نَزَعَ يَدَهٗ یعنی اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔ ۱۴۶ مصر کا جادو قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اس وقت مصر علوم سحر و کہانت کا مرکز تھا۔ ۱۴۷ (اور خود اپنی حکومت یہاں قائم کرے) دنیا پرستوں کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی اہل حق اغراض دنیوی سے بالاتر ہو کر خالصۃً للہ بھی کام کر سکتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے طریق حق کو ایک باطل کی صورت میں ظاہر کیا۔ یہی حال اہل باطل کا ہے کہ عوام کو اہل حق سے نفرت دلانے کے لیے ان کے حق کو برے برے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں۔ ۱۴۸ ارکان دربار و مشیران سلطنت نے مشورہ یہ پیش کیا کہ موسیٰ و ہارون کو سر دست مہلت دے دی جائے اور اس درمیان میں قلمرو بھر میں سرکاری ہرکاروں کے ذریعے سے منادی کرا کے ماہرین فن جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔ اَرۡجِهۡ۔ یعنی نہیں روکے رکھیے، ٹالے رکھیے۔ بعال لعجائد و ارجیته ای اخرته وقال ابن جبلس اخره (قرطبی) ۱۴۹ مشورہ پر عمل ہوا اور اب بیان اس کے نتائج کا ہو رہا ہے۔ لَاَجۡرًا میں تنوین اجر کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ التنکیر للتعظیم (کشاف)۔ ۱۵۰ یعنی علاوہ ہر طرح کے انعام و اعزاز سے سرفراز کیے جاؤ گے۔

۱۳۶ یہ بیان ہو رہا ہے کافروں کے کمال قساوت قلب اور شدت عناد کا کہ جس چیز سے ایک بار یا پہلے ہی سے انکار کر بیٹھے اس پر انہیں پھر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی اور ہر دلیل، ہر ثبوت، ہر معجزہ ان کے لئے بیکار ہی رہا۔ اَلْبَيِّنٰتِ ۔ دلائل و معجزات سب پر حاوی ہے۔ ای الحجج علی صدقهم (ابن کثیر) ای الآیات والمعجزات والمعجزات (روح)

۱۳۷ (ان کے کفر اختیاری کی بنا پر) اس اصل کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے کہ جب بندہ اپنے قصد سے کفر کی راہ اختیار کئے رہتا ہے تو حق تعالیٰ اسے اسی راہ پر جما دیتا ہے اور اُن کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔ لما علم منهم انهم یختارون الثبات علی الکفر (مدارک)

۱۳۸ خطاب پیغمبر سے ہے کہ ان نافرمانوں کی سرشت

اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا

بیان کر رہے ہیں اور ان (سب) کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے پھر بھی ان سے یہ

لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى

نہ ہوا کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے ۱۳۶ اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر بند

قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ

لگا دیتا ہے ۱۳۷ اور ہم نے پاس (عہد) ان میں سے اکثر میں نہ پایا اور ہم نے

وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ

ان میں سے اکثر کو بس نافرمان ہی پایا ۱۳۸ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنے

بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا

نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا پر ان لوگوں نے ان (نشانوں)

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ

کا حق ادا نہ کیا سو دیکھیے مفسدوں کا کیسا برا انجام ہوا ۱۳۹ اور موسیٰ نے

مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ۙ

کہا کہ اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے پیمبر (ہو کر آیا) ہوں ۱۴۰

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ

قائم ہوں اسی پر کہ میں کوئی بات اللہ پر گڑھ کر نہ کہوں (البتہ حق ہی کہوں گا) میں

جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان لے کر آیا ہوں ۱۴۱ سو تو میرے ساتھ

اور ذہنیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے سو آپ ان پر زیادہ غم نہ کریں۔ اَكْثَرِهِمْ میں ضمیر الناس (لوگوں) کی طرف ہے یا امم سابقہ کی طرف۔ الضمیر للناس علی الاطلاق یعنی ان اکثر الناس نقضوا عهد الله (مدارک) ای لاکثر الامم الماضیة (ابن کثیر) مِنْ عَهْدٍ۔ عَهْد یہاں وفاء العہد کے معنی میں ہے اور حذف مضاف کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت ملتی ہیں۔ ای من وفاء عهد (بیضاوی) لیکن خود عہد سے یہاں مراد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ مراد عہد یوم میثاق ہے۔ قال ابن عباس یرید الوفاء بالعهد الذی عاهدهم الله وهم فی صلب آدم (کبیر) قال ابن مسعود العهد هنا عهد الایمان (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ مبتلائے مصیبت ہو کر ایمان لانے کا عہد کرتے تھے لیکن مصیبت دور ہو جانے پر پھر اسے بھلا دیتے تھے۔ ای ما عهد والیه حین کانوا فی ضر و مخافة (بیضاوی) مِنْ عَهْدٍ میں مِن زائد ہے جنس پر دلالت کرنے کے لئے۔ من زائدة وهی تدل علی معنی الجنس (قرطبی)

۱۳۹ (اسی دنیا میں چنانچہ وہ غرق و ہلاک ہو کر رہے) مِنْۢ بَعْدِهِمْ میں هم کی ضمیر رسل کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یا پھر امم کی طرف۔ الضمیر للرسل فی قوله وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ او للامم (مدارک و بیضاوی) ای الرسل المتقدم ذکرهم (ابن کثیر) فَظَلَمُوْا بِهَا ۔ یعنی ان نشانوں کا حق ادا نہ کیا۔ بلکہ برابر انکار و تکذیب ہی کرتے رہے۔ ان نشانوں کا حق ادا کرنا یہی تھا کہ اُن پر ایمان لے آتے۔ بِهَا میں ضمیر آیات کی طرف ہے جو دلائل و معجزات سب کی جامع ہے۔ بِاٰيٰتِنَا ۔ ای بحججنا و دلائلنا البینة (ابن کثیر) بِاٰيٰتِنَا ای بأدلتنا (روح) فِرْعَوْنَ پر حاشیے سورۂ بقرہ رکوع ۵ میں گزر چکے۔ آیت سے متکلمین نے استدلال کیا ہے کہ نبی کے لئے کسی امتیازی اور روشن نشان کا ہونا لازمی ہے۔ هٰذه الآیة تدل علی ان النبی لا بد له من آیة و معجزة بها یمتاز عن غیره (کبیر)

۱۴۰ مصر کا یہ فرعون ظاہر تو خود الوہیت اور مظہریت کا مدعی تھا وہ نہ عقیدۂ توحید اور وجود رب العلمین ہی کے ماننے کے لئے تیار تھا اور نہ عقیدۂ رسالت کے یعنی اس ذات مطلق کی طرف سے کسی انسان کے پیامبر ہونے کے!

۱۳۰ (اور ہلاک کردیا) اَهْلُ الْقُرٰى - وہی آبادیاں مراد ہیں جن کی طرف پیمبر بھیجے گئے تھے اور جو ان کی تکذیب کے پاداش میں ہلاک کردی گئیں۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین، متقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور برکات سماوی وارضی سے مراد بھی وہ کل چیزیں ہیں جو انجام کار کے لحاظ سے مبارک ومفید ہوتی ہیں۔ قِيْلَ المراد بالبركات السماوية والارضية الاشياء التى تحمد عواقبها و يسعد فى الدارين صاحبها ولا عتم ذلك الا للمومن (روح) لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ - ہر طرح کی برکتیں ان پر نازل کرتے اور بلاؤں سے مصیبتوں سے انہیں محفوظ رکھتے۔ آسمان وزمین کی برکتوں سے مراد ہر قسم کی برکات ہیں۔ اور "فتح برکات" سے مراد ہر امر میں آسانیاں پیدا کردینا ہے۔ منهم يحصل جميع المنافع والخيرات بكريرا لى لا تيناهم بالخير من كل وجه (کشاف) ومعنى فتح البركات عليهم تيسيرها عليهم كما يتسر امر الابواب المستغلقة بفتحها (کشاف) اى يسرنا عليهم الخير من كل جانب (روح) ۱۳۱ یعنی خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہوں) نَآئِمُوْنَ - نوم سے مراد یہاں غفلت لی گئی ہے۔ اى غافلون عن ذلك (ابن عباسؓ) اَهْلُ الْقُرٰى - مراد رسول اللہ صلعم کے معاصرین منکرین اہل مکہ ہیں۔ اى اهل مكة (ابن عباس) المراد بالقرى مكة و ماحولها (قرطبی) قيل المراد بهم اهل مكة وما حواليها وهو الاولى عندى والى ذالك ذهب محى السنة (روح) ۱۳۲ یعنی خدا اور آخرت کو بھولے دنیا کی غفلتوں اور بدمستیوں میں پڑے ہوں۔ اهل القرى سے مراد یہاں بھی وہی مکہ والے ہیں۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا - یعنی اُن پر ہمارا عذاب آپڑے جیسا کہ منکرین سابقین پر آچکا ہے۔ ۱۳۳ مَكْرَ اللّٰهِ سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے۔ اى اخذه العبد من حيث لا يشعر (مدارک) اَلْخٰسِرُوْنَ سے مراد محاورۂ قرآنی میں عموماً کافر ہی ہوتے ہیں۔ یہ معنیٰ لے کر آیۃ سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے قطعاً بے خوف ہوجانا کفر ہے۔ ۱۳۴ یعنی منکرین مکذبین سابق کا انجام دیکھ کر بھی کیا یہ حقیقت ابھی کفار معاصرین پر منکشف نہیں ہوئی ہے؟ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ - هداية کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں۔ تبیین کے یعنی روشن وواضح ہوجانے کے۔ انما عدى يهد باللام بمعنى يبين (بیضاوی) لِلَّذِيْنَ ...... اَهْلِهَا - مراد کفار عرب، رسول اللہؐ کے معاصرین ہیں۔ يريد كفار مكة ومن حولهم (قرطبی) ۱۳۵ (کلام حق وپیام حق کو توجہ والتفات یا ارادۂ قبول سے) قُلُوْبِهِمْ میں ضمیر اُنہی کافروں کی طرف ہے جو عدم ایمان پہ جمے ہوئے تھے۔ اى على قلب من لم يرد منه الايمان

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم اُن پر
بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ
آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے اُن کی
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ
کرتوتوں کے پاداش میں اُن کو پکڑ لیا ۱۳۰ تو کیا بستی والے اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا
بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى
عذاب شب کے وقت آپڑے درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں ۱۳۱ یا کیا بستی والے اس سے بے خوف ہوگئے ہیں
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا
کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے درآنحالیکہ وہ کھیل میں لگے ہوں ۱۳۲ کیا یہ لوگ اللہ کی
مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ ع ۱۲ ۲
خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہوگئے ہیں سو اللہ کی تدبیر سے کوئی بھی بے خوف نہیں ہوتا بجز اُن لوگوں کے جو
اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ
گھاٹے میں آچکے ہیں ۱۳۳ کیا اُن لوگوں پر جو اب زمین کے وارث ہیں بعد اس کے (سابق) باشندوں کے یہ بات واضح
اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں بھی مصیبت میں مبتلا کردیتے ان کے گناہوں کے عوض میں ۱۳۴ اور ہم
فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ
بند لگائے ہوتے ہیں اُن کے دلوں پر سو وہ سنتے ہی نہیں ۱۳۵ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ قصے ہم آپ سے

۱۲۵ (اور مدین کی بستی تباہ اور آبادی ہلاک ہو کر رہ گئی) توریت میں بھی ذکر اہلِ مدین کی بیہودگی اور پھر اسرائیلیوں کے ساتھ اُن کے قتل و ہلاک ہونے کا مفصل آتا ہے۔ (گنتی باب ۳۱ و باب ۲۵) لیکن
قرآن مجید اس زمانہ سے قبل کا حال بیان کر رہا ہے۔ دَارِهِمْ مرادف مساکنهم کے ہے۔ فی دارهم ای فی مساکنهم (کبیر) ۱۲۶ منکرین و متکبرین دعویٰ کے ساتھ پیشین گوئی
مومنین کے نقصان اُٹھانے کی کر رہے تھے۔ واقعۃً و عملاً خود ہی سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔ اور دُنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا یہی مآل آخر کار اور ایک مدت کے مقابلہ کے بعد ہر سرکش و خدا فراموش قوم کا ہوتا رہا ہے۔
فِيهَا میں ضمیر دارهم کی طرف ہے۔ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا۔ غنی فی مکان۔ کے معنی محاورہ میں یہ آتے ہیں کہ کوئی شخص فلاں مکان میں اپنے دوسرے مکانات سے بے نیاز ہو گیا۔ اسی سے

الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ۙ ۹۱ الَّذِينَ
آپکڑا سو وہ اپنے اپنے گھر میں اوندھے مُنہ پڑے رہ گئے ۱۲۵ جن لوگوں نے
مع كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا
شعیبؑ کو جھٹلایا تھا وہ ایسے مٹے کہ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو
شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ۹۲ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ
جھٹلایا تھا نقصان اُٹھانے والے وہی رہے ۱۲۶ اس وقت وہ اُن سے منہ موڑ کر چلے اور بولے
يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ
اے میری قوم والو! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی
ع ۱۱ فَكَيْفَ آسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِينَ ۹۳ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ
تھی، تو میں کیوں غم کروں کافر لوگوں پر ۱۲۷ اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی
مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ
بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے تنگدستی اور بیماری میں مبتلا کیا
لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ۹۴ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ
تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ۱۲۸ اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ بدل کر کے خوشحالی پھیلا
الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ
دی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی
وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۹۵
پیش آتی رہی تھی اس پر ہم نے ان کو یک بہ یک پکڑ لیا اور وہ (اس کا) گمان (بھی) نہیں رکھتے تھے ۱۲۹

ایک مجازی معنی بسنے اور آباد ہونے کے بھی پیدا ہو گئے۔ اور وہی یہاں مُراد ہیں۔ ای لم یقیموا فیها یقال غنینا بمکان کذا ای اقمنا فیه (ابن قتیبہ) آیت سے ظاہر ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ مادّی ہی اسباب سے نہیں آتی بلکہ کثرت معاصی بھی باعث ہو جاتی ہے۔ الَّذِينَ كَذَّبُوا کی تکرار اور كانوا هم الخسرين کی ترکیب واقعہ کے اظہار اہمیت کے لئے ہیں۔ وللتنبیه علیٰ هٰذا والمبالغة فیه کرر الموصول (بیضاوی) العرب تکرر مثل هٰذا فی التفخیم والتعظیم (کبیر) وفیه معنی الاختصاص ای هم المخصوصون بالخسران العظیم دون اتباعه (کشاف)

۱۲۷ تم پر یہ مصیبت تو اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ اور میرے ہر طرح سمجھانے کے بعد اسے تم اپنے اُوپر لائے ہو۔ اب تم میری ہمدردی کے مستحق ہی کب باقی رہے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ۔ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قوم مبتلائے عذاب ہو چکی تھی۔ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي یعنی میں پیام رسانی کا حق ادا کر چکا۔ نَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی فرطِ شفقت سے تمہیں ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ چکا۔ عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِينَ۔ بجائے علیهم کے قوم کافرین کی تصریح نے اسے صاف کر دیا کہ عدم استحقاق تأسف و ہمدردی کفر اختیاری ہی کی بنا پر ثابت ہوا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبغوضین مستحق ترحم نہیں ہوتے۔

۱۲۸ (اور استکبار و خود بینی چھوڑ کر عاجزی و فروتنی اختیار کر لیں) بلاؤں کا نزول اصلاً اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی کی راہ اختیار کر لیں۔ التضرع هو الخضوع والانقیاد لله تعالٰی (کبیر) أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ یہ تنگدستی اور مرض میں ابتلاء بہ طور تنبیہ کے ہوتا ہے۔ ۱۲۹ یعنی اس قدر غفلت اور مدہوشی میں پڑے ہوئے تھے۔ حَتّٰى عَفَوْا یعنی خوب بڑھے، خوب پھلے، خوب پھولے، دولت، صحت کثرت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی۔ کثروا ونموا فی انفسهم و اموالهم (کشاف) قَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ۔ یعنی یہ رنج و راحت اور ادل بدل کر واقعات خارجی و تکوینی تو ہمیشہ سب کو پیش آتے رہتے ہیں۔ انہیں عقاید کی صحت و گمرہی اور حق و باطل کی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ای وما ذالك الا من عادة الدهر یعاقب فی الناس بین الضراء والسراء وید اولهما بینهم (روح) فَأَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً یعنی اس پر ہم نے انہیں کسی نہ کسی عذاب شدید میں دفعۃً پکڑ لیا۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کے مخالفین کو دنیا میں بھی سزا ضرور ملی ہے۔ تاکہ حجتِ الٰہی ظاہر ہو جائے اور امر نبوت مخفی نہ رہے۔ ایسی علانیہ نصرت و اعانت اولیاء صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں۔ الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع حاصل ہو وہ حالت محمود ہے اور جس نعمت کے بعد غفلت و غرور اور مصیبت کے بعد شکایت یا انکار ظاہر ہو وہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ
اُن کی قوم کے متکبر رُودار لوگ بولے کہ اے شعیبؑ ہم تم کو
يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ
اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اُن کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے ۱۱۸ یا یہ کہ
لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ
تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ (شعیبؑ نے) کہا کہ اگرچہ ہم (اس سے) بیزار ہی ہوں ؟ ۱۱۹ ہم تو
افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ
اللہ پر جھوٹ تہمت لگانے والے ہوئے اگر ہم تمہارے مذہب میں آجائیں بعد اس کے کہ
اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ
اللہ ہم کو اس سے بچا چکا ۱۲۰ اور ہم سے تو ممکن نہیں کہ ہم اُس میں پھر آئیں لیکن ہاں یہ کہ
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ
ہمارے پروردگار اللہ ہی کی یہ مشیت ہو ۱۲۱ ہمارا پروردگار ہر شے کو (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے
تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ
ہے اللہ (ہی) پر ہم نے بھروسہ کیا ہے ۱۲۲ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ
خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
فیصلہ کردے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۱۲۳ اور شعیبؑ کی قوم میں کافروں میں جو رُودار لوگ تھے وہ کہنے لگے
لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
کہ اگر تم شعیبؑ کی پیروی کرنے لگے تو بڑا نقصان اُٹھاؤ گے ۱۲۴ پھر انہیں زلزلہ نے

۱۱۸ گفتگو میں لاجواب ہو کر اب قومِ شعیبؑ جبر و تشدد پر اُتر آئی ہے۔ اور پیمبر اور اُن کے رفیقوں کو شدید دھمکیاں دے رہی ہے۔ ۱۱۹ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔ عاد کے ایک معنی تو صار کے ہیں۔ قال غیر واحد ان تعود بمعنی تصیر کما اثبتہ بعض النحاۃ واللغویین (روح) ای لتصیرن الی ملتنا وقال الزجاج یجوز ان یکون العود بمعنی الابتداء (قرطبی) یہ معنی لے کر تو فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ یا ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس پر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن عود کے عام معنی لوٹ آنے، پلٹ آنے کے ہیں۔ العود الرجوع الی الشیء بعد الانصراف عنہ (راغب) اس پر یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت شعیبؑ بہ حیثیت نبی ہونے کے ہمیشہ ہی سے مومن تھے۔ پھر اُن سے ملت کفر کی طرف واپس آنے کی فرمائش کے کیا معنی؟ لیکن یہ اشکال کچھ یونہی سا ہے۔ پیمبر ظاہر ہے کہ بعثت سے قبل اپنے یہاں کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا اور اس لئے وہ قدرۃً اسی میں سمجھا ہی جاتا ہے۔ یہ تو جُوں جُوں اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے۔ وہ گرد و پیش کی خرابیوں پر توجہ کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت پر آجانے کے بعد علانیہ مخالفت اپنے آبائی مذہب کی کرنے لگتا ہے۔ بعض اکابر تفسیر نے بھی شعیبؑ کے قبل بعثت کے مذہب کی تعبیر سکوت سے کی ہے۔ یراد بعود شعیب فی الملۃ حال سکوتہ عنھم قبل ان یبعث (بحر) حضرت شعیبؑ کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ جب ہم بہ دلیل اور علیٰ وجہ البصیرت مذہب جاہلیت کو لغو و باطل سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے ہمارا ذوق اور ہماری عقل بیزار ہے تو ہم اسے اختیار کیسے کرلیں؟

۱۲۰ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ اللہ نے تو ہم پر جاہلی مذہب کی حماقتیں واضح کردیں، اور ہم پھر اس کو اختیار کرلیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم قصداً تنزیہ و توحید باری سے متعلق افتراء و اختراع کرتے رہے۔ عُدْنَا۔ یہ لفظ حضرت نے اُنہی لوگوں کا کہا ہوا دُہرا دیا ہے۔

۱۲۱ (کسی مصلحت تکوینی کے اعتبار سے) عارف ہمیشہ تقدیر الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ پہلے تو اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ ظاہر کردیا کہ ہم ہرگز کفر نہیں اختیار کرنے کے لیکن یہ ایک صورت دعویٰ و اثبات خودی کی تھی، اس لیے معاً یہ جزء بھی اضافہ کردیا۔ عام مومنین کے لیے تو اس کا دھڑکا اور احتمال ہر وقت لگا ہی ہوا ہے۔ باقی خود پیمبر کا اپنے لئے یہ کہنا اظہار عبدیت کے لیے ہے جو کمالات نبوت کے لوازم میں سے ہے۔ اور اکابر انبیاء سے ایسے ہی کلمات برابر منقول ہیں۔ قال الواحدی لم تزل الانبیاء والاکابر یخافون العاقبۃ وانقلاب الامر الا تری الی قول الخلیل وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ وکثیرًا ما کان محمد صلعم یقول یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علیٰ دینک وطاعتک وقال یوسفؑ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (کبیر)

۱۲۲ (اور وہ ہم کو دین حق سے کسی منزل میں بھی متزلزل نہ ہونے دے گا) عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فقرہ کی ترکیب حصر کے معنی دیتی ہے یعنی بھروسہ صرف اللہ پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔ تکیہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے۔ فھذا یفید الحصر ای علیہ توکلنا لا علیٰ غیرہ وکانہ فی ھذا المقام عزل الاسباب وارتقیٰ عنھا الیٰ مسبب الاسباب (کبیر)

۱۲۳ یہ دعا ہے اس کی کہ اب آپ عملی و مشاہد طور پر حق کا حق ہونا ظاہر کردیجئے۔ المراد منہ ان ینزل علیھم عذابًا یدل علیٰ کونھم مبطلین وعلیٰ کون شعیب وقومہ محقین (کبیر)

۱۲۴ کہ ہماری سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد دنیوی نقصان جو کچھ ہوگا ظاہر ہی ہے اور اپنے آباء کے دین سے انحراف جس درجہ کا مذہبی وبال ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے۔ حضرت شعیبؑ کی تبلیغ میں خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقویٰ پر تھا۔ جاہلی قومیں اُسے اپنی مالی بربادی و معاشی تباہ حالی کا پیش خیمہ سمجھتی رہی ہیں۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ جملہ کی ترکیب خاص زور دینے کے لیے ہے۔ جیسے اُردو میں کہیں کہ "بس تم بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہے"۔

۱۱۴ (اور میری تصدیق پر آمادہ ہو) فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ اہلِ مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ ان کا اصلی فسق معاملات تجارت میں بدمعاملگی اور بددیانتی تھی، اسی لئے پیمبرِ وقت بعد عام دعوتِ توحید کے، سب سے پہلا سبق تجارتی اخلاق کا دے رہا ہے۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ۔ کیل سے مراد آلۂ کیل یعنی کیمال ہے یا وہ چیز جو ناپی جائے۔ ارید بالکیل اٰلۃ الکیل وھو المکیال او سمی مایکال بہ بالکیل (کشاف) وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ اصلاحی نظام یعنی شریعتِ

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت کیا کرو،

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ

ملک میں فساد نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد یہی تمہارے حق میں بہتر

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ

ہے، اگر تم ایمان والے ہو ۱۱۴ اور سڑک پر مت بیٹھا کرو، اس طرح

صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ

کہ دھمکیاں دے رہے ہو، اور اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو روک رہے ہو جو اس پر ایمان

اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ

لا چکے ہیں، اور اس (راہ) میں کجی تلاش کر رہے ہو ۱۱۵ اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے،

قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

پھر اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھ رکھو اہل فساد کا کیسا انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا

ہوا ۱۱۶ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لا چکا ہے

بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

جسے لے کر مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے ۱۱۷ تو صبر کئے رہو، یہاں تک

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، ۱۱۸

خداوندی کو جزءًا یا کلًّا قبول کرنے سے انکار کرنا، اور بندوں کے ادائے حقوق میں کمی کرتے رہنا یہ سب صورتیں فساد فی الارض ہی کی ہیں۔ وَلَا تَبْخَسُوْا کے اطلاق وعموم کے ماتحت خیانت و بددیانتی کی ہر صنف آگئی۔ چوری، ڈکیتی، رشوت غصب وغیرہا۔ المراد من البخس التنقیص بجمیع الوجوہ ویدخل فیہ المنع من الغصب والسرقۃ واخذ الرشوۃ وقطع الطریق وانتزاع الاموال بطریق الحیل (کبیر) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مدلول نص پر قیاس کرکے صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ جو اہل علم اپنے معاصر فضلاء کی تعظیم و توقیر کا حق واجب نہیں ادا کرتے وہ بھی اس آیت کی زد میں آجاتے ہیں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اشارہ ان پانچ چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی دو چیزیں عقاید میں سے ایک اقرارِ توحید، دوسرے اقرارِ رسالت۔ اور تین چیزیں اعمال میں سے، ایک شفقت علیٰ خلق اللہ، دوسرے ترکِ بخس، تیسرے ترکِ افساد (کبیر) ۱۱۵ (اعتراض واعراض کی نیت سے) تُوْعِدُوْنَ۔ یہ لوگ ایمان والوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہر سرکش بدراہ قوم کا قاعدہ ہے۔ کانوا یوعدون العذاب من اٰمن (قرطبی) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ۔ ضمیر اسم اللہ کی طرف ہے اور شعیبؑ کی طرف بھی جائز ہے۔ یحتمل ان یعود الی اسم اللہ وان یعود الی شعیب (قرطبی) ای باللہ (مدارک) قوم کے امراضِ خبیثہ ایک ایک کرکے بیان ہو رہے ہیں۔ امام قرطبی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اپنے زمانہ کا حال تأسف وقلق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی خلاف شرع جبر ستانی اور ظلم و زیادتی کے طریقہ جاری ہوگئے ہیں۔ اور اسلام بجز نام اور رسم کے اب باقی ہی کہاں رہ گیا ہے۔ لم یبق من الاسلام الا رسمہ ولا من الدین الا اسمہ۔ ۱۱۶ یعنی اُن مکذب و منکرِ حق قوموں کا انجام جو تم سے قبل ہو چکی ہیں۔ کس کس طرح تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں اور ان کے علوم وفنون، ان کی صنعتیں اور حرفتیں، ان کی دولت و تمول، ان کی تہذیب و تمدن ان کی ترقیاں کوئی چیز بھی انہیں ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ۱۱۷ (اور دونوں فریقوں کی حالت یکساں ہے اور اس ظاہری یکسانی نے تمہیں تردد میں ڈال رکھا ہے) ۱۱۸ (اور اس کا فیصلہ اپنے وقت مناسب پر عذاب کے ذریعہ سے ہوگا) فَاصْبِرُوْا۔ وعید و تہدید کے مفہوم میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپؑ انہیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ لیس ھذا امرًا بالمقام علی الکفر ولکنہ وعید تہدید (قرطبی)

ف١٠٧ مراد اغلام جیسے گندے عمل سے ہے۔ اس کی طرف رغبت وکشش ہونا تو درکنار تصور ہی سے ہر فطرت سلیم رکھنے والے کو ایک طبعی کراہت پیدا ہوتی ہے جو جگہ تمام تر گندہ فضلہ کے لئے ہو اور جو عضو بجز اخراج فضلات کے اور کسی ضرورت سے اندر کی جانب کھلتا ہی نہیں اسے محلِ شہوت سمجھ لینا اور اسے لطف ولنشاط کا آلہ بنا لینا اپنی حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ثبوت دینا ہے۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو بعد کو (مثلاً یونانی تہذیب کی ترقی کے زمانہ میں) اس شیطانی حرکت کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ اور آج تو یہ یورپی اور امریکی تہذیب کا جزو لاینفک ہے اور پورا زور کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لگایا جا رہا ہے کہ اسے بجائے غیر طبعی کے ایک طبعی تحریک قرار دیا جائے لیکن قوم لوطؑ سے قبل اس کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت لوطؑ کے قول میں دُہری دُہری ملامت اپنی قوم پر آگئی یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے سیکھا ہو! کانہ وبخھم اولاً باتیان الفاحشۃ ثم باختراعھا فانہ اسوأ (بیضاوی) مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ پہلا مِنْ زائد ہے تاکید نفی واستغراق معنی کے لئے ہے۔ اور دوسرا مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من الاولیٰ زائدۃ لتوکید النفی افادۃ معنی الاستغراق والثانیۃ للتبعیض (کشاف) من لاستغراق الجنس (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ قوم لوطؑ کی بدکاری کے ساتھ اس کی عدم مسبوقیت کو لانا دلیل ہے اس پر کہ منکرات پر محض عمل سے کہیں بڑھا ہوا درجہ ایجاد منکرات کا ہے۔ تو اسی پر بدعت کے درجہ شناعت کا قیاس کر لیا جائے۔ **ف١٠٨** (چنانچہ ایک اسی عادت پر کیا موقوف ہے ہر معاملہ میں ایسے ہی حدود سے گزرنے والے) ای انتم مسرفون فی کل الاعمال (کبیر) توریت میں اسی مقام پر ہے:۔ ”اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گنہ گار تھے“۔ (پیدائش ١٣:١٣) **ف١٠٩** (اور ہم کو گندہ بتلاتے ہیں تو ہم گندوں میں ان پاکوں کا کیا کام۔ یہ نکلیں ہمارے شہر سے) اَخْرِجُوْهُمْ ۔ میں ضمیر جمع غائب اتباع حضرت لوطؑ کی جانب ہے۔ ای لوطًا ومن اٰمن معہ (مدارک) يَتَطَهَّرُوْنَ ۔ یعنی بڑی پاکبازی بگھارتے ہیں۔ بڑے اپنی پاکبازی کے مدعی ہیں! ای یدعون الطھارۃ (مدارک) **ف١١٠** توریت کی روایت میں ہے کہ وہ نافرمان عورت نمک کا ستون بن گئی۔ ”مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کر دیکھا۔ اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی“ (پیدائش۔ ١٩:٢٦) اَنْجَيْنٰهُ ۔ یعنی اپنے عذاب سے انہیں بچا دیا۔ اَهْلَهٗ ۔ اہل میں خاندان والے اور دوسرے معتقدین مومنین سب شامل ہیں

الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾

تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا ١٠٧

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ

تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو نہیں بلکہ

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ

تم ہی ہو حد سے گزرے ہوئے لوگ ١٠٨ ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ

اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

لگے (آپس میں) کہنے کہ انہیں اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے

يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ

ہیں ١٠٩ پھر ہم نے بچا لیا لوطؑ کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے وہ پیچھے

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ

رہ جانے والوں میں رہ گئی ١١٠ اور ہم نے ان پر مینہ برسا دیا سو تو دیکھ لے مجرموں کا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ

کیسا انجام ہوا ١١١ اور مدین کی طرف (ہم نے)

اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا) ١١٢ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی پرستش کرو بجز

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اس کے تمہارا کوئی معبود نہیں اب تو تمہارے پاس کھلا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ١١٣

ع ١٠/١٢ ١٧

ای انصارہ واتباعہ الذین تبلوا دینہ (کبیر) اِمْرَاَتَهٗ ۔ ان کی بیوی جو ایمان سے بھی خالی تھیں۔ کانت کافرۃ موالیۃ لاھل سدوم (مدارک) اس سے یہ معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی کا سبب مشترک علاوہ فسق عملی کے کفر اعتقادی بھی تھا۔ **ف١١١** خطاب یہاں عام مخاطب قرآنی سے ہے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۔ یعنی ان پر پتھراؤ کیا۔ یہ بارش آگ اور پتھروں کی تھی، جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے۔ علاقۂ سدوم کی تباہی کا زمانہ ماہرین فن کے تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ٢٠٦١ ق، م کا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ہماری تفسیروں میں آتا ہے کہ چار یا پانچ شہر تھے، جو اس طرح برباد کئے گئے ہیں۔ اور ان کی آبادی کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ **ف١١٢** ان پیمبر شعیبؑ بن میکیل کا نام توریت میں کہیں تو تیرو آیا ہے۔ (مثلاً خروج ٣:١ میں) اور کہیں حوباب (مثلاً گنتی ١٠:٢٩ میں) نسب نامہ ہماری تفسیروں میں یوں درج ہے۔ شعیبؑ بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیمؑ۔ مَدْيَنَ ۔ اس شہر کا محل وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا۔ کوہ طور کے جنوب ومشرق میں شمالاً جنوباً عرض البلد ٢٩ درجہ ٢٩ دقیقہ اور ٢٧ درجہ ٣٩ دقیقہ کے درمیان ——— حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ایک زوجۂ محترمہ بیوی قطورہ تھیں۔ انہی کے بطن سے ایک صاحبزادہ مدین نامی تھے۔ شہر جب آباد ہوا تو قدیم دستور کے مطابق انہی کے نام سے موسوم ہوا۔ **ف١١٣** ممکن ہے کوئی خاص معجزہ مراد ہو جس کی صراحت قرآن مجید میں نہیں۔ ای معجزۃ وان لم یذکر فی القراٰن (مدارک) ای معجزۃ مشاھدۃ بصحۃ نبوتی (کشاف) یجب ان یکون المراد من البینۃ ھھنا المعجزۃ (کبیر) اور ممکن ہے پیمبر کا نفس آنا ہی مراد ہو۔ ——— وھو مجیٔ شعیب بالرسالۃ (قرطبی)

۱۰۱ یہ لوگ بولے کہ صالح کو سچا نبی سمجھنا کیا معنی ہم تو اُن کے لائے ہوئے پیاموں کو بھی سچا اور برحق سمجھ رہے ہیں۔ ان کی پیمبری کا مسئلہ تو قابل بحث ہی نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ان کی تصدیق کون کون کرتا ہے۔ سو ہم کو تو ان کی تصدیق کی توفیق ہوگئی ہے۔ کانھم قالوا العلم بارسالہ وبما ارسل بہ مالا کلام فیہ ولا شبھۃ تدخلہ لوضوحہ وانارتہ وانما الکلام فی وجوب الایمان بہ فنخبرکم انا بہ مومنون (کشاف) تنبیھًا علی ان ارسالہ اظھر من ان یشك فیہ عاقل ویخفی علی ذی رأی وانما الکلام فی من اٰمن بہ ومن کفر (بیضاوی) اَلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا کے صیغہ کا معروف اور اَلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنی خیز ہے۔ رؤسا منکرین تو متکبر و نخوت پرست تھے قرآن مجید نے یہ صاف و بےتکلف کہہ دیا۔ مومنین صادقین بجائے خود ضعیف و حقیر تھے یا نہیں، یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دیئے گئے تھے حقیر سمجھ لئے گئے تھے ——— اور تعبیر کے ان دو طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے! متکبرین میں تو ذم خود اہل

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ
ان کمزور لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے، بولے کیا تمہیں یقین ہے کہ
اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ
صالح اپنے رب کے فرستادہ (پیمبر) ہیں وہ بولے ہم تو اس (پیام) پر ایمان ہی لے آئے ہیں
مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ
جسے دیکر انہیں بھیجا گیا ہے ۱۰۱ وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لا چکے
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۷۶ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ
ہو ۱۰۲ غرض اونٹنی کو بھی مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور
وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
کہنے لگے اے صالح اگر پیمبر ہو تو اُس عذاب کو لے آؤ جس کی ہمیں دھمکی
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷۷ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دیتے ہو ۱۰۳ پس اُنہیں زلزلہ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۷۸ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ
رہ گئے ۱۰۴ تب (صالح) ان سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو! میں
اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا پیام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی لیکن تم تو خیرخواہوں کو
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۷۹ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ
پسند ہی نہیں کرتے تھے ۱۰۵ اور (ہم نے) لوط کو (بھی بھیجا) جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ارے ۱۰۶

استکبار کی ہے اور مستضعفین میں ذم حقیروں کی نہیں، انہیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔ للذین استُضعِفُوا ای للذین استضعفھم رؤساء الکفار واستذلوھم (کشاف) کونھم مستکبرین فعل استوجبوا بہ الذم وکون المومنین مستضعفین معناہ ان غیرھم مستضعفھم ویستحقرھم وھذا لیس فعلًا صادرًا عنھم بل عن غیرھم فھولا یکون صفۃ ذم فی حقھم بل الذم عائد الی الذین یستحقرونھم ویستضعفونھم (کبیر) ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تکبر شعار ہے اہل کفر و فسق کا، اور مومنین کو حقیر و ضعیف سمجھنا بھی اُنہی کا شیوہ ہے۔ اور یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آجاتی ہے کہ غنیٰ سے فقر بہتر ہے۔ بیّن اللہ تعالیٰ ان کثرۃ المال والجاہ حملھم علی التمرد والاباء والانکار والکفر وقلۃ المال والجاہ حملھم علی الایمان والتصدیق والانقیاد وذلك یدل علی ان الفقر خیر من الغنیٰ (کبیر) ۱۰۲ "قوم کے "خواص" اور "روشن خیالوں" کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ یہ مکالمہ پیش کر رہا ہے! ۱۰۳ گویا پیمبر کا کام فرمائشی عذاب کی فی الفور تعمیل کرنا ہے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ۔ عقر کے معنی کونچیں کاٹ ڈالنے کے ہیں۔ مراد اس سے اونٹ کو ہلاک کر ڈالنا ہے۔ فعل عقر کا اسناد قرآن مجید ساری قوم کی جانب کر رہا ہے حالانکہ اونٹنی کے مارنے میں ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد شریک ہونگے لیکن یہ عمل ساری قوم کی رضامندی و اتفاق رائے سے ہوا۔ اس لئے اسے منسوب بھی قوم کی جانب کیا گیا۔ اسند العقر الی جمیعھم لانہ کان برضاھم وان لم یباشرہ الا بعضھم۔ اَمْرِ رَبِّهِمْ۔ یہ امر پروردگار کا کیا تھا؟ یہ حکم اعتقاد توحید و رسالت کا تھا۔ ای ما امر بہ علی لسان صالح ...... او شان ربھم وھو دینہ (کشاف) ۱۰۴ قوم ثمود کی زلزلہ سے ہلاکت تو زمانہ قبل تاریخ کی ہے یعنی اس زمانہ میں ہوئی جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں لیکن اٹلی کے مشہور اور گل و گلزار شہر پامپئی کی زلزلہ سے بربادی عہد تاریخ کی بات ہے۔ ۶۳ء تھا جب ایک زلزلہ سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ و ہلاک ہو کر رہ گئے۔ اور جو کچھ بچ رہے تھے انہیں ۷۹ء میں ایک قدرتی آتشباری نے بھون ڈالا۔ دَارِهِمْ میں دار بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ قیل وحد علی طریق الجنس (قرطبی) دار کو بلد کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای بلدھم (قرطبی) یعلق فی بلدھم ولذلك وحد الدار کما یقال دار الحرب (کبیر) ۱۰۵ (بلکہ ناقدری کے ساتھ ان کی بات ٹھکراتے رہے جبھی تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا) وَنَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی کس کس شفقت سے تمہیں سمجھایا بجھایا! قَالَ يٰقَوْمِ۔ ہلاک شدہ افراد امت سے یہ فرضی خطاب بے ساختہ اظہار قلق و حسرت کیلئے ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس خطاب سے سماع موتیٰ ثابت ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی دلیل قوی اس کے رد میں نہ ہو۔ ۱۰۶ حضرت لوطؑ ابن حاران بن تارح (آزر) حضرت ابراہیم خلیلؑ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ توریت میں اُن کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۱ تا باب ۱۹۔ البتہ محرفین توریت نے اپنے حسب معمول بعض بہت ہی گندی حرکتیں بھی حضرت کی جانب منسوب کر دی ہیں۔ باب ۱۹۔ آپنے جس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ وہ شرق یردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا جو دریائے یردن کے ارد گرد ہے۔ لِقَوْمِهٖ۔ عربی کا لفظ "قوم" یہاں اُردو کے لفظ "اُمت" کے مفہوم میں ہے۔ عام قاعدہ اس ہمارے سیاق میں اُمت اور نبی کے درمیان "بھائی" کا رشتہ بیان کرنے کا ہے لیکن حضرت لوطؑ کی بعثت اپنی برادری یا وطن والوں کی جانب نہیں ہی بلکہ ایک دوسری قوم کی جانب ہوئی تھی۔ اسلئے وہ عام طرز بیان یہاں حذف کر دیا گیا ——— قرآن سے زیادہ ان نازک تاریخی حقایق کی علمیت اور کون کر سکتا ہے؟ آپ جس قوم کی جانب بھیجے گئے۔ یہ لوگ ملک شام کے جنوب میں دریائے یردن کی وادی میں آباد تھے، سدوم عمورہ کا یہ علاقہ خوب سرسبز و شاداب تھا۔ "یردن کی ساری ترائی... خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی" (پیدائش۔ ۱۳: ۱۰)

۹۶ یعنی ایمان کا ان میں گزر ہی نہ تھا۔ ایمان اگر موجود ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ تنبیہ علی ان الفارق بین من نجا و بین من ھلک ھو الایمان (بیضاوی) ۹۷ قوم کے مورث اعلیٰ کا نام ثمود تھا۔ اور مشہور نسب نامہ یہ ہے، ثمود بن جیثر بن ارم بن سام بن نوحؑ۔ عاد جس طرح عرب جنوبی و مشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے۔ ان کے دار الحکومت کا نام حِجر تھا یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فنِ تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔

(ارض القرآن) از سلیمان الندوی جلد اول صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

مَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ

وہ ایمان والے تھے ہی نہیں ۹۶ اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) ۹۷

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

(صالحؑ نے) کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی (اور) تمہارا خدا نہیں ہے ۹۸

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ

اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آپہنچا، یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے

لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْٓ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

حق میں ایک نشان ہو اسے چھوڑے رہو، اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ

بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوْٓا إِذْ جَعَلَكُمْ

نہ لگانا ورنہ تمہیں عذاب دردناک آپکڑے گا ۹۹ اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اللہ نے) تم کو

خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ

(قوم) عاد کے بعد آباد کیا اور تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا تم اس (زمین) کے نرم حصوں پر

مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ

محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سو

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین پر فساد مت پھیلاتے

مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

پھرو ۱۰۰ ان کی قوم کے جو متکبر سردار لوگ تھے وہ

ع ۹ / ۸ / ۱۶

أَخَاهُمْ۔ یعنی قوم ثمود کے ہموطن یا ہم قوم۔ صَالِحًا توریت میں ان سے ملتا جلتا ایک نام سلیح آتا ہے۔ اگر انہی کو حضرت صالحؑ فرض کیا جائے تو شجرۂ نسب یہ پڑتا ہے۔ صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ ایک نسب نامہ یوں بھی منقول ہے۔ صالح بن عبید بن آصف بن شیخ بن عبید بن جور بن ثمود۔ (خطبات احمدیہ از سید احمد خان) آپ کا مزار مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارہ پر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن) ۹۸ وہی پیام توحید جو سارے انبیاء کی دعوتوں کا خلاصہ اور سب میں مشترک رہا ہے۔ ۹۹ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی میری صداقت کا کھلا ہوا مادی نشان وہ بھی تمہاری خواہش و فرمائش کے مطابق۔ مشرک و جاہلی قوم نے فرمائش کی تھی کہ کوئی خارق عادت ہمیں دکھاؤ، تو ہم تمہیں سچا سمجھیں۔ ایک خاص قسم کی اونٹنی کا ظہور اسی فرمائش کا نتیجہ تھا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ۔ ناقہ کی اضافت یہاں اللہ کی جانب اسی طرح کی ہے، جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی جانب یعنی تشریف و تعظیم و تخصیص کے لئے۔ واضیفت الناقة الی اللہ علی جهة اضافة الخلق الی الخالق وفیه معنی التشریف والتخصیص (قرطبی)۔ اضیفت الی اسم اللہ تعظیما لها و تفخیما لشانها (کشاف) اللہ نے قوم کی درخواست معجزہ قبول کرکے، ایک اونٹنی کسی عجیب طریقہ سے پیدا کردی تھی اور پیمبر کے ذریعہ سے حکم یہ دیدیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں، یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی۔ اور جس وقت کوئی اسے نقصان پہنچائیگا بس وہی گھڑی عذاب الٰہی کی ہوگی۔ انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بطور خارق عادت برآمد ہوئی تھی اس میں اب تک ایک شگاف (۶۰) ساٹھ فٹ کا موجود ہے۔ اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب " ناقۃ النبی " کا نقش قدم آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۱۰۰ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ۔ یعنی قوم عاد جیسی متمدن، سرسبز، ترقی یافتہ قوم کے بعد تہذیب و تمدن کا مالک تمہیں بنایا۔ یہ مطلب نہیں کہ اُنہی کا ملک تمہیں دیا —— عاد و ثمود دونوں کے مرکز بالکل جداگانہ تھے۔ عاد کا مستقر جنوب مشرقی عرب تھا۔ اور ثمود کا جولانگاہ ترقی شمال مغربی عرب۔ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔ عادیوں کی طرح ثمودی بھی بڑے صناع سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لئے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم و فنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں یعنی ریاضی ہندسہ، انجینیری ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اس جزء سے معلوم ہوا کہ دنیوی علوم و فنون میں کمال کا بھی شمار اللہ کی نعمتوں میں ہے۔ اور انہیں مطلقاً حرام یا ناجائز سمجھ لینا بہت زیادتی ہے بعض نے اس جزو سے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر بھی محل نعمت ہوتے ہیں۔ و هٰذا یدل علی ان الکفار منعم علیهم (قرطبی) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ تہذیب و تمدن کی پیدا کی ہوئی عیش پرستیوں میں پڑکر خوف آخرت سے بے نیاز ہوجانا قانون شریعت کے حدود کو توڑکر اپنے کو فسق و فجور میں ڈال دینا، اللہ کی عظمت اور اپنی عبدیت کو فراموش کرجانا، یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ نے آیت سے نکالا ہے کہ بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات بالکل جائز ہے۔ استدل بهذه الآیة من اجاز جواز البناء الرفیع کالقصور ونحوها (قرطبی)

۵۹۲ (کہ یہی فلاح دنیوی و اُخروی ہر پیمبر کی تبلیغ و دعوت کا اصل مقصود رہی ہے) جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ۔ یعنی بعد قوم نوحؑ کے بہ حیثیت ایک زبردست پُرقوت قوم کے تم ہی کو زمین پر آباد کیا۔ خلفاء سے مراد زمین پر نفس آبادی کی جانشینی ہے ۔ یہ مُراد نہیں کہ قوم نوحؑ کے وطن و ملک ہی میں آباد کیا ہو۔ چنانچہ قوم ہودؑ و قوم نوحؑ (عراق) سے بہت ہٹ کر جنوبی عرب میں آباد تھی۔ من علیھم بان جعلھم سکان الارض بعد قوم نوح (قرطبی) وَزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْطَةً ۔ قوم عاد جسمانی حیثیت سے بڑے قدآور و قوی ہیکل لوگ تھے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قوت و جسامت میں زیادتی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو دنیوی نعمتوں کی تحقیر زہد میں داخل نہیں، جیسا کہ بعض اہل تقشف و تشدد کا مذاق ہے فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ ۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اس کے احسانات یاد کر کر کے اس کی شکرگزاری پر زیادہ راغب و مائل ہو۔

۵۹۳ (ابھی اور فی الفور) دورِ انبیاء میں مشرکوں کو یہ مغالطہ بھی ہمیشہ ہی رہا ہے جب پیمبروں کا وعظ سنتے اور دلائل و جواب میں کچھ بن نہ پڑتا تو یہی کہنے لگتے کہ "لے آؤ نہ اپنا عذاب دیکھیں تو وہ کیسا ہے"۔ —— گویا پیمبروں کا وعدہ فی الفور عذاب کا تھا۔ اور گویا عذابِ الٰہی کا لانا پیمبروں کے اختیار کی چیز تھی! اَجِئْتَنَا اٰبَآؤُنَا۔ اسے وہ بڑے استعجاب کے لہجہ میں اور ایک انتہائی عجیب و غریب بات سمجھ کر کہتے۔ مشرکوں کو اصلی چڑھ ہمیشہ توحید سے رہی ہے۔ انکار انہیں نفس وجودِ باری سے نہیں۔ وہ ملحد اور دہری نہیں ہوتے صرف مشرک ہوتے ہیں۔ یعنی نام خدا کا جتنی بار چاہیئے لیجئے مگر جب بھی لیجئے تنہا نہ لیجئے۔ دوسروں کے ساتھ مِلا جُلا کر لیجئے

۵۹۴ یعنی مستحق عقوبت تو تم اپنے قول و کردار سے ہو ہی چکے اب نزول عذاب جس وقت بھی ہو جائے۔ معنیٰ وقع ای وجب (قرطبی) ای حق علیکم و وجب (کشاف)

مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْطَةً

قوم نوحؑ کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا سو اللہ کی

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۶۹ قَالُوْٓا

نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ۵۹۲ وہ بولے

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ

کیا تُم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ

اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۷۰

بیٹھیں جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا) کرتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو اُسے لے آؤ

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ

ہمارے پاس ۵۹۳ (پیغمبر نے کہا (تو اچھا) اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب ۵۹۴ آہی پڑا

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ

کیا تم مُجھ سے بحثا بحثی ناموں کے بارے میں لگائے ہوئے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ (دادوں) نے

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ

ٹھیرا رکھے ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل اُتاری نہیں سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۷۱ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۵۹۵، پھر ہم نے اپنی رحمت سے بچا لیا (پیمبر ہودؑ) کو اور ان لوگوں کو

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ

جو اُن کے ساتھ تھے، اور اُن لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور

۵۹۵ (عذابِ الٰہی کے) فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ ۔ یعنی تمہارے ان دیوتاؤں اور منہ بولے خداؤں کی حقیقت اور حیثیت اور ہے کیا بجز چند گڑھے ہوئے ناموں اور اصطلاحوں کے؟ معنویت اور حقیقت سے معرّیٰ۔ بِهَا ۔ یعنی ان کی معبودیت پر۔ ای فی عبادتھا (قرطبی) مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۔ یعنی کوئی شہادت، کوئی ثبوت تمہارے ان گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے وجود کا نہ تو عقل سلیم کو اور فطرت بشری کو ملتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم آسمانی نوشتہ ہی اس کی تائید میں ہے۔ نہ دلیل عقلی نہ دلیل نقلی۔ اَلَّذِيْنَ مَعَهٗ معیّت سے مراد رفاقت ایمانی ہے یعنی جو لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے۔ ای مَنْ اٰمن بہٖ (مدارک) عذاب الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس سے صرف نافرمان ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہر نبی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے ہولناک واقعات طبعی و تکوینی قحط، زلزلہ، جنگ، سیلاب، وبا وغیرہ جس سے فاسق و زاہد، کافر و مومن بلا امتیاز یکساں ہلاک ہوتے رہے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ عذاب الٰہی کے نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی ایک طوفانی آندھی کی شکل میں آیا تھا۔

اَلَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ
نوحؑ کو بچالیا اور اُن لوگوں کو بھی جو اُن کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ ٦٤ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ
نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے ۵۸۷ اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا
بھائی ہُودؑ کو (بھیجا) ۵۸۸ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا
تَتَّقُوْنَ ۝ ٦٥ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا
کوئی معبود نہیں ہے سو کیا تم ڈرتے نہیں ۵۸۹؟ ان کی قوم میں جو سردار لوگ کفر کر رہے تھے بولے ہم تو
لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ٦٦
تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں ۵۹۰
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ
(ہودؑ نے کہا) اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی بھی) حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں
الْعٰلَمِيْنَ ۝ ٦٧ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ
کے پروردگار کی طرف سے، پہنچاتا ہوں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات اور میں تمہارا سچا خیرخواہ
اَمِيْنٌ ۝ ٦٨ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى
ہوں ۵۹۱ کیا تمہیں حیرت اس پر ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے، تم ہی میں
رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ
سے ایک مرد کے واسطے سے نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور وہ وقت یاد کرو جب تمہیں (اللہ نے)

ع ٨ ٦ ١٥

۵۸۷ (اپنی فرطِ جہالت سے، اور انہیں حق و باطل نفع و نقصان کچھ نہیں سوجھتا تھا) فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔ اس نجات کا تعلق عذاب طوفان سے ہے یعنی انہیں ہمہ گیر غرقابی سے صاف بچالیا۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۔ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لئے بطور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ توریت میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ "اور نوحؑ چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا" (پیدائش، ۷:۶) "جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اُسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی" (پیدائش، ۷: ۱۱، ۱۲) طوفانِ نوحؑ کا تخمینی سال، ۳۲۰۰ق م ہے یعنی آج (۱۹۴۶ء) سے پورے ۵۱۴۶ سال قبل۔ فِى الْفُلْكِ ۔ کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققین اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اُس کی پیمائش توریت میں حسب ذیل دی ہوئی ہے:۔ "اُس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اُس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ کی" (پیدائش۔ ۶: ۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (Liner.) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب بیانات توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینہ) تک چلتا رہا۔

۵۸۸ (بہ طور پیمبر کے) هود ۔ سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے۔ جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہودؑ کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتاب پیدائش) میں عِبر کرکے آیا ہے۔ عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے۔ جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔ اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے ـــــ گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور ان کا پایۂ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پہ ہے۔ اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے عاد بن عوص بن ادم بن سام بن نوحؑ۔ اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی۔ اپنے لمبے لمبے سفروں کے لئے ضرب المثل۔ اَخَاهُمْ ۔ اخ سے مقصود ہے اشتراک وطنیت یا اشتراک قومیت کا اظہار۔ یہ ایک عام سنّتِ الٰہی رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لئے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہم وطن بھیجا جاتا تھا۔ ای اخاهم فی القبیلة (قرطبی) ومعنی کونه علیه السلام اخاهم انه منهم نسبًا وهو قول الكثير من النسابين (روح) و العرب تسمی صاحب القوم اخا القوم (کبیر)

۵۸۹ (شرک کے دنیوی واخروی وبال سے) شرک کی تردید اور توحید کی دعوت بس یہی سارے انبیاء کی تبلیغ کا لُبِّ لباب رہی ہے۔ تَتَّقُوْنَ ۔ میں اشارہ ادھر بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوحؑ کے انجام غرقابی سے بھی تم نہیں ڈرتے! اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ یہ پیام توحید تو ہر نبی کی دعوت میں مشترک ملے گا۔

۵۹۰ داعیانِ حق کو جواب بھی ہر قوم کے "روشن خیالوں" کی طرف سے یکساں ہی ملا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عقلاء دین کو سفیہ کہنے کا طریقہ سفہاء قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے۔

۵۹۱ رب العٰلمین ۔ رسول ۔ رسٰلٰت ربی ۔ ناصح ۔ وغیرہ پر حاشیے ابھی ابھی اوپر گزر چکے ہیں۔

۵۸۱ یعنی وہ لوگ جو انہیں اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان کی قدر کرتے، ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ ۵۸۲ حضرت نوحؑ بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں۔ زمانہ کی تعیین دشوار ہے بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م تا ۲۸۰۵ ق م سمجھئے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آتا ہے البتہ اس میں مناقب کے ساتھ مثالب بھی موجود ہیں۔ قَوْمِهٖ ۔ یہ لوگ ملک عراق میں آباد تھے اور دنیا کی ہر جاہلی، گو بہ ظاہر مہذب قوم کی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ سے مراد دونوں عذاب ہو سکتے ہیں۔ عذاب قیامت بھی اور دنیا کا عذاب طوفان بھی۔ ولا شك ان المراد منه اما عذاب يوم القيامة او عذاب يوم الطوفان (کبیر) ۵۸۳ اگر آبائی دین سے باغی و منحرف ہو کر ایک نئے عقیدۂ توحید کی دعوت لے رہے ہو)

ع ۵ / ۱۴

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ
ہم اسی طرح دلائل ہیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو شکر گزار ہیں ۵۸۱ بالیقین ہم نے
اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا ۵۸۲ سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو تم (صرف) اللہ کی
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مجھے تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا
عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ
اندیشہ ہے ۵۸۳ ان کی قوم کے رُو دار لوگ بولے ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں (مبتلا)
مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ
دیکھتے ہیں ۵۸۴ (نوحؑ نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی) گمراہی نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ
کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں ۵۸۵ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری
وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ
خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۵۸۶ کیا تم اس پر حیرت کرتے
جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ
ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ سے نصیحت پہنچی ہے
وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ
تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈرو عجب کیا جو تم پر رحم کیا جائے ۵۸۷ پھر ان لوگوں نے اُن کو جھٹلایا تو ہم نے

اَلْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ ۔ ہر صحیح اور سچی اصلاحی تحریک کی مخالفت میں سب سے پیش پیش قوم کے امراء و اہل وجاہت ہی ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ کا تجربہ ہے اور اسی کو قرآن مجید نے بھی ہر جگہ نمایاں رکھا ہے۔ الملأ اشراف القوم و رؤساؤهم (قرطبی) ۵۸۴ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا لفظ یہی رب العلمین ہے۔ مشرک نظام کائنات کو متفرق و منتشر صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں، فلاں شعبہ کے مالک ہیں لیکن یہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔ ۵۸۵ (چنانچہ میں جانتا ہوں کہ دعوتِ توحید سے انکار کا وبال تم پر ضرور پڑ کر رہیگا) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ ۔ پیغمبر خدا کا مظہر یا اوتار نہیں ہوتا۔ صرف مبلغ و داعی ہوتا ہے۔ رسول من رب العلمين میں یہ بات ابھی پہلے بھی آ چکی ہے۔ اور اب دوبارہ مزید تصریح و تاکید کے لئے ہے۔ مشرک قوموں کی سمجھ میں جس طرح توحید نہیں آتی، اسی طرح رسالت کا مقصد بھی اُن کے ذہن کی گرفت سے باہر ہی رہتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اوتار وغیرہ کے مشرکانہ تخیل کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں۔ اَنْصَحُ لَكُمْ ۔ شفقت، خیر خواہی تو گویا پیمبر کے ضمیر ہی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اُمت اجابت تو خیر اُمتِ دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے اس کی بنیاد اخلاق و شفقت ہی پر ہوتی ہے جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ النصح اخلاص النية من شوائب الفساد فی المعاملة (قرطبی) اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ ۔ پیمبر کا یہ علم اس کا اپنا کسب کیا ہوا نہیں۔ اللہ ہی کی طرف سے عطا کیا ہوا ہوتا ہے۔ ۵۸۶ (باوجود تمہارے پچھلے انبار معاصی کے) اَوَ عَجِبْتُمْ ..... مِّنْكُمْ ۔ مشرک جاہلی قوموں کی اُلٹی سمجھ میں اوتار کا عقیدہ تو آ جاتا ہے یعنی یہ کہ خالق کائنات خود کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے قالب میں جلوہ گر ہو کر آ گیا لیکن یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی اعلیٰ ظرف و کمالات والے انسان کے ذریعہ سے اپنے احکام و ہدایات دنیا کو بھیج سکتا ہے۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ ۔ منکم سے مراد من جنسکم ہے اور علی رجل سے مراد منزل علی رجل ہے۔ المعنی اَنْ جاءكم ذكر من ربكم منزل على رجل منكم (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اپنے معصر اولیاء سے محض ان کی معاصرت کی بنا پر نفرت و حقارت کا برتاؤ جاہلوں کا آج تک شیوہ چلا آ رہا ہے۔ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا ۔ ل دونوں میں تعلیلیہ ہے اور پورے فقرہ میں سببیت کی ایک خاص ترتیب پائی جاتی ہے یعنی پیمبر کا آنا تو انذار کے لئے ہوتا ہے اور یہی انذار سبب ہو جاتا ہے، تقویٰ کا اور تقویٰ سبب بن جاتا ہے جلب رحمت کا۔

۵۷٦ (یعنی وہ پروردگار عالم ہر قسم کے کمالات کا جامع ہے) ۵۷۷ (اور دعا میں آدابِ دعا و عبودیت کا لحاظ نہ رکھنا بھی ایک صورت حد سے نکل جانے ہی کی ہے) آدابِ دعا میں یہ بھی داخل ہے کہ دُعا نہ محالاتِ عقلیہ دعادیہ کی مانگی جائے۔ اور نہ معاصی کی طلب و تمنا پیش کی جائے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ دعا مانگنے کی دعوت ہر حال میں اور بڑی چھوٹی ہر حاجت کے لئے دی جارہی ہے۔ رَبَّكُمْ کے لفظ نے بندوں کو یاد دلادیا کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو، وہ کوئی ظالم اور سخت گیر حاکم نہیں، وہ تو تمہارا شفیق پروردگار ہے۔ وہی تو تمہاری مادی و رُوحانی ہر طرح کی ترقیوں کا ضامن ہے۔ تَضَرُّعًا۔ دعا تو خود ایک عبادت ہی ہے۔ چاہیئے کہ حسب شانِ عبودیت لجاجت کے لہجہ میں اور خشوع قلب کے ساتھ ہو۔ بطور حکومت کے نہ ہو کہ جیسے ٹوکلوں، جنات یا شیاطین کے لئے منتر، عملیات وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔ خُفْيَةً۔ اور دعا چلا چلا کر بھی نہ مانگو کہ (نعوذ باللہ) جیسے تمہارا پروردگار اُونچا سنتا ہے۔ انجیل میں ہے کہ:۔ ”اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سُنی جائیگی“۔ (متی۔ ٦: ۷) دوسری بات یہ ہے کہ دُعا چپکے چپکے مانگنے میں ریا و نمائش کا بھی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث میں ایسی ہی دُعا کی بڑی فضیلت آئی ہے صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ لوگ دُعا چلا چلا کر مانگ رہے تھے، ان پر آپؐ نے فرمایا کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دُور ہے وہ تو قریب بھی ہے اور خوب سُنتا بھی ہے۔ عن ابی موسی الاشعری قال رفع الناس اصواتھم بالدعاء فقال رسول اللہ صلعم ایھا الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا ان الذی تدعون سمیع قریب اور حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی جو دعا ہی کی ایک شکل ہے آہستہ کہنی چاہیئے۔ وقد استدل اصحاب ابی حنیفۃ بھذا علی ان اخفاء آمین اولی من الجھر بھا لانہ دعاء (قرطبی) وفی ذلک دلیل علی ان اخفاء آمین من قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوٰۃ افضل من اظھارہ لانہ دعاء (جصاص) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے طریق جلوت و خلوت یا عبادات جوارح و عبادات قلب کی طرف۔ ۵۷۸ یعنی تمہیں اجر ہی ملنا یقینی نہیں ہے اس کا جلد ملنا بھی یقینی ہے وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ کائنات کی اصلاح و درستی قانونِ اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے ہوتی ہے اور اس مکمل دستور العمل سے انکار ہی پہلے فساد عقاید اور پھر فساد اعمال، فساد اخلاق، جرائم و معاصی، قتل و خونریزی ہر قسم کے فسادات کا باعث ہوتا ہے۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ خوف تو اس لحاظ سے کہ شرائط قبول دُعا میں سے کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو، اور آرزو اس کی کہ کوئی شرط چھوٹنے نہ پائی ہو۔ ای مع الخوف من وقوع التقصیر فی بعض الشرائط المعتبرۃ فی قبول ذلک الدعاء ومع الطمع فی حصول تلک الشرائط باسرھا (کبیر) ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کہیں اس نے عدل شروع کردیا تو ہمارے اعمال کس قابل ہیں۔ ہمیں تو ڈرتے ہی رہنا چاہیئے۔ البتہ آرزو اس کے فضل کی رکھنا چاہیئے۔ قال ابن جریج خوف العدل وطمع الفضل (معالم) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خوف کا لفظ ناز و عُجب و پندار کی تردید میں ہے اور آرزو کی تاکید مایوسی کے مقابلہ میں ہے۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ رحمۃ کا لفظ مؤنث ہے اس لئے قاعدہ سے قریب کے بجائے قریبۃ ہونا تھا لیکن رحمۃ کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے یہاں رحم یا ثواب یا غفران کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اور خبر مذکر قریب اسی مناسبت سے لائی گئی ہے۔ انما ذکر قریب علی تاویل الرحمۃ بالرحم او للتراحم (کشاف) اولان تانیث الرحمۃ غیر حقیقی (کشاف) قال سعید بن جبیر الرحمۃ ھٰھنا الثواب فرجع النعت الی المعنیٰ دون اللفظ (معالم) قال الزجاج انما قیل قریب لان الرحمۃ والغفران فی معنی واحد وکذلک کل تانیث لیس بحقیقی (امالی ابن الشجری جلد ۲ صفحہ ۲۰۹) قال النضر بن شمیل، الرحمۃ مصدر ومن حق المصادر التذکیر کقولہ فمن جاءہ موعظۃ (کبیر) ۵۷۹ (عموماً و عادۃً) قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں میں اور ان کی تعداد دو ایک کی نہیں پچاسوں کی ہے، یہ خوب یاد رکھا جائے کہ بیان واقعات تکوینی کی صرف غالب اور عمومی حالت کا ہوتا ہے۔ حصر و کلیت کہیں بھی مقصود نہیں ہوتی ورنہ پھر معجزات و خوارق کا تو سرے سے سدِباب ہوجائے —— خارق کے معنی بھی ایک عمومی دستور میں خرق ہوجانے کے ہیں۔ ۵۸۰ یعنی یہ تکوینی داستان تمہارے سامنے اس لئے دُہرائی گئی کہ تم اس مشاہدۂ فطرت سے توحیدِ الٰہی اور مُردوں کے زندہ کرنے کی قدرت پر استدلال کرسکو۔ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ یعنی ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔ سُقْنٰهُ۔ فَاَنْزَلْنَا بِهِ۔ دونوں میں ضمیر بادل کی طرف ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ۔ ضمیر پانی کی طرف ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ ...... نَكِدًا۔ سعدیؒ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے ؎ باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ؛ در باغ لالہ روید و در شورہ بُوم خس ؛ رحمتِ الٰہی کی بارش سب پر یکساں ہوتی رہتی ہے۔ خوش طینت اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بدطینت پر وہ سارا لُطف ضائع جاتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر یاد دلادیا کہ یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے آپ ہی آپ مشین کی طرح نہیں ہوتا رہتا بلکہ کوئی اس نظام فطرت کا ناظم مُنتظم بھی ہے سب کچھ اسی کی مشیتِ تکوینی سے ہوتا ہے متکلمین نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مومن خیر و طاعت کی قسم سے جو کچھ بھی کرتا ہے سب توفیق الٰہی ہی سے انجام دیتا ہے۔ ذلک یدل علی ان کل ما یعملہ المومن من خیر و طاعۃ لا یکون الا بتوفیق اللہ (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے مسئلۂ استعداد کی یعنی اس میں مثال آئی ہے ایسے شخص کی جس میں وعظ مؤثر ہوتا ہے اور ایسے کی جس میں مؤثر نہیں ہوتا۔ شخص طیب الاستعداد اور شخص فاسد الاستعداد کی۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا
اور حکومت (بھی) برکت سے بھرا ہوا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، اپنے پروردگار سے دعا کرو، عاجزی کے
وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا
ساتھ اور چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ملک میں اس کی درستی کے
فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ
بعد فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو پکارتے رہو ڈر کے ساتھ (بھی) اور آرزو کے ساتھ (بھی) بیشک
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے بہت نزدیک ہے اور وہ (وہی خدا ہے)
يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ
جو ہواؤں کو قبل اپنی رحمت (یعنی بارش) کے خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے چنانچہ جب وہ
اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ
(ہوائیں) بھاری بادل کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اُسے کسی خشک بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے
الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ
ذریعہ سے پانی نازل کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو
الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ
نکال کھڑا کریں گے شاید کہ تم (اس سے) نصیحت حاصل کرو اور ستھری بستی میں پیداوار اس کے پروردگار کے
نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ
حکم سے (خوب) نکلتی ہے اور جو بستی خراب ہے اس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم،

۷۲ (اور جس کتاب میں کسی خطا و غلطی کا امکان نہیں) علی علم منا به لم یقع فیه سهو و لا غلط (قرطبی) ۷۳ (اور اب تو ہمیں اُن حقائق کا مشاہدہ ہو رہا ہے) هَلْ يَنْظُرُوْنَ. یعنی منکرین بعد اتمام حجت و وضوح حق کے بعد بھی انکار کئے جانے والے تو بس اسی کے منتظر ہیں۔ تَاْوِيْلَهٗ۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کی عاقبة ما وعد لهم فی القرآن (ابن عباسؓ) ای الا عاقبة امره وما یؤول الیه من تبین صدقه (کشاف) يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ۔ یعنی اُن آخری نتائج اور حقائق کے ظہور کا وقت۔ یوم آخرت۔ اے تبدو عواقبه یوم القیامة (قرطبی) ۷۴ یعنی یہ اقرار و اعتراف اب سب بے اثر رہے گا اور کوئی ان کے کچھ کام نہ آئیگا۔ نُرَدُّ۔ یعنی ہم دنیا میں جو دارالعمل ہے ایک بار پھر واپس جائیں۔ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ یعنی دنیا میں جا کر ان اعمال کفر و فسق کے برعکس اب کی ایمان و اعمال صالحہ اختیار کریں۔ ۷۵ یعنی عزت و جلال کے تخت پر۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ خلق

عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ
علم کے ساتھ خوب کھول دیا ہے اُن لوگوں کے حق میں بہ طور ہدایت و رحمت کے جو ایمان رکھتے ہیں ۷۳ وہ بس
اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ
اس کے مصداق ہی کا انتظار کر رہے ہیں (سو) جس روز اس کا مصداق پیش آجائے گا تو وہ لوگ
مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا
جو اُس کو پیشتر سے بھولے ہوئے تھے بول اُٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچ ہی لے کر آئے
مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ
تھے ۷۴ سو اب ہے کوئی ہمارا سفارشی جو ہماری سفارش کر دے؟ یا آیا ہم (پھر) واپس جا سکتے ہیں
كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
تاکہ جو ہم کیا کرتے تھے اس کے برخلاف کچھ اور کریں؟ یقیناً انہوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ع ۶ ۱۳
اُن سے گم ہو گیا جو کچھ وہ گڑھا کرتے تھے ۷۵ بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ
پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر قائم ہو گیا عرش پر ۷۶
يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو، وہ جلدی سے اُسے آلیتی ہے اور سورج اور چاند
وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ
اور ستاروں کو (اُسی نے پیدا کیا) سب اس کے حکم کے تابع، یاد رکھو اُسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی)

یعنی عدم محض سے انہیں وجود میں لے آیا۔ یہ نہیں کہ مادہ سب پہلے سے خود بخود یا خود آفریدہ موجود تھا اور خدا نے ان میں صرف ترکیب و ترتیب پیدا کر دی جیسا کہ بہت سی جاہل مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ پر عظمت و ہیبتناک آسمان جن کی پرستش بطور دیوتا یا خدائے اعظم کے کلدانی اور مصری، ہندی اور یونانی، سب اپنے اپنے اوج تمدن کے وقت کرتے آئے ہیں اور یہ زمین جو دھرتی مائی کی حیثیت سے دنیا میں بہ کثرت پوجی گئی ہے۔ یہ معبود و مسجود ہونا تو الگ رہا، خود اپنے کو وجود میں لانے پر بھی قادر نہیں رہے ہیں، بلکہ ساری دوسری موجودات کی طرح اللہ کی مخلوق ہی ہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم چوبیس گھنٹہ والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکت ارض یا حرکت شمس کا اور بیان اُس وقت کا ہو رہا ہے جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ۔ ای فی ستة اوقات (بیضاوی۔ روح)

اور یوم کے معنی مطلق مدت کے محاورۂ عرب میں برابر مستعمل ہیں۔ قد یعبر به عن مدة من الزمان ای مدة کانت (راغب) البتہ توریت (کتاب پیدائش باب اوّل) میں صبح شام کی تصریح بار بار آئی ہے۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔ اب اس کے بعد اس نے حکومت و تدبیر کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں۔ اور العرش سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتا ہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔ وکنی بالعرش عن العز و السلطان والمملکة (راغب) والمراد بالاستواء علی العرش نفاذ القدرة وجریان المشیة (کبیر) واذا استقام له ملکه واطرد امره وحکمه قالوا استوی علی عرشه هذا ما قاله القفال واقول من الذی قاله حق وصدق وصواب (کبیر) يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ رات اور دن کوئی صاحب ارادہ ہستیاں نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے) کہ اپنے قصد و خواہش سے اپنا ظہور و نمود کرتی رہیں۔ اور نہ مشین کی طرح اضطراراً ان میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے۔ (جیسا کہ ملحدوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ دونوں اپنے ظہور، نمود، وجود میں ہر مخلوق کی طرح تمام تر ارادہ الٰہی کے تابع و محکوم ہیں۔ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا۔ دن آناً فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ دفعۃً رات آجاتی ہے (تھانوی) حث کے عام معنی جلدی و تیزی کے ہیں۔ الحث الاعجال والسرعة۔ لیکن حثیثًا کے دوسرے معنی لازمی کے بھی کئے گئے ہیں۔ ای یطلبه دائمًا من غیر فتور (قرطبی) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ۔ چاند، سورج، ستارے ان میں سے کوئی بھی صاحب ارادہ، صاحب تصرف دیوی دیوتا نہیں بلکہ اپنی ایجاد میں، آثار میں، اختیار میں ہر شے میں مجبور و محکوم ہے۔ اللہ ہی جو اور جس طرح چاہے ان میں تصرفات کرے۔ بِاَمْرِهٖ میں امر سے مراد احکام تکوینی ہیں کہ چاند، سورج، ستارے، احکام تشریعی کے مکلف نہیں۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یعنی کوئی اس کا مطلقاً شریک نہیں۔ نہ خالق ہونے میں نہ حاکم ہونے میں۔ شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کر کے انتظامات خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ خلق وامر دو لفظ لانے سے دونوں شقوں کی کلی نفی و تردید مقصود ہے۔

۵۶۷ (اور اپنی اس قوت وجمعیت کی بنا پر انبیاء کی راہ کا اتباع نہ کرنا) قَالُوْا یہ بول اٹھنا فرطِ ہول ودہشت سے ہوگا۔ ۵۶۸ (اور تمہارے خیال میں ہر طرح حقیر وذلیل اور مستحق حقارت و
ذلت تھے) اَھٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِیْنَ۔ یعنی یہی لوگ جو آج جنت میں عیش کر رہے ہیں۔ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو باوجود دولتِ ایمان سے مالامال ہونے کے مادّی دولت ووجاہت سے دنیا میں
تہی دامن ہوتے ہیں اور اس لئے اہلِ کبر وضلال کی نظروں میں حقیر وذلیل۔ جیسے حضرات صحابہ میں بلال حبشیؓ وسلمان فارسیؓ وغیرہما تھے۔ اشارۃ الی قوم من المؤمنین الفقراء کبلال وسلمان
وخباب وغیرھم (قرطبی) الاشارۃ الی ضعفاء اھل الجنۃ الذین کان الکفرۃ یحتقرونھم فی الدنیا (روح) ۵۶۹ قول انہی اہلِ اعراف کا اہلِ دوزخ کو مخاطب کر کے چل رہا ہے کہ تم تو

قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْکُمْ جَمْعُکُمْ وَمَا کُنْتُمْ
کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آیا تمہارا جتھا اور تمہارا اپنے کو
تَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَھٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُھُمُ
بڑا سمجھنا کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان پر
اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ
اللہ رحمت نہ کریگا (ان کو تو یہ حکم ہو گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ (جہاں) تم پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا
تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ اَنْ
اور نہ تم مغموم ہوگے اور دوزخ والے پکاریں گے جنت والوں کو کہ ہمارے اوپر
اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاۤءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ؕ قَالُوْۤا
کرم کرو کچھ پانی ہی سے یا اس سے جو تمہیں اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے وہ کہیں گے
اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ
کہ اللہ نے تو ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے وہ کافر جنہوں نے اپنے دین کو کھیل
لَھْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰھُمْ
تماشا بنا رکھا تھا اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج ہم (بھی) انہیں بھلائے
کَمَا نَسُوْا لِقَاۤءَ یَوْمِھِمْ ھٰذَا ۙ وَمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا
رہیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کا پیش آنا بھلائے رہے تھے اور جیسا وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے
یَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰھُمْ بِکِتٰبٍ فَصَّلْنٰہُ عَلٰی
رہے تھے اور ہم نے ان کے پاس (ایسی) کتاب پہنچا دی ہے جسے ہم نے

منزل ۲

دنیا میں اہلِ ایمان کو ہر طرح حقیر وذلیل سمجھتے تھے۔ مگر یہاں تو دیکھو انہیں اس اعزاز وتکریم کا مقام مل گیا۔
۵۷۰ (اس کے حکم کے خلاف ہم دیں کیسے اور ہم دیں بھی تو تمہیں نفع کیا ہو؟ تم نے اپنے قویٰ کو ان سے لطف اٹھانے کے قابل رکھا ہی کب ہے؟ پھر تمہارے مسخ شدہ اور قہر زدہ حلق اور منہ میں پہنچ کر یہی نعمتیں اور آگ لگا دیں گی) حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔ تحریم سے مراد دار الجزاء میں حرمت شرعی تو ہو نہیں سکتی۔ مراد یہی ہے کہ یہاں کے کھانے پینے تو تمہارے حلق سے اتریں گے ہی نہیں۔ حضرت مولانائے رومیؒ کی ملفوظ فیہ مافیہ گو فن تصوف وسلوک میں ہے لیکن بعض تفسیری نکتے بھی اس میں خوب آگئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:- "اہلِ دوزخ با اہلِ بہشت فغان کنند کہ آخر کرم شما — ازاں عطاہا وبخششہا کہ حق تعالیٰ بہ شما کردہ است، از روئے صدقہ بندہ نوازی بہر ما نیز اگر چیزے ریزیدہ ایثار کنید چہ شود ع وللارض من کاس الکرام نصیب کہ ما دریں آتش می سوزیم ومی گدازیم ازاں میوہ یا دانہ آں آبہائے زلال قطرہ برجانِ ما ریزید چہ شود — بہشتیاں جواب دہند کہ آں را خدا بر شما حرام کردہ است تخم ایں نعمت در دار دنیا بود چوں آنجا نہ کشتید ونورزید وآں ایمان وصدق بود وعمل صالح، اینجا چہ برگیرید واگر ما از روئے کرم بر شما ایثار کنیم چوں خدا آں را بر شما حرام کردہ است حلقہا را بسوزاند وبہ گلو فرو نرود۔ واگر در کیسہ نہید دریدہ شود و بیفتد (فیہ مافیہ ص۲۷ معارف پریس اعظم گڑھ) وَنَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ۔ اہلِ دوزخ کی یہ فریاد اہل جنت سے فرطِ اضطرار وشدتِ اضطراب سے ہوگی۔ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاۤءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ۔ کہ شاید اسی سے کچھ ہماری تسکین ہو جائے۔ ورنہ ہم تو بھوک اور پیاس اور گرمی سے مرے پھنکے جاتے ہیں
بھوک اور پیاس کی شدت سے اہلِ دوزخ کی تڑپ آیت سے بالکل عیاں ہے۔ ویکون فی الاٰیۃ دلیل علی نہایۃ عطشھم وشدۃ جوعھم (روح) حَرَّمَھُمَا۔ ضمیر تثنیہ سے مراد جنت کا
کھانا پانی ہے۔ یعنی طعام الجنۃ وشرابھا (قرطبی) بعض فقہائے آیت سے یہ نکالا ہے کہ پانی پلانا بہترین اعمال میں سے ہے۔ فی ھٰذہ الاٰیۃ دلیل علی ان سقی الماء من افضل الاعمال (قرطبی)
۵۷۱ جحد کے معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں کہ مطلق انکار یا کسی غلط فہمی کی بنا پر انکار کے نہیں بلکہ دل سے حق کے قائل ہو کر بھی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے انکار کئے چلے جانے کے ہیں۔ الجحود
نفی ما فی القلب اثباتہ واثبات ما فی القلب نفیہ (راغب) مَا کَانُوْا۔ میں ما مصدری ہے یعنی جیسا کہ انہوں نے بھلا دیا تھا۔ ما مصدریۃ ای کنسیھم (قرطبی) دِیْنَھُمْ
سے مراد مفسرین نے لی ہے وہ دین جس کا قبول کرنا ان لوگوں پر واجب تھا۔ الذی امرھم اللّٰہ تعالیٰ بہ (روح) لیکن دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خود وہی دین جسے وہ اختیار کئے ہوئے تھے
اسی کو انہوں نے بجائے زادِ آخرت بنانے کے محض ایک کھیل، تماشہ یا سوانگ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ عبادات ہیں تو ان میں ناچ گانا، روشنی باجا، عقاید ہیں تو ان میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ
تلعب، ساری ساری عمر بس میلے ٹھیلے میں گزار دیتے ہیں۔ غَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں کوئی صریح اور بیّن وبال ان پر نہیں آتا۔ یہ دھوکے میں آجاتے اور اپنے انہی
عقائد باطلہ پر اور جم جاتے ہیں۔ نَنْسٰھُمْ۔ انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان وانسا کا یہ استعمال
نامعلوم نہیں۔ وقد جاء النسیان بمعنی الترک کثیرا (روح) ۵۷۲ بکتاب۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ بجائے الکتب کے کتاب تنوین کے ساتھ لانا عظمت شان کے لئے ہے۔ الکتاب ھو القراٰن
وتنوینہ للتفخیم (روح)

۶۰ (اور اُنہی کے وعدہ کے مطابق ایمان اور عمل صالح سے جنت کے حقدار ہوگئے) وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ - اہل جنت بہ نداء فرط فرحت و سرور میں آ کر دیں گے۔ بعضوں نے سوال یہ پیدا کیا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جو بُعد مسافت دکھایا گیا ہے اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اہل جنت کی آواز اہل جہنم تک کیسے پہنچیگی؟ سوال تمام تر سطحی ہے، اور سائل نے عالم آخرت کے قوی کو ناسوت کے قویٰ اور ناسوتیوں کی پابندیوں پر قیاس کیا ہے۔ ۶۱ (کہ کفر کے باعث دوزخ میں پڑو گے اور اب تو اللہ اور رسول کے صدق کی اور اپنی گمراہی کی حقیقت ظاہر ہو کر رہی؟) ۶۲ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یہ پکارنے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ یعنی من الملئکۃ (قرطبی) وھو ملک یسمع اھل الجنۃ والنار (مدارک) ۶۳ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ۔ معنیٰ ماضی ہے اور کانوا محذوف ہے۔ ای کانوا بھا کافرین فحذف وھو کثیر فی الکلام (قرطبی)

اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا
وعدہ کیا تھا ہم نے اُس کو سچ پایا ۶۰ اب تم بتلاؤ) تم نے بھی سچ پایا اس

وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا‌ ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ‌ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ
وعدہ کو جو (تم سے) تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ ۶۱ وہ کہیں گے کہ ہاں۔ پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا ۶۲

لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَۙ‏ ﴿۴۴﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ
کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر ۶۳ جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے اور اس میں

اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا‌ ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ‌ۘ‏ ﴿۴۵﴾ وَ
کجی تلاش کیا کرتے اور وہ آخرت کے منکر تھے ۶۳ اور

بَيۡنَهُمَا حِجَابٌ‌ ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ
اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی ۶۴ اور اعراف کے اُوپر (بہت سے) اشخاص ہونگے وہ سب کو

بِسِيۡمٰٮهُمۡ‌ ۚ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ‌ ۗ لَمۡ
ان کے قیافہ سے پہچانیں گے، اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر اور (ابھی) یہ لوگ

يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ‏ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ
اس میں داخل نہ ہوئے ہونگے اور وہ (اس کے) آرزومند ہونگے ۶۵ اور جب اُن کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پھریں گی تو

اَصۡحٰبِ النَّارِۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ‏ ﴿۴۷﴾
بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو شامل نہ کرنا (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ ۶۶

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰٮهُمۡ
اور اعراف والے پکاریں گے (بہت سے) اشخاص کو جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (اور)

ع ۵ / ۸ / ۱۲

يَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا - یعنی دین حق میں عیب و اعتراض تلاش کیا کرتے تھے۔ اور دوسروں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے تھے۔ المراد القاء الشکوک والشبہات فی دلایل دین الحق (کبیر) يَصُدُّوۡنَ - جس طرح متعدی ہے لازمی بھی ہے اور یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ ای یعرضون (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انہی کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو طریق سلوک کو اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں جس سے طالبِ صادق کو اس سے نفرت ہو جائے۔ مثلاً اہل بدعت و اہلِ ریاء۔ ۶۴ (یہ طور دیوار کے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ کی سختیوں اور کلفتوں کا اثر جنت تک) اس پر یہ سوال پیش کرنا کہ پھر اس دیوار کے ہوتے اہلِ جنت و اہل جہنم کے درمیان مخاطبت کیونکر ہو سکے گی عالمِ آخرت کی فضا کو تمام تر اس عالم عنصری کے مادّی قوانین کا پابند و محکوم سمجھ لینا ہے۔ یہ آڑ تو صرف اسی لئے ہوگی کہ ایک مقام کی لذت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے نظر کی حائل نہ ہوگی۔ ایسی نہ ہوگی کہ ایک جگہ کا حال دوسری جگہ دکھائی نہ دے سکے۔ لیس یعنی بہ ما یحجب البصر وانما یعنی ما یمنع من وصول لذۃ اھل الجنۃ الی اھل النار واذیۃ اھل النار الی اھل الجنۃ۔ (راغب) بَيۡنَهُمَا۔ ھما سے مراد دونوں فریق بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں مقام بھی۔ ای بین النار و الجنۃ (قرطبی) بین الجنۃ والنار او بین الفریقین (کشاف۔ مدارک) ۶۵ (چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کر دی جائیگی اور یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اَلۡاَعۡرَاف لفظی معنیٰ بلند چیز کے ہیں الاعراف فی اللغۃ المکان المشرف (قرطبی) عن ابن عباس انہ قال الاعراف الشئ المشرف (قرطبی) یہاں مراد جنت و جہنم کی اس درمیانی دیوار سے ہے جس کا ذکر ابھی ابھی آ چکا ہے ھو الذی علیہ الاکثرون ان المراد من الاعراف اعالی ذالک السور المضروب بین الجنۃ والنار وھذا قول ابن عباس (کبیر) وھو السور الذی ذکرہ اللہ فی قولہ فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ (قرطبی) سور بین الجنۃ والنار (راغب) عَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ۔ یہ اہلِ اعراف کون لوگ ہوں گے؟ متعدد صحابیوں اور متعدد تابعین سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہونگی۔ قال عبد اللہ ابن مسعود وحذیفۃ بن الیمان و ابن عباس والشعبی والضحاک وابن جبیر ھم قوم استوت حسناتھم وسیاٰتھم (قرطبی) يَعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰٮهُمۡ۔ علاوہ اس کے کہ جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے مقام پر ہونگے۔ اور اس لئے بھی پہچان لئے جائیںگے کہ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ان کی پیشانیاں اور چہرہ بھی ذریعۂ شناخت ہونگے۔ اہل جنت کے بشرہ پر نورانیت برس رہی ہوگی۔ اور اہل دوزخ کے چہرہ پر ظلمت و کدورت۔ ای بعلامتھم التی اعلمھم اللہ بھا کبیاض الوجہ وسوادہ (بیضاوی) ای بعلاماتھم وھی بیاض الوجوہ وحسنھا فی اھل الجنۃ وسوادھا وقبحھا فی اھل النار الی غیر ذلک من معرفۃ حیز ھؤلاء وحیز ھؤلاء (قرطبی) وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ۔ یہ اہل جنت کو پکارنے والے وہی اصحاب اعراف ہونگے۔ وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ۔ طمع کے ایک معنیٰ علم کے بھی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے لیکن جانتے ہونگے کہ اب داخل ہونگے۔ بمعنٰی ھم یعلمون انھم یدخلونھا وذلک معروف فی اللغۃ ان یکون طمع بمعنی علم (قرطبی) ۶۶ یہ مناجات فرطِ خشیت و عبودیت سے ہوگی۔ ھذا اہلِ اعراف تو جانتے ہی ہونگے کہ ان کا شمار اہلِ جہنم میں نہیں ہو سکتا۔ وقد علموا انہ لا یجعلھم معھم فھذا علیٰ سبیل التذلل (قرطبی)

۵۵۵ یہ الظّٰلِمِیْنَ یا اپنے اُوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اُوپر فمن اظلم سے شروع ہُوا ہے۔ قال ابن عباس یرید الذین اشرکوا باللہ واتخذ وامن دونہ الھًا وعلٰی ھٰذہ
التقدیر فالظٰلمون ھٰھنا ھم الکافرون (کبیر) لَھُمْ مِّنْ جَھَنَّمَ مِھَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِھِمْ غَوَاشٍ۔ عذاب ہی کا اوڑھنا عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔ ۵۵۶ بندوں
کی ہمت افزائی اور تسلی قلب کے لئے قرآن مجید کا ایک عام دستور سا ہے کہ اہلِ جہنم کی وعیدوں کے مقابل اہلِ جنّت کی بشارتوں کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ یہاں ذکر جنت کے
ضمن میں یہ جملہ معترضہ لاکر یہ بتادیا کہ جنت تک رسائی کچھ دشوار نہیں۔اس کا ذریعہ عمل صالح ہے۔ اور عمل صالح انہی احکام کی تعمیل کا نام ہے جو ہر بندہ کو اس کی وسعت وطاقت کے اندر ہی دیئے جاتے

مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
بچھونا ہوگا اور اُن کے اُوپر (اُسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ظالموں
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا
کو ۵۵۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم
نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۬ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ
کسی شخص کے ذمہ اُس کی قدرت سے زاید کام نہیں رکھتے۔ یہی لوگ تو جنت والے ہیں اس میں
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
ہمیشہ رہیں گے ۵۵۶ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں غبار (رہا) ہوگا اُسے ہم دُور کر دیں گے
غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ
اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ ساری تعریف ہے
لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ
اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچادیا اور ہم تو کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو
لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ
نہ پہنچادیا ہوتا واقعی ہمارے پروردگار کے پیمبر سچائی کے ساتھ آئے تھے ۵۵۸ اور
وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ
انہیں ندا دی جائے گی کہ یہی وہ جنّت ہے جس کے تم اب وارث ہوگئے ہو بعوض اُس کے کہ جو کچھ تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ
کرتے رہے ہو ۵۵۹ اور جنت والے ندا دیں گے دوزخ والوں کو کہ ہم سے تو جو ہمارے پروردگار نے

الربع

ہیں۔ جنت کے نام سے کوئی یہ خیال کر کے نہ گھبرائے کہ وہاں تک رسائی کیلئے خدا معلوم کیسی کیسی دشوار منزلوں سے ہو کر گزرنا ہوگا ——— دوسری طرف کافروں کے حق میں بھی تنبیہ ہے کہ جنت جو ایسی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے اُسے یہ اپنے ہاتھوں چھوڑے بیٹھے ہیں۔ وُسع کے معنی خود ایسی چیز کے ہیں جو انسان کو آسانی اور معمولی کوشش سے حاصل ہو سکے۔ سخت وشدید کوشش کیلئے لفظ جھد کا آتا ہے۔ وسع کا نہیں۔ معنی الوسع مایقدر الانسان علیہ فی حال السعۃ والسھولۃ لا فی حال الضیق والشدۃ (کبیر) واما اقصی الطاقۃ یسمّی جھدًا لا وسعًا (کبیر) ۵۵۷ (اور اس رفع کدورت کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ کامل لطف و انبساط کے ساتھ ہنسی خوشی رہیں گے) ابھی اُوپر ذکر تھا اہل جہنم کے باہمی بغض ونفرت کا۔ اب اس کے مقابل اہل جنت کے سلسلہ میں ذکر ہو رہا ہے ان کے باہمی رفق واُلفت کا ——— خوشدل دوستوں کی یکجائی ہر شخص دنیا میں تجربہ رکھتا ہے کہ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ انشاء اللہ میرا اور عثمانؓ وطلحہؓ وزبیرؓ کا معاملہ ایسا ہی ہوگا (کبیر، مدارک وغیرہ) آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دنیا میں اہلِ حق کے درمیان بھی کدورت ومخالفت کی نوبت پہنچ سکتی ہے خواہ رنجش کی بنیاد محض طبعی ہو مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو کینہ طبعی غیر اختیاری ہو وہ دخولِ جنت سے مانع نہیں۔ ۵۵۸ چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ بالکل سچ نکلا) مِنْ تَحْتِھِمْ "ان کے نیچے" سے مراد ہے ان کے محلوں اور بالاخانوں کے نیچے والمراد تجری من تحت غرفھا میاہ الانھار (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ .... اللّٰہُ۔ عبدیت تو اہل جنت کے رگ وریشہ میں رچی ہوگی۔ وہاں پہنچکر بھی زبان تمامتر حمد الٰہی اور اپنی عبدیت ہی کے اقرار پر کھلے گی۔ لِھٰذَا میں ھٰذا کا اشارہ مقام یعنی جنت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور مرتبہ یعنی درجہ

قدر ومنزلت کی جانب بھی اور خود ایمان کی جانب بھی۔ مآل سب صورتوں کا ایک ہے۔ ای الی ھٰذا الفوز العظیم وھو الایمان (مدارک) ھَدٰىنَا اللّٰہُ۔ (چنانچہ ہمیں ایمان و اعمال کا وہ طریقہ
بتادیا جو جنت تک پہنچاتا ہے اور اس پر چلنے کی بھی توفیق دے دی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ وصول الی المقصود وہبی ہے کسبی نہیں اور جس کسب کا ظاہر اً کچھ دخل ہے خود وہ کسب بھی وہبی ہے۔ ۵۵۹ (اور
جنّت تو تمہاری اصلی میراث اور تمہارے مورثِ اعلیٰ آدمؑ کی جگہ تھی ہی) تِلْکُمُ۔ تلک جو اشارہ بعید کے لئے آتا ہے۔ یہاں ھٰذہ کے معنی میں اشارۂ قریب کے لئے ہے۔ تلکم بمعنی ھٰذہ (قرطبی) وَ
نُوْدُوْا۔ یہ ندا دینے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ اُوْرِثْتُمُوْھَا۔ اس لفظ میں کمال تعظیم واحترام اور مزید تقویت ہے اہلِ جنت کے لئے یعنی اب تم تو اسے جیت چکے ہی ہو۔ اب کوئی تمہیں یہاں سے بے دخل نہ کر
سکے گا۔ معناہ صارت الیکم کما یصیر المیراث الی اھلہ (کبیر) بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اس سے ظاہر اً دخولِ جنت کا سبب اعمال معلوم ہوتے ہیں لیکن حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ جنت میں کوئی بھی
اپنے اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ رحمت الٰہی سے جائیگا۔ مفسر تھانویؒ نے خوب کہا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر سبب ظاہری اور قریبی کا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ
صحیح ہیں۔ اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ امام رازیؒ نے جو تشریح کی ہے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا
جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی اُس کی ہمرنگ دوسری جماعت

فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ
اس پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب ہی اس میں جمع ہو جائیں گے تو (اس وقت) ان کے پچھلے

أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ
اپنے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا تو انہیں دوزخ کا عذاب

ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ
زیادہ دے (اللہ) کہے گا زیادہ تو سب ہی کا (عذاب) ہے لیکن تمہیں علم نہیں ۵۵۲ اور ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ
پھر تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، سو تم عذاب کا مزہ چکھو اُن حرکتوں کے عوض جو تم

بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
کرتے رہے ہو ۵۵۳ بیشک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے

ع ٤ / ١١

وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا
تکبر کیا اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ
جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکے میں نہ سما جائے اور ہم

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ
مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ۵۵۴ اُن کے لئے دوزخ ہی کا

۵۵۲ (کہ عذاب کی زیادتی تمہاری ہی طرح دوسرے بھی محسوس کر رہے ہیں) اس لاعلمی و بے خبری میں بھی ایک حکمت ہے اگر دوسروں کی زیادتی عذاب کا علم انہیں ہو جاتا تو کچھ تو تسلی ان کی ہو جاتی اس لئے انہیں ان کے حال کی خبر ہی سرے سے نہ دی گئی۔ ای لا یعلم کل فریق ما بالفریق الآخر اذ لو علم بعض من فی النار ان عذاب احد فوق عذابه لکان نوع سلوة له (قرطبی) رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا۔ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہمیں گمراہ کیا تھا اور ہم اپنے کفر و ضلالت میں تو بس انہی کے تابع اور پیرو تھے۔ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ۔ ضعف کے عام مشہور معنی تو دوگنے کے ہیں لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی و شدت کے ہیں، کوئی متعین درجہ، مقدار مراد نہیں ہوتی۔ قال الازھری الضعف فی کلام العرب المثل الی ما زاد ولیس بمقصور علی المثلین (کبیر) والضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (کبیر) جائز فی الکلام العرب ان یقال لك ضعفه یریدون مثلیه وثلاثة امثاله لانه ای الضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (تاج) خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ ہے۔ فاولئك لهم جزاء الضعف بما عملوا کہ یہاں کوئی متعین نسبت نہیں بلکہ مطلق زیادتی مُراد ہے اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ ضعفًا ای زائدًا علی عذابنا (بحر) و اختاره هنا غیر واحد (روح) اور اگر معنی دوگنے ہی کے سمجھے جائیں تو توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ دوزخ کا عذاب ہر ساعت بڑھتا ہی جائیگا۔ اسلئے ہر دوزخی کو اپنا عذاب پہلے سے دوگنا ہی محسوس ہوگا۔ لِاُوْلٰىهُمْ میں ل اجل کا ہے یعنی ”ان کی بابت“ کہیں گے۔ نہ کہ ”ان سے“ کہینگے۔ اللام لام اجل لانهم لم یخاطبوا اولٰهم ولکن قالوا فی حق اولٰهم (قرطبی) اُخْرٰىهُمْ کے معنی پیروؤں مقتدیوں اور کم درجہ والوں کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اُولٰىهُمْ کے معنی سرداروں، مقتداؤں اور بڑے درجہ والوں کے۔ چنانچہ زمخشری۔ بیضاوی وغیرہ نے یہی مفہوم لیا ہے۔ **۵۵۳** غرض اہلِ جہنم میں باہم سخت گلخپ شروع ہو جائیگی۔ ایک دوسرے پر الزام و طعن سے کام لینے لگیں گے اور یہ بجائے خود ایک عذاب ہوگا۔ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔ اگلوں کا یہ خطاب اپنے بعد والوں سے حق تعالیٰ کا یہ جواب سننے کے بعد ہوگا۔ مَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ یعنی تخفیفِ عذاب کے بارے میں تم ہم سے کچھ بھی بہتر نہیں۔ تخفیف سے جس طرح ہم محروم ہیں تم بھی محروم ہو۔ **۵۵۴** یعنی یہ عام ضابطہ اور قانون ہمارے ہاں کا ہے جو جیسا کریگا بھگتے گا۔ ہمیں کسی بندہ کے ساتھ کوئی کد تو ہے نہیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ براء بن عازبؓ صحابی کی روایت سے حدیث میں آتا ہے کہ بعد وفات جب کافر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جانے لگتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مُردار کی ہوتی ہے۔ اس پر آسمان کے فرشتے اُسے راستہ دینے اور اس کیلئے درِ آسمان کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قال السدی وغیرہ لا تفتح لارواحهم ابواب السماء وتفتح لارواح المومنین (کبیر) ذکروا فی صعود الروحین الی السماء الاذن لروح المؤمن ورد روح الکافر احادیث وذلك عند موتهما (بحر) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکذبین و منکرین کے اعمال برکت و مقبولیت سے محروم رہینگے اور آسمان کی طرف بلند نہ کئے جائینگے۔ ای لا یصعد لهم عمل صالح (کشاف) وقیل لا تنزل علیهم البرکة ولا یغاثون (کشاف) حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ محاورہ کا زبان میں اس سے مُراد مطلقاً ایک امرِ محال عادی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یعنی نہ اونٹ سُوئی کے ناکے سے نکل سکے گا اور نہ فلاں فعل ہوگا۔ ومذکر فی کلامهم مثل هذه الغایة ومرادهم لا افعل کذا ابدًا (روح) هذا نفی مغیاه بمستحیل (بحر) انجیل میں بھی اس محاورہ کا استعمال ایک ایسے ہی موقع پر ہوا ہے۔ ”اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اُونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو“ (متی۔ ١٩: ٢٣، ٢٤) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی ابوابِ ملکوت کشادہ نہیں ہوتے۔

۴۷ (ایسے آدم زادوں کو اپنی اصلی میراث یعنی جنت حاصل کر لینا کچھ بھی دشوار نہیں) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ۔ یہ ذکر ارواح کا ہے۔ یہ مخاطبہ انسان سے اس وقت ہوا تھا جب اس کی آفرینش ابھی عالمِ ناسوت میں ہوئی بھی نہ تھی۔ اور ابھی وہ عالمِ ارواح ہی میں تھا۔ اِمَّا۔ ان شرطیہ ہے اور ما صلہ کا۔ ما صلۃ ای اِن یأتکم (قرطبی) ان شرطیۃ ضمت الیہا ما مؤکدۃ بمعنی الشرط (کشاف) اٰیٰتِیْ یعنی میرے احکام و ہدایات۔ ای فرائضی واحکامی (قرطبی) جن علمائے محققین کا مسلک یہ ہے کہ قیامت میں مومنین و مطیعین کو کوئی خوف و غم نہ ہوگا، وہ اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں (کبیر) ۴۸ کیسے صاف لفظوں میں دو گروہ الگ الگ بنا دیئے ہیں۔ ایک طرف اہلِ صلاح و تقویٰ کا گروہ ہے۔ دوسری طرف ان منکرین و متکبرین کا۔ هُمْ۔ آیت میں موقع حصر پر آیا ہے۔ اور اسی سے اہلِ سنت نے استدلال کیا ہے کہ گنہگار مومن آخر عذاب سے نجات پا جائیگا، عذابِ دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین و منکرین ہونگے۔ وقد تمسک اصحابنا بھذہ الایۃ علی ان الفاسق من اھل الصلوٰۃ لا یبقی مخلدا فی النار لانہ تعالیٰ بیّن ان المکذبین بآیات اللہ والمستکبرین عن قبولھا ھم الذین یبقون مخلدین فی النار وکلمۃ ھم تفید الحصر (کبیر) اِسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا۔ یعنی ہمارے آیات و احکام کے قبول کرنے سے تکبر کرینگے اپنی عقل کو وحیِ الٰہی سے بڑھ چڑھ کر سمجھینگے۔ ۴۹ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ افتراء علی اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو احکام خدائی نہ ہوں، بلکہ انسانی ہوں انہیں خدا کی جانب منسوب کر دینا۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب بآیات اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کا فرمان ہے اسے اس کا فرمان نہ ماننا۔ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ۔ یعنی رزق، عمر، اعمال وغیرہ جو کچھ اُن کے لئے مقدر ہو چکے ہیں۔ ای ما کتب لھم من رزق وعمر وعمل (قرطبی) ۵۰ (لیکن اس وقت کا اقرار جبکہ

اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

اختیار کرے اور (اپنی) اصلاح کرلے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا

غمگین ہوں گے ۴۸ اور جو لوگ جھٹلائیں گے ہمارے احکام اور ان سے تکبر کریں گے وہی

عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾

لوگ تو دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے ۴۹ سو

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو

بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى

جھٹلائے، اُن کے نصیب کا جو کچھ حصہ ہے وہ انہیں مل رہے گا ۵۰ چنانچہ جب

اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

ان کے پاس ہمارے قاصد ان کی جان قبض کرنے آئینگے تو (ان سے) کہیں گے اب وہ کہاں گئے جنہیں

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا

تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے (واقعی) ہم سے (سب) غائب ہوگئے اور گواہی

عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ

دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بیشک وہ کافر ہی تھے ۵۰ (اللہ) کہے گا شامل ہو جاؤ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ

دوزخ میں جنات اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو تم سے قبل گزر چکے ہیں،

عالمِ برزخ کا انکشاف شروع ہو چکے گا، سرتاسر لاحاصل رہیگا) رُسُلُنَا۔ رسل یہاں ظاہر ہے کہ فرشتوں کے معنی میں ہے۔ ای ملائکۃ العذاب (کبیر) حَتّٰی۔ یہاں، یہاں تک، کے معنی میں نہیں (چنانچہ، کے معنی میں ہے۔ حتّٰی لیست غایۃ بل ھی ابتداء خبر عنھم (قرطبی) ۵۱ مصیبت اور پھر ایسی شدید اور انتہائی مصیبت کے وقت کچھ تھوڑی بہت تسکین اگر ہو سکتی تھی تو باہمی ہمدردی سے لیکن بدبخت اہلِ دوزخ اس آخری اور برائے نام راحت سے بھی محروم ہونگے۔ وہ عالم انکشاف حقائق کا ہوگا۔ ہر بدکار دوسرے بدکار کو نہایت درجہ مبغوض رکھے گا۔ اُمَمٍ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ جن و انس دونوں کے بدگروہ ظاہر ہے کہ کافر ہی ہونگے۔ اور آگے پیچھے، نئے پرانے ہر قسم کے کافر جہنم میں اکٹھے ہونگے۔ فِيْٓ اُمَمٍ۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے بعض نے فی ما بینھم کے معنی میں بھی لیا ہے۔ ای مع امم ففی بمعنی مع (قرطبی) ومعنی الدخول فی الامم الدخول فی ما بینھم (کبیر) اُخْتَهَا۔ یعنی اسی کی ہم عقیدہ و ہم مسلک۔ ای اختھا فی الدین والملۃ (قرطبی)

۴۳ یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ گناہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ مَنْ حَرَّمَ۔ استفہام انکاری ہے اور انکار میں زور و تاکید مقصود ہے۔ المراد منه تقریر الانکار والمبالغة فی تقریر ذٰلك الانكار (کبیر) زِيْنَةَ اللّٰهِ۔ زینتِ خداداد سے یہاں مراد کیا ہے؟ لباسِ فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ الزينة منها الملبس الحسن اذا قدر عليه صاحبه (قرطبی) لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامانِ آرائش اس میں شامل رکھے ہیں۔ ای من الثياب وكل الملبس يتجمل به (کشاف۔ بیضاوی) امام المفسرین امام رازیؒ نے مزید دقتِ نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کئے ہیں۔ بجز ان کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ زینت سے مراد انہوں نے جمیع انواعِ زینت لی ہے۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ یعنی کھانے پینے کی جائز، پاکیزہ، لذیذ اشیاء۔ الطيبٰت اسم عام لما طاب كسبًا وطعمًا (قرطبی) قيل هی كل مستلذ من الطعام (قرطبی) كل ما يستلذ ويشتهی من انواع المأكولات والمشروبات (کبیر) يتناول جميع انواع الزينة فيدخل تحت الزينة جميع انواع التزيين ويدخل تحتها تنظيف البدن من جميع الوجوه ويدخل تحتها المركوب ويدخل تحتها ايضًا انواع الحلی لان كل ذٰلك زينة ولولا النص الوارد فی تحريم الذهب والفضة والابريسم علی الرجال لكان ذٰلك داخلًا تحت هٰذا العموم (کبیر) امام رازیؒ نے اسے وسعت دے کر دوسرے مرغوبات و لذات بھی اس کے اندر ملائے ہیں۔ مثلاً خوشبو یا حسنِ نسوانی۔ يدخل ايضًا تحته التمتع بالنساء وبالطيب (کبیر)

زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ

جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے، اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں

الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً

کو؟ ۴۳ آپ کہہ دیجئے یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خاص

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

(انہی کے لئے) ہم اسی طرح کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ۴۴

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بس بیہودگیوں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہوں (انکو بھی)

بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ

اور جو پوشیدہ ہوں (ان کو بھی)، اور گناہ کو اور ناحق کسی پر زیادتی کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا

کرو جس کے لئے (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اُتاری اور اس کو کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات جھوٹ لگا دو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

جس کی تم کوئی سند نہیں رکھتے ۴۵ اور ہر اُمت کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جب اُن کی میعاد معین

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِیْٓ

آجاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ۴۶ اے اولادِ

اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

آدمؑ اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں (جو) تم سے میرے احکام بیان کریں، سو جو کوئی تقویٰ

آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ جائز و حلال ہیں اور کچھ ناجائز و حرام اور یہیں سے تردید ہو گئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ ”کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اُسے ناپاک نہیں کر سکتی“ (مرقس، ۷: ۱۵) فقہاء و مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ دلت الاٰية علی لباس الرفيع من الثياب والتجمل بها فی الجمع والاعياد وعند لقاء الناس ومزاورة الاخوان (قرطبی) محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابلِ ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ صلعم نے محض لذت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا ہے۔ البتہ ان کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو شغلِ آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے منع کیا ہے۔ قال ابو الحسن علی بن المفضل المقدسی شيخ اشياخنا وهو الصحيح ان شاء الله عزوجل فانه لم ينقل عن النبی صلعم انه امتنع من طعام لاجل طيبه قط بل كان ياكل الحلوی والعسل والبطيخ والرطب وانما يكره التكلف لما فيه من التشاغل بشهوات الدنيا عن مهمات الاٰخرة (قرطبی) ۴۴ (اور اپنی قوتِ علمیہ سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں) هِیَ لِلَّذِيْنَ ..... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی ساری نعمتیں اہلِ ایمان کا حصہ دنیا میں بھی ہیں۔ اور آخرت میں تو خاص الخاص انہی کے لئے ہوں گی ہی بغیر کسی غیر مومن کی شرکت کے۔ تم الكلام علی الحيٰوة الدنيا ثم قال خالصة يوم القيٰمة ای يخلص الله الطيبات فی الاٰخرة للذين اٰمنوا وليس للمشركين فيها شئ كما كان لهم فی الدنيا من الاشتراك فيها (قرطبی) وهی خالصة لهم دون المشركين (جصاص) ابن عباسؓ صحابی اور متعدد تابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ هٰذا قول ابن عباس والضحاك والحسن وقتادة والسدی وابن جريج وابن زيد (قرطبی) زمخشری نے کہا کہ صرف هِیَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور لغيرهم کی تصریح نہ کرنے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ اصالۃً تو اُن نعمتوں کے حقدار مومنین ہی ہیں۔ کافروں کو بھی یہ نعمتیں اگر دنیا میں مل رہی ہیں تو محض تبعاً۔ لينبه علی انها خلقت للذين اٰمنوا علی طريق الاصالة وان الكفرة تبع لهم (کشاف) دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسی نعمتیں جو دنیا میں جان کو لگیں اور آخرت میں وبال بن کر سامنے نہ آئیں خاص اہلِ ایمان ہی کا حصہ ہیں۔ وقيل المعنی ان هٰذه الطيبٰت الموجودات فی الدنيا هی خالصة يوم القيامة للمؤمنين فی الدنيا وخلوصها انهم لا يعاقبون عليها ولا يعذبون (قرطبی) هی خالصة يوم القيٰمة لهم من شوائب التنغيص والتكدير (جصاص)

۴۵ یعنی اس کی ذات و صفات سے متعلق مشرکانہ و ملحدانہ عقیدے گڑھ گڑھ کر بیان کرتے رہو یا جو احکام و ہدایات اس کی طرف سے نہیں انہیں اس کی جانب منسوب کرتے رہو۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے وہم و ظن سے یا تقویٰ کے جوش میں چیزوں کو حرام ٹھہرانے والے کون حقیقۃً حرام چیزیں تو عقائد و اعمال کے دائرہ میں فلاں اور فلاں ہیں۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ جس طرح امر ربی بالقسط الخ میں تمام مامورات داخل ہو گئے۔ اسی طرح اب انما حرم ربی میں تمام منہیات آ گئے۔ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کی تصریح و تاکید سے ظاہر ہے کہ اسلام جس چیز کو روکنا چاہتا ہے وہ محض وہ فضیحتے ہی نہیں جو منظرِ عام پر آ چکے ہوں، بلکہ بدی کا فی نفسہٖ استیصال کرنا چاہتا ہے خواہ اس کا ارتکاب اس خاموشی سے کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہونے پائے ——— پاک نفسوں اور پاکیزہ طینتوں کی سوسائٹی اسلام ہی کی ہدایات پر عمل کرنے سے میسر آ سکتی ہے نہ کہ ان جاہلی تہذیبوں کے قانون پر عمل کرنے سے جو صرف ظاہر کی لیپ پوت کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ الْفَوَاحِشَ۔ وہ اعمال جو اپنی بیہودگی میں بہت بڑھے ہوئے ہوں۔ الاعمال المفرطة فی القبح (قرطبی) ما تفاحش قبحه ای تزايد (کشاف) الْاِثْمَ اس کے تحت میں جملہ معاصی آ گئے۔ الاثم اسم للاعمال المبطئة عن الثواب (راغب) عام لكل ذنب (کشاف) الْبَغْیَ۔ اس میں معاملات کی ساری خرابیاں آ گئیں یعنی معاصی متعدی۔ ای الظلم وتجاوز الحد فيه (قرطبی) ای الظلم والكبر (کشاف) روح المعانی کے اشارات میں ہے کہ الفواحش سے اشارہ رذائل قوتِ بہیمیہ کی جانب ہے۔ اور البغی سے رذائل قوتِ سبعیہ کی جانب اور اَنْ تَقُوْلُوْا سے رذائل قوتِ نطقیہ کی جانب۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ یعنی کوئی دلیل نہیں اتاری نہ جزوی نہ کلی، نہ عقلی نہ نقلی۔ ۴۶ (بلکہ علمِ الٰہی میں جو وقت بہ تقاضائے حکمت اس سزا کیلئے معین ہے مجرد اس کے آتے ہی وہ سزا جاری ہو جائیگی) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی ہر قوم کے لئے، عذاب و ہلاکت کا ایک وقت علمِ الٰہی میں مقرر ہے۔ سَاعَةً۔ ساعت کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ عرفِ عام میں وقت کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کے اظہار کیلئے مستعمل ہے۔ ساعتِ اصطلاحی و فلکی مراد نہیں۔ لانها اقل الاوقات فی استعمال الناس يقول المستعجل لصاحبه فی ساعة يريد اقصر وقت واقربه (کشاف) ذكر الساعة لان هٰذا اللفظ اقل اسماء الاوقات (کبیر) قطعة من الزمان فی غاية القلة وليس المراد بها الساعة فی مصطلح المنجمين (روح)

۳۷ آج بھی اہلِ باطل اور فسق پیشہ گروہ کے پاس عموماً یہی جواب اپنی ہر بیہودگی کی حمایت میں رہتا ہے۔ پہلے تو خاندانی رواج اور برادری کے دستور اور ملکی رسم کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ خدا نے ہم کو رکھا ہی اسی حال میں اور اسی طریق پر ہے۔ یہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی، تو ہم کرتے کیسے؟ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشۃً کے تحت میں اعتقادی، عملی ہر قسم کی بیہودگی آگئی۔ ۳۸ یہ کیسا جہلِ مرکب ہے کہ اللہ نے جو تمہیں آزادیٔ عمل دے رکھی ہے، اس سے غلط کام لینے کو خدا کی مرضی قرار دے رہے ہو؟ اور جو طرزِ زندگی سرتاسر قانونِ الٰہی کے منافی ہے، اُسے اُس کا منظور شدہ بتا رہے ہو؟ ۳۹ یعنی ہر امر میں توسط و توازن کا طریقہ جو مغزِ شریعت ہے۔ اور اصلِ اصول ہے عبادات، معاملات و اخلاق میں اس کو کسی قسم کے الفاحشۃ (بیہودگی) سے نسبت کیا؟ ای بالعدل وھو الوسط من کل شئ المتجافی عن طرفی الافراط والتفریط (بیضاوی) ۴۰ (اپنے وقتِ مقرر پر یعنی حشر میں) كَمَا بَدَاَكُمْ یعنی جس طرح اوّل بار تمہیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر دیا تھا۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یعنی اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے۔ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ یعنی ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔ قال ربیع بن انس توجھوا بالاخلاص للہ تعالیٰ لا لوثن ولا لغیرہ (جصاص) عِنْدَ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ عند بمعنی فی (روح) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد ظرف زمان و مکان دونوں ہے یعنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں۔ اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مُراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔ فی کل وقت سجود او فی کل مکان سجود (کشاف) واختلفوا فی ان المراد منہ زمان الصلوٰۃ او مکانھا والاقرب ھو الاول (کبیر) ای فی وقت کل سجود (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت جامع ہے اصلاحِ ظاہر و باطن کی اقیموا وجوھکم سے طاعت ظاہری اور مخلصین سے طاعت باطنی کی جانب اشارہ ہے۔

۴۱ جیسا کہ آج بھی تمام اہلِ باطل اپنے لئے ہی حُسنِ ظن رکھے ہوئے ہیں۔ فَرِيْقًا هَدٰى۔ یہ ہدایت یاب گروہ وہی جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے صحیح کام لیا۔ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ یہ گُمراہ گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے غلط کام لیا۔

۴۲ (اس لئے اسراف کے قریب بھی نہ جاؤ) اسراف نام ہے صرف کرنے میں حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کا۔ الاسراف ھو مجاوزۃ حد الاستواء فتارۃ یکون بمجاوزۃ الحلال الی الحرام وتارۃ یکون بمجاوزۃ الحد فی الانفاق (جصاص) اور اندازۂ معتبر اندازۂ شرعی ہے اور اس کے بعد اندازۂ عقلی نہ کہ اندازۂ نفسانی یا جذباتی۔ اسی لئے لاتسرفوا کے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ لاتسرفوا ای بالافراط فی الطعام والشراب کما ذھب الیہ کثیر (روح) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کے مطلق صورت میں آنے سے امام رازیؒ نے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ مطعومات و مشروبات میں اصل حلّت ہی ہے۔ صرف حرمت کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ اباحت کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ یتناول جمیع المطعومات والمشروبات

فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ

یہ لوگ کوئی بیہودگی کر گزرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خدا نے

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

ہم کو یہی بتایا ہے ۳۷ آپ کہہ دیجیے اللہ ہرگز بیہودگی نہیں بتلاتا ہے کیا اللہ کے ذمہ ایسا جھوٹ لگاتے ہو،

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا

جس کی (کوئی بھی) سند نہیں رکھتے ہو ۳۸ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو عدل (و اعتدال) بتایا ہے ۳۹

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو اور اُسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اُسی کے واسطے

الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا

خالص کر کے اس نے جس طرح تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہو گے ۴۰ ایک گروہ کو اس

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ

نے راہ دکھا دی، اور ایک گروہ ہے کہ اُن پر گمراہی ثابت ہو چکی، انہوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا ہے،

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ

اللہ کو چھوڑ کر اور (اپنی نسبت) گمان رکھتے ہیں کہ وہ راہ پائے ہوئے ہیں ۴۱ اے اولادِ

اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

آدمؑ ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو لیکن اسراف سے

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ؑ قُلْ مَنْ حَرَّمَ

کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مُسرفوں کو پسند نہیں کرتا ۴۲ آپ کہئے اللہ کی زینت کو

ع ۳ / ۶ / ۱۰

وجب ان یکون الاصل فیھا ھو الحِلّ فی کل الاوقات وفی کل المطعومات والمشروبات الا ما خصہ الدلیل المنفصل والعقل ایضاً مؤکد لہ لان الاصل فی المنافع الحل والاباحۃ (کبیر) زِيْنَتَكُمْ۔ یہاں زینت لباس یا لباسِ زینت کے معنی میں ہے۔ ای زینتکم ولباس زینتکم (کشاف) یعنی الثیاب قال مجاھد ما یواری عورتک (سالم) المراد من الزینۃ لبس الثیاب (کبیر) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد یہاں نماز و طواف کے معنی میں ہے۔ ای کلما صلیتم او طفتم (کشاف) ای طواف او صلاۃ والی ذلک ذھب مجاھد وابو الشیخ وغیرھما (روح) خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مشرکین عرب طوافِ کعبہ کے برہنہ ہو کر کرنے کے قائل تھے۔ وجوب اس کے برعکس کا مسلمانوں کو تعلیم ہو رہا ہے۔ روی عن ابن عباس وابراھیم ومجاھد وطاؤس والزھری ان المشرکین کانوا یطوفون بالبیت عراۃ (جصاص) مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے اس وقت کے ذکر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس وقت برہنہ ہو جایا کرتے تھے۔ نیز اس وقت وجوب اور زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ ھذہ الاٰیۃ تدل علیٰ فرض ستر العورۃ فی الصلوٰۃ (جصاص) یدل علیٰ ان حکم الاٰیۃ غیر مقصور علی الطواف وان المراد بھا الصلوٰۃ (جصاص) خذوا زینتکم امرٌ وظاھر الامر الوجوب فھذا یدل علیٰ وجوب ستر العورۃ عند اقامۃ کل صلاۃ (کبیر) اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ اس کے تحت میں امام رازیؒ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کوئی مکلف بندہ ایسا نہیں جو کسی حال میں ثواب و عقاب دونوں سے خالی ہو اب جب ثواب کی اس سے نفی ہو رہی ہے تو لازم ہے کہ وہ مستوجبِ عتاب ہو۔ لان معنی محبۃ اللہ تعالیٰ للعبد ایصالہ الثواب الیہ فعدم ھذہ المحبۃ عبارۃ عن عدم حصول الثواب ومتیٰ لم یحصل الثواب فقد حصل العقاب لانعقاد الاجماع علیٰ انہ لیس فی الوجود مکلف لا یثاب ولا یعاقب (کبیر)

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ - یعنی اب زمین ہی تمہارا مسکن ہوگی۔ وہیں تم آباد ہوگے۔ اور وہیں تمہیں اسبابِ معیشت موجود ملیں گے۔ بائبل نے آدمؑ کی جنت کو آسمان پر نہیں اسی روئے زمین پر مانا ہے اور ہمارے ہاں کے جو مفسرین زمینی جنت کے قائل ہو گئے ہیں وہ عجب نہیں جو بائبل ہی سے تاثر کا نتیجہ ہو ورنہ قرآن کے الفاظ ولکم فی الارض مستقر تو اس باب میں صریح ہیں کہ آدمؑ (معہ اپنی آیندہ ذریت کے) زمین پر پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ الی حین سے اشارہ اس جانب بھی ہو رہا ہے کہ زمینی زندگی بھی مستقل نہیں اور آدم زاد کو اس پر قانع نہ ہو جانا چاہیے۔

۳۱ (قیامت کے دن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے بطور خرقِ عادت آسمان پر جانے کے امکان کو اس آیت کی رُو سے جھٹلانا اور یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ حضرت عیسیٰؑ کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیتِ قرآنی کے خلاف ہے محض اپنی سطحیت کا مظاہرہ ہے —— یہاں بیان محض ایک عام حالت اور عمومی دستور کا ہے۔ اور معمولاتِ عام کے خلاف مستثنیات و عجائبات تو ہر روز مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ جو خرقِ عادت بطور معجزہ کے ہو! ۳۲ آیت سے پھر ایک بار یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ لباس و حجاب مقاصدِ شرعی میں سے ہیں۔ اور برہنگی و نیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج وحشی و غیر مہذب قوموں میں ہو بہرحال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔ قال کثیر من العلماء ھذہ الآیۃ دلیل علیٰ

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

دشمن (ہو کر)، اور زمین میں تمہارے لئے ٹھکانا (رکھا گیا) ہے اور نفع (حاصل کرنا) ایک وقتِ معلوم

اِلٰى حِيْنٍ ۝٢٤ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا

تک ۳۱ (اللہ نے) فرمایا اسی میں تمہیں جینا ہے اور اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی سے

تُخْرَجُوْنَ ۝٢٥ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا

نکلنا ہے ۳۱ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے (جو) تمہارے پردہ والے

يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

بدن کو چھپاتا ہے اور (موجب) زینت بھی ہے ۳۲ اور تقویٰ کا لباس (اس سے بھی) بڑھ کر ہے یہ

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝٢٦ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں ۳۳ اے اولادِ آدمؑ نہ ہو

لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

کہ شیطان تمہیں کسی خرابی میں ڈال دے جیسا کہ اُس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ

اس طرح کہ دونوں سے ان کا لباس بھی اُتروا دیا تھا جس سے کہ ان دونوں کو ان کے پردہ کا

هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا

بدن دکھائی دینے لگے ۳۴ بیشک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٧ وَاِذَا فَعَلُوْا

نہیں دیکھتے ۳۵ ہم نے تو شیطانوں کو رفیق اُنہی لوگوں کا بننے دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے، اور جب

ع ١٥ ٢ ٩

وجوب ستر العورۃ (قرطبی) یدل علیٰ فرض ستر العورۃ لاخبارہ انہ انزل علینا لباسا یواری سوأتنا (جصاص) وقد اتفقت الامۃ علیٰ معنیٰ ما دلت علیہ الآیۃ من لزوم فرض ستر العورۃ (جصاص) قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا - تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے بطور اپنے ایک انعامِ خاص کے۔ انزلنا کے لفظی معنیٰ تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خلقنا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ قیل انہ وصفہ بالانزال لان البرکات تنسب الی انھا تاتی من السمآءِ (جصاص) غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لئے اسبابِ آسمانی ہی کا محتاج نظر آئیگا۔ ریشم، اُون، سُوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ وَرِيْشًا - ہربرٹ اسپنسر و ویسٹر مارک وغیرہ مغربی فلسفیوں نے بھی لباس کی ایک غایت زینت و آرائش ہی بتائی ہے۔ ۳۳ (اس انعامِ الٰہی کو، اور ادائے حقِ نعمت کرتے رہیں) وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ - یعنی وہ دینداری کا معنوی لباس اس ظاہری لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ - یعنی یہ لباس کا پیدا کرنا جس سے سترِ جسم اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے رہیں اللہ کے فضل و کرم کی نشانیوں میں سے ہے۔ ۳۴ حجاب و ستر پوشی کی جو اہمیت اسلام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصۂ آدمؑ کے ضمن میں یہ ذکر کس تکرار و تاکید کے ساتھ آ رہا ہے۔ وفی ھذا ایضًا دلیل علیٰ وجوب ستر العورۃ (قرطبی) لَا يَفْتِنَنَّكُمْ - یعنی اب جبکہ تمہیں شیطان کی موروثی عداوت کا حال بخوبی معلوم ہو چکا۔ ہرگز اس کے پھندے میں نہ آجانا۔ انما معناہ التحذیر من فتنۃ الشیطان والزام التحرز منہ (جصاص) اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ - یعنی ان سے ایسا عمل صادر کرا دیا جس سے انہیں جنت چھوڑنا پڑی۔ ای اغواھما حتّیٰ فعلا ما استحقا بہ الاخراج منھا (جصاص) ۳۵ (عمومًا و عادۃً) اور چونکہ وہ مخلوق تمہارے لئے غیر مرئی ہے، اس لئے اس کے مخفی کید سے بچنے کے لئے بھی بڑی احتیاط اور ہمہ وقت چوکنّے رہنے کی ضرورت ہے۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عادتِ عامہ کے خلاف ہے لیکن دیکھنے کی قطعاً نفی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام یا غیر انبیاء بلکہ عوام سے بھی جو جنات کا دیکھنا مروی ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ ورؤیتھم ایانا من حیث لا نراھم فی الجملۃ لا تقتضی امتناع رؤیتھم وتمثلھم لنا (بیضاوی) هُوَ وَقَبِيْلُهٗ - سے مراد جن و شیاطین سمجھے گئے۔ قال مجاھد یعنی الجن والشیاطین (قرطبی) مِنْ حَيْثُ - کیفیت کا بیان ہے، یعنی اس طرح پر شیطان اور شیطانی لشکروں کے غیر مرئی ہونے کا اثبات ہے۔ ۳۶ (چنانچہ جو مومن کامل ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چل پاتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم جس قدر شیطان کے کہے میں آؤ گے، معلوم ہو گا کہ اُسی قدر ایمان میں کچے اور کمزور ہو) آیت میں بڑی تسلی مومنین صادقین کے لئے ہے شیطان کو پوری دست اندازی کا موقع تو بس وہیں ملتا ہے جہاں ایمان کا فقدان ہے۔

۲۳ (اس درخت کا پھل کھلا کر) معلوم ہوتا ہے کہ اس شجرِ ممنوع کے پھل میں یہ تاثیر بالذات تھی۔ لِيُبْدِيَ میں لِ عاقبت کا ہے یعنی ایسا عمل جس کا نتیجہ یہ ہونا تھا۔ اللام لام العاقبة (قرطبی) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ اس تصریح نے صاف کر دیا کہ معصیت کا خیال آدمؑ کے اندر سے اور طبعی طور پر پیدا نہیں ہوا، بلکہ تمامتر باہر سے ڈالا گیا۔ اور ڈالنے والا وہی موذی شیطان تھا۔ وسوسہ چونکہ ایک تصرف نفسانی و خیالی کا نام ہے۔ اس لئے اتصالِ مادّی یا قربِ مکانی اس کی شرط نہیں اور یہ بالکل ہی ضروری نہیں کہ شیطان اصالۃً بھی آدمؑ و حوّا سے ملا ہو، بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ اُس نے زمین ہی پر رہ کر ان کے دلوں میں آسمان پر وسوسہ ڈال دیا ہو، بلکہ عجب نہیں جو آدمؑ کو وسوسہ ہونے ہی کا احساس نہ ہوا ہو۔ قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء (کبیر) بائبل میں اغوارِ آدمؑ کے سلسلہ میں ذکر شیطان کا نہیں، بلکہ سانپ کا ہے، اور عجب نہیں جو انہی یہودی و مسیحی روایتوں سے متأثر ہو کر ہمارے ہاں بھی ایک عام روایت شیطان کے سانپ کے جسم میں حلول کر کے داخلِ جنت ہونے کی چل پڑی ہو، محققین کے نزدیک یہ قصہ بالکل لغو ہے۔ فتلك القصة الركيكة مشهورة (کبیر) فَوَسْوَسَ لَهُمَا نے ذمہ داری آدمؑ و زوجِ آدمؑ (حوّا علیہما السلام) پر یکساں رکھدی ہے بخلاف بائبل کے جو اصلی ذمہ دار حضرت حوّا ہی کو ٹھہراتی ہے:۔ ”اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا ہے، اور دیکھنے میں خوشنما، اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا“ (پیدائش۔ ۳: ۶) لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا۔ اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ و حوّاؑ کے جسم اس وقت تک لباسِ نور سے ڈھکے ہوئے تھے، اور اُن کے جسم کے قابلِ ستر حصے خود اُن کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اس سے تردید ہو گئی، بائبل کے اس بیان کی کہ ”اور وہ دونوں آدم اور اس کی جورو ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے“ (پیدائش ۲: ۲۵)

فقہاء و مفسرین نے اس قرآنی تصریح سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کشفِ ستر اہم ممنوعات میں سے ہے۔ وفیہ دلیل علی ان کشف العورة من عظائم الامور (مدارک) دل هذا علی قبح کشفها (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس قصۂ آدمؑ سے معلوم ہوا کہ عصمت کے ساتھ بھی تصرفِ شیطانی اس حد تک جمع ہو سکتا ہے جو درجۂ معصیت کو نہ پہنچے، اسلئے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا وہ محض اجتہادی غلطی اور معصیتِ لُغوی تھی معصیت بہ اصطلاحِ شرعی نہ تھی۔ ۲۴ (اور یہ دونوں باتیں یعنی ملکیت اور حیاتِ ابدی آپ کے لئے اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے مناسب تھیں بھی نہیں لیکن اب آپ کی استعداد ترقی کر گئی ہے اس لئے اب وہ ممانعت کا حکم باقی ہی نہیں رہا) بائبل میں اس کے بالکل برعکس امتناعِ خداوندی کی علت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ شجرِ ممنوع کے پھل کھانے سے موت طاری ہو جائیگی! ”کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا تو ضرور مریگا“ (پیدائش۔ ۲: ۱۷) اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا یعنی کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ، بمعنی الا کراهية ان (قرطبی) ۲۵ (دل و جان سے) یعنی قسمیں کھا کھا کر خوب باتیں بنائیں اور اپنے اخلاص و خیر خواہی کا خوب یقین دلایا۔ آدمؑ اور حوّا جنتی بھولے، اپنے اوپر قیاس کر کے یہ خیال بھی نہیں کر سکے کہ کوئی اللہ کے نام جھوٹی قسم کے سلسلہ میں لے سکتا ہے۔ یہ قسما قسمی بھی اسی وسوسۂ شیطانی کا ایک جز تھی۔ ۲۶ اپنا پوشیدہ بدن چھپانے کے لئے) اس سے معلوم ہوا کہ شرم و حجاب انسان کیلئے بالکل فطری و طبعی ہے، اور بے ستری و بے حجابی کی جتنی کوششیں آج مختلف خوشنما ناموں سے کی جا رہی ہیں سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے ابلیسیت کی پستی ہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ دلت هذه الاٰية علی ان کشف العورة من المنکرات وانه لم یزل مستهجنا فی الطباع مستقبحا فی العقول (کبیر) وفی الاٰية دلیل علی قبح کشف العورة وان اللہ وجب علیهما الستر (قرطبی) فیه دلیل علی ان کشف العورة قبیح من لدن اٰدم (کبیر) طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ بائبل میں اس موقع پر ہے کہ:۔ ”تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیاں بنائیں (پیدائش ۳: ۷) ان پتوں کے نام ہمارے یہاں کی بھی بعض تفسیری روایتوں میں انجیر اور زیتون اور کیلے کے درختوں کے لئے گئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث صحیح دونوں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ ولم یثبت تعینها لا فی القراٰن ولا فی الحدیث الصحیح (بحر) عَلَيْهِمَا میں ضمیرِ تثنیہ اہلِ نحو نے لکھا ہے کہ آدمؑ و حوّا کی جانب نہیں بلکہ بدن یا عورة کی جانب ہے، اور تقدیرِ کلام یوں ہے علی عورتیهما۔ وتقدیرہ یخصفان علی بدنیهما (بحر) ولا یجوزان یعود الضمیر علی اٰدمؑ وحوّاء (بحر) دَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ اِدلَاء کے معنیٰ اُوپر سے نیچے لانے کے ہیں۔ یہ اتار اور نزول مرتبہ و حیثیت کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور مکانِ مادّی کے اعتبار سے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فریبیے کے دھوکے میں آکر آدمؑ اپنی رائے عالی سے اس کی رائے سافل کی طرف مائل ہو گئے جس سے جنت سے اسفل کی طرف اتار دیئے گئے۔ بِغُرُوْرٍ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ آپؑ سے لغزش جو کچھ بھی ہوئی، ایک مکار کے کہے میں آجانے سے ہوئی نہ کہ کسی قصد نافرمانی سے۔ قصۂ آدمؑ اور ابلیس کے لئے ملاحظہ ہو پارہ کے آخر میں ضمیمہ۔ ۲۷ (اس لئے اس کے کہے سُننے میں نہ آجانا) ۲۸ (کہ بلا تحقیق و تأمل شیطان کی بات کو مان گئے) مقبولین و خاصانِ خدا کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ غلبۂ خشیت سے اپنی ہر معمولی لغزش کو بھی سخت ترین قصور سمجھتے رہتے۔ اور اس پر انتہائی ندامت و استغفار کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ۲۹ بائبل، آدمؑ اور زوجِ آدمؑ کی اس مؤثر مناجات سے یکسر خالی ہے۔ ابو البشرؑ اور اُم البشر کی اس مناجات میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لئے قیامت تک ہے۔ ۳۰ یعنی وقتِ موت تک۔ گویا حکم یہ ملا کہ اب بجائے جنتی اور آسمانی زندگی کے، مدت العمر زمینی زندگی پر گزر بسر کرنا ہوگا۔ اِهْبِطُوْا۔ یعنی جنت سے اترو۔ خطاب اب محض آدمؑ و حوّاؑ سے نہیں۔ ذریتِ آدمؑ و ذریتِ ابلیس سے بھی ہے۔ اسی لئے اب خطاب میں صیغۂ تثنیہ کا نہیں جمع کا ہے۔ یہ ہبوط دنیا میں کہاں ہوا تھا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے۔ اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجہ کی نہیں، بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں۔ اس لئے مسلمان کے لئے سکوت ہی اولیٰ ہے۔ وقد ذکر المفسرون الاماکن التی هبط فیها کل منهم ویرجع حاصل تلك الاخبار الی الاسرائیلیات واللہ اعلم بصحتها (ابن کثیر) اور مفسر ابن کثیر نے ایک بات یہاں بڑے پتہ کی کہہ دی ہے جو صرف اسی موقع کے لئے نہیں بلکہ ہر ایسے موقع کے لئے کارآمد ہے۔ وہ یہ کہ جب قرآن و حدیث دونوں اس تعین سے خاموش ہیں تو اس کے معنی یہی ہیں، کہ خدا و رسولؐ کے نزدیک اس کا علم دین و دنیا کی ضروریات میں داخل نہیں۔ ولو کان فی تعیین تلك البقاع فائدة تعود علی المکلفین فی امر دینهم او دنیاهم لذکرها اللہ تعالیٰ فی کتابه و رسوله صلعم۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ دنیا میں انسان بھی انسان کا دشمن ہے لیکن اصلی دشمنی تو ذریتِ آدم سے ذریتِ ابلیس ہی کو ہے۔ بمعنی العداوة ثابتة بین الجن والانس لا تزول البتة (کبیر)

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

چھپایا گیا تھا وہ دونوں کے رُوبرو بے پردہ کر دیا ۲۳ اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے تم کو اس درخت

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

سے تو صرف اس لئے روکا تھا کہ کہیں تم دونوں فرشتہ نہ بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے

الْخٰلِدِيْنَ ۞۲۰ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۞۲۱

والوں میں نہ ہو جاؤ ۲۴ اور دونوں کے رُوبرو قسم بھی کھالی کہ میں تو تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۲۵

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا

غرض دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا پھر جب دونوں نے درخت کا پھل چکھا بے پردہ ہو گیا دونوں کے

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

رُوبرو، ان کے پردہ کا بدن اور دونوں لگے اپنے اُوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑنے ۲۶ اور

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

دونوں کو پکار کر اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کر دیا تھا، فلاں درخت

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞۲۲

سے اور کہہ نہ دیا تھا تم دونوں سے کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے ۲۷ دونوں

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا

بولے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ۲۸ اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کریگا اور رحم نہ

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞۲۳ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

کریگا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے ۲۹ اللہ نے فرمایا اترو تم (سب) کوئی کسی کا

اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۱۵﴾

جب سب اُٹھائے جائیں گے^{۱۷} (اللہ نے) فرمایا بے شک تجھے مہلت دی گئی^{۱۸}

قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۱۶﴾

بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا^{۱۹}

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ

پھر اُن کو اُن کے سامنے سے بھی آؤنگا اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کے

عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ

داہنے سے بھی اور اُن کے بائیں سے بھی اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار

شٰکِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡہَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ

نہ پائیں گے^{۲۰} (اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل و خوار ہو کر اُن میں سے

تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۸﴾ وَ

جو کوئی تیری پیروی کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا^{۲۱} اور

یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ فَکُلَا مِنۡ حَیۡثُ

اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ (پیو) جس جگہ سے چاہو اور

شِئۡتُمَا وَ لَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۹﴾

اس (خاص) درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں بھی بے انصافوں میں (شامل) ہو جاؤ گے^{۲۲}

فَوَسۡوَسَ لَہُمَا الشَّیۡطٰنُ لِیُبۡدِیَ لَہُمَا مَا وٗرِیَ عَنۡہُمَا

پھر دونوں (کے دل) میں شیطان نے وسوسہ ڈالا سو اس سے جو کچھ اُن کے پردہ کے بدن میں سے اُن سے

ف۱۷ مہلت کس چیز سے؟ موت اور عذاب سے۔ سأل النظرۃ والامھال الی یوم البعث والحساب (قرطبی) اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ یعنی قیامت تک۔ شیطان کا صاحبِ کشف ہونا اسی درخواست سے ظاہر ہے۔ جانتا تھا ضرور منظور ہو جائے گی۔ باوجود عتاب شدید کے موقع کے پیش کر دی۔ ف۱۸ کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا، عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موذی نافرمان کی درخواست قبول کر لینا بس حضرتِ حق ہی کا حصہ تھا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دُعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں دُعا تو شیطان کی بھی قبول ہو گئی لیکن شیطان بدستور مردود ہی رہا۔ ف۱۹ (آدمؑ و ذریتِ آدمؑ کی رہزنی کرنے کے لئے اور انہیں راہِ حق سے بے راہ کر کے رہوں گا) بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ۔ ابلیس کے دوسرے باطل اور مغالطہ بردر دعووں کی طرح یہ بھی ایک تمامتر شیطانی مغالطہ ہی ہے۔ تکوینی حیثیت سے خدا جس طرح ہر شے کا آخری سبب اور بیماری، بدکاری، زہر سب کا خالق ہے غوایتِ ابلیس کا بھی آخری سبب وہی ہے لیکن ابلیس نے اسے یہاں جس معنیٰ میں استعمال کیا ہے یعنی گویا گمراہی کی ترغیب بھی اللہ ہی نے دی یا شیطان کو اس پر مجبور کیا۔ اس معنیٰ میں یہ تمامتر حقیقت و صداقت سے معرّیٰ ہے۔ بما میں ب سببیہ ہے۔ ای بسبب اغوائک ایای (کبیر۔ مدارک) ای لاجل انک اغویتنی (معالم) لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ۔ فعل قعد کا صلہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنیٰ گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔ عبّر عن الترصّد المشی عن القعود لہٗ (راغب) ف۲۰ (اس لئے ان اکثر کو میں اپنی راہ پر لگاؤں گا) ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ۔ یعنی ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، انہیں ہر سمت سے گھیروں گا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اٹھا نہ رکھوں گا۔ باقی ان چاروں فقروں کی الگ الگ تفسیریں بھی مختلف مفسرین و حکماء اسلام سے منقول ہیں۔ من بین ایدیھم سے مراد دنیا لی گئی ہے اور من خلفھم سے دین گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا اور دین کے راستے سے بھی ——— حکماء اسلام نے اول الذکر سے مُراد انسان کی قوتِ خیالی لی ہے۔ اور آخر الذکر سے قوتِ وہمی۔ عن ایمانھم سے مراد نیکی سے روکنا اور عن شمائلھم سے مراد بدی پر جرأت دلانا لیا گیا ہے۔ گویا ابلیس یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں انہیں نیکیوں سے روکوں گا بھی اور بدی پر آمادہ بھی کروں گا ——— حکماء اسلام نے پہلے فقرہ سے مراد قوتِ شہوی لی ہے اور دوسرے سے قوتِ غضبی۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس قسم کے اقوال کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ سے ایک نکتہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ محض کشف اگر مقبولیت کی دلیل ہوتا تو شیطان کے مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کشف سے قیامت تک کے لئے یہ نقشہ کھینچ دیا۔ ف۲۱ (سو اے مردود تو یہ ڈرانا دھمکانا کسے ہے؟ تیری ان دھمکیوں سے ہونا کیا ہے؟ ساری مخلوق میں ایک متنفس بھی اگر ہماری عبادت نہ کرے تو ہمارا کیا ضرر؟) کثرت سے جاہلی اور شرکیہ مذاہب میں خود معبود کو ایک بڑی حد تک بندوں کی عبادت کا محتاج مانا گیا ہے ——— قرآن مجید ضمناً ان عقائد باطل کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡہَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ۔ مکالمہ کا سارا لب و لہجہ مجوس کی ثنویت کی قطعی تردید میں ہے جنہوں نے شیطان (اہرمن) کو بھی خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور یہی گمراہی ذرا ہلکی صورت میں مسیحیت اور یہودیت میں بھی سرایت کئے ہوئے ہے۔ قرآن میں شیطان کا درجہ اللہ کے مقابلہ میں ایک مدِمقابل ہمسر و حریف یا کسی چھوٹے موٹے دیوتا کا نہیں، وہ اللہ کی مخلوق ہے اور تمامتر حقیر و خوار۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محض مکالمت و مخاطبت ہرگز مقبولیت کے مرادف نہیں۔ ف۲۲ ان سب واقعات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ (پارۂ اول) میں گذر چکے۔ فَکُلَا مِنۡ حَیۡثُ شِئۡتُمَا۔ کھانے پینے کی یہ عام اجازت مل رہی ہے جہاں سے اور جو کچھ ان کا جی چاہے۔

ف۱۰ دینِ حق کو نہ قبول کرنا اور نظامِ خداوندی سے انکار و بغاوت کئے جانا یہی آیاتِ الٰہی کے حق میں ظلم و بے انصافی کرنا ہے۔ اصل زندگی، اصل جان، اصل حُسن، اصل وزن، صرف طاعتوں یا نیکیوں میں ہے جو یہاں سے کہیں بڑھ کر وہاں نمایاں ہوگا۔ اور ہر معصیت و بدی کی زندگی عارضی و نمائشی ہے۔ ان کا کھوکھلا پن بھی حشر ہی میں جو کشفِ حقائق کا مقام ہے خوب نمایاں ہوگا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دنیا میں لوگوں کے ساتھ معاملت کرنے کا ایک دستور العمل ہاتھ آجاتا ہے جن لوگوں کی غالب حالت صلاح کی ہو۔ انہیں صلح ہی سمجھا جائیگا۔ اگرچہ ان میں خفیف جزو نقص کا بھی ہو۔ البتہ خود ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ ف۱۱ (اے انسانو!) خطاب عام عالمِ انسانی کو ہے۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۔ گرفت کے قابل اور اصل جُرم یہ عدمِ شکرگزاری یا برائے نام شکرگزاری ہے۔ اور ادائے شکر کے معنی ادائے حقوق کے ہیں یعنی جس نعمت کے برتنے کے جو حقوق شریعتِ الٰہی نے بتائے ہیں انہیں برتنا۔ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۔ زمین پر سُکھ کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا، سامانِ معیشت بہ افراط ملنا، خاص طور پر محرکاتِ شکر ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جن نعمتوں کا ذکر ہے، ان میں سے اوّل کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا خلاصہ مال۔ تو جاہ و مال کا ذکر موقعِ نعمت پر آنے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مطلق صورت میں مذموم نہیں بلکہ قابلِ شکر ہیں، البتہ ان میں انہماک مذموم ہے۔ ف۱۲ یعنی پہلے تمہاری نوع کا سلسلہ قائم کرنے کو مادّہ بنایا، پھر اس مادّہ کو صورتِ بشری دی، اور آدمؑ وجود میں آگئے۔

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا
ہوگا سو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے (خود) اپنے کو نقصان میں کر رکھا ہے بسبب

كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ (9) وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ
اس کے کہ ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے ف۱۰ اور بالیقین ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کو جگہ

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (10)
دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگی پیدا کیا، بہت ہی کم تم لوگ شکر کرتے ہو ف۱۱

ع ۱ / ۸

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ
اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی ف۱۲ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ

اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ
کے رُوبرو جھکو، سو (سب) جھکے بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں

السَّاجِدِينَ (11) قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ
شامل نہ ہوا ف۱۳ (اللہ نے) فرمایا تجھے کیا مانع ہوا اس سے کہ تو سجدہ کرے، جب میں تجھے حکم دے چکا ف۱۴

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن
بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا اور اُسے تُو نے مٹی سے

طِينٍ (12) قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ
پیدا کیا ف۱۵ (اللہ نے) فرمایا تو تو اُتر اس (جنت) سے تُو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا رہے

فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ (13) قَالَ أَنظِرْنِي
بس تو نکل بیشک تُو ذلیلوں میں سے ہے ف۱۶ بولا تُو مجھے اُس دن تک کی مہلت دے

ف۱۳ (از راہِ استکبار) قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ ۔ یہ حکم جب ملائکہ کو ملا تو جو مخلوق (مثلاً جن) اُن سے ادنیٰ تھی، اس کو تو یہ حکم بدرجۂ اولیٰ ملا۔ ملاحظہ ہو حواشی ۱۲۳، ۱۲۴ پ ۱۔ اُسْجُدُوا سجدہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس نماز والے سجدہ کی ہیئت متعارفہ مخصوص کے ساتھ ہو، سجدہ کے لفظی معنی تواضع و تذلّل کے ہیں، اور وہی یہاں مُراد ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پ ۱ حاشیہ ۱۲۵۔ لِآدَمَ ۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے۔ یعنی آدمؑ کی سمت میں (جیسے آج بھی کعبہ کی سمت میں ہوتا ہے) نہ کہ آدمؑ کو۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۲۵ پ ۱۔ إِبْلِيسَ ۔ ایک ناری مخلوق یعنی جن تھا جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ آیا ہے نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ جیسا کہ عوام کا عقیدہ مسیحیت کے اثر سے ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۲۶ پ ۱۔ ف۱۴ ارشادِ الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل کے ممکن ہی نہیں، پھر تجھے آخر نافرمانی کی کیا سُوجھی؟ کونسی چیز تجھے اس پر لائی؟ أَلَّا یہاں لا نافیہ یا ناہیہ نہیں بلکہ زایدہ ہے۔ اور زایدہ اصطلاحِ نحو میں حشو کے مرادف نہیں بلکہ یہ لا جو مضمون بیان ہو رہا ہے اسی میں اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ زائدة ای لتاكيد معنى النفى فى منعك (مدارک)۔ ف۱۵ (اور یہ دلیل ہے میری افضلیت کی) ابلیس کے اس دعویٰ اور دلیل کو منطقی شکل میں اگر مرتب کیا جائے تو مقدمات اور نتائج کی صورت حسبِ ذیل ہوگی:- (۱) آگ خاک سے افضل ہے۔ (۲) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی، لہٰذا آگ خاک کے آگے نہیں جُھک سکتی، اور پھر افضل کی فرع بھی غیر افضل کی فرع کے آگے نہیں جُھک سکتی، میں فرع ہوں آگ کی، اور آدمؑ فرع ہیں خاک کی۔ اس لئے میں آدمؑ کے آگے نہیں جھک سکتا۔ ابلیس کو اپنی عقل و ذہانت پر بہت ناز ہے لیکن یہ استدلال تو مغالطوں کی ایک پوٹ ہے۔ اوّل تو یہ بنیادی دعویٰ ہی غلط ہے کہ آگ خاک سے افضل ہے آگ اور خاک دونوں کے الگ الگ خصوصیات ہیں کسی لحاظ سے یہ افضل کسی اعتبار سے وہ۔ پھر یہ دعویٰ بھی تمام تر باطل ہے کہ ہمیشہ غیر افضل ہی کو افضل کے آگے جھکنا چاہیئے۔ بہتیرے موقع اعلیٰ کیلئے بھی ادنیٰ کے آگے جھکنے کے ہوتے ہیں، اور پھر یہ مفروضہ تو اور بھی مہمل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہی ہوتی ہے۔ ابلیس اب نافرمانی و کفر اختیار کر چکا تھا اور کافر و نافرمان کی عقل میں نورانیت کہاں، وہ تو تمام تر ظلمانیت سے بھر جاتی ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے اور رویت کو چاہے وہ کشف پر مبنی ہو یا وجدان و ذوق پر، شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ ف۱۶ یعنی یہ جگہ تو خاشعین اور فرمانبرداروں کے لئے ہے تجھ بڑائی ہانکنے والے کا یہاں کیا کام، تو نکل یہاں سے حقیر و خوار ہوکر۔ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی ذلت ہے۔ دلّ هذا ان من عصى مولاه فهو ذليل (قرطبی) فَاهْبِطْ مِنْهَا یہ نکلنے اور نیچے اُترنے کا حکم کہاں سے ہو رہا ہے؟ ہبوط آسمان سے زمین کی طرف بھی مُراد ہو سکتا ہے۔ من السماء الى الارض (معالم) اى من السماء (قرطبی) لیکن اکثر نے ضمیر ھا جنت کی جانب سمجھی ہے۔ اور قول اصح یہی ہے کہ حکم جنت سے نکل جانے کا مل رہا ہے۔ قال كثير من المفسرين الضمير عائد الى الجنة (ابن کثیر) اى من الجنة (معالم) قال ابن عباس يريد من الجنة (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبر کی بنا پر درگاہِ الٰہی سے نکالا جانا۔ اس کی دلیل ہے کہ کبر وصولِ حق سے مانع ہے۔

ای لا یضیق صدرک۔ یعنی یہ خیال کرکے اپنا دل نہ کڑھائیے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہوں گے۔ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ۔

۵۲ یعنی اس کی نصیحتوں سے تو نفع اہلِ ایمان ہی اٹھائیں گے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا آیت (قرطبی) الانذار للکافرین و ذکری للمومنین لانهم المنتفعون به۔ اِنذار کافروں کے لئے ہے اور ذکریٰ مومنین کے حق میں۔ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ (قرطبی) الا یومنوابہ

ای سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۵۳ یہ رفیق وہی ہیں جنہیں دوسری جگہ قرآن میں شیاطین الجن والانس میں شیخ کے لئے اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اس کی بات نہ قبول کرے تو شیخ نہ تو بالکل ہی مستغنی رہے اور نہ زیادہ فکر و تردد میں پڑے۔

یضلونکم من الجن والانس (بیضاوی) اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی جو کچھ تمہارے اُوپر تمہارے پیمبر کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔ ابھی انزل الیک میں خطاب پیمبرؐ سے براہ راست تھا، اب خطاب مومنین سے ہے جن کا ذکر ذکری للمومنین کے تحت میں ابھی آچکا ہے۔ اور انزل الیکم سے مُراد نزول بواسطہ پیمبر ہے۔ دونوں طرز تعبیر اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ کے عموم میں محققین نے قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی وحی خفی کی ایک صُورت ہے۔ یعنی الکتاب والسنة (قرطبی) بتناول الکتاب والسنة (کبیر) ای القراٰن والسنة (مدارک) لیکن خود خبر واحد کے قبول کا معیار یہی ہے کہ وہ کسی نص قرآنی کے مخالف نہ ہو اور حنفیہ نے اس پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ دلیل علی وجوب اتباع القراٰن فی کل حال وانه غیر جائز الاعتراض علی حکمه باخبار الاٰحاد لان الامر باتباعه قد ثبت بنص التنزیل وقبول خبر واحد غیر ثابت بنص التنزیل وھٰذا یدل علی صحة قول اصحابنا فی ان قول من خالف القراٰن فی اخبار الاحاد غیر مقبول (جصاص) مِنْ دُوْنِہٖ میں ضمیر ربکم کی طرف ہے یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا مطاع مت قرار دو۔ والھاء تعود علی الرب سبحانه والمعنی لا تعبدوا معه غیره (قرطبی) ای من دون اللہ (مدارک) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے کی پیروی ممنوع ہے۔ ودلت الاٰیة علی ترك اتباع الاٰراء مع وجود النص (قرطبی)

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢ اِتَّبِعُوْا

سو آپ کے دل میں اس سے (بالکل) تنگی نہ ہو، اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ۵۳ پیروی اس کی

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

کرو جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی

اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا

پیروی مت کرو ۵۴ کم ہی تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو ۵۵ اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور

فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ ۝٤ فَمَا كَانَ

ان پر ہمارا عذاب رات کو پہنچا یا وہ دوپہر کو آرام میں تھے ۵۵ بس وہ کچھ نہ بول سکے جب

دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا

اُن پر ہمارا عذاب پہنچا ہاں بولے تو یہ بولے کہ بیشک ہم ہی ظالم (و خطادار)

ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْــَٔـلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔـلَنَّ

تھے ۵۶ سو ہم اُن لوگوں سے بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (پیغمبر) بھیجے گئے تھے، اور

الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا

پیمبروں سے (بھی) ہم ضرور پوچھیں گے ۵۷ پھر ہم اُن کے رُوبرو (سب) بیان کر دیں گے علم کے ساتھ

غَآىِٕبِيْنَ ۝٧ وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ

اور ہم کہیں غائب تو تھے نہیں ۵۸ اور اُس روز وزن (ہونا) برحق ہے ۵۹ جس کسی کا وزن بھاری ہوگا

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨ وَمَنْ خَفَّتْ

وہی لوگ (پورے) کامیاب ہوں گے اور جس کا وزن ہلکا

۵۴ چنانچہ گمراہی اور گمراہوں دونوں کی کثرت ظاہر ہے۔ مَا تَذَکَّرُوْنَ میں ما زایدہ قلت تذکر کی تاکید کے لئے ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ تذکرون تذکرًا قلیلاً۔ ما مزیدة لتوکید القلة (کشاف، بیضاوی)

۵۵ یعنی عمومًا ایسے وقت جب وہ غفلت اور بے فکری میں پڑے تھے ان دونوں وقتوں کی تصریح اس لئے کی گئی کہ یہی دو وقت عمومًا غفلت و بے فکری کے ہوتے ہیں۔ نص ھٰذان الوقتان لانهما وقتا الغفلة (مدارک) معنی الاٰیة انهم جاءهم بأسنا وهم غیر متوقعین له اما لیلاً وهم نائمون او نهارًا وهم قائلون والمقصود انهم جاءهم العذاب علی حین غفلة منهم (کبیر) اَوْ ھُمْ قَآئِلُوْنَ۔ قائل قیلولہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ اور قیلولہ کہتے ہیں دوپہر میں آرام کرنے کو۔ یعنی القائلة وھی القیلولة وھی نوم نصف النهار وقیل الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحر وان لم یکن معها نوم (قرطبی) قال اللیث القیلولة نومة نصف النهار وقال الازهری القیلولة عند العرب الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحر وان لم یکن مع ذلك نوم (کبیر)

۵۶ دنیا میں بھی جب کوئی قوم ادبار و تباہی کے عذاب میں مبتلا ہو لیتی ہے تو بعد کو اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اقرار ہی کرتے اُسے بنتا ہے، اور پھر اسباب پر بحث شروع ہوتی ہے۔ ۵۷ ان اُمتوں سے تو یہ کہ تم نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی؟ اور پیمبروں سے یہ کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی؟ ۵۸ اس میں اثبات ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و علم صادق کا۔ ابھی اُوپر حشر میں سوالات کا ذکر ہے۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ پوچھ پاچھ کچھ اس لئے تو ہو گی نہیں کہ (نعوذ باللہ) ہم کچھ ناواقف تھے۔ علم و تحقیق کا مصدر و مخزن تو خود ہماری ذات ہے —— ہر کیفیت ہم پر خود آئینہ ہے۔ پورے پورے حالات تحقیق کے ساتھ تو ہم خود ہی بیان کر دینگے اور کیوں نہ بیان کریں۔ کیا ہم کہیں کچھ دیر کے لئے چلے گئے یا غائب ہو گئے تھے؟ ہر وقت تو ہم خود ہی حاضر و موجود رہے ہیں —— اس میں رد آگیا اُن احمق جاہلی فلسفیوں کا جو سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں، ۵۹ الفاظ میں "وزن" ہونا رائے میں "وزن" ہونا، معانی میں "وزن" ہونا یہ تو ہم لوگ گفتگو میں روزمرہ بولتے اور مجازی حیثیت سے برابر تسلیم ہی کرتے ہیں یوم حشر کشف حقائق کا دن ہوگا، ہر مجاز عین حقیقت بن جائیگا۔ "وزن" کے لئے جسمیت کی شرط تو مخصوص اس عالم ناسوت کے ساتھ ہے۔ اُس عالم میں تو مجردات بھی محسوسات کے لباس میں ملبوس ہونگے —— الوزن کے مجازی معنی بھی کئے گئے ہیں لیکن اکابر اہلِ سنت کے یہاں بلاضرورت ظاہر کو چھوڑ کر مجاز ماننا درست نہیں۔ وقد اجمعت الامة فی الصدر الاول علی الاخذ بھٰذه الظواهر من غیر تاویل واذا اجمعوا علی منع التاویل وجب الاخذ بالظاهر وصارت ھٰذه الظواهر نصوصًا (قرطبی) یَوْمَئِذٍ سے مراد قیامت کا دن ہونا ظاہر ہی ہے۔ وہ دن تو کشف حقائق کا ہوگا کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو لیکن آج ہمارے قویٰ کے لئے غیر مدرک ہو، اور اُس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سوگنا اور ہزار گنا بڑھ چکے گا، اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے —— بارکلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کئے گئے ہیں، ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے۔ اگر وہ سرے سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں۔ اعمال کی صفتِ وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لئے غیر محسوس ہے، کل ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لئے محسوس و مدرک ہو جائے گی۔ اَلْوَزْنُ عقاید و اعمال کا وزن مراد ہے، اور یہ معنی صحابہ و تابعین سے مروی ہے صحائف اعمال کا وزن بھی مراد لیا گیا ہے۔ ای وزن الاعمال (مدارک) والجمهور علی ان صحائف الاعمال توزن بمیزان (بیضاوی) والمراد بالوزن اعمال العباد بالمیزان (قرطبی) والذی یوضع فی المیزان یوم القیامة قیل الاعمال وان کانت اعراضًا الا ان اللہ تعالیٰ یقلبها یوم القیامة اجسامًا (ابن کثیر) امام رازیؒ نے ایک روایت میں حدیث رسولؐ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مفسرین کا عام مذہب اس باب میں وزن صحائف اعمال کا ہے۔ سئل رسول اللہ صلعم عما یوزن یوم القیامة فقال الصحف وھٰذا القول مذهب عامة المفسرین فی ھٰذه الاٰیة (کبیر)

۲۵۹ یعنی اس کی ربوبیت جزوی اور ناقص نہیں جیسا کہ مشرکوں اور یونان وغیرہ کے جاہل فلسفیوں نے خیال کیا ہے۔ کوئی صفتِ کائنات، کوئی شعبۂ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ قُلْ۔ یعنی آپ ان منکرینِ توحید اور اہلِ باطل کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیجئے۔ ۲۶۰ (اور اسی کے مطابق جزا و سزا ہوگی)، علم بھی اُسی کا کامل ہے اور قدرت وحکومت بھی اسی کی کامل۔ تَكْسِبُ۔ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے بطور گناہ یا ثواب کے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ چنانچہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ تمام

نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ

اُسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دُوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا پھر تم

اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

(سب) کی واپسی تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

کرتے تھے ۲۶۰ اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

ایک کے رُتبے دُوسرے پر بلند کئے تاکہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ

جو اُس نے تم کو دے رکھی ہیں ۲۶۱ بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے بیشک وہ بڑا

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۶۲

ع ۲۰ ۱۱

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ

الف۔لام۔میم۔صاد ۱ (یہ) ایک کتاب ہے آپ پر نازل کی گئی کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ڈرائیں۔

ترمہمل و باطل ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی کہ آدم کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ ساری اولادِ آدم کو ملتی رہے گی۔ یا مشرکوں کا یہ عقیدہ کہ خدا جس کے بجائے جس کو چاہے سزا دے دے۔ اخبار بان اللہ تعالٰی لا یؤاخذ احدًا بذنب غیرہ وانہ لایعذب الابناء بذنب الاٰباء (جصاص) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ۔ سب کی آخری واپسی پروردگارِ عالم ہی کے حضور میں ہوگی نہ کہ کسی "ابن اللہ" وغیرہ کے پاس۔ ۲۶۱ کہ کون ان نعمتوں کا حق کہاں تک ادا کرتا ہے اور اس آزمائش کے بعد رُوحانی اور حقیقی مرتبہ متعین کرے) جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ خطاب پوری نسلِ آدم کو ہے۔ خلافت کی دولت ادنیٰ و اعلیٰ ہر ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عالمِ انسانی کی کثیر آبادی نے اپنے کو نااہل خلافتِ الٰہی کا ثابت کیا ہو۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ۔ یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے، کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار، کوئی نادار۔ فی الخلق والرزق والقوۃ والبسطۃ والفضل والعلم (قرطبی) لِيَبْلُوَكُمْ۔ یہ آزمائش ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ای بعضکم ببعض (قرطبی) ۲۶۲ یہاں تین صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ اور تینوں کا تعلق تین مختلف طبقات سے ہے۔ سَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ بہت جلد سزا کو پہنچا دینے والا وہ مجرموں اور نافرمانوں کے حق میں ہے۔ غَفُوْرٌ۔ غفور وہ ان کے لئے ہے جو نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف واپس آجائیں۔ رَحِيْمٌ۔ اس کی رحمتِ کاملہ فرمانبرداروں کے حق میں ہے۔ سورۂ اعراف ۱ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گذر چکا) یہاں ابن عباسؓ سے ان حروف کے دو معنی منقول ہیں۔ ایک انا اللہ افضل۔ دوسرے انا اللہ اعلم وافضل (کبیر)

۲۵۱ ؎ (کہ وہی خوب سب کو دیکھ بھال رہا ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ - یعنی دینِ حق کو بتمام قبول نہ کیا خواہ سب کو چھوڑ دیا، خواہ اس کے بعض حصوں کو۔ دِیْنَهُمْ - مُراد وہ دین ہے جس کے وہ مکلف تھے۔ اما دینھم فقد قیل الذی امرھم اللہ بہ وجعلہ دینا لھم (جصاص) وَكَانُوْا شِيَعًا - یعنی کفر و شرک یا بدعت کے طریقوں کو اختیار کرکے ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ اس کا مصداق کون گروہ ہوا ہے؟ عموماً مراد یہود و نصاریٰ سے لی گئی ہے۔ من الیھود والنصاریٰ (ابن جریر عن قتادۃ) ھؤلاء الیھود والنصاریٰ (ابن جریر عن السدی) یعنی الیھود والنصاریٰ (ابن جریر۔ عن الضحاک) مشرکین بھی مراد لئے گئے ہیں:- یرید المشرکین (کبیر عن ابن عباس) قال الحسن ھم جمیع المشرکین (قرطبی) اس اُمت کے اہلِ بدعت و اہلِ ضلالت سے بھی مُراد لی گئی ہے۔ ھم اھل البدع واھل الشبھات واھل الضلالۃ من ھذہ الامۃ (ابن جریر۔ عن ابی ہریرۃ) ھم اھل البدع والشبھات (ابن جریر عن مجاہد) انما ھم اصحاب البدع واصحاب الاھواء واصحاب الضلالۃ من ھذہ الامۃ (قرطبی عن عمر)

فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا

کچھ بھی (ذمہ داری) نہیں، ان کا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے ۲۵۱؎ پھر وہی انہیں جتلا دے گا جو کچھ

یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ

وہ کرتے رہے ہیں ۲۵۲؎ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُس کو اس کے مثل دس (نیکیاں) ملیں گی ۲۵۳؎ اور

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا

جو کوئی بدی لے کر آئیگا اس کو بس اُس کے برابر ہی بدلہ ملے گا ۲۵۴؎ اور اُن پر ظلم نہ

یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ

کیا جائیگا ۲۵۵؎ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے، ایک

دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ

دین مستحکم طریقہ ابراہیمؑ راست رَو کا اور وہ مشرکین میں سے

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ

نہ تھے ۲۵۶؎ آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور

مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ

میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں ۲۵۷؎ (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا

اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ

حکم ملا ہے، اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں ۲۵۸؎ آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا کسی کو بطور

اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ

پروردگار تلاش کروں در آنحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا ۲۵۹؎ اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ

الفاظِ قرآنی میں گنجائش یقیناً ان سب تفسیروں کی ہے لیکن اگر قرآن سے رسول اللہ صلعم کے صرف معاصرین پیشِ نظر رکھے جائیں تو اس تعارف کے مصداق سب سے بڑھ کر مسیحی ہی نکلینگے اور ان کے اندر فرقوں اور گروہوں کی تقسیم اور تقسیم کے اندر تقسیم سب سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدتِ کلمہ کے قائم و برقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے اور اُمت کا تفرق و تشتّت حق تعالیٰ کو کس درجہ مبغوض ہے۔ اعلم ان المراد من الآیۃ الحث علیٰ ان تکون کلمۃ المسلمین واحدۃ و ان لا یتفرقوا فی الدین (کبیر) ھو تحذیر من تفرق الکلمۃ ودعاء الی الاجتماع والالفۃ علی الدین (جصاص)

۲۵۲ ؎ (اور یہ جتلا دینا قیامت میں ہوگا) "چونکہ لفظ فرّقوا۔ سب کو شامل ہو سکتا ہے، اسلئے عام مُراد لینا انسب ہے البتہ مراتب وعید کے متفاوت ہونگے یعنی کفار کو عذابِ تخلّد ہوگا اور مبتدعین کو بہ وجہ وجودِ ایمان کے بعد سزائے عقائدِ فاسدہ کے نجات ہوگی" (تھانویؒ) ۲۵۳ ؎ یعنی ہر نیکی پر دس گُنا اجر ملے گا۔ گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے۔ اور یہ تو مرتبۂ اقل میں ہے، ورنہ بعض نیکیوں پر تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر اجر دوسرے نصوص سے ثابت ہے ——— یہ نمونہ ہے فضلِ خداوندی کا! صوفیہ صافیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے، کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موجود ہے اور یہ مسلّم ہے کہ محبتِ الٰہی اور شوقِ لقاءِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں تو جن بندوں نے اپنے کو لقاءِ حق میں کا منتظر و مشتاق بنا رکھا ہے، انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ محبوبِ بے نیاز تو خود اُن کی لقاء کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہوگا۔ ۲۵۴ ؎ یعنی سزا اس سے زیادہ نہ ملے گی ——— یہ نمونہ ہے عدلِ خداوندی کا!

۲۵۵ ؎ (انسانی معیار سے ہی مثلاً یہ کہ کوئی نیکی درج ہونے سے رہ جائے یا کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔ ۲۵۶ ؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی پر حاشیے سورۂ بقرع ۱۵ (پ ۱) میں اور اور مقامات پر گزر چکے۔ ۲۵۷ ؎ آیت لبِّ لباب ہے سارے دینِ اسلام کا، اور عطر یا مغز کُل ملّتِ ابراہیمی کا۔ صَلٰوۃ یعنی نماز اور نُسُک یعنی عام عبادتوں کا تعلق نظامِ تشریعیات سے اور محیا یعنی زندگی اور ممات یعنی موت کا تعلق نظامِ تکوینیات سے ہونا بالکل ظاہر ہے تو گویا اقرار اس کا ہو رہا ہے کہ الوہیت میں بھی وہی ربِ برحق منفرد ہے اور ربوبیت میں بھی وہی۔ نُسُک سے یہاں مُراد جمیع عبادات ہیں۔ قال قوم النسک فی ھذہ الآیۃ جمیع اعمال الطاعات (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت توحیدِ کامل کی تعلیم پر دال ہے یعنی جمیع حالاتِ تشریعی و تکوینی میں تسلیم و تفویضِ عمل و اطاعت سے بھی اور رضا بالقضاء سے بھی۔ ۲۵۸ ؎ یعنی اپنی اس دعوت پر خود ہی سب سے پہلا ایمان لانے والا، اسلام میں نبی کی حیثیت محض ایک پیشین گو یا مخبر کی یا زیادہ سے زیادہ محض ایک داعی کی نہیں، جیسا کہ بعض باطل مذاہب نے فرض کر رکھا ہے بلکہ سب سے پہلے خود ایک صاحبِ عمل انسان کی ہے جو دوسروں کے لئے مثال اور نمونہ کا کام دے سکے۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ یعنی اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ بہ حیثیتِ اقنوم نہ بہ حیثیتِ مظہر، نہ اور کسی حیثیت سے وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ - مجھے اس کا حکم ملا ہے بہ حیثیتِ فرد بھی اور بہ حیثیتِ نبی بھی یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں اور اسی کی دعوت بھی دوسروں کو دوں۔

۲۴۶ یعنی یہی معجزہ کتاب خود تمہاری زبان میں جو اپنے دعووں پر دلیل روشن ہے۔ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ ضمیر هُمْ قوموں کے مومنین کی جانب ہے یعنی ہم تو ان سے بھی بڑھکر راہِ حق پر ہوتے۔ عربوں کو دعویٰ اپنی ذہانت و شرافتِ طبع کا تھا۔ یہ قول اسی سے ناشی ہوا ہے۔ لحدة اذھاننا ونقابة افهامنا وغزارة حفظنا لايام العرب ووقائعها وخطبها واشعارها واسجاعها و امثالها على انا اُمّیون (کشاف) فَقَدْ جَآءَكُمْ۔ سو کتاب تو اپنے تمام اعجازی خصوصیات کے ساتھ آگئی اور اس نے تمہاری حجت تمام تر قطع کردی۔ اَوْ تَقُوْلُوْا۔ یہ آیت سابق کے ان تقولوا پر عطف ہے۔ عطف على ان تقولوا (قرطبی) ۲۴۷ یہاں گویا یہ بتلا دیا کہ نفسِ سزا تو تکذیب پر بھی انہیں ملتی۔ اب دوسروں کو روکنے کے باعث یہ سزا کہیں زیادہ بڑھ کر رہی۔ ۲۴۸ منکرین کی نفسیت کا بیان ہو رہا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ هَلْ یہاں ما کے معنی میں ہے۔ ای ما ینظرون (بیضاوی) هل استفهام معناه النفي (کبیر) فقرہ بطور

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ
سو اب تو آچکی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل ۲۴۶ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ
سو اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے اور اس سے اور دوسروں کو روکے ہم ابھی

سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ
بڑے عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو سزا دیں گے جو (دوسروں کو) روکتے ہیں بہ سبب ان کے (اس)

بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
روکنے کے ۲۴۷ یہ لوگ (گویا) صرف اس کے منتظر ہیں کہ

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ
ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار خود آئے یا ان کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی

اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ
آجائے ۲۴۸ (حالانکہ) جس روز آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی کسی شخص کو اس کا

نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ
ایمان نفع نہ دیگا جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان کے

فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
ذریعہ سے اس نے کوئی نیکی نہ کرلی ہو ۲۴۹ آپ کہہ دیجیے کہ تم انتظار کیے جاؤ ہم بھی منتظر ہیں ۲۵۰

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ
بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جُدا جُدا کردیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ پر اُن کی

تعریض کے ہے یعنی یہ لوگ جو اتنے وضوحِ حق کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے، اور ایمان لانے کی کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے تو ان کی بے فکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ فرشتوں کے ورود کے انتظار میں ہیں، جیسا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کے دن ہوگا۔ يَاْتِىَ رَبُّكَ۔ پروردگار کا ان کا آمنا سامنا ہو جائے۔ جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا۔

مشرکانہ اور جاہلی عقیدہ کے مطابق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ربِ اکبر کے ظاہر ظہور آجانے کے منتظر ہیں۔ اتیانِ رب کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اہلِ سُنّت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ کے حق میں فعل "آنا" کا اطلاق بالکل جائز ہے۔ اگرچہ اس کے آنے کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کی آمد جسمانی حرکت و انتقال سے بَری و منزّہ ہے۔ ليس مجيئه تعالى حركة ولا انتقالا ولا زوالا لان ذلك انما يكون اذا كان الجائي جسما او جوهرا والذي عليه جمهور ائمة اهل السنة انهم يقولون يجئ وينزل ويأتي ولا يكيفون (قرطبی) يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ۔ یعنی کوئی عظیم الشان نشانی آجائے۔ جیسا کہ قیامت کے قرب میں یقیناً آئے گی۔ مشرکانہ اور جاہلی نقطۂ خیال کے مطابق یہ لوگ گویا ایسے عظیم الشان اور مجبور کن معجزہ کے منتظر ہیں، حالانکہ مجبور کن معجزہ کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں، شہود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ آیت کا ایک سہل، بے تکلف مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ منکرین تو بس اس وقت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آجائیں یا عذابِ الٰہی ان پر نازل ہو رہے۔ يأتي ربك اي امره بمعنى عذابه (جلالین) یا قیامت کی ہولناک نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے۔ يَاْتِىَ رَبُّكَ کو متعدد اہلِ تفسیر نے یاتی امر ربك کے معنی میں لیا ہے۔ ۲۴۹ اس لئے کہ نزع و سکرات کے وقت جب عالمِ برزخ کا یا خود احوالِ قیامت سے مشاہدہ عالمِ غیب کا شروع ہو گیا۔ تو ایمانِ اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا۔ ایمانِ اضطراری کا نام ایمان نہیں۔ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ یعنی ایمان گو پہلے سے بھی رکھتا ہو لیکن ایمان کی برکت سے ذرا بھی نفع نہ حاصل کیا ہو۔ بلکہ سر تا سر نادانیوں اور خباثتوں میں مبتلا رہا ہو۔ اور آج سے توبہ کرکے کوئی نیک عمل شروع کرنا چاہے تو اب مقدماتِ قیامت شروع ہو جانے کے بعد توبہ بھی نہ قبول ہوگی۔ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ مراد ہیں قربِ قیامت کی نشانیاں۔ مثلاً آفتاب مغرب سے طلوع ہونا۔ مغرب سے طلوعِ آفتاب کو ہیئت و فلکیات کے کسی قاعدہ کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے۔ ہیئت و فلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں سب موجودہ نظامِ تکوینی ہی کے ماتحت ہیں لیکن جب خود یہ نظام ہی شکست ہو جائیگا تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے۔ ۲۵۰ (تم خود ہی دیکھ لوگے کہ نجات کسے نصیب ہوتی ہے، تم منکروں کو یا ہم مومنوں کو) قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ جماعتِ مومنین کی طرف سے کہہ دیجیے اِنْتَظِرُوْا۔ یہ بطور آخری تہدید کے ہے جیسا کہ ایسے موقع پر ہر زبان کے محاورہ میں عام و شائع ہے، یہ مراد نہیں کہ پیغمبر انہیں انتظار کی دعوت دے رہے ہیں ٭

عمل کرتے رہو) بِعَهْدِ اللهِ۔ اس کے تحت میں ہر وہ عہد آجاتا ہے جو بجائے خود جائز ہو۔ اور اللہ کو حاضر وناظر جان کر باندھا گیا ہو۔ ۲۴۲ غرض وغایت ساری تعلیمات اسلامی کی بس اسی قدر ہے کہ اُمت بہ حیثیت مجموعی بھی
اور اس اُمت کا ایک ایک فرد بھی ذاتی طور پر ہر قسم کے اخلاقی کمالات سے آراستہ، اللہ کی فوج کا سپاہی، اور کائنات انسانی کے لئے ایک نمونہ بن جائے۔ وَاَنَّ عطف بیانات مقدم پر ہے۔ اور د کے بعد ان محذوف ہے۔
عطفها علی ما تقدم و انّ فی موضع نصب ای و اتل ان هذا صراطی عن الفراء والکسائی (قرطبی) هٰذَا۔ یعنی کمل نظام حیات ودستور زندگی جس کی چند اہم مدیں اوپر بیان ہوئیں۔ اَلسُّبُلَ ان ٹیڑھی پگڈنڈیوں
میں اسلام کے باہر کے کل دوسرے مذاہب آگئے اور اسلام کے اندر کے بھی اہل بدعت وضلالت کے فرقے جو رسول اللہ صلعم کے طریق مستقیم سے الگ ہیں۔ و هذه السبل تعم الیهودیة والنصرانیة والمجوسیة وسائر اهل
الملل واهل البدع والضلالات من اهل الاهواء (قالہ ابن عطیہ) (قرطبی) قال مجاهد السبل البدع (قرطبی) وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ اس میں رَدّ آگیا اس مغالطہ پرور خیال کا کہ ہر مذہب اپنی اپنی
جگہ سچا ہے اور اسلام بھی انہی مذہبوں جیسا ہے۔ یہ غلط بے محل اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے۔ اسلام ایسی خطرناک، مفسدہ انگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے۔ ۲۴۳ بنی اسرائیل کے تمام امراض کا سرچشمہ

صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
سیدھی شاہراہ ہے سو اسی پر چلو، اور (دوسری دوسری پگڈنڈیوں) راہوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو (اللہ کی)
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ
راہ سے جُدا کر دیں گی اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى
متقی بن جاؤ ۲۴۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں
الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً
پر (نعمت) پوری ہو، اور ہر ضروری چیز کی تفصیل (اسکے ذریعہ سے ہو جائے) اور (باعث) ہدایت ہو،
۱۹ ع ۶
لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ
اور (ذریعہ) رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین لائیں ۲۴۴ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو
اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
ہم نے بھیجا ہے (خیر د) برکت والی ہے سو (اب) اس کی پیروی کرو، اور ڈرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۲۴۴،
اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ
(اور اس لئے بھی) کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگتے کہ کتاب تو بس اُن دو گروہوں پر اُتاری گئی جو ہم سے پہلے
قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا
تھے، اور ہم تو اُن کے پڑھنے پڑھانے سے نرے بے خبر ہی رہے ۲۴۵ یا یوں کہنے لگتے
لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ
کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے

یہی تھا کہ ان کا اعتقادِ آخرت ڈھیلا ہو کر برائے نام رہ گیا تھا۔ مذہب کو جس حد تک مانتے بھی تھے، محض دنیوی بہبود و ترقی کے خاطر —— ٹھیک وہی نقطۂ نظر آج بھی یورپ زادوں اور یورپ زدوں کا ہو گیا ہے۔ مذہب کے ان پہلوؤں سے انہیں بحث ہی نہیں کہ اس میں ذات وصفاتِ باری کا ذکر کتنا اعلیٰ اور مفصل ہے۔ نجات کی کیسی کیسی تشفی بخش صورتیں اس نے بتائی ہیں۔ غرض یہ کہ دائمی راحت کے حصول میں وہ کہاں تک معین ہے، بلکہ تلاش صرف ان نسخوں کی رہ گئی ہے۔ جن سے اس دنیا میں فوری سکھ حاصل ہو سکے! ثُمَّ اوپر اثباتِ توحید و ابطالِ شرک کا مضمون مع فروع کے تھا۔ اب اس کے ختم ہونے پر نبی ونبوت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ ثُمَّ اسی اظہار کے لئے ہے (تھانوی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثُمَّ کے بعد قل محذوف ہے اور ثُمَّ کا عطف سابق کے قل تعالوا پر ہے۔ قیل عطف علی قل وفیه حذف ای قل تعالوا ثم قل اٰتینا موسیٰ (روح) معناه ثم قل اٰتینا موسیٰ لانه عطف علیٰ قل تعالوا (جصاص) ثم لترتیب الاخبار لا لتراخی الزمان (کمالین) ثُمَّ جب جملہ پر آتا ہے تو واو عطف کے معنی بھی دیتا ہے۔ اور یہ معنی بھی یہاں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ ثم مع الجملة تأتی بمعنی الواو (مدارک) مُوْسَى الْكِتٰبَ حضرت موسیٰؑ اور ان کی کتاب کا ذکر خاص طور پر شاید اس مناسبت سے ہو کہ ان کے نام اور شہرت سے اختلاطِ یہود کے باعث، مشرکینِ عرب خوب واقف تھے، اور بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی بھی تھے۔ اَلَّذِيْٓ بطور اسم جنس آیا ہے اس لئے جمع کے معنی دیتا ہے۔ یرید جنس المحسنین (مدارک) تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یعنی صحیفۂ موسوی میں محض اجمالاً کچھ اصول وقواعد نہیں بتا دیئے گئے تھے، بلکہ احکام کی ضروری تفصیل بھی کر دی گئی تھی۔ ای بیانًا مفصلًا لکل ما یحتاج الیه فی الدین (روح) بیانًا مفصلًا لکل ما یحتاجون الیه فی دینهم (مدارک) هُدًى۔ یعنی وہ باعثِ ہدایت ہو اپنے مخاطبین کے لئے۔ رَحْمَةً یعنی وہ ذریعۂ رحمت ہو اپنے ماننے والوں کے حق میں۔ ۲۴۴ فَاتَّبِعُوْهُ۔ اتباع کے تحت میں عقاید، اعمال سب کا اتباع حسبِ مراتب آگیا۔ هو امر باتباع الکتاب علیٰ حسب ما تضمنه من فرض او نفل او اباحة واعتقاد کل منه علیٰ مقتضاه (جصاص) وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّبٰرَكٌ۔ یعنی یہی قرآن جس کی برکتیں قیامت تک منقطع ہونے والی نہیں اور برکت کے تحت میں خیرِ دینی وخیرِ دنیوی دونوں آگئیں۔ ای کثیر الخیر دینًا ودُنیا (روح) ای القرآن کثیر الخیر (مدارک) ۲۴۵ خطاب اب مشرکینِ عرب سے ہے۔ والخطاب متوجه الی کفار قریش باثبات الحجة علیهم (بحر) اَنْ تَقُوْلُوْٓا۔ یعنی قیامت کے دن کہیں بطور عذر وجواب یہ نہ کہنے لگتے۔ اَنْ، لئلا کے معنی میں ہے۔ قال الکوفیون لئلا تقولوا وقال البصریون انزلناه کراهیة ان تقولوا (قرطبی) ای ل ان لا (جلالین) طَآئِفَتَيْنِ۔ یعنی گروہ یہود ونصاریٰ تابعین وصحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی و ابن جریج اراد بهما الیهود والنصاریٰ (جصاص) والکتاب هنا جنس والطائفتان هما اهل التورٰة والانجیل الیهود والنصاریٰ بلا خلاف (بحر) حنفیہ نے لفظ طائفتین سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہلِ کتاب یہی دو گروہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر مجوسی بھی اہلِ کتاب ہوتے تو بجائے تثنیہ کے جمع کا صیغہ ہوتا۔ وفی ذالک دلیل علیٰ ان اهل الکتاب هم الیهود والنصاریٰ وان المجوس لیسوا اهل الکتب لانهم لو کانوا اهل کتاب لکانوا ثلاث طوائف (جصاص) هذا دلیل علیٰ ان المجوس لیسوا باهل الکتاب (مدارک) اور اس پر یہ شبہ ضعیف ہے کہ یہ تو قول مشرکین کا نقل ہوا ہے۔ قرآن مجید میں کسی کا بھی قول بلا تردید نقل ہونا بجائے خود ایک وزن رکھتا ہے۔ دِرَاسَتِهِمْ۔ ضمیر بجائے تثنیہ کے جمع کی اس لئے لائی گئی ہے کہ ہر طائفہ خود حکم جمع میں ہے۔ ولم یقل عن دراستهما لان کل طائفة جماعة (قرطبی) واعاد الضمیر جمعًا لان کل طائفة منهم جمع (بحر)

۲۳۲ بنیادی اور مرکزی عقیدہ (توحید) کی تصحیح کے معاً بعد اب عملی زندگی کی ہدایات شروع ہوجاتی ہیں۔ اور ان میں سب سے پہلا حکم ماں باپ کی خدمت کا ملتا ہے۔ اِحْسَانًا۔ احسان کا لفظ یاد رہے حکم والدین کی محض اطاعت کا نہیں۔ ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کا ہو رہا ہے ـــــــ جو لوگ خدمتِ والدین کو کوئی خاص اہمیت دین میں نہیں دیتے۔ کاش وہ اس قسم کی آیتوں پر غور کریں! ای احسانا کاملاً لااساءة معه (روح) عن ابن عباس یرید البر بهما مع اللطف ولین الجانب (روح) قُلْ تَعَالَوْا۔ خطاب آیت میں، یہود، مشرکین بلکہ ساری نوعِ انسانی کے لئے عام ہے۔ اَلَّا مرکب ہے اَنْ اور لَا کا اور اَنْ مفسرہ ہے اردو کے یعنی کے مرادف۔ اَنْ مفسرة بمعنی ای (مغنی) مفسرة ولا للنهی (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا یہاں نافیہ یا ناہیہ نہیں۔ بلکہ زائدہ ہے جو حکم میں نفی یا نہی نہیں بلکہ اور زور و تاکید پیدا کردیتا ہے۔ لا الزائدة الداخلة فی الکلام لمجرد تقویته و توکیده (مغنی) تاج العروس میں ان دونوں ترکیبوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ ایک تیسری ترکیب کو بھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الا تشرکوا سے قبل اوصاکم محذوف مانا جائے جیسا کہ آیت کے آخر میں ذٰلکم وصّٰکم به موجود بھی ہے۔ اور کلامِ عرب میں اس طرزِ کلام کی نظیریں ملتی ہیں۔ وکان فی الکلام حذف و دل علیه السیاق وتقدیرہ اوصاکم الا تشرکوا وتقول العرب امرتك ان لا تقوم (ابن کثیر) ۲۳۳ یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے۔ جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ۔ یہ قتلِ اولاد کی ملعون رسم، دخترکشی کے دستور کے علاوہ ہے بقصود اس سے تمام تر روکنا ہے۔ افلاس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ فلاسفۂ مادیین اور مفکرینِ جاہلیت اپنے

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتے رہو ۲۳۲ اور اپنی اولاد کو افلاس (کے خیال) سے قتل مت
اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
کردیا کرو، ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی ۲۳۳ اور بے حیائیوں کے پاس بھی
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ ۲۳۴ اور جس جان کو اللہ نے محفوظ کر
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
رکھا ہے اُسے قتل مت کرو بجز حق (شرعی) کے ۲۳۵ اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم دے رکھا ہے،
تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
تاکہ تم عقل سے کام لو ۲۳۶ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ۔ مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو یہاں تک
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے ۲۳۷ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری
بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ
پوری کرو ۲۳۸ ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زاید بار نہیں ڈالتے ۲۳۹ اور جب بولو تو عدل (کا
فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ
خیال) رکھو، اگرچہ وہ (شخص) قرابت دار ہی ہو ۲۴۰ اور اللہ سے جو عہد کیا ہے اُسے پورا کرو (اس سب)
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ۙ وَاَنَّ هٰذَا
کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو ۲۴۱ اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ یہی میری

نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جاہلیتِ فرنگ کے زیرِ سایہ جو شاندار تحریک قتلِ اولاد کی خفی و باریک صورت کی "منع حمل" کے نام سے جاری ہے، اس کا محرک بھی یہی خوفِ افلاس ہے۔ مالتھیس نامی ایک ماہرِ معاشیات جو برطانیہ میں انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا ہے اور قتلِ اولاد یا "منع حمل" کی تحریک اصلاً اُسی کی چلائی ہوئی ہے، اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوفِ افلاس ملک ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ولا تقتلوا اولادکم ۔ اور بعض علمائے سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منع حمل بلا آلات منعِ حمل) کے عدمِ جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔ وقد یستدل بهذا من یمنع العزل لان الوأد یرفع الموجود والنسل والعزل منع اصل النسل فتشابها الا ان قتل النفس اعظم وزرا واقبح فعلا (قرطبی) ۲۳۴ اَلْفَوَاحِشَ ۔ کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تنہا زناکاری کے نہیں۔ بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آگئیں۔ پھر لا تقربوا کی تعمیم "یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ" اور پھر ما ظهر منها وما بطن نے تو تعمیم کی حد ہی کردی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ ہوں یکساں حرام قرار پاگئیں، چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگاکر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگاکر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں چلنا پھرنا، سینما اور تھیٹر میں گندے نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیبِ جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رُو سے حرام ٹھیر جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی، اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کی جو نظیر شریعتِ اسلام نے قائم کردی ہے دکھیں اور تلاش سے بھی نہ ملے گی۔ والاولی ان لا یختص هذا النهی بنوع معین بل یجری علی عمومه فی جمیع الفواحش ظاهرها وباطنها (کبیر) ۲۳۵ مثلاً جہاد میں، قصاص میں، رجم میں۔ اَلنَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ ۔ اور وہ جس کو اللہ کے قانون نے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ ہر انسانی جان ہے، تاوقتیکہ وہ کسی جرمِ شرعی میں واجب القتل نہ قرار دیا جائے۔ وهذه الاٰية نهی عن قتل النفس المحرمة مؤمنة کانت او معاهدة الا بالحق الذی یوجب قتلها (قرطبی) ۲۳۶ (اور ان ہدایات پر عمل کرو) قرآن مجید میں یوں تو متعدد آیات ایسی ملتی ہیں جو تہذیبِ فرنگ کی پھیلائی ہوئی فضائے حاضر پر خاص طور سے چسپاں ہیں۔ لیکن یہ آیت ان خاص آیتوں میں بھی اخص ہے۔ آیت کے ایک ایک جزو کو لے کر خوب غور سے دیکھئے:۔ (۱) ممانعتِ شرک۔ ۱۔ آج کے "روشن خیال" کتنے مختلف قسموں کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں! اُن کی تہذیب اور اُن کے علوم کی بنیاد ہی ترکِ توحید پر ہے۔ (۲) تعظیمِ والدین۔ اخلاقیاتِ جدید میں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی کوئی دفعہ ہی نہیں۔ (۳) اولادکشی سے ممانعت۔ "منعِ حمل"، "ضبطِ تولید" وغیرہ تو تمدنِ جدید کے خاص مفاخر میں سے ہیں۔ وہ بھی معاشیات کا نقاب مُنہ پر ڈالے ہوئے۔ (۴) منعِ فواحش۔ تمدنِ جدید کی تو ساری رونق ہی علانیہ و مخفی فواحش کی گرم بازاری سے ہے۔ (۵) انسانی زندگی کا احترام۔ اس ہدایت پر کہیں عمل ہوتا تو جنگ چین و جاپان، جنگ جرمنی و فرانس، جنگ جرمنی و برطانیہ، جنگ جرمنی و روس وغیرہ کا وجود ہی سرے سے نہ ہوا ہوتا۔ اور دنیا کو ناقابلِ پیمائش مصیبتوں سے نجات مل گئی ہوتی۔ کاش اب بھی ہماری آنکھیں کھلیں، اور دنیا کی سمجھ میں آئے کہ قرآن نسخۂ شفا صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کے عرب کے لئے نہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں اور ہر مابعد صدی کی کل دنیا کے لئے ہے! ذٰلِكُمْ یعنی یہی اُوپر کے محرمات، کم خطاب کا ہے۔ اشارة الی هذه المحرمات، والکاف والمیم للخطاب (قرطبی) ۲۳۷ (اور سنِ بلوغ پر جب یتیم پہنچ جائیگا تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کردی جائے گی۔ اور کوئی سوال ہی تولیت و سربراہ کاری کا باقی نہ رہ جائیگا) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ۔ یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کا تصرف روا نہ رکھو۔ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یعنی اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے۔ اور قوت میں قوتِ جسمانی اور قوتِ عقل و تجربہ دونوں آگئیں۔ یعنی قوته وقد تکون فی البدن وقد تکون فی المعرفة بالتجربة ولابد من حصول الوجهین فان الاشُدّ وقعت هنا مطلقة (قرطبی) الاشد واحدها شد وهو قوة الشباب عند ارتفاعه (جصاص) ولم یشرط البلوغ فدل علی انه بعد البلوغ یجوزان یحفظ علیه ماله اذا لم یکن مانوس الرشد ولایدفعه الیه (جصاص) کون سا سن پختگی کا کہلائیگا؟ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہؒ سے ۲۵ سال کا سن منقول ہے۔ وقد اختلف فی بلوغ الاشد فقال عامر بن ربیعة و زید بن اسلم هو بلوغ الحلم وقال السدی هو ثلاثون سنة وقیل ثمانی عشرة سنة وجعله ابوحنیفة خمسًا وعشرین سنة (جصاص) اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ اور شریعت میں مستحسن صورت صرف وہی ہے جس سے خود یتیم کا نفع متصور ہو۔ اسلام کے معاند فرنگیوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یتیموں کے حقوق کی محافظت اسلام کا ایک خاص اور روشن کارنامہ ہے۔ ۲۳۸ دغا فریب کی ہر آمیزش سے پاک کہ کسی کا حق مار لیا یا اپنے ذمہ باقی رہنے دیا، اس بظاہر چھوٹی سی ہدایت کے اندر تجارتی اخلاق کے سارے ابواب آگئے ـــــــ شخصی اخلاق و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ تجارتی کاروباری، اخلاق کی بھی پاکیزگی مسلمان کے لئے لوازم میں سے ہے۔ ای بالاعتدال فی الاخذ والعطاء عند البیع والشراء (قرطبی) فیه امر بایفاء الحقوق علی الکمال (جصاص) ۲۳۹ اس لئے ان احکام کی پابندی میں بھی دشواری کچھ بھی نہیں ـــــــ ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ و صرفِ ہمت کی ہے۔ ۲۴۰ اور کسی کی قرابت یا عزیزداری تمہیں اسکے معاملہ میں نہ منصفانہ فیصلہ کرنے سے روکے نہ سچی گواہی دینے سے) وَاِذَا قُلْتُمْ ۔ یعنی جب تم کسی کے مقدمہ، معاملہ میں زبان کھولو۔ یتضمن الاحکام والشهادات (قرطبی) ۲۴۱ (ان احکام کو اپنی روزانہ زندگی میں یاد رکھو اور ان پر

مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى

اسی طرح جھٹلایا تھا اُن لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں یہاں تک کہ

ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ

انھوں نے ہمارے عذاب کو چکھا ۲۲۶ آپ کہیئے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل؟ (۲۲۷) تو اُسے ہمارے

لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (148)

سامنے ظاہر کرو ۲۲۸ تم تو نری گمان کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو ۲۲۸ آپ

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ (149)

کہہ دیجیئے کہ پوری حجت تو اللہ ہی کی رہی اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا ۲۲۹

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ

آپ کہیئے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان (چیزوں) کو حرام کیا ہے ۲۳۰

هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ

اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ اُن کے ساتھ گواہی دیجیے، اور نہ ان لوگوں

اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

کی خواہشوں کی پیروی کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں

بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ (150) ۠ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ

رکھتے، اور اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھیرائے رہتے ہیں ۲۳۱ آپ کہیئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر

مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ

سناؤں وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں یعنی یہ کہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور

ع ۱۸/۲/۵

۲۲۶ كَذٰلِكَ منکرین و مکذبین کا یہ لنگڑا لولا استدلال کچھ نیا اور اس امت کے ساتھ مخصوص نہیں، پرانی امتوں کا بھی یہی شیوہ چلا آیا ہے۔ ۲۲۷ مکذبین کی دلیلِ عقلی کی لغویت ابھی اوپر کے حاشیہ سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اب مطالبہ ان سے دلیلِ نقلی کا ہو رہا ہے یعنی کس پیمبر کی یہ تعلیم رہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو؟ مِنْ عِلْمٍ یعنی دلیل تمہارے اس مقدمہ پر کہ فعل پر قدرت دینا اس فعل سے رضا کو مستلزم ہے۔ ۲۲۸ یعنی علم و تحقیق سے قطعی معرّیٰ۔ تمہارے پاس نہ کوئی دلیلِ عقلی ہے نہ کوئی دلیلِ نقلی۔ آج بھی ملحدوں اور مشرکوں دونوں کا یہی حال ہے۔ بس چند مفروضات و مزعومات ہیں، جو ان کی ساری عمارت کی بنیاد ہیں۔ ۲۲۹ یعنی اگر اس کی مشیتِ تکوینی یہی ہوتی تو تم سب لوگ محروم الارادہ و مسلوب الاختیار ہو کر بس ایک ہی ڈھرے پر اضطراراً چلتے۔ لیکن اس نے اجر و صلہ تو ایمانِ اختیاری پر رکھا ہے نہ کہ ایمان اضطراری پر۔ انه قد شاء منهم الايمان اختيارًا ولو شاء الله الايمان منهم قسرًا لكان عليه قادرًا ولكنهم كانوا لا يستحقون به الثواب و المدح۔ (جصاص)

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ اللہ کی حجت پوری کی پوری رہی اور تمہاری حجت باطل ہو گئی۔ ۲۳۰ (اور شہادت مقبول وہی ہو گی جو مشاہدہ یا مثل مشاہدہ پر مبنی ہو) کوئی عقلی دلیل تو شرک پر قائم ہی نہیں اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی پیمبر کی تعلیم سے کسی آسمانی کتاب سے، اس کی نقلی، روایتی، تاریخی ہی شہادت پیش کرو۔ ۲۳۱ (اور یہی ان کی شرک پسندی اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلبِ حق نہیں پیدا ہونے دیتی) فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ۔ یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجئے، بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجئے۔ ای فلا تصدقهم فيه وبيّن لهم فساده (بیضاوی)

۲۲۰ (بہ قصد تقرب وعبادت) یہ وہ جانور ہیں جو بجائے خود حلال وطیب ہیں لیکن ذابح کی نیت فاسد نے انہیں حرام بنا دیا ہے۔ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکا۔ فِسْقًا ۔ ذریعۂ فسق کو خود فسق سے تعبیر کرنا تاکید و اظہار اہمیت کے لئے ہے۔ سمی ما اهل لغير الله به فسقا لتوغله فی باب الفسق (کبیر) **۲۲۱** (اور انہی صفات غفور رحمت کے تقاضہ سے اُس نے ایسی حالت میں بندوں پر حرام چیزیں حلال کر دیں اور گناہ کی چیزوں سے گناہ اُٹھالیا) فَمَنِ اضْطُرَّ ۔ یعنی جو کوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہو رہا ہو۔ اور اسے حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ غَيْرَ بَاغٍ یعنی اس حرام جانور کو لذت و ذائقہ کے لئے نہ کھائے۔ وَلَا عَادٍ ۔ یعنی شدت گرسنگی کی اصل ضرورت سے زاید کھانے والا نہ ہو۔ ان سب فقروں پر حاشیہ پہلے گذر چکے۔ **۲۲۲** ذِي ظُفُرٍ ۔ ظفر کا اُردو ترجمہ ایک لفظ سے کرنا مشکل ہے۔ پرندوں میں تو اس میں کُل وہ پرند آجاتے ہیں، جن کے بجائے انگلیوں کے پنجے ہوتے ہیں۔ جیسے چیل، گدھ، باز، شکرا وغیرہ اور چرندوں میں وہ سارے جانور شامل ہیں جن کے سُم ہوتے ہیں۔ مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر، اُونٹ وغیرہ۔ وهو من البهائم والطير ما لم يكن مشقوق الاصابع (ابن جریر) قال عبد الله بن مسلم انه كل ذی مخلب من الطير وكل ذی حافر من الدواب ثم قال كذلك قال المفسرون (کبیر) قال مجاهد وقتادة

لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ

سُور کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل گندہ ہے[۲۱۹] یا جو فسق (کا ذبیحہ) ہو غیر اللہ کے لئے نامزد

بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ

کیا گیا[۲۲۰] لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے اور طالبِ لذت نہ ہو نہ حد سے تجاوز کرے، تو بیشک آپ کا

رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ

پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت[۲۲۱] والا ہے، اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے اُن پر ہم نے کھُر والے کُل جانور حرام

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا

کر دیئے تھے[۲۲۲] اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کی تھیں بجز اس

حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ

(چربی) کے جو اُن کی پشتوں پر یا اُن کی انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، یہ

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾ فَاِنْ

سزا دی تھی ہم نے اُن کو اُن کی شرارت پر اور ہم ہی یقیناً سچے ہیں[۲۲۳] سو اگر یہ

كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ

آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ اور اس کا

بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا[۲۲۴] جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے

اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

کہ اللہ اگر چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے، نہ ہمارے باپ دادا کرتے۔ اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے[۲۲۵]

ذی ظفر ما ليس بمنفرج الاصابع من البهائم والطير (قرطبی) قال ابن عباس وسعيد بن جبير وقتادة والسدی ومجاهد هو كل ما ليس بمفتوح الاصابع (جصاص) اَلَّذِيْنَ هَادُوْا ۔ یعنی جنہوں نے شریعتِ یہود کو قبول کیا تھا۔ موجودہ توریت محرف میں حلّت و حُرمت حیوانات کے احکام مقاماتِ ذیل میں ملیں گے۔ کتاب احبار باب ۱۱، کتاب استثناء باب ۱۴۔ **۲۲۳** (اور ہمارے اس بیان کے خلاف کوئی چیز اگر توریت محرف وغیرہ میں ملے تو وہ ہرگز قابلِ اعتنا نہیں) ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۔ یعنی ان چیزوں کی حُرمت فی نفسہٖ مقصود نہ تھی، بلکہ یہ حکم بطور سزا تھا، اور یہیں سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ حُرمتِ اشیاء کبھی کبھی گناہوں کے باعث بھی ہو جاتی ہے۔ وفی هذا دليل على ان التحريم انما يكون بذنب لانه ضيق (قرطبی) اَوِ الْحَوَايَآ ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ او ما حملت حواياهما والالف واللام بدل من الاضافة (قرطبی) **۲۲۴** (جب اس عذاب کا وقت حکمتِ الٰہی اور مصلحتِ تکوینی کے ماتحت آجاتا ہے) توریت وانجیل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ ۔ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ سیاق سے تو یہود ہی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ای اليهود كما قال مجاهد والسدی وهو الذی يقتضيه الظاهر (روح) الظاهر عود الضمير على اقرب مذكور وهم اليهود (بحر) لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اشارہ تمام مخالفین و معاندین کے حق میں جامع سمجھا جائے۔ اور یہود و مشرکین اور انکے اشباہ و امثال سب ہی مراد لئے جائیں۔ ای فان كذبوك يا محمد مخالفوك من المشركين واليهود ومن شابههم (ابن کثیر) فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ اور اسی رحمت وسیع کے اقتضاء سے وہ مہلت اور گنجائش بھی بہت زیادہ دیتا رہتا ہے۔ یہ جواب یہود کے اس اعتراض کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر سچے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟

۲۲۵ خلاصہ اہلِ شرک و ضلالت کے اس استدلال کا یہ ہے کہ خدا جب ہر چیز پر قادر ہے، اور باوجود قدرت اس نے ہمیں شرک و تحریم حلال سے طبعاً و تکویناً نہ روک دیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک و تحریم حلال اُسے ناپسند ہی نہیں بلکہ اس کی عین مرضی سے ہو رہے ہیں۔ مغالطہ استدلال کے اندر یہ ہے کہ مشیتِ تکوینی کو پسند و رضا کو مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ رضائے الٰہی تشریعی کا قانون دُوسرا ہے۔ اور مشیتِ الٰہی تکوینی کا دُوسرا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کار فرما ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی تصادم و تزاحم نہیں۔ قانونِ مشیت نے انسان کو آزادی ہر طرح کی دے رکھی ہے۔ انسان اپنے طریقِ عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ اپنے ارادہ کا مالک و مختار ہے۔ اچھی و بُری جو راہ چاہے، اپنی پسند و قصد سے اختیار کرے لیکن رضائے الٰہی کا حکم یہ ہے کہ وہ بدی کی راہ سے بچے۔ اور نیکی کی راہ پر چلے ——— بہ حیثیتِ خالق و قادرِ مطلق اُس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے اور بیماری کو بھی لیکن بہ حیثیت حاکم و آمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے اور زہر کا توڑ تریاق سے کیا جائے۔ جو کج فہم خدا کی قدرت اور اپنی مجبوری کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لئے حیلہ و آڑ بناتے ہیں، وہ آخر بیماری میں اپنا علاج کیوں کرتے ہیں؟ اور روحانیات کی طرح جسمانیات کے ہر آزار میں اپنے کو معذور و مجبور کیوں نہیں سمجھتے؟ اَلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۔ کا مفہوم قرآن مجید کی اصطلاح میں المشركين سے وسیع تر ہے۔ المشركين سے مراد مشرکینِ عرب ہی ہوتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے الذين اشركوا کے عموم میں ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کے اہلِ شرک داخل ہیں۔ سَيَقُوْلُ ۔ بطور پیشگوئی کے اور س مستقبل کیلئے ہے۔ اخبار من مستقبل (بیضاوی) اخبر الله عز وجل بالغيب عما سيقولون (قرطبی) معتزلہ نے یہ کہہ کر کہ شرک کا تابع مشیت ہونا موقعِ ذم میں وارد ہوا ہے، اپنے مسلک کی تائید اور تقویت آیت سے نکالنا چاہی ہے۔ حالانکہ اگر وہ مزید غور و تدبر سے کام لیتے تو ان پر ظاہر ہو جاتا کہ مذمت نفس اس عقیدہ کی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ اس کی ہو رہی ہے کہ مشرکین اس عقیدہ کی آڑ میں اپنے کو بری الذمہ اور بے قصور قرار دے رہے تھے اور مشیت اور شرک کے درمیان خلط کر رہے تھے۔

۲۱۶ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں فلاں حرام ہے) ۲۱۷ ابھی اوپر آچکا ہے۔ بعونی بعلم۔ یعنی کسی نبی الٰہی کی سند دعوے حرمت پر لاؤ، اب یہ سوال ہو رہا ہے کہ جب نبی کی سند نہیں پیش کر سکتے ہو تو
کیا حق تعالیٰ نے براہِ راست تم کو مخاطب کرکے ان ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ بھٰذا۔ یعنی تمہارے قول و زعم کے مطابق اس تحلیل و تحریم کا حکم۔ مِنَ الْبَقَرِ۔ بقر ہی کے تحت میں بھینس بھی آجاتی ہے۔
اصولیین نے آیت سے تحقیق میں مناظرہ کا حکم نکالا ہے چنانچہ یہاں پیمبرؐ کو مخالفین سے مناظرہ کا حکم مل رہا ہے اور آیت سے قیاس و استنباط کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ قال العلماء الاٰیۃ دلت علیٰ اثبات
المناظرۃ فی العلم لان اللہ تعالیٰ امر نبیہ علیہ السلام بان یناظرھم و یبین لھم فساد قولھم وفیھا اثبات القول بالنظر والقیاس (قرطبی) ۲۱۸ یعنی ایسے لوگوں کو جو افترا علی اللہ میں دلیر ہوں۔ رجفن
افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ اور ایک بڑا افتراء علی اللہ یہی ہے کہ تحلیل و تحریم ماکولات کا مسئلہ بندہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور اسے خدائی تعلیم سمجھے۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ اس کا نحوی تعلق افترٰی علی اللہ سے ہے یعنی بغیر علم

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو، یا اُس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں اپنے رحم میں لئے ہوئے
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِىْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ
ہیں مجھے بتلاؤ تو دلیل کے ساتھ اگر تم سچے ہو ۲۱۶ اور
مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ
(اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی) آپ کہیئے کہ (اللہ نے) آیا دونوں
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
نروں کو حرام کیا ہے، یا دونوں ماداؤں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادہ اپنے رحموں میں لئے ہوئے
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ
ہیں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا ۲۱۷ تو اس سے
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ
بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے بغیر علم کے، تاکہ لوگوں کو
بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ۱۷/۴
گمراہ کرے ۲۱۸ اللہ تو ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا
قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِىْ مَاۤ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ
آپ کہہ دیجئے مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا کسی کھانے والے
يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ
کے لئے جو اُسے کھائے سوا اُس کے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون یا

حاصل رکھے ہوئے کہ اس کی حرمت خدائے تعالیٰ کے یہاں سے ہوئی ہے، اسے اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہرا تا ہے۔ ای افترٰی علیہ سبحانہ جاھلاً بصدور التحریم عنہ جل شانہ (روح) بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید محض بے علم و تحقیق تحریم اشیاء کر دینے والوں کو ظالم ترین (ومن اظلم ممن افترٰی) ٹھہرا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان مجرموں کا کیا درجہ ہوگا جو عدم علم و بے تحقیقی کے ساتھ نہیں، بلکہ دانستہ تحریف کی جسارت کے ساتھ تحلیل حرام یا تحریم حلال کرتے رہتے ہیں۔ فان من افترٰی علیہ سبحانہ بغیر علم بصدور ذلک عنہ جل جلالہ مع احتمال صدورہ اذا کان فی تلک الغایۃ من الظلم فما الظن ممن افترٰی وھو یعلم عدم الصدور (روح) ۲۱۹ (اور اسی لئے اس کے گوشت کے علاوہ بھی دوسرے اجزاء مثلاً کھال، چربی وغیرہ نجس اور حرام ہیں) فَاِنَّهٗ میں ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ ای اللحم او الخنزیر لانہ الاقرب ذکرًا (روح) واستدل الشافعیۃ بقولہ سبحانہ فانہ رجس علیٰ نجاسۃ الخنزیر بناء علیٰ عود الضمیر علی خنزیر لانہ اقرب مذکور (روح) اذا احتمل الضمیر العود علیٰ شیئین کان عودہ علی الاقرب ارجح (بحر) فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ۔ یعنی ان جانوروں کے سلسلہ میں جو وحی مجھ پر آئی ہے، جن کی حلت و حرمت پر یہاں گفتگو ہو رہی ہے، یہاں جن حرام چیزوں کا حصر کیا گیا ہے، ان سے مُراد یہی ہے کہ تم اور چیزوں کو اپنی رائے و تجویز سے کہاں سے حرام ٹھہرائے لیتے ہو۔ وحی الٰہی نے تو ابھی تک حرام تو بس یہی چیزیں کی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ کل محرمات کی یہ مکمل فہرست ہے، آیت مکّی ہے اس سے زیادہ چیزیں تو مدنی سورۂ مائدہ ہی میں مل جائینگی۔ شراب اور گردن مروڑا ہوا جانور وغیرہ اور متعدد جانوروں کی حرمت جو حدیث میں آئی ہے وہ اس کے علاوہ۔ والمعنٰی قل یا محمد لا اجد فی ما اوحی الی محرما الا ھذہ الاشیاء لا ما تحرمونہ بشھوتکم والاٰیۃ مکیۃ ولم یکن فی الشریعۃ فی ذلک الوقت محرم غیر ھذہ الاشیاء ثم نزلت سورۃ المائدۃ بالمدینۃ وزید فی المحرمات کالمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ والخمر وغیر ذلک وحرم رسول اللہ صلعم بالمدینۃ اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر (قرطبی) ھذہ الاٰیۃ مکیۃ وکل محرم حرمہ رسول اللہ صلعم او جاء فی الکتاب مضموم الیھا فھو زیادۃ حکم من اللہ عزوجل علیٰ لسان نبیہ علیہ السلام ونظیرہ نکاح المرأۃ علیٰ عمتھا وعلیٰ خالتھا مع قولہ واحل لکم ما وراء ذلکم وکحکمہ بالیمین مع الشاھد مع قولہ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (قرطبی) علیٰ ھذا اکثر اھل العلم من النظر واھل الفقہ والاثر (قرطبی) ذلک مخصوص بالاتفاق لاتفاق الجمیع من الفقہاء علیٰ تحریم اشیاء غیر مذکورۃ فی الاٰیۃ کالخمر ولحم القردۃ والنجاسات وغیرھا (جصاص) فیہ ایذان بان طریق التحریم لیس الا التنصیص من اللہ تعالیٰ دون التشھی والھوٰی (روح) عَلٰی طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ عام ہے ہر کھانے والے کے لئے۔ مرد، عورت، کوئی بھی ہو۔ ای طاعم کان من ذکر او انثٰی ردًّا علیٰ قولھم محرم علیٰ ازواجنا (روح) مَيْتَةً دم مسفوح۔ لحم خنزیر سب پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ میں گزر چکے۔ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ یعنی سؤر چونکہ نجس ہے اس لئے حرام ہے۔ اس ذرا سے فقرہ سے ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی یعنی نجاست کا سبب حرمت ہونا نص قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ تو اب جہاں جہاں نجاست پائی جائیگی۔ وہاں حرمت کا حکم بھی نص قرآنی ہی کے ماتحت لگا دیا جائیگا۔ فھذا یقتضی ان النجاسۃ علۃ لتحریم الاکل فوجب ان یکون کل نجس یحرم اکلہ (کبیر)

ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ
قوم کی نسل سے ١٩٨ وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بیشک آکر رہے گا، اور تم

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
(اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ١٩٩ آپ کہدیجئے اے میری قوم والو عمل کرتے رہو اپنے طریقہ پر میں (اپنے طور پر)

عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ
عمل کر رہا ہوں عنقریب ہی تم کو معلوم ہو جائیگا کہ انجام کار کس کے حق میں (نافع) ہے یقیناً

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ
ظالموں کو فلاح نہیں ہونے کی ٢٠٠ اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ)

الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ
ہی نے پیدا کئے ہیں کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے ٢٠١ اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى
کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا، اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا

اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا
نہیں اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ اُن کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا کیسی بُری ہے

يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ان کی تجویز ٢٠٢ اور اسی طرح ان کے دیوتاؤں نے بہت سے مشرکوں کی نظر میں اُن کی

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا
اولاد کے قتل کو خوشنما بنا رکھا ہے ٢٠٣ جس سے وہ انہیں برباد کر ڈالیں اور اُن کے

ف١٩٨ یعنی جس طرح پُرانی نسلیں معدوم ہوگئیں، اور ان کی جگہ اب تم ہو، اسی طرح اللہ اگر چاہے تو یک بیک تم سب کو فنا کر کے ایک نئی نسل انسانی اُٹھا کھڑی کرے۔ یُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہیں ہلاک کر دے اذھاب یہاں اہلاک کے معنی میں ہے۔ اماتت بھی مُراد لی گئی ہے۔ الاقرب ان المراد به الاهلاك ويحتمل الاماتة۔ ایضاً (کبیر) خطاب رسول اللہ صلعم کے منکرین معاصرین سے ہے۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ یعنی تمہاری ہلاکت کے بعد۔ یعنی من بعد اذھابکم (کبیر) ف١٩٩ (اپنے کسی حیلہ وتدبیر سے) یعنی یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ تم اللہ کے ہاتھ نہ آؤ۔ مَا تُوْعَدُوْنَ یعنی وعدۂ قیامت و وعدۂ عذاب۔ ف٢٠٠ (نہ آخرت میں اور نہ دنیا میں آخرکار) قُلْ۔ اس پیام کا حکم رسول اللہ صلعم کو بطور اتمام حجت کے مل رہا ہے۔ اور مقصود اس سے تہدید ہے۔ مقصود ان لوگوں کو ان کی گمراہی میں قائم وثابت رہنے کی اجازت نہیں۔ ھذا تھدید شدید ووعید اکید (ابن کثیر) ھی تفویض الامر الیھم علیٰ سبیل التھدید (کبیر) والتھدید بصیغة الامر مبالغة فی الوعید (بیضاوی) مَكَانَة کے معنی طور وطریقہ کے ہیں۔ المکانة الطریقة (قرطبی) الظّٰلِمُوْنَ۔ اور سب سے بڑھ کر ظالم وہی کافر ومشرک ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں سراسر ناانصافی کر رہے ہیں۔ ف٢٠١ جاہلیت عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار وغیرہ میں سے ایک حصہ بطور خیر وخیرات الگ نکال رکھتے اس میں ایک جزو اللہ تعالیٰ کے نام کا رکھتے۔ اور اسے مسافروں، مسکینوں مہمانوں پر خرچ کرتے، اور ایک جزو اپنے دیوتاؤں کے لئے نامزد کر دیتے؛ اُسے مجاوروں، پنڈتوں، پروہتوں کے ذریعہ مندروں میں بتوں اور مورتیوں پر چڑھاتے۔ اصولی اور نظری حیثیت سے تو یہی تقسیم تھی لیکن عملاً یہ بھی تھا کہ دونوں حصوں میں اگر اتفاق سے کچھ خلط ہو جاتا تو کُل کا کُل دیوتاؤں ہی کے لئے چڑھاوے پر منتقل کر دیتے یا اگر یہ دیکھتے کہ عمدہ مال اللہ والے حصہ میں چلا جا رہا ہے، جب بھی اُسے دیوتاؤں کی طرف کر دیتے ——— یہاں اُن کی اس دہری، دوہری حماقت پر توجہ دلائی ہے۔ صرفوا من مالھم طائفة الی اللہ بزعمھم وطائفة الی اصنامھم قالہ ابن عباس والحسن ومجاھد وقتادة (قرطبی) جَعَلُوْا۔ کے فاعل وہی مشرکین عرب ہیں۔ اور جعلوا للہ نصیبًا کے معنی یہ ہیں کہ ایک حصہ خدا کے لئے کر دیا اور ایک حصہ اپنے دیوتاؤں کے لئے۔ قال الزجاج وتقدیر الکلام جعلوا للہ نصیبًا ولشرکاءھم نصیبًا ودلّ علیٰ ھذا المحذوف تفصیله القسمین فی ما بعد (کبیر) ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ میں اشارہ کر دیا کہ نباتات ہوں یا حیوانات، بہرحال جو کچھ بھی وہ اپنے دیوتاؤں کی نذر کر رہے ہیں اُن میں سے کوئی چیز بھی تو دیوی دیوتاؤں کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔ ف٢٠٢ ایک تو نفس تقسیم ہی اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان کیسی حماقت وجہالت اور پھر اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی حماقت در حماقت!

ف٢٠٣ (چنانچہ یہ احمق مشرکین ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے دھڑا دھڑ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتارتے جاتے ہیں!) مفسرین کا خیال آیت کے الفاظ سے عرب جاہلی کی رسم دخترکشی کی طرف گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اشارہ دخترکشی کی جانب نہیں، بلکہ عام اولادکشی کی جانب ہے ——— غریب مفسرین کو کیا خبر کہ بڑی بڑی "مہذب وشائستہ" لیکن جاہلی ومشرک قوموں میں کیسی کیسی ظالمانہ وحشیانہ رسمیں موجود رہ چکی ہیں! اولاد کو دیوتاؤں کے استھانوں پر بے تکلف بھینٹ چڑھا دینے کا دستور سامی قوموں میں عام رہا ہے اور خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کے آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انہیں نگل لیں۔ اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے! تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ شُرَكَآؤُهُمْ۔ شرکاء سے مُراد پہلی نظر میں ان کے دیوتا اور معبودانِ باطل معلوم ہوتے ہیں کہ انہی کا خیال ان مشرکوں کو اس طرف لاتا تھا۔ بعض نے اس کے معنی شیاطین کے کئے ہیں۔ قیل ھم الشیاطین وسمی الشیاطین شرکاء لانھم اطاعوھم فی معصیة اللہ فاشرکوھم مع اللہ فی وجوب طاعتھم (قرطبی) قال مجاھد شرکاءھم شیاطینھم وسمیت الشیاطین شرکاء لانھم اطاعوھم فی معصیة اللہ تعالیٰ (کبیر) بعض اہلِ تحقیق نے صاف اس سے مُراد مندروں کے پجاریوں، پروہتوں سے لی ہے۔ قال الفراء والزجاج شرکاءھم ھھنا ھم الذین کانوا یخدمون الاوثان (قرطبی) وقال الکلبی کان لآلھتھم سدنة وخدام وھم الذین کانوا یزینون للکفار قتل اولادھم وعلیٰ ھذا القول الشرکاء ھم السدنة (کبیر)

۱۹۲ یعنی ٹھیک ٹھیک بدلہ ان کے اعمال کا ہوگا۔ کوئی ظلم وزیادتی ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔ ارواح میں باہم مشابہت وہم جنسی ہوتی ہے خبیث روحیں جن وانس کی ایک جگہ رہیں گی۔ اور طاہر روحیں جن وانس کی یکجا۔ لان الجنسیة علة الضم فالارواح الخبيثة تنضم الى ما يشاكلها في الخبث (کبیر) كَذٰلِكَ یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے علاقۂ قرب وولایت تھا۔ فنولهم في العذاب كما كانوا في الدنيا (بیضاوی) نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا۔ میں نولی کے معنی "ہم مسلط کردیں گے" کے بھی کئے گئے ہیں۔ قال ابن زيد نسلط ظلمة الجن على ظلمة الانس (قرطبی) اور بعض محققین نے کہا ہے کہ ظلم کے تحت میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے۔ خواہ چوری کے ذریعہ سے ہو یا تاجرانہ دغابازی سے یا اور کسی طریقہ سے۔ يدخل في الآية جميع من يظلم او ظلم الرعية او التاجر يظلم الناس في تجارته او السارق وغيرهم (قرطبی) مزید استنباط یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم ہی مسلط کردیا جاتا ہے۔ الآية تدل على ان الرعية متى كانوا ظالمين فان الله تعالى يسلط عليهم ظالمًا مثلهم (کبیر) بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ بنیاد اس تولیت یا تسلط کی وہی ہم جنسی ہوگی۔ ای بسبب كون ذلك البعض مكتسبًا للظلم والمراد منه ما بينا ان الجنسية علة للضم (کبیر) ۱۹۳ (اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ بیشک ہمارے پاس کوئی عذر وجواب نہیں) یہ مخاطبہ قیامت میں ہوگا۔ اور سوال ظاہر ہے کہ مزید توبیخ کے لئے ہوگا۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ معشر کے معنی اس جماعت کے ہیں جو حکم واحد میں ہو، اور انکے افراد کے درمیان معاشرت ومخالطت ہو۔ قال اهل اللغة المعشر كل جماعة امرهم واحد ويحصل بينهم معاشرة ومخالطة (کبیر) رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ نے ایک بڑی بحث یہ پیدا کردی ہے کہ آیا جنات کے درمیان بھی سلسلۂ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعی سے سوال کا جواب اثبات میں نقل ہوا ہے۔ ان سے

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے بسبب اُن اعمال کے جو وہ کرتے رہتے تھے ۱۹۲ اے جماعت

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

جن وانس کیا تمہارے پاس تمہی میں سے پیمبر نہیں آئے تھے (جو) میرے احکام تمہیں سُناتے تھے اور تمہیں اسی

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

آج کے دن کے وقوع سے ڈرایا کرتے تھے بولیں گے (بیشک) ہم

شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا

اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں ۱۹۳ ان کو (آج) دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ

خلاف خود گواہی دیں گے کہ بیشک ہم کافر رہے ۱۹۴ یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا پروردگار

رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ

بستیوں کو ظلم کے پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کردیتا کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہوں ۱۹۵ اور

لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

ہر ایک کے لئے درجے ہیں جیسے اُس نے عمل کئے ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں آپ کا پروردگار اس

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

سے بے خبر نہیں ۱۹۶ اور آپ کا پروردگار غنی ہے صاحب رحمت ہے ۱۹۷ وہ چاہے تو تم (سب) کو اُٹھالے اور

وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لا بسائے جس طرح تم کو پیدا کردیا ایک دوسری

کسی نے سوال کیا کہ آیا ہمارے رسولؐ سے قبل جنات میں بھی نبی گزرے ہیں؟ انہوں نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا۔ یعنی بذلك رسلًا من الجن ورسلًا من الانس (ابن جریر۔ عن الضحاک) ایک اور قول بھی اس مضمون کا نقل ہوا ہے کہ جن وانس کے درمیان پیمبر انہی کے ہمجنس آتے رہے ہیں۔ وتعلق بظاهرة قوم وقالوا بعث الى كل من الثقلين رسل من جنسهم (بیضاوی) وعليه ظاهر النص (مدارک) لیکن اکابر کا بڑا گروہ اس جانب گیا ہے کہ منکم سے مراد مجموعۂ جن وانس ہے نہ کہ دونوں فریق فردًا فردًا۔ والرسل من احد الفريقين كما قال مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ثم قال يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وانما معنى ذلك يخرج من بعضهما او من احدهما (ابن جریر) فمعنى "منكم" اى من احدكم (قرطبی) اور جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاء صرف انسانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ جنات میں صرف ان کے نائب یا نذیر ہوتے رہے ہیں۔ لم يرسل منهم اليهم رسول ولم يكن له من الجن قط رسول مرسل وانما الرسل من الانس خاصة فاما من الجن فالنذر (ابن جریر) ومعنى منكم في الخلق والتكليف والمخاطبة ولما كانت الجن ممن يخاطب ويعقل قال منكم وان كانت الرسل من الانس وغلب الانس في الخطاب كما يغلب المذكر على المؤنث (قرطبی) الرسل من الانس خاصة لكن لما جمعوا مع الجن في الخطاب صح ذلك (بیضاوی) قال مجاهد الرسل من الانس والنذر من الجن (معالم) الرسل من الانس خاصة وانما قيل رسل منكم لانه لما جمع الثقلين في الخطاب صح ذلك وان كان من احدهما (مدارک) اى من جملتكم والرسل من الانس فقط وليس من الجن رسل كما قد نص على ذلك مجاهد وابن جريج وغير واحد من الائمة من السلف والخلف (ابن کثیر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں اور نہ اس پر کوئی حجت قطعی قائم ہے۔ القول الثاني وهو قول الاكثرين انه ما كان من الجن رسول البتة وانما كان الرسل من الانس وما رأيت في تقرير هذا القول حجة الا ادعاء الاجماع وهو بعيد لانه كيف ينعقد الاجماع مع حصول الاختلاف (کبیر) اس نامہ سیاہ کے خیال میں آتا ہے کہ رسل کو اگر محض لفظی وسیع معنی میں لیا جائے، اور مخصوص اصطلاحی معنی نہ سمجھے جائیں تو کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ جو کوئی بھی پیام ہدایت پھیلائے لفظی معنی میں وہی رسول ہے۔ اور اس معنی میں ہر عالم، ہر مبلغ، ہر نائب رسول، رسول ہی ہے، اور جنات میں ان کے مبعوث ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ اٰيٰتِيْ۔ اٰيات کا لفظ یہاں عام ہے۔ احکام، کتب الٰہی، سب پر شامل۔

۱۹۴ (دنیا میں) شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ یہ اپنے خلاف گواہی منکرین قیامت میں دینگے۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یہاں یہ بتادیا کہ دنیوی لذتوں کو مقصودِ اعظم سمجھ کر، ان میں منہمک ہوجانا یہی راز ہے آخرت سے غفلت اور کفر کا۔ آج دنیا میں جتنے ملحد افراد یا ملحد جماعتیں ہیں، غور کرکے دیکھ لیا جائے، سب کے کفر والحاد کی تہ میں کوئی نہ کوئی مادی انہماک ہی نکلے گا۔ ۱۹۵ یہاں یہ صراحت کردی ہے کہ یہ پیمبروں کا بھیجنا تو اسی لئے ہوتا ہے کہ منکروں پر خوب اتمام حجت ہوجائے۔ ان میں تبلیغ عقائد پوری طرح ہوجائے۔ کیوں کہ ان مراتب کے پورے ہوئے بغیر، منکروں اور بدمذہبوں کو بے خبری میں پکڑ لینا سُنتِ الٰہی ہے بھی نہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا۔ اشارة الى ما تقدم من بعثة الرسل اليهم (مدارک) اشارة الى ارسال الرسل (بیضاوی) مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ۔ یہاں یہ سنتِ الٰہی بیان کردی کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی گرفت بے خبری میں اور بلا اتمام حجت نہیں کی جاتی۔ وَاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ احکام الٰہی سے بے خبر ہوں۔ ۱۹۶ وہاں تو ایک ایک کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ کی پوری رُوداد موجود ہے اُسے سب کو ان کے مناسب حال جزا وسزا دینا مشکل کیا ہے؟ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ درجے ہیں جزا وسزا کے۔ اى لكل عامل بطاعة درجات في الثواب ولكل عامل بمعصية دركات في العقاب (قرطبی) ۱۹۷ صفت غنا لاکر یہ یاد دلادیا کہ وہ جو بار بار پیمبر بھیجتا رہا ہے تو کچھ اس لئے نہیں کہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج ومتمنی ہے۔ یہ تو مشرکوں ہی کے دیوتا ہوتے ہیں جو اپنے پُجاریوں کی پُوجا پاٹ کے محتاج رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احتیاج وشائبہ احتیاج سے پاک ہے۔ اور صفت رحمت لاکر یہ یاد دلادیا کہ اس کا یہ بار بار پیمبروں کو بھیجتے رہنا اسی رحمت کے تقاضہ سے ہے۔ تاکہ بندے مرضیاتِ الٰہی سے آگاہ وباخبر ہوکر دنیا میں نفع زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے رہیں۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ۔ کی ترکیب حصر کے معنی پیدا کر رہی ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ غنی بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ اور صاحب رحمت بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ وعلم ان قوله وربك الغني ذو الرحمة يفيد الحصر (کبیر) فثبت انه لا غني الا هو وثبت انه لا رحيم الا هو (کبیر) امام المفسرین امام رازیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے ذیل میں مذہب اہل سنت اور مسلک معتزلہ پر بحث کرکے آخر میں اپنے والد ماجد کے حوالہ سے شیخ ابو القاسم سلیمان بن ناصر انصاری کا یہ بالکل صحیح فیصلہ نقل کیا ہے کہ اہل سنت کی نظر حق تعالیٰ کی قدرت ومشیت پر زیادہ رہتی ہے اور معتزلہ کی نظر تنزیہ وصفت عدل پر۔ اور دونوں کی تشفی وتوقع اجر کے لئے یہی کلمہ وربك الغني ذو الرحمة کافی ہے۔ اعلم بان الكل لا يجادلون الا التقديس والتعظيم وسمعت الشيخ الامام الوالد ضياء الدين عمر بن الحسين قال سمعت الشيخ ابا القاسم سليمان بن ناصر الانصاري يقول نظر اهل السنة على تعظيم الله في جانب القدرة ونفاذ المشيئة ونظر المعتزلة على تعظيم الله في جانب العدل والبراءة عن فعل ما لا ينبغي. فاذا تاملت علمت ان احدًا لم يصف الله الا بالتعظيم والاجلال والتقديس والتنزيه ولكن منهم من اصاب ومنهم من اخطأ ورجاء الكل متعلق بهذه الكلمة وهي قوله وربك الغني ذو الرحمة (کبیر)

۱۸۴ (اور چڑھنہ پاتا ہو، تو ظاہر ہے کہ اُسے کس درجہ میں مشقت اٹھانی پڑ رہی ہوگی۔ اور اُس کی سانس کیسی پھول رہی ہوگی) تشبیہ سے مقصود اس تکلیف شدید کا اظہار ہے جو کافر کو ایمان لانے کے خیال سے ہوتی ہے۔ شبہ الله
الکافر فی نفوره من الایمان وثقله علیه بمنزلة من تکلف مالا یطیقه کما ان صعود السماء لا یطاق (قرطبی) کانما یزاول امرا غیر ممکن لان صعود السماء مثل فی ما یمتنع ویبعد من الاستطاعة
وتضیق عنه المقدرة (کشاف) والمراد المبالغة فی ضیق صدره (روح) وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ۔ یہ ارادہ الٰہی بھی مشیّت تکوینی و تقدیری کے معنی میں ہے۔ رضاء الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے
فرمایا کہ آیت سے اصل نکل آئی صوفیہ محققین کے اصطلاحات بسط و قبض عقلی کی۔ ۱۸۵ یہاں بھی فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے یا محض بطور سبب الاسباب کے ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کے ارادیٔ کفر
و شرارت کے ثمرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور انہیں راہِ ہدایت کی توفیق ہی نہیں نصیب ہوتی۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگیٔ صدر محسوس کرتا ہے۔ کجعله ضیق الصدر فی اجسادهم (قرطبی)
الرِّجْسَ۔ رجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں۔ یہاں مُراد ہے محرومی، بے توفیقی۔ یعنی الخذلان ومنع التوفیق (کشاف) ۱۸۶ (اے مخاطب) هٰذَا یعنی دینِ اسلام۔ ای هٰذا الذی انت علیه یا محمد والمومنون (قرطبی)

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ
سینہ کو وہ تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو ۱۸۴ اس طرح اللہ
اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ
گندگی ڈالے رکھتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ۱۸۵ اور یہی تیرے پروردگار کا
رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾
سیدھا راستہ ہے ۱۸۶ ہم نے آیتوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا
کرتے ہیں ۱۸۷ ان کے واسطے سلامتی کا گھر ہے انکے پروردگار کے پاس اور وہی اُن کا دوست ہے
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ
بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ۱۸۸ اور وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سب کو جمع کریگا
اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ
(اور کہا جائیگا) اے جماعتِ جنات تم نے بڑا حصہ لیا انسانوں (کی گمراہی) میں ۱۸۹ اور انسانوں میں سے اُنکے
الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا
دوست (بھی) کہینگے اے ہمارے پروردگار (واقعی) ہم نے ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنے
الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اپنی میعادِ معین تک جو تُونے ہمارے لئے معین کی تھی ۱۹۰ (اللہ) فرمائیگا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اس میں (ہمیشہ کو)
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ
رہوگے سوا اسکے کہ اللہ ہی (نکالنا) چاہے، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے بڑا علم والا ہے ۱۹۱ اور اسی طرح

اشارة الی البیان الذی جاء به القرآن او الی الاسلام (بیضاوی) مُسْتَقِيْمًا تاکید کے لئے ہے ورنہ صراطِ رب تو ظاہر ہے کہ مستقیم ہی ہوگی۔ یہ تاکید ایسی ہے جیسے حق کے ساتھ مُصدِّق قرآن میں آتا ہے۔ وهو حال مؤکدة کقوله وهو الحق مصدقا (بیضاوی) ۱۸۷ آیتیں مفصل ہیں تو سب ہی کے لئے۔ البتہ نفع ان سے وہی لوگ حاصل کریں گے۔ جن کے دلوں میں نصیحت و ہدایت کی طلب ہے۔ ۱۸۸ اللہ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقہ قرب و ولایت ہے۔ یہ ان بندوں کے حسنِ عمل کا نتیجہ ہے۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ۔ ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ اور اسی سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بندگانِ صالح کا انتہائی شرف ظاہر ہو رہا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور ولیهم بندوں سے اللہ کی قربت کا مظہر۔ والولی معناه القریب فقوله عند ربهم یدل علی قربهم من الله تعالیٰ وقوله هو ولیهم یدل علی قرب الله منهم ولا نزی فی العقل درجة للعبد اعلیٰ من هٰذه الدرجة (کبیر) هُوَ وَلِيُّهُمْ کی ترکیب حصر پر بھی دلالت کر رہی ہے یعنی اللہ ہی اس کا دوست و کارساز ہے۔ نہ کوئی اور۔ یفید الحصر ای لا ولی لهم الا هو (کبیر) بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبہ طاعاتِ الٰہی اعمال ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ترکِ اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ دَارُ السَّلٰمِ یعنی دار السلامة وہ مکان جو ہر قسم کے آفات سے محفوظ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ جنت ہے۔ ای التی یسلم فیها من الآفات (قرطبی) المعنی دار السلامة والعرب تلحق هٰذه الهاء فی کثیر من المصادر وتحذفها۔ یعنی ای دار السلامة من المکاره (بیضاوی) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ کی ترکیب حصر کے لئے ہے یعنی سلامتی کا ٹھکانا ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ نہ کہ دوسروں کے لئے۔ هٰذا یوجب الحصر فمعناه لهم دار السلام لا لغیرهم (کبیر) ۱۸۹ یعنی انسانوں کو خوب بہکایا۔ ای من الاستمتاع بالانس (قرطبی) قد استکثرتم من الدعاء الی الضلال (کبیر) ای من اغوائهم واضلالهم (بیضاوی) يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا سارے خلائق کے حشر کئے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ المراد حشر جمیع الخلق فی موقف القیامة (قرطبی) الضمیر یعود الی المعلوم لا الی المذکور وهو الثقلان وجمیع المکلفین الذین علم ان الله یبعثهم (کبیر) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ۔ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ فیقال لهم یٰمعشر الجن۔ یہ صیغۂ مجہول اس لئے کہ یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے براہِ راست کلام کرے۔ قال الزجاج التقدیر فیقال لهم یا معشر الجن لانه یبعد ان یتکلم الله تعالیٰ بنفسه مع الکفار (کبیر) ۱۹۰ یعنی قیامت آگئی، اور ہم نے شیطانی وعدوں کا جھوٹ مشاہدہ کر لیا۔ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ۔ یعنی وہ انسان جو اس دنیا میں ان شیاطین جن سے دوستی کا علاقہ رکھتے تھے، اور اُن کی باتوں میں آجایا کرتے تھے۔ حصل من الجن بالدعاء ومن الانس القبول والمشارکة حاصلة بین الفریقین (کبیر) ای الذین اطاعوهم (بیضاوی) اِسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ۔ چنانچہ ایک طرف گمراہ انسانوں کو اپنے ان عقائد کفر و شرک میں لذت ملتی ہے۔ دوسری طرف ان شیطانوں کو اس میں مزا آتا ہے کہ ہمارا جادو خوب چلا۔ ای انتفع الانس بالجن بان دلوهم علی الشهوات وما یتوصل به الیها و الجن بالانس بان اطاعوهم وحصلوا مرادهم (بیضاوی) ۱۹۱ (اس کے یہاں نہ کوئی سزا نامناسب وغیر حکیمانہ ہو سکتی ہے نہ کسی مجرم کا جرم اس کے علم سے باہر رہ سکتا ہے) مَثْوٰىكُمْ۔ اس مخاطبہ میں کفار جن و انس ہر قسم کے کفار شامل ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی ہی سب سے برتر اور آخری قانون ہے۔ وہی سب پر حاکم و غالب ہے اور مشیتِ الٰہی کسی دوسرے قانون کی پابند و محکوم نہیں۔ ماشاء الله میں ما کو مَنْ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور الا سے استثناء اہلِ ایمان کا کیا گیا ہے۔ قال ابن عباس والاستثناء لاهل الایمان فما علیٰ هٰذا بمعنی مَنْ (قرطبی) اور اس تقدیر پر توقف ہر مرنے والے کے بارے میں کیا جائیگا کہ ممکن ہے کہ اس کافر کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہو۔ عن ابن عباس انه قال هٰذه الآیة توجب الوقف فی جمیع الکفار ومعنیٰ ذٰلك انها توجب الوقف فی من لم یمت اذ قد یسلم (قرطبی)

والی وہ اطاعت ہے جو عقیدۃً قلب کے ساتھ ہو ورنہ محض عملی تقلید درجۂ معصیت تک رہے گی۔ منزلِ کفر تک نہ پہنچائے گی انما یکون المومن بطاعۃ للمشرک مشرکاً اذا اطاعہ فی الاعتقاد وان اطاعہ فی العمل وعقدہ سلیم مستمر
علی التوحید والتصدیق فھو عاص (ابن العربی) آیت سے یہ بھی نکالا گیا ہے کہ ایمان کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے جس طرح شرک کے مفہوم میں ہر مخالفت امرِ الٰہی داخل ہے۔ قال الکلبی الآیۃ حجۃ علی ان الایمان اسم لجمیع
الطاعات کما جعل تعالیٰ الشرک اسمًا لکل ما کان مخالفًا لله تعالیٰ (کبیر) ۱۷۶ یعنی وہ مومن جسے کفر سے نجات مل گئی ہے اور کافر جو کفر کے اندھیروں میں پڑا ہے کہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ التفسیر المأثور
عن ابن عباسؓ ان المراد بالمیت الکافر الضالُّ وبالاحیاء الھدایۃُ وبالنور القرآنُ وبالظلمات الکفرُ والضلالۃُ (روح) وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ یعنی وہ نورِ ایمان ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور وہ اسے
تمام گمراہیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ای اماناً یھتدی بہ سُبل الخیر والنجاۃ (ابن قتیبہ) فِي الظُّلُمٰتِ۔ مراد وہ شخص ہے جو کفر کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ای فی الکفر (ابن قتیبہ) ای الجھالات والاھواء والضلالات
المتعرفۃ (ابن کثیر) نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے۔ النور عبارۃ عن الھدیٰ والایمان (قرطبی) یمشی بہ ای بالنور (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صوفیۂ عارفین کے یہاں
معرفت طریقِ حق کو جو نور سے تعبیر کرتے ہیں اس کی سند اس آیت سے مل جاتی ہے۔

۱۷۷ اس عالمِ ابتلاء کے قیام و بقاء کا تو سارا راز ہی اس کی ظاہری خوشنمائی میں ہے۔ ہر کفر ہر نافرمانی میں اگر کوئی نہ کوئی لگاؤ، ظاہری لذت یا عارضی راحت کا نہ ہو، تو دنیا کا کوئی بھی انسان اس راہ کو اختیار ہی کیوں کرے۔ كَذٰلِكَ یعنی جس طرح مومن نورِ ایمان سے حیاتِ تازہ پا جاتا ہے۔ کافر اسی طرح اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے۔ الاشارۃ بذلک الی احیاء المومن (بحر)

۱۷۸ یہ سرکش مجرمین جتنے چالاک بھی ہوں بہرحال دانا و صاحبِ فہم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید چالاکی اور دانائی کے اس فرق کو بار بار واضح کرتا جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح آج سردارانِ مکہ آپؐ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے اور منصوبہ باندھ رہے ہیں۔ یعنی وکما جعلنا فی مکۃ صنادیدھا لیمکروا فیھا (کشاف) جَعَلْنَا۔ میں فعل کی نسبت اپنی جانب حق تعالیٰ نے محض علت العلل تکوینی کی حیثیت سے کی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رضا بھی اس میں شامل ہے۔ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا۔ ذکر پرانی اُمتوں کا ہو رہا ہے کہ ان میں بھی اول اول رئیسوں اور سرداروں ہی نے پیمبرانہ تحریکِ اصلاح کی مخالفت میں قدم اٹھایا اور قرآن مجید اس کی تصریح بار بار کرتا ہے۔ خص الاکابر لانھم ھم الحاملون علی الضلال و الماکرون بالناس (کشاف) لانھم لاجل ریاستھم اقدر علی الغدر والمکر وترویج الاباطیل علی الناس من غیرھم (کبیر عن الزجاج) لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ یعنی وہ چالیں پیمبروں کی مخالفت میں اپنے ملک میں چلیں گے جن سے ان کا مستحقِ سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے گا۔ ل۔ لامِ عاقبت کا ہے یعنی اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ قیل لام العاقبۃ والصیرورۃ (بحر) وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی ان چالوں کا وبال آخرکار خود انہی پر پڑتا ہے۔ ای وبال مکرھم راجع الیھم (قرطبی) لان مکرھم یحیق بھم (کشاف)

۱۷۹ (اور وہ تصدیقِ نبوت کے لئے بالکل کافی ہوتا ہے) اٰيَةٌ کے معنی آیتِ تکوینی یا معجزہ بالکل ظاہر ہیں۔ بعض نے مراد آیتِ قرآنی بھی لی ہے۔

۱۸۰ یعنی معجزاتِ مادی یا مرتبۂ مخاطبۂ الٰہی۔ فرطِ جہالت و غباوت سے کافروں کے بعض سرغنہ کہتے تھے کہ ہم تو ایمان جب لائیں گے جب ہم خود مرتبۂ نبوت پر فائز کر دیئے جائیں۔ اور فرشتوں کو ہم دیکھنے لگیں اور معجزات ہم سے بھی صادر ہونے لگیں۔ قالوا لن نومن حتی نکون انبیاء فنوتی مثل ما اوتی موسیٰ وعیسیٰ من الآیات (قرطبی) وقال ابوجہل واللہ لا نرضی بہ ولا نتبعہ ابدًا الا ان یاتنا وحی کما یاتیہ (قرطبی) قالوا لن نومن حتی یحصل لنا مثل ھذا المنصب من عند اللہ (کبیر)

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ
وہ اُس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) اُن سے نکلنے نہیں پاتا ۱۷۷ اسی طرح کافروں
زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ
کی نظر میں خوشنما کر دیا گیا ہے جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ۱۷۸ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں
كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ
وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ وہاں چال چلا کریں حالانکہ وہ چال بس اپنے ہی
اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ
خلاف چلتے ہیں اور اس کو بھی نہیں سمجھتے ۱۷۹ اور جب انہیں کوئی نشان پہنچتا ہے تو
قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ
کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم کو بھی وہی نہ ملے جو اللہ کے پیمبروں کو مل چکا ہے ۱۸۰
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی رسالت کا اہل ہے ۱۸۱ جو لوگ مجرم ہیں ضرور انہیں
اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا
اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت نصیب ہوگی اور عذاب سخت (بھی) اس شرارت کے پاداش میں جو وہ
يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
کیا کرتے تھے ۱۸۲ اللہ جس کسی کے لئے ارادہ کر لیتا ہے کہ اُسے ہدایت نصیب کرے اس کا سینہ
لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ
وہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ۱۸۳ اور جس کے لئے وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اُسے گمراہ رکھے اس کے

وقف منزل
وقف لازم

۱۸۱ یعنی شرفِ رسالت کا اہل ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا۔ مرتبۂ رسالت کے ظرف و اہلیت کا فیصلہ تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انہیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہو جائیں! آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔ حَيْثُ۔ یہاں بطور ظرف کے موضع و موقع کے معنی میں نہیں بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔ وحیث لیس ظرفًا ھنا بل ھو اسم نصب نصب المفعول بہ علی الاتساع ای اللہ اعلم اھل الرسالۃ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ استعدادِ ذات حصولِ فیضان کی شرطِ عادی ہے۔ ۱۸۲ (دنیا میں حضراتِ انبیاء کے مقابلہ میں) الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا۔ یہ جرم بھی تھا کہ پیمبروں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اپنے کو ان کا ہمسر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سمجھتے تھے۔ عِنْدَ اللّٰهِ۔ سے مراد ہے "حشر میں" ای یوم القیٰمۃ (بیضاوی۔ روح) سَيُصِيْبُ۔ میں س تاکید و تیقن کا ہے۔ السین للتاکید (بحر) صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ یعنی ایسے سرکشوں کو حشر میں ذلت تو نصیب ہوہی گی۔ اور اس کے علاوہ بھی عذاب شدید دنیا و آخرت دونوں میں حاصل رہیگا۔ عذاب شدید فی الدارین من الاسر والقتل وعذاب النار (کشاف) فحصل بھذا الکلام انہ تعالیٰ اعد لھم الخزی العظیم والعذاب الشدید ثم بیّن ان ذلک انما یصیبھم لاجل مکرھم وکذبھم وحسدھم (کبیر) ۱۸۳ (چنانچہ وہ شخص قبولِ اسلام میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ ارادۂ الٰہی سے مراد اس کی مشیتِ تکوینی ہے۔

۱۷۲ اور یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں میں مل جائیگی، یا پھر حامل وحی رسول اللہ صلعم کے ارشادات سے۔ ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیہ حلال جانور پر ذبح کے وقت اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ خدا کا نام تو لیا جائے لیکن اس کے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کر لیا جائے۔ اَلَّا تَاْكُلُوْا۔ یعنی ایسے جانور کو حرام سمجھنے لگو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے غلوفی الزہد کی مخالفت نکلتی ہے۔ جیسے بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔ ۱۷۳ اور یہاں مُعْتَدِيْنَ (حد سے نکل جانے والوں) سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اشیاء کی تحلیل و تحریم اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ ای الذین یجاوزون الحلال الی الحرام (معلم) اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ اور کوئی حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائیگی۔ یرید من جمیع ما حرم کالمیتة وغیرھا (قرطبی) ای دعتکم الضرورة الی اکلہ بسبب شدة المجاعة (کبیر) لَيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی انہیں خواہشات کی پیروی میں دوسروں کو بلا کسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے گمراہ کرتے رہتے ہیں مشرکین و ملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی بس یونہی ایک بات بک دیتے ہیں۔ ذبیحہ اور مردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے، اس تک کا بھی تو ادراک نہیں رکھتے۔ تو اللہ کی سی ہمہ دانی اور بصیرکی سی باریک نظری یہ کہاں سے لاسکتے ہیں۔ انما یتبعون فیه الھوٰی والشھوة ولا بصیرة عندھم ولا علم (کبیر) هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ اور وہ جب ان ظالموں کے اسرار قلب تک کا پتہ رکھتا ہے تو انہیں سزا بھی پوری پوری دیگا مقصود اس فقرہ سے تخویف و تہدید ہے۔ اذا کان عالمًا باحوالھم وکان قادرًا علٰی مجازاتھم فھو تعالٰی یجازیھم علیھا والمقصود من ھذہ الکلمة التھدید والتخویف (کبیر) ۱۷۴ (سو مکافات عمل سے غافل کوئی بھی نہ رہے) سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب یعنی قیامت میں بدلہ مل کر رہیگا) يَكْسِبُوْنَ۔ يَقْتَرِفُوْنَ ان سب الفاظ سے ثابت و ظاہر ہے کہ گناہ بندہ کی اختیاری چیز ہے۔ ایسی چیز نہیں جو بندہ کے اختیار سے کچھ بھی باہر ہو۔ گو خود یہ اختیار اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ایک قوت ہے۔ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔ گناہ کے ظاہر و باطن سے مُراد کیا ہے؟ جن دونوں کے چھوڑ دینے کا یکساں حکم ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ گناہ کے ظاہر سے مُراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مُراد غلط اعتقاد، اعتقادی گناہ ہے۔ الظاھر ما کان عملًا بالبدن مما نھی اللہ عنه و باطنه ما عقد بالقلب من مخالفة امر اللہ فی ما أمر و نھی (قرطبی) قال مجاھد ظاھرہ ما یعمله الانسان بالجوارح من الذنوب و باطنه ما ینویه ویقصدہ بقلبه (معالم) قیل ما علمتم وما لم تعلموا (کبیر) ای قلیله و کثیرہ (ابن جریر۔ عن قتادہ) لیکن بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاہر الاثم سے وہ گناہ مراد لئے جائیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کئے جائیں اور باطن الاثم سے مراد وہ گناہ سمجھے جائیں جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ کئے جاتے ہیں —— جاہلی تہذیبوں میں فسق و معصیت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ بجائے خود وہ ذرا بھی معیوب نہیں۔ صرف ان کا کھل جانا گناہ ہے۔ یونان قدیم میں چوری بجائے خود کوئی جرم نہ تھی۔ چوری کا کھل جانا جرم تھا۔ آج فرنگی تہذیب میں حرامکاری بجائے خود کوئی عیب نہیں صرف اس کا منظر عام پر آجانا، عام رسوائی و تفضیح پیدا ہو جانا، اس کا Public Scandal. بن جانا بس صرف یہ جرم ہے —— عرب کی جاہلی تہذیب میں بھی حرامکاری بجائے خود جائز تھی۔ صرف اس کا افشار جرم تھا۔ یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اس نے پوشیدہ و علانیہ ہر حرامکاری کو جرم ہی قرار دیا۔ کان اھل الجاھلیة یستترون بالزنا و یرون ذلك حلالًا ما کان سرًّا فحرم اللہ السر منه والعلانیة ما ظھر منھا (ابن جریر۔ عن الضحاك) قیل ھو ما کان علیه الجاھلیة من الزنا الظاھر واتخاذ الحلائل فی الباطن (قرطبی) قال الضحاك کان اھل الجاھلیة یرون اعلان الزنا اثمًا والاستسرار به غیر اثم (جصاص) واکثر المفسرین علٰی ان ظاھر الاثم الاعلان بالزنا وھم اصحاب الرایات و باطنه الاستسرار به وذلك ان العرب کانوا یحبون الزنا وکان الشریف منھم یتشرف فیسربه وغیر الشریف لا یبالی به فیظھرہ (معالم) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں۔ ۱۷۵ (اے مسلمانو!) وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ مشرک و ملحد تو بہرحال اللہ کا نام نہ لے گا۔ اسلئے اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے۔ سوال صرف مسلمان کے ترک تسمیہ کے باب میں رہ جاتا ہے۔ سو مسلم کیلئے بھی ذبح کرتے یا شکاری جانور چھوڑتے وقت ترک تسمیہ کی دو صورتیں ممکن ہیں، یا عمدًا و دانستہ ہو، اور یا محض سہو و نسیان سے ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے دوسرے فقیہوں اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت و حرمت صرف اس صورت کے لئے ہے۔ جب ترک تسمیہ دانستہ و عمدًا ہو۔ ان ترکھا عمدًا لم یؤکلا قاله مالكؒ وابن القاسم وھو قول ابی حنیفة واصحابه والثوری والحسن بن حی وعیسٰی وقاله سعید بن جبیر وعطاء واختارہ النحاس وقال ھذا احسن لانه لا یسمّی فاسقًا اذا کان ناسیًا (قرطبی) قال اصحابنا ومالك والحسن بن صالح ان ترك المسلم التسمیة عمدًا لم یؤکل وان ترکھا ناسیًا اکل (جصاص) اور مفسر ابن کثیرؒ نے اس مذہب کی تائید میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور ابو یوسفؒ جیسے ائمہ فقہ کے نام گنائے ہیں۔ المذھب الثالث فی المسئلة ان ترك التسمیة علی الذبیحة نسیانًا لم یضر وان ترکھا عمدًا لم تحل ھذا ھو المشھور من مذھب الامام مالك واحمد بن حنبل وبه یقول ابو حنیفة واصحابه واسحاق بن راھویه وھو یحکی عن علی وابن عباس وسعید بن المسیب وعطاء وطاؤس والحسن البصری وابی مالك وعبد الرحمٰن بن ابی لیلٰی وجعفر بن محمد وربیعة بن ابی عبد الرحمٰن (ابن کثیر) اور اس حکم حرمت کے تحت میں وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں جن پر اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے دیا جائے۔ یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لے لیا جاتے۔ ویدخل فیه ما ذکر علیه غیر اسم اللہ بعموم انه لم یذکر علیه اسم اللہ وبزیادة ذکر غیر اسم اللہ سبحانه علیه الذی یقتضی تحریمه نصًّا (قرطبی) اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓي اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ۔ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پاکر مسلمانوں کے سامنے آکر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے مثلاً ایک چلتا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ سے مر جائے وہ حرام ہو —— ہزار ہا سیدھے سادھے، بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے۔ اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب، دل خوش کن فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ خود اُمت کے اندر جتنے باطل فرقے نکلے ہیں، سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطہ پر ہے۔ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ یہاں فسق یا نافرمانی ان دونوں چیزوں کو کہا گیا ہے۔ ترک تسمیہ کو بھی اور ایسے ذبیحہ کے کھانے کو بھی۔ ھو راجع الی الامرین یعنی ترك التسمیة ومن الاکل (جصاص) الضمیر قیل عائد علی الاکل وقیل عائد علی الذبح بغیر اللہ (ابن کثیر) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہ اطاعت اسی مسئلہ تحلیل مُردار میں مُراد ہو۔ ای فی تحلیل المیتة (قرطبی) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھیرا لینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ دلت الاٰیة علٰی ان من استحل شیئًا مما حرم اللہ تعالٰی صار به مشرکًا (قرطبی) قال الزجاج وفیه دلیل علٰی ان من احل شیئًا مما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فھو مشرك (معالم) لیکن یہ تفصیل بھی فقہاء ہی نے کر دی ہے کہ مشرک بنا دینے

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے جبکہ (اللہ) نے تمہیں تفصیل بتادی ہے ان (جانوروں) کی جنہیں

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ

اس نے تم پر حرام کیا ہے سوا اس کے کہ اس کے لئے تم مضطر ہو جاؤ اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا

بنا پر گمراہ کرتے رہتے ہیں بلا کسی علم کے بیشک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اسکے باطن کو (بھی) بیشک جو لوگ گناہ کما رہے ہیں انہیں عنقریب

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا

بدلہ مل جائیگا اس کا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر

لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ

اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے اور بے شک

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓي اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ

شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں اور اگر تم ان کا کہنا ماننے لگو

ع ١٤ / ١١ / ١ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا

تو یقیناً تم (بھی) مشرک ہو جاؤ گے کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو

فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے

١٦٦ یعنی شک و تردد اس باب میں کرنے لگیں کہ اہلِ کتاب پر وضوحِ حق پوری طرح ہو بھی چکا ہے یا نہیں۔ یاد رکھیے ان پر خوب اچھی طرح ہو چکا ہے۔ ای من الشاکین فی انهم یعلمون انه منزل من عند الله تعالیٰ فی ان اهل الکتاب یعلمون انه منزل من ربك (کبیر) ای المترددین فی انهم یعلمون ذلك لما لا یشاهد منهم آثار العلم واحکام المعرفة (روح) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ یرید الیهود والنصاریٰ (قرطبی) يَعْلَمُوْنَ یعنی جانتے ہیں اور خوب یقینی طور پر جانتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ ایراد الطائفتین بعنوان ایتاء الکتب للایذان بانهم علموا ما علموا من جهة کتابهم (روح) بِالْحَقِّ یعنی گڑھی ہوئی چیز، شک و شبہ والی چیز نہیں حقیقی و واقعی چیز ہے۔ ١٦٧ خوب سننے والا ان منکرین کے اقوال کا۔ اَلسَّمِيْعُ کوئی اُسے غافل و بے خبر نہ سمجھ لے، پورا علم رکھنے والا ان منکرین کے عقاید اور دلی خیالات کا۔ اَلْعَلِيْمُ ۔ کوئی اسے ناواقف نہ خیال کرے۔ كَلِمَةُ رَبِّكَ ۔ اہلِ معانی نے لکھا ہے کہ کلمۃ واحد ہے لیکن اس کا اطلاق مجموعہ کلام پر بھی ہوتا ہے۔ جب وہ پورا کلام حکم واحد میں ہوتا ہے چنانچہ کلمۂ زہیر سے مراد قصیدہ زہیر اور کلمۃ سے مراد خطبہ عربی میں عام ہے۔ الکلمة قد یراد بها الکلمات الکثیرة اذا کانت مضبوطة بضابط واحد کقولهم قال زهیر فی کلمته یعنی قصیدته وقال قس فی کلمته ای خطبته (کبیر)

مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (آسمانی) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن)

مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

واقعیت کے ساتھ آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں

الْمُمْتَرِيْنَ ١١٤ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ

نہ ہو جائیں ١٦٦ اور آپ کے پروردگار کا یہ (کلام) صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے،

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ١١٥ وَاِنْ تُطِعْ

کوئی بدل نہیں سکتا اس کے کلام کو، اور وہی خوب سننے والا ہے، پورا علم رکھنے والا ہے ١٦٧ اور جو لوگ

اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ

زمین پر (آباد) ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا اگر آپ ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ١١٦ اِنَّ رَبَّكَ

رہیں ١٦٨ یہ تو بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں، اور محض گمان میں پڑے رہتے ہیں ١٦٩ بیشک آپ کا

هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہی راہ پائے ہوؤں کو

بِالْمُهْتَدِيْنَ ١١٧ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ

بھی خوب جانتا ہے ١٧٠ سو اُس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اگر تم اُس کے

كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ١١٨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ

احکام پر ایمان رکھتے ہو ١٧١ اور تمہارے لئے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کلامِ الٰہی میں کاٹ چھانٹ، گھٹ بڑھ کر سکے، یہ ترمیم و تغیر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے۔ قال قتادة الکلمات هی القرآن لا مبدل له لا یزید فیه المفترون ولا ینقصون (قرطبی) المراد انها تبقی مصونة عن التحریف والتغییر (کبیر) دوسرے معنی امام رازیؒ نے یہ بھی کئے ہیں کہ ان دلائل قوی میں منکروں کے شکوک و شبہات ذرا بھی رخنہ نہیں پیدا کر سکتے۔ تلك الشبهات لا تاثیر لها فی هذه الدلائل التی لا تقبل التبدیل البتة (کبیر) وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ تمام تر صدق اپنے بیانات کے لحاظ سے یعنی کے جتنے واقعات اس نے بیان کئے ہیں، دنیا میں تاریخی و اثری تحقیقات جتنی بھی بڑھتی جائیں گی، قرآن کی صداقت کو اس سے دھکا نہیں لگ سکتا، وہ اور زیادہ ہی روشن ہوتی جائیگی۔ یکسر عدل اپنے احکام و ہدایت کے لحاظ سے، دنیا کے بڑے سے بڑے پیچیدہ انفرادی و اجتماعی مسائل میں تجربہ کر لیا جائے۔ قرآن کے قائم کردہ نقطۂ عدل و اعتدال اور درجۂ توازن کی قدر اور نکھرتی ہی آئے گی۔ امام رازیؒ نے کل مضامین قرآنی کو خبر اور تکلیف کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہاں صفات صدق و عدل کو انہی دونوں سے متعلق کیا ہے۔ صدقًا ان کان من باب الخبر۔ وعدلًا ان کان من باب التکالیف (کبیر) الصدق فی الاخبار والمواعید والعدل فی الاقضیة والاحکام (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تصریحاتِ قرآنی کی طرح دلالاتِ قرآنی بھی واجب الاتباع ہیں۔ دلت الاٰیة علی وجوب اتباع دلالات القراٰن لانه حق لا یمکن تبدیله بما یناقضه (قرطبی)

١٦٨ (کہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر شامل ہے)

١٦٩ وحی الٰہی کے نورِ مبین اور علمِ قطعی کے سوا دنیا میں "عقل" اور "علوم" کے نام سے جو کچھ بھی ہے چاہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کینٹ کے مقولات سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ظن یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ باب احکام میں کشف و الہام حجت نہیں۔ اور ان پر جزم کرنا تو بالکل ہی باطل ہے۔ ١٧٠ سو اس کے اس علم کامل و محیط کے لحاظ سے نافرمانوں کی سزا اور فرمانبرداروں کا انعام دونوں یقینی ہیں۔ مَنْ ۔ یہاں ای کا مرادف ہے۔ مَن بمعنی ای (قرطبی) ١٧١ آیت کے آخری ٹکڑے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حلال کو حرام قرار دے لینا ایمان کے منافی ہے۔ فَكُلُوْا میں ف کا تعلق آیت ١١٦ سے سمجھا گیا ہے۔ جہاں اتباع ظن و تخرص یعنی وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے تابع فرمان ہونے کی صریح ممانعت وارد ہے۔ مسبب عن انکار اتباع المضلین الذین یحلون الحرام ویحرمون الحلال (کبیر) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ یہ تسمیۂ الٰہی ذبح کے وقت ہونا چاہیئے۔ اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیئے۔ اور جانور کا حلال ہونا تو بہر حال ظاہر ہی ہے۔ كُلُوْا ۔ صورۃً صیغۂ امر ہے، مراد یہاں حکم نہیں صرف اجازت و اباحت ہے۔ ظاهره امر ومعناه الاباحة (جصاص) محققین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مباح صرف اسی صورت میں ہے جب اپنے ذائقہ کے لئے کھائے۔ باقی اگر یہ نیت ہو کہ اس سے طاعتِ الٰہی کے لئے قوت آئیگی تو یہی چیز باعث اجر بن جائیگی۔ هذا اذا اراد باكله التلذذ فهو اباحة ویحتمل الترغیب فی اعتقاد صحة الاذن فیه فی اكله للاستعانة به علی طاعة الله تعالیٰ فیكون اكله فی هذه الحال ماجورًا (جصاص) اٰيٰتِهٖ میں آیات احکام کے معنی میں ہے۔ باٰیاته ای باحکامه واوامره (قرطبی)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ

اور خواہ ہم ان پر فرشتوں ہی کو اتار دیتے۔ اور (خواہ) ان سے مُردے (بھی) باتیں کرنے لگتے

حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ

اور (خواہ) ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے سامنے ہی لاکر جمع کر دیتے جب بھی یہ لوگ ایمان لانے کے

يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾ وَكَذٰلِكَ

نہ تھے ١٦٠ سوا اسکے کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے زیادہ تر تو جہالت ہی کا کام لیتے ہیں ١٦١ اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

ہم نے ہر نبی کے دشمن (بہت سے) شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے پیدا کر دیئے تھے

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ

ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں دھوکے کے لئے ١٦٢

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾

اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے سو آپ انہیں اور جو کچھ یہ افترا کر رہے ہیں اس کو چھوڑ دیں

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ

رکھیے ١٦٣ تاکہ اُس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

لِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ

اور تاکہ اس کو یہ پسند کرنے لگیں اور تاکہ یہ مرتکب ہونے لگیں اسکے جسکے مرتکب ہو رہے ہیں ١٦٤ تو کیا اللہ کے سوا

اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ

کسی اور کو میں بطور حاکم تلاش کروں درآنحالیکہ اُسی نے ہی تو تمہارے پاس کتاب مفصّل نازل کی ہے ١٦٥

١٦٠ (اس لئے کہ فرطِ شرارت اور شدتِ عناد سے یہ طلبِ حق کا قصد ہی نہیں کرتے) بیان منکرینِ اسلام کی شدتِ عناد و قساوتِ قلب کا ہو رہا ہے کہ بالفرض ان کی ساری فرمائشیں پُوری کردی جائیں اور دُنیا بھر کے خوارق انہیں دکھلائے جائیں۔ جب بھی چونکہ وہ اپنے میں طلبِ صادق پیدا ہی نہیں کرتے، اس لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کرہی لینگے۔ اور ایمان بہرحال نہ لائیں گے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں ہیں۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں تھیں۔ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَا۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا یعنی ہر غیب ان پر مکشوف کردیتے۔ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشاہدۂ خوارق سے نفع ہرگز لازمی نہیں، اصل شے طلبِ صادق ہے ؎ عاشق کہ شد کہ یار بہ حالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست اور مولانائے رومیؒ صاحبِ مثنوی کی زبان میں ؎ آب کم جو تشنگی آور بہ دست تا بجوشد آب از بالا و پست۔ امام المفسرین فخر رازیؒ نے لکھا ہے کہ کوئی ایک معجزہ تو پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ جس سے عوام صادق وکاذب کے درمیان فرق کرسکیں لیکن ایک سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہنا محض ہٹ دھرمی ہے۔ ورنہ پھر ہر دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کی طلب برابر بڑھتی ہی رہیگی۔ اور سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ المعجزة الواحدة لابد منها ليتميز الصادق من الكاذب فاما الزيادة عليها فتحكم محض لا حاجة اليه والا فلهم ان يطلبوا بعد ظهور المعجزة الثانية ثالثة وبعد الثالثة رابعة ويلزم ان لا تستقر الحجة (کبیر) ١٦١ جہالت یہی کہ ایمان کا تو قصد ہی نہیں اور فرمائشیں خوارق ومعجزات کی پھر بھی کئے جاتے ہیں۔ پیمبر کی اصل تعلیمات اور ایمان کے مقصد وغایت پر غور ہی نہیں کرتے۔ اور پیمبر کو گویا ساحر یا شعبدہ باز سمجھتے ہیں۔ یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر معجزہ وخارقِ عادت تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قال اصحابنا المراد يجهلون بان الكل من الله بقضائه وقدره (کبیر) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی ان کی تقدیر ہی بدل دی جائے مشیت انہیں زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے تو اور بات ہے۔ ١٦٢ یعنی تاکہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں۔ انسان شیطان کے فریب ہی میں آکر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر پیمبر کے دَور میں شیاطین، انس وجن ہی دھوکے کا سبز باغ دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا کئے ہیں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ کافر آپکے دشمن ہیں۔ ای كما ابتليناك بهؤلاء القوم (قرطبی) ای جعلنا لك عدوا كما جعلنا لمن قبلك من الانبياء (کبیر) شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ یہ اس باب میں نص ہے کہ قرآن نے جنہیں اپنی بولی میں شیاطین کہا ہے وہ ہمیشہ جنات ہی نہیں ہوتے۔ جو انسان بھی شیطان کی نیابت انجام دینے لگے، وہ گویا شیطان بہ قالب انسان ہے۔ شیطان کا لفظ قرآن مجید میں ہر سرکش ونافرمان کے لئے ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا بشر۔ المعنى مردة الانس والجن والشيطان كل عات متمرد من الانس والجن وهذا قول ابن عباس ومجاهد والحسن وقتادة (کبیر) يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ۔ اس میں اشارہ ہے کہ شیطانی تلبیسات ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری خوشنمائی کا رکھتی ہیں۔ اگر فوری لذت اور ظاہری آب وتاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رُخ ہی کیوں کرے؟ يُوْحِيْ۔ یعنی وحی کا لفظ اسلئے استعمال کیا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی بھی بالکل خفیہ ہوتی ہے۔ سمی وحیا لانه يكون خفية (قرطبی) جتنے جاہلی مذہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں غور کرلیجئے سب میں ملمع سازی کے پہلو اچھے خاصے موجود ہونگے۔ ہر باطل فرقہ کوئی نہ کوئی ظاہری کشش اپنے میں ضرور رکھتا ہے۔ آج اہلِ باطل کے جتنے مختلف نظریات مغرب و مشرق سے آرہے ہیں نئے نئے ism کے ساتھ، ان سب کے دعوے کیسے کیسے خوشنما اور ظاہر فریب ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہم روٹی کے سوال کو حل کئے دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم دنیا سے مفلسی اور محتاجی کو مٹائے دیتے ہیں۔ وقس علی ہذا یہ سارے نمونے اسی زخرف القول کے ہیں۔ غُرُوْرًا۔ یہ سارے دعوے نرے دعوے ہی ہوتے ہیں حقیقت اور اصلیت ان میں نام کو نہیں ہوتی۔ ١٦٣ (ہمارے اوپر۔ اور خود زیادہ فکر وغم میں مبتلا نہ رہیئے) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر اسکی مشیتِ تکوینی یُوں ہی ہوتی۔ مَا فَعَلُوْهُ۔ یعنی یہ سب کے سب اضطراراً ابھی مومن ومتقی ہوتے لیکن اس نے اپنے مصالح تکوینی سے انسان کو ایمان پر مضطر ومجبور نہیں بنایا ہے۔ بلکہ انہیں انتخاب واختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ یعنی دین کے باب میں انہوں نے جو جو مسئلے اور عقیدے گڑھ گڑھ کر رکھے ہیں۔ ١٦٤ شیطانی وسوسہ اندازی کا بیان ابھی اُوپر آچکا ہے۔ اب شیطانی وسوسہ اندازیوں کی غرض وغایت کا بیان ہے۔ لِتَصْغٰٓى میں ل غرض وغایت کے اظہار کیلئے ہے۔ اللام لام کے (قرطبی) الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ سرکشی اور نافرمانی سے اصل بچانے والی چیز یہی خوفِ آخرت ہے۔ اس بنیاد کا کمزور ہونا شیطان کے آغوش میں جا پڑنا ہے۔ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ۔ گمرہی کے سلسلہ میں پہلا درجہ اسی میلانِ نفس کا ہوتا ہے۔ وَلِيَرْضَوْهُ۔ دوسرا درجہ ان گمراہانہ عقائد کا اعتقادِ قلبی کے ساتھ پسند کرلینے کا ہوتا ہے۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا۔ تیسری منزل عملاً معاصی میں مبتلا ہوجانے کی ہوتی ہے۔ ١٦٥ (جسکی ہدایات وتعلیمات دنیا وآخرت کے ہر معاملہ، ہر مرحلہ سے متعلق جامع واضح اور مکمل ہیں) یہ قول رسول اللہ صلعم کی زبان سے ادا کرایا جارہا ہے۔ حَكَمًا۔ یعنی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر کرنے والا حاکم۔ المعنى افغير الله اطلب لكم حاكما وهو الذى كفاكم مؤنة المسألة فى الآيات بما انزله الكتٰب (قرطبی) ای قل لهم يا محمد افغير الله اطلب من يحكم بينى وبينكم (بخاری)

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٧ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ
اُن پر کوئی نگران نہیں بنایا ہے اور نہ آپ اُن پر مختار ہیں ۱۵۶ اور انہیں دُشنام نہ دو جن کو یہ (لوگ) اللہ کے
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ
سوا پکارتے رہتے ہیں، ورنہ یہ لوگ اللہ کو حد سے گزر کر براہ جہل دُشنام دینگے ۱۵۷
عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى
اسی طرح ہم نے ہر طریق کے لوگوں کی نظر میں اُن کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے۔ ان سب کو اپنے
رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٠٨
پروردگار کے پاس جانا ہے سو وہ انہیں جتلا دیگا، جو کچھ بھی وہ کرتے رہتے تھے ۱۵۸
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ
اور انہوں نے اللہ کی قسم بڑے زور سے کھاکر کہا کہ اگر اُن کے پاس کوئی نشان آجائے تو وہ
لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ
ضرور ہی اُس پر ایمان لے آئیں، آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو (سب) اللہ ہی کے پاس ہیں اور تم خبر
اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٩ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ
نہیں رکھتے کہ جب وہ نشان آجائیگا (جب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۵۹ اور ہم بھی اُن کے دِلوں کو اور
وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ
اُن کی نظروں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اُس کے اُوپر پہلی بار ایمان نہیں لائے
مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١١٠ ع ١٣/١٠/١٩
اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا ہُوا چھوڑے رہیں گے ۱۶۰

۱۵۷ فقہاء نے اسی اصل سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو طاعت درجۂ واجب میں نہ ہو۔ اور کسی معصیت کا سبب بنی جاتی ہو تو اُس طاعت کو ترک کر دیا جائے گا۔ قال العلماء حکمہا باق فی ھذہ الامۃ علی کل حال فمتی کان الکافر فی منعۃ وخیف ان یسب الاسلام او النبی علیہ السلام او اللہ عز وجل فلا یحل لمسلم ان یسب صلبانھم ولا دینھم ولا کنائسھم ولا یتعرض الی ما یؤدی الی ذلک لانہ بمنزلۃ البعث علی المعصیۃ (قرطبی) منع اللہ تعالیٰ فی کتابہ احدًا ان یفعل فعلًا جائزًا یؤدی الی محظور ولاجل ھذا تعلق علماؤنا بھذہ الآیۃ فی سد الذرائع وھو کل عقد جائز فی الظاہر یؤول او یمکن ان یتوصل بہ الی محظور (ابن العربی) "بتوں کو بُرا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام یعنی گستاخی بجناب باری تعالیٰ کا وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے بے تکلف یہ ایک قاعدۂ شرعیہ ثابت ہُوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے" (تھانوی) فی ھذہ الآیۃ ضرب من الموادعۃ و دلیل علی وجوب الحکم بسد الذرائع وفیھا دلیل علی ان المحق قد یکف عن حق لہ اذا ادی الی ضرر یکون فی الدین (قرطبی) فی ذلک دلیل علی ان المحق علیہ ان یکف عن سب السفہاء الذین یتسرعون الی سبہ علی وجہ المقابلۃ لہ لانہ بمنزلۃ البعث علی المعصیۃ (جصاص) "لیکن جو امر درجۂ واجب وفرض میں ہو مثلاً اثبات توحید و رسالت یا ابطال شرک، فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ ایسے مفاسد کے ترتب کی بنا پر ترک نہ کیا جائیگا" الحق ان کان واجبًا فیا خذہ بکل حال وان کان جائزًا ففیہ یکون ھذا القول (ابن العربی)

اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ جنہیں یہ مشرکین بہ طور معبود پکارتے ہیں مفسرین نے یہاں یہ شبہہ نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب جنہیں پکارتے تھے وہ تو بے جان بُت تھے۔ پھر ان کے لئے الذین کیوں آیا جو صیغہ جاندار اور ذوی العقول کے لئے ہے۔ اور پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ یہ مشرکین کے خیال کے مطابق ہے کہ وہ تو انہیں ذوی العقول میں شمار کرتے تھے۔ عُبّر عن الاصنام وھی لا تعقل بالذین علی معتقد الکفرۃ فیھا (قرطبی) لیکن اصلی جواب یہ ہے کہ الذین یدعون من دون اللہ سے مُراد صرف بے جان بُت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام جاندار ہستیاں بھی ہیں جن کے معتقد اہلِ شرک، ہر قوم اور ہر دَور میں رہے ہیں۔ عَدْوًا۔ ای جہلًا واعتداءً (قرطبی) ۱۵۸ (اور وہیں اس کا بدلہ بھی مل جائیگا) جس طرح یہ عالم عالمِ ابتلاء ہے، اسی طرح عالم آخرت عالمِ جزاء ہے جہاں کشفِ حقائق کے ساتھ ساتھ پُورا پُورا عدل بھی ہو کر رہیگا۔ كَذٰلِكَ ..... يَعْمَلُوْنَ یعنی اس پر حیرت مطلق نہ کی جائے کہ ایسی شدید گستاخی پر دنیا میں سزا فی الفور کیوں نہیں مل جاتی دنیا میں تو آزادیٔ عمل کا قاعدہ ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے اور اسی لئے تو اس عالم کا نام عالم ابتلاء ہے۔ كَذٰلِكَ یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی نظر میں اُن کے یہ عمل خوشنما و پسندیدہ کر دکھائے ہیں، اسی طرح ہر ہر طبقہ اور ہر ہر اُمت کی نظر میں اُس کا اپنا عمل پسندیدہ کر دکھایا گیا ہے۔ ای کما زینا لھؤلاء اعمالھم کذلک زینا لکل امۃ عملھم (قرطبی) ای مثل ذلک التزئین (مدارک) ۱۵۹ یہ پیش خبری عالم الغیب والشہادہ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ اُن کے فرمائشی معجزات بھی جتنے کے جتنے پُورے ہو جائیں جب بھی غایت عناد سے یہ لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔ محاورہ میں مُراد بڑی سخت اور غلیظ قسموں سے ہے اور مشرکین عرب ایسی قسم اپنے خدائے اعظم اللہ ہی کے نام کی کھاتے تھے۔ ھذہ باغلظ الایمان عندھم (قرطبی) جہد الایمان اشدھا وھو باللہ (قرطبی) لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اُس پر ایمان لے آئیں اور صاحب معجزہ کی نبوت کے قائل ہو جائیں۔ کوئی معجزہ سے مراد فلاں متعین معجزہ تھا۔ ای من مقترحاتھم (بیضاوی۔ مدارک) روایت میں آتا ہے کہ خاص فرمائش اس معجزہ کی تھی کہ مکہ کا کوہ صفا سونے کا بن جائے اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معجزات وخوارق کا وقوع پیمبر یا کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں، تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ معجزہ کی حقیقت سے نظامِ کائنات کے کسی مستمر اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا، اور اُن کا تمام تر فاطرِ کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے وہی قدرت بھی اس پر رکھتا ہے اور وہی علم بھی اس کا رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافقِ حکمت ہوگا اور کس کا مخالف حکمت پس کسی مخصوص ومتعین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے۔ البتہ نفس کوئی معجزہ یا غیر معمولی نشان پیمبر کے دعوٰی کی تصدیق وتقویت کے لئے عین موافق حکمت ہے۔ اور ایسے نشانات ایک نہیں بیشمار تصدیق رسالت محمدی میں ظاہر ہو چکے تھے وَمَا يُشْعِرُكُمْ ... لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ بعض مسلمانوں کو قدرۃً یہ خیال گزر رہا تھا کہ کاش ان منکروں کی فرمائشیں پُوری کر دی جائیں، تو شاید کہ یہ لوگ اس طرح مسلمان ہو جائیں۔ یہاں جواب اس کا مل رہا ہے اور ضمیر کُمْ کے مخاطب مومنین معاصرین ہیں۔ یا معشر المسلمین (ابن عباس) وقال الفراء وغیرہ الخطاب للمومنین لان المومنین قالوا للنبی صلعم یا رسول اللہ لو نزلت الآیۃ لعلھم یؤمنون (قرطبی) وکان المومنون یطمعون فی ایمانھم (مدارک) اِنَّهَا۔ یعنی وہی فرمائشی معجزات، ای الآیۃ المقترحۃ (مدارک) ۱۶۰ (اُن کے ضد اور عناد کے نتیجہ کے طور پر) یعنی حق کی طلب وتلاش چونکہ ان میں سرے سے ہے ہی نہیں، اس لئے ہزار معجزات دیکھیں، ہدایت انہیں نصیب نہ ہوگی اور یہ یُوں ہی بدستور بھٹکتے ہی رہیں گے۔ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ۔ ان کی آنکھیں حق بینی کی طرف اور ان کے دل حق طلبی کے قصد کی طرف سے ہٹا دیئے جائیں گے ضمیر جمع متکلم کا استعمال حق تعالیٰ کی طرف یہاں صرف تکوینی سلسلۂ علل کے مسبب الاسباب کی حیثیت سے ہے۔ عن قبول الحق وعن رؤیۃ الحق عند الآیۃ التی اقترحوھا (مدارک) لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ۔ ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریق ہدایت نہیں، طریق ہدایت صرف اتباعِ بینات ہے۔ پس سالک کو چاہیئے کہ شیخ کے کرامات وخوارق کی تلاش میں نہ پڑے۔ بلکہ اُس کے علم وعمل پر اطمینان کے بعد اُس کی پیروی میں لگ جائے۔

۱۴۹ہر شے سے اس کا رشتہ خالقیت اور علیمیت کا ہے۔ وہ چھوٹی بڑی ہر شے کا خالق اور ہر شے کا علم کُل رکھتا ہے۔ اس سے کوئی رشتہ دنیوی اور مادّی عزیز داریوں پر قیاس کر کے جوڑنا تمام تر اپنی سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمین سب اُسی کی مخلوق ہیں نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں نہ کوئی دھرتی مائی۔ بدیع یعنی محض ترتیب و ترکیب دے دینے والا نہیں بلکہ عدم محض سے ہست کرنے والا۔ بدیع پر حاشیہ سورہ بقرہ میں گزر چکا۔ پ۱۔ آیت نمبر ۱۱۷۔ الابداع عبارۃ عن تکوین الشیٔ من غیر مثال (کبیر) اَنّٰی ...... صَاحِبَۃٌ۔ مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ تم جب خدا کے صاحبِ اولاد ہونے کے قائل ہو، تو لازمی طور پر پہلے اس کے صاحبِ زوج ہونے کے قائل ہوئے۔ سو اسی کا ثبوت لاؤ کیسی لغویات اُس کے لئے مُنہ سے نکال رہے ہو۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ اس میں تردید آگئی مصر، کلدانیہ، یونان اور روم کی قدیم مشرک قوموں کی جنہوں نے اپنے ہر دیوتا کے ساتھ ایک ایک یا کئی کئی بیویاں بھی فرض کی ہیں۔ ۱۵۰سو رشتۂ عبدیت اُس کے سوا کسی سے بھی جوڑنا درست نہیں، آیت میں حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی یکتائی کا اثبات ہے، وہ اپنی

خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۰۱ ذٰلِكُمُ

اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۱۴۹ یہ ہے اللہ تمہارا

اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ

پروردگار، کوئی خدا نہیں بجز اُس کے، ہر شے کا پیدا کرنے والا۔ پس اُسی کی عبادت کرو،

وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝۱۰۲ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ

اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے ۱۵۱ اُسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں اور وہ

هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۱۰۳ قَدْ جَآءَكُمْ

نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بڑا باریک بین ہے، بڑا باخبر ہے ۱۵۱ اب تمہارے پاس روشن

بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ

دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں، سو جو کوئی بصارت سے کام لیگا، وہ اپنے ہی لئے، اور

وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝۱۰۴ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا

جو کوئی اندھا رہیگا اُس پر (وبال) رہیگا، اور میں کوئی تمہارے اُوپر نگران تو ہوں نہیں ۱۵۲ اور اسی طرح ہم دلائل کو

دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۱۰۵ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ

(خوب) پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں جس سے یہ کافر یوں کہینگے کہ آپنے پڑھ لیا ہے ۱۵۳ اور تاکہ ہم اس (قرآن) کو خوب کھول دیں

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۱۰۶

اُن لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں ۱۵۴ پیروی کئے جایئے اسکی جو آپکے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے کوئی خدا نہیں ہے بجز

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ

اُسکے اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیے ۱۵۵ اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو (لوگ) یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو

ذات سے منفرد ہے۔ اور خالق و کارساز بھی ہر شے کا وہی ایک ہے۔ ۱۵۱ وہ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں۔ اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔ لَا ...... الْاَبْصَارَ۔ یعنی وہ کسی کے بھی حواس ظاہری کی گرفت میں اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ درآنحالیکہ اُس کی گرفت علمی میں سب ہی ہیں۔ ادراك احاطہ و تحدید کے معنیٰ میں ہے۔ اور آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی تنزیہ حدوث سے ہے۔ بیّن سبحانہ انہ منزہ عن سمات الحدود وھذا الادراك بمعنی الاحاطۃ والتحدید (قرطبی) قال الزجاج ای لا یبلغ کنہ حقیقتہ (قرطبی) قال ابن عباس لا تدرکہ الابصار فی الدنیا ویراہ المومنون فی الاخرۃ (قرطبی) اعلم ان الادراك غیر الرؤیۃ لان الادراك ھو الوقوف علی کنہ الشیٔ والاحاطۃ بہ (معالم) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ الفاظ پر یہ شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی دید کر ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رؤیت مومنین کو کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں رسول اللہ صلعم کو کیسے ہوئی؟ مفسرین محققین نے شبہہ کو نقل کر کے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں لیکن اس کم فہم کے نزدیک ایک مختصر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہاں ذکر تو اسی مادّی و ناسوتی دنیا کے قویٰ کا ہے۔ جنت میں تو قویٰ ہی دوسرے ہونگے۔ عالم ناسوت میں نفی دیدار سے جنت کے دیدار کو تعلق ہی کیا! علیٰ ہذا واقعۂ معراج میں رسولؐ کی زیارتِ حق کا تعلق ہی اِن قوائے ناسوتی سے بالکل نہیں۔ وہ واقعہ تو خود ہی عالمِ آخرت کا ہے جس کا تجربہ و مشاہدہ بطور معجزہ کے رسولؐ کو اسی دنیا میں کرا دیا گیا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ محقق تھانویؒ نے فرمایا کہ بصر سے مراد اگر بصارت ہے تو نفی رؤیت اسی دنیا کے ساتھ محدود رہے گی، اور اگر بصارت و بصیرت دونوں مُراد ہیں تو نفی ادراک کے معنیٰ نفی ادراک بالکنہ کے کئے جائیں گے۔ ۱۵۲ (کہ میرے اُوپر تمہارے عقائد و اعمال کی ذمہ داری آتی ہو) یہ خطاب پیمبر کو ہے کہ آپ یوں کہہ دیجئے۔ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ قرآن کے دلائل، رسول کے معجزات، سب بصائر کے تحت میں داخل ہیں۔ ای اٰیات و براھین یبصر بھا ویستدل (قرطبی) یعنی بالبصیرۃ الحجۃ البینۃ الظاھرۃ (قرطبی) البصائر ھی البینات الحجج التی اشتمل علیھا القراٰن وما جاء بہ الرسول (ابن کثیر) فَمَنْ اَبْصَرَ۔ یعنی دلائل سے توحید تک پہنچ جائیگا۔ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے اہلِ طریق کے اس معمول کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حقِ ارشاد ادا کر کے پھر کسی کے درپے نہیں ہوتے۔ ۱۵۳ (ان مضامین کو کسی صاحبِ علم سے) چنانچہ یہی ہوا، ایک اُمّی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقایق کو صحیح و شُستہ پیرایۂ بیان میں سُن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامینِ عالی انہوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لئے ہیں اور جاہلیت کے انہی لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی توثیق مزید کر رہے ہیں۔ لِیَقُوْلُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ لام علّت کا نہیں۔ اللام لام العاقبۃ (بیضاوی) یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ نتیجہ ہونا چاہیئے۔ لام عاقبت جس کلام پر لایا جائے۔ اُس سے مُراد ایسی چیز ہوتی ہے جو بطور نتیجہ نکل آئے لیکن مقصود نہ ہو۔ وھی اللام التی تدخل علی ما یترتب علی شیٔ و لیس مقصودًا (کاشف) ۱۵۴ وَلِنُبَیِّنَهٗ، ضمیر قرآن کی تعلیم و ہدایت کی جانب ہے۔ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی اس سے پُورا فائدہ وہی اُٹھائیں گے جو اپنی فہم و دانش سے کام لیں گے۔ ۱۵۵ یعنی فرطِ شفقت سے ان بدبختوں کے حال پر بہت زیادہ غم و حزن نہ کیجئے اور اپنے التفات کا مرکز قرآن و وحیٔ الٰہی کو رکھیئے، مشرکین کی طرف کچھ زیادہ توجہ ہی نہ کیجئے۔ ای لا تشغل قلبك وخاطرك بھم بل اشتغل بعبادۃ اللہ (قرطبی) ۱۵۶ (ہماری طرف ہے کہ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر دیں یا قبول ہدایت پر انہیں مجبور کر دیں) ای قیم بامورھم فی مصالحھم لدینھم او دنیاھم حتی تلطف لھم فی تناول ما یجب لھم (قرطبی) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی تو خلقت قبولِ ہدایت پر مجبور و مضطر ہوتی اور اپنا کوئی اختیار و ارادہ بھی اس باب میں نہ پاتی۔ لیکن مشیت تکوینی نے یہ نظام ہی سرے سے نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ہر شخص کو قبولِ ہدایت میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ شرک بھی مشیت تکوینی سے باہر نہیں، جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اُس کے تحت ہی میں ہے۔ نص علی ان الشرك بمشیتہ وھو ابطال لمذھب القدریۃ (قرطبی) مُراعیًا لاعمالھم ماخوذًا باجرامھم (مدارک) وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا۔ آپ ان لوگوں پر کوئی نگران تو ہیں نہیں کہ اُن کی بے ہودگیوں کی ذمہ داری کسی درجہ میں بھی آپ پر آرہی ہو یا یہ کہ آپ انہیں عذابِ الٰہی سے کسی درجہ میں بچا سکیں۔ ای لا یمکنك حفظھم من عذاب اللہ (قرطبی)

۱۴۵ پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن نباتات اُس سے کیسی رنگا رنگ اور کتنی مختلف قسموں کی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے قوانین طبعی بس ایک ہی قادرِ مطلق حکیم مطلق ذات کے مقرر کئے ہوئے ہیں بارش کے یا زراعت کے کسی دیوی دیوتا کا خیال کرنا ہی حمق و نادانی ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔ سماء عربی میں سحاب (بادل) بلکہ ہر اُوپر والی چیز کے بھی مُرادف ہے۔ المراد من السماء انزال المطر من جانب السماء (کبیر) سمی الله تعالیٰ السحاب السماء لان العرب سمی کل ما فوقك سماء (کبیر) الکلام علی تقدیر مضاف ای من جانب السماء (روح) ای کل صنف من النبات (قرطبی) ای کل صنف من اصناف النبات (روح) **۱۴۶** (صُورت، شکل، رنگ، مزہ، وزن وغیرہ کے اعتبار سے) یہ ساری مثالیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کے مخاطبینِ اوّل یعنی عرب کے لئے آسانی سے قابلِ فہم تھیں۔ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ و اخرجنا جنات من اعناب۔ **۱۴۷** (اور مصنوعات کی صناعی سے صانع کے کمال پر استدلال کرنا چاہتے ہیں) اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ۔ پھل کا نفس پیدا ہونا ہی اپنی خام حالت میں کیسے کیسے حکیمانہ اور باریک کیمیاوی اور طبعی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے اور چہ جائیکہ پھل کی خام حالت سے پختگی میں منتقل جس میں رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر چیز کیا سے کیا ہو جاتی اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ انظروا سے مُراد سرسری میں نظر ڈال لینا نہیں فکر و عبرت کی نظر سے دیکھنا ہے ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر (قرطبی) ای انظروا الی حال نضجه نظر اعتبار و استدلال علی قدرة مقدره و مدبره و ناقله من حال الی حال (مدارک) اُنْظُرُوْٓا اِلٰى الخ مخلوقات کی طرف بار بار توجہ و التفات سے تفکر کرنے کا جو یہ حکم قرآن مجید میں بار بار مل رہا ہے، اس پر محققین نے لکھا ہے کہ خلق پر نظر جبکہ للحق ہو مذموم نہیں بلکہ اگر مقصود میں اس کی احتیاج ہو تب تو مطلوب بھی ہے۔ لَاٰيٰتٍ۔ اٰیات یہاں دلائل کے معنی میں ہے۔ دلائل اللہ کے کمالِ قدرت پر۔ ای دلالات علی کمال قدرة خالق هذه الاشیاء وحکمته و رحمته (ابن کثیر) لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی تلاش و طلب رکھتے ہوں تحقیق کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ ای یطلبون الایمان باللہ تعالیٰ (روح) **۱۴۸** یہ کن لوگوں کا ذکر ہے؟ مشرکین عرب تو یقیناً مُراد ہیں، باقی دُوسری جاہلی قومیں بھی مُراد ہو سکتی ہیں جو بھی انہی عقائد کی ہوں۔ الجنّ۔ جنات وہ ناری مخلوق ہیں۔ جو خاکی مخلوق انسان سے قبل اس پردۂ گیتی پر وجود میں آچکے تھے۔ عموماً و عادةً یہ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں ابلیس انہی کی صنف کا مخلوق ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ

اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اُس کے ذریعہ سے

نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ

ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا ۱۴۵ پھر ہم نے اُس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اُس سے اُوپر تلے چڑھے

حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ

دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھوں سے خوشے (نکلتے ہیں) نیچے کو لٹکے ہوئے

جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ

اور (ہم نے) باغ، انگور اور زیتون اور انار کے (پیدا کئے) باہم مُشابہ اور غیر

مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

مُشابہ ۱۴۶ اُس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو (دیکھو) بیشک ان سب

ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۹۹ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں ۱۴۷ اور لوگوں نے اللہ کا شریک جنّات کو قرار دے

الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ

رکھا ہے درآنحالیکہ اُس نے انہیں پیدا کیا ہے اور لوگوں نے اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بے سند تراش

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۱۰۰ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ ع ۱۲ ۶ ۱۸

رکھی ہیں، پاک اور برتر ہے وہ اس سے جو کچھ یہ (اس کے باب میں) بیان کرتے ہیں ۱۴۸ مُوجد ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَ

زمین کا اُس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے درآنحالیکہ اُس کے بیوی ہی نہیں، اور

الْجِنَّ۔ تقدیر کلام یُوں سمجھی گئی ہے۔ وجعلوا الجن شرکاء۔ معناه جعلوا الجن شرکاء للہ (کبیر) خَلَقَهُمْ۔ حالانکہ اُسی اللہ نے ان مشرکوں کو پیدا کیا ہے۔ نہ کہ جنات نے۔ ابن مسعودؓ کی قرأت وھو خلقھم نے اسے اور صاف کر دیا ہے۔ والمعنی وقد علموا ان الله خالقهم دون الجن (بیضاوی) مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں کو خود تسلیم ہے کہ ہمارا خالق محض اللہ ہے، اس پر بھی یہ کیسی کج رائی ہے کہ یہ لوگ معبودیت میں جنات کو بھی شریک سمجھ رہے ہیں۔ هُمْ۔ کی ضمیر اگر جن کی جانب لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اُسی خدا نے اُن کو بھی پیدا کیا ہے پس جنّات مخلوق ہو کر معبود اور شریک خدائی کیونکر ہو گئے۔ یعنی وھو خلق الجن (معالم) وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ۔ خدا کا صاحبِ اولاد ہونا، اپنے کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھنا، یہ مرض شرک قوموں میں بہت زیادہ عام اور مشترک رہا ہے۔ ہندوستان کے برہمنوں اور چھتریوں کا اپنے کو سُورج بنسی اور چندر بنسی کہلانا یا اپنے کو سُورج دیوتا اور چندرماں دیوتا کی اولاد قرار دینا، یونانی شرفا کا اپنے کو خدا زادہ یا دیوتا مشہور کرنا یہ سب اسی مشرکانہ و گستاخانہ ذہنیت کے کرشمے ہیں ——— خود مسیحیوں کا عقیدہ ابنیتِ الٰہی (حضرت مسیحؑ سے متعلق) بھی اسی اصل کی ایک فرع ہے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی ان خرافاتی عقائد پر اہلِ شرک نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں نہ نقلی۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ مشرکوں نے کیسے کیسے بہتان اُس پر لگا رکھے ہیں۔ اس کی ذات و الاصفات ہر نالائق انتساب سے بالاتر ہے۔ قوله سبحانه تنزيه لله عن کل ما لا يليق به (کبير) والمقصود ههنا تنزيه الله تعالیٰ عن هذه الاقوال الفاسدة (کبیر) سُبْحٰنَهٗ اور تَعٰلٰى۔ مقصود دونوں سے اگرچہ اثبات تنزیہ ہی ہے لیکن سبحٰنہ کا تعلق مخلوق کی زبان سے تسبیح پڑھنے یا اثبات تنزیہ سے ہے۔ بہ خلاف اس کے تعالی سے اشارہ اللہ کی ذاتی صفت تقدس و تعالیٰ کی طرف نکل رہا ہے۔ عام اس سے کہ مخلوق تسبیح کرے یا نہ کرے۔ فالمراد بقوله سبحانه ان هذا القائل يسبحه و ينزهه عما لا يليق به والمراد بقوله وتعالی کونه فی ذاته متعالیا متقدسا عن هذه الصفات سواء سبحه مسبح او لم يسبحه، فالتسبيح يرجع الی اقوال المسبحين والتعالی يرجع الی صفته الذاتية التی حصلت له لذاته لا لغيره (کبیر)

ع ۱۱/۱۷

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾

اب تو تمہارے آپس کا تعلق ٹوٹ کر رہا اور تم سے گئے گزرے ہوئے وہ دعوے جو تم کرتے رہتے تھے ۱۴۰

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

بیشک (اللہ ہی) دانہ اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے، وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے، اور

مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾

بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے، وہی تمہارا اللہ ہے، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو ۱۴۱

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَ

وہ صبح کا برآمد کرنے والا ہے اور اُسی نے رات راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو

الْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ

حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا ہوا ہے، بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا ۱۴۲ وہ وہی تو ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے، تاکہ تم اُن کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں

وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ

راہ پاؤ بیشک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں ۱۴۳ اور وہ

الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ

وہی تو ہے جس نے تم (انسانوں) کو پیدا کیا ایک ہی شخص سے۔ پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی اور

مُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾

ایک جگہ چندے رہنے کی، بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کر بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کیلئے جو سمجھ رکھتے ہیں ۱۴۴

۱۴۰ یہ سارا مخاطبہ کافروں سے حشر کے دن ہوگا۔ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى۔ اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ ہوا کرتا تھا۔ اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ والمعنى جئتمونا واحدًا واحدًا كل واحد منكم منفردًا بلا اهل ولا مال ولا ولد ولا ناصر ممن كان يصاحبكم فى الدنيا ولم ينفعكم ما عبدتم من دون الله (قرطبی) ای منفردین عن الاعوان والاوثان التی زعمتم انها شفعاءکم وعن الاموال والاولاد وسائر ما آثرتموها من الدنیا (روح) وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ۔ مال و دولت اور دنیوی علوم و فنون و صنائع جن پر دنیا میں تم بھُولے رہتے تھے۔ وہ سب تم کو وہیں چھوڑ آنا تھا اور آخرت میں اُن میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔ شُفَعَآءَكُمْ ۔۔۔ شُرَكٰٓؤُا۔ وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مؤاخذۂ عدل سے بچا لیں گے۔ وہ سب کدھر غائب ہو گئے۔ یہ مستقل شفعاء کا عقیدہ یہود اہلِ توحید تک میں گھُس گیا تھا اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہیئے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔ ۱۴۱ مطلب یہ ہوا کہ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صنفِ موجودات کا نظامِ تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا اُسی کے ہاتھ میں ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دار و مدار اُسی پر ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف متوجہ ہونا، کسی مشرکانہ نظریہ کو یا دہمیہ کو قابلِ التفات سمجھنا کس درجہ حمق و بے دانشی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى۔ نباتات کا خدا کوئی اور دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ احمق مشرک قوموں نے فرض کر لیا ہے۔ نہ یہ ہے کہ نباتات میں رسیدگی از خود ہو جاتی ہے۔ ہر بیج، ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا پھر وقت مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا یہ سب کام اُسی پروردگارِ عالم کا ہے۔ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ۔ بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مُرغی یا نطفہ سے انسان، جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال جیسے مُرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ۔ اُوپر مثال عالمِ نباتات کی آ چکی یہ ذکر جمادات و حیوانات کا ہو رہا ہے۔ ۱۴۲ یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظامِ ارضی و نظامِ فلکی یُوں ہی بالکل بے تُکے نہیں چل رہا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق اور اُس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے جو العزیز ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر۔ جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے۔ اور جو ساتھ ہی العلیم بھی ہے۔ جس کی ہر جنبش تکوینی و تخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے۔ اور جو ہر علم و حکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہیٰ بھی۔ والعزیز اشارة الی کمال قدرته والعلیم اشارة الی کمال علمه (کبیر) فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ وہ پردۂ شب سے صبح کا برآمد کرنے والا ہے۔ تقدیر کلام یُوں ہے۔ ذلکم الله ربکم فالق الاصباح۔ پچھلی آیت میں ذکر نظامِ ارضی کا تھا۔ اب ذکر نظامِ فلکی کا ہے۔ جَعَلَ ۔۔۔ حُسْبَانًا۔ رات کی سکونی کیفیت، سُورج اور چاند کی نپی تُلی گردش، اُس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اُسی قادرِ مطلق و حکیم برحق کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبۂ موجودات کا اکیلا حاکم و ناظم ہے، اُس کے حضور میں کسی سُورج دیوتا اور کسی چندرماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافت کی انتہا ہے۔ حُسْبَانًا یعنی مصالحِ خلق کے بالکل متناسب ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا۔ ای بحساب یتعلق به مصالح العباد (قرطبی) ای جعل الله سیر الشمس والقمر بحساب لا یزید ولا ینقص (قرطبی) ذٰلِكَ۔ یعنی اجرامِ سماوی کی یہ جکڑ بند اور ان کی تسخیر، اشارة الی جعلهما كذالك (روح) ۱۴۳ دلائل اپنی توحید اور قدرت اور حکمت کے۔ جَعَلَ ۔۔۔ البَحْرِ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں، اُلٹے ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل و حمق کی انتہا ہے۔ جَعَلَ۔ یہاں خلق کے معنی میں ہے۔ جعل هٰنا بمعنی خلق (قرطبی) لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی ان شواہد و دلائل سے نفع وہی اُٹھائیں گے جو علم و خبر رکھتے ہیں۔ خصّهم لانهم منتفعون بها (قرطبی) يَعْلَمُوْنَ۔ میں علم سے مراد یا تو عقل ہے اور یا فکر و استدلال۔ المراد بالعلم هٰهنا العقل (کبیر) المراد من قوله لقوم یعلمون لقوم یتفکرون ویتأملون ویستدلون بالمحسوس علی المعقول وینتقلون من الشاهد الی الغائب (کبیر) ۱۴۴ دلائل اپنی توحید اور صنعت اور حکمت کے۔ اَنْشَاَكُمْ۔ خطاب عام نسلِ انسانی سے ہے۔ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ یعنی حضرت آدمؑ سے۔ یہاں وحدتِ انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ سب نوعِ انسانی کا مُورثِ اعلیٰ ایک ہی ہوا ہے کئی نہیں ہوئے ہیں۔ جیسا کہ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں نے خیال کیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اس ایک اصل کو مان لینے سے انسانیت جو آج مہذب و غیر مہذب، کالی اور گوری، صاحب اور نیٹو، برہمن اور شودر، مشرقی اور مغربی اور خدا جانے کتنی اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ایک بار بنی آدم کی وحدت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور دنیا سے کتنے جھگڑے اور خرخشے مٹ سکتے ہیں۔ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ مستودع بہت سریع الزوال کو کہتے ہیں اور مستقر اتنا زود فنا نہیں۔ الفرق بین المستقر والمستودع اذ المستقر اقرب الثبات من المستودع (کبیر) مستقر۔ کی کئی تفسیریں منقول ہیں لیکن اکثر نے اس سے مُراد رحم مادر لی ہے۔ اکثر تابعین بلکہ بعض صحابہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ واکثر اهل التفسیر یقولون المستقر ما کان فی الرحم (قرطبی) عن ابن مسعود وابن عباس وابی عبد الرحمٰن السلمی وقیس بن ابی حازم ومجاهد وعطاء وابراهیم النخعی والضحاک وقتادہ والسدی وعطاء الخراسانی وغیرهم ای فی الارحام (ابن کثیر) مُسْتَوْدَعٌ کی بھی کئی تفسیریں منقول ہیں لیکن اکثر نے مُراد پُشتِ پدر لی ہے۔ اُدھر مستودع کے سلسلہ میں جن تابعین و صحابہ کے نام درج ہوئے انہی نے مستودع کی شرح یہی کی ہے۔ المستودع ما کان فی الصلب رواه سعید بن جبیر عن ابن عباس وقاله النخعی (قرطبی) قالوا او اکثرهم ای فی الاصلاب (ابن کثیر) لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔ ابھی اُوپر کی آیت میں لقوم یعلمون آ چکا ہے۔ اہلِ تحقیق نے کہا ہے کہ اُس آیت میں دلالت واضح و صریح تھی اس لئے یعلمون کافی تھا۔ یہاں دلالت خفی و دقیق ہے۔ اس لئے یفقهون لایا گیا۔ انما قیل یعلمون ثم یفقهون هنا لان الدلالة ثم اظهر وهنا ادق (مدارک)

یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رُومی، یونانی تہذیب تھی۔ اور دُوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن کسی نے کہا کہ اس لئے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے براعظموں یا ایشیا، افریقہ، یورپ کا سراہ عین ساحل حجاز سے ہو کر جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کے سب اسباب صحیح ہوں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ جب مکّہ معظمہ ناف زمین یا مرکز بلاد قرار پایا تو اس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوگی سب من حولھا ہی کے تحت میں آئے گی۔ یعنو جمیع الآفاق (قرطبی) ای اہل الشرق والغرب (مدارک وبیضاوی) یتناول جمیع البلاد والقری المحیطۃ بھا فیدخل فیہ جمیع بلاد العالم (کبیر) من اہل المدر والوبر فی المشارق والمغارب لموم دمنہ صلی افضل سلام ١٣٥

١٣٦ یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ ساتھ عمل صحیح میں بھی پختہ و مستقیم ہوجاتے ہیں۔ صلوٰۃ یہاں بطور جملہ عبادات کے قائم مقام کے ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت سے صلوٰۃ کی انتہائی اہمیت واشرفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسے گویا ایمان کے ہم رتبہ قرار دے دیا گیا ہے۔ المقصود منہ التنبیہ علی ان الصلوٰۃ اشرف العبادات بعد الایمان باللہ واعظمہا خطرا الا تری انہ لم یقع اسم الایمان علی شیء من العبادات الظاہرۃ الا علی الصلوٰۃ (کبیر) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ بہ کی ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خوف آخرت رکھتے ہیں وہ مؤاخذۂ اُخروی کے ڈر سے پُوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش وطلب میں رہتے ہیں۔ اور اس لئے قرآن کی بھی صداقت وحقانیت کے قائل ہوجاتے ہیں۔ ذٰلک ان اصل الدین خوف العاقبۃ فمن خافہا لم یزل بہ الخوف حتی یؤمن (کشاف) الذی یؤمن بالاٰخرۃ ہو الذی یؤمن بالوعد والوعید والثواب والعقاب ومن کان کذٰلک فانہ یعظم رغبتہ فی تحصیل الثواب ورہبتہ عن حلول العقاب ویبالغ فی النظر والتأمل فی دلائل التوحید والنبوۃ فیصل الی العلم والایمان (کبیر) ١٣٧ رسول اللہ صلعم کے معاصرین میں نزول وحی کے طویل عرصہ کے زمانہ میں بعض ایسے بھی بدبخت تھے جنھوں نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ ایسا کلام تو ہم بھی نازل کرسکتے ہیں۔ حدیث و سِیَر کی کتابوں میں ان کے نام نضر بن حارث اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح منقول ہوئے ہیں۔ والمراد عبد اللہ بن ابی سرح الذی کان یکتب الوحی لرسول اللہ صلعم ثم ارتد ولحق بالمشرکین (قرطبی) عن عکرمۃ ان ہٰذہ الاٰیۃ نزلت فی النضر بن الحارث (قرطبی) یہ عبداللہ بن ابی سرح وہی ہیں جو حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی اور رسول اللہ صلعم کے کاتب وحی تھے۔ کتابت وحی ہی کے سلسلہ میں مُرتد ہوکر مشرکوں سے جا ملے۔ ایک مُدت تک مُرتد ومباح الدم رہنے کے بعد فتح مکّہ کے دن اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سُن کر رُوپوش ہوگئے۔ پھر حضرت عثمانؓ کی سفارش کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس وقت سے پھر پختہ مسلمان ہوگئے، پھر بڑے بڑے کارنامے اُن کے ہاتھ سے انجام پائے، اُن میں سے فتح مصر وتسخیر نوبیہ (موجودہ حبشہ) ہیں۔ وفات اپنی حسب دعا عین نماز میں فجر کا سلام پھیرتے وقت پائی۔ رضی اللہ عنہ۔ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ مثلاً کوئی اسی کا قائل ہوجائے کہ خدا بندوں سے کبھی کوئی مخاطبہ ومکالمہ کرتا ہی نہیں۔ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ۔ اس کے تحت میں تمام جھوٹے مدعیان نبوت آگئے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی خواب تراشے یا کسی وارد والہام کاذب کا دعویٰ کرے یا اپنے اوہام وخیالات کو فیض غیبی کہے وہ بھی اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ بعض فقہاء و مفسرین نے کہا ہے کہ جو فقہ وسنن اور آثار سلف سے اپنے کو مستغنی سمجھ کر خود رائی اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے اور عام احکام عوام کے لئے ہیں، مجھ جیسے خواص کے لئے نہیں، وہ بھی اسی وعید کے تحت میں آجاتا ہے۔ ومن ہٰذا النمط من اعرض عن الفقہ والسنن وما کان علیہ السلف من السنن فیقول وقع فی خاطری کذا او اخبرنی قلبی بکذا (قرطبی) ١٣٨ (جنھیں سو سو طرح بچاتے پھرتے ہو) یہ کافر معاند کے احوال موت کا بیان ہو رہا ہے۔ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم سے مُراد اس سیاق میں ہر قسم کے کافر ہیں خصوصاً ان تینوں اقوال میں سے جو یہاں نقل ہوئے کسی کے بھی قائل ہوں۔ المراد بالظالمین ما یشمل الانواع الثلاثۃ من الافتراء (روح) اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ مُراد ہے فرشتوں کی جنس یا ملک الموت کے اعوان وانصار۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ یہ بطور امر نہیں بطور زجر وتعریض ہے۔ کافروں کی شدائد نزع کو اور بڑھانے کے لئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جان تو فرشتہ نکال رہے ہونگے، اپنی جان خود نکالنا انسان کا کام نہیں۔ لیس بامر بل ہو وعید وتقریع کقول القائل امض الاٰن لترٰی ما یحل بک (کبیر) اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔ ہٰذا یدل علی ان النفس مغایرۃ للاجساد (کبیر) ١٣٩ (اور اپنی عقل ورائے کو خدائی قانون کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے تھے) عَذَابَ الْهُوْنِ۔ اور چند مقامات کی طرح یہاں بھی بہ تصریح سے بیان کردیا کہ آخرت کے اس عذاب میں جسمانی آزار اور تکلیفوں کے ساتھ توہین ورسوائی کا جز بھی پوری طرح شامل ہوگا۔ دنیا کے استکبار کا نتیجہ آخرت میں تفضیح ورسوائی کی صُورت میں ظاہر ہونا ہی تھا۔ المراد منہ انہ تعالٰی جمع ہناک بین الایلام وبین الاہانۃ (کبیر)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت گڑھ لے یا کہنے لگے کہ میرے اُوپر وحی آتی

اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ

ہے درآنحالیکہ اُس پر کچھ بھی وحی نہیں کی گئی ہے، اور (اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ

جیسا (کلام) خدا نے نازل کیا ہے، میں بھی (ایسا ہی) نازل کردونگا ١٣٧ کاش! آپ اُس وقت دیکھیں

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ

جانیں (جلد) نکالو ١٣٨ آج تمہیں ذلّت کا عذاب ملے گا بسبب اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے

عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ٩٣

ذمے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبّر کیا کرتے تھے ١٣٩

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ

اور اب تو تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے جیسا کہ ہم نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تھا اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے

تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ

جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی

شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ

نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں،

۱۳۲ف (خود انہی کے نفع ومصلحت کے لئے) اِقْتَدِہْ ۔ میں ہ ضمیر کی نہ سمجھی جائے کہ اصل امر تو اقتد ہے ہ وقف و وصل کی ہے ۔ ھاء السکت وقفًا و وصلًا (جلالین) الھاء للوقف (بیضاوی) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ ان حضرات کا وہ هُدٰی (طریق) کیا تھا جس پر چلنے کا حکم رسول اللہ صلعم کو مل رہا ہے ؟ وہ اُن کا طریقہ صبر واستقامت کا تھا ۔ ان سب نے بھی اپنے اپنے معاصر منکرین کے ہاتھوں سخت سخت مصائب اُٹھائے تھے لیکن اس کے باوجود اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے تھے ۔ رسول اللہ صلعم کی تسلیۂ قلب کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں بھی یہی سب کچھ پیش آتا ہے ۔ سو آپ بھی اُنہی کی طرح ثابت قدم رہیے ۔ المعنی اصبر کما صبروا (قرطبی) ای اقتد بھم فی تحمل سفاھات الجھال فی ھذا الباب (کبیر) هُدٰی کے دوسرے معنی توحید واصول دین کے بھی کئے گئے ہیں ۔ والمراد بھدٰھم طریقھم فی الایمان باللہ وتوحیدہ واصول الدین دون الشرائع (کشاف) ای اقتد بھم فی نفی الشرک واثبات التوحید (کبیر) لَآ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ علیہ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے ۔ سنت انبیاء ایک یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغ دین کی کوئی فیس نہیں طلب کرتے ۔ یہ تو ان کا عین مشن (مقصدِ زندگی) ہی ہوتا ہے ۔ وکان من جملۃ ھدٰیھم ترک طلب الاجر فی ایصال الدین وابلاغ الشریعۃ (کبیر) بعض فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ تعلیم قرآن وروایت حدیث پر معاوضہ لینا درست نہیں ۔ فیہ دلیل علی ان اخذ الاجر علی تعلیم القرآن وروایۃ الحدیث لایجوز (مدارک) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى ۔ قرآن مجید کو کوئی قصہ کہانی کی کتاب، سائنس وفلسفے کی کتاب، تاریخ وجغرافیہ کی کتاب، ادب ومحاضرہ کی کتاب نہ سمجھو ۔ یہ تو تمامتر ایک ہدایت نامہ ہے ۔ ایک نصیحت نامہ ہے ۔ ایک دستور العمل ہے ۔ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۔ ذکرٰی کے ساتھ للعرب نہیں للعالمین فرمایا ۔ یعنی اس کی ہدایت اور اس کے قانون کسی ایک ملک وقوم کے ساتھ مخصوص نہیں، سارے عالم کے لئے ہیں ——— اور اس پہلو کو فخر المفسرین فخر رازیؒ نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے ۔ یدل علی انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی کل اھل الدنیا لا الی قوم دون قوم (کبیر) استدل بالاٰیۃ علی عموم بعثتہ صلعم (روح)

ع ۸ ۱۰ ۱۶ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

(یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے (دُنیا) جہان والوں کے لئے ۱۳۲ اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اُس کے پہچاننے کا

قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ

حق تھا، جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نہیں اُتاری ۱۳۳ آپ کہیے

مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى

کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے لے کر موسٰی آئے تھے (بجائے خود بھی) نور اور لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ

ہدایت بھی جس کو تم نے (مختلف) اوراق کر رکھا ہے، کہ انہیں ظاہر کر دیتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو،

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ

اور تم سکھائے گئے وہ جو تم نہیں جانتے تھے، نہ تم اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے کہ اللہ نے، پھر

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ

آپ انہیں اُن کے مشغلوں میں بیہودگی سے پڑے ہوئے رہنے دیجیے ۱۳۴ اور یہی کتاب ہے کہ ہم نے

اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

اس کو نازل کیا ہے، برکت والی ہے، تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

تاکہ آپ ڈرائیں اُم القرٰی اور اُس کے گرد والوں کو ۱۳۵ اور جو لوگ آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲

رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی حفاظت رکھنے والے ہیں ۱۳۶

۱۳۳ف یہ کہنے والے کون تھے ؟ روایات میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا اور سیاق قرآنی خود بھی یہی کہہ رہا ہے کہ یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا ۔ بظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوش مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلاف عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں ۔ غلو کے وقت اپنے مسلک اور اپنے مسلمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی ۔ خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں ۔ قیل ان صدور ھذا القول کان عن غضب وذھول عن حقیقتہ (روح) یہ بھی مُراد ہو سکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اُتاری، نہ یہ کہ کبھی کوئی کتاب نہیں اُتاری ——— آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اُس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازیؒ کے اور کسی کی نہ گئی ۔ مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو ما بعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے ۔ یعنی حضرت موسٰیؑ کے اوپر جو نزول توریت ہوا اُس سے استدلال تو اس جواب کا کوئی ربط مشرک کے قول سے نہیں ٹھہرتا ۔ قریش عرب مشرکین ہند کی طرح نفس نبوت اور سلسلۂ وحی ہی کے قائل نہ تھے ۔ لان کفار قریش والبراھمۃ کما ینکرون رسالۃ محمد صلعم فکذالک ینکرون رسالۃ سائر الانبیاء (کبیر) اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی کہ اگر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلّمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا امام رازیؒ نے سچ فرمایا کہ فی ھذہ الاٰیۃ بحث صعب (آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے) اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اُس یہودی کا مقصد صرف نبوتِ محمدی کی تکذیب تھی ۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسٰیؑ کے صاحبِ وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ تو تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطبہ نہیں کرتا اور اس لئے محمد (صلعم) پر وحی آنا نا ممکن ہے ۔ زیادہ سے زیادہ تو اُن سے اُن کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتا ہے ۔ والمقصود ھنا انک لما سلّمت ان اللہ تعالیٰ انزل التوراۃ علی موسیٰ علیہ السلام فعند ھذا لایمکنک الاصرار علی انہ تعالیٰ ما انزل علی بشر شیئا لان موسیٰ بشر ایضا (کبیر) مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ۔ قدر کی تفسیر عظمت سے بھی کی گئی ہے یعنی اللہ کا جو حقِ عظمت تھا، وہ اُن لوگوں نے ادا نہ کیا ۔ قال الحسن ماعظموا حق عظمتہ ونسبوا اللہ عزوجل الی انہ لا یقیم الحجۃ علی عبادہ (قرطبی) لیکن دوسرے معنی جو سیاق کلام کے موافق تر ہیں، یہ ہیں کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں جو اُس کی بابت یہ فرض کر لیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول نہیں بھیجتا ۔ قال ابو عبیدۃ ای ماعرفوا اللہ حق معرفتہ قال النحاس وھذا معنی حسن والمعنیان متقاربان (قرطبی) وماعرفوہ حق معرفتہ فی الرحمۃ علی عبادہ واللطف بھم حین انکروا بعثۃ الرسل والوحی الیھم، وذالک من اعظم رحمتہ واجل نعمتہ (کشاف) حیث انکروا النبوۃ والرسالۃ (کبیر) اِذْ قَالُوْا ۔ یہ کہنے والا ایک یہودی تھا ۔ قال الحسن وسعید بن جبیر الذی قال احد الیھود (قرطبی) ھذہ الاٰیۃ فی حق الیھود وھو القول المشھور عند الجمھور (کشاف)

۱۳۴ف حجتِ الزامی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس خدا کو تم توریت کا نازل کرنے والا تسلیم کرتے ہو، وہ تو آج بھی زندہ وقائم اور اس پر قادر ہے کہ کوئی دستورِ حیات اُس سے بھی جامع تر وکامل تر نازل کر دے ۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ ۔ تقدیر کلام فی القراطیس سمجھ لی گئی ہے ۔ اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے پارہ پارہ کر دیا ہے ۔ ای فی القراطیس (قرطبی) ای جعلوہ قراطیس مقطعۃ وورقات مفرقۃ (کشاف) تُبْدُوْنَهَا ۔ یعنی ظاہر کرتے ہو اُس کتاب الٰہی کے بعض حصوں کو اپنی مصلحتوں کے موافق پا کر ۔ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۔ اس کتاب کے بہت سے احکام کو چھپا جاتے ہو جنہیں اپنے مصالح کے خلاف پاتے ہو ۔ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا ۔ تمہیں تعلیم دی گئی اُسی کتاب کے ذریعہ سے اُن حقائق کی جن سے تم ناواقف تھے ۔ اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۔ نسلوں پر نسلیں اور صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں اور تمہیں اپنی بشری کوششوں سے اُن حقائق کا علم نہ ہو سکا ۔ قُلِ اللّٰهُ ۔ اللہ ہی نے یہ سب کچھ کیا ۔ اور وہی آج بھی سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے ۔

۱۳۵ف یعنی ساری دنیا کو ۔ مُبٰرَكٌ ۔ پہلی صفت قرآن مجید کی یہ ارشاد ہوئی کہ یہ ایک مُبارک کتاب ہے ۔ اس سے خلق جتنا چاہے بہ قدر اپنے ظرف وہمت کے استفادہ کرے ۔ ای کثیر المنافع والفوائد (کشاف) قال اھل المعانی کتاب مبارک ای کثیر خیرہ دائم برکتہ ومنفعتہ یبشر بالثواب والمغفرۃ ویزجر عن القبیح والمعصیۃ (کبیر) فخر رازیؒ اس آیت کے ذیل میں جو اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ بجنسہٖ نقل ہونے کے قابل ہے ۔ یقول مصنف ھذا الکتاب محمد بن عمر الرازی وانا قد نقلت انواعا من العلوم النقلیۃ والعقلیۃ فلم یحصل لی بسبب شیء من العلوم من انواع السعادات فی الدین والدنیا مثل ما حصل بسبب خدمۃ ھذا العلم (کبیر) (اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازیؒ کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر وسعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی ۔) مُصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۔ دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے ۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى ۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اَهْل یہاں محذوف ہے اور ام القرٰی سے مُراد یہاں کے رہنے والے ہیں ۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے ۔ اتفقوا علی ان ھھنا محذوفا والتقدیر ولتنذر اھل ام القرٰی واتفقوا علی ان ام القرٰی ھی مکۃ (کبیر) اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مکہ کا یہ نام اُمّ القرٰی (جس کے لفظی معنی بستیوں کے مرکز کے ہیں) پڑا کیوں ؟ بعض نے کہا کہ اس لئے کہ ساری اقلیموں کی رُوحانی پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس لئے کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا کسی نے کہا اس لئے کہ اس وقت حجاز خصوصًا اس کا یہ شہر دُنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا

۱۲۷ یعنی اللہ کے ہاں معزز و مقرب، اُن کی اگر دُنیا میں بدنامی ہوئی، اور بعض گروہوں نے اُن کی بدگوئی کو اپنا شعار بنالیا تو اس سے متاثر نہ ہو جانا۔ قرآن مجید تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب صالح تھے۔ زکریا علیہ السلام
حضرت مسیح کے خالو ہوتے تھے انجیل میں اُن کا اور اُن کی زوجہ محترمہ کا ذکرِ خیر تفصیل سے موجود ہے۔ یحییٰ بن زکریا۔ متوفی ۳۰ء انجیل میں اُن کا نام یوحنّا آیا ہے۔ عیسیٰ ابن مریم۔ مشہور و معروف نبی ۲۹ء
میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ الیاس۔ یہ غالباً وہ ہیں جن کا ذکر توریت کے بعض صحیفوں میں ایلیاہ نبی کے نام سے آیا ہے اور اُن کے خارق عادت بہت سے دیئے ہیں (۱۔ سلاطین وغیرہ) انگریزی تلفظ
میں Elijah اہل کتاب نے اپنے ہاں کے انبیاء کی سیرتوں کو جی بھر کر داغدار کر دیا تھا۔ قرآن مجید نے آکر از سرِ نو اُن کی عصمت قائم کی۔ اَلصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی صالحیت میں کامل ترین۔ الکاملین فی
الصلاح (بیضاوی) اور اُن تمام خرافات سے مُبرّا جو یہود و نصاریٰ نے اُن حضرات کی جانب جاہل قوموں کے دیوتاؤں کے گندے قصوں پر قیاس کرکے منسوب کر دیئے ہیں۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾

(اور ہم نے ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو، (یہ) سب صالحین میں سے تھے ۱۲۷

وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا

اور ہم نے ہدایت دی تھی) اسمٰعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو، اور (ان میں سے) ہر ایک کو

عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۖ

ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی ۱۲۸ اور (ہم نے ہدایت دی) انکے کچھ باپ دادوں کو اور ان کی

وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ

کچھ اولاد کو اور انکے کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان (سب) کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے اُن سب کو راہ راست کی

هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا

ہدایت کی تھی ۱۲۹ یہ اللہ کی (راہ) ہدایت ہے اسکی ہدایت وہ اپنے بندوں میں کرتا ہے جسکو وہ چاہے، اور اگر وہ شرک

لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

کرتے تو جو کچھ وہ کرتے رہے سب اُن سے اکارت جاتا ۱۳۰ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے

الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ

کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ اس سے انکار کردیں تو ہم نے اسکے (ماننے کے)

وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى

لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اُس کے منکر نہیں ہیں ۱۳۱ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت

اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ

کی تھی سو آپ بھی اُن کے طریقہ پر چلئے، آپ کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ

۱۲۸ (انہیں نبوت سے سرفراز کرکے) ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے زمانے کے تمام غیر انبیاء سے افضل ہی ہوگا۔ قال القاضی ویمکن ان یقال المراد کلا من الانبیاء یفضلون علی کل شیٔ عن سواھم من العالمین (کبیر) اِسْمٰعِیْلَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادہ۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے ۲۰۷۰ء ق م تا ۱۹۳۳ء ق م۔ الیسع بن سفط توریت کے بعض صحیفوں میں اُن کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت الیاسؑ کے جانشین تھے۔ انگریزی تلفظ میں Elisha یونس بن متّیٰ۔ نینوا (موجودہ نقشہ میں موصل) کے پیمبر تھے، ۸۱۶ء ق م تا ۷۴۱ء ق م۔ لوط بن ھاران۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ جہاں اب بحر لوط یا بحر مُردہ Dead Sea ہے اُسی کے کنارے آپ کی نافرمان و جرم پیشہ اُمّت آباد تھی۔ اُس کی ہلاکت عذاب الٰہی سے، کہا جاتا ہے کہ ۲۰۶۱ء ق م میں واقع ہوئی۔

۱۲۹ جتنے حضرات کا اُوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ سب انبیاء صادقین تھے۔ اللہ کے مقبول و برگزیدہ، ان کے فسق اعتقادی و عملی سے متعلق جتنی بھی روایات شائع ہوں، اگرچہ وہ بائبل ہی کے ذریعہ سے ہوں، سب کی سب موضوع و باطل ہیں۔ مِنْ اٰبَآئِھِمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔ مِنْ للتبعیض ای ھدینا بعض اٰبائھم وذریاتھم (قرطبی) وَاجْتَبَیْنٰھُمْ وَھَدَیْنٰھُمْ۔ ھُمْ کی ضمیر انہی انبیاء علیہم السلام کی جانب ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اجتباء کا حاصل جذب ہے اور ہدایت کا حاصل سلوک ہے۔ وَمِنْ اٰبَآئِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ وَاِخْوَانِھِمْ میں حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے آباء اور اولاد اور اخوان یعنی اصول و فروع و فروعِ اصول تینوں کا ذکر موقع شرف و مدح میں کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سے ہر قسم کا رشتہ باعث شرف ہے۔ ذٰلک یدل علی انہ تعالیٰ خص کل من تعلق بھٰؤلاء الانبیاء بنوع من الشرف والکرامۃ (کبیر)

۱۳۰ (اور اُن کی بزرگ زادگی یا اور کوئی نسبت اضافی ذرا بھی کام نہ آتی) یَھْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ بِهٖ کی ضمیر ھدی اللہ کی طرف ہے اور ھدی اللہ سے یہاں مُراد توحید و معرفتِ الٰہی ہے۔ یجب ان یکون المراد من ھذا الھدی معرفۃ التوحید وتنزیہ اللہ تعالیٰ عن الشرک (کبیر) وَلَوْ اَشْرَکُوْا۔ بالفرض یہ شرک اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوئے ہوتے، جیسا کہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں اُن کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ نبوت پر سرفراز و قائم رہنا کیا معنیٰ، ایسی صورت میں تو وہ معمولی درجہ کے مومن بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے، لیکن قرآن جب اُن کے محسن و صالح و مہدی و افضل عالم و مجتبیٰ و صاحب کتاب و نبی ہونے کا اثبات اس شد و مد سے کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے (معاذ اللہ) شرک سے متعلق جو کہانیاں گڑھی گئی ہیں وہ سرتاپا باطل اور افتراء شدید ہیں۔

۱۳۱ یعنی گروہ صحابہ اور رسول اللہ صلعم کے معاصر مومنین صادقین، جو نہ رسول اللہ صلعم کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں نہ ان انبیاء سابقین کے۔ قیل ھم اصحاب النبی (صلعم) وکل من اٰمن بہ (کشاف) قیل ھم اھل المدینۃ وقیل ھم المھاجرون والانصار (کبیر) اُولٰٓئِکَ ..... النُّبُوَّۃَ۔ ہم نے تو ان صالحین و ابرار کو کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ اس پر بھی فسق پیشہ لوگ اُن کے کمالات و فضائل سے انکار ہی کرتے رہے۔ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا۔ ھا کی ضمیر توحید کی طرف لی گئی ہے۔ یا کتاب و حکم و نبوت کی جانب۔ والمراد فان یکفر بھذا التوحید (کبیر) ای بھذہ الثلاثۃ (بیضاوی) ھٰٓؤُلَآءِ یعنی رسول صلعم کے زمانہ کے منکرین و مکذبین۔ ای کفار عصرک یا محمد (قرطبی) کفار قریش (کبیر) بِکٰفِرِیْنَ میں ب زائد ہے تاکید کے لئے۔ والباء زائدۃ للتاکید (قرطبی) وفی بکافرین تاکید النفی (کشاف)

سمجھ لیں گے، ان کی قوت و غضب سے واقف نہیں ہو تمہیں تہس نہس کر ڈالیں گے —— وہی باتیں جو آج بھی ضعیف الاعتقاد، وہم پرست گروہ اہلِ توحید کے مقابلہ میں کہتا رہتا ہے۔ وقد خوفوہ ان معبودا تھم تصیبہ بسوء (کشاف)
ذلک انھم قالوا لہ احذر الاصنام فانا نخاف ان تمسک بسوء من خبل او جنون لعیبک ایاھا (معالم) ۱۲۱ؔ اگر تم صاحبِ علم و صاحبِ ایمان ہو تو خود ہی بتاؤ کہ سلامتی اور بے خوفی کا مستحق ہم دونوں میں سے کون سا فریق ہے؟
اہلِ توحید یا اہلِ شرک۔ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ غایتِ تواضع و کسرِ نفسی سے حضرتؑ نے یہ نہ فرمایا کہ ہم دونوں میں سے کون مستحق امن ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اہلِ توحید اور اہلِ شرک ان دو میں سے کون مستحق امن ہے۔ ادب و احتیاط کوئی سیکھنا چاہے تو انہی حضرات انبیاء سے سیکھے
ولم یقل فاینا احق بالامن انا ام انتم احترازا من تزکیتہ نفسہ فعدل عنہ (کشاف) کیف ...... سُلْطٰنًا۔ بھلا مجھ کو چاہیے یا تم کو؟ میں جو حاکم یکتا کی یکتائی کا قائل ہوں یا تم کو جنہوں نے بے دلیل بے سند دیوتاؤں معبودوں کی فوج گڑھ بھی
ہے کیسی اُلٹی بات کر رہے ہو کہ مجھے ڈرا رہے ہو، میں جو توحید پر قائم ہوں تو میں تو ڈر جاؤں، اور تم جو اعظم ذنوب شرک میں مبتلا ہو تو تم بے خوف بنے رہو! ۱۲۲ؔ اس دنیا میں بھی (یعنی راست روی صرف اہلِ توحید کا حصّہ ہے۔ بِظُلْمٍ۔ جو معصیت ایمان کے منافی ہو وہ
شرک ہے۔ یوں بھی سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنی جان پر، اپنی عقل و ضمیر اور روح پر کر سکتا ہے یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھیرا لے۔ قرآن مجید میں بھی اسی کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (سورۂ لقمان)
اور یہاں بھی ظلم کے یہی معنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ جلیل القدر صحابیوں اور عکرمہ، نخعی، ضحاک، ابن زید، علقمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ بہ کثرت تابعین سے مروی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث

اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ

کیوں ڈرنے لگا جس کو تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے، درآنحالیکہ تم تو اِس سے ڈرتے نہیں ہو کہ تم نے اللہ کا

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ

شریک ٹھیرایا ہے جن کے باب میں اُس نے تم پر کوئی بھی دلیل نہیں اُتاری ہے سو دونوں گروہوں میں سے

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو ۱۲۱ؔ جو لوگ ایمان لائے اور

لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ

انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا، ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے اور وہی

مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ۧ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ

ہدایت یاب ہیں ۱۲۲ؔ یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُن کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی، ہم

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳ وَ

جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ۱۲۳ؔ

وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی ۱۲۴ؔ اور نوحؑ کو ہم ہدایت دے

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ

چکے تھے زمانۂ ماقبل میں اور اُن کی نسل میں ۱۲۵ؔ سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور

يُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴ۙ

یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ۱۲۶ؔ

وقف لازم
ع ۱۲/۹ ۱۵

میں خود رسول اللہ صلعم سے یہی تفسیر منقول ہے اور تفسیر کے ائمہ محققین اسی طرف گئے ہیں۔ واولی القولین بالصحۃ فی ذلک ما صح بہ الخبر عن رسول اللہ صلعم وھو الخبر الذی رواہ ابن مسعود عنہ انہ قال الظلم الذی ذکرہ اللہ تعالٰی فی ھٰذا الموضع ھو الشرک (ابن جریر) فالمراد ھٰھنا الذین اٰمنوا باللہ ولم یثبتوا للہ شریکا فی المعبودیۃ والدلیل علٰی ان ھٰذا ھو المراد ان ھٰذہ القصۃ من اولھا الٰی اٰخرھا انما وردت فی نفی الشرکاء والاضداد والانداد ولیس فیھا ذکر الطاعات والعبادات (کبیر) ۱۲۳ؔ (اور اپنی انہی صفاتِ حکمت کامل و علم محیط کے ماتحت، جو کمال جس کے حال و استعداد کے مناسب ہوتا ہے، وہی اُس کو عطا کرتا ہے) تِلْكَ۔ یعنی یہی مکالمۂ ابراہیمی جو اوپر گزر چکا۔ اشارۃ الٰی کلام تقدم (کبیر) اشارۃ الٰی جمیع ما احتج بہ ابراھیم علیہ السلام علٰی قومہ (کشاف)
عَلٰى قَوْمِهٖ۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ابراہیمؑ کو یہ دلیل خود اُن کے مقابلہ میں سجھائی گئی۔ بلکہ یہ ہے کہ اُن کی قوم کے مقابلہ میں بتائی گئی، علٰی قومہ ہے علٰی نفسہ نہیں ہے، یہ بجائے خود اس امر کی تائید میں ہے کہ آپ شروع ہی سے مُوَحّد تھے، شرک کے خلاف کسی دلیل کی ضرورت آپ کو نہیں، آپ کی قوم کو تھی۔ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اس استدلالِ توحیدی کو اپنی جانب نسبت دے کر حق تعالٰی نے اس میں شرفِ خصوصی اور امتیازِ خاص پیدا کر دیا۔ جیسے دنیوی بادشاہ موقع عظمت پر کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔ لما ذکر نفسہ تعالٰی ھٰھنا باللفظ الدال علی العظمۃ وجب ان تکون تلک العطیۃ عظیمۃ کاملۃ رفیعۃ شریفۃ وذالک یدل علٰی ان ایتاء اللہ تعالٰی ابراھیم تلک الحجۃ من اشرف النعم ومن اجل مراتب العطایا والمواھب (کبیر) نرفع درجات۔ یہ درجہ علمی و عملی ہر قسم کے ہو سکتے ہیں، اور درجات کی تنوین سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کوئی ایک مرتبہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہت سے مرتبے ہوں گے۔ والتنوین لا یدل الا علی الدرجات الکثیرۃ (کبیر) مَنْ نَّشَآءُ۔ سب کچھ مشیّت تکوینی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مشیّت کبھی حکمتِ مطلقہ سے جدا نہیں ہوتی۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے اور اثباتِ توحید میں لگے رہتے ہیں، اُن کے شرف مرتبہ کا پورا ثبوت اس آیت سے مل گیا۔ اور یہیں سے اُن لوگوں کا رد بھی نکل آیا جو دلائل کلامی پیش کرتے رہنے کو لغو و لاحاصل بتاتے ہیں، فقہاء مفسرین نے اس استنباط پر بہت زور دیا ہے۔ لانہ تعالٰی اثبت لابراھیم حصول الرفعۃ والفوز بالدرجات العالیۃ لاجل انہ ذکر الحجۃ فی التوحید وقررھا وذب عنھا وذالک یدل علٰی انہ لا مرتبۃ بعد النبوۃ والرسالۃ اعلٰی واشرف من ھٰذہ المرتبۃ (کبیر) اوضح دلالۃ علٰی وجوب الاستدلال علی التوحید (جصاص) فلما استدل ابراھیم علٰی توحید اللہ واحتج بہ علٰی قومہ ثبت بذالک ان علینا مثلہ (جصاص)

۱۲۴ؔ یہ سب کے سب راہِ ہدایت پر تھے، مہتدی بھی اور ہادی بھی۔ اسحٰقؑ و یعقوبؑ کے نام لانے میں تعلیم ہے اہلِ عرب بنی اسمٰعیل کو کہ تم کہیں یہود بنی اسرائیل کی بدزبانیوں سے مشتعل ہو کر اُن کے قبیلہ و خاندان کے بزرگوں، ان دونوں پیمبروں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرنے لگنا۔ اسحٰقؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہ کے بطن سے تھے۔ ۲۰۶۰ ق، م۔ تا ۱۸۸۰ ق م۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔ ہم نے اُن کو اسحٰقؑ و یعقوبؑ عطا کئے، ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا بنا کر۔ یعقوب۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحٰقؑ کے صاحبزادہ ۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۰ ق م۔ آپ کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔ ۱۲۵ؔ نوحؑ بن لمک حضرت ابراہیمؑ کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں، توریت میں بھی جو نسب نامہ درج ہے، اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیلؑ حضرت نوحؑ کی گیارھویں پشت میں ہیں، آپؑ کا وطن وہی تھا جو تاریخ کے اُس ابتدائی دور میں نسلِ انسانی کا وطن تھا، یعنی عراق کا دوآبۂ دجلہ و فرات۔ آپ کا زمانہ قیاسی و تخمینی طور پر ۲۹۴۸ ق م تا ۱۹۹۸ ق م سمجھا گیا ہے۔ ذُرِّيَّتِهٖ۔ میں ضمیر کس کی طرف ہے یعنی کس کی اولاد کا ذکر ہے؟ مُراد حضرت نوحؑ ہو سکتے ہیں کہ اوّل تو آپ ہی کا مذکور سب سے قریب واقع ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ آگے جن جن کا ذکر آ رہا ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے بھی۔ ای من ذریۃ نوح (معالم) بعض نے مُراد حضرت ابراہیمؑ سے لی ہے اس لئے کہ اصلاً انہی کے فضائل یہاں مقصود ہیں، اس گروہ نے ذریۃ کے معنی وسیع کر کے لئے ہیں کہ اولادِ دُختری و اولادِ معنوی بھی اس میں شامل ہو جائے۔ روی عن ابن عباسؓ ان ھٰؤلاء انبیاء علیھم السلام کلھم مضافون الی ذریۃ ابراھیم وان کان منھم من لم یلحقہ بولادۃ من قبل ام ولا اب (روح)، والضمیر عند جمع لابراھیم (روح) ۱۲۶ؔ (جیسے ابراہیمؑ کو دی کہ ان کی نسل میں ایک سلسلہ انبیاء اور خاصانِ خدا کا پیدا کر دیا) داؤد بن یسی۔ نبی برحق اور بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان و شوکت کے بادشاہ۔ متوفی ۹۶۲ ق م۔ سلیمان بن داؤدؑ۔ طبقۂ انبیاء میں سب سے بڑے بادشاہ۔ متوفی ۹۳۲ ق م۔ ایوبؑ۔ آپ کا شمار پیمبرانِ عرب میں ہے مسکن شمالی عرب میں علاقۂ فلسطین کی شرقی سرحد تھا، بائبلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے پانچویں پشت میں تھے، اسرائیلی روایتوں میں آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ یوسف بن یعقوبؑ۔ پیدائش ملک کنعان (فلسطین) میں، بعد کو مصر کے بادشاہ ہو گئے۔ ۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ ق م۔ موسٰی بن عمران۔ صاحبِ توریت، اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ۱۵۲۰ ق م تا ۱۴۰۰ ق م۔ ہارون بن عمران حضرت موسیٰؑ کے بھائی، عمر میں تین سال بڑے، ان سب میں ایک مشترک چیز نظر آتی ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ دولت یا حکومت یا قبیلہ کی سرداری غرض وجاہتِ دنیوی سے بھی مشرف تھے۔

ف۱۱۵ اور نہ الیسوں کی الوہیت و معبودیت کا قائل ہو سکتا ہوں) فَلَمَّا ۔ یہ سارا مکالمہ جو آگے نقل ہو رہا ہے ضروری نہیں کہ سب ایک ہی وقت میں ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے مختلف اجزا مختلف اوقات میں ہوئے ہوں۔ فلما ہو سکتا ہے کہ آیت ماسبق کی تفصیل و تشریح ہی ہو۔ جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ ۔ کسی موقع پر کسی رات میں ہوا ہوگا۔ رَاٰ كَوْكَبًا حضرت ابراہیمؑ کے ملک و قوم کی ستارہ پرستی و آفتاب پرستی کے لئے ملاحظہ ہوں راقم کی انگریزی تفسیر کے حواشی ۔ کوکبًا ۔ لفظی معنی کے اعتبار سے کوئی بھی ستارہ مُراد ہو سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی خاص طور پر اہم و روشن ہی ستارہ ہوگا۔ موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروں سے پرستش ان دو ستاروں مشتری Jupiter اور زہرہ Venus کی رہی ہے۔ ادھر ہمارے مفسرین کی صفائے قلب کا اثر دیکھیئے کہ اُن کے قلم سے بھی علی العموم انہی دونوں ستاروں کے نام نکلے ہیں! الكوكب الزهرة قاله ابن عباس وقتادہ (بحر) او المشتری قاله مجاهد والسدی (بحر) والمراد بالكوكب فی ما روی عن ابن عباس المشتری (روح) عن قتادة انه قال ذکر لنا انه الزهرة (جج) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سُنا کر اُن پر حُجّت الزامی قائم کرنے کے لئے کہا ——— مخالف پر حُجّت الزامی قائم کرنا تبلیغ و مناظرہ علمی کے معمولات میں سے ہے بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان سے بجنسہٖ دُہرا دیتے ہیں اور سیاق و لہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب کا قول و خیال نقل ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ متکلم اس کی تصریح کرے۔ اُردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہر زبان میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک جگہ قیامت کے بیان میں ہے " اَیْنَ شُرَكَآءِیَ " اللہ تعالیٰ کہے گا کہ آج میرے شریک کہاں ہیں؟ اس کا مطلب بالکل واضح و ظاہر ہے کہ وہ کہاں ہیں جو تمہارے زعم و پندار میں میرے

الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ

محبت نہیں رکھتا ف۱۱۵ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب

اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

وہ (بھی) غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے

الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

ہو جاؤں ف۱۱۶ پھر جب سُورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو میں اس شرک سے بَری (اور بیزار) ہوں

تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

جو تم کیا کرتے ہو ف۱۱۷ یقیناً میں نے تو اپنا رُخ یکسُو ہو کر اُس کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ

اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مُشرکوں میں سے نہیں ہوں ف۱۱۸ اور اُن کی قوم لگی اُن سے

قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ

جھگڑنے، ف۱۱۹ وہ بولے کہ کیا یہ جھگڑا مجھ سے اللہ کے باب میں کرتے ہو؟ در آنحالیکہ وہ مجھے ہدایت

اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔا ۭ وَسِعَ

کر چکا ہے ف۱۲۰ میں اُن سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو، ہاں البتہ اگر میرا پروردگار

رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ

ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے تو کیا تم خیال نہیں کرتے ف۱۲۱ اور میں اُسے

شریک تھے، یہ مطلب کوئی احمق سے احمق بھی نہیں لیتا کہ حق تعالیٰ خود اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر کے انہیں بُلا رہے ہیں۔ یرید ان یستدرجهم بهذا القول ویعرّفهم خطأهم وجهلهم فی تعظیمهم شان النجوم ونفاحکم على الامور (ابن قتیبہ) ماجری بینه وبین قومه کان احتجاجًا ولا اعتقادًا (ابن العربی) تأول بعضهم ذلك على اضمار القول وکثیرًا ما یضمر تقدیره قال یقولون هٰذا ربی على حكاية قولهم وتوضیح فساده مما یظهر علیه من سمات الحدوث ولا یحتاج هٰذا الى الاضمار بل یصح ان یکون هٰذا کقوله تعالى اين شركائی ای على زعمکم (بحر) قال الزجاج الجواب عندی انه قال هٰذا ربی على قولكم ونظير هٰذا قوله تعالى اين شركائی والمعنى اين شركائی على قولكم (قرطبی) المقصود منه حكاية قول الخصم ثم ذكر على عقيبه ما يدل على فساده (کبیر) معناه هٰذا ربی فی زعمكم واعتقادكم ونظیره قال تعالى وانظر الى الهك الذی ظلت علیه عاكفًا (کبیر) لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ آپ نفی اُن کی محبوبیت محض کی نہیں، محبوبیت معبودی کی کر رہے ہیں، آپ فرما رہے ہیں کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں، اُن کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ عزت و وقعت کی کیسے ہو سکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔ کنی بعدم المحبة عدم العبادة لانه یلزم من نفیها نفیها بالطریق الاولیٰ (روح) لا احب عبادة الارباب المتغیرین عن حال الی حال (کشاف) سرآمد موحدین حضرت ابراہیمؑ کا یہ استدلال کہ جو تاثر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم و مسخر ہے، وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے، ظاہر ہے کہ خود اپنے لئے نہ تھا، بلکہ اپنے مشرک ہم قوموں کو قائل کرنے کیلئے تھا، ف۱۱۶ (لیکن اُس کی ہدایت تو اوّل روز سے میرے شامل حال ہے اور اسی لئے میں توحید پر قائم ہوں) چاند کی عدم معبودیت پر یہ تقریر ضرور نہیں کہ آپ نے اُسی وقت کی ہو، ہو سکتا ہے کہ اُس ستارہ والی تقریر سے الگ یہ تقریر کسی دوسرے موقع پر کی ہو۔ هٰذَا رَبِّيْ ۔ ستارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہلی قوموں میں بہت عام رہی ہے۔ اور اہلِ باطل بھی اس کا شکار تھے۔ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ ۔ انبیاء کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے، بلکہ اسے تمام تر عطیۂ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ ف۱۱۷ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ "جو شرک تم کیا کرتے ہو" یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں میں اب تک مبتلا تھا، بحمد اللہ اب اُس سے نکل آیا، بلکہ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جس شرک میں تم لوگ، میری قوم والو، مبتلا ہو، میں اُس سے بری اور بیزار ہوں، هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۔ سُورج دیوتا کی پُوجا دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے، بڑے زوروں پر ہوا کی ہے۔ اور اہل کلدانیہ شمس پرستی میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ هٰذَا رَبِّيْ تینوں موقع پر حضرت ابراہیمؑ خلیل کی زبان سے مشرکوں کی ترجمانی لفظ رب سے کرائی گئی ہے۔ اللہ یا اور کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے۔ جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ ربوبیت ہی میں لگی ہے۔ اور یہی دھوکا آج تک چلا آ رہا ہے۔ سُورج دیوتا یا زہرہ یا مشتری کو خالق کوئی نہیں مانتا، مشرک بس یہی کہتے ہیں کہ ہماری ضرورتیں ان سے وابستہ ہیں، ہماری دعائیں یہی سنتے ہیں۔ ہماری آرزوئیں یہی پُوری کرتے ہیں۔ وقس علی ہذا ——— رب کا لفظ معنویت سے لبریز ہے۔ ف۱۱۸ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ۔

توجیہ وجہ یا رُخ کے یکسُو کرنے سے مُراد طاعت ہے نہ کہ لفظی معنیٰ۔ توجیه الوجه الیه کنایة عن الطاعة (کبیر) لِلَّذِيْ عام قاعدہ کا مقتضا تھا کہ یہاں الی الذی ہوتا لیکن الی سے معنی سمت وجہت اور مادّی مرکزیت کے پیدا ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ جسمیت سے، جہت سے اور ان سب سے منزہ ہے اس لئے بجائے الی کے صرف ل لایا گیا۔ ترك كلمة الى هنا والاكتفاء بحرف اللام دلیل ظاهر علی کون المعبود متعالیًا عن الحیّز والجهة (کبیر) فَطَرَ یعنی انہیں عدم سے وجود میں لایا۔ ومعنی فطر اخرجهما الی الوجود (کبیر) حَنِيْفًا ۔ حنیف وہ ہے جو اور ہر معبود سے یکسُو ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جُھک جائے۔ قیل انه العادل عن کل معبود دون الله تعالیٰ (کبیر) لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ یہ گویا حضرت ابراہیمؑ اپنے دعویٰ پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں تو اُس خدا کا قائل ہوں جو تمہارے خود ساختہ زمینی و آسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے۔ سارے مکالمہ میں آپؑ کوئی ایسی بات نہیں فرماتے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپؑ پہلے کبھی مشرک تھے اور اب پہلی بار مسلم و موحد ہوئے ہیں۔ ف۱۱۹ حضرت ابراہیمؑ کے اس مقولہ کو حیرت و استعجاب کے لہجہ میں پڑھا جائیگا جب مفہوم پُوری طرح واضح ہوگا، آپؑ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ "اللہ کی شان! تم مجھ سے بحث و جدل کرنے توحید کے مسئلہ میں چلے ہو۔ جو میرے اُوپر بالکل کُھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنی عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے"! حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۔ بجائے اس کے کہ قوم ابراہیمؑ حضرتؑ کی صاف، سیدھی، فطری تعلیم کو مان لیتی اُلٹی آپ کے سر ہو گئی اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی، جیسا کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہے۔ حاجّ کے معنی علمی مناظرہ کے نہیں، بلکہ لڑنے جھگڑنے کے ہیں۔ حاجه ای خاصمه وجادله (معالم) ف۱۲۰ (اتنا بھی کہ قادر اور عاجز کے درمیان فرق کر سکو) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔا یعنی ہاں میرا پروردگار ہی مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو ہر آن اپنے ارادہ پر قادر ہے، وہ تمہارے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ محدود القدرۃ نہیں۔ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔ قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل و محیط بھی اُسی ذات کا خاصہ ہے۔ اہل کلدانیہ اپنے دیوتاؤں کی قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل کے بھی قائل نہ تھے، حضرتؑ نے اپنی تقریر میں انہی دو صفات باری کا ذکر کر کے اُن کے عقائد پر بھرپور ضرب لگادی۔ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ ۔ ما حرف موصول بے جان کے لئے آتا ہے۔ حضرتؑ نے یہ پیرایۂ بیان اختیار کر کے گویا اُوپر اشارہ کر دیا کہ تمہارے دیوتا تو صفت حیات اور قدرت تک سے یکسر محروم ہیں، وہ کیا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور اُن سے ڈرنے کے معنی ہی کیا؟ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مطلق لا اخاف سے ایک صورت دعویٰ کی پیدا ہو سکتی تھی۔ حضرات انبیاءؑ سے بڑھ کر محتاط اور کون ہوگا۔ معاً الا ان یشاء ربی بھی بڑھا دیا۔ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب آپؑ نے اثباتِ توحید پر یہ دلائل قائم کئے تو مذہب شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بنا، ہاں یہ ڈراوے اور دھمکیاں دینے لگے کہ اچھا ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے ہو مگر دیکھنا کہ وہ بھی تمہیں

ف ۱۱۰ (نہ کہ کسی دیوی، دیوتا، پیر پیغمبر، جن و ملک کے حضور میں) جملہ کی ترکیب حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی حشر اُسی کے حضور میں ہو گا نہ کسی اور کے، وتقدیم المعمول لافادۃ الحصر مع رعایۃ الفواصل ای الیہ سبحانہ لا الی غیرہ تحشرون (روح)
اَنْ یہاں بِاَنْ کے معنی میں ہے اور جملہ کا عطف نُسْلِمَ پر ہے۔ اَنْ ای بِاَنْ (جلالین) ای اُمرنا بالایمان واقامۃ الصلوٰۃ (روح) حکم اقیموا الصلوٰۃ نیابت کر رہا ہے تمام ظاہری عبادتوں کی اور حکم اتقوا ہر باطنی اصلاح کی واتقوہ
میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ ای الربّ فی مخالفۃ امرہ (روح) ف ۱۱۱ اشارہ حشر کی جانب ہے جس وقت وہ حشر کو واقع ہو جانے کا حکم دے گا وہ واقع ہو جائے گا۔ یہ شبہ محض عامیانہ نہیں کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں، تو اُسے حکم
کیسے دیا جاسکے گا؟ اوّل تو اُس عالم کی وسعتوں اور پہنائیوں کو اس عالمِ آب و گل کی قیدوں اور حد بندیوں پر قیاس کرنا خود سرتاسر جہل ہے۔ پھر حکم کا مخاطب بنانے کے لئے کسی شے کا وجودِ خارجی اس عالم میں بھی کب ضروری ہے۔ اپنے ہر موجود ذہنی کو حکم
دیتے رہنا، مخاطب کرتے رہنا، ہم میں سے ہر ایک کا آئے دن کا تجربہ ہے۔ التقدیر خلق یوم یقول کن فیکون والمراد من ھذا الیوم یوم القیامۃ (کبیر) یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ واقعۃً کوئی حکم و خطاب نہ ہو گا، بلکہ فقرہ سے مقصود صرف اظہارِ قدرت
ونفاذِ مشیّت ہے، المراد منہ التنبیہ علی نفاذ قدرتہ ومشیتہ فی تکوین الکائنات وایجاد الموجودات (کبیر) وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — وہ کوئی ناقص العلم، ناقص القدرۃ، ناقص القویٰ، دیوی دیوتا نہیں۔ ساری موجودات
کا خالق، سب کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ مخلوقات کے سارے مصالح کی رعایت اُس کے سوا اور کر ہی کون سکتا ہے؟ زمین و آسمان کا نام لے دینے سے مُراد سارے سفلیات و علویات ہوتے ہیں۔ وعدم التصریح بذلک الظھور اشتمالھما

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲

اور یہ کہ نماز کے پابند رہو، اور اُس سے ڈرتے رہو، اور وہ وہی ہے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ف۱۱۰

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ

اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مقصد کے ساتھ، اور جس روز وہ

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ

کہے گا کہ ہو جا بس وہ ہو جائے گا ف۱۱۱ اُسی کا قول با اثر ہے، اور اُسی کی حکومت ہوگی اُس روز جب

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

صور پھونکا جائے گا، وہ غیب اور ظاہر (دونوں) کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے، خبر

الْخَبِيْرُ ۝۷۳ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا

رکھنے والا ہے ف۱۱۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بُتوں کو معبود

اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۴ وَ

قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں ف۱۱۳ اور

كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اسی طرح ابراہیمؑ کو ہم نے دکھا دی آسمانوں اور زمین کی حکومت، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ

میں سے ہو جائیں ف۱۱۴ تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیمؑ پر چھا گئی، انہوں نے

كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ

ایک تارہ کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے میں غروب ہو جانیوالوں سے

الانعام

علی جمیع العلویات والسفلیات (روح) بِالْحَقِّ — یہ ساری تخلیق یُوں ہی بغیر کسی غرض و مقصد کے
نہیں ہو گئی ہے، بڑی بڑی گہری حکمتیں اور مصلحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ای قائما بالحق والحکمۃ (کشاف)
ای بالعدل (ابن کثیر) بِالحق کو للحق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ب کو ل کا مرادف قرار دیا گیا
ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اُس کی یہ کاری گری و صناعی اس کی حکمت و عظمت و وحدانیت پر
دلیل کا کام دینے کی غرض سے ہے۔ قیل الباء بمعنی اللام ای اظہارًا للحق لانہ جعل صنعہ دلیلًا علی
وحدانیتہ (معالم) ف ۱۱۲ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ جزا ہر ایک
کو بالکل مناسب و قرینِ مصلحت ہی دیگا۔ اور صفت خبرت کے لحاظ سے کسی امر کا اخفاء اس سے ممکن نہیں۔
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ — اس کا قانون مجازات ظاہر و باطن، علانیہ و مخفی سب پر یکساں جاری ہو گا۔
قَوْلُهُ الْحَقُّ — اُس کا قول نہ خالی جاسکتا ہے، نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ ای الصدق الواقع لامحالۃ
یرید ان ما وعدہ حق کائن (معالم) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اُس کے قول کن فیکون سے جو کچھ بھی
ہوتا ہے، عین حکمت و صواب ہی ہوتا ہے۔ ای لایکون شیئًا من السمٰوٰت والارض وسائر
المکونات الا عن حکمۃ وصواب (کشاف) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ — قیامت کے دن جو کشفِ
حقائق کا دن ہو گا اُس کی حکومت ظاہراً اور علانیہ بھی سب کو ایسی ہی نظر آنے لگے گی جیسی وہ حقیقۃً اس وقت
بھی ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ — اپنی ترکیب کے لحاظ سے کلمۂ حصر ہے یعنی حکومت صرف اُسی کی ہوگی۔ اور کسی کی نہیں
اس میں بھی رد آگیا اُن مشرک و نیم مشرک قوموں کا جو حشر میں اللہ تعالیٰ کی فرمان روائی میں دوسروں کو بھی
شریک سمجھتے ہیں۔ والامر لہ فی کل وقت ولکن لا امر فی ذلک الیوم لاحد مع امر اللہ (معالم)
ف ۱۱۳ حضرت ابراہیمؑ پر حاشیے پہلے گزر چکے، آپؑ ایک بُت پرست و ستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے
آبائی ملک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں بہ حیثیت مبلّغِ توحید، دعوتِ اسلام و توحید سب سے پہلے اپنے خاندان
ہی کے رکنِ اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اٰزَرَ — عربی توریت میں اس نام کا املا تارح ملتا
ہے۔ اور انگریزی میں تیرا Terah اور تالمود میں ترار — جو لوگ علم اللسان کے مبادی سے
بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی نام مختلف زبانوں میں جا جا کر کیسے کیسے عجیب تلفظ اختیار
کر لیتا ہے — فلسطین کے قدیم مسیحی مورخ یوسیبیس (۲۶۴ تا ۳۴۹ء) کے ہاں "آشر" یا "اتھر" آیا
ہے۔ ان دونوں لفظوں کی مشابہت و مماثلت آزر سے بالکل ظاہر ہے۔ اور آزر و زارہ بھی اگر ایک ہی مادہ سے
مشتق ہوں تو کچھ بعید نہیں، اَبِيْهِ — ایک گمراہ فرقہ اپنے مخصوص عقائد کے تحفظ و پشت پناہی کی
خاطر شروع سے کہتا آرہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیلؑ کے والد کا نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ اور حال کے ایک
آدھ جدید گمراہ فرقے بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل کے نام سے کوئی چیز نہیں، نرے
محض احتمالات و امکانات، یہ تو ہر قطعی سے قطعی مسئلہ میں بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ اَبْ کو اس کے بالکل کھلے
ہوئے ظاہر معنی سے ہٹا کر مجازی استعمال کی طرف لے جانے کے لئے آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔ اَتَتَّخِذُ
اَصْنَامًا اٰلِهَةً — تارح (آذر) کی بُت پرستی کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے:۔ "خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادے تارح ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے"
(یشوع ۲۴: ۲) اور یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلو پیڈیا میں اتنا اور بھی ہے:۔ "وہ علاوہ بُت پرست ہونے کے بُت ساز اور بُت فروش بھی تھا" (جلد ۱۲ صفحہ ۱۰) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مشغولی مع الحق اور مناظرۂ اہل باطل میں کوئی
تنافی نہیں بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو۔ ف ۱۱۴ (چنانچہ اب وہ موحّد کامل ہونے کے علاوہ خدمتِ تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ اور اپنی قوم کو شرک سے توحید کی طرف بُلا رہے اور لا رہے تھے) لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ — یعنی زمین و آسمان پر حق تعالیٰ
کی حکومت قاہرہ کے مشاہدہ سے اُن کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا، اور ازدیادِ معرفت نے انہیں مرتبۂ ایقان تک پہنچا دیا۔ یستدل بھا لیکون من الموقنین (کبیر) انا اریناہ ھذہ الاٰیات لیراھا ولاجل ان یکون من الموقنین (کبیر)
الیقین عبارۃ عن علم یحصل بعد زوال الشبھۃ بسبب التامل (کبیر) لیکون من الموقنین اشارۃ الی درجات انوار التجلی وشروق شمس المعرفۃ والتوحید (کبیر) كَذٰلِكَ — یعنی جس طرح ہم نے اُن پر اُن کی قوم اور اُن کے والد کی گمراہی روشن
کر دی تھی۔ ای کما اریناہ اضلال ابیہ وقومہ (جلالین) المعنی ومثل ما اریناہ من قبح عبادۃ الاصنام نری ملکوت السمٰوٰت والارض (کبیر) ای کما اریناہ البصیرۃ فی دینہ والحق فی خلاف قومہ (معالم) مَلَكُوْتَ — یعنی حکومت
آسمانی کے کرشمہ۔ ملکوت۔ اس مُلک کے لئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔ الملک مختص بملک اللہ تعالیٰ (راغب) مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — مُراد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت و مالکیت کے طریقے ہم نے اُن کے دل میں اُتار دیئے۔ ای اٰیات
السمٰوٰت والارض (ابن جریر عن مجاہد) یعنی الربوبیۃ والالٰھیۃ وھدیناہ لطریق الاستدلال (کشاف) ای ربوبیتہٗ تعالیٰ ومالکیتہٗ لھا (روح) ملکوت کی اضافت کی قدر، علاوہ ارض کے سمٰوٰت کی طرف ہونے کی اُس وقت بہت
بڑھ جاتی، اور معنویت سے لبریز ہو جاتی ہے، جب یہ یاد کر لیا جائے کہ اہلِ بابل (کلدان) محض بُت پرستی کے زمینی شرک میں نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے آسمانی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ نُرِيْٓ — یہ ارادہ کس طرح کی تھی، مادّی آنکھوں سے یا چشمِ ہوش سے؟ دیدۂ بصارت سے
یا دیدۂ بصیرت سے؟ محققین کا قول ہے کہ بصارتِ حسّی سے نہیں بلکہ بصیرتِ عقلی سے تھا الاراءۃ کانت اراءۃ بحسب بصیرۃ العقل لابحسب البصر الظاھر (کبیر) نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض اشارۃ الی مراتب الدلائل والبینات۔
ای نری بصیرتہ لطائف خلق السمٰوٰت والارض (مدارک) وحدانیۃ اللہ عزوجل فی ملکہ وخلقہ (ابن کثیر)

۱۰۵ (قیامت کے دن) تشریح قانون مجازات و مکافات کی ہو رہی ہے، وَذَكِّرْ بِهِ ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای ذکّر بالقرآن (کبیر) اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۔ آیت سے ایک
تو اسی حقیقت پر روشنی پڑی کہ سزا جس کسی کو جو کچھ بھی ملے گی، اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت کی ہوگی، دوسرے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبلیغ و تذکیر کا جو حکم ہے اس کی تہ میں جذبۂ شفقت علی الخلق ہی کام کر رہا ہے۔
ای مخافۃ ان تسلم الی الھلکۃ والعذاب (کشاف) لھا ۔ تعدل ۔ منھا ۔ یہ سب مؤنث ضمیر نفس کے لئے ہیں۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۔ اس میں تردید ہے اسی عالمگیر
مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقیدہ کی کہ جزا کے وقت فلاں اوتار یا فلاں دیوتا یا تو خود کارسازی کے لئے اور بگڑی ہوئی بنانے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یا اُن کی سفارش و مداخلت کام کر جائے گی۔ ک

تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ
ذریعہ سے سمجھاتا بھی رہ کہ کوئی شخص اپنے کیے کے بدلے پھنس نہ جائے اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی
وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ
کارساز ہے نہ سفارشی، اور اگر وہ ہر (ممکن) معاوضہ بھی دے (جب بھی) اس سے قبول نہ کیا
مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ
جائیگا ۱۰۵ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوت کے بدلے پھنسے ہیں اُن کے لئے پینے کو تیز گرم پانی
مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾
ہوگا اور عذاب دردناک ہوگا بعوض اُس کفر کے جو یہ کرتے رہے ہیں ۱۰۶

ع ۸
۱۴

قُلْ أَنَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا
آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم (مسلمان) اللہ کے سوا ایسے کو پکاریں، جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکے اور نہ ہم کو نقصان
وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي
پہنچا سکے اور (کیا) ہم اُلٹے پاؤں واپس پھر جائیں بعد اس کے کہ ہم کو اللہ ہدایت دے چکا ہے
اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهُ أَصْحَابٌ
جیسے کوئی شخص ہو کہ اُسے شیطانوں نے (کہیں) زمین پر بے راہ کر دیا ہو (اور وہ) بھٹکتا پھرتا ہو ۱۰۸
يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ
اُس کے ساتھی ہوں کہ وہ اُس کو ہدایت کی جانب بُلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ، آپ کہہ دیجیے کہ راہ
الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَأَنْ
تو بس اللہ کی (بتائی ہوئی) راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے پروردگار کے (پورے) مطیع ہو جائیں ۱۰۹

يُؤْخَذْ مِنْهَا ۔ جاہلی مذہبوں میں یہ عقیدہ بھی عام رہا ہے کہ معاوضے اور فدیے حشر میں بھی کام آجائیں گے۔
۱۰۶ یہ بیان ہو رہا ہے اُن بدکرداروں، بے دینوں کے انجام بد کے ظہور تام کا جو آخرت میں واقع ہوگا۔ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۔ اوپر جس طنز و تمسخر کا ذکر ہوا، وہ بھی اسی کفر کی ایک شاخ ہے۔ ۱۰۷ مقصود عقیدۂ شرک کی حماقت و سفاہت دکھانا ہے۔ قُلْ خطاب پیمبر سے ہے کہ آپ جملہ مومنین کی طرف سے مشرکین سے یہ کہیئے۔ أَنَدْعُو کیا ہم بھی پکاریں جیسے تم پکارتے ہو، اور جیسا کہ تم ہم سے چاہتے ہو، نُرَدُّ ...... اللہ شرک یوں بھی ایک تمامتر احمقانہ، سفیہانہ عقیدہ تھا، چہ جائیکہ اسلام کی روشنی پا جانے کے بعد پھر اسی کو اختیار کرنا!
مشرکین نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا تھا کہ تم اپنے قدیم اور آبائی دین کو چھوڑ کر کہاں اس نئے شخص محمد نامی کی دعوت پر بہک گئے، اب بھی واپس آجاؤ اور اپنے قومی و ملی دین کی تقویت کا باعث بنو، مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی مل رہی ہے کہ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اُسی طریق کی طرف واپس آجائیں جسے دین کہنا ہی دین کی توہین ہے یعنی جن میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے، انہیں قادرِ مطلق کی جگہ پر رکھ لیں؟ اور پھر وہ بھی اسلام کے بتائے اور دکھائے ہوئے حقایق کا مزہ چکھ چکنے کے بعد! ۱۰۸ (اگر وہ ہکا بکا ہو کر کچھ سنتا سمجھتا نہ ہو) تمثیل کے اس دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی یہ ہے کہ اپنی یہی حالت بنالیں کہ جس طرح ایک راہ گیر جنگل میں غول بیابانی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر راہ اور رفیقانِ راہ سے جدا ہو گیا اور اُس کے رفیق اُسے آواز پر آواز دیئے جا رہے ہیں اور وہ ہے کہ مخبوط و سرگشتہ ان کچھ بھی سنتا سمجھتا نہیں، اسی طرح ہم گمراہوں کے پنجہ میں پڑ کر جادۂ حقیقت سے جدا ہو جائیں اور ہمارے ہادی اور پُرانے رفیق پھر بھی خیر خواہی سے دعوتِ اسلام کئے جائیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں؟ ۱۰۹ (اور اس خداوند کائنات کے مکمل ہر جہتی، ہمہ گیر و دائمی قانون کے پورے فرمانبردار ہو جائیں)
لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ رب العالمین کے لفظ میں یہ اشارہ آگیا کہ دعوت ایسے قانون کی اطاعت کی دی جا رہی ہے، جو کسی ملک، قوم، نسل، قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس میں رعایتیں ساری
دنیا کے انسانوں، حیوانوں، جملہ مخلوقات کی رکھ لی گئی ہے۔ لِنُسْلِمَ میں ل تعلیل کا ہے۔ ھی تعلیل للامر بمعنی اُمرنا وقیل لنا اسلموا لاجل ان نسلم (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے
کہ ل کو اَنْ کا مرادف قرار دیا جائے۔ عربی محاورہ میں دوسری ترکیبوں کے ساتھ یہ ترکیب بھی درست ہے۔ ای ان نسلم والعرب یقول امرتك لتفعل وان تفعل وبأن تفعل (معالم) إِنَّ
هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۔ اِس میں بتا دیا کہ جس راہ پر راہ کا اطلاق ہو سکے وہ تو بس وہی ہے جو خداوند عالم کی بتائی ہوئی ہے نہ کہ وہ جو محدود نظر رکھنے والے بندوں کی عقل یا جذبات کی سجھائی ہوئی ہے۔
ھو الھدیٰ یعنی ھو الھدی الکامل النافع الشریف کما اذا قلت علم زید ھو العلم وملك عمر ھو الملك (کبیر)

۹۹ (کہ عذاب کے واقع کردینے پر قادر ہوں، میں تو اس کی تفصیلات تک کا علم نہیں رکھتا ہوں) کَذَّبَ بِہٖ۔ ضمیر عذاب الٰہی کی طرف ہے۔ ای بالعذاب (بیضاوی) یجوز ان یکون المراد منہ عذاب الاٰخرۃ ویجوز ان یکون المراد منہ استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقھر فی الدنیا (کبیر) والضمیر راجع الی العذاب المذکور فی الاٰیۃ السابقۃ (کبیر) وَھُوَ الْحَقُّ۔ یعنی واقع ہو کر رہنے والا ہے۔ الواقع لامحالۃ (بیضاوی) ای لابد ان ینزل بھم (کبیر۔ کشاف) ۱۰۰ (کہ عذاب آخر آیا) اِس عذاب سے عذابِ آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور عذاب دنیوی بھی جو قرآن کے مخاطبین اوّل قریش پر شدید و ذلیل شکست کی صورت میں مسلط ہو کر رہا۔ یجوز ان یکون المراد منہ عذاب الاٰخرۃ ویجوز ان یکون المراد منہ استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقھر فی الدنیا (کبیر) سَوْفَ۔ یہاں تاکید کے لئے ہے۔ سوف للتاکید (روح) مُسْتَقَرٌّ۔ کے لفظی معنی تو ہیں جائے وقوع و استقرار کے لیکن یہاں مراد وقتِ وقوع و استقرار ہے بعض نے دونوں معنی جائز رکھے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ جس واقعہ کی خبر دے دیتا ہے وہ اپنے وقت و مقام پر ضرور ہی واقع ہو کر رہتا ہے۔ والمعنی ان لکل خبر یخبرہ اللہ تعالیٰ وقتا ومکانا یحصل فیہ من غیر خلف وتاخیر (کبیر) قال ابن عباس وغیرہ واحد لکل نبأ حقیقۃ ای لکل خبر وقوع ولو بعد حین (ابن کثیر) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہر عمل ایک جزا ضرور رکھتا ہے۔ قیل ای لکل عمل جزاء (قرطبی) ۱۰۱ (تکذیب، طنز و استہزاء کے ساتھ) بالتکذیب والاستھزاء بھا والطعن فیھا (بیضاوی) اِذَا رَاَیْتَ۔ خطاب یہاں عام ناظرینِ قرآنی سے ہے۔ ای اذا رایت ایھا السامع (کبیر) اَلَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا۔ آیات میں یہاں معجزات و دلائل، احکام سب آگئے لیکن بالخصوص مراد قرآن ہے۔ اٰیات اللہ وھی القراٰن (جصاص) یعنی فی القراٰن (معالم) خوض۔ کے لفظی معنی بیہودہ گوئی، بے کار حجت نکالنے کے ہیں۔ لفظ الخوض فی اللغۃ عبارۃ عن المفاوضۃ علی وجہ العبث واللعب (کبیر) خوض پر حاشیہ ۵ میں گزر چکا (سورۃ النساء آیت ۱۴۰ کے تحت ہیں) ۱۰۲ یہاں اہلِ ایمان کو صاف حکم مل رہا ہے کہ جو بے دین مذہبی احکام و مسائل کے ساتھ مضحکہ و تمسخر کرتے ہیں، اُن کے پاس اتنی دیر تک بیٹھنا اُٹھنا جائز نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔ ھٰذا یدل علی ان علینا ترک مجالسۃ الملحدین وسائر الکفار عند اظھارھم الکفر والشرک ومالا یجوز علی اللہ تعالیٰ (جصاص) ھٰذا دلیل علی ان مجالسۃ اھل المنکر لاتحل (ابن العربی) پھر جن قوموں نے وقتی و ہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل مشغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ طنز و تمسخر بنا رکھا ہے۔ اُن کی صحبتوں سے کنارہ کشی، اُن کی مجلسوں سے علیحدگی کس درجہ اہم و ضروری ہو گی! ——— بے دینوں اور غیر مذہب والوں سے بلا ضرورت خلا ملا، اور بلا کسی مصلحت کے مجالست و مخالطت اس حکمِ ممانعت کے تحت میں آگیا۔ فَلَا تَقْعُدْ۔ یہاں بیٹھنے کے لفظی معنی لے کر یہ مراد نہیں کہ کھڑے ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ قعود اپنے وسیع معنی میں ہے، اور بے دینوں سے صحبت و اختلاط کی ہر صورت ناجائز ہے۔ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ یعنی اگر خیال نہ رہے، کسی اور شغل میں پڑ کر ان لوگوں سے صحبت و ہم نشینی رہے، محض سہو و نسیان سے شریعت نے جو مؤاخذہ اُٹھا دیا ہے اُس کی نظیر یہ آیت بھی ہے۔ یفید ان التکلیف ساقط عن الناسی (کبیر) مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اہلِ کفر سے مجالست و مخالطت علی العموم ممنوع ہے، خواہ وہ اپنے کو کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہوں، اور خواہ وہ اُس خاص وقت میں اپنی شرارت و خباثت کا اظہار کر رہے ہوں یا نہیں۔ ذٰلک عموم فی النھی عن مجالسۃ سائر الظالمین من اھل الشرک واھل الملۃ لوقوع الاسم علیھم جمیعا سواء کانوا مظھرین فی تلک الحال للظلم والقبائح او غیر مظھرین لہ لان النھی عام عن مجالسۃ الظالمین۔ (جصاص) ۱۰۳ (اور اس کوشش کا اجر تو ان یاد دہانی کرنے والوں کو مل ہی جائے گا) مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ مومنین کو بالکل علیحدگی سے تو تعذر ہو گا، مثلاً آغازِ اسلام ہی میں کہ جب مومنین مسجد کعبہ میں مصروفِ طواف و عبادت ہوتے، اور وہیں مشرکین بھی اول فول بکتے ہوتے، یا آج بھی اسکولوں میں، بازاروں میں، دفتروں میں، ریل پر، جہاز پر، لاری پر، غرض کثرت سے موقع مسلمانوں اور بے دینوں کے اجتماع کے پیش آسکتے ہیں تو ایسے سب موقعوں کے لئے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ ان بے دینوں کی بک جھک کا کوئی اثر تمہارے نامۂ اعمال پر تو پڑے گا نہیں، اپنی بیہودہ گوئی کے ذمہ دار تمام تر وہ خود ہی ہیں۔ تم اس سے ذرا نہ گھبراؤ۔ ضرورت کے وقت تم اُن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ البتہ اتنا تم پر بھی واجب ہے کہ اپنے امکان و وسعت بھر انہیں تلقین و تبلیغ کرتے رہو۔ ممکن ہے وہ راہِ راست پر آہی جائیں اور نہ بھی آئیں جب بھی تمہارا اجر تو کہیں گیا نہیں۔ مِنْ شَیْءٍ۔ میں مِنْ استغراق کے لئے ہے یعنی کچھ بھی اثر نہ پہنچے گا۔ مِنْ زائدۃ للاستغراق (روح) اَلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ یعنی وہ لوگ جو کفر، بے دینی، معاصی سے بچے ہوئے ہیں۔ مِنْ حِسَابِھِمْ۔ ضمیر مشرکین اور بے دینوں یعنی قوم الظلمین، الذین یخوضون فی اٰیاتنا کی طرف ہے۔ لٰکِنْ ذِکْرٰی یعنی تبلیغ و تفہیم میں لگے رہیں اپنی حسبِ قدرت و استطاعت۔ ای یذکرونھم ویفھمونھم (کبیر) من ابن عباس) لکن علیھم ان یذکروھم ویمنعوھم عما ھم فیہ (رح) ولکن علیھم تذکرۃ لھم وموعظۃ (جلالین) ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ۔ کہ اس موعظت سے شاید کہ وہ لوگ بھی تمسخر سے باز آجائیں۔ والمعنی لعل ذٰلک الذکری یمنعھم من الخوض (کبیر) ۱۰۴ یعنی ایسے بے دینوں سے مجالست و مخالطت ترک کئے رہو۔ یہ مراد نہیں کہ اُن پر تبلیغ و تلقین کرنا چھوڑ دو۔ ومعنی ذرھم اعرض عنھم ولیس المراد ان یترک انذارھم (کبیر) المراد ترک معاشرتھم وملاطفتھم ولا یترک انذارھم وتخویفھم (کبیر) اعرض عنھم ولاتشغل قلبک بھم (کشاف) اِتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا۔ ایسے کون ہیں جنہوں نے اسلام کو نہیں، خود اپنے دین کو لہو و لعب یا مشغلہ تفریح بنا لیا ہے؟ دین کو بھلا کوئی قوم بھی مشغلہ تفریح بنا سکتی ہے؟ مفسرین کو اسی لئے یہاں دین کو متعین کرنے میں دقت پیش آئی ہے حالانکہ ہندی مسلمان اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھ رہا ہے اُس کے بعد کوئی دشواری باقی ہی نہیں رہتی۔ یہ ہولی جیسے مقدس تہوار کو محض ناچ اور رنگ، فحش گوئی و شراب نوشی کا جلسہ بنا لینا، یہ دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے اور روشنی کا مستقل تماشہ بنا لینا یا یہ دسہرہ کی حیثیت محض ایک سوانگ اور ناٹک کی رکھ دینا، "یہ بڑے دن" (کرسمس) کے پاک دن کو شراب نوشیوں اور بدمستیوں کے لئے وقف کر دینا، یہ "نوروز" کے شاہانہ جلسے یہ سب مثالیں اور نظیریں اگر دین کو لہو و لعب اور مشغلہ تفریح بنا لینے کی نہیں تو اور کیا ہیں؟ ——— اللہ اپنی نعمتوں اور سرافرازیوں سے مالا مال کرے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کیسی گہری اور نکتہ رسی کی بات فرما گئے ہیں! قال ابن عباسؓ جعل اللہ لکل قوم عیدا یعظمونہ ویصلون فیہ ویعمرونہ بذکر اللہ تعالیٰ ثم ان الناس اکثرھم من المشرکین واھل الکتاب اتخذ واعیدھم لھوا ولعبا غیر المسلمین (کبیر) عبرت کے ساتھ ہمارے اہلِ اعراس غور کریں کہ خود اُن کے عُرس بھی جو بدعات اور منکرات کے مجموعہ ہوتے ہیں، کہیں اس وعید کے تحت میں تو نہیں آئے جاتے ہیں۔ غَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا۔ اور دُنیا سے اسی گہری فریب خوردگی ہی کا یہ اثر ہے کہ انہیں اپنے تمسخر کا انجام کچھ نظر نہیں آتا!

کَذَّبَ بِہٖ قَوْمُکَ وَھُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْکُمْ

آپ کی قوم نے اس کی تکذیب کی ہے درآنحالیکہ وہ برحق ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اوپر

بِوَکِیْلٍ ﴿۶۶﴾ لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

کچھ داروغہ تو ہوں نہیں ۹۹، ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا ۱۰۰

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ

اور جب تو اُن لوگوں کو دیکھے جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں ۱۰۱ تو اُن سے کنارہ کش

عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ ؕ وَاِمَّا

ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر

یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی

شیطان تجھے بُھلا دے تو یاد آجانے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ

پاس مت بیٹھ ۱۰۲ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں اُن پر

مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّھُمْ

اُن کی باز پُرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا البتہ (اُن کے ذمہ بھی) نصیحت ہے شاید کہ وہ

یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّ

بچنے لگیں ۱۰۳ اور اُن لوگوں کو چھوڑے رہ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا

لَھْوًا وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَذَکِّرْ بِہٖٓ اَنْ

بنا رکھا ہے اور انہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ۱۰۴ اور اس (قرآن) کے

۹۴ (تعمیلِ احکام میں) ای لا یقصرون فی ما امروا به (کبیر) ای لا ینقصون مما امروا به ولا یزیدون فیه (کشاف) رُسُلُنَا۔ مُراد وہ فرشتہ ہیں، جن کا کام ہی قبض رُوح کرنی ہے۔ وھم ملك الموت
واعوانه (کشاف) قبضِ روح کا عمل اصلاً صرف قدرتِ حق تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ظاہری عمل ملک الموت کرتے ہیں، باقی دوسرے فرشتہ اس کے ماتحت ہوتے ہیں اور اُنھی کے لئے یہاں صیغۂ جمع آیا ہے۔ التوفی فی الحقیقة
یحصل بقدرة الله وھو فی عالم الظاھر مفوض الی ملك الموت وھو الرئیس المطلق فی ھذا الباب وله اعوان وخدم وانصار (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض صُوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ قبضِ ارواح
کبھی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں، کبھی ملک الموت اور کبھی دُوسرے فرشتہ (رسل) اور یہ متوفی کے احوال کے تفاوت پر ہے۔ آیت نے اسے بھی صاف کر دیا کہ اختیار ان ملائکۂ موت کا کچھ بھی نہیں، ان کا کام محض تعمیلِ احکام ہے جس میں
یقصور کرتے ہی نہیں۔ یہیں سے رَد نکل آیا اُن مشرک قوموں کا جو خود فرشتۂ موت کو فاعلِ مختار و متصرف بالذات سمجھ کر اس کی پُوجا کرتے رہتے ہیں۔ آیت منجملہ اُن قرآنی دلائل کے ہے جو عصمتِ ملائکہ پر ناطق ہیں۔ دلت ھذه الآیة

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝٦١ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ
ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتہ) قبض کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ (سب) واپس لائے
مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝٦٢
جائیں گے اپنے مالکِ حقیقی کے پاس۹۴۔ سُن رکھو کہ فیصلہ اُسی کا ہوگا اور وہ بہت ہی جلد حساب لے لیگا۹۵
قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ
آپ کہیئے کہ تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے (اور) اُسے تم پکارتے رہتے ہو
تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ
عاجزی سے اور چُپکے چُپکے کہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے ان مُصیبتوں سے تو ہم یقیناً
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝٦٣ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ
شکر گزاروں میں داخل ہو کر رہیں۹۶۔ آپ کہہ دیجئے اللہ ہی تمہیں نجات دیتا ہے ان سے اور ہر غم
كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝٦٤ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ
سے، اس کے بعد بھی تم شرک کرنے لگتے ہو۹۷۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ (اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے
يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ
اُوپر کوئی عذاب مسلط کر دے تمہارے اُوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے
اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ
یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے، اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے
اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝٦٥ وَ
آپ دیکھیئے ہم کس کس طرح دلائل کو اُلٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ لوگ سمجھ جائیں۹۸ اور

علی ثبوت عصمة الملائکة علی الاطلاق (ابن جریر) رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔
الیٰ سے یہاں یہ مُراد نہیں کہ یہ مُراجعت کسی خاص سمت یا مکان کی جانب ہوگی
کہ حق تعالیٰ ہر مکان و جہت سے منزہ ہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ مراجعت اللہ کے حکم سے ہوگی۔
یجب ان یکون ذلك الرد مفسرا بکونه منقادا لحکم الله مطیعا
لقضاء الله (کبیر) ای الی حکمه وجزائه (مدارک) مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ مالکِ حقیقی
وہی اللہ ہے۔ اس کا انکشاف اُس روز خاص و عام، کافر و مومن سب کو ہو کر
رہیگا۔ ورنہ دنیا میں تو کیسے کیسے مالکان باطل انسان پر حکمران رہتے ہیں۔ ۹۵
اس میں بھی رَد ہے اُن مشرک قوموں کا جو یہ سمجھتی تھیں کہ خدا کو بھی دنیوی محاسبوں کی
طرح کسی بڑے طویل و پیچیدہ حساب میں اُلجھنا ہوگا۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ۔ یہاں یہ یاد
دلا دیا کہ فیصلہ صرف حق تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ مسیح یا کسی اور شریکِ قدرت کا۔ یومئذ
لا حکم فیه لغیره (کشاف) ای له الحکم وحده یوم القیٰمة ای القضاء
والفصل (قرطبی) ۹۶ آیت کا مفہوم ظاہر ہے، ہجوم مصائب کے وقت اور شدتِ
اضطرار میں جب تمام مادّی و دنیوی سہاروں سے مایوسی ہو جاتی ہے تو فطرتِ بشری خود
بخود حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتی اور دُعا و زاری سے کام لینے لگتی ہے تو سوال کر کے
فطرتِ بشری کے اسی احساسِ توحید کو بیدار کیا گیا ہے۔ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ سے
مُراد مطلق شدائد ہی لی گئی ہے۔ ای من شدائدھما استعیرت الظلمة للشدة
(بیضاوی) مجاز عن مخاوفهما واھوالهما (کشاف، کبیر) امام رازی نے فرمایا ہے کہ آیت
میں مُصیبت زدہ انسان کیلئے چار صفات کا اثبات ہے۔ (۱) دُعا، (۲) تضرع، (۳) اخلاصِ قلب
(وھو المراد من قوله خُفْيَةً) اور (۴) التزامِ شکر۔ مُرشد تھانویؒ نے
فرمایا کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے خفی و جلی، قلبی و لسانی ہر قسم کے ذکر کی
مشروعیت پر دال ہے۔ ۹۷ عام نفسِ بشری کی خباثت کا بیان
ہے کہ مُصیبت کے وقت تو کم ظرف انسان رونے گڑگڑانے چلّانے لگتا ہے۔ اور ادھر
مصیبت ختم ہوئی کہ اُدھر پھر وہی اکڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ وَمِنْ كُلِّ
كَرْبٍ یعنی ایک وہی مُصیبت کی کیا تخصیص ہے۔ نجات جس غم سے
بھی ملتی ہے۔ نجات دینے والا ہر حال میں وہی ہوتا ہے۔ ۹۸ یہاں
دنیوی مصائب کی تین عام و متعارف صُورتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک عَذَابًا
مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی اُوپر سے آنے والا عذاب۔ جیسے پتھر، آندھی، طوفان
وغیرہ۔ ایک تفسیر ظالم حاکموں سے بھی آئی ہے۔ یحمل ھذا اللفظ علی

مجازه قال ابن عباس عذابا من فوقکم ای من الامراء (کبیر) ای السلاطین الظلمة (معالم) من قبل اکابرکم وسلاطینکم (کشاف) دُوسرے مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یعنی نیچے سے آنے والا عذاب، زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس
کی کھُلی ہوئی مثالیں ہیں۔ مجازاً سرکش رعایا یا نافرمان غلام بھی مُراد لئے گئے ہیں۔ قال ابن عباس من العبید والسفلة (کبیر) من قبل سفلتکم وعبیدکم (کشاف) يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ تیسری قسم عذابِ
الٰہی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے۔ یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی عذابوں سے گھٹ کر نہیں، کچھ بڑھ ہی کر ہے۔ اس کا تجربہ دنیا کو ادھر چھ سات
سال خوب ہو چکا ہے۔ اور آج بھی جنگ ختم ہو جانے کے سال بھر بعد (۱۹۴۶ء / ۱۳۶۵ھ) میں بھی ہو رہا ہے! ای یجعلکم فرقا یقاتل بعضکم بعضا (قرطبی) ای بالحروب والقتل فی الفتنة (قرطبی) هُوَ الْقَادِرُ۔ یعنی وہ کامل القدرت ہے
اور تم کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔ ای ھو الذی عرفتموه قادرا وھو الکامل القدرة (کشاف) مفسرین کے درمیان ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذابِ تفرقہ کا ذکر ہے۔ او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم
باس بعض میں اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مومنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیل ھی فی الکفار خاصة (قرطبی) لیکن محققین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مومنین کے
بارہ میں بھی ہے اور کافروں اور مومنوں کے لئے عام ہے۔ عن مجاهد الآیة عامة فی المسلمین والکفار (قرطبی) قال الحسن ھی فی اھل الصلاة (قرطبی) امام قرطبیؒ اندلسی ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول
صحیح ہے اور صحیح ہونا کیا معنی، یہ تو مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ ہمارے ہی بھائی بند دشمن بن کر ہم پر مستولی ہوئے، آپس میں تلوار چلی، جانیں گئیں، مال لُٹا اور ایک نے دوسرے کی جان و مال کو حلال سمجھا۔ انا للہ۔ قلت ھو الصحیح فانه
المشاهد فی الوجود فقد لبسنا العدو فی دیارنا واستولی علی انفسنا واموالنا مع الفتنة المستولیة علینا بقتل بعضنا بعضا واستباحة بعضنا اموال بعض (قرطبی) لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔ یعنی ہم دلائل و شواہد کو اسی لئے
واضح کر رہے ہیں کہ اب بھی یہ نادان شرک و معصیت کی قباحتوں کو سمجھ جائیں۔ یرید بطلان ما ھم علیه من الشرك والمعاصی (قرطبی)

بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۵۸ وَعِنْدَهٗ
میرے تمہارے درمیان قصہ فیصل ہو چکا ہوتا، اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ۵۸۸ اور اُس کے پاس

مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ
ہیں غیب کے خزانے، انہیں بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا ۵۸۹ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور

وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا
سمندر میں ہے، اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے اور کوئی

حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ
دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز، مگر (یہ کہ یہ سب)

اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ
روشن کتاب میں (موجود) ہیں ۵۹۰ وہ وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دے دیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى
اور جو کچھ تم دن میں کرتے رہتے ہو اُسے جانتا ہے پھر تمہیں اُس سے جگا دیتا ہے کہ میعاد معین تمام

اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
کردی جائے ۵۹۱ پھر اُسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ بتادیگا جو کچھ تم کرتے

تَعْمَلُوْنَ ۝۶۰ ع ۷ ۱۳ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ
رہتے تھے ۵۹۲ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اُوپر اور وہ تمہارے اُوپر نگران (فرشتے)

حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
بھیجتا ہے ۵۹۳ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اُس کی روح

۵۸۸ (اور وہی سارا فیصلہ کرے گا جو جس کے مناسب حال و قرین حکمت ہو، خواہ عذاب دنیوی ہو یا اُخروی) اللہ اعلم بالظلمین وبما یجب فی الحکمۃ من وقت عقابھم ومقدارہ (کبیر) یعنی انہ ھو العالم بکل شیٔ فھو یعجل ما تعجیلہ اصلح ویؤخر ما تاخیرہ اصلح (کبیر) عِنْدِیْ۔ یعنی میرے قبضہ و اختیار میں۔ ای فی قدرتی (کن، ن) ای فی قدرتی و امکانی (کبیر) ای لو کان مرجع ذٰلک الیّ (بحر، کبیر) ۵۸۹ یعنی قدرت کاملہ تو الگ رہی علم کامل بھی بجز اللہ کے کسی کو حاصل نہیں۔ مشرکوں اور نیم مشرکوں کو حیات، قدرت، علم انہی تینوں صفات الٰہی میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید بھی اسی لئے انہی تینوں صفات کے بارہ میں کثرت تکرار و تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ تو وہی جب اور جس قدر چاہے جس چیز کو ظہور میں لے آئے۔ مَفَاتِحُ جمع مَفْتَحٌ (بالفتح) کی بھی ہے اور مِفْتَحٌ (بالکسر) کی بھی۔ مَفْتَحٌ کے معنی خزانہ کے مُسلّم ہیں۔ مِفْتَحٌ کے لفظی معنی کنجی کے ہیں لیکن مُراد اس سے بھی یہاں وسائل و اسباب ہی سے ہوگی۔ غرض معنی خواہ یہ سمجھائیں کہ غیب کے خزانے اُس کے ہاتھ میں ہیں یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، مُراد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔ اراد انہ ھو المتوصل الی المغیبات وحدہ لا یتوصل الیھا غیرہ (کشاف) لفظ المفاتح یمکن ان یکون المراد منہ المفاتیح ویمکن ان یراد منہ الخزائن (کبیر) ۵۹۰ یعنی لوح محفوظ میں، جو علم الٰہی ہی کی متشکل صورت کا نام ہے۔ یا کتاب مبین سے مجرد علم الٰہی ہی مُراد لیا جائے اور امام رازیؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ الکتاب المبین علم اللہ تعالٰی او اللوح (کشاف) ذٰلک الکتاب المبین ھو علم اللہ تعالٰی والاخیر وھذا ھو الاصوب (کبیر) الا ھو مثبت فی اللوح المحفوظ (ابن جریر) مختلف مثالوں کے ذریعہ سے بتایا ہے کہ اللہ کا علم جزئیات، کُلّیات ہر شے پر محیط ہے۔ اس میں رد آگیا اُن مشرک فلاسفہ کا جو علم الٰہی کو صرف کُلّیات پر محدود مانتے ہیں۔ آیت کی اہمیت و معنویت جب ہی پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جب مشرک قوموں کے اِن عقائد کا پُوری طرح علم ہو۔ ۵۹۱ یعنی میعاد معین تمہاری عمر کی، اسی طرح بیداری و خواب کے دَوران سے، پُوری کردی جائے اے انسانو! اجلٌ مُّسمًّی ای اعمارکم المکتوبۃ ومعنی القضاء فصل الامر علی سبیل التمام ومعنی قضاء الاجل فصل مدۃ العمر من غیرھا بالموت (کبیر) ای یستوفی کل انسان اجلًا ضرب لہ (قرطبی) بِالَّيْلِ۔ یعنی سونے کے وقت جو عموماً و عادۃً (نہ کہ کلیۃً و لازماً) رات ہی کا ہوتا ہے۔ عنی النوم (ابن جریر عن السدی) وتخصیص التوفی باللیل والجرح بالنہار للجری علی السنن المعتاد والا فقد یعکس (روح) محاورۂ قرآنی میں ایسی مثالیں شاذ نہیں۔ يَتَوَفّٰىكُمْ۔ یعنی تمہاری رُوح نفسیانی کو جس سے احساس و ادراک متعلق ہیں معطل کردیتا ہے یا اُسے قبض کرلیتا ہے۔ جدید نفسیات کی اصطلاحی بولی میں، تمہارے شعور کو باطل کردیتا ہے۔ فیتوفی انفسکم التی بھا تقدرون علی الادراک والتمییز (کبیر) لا تخرج منہ الروح ولکن یخرج منہ الذھن (قرطبی) ایک جدید فرقہ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت قرآن مجید کے الفاظ متوفیک اور توفیتنی سے ثابت کرنی چاہی ہے۔ وہ علاوہ دوسرے قطعی دلائل کے یہاں یتوفکم کے استعمال میں بھی اپنا رد دیکھ لے۔ بِالنَّهَارِ۔ یعنی بیداری میں جب شعور پوری طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ ۵۹۲ (دُنیا میں اور اُسی کے مناسب جزا سزا جاری کرے گا) آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ اللہ موت و بعثت مجازی کے کرشمہ تو تمہیں رات دن، خواب و بیداری کے ذریعہ سے دکھاتا ہی رہتا ہے۔ ایسے کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں آخری طور پر موت دے کر پھر حشر میں اُٹھا کھڑا کرے۔ اَجَلٌ مُّسَمًّى۔ ہر شخص کی مُدت عمر۔ معیّن لکل فرد وھو اجل بقائہ فی الدنیا (روح) ۵۹۳ یہ فرشتے اعمال کی کتابت کے لئے بھی ہوتے ہیں اور جان کی حفاظت کے لئے بھی۔ حفظۃ میں دونوں مفہوم آگئے۔ گو حفظ و کتابت اعمال کا پہلو ظاہر تر ہے۔ اتفقوا علی ان المقصود من حصول ھؤلاء الحفظۃ ضبط الاعمال (کبیر) ای ملائکۃ حافظین لاعمالکم (کشاف) عن قتادۃ یحفظون العمل والرزق والاجل (روح) ارسال الملئکۃ بما حلوا من الحفظ الذی اُمروا بہ (قرطبی) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ اُس کا غلبہ اپنے بندوں پر اُس کے علم و حکمت و قدرت کے لحاظ سے نہ کہ سمت و مکان کی بلندی کے اعتبار سے۔ لا یجوز ان یکون المراد من ھذہ الاٰیۃ الفوقیۃ بالمکان والجھۃ بل یجب ان یکون معناھا الفوقیۃ بالقھر والقدرۃ (کبیر) یعنی فوقیۃ المکانۃ والرتبۃ لا فوقیۃ المکان والجھۃ (قرطبی)

کی اور یا اُس کی صفاتِ عالیہ کی۔ اور اس معنی میں آیاتِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر شخص جو معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے آیات کے کسی نہ کسی حصہ ہی پر قناعت کرنا ہوتی ہے۔ کُل آیاتِ الٰہی کا احاطہ حدِ بشر سے باہر
ہے اور بندہ کی ترقی کی کوئی انتہا ہی اس طریق معرفت کے لحاظ سے نہیں، وہ برابر ترقی ہی کرتا جائیگا۔ تو اب رسول اللہ کو یہ حکم ملتا ہے کہ جس بندہ میں یہ صفت دیکھو اُسے سلامتی کی بشارت پہنچادو۔ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
دُوسری آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہوگیا کہ ذاتِ باریتعالٰی کیلئے نفس کا استعمال جائز ہے۔ دلت هذه الاٰیة علی انه لایمتنع تسمیة ذات الله تعالٰی بالنفس (کبیر) ۵۸۳ چنانچہ وہ شانِ غفر کے تقاضا سے معاصی کی نحوستوں کو بھی مٹا دیگا اور
شانِ رحمت کے تقاضا سے مزید نعمتوں سے بھی سرفراز کرے گا۔ غفورٌ بسبب ازالة العقاب رحیمٌ بسبب ایصال الثواب (کبیر) مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ۔ یعنی بدعملی کا وقوع اگر وقتی غلبۂ نفس سے جہل و غفلت
کی بنا پر ہوجائے۔ تَابَ وَاَصْلَحَ۔ یعنی وقوعِ معصیت کے بعد نفس کو اس پر تنبیہ ہوجائے۔ اور اپنے امکان بھر ایک طرف ماضی کے کفارہ اور دُوسری طرف حال و مستقبل میں بچنے کا اہتمام کرلیا جائے۔ تاب اشارة الی
الندم علی الماضی واصلح اشارة الی کونه اتیا بالاعمال الصالحة فی الزمان المستقبل (کبیر) ۵۸۴ (اور اس سے مومنین صادقین کا طریقہ بھی ممتاز ہوکر خود بخود واضح ہوجائیگا) والحق والباطل لا واسطة بینهما فمتی استبانت

عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ
جو کوئی نادانی سے بُرائی کر بیٹھے پھر وہ اُس کے بعد توبہ کرلے اور
وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿٥٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
اپنی حالت درست کرلے تو وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۵۸۳ اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے
الۡاٰيٰتِ وَلِتَسۡتَبِيۡنَ سَبِيۡلُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿٥٥﴾ قُلۡ اِنِّىۡ
رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہوکر رہے ۵۸۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے
نُهِيۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو
قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهۡوَآءَكُمۡ قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا
آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا، ورنہ میں بھی بے راہ ہو جاؤنگا، اور راہ پر
مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿٥٦﴾ قُلۡ اِنِّىۡ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ
چلنے والوں میں نہ رہونگا ۵۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو دلیل ہے میرے پروردگار کی طرف سے
وَكَذَّبۡتُمۡ بِهٖ‌ؕ مَا عِنۡدِىۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ‌ؕ اِنِ
اور تم اُسی کو جھٹلاتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کررہے ہو وہ میرے پاس نہیں ۵۸۶ حکم (تو اور کسی کا)
الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ‌ؕ يَقُصُّ الۡحَـقَّ‌ وَهُوَ خَيۡرُ الۡفٰصِلِيۡنَ ﴿٥٧﴾
نہیں بجز اللہ کے وہی حق کو بتلاتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۵۸۷
قُلْ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِىۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِىَ الۡاَمۡرُ
آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کررہے ہو تو (اب تک)

ع ۶ ۵ ۱۲

طریقة المجرمین فقد استبانت طریقة المحققین ایضاً لا محالة (کبیر)
کَذٰلِكَ۔ یعنی جیسے اسی سُورۃ میں ہم اور بھی دلائل مشرکین کے خلاف کھول کر بیان کرچکے ہیں۔ ای کما فصلنا لك فی هذه السورة دلائلنا و محاجتنا مع المشرکین (قرطبی) کما فصلنا لك فی هذه السورة دلائلنا علی صحة التوحید والنبوة والقضاء والقدر (کبیر) الْاٰیٰتِ۔ یعنی وہ احکام و دلائل جن کی ضرورت اقامتِ دین اور مقابلۂ اہلِ باطل کے لئے مومنین کو پڑ سکتی ہے۔ ای فی کل ما تحتاجون الیه من امر الدین ونبین لکم ادلتنا و حجتنا فی کل حق ینکره اهل الباطل (قرطبی) نمیز ونفصل لك دلائلنا و حججنا فی تقریر کل حق ینکره اهل الباطل (کبیر) ۵۸۵ آیت سے خدائی قانون کی ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں بندوں کی عقل آرائیوں کی انتہائی پستی و گندگی دونوں پر یکساں روشنی پڑجاتی ہے۔ رسُول جو پاک نفسوں اور قدسی سرشتوں کے سردار ہیں، اُن تک کی زبان سے کہلوایا جارہا ہے کہ تمہارے قاعدے اور ضابطے، تمہاری عبادتیں اور پُوجا پاٹ اس درجہ گندے ہیں کہ میں اُن کی پیروی کرنے لگوں تو اپنے مرتبہ سے کہیں گرجاؤں اور خود میرا شمار گمراہوں میں ہونے لگے۔
الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی تمہارے خود ساختہ اور تراشیدہ معبُود۔ ای تدعونهم فی امهات امورکم علی جهة العبادة اراد بذلك الاصنام (قرطبی) اَهْوَآءَكُمْ۔ هوٰی کا لفظ بہت عام ہے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جو بھی "عقل آرائی" کام میں لائی جائے گی، اس کا شمار ہوائے نفس میں ہوگا۔ ۵۸۶ یعنی عذاب الٰہی۔ ای العذاب (قرطبی) مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ۔ یعنی مجھ میں اس عذاب کے جلد یا بدیر لانے کی قدرت کہاں؟ لا قدرة لی علی تقدیمه او تاخیره (کبیر) منکرین طنز کے لہجہ میں رسُول اللہ صلعم سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ، یہ جواب اُسی بیہودہ فرمائش کا دیا جارہا ہے۔ فانهم کانوا لفرط تکذیبهم یستعجلون نزوله استهزاءً (قرطبی) عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ۔ سب سے بڑا بیّنہ یہی قرآن مجید ہے جو دنیا کا عظیم ترین دائمی و مستقل معجزہ ہے۔ اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع و کامل، اپنی ہدایات و احکام کے لحاظ سے بے مثل، اور اپنی انشاء و طرزِ بیان کے لحاظ سے بھی اپنا نظیر آپ ای علی حجة من جهة ربی وهی القرآن (کشاف) بَیِّنَةٍ کا صیغۂ نکرہ تنوین کے ساتھ اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔ یعنی

بہت بڑی دلیل۔ التنوین للتفخیم ای بینة جلیل الشان (روح) وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم ایسی صاف روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہو۔ بِهٖ ضمیر مذکر البینة کی جانب ہے اس کے معنی بیان یا اس کے مفہوم و مُراد "قرآن" کے لحاظ سے۔ ای بالبینة لانها فی معنی البیان وقیل بالفرقان (قرطبی) ذکر الضمیر علی تاویل البیان او القرآن (کشاف) ای ماجئت به (سالم) بینة کے اصل معنی بیان کے ہیں، اور بیان و توضیح کے معنی میں یہ محاورہ عربی لغت میں عام ہے۔ ای علی بیان وبینة وبرهان قد وضح لی من ربی وکذلك تقول العرب فلان علی بینة من هذا الامر اذا کان علی بیان منه (ابن جریر) ای علی بیان وبصیرة وبرهان (سالم)
۵۸۷ (چنانچہ اپنی حکمتِ مطلقہ کے مطابق وہ صحیح و مناسب وقت پر اپنا عمل اور ناطق فیصلہ بھی صادر فرمادیگا) والمراد ان ذلك العذاب ینزله الله فی الوقت الذی اراد انزاله فیه (کبیر) یَقُصُّ الْحَقَّ۔ اللہ ہی حق کو بتلاتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اُس نے حق کو روشن دلائل کے ساتھ قرآن کی صُورت میں پیش کردیا۔ ای یحکم بالحق بدلیل (سالم) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یعنی اختیار و حکومت تو تمام تر اللہ کی ہے۔ کائنات میں حاکمانہ تصرف صرف وہی کرسکتا ہے۔ میں عذاب اپنے ارادہ و اختیار سے کب لا سکتا ہوں اس کا انحصار تو ارادۂ الٰہی پر ہے۔ ای فی تاخیر العذاب وتعجیله (قرطبی) ای فی تاخیر عذابکم (کشاف) والمراد ههنا ان الحکم الا لله فقط فی تاخیر عذابهم (کبیر) فمعنی الکلام اذا ما الحکم فی ما تستعجلون به ایها المشرکون من عذاب الله فی ما بینی وبینکم الا لله (ابن جریر) ای انما یرجع امر ذلك الی الله ان شاء عجل لکم ما سألتموه من ذلك وان شاء انظرکم واجلکم (ابن کثیر) آیت کے اس جزء کو فرقۂ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے یہاں تک کہ خلیفۂ راشد برحق حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کرکرکے پھیلائی تھی، اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی، مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت "غیر اسلامی حکومت" قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون بھی ناجائز بلکہ حرام ٹھیرا رہا ہے۔ سیاقِ قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ سیاق تمام تر حکومتِ تکوینی و ارسال آیات و معجزات کا ہے۔ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ یعنی احقاقِ حق کے واسطے اُس عذاب کو میں اب تک نازل کراچکا ہوتا۔ ای من العذاب لانزلت بکم حتی ینقضی الامر الی آخره (قرطبی) لاهلکتکم عاجلاً غضباً لربی (کشاف) لاوقعت لکم ما تستعجلونه من ذلك (ابن کثیر) اس فقرے نے اور زیادہ صاف کردیا کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ سے مُراد حکومتِ تکوینی ہی تھی۔

(اور ایمان وطاعت کی راہ اختیار کرلیں) الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا۔ پیمبر اپنا وعظ سُناتا تو سب کو ہے لیکن اُس سے نفع اندوز بس وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خُدا و خوفِ عاقبت کسی درجہ میں موجود ہوتا ہے یا جن کا ضمیر کسی حد تک
زندہ ہوتا ہے۔ خص فی ھٰذہ الآیۃ الذین یخافون الحشر لان انتفاعھم بذلك الانذار اکمل بسبب ان خوفھم یحملھم علی اعداد الزاد لیوم المعاد (کبیر) لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔ کہ شاید آپکے موعظہ سے متاثر ہوکر وہ پُوری طرح راہِ ہدایت پاجائیں۔
راہِ ایمان پر ثابت قدم ہوجائیں۔ ای فی المستقبل وھو الثبات علی الایمان (قرطبی) وَأَنذِرْ بِهِ۔ ضمیر اُس وحی کی جانب ہے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ والضمیر لما یوحیٰ الیّ (بیضاوی) ای انذر بما اوحی الیك (بحر) ای بالقرآن (قرطبی) قال ابن
عباس والزجاج بالقرآن (کبیر) انذار۔ یوں تو پیمبر کے ذمہ مطلق و عام صورت میں بھی واجب ہے لیکن یہاں مقصود انذار خاص ہے۔ جو وہیں ہوتا ہے جہاں نفع معتد بہ متوقع ہوتا ہے۔ انذار کے معنیٰ یہاں اعلام بھی کئے گئے ہیں۔ الانذار الاعلام
(قرطبی) الانذار الاعلام بموضع المخافۃ (کبیر) وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ۔ یہ غیر اللہ کے متعلق دستگیری یا شفاعت کا عقیدہ بہت زائد پھیلا ہُوا تھا۔ اور مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ تک میں عام تھا، اسی لئے اس کی تردید بار بار اور شد و مد سے آئی ہے۔ اس سے
اُس شفاعت کی نفی نہیں ہوتی جو اہلِ سُنّت کے نزدیک انبیاء و ملائکہ و صالحین کی طرف سے ثابت ہے اس لئے کہ یہ شفاعت مستقلاً و اصالۃً نہیں بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے نیابۃً ہوگی ـــــ مِن دُونِهِ اور الا باذنہ کے درمیان زمین و آسمان کا
فرق ہے۔ قولہ لیس لھم من ولی ولا شفیع لا ینافی مذھبنا فی اثبات الشفاعۃ للمؤمنین لان شفاعۃ الملائکۃ والرسل للمؤمنین انما تکون باذن اللہ فکلما کانت تلك الشفاعۃ باذن اللہ کانت فی الحقیقۃ

إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ

ہیں اس امر کا وہ اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائینگے اس حال میں کہ ان کے حق میں نہ کوئی مددگار

لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم

ہوگا نہ کوئی شفیع، شاید کہ وہ ڈرنے لگیں اور اُن لوگوں کو نہ نکالئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام

بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ

پکارتے ہیں خاص اُسی کی رضا کا قصد کرتے ہوئے آپ کے ذمہ اُن کا حساب

مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم

ذرا بھی نہیں، اور نہ اُن کے ذمہ آپ کا ذرا بھی حساب ہے جس سے آپ انہیں

مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَ

نکالنے لگیں اور آپ کا شمار بے انصافوں میں ہو جائے اور

كَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ

اس طرح ہم نے اُن میں سے ایک کو دُوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے جس سے یہ

اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

لوگ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے، کیا اللہ شکرگزاروں سے خوب واقف نہیں ہے اور جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ

عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ

آپ کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے اپنے اُوپر رحمت لازم کر رکھی ہے، بیشک تم میں سے

من اللہ تعالیٰ (کبیر) إِلَىٰ رَبِّهِمْ۔ یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کسی سمت و جہت میں قایم ہیں اور حشر وہاں ہوگا بلکہ مُراد صرف وہ مقام ہے جو پروردگار نے خلق کے اجتماع اور فیصلہ کے لئے مقرر کیا ہے۔ المراد المکان الذی جعلہ ربھم لاجتماعھم وقضاءتھم (کبیر) المراد الحشر الی المکان الذی جعلہ عز وجل محلاً لاجتماعھم وللقضاء علیھم (روح) ۵۷۸ یعنی دن رات اپنے فرائض میں لگے رہتے ہیں جانباز سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہتے ہیں۔ الغداۃ والعشی سے صبح و شام کے متعین ہی اوقات مُراد نہیں بلکہ دوام مُراد ہے۔ ذکر ھٰذین القسمین تنبیھاً علی کونھم مواظبین علی الصلوات الخمس (کبیر) المراد بذکر الغداۃ والعشی الدوام (کشاف) المراد بھما ھٰھنا الدوام (روح) يَدْعُونَ رَبَّهُم۔ کے تحت میں عبادتِ الٰہی اور ہر قسم کے فرائض آگئے۔ المراد بالدعاء المحافظۃ علی الصلوٰۃ المکتوبۃ فی الجماعۃ قال ابن عباس و مجاھد والحسن (قرطبی) یواصلون دعاء ربھم ای عبادتہ ویواظبون علیھا (کشاف) وَلَا تَطْرُدِ۔ یعنی اپنی مجلس سے نہ نکالیئے۔

عرب جاہلیت خصوصاً قریش کے امراء و رُؤساء اسی طرح طبقاتی کبر و نخوت میں مبتلا تھے جس کی مثالوں سے آج یورپ بھرا پڑا ہے وہ اپنے عوام کے ساتھ ایک مجلس میں نشست کے روادار نہ تھے چہ جائیکہ ایسے مجمع میں جس میں غیر عرب حبشی وغیرہ اور پھر ان میں بھی غلام تک ہوں، انھی رئیسوں اور سرداروں نے اس مصلحِ اعظمؐ کے ہاں کہلا بھیجا کہ ان عوام و اجلاف کو اپنے پاس سے ہٹائیے تو ہم لوگوں کے لئے گنجایش نکلے۔ قرآن کو ان شعائرِ جاہلیت پر تو ضرب کاری ہی لگانا مقصود تھی، جواب ان آیات کے ذریعہ عطا ہُوا۔ ۵۷۹ یعنی مطیعین اور فرمانبرداروں کو بلا عذر اپنی مجلس سے محروم کردینا سخت ناانصافی کا برتاؤ ہے۔ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ یعنی یہ طاعت و عبادت بھی تمامتر اخلاص کے رنگ سے رنگین ہے۔ یخلصون نیاتھم فی عباداتھم (بحر) ای طاعتہ والاخلاص فیھا (قرطبی) ای مخلصین لہ سبحانہ فیہ (روح) وَجْهَهُ سے محاورہ میں مُراد کسی شَے کی ذات یا حقیقت ہی ہوتی ہے یا پھر عظمت و تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ الوجہ یعتبر بہ عن ذات الشیٔ وحقیقتہ (کشاف) یذکرون لفظ الوجہ للتعظیم کما یقال ھٰذا وجہ الرای وھٰذا وجہ الدلیل (کبیر) حسابھم۔ حسابك۔ حساب سے مُراد باطن کی تفتیش سے لی گئی ہے یعنی جس طرح اُن کے باطن کی تفتیش آپکے ذمہ ذرا بھی نہیں۔ اسی طرح آپکے باطن کی تفتیش اُن کے ذمہ بھی نہیں، مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں مُریدین کے ہی بعض حقوق کا بیان ہے، کہ انہیں بلا مصلحت اپنے پاس سے مطرود نہ کریئے۔ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ۔ پہلا مِنْ تبعیض کے لئے ہے اور دوسرا مِنْ زور و تاکید کے لئے۔ من الاُولیٰ للتبعیض والثانیۃ زائدۃ للتوکید (قرطبی)

فقہاء نے آیت اور اس کے ہم مفہوم احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی شخص کی عزّت و تعظیم اس کی خوش غلافی کی بنا پر اور کسی کی تحقیر اس کی بدلباسی کی بنا پر کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ وقد حصل من قوۃ الآیۃ والحدیث النھی عن ان یعظم احد لجاھہ ولثوبہ وعن ان یحتقر احد لخمولہ ولرثاثۃ ثوبہ (قرطبی)

۵۸۰ شروع میں اسلام کے ماننے والوں میں ضعفاء و غرباء کثرت سے تھے۔ سرکش و شریر الطبع قریش ان بیچاروں کو دیکھ دیکھ کر طنز و تعریض سے کہتے تھے کہ "اجی ان لوگوں کی بدحالی دیکھو، یہ تو اپنے دین کو اللہ کی نعمت بتاتے ہیں تو کیا یہی بدحالی اللہ کی نعمت ہے؟" وَكَذَٰلِكَ یعنی امارت و افلاس کے درمیان فرق قائم کرکے۔ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ یعنی خوشحال کافروں کو بدحال مومنوں کے ذریعہ سے۔ المفتون بالغنی والفقراء بالشرف والوضاعۃ والقوۃ والضعف (بحر) لِيَقُولُوا میں ل عاقبت کا ہے یعنی امارت و افلاس کی اس طبقاتی تقسیم سے ایک مقصود تکوینی امتحان بھی ہے۔ یہ کہنے والے اُمراء و رؤساء تھے۔ اور جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا، وہ ضعفاء و فقراء تھے۔ یعنی الاشراف والاغنیاء وھؤلاء یعنی الضعفاء والفقراء (قرطبی) ۵۸۱ (چنانچہ ان غریبوں، مسکینوں نے حق کو پہچانا اور قدر کی۔ انہیں دولتِ ایمان سے سرفراز کردیا گیا، رؤساء و امراء قریش کفران و انکار میں لگے رہے۔ قسمت سے محروم رہ گئے) ۵۸۲ رحمت و شفقت کل کائنات کے لئے عمومی اور مطیعین و مومنین کے لئے خصوصی، اور اس قانونِ رحمت کی ایک دفعہ یہ ہے جو ابھی بیان ہورہی ہے۔ كَتَبَ یہاں اوجب کے مُرادف ہے یعنی حق تعالیٰ نے اپنے اُوپر محض اپنے فضل و کرم سے بلا کسی کے توسط کے لازم یا واجب کرلیا ہے۔ ای اوجب ذلك بخبرہ الصدق ووعدہ الحق (قرطبی) ای اوجبھا علی ذاتہ المقدسۃ تفضلاً واحساناً بالذات لا بتوسط شیٔ اصلاً (روح) کتب میں خود ہی وجوب موجود ہے اور پھر جب علیٰ اس کے ساتھ آگیا تو تاکید اور دُہری ہوگئی۔ کتب کذا علی فلان یفید الایجاب وکلمۃ علی ایضاً تفید الایجاب ومجموعھما بالغۃ فی الایجاب (کبیر) عَلَىٰ نَفْسِهِ۔ نفس سے مُراد یہاں ذات و حقیقت ہے، نہ کہ جسم النفس ھٰھنا بمعنی الذات والحقیقۃ واما بمعنی الجسم والدم فاللہ سبحانہ وتعالیٰ مقدس عنہ (کبیر) معناہ وعدکم بالرحمۃ وعداً مؤکداً (مدارک) سَلَامٌ عَلَيْكُمْ۔ السلام علیکم تو مسلمانوں کے ہاں کا اصطلاحی سلام بھی ہے، ہر دُوسرے فرقہ اور قوم کے طریقِ سلام و تحیت سے ممتاز، نہ ڈنڈوت نہ پالاگن، نہ گڈ مارننگ نہ "جے رام جی کی" نہ "نمستے"، نہ "آداب و بندگی"، بلکہ صرف دعائے رحمت کہ اللہ ہر طرح فلاح و سلامتی نصیب رکھے ـــــ وہ جامع و بے نظیر دعا جو ہر موقع پر، ہر مرتبہ اور ہر سن کے انسان کو دن اور رات کے ہر وقت بلا تکلف دی جاسکتی ہے۔ اور یہاں سیاق میں سلام علیکم کے معنی ہونگے کہ اللہ تمہیں اُن تمام خرابیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جو کفر و انکار کے لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا اور آخرت میں پیش آئیں۔ سلامٌ علیکم ایک جامع ترین دعا ہے جس میں دنیوی اور اُخروی ہر قسم کی سلامتی آگئی۔ معناہ سلمکم اللہ فی دینکم وانفسکم (قرطبی) يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا۔ آیات سے مُراد یہاں آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں اور دلائل بھی۔ والمراد بالآیات الآیات القرآنیۃ او الحجج مطلقاً (روح) فخر المفسرین امام رازیؒ نے حسبِ معمول یہاں بھی غایت نکتہ رسی سے کام لیا ہے، ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب پر اطلاق آیت اللہ کا ہوسکتا ہے۔ وہ سب آیات یا اُس کی ذات و وجود کی ہیں یا اُس کی وحدانیت

۵۷۲ عذابِ الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس کا شکار صرف مجرمین ہوتے ہیں اور مطیعین اُس سے بچا لئے جاتے ہیں۔ حقًا علینا ننجِ المومنین۔ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً۔ بغتةً وہ عذاب ہے جو یک بیک اور اچانک بغیر کسی اطلاع کے آجائے۔ اور جہرةً وہ عذاب ہے جو پُورے طور پر اظہار علامات کے بعد آئے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ کوئی عذاب کسی قسم کا بھی ہو اس کے دفع کرنے کی قوت و قدرت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ ھٰذا عام فی جمیع انواع العذاب والمعنیٰ انہ لا دافع لنوع من انواع العذاب الا اللہ سبحانہ (کبیر) ای لا یھلک الا انتم لانکم کفرتم والظلم ھنا بمعنی الشرک (قرطبی)۔ آیت میں تعلیم اس مضمون کی ہے کہ ہلاکت و بربادی تو بہرحال کافروں ہی کے لئے ہے۔ باقی مومن کے لئے تو خوشحالی اور بدحالی دونوں یکساں نعمت ہی ہیں۔ خوشحالی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہی ہے

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً

کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارے اُوپر اللہ کا عذاب اچانک یا خبرداری میں آپڑے تو کیا بجز ظالم لوگوں

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ

کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا ؟ ۵۷۲ اور ہم پیمبروں کو تو بشارت دینے

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ

والے اور ڈرانے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں تو جو کوئی بھی ایمان لے آئے

اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ

اور اپنی درستی کر لے تو ان لوگوں کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے ۵۷۳ اور

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اُنہی کو عذاب لگے گا اسلئے کہ وہ (عبودیت سے) تجاوز کر کر جاتے ہیں ۵۷۴

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ

آپ کہہ دیجیے کہ مَیں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مَیں غیب جانتا ہوں

الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

اور نہ مَیں تم سے کہتا ہوں کہ مَیں فرشتہ ہوں ۵۷۵ مَیں تو بس اُس وحی کی پیروی کرتا

يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۗ اَفَلَا

ہوں جو میرے پاس آتی ہے، آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتے ہیں ؟ تو کیا تم

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا

غور نہیں کرتے ۵۷۶ اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے انہیں ڈرائیے جو اندیشہ رکھتے

ع ۵ / ۹ / ۱۱

منزل ۲

بدحالی بھی اس معنی میں نعمت ہے کہ وہ کفارۂ سیئات، یا رفع مراتب کا کام دے گی۔ ذٰلك تنبیہ علیٰ ان المومن المتقی التقی ھو السعید سواء کان فی البلاء او فی الآلاء والنعماء وان الفاسق الکافر ھو الشقی کیف دارت قضیتہ واختلفت احوالہ (کبیر)

۵۷۳ (قیامت کے دن) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن ماضی پر ہوتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا ہے کہ بہ اقتضائے ایمان، وہ اللہ کا طبعی خوف بھی نہ رکھتے ہوں گے، بلکہ ارشاد صرف یہ ہے کہ واقعةً ان کے لئے کوئی اندیشہ ناک بات نہ ہوگی۔ وَمَا نُرْسِلُ …… مُنْذِرِيْنَ۔ یعنی پیمبروں کی بعثت کی غرض تمامتر یہ ترغیب و ترہیب ہوتی ہے۔ یہ کچھ اپنی پُوجا کرانے کے لئے نہیں آتے، نہ اس لئے کہ خارقِ عادت عجائبات دکھایا کریں۔ والمقصود ھنا ان الانبیاء والرسل بعثوا مبشرین ومنذرین ولا قدرة لھم علی اظہار الآیات وانزال المعجزات بل ذالک مفوض الی مشیۃ اللہ تعالیٰ وکلمتہ وحکمتہ (کبیر) فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اور اصلاح کا اعضاءِ ظاہری سے۔ الایمان الذی ھو عمل القلب والاصلاح الذی ھو عمل الجسد (کبیر)

۵۷۴ (اور کفر میں جا پڑتے ہیں) یفسقون ای یکفرون (قرطبی) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی اُن کا عمل تکذیب پیمبروں کی اسی تبشیر و انذار کے بعد بھی جاری ہے، آیات کے تحت میں قرآن مجید اور معجزاتِ نبوی دونوں داخل ہیں۔ ای بالقرآن والمعجزات (قرطبی) يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ۔ یہ عذاب عام ہے۔ خواہ دنیا میں ہو، خواہ آخرت میں۔ یہ وعید اُنہی فاسقین کے لئے ہے جو ساتھ ہی آیات اللہ کے مکذبین میں سے بھی ہوں۔

۵۷۵ (کہ لوازم بشریت سے منزہ ہوں) قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ۔ یعنی نہ میری مِلک و قدرت کامل کہ جس کو جو چاہوں عطا کر دوں۔ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ اور نہ میرا علم کامل و محیط کہ وہ خاصہ حق تعالیٰ ہے۔ آیت کے ان تین فقروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کا رد تو ظاہر ہی ہے لیکن اس کے علاوہ مسیحیت کا رد بھی اس میں آگیا ہے جس نے مسیح کو خدائے تعالیٰ کا ہم پلہ و ہمسر بنا کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اناجیل لائج الوقت کی چند آیتیں:۔ "وہ باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے اور اُس نے سب چیزیں اُسکے ہاتھ میں دے دی ہیں" (یوحنا ۳:۳۶) "مَیں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا۔ ۱۰:۳۰) "جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے" (یوحنا۔ ۱۶:۱۵) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں پیمبر کے لئے اثبات کیا گیا ہے دو صفات کا، پہلا اثبات عبدیت کا، جس کے لوازم میں امتثال امر اور اتباع وحی ہے، دوسرا اثبات بشریت کا، جس کے لوازم میں اکل و شرب، خوف و رجا ہے۔ اسی طرح دو صفات کی نفی ہے، پہلی نفی عبد سے خواص الوہیت کی مثلاً قدرتِ کامل و علم محیط کی ہے۔ دوسری نفی بشر سے تنزہ عن البشریت کی ہے۔

۵۷۶ (جو اتنی موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آجائے کہ کہیں نورِ وحی سے منور، صاحبِ بصیرت اور کہیں فیضانِ نور سے محروم، بے بصر دونوں برابر ہو سکتے ہیں) الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ۔ سے مُراد کافر و مومن ہیں۔ ای الکافر والمومن عن مجاھد (قرطبی) اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔ یہ ہے ایک مختصر سے فقرہ میں ساری حقیقت نبوت و رسالت کی۔ صاحبِ وحی کا ہر قدم وحی الٰہی کی ہی روشنی میں اُٹھتا ہے۔ اور نبی تمامتر وحی الٰہی ہی کا اتباع کرتا رہتا ہے ——— نبی کو شریعت میں جو معصوم مانا گیا ہے۔ وہ تمامتر فرع ہے اسی اصل کی، جب رسول اپنے سارے فرائضِ رسالت میں احکامِ الٰہی کا پیرو ہو گیا تو اس میں خطا و غلطی کا امکان ہی کہاں باقی رہ گیا؟ آیت سے یہ مُراد نہیں کہ پیمبر اجتہاد سے محروم ہوتا ہے، اجتہاد و قیاس شرعی کے موقع جب اُمتیوں کے لئے ہیں تو پیمبر کے لئے تو بدرجہا زاید ہیں۔ مُراد صرف یہ ہے کہ جو امور قابلِ اجتہاد نہیں، وہاں تمامتر وحی الٰہی ہی پیمبر کی زندگی کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔

۶۷ (بجائے نرم پڑنے کے) ایسے قسی القلب مجرموں کا انجام سابق صحیفوں میں یوں درج ہے:۔ "وہ جو باوجود بار بار تنبیہ پانے کے سخت گردنی کرتا ہے، ناگہان برباد کیا جائیگا اور اس کا کوئی چارہ نہ ہوگا"۔ (امثال۔ ۲۹:۱) فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا۔ اور اس تضرع سے ان کا جرم بھی معاف ہو جاتا۔ فقرہ کے شروع میں لولا کے لے آنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بجز عناد و قسوت قلب اور خود بینی کے اور کوئی مانع ان کے پاس تضرع سے تھا ہی نہیں، ذکر کلمة لولا یفید انه ما کان لهم عذر فی ترك التضرع الا عنادهم وقسوتهم واعجابهم باعمالهم التی زینها الشیطان لهم (کبیر) قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ قساوتِ قلب یہ تھی کہ کفر اور اصرارِ معاصی پر قائم رہے۔ هو عبارة عن الكفر والاصرار علی المعصية (قرطبی) ۶۸ شیطان کا اصلی حربہ یہی تزئین معاصی ہے۔ ہر گندہ سے گندہ فسق و معصیت میں وہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری زینت یا فوری لذت کا ضرور دکھا دیتا ہے۔ اور انسان کا کمزور نفس اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی، سُود خواری، حرامکاری سے لے کر آج کی سینما بازی تک میں بھی یہ خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ

سو جب انہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے بلکہ اُن کے دل تو

قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٤٣)

(ویسے ہی) سخت رہے ۶۷ اور جو کچھ وہ کرتے رہے شیطان اُسے اُن کی نظر میں خوشنما کر دکھاتا رہا ۶۸

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

پھر جب اُس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ جھٹلاتے رہے تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے

شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً

کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اُس پر جو انہیں ملا تھا اِترا گئے تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا

فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (٤٤) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

اور وہ دھک سے رہ گئے ۶۹ اس طرح جڑ کاٹ دی گئی اُن لوگوں کی جو ظلم

ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٤٥) قُلْ اَرَءَيْتُمْ

کرتے تھے اور ساری حمد اللہ سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے لئے ہے ۷۰ آپ کہہ دیجئے کہ

اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي

اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اللہ اگر تمہاری شنوائی اور تمہاری بینائی سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مُہر

قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ

کر دے تو بجز اللہ کے اور کون معبود ہے جو یہ (چیزیں) تمہیں دے دے؟ آپ دیکھئے ہم

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ (٤٦) قُلْ

کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رُخی کئے ہوئے ہیں ۷۱ آپ کہہ دیجئے

۶۹ (ہر طرح مایوس ہو کر) یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ و ثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت و حقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمامتر حماقت و سفاہت ہے۔ اس کا لازمی تعلق حق و صداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں مطیعین اور اہلِ حق کو یہ دنیوی سربلندیاں بھی بطور انعام مل جاتی ہیں۔ نَسُوْا۔ نسیان سے یہاں وہ عدم حافظہ کا عمل مُراد نہیں جو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترکِ اختیاری مُراد ہے۔ نسوا بمعنی ترکوا عن ابن عباس وابن جریج وهو قول ابی علی (قرطبی) مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ یعنی ایمان و اطاعت کے مطالبات جو بار بار پیمبروں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر قسم کے اسباب نعمت انہیں مہیا ہو گئے۔ ای من النعم والخیرات ای كثرنا لهم ذلك (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ پہلے سختیوں میں اور اب آسانیوں میں دونوں طرح ہم نے انہیں رکھ دیکھا کہ اب بھی وہ فطرتِ سلیم سے کام لے کر کسی طرح راہِ حق پر آجائیں، وہ کسی طرح بھی نہ آئے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انہی استدراجی نعمتوں کی ایک نظیر اُس شخص کا حال ہے جس کا ذوق و حال باوجود معصیت و فسق کے باقی رہے، یہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ وہ جاہل اس پر فخر کرتے ہیں کہ دیکھو ہماری نسبت کیسی قوی ہے۔ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا۔ یعنی دنیوی جاہ و حشمت کی غفلت و مستی میں پڑ کر اُن کا کفر خوب بڑھ گیا۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ گویا اردو محاورہ میں اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اور وہ غایت یاس میں مبتلا ہو گئے۔ آیسون من كل خير قال الفراء المبلس الذی انقطع رجاءه وقال الزجاج المبلس شديد الحسرة الحزين (كبير) ۷۰ یعنی اُس خدا کے لئے جو محافظ ہے نظامِ تکوینی کا اور اُس سے ہر رخنہ اندازی کو دُور کرتا رہتا ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یہ ظلم وہ اپنی جانوں پر بھی کرتے رہے۔ اور نظامِ کائنات پر بھی۔ ۷۱ اور جن مقدمات و مبادی سے توحید لازم آتی ہے۔ اُن پر غور ہی نہیں کرتے اور نتیجۂ توحید تک اپنے کو پہنچنے ہی نہیں دیتے ہیں۔ يَصْدِفُوْنَ۔ صدف۔ اعراض کے مرادف ہے۔ ای یعرضون عن ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی، یقال صدف عن الشیء اذا اعرض عنه (قرطبی) كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ تصریفِ آیات یہ کہ انہیں گھما کر بار بار لایا جائے اور مختلف اعتبارات سے پیش کیا جائے۔ وتصريف الآيات الاتيان بها من جهات من اعذار وانذار وترغيب وترهيب ونحو ذلك (قرطبی) المراد من تصريف الآيات ايرادها على الوجوه المختلفة المتكاثرة بحيث يكون كل واحد منها يقوی ما قبله فی الايصال الی المطلوب (كبير) اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ۔ یعنی تمہاری سماعت و بصارت سے تمہیں اس طرح محروم کر دے کہ تمہیں نہ کچھ سنائی دے نہ کچھ دکھائی دے۔ ابصار کا جمع ہونا تو ظاہر ہے۔ سمع لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ مصدر ہے۔ اس لئے کام جمع کا دے رہا ہے۔ وحد سمعكم لانه مصدر يدل على الجمع (قرطبی) خَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ۔ تمہارے دلوں پر ایسی مُہر کر دے کہ تمہاری عقلیں مخبوط و معطل ہو جائیں۔ یہ دلوں پر مہر جو تکوینی طور پر لگ جائے اُس مُہر لگ جانے سے اس کا الگ ہونا ظاہر ہی ہے جو کفر و فسق پر اصرار سے بطور نتیجۂ طبیعی کے لگ جاتی ہے اور جس کا ذکر محرومیٔ ایمان کے سلسلہ میں کئی بار آچکا ہے۔ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ۔ بہ میں ضمیر واحد اُس مذکور کی جانب ہے جو ابھی اوپر گزر چکا۔ ای باحد هذه المذكورات (قرطبی) جوزان يكون راجعا الی احد هذه المذكورات (روح)

۶۲ مقصود حکم حشر کی تعمیم ہے سارے خلائق کے لئے۔ ای الحمراء (قرطبی) دل بھذا علی ان البھائم تحشر یوم القیامۃ وھذا قول ابی ذر و ابی ھریرۃ والحسن وغیرھم (قرطبی) اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ۔ قیامت میں محشور ہونے کے لحاظ سے۔ ای فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص ھذا اختیار الزجاج (قرطبی) قیل فی الخلق والموت والبعث (معالم) فی انھم یحشرون والمقصود بیان ان الحشر والبعث کما ھو حاصل فی حق الناس فھو ایضاً حاصل فی حق البھائم (کبیر) ان اللہ تعالیٰ انما امثالنا فی انھا تحشر یوم القیامۃ یوصل الیھا حقہا (کبیر) یہ التزام و انتظام جب غیر مکلفین و نیم مکلفین کے لئے ہے تو انسان جو پوری طرح مکلف و ذمہ دار ہے کیونکر اس سے بچ سکتا ہے؟ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ۔ چوپائے، چرند، پرند، ہر قسم کے

اَمْثَالُکُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی

گروہ ہیں۔ ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے۔ پھر یہ سب (اپنے) پروردگار

رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ

کے پاس جمع کئے جائینگے ۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے

بُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ

ہیں (طرح طرح کی) تاریکیوں میں (گرفتار) اللہ جسے چاہے اُسے بے راہ کر دے اور جسے چاہے

یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ

وہ سیدھی راہ پر لگا دے ۶۳ آپ کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر

اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ

تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا (قیامت کی) گھڑی آ پڑے، تو کیا اللہ کے سوا اور کو

تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ

پکارو گے (بتاؤ) اگر سچے ہو ۶۴ نہیں بلکہ خاص اُسی کو پکارو گے، پھر

فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا

جس (مصیبت کے ہٹانے) کے لئے اُسے پکارتے ہو وہ چاہے تو اُسے دور بھی کر دے اور تم اُن سب کو بھول جاؤ

تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

بھی جاؤ جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو ۶۵ اور بلاشبہہ ہم نے آپ سے قبل (اور بھی) اُمّتوں کی طرف (پیمبر) بھیجے

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

پھر ہم نے انہیں تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ۶۶

ع ۱۰

منزل ۲

جانور خدائی رجسٹر میں حساب و کتاب کے لئے سب مندرج اور مستنبط ہیں۔ الکتٰب سے مراد لوح محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے جس میں جزئی سے جزئی معلومات بھی درج ہیں۔ عن الحسن وقتادۃ ان المراد بالکتاب الکتاب الذی عند اللہ تعالیٰ وھو مشتمل علی ما کان ویکون وھو اللوح المحفوظ (مدارک)

۶۳ صُمٌّ۔ یعنی سماع حق سے بہرے۔ بُکْمٌ۔ یعنی کلام حق سے گونگے۔ فِی الظُّلُمٰتِ۔ صیغہ جمع اس لئے کہ ہر اعراض بجائے خود ایک تاریکی ہے۔ اور ہر تاریکی کفر ہے۔ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ۔ مَنْ یَّشَاْ دونوں جگہ قانون مشیت تکوینی کا بیان ہے۔ یُضْلِلْهُ۔ یہ اضلال حق کی طرف سے، بندوں کے اعراض ارادی پر الزاماً مرتب ہو جائیگا۔ ۶۴ (اپنے دعویٰ شرک میں) یعنی اگر تم واقعی خلوصِ دل کے ساتھ دوسرے معبودوں کے بھی قائل ہو۔ تو انتہائی نازک وقتوں پہ انہیں کیوں نہیں پکارتے ہو؟ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اگر تم پر عذابِ الٰہی یک بیک آ پڑے۔ جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے۔ مُراد عذابِ دنیوی کی کوئی شکل ہے۔ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ۔ قیامت آ جائے۔ جو مجموعہ ہوگی بہت سی ہولناکیوں کا۔ مُراد عذابِ آخرت ہے۔ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ کیا کسی غیر اللہ کو بھی انتہائی مصیبتوں کو دُور کرنے کو پکارو گے؟ ۶۵ آیت میں مخاطبہ ملحدوں سے نہیں، بلکہ اس نوع کے کافروں سے ہے جو قائل تو ایک صانع عالم کے تھے لیکن اس کے ساتھ اعمالِ ربوبیت میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ اِنْ شَآءَ۔ یعنی اگر ان مصائب سے نجات دلانا اس کی مشیتِ تکوینی کے مطابق ہو۔ ۶۶ (اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کرلیں) یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کر دی، کہ مقصود اصلی ان سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، انابت و خشیت پیدا کرنا تھا۔ یَتَضَرَّعُوْنَ۔ تضرع کے معنی خشوع و خضوع، انابت و رجوع کے ہیں۔ معنی التضرع التخشع وھو عبارۃ عن الانقیاد وترک التمرد (کبیر) پچھلے صحیفوں میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ملتا ہے، مثلاً:۔ ”خداوند تیرا خدا بیابان کے بیچ، ہر چالیس برس تجھ کو لئے پھرا تاکہ تجھے عاجز کر دے اور تجھے آزمادے! اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ اس کے احکام مانے گا کہ نہیں۔“ (استثناء ۸:۲) بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ بَاْسَآء سے مراد فقر و فاقہ وغیرہ مالی مصائب سمجھے گئے ہیں اور ضرّاء سے بیماری وغیرہ جسمانی مصائب، گو اس کے برعکس کا استعمال بھی صحیح ہے۔ ومعنی بالباساء بالمصائب فی الاموال والضراء فی الابدان. ھذا قول الاکثر وقد یوضع کل واحد منھما موضع آخر (قرطبی) قال الحسن البأساء شدۃ الفقر من البؤس والضراء الامراض والاوجاع (کبیر)

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ

ہیں ۵۵۳ اور آپ پر اگر اُن کا اعراض گراں گزرتا ہے ۵۵۴ تو اگر آپ کے

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا

بس میں ہو کہ زمین (میں جانے) کے لئے کوئی سُرنگ یا آسمان (پر جانے) کے لئے کوئی زینہ ڈھونڈ لیں

فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ

تو ضرور کوئی نشان اُن کے لئے لے آئیں ۵۵۵ اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت

عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا

پر جمع کر دیتا ۵۵۶ تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے ۵۵۷ قبول تو

يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ

بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سُنتے ہیں ۵۵۸ اور مُردوں کو اللہ جِلا کھڑا کرے گا

اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

پھر وہ اس کی طرف واپس لائے جائیں گے ۵۵۹ اور یہ کہتے ہیں کہ ان (صاحب) پر کوئی

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ

معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اُتارا گیا ۵۶۰ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ بیشک قادر ہے (ایسا معجزہ) اتارنے

اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

پر، لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو (خود ہی) علم نہیں رکھتے ۵۶۱ اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا

فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ

ہے اور جو بھی پرندا اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑنے والا ہے وہ سب تمہارے ہی طرح کے

وقف غفران وقف منزل النصف عند البعض علی (یسمعون)

۵۵۳ (جن سے نصرتِ الٰہی کی تحقیق و تصدیق آپ کو ہو ہی چکی ہے اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجئے۔ نصرتِ الٰہی کا آپ تک بھی پہنچنا یقینی ہے) كَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ سے یہاں مُراد اللہ کا وعدۂ نصرت ہے ای مواعید ہ (کشاف) قال ابن عباسؓ ای مواعید اللہ (بحر) مِنْ نَّبَاِ۔ میں مِن تبعیض کا ہے۔ ترجمہ کچھ سے کیا گیا ہے۔ من ھٰھنا للتبعیض (کبیر) **۵۵۴** (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ اُن کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پُورے ہو کر رہیں) اعراض وہی جس کا ذکر اُوپر ہو چکا۔ **۵۵۵** مطلب یہ ہوا کہ ہم تو اُن کی فرمائشیں بوجہ عدمِ ضرورت و لزومِ ضرر پُوری کرنے کے نہیں۔ ہاں آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو ہی جائیں تو آپ ہی یہ انتظامات کیجئے۔ (تھانویؒ) فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ۔ یعنی آپؐ کے بس میں ہو تو آپ یہ کر دکھائیے۔ مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ آپؐ میں ان کافروں کے حال پر شفقت اور اُن کے اسلام لے آنے کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ آپؐ کے اختیار میں ہو تو آپؐ ہر فرمائشی معجزہ کر دکھانے کو تیار ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو تو جائیں۔ فافعل یعنی انک لا تستطیع ذٰلک والمراد بیان حرصہ علی اسلام قومہ وتہالکہ علیہ وانہ لو استطاع ان یاتیہم بآیۃ من تحت الارض او من فوق السماء لاتی بہا رجاء ایمانہم (کشاف) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ ارادۂ عبد حصولِ مراد کے لیے قطعی اور لازمی نہیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم کا ارادہ بھی، پھر کسی بزرگ سے متعلق اہلِ غلو کا یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اُس کی دعا کا قبول ہونا لازمی ہے۔

۵۵۶ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت یہی ہوتی کہ چھوٹے بڑے سب کو بلا استثناء راہ ہدایت ہی دکھادی جائے تو پھر ایسا ہو ہی نہ جاتا، اس میں مانع کون اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور دنیا میں اختلاف مسلک و عقیدہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ طلب معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ ای لارا ھم اٰیۃ تضطرھم الی الایمان ولکنہ اراد عزّ وجلّ ان یثیب منھم من اٰمن ومن احسن (قرطبی) **۵۵۷** (کہ ایسی اَن ہونی بات کی توقع کرنے لگیں) مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا اور ارادہ کی قوت سونپی گئی۔ اُس کے معنی ہی یہ ہیں کہ روش اختلاف باقی رہے، جبری ہدایت تو اس بنیادی و مرکزی نقطۂ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن و بنیادی حقیقت سے بے خبر رہنا عین جہالت ہے۔ والمقصود من تغلیظ الخطاب التبعید والزجر لہ عن مثل ھٰذہ الحالۃ (کبیر) **۵۵۸** (کلامِ حق و پیامِ حق کو بہ قصدِ قبولِ حق) قبولِ حق کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ پیامِ حق کو بلا عناد و قصدِ مخالفت، خلوئے ذہن کے ساتھ سُنا تو جائے۔ ای سماع اصغاء وتفھم وارادۃ الحق (قرطبی) والمراد بالسماع سماع الفھم والتدبر (روح) **۵۵۹** (حساب کے لئے) اُس وقت پوری حقیقت کھل کر رہے گی۔ دُنیا میں پوری سزا اعراض و انکار کی اگر نہ بھی ملی تو کیا ہوا؟ **۵۶۰** (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے جو ایمان پر مجبور کر دے) یہ فرمائش کرنے والے وہ جاہلی منکرین تھے جن کے نزدیک حقانیت و صداقت کا ثبوت صرف مادی خوارق اور حسی معجزات تھے۔ ملجئۃ للایمان (روح) کما نقترح (مدارک) ای خارق علیٰ مقتضیٰ ما کانوا یریدون ومما یتعنتون (ابن کثیر) **۵۶۱** یعنی علم صحیح سے محروم ہیں اور عقلِ سلیم سے کام لینا جانتے نہیں۔ یہ اس حقیقت سے بھی خبردار نہیں کہ پیمبر کی تعلیمات صحیح اور ہدایاتِ صادق کے لئے مثلاً عقیدۂ توحید کے لئے عقیدۂ جزاء و سزا کے لئے کسی معجزۂ حسی اور خارقِ مادی کی سرے سے ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بالفرض ہو تو معجزات تو پہلے سے موجود چلے آتے ہیں۔ پھر اُن سے حاصل کیا ہُوا جو نئے معجزات طلب کئے جا رہے ہیں؟ فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں پر انجیل میں بھی بڑی لتاڑ آئی ہے۔ ”اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا۔“ (متی: ۱۶:۴) ”پھر فریسی نکل کر اُس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لئے اُس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا اُس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“ (مرقس ۸-۱۱:۱۲)

۴۹ اس کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہ کی۔ یا یہ کہ دنیوی زندگی میں ہم نے ادائے فرائض میں غفلت برتی۔ فَرَّطْنَا فِيْهَا۔ ضمیر قیامت یا الساعۃ کی طرف ہے۔ الحیٰوۃ الدنیا کی بابت بھی سمجھی جاسکتی ہے۔ ای فی الساعۃ ای فی التقدمۃ لھا عن الحسن (قرطبی) الضمیر للحیٰوۃ الدنیا (کشاف) يٰحَسْرَتَنَا ترکیب یہاں ندا منادیٰ کی نہیں۔ بلکہ یہ اسلوب شدتِ تحسر کے اظہار کا ہے۔ وضع النداء علی الحسرۃ ولیست بمناذی فی الحقیقۃ ولکنہ بدل علی کثرۃ التحسر (قرطبی) والعرب تعبر عن تعظیم امثال ھذہ الامور بھذہ اللفظۃ (کبیر) ۵۰ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔ یہاں اوزار کے معنی ذنوب سب کو مسلم ہیں۔ ای ذنوبھم (قرطبی) اٰثامھم وذنوبھم (ابن جریر) قال ابن عباسؓ الاٰثام والخطایا (کبیر) وزر جو اوزار کا واحد ہے۔ اس کے معنی نقل وحمل کے بھی لئے گئے ہیں لیکن امام ابن جریر نے جو عربیت کے بھی امام ہیں اس پر سخت جرح کی ہے، اور وزر کے معنی گناہ ہی رکھے ہیں۔ قد زعم بعضھم ان الوزر الثقل والحمل ولست اعرف ذٰلک کذٰلک فی شاھد ولا من روایۃ ثقۃ عن العرب سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ گناہ تو ایک

السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا

اُن پر یک بیک آپہنچے گی ۴۹ تو بول اُٹھیں گے، ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم اُس کے بارہ میں

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ

کرتے تھے ۴۹ اس حال میں کہ وہ اپنے گناہ اپنی پشتوں پر لادے ہوں گے ۵۰ دیکھو تو کیا ہی

مَا يَزِرُوْنَ ۝٣١ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

بُرا بوجھ ہے جس کو یہ لادے (لادے پھر رہے) ہوں گے، اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشہ کے اور

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا

تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقیناً آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے تو کیا تم عقل سے کام

تَعْقِلُوْنَ ۝٣٢ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ

ہی نہیں لیتے ۵۱ بیشک ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کو رنج پہنچاتا ہے تو یہ لوگ

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ ظالم تو) اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار

يَجْحَدُوْنَ ۝٣٣ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا

کر دیتے ہیں ۵۲ اور آپ سے قبل بھی پیمبر خوب جھٹلائے جا چکے ہیں سو انہوں نے اس پر صبر

عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ

کیا کہ اُن کی تکذیب کی گئی اور اُنہیں ایذا دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری نصرت آپہنچی، اللہ کی باتوں

لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی

کو کوئی بدل نہیں سکتا اور پیمبروں کے کچھ قصے تو آپ کو پہنچ ہی چکے

غیر مادی شئ ہے، گناہ پیٹھ پر کیسے لدینگے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مجاز اور محض محاورۂ زبان مُراد ہے۔ مجاز و توسع وتشبیہ بمن یحمل ثقلاً (قرطبی) والمعنی انھم لزمتھم الاٰثام فصاروا مثقلین بھا (قرطبی) لیکن خود یہ ماننے میں کیا عقلی یا شرعی دشواری ہے کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات ہی کی طرح باوزن ہونگے اور اعمال بھی وزن رکھیں گے، یا اعمال بشکل اجسام متمثل ہو جائینگے، اکابر اہل سنت میں سے متعدد حضرات عقیدۂ تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ جب حقیقی معنی لینے ممکن ہیں تو یہاں بھی انہیں مجاز کے لئے ترک نہ کیا جائیگا۔ لا مانع من الحمل علی الحقیقۃ واجراء الکلام علی ظاھرہ وقد قال کثیر من اھل السنۃ بتجسیم الاعمال فی تلک الدار وھو الذی یقتضیہ ظاھر الوزن (روح) والظاھر ان ھٰذا الحمل حقیقۃ وھو قول عمیر بن ھانی وعمرو بن قیس الملائی والسدی واختارہ الطبری (بحر) ۵۱ (اور فکرِ آخرت چھوڑ کر اسی سامانِ دنیوی میں منہمک ہو) جس دنیا کی یہ مذمت ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذات ہو جیسی کہ ملحدوں اور مادہ پرستوں کو ہوتی ہے، وہی لوگ جن کا قول ابھی اُوپر نقل ہو چکا ہے۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا۔ فالمقصد بالاٰیۃ تکذیب الکفار فی قولھم ان ھی الا حیاتنا الدنیا (قرطبی) قال ابن عباسؓ ھٰذہ حیاۃ الکافر لانہ یزجیھا فی غرور و باطل (قرطبی) المراد منہ حیاۃ الکافر قال ابن عباسؓ یرید حیاۃ اھل الشرک والنفاق والسبب فی وصف حیاۃ ھٰؤلاء بھٰذہ الصفۃ ان حیاۃ المومن یحصل فیھا اعمال صالحۃ فلا تکون لعبًا ولھوًا (کبیر) ورنہ وہ دنیا جو آخرت کی تیاریوں کے لئے ہوتی ہے جیسی ہر مومن کی ہونی چاہیئے وہ مذمت کے قابل نہیں، وہ تو عین مطلوب ہے۔ لیس من اللھو واللعب ما کان من امور الاٰخرۃ فان حقیقۃ اللعب ما لا ینتفع بہ واللھو ما یلتھی بہ (قرطبی) قال ابن عباسؓ فاما حیاۃ المومن فتنطوی علی اعمال صالحۃ فلا تکون لھوًا ولعبًا (قرطبی) جعل اعمال الدنیا لعبًا ولھوًا واشتغالًا بما لا یعنی ولا یعقب منفعۃ کما تعقب اعمال الاٰخرۃ المنافع العظیمۃ (کشاف) لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ تقویٰ میں تو معاصی سے بھی پرہیز آگیا لیکن یہاں خاص طور پر مُراد شرک والحاد سے پرہیز ہے۔ ۵۲ (سو آپ غم وحزن میں زیادہ نہ پڑیئے۔ بلکہ اُن کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیئے) مطلب یہ ہے کہ منکرین، مکذبین آپ کی ذاتی صداقت وامانت سے کچھ تھوڑے ہی انکار کر رہے ہیں۔ انہیں تو ضد اُس پیامِ الٰہی سے ہے جو آپ انہیں پہنچا رہے ہیں، سو اُن کا معاملہ آپ سے نہیں براہِ راست حق تعالیٰ سے ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں صراحۃً آتا ہے کہ سرگروہ مکذبین ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کچھ آپ کو تھوڑے ہی جھوٹا کہتے ہیں ہم تو اس پیام کو جھوٹا کہتے ہیں جس کا لانا آپ بیان کرتے ہیں۔ قال ابوجھل للنبی صلعم انا لا نکذبک ولکن نکذب بما جئت بہ (ابن کثیر عن علیؓ) قال ابو میسرہ ان رسول اللہ صلعم مر بابی جھل واصحابہ فقالوا یا محمد واللہ ما نکذبک وانک عندنا لصادق ولکن نکذب ما جئت بہ (قرطبی) يَجْحَدُوْنَ۔ جحود ایسے انکار کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل تو قائل ہو جائے لیکن زبان ہٹ دھرمی سے انکار کئے جائے۔ منکرین ومکذبین رسول میں بہت سے ایسے ہی تھے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباتہ واثبات ما فی القلب نفیہ (راغب) قد کان فیھم العناد فی جحود نبوتہ صلعم مع علم منھم بہ وصحۃ نبوتہ (ابن جریر) وکان بعضھم قد تبین امرہ وعلم صحۃ نبوتہ وھو فی ذٰلک یعاند ویجحد نبوتہ حسدًا لہ وبغیًا (ابن جریر) قَدْ نَعْلَمُ میں قد کا ترجمہ اردو میں ''خوب'' ہی سے مناسب ہے۔ قد بمعنی ربما الذی یجئ لزیادۃ الفعل وکثرتہ (کشاف) مفسر ابن حیان نے اگرچہ زمخشری کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور اسے قول غیر مشہور للنحاۃ قرار دیا ہے۔ تاہم تحقیق وتاکید کے معنی انہوں نے بھی تسلیم کئے ہیں۔ تکون حسنئذٍ للتحقیق والتوکید (بحر)

٤٠ کیا ٹھکانا ہے اُن کی حماقت و غباوت کا! وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ نفی شعور کا درجہ نفیِ علم سے بھی بڑھا ہُوا ہے۔ گویا ذرا سا بھی احساس نہیں رکھتے۔ حالانکہ احساس تو جانور تک رکھتے ہیں۔ ونفی الشعور عنهم بإهلاكهم انفسهم ابلغ فی نفی العلم اذ البهائم تشعر و تحس (بحر) ونفی الشعور ابلغ من نفی العلم كانه قيل وما يدركون ذلك اصلا (روح)

وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۔ یعنی قرآن مجید سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رُکے رہتے ہیں عنه کی ضمیر دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہوگی۔ والضمير على قول قتادة للقرآن (قرطبی) هؤلاء المشركون المكذبون بآيات الله ينهون الناس عن اتباع محمد صلعم والقبول منه ويتباعدون عنه (ابن جریر) الضمير المرفوع للمشركين والمجرور للقرآن (روح) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ "دوسروں کے ضرر کو رسول اللہ سے روکتے ہیں مگر خود بھی آپ سے رُکے رہتے ہیں یعنی آپ پر ایمان نہیں لاتے ہیں" اور آیت سے اشارہ خواجہ ابُوطالب اور اُن کے پیرووں کی جانب سمجھا گیا ہے جو گو دشمنوں سے رسُول علیہ السلام کا دفاع کرتے تھے لیکن خود ایمان بھی نہیں لے آتے تھے۔ قيل هو خاص بابی طالب ينهى الكفار عن اذاية محمد عليه السلام ويتباعد من الايمان به (قرطبی) عن ابن عباسؓ قال عطاء ومقاتل نزلت فی ابی طالب كان ينهى قريشا عن ايذاء النبی صلعم ويتباعد عنه ولا يتبعه على دينه (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے اس تفسیر کی بنا پر فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ حُبِّ طبعی اور نصرتِ قومی بدون حُبِّ عقلی کے نافع نہیں۔ ٤١ یہ سب حسرتیں جہنم کے ہول و ہیبت کے بعد ہی ان کی زبان پر آنے لگیں گی۔ وَلَوْ تَرٰى یعنی اگر آپ دیکھیں تو آپ کو بڑا ہولناک منظر نظر آئے۔ لو کا جواب عربی اسلوب میں اظہارِ عظمت و اہمیت کے لئے یا علمِ مخاطب کی بنا پر اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ قد حذف تفخيما للامر وتعظيما للشان وجاز حذفه لعلم المخاطب به واشباهه كثيرة فی القرآن والشعر (کبیر) عَلَى النَّارِ میں علیٰ کے معنیٰ ب کے بھی لئے گئے ہیں اور فی کے بھی یعنی دوزخ کے قریب بھی اور دوزخ کے اندر کے بھی۔ قيل على بمعنى الباء ای انقوا بقربها وهم يعاينونها (قرطبی) على بمعنى فی ای انقوا فی النار (قرطبی) بمعنى فی النار فوضعت على موضع فی (ابن جریر) ٤٢ یعنی ان کے اعمال کی زشتی و کراہت جو دنیا میں اُن پر چھپی رہتی ہے، اب علانیہ بے نقاب نظر آنے لگے گی۔ من قبائحهم وفضائحهم فی صحفهم وبشهادة جوارحهم عليهم (کشاف) مبرد لغوی سے منقول ہے کہ مضاف وبال یہاں محذوف ہے۔ قال المبرد بدا لهم وبال عقائدهم و اعمالهم وسوء عاقبتها وذلك لان كفرهم ما كان باديا ظاهرا لهم لان مضار كفرهم كانت خفية (کبیر) ٤٣ یعنی مشاہدۂ عذاب پر بھی ان کی توبہ صادق و مخلصانہ نہیں محض جان بچانے کو ہے۔ لَکٰذِبُوْنَ میں ل تاکید کا ہے۔ ترجمہ میں اسی لئے "بالکل" بڑھا دیا ہے۔ ٤٤ عرب میں جہاں

يَشْعُرُوْنَ ۝٢٦ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا

خبر نہیں رکھتے ٤٠ اور اگر آپ اِن کو اُس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے تو

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ

کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢٧ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں ٤١، ہاں اب اُن پر وہ چیز ظاہر ہو کر رہی جسے اس کے قبل چھپایا

مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ

کرتے تھے ٤٢ اور اگر یہ واپس بھیج دیئے جائیں جب بھی یہ پھر وہی کریں جس سے یہ

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝٢٨ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

روکے گئے تھے اور یقیناً یہ (بالکل) جھوٹے ہیں ٤٣، اور یہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری اسی دُنیا کی زندگی ہے

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝٢٩ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى

اور ہم زندہ اُٹھائے جانے والے نہیں ٤٤ اور اگر آپ اُس وقت دیکھتے ہوں جب

رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ

یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ٤٥ اور وہ ان سے ارشاد کریگا کیا یہ (قیامت) امرِ واقعی نہیں

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝٣٠ قَدْ

یہ کہیں گے بیشک ہے قسم ہے ہمیں اپنے پروردگار کی ٤٦ وہ ارشاد کریگا اچھا تو عذاب (کا مزہ) چکھو اُس کفر کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے

خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ

تھے ٤٧ یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں آ گئے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ (مقررہ) گھڑی

ع ٣
٩

شرک بکثرت پھیلا ہُوا تھا، وہاں الحاد بھی اس معنیٰ میں شائع تھا کہ لوگ علی العموم جزا و سزا، حشر و نشر کے قائل ہی نہ تھے۔ آجکل کے مادیین کی طرح اسی دنیا کو سب کچھ جانتے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ هِیَ ضمیر حیاۃ کی طرف ہے۔ الضمير للحياة (بیضاوی) ٤٥ (تو آپ کو ایک بڑا عجیب منظر نظر آئے) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر لو کا جواب محذوف کرنے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ وجواب لو محذوف لعظم شان الوقوف (قرطبی) عَلٰى رَبِّهِمْ۔ علیٰ یہاں عند کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔ اور رب سے مُراد ملائکۂ رب لی گئی ہے حکم الٰہی بھی مُراد لی گئی ہے۔ قيل على بمعنى عند ای عند ملائكته وجزائه (قرطبی) بمعنى على حكم الله وقضائه (ابن جریر) وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ سے بعض اہلِ باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ ٤٦ (کیا اب بھی اس کی واقعیت سے انکار ہے جیسا کہ دنیا میں تھا؟) ٤٧ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ یہ عذاب کفر کے بدلہ میں ہوگا۔ ای بسبب كفركم (کبیر) ٤٨ السَّاعَةُ سے مُراد قیامت ہونا بالکل ظاہر ہے۔ سميت القيامة ساعة لسرعة الحساب فيها (قرطبی) المراد بالساعة القيامة (کبیر) لیکن موت بھی مقدماتِ قیامت میں سے ہے۔ بلکہ من وجہٍ اس میں شامل۔ اس لئے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لما كان الموت وقوعا فی احوال الآخرة ومقدماتها جعل من جنس الساعة وسمی باسمها (کشاف) فسر بعضهم هنا بوقت الموت (روح) بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ۔ لقاء اللہ سے مُراد ہے بعث بعد الموت اور جزاءِ اعمال۔ قيل بالبعث بعد الموت و بالجزاء (قرطبی) حَتّٰى کا تعلق تکذیب سے ہے خسران سے نہیں۔ حتى غاية لكذبوا لا لخسر لان خسرانهم لا غاية له (کشاف)

٣٢ (کہ یہ خدائی میں شریک ہیں) سوال ظاہر ہے کہ حصولِ جواب کی غرض سے نہیں، بلکہ تفضیح کے لئے ہوگا۔ المقصود منہ التقریع والتبکیت لا السؤال کہو۔ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ تقدیر کلام یوں ہے۔ واذکر یوم نحشرھم۔ علی معنی واذکر یوم نحشرھم (قرطبی) ٣٤ یعنی وہاں کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرکے بدحواسی میں یوں ہی پکار اٹھینگے لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ۔ یعنی ان کے کفر و شرک کا وبال یہی ہوتا ہے۔ فتنۃ کے معنی اس سیاق میں انجام کفر کے کئے گئے ہیں۔ والمعنی ثم لم تکن عاقبۃ کفرھم (کشاف) قال الحسن

اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ
اُن سے کہینگے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے لئے تم دعویٰ کیا کرتے تھے ٣٣ پھر
تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا
اُن کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ اپنے پروردگار کی
مُشْرِكِیْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ
کہ ہم مشرک نہ تھے ٣٤ دیکھ تو یہ کیسا اپنے متعلق جھوٹ بول گئے اور ان سے وہ (سب)
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ
چیزیں ضائع ہوگئیں جنہیں یہ گڑھا کرتے تھے ٣٥ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ
ہیں ٣٦ اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردہ ڈال دیئے ہیں کہ وہ اُس کو نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں میں
وَقْرًا ؕ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا
بوجھ ہے ٣٧ اور اگر وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) اُن پر ایمان نہ لائیں ٣٨ یہاں تک
جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ
کہ یہ جب آپکے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو
اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْئَوْنَ
نری اگلوں کی خرافات ہیں ٣٩ اور یہ اس سے (دوسروں کو) روکتے ہیں اور (خود بھی) اس
عَنْهُ ۚ وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
سے الگ رہتے ہیں، اور یہ (لوگ کسی اور کو نہیں) اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (اُس کی بھی)

ومعنی فتنتھم عاقبۃ فتنتھم ای کفرھم (قرطبی) دوسرے معنی تو جواب کے بھی کئے گئے ہیں۔ ای معذرتھم و جوابھم (ابن عباسؓ) ویجوز ان یراد ثم لم یکن جوابھم (کشاف) الفتنۃ الاختبار ای لم یکن جوابھم حین اختبروا بھذا السوال (قرطبی) قال قتادۃ معناہ معذرتھم (قرطبی) ٣٥ یعنی جو جو باطل امیدیں اور آرزوئیں وہ پالے ہوئے تھے وہ عین وقت پر انہیں کیسا جواب دے گئیں اور ان کے معبود اور شافعین کچھ بھی ان کے کام نہ آئے!
٣٦ (لیکن یہ ظاہری استماع چونکہ قبول حق کے ارادہ سے بالکل خالی ہوتا ہے اس لئے نافع نہیں ہوتا اور یہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں) من یستمع میں مَنْ لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع کا کام دیتا ہے۔ ٣٧ یہ سب نتیجہ تکوینی طور پر اُن کے ارادی انکارِ حق و شدت عناد پر مرتب ہوجاتے ہیں۔ ای فعلنا ذلک بھم مجازاۃ علی کفرھم (قرطبی) اَنْ یَّفْقَهُوْهُ۔ معنیٰ نفی کے ہیں یعنی "جس سے وہ نہ سمجھ سکیں"۔ المعنی کراھیۃ ان یفھموہ او لئلا یفھموہ (قرطبی) ٣٨ یہ بیان ان کی شدت عناد و تعصب کا ہو رہا ہے کہ کوئی دلیل، کوئی ثبوت انہیں قبول حق کی جانب نہ لاسکیگا قال ابن عباسؓ وان یروا کل دلیل و حجۃ لا یؤمنوا بھا (کبیر) ٣٩ قرآن مجید کی نسبت کچھ اسی قسم کی رائے جاہلیت جدیدہ یا جاہلیتِ فرنگ کے پجاریوں کی بھی ہے۔ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ اسطورہ یا اسطارہ کے معنی پُرانی دُہرائی داستان یا فرسودہ لغو کہانی کے ہیں۔ ای ما سطرہ الاولون فی الکتاب وقال الجوھری وغیرہ الاساطیر الاباطیل والترھات (قرطبی) حَتّٰی سے مقصود کفر و عناد میں اُن کی انتہائی شدت کا اظہار ہے کہ اُن کی تکذیب آیات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آپؐ تک کے پاس مجادلہ کے لئے آتے ہیں۔ والمعنی انہ بلغ تکذیبھم الاٰیات الی انھم یجادلونک ویناکرونک (کشاف) یُجَادِلُوْنَكَ ان کا مجادلہ یہی ہے کہ قرآن مجید جیسی روشن حقیقت کو خرافات و اکاذیب کے درجہ میں رکھتے ہیں اور یہ ان کی تکذیب کی انتہا ہے۔ ای یجعلون کلام اللہ واصدق الحدیث خرافات و اکاذیب وھی الغایۃ فی التکذیب (کشاف)

۵۲۶ (میری رسالت اور قرآن کے برحق ہونے کے باب میں) اللہ کی شہادت زبانِ حال سے خود اس قرآن کا معجز و بے نظیر ہونا ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے۔ شئ کا یہاں لفظی ترجمہ "چیز" سے کرنا مناسب نہیں۔ شئ یہاں ذاتِ حق کے لئے ہے۔ لفظ شئ ھنا واقع موقع اسم اللہ تعالیٰ المعنی اللہ اکبر شہادۃ ای انفرادہ بالربوبیۃ وقیام البراھین علی توحیدہ اکبر شہادۃ واعظم (قرطبی) متکلمین کے ہاں یہ ایک معرکہ کی بحث ہے کہ شئ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے یا نہیں۔ جمہور کا فیصلہ ہے کہ جائز ہے اور اس فیصلہ کی سند یہی آیت ہے۔ احتج الجمھور علی تسمیۃ اللہ تعالیٰ بالشئ بھذہ الاٰیۃ (کبیر) وفی المواقف وشرحہ والشئ عند الاشاعرۃ یطلق علی الموجود فقط فکل شئ عندھم موجود وکل موجود شئ (روح)

قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌۢ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاُوحِيَ اِلَيَّ
کہہ دیجیے کہ اللہ کی کہ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے ۵۲۶ اور میرے پاس یہ قرآن
هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ
بہ طور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور اُس کو جسے یہ پہنچے ۵۲۷ تو
لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ
کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی شریک ہیں ۵۲۸ آپ کہہ دیجیے کہ
اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ
میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجیے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں اُس سے بری ہوں
مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿19﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ
جو شرک تم کرتے ہو ۵۲۹ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ ان (صاحب) کو پہچانتے
كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
ہیں جس طرح اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں ۵۳۰ جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
وہ ایمان نہیں لانے کے ۵۳۱ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو جھوٹ بہتان اللہ
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿21﴾
پر لگائے اور اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے بیشک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا ۵۳۲
وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا
اور (وہ دن یاد رکھو) جس دن ہم ان سب کو اکٹھے کریں گے پھر جو لوگ شرک کرتے رہے ہیں

ع ۲ ۸ وقف لازم وقف لازم

اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً۔ یعنی کس کی شہادۃ سب سے زیادہ معتبر باوزن وباوقعت ہے؟ ۵۲۷ (اس کے احکام وہدایات کی مخالفت سے) من بلغ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی۔ من بلغہ القرآن۔ حذف ضمیر طوالت سے بچنے کے لئے ہے۔ ای من بلغہ القرآن فحذف الھاء لطول الکلام (قرطبی) ومن بلغ۔ اس ذرا سے ٹکڑے سے دو باتیں اور نکل آئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کا دائرہ صرف اس کے براہِ راست اور اوّلین مخاطبین تک محدود نہیں رہیگا۔ ای کل من بلغہ القرآن من العرب والعجم وقیل من الثقلین (کبیر) من بلغہ القرآن من العجم وغیرھم من الامم الی یوم القیامۃ (معالم) دوسرے یہ کہ انذار کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے جن تک قرآن پہنچ چکا ہے۔ ھو نذیر لکل من بلغہ (ابن کثیر) من یبلغہ القرآن غیر مؤاخذ بترک الاحکام الشرعیۃ (روح) ۵۲۸ (دیویوں، دیوتاؤں، اوتاروں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے) سوال کے مخاطب مشرکوں اور منکروں کے مختلف گروہ ہیں۔ ۵۲۹ اثباتِ توحید کے ساتھ ہر پہلو سے نفیِ شرک بھی قبولِ اسلام کیلئے ہے چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نو مسلم کو اسلام لاتے وقت علاوہ اقرار شہادتین کے شرک سے تبری بھی کرنا چاہیئے قال العلماء المستحب لمن اسلم ان یاتی بالشھادتین ویتبرأ من کل دین سوی دین الاسلام ونص الشافعیؒ علی استحباب ضم التبری الی الشھادۃ (جصاص) قُلْ لَّآ اَشْھَدُ۔ ایسے کھلے ہوئے امرِ باطل کی گواہی میں کیسے دے سکتا ہوں۔ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ وہ خدائے واحد اپنی ذات وصفات ہر لحاظ سے واحد ہی ہے۔ انما کلمہ حصر کا ہے۔ کلمۃ انما تفید الحصر ولفظ واحد صریح فی التوحید ونفی الشرکاء (کبیر) ۵۳۰ یعنی اپنے ابنائے قوم کو فرزندانِ اسرائیل کو پہچانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسولِ اسلامؐ اور نبی آخر الزمان کی بھی شناخت کی ایسی کھلی ہوئی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جیسی خود انہی کے قوم و نسل کے انبیاء کی۔ اَلْکِتَابَ۔ کتاب آسمانی خصوصاً توریت۔ والمراد من الکتاب جنسہ الصادق علی التورٰۃ والانجیل (روح) یَعْرِفُوْنَہٗ ضمیر رسول اللہ صلعم کی طرف ہے۔ ای یعرفون النبی صلعم عن الحسن وقتادہ وھو قول الزجاج (قرطبی) انھم یعرفونہ بالنبوۃ والرسالۃ (کبیر) یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر الکتاب کی طرف راجع کی جائے۔ وقیل الضمیر للکتاب واختارہ ابو البقاء (روح) قیل یعود الی الکتاب (قرطبی) حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ذکر آیت میں یہود کا من حیث القوم اور مشترکاً مجموعاً ہو رہا ہے نہ کہ افراد کا۔ اسی قسم کا مضمون سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶ میں گزر چکا ہے۔ اسکے حاشیہ ملاحظہ کرلئے جائیں۔ ۵۳۱ (اسی لئے کہ انہوں نے اپنی فکر و نظر کو معطل کر رکھا ہے) آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۔ ۵۳۲ یہ فلاح کی نفی آخرت میں تو مادی و معنوی ہر حیثیت سے ہو کر رہیگی۔ باقی دنیا میں بھی اہل کفر، مومن کی سی حقیقی راحت قلب و سکون ضمیر سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ اللہ پر افترا کذب یہ کہ جن چیزوں سے نفی و انکار واجب ہے ان کا اقرار و اثبات کرنے لگے مثلاً دیویوں دیوتاؤں کا، خدا کے بیٹوں بیٹیوں کا، رُوح یا مادہ کی قدامت آواگون کا چکر، اوتاروں کا وجود۔ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ۔ تکذیبِ آیاتِ الٰہی یہ کہ جن باتوں کا اقرار و اثبات واجب ہے، اُن سے انکار کرنے لگے مثلاً توحید، رسالت، یوم جزاء، حقانیت قرآن وغیرہ۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آپ کہئے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ

وہ سب کو کھلاتا ہے (خود) اُس کو کھلایا نہیں جاتا، کسی (اور) کو کارساز قرار دے لوں؟ ۲۰

اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٤

آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور (یہ کہ) تم کہیں مشرکوں میں نہ

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

ہو جانا ۲۱ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب

عَظِيْمٍ ۝١٥ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ

سے ڈرتا ہوں ۲۲ جس کسی پر سے وہ (عذاب) اُس روز ہٹا لیا جائے گا اُس پر اللہ نے بڑا رحم کیا

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝١٦ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

اور یہی کھلی کامیابی ہے ۲۳ اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ پہنچائے تو اُس کا دور کرنے

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ

والا (بھی کوئی) نہیں بجز (خود) اُسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شے

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٧ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ

پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۲۴ وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر اور

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝١٨ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ

وہ بڑا صاحبِ حکمت ہے، بڑا باخبر ہے ۲۵ آپ کہئے شہادت سب سے بڑھ کر کس چیز کی ہے؟

۔ عوصد الحرکۃ بل المراد السکون بمعنی الحلول کما یقال فلان یسکن ببلد کذا اذا کان محلہ فیہ (کبیر) یہ سکون حرکت کی ضد نہیں، بلکہ حرکت کو شامل ہے۔ اور محض استقرار کے معنی میں ہے۔ معناہ ھدأ واستقر والمراد ما سکن وما تحرک فلبس المراد بالسکون ضد الحرکۃ بل المراد الحلول (قرطبی) اور اس طرح ظرفیت کے لحاظ سے احاطہ کامل ہو گیا۔ ذکر فی الاٰیۃ الاولی السمٰوٰت والارض اذ لامکان سواھما وفی ھذہ الاٰیۃ ذکر اللیل والنھار اذ لازمان سواھما فاخبر سبحانہ انہ مالک للمکان والمکانیات ومالک للزمان والزمانیات وھذا بیان فی غایۃ الجلالۃ (کبیر۔ عن ابی مسلم) ۲۰ (جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے قرار دے لیا ہے) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان وزمین اور ساری کائنات کو محض اپنے ارادہ سے، بغیر "رُوح" "مادہ" "ہیولیٰ" کے سہارے کے نیست سے ہست میں لانے والا۔ فاطر کا لفظ ان ساری مشرک و نیم مشرک قوموں کی تردید کر رہا ہے جو اللہ کو محض ایک صانع کی حیثیت دیتے ہیں۔ فاطر کے معنی مُبدِع کے ہیں اور فعل فطر ابتدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ فطر ای ابدع وفطرنا ای ابدعنا واوجدنا (راغب) وعن ابن عباسؓ قال ما عرفت فاطر السمٰوٰت حتی اتانی اعرابیان یختصمان فی بئر فقال احدھما انا فطرتھا ای ابتدأتھا (کبیر) ای خالقھا ومبدعھا ومبتدئھا (معالم) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان وزمین کا خصوصیت سے نام لینے کی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ بادی النظر میں کائنات کی عظیم ترین مخلوقات یہی ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں نے انہیں دیوتا ضرور تسلیم کیا ہے۔ یہاں گویا مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم جنہیں معبود مان رہے ہو، اللہ ان کا بھی خالق، انہیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) هُوَ يُطْعِمُ۔ ساری مخلوق کے لئے، ساری کائناتِ حیات کے لئے رزق کا سامان وہی اللہ بہم پہنچاتا ہے۔ وَلَا يُطْعَمُ۔ یہ بھی ضرب ہے عقیدۂ شرک پر مشرک قوموں کے عقیدہ میں بڑے بڑے دیوتا بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ ان کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ انہیں کھا پی کر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مسیحیوں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال ہی کر دیا کہ نعوذ باللہ اپنے معبود "ابن اللہ" کا گوشت اور خون خود کھانا پینا شروع کر دیا چنانچہ مقدس عشائے ربانی Eucharist کے تہوار کے موقع پر ہر سال ایک بار یا تین بار اس رسم کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی) ۲۱ ایمان اور مقتضیاتِ ایمان سے پیمبر مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے تو اسی کو فرمان بردار بننے کا حکم ملتا ہے۔ اور پیمبر تو اپنی اُمّت کے لئے نمونہ اور پیشوا دونوں کا کام دیتا ہے۔ اُسے تو اہلِ ایمان کی صف میں سب سے آگے ہونا ہی چاہیے وھو امام امتہ ومقتدٰھم وینبغی لکل آمر ان یکون ھو العامل اوّلًا بما امر بہ (روح) اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ۔ یہ اوّلیت اپنے ملک و قوم اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اول من اخلص ای من قومی وامتی عن الحسن وغیرہ (قرطبی) لان النبی صلعم سابق امتہ فی الدین (بیضاوی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تکالیف شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ انبیاء سے۔ ۲۲ یعنی محمد جیسا نبی معصوم بھی قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ روزِ قیامت کو روزِ عظیم اُن واقعاتِ عظیم کے لحاظ سے کہا ہے جو اُس روز واقع ہو کر رہیں گے۔ ای عذاب یوم القیامۃ وعظمہ بعظم ما یقع فیہ (روح) ۲۳ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نجات کامل یا دفع عذاب، یا رحم الٰہی۔ ای النجاۃ البینۃ (قرطبی) ای الصرف بعد الرحمۃ (بیضاوی) ۲۴ آفرینش کا مسئلہ تو طے ہو چکا کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہاں بیان اس کا ہو رہا ہے کہ علاوہ آفرینش کے اور سارے تصرفات و اختیارات بھی ہر وقت کے نفع و ضرر، تکلیف و راحت کے تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی کو کوئی دخل و تصرف، واقعاتِ کائنات و حوادثِ دہر میں ہے ——— بڑے چھوٹے دیوتاؤں، خدائی کے سارے شریکوں کی نفی اس میں آگئی۔ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ۔ یہ امساس ضرر اپنے مطلق معنی میں ہے۔ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں بہ طور جزا ہو یا تکوینی مصلحت سے۔ يَمْسَسْكَ۔ كَاشِفَ۔ امساس اور کشف دونوں یہاں حق تعالیٰ کے سلسلہ میں اپنے مجازی معنی میں ہیں۔ ورنہ اصلاً دونوں کا تعلق مادیات و جسمانیات سے ہے۔ المس والکشف من صفات الاجسام وھو ھنا مجاز و توسع (قرطبی) یہیں سے ہے کہ صوفیۂ محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر، اور ہر طرف سے انقطاع تعلق کر کے اللہ ہی پر اعتماد کرنے پر دیا ہے شیخ اعظم حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب میں ہے۔ من اراد السلامۃ فی الدنیا والاٰخرۃ فعلیہ بالصبر والرضاء وترک الشکوی الی خلقہ وانزال حوائجہ بربہ وانتظار الفرج منہ سبحانہ وتعالیٰ والانقطاع الیہ۔ (جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو، اُسے چاہیے کہ صبر و تسلیم کی عادت ڈال لے اور خلقِ خدا سے شکوہ و شکایت کو ترک کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کر دے اور کشایش کی امید صرف اُسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہے)۔ اور مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے نصرتِ مستقل کی۔ یہاں تک کہ مقبولین سے بھی۔ ۲۵ ربوبیت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے۔ وہ سب صرف اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ ایسی ذات کامل الصفات کے ساتھ کسی کی شرکت روا رکھی جائے۔ وھو القاھر یفید الحصر ومعناہ انہ لا موصوف بکمال القدرۃ وکمال العلم الا الحق سبحانہ وتعالیٰ (کبیر) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ قدرت و قوت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ قہر کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہیں۔ القھر الغلبۃ والقاھر الغالب وفی القھر معنی زائد لیس فی القدرۃ وھو منع غیرہ عن بلوغ المراد (قرطبی) القاھر مشعر بکمال القدرۃ وتمام المکنۃ (کبیر) فوق کا تعلق یہاں اوپر کی سمت سے نہیں بلکہ مرتبہ و حکومت کی بلندی سے ہے۔ وفوقیۃ الاستعلاء بالقھر والغلبۃ علیھم ای ھم تحت تسخیرہ لا فوقیۃ مکان (قرطبی) وجب حمل ذلک الفوقیۃ علی الفوقیۃ بالقدرۃ لا علی فوقیۃ الجھۃ (کبیر) الْحَكِيْمُ۔ قدرت کے علاوہ حکمت میں بھی وہی کامل ہے۔ الْخَبِيْرُ۔ قدرت و حکمت کے علاوہ علم و اطلاع میں بھی کامل وہی ہے۔

ف۱۲ یعنی فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کر دہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آجائے۔ یہ تو دستورِ الٰہی میں عین وقوعِ عذاب کے وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں ہے؟ "آیتِ قاہرہ اور پھر وہ بھی فرمائشی نازل ہونے کے وقت نہ ماننا حسبِ عادتِ الٰہیہ موجبِ اہلاک فوری ہے۔" (تھانویؒ) ان سنۃ اللہ جاریۃ بان عند ظھور الاٰیۃ القاھرۃ ان لم یومنوا جاءھم عذاب الاستیصال (کبیر) قُضِیَ الْاَمْرُ۔ قضاءِ امر سے مُراد عذابِ الٰہی کا واقع ہوجانا ہے۔ قال الحسن وقتادۃ لاھلکوا بعذاب الاستیصال (قرطبی) ای لاتم امراھلاکھم (روح) قال ابن عباس وقتادہ والسدی لقضی الامر بعذابھم (بحر) اس احقر کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ ایسے کھلے ہوئے معجزات کے بعد تو اس عالمِ ناسُوت کے گویا حجابات اُٹھے جاتے ہیں اور غیبت کے بجائے مواجہہ گویا شہود کے میدان کا ہوجاتا ہے۔ جو عالمِ برزخ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عالمِ برزخ کشفِ حقائق کا محل ہے۔ اور کافروں کی اصل حقیقت چونکہ معذب ہی ہونا ہے۔ اس لئے اس طاری شدہ عالمِ برزخ کے وجود میں آتے ہی اس حقیقت کا ظہور اور عذاب کا ترتب لازمی ہوجاتا ہے۔ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ۔ ثم یہاں اظہارِ شدت کے لئے ہے۔ یعنی عذاب تو واقع ہو ہی گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مہلت بھی ذرا نہ ملے گی۔ فی الفور واقع ہوجائے گا۔ گویا شدتِ عذاب سے بھی بڑھ کر اس کا فوری وقوع ہے۔ ومعنی ثم مابعد مابین الامرین قضاء الامر وعدم الانظار جعل عدم الانظار اشد من قضاء الامر لان مفاجاۃ الشدۃ اشد من نفس الشدۃ (کشاف) ف۱۳ اور یہ لوگ اس انسان نما فرشتہ کے باب میں بھی وہی اشکالات اور احتمالات اور وہی کج بحثیاں پیدا کرتے اور وہی کٹھ حجتی نکالتے جو آج رسول اللہ صلعم سے متعلق کر رہے ہیں۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ۔ اس کو یعنی اس بھیجی ہوئی ہستی کو۔ ای لجعلنا الرسول ملکا (بحر) الضمیر للنذیر المحدث للناس (روح) مَلَكًا۔ فرشتہ یعنی وہ نورانی ہستی جسے انسان نہ اپنے عام و معروف

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

فرشتہ ہی تجویز کرتے تو اُسے بھی آدمی ہی بناتے اور اُن پر (پھر) وہی اشتباہ ڈالتے جس اشتباہ میں وہ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اب (پڑے ہوئے) ہیں ف۱۳ اور آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے پھر اُن لوگوں کو جو اُن (پیمبروں)

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ

ع ۱

کی ہنسی اُڑاتے تھے اسی (عذاب) نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ف۱۴ آپ کہیے کہ

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

زمین پر چلو پھرو۔ پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ

انجام ہوا ف۱۵ آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے

وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ

یہ (سب) کس کی ملک ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ (ہی) کی ہے ف۱۶ اُس نے اپنے اُوپر رحمت لازم کرلی

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

ہے ف۱۷ یقیناً تمہیں اکٹھا کریگا قیامت کے دن، اُس کے باب میں کوئی شک نہیں جن

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَ

لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ف۱۸ اور

لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳

اُسی کی ملک ہے جو کوئی بھی رات اور دن میں رہتا ہے اور وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۱۹

حواس سے دیکھ سکتا اور نہ اُس کے ملکات کے لحاظ سے اُس کا اتباع کرسکتا ہے۔ لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ یعنی اُسے بھی شکل و جسم کے لحاظ سے انسان ہی بناتے کہ تم اُسے اپنی اِن آنکھوں سے دیکھ تو سکتے۔ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ۔ اشتباہ کا اسناد حق تعالیٰ کی جانب محض تکوینی طور پر اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ سانپ کے زہر کا بھی خالق ہے، بیماری کا بھی خالق ہے، ہر دکھ، درد کا خالق ہے۔ یہاں تک کہ شیطان کا بھی خالق ہے۔ قال لبسنا بالاضافۃ الی نفسہ علی جھۃ الخلق (قرطبی) ایمان نام ہے قلب کی ایک کیفیتِ اختیاری کا، باقی کوئی ایسا معجزہ قوی کا سامنے آجانا جس سے انسان ایمان لے آنے پر مجبور ہوجائے۔ جیسے کہ فرشتہ کو اُس کی اصلی شکل پر دیکھ لینا۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایمان اختیاری باقی کہاں رہا؟ ایمان تو معتبر جبھی تک ہے، جب تک ایمان بالغیب ہے۔ جب انکشاف و شہود شروع ہوگیا تو ایمان مطلوب کا سوال ہی نہ رہا۔ رَجُلًا۔ رَجُل کے معنی مطلق انسان کے نہیں۔ بلکہ مرد یا جنسِ مذکر کے ہیں اور یہیں سے بعض مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ رسالت عورت کے لئے نہیں، صرف مرد کیلئے مخصوص ہے۔ وفیہ اشعاد کما قال عصام الدین وغیرہ بان الرسول لایکون امرأۃ وھو متفق علیہ (روح) ف۱۴ (تو آپ اپنے زمانہ کے منکرین و مستہزئین کی مخالفت و استہزاء سے مغموم و متفکر کیوں ہوں؟ یہ لوگ تو خود ہی اپنے کو دنیوی و اُخروی عذاب کا مستحق بناتے جارہے ہیں) انبیاء قدیم کے ساتھ استہزاء اور اُس کی سزا کا ذکر توریت میں بھی جابجا ہے۔ مثلاً:۔ "اور حزقیاہ نے سارے اسرائیل اور یہوداہ کو کہلا بھیجا اور افرائیم اور منسّی کے پاس بھی نامے لکھ بھیجے ۔۔۔۔ سو قاصد افرائیم اور منسّی کے ملک میں زبلون تک شہر بہ شہر گزرتے پھرے لیکن وہ اُن پر ہنسے اور اُنہیں ٹھٹھے میں اُڑایا" (۲۔ تواریخ ۔ ۳۰: ۱۰، ۱۰) "لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھو میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے بیٹوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا" (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱۶) "انہوں نے ہم کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور ہماری حقارت کی اور کہا یہ کیسا کام ہے کہ تم کرتے ہو" (نحمیاہ ۔ ۲: ۱۹) سَخِرُوْا ۔۔۔ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ سخریہ اور استہزاء دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔ ھما متحدان معنًا واستعمالًا (روح) ف۱۵ اس میں تعلیم و ترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب و باقبال سلطنتوں کے آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے ـــــــ نقطۂ نظر صحیح اور توحیدی ہوجائے تو مسلمان طالب علم کے لئے جغرافیہ، تاریخ، اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ ھذا السفر مندوب الیہ اذا کان علی سبیل الاعتبار بآثار من خلا من الامم واھل الدیار (قرطبی) ثُمَّ انْظُرُوْا۔ امام رازیؒ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فَانْظُرُوْا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔ ثُمَّ انْظُرُوْا نے سفر کا دار و مدار اُس نظرِ عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کردی۔ اب سفر ہر جائز غرض کے لئے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قولہ سیروا فی الارض ثم انظروا فمعناہ اباحۃ السیر فی الارض للتجارۃ وغیرھا من المنافع وایجاب النظر فی آثار الھالکین (کبیر) ف۱۶ (کہ اس جواب سے ان مشرکوں کو بھی مجالِ انکار نہیں، یہ تو جو کچھ گھبرا رہے ہیں۔ وہ اس اقرارِ توحید کے مضمرات اور تفریعات سے) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی ساری فضائے کائنات کے اندر۔ ای لمن الکائنات جمیعًا (روح) ف۱۷ (سو مشرکوں اور منکروں کو اب بھی موقع ہے کہ تائب ہو کر اس کے دامنِ رحمت کی پناہ میں آجائیں) الرحمۃ لمن ترک التکذیب بالرسل وتاب واناب (کبیر) خدائے اسلام کی صفتِ ذاتی تو یہی رحیمیت و رحمانیت ہے۔ باقی قہر و غضب جو کچھ ہے، اس کا ظہور تو محض عادی مجرموں کی جرم شعاری کی بنا پر ہوگا۔ کیسے ظالم و ناخدا ترس ہیں وہ مسیحی مشنری جنہوں نے قرآن کے خدا کو مہیب اور ڈراؤنا بنا کر پیش کیا ہے۔ نَفْسِهٖ۔ نفس سے یہاں مقصود نفسِ وجود ہے۔ اور وعدہ کی تاکید اور بجائے وسائط کے براہِ راست اصالۃً اپنی ہی طرف توجہ دلانا۔ وذکر النفس ھنا عبارۃ عن وجودہ وتاکید وعدہ وارتفاع الوسائط دونہ (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سب کو عام اور شامل ہے چنانچہ کوئی غضب ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو۔ اور رحمتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں ذرا غضب نہیں۔ ف۱۸ یہ پیش خبری اُن کے حق میں ہے جنہوں نے اپنی صلاحیتِ ایمان تک کو ضائع کردیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے قبولِ حق سے قصداً انکار کر کے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں سوخت کردیا ہے۔ بتضییع راس مالھم وھو الفطرۃ الاصلیۃ والعقل السلیم (بیضاوی) لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی جمع تو کریگا قیامت کے دن اور زندگی بھر اپنی اُس رحمت کے اقتضاء سے تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ ل قسم کا ہے اور ن تاکید کا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ ضمیر یوم کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔ اور اس یوم میں جمع کئے جانے کی طرف بھی۔ الٰی یہاں فی کے معنی میں ہے۔ قیل الی بمعنی فی (قرطبی، کبیر) فی الیوم او الجمع (بیضاوی) ای جمعًا لا ریب فیہ (روح) فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ف نے اسے صاف کردیا کہ اِن کا یہ عدمِ ایمان نتیجہ ہوگا خود اُن کی ارادی غفلت و اعراض عن الحق کا۔ والفاء للدلالۃ علی ان عدم ایمانھم مسبب عن خسرانھم فان ابطال العقل باتباع الحواس والوھم والانھماک فی التقلید واغفال النظر ادی بھم الی الاصرار علی الکفر والامتناع من الایمان (بیضاوی) ف۱۹ صفتِ السمیع کا تعلق انسان کے ظاہر اور اقوال سے ہے، صفتِ العلیم کا تعلق انسان کے باطن اور احوالِ قلب سے ہے۔ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ ابھی اُوپر مافی السمٰوٰت والارض میں سارے موجوداتِ کائنات کا ذکر وجودِ مکانی کے اعتبار سے آچکا ہے۔ اب ذکر وجودِ زمانی کے اعتبار سے ہے۔ موجودات کے لئے ظرف دو ہی ہیں۔ ظرفِ مکان و ظرفِ زمان۔ ظرفیتِ مکانی کا ذکر ابھی آچکا تھا۔ ظرفیتِ زمانی کا ذکر اب آگیا۔ لیس المراد من ھذا السکون

٥٧ یعنی عذابِ الٰہی اُن پر واقع ہو کر رہے گا۔ والمراد بالانباء وھی الاخبار العذاب (قرطبی) المراد بالانباء لانفس الانباء بل العذاب الذی انبأ اللہ تعالیٰ بہ (کبیر) عذاب سے مراد جنگ بدر میں شکست وغیرہ ہے۔ جو مشرکین عرب کو دنیا ہی میں نصیب ہوئی۔ والمراد ما نالھم یوم بدر ونحوہ (قرطبی) یحتمل ان یکون عذاب الدنیا وھو الذی ظھر یوم بدر (کبیر) عذابِ آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قیل یوم القیامۃ (قرطبی) ویحتمل ان یکون عذاب الآخرۃ (کبیر) ٥٨ (اے اہلِ عرب) مراد قرآن کے مخاطبین اوّل ہیں۔ كَمْ اَهْلَكْنَا یعنی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ مَكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ تمکین فی الارض کے تحت میں ہر قسم کا غلبہ واقتدار شامل ہے۔

جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥

اُنکے پاس آیا ہے سو عنقریب ہی انہیں خبر معلوم ہو جائیگی اُس چیز کی جس کے بارہ میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے ٥٧

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان کے قبل کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جنہیں ہم نے روئے

فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ

زمین پر وہ قوت دے رکھی تھی جو تمہیں نہیں دی ہے ٥٨ اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش

مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

برسائی اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں بہائیں، پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کے

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَلَوْ

باعث ہلاک کر ڈالا اور ہم نے اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ٥٩ اور اگر ہم

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَ

جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ٦٠ اور

قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا ٦١ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اُتار

لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

دیتے تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور اُن کو ذرا مہلت نہ ملتی ٦٢ اور اگر ہم اُس کو

٥٩ اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی ظاہری خوشحالی اور مادّی فارغ البالی اُسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی۔ السَّمَآءَ۔ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ یرید المطر الکثیر (قرطبی) ای المطر او السحاب (بیضاوی) ای المطر کما روی عن ھرون التیمی ونسب الی ابن عباسؓ (روح) یرید الغیث و الطل (کبیر) اَرْسَلْنَا۔ ارسال کا ترجمہ یہاں "برسانے" ہی سے صحیح ہوگا۔ الارسال والانزال متقاربان فی المعنی (بحر) تَحْتِهِمْ یعنی ان کے باغوں اور بستیوں میں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کی سرزمینیں خوب گل وگلزار اور خوب شاداب و سرسبز ہیں۔ ای من تحت اشجارھم ومنازلھم (قرطبی) والمراد منہ کثرۃ البساتین (کبیر) مِدْرَارًا یعنی خوب کثرت سے یا لگاتار۔ دالۃ علی التکثیر کمذکار للمراۃ التی کثرت ولادتھا للذکور (قرطبی) ھو المبالغۃ فی اتصال المطر ودوامہ وقت الحاجۃ (بحر) المدرار الکثیر الدر یقال سحاب مدرار اذا تتابع امطارہ (کبیر)

٦٠ (تو یہ حالت ان کے شدت ضد وعناد کی ہے!) مطلب یہ ہوا کہ ان کو تو قرآن و اسلام سے اس قدر ضد و عداوت ہے کہ قرآن مجید بذریعہ وحی قلبی نہیں، بلکہ ایک لکھی لکھائی مادّی کتاب کی شکل میں آسمان سے اُتر آئے اور یہ لوگ اپنی آنکھ سے اُسے اُترتا ہوا دیکھ بھی لیں، بلکہ اُسے ہاتھ سے چھو کر، ٹٹول کر بھی اپنا پورا اطمینان کر لیں جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کریں گے، بلکہ یہی کہنے لگیں گے، کہ یہ تو نظر بندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مبتلا کیا جا رہا ہے! ——— انسان جب قبولِ حق کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اُس کی مخالفت کو اپنے دل میں ٹھان لے۔ تو ہر دلیل اس کے سامنے بے کار و غیر مؤثر ہی رہے گی۔ سچ فرمایا ہے عارفِ رومیؒ صاحبِ مثنویؒ نے ؎

یک کس نا مستمع ز ستیز و رد — صد کس گوینده را عاجز کند

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں معاند کے حال کا بیان ہے کہ وہ کسی طرح منتفع نہیں ہوتا۔ اسی لئے اہلِ طریق اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ٦١ بشر محض کا رسول ہونا منکرین کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اوتار مان سکتے تھے، مظہرِ خدا مان سکتے تھے۔ فرزندِ خدا مان سکتے تھے۔ دیویوں، دیوتاؤں کے، خدا کی بیٹیوں کے وجود کے قائل ہو سکتے تھے۔ لیکن بشر کی رسالت کو ان کا دماغ کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ برابر ان کی طرف سے مطالبہ "مافوق البشریت" کا "خارق عادت" کا ہوتا رہتا تھا۔ کوئی آسمانی فرشتہ ان پیمبر کے ساتھ لگا رہے۔ جب جا کر یہ ان کی پیمبری کے قائل ہوں ——— حالانکہ قائل جب بھی نہ ہوتے! قَالُوْا۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکوں ہی کا کوئی گروہ تھا۔ وظاھر الآیۃ یقتضی انھا فی کفار العرب (بحر)

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ انعام مکی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ

ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں

الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ١

اور روشنی کو بنایا، اس پر بھی جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھہراتے ہیں ۱

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَ

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت مقرر کیا اور

اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ٢ وَهُوَ اللّٰهُ

معین وقت اُسی کے علم میں ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو ۲ اور وہی ایک اللہ

فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

آسمانوں میں ہے اور زمین میں (بھی) ۳ وہ تمہارے پوشیدہ (حال) کو بھی جانتا ہے اور ظاہر (حال)

مَا تَكْسِبُوْنَ ٣ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا

کو بھی، اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اُسے بھی وہ جانتا ہے ۴، اور جو نشانی بھی اُن کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا

میں سے آتی ہے وہ اُس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں ۵ سو انہوں نے (کلام) حق کو بھی جھٹلایا جب وہ

ف ۱ جیسے عیسائی قومیں مسیح کو، روح القدس کو، مریم صدیقہ کو۔ اور مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو۔ خلق۔ یہاں ایجاد و ابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے۔ ای اخترع و اوجد وانشأ وابتدع (قرطبی) اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض۔ یہ دو نام ان چیزوں کیلئے دیئے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں جوہر کہتے ہیں۔ اَلظُّلُمٰتِ وَالنُّوْر۔ یہ دو نام ان چیزوں کیلئے دیئے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں عرض کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا بلا استثناء خالق و فاطر وہی ایک ہے۔ کوئی شئے اس کے لئے غیر مخلوق نہیں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بیسیوں مشرک قوموں نے آسمان اور زمین کو دیوی دیوتا تسلیم کیا ہے۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثنویہ خصوصاً مجوس نے نور و ظلمت کو مظہر الوہیت مانا ہے۔ اور ان کے خالق الگ الگ مانے ہیں۔ جعل یہاں خلق کا مرادف ہے اور اسی لئے صرف ایک مفعول کے ساتھ آیا ہے۔ قال النحاس جعل بمعنیٰ خلق واذا کانت بمعنیٰ خلق لم تتعد الا الی مفعول واحد (قرطبی) الظلمٰت کے صیغۂ جمع اور النور کے صیغۂ واحد میں اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں، بہت سی ہو سکتی ہیں۔ اور راہِ حق صرف ایک ہی ہے۔ دونوں نقطوں کے درمیان خطوطِ منحنی بے شمار ہو سکتے ہیں۔ خطِ مستقیم ایک ہی ممکن ہے۔ ثم یہاں "اس کے باوجود" یا "اس پر بھی" کے معنی میں ہے۔ قال ابن عطیۃ ثم دالۃ علی قبح فعل الکافرین (قرطبی) الفائدۃ فیہ استبعاد ان یعدلوا بہ بعد وضوح آیات قدرتہ (کبیر) اَلْحَمْدُ حمد پر مفصل حاشیہ شروع سورۂ فاتحہ میں گزر چکا۔ امام رازیؒ نے اس ذیل میں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ خود ستائی بندوں کے حق میں عیب ہے، لیکن جس نے حمدِ الٰہی کے حکم کو اللہ کے حق میں عیب سمجھا، اس نے اللہ کو بندوں پر قیاس کیا۔ اور معتزلہ کے اکثر خیالات کی بنیادی اساسی غلطی یہی ہے۔ دلّ ھذا علی انہ لا یمکن قیاس الحق علی الخلق فکان ھذا قبیح من الخلق مع انہ لا یقبح من الحق فکذٰلک لیس کل ما یقبح من الخلق وجب ان یقبح من الحق وبھذا الطریق وجب ان یبطل کلمات المعتزلۃ فی ان ما قبح منا وجب ان یقبح من اللہ (کبیر) اسی ضمن میں امام موصوف نے یہ اصل بھی درج کیا ہے کہ جس طرح افعالِ خلق پر افعالِ حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا تو اسی طرح صفاتِ خلق پر صفاتِ حق کو اور ذواتِ خلق پر ذاتِ حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا (کبیر) اللہ اسم ذات ہے، اور خالق، جاعل، رب اسماء صفات۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حمد کو پہلے اسم ذات کے ساتھ متعلق کرنے اور پھر صفات خاصہ کے ساتھ موصوف کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ حمد کا استحقاق حق تعالیٰ کو بحیثیت ذات بھی ہے اور بحیثیت صفات بھی (من حیث الذات کے معنی نفی صفات کے نہیں بلکہ صرف یہ کہ اس وقت صفات کی طرف التفات نہیں) ف ۲ (مسئلہ بعث بعد الموت میں) خَلَقَكُمْ ضمیر مخاطب نوع انسانی کی جانب ہے۔ ثُمَّ اَنْتُمْ یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل کے باوجود بھی۔ معناہ ان بعد ظهور مثل هذه الحجة الباهرة انتم تمترون (کبیر) قَضٰٓى اَجَلًا۔ وقت مقرر کیا سب کی موت کا۔ بقضاء الدنیا قالہ ابن عباس و مجاھد (قرطبی) قال الضحاک اجلا فی الموت (قرطبی) اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ یعنی یہ دوسرا معین وقت اُسی کو معلوم ہے۔ اس سے مراد وقت بعثت ہے۔ قال ابن عباس و مجاھد لابتداء الآخرۃ (قرطبی) قال الضحاک لاجل القیامۃ (قرطبی) تمترون یعنی وہم پیدا کر کر کے کج بحثی کیا کرتے ہو۔ التماری المجادلۃ علی مذھب الشک (قرطبی) ف ۳ (نہ یہ کہ زمین کے دیوتا اور ہوں اور آسمان کے اور) اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں کی اس بنیادی گمراہی کا کہ ہر عالم کے خدا یا دیوتا الگ الگ ہیں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ شبہ نقل کر کے کہ اس سے حق تعالیٰ کی تجسیم ثابت ہوتی ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ جوابات اپنی جگہ پر بالکل کافی بلکہ شافی ہیں۔ لیکن جو بنیادی حقیقت یہاں عرض کی گئی، یہ پیش نظر ہو، تو آگے کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ فِي السَّمٰوٰتِ اور فی الارض میں فی سے یہ مراد ہی نہیں کہ اللہ "آسمانوں یا زمین" میں "کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خدا وہی ایک ہے، نہ یہ کہ ہر عالم کے دیوتا الگ الگ ہوں۔ فی کا ترجمہ آیت میں اگر بجائے "میں" "کے" "کا" سے کیا جائے تو شبہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف ۴ (اور اسی علم پر مدار جزا ہے) يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ یعنی اس کا علم محیط و کامل تمہارے ظاہر و باطن سب کو شامل ہے۔ اس میں رد آگیا اس مشرکانہ عقیدہ کا کہ بہت سے مخفیات خدا کے علم سے بھی باہر رہ جاتے ہیں۔ ف ۵ ان نشانیوں میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کے آیاتِ الٰہی آگئے۔ یعنی ایک طرف ادیانِ حق کا ظہور اور اُن کے پیام و تعلیمات اور دوسری طرف اُن کے معجزات اور قحط و زلزلہ وغیرہ تخویفی آیات۔ مُعْرِضِيْنَ۔ اعراض کے معنی ہیں ترکِ التفات کے۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ ضمیر جمع غائب کافروں اور منکروں کی جانب ہے۔ مِنْ اٰيَةٍ۔ من استغراق جنس کے لئے ہے یعنی کوئی سی بھی نشانی ہو۔ من لاستغراق الجنس (قرطبی) مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ من تبعیض کے لئے ہے من للتبعیض (قرطبی) ف ۶ الحق سے مراد قرآن مجید ہے۔ صاحبِ قرآن سے بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی القرآن وقیل محمد علیہ السلام (قرطبی) یعنی خدائی نشانیوں کی تکذیب تو اُن کا شعار ہی ہو چکی ہے، اسلئے حسبِ عادت انہوں نے قرآن کو بھی جھٹلایا۔

۲۵۴ (میری مجال تھی کہ میں ایسا صریح کلمۂ باطل زبان سے نکال سکتا) فخر المفسرین امام رازیؒ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے براہ راست ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کا جواب اور راست مَا قُلْتُ دینے اور یوں اپنی صفائی پیش کرنے کے بجائے اسے تمامتر علم الٰہی کے حوالہ کر دیا اور یہی مقام ادب وتواضع کے زیادہ مناسب بھی تھا۔ ولم یقل بانی ما قلت ھذا الکلام لان ھذا یجری مجری دعوی الطھارۃ والنزاھۃ والمقام مقام الخضوع والتواضع (کبیر) ۲۵۵ حضرت عیسیٰؑ عرض کریں گے کہ بالفرض میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ ضرور ہی تیرے علم میں ہوتی اور جب تیرے علم میں نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی۔ میرے ناقص ومحدود علم اور تیرے کامل وغیر محدود علم کا مقابلہ ہی کیا۔ میری ہر چھپی ہوئی چیز آپ تجھ پر روشن۔ لیکن تیری کوئی سی بھی چھپی ہوئی چیز مجھ پر روشن نہیں۔ اور ایک میرے ہی مغیبات پر کیا موقوف ہے، تجھ پر تو ہر غیب روشن ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ سے مقصود حق تعالیٰ کے علم محیط؛ کامل کا اثبات ہے۔ اور اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں کے عقائد واہیہ کا۔ مَا فِيْ نَفْسِكَ۔ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا اول تو نفس وذات مرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ النفس عبارۃ عن الذات یقال نفس الشیء وذاتہ بمعنی واحد (کبیر) قال الزجاج النفس عبارۃ عن جملۃ الشیء وحقیقتہ یقول تعلم جمیع ما اعلم من حقیقۃ امری ولا اعلم

الْغُيُوْبِ (١١٦) مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا

خوب جاننے والا ۲۵۵ میں نے تو ان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ

یہ کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی پرستش کرو ۲۵۶ میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي

پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا (جب) تو ہی ان پر نگران ہے اور تو تو

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (١١٧) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ

ہر چیز پر گواہ ہے ۲۵۷ تو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں ۲۵۸ اور اگر

تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (١١٨) قَالَ اللّٰهُ هٰذَا

تو انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے، حکمت والا ہے ۲۵۹ اللہ فرمائیگا آج وہ دن ہے

يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

جب سچوں کے کام ان کا سچ آئے گا ۲۶۰ ان کے لئے باغ ہونگے جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے اللہ ان سے خوش رہا اور وہ

رَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (١١٩) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ سے خوش رہے، یہی بڑی کامیابی ہے ۲۶۱ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (١٢٠)

زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اس (سب) کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲۶۲

۱۶ ع ۵ ۶

حقیقۃ امرک (سلم) ای ذاتک. فنفس الشیء ذاتہ وھویتہ، والمعنی تعلم معلومی ولا اعلم معلومک (مدارک) اور پھر نفسی کے مقابلہ میں نفسک لانا ہی بہ قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔ ذکر ھذا الکلام علی طریق المطابقۃ والمشاکلۃ وھو من فصیح الکلام (کبیر)

۲۵۶ موجودہ انجیلیں بھی باوجود اپنی تثلیثی شرک کے اس توحیدی تعلیم کو مٹا نہ سکیں:۔ "یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آکر اس کی خدمت کرنے لگے" (متی۔۴: ۱۰ و ۱۱) "یسوع نے جواب میں اس سے کہا۔ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا۔۴: ۸) اَنِ اعْبُدُوْا میں اَن مفسرہ ای کے مرادف ہے۔ ان مفسرۃ بمعنی ای (مدارک) ان مفسرۃ (کبیر) حضرت کا یہ کلام آپؑ کی کمال عبدیت اور انتہائی عبودیت پر دلالت کر رہا ہے۔ آپؑ نے اس پیام توحید کو بھی براہ راست اپنی جانب منسوب نہیں کر دیا کہ میں انہیں یہ پیام دے آیا تھا۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ میں تو وہی کہہ آیا تھا جس کا تو نے ہی حکم دیا تھا۔ پیام توحید بھی میری اپنی طرف سے نہ تھا، تیرے ہی ارشاد کی تعمیل یہ بھی تھی۔ ۲۵۷ آیت میں ایک بار پھر حضرت حق کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ یعنی میں جب تک دنیا میں موجود رہا، میری امت کا حال میرے علم ومشاہدہ میں آتا رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا۔ اس کے بعد سے مجھے کچھ خیر خبر نہیں۔ تَوَفَّيْتَنِيْ۔ یہ لفظ دونوں مفہوموں کو شامل ہے۔ زندہ آسمان پر اٹھا لئے جانے کو بھی اور دوبارہ اپنے وقت اصلی پر وفات کو بھی۔ المراد منہ وفاۃ الرفع الی السماء (کبیر) ای قبضتنی بالرفع الی السماء کما یقال توفیت المال اذا قبضتہ وروی ھذا عن الحسن وعلیہ الجمھور (روح)

۲۵۸ (اور تو ان کا مالک ومختار ہے۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ سزا کا معاملہ کرے۔ میں دخل دینے کی مجال نہیں رکھتا) ۲۵۹ تو ان کی مغفرت ہی کر دینا چاہے تو کون تجھے روک سکتا ہے۔ تو سب پر غالب، العزیز ہے۔ تیرا ارادہ سب پر حاکم ومقتدر لیکن تو اسی کے ساتھ الحکیم بھی تو ہے۔ تیرا کوئی فیصلہ خلاف حکمت ہو نہیں سکتا۔ تو کرے گا وہی جو تیرے آئین حکمت ومصلحت کے مطابق ہوگا۔ میں ایک بندہ ہو کر اس میں دخل دینے والا کون؟ یعنی انت قادر علی ما ترید. حکیم فی کل ما تفعل لا اعتراض لاحد علیک فمن انا والخوض فی احوال الربوبیۃ (کبیر) واضح رہے کہ یہ ساری گفتگو قیامت میں ہوگی۔ جہاں کافروں اور منکران دین حق کے لئے کوئی محل ہی شفاعت کا نہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے اس کلام میں ان کے پیمبر جلیل القدر ہونے کے باوجود کوئی شائبۂ شفاعت کا نہیں۔ بلکہ مقصود تمامتر اللہ کی طرف تفویض ہے۔ ومقصودہ منہ تفویض الامور کلھا الی اللہ وترک التعرض والاعتراض بالکلیۃ (کبیر) دل ذلک علی ان غرضہ تفویض الامر بالکلیۃ الی اللہ تعالیٰ وترک التعرض لھذا الباب من جمیع الوجوہ (کبیر) ضمناً حضرت مسیحؑ کے اس کلام سے تردید بھی مسیحیوں کے اس عقیدہ کی نکل آئی کہ قیامت میں عدالت کا کام خدا کے نہیں، خدا کے بیٹے کے ہاتھ میں ہوگا، چنانچہ موجودہ انجیل میں ہے:۔ "باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا، بلکہ اس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا۔۵: ۲۲) ۲۶۰ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اوپر کے سب مکالمات ومخاطبات کے بعد ہوگا۔ صٰدِقِيْنَ وہ ہیں جو دنیا میں عقائد صحیحہ واعمال صالحہ پر قائم رہے ہوں۔ المعنی ان صدقھم فی الدنیا ینفعھم فی القیامۃ (کبیر) اس کے تحت میں انبیاء کے علاوہ عام مومنین بھی داخل ہیں۔ ۲۶۱ ذٰلِكَ۔ یہ بڑی کامیابی یا فوز عظیم کس چیز کو کہا گیا ہے؟ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اشارہ پوری آیت کی جانب، یعنی نعمت جنت اور نعمت رضوان الٰہی سب کی جانب ہے۔ الجمھور علی ان قولہ ذلک عائد الی جملۃ ما تقدم من قولہ لھم جنات الی قولہ ورضوا عنہ (کبیر) لیکن امام رازیؒ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ الفوز العظیم کا تعلق صرف رضوان الٰہی سے ہے جس کے مقابلہ میں جنت کی عام نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ وعندی انہ یحتمل ان یکون ذلک مختصاً بقولہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ فانہ ثبت عند ارباب الالباب ان جملۃ الجنۃ بما فیھا بالنسبۃ الی رضوان اللہ کالعدم بالنسبۃ الی الوجود وکیف والجنۃ مرغوب الشھوۃ والرضوان صفۃ الحق وای مناسبۃ بینھما (کبیر) امام موصوف تصوف کے بھی ذوق شناس تھے۔ خدا جانے خشک متکلم کیسے مشہور ہو گئے۔ خود بھی خشک متکلموں سے عاجز تھے۔ چنانچہ یہیں اپنا خیال لکھ کر فرماتے ہیں:۔ وھذا الکلام یشمئز منہ المتکلم الظاھری وینکرہ المعسول احمق (کبیر) اَبَدًا۔ صراحت کے ساتھ یہ دوام اور ابدیت کی خوشخبری اہل جنت ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ ورنہ اہل دوزخ کیلئے وعید صرف لفظ خلود کی حد تک ہے۔ اشارۃ الی الدوام (کبیر) ۲۶۲ مخلوقات پر حکومت وسلطنت جو کچھ ہے وہ خدائے واحد ویکتا کی ہے۔ نہ کہ کسی فرزند خدا یا مظہر خدا وغیرہ کی۔ مَا فِيْهِنَّ۔ ما غیر ذوی العقول یا بے جانوں کے واسطے آتا ہے۔ اور مَن ذوی العقول کیلئے۔ امام رازیؒ نے یہ سوال قائم کر کے کہ یہاں مَن کے بجائے ما کا استعمال کیوں ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنے مسخر ہونے کے اعتبار سے خالق کی قضا وقدرت کے آگے ایسی ہیں کہ جیسے ان میں جمادات کی طرح نہ کوئی قوت ہے اور نہ بہائم کی طرح عقل ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے وہ گویا بے قدرت اور اللہ کے علم کے سامنے وہ گویا لاعلم ہیں۔ ولم قال وما فیھن فغلب غیر العقلاء علی العقلاء والسبب فیہ التنبیہ علی ان کل المخلوقات مسخرون فی قبضۃ قھرہ وقدرتہ وقضائہ وقدرہ وھم فی ذلک التسخیر کالجمادات التی لا قدرۃ لھا وکالبھائم التی لا عقل لھا فعلم الکل بالنسبۃ الی علمہ کلا علم وقدرۃ الکل بالنسبۃ الی قدرتہ کلا قدرۃ (کبیر)

مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

کہ اے اللہ ۲۴۹ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ایک (خوان) طعام آسمان سے ایسا اتار دے

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَ

کہ وہ ہمارے لئے (یعنی) ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک جشن بن جائے اور تیری طرف سے

ارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا

ایک نشان ہو جائے تو ہمیں عطا کر اور تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے ۲۴۹ اللہ نے فرمایا کہ وہ کھانا ضرور

عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ

تم پر اتار دونگا۔ لیکن پھر جو کوئی تم میں سے کفر اختیار کرے گا اسے سزا بھی وہ دونگا کہ وہ سزا دنیا والوں

ع ۱۵ ۷ ۵ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

میں سے کسی کو بھی نہ دُوں گا ۲۵۰ اور (وہ وقت بھی قابل یاد رکھنے کے ہے) جب اللہ

ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

فرمائیگا ۲۵۱ کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ "خدا کے علاوہ مجھے اور میری

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ

والدہ کو بھی معبود بنالو"۲۵۲ ؟ (عیسیٰ) عرض کرینگے، پاک ۲۵۳ ہے تو، میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ

مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ

میں ایسی بات کہہ دیتا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً ۲۵۴ تجھے اس کا علم ہوتا، تو

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، بیشک تو ہی تو ہے پوشیدہ چیزوں کا

۲۴۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ حواریوں کی غرض فاسد نہیں تو اب ان کے فرمائشی معجزہ کے لئے حضرت حق سے دعا و مناجات کی۔ ۲۴۹ دعا کے الفاظ اَللّٰھُمَّ ربنا، وارزقنا، وانت خیر الرازقین۔ کس کس طرح عقیدۂ الوہیت مسیح پر ضرب لگانے والے ہیں۔ خوب خیال کر لیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ اور ربنا دونوں میں الوہیت و ربوبیت کا مکرر انتساب حق تعالیٰ کی جانب حضرت مسیح کی زبان سے ہے۔ عِیْدًا۔ عید کہتے ہیں اُس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آتی رہے۔ یعنی اپنے تہوار کا دن منالیں۔ العید السرور العائد (کشاف) یستعمل العید فی کل یوم فیہ مسرۃ (راغب) ای یکون یوم نزولھا عیدًا (مدارک) لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ یعنی ہم لوگ جو موجود ہیں اُن کے لئے بھی اور جو ہمارے بعد آئیں اُن کے لئے بھی۔ ای لاھل زماننا ولمن یجیئ بعدنا (روح) اٰیَةً مِّنْكَ۔ ایک الٰہی نشان بن جائے میری پیمبری کا، کہ اس سے مومنین کا ایمان بڑھ جائے اور منکرین پر حجت قائم ہو جائے۔ ایۃ کائنۃ منک دالۃ علی کمال قدرتک وصحۃ نبوتی (روح) علی صحۃ نبوتی (مدارک) مِّنَ السَّمَآءِ۔ یہ لازمی نہیں کہ نزول آسمان ہی سے مُراد ہے بلکہ صرف جہت آسمان سے بلندی ہی سے نزول بھی مُراد ہو سکتا ہے والمراد بھا اما المحل المعہود وھو المتبادر من اللفظ واما جھۃ العلو (روح) ۲۵۰ ایسی کھلی ہوئی حس و مشاہدہ میں آئی ہوئی نعمت کا انکار جس شدید درجہ کی ناشکر گزاری ہے۔ سزا بھی اسی درجہ میں شدید ملے گی۔ اجر ایمان کا دارومدار غیبیت پر ہے اور جو واقعہ سلسلۂ اسباب عادیہ سے اس قدر الگ ہو، جیسا کہ بلا اسباب ظاہری بلکہ خلاف اسباب ظاہری، آسمان سے یا جہت آسمان سے تیار شدہ کھانے کا اُتر آنا، نہایت بیّن اور معمول سے زیادہ نمایاں معجزہ ہے، اتنے کھلے ہوئے خارق عادت سے ایمان پر انکار گویا غیب ہی نہیں، کہنا چاہیئے کہ شہود کے بعد بھی انکار پر قائم رہنا ہے۔ جو جحود کی قبیح ترین شکل ہے۔ اور ایسے جرم کی سزا بھی شدت جرم ہی کی مناسبت سے شدید ترین ہو گی۔ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ۔ مفسرین کے ایک گروہ نے ان الفاظ سے یہ استنباط کیا ہے کہ نزول مائدہ ضرور واقع ہو کر رہا، لیکن مفسرین ہی کے دوسرے گروہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی بھی قید لگا دی ہے۔ یعنی ان سائلین اور نزول سے انکار بعض تابعین تک سے منقول ہے۔ فقال مجاھد والحسن لم تنزل (معالم) ۲۵۱ (قیامت کے دن) قال قتادۃ وابن جریج واکثر المفسرین انما یقول لہ ھذا یوم القیامۃ (قرطبی) الجمہور علی ان ھذا السوال یکون فی یوم القیامۃ (مدارک) قال سائر المفسرین انما یقول اللہ لہ ھذا القول یوم القیامۃ (معالم) ۲۵۲ مسیح پرستی تو خیر موجود مسیحیت کے مُرادف ہی ہے۔ لیکن مریم پرستی بھی مسیحی دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، دعائیں اس "خدائی کنواری" کو مخاطب کرکے کی جاتی ہیں، نذریں نیازیں ان کے نام پر کی جاتی ہیں کیتھولک گرجاؤں میں قدآدم تصویریں اُن کی لگی ہوتی ہیں جن کے آگے مراسم پرستش بجالائے جاتے ہیں۔ مریم پرستی پر مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ سوال سے مقصود ظاہر ہے کہ استفہام و استفسار نہیں، بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور انہیں اور زیادہ خجل ولاجواب کرنا اور انہیں خود انہی کی نظر میں ذلیل کرنا ہے۔ ولیس ھو باستفہام انہ سالہ عن ذلک توبیخا لمن ادعی ذلک علیہ لیکون انکارہ بعد السوال ابلغ فی التکذیب واشد فی التوبیخ والتقریع (قرطبی) ۲۵۳ (ہر قسم کی شرکت کی آلودگی سے، اور ہر ایسے انتساب سے جو تیری شان کے لائق نہ ہو)

ف۳۴۲ یہ اشارہ ہے اس حقیقت تاریخی کی جانب کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کی کوشش بار بار کی تھی اور ہر دفعہ اس میں ناکام رہے تھے۔ انجیل بھی اس تذکرہ سے خالی نہیں۔ مثلاً "انہوں نے اس کو مارنے کو پتھر اٹھائے مگر یسوع چھپ کر ہیکل سے نکل گیا" (یوحنا ۸-۵۹) "انہوں نے پھر اس کے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا" (یوحنا ۱۰-۳۹) بِالْبَيِّنٰتِ بینات میں دلائل عقلی اور معجزات دونوں آگئے۔ ای الدلالات والمعجزات (قرطبی) اِذْ جِئْتَهُمْ۔ ضمناً سہی تاہم ایک بار پھر یہ حقیقت معرض بیان میں آگئی کہ حضرت کا خطاب صرف بنی اسرائیل سے تھا۔ ملاحظہ ہوں سورۂ آل عمران کے حاشیے۔

ف۳۴۳ یہود کی جو قدیم ترین کتابیں ملتی ہیں یعنی حضرت مسیحؑ کے زمانہ ہی کی لکھی ہوئی اُن میں بھی آپؑ کے سحر پیشہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی طرح ان کتابوں میں بھی جو اس بیسویں صدی عیسوی میں یہودی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ سے مُراد وہی یہود ہیں جو حضرت عیسٰیؑ کی نبوت کے منکر تھے عام اس سے کہ وہ اسرائیلی انبیا سابقین کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ یعنی الذین لم یومنوا بك وجحدوا نبوتك (قرطبی)

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ

بنی اسرائیل کو تم سے روک رکھا جب تم اُن کے پاس روشن (نشانیاں) لے کر آئے تھے ف۳۴۲ پھر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

اُن میں سے جو کفر اختیار کئے رہے، وہ بولے کہ یہ تو اور کچھ نہیں، ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۳۴۳ اور

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ

(وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب میں نے حواریوں کو حکم دیا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیمبر پر، تو

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ شاہد رہیئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں ف۳۴۴ اور (وہ وقت قابلِ ذکر ہے)

الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسٰیؑ ابن مریمؑ کیا آپ کا پروردگار اس کو جائز رکھتا ہے کہ ہم پر

اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا

کھانا آسمان سے اُتارے ف۳۴۵ (اس پر عیسٰیؑ نے) کہا کہ اللہ سے ڈرو!

اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ

اگر ایمان رکھتے ہو ف۳۴۶ وہ لوگ بولے کہ ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

سے کھائیں اور اپنے دلوں کو مطمئن کرلیں اور یقین کرلیں کہ آپ ہم سے سچ بولے ہیں اور ہم

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ

اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ف۳۴۷ عیسٰیؑ ابن مریمؑ نے دُعا کی

ف۳۴۴ یا یہ کہ "ہم پورے مُسلم ہیں"۔ "مُسلم" کا لفظ کوئی نو پیدا اصطلاح نہیں، انبیاء کے ماننے والے تو ہمیشہ اور ہر نبی کے دور میں مُسلم ہی کہلائے ہیں۔ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ ۔ حواری۔ پر حاشیہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ وحی کا اطلاق عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ وحی کے معنی قلب میں القاء یا الہام کے بھی ہوتے ہیں۔ الوحی کل شیء دللت به من کلام او کتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) والوحی فی کلام العرب معناه الالهام..... ای الهمتهم وقذفت فی قلوبهم (قرطبی) المراد بذلك الوحی الالهام والالقاء فی القلب (کبیر) قیل المراد بالوحی الیهم الهامه تعالٰی ایاهم (روح) عن السدی یقول قذفت فی قلوبهم (ابن جریر) قیل المراد بهذا الوحی وحی الهام (ابن کثیر) وحی کے یہ معنی تو لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن وحی کو امر کے مُرادف ہی قرار دیا گیا ہے۔ قال ابو عبیدة اوحیت بمعنی امرت وقیل اوحیت هنا بمعنی امرتهم (قرطبی) وجاء استعمال الوحی بمعنی الامر فی کلام العرب کما قال الزجاج (روح) اس صورت میں صرف اتنا محذوف ماننا پڑے گا کہ "اے عیسٰی تمہارے ذریعہ سے" ای امرتهم فی الانجیل علٰی لسانك (روح) یحتمل ان یکون المراد اذ اوحیت الیهم بواسطتك (ابن کثیر)

ف۳۴۵ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اس طرز خطاب سے صاف ظاہر ہے کہ حواری بھی آپؑ کو ابن مریم ہی سمجھتے تھے۔ ابن اللہ کا کوئی شائبہ بھی ان کے خیال میں نہ تھا۔ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ ۔ حواری بہرحال صاحب ایمان تھے۔ سوال سے اُنکی مراد بہ قول مفسر تھانویؒ یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی امر، مثلاً اس کا خلاف حکمت ہونا، اس سے مانع تو نہیں! المراد من هذا الكلام استفهام ان ذلك هل هو جائز فی الحكمة ام لا (کبیر) قیل هذه الاستطاعة علٰی ما تقتضیه الحكمة والارادة فكانهم قالوا هل ارادة الله تعالٰی وحكمته تعلقت بذلك او لا (روح) مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۔ مائدہ کے معنی طعام کے بھی ہیں اور خوان طعام کے بھی۔ المائدة فی المشهور الخوان الذی علیه الطعام وتطلق المائدة علٰی نفس الطعام ایضًا (روح) المائدة الطبق الذی علیه الطعام ویقال لكل واحدة منها مائدة (راغب) یہاں مُراد کھانے ہی سے لی گئی ہے۔ قیل اتخذوا طعامًا (راغب)

ف۳۴۶ یعنی بلا ضرورت خرقِ عادت کی طلب و فرمائش آدابِ ایمانی کے بالکل خلاف ہے۔ اتقوا الله فی تعیین المعجزة فانه جار مجری التعنت والتحكم (کبیر) اتقوا الله من امثال هذا السؤال واقتراح الآيات (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں زجر ہے کہ اہل اللہ میں خوارق کو تلاش کیا جائے۔

ف۳۴۷ حواری اپنی صفائی میں یہ تقریر کر رہے ہیں کہ سوال سے ہماری غرض کوئی بے ادبی نہیں مقصود صرف اس قدر تھا کہ نَّاْكُلَ مِنْهَا ۔ ہم اس آسمانی غذا سے کچھ کھائیں اور اس سے لذت و برکت حاصل کریں۔ اكل تبرك (روح) وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا ۔ اور اس خرق عادت کے مشاہدہ سے ہمارا ایمان اور ترقی حاصل کرے۔ بازدیاد الیقین کما قال عطاء (روح) وَنَعْلَمَ ۔ اور ہم مشاہدہ کی مزید قوت کے ساتھ یقین حاصل کرلیں۔ علم مشاهدة وعیان علٰی ما قد علمناه (روح) اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا کہ آپ اپنے دعوئ نبوت میں بالکل سچے ہیں۔ ای انه قد صدقتنا فی دعوی النبوة (روح) وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۔ اور اس کے بعد ہم دوسروں کے سامنے بھی گواہی دے سکیں کہ ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے اور اسی طرح ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائیں۔ عند من لم یحضره من بنی اسرائیل (روح) نُرِيْدُ ۔ ارادہ یا تو اپنے عام معنی میں ہے، یا شوق و تمنا کے معنی میں۔ والارادة اما بمعناه الظاهر او بمعنی المحبة (روح)

۲۳۲ یہ راہِ ہدایت سے محرومی دنیا اور آخرت دونوں میں اُن کے حصہ میں آتی ہے جو گویا نافرمانی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس عادی نافرمانی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ نہ دنیا میں اُنھیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ آخرت میں اُنھیں اس کا ثمرہ یا جنت نصیب ہوگی۔ ای لا یھدیھم الی حجۃ اوالی طریق الجنۃ (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی تقویٰ الٰہی پر نظر اپنے تمام معاملات میں رکھو اور ادائے شہادت میں بھی۔ وَاسْمَعُوا۔ یعنی اللہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔ ۲۳۳ (مع اُن کی اُمتوں کے) ذکر قیامت کے موقع کا ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے واتقوا یوم یجمع اللہ الرسل۔ بعض نے احذروا اور بعض نے اذکروا فرض کیا ہے، مقصود ہر صورت میں تخویف وتہدید ہے۔ قیل التقدیر واتقوا یوم یجمع اللہ الرسل عن الزجاج وقیل التقدیر اذکروا او احذروا یوم القیٰمۃ حین یجمع اللہ الرسل والمعنی متقارب والمراد التخویف والتھدید (قرطبی) ۲۳۴ (اِن اُمتیوں کی طرف سے) یعنی تمہاری دعوت آیا قبول کی یا رد کی؟ ماذا یہاں بماذا کے مُرادف ہے۔ بای شیٔ اُجبتم (بیضاوی) قیل التقدیر بماذا اُجبتم (روح) اُمّت کے نافرمانوں کے مواجہہ میں یہ مکالمہ بجائے خود ایک عذاب اُن نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں ہوگا۔ انہ ارادان یفضحھم علی رؤس الاشھاد لیکون ذٰلک نوعًا من العقوبۃ لھم (قرطبی) امام رازیؒ نے سچ کہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ احکام وشرائع کے مفصل بیان کے معاً بعد یا تو ذکر صفاتِ الٰہی کا شروع کر دیا جاتا ہے یا حالاتِ انبیاء کا، یا احوالِ قیامت کا، اور مقصود ان سب صورتوں میں ان احکام کی تعمیل کے لئے قلب کو زیادہ آمادہ کر دینا ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اعلم ان عادۃ اللہ تعالیٰ جاریۃ فی ھٰذا الکتاب الکریم انہ اذا ذکر انواعًا کثیرۃ من الشرائع والتکالیف والاحکام اتبعہا اما بالالٰھیات واما بشرح احوال الانبیاء او بشرح احوال القیٰمۃ لیصیر ذٰلک موکدا لما تقدم ذکرہ من التکالیف والشرائع (کبیر)

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ

فاسق لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ۲۳۲ (اُس دن سے ڈرو) جس دن اللہ پیمبروں کو جمع کریگا ۲۳۳

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

پھر اُن سے پوچھیگا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا ۲۳۴ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو علم نہیں چھپی ہوئی باتوں کو

الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

خوب جاننے والا تو بس تو ہی ہے ۲۳۵ (وہ وقت یاد میں رکھو) جب اللہ عیسیٰ ابن مریمؑ سے کہیگا کہ میرا انعام اپنے

عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ

اور اپنی والدہ کے اُوپر یاد کرو ۲۳۶ جب کہ میں نے تمہاری تائید رُوح القدس (کے واسطے) سے کی تھی ۲۳۷

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ

تم آدمیوں سے کلام (ان کی) گود میں بھی کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی ۲۳۸ اور جب کہ میں نے تمہیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ

کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کی تعلیم دی ۲۳۹ اور جب تم مٹی سے

مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔــةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا

پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں لاتے تھے پھر تم اُس کے اندر پھونک مارتے تھے

فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا ۲۴۰ اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

اچھا کر دیتے تھے اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے ۲۴۱ اور جبکہ میں نے

۲۳۵ یعنی ہمیں علم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کیا یا یہ کہ ان کے واقعی عقائد کیا تھے؟ ہم تو اپنے سامنے اُن کے صرف ظاہری اقوال واعمال کو جانتے تھے، باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے اور جزا، صرف انہی اصل عقائد پر ملے گی۔ معناہ لا علم لنا بباطن ما اجاب بہ اممنا لان ذٰلک ھو الذی یقع علیہ الجزاء (قرطبی) دوسری تفسیر اسی سے ملتی جلتی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ جواب محض غلبۂ خشیت سے ادباً ہوگا۔ یعنی تیرے علم کامل ومحیط کے آگے ہمارا علم ہیچ ہے۔ جو کچھ ہمیں علم ہے بھی، خود اس کا بھی تو ہم سے عالم تر ہے۔ بعض صحابیوں اور تابعین سے یہی معنی مروی ہیں لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا۔ ... اظہروا وما اضمروا وعن لا نعلم الا ما اظہروا افعلمک فیہم انفذ من علمنا (ابن عباسؓ) امام المفسرین ابن جریر طبری اور فخر المفسرین امام رازیؒ دونوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناہ لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا (ابن جریر) و ھو الاقرب (کبیر) دونوں تفسیروں کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں۔ امام رازیؒ نے ایک تیسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہمیں جو کچھ حاصل ہے وہ محض درجۂ ظن کی چیز ہے اور آج جو کشفِ حقائق کا دن ہے محض ظن کام نہیں دے سکتا، آج تو علم ہی کام دے گا اور وہ بس تجھی کو حاصل ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس ذہول کی وجہ بعض نے تجلّیِ جلال کے آثارِ ظہور کو بتایا ہے۔ ۲۳۶ انعامات کا سرچشمہ صرف وہی ذاتِ تبارک وتعالیٰ ہے۔ مسیحؑ اُس کے صرف ایک انعام پائے ہوئے معزز ومقرب بندے ہیں اور والدۂ مسیحؑ اس کی صرف ایک انعام پائی ہوئی معزز ومقرب بندی۔ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عیسیٰ سے یاد دلا دیا گیا کہ وہی جو ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ابن اللہ۔ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ۔ اس طریقِ تخاطب سے مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی اولاد میں ہونا بھی ایک نعمت وشرف ثابت ہوتا ہے۔ ۲۳۷ مختلف انبیاء کی امتیازی شانیں بھی مختلف رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی شانِ امتیازی یہ تھی کہ آپ کو حضرت جبریلؑ کی تائید ایک درجۂ خاص میں حاصل تھی۔ سورۂ آلِ عمران میں اس فقرہ اور لفظ روح القدس پر حاشیہ گزر چکے۔ ۲۳۸ اس پورے فقرہ پر حاشیے سورۂ آلِ عمران میں گزر چکے۔

۲۳۹ حضرت عیسیٰؑ براہِ راست حق تعالیٰ کے شاگرد تھے جیسا کہ اور سب انبیاء ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر ہمارے حضرت خاتم النبیین صلعم۔ الْكِتٰبَ۔ یہاں بطور اسمِ جنس کے ہے۔ یعنی آسمانی کتابوں کی جنس۔ المراد منہ جنس الکتاب (کبیر) الکتاب والحکمۃ لان المراد بھما جنس الکتاب والحکمۃ (روح) الحکمۃ۔ التوراۃ۔ الانجیل۔ ان سب پر حاشیہ گزر چکے۔ ۲۴۰ ان سب معجزات پر حاشیے سورۂ آلِ عمران میں گزر چکے۔ معجزہ اصطلاح میں ہر اُس خارقِ عادت کو کہتے ہیں جس کا ظہور پیمبر کے ہاتھ سے کافروں اور منکروں پر پیمبر کی تائیدِ غیبی اور نصرتِ الٰہی کے اظہار کے لئے کرایا جاتا ہے۔ اور خارقِ عادت وہ واقعہ بھی ہے جو تکوینیات میں بندوں کے سمجھے اور قرار دیئے ہوئے کسی قاعدہ سے الگ ہو مثلاً عام قاعدہ بندوں کے مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ ہندوستان میں جون کے مہینہ میں تیز گرمی اور دسمبر میں تیز سردی پڑتی ہے۔ اب اگر کسی پیمبر کی دعا سے جون میں برف جمنے اور دسمبر میں لو چلنے لگے۔ تو اِسے پیمبر کا معجزہ کہا جائے گا ——— نیچرپرستوں یا منکرینِ معجزات کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مشاہدہ وتجربہ کو خود قدرت کی طرف سے کسی مستقل قاعدہ یا قانون کا اعلان سمجھ بیٹھے اور دوسری غلطی یہ کہ قاعدوں اور قانون کو قانون ساز اور قاعدہ گر کی مرضی وارادہ سے بے نیاز، خود مستقل مستمر، لایزال حقیقتیں سمجھ بیٹھے۔ بِاِذْنِيْ۔ کی تکرار اس سارے سلسلۂ معجزات میں قابلِ غور ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ بادی النظر میں کیسا ہی عجیب وغریب ہو، بہرحال تھا وہ اذنِ الٰہی قانونِ تکوینی ہی کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت۔ انما اعاد قولہ باذنی تاکیدًا لکون ذٰلک واقعًا بقدرۃ اللہ وتخلیقہ لا بقدرۃ عیسیٰ وایجادہ (کبیر) تَخْلُقُ۔ خلق کے معنی یہاں صورت بنانے کے ہیں۔ تخلق ای تصور (روح) ای تصورہ وتشکلہ علی ھیئۃ الطائر (معالم) تَنْفُخُ فِيْهَا۔ میں ضمیر مؤنث ھیئۃ کی طرف نہیں بلکہ کھیئۃ کے ک کی جانب ہے۔ الضمیر للکاف لانہا صفۃ الھیئۃ التی کان یخلق عیسیٰ ولا یرجع الی الھیئۃ المضاف الیہا لانہا لیست من خلقہ (کشاف) ۲۴۱ ان سارے معجزوں پر بھی حاشیے سورۂ آلِ عمران میں گزر چکے۔ بِاِذْنِيْ کی تکرار ہر فقرہ میں بہت ہی قابلِ لحاظ ہے ——— پیمبر کے سارے معجزات کی تہ میں کارفرما خالقِ کائنات ہی کا کوئی نہ کوئی قانون تھا۔ باذنی ای بفعلی ذٰلک عند دعائک (کبیر) ذکر الاذن فی ھٰذہ الافاعیل انما ھو علی معنی اضافۃ حقیقۃ الفعل الی اللہ تعالیٰ۔ (کبیر)

۳۲۶ (ان اوصیاء کی دیانت و شہادت کے باب میں) خطاب یہاں وارثوں سے ہے۔ ۳۲۷ شریعت اسلامی، جو انفرادی و اجتماعی ہر بشری ضرورت کی کفیل ہے، یہاں ایک اکثر پیش آجانے والی ضرورت کا صحیح طریقہ تعلیم کر رہی ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی موت کے وقت اپنا مال کسی کو حوالہ کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کر جائے۔ لیکن گواہ اگر مسلمان نہ مل سکیں جیسا کہ حالت سفر وغیرہ میں اکثر اتفاق ہوجاتا ہے تو پھر دو غیر مسلموں ہی کو گواہ بنالے۔ پھر اگر ان گواہوں کی دیانت ہی سے متعلق شبہ ہوجائے اور وارث اپنا دعویٰ ان کے بیان کے خلاف پیش کردیں، لیکن گواہ نہ رکھتے ہوں تو اُس وقت خود ان اوصیاء سے مؤکد بہ حلف بیان لیا جائے ـــــ کب اور کہاں؟ بعد نماز کہ وہ وقت عموماً عظمت الٰہی کے استحضار کا ہوتا ہے۔ اور مسجد میں کہ خلق کے سامنے انسان عادۃً کذب بیانی سے شرماتا ہے۔ بَعْدَ الصَّلٰوۃ۔ نماز سے یہاں مُراد عموماً نماز عصر لی گئی ہے، گو جائز ہر نماز کا وقت سمجھا گیا ہے۔ یرید صلاۃ العصر قالہ الاکثر من العلماء وقیل ای صلاۃ العصر کما روی عن ابی جعفر وقتادہ وابن جبیر وغیرھم وجوزان تکون اللام للجنس ای بعد ای صلاۃ کانت (قرطبی) ای صلاۃ (روح) تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ مفسر تھانویؒ نے کہا کہ اس سے مقصود قسم کی قوت اور اہمیت کو اور بڑھا دینا ہے بزمان متبرک اور بمکان اجتماع خلق کی قید کے ساتھ۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ انسان عموماً اور عادۃً عزیزوں قریبوں ہی کے نفع کا لحاظ کرکے جھوٹ بولنے اور جھوٹا حلف اُٹھانے پر آمادہ ہوجاتا ہے ـــــ خالق فطرت کا کلام ہے۔ فطرت بشری کے کیسے کیسے چھپے ہوئے چوروں کا لحاظ رکھا ہے۔ شَهَادَةَ اللّٰهِ۔ یعنی جس بات کے بیان کرنے پر ہم اللہ کی طرف سے مامور ہیں ـــــ عظمت الٰہی کے استحضار اور خشیت قلب کے بیدار کرنے کیلئے قرآن مجید اسلوب بھی کیسے کیسے مؤثر اختیار کرتا ہے۔ یہاں محض شہادت کو شہادۃ اللہ سے تعبیر کرکے اس کی کتنی اہمیت بڑھا دی۔ ۳۲۸ یعنی ظاہراً ان گواہوں کا کاذب و خائن ہونا معلوم ہوجائے۔ عُثِرَ عَلٰٓى۔ یعنی اگر اس کی خبر ہوگئی۔ اگر یہ کھل گیا۔ عثر علی کذا ای اطلع علیہ (قرطبی) آیت کی ترکیب حضرت عمرؓ جیسے اہل زبان صحابی اور زجاج جیسے نحوی کو دشوار معلوم ہوئی ہے اور دوسرے مفسرین کرام کا ذکر ہی نہیں۔ قال عمر ھٰذہ الاٰیۃ اعضل ما فی ھٰذہ السورۃ من الاحکام وقال الزجاج اصعب ما فی القراٰن من الاعراب (قرطبی) ۳۲۹ اب مقدمہ کا رُخ بدل گیا، اوصیاء جو پہلے مدعا علیہ تھے ورثہ کے مقابل، اب خود مدعی ہوگئے۔ اور ورثہ جو اوصیاء کی خیانت کا دعویٰ لیکر آئے تھے۔ اب مدعا علیہ بن گئے۔ یعنی فی الایمان او فی الشہادۃ (قرطبی) يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا۔ اگر دو کے بجائے ایک ہی گواہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں مال وصیت پہنچتا تھا یعنی میت کے قریب تر اور مال کے وارث۔ روی عن سعید بن جبیر قال معنی الاولیان بالمیت یعنی الورثۃ (جصاص) الاقربان الی المیت (کبیر) اَلْاَوْلَيٰنِ آیت میں بدل ہے فاٰخران سے۔ والمعنی عند اھل التفسیر من الذین استحقت علیھم الوصیۃ۔ الاولیان بدل من قولہ فاٰخران قالہ ابن السری واختارہ النحاس (قرطبی) امام ابوحنیفہؒ نے اسی آیت سے ذمیوں کے آپس کے معاملات میں ان کے قبول شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ استدل ابوحنیفۃ بھٰذہ الاٰیۃ علی جواز شہادۃ الکفار من اھل الذمۃ فی ما بینھم قال ومعنی او اٰخران من غیرکم ای من غیر اھل دینکم فدل علی جواز شہادۃ بعضھم علی بعض (قرطبی) ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ۔ ضرب فی الارض کے معنی محاورہ میں سفر کرنے کے آتے ہیں (مطلق ضرب کے معنی سفر کرنے اور چلنے کے نہیں جیسا کہ آج کل کے ایک نادان فرقہ نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیا ہے بلکہ جب فعل ضرب کا صلہ فی کے ساتھ آئے، اُس وقت یہ معنی ہوجاتے ہیں) ای سافرتم (قرطبی) پوری تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت فاوصیتم الی اثنین عدلین فی ظنکم ودفعتم الیھما ما معکم من المال ثم متم وذھبا الی ورثتکم بالترکۃ فارتابوا فی امرھما وادعوا علیھما خیانۃ فالحکم ان تحبسوھما من بعد الصلاۃ ای تستوثقوا منھما (قرطبی) (اگر تم سفر کر رہے ہو اور اس حال میں تمہیں موت آگئی اور تم نے اپنے خیال میں دو متدین شخصوں کو اپنا وصی مقرر کرکے مال ان کے سپرد کردیا اور تمہاری وفات ہوگئی۔ اور دونوں وصی تمہارا ترکہ لے کر تمہارے وارثوں کے پاس گئے، اور اُن لوگوں کو ان گواہوں کے بیان میں شک پیدا ہوا اور ان دونوں پر انہوں نے دعویٰ دائر کردیا تو اب چاہیئے کہ نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو روک لو اور ان سے پوچھ پاچھ کرلو۔ ۳۳۰ یہ سب تعلیم اس غرض سے مل رہی ہے کہ یہ گواہ بھی اپنی ذمہ داری کا خوب اچھی طرح احساس و استحضار کرلیں۔ وَمَا اعْتَدَيْنَا۔ یعنی ہم نے حق و صداقت سے ذرا تجاوز نہیں کیا ہے۔ نہ مال کے مطالبہ میں اور نہ اوصیاء پر الزام خیانت لگانے میں۔ ای ما اعتدینا فی طلب ھٰذا المال وفی نسبتھم الی الخیانۃ (کبیر) ۳۳۱ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اوّل ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں۔ پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں، یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں، جانیں کہ ہماری قسم اُلٹی پڑیگی" (موضح القرآن) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی قانون جو دو آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ای الحکم الذی ذکرنا والطریق الذی شرعنا (کبیر) عَلٰى وَجْهِهَآ۔ یعنی مطابق حقیقت، بلا آمیزش۔ ای علی حقیقتھا من غیر تغییر لھا (روح) اَوْ يَخَافُوْٓا ۔۔۔ اَيْمَانِهِمْ۔ اور اس ڈر سے جھوٹی قسم کھانے سے رُک جائیں۔ "اگر سپردگی مال زائد کی نہیں ہوئی تو قسم کھالیں اور اگر ہوئی ہے تو گناہ سے ڈر کر انکار کردیں، یہ حکمت تو تحلیف اوصیاء میں ہے" (تھانویؒ) اور ہم کو خفیف ہونا پڑے گا، یہ حکمت تحلیف ورثہ میں ہے" (تھانویؒ)

مُصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ

آ پہنچے تو اگر تم کو شُبہ ہو جائے ۳۲۶ تو دونوں (گواہوں) کو بعد نماز

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ

روک رکھو اور وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے خواہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

کسی قرابتدار (ہی کے لئے) ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائینگے ورنہ ہم بے شک گنہ گار

الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

ہوں گے ۳۲۷ پھر اگر خبر ہو جائے کہ وہ دونوں (وصی) حق بات دبا گئے ۳۲۸ تو دو گواہ اُن کی

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ

جگہ اور مقرر ہوں اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبا ہے (میّت کے) قریب تر لوگوں میں سے ۳۲۹

الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

اور یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے

وَمَا اعْتَدَيْنَآ ڮ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ

اور ہم نے زیادتی نہیں کی ہے ورنہ بیشک ہم ہی ظالم ٹھیرینگے ۳۳۰ یہ اس کا قریب ترین طریقہ ہے

يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ

کہ لوگ گواہی ٹھیک دیں یا اس سے ڈرے رہیں کہ ہماری قسمیں اُن کی قسموں کے

بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا

اُلٹی پڑیں گی ۳۳۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے رہو اور اللہ

ف۳۱۸ (اور سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان لغویات وخرافات سے خوش ہوگا) ای ماشرع الله هذه الاشياء ولاهى عنده قربة ولكن المشركون افتروا ذلك وجعلوه شرعًا لهم وقربة يتقربون بها اليه (ابن کثیر) يَفْتَرُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ - اہل شرک اپنے عقائد وغیرہ دوسرے مسائل کی طرح رسوم کے باب میں بھی افترا علی اللہ پر بڑے جری و بے باک ہوتے ہیں اور گڑھنے والے عموماً مشرکین کے خواص واکابر ہوتے ہیں۔ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ - یہ کورانہ تقلید کرنے والے مشرکین کے عوام ہوتے ہیں - اور انہی کی تعداد بڑی ہوتی ہے۔ والمعنى ان الرؤساء يفترون على الله الكذب فاما الاتباع والعوام فاكثرهم لا يعقلون (کبیر) ف۳۱۹ یعنی حق وباطل کا معیار محض احکام خدا ورسول کو قرار دو - اپنے مزعومات ومظنونات کو شریعت کی کسوٹی پر کسو، پرکھو، جانچو۔ ف۳۲۰ (اور ہمیں کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں) تقلید جامد جاہلوں کا سہارا ہر ملک اور ہر دور میں رہا ہے۔ کسی صاحب علم کی تقلید اگر اس اعتماد پر کی جائے کہ وہ احکام شریعت کا ماہر ہے - تو یہ ممنوع نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن آنکھ بند کرکے باپ دادا کی راہ پر اس لئے چلتے رہنا کہ وہ باپ دادا تھے۔ یہ اندھی تقلید محض معصیت ہی نہیں بلکہ بعض اوقات شرک تک پہنچادیتی ہے۔ اور اسی کا نام رسم پرستی ہے ———— آج ہندوستان کی بڑی آبادی کے پاس نہ کوئی "کتاب" ہے نہ کسی "رسول" کی تعلیم محفوظ۔ بس رسوم کا ایک مجموعہ ہے۔ جو سیکڑوں، ہزاروں برس ہوئے، ہاتھ آگیا تھا۔ اور اسی طرح اندھا دھند اس کی پوجا ہوتی چلی آرہی ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے جاہل صوفیہ کے اس طریقہ کا کہ جب ان کے سامنے شریعت پیش کی جاتی ہے تو اس کے بجائے وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے تمسک کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ ف۳۲۱ یعنی کیا ان کا یہ خیال جب بھی ہے جب ان کے بزرگ علم نہ رکھتے ہوں حقائق دین سے کسی شئے کا اور ہدایت نہ رکھتے ہوں کسی کتاب الٰہی کے ذریعہ سے۔ وتقديره وحسبهم ذلك ولو كان اباهم (کشاف) اَوَ میں و حالیہ ہے اور اُس پر ہمزہ (اَ) انکار کا داخل ہوا ہے والواو للحال وقد دخلت عليها همزة الانكار (کشاف) ف۳۲۲ حکم افراد کو ہے کہ دوسروں کی فکر میں اتنا زیادہ کیوں گھلے جاتے ہو۔ مُقدم فکر اپنی ہے۔ اپنے مطالبات دین ادا کئے جاؤ۔ تم پر دوسروں کی ذمہ داری نہیں تم سے پُرسش تمہارے ہی احوال کی ہوگی۔ آیت میں ایک زبردست اصول یعنی شخصی ذمہ داری کا اثبات ہے۔ اور ان لوگوں کا ابطال ہے جو انفرادیت کو اجتماعیت میں گُم رکھنا چاہتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے نفس کی نگرانی اپنے اوپر لازم کرلو۔ معناه احفظوا انفسكم من المعاصى (قرطبی) عليكم محاورہ میں جب صیغہ مخاطب میں آتا ہے تو اس کے معنی لازم پکڑ لینے کے ہوتے ہیں۔ صیغہ غائب وغیرہ میں نہیں آتا۔ تقول عليك زيدًا بمعنى الزم زيدًا ولا يجوز عليه زيدًا بل انما يجرى هذا فى المخاطبة (قرطبی) دوسروں کی بھی بہ قدر وسعت واستطاعت اصلاح شخصی مطالبات دین ہی میں شامل ہے۔ انکے منافی نہیں۔ مقصود دوسروں کی اصلاح کے کام سے روکنا نہیں، صرف اس کے مبالغہ آمیز تخیل میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کو اچھی بُری بات بتاؤ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور کھوج میں نہ پڑے رہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو بجائے خود ایک انفرادی فریضہ ہے اس کا سقوط مقصود نہیں۔ قال ابن خويزمنداد تضمنت الاية اشتغال الانسان بخاصة نفسه وتركه التعرض لمعائب الناس والبحث عن احوالهم فانهم لا يسألون عن حاله فلا يسأل عن حالهم (قرطبی) ومن الاهتداء اتباع امر الله فى انفسنا وفى غيرنا فلا دلالة فيها اذا على سقوط فرض الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (جصاص) اخبر ابو بكر، ان هذه الاية لا رخصة فيها فى ترك الامر بالمعروف والنهى عن المنكر وانه لا يضر ضلال من ضل اذا اهتدى هو بالقيام بفرض الله من الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (جصاص) آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ انسان جب یہ دیکھ لے کہ وعظ وپند مطلق کارگر نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اس پر اور مضحکہ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر چاہیئے کہ سکوت سے کام لے اور بس اپنے ہی ذاتی اعمال کی فکر میں لگا رہے۔ قيل الاية فى اهل الاهواء الذين لا ينفعهم الوعظ فاذا علمت من قوم انهم لا يقبلون بل يستخفون ويظهرون فاسكت عنهم (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہی طریقہ ہے عارفین سالکین کا وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کردینے کے بعد پھر کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔ ف۳۲۳ (کہ حشر ہی اصلی وقت ومقام نتائج کے ظہور تام کا ہوگا) ف۳۲۴ قرآن محض ایک پندنامۂ اخلاق نہیں قانون کی بھی کتاب ہے۔ زندگی میں قانون اخلاق خطابت سب ہی کی اپنی اپنی جگہ ضرورت پڑتی ہے اور قرآن نے جو مکمل ہدایت نامہ اور زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ سب میں اپنی اپنی جگہ کام لیا ہے۔ اس جگہ قانون وصیت ووراثت کا بیان مختلف پہلوؤں سے آرہا ہے۔ بَيْنِكُمْ یعنی تمہارے آپس کے معاملات میں، مثلاً موت کے وقت ورثہ کو مال سپرد کرنے کے وقت۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اصطلاح فن میں انہی کو وصی کہتے ہیں۔ اور انہی کے اقرار واظہار کو گواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں کوئی حکم نہیں مل رہا ہے۔ صرف بہ طور مشورۂ مناسب کے ارشاد ہورہا ہے۔ اِثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ یعنی مسلمان ہوں، تم میں سے ہوں، تمہارے غیر نہ ہوں۔ ان اوصیاء کا مسلمان اور عادل ہونا صرف افضل ہے۔ شرط لازم نہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وصی اگر دو نہ ہوں، یا ایک بھی نہ ہو، جب بھی وصیت جائز رہے گی۔ یہ آیتیں اپنی ترکیب نحوی وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کے مشکل ترین مقامات میں سے ہیں اور یہ دشواری اس بے علم وکم سواد ہی کو نہیں محسوس ہوئی ہے، اکابر قدیم بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ هذه الايات الثلاثة عند اهل المعانى من اشكل ما فى القران اعرابًا ومعنًى وحكمًا (قرطبی) وقال ابن عطية هذا الكلام من لم يقع له الثلج فى تفسيرها (قرطبی) اتفق المفسرون على انها فى غاية الصعوبة اعرابًا ونظمًا وحكمًا (کبیر) ف۳۲۵ یعنی اگر حالت سفر وغیرہ میں مسلمان اور عادل اوصیاء نہ مل سکیں، تو غیر مسلم گواہ بھی جائز ہیں۔ صحابہ اور تابعین اور فقہاء میں سے اکثر کا مذہب یہی ہے۔ مِنْ غَيْرِكُمْ ضمير للكافرين وهذا الشبه لسياق الاية مع ما تقرر من الاحاديث وهو قول ثلاثة من الصحابة الذين شاهدوا التنزيل ابو موسى الاشعرى وعبد الله بن قيس وعبد الله بن عباس، (قرطبی) هذا معنى الاية على مذهب ابى موسى الاشعرى وسعيد بن المسيب ويحيى بن يعمر وسعيد بن جبير وابى مجلز وابراهيم وشريح وعبيدة السلمانى وابن سيرين ومجاهد وقتادة والسدى وابن عباس وغيرهم وقال به من الفقهاء سفيان الثورى واختاره احمد بن حنبل كلهم يقولون منكم من المؤمنين ومعنى من غيركم يعنى الكفار (قرطبی)

اللهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

رہتے ہیں اور اُن میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۳۱۹ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ ف۳۲۰ تو کہتے ہیں کہ

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے ف۳۲۱ تو کہنا چاہیے کہ اُن کے بڑے نہ کسی

شَيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ

شے کا علم رکھتے ہوں نہ ہدایت؟ ف۳۲۲ اے ایمان والو تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو کوئی بھی

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

گمراہ ہو جائے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں جب کہ تم راہ پر چل رہے ہو ف۳۲۳ اللہ ہی کی طرف تم

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سب کی واپسی ہے سو وہ تمہیں جتلا دیگا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے ف۳۲۴ اے ایمان والو جب کہ

اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

تم میں سے کسی کو موت آجائے وصیت کے وقت تمہارے

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ

آپس میں گواہ دو شخص تم میں سے معتبر ہوں ف۳۲۵ یا دو گواہ تم میں سے کے علاوہ ہوں ف۳۲۶

غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

جب تم زمین پر سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا واقعہ

۳۱۰ اللہ اور اس کے رسُول کی جداگانہ حیثیتوں کی یہ تشریح مشرک منش مخاطبین کے لئے بار بار ضروری ہوئی۔ اور بار بار بتانا پڑا کہ رسُول کے ہاتھ میں ہدایت یا تقسیم عذاب و ثواب کچھ بھی نہیں، صرف تبلیغ ہے۔ ای لیس لہ الھدایۃ والتوفیق ولا ثواب وانما علیہ البلاغ (قرطبی) البلاغ۔ یعنی تبلیغ احکام کی اور پیام کی۔ مَا تُبْدُونَ۔ یعنی تمہارے اقوال اور تمہارے اعمال۔ مَا تَكْتُمُونَ۔ یعنی تمہارے اسرار اور محرکات عمل۔ اللہ کی ان دونوں صفات کو یاد دلا کر گویا یہ بتا دیا کہ اطاعت ظاہری بھی ہونا چاہیئے اور اطاعت باطنی بھی۔ ۳۱۱ (اے مخاطب) الْخَبِيثُ۔ نافرمان یا نافرمانی، ذات وصفات سب کے لئے جامع۔ والصحیح ان اللفظ عام فی جمیع الامور یتصور فی المکاسب والاعمال والناس والمعارف من العلوم وغیرھا (قرطبی) الطَّيِّبُ۔ فرمان بردار یا فرمان برداری۔ لَا يَسْتَوِي۔ اس لئے کہ ایک اللہ کے ہاں محبوب ومحمود ہے اور دوسری مبغوض ومردود۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ عالم روحانیات میں جو چیزیں گندی یا خبیث ہیں، وہ عالم جسمانیات میں بڑی مقدار والی اور بڑی لذت والی دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کی یہ ظاہری تعداد اور لذت دائمی اور سرمدی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے والی ہے، اس لئے اُن کا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی کیا؟ یعنی ان الذی یکون خبیثاً فی الروحانیات قد یکون طیباً فی عالم الجسمانیات ویکون کثیر المقدار وعظیم اللذۃ الا انہ مع کثرۃ مقدارہ ولذاذۃ متناولہ وقرب وجدانہ سبب للحرمان من السعادات الباقیۃ الابدیۃ السرمدیۃ (کبیر) وَلَوْ أَعْجَبَكَ۔ یعنی اس پر حیرت نہ کرو کہ جب نافرمان اور نافرمانی اس قدر مبغوض ہیں تو پھر ان کی کثرت وفراوانی کیوں ہے؟ یہ ترقی یقیناً دلیل مقبولیت نہیں، اس کی بنا دوسری ہی تکوینی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ الخطاب لہ والمراد غیرہ لان محمداً صلعم لا یعجبہ اکثر الکفار والمال الحرام وقلۃ المؤمنین والمال الحلال (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل حقائق کے مقابلہ میں اہل رسوم کی کثرت سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ وَلَوْ أَعْجَبَكَ کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "گو تجھے بھلی لگے"۔ ای وان سرك ایھا الناظر (روح) آج دنیا میں بدی کی کثرت بھی ہے اور ظاہری خوشنمائی بھی۔ اور ایسا ہی کم وبیش ہر زمانے میں رہا ہے۔ ۳۱۲ (دنیا اور آخرت دونوں میں) فَاتَّقُوا اللہَ۔ یعنی راہ ہدایت اور پاکیزگی ہی کی راہ اختیار کرو اور بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوشنمائی سے متاثر ہو کر ادھر نہ جھک جاؤ۔ ای اٰثروا الطیب وان قل علی الخبیث وان کثر (کشاف) تُفْلِحُونَ کو فَاتَّقُوا پر مرتب کر کے گویا یہ بتا دیا کہ فلاح کی بنیاد تقویٰ الٰہی ہی پر ہے۔ خطاب اولی الالباب سے کر کے ادھر اشارہ کر دیا کہ عین عقل وبصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے بچا جائے اور راہ تقویٰ اختیار کی جائے۔ أُولِي الْأَلْبَابِ۔ لُب کے معنی عقل خالص کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش وکدورت سے پاک ہو۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) عقل انسان کے پاس اللہ ہی کی بخشی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید نے عقل کو دبایا نہیں، بلکہ صحیح حدود کے اندر عقل سلیم سے کام لینے پر تاکید کی ہے۔ ۳۱۳ ممانعت ایسے سوالات سے ہو رہی ہے جو سرتاسر فضول اور لایعنی ہوں مثلاً لوگوں کے جزئیات زندگی کی بابت سوالات کرتے رہنا۔ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی معاشی یا معادی ضرورت واقعی پیش آجائے یا اس کے پیش آجانے کا احتمال قوی ہو اور صاحب شریعت سے ادب واحترام کے ساتھ اُس کی بابت پوچھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غرض ومقصد صحیح کچھ بھی نہ ہو اور دُور دُور کے احتمالات پیدا کر کے سوال محض سوال کرنے کی نیت سے کیا جائے، تنقیقات اپنے دل سے گڑھے جائیں اور گویا رسُول کا امتحان لینے کو سوالات اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہاں ذکر اسی آخری قسم کا ہے اور اسی سوال بازی کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ ناگوار ہونے کی صورتیں مثلاً یہ کہ تمہارے کسی چھپانے والے واقعہ کی پردہ دری ہو جائے اور تمہیں تفضیح ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے یا ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کی تعمیل تم پر شاق گزرے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ صحابی سے روایت آئی ہے کہ ایک شخص نے آکر رسُول اللہ سے عرض کی کہ اچھا یہ بتائیے کہ میرا باپ کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص، اسی طرح ترمذی وغیرہ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسُول اللہ صلعم سے یہ سوال کرنا شروع کر دیا کہ یہ ہر سال فرض ہے؟ —— یہ دو نمونے ہیں اس قسم کے بیجا سوالات کے جن کے خلاف یہاں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ "احکام میں جیسا یہ سوال بوجہ افراط ممنوع ہے، واقعات میں یہ سوال موجب تفریط فی الاطاعت والادب بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ استہزاءً پوچھتے تھے۔ پس آیت سب اقسام سوال کو اور سب اقسام جواب کو شامل ہے۔ گو علت نہی کی کہیں افراط ہو گی، کہیں تفریط، اور ناگواری جواب کا احتمال کہیں تحریم سے ہو گا کہیں رسوائی سے کہیں زجر سے۔ اور بعد نزول وحی کے ایسے سوالات سے نہی کی علت اضاعت وقت اور مُجیب کو ضیق میں ڈالنا ہے" (تھانویؒ)

عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا
رسُول کے ذمہ تو بجز تبلیغ کے اور کچھ نہیں اور اللہ اس کو بھی جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو
تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
اور (اسکو بھی) جو کچھ تم چھپاتے ہو ۳۱۰ آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے، گو تجھے ناپاک
أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو ۳۱۱ سو اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (پوری)
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ
فلاح پا جاؤ ۳۱۲ اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر
أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ
ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں ۳۱۳ اور اگر تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اس
يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ
زمانہ میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی ۳۱۴ اللہ نے انکی بات درگزر کی اور اللہ بڑا
حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا
مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے ۳۱۵ تم سے قبل بھی ایسی ہی پوچھ پاچھ کر چکے ہیں پھر اُن سے منکر ہو ہو
كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا
گئے ہیں ۳۱۶ اللہ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور
وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۙ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى
نہ وصیلہ کو نہ حامی کو ۳۱۷ البتہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے

١٣ ع ٧ ٢

روی مسلم عن المغیرۃ بن شعبۃ عن رسول اللہ صلعم قال ان اللہ کرہ لکم ثلاثاً قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال وقال کثیر من العلماء المراد بقولہ کثرۃ السوال التکثیر من السوال فی المسائل الفقہیۃ تنطعاً وتکلفاً فی مالم ینزل والاغلوطات وتشقیق المولدات وقد کان السلف یکرھون ذلک یرونہ من التکلیف (قرطبی) ۳۱۴ تو ایسے ہی سوالات جن میں یہ احتمالات ہوں ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں۔ ھذا تادیب من اللہ لعبادہ المؤمنین ونھی لھم عن ان یسألوا عن اشیاء مما لا فائدۃ لھم فی السوال والتنقیب عنھا لانھا ان اظھرت لھم تلک الامور ربما ساءتھم وشق علیھم سماعھا (ابن کثیر) ۳۱۵ (اس لئے حکم کی خلاف ورزی پر گرفت اگر فوری نہیں ہوئی تو اس سے مطمئن اور بےخوف نہ ہو جاؤ) عَنْهَا یعنی اُن سوالات کے بارہ میں جو تم اب تک کر چکے۔ ای عن المسئلۃ التی سلف منھم (قرطبی) ای عما سلف من مسائلکم (کبیر) غَفُورٌ۔ اس صفت عفو کا تقاضا ہے کہ اس نے ماضی کو معاف کر دیا۔ ۳۱۶ اس کفر وانکار کی دو صورتیں ممکن ہیں اور دونوں واقع ہو چکی ہیں۔ ایک یہ کہ جو احکام دیئے گئے ان کا حق ادا نہ کیا، دوسرے یہ کہ جو واقعات بیان کئے گئے ان سے متاثر نہ ہوئے۔ قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے؟ عام طور سے بنی اسرائیل سے مُراد لی گئی ہے کہ سابق انبیاء کی امتوں میں وہی کھود کھود کر اور کرید کرید کر سب سے زیادہ سوال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ گنجائش دوسری اُمتوں کے مُراد ہونے کی بھی ہے۔ ۳۱۷ مَا جَعَلَ اللہُ یعنی اللہ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں کیا۔ والمعنی ما سمی اللہ ولا سن ذلک حکماً ولا تعبد بہ شرعاً (قرطبی) یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں۔ بَحِيرَةٍ وہ اونٹنی ہے جو دس بچے جنتی اور ان میں کا آخری نر ہوتا۔ اس کا کان چیر کر اُسے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا اور کوئی کام اُس سے نہ لیا جاتا۔ سَائِبَةٍ۔ وہ اونٹنی ہے جو کسی دیوتا کے نام پر سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دی جاتی اور اُسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا۔ وَصِيلَةٍ۔ یہ بھی اونٹنی ہی کی ایک قسم ہے مادہ بچہ جننے والی۔ اسے بھی دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ حَامٍ۔ نر اونٹ کی ایک قسم ہے جس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اہل شرک کی رسمیں ہر ملک میں ملتی جلتی سی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی گڑھی ہوئی رسمیں اور ایسے جانوروں کا ادب واحترام ہرگز مشروع نہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے اہل جاہلیت کی اس بدعت کا کہ بعض چیزوں کو غیر اللہ سے نامزد کر دیتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض جہلاء ارواح طیبہ سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

۳۰۰ یعنی جو لوگ یہ جرمانہ ادا کر چکے وہ معاف ہو جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اسلام یا قبل نزول حکم جو کچھ گزر چکا اُس سے درگزر کر دی جائے گی۔ عما کان فی الجاھلیۃ (ابن جریر عن عطاء) عما سلف منکم فی الجاھلیۃ (ابن جریر) عما مضی فی الجاھلیۃ وعما سلف قبل التحریم فی الاسلام (کبیر) ۳۰۱ (اس جسارت اور ڈھٹائی کا) گناہ کا اعادہ خود ایک دلیل ہے ڈھٹائی کی۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ توبہ سے یہ علت انتقام بھی منتفی ہو جائے گی۔ ۳۰۲ اس میں رد آگیا بہت سی جاہلی قوموں کے عقیدہ کا جن کا معبود فعالیت سے یکسر محروم، اور ہر طرح بے حس و جامد ہے۔ ۳۰۳ بحری مسافروں کے لئے دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت ان کے حق میں رحمت خاص ہے۔ یہ ہدایتیں حالت احرام کے بارہ میں مل رہی ہیں۔ وانتم حرم کے تحت میں۔ صَیْدُ الْبَحْرِ۔ بحر سے صرف سمندر مراد نہیں، ہر قسم کے دریا، ندی، جھیل، تالاب وغیرہ غرض پانی کا ہر ذخیرہ اسکے تحت میں آجاتا ہے۔ وعنی بالبحر فی ھذا الموضع الانھار کلھا والعرب تسمی الانھار بحارا (ابن جریر) اصل البحر کل مکان واسع جامع للماء الکثیر (راغب) المقصد فیہ صید الماء مسائر حیوان الماء یجوز للمحرم اصطیادہ ولا نعلم خلافا فی ذلک بین الفقھاء (جصاص) والمراد بالبحر جمیع المیاہ والانھار (کبیر) والمراد بالبحر جمیع المیاہ (معالم) اور دریائی جانور کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ وہ وہ جانور ہے جس کا مولد بھی پانی ہے اور مسکن بھی پانی۔ اس لئے مرغابی، بط، وغیرہ اس تعریف کے بعد دریائی جانور کے حکم سے نکل گئے۔ طَعَامُہٗ میں ضمیر صید کی طرف ہے۔ قیل الضمیر للصید وطعامہ اکلہ۔ اور اس پر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بہت سے ارباب تفسیر ادھر بھی گئے ہیں کہ ضمیر بحر کی جانب ہے۔ ما قذفہ او نضب عنہ (بیضاوی) تو گویا اب دو چیزیں ہوئیں ایک صید البحر اور دوسرے طعام البحر۔ یہ ترکیب مان کر دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ صید البحر وہ جانور ہے جس کا شکار کر کے اُسے مارا جائے۔ اور طعام البحر وہ جانور ہے جسے دریا خود پھینک دے یا جو پانی کے پیچھے ہٹ آنے سے رہ جائے اور یہ تفریق حضرات صحابہ بلکہ حضرت صدیقؓ سے مروی ہے۔ طعامہ ما قذف بہ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) طعامہ ما قذف منہ (ابن جریر عن قتادۃ) وھو الاحسن ما ذکرہ ابوبکر الصدیقؓ ان الصید ما صید بالحیلۃ حال حیاتہ والطعام ما یوجد مما لفظہ البحر او نضب عنہ الماء من غیر معالجۃ فی اخذہ ھذا ھو الاحسن (کبیر) اس اُحِلَّ لَکُمْ سے مرشد تھانویؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس میں زہد کی تعدیل اور اس میں غلو کرنے سے منع ہے۔ ۳۰۴ ہر حکم، ہر قید کو نفس کے لئے خوشگوار بنا دینے والا یہی استحضار حاکم مطلق کی حکومت کا ہے۔ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ۔ یہ حکم حرمت عام ہے شکار پکڑنے والے اور اُس میں مُعین ہونے والے دونوں پر۔ ۳۰۵ (اور اس کے حفظ ادب اور تعظیم شان کے لئے تو یہ سب حرم و احرام کے احکام و قواعد ہیں) اَلْکَعْبَۃَ جس طرح لفظ اللہ خود دلالت کرتا ہے اپنے مسمّی کے سارے مخلوق سے بلند ہونے اور اسکے معبود ہونے پر اور لفظ معظّم خود جامعیت رکھتا ہے ہر طرح کی بزرگی اور ستودہ صفاتی کی، اسی طرح لفظ کعبۃ کے اندر بھی دلالت اُس کی عظمت و بزرگی کی موجود ہے۔ کعبہ کے معنی ہی بلند مقام کے ہیں اور یہ بلندی ظاہری و معنوی دونوں کی جامع ہے۔ سمیت الکعبۃ کعبۃ لارتفاعھا (کبیر) فالکعبۃ لما ارتفع ذکرھا فی الدنیا واشتھر امرھا فی العالم سمیت بھذا الاسم (کبیر) اَلْبَیْتَ الْحَرَامَ۔ کو بیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں چھت اور دیواریں ہیں اور یہ حقیقت بیتیت ہے نہ اس لئے کہ اس میں کسی کی سکونت ہے۔ والبیت سُمّی بذلک لانھا ذات سقف وجدار وھی حقیقۃ البیتیۃ وان لم یکن بھا ساکن (قرطبی) قِیٰمًا۔ یعنی لوگوں کی حفاظت و نگہداشت کا ذریعہ و واسطہ اور پھر قیاما للعرب نہیں قیاما للناس یعنی ساری کائنات انسانی اسی کے تھم سے قائم انسانیت کی سانس اسی کے وجود سے وابستہ ——— گویا اس میں اس کا وعدہ بھی آگیا کہ جب تک انسانی آبادی قائم ہے خانۂ کعبہ کا وجود بھی باقی رہے گا۔ اراد انہ جعل ذلک قواما لمعایشھم و عمادا لھم فھو قوام دینھم و دنیاھم (جصاص) اصلہ قوام وھو ما یستقیم بہ الامر ویصلح (کبیر) یعنی یقومون بھا (قرطبی) ای سببا لقوام مصالح الناس (کبیر) ھو سبب لامن الناس عن الاٰفات والمخافات وسبب لحصول الخیرات والسعادات فی الدنیا والاٰخرۃ (کبیر) ای بسبب اصلاح امورھم (روح) امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ کعبہ کے سبب قوام ہونے کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ سب درست ہوں اور کعبہ قیاما للناس کسی ایک ہی جہت سے نہیں متعدد جہات سے ہو۔ لا یبعد حمل الاٰیۃ علی جمیع ھذہ الوجوہ وذلک لان قوام المعیشۃ اما بکثرۃ المنافع واما بدفع المضار واما بحصول الجاہ والریاسۃ واما بحصول الدین فلما کانت الکعبۃ سببا لحصول ھذہ الاقسام الاربعۃ وثبت ان قوام المعیشۃ لیس الا بھذہ الاربعۃ ثبت ان الکعبۃ سبب لقوام الناس (کبیر) احادیث میں آتا ہے کہ جب خانۂ کعبہ کا ہدم کافروں کے ہاتھ سے ہو جائے گا تو اسی کے بعد قیامت بھی آجائے گی۔ ۳۰۶ ھدی اور قلائد پر حاشیہ پارۂ ششم میں سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکے۔ اَلشَّھْرَ الْحَرَامَ۔ یعنی حرمت والے چاروں مہینے۔ وھو اسم جنس والمراد الاشھر الثلاثۃ باجماع من العرب (قرطبی) اراد بالشھر الحرام الاشھر الحرم الاربعۃ الا انہ عبر عنھا بلفظ الواحد (کبیر) عن الحسن انہ قال ھو الاشھر الحرم فاخرجہ مخرج الواحد لانہ اراد الجنس (جصاص) بعض نے صرف ماہ ذی الحجہ ہی مراد لیا ہے۔ وھو ذو الحجۃ لانہ المناسب لعرفانہ (بیضاوی) ای الذی یؤدی فیہ الحج وھو ذو الحجۃ (روح) ۳۰۷ (کہ اس کا علم ذاتی بھی ہے اور محیط و کامل بھی ہے اور اس لئے صرف اسی سے ایسی پیشگوئیوں کا صدور ممکن ہے) کان تعالیٰ فی الازل عالما بجمیع المعلومات من الکلیات والجزئیات (کبیر) ذٰلِکَ۔ یعنی خانۂ کعبہ کا قیاما للناس ہونا اور اس کی مصلحتیں خصوصاً یہ پیش گوئی کہ کائنات انسانی کی عمر کعبہ کے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اشارۃ الی جعل اللہ ھذہ الامور قیاما (قرطبی) ای ذلک التدبیر اللطیف لاجل ان تتفکروا فیہ (کبیر) لِتَعْلَمُوْٓا۔ علم یہاں یقین کے معنی میں ہے (تھانوی) ۳۰۸ (اس لئے اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو) ۳۰۹ (اس لئے اگر خلاف ورزی ہو جائے تو حسب قاعدہ توبہ و تدارک بھی کر لو) امام رازیؒ نے فرمایا کہ آیت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت ہی کا بیان تھا۔ اور درمیان میں عقاب کا ذکر لا کر آیت کا خاتمہ بھی صفات غفر و رحمت کے ذکر پر ہو رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد کی ابتدا بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے۔ اور خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہوگا۔ ھذا تنبیہ علی حقیقۃ وھی ان ابتداء الخلق والایجاد کان لاجل الرحمۃ والظاھر ان الختم لا یکون الا علی الرحمۃ (کبیر)

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ

جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا ۳۰۰ لیکن جو کوئی پھر یہ حرکت کرے گا اللہ اس سے انتقام لیگا ۳۰۱

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ

اور اللہ زبردست ہے، انتقام پر قادر ہے ۳۰۲ تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

تمہارے نفع کے لئے اور قافلوں کے لئے ۳۰۳ اور تمہارے اوپر جب تک تم حالتِ احرام

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

میں ہو خشکی کا شکار حرام کیا گیا اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

جمع کئے جاؤ گے ۳۰۴ اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا

قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

مدار ٹھہرایا ہے ۳۰۵ (نیز) حرمت والے مہینہ کو اور حرم میں قربانی کو، اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے جانوروں

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

کو ۳۰۶ یہ اس لئے کہ تم یقین کر لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اس سب کا

فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ

علم رکھتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ۳۰۷ جانے رہو کہ اللہ

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا

بہت سخت سزا دینے والا بھی ہے ۳۰۸ اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا بھی ہے ۳۰۹

وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع ١٢/٢

تقویٰ کریں ۲۹۰ اور ایمان رکھتے ہوں اور پھر تقویٰ کریں اور خوب نیک کاری کریں ۲۹۱ اور اللہ تو محبت رکھتا ہے خوب

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

نیکو کاری کرنے والوں سے ۲۹۲، اے ایمان والو اللہ تمہیں آزمائیگا قدرے شکار سے جس تک

الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں ۲۹۳ تاکہ اللہ معلوم کرلے کہ کون شخص

يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

اُس سے بے دیکھے ڈرتا ہے ۲۹۴ سو جو کوئی اس کے بعد حد سے نکلیگا تو اس کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

عذاب دردناک ہے ۲۹۵ اے ایمان والو شکار کو مت مارو جب کہ تم

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

حالتِ احرام میں ہو ۲۹۶ اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے مار دے گا تو

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا

اُس کا جرمانہ اُسی طرح کا ایک جانور ہے جس کو اُس نے مار ڈالا ہے ۲۹۷ (اور) اس کا فیصلہ تم میں سے

عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ

دو معتبر شخص کریں گے خواہ وہ جرمانہ چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائے جانے

مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ

ہیں خواہ مسکینوں کو کھانا (کھلا دیا جائے) ۲۹۸ یا اسکے مساوی روزہ رکھ لئے جائیں تاکہ وہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے ۲۹۹

۲۹۰ یعنی اُن چیزوں کو ترک کر دیں جو پہلے حلال تھیں اور اب حرام ہوگئی ہیں۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ عمل صالح خود دلیل ہے اُن کے ایمان و تقویٰ کی۔ ۲۹۱ مطلب یہ ہوا کہ نزول شریعت کے ہر دور میں، ہر منزل میں وہ اتباع احکام اور احترام قیود پر حریص ہوں۔ احسان سلوک شرعی میں آخری مرتبہ کا نام ہے۔ ایک تو ہوا کسی کام کو محض کر دینا اور ایک ہے اس کام کو بہ وجہ احسن کرنا، دل و جان سے کرنا، اس میں حسن و زیبائی کے کمالات پیدا کر کے کرنا۔ اسی کا نام احسان ہے لفظ "احسان" اردو میں جس مفہوم کے لئے چلا ہوا ہے، اس سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا۔ اس تقویٰ سے بھی یہی مراد ہے کہ جو چیز اب حرام ہوئی ہے اسے ترک کر دیں۔ وَّاٰمَنُوْا۔ ایمان کی تصریح سے اشارہ اوپر ہوگیا کہ وہی ایمان ہی مبنی اور منشاء سارے اعمال صالحہ کا ہے۔ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ تقویٰ کا ذکر آیت میں تین مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ ایک نئی مراد ہے پہلے تقویٰ سے اشارہ ماضی کی طرف ہے اور دوسرے سے مستقبل کی طرف۔ اور تیسرے سے مراد بندوں پر ظلم و زیادتی سے بچنا ہے۔ واعاد ذکر الاتقاء فی الاٰیة ثلاث مرات فاما الاول فمن اتقی فی ما سلف والثانی الاتقاء منهم فی مستقبل الاوقات والثالث اتقاء ظلم العباد والاحسان الیهم ۲۹۲ (سو ایسے ایمان، تقویٰ و حسن عمل والوں کے مبغوض و مردود ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ ان کا شمار تو محبوبوں اور مقبولوں میں ہے) علماء نے اس پوری آیت سے ہر مباح لذت سے پورے استلذاذ و انتفاع کا جواز نکالا ہے۔ قال ابن خویزمنداد تضمنت هذه الاٰیة تناول المباح والشهوات والانتفاع بکل لذیذ من مطعم ومشرب ومنکح وان بولغ فیه وتنوع فی ثمنه (قرطبی) ۲۹۳ یعنی وہ شکار کے جانور تم سے بہت دور بھی نہ ہوں گے۔ قریب ہی پھرتے رہیں گے کہ تمہارے لئے ان کا شکار بہ آسانی ممکن ہوگا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ ذکر مقام حدیبیہ کا ہے۔ شکار کے جانور بالکل آس پاس لگے پھرتے تھے لیکن مسلمان حالت احرام میں تھے۔ اسلئے شکار سے محتاط و محترز رہے۔ انزلت هذه الاٰیة فی عمرة الحدیبیة فکانت الوحش والطیر والصید تغشاهم فی رحالهم (ابن کثیر) لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ۔ سورہ کے شروع میں آچکا ہے کہ حالت احرام میں شکار ممنوع ہے اب یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان ہوگی۔ ملاحظہ ہوں سورۂ مائدہ کے حواشی ۲۴ وما بعد۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لیبلونکم سند ہے ان مشائخ کے لئے جو اپنے طالبین کے صدق و اخلاص کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔ مِنَ الصَّيْدِ میں مِنْ یا تو تبعیض کے لئے ہے یا تمیز کیلئے یا جنس کے لئے۔ قیل فی موضع من ههنا انها للتبعیض وقیل انها للتمییز (جصاص) ومن للتبعیض او لبیان الجنس (مدارک) یرید بعض الصید فمن للتبعیض (قرطبی) ۲۹۴ یعنی اس اَن دیکھے معبود کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ۔ یعنی تاکہ اللہ دنیا کی نظر میں بھی اُس شخص کے عمل سے معلوم کرلے۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ ہی سے ہے۔ ایسے موقعوں پر مراد یہ ہوتی ہے کہ اُس شخص کے عمل سے بھی یہ کیفیت ظاہر ہو جائے۔ ۲۹۵ بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس حکم حرمت کے بعد یا اس شکار کی آزمائش کے بعد۔ بعد ذلك الابتلاء بالصید (بیضاوی) اِعْتَدٰى۔ یعنی احکام شرعی کی حد سے نکلے گا اور شکار ممنوع کا مرتکب ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شکار کے خاص طور پر عادی تھے۔ اس لئے ان کی اطاعت اور قوت ضبط کا پورا امتحان ہو رہا تھا۔ بِشَيْءٍ یہ دل بڑھانے کے لئے ہے کہ امتحان کوئی ایسا بڑا نہیں۔ ایک حقیر ہی شے کا ہے۔ التقلیل والتحقیر فی بشیء للتنبیه علی انه لیس من العظائم (بیضاوی) لیعلم انه لیس بفتنة من الفتن العظام التی تدحض عندها اقدام الثابتین (کشاف) ۲۹۶ (اور یا تم خود تو حالت احرام سے باہر ہو لیکن وہ شکار حدود حرم کے اندر ہو) یہ عام ممانعت خشکی اور تری کے اُن جانوروں کے حق میں نہیں جن کے قتل یا شکار کا جواز قرآن مجید ہی کی کسی دوسری آیت یا حدیث صحیح سے ثابت ہو گیا ہے۔ مثلاً دریائی جانور یا سانپ بچھو، بھیڑیا، کاٹنے والا کتا وغیرہا۔ قد روی ابن عباس وابن عمر وابو سعید وعائشة عن النبی صلعم قال خمس یقتلهن المحرم فی الحل والحرم الحیة والعقرب والغراب والفارة والکلب العقور (جصاص) واما ما کان من السباع لا یعدو (جصاص) لَا تَقْتُلُوْا۔ قتل کے معنی اردو میں اہلاک کی ایک بالکل خاص صورت کے ساتھ محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ عربی کے قتل کے مفہوم میں یہ تنگی نہیں، وہ جان لے لینے کی ہر صورت کے لئے عام ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ القتل هو کل فعل یفیت الروح وهو انواع (قرطبی) ۲۹۷ یعنی اس شخص کو جرمانہ میں اُسی قیمت کا جانور پیش کرنا چاہیئے۔ مِثْلُ مَا قَتَلَ۔ مثلیت کا معیار حنفیہ کے ہاں ہم قیمتی ہے۔ قال ابو حنیفة وابو یوسف المثل هو القیمة (جصاص) وهو قیمة الصید (مدارک) یہ جزا، جرمانہ جس طرح قصد و تعمد میں واجب ہے اسی طرح حالت خطا و نسیان میں بھی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ من الزهری قال نزل القراٰن بالعمد وجرت السنة فی الخطا (ابن جریر) ان قتله متعمد او ناسیا حکم علیه (ابن جریر عن ابن عباسؓ) قال فالون و هو الجمهور سواء قتله عمدا او خطأ فعلیه الجزاء (جصاص) وانما شرط التعمد فی الاٰیة مع ان محظورات الاحرام یستوی فیها العمد والخطأ لان مورد الاٰیة فی معنی تعمد (مدارک) الاصل فعل التعمد والخطأ ولحق بهو للتغلیظ (مدارک) یحکم علیه فی العمد والخطأ والنسیان قاله ابن عباس وروی عن عمر وطاؤس والحسن وابراهیم والزهری وبه قال مالک والشافعی وابو حنیفة واصحابهم (قرطبی) والذی علیه الجمهور ان العامد والناسی سواء فی وجوب الجزاء علیه (ابن کثیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس پوری آیت سے اہل ریاضت کے اس طریق کا ثبوت مل جاتا ہے کہ پہلی خطا پر اپنے نفس کو ایسی سزا دیتے ہیں جس کا تحمل اُس کو آسان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ خطا پھر عود کرے تو اُسے ایسی سزا دیتے ہیں جو اس پر قدرے دشوار ہو۔ ۲۹۸ یعنی یہ کھانا اُسی جانور کی تخمینی قیمت کے مساوی ہو۔ مِنَ النَّعَمِ چوپایوں سے مراد ہیں اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری۔ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ یعنی اُس جانور کی قیمت کا تخمینہ تم میں سے دو متدین، اہل اور صاحب بصیرت اشخاص کریں۔ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ "کعبہ تک" سے مراد ہے کہ حدود حرم کے اندر پہنچا جائیں۔ حرمت فقہی کے اعتبار سے کعبہ اور کُل حرم دونوں یکساں ہیں اور قربانی خاص کعبہ تک تو پہنچتی بھی نہیں۔ بلوغة الکعبة وجه فی الحرم لا خلاف فی ذلك وهذا یدل علی ان الحرم کله بمنزلة الکعبة فی حرمة (جصاص) ولیس من الحق الی مکة ولم یرد الکعبة عینها فان الهدی لا یبلغها اذ هی فی المسجد وانما اراد الحرم ولا خلاف فی هذا (قرطبی) الکعبة انما ارید بها کل الحرم لان الذبح والنحر لا یقعان فی الکعبة ولا عندها ملاذقة لها (کبیر) ۲۹۹ مساوی تعداد میں روزہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر مسکین کے حصہ کا ایک ایک روزہ رکھا جائے۔ گویا کفارہ کی تین صورتیں ارشاد ہوئیں۔ ہدی۔ اطعام۔ صیام۔ اور تینوں مساوی ہیں۔ جیسا کہ او کلمہ تخییر کا اقتضا ہے۔ وما ذکره الله تعالی فی هذه الاٰیة من الهدی والاطعام والصیام فهو علی التخییر لان او تقتضی ذلك وروی نحو ذلك عن ابن عباس وعطاء والحسن وابراهیم روایة وهو قول اصحابنا (جصاص)

۲۸۳ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں فطرت انسانی اور طبیعت بشری سے پھر کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے لیکن یہ چاروں چیزیں تو ایسی ہیں کہ انسان ان کی جانب تمامتر خارجی مؤثرات ہی کے اثر سے آتا ہے اور یہ بالکل ہی شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ ان کی بالکل صحیح تصویر کشی ہے۔ فطرت بشری ان سے خود ابا کرتی ہے۔ خمر اور میسر پر حاشیہ سورۃ البقرہ رکوع ۲۸ کے تحت اور انصاب اور ازلام پر اسی سورۂ مائدہ کے شروع میں درج ہو چکے۔ شراب اور جوئے کی مادی مضرتوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی تحریک شیطانی کا نتیجہ۔ لانہ مسبب عن تسویلہ وتزیینہ (بیضاوی) لانہ یحمل علیہ فکانہ عملہ (مدارک) ۲۸۴ اور فلاح میں دینی و دنیوی، مادی و روحانی جسمانی و دماغی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی فلاح شامل ہے۔ مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ حرمت خمر و میسر کے متعدد طریقے قرآن نے اسی آیت میں جمع کر دیئے،۔ (۱) آیت کی ابتدا کلمۂ حصر اِنَّمَا سے کی یعنی ان چیزوں کی بس یہی کل حقیقت ہے، اسکے سوا کچھ نہیں۔ (۲) ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب و ازلام جیسی مسلّم گندی چیزوں کے ساتھ کیا (۳) انہیں رجس قرار دیا (۴) انہیں عمل شیطان ٹھہرایا (۵) صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا (۶) ان سے احتراز کو موجب فلاح بتلایا (۷) ان کی دینی و دنیوی مضرتوں کا ذکر کیا۔ فَاجْتَنِبُوْهُ۔ میں ضمیر رجس یا عمل الشیطان کی جانب ہے۔ الضمیر للرجس (بیضاوی) الضمیر یرجع الی الرجس او الی عمل الشیطان (مدارک) حرمت خمر پر اگر دوسرے نصوص نہ موجود ہوں جب بھی یہی ایک آیت کافی ہے اس لئے کہ اوّل تو لفظ رجس موجود ہے جو خود تحریم کا مقتضی ہے اور پھر فاجتنبوہ بصیغۂ امر ہے۔ اقتضت ھٰذہ الاٰیۃ تحریم الخمر من وجھین احدھما قولہ رجس لان الرجس اسم فی الشرع لما یلزمہ اجتنابہ والوجہ الاٰخر قولہ تعالٰی فَاجْتَنِبُوْهُ و

وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں شیطان کے
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا يُرِيْدُ
کام ۲۸۳ سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ ۲۸۴ شیطان تو بس
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
ڈال دے ۲۸۵ اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک
الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
دے ۲۸۶ سو اب بھی تم باز آؤ گے ۲۸۷ اور اطاعت کرتے رہو
اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اللہ کی اور رسول کی اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ
اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۹۲ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ
ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس ۲۸۸ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا
نیک کام کرتے رہتے ہیں ان پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ
مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا
کھاتے ہوں، جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں ۲۸۹ اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر

ذالک امر والامر یقتضی الایجاب (جصاص) ۲۸۵ شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کی تفصیل لکھنے پر کوئی آئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں انکی صرف سب سے بڑی اور کلیدی مضرت، خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر دیا۔ شراب و قمار دونوں کے مضر اثرات شر و فساد کی شکل میں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔ مے نوشی اور جرائم کا قریبی تعلق آج ماہرین فن کے فراہم کئے ہوئے اعداد سے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر و اکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے قدیم ترین قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے آج جاہلیت فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بری طرح مسلط ہیں۔ ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر القرآن۔ فی الخمر والمیسر میں فی سببیہ ہے یعنی ان کے ذریعہ یا واسطہ سے۔ ای بسببھما (جمل) ای بسبب تعاطیھما (روح) الخمر۔ خمر کے اصل معنی اگرچہ صرف شراب انگوری کے تھے لیکن بعد کو یہ لفظ ہر قسم کی نشہ آور شراب کیلئے استعمال ہونے لگا۔ الخمر ھی عصیر العنب المشتد (جصاص) کل شئ اسکر فھو خمر (جصاص) الخمر سمیت لکونھا خامرۃ لمقر العقل وھو عند بعض الناس اسم لکل مسکر وعند بعضھم اسم للمتخذ من العنب والتمر (راغب) شراب کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ جس طرح اس کا پینا ناجائز ہے اسی طرح اس کا بنانا، اس کا بیچنا، اس کے کاروبار میں حصہ لینا، اس سے کسی طرح نفع اٹھانا سب ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد میں ان اللّٰہ حرم الخمر وثمنھا صاف آچکا ہے۔ اور فقہاء نے تمام متعلقات شراب کی حرمت پر دلائل نقل کئے ہیں۔ آبکاری کا عظیم الشان محکمہ اور پر منفعت کاروبار اسلامی حکومت کے تحت میں ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مرشد تھانویؒ نے اس آیت کے ذیل میں خوب فرمایا کہ معاصی میں جیسے اخروی مضرتیں ہیں، دنیوی قباحتیں بھی بہت ہیں۔ ۲۸۶ ذِكْرِ اللّٰهِ اور الصَّلٰوةِ میں مناسبت باہمی یہ ہے کہ نماز ذکر الٰہی ہی کی فرد اعلیٰ و افضل ہے اور عام کے ساتھ اس کی صورت خاص کی تصریح کر دینا قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ضمناً اس سے نماز کی عظمت و اہمیت و اشرفیت پر پوری روشنی پڑ گئی۔ خص الصلوۃ من الذکر بالافراد للتعظیم و الاشعار بان الصاد عنھا کالصاد عن الایمان (بیضاوی) وخص الصلوۃ من بین الذکر لزیادۃ درجتھا کانہ قال وعن الصلوۃ خصوصًا (مدارک) شراب اور جوئے کے دنیوی نقصانات کی طرف اشارہ ابھی اوپر ہو چکا اب بیان ان کی دینی مضرتوں کا ہو رہا ہے۔ میسر کی حرمت کی جو حکمتیں یہاں بیان ہوئیں وہی شطرنج وغیرہ نیم قماری کھیلوں میں بھی مشاہد ہیں اسی لئے فقہاء نے ان کے بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔ روی عن علیؓ انہ قال الشطرنج من المیسر وقال عثمان وجماعۃ من الصحابۃ والتابعین النرد وقال قوم من اھل العلم القمار کلہ من المیسر (جصاص) ھٰذہ الاٰیۃ تدل علٰی تحریم اللعب بالنرد والشطرنج قمارًا او بغیر قمار (قرطبی) ۲۸۷ (شراب اور قمار سے) اصحاب نبیؐ جو آیت کے مخاطب اوّلین تھے، اسے سنتے ہی پکار اٹھے، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ قال عمر انتھینا انتھینا (ابن جریر) فقالوا انتھینا یا رب (ابن جریر) فقالوا انتھینا ربنا انتھینا ربنا (ابن جریر) کیسا ڈسپلن تھا بارگاہ نبوت کا اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی عرب کے اس اُمّی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا ——— سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے ؎ خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ حرمت شراب و قمار کی تاکید در تاکید تو اوپر سے چلی آرہی تھی اب اس فقرہ نے اسے اور مؤکد کر کے گویا شدت ممانعت پر مہر لگا دی۔ اعاد الحث علی الانتھاء بصیغۃ الاستفھام مرتبًا علٰی ما تقدم من انواع الصوارف (بیضاوی) ایذانًا بان الامر فی المنع والتحذیر بلغ الغایۃ وان الاعذار قد انقطعت (بیضاوی) علامہ زمخشری نے ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا ہے کہ پہلی آیت میں خمر و میسر کا ذکر انصاب و ازلام کے ساتھ کیا ہے اور اب کی تنہا انہی دو کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اور خود ہی اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور انہی کو شراب اور قمار سے روکنا مقصود ہے۔ پہلی آیت میں چاروں منکرات کا ذکر ایک ساتھ اس امر کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں کو شراب و قمار سے مزید نفرت دلانے کے لئے تھا کہ یہ ایسے اعمال ہیں جن کا ارتکاب اہل جاہلیت و مشرکین ہی کر سکتے ہیں۔ ذکر الانصاب والازلام لتاکید تحریم الخمر والمیسر واظھار ان ذالک جمیعًا من اعمال الجاھلیۃ واھل الشرک ثم افردھما بالذکر لیری ان المقصود بالذکر الخمر والمیسر (کشاف) ۲۸۸ (احکام اور پیام کی، سو وہ تبلیغ پوری پوری کر چکے اور عذر کی گنجائش کسی کو نہ رہی) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ یہ اطاعت اللہ اور رسول کی سارے احکام شریعت میں ہو گی۔ وَاحْذَرُوْا یہ احتیاط کا حکم احکام کی نافرمانی سے مل رہا ہے۔ ۲۸۹ (اور اس لئے اس وقت کی حرام چیزوں سے محترز ہوں) فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔ جبکہ وہ چیزیں کھا رہے ہوں جو اس وقت میں حلال ہوں۔ طعموا ابھا لہ محرم علیھم (بیضاوی) روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب و قمار کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر ان کا کیا حشر ہو گا جو اب تک شراب پیتے اور قمار کا مال کھاتے رہے؟ اور پھر اب زندہ بھی نہیں، جو توبہ و استغفار سے کام لیں بلکہ وفات پا چکے ہیں؟ یہ آیت اسی پر نازل ہوئی ——— سوال اسی قسم کا تھا جیسے حکم تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابیوں نے سوال کیا تھا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی جا چکی ہیں، ان کا کیا حشر ہو گا؟ اور اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ ما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم ——— سوال دونوں موقعوں پر بالکل فطری تھا، اور آج جن لوگوں نے سوال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے خود اپنی سطحیت و کم فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ چار چار صحابیوں ابن عباسؓ، جابرؓ و براءؓ بن عازب و انس بن مالکؓ اور چار چار تابعیوں حسن، مجاہد، قتادہ، ضحاک کی سند سے جصاص نے لکھا ہے کہ لما حرم الخمر کان قد مات رجال من اصحاب رسول اللّٰہ صلعم وھو یشربون الخمر قبل ان تحرم فقالت الصحابۃ کیف بمن مات منا وھو یشربونھا فانزل اللّٰہ تعالٰی ھٰذہ الاٰیۃ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ

بیشک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۲۷۵ اور اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال، پاکیزہ

اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ

چیزیں دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ (پیو) اور اسی اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے

مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ

ہو ۲۷۶ اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا ۲۷۷

وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ

لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان پر تم سے مواخذہ کرتا ہے ۲۷۸ سو اس کا کفارہ

إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ

دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو

أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ

یا انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا ۲۷۹ لیکن جس کو (اتنا) مقدور

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا

نہ ہو تو اس کے لئے تین دن کے روزہ ہیں ۲۸۰ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم

حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

حلف اٹھا چکے ہو اور اپنی قسموں کو یاد رکھا کرو ۲۸۱ اور اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام

آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ

کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو ۲۸۲ اے ایمان والو! شراب

۲۷۵ تحریم حلال کی ایک عام اور جلی ہوئی صورت یہ ہے کہ کسی جائز لذت سے بقصد قربت حق اپنے کو ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔ غیر مذہب والے اس عادت کا شکار بکثرت ہو چکے ہیں کسی مسلمان کا ایسی جسارت کرنا گویا اس کا اقرار کرنا ہے کہ شریعت سے فلاں فلاں پرہیز کے مقرر کرنے میں کمی ہو گئی تھی اور اب میں اپنی عقل و تجربہ سے اس فروگذاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے اور بعض بزرگوں سے جو ترک لذات کے سلسلہ میں جو مجاہدے منقول ہیں۔ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسی قبیل سے ہوں گے ——— کم از کم حسن ظن کا تقاضا تو یہی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوا۔ تحریم اعتقادی، تحریم قولی، تحریم عملی کی تینوں صورتوں پر شامل ہے۔ ای لا تعتقدوا تحریم ما احل اللہ تعالیٰ لکم و لا تظہروا باللسان تحریم ما احل اللہ لکم ولا تجتنبوا عنہا اجتنابا شبیہ الاجتناب من المحرمات (کبیر) طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ۔ ان پاکیزہ اور جائز چیزوں میں غذا، لباس، ازدواج وغیرہ ہر قسم کی لذتیں آگئیں اور طیبات کے تحت میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ الطیبات اللذیذات التی تشتہیہا النفوس وتمیل الیہا القلوب (کبیر) الطیبات اسم یقع علی ما یستلذ ویشتہی ویمیل الیہ القلب (جصاص) وَلَا تَعْتَدُوا۔ اعتداء یا حدود سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیدوں کو ناکافی سمجھ کر ان پر اپنی رائے و تجویز سے اضافہ کر لیا جائے یا اس کے برعکس انہیں زیادہ سمجھ کر ان میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو اس میں ایک ذرہ کا اضافہ کر دینا بھی اس کے کمال حسن کے غارت کر دینے کے لئے ایسا ہی کافی ہے جیسا اس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔ فالنہیان علی ہذا تضمنا الطرفین ای لا تشددوا فتحرموا حلالا ولا تترخصوا فتحلوا حراما (قرطبی) ای لا تبالغوا فی التضییق علی انفسکم تحریم المباحات علیکم کما قال من قالہ من السلف (ابن کثیر) محققین نے کہا ہے کہ آیت میں دو طرفہ رد ہے۔ ایک طرف روزہ دار متشددین کا اور دوسری طرف رخصت میں بہت ڈھیل ڈال دینے والے صوفیہ اہل باطل کا۔ قال علماءنا فی ہذہ الآیۃ وما شابہہا رد علی غلاۃ المتزہدین وعلی اہل البطالۃ من المتصوفین (قرطبی)

۲۷۶ (کہ یہ تقویٰ یا خوف خدا ہی راہ اعتدال و احتیاط و فرمانبرداری پر قائم رکھے گا) اسلامی شریعت کے احکام عقلاء و حکماء کے گڑھے ہوئے نہیں کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم، تنقید، اضافہ و اصلاح کی گنجائش ہو وہ تو تمامتر حکیم مطلق اور حاکم برحق کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اس میں اپنی رائے و تجویز کو دخل دینا مقتضیات ایمان کے سر تا سر خلاف اور حاکمیت الٰہی سے بغاوت ہے۔ فقہاء محققین نے لکھا ہے کہ جو غذائیں شریعت الٰہی نے حلال و طیب قرار دی ہیں انہیں چھوڑ دینے میں کوئی دینی فضیلت ہرگز نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیار تقویٰ و مقبولیت سمجھ رکھا ہے۔ یدل علی انہ لا فضیلۃ فی الامتناع من اکلہا (جصاص) خود رسول اللہ صلعم نے گوشتوں میں علاوہ بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ کے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ قد روی ابو موسی الاشعری انہ رای النبی یاکل لحم الدجاج (جصاص) فواکہ اور شیرینی اور حلوے کی دوسری لذیذ قسمیں بھی آپ سے نوش فرمانا ثابت ہیں۔ وای انہ کان یاکل الرطب والبطیخ (جصاص) روی ان رسول اللہ صلعم کان یاکل الدجاج والفالوذ وکان یعجبہ الحلواء والعسل (مدارک) كُلُوا کے امر اجازت کا دائرہ صرف کھانے کی چیزوں تک محدود نہیں۔ کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے، سواری و مکان غرض برتنے کی ساری چیزیں اس کے اطلاق میں داخل ہیں۔ الاکل فی ہذہ الآیۃ عبارۃ عن التمتع بالاکل والشرب واللباس والرکوب ونحو ذلک (قرطبی) ابن عباسؓ صحابی نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو، بس لحاظ صرف اس کا رکھو کہ اسراف اور فخر و نمائش کے حدود تک نہ پہنچ جاؤ۔ عن طاؤس قال سمعت ابن عباسؓ یقول کل ما شئت واکتس ما اخطأتک اثنتین سرفا او مخیلۃ (جصاص) فقیہ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ صحابیوں میں حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت حسنؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو ہریرہؓ سے اور مشہور تابعی قاضی شریح سے لباس میں پشمینہ کا استعمال ثابت ہے (احکام القرآن) كلوا۔ صیغۂ امر ہے لیکن مراد یہاں وجوب نہیں صرف اباحت ہے۔ کلوا صیغۃ امر وظاہرہا للوجوب الا ان المراد ہہنا للاباحۃ والتحلیل (کبیر) مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ۔ میں مِن تبعیض کے لئے ہے۔ اس میں ادھر اشارہ ہے کہ جائز چیزوں میں سے کچھ کھاؤ پیو اور کچھ دوسروں کی نذر کر دو، تاکہ اسراف سے بھی بچے رہو۔ کلمۃ من للتبعیض فکانہ قال اقتصروا فی الاکل علی البعض واصرفوا البقیۃ الی الصدقات والخیرات لانہ ارشاد الی ترک الاسراف کما قال وَلَا تُسْرِفُوا (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں رسم ترک حیوانات کا ابطال ہے جو بعض مدعیان طریقت کا طریق ہے۔

۲۷۷ مواخذہ سے مراد یہاں سزائے دنیوی ہے یعنی ایسی قسم کا کفارہ واجب نہیں۔ اللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ۔ بے معنی قسموں پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا پ ۲ ع ۲۲۹۔

۲۷۸ (اور اس کے توڑنے کی سزائے دنیوی کفارہ ادا کرنا ہے) بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ۔ جھوٹی قسم ایک تو کسی گزشتہ واقعہ سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جیسے کسی واقعہ کا وقوع قسم کھا کر بیان کیا حالانکہ وہ خلاف واقع تھا۔ یہاں ایسی قسموں کا ذکر نہیں، قسموں کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کو قسم سے مؤکد کر کے بیان کیا جائے۔ یہاں یہی قسم مراد ہے۔ عَقَّدتُّمُ عقد کے لفظی معنی گرہ دینے کے ہیں۔ مجازاً عہد قسم بیع وغیرہ کے مؤکد کرنے پر بولا جاتا ہے۔

۲۷۹ یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہی واجب ہوگا۔ اس کے قبل نہیں ادا ہو سکتا۔ یہ قسم خواہ ارادۃً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ کفارہ دونوں صورتوں میں واجب ہوگا۔ إِطْعَامُ۔ یہ کھانا دونوں وقتوں کا ہوگا۔ یہ کھانا چاہے دس شخصوں کو ایک دن میں کھلا دیا جائے یا ایک ہی شخص کو دس دن تک کھلایا جاتا رہے۔ كِسْوَتُهُمْ۔ کپڑا ایسا ہو کہ جسم کے اکثر حصہ کے لئے کافی ہو۔ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ۔ لفظی معنی گردن آزاد کرانے کے ہیں۔ مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ رقبہ کا لفظ سورۂ النساء ع ۱۳، آیت ۹۲ میں آچکا ہے اور اس کی جمع رقاب سورۃ البقرہ ع ۲۲، آیت ۱۷۸ میں۔ أَوْ۔ کفارہ کی یہ تین صورتیں جو یہاں ارشاد ہوئیں ان کی ترتیب ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر عمل بھی نمبروار اسی ترتیب سے ہو۔ بلکہ اختیار ہے کہ ماحول کا لحاظ کر کے جو کفارہ بہتر ہو وہی دیا جائے۔ لاخلاف فی ان کفارۃ الیمین علی التخییر (قرطبی) ومعنی او التخییر وایجاب احدی الکفارات الثلاث (مدارک) بلکہ فقہاء مالکیہ نے تو تصریح کر دی ہے کہ ضرورت کا اعتبار کیا جائے۔ وعندی انہا تکون بحسب الحال فان علمت محتاجا فالطعام افضل لانک اذا اعتقت لم ترفع حاجتہم وزدت محتاجا (ابن العربی)

۲۸۰ (اور یہ تین روزے متواتر ہونے چاہئیں) یہ رعایتی کفارہ معاً ٹوٹ جائے گا جونہی کہ عدم مقدرت کا عذر ختم ہو گیا۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے کفارہ کے روزے شروع کئے اور دو روزے ہو بھی چکے تھے کہ اسے طعام یا لباس کی مقدرت حاصل ہو گئی تو اب تیسرا روزہ رکھنے کے بجائے اسے اصل کفارہ ہی دینا چاہیئے۔ فَمَن لَّمْ يَجِدْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہاں مقدرت کا معیار صاحب نصاب ہونا ہی ہے۔

۲۸۱ تاکہ ان کے توڑنے اور پھر کفارہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔ إِذَا حَلَفْتُمْ۔ یعنی جب تم حلف لے چکو اور اسے توڑ بھی چکو۔

۲۸۲ شکر اس کا کہ حاکم علی الاطلاق و حکیم مطلق نے تمہاری چھوٹی بڑی دینی و دنیوی انفرادی و اجتماعی ساری مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ اور سب کی رعایت رکھ لی۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ

اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو پیمبر پر اُتارا گیا ہے تو آپ اُن کی آنکھیں دیکھیں گے کہ

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ

اُن سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ

پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے ٢٧١ اور آخر کیوں ہم ایمان

بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا

نہ لائیں اللہ اور (اُس) حق پر جو ہمیں (اب) پہنچا ہے اور (پھر) اُمید اس کی رکھیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو

مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

صالح لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا ٢٧٢ تو اللہ اُن کو اس قول کے عوض میں ایسے باغ دیگا

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی اُن میں وہ (ہمیشہ) رہیں گے اور

ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا

نیکو کاروں کا ایسا ہی معاوضہ ہے ٢٧٣ اور جو لوگ کفر کرتے اور ہماری نشانیوں کو

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جھٹلاتے رہے تو وہی دوزخ والے ہیں ٢٧٤ اے ایمان والو! اپنے اُوپر اُن پاکیزہ

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ

چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہیں حرام نہ کرلو اور حدود سے آگے نہ نکلو

ع ١١

٢٧١ یہ تصدیق کرنے والے کون لوگ تھے؟ حدیث و سیر کی کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اس سے مُراد نجاشی شاہ حبشہ (متوفی ٩ ہجری) اور اس کے درباری ہیں۔ یہ لوگ سچے مسیحی تھے۔ قبل ہجرت نبوی جب آپ نے مکہ معظمہ سے صحابیوں کی ایک جماعت کی ہجرت ملک حبشہ کو کرائی تھی تو ایک موقع پر حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کی فرمائش پر سرِ دربار سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی اور اہل دربار متاثر ہوکر رو پڑے۔ قال ابن عباسؓ یرید النجاشی واصحابہ (کبیر) عن عبد الله بن ربیر قال نزلت هذه الاٰیة فی النجاشی واصحابه (ابن کثیر) فبکی والله النجاشی حتی اخضلت لحیته وبکت اساقفته حتی اخضلوا مصاحفهم حین سمعوا ماتلا علیهم وثم قال النجاشی ان هذا والذی جاء به عیسی لیخرج من مشکاة واحدة (ابن ہشام) مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ۔ یہ سورۂ مریم کی آیتیں تھیں۔ فقرأ علیه صدرًا من کٓهٰیٰعٓصٓ (ابن ہشام) ثم امر جعفران یقرأ علیهم القراٰن فقرأ سورة مریم (قرطبی) اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ افاضہ یعنی آنسو کثرت سے رواں ہوگئے۔ خبرٌ مستفیض اذا کثر وانتشر کفیض الماء عن الکثرة (قرطبی) اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ ان کے آنسو چلنے لگتے ہیں۔ وهذه احوال العلماء یبکون ولا یصعقون ویسألون ولا یصیحون (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ کلامِ حق سے متاثر ہوکر آبدیدہ ہوآنا اور گریہ طاری ہوجانا گویا سُنّتِ صالحین ہے۔ توریت میں ہے۔ "سب لوگ شریعت کی باتیں سُن کے روتے تھے" (نحمیاہ۔ ٨:٩) زیادہ ہنسی جس طرح غفلت کی دلیل ہے اُسی طرح رقّتِ قلب علامت عبرت پذیری اور بیداریٔ روح کی ہے۔ الحق کا لفظ لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے جس آخری نبی کی پیش گوئی درج ہے اُسے تعبیر بھی "روحِ حق" ہی سے کیا (یوحنا۔ ١٤:١٧۔ یوحنا ١٦:١٣) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے وجدِ صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور وجد نام ہے بے اختیاری کی کیفیت محمودہ کا۔ حالة محمودة غریبة غیر اختیاریة۔ فَاكْتُبْنَا۔ اکتاب یہاں قطعی طور بنا دینے یا کردینے کے معنی میں ہے۔ ومعنی فاکتبنا اجعلنا فیکون بمنزلة ما قد کتب و دُوّن (قرطبی) الشّٰهِدِيْنَ۔ یعنی قرآن کے کلامِ الٰہی اور محمدؐ کے رسولِ برحق ہونے کی گواہی دینے والے۔ قال ابو علی الذین یشهدون بتصدیق نبیک وکتابک (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ میں پہلا مِنْ سببیہ ہے اس لئے کے معنی میں اور دوسرا مِن تبعیضیہ ہے بعض الحق کے معنی میں۔ الاول لابتداء الغایة والثانیة للتبعیض (کبیر)

٢٧٢ یعنی ہماری اس آرزو کا پُورا ہونا موقوف ہی ہے اسلام لانے پر۔ استفہام انکار و استبعاد لانتفاء الایمان مع قیام الداعی وهو الطمع فی الانخراط مع الصالحین (بیضاوی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بغیر عمل کے محض آرزو یا طمع مفید یا معتد بہ نہیں۔

٢٧٣ خاص سے عام کی طرف آنا اور جزئیات سے کُلیات پیدا کرنا قرآن مجید کا ایک عام اسلوبِ بیان ہے۔ اُوپر ایک خاص گروہ کے انعامات کا ذکر تھا۔ اب عام قاعدہ بیان کردیا کہ ہمارے قانون میں ایسی جزائے خیر تو ہر نیکو کار کو ملتی ہی رہتی ہے اور اخلاص طلب رائگاں نہیں جاتا۔ وهکذا من خلص ایمانه وصدق یقینه یکون ثوابه الجنة (قرطبی) فاثابهم الله بما قالوا سے معلوم ہوا کہ جنت اس اقرار اور اس معرفت سے معاً واجب ہوجاتی ہے اگرچہ صاحب اقرار و صاحب معرفت صاحب کبیرہ ہی ہو۔ اسی لئے متکلمین نے کہا ہے کہ آیت میں قوی دلیل اس کی موجود ہے کہ مومن فاسق کی سزا خلود فی النار نہیں۔ الاٰیة دالة علی ان المؤمن الفاسق لا یبقی مخلدًا فی النار (کبیر) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے اہل سنت نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اقرار داخل ایمان ہے۔ وفیه دلیل علی ان الاقرار داخل فی الایمان کما هو مذهب الفقهاء (مدارک) مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ میں مَعَ فی کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قیل مع بمعنی فی (قرطبی) ونطمع میں و حالیہ لیا گیا ہے۔ والواو فی ونطمع واو الحال (کشاف)

٢٧٤ اُولٰٓئِكَ کے حصر سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اصحاب جحیم یعنی دوزخ میں مستقل رہنے والے کافر ہی ہوں گے نہ کہ غیر کافر یا فاسق مسلم۔ یفید الحصر ای اولٰئک اصحاب الجحیم لا غیرهم فهذا یقتضی تخصیص هذا الدوام بالکفار (کبیر)

۲۶۲ ان مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے خود بھرے ہوئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔ "انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ ور کیا۔ کیونکہ انہوں نے بُت پُوجے باوجود یکہ خداوند نے انہیں کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو۔ اور باوجود اس کے کہ خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہوداہ پر باتیں جتائی تھیں . . . . . پر انہوں نے نہ سنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کی مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے، گردن کشی کی۔ اور اس کے قانونوں کو اور اُس کے عہد کو جو اُس نے اپنے باپ دادوں سے باندھا تھا اور اس کی گواہیوں کو جو اس نے اُن پر دی تھیں رد کیا اور بطالتوں کو اختیار کیا، اور بیہودہ ہوئے اور ان اُمتوں کے پیرو ہوگئے جو اُنکے گرد و پیش تھیں جنہیں دکھا کے خداوند نے انہیں حکم کیا تھا کہ تم اُن کے سے کام مت کیجیو۔ اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کئے۔ اور اپنے لئے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے۔ اور یسیرت تیار کی۔ اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی۔ اور بعل کی عبادت کی۔ اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا۔ اور فال گیری اور جادوگری کی۔ اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اُسے غصہ دلاویں۔ ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا۔" (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۲-۱۸) پارۂ اول آیت ۸۵ کے حاشیے بھی ملاحظہ ہوں۔ **۲۶۳** (باوجود بار بار کی تبلیغ و ہدایت کے) یعنی بجائے ندامت و استغفار کے انہیں اپنی کفریات پر شدید اصرار تھا۔

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ

انہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے آگے نکل نکل جاتے تھے ۲۶۲ جو بُرائی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی اُس سے باز نہ آتے

فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

تھے، کیسا بے جا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے ۲۶۳ آپ اُن میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ

يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

کفر کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں ۲۶۴ کیسا بیجا ہے وہ جسے وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں، جس سے اللہ

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِى الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ

اُن سے ناخوش ہوا اور وہ لوگ عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے! ۲۶۵ اور اگر

لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا

یہ لوگ ایمان لے آئیں، اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے اُس پر، تو

اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۤءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ

وہ ان لوگوں کو دوست نہ بناتے ۲۶۶ لیکن ان میں سے اکثر تو نافرمان ہی ہیں ۲۶۷ آپ لوگوں میں

اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو پائیں گے ۲۶۸ اور نہ

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ

آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انہیں پائینگے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ۲۶۹

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ اسلئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں، اور اس لئے کہ یہ تکبر نہیں کرتے ۲۷۰

منزل ۲

ای کانوا لا ینتهون عن منکر اتوه (ابن جریر) التناهی بمعنی الانتهاء (روح) دوسرے معنیٰ لا یتناھون کے یہ ہو سکتے ہیں کہ "وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے" اور یہی معنیٰ اکثر نے لئے ہیں۔ وهو الذی علیه الجمهور: انه تفاعل من النهی ای کان لا ینهی بعضهم بعضًا (کبیر) اور یہ معنیٰ لے کر فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہ روکنا بڑا سنگین گناہ اور اُمّت کیلئے بڑی حسرت کی چیز ہے۔ فیه دلیل علی ان ترك النهی عن المنکر من العظائم فیا حسرةً علی المسلمین فی اعراضهم عنه (مدارک) **۲۶۴** یعنی مشرکین عرب سے سازو باز رکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے کہ رسولِ اسلام کی مخالفت و عناد میں اور اسلام کو مٹانے کی خاطر یہود نے مشرکین عرب سے ہر طرح کی سازشیں کی تھیں۔ **۲۶۵** یہی اُن کا عذاب دوزخ میں پڑے رہنا اللہ کی ناخوشی کا ظہور ہے۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ میں اَنْ موصولہ کا کام دیتا ہے۔ ای الذی اوجب لهم سخط الله علیهم (جمل) مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ۔ یعنی اپنے اعمال و عقائد کفریہ جنہیں آخرت میں وہ بھگتینگے۔ **۲۶۶** (بلکہ ایسی صورت میں تو وہ اسلام کے جاں نثاروں میں ہوتے) اَلنَّبِىِّ سے مُراد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہے۔ یصدقون نبیه محمدًا صلعم (ابن جریر) وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ۔ یعنی قرآن۔ و یقرون بما انزل الی محمد صلعم (ابن جریر) النبی سے اشارہ حضرت موسیٰؑ اور و ما انزل الیه سے توریت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ **۲۶۷** اور اسی نافرمانی کے آثار میں سے ان کی عداوت اسلام و مسلمین کے ساتھ اور اُنکی موالات مشرکین عرب کے ساتھ ہے۔ فٰسِقُوْنَ۔ فاسق یہاں محض بدعمل کے معنیٰ میں نہیں بلکہ خارج از ایمان کے معنیٰ میں ہے۔ ای خارجون عن الایمان (قرطبی۔ جلالین) **۲۶۸** یعنی اسلام سے مخالفت و عداوت تو ہر غیر مسلم کو ہے لیکن اس عموم میں مرتبۂ خصوص مشرکین و یہود کو حاصل ہے کہ وہ شدید ترین دشمنان اسلام ہیں۔ **۲۶۹** قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى۔ آیت پر اشکالات متعدد وارد ہوئے ہیں، اور جوابات بھی متعدد دیئے جا چکے ہیں مثلاً ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مراد صرف رسول اللہ صلعم کے معاصر مسیحی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن بنیادی اشکال صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آیت کے لفظ نصاریٰ پر کافی غور نہ کیا گیا اور اسے "مسیحیوں" کا مرادف سمجھ لیا گیا۔ آیت میں مسیحی یا عیسائی سرے سے مراد ہی نہیں، بلکہ نصاریٰ سے مُراد نصاریٰ ہی ہیں، جو کہ حضرت عیسیٰؑ کو نبی ماننے والا، نہ کہ انہیں ابن اللہ قرار دینے والا ایک قدیم فرقہ ہوا ہے، اور جس کا شمار آج ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے موجودہ مسیحی "ملحدوں" میں کر رہے ہیں۔ قال قتادة نزلت فی ناس من اهل الکتاب کانوا علیٰ شریعة مما جاء به عیسیٰ امنوا بالرسول فاثنی الله علیهم (بحر) قال اٰخرون هذه صفة قوم کانوا علیٰ شریعة عیسیٰ من اهل الایمان (ابن جریر) لفظ نصاری پر مفصل حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکا ہے، وہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ قَالُوْۤا کا لفظ بھی حشو نہیں۔ ذکر ان کا ہو رہا ہے جو اپنے نصاریٰ ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ موجودہ فرنگی قومیں اور حکومتیں تو اپنے مسیحی ہونے کا بھی کھلی طرح اقرار نہیں کر رہی ہیں چہ جائیکہ اپنے کو نصرانی کہیں! ——— ان نیم ملحد نیم مشرک قوموں کو قدیم "نصرانیت" سے کوئی علاقہ ہی نہیں، اسلئے اُن کی مودت وغیر مودت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اَقْرَبَهُمْ۔ ذکر یہاں قرب مطلق کا نہیں صرف قُرب اضافی کا ہو رہا ہے۔ **۲۷۰** یہاں نصاریٰ کے اسلام سے نسبتہً قریب تر ہونے کے دو وجوہ بھی بیان کر دیئے۔ ایک یہ کہ انکی جماعت میں علم دوست شب بیدار علماء اور تارک الدنیا درویش ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ انکے قلوب میں تواضع کی نرمی ہوتی ہے۔ ان دو خصوصیات نے اس حقیقت کو اور زیادہ روشن و مؤکد کر دیا کہ مراد عام مسیحی، خصوصاً فرنگی قومیں ہو ہی نہیں سکتیں، یہاں ان دونوں اوصاف کا قحط ہے۔ بلکہ مراد اسی قدیم فرقہ نصاریٰ (Nazarenes) ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نصاریٰ کا اسلام سے قرب اضافی۔ قِسِّيْسِيْنَ۔ قس کے لفظی معنیٰ عربی میں رات کو کسی شے کے طلب کرتے رہنے کے ہیں۔ اصل القس تتبع الشئ وطلبه باللیل (راغب) اور علماء نصاریٰ چونکہ عابد شب بیدار ہوتے تھے اسلئے انہیں بھی قسیس کہنے لگے۔ والقسیس العالم العابد من رؤس النصاری (راغب)۔ لیکن یہ بھی اہل لغت سے مروی ہے کہ قسیس کسی بیرونی زبان، سُریانی یا لاطینی سے منتقل ہو کر عربی میں آیا ہے۔ اور لغت عرب میں داخل ہو گیا ہے۔ قال قطرب القس والقسیس العالم بلغة الروم ... ولفظ القسیس انما یکون عربیًا وانما ان یکون بلغة الروم ولکن خلطته العرب بکلامهم فصار من لغتهم اذ لیس فی الکتاب ما لیس من لغة العرب (قرطبی) محققین نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ تواضع وغیرہ صفات محمودہ بہرحال قابل قدر ہیں خواہ وہ کہیں مل جائیں یہاں تک کہ نصاریٰ میں بھی۔ وفی الاٰیة دلیل علیٰ ان التواضع والاقبال علی العلم والعمل والاعراض عن الشهوات محمودة اینما کانت (روح) وفی هذا التعلیل دلیل علیٰ جلالة العلم وانه سبیل الی الهدایة وعلیٰ حسن عاقبة الانقطاع (بحر) وفیه دلیل علیٰ ان العلم انفع شئ واهداه الی الخیر وان کان علم القسیسین وکذا علم الاٰخرة وان کان فی راهب البراءة من الکبر وان کانت فی نصرانی (مدارک) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ علوم و اخلاق کو اعمال میں دخل عظیم ہے، اور اسی لئے مشائخ طریقت کہ علوم و اخلاق کا اہتمام اعمال سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

۲۵۱ھ ان لوگوں کی حماقت دکھائی ہے کہ ابھی مہلت باقی ہے، اور پھر ایسے غفور رحیم خدا کے سامنے توبہ و استغفار کرکے اُس کے غفور رحمت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے! غَفُوْرٌ - اُس کے حق میں جو طالب مغفرت ہو۔ رَحِیْمٌ - اس کے حق میں جو طالب رحمت ہو۔ مسیحیوں کے رد کے موقع پر ان صفات کے لانے میں شاید یہی ایک مصلحت و مناسبت ہو کہ اللہ تعالیٰ تو خود غفور رحیم ہے۔ اس کے ان صفات کو بروئے کار لانے کے لئے اس کی کوئی ضرورت تھوڑے ہی ہے کہ کوئی "ابن اللہ" اپنے کو سب کی طرف سے کفارہ کے لئے پیش کرے! ۲۵۲ھ (نہ کہ خدا یا فرزند خدا۔ یا معاذ اللہ دشمن خدا) یہ عیسیٰ مسیحؑ کا صحیح مرتبہ بیان کر دیا۔ اس میں رد آگیا ایک طرف مسیحی افراط کا، جو آپ کو مظہر خدا یا اوتار سمجھتے تھے، اور دوسری طرف یہودی تفریط کا، جو معاذ اللہ آپؑ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ سورۂ نساء کے حواشی ۴۴۶، ۵۰۱ وغیرہ بھی ایک بار پھر ملاحظہ کر لئے جائیں۔ اِبْنُ مَرْیَمَ - ابن مریمؑ لا کر مسیح پرستوں کو یہ یاد دلا دیا کہ مسیحؑ تو ایک عورت، فانی عورت کے بطن سے تھے۔ بشر کے سوا اور ہو کیا سکتے تھے۔ ۲۵۳ھ (اور اُنہی کے سے ایک رسول یہ بھی ہیں، نہ وہ اوتار یا دیوتا تھے، نہ یہ اوتار یا دیوتا ہیں) ۲۵۴ھ صِدِّیْقَۃٌ وہ ہے جو نافرمانی سے غایت بُعد اور فرمانبرداری میں کمال کھتی ہو۔ المراد بکونہا صدیقۃ غایۃ بعدہا عن المعاصی وشدۃ جدہا واجتہادہا فی اقامۃ مراسم العبودیۃ (کبیر) اور محاورہ میں پورا مفہوم لفظ "ولیہ" یا ولی بیوی ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اس ایک لفظ میں پورا رد آگیا یہود کا، جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متہم کر رہے تھے۔ ۲۵۵ھ (اور اپنے سارے کمالات بشری کے باوجود حوائج بشری سے منزہ و بالاتر نہ تھے) اس میں بتا دیا کہ یہ مقدس ماں اور مقدس تر فرزند، دونوں ہر حال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے، اور کھانے پینے، ساری بشری ضرورتوں کے محتاج۔ تو جو ایسے صاحب احتیاج ہوں، انہیں خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟ ۲۵۶ھ اور اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں، کہ "باپ، بیٹا اور روح القدس تین جُدا جُدا اور مستقل اقنوم ہیں"۔ "عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے۔ تین خدا نہیں"۔ "بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا۔ اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے"۔ "روح القدس کا صدور اکیلے باپ سے نہیں بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے"۔ "خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پورا، اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جزوی حصہ دار ہیں"۔ "یہاں ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے، اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے"۔ "اقنوم وجود باپ ہے، اقنوم حیات بیٹا، اور اقنوم علم روح القدس ہے"۔ یہ صرف چند عقیدے بطور نمونہ مسیحیوں کے "اسرار الٰہیات" سے پیش کئے گئے ورنہ اسی طرح اور بھی بہت سے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف، سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آجانے والے بیان توحید کو دیکھو، اور دوسری طرف الفاظ و اصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو! امام رازیؒ نے سچ کہا جب یہ کہا کہ ایسے لغو و مہمل عقیدے شاید دنیا کے پردہ پر کسی کے نہ ہونگے۔ ولا یری فی الدنیا مقالۃ اشد فسادًا واظہر بطلانا (کبیر) ۲۵۷ھ اُس ایک عالم کل، ہمہ دان، ہمہ بین کے سوا عبادت و پرستش کے قابل اور ہے کون؟ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یہ سارا خطاب مسیحیوں ہی سے ہے، اور اُنکے مشرک ہونے پر نص قرآنی کی مُہر لگا رہا ہے۔ مسیحیوں کی مشہور و ضخیم و مستند انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ایک جگہ فخر کے ساتھ درج ہے کہ کلیسا نے اپنی طویل تاریخ میں "کبھی ایسا نہیں کیا کہ خدا کے ساتھ ساتھ مسیح سے بھی دعا نہ کی ہو"۔ (جلد اول۔ صفحہ ۱۰۴) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں رد ہے مشائخ کو مستقل متصرف سمجھنے والے جاہلوں کا۔ ۲۵۸ھ (بلکہ اپنے اصل دین اور عقائد حق پر قائم رہو) اَہْلَ الْکِتٰبِ سے یہاں مراد مسیحی ہیں اور الکتٰب سے انجیل۔ یعنی بالکتٰب الانجیل (ابن جریر) قل یا محمد لغلاۃ الغالیۃ من النصاریٰ فی المسیح (ابن جریر) قیل الخطاب للنصاریٰ خاصۃ (بیضاوی) لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴۴۶، ۵۰۲ سورۂ نساء ۲۵۹ھ اس میں صاف اشارہ اس حقیقت کا آگیا کہ مسیحیوں کی گمراہیاں اور بدعقیدگیاں کسی اور کجرو اور گمراہ قوم کی ریس اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں۔ اَہْوَآءَ - لغو و بے بنیاد خیالات، من گھڑت عقائد، خیالی ڈھکوسلے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اُن رسوم کا ابطال ہے جو شریعت کے خلاف ہیں اگرچہ وہ منسوب مشائخ کی جانب ہوں۔ مشائخ اگر محقق ہیں تو اُنکی طرف یا تو نسبت ہی صحیح نہ ہوگی، اور یا پھر کسی عذر صحیح پر انہیں محمول کیا جائیگا۔ ۲۶۰ھ جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں، اور خود فرنگیوں کی موجودہ Biblical Criticism سے پوری طرح سے واقف ہیں۔ وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کر جائینگے چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب اُمّی، لاکھ ذہین و باخبر ہو، ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا۔ تاوقتیکہ عالم الغیب والشہادۃ براہ راست اُسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔ مصری شرک یونانیوں میں پوری طرح حلول کر آیا تھا، اور بڑے بڑے یونانی فلاسفہ اسکندریہ کے مرکز "عقلیت" و "روشن خیالی" سے مرعوب و متاثر تھے حضرت عیسیٰ کی تعلیم جب شروع شروع پھیلی تو اُنھی یونانیوں میں اکابر یہود (مثلاً فائلو) پہلے ہی سے یونانیوں کے آگے گردن ڈال چکے اور اُن سے Logos وغیرہ کے عقائد اخذ کر چکے تھے مسیحیوں نے ان تعلیمات کو بلا تامل قبول کر لیا، اور پھر پولوس (سینٹ پال) نے تو حضرت مسیحؑ کے مذہب اور تعلیمات کو تمام تر مسخ کر کے اسے یونانی شرک کی ایک شاخ ہی بنا دیا۔ آخر میں رہی سہی کسر رومیوں کے مشرکانہ عقائد و خرافات نے پوری کر دی۔ موجودہ مسیحی قوموں کے عقائد و رسوم کثرت سے مصری یونانی رومی شرک ہی کی صدائے بازگشت ہیں اور بس۔ ۲۶۱ھ ان دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کی زبان سے:۔ "خداوند نے سنا اور نہایت غصہ ہوا۔ اس لئے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی، اور اسرائیل پر قہر بھی اُٹھا۔ کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا، اور اُسکی قیامت پر اعتماد نہ رکھا"۔ (زبور۔ ۷۸: ۲۱، ۲۲، ۲۳) اور حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی زبان سے:۔ "غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے"! (متی۔ ۲۳: ۳۱، ۳۲) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا - اسرائیلیوں کا یہ کفر اپنے اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں تھا۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں قانون سبت کو توڑا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں تو خود اُن کی نبوت ہی کا انکار کر دیا۔

رَحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ۲۵۱ مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں بجز ایک رسول کے ۲۵۲ ان سے قبل

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ

بھی (اور) رسول گزر چکے ہیں ۲۵۳ اور اُن کی ماں ایک ولیہ تھیں ۲۵۴ دونوں کھانا کھاتے

الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ

تھے ۲۵۵ دیکھو کہ ہم کس کس طرح صاف دلائل اُن کے سامنے بیان کر رہے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

کدھر اُلٹے چلے جا رہے ہیں ۲۵۶ آپ کہیئے کہ کیا تم اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں

لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

نہ نقصان پہنچا سکے نہ نفع، اور اللہ ہی (سب کی) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے ۲۵۷

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو ۲۵۸ اور ان لوگوں کی

تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ

من مانی باتوں پر نہ چلو ۲۵۹ جو پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور

ضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ

راہ راست سے (بہت) بھٹک چکے ہیں ۲۶۰ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن پر

اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا

لعنت ہوئی داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ۲۶۱ یہ اس لئے کہ

ع ۱۰ / ۱۴

۲۴۴ (اور وقت مناسب پر انہیں سزا دے کر رہیگا) فیجازیھم بحسب اعمالھم (مدارک) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤدؑ کی زبان سے ہے:۔ "اے قوم کے بیوقوفو سمجھو۔ اے جاہلو تم کب ہوشیار ہو گے۔ وہ جس نے کان لگایا، کیا نہیں سنتا؟ وہ جس نے آنکھ بنائی کیا نہیں دیکھتا؟ وہ جو قوموں کو تنبیہ دیتا ہے کیا وہ سزا نہ دیگا؟ وہ جو انسان کو دانش سکھلاتا ہے کیا وہ واقفیت نہ رکھتا ہو گا؟" (زبور۔۹۴: ۹)۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی پر اصرار سے استعداد بالکل مضمحل ہو جاتی ہے اور اسی کو بطلانِ استعداد کہا جاتا ہے۔ ۲۴۵ ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۷ سورۃ ہذا۔ خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید النصاریٰ اور ان صریح کافروں بلکہ مشرکوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اُن کا ذکر نام کے ساتھ نہیں صرف صفات کے ساتھ کرتا ہے اور انہیں ایک الگ مستقل اُمت قرار دیتا ہے۔

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے اُن کے
يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
کرتوت ۲۴۴ یقیناً وہ کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح
ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا
ابن مریم ہے ۲۴۵ حالانکہ (خود) مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میرے پروردگار اور اپنے پروردگار
اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ
(یعنی) اللہ کی عبادت کرو ۲۴۶ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریگا، سو اللہ اُس پر جنت
اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے، اور (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار
اَنْصَارٍ ۝۷۲ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ
نہ ہوگا ۲۴۷ یقیناً وہ (بھی) کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے ۲۴۸
وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا
حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے ۲۴۹ اور اگر یہ لوگ اپنے (ان) اقوال سے باز نہ آئے تو
يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳
ان میں سے جو لوگ کافر رہیں گے اُن پر عذاب دردناک واقع ہو کر رہے گا ۲۵۰
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے؟ درآنحالیکہ اللہ بڑا

وقف لازم

ہبرٹ جرنل (لندن) دنیائے مسیحیت کا ایک بلند پایہ علمی سہ ماہی رسالہ ہے۔ اُس کے اکتوبر ۱۹۲۴ء نمبر میں ہے:۔ "ٹھیٹھ مسیحی کے عقیدہ میں مسیح تمامتر خُدا نہیں۔ عقلاً جو عقیدہ جتنا زیادہ مستبعد ہو، اسی قدر خوش عقیدگی سے قریب ہوتا ہے۔" مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رد ہے حلول و اتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیہ ہوئے ہیں۔ ۲۴۶ ملاحظہ ہو پ ۳، حاشیہ ۱۲۹۔ قرآن مجید کے بیان کی تائید اس حد تک تو موجودہ محرّف اور مسخ شدہ انجیلیں بھی کر رہی ہیں:۔ "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اُسی کی عبادت کر۔" (متی ۔۴: ۱۰) "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر۔" (لوقا۔۴: ۸) "یسوع نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا۔" (لوقا۔۱۸: ۱۹) ۲۴۷ (جو شفاعت کی حد تک بھی اُن کی مدد کر سکیں) یہ سب وعیدیں مسیحیوں یا عیسائیوں کے لئے آرہی ہیں، جو مسیح پرستی کے شرک کو اپنے لئے باعثِ ننگ نہیں، باعثِ فخر سمجھ رہے ہیں۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ ہر قسم کے شرک پر حاوی ہے، خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ مِنْ اَنْصَارٍ ۔ صیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کو اپنے بہت سے ناصروں اور شافعوں کا زعم تھا۔ ۲۴۸ موجودہ مسیحیوں کے کافر بلکہ مشرک ہونے پر یہ صاف نصوص موجود ہیں۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ، بیٹا، روح القدس، یہ تین اقنوم (اصل) منفرداً بھی خُدا ہیں، اور مجتمعاً بھی۔ تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی۔ ۲۴۹ (جو نہ اقنوموں میں تقسیم ہے نہ اور کسی طرح) مِنْ اِلٰهٍ میں من زائد کلیت یا استغراق کے لئے ہے۔ اور آیت کے معنی ہیں کہ سرے سے ایسے معبود کا کوئی وجود ہی نہیں، جو صفت وحدانیت سے متصف نہ ہو۔ من مزیدۃ للاستغراق (بیضاوی) والمعنی وما الٰہ قط فی الوجود الا الٰہ موصوف بالوحدانیۃ لا ثانی لہ (کشاف) اکد ذالک بزیادۃ من الاستغراقیۃ (بحر) ۲۵۰ (آخرت میں اُن کے کفرِ صریح کے پاداش میں) عَمَّا يَقُوْلُوْنَ ۔ یعنی تثلیث کے اس مشرکانہ قول و عقیدہ سے۔ ای یکفوا عن القول بالتثلیث (قرطبی) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ ۔ یعنی ان میں سے جو لوگ کافر رہ جائینگے اس کے بعد بھی کہ اُنکے عقاید کی گمرہی اُن پر پوری طرح واضح ہو چکی۔ ای الذین اقاموا علی ھذا الدین (کبیر۔ عن الزجاج) الذین بقوا منھم علی الکفر (بیضاوی) مِنْهُمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اس مشرکانہ عقیدہ سے باز آجائیں گے اور ایمان لے آئینگے۔ ایسے لوگ اس وعید سے خارج ہیں۔ خص الذین کفروا لعلمہ ان بعضھم یومنون (معالم)

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ
پروردگار کی طرف سے تمہارے اوپر اتری ہے ۲۳۵ اور جو کچھ آپ پر آپکے پروردگار کی طرف سے اُتارا گیا ہے

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى
وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا کر رہے گا ۲۳۶ تو آپ کافر لوگوں پر

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا
افسوس نہ کیجئے ۲۳۷ بے شک جو لوگ ایمان لا چکے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور

وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ
صابی اور نصرانی (غرض) جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾
نیک عمل بھی کرے، سو ایسوں کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۲۳۸

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ
یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کے پاس (بہت سے) پیمبر

رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ
بھیجے ۲۳۹ جب جب کوئی پیمبر اُن کے پاس (ایسا) حکم لائے جس کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا تو

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ ۗ وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا
بعض کو تو جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی کر ڈالتے تھے ۲۴۰ اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
کچھ نہ پڑے گا ۲۴۱ سو اندھے اور بہرے ہو گئے ۲۴۲ پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی ۲۴۳

۲۳۵ یہاں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ مدارِ فضیلت کا، مقبولیت کا، احکامِ الٰہی کا اتباع ہی ہے۔ تو پھر جب سرے سے اس سے گریز ہے، تو کیسی افضلیت اور کہاں کی مقبولیت؟
علی شیٔ۔ یعنی راہِ راست و دینِ حق۔ ای علی دین یعتد بہ (کشاف۔ بیضاوی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بغیر اتباعِ شریعت کے کوئی کمال معتبر نہیں۔ ۲۳۶ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۲۲۔ ۲۳۷
حضورِ انورؐ فرطِ شفقت و ترحم سے کافروں کے حال پر بےچین و مضطرب رہا کرتے تھے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ اتنا غم و تاسف نہ کیجئے۔ یہ تو اپنی ضد و عناد کی بنا پر مستحق کسی ہمدردی و رعایت کے نہیں۔
آیت رسولؐ اللہ کی تسلی کے لئے ہے۔ آپؐ کو ممانعت حزن سے نہیں کی گئی ہے، کہ وہ آپؐ کے لئے ایک امرِ طبعی تھا، بلکہ افراطِ حزن سے کی گئی ہے۔ وھذہ تسلیة للنبی صلعم ولیس بنھی
عن الحزن لانہ لایقدر علیہ ولکنہ تسلیةٌ و نھی عن التعرض للحزن (قرطبی) لا تتاسف بسبب نزول اللعن والعذاب علیھم فانھم من الکافرین المستحقین لذلک (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اعراض کرنے والوں پر زیادہ قلق نہ کرے جیسا کہ بعض مبالغین فی الشفقة کرتے ہیں۔ ۲۳۸ آیت کے الفاظ و مطالب کی تشریح پارۂ اوّل میں گزر چکی۔ حاشیہ ۲۱۸ سے حاشیہ ۲۲۲ تک۔ ۲۳۹ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کی تاریخ گویا انبیاء مرسلین ہی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ یہ عہد توحید ہی سے متعلق تھا۔ ۲۴۰ یعنی کم و بیش مخالفت تو اپنے سب ہی انبیاء کی کی، جو ذرا سا بھی کوئی حکم اُن کی مرضی کے خلاف لے کر آئے لیکن بعض کو تو تکذیب سے گزر کر ہلاک تک کر ڈالا۔ یہود کے قتلِ انبیاء وغیرہ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے ہیں۔ انجیل میں یہ الزام اس سے کہیں زیادہ زوردار الفاظ میں دہرایا گیا ہے ”اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لئے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اُن سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے“۔ (متی۔ ۲۳: ۳۴) ملاحظہ ہوں پارۂ اوّل کے حاشیے آیت ۶۱ پر۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سارے کبائر کی اصل اتباعِ ہوٰی ہے، اس لئے صوفیہ اس کے استیصال کی سخت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ۲۴۱ (ان پر تکذیبِ انبیاء اور قتلِ انبیاء کا)۔ فتنة کے ایک معنی سزا کے بھی ہیں۔ الفتنة العذاب (قاموس)
قرآن مجید میں بھی فتنة ایک دوسرے موقع پر اسی معنی میں آیا ہے۔ ذوقوا فتنتکم ای عذابکم (راغب) اہلِ تحقیق نے یہی معنی یہاں بھی لئے ہیں۔ ای عذاب وقتل (معالم) صحیفۂ
زبور میں حضرت داؤدؑ کی ایک مناجات بھی اسی معنی و مفہوم کی تائید میں ہے:۔ ”اے خداوند شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے۔ وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے۔ سارے
بدکاری کرنے والے لاف زنی کرتے۔ وہ اے خداوند تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں، اور تیری میراث کو دُکھ دیتے ہیں۔ اور بیوہ اور پردیسی کو جان سے مارتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، خداوند
نہ دیکھے گا یعقوب کا خدا ہرگز نہ سمجھ لیگا“ (زبور۔ ۹۴: ۳۔۷) فتنة کے مشہور و متعارف معنی آزمائش کے ہیں، وہ بھی یہاں بے جا نہیں اور بعض مفسرین نے یہی اختیار کئے ہیں۔ انہ لایقع من اللہ عز
وجل ابتلاء واختبار بالشدائد (قرطبی) ۲۴۲ یعنی ان کے اس گمان و پندار نے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مُہلت نے انہیں قبولِ حق و کلمۂ حق کی طرف سے اور زیادہ غافل و بے نیاز کر دیا۔
عموا عن الھدٰی وصموا عن سماع الحق (بحر) عموا عن الرشد وصموا عن الوعظ (مدارک) ۲۴۳ (اور مزید ہدایت کے لئے کوئی اور پیمبر اُن میں بھیجا)

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

توہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دُور کر دیتے اور ہم ضرور انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کر دیتے ٢٢٦

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ

اور اگر وہ توریت اور انجیل کی پابندی کرتے اور اُس کی جو اُن پر اُنکے پروردگار کی طرف سے

اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

(اب) نازل ہوا ہے ٢٢٧ تو یہ لوگ (خوب) کھاتے (پیتے) رہتے اپنے اُوپر سے (بھی) اور اپنے پیروں کے

اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

نیچے سے (بھی) ٢٢٨ اُنہی میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے ٢٢٩ لیکن اکثر ان میں کے ایسے ہیں جو

سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ ع ٩ ١٠ ١٣

بہت ہی بُرا کر رہے ہیں ٢٣٠ اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپکے پروردگار کی طرف سے اُترا

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

ہے یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیجیے ٢٣١ اور اگر آپنے یہ نہ کیا تو آپنے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

نہیں ٢٣٢ اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ٢٣٣ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو راہ

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى

نہ دے گا ٢٣٤ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر بھی نہیں جب تک

شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ

تم توریت و انجیل کی پابندی نہ کرو اور اس (کتاب) کی جو تمہارے

٢٢٦ اٰمنوا یعنی قرآن اور حامل قرآن پر ایمان لاتے اٰمنوا کے مطلق رکھنے میں بعض اہل علم نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اہل کتاب اگر محمد رسُول اللہ پر ایمان لے آئیں تو یہ تو خیر عین مقصود ہی ہے لیکن اگر اپنے ہیمبر اور اپنی ہی کتاب پر چاؤ اور پُورا ایمان رکھیں، تو اُن کی ہدایت اور عبارت بھی تو بالآخر اسی ایمان مصطفوی پر لائیگی۔ عشق گر زیں سرد گر ز آں سرست عاقبت مارا بداں شہ رہبر ست ٢٢٧ (بہ واسطہ نبی آخر الزمانؐ) مُراد قرآن و شریعت اسلامی ہے۔ اقاموا التورٰیۃ والانجیل مراد ہے ان کتابوں کی عدم تحریف اور انکے احکام پر عمل۔ واقامۃ التورٰیۃ والانجیل العمل بمقتضاھما وعدم تحریفھما (قرطبی) وَمَاۤ اُنزِلَ اِلَیهِم مِّن رَّبِّهِم اسکے معنی علاوہ قرآن مجید کے خود انکے انبیاء کی دوسری کتابوں کے بھی کیے گئے ہیں۔ قیل کتب انبیاءھم (قرطبی) من سائر کتب اللہ لانھم مکلفون الایمان بجمیعھا (مدارک) ٢٢٨ یعنی اس دنیا میں آسمانی اور زمینی برکتوں سے خوب تمتع حاصل کرتے۔ فَوق و تحت کے الفاظ عموم تمتع دنیوی اور زور و تاکید کیلئے ہیں۔ ذکر فوق وتحت للمبالغة فی مایفیض علیھم من الدنیا (قرطبی) المراد منہ المبالغة فی شرح السعة (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ طاعت و عمل صالح خوشحالی اور وسعت رزق کے موجبات میں سے ہیں۔ دلت الایہ علی ان العمل بطاعہ اللہ تعالیٰ سبب لسعة الرزق (مدارک) ٢٢٩ (اور یہی میانہ رو جماعت آگے چل کر ایمان لے آئیگی) مُقْتَصِدَةٌ اقتصاد۔ کے معنی عمل میں راہ اعتدال اختیار کرنے کے ہیں۔ والاقتصاد الاعتدال فی العمل (قرطبی) یہاں مُراد اُن لوگوں سے ہے، جو حضرت عیسیٰ مسیحؑ کے باب میں نہ افراط کے غلو تک پہنچ جاتے ہیں، نہ تفریط کے قعر میں گر پڑتے ہیں۔ مقتصدة فی القول فی عیسیٰ ابن مریم (ابن جریر) مسیحیوں میں نجاشی شاہ حبشہ اور اُن کے رفقاء اور یہود میں عبداللہ بن سلام اور ان کی جماعت یہ سب اسی اُمت مقتصدہ کے افراد ہوئے ہیں۔ ٢٣٠ اشارہ اہل کتاب کی تحریف کتب و تکذیب انبیاء کی جانب ہے۔ ٢٣١ مَاۤ اُنزِلَ اِلَیكَ مِن رَّبِّكَ۔ اس میں قرآن مجید کے سارے کا سارا آجانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جو چیزیں وحی خفی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کو تعلیم ہوتی تھیں، وہ بھی اس عموم میں شامل ہیں۔ قال ابن عباسؓ المعنی بلغ جمیع ما انزل الیك (قرطبی) فیہ امر للنبی صلعم بتبلیغ الناس جمیعاً ما ارسلہ بہ الیھم من کتابہ واحکامہ وان لا یکتم منہ شیئاً خوفاً من احد ولا مداراة لہ (جصاص) جمیع ما انزل الیك (مدارک) یٰۤاَیُّهَا الرَّسُولُ۔ تبلیغ کے موقع پر یہ انداز خطاب بجائے خود نہایت بلیغ و حکیمانہ ہے کہ اے مخاطب تمہاری تو حیثیت ہی تمامتر رسُول کی، پیغام پہنچانے والے کی ہے ٢٣٢ یعنی اگر آپنے کوئی بات احکام خداوندی میں سے چھپالی، تو گویا آپنے فریضۂ رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ فان کتمت شیئاً منہ فما بلغت رسالتہ (قرطبی عن ابن عباسؓ) اخبر انہ ان ترك تبلیغ شیٔ منہ فھو کمن لم یبلغ شیئاً (جصاص) فکانك لم تبلغ الرسالة اصلاً (مدارک) لان کتمان بعضھا ککتمان کلھا (جلالین) اور ایسے مفروضات، محالات عادی ہی نہیں محالات عقلی تک، مثلاً ایک کے بجائے دو خداؤں کا ہونا، تو قرآن مجید نے بیان توحید تک میں روا رکھے ہیں۔ اس میں رَد آگیا اُن غالی باطل پرستوں کا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ آپنے نعوذ باللہ کسی خوف یا مصلحت سے قرآن مجید ہم تک پورے کا پورا نہیں، بلکہ کسی قدر ناقص صورت میں پہنچایا ہے۔ دلت علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یُسر الی احد شیئاً من امر الدین (قرطبی) اور حقیقةً یہ ہے بھی مرتبۂ رسالت سے بہت ہی گری ہوئی چیز کہ ہمیر جیسا عبد کامل بھی کوئی حکم شریعت کسی مروت یا کسی خوف سے چھپا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر کہی ہے کہ اگر آپنے کوئی سا بھی جزو قرآن کریم کا چھپایا ہوتا، تو وہ یہی جزو ہوتا! قالت لو کان محمد کاتما شیئاً من القراٰن لکتم ھذہ الایہ (ابن کثیر) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ رسُول کی طرح علماء اُمت کیلئے بھی کسی مسئلہ شریعت کا اخفاء و کتمان جائز نہیں۔ ھذا تادیب للنبی صلعم وتادیب لحملة العلم من امتہ الا یکتموا شیئاً من امر شریعتہ (قرطبی) ٢٣٣ (کہ آپکے قتل و ہلاک پر قدرت حاصل کر سکیں) اسلئے آپ تبلیغ کے باب میں تو اپنی جان کی ذرا فکر نہ کیجیے۔ مخالفین و معاندین جو کچھ بھی چاہیں کرتے رہیں۔ یعصمك من القتل فلا یصلون الی قتلك (معالم) ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا گیا ہے کہ جب محفوظیت کا وعدہ ہوچکا تھا، تو پھر جنگ اُحد میں جسم مُبارک کو جراحتیں کیسے پہنچیں؟ مفسرین نے اسکے متعدد جوابات دیئے ہیں لیکن سب سے زیادہ صاف اور بے تکلف جواب مفسر تھانویؒ کے قلم سے یہ ہے کہ وعدۂ محفوظیت سیاق تبلیغ میں کیا گیا ہے، اس لئے اس کا تعلق بھی قدرةً اتنی ہی محفوظیت سے ہے جو آپؐ کے فرائض تبلیغ میں مانع نہ ہو۔ بالکلیہ محفوظیت نہ مقصود تھی نہ ہوسکتی تھی۔ مرض، صدمہ، زخم وغیرہ تو حکمت تکوینی کے ماتحت رفع درجات و ترقی مراتب کے لئے ضروری ہیں۔ آیت سے علماء نے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ علماء حق پرست خدا کے کام کو اپنے ذمہ سمجھیں، اور اپنی ضرورتوں کا کفیل اُسی کے فضل کو سمجھے رہیں۔ ٢٣٤ (کہ آپؐ تک پہنچ کر اپنے ملعون منصوبوں کو پُورا کر سکیں) لا یمکنھم مما یریدون انزالہ بك من الھلاك (کشاف)

۲۱۵ ذکر یہود کا ہے۔ الاثم - جھوٹ کے قسم کے سارے گناہ اس میں شامل ہیں۔ یا وہ گناہ جو گنہگار کی ذات تک محدود ہیں۔ الاثم الکذب وقیل الاثم ما یختص بھم (کشاف) یعنی عن قول الکذب والزور (ابن جریر)
العُدْوَانِ - یہ لفظ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور سرکشی پر حاوی ہے یا وہ گناہ جو دوسروں تک متعدی ہو۔ العدوان الظلم وقیل العدوان ما یتعدا ھم الی غیرھم (کشاف) اَکْلِهِمُ السُّحْتَ - اس میں سود، رشوت اور
جبر یا مکر سے حاصل کی ہوئی ہر آمدنی آگئی۔ پُرانے حکماء کی تحلیل نفس کے مطابق اثم قوت نطقیہ سے صادر ہوتا ہے۔ اور عُدوان قوت غضبیہ سے اور اکل سحت قوت شہویہ سے۔ ۲۱۶ آیت ماقبل میں ذکر عوام یہود
کا تھا۔ اس آیت میں ذکر خواص واکابر یہود کا ہے۔ لولا، افلا کے معنی میں ہے۔ لولا بمعنی افلا (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کا داخلہ مستقبل پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، تو اسکے معنی صیغۂ امر کے اور ممانعت کے پیدا
ہو جاتے ہیں۔ فاذا کانت للمستقبل فھی فی معنی الامر لم لا تفعل وھی ھٰھنا للمستقبل یقول ھلا ینھاھم ولم لا ینھاھم (جصاص) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ - صحابہ و تابعین اور علماء سلف سے مروی
ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کی سخت ترین آیتوں میں سے ہے۔ عن ابن عباسؓ ھی اشد اٰیۃ فی القرآن (کشاف) عن الضحاک مافی القرآن اٰیۃ اخوف عندی منھا (کشاف) کان العلماء یقولون مافی القرآن اٰیۃ اشد

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ
مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کے کھانے سے نہیں روکتے
السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣ وَقَالَتِ
ہیں کیسی بُری اُن کی کارستانیاں ہیں! ۲۱٦ اور یہود کہتے ہیں کہ
الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا
خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ۲۱۷ ہاتھ اُن ہی کے بند ہوں! اپنے اس کہنے سے یہ ملعون
بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
ہو گئے ۲۱۸ اللہ کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں ۲۱۹ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ۲۲۰
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے، وہ اُن میں سے بہتوں
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
کی سرکشی اور کفر بڑھا دیتا ہے ۲۲۱، اور ہم نے اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لیے
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا
ڈال دیا ہے ۲۲۲ جب جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اُسے بجھا دیتا
اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
ہے ۲۲۳ اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ۲۲۴ درآنحالیکہ اللہ فساد کرنے والوں
الْمُفْسِدِيْنَ ۝٦٤ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
کو پسند نہیں کرتا ۲۲۵ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے

توبیخا للعلماء من ھٰذہ الاٰیۃ ولا اخوف علیھم منھا (ابن جریر) ۲۱۷ یہ مسلمانوں کے
افلاس پر طنز و استہزاء کی راہ سے ایک فقرہ تھا۔ محاورہ میں اس سے مراد بخل و تنگدستی ہوتی ہے
غل الید وبسطھا مجاز عن البخل والجود (کشاف) غل الید وبسطھا مجاز مشھور
عن البخل والجود (کبیر) يَدُ کے یہاں لفظی معنی لینا مضحکہ خیز ہیں۔ یہ تو محض محاورۂ زبان اور
ایک اسلوب بیان ہے کسی کے ہاتھ بالکل کٹے ہوئے ہوں جب بھی اُسکے بخل وجود کے لئے غل ید
وبسط ید کا محاورہ بلا تکلف استعمال ہوگا۔ اسلئے ید اللہ کے لفظ کے آجانے سے حق تعالیٰ کے
اثبات ید کا قطعاً کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لا یقصد المتکلم بہ اثبات ید ولا غل
ولا بسط (مدارک) روایتوں میں یہ قول صرف دو ہی یہودیوں سے نقل ہوا ہے لیکن
اس سے دلچسپی لینے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے دوسرے لوگ بھی رہے، اسی لئے یہ قول منسوب
افراد ہی کی جانب نہیں بلکہ فرقہ کی جانب کر دیا گیا لما قال قوم ھٰذا ولم ینکر الباقون صار کانھم
باجمعھم قالوا ھٰذا (قرطبی) مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہود کا یہ قول گو اُنکے اعتقاد
پر مبنی نہ ہو لیکن کلمۂ کفر کا تلفظ بھی بلا ضرورت اور بغیر تردید کے کفر ہی ہوتا ہے۔ اور یہیں سے یہ ہے کہ
آگے فقرہ میں لعنوا کی علت بما قالوا ارشاد ہوئی ہے، بما اعتقدوا - نہیں۔
۲۱۸ چنانچہ دنیا میں اس ملعونیت کا اثر قید، قتل، ذلت وغیرہ سے ظاہر ہوا۔ اور آخرت میں
عذاب جہنم سے ظاہر ہوگا۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ - یہ دُعا کا کلمہ ہے یعنی افلاس و تنگدستی،
بدحالی اُن ہی پر چھا کر اور ان ہی پر اُلٹ کر رہیگی۔ یجوز ان یکون دعاء علیھم (قرطبی)
یجوز ان یکون معناہ الدعاء علیھم بالبخل (کشاف) اس پیشین خبری کا ظہور عین اُس وقت
بھی ہوا یعنی چند ہی سال کے اندر یہود مدینہ مفلس و بے زر ہو کر رہ گئے۔ اور خود آج بھی باوجود
اپنے شہرۂ آفاق تموّل کے خوشحالی اور دولت اُنکے کچھ افراد ہی تک محدود ہے، ورنہ بہ حیثیت قوم
ایک نہایت درجہ مفلس و نادار قوم ہے مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ، آیت ضربت علیھم الذلۃ و
المسکنۃ کے تحت میں پارۂ اوّل میں گزر چکا ہے۔ ۲۱۹ یعنی اللہ کے ہاں کریمی اور
رزّاقی بدستور جاری ہیں۔ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ - اُردو میں بھی غایت فیاضی کے اظہار کے
موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، فلاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے
عربی میں بھی دونوں ہاتھوں کا لانا زور و تاکید کیلئے ہے۔ لیکون ردّ قولھم وانکارہ ابلغ و
ادلّ علی اثبات غایۃ السخاء ونفی البخل عنہ (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ دوسری
نعمتوں کے اظہار کیلئے ہے۔ ایک نعمت دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ ۲۲۰ (حسب حکمت
ومصلحت) اور وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی مصلحت تکوینی سے غنی و تونگر کر دیتا ہے۔ اہل سنت
اللہ تعالیٰ کے اختیار مطلق غیر مقید و غیر محدود کے قائل ہیں۔ اسی لئے اس آیت سے انہوں نے
اپنے مذہب کی تقویت اور معتزلہ کے رد کا کام لیا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ پر اجر طاعت و جزاء اعمال واجب ہے۔ اعلم ان ھٰذہ الاٰیۃ ردّ علی المعتزلۃ وذٰلک لانھم قالوا یجب علی اللہ تعالیٰ اعطاء الثواب للمطیع ویجب
علیہ ان لا یعاقبہ (کبیر) ۲۲۱ یعنی اپنے ضد و عناد کی بنا پر یہی نسخۂ شفا یہ لوگ اپنے حق میں ازدیاد مرض کا سبب بنا لیتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ - یعنی یہی قرآن۔ ۲۲۲ یعنی اُن کا ہر قبیلہ اور فرقہ دوسرے کا دشمن ہے۔ بَيْنَهُمُ
مُراد یہود کے اندر کے فرقہ اور قبیلہ ہیں کہ یہود ہی کا ذکر قریب میں ہے۔ ای القینا بین طوائف الیھود (قرطبی) المراد وقوع العداوۃ بین فرق الیھود (کبیر) جائز یہ بھی ہے کہ ضمیر کل اہل کتاب کی طرف ہو جس کا ذکر ذرا اور قبل آچکا ہے
قال مجاھد ای بین الیھود والنصاریٰ (قرطبی) المراد منہ ما بین الیھود والنصاریٰ من العداوۃ وھو قول الحسن ومجاھد (کبیر) ۲۲۳ آگ کا بجھانا یہ کہ اللہ اُن کی یہ شرارتیں چلنے نہیں دیتا۔ ان کی تدبیریں باطل کر دیتا ہے۔
خصوصاً اس طرح کہ اُن ہی میں کے ایک دوسرے کے مخالف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اطفاؤھا صرف اللہ عنھم ذٰلک وتفرق اٰراءھم وحلّ عزائمھم وتفرق کلمتھم والقاء الرعب فی قلوبھم (بحر) اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ -
یعنی مومنین کے خلاف جنگ کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ جنگ کے نقشے تیار کرتے ہیں۔ جنگ کی آگ روشن کرنا، عربی محاورہ میں کنایہ ہے جنگ کی تیاری سے۔ قال الجمھور ھو استعارۃ وایقاد النار عبارۃ عن اظھار الحقد والکید و
المکر بالمومنین والقتال (بحر) ایقاد النار کنایۃ من ارادۃ الحرب (روح) عرب جنگ کے وقت واقعۃً بھی آگ روشن کیا کرتے تھے، اور اس اعتبار سے یہ فقرہ محض مجاز اُو استعارۃً نہیں بلکہ لفظاً بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ ۲۲۴ (دوسرے
دوسرے ذرائع سے) دنیا میں قانونِ الٰہی کے نفاذ کی مخالفت کرنا خواہ وہ کسی عنوان سے بھی ہو، بہر حال اور بہر صورت فساد فی الارض ہی ہے، انفرادی بربادی و اجتماعی ہلاکت دونوں کا پیش خیمہ۔ ۲۲۵ (اللہ کی رضامندی کو
فساد فی الارض سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲۰۷ یعنی ہمارے اصولِ دین میں سے تمہیں عداوت اور ضد اُسکے کس جزو سے ہے؟ ہمارا جرم بس یہی ہے نا کہ ہم توحید کے پرستار ہیں، اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں؟ قُلْ ۔ خطاب پیغمبر کو ہے کہ آپ مسلمانوں کی طرف سے یہ جواب دیں۔ قال علیٰ سبیل التعجب هل تجدون فی هذا الدين الا الايمان بالله والايمان بما انزل علیٰ محمد صلعم والايمان بجميع الانبياء (کبیر) تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ ۔ نقم کے معنی ہیں بُرا سمجھنا، یا مبغوض رکھنا، اور عیب لگانا، یہاں دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ معناه تسخطون وقيل تکرهون وقيل تنكرون والمعنى متقارب (قرطبی) هل تنكرون منا وتعيبون (بیضاوی) ۲۰۸ (خود اپنے دین کے معیار سے بھی) اہل کتاب اُس وقت دینی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے گرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید بے تکلف انہیں اس لحاظ سے بھی ملزم قرار دے رہا ہے۔ ای فسقکم ثابت معلوم عندکم (بیضاوی) انتم فی دینکم فساق لاعدول (کبیر) وَاَنَّ میں وٗ مع کے معنی بھی دے سکتا ہے۔ یجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف۔ کبیر) اس ترکیب کے بعد آیت کے معنی یہ ہونگے کہ تم ہم سے ہمارے ایمان ہی کی بنا پر تو خفا ہو، باوجود اس کے کہ اکثر تم خود ہی نافرمان ہو۔ ما تنقمون منا الا الايمان مع ان اكثركم فاسقون (کشاف) ای لان اکثرکم فاسقون تنقمون منا ذالك (قرطبی) ۲۰۹ (جسے تم اپنے لئے بُرا سمجھ رہے ہو) یعنی تم تو ہمارے طریقہ کو بُرا سمجھ رہے ہو، لیکن میں تمہیں اُس طریقہ کا پتہ بتائے دیتا ہوں جو واقعی

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اوپر اُترا ہے اُس پر اور جو کچھ ہم سے پیشتر اُتر چکا ہے اُس پر؟ اور

اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ

یہی کہ تم سے اکثر نافرمان ہیں ۲۰۸ آپ کہہ دیجیے کیا میں تمہیں جتلادوں وہ جو اللہ کے ہاں پاداش

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ

کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) برا ہے ۲۰۹ وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اُن پر غضب

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ

کیا ہے ۲۱۰ اور اُن میں سے بندر اور سور بنا دیئے ۲۱۱ اور انہوں نے شیطان کی پوجا کی ۲۱۲

اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا

ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر اور راہِ راست سے بہت دُور ہیں ۲۱۳ اور جب یہ لوگ تمہارے

جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا

پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کو لے کر آتے تھے اور اسی کو لے کر چلے گئے

بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا

اور اللہ خوب جانتا ہے اُس چیز کو جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں ۲۱۴ اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے

مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

ہیں گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر لپکتے ہوئے کیسے

السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ

بُرے ان لوگوں کے کرتوت ہیں ۲۱۵ کیوں اُن کے

منزل ۲

عند اللہ سزا و پاداش کے لحاظ سے بدترین ہے۔ مِنْ ذٰلِكَ یعنی ہمارے اس طریقہ سے جو تمہارے نزدیک موجب صد عیب ہے۔ ای من ذلك المنقوم (بیضاوی) ای بشر من نقمكم علينا (قرطبی) اشارة الی المنقم (کبیر) ۲۱۰ (انکے اسی طریق مبغوض کے باعث) لَعَنَهُ ۔ لعنت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے کہ اسکے معنی رحمتِ الٰہی سے دُوری اور مہجوری کے ہوتے ہیں۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ بشر من اهل ذلك من لعنه الله او بشر من ذلك دين من لعنه الله (بیضاوی) لابد من حذف المضاف وتقديره بشر من اهل ذلك (کبیر) ذکر یہود کا ہے۔ ۲۱۱ یہ لوگ جو بندر اور سُور بنا دیئے گئے کون تھے کہاں کے تھے، کس زمانہ کے تھے، قرآن مجید اس باب میں خاموش ہے اور احادیث صحیح میں بھی کوئی تفصیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ اسلئے اس پر محض اجمالی ایمان بالکل کافی ہے۔ البتہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قردة بننے والے سے مراد یہود یا اصحاب السبت ہیں جن کا ذکر سورۂ بقر پارۂ اوّل میں آچکا ہے۔ اور خنازیر سے مراد مسیحی اصحاب المائدہ ہیں، جن کا ذکر اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے۔ قال اهل التفسير عنی بالقردة اصحاب السبت وبالخنازير كفار مائدة عيسیٰ (کبیر) ای مسخ بعضهم قردة وهم اصحاب السبت وبعضهم خنازير وهم كفار مائدة عيسیٰ (مد) لیکن یہ قول بھی سلف ہی سے مروی چلا آرہا ہے کہ مسخ محض معنوی ہوا تھا، صوری نہ تھا یعنی صورتیں وہی رہی تھیں، صرف سیرتیں بندروں اور سُوروں کی ہوگئی تھیں۔ مفردات میں لغت خنزیر کے تحت میں ہے:۔ قيل عنی من اخلاقه وافعاله مشابهة لاخلاقها لا من خلقته خلقتها وروی ان قوما مسخوا خلقة وكذا ايضا فی الناس قوم اذا اعتبرت اخلاقهم وجدوا كالقردة والخنازير وان كانت صورهم صور الناس (راغب) اس نامہ سیاہ کو اس آیت کی تفسیر کے باب میں خاص طور پر تردد تھا۔ مسودۂ اوّل کی تحریر کے وقت (اپریل ۱۹۳۲ء میں) حکیم الامت مفسر تھانویؒ زندہ و سلامت تھے۔ حل مشکل کیلئے عریضہ ان کی خدمت میں بھیجا، اور اس میں امام راغب کی عبارت مذکورۂ بالا نقل کردی۔ جواب جو موصول ہوا اُس کو خلاصۃً یوں بیان کیا جاسکتا ہے، کہ "اولاً تو ایسی تاویلیں ان صحیح و مسلّم اور عقلی قواعد کے آکر مخالف پڑتی ہیں۔ النصوص تحمل علی ظواهرها. لايعدل الی المجاز الا اذا تعذرت الحقيقة الناطق يقضی علی الساكت ۔ ثانیاً، خود الفاظ قرآنی اس تاویل کو مستبعد بتاتے ہیں۔ مثلاً لفظ جعل تصییر پر دال ہے، تو اس کا مفعول ثانی ایسی ہی چیز ہوسکتی ہے جو پہلی کے خلاف ہو، اور قردة و خنازیر بالتاویل تو وہ خود ہی ہو چکے تھے، اس میں جعل کے کیا معنیٰ۔ اس جعل کا تو یہ حاصل ہُوا کہ جعل القردة قردة وجعل الخنازير خنازير ۔ یا بہ عبارت دیگر جعل الخبيثين خبيثين کیا اس سے کلام کے بے معنیٰ ہونے کا شبہ قوی نہیں ہوسکتا، جو کلام اللہ سے نہایت مستبعد ہے۔ ثالثاً جب وہ خود خبیث ہو چکے تھے تو اب اُن کو خبیث بنانے کے کیا معنیٰ۔ رابعاً سورۂ بقرہ میں ہے فجعلناها نكالا لما بين يديها وما خلفها وموعظة للمتقين تو سزا پر تو نکال اور موعظہ صادق آتا ہے مگر عقائد و اخلاق فاسدہ تو خود موجب سزا ہیں نہ کہ سزا۔ غاية ما فی الباب ایسی تاویل کو نص کی تکذیب نہ کہیں گے لیکن کیا بدعت بھی نہ کہینگے؟ اگر شبہ کیا جائے کہ بعض سلف کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے، تو یہ بدعت اجتہادی محلِ وعید نہیں، ورنہ اگر اس تاویل کو سنت میں داخل کیا جائے تو جمہور کو بدعتی کہنا لازم آئیگا" گنجائش بہرحال اس تاویل کی بھی موجود ہے۔ والله اعلم بحقيقة الحال ۲۱۲ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب عَبَدَ بہ طور فعل پڑھا جائے۔ اور تقدیر کلام یُوں ہوگی۔ وَمَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ عطف اس صورت میں مَن لعنه الله پر ہوگا۔ جعلوه فعلاً ماضياً وعطفه علیٰ فعل ماضٍ وهو غضب ولعن (قرطبی) عطف علیٰ صلة من كأنه قيل ومن عبد الطاغوت (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ عبد کو اسم اور عبد کی جمع سمجھا جائے، اس صورت میں عبد کا عطف القردة والخنازير پر ہوگا، اور پُورے فقرہ کے معنی ہونگے کہ "انہیں بندر اور سُور اور پرستار شیطان بنادیا" طاغوت پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں، یہود رفتہ رفتہ کاہنوں کے بہت معتقد اور گرویدہ ہوگئے تھے، اور کہانت وغیرہ تمام شیطانی فنون اُن پر غالب آگئے تھے۔ اسی کو شیطان کی پرستاری سے تعبیر کیا گیا۔ عن ابن عباسؓ الطاغوت الكهنة وكل من اطاع احدا فی معصية الله فقد عبده (کشاف) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جب مصلحت دینی ہو تو مخالف کی ذم کو خوب ظاہر کردیا جائے اور یہ صبر و حلم کے منافی نہیں۔ ۲۱۳ (اسی دنیا میں) شَرٌّ مَّكَانًا ۔ آخرت میں کہ وہ مکان دوزخ ہے۔ شرّ کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے، اور مراد اس سے اہل مکان ہی۔ لان مكانهم النار واما المؤمنون فلا شر فی مكانهم (قرطبی) جعلت الشرارة للمكان وهی لاهله للمبالغة (مدارک) ۲۱۴ یعنی ان کے عقائد کفر و نفاق کو۔ ذکر ہے منافقین کا ہے، خصوصاً منافقین یہود کا، جو اپنے عقاید کفر کے باوجود اپنے کو مسلمان آبادی کے درمیان چالاکی سے چُھپائے رکھتے تھے هذه صفة المنافقين (قرطبی) ای منافقوا اليهود (جلالین) اِذَا جَاۗءُوْكُمْ ۔ یعنی یہ منافقین جب مسلمانوں کی مجلسوں میں آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ دَخَلُوْا بِالْكُفْرِ یعنی تمہاری مجلس کے اندر عقائد کفر لئے ہوئے آتے۔ خَرَجُوْا بِالْكُفْرِ ۔ یعنی تمہاری مجلس سے باہر وہی عقائد کفر لئے ہوئے واپس ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں مسلمانوں کی مجلس میں آنے سے نفع مطلق نہ ہُوا۔ جو کفریہ عقائد لے کر آئے تھے، وہی لے کر چلے بھی گئے۔ والمعنی انهم لم ينتفعوا بشیء مما سمعوه بل دخلوا كافرين وخرجوا كافرين (قرطبی)

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

دوست تو بس اللہ اور اُس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ

زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں ۲۰۱ اور جو کوئی

يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھیگا، سو بے شک اللہ ہی کا گروہ

ع ٨ ١٢ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

غالب ہے ۲۰۲ ، اے ایمان والو، جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی) مل چکی

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ہے اور وہ ایسے ہیں کہ اُنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا

اُن کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ ۲۰۳ اور اللہ سے ڈرتے رہو

اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اگر تم ایمان والے ہو ۲۰۴ اور جب تم نماز کے لئے پکار کرتے ہو ۲۰۵ تو

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ لوگ اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (بالکل) عقل سے کام

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ

نہیں لیتے ۲۰۶ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب، تم ہم سے بس یہی ضد رکھتے ہو نہ کہ ہم

۲۰۱ وَلِيُّكُمْ۔ یہاں ولی اس معنی میں ہے کہ وہ جس سے تمہیں دوستی رکھنا چاہئے یعنی تمہارے حقیقی دوست۔ اور خطاب اُمّتِ اسلامی سے ہے۔ اُوپر ذکر اس کا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ اب گویا ارشاد ہو رہا ہے کہ دوست اللہ اور رسول اور اہلِ ایمان کو بناؤ۔ فکانہ قیل لاتتخذوا اولٰئک اولیاء انما اولیاءکم اللہ تعالیٰ و رسولہ والمومنون فاختصوھم بالموالاۃ (رح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں ایسے شخص سے علیحدہ رہنے پر دلالت ہے جو اہل اللہ اور انکے طریق کے ساتھ تمسخر کرے۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ میں و حالیہ ہے۔ والواو للحال (کشاف)، ای یعملون ذٰلک فی حال الرکوع (کشاف) لیکن خود رکوع کے اس سیاق میں کیا معنی ہیں؟ رکوع یہاں بمعنی خشوع ہے نماز کی اصطلاحی ہیئت متعارف مراد نہیں۔ وھو الخشوع والاخبات والتواضع للہ اذا صلّوا و اذا زکّوا (کشاف)، والرکوع ھنا ظاھرہ الخضوع لا الھیئۃ التی فی الصلوٰۃ (بحر) مطلب یہ ہوا کہ انکی اقامتِ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ محض صورت ظاہری کے لحاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ صحیح کیفیت باطنی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ ۱؎ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ ۲؎ اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ ۳؎ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ غرض یہ کہ وہ لوگ عقائد اور اعمال بدنی و مالی اور اخلاص و اخلاق سب کے جامع ہونگے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مین ذکر میں اگر کسی ایسے شغل کا ہجوم و تقاضا ہو کر اگر اس سے فارغ نہ ہو تو اس کا قلب مشغول رہے تو اس سے جلد فارغ ہو جانا ہی مستحسن ہے۔ ۲۰۲ (یہ اعتبار اصل حقیقت کے گو بعض اوقات اس غلبہ کے آثار کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ظاہر نہوں) بہ قول مفسر تھانویؒ حقیقۂ ارفع تو مومنین ہی ہیں، گو حکمت ابتلاء وغیرہ کی بنا پر کسی خاص محل، مثلاً اس دنیا میں، اور کسی خاص وقت تک اس ارفعیت کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ واقعیت بجائے خود قائم ہے، خواہ اسکے آثار بعد ایک مدت کے اسی دنیا میں ظاہر ہو جائیں خواہ کسی دوسرے محل کے لئے، مثلاً آخرت میں اپنے ظہور کے اصلی اور مقدر وقت پر اُٹھا رہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ غلبہ کی تفسیر اگر قوت قلب سے کی جائے تو فہم سہل تر ہو جائے۔ اہل اللہ پر اسباب مغلوبیت کا ظاہراً کتنا ہی ہجوم ہو، لیکن ان کو ضعف و استکانت بوجہ توکل و تعلق مع اللہ کے نہیں ہوتا۔ ۲۰۳ جو لوگ دینِ حق سے تمسخر و استہزاء کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ وہ کتابی کافر ہوں یا غیر کتابی، اُن سے انقطاع تعلقات و دوستی کے باب میں یہ آیت ایک اور نص قطعی ہے۔ ذکر ھھنا النھی العام عن موالاۃ جمیع الکفار (کبیر) اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے مُراد ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ مشرکین سے مدد لینا ناجائز ہے۔ فیہ نھی عن الاستنصار بالمشرکین لان الاولیاء ھم الانصار (جصاص)، مِنَ الَّذِيْنَ میں مِن تبیین و تشریح کیلئے ہے۔ انتخاب تبعیض کے لئے نہیں۔ من للبیان (جلالین) اسلئے یہ معنی نہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک طبقہ اس قسم کا ہے، بلکہ مُراد ہے اہل کتاب جو سب کے سب اسی قماش کے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اور مفسر تھانوی دونوں نے اپنے اپنے ترجمہ میں یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وَالْكُفَّارَ۔ کفار سے مُراد کافر غیر کتابی ہیں۔ ای المشرکین وقد ورد بھذا المعنی فی مواضع من القراٰن (روح)، ۲۰۴ حکم اور بعض صورتوں میں ناخوشگوار حکم کی تعمیل اور ادائے فرض پر تقویٰ الٰہی ہی آمادہ کر سکتا ہے۔ اور خود تقویٰ ایمان کی پختگی کے لوازم میں سے ہے۔ امرھم بتقوی اللہ فانھا ھی الحاملۃ علی امتثال الاوامر و اجتناب النواھی و نبھہم علی الوصف الحامل علی التقوٰی وھو الایمان (بحر)

۲۰۵ اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے۔ اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ دوسرے مذہبوں میں اوّل تو روزانہ عبادت اجتماعی کا دستور ہی نہیں (چہ جائیکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ!) اور پھر روزانہ یا ہفتہ وار جب کبھی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے، تو اس موقعہ پر کام گھنٹہ کی ٹھناٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے! ——— یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلانِ دعوت کا طریقہ ایسا نکالا، جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہی ہے! اذان میں ہوتا کیا ہے؟ نہ باجہ نہ گانا۔ نہ جرس نہ ناقوس، نہ قومی نغمہ نہ ملّی ترانہ بس اللہ کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا! الفاظ کل یہی ہوتے ہیں، کہ:۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ (چار بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ (دو بار) لپکو نماز کی طرف۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (دو بار) لپکو فلاح و بہبود کی طرف۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دو بار) نماز نیند سے کہیں بہتر ہے (صرف نماز فجر کے وقت) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دو بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرمائیے، اس سے پاکیزہ تر پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس وسیع کرۂ ارض کے جس قطعہ میں جہاں بھی کوئی مسجد ہے، مؤذن اس پاک گھر میں خود بھی پاک و صاف ہو کر، باوضو کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر، اللہ کی کبریائی، اللہ کی یکتائی، محمدؐ کی رسالت کی منادی بلند آواز سے کرتا رہتا ہے۔ اور لوگوں کے لئے عبادت و فلاح کی دعوت بغیر کسی مادّی آلہ کی مدد کے فضا میں پانچ بار ہر روز بلند ہوتی رہتی ہے! ——— ظالم اسی صدائے خیر و فلاح کو روکنا اور بند کرنا چاہتے تھے۔ غیر قوم والے اس قدرتی لحن سے جس طرح متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۲۰۶ اس پاکیزہ صدا کا کونسا جزو آخر قابل مضحکہ ہے؟ کونسا پہلو اس کا قابل تمسخر ہے؟ اتنا صحیح، سچا، سنجیدہ پیام آخر کس اعتبار سے ناقابل التفات ہے؟ ——— اور جو اِسے قابل تحقیر سمجھیں کیا اُن کی انتہائی بے عقلی، کج فہمی پر کسی مزید دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے؟ اِتَّخَذُوْهَا میں ضمیر صلوٰۃ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور ندا (اذان) کی طرف بھی۔ الضمیر للصلوٰۃ او للمنادۃ (کشاف) سیاق کے لحاظ سے اذان ہی مُراد لینا بہتر ہوگا۔

۱۹۴ (اور اُس وقت یہودی ساہوکاروں سے دوستانہ تعلقات کام آئینگے) دائرۃ ۔ مُراد ہے گردشِ زمانہ سے کوئی اتفاقی مُصیبت مثلاً قحط، گرانی، شکست جنگ وغیرہ۔ قال الواحدی الدائرۃ من دوائر الدھر کالدولۃ وھی التی تدور من قوم الی قوم (کبیر) والدائرۃ ھی التی تخشٰی کالھزیمۃ والحوادث المخوفۃ (کبیر) من دوائر الزمان ای صرف من صروفہ و دولۃ من دولہ فیحتاجوا الیھم (کشاف) اَلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ مَّرَضٌ سے مُرادمنافقین مدینہ ہیں۔ یہی ان احکام امتناعی کے باوجود یہودی مہاجنوں ساہوکاروں سے برابر رشتۂ موالات قائم کئے ہوئے تھے۔ مرض سے مراد شک و نفاق کا مرض ہے۔ مرض شک ونفاق والمراد ابن ابی واصحابہ (قرطبی) المنافقون مثل عبداللہ بن ابی واصحابہ (کبیر) فَتَرَی میں خطاب عام ہے، یعنی اے دیکھنے والے۔ فِیۡھِمۡ یعنی اُنکی دوستی کی طرف جن سے اُن کا لین دین جاری تھا۔ ای فی موالاتھم ومعاونتھم (بیضاوی۔ قرطبی) فی مودۃ الیھود و نصاری نجران لانھم کانوا اھل ثروۃ وکانوا یعینونھم علیٰ مھماتھم ویقرضونھم (کبیر) یَقُوۡلُوۡنَ ۔ یعنی

فَعَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَيُصۡبِحُوۡا

لیکن کیا عجب کہ اللہ (کامل) فتح ہی دیدے، یا اور کوئی خاص بات اپنی طرف سے (کردے)، تو اس وقت یہ اپنے

عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوۡلُ

پوشیدہ دلی خیالات پر شرمندہ ہو کر رہیں۔ ۱۹۵ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ

حیرت سے کہیں گے، ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں بڑے زور و شور سے کھایا کرتے تھے کہ

اَيۡمَانِهِمۡ ۙ اِنَّهُمۡ لَمَعَكُمۡ ؕ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا

ہم تمہارے ساتھ ہیں! ۱۹۶ ان کے عمل (سب) غارت گئے اور یہ لوگ گھاٹے میں

خٰسِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ

آگئے ۱۹۷ اے ایمان والو، تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے، سو

فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى

اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود میں) لے آئیگا، ۱۹۸ جنہیں وہ چاہتا ہوگا اور وہ اُسے چاہتے ہونگے ایمان

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ

والوں پر وہ مہربان ہونگے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد

سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ

کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے ۱۹۹ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ

اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا

جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے ۲۰۰ تمہارے

مسلمانوں سے بطورِ حیلہ بازی اور سخن سازی کے کہتے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ میں جو پُرقوت جتھا عبداللہ بن اُبی کی سرداری میں منافقوں کا تھا، وہ برابر متمول یہود و نصاریٰ سے لین دین جاری رکھے ہوئے تھا، اور مسلمانوں سے کہتا رہتا کہ کل کی کیا خبر، اگر کہیں یہی لوگ تم پر غالب آگئے، یا اور کوئی مصیبت ہم تم پر پڑی تو بغیر ان لوگوں سے مدد لئے کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اسلئے انہیں ساتھ لئے رہنا ضروری ہے۔

۱۹۵ اور شرمندگی بھی کیسی، دُہری بلکہ تہری تہری شرمندگی اٹھانا پڑے۔ پہلی کھسیاہٹ تو اسی کی کہ سمجھے کیا تھے، اور ہوا کیا۔ دوسری جھنجھلاہٹ اپنی رسوائی پر جو نفاق کمبخت کی بدولت ظہور میں آئی۔ تیسرا غصہ اپنی اس ناکامی پر کہ ادھر کافروں سے دوستی کچھ آڑے نہ آئی، اور اُدھر مسلمانوں سے بھی بُرے بنے! عَسَی اللّٰہُ ۔ عسیٰ کے لئے اُوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب اس کا تعلق حق تعالیٰ کے کسی فعل سے ہوتا ہے تو معنی میں شک و احتمال نہیں رہتا، بلکہ مفہوم یقین کا پیدا ہوجاتا ہے۔ یَاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ ۔ یہ فتح مسلمانوں کو اُنہی کافروں کے مقابلہ میں حاصل ہوگی جو آج ان منافقوں کی امیدوں کا سہارا اور جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ ۔ اللہ کی طرف سے کوئی خاص بات، مثلاً اُنہی منافقین کی پردہ دری ان کے ناموں کی تعیین کے ساتھ۔ ۱۹۶ (لیکن اب تو حقیقت حال کچھ اور ہی ظاہر ہورہی ہے) یہ کہنے والے مومنین ہونگے اور آپس میں کہیں گے جب منافقین کا نفاق کھل کر رہیگا۔

۱۹۷ (آخرت اور دنیا دونوں میں) استحقوا اللعن فی الدنیا والعقاب فی الاٰخرۃ (کبیر) دنیا میں یوں کہ کافروں کی معاونت لاحاصل نکلی، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل کر رہی۔ اور آخرت میں یُوں کہ اُن کی ظاہری نیکیاں بالکل بے وزن نکلیں۔ اَعۡمَالُھُمۡ میں اعمال سے اُن کے وہ اعمال تو مراد ہیں ہی جن پر انہیں طاعات ہونے کا گمان تھا، لیکن ان سے مراد اُن کی منافقانہ کارروائیاں اور دو رُخی چالیں بھی ہوسکتی ہیں۔ ۱۹۸ (اِن مرتدوں کے بجائے، دین کی خدمت کے لیے) سو کسی فرد یا جماعت کے ارتداد سے دین اسلام یا خدائے اسلام کو مطلق ضرر نہیں۔ ۱۹۹ (دین و جہاد کے باب میں) یُحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ ۔ قرآن مجید نے اسے بار بار صاف کیا ہے کہ خدائے اسلام بعض مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح ایک بے جان و بے حس مشین اور محض علت العلل نہیں۔ وہ خوش بھی ہوتا ہے اور ناخوش بھی۔ وہ پسند بھی کرتا ہے اور ناپسند بھی۔ وہ حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ یہاں یہ بتایا کہ وہ فلاں فلاں اوصاف والوں کو پسند کرتا ہے، اور وہ لوگ بھی اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۔ یہی مضمون سورۃ الفتح، رکوع ۴ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم۔ اَذِلَّۃٍ کے معنی ہیں نرمی و شفقت سے لبریز۔ ای یرافون بالمومنین ویرحمونھم ویلینون لھم (قرطبی) لیس المراد بکونھم اذلۃ ھو انھم بل المراد المبالغۃ فی وصفھم بالرفق ولین الجانب (کشاف) اَعِزَّۃٍ ۔ کے معنی ہیں غالب، سخت مستقل۔ ای اشدآء اغلاظ علی الکفار یعادونھم ویغالبونھم (امام) ھم فی الغلظۃ علی الکفار کالسبع علیٰ فریستہ (ابن عباس) یُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۔ مجاہدوں کے ساتھ ہر جگہ فی سبیل اللہ کی قید لگی رہنا بے معنی نہیں نفس مجاہدے اور سخت قسم کی مشقتیں مشرک، ملحد، منافق سب ہی اپنے اپنے دنیوی، ملکی، وطنی، شخصی، قومی اغراض و مقاصد کیلئے کیا کرتے ہیں، جیل جاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، گولیاں سینہ پر لیتے ہیں، پھانسی پر چڑھ جاتے ہیں۔ مومن مسلم کی شان امتیازی یہ ہے کہ اسکے مجاہدے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، جو بھی ہوں اللہ کی راہ میں، رضائے الٰہی کی غرض سے، دین خدا کی سربلندی کی خاطر ہوں۔ لَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ۔ یہ شان مومنین مخلصین کی ہے۔ برخلاف منافقین کے کہ وہ اگر جہاد میں شریک ہوتے بھی ہیں تو دبے دبائے، شرمائے ہوئے، کافروں کی طعنہ زنی سے ڈرے سہمے ہوئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اہل طریق کے طرز عمل کی تصریح آگئی۔ ۲۰۰ ذٰلِکَ ۔ اشارہ ایمان اور اُن اوصاف عمل کی جانب ہے جو ابھی اوپر بیان ہوچکے۔ اشارۃ الی ما تقدم من الاوصاف (بیضاوی) وَاسِعٌ ۔ اُس کے ہاں کی وسعتوں اور گنجائشوں کا کیا پوچھنا۔ وہ چاہے تو سب ہی کو ان اوصاف سے متصف کردے۔ عَلِیۡمٌ لیکن اس کا علم بھی تو ہمہ گیر و دقیق ترین ہے۔ وہ اُنہی کو اِن اوصاف سے متصف کرتا ہے جو اُس کے علم کامل میں اس کے اہل ہوتے ہیں۔ ۶

اُسی کے حضور میں ہونا اور اُسی سے سابقہ پڑنا ہے۔ اس میں رَدّ آگیا اُن تمام مشرکانہ خیالات کا جن کا ماحصل یہ ہے کہ حشر کی دادرسی بجز حق تعالیٰ یا علاوہ حق تعالیٰ کے کسی اور کے سپرد ہوگی۔ یُنَبِّئُکُمْ خبر دینا یہاں محض اطلاع دینے کے معنی میں نہیں، بلکہ جزا دینے پر بھی شامل ہے۔ ای نیفعل بکم من الجزاء الفاصل بین الحق والباطل (روح) فالانباء هنا مجاز عن المجازاة بما فیها من تحقق الامر (روح) ١٨٤ (اے پیمبر!) فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ یعنی ان اہلِ کتاب خصوصاً یہود کے درمیان فیصلہ کیجئے جب وہ اپنا مقدمہ آپکے سامنے لائیں۔ آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اُوپر آچکا تھا، دوبارہ اس کا ورود تاکید کیلئے ہے۔ وتکرر وان احکم بینهم للتاکید (قرطبی) بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد قرآن مجید کا ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن اگر توریت وانجیل ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اُن کتابوں کے بھی ٹھیک الہامی اور وحی شدہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کیجئے۔ نہ کہ اُن اضافوں اور تحریفوں کے مطابق جو انہوں نے اپنے دل سے اُن کتابوں میں کرلئے ہیں۔ اهواءهم۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حکم دو مختلف مسئلوں کے بارہ میں ہے، اسلئے تکرار صرف ظاہری ہے حقیقی نہیں۔ لیس بتکرار لما تقدم من مثله لانهما نزلا فی شیئین مختلفین احدهما فی شان الرجم والآخر فی التسویة بین الدیات (جصاص)

١٨٥ اس حذر کا التزام اور اتنی احتیاط کا اہتمام ہر بار کرتے رہنا بہ قول مفسر تھانویؒ خود باعثِ اجر ہے۔ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ۔ رسولؐ معصوم کا کسی حکم الٰہی سے بچلنا قصد وعمد سے تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ سہو ونسیان ہی کی بنا پر ہوگا۔ اور یہیں سے بعض محققین نے پیمبر کیلئے جوازِ نسیان پر استدلال کیا ہے۔ وفی الایة دلیل علی جواز النسیان علی النبی صلعم (قرطبی) قال اهل العلم هذه الایة تدل علی ان الخطاء والنسیان جائزان علی الرسول (کبیر) ١٨٦ (اسی دنیا میں) بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ۔ جرموں سے یہاں مراد یہود کا فیصلہ قرآنی اور تحکیم رسول سے انکار ہے۔ یعنی ذنب التولی عن حکم الله سبحانه وتعالیٰ (بیضاوی) یہ حقیقت مدِ نظر رہے کہ کفر یا محض بدعقیدگی کی سزا آخرت پر رکھی گئی ہے لیکن

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

عمل کیجئے ١٨٤ اور اُن لوگوں سے احتیاط رکھیے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں، آپ پر اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم

اِلَیْکَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ

سے ١٨٥ پھر اگر یہ رُوگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ کو بس یہی منظور ہے کہ انکے بعض جرموں پر انہیں

بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

پاداش کو پہنچائے ١٨٦ اور یقیناً زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے آئے ہیں ١٨٧ تو کیا یہ لوگ زمانہ

اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکْمًا

جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ ١٨٨ اور جو قوم یقین (وایمان) رکھتی ہے اس کے نزدیک اللہ سے بہتر

لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

فیصلہ کس کا ہوسکتا ہے؟ ١٨٩ اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو

الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۭ وَ

دوست مت بنانا ١٩٠ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ١٩١ اور

مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی

تم میں جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا ١٩٢ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

راہ نہیں دکھاتا ١٩٣ اسی لئے تو ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے اُن کی طرف

یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ ۭ

دوڑتے ہوئے دیکھتا ہے (وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہم پر کہیں کوئی وقت نہ پڑ جائے ١٩٤

منزل ٢

حربیت یا دنیا میں فتنہ وفساد پھیلانے کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہے۔ چنانچہ یہود کو قید کی، جلاوطنی کی، اور قتل کی سزا پاتے سب نے اسی دنیا میں دیکھ لیا۔ بِبَعْضِ کا لفظ لانے سے اظہارِ عظمت واہمیت مقصود ہے۔ جیساکہ لفظ کے نکرہ لانے سے ہوتی ہے۔ فیه دلالة علی التعظیم کما فی التنکیر (بیضاوی) هذا الابهام فیه تعظیم التولی وفرط اسرافهم فی ارتکابهم (کبیر) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ رُوگردانی آپکے فیصلہ سے ہوگی، جو عین حکم قرآنی کے مطابق ہوگا۔ عن الحکم المنزل واراد واغیره (بیضاوی) ١٨٧ (اسلئے آپ زیادہ رنج وتردد میں نہ پڑیں) النَّاس سے مراد عام نوعِ انسانی بھی لی گئی ہے، اور قوم یہود بھی جن کا ذکر برابر چلا آرہا ہے۔ والمراد من الناس العموم وقیل الیهود (روح) ظاهر الناس العموم ویحتمل ان یکون الناس للعهد وهم الیهود الذین تقدم ذکرهم (بحر) ١٨٨ (حالانکہ اُس دور سے خود ہی پناہ مانگتے ہیں) یہود ونصاریٰ کو قائل کیا جارہا ہے کہ تم جو اسلام کے قانون سے گریز کررہے ہو، تو یہ تو عمداً دورِ جاہلیت ہی کی طرف واپس جانا ہوا جس قانون کی بنیاد تمامتر عدل اور مبنی انصاف پر ہے، وہ تو اسلام ہی کا خدائی قانون ہے۔ ورنہ جاہلی قوموں کے قانون کا عملدرآمد تو اسی اصل اصول پر رہا ہے (اور دورِ جاہلیت عرب اس سے مستثنیٰ نہ تھا) کہ زبردست کا ساتھ دو، جو قوی ہو اُسے قوی تر کردو، اور زیردستوں کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ خود یہود اہلِ کتاب وصاحبِ شریعت ہونے کے باوجود اس فضا سے اس حد تک متاثر ہوچکے تھے کہ اُنکے دو فرقے بنو نضیر اور بنو قریظہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے، اُن میں بنو نضیر چونکہ زبردست تھے اسلئے انہوں نے قاعدہ یہ مقرر کرلیا تھا کہ قتل وغیرہ کے معاملات میں دیت کی جتنی رقم خود دیتے، اس کی دوگنی شرح سے بنو قریظہ سے وصول کرتے! اَلْجَاهِلِیَّةِ۔ جاہلیت پر حاشیہ پ٤ آل عمران، آیت ١٥٤ میں گزر چکا ہے۔ قانون جاہلیت کا اطلاق ہر ایسے قانون پر ہوگا۔ جو خدائی اور آسمانی قانون کے مقابلہ میں بشری دماغ نے تراشا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں بڑے سخت الفاظ میں اور بہت تفصیل کے ساتھ اُن لوگوں کی گرفت کی ہے، جو خدائی قانون کے مقابلہ میں، اور اُسے کُلاً یا جزءاً بے دخل کرکے غیر قوموں کے قانون چلانے میں، یا بشری اختراعات کو دخل دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا ہے، جن سے جہاد واجب ہے۔ پوری عبارت گو طویل ہے لیکن پیشِ نظر رکھنے کے قابل۔ ینکر تعالیٰ علی من خرج عن حکم الله المحکم المشتمل علی کل خیر الناهی عن کل شر وعدل الی ما سواه من الآراء والاهواء والاصطلاحات التی وضعها الرجال بلا مستند من شریعة الله کما کان اهل الجاهلیة یحکمون به من الضلالات والجهالات بما یضعونها بآرائهم واهوائهم وکما یحکم به التتار من السیاسات الملکیة المأخوذة عن ملکهم جنکزخان الذی وضع لهم الیاسق وهو عبارة عن کتاب مجموع من احکام قد اقتبسها عن شرائع شتی من الیهودیة والنصرانیة والملة الاسلامیة وغیرها وفیها کثیر من الاحکام اخذها من مجرد نظره وهواه فصارت فی نبیه شرعا متبعا یقدمونه علی الحکم بکتاب الله وسنة رسول الله فمن فعل ذلک فهو کافر یجب قتاله حتی یرجع الی حکم الله ورسوله فلا یحکم سواه فی قلیل ولا کثیر ١٨٩ شریعتِ الٰہی سے بڑھکر عادلانہ وحکیمانہ، صحیح ومناسب قانون اور کون ہوسکتا ہے لیکن اتنی موٹی سی بات بھی محسوس وہی کرتے ہیں۔ جن کی عقلیں شرک والحاد کے زنگ سے صاف اور ایمان وایقان کی روشنی سے منور ہوتی ہیں۔ ١٩٠ (جو صاحب کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے منکر بلکہ اسکے باغی ہیں) اَوْلِیَآءَ۔ ولی کی جمع ہے۔ اور ولی کا اطلاق دوست، قریبی اور ناصر ومددگار سب پر ہوتا ہے۔ یہاں جس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، وہ تعلق دوستی، محبت، قربِ اختصاصی کا ہے۔ رہا عدل وحُسنِ سلوک، تو اسکا تعلق کفر واسلام سے نہیں۔ وہ تو ہر فرد بشر، بلکہ ہر مخلوق کے حق میں لازمی ہے۔ ایک تیسری اور درمیانی صورت مصالحت ومعاملت کی رہ جاتی ہے تو وہ اہلِ اسلام کی اپنی مصلحت کے تابع ہے۔ صلح اور عہد وپیمان ہر کافر جماعت سے مشروع طریقہ پر کرسکتے ہیں۔ ممانعت قطعی صرف موالات یا دوستانہ اتحاد اور برادرانہ مناصرة کی ہے۔ هذا یدل علی قطع الموالاة شرعًا (قرطبی) ای لا تعتمد واعلی الاستنصار بهم ولا تودوا الیهم (کبیر) اور پھر یہ ممانعت جب اہلِ کتاب سے دوستی اور یگانگت کی ہے، جو توحید، سلسلۂ نبوت اور جزائے آخرت کے عقائد میں کم از کم اصولی طور پر تو مسلمانوں سے متحد ہیں، تو ظاہر ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں یہ ممانعت کتنی مؤکد اور اشد ہوگی جو مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی قدرِ مشترک نہیں رکھتے ــــــ یہ نہ بھی ہو، جب بھی کافر کتابی کے درجہ میں تو وہ بہرحال رہینگے۔ فاذا امرنا بمعاداة الیهود والنصاریٰ لکفرهم فغیرهم من الکفار بمنزلتهم (جصاص) ١٩١ (اپنی مناسبت باہمی اور اسلام سے عداوت مشترک کی بنا پر) مطلب یہ ہوا کہ یہودی یہودی اور نصرانی نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہی ہیں، باقی خود یہود ونصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے کم از کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر دونوں متحد ہیں۔ انکے آپس میں اگر تمہارے خلاف ساز باز ہوجائے تو کچھ تعجب نہیں، لیکن تم جو اہلِ ایمان ہو، تم میں اور منکرینِ قرآن میں مناسبت ہی کیا، اور اشتراک کیسا؟ آج جبکہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں (جمادی الثانی ١٣٥٥ھ، ستمبر ١٩٣٦ء) فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف یہود اور نصرانیوں کا ساز باز قرآن مجید کی اس پیش خبری کی معجزانہ تصدیق پیش کررہا ہے۔ ١٩٢ یعنی وہ بھی انہی میں داخل وشامل اور انہی کا ایک جزو یا ضمیمہ سمجھا جائیگا۔ ای من جملتهم وحکمه حکمهم وهذا تغلیظ من الله وتشدید فی وجوب مجانبة المخالف فی الدین (مدارک) غیروں، بیگانوں، اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے اور مسلمان اپنی یکجہتی سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے ــــــ قومی تشخص اور ملّت کی خودی کے لئے لازمی ہے کہ ملّتِ اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں سے بالکل ممنوع قرار دے دیئے جائیں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ خلاملا، میل جول زیادہ رکھتے ہیں، انکے اندر سے فہمِ دین اور دینی تصلب اور ملّی خودداری رخصت ہوجاتی ہے۔ حدیث نبوی میں دوسری قوموں کے وضع ولباس اختیار کرنے، اُن سے تشبّہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے، وہ عجب نہیں کہ انہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔ ١٩٣ یعنی دین کی سمجھ اور غیرتِ ملّی ایسے لوگوں سے سلب ... الذین ظلموا انفسهم بموالاة الکفرة (مدارک)

۱۷۲ قرآن مجید بار بار یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نامی کوئی کتاب وحی یا الہام کی گئی تھی۔ اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے معدوم ہے۔ اور آئندہ کے کسی اسلامی محقق کا کام یہ پتہ لگانا ہے کہ آخر یہ کتاب آسمانی ہوئی کیا؟ اور لب اور لیسے غائب ہوئی
معہد نامہ جدید" جسے عوام انجیل کا مرادف سمجھتے ہیں، اسکے کتاب الٰہی یا آسمانی ہونے کا دعویدار تو کوئی بھی نہیں نہ عیسائی نہ غیر عیسائی۔ وہ تو حضرت عیسیٰ کے کچھ ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، آپکے بہت بعد مجہول الحال لوگوں کے لکھے ہوئے
غذی۔ یعنی عقائد و مسائل صحیحہ۔ نُورٌ یعنی واضح احکام عملی۔ ۱۷۳ انجیل کی اصطلاح میں "شریعت" (۱۷۳) سے مراد شریعت موسوی یا توریت ہوتی ہے اور اسکی بابت موجودہ انجیل میں تصریح موجود ہے کہ "آسمان اور زمین کا
ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے ہٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا-۱۶: ۱۷)۔ ۱۷۴ یعنی نفع اس سے صرف پرہیزگار ہی اٹھائینگے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسکے مخاطب اُس ملک اور زمانہ کے عام و خاص سب ہی تھے۔ ۱۷۵ خود انجیل مروجہ کی تعلیم اس سلسلہ میں یہ ہے۔
"جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑیگا اور یہی آدمیوں کو سکھائیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا لیکن جو ان پر عمل کریگا اور انکی تعلیم دیگا، وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" (متی-۵: ۱۹)۔ مگر ایک لطیفہ
یہ ہے کہ موجودہ "انجیل" میں احکام قانونی کا حصہ کہنا چاہیئے کہ بس برائے نام ہی ہے۔ فوجداری اور دیوانی کے قانون کے بیسیوں باب سرے سے خالی ہیں۔ اخلاقی مواعظ انکے بجائے البتہ ملتے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ پچھلی شریعتوں
سے جو حصہ منسوخ نہیں ہوا ہے وہ اس معنی میں اب بھی واجب العمل ہے کہ وہ اب عین ہماری شریعت کا جزو بن گیا اور اسی میں شامل ہوگیا ہے۔ فیہ دلالۃ علی ما لم ینسخ من شرائع الانبیاء المتقدمین فہو ثابت علی معنی انہ
صار شریعۃ النبی صلعم (جصاص) انہم ما مورون باستعمال احکام تلک الشریعۃ علی معنی انہا قد صارت شریعۃ للنبی علیہ السلام (جصاص) ۱۷۶ ظاہر ہے کہ آیت کا خاص تعلق اہل انجیل ہی سے ہے۔ مسیحیوں ہی کو حکم مل رہا ہے کہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اس میں نازل کیا ہے اُسکے مطابق فیصلہ کریں ۱۷۶ اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
نہ کرے، تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں ۱۷۷ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے سچائی کے
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
ساتھ، تصدیق کرنیوالی اُن کتابوں کی جو اس سے پیشتر اتر چکی ہیں اور اُن پر
مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
محافظ ۱۷۸ تو آپ اُن لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے اور
اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
اُن لوگوں کی خواہشوں پر عمل نہ کیجئے ۱۷۹ اُس سچائی سے الگ ہوکر جو آپکے پاس آچکی ہے ۱۸۰ تم میں سے ہر ایک
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
کیلئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی ۱۸۱ اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی اُمت بنا دیتا ۱۸۲
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى
لیکن (اُسنے ایسا نہیں کیا) تاکہ تمہیں آزماتا رہے اُسمیں جو وہ تمہیں دیتا رہا ہے، تو تم نیکیوں کی طرف لپکو ۱۸۳ اللہ
اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸
ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں وہ بتا دیگا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو ۱۸۴ اور
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ
آپ اُن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہیئے اسی (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اُنکی خواہشوں پر

جب دعویٰ انجیل کے ماننے کا ہے تو عمل بھی اُسی کتاب الٰہی کے مطابق و ماتحت ہونا چاہیئے۔ وقد تقدم ان ھذہ الآیۃ نزلت فی النصاریٰ وھو ظاھر من السیاق (ابن کثیر) امر القسیسین والرھبان ان یحکموا بما فی الانجیل (معالم) قال الاصم فی النصاریٰ (کبیر) آیت کو آج مسلمانوں پر چسپاں کرنا، خوارج کی دعابت کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہوجانا ہے۔ ۱۷۷ (اے پیغمبر!) توریت و انجیل کے بعد اب ذکر قرآن مجید کا شروع ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی ایسی کتاب جو بجائے خود سچی ہے، ہر شک و کذب سے برتر۔ ای بالامر الحق (قرطبی) یعنی بقولہ بالحق الصدق ولا کذب فیہ ولا شک انہ من عند اللہ (ابن جریر) مِنَ الْكِتٰبِ۔ کتاب بطور اسم جنس آیا ہے۔ من جنس الکتب (قرطبی) مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ۔ تصدیق کرنے والی اُن پچھلی کتابوں کی کہ وہ بھی منزل من اللہ ہی ہیں۔ اس تصدیق سے اُن کتابوں کی تحریفات و تصحیفات کی تصدیق ہرگز لازم نہیں آتی۔ مُهَيْمِنًا۔ مُهَيْمِنٌ کے لفظی معنی ہیں حفظ و نگہبانی کرنیوالا۔ اصل المھیمنۃ الحفظ والارتقاب (ابن جریر) مراد یہ کہ قرآن ہی سب اگلی کتابوں کیلئے معیار صحت و صداقت ہے۔ شھیدًا علی الکتب کلھا ویقال امینًا علی الکتب مصدقًا موتمنًا علیہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال قتادۃ معناہ الشاھد وقیل الحافظ (قرطبی) قال بعضھم معناہ شھیدًا و قال بعضھم معناہ امینًا علیہ (ابن جریر) عن ابن عباس ای شاھدًا علیہ وھو قول مجاھد وقتادۃ والسدی والکسائی (معالم) قال سعید بن جبیر وابو عبیدۃ مؤتمنًا علیہ (معالم) محقق ابن کثیر نے "حاکم" اور "امین" اور "شہید" اور "موتمن" وغیرہ متعدد معنی نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ سب قریب المعنی ہیں اور مُهَيْمِن کا مفہوم ان سب پر شامل ہے۔ اور قرآن سب کتابوں کی خاتم اور سب سے اکمل و اعظم و اشمل ہے۔ ھذہ الاقوال کلھا متقاربۃ المعنی فان اسم المھیمن یتضمن ھذا کلہ فھو امین وشاھد وحاکم علی کل کتاب قبلہ جعل اللہ ھذا الکتاب العظیم الذی انزلہ اٰخر الکتب وخاتمھا اشملھا واعظمھا و اکملھا۔ مجاہد تابعی کی جانب منسوب ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مھیمن سے مراد ذات محمدی ہے اور علیہ میں ضمیر قرآن (الکتاب) کی طرف ہے گویا محمد صلعم قرآن پر بطور مھیمن کے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی نقل میں کہیں غلطی ہوگئی ہے۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ معنی تو قواعد عربیت کے لحاظ سے غلط ہیں۔ اگر یہی مُراد ہوتی تو، مصدقًا اور مھیمنًا کے درمیان واو عطف نہ ہوتا عطف کے بعد تو دونوں صفتیں ایک ہی موصوف، قرآن کی ہو سکتی ہیں۔ وھذا التاویل بعید من المفھوم فی کلام العرب بل ھو خطأ و ذلک ان المھیمن عطف علی المصدق فلا یکون الا من صفۃ ما کان المصدق صفۃ لہ (ابن جریر) قرآن مجید کی دو صفتیں پہلے بیان ہوچکی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ بذاتِ خود صحیح اور سچی ہے، دوسری یہ کہ وہ قبل کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تیسری صفت مھیمن کی اب بیان ہوئی۔ مصدق و مھیمن۔ ان دو صفات کے لانے سے قرآن مجید کی دو حیثیتوں کو بیان کرنا ہے۔ ایک یہ کہ سابق کتابوں کے کل مضامین اسکے اندر آگئے۔ اور اس میں جمع و محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن اُن کتابوں پر بطور نگران کے بھی کام دیگا یعنی اُنکی تحریفات و تصحیفات کیلئے معیار کا کام بھی دیگا۔ ۱۷۸ (جیسا کہ آپ کبھی نہیں کیا ہے) مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق جواب سب کے سب قرآن میں محفوظ ہیں۔ ای بما فی القرآن (مدارک) بَيْنَهُمْ۔ یعنی اہل کتاب کے درمیان، جبکہ اُنکے معاملات آپکے سامنے پیش ہوں۔ ای بین الیھود (کبیر) ای بین اھل الکتاب کما قال ابن عباس (روح) ۱۷۹ (یعنی وہ سچائی وحی الٰہی کی روشنی ہے) ای بالقرآن والوحی الذی نزلہ اللہ تعالیٰ علیک (کبیر) ۱۸۰ خطاب عام ہے نوع انسان بھی مراد ہوسکتی ہے اور اہل کتاب بھی۔ ایھا الناس (مدارک۔ بیضاوی) ایھا الامم الباقیۃ (روح) شِرْعَةً سے مراد ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب ہے، اور منھاج اُس پیمبر کا تعامل یا سُنت ہے۔ گویا یہ بتادیا کہ کتاب و سُنت کی دوگونہ نعمت قدیم موحد قوموں کے حصہ میں بھی ودیعت رہی ہے۔ عن ابن عباس سبیلًا وسُنۃً وکذا روی عن مجاھد وعکرمۃ وحسن البصری وقتادۃ وضحاک والسدی (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ شرعۃ سے مراد مطلق شریعت ہے اور منھاج سے مراد کمالاتِ شریعت۔ قال اٰخرون بینھما فرق فالشرعۃ عبارۃ عن مطلق الشریعۃ والطریقۃ عبارۃ عن مکارم الشریعۃ وھی المراد بالمنھاج فالشریعۃ اول والطریقۃ اٰخر وقال المبرد الشریعۃ ابتداء الطریقۃ والطریقۃ المنھاج المستقیم (کبیر) ۱۸۱ (اور آپس میں کوئی دینی اختلاف باقی ہی نہ رکھتا کہ سب دین حق پر متحد و متفق ہوتے) ای فجعل شریعتکم واحدۃ فکنتم علی الحق (قرطبی) فجمع الناس کلھم علی دین واحد وشریعۃ واحدۃ (ابن کثیر) وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مشیتِ تکوینی یہی ہوتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کو مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ مخاطبت یہاں ساری نوع انسانی یا مختلف اقوام سے ہے۔ ھذا خطاب لجمیع الامم واخبار عن قدرتہ (ابن کثیر) ۱۸۲ یعنی قانون اسلام کی طرف جو نام ہی نیکیوں اور بھلائیوں کے تسلسل کا ہے۔ الْخَيْرٰتِ۔ خیرات کا لفظ جامع ہے اس کا اطلاق نیکیوں کے جملہ اقسام پر ہوگا۔ المراد کل ما امر اللہ تعالیٰ بہ (مدارک) یہاں جبر و اختیار، خیر و شر کے پورے فلسفہ کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ اگر حکمت مطلقہ کا تقاضہ یہ ہوتا کہ سب کو یکساں راہ حق ہی پر رکھا جاتا تو تکوینیات کے قانون ہی دوسرے ہوتے۔ نہ یہ اختلاف عقول باہم باقی رکھا جاتا نہ یہ اختلاف طبائع، نہ یہ اختلاف استعدادات۔ سب انسان، اختلاف ماحول کے باوجود یکساں و یک رنگ ہوتے۔ بظاہر سب حق ہی پر ہوتے ملیکن حقیقۃً سب بے ارادہ، بے اختیار، مجبور مشین کی طرح حرکت کرتے رہتے لیکن مشیت تکوینی کو یہ منظور ہی نہ ہوا۔ اس لئے انسان کی خلقت و ترکیب ہی دوسرے طریق پر ہوئی۔ وہ فاعل مختار و بالارادہ بنا کر بھیجا گیا کہ اپنے قصد و ارادہ سے کام لیکر ایک راستہ کو چھوڑ، دوسرے کو انتخاب کرسکے۔ لِيَبْلُوَكُمْ۔ اس میں انسان کے صاحب ارادہ و اختیار ہونے کی غایت و مقصود کی جانب اشارہ کردیا گیا حق کا باطل سے مصلح کا فاسد سے، خیر کا شر سے انتخاب ہی بارادہ و اختیار کا صحیح استعمال ہے اور یہی انسان کی آزمائش۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔ یعنی طاعتوں کی طرف قدم بڑھاؤ، لپکو۔ ای سارعوا الی الطاعات (قرطبی) فقہاء نے لفظ استباق

الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ
کافر ہیں ١٦٥ اور ہم نے اُن پر اس میں یہ فرض کردیا تھا ١٦٦ کہ جان کا بدلہ جان

بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ
ہے اور آنکھ کا آنکھ اور ناک کا ناک اور کان کا

بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ
کان اور دانت کا دانت ١٦٧ اور زخموں میں قصاص ہے سو جو کوئی

تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
اُسے معاف کردے ١٦٨ تو وہ اُس کی طرف سے کفارہ ہوجائیگا ١٦٩ اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام)

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى
کے موافق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں ١٧٠ اور ہم نے اُن کے پیچھے

اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والے اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کے ١٧١

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ
اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نُور ہے ١٧٢

وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى
تصدیق کرنے والی اپنے قبل کی کتاب یعنی توریت کی ١٧٣ اور پرہیزگاروں کے لیے

وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ
ایک ہدایت اور نصیحت ١٧٤ اور اہل انجیل پر بھی لازم ہے کہ اللہ نے جو کچھ

١٦٥ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ بلکہ غیر شرعی احکام کو شرعی احکام قرار دیدے۔ اور انسانی قانون کو خدائی قانون کہہ کر چلائے۔ مقتدایانِ یہود کا اصلی اور سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے گڑھے ہوئے قوانین و مسائل کو خدائی قوانین و مسائل کہہ کر چلاتے تھے۔ فتویٰ خود اور اپنی طرف سے دیتے، اور کہتے کہ یہی مذہب کا حکم ہے۔ اتنی جسارت رکھنے والوں کے کفر میں شک ہی کیا ہوسکتا ہے۔ اور یہی تفسیر بعض اکابر تابعین سے منقول ہے۔ عن ابن زید قال من حکم بکتابہ الذی کتب بیدہ وترک کتاب اللہ وزعم ان کتابہ ھذا من عند اللہ فقد کفر (ابن جریر) اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ ومن لم یحکم میں مَنْ۔ اَلَّذِیْ کا مترادف ہے۔ اور آیت یہود کے حق میں ہے۔ من ھنا بمعنی الذی (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ وہ یہود جو احکام الٰہی رجم و قصاص وغیرہ کو مٹا کر اپنی تجویزوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کردیتے، وہ کافر ہوگئے۔ والتقدیر والیھود الذین لم یحکموا بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکفرون فھذا من احسن ما قیل فی ھذا (قرطبی) آیت سے خوارج نے بڑے زور و دعوے کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ مسلمان فاسق بھی کافر کے حکم میں داخل ہے، جب اُس نے غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ شروع کردیا، تو وہ کفر میں داخل ہوگیا لیکن یہ استدلال (خوارج کے دوسرے استدلالات کی طرح) تمامتر سطحی ہے۔ اسلئے کہ جس فیصلہ کا یہاں ذکر ہے اس کا تعلق عمل سے نہیں، بلکہ عقیدہ سے ہے اور وہ شخص کافر یقیناً ہوجاتا ہے، جو عقیدۃً بھی اللہ کے قانون کو غلط اور اپنے قانون کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ المراد بہ ھنا عمل القلب وھو التصدیق و لا نزاع فی کفر من لم یصدق بما انزل اللہ تعالیٰ (روح) آیت کے عام نہ ہونے بلکہ کفار خصوص یہود کے ساتھ مخصوص ہونے پر ابوصالح، عکرمہ، ضحاک، قتادہ وغیرہ تابعین کے علاوہ حذیفہؓ، ابن عباس صحابیؓ بلکہ خود نبی کریم صلعم تک کی سند موجود ہے۔ عن البراء بن عازب عن النبی صلعم فی قولہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون فی الکافرین کلھا (ابن جریر) عن ابی صالح قال الثلاث الآیات التی فی المائدۃ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون والظالمون والفاسقون لیس فی اھل الاسلام منھا شیء ھی فی الکفار (ابن جریر) عن الضحاک قال نزلت ھٰؤلاء الآیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن ابی جعفر قال انزلت فی الیھود والنصارٰی واھل الشرک او نحوا من ھذا (ابن جریر) عن عکرمۃ قال ھٰؤلاء الآیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن عبید اللہ بن عبد اللہ قال انما عنی بذلک الیھود وفیھم نزلت ھذہ الصفۃ (ابن جریر) عن ابن عباسؓ قال انما انزل اللہ تعالیٰ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون والظلمون والفاسقون فی الیھود خاصۃ (روح) قال البراء بن عازب وحذیفۃ بن الیمان وابن عباس وابو مجلز وابو رجاء العطاردی وعکرمہ وعبید اللہ بن عبد اللہ والحسن البصری وغیرھم نزلت فی اھل الکتاب (ابن کثیر) قال قتادۃ والضحاک نزلت ھٰذہ الآیات الثلٰث فی الیھود دون من اساء من ھٰذہ الامۃ (معالم) امام ابن جریر طبری حسب دستور، موافق و مخالف سارے اقوال کو نقل کرکے ترجیح اسی کو دیتے ہیں، کہ آیت کا تعلق صرف کفار اہل کتاب سے ہی کہ انہی کا ذکر سیاق میں بھی ہے۔ اور انہی کا ذکر سباق میں بھی، اور دُوسرے محققین مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ و اولی ھٰذہ الاقوال عندی بالصواب قول من قال نزلت ھٰذہ الآیات فی کفار اھل الکتاب لان ما قبلھا وما بعدھا من الآیات ففیھم نزلت وھم المعنیون بھا (ابن جریر) قال الشعبی ھی فی الیھود خاصۃ واختارہ النحاس (قرطبی) یعنون ان من جحد حکماً او حکم بغیر حکم اللہ تعالیٰ ثم قال ان ھذا حکم اللہ فھو کافر کما کفرت بنو اسرائیل حین فعلوا ذلک (جصاص) کفر کی ذمہ اگر کسی غیر خدائی قانون کے مطابق فیصلہ کرنیوالے مسلمان پر عائد ہوگی بھی، تو صرف اس صورت میں جب وہ بیّن و صریح حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کرے نہ اُس وقت جبکہ حکم کی دلالت ہی خفی ہو اور نادانستہ تعبیر ہی غلط کر رہا ہو۔ قال العلماء ھذا اذا رد نص حکم اللہ عیاناً فاما من خفی علیہ او اخطأ فی تاویل فلا (معالم) عکرمہ تابعی نے کہا ہے اور امام رازیؒ نے بھی اس قول کی تصویب کی ہے کہ جبتک کوئی کسی حکم الٰہی کو دل سے مان رہا ہے اور زبان سے اس کا اقرار کر رہا ہے، اس وعید کے تحت میں آ کیونکر سکتا ہے؟ عمل اُس کا اسکے مخالف ہی ہو، جب بھی وہ محض عاصی یا تارک کہا جائیگا نہ کہ منکر یا باغی۔ قال عکرمۃ قولہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ انما یتناول من انکر بقلبہ وجحد بلسانہ اما من عرف بقلبہ کونہ حکم اللہ واقر بلسانہ کونہ حکم اللہ الا انہ اتی بما یضادہ فھو حاکم بما انزل اللہ تعالیٰ۔ ولکنہ تارک لہ فلا یلزم دخولہ تحت ھذہ الآیۃ وھذا ھو الجواب الصحیح (کبیر) خارجیوں کے مذہب کی ہمارے زمانہ میں پھر زبردست تجدید شروع ہوئی ہے، بڑے بڑے خوشنما القاب و اسماء کے ساتھ۔ اور اس دعایۃ میں خاص کام اسی آیت سے لیا جاتا ہے، اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ آیت کی تفسیر مذہب اہل سنت کے مطابق ذرا تفصیل سے کردی جائے۔ ١٦٦ قتلِ عمد یا دانستہ ضرب رسانی کی صورت میں۔ عَلَيْهِمْ ضمیر یہود کی طرف ہے۔ ذکر انہی کا برابر چل رہا ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک دلیل اس امر کی ہے کہ من لم یحکم بما انزل اللہ کا تعلق بھی یہود ہی سے ہے۔ فِيْهَآ۔ ضمیر متفقہ طور پر توریت کی جانب ہے۔ وَكَتَبْنَا سے اسکی صراحت ہوگئی کہ توریت کی تعزیرات اللہ ہی کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ ١٦٧ موجودہ توریت میں اتنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود رہ گیا ہے:۔ ”اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہوجائے تو تو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ، دانت کے بدلہ دانت اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ پاؤں کے بدلہ پاؤں۔ جلانے کے بدلہ جلانا۔ زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ“ (خروج۔ ٢١: ٢٣۔ ٢٥) ”اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کہ اُسنے کیا ویسا ہی پائیگا۔ توڑنے کے بدلہ توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اُس سے ایسا ہی کیا جاوے“ (احبار ٢٤: ٢٠) ”اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا“ (استثنار۔ ١٩: ٢١) ١٦٨ بِهٖ۔ اس کو یعنی اس قصاص کو۔ اس بدلہ لینے کے حق کو۔ ای تصدق بالقصاص (قرطبی) وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ قصاص سے مُراد ہے کہ زخم محلِ قصاص ہیں ای ذات قصاص (بیضاوی) ای متقاصّۃ (قرطبی) ای یقتص فیھا (جلالین) ١٦٩ یعنی موجب اجر و ثواب، اور اس معاف کردینے والے کے گناہوں کے دُور ہونے کا باعث بن جائیگا۔ هُوَ۔ یعنی یہ معاف کردینا۔ یہ اپنے جائز حق سے دستبرداری۔ لَهٗ یعنی اس معاف کردینے والے کے حق میں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ اہل اللہ کی عادات میں داخل ہے۔ ١٧٠ (اپنے حق میں) یعنی بہت بُرا کام کرنے والے ہیں۔ یہود کا ذکر اب بھی چلا جارہا ہے پہلے ذکر یہ تھا کہ انکے اکابر و مشائخ اپنی طرف سے ایک فتویٰ گڑھ کردے دیتے ہیں اور اُسے شریعتِ الٰہی کی جانب منسوب کردیتے ہیں، ایسے لوگ اپنی اس حرکت سے یقیناً کافر ہوجاتے ہیں۔ فاولٰئک ھم الکافرون۔ اب ذکر انہی یہود کا ہے کہ یہ اجراءِ حدود قصاص میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تو یہ اپنے ہی اوپر ظلم کررہے ہیں۔ فاولٰئک ھم الظّٰلمون ملاحظہ ہو حاشیہ ١٦٥۔ ١٧١ یہ تصدیق خود موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے موجود ہے:۔ ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“ (متی۔ ٥: ١٧) اٰثَارِهِمْ میں ضمیر انبیاء اسرائیل کی جانب ہے۔ ای النبیین الذین اسلموا من قبلک یا محمد (ابن جریر) وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ۔ یعنی ہم نے انکے نقش قدم پر پیچھے پیچھے بھیجا۔ ان الفاظ میں اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ حضرت مسیحؑ اسی طرح کے ایک نبی تھے جیسے کہ انکے قبل بنی اسرائیل میں اور نبی ہوچکے تھے، انکی شخصیت اور اُنکی وحی دوسرے انبیاء کی شخصیت اور وحی سے کچھ مختلف نہ تھی۔

فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

جب بھی یہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو انکے درمیان (قانون)

بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ

عدل کے مطابق فیصلہ کریں ١٥٣ بیشک اللہ عدل کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے ١٥٤ اور آپ سے یہ کیسے فیصلہ کراتے

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ

ہیں درانحالیکہ انکے پاس توریت موجود ہے ١٥٥ اور اس میں اللہ کا حکم (درج) ہے ١٥٦ - پھر اس کے بعد ہٹ جاتے

بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا

ہیں ١٥٧ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں ١٥٨ بےشک ہم ہی نے توریت

ع ٦/٩ ١٠

التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ

نازل کی ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے ١٥٩ اسی کے مطابق وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے یہودی

أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا

لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، اور (اسی طرح) اُن کے مشائخ و علماء (بھی)، ١٦٠ اسلئے کہ

اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا

انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا ١٦١ اور وہ اس کے گواہ تھے ١٦٢ سو تم انسانوں سے

تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا

نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو ١٦٣ اور میرے احکام کو دنیا کی متاع قلیل کے عوض نہ

قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

بیچ ڈالو ١٦٤ اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو یہی لوگ تو

١٥٣ (اور وہ قانون ظاہر ہے منحصر قانون اسلام میں)، دون غرض منفعۃ آپ کا یہ اتنا بھی تسلی مصلحت دینی ہی کے ماتحت ہوتا۔ ... اسلئے آپ اندیشہ نہ کریں کہ ناموس کو ... لوگ آپ کے دشمن ہیں ...

وھو ... احتیاط اس امر میں تو دیا گیا تھا کہ غیرذمی کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن فیصلہ اگر کیا جائے تو یقینی ہے کہ قانون شریعت ہی کے ماتحت کیا جائے۔ اس کا اختیار نہیں کہ فیصلہ کسی اور قانون کے

... کردیا جائے۔ ١٥٤ (اور اللہ جن کے ساتھ محبت کرتا ہے ظاہر ہے کہ انہیں توفیق بھی حق پر قیام کی دیتا رہیگا) یہاں یہ یاد دلا دیا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہی اہل جور ہوں، آپ بہرحال انکے معاملہ میں بھی طریق حق و عدل سے ذرا تجاوز نہ کیجئے۔ المقسطی بالحق

العدل ... عن طریق العدل ... ١٥٥ (جس کا کتاب الٰہی ہونا انہیں مسلّم ہے) کَیْفَ کلمہ تعجب ہے یعنی اس پر اظہار حیرت ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب آسمانی رکھنے کے باوجود دین کے کسی معاملہ میں فیصلہ کیلئے آپ کے پاس آتے

... تعجب من تحکیمھم من لا یؤمنون بہ والحال ان الحکم منصوص علیہ فی الکتب الذی ھو عندھم ... تعجب من تحکیمھم ... (کشاف)۔ اور پر کسی حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کا رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونا معرفت حق کیلئے تو ہونا نہ تھا، بلکہ

طلب اور اپنی غرض کیلئے تھا کہ شاید کوئی آسان تر حکم مل جائے۔ تنبیہ علی انھم ما قصدوا بالتحکیم معرفۃ الحق واقامۃ الشرع وانما طلبوا بہ ما ھو اھون علیھم وان لم یکن حکم اللہ تعالیٰ فی زعمھم (بیضاوی) ١٥٦ جس خاص حکم کا یہ ذکر

ہر چل رہا ہے۔ اور یہود نے اسے رسول اللہ صلعم سے چھپا ڈالنا چاہا تھا، وہ حکم رجم یا سنگساری ہے۔ اور قرآن کے اعجاز کیلئے یہ دلیل بھی بجائے خود کافی اور قوی ہے کہ یہود کی ہزار کوشش اخفاء کے باوجود شادی شدہ زناکاروں کیلئے حکم قتل و رجم کسی نہ کسی صورت

میں آج تک باقی ہے۔ اور موجودہ توریت سے پیہم تحریفات بھی اُسے یکسر اور تمامتر دُور نہ کرسکیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:- "اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے، وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کئے جائیں"

(احبار - ٢٠ : ١٠) "اور وہ مرد یا عورت جس کا یار دیو ہے یا جادوگر ہو تو دونوں قتل کئے جائیں اور چاہیئے کہ تم اُن کو سنگسار کرو۔ اُن کا خون اُنہی پر ہووے"۔ (احبار - ٢٠ : ٢٧) "اگر کوئی جورو کرے اور اس سے خلوت کرے،..... اور کہے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا، اور جب میں اُسکے پاس گیا تو میں نے اُسے کنواری نہ پایا..... اگر یہ بات سچ نکلے اور لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں پائی نہ جائیں، تو وہ اُس لڑکی کو اسکے ماں باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کی بستی کے لوگ اُس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مرجائے"۔ (استثنار - ٢٠: ١٣ - ٢٠ و ٢١) "اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، مرد جس نے اُس عورت سے صحبت کی اور عورت بھی"۔ (استثنار ٢٢: ٢٢) اور انجیل کے واسطے سے جو گواہی پہنچی ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ کھلی ہوئی ہے:- "فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اُسے بیچ میں کھڑا کرکے یسوع سے کہا اے استاد، یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں، پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟" (یوحنا ٨ : ٣-٦) ١٥٧ پہلے تو خود ہی فیصلہ کرانے کے لئے رسول کی خدمت میں آئے، اور جب فیصلہ سن لیا، تو اُس سے ہٹ بھی گئے۔ ثُمَّ تعجب میں ترقی کیلئے ہے، یعنی حیرت بالائے حیرت کے اظہار کیلئے۔ ثم للتراخی فی الرتبۃ (روح) صریح بما علم لتاکید الاستبعاد والتعجب (روح) ١٥٨ انکے اس طرزِ عمل نے ظاہر کر دیا کہ ان کا ایمان قرآن و صاحبِ قرآن پر تو کیا ہوتا، توریت و صاحبِ توریت پر بھی مکمل و مستحکم نہیں۔ مومنین بك او بکتابھم کما یدعون (مدارک) مومنین بکتابھم کما یدعون (کشاف) ١٥٩ هُدًى - یعنی عقائد و مسائل سے متعلق ہدایات و احکام تھے۔ نُورٌ - یعنی وضوح تھا احکام عملی سے متعلق۔ تَوْرٰىة پر حاشیہ سورۂ آل عمران کے شروع میں گزر چکا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ - اس میں رد آگیا یہود کے موجودہ عقیدہ کا کہ توریت، صاحب الہام انبیاء کی مرتب کی ہوئی ایک انسانی کتاب ہے۔ توریت، اسلامی عقیدہ کے مطابق، خدا کے ہاں سے نازل شدہ کتاب ہے۔ ١٦٠ مقصود توریت کی اہمیت و شرف کا اظہار ہے۔ یہ وہ کتاب الٰہی ہے جو پچھلی صدیوں میں معیار حق و عدل رہ کی ہے، علماء و مشائخ و انبیاء بنی اسرائیل کے لئے۔ اَلنَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا۔ یہود کی اصطلاح میں "نبوت" اسلامی نبوت سے بالکل الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ انکے ہاں یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اسکی نسبت مع اللہ قوی ہو۔ وہ "نبی" یا "نبوت" کے قائل صرف اُن کے لفظی معنی میں تھے۔ نبی اُن کے ہاں پیشگوئی کرنے والا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ صاحبِ کشف بھی ہو۔ جیسے مشرک قوموں میں کاہن۔ خود یہود کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاحیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ توریت میں ذکر ایک جگہ نہیں، متعدد مقامات پر جعلی اور جھوٹے نبیوں کا آیا ہے، جو کفر و شرک کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ صرف چند بطور نمونہ کے ملاحظہ ہوں:- "اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور....... تمہیں کہے آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا، پیروی کریں۔ تو ہرگز اُس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو....... وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائیگا"۔ (استثنار - ١٣: ١-٣ و ٥) "وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ (استثنار - ١٨: ٢٠ - ٢٢) "انبیاء میرا نام لیکر جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ میں نے انہیں نہیں بھیجا، اور حکم نہیں دیا، نہ انہیں کہا..... یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائینگے"۔ (یرمیاہ - ١٤: ١٣ - ١٦) قرآن مجید نے انہی عقاید کے مدنظر الذین اسلموا کی قید لگا کر بتا دیا کہ النبیون سے مراد جھوٹی اور شیطانی نبوت کرنے والے نہیں، بلکہ سچے اور وحی الٰہی سے مشرف نبی ہیں۔ اَلرَّبّٰنِيُّوْنَ - مراد اہل اللہ و مشائخ و علماء باطن ہیں۔ العلماء الحکماء (قرطبی) ربانیون فوق العلماء (قرطبی) الاحبار - مراد علماء ظاہر و فقہاء ہیں۔ قال ابن عباس ھم الفقہاء (قرطبی) الحبر الرجل العالم وھو ماخوذ من التحبیر ... العلماء ای یحبّرونہ ویزیّنونہ (قرطبی) لِلَّذِيْنَ هَادُوْا میں لِ علیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی علیٰ ای علی الذین ھادوا (بحر)

١٦١ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ توریت حفاظت و عملدرآمد کیلئے اکابر یہود کی سپردگی میں دے دی گئی تھی۔ اُسْتُحْفِظُوْا - استحفاظ کے معنی ہیں کسی سے سوال کرنا کہ وہ حفاظت و نگہداشت رکھے۔ ای بسبب ما طلب اللہ منھم حفظھم لکتاب اللہ وکلفھم حفظہ واخذ عھدہ علیھم فی العمل بھا والقول بھا (بحر) مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ من للتبیین (بیضاوی) بِمَا میں بِ سببیہ ہے الباء فی بما للسبب (بحر) ١٦٢ گواہ اس امر کے، کہ یہ کتاب، کتاب الٰہی ہے۔ اور محافظ اس کے متن و عبارت کے۔ ای علی الکتب بانہ من عند اللہ (قرطبی) کانوا علیہ رقباء لئلا یتبدل (بحر) رقباء لا یترکون ان یغیر (بیضاوی) شھداء علی ان کل ما فی التوراۃ حق وصدق ومن عند اللہ (کبیر) ١٦٣ (کہ میں ہی انکارِ حق پر ہر سزا پر قادر ہوں) خطاب قرآن اپنے معاصر مقتدایانِ یہود سے کر رہا ہے۔ وَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ۔ خلقت سے ڈرتے ہو، کہ اگر ہم نے حسب بشاراتِ توریت نبوت محمدی کی تصدیق کر دی، تو ہمارے عوام ہمارے ہاتھ سے نکل جائینگے۔ رؤساء و اکابر یہود کے لئے قبول حق یا تصدیق محمدی سے پہلا مانع یہی حبِّ جاہ تھا، یہ ضرب اسی پر لگائی گئی۔ ١٦٤ (اور یہ نذرانے وغیرہ جو عوام سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بند ہوجانے کا ڈر دل سے نکال ڈالو)۔ مقتدایانِ یہود کو قبول حق و تصدیق اسلام سے پہلا مانع تو حبِّ جاہ تھا جس کا ذکر ابھی اُوپر آچکا ہے، اور دوسرا مانع یہ حبِّ مال تھا۔

راہیں مسدود کردیا۔ ـــ چنانچہ صفت غفر کے تقاضہ سے اس کے پچھلا گناہ معاف کردیا۔ اور صفت رحمت کے تقاضہ سے آئندہ کیلئے توفیق تقویٰ دے دی۔ امام رازیؒ نے آیت میں ان صفات کے آنے سے جو موقع مدح پر لائی گئی ہیں معتزلہ کے رد میں استدلال کیا ہے کہ توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔ واجب ہوتی تو یہ فضل و احسان کو یاد دلانے والی صفات نہ لائی جاتیں۔ دلت الاٰیة علی ان قبول التوبة غیر واجب علی اللہ تعالیٰ لانہ تعالیٰ تمدح بقبول التوبة والتمدح انما یکون بفعل التفضل والاحسان لا باداء الواجبات (کبیر) ۱۴۰ (اے مخاطب!) پھر یاد دلادیا ہے کہ جس نے یہ سزائیں تجویز کی ہیں، بس وہی ایک مالکِ حقیقی اور قادرِ تحقیقی ہے۔ الم تعلم میں خطاب عام ہر انسان کیلئے ہے۔ قیل معناہ الم تعلم ایھا الانسان فیکون خطابا لکل واحد من الناس (معالم) ۱۴۱ اور کوئی چیز اس پر قدرت نہیں رکھتی) وہ حاکم مطلق ہے، آمر علی الاطلاق ہے۔ وہ کسی قانون سے مجبور نہیں کہ مجرم کو ہمیشہ سزا ہی دے ـــــــ اس میں تردید آگئی ہندی مشرکوں کے قانون کرم "اٹل کرم" یا مکافاتِ عمل کی۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاۤءُ۔ لیکن وہ سزا اسی کو دیتا ہے جو سزا ہی کے لائق ہوتا ہے۔ اسکی حکمتِ کاملہ خود ہی جانچ کر لیتی ہے کہ کون کس لائق ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاۤءُ۔ یہ معافی چاہے صرف آخرت میں، چاہے دونوں جگہ۔ ۱۴۲ یعنی آپ ایسے لوگوں کی باتوں سے ــــ نہ قبول کریں۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔ قرآن مجید جیسی قیامت تک باقی رہنے والی کتاب میں رسول اللہ صلعم کا ذکر صیغۂ غائب میں صرف الرسول والنبی سے، اور صیغۂ حاضر میں ایھا الرسول اور یاایھا النبی سے بغیر صفات کے لانا بجائے خود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب کوئی دوسرا شخص وصفِ نبوت و رسالت میں شریک آپ کا نہیں۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ۔ یعنی کفریات کی طرف بے تکلف اور بہ شوق و رغبت لپکتے ہیں۔ یسارعون مضارع ہے مسارعة، باب مفاعلة سے۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کی جانب ایسے ساعی ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ یاایھا النبی تو قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے لیکن یاایھا الرسول سے مخاطبت صرف دو ہی جگہ وارد ہوئی ہے۔ ایک یہاں، اور دوسری جگہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیك میں۔ اور یہ طرز خطاب شرف و تعظیم کیلئے ہے۔ وھذا الخطاب لاشك انه خطاب تشریف وتعظیم (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اہل طریق کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ اہلِ اعراض کی بدحالی پر کچھ زیادہ فکر نہیں کرتے۔ ۱۴۳ ظاہر ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ زبان پر دعویٰ ایمان، دل میں ایمان کا گزر نہیں۔ مِنَ الَّذِیْنَ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ مراد ہے من المنافقین۔ اور اسی پر عطف من الذین ھادوا کا جو ابھی آرہا ہے۔ ۱۴۴ منافقین اور یہود دونوں قسم کے لوگوں میں وصف مشترک یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹ اور باطل کے سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ سمّٰعون میں سمع قبول کرنے کے معنی میں ہے، اور عربی میں یہ استعمال عام ہے۔ والسمع یستعمل و یراد منه القبول (کبیر) ای قابلون لما تفتریه الاحبار (بیضاوی) للکذب کے معنی لاجل الکذب کے بھی ہوسکتے ہیں یعنی یہ لوگ خبریں اسلئے سنتے ہیں کہ جھوٹ بولیں اور غلط شہرت دیں۔ ای یسمعون منك لکی یکذبوا علیك (کبیر) ۱۴۵ (بربنائے کبر و بغض) تجافوا عنك تکبرا وافراطا فی البغضاء (بیضاوی) یعنی کچھ تو ایسے ہیں جو بربنائے کبر و بغض آپؐ کی خدمت میں آتے ہی نہیں مثلاً یہود خیبر۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے ہیں لیکن طلب حق کی غرض سے نہیں بلکہ مثل مخبروں اور جاسوسوں کے کہ دوسروں سے لگائی بجھائی کریں۔ ۱۴۶ یہ وصف اُنہی اکابر یہود کا بیان ہوا جو فرطِ عداوت و کبر سے خود تو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے نہ تھے اور جب موقع دیکھتے تو اپنے ہاں کے کلام الٰہی میں تحریف سے بھی نہ چوکتے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود اپنے ہاں کی زناکاری کا ایک مقدمہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے آپنے فرمایا کہ توریت میں حکم سنگساری کا موجود ہے اُسی کے مطابق سزا جاری کرو۔ وہ ظالم اس سزا ہی کو چھپا گئے۔

لایحب اللہ ٦ | ۲۵۲ | المآئدۃ ٥

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ

حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے ۱۴۳ (خواہ) اُن میں سے ہوں جو یہودی ہیں ۱۴۴ جھوٹ کے بڑے

لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ

سننے والے ۱۴۵ سننے والے دوسرے لوگوں کی خاطر جو آپکے پاس نہیں آتے ۱۴۶ کلام کو اس کے

الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا

صحیح موقعوں سے بدلتے رہتے ہیں ۱۴۷ کہتے رہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ ملے تو

فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ

قبول کرلینا اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا ۱۴۸ اور جس کے لئے اللہ ہی کو گمراہی

فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ

منظور ہو تو اس پر تیرا زور اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں چل سکتا ۱۴۹ یہی لوگ وہ ہیں جن کے لئے

لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ

اللہ کو منظور نہ ہوا کہ ان کے دلوں کو پاک (صاف) کرے ۱۵۰ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے

وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ

اور ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ۱۵۱ جھوٹ کے بڑے سننے والے

لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْکُمْ

ہیں۔ حرام کے بڑے کھانے والے ہیں ۱۵۲ اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) ان کے

بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

درمیان فیصلہ کر دیجئے (خواہ) انہیں ٹال دیجئے ۱۵۳ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں

معانقہ ۔ الوقف علی الاول اجوز

منزل ۲

۱۴۷ یعنی اسکے مان لینے کا اقرار نہ کرنا۔ یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اپنے والوں سے، اپنے جتھے کے لوگوں سے، جنہیں یہ مجلس نبوی میں بھیجتے رہتے تھے، کہتے ہیں۔ ھٰذا۔ یعنی یہ حکم محرّف۔ اصلی اور آسمانی حکم کے بجائے ان کا اختراعی حکم۔ فَخُذُوْهُ۔ یعنی اسکے ماننے کا اقرار کرلینا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو اہل علم کی طرف رجوع اس غرض سے نہیں کرتا کہ مسئلہ پر عمل کریگا۔ بلکہ اس اُمید پر کرتا ہے کہ اگر اس کی مرضی کے موافق قول مل گیا تو اس کو اپنی بدنامی کی سپر بنالے۔ ۱۴۸ رکہ تو اس گمراہی کو پیدا ہونے سے روک دے، اے مخاطب!) وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ۔ اس ارادۃ اللہ کا ترتّب خود اس شخص کے عزم گمراہی پر ہوگا۔ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے قانون تکوینی کے مقابلہ میں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کی شفقت و توجہ بدون فضل و توفیق الٰہی کچھ نفع نہیں دیتی۔ ۱۴۹ (انکے کفریات سے، اسلئے کہ یہ لوگ خود ہی اس کا عزم نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ جب یہ لوگ خود ہی اپنی اصلاح کا قصد نہیں کرتے، بلکہ اسکے برعکس یہ مصر ہیں تو یہ عادات الٰہیہ تکوینیہ میں سے ہے کہ بندہ کے عزم فعل پر اُس فعل کی تخلیق بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوجاتی ہے۔ اور اس قانون تکوینی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس سے ایک طرف تو رسول اللہ صلعم کو تسکین دیدی گئی۔ اور دوسری طرف معتزلہ کا رد بھی نکل آیا، جو خالق افعال اللہ کو نہیں بندہ کو سمجھتے ہیں۔ ۱۵۰ عذاب آخرت کا ظہور تو آخرت میں ہوگا لیکن دنیا کے عذاب تفضیح کا ظہور تو اس شد و مد سے چند ہی روز کے اندر ہو کر رہا، کہ دوست دشمن سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ منافقین میں سے نفاق ایک ایک کا ظاہر ہو کر رہا سب کے سب سوسائٹی میں حقیر و ذلیل ہوئے۔ رہے یہود، تو انکے بڑے سے بڑے پُرقوت قبیلے بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، سب کے سب قید ہوئے، جلاوطن ہوئے، قتل ہوئے۔ ۱۵۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ۔ یہ وصف یہود کے خواص و عوام دونوں کا بیان ہوا۔ سمع میں یہاں سننے کے ساتھ کذب و باطل کا قبول کرنا بھی داخل ہے۔ ابھی یہ لفظ آیت ماقبل میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ زور و تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ کرّرہ تاکیدًا وتعظیمًا (قرطبی) کرّر للتاکید (مدارک) اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ سُحت ہر حرام خوری کیلئے عام ہے۔ السحت الحرام او ماخبث من المکاسب (قاموس) وھو کل مالایحل کسبه (مدارک) یہاں مراد رشوت ہے اور یہی معنی اب اسکے خاص ہوگئے ہیں۔ سمی الرشوۃ فی الحکم سحتا (تاج) سمی الرشوۃ سحتا (راغب) قال الزجاج سمیت الرشوۃ التی کانوا یاخذونھا بالسحت (کبیر) وفی الحدیث ھو الرشوۃ فی الحکم (مدارک) ھو الرشوۃ (ابن کثیر) یہ وصف یہود کے خواص و اکابر کا بیان ہورہا ہے جو رشوت اور نذرانے لے کر غلط سلط احکام بتانے اور مسائل کے مسخ کر ڈالنے کے عادی ہوگئے تھے خود انکی کتاب آسمانی میں اُن کو عدل پر قائم رہنے اور رشوت نہ لینے کے باب میں حکم یہ ملا تھا کہ "اپنے سارے فرقوں میں قاضی اور حاکم مقرر کیجیو۔ وہ انصاف سے لوگوں کی عدالت کریں تو عدالت میں مقدمہ مت بگاڑیو۔ تو طرفداری نہ کیجیو اور نہ رشوت لیجیو کہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے۔ اور صادق کی باتوں کو پھیرتی ہے۔" (استثنار۔ ۱۶: ۱۸ و ۱۹) لیکن اُنہی کے بزرگوں نے تالمود میں احکام یہ جاری کردیئے تھے کہ "جب کسی مقدمہ میں ایک فریق اسرائیلی ہو، اور دوسرا غیر اسرائیلی، تو اگر اسرائیلی کے موافق فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق ہوسکتا ہے تو وہی کردو۔ اور یہ کہہ دو کہ یہی ہمارا قانون ہے۔ اور اگر اسکے موافق فیصلہ غیر اسرائیلی قانون کے مطابق ہوسکتا ہو، تو یہی کردو۔ اور غیر اسرائیلی سے کہہ دو کہ تمہارے ہاں کا ضابطہ یہی ہے۔ اور اگر ایسا فیصلہ دونوں ضابطوں میں سے کسی ضابطے سے بھی نہ ہو رہا ہو تو کسی حیلہ سے کام لو۔" مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اللہ کی رحمت پر بڑی دلیل ہے کہ اس میں مذمت کو کثرتِ معتادِ معصیت پر مرتب فرمایا۔ سرسری خطا پر مذمت نہیں فرمائی جس سے عادۃً کوئی خالی نہیں ہوتا۔ یہی شان ہوتی ہے مشائخ اہل تربیت کی کہ خفیف اُمور سے تسامح کرتے ہیں۔ ۱۵۲ (آپ کو دونوں چیزوں کا اختیار ہے جیسی بھی آپ کو مصلحت معلوم ہو) فَاِنْ جَآءُوْكَ۔ یعنی جب یہ کوئی مقدمہ معاملہ لے کر آپکے پاس آئیں۔ مدینہ میں رسول اللہ صلعم اب حاکم اور دنیوی حیثیت سے بھی آمر و مقتدر تھے۔ کچھ تو اسلئے بھی یہود کو اپنے معاملات آپکے سامنے لامحالہ لانے پڑتے تھے پھر یہ بھی تھا کہ بہت سے مسائل میں شریعت محمدیؐ شریعت یہود سے کہیں زیادہ نرم تھی۔ اس لیے بہت سے یہود مدینہ اپنے قضیے فیصلہ کیلئے رسول اللہ صلعم ہی کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ فیصلہ واجب امیر اسلام پر تو ذمیوں ہی کے درمیان ہے۔ دوسرے کافروں کیلئے واجب نہیں، صرف جائز ہے، حسب ضرورت و مصلحت۔ ھذا تخییر من اللہ تعالیٰ ولا یجب علینا الحکم بین الکفار اذا لم یکونوا اھل ذمة بل یجوز الحکم ان اردنا (قرطبی) ھذا التخییر ...

اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کیلئے۔ ؛ احتلف الائمة فی استقباله عند السلام ومن
یہاں میں صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی سے عاکرتے تھے مُلّاں خ ہو کر اور یہی کرتے تھے کر دُعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کریں باوجود اسکے کہ وہ مقام عرش کا بھی افضل ہے)
ن حسنه، انه لاستقبل بل یستدبر ویستقبل القبلة (المدین اختلاف ہے کہ منہ کس طرف رکھنا چاہیے لیکن امام ابوحنیفہ کا فیصلہ اس موقع کیلئے بھی یہی ہے کہ منہ قبر شریف کی طرف نہ کرے بلکہ اُدھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے) غرض یہ کہ بعض اہل
بدعت نے لفظ وسیلہ سے جو اپنے لئے پناہ ڈھونڈھی ہے وہ سرتاسر بودی اور بے بنیاد ہے۔ ۱۳۱ وسیلہ ہی کی طرح عربی کے جہاد کو بھی لوگوں نے اردو کے جہاد کے مفہوم میں لے رکھا ہے۔ اردو میں جہاد ایک دینی اصطلاح کی حیثیت سے صف مال فی سبیل اللہ کے
معنی میں مخصوص ہوچکا ہے عربی میں یہ حصر و تحدید صحیح نہیں۔ عربی میں جہاد کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ ہر سخت کوشش جو کسی بھی دینی غرض سے کی جائے، خاص کر دشمنانِ دین کے مقابلہ میں اصطلاحِ قرآنی میں جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ الجهاد والمجاهدة
استفراغ الوسع فی مدافعة العدو (راغب) وهو المبالغة واستفراغ ما فی الوسع والطاقة من قول او فعل (تاج) اور جہاد جس طرح میدانِ جنگ میں تیغ و تفنگ سے ہوسکتا ہے اسی طرح جہاد مال و دولت سے اور قلم و زبان سے بھی ہوسکتا ہے۔ ۱۳۲ فلاح
کا لفظ دنیوی، اخروی، مادی، روحانی ہر طرح کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر شامل ہے۔ لیس فی کلام العرب کله اجمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والاخرة کما قاله ائمة اللسان (تاج) اور سب سے بڑی کامیابی رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ لعل پر حاشیے
پہلے گزر چکے ہیں کہ جب اس کا استعمال حق تعالیٰ کی زبان سے ہوتا ہے تو معنی میں مفہوم شک و احتمال کا باقی نہیں رہتا، بلکہ یقین پیدا ہوجاتا ہے۔ ۱۳۳ توحید و رسالت کی طرح معاد و آخرت کے مسئلہ میں اہلِ جاہلیت سیکڑوں غلطیوں میں مبتلا ہے
ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑی اہم غلطی یہ ہے کہ وہاں کے معاملات کو بھی دنیا پر قیاس کرکے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح یہاں کی عدالتوں، دفتروں، محکموں میں لین دین سے کام چلا لیا جاتا ہے، ایسے ہی نذرانوں، رشوتوں کی گرم بازاری وہاں بھی ہوگی اور ہر
خطا و لغزش پر کسی نہ کسی مالی معاوضہ سے قلم پھیر دیا جاسکے گا۔ قرآن مجید کو اس عالمگیر غلطی کی بار بار تردید کرنی پڑی اور سنانا پڑا ہے کہ کفر کا فدیہ یا کفارہ آخرت میں کسی مال و دولت سے بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ اَنَّ لَهُمْ۔ ان کل واحد منهم کے معنی میں ہے یعنی
ان میں سے ایک ایک کے پاس بھی اگر اتنا مال ہوتا۔ مَعَهٗ میں ضمیر واحد غائب اسی مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کی طرف ہے۔ لَوْ۔ یہ حرف اکثر جس عبارت پر آتا ہے اس سے مراد ایک ان ہونی بات بطور فرضِ محال کے ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اس فرضِ محال
پر بھی کوئی صورت عذاب سے نجات کی نہ ہوسکے گی۔ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ اسکے تحت میں وہ سب کچھ آگیا، جو ذہن انسانی میں سما سکتا ہے۔ ۱۳۴ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۔ وہ عذاب پائدار و مستقل ہے جو کبھی ہٹنے والا اور مٹنے والا نہیں۔ معناه دائم ثابت لا یزول
ولا یحول (قرطبی) عذاب دائم ثابت لا یزول عنهم ولا ینتقل ابدًا (ابن جریر) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ۔ عذاب اور وہ بھی عذاب الیم! ——— ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو کیسی کچھ تڑپ کیسی کچھ حسرت کیسی کچھ تمنا اس عذاب سے نکل بھاگنے کی
ہوگی! مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۔ اس ارشاد سے ان حسرت نصیبوں کی حسرت نصیبی پر گویا مہر لگ گئی۔ عذاب سے نکلنے کا نہ کوئی امکان ہے نہ کوئی تدبیر کام دے سکتی ہے۔ بلکہ اب یہ بھی سنا دیا گیا کہ یہ عذاب جس درجہ کا شدید و ہولناک
ہوگا اسی طرح لازوال بھی ہوگا ——— اشتدادِ عذاب قبل کی آیت میں بیان ہوچکا ہے امتدادِ عذاب اب بتا دیا گیا۔ اس عذاب دائمی کی خصوصیت چونکہ کافروں کے ساتھ بیان ہوئی اس سے متکلمین نے یہ نتیجہ اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ مخلص کلمہ گو کو ہر صورت عذاب سے مخلصی پا جائیگا
اور امام رازیؒ نے یہ بات بھی خوب فرمائی ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ کی ترکیب خود حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی یہ عذاب دائمی صرف کافروں کیلئے ہوگا، نہ کہ غیر کافر کیلئے۔ حتج اصحابنا بهذه الاٰیة علی انه تعالی یخرج من النار من قال لا اله الا الله علی سبیل الاخلاص (کبیر)
وهذا یفید الحصر فکان المعنی ولهم عذاب مقیم لا لغیرهم (کبیر) ۱۳۵ (اے حکام) اجرائے حدودِ شرعی و قصاص کا حق صرف اہلِ حل و عقد یا حکومتِ اسلامی کے حکام ہی کو حاصل رہتا ہے اسلئے خطاب بھی قدرۃً انہی سے ہے خطاب
الی قوم معینین ان یکون واقعا علی شخص معین منهم وهو امام الزمان کما ذهب الیه الاکثرون (کبیر) اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ لا کر یہ بتا دیا گیا ہے کہ مجرم قابلِ تعزیر کی حیثیت سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ ہوگا کہ مجرم اگر عورت ہے تو اسکی سزا کچھ بڑھادی جا
یا عورت ہونے کی بنا پر اسکی سزا کچھ گھٹا دی جائے ——— دوسری قوموں کے قانون میں مرد و عورت کے درمیان سزا کی عدم مساوات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ سرقہ اپنے لغوی معنی میں تو مطلقاً ہر چوری کو کہیں گے لیکن اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد ہوتی ہے
غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چرا کر لینا۔ السرقة اخذ ما لیس له اخذه فی خفاء وصار ذلك فی الشرع لتناول الشیء من موضع مخصوص وقدر مخصوص (راغب) قد ثبت عند نا ان الحکم متعلق بمعنی غیر الاسم یجب اعتباره
فی ایجابه وهو الحرز والمقدار (جصاص) ان دو قیدوں کے لگ جانے سے ایسی بیسیوں چیزیں جو ہر جگہ اور ہر مقدار میں مل جاتی ہیں، انکی چوری، چوری کی فقہی تعریف سے خارج ہوگئی۔ پھر چوری کے ثبوت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک جرم کا اقرار، دوسرے عادل گواہوں کی شہادت
السرقة انما تظهر بأحد الامرین اما بالبینة او بالاقرار (محیط) جس چوری پر حد جاری ہوگی اسکی مالیت حنفیہ کے ہاں کم از کم ایک دینار یا دس درہم کی ہونا چاہیے۔ اور اس چیز کو کسی محفوظ مقام میں ہونا چاہیے۔ اور خود وہ چور جس پر حد واجب ہوگی اُسے عاقل و بالغ
ہونا چاہیے۔ اذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم او ما یبلغ قیمته عشرة دراهم مضروبة من حرز لا شبهة فیه وجب القطع (ہدایہ) حفاظت عرفِ عام کے تابع ہے کوئی جامع و مانع معیار اس کا خارج میں موجود نہیں۔ الحرز هو ما نصب عادة لحفظ
اموال الناس وهو یختلف فی کل شیء بحسب حاله (قرطبی) فقہائے اور بھی متعدد شرطیں کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور انہی سے اخذ کرکے لگائی ہیں جنفی فقہ میں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:- (۱) چور عاقل و بالغ ہو۔ بچے اور مجنون پر حد نہیں ہے۔ (۲) مال
نظر بچا کر لے گیا ہو، کھلے خزانہ چھین جھپٹ کر نہ لے گیا ہو۔ غاصب اور اُچکے کی سزائیں دوسری ہیں حد سرقہ نہیں۔ (۳) مال کسی کی مِلک ہونا چاہیے۔ غیر مملوک مال (مثلاً کفن جو کسی کی مِلک نہیں ہوتا) کی چوری سرقۂ مستوجب الحد کی تعریف میں نہ آئیگی۔ (۴) مال کسی غیر
کی غیر مشترک مِلک ہو۔ چور کے اپنے مال کے ساتھ مخلوط و مشترک نہ ہو۔ شوہر، بیوی، اولاد وغیرہ پر حد اسی لئے جاری نہ ہوگی کہ انکے مال کے ساتھ خلط و اشتراک رہا کرتا ہے۔ (۵) مال کسی حد اور درجہ تک حفاظت میں ہو، خواہ حقیقۃً (مثلاً کسی سپاہی، چوکیدار وغیرہ کے
پہرہ میں) خواہ حکماً (مثلاً مکان کے اندر، صندوق کے اندر وغیرہ) سر راہ کھلے اور پڑے ہوئے مال کے اُٹھا لینے پر حدِ سرقہ جاری نہ ہوگی۔ چوکیدار، پہرہ دار وغیرہ اگر چوری کریں، تو وہ خیانت کی دفعہ میں ملزم ہونگے۔ حدِ سرقہ کے مستوجب نہ ہونگے۔ علمائے متکلمین
نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ اُمت کیلئے نصبِ امام ضروری ہے۔ اسلئے کہ اجرائے حدود کا حکم درجۂ فرض میں ہے اور اجراء کی صورت اجماعِ اُمت سے طے ہوچکا ہے کہ افراد سے ممکن نہیں۔ اس لئے امام معین کا ہونا لازمی ہے۔ احتج المتکلمون بهذه الاٰیة فی انه یجب
علی الامة ان ینصبوا لانفسهم اماما معینا والدلیل علیه انه تعالی اوجب بهذه الاٰیة اقامة الحد علی السراق والزناة فلا بد من شخص یکون مخاطبا بهذا الخطاب واجمعت الامة علی انه لیس لاحاد الرعیة اقامة الحدود علی الجناة بل اجمعوا علی انه لا یجوز اقامة
الحدود علی الاحرار الجناة الا للامام (کبیر) فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا۔ چوری کی سزا میں پہلی بار داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائیگا۔ دوسری بار کی چوری میں بایاں پیر ٹخنہ سے قطع کر دیا جائیگا۔ اسکے بعد کی چوریوں میں فقہاء نے سنت ہی سے اخذ کرکے لکھا ہے کہ اب مزید سزا
قطع اعضاء کی نہیں، بلکہ قید کی دی جائیگی۔ چوری کی یہ سزا، قطع ید، عرب میں قبل سے جاری تھی۔ اسلام نے آکر اسے قائم رکھا، اور اس میں چند قیود و شرائط کا اضافہ کر دیا۔ وقد کان القطع معمولا به فی الجاهلیة فقرر فی الاسلام وزید شروط اخر
(ابن کثیر) دنیا کے اور قانونوں اور دوسری تہذیبوں میں بھی چوری کی سزا کہیں تو ایک طویل مدت کی اسیری رہی ہے اور کہیں جلاوطنی اور کہیں قطع اعضاء اور کہیں پھانسی یا اور کسی طریقہ سے ہلاکت رہی ہے۔
۱۳۶ جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا۔ چوری شریعتِ اسلامی میں ایک بدترین جرم ہے۔ اسلام نے فرد و جماعت دونوں کیلئے امن و امان اور سکونِ خاطر کا جو بہترین و کامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اُس میں رخنہ ڈالتا، اور اس ساری فضا کو درہم و برہم کر ڈالنا چاہتا ہے
آیت کے اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ چوری کا بدبخت مجرم ہے ہی ایسی سخت سزا کا مستحق۔ شریعتِ موسوی کا قدم بھی اس باب میں کچھ پیچھے نہیں، کچھ آگے ہی ہے۔ نقب زن کی جان سے امان اُٹھ جاتی ہے۔ کوئی اگر اُسے قتل کر ڈالے تو اسکے خون کا بدلہ نہ لیا جائیگا۔ "اگر
چور سیندھ مارتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی اُسے مار بیٹھے اور وہ مر جائے تو اُسکے لئے خون نہ کیا جائیگا" (خروج ۲۲:۲)۔ اجازت ہی نہیں، ایک جگہ تو حکم تک نقب زن کے قتل کا ملتا ہے:- "اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں بنی اسرائیل میں سے کسی کو چراتے
ہیں پکڑا جائے اور اس کا بیوپار کرے یا اُسے بیچ ڈالے تو چور مارا جائے۔ اور تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کر" (استثناء ۲۴:۷)۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ نکال کہتے ہیں ایسے عذاب و سزا کو جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ ای عقوبة ینکل بها عن
ذلك الفعل (قرطبی) ای عظة من الله بها عوقبا به لمن راهما (ابن قتیبہ) فلسفۂ تعزیر کے واقفین جانتے ہیں کہ مجرم کیلئے سزا کی تجویز کرنے میں دو بڑے پہلو پیش نظر ہوتے ہیں:- ایک انتقامی یعنی مظلوم یا مستغیث کے جذبات کی تسکین۔ دوسرے
انتظامی یعنی آیندہ کے ممکن مجرموں کی حوصلہ فرسائی و ہمت شکنی۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اسی دوسرے پہلو کی تاکید و تقویت کیلئے ہے۔ اور پھر مِنَ اللّٰهِ سے اشارہ یہ بھی ہوگیا کہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ جزاءً
نکالًا۔ دو لفظ الگ الگ آئے اور دونوں مفعول لہٗ بلا عطف میں۔ علماء بلاغت نے کہا ہے کہ جزاء میں اشارہ حق العبد کے اتلاف کا ہے۔ اور نکال میں حق اللہ کے اتلاف کا۔ والجزاء اشارة الی ان فیه حق العبد والنکال اشارة الی ان فیه حق الله
تعالیٰ (روح) ۱۳۷ صفت عزیز لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اللہ حاکمِ مطلق ہے۔ وہ جس جرم کی جو سزا چاہے مقرر کرے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور صفت حکیم سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اس کا کوئی سا بھی حکم حکمتوں، اور
مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے چوری کی بھی سزا وہی مقرر کی جو فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ امام رازیؒ نے اس مقام پر اصمعی کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ایک بدوی عرب کے سامنے سورۂ
مائدہ زبانی پڑھ رہا تھا، یہ آیت آئی، اور یہاں سہواً میری زبان سے غفورٌ رحیم نکلا۔ بدوی نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلام الٰہی ہے۔ اس پر وہ بولا کہ اسے دوبارہ پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا، اور اب مجھے تنبیہ ہوگئی کہ بجائے عزیز حکیم کے میری زبان سے
غفور رحیم نکل گیا تھا۔ بدوی نے کہا بیشک اب ٹھیک پڑھا۔ میں نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا۔ اُس نے جواب دیا کہ سیاقِ کلام سے۔ یہاں جب ذکر سزا و عقاب کا ہے تو عین مقتضائے بلاغت یہی ہے کہ صفات بجائے غفور رحیم کے عزیز و حکیم ہی لائی
جائیں۔ ۱۳۸ رحمتِ الٰہی سے نہ تو یہ پچھلا گناہ معاف کر دیگا، اور توبہ پر استقامت کی بھی توفیق دیگا۔ فَمَنْ تَابَ یہ توبہ قاعدۂ شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چرائی ہوئی چیز، مالک کو واپس کر دینا چاہیے، اور اگر تلف ہوچکی ہو
تو اُس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے کہ یہ سب شرائط تکمیل توبہ میں سے ہیں۔ سزائے قطع ید جو حق العباد کی اتلاف کی سزا ہے محض توبہ سے معاف نہیں ہوجاتی۔ فاما القطع فلا یسقط عنه بالتوبة
عند الاکثرین (مدارک) القطع لا یسقط بالتوبة (قرطبی) لم یسقط شیء ولا توبة السارق (ابن العربی) وقال الجمهور لا یسقط عنه هذا الحد (کبیر) حنفیہ و مالکیہ کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے ایک قول میں اس سے اختلاف نقل ہوا ہے اور
ایک گروہ نے اس پر استدلال اس سے کیا ہے کہ آیت کے آخر میں غفور رحیم جو آگیا ہے۔ قال بعض العلماء التابعین یسقط عنه الحد لان ذکر الغفور الرحیم فی اٰخر هذه الاٰیة (کبیر) فقیہ مفسر ابن العربی مالکی نے اس موقع پر شافعیہ کو مخاطب کرکے جو
یہ لکھا ہے۔ (احکام القرآن جلد اول ص ۲۵۳) وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وَاَصْلَحَ۔ یعنی آیندہ کیلئے ایسی عادتیں اور حرکتیں چھوڑ دے، توبہ کا تعلق ماضی سے تھا، اور اصلاح کا تعلق مستقبل سے

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ

چاہیں گے کہ نکل آئیں آگ سے۔ حالانکہ اُس سے کبھی نہ نکل پائیں گے۔ اور

مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ (۳۷) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

اُن کے لیے مستقل عذاب ہے ۱۳۴ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی

فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ

عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ۱۳۵ اُن کے کرتوتوں کے عوض میں اللہ کی طرف سے بطورِ عبرتناک

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۳۸) فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَ

سزا کے ۱۳۶ اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۳۷ پھر جو شخص اپنی حرکت ناشائستہ کے بعد توبہ کرلے، اور

أَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳۹)

اپنی اصلاح کرلے، تو بیشک اللہ اُس پر توجہ کریگا ۱۳۸ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا مہربان ہے ۱۳۹

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ

کیا تو نہیں جانتا کہ بس اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے ۱۴۰ وہ جسے

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ

چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کردے اور اللہ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۴۰) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ

قدرت رکھتا ہے ۱۴۱ اے پیغمبر آپ کو وہ لوگ رنج میں نہ ڈالیں جو

يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ

دوڑ دوڑ کر کفر میں پڑتے ہیں ۱۴۲ (خواہ) اُن میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

ہی کے بعد گرفتاری ہوگئی۔ مُلک سے نکال دیئے جانے سے مُراد ایک تو جلاوطنی ہے۔ دُوسرے یہ کہ مجرم ملک میں آزادانہ چلنے پھرنے نہ پائیں، اُنکی آزادی سلب کرلی جائے، اور وہ قیدخانہ میں بند کردیئے جائیں۔ فقہاء حنفیہ نے بھی آخری معنی اختیار کئے ہیں اور لغت بھی اس کی تائید میں ہے۔ وقال ابوحنیفة النفی من الارض هو الحبس وهو اختیار اکثر اهل اللغة (کبیر) والمراد بالنفی عند نا هو الحبس والسجن والعرب تستعمل النفی بذلك المعنی لان الشخص یفارق بیته واهله (روح) قیل نفیهم ان یخلد وا فی السجن (ت ج۔ لسان) فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ جلاوطنی کی صُورت میں مجرم یا تو کسی دُوسرے اسلامی شہر میں چلا جائیگا تو وہاں جاکر فتنہ و فساد کا باعث بنیگا۔ یا اگر دارالحرب چلا گیا تو وہاں دشمنان اسلام کی تقویت کا سبب بن جائیگا۔ اسلئے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے ۔۔۔ مبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر وغیرہ میں یہ بحثیں تفصیل سے ملینگی۔ ان چار صورتوں کے علاوہ پانچویں صُورت یہ بھی ممکن ہے کہ رہزنوں نے کسی کو محض زخمی کرکے چھوڑ دیا ہو۔ تو اس کا حکم مثل عام زخمیوں کے ہوگا۔ یہاں قانون قصاص وضمان کی دفعات چلیں گی۔ اور یہ حق العبد ہونے کے باعث معاف بھی ہو سکیگا۔ "روشن خیالی" اور "تجدد نوازی"، جو دُوسرا نام ہے، جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا، ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بہ جبیں ہو لیکن ساری قیاسی و عقلی بحثوں سے قطع نظر صرف عملی اور تجربی حیثیت سے دیکھنا یہ ہے کہ جن ملکوں نے اپنے ہاں قانون کو نرم سے نرم کرکے سزائیں ہلکی سی ہلکی کردی ہیں، اُنکے ہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے؟ اور اُن قوموں کے ہاں کیا، جنکے ہاں آج تک اسلامی تعزیرات و حدود کا نفاذ جاری ہے؟ ۔۔۔ امریکہ اور برطانیہ اور فرانس کا ریکارڈ جرائم کے لحاظ سے، بلووں اور ڈاکوں، قتل و غارت کے لحاظ سے کیا ہے اور نجد و حجاز و یمن کا کیا؟ Gunmen اور Gangster قسم کی نئی نئی اصطلاحیں روز کہاں پیدا ہو رہی ہیں؟ بدنام تو لوٹ مار، نوچ کھسوٹ، کشت و خون کیلئے عرب کے بدوی تھے، لیکن اب کیا نسبت انہیں مہذب دنیا کے روز روشن میں ڈاکوں سے رہی ہے؟ ۔۔۔ یہ تو واقعات ہیں واقعات، خوش اعتقادی کا کوئی سوال نہیں۔ عقلاً اور اصلاً ہے بھی یہی بات کہ اسلام نے معاش اور معیشت اور معاشرت کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے اور فرد و جماعت دونوں کیلئے فراغ خاطر اور آسائش و سہولت کے جتنے موقعے بہم پہنچا دیئے ہیں انکے بعد بھی جو ظالم اللہ کی ان نعمتوں کی شدید ناشکری کرکے امن عامہ پر ڈاکہ ڈالتا، اور اللہ کے بندوں کی جان اور مال بہ جبر لے لینا چاہتا ہے، اور ثبوت جو اپنے انتہائی خبثِ نفس کا دے رہا ہے ایسا خبیث الفطرت مستحق بھی سخت ترین سزا کا ہے۔

۱۲۶ عبرت و موعظت کے لئے سزاؤں کا محض سخت یا جسمانی حیثیت سے تکلیف دہ ہونا ہی کافی نہیں، تفضیح و رسوائی، دماغی و قلبی تکلیف کا پہلو بھی ان میں نمایاں ہونا چاہیئے۔ فقہاء نے یہ بھی طے کردیا ہے کہ رہزنی اور ڈکیتی کا ارتکاب اگر ایک غول یا جتھے نے کیا ہے، تو فرداً فرداً ہر ایک کے تعین جرم کے ثبوت کی حاجت نہیں محض اُس گروہ سے وقوع جرم کا ثبوت کافی ہے۔ اسلئے کہ جتھے کے کسی فرد نے بھی جو کچھ کیا ہے جتھے ہی کی قوت کے بھروسہ پر کیا ہے چنانچہ قتل بالغرض رہزنوں کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی کیا ہے تو محاربہ میں بہرحال پورا جتھا شریک ہوا اور قصاص میں قتل سب ہونگے۔ فان باشر القتل احدهم اجری الحد علیهم باجمعهم لانجزام المحاربة (ہدایہ) ان باشر القتل احدهم یجب الحد علی الجمیع (شرح دقایہ)

۱۲۷ (اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دُنیا کی سزا ایسے مجرموں کیلئے کافی ہوگئی) یہیں سے فقہائے حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اجرائے حد کفارۂ معصیت کیلئے کافی نہیں۔ یدل علی ان اقامة الحد علیه لاتکون کفارة لذنوبه (جصاص) والآیة اقوی دلیل لمن یقول ان الحدود لاتسقط العقوبة فی الآخرة (روح) اور یہی مذہب مالکیہ کا بھی ہے۔ واذا خرج المحاربون فاقتتلوا مع القافلة فقتل بعض المحاربین ولم یقتل بعض قتل الجمیع (قرطبی)

۱۲۸ (اسلئے وہ توبہ کرنیوالوں سے حد بھی ساقط کئے دیتا ہے) اب نہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائینگے، نہ سُولی اور نفی فی الارض (حبس) کا اختیار باقی رہیگا۔ یہ معین حدود جو اللہ کی مقرر کی ہوئی تھیں توبہ کے بعد ساقط ہو جائینگی۔ اور کوئی دعویٰ اور مطالبہ اب حکومت اسلامی کی طرف سے باقی نہیں رہیگا البتہ وارثوں اور مدعیوں کو اب بھی اختیار ہے کہ خواہ معاف کردیں، خواہ مال پر صلح کرلیں، خواہ خون کے بدلہ میں خون کا مطالبہ کریں۔ اب معاملہ صرف بندوں کے درمیان رہ گیا۔ وان اُخذ بعد ماتاب وقد قتل عمداً فان شاء الاولیاء قتلوه وان شاؤا عفوا عنه لان الحد فی هذه الجنایة لایقام بعد التوبة (ہدایہ) ومتی سقط الحد المذکور فی الآیة وجبت حقوق الآدمیین فی المال والنفس والجراحات (جصاص) فان کان قد قتل فان شاء الاولیاء قتلوه وان شاؤا عفوا عنه لان هذا القتل قصاص فصح العفو عنه والصلح به (فتح القدیر) تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ۔ توبہ کے تحقق کیلئے یہ شرط ضروری ہے کہ اسکا وجود مجرموں پر قابو پائے جانے سے پہلے پایا جائے بغیر اسکے صدق توبہ اور اخلاص ثابت نہ ہوگا۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ توبہ محض زبانی و لفظی کافی نہیں عملی علامتیں بھی اصلاح حال اور صدق توبہ کی ظاہر ہونی چاہیئے۔ حتی یتوب لا بالقول بل بظهور سیماء الصلاح (در مختار)

۱۲۹ یعنی اُسکے احکام کی نافرمانی سے ڈرو اور بچو۔ تقویٰ ہی ایسی چیز ہے جو جاہ و مال کی ہر حرص بیجا سے بچا سکتا ہے۔

۱۳۰ (طاعتوں کے ذریعہ سے) وَسِیلَة کے معنی قرب کے ہیں۔ اہل لغت اور تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ یعنی بالوسیلة القربة (ابن جریر) توسلت الی فلان بکذا بمعنی تقربت الیه (ابن جریر) الوسیلة القربة التی ینبغی ان یطلب بها (قرطبی) الوسیلة هی القربة عن ابی وائل والحسن ومجاهد وقتاده وعطاء والسدی وابن زید وعبدالله بن کثیر (قرطبی) الوسیلة القربة الزلفة یقال توسل الی بکذا ای تقرب (ابن قتیبہ) اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ اطلبوا الیه القرب فی الدرجات بالاعمال الصالحة (ابن عباس) استعیرت لما یتوسل به الی الله تعالی من فعل الطاعات وترك السیئات (مدارک) فالمراد طلب الوسیلة الیه فی تحصیل مرضاته وذلك بالعبادات والطاعات (کبیر) وحقیقة الوسیلة الی الله تعالی مراعاة سبیله بالعلم والعبادة وتحری مکارم الشریعة وهی کالقربة (راغب) جن لوگوں نے وسیلہ کے تحت میں بزرگان دین کی استعانت اور انبیاء و اولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے انہوں نے عربی کے وسیلہ (بمعنی قرب کو) اردو کے وسیلہ (بمعنی ذریعہ) کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور ایسی شدید و فاحش غلطیاں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط و تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ واما اذا کان المطلوب منه میتاً او غائباً فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احد من السلف (روح) (میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے بھی نہیں کیا ہے) اور لکھا ہے کہ:۔ ولم یرو عن احد من الصحابة رضی الله تعالی عنهم وهم احرص الخلق علی کل خیر انه طلب من میت شیئاً (حضرات صحابہ سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو) صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اتباع سنت ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتا ہے انکی حالت یہ تھی۔ قد صح عن ابن عمرؓ انه کان یقول اذا دخل الحجرة الشریفة زائراً السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا ابابکر السلام علیك یا ابت ثم ینصرف ولا یزید علی ذلك ولا یطلب من سید العالمین صلعم او من ضجیعیه المکرمین شیئاً وهم اکرم من ضمنه البسیطة وارفع قدراً من سائر من احاطت به الافلاك المحیطة۔ (جب روضۂ نبوی میں زیارت کیلئے داخل ہوتے تو صرف اسقدر کہتے کہ السلام علیك یا رسول اللہ، السلام علیك یا ابابکرؓ، السلام علیك اباجان اور اس سے زائد کچھ نہ کہتے نہ کچھ مانگتے نہ سرورِ عالم سے نہ انکے اُن مکرم مقربین سے۔ درآنحالیکہ سارے زمین و آسمان کی مخلوقات میں اُن سے بڑھ کر

اعانت مل الحرام ہے۔ ۱۲۲ (اور انہی احکام میں قتل ناحق اور خونریزی کی ممانعت بھی داخل تھی) اَلْبَیِّنٰتِ سے مراد دلائل معجزات بھی ہوسکتے ہیں لیکن یہاں زیادہ چسپاں معنی احکام و ہدایات کے ہیں۔ ای بالامر والنھی والعلامات (ابن عباسؓ)
"صاف حکم" (شاہ عبدالقادر دہلوی) جَآءَتْهُمْ۔ ھم کی ضمیر انہی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ ۱۲۳ (یہاں تک کہ بعض اوقات تو خود انہی پیمبروں کو قتل کر ڈالا) ثُمَّ کبھی استبعاد کیلئے بھی آتا ہے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والاستبعاد (روح) چنانچہ یہاں
اسی معنی میں ہے کہ جو نتیجہ ان پیمبروں کے آنے کا نکلنا تھا وہ تو کچھ بھی نہ نکلا، البتہ اسکے برعکس نکلا۔ لَمُسْرِفُوْنَ۔ اسراف میں ہر قسم کی زیادتی اور ہر قسم کے گناہ آگئے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ پیمبروں کی آمد کے باوجود، اسرائیلیوں کی اکثریت قانون کی مسلسل خلاف ورزی
کرتی رہی۔ الاسراف فی کل امر التباعد عن حد الاعتدال مع عدم مبالاة به (روح) ای ان اکثرھم یجاوزون الحد و تارکون امر اللہ (قرطبی) ای مجاوزوا اللہ ورسلہ باتباعھم اھواءھم وخلافھم علی انبیاء ھم وذلک کان اسرافھم فی الارض (ابن جریر)
۱۲۴ یہ کون لوگ ہیں؟ اور آیت کے ان دو جملوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان کا وٗ واوِ تفسیری ہے، اور اسلئے دوسرا فقرہ یسعون فی الارض پہلے فقرہ الذین یحاربون اللہ ورسولہ کی تشریح و تفسیر اور اس کی مراد متعین کر
رہا ہے۔ ویسعون فی الارض فسادًا ھذا ھو معنی محاربة المسلمین (رحل) مُراد یہاں رہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے۔ عام اس سے کہ وہ کافر ہوں یا مسلم۔ یہی گروہ جب نکلتا ہے تو ہتھیار باندھ کر، پوری شان و شوکت کے ساتھ کہ جن پر حملہ کیا جائے وہ بیچارے مقابلہ بھی نہ
کرسکیں۔ عاصیوں اور نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے۔ ذھب اکثر المفسرین وعلیہ جملة الفقھاء الی انھا نزلت فی قطاع الطریق (روح) والصحیح ان ھذہ الاٰیة عامة فی المشرکین وغیرھم فی من ارتکب ھذہ الصفات

الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ
لگے رہتے ہیں ۱۲۴ اُن کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سُولی دیئے جائیں، یا اُن کے ہاتھ
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ
اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں، یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں ۱۲۵ یہ تو اُن کی
لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۳۳
رسوائی دنیا میں ہوئی ۱۲۶، اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ۱۲۷
اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا
مگر جو لوگ توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم اُن پر قابو پاؤ تو جانے رہو کہ
اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳۴ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۲۸، اے ایمان والو اللہ سے ڈرو ۱۲۹ اور اُس کا
وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ
قرب تلاش کرو ۱۳۰ اور اُس کی راہ میں جدوجہد کرو ۱۳۱ تاکہ (ہر طرح) فلاح
تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ
پاؤ ۱۳۲ بیشک جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس ساری دُنیا کی چیزیں ہوں، اور اتنی ہی
جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ
اُن کے پاس اور بھی ہوں، تاکہ وہ انہیں معاوضہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے
الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۳۶
چھوٹ جائیں، تو وہ اُن سے (ہرگز) قبول نہ کی جائیگی، اور ان کیلئے عذاب دردناک ہی ہے ۱۳۳

ع ۵/۸/۹

(ابن کثیر) یتناول کل من کان موصوفًا بھذہ الصفة سواء کان کافرًا او مسلمًا (کبیر) نزلت فی قطاع الطریق من
المسلمین وھذا قول اکثر الفقھاء (کبیر) المراد قطاع الطریق من اھل الملة (جصاص) ولو یسم بذلک کل عاص
للہ تعالیٰ اذ لیس بھذہ المنزلة فی الامتناع واظھار المغالبة فی اخذ الاموال وقطع الطریق (جصاص) ایک
قول بعض غیر مستند متاخرین (عن بعض المتاخرین ممن لایعتد بہ) کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آیت کے مصداق مرتدین
ہیں لیکن محققین نے تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ یہ قول سر تا سر لغو و باطل ہے۔ ھو قول ساقط مردود مخالف للاٰیة
واجماع السلف والخلف (جصاص) لاخلاف بین السلف والخلف من فقھاء الامصار ان ھذا الحکم
غیر مخصوص باھل الردة وانہ فی من قطع الطریق وان کان من اھل الملة (جصاص) یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ۔ محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کا ممکن ہی نہیں۔ رسول اللہ صلعم سے ممکن تھا لیکن کبھی کسی
مسلم سے واقع نہیں ہوا، اور بعد وفات شریف تو اس کا امکان ہی نہ رہا۔ یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت
یا اللہ اور اسکے رسولؐ کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی المعصیة
ای یعصونہ (لسان) ای یعصونہ (تاج) اور اہل تفسیر تو سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الذین
یخالفون احکام اللہ واحکام رسولہ (کبیر) المحاربة ھی المضادة والمخالفة وھی صادقة علی الکفر و
علی قطع الطریق واخافة السبیل (ابن کثیر) یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں
انکے ساتھ ذمیوں کے بھی مال اور جان دونوں اللہ اور اسکے رسولؐ کے بخشے ہوئے حفظ و امن میں ہوتے ہیں، اب
جو کوئی ان پر بلا عذر حملہ کرتا ہے، وہ پوری طرح سعی فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ بھی ہے
سمی قاطع الطریق محاربًا للہ لکون المسافر معتمدًا علی اللہ تعالیٰ فالذی یزیل امنہ محارب لمن اعتمد علیہ فی
تحصیل الامن (فتح القدیر) سموا محاربین تشبیھًا لھم بالمحاربین من الناس (جصاص) فقہاء حنفیہ نے
یہاں یہ قید لگائی ہے کہ جس رہزنی کا یہاں ذکر ہے، اور جسکی سزا یہاں درج ہے، وہ شہر یا قرب شہر میں معتبر نہیں شہر اور
قرب شہر صرف تعزیر و قصاص کا محل ہے۔ یہاں حد جاری نہ ہوگی۔ ومذھب ابی حنیفة وجماعة ان المحاربین
ھم قطاع الطریق خارج المصر واما فی المصر فیلزمہ حد ما اجترم من قتل او سرقة او غصب ونحو ذلک (کبیر)
وقال قوم المکابرون فی الامصار لیس لھم حکم المحاربین فی استحقاق ھذا الحد وھو قول ابی حنیفة (معالم)
قالت طائفة لاتکون المحاربة فی المصر انما تکون خارجًا عن المصر ھذا قول سفیان الثوری واسحٰق و
النعمان (قرطبی) ۱۲۵ چار سزائیں یہاں مذکور ہوئیں اور چاروں الگ الگ موقعوں کیلئے ہیں قول صحیح
و معتبر یہی ہے نہ یہ کہ امام کو ان چار سزاؤں میں سے ہر ایک موقع کیلئے اختیار دیدیا گیا ہے، اگرچہ بعض اکابر اس طرف
بھی گئے ہیں۔ ذھب الاکثرون الی ان ھذہ العقوبات علی ترتیب الجرائم لا علی التخییر (معالم) وقال
ابن عباس وابو مجلز وقتادة والحسن وجماعة بکل رتبة من الحرابة رتبة من العقاب (بحر) والمراد منہ
واللہ اعلم التوزیع علی الاحوال (ہدایہ) اَوْ حرف اَوْ جو یہاں سزاؤں کے درمیان بار بار آیا ہے تخییر کے لئے
نہیں تفصیل کیلئے ہے۔ واو فی الاٰیة علی ھذا للتفصیل (بیضاوی) قال ابن عباس فی روایة عطاء کلمة او
ھھنا لیست للتخییر بل ھی لبیان ان الاحکام تختلف باختلاف الجنایات وھذا قول الاکثرین من العلماء (کبیر) یُقَتَّلُوْا۔ یہ سزا اُس موقع کیلئے ہے جب رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو، اور نوبت مال لینے کی نہ آئی ہو۔ تقتیل باب تفعیل سے ہے
اور اسکے معنی ہیں باب قتل یا قصاص پر زیادتی ہے۔ یہیں سے اشارہ اس نکتہ کی طرف ہو رہا ہے کہ یہ حق شریعت ہے محض ولی کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوگا۔ ویقتلون حدًا حتی لو عفا الاولیاء عنھم لایلتفت الی عفوھم لانہ حق الشرع (ہدایہ)
رہزنی کا جرم تنہا فرد یا افراد کے خلاف نہیں معاشرہ کے خلاف بھی ہے۔ اسلئے مستغیث افراد کی دستبرداری ایسے مقدمہ کو ختم کرنے کو کافی نہیں۔ یُصَلَّبُوْا۔ یہ سُولی پر چڑھانا اس صورت کے لئے ہے جب رہزنی میں قتل و غارت دونوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ حنفیہ
کے ہاں سُولی کی سزا کے لازمی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوالحسن قدوری کا قول ہے اور یہی ظاہر الروایة ہے کہ سولی دینے نہ دینے کا امام کو اختیار ہے۔ ثم ذکر فی الکتاب التخییر بین الصلب وترکہ وھو ظاھر الروایة (ہدایہ) فی ظاھر الروایة ھو
مخیر فی الصلب ان شاء فعلہ وان شاء لم یفعلہ واکتفی بالقتل (مبسوط) لیکن امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ سولی ضرور دی جائے اسلئے کہ اول تو یہ نص قرآنی کے مطابق ہے اور دوسرے سزا سے جو مقصود تشہیر اور دوسروں کیلئے عبرت ہے وہ بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔
وعن ابی یوسفؒ انہ لایترکہ لانہ منصوص علیہ المقصود والتشھیر لیعتبر بہ غیرہ (ہدایہ) وعن ابی یوسفؒ قال لیس للامام ان یدع الصلب لان المقصود بہ الاشتھار لیعتبر غیرہ (مبسوط) خود صاحب ہدایہ کا کہنا ہے
کہ تشہیر تو نفس قتل ہی سے ہو جاتی ہے، البتہ سُولی سے اس تشہیر میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اسلئے یہ امام ہی کی رائے پر چھوڑنا چاہیئے۔ ونحن نقول اصل التشھیر بالقتل والمبالغة فی الصلب فیخیر فیہ (ہدایہ) تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ
یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائیگا۔ یہ سزا اس صورت میں ہے کہ صرف مال لُوٹا ہو اور جان نہ لی ہو۔ اس سزا کے باب میں بھی فقہاء حنفیہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب قتل یا سُولی کی سزا اپنے دفعات جرم کی بنا پر نافذ ہو رہی ہو تو پھر قطع
اعضاء کی سزا نافذ نہ کی جائیگی، اسلئے کہ بڑی حد کے اجراء کے بعد پھر چھوٹی حد کے اجراء کا سوال باقی نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کسی پر چوری اور زنا دونوں ثابت ہوں، تو سزا صرف زنا کی ملے گی، اور سنگساری کے ہوتے ہوئے ہاتھ کاٹے جانے کی الگ سزا کی ضرورت نہ رہیگی
لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا فرمانا ہے کہ قطع اعضاء اور سُولی یہ تعداد میں دو سزائیں ہی نہیں بلکہ مجرم کے ہاتھ پیر کاٹ کر قتل یا سُولی ایک ہی سزا ہوئی۔ یہ سزا سخت تر بیشک ہے لیکن یہ اسلئے کہ جرم بھی تو سخت تر ہے۔ اور جرم کی اشدیت یہ ہے کہ
مجرم نے قتل و غارت (مار اور لوٹ) دونوں کر کے امن عامہ کو انتہا درجہ کا نقصان پہنچا دیا ——— یہ ساری تفصیلات ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ یہ اُس صورت میں کہ ابھی نوبت نہ جان لینے کی آئی، نہ مال لوٹنے کی محض قصد و اقدام

الموجوع بالعقود (جصاص) وقيل تحتمل (معالم) ١١٣ اپنے عام حکیمانہ اسلوب کے مطابق قرآن مجید نے یہاں بھی ایک مخصوص واقعہ کے بیان کے معاً بعد ہی قانون عام بھی سنادیا۔ ١١٤ ہابیل کی اس مؤثر تقریر سے قابیل ذرا بھی متاثر نہ ہوا، بلکہ مقابلہ و مزاحمت کی طرف سے بے فکر ہو کر عجب نہیں جو قتل پر اور زیادہ آمادہ ہو گیا ہو۔ فَقَتَلَهٗ۔ توریت میں ہے۔ "اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے، تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اٹھا اور اُسے مار ڈالا" (پیدائش ۴: ۸) فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ یعنی اسکے نفس نے اس کام پر رفتہ رفتہ دلیر و مستعد بنادیا، اور اسے اس کی نظر میں خوشگوار کر دکھایا۔ اى فحسنت وسولت نفسه وشجعته على قتل اخيه (ابن کثیر) یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے۔ ابتداءً ہر فطرت سلیم اس سے رکتی ہے ہچکچاتی ہے لیکن نفس رفتہ رفتہ اسکی جانب مائل اور اُس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اسکی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔ ١١٥ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ دنیا میں سب سے پہلا قتل کیا، قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا۔ اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا۔ فَاَصْبَحَ سے یہ مراد نہیں کہ قتل رات ہی کے وقت ہوا تھا۔ اَصْبَحَ کا اطلاق وقت مبہم کیلئے عام ہے۔ وقوع قتل و حصول خسران دن رات کے جس حصہ میں بھی ہوا ہو، اس لفظ کے اعتبار سے بے تکلف جائز ہے۔ اصبح ہوگیا کے معنی میں اور صار کے مرادف عرب کا عام محاورہ ہے بعضوں کو اس محاورہ کے سمجھنے میں عجب غلطی ہوئی ہے۔ ولا دلالة فى قوله فاصبح على ان القتل كان ليلا وانما المراد به وقت مبهم جائز ان يكون ليلاً وجائزٌ ان يكون نهاراً وهذا عادة العرب فى اطلاق مثله والمراد به الوقت المبهم (جصاص) اصبح بمعنى صار (بحر) الاترى انهم جعلوا اضحى وظلّ وامسى وبات بمعنى صار (بحر) ١١٦ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا، اور قابیل غریب کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اپنے مقتول

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
اس پر اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کو کھودتا تھا تاکہ اُسے دکھادے کہ وہ اپنے
يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ
بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے ١١٦ (یہ دیکھ کر) وہ بولا، ہائے میری کمبختی، کہ میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا
مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ
کہ اس کوّے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا ١١٧ غرض وہ (بہت ہی)
النّٰدِمِيْنَ ۛ ۚ ﴿٣١﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ
شرمندہ ہوا ١١٨ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کردیا کہ جو کوئی کسی کو کسی جان کے
اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ
(عوض کے) یا زمین پر فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے ١١٩ تو گویا،
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا
اُس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا ١٢٠ اور جس نے ایک کو بچالیا، تو گویا اُس نے سارے
النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ
آدمیوں کو بچالیا ١٢١ اور یقیناً اُن لوگوں کے پاس ہمارے پیمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے ١٢٢ اُس
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا
پر بھی ان میں کے بہت سے لوگ ملک میں زیادتی کرنے والے ہی رہے ١٢٣ جو لوگ
جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى
اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بھائی کی لاش کو آخر کرے کیا۔ آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ انتظامات تکوینی کے ماتحت، اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کیلئے بھیجا گیا۔ سَوْءَةَ کے لفظی معنی جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصہ کے ہیں۔ یہاں مراد نعش سے ہے۔ اى جيفة اخيه (کبیر) قيل جميع جيفته فان الميت كله عورة (بحر) ١١٧ قاتل اب بکمال حسرت و ندامت کہہ رہا ہے کہ مجھے تو اس مُردار خوار جانور کے برابر بھی فہم و شعور نہیں! توریت میں تو ہابیل کی تدفین کا کچھ ذکر نہیں، البتہ شارحین توریت نے ایک پرندہ کا ذکر کیا ہے، کہ اسکے عمل تدفین کو دیکھ کر آدم و حوا نے بھی ہابیل کا لاشہ زمین میں دفن کیا، لیکن پرندہ کا نام بجائے کوّے کے جنگلی فاختہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اوّل ص ٤٩۔ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ۔ بعض فقہاء نے اس بیان سے جواز قیاس تمثیلی کا استنباط کیا ہے۔ فيه دليل على قياس الشبه (ابن العربی) ١١٨ (اپنی اس تباہ حالی پر) یہ ندامت نفس قتل پر بالکل نہ تھی، جو توبہ کی قائم مقام کسی درجہ میں بھی ہو سکتی، بلکہ قتل کے بعد اُسے جو دشواریاں نظر آئیں صرف اُن پر تھی۔ جسے ندامت طبعی کہا جاسکتا ہے، جو کسی حد تک بھی توبہ کا کام نہیں دے سکتی ——— گویا قاتل صرف پریشان ہوا، پشیمان اب بھی نہ ہوا۔ ولم يكن ذلك ندم توبة (قرطبی) قيل انه ندم على القتل على غير جهة القربة الى الله تعالٰى منه وخوف عقابه (جصاص) ...... فكان ندمه لاجل هٰذه الاسباب لا لكونه معصية (کبیر) حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ اگر یہ ندامت عواقب قتل پر نہیں، بلکہ قتل ہی پر مانی جائے، جب بھی ہر ندامت توبہ نہیں۔ جب تک معذرت اور انکسار اور فکر تدارک بھی اسکے ساتھ شامل نہ ہو۔ یہ ندامت اگر کہیں معصیت کو معصیت سمجھ کر، اور خوف خدا سے ہوتی تو توبہ قبول ہی نہ ہو گئی ہوتی۔ ولو ندم على الوجه المامور به لقبل الله توبته وغفر ذنبه (جصاص) الندم له شروط فكل من جاء بشروطه قبل منه ومن اخل بها او بشیء منها لم يقبل (ابن العربی) الندم على المعاصى انما ينفع بشرط العزم على ان لا يفعل فى المستقبل (ابن العربی) ١١٩ (اور اس طرح قتل ناحق کا مرتکب ہو) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ جو بھی قتل ارادی بجز ان دو صورتوں کے کیا جائے، وہ قتل ناحق ہوگا:۔ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ۔ یعنی وہ قتل بطور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ۔ یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو، اور نظام عالم پر اس سے ضرب لگ رہی ہو، مثلاً جرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرامکاری وغیرہ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ۔ یعنی ان مفاسد کے باعث جو قتل ناحق سے پیدا ہوتے ہیں۔ ذٰلِكَ سے اشارہ قصہ قتل ہابیل کی جانب نہیں، بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں۔ هو اشارة الى ما مر ذكره فى هٰذه القصة من انواع المفاسد الحاصلة بسبب القتل الحرام (کبیر) آیت کے اس ٹکڑے سے فقہاء نے قیاس شرعی کا بھی اثبات و استناد کیا ہے۔ فيه ابانة عن المعنى الذى من اجله كتب على بنى اسرائيل ما ذكر فى الاية (جصاص) وفيه دليل على اثبات القياس ووجوب اعتبار المعانى التى علق بها الاحكام وجعلت علاً واعلاماً لها (جصاص) ١٢٠ آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو یہ لفظ فَكَاَنَّمَا پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہوگا۔ قانون، عدالت، ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلا وجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا، اُسکی جسارت اور خبث نفس سے بعید کیا ہے، جو وہ پائے، تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھدے ——— اصل شے تو اس کی نظر میں قانون شریعت کی بے وقری اور اسکے خلاف ورزی پر اُسکی دلیری ہے۔ من حيث انه هتك حرمة الدماء وسن القتل وجرأ الناس عليه (بیضاوی) المقصود من تشبيه قتل النفس الواحدة بقتل النفوس المبالغة فى تعظيم امر القتل العمد العدوان وتفخيم شانه (کبیر) قيل المعنى من استحل واحداً فقد استحل جميعا لانه انكر الشرع (قرطبی) حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے، اسکے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ بانی اوّل اس جور و ستم کا تو وہی ہوا ہے۔ عن عبد الله قال قال رسول الله صلعم لا تقتل نفس ظلماً الا كان على ابن آدم الاول كفل من دمها لانه اول من سن القتل (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب خلق آدم وذریته) موجودہ توریت میں تو جرم قتل انسانی سے متعلق صرف اس قدر ہے:۔ "جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائیگا کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔" (پیدائش۔ ۹: ٦) لیکن تالمود میں (حسب روایت راڈول، انگریزی مترجم قرآن) حسب ذیل مضمون بھی موجود ہے:۔ "جو کوئی کسی ایک اسرائیلی کو بھی مار ڈالیگا، اسکے لئے یوں سمجھا جائیگا کہ گویا اُس نے ساری نسل اسرائیل کو قتل کر دیا۔" ١٢١ ایک حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون، ایک عام قاعدہ و ضابطہ کی صورت میں آیا ہے:۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً نَعَمِلَ بِهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهَا ومثل اجر من عمل بها لا ينقص من اجورهم شيئاً ومن سن سنة سيئة فعمل بها كان عليه وزرها ووزر من عمل بها لا ينقص من اوزارهم شيئاً۔ جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اُس پر عمل بھی کرے اُسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اسکے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اسکے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے اور اُس پر عمل بھی کرے اُس پر گناہ اپنے کئے کا بھی پڑتا ہے، اور اسکے بعد اُس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اسکے کہ ان لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔ اگر نص کی اتنی تصریحات نہ موجود ہوتیں، جب بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ پر عقلی تھا۔ اَحْيَاهَا۔ احیا کے معنی یہاں زندہ کرنے کے نہیں، موت سے بچالینے اور اسباب ہلاکت سے دُور رکھنے کے ہیں۔ قال مجاهد نجاها من الهلاك (جصاص) من سلم من قتلها (معالم) المراد من احياء النفس تخليصها عن المهلكات مثل الحرق والغرق والجوع المفرط والبرد والحر المفرطين (کبیر) یہ بچالینا مستحق مدح و اجر جبھی ہے جب خون ناحق سے بچایا جائے، ورنہ بچالینے کو اگر اپنے مطلق اور عمومی معنی میں رکھا جائے، تو موقع قصاص وغیرہ پر قتل واجب سے کسی کو بچانا بجائے خود ایک معصیت اور

ف۱۰۲ اور اسی جزیرہ نمائے سینا میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے) مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اُن کے لئے تکوینی طور پر اب یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ ۴۰ سال سے قبل اس ارضِ مقدس میں داخل ہو سکیں اور جو نعمت انہیں تھوڑی ہی جد وجہد کے بعد فی الفور مل جا رہی تھی۔
اب اس کیلئے انہیں ۴۰ سال کا انتظار کرنا ہوگا، اور اُن کی موجودہ نسل کا بڑا حصّہ اسی انتظار میں ختم ہو جائیگا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ میں اُن کو جو وعدہ تھا وہ بالکل مطلق اور غیر مشروط صورت میں نہ تھا وہ مشروط تھا اُن کی جد وجہد کے ساتھ۔ والمراد بقوله كتب الله
لكم اى بشرط ان تجاهدوا اهلها فلما ابوا الجهاد قيل فانها محرمة عليهم (مدارک)۔ ببعني ان يكون الله قد جعلها على شريطة القيام بطاعته واتباع امره فلما عصوا حرمها ايّاها (جصاص)۔ توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "مجھے اپنی حیات کی قسم کہ ساری
زمین خداوند کے جلال سے معمور ہوگی کہ وہ سب لوگ جنہوں نے میری شوکت اور میرے معجزے جو میں نے مصر میں اور اس بیابان میں ظاہر کئے دیکھے اب تک مجھے اس مرتبہ آزماتے اور میری آواز پر کان نہ دھرتے وہ اس زمین کو جس کی بابت میں نے اُن کے باپ دادوں
سے قسم کی تھی نہ دیکھینگے بلکہ کوئی اِن میں سے جنہوں نے مجھے غصّہ دلایا اُسے نہ دیکھیگا" (گنتی۔۱۴: ۲۱، ۲۲) "مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سُنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کرونگا، تمہاری لاشیں اور اُن سب کی جو تم میں شمار کئے گئے اُنکے کل جمع کے مطابق
۲۰ برس والے سے لے کے اُوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں اِس بیابان میں گرینگی" (گنتی۔۱۴: ۲۸، ۲۹) "تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھرینگے! اور تمہاری برگشتگی کے اٹھانے
والے ہونگے" (گنتی۔۱۴: ۳۳) "ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں، دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اُٹھاتے رہوگے۔ تب تم میری عہد شکنی کو جان لوگے میں نے جو خداوند ہوں کہا ہے
کہ میں اس سارے خبیث گروہ سے جو میری مخالفت پر جمع ہیں، ایسا ہی کرونگا۔ اس دشت میں وہ برباد ہو جائینگے اور یہیں ہلاک ہونگے" (گنتی۔۱۴: ۳۴، ۳۵) عصر حاضر کے ایک فرنگی ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی تخمین کے مطابق یہ زمانہ ۱۴۴۰ ق م اور ۱۴۰۰ ق م کے درمیان کا ہے
اَرْبَعِيْنَ۔ فعل حرم کا ظرف ہے۔ اربعين ظرف التحريم (مدارک)۔ ف۱۰۳ پیمبر آخر پیمبر ہوتے ہیں، رحمت و شفقت کے پُتلے عفو و کرم کے مجسمے۔ کہاں خود ہی تو دعا کی تھی کہ نافرمان قوم کو سزا ملے۔ اور کہاں اب جو سزا، وہ بھی صرف دنیوی، ملنے لگی تو لگا خود آپ ہی کا دل پسیجنے
اور اُن لوگوں پر غم کرنے۔ عین اُسی وقت حکم ہُوا کہ حکمت کاملہ میں ایسے نافرمانوں کیلئے سزا یہی مناسب ہے اور آپ اِن پر غم نہ کیجئے۔ خطاب موسٰی علیہ السلام سے ہے جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے اور سیاق خود اسی کا مقتضی ہے۔ والخطاب لموسى عليه السلام كما هو الظاهر
واليه ذهب اجلة المفسرين (بحر)۔ ف۱۰۴ (اے ہمارے پیمبر!) عَلَيْهِمْ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ اہل کتاب، خصوصاً معاندین اہل کتاب کی طرف ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ واتل على اهل الكتاب (کبیر) اى اقصص على هؤلاء البغاة الحسدة
(ابن کثیر) واتل على هؤلاء اليهود الذين هموا ان يبسطوا ايديهم اليكم (ابن جریر)۔ لیکن عام نوع انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واتل على الناس (کبیر)۔ قصّہ کا مقصد دو اُمور کی تعلیم دینا ہے، (۱) ایک یہ کہ نسب کی بزرگی مطلق کام نہیں آتی۔ مقبول فرد
وہی ہوتا ہے جو حکم کا مطیع ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ انسان حسد سے متاثر ہو کر کیسی کیسی شیطانی حرکتیں کر گزرتا ہے۔ اِبْنَيْ اٰدَمَ۔ مُراد قابیل و ہابیل ہیں یا بہ اصطلاح توریت قائن و ہابل۔ قابیل بڑے تھے ہابیل چھوٹے بحسب تصریح توریت قابیل کاشتکار
تھے اور ہابیل بھیڑ بکری کے چرواہے یا گلہ بان۔ بِالْحَقِّ۔ تقدیر کلام یُوں ہے۔ متلبسًا بالحق۔ تلاوة متلبسة بالحق والصحة (کشاف)۔ عجب نہیں مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ قرآن کی یہ بیان کی ہوئی روداد بالکل سچ ہی سچ ہے۔ توریت وغیرہ کی روایتوں کی طرح
یہ قصّہ بھی حق و باطل کی ملاوٹ نہیں رکھتا۔ محقق رازیؒ نے ایک پہلو اور بھی رکھا ہے یعنی یہ قرآنی حکایت، دوسری قرآنی حکایتوں کی طرح ہدایت کا سبق لینے کیلئے ہے۔ جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید کی طرح، قصّہ محض قصّہ کی غرض سے، آرٹ محض آرٹ کی غرض سے،
قرآن مجید کا مقصود نہیں ہو سکتا۔ اى ليعتبروا به لا ليحملوه على اللعب والباطل مثل كثير من الاقاصيص التى لا فائدة فيها وانما هى لهو الحديث (کبیر)۔ اور یہ بات اسی ایک حکایت کے ساتھ خاص نہیں۔ قرآن مجید کی ساری حکایتوں اور قصّوں سے مقصود
یہی عبرت، موعظت و ہدایت ہے۔ وهذا يدل على ان المقصود بالذكر من الاقاصيص والقصص فى القرآن العبرة لا مجرد الحكاية (کبیر)۔ ف۱۰۵ (اللہ کے حضور میں) قُرْبَانًا۔ قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مُرادف نہیں بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے۔ نذر و نیاز کے
مفہوم میں ہے۔ القربان ما يتقرب به الى الله (راغب)۔ القربان اسم لما يتقرب به الى الله تعالى من ذبيحة او صدقة (کبیر)۔ القربان ما يقصد به القرب من رحمة الله تعالى من اعمال البر (جصاص)۔ قُرْبَانٌ۔ اسم جنس ہے۔ واحد و جمع دونوں موقعوں پر اسی
صورت سے آتا ہے۔ اسم جنس فهو يصلح للواحد والعدد (کبیر)۔ ف۱۰۶ (اس لئے کہ وہ مخلصانہ نہ تھی) روایتوں میں آتا ہے کہ چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر مخلصانہ تھی۔ اُس نے اپنے گلّے کی بہترین بھیڑ پیش کر دی تھی، وہ قبول ہو گئی۔ بڑے بھائی قابیل نے اپنے کھیت
کی پیداوار کا ناقص حصّہ پیش کیا، وہ قبول نہ ہُوا ——— قبول نیاز کی علامت اُس زمانہ میں یہ تھی، کہ ایک آگ آسمان سے آکر نذر قبول کرلے جاتی تھی۔ توریت میں اسکے اشارے بار بار آئے ہیں۔ ف۱۰۷ قابیل ہابیل سے خفا پہلے ہی کسی معاملہ میں تھا، اور یُوں
بھی سن میں بڑا تھا، اپنے کو بزرگی و مقبولیت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ اب شدت حسد سے بہت ہی برافروختہ ہو کر بیگناہ بھائی کی جان لینے تک پر آمادہ ہو گیا۔ توریت میں یہ پُورا قصّہ یوں درج ہے:۔ "چند روز کے بعد یُوں ہُوا کہ قائن اپنے کھیت میں سے
خداوند کے واسطے ہدیہ لایا اور ہابل بھی اپنی بکریوں کے پہلوٹھی اور موٹی موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابل کو اور اسکے ہدیہ کو قبول کیا، پر قائن کو اور اسکے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لئے قائن نہایت غصّہ اور تُرش رو ہُوا۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تجھے کیوں غصّہ آیا اور تیرا منہ
کیوں بگڑا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا؟ اور اگر تو اچھا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر موجود ہے۔ اور تیرا ارادہ رکھتا ہے پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں، اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یُوں ہُوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا اور
اسے مار ڈالا" (پیدائش۔۴: ۳۔۸)۔ ف۱۰۸ (اور تم چونکہ مقام تقویٰ و اخلاص پر قائم نہ رہے، اسلئے قبول نذر کے معاملہ میں ناکام رہے۔ اس میں میری کیا خطا ہے؟) لان حصول التقوى شرط فى قبول الاعمال (کبیر)۔ محقق رازیؒ نے لکھا ہے کہ تقوی میں
ان تین اُمور کی رعایت لازمی ہے۔ ایک یہ کہ قبول طاعت میں غایت خشیت کا استحضار ہو، اور اپنی طرف سے کوئی بات تکمیل طاعت میں اٹھا نہ رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ امکانی کوشش اس امر کی رہے کہ طاعت سے رضاء الٰہی کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ غیر اللہ کی
شرکت و آمیزش ذرا بھی اس طاعت میں نہ ہو۔ وحقيقة التقوى امور احدها ان يكون على خوف ووجل من تقصير نفسه فى تلك الطاعة فيتقى باقصى ما يقدر عليه عن جهات التقصير۔ وثانيها ان يكون فى غاية الاتقاء من ان يأتى بتلك
الطاعة لغرض سوى طلب مرضاة الله تعالى۔ وثالثها ان يتقى ان يكون لغير الله تعالى فيه شركة (کبیر)۔ محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ تقوی سے اس سیاق میں مراد تقوی شرک ہے۔ تو جو شرک سے محفوظ اور توحید پر قائم رہا، تو جن اعمال میں اُس نے صدق نیت سے
کام لیا، وہ مقبول ٹھہرینگے اور جو شرک و معصیت دونوں سے بچا، وہ قبول و رحمت دونوں کا حقدار ٹھہرا۔ قال ابن عطية المراد بالتقوى هنا اتقاء الشرك باجماع اهل السنة فمن اتقاه وهو موحد فاعماله التى تصدق فيها نيته مقبولة (قرطبی۔ بحر)۔ واما المتقى
الشرك والمعاصى فله الدرجة من القبول والختم بالرحمة (قرطبی)۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اپنے کسی کمال کا اظہار موقع شکر پر جائز ہے، بطور فخر نہیں۔ ف۱۰۹ (باوجود اپنے اس علم کے کہ میں بے قصور ہُوں) ف۱۱۰ (حالانکہ تیرے ارادۂ قتل پر مطلع ہو کر اور تیری
آمادگیٔ قتل دیکھ کر میرے پاس جواز قتل کا عذر بھی موجود ہے) فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ تم جس طرح آغاز قتل میں دلیر ہو، میں ابتداء بالقتل کی جرأت نہیں رکھتا۔ یہ مطلب نہیں کہ مدافعت میں تلوار اُٹھانا جائز نہ ہو۔ شریعتِ اسلامی میں جب قرائن
قوی سے یہ معلوم ہو جائے کہ قاتل حملہ کیا ہی چاہتا ہے تو جواب و مدافعت میں تلوار اٹھانا بالکل جائز ہے، بلکہ اگر مصلحتِ اسلامی اس کی مقتضی ہو، تو ایسے موقع پر واجب ہو جاتا ہے۔ قال ابن عباس لئن بدأتنى بقتل لم ابدأك به ولم يرد انى لا ادفعك
عن نفسى اذا قصدت قتلى (جصاص)۔ يجب على من قصده انسان بالقتل قتله اذا امكنه (جصاص)۔ إنه فى شرعنا يجوز دفعه اجماعًا وفى وجوب ذلك عليه خلاف والاصح وجوب ذلك (قرطبی)۔ واختلف فى هذا الآن فالصحيح من المذهب انه يلزم الرجل دفع الفساد
عن نفسه وغيره وان ادى الى القتل (روح)۔ محققین اہل سنت نے اس فتوی پر علاوہ احادیث نبوی کے متعدد آیاتِ قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے مثلاً:۔ (۱) وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة۔ کہ قصد قتل یقیناً فتنہ میں شامل ہے۔ (۲) ولكم فى القصاص حيوة کہ اسی سزائے قتل کے
خوف سے قاصد قتل باز رہیگا۔ (۳) فان بغت احدهما على الاخرى فقاتلوا التى تبغى الخ۔ کہ فئہ باغیہ قصد قتال ہی رکھتی ہے۔ اور انہی آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی سے استدلال کر کے حضرت علیؓ نے خوارج سے قتال اُنکے قصد قتال کی بنا پر جائز رکھا تھا، اور سب
صحابیوں نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ وقد قتل على بن ابى طالب الخوارج حين قصدوا قتل الناس واصحاب النبى صلعم معه واتفقوا عليه وقد روى عن النبى صلعم آثار فى وجوب قتالهم (جصاص)۔ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ کے فقرۂ نفی میں ایک تو بجائے فعل کے اسم فاعل اور
پھر حرف ب نفی بسط کی تاکید و استمرار کیلئے ہے۔ لتاكيد النفى بما فى خبرها من الباء للمبالغة فى اظهار براءته عن بسط اليد ببيان استمراره على نفى البسط (ابو سعود)۔ واكد النفى بالباء (بیضاوی)۔ ذكر الشرط بلفظ الفعل والجزاء بلفظ اسم الفاعل مقرونًا بالباء المزيدة لتاكيد
النفى (نیشاپوری)۔ ف۱۱۱ (اور مدافعت تک میں ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ تیری سی جسارت کہاں سے لا سکتا ہوں کہ خدا سے ذرا نہیں ڈرتا، اور بالکل بلا وجہ میرے قتل پر آمادہ ہو گیا ہے) اصل مسئلہ شرعی تو وہی ہے جو اُوپر کے حاشیہ میں مذکور ہو چکا۔ البتہ الفاظ قرآنی کے ظاہر سے
سند پکڑ کے بعض بزرگوں نے ایسے موقع پر بھی عفو و درگزر ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کا آخری وقت کا طرز عمل اسی آیت کے مطابق تھا یعنی اپنی جان دینا گوارا کرلی، اور جان کے دشمنوں سے مقابلہ و قتال قبول نہ فرمایا۔ قال ايوب
السختيانى ان اول من اخذ بهذه الاية من هذه الامة عثمان بن عفان رواه ابن ابى حاتم (ابن کثیر)۔ وهذا فى الشرع جائز لمن اريد قتله ان ينقاد ويستسلم طلبا للاجر كما فعل عثمان (معالم)۔ قال بعضهم المقصود بالقتل ان الاراد ان يستسلم جاز له ذلك وهكذا فعل عثمان (کبیر)۔ انما
استسلم كما استسلم عثمان بن عفان (بحر)۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ۔ جملہ تعلیلیہ ہے، اور اسی لئے ترجمہ میں "کیونکہ" بڑھا دیا گیا۔ اشارة الى كون الجملة تعليلية لما قبلها وهذا التقرير احسن من كل ما يوجد فى التفاسير (تھانوی)۔ علل ذلك بقوله انى اخاف الله (ابو سعود)۔ تعليل للامتناع
عن بسط يده لمقتله (روح)۔ ف۱۱۲ (جو کھلا ہُوا نتیجہ تیری بدکرداریوں کا ہوتا ہے) اِثْمِيْ کے معنی "میرے گناہ" کے نہیں بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک "میرے قتل کے گناہ" کے ہیں۔ اور تقدیر کلام یُوں ہے، باثم قتلى من تلك ايّاى (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ و
ناس من اصحاب الرسول)۔ اى باثم قتلى (ابن کثیر عن ابن عباسؓ ومجاهد والضحاک وقتادہ والسدی)۔ اى باثم قتلى وهذا قول اكثر المفسرين (معالم)۔ اِثْمِكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو قابیل اس تازہ اقدام گناہ سے قبل کر چکا تھا۔ یا وہ پہلا گناہ جس کے پاداش میں اسکی نذر
قبولیت سے محروم رہ گئی تھی۔ واثمك فى معصية الله بغير ذلك من معاصيك (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ وناس من اصحاب الرسول)۔ اثمك الذى عليك قبل ذلك (ابن کثیر عن ابن عباسؓ ومجاهد والضحاک وقتادہ والسدی)۔ اثمك الذى لاجله لم يتقبل قربانك (مدارک)۔
قال اكثر العلماء ان المعنى ترجع باثم قتلى واثمك الذى عملته قبل قتلى قال الثعلبى هذا قول عامة اكثر المفسرين (قرطبی)۔ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ اس جزو سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قابیل کافر تھا، اسلئے کہ اصحاب النار کا اطلاق قرآنی اصطلاح میں کافروں ہی پر
ہوتا ہے۔ وقد استدل بقول هابيل لاخيه قابيل انه كان كافرا لان لفظ اصحاب النار انما ورد فى الكفار حيث وقع فى القرآن (قرطبی)۔ لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔ اصحاب النار وہ بھی ہیں، جو کچھ دیر کیلئے بھی دوزخ میں جائیں، اور یہ سزا مومن
عاصی کیلئے ممکن ہے۔ وهذا مردود بما ذكرناه عن اهل العلم فى تأويل الآية ومعنى من اصحاب النار مدة كونك فيها (قرطبی)۔ ولا يقوى هذا الاستدلال لانه يكفى عن المقام فى النار مدة بالصحبة (بحر)۔ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ۔ یعنی میں چاہتا ہوں
کہ سارا وبال تمہی پر پڑے مجھ پر نہ پڑے۔ یہ مُراد نہیں کہ میں چاہتا ہوں تم بھی گناہ کرو کسی کیلئے یہ چاہنا کہ وہ گناہ کرے جائز نہیں۔ البتہ اس چاہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ گناہ کا وبال گنہگار ہی پر پڑے۔ والمراد انى اريد ان تبوء بعقاب اثمى واثمك لانه لا يجوز ان
يكون مراده معصية الاخ لانه لا يجوز لاحد ارادة معصية الله من ...

خوف نہ کھاؤ اور اُن سے مت ڈرو۔ کیونکہ خداوند تیرا خدا وہی ہے جو تیرے ساتھ جاتا ہے۔ وہ تجھ سے غافل نہ ہوگا اور تجھکو نہ چھوڑیگا'' (استثناء۔ ۳۱: ۶) ۹۵ دنیوی خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ حکومت اور اتنی بڑی حکومت سے محروم ہو جاؤ گے اور اخروی خسارہ یہ کہ حکم جہاد کی نافرمانی کا خمیازہ آخرت میں اٹھانا پڑیگا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی سے کبھی کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ۹۶ یہ قوم عمالقہ کی تھی۔ جو ایک بڑی زور آور اور جنگ آزما قوم تھی۔ بنی اسرائیل کی پرانی حریف توریت اور تاریخ اسرائیل اس کی خونریزیوں کی داستان سے رنگین ہے۔ توریت میں اس قوم پر بنی اسرائیل کی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے گئے ہیں:۔ ''ہمیں زور نہیں کہ ہم ان لوگوں پر چڑھیں کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں'' (گنتی۔ ۱۳: ۳۲) ''یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں کو نگلتی ہے۔ اور سب لوگ جنہیں ہم نے وہاں دیکھا، بڑے قد آور ہیں۔ اور ہم نے وہاں جباروں کو ہاں بنی عناق کو جو جباروں کی نسل میں ہیں دیکھا اور ہم اپنی نظروں میں ان کے سامنے ایسے تھے جیسے ٹڈے۔ اور ایسے ہی ہم اُنکی نظروں میں تھے'' (گنتی۔ ۱۳: ۳۳) جَبَّارِیْنَ ۔ جبّار کا اطلاق بڑے ڈیل ڈول والوں، کلے ٹھلے والوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہی مراد ہے۔ ای عظام الاجسام طوالاً (ارلی)۔ یقال رجل جبارٌ اذا کان طویلا عظیما قویا والقوم کانوا فی غایۃ القوۃ وعظم الاجسام (کبیر) روایات یہود میں ذکر بہت مبالغہ کے ساتھ اُنکے قد و قامت کی درازی کا آیا ہے اور اُن کی دراز دستیاں بھی بہت کچھ مذکور ہیں ۔۔۔۔ لفظ جبّار جو قرآن مجید نے ان کیلئے استعمال کیا ہے یہ وہی ہے جو خود توریت میں ان کیلئے آیا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباسات میں نقل ہو چکا۔ ۹۷ بنی اسرائیل ایک طرف تو اپنے ان مخالفین یعنی عمالقہ کی ہیبت و شوکت سے اس قدر مرعوب تھے، اور دوسری طرف تن آسانیوں کے طالب

تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ

بے حکم قوم پر (ذرا) غم نہ کیجئے ۹۵ اور آپ انہیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا

ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ

قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ سنائیے ۹۶ (یہ اس وقت ہوا) جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی ۹۷ ان میں سے

اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ

ایک کی تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی ۹۸ اس پر وہ دوسرا، بولا کہ میں تجھکو قتل کرکے رہونگا ۹۹

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ

(پہلے نے) کہا اللہ تو متقین کا (عمل) قبول کرتا ہے ۱۰۰ تو اگر تو

بَسَطْتَّ اِلَیَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِیَ

اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائیگا کہ مجھے قتل کر ڈالے ۱۰۱ تو میں (جب بھی)، اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے کا نہیں کہ

اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

تجھے قتل کر ڈالوں ۱۰۲ (کیونکہ) میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں ۱۰۳

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو میرے (قتل کا) گناہ اور اپنا (پچھلا) گناہ (دونوں)، اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ

میں شامل ہو جائے ۱۰۴ یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی ۱۰۵ غرض اُس کے نفس نے اُسے

لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا، تو اُسنے اُسے مار ہی ڈالا ۱۰۶ جس سے وہ بڑا نقصان اٹھانیوالوں میں ہو گیا ۱۰۷

ع ۸ النصف

اور فرائض جہاد سے جی چرانے والے بھی۔ اپنے وطن تک کے لئے، اپنے پیمبر اور دنیوی لیڈر کی ترغیب کے باوجود بھی آمادہ نہ ہوئے۔ توریت میں اُن کی زبان سے ادا کیا گیا ہے:۔ ''وہ لوگ جو وہاں بستے ہیں زور آور ہیں۔ اور اُن کے شہر بڑے مضبوط قلعوں میں ہیں۔ اور ہم نے بنی عناق کو بھی وہاں دیکھا۔ اور اس زمین میں دکھن کی طرف عمالیقی بستے ہیں ... ... ہمیں زور نہیں کہ ہم اُن لوگوں پر چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں'' (گنتی۔ ۱۳: ۲۸، ۳۲) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ماقبل۔ اسرائیلیوں کا یہ قول بھی بطریق استبعاد تھا۔ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ نہ عمالقہ وہاں سے از خود نکلیں گے، اور نہ ہمیں چڑھائی کی نوبت آئیگی۔ انما قالوا ھذا علی سبیل الاستبعاد (کبیر) قتل قالوا ذلک علی سبیل الاستبعاد ان یقع خروج الجبارین منھا (بحر) ۹۸ (ان کم ہمتوں کو حوصلہ دلانے کیلئے) رَجُلٰنِ ۔ ان میں سے ایک کا نام یوشع بن نون تھا اور دوسرے کا کالب بن یوفنا۔ یوشع سردار تھے قبیلۂ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلۂ بنی یہوداہ کے۔ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ ۔ یعنی وہ لوگ جن میں خوفِ خدا تھا۔ جن کے دلوں میں تقویٰ الٰہی اور خشیت تھی۔ ای یخافون اللہ سبحانہ ویتقونہ (بیضاوی) کانہ قیل رجلان من المتقین (کشاف) اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمَا اللہ کا فضل و انعام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں حق گوئی و حق پرستی کی توفیق دی۔ اور وہ شوکت کفار سے مرعوب نہ ہوئے۔ ای بالیقین والصلاح (قرطبی) موسٰی علیہ السلام نے جیسا کہ ہر دانشمند فوجی لیڈر کو ایسے موقع پر کرنا چاہیئے کیا یہ تھا، کہ فلسطین پر فوج کشی سے قبل اپنی قوم کے ہر ہر قبیلہ سے اُسکے لیڈر کو چن کر، کل ۱۲ معززین و شرفاء کو ملک کے متعلق تحقیق حال کیلئے یا بہ اصطلاح توریت ''جاسوسی'' کے لئے آگے روانہ کر دیا۔ اُن میں سے دس نے آکر یہ مبالغہ آمیز رپورٹ دی، کہ غنیم بہت ہی طاقتور ہے، اس سے مقابلہ کرنا اپنی جان کھونا ہے۔ باقی دو نے اس کے برعکس ہمت افزا باتیں بیان کیں۔ توریت کے بیانات اس موقع پر بھی حسب معمول بڑے طویل ہیں۔ تاہم کچھ اقتباسات تو بہرحال قابل نقل ہیں:۔ ''پھر خداوند نے موسٰیؑ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ موسٰی نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشتِ فاران سے اُن کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے اور اُن کے نام یہ ہیں اور موسٰیؑ نے انہیں بھیجا کہ زمین کنعان کی جاسوسی کریں اور اُس زمین کو دیکھو کہ کیسی ہے۔ وہ لوگ جو وہاں کے بسنے والے ہیں کیسے ہیں، زور آور ہیں یا کمزور، تھوڑے ہیں یا بہت۔ اور وہ زمین جس میں وہ رہتے ہیں کیسی ہے اچھی ہے کہ بُری اور وہ شہر جن میں وہ بستے ہیں کیسے ہیں خیموں میں ہیں یا قلعوں میں۔ اور زمین کیسی ہے، جید یا بنجر۔ اس میں درخت ہیں یا نہیں'' (گنتی۔ ۱۳: ۱۔ ۲۰) ''وہ لوگ چڑھے اور زمین کی جاسوسی دشت سین سے حوب تک جو حمات کے راستہ میں ہے کی ... ... وہ چالیس دن کے بعد اُس زمین کی جاسوسی کرکے پھرے'' (گنتی۔ ۱۳: ۲۱۔ ۲۵) انہوں نے آکر جو کچھ کہا، وہ حاشیہ ۹۶ میں نقل ہو چکا۔ ۹۹ ان لوگوں نے ایک بڑی گہری اور عارفانہ حقیقت بیان کر دی، کہ اصل امتحان تو حضرت حق کے ہاں بس عزم و ہمت ہی کا ہونا ہے۔ باقی نتائج میں برکت تو از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ توریت میں اس مقام کی منظر کشی یوں کی ہے:۔ ''تب کالب نے موسٰی کے حضور لوگوں کو چپ کروایا اور کہا کہ البتہ ہم لوگ چڑھیں گے اور ملک پالیں گے۔ کیونکہ ہمیں بلاشبہ اس کے لینے کا زور ہے'' (گنتی۔ ۱۳: ۳۰) ''اور نون کے بیٹے یشوع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اُس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے اپنے کپڑے پھاڑے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو کہا، وہ زمین جس پر ہمارا گزر اُس کی جاسوسی کیلئے ہوا نہایت خوب زمین ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائیگا اور یہ زمین جس پر دودھ اور شہد بہہ رہا ہے، ہم کو عنایت کریگا۔ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم اس زمین کے لوگوں سے ڈرو، وہ تو ہماری خوراک ہیں۔ اُن کا سایہ اُن سے جا چکا ہے پر خداوند ہمارے ساتھ ہے۔ اُن کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر پتھراؤ کرے'' (گنتی۔ ۱۴: ۶۔ ۹) ۱۰۰ یہ کہنے والی بنی اسرائیل کی عام جماعت تھی، جو ان فہمائشوں سے غیر متاثر رہی تھی۔ توریت میں اس موقع کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ ''تب ساری جماعت چلا کر روئی اور لوگ اُس رات بھر روئے، پھر سارے بنی اسرائیل موسٰی اور ہارون پر کڑکڑائے اور ساری جماعت نے انہیں کہا کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے اور کاش کہ ہم اُسی بیابان میں فنا ہوتے! خداوند کس لئے ہم کو اس زمین میں لایا کہ تلوار سے گر جائیں اور ہماری جوروآں اور بچے پکڑے جائیں'' (گنتی۔ ۱۴: ۱۔ ۳) ''تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر یوشع اور کالب پر پتھراؤ کرے'' (گنتی۔ ۱۴: ۱۰) فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ ۔ اسرائیلیوں کی اس تقریر کا گستاخانہ طرز تو ظاہر ہی ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرک قوموں سے متاثر ہو کر یہ موحد قوم بھی اپنے عقیدہ میں شرک اس حد تک داخل کر چکی ہو۔ مشرک قوموں کا یہ ایک عام دستور تھا کہ میدانِ جنگ میں جاتے تو اپنی مورتیوں، ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ اُنکے دیوتا بھی انکے ساتھ ساتھ ہیں۔ اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ ۔ یہ واضح رہے کہ اسرائیلیوں کی اس وقت تک کوئی الگ باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ ساری قوم کا ہر بالغ و تندرست مرد مسلح اور فوجی سپاہی تھا۔ ۱۰۱ یعنی فیصلہ ان دو فریقوں کے درمیان، جن میں ایک طرف ہم دو بھائی ہیں بے بس و بے اختیار، اور دوسری طرف یہ جم غفیر ہے، ہر طرح گستاخ و نافرمان۔ اَخِیْ ۔ بھائی سے مُراد حضرت ہارونؑ تھے۔ جو خود بھی پیغمبر برحق تھے۔ یہ دعا ظاہر ہے کہ ان پیمبران برحق نے اپنی ناکارہ قوم کی سرکشی اور بغاوت اور اپنی بے بسی پوری طرح محسوس کرنے کے بعد ہی کی۔ توریت کے صفحات اسرائیلیوں کی گستاخانہ روش کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ آیت میں بڑی تسکین کا سامان اکابر اُمت کے لئے ہے۔ قوم جب سرکشی اور نافرمانی کیلئے تُل جائے تو پیمبران برحق تک کی کوششیں ناکام رہتی ہیں، پھر کسی ولی یا بزرگ کی سعی اصلاح اگر ناکام رہے تو وہ دل شکستہ کیوں ہو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دعائے موسوی میں لفظ اخی کے بڑھانے سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ شیخ اپنے مخلص تابع میں بھی وہی حاکمانہ تصرف رکھتا ہے جو خود اپنے نفس میں۔

ساتھ ایک گونہ ذاتی خصوصیت اور نسبت ہے جو معاصی وغیرہ سے قطع نہیں ہوتی۔ اور ہم کیسے ہی ہوں مگر اُس انتساب یا اتصال کے زور سے کھڑے جنت میں جا پہنچیں گے"۔ ۸۷ (اور دنیا صدہا سال سے وحیٔ تازہ کی نعمت سے محروم تھی) رَسُوْلُنَا۔ ہمارے یہ رسول جن کی آمد آمد اہل کتاب مدت سے سن رہے تھے۔ انجیل میں بار بار ذکر وہی **The Prophet** کا یہود کی زبان سے آتا ہے۔ اسکے کھلے ہوئے معنی یہی ہیں کہ ایک متعارف نبی کا آنا مدتوں سے مسلّم چلا آ رہا تھا۔ يُبَيِّنُ لَكُمْ۔ تمہیں صاف صاف احکام شریعت بتاتے رہتے ہیں۔ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ علی حین فترة من الرسل۔ ای جاءکم علی حین فترة من ارسال الرسل (کشاف) ای علی فتور من الارسال (کبیر) فترة۔ کے لفظی معنی انقطاع عمل یا سکون کے ہیں۔ ای سکون والاصل فیہا انقطاع العمل عما کان علیہ من الحدة فیہ (قرطبی) اصطلاح میں دو نبوتوں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں۔ الفترة ما بین کل نبیین (تاج) ای علی انقطاع ما بین النبیین عن ابی علی وجماعة من اہل العلم (قرطبی) سمیت المدة التی بین الانبیاء فترة (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلعم کے درمیان وقفہ کم و بیش چھ سو سال کا رہا ہے حضورؐ کا سال ولادت ۵۷۰ء ہے اور سال بعثت ۶۱۰ء۔ ہمارے ہاں بھی متعدد تابعین سے یہی مدت منقول ہے۔ وقال قتادة کان بین عیسیٰ ومحمد علیہما السلام ستمائة سنة وقال مقاتل والضحاک ووہب بن منبہ الا ان وہبا زاد عشرین سنة (قرطبی) ۸۸ (اسلئے ہم کو دین کے باب میں صحیح اور تفصیلی کا ہی علم ہونے ہی نہیں پایا) اَنْ تَقُوْلُوْا۔ یعنی کہیں قیامت کے دن یہ عذر پیش کرنے لگو۔ اَنْ یہاں لئلا کے معنی میں ہے۔ ای لئلا او کراھة ان تقولوا (قرطبی) فقدرہ القراء لئلا تقولوا (ابو سعود) مِنْ بَشِيْرٍ میں مِنْ نفی و انکار میں زیادتی کے لئے ہے، کہ کوئی بھی تو نہیں آیا۔ ورادہ

يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ وہاں سے نکل جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو ہم بیشک داخل ہونے کو تیار ہیں ۸۹

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا

(اس پر) وہ دو آدمی جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں تھے (اور) ان دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے ۹۰

ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

تم اُن پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے، اُسی وقت

غٰلِبُوْنَ ۚ۵ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

غالب آجاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو ۹۱ وہ لوگ

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہونگے جبتک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں، سو آپ

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

خود اور آپکے خداوند چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں ۹۲ (موسیٰ نے)

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ

عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں تو سوا اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار رکھتا نہیں، سو تو

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

ہی ہمارے اور (اس) بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے ۹۳ ارشاد ہوا کہ اچھا تو وہ ملک ان پر

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا

چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا یہ لوگ زمین پر بھٹکتے پھریں گے ۹۴ سو آپ (اس)

من فی الفاعل للمبالغة فی نفی المجیٔ (روح) ۸۹ (سو سُن لو کہ اب عذر کی کوئی گنجائش تمہارے پاس باقی نہیں رہی۔ آگے ماننا نہ ماننا تمہارا فعل ہے) والتقدیر ھنا لا تعتذروا فقد جاءکم (روح) والفاء متعلق بمحذوف ای لا تعتذروا فقد جاءکم (مدارک) ۹۰ (اور یہ اُسی کی قدرت کا ایک ظہور ہے کہ اُس نے صدیوں کے بعد ایک پیغمبر اور وہ بھی سب پیغمبروں سے بڑا مبعوث کر دیا) آیت کے اس ٹکڑے سے یہ پہلو بھی صاف ہوا جاتا ہے کہ گو اُس نے تمہاری حجت قطع کرنے کو یہ پیمبر مبعوث کر دیا، تاہم اگر وہ چاہتا تو بغیر اسکے بھی تم پر حجت قائم کر دیتا، اور تمہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ ۹۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کا وہ زمانہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی و محکومی سے آزاد ہو کر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی سے نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک ہی وقت میں اُن کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دُنیوی لیڈر بھی، انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم و غاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال دو اور خود اس پر حکمرانی کرو۔ تازہ ترین تاریخی اور اثری تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ۱۴۴۰ ق۔م کا ہے اور فلسطین پر اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ۱۴۰۰ ق۔م کا۔ اس لحاظ سے حضرت موسیٰؑ کی اس تقریر کا زمانہ اسی درمیانی مُدّت کا ہے۔ عجب نہیں کہ آپکے بالکل آخری زمانہ کی ہو۔ جیسا کہ توریت کے صحیفۂ استثنار باب اول سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسی صحیفۂ استثنار میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے یہ تقریر دریائے یردن کے اسی پار موآب کے میدان میں، واقعۂ خروج مصر کے چالیسویں سال کے گیارھویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو ارشاد کی تھی۔ ۹۲ يٰقَوْمِ۔ خطاب یہاں قوم سے بحیثیت مجموعی ہے، افراد سے نہیں۔ فِيْكُمْ میں فی، من کے مرادف ہے۔ فیکم ای منکم۔ (ابن عباسؓ) نبوت ایک انفرادی اور شخصی منصب ہوتا ہے۔ اسی لئے فِیکُم وارد ہوا ہے یعنی تمہاری قوم کے اندر افراد انبیاء ہوتے رہے۔ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ مَلِك کے معنیٰ عربی میں لازمی طور پر بادشاہ اور تاجدار ہی کے نہیں۔ ہر آزاد، خود مختار اور صاحبِ حیثیت شخص پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یقال من استغنیٰ عن غیرہ فھو ملک (قرطبی) الملک اسم لکل من یملک السیاسة اما فی نفسہ واما فی غیرہ سواء تولّٰی ذٰلک اولم یتول (راغب) کل من کان مستقلا بامر نفسہ ومعیشتہ ولم یکن محتاجا فی مصالحہ الی احد فھو ملک (کبیر) کل من ملک بیتا وخادما وامرأةً فھو ملک (ابن جریر) حدیث میں ہر ایسے شخص پر ملک کا اطلاق آیا ہے، جو اپنا ذاتی مکان اور زوجہ اور خادم رکھتا ہو۔ عن النبی صلعم من کان لہ بیت او قال منزل یأوی الیہ وزوجة وخادم یخدمہ فھو ملک (قرطبی) عن زید بن اسلم قال قال رسول اللہ صلعم من کان لہ بیت وخادم فھو مَلِکٌ (ابن جریر) اور قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ملک سردار، افسر یا فوجی قائد کے معنی میں آ چکا ہے۔ ابعث لنا ملکا (بقرہ۔ رکوع ۳۰) خود اہل فلسطین کے محاورہ میں بھی تقریباً ہر سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۷، ص ۵۰۰) اسی لئے یہاں متعدد ائمہ و اکابر نے مَلِک کا ترجمہ مخدوم یا اور ایسے ہی مترادفات سے کیا ہے۔ ای ھم مخدومون کالملوک وعن ابن عباس ایضا یعنی الخادم والمنزل وقالہ مجاہد وعکرمة والحکم بن عیینة۔ (قرطبی) اصحاب خدم وحشم مدنیں قال ابن اسحق یعنی اصحب خدم وحشم (کبیر) اسرائیلی ابھی چند سال قبل تک محکوم، مغلوب و مقہور تھے۔ اور اب ہر طرح آزاد و خود مختار تھے۔ بالکل بجا تھا کہ تقابل حالات کے اظہار کے لئے اب انہیں ملوک سے تعبیر کیا جاتا۔ بعد ما کنتم ممالیک فرعون (ابن عباسؓ) قال السدی یعنی وجعلکم احرارا تملکون انفسکم بعد ما کنتم فی ایدی القبط بمنزلة اھل الجزیة فینا (کبیر) ۹۳ یعنی نعمت عظمیٰ نعمت توحید ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اقوام عالم میں نسلی و قومی حیثیت سے توحید اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے، ورنہ اور قومیں تو من حیث القوم شرک ہی میں مبتلا رہی ہیں۔ ہمارے مفسرین کو اس مضمون کی آیتوں کی تفسیر میں بڑی دشواری یہ پیش آتی رہی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کو سب سے افضل مان لیا جائے، تو پھر اُمتِ محمدی کے لئے کون سا مقام باقی رہ جائیگا؟ ـــــ اشکال اور دشواری کی بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔ یہاں مقابلہ تو دنیا کی ساری قوموں اور نسلوں کا ہو رہا ہے۔ اُن میں بیشک سب سے افضل، اشرف نسل اسرائیلی ہی ہے کہ بخلاف دوسری قوموں کے شرک اور وہم پرستیوں کے توحید اور اسکے لوازم یعنی رسالت، وحی، حشر وغیرہ عقاید صحیحہ کی حامل دنیا کی تاریخ میں یہی ایک قوم رہی ہے۔ بخلاف اس کے اُمتِ محمدی تو کسی قوم یا نسل کا نام ہی نہیں۔ یہاں تو اسرائیلی، اسمٰعیلی، حبشی، چینی، روسی، جاپانی جو کوئی بھی عقاید اسلامی پر ایمان لے آئے، وہی اُمتِ محمدی میں داخل ہے۔ اس پر مفصل حاشیے انی فضلتکم علی العٰلمین کے تحت میں سورۂ بقرہ کے رکوع ۵، ۶ میں گزر چکے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے کیونکہ اس تعلق سے دین اس پر سہل ہو جاتا ہے، البتہ اس پر فخر اور گھمنڈ روا نہیں۔ ۹۴ (لوح محفوظ میں، یا اپنے علم میں) حضرت موسیٰؑ موقع ترغیب پر فرما رہے ہیں کہ وہ زمین تو تمہارے لئے مقدر ہو ہی چکی ہے، ذرا سی ہمت و کوشش کر دو تو ابھی مل جاتی ہے۔ الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ۔ مقدس سرزمین سے مراد شام ہے، فلسطین (کنعان) اسی کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ ھی الشام (ابن جریر عن قتادة) الارض المقدسة دمشق وفلسطین وبعض الاردن۔ (ابن جریر عن ابن عباس) توریت میں ان وعدوں کی صراحتیں موجود ہیں۔ "دیکھو میں نے یہ زمین جو تمہارے آگے ہے تمہیں عنایت کی، داخل ہو اور اس زمین کو جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کی کہ تم کو اور تمہارے بعد تمہاری نسل کو دونگا، میراث میں لو۔" (استثنار ۱: ۸) "تو اس سرزمین میں جسکی بابت خداوند نے تیرے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کے کہا کہ اسے میں تمہیں دونگا، سکونت کرے۔" (استثنار ۳۰: ۲۰) "مضبوط ہو جاؤ اور دلاور ہو

ملکت علیٰ خلاف امرہ ای اقتدرت علیہ (قرطبی) پُورے فقرہ کا مفہوم یہ ہُوا کہ کون اللہ کے ارادہ کی راہ میں حائل ومانع ہو سکتا ہے؟ یعنی فمن الذی یقدر علیٰ دفع شیءٍ من افعال اللہ تعالیٰ ومنع شیءٍ من مرادہ (کبیر) ای من یقدر ان یمنع من ذلک شیئاً (قرطبی) فمن یمنع من قدرتہ وارادتہ شیئاً (بیضاوی) فَمَنْ میں مَن لانے سے مُراد یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے تو بتاؤ۔ اسی مفہوم کو ترجمہ میں "اچھا تو" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ وَاُمَّهٗ۔ مسیحؑ کے ساتھ حضرت مریمؑ کا ذکر لانے کی ایک مناسبت یہ ہے کہ دنیائے مسیحیت کی ایک بڑی آبادی کے نزدیک وہ بھی شریکِ الوہیت ہیں، اور لاکھوں بلکہ کروڑوں مسیحیوں کے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر فائز ہیں۔ اصل حوالوں کیلئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔

حاصل استدلال یہ ہوا کہ قوت، قدرت، ارادہ واختیار میں کوئی مخلوق، حتیٰ کہ مسیحؑ ومریمؑ بھی خدائے تعالیٰ خالقِ کائنات کے مقابلہ میں کچھ بھی لائے جا سکتے ہیں؟ اور اللہ کی مشیت کی راہ میں ذرا بھی حائل ہو سکتے ہیں؟ کھُلا ہُوا جواب ہے کہ نہیں۔ پھر جب یہ ہے، تو تمہاری عقل کیسی ماری گئی ہے کہ تم مسیحؑ (یا مسیحؑ ومریمؑ دونوں) کو شریکِ الوہیت ٹھہرا رہے ہو! ۵۷۹ (کہ بے اختیاری، بے بسی، اور مخلوقیت میں حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ بھی ساری ہی مخلوق جیسے ہیں، اور اس اعتبار سے ان میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں) اراد بعطف من فی الارض علی المسیح وامہ انہما من جنسہم لا تفاوت بینہما وبینہم فی البشریۃ (کشاف) یعنی ان عیسیٰ مشاکل بمن فی الارض فی الصورۃ والخلقۃ والجسمیۃ والترکیب وتغییر الصفات والاحوال (کبیر)

۵۸۰ (بلا کسی کی شرکت واعانت کے) آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر (یعنی ساری موجودات وکائنات پر) ۵۸۱ مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیحؑ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اور اس سے ان کا استدلال یہ تھا کہ ایسے محیر العقول وجود کو انسان یا بشر کیسے تسلیم کر لیا جائے؟ وہ یقیناً فوق البشر ہے اور الوہیت کا حصہ دار۔ یہاں جواب اسی کا دیا گیا ہے، کہ اللہ تو پیدا کرنے کی ہر صورت پر، ہر صورت سے پیدا کرنے پر قادر ہے اُس نے اگر کسی مخلوق کو عام اور عمومی عادت کے خلاف طریقہ سے پیدا کر دیا، تو اس سے اُس مخلوق کی الوہیت یا غیر مخلوقیت کیسے ثابت ہو گئی؟ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ۔ جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، خواہ سنت عادی کے موافق ہو یا مخالف، پیدا کر سکتا اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ اُس کی قوت خلاقی کسی صورت اور کسی طریق کے ساتھ مخصوص ومتعین نہیں۔ تخلیق کی ہر نوع اور ہر صنف بلا واسطہ، بہ واسطہ سب پر یکساں قادر ہے۔ ای یخلق ای خلق یشاءہ فتارۃ یخلق من غیر اصل واخری من اصل وتارۃ من اصل یجانسہ ویخلق بلا توسط شیءٍ من المخلوقات وقد یخلق بتوسط مخلوق آخر (روح) ای ان خلقہ لیس مقصوراً علیٰ نوعٍ واحد بل ما تعلقت مشیئتہ بایجادہ اوجدہ واخترعہ (بحر)

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ
تمہارے پاس ہمارے یہ رسول جو تمہیں صاف صاف بتاتے ہیں آ پہنچے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا
الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ
سلسلہ بند تھا ۵۸۶ کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بھی نہ بشارت دینے والا آیا نہ تنبیہ کرنے والا ۵۸۷
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
(اب تو) آ گیا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا ۵۸۸ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا
قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ
ہے ۵۸۹ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ۵۹۰ کہ اے میری قوم اللہ کا وہ احسان تم
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ
اپنے اوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر نبی پیدا کئے ۵۹۱ اور تمہیں خود مختار کیا ۵۹۲ اور
وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ
تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں کسی (قوم) کو بھی نہیں دیا گیا تھا ۵۹۳ اے میری قوم
ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا
اُس زمین مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۵۹۴ اور پیچھے
تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى
پیروں واپس نہ ہو ورنہ بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے ۵۹۵ وہ بولے کہ اے موسیٰؑ
اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى
اس سرزمین پر تو بڑی زبردست قوم (آباد) ہے ۵۹۶ اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک

ع ۳ / ۷

۵۸۲ (اور اس لئے عام نوع انسان سے کہیں افضل واشرف) نَحْنُ صیغہ جمع متکلم (ھُمْ) سے مُراد یہاں افراد نہیں بلکہ قوم یا مِلّت، مجموعۂ افراد مُراد ہے یعنی یہود من حیث القوم اور نصاریٰ بہ حیثیت مِلّت موجودہ محرّف اور مسخ شدہ بائبل تک میں اس قسم کے حوالے موجود ہیں:۔ "خداوند نے یُوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔" (خروج۔۴:۲۲) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو" (استثنا ۱:۱۴) "جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بُلایا" (ہوسیع۔۱۱:۱) (جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ۶۔ ص ۱۵) میں بھی انہی عقائد کی تکرار موجود ہے) "جتنوں نے اُسے قبول کیا، اُس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا" (یوحنا۔۱:۱۲) "جتنے خدا کی رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں" (رومیوں۔۸:۱۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر۔ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ میں ابناء سے مراد حقیقی صلبی بیٹے نہیں اور نہ ابن کے یہ معنی ہی لازمی طور پر ہیں! اس کے لئے عربی میں دوسرا لفظ ہے۔ ولد۔ ابن کا اطلاق مجازی منہ بولے لڑکوں پر پُوری طرح ہوتا ہے۔ اور عربی میں اس کا یہ مجازی استعمال بہت عام ہے۔ یقال لکل ما یحصل من جہۃ شیءٍ او من تربیتہ او بتفقدہ او کثرۃ خدمتہ لہ او قیامہ بامرہ ہو ابنہ نحو فلانٌ ابن حرب وابن السبیل للمسافر وابن اللیل وابن العلم وفلان ابن بطنہ وابن فرجہ اذا کان ہمتہ مصروفاً الیہما وابن یومہ اذا لم یتفکر فی غدہ (راغب) اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ اب، ابن، بنت یہ تین لفظ ایسے ہیں کہ بڑی کثرت سے چیزیں ان کی جانب منسوب ومضاف مستعمل ہوتی ہیں۔ وللاب والابن والبنت اسماء کثیرۃ تضاف الیہا (تاج۔ لسان) اور آگے ازہری لغوی اور ابن العربی لغوی کے حوالہ سے ایک بڑی طویل فہرست ایسے ناموں کی دے دی ہے جو عربی میں کسی کے 'ابن' کی حیثیت سے مشہور ومتعارف ہیں، مثلاً ابن الطین حضرت آدمؑ کے لئے، ابن اللیل چور کے لئے، ابن الاقوال باتونی شخص کیلئے وغیرہا۔ ہمارے مفسرین رحمہم اللہ نے بھی بغیر اس کے کہ بائبل کے محاوروں کا مطالعہ کیا ہو محض اپنے اشراق ایمانی سے یہاں یہی معنیٰ قرار دئیے ہیں یعنی ہم خاصانِ خدا میں سے ہیں ہمارا اور عام خلقت کا مقابلہ ہی کیا۔ کما کان یقول رہط مسیلمۃ نحن انبیاء اللہ ویقول اقرباء الملک وذووہ وحشمہ نحن الملوک (کشاف) ای اعزۃ علیہ کالابن علی الاب (مدارک) لفظ الابن کما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضاً علیٰ من یتخذ ابناً واتخاذہ ابناً بمعنیٰ تخصیصہ بمزید الشفقۃ والمحبۃ (کبیر) ارادوا ان اللہ تعالیٰ لنا کالاب فی الحنو والعطف ونحن کالابناء لہ فی القرب والمنزلۃ (معالم۔ ابو سعود) قالوا ہذا اطلق عندہم علی التشریف والاکرام (ابن کثیر) ومرادہم بالابناء المقربون ای نحن مقربون عند اللہ تعالیٰ قرب الاولاد من والدہم (روح) البنوۃ ہنا بنوۃ الحنان والرأفۃ (بحر) حاصل تقریر اُن کا یہ تھا کہ ہم سب سے اونچی ذات والے، اور خاص مقربین حق میں ہیں ــــــ ٹھیک وہی ذہنیت جو ہندوستان میں برہمنوں کی اور اپنے کو چندر بنسی اور سورج بنسی کہلانے والے راجپوتوں کی ہوتی ہے۔ والمقصود العرفی ہو المعنی المنتقص مدحاً وحاصل دعواہم ان لہم فضلاً ومزیۃ عند اللہ تعالیٰ علی سائر الخلق (روح) وجملۃ الکلام ان الیہود والنصاریٰ کانوا یرون لانفسہم فضلاً علیٰ سائر الخلق بسبب اسلافہم الافاضل من الانبیاء حتی انہم انتہوا فی تعظیم انفسہم (کبیر) اور یہ ذہنیت خود مسلمانوں کے اندر بھی پیرزادگی، مشائخ زادگی، مخدوم زادگی کے گھمنڈ سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں۔ ۵۸۳ (جس کے تم خود قائل ہو) بداعمالی پر دنیوی سزاؤں کا ترتُّب تو ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی، جس سے یہود ونصاریٰ کسی کے لئے انکار ممکن نہ تھا۔ اور ان دنیوی سزاؤں کے تذکرہ سے عہد عتیق کے صحیفے بھرے پڑے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں صریح رد ہے اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ ایسے قرب کا قائل ہو جس میں معصیت پر بھی مؤاخذہ نہ ہو۔ ۵۸۴ (اور بلا امتیاز واستثنا انہیں کی طرح عام قاعدوں کے تحت میں داخل ہو) یعنی جزاء وسزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لئے ہے۔ وہی تمہارے لئے بھی ہے۔ ۵۸۵ (اور وہی قادر مطلق، حاکم برحق یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لئے مغفرت ہے، اور اہل کفر کے لئے دائمی عذاب) یعنی اسی کی مشیت سب پر غالب ہے، وہ کسی کی محکوم نہیں۔ ۵۸۶ (نہ کہ کسی نبی یا ولی کی طرف، فرشتہ یا دیوتا کی طرف) مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ابن اللہ مسیح کے دربار میں پیش ہونگے، اور یہود اس خیال میں تھے کہ اُن کے آباواجداد یعقوبؑ اور اسحٰقؑ اور ابراہیمؑ انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے بچا لیںگے۔ حکیم الاُمت تھانویؒ نے اس موقع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لفظ بلفظ نقل ہونے کے قابل ہے:۔ "یہ دعویٰ مذکورہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا ہمارے زمانہ کے جاہل پیرزادوں کا انتساب تولدیا اتصال سلسلہ کی بنا پر گھمنڈ ہے کہ حق تعالیٰ کو ہمارے

ہُوں کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ بس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟" (یوحنا۔ ۱: ۱۹-۲۲) "انہوں نے اُس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟" (یوحنا۔ ۱: ۲۵) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنی؟ ظاہر ہے کہ کسی معروف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی ہوگی اور یہ النبی یقیناً مسیح سے الگ کوئی تھے جیسا کہ اُوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔ اور آگے چلئے۔ خود مسیح نے ایک بار عید کے اخیر دن کھڑے ہو کر پکار کر کہا "اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آکر پئے" اُس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُن کر کہا۔ بیشک یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔" (یوحنا ۷: ۴۰) ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنے شاگردوں کو تسلی دیتے ہیں۔ "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا ۱۴: ۱۶) (مددگار کے لفظ پر اردو انجیل میں نسخہ یا وکیل یا شفیع بھی درج ہے) اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار یا شفیع یا وکیل بجز نبی خاتم النبیین کے اور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح کی زبان سے ملاحظہ ہو۔ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمہارے پاس نہ آئیگا۔ لیکن اگر میں جاؤنگا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھیرائیگا۔" (یوحنا ۱۶: ۷، ۸) اسکے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ وہ نبی آکر پرانی شریعتیں منسوخ کریگا، اور نئی شریعت چلائیگا۔ حظًّا پر حاشیہ ابھی نمبر ۶۲ میں گزر چکا۔ ٥٦٩ بَيْنَهُمُ یعنی مسیحی قوموں کے درمیان۔ اشارہ نصرانیوں کے اندرونی مذہبی اختلافات کی جانب ہے۔ مسیحیوں کے اندر جس کثرت سے فرقے ہیں اور پھر اُن میں باہم جس درجہ شدید

الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

مسیح ابن مریم ہے ٥٧٧ آپ کہئے کہ اچھا تو اللہ سے کون کچھ بھی بچا سکے اگر وہ

إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ

ہلاک کردینا چاہے مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو ٥٧٨ اور جو کوئی بھی

مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ

زمین پر ہے سب کو ٥٧٩ اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ اُن کے

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ

درمیان ہے اُس (سب) پر اللہ ہی کی حکومت ہے ٥٨٠ وہ جو کچھ چاہے پیدا کردیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ

پر پوری قدرت ہے ٥٨١ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لڑکے

أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۖ

اور اُسکے چہیتے ہیں ٥٨٢ آپ کہہ دیجئے تو پھر خدا انہیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے ٥٨٣

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ

نہیں بلکہ تم (محض) بشر ہو مخلوقات میں سے ٥٨٤ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

سزا دے گا ٥٨٥ اور اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر، اور جو کچھ ان دونوں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

کے درمیان ہے اُس (سب) پر بھی ہے اور اسی کی طرف واپسی ہے ٥٨٦ اے اہل کتاب

اختلافات ہیں، باہر والوں کو اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور اگر اس مفہوم میں یورپ کی موجودہ سیاسی قومیں شامل سمجھی جائیں تو انکی باہمی رقابتیں اور عداوتیں تو اور زیادہ ظاہر و روشن ہیں۔ جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ رُوس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے، امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے وغیرہا۔ اندرونی نفسانیت اور کشمکش کی حد و حساب ہی نہیں۔ ٥٧٠ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ یعنی ہمیشہ، مستقل طور پر۔ قرآن مجید ظاہر ہے کہ محاورۂ انسانی کے مطابق ہے۔ اور محاورہ میں "قیامت تک" سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جب تک اس شے کا وجود باقی ہے۔ قرآن مجید ہی میں ابلیس کے ذکر میں ہے کہ اُس پر لعنت قیامت تک رہیگی، معنی بالکل ظاہر ہیں کہ وہ لعنت اُس پر ہمیشہ رہیگی۔ نہ یہ کہ وہ یوم حشر کے بعد لعنت سے نجات پاجائیگا۔ اس لئے زائغین جدید میں سے ایک صاحب کا آیت کے ذیل میں یہ کہنا کہ "اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیسائی قیامت کے دن تک رہینگے ..... اور یہ خیال کہ کسی وقت کُل کے کُل مسلمان ہو جائینگے، اس آیت کی رُو سے غلط ٹھہرتا ہے" جہل محض ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی جس طرح عقاب اُخروی کا سبب بنتے ہیں، عقاب دنیوی کا بھی باعث بن سکتے ہیں۔ ٥٧١ سَوْفَ۔ یعنی قیامت میں۔ قرآن مجید نے قرب آخرت کے استحضار کیلئے بار بار اسکی آمد و وقوع کیلئے سوف کا لفظ اختیار کیا ہے۔ القاء عداوت و بغض باہمی میں ذکر وبال دنیوی کا تھا۔ اب سزائے آخرت کا آگیا۔ ٥٧٢ (اور یہ بجائے خود ایک شہادت ہے انکے پیمبرانہ علم کی) مطلب یہ ہوا کہ یہ پیمبر اُمّی ہونے کے باوجود، توریت و انجیل کے اصل مضامین کو تمہاری کوشش اخفاء کے باوجود وحی الٰہی سے معلوم کرکے ظاہر کردیتے ہیں۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ۔ اب خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ ٥٧٣ (اور یہ حلم و عفو بجائے خود ایک شہادت ہے انکے پیمبرانہ اخلاق کی) يَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ یہ مضامین جنہیں آپ نظر انداز کرجاتے ہیں وہ ہیں، جنکے اظہار سے بجز مجرموں کی تفضیح کے اور کوئی شرعی غرض وابستہ نہیں۔ انما لم یظھرہ لانہ لاحاجۃ الی اظھارہ فی الدین (کبیر) لا یبینہ اذا لم تضطر الیہ مصلحۃ دینیۃ ومافیہ احیاء الشریعۃ وامانہ بدعۃ۔ (کشاف) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہیں سے اہل اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب تک کوئی مصلحت دینی نہ ہو مقتضائے غیظ پر عمل نہیں کرتے، اور عداوت میں بھی شغل غیظ نفسانی کا قصد نہیں کرتے۔ ٥٧٣ نور سے اشارہ ہے رسالتِ محمدی کی جانب اور کِتَابٌ مُبِينٌ سے قرآن مجید کی جانب۔ یعنی بالنور محمدًا صلعم وکتاب مبین ھو القرآن الذی انزلہ علی نبینا (ابن جریر) نور قیل محمد صلعم عن الزجاج وکتاب مبین ای القرآن فانہ یبین الاحکام (قرطبی) ٥٧٤ یعنی رضائے حق کا ارادہ کرتے ہیں، اور اسکی تلاش و فکر میں رہا کرتے ہیں۔ ای من یعلم اللہ تعالیٰ انہ یرید اتباع رضاء اللہ تعالیٰ بالایمان بہ (روح) یہیں سے یہ حقیقت بھی روشن ہوجاتی ہے کہ راہ ہدایت انہی کے نصیب میں آتی ہے، جو از خود اسکی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ سُبُلَ السَّلَامِ۔ پوری سلامتی، مادی و روحانی، ہر حیثیت سے مکمل جنت ہی میں جاکر نصیب ہوسکتی ہے۔ اُسکے راستے یعنی جنت میں جانے کے طریقے صحیح عقائد اور صحیح اعمال ہیں۔ طرق السلامۃ الموصلۃ الی دار السلام وھی الجنۃ (قرطبی)

قیل طرق الجنۃ (بحر) بِهِ میں ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ ای بالکتاب المبین (کبیر) ظاھرہ انہ یعود علی کتاب اللہ (بحر) ای بالقرآن (مدارک) ٥٧٥ یعنی عمر بھر انہیں سیدھی راہ پر قائم رکھتا ہے۔ الظُّلُمَاتِ سے مراد کفر کی تہ بتہ تاریکیاں ہیں۔ ای من ظلمات الکفر والجھالات (قرطبی) النُّورِ سے مراد ایمان و طاعت کی روشنی ہے۔ اے الی نور الاسلام والھدایات (قرطبی) بِإِذْنِهِ سے مراد ارادۂ الٰہی، توفیق الٰہی، یا مشیت تکوینی ہے۔ ای بتوفیقہ (کبیر) ای بارادتہ وتوفیقہ۔ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اصل مقصود طلب رضا ہے، دخول جنت اسکے تابع ہے۔ ٥٧٦ اس عقیدہ کو جو کھلا ہوا شرک ہے، خوب خیال کرکے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید "نصرانیت" سے تعبیر نہیں کرتا۔ نہ ایسے لوگوں کو نصاریٰ یا اہل الکتاب سے موسوم کرتا ہے۔ انکا ذکر تو الذین قالوا انا نصاریٰ کے تحت میں ابھی اُوپر آچکا ہے۔ اب جن لوگوں کا ذکر ہے، اُن کیلئے تو کھلا ہوا اور قطعی حکم تکفیر ہی کا ہے۔ لقد کفر الذین الخ مسیحیت موجودہ کی متعدد شاخوں کے عقیدے تو کھلے ہوئے مشرکانہ ہیں، مثلاً Sabellianism و Docetism Monarchianism وغیرہا۔ ان کیلئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ اردو میں انکی اصطلاحوں کے ترجمے بھی دشوار ہیں۔ اب رہی وہ مسیحیت جو مسلک جمہور کے مطابق ہزار و صدیوں سے دنیا میں خوب پھیلی ہوئی ہے، وہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں عقیدۂ اتھانیاسیس (Athanasian Creed) جو کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ سب مشہور و مقبول فرقوں میں مشترک ہے، اس میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا ...... باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق ...... باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود ...... باپ ازلی، بیٹا ازلی ...... یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق ...... ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا" کھلا شرک اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟ مسیح اور مریم دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ المسیح کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ بجائے خود ایک ضرب کاری ہے عقیدۂ الوہیت مسیح پر کہ جسے تم عین خدا قرار دے رہے ہو، وہ تو خود ایک خاتون کا فرزند تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صریح رد ہے اُن لوگوں پر جو خالق و مخلوق میں اتحاد کے قائل ہیں۔ ٥٧٧ (اس مسیح پرستی کی تردید میں، اے ہمارے پیغمبر!) ٥٧٨ (طبعی موت سے) أَنْ يُهْلِكَ۔ اہلاک ایک تو ہوتا ہے بصورت عذاب، وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں اہلاک بصورت موت طبعی مُراد ہے۔ المراد بالاھلاک الاماتۃ والاعدام مطلقا من غیر سخط وغضب (روح) مَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ ملک یہاں قدرت کے معنی میں ہے۔ الملک ھو القدرۃ (کبیر) یملک بمعنی یقدر من قولھم

اور سلسلت کا کوئی امکان بھی اس کے بعد ذہن کے سامنے نہیں آسکتا ـــــــــ آج محض دائسرائے اگر رعایا کے ایک معمولی فرد سے کہدے کہ گھبرا نامت، ہم تمہارے ساتھ رہینگے" تو اُسے کس قدر قوت واستقامت حاصل ہوجائے۔ چہ جائیکہ یہاں خالق کائنات مالک الملک، حاکم علی الاطلاق اپنی معیت کا یقین دلا رہا ہے! تسکین واطمینان کا کوئی درجہ اسکے بعد اور ہو کیا سکتا ہے؟ یہ ایک پہلو تھا۔ اب دوسرے پہلو سے دیکھیے۔ کوئی معصیت اس استحضار معیت الٰہی کے بعد بندہ سے ممکن ہے؟ جہاں کوئی اپنے سے ذرا بڑا اگر نگرانی کیلئے پاس موجود رہتا ہے جب تو اسکی مروت ملحاظ یا دباؤ سے ہم اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں، اور کوئی لغزش یا معصیت سرزد نہیں ہونے دیتے، چہ جائیکہ ہمہ بین وہمہ تواں مالک ومولا کی معیت کا استحضار! کوئی معصیت بھی اسکے بعد ممکن رہ سکتی ہے؟ غرض ترغیب وترہیب کے جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے معیت الٰہی کا مراقبہ بہترین وموثر ترین ہے۔ محققین نے یہ بھی صاف کردیا ہے کہ معیت سے یہاں مراد نعوذ باللہ معیت جسمانی نہیں جیسے مخلوق مخلوق کے درمیان ہوتی ہے بلکہ احاطۂ علم وقدرت ونصرت کے لحاظ سے ہے۔ انی معکم بالعلم والقدرة فاسمع کلامکم واریٰ افعالکم واعلم ضمائرکم واقدر علی ایصال الجزاء الیکم (کبیر) ای بالعلم والحیاطة وفی هذه المعیة دلالة علی عظم الاعتناء والنصرة (بحر) ای ناصرکم ومعینکم (مدارک) ۵۹ خوب خیال رہے کہ ایمان وحسن عمل کی اصل جزا قرآن مجید نے آخرت ہی میں رکھی ہے۔ اور سارا زور جنت اور اسکی نعمتوں ہی پر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود وغیرہ قدیم قوموں کے تذکرہ کے سلسلہ میں بھی اسی کو بار بار دُہرایا ہے ـــــــــ دنیوی کامیابی اور غلبہ کو بھی بیان کیا ہے، لیکن صرف کہیں کہیں، اور وہ بھی گویا ضمنی اور ثانوی طور پر، بطور انعام اصلی کے تتمہ کے ـــــــــ اور یہی بڑا فرق قرآن اور توریت کے درمیان ہے۔ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ یعنی جو میرے میری طرف سے آئندہ آتے رہینگے اُن کی تصدیق کروگے۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ یعنی اُنکے دشمنوں کے مقابلہ میں اُنکی مدد کروگے۔ ای رددتم عنهم امدادهم (قرطبی) نصرتموهم بان ترد واعنهم اعداءهم (مدارک)

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

ہم نے اُن سے بھی عہد لیا تھا ۶۰ سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی (اس کا) بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے ۶۱

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

توہم نے اُن میں باہم بغض اور عداوت قیامت تک کے لئے ڈال دیا ۶۲

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ انہیں عنقریب وہ جتلا دے گا ۶۳

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے (یہ جو) رسول آئے ہیں یہ تمہارے سامنے کتاب الٰہی کے (وہ) مضامین کثرت سے

مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

کھول دیتے ہیں جنہیں تم چھپاتے رہے ہو ۶۴ اور بہت سے اُمور کو نظر انداز بھی کر جاتے ہیں ۶۵

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِىْ

بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے ۶۶ اس کے ذریعہ سے

بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

اللہ انہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اسکی رضا کی پیروی کرتے رہتے ہیں ۶۷ اور انہیں اپنی

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

توفیق سے نور کی طرف، تاریکیوں سے نکال کر لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ دکھائے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

رہتا ہے ۶۸ وہ لوگ یقیناً کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو عین

اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی اللہ کی راہ میں نیک کاموں میں اخلاص وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرتے رہوگے۔ ہر زبان کے کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں جو دوسری زبان والوں کو نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہی میں سے عربی کا یہ محاورہ ہے۔ جو اُردو خوانوں کو بہت ہی اجنبی سا محسوس ہوتا ہے قرض کی حقیقت عربی زبان میں صرف اس قدر ہے کہ یہ وہ مال ہے جسکی واپسی کچھ مدت بعد لینے والے پر لازم اور واجب ہوجاتی ہے۔ سمی مایدفع الی الانسان من المال بشرط رد بدله قرضا (راغب) تو اسی واپسی کے لزوم ووجوب کی بنا پر اللہ کی خدمت میں مال پیش کرنے کو قرض سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ اور حَسَنًا کے اضافہ نے یہ قید لگادی، کہ وہ صرف مال اخلاص اور خوشدلی کے ساتھ ہو۔ ۶۰ (اور بھٹک گیا) بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس عہد وپیمان کے بعد۔ ۶۱ چنانچہ خود توریت بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی عہد شکنی اور ملعونیت کی داستان سے لبریز ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ۔ ب سببیہ ہے۔ اور ف نے یہ صاف کردیا کہ یہ ساری فہمائشیں بیکار گئیں۔ اور بنی اسرائیل خود اپنے عہد وقرار کے توڑنے پر تُل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز لعنت الٰہی میں گرفتار ہوتے گئے۔ لعنت کے مفہوم یعنی رحمت الٰہی سے محرومی پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ لعناهم ای طردناهم وابعدناهم من الرحمة قاله عطاء والزجاج (بحر) بِمَا میں ما نے معنیٰ تاکید کے پیدا کردیئے۔ ما زائدة للتوکید عن قتادة وسائر اهل العلم وذلك انها موکد الکلام بمعنی تمکنه فی النفس من جهة حسن النظم ومن جهة تکثیره للتوکید. فالتاکید بعلامة موضوعة کالتاکید بالتکریر (قرطبی) الباء سببیة وما مزیدة لتوکید الکلام وتمکینه فی النفس (روح) ما مزیدة لافادة تفخیم الامر (مدارک) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ نکلا کہ بعض معاصی سے قبض طاری ہوجاتا ہے۔ ۶۲ (کہ حق بات قبول نہیں کرتے) یہ قلب کی قساوت یعنی کلمۂ حق کے قبول کرنے سے گریز اسی ملعونیت کے اثر سے ہے۔ اور لعنت کی حقیقت ہے لطف حق سے دُوری اور رحمت حق سے مہجوری۔ اللعن الابعاد والطرد من الرحمة (قرطبی) یحتمل التاویل الباطل ویحتمل تغییر اللفظ (کبیر) یہود کی قساوت قلب کا ذکر انجیل میں بھی بار بار آیا ہے: "اُسنے اُنکی سخت دلی کے سبب غمگین ہوکر اور چاروں طرف اُن پر غصہ سے نظر کرکے اس آدمی سے کہا" (مرقس۔ ۳: ۵) "اُنکی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی" (مرقس۔ ۱۶: ۱۴) "تو اپنی سختی اور غیر تائب دل کے مطابق اس قہر کے دن کیلئے اپنے واسطے غضب کمارہا ہے" (رومیوں۔ ۲: ۵) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح معاصی سے قبض طاری ہوجاتا ہے۔ اسی طرح قبض سے معاصی پیدا بھی ہوجاتے ہیں ۶۳ (اور اسی بڑے حصہ میں تصدیق رسالتِ محمدی بھی شامل ہے)۔ قال ابن عباسؓ ترکوا نصیبا بما اُمروا به فی کتابهم وهو الایمان بمحمد صلعم (کبیر) حَظًّا۔ تنکیر معنیٰ کی بڑائی کیلئے ہے یعنی بڑا حصہ ای نصیبا جزیلا وقسطا وافیا (مدارک) نصیبا وافیا (بیضاوی) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ اس میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفیں آگئیں۔ ای یتاولونه علی غیر تاویله (قرطبی) قیل معناه یبدلون حروفه (قرطبی) یہود مسیحیوں کی طرح خود بھی وحی لفظی کے قائل نہیں اور نہ اپنے صحیفوں بلکہ خود توریت تک کی محفوظیت کے مدعی۔ اُن کا تو سارا کام مسیحیوں کی طرح بجائے اصل متن کے ترجمہ کے ترجمہ کے زور پر چل رہا ہے۔ اور ترجمہ بالفرض بہتر سے بہتر ہو، جب بھی اصل سے جتنا دُور ہوتا ہے ہر صاحب علم پر روشن ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ میں یہ لوگ ارادی ترمیم وتصرف سے شرماتے نہیں، فخریہ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ۶۴ یہود کی دینی ودنیوی خیانتوں کی مثالیں خود قرآن ہی میں جا بجا مذکور ہیں۔ مثلاً اُن کا اخفاء احکام توریت، انکی جھوٹی اور جعلی شہادتیں پیش کرنا، وقس علیٰ ہذا۔ خائنة سے مراد خیانت ہے۔ اور ایسا استعمال عربی میں عام ہے۔ الخائنة الخیانة قال قتادة وهذا جائز فی اللغة (قرطبی) الخائنة فی هذا الموضع الخیانة وضع وهو اسم موضع المصدر (ابن جریر) بمعنی المصدر ونظیره کثیر کالکافیة والعافیة وقال تعالیٰ فاهلکوا بالطاغیة ای الطغیان (کبیر) خائنة کا اطلاق کبھی علامہ ونسابہ کی طرح مبالغہ کے لئے بھی ہوتا ہے۔ ان تقع خائنة للواحد کما یقال رجل نسابة علامة فخائنة علی هذا للمبالغة یقال رجل خائنة اذا بالغت فی وصفه بالخیانة (قرطبی) اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ اور وہ معدودے چند منکرین وہ تھے، جو بعد کو ایمان لے آئے۔ ۶۵ یعنی اُن کے ان جرائم کے باوجود ابھی ان سے انتقام نہ لیجئے اور بلا ضرورت شرعی اُن کی تفضیح ورسوائی کا سامان نہ کیجئے۔ ۶۶ (اور اُسی نیک کاری کی ایک فرد یہ ہے کہ بلا ضرورت شرعی کسی کی تفضیح ورسوائی نہ کی جائے) مُحْسِنِيْنَ۔ احسان کے معنیٰ عربی میں صرف حسن عمل اور نیک کاری کے ہیں۔ اُردو کے "احسان" کا اسے مرادف سمجھا جائے۔ نکتہ سنجوں نے یہیں سے یہ حقیقت اخذ کی ہے کہ جب کافروں اور کافر بھی کیسے، غیر متدین وخائن کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ حسن عمل اور نیک کاری قرار پایا تو پھر مسلمان کے ساتھ عفو ودرگزر کے معاملہ کی فضیلت کا کیا کہنا! تنبیه علی ان العفو عن الکافر الخائن احسان فضلا عن العفو عن غیره (بیضاوی) ۶۷ (ویسا ہی عہد جس کا ذکر ابھی بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اوپر آچکا ہے) قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى۔ انداز بیان کی احتیاط ملاحظہ ہو۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ ہم نے نصاریٰ سے عہد لیا بلکہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا۔ نصارٰى۔ نصرانی کی جمع ہے۔ اور اس لفظ پر حاشیے پ ا میں گزر چکے۔ زیر آیت وقالت الیهود لیست النصٰرٰی الخ ۶۸ (اور اسی بھلائے ہوئے بڑے حصہ میں توحید الٰہی بھی شامل ہے اور تصدیق رسالت محمدی بھی) یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صدگونہ تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں۔ حضرت یحییٰؑ کے سلسلہ میں ہے:۔ "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے، کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اُس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں

حکم خالی ہو کر کہ کفار کا کفر اُسے اس سے محروم نہیں کر دیتا کہ اُسکے حق میں عدل کیا جائے یا اُسکے حقوق ادا کئے جائیں۔ دلت الآیۃ علی ان کفر الکافر لا یمنع من العدل علیہ (قرطبی) اور عدل کا وجوب جب کفر کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے تو کفر سے کمتر درجہ کی چیزوں فسق، بدعت وغیرہ کے ساتھ
اس کا وجوب کیونکر نہ جمع ہو گا جب سرکشوں، باغیوں، کٹرشوں کے ساتھ عدل واجب ہے تو توحید و رسالت کے قائلوں کے ساتھ یہ وجوب کتنا اور مؤکد ہو گا! اکابر شارحین نے اس طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ فیہ تنبیہ عظیم علی ان وجوب العدل مع الکفار الذین
ھم اعداء اللہ اذا کان بھذہ الصفۃ من القوۃ فما الظن بوجوبہ مع المؤمنین (کشاف۔ کبیر۔ مدارک) وفی الآیۃ تنبیہ علی مراعاۃ حق المؤمنین بالعدل اذ کان تعالٰی قد امر بالعدل مع الکافرین (بحر)
شدتِ غضب میں کون اپنے آپ پر قابو رکھ سکا ہے۔ یہاں تاکید اسی کی ہو رہی ہے کہ جو غصہ تمہارے دلوں میں کافروں کے خلاف ہے وہ کہیں تمہیں اُن کے مقابلہ میں زیادتی پر نہ آمادہ کر دے۔ تو زیادتی نہ ہونے پائے۔ عدل و اعتدال کا لحاظ معاملہ میں
رہے۔ عداہ بعلی لتضمنہ معنی الحمل والمعنی لا یحملنکم شدۃ بغضکم للمشرکین علی ترک العدل فیھم فتعتدوا علیھم بارتکاب ما لا یحل (بیضاوی) نھاھم اولاً ان یحملھم البغضاء علی ترک العدل
ثم استانف فصرح لھم بالامر بالعدل تاکیداً وتشدیداً (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاملات میں طبیعیات پر عمل نہ کرنا ایک مجاہدہ ہے۔ اور یہاں اسی کی تعلیم ہے۔ ۴۹ اللہ کی اس ہمہ بینی و ہمہ دانی کا استحضار ہی تقویٰ
کی ہر منزل اور ہر مرحلہ کو آسان بنا سکتا ہے۔ اسی لئے یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقویٰ کا حکم ہے، اکثر اسی کے متصل ہی اس مضمون کا بھی بیان ملتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک آیت پارۂ پنجم سورۃ النساء میں بھی آئی ہے۔ یا ایھا

الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط الخ۔ مفسر تھانویؒ نے خوب فرمایا کہ معاملات میں بے انصافی کے سبب عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ یا تو کسی فریق کی رعایت و مروت اور یا کسی فریق کی عداوت و مخالفت سورۃ النساء میں اقامت عدل کا حکم سبب اوّل کی مناسبت سے ہے اور یہاں سبب دوم کی مناسبت سے ہے۔
۵۰ وَعَدَ اللّٰهُ۔ آیت میں جان ڈال دینے والا لفظ یہی وعدۂ الٰہی ہے، اہل ایمان کیلئے کس قدر شوق افزا، اور کس درجہ محرک عمل! اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ اللہ جس اجر و صلہ کو "عظیم" کہے کون بندہ اُس کا اندازہ بھی کر سکتا ہے؟ ۵۱ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ صاحب میں مفہوم عارضی و ہنگامی اجتماع کا نہیں، بلکہ مستقل اور طویل تعلق کا پایا جاتا ہے۔ اس لئے کافروں کو اصحاب دوزخ کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ گویا دوزخ ہی کیلئے بنے ہیں یا دوزخ اُنہی کے لئے بنی ہے اگر صرف وعید کی صورت ہوتی تو کچھ امید نجات کی باقی بھی رہ جاتی۔ الصاحب الملازم ولا یقال فی العرف الا لمن کثرت ملازمتہ (راغب) والمصاحبۃ والاصطحاب ابلغ من الاجتماع لاجل ان المصاحبۃ تقتضی طول لبثہ (راغب) ای ملابسوا النار الشدیدۃ التاجج ملابسۃ مؤبدۃ (روح) فخر المفسرین فخر رازیؒ نے حسب معمول اس موقع پر بھی ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اور دوسرے بھی اُن کی راہ پر چلے ہیں:۔ یفید الحصر والمصاحبۃ تقتضی الملازمۃ کما یقال اصحاب الصحراء ای الملازمون لھا (کبیر) فھم دائمون فی عذاب اذ حتم لھم انھم اصحاب الجحیم ولم یات بصورۃ الوعید فکان یکون الرجاء لھم فی ذلک (بحر) لم یؤت بالجملۃ فی سیاق الوعید قطعاً لرجاءھم (روح) اور آیت ہی سے یہ نکتہ بھی خوب نکلا ہے کہ خلود جہنم کفار ہی کیلئے ہے۔ فھذہ الآیۃ نص قاطع فی ان الخلود لیس الا للکفار (کبیر)
۵۲ (اور اس تنبیہ کے ساتھ کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں۔ اور ظاہر میں قرائن بھی اُن کے اسی ارادہ کی تائید میں تھے) یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ۔ بسط ید کے ایک معنی عربی محاورہ میں حملہ کرنے، پکڑنے مارنے کے ہیں۔ اور وہی یہاں مُراد ہیں۔ یستعمل تارۃ للصولۃ والضرب (راغب) یقال بسط الیہ یدہ اذا بطش بہ (کبیر) اُردو میں بھی "دراز دستی" ایسے ہی موقعوں کیلئے ہے۔ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ۔ یہ کون لوگ تھے؟ مخالفین و معاندین سے مُراد ہونا تو ظاہر ہی ہے سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہاں متعین طور پر کن کی جانب اشارہ ہے؟ اشارہ اگر اسلام کی ابتدائی تاریخ کی طرف سمجھا جائے، تو اس وقت تو سب سے بڑے دشمن مشرکین قریش تھے۔ اور ارباب تفسیر کا ایک گروہ اسی جانب گیا ہے۔ وھم المشرکون (کبیر) روی ابو صالح عن ابن عباس انھا نزلت من اجل کفار قریش (بحر) اور اگر مُراد مابعد کے زمانہ سے لی جائے تو اُس وقت سب سے پُرقوت مخالفین یہود عرب تھے۔ اور ایک گروہ سے یہی تفسیر منقول ہے موقع نزول کی روایتیں متعدد ہیں لیکن ان میں تعارض و تناقض کچھ بھی نہیں۔ اور قوم کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی جماعت ہی مُراد ہو۔ کوئی مخصوص لیڈر یا سرغنہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لا یخفی ان سبب النزول یجوز تعددہ وان القوم قد یطلق علی الواحد۔ (روح) ۵۳ (بلکہ آخر میں تمام قرائن ظاہری کے خلاف تمہی کو کامیاب اور غالب کر دیا) کفِ ید۔ بسطِ ید کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہوا

الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
دیتے رہو گے اور میرے پیمبروں پر ایمان لاتے رہو گے۔ اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھے
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
طور پر قرض دیتے رہو گے، تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دُور کر دوں گا، اور ضرور تمہیں (بہشت کے) باغوں میں
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ۵۰ اور جو کوئی تم میں سے اس کے
ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا
بعد بھی کفر کرے گا تو بیشک اُس نے ضائع کر دی راہ راست ۶۰ غرض اُن کی
نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ
پیمان شکنی ہی کی بنا پر ہم نے انہیں رحمت سے دُور کر دیا ۶۱ اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا ۶۲
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
وہ کلام کو اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں، اور جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک (بڑا)
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا
حصہ بھلا بیٹھے ہیں ۶۳ اور اُن میں سے بجز معدودے چند کے، آپ کو اُن کی خیانت کی اطلاع
قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
آئے دن ہوتی رہتی ہے ۶۴ سو آپ اُن کو معاف کر دیجئے اور (ان سے) درگزر کیجئے ۶۵ بیشک اللہ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى
نیک کاروں کو پسند کرتا ہے ۶۶ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں

کہ دشمنوں نے تم پر حملہ کر کے تمہارا قلع قمع کر دینا چاہا تھا، لیکن اللہ نے انکے حملوں کو ناکام رکھا، اور ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں رَد ہے اُن افراط پسند جاہلوں کا جو اللہ کی دنیوی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔
۵۴ (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہو) غلبہ و کامیابی کی مسرت کو یاد دلا کر معاً بعد تقویٰ الٰہی کے استحضار سے صاف اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ غلبہ و کامیابی میں بڑا دخل تقویٰ الٰہی کو ہے۔ قناعت، بے طمعی، بے نفسی، ہمدردی، صداقت شعاری، ایثار، حفظ حدود غرض سیرت و کردار کی ساری انفرادی و اجتماعی خوبیاں اس ایک جامع لفظ "تقویٰ" کے اندر آ گئیں۔ ۵۵ (نہ کہ اپنے دست و بازو، اپنی ہمت و تدبیر پر) کامیابی و کامرانی کے بعد بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ گھمنڈ اپنی قوتِ بازو اور اپنی عقل و فرزانگی پر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو پست ہمتی اور تعطّل کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ اُسے سرگرم عمل برابر رکھنا چاہتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کا بھی روادار نہیں کہ انسان خود پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو جائے۔ وہ تعلیم بار بار اسی کی دیتا ہے کہ نظر اسباب سے بڑھ کر مسبب الاسباب پر رکھنا چاہیئے۔ اسی نے پہلے بھی بگڑے کام بنائے تھے، اور اسی کی ذات کا سہارا آخرت تک قائم ہے۔ ۵۶ (انکی اطاعت و وفاداری کا، انکے پیمبروں کے واسطے سے) ابھی تاکید اللہ پر اعتماد اور اسکے احکام کی تعمیل کی آچکی ہے۔ اب شہادت بنی اسرائیل کی تاریخ سے لائی جا رہی ہے کہ دیکھو اس موحد قوم نے جب نافرمانی اختیار کی، کیسے کیسے وبال میں پڑنے لگی ۵۷ (انکے قبیلوں کی تعداد کے مطابق) قوم اسرائیل ۱۲ قبیلوں میں تقسیم تھی۔ اور ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔ ۱۲ سرداروں کا قرآنی عدد، توریت کے بیان کے عین مطابق ہے۔ توریت میں ہے کہ مصر سے نکلنے کے دوسرے برس خداوند نے موسٰیؑ کو خطاب کر کے فرمایا:۔ "تو بنی اسرائیل کی ساری جماعت کا مطابق اُنکے فرقوں کے اور انکے آبائی خاندانوں کے اسم شماری کے ساتھ ہر ایک مرد سے سرگن کر حساب کر۔۔۔ اور ہر فرقے سے ایک ایک آدمی ہر ایک جو اپنے اپنے آبائی خاندان کا سردار ہے تمہارے ساتھ ہو"۔ (گنتی۔ ۱: ۲-۴) آگے ان سرداروں کے نام درج ہیں اور وہ تعداد میں ۱۲ ہیں۔ اسی طرح توریت میں ایک دوسری جگہ کنعان (فلسطین) پر فوج کشی سے ذرا قبل کے موقع پر ہے:۔ "خداوند نے موسٰیؑ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے بھیج دے۔ چنانچہ موسٰیؑ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشتِ فاران میں انکو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے"۔ یہاں بھی سرداروں کی تعداد ۱۲ درج ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اصل ہے مشائخ اہل تربیت کی اس عادت کی کہ وہ مریدوں پر اُن کی اصلاح نگرانی کی غرض سے اپنے نائبوں کو مقرر کر دیتے ہیں۔ اور اس میں ان کی باہمی مناسبت کا لحاظ رکھ لیتے ہیں۔ ۵۸ معیتِ الٰہی کا تصور ایک خدا پرست قوم کیلئے کس درجہ ہمت آفرین و شوق افزا ہے! دل اسکے بعد کس قدر قوی اور مطمئن ہو جاتا ہے

تیمم کرلینا بالکل جائز ہے۔ قال ابوحنیفہؒ و محمدؒ و من خاف برد الماء ان اغتسل جاز التیمم لما یخاف من الضرر (جصاص) تیمم کے ساتھ نماز جماعت میں بھی شرکت کی پوری اجازت حدیث میں موجود ہے۔ وحدیث عمران بن حصین نص فی ذلک وھو ان رسول اللہ صلعم رأی رجلا معتزلا لم یصل فی القوم فقال یا فلان ما منعک ان تصلی فی القوم فقال یارسول اللہ اصابتنی جنابۃ ولا ماء قال علیک بالصعید فانہ یکفیک. اخرجہ البخاری (قرطبی) فقہائے اُمت نے جنہیں حقیقۃً حکمائے اُمت کہنا چاہیے اسے خوب صاف کردیا ہے کہ پانی بلسکتا تو ہو لیکن بہت گراں قیمت پر، یا موجود تو ہو لیکن اتنی کم مقدار میں کہ پینے کیلئے نہ بچ سکے گا، تو ایسے موقع پر پانی کا وجود اُسکے عدم ہی کے برابر ہے، اور تیمم بالکل درست ہوگا۔ والجملۃ التی اتفق اصحابنا علیھا ان الوجود امکان استعمال الماء الذی یکفیہ لطہارتہ من غیر ضرر فلو کان معہ ماء وھو یخاف العطش اولم یجدہ الا بثمن کثیر تیمم ولیس علیہ ان یغالی فیہ (جصاص) ۴۰ تیمم کا بیان اور اس کا طریقہ سب سورۂ نساء کی آیت متعلقہ کے ماتحت گزر چکا ہے۔ صَعِیۡدًا طَیِّبًا۔ صعید سے مُراد مٹی کی جنس ہے جس چیز میں بھی اجزاء ارضی شامل ہوں، اس حکم میں آجائے گی۔ وکان الصعید اسمًا للارض اقتضی ذلک جواز التیمم بکل ما کان من الارض (جصاص) قال ابوحنیفہؒ یجزی التیمم بکل ما کان من الارض التراب والرمل والحجارۃ والزرنیخ والنورۃ والطین الاحمر والمرداسنج وما اشبھہ وھو قول محمد و زفر۔ (جصاص) ۴۱ احکام شریعت کے ذریعہ سے بلکہ وہ تو تنگی رفع کرتا رہتا ہے۔ جیساکہ احکام تیمم سے ابھی ابھی ظاہر ہوگا) آیت میں ایک بہت بڑی اصل کا بیان آگیا یعنی یہ کہ اللہ نے شریعت میں مشقت و تعب نہیں رکھی ہے۔ اور اس ایک اصل سے سیںیوں مسائل نکل سکتے ہیں۔ اور محقق رازیؒ کی نظر اس نکتہ تک خوب پہنچی ہے۔ اعلم ان ھذہ الاٰیۃ اصل کبیر معتبر فی الشرع وھو ان الاصل فی المضار ان لا تکون مشروعۃ (کبیر) احکام کا وہ مجموعہ جس پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے، وہ تو نام ہی بہترین نقشۂ زندگی کا ہے۔ اور اس کا مقصود بھی یہ ہے کہ جو کوئی اس ہدایت نامہ پر عمل کرے، وہ زندگی کی دشواریوں کو بہترین اور سہل ترین طریق پر عبور کرسکے ——— احکام شریعت کو سخت سمجھ لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچہ اپنے شفیق اور تجربہ کار باپ کی ہدایتوں کو، یا کوئی مریض اپنے دلسوز اور حاذق طبیب کے احکام کو ظلم و جبر سے تعبیر کرنے لگے، بلکہ ان دونوں مثالوں سے بھی کہیں بڑھ کر احمقانہ ۴۲ (معنوی و ظاہری ہر اعتبار سے) طہارت کا لفظ صفائے قلب اور جسمانی پاکیزگی دونوں کیلئے عام و وسیع ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکام دونوں اقسام کے جامع ہیں۔ ما یرید۔ یُرید۔ متکلمین نے آیت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے۔ دلت الاٰیۃ علی انہ تعالیٰ مریدٌ وھذا متفق علیہ بین الائمۃ۔ (کبیر) یہی الفاظ اُن نیم مشرک، نیم ملحد قوموں کی تردید کیلئے بھی کافی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو صفت ارادہ سے محروم محض مشین کی طرح چند قاعدوں کا پابند و محکوم سمجھے ہوئے ہیں۔

تطھیر۔ باب تفعیل سے ہے یعنی خوب اچھی طرح تمہیں پاک و صاف کردے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ایک طرف صوفیۂ محققین اور دوسری طرف فقہاء اُمت نے کتاب و سنت ہی سے جو جزئیات اعمال نکال نکال کر پیش کئے ہیں، اُن سے مقصود بھی تمامتر اسی تطہیر ظاہری و باطنی کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنا ہے، نہ کہ اور شقتیں بڑھانا۔ ۴۳ (اور ادائے شکر کی اعلیٰ ترین فرد ان احکام کی تعمیل ہے) لِیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ۔ اور وہ اتمام نعمت یہی ہے کہ وہ اپنے قرب اور رضا کے راستے سہل ترین اور کامل ترین صورت میں تمہیں بتادے۔ نعمتہ بالاسلام و ببیان شرائع الدین (جلالین) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے تنگدل ہونا اور اُن پر نفس کا شبہ کرنا جیساکہ عمل میں غلو رکھنے والے کرتے رہتے ہیں، مزاحمت حق ہے۔ ۴۴ (اور اس کی بڑی نعمت یہی ہے کہ اُس نے فلاح دنیوی و اُخروی کے طریقے اس تفصیل اور اس تکمیل کے ساتھ تمہیں بتادیئے ہیں) النعمۃ ھنا الاسلام (بحر) وھی نعمۃ الاسلام (روح) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ نعمۃ اللہ سے یہاں مُراد ان نعمتوں کی تعداد نہیں، بلکہ جنس نعمت ہے۔ نعمۃ بطور اسم جنس مستعمل ہوا ہے۔ اسلئے ضرورت صیغۂ جمع کی نہیں پڑی۔ ۴۵ مِیۡثَاقَکُمۡ۔ اس سے کون سا عہد مراد ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد عالم ارواح کا وہ عہد ہے جو سارے بنی آدم سے اقرار ربوبیت کی بابت لیا گیا تھا۔ قال مجاھد وکلبی ومقاتل ھو المیثاق الذی اخذہ اللہ تعالیٰ منھم حین اخرجھم من ظھر اٰدم (کبیر) روح انسانی کے اندر جو فطری طلب خدا رسی کی اور طبعی خواہش خدا طلبی کی ہے، یہ اُسی عہد کا عملی ظہور ہے۔ لیکن خطاب یہاں عام نوع بشر سے نہیں، بلکہ اہل ایمان سے ہے۔ اسلئے آسان اور بے تکلف صورت یہ ہے کہ وہ عہد مراد لیا جائے جو ہر کلمہ گو اسلام قبول کرتے وقت کرتا ہے یعنی تعمیل احکام کا اجمالی عہد۔ قیل المیثاق اقرار کل مومن بما التزمہ (کبیر) اس سے بھی زیادہ دلنشین تفسیر یہ ہے کہ میثاقکم سے مُراد بیعت و اطاعت کے وہ عہد ہیں، جو

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
بیشک اللہ کو اسکی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو ؎ جو لوگ کہ ایمان لائے اور

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ⑨
اچھے کام کرتے رہے، اللہ نے اُن سے وعدہ کرلیا ہے کہ اُن کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ؎

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، سو ایسے لوگ دوزخ والے

الۡجَحِيۡمِ ⑩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ
ہیں ؎ اے ایمان والو، اللہ کی نعمت کو (جو) تم پر ہے

عَلَيۡكُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ
یاد کرو جب ایک قوم نے ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں ؎ لیکن

فَكَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے ؎ اور اللہ سے ڈرتے رہو ؎ اور ایمان والوں کو چاہیئے

فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ⑪ وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ
کہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں ؎ اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے

بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا ؕ وَ
عہد لیا تھا ؎ اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے تھے ؎ اور اللہ نے

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ ؕ لَـئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيۡتُمُ
(ان سے یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ؎ تو اگر نماز کے پابند رہو گے اور زکوٰۃ

ع ٢

رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں سے لئے تھے۔ ابن عباس صحابیؓ اور سدی تابعی وغیرہم سے یہی معنی مروی ہیں۔ والذی علیہ الجمہور من المفسرین کابن عباسؓ والسدی ھو العھد والمیثاق الذی جری لھم مع النبی صلعم علی السمع والطاعۃ من المنشط والمکرہ کما جری لیلۃ العقبۃ وتحت الشجرۃ۔ (قرطبی) المراد ھو المواثق التی جرت بین رسول اللہ صلعم وبینھم فی ان یکونوا علی السمع والطاعۃ فی المحبوب والمکروہ۔ (کبیر) وھذہ ھی البیعۃ التی کانوا یبایعون علیھا رسول اللہ صلعم عند اسلامھم (ابن کثیر) وذلک حین بایعوا رسول اللہ صلعم علی السمع والطاعۃ فی ما احبّوا وکرھوا وھو قول اکثر المفسرین (معالم) ایسے عہد لئے تو تھے رسول اللہ صلعم نے لیکن حق تعالیٰ نے انکے اہتمام شان کے اظہار کے لئے انہیں منسوب اپنی ہی جانب فرمایا۔ واضافہ تعالیٰ الی نفسہ کما قال انما یبایعون اللہ فبایعوا رسول اللہ صلعم (قرطبی) انہ تعالیٰ اضاف المیثاق الصادر عن الرسول سدی تابعی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اس میثاق سے مراد حقانیت اسلام کے دلائل عقلی و نقلی ہیں۔ اور متکلمین نے عمومًا یہی معنی اختیار کئے ہیں۔ قال السدی المراد بالمیثاق الدلائل العقلیۃ والشرعیۃ نصبھا اللہ تعالیٰ علی التوحید والشرائع وھو اختیار اکثر المتکلمین۔ (کبیر) ۴۶ اس حقیقت کے استحضار سے تعمیل احکام میں اخلاص کا پیدا ہوجانا لازمی ہے۔ ورنہ عمل بلا اخلاص سے تو محض مشقت ہی مشقت باتھ رہیگی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرنا یہ کہ اُس کے احکام کی مخالفت سے بچو۔ پہلے یہ بتایا کہ تعمیل احکام میں نفع تمہارا ہی ہے۔ اپنی ہی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان احکام پر عمل کیا جائے پھر یہ یاد دلادیا کہ تم عہد و معاہدہ بھی تو کرچکے ہو، اب اخلاقی فرض ان معاہدوں کو پورا کرنا ہے۔ اب واتقوا اللہ میں اشارۃً یہ بتایا جارہا ہے کہ مخالفت و عدم تعمیل میں ضرر بھی تمہارا ہی ہے۔ ۴۷ قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام کی پوری پابندی کرتے رہو۔ معناہ کونوا قوامین للہ بالحق فی کل ما یلزمکم القیام بہ من الامر بالمعروف والعمل بہ والنھی عن المنکر واجتنابہ (جصاص) والمراد منھم علی الانقیاد لتکالیف اللہ تعالیٰ (کبیر) لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لئے لاجل ثواب اللہ (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کی ادائی میں ہمہ وقت مستعد رہو۔ اشارۃ الی التعظیم لامر اللہ (کبیر) شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ۔ یعنی ہر معاملہ میں مرتبۂ انصاف کا لحاظ رکھو۔ یہ تاکید ہوئی حقوق العباد کی ادائی کی۔ اشارۃ الی الشفقۃ علی خلق اللہ (کبیر) ۴۸ گویا ادائے حقوق ہی کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا۔ اِعۡدِلُوۡا۔ یہ بالکل حکیمانہ ترتیب کے مطابق پہلے ممانعت ناانصافی اور زیادتی سے ہوئی۔ پھر اس سلب کے بعد ایجابی حکم عدل کا ملا۔ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ۔ جس قوم یا جماعت سے مسلمانوں کو حیثیت مسلمان کے دشمنی ہوگی، ظاہر ہے کہ وہ دشمن اسلام کافروں ہی کی ہوگی۔ تو گویا تاکید اسکی ہوئی کہ دشمنوں تک کے ادائے حقوق میں کمی نہ کرو ——— اللہ اللہ! دنیا کا کون قانون ایسا ملیگا، جس نے اپنے باغیوں اور معاندوں تک کے حقوق کی یہ رعایت رکھی ہو! فقہائے آیت سے یہ

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

آئے یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو ۳۸ پھر تم کو پانی نہ ملے ۳۹ تو پاک مٹی سے تیمم

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا

کرلیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اُس سے مسح کرلیا کرو ۴۰

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ

اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اُوپر کوئی تنگی ڈالے ۴۱ بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے کہ

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

تمہیں خوب پاک صاف رکھے ۴۲ اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکرگزاری کرو ۴۳

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ

اور اپنے اُوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرلیا کرو ۴۴ اور اُسکے اُس عہد کو بھی جس کا اُس نے تم سے معاہدہ کیا ہے

بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

(یہ اُس وقت) جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا، اور مان لیا ۴۵ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سینوں کے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

اندرتک کا علم رکھتا ہے ۴۶ اے ایمان والو، اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل

لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى

کے ساتھ شہادت دینے والے رہو ۴۷ اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ کردے کہ تم

اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

(اسکے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے ۴۸ اور اللہ سے ڈرتے رہو

آپ کا عمل پیشانی پر مسح کا تھا۔ اور پیشانی کی مقدار ربع سر کے برابر ہوجاتی ہے۔ ہو اخذ نا لبیان نبی صلعم وهو ما روی انہ مسح علی ناصیتہ وقدرت الناصیۃ بربع الرأس (مدارک) وَاَرْجُلَكُمْ۔ شامی ونافع وعلی وحفص سب سے اس کی قرأت نصب کے ساتھ اَرْجُلَ مروی ہے۔ جس سے اَرْجُلَكُمْ۔ فَاغْسِلُوْا کا مفعول ٹھہرتا ہے۔ اور وجوھکم اور ایدیکم پر عطف ہوتا ہے اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ بالنصب شامی ونافع وعلی وحفص والمعنی فاغسلوا وجوھکم وایدیکم وارجلکم (مدارک) قرأ نافع ابن عامر والکسائی ارجلکم بالنصب (قرطبی) عن ابی عبد الرحمن قال قرأ علی الحسن والحسین فقرآ وَاَرْجُلَكُمْ الی الکعبین تسمع علیؓ ذلك وکان یقضی بین الناس فقال وارجلکم وھذا من المقدم والمؤخر من الکلام (ابن جریر) قرأ علی وعبد اللہ بن مسعود وابن عباس فی روایۃ وابراھیم والضحاك ونافع وابن عامر والکسائی وحفص عن عاصم بالنصب وکانوا یرون غسلها واجبا (جصاص) دونوں پیروں کا دھونا ہی نہ کہ ان پر مسح کرنا، سنتِ رسول سے بھی ثابت ہے اور تعاملِ صحابہ سے بھی۔ اور عطاء تابعی کا قول ہے کہ صحابہ کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ھذا مذھب الجمہور والکافۃ من العلماء وھو الثابت من فعل النبی صلعم (قرطبی) عن علیؓ قال اغسلوا الاقدام الی الکعبین (ابن جریر) وعن عطاء قال واللہِ ما علمت ان احدًا من اصحٰب رسول اللہ صلعم مسح علی القدمین وانما امر بغسل ھٰذہ الاعضاء (مدارک) ولنا ان النبی صلعم واظب علی غسل الرجلین وبه امر مَنْ علّمہ الوضوء ورأی رجلا یلوح عقبہ فقال ویلٌ للاعقاب من النار (مبسوط) النبی صلعم غسل وما مسح قط (ابن العربی) یؤیدہ السنۃ الشائعۃ وعمل الصحابۃ وقول اکثر الائمۃ (بیضاوی) قال جمہور الفقہاء والمفسرین فرضهما الغسل (کبیر) والجواب بان وجوب واحدۃ بالعبارۃ واخریٰ بالدلالۃ لا طائل تحتہ بعد انعقاد الاجماع القطعی علی افتراضهما .... فان الاجماع انعقد علی غسلهما (بحر الرائق) اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ یعنی ٹخنوں کو شامل کرکے۔ وحکم الکعبین کالمرفقین (بحر الرائق) اِلیٰ کے مفہوم سے متعلق یہاں بھی وہی بحثیں ہوتی ہیں، جو الی المرافق کے تحت میں گذرچکی ہیں۔ وضوہی کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ایک طویل بحث نیت کی آجاتی ہے۔ حنفیہ کے ہاں نیت واجب نہیں، دوسرے ائمہ کی بابت روایتیں مختلف آئی ہیں۔ وقال کثیر من الشافعیۃ لاحاجۃ الی نیۃ وھو قول الحنفیۃ (قرطبی) النیۃ فی الطہارۃ واجبۃ فیه وبه قال مالك والشافعی واکثر العلماء وروی الولید بن مسلم عن مالك انها غیر واجبۃ فیه وبها قال ابوحنیفۃ والاوزاعی۔ سواء قارنته النیۃ اولم تقارنه (جصاص) قال ابوحنیفۃ وابویوسف ومحمد کل طہارۃ بماء تجوز بغیر نیۃ وھو قول الثوری وقال الاوزاعی یجزی الوضوء بغیر نیۃ (جصاص) قال الشافعیؒ النیۃ شرط لصحۃ الوضوء والغسل وقال ابوحنیفۃؒ لیس کذٰلك (کبیر) اختلف علماء الامصار ھل النیۃ شرط صحۃ الوضوء ام لا۔ فذھب فریق منهم الی انها شرط وھو مذھب الشافعی ومالك واحمد وذھب فریق اٰخر الی انها لیست بشرط وھو مذھب ابی حنیفۃ والثوری (بدایۃ المجتہد) ۳۷ یعنی غسل کرلو۔ یا سارے جسم کو پانی سے دھوڈالو۔ ای فاغتسلوا (معالم۔ بیضاوی) امر بالاغتسال بالماء (قرطبی) جُنُبًا۔ جنابت پر حاشیہ سورۃ النساء میں گزرچکا۔ فَاطَّهَّرُوْا۔ تطہیر باب تفعیل سے ہے یہیں سے نکتہ سنج فقہاء نے سارے جسم کے دھونے کا حکم نکالا ہے۔ اور محض بعض اعضاء کے دھوڈالنے کو کافی نہیں سمجھا ہے، اور غسل واجب میں کلی، غرغرہ اور ناک میں پانی لینے کا حکم بھی یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ عموم سائر البدن فلا یجوز الاختصار علی بعضه (جصاص) مقتضی تطہیر داخل الفم والانف (جصاص) ۳۸ (یا کسی اور طریقہ سے غسل ٹوٹ چکا ہو اور اب غسل کی ضرورت ہو) لٰمَسْتُمُ۔ ملامست سے کنایہ جماع سے ہے، صحابہ، تابعین، لغت سب سے یہی ثابت ہے۔ الملامسۃ ھنا الجماع (قرطبی) یکنی بالملامسۃ عن الجماع (راغب) قال علیؓ وابن عباسؓ وابوموسیٰؓ والحسن وعبیدہ والشعبی ھی کنایۃ عن الجماع (جصاص) فمن قرأ اولمستم فظاھرہ الجماع لاغیر لان المفاعلۃ لاتکون الا من اثنین الا فی اشیاء نادرۃ (جصاص) ۳۹ اس کا تعلق ضرورتِ وضو وغسل کی سب شکلوں سے ہے یعنی پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، خواہ بہ سبب مرض کے، خواہ بہ سبب فاصلہ کے، یا کسی اور سبب سے۔ معناہ فلم تقدروا علی الماء (راغب) سردی لگ جانے کا خوف، بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ، پانی لانے میں بہت زیادہ دشواریاں، یہ ساری چیزیں پانی نہ ملنے ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ حدیث میں تصریح موجود ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کرلیا، اس لئے کہ پانی سے انہیں سردی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اور رسول اللہ صلعم نے اسے جائز رکھا۔ قد روی فی حدیث عمرو بن العاص انہ تیمم مع وجود الماء لخوف البرد فاجازہ النبی صلعم ولم ینکرہ (جصاص) حنفیہ کے ہاں سردی کے عذر پر بجائے غسل کے

کے ساتھ بالکل جائز ہے نفسِ جواز میں کوئی گفتگو اس نص کے بعد چل ہی نہیں سکتی۔ البتہ فقہاء نے مفسدوں پر نظر کرکے اور مصلحت شرعی کا لحاظ کرکے فتویٰ یہ دیا ہے کہ بلا ضرورت ایسے نکاحوں سے بچنا چاہیے۔ یجوز تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لا یفعل (فتح القدیر) وصح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیھاً (درمختار) اور کتابیہ حربیہ کے ساتھ نکاح کی کراہت میں تو شبہ نہیں۔ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لافتتاحہ باب الفتنۃ (فتح القدیر) واصحابنا یکرھون مناکحات اھل الحرب من اھل الکتاب (جصاص) یجوز للمسلم ان یتزوج کتابیۃ فی دار الحرب ولکنہ یکرہ (مبسوط) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علیؓ کا ایک اثر ہے جس میں آپؓ نے کتابیہ مقیم دار الحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر کی ہے۔ بلغنا عن علیؓ بن ابی طالب انہ سئل عن مناکحۃ اھل الحرب من اھل الکتاب فکرہ ذلک وبہ ناخذ (مبسوط) علامہ شامی نے فیصلہ کیا ہے کہ نکاح غیر حربیہ کے ساتھ تو محض مکروہ تنزیہی ہے، لیکن حربیہ کے ساتھ مکروہ تحریمی۔ قولہ والاولیٰ ان لا یفعل یفید کراھۃ التنزیہ فی غیر الحربیۃ وما بعدہ یفید کراھۃ التحریم فی الحربیۃ (رد المحتار) وَالْمُحْصَنٰتُ۔ ترکیب میں عطف ہے الطیبٰت پر اور پہلی آیت میں۔ المحصنات۔ پر حاشیہ پارۂ پنجم کی ابتداء میں گزر چکا۔ یہاں مراد ہے کہ قیدِ عصمت کی پابند اور پارسا ہوں، یہ نہ ہو کہ ادھر کسی کے عقد میں بھی آ گئیں، اور ادھر بدچلنی اور عصمت فروشی بھی جاری رکھیں۔ ای الحصان فی النساء ھی العفۃ عن الزنا (ابن کثیر) لفظ کے لانے سے مقصود عصمت کی عظمت کو بڑھانا اور اس کی ترغیب دینا ہے، ورنہ قانونی حیثیت سے نکاح منعقد تو ہر نیک چلن، بدچلن اور بیوی و باندی سب کا ہو سکتا ہے۔ ھی الحرائر والعفائف لیس ھذا بشرط لصحۃ النکاح بل ھو للاستحباب لانہ یصح نکاح الاماء من المسلمات ونکاح غیر العفائف (مدارک) روی عن الحسن والشعبی وابراھیم والسدی انھم العفائف (جصاص) قال ابو عبید یعنی العواھر فھذا یدل علی ان معنی الاحصان عندہ ھھنا کان علی العفۃ (جصاص) اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ۔ مہر شرطِ نکاح نہیں لیکن مہر کی عظمت اور اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید بار بار اس کا ذکر تصریحاً کرتا ہے۔ وتقیید التحلیل بایتاء الاجور یدل علی تاکد وجوبھا (کبیر) وتقیید الحل بایتائھا لتاکید وجوبھا (روح) ۳۳ نکاح اسلام میں کوئی ضمنی اور ثانوی حیثیت کی چیز نہیں۔ ایک اہم اور زبردست اخلاقی، اجتماعی، روحانی ادارہ ہے اسکے منافع ومصالح فرد کے، خاندان کے، معاشرہ کے سب کیلئے بیشمار ہیں۔ نکاح یا شادی کیلئے اسی لئے اردو میں بھی دوسرا لفظ خانہ آبادی کا ہے ——— اُجڑے ہوئے سنسان اور ویران گھر گھرانے اسی ذریعہ سے آباد ہوتے ہیں۔ مرد وزن کے باہمی تعلق کو اسلام نے صرف اسی صورت میں جائز رکھا ہے کہ زوجین کا اس سے اصل مقصود ایک خاندان کی بنیاد رکھنا، ایک مستقل معاشرہ قائم کرنا ہو۔ اپنے کو مہذب ومتمدن کہلانے والی لیکن حقیقۃً جاہلی قوموں میں اس صورت مناکحت کے علاوہ دو اور صورتیں بھی مرد وزن کے تعلق کی پہلے بھی جاری رہی ہیں اور اب بھی جاری ہیں۔ ایک شکل تو کھلم کھلا بدکاری کی ہے۔ عورت زنا کیلئے آزاد ہے۔ اس کو باقاعدہ اپنا پیشہ بنالے۔ نہ سوسائٹی اسے اس سے روک سکے نہ حکومت۔ جو مرد جب چاہے اسکے ہاں جاکر ایک خاص کرایہ دے کر اپنے جسم کا پانی بہا آئے اور منہ کالا کرکے چلا آئے۔ دوسری صورت چوری چھپے آشنائی کی ہے یعنی عصمت کے معنی ہی ہٹ جائیں اور شریف و بیسوا میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ البتہ اس سے پبلک فضیحتا (Scandal) نہ پھیلنا ہو یعنی جانتے اپنی جگہ سب ہوں، لیکن عام زبانوں پر چرچے نہ پھیلیں۔ اسلام نے ان دونوں مہذب جرموں کو ایک لعنت قرار دیا اور جائز صورت مرد وعورت کے جنسی وشہوانی تعلق کی صرف نکاح بتائی۔ نکاح چوری چھپے نہیں اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں خدا کا نام درمیان میں لا کر خالق کائنات کا واسطہ ڈال کر مرد عورت کی راحت وآسائش کا ذمہ لیتا ہے اور عورت مرد کی خدمت کی ذمہ داریوں کو قبول کرلیتی ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں، فرائض عائد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنے کو مستقل نباہ کیلئے عمر کے ہر دور، مال و اقبال کے ہر اتار چڑھاؤ کیلئے، حتی الامکان تیار کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ محصنین غیر مسٰفحین ولا متخذی اخدان لاکر قرآن مجید نے ازدواجی وخانگی زندگی کا وہ بلند ترین معیار پیش کردیا جہاں کوئی مادی تہذیب آج تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ ۳۴ (گو اس کا حال اور مستقبل قریب بظاہر کیسا ہی خوشنما ہو) بِالْاِیْمَانِ۔ یعنی مقتضیات ایمان سے۔ ان چیزوں سے جو ایمان لانے سے واجب ہو جاتی ہیں۔ اور انہی میں حلت وحرمت کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ ای بشرائع الاسلام وما احل اللہ وما حرم (کشاف) قال الزجاج معناہ من احل ما حرم اللہ وحرم ما احل اللہ فھو کافر (کبیر) حَبِطَ عَمَلُہٗ۔ کوئی عمل کیسا ہی خوشنما ہو، اگر روح سے خالی ہے، تو اس کا شمار نیکی میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایمان نام اسی روحِ عمل کا ہے۔ تو جس کی نیت ہی سرے سے درست نہیں اور جو ایمان کی دولت سے یکسر محروم ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اعمال صرف صورۃً نیک ہو سکتے ہیں، نہ کہ معنیً وحقیقۃً کے لحاظ سے نیکی کی نقل اور چیز ہے، اور خود نیکی اور ۳۵ یعنی نماز کا ارادہ کرو اور حالتِ وضو میں نہ ہو۔ ای اذا اردتم (قرطبی) ای اذا اردتم القیام عبر عن ارادۃ الفعل بالفعل المسبب عنھا للایجاز (بیضاوی) اتنا فقرہ کہ حالت وضو میں نہ ہو، یا محدث ہو، محذوف مانا گیا ہے، اجماعاً، اسی لئے وضو بر وضو نماز کے لئے ضروری نہیں۔ وظاھر الآیۃ یوجب الوضوء علی کل قائم الی الصلوۃ وان لم یکن محدثاً والاجماع علی خلافہ (بیضاوی) مطلق ارید بہ التقیید والمعنی اذا قمتم الی الصلوۃ محدثین (بیضاوی) وقد روی نعم ایجاب الوضوء لکل صلاۃ من غیر حدث عن ابن عمر وابی موسی وجابر بن عبد اللہ وعبیدۃ السلمانی وابی العالیۃ وسعید بن المسیب وابراھیم والحسن ولا خلاف بین الفقھاء فی ذلک (جصاص) گو تازہ وضو کی فضیلت بہت زیادہ روایتوں میں ہے۔ اور رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدینؓ کا عام تعامل بھی یہی تھا۔ چنانچہ وضو پر وضو کرنے کے استحباب کے سب قائل ہیں۔ وقد روی عن النبی صلعم اخبار فی تجدید الوضوء (جصاص) وقد روی عن ابی بکر وعمر وعثمان وعلی انھم کانوا یتوضؤن لکل صلاۃ وھذا محمول علی انہ فعلوہ استحباباً (جصاص) وقال صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالوضوء عند کل صلوۃ۔ فھذا کلہ یدل علی استحباب الوضوء عند کل صلاۃ وان لم یکن محدثاً (جصاص) قال ابن سیرین کان الخلفاء یتوضؤن لکل صلاۃ (قرطبی) حملوا الامر علی الندب وکان کثیر من الصحابۃ منھم ابن عمر یتوضؤن لکل صلاۃ طلباً للفضل وکان علیہ السلام یفعل ذلک (قرطبی) ۳۶ تعلیم ارکانِ وضو کی ہو رہی ہے۔ اسلام بخلاف دوسرے مذہبوں کے باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری و جسمانی صفائی کا بھی بہت قائل ہے۔ اور اس نے اپنی مرکزی عبادت نماز سے قبل وضو کو لازمی ٹھیرایا ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں۔ آیت احکام قرآنی کی اہم ترین آیتوں میں سے ہے۔ ذکر العلماء ان ھذہ الآیۃ من اعظم آیات القرآن مسائل واکثرھا احکاماً فی العبادات (بحر) یہاں تک کہ اس ایک آیت کے اندر سے بعض علماء وفقہاء نے آٹھ آٹھ سو اور ہزار ہزار مسئلے مستخرج اور مستنبط کئے ہیں۔ ولقد قال بعض العلماء ان فیھا الف مسئلۃ واجتمع اصحابنا بمدینۃ السلام فتتبعوھا فبلغوھا ثمان مائۃ مسئلۃ ولم یقدروا ان یبلغوھا الالف (ابن العربی) وضو میں فرض صرف چار چیزیں ہیں۔ اور انہی کا آیت میں بیان ہے: (۱) فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ چہرہ کا دھونا۔ (۲) وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ سر کا مسح کرنا، یا پانی میں تر کیا ہوا ہاتھ اس پر پھیرنا۔ (۴) (اغسلوا) اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔ پیروں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان کے علاوہ اور جو چیزیں ہیں، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لینا، غرغرہ کرنا، وقس علی ہذا۔ ان میں سے بعض امور مسنون ہیں، اور بعض مستحب، تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی تفسیر سے اسکا تعلق نہیں۔ اعضائے وضو پر پانی بہانا، انہیں دھونا، ملنا، صاف کرنا، اپنے اندر حفظانِ صحت کی حکمتیں اور جسمانی مصلحتیں رکھتا ہے اور حضورِ قلب میں جس حد تک معین ہو سکتا ہے ان پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنے کیلئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہوگی۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ۔ مالکیہ کے ہاں چہرہ دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی اس پر بہایا جائے اور ہاتھ اس پر پھیرا جائے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں محض پانی کا اس پر بہہ جانا کافی ہے، ہاتھ سے ملنا اور رگڑنا لازمی نہیں۔ ولا بد فی غسل الوجہ من نقل الماء الیہ وامرار الید علیہ وھذہ حقیقۃ الغسل عندنا (قرطبی) قال آخرون و ھو قول اصحابنا وعامۃ الفقھاء علیہ اجراء الماء علیہ ولیس علیہ دلکہ بیدہ (جصاص) وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ الی اظہار غایت وانتہا کیلئے آتا ہے اور اس فیصلہ کا تعلق سیاق سے ہے کہ الی کا مابعد بھی الی کے ماقبل کے ساتھ شامل رکھا جائے یا اس سے الگ سمجھا جائے۔ بعض ماہرین نحو نے یہ بھی کہا ہے کہ مابعد اگر ہم جنس ہو تو ماقبل کے ساتھ شامل سمجھا جائیگا اور اگر غیر جنس ہو تو اس سے خارج رہیگا۔ لان ما بعد الی اذا کان من نوع ما قبلھا دخل فیہ قالہ سیبویہ وغیرہ (قرطبی) قال الخلیل فی قولہ تعالیٰ الی المرافق ان المرافق فیما یغسل (زجاج) القول الثانی ان الی حد والحد اذا کان من جنس المحدود دخل فیہ (ابن العربی) الی۔ کبھی معیت کے معنی بھی دیتا ہے اور مع کا مرادف ہوتا ہے۔ وتاتی للمعیۃ (تاج) چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اسی معنی میں آیا ہے۔ واذا خلوا الی شیٰطینھم۔ من انصاری الی اللہ۔ ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم وغیرھا۔ اور بہت سے نحویین نے یہاں بھی الی اسی معنی میں لیا ہے۔ فان جماعۃ من النحویین جعلوا الی بمعنی مع ھھنا واوجبوا غسل المرافق والکعبین (زجاج) رسول اللہ صلعم کا تعامل بھی کہنیاں دھونے کا تھا۔ بہرحال لفظ الی سے اگر کچھ اشتباہ رہ بھی گیا ہو تو سنت رسول نے اسے دفع کردیا ہے۔ روی جابرؓ بن عبد اللہ ان النبی صلعم کان اذا بلغ المرفقین فی الوضوء ادار الماء علیھما وفعلہ ذلک عندنا علی الوجوب لورودہ مورد البیان (جصاص) عن النبی صلعم انہ کان یدیر الماء علی مرفقیہ (مدارک) حنفیہ کے ہاں تو کہنی کا اعضائے وضو میں داخل ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے ہی (اختلاف صرف امام زفرؒ سے منقول ہے) والذی ذکرنا من دخول المرافق ھو قول اصحابنا جمیعاً الا زفر (جصاص) باقی دوسرے مذاہب فقہ نے بھی کہنی کا دھونا لازم قرار دیا ہے۔ وجمھور الفقھاء علی دخولھا وحکی عن الشافعی رح انہ قال لا اعلم خلافاً فی ان المرافق یجب غسلھا (روح) فقد نقل ابن ھبیرۃ اجماع الائمۃ الاربعۃ علی فرضیۃ غسل الیدین مع المرفقین (روح) قال الجمھور غسل الیدین الی المرفقین واجب معھما (کبیر) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ۔ مسح سے مراد بھیگے ہوئے ہاتھ کے پھیر لینے سے ہے۔ جملہ کی ترکیب (بِرُءُوْسِکُمْ) اس کی مقتضی ہے کہ مراد پورے سر کا مسح نہیں، بلکہ اسکے کسی حصہ کا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے ہاں سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کافی ہے۔ اور ب تبعیض کے لئے ہے۔ یقتضی مسح بعضہ (جصاص) روی عن اصحابنا فیہ روایتان احداھما ربع الراس والاخری مقدار ثلاثۃ اصابع (جصاص) اخبر ابراھیم ان الباء للتبعیض وقد کان من اھل اللغۃ مقبول القول فیھا (جصاص) الباء مزیدۃ وقیل للتبعیض (ابو السعود) نحویین کے ایک گروہ نے ب کے تبعیضیہ ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ وقیل الباء للتبعیض وکونھا للتبعیض ینکرہ اکثر النحاۃ حتی قال بعضھم وقال من لا خبرۃ لہ بالعربیۃ الباء فی مثل ھذا للتبعیض ولیس بشیء یعرفہ اھل العلم (بحر) تاہم ربع سر کے لئے حنفیہ کے ہاں دلیل سنت رسول سے ہے

مُراد یہ ہے کہ وہ جانور خود اُس شکار کو نہ کھائے، اور اسے شکاری کیلئے روکے رکھے۔ ای حبس لکم ولم یاکل (قرطبی) الامساك على صاحبه ان لا یاکل منه (مدارک) اور قرطبی نے اس معنی پر صحابیوں میں سے ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور تابعین میں سے عکرمہ، قتادہ، ابن جبیر اور عطاء کا اور ائمہ فقہ میں سے نخعی، شافعی، احمد، اسحٰق، ابوثور اور ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ والیه ذهب اکثر الفقهاء (بیضاوی) البتہ باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کی تادیب اس حد تک ذرا دشوار ہی ہے۔ اس لئے فقہاء کے دقیقہ سنج گروہ نے انہیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ رکھا۔ وقال بعضهم لا یشترط ذلك فی سباع الطیر لان تادیبها الی هذه الحد متعذر (بیضاوی) قال ابوحنیفة و ابویوسف ومحمد وزفر یوکل صید البازی وان اکل (جصاص) واما البازی فانه معلوم انه لا یمکن تعلیمه بترك الاكل وانه لا یبصل التعلم من هذه الجهة (جصاص) فان اکل منه لم یوکل اذا کان صید کلب ونحوه فاما صید البازی ونحوه فاکله لا یحرمه (مدارک) ۲۶ یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی اذا ارسلت جارحك فقل بسم الله (ابن عباسؓ) ای سموا علیه عند ارساله (مدارک) ومن شرائط ذکاة الصید التسمیة علی الارسال (جصاص) حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:۔ عن عدی بن حاتم قال قال رسول الله صلعم اذا ارسلت کلابك المعلمة وذکرت اسم الله فکل مما امسکن علیك (صحیح بخاری) عدی بن حاتمؓ صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سکھایا ہوا کتا اللہ کا نام لے کر چھوڑو تو پھر وہ جو تمہارے لئے پکڑے رکھے، اُسے کھا سکتے ہو ——— فقہاء نے حدیث بالا ہی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
مسلمان پارسائیں اور اُن کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مل چکی ہے جب تم انہیں ان کے مہر دے دو ۳۳ اور قید نکاح
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ
میں لانے والے ہو، نہ کہ محض مستی نکالنے والے، اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے ۳۴
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي
اور جو کوئی ایمان سے انکار کرے گا تو اُس کا عمل اکارت جائے گا، اور وہ آخرت میں
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
ع ١ ٥ ٥
نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۳۵ اے ایمان والو جب تم نماز کو
قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ
اُٹھو ۳۶ تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا
اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
کرو اور اپنے سروں پر مسح کر لیا کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت
الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ
دھو لیا کرو ۳۷ اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کر لو ۳۸ اور اگر تم
مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا ـ

منزل ٢

کہ ذبح حیوانات کے وقت جو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، اسی کے قائم مقام وہ بسم اللہ ہے جو شکار پر شکاری جانور کے چھوڑتے وقت پڑھی جائے۔ فهذا یدل علی ان حال الارسال بمنزلة حال الذبح فی وجوب التسمیة علیه (جصاص) وتشترط التسمیة من الذابح حالة الذبح او الرمی بصید او الارسال (در مختار) ۲۷ (ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے) ذرا موقع کی تصویر چشمِ تصور میں لائیے۔ خوب بھوک لگی ہوئی ہے، بڑے لذیذ گوشت کا جانور شکرہ یا کتا پکڑ کر لایا ہے۔ شوق بے قرار ہے کہ جلد سے جلد اس کے کباب لگیں، اور بھنے ہوئے شکار سے جی بھر کر لذت حاصل کی جائے۔ اب کون اس موقع پر یاد دلائے کہ شرائطِ حلت ذرا مستحضر کر لیجئے۔ جانور سدھا ہوا ہے یا نہیں، اُسے چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ دی گئی تھی یا نہیں وغیرہا ——— بجز تقویٰ الٰہی کے اور کس میں اس وقت یہ یاد دلانے کی قوت ہے؟ ۲۸ (اور یہی مراقبہ ہر شرعی حکم کی تعمیل کو آسان بنا دیگا) خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن حکیم میں احکام جہاں جہاں بھی آئے ہیں، اُن کے متصل ہی کوئی اس قسم کا فقرہ بھی ضرور مل جاتا ہے، جس سے یاد آخرت یا اللہ کے علم کل کا استحضار ہو جائے ——— ہر دشواری کو آسان بنا دینے کا، ہر پتھر کو پانی کر دینے کا نسخہ اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتا ہے۔ ۲۹ (اور یہ جواز قیامت تک رہیگا، کوئی نئی شریعت اسے منسوخ کرنے والی اب نہیں آنے کی) ۳۰ (بہ شرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے دیا گیا ہو) "تثلیث مقدس" کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح ہوا ہوگا تو وہ محققین حنفیہ کے ہاں حلال نہیں حرام ہوگا۔ قال ابوحنیفة وابو یوسف ومحمد وزفر من کان یهودیا او نصرانیا من العرب والعجم فذبیحته مذکاة اذا سمی الله علیها وان سمی النصرانی علیها اسم المسیح لم تؤکل (جصاص) طعام سے مراد حلال جانور ہیں، جو اہل کتاب کے ہاتھ کے ذبح کئے ہوں۔ جیسا کہ صحابیوں، تابعین اور ائمہ تفسیر نے سمجھا ہے ورنہ مطلق کھانا تو دوسرے غیر مسلموں کے ہاں کا بھی جائز ہے۔ کچھ اہل کتاب کی تخصیص نہیں۔ وفی المراد بالطعام ههنا وجوه الثلاثة الاول انه الذبائح والاکثرون علی القول الاول (کبیر) هو هنا خاص بالذبائح عند کثیر من اهل العلم بالتاویل (قرطبی) وعلیه اکثر المفسرین (روح) روی عن ابن عباس وابی الدرداء والحسن ومجاهد وابراهیم وقتادة والسدی انه ذبائحهم وظاهره یقتضی ذلك (جصاص) بعض فقہاء اُمت نے تصریح اور تاکید کی ہے کہ جن اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، انہیں واقعۃً اور عملاً یہودی یا نصرانی ہونا چاہیے محض اسماً یا نسلاً اُن کا "قوم" اہل کتاب سے ہونا کافی نہیں۔ ورنہ جو علت مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کی ہے، وہی یہاں بھی مشترک ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابیوں کے فتوے اس باب میں موجود ہیں۔ اُس وقت جو نصرانی محض نام کے تھے، اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے آپ نے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور بعض تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن علیؓ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانهم لم یتمسکوا بشیء من النصرانیة الا بشرب الخمر (ابن جریر) عن ابن عباس قال لا تاکلوا ذبائح نصاری العرب وذبائح نصاری ارمینیة (ابن جریر) وقال بهذا من الصحابة علیؓ وعائشةؓ وابن عمرؓ وهو قول طاؤس والحسن (قرطبی) امام مالک کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ وقال مالك اکره ذلك ولم یحرمه (قرطبی) لیکن اس کے مقابل بہت سے اکابر تابعین اور ائمہ فقہ کا قول یہ بھی موجود ہے کہ کتابیوں کا ذبیحہ بہر صورت جائز ہے۔ وذهب اکثر اهل العلم الی انه یحل وهو قول الشعبی وعطاء والزهری ومکحول (معالم) حسن بصری تابعی کا یہ قول دل کو بہت زیادہ لگتا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہودی یا نصرانی کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام خود سن لو، جب تو نہ کھاؤ، ورنہ کھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ وقال الحسن اذا ذبح الیهود والنصرانی فذکر اسم غیر الله وانت تسمع فلا تاکله واذا غاب عنك فکل فقد احل الله لك (معالم۔ روح) لیکن واضح رہے کہ یہ سارے اختلافات اس صورت حال کے موقع پر ہیں، جب جانور بہر حال ذبح ہوا ہو۔ لیکن جب ذبح ہی کی نوبت سرے سے نہ آئے، مثلاً مرغ کو گردن مروڑ کر ہلاک کر دیا گیا، تو ایسے غیر مذبوح جانور کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور آج کی برائے نام مسیحی قوموں میں جو عام دستور ہے، سب پر ظاہر ہے۔ ۳۱ (سو تم اپنے کھانے سے انہیں بلا تکلف کھلا سکتے ہو) مسلمان رک رہے تھے، کہ معلوم نہیں ہمارے لئے جائز بھی ہے یا نہیں کہ ہم کتابیوں کو اپنے کھانے میں سے کھلا سکیں، یہاں تصریح کر دی گئی کہ بے تکلف جائز ہے۔ فلا جناح علیکم ان تطعموهم (مدارک) ای ویحل لکم ان تطعموهم من طعامکم (کبیر) یہ صراحت اس لئے بھی ضروری تھی کہ نکاح کا بیان معاً بعد آ رہا ہے۔ ذبیحہ تو طرفین سے حلال ہے لیکن مناکحت کا قیاس اس پر درست نہ ہوگا نکاح صرف اُن کی عورتوں سے مسلمان مرد کا جائز ہے مسلمان عورت کا نکاح اُن کے مرد سے جائز نہیں۔ لا جرم ذکر الله تعالیٰ ذلك تنبیهًا علی التمییز بین النوعین (کبیر) ۳۲ ابھی ذکر کھانے کی حلال چیزوں کا تھا، اب ذکر عورتوں کا ہے، کہ زن مسلم اور زن کتابی تمہارے لئے حلال ہے ——— مواکلت کی طرح مناکحت بھی انسان کی ایک طبعی خواہش ہے۔ اس لئے دونوں کے احکام اگر اکٹھے لائے گئے تو یہ عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔ من المؤمنٰت — من الذین اوتوا الکتٰب۔ مسلمات اور کتابیات دونوں کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلۂ وحی ونبوت پر ایمان ہے۔ یہود اور نصرانیوں کے اعمال کیسے ہی فاسقانہ ہوں، اور بعض عقائد کیسے ہی غالیانہ ہوں۔ بہر حال اصلاً وہ لوگ توحید ہی کے قائل ہیں اور سلسلۂ وحی ونبوت کے ماننے والے۔ اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوانات اہم ترین ہیں ——— البتہ یہ خیال رہے کہ "نصرانیت" موجودہ یورپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں۔

نکاح کتابیوں

۱۸ (قیامت تک کے لئے) اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ - یہ اکمال دین بہ لحاظ قوت بھی ہے اور بہ لحاظ احکام و قواعد بھی۔ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ - یہ اتمام نعمت اسی دین کی تکمیل سے ہوا۔ اس اکمال دین و اتمام نعمت کے بعد ظاہر ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی نبی کی بعثت کی حاجت۔ ختم نبوت پر اگر دلائل صریح نہ موجود ہوتے، تو یہاں سے بھی مسئلہ کا استنباط ہو سکتا تھا۔ شیعی عقیدۂ امامت کا، جو درحقیقت اجراء نبوت ہی کی ایک شکل ہے، رد بھی یہیں سے نکل آتا ہے۔ البتہ ہر دور میں نئے نئے مسائل کا انکشاف اہل علم و اجتہاد اپنی بصیرت سے کتاب و سنت کے اصول و قواعد کے مطابق و ماتحت قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اشیاء کی حلت و حرمت کا ذکر اوپر سے چلا آرہا تھا۔ تو یہ مسئلہ بھی اسی کتاب واضح کے اندر آگیا اور اس میں بھی اب کسی تغیر و تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ اَلْيَوْمَ - دین الٰہی چلا تو شروع ہی سے آرہا تھا لیکن ہر نبی کے عہد میں زمان و مکان کے مصالح و مقتضیات کے لحاظ سے احکام شریعت وقت و مقام کے ساتھ محدود و مخصوص رہتے تھے۔ دین اب پہلی بار عالمگیر اپنے جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ الیوم میں اشارہ اسی جانب ہے کہ اب خدائی پروگرام میں وحدت نسل انسانی کا زمانہ شروع ہونے کو ہے دنیا اب تک مختلف جغرافی حصوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر نہایت دشوار تھا، اور اس میں نامہ و پیام کی بھی کوئی آسان راہ نہ تھی۔ ہر علاقہ کہنا چاہیے اپنے جغرافی و طبعی سرحدوں کے اندر محفوظ تھا۔ دریا، پہاڑ، سمندر وغیرہ جو راہ میں حائل رہتے، ان کا عبور کرنا گویا محال تھا۔ ریل، موٹر، لاری، تار، ٹیلیفون وغیرہ خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ اب کائنات ارضی کی تاریخ میں پہلی بار اس کا وقت آرہا تھا کہ انسانیت کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ملیں۔ رسل و رسائل کے ذرائع وسیع ہوں۔ اور جس طرح نظام تکوینی میں ہر فرد کے لئے، اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی اس کے لئے ہوا کا، اور روشنی کا اور پانی کا سامان حکمت الٰہی موجود رکھتی ہے اسی طرح نظام تشریعی میں رحمت حق نے چاہا کہ نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کا انتظام پیشتر سے موجود رہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فقہاء ظاہر اور حکماء باطن نصوص سے جو مستنبط کرتے ہیں، وہ بھی سب دین ہی میں داخل ہے، ورنہ اکمال دین کے بعد اس کی اجازت نہ ہوتی۔ ۱۹ (اور حرام ماکولات میں کسی شے کو کھا پی لے) فاباح الله عند الضرورة اکل جمیع ما نص علی تحریمه فی الآية (جصاص) مَخْمَصَةٍ کے معنی شدید بھوک کے ہیں۔ المخمصة جوع وخلاء البطن من الطعام (قرطبی) قال ابن عباس والسدی وقتادة المخمصة المجاعة (جصاص) قال اهل اللغة الخمص والمخمصة خلو البطن من الطعام عند الجوع (کبیر) غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ - یعنی حرام شے محض بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر کھالی جائے، حصول لذت کی نیت نہ ہو، اور نافرمانی یا قانون شکنی مقصود نہ ہو۔ ای غیر متعمد لمعصية فی قصده، قاله قتادة والشافعی رحمهما الله (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس چیز کی اجازت بہ ضرورت دی جائے، اس سے حظ نفس کا قصد جائز نہیں۔ جیسے طبیب یا گواہ عورت یا اس کے جسم کو بہ ضرورت دیکھے، تو بہ قصد شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ ۲۰ صفت غفر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اگر قدر ضرورت سے کوئی ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا گیا، جب بھی معاف کر دیا جائیگا اور صفت رحمت سے یہ اشارہ ہے کہ قانون ایسے موقع کے لئے دیکھو کیسا نرم و آسان رکھ دیا ۲۱ (کتے اور باز کے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے) یہ سوال کرنے والے منکرین نہ تھے مومنین و صحابہ ہی تھے۔ اور حلت و حرمت اشیاء کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا۔ یسئلك یا محمد اصحابك ما الذی احل لهم (ابن جریر) لَهُمْ یعنی مسلمانوں پر۔ صحابہ کا اصل سوال یہ تھا کہ شکاری جانوروں (مثلاً کتے اور باز) کے ذریعہ سے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے کون کون حلال ہیں؟ آیا سب ہی حلال جانور اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، یا کچھ مخصوص جانور حلال رہ جاتے ہیں، اور وہ بھی مخصوص شرائط کے ماتحت؟ اللہ حضرات صحابہ پر بے شمار رحمتیں نازل کرے، امت کے کام کی کیسی کیسی چیزیں خدا اور رسولؐ سے دریافت کر ڈالیں! یہ معلومات پیشتر سے نہ موجود ہوتے تو آج کتنی دقتیں ہوتیں! ۲۲ جواب یہ ملا کہ جو حلال جانور ہیں، وہ اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، البتہ خود شکار کے شرائط آگے آتے ہیں۔ طیب کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ وہ پاک اور لذیذ غذا ہے جسے طبع سلیم قبول کرلے۔ ۲۳ دو شرطیں اتنے ہی جواب سے نکل آئیں۔ پہلی شرط تو یہ نکلی کہ وہ شکاری جانور سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے ہوں۔ اور فقہاء نے بات سے بات یہ پیدا کی ہے کہ یہ قید صرف وحشی جانوروں کے لئے نہیں، بلکہ گھریلو جانوروں کے لئے بھی ہے، چنانچہ گھریلو جانور اگر ٹریننگ پایا ہوا نہ ہو تو اس کا کیا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔ البتہ جو جانور (وحشی ہو یا گھریلو) سکھایا ہوا ہوگا، اس کا فعل خود شکاری کا فعل سمجھا جائیگا۔ دوسری شرط یہ پیدا ہوئی کہ وہ جانور تمہارے چھوڑے ہوئے جھپٹیں، یہ نہیں کہ از خود شکار پکڑ کر لائیں، اور تمہارے سامنے ڈال دیں۔ اَلْجَوَارِحِ - جارحہ کی جمع ہے۔ معنی ہیں ہر شکاری جانور کے، خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ۔ تسمی الصائد من الكلاب والفهود والطيور جارحة (راغب) جارحہ کا نام ہی اس لئے جارحہ پڑا کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے۔ قیل فی الجوارح انها ما تجرح بناب او مخلب (جصاص) سمیت جوارح من الجرح لانها تجرح الصيد عند امساکه (خازن) وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ترکیب میں اس کا عطف الطیبات پر ہے۔ اور صید مضاف محذوف ہے۔ عطف علی الطیبات ای احل لکم الطیبات وصيد ما علمتم فحذف المضاف (کشاف) ای وصيد ما علمتم (قرطبی) مُكَلِّبِيْنَ - مکلب کے ایک معنی تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا، اور دوسرے معنی ہیں شکار پر جھپٹنے والا۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں، اور اہل لغت نے دونوں کی گنجائش رکھی ہے۔ المكلب معلم الكلاب الصيد مضر لها عليه وقد یکون التکلیب واقعا علی الفهد وسباع الطير (تاج) مكلب مضر للكلاب علی الصيد معلم لها وقد یکون التكليب واقعا علی الفهد وسباع الطير (لسان) المكلب الذی يعلم الكلب (راغب) التكليب هی التضرية بالشئ والتسليط عليه لغة (ابن العربی) مُكَلِّبِيْنَ - کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ تعلیم و تربیت صرف کتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ شکاری پرندے بھی بلا اختلاف فقہاء سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ لا یخصص ذالك بالكلاب دون غیرها فوجب حمله علی العموم ولا نعلم خلافا بين فقهاء الامصار فی اباحة صید الطیر (جصاص) گویا یہ پہلی شرط کی تفصیل ہو گئی (ملاحظہ ہو اسی حاشیہ کی پہلی سطر) ۲۴ فقہاء نے تعلیم (ٹریننگ) کا معیار کتے کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سکھایا ہوا کتا شکار کو پکڑ کر خود نہ کھا جائے۔ اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سدھے ہوئے باز کو جب آواز دی جائے، تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔ ۲۵ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ - یعنی وہ شکار مسلمان شکاری ہی کے لئے ہونا چاہیے نہ کہ جانور کے اپنے لئے۔ اس نص نے اسے صاف کر دیا جو فقہاء قبل کے الفاظ سے استنباطاً سمجھے تھے۔ اور اس کا معیار وہی ہے، جو اوپر کے حاشیہ میں بیان ہو چکا تو اگر کتا اس شکار کو خود کھانے لگے۔ یا باز شکاری کے بلانے سے واپس نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ جانور نے شکار مالک کے لئے نہیں، اپنے لئے پکڑا ہے۔ عَلَيْكُمْ میں علیٰ لِ کے معنی میں ہے۔ امسكن عليكم سے

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي

اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا ۱۸ ہاں جو کوئی بھوک کی شدت سے

مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③

بیقرار ہو جائے، گناہ کی طرف رغبت کے بغیر ۱۹ سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۰

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیزیں (کھانے کی) ہم پر حلال کی گئی ہیں ۲۱ آپ کہہ دیجئے کہ تم پر (کل) پاکیزہ جانور حلال

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا

ہیں ۲۲ اور تمہارے سدھے ہوئے شکاری جانوروں کا شکار جو شکار پر چھوڑے جاتے ہیں ۲۳ تم انہیں اس طریقہ

عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ

پر سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے ۲۴ سو کھاؤ اس شکار کو جسے (شکاری جانور) تمہارے لئے پکڑ

اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ④

رکھیں ۲۵ اور اللہ کا نام اس (جانور) پر لیا کرو ۲۶ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ حساب جلد کر دیتا ہے ۲۷

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا

آج جائز کر دی گئیں تم پر پاکیزہ چیزیں ۲۸ اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے

الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ

جائز ہے ۲۹ اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز ہے ۳۰ اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں)

شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ
کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، تو تم

اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ‌ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى‌ ۖ وَلَا — وقف لازم
(اس بیزاری کے باعث) زیادتی کرنے لگو۔ ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو، اور گناہ اور

تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ‌ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ
زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ

اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ — الربع
سخت سزا دینے والا ہے [۱۱] تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور

وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ
سؤر کا گوشت [۱۱] اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کردیا گیا ہو [۱۲] اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے

وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ وَالۡمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيۡحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ
اور جو کسی ضرب سے مرجائے، اور جو اونچے سے گر کر مرجائے، اور جو کسی کے سینگ سے مرجائے، اور

السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنۡ
جس کو درندے کھانے لگیں سوا اس صورت کے کہ تم اسے ذبح کر ڈالو، اور جو جانور استھانوں پر بھینٹ

تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ‌ ؕ ذٰلِكُمۡ فِسۡقٌ‌ ؕ اَلۡيَوۡمَ يَٮِٕسَ
چڑھایا جائے [۱۳] اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے [۱۴] یہ سب گناہ (کے کام) ہیں [۱۵] آج کافر

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ‌ ؕ
تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہوگئے [۱۶] سو تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو [۱۷]

۸ (مکہ میں مقیم تھے) بلکہ دشمنی و بغض کے باوجود معاملہ ان سے بھی حق و انصاف ہی کا رکھو) مراد کفار قریش ہیں، جنہوں نے ٦ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے موذی و ضدی دشمنوں سے بھی باوجود ہر غصہ و اشتعال کے برتاؤ عدل ہی کا رکھو ——— اللہ اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا! مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس سے بغض فی اللہ ہو اس کے معاملات میں بھی حدود شرعی سے تجاوز جائز نہیں۔ ۹ کیسے زریں اصول کی تعلیم مل رہی ہے! نیکی میں سب کے شریک رہو، بدی اور فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو! ——— "مہذب" قوموں کا سا شیوہ نہ رکھو، کہ اپنی قوم سب پر مقدم، اور اپنی پارٹی ہر حال اپنی پارٹی! ادھر قاعدے اور اصول غیروں سے معاملت کے بنائے تھے، اب یہاں ارشاد آپس کی معاملت سے متعلق ہوگیا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ حسن و قبح میں مقدمات کو مقاصد کا حکم دیا جاتا ہے، اور مشائخ اہل تربیت کے ہاں اسی قاعدہ پر عمل ہے۔ یہیں سے وجوب ان مجلسوں میں شرکت کا نکل آیا جن کا مقصد اشاعت دین و نصرت دین ہے، اور حرمت ان اجتماعی اداروں میں شرکت کی نکل آئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو۔ ۱۰ (نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں) اِتَّقُوا اللّٰهَ ۔ خشیت الٰہی ہی ایسی چیز ہے، جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو سہل بنا سکتی ہے۔ ۱۱ آیت نمبر ایک میں اِلَّا مَا یُتۡلٰی گزر چکا ہے۔ اب اسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اَلۡمَيۡتَةُ ۔ یعنی وہ جانور جو بلا ذبح شرعی مرجائے۔ اَلدَّمُ ۔ دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون مراد ہے۔ لَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ ۔ اسی میں سؤر کی چربی وغیرہ اس کے جسم کے دوسرے اجزاء بھی شامل ہیں۔ اکلہ نجس واما خص لحمہ لانہ معظم المقصود (مدارک) فانہ قد تناول شحمہ وعظمہ وسائر اجزائہ ولا خلاف بین الفقہاء فی ذلک (جصاص) سؤر کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے، اخلاقی و روحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا۔ ۱۲ (بہ خیال تقرب اور بہ نیت عبادت) حرمت کا اصل مدار ذابح کی نیت پر ہے۔ اور یہ غیر اللہ کی طرف نامزدگی خواہ عین ذبح کے وقت ہو یا اس سے قبل۔ قبروں، درگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لئے بھی سوچ لیں۔ ۱۳ (عام اس سے کہ نامزدگی غیر اللہ کی جانب زبان سے بھی کی جائے، یا محض دل میں نیت رکھی جائے) حرمت کی اصل بنا اعتقاد خبیث ہے، خواہ زبان سے اس کا اظہار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ پتھروں پر ذبح فی نفسہ حرام نہیں، حرام یہ نیت خبیث ہے۔ ما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب (کبیر) والنیۃ فیہا تعظیم النصب لا ان الذبح علیہا غیر جائز (قرطبی) عَلٰی ہو سکتا ہے کہ یہاں لِ کے مرادف ہو یعنی تھانوں پر چڑھائے جانے کی غرض سے۔ قال قطرب علٰی بمعنی اللام ای و ما ذبح لاجل النصب (معالم) قیل علٰی بمعنی اللام ای لاجلہا (قرطبی) اَلۡمَوۡقُوۡذَةُ ۔ یہ وہ جانور ہے جو کسی ضرب سے مرجائے۔ المقتولۃ بالضرب (راغب) فقہاء نے ایسے جانور کو بھی جو محض غلہ یا گولی سے بلا ذبح مرجائے، اسی حکم میں داخل کیا ہے۔ ویدخل فی الموقوذۃ ما رمی بالبندق فمات (کبیر) اَلۡمُتَرَدِّيَةُ ۔ پہاڑی سے گر کر مرجانا یا کنوئیں میں گر کر مرجانا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ ۔ یعنی وہ جانور جسے درندے کھانے لگیں اور وہ اسی صدمہ سے مرجائے۔ اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ ۔ یعنی تم اسے ذبح کر ڈالو قبل اس کے کہ اس کا دم نکلے۔ اس استثناء کا تعلق اوپر کی لکھی ہوئی سب صورتوں سے ہے یعنی گردن سے مروڑے ہوئے، چوٹ کھائے ہوئے وغیرہ سب حلال جانور بھی حرام ہیں، بشرطیکہ ابھی جانور کا دم نہ نکلا ہو اور وہ مطابق شرع ذبح کرلیا جائے۔ ایسا جانور حکم حرمت سے مستثنیٰ اور حلال ہے۔ نصب علی الاستثناء المتصل عند الجمہور من العلماء والفقہاء وھو راجع علی کل ما ادرک ذکاتہ من المذکورات وفیہ حیاۃ (قرطبی) ذَكَّيۡتُمۡ ۔ ذکاۃ ۔ ذبح کے معنی میں ہے۔ الذکاۃ فی کلام العرب الذبح قالہ قطرب (قرطبی) التذکیۃ الذبح (نہر) ۱۴ اَزۡلَام ۔ ایک دستور اہل جاہلیت کا یہ ہے کہ تیروں پر اجازت و ممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے، اور بعض خالی چھوڑتے تھے، اور سفر، تجارت، جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر یہ کرتے کہ انہی تیروں سے جا کر فال لیتے۔ اور جو حکم نکل آتا، اسی پر عمل کرتے۔ خود صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں ایک روایت اسی مضمون کی ہے۔ والاستقسام ان یجیل القداح فان نہتہ انتہی وان امرتہ فعل ما امرہ وقد اعلموا القداح اعلاما ضروب یستقسمون بہا ۔ صحابہ، تابعین اور اکثر مفسرین سے یہی معنی منقول ہیں۔ یعنی القداح کانوا یستقسمون بہا فی الامور (ابن جریر عن ابن عباسؓ) وکذا روی عن مجاہد و ابراہیم النخعی والحسن البصری ومقاتل بن حیان (ابن کثیر) فمعنی الاستقسام بالازلام طلب معرفۃ الخیر والشر بواسطۃ ضرب القداح وھو اختیار الجمہور (کبیر) مجاہد تابعیؒ کے ایک قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی، فال گیری اور وہم پرستی کی یہ شکل اہل عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ایران اور روم کی بڑی بڑی مہذب و متمدن قومیں اس میں مبتلا تھیں۔ قال سہام العرب وکعاب الفارس والروم کانوا یتقامرون بہا۔ (ابن جریر۔ ابن کثیر۔ قرطبی عن مجاہد) مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ آجکل چٹھی ڈالنے کا جو دستور نکلا ہے، وہ اسی سے ملتی جلتی ہوئی ایک شکل قمار کی ہے۔ ۱۵ (اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے دین و آئین کی خلاف ورزی) ذٰلِكُمۡ کا اشارہ ممکن ہے کہ استقسام بالازلام تک محدود ہو لیکن زیادہ قابل قبول یہ ہے کہ ان سب چیزوں کی طرف ہو جن کی ممانعت اوپر آچکی ہے۔ یرجع الی جمیع ما ذکر من الاستحلال لجمیع ھذہ المحرمات وکل شیٔ منہا فسق وخروج من الحلال الی الحرام (قرطبی) راجعا الی جمیع ما تقدم مذکورہ من التحلیل والتحریم (کبیر) ذٰلِكَ اشارۂ بعید ہے۔ یہاں کنایہ ان افعال کی بُعد منزلت سے ہے۔ ومعنی البعد فیہ الاشارۃ الی بعد منزلتہ فی الشر (روح۔ ابو سعود) ۱۶ (کہ یہ دین کبھی بھی مغلوب یا گمنام ہو سکے گا) آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ (ذی الحجہ ۹ھ، ۱۵، ۱۶ مارچ ۶۳۲ء) بعد عصر، مقام عرفات ہے۔ نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعۃ ویوم عرفۃ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن عن ابن عباسؓ) رسول اللہ صلعم نے اس کے نزول کے کل دو مہینے ۲۱ دن بعد انتقال فرمایا۔ نکتہ رس و دقیقہ سنج اصحاب نبی آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے کہ اب دین ہر طرح مکمل و مستحکم ہو چکا، نبی کے مشن کی ہر طرح تکمیل ہو چکی، نبی کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت نہ رہی۔ زمانہ مفارقت نبوی کا قریب آگیا۔ چنانچہ حدیث و سیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آیت کو سن کر رو پڑے تھے۔ ۱۷ یعنی میرے احکام کی مخالفت نہ کرو۔ یہ گویا وعدۂ الٰہی ہے کہ اب تشویش و تردد کی چیز غلبہ و استیلاء کفار نہیں۔ بلکہ احکام شریعت سے تجاوز و تزلزل ہے۔ یہی چیز ایسی ہے جو مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکتی ہے، اور ان کے ملی وجود کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتی ہے۔ خشیت الٰہی ہی ایک اہم چیز ہے، جس کی کمی مسلمانوں میں ضعف پیدا کر سکتی ہے، نہ کہ اہل کفر وغیرہ کی کوئی خارجی قوت۔

ف۱ سورۃ مدنی اس معنیٰ میں ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ رسول اللہ صلعم کے قیام مدینہ (بلکہ آخر عمر شریف) کا زمانہ ہے، ورنہ واقعۃً اس کے بیشتر حصہ کا نزول مکۂ معظمہ میں حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۹ھ) کے موقع پر ہوا ہے۔ اور کچھ صلح حُدیبیہ (۶ھ) سے واپسی کے وقت اور کچھ سال فتح مکہ ۸ھ میں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت اس کا نزول ہوا ہے، آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ نزولِ وحی کے ثقل کو جانور تک نے محسوس کیا، اور وہ بیٹھ گئی۔

ف۲ العقود۔ عقد کا لفظ عام ہے۔ اور ہر عہد شرعی کو شامل، خواہ اس کا تعلق خالق سے ہو خواہ مخلوق سے۔ العھود التی بینکم وبین اللہ او بین الناس (ابن عباسؓ) والظاھر عموم العقود فی کل ربط یوافق الشرع سواء کان اسلامیا او جاھلیًا (بحر) عبادات کے علاوہ بھی جتنے عہد سیاسیات، تجارت، معاشرت وغیرہ معاملات واخلاقیات سے متعلق ہو سکتے ہیں، سب اس میں آ گئے۔ قال الحسن یعنی بذٰلک عقود الدین وھو ما عقدہ المرء علی نفسہ من بیع وشراء اجارۃ وکراء ومناکحۃ وطلاق ومزارعۃ ومصالحۃ وتملیک وتخییر وعتق وتدبیر وغیر ذٰلک من الامور ما کان ذٰلک غیر خارج عن الشریعۃ وکذٰلک ما عقدہ علی نفسہ للہ من الطاعات (قرطبی) ف۳ اور وہ ذکر کہیں دُور نہیں۔ آیت نمبر ۳ ہی میں آ رہا ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ الخ کے تحت میں۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ مائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الربع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ

اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو ف۲ تمہارے لئے چوپائے مویشی

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي

جائز کئے گئے ہیں بجز (اُن چیزوں کے) جن کا ذکر (آگے) تم سے کیا جاتا ہے ف۳ ہاں شکار اس حال میں

الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا

کہ تم احرام میں ہو جائز نہیں ف۴ بیشک اللہ جو چاہے حکم دے ف۵ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ

ایمان والو بے حُرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حُرمت والے مہینوں

الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ

کی، اور نہ (حرم میں) قربانی والے جانوروں کی اور نہ گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

کی اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کے طالب

رِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

رہتے ہیں ف۶ اور جب تم احرام کھول چکو تو اب تم شکار کر سکتے ہو ف۷ اور ایسا نہ ہونا چاہیے

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ۔ اضافت تشبیہ کے لئے ہے یعنی مویشیوں سے ملتے جلتے ہوئے چوپائے۔ جو نہ درندے ہوں نہ شکاری۔ اضافتھا الی الانعام لملابسۃ الشبہ (بیضاوی) ای متماثل الانعام فی الاجترار وعدم الانیاب (بیضاوی) مُراد ہیں، ہرن، نیل گائے وغیرہ ایسے چوپائے جو شکاری اور درندے نہ ہوتے ہیں، مویشیوں (گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری) سے مشابہ ہوں، البتہ خچر، گدھے وغیرہ جن کی حُرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے، اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ف۴ یعنی شکار حلال چوپایوں کا بھی۔ الصید۔ شکار سے یہاں مراد صرف اُن جانوروں کا شکار ہے جن کا کھانا جائز ہے۔ الصید فی ھٰذا الموضع مختص بما یؤکل لحمہ (راغب) باقی سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا اس ممانعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ اُن کے ہلاک کرنے پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے۔ صید ہی کے لفظ نے اسے بھی واضح کر دیا کہ شکار ان جانوروں کا مراد ہے جو وحشی ہوتے ہیں، اور جن کے پکڑنے میں کسی تدبیر یا حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام گھریلو جانور بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو عادۃً شکار کر کے نہیں لائے جاتے، اور روزانہ محض ذبح کر کے کھانے کے کام میں لائے جاتے ہیں، اُن کے ذبح کی کوئی ممانعت نہیں۔ ای ما کان صیدًا فھو حلال فی الاحلال دون الاحرام وما لم یکن صیدًا فھو حلال فی حالین (قرطبی) وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ حالت احرام میں ہو یا حدود حرم کے اندر داخل ہو۔ خواہ بلا احرام ہی سہی۔ ممانعت کا اصل مدار صید کا حدود حرم کے اندر موجود ہونا ہے۔ ف۵ (کہ وہی حکم ہمیشہ عین مطابق مصلحت ہوگا) ارادۂ الٰہی سے بالاتر کوئی قانون نہیں، جس کے وہ ماتحت ہو۔ وہ خود ہی سب سے بالاتر ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اسرار احکام کی تفتیش کی ممانعت کا اشارہ ہے۔ ف۶ (اپنے زعم و پندار میں) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ مشرکین عرب بھی اُس وقت حج وعمرہ کی نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتے رہتے تھے۔ فضل سے مُراد تو اُن کی منفعت دنیوی ہو سکتی ہے۔ (حج کے موقع پر تجارت بھی خوب زوروں پر ہوتی تھی) رضوان سے مراد ان کے حسب پندار رضاء الٰہی ہے۔ قال فیہ جمہور المفسرین معناہ یبتغون الفضل والارباح فی التجارۃ ویبتغون مع ذٰلک رضوانہ فی ظنھم وطمعھم (قرطبی) شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ شعائر جمع شعیرہ کی ہے۔ مراد اعلام الٰہی ہیں یعنی وہ چیزیں جن کے ادب واحترام کے تحفظ کے لئے اللہ نے کچھ احکام مقرر کر دیئے ہیں جمیع معالم دین اللہ (جصاص) ان احکام وآداب کی خلاف ورزی کرنا اُن شعائر کی بے حُرمتی کرنا ہے۔ مثلاً حدود حرم اور جامۂ احرام کا ایک ادب یہ ہے کہ ان میں شکار بند کیا جائے۔ اب اس کی خلاف ورزی کرنا شعائر حرم واحرام سے بے ادبی کرنا ہے۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ لفظاً واحد معنیً جمع یعنی سارے حُرمت والے مہینے۔ الشھر مفرد محلّی باللام الجنسیۃ فالمراد بہ عموم الاشھر الحرم (بحر) مطلب یہ ہوا کہ اِن چاروں متبرک مہینوں میں قتال کی ابتدا نہ کرو۔ الْهَدْيَ۔ لفظ اُن قربانیوں کے لئے مخصوص ہے جو کعبۂ مقدس کو لے جائی جاتی ہیں۔ الھدی مختص بما یھدٰی الی البیت (راغب) ھی اسم ما اشعر ای جُعل شِعارًا وعَلَمًا (مدارک) ان کی بے حرمتی یہ ہوگی کہ ان قربانیوں سے تعرض کیا جائے۔ الْقَلَآئِدَ۔ یہ پٹے اسی نشانی کے لئے گلے میں پڑے رہتے تھے کہ یہ اللہ کی نذر ہیں۔ حرم ہی میں ذبح ہوں گی۔ القلائد سے مُراد ذوات القلائد ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے تبرکات کی تعظیم بہ وجہ تعلق ذات واجب التعظیم کے مفہوم ہوتی ہے۔ پھر چونکہ فضل و رضوان کا تعلق مشرکین سے ہے، اسلئے یہ مفہوم بھی ہوا کہ طالب رضائے حق قابل رعایت ہے اگرچہ اخذ طریق میں اس نے غلطی کی ہو۔ اسی طرح رَبِّهِمْ سے اشارہ رحمتِ الٰہی کے عموم ووسعت کی جانب نکلتا ہے۔ ف۷ (جب کہ خود وہ شکار حدود حرم میں نہ ہو) فَاصْطَادُوْا۔ صیغۂ امر ہے، لیکن وجوب کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ صرف اجازت کے مفہوم میں۔ ای فلا جناح علیکم بالاصطیاد لزوال المانع (روح) فالامر للاباحۃ بعد الحظر (روح) ھو اطلاق من حظرٍ (جصاص) اباحۃ للاصطیاد بعد حظرہ علیھم (مدارک) ای فقد ابحنا لکم ما کان محرما علیکم فی حال الاحرام من الصید (ابن کثیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محض ایک امر مباح کے لئے صیغۂ امر کا وارد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس مباح کے ترک سے اس کے ممنوع ہونے کا شبہ ہونے لگے، اس مباح کا کرنا ہی مطلوب ہوتا ہے۔ اور یہیں سے اُن متشددین کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے، جو مباحات کے ترک کر دینے میں حرام ہی کی طرح تشدد وغلو رکھتے ہیں۔

نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا
ایک کھلا ہوا نور اُتار چکے ۸٦٤ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اُسے انہوں نے مضبوط پکڑا

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ
انہیں وہ ضرور اپنی رحمت و فضل میں داخل کرے گا ۸٦۵ اور انہیں اپنے تک

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ ؕ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ
سیدھی راہ دکھا دے گا ۸٦٦ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ

فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ
تمہیں (میراث) کلالہ کے باب میں ۸٦٧ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے، اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور

اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ
اس کے ایک بہن ہو ۸٦٨ تو اُسے اُس ترکہ کا نصف ملے گا ۸٦٩ اور وہ مرد وارث ہوگا اُس (بہن) کے

يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ
کل ترکہ کا اگر اُس (بہن) کے اولاد نہ ہو ۸۷۰ اگر دو بہنیں ہوں تو اُن دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی

مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ
ملے گا ۸۷۱ اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں تو ایک مرد کو

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ
دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملیگا ۸۷۲ اللہ تمہارے لئے (یہ احکام) کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع
میں نہ پڑو ۸۷۳ اور اللہ ہر شے کا پورا علم رکھتا ہے ۸۷۴

۲۴ ع ۵ ۴

منزل ۱

۸٦٤ یعنی قرآن مجید جس کے اندر بڑے اور چھوٹے، انفرادی اور اجتماعی، سارے مسائل کا حل موجود ہے۔ ای کتابًا مبینًا (ابن عباسؓ) النور المنزل ھو القرآن عن الحسن (قرطبی) وھو القرآن کما قالہ قتادۃ ومجاھد والسدی (روح)

۸٦۵ یعنی جنت میں داخل کرکے اور بھی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔ اٰمنوا باللّٰہ یعنی اللہ کی توحید اور نفی شرک پر ایمان لائے۔ واعتصموا بہ۔ یعنی اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہے۔ ۸٦٦ یعنی دنیا میں انہیں طریق رضا پر ثابت وقائم رکھا جائے گا۔ اور اطاعت کی برکت سے انھیں ثبات علی الطاعات کی توفیق ہوگی۔ ای یثبتھم علی طریق مستقیم فی الدنیا مقدم ومؤخر (ابن عباسؓ) اسی سے تارکین ایمان و اعمال صالحہ کی حالت معلوم ہو گئی، کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملینگے۔ (تھانویؒ) ۸٦٧ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو۔ اور نہ والدین زندہ ہوں۔ ۸٦٨ اور یہ بہن حقیقی یا عینی ہو، یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے ہو۔ اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے بہن کا حکم سورۃ کے شروع (آیت ۱۲) میں آچکا ہے۔ ۸٦٩ (اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہوا تو اُسے ملے گا، ورنہ خود اُسی بہن پر لوٹ آئے گا) بچا، چچازاد بھائی وغیرہ عصبات میں داخل ہیں۔ ادائے قرض اجرائے وصیت پر بہر حال مقدم ہے۔ ۸۷۰ (اور والدین بھی نہ ہوں) ۸۷۱ اور بقیہ ایک تہائی عصبہ کو ملیگا ورنہ بطور رد پھر انہی بہنوں کو مل جائیگا۔ بہنیں اگر دو سے زائد ہوں، تو اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ ۸۷۲ یعنی بھائی کو دُہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔ یہ بیان عام قاعدہ یا اصول کا ہے۔ باقی تفصیلات کہ عینی بھائی اور عینی بہن کا اثر علاتی بھائی بہنوں پر کیا پڑے گا، کتب فقہ و فرائض میں ملیں گی۔ وان کانوا اخوۃً یعنی ایسی میت کے بھائی بہن ہوں، جس پر اطلاق کلالہ کا ہو۔ ۸۷۳ (اور معاشرت دنیوی اور جزائے آخرت دونوں میں نقصان سے محفوظ رہو) ۸۷۴ اپنی صفت علم لاکر یاد دلا دیا کہ ان احکام میں بندوں کی ساری رعایتیں اور مصلحتیں جمع کردی گئی ہیں۔

۵۵۸ کیا اسے بندوں کی حاجت روائی اور اپنی کارسازی میں کسی کی اعانت کی محتاجی ہے، جو وہ کسی کو شریک کرے ؟ ۵۵۹ (نہ عالمِ ناسوت میں، نہ برزخ میں، نہ آخرت میں) المسیح - الملٰئکۃ المقربون - ایک طرف حضرت مسیح اور دوسری طرف ملائکہ مقربین یہی دونوں دنیا میں کثرت سے پُجے ہیں۔ مشرکوں نے فرشتوں کو دیوی دیوتا کے نام دے کر شریکِ الوہیت ٹھہرایا، اور مسیحیوں نے مسیح کو خدائی کے مرتبہ پر پہنچایا۔ اسی لئے خصوصیت کے ساتھ تصریح سے ان دونوں کی نفیِ الوہیت کی گئی، اور بتایا گیا کہ اللہ کی عبدیت کوئی چیز توہین والی نہیں۔ مسیح اور ملائکہ مقربین تو اس پر فخر کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ مُرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مراتب شرف میں عبدیت مرتبۂ اعلیٰ ہے۔ ۵۶۰ یہاں بیان اس عام قانون کا ہو رہا ہے کہ کوئی اللہ کی بندگی میں عار اور تکبر کر ہی کیونکر سکتا ہے، اللہ تو ایسا حاکم مطلق ہے کہ وقت موعود پر سب ہی کو اس کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ ۵۶۱ (جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے) یُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ۔ یعنی جتنا اجر مقرر و موعود ہے، وہ تو انہیں پورا ملے ہی گا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی جو لوگ عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے عبد بنے رہے۔ ۵۶۲ خلاصہ یہ کہ نیک سے نیک، بزرگ سے بزرگ، مقبول سے مقبول بندے بھی بہرحال بندے ہی ہوتے ہیں۔ غالی مُریدوں، معتقدوں کا اپنے شیخ یا کسی پیر کو اُس کی حدِ عبدیت سے باہر نکال دینا اپنے کو مستحق جہنم بنانا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا۔ یعنی جنہوں نے عبد بننے سے عار رکھا۔ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۔ ولی اور نصیر میں فرق یہ ہے کہ ولی ایجابی طور پر ایصال نفع پر قادر ہوتا ہے، اور نصیر سلبی طور پر دفع مضرت پر۔ ولیًا ای قریبًا ینفعهم (ابن عباسؓ) نصیرًا ای مانعًا یمنعهم من عذاب الله (ابن عباسؓ) ۵۶۳

٢٣
ع ٥
٢

كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿١٧١﴾ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ
اللہ ہی کارساز ہونا کافی ہے ۵۵۹ مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ
اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ
وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ مقرب فرشتے بھی ۵۶۰
وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ
اور جو کوئی اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو
فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
اللہ ضرور اپنے پاس سب کو جمع کرے گا ۵۶۱ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ
اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہونگے تو وہ اُن کو ان کا پورا پورا اجر دیگا اور انہیں اپنے فضل
مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا
سے اور زاید دیگا ۵۶۱ اور جن لوگوں نے عار اور تکبر کیا ہوگا سو
فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ
انہیں وہ دردناک عذاب دے گا اور وہ لوگ اپنے حق میں کسی غیر اللہ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿١٧٣﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ
کو نہ دوست پائیں گے نہ مددگار ۵۶۲ اے لوگو، تمہارے پاس
قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ
یقیناً ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آچکی ہے ۵۶۳ اور ہم تمہارے اوپر

(کافی اور محکم) بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اس برہان سے مراد رسول اللہ صلعم کی ذاتِ اقدس ہے، جن کی سیرت پاک اور تعلیم کی جامعیت نے ہر مشکل کو آسان اور ہر پتھر کو پانی بنا دیا ہے۔ ای رسول من ربکم (ابن عباسؓ) یعنی محمدًا صلعم عن الثوری (قرطبی) الجمهور علی ان البرهان هو محمد صلعم (بحر) یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ساری نسل انسانی جملہ اہلِ مذاہب کو عام ہے۔ یایها الناس من جمیع اصناف الملل (ابن جریر) یقول تعالیٰ مخاطبًا جمیع الناس (ابن کثیر) خطاب لکافۃ المکلفین (روح) ...

رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا

لے کر ۸۴۲ پس ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا ۸۴۳ اور اگر تم کفر کرتے رہے ۸۴۴

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ

بڑا حکمت والا ہے ۸۴۵ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں غلو نہ

دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا

کرو ۸۴۶ اور اللہ کے بارہ میں کوئی بات حق کے سوا نہ کہو ۸۴۷ مسیح

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ

عیسٰی ابن مریم تو بس اللہ کے ایک پیمبر ہی ہیں ۸۴۸ اور اس کا کلمہ ۸۴۹

اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

جسے اللہ نے پہنچا دیا تھا مریم تک ۸۵۰ اور ایک جان ہیں اسکی طرف سے ۸۵۱ پس اللہ اور اسکے پیمبروں پر

رُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

ایمان لاؤ ۸۵۲ اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں ۸۵۳ (اس سے) باز آجاؤ ۸۵۴ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ

اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے ۸۵۵ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کے بیٹا

وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ

ہو ۸۵۶ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۸۵۷ اور

وقف لازم

منزل ۱

۸۴۲ یٰاَیُّہَا النَّاسُ۔ خطاب صرف اہلِ عرب یا اہلِ مکہ کو نہیں، سارے جہان کو ہے۔ دعوتِ قرآنی کی عالمگیری کا ایک اور ثبوت۔ ھذا خطاب للکل (روح) خطاب لجمیع المکلفین (بحر) ذکر خطابًا عامًا یعمھم وبعم غیرھم (کبیر) اَلْحَقُّ۔ اس میں سچے دعوے اور سچے دلائل دونوں آگئے۔ ۸۴۳ ایمان لانے اور زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے میں نفع تمام تر بندہ کا اپنا ہی ہے۔ حق تعالٰی کی کوئی غرض اس سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، جیساکہ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کے بارہ میں تصور کر رکھا ہے۔ فَاٰمِنُوْا۔ میں ف سے اشارہ اس جانب ہے کہ صحیح دعوٰی اور صحیح دلیل کا مقتضا ہی یہ ہے کہ ایمان لے آیا جائے۔
۸۴۴ (سو اُس کا ضرر کسی طرح بھی نہیں، ضرر سرتاسر تمہارا ہی ہے) مشرکوں کو یہ حقیقت بار بار یاد دلانے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنا ہی جیسا محتاج اور غرضمند تصور کرتے تھے۔ ۸۴۵ صفت علیم لاکر یاد دلا دیا کہ ہر ایک کا کفر و ایمان اُس پر روشن ہے، اس کے حدود علم سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور صفت حَکِیْمٌ لاکر یہ اشارہ کردیا کہ وہ سزا بھی موقع مناسب ہی پر دیگا۔ ۸۴۶ دین میں غلو کرنا یہ ہے کہ عقائد و مسائل میں اضافہ و افراط کو اپنی طرف سے دخل دیدیا جائے خواہ کسی نیت سے ہو۔ الغلو فی الدین ھو مجاوزۃ حد الحق فیہ (جصاص) اَھْلَ الْکِتٰبِ سے یہاں مراد اہلِ انجیل یا نصارٰی ہیں۔ ای اھل الانجیل من النصارٰی (ابن جریر) والتقدیر یا اھل الکتٰب من النصارٰی (کبیر) ینھی تعالٰی اھل الکتٰب عن الغلو والاطراء وھذا کثیر فی النصارٰی (ابن کثیر) نزلت فی النصارٰی (معالم) یہود کے مطاعن کا ذکر کرکے اور ان کا جواب دے کر اب ذکر عیسائیوں کا شروع ہو رہا ہے، جو یہود کی تفریط کے مقابلہ پر افراط کی انتہا پر پہنچ گئے تھے۔ اور عیسٰی مسیحؑ کو بجائے ایک صالح اور مقبول بندہ کے خدا یا خدا کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہود کا غلو احکام ظاہری میں تعمق تھا اور مسائل باطن کی طرف سے اعراض تھا اور مسیحیوں کا غلو مسائل باطن میں تعمق اور ظاہر کی طرف سے اعراض تھا۔ طریق حق ظاہر و باطن کو جمع کرنا ہے۔ ۸۴۷ یعنی الوہیت کے باب میں کوئی عقیدہ اپنی رائے سے گڑھ کر پیش کرو۔ اور توحید میں کوئی شائبہ بھی شرک کا نہ آنے دو۔ ۸۴۸ (نہ کہ خود معبود یا خدا یا مظہر خدا) اللہ کے بھیجے ہوؤں کو، اُس کے نائبوں اور رسولوں کو خود معبود سمجھ بیٹھنے کا مرض مشرک قوموں میں عام رہا ہے۔ مسیحیوں نے بھی مصری، یونانی، رومی مشرکوں اور مشرک فلاسفہ سے متاثر ہو کر اپنے پیمبرِ برحق کو بھی مظہرِ خدا یا فرزندِ خدا کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ اُس کی تردید ہو رہی ہے۔ ۸۴۹ یعنی اُن کی پیدائش اللہ کے ایک کلمہ ہی کا نتیجہ ہے۔ ای صار بکلمۃ من اللہ مخلوقًا (ابن عباسؓ) والمعنٰی انہ وجد بکلمۃ اللہ وامرہ عن غیر واسطۃ ولا نطفۃ (کبیر) ای ھو مکون بکلمۃ کُنْ (قرطبی) کلمہ سے مراد یا تو کلمۂ کُنْ ہے یا وہ کلمہ جو بواسطۂ جبریلؑ حضرت مریم پر القا کیا گیا تھا۔ ومعنٰی کونہ کلمۃ انہ حصل بکلمۃ کن من غیر مادۃ معتادۃ والٰی ذالک ذھب حسن و قتادۃ (روح) ای قولہ کُنْ (معالم) لیست الکلمۃ صارت عیسٰی ولکن بالکلمۃ صار عیسٰی (ابن کثیر عن شاذان بن یحیٰی) وتسمیۃ عیسٰی بکلمۃ لکونہ موجدًا بکُن (راغب)۔ ۸۵۰ (بہ واسطۂ فرشتۂ جبرئیل کے) ای القاء الکلمۃ کان من اللہ ثم من جبرئیل (ابن العربی) ۸۵۱ یعنی اللہ کے زندہ کئے ہوئے اور اللہ کی بنائی ہوئی روح ہیں، جو بلا اسباب عادی ظاہری مریمؑ کے بطن میں مجتمع ہوگئے۔ ای تخلیقہ وتکوینہ (مدارک) ای بامرہ منہ صار ولدًا بلا اب (ابن عباسؓ) ای احیاء اللہ ایاہ بتکوینہ (ابن جریر) نسب الٰی انہ روح من اللہ لانہ بامرہ (ابن جریر) ای من خلقہ ومن عندہ (ابن کثیر) ای مخلوق من روح مخلوقۃ (ابن کثیر) رُوْحٌ مِّنْہُ۔ روح کا انتساب اللہ کی جانب محض اُس کے شرف و عظمت کے لئے ہے۔ جیسے بیت اللہ یا نعمت من اللہ میں نسبت تشریفی و تعظیمی ہوتی ہے۔ والمراد من قولہ منہ التشریف والتفضیل کما یقال ھذہ نعمۃ من اللہ (کبیر) اُضیفت الروح الی اللہ علی وجہ التشریف کما اُضیفت الناقۃ والبیت الی اللہ (ابن کثیر) ھو روح کسائر الارواح الا انہ تعالٰی اضافہ الٰی نفسہ تشریفًا (معالم) اضافہ اللہ تعالٰی الیہ تشریفًا لہ کما یقال بیت اللہ وسماء اللہ (جصاص) یہ مراد نہیں کہ صرف اُنہی میں اللہ کی رُوح تھی، کسی اور میں اللہ کی رُوح نہیں ہوتی۔ اللہ کی رُوح تو ہر فردِ بشر میں ہے۔ ونفخت فیہ من روحی۔ قرآن مجید میں موقع تخصیص و امتیاز پر کبھی کسی کو عبد نا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی کسی کو عبد نا سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اللہ کے عبد سب ہی ہیں۔ ۸۵۲ (ان ہی پیمبروں کی تعلیمات کے مطابق) فَاٰمِنُوْا کی ف میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان صحیح حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب واجب ہے کہ اپنے خود تراشیدہ عقائد و خیالات کو چھوڑ کر ایمان اللہ اور اس کے رسولوں کی ہدایات پر لاؤ۔ ۸۵۳ خواہ وہ تین اقنوم ہوں یا تین مستقل بالذات ہستیاں۔ مسیحی تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:- "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمتِ ازلی یکساں، جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، اور روح قدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، اور روح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح قدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں۔ اور نہ تین غیر مخلوق، بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق، اور روح قدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ بس یہ ہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا۔" ایک طرف یہ گورکھ دھندا، اور دوسری طرف اسلام کا صاف و سادہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ——— کوئی مناسبت بھی دونوں میں ہے؟ ۸۵۴ ذکر یہ غالیانہ عقائد کفر بلکہ شرک تک پہنچا دینے والے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت حلول و اتحاد کے بطلان صریح پر دال ہے، جس کے قائل بعض جہلا صوفیہ ہوئے ہیں۔ ۸۵۵ واحد ہر اعتبار سے اور اپنے ہر معنی میں۔ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے، نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ تری مورتی کی کوئی قسم بھی صحیح ہے۔ ۸۵۶ یہ ولدیت کا عقیدہ غلط ہی نہیں، بلکہ اصلاً مہمل اور تنزیہ الوہیت کے لئے باعثِ توہین، شانِ الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ ۸۵۷ خالق کا صحیح رشتہ مخلوق کے ساتھ صرف مالکیت کا ہے۔ مالک و مملوک میں مُباینت لازمی ہے، برخلاف اس کے والد و مولود کے درمیان مجانست ہم جنسی و ہم قومی شرط ہے۔ تو جب ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے تو کوئی بھی مخلوق اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔

وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ
(ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) تاکہ لوگوں کو پیمبروں کے (آنے کے) بعد اللہ
بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ
کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے، ۸۳۴ اور اللہ تو ہی بڑا زبردست، بڑا حکمت والا ۸۳۵ ہے۔ لیکن ۸۳۶ (اسکے ساتھ)
اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
اللہ گواہی دے رہا ہے اس (کتاب) کے ذریعہ سے جو اُس نے آپ پر نازل کی (اور) اُسے اُس نے اپنے
يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
(کمال) علم سے نازل کیا ہے ۸۳۷ اور فرشتے بھی گواہی دے رہے ہیں، اور اللہ کی گواہی کافی ہے ۸۳۸ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا
وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا
اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) روکا، وہ بڑی ہی دُور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں، یقیناً جن
بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ
لوگوں نے کفر کیا، اور ظلم کیا ۸۳۹ اللہ ایسا نہیں کہ انہیں بخش دے اور
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ
نہ یہ ہے کہ انہیں کوئی راستہ دکھائے بجز راہ جہنم کے ۸۴۰
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾
اس میں وہ پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) اور اللہ کے نزدیک یہ آسان ہے ۸۴۱
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ
اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس (یہ) رسول تمہارے پروردگار کے پاس سے آئے ہیں، سچی بات

۸۳۴ یعنی پیمبروں کے آجانے کے بعد اب کسی کو قیامت میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہا، کہ ہماری عقل مسائل وحقائق کے سمجھنے سے قاصر رہی۔ متکلمین نے یہیں سے یہ اخذ کیا ہے کہ بندوں پر حجتِ الٰہی ارسالِ رُسل کے بعد ہی قائم ہوتی ہے نہ کہ مجرد عقل کی بنا پر۔ یدل علیٰ انّ قبل البعثۃ یکون للناس حجۃ فی ترک الطاعات والعبادات (کبیر) احتج اصحابنا بھٰذہ الاٰیۃ علیٰ وجوب معرفۃ اللہ تعالیٰ لا یثبت الا بالسمع (کبیر) فی ھٰذا کلہ دلیل واضح انہ لا یجب شئ من ناحیۃ العقل (قرطبی) فیہ تنبیہ علیٰ ان بعثۃ الانبیاء الی الناس ضرورۃ بقصور الکل عن ادراک جزئیات المصالح والاکثر عن ادراک کلیاتھا (بیضاوی) ۸۳۵ صفت عزیز لاکر یاد دلا دیا کہ وہ مالک حقیقی ہے، فاعل مختار، پیمبروں کے بھیجے ہوئے بغیر بھی ہر عذر کو قطع کرسکتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی تو ہے۔ اس صفت کو لاکر یہ بتادیا کہ اس کی حکمت کاملہ مقتضی اس کی ہوئی کہ وہ ظاہری عذر بھی نہ باقی رہنے دے۔ ۸۳۶ لٰکن۔ کلمۂ استدراک ہے، اور استدراک قول ماسبق پر ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ اگر یہ لوگ خصوصاً یہود اب بھی اور اس کے باوجود بھی نبوت محمدی کو نہ مانیں تو ــــــ روایتوں میں آتا بھی ہے کہ یہود نے پچھلی آیات انا اوحینا الیک الخ کو سُن کر کہا تھا کہ ہم تو ان کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے۔ مما قال انا اوحینا الیک قال القوم لا نشھد لک بذٰلک فنزل لکن اللہ یشھد (کبیر) فی الکلام حذف دل علیہ الکلام کان الکفار قالوا ما نشھد لک یا محمد فی ما تقول فمن یشھد لک (قرطبی) ۸۳۷ (اور اسی کمالِ علمی ہی نے تو قرآن کو معجزہ بنا دیا ہے) اَللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ یعنی اللہ کی شہادت اسی قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہورہی ہے۔ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ۔ اس میں قرآن کے لئے صفتِ کمال کا اثبات ہے۔ والمراد من قولہ وصف القراٰن بغایۃ الحسن ونھایۃ الکمال (کبیر) معتزلہ نے جو صفاتِ باری سے انکار کیا ہے، اس کا رَد بھی متکلمین اہلِ سنت نے یہیں سے نکالا ہے۔ فیہ نفی قول المعتزلۃ فی انکار الصفات فانہ اثبت لنفسہ العلم (مدارک) دلت علیٰ انہ تعالیٰ عالم بعلم (قرطبی) ۸۳۸ یعنی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اللہ کی شہادت ہر دوسری شہادت سے بے نیاز ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ۔ اللہ کی گواہی تو قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہی ہے، لیکن فرشتوں کی گواہی سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ فرشتے جو اِن منکرین سے کہیں افضل واشرف ہیں، جب وہ رسول کی صداقت پر گواہ ہیں، تو ان منکرین کی ہستی اور حقیقت کیا ہے۔ لیکن ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سارا تکوینی کاروبار فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے تو گویا کائنات کی فعلی شہادت جو درحقیقت فرشتوں ہی کی شہادت ہے، خود تمامتر رسول اسلام اور دین رسول کی تصدیق وتائید میں ہے۔ بِاللّٰهِ میں ب زاید ہے۔ والباء زائدۃ (قرطبی) ۸۳۹ اس ظلم سے مُراد دونوں قسم کے ظلم ہوسکتے ہیں، ایک ظلم تو خود اپنے نفس اور جان پر، کفر وانکار کرکے۔ دوسرا ظلم یہ ہے کہ دوسروں کو اسلام وایمان کے راستہ سے ظلم یا مکر سے روکا جائے۔ ۸۴۰ یہ بیان ہو رہا ہے قانونِ مجازات اور مکافاتِ عمل کا۔ کفر اور ظلم کے نتیجے قدرۃً اسلام اور عدل کے نتیجوں سے بالکل مختلف نکلیں گے۔ ۸۴۱ اسلام کا خدا مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح محدود اور ناقص قوتیں رکھنے والا خدا نہیں، جو اُسے اس سزادہی کے لئے کسی خاص اہتمام یا تکلف کی ضرورت پڑے۔ وہ مطلق الاختیار ہے۔ فعّالٌ لما یرید ہے۔ جو کچھ چاہے بات کی بات میں کرسکتا ہے۔

سزئیں تمامتر انفرادی اور شخصی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ہر ہر فرد اپنے اپنے اعمال کو بھگتے گا۔ جہنم کا عذابِ الیم صرف انہی افراد کو ہوگا جو کافر ہونگے۔ **۸۲۹** آخرت میں آیت میں ایمان کے بھی اہم ترین اجزا اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان) آگئے۔ اور عبادات کے بھی اہم ترین عنوانات، یعنی اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ۔ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ۔علم سے مراد علم دین ہے۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ یعنی جو ایمان لے آنے والے ہیں۔ سَنُؤْتِیْهِمْ ۔س یہاں تیقن کے لئے ہے۔ والسین لتوکید الوعد (روح) **۸۳۰** یہ جتنے نام یہاں آئے ہیں ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ خطاب کا رُخ زیادہ تر یہود ہی کی جانب ہے۔ انہی کو بتایا اور سمجھایا ہے کہ سلسلۂ وحی کو تو آخر تم مانتے ہو، اور حضرت نوحؑ اور اُن کے بعد کے انبیاء کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہو، پھر ایک نئے نبی کی شناخت و معرفت میں تمہیں اتنی دشواری کیوں پیش آرہی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ ایسے انبیاء کے ساتھ جن کی نبوت یہود کو مسلّم تھی، چند ایسے پیمبروں کے نام بھی لے دیئے گئے ہیں، جن کی نبوت کے یہود منکر (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یا تقریباً منکر تھے (مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام) **۸۳۱** زَبُوْرًا ۔ زبور یہاں لفظی معنیٰ میں ہے اور لفظی معنیٰ اس کے ہر لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ الزبر الکتابة، زبر الکتاب کتبه (لسان) اور الزبور کے بھی معنیٰ لکھی ہوئی کتاب کے ہیں۔ الزبور الکتاب الزبور (لسان) الزبور الکتب المسطود (تاج) زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤدؑ کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہد عتیق کے مجموعۂ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے۔ اور اس مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائل شریعت درج نہیں، بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں۔ اور جا بجا آخری نبیؐ کی بابت پیشگوئیاں بھی، پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں۔ **۸۳۲** (اٰتِک) پھر بعض پیمبر ایسے ہیں جن کا ذکر اس آیت کے نزول کے بعد قرآن مجید میں آگیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے آیا ہی نہیں۔ والاکثرون غیر مذکورین علی سبیل التفصیل اکبرا متکلمین نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر ہر نبی پر تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ضروری نہیں۔ البتہ سب نبیوں کی اجمالاً تصدیق ضروری ہے۔ والآیة تدل علی ان معرفة الرسل باعیانهم لیست بشرط لصحة الایمان بل من شرطه ان یؤمن بهم جمیعا اذ لو کان معرفة کل واحد منهم شرطا لقصّ علینا کل ذلك (مدارک)

أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَوٰةَ وَالْمُؤْتُونَ
جو آپ سے قبل اُتر چکی ہے اور نماز کے پابند اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے
الزَّكَوٰةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ
ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں ایسوں کو ہم
سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ١٦٢ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا
اجرِ عظیم ضرور دیں گے ۸۳۰ یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا
ہم نے نوح اور اُن کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے
إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَ
ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور
الْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَ
اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر وحی بھیجی
سُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ١٦٣ وَرُسُلًا قَدْ
تھی ۸۳۱ اور ہم نے داؤد کو ایک صحیفہ دیا تھا ۸۳۱ اور دوسرے پیمبروں پر کہ
قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ
اُن کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور (ایسے) پیمبروں پر (بھی) کہ
عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ١٦٤ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ
اُن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ۸۳۲ اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا ۸۳۳ اور پیمبروں کو

ع ٢٢ / ٢

مِنْ قَبْلُ یعنی اس آیت کے نزول سے پیشتر۔ **۸۳۳** تَکْلِیْمًا ۔فعل کے بعد اسی مصدر کو اور پھر تنوین کے ساتھ لانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ کلام کی کوئی بہت ہی مخصوص نوعیت مراد ہے۔ ورنہ کلام و مخاطبہ اپنے عام معنیٰ میں تو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے ——— ایسا کلام جو ہم کلامی و مخاطبۂ انبیاء میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عام عقول کیلئے تو ناقابل فہم ہی ہوگا۔ مصدر معناه التاکید (قرطبی) هو الکلام الحقیقی الذی یکون به المتکلم متکلما (قرطبی) والمعنی ان التکلیم بغیر واسطة منتهی مراتب الوحی واعلاها (روح) اشارة الی ان المصدر وتنوینه للتنویع لانه نوع عجیب لا یدرك کنهه (تھانوی)

اسی عقیدہ کی تصویب کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ لیکن پولوس (متوفی ۶۵ء) کے اثر سے جو مسیحیت چلی اور پھیلی، اُس کی تو بنیاد ہی عقیدۂ کفّارہ پر ہے یعنی اس عقیدہ پر کہ ابن اللہ نے یا خود خدا نے مجسّم ہوکر، اور صلیب پر جانکنی کی تکلیف اٹھاکر اور اپنی جان دے کر سب کی طرف سے مخلوق کے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا۔ اس لئے یہ رواجی مسیحیت تو بغیر مصلوبیت مسیحؑ کو مانے اور فرض کئے ہوئے ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ اس لئے لامحالہ اسی پولوسی اور کلیسائی مسیحیت نے کُل قدیم صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو "بدعتی" اور "مبتدع" قرار دے کر کلیسا سے خارج کردیا۔ اور خود وہی کہنے لگے جو دشمنانِ عیسیٰؑ یعنی یہود پہلے ہی سے کہہ رہے تھے یعنی یہی کہ عیسیٰؑ صلیب پر وفات پاگئے! گو ظاہر ہے کہ اس اشتراک عقیدہ میں نیتیں دونوں کی بالکل الگ الگ ہیں۔ یہود وفات عیسیٰؑ کو موقع تحقیر و اہانت میں بیان کرتے ہیں، اور مسیحی بعینہٖ اسی واقعہ سے آپؑ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں لیکن نفس عقیدہ بہرحال دونوں میں مشترک ہے۔ اور بڑے ہی تاسف اور قلق کا مقام ہے کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض "مسلمان" فرقے بھی اسی گمرہی کی طرف واپس جارہے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ وفاتِ مسیحؑ کے اس باطل اور خلاف تحقیق عقیدہ کو "روشن خیالی" کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں! ۸۱۶ (آپس میں، کہ کوئی آپؑ کو مرتبۂ الوہیت پر پہنچائے دیتا ہے، اور کوئی مرتبۂ عبدیت کاملہ سے بھی نیچے اتارے لاتا ہے) فِیْهِ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے ای فی شان عیسٰی علیه السلام (روح) ای فی عیسٰی (مدارک) ای فی عیسٰی (جلالین) اَلَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ سے مراد یہود و نصاریٰ اور اُن کے مختلف فرقے ہیں۔ کہ کوئی آپؑ کو نعوذ باللہ شعبدہ باز قرار دے رہا ہے اور کوئی نعوذ باللہ آپؑ کی خدائی کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ المراد من الموصول ما یعم الیهود والنصارٰی جمیعًا (روح) قیل الضمیر عائد علی الیهود والنصارٰی (بحر) ۸۱۷ شک کی بہترین تفسیر مفسر تھانویؒ نے کی ہے، یعنی قول بلا دلیل۔ یعنی نظریہ پر نظریہ قائم کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔ مسیحی مسیحیوں سے دست و گریبان ہیں اور یہود یہودیوں سے۔ اندر ہی اندر خدا معلوم کتنے فرقے ہوگئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ۸۱۸ (اور گمان یا اٹکل حقیقت رسی میں کہاں تک کافی ہوسکتی ہے!) مسیحیوں نے تو غضب ہی کر رکھا ہے، اپنے سارے مذہب یعنی الوہیت مسیحؑ، وفات مسیحؑ، احیاء مسیحؑ کی بنیاد تمام تر ظن و وہم پر رکھی ہے۔ لَهُمْ میں ضمیر ان الذین اختلفوا کی طرف ہے یعنی وہ لوگ جو حضرت مسیحؑ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور اُن کے اندرونی فرقے۔ مِنْ عِلْمٍ علم سے مراد علم صحیح، علم ثابت بالدلائل ہے۔ اور مِن زائد ہے۔ من ناشدۃ (قرطبی) چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند: یہود اور مسیحی دونوں قوموں کی روایتوں اور مکاتبوں کی بالکل صحیح تصویر قرآن مجید نے ان مختصر و جامع الفاظ میں کھینچ دی ہے۔ لکن یتبعون فیه الظن الذی تخیلوہ (جلالین) ظن یہاں مقابل علم کے ہے یعنی ایسا قول جو بالکل بلا دلیل ہو اور جس کا مبنیٰ نہ کوئی نص ہو نہ اُس سے کوئی استنباط ——— یعنی کج فہموں نے آیتوں کے الفاظ سے نفی قیاس پر جو دلیل قائم کرنا چاہی ہے وہ بے اصل ہے۔ قیاس فقہی تو خود ایک دلیل شرعی ہے استنباط و استخراج کے مرادف۔ ۸۱۹ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا میں یقینًا نفی قتل کی تاکید کے لئے ہے۔ کذلك ما قتلوہ حقًّا (کشاف) ما قتلوہ حقا فجعل یقینا تاکیدا لقوله وما قتلوہ (مدارک) ای حق انتفاء قتله حقًّا (مدارک) حال مؤکدۃ لنفی القتل (جلالین) عقیدۂ وفات مسیحؑ یا قتل مسیحؑ چونکہ بہت بڑی غلط فہمی یا گمراہی کا باعث ہے اور دنیا کی دو بڑی قومیں یہود اور مسیحی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کو اس کی تردید کی ضرورت بھی بہت وضاحت اور تاکید کے ساتھ پیش آئی۔ ۸۲۰ اِلَیْهِ۔ اپنی طرف یا اپنے آسمان کی طرف۔ قرآن مجید میں اس طرح کے حذف مضاف کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اور جس طرح "اللہ نے اپنی طرف بلالیا" سے مراد آخرت کی طرف بلالینا سمجھی جاتی ہے، اُسی طرح عربی اور اردو دونوں محاورہ میں اللہ کی طرف اٹھالینے سے مراد آسمان کی طرف اُٹھالینے سے ہے۔ یحتمل رفعه الی السماء (راغب) ای الی السماء واللہ تعالٰی متعال عن مکان (قرطبی) الی السماء (مدارک) الی سمائه (بحر) رَفَعَهٗ۔ رفع کے اصلی معنی رفع جسمانی یا رفع مادّی ہی کے ہیں۔ الرفع یقال فی الاجسام الموضوعة اذا اعلیتها عن مقرّها (راغب) مجازی معنی یعنی رفع مراتب کے بھی جائز ہیں۔ ای رفعه من حیث التشریف (راغب) لیکن حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنے کی کوئی وجہ قوی موجود ہونی چاہیئے نا وہ یہاں موجود نہیں۔ بعض نادان اور نوخیز فرقوں کا یہ استدلال کہ چونکہ رفع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، اس لئے رفع جسمانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، اور اس لئے لامحالہ رفع مجازی یعنی قرب و منزلت ہی مراد ہوگی۔ قرآن فہمی سے بُعد پر مبنی ہے۔ آخر قرآن مجید ہی میں اس طرح کی آیات موجود ہیں یا نہیں:- وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ۔ یہاں مہاجرت الی اللہ سے کسی نے مہاجرت الی دار الاسلام یا مہاجرت الی المدینہ نہیں لی ہے! یا پھر قال ابراهیم انی ذاهب الی ربی۔ یہاں کون نہیں سمجھتا کہ ذہاب الی رب سے مراد ذہاب الی الشام مُراد ہے؟ وقس علٰی ھذا۔ امام رازیؒ نے خوب لکھا ہے کہ تعظیم و تشریف کے جس سیاق میں یہاں ذکر رفع الی اللہ کا ہے، وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص چیز ہے، متقین و صالحین کے عام دخول جنت اور وہاں کی لذات جسمانی و حسّی سے الگ۔ رفعه الیه اعظم فی باب الثواب من الجنة ومن کل ما فیها من اللذات الجسمانیة (کبیر) رفع جسمانی کا عقیدہ لازمۂ ایمان اور شرط اسلام ہو یا نہ ہو، بہرحال ظاہر قرآن سے قریب تر ضرور ہے۔ ۸۲۱ صفت عزیز لاکر یہ یاد دلادیا کہ وہ اپنے نبی کو بچالینے پر بھی قادر اسے اٹھالینے پر بھی قادر، رفع جسمانی و رفع رُوحانی دونوں پر قادر۔ صفت حکیم لاکر ادھر اشارہ کردیا کہ اُس نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی عین مقتضائے حکمت تھا۔ ۸۲۲ (جب عالم برزخ کا مشاہدہ شروع ہوجاتا ہے، اور اس لئے وہ ایمان نافع نہیں ہوتا) قبل موته میں ضمیر کتابی کی طرف ہے، اور مراد ہے موت کے وقت۔ یؤمن بعیسٰی اذا عاین الملك ولکنه ایمان لا ینفع لانه ایمان عند الیأس وحین التلبس بحالة الموت (قرطبی) لا یموت یهودی حتّٰی یؤمن بعیسٰی (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) کل صاحب کتاب یؤمن بعیسٰی قبل موته (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھذا قول اکثر المفسرین واهل العلم (معالم) یعنی اذا عاین قبل ان تزهق روحه حین لا ینفعه ایمانه لانقطاع وقت التکلیف (کشاف) حیث یعاین ملئکة الموت فلا ینفعه ایمانه (جلالین) قبل کا اطلاق عربی میں جس طرح تقدم منفصل پر ہوتا ہے، تقدم متصل پر بھی ہوتا ہے۔ یستعمل فی تقدم المتصل والمنفصل (راغب) اور یہاں تقدم متصل ہی مراد ہے، یعنی مرتے وقت۔ بِهٖ میں ضمیر بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ یعنی آپؑ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے، اسے وہ جان کر، اور اس کا اعتراف و اقرار کرکے رہیں گے۔ اَهْلِ الْکِتٰبِ۔ لفظ عام ہے۔ لیکن محاورۂ قرآنی میں اکثر اس سے مراد یہود ہی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی عبارت کا سیاق و سباق انہی کی جانب مشیر ہے۔ ای من الیهود (بحر) لا یموت یهودی حتی یؤمن بعیسٰی (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ای الیهود خاصة کما اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ (روح) اور اگر وہی عام ہی معنی لئے جائیں اور یہود و نصاریٰ دونوں مراد سمجھے جائیں، جب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی الیهود والنصارٰی کما ذهب الیه کثیر من المفسرین (روح) مراد یہ ہوگی کہ مسیحیوں، یعنی مقام عیسٰیؑ میں افراط کرنے والوں اور یہود یعنی منصب عیسیٰؑ میں تفریط کرنے والوں، دونوں پر موت کے وقت صحیح مقام عیسیٰؑ کا انکشاف کردیا جائیگا۔ ۸۲۳ یعنی یہ بتلائینگے کہ فلاں فلاں نے میری تصدیق کی تھی، اور فلاں فلاں نے تکذیب۔ یعنی شاهدا علیهم بتکذیب من کذبه منهم وتصدیق من صدقه منهم (ابن جریر) شَهِیْدٌ کے معنی حکم لگانے والے کے بھی ہوتے ہیں۔ وقد یعتبر بالشهادۃ عن الحکم (راغب) ۸۲۴ جس طرح افراد کے نفس سرکش کی اصلاح کی ایک صُورت یہ ہے کہ بعض مباحات سے بھی اُسے روک دیا جائے، اسی طرح جب قوم کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوجاتا ہے تو اس کے لئے بھی مناسب صورت یہی ہوتی ہے کہ جن جائز چیزوں کی وہ عادی تھی، اُن سے اسے محروم کردیا جائے۔ بِظُلْمٍ میں با سببیہ ہے۔ اس سے یہ صاف نکل آیا کہ اُمت اسرائیل پر بعد کو جو کچھ بھی سختیاں ہوئیں، خود اُنھی کی زیادتیوں کی بدولت ہوئیں، بلا وجہ نہیں ہوئیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی کے سبب سالک سے واردات کا قبض بھی اسی کے مشابہ ہے۔ ۸۲۵ یہود کی قومی فرد جرم کی یہ دوسری دفعہ ہے یعنی خود اپنی جانوں پر تو وہ ظلم کر ہی رہے تھے، ان کی گمراہی متعدی بھی تھی۔ دوسروں کو بھی بھٹکا رہے تھے۔ کَثِیْرًا۔ کثیر کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ وہ بہت لوگوں کو راہ حق سے روک دیتے تھے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اُن کی روک یا گمراہ کرنے کی خصلت بہت زائد تھی۔ تیسرے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مدت طویل تک روک تھام کرتے رہے۔ غرض کثرت کا تعلق کمیت و کیفیت اور زمانہ تینوں سے ہوسکتا ہے۔ ای جمعًا عظیمًا من الناس او صدا کثیرا وقدرہ بعضهم زمانا کثیرا۔ (بحر) ۸۲۶ (ان کے پیمبروں کے ذریعے سے اُنھی کی کتابوں میں) توریت میں ممانعت سُود کے اس طرح کے احکام آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔ "اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر اور سُود مت لے" (خروج ۔ ۲۲: ۲۵) "تو اس سے سُود اور نفع مت لے۔ اپنے خدا سے ڈر تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اُسے نفع کے لئے کھانا کھلا" (احبار ۔ ۳۵: ۲۶-۲۷) یہ اور بات ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سُود خور قوم یہی یہود ہو۔ اور ان کے شائیلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہوں۔ ۸۲۷ یعنی انکی شریعت میں سُود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام کردیا گیا تھا، اُنھی کو اختیار کرکرکے جن نعمتوں سے یہود محروم کردیئے گئے تھے، وہ جتنی اور جو کچھ بھی ہوں، بہرحال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کردیئے گئے ہیں:- (۱) ایک انکی ذاتی زبردستیاں، زیادتیاں، گنہگاریاں۔ (فبظلم من الذین ھادوا) (۲) دوسرے انکی متعدی گمراہیاں (بصدھم عن سبیل اللہ کثیرا)۔ (۳) تیسرے اُن کی سُود خوری، وہ بھی ممانعت کے بعد (اخذھم الربوا وقد نھوا عنه)۔ (۴) چوتھے ناجائز آمدنیوں سے ان کا مال نہ کرنا (اکلھم اموال الناس بالباطل) ۸۲۸ (آخرت میں، اور دنیوی سزاؤں میں خود یہ نعمتوں سے محروم ہوجانا کیا کچھ کم ہے؟) آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سزائیں تو عمومی و اجتماعی رنگ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ فلاں فلاں نعمتوں سے ساری قوم محروم کردی گئی لیکن آخرت میں

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸
بلکہ آپؑ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا[۵۲۰] اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے[۵۲۱]
وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ
اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو آپؑ پر اپنے مرتے وقت ایمان نہ
مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝۱۵۹
لے آئے[۵۲۲] اور آپؑ قیامت کے دن ان پر گواہ (کی حیثیت سے پیش) ہوں گے[۵۲۳]
فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ
سو یہود کی (ایسی ہی) زیادتیوں کے باعث ہم نے ان پر بہت سی چیزیں جو ان پر حلال تھیں،
اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝۱۶۰
حرام کر دیں[۵۲۴] اور اس سبب سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے[۵۲۵]
وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انہیں اس کی ممانعت کر دی گئی تھی[۵۲۶] اور (اس سبب سے
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ
بھی کہ) وہ دوسروں کا مال ناحق کھا لیتے تھے[۵۲۷] اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کیلئے ہم نے عذاب
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۶۱ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ
دردناک تیار کر رکھا ہے[۵۲۸] البتہ ان میں جو لوگ علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں
وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
کر ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو آپ پر اتری ہے اور اس پر (بھی)

پاء نہیں رہتا کہ تاریخ کی روشنی میں واقعہ کے جزئیات کو ایک ایک کر کے لایا جائے، اس وقت کے پس منظر کو سامنے لایا جائے۔ اور جو صورت واقعہ نسبۃً زیادہ قرین قیاس اور مطابق مقتضائے حال معلوم ہو، اسی کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے۔ پہلی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ یروشلم کے لوگوں سے ملتے جلتے کم تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام، خواص بھی آپؑ کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب آپؑ کی گرفتاری کا وقت آیا، تو اس کے لئے اکابر یہود اور متعدد سپاہیوں کا ایک پورا گروہ اس ضرورت کیلئے کافی ثابت نہ ہوا، بلکہ آپؑ کی شناخت کے لئے آپؑ ہی کی مختصر سی پارٹی کے ایک منافق و غدار کو ساتھ لینا پڑا۔ یہ ایک خالص تاریخی حقیقت ہے لیکن امام المفسرین امام رازی اس راز سے بھی واقف ہیں۔ فرماتے ہیں۔ والناس ما کانوا یعرفون المسیح الا بالاسم بانہ کان قلیل المخالطۃ للناس (کبیر) متی اور مرقس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتاری کرنے والی پارٹی میں سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے "سپاہیوں کی شامل تھی۔ اس پر بھی گرفتاری اور شناخت کے لئے انہیں یہوداہ منافق کا سہارا ڈھونڈنا پڑا۔ اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب پلٹن اور پیادے وہاں پہنچے، تو "یسوع نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈھتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں۔" (۱۸:۳-۸) "حضرت مسیحؑ کا عظیمی تخیل تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ معاصر مخالفین و معاندین کی نظر میں تو آپؑ کی حیثیت صرف یسوع ناصری نامی ایک بدنام و غیر معروف مجرم کی تھی۔ وہ سامنے موجود تھا، اور پھر بھی کوئی پہچان نہیں رہا تھا، حالانکہ سب آئے تھے اسی کی تلاش میں!

دوسری بات یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرتؑ کو، یا بالفاظ یہود یسوع ناصری کو تبدیل ہیئت میں خاص ملکہ تھا۔ انجیلوں میں حضرتؑ کی اسی قدرت کو بطور معجزہ کے بیان کیا گیا ہے۔ "چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا، اور انہیں ایک اونچے پہاڑ پر الگ لے گیا۔ اور ان کے سامنے اس کی صورت بدل گئی، اور اس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا،" (متی۔ ۱۷:۱،۲) "جب وہ دعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی، اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔" (لوقا ۹:۲۹) نیز مرقس ۹:۲۔ یہ معجزہ تھا یا نہ تھا، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال آپؑ کو نفس قدرت اس پر حاصل تھی۔ تیسرے اس تاریخی حقیقت کا استحضار ذہن میں کر لیا جائے، کہ ملک (شام و فلسطین) کی آبادی اس وقت اسرائیلیوں (یہود) کی تھی۔ اور اسی برادری کے ایک فرد آپؑ بھی تھے لیکن ملک پر حکومت رومیوں کی تھی، اور اعلیٰ عہدہ دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین و عقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے، بلکہ صورت شکل، وضع و لباس، زبان و معاشرت وغیرہ میں بھی ان سے ایسے ہی الگ تھے جیسے آج انگریز ہندوستانیوں سے مختلف و ممتاز ہیں ——— اور جس طرح آج ہندوستانیوں کو سب فوجی گورے یکساں اور گوروں کو سارے "کالے" ایک سے معلوم ہوتے ہیں، بدیسی رومی سپاہیوں اور فوجیوں کی نظر میں سب یہود یہود، اور اسرائیلی اسرائیلی بھی ایک ہی تھے۔ چوتھی کڑی اس سلسلہ کی یہ ملائیے، کہ جس مقام پر رومی عدالت تھی، وہاں سے سرکاری سولی گھر فاصلہ پر تھا، اور سولی یا صلیب جس کی شکل انگریزی چھاپہ کے بڑے حرف (ٹی) T کے مشابہ یا ریلوے سگنل سے ملتی جلتی ہوتی تھی، وہ سولی گھر میں پوری گڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی، صرف اس کا سیدھا اور کھڑا ستون زمین میں گڑا ہوا رہتا تھا، باقی جو لکڑی اس کے اوپر آڑی پڑتی تھی، اس کے لئے قاعدہ یہ تھا کہ وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اوپر لاد کر سولی گھر تک لانی پڑتی تھی۔ یہاں تک جو کچھ عرض ہوا، اس پر ایک نظر دوبارہ کر کے امور ذیل کو بھی نظر کے سامنے لے آئیے۔ (۱) حکم جب سنایا گیا ہے جمعہ کا دن تھا۔ اور دن آخر ہو رہا تھا۔ اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت پا کر شاموں شام گھر واپس آجائیں۔ جمعہ کی شام ہی سے ان کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا، اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزا دہی وغیرہ بھی ممنوع تھی۔ اور پھر یہود کا اہم تہوار، عید فسح ( ) ابھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت ہی عجلت تھی کہ کسی طرح ان کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پا کر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔ (۲)۔ لاغر و ناتوان مجرم (یعنی خود حضرت مسیحؑ) کے لئے ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کر سکیں۔ خصوصاً جب کہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے، اور ان کا راستہ کھوٹا کرتے جاتے۔ اب اس ساری صورت حال کو اس تفصیل کے ساتھ پیش نظر رکھ کر فرمائیے کہ رومی سپاہی، جو مجرم، بلکہ مجرموں کو (آپ کے ساتھ سولی کیلئے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لئے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں، بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے، ایسے موقع پر کیا کرتے؟ ——— خود تو اپنے اوپر وہ سولی والی لکڑی کا بوجھ لادنے سے رہے۔ انہوں نے وہی کیا جو ان کی جگہ پر کوئی بھی ان جیسا انسان کرتا۔ انہوں نے مجمع ہی میں سے کسی بدتمیز یہودی کو پکڑ لیا، اور صلیب کی لکڑی اسی پر لاد دی! ——— انگریز گارد ایسے موقع پر یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لئے جاتا ہوتا تو کیا کرتا؟ یہی کرتا کہ بھیڑ میں کسی ہندوستانی ہی کو پکڑ لیتا اور اس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس و قرینہ نہیں، انجیلوں میں اتنے جزو کی تصریح موجود ہے:۔ "انہیں شمعون نام ایک کرینی آدمی ملا۔ اسے بیگار پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔" (متی۔ ۲۷:۳۲) "اور شمعون نام ایک کرینی آدمی اسکندر اور روفس کا باپ دہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے" (مرقس۔ ۱۵:۲۱) "اور جب اس کو لئے جاتے تھے، تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دہات سے آتا تھا، پکڑ کے صلیب اسی پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے" (لوقا ۲۳:۲۶) جب یہ مجمع (جو یقیناً کوئی باقاعدہ و منظم مجمع نہیں، بلکہ عوام کی ایک بھیڑ تھا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ریلتا پیلتا، مجرم سے چھیڑ چھاڑ کرتا، اس سے تمسخر کرتا ہوا، سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا، تو رومی پولیس گارد جو ساتھ تھا، اب اس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل دخل شروع ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں کہ یسوع ناصری کس کا نام ہے۔ وہ اپنے حسب دستور مجرم اسی کو سمجھے جس کے اوپر صلیب لدی ہوئی تھی ——— ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو مستحضر کر لیجئے کہ جیل کے رومی سپاہیوں کے لئے سب یہودی اجنبی ہی تھے، اور اس لئے باہم گرہم شکل اور یکساں۔ انہیں ایک اسرائیلی (یسوع ناصری) اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا۔ انہیں دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق ہی نہیں نظر آسکتا تھا۔ شمعون نے یقیناً واویلا مچایا ہوگا، لیکن ادھر مجمع کا شور و ہنگامہ ادھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ناواقفیت، اور پھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی، اسی افراتفری کے عالم میں اسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور وہ چیختا چلاتا رہا۔ حضرت مسیحؑ قدرۃً اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہو گئے۔ اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹاک ٹوئیے مارتے رہ گئے! وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ! یہ عقیدہ نو ایجاد نہیں۔ خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ کے نام سے گزرا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات ۱۲۰ء) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا۔ اور کھلم کھلا کہتا کہ مصلوب حضرت مسیحؑ نہیں ہوئے، بلکہ شمعون کرینی ہوئے۔ قرآن مجید نے

۸۰۹ یہود کے نقضِ میثاق اور کفر بآیاتِ الٰہی اور انبیاء کے قتلِ ناحق پر، اور اُن کے قول قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ان سب پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ کی اصل تقدیر کلام یوں ہے۔ فبنقضهم میثاقهم لعناهم۔ التقدیر فبنقضهم میثاقهم لعناهم عن قتادة وغیره (قرطبی) عربی اسلوبِ بیان میں ایسے محذوفات عام ہیں۔ مخاطبین کے علم کی بنا پر محذوف کر دیئے جاتے ہیں۔ حذف هذا العلم السامع (قرطبی) قال ابن عطیة وحذف جواب هذا الکلام بلیغ متروك علی ذهن السامع (بحر) بِمَا میں ما زائدہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ ما زائدة مؤکدة (قرطبی) ۸۱۰ یہ مُہر ابتداءً کبھی نہیں لگتی، جزاءً ہی لگتی ہے۔ اور یہاں تو اس کی تصریح ہی موجود ہے۔ بکفرهم ای جزاء لهم علی کفرهم (قرطبی) ۸۱۱ (اور وہ بہت تھوڑا سا ایمان نجات کے لئے کافی نہیں) یہ ایمان قلیل غیر نافع اسی لئے ہوگا کہ یہ کُل انبیاء پر ایمان پر شامل نہیں۔ ای الا ایمانا قلیلا ای ببعض الانبیاء وذلک غیر نافع لهم (قرطبی) وهو غیر مفید لان الکفر بالبعض کفر بالکل (رح) اہلِ کتاب کا "ایمان" بس ایسا ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے رہے۔ حضرت اسحٰقؑ کی تصدیق کی، لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کی تکذیب یا مثلاً حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو تو مان لیا، لیکن خود خاتم النبیینؐ سے انکار کئے گئے۔ ایسی حالت میں لفظ ایمان پر ایمان شرعی کا اطلاق ہو ہی گا نہیں۔ ایمان اصطلاحِ شریعت میں تو وہ ہے، جو سارے سلسلۂ نبوت پر ہو۔ ورنہ ایک نبی پر ایمان لا کر دوسرے انبیاء سے انکار کرنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ لانه ایمان لغوی لا شرعی (مدارک) فقد بیّنّا ان من یکفر برسول واحد فانه لا یمکنه الایمان باحد من الرسل البتة (کبیر) ۸۱۲ ذکر نعوذ باللہ وہ بدوضع تھیں) بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ یہود کی کتابوں میں ایسی ایسی گندہ روایتیں اس پاک سرشت خاتون کی بابت لکھی ہوئی ہیں کہ ان صفحات پر بغرضِ رد بھی نقل ہونے کے قابل نہیں۔ قرآن مجید نے اس سارے طومارِ خرافات کی طرف بکمالِ بلاغت، بہتان اور بہتانِ عظیم لا کر اشارہ کر دیا۔ مَرْيَمَ پر حاشیے پ ۳ میں گزر چکے۔ یہ عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نکاح ، بہ روایاتِ تاریخی یوسف سے ہوا تھا۔ جو نجاری کا کارخانہ قائم کئے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے عابد و خدا رسیدہ تھے۔ بِكُفْرِهِمْ۔ ذکر یہود کی سزا کا چل رہا ہے کہ ان پر یہ عذاب مسلط ہے، فلاں فلاں اسباب سے ہے۔ یہاں کفرِ یہود سے مراد اُن کا کفر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہے۔ ای بعیسیٰ علیه السلام (روح) ۸۱۳ یہ قول کس کا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہود ہی کا تھا، جو اس پر خوش بھی ہوئے تھے، اور اس کا دعویٰ بھی فخر کے ساتھ کر رہے تھے۔ الْمَسِيْحَ۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یہ دونوں الفاظ یہود کے نہیں، وہ انہی دونوں منصبوں یا مسیحیت اور رسالت ہی کے تو منکر تھے۔ قرآن حمید نے نفسِ واقعہ کے لحاظ سے ان کا صحیح منصب بیان کر دیا۔ قرآن مجید کا یہ اسلوبِ بیان عام ہے۔ هو اخبار من الله تعالیٰ بصفة عیسیٰ (بحر، عن ابن عطیہ) یجوز ان یضع الله الذکر الحسن مکان ذکرهم القبیح فی الحکایة عنهم (کبیر، کشاف) یحتمل ان یکون استهزاء منهم ... یحتمل ان الله تعالیٰ بمدحه (بیضاوی) یحتمل ان الله وصفه بالرسول وان لم یقولوا ذلك (مدارک) اِنَّا قَتَلْنَا۔ قتل کے اصل معنیٰ روح کو جسم سے جُدا کر دینے کے ہیں، خواہ کسی طریقہ پر ہو۔ اسی کو اُردو محاورہ میں "ختم کر دینا" یا "کام تمام کر دینا" کہتے ہیں۔ اصل القتل ازالة الروح عن الجسد (راغب) قتله ای اماته بضرب او حجر او سم او علة او غيرها هو ازالة الروح عن الجسد كالموت (ابو البقاء) اور امام قرطبی نے ایک دوسری آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ کے تحت میں لکھا ہے القتل هو کل فعل یفیت الروح وهو انواع من النحر والذبح والخنق والرضخ وشبهه۔ یہاں اصطلاحِ فقہ کا قتل مراد نہیں جس کے معنیٰ محض کسی دھاردار آلہ سے ہلاک کرنے کے ہوتے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی۔ اور وہی مُلکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی، لیکن آپؑ کو سزا دلوانے میں اور آپ کے لئے سزائے موت کا حکم سنوانے میں ہاتھ تمام تر یہود ہی کا کام کر رہا تھا۔ اسی لئے قرآن مجید نے بھی جو تاریخ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر آپ کے قتل یا اقدامِ قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی۔ انجیلیں اتنے جزو پر متفق المعنیٰ (بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس آپؑ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہود ہی تھے، جنہوں نے استغاثہ جھوٹا گڑھا، گواہیاں جھوٹی فراہم کیں، اور بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کر اُسے حکم سنانے پر مجبور کر دیا۔ انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:- " . . . . . جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رُوبرو اپنے ہاتھ دھوئے، اور کہا میں راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے برابا کو اُن کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوعؑ کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تاکہ صلیب دی جائے۔" (۲۷: ۲۴-۲۶) اسی کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کر دیا۔ (۲۳: ۲۲) یہ بیانات تو مسیحیوں کے تھے۔ خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین حیاتِ مسیح دنیائے معلوم میں موجود ہے، اور جس کا ترجمہ انگریزی میں کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں اس واقعہ کو فخر کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے۔ (حاشیہ ۲۶) انجیلوں میں جو پیشگوئیاں حضرت مسیحؑ کی زبان سے اپنے قتل ہونے کی بابت منقول ہیں، اُن میں بھی ساری ذمہ داری سردارانِ یہود ہی کے سر ملتی ہے اور رومیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا۔ "اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اٹھاؤں، اور قتل کیا جاؤں۔" (متی ۱۶: ۲۱) "پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابنِ آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اُسے رد کریں اور وہ قتل کیا جائے۔" (مرقس ۸: ۳۱) "ضرور ہے کہ ابنِ آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسے رد کریں۔ اور وہ قتل کیا جائے۔" (لوقا ۹: ۲۲) ۸۱۴ یعنی آپؑ کا کام تمام کر دینا تو الگ رہا، یہود تو واقعۃً اتنا بھی نہ کر سکے کہ اُس زمانہ میں اس ملک میں جو طریقہ سزائے موت کا تھا اُسی تک پہنچ جاتے (یعنی آپؑ کو سُولی پر چڑھا تک نہ سکے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ صلبوا کے اصل معنیٰ محض سُولی پر لٹکانے یا چڑھانے کے ہیں، چڑھا کر ختم کر دینے کے نہیں۔ هو تعلیق الانسان للقتل (راغب) اُردو میں یہ مفہوم "سُولی دینے" سے نہیں "سولی چڑھانے" ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فارسی ترجمہ، اور شاہ عبد القادرؒ اور علامہ تھانویؒ نے اپنے اپنے اُردو ترجموں میں بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ ۸۱۵ یا "وہ دھوکے میں ڈال دیے گئے" یا "حقیقت اُن پر مشتبہ ہو گئی"۔ یہ شبہ میں کون پڑ گئے یا حقیقت کن پر مشتبہ و ملتبس ہو گئی؟ ظاہر ہے کہ مراد وہی یہود یا اعدائے مسیح ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ کانه قیل وقع علیهم التشبیه (مدارک) التبس علیهم الامر (بیضاوی) یا یوں کہا جائے کہ شبہ انہیں مقتول سے متعلق ہوا، اور وہ دھوکے میں اس کی شخصیت کے بارہ میں پڑ گئے۔ شبه لهم المقتول والمصلوب (جلالین) بہرحال اس پر ہمارے سارے مفسرین کا اتفاق ہے، کہ یہود کو دھوکا ہوا، اور وہ حضرت مسیحؑ کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے لیکن یہ شخص کون تھا، اور دھوکے کی صورت کیا ہوئی، اس کا تصریحی جواب نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ اب سوا اس کے

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ

سخت قول و قرار لیا ۸۰۸ سو ہم نے بہ سبب کیے اُن کی عہد شکنی اور بہ سبب آیاتِ الٰہی سے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ

ان کے کفر کے اور بہ سبب اُن کے قتلِ ناحق انبیاء کے، اور بہ سبب اُن کے اس قول کے کہ ہمارے

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

قلوب محفوظ ہیں۔ (ہم نے انہیں سزا میں مبتلا کیا) ۸۰۹ نہیں بلکہ اُسے یہ کہ اللہ نے اُن پر مہر لگا دی،

يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي

بہ سبب انکے کفر کے ۸۱۰ سو وہ ایمان نہیں لاتے (مگر ہاں بہت) تھوڑا سا ۸۱۱ نیز بہ سبب انکے کفر کے اور بہ سبب ان کے

مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا

مریمؑ پر بہتانِ عظیم رکھنے کے ۸۱۲ اور بہ سبب اُن کے اس قول کے کہ ہم نے

الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

عیسیٰؑ ابن مریم کو مار ڈالا، جو مسیح اور اللہ کے پیمبر تھے ۸۱۳ حالانکہ نہ وہ آپؑ کو مار ڈال سکے

وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

اور نہ آپؑ کو سولی ہی پر چڑھا پائے ۸۱۴ بلکہ اُن پر شبہ ڈال دیا گیا ۸۱۵ اور یہ لوگ آپؑ کے بارہ

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

میں اختلاف کر رہے ہیں ۸۱۶ وہ آپؑ کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ۸۱۷ انکے پاس

عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾

کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس گمان کی پیروی ہے ۸۱۸ اور یقینی بات ہے کہ انہوں نے آپؑ کو مار نہیں ڈالا ۸۱۹

۸۰۴ سَوۡفَ ۔ یہاں قربِ زمانی کے لئے نہیں، جزم وتیقن کے لئے ہے۔ معناہ ان ایتاءھا کائن لامحالۃ وان تاخر (کشاف) فالغرض بہ توکید الوعد وتحقیقہ لاکونہ متاخرا (کبیر) متکلمین نے آیت سے معتزلہ کا رد بھی نکالا ہے جو مرتکب گناہ کبیرہ کے دوام عذاب کے قائل ہیں، حالانکہ آیت میں صاف مضمون موجود ہے کہ ایمان محض پر بھی اجر ملے گا۔ والآیۃ تدل علی بطلان قول المعتزلۃ فی تخلید المرتکب الکبیرۃ لانہ اخبر ان من اٰمن باللہ ورسلہ ولم یفرق بین احد منھم یؤتیہ اجرہ ومرتکب الکبیرۃ فیمن اٰمن باللہ ورسلہ ولم یفرق بین احد فیدخل تحت الوعد (مدارک) تمسک اصحابنا بھذہ الاٰیۃ فی اثبات العفو وعدم الاحباط فقالوا ان اللہ تعالیٰ وعد من اٰمن باللہ ورسلہ بان یؤتیھم اجورھم والمفہوم یؤتیھم اجورھم علی ذلک الایمان (کبیر)

أُولَٰٓئِكَ سَوۡفَ يُؤۡتِيهِمۡ أُجُورَهُمۡ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ
تو ایسے لوگوں کو اللہ ضرور ان کا اجر دے گا، اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا
غَفُورٗا رَّحِيمٗا ﴿۱۵۲﴾ ع يَسۡـَٔلُكَ أَهۡلُ ٱلۡكِتَٰبِ أَن تُنَزِّلَ
بڑا رحم والا ۸۰۴ آپ سے اہلِ کتاب فرمائش کرتے ہیں کہ آپ ان کے اوپر
عَلَيۡهِمۡ كِتَٰبٗا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ ۚ فَقَدۡ سَأَلُواْ مُوسَىٰٓ أَكۡبَرَ
ایک نوشتہ آسمان سے اتروا دیں ۸۰۵ سو یہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑی فرمائش
مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوٓاْ أَرِنَا ٱللَّهَ جَهۡرَةٗ فَأَخَذَتۡهُمُ
کر چکے ہیں ۸۰۶ (ان سے) یہ بولے تھے کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو۔ سو انکی (اس) زیادتی پر
ٱلصَّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ ۚ ثُمَّ ٱتَّخَذُواْ ٱلۡعِجۡلَ مِنۢ بَعۡدِ
انہیں کڑاک بجلی نے آپکڑا پھر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں انہوں
مَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُ فَعَفَوۡنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَءَاتَيۡنَا
نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کر لیا۔ لیکن ہم نے اس سے (بھی) درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ کو
مُوسَىٰ سُلۡطَٰنٗا مُّبِينٗا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ ٱلطُّورَ
ایک صریح اقتدار عطا کیا ۸۰۷ اور ہم نے ان کے اوپر طور کو معلق کر دیا تھا
بِمِيثَٰقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡبَابَ سُجَّدٗا
ان سے قول و قرار کے لئے، اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازہ (شہر) میں داخل ہو عاجزی کے ساتھ
وَقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُواْ فِي ٱلسَّبۡتِ وَأَخَذۡنَا مِنۡهُم
اور ہم نے ان سے کہا کہ سبت کے بارہ میں زیادتی نہ کرنا، اور ہم نے ان سے

ع ۲۱ / ۱۱ / ۱

۸۰۵ یہ فرمائش کرنے والے یہود مدینہ تھے خصوصاً کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی۔ ای کعب واصحابہ (ابن عباسؓ) یہود کہتے تھے کہ ہم ایسی وحی کے قائل نہیں جو فرشتہ کے ذریعہ سے قلبِ نبی پر نازل ہو۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ ہمارے پیمبر موسیٰؑ پر لکھے لکھائے ہوئے احکام عشرہ نازل ہوئے تھے تو اگر اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو، تو اسی طرح کا کوئی لکھا لکھایا صحیفہ پیش کرو! قالت الیھود ان کنت صادقا فجئ بکتاب من السماء جملۃ کما جاء موسیٰ بالکتاب (بحر عن السدی) سأل الیھود رسول اللہ صلعم ان ینزل علیھم کتابا من السماء کما نزلت التورٰۃ علیٰ موسیٰ مکتوبۃ (ابن کثیر عن محمد بن کعب القرظی والسدی وقتادۃ) فأتنا بکتاب من السماء جملۃ کما جاء موسیٰ بالالواح (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو برکات سماوی کو شیخ کے اختیار میں سمجھ کر اس سے افاضہ کی درخواست کر رہا ہے۔ ۸۰۶ (سو ایسی قوم سے ایسی فرمائشیں کچھ انوکھی اور نادر نہیں) ضمناً جواب بھی نکل آیا کہ حضرت موسیٰؑ تو خود ہی ایسی چیز لائے تھے، پھر اس پر ان ظالموں نے کب بس کیا؟ ان سے تو یہ فرمائش کر دی کہ براہِ راست اللہ میاں کا دیدار ہی ہمیں کرا دیجئے۔ یہ سارے واقعات اس غرض کے لئے یاد دلا دیئے گئے کہ ان لوگوں کی ساری قومی تاریخ ہی ضد وعناد سے بھری پڑی ہے۔ ایسی فرمائشوں سے ان کا مقصود تحقیقِ حق نہیں بلکہ محض مجادلہ و مکابرہ ہے۔ ھذا یدل علیٰ ان طلب ھؤلاء لنزول الکتب علیھم من السماء لیس لاجل الاسترشاد بل لمحض العناد (کبیر) ۸۰۷ (چنانچہ وہ محض نبی ورسول ہی نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے حاکمِ اعلیٰ اور صاحب اقتدار لیڈر بھی تھے) اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً ۔ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ ۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ ۔ ان سب واقعات پر حاشیئے پارۂ اول میں گزر چکے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اس شخص پر رد نکل رہا ہے، جو وقوع رؤیت کا اسی دنیوی زندگی میں قائل ہے۔ یدل علی الانکار علی من یعتقد وقوع الرؤیۃ فی النشأۃ الدنیویۃ (رح) بِظُلۡمِهِمۡ میں ب سببیہ ہے۔ بسبب ظلمھم (بیضاوی) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لئے نہیں استبعاد کے لئے ہے یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ گوسالہ پرستی کی شروع کر دی۔ مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے پیش کئے ہوئے دلائل ومعجزات جاننے، سمجھنے، دیکھنے کے بعد، شرک خصوصاً اپنی قبیح ترین صورت گوسالہ پرستی میں یوں بھی برا ہی تھا، فطرت سلیم خود اس سے ابا کرتی ہے لیکن پیمبر برحق کے لائے ہوئے دلائلِ قوی اور شواہد بیّن کے بعد تو اس پستی میں گرنا بدبختی کی انتہا ہے۔ ۸۰۸ (ان احکام نیز دوسرے احکام کی تعمیل کے لئے) رَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ ۔ اُدۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا ۔ لَا تَعۡدُوۡا فِی السَّبۡتِ ۔ ان سب واقعات پر حاشیئے پارۂ اول میں گزر چکے۔ بِمِيۡثَاقِهِمۡ میں ب اظہارِ غرض وغایت کیلئے ہے۔ ای بسبب میثاقھم لیقبلوہ (بیضاوی) والباء للسبب (بحر) سُجَّدًا ۔ یہاں سجدۂ شرعی مراد نہیں۔ بلکہ سجدہ اپنے لفظی معنی میں ہے یعنی تواضع کے ساتھ۔ ای متطامنین خاضعین۔ (رح)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا
اللہ منہ پھوڑ کر بُرائی کرنے کو (کسی کے لئے بھی) پسند نہیں کرتا سوا

مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا
مظلوم کے، اور اللہ تو ہے ہی خوب سننے والا۔ خوب جاننے والا ۷۹۶ تم کسی بھلائی کو ظاہر

خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
کرو یا چھپاؤ یا کسی بُرائی سے درگزر کر جاؤ ۷۹۷ تو اللہ تو (بہر صورت) بڑا

كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
معاف کرنے والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ۷۹۸، بیشک جو لوگ اللہ اور اسکے پیمبروں سے کفر کرتے ہیں اور

رُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور یہ

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
کہتے ہیں کہ ہم کسی پر تو ایمان لائے ہیں اور کسی کے ہم منکر ہیں ۷۹۹ اور یہ چاہتے ہیں کہ

اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
ایک راہ درمیانی نکالیں ۸۰۰ تو یہی لوگ حقیقی کافر

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ
ہیں ۸۰۱ اور ہم نے کافروں کیلئے ایک عذاب رسوا کرنے والا تیار کر رکھا ہے ۸۰۲ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان لائے، اور وہ لوگ اُن کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے ۸۰۳

۷۹۶ آیت نے اخلاق کی اصطلاح میں غیبت وبدگوئی کو اور قانون کی زبان میں ہتک عزت کو بالکل ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اور فرد و جماعت، شخص وملت دونوں کے ہاتھ میں فلاح واصلاح کی ایک بڑی اصل دے دی ہے۔ اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ کے تحت میں پس پُشت بھی کسی کے عیب کی تشہیر آگئی اور اس کے روبرو تلخ کلامی بھی۔ بلاضرورت اور بلا مصلحتِ شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ سامنے نہ پیچھے۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار یک جھک کر بھی نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد بھی لے جاسکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعتِ اسلامی کے اور کس نے کیا ہے؟ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ جھوٹی بات کی شہرت مظلوم کو بھی جائز نہیں —— لیجئے مظلوموں کے ساتھ ساتھ ظالموں کے حق بھی اُسی سچی، فطری، الٰہی شریعت نے تسلیم کرلئے۔ سَمِيْعًا! اس میں ایک طرف تو ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے نہ جائے، اللہ تو بہر صورت اُس کی سُن ہی رہا ہے۔ اور دوسری طرف مظلوم کو بھی ترغیب دی ہے کہ خلق کے آگے خواہ مخواہ زیادہ روتا گاتا نہ پھرے، یہ یقین رکھے کہ اللہ تو سننے والا ہے ہی۔ عَلِيْمًا۔ یہ صفت لاکر بھی ظالم ومظلوم دونوں کو یاد دلادیا ہے کہ کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے، اللہ پر تو ہر ظلم کی نوعیت وحقیقت عیاں ہی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے انتقام کی اجازت نکل رہی ہے، جس کی ایک جزو شکایت بھی ہے۔ اور ضعفاء کی اس میں بڑی رعایت ہے کہ اس سے دل کا کینہ دُور ہو جاتا ہے۔ ۷۹۷ (جو بہر صورت افضل اور اُولیٰ ہے) انسان اپنے نفس کو ٹٹولے تو نظر آئے کہ کسی کے ساتھ حُسن سلوک کرنے یا اس پر مال خرچ کرنے سے کہیں زیادہ شاق نفس پر یہ گزرتا ہے کہ کوئی ہمیں دکھ پہنچائے اور ہم اُس سے درگزر کر جائیں، اور انتقام نہ لیں۔ اس لئے فعلِ خیر سے الگ اور ممتاز کر کے اس وصف چشم پوشی اور عدمِ انتقام کو بیان کیا ہے۔ فَندب الی العفو ورغب فیہ (قرطبی) ۷۹۸ اخلاقی حیثیت سے یہ تین مرتبے الگ الگ ہیں۔ اور انہیں یہاں کیسی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ انسان نے نیکی کی ساتھ ہی وہ اس کا اظہار واعلان بھی کر دیتا ہے خلق سے داد لینے کی خواہش ایک حد تک طبعی ہے ایک درجہ نیکی کا یہ بھی ہوا نیکی یہ بھی ہوئی مگر ہلکی قسم کی مبتدی کی سطح کی۔ اَوْ تُخْفُوْهُ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نیکی کرے اور خلق سے داد وصلہ کی پرواہ ہی نہ رکھے، بلکہ اُسے خلق کے علم میں آنے ہی نہ دے اور مقصود اس سے تمامتر رضاء الٰہی ہی رکھے۔ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو ناگواریاں پیش آئیں، اور وہ انہیں نظر انداز کر جائے اور بُرائی کرنے والے سے بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ نفس کے لئے بہت ہی شاق ہے۔ اور اس کا مرتبہ سلوک واخلاق کے منتہی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ عَفُوًّا۔ اس صفت کو لاکر یہ یاد دلایا کہ درگزر کی صفت تو صفاتِ کمالیہ الٰہیہ میں سے ہے کیا خوب ہو جو بندہ بھی اپنے کو اسی رنگ میں رنگ لے! قَدِيْرًا۔ یہ لفظ لاکر ادھر اشارہ کر دیا کہ بندہ بیچارہ انتقام لے ہی کیا سکتا ہے۔ انتقام پر قدرتِ کامل تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور وہ اس کمال قدرت کے باوجود عفو ودرگزر سے کام لیتا رہتا ہے —— بندوں کو عفو ودرگزر کی راہ پر لانے کا کتنا مؤثر وحکیمانہ طریقہ یہ ہے! امام رازیؒ جن کی نکتہ رسی قرآن فہمی میں قابلِ صد رشک ہے یہاں پر خوب بات فرمائی ہے کہ آیت کے ان دو مختصر فقروں میں سارا خلاصہ اخلاق وسلوک آگیا۔ دخل فی ھاتین الکلمتین جمیع انواع الخیر واعمال البر (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح پہلی آیت میں ضعفاء کی رعایت تھی، یہ آیت اہلِ ہمت کے مناسب حال ہے۔ اس میں مصلحت عروج الی القرب ہے۔ ۷۹۹ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ اس باب میں بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ بہرحال اتنا تو صاف ہے کہ اصل بار ارشاد یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے بعضوں کے تو قائل تھے لیکن اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ کے منکر تھے۔ اور پھر نبوت مصطفوی کے لیکن قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کے تحت میں نہ صرف مسیحی آجاتے ہیں، جو نبوت مصطفوی کے تو صاف منکر، اور رسالت مسیحؑ کے بھی منکر ہو کر الوہیت مسیحؑ کے قائل ہو گئے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بہت سے "آزاد خیال" اور "روشن خیال" بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ یورپ میں ایک فرقہ .. (خدا پرستوں) کا کہلاتا ہے، اور ہندوستان میں برہمو سماج ہے۔ یہ لوگ توحید کے تو قائل ہیں لیکن عقیدۂ وحی ونبوت کے منکر —— یہ سب مثالیں اسی ناقص اور غلط ذہنیت کی ہیں، جسے اسلام بڑھانا اور پیدا کرنا نہیں، بلکہ مٹانا اور فنا کرنا چاہتا ہے۔ ۸۰۰ جیسے دہلی کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر واسلام کو ملا جلا کر ایک "دین الٰہی" ایجاد کیا تھا، اور پھر تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ داراشکوہ نے بھی کچھ اسی قسم کی کوشش شروع کی تھی۔ اور بعض ملحد طبع آج بھی شرک وتوحید، کفر واسلام کو مخلوط ومرکب کر کے طرح طرح کے خوشنما ناموں کے ساتھ ایک نئے دین کی ترکیب واختراع کی فکر میں لگے رہتے ہیں —— ان لوگوں کی نظر دینِ اسلامی کی وحدت، اور اس کے عقائد وارکان کے اندرونی نظم وارتباط پر سرے سے ہے ہی نہیں! ۸۰۱ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہرحال بہتر ہوگا۔ نہیں بلکہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کے لئے ہے۔ حَقًّا کا اضافہ تاکید مزید کے لئے ہے۔ ای ھم الکاملون فی الکفر (کشاف) ای لاعبرۃ بایمانھم ھذا (بیضاوی) وھو تاکید لمضمون الجملۃ الخبریۃ (بحر) اولئک ھم الکافرون کفرا کاملا ثابتا حقا یقینا (کبیر) ۸۰۲ ایسے لوگوں کے خیالات ونظریات کی تہ میں اصلی روگ اپنی بڑائی کا ہوتا ہے شعوری یا لاشعوری طور پر، بہرحال یہ لوگ سمجھتے یہی ہیں کہ اُن کی عقل وحی الٰہی کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار ہے۔ اور پیمبروں سے (نعوذ باللہ) جو کوتاہیاں رہ گئیں، اُن کی تلافی یہ اپنی عقل آرائیوں سے کر دیں گے —— اسی کبر وخود بینی کی سزا انہیں آخرت میں ملے گی کہ علاوہ جسمانی تعذیب کے، یہ خلق کی نظر میں ذلیل ورسوا ہو کر بھی رہیں گے۔ ۸۰۳ یعنی یہ نہیں کرتے کہ کسی پیمبر کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ قرآن مجید نے وحدتِ وحی پر بڑا زور دیا ہے، اور سارے انبیاء کو ایک مستقل نظام وسلسلہ کے اندر منسلک قرار دیا ہے۔

۷۹۰ (ایمان اور ہدایت کی) مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۔ یعنی کافروں اور مومنوں کے درمیان ۔ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۔ یعنی ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مومن اور معنیٰ اور حقیقت کے لحاظ سے کافر ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ ۔ اللہ کا یہ فعل اضلال اس کی سنت تکوینی کے مطابق ہے جس کے ماتحت وہ ہر عزم عمل پر عمل کا ترتب کر دیتا ہے ۔ ۷۹۱ (اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کی) اتنی صریح وعیدوں کے باوجود ہم لوگ جو بلا ضرورت ہر قسم کے غیر مسلموں، بے دینوں، بددینوں سے دوستی اور صحبت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں کا کیا انجام ہونا ہے ۔ اللّٰھم احفظنا ۔
لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ۔ کافروں کے تحت میں پوری طرح وہ چھپے ہوئے کافر بھی داخل ہیں جنہیں منافقین کہا گیا ہے ۔ اقتضت الاٰیۃ النھی عن الاستنصار بالکفار والاستعانۃ بھم و الرکون الیھم والثقۃ بھم (جصاص) فقہاء حنفیہ نے ذمیوں کو وکیل مال بنانا اور اُن سے شرکت تجارت (مضاربت) میں بھی کراہت کی ہے ۔ وقد کرہ اصحابنا توکیل الذمی فی الشریٰ والبیع ودفع

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
نہ (پورے) ادہر ہی کے ہیں نہ (پورے) ادُھر ہی کے اور جسے اللہ گمراہ رکھے تو
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا
اُس کے لئے تو کوئی راہ نہ پائے گا ۷۹۰ اے ایمان والو، مومنوں کو چھوڑ کر
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ
کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ
اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
اپنے اُوپر اللہ کی حجت صریح قائم کر لو ۷۹۱ یقیناً منافق دوزخ کے
فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ ۙ
سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا، ۷۹۲
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ
البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور اللہ کا سہارا پکڑے رہیں اور اپنے
اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ
دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے ۷۹۳ اور اللہ
يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ
مومنوں کو عنقریب اجرِ عظیم دے گا ۷۹۴ اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا
بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾
ہے، اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم والا ہے ۷۹۵

المال الیہ مضاربۃ وھٰذہ الاٰیۃ دالۃ علیٰ صحۃ ھٰذا القول (جصاص) ۷۹۲ (کہ انہیں بچا سکے یا اُن کی سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) ۔ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ ۔ ہر منافق اصلاً کافر ہی ہوتا ہے ۔ منافق کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اپنے جرم کفر پر ایک مزید جرم مکر و فریب کا اضافہ کئے ہوئے ہے اس لئے اگر اُسے کھلے ہوئے کافر سے سخت تر سزا ملے تو یہ عین مقتضائے عقل ہے ۔ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۔ سے فقہاء مفسرین نے محض گنہگاروں کی شفاعت پر استدلال کیا ہے ۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ یہ عدم نصرت کی تہدید چونکہ اہل نفاق کے لئے مخصوص ہے ۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جو منافق نہ ہونگے، اُن کی نصرت و شفاعت ہو سکے گی ۔ واحتج اصحابنا بھٰذا علیٰ اثبات الشفاعۃ فی حق الفساق من اھل الصلوٰۃ (کبیر) ۷۹۳ (جنت اور درجات جنت میں) مومنین کے ساتھ ان نئے تائبین کا ذکر لانے سے مومنین ہی کی تکریم اور شرف مرتبت نکلتی ہے ۔ اوقع اجر المؤمنین فی التشریف لانضمام المنافقین الیھم (کبیر) مع المومنین کے معنیٰ من المومنین کے بھی کئے گئے ہیں ۔ قال الفراء ای من المومنین (قرطبی) تَابُوْا ۔ یعنی اپنے عقائد شرک و کفر سے توبہ کر لیں ۔ اَصْلَحُوْا ۔ یعنی اپنے افعال و احوال کو شریعت کے مطابق و ماتحت کر لیں ۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ ۔ اور اس اعتصام باللہ کے تحقق کے لئے کافروں کی رفاقت کا ترک لازمی ہے ۔ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ ۔ اللہ کے ساتھ اخلاص کی شرط منافقت کی جڑ کاٹ رہی ہے ۔ فقہاء نے آیت کے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ اعمال تقرب و عبادت ہر قسم کے شائبۂ ریاء اور ہر قسم کے دنیوی معاوضہ و نفع سے خالی ہونا چاہیئے ۔ یدل علیٰ ان کل ما کان من امر الدین علیٰ منھاج الحق فسبیلہ ان یکون خالصاً للہ سالماً من شوب الریاء وطلب عرض من الدنیا (جصاص) اور یہ بھی نکالا ہے کہ نماز اذان و حج وغیرہ اعمال عبادات پر معاوضہ قبول کرنا جائز نہیں ۔ ھٰذا یدل علیٰ امتناع جواز اخذ شیء من اعراض الدنیا علیٰ ما سبیلہ ان لا یفعل الا علیٰ وجہ القربۃ ۔ من نحو الصلوٰۃ والاذان والحج (جصاص) پوری آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین جو اس قدر وعیدوں کے مستحق ہیں، وہ بھی اللہ کی رحمت و مغفرت سے ہمیشہ کیلئے مایوس نہ ہو جائیں ۔ توبہ اور اصلاح حال تو ان کی اپنی اختیاری چیز ہے ۔ جب اور جس وقت چاہیں، سیدھی راہ اختیار کر کے مومنین کی معیت حاصل کر سکتے ہیں ۔ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا اب ناقابل اصلاح و تلافی ہو ۔ ۷۹۴ (اور جب یہ تائبین اور نو مسلمین، مومنین کے ساتھ ہوئے تو ظاہر ہے کہ اجر عظیم ان کے حصہ میں بھی آکر رہیگا) اس میں سبق ہے اُن خاندانی اور پشتینی مسلمانوں کیلئے جو آج ہر کفر و فسق سے تائب نو مسلم یا نو صالح کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں ۔ یہ اسلامی اور ایمانی برادری میں نئے شامل ہونے والے بھائی ہیں جو اور زیادہ عزت و اکرام کے مستحق ہوتے ہیں ۔ ۷۹۵ خطاب منافقوں سے ہے ۔ انہیں بتایا ہے کہ تمہاری سزا دینے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی کام تو معلق ہے نہیں ۔ یہ تو محض تمہارا کفر اور کفران نعمت ہے جو تمہیں جنت کی نعمتوں سے استفادہ کے ناقابل بنائے ہوئے ہے ۔ اگر اپنے ان عقائد کو چھوڑ دو تو رحمت حق تو خود بخود تمہیں آلے گی ۔ اس میں تعلیم بھی آگئی کہ اسلام کا خدا مشرک اور جاہلی قوموں کے خونخوار و سفاک دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جسے بندوں کے آزار دہی ہی میں لطف آرہا ہے ۔ شَاكِرًا ۔ یعنی خدمت اور عبودیت اور اخلاص کا قدر داں ۔ عَلِيْمًا ۔ یعنی ہر ایک کے درجۂ اخلاص سے واقف ۔ آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مومن شاکر عذاب الٰہی سے بالکل دُور رہے گا ۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ صاحب کبیرہ پر عذاب نہیں ہے ۔ قال اصحابنا دلت ھٰذہ الاٰیۃ علیٰ انہ لا یعذب صاحب الکبیرۃ (کبیر)

۷۸۴ (کہ آخرت میں ایک کا چھپا ہوا اور ڈھکا ہوا کفر اور دوسرے کا کھلا ہوا کفر دونوں یکساں روشن وظاہر ہوں گے) اسی سے یہ تعلیم بھی نکلتی ہے کہ اصلی جوڑ اور ساتھ تو کافروں اور منافقوں کا ہے۔ تبقۃً مناسبت انہی دونوں کے درمیان باہم ہے۔ پاک وصالح انسانوں یعنی مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ مجلسی اختلاط ہی کیسا؟ جَامِعُ۔ یہاں مضارع یجمع کے معنی میں ہے۔ للاصل جامعٌ بالتنوین محذوف استخفافا فانه بمعنی یجمع (قرطبی) ۷۸۵ منافقین کی پوری ذہنیت آشکارو بے نقاب کی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا بھی عجب حال تھا۔ جب جنگ چھڑتی تو منافقین کا گروہ لشکر اسلامی کے ساتھ ساتھ ہوتا اگرچہ کافروں سے قتال نہ کرتا یا برائے نام ہی کرتا تو اگر مسلمانوں کو فتح ہوجاتی تو یہ مسلمانوں کے پاس آکر اپنی شرکت، معیت ورفاقت کا حق جتلاتے اور مالِ غنیمت وغیرہ میں سے اپنا حصہ طلب کرتے لیکن اگر اس کے برعکس کبھی اتفاق سے کافروں ہی کے ہاتھ میدان رہتا تو یہ جھٹ اُن کے پاس جاکر اُن پر اپنا احسان رکھتے کہ دیکھو فلاں موقع پر لشکرِ اسلامی کا پلّہ بھاری ہو رہا تھا۔ اور تم شکست کھانے ہی کو تھے کہ ہم آڑے آگئے۔ ہم نے اپنی کوشش وتدبیر سے تمہارا پلہ وزن دار کرادیا اور ہاری ہوئی لڑائی جتادی۔ تو اب ہمارا حصہ دلواؤ۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کی مخبری کرنا، جاسوسی کرنا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ۔ یعنی تمہارے

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

بیشک اللہ دوزخ میں منافقوں اور کافروں سب کو اکٹھا

جَمِيْعَا (۱۴۰) الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ

کر یگا ۷۸۴ (یہ وہ لوگ ہیں) جو تمہارے لئے مصیبت کے منتظر رہتے ہیں تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے

مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ

فتح حاصل ہوگئی تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو حصہ مل گیا تو (ان

نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ

سے) کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ

بچا نہیں لیا ۷۸۵ تو اللہ ہی تم (سب لوگوں) کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریگا ۷۸۶ اور

يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (۱۴۱) اِنَّ

اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا ۷۸۷ بیشک

الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا

منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں حالانکہ اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے ۷۸۸ اور یہ

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا

لوگ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (۱۴۲) مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ

اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں ۷۸۹ درمیان ہی میں معلق

ع ۱۷

لئے آفت ومصیبت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ای ینتظرون بکم بعض الدوائر والشدۃ (ابن عباس) اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ۔ معیت کا تعلق سفرِ جہاد سے ہے۔ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ۔ یہاں صیغۂ جمع متکلم میں منافقین اپنے کو مجموعۂ لشکر اسلام میں شامل کررہے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملتا تھا جبھی وہ اسے مانگتے اور اس کیلئے مطالبہ کرتے۔ والاٰیۃ تدل علٰی ان المنافقین کانوا لایعطونهم الغنیمۃ ولهذا الطلبوها (قرطبی) فتح کے لفظ میں شان وعظمت ہے، اسلئے مسلمانوں کی کامیابی کو اس سے تعبیر کیا گیا اور نصیب میں حقارت اور پستی ہے۔ اسلئے کافروں کی کامیابی کے لئے یہ لفظ دیا گیا۔ سُمّی ظفر المسلمین فتحا تعظیما لشأن المسلمین وسُمّی ظفر الکافرین نصیبا تخسیسا لحظ الکافرین (کشاف) ۷۸۶ یعنی آج تو اظہارِ اسلام کرکے ہر قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور مسلمانوں میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن قیامت میں کیا کریں گے۔ وہاں تو ان کا کفر علانیہ ظاہر ہوگا اور یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر رہیں گے۔ ۷۸۷ (اپنے اسی آخری اور اُخروی فیصلہ میں) آخرت دارالجزاء ہے۔ وہاں اس دارالعمل کی طرح کسی تکوینی امتحان، التباس واشتباہ کی گنجائش نہیں۔ وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بہرحال وصورت الگ ہوکر رہیگا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اسی دنیا میں کافروں کو مومنوں پر غالب نہ آنے دیگا۔ حجت عقلی وشرعی کے لحاظ سے۔ قال علی بمعنی یوم القیمۃ یوم الحکم وکذا قال ابن عباس ذالک یوم القیمۃ قال ابن عطیۃ وبهذا قال جمیع اهل التاویل (قرطبی) المراد بالسبیل الحجۃ (بخاری) ای حجۃ شرعیۃ لاعقلیۃ (بحر) ای حجۃ عقلیۃ ولا شرعیۃ یستظهرون بها الا ابطلت ودحضت (قرطبی) اس نفی غلبہ وولایت کفار کا تعلق اسی عالم تکوینی سے مان کر بعض فقہانے اس سے ذیل کے استنباطات کئے ہیں:-

(۱) کافر کی گواہی اگر مسلمان کے مضر پڑرہی ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ (۲) کافر کی ولایت کسی مسلم نابالغ کے نکاح میں جائز نہ ہوگی۔ (۳) کافر کو کسی مسلمان کی وراثت نہ پہنچے گی۔ ۷۸۸ (ان کی چالوں کو ناکام دیکھ کر، ان کی چالوں کی سزا ان کو دے دے کر) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ۔ یعنی اپنے اسلام کا جھوٹا اقرار کرکرکے اللہ تک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنے حمق سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ ہورہا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔ خداع کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اُس سے مراد مجازات خداع ہوتی ہے۔ الخداع من اللہ مجازاتهم علٰی خداعهم اولیاءه ورسله (قرطبی) سمی الجزاء علی العمل باسمه علی مجاوزۃ الکلام (جصاص) ای یجازیهم بالعقاب علٰی خداعهم (کبیر) ای هو الذی یستدرجهم فی طغیانهم وضلالهم ویخذلهم عن الحق والوصول الیه فی الدنیا وکذالک یوم القیمۃ (ابن کثیر) ۷۸۹ یعنی یہ منافقین اول تو نماز پڑھتے ہی کہاں ہیں۔ جب مسلمانوں کے مجمع میں شرما شرمی پڑھنا ہی پڑی، تو صرف ہیئت ظاہری کے لحاظ سے کچھ دیر اٹھک بیٹھک سی کرلی۔ قَامُوْا كُسَالٰى۔ عبادت میں نشاط، مستعدی اور چستی تو صرف ایمان واعتقاد کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سرے سے یہی مفقود ہو تو ظاہر ہے کہ کاہلی اور بدہمتی کیسے نہ پیدا ہوتی۔ یہاں تو مقصود تمامتر ظاہرداری تھی۔ خلقت کی نظر میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا۔ اِلَّا قَلِيْلًا۔ عارفین نے کہا ہے کہ یہ عمل قلیل ہی اگر اللہ کے لئے ہوتا تو اللہ اسے کثیر ہی قرار دیتا۔ قال الحسن لوکان ذالک القلیل للہ تعالٰی لکان کثیرا (مدارک) انما سماہ قلیلا لانه لغیر وجهه فهو قلیل فی المعنی وان کثر الفعل منهم (جصاص) يُرَآءُوْنَ النَّاسَ محض لوگوں کے دکھاوے کو، تاکہ یہ بھی مسلمان ہی سمجھے جائیں اور ان کے ساتھ بھی مسلمانوں ہی کی سی مراعات ہوتی رہے۔ ریاء کے معنی ہیں کسی اچھی چیز کو دکھاوے کے لئے اختیار کرنا نہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں۔ الریاء اظهار الجمیل لیراہ الناس لا لاتباع امراللہ (قرطبی) اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ۔ جب نماز جیسے اہم ترین رکن اسلام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو دوسری عبادتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوگا، ظاہر ہی ہے۔ نماز کی تصریح خصوصیت کے ساتھ اسلئے کی گئی ہے کہ اعمال میں نماز ہی ایمان واسلام کا ظاہری معیار ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس نماز ریائی کا یہاں ذکر ہے اور جو معصیت کے درجہ میں ہے اور جس نماز کا دہرانا لازم ہے وہ وہ ہے جو عقیدہ کے بغیر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے پڑھی جائے کہ اس سے لوگ مسلمان سمجھنے لگیں۔ باقی جو نماز اس ارادہ سے پڑھی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر اُسکے مومن اور مقبول الشہادۃ ہونے کی اور اُسکے جواز امانت کی شہادت دیں تو ایسی نماز اس وعید کے تحت میں نہیں آتی۔ یعنی انهم یفعلونها لیراها الناس وهم یشهدون وبها لغوا فهذا هو الریاء والشرك فاما ان صلاها لیراها الناس یعنی ویرونه فیها فیشهدون له بالایمان فلیس ذالك الریاء المنهی عنه وکذالك واراد بها طلب المنزلۃ والظهور لقبول الشهادۃ وجواز الامانۃ لم یکن علیه حرج وانما الریاء والمعصیۃ ان یظهرها صیدا للدنیا وطریقا الی الاکل بها فهذه نیۃ لاتجزی وعلیه الاعادۃ (ابن عربی)

بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
جا پڑا ہے ۷۸۰ بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوگئے پھر ایمان لائے
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ
پھر کافر ہوگئے پھر کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہرگز نہ اُن کی مغفرت
لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ
کرے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا ۷۸۱ آپ منافقین کو سُنا دیجئے کر
بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۷۸۱ (یعنی وہ لوگ) جو مومنوں کو چھوڑ کر
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ
کافروں کو دوست بنائے ہوئے ہیں کیا اُن کے پاس
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ
عزت کی تلاش کر رہے ہو سو عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے ۷۸۲ اور وہ
نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ
تمہارے اوپر یہ (فرمان) کتاب میں نازل ہی کرچکا ہے کہ جب تم اللہ کی نشانیوں کے ساتھ
اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ
کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنو تو اُن لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو،
حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ
یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہوجائیں کہ اس حالت میں یقیناً تم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے ۷۸۳

۷۸۰ (جنت وہدایت کی) ذکر ان لوگوں کا ہے جو اسلام پر قائم نہ رہے بلکہ مُرتد ہوگئے۔ اور دوبارہ ایمان لاکر پھر بھی ایمان پر قائم نہ رہے۔ اور توبہ نہ کی۔ بلکہ اسی حالت کفرو ارتداد پر ختم ہو گئے۔ یہ گروہ متعین طور پر کون گروہ مُراد ہے؟ ایک قول ہے کہ یہود مراد ہیں۔ پہلے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے۔ پھر اُنہی کی زندگی میں گوسالہ پرستی کی اور کافر ہوگئے۔ تائب ہوئے اور ان کی ذریت حضرت عیسیٰؑ سے انکار کرکے پھر کافر ہوگئی۔ اور آخر میں رسُول اللہ صلعم سے انکار کرکے اپنا کفر بڑھاتے ہی رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مرتدین کا کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ جو مکرر مرتد ہوا اور آخر تک مرتد رہا۔ تیسرا قول اور یہ سب سے زیادہ لگتا ہوا ہے، یہ ہے کہ مراد منافقین و متردّدین و مذبذبین ہیں اور مقصود ان کے تردد و تذبذب کا اظہار ہے۔ نہ کہ ان کے ارتداد کا تعدد۔ سباق قرآنی بھی منافقین ہی کو چاہتا ہے۔ کنا نحسبہم المنافقین ویدخل فی ذٰلک من کان مثلہم (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھٰؤلاء المنافقون (ابن جریر۔ عن ابن زید) روی عن ابن عباس ان الاٰیۃ فی المترددین (بحر) لیس المراد بیان ھٰذا العدد بل المراد ترددھم کما قال مذبذبین بین ذٰلک (کبیر عن القفال) جعلہا ابن عباس عامۃ لکل منافق فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البر والبحر (روح) لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ۔ بہ ظاہر نفی تاکید ہے۔ حالانکہ واقعۃً تاکید نفی کے لئے ہے۔ ان نفی التاکید اذا ذکر علیٰ سبیل التہکم کان المراد منہ المبالغۃ فی تاکید النفی (کبیر) ۷۸۱ بَشِّرِ۔ تبشیر کے معنیٰ ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لئے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ التبشیر الاخبار بما یظہر اثرہ علی البشرۃ (قرطبی) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز و زجر کے معنیٰ میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ قولہ بشر تہکم بہم والعرب تقول تحیتک الضرب وعتابک السیف (کبیر) ذٰلک قول الشاعر تحیۃ بینہم ضرب وجیع اُردو میں تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔ ۷۸۲ یعنی اعزاز تو تمام تر اللہ کی مِلک اور قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے معزز بنادے منکرین کے بڑے بڑے اُمراء و رؤسا تک حقیقی عزت سے خالی ہیں۔ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی یہ منافقین اہل ایمان کے سے دلی عقائد تو کیا رکھتے۔ ظاہری تعلقات بھی ان سے قائم نہ رکھ سکے۔ اور بجائے اُن کے اُلٹے کافروں سے لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ منکروں اور کافروں سے بلاضرورت میل جول۔ خلا ملا۔ ان کی وضع قطع بلاضرورت بنانا، اُن کا فیشن اختیار کرنا۔ اُن کے لباس۔ تمدن و معاشرت کو فخر و عزت کی چیز سمجھنا یہ سب داخل نفاق ہے۔ ۷۸۳ (نفس معصیت میں) یہ مثلیت اور یکسانی نفس معصیت میں ہوگی۔ ورنہ منکرین کا استہزاء ظاہر ہے کہ کفر اعتقادی سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے جلسوں، محفلوں میں مسلمانوں کی شرکت محض فسق ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ای فی العذاد اذا مکثتم معہم ولم یرد بہ التمثیل من کل وجہ فان خوض المنافقین فیہ کفر ومکث ھٰؤلاء معہم معصیۃ (مدارک) ای فی العصیان وان لم تبلغ معصیتہم منزلۃ الکفر (جصاص) فِي الْكِتٰبِ۔ حوالہ اسی کتاب قرآن کا ہے۔ واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیٰتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ (سورۃ انعام آیت ۶۷) یہ سورۂ نساء مدنی ہے اور سورۂ انعام اس سے بہت قبل کی مکّی ہے۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی نشانیوں کا لفظ عام ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں بھی انہی میں شامل ہیں۔ حکم کی تکرار یعنی ایک بار مکہ میں نزول اور دوبارہ مدینہ میں۔ حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ کفر اور تمسخر کرنے والے تھے کون لوگ؟ مکہ میں تو مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود اور منافقین۔ آیت کا حکم عام ہے۔ بے دینی کا ہر شغل، کفر و انکار کا ہر مظاہرہ اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ مسیحی یا ہندوانہ تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی و سیاسی ماحول کے جو گہرے اثرات طبعی طور پر مسلمانوں پر پڑ رہے ہیں، وہ سب اس وعید کے ماتحت آجاتے ہیں۔ اپنے شعائر و اصول دین پر ضحکہ سنتے رہنا خواہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں ہو یا بازاروں اور میلوں میں یا تھیٹروں اور سینماؤں میں۔ یوں بھی بہرصورت بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت، جس وقت وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ
اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی
شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ
دینے والے رہو ٧٧٣ چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے
وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى
خلاف ہی ہو ٧٧٤ وہ امیر ہو یا مفلس اللہ بہرحال، دونوں سے زیادہ
بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا
حقدار ہے ٧٧٥ تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا ٧٧٦ کہ حق سے ہٹ جاؤ ٧٧٧ اور اگر تم کجی کروگے
اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
یا پہلو تہی کروگے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے ٧٧٧
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ
اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کتاب
الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ
پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور اس (جنس) کتاب پر بھی
اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
جو وہ اس سے قبل نازل کرچکا ہے ٧٧٨ اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا
کتابوں اور اس کے پیمبروں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور

٧٧٢ (اپنے تمام معاملات میں) احکام کی تعمیل میں اور زندگی کے مختلف معاملات میں بار بار ترغیب راہِ حق و دیانت سے ہٹنے کی ہوتی رہتی ہے اور کہیں اپنے ذاتی نقصان کے خیال سے، کہیں بزرگوں، عزیزوں کی مروت اور خاطر سے قدم کو بار بار لغزش ہونے لگتی ہے۔ یہاں تاکید ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر حق و دیانت پر قائم رہو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ۔ اسکے ایک معنی تو یہی ہیں کہ گواہی سے مقصود اللہ کی رضاجوئی ہے۔ ای تقیمون الشہادات لوجہ اللہ (بیضاوی) ای لاترائی فی الشہادۃ الا جہۃ اللہ (بحر) لذات اللہ ولوجہہ ولمرضاتہ وثوابہ (قرطبی) اور دُوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ "اللہ کے گواہ بن جاؤ" یعنی تمہاری شہادت شہادت الٰہی کے قائم مقام ہوجائے۔ فقہاء نے یہی معنی لے کر استنباط کیا ہے کہ جو امر گواہوں سے ثابت ہوجائے۔ وہی قطعی ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔ چنانچہ قاضی اگر معتبر آدمیوں کی شہادت پر مدعی کو ڈگری دے دے اور مُدعیٰ علیہ خوب علم رکھتا ہو کہ حق مدعی کا نہیں اور فیصلہ غلط اور نامنصفانہ ہُوا ہے۔ تاہم اگر وہ تعمیل نہ کریگا تو قاضی اسلام کی مخالفت اور گواہوں کی تکذیب کا مجرم ہوگا۔ ٧٧٣ یعنی مروت اور رعایت نہ خود اپنی کرو نہ اپنے کسی بزرگ کی نہ کسی عزیز کی۔ بلکہ صرف اللہ کی اور حق و صداقت کی۔ قرآن مجید پر عامل مسلمان حلفیہ شہادت کا ذکر نہیں۔ بلا حلف بھی کبھی جھوٹی گواہی کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ حکم عام ہے ہر قسم کی گواہی کے لئے۔ صرف مالی اور عدالتی معاملات کی حد تک محدود نہیں محققین لکھتے ہیں کہ اسکے پُورے مصداق تو حضرات محدثین ہوئے ہیں کہ انہوں نے روایات حدیث کے باب میں کسی کی ذرا رعایت نہ کی اسی لئے وہ اللہ کے گواہ بن گئے۔ اور انکی روایتوں پر دین کے ایک حصہ کا مدار ٹھیر گیا۔ ٧٧٤ یعنی جس کے خلاف آکر تمہاری سچی گواہی پڑ رہی ہے اور اس کی خاطر تم سچے اظہار سے بچنا چاہتے ہو، اس پر جتنا حق تمہارا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حق اللہ کا ہے جھوٹی گواہی کے محرک عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ فریق اگر امیر ہے تو اس کا دباؤ، لحاظ، مروت اور اگر غریب ہے تو اس کے ساتھ جذبۂ ہمدردی یہاں دونوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دونو صورتوں میں، جتنا تمہارا تعلق اُسکے ساتھ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر اللہ کا تعلق اُسکے ساتھ ہے۔ ٧٧٥ (ادائے شہادت میں) تاکید ہے کہ شہادت بالکل واقعہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ شاہد کے ذاتی رجحانات کا دخل بھی نہ آنے پائے۔ ٧٧٦ یعنی ذاتی رجحانات کو دخل دینے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ قدم راہِ حق سے اِدھر یا اُدھر ہوجائے گا۔ اَنْ تَعْدِلُوْا۔ تقدیر کلام یُوں ہے۔ ان لاتعدلوا (جلالین) ای مخافۃ ان تعدلوا (ابوسعود) ٧٧٧ ہر معصیت، ہر بد اخلاقی کی طرح ادائے شہادت کی بھی ہر بے عنوانی سے روکنے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ بھی اللہ تعالٰی کی ہمہ بینی، ہمہ دانی کا استحضار ہے۔ جتنا یہ عقیدہ قوی، زندہ اور تازہ ہوگا۔ اسی قدر سخت پہرہ انسان کے نفس پر قائم رہیگا۔ اِنْ تَلْوٗۤا یعنی شہادت دی تو جائے لیکن بد دیانتی، خیانت اور ایچ پیچ کے ساتھ۔ تُعْرِضُوْا۔ یعنی سرے سے شہادت ہی نہ دی جائے۔ ٧٧٨ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت میں خطاب اُن لوگوں سے ہے جو کلمۂ اسلام پڑھ کر اجمالاً تو ایمان لاچکے ہیں اور اسی لئے لقب مومنین سے مشرف ہیں اور اُنہی کو تاکید ہو رہی ہے کہ تفصیل کے ساتھ ایمانیات کے ایک ایک جز پر اپنا عقیدہ مضبوط کریں۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی ذات و صفات پر اس کی اور توحید کے تضمنات پر بہ تفصیل ایمان لاؤ۔ وَرَسُوْلِهٖ۔ رسولؐ پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ اُس کی شریعت کے ہر ہر جز کو بے چون و چرا مان لیا جائے۔ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ مُراد یہاں جنس کتاب ہے یعنی اُن کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہوچکی ہیں المراد بہ جنس ما انزل علی الانبیاء قبلہ من الکتب (کشاف) نزلت فی جمیع المومنین والمعنی یا ایھا الذین صدقوا اقیموا علی تصدیقکم واثبتوا علیہ (قرطبی) یا ایھا الذین اٰمنوا بحسب الاستدلالات الجملیۃ اٰمنوا بحسب الدلائل التفصیلیۃ (کبیر) ٧٧٩ ان میں سے ہر ہر عقیدہ پر فرداً فرداً ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک عقیدہ سے بھی انکار دائرۂ اسلام سے خارج کردینے کیلئے کافی ہے۔ وَ یہاں چاروں جگہ اَوْ کے معنی میں ہے۔ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کی ذات سے انکار کی طرح اُسکی صفات سے بھی انکار داخل کفر ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ بجائے فرشتوں کے جاہلی قوموں کی طرح دیوتاؤں کو ماننا فرشتوں ہی سے کفر کی ایک شکل ہے۔ وَكُتُبِهٖ۔ جاہلی مشرک قومیں چونکہ عقیدۂ وحی سے محروم ہیں، اسلئے کتب آسمانی کی بھی قائل نہیں۔ وَرُسُلِهٖ بجائے پیمبروں کے اوتاروں یا خدا کے مظہروں کو ماننا رسُولوں سے کفر کرنا ہے۔ ای من یکفر بشیء من ذلک (بیضاوی۔ بحر۔ مدارک) لان الکفر ببعضہ کفر بکلہ۔ (مدارک)

۷۶۲ (اُسے ہر ایک کے لئے ایک مناسب سبیل نکال لینا کیا مشکل ہے) ۷۶۳ (سو اس مالک الملک اور ملک الملوک کی رضا جوئی کے بجائے کسی اور کی رضا طلبی کیسی شدید حماقت ہے۔ وہ زمین و آسمان کے سارے خزائن کا مالک ہے۔ اُسے دوسروں کو غنی بنا دیتے کیا دیر لگ سکتی ہے۔ ۷۶۴ (کہ یہی خوفِ خدا اور تقوائے الٰہی بنیاد ہی تمام احکامِ الٰہی کی تعمیل کی ہے اور اسے آسان اور خوشگوار بنا دینے والی بھی) انسان کی ساری زندگی کا سنگِ بنیاد یہی تقویٰ ہے اور اسلئے یہ عین مقتضائے حکمت ہے کہ قرآن مجید اس کی تاکید سے لبریز ہے۔ مسیحیوں کا دعویٰ ہے کہ اُنکے مذہب کی بنا خوفِ خدا پر نہیں، بلکہ محبتِ الٰہی پر ہے اور اُنکے پادری اسے بہت فخر سے پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ اُن کی انجیل ان تاکیدوں سے خالی نہیں مثلاً:- "اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کرسکتا ہے۔" (متی ۱۰: ۲۸) اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اُسی سے ڈرو" (لوقا ۱۲: ۵) رہی توریت تو اس کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ ۷۶۵ (سو ایسے کی ناشکری اور نافرمانی سے اُس کا کیا ضرر۔ ضرر تو خود تمہارا ہی ہے) اِنْ تَكْفُرُوْا۔ احکامِ الٰہی کی مخالفت ہی کا نام ناشکری ہے۔ ۷۶۶ مشرک جاہلی قوموں کے دیوی، دیوتا اپنی صفات میں ناقص اور اپنی ذات کے لحاظ سے محدود ہوتے ہیں، اُن کے پرستار اور پجاری جو منتروں سے جاپ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے انکے نقائص کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنی الوہیت و معبودیت کیلئے غذا حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید نے یہاں ان دو صفات کا ذکر کرکے ان خرافات کی تردید کردی۔ اللہ بذاتِ خود ہر طرح کامل و مکمل ہے۔ کسی کی عبادت سے اس کی تکمیل کا خیال ہی مہمل ہے اور اس کی صفات سب عالی و ستودہ ہیں نقص کا گزر نہیں۔ ۷۶۷ اس کی کارسازیٔ عالم کو ناکافی سمجھ کر کسی مخلوق کی طرف التفات کرنا اور اس سے کارسازی کی توقع رکھنا کیسی خرافت ہے) خلقت کائنات و تدبیر کائنات سب اُس کیلئے آسان ہیں۔ ۷۶۸ (اور جو کام اُسے لینے ہیں، وہ اسی نئی مخلوق سے لے) یہ بیان اُس کے کمال قدرت کا ہے۔ اٰخَرِيْنَ یعنی نوع انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نئی مخلوق۔ ای خلقا اٰخرین مکان الانس (بیضاوی) جوز الزمخشری وابن عطیۃ ومقلدوھما ان یکون المراد جنسا غیر جنس الناس (روح)

حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ
حکمت والا ہے ۷۶۲ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کی ملک ہے ۷۶۳
وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور ہم نے اُن لوگوں کو جنہیں تم سے قبل کتاب مل چکی ہے اور خود تمہیں بھی حکم
وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ
دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو ۷۶۴ اور اگر ناشکری کروگے تو (یاد رہے کہ) جو کچھ بھی آسمانوں
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ہی کی ملک ہے ۷۶۵ اور اللہ بڑا بے نیاز ہے
غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
ستودہ صفات ہے ۷۶۶ اور جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب)
الْأَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿١٣٢﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا
اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ۷۶۷ وہ اگر چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے
النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ
اور دوسروں کو لے آئے ۷۶۸ اور اللہ اس پر
قَدِيرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
قادر ہی ہے ۷۶۹ جو کوئی دنیا کا انعام چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾ ع
(دونوں) کا انعام موجود ہے ۷۷۰ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا دیکھنے والا ہے ۷۷۱

١٩ ع ٨ ١٦

۷۶۹ (سو اس قدرت کے باوجود وہ اگر ایسا نہیں کرتا اور تمہارے بجائے کسی جدید مخلوق کو وجود میں نہیں لا رہا ہے تو اس کا تمہارے ہی اوپر کمال احسان ہے کہ وہ اس طرح حصولِ اجر کا موقع دیے جا رہا ہے) كَانَ لانے سے مفہوم ماضی مقصود نہیں۔ بلکہ صفت قدرت کی ازلیت اور غیر متناہیت کا اثبات مقصود ہے۔ القدرۃ صفۃ ازلیۃ لا تتناھی مقدوراتہ کما لا تتناھی معلوماتہ والماضی والمستقبل فی صفاتہ بمعنی واحد (قرطبی) صیغۂ ماضی لانے میں نکتہ یہ ہے کہ صفت کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ ذات و صفات کو کوئی حادث نہ سمجھ لے۔ انما خص الماضی بالذکر لئلا یتوھم انہ یحدث فی ذاتہ وصفاتہ (قرطبی) ۷۷۰ (سو اس لازوال انعام ولذت کو چھوڑ کر صرف عارضی اور فانی لذتوں پر قناعت کر لینا کس درجہ بے دانشی اور عاقبت نااندیشی ہے) ۷۷۱ سو وہ سب کی دعاؤں کو، التجاؤں کو خوب سنتا رہتا ہے۔ خواہ وہ معاوضۂ دنیوی کے باب میں ہوں یا اجر اُخروی سے متعلق اور سب کی نیتوں کے اخلاص و عدم اخلاص کو دیکھتا رہتا ہے۔

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ

نیکی کروگے، سو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے ۷۵۲ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے

مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ

زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو اس میں اُن کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں

يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ

آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کرلیں ۷۵۳ صلح بہرحال بہتر ہے ۷۵۴ اور طبیعتوں میں تو بخل

الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

ہوتا ہی ہے ۷۵۵ اور اگر تم حُسنِ سلوک رکھو اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو جو کچھ تم کرتے ہو

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا

اللہ بیشک اس کی پوری خبر رکھتا ہے ۷۵۶ اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان

بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ

(پورا پورا) عدل کرو خواہ تم اسکی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو ۷۵۷ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک

فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

جاؤ ۷۵۸ اور اُسے اَدھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو ۷۵۹ اور اگر تم (اپنی) اصلاح کرلو اور تقویٰ اختیار کرو تو

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ

اللہ بے شک بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۷۶۰ اور اگر دونوں جُدا ہی ہو جائیں تو

اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اللہ ہر ایک کو اپنے فضل کی وسعت سے بے نیاز کر دیگا ۷۶۱ اور اللہ ہے ہی بڑا وسعت والا بڑا

۷۵۲ (اور اسی علم کامل کے مطابق جزائے خیر بھی دیگا) وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ۔ اسی عمل خیر میں یتیموں اور عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک و حسنِ معاشرت بھی آگیا۔ ۷۵۳ (بہ شرطیکہ شرائطِ صلح اصلاً جائز ہوں، حرام و ممنوع نہ ہوں) فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ صلح اگر کسی حرام شرط کے ساتھ مشروط ہوگی تو باطل ہوگی مثلاً شوہر نے صلح کی یہ شرط لگادی کہ وہ بیوی کے ساتھ اسکی بہن کو بھی زوجیت میں رکھے گا اور بیوی نے اسے منظور کرلیا، جب بھی چونکہ یہ ایک امر حرام ہے، اس لئے یہ مصالحت باطل رہیگی۔ صُلْحًا کی تنوین تنویع کے لئے ہے۔ یعنی ایک خاص قسم کی صلح۔ پوری صلح اگر طیب خاطر کے ساتھ ہوجائے تو پھر تو کسی شرط وغیرہ کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا۔ مثلاً اس طور پر کہ بیوی اپنے شوہر کو رضامند رکھنے کیلئے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ دے۔ اپنا مہر معاف کردے، یا اس میں کمی کردے، اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دیدے، اپنے مصارف کا بار ہلکا کردے وقس علیٰ ہذا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بیوی کے حق شوہر پر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ثابت و مستقل مثلاً رقم مہر۔ دوسرے وہ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں مثلاً نفقہ یا ہمبستری، صلح کے لئے عورت دستبرداری دونوں قسم کے حقوق سے کرسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ قسم اوّل کے حقوق میں نقضِ صلح کا اختیار نہ رہیگا یعنی جو چھوڑا، بس وہ ساقط ہوگیا۔ اور الساقط لایعود لیکن دوسرے قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار باقی رہیگا کہ وہ جب چاہے، کسی چھوڑے ہوئے حق کا مطالبہ از سرِنو کردے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔ بیوی کی طرف سے یہ دستبرداری بظاہر ایک صورت رشوت کی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس وہم کو دفع فرمایا ہے اور بتادیا ہے کہ نہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بالکل جائز و درست ہے۔ نُشُوْزًا۔ نشوز کے معنی پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ۔ بیوی کی طرف سے جو نشوز ہو اس کا علاج اُوپر بتایا جاچکا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جارہا ہے کہ نشوز اگر شوہر کی طرف سے ہو تو وہ بھی لاعلاج نہیں۔ اس کی بھی تدبیریں ہیں۔ خَافَتْ۔ خوف یہاں توقع کے معنیٰ میں ہے خافت یعنی توقعت (قرطبی) ۷۵۴ (ہر نزاع و افتراق سے، ہر فساد و عناد سے) من الفرقة اوسوء العشرة او من الخصومة (بیضاوی) نزاع و افتراق یوں بھی عقل و شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ خانگی زندگی میں اور میاں بیوی جیسے قریب ترین رشتوں کے درمیان!۔

۷۵۵۔ بیوی کے لئے ان الفاظ میں صاف ترغیب ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ ہی دے بلا سے تعلق زوجیت تو قائم ہے۔ تو شوہر جب دیکھیگا کہ اُس کے اپنے حقوق و حظوظ میں کچھ فرق نہیں آتا اور بیوی ہی اپنے بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑے دے رہی ہے تو عجب نہیں کہ مصالحت پر جلد تر آمادہ ہوجائے۔ الشُّحَّ۔ شُحّ ایسے بخل کو کہتے ہیں جسکے ساتھ حرص ملی ہوئی ہو۔ الشح بخل مع حرص (راغب) مراد یہ ہے کہ خود غرضی اور نفس کی آرام طلبی سے کوئی بھی فریق خالی نہیں۔ یہ اپنی راحت ڈھونڈتا ہے، وہ اپنی۔ ای کل واحد منهما يطلب ما فيه راحته (مدارک) ۷۵۶ (اور اس کی طرف سے وعدہ بر تقویٰ اور حسن سلوک پر اجر کا ہے) اسمیں در پردہ شوہروں کو نصیحت ہے کہ نفاق و افتراق تو خیر بہت دُور کی چیز ہے انہیں تو تقویٰ اور حُسنِ سلوک کی روش پر قائم رہ کر بیویوں سے کسی حق کی دستبرداری کی بھی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا۔ ذکر یہاں شوہروں کے نشوز و اعراض کا چل رہا ہے اسلئے یہ خطاب بھی شوہروں سے ہے۔ تُحْسِنُوْا۔ تو شوہر جب بیوی سے حُسن سلوک کا خوگر ہوجائیگا تو اس سے اس کی بھی توقع نہیں رکھیگا کہ وہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہوجائے۔ وَتَتَّقُوْا۔ اور جب تقویٰ اختیار کریگا تو نشوز و اعراض خود ہی کافور ہوجائینگے۔ خوب خیال کرکے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حُسنِ معاشرت زوجین کا ذکر آیا ہے، میاں بیوی میں سے کسی کو ادائے حقوق پر توجہ دلائی ہے، ایک جانب لفظ تقویٰ کا لایا گیا ہے اور اس خانگی حُسنِ معاشرت کو تقویٰ ہی کی ایک اہم فرد قرار دیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس سے بہتر اور مؤثر تر تدبیر کوئی اور ہے ہی نہیں۔ ۷۵۷ (سو یہ حد تمہارے اختیار سے باہر ہے اسلئے تم اس حد کے مکلّف بھی نہیں۔ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ برابری ہر چیز میں، یہاں تک کہ رغبت قلب اور امورِ غیر اختیاری میں بھی۔ شروع سورت میں جہاں چار تک کی تعداد ازدواج کی اجازت صراحت کے ساتھ مرحمت ہوئی تھی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ وہاں معنیٰ یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ انکے درمیان عدل رکھنا اور اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی پر قناعت رکھنا۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ اُس موقع پر عدل سے مراد محض عدل معاملات میں، عدل اُمور اختیاری میں، یعنی ہر بیوی کی ضروریات کا، مزاج و مذاق کا لحاظ رکھنا، برخلاف اسکے یہاں جس عدل کی نفی کی جارہی ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے عدل پر تم قادر ہی نہیں ہوسکتے چاہے لاکھ اس کی تمنا کرو۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ اس عدل سے مُراد ہے مساوات اُمور غیر اختیاری میں، کیفیات قلب میں، مثلاً محبت و رغبت میں اور ایسی مساوات کامل تو والدین تک عادۃً اپنی ساری اولاد کے درمیان نہیں رہ سکتے ——— لفظ عدل دونوں جگہ مشترک ہے، لیکن مفہوم الگ الگ ہے۔ اور اس اسلوب بیان کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اخبر تعالیٰ بنفی الاستطاعة فی العدل بین النسآء وذلك فی میل الطبع فی المحبة والجماع والحظ فی القلب (قرطبی) روی عن ابی عبيدة قال يعنی المودة وميل الطباع وكذلك روی عن ابن عباس والحسن وقتادة (جصاص) پس بعض جدید محرفین نے اس آیت سے یہ جو نکالنا چاہا ہے کہ قرآن مجید نے عدل بین الازواج کو ناممکن بنایا ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت صرف عدل کے ساتھ دی ہے تو اس طرح اُس اجازت کو ایک بار دے کر پھر واپس لے لیا ہے تو ایسے لوگوں نے نادانستہ سہی لیکن بہرحال قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اس کی جانب بے تکلف اس عیب کو منسوب کردیا ہے کہ وہ جس چیز کو روکنا چاہتا ہے اُسے براہ راست منع نہیں کردیتا بلکہ اس کے لئے خواہ مخواہ ایک پُرپیچ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ۷۵۸ (کہ مساواتِ کامل اور رغبتِ قلب کی بے اختیاری کو بہانہ کرکے بیوی کے ظاہری اور اپنے اختیار کے اندر والے حقوق بھی پامال کرنے لگو) قال مجاهد لا تتعمدوا الاساءة بل الزموا التسوية فی القسم والنفقة لان هذا مما يستطاع (قرطبی) ۷۵۹ (کہ وہ بیچاری نہ تو عام شوہر والیوں کی طرح اپنے حقوق سے مستفید ہوتی رہے۔ اور نہ طلاقنوں کی طرح اپنے کو آزاد و خود مختار پائے) فَتَذَرُوْهَا میں ضمیر مؤنث مظلوم بیوی کی جانب ہے۔ ای لاهی مطلقة ولا ذات زوج، قاله الحسن (قرطبی) التی ليست ذات بعل ولا مطلقة (بیضاوی) شریعت نے اس ادھر میں پڑی رہنے والی کی حالت کو بدترین قرار دیا ہے۔ شوہر کو چاہیئے کہ اپنے امکان بھر پوری کوشش حُسنِ معاشرت کی اور تعلق زوجیت کے حق کی کرے لیکن جب دیکھے کہ کوئی صورت اس میں کامیابی کی نہیں تو پھر صاف طور پر قاعدۂ شرعی کے مطابق طلاق دیدے۔ یہ ظالمانہ صورت بہرحال نہ اختیار کرے کہ عورت بظاہر سہاگن اور شوہردار ہو، لیکن حقیقۃً اپنے کسی حق سے بھی متمتع نہیں ہورہی ہے۔ ۷۶۰ (سو اس کے ہاں ماضی کی اصلاح حال کی احتیاط اور مستقبل کے عزم احتیاط کے بعد تمامتر مغفرت و رحمت ہی ہے) اَنْ تُصْلِحُوْا۔ یعنی اپنی پچھلی بدعنوانیوں کی اصلاح حسبِ قاعدۂ شرعی کرلو۔ وَتَتَّقُوْا۔ اس تقویٰ کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے۔ ۷۶۱ (ایک کو دُوسرے سے) یعنی اگر صلح و موافقت کی ہر تدبیر ناکام رہے اور نوبت بالآخر علیحدگی ہی کی آجائے تو زیادتی (نشوز) اور بے التفاتی (اعراض) کرنے والا فریق یہ سمجھے رہے کہ اللہ کسی کے کام کو کسی سے اٹکائے نہیں رکھتا۔ وہ بغیر کسی بندہ کی شرکت اور مدد کے ہر ایک کا کام چلادینے کے لئے کافی ہے۔

وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ

اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۷۴۳ اور دین میں اس سے بہتر کون ہے جو اپنا رخ

أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو۷۴۴ اور ابراہیم راست رو کے مذہب

حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي

کی پیروی کرے۷۴۵ اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا۷۴۶ اور اللہ ہی کی ملک ہے

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے

مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ

ہے۷۴۷ لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے اور تمہیں اُن

فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ

کے بارہ میں (وہی) فتویٰ دیتا ہے۷۴۸ وہ آیات بھی (جو تمہیں کتاب کے اندر ان یتیم عورتوں کے باب میں

اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن

پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جنہیں وہ نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے۷۴۹ اور اس سے بیزار ہو کہ

تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ

اُن سے نکاح کرو۷۵۰ اور جو آیات) کمزور بچوں کے (باب میں ہیں) اور (جو آیات اس باب میں ہیں) کہ

وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ

یتیموں کے معاملات میں انصاف برتو۷۵۱ اور تم جو کچھ بھی

18 ع ۱۱ ۱۵

منزل

۷۴۳ یعنی فرمانبرداری دل سے ہو، منافقانہ نہ ہو۔ موحد محسن بالقول والفعل (ابن عباس) متابعا للشريعة فيصو ظاهره بالمتابعة وباطنه بالاخلاص (ابن کثیر) أَسْلَمَ وَجْهَهُ یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی، اعمال میں بھی۔ ای اخلص دینه وعمله لله (ابن عباس) ۷۴۴ (کہ اسی ملّتِ ابراہیمی کا دوسرا نام دینِ اسلام ہے) ۷۴۵ توریت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا لقب خدا کا دوست آیا ہے:۔ "کیا تو ہمارا خدا نہیں جس نے اس سرزمین کے باشندوں کو اپنی گروہ اسرائیل کے آگے سے خارج کیا اور اسے اپنے دوست ابراہام کی نسل کو ہمیشہ کے لئے دیا" (۲۔ تواریخ ۲۰: ۷) "اے اسرائیل میرے بندے، اے یعقوب جسے میں نے پسند کیا، جو میرے دوست ابراہام کی نسل سے ہے" (یسعیاہ ۴۱: ۸) خَلِيلًا۔ خلۃ کہتے ہیں محبت خالص کو اور خلیل دوست خالص کو۔ الخلة هی المودة التی لیس فیها خلل ای محبة تامة لاخلل فيها (تاج) قال الزجاج الخليل هو المحب الذی لاخلل فی محبته (تاج) سمی خليلا لان الله احبه واصطفا (معالم) قال ثعلب انما سمی الخليل خليلا لان محبته تتخلل القلب فلاتدع فيه خللا الاملأته (قرطبی) خلت الٰہی سے مُراد ہے تقرب و مقبولیت کا اعلیٰ مقام۔ قرآن مجید نے ایک طرف تو ملّتِ ابراہیمی کی پیروی ضروری قرار دی اور دوسری طرف ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا۔ اس میں صاف اشارہ یہ نکل آیا کہ اسی ملّت کی پیروی سے آج بھی کوئی نہ کوئی درجہ خلت کا حاصل ہو سکتا ہے۔ ۷۴۶ (اپنے علم و قدرت سے) لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ میں بیان کیا گیا اللہ کے کمالِ قدرت و وسعتِ سلطنت کا اور كان الله بكل شئ محيطا میں بیان آگیا اس کے کمالِ علم کا۔ یعنی چھوٹی بڑی کوئی سی شے کائنات میں نہ اُس کی ملک و سلطنت سے باہر ہے اور نہ اسکے احاطۂ علم سے۔ مشرکین کو علی العموم انہی دو صفاتِ باری (صفتِ علم و صفتِ ملک و قدرت) میں ٹھوکر لگی ہے۔ اس لئے انہی صفات کا اثبات قرآن مجید بار بار کرتا ہے۔ ۷۴۷ یعنی انکے مہر، میراث وغیرہ کے باب میں، اُن کے حقوق و فرائض کے بارہ میں۔ ای يطلبون منك تبيين المشكل من الاحكام فی النسآء ومما يجب لهن وعليهن (روح) یہ سوال کرنے والے صحابی حضرات تھے۔ نزلت بسبب سوال قوم من الصحابة امر النساء واحكامهن فی الميراث وغير ذلك (قرطبی) آیت کے مضمون کا ربط سورت کی ابتدائی آیتوں کے مضمون سے ہے۔ هذه الأية مرجوع الى ما افتتحت به السورة من امر النساء (قرطبی) ۷۴۸ (جو پہلے مل چکا ہے) مثلاً یہ کہ عورتوں کو ترکہ سے محروم نہ رکھو۔ ایک بندھا ہوا حصّہ انہیں دو۔ جو یتیم عورتیں تمہاری پرورش میں ہیں اُن کا نکاح کہیں اچھی جگہ دیکھ کر کردو، اگر اپنے ہی سے کرتے ہو تو اُن کا مہر پُورا ادا کرو۔ وقس علیٰ ہذا۔ ۷۴۹ یعنی اُن کا مہر یا ترکہ میں اُن کا حصّہ۔ وقس علیٰ ہذا۔ مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ۔ یعنی وہ آیتیں جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں۔ اشارہ جاہلیت کے ظالمانہ دستوروں کی جانب ہے کہ مثلاً یتیم عورتوں کے ساتھ معاملہ یہ رکھتے ہو کہ اگر وہ صاحبِ مال اور صاحبِ جمال ہوئیں تو ان سے عقد تو کر لیتے ہو لیکن اُن کے جو حقوق مقرر ہیں، وہ انہیں ادا نہیں کرتے ہو۔ یتیموں کے حقوق اور عورتوں کے حقوق آج معمولی سی بات معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ تو آج ہے ظہورِ اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال بعد۔ باقی اگر ان احکام کی اہمیت کا پُورا اندازہ کرنا ہے تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب کی خصوصاً اور ہندوستان، ایران، چین، یورپ کُل دنیا کی عموماً کیا حالت حقوقِ نسواں کے باب میں تھی۔ ۷۵۰ یعنی چونکہ وہ صاحبِ جمال نہیں، اسلئے اپنے عقد میں انہیں لینے سے گریز کر رہے ہو، اور ساتھ ہی چونکہ صاحبِ مال ہیں۔ اسلئے دوسری جگہ بھی انہیں نکاح نہیں کرنے دیتے ہو کہ اس طرح مال اپنے ہاتھ سے چلا جائیگا۔ تَرْغَبُونَ کے ساتھ اس کا صلہ عن یہاں مذکور نہیں لیکن اکثر ائمۂ تفسیر نے مقدر مانا ہے اور اسی لئے تفسیر بیزاری سے کی ہے۔ اور خود عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ يعنی ترغبون عن نكاحهن (ابن عباس) ای ترغبون عنهن (ابن جریر عن الحسن) ای وترغبون عن ان تنكحوهن ثم حذفت عن (قرطبی) وحديث عائشة رض يقوى حذف عن (قرطبی) دُوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مقدر بجائے عن کے فی یا الی کو مانا جائے اور معنی یہ کئے جائیں کہ "تم رغبت تو اُن سے عقد کی رکھتے ہو اُن کے صاحبِ مال یا صاحبِ جمال ہونے کی بنا پر، لیکن اُن کے مہر پُورے نہیں دینا چاہتے ہو"۔ اکابر کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ قال سعيد بن جبير ومجاهد و يرغب فی نكاحها اذا كانت كثيرة المال (قرطبی) کشاف نے فی اور عن دونوں کے احتمالات نقل کر دیئے ہیں، اور کبیر میں ابو عبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ معنی رغبت اور بیزاری دونوں کے نکلتے ہیں۔ قال ابو عبيدة هذا يحتمل الرغبة والنفرة۔ لب لباب دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے یعنی عورتوں کے باب میں عدم ادائے حقوق۔ ۷۵۱ تقدیرِ کلام یُوں ہے:۔ يُفْتِيكُمْ فی يتامى النساء وفی المستضعفين وفی ان تقوموا (مدارک) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ ساری آیاتِ احکام جو پہلے گزر چکی ہیں، بدستور واجب العمل ہیں۔ ان احکام میں کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوئی ہے یتیموں کی حق رسی، یتیم لڑکوں کے ساتھ حُسنِ سلوک، عورتوں کی مردوں کے ساتھ میں وجہ مساوات وغیرہ کے باب میں آیاتِ ذیل پہلے گزر چکی ہیں۔ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ الخ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا الخ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا۔

۵۳۸ شیطان کا دوست بنا یہی ہے کہ احکامِ شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ طور طریقوں کو اختیار کیا جائے اور مخلوق کے چلائے ہوئے رسم و رواج کو دلیلِ راہ بنا لیا جائے۔
۵۳۹ چنانچہ ان وعدوں کی بے حقیقتی اکثر تو اسی دنیا میں روشن ہو کر رہتی ہے ورنہ موت کے وقت تو بہر صورت کھلتی ہی ہے۔ یَعِدُھُمْ شیطانی وعدے مثلاً یہ کہ حشر نشر، حساب کتاب کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے یہی مادی دنیا ہے۔ عقلِ جزوی ہی سب سے بڑا معیار اور آخری معیار ہے۔ وحیِ الٰہی محض وہم ہے۔ مادہ کی قوتیں، اور قوانین ہی سب کچھ ہیں۔ اُن کے اوپر کوئی مشیتِ اعلیٰ حاکم نہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ یُمَنِّیْھِمْ شیطانی جذبات مثلاً یہ کہ فحش کاری میں کوئی عیب و ہرج نہیں۔

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ
کھلے ہوئے نقصان میں رہے گا ۵۳۸ (شیطان) اُن سے وعدے ہی کرتا اور ہوسیں ہی دلاتا رہتا ہے

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يَجِدُوْنَ
اور شیطان ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے ۵۳۹ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ لوگ

عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل نیک کئے ہم انہیں

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
عنقریب (بہشت کے) باغوں میں داخل کریں گے کہ اُن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی اُن میں ہمیشہ ہمیش

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ
کو رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا

قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ
ہے ۵۴۰ نہ تمہاری تمناؤں پر ہے نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں پر (بلکہ) جو کوئی بھی

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
برائی کرے گا اُسے اس کا بدلہ دیا جائے گا ۵۴۱ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی دوست

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ
پائے گا نہ مددگار اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل ہوں گے ۵۴۲

شراب صحت کے لئے ضروری ہے۔ قانونِ حجاب ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ ۵۴۰ دائمی راحت کی زندگی صرف قرآن اور شریعت کے اتباع سے ممکن ہے۔ ۵۴۱ (اس برائی کے تناسب اور اس شخص کے مناسبِ حال) یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ مدارِ کار طاعت ہے محض آرزوئیں اور خوش خیالیاں لاشے محض ہیں خواہ وہ کسی کی بھی ہوں۔ سُوْۗءًا کے معنی یہاں شرک کے بھی کئے گئے ہیں لیکن جمہور مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے قال الجمهور لفظ الاٰیة عام و الکافر والمؤمن مجاز بعمله السوء (رازی)۔ ۵۴۲ (کہ اُن کی کوئی نیکی لکھنے سے جزءً یا کلاً رہ جائے) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان کی قید بہت ضروری ہے۔ ہر عمل کے واقعۃً صالح ہونے کیلئے لازم ہے کہ محرک عمل بھی صحیح ہو۔ ریا، نمائش یا وہم پرستی مقصود نہ ہو۔ اسی اخلاصِ نیت کا نام اصطلاحِ شریعت میں ایمان ہے۔ اور بغیر اخلاصِ نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں اسکے بغیر عمل صالح صرف نمونۃً ہی صالح ہوگا حقیقت صالحیت سے خالی ——— یہیں سے اس بحث کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے جو بعض سطحی دماغ والوں نے آج کل پیدا کر رکھی ہے یعنی آیا کافروں کے اعمالِ صالحہ قبول ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ بغیر اخلاصِ نیت یا ایمان کے کسی عمل پر عملِ صالح کا اطلاق ہی درست نہیں، تو اس کے اجر کا کیا سوال ہے۔ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ کے بعد وَهُوَ مُؤْمِنٌ کے اضافہ نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ ایمان اور عملِ صالح دو الگ الگ چیزیں ہیں، باہم مرادف نہیں۔ فيه اشارة الى ان الاعمال ليست من الايمان (مدارک)۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس میں تردید آ گئی ان تمام جاہلی مذہبوں کی جو حسنِ عمل کے باوجود عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر ثمرۂ حسنِ عمل سے محروم ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ اسلام میں عورت کو اُس کی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر سے محروم نہیں کیا ہے۔ نَقِيْرًا پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔

٧٢٩ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی ! اسے صاف کردیا کہ آیت میں بیان مُرتدوں کے خصائل رذیلہ کا ہو رہا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی یعنی ہم اُسے اسی طریق پر چھوڑے رکھتے ہیں اپنے قانون مشیتِ تکوینی کے موافق۔ مقصود یہ ہے کہ جبر و اکراہ سے کسی کو راہِ حق کے قبول کرنے اور ماننے پر مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ وضوحِ حق کے بعد جو بدبخت اپنی کجروی پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ اسی پر اُسے قائم رہنے دیا جاتا ہے۔ وَمَنۡ یَّتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ - اس اتباع کا تعلق اُمورِ دین سے ہے۔ یَتَّبِعۡ .... جَهَنَّمَ - آیت کے اس جزء سے فقہاء کو ایک بہت بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ اور اس کو انہوں نے اجماع اُمّت کے حُجّتِ شرعی ہونے کا مبنیٰ قرار دیا ہے۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ طریق مومنین سے الگ ہونا جب حرام اور مستحق جہنم ٹھیرا تو لازمی ہو کہ اس کا عکس یعنی اتباع طریقِ مومنین واجب ہو۔ اور اس کی مخالفت بھی کتاب و سنت کی مخالفت کے بعد ناجائز ٹھہرے اور یہاں قرآن مجید نے عدمِ اتباع طریقِ مومنین کو مخالفتِ رسولؐ کے ساتھ جمع کرکے فرمایا ہے۔ هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لا تجوز مخالفة الكتاب والسنة لان الله تعالىٰ جمع بين اتباع غير سبيل المومنين وبين مشاقة الرسول في الشرط وجعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجبا كموالاة الرسول (مدارک) وقرن اتباع غير سبيل المومنين الى مباينة الرسول في ما ذكره من الوعيد فدل على صحة اجماع الامة لالحاقه الوعيد بمن اتبع غير سبيلهم (جصاص) وتقرير الاستدلال ان اتباع غير سبيل المومنين حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المومنين واجبا (کبیر) وهو من احسن الاستنباطات واقواها (ابن کثیر) ٧٣٠ (ایسا کہ اب حق کی طرف اُس کی مراجعت ممکن نہیں) اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ - مَنۡ یُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ - شرک ضد ہے توحید کی۔ اور جس طرح توحید اصل اصُول ہے تمام ممکن بھلائیوں اور نیکیوں کی، اسی طرح شرک اصلی بنیاد ہے ساری شرانگیزیوں اور برائیوں کی اس لئے اور کسی معصیت پر شرک کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ راہرو کا رُخ اگر منزلِ مقصود کی طرف ہو تو گرتا پڑتا، وقت ضائع کرتا کبھی نہ کبھی منزل تک پہنچ ہی جائیگا۔ لیکن اگر رُخ ہی غلط ہے تو ظاہر ہے کہ ہر قدم اُسے منزل سے دُور تر ہی کرتا رہیگا اور قیامت تک بھی اگر چلتا رہے تو منزل تک نہ پہنچ سکے گا۔ مشرک قبول رحمت کی ساری صلاحیتوں و استعدادوں ہی کو سوخت کر دیتا ہے اسلئے وہ آخرت کی کسی نعمت، کسی لذّت، کسی راحت کے قابل ہی نہیں رہ جاتا۔ ملاحظہ ہوں اس سورت کی آیت ۴۹ کے حاشیہ ۱۵۵ آیت میں خوارج کے اس عقیدہ کا بھی رَدّ آگیا کہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ فيه رد على الخوارج حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة كافر (قرطبی)

وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ
اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا ہم اُسے کرنے دینگے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر
جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا (١١٥) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ
ہم اُسے جہنم میں جھونکیں گے ۷۲۹ اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے
يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ
ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے سوا اور گناہوں کی بخشش دیگا جس کیلئے منظور ہوگا اور جو کوئی اللہ کے
يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا (١١٦) اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ
ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً بڑی دُور کی گمراہی میں پڑ گیا ۷۳۰ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں
مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا (١١٧)
تو بس زنانی چیزوں کو ۷۳۱ اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں تو بس شیطان سرکش کو ۷۳۲ اُس پر
لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا
لعنت کی ہے اللہ نے ۷۳۳ اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں اپنا مقرر حصّہ لے کر
مَّفۡرُوۡضًا (١١٨) وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ
رہوں گا ۷۳۴ اور میں انہیں گمراہ کرکے رہونگا اور ان میں ہوس پیدا کرکے رہونگا ۷۳۵ چنانچہ وہ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ
چوپایوں کے کانوں کو تراشیں گے ۷۳۶ اور انہیں حکم دُونگا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی
اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ
کرینگے ۷۳۷ اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ یقیناً

ع ٣ ١٧ ١٤

وقف لازم

منزل

٧٣١ مشرک قوموں کی دیومالا (میتالوجی) میں ہمیشہ دیویوں دیوتاؤں کی ایک بڑی اور اہم تعداد رہی ہے۔ ہندوؤں میں دُرگا دیوی، کالی مائی، لکشمی جی، سرستی دیوی کے نام ایک ایک کی زبان پر ہیں عربِ جاہلی میں یہ دیوی پرستی اور زیادہ زور کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی جاہلی معبودوں کے سلسلہ میں صراحت جن ناموں کی آئی ہے وہ دیویوں ہی کے ہیں یعنی لات، منات اور عزّیٰ، ملاحظہ حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اِنٰثًا - لغت میں اس کے ایک معنی دیوی، کمزور اور ضعیف العمل چیزوں کے بھی آتے ہیں۔ قيل لما يضعف عمله انثى (راغب) پھر چونکہ جمادات تمامتر انفعالیت کے مظہر ہوتے ہیں اور پتھر کے بُت یا مورتیاں انہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں نہ جان ہوتی ہے اور نہ کوئی قوتِ فاعلی۔ اسلئے لغت نے لفظ اناث کا مجازی استعمال ان کے لئے بھی جائز رکھا ہے۔ لما كانت معبوداتهم من جملة الجمادات التي هي منفعلة غير فاعلة سماها الله تعالىٰ انثى (راغب) من كل شيء اخسه (ابن جریر) چنانچہ اکابر تفسیر میں سے بھی بہت سے اسی طرف گئے ہیں۔ اي اصناما بلا روح (ابن عباسؓ) ميتا لا روح فيه (ابن جریر عن قتادة) ٧٣٢ یہ مشرکوں کی حماقت کو واضح کیا ہے کہ ان بتوں اور دیویوں کو پکارنا عین شیطان کو پکارنا ہے۔ ٧٣٣ (اور لعنت کی باعث اُس کی یہی سرکشی اور بے حکمی ہوئی ہے) ٧٣٤ یہ بنی آدم کو وضاحت سے بتا دیا ہے کہ شیطان تو اُن کا بُرا نا دشمن اور بدخواہ ہے۔ لَاَتَّخِذَنَّ ...... نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا - یعنی اپنی راہ پر لگا کر رہونگا۔ ٧٣٥ یعنی اُن کے عقائد اور بنیادی خیالات کو بھی ڈگمگا دُونگا۔ اور انکے نفسانی جذبات اور خواہشات کو بھی اُبھار دونگا۔ گمراہیاں دو ہی طریقوں سے آسکتی ہیں اور انسان شیطانی اثر دو ہی شکلوں سے قبول کر سکتا ہے۔ ایک عقل و فکر کی راہ ہے۔ دوسرے جذبات اور احساسات کا راستہ ہے۔ قرآن مجید کے دو جامع لفظوں نے ان سب کا احاطہ کر لیا۔ ضلال کے تحت میں ہر قسم کی عقلی، فکری، نظری گمراہیاں آگئیں اور تمنّی کے تحت میں معاصی و فواحش کی جانب میلان اور نظر سے ان کی مضرتوں کا غائب ہو جانا آگیا۔ ٧٣٦ (بتوں کے نام پر) عرب جاہلیت کے ایک خاص دستور کی طرف اشارہ ہے۔ کان کے پیچھے جو غدود ہوتے ہیں، وہ غدود بندروں کے کاٹ کاٹ کر انسان کے جسم میں ان کی تعلیم کی ہوا جو اس زمانہ میں چلنی شروع ہوئی ہے۔ اور عجب نہیں کہ کل بندروں سے گزر کر دوسرے جانوروں اور چوپایوں تک پہنچ جائے۔ ادھر اگر فاطر کائنات کے کلام میں اشارہ ہے تو کچھ عجب نہیں۔ ٧٣٧ تغییر خلق اللہ کی دو بڑی تقسیمیں ہو سکتی ہیں: ایک خلق تکوینی میں تغییر، دوسرے خلق تشریعی میں تغییر۔ قدیم مفسّرین نے تغییر خلق تکوینی کی مثال میں داڑھی منڈانے اور جسم گدانے کو پیش کیا ہے۔ لیکن جاہلیت جدید کی ترقیوں نے ان سے کہیں بڑھ بڑھ کر مثالیں نہ صرف ایجاد کرلی ہیں بلکہ انہیں پھیلا کر فیشن میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً مردوں کا چہرہ کے بال بالکل صاف کرکے اور طرح طرح کی نزاکتیں اختیار کرکے زیادہ سے زیادہ حد تک عورت بن جانا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع و لباس اختیار کرکے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا، ایسے اپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے یعنی عورت مرد بن جائے اور مرد عورت ہو جائے۔ وقس علی ہذا۔ خلق تشریعی میں تغییر کے معنیٰ دین اور احکام دین تحریف کر دینا ہے۔ قيل معناه بغيرون حكمه (راغب) ابن جریر نے خلق اللہ کے معنیٰ دین اللہ کے ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد تابعی اور عکرمہ تابعی سے نقل کئے ہیں اور دوسروں نے بھی یہی معنیٰ لئے ہیں۔ اي دينه بالكفر واحلال ما حرم وتحريم ما احل (ابن جریر) قال معناه ابن عباس وعن عكرمة وابو صالح وذلك كله تعذيب للحيوان وتحريم وتحليل بالطغيان وقول بغير حجة ولا برهان (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آفتاب پرستی، آتش پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی وغیرہ سب اس تغییر خلق اللہ کی صورتیں ہیں کہ مشرک ان سے وہ کام لے رہا ہے جس کے لئے ان کی خلقت ہوئی ہی نہ تھی۔ (قرطبی)

ع ۸ / ۱۲

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ
بڑا بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لے لیا ۵۲۳ اور اگر آپ پر اللہ کا فضل (خاص) اور رحمت
رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا
نہ ہوتی تو اُن میں سے ایک گروہ نے تو تہیہ ہی کر لیا تھا کہ آپ کو بھٹکا کر رہیں گے حالانکہ یہ لوگ
يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ
اپنے ہی آپ کو بھٹکا کر رہتے ہیں اور آپ کو کسی چیز میں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۵۲۴
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ
اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو
تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ
آپ نہیں جانتے تھے ۵۲۵ اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ۵۲۶ سرگوشیاں بہت سی
فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ
ایسی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے یا کسی
مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ
اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی ۵۲۷ اور جو کوئی
ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾
اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا ۵۲۸ سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم دیں گے
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى
اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر (راہ) ہدایت کھل چکی رسولؐ کی مخالفت کرے گا

النصف

۵۲۳ (اور اپنے جرم کو کئی گنا بڑھا دیا) توبہ نہ کرنا اپنی جگہ پر نادم و منفعل نہ ہونا، تلافی و کفارہ اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا یہ جرائم بجائے خود ؟ کیا کم ہیں۔ چہ جائیکہ اپنا گناہ اُلٹا کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا جائے۔ قرآنی اخلاقیات میں یہ جُرم ضمیر و اخلاق کی انتہائی پستی کا نمونہ ہے اور اس لئے لازمی طور پر اس پر گرفت بھی سخت رکھی گئی ہے۔ خَطِیْٓـَٔةً۔ وہ چھوٹا گناہ ہے جس میں تعمد و تعمد لازمی نہیں یا وہ گناہ ہے جو صرف خدا اور بندہ کے درمیان ہو۔ الخطیئة قد تکون من قبل العمد وغیر العمد (ابن جریر) ای صغیرۃ او ما لا اثم فیہ من الذنوب (مع) ذنب بینہ وبین ربہ (مدارک) اِثْمًا۔ وہ بڑا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی طور پر ہو۔ یا جو بندوں کا گناہ ہو۔ الاثم لا یکون الا من العمد (ابن جریر) او کبیرۃ او ما لا یکون من العمد (مع) ذنب فی مظالم العباد (مدارک) ۵۲۴ یعنی اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہونا تو اُن کے لئے ممکن نہیں۔ البتہ اس سعی سے اپنے ہی کو مستحق عقوبت بنا رہے ہیں۔ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ۔ اللہ کا فضل و کرم تو آپؐ پر عموماً اور ہر حال میں تھا لیکن اس خاص قضیہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ظہور رہا۔ اَنْ يُّضِلُّوْكَ۔ یعنی آپ کو غلطی اور دھوکے میں مبتلا کر کے آپ سے غلط فیصلہ حاصل کر لیں۔ ان یخطؤک عن الحکم (ابن عباسؓ) ای بان یضلوک عن القضاء بالحق (روح) ۵۲۵ (احکام دین و قضایا کے باب میں) یعنی شیطان اور اس کے چیلوں (منافقین) کو یہ قوت نہیں دی گئی ہے کہ وہ (آپؐ کو دین کے کسی شعبہ میں کچھ بھی مغالطہ میں ڈال سکیں۔ ۵۲۶ یہ کتاب کا نزول، حکمت کا نزول، علوم خاصہ کی تعلیم یہ سب اسی فضلِ عظیم کے شواہد ہیں اور اللہ کا فضل جس پر عظیم ہو اس پر کس کا قابو چل سکتا ہے؟ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ۔ اور اس کتاب ہی کے ذریعہ سے منافقین کی معاندانہ روش کا پردہ بھی چاک کیا گیا۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی جو علوم عالیہ آپ پر قبل نبوت و نزول قرآن منکشف نہ تھے۔ اب سب منکشف ہو گئے۔

۵۲۷ (اور ان اغراض کے لئے خفیہ گفتگو اور سرگوشی کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں البتہ کوئی ہرج نہیں، بلکہ ایسے موقع پر خیر و برکت ہوگی) نَجْوٰىهُمْ میں ضمیر ھم مطلق انسان کی جانب ہے۔ ای نجوی الناس جمیعا (ابن جریر) یعنی کلام الناس (ابن کثیر) المراد لا خیر فی ما یتناجی فیہ ۵۲۸ (نہ کہ اپنے ذاتی دنیوی اغراض کے لئے) اخلاص نیت اور حصول رضاء الٰہی کی شرط ہر اہم موقع کے لئے یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔

مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
جو بڑا خائن اور گنہگار ہو ۷۱۹ یہ لوگ آدمیوں سے شرماتے ہیں اور
يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى
اللہ سے نہیں شرماتے درآنحالیکہ وہ اُن کے ساتھ اُس وقت بھی رہتا ہے جب وہ
مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾ هٰٓاَنْتُمْ
رات میں اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اُسے پسند نہیں، اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اُس کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۷۱۹
هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ
تم لوگوں نے دنیوی زندگی میں تو اُن کی طرف سے وکالت کر لی لیکن قیامت کے دن اُنکی
اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿١٠٩﴾
طرف سے اللہ کے سامنے کون وکالت کرے گا یا کون ان کا کام بنانے والا ہوگا ۷۲۰
وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ
اور جو کوئی بھی بُرائی کرے یا اپنی جان پر زیادتی کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے
يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا
تو وہ اللہ کو بڑا مغفرت والا بڑی رحمت والا پائیگا ۷۲۱ اور جو کوئی کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا
يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ
ارتکاب اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۷۲۲ اور جو کوئی
يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ
کسی قصور یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اسکی تہمت کسی بیگناہ پر لگادے تو درحقیقت اُس نے ایک

۷۱۹ (اُس کے احاطۂ علم سے کون سی کارروائی مخفی سے مخفی بھی باہر رہ سکتی ہے؟) اس حقیقت کا استحضار ہر جُرم، ہر معصیت سے باز رکھنے کو کافی ہے۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی خلق کے سامنے ذلّت و رسوائی سے شرماتے ہیں۔ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے حضور میں بطور مجرم پیش ہونے سے نہیں شرماتے ہیں۔ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ ..... الْقَوْلِ۔ اشارہ ہے اس طرف کہ اس خاص معاملہ میں رات کو باہم رازدارانہ مشورہ ہُوا تھا کہ صبح کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں گفتگو اس طریقہ پر کی جائے گی۔ وَهُوَ مَعَهُمْ۔ معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، وغیرہ نے اس قسم کی آیتوں سے حق تعالیٰ کی معیت مکانی پر استدلال کیا ہے۔ قال الجهمية والقدرية والمعتزلة هو بكل مكان تمسكا بهذه الاية وما كان مثلها (قرطبی) لیکن اہلِ سنّت اسے شانِ تنزیہی کے منافی سمجھتے ہیں اور انہوں نے مُراد صرف معیّتِ علمی لی ہے۔ اى بالعلم والرؤية والسمع هذا قول اهل السنة (قرطبی)۔ يريد بالعلم والقدرة والرؤية (کبیر)

۷۲۰ اس حقیقتِ کُبریٰ کو یاد دلایا ہے کہ اصل شَے اور جوابدہی تو عدالتِ آخرت ہی کی ہے۔ یہاں کسی طرح اگر بات بنا بھی لی گئی تو کیا ہوتا ہے، مومن کے لئے اصل خوف کی چیز تو وہی آخرت کی عدالت ہے جہاں کسی قسم کی بھی تلبیس کی گنجائش نہیں۔ هٰٓاَنْتُمْ۔ خطاب ہے مجرم کی برادری اور محلہ والوں کی طرف جنہوں نے سازش کرکے مجرم کی پُشت پناہی کی تھی۔

۷۲۱ اُوپر کی وعیدی و انذاری آیتوں کے بعد گنہگاروں اور کمزور ایمان والوں کے لئے یہ کیسی حکیمانہ اور مناسب حال دلدہی ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا۔ متعدی بُرائی مراد ہے یعنی کسی دُوسرے کے ساتھ برائی کی جائے مثلاً ظلم، دغا، سُود خواری، رشوت ستانی وغیرہا۔ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ۔ وہ برائی جو خود اپنے ہی حق میں کی جائے۔ مثلاً ترک نماز، شراب خواری وغیرہا۔ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔ یہ استغفار قواعد شرعی کے مطابق ہونا چاہیئے۔

۷۲۲ علیم کُل ہونے کی حیثیت سے وہ سب کے چھوٹے بڑے گناہوں سے باخبر ہے۔ حکیم ہونے کے اعتبار سے وہ جزا و سزا سب کے مناسب حال ہی تجویز کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ یعنی گناہ کا ضرر و وبال خود اسی کو بھگتنا ہوگا۔ اسلئے توبہ و استغفار، تدارک، و تلافی لازمی ہے۔

وَّعَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ

اور لیٹے ۷۰۸ اور پھر جب تمہیں اطمینان حاصل ہوجائے تو نماز کی اقامت کرو ۷۰۹

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾

بیشک نماز تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے ۷۱۰

وَلَا تَہِنُوۡا فِی ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ ؕ اِنۡ تَکُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ

اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو ۷۱۱ اگر تمہیں دکھ پہنچا تو وہ بھی تو

فَاِنَّہُمۡ یَاۡلَمُوۡنَ کَمَا تَاۡلَمُوۡنَ ۚ وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ مَا

دکھ اٹھائے ہوئے ہیں، جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید لگائے ہوئے

۱۵ ع ۱۲

لَا یَرۡجُوۡنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ

ہو جو وہ نہیں رکھتے ۷۱۲ اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ۷۱۳ یقیناً ہم نے

اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ

آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اس کے مطابق کریں جو اللہ نے

اللّٰہُ ؕ وَلَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسۡتَغۡفِرِ

آپ کو سمجھا دیا ہے ۷۱۴ اور (ان) خائنوں کے طرفدار نہ ہوجائیے ۷۱۵ اور آپ اس سے مغفرت

اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۰۶﴾ۚ وَلَا تُجَادِلۡ

چاہیئے، بیشک اللہ بڑا ہی مغفرت والا ہے بڑا ہی رحیم ہے ۷۱۶ اور ان لوگوں کی طرف سے

عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ

وکالت نہ کیجیے جو اپنے حق میں خیانت کرتے رہتے ہیں ۷۱۷ اللہ کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتا

۷۰۸ (غرض ہر صورت حال کے مناسب) علی ای حال کنتم (قرطبی) عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ کے لفظی معنی ہیں، اپنے پہلوؤں پر۔ یا اپنی کروٹوں پر، اردو محاورہ میں مراد لیٹنے سے ہے۔ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تخفیف نماز میں تو یہ ہوگئی۔ باقی ذکر الٰہی میں کوئی تخفیف نہیں۔ اور اسی لئے ہے۔ یہاں تک کہ عین قتال کے وقت بھی ذکر الٰہی دل سے تو جاری ہی رہ سکتا ہے محققین نے کہا ہے کہ احکام شریعت کا اتباع بجائے خود ذکر الٰہی ہے۔ فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ۔ الصلوٰۃ سے یہاں مراد وہی نماز خوف ہے جس کی ایک ہیئت مخصوص ہے عام نمازی ہیئت سے ہٹی ہوئی۔ اس نماز کے لئے لفظ قضیتم ارشاد فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ بظاہر ناکمل، ناتمام نماز بھی عنداللہ ادا ہو جاتی ہے۔ ۷۰۹ (اصلی قاعدہ کے مطابق اور پورے شرائط کے ساتھ) اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ۔ صلوٰۃ اصلی کے لئے یہاں لفظ اقامت استعمال کرنا اس کی دلیل ہے کہ اقامت صلوٰۃ سے مراد نماز کا اس کے جملہ شرائط ہی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ یعنی سفر اور خوف کی حالتیں ختم ہوجائیں۔ ۷۱۰ یہاں نماز کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ علاوہ فرض ہونے (کتابًا) کے، پابندیٔ وقت کے لحاظ سے فرض ہے۔ مَوۡقُوۡتًا۔ اس لئے سوا حالت معذوری کے، اسے وقت سے ہٹا دینا جائز نہ ہوگا۔ موقوتًا ای عدد والاوقات لایجوز اخراجہا من اوقاتہا فی شیٔ من الاحوال (مدح) مفسر تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ فرض ہونے کی وجہ سے اس کا ادا کرنا ضرور ہے اور موقت ہونے کی وجہ سے وقت پر ہی ادا کرنا ضرور۔ اسلئے مخصوص حالات میں اس کی ہیئت کچھ کچھ تبدیل کردی گئی تھی۔ جب وہ عارض دور ہوگیا تو اس کی اصل ہیئت واجب الحفظ ہوگئی۔ ۷۱۱ (جب تعاقب کی ضرورت آپڑے) روایتوں میں آتا ہے کہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کا ذکر غزوۂ احد کے سلسلہ میں سورۂ آل عمران رکوع ۱۸ میں آچکا ہے۔ آیت الذین استجابوا للہ والرسول کے ماتحت۔ ۷۱۲ یعنی اجر آخرت کی۔ جس کے مقابل کوئی چیز منکروں کے پاس نہیں۔ تو قوت قلب کے لحاظ سے تم ان سے کہیں بڑھے چڑھے ہے۔ دنیوی فتحمندیوں اور کامیابیوں کی پیش گوئیاں بھی اس کے تحت میں آسکتی ہیں۔ ۷۱۳ چنانچہ علیم کل ہونے کی بنا پر اس پر اعداء دین کا ضعف جسم ضعف قلب خوب روشن ہے اور حکیم مطلق ہونے کی بنا پر اس نے تمہاری قوت تحمل سے زیادہ تمہیں کوئی حکم نہیں دیا۔ ۷۱۴ (اسی قرآن کے ذریعہ سے) اَرٰىکَ۔ یہاں بتادیا، سمجھادیا، سکھادیا کے مفہوم میں ہے۔ بما اراک اللہ ای بما علمک (راغب) بما علمک اللہ فی القراٰن (ابن عباسؓ) بِالۡحَقِّ۔ یعنی قانون عدل کے مطابق۔ آیت اس باب میں صریح ہے کہ فیصلہ جو کچھ بھی کئے جائیں قرآن ہی کے مطابق و ماتحت کئے جائیں نہ کہ اپنے ہوائے نفس کے موافق یا کسی انسانی دماغ کے گڑھے ہوئے آئین و دستور کے ماتحت آیت کا پس منظر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنو ابیرق کے ایک گھرانے میں تین بھائی بشیر، بشر اور مبشر مسلمان تھے اور ان کا ایک بھائی بشیر منافق تھا۔ ایک مرتبہ چور حضرت رفاعہ بن زید انصاریؓ کے گھر میں نقب لگا کر ان کے ہتھیار اور میدے کی ایک بوری لے گئے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ بشیر منافق اور اس کے بدمعاش ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے اپنے برادر زادہ جناب قتادہ بن نعمان سے کہا کہ تم آستانِ نبوت میں جاکر واقعہ بیان کرو تو عجب نہیں کہ ہمارا مال مل جائے۔ انہوں نے جاکر سارا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ جب بشیر کے اقرباء نے سنا کہ نبی علیہ السلام کے پاس استغاثہ ہوا تو وہ آکر کہنے لگے یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا رفاعہ ہمارے آدمی پر جو مسلمان ہوچکا ہے ناحق چوری کی تہمت لگاتے ہیں! اس کے بعد قتادہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا تم ایسے شخص پر بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگاتے ہو جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوچکا ہے؟ یہ سن کر قتادہؓ کے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میں نے آپ سے چوری کی شکایت نہ کی ہوتی، تھوڑی دیر گزری تھی کہ خالق کردگار نے اپنے رسولؐ پاک پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن) ۷۱۵ خائنوں سے بنو ابیرق مراد ہیں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو بنو ابیرق نے بشیر اور اس کے ساتھیوں کو مجبور کرکے چوری کا مال برآمد کرلیا اور تمام اسلحہ نبی (صلعم) کے پاس بھجوادیئے بشیر نفاق کا لباس فریب اتار کر علانیہ مشرکوں سے جاملا۔ (ترمذی) ۷۱۶ یہ استغفار کا حکم رسولؐ کو کس کیلئے مل رہا ہے؟ اپنے حق میں یا امت کے حق میں۔ بظاہر یہ حکم استغفار ان لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جو برادری کے خیال سے اس مجرم منافق کے حق میں ساعی اور سفارشی تھے اور قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی مثالیں اور جگہوں پر بھی ملتی ہیں۔ مثلاً یایہا النبی اتق اللہ یا وان کنت فی شک وغیرہا۔ چنانچہ اہل تفسیر کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ قیل الخطاب للنبی صلعم المراد بنو ابیرق (قرطبی) والمعنی استغفر اللہ للمذنبین من امتک والمتخاصمین بالباطل (قرطبی) یحتمل ان یکون المراد واستغفروا اللہ لاولٓئک الذین یذبون عن طعمۃ ویریدون ان یظہروا براءتہ عن السرقۃ (کبیر) لیکن اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اے پیمبر آپ اپنے حق میں مغفرت طلب کیجیے تو اس سے اشارہ آپ کے صرف اس میلانِ طبع کی جانب ہے کہ آپ نے بنو ابیرق کی شکایت پر حضرت قتادہ بن نعمانؓ سے اظہار ناراضی فرمایا۔ یہ میلانِ طبع ظاہر ہے کہ معصیت کبیرہ کیا معنی صغیرہ کا بھی درجہ نہیں رکھتا لیکن پیمبر تقویٰ اور طہارتِ قلب کے جس بلند ترین مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس قدر ارادہ اور میلان طبع بھی قابلِ استغفار قرار پایا۔ ۷۱۷ (یہ ہدایت آیندہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ اب تک بھی آپ نے پیش کیا ہے) ۷۱۸ خوان اور اثیم کے لانے سے یہ مقصود نہیں کہ جو کم درجہ کے خائن اور گنہ گار ہیں وہ اللہ کی نظر میں غیر محبوب نہیں۔ بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ منافق کی برادری کے جن لوگوں نے اسے مجرم جان کر بھی خواہ مخواہ حق پوشی اور باطل کوشی کی، وہ خائن اور گنہ گار بڑے درجہ کے تھے۔ اَلَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ۔ خیانت کا ضرر و وبال بالآخر خود خائن ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اس لئے خیانت کو خیانتِ نفس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جعلت خیانۃ الغیر خیانۃ لانفسہم لان وبالہا وضررہا عائد علیہم (مدح)

۷۰۵ فقہا نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ عین عبادت منصوص کی حالت میں بھی اسباب و انتظام پر نظر رکھنا اولیٰ ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا یعنی پہلا گروہ ایک رکعت تمام کرلے۔ فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ۔ یعنی پہلے گروہ والے تمہارے پاس سے ہٹ کر دشمن کے مقابلہ میں آجائیں۔ وَلْتَاْتِ ...... لَمْ يُصَلُّوْا یعنی وہ لوگ جنہوں نے ابھی نماز شروع بھی نہیں کی ہے اور ابھی تک وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے وہ اب پہلے گروہ کی جگہ پر آجائیں۔ فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ۔ یعنی نماز کی جو رکعت ابھی امام کے لئے باقی ہے، اُس میں آکر اُس کے شریک ہوجائیں۔
۷۰۶ کیا ٹھکانا ہے ہماری شریعت کی پیدا کی ہوئی اس چستی، مستعدی، ہر چستی اور ہمہ وقتی بیداری کا، دشمن سامنے ہے، قتل وخون کا بازار گرم ہے۔ جان کا سودا ہو رہا ہے۔ عین اُس وقت نماز بھی ہوئے جائے اور ہتھیار بھی برابر ساتھ رہیں سستی کاہلی، غفلت، آرام طلبی کہیں شریعتِ اسلامی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں؟ **۷۰۷** نماز خوف کی جو صورتیں یہاں ارشاد ہوئی ہیں، وہ سب اس وقت کے لئے ہیں جب سب سپاہی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور حضور صلعم کی موجودگی میں سب کا آپؐ ہی کے پیچھے پڑھنے پر حریص ہونا بالکل قدرتی تھا لیکن جب امام ہی دو یا زائد ہوں تو پھر ان انتظامات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فقہا نے لکھا ہے کہ خوف کی بھی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم الگ الگ ہیں:- (۱) ایک یہ کہ عین معرکۂ قتال گرم ہو اور جماعت کا اہتمام ہی سرے سے نہ بن پڑے ایسی حالت میں نماز جماعت اُڑا دی جائے گی اور اس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۲۳۹ میں موجود ہے۔ شدّتِ خوف کی حالت میں نماز الگ الگ پڑھی جائے گی۔ سوار یا پیادہ ہر حال میں جائز ہے۔ رکوع و سجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے۔ استقبال قبلہ ہی ضروری نہ رہے گا۔ (۲) دوسرے یہ کہ ہو تو میدانِ جنگ میں لیکن قتال ابھی شروع نہ ہُوا ہو۔ اور نماز جماعت کا موقع ہو، جیسا کہ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جن انتظامات کی ہدایت ہوئی ہے وہ اسی صورت حال سے متعلق ہے۔

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ
پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہیئے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ
طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ
جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آجائیں اور وہ آپکے ساتھ نماز پڑھ لیں اور
وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں **۷۰۶** کافروں کی تو خواہش ہی یہ ہے کہ تم
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ
اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر
فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ
یک بارگی ہی ٹوٹ پڑیں **۷۰۷** اور تمہارے لئے
عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ
اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار
مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ
ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو
اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲ فَاِذَا
بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم
قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا
(اس) نماز کو ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جانا کھڑے اور بیٹھے

اور نہ کسی دار الاسلام کا پتہ نشان انہیں مل رہا ہو۔ ای لا یجدون اسباب الھجرۃ ومبادیھا ولا یعرفون طریق الموضع المھاجر الیہ (مع) حِيلَةً۔ عربی میں تدبیر کے لئے عام ہے۔ اُردو کے "حیلہ" کے مُرادف نہیں۔
۶۹۹ عفو کا تعلق ماضی سے ہے اور غفر کا مستقبل سے یعنی ان کی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا ہے اور آئندہ ان کے حق میں مغفرت کرنے والا ہے۔ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ۔ یعنی اُن سے یہ فریضۂ ہجرت سرے سے ساقط ہی کر دیا جائے۔ عَسَى اللّٰهُ۔ عَسٰی سے متعلق اُوپر ذکر گزر چکا ہے کہ جب اس کے فعل کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے تو مُراد محض توقع یا اُمید نہیں رہ جاتی ہے بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ وعسیٰ ان کان للاطماع فھو من اللہ واجب (مدارک) مفسر تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ عدم ہجرت کا گناہ فی الاصل اس قدر سخت ہے کہ غفورًا لا کر ادھر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ باوجود عذر موجود ہونے اور اس لئے گناہ نہ ہونے کے مشابہ اس کے ہے کہ گناہ ہوا اگرچہ معاف بھی کر دیا گیا۔ ۷۰۰ (اقامتِ دین اور اظہار کلمۂ حق کے لئے) یعنی کوئی ہجرت کر کے دیکھے تو۔ اللہ کی سرزمین تنگ نہیں۔ اس زمین پر اسے متعدد جگہیں مل جائیں گی جہاں وہ آزادی سے اپنے دین کا اظہار کر سکے گا۔ بعض اہل لطائف نے کہا کہ مراغم اور سعۃ دو الگ الگ لفظ لانے میں اشارہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اظہارِ دین کی جگہیں مل جائیں گی اور آخرت میں فراخ اور وسیع بہشتیں ملیں گی۔ ۷۰۱ (قبل اس کے کہ وہ اپنی منزل مقصود یا ہجرت گاہ تک پہنچ سکے۔ اور اسلئے گویا بظاہر ناکام رہے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ایسی مجبوری جو انسان کو عاجز و بے بس کر دے موت ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی ایسے مقام کی طرف چلے جہاں اللہ اور اس کے رسُول کے دین کا اظہار کر سکے۔ الٰی حیث امر اللہ ورسولہ (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ ہر ایسا سفر جو رضاء الٰہی کے لئے ہو مثلاً سفر حج، یا طلب علم دین کے لئے سفر، اجر کے لحاظ سے سفر ہجرت کے حکم میں داخل ہے۔ قالوا کل ھجرۃ لطلب العلم او حج او جھاد او فرار الی بلد یزداد فیہ طاعۃ او قناعۃ او زھدًا او ابتغاء رزق طیب فھی ھجرۃ الی اللہ ورسولہ (مدارک) ۷۰۲ (تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس ناکامی پر بھی پُورا وہی اجر دیدے جو کامیابی پر موعود تھا) ھذا یدل علٰی ان من خرج متوجھا لفعل شیء من القرب ان اللہ یجازیہ بقدر نیتہ وسعیہ وان انقطع دونہ (جصاص) ۷۰۳ یہ آخر کا فقرہ جیسا کہ شارع علیہ السلام کا عمل اس پر گواہ ہے اور سارے اہلِ علم بجز خوارج کے اس پر متفق ہیں، بطور شرط کے نہیں کہ صرف اسی حالت میں نماز قصر کی جائے بلکہ اس فقرہ میں نزول آیت کے وقت کی صرف حالت واقعی کا بیان ہے ورنہ قصر صلٰوۃ کا حکم ہر سفر کے لئے عام ہے۔ والخوف شرط جواز القصر عند الخوارج بظاھر النص وعند الجمھور لیس بشرط (مدارک) والذی علیہ الائمۃ ان القصر المشروع فی الامن ایضا وقد تظاھرت الاخبار علیہ قطعا (مع)
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ۔ سفر شرعی کی مسافت تین منزل کی قرار پائی ہے اور منزل کا اندازہ فقہاء نے ۲۰ میل کا کیا ہے لیکن یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ رسُول اللہ صلعم سے اس سے بہت کم فاصلہ پر بھی قصر نماز ثابت ہے۔ جمہور فقہاء کا قول ہے کہ سفر جس جائز غرض، مقصد سے بھی ہو، شرعی سفر کے حکم میں داخل ہے۔ الجمھور علٰی جواز القصر فی السفر المباح کالتجارۃ ونحوھا (قرطبی) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ یعنی بادی النظر میں رکعاتِ نماز میں کمی کر دینا ایک گناہ کی چیز معلوم ہوتی ہے اور وسوسہ تمہیں بھی گناہ کا ضرور ہو رہا ہے لیکن اطمینان رکھو کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ جائز کیا جا رہا ہے۔ اَلصَّلٰوة۔ صلٰوۃ (نماز) سے مُراد صلٰوۃ مکتوب یا نماز فرض ہے۔ حنفیہ کے ہاں سفر میں نماز قصر مستحب ہی نہیں واجب ہے۔ قلنا القصر عزیمۃ غیر رخصۃ ولا یجوز الاکمال (مدارک) روی عن جماعۃ انہ فرض وھو قول عمر بن عبد العزیز والکوفیین والقاضی اسمٰعیل وحماد بن ابی سلیمان (قرطبی) اور یہ قصر چار رکعتوں والی تینوں نمازوں میں ہوتا ہے۔ ظہر، عصر، عشا میں فرض کی دو دو رکعتیں رہ جاتی ہیں۔ مسائل قصر کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ فِى الْاَرْضِ سے مُراد یہ نہیں کہ سفر صرف خشکی ہی میں ہو۔ ارض کا لفظ برّ و بحر کے لئے عام و مشترک ہے اور مقصد یہ ہے کہ کوئی سا بھی سفر ہو۔ المراد من الارض ما یشمل البر والبحر والمقصود التعمیم ای اذا سافرتم فی ای مکان یسافر فیہ من بر وبحر (روح) ۷۰۴ یعنی حالت نماز میں بھی مسلح رہیں۔ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ۔ صیغہ واحد حاضر ہے محض رسول اللہ ہی مُراد نہیں۔ آپ ہوں یا آپ کا کوئی قائم مقام۔ قال الائمۃ نواب عن رسول اللہ صلعم فی کل عصر (مدارک) ھٰذہ الآیۃ خطاب للنبی صلعم وھو یتناول الامراء الی یوم القیٰمۃ ھٰذا قول کافۃ العلماء (قرطبی) فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ یعنی جب وقت نماز آجانے پر آپ میدانِ جنگ میں امامت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ دشمن موقع پا کر حملہ کر دیگا۔ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ۔ یعنی ایسے موقع پر چاہئے کہ سپاہ کے دو گروہ ہو جائیں کچھ لوگ تو نماز شروع کر دیں اور کچھ لوگ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ یہ سب بیان صلٰوۃ الخوف کا ہو رہا ہے۔ پوری تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ

اور اللہ تو ہے ہی بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ۶۹۹ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَ

ہجرت کریگا وہ زمین پر جانے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا ۷۰۰ اور

مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ

جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسُول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے اور اسے

يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

پھر موت آ لے ۷۰۱ تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا ۷۰۲ اور اللہ تو ہے ہی

ع ۱۴ ۱۱

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ۧ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ

بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ۱۴ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ

مضائقہ نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو

اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا

کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے ۷۰۳ بیشک کافر تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن

مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

ہی ہیں اور جب آپ اُن کے درمیان ہوں اور اُن کے لئے نماز قائم کریں

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۚ

تو چاہئے کہ ان میں کا ایک گروہ آپکے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں ۷۰۴

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ
فضیلت دے رکھی ہے اور بھلائی کا وعدہ تو اللہ نے سب (ہی) سے کر رکھا ہے ۶۹۲ اور
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ
اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم کے لحاظ سے برتری دے رکھی ہے ۶۹۳ یعنی اللہ کی
مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ
طرف سے (بہت سے) درجے اور بخشش اور رحمت، اور اللہ ہے ہی بڑا بخشش والا، بڑا رحمت والا ۶۹۴ بیشک
الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ
ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتہ قبض کرتے ہیں تو اُن سے کہیں گے کہ تم کس
كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ
کام میں تھے ۶۹۵ وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے ۶۹۶ فرشتہ کہیں گے کہ اللہ کی
تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ
سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہی لوگ ہیں جن کا
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ
ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے ۶۹۷ بجز اُن لوگوں کے جو
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً
مردوں اور عورتوں بچوں میں سے کمزور ہوں (کہ) نہ کوئی تدبیر ہی کر
وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ
سکتے ہوں اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں ۶۹۸ تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا

ع ۱۳ ۵ ۱۰

خود بھی جو اپنے جان و مال کو مسلمانوں سے بچانے ہوتے تھے۔ وہ کلمۂ اسلام کے تلفظ ہی کی بنا پر تو تھے، درآنحالیکہ عند اللہ ان کا کفر بالکل ظاہر تھا۔ اور رسول اللہ پر بھی اکثر صورتوں میں روشن ہوگیا تھا۔ وقد کان المنافقون یعصمون دماءھم واموالھم باظہار ھذہ الکلمۃ مع علم اللہ تعالیٰ باعتقادھم الکفر وعلم النبی صلعم بنفاق کثیر منھم (جصاص) ۶۹۱ (اللہ کے ہاں درجہ اور مرتبہ میں) اُولِی الضرر کے لفظی معنی تو ہوئے دُکھ والے، لیکن یہاں ضرر مرض سے کہیں زیادہ وسیع معنی میں ہے اور ہر قسم کے عذر و مانع کو شامل ہے اور اہلِ الضرر اہل العذر کے مُرادف ہے۔ قال العلماء اھل الضرر ھم اھل الاعذار (قرطبی) الضرر النقصان سواء کان بالعمی والعرج او المرض او کان بسبب عدم الاھلیۃ (کبیر) اَلْقٰعِدُوْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ۔ کی تقدیر کلام یُوں ہے۔ القاعدون الذین ھم غیر اولی الضرر (قرطبی) مطلب صاف ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والے اور بلا عذر گھر میں بیٹھ رہنے والے اللہ کے ہاں فضیلت و مقبولیت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہیں سے یہ مطلب بھی صاف ہوگیا کہ جہاد فرض عین نہیں۔ فرض کفایہ ہے۔ اگر فرض عین ہوتا یعنی ہر ہر فرد پر فرض ہوتا تو اُن بیٹھ رہنے والوں اور نہ شریک ہونے والوں پر یقیناً عتاب و وعید کے الفاظ وارد ہوتے رہتے۔ فیہ دلالۃ علی ان الجھاد لیس بفرض عین بل ھو فرض کفایۃ (ابن کثیر) قال الفقھاء فیہ دلیل علی ان فرض الجھاد علی الکفایہ ولیس علی کل احد بعینہ (کبیر) وھذا دلیل علی ان فرض الجھاد علی الکفایۃ ولیس علی کل احد بعینہ (جصاص) فرقۂ شیعہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی افضلیت حضرت ابوبکرؓ پر ظاہر ہو رہی ہے اسلئے کہ حضرت علیؓ نے جہاد و قتال حضرت ابوبکرؓ سے کہیں زیادہ کیا ہے اور اس کو آیت میں معیارِ فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ استدلال باطل ہے۔ اگر مطلق قتل کفار ہی معیارِ فضیلت ہوتا تو بہ قول امام رازیؒ حضرت علیؓ خود رسول اللہ صلعم سے بھی افضل و اشرف ہوتے۔ حالانکہ اس کے قائل شیعہ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ افضلیت کلی کے اجزاء اور بھی متعدد ہیں۔ مثلاً تبلیغ دین میں مصروفیت، اقامت احکام و استحکام ملت میں مشغولیت وغیرہا۔ اور ان سارے امور میں حضرت صدیقؓ ٹھیک اپنے آقا و سردار کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے جلیل القدر صحابی بڑی تعداد میں آپ ہی کی سعی و تبلیغ سے ایمان لائے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کے مجاہدانہ جوہر مدینہ میں آ کر چمکے۔ جب اسلام کو یک گونہ غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ برخلاف اسکے ابوبکر صدیقؓ نے دین کی گرانبہا خدمتیں اُس وقت سے انجام دینا شروع کر دی تھیں جب ملت غایت ضعف و پستی میں تھی اور اُمت ہر طرف سے زغۂ اعداء میں محصور (ادکبیر) ۶۹۲ (مجاہدین سے انکے جہاد کی بنا پر۔ اور قاعدین سے انکے دوسرے اعمالِ حسنہ کی بنا پر) کُلًّا۔ یعنی مجاہدین اور قاعدین دونوں سے) ای کل فریق من القاعدین والمجاھدین (قرطبی) اَلْحُسْنٰی۔ یعنی جنت اور آخرت کی نعمتیں۔ المثوبۃ الحسنی وھی الجنۃ (بیضاوی) الجنۃ والجزاء الجزیل (ابن کثیر) اَلْمُجٰھِدِیْنَ وَالْقٰعِدِیْنَ۔ دونوں لفظوں میں جہاد اور قعود کے عموم مفہوم کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ بیان یقیناً میدانِ جہاد میں جانے والوں اور میدانِ جنگ سے رہ جانے والوں کا ہے۔ لیکن لفظ جہاد کو قتال کے معنیٰ میں مخصوص و محدود کر دینا صحیح نہیں۔ بلکہ نصرتِ دین کی ہر سعی و فکر اسکے اندر آجاتی ہے (جسکی ایک فرد یقیناً قتال بھی ہے) علیٰ ہذا قعود یا خانہ نشینی کے تحت میں ہر امر شریعت میں سُستی آجاتی ہے! اور اسی کی ایک اہم فرد قتال سے جی چُرانا بھی ہے گویا فضیلت دین کے ہر کام کرنے والے کو نہ کرنے والے پر حاصل ہے۔ اور اس سے یہ شبہہ مٹ گیا کہ لشکرِ قتال کا ایک ایک سپاہی ہر غیر مقاتل سے افضل ہے خواہ وہ غیر مقاتل کسی پایہ و مرتبہ کا محدث، مفسر، فقیہ، متکلم و صوفی و غیرہ خادمِ دین ہو۔ ۶۹۳ اہلِ لطائف نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ المجاھدون باموالھم وانفسھم (جان و مال سے جہاد کرنے والوں) کا ذکر تو اُوپر آچکا ہے۔ اب یہاں ذکر مطلق مجاہدین کا بغیر کسی قید کے ہے۔ اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کا رُخ تمامتر غیر اللہ سے اللہ کی طرف پھیر لیں اور یہ مجاہدات صوفیہ کا اعلیٰ مقام ہے۔ وجب ان یکون المراد منہ من کان مجاھدا علی الاطلاق فی کل الامور وھو اشرف انواع المجاھدۃ وحاصل ھذا الجھاد صرف القلب من الالتفات الی غیر اللہ الی الاستغراق فی طاعۃ اللہ (کبیر) ۶۹۴ چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے وہ ان کا ہر عذر قبول کرلیگا اور شانِ رحیمیت کے تقاضہ سے انہیں اجر مزید عنایت کریگا۔ ۶۹۵ یعنی دارالکفر دارالحرب میں رہ کر دین کے کن کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ یہ تعریض ہے انکے ہجرت نہ کرنے پر اور دارالحرب میں رہنے پر قانع و راضی ہو جانے پر۔ التوبیخ بانھم لم یکونوا فی شیء من الدین حیث قدروا علی المھاجرۃ ولم یھاجروا (کبیر) یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ اقرار اسلام کر چکے تھے لیکن جب ہجرت فرض ہوئی تو یہ مسلمانوں کے ساتھ نہ آئے۔ مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ پھر مشرکین کا ساتھ دینے لگے۔ المراد بالجماعۃ من اھل مکۃ کانوا قد اسلموا واظھروا للنبی صلعم الایمان بہ فلما ھاجر النبی صلعم اقاموا مع قومھم وفتن منھم جماعۃ فافتتنوا (قرطبی) نزلت فی اقوام من اھل مکۃ کانوا قد اسلموا وامنوا باللہ وبرسولہ وتخلفوا عن الھجرۃ مع رسول اللہ صلعم حین ھاجر وعرض بعضھم علی الفتنۃ فافتتن (ابن جریر) نزلت فی قوم من المنافقین کانوا یظھرون الایمان للمومنین خوفا اذا رجعوا الی قومھم اظھروا لھم الکفر ولا یھاجرون الی المدینۃ (جصاص) یہ عتاب خود اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت اُس وقت فرض عین تھی۔ ھذا یدل علی فرض الھجرۃ فی ذلک الوقت (جصاص) فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہ رہی۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے۔ لاھجرۃ بعد الفتح۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہجرت کا وجوب اُس وقت اسلئے تھا کہ منکرین کی ایذا اور مزاحمت سے محفوظ رہ کر مسلمان حکومت الٰہی کے اندر رہیں اور قانونِ الٰہی کا نفاذ اپنے ہاں کر سکیں۔ جب لشکرِ اسلام کو کافی قوت حاصل ہوگئی اور منکرین کی مزاحمت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی لیکن پھر کہیں اور جب کبھی یہی وجوہ ہجرت پائے جانے لگیں گے ہجرت واجب ہو جائیگی۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغۂ جمع ہے مُراد ہیں ملک الموت اور انکے انصار۔ المراد ملک الموت واعوانہ (بحر) لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ تنہا ملک الموت مراد ہے اور صیغۂ جمع انکے لئے انکی عظمت کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے۔ الملٰئکۃ ھنا قیل ملک الموت ھو من باب اطلاق الجمع علی الواحد تفخیما لہ وتعظیما لشانہ ھذا قول الجمھور (بحر) اور واحد پر لفظ جمع کا اطلاق محاورۂ عرب میں عام ہے۔ والعرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع (معالم) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ اب تک ذکر جہاد کا تھا جس کا خلاصہ ہے شر کفار کا دفع عام۔ اب ذکر ہجرت کا شروع ہو رہا ہے جس کا حاصل ہے شر کفار کا دفع خاص۔ پہلا حکم اجتماعی تھا اور یہ دوسرا انفرادی ہے۔ دونوں میں غرض مشترک اقامتِ دین ہے۔ ۶۹۶ یعنی ہم اپنے ملک میں محض مغلوب اور بے بس تھے احکام دین پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ اسلئے ترکِ فرائض میں معذور رہے۔ ۶۹۷ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب ایک ملک میں رہ کر فرائض دین پوری طرح نہ ادا ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے جہاں فرائض دین ادا ہو سکتے ہیں تو پہلے سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ والاٰیۃ تدل علی ان من لم یمکن اقامۃ دینہ فی بلدہ کما یجب وعلم انہ یمکن من اقامتہ فی غیرہ حقت علیہ المھاجرۃ (مدارک) ھذا یدل علی الخروج من ارض الشرک الی ای ارض کانت من ارض الاسلام (جصاص) ۶۹۸ یعنی ایسے لوگ جو فی الواقع اپنے ضعف جسمانی کی بنا پر سفرِ ہجرت پر قادر نہ ہوں۔

۶۸۳ اکٹھی اتنی سخت وعیدیں بجز کفر و شرک کے اور کسی جرم کی قرآن مجید میں وارد نہیں اور اسی لئے قتلِ مومن، اشاعرہ و معتزلہ سب کے نزدیک بالاتفاق اکبر الکبائر ہے اور یہ ڈرنے اور لرز جانے کی چیز ہے۔ مَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ قتل عمد کی جو معروف اور براہِ راست صورتیں ہیں وہ تو ہیں ہی، لیکن عجب نہیں کہ اس وعید کے تحت میں قتلِ مسلم کی وہ ساری صورتیں بھی آجائیں جو کسی غیر شرعی قانون کے مطابق اور کسی کافرانہ آئین و نظام کے ماتحت کی جاتی ہیں مثلاً کسی کافر حکومت کی فوج یا پولیس میں داخل ہو کر اس حکومت کے باغی اور مجرم مسلمان پر گولی چلا دینا یا کسی غیر اسلامی عدالت کی کرسی پر مجسٹریٹ یا جج کی حیثیت سے بیٹھ کر کسی مسلمان کو سزائے موت کا حکم سنا دینا وقس علیٰ ہذا۔ مُتَعَمِّدًا۔ تعمد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مقتول کے ایمان ہی کی بنا پر اُسے قتل کیا جائے۔ یہ صورت تو صاف کفر کی ہے۔ دوسری یہ کہ قتلِ مسلم کو جائز سمجھ کر۔ یہ صورت بھی کفر ہی کی ہوئی۔ ای قاصدًا قتله لایمانه وهو كفر او قتله مستحلا لقتله وهو كفر ايضًا (مدارک) فَجَزَآؤُهٗ۔ آگے سزا ایسے قاتل کی مذکور ہو رہی ہے جو اس قتل کو جائز سمجھے یا بلا توبہ مر جائے۔ والجمهور على انه مخصوص بمن لم يتب (بیضاوی) وهو عندنا مخصوص لما مستحل له (بیضاوی) پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ نوعیت جرم کی شدت کے لحاظ سے اصل سزا یہی ہے جو یہاں مذکور ہوئی لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر مومن کو بھی انتہائی سزا مل کر ہی رہے اور یہ تفسیر حدیث نبوی سے ماخوذ اور اس پر مبنی ہے۔ دنیوی قانون میں بھی جرائم کی ایک انتہائی سزا مقرر ہوتی ہے لیکن یہ حاکم کی رائے تمیزی پر رہو گا کہ اس حد کے اندر جتنی سزا مناسب سمجھے دے۔ معناه هي جزاءه ان جازاه ولكنه ان شاء حذبه وان شاء غفرله بكرمه فانه يغفر لمن يشآء (معالم) قال عليه السلام هي جزاءهٗ

فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا
پڑا رہیگا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اُس پر لعنت کریگا اور اُس کے لئے عذاب عظیم تیار
عَظِيۡمًا ۝۹۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ
رکھیگا ۶۸۳ اے ایمان والو! جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں تو خوب تحقیق
اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ
کرلیا کرو ۶۸۴ اور جو تمہیں سلام کرتا ہو ۶۸۵ اُسے یہ مت کہہ دیا کرو کہ
لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ
تو تو مسلمان ہی نہیں ۶۸۶ تم دنیوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو تو اللہ کے پاس تو بہت
اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ
کثرت سے مالِ غنیمت ہے ۶۸۷ ایسے ہی تم بھی تو پہلے تھے ۶۸۸ پھر اللہ نے تم پر کرم کیا ۶۸۹
عَلَيۡكُمۡ فَتَبَيَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝۹۴
تو خوب تحقیق کرلیا کرو، بیشک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے ۶۹۰
لَا يَسۡتَوِى الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ غَيۡرُ اُولِى
مسلمانوں میں سے بلا عذر (گھر) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال
الضَّرَرِ وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ
اور اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں
اَنۡفُسِهِمۡ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِيۡنَ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ
ہو سکتے ۶۹۱ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں

ان جازاه (مدارک) جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ قاتل اگر مسلم ہے تو اسکی توبہ بھی بالآخر قبول ہو جائیگی۔ اور خلود فی النار کی سزا صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے رہ جائے گی۔ اس عقیدہ کے دلائل کتاب و سنت سے ماخوذ کلام و عقائد کی کتابوں میں اپنی جگہ پر مبسوط درج ملیں گے۔ ۶۸۴ (ہر امر کی اور خصوصاً قتل کے باب میں) یہ مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تم وطن سے باہر سفر جہاد میں ہو تو بلا خوب چھان بین کئے محض شک و شبہ کی بنا پر قتل میں جلد بازی نہ کر دیا کرو۔ فَتَبَيَّنُوۡا خوب سوچ بچار لو۔ ایسا نہ ہو کہ کافر کے خیال میں کسی کلمہ گو کو قتل کر ڈالو۔ تحققوا حتى يتبين لكم المومن من الكافر (ابن عباسؓ) المقصود من هذه الاية المبالغة في تحريم قتل المومنين (کبیر) یہ تحقیق و احتیاط، سفر و حضر ہر حال میں واجب ہے۔ سفر جہاد کی قید آیت میں صرف اس لئے ہے کہ نزولِ آیت سے قبل ایسا واقعہ اتفاق سے سفر جہاد ہی میں پیش آیا تھا۔ والتبيين اى التثبت فى القتل واجب حضرا وسفرا لاخلاف فيه وانما خص السفر بالذكر لان الحادثة التى فيها نزلت الاية وقعت فى السفر (قرطبی) احادیث نبوی میں یہ مضامین بار بار آئے ہیں کہ ایک کلمہ گو کا قتل ہو جانا اللہ کے ہاں ہزار کافروں کے زندہ بچ جانے سے بلکہ ساری دنیا کے فنا ہو جانے سے شدید تر ہے۔ فلان ابقاء الف كافر اهون عند الله من قتل امرئ مسلم (بیضاوی) وفى الحديث زوال الدنيا اهون على الله من قتل امرئ مسلم (کشاف) فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ یعنی راہِ جہاد میں۔ ای فرعتهم فى الجهاد (ابن عباسؓ) ۶۸۵ (مسلمانوں کے طریقہ پر یا اور کسی ایسی ہی علامت سے اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہو) ۶۸۶ (بلکہ محض جان بچانے کو اظہار اسلام کر رہا ہے) مقصد یہ ہے کہ قتل سے دستکشی اُس شخص کے مجرد اظہار اسلام سے واجب ہو جاتی ہے۔ اسکے باطن کی تفتیش ہرگز تمہارے ذمہ نہیں۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جان و مال کو محفوظ کر دینے والی شے کلمہ شہادت ہے۔ کافر غیر معاہد بھی اگر اسے پڑھ دیگا تو مسلم کیلئے اُس پر تلوار اٹھانا حرام ہو جائیگی) المسلم اذا لقى الكافر ولا عهد له جاز له قتله فان قال لا اله الا الله لم يجز قتله لانه قد اعتصم بعصام الاسلام المانع من دمه وماله واهله (قرطبی) آیت سے بعض فرقوں نے استدلال یہ کیا ہے کہ ایمان مجرد قول کا نام ہے لیکن اہلِ تحقیق کا قول ہے کہ ایمان فقط اقرار لسانی کا نام نہیں اور زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ایمان کی حقیقت میں تصدیق قلب بھی شامل ہے البتہ بندوں کے پاس علم کا کوئی ذریعہ بجز لفظ و قول کے نہیں، استدل بهذه الاية من قال ان الايمان هو القول وليس فى ذلك ان الايمان هو الاقرار فقط الا ترى ان المنافقين كانوا يقولون هذا القول وليسوا بمؤمنين خشية ان الايمان هو الاقرار وغيره وان حقيقته التصديق بالقلب ولكن ليس للعبد طريق اليه الا ما سمع منه فقط (قرطبی) ۶۸۷ یعنی اگر مالِ غنیمت کی طمع تمہیں ایک مدعی اسلام کے قتل میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی طرف لا رہی ہے تو یہ یاد رکھو کہ مال اور مالِ غنیمت کا سرچشمہ بھی تو اللہ ہی کی ذات ہے۔ اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں اس کی بڑی سے بڑی مقدار قانونِ شریعت کے اتباع ہی سے دے۔ عنایت سے دے۔ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا۔ عرض وہ چیز ہے جو بذاتِ خود قائم نہ رہ سکے اور اسی لئے متکلمین نے جوہر کے مقابل کی اصطلاح رکھی ہے۔ العرض ما لا يكون له ثبات ومنه استعار المتكلمون العرض لما لاثبات له الا بالجوهر (راغب) یہاں عرض سے مُراد مال ہے اور بجائے مال کے عرض اسی لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مال کی بے ثباتی اور زود فنائی کی جانب بھی پورا اشارہ ہو جائے۔ تنبيه تعالىٰ بتسميته عرضا على كونه سريع الفناء قريب العرض المال سمى به لسرعة فنائه (مدارک) الانقضاء (کبیر) ۶۸۸ یہ تو مسلم صحابیوں اور دوسروں کو یاد دلایا ہے کہ آخر تمہارے اوپر بھی تو یہ دور گزر چکا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے اسلام و ایمان کا ثبوت بجز تلفظ کلمہ اور زبانی دعویٰ کے اور تھا کیا؟ تمہارے اخلاصِ قلب اور تمہارے حسنِ اعمال کی شہادت تو بہت بعد کو پیش ہوئی۔ اول ما دخلتم فى الاسلام سمعت من افواهكم كلمة الشهادة فحصنت دماءكم واموالكم من غير انتظار الاطلاع على مواطاة قلوبكم لالسنتكم (کشاف) ۶۸۹ (کہ تمہارے اس اعلانِ اسلام اور وعدے کو کافی سمجھ لیا گیا اور تمہارے ایمان کو معتبر قرار دینے کے لئے تفتیش باطن کا حکم نہیں دیا) فعليكم بان تفعلوا بالداخلين فى الاسلام كما فعل بكم وان تعتبروا ظاهر القول (کبیر) هذا هو الذى اختاره اكثر المفسرين (کبیر) دوسری صورت اللہ کے فضل و کرم کی یہ بھی قرار دی جا سکتی ہے کہ اُس نے تمہارے اس ابتدائی اسلام کو اب مشہور و معلوم کرا دیا اور تمہیں استقامت اور حسنِ عمل کی توفیق دی۔ بالاشتهار بالايمان والاستقامة فى الدين (بیضاوی) حيث نور نور الايمان فى قلوبكم وايمانكم على العمل به والمحبة له (کبیر) بالاستقامة والاشتهار بالايمان (مدارک) ۶۹۰ (سو اگر تم نے کوئی بھی بے احتیاطی کی تو اس کے ساتھ تمہارا کون سا عذر چل سکے گا) فَتَبَيَّنُوۡا تحقیق و احتیاط کیلئے بتکرار دعوت یا اہتمام حکم کی غرض سے۔ اعادة الامر بالتبيين تدل على المبالغة فى التاكيد من ذلك الفعل (کبیر) كرد الامر بالتبيين ليؤكد عليهم (مدارک) اعاد الامر بالتبيين للتاكيد (قرطبی) ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا زندیق کی توبہ قبول ہوگی؟ فقہاء نے اس آیت کی رُو سے جواب دیا ہے کہ قبول ہوگی۔ اختلفوا فى ان توبة الزنديق هل تقبل ام لا فالفقهاء قبلوها واحتجوا عليه بوجوه الاول هذه الاية (کبیر) امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ بچوں کا اسلام بھی قبول ہوگا۔ اسلئے کہ آیت عام ہے۔ بالغ اور نابالغ کی اس میں کوئی قید نہیں۔ قال ابوحنيفة دلت هذه الاية على صحة اسلام الصبى لان قوله لا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مؤمنا عام فى حق الصبى وفى حق البالغ (کبیر) بلکہ منافقین

ع ۱۲ ۹

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

جن کے خلاف ہم نے تم کو صاف گرفت دے رکھی ہے ۶۷۵ اور کسی مومن کے شایاں نہیں کہ وہ

اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

کسی مومن کو قتل کردے بجز اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو جائے ۶۷۶ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر ڈالے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ

تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا اُس پر واجب ہے) اور خون بہا بھی جو اُسکے عزیزوں کے حوالہ کیا جائیگا ۶۷۷

اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ

سوا اسکے کہ وہ لوگ (خود ہی) اُسے معاف کردیں ۶۷۸ تو اگر وہ ایسی قوم میں ہو جو تمہاری دشمن ہے درآنحالیکہ (وہ بذاتِ

مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

خود) مومن ہے تو ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (واجب ہے) ۶۷۹ اور اگر ایسی قوم سے ہو کہ

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ

تمہارے اور اُن کے درمیان معاہدہ ہے ۶۸۰ تو خون بہا واجب ہے جو اسکے عزیزوں کے حوالہ کیا جائیگا اور

تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا بھی ۶۸۱ پھر جس کو یہ نہ میسر ہو اس پر دو مہینے کے لگاتار روزے

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

رکھنا (واجب ہے) یہ توبہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۶۸۲

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

۶۷۵ یعنی اُن کا حکم کھلے ہوئے محاربین کا ہے، اور اُن پر کھلی ہوئی گرفت، ان کی بدعہدی اور عملی عداوتِ اسلام کی ہے۔ لظهور عداوتهم وضوح كفرهم وغدرهم (روح) لظهور عداوتهم وانكشاف حالهم فى الكفر والغدر واضرارهم باهل الاسلام (بحر) سُلْطٰن یہ لفظ قرآن مجید میں جہاں آیا ہے گرفت اور دلیل ہی کے مفہوم میں آیا ہے۔ قال عكرمة حيثما وقع السلطان فى كتاب الله فالمراد به الحجة (بحر) ۶۷۶ (خواہ وہ غلطی غصّہ میں ہوئی ہو یا نفس عمل میں) شرک کفر وغیرہ اعتقادی معصیتوں سے قطع نظر عملی گناہوں میں انسان کے لئے اکبر الکبائر قتل مومن ہے۔ اتنے بڑے گناہ کی جسارت کسی مومن سے بہ ثبات ہوش وسلامتی عقل بہت مستبعد ہے۔ ہاں غلطی اور دھوکے ہی سے ہو جائے تو اور بات ہے۔ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا۔ جرم قتل کی فقہاء نے دو قسمیں کی ہیں ایک قتل عمد جس میں آلۂ قتل سے کام لیا گیا ہو، دُوسرے قتل شبہ عمد جس میں کام آلۂ قتل سے نہ لیا گیا ہو۔ جو قتل کسی حجت شرعی کی بنا پر، مثلاً قصاص میں کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پر جرم قتل کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ اِلَّا خَطَـًٔا فقہاء نے قتل خطا کی دو بڑی قسمیں کی ہیں:- ایک یہ کہ غلطی قصد و ظن میں ہوئی مثلاً دُور سے آدمی کو شکار کا جانور سمجھ لیا یا آدمی ہونا تو پہچانا مگر مومن کے اُوپر کافر حربی کا دھوکا ہُوا۔ دوسرے یہ کہ غلطی نفس عمل میں ہوگئی۔ مثلاً نشانہ لگایا جانور کے مگر پڑ گیا آدمی کے اُوپر۔ ۶۷۷ (جو مقتول کے شرعی وارثوں کے درمیان بہ قدر اُن کے حصۂ میراث کے تقسیم ہوگا) اگر کوئی وارث نہ ہُوا تو اُن کا قائم مقام بیت المال قرار پائیگا۔ دِيَةٌ اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ دیت کی مقدار سنّت سے سو اونٹ ثابت ہے۔ امام ابُو حنیفہؒ نے اس پر قیاس کرکے ایک ہزار دینار شرعی یا دس ہزار درہم شرعی ٹھیرا دی ہے لیکن جس طرح عراق ومصر وشام کے حالات عرب سے مختلف تھے اسی طرح ہندوستان وغیرہ کے حالات خود ان ملکوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے دیت کی مقدار کو ہر ملک کے عرف کے ماتحت قاضی کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی شرعی مقدار سے کم وبیش نہ کرے۔ البتہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ خونبہا بالکل معاف کردیں یا کم کردیں۔ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ اس کے تحت میں جس طرح غلام ہے، کنیز بھی شامل ہے۔ ۶۷۸ (خواہ کُل، خواہ کوئی جز) اَنْ يَّصَّدَّقُوْا خُون بہا کی معافی کو لفظ تصدق سے تعبیر کرنے میں خود اشارہ اس طرف ہوگیا کہ افضل یہی ہے۔ سمى العفو عنها صدقة حثا عليه وتنبيها على فضله (بیضاوی) ۶۷۹ (اور دیت اس موقع کے لئے نہیں) ظاہر ہے کہ مقتول جب کافروں کے درمیان رہتا تھا تو اس کی دیت بھی کافروں ہی کے ہاتھ میں جائے گی۔ اور کافر کے لئے مسلم کی میراث ممنوع ہے۔ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یعنی مقتول تھا تو مومن، لیکن کسی سبب سے حربی کافروں کے درمیان رہ رہا تھا۔ عَدُوٌّ لفظاً واحد ہے لیکن معنیً یہاں جمع ہے، اعداء کے مُرادف۔ مومن اگر دار الحرب ہی میں رہ گیا اور ہجرت کرکے دار الاسلام میں نہ پہنچ سکا تو اُس کی جان تو بہرحال اس کے اسلام کی بنا پر محفوظ سمجھی جائیگی۔ اور اس کے لئے کفارہ دینا پڑے گا لیکن دیت کا تعلق اس کے ایمان سے نہیں بلکہ اس کے مقام سے ہے اور وہ دار الاسلام ہے نہیں، اس لئے یہ واجب نہ آئے گی۔ سقطت الدية لوجهين احدهما ان اولياء القتيل كفار فلا يصح ان تدفع اليهم فيتقووا بها والثانى ان حرمة هذا الذى لم يهاجر قليلة (قرطبی) ۶۸۰ (صلح کا یا ذمہ کا) یہاں حکم اس صُورت کا بیان ہو رہا ہے کہ مقتول گو غیر مسلم ہے لیکن ایسی قوم کا فرد ہے جو مسلمانوں سے معاہدۂ صلح واتحاد کئے ہوئے یا فقہاء کی اصطلاح میں ذمّی یا مستامن ہے۔ هم اهل الذمة من اهل الكتاب (کبیر عن ابن عباسؓ) هم المعاهدون من الكفار (کبیر عن الحسن) هذا فى الذمى والمعاهد يقتل خطأ فتجب الدية والكفارة قاله ابن عباس والشعبى والنخعى والشافعى واختاره الطبرى (قرطبی) ۶۸۱ گویا کفارہ اور دیت کے لحاظ سے ذمی اور معاہد کافر بھی ایک مسلم کے برابر ہی حق رکھتا ہے۔ وان كان من قوم كفرة معاهدين او اهل الذمة فحكمه حكم المسلمين فى وجوب الكفارة والدية (بیضاوی) ان كان المقتول ذميا فحكمه حكم المسلم وفيه دليل على ان دية الذمى كدية المسلم (مدارک) فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ یعنی اس کافر کا بھی خون بہا اس کے کافر وارثوں کو دیا جائے گا۔ ۶۸۲ بس ایسے علیم کُل اور حکیم مطلق کے قانون میں کسی ترمیم، کسی تنسیخ کی گنجایش کسی بندہ کو نہیں) تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ لفظ توبہ بہت اہم اور بلیغ ہے، ندامت، شرمساری، اصلاح کے سارے پہلو اس کے اندر آگئے۔ من الله میں اسکی تاکید وتصریح ہے کہ کفارہ اور دیت کے یہ طریقے اللہ کی طرف سے مشروع ہیں، کسی بندہ کی طرف سے نہیں فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ یعنی جس کو باندی یا غلام کی استطاعت ہی نہ ہو۔ اور یہ صُورت اس وقت ہندوستان میں تمام تر عائد ہے جبکہ شرعی کنیز اور غلام کا وجود ہی نہیں۔ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ فعليه صيام شهرين (قرطبی) مُتَتَابِعَيْنِ۔ ان دو مہینوں میں اگر ایک دن کا بھی ناغہ بلا عذر شرعی ہو جائیگا، تو پھر سے ان دو مہینوں کا شمار پُورا کرنا ہوگا۔ حتى لو افطر يوما استأنف هذا قول الجمهور (قرطبی)

۶۷۰ یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہوکر تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ تمہارے ساتھ ہوکر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ دونوں سے صلح و آشتی رکھنا چاہتے ہیں
دوسرے لفظوں میں مسلمان ان کی طرف سے بھی امن میں ہیں۔ ان دونوں قسم کے منافقین کو حکم قتل و اسیری سے مستثنٰی کرکے قرآن مجید نے یہ بالکل صاف کردیا کہ
اصل مقصد مسلمانوں کو اذیت و نقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔ ۶۷۱ (لیکن اللہ نے ایسا نہیں ہونے دیا اور تمہیں کلفت و پریشانی سے بچالیا) لَوْشَآءَ اللّٰهُ

بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ
عہد ہے ۶۶۹ یا تمہارے ہی پاس اس طرح آتے ہیں کہ اُن کے سینے اس سے تنگ ہو

يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ
رہے ہیں کہ تم سے لڑیں یا اپنی ہی قوم سے لڑیں ۶۷۰ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تمہارے اوپر مسلط

عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ
کردیتا ۶۷۱ تو اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہارے ساتھ

وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ
سلامت روی رکھیں تو اللہ نے اُن کے خلاف تمہارے لئے کوئی راہ نہیں

سَبِيْلًا ۝۹۰ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ
رکھی ہے ۶۷۲ عنقریب کچھ لوگ اور بھی پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور

وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ
اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں ۶۷۳ انہیں جب کبھی فساد کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں

اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
پلٹ پڑتے ہیں ۶۷۴ تو اگر یہ تمہیں چھوڑے نہ رہیں اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ
رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو تم سے روکیں تو تم بھی انہیں پکڑو اور

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ
انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ یہی لوگ تو ہیں

یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی، ۶۷۲ یعنی ایسوں سے جنگ جائز نہیں۔ اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے لڑیں اور ان کے ساتھ صلح و سازگاری سے رہنا چاہیں، اگرچہ وہ مسلمانوں کا بھی ساتھ کافروں کے مقابلہ میں نہ دیں، اُن سے جنگ و قتال جائز نہیں۔ ۶۷۳ اور ان کا یہ چاہنا مکر و خداع کی راہ سے ہے نہ اس سے کہ اُن کا دل واقعی لڑائی سے بھر گیا اور وہ اخلاص کے ساتھ صلح و امن چاہتے ہیں۔ یہ وہ منافقین تھے جو اپنی عقیدۂ اسلامی کی طرح اس صلح جوئی اور مصالحت پسندی میں بھی منافقت برت رہے تھے۔ سَتَجِدُوْنَ۔ میں س زمانہ مستقبل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور استمرار کے معنی میں بھی۔ قیل السین للاستمرار لا للاستقبال (جمل) ۶۷۴ (اور موقع پانے پر مسلمانوں سے لڑنے پر بلا تامل آمادہ ہوجاتے ہیں) اَلْفِتْنَة سے مراد کفر و شرک یا فساد عقائد ہی ہوسکتی ہے۔ لیکن سیاق کھلا ہوا اشارہ قتالِ مسلمین کی جانب کر رہا ہے فساد عقائد میں تو وہ پہلے ہی سے

مبتلا تھے۔ اب موقع پاجانے پر مسلمانوں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ای کلما دعاھم قومھم الی قتال المسلمین (کبیر) اُرْكِسُوْا فِيْهَا یعنی اس میں اندھا
دھند اُلٹے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ اُن کی شان کفر، بغض مسلمین کے اظہار کے لئے ہے۔ ھٰذا استعارۃ لشدۃ اصرارھم علی الکفر و عداوۃ المسلمین (کبیر)
گویا ان کے کفر اور بدنفسی اور عداوت مسلمین کا اب عملی ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کریگا، اس میں کوئی شبہہ نہیں

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ٨٧ فَمَا لَكُمْ فِي

اور کون اللہ سے بڑھ کر بات میں سچا ہے ٦٦٢ سو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقین

الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ

کے باب میں دو گروہ ہو گئے ہو ٦٦٣ درآنحالیکہ اللہ نے اُن کے کرتوتوں کے باعث انہیں اُلٹا پھیر دیا ٦٦٤

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں راہ دکھاؤ جنہیں اللہ نے گمراہ کر رکھا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کردے ان کے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ ٨٨ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

لئے تو ہرگز راہ نہ پائے گا ٦٦٥ یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں

سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ

تاکہ تم (سب) برابر ہو جاؤ ٦٦٦ سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا جب تک اللہ کی راہ میں ہجرت

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

نہ کریں ٦٦٧ اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں کہیں انہیں پاؤ، انہیں

وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ٨٩

قتل کرو اور ان میں سے (کسی کو) دوست اور مددگار نہ بناؤ ٦٦٨

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ

بجز ایسوں کے جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان

ع ١١ / ٨

٦٦٢ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے چھوٹے بڑے سارے ہی ارشادات سے متعلق قلب میں یقین محکم اور اذعان کامل قائم رہنا چاہیئے۔ اگر ریب و تذبذب ذرا بھی باقی رہ گیا تو عمل بلکہ عزمِ عمل میں بھی کوتاہی رہ جائے گی۔ اِلٰی ۔ یہ کبھی فی کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں تو اسی معنی میں ہے۔ الٰی بمعنی فی (جمل) المراد لیجمعنکم فی الموت (کبیر) فِيْهِ میں ضمیر یوم کی طرف بھی ہوسکتی ہے اور جمع کی طرف بھی۔ فی الیوم او فی الجمع (بیضاوی) معنی بہرصورت یہ ہیں کہ کوئی شبہہ اس بیان کی حقیقت اور اس خبر کی صداقت میں نہیں۔ لاشک فی حقیقۃ ما اقول لکم فی ذٰلک واخبرکم من خبری (ابن جریر) ٦٦٣ (اے مسلمانو! کہ تم میں سے بعض اُن کو اب بھی مومن کہے جارہے ہیں) یہ آیت کس گروہ منافقین کے باب میں ہے؟ روایتیں اس بارہ میں مختلف ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہ منافقین ہوں جو غزوۂ اُحد کے موقع پر عبداللہ بن اُبَیّ کی سیادت میں جنگ سے قبل ہی واپس چلے آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ گروہ ہو جس نے مدینہ کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں، جو دارالحرب مکہ سے دارالہجرت مدینہ میں آئے۔ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ مالِ تجارت لے کر مکہ گئے اور پھر واپس نہ آئے مشرکوں میں ہل مل کر وہیں دارالحرب ہیں رہ پڑے اور سیاقِ قرآنی کی رُو سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے بہرحال وہ کوئی سے بھی ہوں، تھے منافقین ہی، جو مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شرکتِ جنگ سے جی چُراتے تھے بلکہ اُن کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور منصوبوں میں لگے رہتے تھے۔ جیسا کہ قبل والے رکوع میں ذکر آچکا ہے۔ بلکہ بعض تو دارالاسلام کا قیام جو اس وقت عینِ علامتِ اسلام تھی، ترک کر کے دارالحرب میں کافروں سے جا ملے تھے۔ ٦٦٤ (اُن کے علانیہ کفر کی جانب) کافر تو حقیقۃً وہ پہلے ہی سے تھے، اب اُن کی جسارتیں اتنی بڑھ گئیں کہ علانیہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ ہو کر میدان میں مسلمانوں کے مقابل آگئے۔ بِمَا كَسَبُوْا ۔ یہ اُن کا اکتسابی ردِّ عمل تھا کہ باوجود قدرت انہوں نے دارالاسلام کو چھوڑ دیا تھا ——— اس وقت جبکہ ترک اقرار اسلام کی طرح یہ بھی ایک علامت کفر کی تھی من ارتدادھم ولحوقھم بالمشرکین (مدارک) ٦٦٥ یعنی جب انہوں نے گمراہی کا قصد کر لیا تو اللہ کا قانون تکوینی یہ ہے کہ ہر عزمِ فعل پر فعل پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی قاعدہ کے مطابق مشیتِ تکوینی نے انہیں گمراہی میں ڈال دیا تو اب انہیں نکال کون سکتا ہے؟ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۔ اللہ کی طرف اس اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت منافقین کے کفرِ اختیاری کے نتیجہ کے طور پر ہے۔ اَتُرِيْدُوْنَ ...... اللّٰهَ ۔ یعنی کیا تم اُن کے قلوب میں زبردستی ایمان ڈال سکو گے جو سرے سے ارادہ ہی ایمان کا نہیں کرتے۔ ٦٦٦ یعنی ان کے مومن ہونے کا کیا ذکر ہے۔ ان کے غلو و کفر کا تو یہ حال ہے کہ اُلٹے وہ تمہی کو اپنے رنگ میں رنگ لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی دُھن میں ہیں۔ ٦٦٧ (اور دارالحرب کو ترک کر کے دارالاسلام میں نہ آجائیں) اس وقت ہجرت بھی اسلام کے لئے اقرارِ شہادتین کی طرح لازمی تھی۔ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ ۔ یعنی ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ مت رکھو کہ دوستی کے جواز کے لئے شرط ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یہ قید بہت ضروری تھی۔ ورنہ یوں تجارت وغیرہ کی غرض سے تو کافر بھی دارالہجرت میں آسکتے تھے۔ دنیا کے قانون میں اسلام کا ثبوت انہی ظاہری چیزوں سے ملتا ہے۔ رہی تصدیقِ قلب، سو وہ صرف عنداللہ ہے۔ بندوں کے ذمہ اس کی تفتیش نہیں۔ ٦٦٨ یعنی کسی حال میں کوئی علاقہ اُن سے محبت کا نہ رکھو۔ نہ حالتِ امن میں دوستی کا نہ حالتِ خوف میں استعانت کا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا ۔ یعنی اگر یہ ہجرت اور اسلام سے رُوگردانی رکھیں اور بدستور دارالحرب میں کافر ہی بنے رہیں۔ عن الایمان والھجرۃ (ابن عباس) عن الایمان الظاھر بالھجرۃ (بیضاوی) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔ اس لئے کہ یہ بھی مشرکین محاربین کے حکم میں داخل ہوگئے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین محاربین کے ساتھ ہوتا ہے۔ کما کان حکم سائر المشرکین (مدارک) ٦٦٩ (اور اُن کے بھی جاکر ہم عہد ہو جاتے ہیں تو گویا اس طرح تمہارے بھی حلیف ہو جاتے ہیں) حلیف کا حلیف بالواسطہ سہی اپنا ہی حلیف ہو جاتا ہے۔ اور اس سے مصالحت و امن حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے اخذ و قتل کا حکم نہیں۔ گویا بنائے حکم ان کا کفر نہیں بلکہ مادۂ ضرر رسانی ہے۔

۶۵۱ یعنی اس خبر کی صحیح حیثیت متعین کر لیتے۔ اَلَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اس سے ایک بڑی اہم فقہی حقیقت روشنی میں آ گئی معلوم ہوا کہ استنباطِ مسائل و اجتہادِ احکام، بعد صحابہ کے ہر ایک کا کام نہ تھا۔ اس کے لئے ایک خاص فہم و سلیقہ اور مرتبہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہر فردِ امت اس سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ مِنْهُمْ۔ آیت میں دو جگہ آیا ہے۔ دونوں جگہ اس سے مراد مجموعۂ امت ہے اس میں حسب الذین ظاہر منافقین بھی شامل تھے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے چار امور ثابت ہوتے ہیں:۔ ۱۔ ایک یہ کہ نئے نئے مسائل جو پیش آئیں گے ان کی بابت احکام نص سے نہیں، استنباط سے حاصل ہوں گے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ استنباط بھی ایک حجت شرعی ہے۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ احکام میں عامیوں پر اہلِ علم کی تقلید واجب ہے۔ ۴۔ چوتھے یہ کہ رسول اللہ صلعم اس پر مامور تھے کہ استنباطِ احکام کرتے رہیں۔ آیت سے عقیدۂ امامت کا بھی رد نکل رہا ہے۔ اگر کسی امام معصوم کا وجود امت میں ہوتا تو استنباطِ احکام کی ضرورت کیا تھی۔ امام خود ہی الہاماً ان احکام سے واقف ہوتا۔ هٰذه الأية تدل على بطلان قول القائلين بالامامة لانه لو كان كل شئ من احكام الدين نصوصا عليه لعرفه الامام ولـزال موقع الاستنباط (احصاص)

لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ
تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے ۶۵۱۔ اور اگر تم پر اس کی رحمت
اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾
شامل نہ ہوتی تو تم (سب) بجز تھوڑے سے لوگوں کے شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے ۶۵۲
فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ
تو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے ۶۵۳ آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی بجز اپنی ذات کے ۶۵۴ اور
الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ
آپ مسلمانوں کو بھی آمادہ کرتے رہیے ۶۵۵ اور عجب نہیں کہ اللہ کافروں کا زور روک دے ۶۵۶
وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً
اور اللہ بڑا ہی زور والا ہے، بڑا ہی سزا دینے والا ہے ۶۵۷ جو کوئی اچھی سفارش کرے گا
حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً
اس کو اس میں سے حصہ ملے گا ۶۵۸ اور جو کوئی بری سفارش لائے گا
سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
اس پر اس میں سے بار رہے گا ۶۵۹ اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا
مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ
ہے ۶۶۰ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اسی کو
اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ
لوٹا دو بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ۶۶۱ اللہ وہ ہی

النصف

۶۵۲ (اے امتِ محمدیہ!) یعنی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے تو تم کو ان نعمتوں کی قدر خاص طور پر کرنی چاہیے کہ اس نے تمہیں قرآن دیا، شریعت دی، صاحبِ شریعت رسولؐ دیا۔ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اور یہ تھوڑے سے جو محفوظ رہ جاتے وہ بھی عقلِ سلیم کی بدولت رہتے کہ وہ خود بھی فضل و رحمتِ خاص ہی کی صورت ہے۔ ۶۵۳ (اے پیغمبر!) ادھر مضمون جہاد و قتال کا چل رہا تھا۔ درمیان میں دوسرے مضمون ضمنی مضامینوں سے آگئے تھے، اب پھر اس مستقل مضمون کی طرف رجوع ہے۔ ۶۵۴ (نہ کسی دوسرے کے عمل کی) مقصد یہ ہے کہ آپ خود جہاد پر آمادہ ہو جائیے خواہ کوئی دوسرا ساتھ دے یا نہ دے۔ آپ پر ذمہ داری کسی دوسرے کے عمل کی نہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ غزوۂ احد جب شوال میں پیش آچکا تو اس کے مابعد ذی قعدہ میں آپ مشرکین کے وعدہ کا خیال کر کے بدر کی طرف پھر چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت منافقین تو اپنی بے اعتقادی کے سبب نکل گئے۔ اور مومنین بھی ساتھ دینے میں بہت پس و پیش کرنے لگے۔ کچھ تو اس لئے کہ ابھی احد کے زخم بالکل تازہ تھے اور کچھ اس لئے بھی کہ افواہی خبروں پر یقین کر بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کا سپہ سالارِ اعظم یہ رنگ دیکھ، بالکل تن تنہا چل کھڑے ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ کیا ٹھکانا تھا فرض شناسی اور نصرتِ الٰہی پر اعتماد کا۔ قلت و کثرت اور اکائی اور سیکڑوں کی عددی نامناسبت کا گویا خیال بھی سامنے نہیں رہا۔ ۶۵۵ (جہاد پر) یعنی درجۂ ترغیب میں تبلیغ آپ کے فرائضِ رسالت میں داخل ہے۔ حَرِّضِ۔ تحریض کے معنی ہیں کسی شے کی خوبیاں بہ کثرت بیان کر کر کے اس کی جانب شوق و رغبت دلانا۔ گویا صحیح اور سچا پروپیگنڈہ کرنا۔ التحريض الحث على الشئ بكثرة التزيين وتسهيل الخطب فيه (راغب) آیت ان ظالم اور بیدرد پادریوں کا پول کھول رہی ہے جنہوں نے یہ جھوٹ اچھال رکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) پیروانِ محمدؐ لوٹ مار کے شوق میں جہاد پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ کیا بار بار ترغیب دلانے اور آمادہ کرنے کی ضرورت حریصوں کو ہوا کرتی ہے؟ ۶۵۶ (اور انہیں ان کی زور آوری کے باوجود مغلوب کر دے) قرآن مجید کی یہ پیش خبری مستقبل قریب و بعید دونوں میں پوری ہو کر رہی۔ مخالفین و معاندین میں سے قریش کا زور تو اسی زمانہ میں ختم ہو کر رہا۔ رہیں دور دراز کی پُرقوت، پُرشوکت بادشاہتیں اور حکومت سو وہ مغلوب ہو گئیں۔ عَسٰی۔ اس پر پہلے ہی حاشیہ گزر چکے ہیں کہ اس کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کے کسی قول میں ہوتا ہے تو اس کے معنی محض امید یا توقع کے بجائے وعدہ اور یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عسى من الله واجب (ابن عباسؓ) الماع۔ والاطماع من الله عزوجل واجبٌ (قرطبی) ۶۵۷ اَشَدُّ بَاْسًا اس قوت و شدت کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا۔ اس صفت سزا دہی کا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔ ۶۵۸ یعنی جو کوئی عملِ خیر میں بطریقِ مشروع ساعی ہوگا، اسے اس کا اجر مل کر رہیگا کہ وہ کسی درجہ میں سبب بنا عملِ خیر کا۔ ۶۵۹ (اس لئے کہ وہ سبب اور ذریعہ بنا معصیت کا) شَفَاعَةً سَیِّئَةً۔ اس کے تحت میں علاوہ عملِ بد کے وہ عملِ خیر بھی آجاتے ہیں جو غیر مشروع طریق پر کئے جائیں۔

۶۶۰ تو ہر نیکی پر اجر اور ہر بدی پر عذاب کا ترتب اس کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں۔ ۶۶۱ (اسلئے معاشرت کے ان جزئیات کو حقیر سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیا جائے) سلام کے جواب میں سلام تو بہر حال واجب ہے۔ اس کے بعد اختیار دو دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جوابِ سلام، سلام سے بہتر ہو۔ دوسرے یہ کہ ایسا ہی ہو۔ بہترین قول بعض صحابہ اور تابعین کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کا جواب زیادتی کے ساتھ دیا جائے اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کے الفاظ دہرائے جائیں۔ ردوها بافضل منها في الزيادة على اهل دينكم وملتكم او ردوها مثل ما سلم عليكم على غير اهل دينكم (ابن عباس) اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ۔ یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے طریقِ مشروع پر۔ سلام کے شرعی طریقوں کی تفصیل کتبِ فقہ میں ملے گی۔ تَحِیَّة۔ حیاك الله کے اصل معنی تو زندگی سے خبر دینے کے ہیں۔ پھر دعاءِ زندگی کے معنی ہو گئے۔ ذلك اخبار ثم يجعل دعاء (راغب) اہلِ عرب جب آپس میں ملتے تھے تو اس کلمۂ دعا کو استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اسے سلام کے معنی میں کر دیا۔ فلما جاء الاسلام ابدل ذلك بالسلام فجعلوا التحية اسما للاسلام (کبیر)

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝٧٩

اور ہم نے آپ کو انسانوں کی طرف پیمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ٦٤٣

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ٦٤٤ اور جو کوئی رُوگردانی کرے سو

اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ ۝٨٠ وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا

ہم نے آپ کو اُن پر نگران کر کے نہیں بھیجا ہے ٦٤٥ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ طاعت (قبول ہے) ٦٤٦ لیکن آپ

بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک جماعت شب کے وقت اس کے برخلاف مشورہ کرتی

تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ

ہے جو کچھ کہ وہ کہہ چکے تھے اور اللہ انکے رات والے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے، تو آپ اُن کی طرف سے بے التفاتی

تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝٨١ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

برتیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ٦٤٧ کیا یہ لوگ قرآن میں غور

الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

نہیں کرتے ؟ اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی (اور) کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا

اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝٨٢ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ

اختلاف پاتے ٦٤٨ اور انہیں جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ

اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ

اُسے پھیلا دیتے ہیں ٦٤٩ اور اگر یہ لوگ اُسے رسولؐ کے یا اپنے میں سے صاحبانِ امر کے حوالہ کر دیتے ٦٥٠

٦٤٣ اور اللہ کی یہ گواہی دنیا میں رسولؐ کے کمالات سے ظاہر ہو رہی ہے۔ معجزات و خوارق بھی انہی کمالات کا ایک جزء ہیں۔ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ یہاں صاف للناس فرمایا ہے۔ للعرب نہیں فرمایا۔ خاتم النبیین کے پیام کی عالمگیری پر دُوسری آیات کے علاوہ یہ آیت بھی ایک نص قاطع ہے۔ والناس عام عربهم و عجمهم (بحر) فیه رد لمن زعم اختصاص رسالته علیه السلام بالعرب فتعریف الناس للاستغراق (روح) تعریف الناس للاستغراق ای مرسلا لکل الناس لا لبعضهم (ابوسعود) ٦٤٤ (کہ عام انسانوں کے پاس کوئی ذریعہ احکامِ الٰہی کی معرفت کا نہیں بجز واسطۂ رسول کے) آیت میں رَد آگیا اُن گمراہ فرقوں کا جو رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے مستلزم نہیں سمجھتے۔ آیت عصمت رسولؐ کے مضمون کو بھی واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسولؐ سے ذرا بھی خطا و غلطی کا امکان ہوتا تو اُن کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی کیسے قرار پا سکتی۔ من اقوی الدلائل علی انه معصوم فی جمیع الاوامر والنواهی وفی کل ما یبلغه عن اللّٰه (کبیر) اور علاوہ حدیث نبوی کے جہاں یہ مضمون تصریحاً آیا ہے، فقہاء نے خود اس آیت سے بھی نکالا ہے کہ رسولؐ کی نافرمانی عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ افاد بذلك ان معصیته معصیة اللّٰه (جصاص) ٦٤٥ (سو اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور نہ آپ اس لیے زیادہ فکر و غم میں پڑیئے۔ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی جو آپ کا کہنا نہ سُنے اور آپ کی طرف سے بے توجہی اختیار کرے۔ ٦٤٦ ذکر منافقین کا چل رہا ہے۔ یعنی المنافقین (ابن عباس) یہ زبان سے تو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بھی عرض کرتے تھے کہ ان کے احکام سر آنکھوں پر۔ آپکے ارشادات کی تعمیل ہمیں قبول و منظور۔ طَاعَةٌ۔ خبر ہے مُبتدا محذوف ہے۔ و به امرنا و شاننا طاعة (کشاف) ٦٤٧ اس کی کارسازی یہ ہے کہ وہ دنیا میں آپ کو ان کے شر سے اور سازشوں سے محفوظ رکھے گا اور آخرت میں انہیں شدید سزائیں دیگا۔ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ۔ یعنی ان منافقوں کے سردار اور سرغنہ۔ بَيَّتَ۔ رات کی تاریکی اور پوشیدگی میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں منصوبے بنائے جاتے تھے۔ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ۔ یعنی خدائی ریکارڈ میں ان کی سازشیں اور منصوبے سب مندرج و محفوظ ہیں۔ وقت آنے پر یہ سارا دفتر کھلے گا۔ ٦٤٨ (جو بشری تالیف و تصنیف کا لازمہ ہے) اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اس کے مفہوم میں بہت کچھ قیل و قال ہوئی ہے۔ کسی نے کہا کہ بیان میں تناقض مُراد ہے۔ اور کسی نے کہا کہ تحقیقات میں فرق مراتب اور کسی نے کہا کہ عبارت کی عدم یکسانی لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود اختلاف کثیر کا لفظ بڑا وسیع اور جامع ہے معنوی اور ادبی ہر قسم کی بے آہنگی ہر طرح کا جھول جھال اس کے اندر داخل ہے ـــــ قرآن مجید نے اس آیت سے دنیا کے سامنے اپنی یکتائی کا ایک مستقل چیلنج پیش کر دیا کہ ہر طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لو، ہر طرح جانچ پڑتال کر لو، مضامین کی پستی و بلندی، عبارت کی ناہمواری، کسی قسم کی کوئی کمی کوئی کوتاہی اس کے اندر نہ پاؤ گے۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ یہ بشر اور مخلوق کا کلام نہیں۔ قرآن کے جملہ منکرین کے خلاف خواہ وہ کسی وجہ اور کسی پہلو سے ہوں، یہ قیامت تک کے لئے تحدّی ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن میں تدبر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا لفظی و معنوی اعجاز بالکل واضح ہو جائیگا۔ اور اس وضوح سے آپؐ کی رسالت کی جانب سے شُبہات کافور ہو جائیں گے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ معاصر و متاخر منکرین کا خیال تھا اور جیسا کہ آج بھی بعض "روشن خیال" مرتدین کا خیال ہے۔ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے بحث قیاس پر بھی دلیل نکل آئی۔ اور ان فرقوں کا بھی رَدّ ہو گیا جو سمجھتے ہیں کہ تفسیر قرآن صرف رسولؐ اور امام معصوم کا حق ہے۔ ٦٤٩ (بغیر اس تحقیق کے کہ وہ خبر صحیح بھی ہے اور بغیر اس پر غور کئے کہ اگر صحیح ہے بھی تو اس کی فوری اشاعت کہاں تک مناسب و قرینِ مصلحت ہے) اشارہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کی طرف ہے۔ نزل فی جماعة من المنافقین او ضعفاء المسلمین (جلالین) ۔ ہیئتِ اسلامی شروع ہی سے ایک حد تک منظم، بلکہ نیم عسکری جماعت تھی اور یہ امر ہر اجتماعی تنظیم کے منافی عموماً اور عسکری تنظیم کے منافی تو خصوصاً ہے کہ اُمت کے عوام اور عام افراد جس خبر کو جہاں اور جب سُن پائیں بلا اپنے سرداروں اور اہل حل و عقد کی طرف رجُوع کئے بے تحقیق اُسے لے دوڑیں اور بے تحاشا اُسے پھیلانا شروع کر دیں۔ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ۔ مثلاً کہیں باہر سے لشکرِ اسلام کی فتح و ظفر کی خبر آئی۔ اَلْخَوْفِ۔ مثلاً کہیں باہر سے مسلمانوں کی شکست و ہزیمت کی خبر آئی۔ ٦٥٠ (بجائے اس کے کہ خود اس خبر کی شہرت و اشاعت میں لگ گئے) اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ یعنی صاحبان فہم سلیم۔ یہاں مُراد ہیں اکابر صحابہ۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ۔ ذوی العقل واللب من المومنین یعنی ابابکر و اصحابه (ابن عباس) ذوی العلم والرأی منهم (کبیر) وهم اهل العلم والفقه عن الحسن وقتادة وغیرهما (قرطبی) یجوز ان یرید به الفریقین من اهل الفقه والولاة لوقوع الاسم علیهم جمیعًا (جصاص)

۶۳۵ اللہ کے عذاب کا خوف لاکھ دل میں ہو لیکن یہ عقیدہ بھی تو ساتھ ساتھ رہتا ہے کہ اللہ رحمٰن و رحیم ہے، غفور ہے ارحم الراحمین ہے۔ عجب کیا جو تمامتر عفو و فضل ہی کا معاملہ فرمائے بہ خلاف اسکے دشمنوں سے بجز ایذارسانی کے اور کسی بات کی توقع ہی نہ تھی۔ امام ماتریدی نے فرمایا کہ یہ خوف خوفِ طبعی تھا۔ اس لئے اس پر گناہ نہیں ہوا۔ قال الشیخ ابو منصور رحمه هذه خشية طبع لما انه ذلك منهم كراهة محكم الله فالمرء مجبول على كراهتما فيه خوف هلاكه غالبا (مدارک) فهى على ما طبع عليه البشر من المخافة لا على المخالفة (قرطبی) قالوا خوفا وجبنا لا اعتقادا ثم تابوا (معالم) اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً۔ اَوۡ یہاں بلکہ کے مفہوم میں ہے قيل بمعنى بل (بحر) ۶۳۶ (اور ہم دنیا میں کچھ دن اور اطمینان سے جی لیتے) قَالُوۡا الخ مسلمانوں کی زبان سے یہ قول بہ طور تمنا کے تھا۔ بہ طور اعتراض نہ تھا۔ وقولهم محمول على التمنى لتخفيف التكليف لا على وجه الانكار (کبیر) لا على وجه الاعتراض على حكمه تعالى والانكار لايجابه بل على طريق تمنى التكليف (ابوسعود) یہ قول اگر زبان سے تھا جب بھی چونکہ درجۂ تمنا میں تھا، اعتراض و انکار اس سے مقصود نہ تھا، اس لئے قابلِ مواخذہ جب بھی نہ تھا لیکن خود لفظ قالوا سے یہ لازم نہیں آتا کہ زبان سے بھی ادا کیا گیا ہو۔ قول عربی میں جس طرح کلام لسانی کے لئے آتا ہے اسی طرح حدیثِ نفس کے لئے بھی يقال للمتصور فى النفس قبل الابراز باللفظ قول فيقال فى نفسى قول لم اظهره (راغب) اور علم الٰہی میں دونوں برابر ہیں۔ اور حدیثِ نفس یا وسوسہ کا معصیت نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔

اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ

یا اس سے بھی بڑھ کر ڈرتا ۶۳۵ اور وہ لوگ بولے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا، کاش

لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ

تھوڑی مدت تو اور ہم کو (جینے کی) مہلت دے دیتا ۶۳۶ آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان (بہت ہی) تھوڑا ہے

وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۙ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۞ ۷۷

اور آخرت اس کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کرے ۶۳۷ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائیگا ۶۳۸

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ

تم جہاں کہیں بھی ہوگے وہیں تمہاری موت آلے گی خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں

بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ

ہو ۶۳۹ اور اگر انہیں کوئی سکھ پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو خدا کی طرف

مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ

سے ہے اور اگر انہیں کوئی دکھ پیش آجاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آپ کے

مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَۤاءِ

سبب ہوا ۶۴۰ کہہ دیجیے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے سو ان لوگوں کو کیا

الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ۞ ۷۸ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ

ہوا ہے کہ گویا یہ بات ہی نہیں سمجھتے ۶۴۱ تجھے جو بھی سکھ پیش آتا ہے

حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ

وہ بس اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جو دکھ پہنچتا ہے وہ تیرے اپنے ہی سبب سے ہے ۶۴۲

ائمۂ تفسیر نے یہاں حدیثِ نفس مراد لی ہے۔ يحتمل انهم ما تفوهوا به ولكن قالوه فى انفسهم فحكى الله تعالى عنهم (بیضاوی) بالسنتهم او بقلوبهم (روح) يجوز ان يكون اعتقدوه وقالوا فى انفسهم فحكى ذلك تعالى عنهم (بحر) قد جوز ان يكون هذا مما نطقت به السنة حالهم من غير ان يتفوهوا به صريحا (ابوسعود) بہر صورت آیت اُن ظالم پادریوں کی پرزور تردید کر رہی ہے جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمان تو غنیمت کی طمع میں جنگ کے لئے تُلے بیٹھے تھے، رسول کو صرف اشارہ کی دیر تھی یا معاذ اللہ۔ یہاں اُلٹے اُن کو ترغیب دینے اور آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ ۶۳۷ (اور ہر حکم الٰہی کو بخوشی بجالائے) عدم فرضیت جہاد اور زیستِ مزید کی مُہلت کی تمنا، چونکہ حُبِّ دنیا اور ساتی الدنیا سے پیدا ہوئی تھی، اس لئے نہایت حکیمانہ انداز میں اصل ضرب اسی پر لگائی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہے وہ بھی بالکل فانی و بے ثبات، طلب و تمنا کے قابل شے تو آخرت ہے اور اُس کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ اور احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ۔ سو ایسی حقیر اور بے ثبات چیز کی خاطر التوا حکم جہاد کی تمنا خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ اور اس تقویٰ ہی کی ایک فرد جہاد ہے۔ ۶۳۸ (سو یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاد کے اعلیٰ ثمرات سے محروم رہ جاؤ) فَتِيۡلًا۔ نقیرًا ہی کی طرح عربی میں تحقیر و تصغیر کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں رتی بھر، رائی برابر، ذرہ بھر وغیرہا۔ ۶۳۹ تو جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شے ہے تو آخرت میں جہاد کے اجر و مراتب بے حساب سے محروم اور خالی ہاتھ کیوں پہنچو؟) ۶۴۰ ذکر اب منافقین کا ہو رہا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی بات بنی رہتی، یہ لوگ بھی برابر ان کے شریک رہتے اور کہتے کہ یہ تو عین فضلِ خداوندی ہے جس میں ہم تم سب یکساں شریک ہیں اور جب بات بگڑ جاتی تو جھٹ سارا الزام مسلمانوں اور اُن کے سردارِ اعظم پر رکھ دیتے کہ یہ جو کچھ پیش آیا، سب آپ ہی کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے۔ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اس میں حصہ رسدی ان کو بھی مل گیا۔ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کا خمیازہ بحصہ رسدی انہیں بھی اُٹھانا پڑا۔ يَقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ کامیابی تو طبعی حالات کی بنا پر تکوینی اسباب سے حاصل ہوگئی۔ اس میں مسلمانوں یا اُن کے سردارِ اعظم کے کسی حُسنِ تدبیر کو کیا دخل۔ منافقین کا یہ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ کہنا بھی بہ طور حمد نہ تھا۔ بلکہ بطور محاورۂ زبان تھا۔ جیسے اُردو میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری اُمور ہیں۔ ۶۴۱ یہ توجہ دلاتی ہے منافقین کی حماقت شعاری اور بے غوری کی عادت پر۔ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ۔ یعنی دُکھ ہو یا سُکھ، رنج ہو یا راحت، سب کا مسبب الاسباب حقیقی اللہ ہی ہے۔ سُکھ اور راحت اگر ہے تو یہ براہِ راست اس کے فضل و کرم کا ظہور ہے بلا توسطِ اعمال۔ اور دُکھ یا رنج اگر پیش آرہا ہے تو یہ اس کے عدل کا ثمرہ ہے بہ توسطِ اعمال۔ ۶۴۲ (اے انسان!) خطاب اب عام نوع انسانی سے ہے۔ یا انسان خطابا عاما (کشاف) الخطاب عام كانه قيل ما اصابك يا انسان (بحر) والخطاب فيه كما قال الجبائى وروى عن قتادة عام لكل من يقف عليه لا للنبى صلعم (روح) فَمِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اس کے فضل و کرم کا نتیجہ۔ مِنَ اللّٰهِ و مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ۔ یہ دو محاورہ الگ الگ ہیں۔ زبان و ادب کے ماہرین نے دونوں میں فرق یہ بتایا ہے کہ دوسرا محاورہ بُرے بھلے سارے افعالِ تکوینی کے لئے عام ہے بہ خلاف اس کے پہلے محاورہ کا استعمال صرف محل رضا پر ہوتا ہے۔ من عند الله اعم يقال فى ما كان برضاه و بسخطه ولا يقال هو من الله الا فى ما كان برضاه و بامره (بحر) فَمِنۡ نَّفۡسِكَ۔ یعنی اے بندہ تیری ہی بداعمالی کے سبب سے اور بہ اقتضائے عدلِ الٰہی۔ سَيِّئَةٍ۔ کا اطلاق اس سباق میں صرف اس بُرائی پر ہوتا ہے جو واقعۃً بھی بُرائی ہو، محض صورۃً ہی بُرائی نہ ہو۔ صالحین و ابرار کو جو حوادث و مصائب پیش آتے رہتے ہیں وہ صرف صورۃً ہی مصائب ہوتے ہیں۔ حقیقت میں اُن کی بلندیٔ مراتب کے لئے اور ذریعۂ رحمت ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اُن کے حق میں بداعمالی کا ثمرہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ
اور عورتوں اور لڑکوں میں سے ۶۲۸ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر
هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ
نکال جس کے باشندے (سخت) ظالم ہیں ۶۲۹ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے
لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾
کوئی دوست پیدا کر دے، اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے ۶۳۰
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ
جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں ۶۳۱ اور جو
كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا
کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں ۶۳۲ سو تم لڑو
اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ
شیطان کے ساتھیوں سے اور شیطان کی چال تو لچر ہی
ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا
ہوتی ہے ۶۳۳ کیا تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو
اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
روکے رہو اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو ۶۳۴ پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا
الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ
گیا تو اُن میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرتا (ہوتا) ہے

ع ۱۰ / ۶ / ۷

منزل

۶۲۸ یہ دُوسرا داعی جہاد کے لئے ارشاد ہُوا۔ کمزوروں کی دستگیری و نصرت اور مظلوموں کی اعانت اور انہیں ظالم کافروں کے پنجہ سے رہائی دلانا بجائے خود مقاصد جہاد میں سے ہے۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ کا عطف لفظ اللہ پر ہے یعنی فی سبیل اللہ والمستضعفین۔ زجاج اور زہری سے یہی ترکیب منقول ہے۔ عطف علی اسم اللہ عزوجل ای وفی سبیل المستضعفین وھذا اختیار الزجاج وقالہ الزھری (قرطبی) ۶۲۹ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ مُراد مکہ کا شہر اور مکہ کی حکومت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ القریۃ ھنا مکۃ باجماع من المتأولین (قرطبی) الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ مکہ والے ظالم دُہرے معنیٰ میں تھے۔ ایک تو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔ دُوسری طرف شرک کر کر کے خود اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے تھے۔ ووصف اھلھا بالظلم اما لاشراکھم واما لما حصل منھم من شدۃ الوطأۃ علی المومنین واذلالھم (بحر) لاجل انھم کانوا یؤذون المسلمین ویوصلون الیھم انواع المکارہ (کبیر) بالشرک الذی ھو ظلم عظیم وباذیۃ المومنین ومنعھم عن الھجرۃ (روح) ۶۳۰ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بچوں، عورتوں، مردوں کی ایک خاصی تعداد اسلام لا چکی ہے۔ مگر یہ لوگ سردارانِ قریش کے تشدد کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ نہ دفع ظلم ہی پر قادر ہیں اور نہ ہجرت پر۔ یہاں مناجات اور فریاد انہی لوگوں کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ظلم وشقاوت سے بچے، عورتیں، بوڑھے کوئی بھی محفوظ نہ تھے۔ مِن لَّدُنْكَ بلفظی معنیٰ ہیں "اپنے پاس سے" اُردو محاورہ میں ایسے موقع پر "اپنی قدرت سے" آتا ہے یعنی غیب سے اس کا سامان کر دے۔ وَلِيًّا۔ ایسا دوست وہمدرد جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ رہے۔ ہم سے ہمدردی وغمخواری کرے۔ نَصِيْرًا۔ ایسا حمایتی جو ان ظالموں سے ہمیں نجات دلائے۔ ۶۳۱ (اور جیسا کہ خود حق تعالیٰ ہر قسم کی نفسانی آمیزش وآلائش سے منزّہ وپاک ہے۔ اللہ والوں کا لشکر بھی کبھی عدوان وطغیان، ظلم وخیانت، مے نوشی وبدکاری کے آلاتِ حرب سے مسلح ہو کر جنگ کر ہی نہیں سکتا) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی قید جو بار بار لگائی جا رہی ہے۔ بے معنیٰ نہیں بہت ہی پُر معنیٰ ہے۔ درحقیقت یہ آیت سلسلۂ جہاد کی آیتوں میں سے ایک کلیدی آیت ہے اس نے صاف صاف اسلامی جہاد کا فرق دنیا جہان کی تمام جنگوں اور جاہلی محاربات سے واضح کر دیا۔ اس نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ سچّا مسلمان جب اپنے ابنائے جنس پر ہتھیار اُٹھائیگا تو توسیع ملک کے لئے نہیں، قومی تفوق کے لئے نہیں، تجارتی منڈیاں قائم کرنے کو نہیں، دوسرے کو نیچا دکھانے کو نہیں، دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کو نہیں، رشک وہوس اور جاہ پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ دنیا کے بلندترین مقصد، انسانیت کے برترین نصب العین، کلمۂ توحید کی برتری اور سربلندی کے لئے! ——— رنگ اور نسل، مرز بوم اور قوم، وطن اور قبیلہ کی عزت وحمیت پر کٹ مرنے والے، اسلامی نقطۂ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا، کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لئے ہزاروں من اور سیکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سیکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لئے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ ——— مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک اقدام کا حساب دینا ہے۔ کبھی ان کا قدم ان گندہ راستوں پر پڑ سکتا ہے؟ ۶۳۲ طَاغُوت کے لفظی معنیٰ پر حاشیہ پ ۳ میں گزر چکا۔ یہاں اس لفظ کو لا کر طاغوتی، جاہلی، سپاہیوں کے تمرّد، خدا فراموشی، نفس پرستی اور تجاوز عن الحدود کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ طاغوت کا ترجمہ اگر اس موقع پر "نفس" سے کیا جائے تو اُردو میں شاید پورا مفہوم ظاہر ہو جائے۔ طاغوت اور نفس کی راہ میں آج بھی جو قومیں وطن پرستی، قوم پروری، ملکی آزادی کے خوشنما لفظ اور لقب کے ساتھ جنگ کرتی رہتی ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لے لیا جائے۔ شقاوت وسنگدلی، فریب وخیانت، شراب خواری وحرامکاری جس معیار سے چاہے جانچ لیا جائے جانوروں اور درندوں سے بھی کہیں ابتر حالت نکلے گی ——— یہ سب کرشمہ فی سبیل الطاغوت لڑنے کے ہیں۔ محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر جنگ کرنے کے ہیں۔ ۶۳۳ (سو شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو کبھی بھی مستقل اور پائدار فتح حق کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہو سکتی) فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے۔ مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطانوں اور طاغوتیوں کے مقابلہ میں۔ ان کے مقابلہ میں جو دنیا میں شر وفساد، فسق وشرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔ اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں وہ تم پر حاکم وآمر نہیں۔ تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہُوا بھاگے گا۔ اُس میں جان تو ہے ہی نہیں۔ حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق ومعاشرت، معاملات وعبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ ضرورت صرف ہمت کی ہے۔ ۶۳۴ (کہ حالتِ امن میں اس قسم کی عبادات پر عمل کافی ہے) كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ یعنی جوشِ انتقام اور قتال سے ابھی باز رہو۔ یہ ذکر کن لوگوں کا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے اس وقت کے حالات پیشِ نظر رکھنے ضروری ہیں۔ مسلمانوں کو مکہ میں قریش کے مظالم سہتے سہتے ایک زمانہ ہو گیا تھا، اور قدرۃً انتقام کی خواہش اُن کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ لوگ بھی آخر اسی خون اور اُسی گوشت وپوست کے تھے۔ اور جوش میں آ کر بار بار جنگ کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ ادھر وحی الٰہی ابھی برابر عفو وحلم، مسامحت ودرگزر کا سبق دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم آ گیا۔ اور مسلمان مدینہ کی پُر امن فضا میں منتقل ہو آئے۔ ۱۳-۱۴ سال کی صحبتِ رسولؐ کی زبردست ٹریننگ کے بعد جب علم الٰہی میں مسلمانوں کے اخلاق فاضلہ پختہ ہو گئے۔ اور تحمل اور بے نفسی ان کے کردار کے جزء بن گئے تو حکم جہاد وقتال نازل ہُوا۔ لیکن اُدھر مدینہ کی پُر امن فضا میں رہتے رہتے مسلمانوں کے جذبات انتقام دھیمے پڑ گئے تھے اور وہ جوش وولولۂ قتال باقی نہیں رہا تھا۔ اب طبعی انتقضاء سے میدانِ جنگ میں جانے سے حیلہ حوالہ ڈھونڈے جانے لگے۔ یہاں ذکر اُنہی عافیت کوش مسلمانوں کا ہے۔

۶۲۰ (جیسا موقع اور جیسی مصلحت ہو) قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح ان آیتوں کو بھی پوری طرح سمجھنے کیلئے ان کا پس منظر پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اُحُد میں ابھی حال ہی میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تھی اور مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں اس سے قدرۃً بڑھ گئی تھیں اور اکیلے قریش مکہ ہی نہیں گردوپیش کے دُوسرے قبیلے بھی متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست محاذ تیار کر چکے تھے مسلمانوں کو ہمت ثبات و استقامت کے یہ درس عین اُس وقت دیئے جارہے ہیں۔ خُذُوْا حِذْرَكُمْ حذر کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے اس میں شامل ہے خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں۔ وقس علیٰ ہذا گویا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو۔" حذر کم ای ما فیہ الحذر من السلاح وغیرہ ما اعد ما یحفظ بہ کالحزم والسلاح (بیضاوی) خُذُ حذرکم ای استعد بانواع ما یستعد بہ للقاء من تلقاہ (بحر) ۶۲۱ (ایسی کہ جہاد میں شریک بھی نہیں ہوتا اور پیچھے رہ جاتا ہے) یہاں مُراد منافقین ہیں جو جہاد میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔ المبطؤن منافقوھم تثاقلوا وتخلفوا عن الجھاد (بیضاوی) مِنْكُمْ۔ خطاب یہاں مومنین اور ظاہری مومنین (منافقین) کے مجموعہ سے ہے اور اس مضمون کی آیتوں میں قرآن مجید کا عام طریق خطاب یہی ہے۔ الخطاب لعسکر رسول اللہ صلعم المؤمنین منھم والمنافقین (بیضاوی) انما جمع بینھم فی الخطاب من جھۃ الجنس والنسب لا من جھۃ الایمان (قرطبی) ۶۲۲ (نہیں تو میں بھی اسی مُصیبت کا شکار ہوتا) اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ۔ مُصیبت مثلاً جنگ میں شکست۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ۔ یہ وہ فخر و مسرت کے ساتھ کہتا ہے۔ ۶۲۳ منافقین کی دورنگی اور سیرتِ منافقانہ کو آشکار کیا ہے کہ مومنین کو جب کوئی مصیبت جنس آتی ہے تو منافقین اپنی بےتعلقی اور علیحدگی پر جھٹ اپنی مسرت و فخر کا اعلان کرنے لگتے ہیں کہ خوب ہُوا جو ہم شریک نہ تھے ورنہ ہم بھی اسی بلا میں پھنستے اور مسلمانوں کو جب فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے تو رشک کرنے لگتے ہیں کہ کاش مالِ غنیمت ہمارے حصہ میں بھی آتا۔ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ مثلاً جنگ میں فتح و نصرت۔ كَاَنْ ... مَوَدَّةٌ۔ یعنی اس خودغرضی کے ساتھ کہتا ہے جیسے تم مسلمانوں کی خوشی سے اس منافق کو کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور اُسے تاسّف و حسرت صرف اپنی ہی قوت و دولت پر ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ اُمتِ اسلامیہ کی خوشی سے خوش ہونا علاماتِ ایمان میں سے ہے۔ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ منافق کی زبان سے اس کے معنی یہ ہونگے کہ میں بھی خوب دولت حاصل کرتا۔ مالِ غنیمت میں میرا بھی بڑا سا حِصّہ ہوتا! ۶۲۴ (اخلاص کامل اور اللہ کی رضاجوئی کی نیت سے) فَلْیُقَاتِلْ میں ف کے معنی ہیں کہ اگر واقعی اُسے فوز عظیم ہی منظور ہے۔ ۶۲۵ یعنی کافروں سے قتال کرے جو دین کی صحیح تعلیم کو بھلائے ہوئے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔ یَشْرُوْنَ۔ شراء لغات اضداد میں سے ہے یعنی اس کے معنی خریدنے کے بھی ہیں اور فروخت کرنے کے بھی۔ کچھ اس بنا پر اور کچھ آیت کی ترکیب الفاظ کی بنا پر، آیت کے ایک بالکل دوسرے معنی بھی کئے جا سکتے ہیں اور کئے گئے ہیں، یعنی "وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض میں فروخت کر چکے ہیں"۔ اور اس صُورت میں آیت کا تعلق تمامتر مومنین مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی خوشحالی اور کامرانی کو رضاءِ الٰہی پر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ائمہ تفسیر نے دونوں ہی پہلو اختیار کئے ہیں۔ وللمفسرین وجھان الاول ان یشرون معناہ یبیعون والقول الثانی معنی قولہ یشرون ای یشترون (کبیر) یشرون بمعنی یشترون ویبیعون (کشاف) نزلت فی المنافقین ومعنی یشرون یشترون وقیل نزلت فی المومنین المخلصین ومعنی یشرون یبیعون (معالم) ۶۲۶ (آخرت میں) یہ آخرت کا اجرِ عظیم مجاہدین کے لئے غلبہ اور شکست (کہ اس کی انتہائی صُورت کو فَیُقْتَلْ سے تعبیر کیا ہے) کہ ہر صُورت میں موعود ہے مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ فوز عظیم کو اجر سے تعبیر کرنا وعدہ کے تاکد اور ترتب کے تیقن کے لئے ہے۔ ۶۲۷ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہ اعلاءِ کلمۃ اللہ تو خود جہاد کا ایک مستقل محرک اور قوی داعی ہے۔ مَا لَكُمْ۔ استفہام سے مقصود ترغیب و تحریص ہے اور خطاب مومنین صادقین سے ہے۔ خطاب للمامورین بالقتال علیٰ طریقۃ الالتفات مبالغۃ فی التحریض والحث علیہ وھو المقصود من الاستفہام (روح)

اِنْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
یا اکٹھے ۶۲۰ اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا ہے ۶۲۱ اور پھر تم پر
اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ
اگر کوئی مُصیبت آپڑتی ہے تو کہتا ہے کہ بیشک مجھ پر اللہ نے بڑا فضل کیا کہ میں
اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ
اُن لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہُوا ۶۲۲ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل پیش آتا ہے تو بول اُٹھتا
اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ
ہے (اس بےتعلقی کے ساتھ کہ) گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی (رشتہ) محبت تھا ہی نہیں کہ کاش
كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْیُقَاتِلْ فِیْ
میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا ۶۲۳ تو اگر یہ ہے تو اُسے چاہیئے کہ
سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ
اللہ کی راہ میں لڑے ۶۲۴ اُن لوگوں سے جو دنیا کی زندگی خریدے ہوئے ہیں آخرت کے عوض میں ۶۲۵
وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ
اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑتا ہے تو مارا جائے یا جیت جائے (بہر صُورت)
فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ
ہم اس کو عنقریب اجرِ عظیم دیں گے ۶۲۶ اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم جنگ نہیں
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ
کرتے ہو اللہ کی راہ میں ۶۲۷ اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں مردوں میں سے

۶۱۴ (اور وہی تھوڑے مومن کامل ہوتے) اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ۔ ایک معنی میں تو دونوں حکم اب بھی موجود ہیں یعنی جہاد و قتال اور ترک وطن یا ہجرت اپنے اپنے موقع پر اور تحقق
شرائط پر اب بھی واجب ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اگر یہ احکام خود بھی مقصود بالذات ہوتے اور قتال و ہجرت ہر حال میں فرض ہوتے۔ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ۔ قليل منهم۔ یہ علیهم اور منهم میں ضمیر جمع
غائب کس کی جانب ہے؟ جائز ہے کہ منافقین کی جانب ہو۔ والضمير قيل يعود على المنافقين (بحر) لیکن بہتر یہ ہے کہ مطلق انسانوں یا الناس کی جانب مانی جائے۔ لو كتب الله على الناس ما ذكر (کبیر)
يخبر تعالى عن اكثر الناس (ابن کثیر) مَّا فَعَلُوْهُ۔ ضمیر حکم کی جانب ہے۔ والضمير للمكتوب ودل عليه كَتَبْنَا (بیضاوی) اِلَّا قَلِيْلٌ۔ کی ایک قرات بجائے رفع کے نصب کے ساتھ قليلًا بھی آئی ہے لیکن
ائمہ نحو نے ترجیح اسی مشہور قرارت کو دی ہے۔ ۶۱۵ (ایمان کے معاملہ میں) یعنی اگر شک، تذبذب، تزلزل کی راہ چھوڑ کر اطاعتِ رسول میں یکسوئی کے ساتھ لگ جائیں تو انہیں ایمان میں ثبات

لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا
اگر ہم نے ان پر فرض کر دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو مار ڈالو یا یہ کہ اپنے وطن سے
مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ
نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے نہ کرتے کوئی مگر بجز تھوڑے سے لوگوں کے ۶۱۴ اور اگر یہ (لوگ)
فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ ۶۶
وہ کر ڈالتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو انکے حق میں یہ بہتر بھی ہوتا اور انہیں ثابت قدم رکھنے والا بھی ۶۱۵
وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ۶۷ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ
اور اس وقت ہم انہیں ضرور اپنے پاس سے اجرِ عظیم دیتے ۶۱۶ اور ہم انہیں سیدھی
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ ۶۸ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ
شاہراہ دکھا دیتے ۶۱۷ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کریگا تو ایسے لوگ اُنکے
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام کیا ہے یعنی پیمبر اولیاء اور
وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ ۶۹
شہید اور صالحین اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں ۶۱۸
ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ ۷۰ يٰٓاَيُّھَا
یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے ۶۱۹ اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ
ایمان والو اپنی احتیاط کرلو پھر گروہ گروہ کوچ کرو

ع ۱۱ ۹ ۶

و استقلال اور اس کی برکتیں از خود نصیب ہونے لگیں۔ ذکر
اُنہی منافقین اور کمزور ایمان والوں کا چل رہا ہے۔ فَعَلُوْا
مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی اللہ و رسولؐ کے احکام کی اطاعت اگر
انہوں نے بہ دل و جان کر لی ہوتی۔ اى ما يؤمرون به من
التوبة والاخلاص (ابن عباس) من متابعة الرسول صلعم ومطاوعته
طوعًا ورغبًا (بیضاوی) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی دنیوی و اُخروی
انفرادی و اجتماعی ہر اعتبار سے ان کے فلاح کی صورت پیدا ہو
جاتی۔ تَثْبِيْتًا۔ پہلے یہ بتایا کہ احکامِ دین پر اگر عمل کرتے تو یہ چیز
اُنہی کے کام آتی اور اُنہی کے حق میں بہتر ہوتی۔ اب یہ ارشاد
ہو رہا ہے کہ احکام پر عمل کرنے سے خود قوتِ ایمانی، ضعیف سے
قوی اور قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے
فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ دین کا کام کرتے رہنے سے اعتقاد و
یقین کی باطنی کیفیت کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ۶۱۶
(آخرت میں) اِذًا یعنی اگر انہوں نے احکامِ خدا اور رسولؐ
کا اتباع کیا ہوتا اور نتیجۃً انہیں خیر و صلاح بھی حاصل ہو چکتی
اور دین میں ثبات و استقامت بھی نصیب ہو چکتی۔ اى لو
اتبعوا (جلالین) ۶۱۷ (کہ بے روک ٹوک سیدھے رضاءِ
الٰہی کے مقام، جنت میں داخل ہو جائیں) اور عجب نہیں کہ
اسی کی برکت سے دنیا میں بھی سعی و عمل کی صراطِ مستقیم اُن پر خوب
روشن ہو کر رہے۔ ۶۱۸ دنیا کی مادّی اور حسّی نعمتیں چاہے
جتنی بھی ہوں۔ انسان ان سے لطف و لذت لینے میں کچھ کمی
ہی محسوس کرتا ہے۔ اگر ساتھ ہی یارانِ بزم اور شرکاءِ صحبت
بھی اپنے ہم مذاق اور دلپسند نہ ہوں۔ یہاں بشارت اسی نعمت
عظیم کی مل رہی ہے کہ اہلِ جنت کو مادی و روحانی ہر قسم کی نعمتوں
کے علاوہ صحبت بھی پاکیزہ ترین، بہترین، انسانیت کے بلند ترین
مقام پر فائز ہونے والوں کی نصیب ہوگی۔ حَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ
رَفِيْقًا میں ایک پہلو حیرت کا بھی ہے اور اسی لئے ترجمہ "کیسے
اچھے" سے کیا گیا ہے۔ فيه معنى التعجب كانه قيل وما
احسن اولٰئك رفيقا (کشاف) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اس اطاعت کا تعلق احکام اور واجبات ضروری سے ہے۔ ورنہ اگر فرائض و واجبات کے علاوہ مستحبات، نوافل، تطوعات کا بھی اسی قدر
اہتمام ہو جائے تو پھر درجۂ ولایت خود ہی حاصل ہو جائیگا اور بہ طور انعام رفاقت اولیاء نصیب ہونے کے کوئی معنی نہ رہیں گے۔ اُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یعنی باوجود اپنے اعمال
میں کمی اور کوتاہی رہ جانے کے اور باوجود بالذات ان کاملین سے مرتبہ میں فروتر ہونے کے انہیں اُن کاملین کی جنت نصیب ہو جائیگی۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یہ انعام کمال قرب و وصول کی صورت
میں ہوگا۔ صِدِّيْقِيْنَ یعنی بات کے کھرے اور معاملہ کے سچے، ایسے کہ سچائی اور حق پسندی گویا اُن کی فطرت میں رچ گئی اور اُن کی طبیعت کا جزو بن گئی ہے۔ ایمان کے ہر جزو سے متعلق اُن کی تصدیق کامل
ہوتی ہے۔ ریب و شک کے حدود سے بالاتر۔ كل من صدق بكل الدين لا يتخالجه فيه شك فهو صديق (کبیر) البالغ فى الصدق والتصديق (قرطبی) اردو میں اُنہی کو اولیاء کہتے ہیں۔ قربِ
حق میں ان کا نام انبیاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ افضل الخلق هم الانبياء عليهم السلام وبعدهم الصديقون (کبیر) شُهَدَاۗءِ۔ شہید وہ ہے جو دین کی محبت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرے۔
اور عمل سے ثابت کر دے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا، وہ اسے اس قدر عزیز تھی کہ اُس کی خاطر اُس نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ الصّٰلِحِيْنَ۔ صالحین وہ افرادِ اُمت کہلاتے ہیں جو پورے
دیندار اور متبع شریعت ہوتے ہیں۔ ۶۱۹ اللہ کا علم حاوی و محیط ہے۔ ان کی نیتوں کو بھی، ان کے عمل کو بھی، ان کے مقتضائے عمل کو بھی۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ یعنی تمام مومنین کو جو کاملین
کی معیت و رفاقت نصیب ہوگی، یہ محض فضلِ خداوندی کا ظہور ہوگا۔ ان کے اعمال کا ثمرہ نہ ہوگا۔

۶۰۷ یعنی جب اُن کی دورنگی کھُل جاتی ہے اور باز پُرس شروع ہو جاتی ہے تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگتے ہیں کہ ہم بھی تو مومن ہیں۔ اور ہمیں رسُولؐ کی حاکمیت سے کچھ انکار تھوڑے ہی ہے۔ ہم تو محض نیک نیتی اور فریقین کی خیر خواہی کے خیال سے مقدمہ کو دوسری جگہ لے گئے تھے۔ آیتوں کی شانِ نزُول میں آتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام کے مسلمان یعنی منافق کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہُوا۔ یہودی نے رسُول اللہ صلعم کی دیانت پر اعتماد کر کے کہا کہ چلو وہیں تصفیہ کرائیں۔ منافق کا پہلو کمزور تھا، بولا نہیں بلکہ سردار یہود کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ بالآخر مقدمہ رسُول اللہ صلعم ہی کی خدمت میں آیا اور یہاں سے فیصلہ یہودی کے موافق ہُوا کہ وہی اس معاملہ میں حق پر تھا۔ منافق نے کہا کہ چلو اب عمرؓ کے پاس چلیں وہ غالبًا اپنے دل میں یہ سمجھا کہ عمرؓ کی شدت و غلظت کا فرون پر بہت بڑھی ہوئی ہے اور میں ظاہر میں تو بہرحال مسلمان ہوں۔ وہاں میری ہی چل جائے گی۔ آیات میں تلمیح اسی واقعہ کی جانب ہے۔ منافقین اپنا یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم کسی اور کے پاس مقدمہ کچھ اس خیال سے تھوڑے ہی لے جاتے ہیں کہ فیصلہ کا حق رسُولؐ کے سوا کسی اور کو حاصل ہے۔ بلکہ ہم تو اس لئے لے جاتے ہیں کہ وہاں حق و انصاف و قانون سے زیادہ فریقین کی مصلحت اور دلجوئی پر نظر رہیگی۔ ۶۰۸ (اور اُن کے کرتوتوں کو علمِ خداوندی اور مؤاخذۂ خداوندی کے حوالہ رکھیے، خود مؤاخذہ سردست نہ فرمائیے) مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے دلوں میں کفر و نفاق کی قسم سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ۶۰۹ یعنی خاص ان کی اصلاح سے متعلق اُن پر کافی مضامین کی تبلیغ کرتے رہیئے کہ اُن پر حجّتِ الٰہی قائم رہے۔ وَعِظْهُمْ۔ انہیں نصیحت کرتے رہیئے جیسا کہ منصبِ رسالت کا اقتضاء ہے۔ ۶۱۰ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ رسُول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اُس کو حاکمِ اعلیٰ اور مقتدا تسلیم کیا جائے اور امّت اُسی کے لائے ہوئے قانون اور بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا سیکھے۔ ورنہ محض زبانی رسُول مان لینے سے تو کوئی حاصل ہی نہیں۔

مِنْ رَّسُوْلٍ میں مِنْ زاید تاکید کی غرض سے ہے۔ من زائدۃ للتاکید (قرطبی) بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اس قید نے واضح کر دیا کہ مطاعِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسُولؐ مطاع اُس کے نائب کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ۶۱۱ (اور ان کی توبہ قبول ہو گئی ہوتی) اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ اپنی جان پر ظلم اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ رسُول زندہ سلامت اپنے درمیان موجود اور پھر ان کی عدالت سے اعراض، فَاسْتَغْفَرُوا۔ مغفرت چاہتے اپنے اس گناہ کی اور گناہِ نفاق کی۔ جَآءُوْكَ۔ آپ کے پاس ندامت کے ساتھ حاضر ہوتے۔ تقدیرِ کلام یہاں یوں سمجھی گئی ہے۔ ثم جآءوك فآمنوا واستغفروا۔ استغفار کے لفظ میں خود ایمان کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس لئے اٰمنوا کی تصریح کی ضرورت نہ رہی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بغیر ایمان لائے محض حاضری ہرگز کافی نہ تھی۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ۔ رسُولؐ کی خدمت میں ایمان کے ساتھ حاضری اور پھر اللہ سے طلبِ مغفرت، یہ دونوں چیزیں یقینًا آپ کے قلب سے اثرِ ستاذی کو دُور کر دیتیں اور اس کے بجائے انشراح پیدا کر دیتیں اور آپ ضرور اُن کے لئے مغفرت طلب کرنے لگتے۔ ایک نو پیدا باطل فرقہ کا آیت کے یہ معنیٰ کرنا کہ "کتاب اللہ بھی انہیں معافی دے دیتی" لغت اور قرآن دونوں کے ساتھ تمسخر ہے۔ ۶۱۲ عِنْدَاللّٰہِ یعنی اللہ کے ہاں اُن کا ایمان اُس وقت تک معتبر نہ سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں سے مُراد وہی منافقین اور اسلام کے ظاہری اور زبانی دعویدار ہیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ میں لا زائد و تاکیدِ قسم کے معنیٰ میں ہے۔ مزیدۃ لتاکید معنی القسم (مدارک) ۶۱۳ آیت نے اسے صاف کر دیا کہ رسُولؐ کی عدالت میں مقدمات محض لے آنا ہرگز ایمان کے لئے کافی نہیں عقلی و اعتقادی حیثیت سے اطمینان بھی رسُولؐ کے فیصلہ پر ہونا چاہیئے۔ ہاں اس کے بعد بھی کوئی طبعی تنگی باقی رہ جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بنا پر معاف ہو گی حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ۔ آپ کی حیاتِ مُبارک میں تو آپ کا حَکَم بننا ظاہر ہی تھا۔ بعد وفات آپ کی شریعت حَکَم بننے کے لئے کافی ہے۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اُس کے رسُولؐ کے کسی حکم میں شک و شُبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ وفی هذه الآية دلالة علی ان من رد شیئا من اوامر اللہ تعالیٰ او اوامر رسول اللہ صلعم فهو خارج من الاسلام سواء رده من جهة الشك فيه او من جهة ترك القبول والامتناع من التسليم (جصاص)

اَیْدِیْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ

پھر آپ کے پاس آتے ہیں اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہ ہمارا مقصد تو محض

اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا

بھلائی اور مصالحت تھا ۶۰۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے اللہ اُسے (سب)

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ

جانتا ہے، تو آپ اُن سے چشم پوشی کر جایا کیجئے ۶۰۸ اور انہیں نصیحت کرتے رہیے، اور انہیں اُن کے

فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ

باب میں مؤثر بات کہتے رہیے ۶۰۹ اور ہم نے جو بھی رسُول بھیجا وہ اس غرض

اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

سے کہ اُسکی اطاعت اللہ کے حکم سے کی جائے، اور کاش کہ جس وقت یہ اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت چاہتے، اور رسُولؐ بھی اُن کے حق میں مغفرت چاہتے تو

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

یہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا اور مہربان پاتے ۶۱۱ سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ

حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ

ہونگے ۶۱۲ جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿٦٥﴾ وَ

آپ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں ۶۱۳ اور

۵۹۸ اور اس کی تحقیق مزید کرلیا کرو، کہ اولوالامر کا حکم احکام شریعت کے کہاں تک مطابق ہے) اِلَی اللّٰہِ ۔ اللہ کے احکام کی طرف مراجعت کرنا تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہروقت ممکن ہے لیکن اِلَی الرَّسُوْلِ کی تعمیل کی کوئی صورت رسُول اللہؐ کی وفات کے بعد بجز اس کے ممکن نہیں کہ دفتر احادیث وسنن کی طرف رجوع کیا جائے ـــــ حدیث وسنت کی حجیت اس طرح فرقۂ اہلِ قرآن کی سطحیت کے علی رغم خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اِنْ تَنَازَعْتُمْ ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اولوالامر اور عام افراد امت ہیں۔ اس تصریح نے یہ حقیقت اور کھول دی کہ حکام وعلماء سے عوام کا اختلاف بالکل جائز ہے۔ آخری اپیل کتاب وسنت ہی کی عدالت میں ہونی چاہیئے اور وہی ساری شریعت کا ماخذ ہے۔ یہیں سے اُس فرقہ کا بھی رَد نکل آئے گا جو رسُول معصوم کے علاوہ مستقل ائمہ معصوم کا بھی وجود تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ہر امامِ وقت، اپنی ساری بزرگیوں کے باوجود بہرحال غیر معصوم ہے۔ ۵۹۹ (اور اس لئے شتر بے مہار نہیں ہو، بلکہ اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس رکھتے ہو) ۶۰۰ یعنی دنیا میں بھی یہی ذریعۂ امن وراحت ہے، اور آخرت میں بھی وسیلۂ نجات وسعادت۔ ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی طریق عمل جس کا ذکر ابھی ہوچکا ـــــ اصل اور غیر مشروط اطاعت اللہ کی۔ اللہ ہی کے نائب معصوم کی حیثیت سے اطاعت رسُول کی۔ اور پھر ان دونوں کے واسطہ سے اور انہی کی موافقت وسازگاری کے ساتھ مشروط، اطاعت حکام وعلمائے اسلام کی۔ ۶۰۱ مُراد یہود اور منافقین ہیں۔ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ یعنی توریت۔ یَزْعُمُوْنَ زعم کے اصل معنی مطابق قول کے ہیں۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل لیکن عموماً اس کا استعمال جھوٹ یا مشکوک بات کے لئے ہوتا ہے۔ الزعم القول الحق والباطل واکثر مایقال فیما یشك فیه ولا یتحقق (تاج) واذا شك فیه فلم یدر لعله کذب او باطل قیل یزعم فلان (لسان) محاورۂ قرآنی میں یہ ہمیشہ ذم ہی کا پہلو لئے ہوئے آیا ہے۔ جاء فی القرآن فی کل موضع ذم القائلون به (راغب) ۶۰۲ (بجائے اسکے کہ اُسے شریعت کی عدالت میں لائیں) طَاغُوْت پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا ہے۔ یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت واقتدار ہے۔

مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ
اطاعت کرو ۵۹۸ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہوجائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اسکے رسُول
الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
کی طرف لوٹا لیا کرو ۵۹۹ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو ۵۹۹ یہی
ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ
بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے ۶۰۰ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی
یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور آپ سے قبل
قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا
نازل ہوچکی ہے ۶۰۱ لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں ۶۰۲ حالانکہ انہیں حکم مل چکا
اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا
ہے کہ اسکے مقابلہ میں کفر اختیار کریں ۶۰۳ اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دُور دراز
بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ
لے جائے ۶۰۴ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور
اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ
رسُولؐ کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلوتہی
صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
کررہے ہیں ۶۰۵ پھر کیسی گزرتی ہے جب اُن پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے اپنے ہی ہاتھوں ۶۰۶

ع ۹ ۵

۶۰۳ یعنی اس کی حاکمیت کے تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔ اور طاغوت کے اقتدار کے آگے گردن نہ جھکائیں۔ ۶۰۴ یعنی بنی آدم کے دشمنِ ازلی شیطان کی تو تمنا ہی یہ رہتی ہے کہ انہیں راہِ حق سے زیادہ سے زیادہ دُور کردے۔ ۶۰۵ منافقین یوں تو اسلام کے مدعی تھے لیکن جب کبھی کوئی مقدمہ معاملہ آپڑتا تو فیصلہ کے لئے رسُول اللہ (صلعم) کی خدمت میں حاضر ہونے سے بہت ہی گھبراتے کہ یہاں تو بہرحال بلارو رعایت دودھ کا دُودھ، پانی کا پانی ہوکر رہیگا۔ اور کسی قسم کی سخن سازی وخیانت نہ چل سکے گی۔ تعالوا الی الرسول۔ رسُول کی طرف آؤ، کہ آپ قانونِ شریعت کے موافق فیصلہ کردیں۔ ۶۰۶ مثلاً یہی کہ اُن کی خیانت یا منافقت کا راز کھل گیا۔ اور اس پر اُن کی دھر پکڑ شروع ہوگئی۔

جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ

جلدیں پک جائیں گی ہم ان کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا کرینگے تاکہ وہ برابر عذاب چکھتے رہیں ۵۹۰

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۵۹۱ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

نیک عمل بھی کئے انہیں ہم عنقریب باغوں میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ لَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ

ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے. اُن کے لئے اُن باغوں میں صاف ستھری بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ‌ وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا‏ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

ہوں گی اور ہم انہیں بڑے گنجان سایہ میں لا اتاریں گے ۵۹۲ اللہ تمہیں حکم دیتا

يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ

ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو ۵۹۳ اور جب لوگوں کے

بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا

درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو ۵۹۴ بیشک اللہ تم کو بہت ہی اچھی

يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا‏ ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا

بات کی نصیحت کرتا ہے ۵۹۵ بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا دیکھنے والا ہے ۵۹۶ اے ایمان والو

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ

اللہ کی اطاعت کرو اور رسُول کی اور اپنے میں سے اہلِ اختیار کی

ع

۵۹۰ آیت کا مقصود اہلِ دوزخ کے دوامِ عذاب کا اعلان ہے۔ نضجت ۔ نضج کے لفظی معنی پک جانے کے ہیں۔ یہاں مُراد جل چکنے سے ہے۔ مقصود یہاں بھی ہے کہ عذاب منقطع نہ ہوگا۔ اور احساسِ عذاب ہمیشہ تازہ ہوتا رہے گا۔ یمکن ان یقال ھذا استعارۃ عن الدوام وعدم الانقطاع (کبیر) المقصود بیان دوام العذاب وعدم انقطاعہ (کبیر) صاحب بحر نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اگرچہ قبول نہیں کیا ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کھال جب جل جائے گی تو اس میں حس و الم کا اور ادراک ہی کہاں باقی رہے گا۔ نہیں بلکہ کھال کا احساس ہر دم تازہ ہوتا رہے گا اور جلد بے حس کبھی بھی نہ ہونے پائے گی ——— آخرت میں خواص اشیاء کو دنیا کے خواص طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے۔ ۵۹۱ چنانچہ صفت عزیز کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ نئے، پُرانے ہر قسم کے عذاب پر ہر وقت قادر ہے اور صفت حکیم کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب ہو یا تجدید عذاب۔ کوئی بھی شے حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں۔ ۵۹۲ یعنی انہیں عیش و راحت ہر طرح کی حاصل رہے گی۔ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۔ برحاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں۔ ۵۹۳ الۡاَمٰنٰتِ ۔ امانت کے اندر جملہ حقوق آگئے جن کی ادائی واجب ہے، اور اَهۡلِهَا سے وہ سب مُراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے انہیں حکم ہو رہا ہے کہ جس جس کے جو حقوق واجب ہیں، سب ادا کرتے رہو۔ اسی میں حقوق اللہ و حقوق العباد سب آگئے۔ ھو یعم جمیع الامانات الواجبۃ علی الانسان من حقوق اللہ علی عبادہ ومن حقوق العباد بعضھم علی بعض (ابن کثیر) حکمھا عام ولھذا قال ابن عباس ومحمد بن الحنفیۃ ھی للبر والفاجر ای ھی امر لکل احد (ابن کثیر) ھذہ الاٰیۃ من امہات الاحکام تضمنت جمیع الدین والشرع (قرطبی) والاظھر فی الاٰیۃ انھا عامۃ فی جمیع الناس (قرطبی) ۵۹۴ (اُن کے آپس کے حقوق کے باب میں) اب خطاب حکام اور اہل حل و عقد سے ہو رہا ہے۔ انھا نزلت فی الامراء یعنی الحکام بین الناس (ابن کثیر) ۵۹۵ (کہ اسی طریق معدلت سے دنیا میں بھی انتظامات درست رہینگے اور آخرت میں بھی اجر اسی کا ہے) يَعِظُكُمۡ بِهٖ سے اشارہ اسی طریق معدلت کی جانب ہے۔ ۵۹۶ چنانچہ وہ ادائے حقوق اور عدل گستری کے باب میں تمہارے لفظ و قول کو بھی سنتا رہتا ہے اور تمہاری نیتوں اور محرکاتِ عمل پر بھی نظر رکھتا ہے ۵۹۷ (کہ اُن کے احکام بھی احکام خدا و رسُول پر مبنی اور انہی سے ماخوذ ہوں گے) اَطِيۡعُوا اللّٰهَ ۔ مطاع اصلی اور حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ۔ رسُول مطاع مطلق اس اعتبار سے ہیں کہ اللہ کے احکام کے وہی پہنچانے والے اور وہی ان احکام کی شرح و تفصیل کرنے والے ہیں۔ اُولِى الۡاَمۡرِ۔ اولوالامر کون ہیں؟ اس میں اچھی خاصی قیل و قال ہوئی ہے۔ علماء و فقہاء اُمت بھی مُراد لئے گئے ہیں اور امراء و حکام بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مُراد لئے جائیں کہ احکامِ شریعت کے نافذ کرنے والے یہ دونوں ہوتے ہیں۔ ای الولاۃ او العلماء (مدارک) روی عن جابر بن عبد اللہ وابن عباس روایۃ والحسن وعطاء ومجاھد انھم اولوا الفقہ والعلم وعن ابن عباس فی روایۃ وابی ھریرۃ انھم امراء السرایا ویجوز ان یکونوا جمیعاً مرادین بالاٰیۃ لان الاسم یتناولھم جمیعہ (جصاص) اُولُوا الۡاَمۡرِ۔ خواہ وہ علماء و فقہاء ہوں یا امراء و حکام۔ بہرحال ان میں مستقل مطاع ہونے کی صلاحیت ذرا سی بھی نہیں وہ مطاع صرف اسی حیثیت سے ہیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یا بعض جزئیات میں شرح کرنے والے ہیں۔ اسی حد کے آگے ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ مِنۡكُمۡ۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے اس آیت سے جن صاحبوں نے کسی غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے، انہوں نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔ اطاعت تو مُسلم امیر کی بھی ہر صورت و حال میں جائز نہیں۔ چہ جائیکہ کسی غیر مسلم کی۔ وہ اگر جائز ہے بھی تو کم از کم اس آیت سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں۔

وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى

مانے ہوئے ہیں ۵۸۲ اور کفر کرنے والوں کی بابت کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے

مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا سَبِيلًا ۝۵۱ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ

تو یہی لوگ زیادہ ہدایت یاب ہیں ۵۸۳ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

اللّٰهُ ۖ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيرًا ۝۵۲ اَمْ لَهُمْ

ہے ۵۸۴ اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اُس کا کوئی مددگار ہرگز نہ پائے گا ۵۸۵ کیا انہیں کچھ

نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝۵۳

کچھ اقتدار نصیب ہو جائے تو یہ تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں ۵۸۶

اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ

کیا یہ لوگوں پر حسد کر رہے ہیں اُن چیزوں کے باعث جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

دے رکھی ہیں ۵۸۷ سو ہم نے تو آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت دی ہے اور ہم نے

اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيمًا ۝۵۴ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ

انہیں بڑا اقتدار بھی دیا ہے ۵۸۸ اور ان میں سے کوئی کوئی تو اس پر ایمان لائے اور

مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۖ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝۵۵ اِنَّ الَّذِينَ

کوئی کوئی اس سے رُکے رہے اور دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے ۵۸۹ بیشک جن لوگوں نے

كَفَرُوا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ

ہماری نشانیوں کے ساتھ کفر کیا، ہم انہیں عنقریب (دوزخ کی) آگ میں جھونکیں گے جب کبھی ان کی

۵۸۲ الجبتِ ۔ جبت کا اطلاق تو اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے ۔ یقال لکل ما عبد من دون اللہ جبت (راغب) لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال ساحروں اور کاہنوں کے لئے ہوتا ہے ۔ سمی الساحر والکاھن جبتًا (راغب) صحابہ اور تابعین دونوں سے یہ معنی منقول ہیں ۔ قال عمرؓ الجبت السحر (ابن جریر) قال ابن عباس وابن جبیر وابو العالیۃ الجبت الساحر (قرطبی) یہود میں عملیات کا اور سحر، کہانت، نجوم، وغیرہ علوم سفل کا ذوق ابتدا سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ پارۂ اول میں آیۃ واتبعوا ماتتلوا الشیاطین کے تحت میں دکھایا جا چکا ہے ۔ جبت کا لفظ لاکر عجب نہیں کہ اشارہ ان کی اسی قومی خصلت کی جانب کرنا مقصود ہو ۔ الطَّاغُوتِ ۔ طاغوت پر حاشیہ پارۂ سوم میں گزر چکا ۔ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو انسان میں طغیان و عدوان پیدا کر دے ۔ الطاغوت کل ما یطغی الانسان (قرطبی) عجب نہیں کہ یہ لفظ لاکر یہود کے رجحان مادیت اور ذوق مادہ پرستی کی طرف توجہ دلانا منظور ہو ۔ ۵۸۳ روایتوں میں آتا ہے کہ سردارانِ یہود مکہ میں آئے تو قریش نے اُن سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروانِ محمدؐ کا ۔ اور سوال میں اپنے دینی کارناموں، مثلاً خدمتِ حجاج، خدمتِ کعبہ کا ذکر بھی کر دیا ۔ سردارانِ یہود بولے کہ ان کے دین سے تو تمہارا ہی دین بہتر ہے ۔ اور اُن سے زیادہ ہدایت یاب تم ہی ہو ۔ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۔ الذین کفروا سے مُراد قریش و مشرکین مکہ ہیں ۔ ل کے معنی "بابت" یا "متعلق" کے ہیں ۔ للذین ای فی حقہم (روح) واللام للتبلیغ (بحر) الَّذِينَ اٰمَنُوا ۔ سے مُراد مسلمان ہیں ۔ ۵۸۴ خود دینِ توحید رکھ کر اور آئینِ انبیاء سے آشنا ہو کر، دینِ توحید سے اتنی بیزاری اور ذاتِ رسولؐ سے اتنا بُغض کہ شرک اور مشرکین تک کو اُن سے بہتر بتا رہے ہیں ۔ ملعونیت کا تحقق ان سے بڑھ کر اور کس پر ہوگا ۔ ۵۸۵ (جو عذاب سے اُسے بچا لے یا اس میں کچھ کمی بھی کرا دے) مشرک قوموں اور قبیلوں نے خدا کے ساتھ ساتھ اپنے اور بھی حمایتی گڑھ کر رکھے تھے ۔ ۵۸۶ یعنی اپنی مقبولیت اور روحانی عظمت الگ رہی ۔ یہود کو اگر دنیوی امارت و سیادت نصیب ہوتی تو یہ اتنے بخیل اور تنگدل ہیں کہ اس میں بھی کسی کو شریک نہ ہونے دیتے ۔ بلکہ لوگوں کے حقوق تک نہ ادا کرتے ۔ اور شاید اسی بخیلی، تنگدلی کی قومی جبلت کی بنا پر یہود دنیوی اقتدار سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں ۔ نَقِيرًا ۔ نقیر کے لغوی معنی اُس گڑھے کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے ۔ عربی محاورہ میں مثل فتیل کے حقیر سی حقیر اور چھوٹی سی چھوٹی چیز اس سے مُراد ہوتی ہے ۔ جیسے اُردو میں رائی بھر، رتی بھر وغیرہ بولتے ہیں "تل برابر"، ترجمہ شاہ عبد القادر دہلویؒ کا ہے ۔ لا یؤتون نقیرًا ای یمنعون الحقوق (قرطبی) ۵۸۷ (مثلاً نعمتِ نبوت) النَّاسَ کے لغوی معنی تو "لوگوں" کے ہیں لیکن یہاں مُراد عرب یا بنی اسمٰعیل یا خود رسولؐ اور مومنین ہیں ۔ الناس ھنا العرب حسدتہا بنو اسرائیل (بحر عن قتادہ) حسدت الیہود قریشًا لان النبوۃ فیہم (قرطبی عن الضحاک) المراد ھھنا الرسول ومن معہ من المومنین (کبیر) یہود کو اصل خلش اسی کی تھی کہ انبیاء، تو ہمیشہ اسرائیلیوں میں ہوئے ہیں، یہ ایک عرب کو کیسے نبوت مل گئی ۔ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ مُراد نبوت ہے ۔ قتادہ و ابن جریج تابعین سے یہی معنی مروی ہیں معنی الفضل فی ھذا الموضع النبوۃ التی فضل اللہ بہا محمدًا وشرف بہا العرب (ابن جریر عن قتادہ، ابن جریج) اولی التاویلین فی ذلک بالصواب قول قتادۃ وابن جریج الذی ذکرناہ قبل (ابن جریر) ۵۸۸ اٰلَ اِبْرٰهِيمَ اور نسلِ ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں ۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل ۔ یہاں یہود کو یاد دلایا گیا ہے کہ ہماری نعمتوں کے وعدے تو کل نسلِ ابراہیمؑ سے ہیں نہ کہ اس کی ایک ہی شاخ سے ۔ پھر تم تنہا اپنے ہی کو ان نعمتوں کا حقدار کیسے سمجھنے لگے ہو ۔ اور جب ایک اسمٰعیلی کو نعمتیں مل رہی ہیں تو تمہیں اس پر حسد یا حیرت کیوں ہے ۔ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ دونوں روحانی نعمتیں ہیں ۔ ان کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے اور مُلْكًا عَظِيمًا دنیوی نعمت ہے اس کا ذکر الگ کر کے کیا ہے ۔ ۵۸۹ (سو دنیا میں سزا ملنا نہ ملنا چنداں قابلِ التفات نہیں) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ بعض نے مُراد کتاب لی ہے بعض نے وہ سارا فقرہ جو آلِ ابراہیم سے متعلق گزرا ہے اور بعض نے ذاتِ محمدیؐ کو ۔ ماحصل تینوں صورتوں کا ایک ہی ہے ۔ من اٰمن بالکتٰب (بحر) بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم او بما ذکر من حدیث اٰل ابراھیم (بیضاوی) یعنی بالنبی (صلعم) (قرطبی)

۵۷۱ اُوْتُوا الْکِتٰبَ میں کتاب سے مراد توریت ہے۔ بِمَا نَزَّلْنَا اس کتاب پر جسے ہم نے اب اپنے رسول پر نازل کیا ہے یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ۔ یعنی قرآن تو اصل توریت کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ اس کے محرّف اجزا ظاہر ہے کہ اس عام تصدیق سے مستثنیٰ ہیں۔ ۵۷۲ (غرض اسی طرح کے کسی عذاب شدید و ہولناک میں مبتلا کردیں) نَطْمِسَ وُجُوْهًا۔ طمس وجہ سے مُراد ہے چہرہ کے نقش و نگار اور آنکھ و ناک منہ وغیرہ اعضا کو مٹا دینا۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ۔ یعنی ان لوگوں کے چہروں کو گُدّیوں کی طرح صفاچٹ کردیں۔ ف ہمیشہ تعجب ہی کے لئے نہیں ہوتی کبھی تفصیل اجمال کے لئے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں اسی غرض سے ہے۔ اور یہ دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کی تفصیل و توضیح کر رہا ہے۔ یہ ڈراوے سب عذابِ اُخروی کے ہیں لیکن وجوہ کے معنیٰ مجازاً سرداروں اور رئیسوں کے بھی آئے ہیں۔ قیل عنی بالوجوہ الاعیان والرؤساء (راغب) یراد بالوجوہ رؤسھم ووجھاؤھم (کشاف) اس لئے فقرہ کے معنیٰ یہ ہونگے کہ ہم ان کے سرداروں کو ذلیل و خوار کریں۔ چنانچہ کشاف و کبیر وغیرہ میں یہ معنیٰ بھی نقل ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس کے متصل فقرہ کے معنیٰ یہ ہونگے کہ "ہم ان کی وجاہت و اقبال کو سلب کرلیں اور ان پر ذلّت و ادبار نازل کریں" چنانچہ کشاف، بیضاوی وغیرہ میں یہ قول بھی نقل ہوا ہے۔ مِنْ قَبْلِ کا صحیح مفہوم پیشِ نظر نہ رہنے سے ایک سوال یہ پیدا ہوگیا ہے کہ طمس و مسخ کی یہ سزائیں ملی ہی کب؟ ظاہر ہے کہ ان سزاؤں

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا

تصدیق کرنے والی اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے ۵۷۲ قبل اس کے کہ ہم چہروں کو مٹاڈالیں اور

فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ

چہروں کو اُن کے پیچھے کی جانب اُلٹا دیں ۵۷۳ یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں جس طرح ہم نے سبت والوں

السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝٤٧ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ

پر لعنت کی تھی ۵۷۴ اور اللہ کا حکم پُورا ہو کر ہی رہتا ہے ۵۷۵ اللہ اس کو تو بیشک نہ بخشے گا کہ

اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

اسکے ساتھ شرک کیا جائے ۵۷۶ لیکن اسکے علاوہ جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی (کسی کو)

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝٤٨ اَلَمْ تَرَ اِلَى

اللہ کا شریک ٹھیراتا ہے اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا ۵۷۶ کیا تو نے ان پر نظر نہیں کی

الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

جو اپنے کو پاکیزہ ٹھیراتے ہیں ۵۷۷ حالانکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ ٹھیرائے ۵۷۸

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝٤٩ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى

اور ان پر دھاگا برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا ۵۷۹ دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹا طوفان

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٥٠ اَلَمْ تَرَ اِلَى

باندھتے ہیں اور یہ کافی ہے جرم صریح کے لئے ۵۸۰ کیا تو نے اُن لوگوں پر

ع ۸ ۴

الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

نظر نہیں کی جنہیں کتاب سے بہرہ ور کیا گیا تھا ۵۸۱ (اس پر بھی) یہ بُت اور شیطان کو

کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور من قبل ہمیشہ کسی واقعہ کے واقع ہوجانے ہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے ہو سکنے پر بھی دلالت کرتا ہے اور محلِ تہدید میں آتا ہے تو اس معنیٰ میں اس کا استعمال قرآن مجید میں بکثرت ہوا ہے۔ حدیثِ نبوی میں ایک دعا آتی ہے۔ اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دمًا والاضراس جمرًا۔ قبل کے یہاں یہ کوئی معنیٰ بھی نہیں سمجھتا کہ بعد کا واقعہ صرف مُلّا مؤخر ہے اور واقع ہو کر رہے گا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس کے وقوع سے اپنے کو بچایا جائے۔ اُردو ہی کے محاورہ میں ہم برابر کہتے رہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ دوزخ میں پڑو، گناہوں سے توبہ کرلو۔ اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ دوزخ میں تو بہر حال پڑنا ہی ہے صرف نا اس سے قبل توبہ کرلینا چاہیئے بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ اسی طرح آیت کا خلاصۂ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ طمس و مسخ کی سزاؤں سے بچنے کے لئے قرآن و صاحبِ قرآن کی تصدیق کرلو۔ ۵۷۳ اصحٰب السبت پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکا۔ ۵۷۴ (سو طمس، مسخ، لعنت جس چیز کا بھی حکم ہوگیا وہ بہ حال پُورا ہو کر رہے گا) ۵۷۵ (سو مشرک عذابِ دائمی میں مبتلا رہے گا) مشرک کی نجات کی کوئی صُورت ہی نہیں۔ اس نے جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہی اپنے میں باقی نہ رکھی۔ ۵۷۶ (اور اس جُرمِ عظیم کی بنا پر وہ قابلِ مغفرت نہ ہوگا) اِفْتَرٰۤى اِثْمًا۔ گناہ سمیٹنا کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کو ہے۔ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اور جتنے بھی گناہ ہو سکتے ہیں، وہ بہر حال شرک سے کمتر ہی ہونگے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی شرک تو آسمانی حکومت سے صریح بغاوت کے مُرادف ہے بس اُسے چھوڑ کر باقی ہر معصیت مغفرت کی گنجائش رکھتی ہے اور جس کسی کے حق میں مشیتِ الٰہی ہوگی اسے معافی مل جائے گی۔ خواہ اُس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔ وقد ابانت ھذہ الاٰیۃ ان کل صاحب کبیرۃ ففی مشیئۃ اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ علیھا مالم تکن کبیرتہ شرکًا باللہ (ابن جریر) ای یغفر ما دون الشرک وان کان کبیرۃ مع عدم التوبۃ (مدارک) آیت میں رَد ہے خوارج وغیرہ اُن گمراہ فرقوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ہر گناہ شرک ہے اور ہر گناہ کی سزا عذاب ابدی ہے۔ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ مشیت کا اطلاق بلا کسی قید و شرط کے ہے۔ یہیں سے رَد نکل آیا معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ مغفرت اُن کی ہوگی جو توبہ کرلیں نہ اُن کی جو توبہ نہ کریں گے۔ توبہ کے بعد تو ظاہر ہے کہ اہلِ کفر و شرک کی بھی مغفرت ہوجاتی ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جس طرح شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ توحید کے ساتھ کوئی عمل ضرر نہیں کرتا۔ یہ قول حضرت عمرؓ کے سامنے دُہرایا گیا تو آپ نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ ۵۷۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ یعنی ایسے لوگوں کی حماقت بھی قابل دید ہے۔ الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے توحید و تقویٰ کو جو معیار فضیلت و مقبولیت رکھ دیا ہے، اُسے چھوڑ چھاڑ لوگوں نے نسل وغیرہ کے طرح طرح کے معیار شرف و بزرگی کے گڑھ لئے ہیں اور ان بنیادوں پر اپنے کو معظم و مقدس سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تمامتر حماقت و ضلالت ہے۔ آیت کا اشارہ خاص یہود کی جانب ہے۔ اپنے کو نسل انبیاء میں سے ہونے کی بنا پر مقدس سمجھ رہے تھے باقی ہندوستان میں برہمن، چھتری وغیرہ اپنے کو محض مقدس خاندانوں سے انتساب کی بنا پر مقدس سمجھنے والے، اپنے چندربنسی، سورج بنسی ہونے پر فخر و ناز کرنے والے یا جاپانیوں کی طرح اپنے کو دیوتاؤں کی نسل میں قرار دینے والے سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ اور ہاں پھر کسی درجہ میں مسلمان پیرزادے، مخدوم زادے، سیّد زادے وغیرہا۔ ۵۷۸ یعنی معتبر تو پاکیزگی اُسی کی ہے جسے اللہ پاکیزہ قرار دے اور اپنے زعم و پندار میں اپنے کو پاکیزہ ٹھیرا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ ۵۷۹ یعنی جو سزا اُنہیں ملے گی، وہ اُن کے جُرم سے ذرّہ بھر بھی زائد نہ ہوگی۔ اُن کا جُرم ہے ہی اسی سزا کا مستحق۔ فَتِيْلًا۔ فتیل کے لفظی معنیٰ دھاگے کے ہیں۔ عربی محاورہ میں مُراد حقیر سی حقیر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ہوتی ہے۔ جیسے ایک دوسری جگہ ولا یظلمون نقیرا۔ بھی آیا ہے۔ یرجع الی الکنایۃ عن تحقیر الشیٔ و تصغیرہ (قرطبی) اشارۃ الی اقل شیٔ (بحر) جیسے اُردو میں ایسے موقع پر "ذرّہ بھر" "رتی بھر" "بال برابر" استعمال ہوتے ہیں۔ ۵۸۰ (تو ایسے صریح جرم پر ایسی سزا کیا کچھ ظلم و زیادتی ہے؟) بِهٖ میں ضمیر افتراء یعنی افترا علی اللہ کی جانب ہے۔ والضمیر فی بہ عائد علی الافتراء وھو الذی انکر علیھم (بحر) ۵۸۱ یعنی یہود۔ اور کتاب سے مُراد کتابِ الٰہی یا توریت ہے۔

٥٦٤ (اے مسلمانو!) یہود خود تو علمِ توریت کے باوجود کفر و ضلالت اختیار کئے ہوئے تھے ہی، مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے یعنی توریت۔ اَلَمْ تَرَ۔ میں خطاب عام ہے ہر مخاطب کے لئے۔
٥٦٥ (اور اُس نے تم کو بھی خبردار کر دیا) ٥٦٦ اللہ کا حمایتی ہونا یہ ہے کہ وہ مومن بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا رہتا ہے اور اُس کا مددگار ہونا یہ ہے کہ وہ انہیں دشمنوں کی نقصان رسانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ٥٦٧ (اور لفظی و معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے رہتے ہیں) اَلْكَلِمَ۔ کلام سے مُراد کلامِ الٰہی یا توریت ہے۔ اَلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ یہ وہ لوگ تھے جو نسلاً اسرائیلی نہیں، بلکہ عرب تھے لیکن یہود کی طویل صحبت سے متاثر ہو کر خود بھی یہود کے شعائر و عقائد اختیار کر کے رفتہ رفتہ ان میں جذب ہو چکے تھے۔ شرارت و خباثت میں یہ بھی نسلی یہود سے کچھ کم نہ تھے تفصیل پارۂ اوّل میں گزر چکی۔
نحویین کہتے ہیں کہ هادوا اور یحرفون کے درمیان مَنْ محذوف ہے۔ قال الفراء المحذوف مَنْ المعنی من الذین هادوا مَنْ یحرّفون (قرطبی) ٥٦٨ (یعنی ان کے حق میں نافع بھی اور مطابق واقعہ بھی) عرب یہود کی مستمر شرارتوں اور خباثتوں میں سے یہ امر بھی تھا کہ رسول اللہ (صلعم) کو مخاطب کرتے وقت ایسے الفاظ قصداً بولتے جن میں پہلوئے ذم بھی نکلتا رہتا اور تحقیر یا بددعا پیدا ہوتی رہتی۔ پارۂ اوّل میں بھی یہ ذکر پوری وضاحت سے آچکا ہے۔
یہود کی ان گستاخیوں کا دار و مدار چونکہ تلفظ اور الفاظ ہی کے سوء استعمال پر ہے اس لئے ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ اصل عربی الفاظ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ
(کیا تو نے نہیں دیکھا) کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا وہ گمراہی کو مول لے رہے ہیں
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ
اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) گمراہ ہو جاؤ ٥٦٤ اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے ٥٦٥
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ
اور اللہ کا حمایتی ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا کافی ہے ٥٦٦ جو لوگ یہودی ہو گئے
هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا
ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو کلام کو اس کے موقعوں سے پھیرتے رہتے ہیں ٥٦٧ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا
وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ
مگر ہم نے مانا نہیں اور (ہماری) سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے، اور "راعنا" میں زبانوں کو توڑ موڑ کر
وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
دین میں طعنہ زنی کی راہ سے اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سُنا اور ہم نے قبول کیا،
وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ
اور (ہماری) سنو اور "انظرنا" تو ان کے حق میں کہیں بہتر اور درست تر ہوتا ٥٦٨ لیکن اللہ نے
لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾
تو اُن کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے ٥٦٩ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے ٥٧٠
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا
اے وہ لوگو جنہیں کتاب مل چکی ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ ظاہری مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سُن لیا اور آپ کے گمراہ کُن مخالف و معاند کا قول نہیں مانا لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے تمہاری بات تو سُن لی لیکن اُسے قبول نہیں کیا۔ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ ظاہراً مطلب یہ تھا کہ کوئی مخالف اور رنج دہ بات آپ کے کان میں نہ جائے لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی اچھی بات سنائی ہی نہ دے۔ رَاعِنَا۔ راعنا کا ظاہراً مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت سے دوبارہ فرمایئے لیکن تلفظ میں "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے بالکل گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا تھا۔ لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ یعنی بظاہر لہجہ سے تعظیم و توقیر نظر آتی تھی لیکن زبانیں تقیہ سے کام لیتی ہوتی تھیں اور دل کے بغض و عناد کو چھپائے ہوئے رہتی تھیں۔ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ اس تصریح نے بتا دیا کہ عرب یہود کی یہ ساری حرکتیں بے خیالی سے خالی نہ تھیں اور نہ تفریح طبع کے طور پر تھیں۔ بلکہ اللہ کے دین پر طعن کرنا، اسے مجروح کرنا مقصود بھی تھا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ اسمع، انظرنا۔ تعلیم ان الفاظ کی ہوئی کہ پہلوئے ذم سے خالی ہیں۔ ٥٦٩ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں کو اپنی رحمت خاصہ سے دُور کر دیا۔ لعنت پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکا۔ بِكُفْرِهِمْ۔ اس سے یہ صاف ہو گیا کہ رحمتِ خاصہ سے بھی یہ دوری اور مہجوری خود بخود اور بلاسبب نہیں ہوئی بلکہ یہ انہی کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے ٥٧٠ اور یہ تھوڑے سے وہی تھے جو آگے چل کر مسلمان ہو گئے باقی سب کا خاتمہ علم الٰہی کے مطابق کفر ہی پر ہوا

٥٥٤ (اے پیغمبر!) هٰٓؤُلَآءِ (ان لوگوں) کا اشارہ کس جانب ہے؟ بہ ظاہر یہ لوگ مُراد معلوم ہوتے ہیں جو قرآن کے براہِ راست یا بالواسطہ مخاطب تھے، اور جن سے رسول اللہ صلعم کا سابقہ تھا۔ ای علیٰ امتک (ابن جریر) یعنی قومہ المخاطبین بالقراٰن (کبیر) دوسری تفسیر یہ ہے کہ اشارہ ان گواہوں کی جانب ہے یعنی ان گواہوں کے صدقِ بیان پر گواہ ہو کر، نشهد علیٰ صدق هٰؤلاء الشهداء لعلمك بعقائدهم (بیضاوی)۔ بہر صورت جب رسول اللہ صلعم اس آیت پر پہنچتے تھے تو اپنی ذمہ داری کے احساس اور فرطِ خشیت سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنسو چشمِ مبارک سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اتیٰ علیها فاضت عیناہ (ابن جریر)۔ جن بیدردوں نے قرآن کو کلامِ محمدی ٹھیرایا، وہ غور کریں، اپنے گھڑے ہوئے کلام سے بھی انسان کے آنسو جاری ہو سکتے ہیں؟ ٥٥٥ (بلکہ ہر چھپا ہوا راز اس روز ظاہر ہو کر رہیگا) یَوْمَئِذٍ۔ اس روز سے ظاہر ہے کہ روزِ حشر مُراد ہے۔ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ۔ تاکہ وہ پیوندِ زمین ہو کر حشر کی رسوائی اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ ٥٥٦ یعنی نشہ اُتر جائے اور زبان قابو میں آجائے۔ آیت اُس وقت کی ہے جبکہ حُرمتِ شراب کا حکم ابھی نازل نہیں ہُوا تھا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اوقاتِ نماز میں تو شراب پینے سے باز رہو۔ یہ مطلب نہیں کہ شراب تو اسی طرح پیتے چلے جاؤ اور نشہ کی حالت میں نماز چھوڑے رہو۔ ٥٥٧ یعنی حالتِ جنابت کے بعد غسل کرنا فرض ہے، بغیر اس کے نماز

اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾

ایک ایک گواہ حاضر کریں گے ٥٥٤ اور ان لوگوں پر آپکو بطور گواہ پیش کریں گے، ٥٥٥

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیمبر کی نافرمانی کی ہے وہ اس روز

تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾

تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کر دی جائے، اور اللہ پر کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ٥٥٥

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو،

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ

یہاں تک کہ جو کچھ (منہ سے) کہتے ہو اسے سمجھنے لگو ٥٥٦ اور نہ حالتِ جنابت میں جب تک کہ غسل

حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ

نہ کرلو ٥٥٧ بجز اس حال کے کہ تم مسافر ہو ٥٥٨ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو ٥٥٩ یا

جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

تم میں سے کوئی استنجا سے آیا ہو ٥٦٠ یا تم نے اپنی بیویوں سے قربت کی ہو ٥٦١ پھر تم کو

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر

وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

ہاتھ پھیر لیا کرو ٥٦٢ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے ٥٦٣ کیا تو نے نہیں دیکھا

منزل

تقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ٦ ٢

درست نہ ہوگی۔ مرد کو انزال ہو جانا۔ عورت کو حیض آجانا، مرد و عورت دونوں کا عملِ مباشرت کرنا (خواہ انزال کے بغیر ہو) یہ سب حالتیں جنابت کی ہیں۔ اَلصَّلٰوةَ سے مُراد مَواضع الصلوٰۃ بھی لی گئی ہے۔ یعنی مسجدیں۔ ای مواضع الصلوٰۃ وھی المساجد (مدارک) المراد مواضع الصلوٰۃ وھو قول الشافعی (قرطبی) ٥٥٨ یعنی بجز حالتِ سفر کے کہ جب پانی کا ملنا اور غسل کا انتظام ہونا دشوار ہو۔ ایسی حالت کا حکم ابھی آگے آتا ہے۔ ولا یصح لاحد ان یقرب الصلوٰۃ وھو جنب الا بعد الاغتسال الا المسافر فانه یتیمم وھذا قول ابی حنیفة (قرطبی) جن فقہاء نے الصلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ لی ہے انہوں نے الا عابری سبیل سے جنبی کی ضرورت کے وقت مسجد سے گزرنے کا جواز نکالا ہے۔ فیجوز للجنب العبور فی المسجد عند الحاجة (مدارک) هٰذا یقتضی جواز العبور للجنب فی المسجد لا الصلوٰۃ (قرطبی) ٥٥٩ (اور مرض اور سفر دونوں صُورتوں میں پانی کا استعمال یا مُتعذر ہو، یا اس کا بہم پہنچنا دشوار ہو، یا غسل کا انتظام نہ ہو سکتا ہو) ٥٦٠ (اور اس لئے وضو باقی نہ رہا ہو) ٥٦١ (اور اس لئے غسل فرض ہو گیا ہے) لمس اور مس دونوں کے لفظی معنیٰ چھونے کے ہیں۔ اس لئے بعض فقہاء نے یہاں بھی محض ملامست مراد لی ہے اور ملامستِ نساء کو موجباتِ وضو میں سے قرار دیا ہے لیکن لمس کے مجازی معنیٰ ہمبستری کے ہیں۔ ویکنی به وبالملامسة عن الجماع (راغب) من المجاز اللمس والملامسة المجامعة (تاج) اور مس تو قرآن مجید میں بھی ہمبستری کے معنیٰ میں آیا ہے۔ ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن اس لئے فقہاء حنفیہ نے یہاں لمس سے بھی ہمبستری ہی مراد لی ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابیوں اور مجاہد و طاؤس، حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہم تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ ای جامعتم النسآء (ابن عباسؓ) قال قوم هو المجامعة وهو قول ابن عباس والحسن والمجاهد وقتادة (معالم) روی عن علی وابی بن کعب ومجاهد وطاؤس والحسن وعبید بن عمیر وسعید بن جبیر والشعبی وقتادة ومقاتل بن حیان نحو ذالك (ابن کثیر) وکنی بالملامسة من الجماع والی ذالك ذهب علی کرم اللّٰہ تعالیٰ وجهه وابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما والحسن (روح) ٥٦٢ یعنی ایسی مٹی ہو جو خود غیر طاہر یا گندی نہ ہو، دو دو بار ہاتھ مار کر پہلی بار پورے چہرہ اور دوسری بار ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیر لیا کرو۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنی کسی سبب سے بھی سہی۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ ماء کے صیغۂ نکرہ میں آنے سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی کسی قسم کا بھی ہو، وضو کے لئے درست ہے۔ فهو عام فی کل ما کان من سماء او نهر او عین عذب او ملح (قرطبی) امام ابوحنیفہؒ نے اس میں اتنی وسعت یہ رکھی ہے کہ رنگ، مزہ یا بُو بدلے ہوئے پانی تک کی اجازت دے دی ہے۔ واجاز ابوحنیفة الوضوء بالماء المتغیر (قرطبی) پانی کی معذوریت ایک تو حقیقی ہے وہ یہی کہ پانی موجود نہ ہو۔ دوسری حکمی ہے یعنی موجود تو ہو لیکن اس کا استعمال

مرض پیدا کر دے یا مرض کو بڑھا دے یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال سے معذوری ہو۔ فقہاء نے نام صرف چند چیزوں کے گنائے ہیں۔ فلو تقدروا علیٰ استعماله لعدمه او بُعده او فقد اٰلة الوصول الیه او المانع من حیّة او سبع او عدوٍّ (مدارک) لو کان یجد الماء الا انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه تیمم (هدایه) واما ان یخاف فوات الرفیق او علی الرجل بسبب طلبه او لصوصًا او سباعًا او فوات الرفیق او عطشًا علی نفسه او علی غیره وکذالك بطوء یطبخه لمصلحة بدنه فاذا کان احد هذه الاشیاء تیمم وصلّٰی (قرطبی) صَعِیْدًا طَیِّبًا۔ صعید لغت میں کہتے ہیں زمین کے بالائی رُخ کو، نہ کہ نفس مٹی کو۔ الصعید یقال لوجه الارض (راغب) قال الزجاج لیس هو التراب انما هو وجه الارض ترابًا کان او غیرہ (تاج)، والذی یعضد الاشتقاق وهو صریح اللغة انه وجه الارض علیٰ ای وجه کان من رمل او حجر او مدر او تراب (ابن العربی) اس لئے حنفیہ کے ہاں جنس ارض کی تمام چیزوں پر تیمم جائز ہے خواہ ان پر گرد پڑی ہو یا نہ پڑی ہو اور امام مالکؒ اور ثوریؒ وغیرہ دوسرے ائمۂ فقہ بھی اس باب میں حنفیہ کے ہم زبان ہیں۔ ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمد بکل ما کان من جنس الارض (هدایه) یتیمم بالطاهر من جنس الارض وان لم یکن علیه نقع (در مختار) یتیمم بوجه الارض کله ترابًا کان او رملًا او حجارة او معدنًا او صبغة هذا مذهب مالك وابی حنیفة والثوری والطبری (قرطبی) جنس ارض میں سے ہونے کی شناخت یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جل جائے نہ اس سے پگھل جائے۔ چنانچہ گیرو، پتھر، سُرمہ، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر اس قاعدہ کے موافق اور چونہ پر اس قاعدہ کے خلاف عمل جائز ہے۔ البتہ خاکستر (راکھ) پر جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم صرف مٹی ہی پر جائز ہے۔ ٥٦٣ (چنانچہ دشوار موقعوں کے لئے اُس نے کیسے آسان حکم دے رکھے ہیں)

یحتمل ان یراد بالجار ذی القربیٰ من له مع الجوار قرب واتصال بنسبٍ او دین وبالجار الجنب الذی لا قرابة له ولو مشرکًا (روح) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ اس
ہم مجلس یا صحبت میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ رفاقت و مصاحبت خواہ سالہا سال کی ہو خواہ چند منٹ کی، بہرحال اپنا حق قائم کرجاتی ہے۔ اس کی تعریف کے ذیل میں ہم سبق، ہم مدرسہ، ہم سفر
کھیل کود کے ساتھی، ریل اور جہاز کے ساتھی، شریکِ تجارت، شریکِ صنعت سب آجاتے ہیں۔ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ یہ ضرور نہیں کہ مسافر مہمان ہی بن کر آئے۔ خاطر تواضع بقدر وسعت
و ہمت ہر آیند و روند کی ضروری ہے۔ ۵۴۵ اب یہاں سے اُن موانع کا بیان ہے جو ادائے حقوق کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے پہلی چیز خودبینی ہے اور دوسری چیز

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ
جو بخل کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے
مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا
اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُسے چھپاتے ہیں ۵۴۶ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار
مُّهِیْنًا ۳۷ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ
کر رکھا ہے ۵۴۷ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں
وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ
اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر (تو یہ سب کافروں ہی کے حکم میں
الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۳۸ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ
داخل ہیں) ۵۴۸ اور جس کا مصاحب شیطان ہوا سو برا مصاحب ہوا ۵۴۹ اور انہیں کیا خرابی لاحق ہوجاتی
لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ
اگر یہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں
اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ
سے خرچ کرتے رہتے ۵۵۰ اور اللہ ان سے خوب واقف ہے بیشک اللہ ایک ذرہ بھر سے ظلم نہیں
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ
کرے گا ۵۵۱ اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اسے دوگنا کردیگا اور اپنے
مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۴۰ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ
پاس سے اجرِ عظیم دے گا ۵۵۲ سو اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت سے

نمائش و حبِّ جاہ۔ مُخْتَال وہ ہے جو اپنی بڑائی کے خیال میں گرفتار رہتا ہے اور عزیزوں قریبوں، پڑوسیوں کی طرف التفات کرنے میں کسرِ شان سمجھتا ہے۔ فَخُوْر وہ ہے جو دوسروں پر اپنا فخر زبان سے جتلاتا رہتا ہے۔ ۵۴۶ (کہ ان تینوں قسم کے لوگ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ مخلوق میں داخل ہیں) ادائے حقوق میں خودبینی اور فخاری کے بعد تیسرا بڑا مانع یہی بخل ہوتا ہے۔ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ سے مُراد مال و دولت کا ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے معنیٰ علم دین کی دولت کے بھی کئے گئے ہیں اور وعید میں وہ لوگ شامل سمجھے گئے ہیں جو مسائل دین کے اظہار میں بخل کرتے رہتے ہیں۔ ۵۴۷ انسان عموماً بخل اسی لئے کرتا ہے کہ مال بچاکر اس سے اپنے جاہ میں اضافہ کرے۔ اس جاہ پرستی کی سزا قدرۃً یہ ملے گی کہ عذاب سخت دردناک ہونے کے علاوہ اسے خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا کرنے والا بھی ہوگا۔ ۵۴۸ رِئَآءَ النَّاسِ۔ یعنی یہ لوگ اہلِ حقوق پر خرچ نہیں کرتے بلکہ موقع نمود پر خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا ایمان خدا اور روزِ جزا پر نہیں ہوتا وہ جس موقع پر اور جس مقصد سے بھی خرچ کریں گے، بہرحال کوئی نہ کوئی صورت رضا خلق ہی کی ہوگی۔ حالانکہ اسلام نے جان کی طرح (گو اس سے کم درجہ میں) مال کی بھی خرچ کی اجازت رضا خالق ہی کے تحت دی ہے۔ ۵۴۹ (جو ہمیشہ برائی ہی کی ترغیب دیتا رہے گا) مَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا۔ جس کا مصاحب شیطان ہوا۔ جیسا کہ ان سب لوگوں کا ہے۔ ۵۵۰ (دین کی راہ میں اور اخلاص کے ساتھ) مَاذَا عَلَیْهِمْ۔ محاورۂ عربی میں ایسے موقع پر آتا ہے جیسے اُردو میں کہتے ہیں۔ کیا غضب ہوجاتا، کون سی بڑی بات تھی! ۵۵۱ (قیامت کے دن) یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کی کوئی نیکی بلا اجر رہ جائے یا کوئی بدی کسی کے حساب میں خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ۔ اللہ جو خالقِ مطلق، حاکمِ مطلق، مالکِ مطلق ہے حقیقۃً ظلم کا اطلاق تو اس کے کسی فعل پر بھی کسی حال میں نہیں ہوسکتا۔ یہاں مُراد تو یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اور مجازی معنیٰ میں بھی ظلم نہیں کرتا۔ آیت میں دو پہلو اور بھی ہیں۔ ایک تو شرک قوموں نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو ظالم، ستمگر، خونخوار مانا ہے (مثلاً کالی مائی) حق تعالیٰ کی تنزیہ اس قسم کی صفات سے کلیۃً ہوگئی۔ دوسرے جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی قوتِ مطلق اختیاراتِ کامل کا اثبات ہے، ان سے ممکن تھا کہ مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہوجاتا کہ ہر طرح کا ظلم اس قادرِ مطلق کے لئے روا ہے۔ اس کی تردید بھی آیت سے ہوگئی۔ ۵۵۲ (سو کیا ٹھکانا ہے ایسے پروردگار کی رحمت و کرم کا) مِنْ لَّدُنْهُ۔ اپنے پاس سے یعنی زاید از استحقاق بلکہ بلا استحقاق۔ اسلام کا خدا نہ کوئی خونخوار دیوتا ہے نہ ایسا معذور کہ کسی پر کرم کرنا چاہے بھی تو اپنی صفتِ عدل کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اور پر ظلم اسے کرنا پڑے! ———— شرک اور مسیحی شرک دونوں کی تردید آیت سے ہوگئی۔ ۵۵۳ (قیامت کے دن، اس اُمت سے متعلق اظہار دینے) یہ گواہ ہر اُمت کے مقابل اُس اُمت کے رسول ہوں گے جو اس کی شہادت دیں گے کہ وہ احکام کی پوری پوری تبلیغ کرآئے تھے۔

والخوف هنا قيل معناه اليقين ذهب فى ذلك الى ان الاوامر التى بعد ذلك انما يوجبها وقوع النشوز لا توقعه (بحر) حمل الخوف على العلم (سالم) فارسی مترجمین قرآن نے بھی یہاں خوف کا ترجمہ علم یا دانستن سے کیا ہے آں زناں کہ معلوم کنید سرکشی ایشاں (ولی اللہ دہلوی) آں زنانے کہ میدانید نافرمانی ایشاں را (سعدی) ۵۳۴ اب سرکش و نافرمان بیویوں کا علاج بیان ہو رہا ہے پہلی منزل یہ ہے کہ انہیں نرمی و آشتی سے سمجھایا جائے، اگر عورت شریف طینت ہے تو یہ کافی ہو جائے گا۔ اسی میں شوہر کو بھی تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آ کر کوئی سخت کارروائی نہ کر بیٹھو۔ ۵۳۵ یعنی ان سے تعلقاتِ ہمبستری منقطع کر لو اور ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو۔ یہ سزا کی دوسری منزل ہے۔ جب ربانی گفتگو و فہمائش سے اصلاحِ حال نہ ہو اور نافرمانی و سرکشی بدستور قائم رہے۔ جب پہلا عملی قدم یہ اٹھاؤ لیکن تحقیق و تجربہ کے بعد۔ اس کے قبل محض ظن و بدگمانی کی بنا پر نہیں۔ ان تحققتم وعلمتم النشوز (جمل) فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ محض بدگمانی پر دوسری اور تیسری سزاؤں کا قدم اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ فالحاصل ان کلا من الهجر والضرب مقید بعلم النشوز ولا یجوز بمجرد الظن (جمل) وَاهْجُرُوْهُنَّ۔ ھجر کے دوسرے معنی ترک کلام کے بھی کئے گئے ہیں یعنی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دو۔ قال ابن عباس وعکرمة والضحاك والسدی هجر الکلام (جصاص) ای لا یکلمها وان وطئها قاله عکرمة وابو الضحی (ابن العربی) ۵۳۶ (ہلکے ہلکے) ضربًا غیر مبرح ولا شائن (ابن عباس) قال الحسن ضربا غیر مبرح وغیر مؤثر (جصاص) یہ تیسرا اعلاج اس وقت کے لئے ہے جب دوسرا اعلاج بھی ناکام ثابت ہولے۔ والامور الثلاثة مرتبة ینبغی ان یدرج فیها (بیضاوی)

وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط
اور انہیں مارو ۵۳۶ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو ۵۳۷
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا
بیشک اللہ بڑا رفعت والا ہے، بڑا عظمت والا ہے ۵۳۸، اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو ۵۳۹
فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ج اِنْ
تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو ۵۴۰ اگر
يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
دونوں کی نیت اصلاحِ حال کی ہو گی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دیگا ۵۴۱ بیشک اللہ بڑا علم رکھنے
عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ
والا ہے، ہر طرح باخبر ہے ۵۴۲، اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو ۵۴۳ اور
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
حسنِ سلوک رکھو والدین کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور
الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ
مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دُور والے پڑوسی اور
الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ
ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری مِلک میں ہے
اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿٣٦﴾
ان کے ساتھ ۵۴۴ قطعاً اللہ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو خود بین ہیں شیخی باز ہیں ۵۴۵

اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے۔ یا جس سے رفیقِ زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباسؓ سے تو یہ منقول ہے کہ یہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ قال ابن عباس بالسواك ونحوه (بحر) قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے (لیکن بار بار اسے یاد کر لینے کی بھی ضرورت ہے) کسی ایک طبقہ کسی ایک قوم، کسی ایک تمدن سے نہیں۔ اس کے مخاطب عرب و عجم، چینی اور حبش، انگریز اور ہندی، رومی اور جاپانی، اعلیٰ اور ادنیٰ، شریف و رذیل، عالم و عامی، فہیم اور کودن، چمار اور چوہڑے، نائی اور دھوبی، شہری اور دیہاتی، نیک بخت اور بد باطن، ہر طبقہ، ہر سطح، ہر ذہنیت کے لوگ پہلی صدی ہجری سے لے کر قیامت تک ہر زمانہ اور ہر دَور والے ہیں اور اس کے احکام و مسائل میں لحاظ ہر انسانی ضرورت اور ہر بشری ماحول کا کر لیا گیا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے معاشرے اور طبقے ایسے ہیں جہاں عورت کے لئے جسمانی سزائیں عام ہیں۔ علاج کی یہ صورت ظاہر ہے کہ انہی طبقوں کے لئے ہے۔ پھر اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے ہی پر ہے ورنہ سیاقِ عبارت نرمی ہی کی سفارش کر رہا ہے۔ وسوق الکلام للموفق فی اصلاحهن (جمل) فالتخفیف مراعی فی هذا الباب علی ابلغ الوجوه (کبیر) وقال الشافعی الضرب مباح وترکه افضل (کبیر) اور اہلِ تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ نرم تدبیر اگر کافی ہو جائے تو سخت تر صورت ہرگز جائز نہیں۔ مهما حصل الغرض بالطریق الاخف وجب الاکتفاء به ولم یجز الاقدام علی الطریق الاشد (کبیر) یورپ میں بیویوں کی مار پیٹ کا دستور جہاں جہاں رہا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید میں اس حکم کا ملنا قرآن مجید کے حق میں ذرا بھی مضر نہیں جیسا کہ بعض یورپ زدہ مسلمان سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ تو عین دلیل ہے اس کی کہ قرآن مجید کے احکام ہر طبقہ اور ہر مزاج اور ہر سطحِ انسانی کے لئے ہیں۔ ۵۳۷ (ان پر سختی اور زیادتی کرنے کے لئے) اوپر کی تدبیر تو محض ضرورت کیلئے ہے۔ بلا ضرورت اس کا استعمال بیوی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کیلئے ہرگز درست نہیں۔ ۵۳۸ (سو تم ایسی رفعت والے عظمت والے پروردگار کے حقوق میں کوتاہی سے کب مامون ہو؟) شوہر اگر یہ مراقبہ کرتے رہیں تو بیویوں سے اپنے مطالبات میں یقیناً نرم پڑ جائیں اور ان کی طرف سے ادائے حقوق پر اتنا اصرار جاری نہ رکھیں۔ ۵۳۹ خطاب عام اُمتِ اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہلِ حل و عقد کو بدرجۂ اَولیٰ۔ الخطاب کما قال ابن جبیر والضحاك وغیرهما للحکام (روح) وقال آخرون المراد کل واحد من صالحی الامة (کبیر) خطاب لجمیع المومنین (کبیر) بَيْنِهِمَا۔ یعنی میاں بیوی کے درمیان۔ شِقَاق یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔ اُمت اور افرادِ اُمت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر اُمت کی صالحیت کا مدار ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو اُمت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔ اِنْ خِفْتُمْ۔ خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۵۳۲ والمراد فان علمتم کما قال ابن عباسؓ (روح) والخوف بمعنی الیقین وقیل هو بمعنی الظن یعنی ان ظننتم شقاقا بینهما (معالم) ۵۴۰ (جو تصفیہ کی اہلیت رکھتے ہوں وہ جا کر تحقیقِ حال کریں) فَابْعَثُوْا۔ یعنی تصفیہ کی غرض سے ان دو حکموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ فوراً طلاقم طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کارروائی کی نوبت آجائے۔ بلکہ پہلے یہ کوششیں مصالحت و مفاہمت کی کر لی جائیں۔ رشتۂ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے۔ اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ ۵۴۱ اِنْ يُّرِيْدَآ میں ضمیر تثنیہ دونوں حکموں کی جانب ہے اور بینهما میں زوجین کی جانب۔ الضمیر الاول للحکمین والضمیر الثانی للزوجین (بیضاوی) والضمیر فی ان یریدا للحکمین وفی بینهما للزوجین (مدارک) ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ضمیر زوجین ہی کیلئے ہوں۔ وقیل کلاهما للزوجین (بیضاوی) او الضمیران للزوجین (مدارک) اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا۔ یعنی اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ نیت مصالحت و مفاہمت کی ہو گی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دیگا۔ اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دیگا۔ فقیہ تھانویؒ نے لکھا ہے کہ فیصلہ کرنا واجب ہے اگر زوجین حکام سے رجوع کریں اور دوسروں کیلئے مستحب ہے اور من اهله واهلها کی قید سب کے لئے مستحب ہے۔ ۵۴۲ ہر انسانی ضرورت ہر بشری مصلحت پر اس کا علم محیط ہے۔ ۵۴۳ (نہ ذات میں نہ صفات میں) ۵۴۴ حسنِ سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں تک معاشرہ کے ہر ہر طبقہ کے ساتھ! اور پھر اس حکم کا عطف توحیدِ الٰہی پر! ——— دنیا کی کسی دوسری آسمانی کتاب میں اس منظم تعلیم کی نظیر ملیگی؟ اور اسی کے ساتھ محققین کی یہ تصریح کہ "اہلِ حقوق اگر کافر ہوں تب بھی اُن کے ساتھ احسان کرے۔ البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے اُن سے زائد ہوگا۔" (تھانوی) وَالْجَارِ۔ حدیث میں آیا ہے جیسا کہ مفسرین نے محدث ابو نعیم اور محدث بزار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں (۱) ایک وہ جن پر تہرے حق ثابت ہیں۔ حقِ جوار، حقِ قرابت، حقِ اسلام، (۲) دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں، حقِ جوار و حقِ اسلام۔ (۳) تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حقِ جوار، اور وہ وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو۔ قرآن مجید کی یہ تصریح بھی یاد رہے کہ دونوں قسم کے پڑوسی حق رکھتے ہیں۔ قریب والے اور قرابت والے بھی اور دُور والے اور اجنبیت والے بھی۔ مسلمان اگر آج ایک اسی تعلیم کو یاد رکھیں تو کتنی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ بلکہ ایک تفسیر تو یہ بھی منقول ہے کہ جار ذی القربیٰ سے مراد مسلمان پڑوسی ہے اور جار الجنب سے یہودی و نصرانی۔ والجار ذی القربی قال نوف الشامی هو الجار المسلم والجار الجنب هو الجار الیهودی والنصرانی فهی عنده قرابة الاسلام واجنبیة الکفر (کبیر)

مرد بہ حیثیت مرد ہرگز اللہ کے ہاں مقرب تر اور نجات کا مستحق تر نہیں۔ اور عورت اپنی
٥٢٤ (یہ نہ ہوگا کہ مرد کا اجر اس کے مرد ہونے کی بنا پر کچھ بڑھ جائے اور عورت کا اجر اس کے عورت ہونے کی بنا پر کچھ گھٹ جائے)
جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر و قرب سے محروم نہ رہیگی۔ جیسا کہ بعض دوسرے مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے۔ اس میں عورت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ اپنا احساس کمتری دُور کرے اور سمجھ لے کہ ایک مکلّف مخلوق کی حیثیت سے وہ اور مرد دونوں بالکل ایک
سطح پر ہیں اور حصولِ نجات و قربِ حق میں وہ مرد سے ذرا بھی فروتر نہیں۔ ہندوؤں نے اپنی منوسمرتی کے اوراق میں اور کیتھولک کلیسا نے صدیوں تک اپنی کونسلوں میں جو فیصلہ عورت کی پستی اور پست فطرتی کے کیے ہیں۔ آیت
ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مِمَّا اكْتَسَبُوا۔ مِمَّا اكْتَسَبْنَ۔ اکتساب سے مُراد دونوں جگہ اعمالِ خیر کا کسب ہے۔ ٥٢٥ (توفیق اعمال میں) رشک و تمنا والی اور دعاؤں سے طلب کرنے والی اصل چیز وہبی اور طبعی نعمتیں نہیں
بلکہ توفیق حسن عمل ہے۔ ٥٢٦ (چنانچہ اپنے اس علم کامل کے مطابق اس نے ہر مخلوق کو صلاحیت و استعداد بخشی اور وہی ہر ایک کے فردِ عمل پر پوری طرح مطلع بھی ہے) ٥٢٧ (قانونِ میراث کے ذریعہ) وارثوں کی تفصیل اسی سورت
میں چند رکوع قبل گزر چکی۔ تقسیم ترکہ کی کچھ عارضی صورتیں آغازِ اسلام ہی میں بتادی گئی تھیں وہ مکمل قانونِ میراث کے نازل ہونے کے بعد اب قدرۃً منسوخ ہوگئیں۔ لِكُلٍّ میں مضاف الیہ محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہو
لکل احدٍ ٥٢٨ یعنی کل ترکہ کا ⅙ حصہ۔ الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ اصطلاح میں یہ لوگ مولی الموالاۃ کہلاتے ہیں۔ عرب قدیم میں دستور تھا کہ دو شخص باہم قول و قرار کرکے ایک دوسرے کے اس طرح دوست و مددگار ہو جاتے کہ ہر

اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْأَلُوا
حصہ (ثابت) ہے، اور عورتوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے ٥٢٤ اور اللہ سے
اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ٣٢
اُس کے فضل کی طلب کرو ٥٢٥ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ٥٢٦
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ
اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے لئے ہم نے وارث ٹھیرا دیئے ہیں ٥٢٧
وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ
اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ دے دو ٥٢٨
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ٣٣ الرِّجَالُ ع ٥ ٨/٢
بیشک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے مرد عورتوں کے
قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ
سر دھرے ہیں ٥٢٩ اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر
عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ
بڑائی دی ہے ٥٣٠ اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے ٥٣١ سو نیک بیویاں
قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي
اطاعت کرنے والی اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں ٥٣٢ اور جو عورتیں
تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو ٥٣٣ تو انہیں نصیحت کرو ٥٣٤ اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو ٥٣٥

ایک پر دیت لازم آئے تو دوسرا اسے ادا کرے اور ایک کی وفات پر دُوسرا اسکی میراث پائے۔ اسی
عہد کو عقدِ موالاۃ کہتے ہیں۔ شریعت نے شروع شروع اس دستور کو تھوڑی سی ترمیم کے بعد قائم رکھا
اور انصار و مہاجرین میں مواخات قائم کرکے باہم میراث جاری کرادی۔ پھر اس عہد والے کا حصّہ
⅙ متعین کیا۔ پھر جب سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی واولوالارحام بعضھم اولی
ببعض تو سب وارثوں کے حصّے متعین ہوگئے اور اب اس کے لئے گنجایش نہ رہی۔ ٥٢٩ ابھی
یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رُوحانیات کی دُنیا میں یعنی قربِ حق اور حُسنِ عمل کے لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت
بالکل مساوی ہے۔ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج اور ساری عبادتیں جس طرح اور جس پیمانہ پر مرد کی
قبول ہو سکتی ہیں وہی ساری راہیں عورت کیلئے بھی کھلی ہوئی ہیں۔ اب یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مرد و زن
کی یہ مساوات دنیوی معاملات میں اور انتظامی حیثیت سے قائم نہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں بہ حیثیت
عبد بالکل ایک ہیں۔ عند اللہ اعمال کی مقبولیت کے معیار سے دونوں بالکل مساوی ہیں لیکن دنیا میں
شریعت ہی کا حکم ہے کہ باپ افسر ہو کر رہے اور بیٹا ماتحت ہو کر۔ باپ حکم دے اور بیٹا حکم مانے۔
اب بتایا جا رہا ہے کہ معاشرت کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر غلبہ و تفوق حاصل ہے۔
الزوجان مشترکان فی الحقوق وللرجال علیھن درجۃ بفضل القوامیۃ (ابن العربی) قَوَّامُونَ
قوّام کے معنی ہیں کسی شے کے محافظ، منتظم، مدبّر کے اور یہاں مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کے امُور کا انتظام
کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے، ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔ قوّام اور قیّم ہم معنی
ہیں۔ قوّام فصیح تر ہے۔ قام الرجل المرأۃ ای قام متکفلاً بامرھا فھو قوّام وقد یجئ القیام
بمعنے المحافظۃ والاصلاح (تاج) الرجال متکفلون بامور النساء (لسان) صاروا قوامًا علیھن نافذ الامر
علیھن (ابن جریر) فکانہ تعالیٰ جعلہ امیرا علیھا و نافذ الحکم فی حقھا (کبیر) قیامھم علیھن بالتادیب
والتدبیر والحفظ والصیانۃ (جصاص) القوام والقیم بمعنی واحد والقوام ابلغ وھو القائم
بالمصالح والتدبیر والتادیب (معالم) بائبل نے عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی
عبارتوں سے ہوگا:۔ ”خداوند خدا نے ..... عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق
ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کریگا“ (پیدائش ۳: ۱۶) ”اے بیویو اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند
کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے
ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں“ (افسیوں ۵: ۲۲-۲۴) قرآن
حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل
کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیتِ قدیم و جاہلیتِ جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی
نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظامِ کائنات میں فاطرِ کائنات نے اُسے دے رکھا
ہے۔ حیثیت ایک عبد اور مکلّف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی و ہم رتبہ ہے لیکن دنیا کے انتظامی معاملات

میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔ ٥٣٠ (طبعی اور تکوینی طور پر) مرد کی یہ افضلیت اُس کے قوائے جسمانی کی مضبوطی اور دل و دماغ کی برتری دونوں سے عیاں ہے۔ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔ یعنی صنفِ ذکور کو صنفِ اناث پر۔ بعضھم وھم
الرجال علی بعض وھم النساء (کشاف) بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ میں ب سببیہ ہے اور اس کا تعلق قوامون سے ہے۔ الباء للسببیۃ وھی متعلق بقوامون ای قوامون علیھن بسبب تفضیل اللہ تعالیٰ ایاھم علیھن (روح) ٥٣١ (عورتوں
پر مہر میں اور نفقہ میں) مطلب یہ ہوا کہ مرد کی افضلیت عورت پر دُہری حیثیت رکھتی ہے۔ ایک تو طبعی یعنی جسمانی و دماغی قویٰ میں خلقی برتری۔ دوسری قانونی یا معاشری کہ عورت خرچ میں مرد کے دستِ نگر رہتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی نکل
آئی کہ قرآنی نظام کی رُو سے کمانا یا کسبِ معاش کرنا اور بیوی کے خرچ کا بار اُٹھانا مردوں کے ذمّہ ہے۔ دلّت علی وجوب نفقتھا علیہ (جصاص) ٥٣٢ نیک بیویوں کی۔ مومنات صالحات کی علامت یہ ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ شوہر کی
غیبت میں اس کے عزت و ناموس اور اس کے مال و جائداد کی نگہداشت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی ہوئی لڑکیاں غور کریں کہ انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے۔ فَالصَّالِحَاتُ
میں ف نتیجہ کا ہے یعنی اُوپر کے مقدمات سے ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ بِمَا میں ب سببیہ ہے یعنی ان کا ایسا کرنا توفیقِ الٰہی ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ والباء سببیۃ ای بسبب حفظ اللہ لھن (اجل) ای بتوفیقہ لھن (اجل)
٥٣٣ ذکر مہذب، شریف، شائستہ بیویوں کا ابھی اُوپر ہو چکا ہے۔ اب اس کے مقابل ناشائستہ اور رذیل فطرت کی بیویوں کے باب میں کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ وہ نظامِ قانون کامل نہیں ناقص ہے جو ذکر صرف اچھوں کے انعام
اکرام کا کرتا ہے اور بدوں کا تذکرہ ہی چھوڑ جاتا ہے۔ نُشُوزَهُنَّ۔ عورت کے نشوز کے اصل معنی یہ ہیں کہ شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے۔ نشزت المرأۃ بزوجھا ای استعصت علی زوجھا وارتفعت علیہ وابغضتہ
وخرجت عن طاعتہ (تاج) نشوز المرأۃ بغضھا الزوجھا ورفع نفسھا عن طاعتہ (راغب) واصل النشوز الترفع علی الزوج بمخالفتہ (جصاص) ائمہ تفسیر نے اس معنی کی توثیق کی ہے۔ یعنی استعلاءھن علی
ازواجھن وارتفاعھن عن فرشھم بالمعصیۃ منھن والخلاف علیھم فی ما لزمھن طاعتھم فیہ بغضًا منھن واعراضا عنھم (ابن جریر۔ عن محمد بن کعب) گویا پر مسرّت ازدواجی زندگی کے بجائے تصادم و بغاوت
شروع ہو جائے۔ تَخَافُونَ۔ خوف یہاں علم کے معنی میں ہے یعنی جب ان کی بغاوت و نافرمانی تجربہ میں آجائے۔ یہ نہیں کہ محض بدگمانیاں یا دُور کے احتمالات کو اس کے لئے کافی سمجھ لیا جائے۔ تخافون ای تعلمون (ابن عباس)

۵۱۴ (اور راہِ راست سے ہٹ کر اُنھی جیسے ہوجاؤ۔ مَيْلًا عَظِيمًا ۔اس سے بڑھ کر کجی اور کیا ہوگی کہ انسان یا تو حرام کو حرام سمجھنے ہی سے انکار کردے اور یا بے باکانہ ارتکاب حرام کرتا ہے۔

۵۱۵ (کمزور جسم کے لحاظ سے بھی اور کمزور ارادہ کے لحاظ سے بھی) اَن يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۔چنانچہ شریعت کے سارے احکام میں انسان کی سہولتوں کا لحاظ رکھ لیا گیا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا چنانچہ جتنے بھی احکام شرعی ہیں سب انسان کے ضعفِ جسمانی وضعفِ ارادی ہی کی رعایت سے ہیں۔ ۵۱۶ بِالْبَاطِلِ یعنی غیر مشروع طریقوں پر۔ خیانت اور بددیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اس ایک حکم کے اندر آگئی۔ کاش اسلام کے ایک اسی قانون پر عمل ہو اور آج دنیا کی کایا پلٹ ہوجائے۔ ۵۱۷ مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے مال میں تصرّف کی اجازت کسی باطل طریقہ (سود، قمار، وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں۔ صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرّف کرسکتے ہو۔ مثلاً سرمایۂ مشترک سے تجارت، کہ یہ تو عین باعثِ برکت ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ
اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا
ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَاْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ
ہے ۵۱۵ اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ
آپس میں نہ کھاؤ ۵۱۶ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو ۵۱۷
وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ
اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو ۵۱۸ بیشک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے ۵۱۹ اور جو کوئی
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۭ وَ
ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم کی راہ سے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے اور
كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا
یہ اللہ کے لئے آسان ہے ۵۲۰ اگر تم اُن بڑے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے
تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
ہیں بچتے رہے، تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی برائیاں دُور کردینگے ۵۲۱ اور تمہیں ایک معزز مقام پر
مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ
داخل کردیں گے ۵۲۲ اور تم ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو
بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
دوسرے پر بڑائی دی ہے ۵۲۳ مردوں کے لئے اُن کے اعمال کا

۵۱۸ اَنْفُسَكُمْ کے معنی عموماً اخوانکم یا من جنسکم کئے گئے ہیں۔ اور مُراد یہ لی گئی ہے کہ ایک دُوسرے کو قتل نہ کرو۔ اتفقوا علی ان ھذا نھی عن ان یقتل بعضھم بعضاً (کبیر) اقتل بعضکم بعضاً (ابن جریر عن عطاء) ای اھل ملتکم (ابن جریر۔عن السدی) یعنی اخوانکم (معالم۔عن الحسن) من کان من جنسکم من المومنین (مدارک) دُوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ خودکشی نہ کرو اور یہ معنی بھی منقول ہیں۔ ولا یقتل الرجل نفسہ (مدارک) بعض مذہبوں میں خودکشی خود ایک عبادت رکھی گئی ہے۔ مثلاً جاپانیوں میں یا بعض قدیم ہندی مذہبوں میں۔ بالبخع کما تفعلہ جھلۃ الھند (بیضاوی) ۵۱۹ (چنانچہ یہ سارے احکام بھی اسی شفقت ورحمت کا نتیجہ ہیں) ۵۲۰ یہ وعید اُن لوگوں کے لئے ہے جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی اتفاقی طور پر یا بطور خطائے اجتہادی کے نہیں بلکہ دیدہ ودانستہ کرتے رہتے ہیں۔ ذٰلِكَ ۔ای ما نھی عنہ (جلالین) یعنی ماسبق ذکرہ من المحرمات (معالم) عُدْوَانًا یعنی حدودِ شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے یا دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے۔ قیل اراد بالعدوان تعدی علی الغیر (بیضاوی) العدوان تجاوز الحد (قرطبی) ظُلْمًا ۔یعنی اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے قیل اراد بالظلم ظلم النفس (بیضاوی) كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ۔اللہ کی قوت کو دیوتا پرست مشرک کہیں انسانوں یا دیوتاؤں کے محدود قوٰی پر قیاس نہ کریں ۵۲۱ (اور نتیجۃً تمہیں عذاب سے بھی بچالیں گے) یہ قانون الٰہی ہے جس کی تکرار قرآن مجید میں کئی بار آئی ہے۔ اور ایک جگہ اسے بالکل کلی اور عمومی صورت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیاٰت۔ اس قسم کی آیتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے اولیاء واتقیاء میں بھی معصوم کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کثرت طاعات پر نظر رحمت کرکے ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کردیتا ہے اور انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ عصمتِ انبیاء کا مسئلہ ایک دُوسرے قانون سے ثابت ہے۔ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ۔یعنی بڑے بڑے گناہ لیکن خود کبیرہ کا اطلاق کس عمل پر ہوتا ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ سفیان ثوری تابعی کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ کبیرہ بندوں کے اتلافِ حقوق کا نام ہے اور صغیرہ صرف اللہ کے اتلافِ حقوق کا۔ قال سفیان الثوری الکبائر ما کان فی المظالم بینک وبین عباد اللہ تعالیٰ والصغائر ما کان بینک وبین اللہ تعالیٰ (معالم) اس ہیچمدان کے خیال میں کبیرہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آچکی ہو۔ اور اس کا معصیت ہونا کسی دقیق استنباط یا دلالت خفی کا محتاج نہ ہو۔ یا کم از کم یہ کہ حدیث صحیح میں اس کی ممانعت صراحت اور تاکید کے ساتھ آچکی ہو۔ ممتاز صحابیوں کے نزدیک کچھ ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ قال علی بن ابی طالب ھی کل ذنب ختمہ اللہ بنار او غضب او لعنۃ او عذاب (معالم) اور یہی ابن جریر نے عبداللہ بن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ سَيِّاٰتِكُمْ ۔سیّاٰت سے مراد چھوٹی بُرائیاں یا گناہ صغیرہ ہیں۔ ای صغائرکم (بیضاوی) مفسّر تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ پر عتاب کے ساتھ ساتھ فضل کا احتمال اور صغیرہ پر عفو کے ساتھ ساتھ عتاب کا احتمال خاص اہل سنّت کا مذہب ہے۔ بخلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک صغائر واجب المغفرۃ ہیں اور کبائر غیر مغفور ہیں۔ (مدارک) ۵۲۲ یعنی جنّت میں۔ پہلا وعدہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تھا۔ اب بشارت دخول جنّت کی مل رہی ہے۔

۵۲۳ (طبعی ووہبی طور پر بلادخل کسی عمل وکسب کے مثلاً مردوں کو جو فضیلت عورتوں پر حاصل ہے) کوئی دولتمند ہے، کوئی حسین وجمیل ہے، کوئی خوش آواز ہے، کسی کے قوائے جسمانی بہت مضبوط ہیں۔ اس قسم کے وہبی وطبعی فضائل کو قربِ حق میں مطلق دخل نہیں۔ آیت میں تعلیم ہے کہ ان کی بنا پر ایک دُوسرے پر رشک کرنا، ایک دُوسرے کی جگہ پر ہونے کی حسرت وتمنا کرنا درست نہیں۔ قربِ حق میں دخل صرف عمل واکتساب کو ہے۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ عورتوں نے اپنے احساس کمتری کی بنا پر مردوں پر رشک کا اظہار کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بتایا گیا کہ نجات ومغفرت اور قربِ حق کا مدار تو اپنے اعمال ارادی واختیاری پر ہے۔ اور اس لحاظ سے مرد وعورت کی حیثیت بالکل یکساں ہے۔ عورتوں کیلئے بھی قانون حُسنِ عمل وہی ہے جو مردوں کے لئے ہے اور اس لئے انہیں مردوں پر رشک کا کوئی محل نہیں۔ یہ فرق تو محض تکوینی مصلحتوں سے رکھ دیے گئے ہیں۔ لان ذٰلک التفضیل قسمۃ من اللہ تعالیٰ صادرۃ عن حکمۃ وتدبیر وعلم باحوال العباد (مدارک)

٥٠٢ مجرد نکاح سقوطِ ملک کے لئے کافی نہیں۔ اِس لئے مالک کی اجازت بہر حال ضروری ہے۔ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ۔ المراد به الموالی لانه لاخلاف انه لایجوز لها ان تتزوج بغیر اذن مولاها لولة لا اعتبار باذن غیر المولیٰ (جصاص) لیکن نفس نکاح میں رضامندی خود باندیوں کی معتبر ہوگی نہ کہ ان کے مالکوں کی۔ وهو حجة لنا فی ان لهن ان یباشرن العقد بانفسهن لانه اعتبر اذن الموالی لاعقدهم (مدارک) ٥٠٣ (اور اُن کے کنیز ہونے کی بنا پر ادائے مہر کو غیر اہم یا غیر ضروری نہ سمجھو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ مالک اپنی باندیوں کی ہر کمائی کے مالک ہوتے تھے اس لئے باندیوں کا مہر بھی اُن کے مالکوں ہی کو دیا جائے گا، اور تقدیر کلام یُوں ہوگی۔ واتوا موالیهن اجورهن فکان اداءها الیهن اداءً الی الموالی لانهن وما فی ایدیهن مال الموالی (مدارک) ٥٠٤ یعنی یہ ادائے مہر بہ معاوضہ نکاح ہو بطورِ اجرتِ زنا نہ ہو۔ آزاد شریف بیویوں کے مقابلہ میں باہر نکلنے والیوں کے بدچلنی کے امکانات یُوں بھی زاید ہوتے ہیں، چہ جائیکہ باندیاں جو عُرفاً حقیر، غیر معزز ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے اُن کے ذیل میں ان قیدوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ضروری ہُوا۔ مُسٰفِحٰتٍ سے مُراد ہیں کھلی ہوئی اور عام کسبیاں۔ اور متخذات اخدان سے مُراد ہیں وہ جن کا کوئی ایک آدھ متعین آشنا ہوتا تھا۔ دنیائے حُسن میں کسبیاوُں کی دو قسمیں تقریباً ہر جگہ قائم رہی ہیں۔ ایک کھلی ہوئی کسبیاں، دُوسرے چھپی ہوئی خانگیاں۔ جاہلیت عرب کے تمدن میں بھی یہی تفریق قائم تھی۔ قال اکثر المفسرین المسافحة هی التی تؤاجر نفسها مع ای رجل ارادها ومتخذة الخدن هی التی تتخذ خدنا معینا وکان اهل الجاهلیة یفصلون بین القسمین وما کانوا یحکمون علیٰ ذات الخدن بکونها زانیة (کبیر) ٥٠٥ (جیسکہ

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

ایک ہو ٥٠٢ سو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لیا کرو ٥٠٣ اور اُن کے مہر انہیں دے دیا کرو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

مقرر کے موافق ٥٠٤ اس طرح کہ وہ قیدِ نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

آشنائی کرنے والیاں ٥٠٥ پھر جب وہ (کنیزیں) قیدِ نکاح میں آجائیں اور پھر اگر وہ (بڑی) بے حیائی کا ارتکاب

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ

کریں تو ان کیلئے اس سزا کا نصف ہے ٥٠٦ جو آزاد عورتوں کے لئے ہے ٥٠٧ یہ اس کے لئے

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ

ہے جو تم میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو ٥٠٨ اور اگر تم ضبط سے کام لو تو تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے ٥٠٩

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٢٥ ۧ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ

اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے ٥١٠ اللہ کو منظور ہے کہ تم سے (احکام) کھول کر بیان کردے اور

يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ

تم کو تم سے قبل والوں کے حالات بتلا دے اور تم پر توجہ فرمائے ٥١١

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٢٦ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ

اور اللہ بڑا علم والا ہے اور بڑا حکمت والا ہے ٥١١ اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے ٥١٢

وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝٢٧

اور جو لوگ خواہشوں کے بندے ہیں ٥١٣ انہیں یہ منظور ہے کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ ٥١٤

ع ٤

قبل نکاح بھی تھا) باندیاں خواہ نکاحی ہوں یا کنواری اُن کی سزائے زنا ہر حال میں آزاد شریف بے نکاحی عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔ باندیاں جس طرح اکثر حقوق میں بیویوں کا نصف مرتبہ رکھتی ہیں، اسی طرح اس جُرم کی سزا بھی اُن کے لئے نصف ہی رکھی گئی ہے۔ شاید اس لئے کہ جُرم کی ترغیبات بھی ان کے لئے زائد ہیں اور موانع کمتر ہیں۔ بِفَاحِشَةٍ ۔ جُرم بے حیائی یہاں زناکاری کے معنیٰ میں ہے۔ وهی الزنا (ابن جریر) مِنَ الْعَذَابِ ۔ سزا سے مُراد حد شرعی ہے۔ ای من الحد (مدارک) عَلَى الْمُحْصَنٰتِ ۔ محصنات سے یہاں مُراد بیاہی ہوئی نہیں بلکہ بن بیاہی شریف خواتین ہیں۔ احصان کے تحقق کے لئے اس کا محض حُرّہ (آزاد) ہونا ہی کافی ہے۔ یعنی البکرة الحرة سماها وان لم تتزوج لان الاحصان یکون لها بها اذا کانت حرة ولا یکون بالامة احصان (ابن قتیبہ) المحصنات هنا الحرائر اللّاتی لم یزوجن (مدارک) ای الابکار الحرائر (قرطبی) ای ما علی الحرائر الابکار (معالم) ایک آیت اُوپر ان ینکح المحصنات المومنات کے ذیل میں بھی محصنات مطلق شریف عورتوں کے معنیٰ میں آچکا ہے۔ ٥٠٦ یعنی باندی کی زناکاری کی سزا پچاس دُرّے ہے، شریف کنواری عورت کی سزائے زناکاری سَو دُرّے ہے۔ فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة اس کے نصف پچاس ہی دُرّے ہوتے ہیں۔ شریف نکاحی عورت کے لئے سزائے زنا سنگ زنی ہے اور اس کی تنصیف ممکن نہیں اور مملوک پر سرے سے رجم ہی نہیں۔ اس کی سزا ہر صُورت وہی پچاس دُرّے ہے۔ نصف ما علی المحصنت یدل علیٰ انه الجلد لا الرجم لان الرجم لا یتنصف (مدارک) غلاموں کی حرامکاری کی سزا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کرکے ان کی سزا بھی یہی پچاس دُرّے رکھی ہے۔ فرقۂ خوارج سزائے رجم کا بالکل منکر ہے اور اس کا مستدل یہی آیت ہے۔ (کبیر) ٥٠٧ (خواہ اس لئے کہ طبعی تقاضا مجبور کر رہا ہو خواہ اس لئے کہ شریف بیوی میسّر نہ آرہی ہو) ذٰلِكَ یعنی باندی سے نکاح۔ یعنی نکاح الامة عند عدم الطول (معالم) ای نکاح الاماء (مدارک) الْعَنَتَ ۔ عنت کے لفظی معنیٰ ضرر و زیان کے ہیں۔ اصل العنت الضرر والفساد (ابن قتیبہ) یہاں مُراد زنا میں پڑ جانا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ضرر مسلمان کے لئے ہو سکتا ہے۔ ای الزنٰی والفجور منکم ابن عباسؓ العنت الزنا (ابن جریر عن ابن عباسؓ) ای الاثم الّتی تؤدی الیه غلبة الشهوة (مدارک) دوسرے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ شدید ضبط جس سے انسان جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے مثلاً اختناق الرحم کی شکایت ہو جائے یا مردوں کو ورم پُشت وغیرہ کی۔ امام رازیؒ جو خود بھی اپنے زمانہ کے نامور طبیب تھے اس قول کو یُوں نقل کرتے ہیں:۔ والثانی ان الشبق الشدید والغلمة العظیمة قد تؤدی بالانسان الی الامراض الشدیدة اما فی حق النساء فقد تؤدی الی اختناق الرحم واما فی حق الرجال فقد تؤدی الی اوجاع الورکین والظهر (کبیر) ٥٠٨ یعنی اگر خواہش نفس کا اتنا غلبہ نہیں ہے جس سے حرامکاری میں پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہو رہا ہو تو پھر کنیزوں سے نکاح کرنے سے یہی بہتر ہے کہ خود خواہش نفس پر قابو حاصل کر لیا جائے۔ ای الصبر عن نکاح الاماء خیر لکم (ابن جریر) ظاهره الاخبار عن صبر خاص وهو غیر نکاح الاماء قاله ابن عباس ومجاهد وابن جبیر والسدی (بحر) ٥٠٩ چنانچہ اس کی صفت رحیمی اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے نکاحوں کی حُرمت کا حکم نہیں رہا اور شانِ غفوریت یہ ہے کہ کنیزوں سے بلا ضرورتِ شدید بھی نکاح کر لینا کراہتِ تنزیہی کے باوجود نجات کی راہ میں حائل کسی طرح نہیں۔ ٥١٠ (رحمت و مغفرت کے ساتھ) لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ۔ چنانچہ وہ آیات احکام و مسائل تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے۔ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ چنانچہ وہ آیات قصص و حکایات تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے ٥١١ چنانچہ بندوں کی کوئی سی بھی ضرورت و مصلحت اس کے علم کامل سے باہر نہیں۔ اور اپنی حکمتِ کاملہ سے اُس نے احکام ایسے رکھے ہیں جو ہر مصلحت کی پُوری پُوری رعایت کرنے والے ہیں۔ ٥١٢ (شفقت و رحمت کے ساتھ اُنہی احکام و تعلیمات کے ذریعہ سے) ٥١٣ (اور ہوائے نفس ہی کو اپنا دین و ایمان بنائے ہوئے ہیں) یہ کون لوگ ہیں؟ الفاظ کا مصداق کفار کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی فسق پیشہ افراد بھی مُراد ہو سکتے ہیں، صحابہ و تابعین سے اس کے معنیٰ اہلِ کتاب کے بھی مروی ہوئے ہیں، یہود کے بھی اور زانیوں کے بھی وقس علیٰ ہذا۔ قیل المجوس (کبیر) قیل المجوس وقیل الیهود (بیضاوی) قال بعضهم هم الزناة وقال آخرون هم الیهود والنصاریٰ (ابن جریر) هم الزناة او الیهود والنصاریٰ او الیهود خاصة او المجوس (بحر) قولِ فیصل یہ ہے کہ الفاظ ان سارے معانی کے محتمل ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص بھی نافرمانی پر دلیر ہے وہی اپنی خواہشِ نفس کا بندہ ہے۔ کان داخلاً فی الذین یتبعون الشهوات الیهود والنصاریٰ والزناة وکل متبع باطلاً لان کل متبع ما نهاه الله عنه متبع شهوة نفسه (ابن جریر) الفجرة (المدارک) ای متبعوا کل شهوة قاله ابن زید ورجحه الطبری لظاهره العموم (بحر)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ
اور وہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) جو قیدِ نکاح میں ہوں بجز اُن کے جو تمہاری مِلک میں آجائیں ٤٩٣
كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ
اللہ نے فرض کردیا ہے (ان احکام کو) تم پر ٤٩٤ اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں کہ
تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ
یعنی تم انہیں اپنے مال کے ذریعہ سے تلاش کرو (اس طور پر کہ) قیدِ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ٤٩٥
فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
پھر جس طریقہ سے تم نے ان عورتوں سے لذت لی ہے، سو انہیں ان کے مقررشدہ مہر
فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ
دے دو اور تم پر اس (مقدار) کے بارہ میں جس پر تم لوگ مہر کے مقرر ہوجانے کے بعد باہم رضامند
بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ٢٤ وَ
ہوجاؤ ٤٩٦ بیشک اللہ بڑا جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے ٤٩٧ اور
مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
تم میں سے جو کوئی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ
کرسکے ٤٩٨ تو وہ تمہاری (آپس کی) مسلمان کنیزوں سے جو تمہاری مِلک (شرعی) میں ہوں
الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ
(نکاح کرے) ٤٩٩ اور اللہ تمہارے ایمان (کی حالت) سے خوب واقف ہے ٥٠٠ تم (سب) آپس میں

٤٩٣ (یعنی کنیزِ شرعی کے) اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی ایسی بیاہی ہوئی عورتیں جو اب مسلمانوں کی قید میں جہاد کے بعد آگئی ہیں، اُن کی ازواج بن سکتی ہیں باوجود اس کے کہ اُن کے شوہر زندہ اور دارالحرب میں موجود ہیں۔ اُن کا وہ نکاح کافرانہ اُن کے مسلمانوں کے ملکِ یمین میں جانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ ما ملکت ایمانکم پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے پ ٤، حاشیہ ٤٢٧ مُراد شرعی کنیزیں ہیں۔ الْمُحْصَنٰتُ ۔ احصان کے معنی ہیں روک میں آجانا۔ قید میں آجانا۔ الاحصان ھو ان یحمی الشیٔ ویمنع منہ ابن قتیبۃ الاحصان فی اللغۃ المنع (کبیر) لفظی معنی ہیں وہ جن کے مالک تمہارے دونوں ہاتھ ہوجائیں آجانے والیاں۔ مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ عقدِ نکاح کو قید سے تعبیر کرنے سے یہ اشارہ نکلا کہ ازدواج خود محافظِ عفت ہے۔ ای ھن النساء ذوات الازواج لان الازواج احصنوھن ومنعوا منھن (ابن قتیبہ) محصنت کے معنی ہوئے قید میں قیل المحصنت المزوّجات تصورًا ان زوجھا ھو الذی احصنھا (راغب) والمراد بالاحصان ھنا العفۃ (روح) مطلب یہ ہوا کہ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے اب دوسرا نکاح حرام ہے۔ یہ تو عام قاعدہ ہوا۔ استثناء اس سے شرعی کنیزوں کا ہے جو کافر شوہروں کی زوجیت سے آئی ہیں۔ والمحصنت کا عطف نحوی اعتبار سے اُن محرمات پر ہے جو قبل میں مذکور ہوچکے۔ عطف علی المحرمات المذکورات قبل (قرطبی) ٤٩٤ نظامِ خانگی ہی کی درستی پر ساری ہیئتِ اجتماعی کی درستی کا انحصار ہے اور نظامِ خانگی کا ایک بڑا اہم جزئیہ ہے کہ عقدِ نکاح کس کس کے ساتھ جائز ہے اور کس کس کے ساتھ ناجائز۔ ضروری تھا کہ اس کے اصول قرآن مجید ہی میں محفوظ کردیے جاتے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۔ وہی تاکید و اظہارِ اہمیت کے لئے ہے۔ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ۔ حدیث و سنت سے جن دوسری عورتوں سے حرمتِ نکاح ثابت ہے، مثلاً رضاعی بہنوں کے ساتھ پھوپھی کا بھتیجی کے ساتھ یا خالہ کا بھانجی کے ساتھ جمع کرنا۔ یہ سب کنایۃً قرآن مجید کی آیاتِ بالا میں آگئیں۔ حدیث نے انہیں صرف کھول کر بیان کردیا ہے۔ کتاب اللہ علیکم۔ تقدیرِ کلام یُوں مانی گئی ہے۔ الزموا ما کتب اللہ علیکم (معالم) یا یُوں كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ كتابًا (مدارک) ٤٩٥ یعنی مقصود فرد و جماعت دونوں کے نزدیک یہ ہو کہ زوجین نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن، باعفت مستقل زندگی بسر کریں گے۔ اور نکاح کی شرطیں معلوم و معروف ہیں مثلاً کم سے کم دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کی رضامندی کا اعلان، نکاح کا موقّت نہ ہونا وغیرہا۔ المراد بالاحصان ھنا العفۃ وتحصین النفس عن الوقوع فی ما لا یرضی اللہ تعالیٰ (روح) مضاہ متعففین عن الزنا (قرطبی) غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۔ یعنی مقصود حیوانات کی طرح تمامتر ایک مادی شہوت یا جنسی تقاضہ کا پورا کرنا نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مستقل تاہل رہنے سہنے نباہ کرنے کا ارادہ اور اس کی وقعت و محبت کسی درجہ میں تو ہو۔ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ۔ مال سے مُراد مہر ہے۔ یا ملکِ یمین کی قیمت۔ ان تبتغوا النساء باموالکم بالصرف فی مہورھن (بیضاوی) ای تطلبوا بالصداق او تشتروا بالثمن (معالم) یعنی المھور (مدارک) فقہاء نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ مہر نکاح کا لازمی جزء ہے گو تعداد مہر معین نہ ہو۔ وفیہ دلیل علیٰ ان النکاح لا یکون الا بمھر وانہ یجب وان لم یسم (مدارک) مہر کی بار بار تاکید سے ظاہر ہے کہ شریعتِ اسلامی کو عورتوں کے حقوق کا کس درجہ اہتمام مطلوب ہے۔ نفسِ خرچ نکاح و سفاح دونوں میں مشترک ہے۔ فرق یہ ہے کہ نکاح سے زندگی انسانوں کی طرح مقید و پابند ہوجاتی ہے اور سفاح میں انسان جانوروں کی طرح چھوٹا ہوا رہتا ہے۔ تَبْتَغُوْا ۔ بغی کے معنی تلاش کرنے طلب کرنے کے ہیں اور حکم کے مخاطب مرد ہیں۔ گویا نکاح کی درخواست کرنا یا انگریزی محاورہ میں "پرپوز" کرنا مرد کا کام ہے۔ عورت کا کام صرف قبول کرنا منظوری دینا ہے۔ نر اور مادہ کے درمیان یہ فاعلیت و انفعالیت کا فرق زندگی کے ہر شعبہ پر محیط و حاوی ہے۔ ٤٩٦ یعنی مقدارِ مہر ایسی شے نہیں جو ایک مرتبہ بندھ جانے کے بعد کسی طرح قابلِ تبدیلی نہ ہو۔ میاں بیوی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا سکتے ہیں، بڑھا سکتے ہیں یا بالکل معاف بھی کرسکتے ہیں۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ ۔ یعنی بعد نکاح لُطف اُٹھایا ہے۔ الاستمتاع التلذذ والاجور المھور (قرطبی) ٤٩٧ اللہ کا علم کامل ہے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا۔ اور اسی علم کامل کے لحاظ سے اُس نے قانون اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ٤٩٨ یعنی ان آزاد شریف بیویوں کا مہر، نفقہ وغیرہ پُوری طرح ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ الْمُحْصَنٰتِ سے یہاں مُراد شریف آزاد بیویاں ہیں۔ ای الحرائر (معالم) یرید الحرائر وقالت فرقۃ معناہ العفائف وھو ضعیف (قرطبی) طَوْل کے معنی وسعت و مقدرت کے ہیں۔ الطول السعۃ والغنیٰ قالہ ابن عباس و المجاھد وسعید بن جبیر والسدی وابن زید (قرطبی) ٤٩٩ اور کنیز کو بیوی بنا لینے میں عار محسوس نہ کرے۔ یہ مشورہ اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ باندی کا مہر نفقہ وغیرہ نسبۃً ہلکا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے مالک انہیں غریب شوہروں کے نکاح میں دے دینے میں عار بھی محسوس نہ کریں گے۔ فَتَيٰتِكُمُ ۔ فتاۃ کا لفظ جب باندیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس میں جوان عمر کی قید باقی نہیں، بوڑھی، جوان ہر سن و سال کی باندیاں فتیات ہی کہی جائیں گی۔ العجوز الحرۃ لا تسمی فتاۃ والامۃ شابۃ والعجوز کل واحدۃ منھما تسمی فتاۃ (جصاص) ای اماتکم (راغب) ای المملوکات وھی جمع فتاۃ (قرطبی) فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۔ حنفیہ کے یہاں کنیز کتابیہ سے بھی نکاح جائز ہے اور آیت میں مومنات کی قید محض استحبابی ہے۔ ونکاح الامۃ الکتابیۃ یجوز عندنا والتقیید فی النص للاستحباب (مدارک) ٥٠٠ (اور ایمان ہی معیار و مدارِ فضیلت ہے) پھر کوئی آزاد کیوں بوقتِ ضرورت کسی باندی سے عقد کرنے میں عار محسوس کرے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے ظاہر ایمان کے قبول کرنے پر استدلال کیا ہے نیز اس پر کہ ایمان تصدیقِ قلب کا نام ہے نہ کہ اقرارِ زبانی کا۔ فیہ تنبیہ علیٰ قبول ظاھر ایمانھن ودلیل علیٰ ان الایمان ھو التصدیق دون عمل اللسان (مدارک) ٥٠١ (مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی اور اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے بھی) انتم وارقائکم متناسبون نسبکم من اٰدم ودینکم الاسلام (بیضاوی) ای لا تستنکفوا من نکاح الاماء فکلکم بنو اٰدم (مدارک) عرب سوسائٹی میں باندیوں سے نکاح کرنا عار اور ذلت کی چیز تھی کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ کنیز زادی کہلائے گی۔ قرآن مجید نے اس عار کو مٹایا اور بتایا کہ بوقتِ ضرورت اس میں ذرا تکلف نہ کرنا چاہئے۔ ان العرب کانوا یفتخرون بالانساب فاعلم فی ذکر ھذہ الکلمۃ ان اللہ لا ینظر ولا یلتفت الیہ (کبیر).

۴۹۱ قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کیے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔ فَاحِشَۃً۔ یہ دستور بجائے خود اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی کی چیز تھا۔ مَقْتًا۔ مذاق سلیم رکھنے والوں کے عُرف میں بڑی گندی چیز تھا۔ مقت کہتے ہیں ایسی بُری چیز کو جسے دیکھ ہی کر طبیعت میں گھن پیدا ہو۔ المقت بغض شدید لمن تراہ تعاطی القبیح (راغب) خود اہل جاہلیت بھی اس نکاح کو بہت بُری نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا نام ہی نکاح المقت پڑ گیا تھا۔ سَآءَ سَبِیْلًا۔ یعنی اس کے نتائج بھی بڑے قبیح تھے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ قبیح کے تین درجہ ہوتے ہیں۔ ایک قبح عقلی، دوسرے قبح شرعی، تیسرے قبح عرفی، فاحشۃ میں اشارہ اوّل کی جانب ہے، مقتًا میں دوم کی جانب، ساء سبیلا میں سوم کی طرف۔ ۴۹۲ اس لئے جو غلطیاں نزولِ حکم سے قبل ہو چکیں، ان پر وہ گرفت نہیں کرتا۔ اور ان پر وہ خطِ عفو کھینچ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ایک مفصل فہرست دے کر بتا دیا کہ ان ان عورتوں سے مطلقاً یا فلاں فلاں صورتوں میں نکاح حرام ہے۔ اور یہ فہرست محرمات قرآن مجید کی کاملیت کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔ موجودہ انجیل اور خدا معلوم کتنی نام نہاد آسمانی کتابوں میں تعلیم کا یہ ورق سرے سے سادہ موجود ہے۔ اُمَّھٰتُکُمْ۔ تمہاری مائیں اور اسی طرح ماں کی مائیں، دادیاں، نانیاں وغیرہا۔ والجدۃ من قبل الام والاب ملحقۃ بھن (مدارک) بَنٰتُکُمْ تمہاری بیٹیاں اور اسی طرح بیٹیوں کی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں وغیرہا۔ وبنات الابن وبنات البنت ملحقات بھن (مدارک) اَخَوٰتُکُمْ۔ اس میں حقیقی کے علاوہ سوتیلی بہنیں بھی آگئیں۔ لأب وأم او لأب او لأم (مدارک) عَمّٰتُکُمْ۔ اس میں باپ کی اور باپ سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجہ الثلاثۃ (مدارک) خٰلٰتُکُمْ اس میں ماں کی اور ماں سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجہ الثلاثۃ (مدارک) بَنٰتُ الْاَخِ۔ یعنی سگی اور سوتیلی بھتیجیاں۔ کذٰلک (مدارک) بَنٰتُ الْاُخْتِ۔ یعنی سگی اور سوتیلی بھانجیاں۔ کذٰلک (مدارک) اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ۔ خیال کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید دودھ پلائیوں کو ماں کے لقب سے یاد کر رہا ہے۔ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ۔ رضاعت کے اوقات گو مختلف ہوں، مگر دودھ ہو ایک ہی ماں کا۔ اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ۔ اس میں بیوی کی نانیاں، پرنانیاں وغیرہ سبھی آگئیں۔ ان کی حرمت محض عقد سے لازم آجاتی ہے۔ وھن محرمات بمجرد العقد (کشاف) رَبَآئِبُکُمُ۔ اس میں بیوی کی بیٹیوں کے علاوہ نواسیاں وغیرہ بھی آگئیں۔ فِیْ حُجُوْرِکُمْ۔ لفظی معنی ہیں کہ تمہاری گودوں میں ہوں، مُراد ہے تربیت و پرورش میں ہونا۔ یہ محض عام عادت و عُرف کا بیان ہے کوئی قید یا شرط نہیں۔ ذکر الحجر علی غلبۃ الحال دون الشرط (مدارک) مِنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ۔ یعنی ماں سے مجرد نکاح اس کی بیٹی کی حرمت کے لئے کافی نہیں۔ حرمت کیلئے ماں سے صحبت کا ہو چکنا ضروری ہے۔ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ اصلاً تو کنایہ صرف صحبت سے ہے۔ وھی کنایۃ عن الجماع (بیضاوی۔ کشاف) لیکن حنفیہ نے لمسِ شہوانی اور بوس وکنار کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور بہت ائمۂ فقہ اس میں حنفیہ کے ہمراہ ہیں۔ واللمس و نحوہ یقوم مقام الدخول (مدارک) ھو التمتع من اللمس او القبل قال المالک وابو حنیفۃ (ابن العربی) واتفق اصحابنا والثوری ومالک والاوزاعی واللیث والشافعی ان اللمس بشھوۃ بمنزلۃ الجماع فی تحریم اُمّ المرأۃ وبنتہا (جصاص) الجماع ھو الاصل ویحمل علیہ اللمس لانہ استمتاع مثلہ ویدخل تحت عمومہ (ابن العربی) حنفیہ و مالکیہ نے علاوہ لمسِ شہوانی کے شہوانی نظروں کو بھی سبب تحریم قرار دیا ہے۔ قال اصحابنا جمیعًا اذا نظر الی فرجھا بشھوۃ کان ذٰلک بمنزلۃ اللمس فی ایجاب التحریم (جصاص) وقال مالک اذا نظر الی شعر جاریتہ تلذذًا او صدرھا او ساقھا او شیٔ من محاسنھا تلذذًا حرمت علیہ اُمّھا وبنتھا (جصاص) واما النظر فانہ فی الدرجۃ الثالثۃ شبہ فی الزنا ذریعۃ الذریعۃ (ابن العربی) فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ یعنی ایسی غیر مدخول بہا بیوی کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں۔ مِنْ اَصْلَابِکُمْ۔ یہ صلب یا نسل کی قید اس لئے لگا دی کہ متبنّٰی یا محض منہ بولے بیٹوں کی بیویاں اس میں نہ شامل ہو جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا۔ من اولا تبنیتم (کشاف) اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا رضاعی اُن کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

ع ۴

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ
بیشک یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات تھی اور بہت بُرا طریقہ تھا ۴۹۱ تمہارے اوپر
عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ
حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور
خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ
تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں
الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ
جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی
نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ
مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہتی ہیں اور جو تمہاری ان
الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا
بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے لیکن اگر ابھی تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ
کوئی گناہ نہیں اور جو بیٹے تمہاری نسل سے ہوں اُن کی بیویاں اور یہ بھی
اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا
(حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو یکجا کرو مگر ہاں جو ہو چکا
قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾
(ہو چکا) بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۴۹۲

۴۸۳ (کہ جب البتہ عورتوں کو قید رکھنا یا اُن سے کچھ مال وصول کرنا جائز ہوگا) ایک دستور عرب جاہلیت میں یہ بھی تھا کہ مالدار بیوی کو وارث اس خیال سے کہیں نکاح نہ کرنے دیتے کہ یہ اپنا مال اپنے ساتھ لے جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ مجبور و محبوس بیوہ اس کے گھر میں اپنی جان دیدیتی۔ یا پھر اسے اپنا مال و متاع حوالہ کر کے اپنی جان چھڑاتی۔" اس مضمون میں بھی تین صورتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتا تاکہ ہم کو یہ کچھ دے۔ دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرتا کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں۔ تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی اس سے کچھ لئے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دیتا" (تھانویؒ)۔ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ۔ یعنی جو چیزیں خود تم نے دی ہوں یا تمہارے قرابت والوں نے۔ فَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔ اس سے مُراد زناکاری ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ وھو الزنا (ابن جریر عن السدی) ای الزنا (ابن الجریر عن الحسن) لیکن دوسرے معنی شوہر کی نافرمانی کے بھی ائمۂ فن سے منقول ہیں۔ وھو النشوز (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) وھو النشوز (ابن جریر۔ عن قتادة) محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ زناکاری اور نافرمانی دونوں مفہوموں کا جامع ہے۔ کل فاحشة من بذاءة باللسان علی زوجها واذی له و زنا بفرجها (ابن جریر) خلاصہ یہ کہ سوء معاشرت کا سبب اُن بیویوں

مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ

اُس کا کچھ حصہ وصول کرلو بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکرداری کی مرتکب ہوں ۴۸۳

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کیا کرو ۴۸۴ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا

عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی

كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

رکھ دے ۴۸۵ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ (دوسری) بیوی بدلنا چاہو

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا

اور تم اس بیوی کو (مال کا) انبار دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی

مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾

واپس مت لو ۴۸۶ کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کر کے اسے (واپس) لوگے ۴۸۷

وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

اور تم کیسے اسے (واپس) لے سکتے ہو درآنحالیکہ ایک دوسرے سے خلوت کر چکے

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا

ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں ۴۸۹ اور اُن

تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، مگر ہاں جو کچھ ہو چکا (ہو چکا)

کا پیدا کردہ نہ ہو۔ ای الا ان یکون سوء العشرة من جهتهن (کشاف)

۴۸۴ قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ جزئیاتِ احکام کے درمیان ایک کلی مسئلہ بھی بیان کر دیتا ہے اور کلیات کے ضمن میں جزئیات بھی لے آتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہے کہ جزئی احکام بیان کرتے کرتے اس نے ایک اہم اصل بیان کر دی عورتوں کے ساتھ معاشرت کی۔ یہ حسنِ معاشرت کا مرکزی، بنیادی، کلیدی حکم سہاگنوں، بیواؤں، طلاقنوں سب کے معاملہ میں واجب العمل ہے۔ اور یہ ہدایت اس مذہب کی ہے جو کتنے ہی کور چشم مسیحیوں، آریوں وغیرہ کے نزدیک عورت کے حق میں ظالمانہ ہے۔ ۴۸۵ (حال یا مستقبل میں) شکایت کرنے والے شوہروں کو بھی تسکین و تسلی کے لئے اس مراقبہ سے بڑھ کر اور کون خیال ہو سکتا ہے۔ خَیْرًا كَثِیْرًا۔ خیر کے اندر دنیوی و اخروی، عاجل و آجل ہر قسم کی فلاح اور بھلائی آگئی۔ محض خیر ہی نہیں خیر کثیر (بھلائیوں کا ایک ڈھیر۔ ایک انبار) کہ اس سے زیادہ تسکین دہ اور کون خیال ہو سکتا ہے؟ اِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ۔ یہاں وہ کراہت مُراد ہے جو طبعی طور پر یا خواہ مخواہ ہو سنگہ کوئی ایسا قابل شکایت امر جس کے اندر عورت کا ارادی قصور شامل ہو۔ ۴۸۶ بلا اس کے کہ اس پہلی بیوی کا کوئی قصور ہو۔ یعنی محض اپنی رغبت و خواہش سے تم ایک بیوی چھوڑ کر دوسری کرنا چاہتے ہو ۴۸۷ (اور اس طرح اقرار کئے ہوئے مال کو روک بھی مت رکھو) اِحْدٰىهُنَّ یعنی اس پہلی بیوی کو جسے اب چھوڑ رہے ہو۔ قِنْطَارًا۔ کے معنی مال کے انبار کے ہیں۔ القنطار المال العظیم (کبیر، کشاف) اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حدیث میں تو مہر کی زیادتی کی ممانعت آئی ہے لیکن خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ نے ایک بار مسجد میں سر منبر گو پہلے مہر کی زیادتی سے رد کا لیکن ایک ضعیفہ کے ٹوکنے پر اس کا جواز بھی تسلیم کر لیا اور خود اس آیت سے بھی ڈھیروں مال کا جواز ثابت ہو رہا ہے؟ سوال کا ایک مشہور جواب تو امام رازیؒ کے قلم و دماغ سے ہے یعنی آیت سے جواز کہاں ثابت ہوا؟ آیت نے تو محض ایک مفروض و مشروط حالت کا ذکر کیا ہے کہ اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو جب بھی اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔ اس سے اُس مفروضہ یا شرط کا صحیح ہونا تو لازم نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے بھی صاف، دلنشین اور بے تکلف جواب ہمارے زمانہ کے امام شریعت مفسر تھانویؒ کے قلم سے نکلا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "یہ جواز مفہوم من القرآن بہ معنی صحت نفاذ ہے۔ اور حدیث میں جواز بہ معنی اباحت مطلقہ و عدم کراہت کی نفی ہے، پس کچھ تعارض نہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ میں زیادہ مہر کے جواز کو مان لینا اس لئے تھا کہ سامعین اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں پس اس سے کراہت کا عدم ثابت نہیں ہوتا نہ حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔" ۴۸۸ یعنی بلاوجہ واپس لوگے تو یا تو صریح ظلم کے مرتکب ہوگے اور یا پھر بات بنانے کیلئے عورت پر کوئی جھوٹا سنگین الزام، زناکاری یا نافرمانی کا لگانا ہوگا۔ ۴۸۹ نکاح کے وقت کہ تم مہر ادا کرو گے۔ مِیْثَاقًا غَلِیْظًا۔ یعنی عہد مستحکم۔ وصفه بالغلظ لقوته وعظمه (کشاف) عهدًا وثیقًا (مدارک) وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ یعنی جب انہوں نے اپنا جسم تمتع و تلذذ کیلئے تمہارے سپرد کر دیا تو اب مہر ان سے واپس لینا یا اسے انہیں ادا نہ کرنا بڑی بے حمیتی بلکہ کم ظرفی کی بات ہے۔ افضٰی افضا لغۃً خلوت صحیحہ اور اصل عمل صحبت دونوں کو شامل ہے۔ حنفیہ نے مُراد خلوت صحیحہ لی ہے۔ افضی الی امراته ای خلا بها (راغب) قال الكلبی الافضاء ان یكون معها فی لحاف واحد جامعها او لم یجامعها وهذا القول اختیار الفراء ومذهب ابی حنیفةؒ (كبیر) ذكر الفراء ان الافضاء هو الخلوة وان لم یقع دخول و قول الفراء حجة فی ما یحکیه من اللغة (جصاص) ای خلا بلا حائل (مدارک) حنفیہ کے ہاں مہر خلوت صحیحہ پر واجب ہو جاتا ہے۔ والاٰیة حجة لنا فی الخلوة الصحیحة وهنا توكد المهر (مدارک) ۴۹۰ یعنی اس حکم کے نزول سے قبل جو ہو چکا۔ اب اس پر باز پرس نہیں۔ ای قبل نزول اٰیة التحریم فانه معفو عنه (کبیر) لَا تَنْكِحُوْا۔ میں نکاح اپنے لغوی معنی یعنی صحبت کرنے کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ فیه تحریم وطی موطوءة الاب بنكاح او بملك یمین او بزنا كما هو مذهبنا وعلیه كثیر من المفسرین (مدارک) مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ۔ عرب جاہلیت کے اس دستور کی طرف اشارہ ہے کہ سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیا جاتا تھا۔ قال ابن عباسؓ وجمهور المفسرین كان اهل الجاهلیة یتزوجون بازواج اٰبائهم (کبیر) مَا نَكَحَ میں مَا مَنْ کے معنی میں ہے۔ ما بمعنی مَن (جلالین) اٰبَآؤُكُمْ اس کے ذیل میں وہ بیویاں بھی آگئیں جو دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ
توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمّہ ہے وہ تو بس اُنہی لوگوں کی ہے جو بُری حرکت

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ
نادانی سے کر بیٹھتے ہیں ۴۷۵، اور پھر قریب ہی (وقت میں) توبہ کر لیتے ہیں ۴۷۶ ایسے ہی لوگوں کی

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
توبہ اللہ قبول کرتا ہے ۴۷۷ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا

حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
حکمت والا ہے ۴۷۸ ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے ۴۷۹ جو (برابر) گناہ کرتے

السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
رہیں یہاں تک کہ موت اُن میں سے کسی کے سامنے آکھڑی ہو ۴۸۰

قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ
(اور تب) وہ کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں، اور نہ ان لوگوں (کی توبہ) جو اسی حال میں مرتے

هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾
ہیں کہ وہ کافر ہیں ۴۸۱ یہی وہ لوگ ہیں جنکے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا
اے ایمان والو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً مالک

النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ
ہو جاؤ ۴۸۲ اور نہ انہیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے

۴۷۴ اسلام کا خدا محدود و مقید قسم کا خدا نہیں کہ مغفرتِ ذنوب پر قادر ہی نہیں بلکہ کائنات میں گویا مشین کی طرح ایک قانون مکافاتِ عمل کی حکومت ہے اور خدا (نعوذ باللہ) بیٹھا ہوا سے دیکھ رہا ہے۔ یا اگر مغفرت پر قادر ہے بھی جب بھی کفارہ کا محتاج ہے۔ ہندومت، مسیحیت وغیرہ تمام باطل ادیان کی تردید آیت سے ہوگئی۔ ۴۷۵ جو طبائع غیر سلیم ہیں۔ اُن کے لئے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش آیت ماقبل سے نکل سکتی تھی اور وہ اپنے دل میں کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہم ہر قسم کے فسق و فجور میں پڑے رہ سکتے ہیں۔ جب مرنے لگیں گے۔ توبہ کر لیں گے۔ اس خدشہ کے دُور کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود و شرائط کو صاف کر دیا جاتا۔ اَلسُّوْٓءَ لفظ جامع ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کیلئے۔ ای المعصیۃ صغیرۃ اوکبیرۃ (روح) اَلتَّوْبَةُ توبہ کی حقیقت شریعت میں یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لئے ترک معصیت کا عزم ہو اور یہاں توبہ سے مراد قبول توبہ ہے۔ التوبۃ عبارۃ عن الندم علیٰ ما مضیٰ والعزم علی الترک فی المستقبل (کبیر) ای ان قبولہا (مدارک) بِجَهَالَةٍ مُراد یہ ہے کہ معصیت کے ارتکاب کے وقت اس کے نتائج کا ذہن سے ذہول ہو گیا ہو اور عقل شدتِ جذبات (یا ہوائے نفس) سے اندھی ہوگئی ہو۔ عَلَى اللّٰهِ اہلِ حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر حقیقۃً واجب تو کوئی بھی چیز نہیں۔ یہاں مقصود صرف وعدہ کی تاکید ہے۔ ولیس المراد بہ الوجوب اذ لا یجب علی اللہ شیء ولکنہ تاکید للوعد (مدارک) ۴۷۶ معصیت پر ندامت اور اس کے ترک کا عزم، عملِ معصیت کے بعد جس قدر جلد بھی ہو سکے اس کا مطلوب ہونا ظاہر ہے۔ لیکن شریعت نے انتہائی شفقت سے کام لیکر اس قرب (من قریب) کی میعاد حضورِ موت سے قبل تک وسیع کر دی ہے۔ صحابیوں اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ والقریب فی ما بینہ وبین ان ینظر الی ملک الموت (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) کل شیء قبل الموت فھو قریبٌ (ابن جریر۔ عن الضحاک) وھو ما قبل حضرۃ الموت (مدارک) دُوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں اور یہ معنی بھی لگتے ہوئے ہیں کہ قبل اس کے کہ بُرائی نفس پر چھا جائے۔ اور نیکیوں کو سوخت کر جائے۔ معناہ قبل ان یحیط السوء بحسناتہ فیحبطہا (معالم) مِنْ قَرِيْبٍ میں من تبعیض کے لئے ہے۔ معناہ التبعیض ای یتوبون بعض زمان قریب (کشاف) ۴۷۷ یعنی وعدہ مغفرت مرتب ایسے ہی لوگوں کی توبہ پر ہوتا ہے۔ ۴۷۸ سو وہ اپنی شانِ علم سے خوب جانتا ہے کہ کس کس نے دل سے توبہ کی ہے اور اپنی شانِ حکمت سے دل سے توبہ نہ کرنے والے کو بھی رُسوا نہیں کرتا، اور تائب مخلص ہو یا غیر مخلص۔ بہرصورت اس کے لئے مزید ملامت روا نہیں رکھتا۔ ۴۷۹ یعنی ایسے لوگوں سے قبول توبہ کا وعدہ نہیں۔ باقی اگر اور کسی کے ساتھ محض فضل و کرم ہی کا معاملہ کرنا چاہے تو اس کی راہ میں حائل کون ہو سکتا ہے۔ ۴۸۰ (اور عالم برزخ اس پر منکشف ہونے لگے) یعنی حالت نزع و سکرات شروع ہو جائے کہ اب عذاب و ملائکہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد جو توبہ ہوگی وہ اضطراری ہوگی اور اس لئے کسی درجہ میں بھی مقبول نہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ معصیت کا صدور اگر ایک ہی آدھ بار ہو لیکن اس سے توبہ نہ کی جائے تو اس کا شمار بھی اصرار علی المعصیت میں ہوگا۔ اور یہ عمل گناہ متواتر کرتے رہنے کے حکم میں داخل ہوگا۔ سَيِّاٰت۔ یہ صیغہ جمع لانے سے یہ لازم نہیں کہ گناہوں کی مختلف قسمیں صادر ہوتی رہیں بلکہ ایک ہی معصیت کی عرصہ دراز تک تکرار اسے صیغۂ جمع میں لانے کے لئے کافی ہے۔ جمعت باعتبار تکرّر وقوعہا فی الزمان المدید (روح) ۴۸۱ کافر کے ایمان کا مرتے وقت نامقبول رہنا تو اوپر کے فقرہ میں شامل تھا مزید تصریح شاید تاکید اور مزید تقبیح کے لئے ہو۔ ۴۸۲ عرب جاہلیت میں میّت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں بھی وارث کے قبضہ میں آجاتی تھیں اور یہی دستور یونانی تمدن اور رومی تمدن میں بھی رہ چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) پھر مرد اگر چاہتا تو ان سے جبراً یا خود نکاح کر لیتا یا دوسروں کے نکاح میں دیدیتا۔ تَرِثُوا النِّسَآءَ یعنی بیویوں کے جسم کا مالک ہونا بھی آگیا اور ان کے مال جائداد کا بھی۔ عورتوں کے مال کے مالک ہو جانے کی تین صورتیں مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ عرب میں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ عورت کا جو حق شرعی میراث میں نکل رہا ہو اُسے خود لے لیا جائے اور اُسے نہ دیا جائے۔ دُوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بلاوجہ مجبور کر دے کہ اسے کچھ مال دے جب یہ اُسے چھوڑے۔ دنیا بداخلاقی اور بدعملی کی کتنی مختلف صورتوں میں مبتلا تھی اور اسلام نے آکر کن کن چیزوں کی اصلاح کی ہے۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ

کرے گا، جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (١٣) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ

بڑی کامیابی ہے ٤٦٦ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسولؐ کی نافرمانی کریگا اور اس کے

يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ

ضابطوں کی حد سے باہر نکل جائیگا اسے وہ دوزخ کی آگ میں داخل کریگا اس میں وہ ہمیشہ ہمیش

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (١٤) ع ٢ / ١٢ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ

پڑا رہے گا، اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہوگا ٤٦٧، اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ٤٦٨

نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اُن پر چار (آدمی) اپنے میں سے گواہ کرلو سو اگر وہ

شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ

گواہی دیدیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا

الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (١٥) وَالَّذٰنِ

خاتمہ کردے ٤٦٩ یا اللہ اُن کے لئے کوئی (اور) راہ نکال دے ٤٧٠ اور تم میں سے کوئی

يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا

دو جو وہ کام کریں انہیں اذیت پہنچاؤ ٤٧١ پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں ٤٧٢

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (١٦)

تو ان سے تعرض نہ کرو ٤٧٣ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے ٤٧٤

٤٦٦ اور یہ فوز عظیم جس اطاعت کامل پر مشروط ہے اس کے اندر اس قانون میراث کی پابندی بھی آگئی۔ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت سے مُراد اُس قانون کی پابندی ہے جو اللہ کا اُتارا ہوا اور رسولؐ کا لایا ہوا ہے۔ ٤٦٧ یہ عذاب دائمی بھی ہوگا اور مُعذّب کے حق میں ذلت آفرین بھی۔ اس عذاب کے مورد کافر ہی ہوں گے۔ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ۔ یعنی حد سے اس قدر باہر نکل جائے، کہ ان احکام کے احکامِ الٰہی ہونے ہی سے انکار کردے۔ الکافر هو الذی تعدی الحدود کلها (مدارک) ای ینعد حدوده استحلالاً (مدارک عن الکلبی) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ میں معصیت سے مُراد معصیتِ کفر و شرک ہے۔ فسر الضحاك هنا المعصية بالشرك وقال الکلبی ومن یعص الله یکفره (مدارک) ٤٦٨ یعنی زنا کے مرتکب ہوں۔ اَلْفَاحِشَةَ۔ فاحشۃ قولی و فعلی ہر بڑی بُرائی کے لئے عام ہے۔ الفاحشة ما عظم قبحه من الافعال والاقوال (راغب) الفعلة القبيحة (کبیر)۔ یہاں مُراد زنا ہے۔ کناية عن الزنا (راغب) واجمعوا على ان الفاحشة هٰهنا الزنا (کبیر) استعملت کثیرًا فی الزنا لانه من اقبح القبائح وهو المراد على الصحيح (روح) نِسَآىِٕكُمْ۔ نساء ہر عورت کے لئے عام ہے یہاں مُراد بیویاں ہیں۔ ٤٦٩ زنا کی ایک سزا ابتداءِ اسلام میں عمر قید یا دائم الحبس تھی۔ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ اَرْبَعَةً۔ اول تو نصابِ شہادت اس معاملہ میں دوگنا ہے یعنی جہاں مسلمان مرد یا عورت کی عزت کا سوال ہے، گواہوں کی تعداد بجائے دو کے چار ہونا چاہیئے اور پھر یہ چاروں۔ (١) مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں (٢) آزاد ہوں، غلام نہ ہوں (٣) عاقل ہوں، فاترالعقل نہ ہوں (٤) بالغ ہوں، نابالغ نہ ہوں (٥) گواہی چشم دید دیں۔ سماعی یا قیاسی شہادت کا یہاں دخل نہیں۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ۔ یہ قید حکام یا اہل حل و عقد کے حکم سے ہونا چاہیئے۔ هذا الخطاب للحكام (معالم) فَاَمْسِكُوْهُنَّ فی البیوت یعنی گھروں کے اندر اُنہیں قید یا نظر بند کردو بعض ظالموں نے جو اس سے پردہ مُراد لیا ہے انہوں نے اپنی عقل و فہم پر ظلم کیا ہے۔ فاحبسوهن فی البیوت واجعلوها سجنًا علیهن (بیضاوی) ٤٧٠ (اپنے رسولؐ پر وحی کے ذریعہ سے) فقرہ خود اس پر دلالت کررہا ہے کہ گھروں کے اندر دائمی نظربندی کی سزا عارضی تھی اور آئندہ کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے چنانچہ کچھ روز بعد سورۃ النور میں قرآن ہی کے ذریعہ سے دوسری سزا تجویز ہوئی۔ یعنی زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لئے سَو سَو تازیانے۔ اور سنتِ رسولؐ نے اس کی مزید تشریح یہ کی کہ یہ سزا نا کتخدا کے لئے ہے اور بیاہے ہوؤں کے لئے جرم کی سزا سنگساری ہے۔ وهذا کله کان قبل نزول الحدود فنسخت بالجلد والرجم والجلد فی القرآن والرجم فی السنة (معالم) ٤٧١ یعنی سزا اس جرم کے سارے مجرموں کے لئے ہے۔ بہت سی قومیں اپنے کو مہذب کہلانے والی آج بھی موجود ہیں جن کے ہاں حرام کاری (جب تک کہ بہ جبر نہ ہو) سرے سے قابلِ تعزیر ہی نہیں۔ بہت سی قوموں میں حرام کاری صرف شادی کے بعد ہے۔ بن بیاہوں اور بن بیاہیوں کے لئے یہ کوئی جرم ہی نہیں، آیت ان سارے غلط و گمراہ کن نظریات کی تردید کررہی ہے۔ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا۔ میں ها کی ضمیر فاحشۃ کی طرف ہے یعنی کوئی بھی جوڑا جو حرام کا مرتکب ہو۔ اس عموم میں ہر طرح کے مرتکب آگئے، بیاہے اور کنوارے، مرد و عورت سب بجز فاترالعقلوں کے۔ فَاٰذُوْهُمَا۔ اجراءِ سزا کا یہ حکم حکام یا اہلِ حل و عقد کو ہے۔ الخطاب هٰهنا للحکام (روح) ٤٧٢ (اجرائے سزا کے بعد) جن جرائم کی حدِ شرعی مقرر ہے ان میں اجرائے حد سے قبل توبہ کافی نہیں۔ ٤٧٣ یعنی مجرم جب سزا بھی بھگت چکا اور اب تائب بھی ہے تو اب اس پر مزید طعن و ملامت وغیرہ جائز نہیں۔

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

یا ادائے قرض کے بعد

لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

اولاد نہ ہو — لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد ہو — تو ان (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصّہ

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ

ملے گا ۴۶۱ بعد وصیت (نکالنے) کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا ادائے قرض کے بعد۔ اور

اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ

اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی

اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا

یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کیلئے ایک چھٹا حصّہ ہے — اور اگر یہ لوگ اس

اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

سے زائد ہوں — تو وہ — ایک تہائی میں شریک ہوں گے ۴۶۲ بعد وصیت (نکالنے)

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

کے، جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی کے نقصان پہنچائے ۴۶۳ یہ حکم اللہ کی طرف

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲ تِلْكَ حُدُوْدُ

سے ہے ۴۶۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا بُردبار ہے ۴۶۴ — یہ سب خداوندی ضابطے ہیں ۴۶۵

اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کریگا اللہ اسے (بہشت کے) باغوں میں داخل

۴۵۸ حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ میراث کی تقسیم ہر حال میں اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد ہی ہوگی اور ان دونوں میں بھی ادائے قرض مقدم ہے۔ ۴۵۹ اور بیویاں اگر کئی ہوں تو شوہر کے ترکہ کی وہی چوتھائی سب میں برابر تقسیم ہو جائے گی۔ ۴۶۰ (اور شوہر کے ترکہ کا بقیہ ۷/۸ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) بیویوں کو ۱/۸ بہرصورت ملے گا خواہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ۔ یہ اولاد خواہ اُنہی بیویوں سے ہو یا کسی اور عورت سے۔ ۴۶۱ (اور بقیہ ۳/۴ حصہ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) فَهُمْ شُرَكَآءُ یہ شرکت برابری کی رہے گی یعنی مذکر و مونث کا حصّہ برابر کا رہے گا۔ كَلٰلَةً اُردو میں اس کے لئے کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔ کلالہ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد، اولاد در اولاد میں سے۔ ۴۶۲ یعنی مورث کسی وارث کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادۃً۔ عملاً کی مثال یہ کہ وصیت ۱/۳ سے زائد کی کر دی۔ ایسی وصیت قانونِ شریعت کے خلاف ہونے کی بنا پر ناقابلِ نفاذ ہوگی۔ ارادۃً یہ کہ وصیت رکھے تو ۱/۳ کے اندر ہی۔ لیکن نیت و مقصود یہ ہو کہ وارث کا حصّہ کٹ جائے۔ ایسی وصیت کا نفاذ قانونی تو ہو جائے گا۔ لیکن وصیت کرنے والا عنداللہ گنہگار ٹھہرے گا۔ اسلام اپنے پیرودں سے قدم قدم پر عمل کے ساتھ ساتھ نیت کا بھی اخلاص و صداقت چاہتا ہے۔ ۴۶۳ ختم کے قریب پھر یاد دلا دیا کہ یہ سارا قانونِ میراث شریعت کے ہر دوسرے حکم کی طرح حاکمِ مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے۔ کسی انسانی عقل و دماغ کا سوچا ہوا کسی کونسل کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں جو آج پاس ہو اور کل اس میں ترمیم ہو جائے۔ ۴۶۴ چنانچہ علم کامل کی بنا پر وہ خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ اور حلم کامل کے اقتضاء سے بہت دفعہ مجرموں کی گرفت وہ فوراً نہیں کرتا۔ ۴۶۵ (جنہیں ہلکا سمجھنا خود اپنے کو خدائی عدالت میں مجرم بنانا ہے) تِلْكَ کا اشارہ اُن تمام احکام کی جانب ہے جو یتیموں اور وصیتوں اور ترکہ کے باب میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اشارةٌ اِلى الاحكام التى ذُكرت فى باب اليتامٰى والوصايا والمواريث (مدارک)

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف (حصہ) ٤٤٨ ہے، اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ
کے لئے اُس (مال) کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے ٤٤٩ بشرطیکہ مُورث کے کوئی اولاد ہو ٤٥٠ اور اگر مورث
لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ
کے کوئی اولاد نہ ہو اور اسکے والدین ہی اسکے وارث ہوں تو اسکی ماں کا ایک تہائی ہے ٤٥١ لیکن اگر مُورث
لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ
کے بھائی بہن ہوں تو اسکی ماں کیلئے ایک چھٹا حصہ ہے ٤٥٢ وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مُورث اس کی
بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ
وصیت کر جائے یا ادائے قرض کے بعد ٤٥٣ تمہارے باپ ہوں کہ تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے ہو کہ ان میں سے
اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر کون ہے ٤٥٤ یہ سب اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بیشک اللہ ہی علم والا ہے،
حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ
حکمت والا ہے ٤٥٥ اور تمہارے لئے اُس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے
يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ
کوئی اولاد نہ ہو ٤٥٦ اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے بیویوں کے
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ
ترکہ کی چوتھائی ہے ٤٥٧ وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں

جو یہ صدا اٹھی ہے کہ مرد و عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیئے یہ دوسری بے اعتدالی اور افراط کی جگہ تفریط ہے۔ عورت کی فطری ساخت، جسمانی ترکیب اور عضویاتی فرائض نے اسے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ تربیت نسل کے ساتھ ساتھ اس پر فکر معاش کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرت نے اور اس لئے صحیح اور سچی شریعت نے اس کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ گھر اور خاندان کا خرچ چلانا اس کے سر رکھا ہے۔ اس لئے یہ ظلم نہیں عین عدل ہے کہ ترکہ میں اسے حصہ بھی بڑا ملے۔ پھر ہر شادی شدہ عورت کو حصول میراث کے موقع پر دُہرے حصے حاصل رہتے ہیں۔ ایک اِدھر میکہ میں باپ کے ترکہ میں سے حصہ، دوسرا اُدھر سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے حصہ، اس طرح صوری اور ظاہری اعتبار سے بھی عورت گھاٹے میں نہیں رہتی۔ ٤٤٦ (یا صرف دو ہی اولاد میں) اِنْ كُنَّ نِسَآءً۔ یعنی اگر وارث صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ۔ فوق کے معنی یہاں لازمی طور پر "زائد" کے نہیں۔ یہ صلہ محاورۂ عرب میں اکثر زائد بھی آجاتا ہے اور خود قرآن مجید میں بھی اس کے زائد استعمال کی مثالیں موجود ہیں مثلاً فاضربوا فوق الاعناق ان ذکر فوق ههنا صلة للكلام (جصاص) ٤٤٧ لڑکیاں اگر صرف دو ہوں تو ان کا کل حصہ ⅔ ہونا ظاہر ہے ہر ایک کو ⅓ کے حساب سے۔ لیکن یہ شرح یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ تین کو ⅔ یعنی کُل کا کُل نہیں مل جائے گا۔ بلکہ لڑکیاں جتنی بھی ہوں ان کا مجموعی حصہ ترکہ کا ⅔ ہی رہے گا، باقی ⅓ میں اور اعزۂ خاص شریک ہوں گے۔ تفصیل فرائض کی کتابوں میں ملیگی۔ ٤٤٨ (کل ترکہ کا)۔ اور بقیہ نصف حصہ میں دوسرے متعین اعزہ شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ نہ موجود ہوئے تو پھر وہ نصف بھی اسی لڑکی کی طرف عود کر آئے گا۔ ٤٤٩ اور بقیہ ⅚ اولاد اور دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ ٤٥٠ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور خواہ تعداد میں ایک ہو یا زائد۔ ٤٥١ (اور بقیہ دو تہائی باپ کا) وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ۔ یعنی علاوہ اولاد کے بھائی بہن بھی نہ ہوں، صرف ماں باپ ہی وارث ہوں۔ ٤٥٢ (اور بقیہ ⅚ حصہ باپ کا) باپ کے باعث بھائی بہنوں کو نہ ملے گا۔ اِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ۔ یہ بھائی بہن خواہ سگے ہوں یا سوتیلے۔ یہ وہ صورت ہے کہ میت کے اولاد کوئی نہیں۔ لیکن ماں باپ بھی ہیں اور بھائی بہن بھی۔ اخوة۔ کا لفظ یہاں بھائی بہن دونوں کے لئے ہے۔ صیغۂ مذکر قاعدۂ زبان کے مطابق محض تغلیباً لایا گیا ہے۔ ٤٥٣ (اگر کچھ ہو) وارثوں کو حصہ اس وقت ہوگا جب پہلے مورث کا قرض ادا ہولے اور اگر وہ ایک ثلث جائداد سے متعلق کچھ وصیت کر گیا ہے تو اس وصیت کا اجراء ہولے۔ فقہاء نے یہاں دو قاعدے اور بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ قرض اور وصیت میں ادائے قرض مقدم ہے۔ گو قرآن مجید میں لفظ وصیت پہلے مذکور ہے۔ الدَّين مؤخر في اللفظ وهو مبتدأ به في المعنى على الوصية (جصاص) انما قدمنا الدَّين على الوصية لقوله عليه السلام الا ان الدَّين قبل الوصية (مدارک) دوسرے یہ کہ ادائے قرض اور اجراء وصیت ان دونوں سے بھی پہلے مورث کی تجہیز و تکفین کیلئے خرچ نکالنا ضروری ہے۔ ٤٥٤ یعنی نفع دنیوی ہو یا اخروی تمہیں کون زیادہ پہنچا سکے گا! اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ۔ اٰبَآؤُكُمْ کے تحت میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا، اوپر کے سارے اصول آگئے۔ اسی طرح اَبْنَآؤُكُمْ کے تحت میں نہ صرف صلبی بلکہ اولاد در اولاد نیچے کے سارے فروع آگئے۔ یہاں یہ جتا دیا ہے کہ ترکہ کی تقسیم مورث کی رائے واجتہاد پر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ حکیم و خبیر حاکم مطلق نے خود ہی سب قاعدے ضابطے مقرر کر دیئے ہیں۔ آیت سے حسن معاملت کے ساتھ ساتھ حُسن معاشرت کی بھی تعلیم نکل آئی۔ انسان کو چاہیے کہ شفقت و رحمت اور حسن سلوک اپنے سارے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ رکھے۔ اُسے کیا خبر کہ کون اُس کے زیادہ کام آکر رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ٤٥٥ اور اللہ کے علم و حکمت سے بھلا کسی بندہ کی فہم و دانش کو کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احکام میراث کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ تاکید اور اہتمام منظور ہے۔ شروع يوصيكم الله سے کیا، اور آیت کے خاتمہ پر پھر دُہری دُہری بلکہ تہری تہری تصریح و تاکید موجود ہے ——— اور پھر ہم لوگ بھی ٹھیک اس کے مقابل غفلت اور بے پروائی میں کس قدر پڑے ہوئے ہیں۔ كَانَ۔ یہاں ماضی کے معنی میں نہیں، بلکہ دوام و استمرار کے اظہار کے لئے ہے فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ چند حالات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں میراث جاری نہ ہوگی مثلاً (١) وارث مرتد ہو جائے (٢) وارث اپنے مورث کے قتل عمد کا مجرم ہو۔ (٣) وارث جاکر دار الحرب میں قیام اختیار کرلے۔ تفصیل ان موانع میراث کی، فقہ و فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ٤٥٦ (نہ تم سے نہ کسی اور شوہر سے) ظاہر ہے کہ اتنے جز میں خطاب شوہروں سے ہے۔ ٤٥٧ (اور بقیہ ¾ دوسرے وارثوں کا حصہ ہے) بیوی کے ترکہ میں ½ حصہ شوہر کا ہر صورت میں ہے۔ خواہ بیوی کوئی اولاد چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے

اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔ نہ کہ تقویٰ و ہدایت کے عام معنیٰ میں۔ ای نوعًا من الرشد وھو الرشد فی التصرف والتجارۃ (کشاف) وبین الرشد تبین اعنی الرشد المونس من الیتیم والرشد الذی اُوتی ابراھیم علیہ السلام بون بعید (راغب) ای ھدایۃ فی التصرفات وصلاحًا فی المعاملات (مدارک) وتنکیر الرشد یفید ان المراد رشد مخصوص وھو الرشد فی التصرف والتجارۃ (مدارک) فاعتبار الدین فی دفع المال غیر واجب باتفاق الفقہاء لانہ لوکان رجلا فاسقًا ضابطًا لاموره عالمًا بالتصرف فی وجوہ التجارات لم یجز ان یمنع مالہ لاجل فسقہ (جصاص) ۴۳۶ (اور اس وقت تو بہرحال اُن کے حوالہ کرنا ہی پڑے گا) ولا یکبروا فیطالبوا باموالھم (جصاص) حدِ کبر میں داخل ہونے کے بعد جائداد بہرحال صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی خواہ رشد سے انتظامی صلاحیت حاصل ہو یا نہ ہو فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔ فیھا دلالۃ علی انہ اذا صار فی حد الکبر استحق المال اذا کان عاقلا من غیر شرط ایناس الرشد (جصاص) اور حدِ کبر میں داخلہ کی عمر امام ابو حنیفہؒ کے ہاں ۲۵ سال کی ہے کہ اس سن میں انسان دادا بن سکتا ہے۔ وجعل ابو حنیفۃ رح حد الکبر فی ذلک خمسا وعشرین سنۃ لان مثلہ یکون جدًا ومحال ان یکون جدًا ولا یکون فی حد الکبار (جصاص) بِدَارًا کے معنی جلدی کرنے کے ہیں۔ بدارًا ای مسارعۃ (راغب) بدارًا ای مبادرۃ (بخاری) ۴۳۷ (جائداد یتیم میں تصرف سے) وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا۔ ذکر انہی اولیاء یتامیٰ کا ہے۔ حکم ان کو مل رہا ہے کہ اگر وہ خوش حال ہیں تو

أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ
اعزہ اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس میں سے
مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞٨ وَلْيَخْشَ
(کچھ) دیدو اور اُن سے ہمدردی کی بات کہو ۴۴۱ اور ایسے لوگوں کو
الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا
ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں
خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا
تو ان کی انہیں (کیسی) فکر رہے بس چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور بات پکی
سَدِيْدًا ۞٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى
کہیں ۴۴۲ بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے ہیں،
ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَ
وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں ۴۴۳ اور عنقریب وہ
ع ۱ ۱۲
سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۞١٠ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ
دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے، اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارہ میں حکم دیتا ہے ۴۴۴
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً
مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے ۴۴۵ اور اگر دو سے زاید عورتیں (ہی)
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ
ہوں ۴۴۶ تو ان کے لئے دو تہائی (حصہ) اس (مال) کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے ۴۴۷ اور اگر

انہیں فیس، آزیریم وغیرہ کے نام سے کوئی رقم بھی یتیم کے مال میں سے نہ لینا چاہیئے۔ بلکہ اسے محض حسبۃً للہ کرتے رہنا چاہیئے۔ ۴۳۸ یعنی بقدر اپنی ضرورت کے۔ ای بقدر الحاجۃ (ابن عربی) بقدر حاجتہ الضروریۃ (روح) یہ رقم، محققین حنفیہ نے صاف کر دیا ہے کہ بطور اُجرت کے نہ ہوگی کہ نگرانی تو ولی کے فرائض میں ہے اور معلوم ہے کہ ادائے فرائض پر اُجرت جائز نہیں۔ بلکہ یہ رقم تو الگ سے اللہ کی مقرر کی ہوئی ایک مد ہے۔ اِنّ الرزق لیس باجرۃ لشیٔ وانما ھو شیٔ جعلہ اللہ لہ (جصاص) فاخذ الاجرۃ للقاضی ولمن قام بشیٔ من امور الدین غیر جائز (جصاص) بِالْمَعْرُوْفِ یعنی یہ تدبیر کہ اس آمدنی سے خوب عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ بلکہ صرف اتنا معاوضہ لے جتنا اس معاشرہ میں متعارف ہو۔ ۴۳۹ یعنی یہ گواہوں کا حکم تو دنیوی ضابطہ کی تکمیل کے لئے دیا جا رہا ہے ورنہ حقیقۃً ہر خیانت اور ہر امانت کا علم تو اللہ کو ہے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ یعنی جب بعد تحقق شرائط مذکور (بلوغ و قابلیتِ انتظام) یتیموں کے سپرد ان کی جائدادیں کرنے لگو۔ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ۔ گواہ اس امر پر کہ یتیموں کا مال اُن کے سپرد کر دیا گیا۔ ۴۴۰ یعنی یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں حصوں کی تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق شریعتِ الٰہی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ یہ نہیں کہ جو روشن خیال جب جب چاہیں اٹھیں اور اس قانون میں قطع و برید کر کے رکھ دیں۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ ..... وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ۔ یعنی حق میراث مردوں عورتوں دونوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مذہبوں کا جنہوں نے عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر حقِ وراثت سے محروم رکھا ہے۔ ہندوؤں کی طرح جاہلیت عرب میں بھی عورتوں کا کوئی حصہ ہی نہ تھا۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ۔ منہ میں ضمیر غائب ترکہ یا مال کی طرف ہے۔ والضمیر یعود الی ما ترک (مدارک) ۴۴۱ یعنی نرمی اور خوش اسلوبی سے معذرت ہی کر دو۔ خشونت سے کام نہ لو۔ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ۔ یعنی جس وقت وارثوں کے درمیان تقسیم ترکہ ہو رہی ہو۔ ای قسمۃ الترکۃ (مدارک) اُولُوا الْقُرْبٰى۔ ایسے عزیز مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں۔ فی من لا یرث (مدارک) مِنْهُ ضمیر ترکہ کی طرف ہے۔ ای مما ترک الوالدان والاقربون (مدارک) یہ تقسیم صرف بالغوں کے حصہ میں سے ہوگی۔ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر و خیرات یا کسی کی مراعات جائز نہیں۔ فَارْزُقُوْهُمْ۔ اس میں بڑی بحث و گفتگو ہوئی ہے کہ یہ حاضر الوقت غیر وارثوں کو ترکہ میں سے دینے کا حکم وجوبی ہے یا محض استحبابی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ درجۂ استحباب کی چیز ہے۔ واجب نہیں ہے۔ اور اگر ابتدا میں واجب تھا بھی تو اب حکم وجوب منسوخ ہے۔ ابن عباسؓ صحابی، ابن جبیر تابعی، حسن بصری تابعی، اور محققین حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ قال ابن عباس رض وابن جبیر والحسن ھو ندب (بحر) ..... ھذا کلہ یوجب ان یکون اعطاء ھؤلآء الحاضرین عند القسمۃ استحبابًا لا ایجابًا (جصاص) والصحیح ان ھذا علی الندب (قرطبی) ۴۴۲ (اور ان یتیموں کے حسب مصلحت) یعنی ان کی تعلیم، تادیب، تسلی، دلجوئی ہر پہلو کا لحاظ رہے۔ ذکروا بالنظر فی مصلحتھم (ابن عربی) القول السدید من الاوصیاء ان لا یؤذوا الیتامیٰ ویکلموھم کما یکلمون اولادھم بالادب الحسن والترحیب (کشاف) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو نہیں بلکہ قریب الموت شخص کے عزیزوں قریبوں کو ہے کہ وہ اسے سمجھائیں کہ اسے حق صرف ایک ثُلث میں صدقہ کا ہے اور باقی مال مقررہ وارثوں کے لئے چھوڑ جائے۔ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں خود ان کے چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ کر رہے۔ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا۔ ضعیف سے مراد بوڑھی نہیں، کمزور اور کم سن اولاد ہے۔ ای اولادًا صغارًا (معالم، جلالین) قَوْلًا سَدِيْدًا یعنی سچی اور صحیح بات جس میں کوئی پہلو شر و فساد و اتلافِ حقوق کا نہ نکلتا ہو۔ ھو العدل والحق الذی لا خلل فیہ ولا فساد فی رجحان بوارث او حرمان لذی قرابۃ (جصاص) ۴۴۳ خیانت، غصب، بددیانتی ہر صورت میں بُری ہیں، یتیموں کے مال میں ان کا وقوع قبیح تر ہے۔ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى۔ یا کلون سے مراد یتیم کا مال کسی طریقہ سے بھی بے جا صرف میں لے آنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف کھانے ہی کے کام میں آئے۔ اُردو محاورہ میں بھی روپیہ "کھا جانا" ایسے موقع پر بڑے وسیع معنیٰ میں آتا ہے۔ خص الاکل بالذکر لانہ اعظم ما یبتغی لہ الاموال (جصاص) اِنَّمَا ..... نَارًا۔ یعنی اس حرام خوری کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ۴۴۴ ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشرتی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اس کی عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ مدار ہے۔ اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں۔ جو ایسے اہم مسئلہ کی تفصیلات سے خالی ہوں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ۔ اب تصریح سے یہ یاد دلا دیا کہ یہ احکام کسی بندہ کے تجویز کئے ہوئے نہیں۔ حکیم مطلق اور عالم الغیب حاکم برحق کے ارشاد کئے ہوئے ہیں۔ ۴۴۵ یہ ایک عام اصل بیان کر دی کہ ہر لڑکے کو دُہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔ خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی۔ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ دنیا کی بہت سی مذہبی اور غیر مذہبی شریعتیں ایسی ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں اور عرب جاہلیت میں بھی ترکہ کے حصہ دار صرف مرد (اور مردوں میں بھی بالغ اور قابل حرب مرد) تھے۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلافِ فطرت ہونا بالکل ظاہر ہے لیکن اب اس کے ردِ عمل کے طور پر بعض حلقوں سے

حدیث میں تو اور زاید ہے ـــــــ حیرت ہے کہ ایسے صاف، سیدھے، شریفانہ، حکیمانہ قانون سے شرمانے اور اسے غیروں سے چھپانے کی ضرورت تجدد زدہ مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ان کا ذہن معاً انگریزی کے لفظ Slave اور ان ساری سختیوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو اس لفظ کے تخیل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حالانکہ ہمارے ہاں تو غلاموں اور غلام زادوں نے بارہا بادشاہتیں کی ہیں اور اُمرا تو ان میں کثرت سے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت سے بڑے بڑے علماء، فقہاء وائمۂ فن اُن میں تابعین ہی کے زمانہ سے پیدا ہونے لگے تھے۔ کنیز کے حقوق بیوی سے کمتر ہوتے ہیں، اس لئے ان کا ادا کرنا بھی قدرۃً سہل تر ہے۔ ۴۳۰ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی کے ساتھ نباہ کرنا ہوگا تو ظلم اور زیادتی کے امکانات بھی بہت گھٹ جائیں گے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی ایک پر قناعت۔ اشارة الى اختيار الواحدة (مدارک) اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ عول کے معنی ایک طرف جھک جانے اور جَور کرنے کے ہیں، لا تعولوا کے معنی ہوئے کہ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ العول هو ترك النصفة باخذ الزيادة (راغب) من قولهم عال الميزان عولًا اذا مال وعال الحاكم في حكمه اذا جار (کشاف) معناه لا تجوروا ولا تميلوا وهذا هو المختار عند اكثر المفسرين (کبیر) لاخلاف بين السلف وكل من روى عنه تفسير هذه الاٰية ان معناه ان لا تميلوا وان لا تجوروا (جصاص) ۴۳۱ صَدُقٰتِهِنَّ۔ صداق یا مہر شریعتِ اسلامی میں بیوی کی وہ قیمت نہیں جو شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مہر بطور ایک نذرانہ کے ہے جو شوہر بہ غرض اکرام و اعزاز براہ راست بیوی کو پیش کرنا اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔

بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا
عمرِ نکاح کو پہنچ جائیں ۴۳۴ تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا
ان کا مال کر دو ۴۳۵ اور مال کو جلد جلد اسراف سے اور اس خیال سے کر یہ
اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ
بڑے ہو جائیں گے ۴۳۶ مت کھا ڈالو، بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ تو اپنے کو بالکل روکے رکھے ۴۳۷
مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا
البتہ جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے ۴۳۸ اور جب
دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ
اُن کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو،
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ ٦ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے ۴۳۹ مردوں کے لئے بھی اس چیز میں حصہ ہے جس کو
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ
والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی اس چیز میں حصہ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اس متروکہ میں سے تھوڑا ہو
اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ ٧ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ
یا زیادہ (بہرحال) ایک حصہ قطعی ہے ۴۴۰ اور جب تقسیم کے وقت

ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ المهر واجب شرعًا ابانة لشرف المحل (ہدایہ) عورت کی شرمگاہ نکاح ہوجانے سے شوہر کی ملک نہیں ہوجاتی ملک عورت ہی کی رہتی ہے شوہر کے لئے صرف جائز ہوجاتی ہے: الزوج لا يملك بدله شيئًا لان البضع في ملك المرأة بعد النكاح كهو قبله (جصاص) واما الذى يستحقه الزوج منها بعقد النكاح به الاستباحة لا الملك (جصاص) وَاٰتُوا النِّسَآءَ۔ یہ رقم مہر اپنی بیویوں کو دو نہ کہ ان کے اولیاء و والدین کو۔ مہر کی اہمیت اور ادائے مہر کی تاکید شریعت میں بالکل ظاہر ہے۔ گو افسوس ہے کہ اُمت کا عمل اس کے برعکس ہے مہر کو محض ایک رسمی اور فرضی چیز سمجھ رکھا گیا ہے۔ ۴۳۲ یعنی اس اجازت کے بعد بے تکلف اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ۔ بیویوں کی طرف سے یہ ابراء بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اور شوہر کے کسی مکر و فریب کے بغیر ہونا چاہیئے، مہر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرایا گیا ہے تو قاضی و عدالت کے ہاں سے جو کچھ بھی فیصلہ ہوجائے عند اللہ معاف نہیں سمجھا جائیگا۔ عَنْ شَيْءٍ۔ چاہے وہ جز چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہاں تک کہ کُل کا کُل بھی۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر اسے واپس کر دے تو اسے ہبہ کہیں گے اور اگر لئے بغیر پہلے ہی معاف کر دے تو اس کا نام اصطلاح فقہ میں ابراء ہے اور شرعًا دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـــًٔا مَّرِيْٓـــــًٔا۔ محاورۂ زبان میں مراد اس کے لفظی معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بعد اس مال کو بے تکلف اپنے تصرف و استعمال میں لا سکتے ہو۔ تصرفوا فيه تملكًا (روح) لا اعتبار بلفظ الاكل في ذلك وان المقصد فيه جواز استباحته بطيبة من نفسها (جصاص) ليس المقصود صورة الاكل وانما المراد به الاستباحة باى طريق كان (قرطبی)۔ ۴۳۳ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ۔ سیاق میں سفہاء سے مراد وہ یتیم ہیں جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو چکے ہیں لیکن صرفِ مال کا سلیقہ و انتظام ان میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور وہ بے تکان اور بے تحاشا اسراف میں مشغول رہتے ہیں۔ المبذرين اموالهم الذين ينفقونها فيما لا ينبغي ولا قدرة لهم على اصلاحها (مدارک) وصف اليتامى بانهم سفهاء باعتبار خفة احلامهم واضطراب آرائهم لما فيهم من الصغر وعدم التدرب (روح) ليس السفه في هؤلاء صفة ذم ولا يفيد معنى العصيان لله تعالى وانما سموا سفهاء لخفة عقولهم ونقصان تميزهم عن القيام بحفظ المال (جصاص) سفہ و سفاہت سے یہاں کسی معصیت یا جرمِ اخلاقی کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ محض ان لوگوں کی انتظامی نااہلیت کا اظہار مقصود ہے۔ اَمْوَالَكُمْ۔ مراد اس مال سے ہے جو مِلک یتیموں ہی کی ہے لیکن فی الحال سرپرستوں کی ولایت میں ہے۔ اى اموالهم التى في ايديكم (جلالین) انما اضاف الاموال الى الاولياء لانها في تصرفهم وتحت ولايتهم (بیضاوی) لَكُمْ قِيٰمًا۔ ضمیر مخاطب سے مراد عالم انسانیت ہے یعنی مال جو انسان کے لئے مایۂ زندگی ہے، جس کے اوپر انسان کی حیاتِ مادّی و معاشرتی کا دار و مدار ہے۔ وبه قوامًا لابدانكم ومعاشًا لاهلكم واولادكم (مدارک) المراد من القيام ما به القيام (روح) لَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اور بڑی قدر کی چیز۔ ابھی اسے نافہم یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے دو۔ کہ وہ اس کی قدر و مرتبہ سے ناواقف ہیں وہ ناقدری سے اسے اُڑا دینگے۔ فقہاء نے آیت سے حفظِ مال و عدم تضیع مال کے وجوب پر بھی استدلال کیا ہے۔ وفيه الدلالة على النهى عن تضييع المال ووجوب حفظه وتدبيره والقيام به (جصاص) وَارْزُقُوْهُمْ ...... مَعْرُوْفًا۔ مطلب یہ ہوا کہ اسی جائداد سے یتیموں کی ضرورتیں پوری کرتے رہو، اُن کی راحت و آسائش کے سامان کرتے رہو اور بجائے اُن کے ہاتھ میں جائداد دیدینے کے اُن سے تسلی کی باتیں کرتے رہو کہ یہ ملک تمہاری ہی ہے تمہاری ہی ہوا خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہ دیا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ تم میں پوری طرح سمجھ آجائے۔ ان کی یہ سفاہت ان کے نان و نفقہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ اور یہیں سے فقہاء نے نالائق اولاد اور بیوی کے نان و نفقہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ في ذلك دليل على وجوب نفقة الاولاد السفه والزوجات (جصاص) مَعْرُوْفًا۔ معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو علمًا خواہ عملًا عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ كل ما سكنت اليه النفس لحسنه عقلًا او شرعًا من قول او عمل فهو معروف (مدارک) اى كلامًا تطيب به نفوسهم (روح) ۴۳۴ یعنی سیانے اور بالغ ہو جائیں۔ یعنی القدرة على الوطی (ابن عربی) حتى اذا بلغوا حد البلوغ (بیضاوی) اور بلوغ کی عمر حنفیہ کے ہاں لڑکے کیلئے ۱۸ سال کی اور لڑکی کے لئے ۱۷ سال کی رکھی گئی ہے۔ وشاع عن الامام الاعظم ان السن للغلام تمام ثماني عشرة سنة وللجارية تمام سبع عشرة سنة (روح) هكذا قاله ابن عباس وتابعه القتبى (روح) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى۔ یعنی اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی جانچ انتظامی معاملات میں ہوشیاری اور تمیز داری کی کر لیا کرو۔ والاختبار في استبراء حاله في المعرفة بالبيع والشرى وضبط اموره وحفظ ماله (جصاص) خطاب یہی یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے چل رہا ہے۔ ۴۳۵ (بغیر اُن کے عمر بلوغ کا انتظار کئے) من غير تاخير عن حد البلوغ (مدارک) فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا۔ یعنی بلوغ و آزمائش کے بعد اگر ان میں انتظام اور صرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرف انتظامی صلاحیت ہوگی نہ کہ ان کی عبادت و تقویٰ۔ رُشْدًا۔ رشد یہاں سلیقہ مندی

۴۲۵ یعنی جو یتیم لڑکیاں تمہاری نگرانی و سرپرستی میں ہیں اُن کے حقوقِ مہر وغیرہ پوری طرح ادا نہ کر سکو گے۔ خطاب یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہے۔ جاہلیت میں ایک دستور یہ تھا کہ یتیم لڑکیاں جو مردوں کی سرپرستی میں ہوتیں تو ان کے وہی سرپرست اکثر یہ دیکھ کر کہ کوئی اور ان کی طرف سے مہر وغیرہ کا مطالبہ کرنے والا اور ان کی حمایت پر کھڑا ہونے والا ہے نہیں۔ ان کے حقوق مار لینے آسان ہیں۔ اُنہی کے ساتھ نکاح کر لیتے ان کی جائدادیں اپنی طرف شامل کر لیتے یا اور طریقوں سے ان کے ادائے حقوق کی طرف سے بے التفاتی برتتے۔ ۴۲۶ (ان یتیم، صاحبِ جائداد، مگر بے حمایتی لڑکیوں کے علاوہ جو اپنی رضا و عدم رضا کھُل کر آزادی کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کر سکتیں) مَا طَابَ لَكُمْ ۔ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ عقل کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کے پسند میں طبیعت کے مقتضی پر عمل کی بھی پوری اجازت شریعت میں موجود ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ ۔ اُمروا ان ینکحوا سواھن من النسآء (جصاص) ای غیرھن (قرطبی) اس میں بالغ نابالغ سب آگئیں۔ والصغار والکبار (جصاص) ۴۲۷ یعنی تم پر نکاح کے باب میں کوئی تنگی نہیں۔ اپنی زیرِ نگرانی یتیم لڑکیوں کو زیرِ عقد لانے میں اتلافِ حقوق کا اندیشہ بھی ہو تو اس خیال کو جانے دو۔ باہر والی آزاد عورتوں میں سے انتخاب کر سکتے ہو۔ ایک ہی کا نہیں۔ ایک سے لیکر چار تک کی گنجائش ہے۔ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں و عطف کا نہیں تخییر کا ہے اور اَوْ کے مرادف ہے۔ وقد تخرج الواو عن افادۃ مطلق الجمع وذلک علی اوجہ احدھا ان تکون بمعنی اَوْ (تاج) والواو بمعنی او للتخییر (معالم) خود قرآن مجید میں و کے اس معنی میں استعمال کی مثالیں متعدد ملتی ہیں مثلاً:۔ ان تقوموا للہ مثنٰی و فرادٰی (سبا۔ع ۶) اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (فاطر۔ع ۱) بعض

خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا
تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کر سکو گے ۴۲۵ تو جو عورتیں تمہیں پسند
طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
ہوں ۴۲۶ اُن سے نکاح کر لو دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے ۴۲۷ لیکن اگر
خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ
تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے ۴۲۸ تو پھر ایک ہی پر بس کرو ۴۲۹ یا جو کنیز تمہاری ملک
اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ
میں ہو ۴۳۰ اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے ۴۳۱ اور تم بیویوں کو اُن کے مہر
صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ
خوش دلی سے دیدیا کرو ۴۳۲ لیکن اگر وہ خوشدلی سے تمہارے لئے اس میں کا کوئی جزء
نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ
چھوڑ دیں تو تم اُسے مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ ۴۳۳ اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو
اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
جس کو اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے
فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا
اور پہناتے رہو اور اُن سے بھلائی کی بات کہتے
مَّعْرُوْفًا ۵ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا
رہو ۴۳۴ اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ

اہلِ زیغ نے ۲ اور ۳ اور ۴ کے عدد کو جوڑ کر آیت سے استدلال ۹ بیویوں کے جواز کا کیا ہے۔ اور بعض ظالموں نے تو اس تعداد کو ۱۸ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سرتاسر جہل و زیغ ہے۔ جہل زبانِ عرب سے بھی اور جہل سُنّتِ رسولؐ سے بھی۔ وھذا کلہ جھل باللسان والسنۃ ومخالفۃ لاجماع الامۃ (قرطبی) اگر نو ہی کی تعداد منظور تھی تو صاف ہی کیوں نہ ارشاد ہو گیا، اس قدر گھوم پھیر کر بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تعددِ ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مغرب زدہ مسلمان کو شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس نوعیت کی ہے کہ بہ کثرت عورتوں میں ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کی تشفی کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ مرد و عورت کے اتحاد و تناسل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں، برخلاف اس کے عورت کے لئے اس ۲ دو منٹی حمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں حمل اور رضاعت کی مدت ملاکر ڈھائی ڈھائی سال تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر حمل کے بغیر بھی ہر جوان تندرست عورت کے لئے ہر مہینہ ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امرِ طبیعی ہے۔ اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے اور عورت کی طبعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لئے کوئی سہولت جائز نہ رکھے! پھر یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور ماہرینِ حیاتیات کی شہادتیں اس تجربہ و مشاہدہ کی تائید میں ہیں کہ طبعی ضرورت سے قطع نظر مرد کی شہوانی جبلت تنوع پسند بھی ہے اس لئے جو شریعت اسکی اس جبلت کی کوئی رعایت اپنے نظام میں نہیں رکھتی وہ اور کچھ بھی ہو، بہرحال خدائی اور مطابقِ فطرت نہیں کہی جاسکتی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخ جب سے ساتھ دیتی ہے، داعیانِ توحید نے اس دستور کو نہ صرف جائز رکھا ہے بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اور زیادہ قوت پہنچا رہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ میں سے کسی کے ہاں بھی یک زوجی کی سند نہیں ملتی، بلکہ بعض کی حرم سرا تو کثرتِ تعداد کے لئے بھی مشہور ہے۔ ہندِ قدیم میں اکابرِ ہنود کی بابت بھی روایتیں وحدت کی نہیں، تعدد ہی کی ہیں اور یورپ و امریکہ میں آج رسمِ نکاح کو درمیان میں لائے بغیر جو اندھیر کھُلے بندوں ہو رہا ہے اُس کی نقل و حکایت کی بھی تاب ان صفحات میں کہاں سے لائی جائے۔ اسلام نے ایک طرف تو یک زوجی کی قید اُڑا کر تعدد کو سندِ جواز دے دی اور دوسری طرف اس کی مناسب حد بندیاں بھی کئی کئی طرح کر دیں اور یہی اس کی حکمت کا کمال رہا۔ ۴۲۸ (کہ جب تعدد کی صورت ہی نہ ہوگی تو عدل کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا) اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ یعنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے اور ان کے حقوقِ واجب ادا نہ کر پاؤ گے۔ عدل سے یہاں مُراد ادائے حقوقِ واجب میں عدل و مساوات ہے جو انسان کے قصد و اختیار کے اندر کی چیز ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی بیوی بغیر کھانے، کپڑے، مکان کے نہ رہے باقی جہاں تک محبتِ طبعی اور تعلقِ قلب کا سوال ہے اس میں مساوات قدرتِ بشری سے باہر ہے، اور اس باب میں شریعت نے کوئی گرفت نہیں رکھی ہے۔ اور اس عدلِ اختیاری میں بھی یہ لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساواتِ عددی ہی کے ساتھ کیا جائے۔ ایک افریقی بیوی خوگر بالکل دوسری چیزوں کی ہوگی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مُسن اور ادھیڑ سن کی بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن، نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی، مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں، مقصود ہر ایک کو بقدرِ امکان اور بہ لحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود عدل کی تفسیر عدمِ ظلم سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ وظاھر الآیۃ انہ فرض ان یعدل ای ان لایجور (دُرِّ مختار) فَوَاحِدَةً ۔ کوئی شوہر اگر ظلم و بے انصافی کے ساتھ دو یا زائد بیویاں رکھے تو اس پر ظلم و بے انصافی کا گناہ برابر ہوتا رہے گا لیکن یہ نہیں کہ دوسری بیوی یا بیویوں سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ ظلم و جور قانونی انعقادِ نکاح کا مانع نہیں۔ ۴۲۹ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۔ کے لفظی معنی ہیں "وہ جنکے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہیں" محاورہ میں اس سے مُراد شرعی مملوک، غلام اور کنیزیں ہوتے ہیں۔ جن کا اب مُدتِ دراز سے ہندوستان بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں کہیں وجود نہیں۔ اسیرانِ جنگ کا معاملہ ہمیشہ ایک اہم و دشوار معاملہ رہا ہے یعنی یہ کہ جو مرد اور عورتیں شکست خوردہ غنیم کے ہاں سے گرفتار ہو کر آئیں۔ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، انہیں کہاں اور کیسے رکھا جائے۔ کسی نے اس کا حل جبری مزدوری Forced Labour یا بیگار کو نکالا۔ کسی نے کچھ اور۔ ہماری شریعت نے حکم یہ دیا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی آبادی کا بار حکومت State پر ڈالا جائے، اس تعداد کو افراد میں تقسیم کیا جائے اور ہر فرد اس نووارد کو اپنے خاندان کا ایک جزو بنالے۔ اس سے کام ہر طرح کا یقیناً لے۔ لیکن اس کے آرام کا بھی ہر طرح لحاظ رکھے۔ اور ان میں جو عورتیں ہوں ان سے ہمبستری کا حق بھی حاصل رہے۔ اس کا قیدی ہو کر آنا یہ خود اعلانِ نکاح کا قائم مقام ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ایجاب و قبول اور شاہدین کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ آسان شرائط پر اپنی آزادی ہر وقت خرید سکتے ہیں (شرائط کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی) بلکہ ان کے آزاد کرنے کی فضیلتیں اور اس کے لئے طرح طرح کی ترغیبات خود قرآن مجید ہی میں درج ہیں اور

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

مدنی - ۲۴ رکوع - سورۂ نسار - ۱۷۶ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ

اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو ایک ہی

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا

جان سے پیدا کیا ۴۱۸ اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا ۴۱۹ اور ان دونوں سے

رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ

بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیے ۴۲۰ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے ایک

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

دوسرے سے مانگتے ہو ۴۲۱ اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) ۴۲۲ بیشک اللہ تمہارے اوپر

رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

نگراں ہے ۴۲۳ اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو اور پاکیزہ کو گندی چیز سے

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى

مت تبدیل کرو اور اُن کا مال مت کھاؤ اپنے مال کے

اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ

ساتھ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے ۴۲۴ اور اگر

منزل ۱

۴۱۸ یعنی ابوالبشر حضرت آدمؑ سے۔ وحدتِ نوعِ انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دُوررس نتائج کے لحاظ سے کتنا اہم ہے! آخری جدِّ اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے کے، ہر وحشی اور ہر مہذب کے، ہر ہندی اور ہر چینی کے، ہر حبشی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدمؑ ہیں۔ یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورثِ اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہماجی کے منہ سے پیدا ہوئے اور کھشتری نسل والے اُن کے سینہ سے اور ویش جاتی والے اُن کے پیٹ سے اور شودر ذات والے اُن کی ٹانگوں سے۔ اصلاً انسان انسان سب ایک ہیں۔ خَلَقَكُمْ۔ مسئلہ ارتقار کسی حد تک کسی معنی میں صحیح ہے یا نہیں، قرآن مجید کو اس سے مطلق سروکار نہیں انسان بہرحال و بہر صورت خلق ضرور ہوا ہے۔ قرآن انسان کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ اور ہر اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید کر رہا ہے جو انسان کی تخلیق کے منافی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے، خواہ کوئی کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو۔ ایمان اور ایک درجہ میں تقویٰ کے مکلف سب ہیں۔ اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ۔ پروردگار سے ڈرنا اُس کے احکام کی مخالفت سے ڈرنا ہے۔ لفظ ربّ میں خود یہ اشارہ موجود ہے کہ جن احکام کی مخالفت سے ڈرایا اور روکا جا رہا ہے، خود اُن کی غایت بھی ربوبیت اور پرورش ہے۔ ۴۱۹ یعنی حضرت حوّاؑ سے۔ تخلیقِ حوّا کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید تو یکسر ساکت ہے، رہی حدیث سو اس کا بھی یہی حال ہے۔ جس مشہور حدیث کی رُو سے حضرت حوّا کا حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس میں ذکر نہ حضرت آدمؑ کا ہے نہ حضرت حوّا کا۔ بلکہ محض عورت کی پیدائش اور کج سرشتی کا بیان ہے۔ آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت توریت کی آواز بازگشت ہے اور توریت کا بیان حسبِ ذیل ہے:۔ "خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس بھیجا" (پیدائش ۲: ۲۲ و ۲۳) مِنْهَا۔ ضمیر ھا عموماً نفس کی طرف پھیری گئی ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ منھا یہاں من جنسها کے مرادف ہے۔ القول الثانی ماھو اختیار ابی مسلم الاصفهانی ان المراد من قوله وخلق منها زوجها ای من جنسها (کبیر) اور یہی قول علاوہ ابومسلم کے ابن بحر سے بھی نقل ہوا ہے۔ وقیل هو علی حذف مضاف التقدیر وخلق من جنسها زوجها قاله ابن بحر وابومسلم (بحر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بطورِ تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کے عدمِ ثبات کو ظاہر کرنا ہو جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ہے کہ انسان کی پیدائش جلدبازی سے ہوئی ہے۔ یحتمل ان یکون ذلك علی جهة التمثیل لاضطراب اخلاقهن وکونهن لا یثبتن علی حالة واحدة کما جاء خلق الانسان من عجل (بحر) ویحتمل ان یکون المعنی من جنسه لا من نفسه حقیقة (نہر) اور اس معنی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنسِ عورت کا ہے نہ کہ حوّا کا۔ ویؤید هذا التاویل قوله ان امرأة فاتی بالجنس ولم یقل ان حواء (بحر) اور بعض شارحینِ حدیث بھی حدیثِ مذکور کی شرح میں اسی طرف گئے ہیں کہ یہ فطرتِ نسوانی کی کجی کی طرف صرف استعارہ ہے:۔ استعارة للمعوج ای خلقهن خلقا فیه اعوجاج (کرمانی بہ حوالہ مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۹۴) وقد حمل العوج بعض العلماء علی المجاز والمعنی ان العوج هو المیل عن الاعتدال وحب الشدة وهو شان المرأة (حاشیۂ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مصر) بخاری کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله صلعم قال المرأة كالضلع ان اقمتها کسرتها (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح حدیث ۱۱۵) اور یہی حدیث مسلم نے بھی (کتاب الرضاع میں) حضرت ابوہریرہؓ ہی کی سند سے نقل کی ہے۔ خود ضلع کے پسلی کا مفہوم تو ثانوی ہے، اصل معنی کجی و انحراف یا مَیل ہی کے ہیں۔ الضلع المیل (کتاب الفائق، زمخشری) الضلع الاعوجاج ای الثابت حتی یمیل صاحبه عن الاستواء والاعتدال (نہایۃ۔ ابن اثیر) ۴۲۰ دونوں جنسیں اُسی ایک جوڑے یعنی حضرت آدمؑ و حضرت حوّاؑ سے دنیا میں چلی ہیں۔ كَثِيْرًا۔ آدمؑ کے وقت سے لیکر اب تک جو آبادی ہر ملک اور ہر زمانہ کی رہی ہے یا جو قیامت تک ہوگی اس کے مجموعہ پر بھی اگر کثیر کا اطلاق نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔ ۴۲۱ (اپنے حقوق اور مراعات) قال الزجاج تطلبون به حقوقكم (بحر) بِهٖ یعنی اس کے نام کا واسطہ دلا دلا کر۔ آیت سے اللہ کے واسطہ سے مانگنے کا جواز نکل آیا۔ وفی الاٰیة دلالة علی جواز المسئلة بالله تعالیٰ (جصاص) ۴۲۲ اَلْاَرْحَامَ کا عطف اللّٰہ پر ہے۔ یہ ہے قرابت اور رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں حقیقت میں اُمت کے نظامِ اجتماعی کا سنگِ بنیاد شریعت نے قرابت یا رَحِم ہی کو قرار دیا ہے۔ وفی عطف الارحام علی اسم الله دلالة علی عظم ذنب قطع الرحم (بحر) وقد نبه سبحانه تعالیٰ اذ قرن الارحام باسمه الکریم علی ان صلتها بمکان منه (بیضاوی) فیه تعظیم لحق الرحم وتاکید للمنع عن قطعها (جصاص) رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ جملہ اعزہ و اقربا اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الرحم اسم لکافة الاقارب من غیر فرق بین المحرم وغیره (قرطبی) ومنها المجاز الرحم القرابة وبینهما رحم ای قرابة قریبة (تاج) اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے:۔ الرحم معلقة بالعرش تقول الامن وصلنی وصله الله ومن قطعنی قطعه الله۔ (رحم عرشِ الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے کاٹے) فقہار اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ اتفقت الملة علی ان صلة الرحم واجبة وان قطیعتها محرمة (قرطبی) ۴۲۳ (اور اس نگرانی میں انسان کے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے معاملات آگئے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں! ۴۲۴ یتیم یعنی بن باپ کے بچوں اور بچیوں کا مسئلہ ہر قوم میں اہم و نازک رہا ہے۔ قرآن اب یہاں اسی باب میں ہدایتیں دے رہا ہے۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ۔ یعنی ان یتیموں کے بالغ ہونے پر ان کی جائداد، اُن کا سامان ان کے حوالہ کر دو، اور اس کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ یتیم اپنی جائداد کا مطالبہ کرے بھی۔ وفیه دلالة علی وجوب تسلیم اموال الیتٰمی بعد البلوغ وایناس الرشد وان لم یطالبوا باداۤئها (جصاص) خطاب یتیموں کے اولیار اور سرپرستوں سے ہے۔ یتیموں کے سپرد ان کی جائداد ان کے بالغ اور سمجھدار ہو جانے کے بعد ہی کرنا چاہئے اس کے قبل نہیں۔ ان الیتیم لا یجب اعطاءه ماله قبل البلوغ (جصاص) انما یجب الدفع الیتیم بعد البلوغ وایناس الرشد (جصاص) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ ان نابالغ یتیموں کی اچھی چیز نکال کر اپنے مال میں ملالی اور اپنی طرف کی کوئی گھٹیا چیز ان کے حصہ میں شامل کر دی۔ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ۔ یعنی اپنے حصہ کے ساتھ یتیموں کے حصہ کو خلط ملط کر کے۔ ای لا تاکلوها مضمومة الی اموالکم (بیضاوی) الی اموالکم ای مع اموالکم (بحر) اِنَّهٗ۔ ضمیر اسی دست درازی اور یتیموں کے مال میں گڑبڑ کرنے کی طرف ہے۔ ای الاکل (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹسن مسلم نہیں، کافر ہیں اس پر بھی اس کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیمبر نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعتراف کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم میور اور مارگولیث جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہد نبوت میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لاسکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علما یہود میں سے تھے وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعثت کے حالات سیرت طیبہ تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا لفظ "محمد" عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لئے مجبور کیا جیسے صرف (پھیر دیا)۔ یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا اسی طرح "محمد" کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔ اس معنی سے اسی قوت جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے هذا الیس بوجه کذاب یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خداترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں انہوں نے تجربہ کرا دیا کہ جب کبھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہے کوئی جز اس سے چھوٹا ہوا نہیں استعمال میں آتا ہے قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا یعنی خوب خوب قتل کیا اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد" یعنی جس کا جز جز قابل تعریف ہے "اصلاح نفس" "تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا علمی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلعم نے پیش نہیں کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے جو ان تمام صفات کا مجمع اور فضائل کا آئینہ ہو جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسویانہ مستی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے۔ اور پھر ان تمام اوصاف میں وہ اپنے متقدمین سے بالاتر ہو۔ وہ ہستی کا جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی لئے حضرت مسیح نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" فرمایا یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشو و نما جب ہی پائی ہے جب وہ صرف روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں۔ مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہین احسان ہے۔ بودھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اسی وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا۔ لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق و روحانیت سے گیا غریب تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلہ کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں۔ اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں اور ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلوب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے پس لفظ "محمد" کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جاسکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی آپؐ کی تعلیم کا انتشار آپؐ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جد و جہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع بہترے فضائل کا خلاصہ ہے ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیشین گوئی ہے دوسری طرف اس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لُبِّ لباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ضمیمہ پ ۴

اسمِ پاک محمدؐ

(بسلسلہ حاشیہ ۲۸۱ پ ۴)

حضور کا نامِ نامی آپ کے دادا "عبد المطلب" نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاء ان یحمد عبد المطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمدؐ نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ اربابِ تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ "محمدؐ" خدا کے نام "احد" سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔ اسم کو اپنے مسمّٰی کے صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیئے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عموماً انواع و اجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں، مثلاً انسان، مُسلم، قوم شاذ و نادر طریقہ پر افراد و اشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے "مسیح" اور "بدھ" یہ دونوں نام اپنے مسمّٰی کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مؤرخین اکثر لکھتے ہیں۔ ولم یکن شائعاً بین العرب بعد الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے "نامِ مبارک" کا "عبد المطلب" کے ذہن میں آنا منشاءِ خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجودِ گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نامِ مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی" اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیتِ کبریٰ، برزخِ کامل اور مقصودِ آفرینش کے فضائل و کمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اُس کے نزدیک موجبِ توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائقِ مدح و ستائش ہیں اس لئے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں۔ صاحبِ مفردات "محمدؐ" کے معنٰی لکھتے ہیں الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمدؐ کے معنٰی مجموعۂ خوبی کے ہیں ؏

اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

کارسازِ قدرت کی وسعت لامحدود اس کے کرشمے ناقابلِ شمار اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچے ہیں کہ قدرت نے تخلیقِ انواع کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے۔ کہ جس کے آگے اُس کا قدم نہیں بڑھتا "حیوانات" "نباتات" اور جمادات تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں، صورتیں یک ہیں شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں۔ لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنسِ اعلیٰ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں، ہر نوع میں جنسِ اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں ہم مقصودِ فطرت اور نقطۂ تکمیل کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطۂ تخلیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجۂ اعلیٰ پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصودِ فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سیکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف و خصوصیات کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوعِ مستقل ہے۔ آفرینشِ انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل و شباہت اس کے اعضاء و جوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اُن سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقاء و اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل و مابعد ادوار، زمانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخری ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذاتِ قدسی صفات آقائے نامدار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنٰی قضاءُ الحق کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ "محمدؐ" کے ایک معنٰی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوعِ انسان کو جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حقِ تکلیف مقرر تھا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خَلق و خُلق، دماغ و کیرکٹر ارتقائے ذہنی و ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائناتِ تخلیق کا لبِ لباب ہیں اوّل ثانی کے لئے بنیاد ہے عمل علم پر، کیرکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے، یہ ایک عجیب نکتہ ہے جس کی تشریح کسی دوسرے مقام پر آئے گی کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہو گی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہو گی ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیرکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت صلعم کی ذاتِ مبارک نے پیش کیا عالمِ انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتّٰی کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرما دیا گیا۔ انک لعلیٰ خُلقٍ عظیم محاوراتِ عرب سے حمد کے یہی معنٰی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت حمدت بلاءہ (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنٰی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیشِ نظر رکھ کر بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنٰی مخلوقِ کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالاتِ نبوت و معجزاتِ رسالت کے ایک معجزۂ گرامی حضورِ اقدس کا نامِ نامی بھی ہے۔ یہ زندۂ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تا ہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے کہ محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعۃً رسالتمآب روحی فداہ صلعم کے کمالات پر سے پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخِ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت جتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے، بادلِ ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبانِ اعتراف کھولنا پڑتا ہے کہ بے شبہ پیغمبرِ عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالمِ انسان کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہلِ ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبرِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جاتا ہے" یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نامِ مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہو گی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ اپنے پچھلے سبق دہرائے۔ دونوں حالتوں میں اسے کمالاتِ نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہو گا اس حیثیت سے نامِ مبارک محمد صلعم کا ترجمہ سلسلۂ اوصاف و محامد ہو گا۔

جیسا اوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اسکے شمائلِ حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نامِ نامی آقائے نامدار اس سے مستثنٰی ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبد المطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔ اب غور کیا جائے کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا خلاصہ دوست و دشمن کی یکساں تنقید، حاضر و غائب کی رائے زنی کا حاصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن، خَلق و خُلق ہر حیثیت سے حضور کی زندگی قابلِ تعریف تھی اور اسی خلاصۂ حیات کا ترجمہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نامِ مبارک حضور کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال و کمالِ اخلاق بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور کی جامعیت آپؐ کی سوانح و تعلیمات سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ لفظ "محمدؐ" کے معنٰی مجموعۂ خوبی اور "مخلوقِ کامل" کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے۔ اسی حالت پر کمالِ کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے باغ ہونگے، جن کے نیچے نہریں
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ
بہ رہی ہونگی، ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے (یہ تو) میہمانی (ہوگی) اللہ کی
عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾
طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے ۴۱۴
وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ
اور اہلِ کتاب میں کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تم پر
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ
اُتارا گیا ہے، اور جو کچھ اُن پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں،
لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے ۴۱۵ انہیں ان کا اجر ان کے
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾
پروردگار کے پاس ضرور ملے گا بیشک اللہ حساب بہت جلد لے لیتا ہے، ۴۱۶
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ
اے ایمان والو (خود) صبر کرو، اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو، اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو،
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع
اور اللہ سے ڈرتے رہو، عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ ۴۱۷

الثلثة

ع ۲۰ ۱۱

۴۱۴ (ہر دنیوی لذت و نعمت سے، کیفیت میں، کمیت میں، غرض ہر اعتبار و ہر جہت سے) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ یعنی اُخروی نعمتوں کی قسموں میں سے۔ اِتَّقَوْا رَبَّهُمْ۔ اور
اس تقویٰ الٰہی کی پہلی منزل قبولِ اسلام ہے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ اللہ نے اہل جنت کو اپنا ''میہمان'' ٹھہرا کران کا مرتبہ اعزاز و اکرام جس حد تک بڑھا دیا ہے الفاظ اس کے ادا
کرنے سے قاصر ہیں۔ النزل ما يهيأ للضيف (کبیر) ۴۱۵ یعنی کسی بھی مصلحت و منفعت کے خیال سے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف، ترمیم، تصحیف، تلبیس گوارا
نہیں کرتے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا پر حاشیہ اُوپر گزر چکے، ہر دنیوی معاوضہ بڑا ہو یا چھوٹا حقیر ہی قیمت کا کہا جائے گا۔ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفات پر ایمان پورے
توحیدی رنگ میں ہے اس میں شرک کی آمیزش
نہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ خطاب مومنین سے
ہے، یعنی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِمْ۔ یعنی اپنی اپنی آسمانی کتابوں توریت، انجیل
وغیرہ پر اُن کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں ایمان
رکھتے ہیں۔ یہ مدح جیسا کہ ظاہر ہے اُن اہل
کتاب کی ہو رہی ہے جنہوں نے رسول اللہؐ کی
تصدیق کی اور اسلام قبول کر لیا۔ ۴۱۶
(سو وہاں کسی کو انتظار کی بھی زحمت نہ اٹھانی
پڑے گی) حشر کے مجمع عظیم کو دنیوی مجمعوں
کی بھیڑ بھاڑ اور دنیوی عدالتوں کی تعویق اور
تاخیر پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔ ۴۱۷ اِصْبِرُوْا۔
یعنی جو صعوبتیں راہِ حق میں از خود پیش آئیں
اُن پر صبر کئے جاؤ۔ ای علیٰ مشاق الطاعات و
ما يصيبكم من الشدائد (بیضاوی) ای
الصبر بالطاعات وعن الشهوات (قرطبی)
قال الحسن وقتادة وابن جريج والضحاك
اصبروا على طاعة الله (جصاص) صَابِرُوْا۔
یعنی جو مصیبتیں مخالفین و معاندین کے ہاتھوں
پیش آئیں انہیں بھی برداشت کرو۔
ای غالبوا اعداء الله ۔ فی الصبر علی
شدائد الحرب (بیضاوی) معناه
مصابرة الاعداء قاله زيد بن اسلم
(قرطبی) صابروا اعداء الله (جصاص)
رَابِطُوْا۔ یعنی خارجی دشمنوں اور اپنے اندرونی
دشمن (نفس) دونوں سے مقابلہ کے
لئے مستعد رہو۔ الرباط حمل النفس علی
النية الحسنة والجسم علی فعل الطاعة
ومن اعظمه ارتباط الخيل فی سبيل الله وارتباط النفس علی الصلوة (ابن عربی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ صبر و مصابرہ و مرابطہ سب کا
اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے۔ آخر میں اس کی تاکید ہے اور اسی کا نتیجہ دنیا و عقبیٰ میں فلاح ہے۔ ولا بد للانسان فی کل فعل يفعله من داعية و
غرض وجب ان يكون للانسان فی هذه المجاهدة غرض وباعث وذلك هو تقوى الله لنيل الفلاح والنجاح (کبیر)

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ

بیشک تو تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ۴۰۷ سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے

رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ

قبول کرلیا ۴۰۸ اسلئے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے خواہ مرد ہو

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ

یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا تم آپسمیں ایک دوسرے کے جزء ہو ۴۰۹ تو جن

هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ

لوگوں نے ترکِ وطن کیا اور اپنے شہروں سے نکالے گئے اور (اور بھی) تکلیفیں انہیں میری

سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے، ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کردی جائینگی ۴۱۰

وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

اور میں ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کردونگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی،

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

(یہ) اللہ کے پاس سے ثواب ملے گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ۴۱۱

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ

(یہ) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے ۴۱۲ (یہ) چندروزہ

قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

بہار ہے ۴۱۳ پھر تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بُری آرامگاہ ہے

۴۰۷ (اس لئے تیرے وعدہ پر تو قطعاً بھروسہ ہے لیکن اس کا اطمینان تو نہیں کہ ان وعدوں کا تحقق ہمارے حق میں ہو، ہم ہی ان وعدوں کے مصداق ٹھہریں) ۴۰۸ (اور انہیں اپنے فضل وکرم کی جنت میں داخل کردیا) اِسْتَجَابَ۔ یہاں بھی اجاب کے معنی میں ہے۔ اِسْتَجَابَ اَیْ اَجَابَہٗ (قرطبی) ۴۰۹ (اور تم دونوں الگ الگ قسم کی مخلوق نہیں ایک ہی نوع کی دو شاخیں ہو) اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ ہر زبان کا ایک مخصوص اُسلوبِ بیان وطرزِ انشاء ہوتا ہے، اوپر سے برابر صیغہ غائب چلا آرہا ہے۔ اب دفعۃً اس آیت کے اندر صیغہ متکلم آگیا، عربی ادب وانشاء میں یہ فوری انتقال صیغہ داخل عیب نہیں، داخل ہنر ہے اور اپنے موقع ومحل پر ایک خاص صنعت، یہاں صیغہ متکلم خاص طور پر دلالت کررہا ہے تخصیص وشفقت پر۔ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔ جاہلی مذہبوں میں یہاں تک کہ مسیحیت میں بھی عورت ہونا بجائے خود ایک جرم ونقص تھا، عورت غریب محض اسلئے کہ عورت تھی بہت سے درجات سے، بہت سے ثوابوں سے محروم تھی اس گمراہی کو مٹانے کے لئے صراحت کے ساتھ یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ جنس مذکر ومؤنث سے عمل واجرِ عمل پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا۔ عمل عمل کے لحاظ سے ہر حال یکساں ہے۔ نماز اس کی بھی قبول اُس کی بھی، روزہ اس کا بھی مقبول اُس کا بھی، عصمت اس کی بھی قابل غور اس کی بھی وقس علی ہذا۔ لَآ اُضِیْعُ لاکر یہ بھی بتادیا کہ عمل پر ثمرات کا ترتب تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یہ تصریح ہے اس کی کہ انسانیت دونوں جنسوں میں مشترک ہے اس لئے حکم بھی دونوں کا مشترک ہی رہے گا۔ لانهما من اصل واحد (بیضاوی) لاتفاوة فی الاجابة ولا فی الثواب بین الذکر والانثٰی (کبیر) بینت فیها شرکة النساء مع الرجال فی ما وعدالله عباده الصالحین (مدارک) ذرا اسے یاد کرلیا جائے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اشتراک انسانیت کی یہ تعلیم بیسویں صدی عیسوی میں نہیں ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مل رہی ہے، جبکہ فرنگستان اور ہندوستان دونوں میں عورت ہونا خود ایک جرم تھا اور عورت کا وجود مرادف تھا گندگی اور ناپاکی کے۔ مِنْ ذَکَرٍ میں مِنْ تاکید کے لئے ہے۔ دخلت مِنْ لِلتاکید (قرطبی) ۴۱۰ (اور یہ کفارۂ سیئات والانعام علاوہ اس اجر کے ہوگا جو انہیں اپنے اعمالِ شاقہ اور حسنات پر ملے گا) اَلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ..... وَقُتِلُوْا۔ یہ ذکر ہو رہا ہے حضورؐ کے رفیقوں اور صحابیوں کی جان نثاریوں کا۔ اور بیان میں چند اعمال کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہے، یہ بطور مثال ونمونہ کے یا فہرست حسنات کے تمام عنوان کے طور پر بتایا کہ انہی پر سارے اعمالِ حسنہ کا قیاس کرلیا جائے ان سے حسنات کا حصر مقصود نہیں۔ لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ۔ اس تصریح سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ حضرات باوجود ان مرتبوں کے، باوجود صحابی اور مہاجر اور مظلوم فی سبیل اللہ اور غازی اور شہید ہونے کے معصوم نہ ہوں گے، لغزش وخطا سے ماوراء نہ ہوں گے، صاحب سیئات ہونگے عام بشری لغزشوں کے یہ بھی مرتکب ہونگے البتہ فضل خداوندی ان کے حسنات کو ان کے سیئات پر کہیں غالب رکھے گا۔ آج جو ہر "شیخ" اور ہر "بزرگ" کو عملاً القدس مآب ومعصوم اور بشریت سے ماوراء سمجھا جانے لگا ہے اس عقیدۂ فاسد کی تردید قرآن مجید قدم قدم پر کررہا ہے۔ ۴۱۱ صیغہ حصر کا وارد ہوا ہے یعنی یہ بہترین وبرترین نعمت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ ای یختص به ولا یقدر علیه غیره (مدارک) ۴۱۲ یعنی اے مخاطب اہل کفر کا حظوظ دنیوی سے بہرہ ور ہونا، مادی نعمتوں کا حصہ دار ہونا کہیں تجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے کہ انکی حالت بھی قابل وقعت اور مستحق احترام ہے۔ یہ دھوکا بھی کتنا عام ہے اور آج دنیا کتنا زیادہ اس دھوکے میں پڑی ہوئی اور اس فریب پر مٹی ہوئی ہے۔ الخطاب لکل احد (مدارک) هٰذا خطاب لکل من سمعه من المکلفین کانه قیل لا تغتر ایها السامع (کبیر) ۴۱۳ (آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرافرازیوں سے ان حظوظ دنیوی کو نسبت ہی کیا؟ حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے پھر دیکھے کتنا پانی اس میں آیا ہے۔

۳۹۷ (اللہ کی توحید اور فردیت کی، اس کی حکمت وصنعت کی اور اس کی قدرت وحاکمیت کی) نظامِ فلکی اور اس کی تفصیلات، چاند، سورج، ستاروں کی تعداد، انکے درمیانی فاصلے، ان کے باہمی تعلقات وتاثرات، ان کی گردشوں کی پیمائش، گرہن کے اسباب واوقات، اُن کے طلوع وغروب، نور وحرارت وغیرہ کے قاعدہ ضابطہ، اس قسم کی تفصیلات سے علم ہیئت کی کتابوں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں ——— رہی زمین تو ہیئتِ ارض، مساحتِ ارض، طبقاتِ ارض، معدنیاتِ ارض، کششِ ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات وغیرہ کے لئے تو کوئی ایک پورا فن بھی کافی نہ ہوا بلکہ جغرافیہ، جغرافیہ طبعی، جیالوجی، فزالوجی، میٹرولوجی، آرکیالوجی خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے چلے آرہے ہیں اور حکمت باری اور صنعت باری کے انداز اور تخمینے ختم ہونے کے قریب بھی نہیں آرہے ہیں! آیت میں ضمناً اُن مشرک قوموں کا بھی رَد آگیا جنہوں نے آسمان یا زمین یا رات دن کو دیوی دیوتا سمجھا

یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ
اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں ۳۹۸ اور
وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا
آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں ۳۹۹، اے ہمارے پروردگار
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ
تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے ۴۰۰ تو پاک ہے ۴۰۱ سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے
النَّارِ ۱۹۱ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
عذاب سے ۴۰۲ اے ہمارے پروردگار تو نے جسے دوزخ میں داخل کردیا اسے واقعی رسوا ہی
اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۱۹۲ رَبَّنَاۤ
کردیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ۴۰۳ اے ہمارے پروردگار
اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا
ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ایمان کی پکار کرتے ہوئے کہ اپنے پروردگار پر
بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ
ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے ۴۰۴ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے
عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۱۹۳ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا
ہماری خطاؤں کو زائل کردے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے ۴۰۵ اے ہمارے پروردگار ہمیں عطا کر
مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
وہ چیز جس کا تو ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کرچکا ہے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا ۴۰۶

ہے، معبودیت کی صلاحیت ان میں سے کسی میں بھی نہیں، یہ سب کے سب مملوک ومسخر ہیں ایک صانع اعظم کے۔ ۳۹۸ یعنی یادِ الٰہی خواہ دل سے ہو یا زبان سے، یہ ہر حال اور ہر ہیئت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ المراد منہ کون الانسان دائم الذکر فان الاحوال لیست الا ھٰذہ الثلاثۃ (کبیر) قال سائر المفسرین اراد بہ المداومۃ علی الذکر فی عموم الاحوال (معالم) عَلٰی جُنُوْبِهِمْ سے مُراد ہے لیٹے ہوئے۔ ای مضطجعین (قرطبی) ۳۹۹ کائناتِ طبعی کے ان عظیم الشان موجودات کے قوانین طبعی اور قواعد تکوینی سے صانع اعظم وخالق عالم کی قدرت، حکمت، صنعت پر استدلال کرتے رہنا عبادت ہی نہیں ایک اعلیٰ واشرف عبادت ہے۔ ھو افضل العبادات کما قال علیہ الصلوٰۃ لاعبادۃ کالتفکر لانہ المخصوص بالقلب والمقصود من الخلق (بیضاوی) دلت الاٰیۃ علی ان اعلیٰ مراتب الصدیقین التفکر فی دلائل الذات والصفات (کبیر) کاش آج ہماری قوم کے ماہرین فن ہیئت، فلکیات، ریاضیات وغیرہ علوم طبعی پر دینی وایمانی نقطۂ نظر سے قلم اُٹھاتے! ۴۰۰ یعنی بلاغایت وبے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بڑے بڑے مصالح ومقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ اس میں رَد آگیا علاوہ مادئین ودہرئین کے جو کائنات کو محض بخت واتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن مذاہبِ باطلہ کا بھی جن کے نزدیک یہ نظامِ کائنات محض کسی دیوتا کا کھیل تماشہ یا ایک طرح کا طلسم وشعبدہ ہے۔ ۴۰۱ (ہر فعل عبث اور لاحاصل سے) تنزیھًا عن الوصف بخلق الباطل (مدارک) ۴۰۲ (اور وہ اس طرح کہ ہمیں راہ ہدایت پر چلائے اور راہِ ضلالت کے سایہ سے بھی بچائے) ۴۰۳ (کہ انہیں میرے عذاب سے کچھ بھی بچا سکے) اَلظّٰلِمِیْنَ۔ ظالم سے یہاں کھُلی ہوئی مراد کافر سے ہے۔ ای الکفار (قرطبی) والمراد الکفار (مدارک) القراٰن دل علی ان الظالم بالاطلاق ھو الکافر (کبیر) مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ مراد وہ لوگ ہیں جو کفر وشرک میں مرے اور عذابِ ابدی کے لئے دوزخ میں جھونکے جائینگے، وہ گنہگار مسلمان مراد نہیں ہیں جو گناہوں سے پاک صاف ہونے کیلئے عارضی ووقتی طور پر دوزخ میں بھیجے جائینگے۔ قال سعید بن المسیب الاٰیۃ خاصۃ فی قوم لایخرجون من النار (قرطبی) حکماء وعلماء اسلام کے گروہ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عذابِ روحانی عذابِ جسمانی سے بھی بڑھ کر زبردست وشدید ہوگا اس لئے کہ قرآن خزی (رسوائی) کا ذکر عذابِ دوزخ کے بعد کرتا ہے (کبیر) ۴۰۴ (اس داعیٔ حق کی ہدایات کے مطابق) ایمان شریعت میں وہی معتبر ومستند ہے جو پیمبر کی ہدایات کے مطابق ہو نہ کہ اپنے ظن وتخمین کے ماتحت۔ امام ماتریدی نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اپنے ایمان کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید ومشروط کرنا درست نہیں۔ قال الشیخ ابو منصور رح فیہ دلیل بطلان الاستثناء فی الایمان (مدارک) مُنَادِیًا۔ پکارنے والے سے مُراد رسول اللہ صلعم ہیں۔ یُنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ۔ یہ ضرور نہیں کہ پیمبر کی دعوت براہ راست ہی پہنچتی ہو، کسی واسطہ سے بھی پہنچے، بہرحال پیمبر ہی کی دعوت ہوگی۔ لِلْاِیْمَانِ میں لِ الیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی الیٰ ای الی الایمان (قرطبی) ۴۰۵ (اور آخرت میں اُن کی رفاقت نصیب کر) مخصوصین بصحبتھم ومعدودین فی زمرتھم (بیضاوی) ذُنُوْبَنَا۔ ذنوب سے مراد بڑے گناہ ہیں۔ ای کبائرنا (بیضاوی) سَیِّاٰتِنَا۔ سیأت سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ ای صغائرنا (بیضاوی) ۴۰۶ یعنی ابتدا ہی سے ہم پر فضل وکرم رکھ۔ جہنم وغیرہ کے جو شدید ترین عذاب ہیں، وہ تو خیر الگ رہے، باقی میدان حشر میں پبلک رسوائی، عام تفضیح، یہ کچھ کم ہے، ذرا اس پر خیال تو کیا جائے۔ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا یعنی اجر موعود، جنت موعود۔ عَلٰی رُسُلِكَ۔ اللہ کے وعدے معتبر تمام تر وہی ہیں جو پیمبروں کی وساطت سے ہوں، پھر تصدیق صرف اُنہی پر لگی ہو نہ کہ اپنی عقل وذہانت سے فرض کئے ہوئے وعدوں پر۔ رَبَّنَا اس سلسلۂ دعا میں بار بار اس لفظ کی تکرار، اللہ کی صفتِ ربوبیت کو بار بار مخاطب کرنا اور گویا اسے اس کی صفت کا واسطہ دینا دلیل ہے دعا کرنے والے کی خشیت اور الحاح اور تضرع کی۔

٣٩٢ (چنانچہ اس حکم کی شہادت کسی درجہ میں تو موجودہ منحرف توریت اور انجیل بھی دے رہی ہے۔ "تم اس کلام میں جو مَیں تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو" (استثناء ۴: ۲) "تو یہ باتیں اپنے بیٹوں اور پوتوں کو سکھلا" (استثناء ۴: ۹) "اس نے ...... بنی اسرائیل میں ایک شریعت بنا رکھی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وہ اسے اپنی اولاد کو سکھلا دیں تاکہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہوویں سیکھیں اور وہ اُٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلا دیں" (زبور ۷۸: ۵ و ۶) "جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں اُجالے میں کہو اور جو کچھ تم کہتے ہو کوٹھوں پر اُس کی منادی کرو" (متی ۱۰: ۲۷) لَتُبَیِّنُنَّهٗ۔ تبیین کے معنی خوب کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ ہٗ کی ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ یعنی جو کتاب تمہیں ملے۔ اس کو اور اس کے مضامین کو خوب پھیلاؤ۔ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ۔ یعنی اس کے کسی حصہ، کسی مضمون کو کسی غرض سے بھی نہ چھپاؤ۔ ٣٩٣ یعنی احکامِ الٰہی کو سستے داموں بیچ کر دنیا خرید کی! ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ہمیشہ کم قیمت ہی رہے گی۔ یہ مُراد نہیں کہ ان نافرمانوں نے تحریف کا معاوضہ ہلکا لیا انہیں اس سے زیادہ لینا تھا۔ فَنَبَذُوْهُ۔ ضمیر اسی عہد کی طرف ہے۔ ای المیثاق (بیضاوی) ٣٩٤ خاص طور پر مُراد ہیں علماء یہود اور منافقینِ یہود۔ عُنِیَ بذٰلك قومٌ من اھل النفاق (ابنِ جریر) عُنِیَ بذٰلك قومٌ من احبار الیھود (ابنِ جریر) بِمَآ اَتَوْا۔ مثلاً ان کا یہی کارنامہ کہ حق کا اخفاء اور اپنی بدکرداریوں کا کتمان کرتے رہے۔ مَا لَمْ یَفْعَلُوْا۔ مثلاً یہی کہ دینِ حق کی نشر و اشاعت نہ کی۔ ٣٩٥ (آخرت میں) بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ۔ اس عذاب سے مُراد اسی دنیا میں سزائیں ہیں۔ چنانچہ یہود چند ہی سال کے اندر قتل ہوئے، گرفتار ہوئے، جلاوطن ہوئے، اور منافقین یہود ذلیل و رُسوا ہوئے۔ ٣٩٦ (چنانچہ مجرموں کی دنیوی و اُخروی سزاؤں پر بھی) اللہ کی ملکیتِ تامّہ اور قدرتِ کاملہ کا استحضار رہے تو شاید ایک بھی معصیت نہ سرزد ہو۔

اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ
جب اللہ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا
لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
(عام) لوگوں پر اور اسے چھپانا مت ٣٩٢ سو انہوں نے اس (عہد) کو اپنے پس پشت پھینک
وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾
دیا اور اس کو ایک حقیر قیمت کے عوض میں بیچ ڈالا ٣٩٣ سو کیسی بُری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں۔
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ
جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام نہیں کئے ہیں،
اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ
اُن پر بھی اُن کی مدح کی جائے ٣٩٤ سو ایسے لوگوں کے لئے ہرگز نہ خیال کرو
مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
کہ وہ عذاب سے حفاظت میں رہیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے ٣٩٥ اللہ ہی کے لئے
١٩ ع ١٠ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٨٩﴾
آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ٣٩٦
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ ۚۙ الَّذِيْنَ
میں اہلِ عقل کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں ٣٩٧ یہ ایسے ہیں کہ جو

إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ۝١٨٣ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ

اگر تم سچے ہو ۳۸۴ سو اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو

رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَآءُو بِٱلْبَيِّنَـٰتِ وَٱلزُّبُرِ وَٱلْكِتَـٰبِ

آپ سے پیشتر بھی پیغمبروں کی تکذیب ہو چکی ہے جو شواہد اور نوشتوں اور روشن کتاب کے ساتھ

ٱلْمُنِيرِ ۝١٨٤ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

آئے تھے ۳۸۵ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ۳۸۶ اور تم کو تمہاری پوری مزدوری

أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ

تو بس قیامت ہی کے دن ملے گی ۳۸۷ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا

وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ

اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں

إِلَّا مَتَـٰعُ ٱلْغُرُورِ ۝١٨٥ لَتُبْلَوُنَّ فِىٓ أَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ

بجز ایک دھوکے کے سودے کے ۳۸۸ یقیناً تم اپنے مال اور جان سے آزمائے جاؤ گے ۳۸۹

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ

اور یقیناً تم بہت سی دلآزاری کی باتیں ان سے بھی سنو گے جنہیں تم سے پہلے کتاب مل چکی

وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا۟

ہے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں ۳۹۰ اور اگر تم صبر کرو اور

وَتَتَّقُوا۟ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ۝١٨٦ وَإِذْ أَخَذَ

تقویٰ اختیار کرو تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے ۳۹۱ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے)

۳۸۴ یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مرتبۂ نبوت اور اس خاص معجزہ کا ظہور لازم ملزوم ہیں تو آخر تمہاری قوم کے جن انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا تم خود اُن کے منکر کیوں رہے؟ جَآءَكُمْ رُسُلٌ۔ یعنی خاص تمہاری ہی نسل و قوم کے پیمبر جو تمہارے پاس آچکے ہیں۔ بِالَّذِىْ قُلْتُمْ۔ توریت میں اس قسم کے متعدد واقعات مندرج ہیں مثلاً "ایلیا نبی نزدیک آیا اور بولا کہ اے خداوند ابرہام اور اسحاق اور اسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہو جائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور مَیں تیرا بندہ ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تیرے کہے سے کیا ہے ...... تب خداوند کی طرف سے آگ نازل ہوئی اور اس نے اس سوختنی قربانی اور لکڑیوں اور پتھروں اور پانی کو جلایا" (۱۔ سلاطین۔ ۱۸: ۳۷ و ۳۸) "اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تو آسمان سے آگ اُتری اور سوختنی قربانی اور ذبیحوں کو کھا گئی اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا" (۲۔ تواریخ ۷: ۱) ۳۸۵ (اس لئے آپ کچھ غم نہ کریں، کہ یہ معاملہ تو سارے انبیاء و مرسلین کے ساتھ ہوتا آیا ہے) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات دلائل عقلی اور معجزات سب کا جامع ہے۔ ای الحجج والمعجزات (کبیر) ای الحجج والبراهین القاطعة۔ (ابن کثیر) اَلزُّبُرِ۔ زبور کی جمع ہے، مُراد وہ مختصر رسالے ہوتے ہیں، جن میں صرف اخلاقی موعظہ ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں اناجیل اربعہ ہیں۔ قیل الزبر المواعظ و الزواجر (بیضاوی) اَلْكِتٰبِ۔ اصطلاح قرآنی میں اس سے مُراد ایسی کتاب ہوتی ہے، جس میں احکام و شرائع سب ہوں۔ اور پوری طور پر ہادی ہو۔ والكتاب فى عرف القرآن ما یتضمن الشرائع والاحكام (بیضاوی) ۳۸۶ (خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو) گویا اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ و تکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لئے بطور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔ اس میں مسیحیوں اور یہود دونوں کا رد آگیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔ انجیل کے صحیفوں میں ہے:۔ "جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" (رومیون ۵: ۱۲) "گناہ کی مزدوری موت ہے" (رومیون ۶: ۲۳) "خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے" (یعقوب ۱: ۱۵) یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ صـ۴۸۳ میں درج ہے۔ ۳۸۷ (سو اگر آج کوئی شخص یہاں قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ بھی گیا تو اس کی یہ محفوظیت عارضی ہے کہ یہ دنیوی زندگی سلسلۂ حیات کا ایک بہت ہی ناقص و ناتمام حصّہ ہے) خطاب یہاں عام نوعِ انسانی سے ہے۔ اُجُوْر۔ اجر کا لفظ اپنے وسیع معنیٰ میں جزاء کی طرح عذاب و ثواب دونوں کے لئے عام ہے۔ فاجر المومن ثواب واجر الكافر عذاب۔ (قرطبی) تعطون جزاء اعمالكم خيرا كان او شرا تاما وافيا (بیضاوی) ۳۸۸ (اور یہاں کے سارے عیش تمام تر عارضی، فانی اور بے ثبات ہیں) ایک اس عقیدہ کا استحضار رہے تو ہر انسان کس قدر فرشتہ خصلت بن جائے۔ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ۔ یہ بچنا خواہ شروع ہی سے ہو، خواہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ ۳۸۹ (اے مسلمانو!) یعنی نقصان مال اور نقصان جان دونوں طرح تمہاری آزمائش ہوگی۔ وَاَنْفُسِكُمْ۔ اس سے رد نکل آیا ان فلاسفہ و متکلمین کا جنہوں نے مادئین کی طرح نفس کو صرف جسم مادّی و مرئی کے مرادف قرار دیا ہے۔ وهذه الأية دليل على ان النفس هى الجسم المعاين وان ما فيه المعنى الباطل كما قال بعض اهل الكلام و الفلاسفة (مدارک) ۳۹۰ (سو صبر و ثبات، تحمّل و استقامت کی عادت برابر قائم رکھنا چاہیئے) اَذًى كَثِيْرًا۔ میں دین کی تحقیر، پیمبر کی توہین وغیرہ سب چیزیں آگئیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئی آج تک کیسی صحیح چلی آتی ہے۔ یہود کی، مسیحیوں کی، ہندوؤں کی زبانوں سے اپنے پیمبر، اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارہ میں کیا کچھ سُننا نہیں پڑ چکا ہے! ۳۹۱ (اور اس لئے ہر طرح واجب العمل) ای من معزومات التی یعزم علیها (جلالین) ای الامور التی ینبغی ان یعزمها (روح) ایں از کارہائے مقصود است (ولی اللہ دہلوی) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی صبر و تقویٰ یعنی الصبر والتقوىٰ (بیضاوی)

۳۷۳ (یعنی یہی شیوۂ بخل) ھو ای البخل (مدارک) ۳۷۴ (اور یہ طوق سانپ کی شکل میں ہوں گے ان کی گردنوں میں لپٹے ہوئے)، حشر میں جب مجردات اور معانی مادّی جسم اور شکلیں اختیار کرلیں گے۔ بخل اور منع زکوٰۃ حدیث میں آیا ہے کہ سانپ بن کر مجرموں کی گردن میں لپٹے گا۔ قال رسول اللہ صلعم ما من احد لا یؤدی زکوٰۃ مالہ الا مثل لہ شجاع اقرع یطوقہ (ابن جریر عن ابن مسعود) سَیُطَوَّقُوْنَ میں س تاکید کے لئے ہے۔ السین مزیدۃ للتاکید (روح) ۳۷۵ (اور وہی آج بھی سب کا مالک حقیقی ہے) سو یہ لوگ بخل درحقیقت اپنے مال میں نہیں بلکہ اُس کے مال میں کررہے ہیں جو اور بھی قبیح ہے۔ ولیس ھذا بمیراث فی الحقیقۃ لان الوارث فی الحقیقۃ ھو الذی یورث شیئا لم یکن ملکہ قبل واللہ سبحانہ تعالٰی مالک السمٰوٰت والارض وما بینھما (قرطبی) والمقصود من الاٰیۃ انہ یبطل ملک جمیع المالکین الا ملک اللہ سبحانہ وتعالٰی (کبیر) ۳۷۶ (اس لئے اخلاص کا اہتمام قدم قدم پر رکھنا لازمی ہے) ۳۷۷ یہ کہنے والے یہود تھے اور ان کا یہ قول بہ طور مضحکہ و تمسخر کے تھا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع کے نام سے نواح مدینہ میں آباد تھا یہ زرگروں اور مہاجنوں ساہوکاروں کا گروہ تھا۔ اُسی نے آیۂ کریمہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضًا حسنًا سُن کر بہ طور تعریض و تضحیک اس قسم کی بڑگوئی شروع کردی تھی۔ یہود کی بدتمیزیوں اور گستاخانہ طنز و تمسخر کو کوئی آج سمجھنا چاہے تو آریہ سماجیوں کا مناظرانہ لٹریچر اُٹھا کر پڑھ لے! ۳۷۸ یعنی فرشتوں کے ہاتھ سے ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھا کر رہیں گے اور ایسی گستاخانہ پھبتیوں کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دیں گے۔ سَنَکْتُبُ۔ س یہاں بھی تاکید کے لئے ہے۔ السین للتاکید ای لن یفوتنا ابدًا تدوینہ (روح) ۳۷۹ جو اس درجہ شقی القلب ہوں کہ اپنے پیغمبروں تک کو ہلاک کر ڈالیں اُن سے ایسے گستاخی کے کلمے بعید ہی کیا ہیں؟ قتل انبیاء اور ناحق قتل انبیاء پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ رکوع ۷۔ فقہا مفسرین نے لکھا ہے کہ جو یہود قتل انبیاء سے راضی و مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً قتل میں شریک اور قتل کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ حقیقت کُلّی درج کی ہے کہ رضا بالمعصیت بھی معصیت ہے۔ ھذہ مسألۃ عظمٰی حیث یکون الرضا بالمعصیۃ معصیۃ (قرطبی) ۳۸۰ (قیامت کے دن) ۳۸۱ یہ عین اس کی صفت عدل کا تقاضا ہوگا کہ ایسے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، نہ یہ کہ اس میں ذرا بھی شائبۂ ظلم ہو۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ظالم، جابر سب ہی کچھ مانا ہے۔ یہاں ان عقائد کی بھی پوری تردید ہوگئی۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ۔ حشر میں عذاب تو صرف متشکل ہوکر سامنے آجائے گا ورنہ ہوگا تو حقیقۃً ان مجرموں کی دنیوی کرتوتوں ہی کا ثمرہ۔ ۳۸۲ (اور تمام تر جھوٹ کہتے ہیں) ۳۸۳ یعنی مدعیٔ نبوت کے لئے یہ دکھانا ضروری ہے کہ جو قربانی مذبح میں پیش کی جائے اسے آگ آسمان سے آکر جلا جائے۔ سوختنی قربانی کا ذکر توریت میں کثرت سے آیا ہے۔ عَہِدَ اِلَیْنَا۔ یعنی ہم نے نسل اسرائیل کو حکم دیا تھا۔

ع ۱۸ ۹

وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ

اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا، اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ۳۷۶ بیشک

سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ

اللہ نے اُن لوگوں کا قول سُن لیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ مفلس ہے اور

وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ

ہم مالدار ہیں ۳۷۷ ہم (فرد) ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے ۳۷۸ اور ان کے

وقف لازم

الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

ناحق قتلِ انبیاء کو بھی ۳۷۹ اور ہم کہیں گے کہ اب ۳۸۰ آگ کے عذاب کا مزا

الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ

چکھو یہ ان (حرکتوں) کی وجہ سے ہوا جو تم آگے بھیج چکے ہو اور اس لئے کہ اللہ

لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ

بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ۳۸۱ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں ۳۸۲ کہ خدا نے ہمیں

عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا

حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ

نیاز نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے ۳۸۳ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے پیشتر یقیناً تمہارے پاس رسول

قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ

دلائل کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے ساتھ بھی آچکے جسے تم کہہ رہے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کر ڈالا،

۳۶۷ (عمر و مہلت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ) یعنی ہمارے قانونِ تکوینی کا اقتضا یہی ہے کہ جب گرفت فوری نہیں ہوتی تو غفلت و جسارت اور بڑھتی جاتی ہے۔ ۳۶۸ (طرح طرح کے امتحانوں سے اور آزمائشوں کے ذریعہ سے) خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ علی ما انتم ایھا الناس (جلالین) لِیَذَرَ میں لِ تاکیدِ نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاکید النفی (مدارک) مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ (یعنی مومنین و منافقین کی ملی جلی ہوئی قوم) علی ما انتم علیہ من اختلاط المؤمن بالمنافق (قرطبی) من اختلاط المؤمن المخلص والمنافقین (مدارک) المعنی لا یترککم مختلطین لا یعرف مخلصکم من منافقکم (بیضاوی) الخبیث اور الطیب سے ظاہر مُراد منافقین اور مومنین ہیں۔ ۳۶۹ (مثلاً یہی کر وہ بتلادے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مومن) یہ منافقین کے جواب میں ارشاد ہُوا ہے جو مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اچھا بڑے سچے بنتے ہو تو یہی بتادو کہ منافق کون کون سے ہیں۔ لِیُطْلِعَکُمْ میں خطاب عالمِ انسانی سے ہے یا صرف مسلمانوں سے۔ الغیب سے تکوینی حقیقتیں مُراد ہو سکتی ہیں جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ ۳۷۰ بعض امُورِ غیب کی اطلاع کے لئے) مَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی جسے وہ چاہتا ہے اپنی مصلحت و حکمت تکوینی کے ماتحت۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت نص ہے عقیدۂ باطنیہ کے مقابلہ میں جو علمِ غیب کا اثبات علاوہ رسُول کے اپنے امام کے لئے بھی کرتے ہیں

لِاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ
بہتر ہے، ہم تو انہیں بس اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ جُرم میں اور بڑھ جائیں ۳۶۷ اور ان
عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۱۷۸ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ
کے لئے رسوا کن عذاب ہے جس حال پر تم ہو اللہ اس پر ایمان والوں کو چھوڑے
عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ
رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کرلے ۳۶۸
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے ۳۶۹ البتہ اللہ جس کو
یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ
چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے انتخاب کرلیتا ہے ۳۷۰ تم اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان
وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۱۷۹ وَلَا
لاؤ ۳۷۱ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے تقویٰ اختیار کرلیا تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہے، اور جو لوگ
یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں ۳۷۲ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے
فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ
رکھا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں ۳۷۳ کہ یہ ان کے حق میں کچھ اچھا ہے، نہیں، بلکہ ان کے
مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ
حق میں (بہت) بُرا ہے، یقیناً انہیں قیامت کے دن طوق پہنایا جائیگا اس (مال) کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا

الآیۃ حجۃ علی الباطنیۃ فانھم یدعون ذلک العلم لامامھم (مدارک) ۳۷۱ رُسُلِہٖ۔ صیغۂ جمع میں۔ رسولہ صیغۂ واحد میں۔ مقصود تو اب صرف نبوتِ محمدی پر ایمان لانے کی ترغیب دینا ہے لیکن اس ضمنی موقع پر بھی حکم تمام انبیاء پر ایمان لانے کا ہو رہا ہے۔ کس قدر اہتمام قرآن کو وحدتِ پیام اور سلسلۂ وحی کی اہمیت و عظمت کا ہے۔ ۳۷۲ (صرفِ واجب کے موقع پر) البخل فی اللغۃ ان یمنع الانسان الحق الواجب علیہ (قرطبی) نزلت فی مانعی الزکوٰۃ المفروضۃ قالہ ابن مسعود وابوھریرۃ وابن عباس والشعبی ومجاھد (بحر)

۳۵۸ (اور یہی رضاء الٰہی سرچشمہ ہے دُنیوی اور اُخروی ہر قسم کے نفع و راحت کا)   فَانْقَلَبُوْا۔ یعنی مقام بدر تک جاکر مسلمان واپس آئے۔   اہل سیر و تاریخ کی زبان
میں یہ واقعہ غزوۂ بدر ثانیہ کے نام سے موسُوم ہے اور اس کا زمانہ شعبان ۴ھ ہجری کا ہے۔   سیرت ابن ہشام میں ہے:۔ "آپؐ نے ابوسُفیان کے چیلنج کے جواب
میں بدر کا قصد فرمایا چنانچہ وہاں پہنچ گئے اور یہاں آپؐ نے ابوسُفیان کا انتظار آٹھ دن تک کیا اور ابوسُفیان بھی مکّہ والوں کو لیکر روانہ ہوا مگر نواحی ظہران میں پہنچا تو اس کی
رائے مکّہ واپس چلے آنے کی ہوئی اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے سفر کے لئے تو ایسا موسم مناسب ہے جس میں تم اپنے جانوروں کو چرا بھی سکو اور دُودھ بھی خوب
پی سکو اور یہ موسم تو خشکی کا ہے سو میں تو واپس
چلا تم بھی واپس چلے چلو چنانچہ وہ لوگ واپس
ہو گئے"   بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی نعمت مقبولیت
اور ترقی ایمان کے ساتھ۔   فَضْلٍ۔ یعنی
دُنیوی نفع کے ساتھ بھی۔ مال کی نکاسی خوب
ہُوئی۔   ۳۵۹ چنانچہ یہاں اس کا فضل
مسلمانوں پر ان صُورتوں میں ظاہر ہوا۔ ۱۔ ان
کے درجۂ ایمان میں ترقی ہوئی۔ ۲۔ انہیں
معرکۂ جہاد میں نکلنے کی توفیق ہوئی۔ ۳۔ وہ
ہر قوتِ دشمن کی شوکت و صولت سے ذرا مرعوب
نہ ہوئے۔ مقابلہ کی ہمت قائم رکھی۔ ۴۔ مالی
و تجارتی دنیوی نفع حاصل ہوئے۔ ۵۔ اجرِ عظیم
کی بشارت ملی۔   ۳۶۰ شیطان کہیں
اپنی اصلی صُورت میں سامنے آکر حملہ نہیں
کرتا جب وار کرتا ہے کسی نہ کسی انسانی
شکل و قالب میں اگر اور یہی اولیاء الشیطٰن
کہلاتے ہیں۔ یہاں اس جماعت کا لیڈر
نعیم ثقفی تھا۔ اولیاءہ ای باولیاءہٖ (قرطبی)
۳۶۱ (کہ اللہ کے خوف کو مخلوق کے خوف
پر غالب رکھنا لازمۂ ایمان ہے)   لَا
تَخَافُوْهُمْ۔ هُمْ سے مُراد ہیں شیطان کے
دوست یا اللہ کے دشمن۔   ۳۶۲ یعنی
ان لوگوں کے لئے آپ فکر و غم میں نہ پڑیں
اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ۔ مُراد منافقین
ہیں۔ اِدھر مسلمانوں کو خفیف سی بھی شکست
ہوئی اور اُدھر یہ کھلم کھلا کفر میں جا پڑے
اور کافروں کے علانیہ بھی شریک
ہونے لگے۔ نزلت فی المنافقین (کبیر)

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ
سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے کہ انہیں کوئی ناگواری (ذرا) نہ
سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
پیش آئی اور یہ لوگ رضاء الٰہی کے تابع رہے ۳۵۸ اور اللہ بڑا فضل والا
عَظِيْمٍ ۝۱۷۴ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا
ہے ۳۵۹ یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں کے ذریعہ سے ڈراتا ہے ۳۶۰ سو تم
تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۵ وَلَا يَحْزُنْكَ
اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو اگر ایمان والے ہو ۳۶۱ اور آپ کے لئے یہ لوگ
الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں باعثِ غم نہ بنیں ۳۶۲ یقیناً یہ لوگ اللہ کو ذرا سا بھی نقصان
شَيْـــًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ
نہیں پہنچا سکتے ۳۶۳ اللہ کی یہی مشیت ہے کہ اُن کے لئے آخرت میں ذرا بھی حصہ نہ رکھے ۳۶۴
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ
اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے   یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر کو
بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۷
خرید لیا ہے وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۳۶۵ اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے،
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ
اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں ۳۶۶ یہ ان کے حق میں

۳۶۳ یعنی اللہ کے دین کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔   آیت سے مقصُود پیمبرؐ کو تسکین دینا ہے کہ آپؐ کو بڑی فکر اس کی ہے کہ منافقین کی چالوں سے کہیں اشاعت
اسلام نہ رُک جائے۔ سو اطمینان رکھیئے ان کی چالیں ذرا بھی کامیاب نہ ہوں گی۔   ۳۶۴ (ان کے کفر اختیاری کی پاداش میں)   ارادته ان لا یکون لھم ثواب
فی الاٰخرة لا تکون بدون ارادة کفرھم و معاصیھم (مدارک)   ۳۶۵ (بلکہ اُلٹے خود ہی ہر طرح کے خسارہ میں رہیں گے)   اَلَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ
بِالْاِيْمَانِ۔ اس میں اسلام کے دُشمن خفیہ و علانیہ ہر قسم کے آگئے۔   ۳۶۶ (اور فوراً انہیں عذاب کی گرفت میں نہیں لے رہے ہیں)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
ان (نعمتوں) سے مسرور ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں اور جو لوگ ان کے بعد والوں
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ
سے ابھی ان سے نہیں جا ملے ہیں ۳۵۰ ان کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر نہ کچھ خوف
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
اور فضل پر اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۱ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
ضائع نہیں کرتا ۳۵۱ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا ۳۵۲
مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
بعد اس کے کہ انہیں زخم لگ چکا تھا ۳۵۳ اُن میں سے جو نیک اور
مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۲ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ
متقی ہیں اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے ۳۵۴ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
والوں نے کہا ۳۵۵ کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے ۳۵۶ ان سے ڈرو لیکن اس نے
اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝۱۷۳
ان کا (جوشِ) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے ۳۵۷

وقف لازم
ع ۱۷/۶ ۸
مع ۲

۳۵۰ (مگر آخر کار شہید ہو کر ان سے جا ملنے والے ہیں) مِنْ فَضْلِهٖ۔ اس فضل خداوندی کے اندر ہر قسم کی نعمتیں اور سرافرازیاں آگئیں۔ ۳۵۱ اس حقیقت کا تو انہیں عینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ نعمت یہ کہ اجر انہیں پورا پورا مل کر رہا ہے۔ ای ثوابا لاعمالھم (بیضاوی) فَضْلٍ۔ فضل یہ کہ انعام واکرام استحقاق سے کہیں بڑھ کر ملا۔ ای زیادۃ علیہ (بیضاوی) ۳۵۲ (اور رسول کی اطاعت میں خوش دلی کے ساتھ جنگ کے لئے نکل پڑے) اِسْتَجَابُوْا۔ یہاں اجابوا کے معنی میں ہے اور حروف س و ت اس پر زائد ہیں۔ بمعنی اجابوا والسین والتاء زائدتان (قرطبی) استجاب بمعنی اجاب (کبیر) ۳۵۳ (جنگِ اُحد میں، اور وہ زخم ابھی تازہ ہی تھا) معرکۂ اُحد میں لشکرِ اسلام کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس نے اہلِ مکہ کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ سال ہی بھر بعد ایک بار پھر ابو سفیان قرشی اُموی کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ (ابو جہل، ابو لہب، عُتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد اب قوم قریش کی سرداری کی باگ ابو سفیان ہی کے ہاتھ میں تھی) دو ہزار پیادہ فوج، مع پچاس سواروں کی جمعیت کے۔ لیکن دو ہی ایک روز بعد خود ان لوگوں پر کچھ ایسی ہیبت سوار ہوئی کہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ آیاتِ قرآنی میں اشارہ اِنہی واقعات کی جانب ہے۔ ۳۵۴ (اور نیک اور متقی تو یہ سب ہی ہیں) مِنْهُمْ۔ مِنْ جس طرح تبعیض کے لئے آتا ہے، یعنی کل میں سے کسی جز کے بتانے کو، اسی طرح تبیین یعنی توضیح کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہاں اسی معنیٰ میں ہے اور احسنوا اور اتقوا کے لے آنے سے مقصود اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ الذین استجابوا کی ممدوحیت کی علت یہی دو اوصاف احسان وتقویٰ ہیں۔ ومِنْ للبیان والمقصود من ذکر الوصفین المدح والتعلیل لا التقیید لان المستجیبین کلھم محسنون متقون (بیضاوی) قد احسنوا کلھم واتقوا لا بعضھم (مدارک) ۳۵۵ (اور یہ ابو سُفیان کے سکھائے پڑھائے ہوئے اس کی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے تھے) تاریخ میں اس پروپیگنڈسٹ جماعت کے لیڈر کا نام نعیم آتا ہے۔ یہ شخص قبیلہ ثقیف کا تھا۔ ۳۵۶ (اور تم کسی طرح انکا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو) اِنَّ النَّاسَ۔ یہاں ناس سے مُراد قوم قریش ہے۔ اس روایت کی نشر و اشاعت سے مقصود مسلمانوں کے دلوں میں قریش کا رعب بٹھانا اور ان کی طرف سے دہشت پیدا کرنی تھی۔ "حربِ اعصاب" War of nerves جس طرح آج حربِ اسلحہ کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور اس کا ایک اہم جز ہے، زمانۂ قدیم میں بھی ہوتی رہتی تھی اور ابو سفیان اپنے وقت اور اپنی قوم میں اس فن کا ماہر تھا۔ اس نے اپنے آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں سے مل مل کر انہیں قریش کی عسکری قوت اور حربی عظمت سے ایسا مرعوب کر دیں کہ ان کی ہمت پست پڑ جائے اور مقابلہ کا حوصلہ ہی باقی نہ رہے۔ ۳۵۷ (ہماری حمایت، حفاظت، سب کے لئے) یعنی اس خبر کی اشاعت اور پروپیگنڈا نے بجائے ان میں پست ہمتی پیدا کرنے کے مسلمانوں میں جوشِ ایمانی اور تیز کر دیا اور وہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی پوری قوت کے ساتھ بول اُٹھے کہ غنیم جو چاہے کرے ہمارا کارساز تو اللہ ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ زادھم قول الناس ایمانا (قرطبی)

فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ

سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی تاکہ اللہ مومنین کو جان لے اور اُن لوگوں کو بھی جان لے

نَافَقُوۡا ۚۖ وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ

جنہوں نے منافقت اختیار کی اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفعیہ

اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ

میں جاؤ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے

هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ

یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہو گئے

يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ

یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور جو کچھ

اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ

یہ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، یہ لوگ درآنحالیکہ (خود) بیٹھے رہے، اپنے

وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ

بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو اگر تم

اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ

سچے ہو تو اپنے کو موت سے بچا لینا اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے

قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

گئے ہیں انہیں ہرگز مُردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے رہتے ہیں

۲۴۱ (اور اللہ کی ہر مشیت اللہ ہی جانتا ہے کتنی حکمتوں اور مصلحتوں کی سرمایہ دار ہوتی ہے) بِاِذۡنِ اللّٰهِ - اذن یہاں مشیت کے معنی میں ہے - ای بقضائہ وقدرہ (قرطبی) المراد من الاذن قضاء اللہ بذلک (کبیر عن ابن عباسؓ) يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ - یعنی معرکۂ اُحد میں مکہ کا ایک لشکر ابو سفیان کی کمان میں اور مدینہ کی فوج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں - المراد یوم اُحد (کبیر) ۲۴۲ یعنی علانیہ اس کا امتحان ہو جائے کہ مومن کون کون ہے اور منافق کون کون۔ ۲۴۳ یہ منافقین سے کہا گیا تھا - لَهُمۡ میں هُمۡ کی ضمیر اُنہی کی طرف ہے - ای للمنافقین (مدارک) اَوِ ادۡفَعُوۡا - یعنی اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اپنی شمولیت ہی سے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظر میں بڑھائے رہو - ای کثروا سواد المسلمین (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) قال السدی وابن جریج وغیرهما کثروا سوادنا وان لم تقاتلوا معنا (قرطبی) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب منافقین کا تین سو کا گروہ آغازِ جنگ میں مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ کو واپس آرہا تھا۔ ۲۴۴ (لیکن یہ تو جنگ نہیں صریح خودکشی ہے) ولا یقال لمثله قتال هو القاء بالانفس الى التهلكة (کشاف) منافقین کا کہنا یہ تھا کہ دشمن اوّل تو تعداد میں تم سے چوگنا پھر ساز و سامان میں کہیں زائد ایسی حالت میں شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا سارے اُصولِ جنگ کے خلاف، صریح دیوانگی ہے۔ ۲۴۵ (یعنی ایمان ظاہری و لفظی سے بھی بہت دُور ہو گئے اور حقیقی ایمان تو خیر کبھی تھا ہی نہیں) اور کفر سے قریب تر علانیہ بھی ہو گئے۔ يَوۡمَئِذٍ یعنی جس روز ایسی باتیں زبان سے نکالیں - ۲۴۶ (چنانچہ ان کا یہ عذر بھی مخلصانہ نہیں) اصل نیت ان منافقین کی کسی حال میں بھی مسلمانوں کی اعانت کی نہ تھی - اور کیوں ہونے لگی تھی جبکہ سرے سے ایمان ہی دلوں میں نہ تھا يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ - بافواههم کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں " یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے - یا - اپنے کانوں یہ سُنا ہے - والتقييد بالافواه للتاكيد (مدارک) ۲۴۷ (اور ہماری ہی طرح جنگ سے علیحدہ رہے) لِاِخۡوَانِهِمۡ اخوان سے مُراد اخوان دینی و اعتقادی نہیں - بلکہ اخوان نسبی و وطنی ہیں - ذکر منافقین کی زبان سے مسلمان شہداء کا ہو رہا ہے - فی النسب لا فی الدین هم شهداء اُحد (معالم) وهم اخوة نسب ومجاورة لا اخوة الدين (قرطبی) ل - واسطہ کا ہے - معناه لاجل اخوانهم (قرطبی) اخوان اور ل دونوں پر حاشیہ اُوپر قریب ہی گزر چکا ہے۔ ۲۴۸ یعنی اگر تمہارا نظریہ یہ ہے کہ موت معرکۂ جنگ ہی میں جانے سے ہوئی ہے تو تم تو بہرحال جنگ سے احتراز کئے ہوئے ہو، دیکھنا ہو کہ موت سے کب تک بچے رہتے ہو۔ ۲۴۹ (عالمِ برزخ میں ایک حیاتِ مخصوص کے ساتھ) وَلَا تَحۡسَبَنَّ ..... اَمۡوَاتًا - شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ انہیں برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ اَحۡيَآءٌ ... يُرۡزَقُوۡنَ - یہ حیات اور یہ رزق سب اسی عالمِ برزخ کے متناسب ہوتے ہیں۔ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ - یہ اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوتے ہیں - عند هنا تقتضى غاية القرب (قرطبی) بمعنى القرب والشرف (روح) پارۂ دوم، آیت رکوع ۳ کے حاشیہ بھی ملاحظہ کر لئے جائیں۔

ف۲۳۴ (جیسے خائن یا اور کوئی مجرم) ف۲۳۵ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا) هُمْ - یعنی یہ سب لوگ رضا حق پر چلنے والے ہیں اور راہِ حق کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ هُمْ دَرَجٰتٌ - یہ مختلف طبقہ اللہ کے ہاں محبوبیت اور مبغوضیت کے لحاظ سے ہوں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے هم ذو درجٰتٍ یا لهم درجٰتٌ۔ معنی هم درجٰت - ای ذو درجٰتٍ او لهم درجٰت (قرطبی) وتقدیر الکلام لهم درجٰت عند الله (کبیر) عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کی عدالت میں - ای فی حکم الله وعلمه (کبیر) ف۲۳۶ اللہ کی بہترین نعمت ہونے کے لحاظ سے بعثت رسول کا احسان ہے تو سارے عالم پر۔ مسلمانوں کی تخصیص ذکر کی وجہ ظاہر ہے کہ بعثت سے فائدہ اُٹھانے والے یہی لوگ تھے۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی اُنہی کی جنس میں سے، اس میں مومنین کے لئے بڑی بشارت ہے کہ پیمبر بھی بس تمہارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ اراد به المؤمنین کلهم ومعنی من انفسهم انه واحد منهم وبشر مثلهم (قرطبی) رسول کی تلاوتِ آیات، تزکیۂ تقویٰ تعلیم کتاب و حکمت پر حاشیہ پارۂ اوّل کی آیت کے ذیل میں گزر چکے۔ ف۲۳۷ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ قرآنی دستور العمل اور محمدی نمونۂ عمل سے قبل دنیا پر عقائد، معاملات، عبادات اخلاق ہر اعتبار سے اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور انسانی آبادی صحیح معنی میں فی ضلٰلٍ مبین کی تصویر تھی۔ اِنْ - یہاں اِنَّ کا مخفف ہے اور تاکید کے معنی دے رہا ہے۔ اِنْ هی المخففة یعنی الثقیلة (کشاف) ف۲۳۸ (اس کے قبل بدر میں) اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ یعنی اُحد میں جب تمہیں شکست ہوئی اور تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے۔ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا۔ یعنی بدر میں جب مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر گرفتار۔ اَوَ میں وَ عطف کا ہے اور اَ تقریع و استفہام کا۔ الهمزة للتقریع والتقریر والواو عاطفة (بیضاوی) الالف للاستفهام والواو للعطف (قرطبی) ف۲۳۹ یعنی تمہارے اپنے ہاتھوں ہوئی۔ ہمارا وعدۂ فتح و نصرت تمہاری طاعت و اطاعت کے ساتھ مشروط تھا۔ جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو اب وعدہ کہاں باقی رہا۔ اَنّٰى هٰذَا حیرت طبعی میں مسلمان بار بار استعجاب سے کہتے تھے کہ ہم صاحب ایمان بندہ، اللہ کی راہ میں لڑنے والے پھر ہم میں نبی موجود اور مقابل مشرکین اور پھر بھی شکست ہم ہی کو۔ ف۲۴۰ فتح دینے پر بھی قادر اور فتح سے محروم کر دینے پر بھی قادر۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

اور وہ بُری جگہ ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک (مختلف طبقوں) میں ہوں گے

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ف۲۳۵ حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

مسلمانوں پر کیا جب کہ اُنہی میں سے ایک پیغمبر اُن میں

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا

اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ف۲۳۶ اور بیشک یہ لوگ

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ

کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے ف۲۳۷ اور جب تمہیں ایسی ہار

مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

اٹھانی پڑی جس کی دوگنی تم (فریق مقابل پر) ڈال چکے تھے ف۲۳۸ تو تم کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمہاری ہی طرف سے ہوئی ف۲۳۹ بیشک اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

قادر ہے ف۲۴۰ اور جو مصیبت تم پر اُس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوگئے

النصف

۳۲۴ حضور انورؐ کے حلم وتحمل، نرمی وخوش خوئی، شفقت وملاطفت کے واقعات سے تو حدیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی کہاں تک گنائے! در حقیقت تو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی ذات کے لئے آپؐ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ غیروں (اور غیر ہی کیسے، بعض معاند تک) کے دو ایک قول سننے کے قابل ہیں۔ لین پول نے کہا ہے:۔ "ظلم محمدؐ کی سرشت ہی میں نہ تھا" اور باسورتھ اسمتھ کا بیان ہے:۔ "انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا...... کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم و شیریں کرتے" اور ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "پیمبر کا میلانِ طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا" مفصل حوالوں کیلئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لیکن نرمی وملاطفت کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں۔ جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو یا احکامِ دین کے اجراء کی ضرورت ہو وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ اللین والرفق انما یجوز اذا لم یفض الی اہمال حق من حقوق اللہ فاما اذا ادی الی ذلک لم یجز (کبیر) ۳۲۵ (حسبِ دستورِ سابق) گویا اسلام کے نظام شوری، جمہوری میں حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو بھی مسائلِ ملی میں رائے زنی سے محروم نہ کیا جائے اور ان سے ووٹ کا حق سلب نہ کیا جائے —— کیا حد ہے اس رحمت کی آج دنیا کی بڑی بڑی آزاد جمہوریتیں بھی اس کی مثال پیش کر سکیں گی؟ فَاعْفُ عَنْهُمْ یعنی جہاں تک آپؐ کے حقوق کے اتلاف کا تعلق ہے، آپؐ معاف کر دیجئے۔ چنانچہ آپؐ نے اس حکم کی تعمیل میں ان خطاکاروں کو زبانی تہدید بھی نہ فرمائی۔ لم یخاطبھم الرسول صلعم بالتغلیظ والتشدید وانما خاطبھم بالکلام اللین (کبیر) وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ یعنی جہاں تک حقوق اللہ کے اتلاف کا تعلق ہے، آپؐ ان کے لئے دعائے مغفرت کر دیجئے۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہ کبیرہ اور کیا ہوگا لیکن قرآن مجید نے ان اصحابِ نبیؐ کے عفو و مغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کر دیا کہ ان حضرات کے کبائر بھی معاف ہو گئے تھے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ مشورہ کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں اور ظاہر ہے کہ مشورہ کا حکم جب رسول صاحبِ وحی کو مل رہا ہے تو دوسروں کے لئے اس کی احتیاج کتنی زائد ہے گی۔ فقہاء ومفسرین نے اس آیت سے اجتہاد اور قیاس شرعی کے جواز کی دلیل پکڑی ہے۔ فیہ دلالۃ جواز الاجتہاد وبیان ان القیاس حجۃ (مدارک) ۳۲۶ یعنی جب کسی امر میں مشورہ ہو لے تو بس اب تذبذب و تامل کو دخل نہ دیجئے اور بلا تکلف و توقف اللہ کے بھروسہ پر عمل اسی پختہ عزم پر کرنے لگیے —— شخصیت و اجتماعیت، فردیت و شوریت کا یہ کیسا حکیمانہ امتزاج ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ اعتماد کی چیز اللہ کی ذات ہے۔ نہ کہ انسانی مشورے۔ قال قتادۃ امر اللہ نبیہ علیہ السلام اذا عزم علی شیء ان یمضی ویتوکل علی اللہ لا علی مشاورتھم (قرطبی) والمقصود ان لا یکون للعبد اعتماد علی شیء الا علی اللہ فی جمیع الامور (کبیر) ۳۲۷ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی، نظام شرعی سے اس قدر بُعد کے بعد بھی مسلمانوں کو صبر و قناعت کی دولت لازوال حاصل ہے اور خودکشی کے فیشن سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ ۳۲۸ (جیساکہ معرکۂ بدر میں تم نے دیکھ لیا اور وہ ثمرہ طاعت کا تھا) المقصود من الآیۃ الترغیب فی الطاعۃ والتحذیر عن المعصیۃ (کبیر) ۳۲۹ (جیساکہ معرکۂ اُحد میں تمہیں تجربہ ہو گیا اور وہ ثمرہ خود رائی کا تھا) مِنْ بَعْدِهِ یعنی اس کی ترکِ نصرت کے بعد۔ ای من بعد خذلانہ (کشاف) آیت سے یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ ایمان ثمرہ ہوتا ہے اعانتِ الٰہی کا اور کفر خذلانِ الٰہی کا۔ احتج الاصحاب بھذہ الآیۃ علی ان الایمان لا یحصل الا باعانۃ اللہ والکفر لا یحصل الا بخذلانہ (کبیر) ۳۳۰ یعنی یہ شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔ المراد ان النبوۃ والخیانۃ لا یجتمعان (کبیر) والمعنی انہ لا یمکن ذلک منہ لان الغلول معصیۃ والنبی صلعم معصوم وھذا النفی اشارۃ الی انہ لا ینبغی ان یتوھم فیہ ذلک (بحر) آیت کا پس منظر ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سُرخ رنگ کا جُبّہ ذخیرہ سے غائب معلوم ہوا۔ اس پر کوئی بول اُٹھا کہ رسولؐ نے لے لیا ہوگا۔ یہ قول اب اگر کسی منافق کا تھا تو اس بدبخت نے کھلا ہوا حملہ رسولؐ اللہ کی دیانت پر کر دیا اور اگر کسی نومسلم کی زبان سے نکلا تھا تو وہ یقیناً اس غلط فہمی میں تھا کہ رسولؐ کو بغیر اطلاع بھی تصرف کا حق حاصل ہے۔ آیت ہر دو صورت کی تردید کر رہی ہے۔ اور ایسے عمل کو خیانت سے تعبیر کر رہی ہے۔ مشرک غریب تو سرے سے جانتے ہی نہ تھے کہ مرتبۂ نبوت کس منصبِ عظیم کا نام ہے اور پیمبرانہ اخلاق کے معنی کیا ہیں۔ یہود و نصاریٰ البتہ پیمبروں کے نام اور کارناموں سے آشنا تھے لیکن ان ظالموں نے بھی رفتہ رفتہ مرتبۂ نبوت کی اخلاقی عظمت کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور نبی کو کاہن کی قسم کا محض ایک پیشین گوئی کرنے والا انسان سمجھ رکھا تھا۔ آیت سب غلط خیالیوں کی اصلاح کر رہی ہے۔ ۳۳۱ اتنی بڑی رسوائی اور فضیحت کو پیمبرانہ تقدیس سے کوئی دُور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے! فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ غلول یا خیانت معصیت کبیرہ ہے۔ قال العلماء الغلول کبیرۃ من الکبائر (قرطبی) وقد عظم النبی صلعم امر الغلول حتی اجراہ مجری الکبائر (جصاص) اور یہ بھی کہا ہے کہ حکام کا ہدیہ قبول کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ ومن الغلول ھدایا العمال وحکمہ فی الفضیحۃ فی الآخرۃ حکم الغال (قرطبی) ۳۳۲ پیمبروں کا اعزاز واکرام قطعی ہے۔ تو کسی نبی کی جانب خیانت جیسے ذلیل جرم کی نسبت کی ہی کیونکر جا سکتی ہے؟ ۳۳۳ (جیساکہ ہر نبی لازمی طور پر ہوتا ہے)

مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ
ہو گئے ہوتے ۳۲۴ سو آپ اُن سے درگزر کیجیے اور ان کے لئے استغفار کر دیجیے اور
شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى
ان سے معاملات میں شورہ لیتے رہیے ۳۲۵ لیکن جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ
اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ
رکھیے ۳۲۶ بیشک اللہ اُن سے محبت رکھتا ہے جو اُس پر بھروسہ رکھتے ہیں ۳۲۷ اگر اللہ تمہارا ساتھ دے
اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي
تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ۳۲۸ اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ایسا ہے جو اسکے
يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾
بعد تمہارا ساتھ دے؟ ۳۲۹ اور ایمان والوں کو تو چاہیے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں۔
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا
اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے ۳۳۰ اور جو کوئی خیانت کریگا وہ قیامت کے
غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ
دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کریگا ۳۳۱ پھر ہر شخص کو اسکے کئے ہوئے کا پورا عوض ملیگا
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ
اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا ۳۳۲ کیا جو شخص رضاء الٰہی کا تابع ہے ۳۳۳ وہ بھلا
كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ
اُس جیسا ہو جائے گا جو غضبِ الٰہی کا مستحق ہے ۳۳۴ اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے

منزل ۱

۳۱۴ (ان کے توبہ و استغفار کی بنا پر) یہی مضمون تین آیت قبل بھی بیان ہو چکا ہے ولقد عفا عنکم۔ تکرار سے ان صحابیوں کی مزید تسلی و اطمینان مقصود ہے جو لوگ ان صحابیوں کو اس واقعۂ اُحد کی بنا پر مورد طعن سمجھ رہے ہیں وہ صاف آیاتِ قرآنی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ۳۱۵ یہاں دو صفاتِ باری کا اثبات کیا ہے۔ غَفُوْرٌ۔ ایک صفتِ غفر کا، اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ حَلِیْمٌ۔ دوسرے صفتِ حلم کا، اس کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے، کہ فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ توبہ و استغفار کا موقع برابر دیتا رہتا ہے۔ ۳۱۶ (لیکن زبان پر دعویٰ اسلام و ایمان کا رکھتے ہیں) مُراد منافقین ہیں۔ یعنی المنافقین (بیضاوی) هؤلاء المنافقون اصحاب عبد الله بن اُبیّ (ابن جریر عن السدی) لاتکونوا کالذین کفروا۔ ہدایت مومنین کو ہو رہی ہے کہ تم اپنی گفتگو میں منافقین کے مثل نہ ہو جاؤ ان کی سی باتیں نہ کرنے لگو۔ اس قسم کی باتیں صرف ان ایمان سے محروموں کے شایاں ہے۔ نھی تعالی المومنین ان یکونوا مثلهم فی هذه المقالة الفاسدة (بحر) امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں منافقین پر الذین کفروا کا اطلاق ہوا ہے، حالانکہ منافقین کو زبانی دعویٰ اسلام کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجرد دعوائے اسلام ایمان کیلئے کافی نہیں جب تک کہ تصدیقِ قلب بھی شامل نہ ہو۔ فالآیة تدل علی ان الایمان لیس عبارة عن الاقرار باللسان کما تقول الکرامیة (کبیر) ۳۱۷ (اور کسی جہاد یا اسلامی سفر پر روانہ نہ ہوتے تو مزے سے زندگی بسر کرتے رہتے اور کسی خطرہ میں نہ پڑتے) لِاِخْوَانِهِمْ میں ل تبلیغ کا نہیں، اس لئے اس کے معنی "سے" کے نہیں بلکہ تعلیل یا سببیت کا ہے، اس کے معنی "کی بابت" یا "کے باب میں" کے ہوں گے۔ ای لاجل اخوانهم (کشاف) واللام لام السبب ای لاجل اخوانهم ولیست لام التبلیغ (بحر) اخوانهم۔ اخوان سے مُراد نسبی بھائی یعنی مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اعتقادی بھائی یعنی دوسرے منافقین بھی، ترجیح نسبی بھائیوں یا مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کی موت یا شہادت کی خبر جب منافقین سُن پاتے تو اسی طرح کے فقرے کہتے۔ ومعنی الاخوة اتفاق الجنس او النسب (کشاف) اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ۔ یعنی کسی اسلامی، دینی مقصد سے سفر کو جاتے اور وہیں وفات پا جاتے۔ اَوْ كَانُوْا غُزًّى یعنی جہاد پر جاتے اور اسی میں شہید ہو جاتے۔ اِذَا۔ اگرچہ عموماً مستقبل کے لئے ہے، لیکن اذ اور اذا دونوں کا ایک دوسرے کے بجائے لانا بھی درست ہے۔ قال قطرب کلمة اذ و اذا یجوز اقامة کل واحدة منهما مقام الاخری واقول هذا الذی قاله قطرب کلام حسن (کبیر) ۳۱۸ یعنی ایسے خیالات دماغ میں موج زن ہونا اور ان کا زبان پر لانا یہ خود ایک وبال ان کی منافقت اور نورِ ایمان سے محرومی کا ہے، دل میں وہ ایقان تو ہوتا ہی نہیں جو تسکین پیدا کرتا ہے، اس لئے ہر امر تکوینی تقدیری سے اُن کے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ای یجعل لهم ظنهم انهم لو لم یخرجوا ما قتلوا حسرة (قرطبی) ۳۱۹ موت و زندگی دونوں تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس مسبب الاسباب و علتِ حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علتِ تامہ قرار دینا کیسی شدید جہالت و سفاہت ہے۔ امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل ڈینی سن Denison اپنی کتاب Emotion a basis of Civilisation میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔ "مسلمانوں کے اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں اسے ۷۲ حوریں ملتی ہیں، اور کھانے کیلئے سونے کے ظروف) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی تھی"۔ (صفحہ ۲۰۶) امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدۂ تقدیر پر ہے نہ عقیدۂ شہادت پر، اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیتِ افادی کی داد دینے پر اپنے کو بے اختیار پا رہا ہے۔ ۳۲۰ (سو اگر کہیں خدانخواستہ تم نے منافقین کے طرزِ خیال و گفتگو کی تقلید کی تو یہ بھی سب اس خدائے دانا و بصیر، ہمہ بین و ہمہ دان کے علم میں آ کر رہے گا) ۳۲۱ (حظوظ دنیوی میں سے) مطلب یہ ہے کہ موت تو اپنے وقت موعود ہی پر آئے گی جہاد یا سفر فی سبیل اللہ سے خواہ مخواہ تو آنہ جائے گی البتہ اگر اس حالت میں وقت ہی پورا ہو گیا تو اجر اور ابدی زندگی کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اَوْ مُتُّمْ۔ یعنی چاہے وہ موت طبعی ہی ہو لیکن مشغولی اُس وقت اللہ کے کام میں ہو۔ ۳۲۲ (سو مومن کیلئے تو کوئی خوف و ہراس کی بات ہی نہیں) مُتُّمْ یعنی طبعی موت سے اپنے وطن میں وفات پا گئے۔ قُتِلْتُمْ۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے۔ ۳۲۳ لهم یعنی ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے جو جنگ اُحد میں آپؐ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کی شکست و تفضیح کا سبب بنے تھے، نافرمان سپاہیوں کے ساتھ، عین معرکۂ جنگ میں خود رائی سے کام لینے والے سپاہیوں کے ساتھ، شفقت و ملاطفت کا معاملہ قائم رکھنا دُنیا کی جنگی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہی ہو۔ بما میں ما زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ ترجمہ میں اسی لئے "ہی" لایا گیا ہے۔ وما مزیدة للتاکید والتنبیه (بیضاوی) وما مزیدة للتاکید وعلیه اجلة المفسرین وبه المأثور عن قتادة (روح) صلة فیها معنی التاکید (قرطبی) والدلالة علی ان لینه لهم ما کان الا برحمة من الله (کشاف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اے ایمان والو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو حقیقۃً کفر اختیار کئے ہوئے ہیں ۳۱۶
وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ
اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب کہ وہ لوگ زمین پر سفر کرتے ہیں یا کہیں
كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ
غزوہ کرنے جاتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ۳۱۷
لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ
(یہ بات اسلئے ان کی زبان پر آئی ہے) تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے ۳۱۸ اور اللہ ہی
وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ ۱۵۶ وَلَئِنْ
جلاتا اور مارتا ہے ۳۱۹ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا رہتا ہے ۳۲۰ اور اگر تم
قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ
اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت
وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۞ ۱۵۷ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ
اس سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ۳۲۱ اور تم لوگ خواہ مر جاؤ یا مارے جاؤ،
لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ ۱۵۸ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ
ضرور اللہ ہی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ۳۲۲ پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ اُن کے
لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا
ساتھ نرم رہے ۳۲۳، اور اگر آپ تند خو، سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ

کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اختیار تو سارا اللہ کا

لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ

ہے یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں کہ

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ

کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے آپ کہہ دیجیے کہ

كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ

اگر تم گھروں میں ہوتے (جب بھی) وہ لوگ تو جن کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا، اپنی قتل گاہوں

اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ

کی طرف نکل ہی پڑتے اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے، اور

لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے صاف کر دے، اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

یقیناً تم میں سے جو لوگ اُس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

تو یہ تو بس اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے دی تھی

وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

اور بیشک اللہ انہیں معاف کر چکا ہے یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے

۳۰۴ مسلمان تھکے ماندے تو تھے ہی، دوپہر کے وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا اس سے تازہ دم ہو گئے۔ تھکی ہوئی فوج کو نیند جیسی نعمت کے میسر آجانے کی قدر کوئی اہل فوج ہی کے دل سے پُوچھے۔ ۳۰۵ (اور مسلمانوں سے حجت اور تکرار کر رہے تھے کہ تم سے جو وعدۂ فتح و نصرت تھا، وہ کیا ہوا؟) مُراد منافقین ہیں ـــــ مسلمانوں کے ساتھ ملے جُلے ہوئے تھے، اس لئے خطاب بھی اُن سے اکثر مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہی ہے۔ یعنی المنافقین (قرطبی) هم المنافقون (بیضاوی) اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی اس قسم کا سوچ بچار کر دیکھیئے یہاں سے بچ کر بھی جانا ہوگا، اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ اُن منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی نہ دین کی کوئی فکر تھی نہ رسُولؐ کا کوئی خیال تھا۔ ما همهم الا انفسهم وخلاصها لاهم الدين ولاهم رسول الله (مدارک) يَظُنُّوْنَ غَيْرَ الْحَقِّ۔ اللہ سے متعلق ان کی بدگمانیاں خلافِ واقعیت و حقیقت تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مومنین کو نصرتِ حق و تائید غیبی نصیب نہ ہو گی۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کے خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے جو مشرک اور جاہلی ہی قوموں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کسی سے وعدۂ تائید و نصرت کرے اور پھر اسے پُورا نہ کرے۔ ایسے عقائد مشرک قوموں میں عام تھے۔ الْجَاهِلِيَّةِ۔ جاهلية محاورۂ قرآنی میں اسلام سے قبل کا دَورِ شرک ہے، یہ جاہلیت توحید کے منافی ہے۔ ظن الجاهلية کی ترکیب یوں سمجھی گئی ہے۔ کظن اهل الجاهلية۔ ۳۰۶ (ورنہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے، کسی نے ہماری نہ سُنی، ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی) یہ منافقین اپنی خِفّت و ندامت مٹانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ۳۰۷ (اور قضاءِ الٰہی ہر انسانی تدبیر پر غالب و حاکم ہے) خطاب پیغمبرؐ سے ہے کہ آپؐ یہ ان منافقین سے کہہ دیجئے۔ ۳۰۸ یعنی اپنا کفر و نفاق۔ اس کو رسُولؐ اور مومنین سے مخفی رکھنے کا ہی تو خاص اہتمام تھا۔ ۳۰۹ یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل ہوتا تو نہ لڑائی ہی کی نوبت آتی اور نہ اس شکست اور اتنے مقتولین کی۔ ۳۱۰ مطلب یہ ہوا کہ احکامِ تکوینی تقدیری سے باہر رہنا کسی کے لئے کسی صُورت میں ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ظاہری سبب بھی مقتل تک ان کے کھینچ آنے کا ضرور نکل آتا۔ ۳۱۱ (شیطانی اور نفسانی میل کچیل سے) وَلِيُمَحِّصَ تمحیص کے معنی ہیں آمیزشوں سے، کدورتوں سے پاک کرنا۔ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ۔ یعنی تمہارے اخلاص کی آزمائش ہو جائے۔ ۳۱۲ (میدانِ اُحد میں) اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا۔ مُراد وہی صحابی ہیں جن سے اُحد کے موقع پر کمزوری کا اظہار ہوا تھا۔ اُنہی کی تسکین و تسلّی کے لئے نیز آیندہ کی تنبیہ و ہدایت کی غرض سے یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ۳۱۳ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ آگیا کہ ہر پچھلا گناہ سبب بن جاتا ہے مزید و جدید معصیت کا۔ یہاں مُراد ہے حُبِّ حیات اور مالِ غنیمت کی ہوس۔ وقال بعض العلماء حبهم الغنيمة والحرص على الحياة (بحر) معنى السببية انجرارها اليه لان الذنب يجر الذنب كما ان الطاعة تجر الطاعة (روح) اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ اس میں اس ادب کی تعلیم آگئی کہ گناہ جو بھی سرزد ہو جائے اس کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں بلکہ شیطان کی جانب دینا چاہیئے۔ قال الكعبي الأية تدل على ان المعاصي لا تنتسب الى الله فانه تعالى نسبها في هذه الأية الى الشيطان (کبیر) فالاضافة الى الشيطان لطف وتخريب والتعليل بكسبهم وعظ وتاديب (مدارک) خود کلام مجید میں بھی دوسری آیتیں اس قسم کی ہیں مثلاً حضرت موسیٰؑ کی زبان سے هٰذا من عمل الشيطان یا حضرت یوسفؑ کی زبان سے من بعد ان نزغ الشيطان بيني وبين اخوتي یا خادمِ موسیٰؑ کی زبان سے وما انسانيه الا الشيطان۔

۲۹۶ یعنی اپنی فتح اور غنیم کی شکست جس کا مشاہدہ تم برأی العین کر رہے تھے۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ ۔ یعنی فتح و فیروزمندی کی کیفیت اس وقت تک قائم رہی، جب تک تم اپنی استقامت میں کمزور نہ پڑ گئے۔ اس وقت تم اپنی رائے میں مذبذب ہو گئے اور تیر اندازوں کے دستہ نے خود رائی سے کام لے کر اطاعتِ رسُولؐ کی پروا نہ رکھی۔ معرکۂ اُحد میں جنگ شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کے مقدس اور نہایت درجہ بالغ نظر سالارِ لشکر نے امکاناتِ نقشۂ جنگ کا بالکل صحیح اندازہ کر کے ایک گھاٹی میں ایک بلند ٹیکری پر ۵۰۔ چیدہ و ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور احکام دیدیئے تھے کہ اس مورچہ سے کسی حال میں نہ ٹلنا یہاں تک کہ اگر ہم شکست کھا جائیں، جب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ بلکہ اپنے عقب کا خیال رکھنا۔ جنگ شروع ہوئی، مسلمانوں نے پُورے جوشِ شجاعت کے ساتھ یلغار کی، مشرکین کا لشکر با ایں فراوانی اور با ایں سرو سامانی زبردست ٹکر کی تاب نہ لا سکا اور اس کے قدم اُکھڑ گئے۔ مسلمان اور آگے بڑھے اور بدر کا جوش و خروش تازہ ہو گیا۔ لیکن اب کی افراطِ جوش میں توازن قائم نہ رہا، ان کا خط ٹوٹ گیا اور صفوف میں ترتیب باقی نہ رہی اور ایک جماعت نے مزید پیش قدمی کر کے غنیم کے خیمے ڈیرے لُوٹنے شروع کر دیئے۔ اُدھر ٹیکری والے تیر انداز دستہ نے جو یہ دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ رہا ہے اور مالِ غنیمت لٹنا شروع ہو گیا ہے، تو یہ سوچا کہ اب یہاں مورچہ پر جمے رہنے کے کیا معنی حکم جس وقت تک کے قیام کے لئے تھا، اس کی تعمیل ہو چکی۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت ۵۰۔ میں سے ۴۰ تیر انداز سپاہی اپنی پوزیشن چھوڑ نیچے میدان میں دُوسروں کے ساتھ غنیمت کی تاخت میں شریک ہو گئے۔ خالد بن ولید جو بعد کو ایمان لائے اور سیف اللہ کہلا کر مسلمانوں کے مشہور جنرل ہوئے۔ اس وقت تک مشرکوں کے رسالہ کے سردار تھے۔ اُن کی دُوربین نگاہ موقع کے گھات ہی میں تھی، اپنے سواروں کے ساتھ کاواکاٹ اسی درہ کی طرف سے ہلہ بول دیا، گنتی کے دس سپاہی کتنی دیر ٹھہر سکتے تھے، جنگ کا پانسہ آناً فاناً پلٹ گیا، اور فتح مسلمانوں کے ہاتھ سے آکر چھن گئی، قرآن اپنے معجزانہ رنگ میں اس سارے پس منظر پر تبصرہ کر رہا ہے۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ ۔ یعنی اپنے قائدِ اعظمؐ کے حکم کے باب میں بحث کرنے لگے کہ آیا اب بھی وہ حکم قائم اور واجب الاتباع ہے، ۵۰ میں سے ۴۰ ناوک افگن سپاہی لُوٹ پر ٹوٹ پڑے تھے اور باقی ۱۰ امیرِ لشکر کے حکم پر آخر تک قائم رہے۔ وَعَصَيْتُمْ ۔ یعنی اپنے سالارِ لشکر اور رسُولِ برحق کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہ حالت ایک استثنائی تھی اور اس لئے اس پر گرفت بھی اتنی سخت ہوئی ورنہ اسلامی فوجیں عام طور پر تو نظم و ضبط، اطاعت و امتثال (ڈسپلن) کی تصویر ہوتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

مَا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ
جو کچھ کہ تم چاہتے تھے ۲۹۶ بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے ۲۹۷ اور بعض تم میں
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ
ایسے تھے جو آخرت چاہتے تھے ۲۹۸ پھر اللہ نے تم کو ان میں سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری (پوری)
لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ
آزمائش کرلے ۲۹۹، اور اللہ نے یقیناً تم سے درگزر کی ۳۰۰ اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے
تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ
(وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسُول تم کو پکار رہے تھے
فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى
تمہارے پیچھے کی جانب سے ۳۰۱ سو اللہ نے تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں ۳۰۲ تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس
مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾
چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے، اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ۳۰۳
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى
پھر اس نے اس غم کے بعد تمہارے اُوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ
ایک جماعت پر غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ
يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ
اللہ کے بارے میں خلافِ حقیقت خیالات، جاہلیت کے خیالات قائم کر رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے

۲۹۷ (اور اسی لئے غنیمت کی لوٹ میں پڑ گئے) اشارہ اُنہی ۴۰ جلد باز تیر اندازوں کی طرف ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ لُوٹ بھی مبنی و متفرع دشمنانِ دین کی شکست ہی پر تھی، اس لئے ایسی دنیا طلبی بھی تمام تر مذموم نہیں۔ یہاں بُرا اسے اسلئے ٹھہرایا گیا کہ اس میں مخالفت تھی حکمِ رسُولؐ کی، گو وہ بھی اعتباراً ہی تھی۔ ۲۹۸ یہ وہ دس تیر انداز تھے جو نصِ نبویؐ کے تمام تر متبع ہو کر آخر تک اپنی جگہ پر قائم رہے۔ ۲۹۹ (ایک عارضی و ہنگامی شکست کے ذریعہ سے) یہ ثبوت ہے صحابۂ نبویؐ پر کمالِ رحمت کا، یہ عارضی شکست بھی غضبِ الٰہی یا عذاب کی کوئی فرد نہ تھی بلکہ اس سے بھی مقصود صحابہ کی قوتِ ایمانی کا مزید امتحان ہی تھا۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ ۔ یعنی جب تم میں عدمِ ثبات و تزلزل پایا تو اللہ نے اپنی وہ آسمانی امداد و نصرت روک لی۔ ۳۰۰ (اسلئے اب مؤاخذۂ آخرت کا کھٹکا نہیں) کیا ٹھکانا ہے مومنین پر بالعموم اور صحابۂ رسُولؐ پر بالخصوص شفقت کا، کن کن عنوانات سے تسلّی دی جا رہی ہے۔ ۳۰۱ (کہ اِدھر آؤ۔ میں اِدھر ہوں) یہ بیان ہو رہا ہے سلمان سپاہ کی بھگدڑ اور شدتِ بدحواسی کا۔ اور واقعی بات ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ پڑتی ہے تو ایسی ہی بے حواسی پھیل جاتی ہے، نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کی نہیں سُنتا، ہر ایک کو اپنی ہی جان بچانے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ یعنی جب بھاگتے ہوئے چڑھے جا رہے تھے۔ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ ۔ رسُولِ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام علاوہ اپنے دُوسرے کمالات و فضائل کے ہمت و شجاعت میں بھی فرد اور بے عدیل تھے۔ ۳۰۲ یعنی اس رنج کے عوض میں جو تمہاری ذات سے رسُول اللہ صلعم کو اُٹھانا پڑا تھا، تمہیں بھی ایک رنج دیدیا گیا۔ ای اثابکم غما بسبب غم اذقتموہ رسول اللہ صلعم بعصیانکم لہ بعنا المنکم امر (روح) ۳۰۳ (اور اسی باخبری کے مطابق جزا و سزا بھی دے گا) لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا الخ یہ اشارہ ہے ان حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب جو اس واقعۂ شکست میں پوشیدہ تھیں۔ لِكَيْ ۔ یعنی تاکہ آئندہ کے لئے اس واقعہ سے سبق لو اور ہمت و استقلال کو کام میں لاؤ۔

ع ۱۵ / ۶

الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
عمدہ عوض اور اللہ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے ۲۹۱ اے ایمان والو

اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي
اگر تم ان لوگوں کا کہا مانوگے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پچھلے پیروں واپس

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ
کردیں گے اور تم گھاٹے میں آکر رہ جاؤگے ۲۹۲ البتہ تمہارا دوست اللہ ہے

وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ
اور وہ بہترین مددگار ہے ۲۹۳ ہم ابھی کافروں کے دلوں میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
رُعب ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھیرایا

يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ
جس کے لئے کوئی دلیل (اللہ نے) نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیسی بُری جگہ

مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ
ظالموں کے لئے ہے ۲۹۴ اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ (نصرت)

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَ
جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے ۲۹۵ یہاں تک کہ جب تم (خود ہی) کمزور پڑ گئے

تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ
اور باہم جھگڑنے لگے حکم (رسول) کے باب میں اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا

۲۹۱ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب بنایا اور آخرت میں نکوکاری کی بشارت اللہ کی محبوبیت کی صورت میں دی ــــــ دنیا اور آخرت کے سارے انعامات سے بڑھ چڑھ کر۔ ثَوَابَ الدُّنْيَا یعنی فتح وظفر۔ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی جنّت اور وہاں کی نعمتیں۔ ۲۹۲ سو کافروں کی ہم خیالی، ہم مذاقی سے بچو۔ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ یعنی تمہیں اُلٹے پاؤں ارتداد اور بے دینی کی طرف دھکیل لے جائیں گے۔ ۲۹۳ (سو اس کے ہوتے ہوئے تم نصرت و امانت کے لئے مخلوق پر کیوں نظر رکھتے ہو؟) اَللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ۔ اللہ تمہارا دوست و محافظ ہے۔ سو وہی تمہیں بچائے گا۔ ۲۹۴ (یعنی اُن کے لئے جو خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے ہیں) مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یعنی شرک کی تائید میں نہ کوئی عقلی ہی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ دشمنانِ دین کے دلوں میں القاء رعب یا ہیبتِ حق کے معجزانہ ظہور کی ایک یادگار مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ اُحد میں جب آخری فتح بظاہر مشرکین مکہ کو ہو گئی تو اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے۔ فاصلہ اب رہ ہی کتنا گیا تھا ــــــ لیکن اس کی ہمت انہیں کسی طرح نہ پڑی اور اُلٹے انہیں واپس ہی جاتے بنی۔ اور تعاقب اس کے برعکس خود "شکست خوردہ" مسلمانوں نے اپنے بے مثل و بے مثال سالارِ لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک کیا، یہاں تین دن تک مسلمانوں کا کیمپ رہا اور لگے ہاتھوں غنیم کا ایک آدمی بھی گرفتار کرتے لائے۔ قال ابن اسحاق فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انتھی الی حمراء الاسد وھی من المدینة علی ثمانیة امیال فاقام بھا الاثنین والثلاثاء والاربعاء (ابن ہشام) اور یہ اہم جنگی کارروائی اس خدائی سپہدارِ اعظم نے کی ہی اس غرض سے کہ مشرکین مکہ پر پُورا رعب پڑ جائے اور ان کا یہ وہم و گمان مٹ کر رہے کہ مسلمانوں نے ہار مان لی ہے۔ وانما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترھیبًا للعدو ولیبلغھم انہ خرج فی طلبھم لیظنوا بہ قوة وان الذین اصابھم من عدوھم (ابن ہشام) بِمَآ اَشْرَكُوْا میں ب تعلیل کے لئے ہے۔ یعنی یہ رعب ان کے شرک کی بنا پر ڈالا گیا۔ ای کان سبب القاء الرعب فی قلوبھم اشراکھم (قرطبی) الباء للسبب ای بسبب اشراکھم باللہ الالھة (بحر) ۲۹۵ (غزوۂ اُحد کے اندر) پُوری آیت میں بیان غزوۂ اُحد کے مختلف پہلوؤں کا ہے۔ یہاں ذکر اس وقت کا ہے جب تک مسلمان ابتداء معرکہ میں اطاعتِ احکامِ رسولؐ پر قائم تھے۔ تَحُسُّوْنَهُمْ۔ ھُم سے اشارہ دشمنانِ دین مشرکین مکہ ہیں۔ حس کے معنی قتل کے ہیں۔ عُبّر بہ عن القتل (راغب) ای تقتلونھم قتلا ذریعا (کشاف) قال ابوعبیدہ الحس الاستئصال بالقتل (قرطبی) بِاِذْنِهٖ میں اذن سے مُراد اللہ کا حکم تکوینی ہے۔ ای بعلمہ او بقضاءہ وامرہ (قرطبی) ای بتیسیرہ وتوفیقہ (روح) ای بارادتہ (جلالین)

ارتداد سے۔ جنگ سے فرار بھی مُراد ہو سکتی ہے۔ مجازمن الارتداد اوالانہزام (مدارک) ٢٨٤ (بلکہ اس کا وبال خود اپنے ہی سر لائے گا) جاہلی مذہبوں میں دیوتاؤں اور پجاریوں کے درمیان ایک طرح کی مساوات ہمیشہ رہی ہے۔ یعنی معبود بھی اپنی پرستش و عدم پرستش سے برابر متاثر ہوتے رہے ہیں۔ قرآن نے بار بار اسی جاہلی ذہنیت پر ضرب لگائی ہے۔ ٢٨٥ شاکرین۔ یہ شکر بہ کافر کے تقابل میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عنقریب جزائے خیران لوگوں کو ملے گی جو اللہ کی اصلی اور بڑی نعمت دینِ حق کا شکریہ اس کے قبول و اختیار کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ للشٰکرین علی نعمۃ الاسلام بالثبات علیہ (بیضاوی) ٢٨٦ (اور اس میعادِ مقرر کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں پھر آخر شرکتِ جنگ میں اتنا جی چُرانے سے کیا حاصل؟) موت جب بھی آئے گی حکمِ خدا ہی سے آئے گی اس کے بدون نہیں آسکتی۔ اور پھر جب آئے گی وقتِ موعود ہی پر آئے گی اس کے قبل نہیں آسکتی۔ خواہ خطرات کیسے ہی شدید ہوں

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ

کسی کے لئے کہ وہ مرجائے ٢٨٦ حکمِ خدا کے بغیر ایک میعادِ مقرر پر اور

مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

جو کوئی دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حِصّہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا نفع

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۵ وَكَاَيِّنْ

چاہتا ہے تو اسے اس آخرت کا حِصّہ دے دینگے اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو بدلہ دے دینگے ٢٨٧ اور کتنے ہی

مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

نبی ہو چکے ہیں کہ اُن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں ٢٨٨ سو جو کچھ انہیں

اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ

اللہ کی راہ میں پیش آیا اُس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۶ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ

اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ٢٨٩ اور ان کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے

اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا

کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے باب میں ہماری زیادتی کو بخش دے

وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۷

اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب کر ٢٩٠

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

سو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا بھی

ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو موت کا طبعی خوف بھی حدِ اعتدال پر قائم رہے۔ ٢٨٧ (جنہوں نے نعمتِ الٰہی کا شکر یوں ادا کیا اور جنگ میں شریک ہوئے اور جہاد سے جی نہیں چُرایا) پہلی آیت میں شاکرین سے وہ لوگ مُراد تھے جنہوں نے دینِ حق کو قبول کیا اور اعمالِ نیک پر قائم رہے۔ یہاں شاکرین سے وہ لوگ مُراد ہیں جو ان اعمال میں آخرت کی نیت کئے ہوئے جہاد میں شریک ہُوئے۔ الذین شکروا نعمۃ اللہ فلم یشغلھم شیٔ عن الجھاد (بیضاوی) وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا۔ دنیا کا نفع چاہنا مطلق صُورت میں ممنوع نہیں ہے۔ یہاں مُراد اُس نفع سے ہے جو خالص دنیا ہی کے لئے ہو۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصّہ ہی نہ ہو، ثواب الدنیا سے مُراد ہے کہ مقصود یہی دُنیا ہو اور فی الدنیا حسنۃ سے مراد ہے کہ بھلائی حاصل ہو اور اس کا محلِّ حصُول یہ دنیا ہی ہو۔ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت ہوئی تو اس کی یہ آرزو پوری کر دینگے اور آخرت سے محروم کر کے اُسے یہیں نقد کا نقد معاوضہ دے دیں گے۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یہ ثواب آخرت جو ہے اللہ کی طرف وعدہ اور ذمہ ہے، اس نوتہ منہا اور قبل کے نوتہ منہا کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ٢٨٨ (راہِ حق میں جہاد فی سبیل اللہ میں) یہ بتلایا ہے کہ جہاد کی سُنت انبیاءِ قدیم کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس راہ کے رہروؤں کو برابر ان منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ رِبِّيُّوْنَ۔ رِبّی۔ ربّانی کے مرادف ہے اور اور معنی بھی کئے گئے ہیں۔ ای ربّانیون (کشاف) اخرج سعید بن منصور عن الحسن انھم العلماء الفقھاء واخرجہ ابن جبیر عن ابن عباس ایضاً فھو منسوب الی الرب (روح) كَاَيِّنْ۔ کم کے مرادف ہے یعنی بہت سے کتنے ہی۔ کاین بمعنی کم (قرطبی) صارت بمعنی کم (بیضاوی) ٢٨٩ (اور دنیا اور آخرت میں اُس کا درجہ اور مرتبہ بڑھاتا رہتا ہے) مَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں۔ وَمَا ضَعُفُوْا۔ یعنی ہراس و دہشت کو اپنے اُوپر غالب نہ آنے دیا۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا۔ یعنی کفر و اہلِ کفر کے سارے ساز و سامان و شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ وَهْنٌ۔ ضعف۔ اِسْتِكَانَۃٌ۔ تین متقارب المعنی الفاظ کے درمیان فرق امام رازیؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ وھن تو کہتے ہیں قلب کی کمزوری یا بدہمتی کو، اور ضعف مطلق ہے، اس کا تعلق جسمانی قوت و مادّی قدرت سے زیادہ ہے اور استکانۃ اظہارِ عجز کو کہتے ہیں۔ ٢٩٠ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ۔ اس سے اشارہ ہو گیا کہ ان لوگوں کے عمل میں تو لغزش کیا ہوتی، زبان تک بھی اُن کی کلماتِ تحمید و تمجید اور اعترافِ عجز و قصور کے لئے وقف رہی ذُنُوْبَنَا۔ اِسْرَافَنَا۔ ذنوب سے یہاں مُراد صغائر سے لی گئی ہے اور اسراف سے کبائر مراد ہیں۔ ذنوبنا یعنی الصغائر واسرافنا یعنی الکبائر (قرطبی) ابن فورک نے کہا ہے کہ اس سے قدریہ کا رد بھی نکل رہا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ افعالِ عبد کا خالق نہیں ہے (بحر)

يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ۲۷۷ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کردے

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
اور کافروں کو مٹا دے ۲۷۸ شاید تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہوگے

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ
حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور

يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ
نہ صبر کرنے والوں کو جانا ۲۷۹ اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
قبل اس کے کہ اس کے سامنے آؤ سو اس کو تو اب تم نے کھلی آنکھوں سے

ع ١٤/٥ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ
دیکھ لیا ۲۸۰ اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہی ہیں ۲۸۱ ان کے قبل اور بھی رسول گزر

قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى
چکے ہیں ۲۸۲ سو اگر یہ وفات پاجائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں

اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ
واپس چلے جاؤ گے ۲۸۳ اور جو کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی

اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ
نقصان نہ کرسکے گا، اور اللہ عنقریب شکرگزاروں کو بدلہ دے گا ۲۸۵ اور ممکن نہیں،

۲۷۷ (سو ظالموں کے برسرِ حق ہونے کا تو گمان بھی نہ کیا جائے، خواہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انہیں عارضی اور ہنگامی کامیابیاں کیسی ہی حاصل ہوجائیں) لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی مومنین کا ایمان عالم آشکار ہوجائے، ان کے اعمال ایثار اور جانبازی کی بنا پر۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ۔ شہادتِ راہِ حق، معلوم ہے کہ شریعتِ اسلامی میں روحانی ترقی کی معراج اور قربِ الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔
۲۷۸ (انہیں اسی عارضی کامیابی پر اور زیادہ مغرور کرکے) ذکر اسی غزوۂ اُحد کا چل رہا ہے، ایک فرنگی مؤرخ نے حال میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ گو قریش اُحد میں فتحمند ہوئے، لیکن یہی عارضی فتحمندی ان کے مستقل زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اہلِ ایمان کو ابتلا جب بھی پیش آتا ہے تو دفعِ سیّات کیلئے ہوتا ہے اور یا رفعِ درجات کیلئے
۲۷۹ (ان کے اعمال کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کے علمِ سرمدی میں جو کچھ بھی ہے، اشخاص کا استحقاق تو جنت میں کسی درجہ کے لئے بھی اس مادّی دنیا میں اعمال کے بعد ہی ثابت ہوسکتا ہے۔ اَمْ یہاں بَلْ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسی لئے ترجمہ میں مفہوم "شاید" سے ادا کیا گیا ہے۔ ام بمعنی بل (قرطبی) ام ای بل (جلالین) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی جنت میں امتیازِ خاص کے ساتھ پہنچ جاؤگے۔ خطاب یہاں صحابۂ کرامؓ سے ہے۔ صحابۂ کرامؓ حصولِ جنت ہی کے مشتاق نہ تھے بلکہ اس کے اعلیٰ درجوں اور مرتبوں کا بھی حوصلہ اور ظرف رکھتے تھے اور ان مدارج کے لئے جہاد کی کڑی کڑی منزلوں سے گزرنا ناگزیر تھا۔ ۲۸۰ (پھر اب اس سے خوف وہراس کیوں ہے؟) خطاب صحابہؓ کی ایک جماعت سے ہے۔ الخطاب للمومنين وظاهره العموم والمراد الخصوص (بحر) خوطب به الذين لم يشهدوا بدرًا (مدارک) الخطاب للذين لم يشهدوا بدرًا وتمنوا ان يشهدوا مع رسول الله صلعم (بیضاوی) معرکۂ بدر میں مسلمانوں کی غیر متوقع بلکہ خلافِ توقع کامیابی سُن کر بعض اشخاص کو خیال پیدا ہوا کہ افسوس ہے ہم اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ اب کاش کوئی معرکہ پھر اس قسم کا پیش آئے تو ہم بھی اپنی جانوں کی بازیاں لگا لگا کر شہداءِ بدر کا سا مرتبہ حاصل کریں۔ یہاں انہی کو جواب دیا جارہا ہے کہ پہلے تو یہ ہمت تھی۔ سو اب کیسی پست ہمتی کا اظہار کیوں ہورہا ہے! وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ وٗ یہاں حتّٰی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے یعنی جب تک ان کا صبر ثابت نہ ہوجائے۔ الواو هنا بمعنى حتّٰى قاله الزجاج (قرطبی) ای حتى يعلم صبرهم (قرطبی) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ (یعنی اس معرکۂ اُحد کے وقوع سے قبل) تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ۔ موت سے مراد سببِ موت۔ ذریعۂ موت یعنی جہاد وقتال ہے یا خود موتِ شہادت۔ الموت ای سبب الموت (معالم) ای الحرب فانها من اسباب الموت او الموت بالشهادة (بیضاوی) رَاَيْتُمُوْهُ ضمیر موت یا سببِ موت کی جانب ہے۔ یعنی الموت (ابن کثیر) یعنی اسباب الموت (معالم)
۲۸۱ (اور اس لئے فناپذیر بھی ہیں۔ کوئی خدا یا جزءِ خدا یا مظہرِ خدا تو ہیں نہیں جو قانونِ حیات وممات سے بالاتر ہوں) مُحَمَّدٌ۔ اسمِ مبارک قرآن میں پہلی بار آیا ہے، لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفاتِ حسنہ کا مجموعہ ہو۔ يقال فلان محمد اذا كثرت خصاله المحمودة (راغب) اسمِ عَلَم ہے ہمارے رسولؐ اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضورؐ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابوجعفر محمدؐ بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المحبر ص ۱۳۰) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سُن کر کہ آیندہ پیمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔ كان سفيان اتى الشام فنزل على راهب فاعجبته فصاحته وعقله فسأل الراهب عن نسبه فانتسب له الى مضر فقال لها انه يبعث في العرب نبي يقال له محمد فسمى سفيان ابنه محمدًا تاج العروس اور لسان العرب میں بھی یہی سات نام نقل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نام عام طور سے عرب میں شائع نہ تھا۔ اور تصریحات اس قسم کی ملتی ہیں کہ لم يكن شائعًا بين العرب هذا الاسم اور تاج میں بھی اسی سے ملتا جلتا قول موجود ہے۔ راقم آثم کے ایک قدیم اور جواں مرگ دوست مولانا عبد الرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم کا ایک مستقل مقالہ اسمِ پاک محمدؐ پر ہے، ان کی یادگار کے طور پر اور اُن کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر اس مقالہ کا بیشتر حصہ سورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ کے شامل کیا جاتا ہے۔ ۲۸۲ (اور ان سب نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کو خیرباد کہا، سو یہ بھی اپنے وقتِ موعود پر وفات پائیں گے اور اس میں نہ کوئی بات حیرت کی ہوگی اور نہ کوئی پہلو آپ کی اہانت کا نکلے گا) رسولؐ کا مرتبہ خوب سمجھ لیا جائے۔ رسولؐ محض عبد ہوتے ہیں صاحبِ وحی۔ عقیدۂ حلول، مظہریت، ابنیت وغیرہ پر ضرب لگانے کے لئے مرتبۂ رسالت اور رسولیت کی بار بار تصریح ضروری تھی۔ حضورؐ کی وفات کا حادثہ اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروقؓ بھی جیسے باوقار وعالی ظرف صبر وضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہوگئے، عین اُس وقت ایک اُن سے بھی برتر شخصیت ابوبکر صدیقؓ اسی آیت کی برمحل تلاوت کرکے اُن کے اور سب کے جذبات کو قابو میں لے آئے تھے۔ ۲۸۳ (کفر اور بے دینی کی طرف) مطلب سوال کا یہ ہے کہ جب دین کی حقیقت تمہاری نظر میں ثابت ہوچکی، تو اب قاصد یا پیغامبر کی زیست یا وفات کا اس حقیقت وصداقت پر کیا اثر! غزوۂ اُحد میں جب حضور صلعم کو زخم پہنچا اور کسی شیطان نے یہ افواہ اُڑادی کہ آپؐ دنیا سے رخصت ہوگئے تو بعض صحابہ نے اس انتہائی صدمہ انگیز خبر سے بددل اور شکستہ خاطر ہوکر میدانِ جنگ چھوڑنا شروع کردیا تھا اور منافقین کی وقتی طور پر بن آئی تھی۔ انہوں نے برابر طنز کرنا اور ارتداد کی ترغیب دینی شروع کردی تھی۔ آیت میں ان سب پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ۔ اشارہ طبعی اسباب سے آنے والی موت کی طرف ہے۔ اَوْ قُتِلَ اشارہ معرکۂ جنگ وغیرہ میں شہادت کی طرف ہے۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ۔ محاورہ میں کنایہ ہے

وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
اور (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہ جیکے،
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور کام کرنے والوں کیلئے کیسا اچھا معاوضہ ہے ۲۷۱ یقیناً تم سے قبل (مختلف) طریقہ گزر چکے ہیں،
سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
سو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى
کیا انجام ہوا ہے ۲۷۲ یہ ایک اعلان ہے (سارے) لوگوں کیلئے اور ڈرنے
وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
والوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے، ۲۷۳ اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ اِنْ
ہی غالب رہوگے اگر تم مومن رہے ۲۷۴ اگر تمہیں
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ
کوئی زخم پہنچ جائے تو اُن لوگوں کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے ۲۷۵ اور
تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
ہم ان ایام کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں ۲۷۶ تاکہ اللہ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا
ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ کو شہید بنانا تھا اور اللہ

۲۷۱ اُولٰٓئِكَ کا اشارہ صاف اُنہی لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ غلطیاں، خطائیں، لغزشیں بھی ان سے صادر ہوتی رہتی ہیں، اور ساتھ ہی وہ اُن کی تلافی اور تدارک بھی کرتے رہتے ہیں، اُنہی کے لئے یہ جنت کی نعمتیں بیان ہو رہی ہیں۔ عٰمِلِيْنَ لفظی معنی عمل کرنے والے کے ہیں۔ محاورہ قرآنی میں اس سے مُراد عملِ صالح کرنے والے ہیں۔ ۲۷۲ سُنَنٌ یعنی مختلف طور طریقہ اور ان طور طریقوں پر عمل کرنے والے مختلف مسلکوں اور مشربوں کے لوگ، مشرک و کافر بھی، موحد و مومن بھی۔ قال الزجاج والمعنى اهل سنن فحذف المضاف (قرطبی) ساری گزشتہ اُمتوں اور قوموں کی طرف جامع اشارہ ان الفاظ میں آگیا۔ اور سنۃ کے معنی خود امۃ کے بھی کئے گئے ہیں، اس لئے سنن۔ امم کا مرادف ہوگا۔ السنة الامة والسنن الامم (قرطبی) وقال المفضل ان المراد بها الامم وقد جاءت السنة بمعنى الامة فى كلامهم (روح) سِيْرُوْا۔ فَانْظُرُوْا۔ دونوں صیغہ امر کے ہیں۔ لیکن مقصود سیاحت نہیں بلکہ سرکش جاہلی قوموں سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو۔ سیاحت سے، تاریخ سے، وقس علیٰ ہذا۔ ليس المراد الامر بذلك لا محالة بل المقصود تعرف احوالهم فان حصلت هذه المعرفة بغير السير فى الارض كان المقصود حاصلا (کبیر) تاریخ اثریات وغیرہ کا مطالعہ اگر صحیح نقطۂ نظر اور ایمان و معرفت کے پہلو سے کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔ اَلْمُكَذِّبِيْنَ۔ یعنی دینِ حق کی جھٹلانے والی قوموں اور اُمتوں کا۔ ۲۷۳ مطلب یہ ہوا کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دُنیا کے لئے لیکن اس سے نفع وہی لوگ اٹھائیں گے جن کے دلوں میں خوفِ خدا موجود ہوگا۔ هٰذَا۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ يعنى القرآن عن الحسن وغيره (قرطبی) قال الحسن وقتادة وابن جريج والربيع الاشارة الى القرآن (بحر) اى هذا القرآن (معالم) بعض نے وہ امر و نہی، وعدہ و وعید مُراد لئے ہیں، جو اُوپر گزر چکے ہیں۔ يعنى يقول هذا ما تقدم من امره ونهيه ووعده ووعيده (کبیر) الاشارة الى ما خص من امر الكفار والمتقين والتائبين (روح) اى القرآن او ما تقدم من الكتب (ابن کثیر) ۲۷۴ (اے ایمان والو) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ وعدۂ غلبہ کے لئے شرط ایمان پر ثبات کی لگی ہوئی ہے۔ یہ خوب خیال رہے۔ اَلْاَعْلَوْنَ۔ یہ علو و غلبہ کا وعدہ ہر قسم کے علو و غلبہ کو حاوی ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، گو بیان پر نظر کر کے غلبۂ مادی ہی اغلب ہے۔ يعنى الغالبين على الاعداء (قرطبی) ۲۷۵ (تو تمہاری کسی افتاد سے ان مخالفوں کو کیا تسلی ہو سکتی ہے، انہیں تو ایسی ہی افتاد پیش آچکی ہے) اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ۔ اشارہ ہے ہونے والی جنگِ اُحد کی طرف۔ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ۔ اشارہ ہے جنگِ بدر کی طرف، اس میں قریش کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی تھی۔ ۲۷۶ (مصالح تکوینی کے اعتبار سے) سو مجرد فتح و شکست کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھا جائے۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ یعنی فتح و ظفر کا زمانہ۔ والمراد بالايام اوقات الظفر والغلبة (کشاف)

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۲۶۵

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

اور مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، دوڑو اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیْنَ

عرض سارے آسمان اور زمین ہیں ۲۶۶ اور جو پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے ۲۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جو

یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ

فراغت اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں اور

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۲۶۸

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی بیجا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ

اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں ۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ کے سوا

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور یہ (لوگ) اپنے کئے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے درآنحالیکہ وہ

یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

جان رہے ہوں ۲۷۰ ایسے لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے

منزل ۱

۲۶۵ (دنیا اور آخرت، دونوں میں) لَعَلَّ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ وَاَطِیْعُوا۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت خوش دلی کے ساتھ کرو۔ ۲۶۶ (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ ہر مومن کا منتہائے عمل اور منزلِ مقصود یہی مغفرتِ پروردگار ہونا چاہیئے۔ ۲۶۷ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک سلبی حقیقت کا نام نہیں محض گناہوں سے بچنا کافی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو حکم اس کا بھی ملا ہے کہ اسلام کے ایجابی پہلو کا بھی پورا حق ادا کریں، نیکیوں کی جانب لپکیں اور اس طرح جنت کو حاصل کر کے رہیں جو رضاءِ الٰہی کا محل اور ظہورِ رحمتِ کامل کا مقام ہے۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی وہ بے انتہا وسیع ہے، اس میں سب کی گنجائش ہے۔ وہاں چپقلش اور عدمِ گنجائش کا احتمال ہی نہیں۔ جنت کی بجنسہٖ پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس کی بے انتہا وسعت اور گنجائش کا اظہار مقصود ہے، عربی محاورہ میں انتہا وسعت کے اظہار کا یہی پیرایہ ادا ہے۔ کنایة عن غایة السعة بما هو فی تصور السامعین (روح) المقصود فی وصف سعة الجنة وذلك لانه لا شئ عندنا اعرض منهما (کبیر) قال القفال لیس المراد ههنا ما هو خلاف الطول بل هو عبارة عن السعة (کبیر) ۲۶۸ آرنلڈ وغیرہ فرنگی فاضلوں نے کہا ہے کہ عرب جیسی تند خو جنگجو، جدل پیشہ قوم کے رامنے حلم و ضبط، صلح و آشتی کے ایسے معیار پیش کرنا، اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک اعجاز ہے۔ یُنْفِقُوْنَ۔ یعنی راہِ حق میں، دین کی خدمات میں خرچ کرتے رہتے ہیں، مطلق خرچ کرتے رہنا، چاہے کیسے ہی بیہودہ مقاصد کے لئے ہو، ظاہر ہے کہ شریعت میں ہرگز پسندیدہ نہیں۔ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی ہر حال اور ہر صورت میں دین اور امت کی مالی ضرورتوں سے متعلق خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خوش حال ہوئے تو مسرفانہ عیش پرستیوں میں پڑ کر نیک کاموں سے ہاتھ ہی روک لیا یا تنگدست ہوئے تو ناشکری میں آکر اپنی بساط بھر بھی خرچ کرنے سے رک گئے۔ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ کظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو، تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے۔ بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اُسے زیر کر لیتے ہیں، اور اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فاقدین الغیظ ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہ ہو۔ بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے، اور عقل جذبات کے اوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے حرارتِ طبعی یا حمیت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں، مقصود اسے صرف حدود کے اندر رکھنا ہے۔ غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں، نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مضر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محلِ مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیثِ نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے لئے صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ من کظم غضبا وهو یقدر علی انفاذه ملأ الله قلبه امنا وایمانا۔ (قدرتِ نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لیجائے اللہ اس کا قلب امن و ایمان سے لبریز کر دے گا۔ اَلْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے قصوروں، اور خطاؤں کو معاف بھی کر دیتے ہیں، یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت خطاوار سے انتقام نہیں لیتے، بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں، یہ درجہ کاظمین الغیظ سے بلند تر ہے۔ وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی، تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ۔ محسنین کا درجہ کاظمین و عافین دونوں سے بلند تر ہے۔ یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن نے اکثر تدریج کو پیش نظر رکھا ہے، اور اس کی بہترین مثال یہ آیت ہے۔ تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام فاضل ترین ہے۔ محدث بیہقی نے سیدنا حضرت علیؓ بن حسینؓ سے متعلق روایت نقل کی ہے کہ آپ کو ایک جاریہ وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ پر گرا۔ غصہ آنا امرِ طبعی تھا۔ جاریہ نے فوراً الفاظِ قرآنی الکاظمین الغیظ اپنی زبان سے ادا کئے۔ آپ کا غصہ دور ہو گیا، پھر جاریہ نے العافین عن الناس پڑھا، آپ نے فرمایا "میں نے معاف کر دیا" اب جاریہ کی زبان پر واللہ یحب المحسنین آیا، آپ نے فرمایا "جا میں نے تجھے آزاد کر دیا" (روح)۔ رسولِ اسلام کی زندگی تو خیر من و عن، قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی ہی۔ رسولؐ سے متعلق قرب و قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوسِ قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔ ۲۶۹ (قاعدہ شرعی کے مطابق) فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشہ کا اطلاق ہر گناہ کے لئے عام ہے، یہاں مراد وہ برائی ہے جو کسی دوسرے کے ساتھ کی جائے یعنی کسی حق عبد کی ادائی میں کوتاہی ہو جائے، الفاحشة مطلق علی کل معصیة (قرطبی) اصل الفحش مجاوزة الحد فی السوء (روح) الفاحشة الذنب الذی فیه..... (بحر) اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی حقوق اللہ کا اتلاف اگر ان سے ہو جائے۔ ولعل الفاحشة ما یتعدی و ظلم النفس ما لیس کذلك (بیضاوی) ظلم النفس ما بین العبد و بین ربه (بحر) ذَكَرُوا اللّٰهَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ نافرمانیاں ان سے پورے قصد و تعمد کے بعد خباثتِ نفس کی بنا پر سرزد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ احکامِ الٰہی کا ذہول اُن کے ذہن سے وقتی طور پر ہو جاتا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گاہ گاہ لغزشوں کا صادر ہوتے رہنا، قرب و تعلق مع اللہ کے منافی نہیں۔ اصل اور مقدم شے ہر غلطی اور کوتاہی کی تلافی اور تدارک کی فکر اور اس کی مناسب تدبیر ہے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا۔ استغفار صحیح و معتبر وہی ہے جو محض زبان سے نہیں دل کی حسرت و ندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ ہو کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہیں ہونے پائیگا ورنہ اگر ہاتھ میں تسبیح چل رہی ہے اور دل بدستور گناہوں سے لذت لے رہا ہے تو اکابر نے کہا ہے کہ یہ استغفار خود قابلِ استغفار ہے اور عجب نہیں کہ ایسے استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے۔ الاستغفار المطلوب هو الذی یحل عقد الاصرار و یثبت معناه فی الجنان لا التلفظ باللسان (قرطبی) روی عن الحسن البصری انه قال استغفارنا یحتاج الی استغفار (قرطبی) هذا یقوله فی زمانه فکیف فی زماننا هذا الذی یُری فیه الانسان قائما علی الظلم حریصا علیه لا یقلع والسبحة فی یده زاعما انه یستغفر الله من ذنبه . . . . واستخفاف (قرطبی) ۲۷۰ (یعنی اپنی کسی غلطی پر جان بوجھ کر ہرگز جمے نہیں رہتے) وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ گناہوں کی معافی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ رد ہے اس مسیحی عقیدہ کا کہ گناہوں کی معافی مسیحؑ بلکہ ان کے نائبوں کے اختیار میں ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل:۔ "جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے، میں تمہیں بھیجتا ہوں، اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور انسے کہا کہ روح القدس کو لو، جن کے گناہ تم بخشو، انکے بخشے گئے ہیں اور جن کے گناہ تم قائم رکھو، انکے قائم رکھے گئے ہیں" (یوحنا۔ ۲۰: ۲۱-۲۴) یَعْلَمُوْنَ۔ ای یعلمون قبح فعلهم (روح) والمراد لم یصروا عالمین (روح)

کس قدر نازک موقع پر اعتماد علی اللہ سے کام لیا تو فضلِ الٰہی نے تمہیں کیسے حیرت انگیز طریقہ پر کامیاب کر دکھایا۔ ۲۵۵ (جو آسمان سے خاص اسی غرض کے لئے اتارے گئے ہوں) اِذْ تَقُوْلُ میں ذکر اُس وقت کا ہے جب میدانِ بدر میں یہ خبر اُڑ گئی تھی کہ غنیم کو زبردست کمک پہنچ گئی ہے، اور آپؐ مومنین کو تسلی دے رہے تھے۔ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ۔ تمہارے لئے کافی نہیں۔ یعنی کیا تمہاری تسکین و تسلی کے لئے یہ کافی نہیں۔ یُمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ۔ امدادِ غیبی کے موقع پر صفتِ ربوبیت کا اظہار اور وہ بھی مخاطبین کی طرف اضافت کے ساتھ بہترین پیرایۂ بلاغت و اسلوبِ بیان ہے، آج کے ماہرینِ فنِ حرب پر بھی خوب روشن ہے کہ سپاہ کی ہمت قائم رکھنا ان کے **Morale** کا درست رکھنا جنگ میں کامیابی کا کتنا بڑا اور اہم عنصر ہے! ۲۵۶ (میدانِ جنگ میں اور اطاعتِ رسولؐ سے منہ نہ موڑو گے) غور کر کے دیکھ لیا جائے، سارا زور صبر و ثبات اور اطاعتِ رسولؐ پر ہے۔ جنگِ اُحد کے قبل اُمت کے سپہ سالارِ اعظمؐ نے جو خطبہ اپنی سپاہ کے سامنے دیا تھا، اور جو حدیث کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے، اس میں یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہے کہ:۔ "اگر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تمہی کو مظفر و منصور کرے گا۔ اپنے پروردگار پر اعتماد رکھو، ثابت قدم رہو، اور فتح تمہی کو نصیب ہو گی"۔ ۲۵۷ (اور اچانک حملہ کی حالت میں امدادِ "بشری" عادۃً ممتنع ہوتی ہے) یَاْتُوْکُمْ کے فاعل وہی مخالفین و معاندین ہیں۔ ای المشرکون (روح) مِنْ فَوْرِهِمْ۔ لفظۃ الفور تدل علی السرعۃ والعجلۃ (بحر) استعیر للسرعۃ (بیضاوی) ۲۵۸ مُسَوِّمِیْنَ۔ یعنی کسی امتیازی علامت کے ساتھ ممتاز۔ ای مُعْلَمِیْنَ بعلامات (قرطبی) رہا یہ امر کہ واقعۃً نزولِ ملائکہ ہوا

لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ
اور تمہیں اس سے دلجمعی حاصل ہو جائے، ورنہ نصرت تو بس زبردست اور
عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱۲۶ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ
حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے ۲۵۹ (اور یہ نصرت اس غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝۱۲۷ لَيْسَ
میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انہیں خوار کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائیں ۲۶۰ آپ کو
لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
اس امر میں کوئی دخل نہیں، (اللہ) خواہ ان کی توبہ قبول کرے، خواہ انہیں عذاب دے
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
اسلئے کہ وہ ظالم ہیں ۲۶۱ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا
اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۶۲، اے ایمان والو سود کئی کئی حصہ
الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح
تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱
پا جاؤ، ۲۶۳ اور اُس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۲۶۴

۱۳ ع ۹ / ۴

اور انہوں نے کافروں سے قتال کیا تو قرآن اس باب میں خاموش ہے، اور روایتوں میں قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ لم تتعرض الاٰیۃ الکریمۃ لنزول الملٰٓئکۃ ولا لقتالھم المشرکین وقتلھم بل ھو امر مسکوت عنہ فی الاٰیۃ (بحر) قال ابن عباس ومجاھد لم تقاتل الملائکۃ الا یوم بدر وقال بعضھم انما کانت الفائدۃ فی کثرۃ الملائکۃ انھم کانوا یدعون ویسبحون ویکثرون الذین یقاتلون یومئذ فعلٰی ھذا لم تقاتل الملائکۃ یوم بدر وانما حضروا للدعاء بالتثبیت والاول اکثر (قرطبی)۔ لا دلیل فیھا علٰی وقوع قتالھم ولا علٰی عدمہ لاحتمالھا الامرین بلا قال بعض (روح) عامر شعبی کی روایت ہے کہ مسلمانوں کو خبر یہ پہنچی تھی کہ مشرکین کی مدد کے لئے کرز بن جابر محاربی آرہا ہے، اس ڈر کو مسلمانوں کے دل سے دور کرنے اور انہیں ڈھارس بندھانے کے لئے ان سے کہا گیا کہ تمہاری کمک پر بھی تو فرشتوں کے جھنڈ موجود ہیں، لیکن اُدھر نہ کرز مع اپنی جماعت کے آیا اور نہ اِدھر فرشتوں کو قتال کی ضرورت پڑی۔ فبلغت الکرز الھزیمۃ فرجع ولم یمدھم بالخمسۃ (ابن جریر) فبلغ کرزا واصحابہ الھزیمۃ فلم یمدھم ولم تنزل الخمسۃ (ابن جریر) ۲۵۹ (نہ کہ فرشتوں، یا اور کسی مخلوق کی طرف سے) یہ گویا صاف طور پر بتا دیا کہ حقیقۃً متصرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے، فرشتے ہوں یا کوئی اور، کسی کا بھی ذریعۂ امداد ہونا سببِ ظاہری کے درجہ سے زیادہ نہیں، ملائکہ پرستی، دیوتا پرستی کی جڑ یہیں سے کٹ جاتی ہے۔ ضمناً اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اسلام کی کامیابی اور فتحمندی حقیقۃً تمامتر تائیدِ غیبی کا نتیجہ ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ میں ضمیر اسی وعدۂ امدادِ ملائکہ کی جانب ہے۔ الھاء للوعد والامداد (قرطبی) ای الامداد (روح) اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ۔ یعنی یہ تو فتح و نصرت کا صرف مقدمہ تھا۔ وَمَا النَّصْرُ سے مراد نصرتِ حقیقی و واقعی ہے۔ الْعَزِيْزِ۔ اس پر قادر کہ جب اور جیسے بلا اسبابِ ظاہر، بلکہ خلافِ اسبابِ ظاہر فتح دلا دے اور کامیاب کرا دے۔ الْحَكِيْمِ۔ عام فطرتِ بشری کی رعایت سے اسبابِ ظاہری کا جمع کر دینے والا۔ ۲۶۰ ذکر ابھی غزوۂ بدر کا چل رہا ہے۔ اور اشارات و تلمیحات اسی کی جانب ہیں۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا۔ قطع یہاں ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ اور ل کا تعلق نصرکم (آیت ماقبل) سے ہے۔ ونظم الاٰیۃ ولقد نصرکم اللہ ببدر لیقطع (قرطبی) ای لیھلک جماعۃ (راغب) لیھلک طائفۃ منھم (کشاف) لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی کافروں کو تمہارے ہاتھوں تباہ و ہلاک کرا دے جیسا کہ جنگِ بدر کے موقع پر ہوا، کہ قریش کے لیڈروں میں سے ستر کی تعداد میں اس روز قتل ہوئے اور اسی قدر قید بھی۔ يَكْبِتَهُمْ۔ یعنی دنیا کی نظروں میں ذلیل و رُسوا۔ ۲۶۱ (اور اس لئے فوری عذاب کے مستحق) روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے چند شدید اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بددعا کی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ یعنی انہیں قبولِ اسلام کی توفیق دیدے۔ اتنے ہی ٹکڑے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ مکہ کے کافروں میں سے کچھ ضرور ایمان لے آئیں گے، چنانچہ لے آئے۔ يُعَذِّبَهُمْ یعنی اسی دنیا میں عذاب دیدے۔ ۲۶۲ (سو معاملۂ مغفرت و رحمت کرنے کے لئے اسے کسی خاص سبب کی ضرورت ہی نہیں) يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اور یہ مغفرت اس کے عام قانونِ رحمت کے مطابق ہو گی۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ اور یہ عذاب اس کے خاص قانونِ حکمت کے ماتحت ہو گا۔ اللہ کی ملکیتِ آسمان و زمین پر حاشیے سورۂ بقرہ میں گزر چکے۔ ۲۶۳ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تقویٰ اور فلاح میں یہ لزوم بتا کر گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ فلاح و کامیابی یا دنیا میں عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا راز، احکامِ تقویٰ پر عمل کرنے میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ۔ لَعَلَّ کے لفظی معنی "عجب نہیں" کے ہیں۔ لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ لَعَلَّ جب وعدۂ الٰہی کے بیان میں آتا ہے تو اس کے مفہوم میں بجائے شک و تردد کے یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ترجمہ "تاکہ" سے صحیح ہوتا ہے۔ قال اھل التفسیر ان لَعَلَّ وعسٰی من اللہ للتحقیق (مدارک) لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا۔ یعنی سُودی کاروبار، لین دین کو بالکل حرام سمجھو، حُرمتِ سود پر حاشیے پارہ سوم میں ختم سورۂ بقرہ کے قریب گزر چکے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ سُود کم بخت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ آیت میں سود کے اسی دو گنے چوگنے ہو جانے والے وصف کی طرف اشارہ ہے، یہ مراد نہیں کہ سُود مرکب نہ لو اور سُود مفرد لے سکتے ہو۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت سے فرقۂ مرجئہ کا رد نکل رہا ہے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں، اور نہ مومن کے لئے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے، فیہ رد علی المرجئۃ فی قولھم لا یضر مع الایمان ذنب ولا یعذب بالنار اصلاً (مدارک) ۲۶۴ یعنی وہ جہنم کی آگ اصلاً ہے کافروں ہی کیلئے، کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کر کے اپنے کو ان کی لپیٹ میں نہ لے آنا۔ اکثر ائمۂ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کیلئے ہے، جو سُودخواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لئے حدودِ کفر میں داخل تھے۔ قال کثیر من المفسرین ھذا الوعید لمن استحل الربٰوا ومن استحل الربٰوا فانہ یکفر (قرطبی) وقال ابن عباس ھذا تھدید للمومنین لئلا یستحلوا الربٰوا (بحر) وقال الزجاج والمعنی اتقوا ان تحلوا ما حرم اللہ فتکفروا (بحر) امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت ہی زیادہ ڈرانے والی آیت ہے، کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقۃً کفر کی سزا ہے، ان لوگوں کو بھی ڈرایا گیا ہے جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے۔ کان ابوحنیفۃ یقول ھی اخوف اٰیۃ فی القراٰن حیث اوعد اللہ المؤمنین بالنار المعدۃ للکٰفرین ان لم یتقوہ فی اجتناب محارمہ (مدارک)

الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ 121
مسلمانوں کو قتال کیلئے مناسب مقامات پر لے جاتے ہوئے ۲۴۹ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۲۵۰
اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ
جب تم سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں ۲۵۱ درآنحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا
وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ 122 وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ
اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے ۲۵۲ اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی
اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
بدر میں حالانکہ تم پست تھے، تو اللہ سے ڈرتے رہو، عجب کیا کہ شکر گزار بن
تَشْكُرُوْنَ 123 اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ
جاؤ ۲۵۳ (وہ وقت یاد کیجیئے) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ
کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے
مُنْزَلِيْنَ 124 ۭ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ
کرے ۲۵۴ کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا ۲۵۵ اور گروہ تم پر فوراً
فَوْرِھِمْ ھٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ
آپڑیں گے ۲۵۶ تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے
الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ 125 وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى
کرے گا ۲۵۷ اور یہ تو اللہ نے اس لئے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ

۲۴۹ (دامن جبل اُحد کی طرف) اب ذکر جنگِ اُحد کا شروع ہو رہا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ بدر میں شکست کھائے ہوئے مشرکین مکہ جوشِ انتقام سے دیوانہ ہو رہے ہیں۔ ہجرت کا تیسرا سال قریب ختم کے تھا۔ اور واقعۂ بدر پر ایک سال گزر چکا تھا، کہ مکہ والوں کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اب کی تیاریاں بڑے انتظام و اہتمام کے ساتھ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی تھیں۔ قریش کی جمعیت ۳ ہزار کی تھی۔ ان میں ۷۰۰ جوان زرہ پوش تھے، ۲۰۰ سوار اور باقی شتر سوار تھے، قوم اور قبیلہ کے بڑے بڑے سردار سب ساتھ ہوئے، بڑی بات یہ کہ عورتیں بھی شریکِ جنگ ہوئیں۔ ہاتھوں میں باجے لئے ہوئے پُرجوش نظمیں پڑھتی جاتی تھیں اور مقتولین بدر کے انتقام پر اپنے عزیزوں، قریبوں کو خوب اُبھارتی جاتی تھیں۔ ——— جنگ میں عورتوں کی شرکت آج بیسویں صدی کی "جدت" نہیں۔ جاہلی مشرک قوموں کا پُرانا شعار ہے۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ رسول اللہ (صلعم) کی سواریٔ مبارک فوج بھر میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔ اس سے بڑھ کر ستم یہ ہوا کہ صبح سویرے عین اس وقت جب غنیم سامنے نظر آیا اور مسلمان اپنے مقدس امیر الجیش کے ساتھ ابھی نماز ہی میں مشغول تھے، عبداللہ بن اُبَیّ مدینہ کا پُرانا اور ذی اثر لیڈر یہ عذر کر کے کہ جب ہماری رائے نہیں سنی جاتی اور شہر کے اندر ہی محصور ہو کر نہیں لڑا جاتا تو ہم بیکار اپنی جانیں دوسروں کے کہنے پر کیوں دیں اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لے شہر کو واپس چلا گیا۔ لشکرِ اسلام کی کل جمعیت ۷۰۰ کی رہ گئی۔ ان میں بھی زرہ پوش کل ۱۰۰۔ مقابل فوج تعداد میں چوگنی سے زائد۔ اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی کہیں زیادہ آراستہ! وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ میں مِن عند کے معنی میں ہے اور آنحضرت اس وقت حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ کان الخروج من حجرۃ عائشۃ (روح) یعنی خرجت بالصباح من منزلك من عند عائشۃ (قرطبی) مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔ ترتیب صفوف اور مورچوں کی تناسب موضعیت کی اہمیت جس طرح سکندر و دارا کے زمانہ میں تھی، جدید فن حرب میں بھی بالکل مسلّم۔ اور ملٹری سائنس کی کتابوں میں "پوزیشن" Position کی اہمیت کی تشریح میں صفحہ کے صفحہ وقف رہتے ہیں، اُمت کا رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے علاوہ سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا۔ Tom Andre نامی بیسویں صدی کا ایک مسیحی مؤرخِ عرب ہے، وہ اپنی سوانح محمدؐ میں آپؐ کے اس کمال خصوصی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے۔ . . . محمدؐ نے کہنا چاہیئے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند جیوٹ کے مقابلہ میں محمدؐ نے خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و انضباط سے کام لیا۔" (ص ۲۰۳) (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مولانا شبلی مرحوم نے الفاظ کے ذریعہ سے گویا پورا نقشہ اُحد کا کھینچ دیا ہے:۔ "آنحضرت صلعم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، مصعب بن عُمیر کو علم عنایت کیا، زبیرؓ بن عوام رسالہ کے افسر مقرر ہوئے حضرت حمزہؓ کو اس حصۂ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں، اس لئے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا۔ اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے، تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، عبداللہ بن جبیر ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی، میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیر اندازوں کے دستے الگ تھے، جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، اور سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۷۳ طبع اول) ۲۵۰ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ سمع و علم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس وقت مخالفین و موافقین جو کچھ اپنی اپنی جگہ پر کہہ سُن رہے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا، اور اس موقع پر مخالفین و موافقین دونوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس میں سے کوئی شئی اس سے مخفی نہ رہی۔ ۲۵۱ (اور جنگ سے الگ ہو بیٹھیں۔ لیکن اس ارادہ پر عمل نہیں کرنے پائیں) ھَمَّتْ۔ ھَمٌّ کے معنی عربی میں پختہ قصد و عزم کے بھی ہیں اور محض خفیف سے خیال اور شائبۂ قصد کے بھی، یہاں مراد یہی آخری معنی ہیں الھمُّ قد یُرادُ بہ العزم وقد یراد بہ الفکر وقد یراد بہ حدیث النفس (کبیر) والظاھر ان ھذا الھم لم یکن عن عزم بل کان مجرد حدیث نفس و وسوسۃ (روح) طَّاۗىِٕفَتٰنِ ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں۔ الطائفتان بنو سلمۃ من الخزرج وبنو حارثۃ من الاوس (ابن ہشام) ان دونوں دستوں نے عبداللہ بن اُبَیّ کی مثال دیکھ کر آن کی آن کمزوری اور بدہمتی محسوس کی لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی، اور وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ اور یہ خیال بھی جو انہیں پیدا ہوا، اپنی قلتِ تعداد، قلتِ سامان، غرض ضعفِ مادّی کی بنا پر پیدا ہوا نہ کہ ضعفِ ایمان سے۔ انما کلہ ذلك منھما من ضعف او وھن اصابھما من غیر شك فی دینھما (ابن ہشام) انیسویں صدی عیسوی کا انگریز باسورتھ اسمتھ ابتدائی غزواتِ اسلام سے متعلق جو عموماً تاریخی استناد رکھتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ مظاہرے اخلاص و ایثار و شجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں (محمد اینڈ محمڈنزم ص ۲۰۰) ۲۵۲ (چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے دستگیری کی اور اپنا فضل قائم رکھا) آیت ان دونوں ٹکڑیوں پر اظہارِ عتاب کے لئے نہیں، اظہارِ عنایت خاص و التفات کے لئے ہے۔ حافظھما وولاھما عن ذلك (ابن عباسؓ) ۲۵۳ (اور چاہیئے کہ آئندہ یاس و بدہمتی کے جذبات کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں) توکل طریقت کے اعلیٰ صفات میں سے ہے اور محققین صوفیہ نے اس کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ ۲۵۴ (یعنی تقویٰ کی عادت تمہیں شکر گزار بنا دے گی) بَدْرٍ۔ مدینہ کے جنوب و مغرب میں کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔ اس وقت اسے اہمیت اس لئے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا قابلِ ذکر تصادم بروز جمعہ، ۱۷ رمضان ۲ ہجری (۱۱ مارچ ۶۲۴ء) کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے گویا اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی پلٹ دیا تھا۔ فرنگی مؤرخین بھی اس کی اہمیت کے پوری طرح قائل ہیں۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے، "فتوحاتِ اسلامی کے سلسلہ میں جنگِ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے" (جلد ۸ ص ۱۲۱) اور امریکی پروفیسر ہِٹی Hitti کی "ہسٹری آف دی عربس" میں ہے:۔ "یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مُبین تھی" (ص ۱۱۶) وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ مسلمان تعداد میں کل ۳۱۳ تھے، اس "فوج" کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ ۷۰ کی تعداد میں، انہی پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ ای بقلۃ العدد والسلاح (جلالین) معناھا قلیلون (قرطبی) فی حالۃ قلۃ وذلۃ (بحر) یعنی ما کانوا علیہ من الضعف وقلۃ السلاح والمال والمرکوب (بحر) فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی جیسا کہ ابھی واقعۂ بدر کی مثال میں تم نے دیکھ لیا۔ تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کر دیا، تو ادھر سے فضلِ باری اور نصرتِ الٰہی نے بھی کیسی دستگیری کی۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ۔ خطاب مومنین سے ہے، انہیں مستقبل میں ثابت قدم رکھنے کے لئے ماضی قریب سے نظیر لائی جا رہی ہے، کہ دیکھو ابھی پچھلے ہی سال تم نے

۲۴۲ یعنی ان کی مخفی عداوت کا درجہ تو اس سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ فقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔ اس کے اندر گہری تعلیم کی بات کی آگئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلموں کا حقیقی دوست اور ہوا خواہ ہو نہیں سکتا۔ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ شدتِ عداوت میں غیر اختیاری طور پر زبان تک بھی ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ اشارہ زیادہ تر یہودِ مدینہ کی جانب ہے۔ یہ لوگ اب اپنا بغض اسلام مسلمانوں سے چھپا بھی نہیں رکھ سکتے تھے اور بے اختیار ان کی زبانوں پر ظاہر ہو ہی جاتا تھا ۲۴۳ آیت کے معنی دو طرح پر کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کافروں کے بغض و عداوت کے آثار و علامات تم پر روشن ہوگئے ہیں، جن سے تم انہیں فوراً پہچان سکتے ہو۔ ثم بیّن اللہ تعالیٰ ان اظہار ھذہ الاسرار للمومنین من ..... علیھم اکبر) دوسرے معنی یہ کہ تمہارے لئے اُن سے ترک موالات کی آیتیں کھول کر بیان کی جاچکی ہیں۔ ای اظہرنا لکم الآیات الدالۃ علی النھی عن موالاۃ اعداء اللہ تعالیٰ و رسولہ (روح) الدالۃ علی موالاۃ المومنین معاداۃ الکافرین (بیضاوی) ۲۴۴ یعنی ساری کتب الٰہی پر الکتٰب بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ و الکتاب اسم جنس قالہ ابن عباس (قرطبی) بجنس الکتاب کلہ (بیضاوی) تُحِبُّوْنَهُمْ یہ مسلمانوں کی سادہ دلی اور نیک طبعی کا ذکر ہے۔ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ یہ محبت تو تم سے کیا رکھتے۔ اُلٹے عداوت رکھتے ہیں، اور تمہاری کتاب الٰہی کے منکر ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو اُن کی کتابوں تک پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ پھر بھی تم سے کسی درجہ میں بھی علاقۂ محبت نہیں رکھتے۔ ۲۴۵ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔ غصہ سے اُنگلیاں کاٹ کاٹ کھانا عربی محاورہ میں کنایہ شدید جھنجھلاہٹ سے ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں اپنی بوٹیاں نوچنا" "بوٹیاں چبانا" "دانت پیسنا" وغیرہ۔

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ
اُن کے دل چھپائے ہوئے ہیں، وہ اور بھی بڑھ کر ہے ۲۴۲ ہم تو تمہارے لئے نشانیاں کھول کر ظاہر کر چکے
كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ
ہیں ۲۴۳ اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو، تم تو ایسے ہو کہ اُن سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا محبت
وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ
نہیں رکھتے، تم کتاب (آسمانی) پر انکے کُل کے کُل پر ایمان رکھتے ہو ۲۴۴ اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم
وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ
ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر (شدتِ) غیظ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں ۲۴۵ آپ
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
کہہ دیجیے کہ تم غیظ میں مر رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا
الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ
ہے ۲۴۶ اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے تو یہ اِن لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر تم پر
تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
کوئی بُری حالت آپڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں ۲۴۷ اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کئے رہو تو
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، بیشک اللہ ان کے اعمال پر (پورا) احاطہ
مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ ع ۱۲ ۱۱ ۲
رکھتا ہے، ۲۴۸ اور وہ وقت یاد کیجیے جب آپ صبح کو اپنے گھر والوں (کے پاس) سے نکلے

ذکر منافقین مدینہ کا ہے یعنی المنافقین (قرطبی) ۲۴۶ (چنانچہ اس نے تمہارے دلوں کے اندر کے کینہ اور عداوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے) مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ یعنی شدت ناکامی و نامرادی میں مر رہو، اس لئے کہ جو تمہاری تمنا ہے یعنی اسلام کی مغلوبیت، ہزیمت وہ پوری ہونے کی نہیں۔ ۲۴۷ منافقوں کی خباثت نفس اور کینہ پروری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور اُن کی خوشی اور خوشحالی سے رنجیدہ۔ حَسَنَةٌ مسلمانوں کی اندرونی تنظیم یا کافروں پر اُن کی فتح و غلبہ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً کوئی ہنگامی شکست۔ ۲۴۸ (اللہ اُن کی سزا پر ہر طرح قادر ہے) وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ منافقین کے کید و مکر اور شدید مخالفین کے عناد و مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا کتنا آسان اور سہل الحصول نسخہ یہاں مسلمانوں کو بتادیا گیا ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ استقامت علی الحق کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ صبر و تقویٰ، ان دو مختصر سے عنوانات کے اندر ساری تنظیمی جد و جہد و مشغولیت کس ایجاز و جامعیت کے ساتھ آگئی۔ آیت میں اس کی تعلیم بھی آگئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے بہترین حربہ صبر و تقویٰ کا ہے۔ ھذا تعلیم من اللہ و ارشاد الی ان یستعان علی کید العدو بالصبر والتقویٰ (مدارک)۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ۲۳۸ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا
لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ
ہرگز ان کے ذرا بھی کام اللہ کے مقابلہ میں نہ اُن کے مال آئیں گے نہ اُن کی اولاد
اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے
خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ
رہیں گے ۲۳۹ یہ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں
الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا
اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک ہوا ہے جس میں سخت سردی ہے (اور) وہ ایسے لوگوں
اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ پھر وہ (ہوا) اس کھیتی کو برباد کر دے تو
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۲۴۰ اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو گہرا دوست
بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا
نہ بناؤ ۲۴۱ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی بات اُٹھا نہیں رکھتے اور تمہارے دکھ پہنچنے
عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا
کی آرزو رکھتے ہیں، بغض تو اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جو کچھ

۲۳۸ (اور چونکہ یہ پرہیزگار ہیں، اس لئے انہیں بھی خوب جانتا ہے، یہ خیال نہ گزرے کہ کوئی متقی اللہ تعالیٰ کے علم میں آجانے سے رہ جائے گا۔ غیر قوموں کے عقائد کی تردید کے لئے اس جزء کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۔ یعنی کہیں نہ سمجھ لینا کہ جب ماضی خراب رہ چکا ہے تو اب نجات و مغفرت کی امید ہی کیا اور اب ایمان و حسن عمل سے حاصل کیا؛ غیر مذہب والوں نے ایسے ہی عقائد گڑھ رکھے تھے۔ اس لئے تنبیہ ضروری تھی۔ يُّكْفَرُوْهُ میں ضمیر عمل خیر کے اجر و ثواب کی جانب ہے۔ ای لن تجحد واثوابہ (قرطبی) ای لن تمنعوا ثوابه وجزاءه (کبیر)
۲۳۹ اُولٰٓئِكَ سے مراد ایمان سے محروم کفار ہیں۔ اور چونکہ اس لفظ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اہل سنت نے اس آیت سے معتزلہ کے خلاف استدلال کیا ہے کہ یہ خلودِ نار کی سزا صرف کافروں کے لئے ہے۔ گنہگار مومنین کے لئے نہیں ولما افادت هٰذه الكلمة معنى الحصر ثبت ان الخلود فى النار ليس الا للكافر (کبیر) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ مال کو بطور کفارہ یا توبہ پیش کر کے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہود کے جو غلط سلط عقیدے اس باب میں ہو چکے تھے، ان کا ذکر پارۂ اوّل کے حاشیوں میں آچکا ہے۔ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۔ ہندوؤں اور چینیوں میں یہ گمراہی خاص طور پر بڑھی ہوئی ہے۔ اولادِ نرینہ کی اہمیت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ لڑکا ہی مرے ہوئے باپ کو پانی دے دے کر عذاب سے چھڑا لیتا ہے۔ منوجی کا یہ قول کتابوں میں نظر سے گزرا ہے کہ بیٹے کو سنسکرت میں "پُتر" کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ باپ کو "پت" (دوزخ) سے چھڑا لاتا ہے۔
۲۴۰ آسان اور عام فہم مثال میں اُن لوگوں کے مال کے ضائع جانے کو بیان کیا ہے جو ایمان سے محرومی کی حالت میں اس دنیا کے حصول کے لئے ریا و ناموری کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ كَمَثَلِ مثال ضائع جانے اور عبث ہونے میں ہے۔ صِرٌّ ۔ سخت ٹھنڈی چیز کو کہتے ہیں جیسے پالا یا برف۔ قال ابن عباس الصر البرد الشديد (قرطبی) قال اکثر المفسرين واهل اللغة الصر البرد الشديد۔ قال ابن زيد (کبیر) ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان پر ظلم کیا یعنی کفر اور بے دینی کر کر کے۔ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کے صرفِ مال کو خواہ مخواہ لاحاصل اور ضائع کر دیا۔ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ وہ خود ہی تو اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ مال کو بے محل اور خلافِ قانونِ الٰہی خرچ کر رہے ہیں۔
۲۴۱ (ایسا کہ اس سے اپنے ذاتی اور ملّی راز کہہ ڈالو) مِنْ دُوْنِكُمْ ۔ یعنی بجز اپنی ملّت والوں کے ۔ بِطَانَةً ۔ کہتے ہیں رازدار دوست کو۔ ای مختصا بكم يستبطن امور کم (راغب) بطانة الرجل خاصته الذين يستنبطون امره (قرطبی) قانونِ اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم کو یا اسلامی اسٹیٹ کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملّت دونوں کو ضرر کے اندیشہ اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور اس صریحی، معقول، مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے "تنگ نظری" رکھا ہے ـــــــــ سبحان اللہ! امراض وبائی میں پرہیز و احتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ "اصولِ حفظانِ صحت" رکھا جائے، اور جو انتظام کفر و طغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لئے کیا جائے اس کا نام "تنگ نظری" پڑ جائے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ فقہاء مدینہ بلکہ فقہاء حجاز نے عموماً آیت سے استنباط کیا ہے کہ دشمن کی شہادت دشمن کے حق میں معتبر نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جائز ہے۔ وفى هٰذه الاٰية دليل على ان شهادة العدو على عدوه لا تجوز وبذالك قال اهل المدينة والحجاز وروى عن ابى حنيفة جواز ذالك (قرطبی) افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع ہی سے برتنی شروع کر دی اور ابھی رسول اللہ صلعم کے زمانہ کو چند صدیاں بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا، امام قرطبیؒ کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ حسرت، قلق اور درد کے لہجہ میں لکھتے ہیں۔ وقد انقلبت الاحوال فى هٰذه الازمان باتخاذ اهل الكتاب كتبة وامناء وتسودوا بذالك عند الجهلة الاغنياء من الولاة والامراء۔ یہ حال جب اُس زمانہ کا تھا تو آج چودھویں صدی ہجری میں جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کافروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے صورتِ حال پر اظہارِ خیال کن لفظوں میں کیا جائے! فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ کافروں سے تشبہ تک جب جائز نہیں تو اُن کے ساتھ مصاحبت تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ لا خلاف بين علمائنا ان المراد به النهى عن مصاحبة الكفار من اهل الكتاب حتى نهى عن التشبه بهم (ابن عربی)

۲۳۲ بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی و ذلت پر حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں مفصّل گزر چکے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ یعنی ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی عزتوں سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا ۔ ابھی دو ہی چار سال اُدھر یہُود کی جو گت جرمنی میں ہنگری میں، اٹلی میں زیکو سلاویکا میں اور دُوسرے ملکوں میں باوجُود ان کی اس خوش حالی و امارت کے بن چکی ہے وہ آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے ان کی ایسی آبادی مُراد ہو سکتی ہے جسے خود شریعتِ الٰہی نے قتل، ہلاکت اور تعزیری ، انتقامی کارروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے، ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد، درویش وغیرہ۔ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے مُراد ان کی وہ جماعتیں ہو سکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کر لیتی ہیں۔ حبل کے معنی پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔ مراد عہد و ذمّہ سے ہے۔ الحبل العهد والذمة والامان (لسان) و حبل میں و عطف کے لئے نہیں بلکہ او کے معنی میں ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے
اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا
ہیں ۲۳۳ اور ان پر پستی لپس دی گئی یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ وہ
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ
اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جاتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ (سب)
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ
اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے نکل نکل جاتے تھے ۲۳۴ سب یکساں نہیں (نہیں)
مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اہلِ کتاب میں ایک جماعت قائم ہے، یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقاتِ شب میں
اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں ۲۳۶ یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ
روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ
ہیں ۲۳۷ اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے،

۲۳۳ یعنی حدود عبدیت و طاعت سے۔ یہُود کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کی داستان سے عہد عتیق، عہد جدید اور خود یہُود کی لکھی ہوئی تاریخیں سب بھری پڑی ہیں۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ دونوں موقعوں پر فعل کے ساتھ كَانُوْا لانے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی استثنائی یا اتفاقی واقعہ ان کی زندگی میں نہ تھا، بلکہ کفر و عدوان ان کی قومی خصلت بن گئے تھے، انکی سرشت کے جزو بن گئے تھے۔ وہ ان چیزوں کے عادی بن گئے تھے۔ عَصَوْا۔ نافرمانی ان لوگوں نے اپنے رسُولوں ہی کی نہیں کی بلکہ آخر میں خاتم رُسل کی بھی کی بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی انبیاء کو خود اپنے معیار عدل و قانون کے بھی خلاف ہی قتل کرتے تھے۔ مسکنت، قتل انبیاء، کفر بآیات اللہ وغیرہ پر مفصّل حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں گزر چکے۔ ۲۳۵ (اپنی حق ناشناسی اور اسلام سے متعلق اپنے طرز عمل کے لحاظ سے) لیس اهل الكتاب مستويا (بحر) والضمير لاهل الكتاب (بیضاوی) اُوپر جو کچھ ذکر ہوا۔ اہل کتاب کی یہ اکثریت کا تھا، باقی ان میں سے بعض بعض حق شناس، انصاف دوست بھی تھے اور وہ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو کر رہے۔ ۲۳۶ یعنی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ والمراد هم يصلون (روح) يصلون عن الفراء والزجاج (قرطبی) نمازِ شب کے فضائل آیت سے ظاہر ہیں۔ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ یہ وہ جماعت تھی جو دینِ حق پر قائم و ثابت رہی۔ ای المستقیمة العادلة (بیضاوی) انها ثابتة على التمسك بالدين الحق ملازمة له (کبیر) اٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی قرآن کی آیات۔ والمراد يقرءون القراٰن (روح) مفسّرین نے یہاں عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید اسید بن سعیہ اسد بن عبید وغیرہم کے نام درج کئے ہیں جو یہودیت سے ایمان لائے تھے ۲۳۷ قرآن مجید جنہیں صالح قرار دیتا ہے۔ ان کے اوصاف و خصوصیات یہاں کس جامعیت و ایجاز کے ساتھ ارشاد کر دیئے گئے ہیں۔ پہلی بات یہ بتائی کہ وہ ایمان میں کامل ہوں گے، جو کچھ بھی خرچ کریں گے، مقصد صحیح کے ساتھ اور راہِ حق میں کریں گے، دُوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ لوگ نہ صرف خود ہی ایجابی و سلبی ہر حیثیت سے اخلاق اور پاکیزہ کرداری کے پتلے ہوں گے بلکہ دُوسروں کو بھی اسی راہ پر لائیں گے اور لگائیں گے اور نیکیوں کی طرف دلی شوق و رغبت کے ساتھ بڑھیں گے۔ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یعنی نیکیوں کی طرف بے دلی اور بدشوقی کے ساتھ گویا ہار اور تھک کر نہیں، بلکہ بڑے شوق و اشتیاق، چاؤ اور رغبت کے ساتھ لپکیں گے۔ المسارعة فى الخير ناشئة عن فرط الرغبة (بحر) مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کے معنی مع الصالحین کے بھی کئے گئے ہیں (قرطبی)

هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ (۱۰۷) تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ
اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں تم کو ٹھیک ٹھیک
بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِينَ (۱۰۸) وَلِلّٰهِ مَا
پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا ۲۲۴ اور اللہ ہی کی
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (۱۰۹) ع ۱۱/۲
ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف سارے امور لوٹائے جائیں گے ۲۲۵
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے ۲۲۶ تم بھلائی کا حکم دیتے
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۗ
ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۲۲۷
وَلَوْ اٰمَنَ أَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ
اور اہلِ کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں کہیں بہتر ہوتا ۲۲۸ اُن میں سے
الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ (۱۱۰) لَن يَضُرُّوكُمْ
(کچھ تو) ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں ۲۲۹ وہ تم کو بجز خفیف اذیت کے
إِلَّا أَذًى ۖ وَإِن يُقٰتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا
ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے ۲۳۰ اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے ۲۳۱ پھر
يُنصَرُونَ (۱۱۱) ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ
انکی مدد بھی نہ کی جائیگی ۲۳۲ ان پر لیس دی گئی ہے ذلت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوا اسکے کہ اللہ کی طرف

۲۲۴ (اس لئے اس کے فیصلے ہمیشہ عادلانہ اور حکیمانہ ہوتے ہیں) اسلام کا خدا تمامتر رحیم ہے۔ عادل ہے۔ شفیق ہے۔ مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم و خونخوار نہیں ہے۔ قرآن مجید کو بار بار خداوند تعالیٰ کی تنزیہ کا اثبات ان صفات ذمیمہ سے کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور تو اور توریت تک کے خدا میں صفات قہری کہیں زیادہ زور و قوت کے ساتھ جلوہ گر نظر آ رہے ہیں۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ای بالصدق (قرطبی) ۲۲۵ (اور کوئی دیوی دیوتا نہ اس مرجعیت امور میں اس کا شریک و سہیم ہے نہ آسمان و زمین کے کسی جز کی ملک و تصرف میں) جاہلی قوموں کی ان گمراہیوں کا ذکر پچھلے حاشیوں میں بار بار آ چکا ہے۔ تُرْجَعُ الْأُمُورُ میں تاکید اس امر کی ہے کہ آخری فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ناطق ہو گا، کسی کو بھی اس میں دخل دینے کی مجال نہیں ۲۲۶ یعنی تم تو اس لئے بنائے گئے ہو کہ لوگ تمہارے نقشِ قدم پر چلیں۔ تم ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہو۔ خطاب اُمتِ محمدیؐ اور ملتِ اسلامی سے ہے۔ كُنتُمْ۔ کان یہاں یا تو زائد ہے یا تامہ استعمال ہوا ہے اور اگر ناقصہ ہے جب بھی مراد دوام نسبت ہے۔ قیل هو کان التامة المعنی خلقتم ووجدتم خیر امة وقیل کان زائدة المعنی انتم خیر امة (قرطبی) لا یراد ههنا الدلالة علی معنی الزائد وانقطاع النسبة بل المراد دوام النسبة (بحر) ۲۲۷ (پورا پورا جیسا کہ حق ہے ایمان باللہ کا) آیت کے اس جزء میں اُمتِ اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل و مکمل ہونے کا پورا فوٹو آ گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو تم توحید کے امانت دار ہو۔ زمین پر اللہ کے نائب و خلیفہ ہو۔ بہ طور اس کی پولیس کے ہو الٰہی قانون کے نفاذ و تحفظ کے لئے، دنیا کے نظامِ عدل کو برقرار رکھنے کیلئے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کو چلاؤ، نظامِ حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظامِ باطل کا دور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال (اگزیکٹو) جماعت کو جدال و قتال کی آزادی نہ ملتی! بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود و تعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جا رہا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیدیں تو وہ ملک کے محسن۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اُن کا شکریہ واجب۔ لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانونِ الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امنِ عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دار و گیر کریں تو "روشن خیالی" کے جبینِ تحمل پر شکن آ جائے اور "تہذیب" کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے۔ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔ منکر کے تحت میں آج کے شراب خانہ اور تھیٹر، سینما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آ جاتے ہیں، آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمت کی خیریت و افضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی و سلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہے ۲۲۸ (حالاً بھی اور مآلاً بھی۔ فی الفور بھی اور بہ لحاظ انجام کار بھی) یہ ایمان لے آنا تو ان اہلِ کتاب کا فرض ہی تھا اور عملی مثال مسلمانوں کی دیکھ بھی رہے تھے ۲۲۹ فَاسِق یہاں کافر کے معنی میں ہے۔ یعنی حدِ عبودیت سے باہر نکل جانے والے۔ کامل فی فسقه متمرد فی کفره (بحر) عبر عن الکفر بالفسق (روح) ای الکافرون (معالم) الضلالة الکفر الفسق العصیان (ابن کثیر) مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ۔ اس گروہ میں عبداللہ بن سلام یہودی کی طرح دوسرے اہلِ کتاب بھی داخل ہیں جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ ہی میں ایمان لے آئے تھے ۲۳۰ اشارہ ہے یہود کی طرف۔ جن کا خاص مدینہ اور حوالی مدینہ میں بڑا زور و غلبہ تھا۔ آپؐ نے وقوع سے بہت قبل پیشگوئی کر دی کہ یہود اپنے بڑے بڑے مضبوط قلعوں کے باوجود، بڑے بڑے خزانوں کے مالک ہونے کے باوجود مسلمان کو ہرگز کوئی قابلِ ذکر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اَذًى ضرر کے مقابلہ میں بہت ہلکی اور چھوٹی چیز ہے۔ ای ضررًا یسیرًا کطعن و تهدید (بیضاوی) الاذی بمعنی الضرر الیسیر (روح) ۲۳۱ یعنی اگر وہ اتنی ہمت کر ہی جائیں کہ تم سے مقابلہ و مقاتلہ کو آئیں تو ہرگز غلبہ نہ پا سکیں گے بلکہ اُلٹی شکست کھا کر بھاگیں گے۔ یہ ایک پیشگوئی نہیں۔ مجموعہ ہے کئی پیشگوئیوں کا۔ اور سب کی سب ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف پوری طرح پیشگوئیاں صحیح نکلیں۔ بنو قریظہ۔ بنو نضیر۔ بنو قینقاع۔ یہودِ خیبر سب کے باب میں اس جزم کے ساتھ بجز خدائے علیم و خبیر کے اور کون جرأت بھی ایسی پیشگوئیوں کی کر سکتا تھا ۲۳۲ ایک اور پیشگوئی۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ خود مظفر و منصور ہونا الگ رہا، عرب کے جن مشرک قبیلوں کی حمایت کا غرہ ان یہود کو ہے، اُن میں سے کوئی ان کی مدد کو بھی تو نہ آئے گا اور نہ مدینہ کے منافقین ہی ان کے کام آ سکیں گے۔

۲۱۹ (دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامی مرحمت کرکے) دُنیا میں یُوں ایک انقلابِ عظیم برپا کردینا اسلام کا معجزہ ہی تھا۔ اس کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کررہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ
تفسیر انگریزی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوت حدِ ضرب المثل تک پہنچی ہُوئی تھی اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت، اخلاص
بھی بے نظیر رہا۔ جہاں کی مکّی کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا۔ وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر وشکر کرادیا کہ دونوں واقعی آپس میں بھائی بھائی معلوم ہونے لگے
برٹانیکا اور گبن دونوں کے صفحات میں اس کا اعتراف موجُود ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ ذکر زمانۂ قبل اسلام کا ہے کہ اس وقت عقائد
واعمالِ مشرکانہ کی بنا پر اہلِ عرب دوزخ کے کنارہ تک پہنچ ہی چکے تھے ۲۲۰ کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانہ پر تو یہ فرض ہر فردِ اُمّت کا ہے۔ لیکن یہاں مقصُود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت
خاص اسی کام کے لئے ہو۔ اس کا کام ہی یہی ہو کہ خلق کو دعوتِ خیر دے۔ معروف (بھلے کاموں) کی طرف بُلائے مُنکَر (بُرے کاموں) سے روکے۔ اُمَّةٌ۔ یہ بھی کمالِ رحمت اور ضعفِ بشری

مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
اُس سے بچالیا[۲۱۹]۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سُناتا رہتا ہے تاکہ تم
تَهْتَدُوْنَ ۝١٠٣ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
راہ یاب رہو اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بُلایا کرے
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ
اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا
پورے کامیاب یہی تو ہیں [۲۲۰] اور ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جنہوں نے
وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
بعد اس کے کہ انہیں شواہد پہنچ چکے تھے باہم تفریق کرلی اور مختلف ہوگئے [۲۲۱] عذاب عظیم
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٥ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ
انہی کو تو ہوتا ہے اس روز (جس روز) بعض چہرے سفید ہوںگے اور بعض
وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ
چہرے سیاہ ہونگے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہونگے اُن سے کہا جائے گا کہ کیا تم ہی کافر
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝١٠٦
ہوگئے تھے اپنے ایمان کے بعد؟[۲۲۲] سو عذاب چکھو اپنے کفر کی پاداش میں
وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
اور جن کے چہرے سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے [۲۲۳]

کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری اُمت کے بجائے اس
فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ہی کو مامُور کیا گیا، ورنہ اس
فریضہ کی ادائی کے لئے جن اوصاف اور شرائط کی
ضرورت ہے کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم
ہوتے ۲۲۱ (توحید، رسالت، وحی، جزاوسزا
وغیرہ اُصُولی و بُنیادی عقائد کے باب میں) كَالَّذِيْنَ
مُراد سابق اہلِ کتاب، یہُود و نصارٰی ہیں۔ یعنی
الیهود والنصارٰی فی قول جمهور المفسرین
(قرطبی) تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی از
راہِ نفسانیت و شرارت وحدتِ دینی کو پارہ پارہ
کردیا اور اپنے الگ الگ مذہب گڑھ لئے۔ مسائل و
جزئیاتِ احکام میں اختلاف جو اخلاصِ نیت کے
ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہو، وہ اسلام میں ہرگز ممنوع
نہیں، بلکہ وہ تو اُمّت کے حق میں عین رحمت ہے،
اختلاف مذاق وطبیعت کی بنا پر کسی کو کسی مسلک
میں آسانی معلوم ہوتی ہے اور کسی کو کسی میں۔ الْبَيِّنٰتُ
اس کے تحت میں احکام، دلائل، معجزات سب آگئے
۲۲۲ یہ خطاب اہلِ دوزخ سے تو بہرحال ہوگا،
گفتگو اس میں ہوتی ہے کہ ان سب سے ہوگا یا اُن کے
صرف بعض گروہوں سے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب
منافقین سے ہوگا اور ایمان سے یہاں مُراد اظہارِ
ایمان ہے۔ هم المنافقون (ابنِ جریر۔
عن الحسن) ایک قول ہے کہ مخاطب اہلِ کتاب ہیں اور
حجت ان پر قائم کی جائے گی کہ تمہاری کتابوں میں نبی
آخر الزماںؐ کا ذکر پُوری طرح موجُود اور پھر تم مُکر
گئے۔ المراد اهل الكتٰب (کبیر عن عکرمہ
والاصم والزجاج) بعض اہلِ نظر نے ترجیح اسی قول کو
دی ہے۔ والظاهر من السياق والسباق
ان هؤلاءِ اهل الكتاب (رُوح) ابنِ جریر نے بعض تابعین سے استناد کرکے یہ شق اختیار کی ہے کہ خطاب سارے کافروں کے لئے عام ہے اور جس ایمان کا یہاں ذکر ہے وہ
اظہارِ ایمان عالم ارواح میں عہدِ الست کے وقت کا ہے۔ هو الايمان الذى كان قبل الاختلاف فى زمان آدم (ابنِ جریر۔ عن اُبَی بن کعب) عنى بذلك جميع اهل
الکتاب (ابنِ جریر) تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ۔ یوم حشر تو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا، ضرور ہے کہ اہلِ حق کے چہرے اس دن انوارِ حق سے چمکتے جگمگاتے نظر آئیں۔ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ کشفِ حقائق
کے وقت یہ بالکل قدرتی ہے کہ اندر کی سیاہیاں اور باطن کی کدُورتیں نکل نکل کر اہلِ باطل کے چہروں پر چھا چھا جائیں۔ عربی محاورہ میں ابیضاض وجہ اور اسوداد وجہ سے مُراد
محض مسرّت، غم بھی ہوسکتی ہے ۲۲۳ اور اسی محل رضا و محل رحمت کا نام جنّت ہے۔ جنّت کی ایک ایک نعمت کو قرآن مجید نے محلِ ترغیب میں ذکر کیا ہے۔ وہ رضائے الٰہی سے الگ کوئی
چیز نہیں، جیسا کہ جاہل صوفیہ اور گُستاخ شاعروں کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔

سے منکر تھے ہی اب ان کی جرأتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ طرح طرح کے مکر و فن سے دُوسروں کو بھی دینِ حق سے ہٹانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا۔ یہود مسلمانوں کے آپس میں طرح طرح کی مخفی فتنہ انگیزی اور مفسدہ پردازی کرتے رہتے تھے کہ اگر اور کچھ نہیں بن پڑتا تو یہی ہو کہ یہ آپس میں مرکٹ کے تباہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مجمع میں جہاں مدینہ کے دونوں مشہور اور جنگجو قبیلوں اوس اور خزرج کے مسلمان جمع تھے ایک یہُودی شماس بن قیس نے اُن کی عہدِ جاہلیت کی مشہور لڑائی جنگِ بعاث کے پُرجوش جنگنامہ کے اشعار پڑھوا دیئے۔ دلوں میں گزشتہ عداوتوں کی یاد تازہ ہو گئی اور فریقین قدرۃً بھڑک اُٹھے اور عین موقع پر اگر رسول اللہ صلعم خود تشریف نہ لے آتے تو خانہ جنگی شروع ہی ہو چکی ہوتی۔ تَبۡغُوۡنَهَا میں ضمیر مؤنث غائب سبیل کی طرف ہے۔ الھاء فی تبغونھا عائدۃ الی السبیل (کبیر) وَاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ۔ یعنی تمہارا ضمیر خود گواہی دے رہا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے ٢١٢ف (عقیدۃً نہ سہی عملاً سہی۔ تو یہ عملی ارتداد بھی کیا کم ہے) اِنۡ تُطِيۡعُوۡا۔ یعنی اگر اپنے عقائد و اعمال میں ان لوگوں سے متاثر ہونے لگو گے۔ فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ۔ یہ نام کے تو اہلِ کتاب ہیں لیکن تلے ہُوئے ہیں عداوتِ اسلام پر ٢١٣ف مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے دینِ حق سے ارتداد کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تم میں قرآن اور سُنّتِ رسولؐ موجُود و محفوظ ہے؟ ذٰلك لان تلاوۃ اٰیات اللہ علیھم حالاً بعد حالٍ مع کون الرسول فیھم الذی یزیل کل شبھۃ ویقرر کل حجۃ کالمانع من وقوعھم فی الکفر (بحر) كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ۔ میں کفر سے مُراد اعمالِ کفر کی طرف بازگشت ہے اور کیف اظہارِ تعجب کے لئے ہے۔ قالہ تعالٰی علی جھۃ التعجب (قرطبی) قیل المراد بکفرھم فعلھم افعال الکفرۃ (روح) اٰيٰتُ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیتیں اور قرآن درمیان موجُود و محفوظ ہے۔ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ۔ یعنی سرِ دست تو وہ بنفسِ نفیس تشریف فرما ہیں ہر شبہ مٹا سکتے اور راہ بتا سکتے ہیں باقی ان کے بعد ان کے سُنن و آثار یہی کام دیں گے۔ قیل الخطاب بجمیع الامۃ لان اٰثارہ وسننہ فیھم وان لم یشاھدوہ (بحر) ٢١٤ف یہ صراطِ مستقیم یا سیدھی راہ دُنیا میں فلاحِ کامل کی ہے اور آخرت میں جنّت کی۔ فَقَدۡ هُدِىَ۔ یعنی اللہ سے تمسّک کرتے ہوئے یہ راہِ راست ضرور ہی مرتّب ہو کر رہے گی۔ ٢١٥ف (ہماری طاقت اور استطاعت کے لحاظ سے) ورنہ حق تعالٰی سے اُس کے مرتبہ کے لائق خشیت بھلا کون بشر اختیار کر سکتا ہے۔ والمعنٰی حَقَّ تُقٰتِهٖ ما استطعتم (قرطبی) ٢١٦ف یعنی جیو تو قانونِ تقویٰ الٰہی کے ماتحت اور مرو تو قانونِ اسلام کے مطیع۔ زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مُسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گزرنا ہے ٢١٧ف اس تعلیم کے ایک عملی پہلو کا اعتراف ایک غیر مسلم کی زبان سے۔ "اسلام نے اُن قبیلوں کو متحد کر دیا جو اس وقت تک برابر ایک دُوسرے سے معروفِ پیکار رہتے تھے" (آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام ص٢١) حَبۡلِ اللّٰهِ۔ محاورۂ عربی میں حبل سے مُراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ یستعار الحبل للعھد (روح) واستعیر للوصل ولکل ما یتوصل بہ الی شیء (راغب) یہاں مُراد شریعتِ اسلامی یا قرآن ہے۔ متعدد قول نقل ہُوئے ہیں اور وہ سب متقارب ہیں۔ قال ابن مسعود حبل اللہ القراٰن ورواہ علیؓ وابو سعید الخدری عن النبی صلعم وعن مجاھد وقتادۃ مثل ذٰلك (قرطبی) العھد او القراٰن او الدین او الطاعۃ او اخلاص التوبۃ او الجماعۃ او اخلاص التوحید او الاسلام اقوال السلف یقرب بعضھا من بعض (بحر) جَمِيۡعًا۔ یعنی اُمّت مجموعاً بھی اور افرادِ اُمّت بھی ٢١٨ف (اور سب کو رشتۂ اسلام میں متحد و منسلک کر دیا) نِعۡمَتَ اللّٰهِ۔ اس انعام کے تحت میں علاوہ فلاحِ اُخروی کے اتحادِ قومی کی فلاحِ دُنیوی بھی شامل ہے۔ اتحادِ اُمّت بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً۔ ظہورِ اسلام سے قبل یعنی زمانۂ جاہلیت مکہ۔ عرب قبائل کی باہمی دُشمنی اور جنگجوئی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بات بات میں بگڑ جاتی تھی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ رہ گئی ہیں اُن کی تعداد ١٧٠٠ ہوتی ہے۔

اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ
اگر تم اُن لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لو گے جنہیں کتاب دی جا چکی ہے تو وہ
يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَ
تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے ٢١٢ف اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو در آنحالیکہ
اَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ
تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اسکے رسُولؐ موجود ہیں ٢١٣ف؟ اور جو کوئی
ع ١٠
يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿١٠١﴾
اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے وہ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے ٢١٤ف
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے ٢١٥ف اور جان نہ دینا بجز
وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا
اس حال کے کہ تم مُسلم ہو ٢١٦ف اور اللہ کی رسّی سب مل کر مضبوط تھامے رہو
وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۖ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ
اور باہم نااتفاقی نہ کرو ٢١٧ف اور اللہ کا یہ انعام اپنے اُوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم) دشمن
اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ
تھے تو اُس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی ٢١٨ف سو تم اُس کے انعام سے (آپس میں)
اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ
بھائی بھائی بن گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اُس نے تمہیں

لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۹۶

کیا گیا ۲۰۴ وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کیلئے) برکت والا اور سارے جہان کیلئے راہنما ہے ۲۰۵

فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ

اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے ۲۰۶ اور جو کوئی اس میں داخل ہو

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ

جاتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے ۲۰۷ اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کیلئے اُس مکان کا (یعنی) اس شخص کے

اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

ذمہ جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو ۲۰۸ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہان

غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۹۷ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

سے بے نیاز ہے ۲۰۹ آپ کہئے کہ اے اہلِ کتاب تم کیوں

تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۹۸

اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو، درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا گواہ ہے ۲۱۰

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ

آپ کہئے کہ اے اہلِ کتاب جو ایمان لا چکا اُسے تم کیوں اللہ کی راہ سے ہٹا رہے

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ

ہو اس (راہ) میں کجی نکال نکال کر درآنحالیکہ تم (خود) گواہ ہو

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۹۹ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ۲۱۱ اے ایمان والو

۲۰۴ (دنیا میں بطور عبادت گاہ کے) مراد خانۂ کعبہ ہے جس کی اولین تعمیر حضرت آدمؑ نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سرِ نو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے۔ وُضِعَ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کی طاعت و عبادت کے لئے بنا۔ ای وضعه الله موضعًا للطاعات والخیرات والعبادات (کبیر) ای لعموم الناس لعباداتھم ونسکھم یطوفون به ویصلون به ویعتکفون عنده (ابن کثیر) وضع للناس یعبد الله فیه (معالم) اَوَّلَ بَیْتٍ۔ حدیثِ نبویؐ اور اقوالِ تابعین سب میں اس اولیت اور اقدمیت کی تشریح ملتی ہے۔ ثبت فی صحیح مسلم عن ابی ذر قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن اول مسجد وضع فی الارض قال المسجد الحرام (قرطبی) قال مجاهد خلق الله موضع هذا البیت قبل ان یخلق شیء من الارض بالفی سنة (قرطبی) ۲۰۵ (بطور قبلہ کے) کعبہ کو سب سے پہلا معبد بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔ بَكَّةَ۔ مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے جس سے حرف م اور حرف ب میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے مثلاً لازم اور لازب میں یا راتم اور راتب میں یا نمیط اور نبیط میں۔ اسی قاعدہ کا عمل یہاں بھی ہوا۔ هی علم للبلد الحرام ومكة وبكة لغتان فیه (کشاف) بكة لغة فی مكة عند الاکثرین (مع) قال مجاهد بكة هی مكة (قرطبی) من اسماء مكة علی المشهور (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ نام ہے کل شہر کا اور بکہ کا اطلاق ہے مسجد حرام اور مطاف پر بكة۔ هو موضع المسجد (ابن عباسؓ) بكة موضع البیت و مكة ما سوی ذلك (ابن جریر عن ابی مالک) بكة موضع البیت ومكة سائر البلد عن مالك بن انس (قرطبی) قال ابو مالك وابو صالح وابراهیم النخعی وعطیة العوفی ومقاتل بن حیان بكة موضع البیت ما سوی ذلك مكة (ابن کثیر) بائبل میں بھی ایک جگہ ذکر وادی بکہ کا تحریفات کے باوجود رہ گیا ہے "وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے" (زبور۔ ۸۴ : ۶) بائبل کے قدیم مترجمین نے اپنی تحریف کی عادتِ مستمرہ کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے عَلَم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلو پیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۱۵) اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دیدے کہ یہی "بے آب وادی" مکہ معظمہ ہے۔ مُبٰرَكًا۔ یہ وہ مقام ہے جس میں مادی اور روحانی دنیوی اور دینی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ لَلَّذِیْ میں لام تاکید کا ہے۔ واللام توکید (قرطبی) مکہ کی قدامت پر بادلِ ناخواستہ مسیحی مؤرخین کو بھی اب شہادت دینی پڑی (ملاحظہ ہو حواشی تفسیر انگریزی) ۲۰۶ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ منھا مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ۔ والتقدیر منها مقام ابراهیم قال الاخفش (قرطبی) فِیْهِ۔ یعنی اسی اول بیت میں اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ۔ کھلے ہوئے توحیدِ الٰہی کے شعائر یا حج کے شعائر۔ والمراد بالآیات شعائر الحج (کبیر) مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ پر حاشیہ پارۂ اول کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ بَیْت سے یہاں مراد خانۂ کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے۔ مقام ابراهیم کے نام سے جو پتھر رکھا ہوا ہے، خانۂ کعبہ کے اندر نہیں باہر ہی ہے۔ المراد بالبیت هنا الحرم كله لان هذه الآیات موجودة فی الحرم ومقام ابراهیم لیس فی البیت انما هو خارج البیت (جصاص) ۲۰۷ (شریعتِ الٰہی کی نظر میں) اٰمِنًا پر حاشیہ پارۂ اول کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا ۲۰۸ (بلحاظ زادِ سفر و امنِ راہ وغیرہ) اِسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا۔ استطاعتِ سبیل سے مراد وہاں تک پہنچ جانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔ استطاعة السبیل الیه هی امكان الوصول الیه (جصاص) استطاعة السبیل الی الشیء عبارة عن امكان الوصول الیه (کبیر) حِجُّ الْبَیْتِ۔ حج و فرضیتِ حج پر حواشی پارۂ دوم کے وسط میں گزر چکے۔ عَلَى النَّاسِ میں علیٰ شدتِ تاکید کے لئے ہے۔ هی من اوكد الفاظ الوجوب عند العرب فاذا قال العربی لفلان علیّ كذا فقد وكده واوجبه (قرطبی) ۲۰۹ (سو وہ سیاہ بخت اپنا نقصان آپ کریگا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکے گا) اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا کا اثبات اُن مشرک قوموں کے رد میں ہے۔ جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود اُن کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کیلئے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں ۲۱۰ (اور اس حاضر و ناظر۔ ہمہ بین۔ ہمہ دان حاکم کے آگے کوئی حیلہ۔ بہانہ نہ چل سکے گا) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے اشارہ خاص طور پر یہود کی جانب ہے جو مسلمانوں کو طرح طرح پر بہکاتے رہتے تھے۔ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ۔ آیات اللہ سے مراد خاص طور پر نبوتِ محمدیؐ کے شواہد و دلائل ہیں۔ اور کفر سے مراد نبوتِ محمدیؐ سے انکار ہے۔ المراد من آیات الله الآیات اللّتی نصبها الله تعالیٰ علی نبوة محمد علیه الصلوٰة والسلام والمراد بكفرهم بها كفرهم بدلالتها علی نبوة محمد علیه الصلوٰة والسلام (کبیر) مشرکوں کو بار بار یہ جتلانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ اللہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ذرہ ذرہ سے باخبر بھی ہے۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح بے خبر۔ ناقص العلم اور گم سُم نہیں ۲۱۱ (سو اس کی گرفت اور عذاب سے اپنے کو باہر نہ سمجھو) تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہود خود تو اسلام

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ
جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل نیکی (کے مرتبہ) کو نہ پہنچ سکو گے ۱۹۸
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝۹۲
اور جو کچھ بھی کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے ۱۹۹
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا
ہر کھانا بنی اسرائیل کے لئے حلال تھا بجز اس کے کہ
حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ
جو خود اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا قبل اس کے کہ
تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ
توریت اترے ۲۰۰ تو آپ کہیے کہ توریت لاؤ اور اسے پڑھو
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۳ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
اگر تم سچے ہو ۲۰۱ سو جو شخص اللہ پر
الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹۴
اس کے بعد جھوٹ گڑھ لے تو بس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں ۲۰۲
قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ
آپ کہدیجیے کہ اللہ نے سچ بات فرما دی ہے، سو تم سیدھی راہ والے ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کرو،
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۵ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ
اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۲۰۳ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے وضع

وقف جبرئیل علیہ السلام

منزل

۱۹۸ (اے مسلمانو!) اَلْبِرَّ۔ مطلق نیکی کو کہتے ہیں، یہاں مراد کمال خیر ہے۔ اور نیکی کا درجۂ اعلیٰ پایہ کہا جائے کہ حقیقت خیر ابواب خیر کی جامعیت ہی مراد لی گئی ہے۔ البر الاحسان وکمال الخیر (مع) ای لن تبلغوا حقیقۃ البر (مدارک) قال ابو منصور البر خیر الدنیا و الاٰخرۃ (تاج) تُنْفِقُوْا۔ یعنی اللہ اور اس کے دین کی راہ میں نہ خرچ کرو گے۔ انفاق یہاں بہت وسیع معنی میں ہے اس میں خیر یا نیکی کے تمام ابواب آگئے۔ قیل ھی سبل الخیر کلھا وھی الصحیح لعموم الاٰیۃ (ابن عربی) قال الزجاج کل ماتقرب بہ الی اللہ من عمل خیر (بحر) قال الزجاج قال بعضھم کل ماتقرب بہ الی اللہ عز وجل من عمل خیر فھو انفاق (تاج) مِمَّا تُحِبُّوْنَ محبوب چیز کے ماتحت ہر وہ چیز آجاتی ہے جسے انسان عزیز رکھتا ہے، مال، دولت، عزت، حکومت، قوت، وقت وغیرہ تنہا مال و دولت ہی مقصود نہیں، بعض اوقات جاہ کی قربانی مال کی قربانی کہیں زیادہ سخت و دشوار ہوتی ہے۔ ای من المال اوما یعمہ وغیرہ کبذل الجاہ فی معاونۃ الناس والبدن فی طاعۃ اللہ و . . . . فی سبیلہ (بیضاوی) مِمَّا میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من فی مما تحبون للتبعیض (بحر)

۱۹۹ (اور وہ جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مطلب یہ ہے کہ نیک کام کے لئے جو کچھ بھی لگاؤ گے اس کا اجر تو بہرحال ملے گا۔ باقی خیر کامل کا جو درجۂ اعلیٰ ہے وہ تو اسی وقت حاصل ہوگا جب راہ حق میں اپنے محبوبات و مرغوبات کی قربانی پیش کرو۔ والحاصل انہ لا وصول الی المطلوب الا باخراج المحبوب (مدارک) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی عام اس سے کہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو۔ مِنْ یہاں تبیین کے لئے ہے۔ من للتبیین ای من ای شیء کان (مدارک) ای من ای شیء محبوب او غیرہ ومن لبیان ما (بیضاوی)

۲۰۰ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں فلاں غذائیں تو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام چلی آتی ہیں) یہود کو تو روز ایک نیا فتنہ مسلمانوں کے خلاف اٹھاتا تھا، آپ پر ایک الزام یہ ہو گیا، فلاں فلاں غذائیں تم جائز سمجھتے ہو اور اپنے کو دین ابراہیم کا متبع بھی کہے جاتے ہو، حالانکہ یہ چیزیں تو ابراہیمؑ کے وقت سے حرام ہیں۔ كُلُّ الطَّعَامِ یعنی وہ غذائیں جن کے باب میں یہود سے بحث و گفتگو ہو رہی ہے۔ ساری دنیا کے کھانے مراد نہیں۔ ای المطعومات التی فیھا النزاع (مدارک) حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام ہے آپ نے بعض طبی ضرورتوں سے بعض جائز غذائیں بالکل ترک کر دی تھیں، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کو مرض عرق النساء کی شکایت تھی، تو آپ نے اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز شروع کر دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طبی پرہیز کا حرمت شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ قیل فعل ذٰلک للتداوی باشارۃ الاطباء (بیضاوی) قیل اشارت علیہ الاطباء باجتنابہ ففعل ذٰلک باذن من اللہ فھو کتحریم اللہ ابتداءً (کشاف) بعض جاہل صوفیہ کا یہ سمجھنا کہ ترک حیوانات یا بعض دوسری غذاؤں کے ترک کو قرب الٰہی میں کوئی دخل ہے تمام تر نادانی ہے۔ عاملوں کی مشقیں اور ریاضتیں بالکل دوسری چیز ہیں ورنہ جو غذائیں انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہیں وہ خود ہی حرام کر دی گئی ہیں۔ کسی غذا کے حلال ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اس راہ میں مانع نہیں۔ وفی ھذہ الاٰیۃ دلالۃ علیٰ بطلان قول الممتنعین من اکل اللحوم والاطعمۃ اللذیذۃ تزھدًا لان اللہ تعالیٰ قد نھی عن تحریمھا (جصاص) قُلْ (یعنی ان یہود سے کہیے جو معترض ہو رہے ہیں) فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ۔ توریت میں تو آج تک یہ لکھا چلا آ رہا ہے:۔ "وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لئے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا ہے" (پیدائش ۹: ۳)

۲۰۱ (اپنے حق میں) یعنی واضح اور صریح شہادتوں کے بعد بھی اپنے جھوٹ پر قائم رہیں اور یہ کہے جائیں کہ فلاں فلاں چیزیں خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی اس واضح شہادت کے بعد۔ ای من بعد ما لزمتھم الحجۃ (بیضاوی) بعد ظھور الحجۃ (جلالین)

۲۰۲ یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا۔ اور تم نے جو جھوٹ اپنے ہی اکابر اور اپنے مقدس نوشتوں کی بابت گڑھ رکھے تھے، ان کی قلعی کھول دی

۲۰۳ اِبْرٰهِيْمَ۔ ملۃ ابراھیم، حنیف، سب پر حاشیہ پارۂ اول کے ختم کے قریب سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۵ اور ۱۶ میں گزر چکے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ۔ یعنی انہی ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جنہیں تم بھی اپنا مقتدیٰ و پیشوا مانتے ہو۔

۱۹۲ لَعْنَة۔ رحمتِ الٰہی سے محرومی ومہجوری پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے۔ ۱۹۳ (جہنم میں پڑنے سے قبل) لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ جہنم
میں پڑنے کے بعد بھی کوئی تخفیف عذاب میں نہ ہوگی۔ فِیْهَا۔ یعنی اس حالتِ ملعونیت ومغضوبیت میں۔ ای خالدین فی اللعنة (کبیر) دُوسرے معنی
جہنم میں پڑے رہنے کے بھی مروی ہیں۔ قال ابن عباس ای فی جھنم (کبیر) ۱۹۴ تَابُوْا یعنی صدق واخلاص کے ساتھ توبہ کرلیں۔ غَفُوْرٌ سو وہ

اَلْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہوتی ہے ۱۹۲ وہ اس میں ہمیشہ ہمیش پڑے رہنے والے ہیں
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾
نہ اُن پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مُہلت دی جائے گی ۱۹۳
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا
البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور (اپنے کو) درست کرلیں سو
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ۱۹۴ بیشک جن لوگوں نے بعد اپنے ایمان
بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ
دلانے کے کفر اختیار کیا پھر کفر میں پڑے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ
تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
کی جائے گی ۱۹۵ یہی لوگ تو گمراہ ہیں ۱۹۶ بیشک جن لوگوں نے
كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ
کفر اختیار کیا اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو ان میں سے کسی سے ہرگز نہ قبول
مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
کیا جائیگا زمین بھر (بھی) سونا اگرچہ وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے ۱۹۷ یہی وہ لوگ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۹ ۱۱ ۱۷
ہیں جن کے لئے عذاب دردناک ہے اور جن کے کوئی بھی مددگار نہ ہوں گے

اپنی اس صفت غفر کے تقاضے سے ان کی پچھلی خطاؤں کو بخش دے گا۔ رَحِیْمٌ سو وہ اپنی صفتِ رحیمیت کے تقاضہ سے ان پر مزید فضل کرے گا۔ ۱۹۵ (دوسرے معاصی وسیئات سے) یعنی پڑے تو رہیں کفر وارتداد میں اور چاہیں کہ انہیں اُن کے دوسرے اعمالِ حسنہ کا صلہ مل جائے۔ سو بغیر ایمان واعتقادِ صحیح کے اُن اعمال پر سرے سے "حسنہ" و "صالحہ" کا اطلاق ہی نہ ہو سکے گا جو اُن پر اجر وصلہ کی توقع رکھی جائے ۱۹۶ یعنی گمراہ کامل، انتہا درجہ کے گمراہ۔ ورنہ گمراہ تو سب ہی کافر ہوتے ہیں۔ ھذا محمول علی انھم ھم الضالون علی سبیل الکمال (کبیر) ۱۹۷ (قیامت کے دن) یعنی بالفرض قیامت کے دن کافر مال کا مالک ہو اور اس کے دے ڈالنے پر بھی قادر ہو۔ ذَهَبًا۔ ذہب سے سونے کی مخصوص ومتعین
دھات ہی مُراد نہیں۔ بلکہ مُراد کسی عزیز سے عزیز اور زیادہ سے زیادہ قیمتی شے کے فدیہ سے ہے۔ الذھب کنایة عن اعز الاشیاء (کبیر) دوسرے معنی
یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص آج چاہے کہ حالتِ کُفر میں قائم رہ کر روئے زمین کے برابر روپیہ کارِ خیر میں خرچ کردے اور اس کے معاوضہ میں قیامت میں نجات
حاصل کرے تو ایسا ہرگز نہیں ہونے کا۔ ای من مات علی الکفر فلن یقبل منه خیر ابدا ولو کان قد ملأ الارض ذھبا فیما یراہ قربة (ابن کثیر)

عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى
یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور (دوسرے)
وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ
نبیوں کو دیا گیا اُن کے پروردگار کی طرف سے ١٨٧ ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے ١٨٨ اور
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
ہم تو (اسی) اللہ کے فرمانبردار ہیں ١٨٩ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں
الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ
سے ہوگا ١٩٠ اللہ کیسے ایسے لوگوں کو ہدایت دے گا جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد
اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ
کفر (اختیار) کر لیا اور (بعد اس کے کہ) شہادت دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور (بعد اس کے کہ) اُنکے
الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾
پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں اور اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ١٩١
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ
ایسوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور

١٨٧ یہاں یہ حقیقت ایک بار پھر دُہرا دی گئی ہے کہ اسلام کوئی نیا، نوپید اور انوکھا دین نہیں، وہی پُرانا دینِ توحید ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین اسی کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مسلمان کا ایمان سارے پیغمبروں پر یکساں ہوتا ہے۔ قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ اپنی اُمت کی طرف سے کہہ دیجئے۔ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ یعنی قرآن مجید نزولِ قرآن کا انتساب جس طرح عموماً پیمبر کی طرف کیا گیا ہے، اسی طرح کبھی کبھی پیمبر کی اُمت کی جانب بھی کر دیا گیا ہے۔ اور فعل انزال کا صلہ قرآن مجید میں حرف عَلیٰ اور اِلیٰ دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ اَلْاَسْبَاطِ۔ یعنی اولادِ یعقوبؑ میں سے جو جو پیمبر ہوئے ہیں۔ اس لفظ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ان سب انبیاء کے اسماء گرامی پر بھی حاشیے گزر چکے۔ ١٨٨ (ان کی صداقت کے لحاظ سے۔ کہ بعض کو مانیں اور بعض کو جھٹلائیں جیسا کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ مقہور اور معتوب اُمتوں کا شیوہ ہے) ١٨٩ مُسْلِمُوْنَ۔ ایک طرف اُمتِ محمدیؐ کا اصطلاحی نام بھی ہے۔ اور دُوسری طرف اس کے لغوی معنی فرمانبردار کے ہیں ١٩٠ اَلْاِسْلَامِ۔ سے یہاں کھلی ہوئی مراد اصطلاحی دینِ اسلام ہے۔ ورنہ لغوی معنی کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ مسلم ہے۔ اعلم ان ظاھر ھذہ الاٰیۃ یدل علی ان الایمان ھو الاسلام (کبیر) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے جس کی کتاب قرآن ہے۔ اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔ اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہوئے ہیں سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکوں کی سی ہے کہ کہنے کو سکے وہ بھی ہیں۔ لیکن جب چل نہ سکے تو ان کا سکہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ مؤکد و آشکار کر رہی ہے۔ دُوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اس دینِ حق کی طرح سچا سمجھنا، ہر دین و مذہب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا، سب مذہبوں کو ملا جُلا کر ان کا ایک ملغوبہ تیار کرنا، یا یہ کہنا کہ دیر و حرم، کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں، ضلالت و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، وغیرہ ان ناکام کوششوں کیلئے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں۔ اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہلِ قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔ ١٩١ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ایسے بے انصافوں کو جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ اتنے دلیر ہیں۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ۔ یعنی دینِ حق سے مُرتد ہو گئے۔ الْبَيِّنٰتُ کُھلی ہوئی نشانیاں، رسولِ اسلام اور دینِ اسلام کی صداقت کی۔ دلائل، معجزات، سب ان بینات کے تحت میں داخل ہیں۔

۱۸۱ؒ لَا یَاْمُرَکُمْ میں لَا معنی نفی کی تاکید مزید کے لئے ہے۔ لا مزیدۃ لتاکید معنی النفی (مدارک)۔ مسیحیوں کی تثلیث تو ایک معلوم و معروف حقیقت ہے۔ لیکن یہ کم تر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملائکہ پرستی بھی ان کے ہاں زوروں پر رہ چکی ہے اور صدیوں تک یہ تعلیم ان کے ہاں جاری رہی ہے کہ "خدا نے انسانوں اور آسمان کے نیچے ساری چیزوں کے انتظامات تمام تر فرشتوں پر چھوڑ رکھے ہیں" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۰۸) نیز یہ کہ "خدا کائنات کی صرف کلی ربوبیت کرتا ہے باقی جزئیات سب ملائکہ کے حوالے ہیں" (ایضاً) مسیحیت کی تاریخ ملائکہ کی باضابطہ عبادت و پرستش سے بھی نا آشنا نہیں۔ ان کی مورتیاں تک ان کے ہاں پوجی گئی ہیں۔ ہمارے قدیم مفسرین بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ ھذا موجود فی النصارٰی یعظمون الملآئکۃ والانبیاء حتی یجعلوھم لھم اربابا (قرطبی) ۱۸۲ؒ (اور توحید خالص کا اقرار کر چکے ہو) اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ اس سے ظاہر ہے

وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۸۰

اور پیمبروں کو پروردگار قرار دو۱۸۱ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دیگا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو ۱۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ

(اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیا سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت (کی قسم)

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ

سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ

تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا۱۸۳ (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور

عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا

اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی)

مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۱۸۴ پھر جو کوئی اس کے بعد بھی رو گردانی کرے گا،

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں ۱۸۵ سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو)

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ

تلاش کر رہے ہیں؟ درآنحالیکہ اس کے فرمانبردار ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں (خواہ یہ فرمانبرداری)

كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۸۳ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

رضا و اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے اور (سب) اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر

کہ انبیاء پرستی و ملائکہ پرستی صاف کفر کے حکم میں داخل ہے۔ آیت سے سبق اُن مسلمانوں کو بھی لینا چاہیئے جو اپنے شیوخ و اکابر کی خواہ وہ زندہ ہوں یا گزر چکے ہوں، تعظیم و عقیدت میں غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جملہ کا سوالیہ انداز اظہارِ حیرت و انکار کے لئے ہے۔ جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ علی طریق الانکار والتعجب (قرطبی) ۱۸۳ؒ (یہ ایمان دل و جان سے ہو اور نصرت دست و زبان سے) اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ یعنی ارواح انبیاء سے عہد لیا۔ عالم ارواح میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے قبل۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جو احکام انبیاء کو ملے، ان میں ان کی اُمتیں بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔ کتاب سے مراد کتابِ آسمانی ہونا ظاہر ہے۔ حکمۃ سے مراد معرفتِ الٰہی بھی ہو سکتی ہے اور نبوت بھی۔ مُصَدِّقٌ۔ تصدیق ہونے سے بھی بڑھ کر یہ حالت ہے کہ وہ بعد کا آنے والا رسول خود ان پچھلی تعلیمات و ہدایات کا مصداق بھی ہو۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ عارفین صوفیہ نے کہا ہے کہ شیوخ پر لازم ہے کہ ان کا جو معاصر علم و عمل میں اُن سے فوق ہو بلکہ اُن کا مساوی ہو اس سے دُعا کرانے میں عار نہ کریں۔ رَسُوْلٌ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ ایک فردِ معین کی جانب کر رہا ہے۔ اور یہ اسلوب قرآن میں عام ہے۔ الرسول ھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی قول علیؓ و ابن عباسؓ واللفظ وان کان نکرۃ فالاشارۃ الی معین (قرطبی) ۱۸۴ؒ انبیاء کی زبان سے اقرار یوں بھی اقرار صالح اور حلفِ مؤکد کے برابر ہیں۔ اللہ کی اس گواہی نے مؤکد کو مؤکد تر کر دیا۔ اِصْرِيْ۔ اصر کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں۔ مراد عہد ہی سے ہے۔ الاصر فی اللغۃ الثقل فسمی العہد اصرا لانہ منع وتشدید (قرطبی) ۱۸۵ؒ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی مومنوں میں جو کوئی اس عہد سے اعراض کریگا۔ خود انبیاء معصومین سے تو اس کا احتمال ہی نہیں، اسلئے لامحالہ افرادِ اُمت مراد ہونگے۔ ھذا الحکم بالنسبۃ الی الامم (بحر) ۱۸۶ؒ (قیامت کے دن) سو ڈرتے رہنا اُس ہستی سے چاہیئے جو آج بھی اس قدر با اختیار ہے اور کل بھی سابقہ اسی سے پڑے گا۔ اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہیئے۔ يَبْغُوْنَ۔ یہ باطل کے تلاش کرنے والے عام اہل باطل ہیں۔ دِيْنِ اللّٰهِ۔ یہاں صراحت کے ساتھ اسلام کے لئے دین اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں مراد ہے انقیادِ تکوینی۔ یعنی اس کی مشیئت سے باہر تو کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ طَوْعًا یعنی اپنے ارادہ و اختیار سے۔ كَرْهًا یہ اشارہ غیر ذوی العقول، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ کی طرف ہے۔

۱۷۵ (اس کفر و فسق کے پاداش میں) لَا خَلَاقَ۔ یعنی بھلائی کا کوئی حصہ نہیں۔ ای لا خیر (بخاری) لَا يُكَلِّمُهُمُ۔ یعنی بطریق لطف ان سے خطاب نہ کرے گا۔ جو خطاب برائے عتاب و مواخذہ ہو، اس کی نفی مراد نہیں۔ لَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ۔ یعنی نگاہ مہر و التفات سے ان کی طرف نظر نہ کرے گا۔ نگاہ قہر کی نفی مقصود نہیں۔ لَا يُزَكِّيهِمْ۔ یعنی گناہوں کی گندگی سے پاک صاف نہ کرے گا۔ أَلِيمٌ۔ درد پہنچانے والے یا مؤلم کے معنی میں ہے۔ ای مولم موجع من الالم وھو فی موضع مفعل (بخاری) ۱۷۶ اپنے صحائف آسمانی پڑھتے وقت) مِنْهُمْ۔ یعنی انہی یہود میں۔ يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ۔ اس کے اندر تحریف لفظی و معنوی کی ساری صورتیں آگئیں۔ لی لسان سے عربی محاورہ میں مراد ہی ہوتی ہے جھوٹ۔ تلبیس۔ تحریف۔ لوی لسانہ بکذا کنایۃ عن الکذب وتخرص الحدیث (راغب) اور یہاں تحریف بالقصد مراد ہے۔ والمعنی یحرفون

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کریگا نہ انکی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ
اور اُن کے لئے تو دردناک عذاب ہے ۱۷۵ اور انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں
بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
کج کرتے ہیں ۱۷۶ تاکہ تم اُس (جز) کو بھی کتاب میں سے سمجھو درآنحالیکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے
يَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے درآنحالیکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے
وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ
اور یہ اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں درآنحالیکہ (خوب جانتے ہوتے ہیں ۱۷۷ کسی بشر سے
لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ
یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے
لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا
یہ کہنے لگے کہ تم میرے بندے بن جاؤ علاوہ اللہ کے ۱۷۸ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ
رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ
والے بن جاؤ ۱۷۹ (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ تم پڑھاتے ہو کتاب (آسمانی) کو اور خود بھی (اسے)
تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
پڑھتے ہو ۱۸۰ اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں

الکلم ویعدلون بہ عن القصد (قرطبی) ۱۷۷ یعنی اُن کی یہ تحریفیں دانستہ ہوتی ہیں لِتَحْسَبُوهُ میں ضمیر مخاطب سے مراد سامعین ہیں اور ضمیر غائب سے مراد کتاب کا اختراعی حصہ۔ و ھو المحرف (کبیر) يَقُولُونَ۔ ضرور نہیں کہ ان کا یہ کہنا لفظاً و صراحۃً ہو۔ اگر اجمالاً و دلالۃً ہو جب بھی کافی ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فقیہ جلیل ابوبکر رازیؒ نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاصی کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ فیھا دلالۃ علی ان المعاصی لیست من عند اللہ ولا من فعلہ (جصاص) لیکن مفسر و محدث ابوحیان غرناطی کی تنقید اس پر یہ ہے کہ یہ مذہب تو معتزلہ کا ہے اور ابوبکر رازی کا میلان خود اسی مذہب کی جانب تھا۔ ھذا مذھب المعتزلۃ وکان الرازی یحتج الی مذھبھم (بحر) صاحب کبیر اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ عربی دانوں کے پڑھنے کے قابل ہے۔ ۱۷۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے دعوت و پیام مسیح کا غلط گڑھ رکھا ہے) درمیان میں مناسبت مقام کو ردِ یہود آگیا تھا۔ اب یہاں سے ردِ نصاریٰ پھر شروع ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ ...... وَالنُّبُوَّةَ۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ نہیں ہو سکتا جنہیں یہ ساری نعمتیں ملی تھیں جن کے نفس ایسے طاہر و مطہر ہوں، اُن سے ایسے دعویٰ کا صدور ممکن ہی کیونکر ہے۔ الْحُكْمَ۔ حکم سے مراد علم و فہم ہے یا فہم احکام شریعت۔ الحکم العلم والفھم وقیل ایضاً الاحکام (قرطبی) قیل بمعنی الحکمۃ والظاہر ان الحکم ھنا القضاء (بحر) الْكِتٰبَ۔ کتاب یہاں جنس کتاب کے معنی میں ہے۔ الکتاب ھنا اسم جنس (بحر)
۱۷۹ (جیسا کہ فی الواقع مسیح کی دعوت رہی ہے) رَبّٰنِيّٖنَ۔ ربانی وہ ہے جو ربّ کی جانب منسوب ہو۔ ربّی کا مرادف ہے۔ ان کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے یعنی بڑا اللہ والا۔ بڑا باخدا۔ معنی الربانی العالم بدین الرب الذی یعمل بعلمہ (قرطبی) قال محمد بن الحنفیۃ یوم مات ابن عباسؓ الیوم مات ربانی ھذہ الامۃ (قرطبی) ھو شدید التمسک بدین اللہ وطاعتہ (مدارک) ۱۸۰ یعنی اس لئے تو تمہیں اور زیادہ ایسے لغو و مشرکانہ عقائد سے بچنا چاہیئے۔ ای بسبب کونکم معلمین الکتاب وبسبب کونکم دارسین لہ (بیضاوی) امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ علم و تعلیم و دراست کا اقتضا ہی یہ ہے کہ انسان باخدا بن جائے۔ پس اگر ان شغلوں سے یہ مقصود ہی نہیں رکھتا تو وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اور ایسے ہی علم اور قلب سے حدیث نبوی میں پناہ مانگی گئی ہے۔ نعوذ باللہ من علم لا ینفع وقلب لا یخشع (کبیر) خطاب نصاریٰ سے ہے یعنی تمہارے پاس تعلیم و تعلّم کے لئے کتاب آسمانی موجود اور پھر تم ایسے جہل و ضلالت میں گرفتار۔

مدینہ و مضافات مدینہ کے یہُود کی چالیس مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں ایک بار آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت صداقتِ اسلام کا اقرار کر لیا کریں اور پھر چند گھنٹوں کے
بعد اس اقرار سے رجوع کر لیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ غور و فکر اور مطالعۂ توریت کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہ ہوئی اس لئے ہم اس سے نکل آئے ہیں۔ اہل عرب پر ہمارے علم و اخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی
ہی ہُوئی ہے لوگ کہیں گے آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین میں ہے جو ایسے ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے اور عجب نہیں کہ اس تدبیر سے کچھ پُرانے مسلمان بھی اُکھڑ جائیں۔ تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال
نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بصراحت درج ہے کہ بارھویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بنا پر بہت سے یہُود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور
فتوٰی کے مطابق اپنے قبولِ اسلام کا اظہار شروع کر دیا تھا در آنحالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اوّل ص ۴۲۲ و ص ۴۲۳) اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی محققین یہود و مسیحی مستشرقین نے
فرنگی زبانوں میں سیرۂ نبوی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعت مشرب و بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اُٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیمبر عرب اور مصلح عالم کی نعت اور

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
غالب آجائیں ۱۶۵ آپ کہہ دیجئے کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے ۱۶۶ اور اللہ بڑا وسعت
عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
والا ہے بڑا علم والا ہے ۱۶۷ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل
الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ
والا ہے ۱۶۹ اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اسکے پاس ایک ڈھیر (کا ڈھیر) امانت رکھا
يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ
دے تو وہ (بھی) تجھے ادا کر دے ۱۷۰ اور اُن میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھا
إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ
دے تو وہ تجھے اس کو واپس نہ کرے بجز اس صورت کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے ۱۷۱ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ
عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
ہمارے اوپر اُمیّوں کے باب میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں، یہ لوگ اللہ کے اوپر جھوٹ گڑھ رہے ہیں
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ
درآنحالیکہ خوب جان رہے ہیں ۱۷۲ کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پُورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے تو بیشک
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ
اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۱۷۳ بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو
وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ۱۷۴ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے کوئی حصّہ آخرت میں نہیں

منزل

مقنّنِ اعظم اور "تمثیل ہوشی" کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں کچھ خلل دماغ سا تھا۔ یا یہُود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سُن سُنا کر چرا لیتے تھے وقس علیٰ ہذا۔ تو یہ بھی ٹھیک اُسی قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس۔ ۱۶۵ یعنی حقیقۃً اور دل سے تصدیق تو بس اپنے ہی والوں کی کیا کرو۔ وہی یہُود کا قول چل رہا ہے۔ ۱۶۶ (جواب اسلام کے نام سے ظاہر ہُوئی ہے اور جس کی صداقت پر دلائلِ عقلی و نقلی قائم ہیں نہ کہ تمہارے محدثات و مخترعات) قُلْ۔ میں خطاب پیغمبر علیہ السّلام سے ہے۔ اور یہ فقرہ کلام یہُود کے جواب میں ہے۔ ۱۶۷ (اور اسی ڈر سے سہمے جا رہے ہو) مِثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ۔ یعنی دولتِ نبوّت۔ خطاب قوم یہُود سے ہے۔ یعنی تمہیں اصل خلش تو بس اس کی ہے کہ انبیاء تو ہمیشہ ہماری نسل و قوم سے پیدا ہوتے رہے ہیں اب ایک عرب اور اسمٰعیلی کو یہ دولت کیسے مل جا رہی ہے۔ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان یہُود پر یہ کہہ کر غلبہ نہ حاصل کر لیں کہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں ہماری تصدیق کی تھی۔ مفسّر واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیت تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے (روح) ۱۶۸ (اپنی حکمتِ مطلقہ اور مصلحتِ کاملہ کے مطابق) قُلْ۔ میں خطاب پیمبر علیہ السّلام سے ہے۔ وَاسِعٌ۔ اس کے کارخانۂ فضل و عطا میں کمی نہیں پر یہ کیوں فرض کر لیا گیا کہ فلاں نسل یا قوم ہمیشہ محروم ہی رہے گی۔ عَلِيْمٌ۔ وہ اپنے علمِ کامل کے مطابق جس کی جیسی استعداد دیکھتا ہے اُسے وہ نعمت عطا کر دیتا ہے۔ ۱۶۹ (بُخل اور کمی کا اُس کے ہاں گزر کہاں) مَنْ يَّشَآءُ۔ وہ جسے چاہتا ہے حسبِ مصلحتِ تکوینی۔ ۱۷۰ (بہ احتیاط و دیانت تام یعنی یہود سب کے سب یکساں نہیں بعض ان میں ایسے ایسے امین و متدین بھی ہیں یہی لوگ آگے چل کر مسلمان ہو گئے۔ ۱۷۱ یہُود کے حبِ زر کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے۔ دِيْنَارٍ Denarins رُومی حکومت کا ایک طلائی سکّہ۔ عرب میں بھی مستعمل تھا۔ آج بھی یورپ کے مختلف حصّوں میں چل رہا ہے۔ اُردو میں اس کا مفہوم اشرفی سے ادا ہو سکتا ہے۔ مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔ یعنی وہ ادائے امانت میں برابر حیلہ و حوالہ کرتا رہے گا اور اس سے تقاضا برابر جاری رکھنا پڑے گا۔ اراد بابقاء ادامة المطالبة لاعين القيام (قرطبی) ۱۷۲ (کہ ایسا کوئی مسئلہ ہرگز شریعتِ اسرائیلی و موسوی میں موجود نہیں) الْاُمِّيّٖنَ یعنی اُمّ القریٰ مکّہ کے باشندے۔ یہُود نسلی فخر و عصبیت اور قومی غرور سے بھرے ہُوئے یہود اہلِ مکّہ کو اپنے سے بہت فروتر رکھتے تھے۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ۔ یہُود غیر یہُود یا .Gentiles کے ساتھ کاروباری تعلق کے سلسلہ میں بدمعاملگی کے لئے برابر بدنام رہے ہیں۔ قومی مفاخرت اور نسلی نخوت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ گوروں کا برتاؤ کالوں کے ساتھ آج دنیا کے ہر علاقہ میں کیا ہے! سَبِيْلٌ۔ سبیل کے معنی یہاں حجۃ کے ہیں۔ اور یہ معنی قرآن اور کلام عرب میں عام ہیں۔ السبيل الحجة وقوله فاولئك ما عليهم من سبيل من هذا المعنى وهو كثير في القرأة وكلام العرب (بحر) يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ یہ جھوٹے ہیں اپنے اس دعوٰی اور اس انوکھے اصول مذہب و اخلاق میں۔ اس تفصیل نے یہُود کے جرم کی شناعت کہیں زیادہ بڑھا دی۔ وہ صرف فسق عمل ہی میں مبتلا نہ تھے بلکہ ایک بے اصل عقیدہ بھی گڑھ لیا تھا۔ اور اعمال سے کہیں گزر کر عقائد کی خرابی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ۱۷۳ (اور یہی خوفِ خدا اور تقویٰ ہی ساری خوش معاملگی کی بنیاد ہے) بَلٰى یعنی ذمہ داری کیوں نہ ہوتی۔ ہے اور ضرور ہے۔ عَهْدِهٖ۔ عہد خالق کیساتھ ہو یا مخلوق کے اس کی پابندی بہرحال لازمی ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے وفاء عہد کی بڑی تعظیم نکل رہی ہے۔ اس لئے کہ تمام طاعات کا خلاصہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک احکام الٰہی کی تعظیم۔ دوسری خلق اللہ پر شفقت اور وفاء عہد ان دونوں قسموں کی طاعتوں کا مجموعہ ہے (کبیر) ۱۷۴ یعنی کسی دُنیوی طمع میں آکر ان پابندیوں کو توڑ رہے ہیں۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا دُنیوی معاوضہ ہمیشہ اُخروی اجر کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوگا۔ یہ مُراد نہیں کہ اگر زیادہ معاوضہ مل رہا ہو تو بددیانتی اور عہد شکنی جائز ہو جائیگی۔ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اپنے معاہدوں کی پابندی نہ کرنا اور بدمعاملگی کر بیٹھنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عَهْدِ اللّٰهِ یعنی وہ عہد متابعت جو اللہ سے کر چکے ہیں۔ اَيْمَانِهِمْ۔ یعنی جو قسمیں آپس میں معاملات سے متعلق کھاتے رہتے ہیں۔ فقہاء مفسّرین نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ کوئی فریق جو جانتا ہو کہ میں باطل پر ہوں اس بنا پر اپنے کو حق پر قرار نہیں دے سکتا کہ عدالتِ ظاہرہ سے فیصلہ اسکے موافق ہو گیا ہے۔ دلت هذه الآية والاحاديث ان حكم الحاكم لا يحل المال في الباطن بقضاء الظاهر اذا علم المحكوم له بطلانه (قرطبی)

غیں - مریم پرستی، پاپا پرستی، ولی پرستی، شہید پرستی وغیرہا - آیت کا یہ ٹکڑا شرک کی جلی، خفی، ساری صورتوں کی تردید کر رہا ہے۔ قُلْ - خطاب رسول اللہ صلعم کو ہے۔ اَهْلَ الْكِتٰبِ تشریح سورۂ بقرہ کے حاشیہ میں ہو چکی ہے - مراد یہود
و نصاری دونوں ہو سکتے ہیں - یہاں اصلاً اشارہ نصرانیوں ہی کی جانب ہے۔ بَيْنَنَا - اس صیغۂ جمع متکلم سے مراد مسلمان ہیں۔ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ - یعنی وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلّم ہے جس کی تعلیم تمہارے ہاں کے پیمبران برحق
ہمیشہ دیتے آئے ہیں - اور یہودیت و نصرانیت دونوں دینوں کی بنیاد ہی اسی اصل پر ہے - توریت تو خیر تاکید توحید و ممانعت شرک سے لبریز ہی ہے - انجیل تک میں بھی تعلیم موجود ہے :- " تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر " (متی
٤ : ١٠) انجیل میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ کچھ پرستش صرف خدا کی کرو اور بعض پرستشوں میں خدا کے ساتھ فرزند خدا اور روح القدس کو بھی شامل کر لیا کرو :- ١٥٢ (کہ عملاً اسے مرتبۂ خدائی پر رکھ دے) اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ - مخلوق پرستی
اور مخلوق کی الوہیت کی تردید تو ادھر ہو چکی - اب تردید مخلوق کی ربوبیت کی ہو رہی ہے - مخلوق میں سے کسی کو مطاع مطلق مان لینا اس کو رب قرار دے لینا ہے۔ دُوْنَ یہاں غیر یا علاوہ کے معنی میں ہے - دون ھنا بمعنی غیر (قرطبی)
پاپا کی عصمت کیتھولک مسیحیوں کا اور پادریوں کے اجماع یعنی کلیسا Church کی عصمت کل مسیحیوں کا متفقہ عقیدہ ہے - " ایک محسوس کلیسا کے بغیر نجات ممکن نہیں - اس پر ہمیشہ روح القدس کا سایہ رہتا ہے - اس لئے مسائل دین کلیسا
سے امکان خطا ہی نہیں " (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ١٦ صفحہ ٩٤٠) قرآن مجید نے انسان کی ان ساری خود ساختہ عصمتوں پر ضرب لگا دی - یہیں سے ان گمراہ فرقوں کی بھی تردید نکل آئی جو اپنے ان اماموں کے مجرّد قول کو بلا دلیل شرعی واجب القبول
ٹھیراتے ہیں - ھذا یدل علی بطلان القول بالاستحسان المجرد الذی لا یستند الی دلیل شرعی وفیہ ردّ علی الروافض الذین یقولون یجب قبول قول الامام دون ابانۃ مستند شرعی وانہ یحل ما حرمہ
اللہ من غیر ان یبین مستندًا من الشریعۃ (قرطبی) ای لا نطیع احبارنا فی ما احدثوا من
التحریم والتحلیل (مدارک) انزلوھم منزلۃ ربھم فی قبول التحریم والتحلیل (بحر) کسی کو رب
قرار دینے کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس لفظ کا بھی اطلاق اس پر کیا جائے بلکہ اس کے اندر اگر صرف صفاتِ
ربوبیت مان لئے گئے تو عملاً وہ رب ٹھہر ہی گیا - وان لم یطلقوا علیہ لفظ الرب الا انھم اثبتوا فی
حقہ معنی الربوبیۃ (کبیر) بَعْضُنَا بَعْضًا - مفسر ابن حیان نے اس سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ الوہیت
و ربوبیت کی تردید تو بس اس فقرہ ہی سے ہو گئی۔ جب ایک دوسرے میں تثلیث اور رشتۂ ہم نسبی قائم ہو گیا تو
سب بندے ہونے کی حیثیت سے برابر ہو گئے - الوہیت و ربوبیت اب باقی ہی کہاں رہ گئی - وفی قولہ بعضنا
بعضًا اشارۃ لطیفۃ وھی ان البعضیۃ تنافی الالھیۃ اذھی تماثل فی البشریۃ (بحر) ١٥٣
(اے مسلمانو!) یعنی اگر اب بھی قبول حق سے روگردانی کرتے رہیں اور اپنے اس گڑھے اور ٹھہرائے ہوئے شرک سے
باز نہ آئیں) ١٥٤ (اور بہرحال و بہر صورت وہی توحید خالص کے علمبردار و مبلغ ہیں) مُسْلِمُوْنَ
لفظی معنی فرماں بردار کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امّت کا پڑ گیا۔ اشْهَدُوْا کیا اللہ کی شان ہے
کہ یہود و نصاری آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔ ١٥٥ (اور انہیں خواہ مخواہ
یہودی یا نصرانی ٹھہرا رہے ہو) خطاب یہود و نصاری دونوں سے ہے۔ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ - یعنی ابراہیم کے
دین و مذہب کے بارہ میں۔ لِمَ - مخفف ہے لِمَا کا - خبر کے التباس سے بچانے اور محض استفہام کا مفہوم رکھنے
کے لئے آخر سے الف گرا دیا گیا - الاصل لما فحذفت الالف فرقا بین الاستفہام والخبر (قرطبی)
١٥٦ یعنی جن کتابوں پر تم اپنی نام نہاد یہودیت اور نصرانیت کی بنیاد قرار دیتے ہو وہ تو خود حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے بہت بعد کی چیزیں ہیں، تو کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو کہ یہ مذہب اُن کے سر چپکانا چاہتے ہو
١٥٧ یعنی اسی دینِ ابراہیمیؑ سے متعلق۔ مراد یہ ہے کہ جب تم توریت و انجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے اور ایسا
بھٹکے، حالانکہ وہاں کچھ تو واقفیت اور علم تمہیں حاصل تھا تو اب دینِ ابراہیمیؑ کے بارہ میں کیوں کٹ حجتی پر تلے
ہو جس کے بارہ میں تو کوئی شائبۂ علم ہی تمہیں حاصل نہیں۔ هٰٓاَنْتُمْ - میں ھا کا اشارہ مخاطبین کی تحقیر و
تنقیص کے لئے ہے۔ والاشارۃ للتحقیر والتنقیص (روح) ١٥٨ (بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے
اور دنیا بھر کے شرک میں توحید کے پہلے علمبردار) حَنِيْفًا مُّسْلِمًا - ٹھیٹھ اردو میں " سیدھے سادے مسلم " یَهُوْدِیًّا
وَّلَا نَصْرَانِیًّا - جس یہودیت اور جس نصرانیت کی نفی ہو رہی ہے وہ مروّجہ اور گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت
تھی - ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا تھا، وہی حضرت ابراہیمؑ کا بھی تھا
حضرتؑ کی توحید پرستی یہود و نصاری دونوں کو مسلّم تھی - حضرتؑ کے دین توحید پر حاشیہ پارۂ اول کے رکوع آخر
میں گزر چکے۔ فقیہ مفسر جصاص نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے دینِ حق کی حمایت میں دلائل قائم کرنے اور اہلِ باطل
کے جواب دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ وفی ھذہ الآیات دلیل علی وجوب المحاجۃ فی الدین و
اقامۃ الحجۃ علی المبطلین (جصاص) ١٥٩ (دنیا اور آخرت دونوں میں) اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا
اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو تو یہی پسند ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہے حالانکہ وہ
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ
بجز اپنے اور کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے اور (اسکی بھی) خبر نہیں رکھتے ١٦٠ اے اہل کتاب تم اللہ کی
لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ
آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو ١٦١ اے اہل
الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ
کتاب تم حق کی تلبیس باطل کے ساتھ کئے جاتے اور حق کو چھپا جاتے ہو
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
ع ٧ / ١٥
حالانکہ تم جانتے ہوتے ہو ١٦٢ اور اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے ١٦٣ کہ ایمان
اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ
لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے
وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا
آخر میں اس سے انکار کر بیٹھو، عجب کیا کہ (وہ بھی) پھر جائیں ١٦٤ اور دل میں بجز اس کے کہ
لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ
جو تمہارے دین کا پیرو ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ - آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے ١٦٥
يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ
اور یہ سب اس غصہ میں کر رہے ہو کہ کسی اور کو وہ چیز مل گئی جو تمہیں ملی تھی یا وہ لوگ تم پر تمہارے پروردگار کے [illegible]

ابراہیمؑ سے قریب بلحاظ دین و عقائد۔ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ - وہ لوگ جنہوں نے آپ کے زمانہ میں آپؑ کی پیروی کی تھی۔ وَهٰذَا النَّبِیُّ - اور یہ نبی جو گویا اُنہی کا پیام لیکر آئے ہیں - اور اُنہی کی نیابت اس زمانہ میں کر رہے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی
مسلمان - فرنگی مؤرخین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم اسرائیلی مذہب کا جانشین اب اگر کوئی ہے تو وہ مسیحیت نہیں جس کے اندر یونان اور روم کے جاہلی مشرکانہ عقائد جمع ہو گئے ہیں بلکہ اسلام ہے - ملاحظہ ہو " مؤرخین کی تاریخ عالم " Historians
History of the World ١٦٠ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے اور انہیں باطل کی قوت پر اتنا غرہ تھا کہ خود اسلام قبول کرنا الگ رہا مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے
آج بھی کتنے مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا جیتی جاگتی موجود ہے کہ مسلمان مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں بہرحال اپنے اسلامی عقائد سے تو ڈگمگا ہی جائیں۔ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ - خاص اشارہ یہود کی جانب ہے۔ یُضِلُّوْنَكُمْ - خطاب عام مسلمانوں
سے ہے۔ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ - یعنی حقیقۃً وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں تو کامیاب ہوتے نہیں - خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ مَا یَشْعُرُوْنَ - یعنی ایسے بے عقل، نافہم ہیں کہ حقیقتِ حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔
١٦١ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ - یعنی اللہ کی اُن آیتوں سے جو خود تمہاری کتابوں کے اندر موجود ہیں اور جن میں نبوتِ محمدیؐ کی پوری پوری علامتیں اور بشارتیں درج ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ - یعنی یہ انکار کچھ ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر نہیں، جان
بوجھ کر ان آیتوں میں تحریف کر رہے ہو، لفظی بھی اور معنوی بھی۔ ١٦٢ یہاں یہود پر تین الزامات متعین طور پر لگائے گئے ہیں :- ١ - تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ - اپنی کتابوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق بالکل باطل کے تحت میں دب
کر رہ جاتا ہے - باطل حق کو ڈھانپ لیتا ہے اور تاویل بڑھ کر صریح تحریف بن جاتی ہے - فسر اللبس بالخلط والتغطیۃ (بحر) ٢ - تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ - حق کو سرے سے چھپا ڈالتے ہو اور جہاں جہاں بشارتیں ظہور اسلام کی صاف موجود
ہیں وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔ ٣ - وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ - یہ سب کچھ اپنے قصد و ارادہ سے کر رہے ہو - محض اتفاقی طور پر نہیں ہو رہا ہے - تحریفات اہل کتاب پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں۔ ١٦٣ (آپس میں) قال بعضھم لبعض
(قرطبی) ای فیما بینھم (مدارک) یہ اشارہ ہے یہود خیبر و عرینہ کی جانب - کان احبار قری عربیۃ اثنی عشر حبرا فقالوا لبعضھم ادخلوا فی دین محمد اول النھار فاذا کان آخر النھار فاکفروا (ابن جریر) ١٦٤ (اس چال
و تدبیر سے) اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ - یہاں ایمان اظہارِ ایمان کے معنی میں ہے یعنی صبح ایمان ظاہر کرو - ای اظھروا الایمان (کشاف) ادخلوا فی دین محمد باللسان دون الاعتقاد (سالم عن الحسن و قتادہ) والمراد اظھروا الایمان
و ممکن ان یراد بہ التصدیق (بحر) وجہ النھار یعنی اولہ (قرطبی) اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - یعنی جو ان مومنین کے خیال میں ان پر نازل ہوا ہے - ای علی زعمھم (بحر) لَعَلَّهُمْ - ضمیر اُن لوگوں کی جانب ہے جو واقعۃً مسلمان تھے

اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا
پروردگار نہ ٹھیرائے ف۱۵۲ پھر بس اگر وہ رُوگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو ف۱۵۳ کہ گواہ رہنا ہم تو
مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَاۤ
فرمانبردار ہیں ف۱۵۴ اے اہلِ کتاب تم ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو ف۱۵۵ درآنحالیکہ
اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾
توریت و انجیل تو ان کے بعد ہی اُتری ہیں تو تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے ف۱۵۶
هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ
ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا سو (اب) ایسی
تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ
بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں اللہ جانتا ہے اور تم
لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا
نہیں جانتے ف۱۵۷ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہِ راست
وَّلٰـكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۶۷﴾
والے مُسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے ف۱۵۸
اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَـلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا
بیشک ابراہیمؑ سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ
النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۸﴾
نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اُن پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے ف۱۵۹

بھی ہو چکا ہے۔ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ خطاب یہاں مومن و کافر، مسلمان و یہود و نصاریٰ سب سے ہے۔ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ لفظ عام ہیں۔ لیکن سیاق میں جس اختلافی و نزاعی امر کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت ہے۔ ف۱۴۱ فِی الدُّنۡيَا۔ میری سر کا حال تاریخ یہود کے صفحات سے پوچھ دیکھیے۔ کون سی تباہیاں ہیں جو اس دو ہزار سال کی مدت میں بیچاروں پر نہیں آچکی ہیں۔ اور آج دولت و ثروت کے باوجود بھی کیسی نکبت سوار ہے! بلکہ جیسا کہ جیوش انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے پارۂ اول کے ایک حاشیہ میں گزر چکا ہے، یہ قومی ثروت و تموّل کا خیال بھی ایک افسانہ ہی ہے ورنہ حقیقۃً قوم پر بجائے دولت کے افلاس مسلّط ہے) جرمنی۔ اٹلی۔ ہنگری، رومانیا وغیرہ سے جس بیدردی کے ساتھ نکالے گئے وہ داستانِ خونیں تو ابھی بالکل تازہ ہے۔ وَالۡاٰخِرَةِ۔ رہی آخرت تو سزا کا پورا پورا ظہور تو وہیں ہوگا۔ ف۱۴۲ الظّٰلِمِيۡنَ ظلم کی حقیقت افراط و تفریط ہے۔ یہاں ظالموں سے مُراد یہود کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و صداقت بلکہ شرافتِ نسب تک کے منکر تھے لیکن دُوسری طرف اس کے تحت میں مسیحی بھی آئے جاتے ہیں۔ جو حضرت کو عبد کے بجائے معبود اور رسُول کے بجائے مظہر یا اوتار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس طرح حضرتؑ کے باب میں دونوں ہی ظالم ہیں۔ یعنی مقامِ عدل و اعتدال سے بہت ہی ہٹے ہوئے۔ ف۱۴۳ (اے ہمارے پیغمبر!) ذٰلِكَ۔ یعنی صحیح قصّۂ مسیحؑ۔ اشارہ بعید اظہارِ شرف و تکریم کے لئے ہے۔ اشارة الی ما تقدم من نبأ عیسیٰ وذکر نبأ وغیرهم (کبیر) والاتیان بما یدل علی البعد للاشارة الی عظم شان المشار الیه وبُعد منزلته فی الشرف (روح) مِنَ الۡاٰيٰتِ۔ یعنی آپ کی صداقت و نبوت کی نشانیوں میں سے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے حالات و واقعات جن پر یہود اور نصرانیوں دونوں کی تاریخوں نے غلو و افتراء کے گہرے پردے ڈال رکھے ہیں، یہ جو آپؐ قرآن کے ذریعہ سے بالکل صحیح و معتبر طور پر سنا رہے ہیں یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپؐ مؤید من اللہ ہیں اور آپؐ وہی کہہ رہے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ آپؐ سے کہلا رہا ہے۔ الذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ اشارہ اس طرف ہے کہ آپؐ کی رسالت پر دلیل ہونے سے قطع نظر یہ مضامین بجائے خود بھی پُرحکمت و پُرمعرفت ہیں۔ ف۱۴۴ (اسی طرح عیسیٰؑ ابن مریمؑ بشرِ محض اور حادث و مخلوق ہیں انہیں قدیم اور غیر مخلوق کس طرح مان رہے ہو) مَثَلَ۔ یہ تشبیہ کس لحاظ سے تھی؟ بشرِ محض ہونے اور بغیر باپ کے پیدا ہونے میں تھی۔ اٰدَمَ۔ جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور پھر بھی بشرِ محض تھے۔ لَهٗ۔ ضمیر حضرت آدمؑ کے خاکی پتلے کی طرف ہے۔ یہ جواب ہے اس مشہور مسیحی شبہہ کا، کہ جب مسیحؑ کی پیدائش ساری دنیا کے عام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے توسط کے ہوئی، تو انہیں بجائے فوق البشر کے محض بشر کیسے تسلیم کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ آدمؑ کو بشر تو تم خود ہی تسلیم کرتے ہو درآنحالیکہ ان کی پیدائش تو عجیب تر طور پر ہوئی یعنی وہاں ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا مخلوق ہونے اور حادث ہونے کا دار و مدار کسی خاص و متعین طرزِ ظہور و وجود پر نہیں مطلق حدوث پر ہے اور وہ آفرینشِ عیسیٰؑ میں پوری طرح موجود تھا۔ مسیحیوں میں ایک قدیم فرقہ ایرین Arians ہوا ہے۔ اس کا بانی Arius چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ اس کی تعلیم یہی تھی کہ مسیحؑ قدیم و غیر مخلوق نہیں، مخلوق و حادث تھے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ا ص ۵۰۸ طبع چہاردہم) اس سے بھی قبل انطیوخ کے بطریق پال محوسطوی (مشہور و معروف پولوس طرسوسی سے اسے خلط نہ کیجیے) کی تعلیم تیسری صدی عیسوی میں بھی یہی تھی کہ عیسیٰ مسیحؑ کی پیدائش ایک دوشیزہ ہی کے بطن سے ہوئی تھی بہ واسطہ روح القدس اس لئے وہ بشرِ محض تھے۔ روح القدس کے توسط نے انہیں خود ہی مقدس بنا دیا تھا۔ اور اس لئے وہ مسیح تھے لیکن شریکِ الوہیت بہرحال نہ تھے (ایضاً۔ جلد ۱۷ ص ۲۹۸ نیز انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ا ص ۱۷۱) مسیحیوں کے صاحبِ فہم طبقہ میں برابر اس طرح کی تحریکیں صحیح عقیدہ کی اُٹھتی رہی ہیں لیکن کلیسا کے عام جمود و تصلّب نے کبھی ان اصلاحی تحریکوں کو عام نہ ہونے دیا۔ ف۱۴۵ (اس حقیقت کے باب میں اے مخاطب!) قرآن مجید میں خطاب کہیں براہِ راست رسُول اللہ صلعم سے ہے اور کہیں عام مخاطب افرادِ اُمّت ہیں اور ضمیر واحد حاضر دونوں کے لئے یکساں و مشترک ہے دونوں کا فرق و امتیاز مفسّر کے ذوق پر منحصر ہے۔ ان سطور میں زیادہ سے زیادہ اتباع مفسّر تھانویؒ کے ذوق کا کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسُول اللہ صلعم سے ہے۔ اور مُراد آپؐ کی اُمّت ہے اس لئے کہ خود آپؐ سے تو اس کا امکان ہی نہ تھا۔ الخطاب للنبی صلعم والمراد امته (قرطبی) اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ یہ حقائق پروردگارِ عالم کی طرف سے بیان ہو رہے ہیں اس لئے شک و شبہ کی گنجائش سے بالاتر ہیں۔ ف۱۴۶ (اے پیغمبر!) فِيۡهِ۔ یعنی ربوبیت و الوہیتِ مسیحؑ کے باب میں۔ سورہ کے شروع میں جو حاشیہ ہیں انہیں ایک بار پھر نظر میں لے آیا جائے سورہ کا اصلی موضوع مسیحیت اور عقیدۂ الوہیتِ مسیحؑ کا رد ہے۔ گفتگو نجران کے مسیحی وفد سے چل رہی ہے۔ فَمَنۡ حَآجَّكَ۔ یعنی ان مسیحیوں میں سے اب بھی کوئی آپؐ سے اپنی سخن پروری جاری رکھے۔ الۡعِلۡمِ۔ اور علم بھی کیسا؟ ظنّی و تخمینی نہیں۔ حتمی۔ قطعی یقینی۔ ف۱۴۷ بہ طور اتمامِ حجّت کے۔ اب جبکہ زبانی افہام و تفہیم اور دلائل کے سارے مرتبے طے ہو چکے اور مسیحی اپنی بات کی پچ پر اڑے ہوئے ہیں) ف۱۴۸ اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مباہلہ ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع و الحاح کے بعد اُسی کے فیصلہ کا منتظر رہتا ہے۔ نَدۡعُ۔ ضمیر متکلم سے مُراد ہر دو فریق اور اُن کے افراد ہیں۔ اَبۡنَآءَ۔ محض صلبی بیٹے مراد نہیں نواسہ، داماد وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نِسَآءَ۔ بیویاں اور بیٹیاں دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ص۱۲۱ حاشیہ ۱۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ ۹ھ ہجری میں مسیحیانِ نجران کے ۱۴ اکابر رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے گفتگو الوہیتِ مسیحؑ کے مسئلہ پر رہی۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ مسیحی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر کار آپؐ نے وہی کیا جو ایک سچّا اور مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا۔ آپؐ نے فرمانِ خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دیدی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص اقربا کو لیکر اپنے پروردگار ہی سے بہ تضرع و الحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپؐ نے یہ فرمایا اور اپنی اولاد یعنی سیّدہ فاطمہؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدنا حضرت حسینؓ کو ہمراہ لیکر آپؐ تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمّی رعایا بن کر اسلام کی حکومت میں رہنا گوارا کر لیا جائے سر ولیم میور مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے اور محض مسیحی ہی نہیں مشنری بھی۔ اُن کے قلم سے ملاحظہ ہو:۔ ”سارے واقعہ میں محمدؐ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز اُن کے اس عقیدہ کی شہادت کہ اُن کا تعلق عالمِ غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمامتر اُنہی کے ساتھ ہے۔ درآنحالیکہ اُن کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز ظن و تخمین کے اور کچھ نہ تھا“ (میور کی لائف آف محمدؐ ص ۳۶۱) ف۱۴۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ۔ یعنی یہ سارا سلسلۂ واقعات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحؑ اور مادرِ مسیحؑ دونوں بشرِ محض تھے۔ ای المذکور فی شان عیسٰی علیه السلام قاله ابن عباس (روح) ای ما قص من نبأ عیسٰی ومریم (بیضاوی) تکرار و اعادہ تاکید کے لئے ہے۔ الضمیر للقصر والتاکید (روح) مَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کوئی بھی شریکِ الوہیت نہیں۔ نہ بہ لحاظِ ذات اور نہ بہ لحاظِ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصّے سب خرافات ہیں۔ مِنۡ زائدہ تاکیدِ کلام کے لئے ہے۔ من زائدة للتوکید (قرطبی) فی افادة معنی الاستغراق الۡعَزِيۡزُ۔ ہر امر پر غالب۔ قادرِ مطلق۔ یہ صفتِ بجز باری تعالیٰ کے مسیحؑ وغیرہ کس میں ہے؟ الۡحَكِيۡمُ۔ حکیمِ مطلق۔ علیمِ مطلق اس صفت کا تحقق بجز باری تعالیٰ کے مسیحؑ وغیرہ کس میں ہوتا ہے؟ ف۱۵۰ یعنی اُن لوگوں کا جو دین و اعتقاد میں فساد برپا کرتے ہتے ہیں۔ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا۔ یعنی ان توضیحات کے بعد بھی اپنی سرتابی جاری رکھیں۔ عَلِيۡمٌ۔ علمِ کامل رکھنے والا اور اسی علمِ کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا۔ ف۱۵۱ (نہ فرزند کہہ کر، نہ اقنوم ٹھہرا کر، نہ مظہر یا اوتار بنا کر، نہ اور کسی حیثیت سے) انۡ مند انفسنا ... پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی پیداوار ہے۔ قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ یا کلیسائے رُومی کے متبع تھے۔ اور اس فرقہ میں مسیحؑ پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی اس کے علاوہ بھی خدا معلوم کتنی اور پرستیاں موجود

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ
سو کہیں، تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ۱۳۳ پھر جو کوئی آپ سے اس باب میں حجت کرے بعد اس کے کہ
مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
آپکے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے ۱۳۴ تو آپ کہدیجیے ۱۳۵ کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ
بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی، پھر ہم
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ۱۳۶ بے شک یہی ہے
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ
سچا واقعہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اللہ کے اور بیشک اللہ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
ہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ۱۳۹ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی رکھیں تو بیشک اللہ
عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا
خوب جاننے والا ہے مفسدوں کا ۱۴۰ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب ایسے قول کی طرف
اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں ۱۴۱ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ

ع ۹/۱۴

مکر کیا۔ (۲) اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا وہ "کید" سے کام لیتے ہیں اور میں بھی "کید" سے کام لیتا ہوں۔ (۳) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا "برائی" کی سزا ویسی ہی ایک "برائی" ہے۔ (۴) قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض "ہنسی" کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ (۵) فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر زیادتی کرو۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی "مکر" نہ مکر ہے، نہ "کید" کید ہے۔ نہ "سیئہ" سیئہ ہے، نہ استہزاء، استہزاء، نہ زیادتی زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی و تعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ المکر الخدیعۃ والاحتیال وقال اللیث احتیال فی خفیۃ (تاج) وفی البصائر المکر ضربان محمود وھو ما تجری بہ امر جمیل ومذموم وھو ما تجری بہ فعل ذمیم (تاج) المکر صرف الغیر عما یقصدہ بحیلۃ وذلک ضربان مکر محمود ومذموم (راغب) پس جس کسی ہندی نے اُردو کے مکر و فریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ اور اللہ کی تدبیریں سب سے اونچی اور سب پر غالب آنے والی ہیں اس کا مقابلہ جس طرح کوئی جسمانی قوت اور مادی زور سے نہیں کر سکتا اسی طرح کسی کی عقل، تدبیر اس کے سامنے پیش نہیں پا سکتی۔ چنانچہ یہاں بھی اُس کی حکمت و تدبیر کارگر رہی۔ حضرت عیسیٰؑ زندہ و سلامت رہے۔ اور صلیب دیتے وقت یہود عوام نے تو ہجوم و اژدحام کے گڑبڑ اور وقت کی تنگی سے اور سُولی گھر کے رومی سپاہیوں نے شناخت نہ ہونے کی بنا پر یوں کہا کہ حضرتؑ ہی کے قوم کے کسی ہم شکل، ہم عمر، ہم وضع کو سُولی پر چڑھا دیا۔ کلیسا کا آج عام عقیدہ حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے، صلیب پر وفات پانے اور پھر تیسرے دن جی اُٹھنے کا ہے لیکن مسیحیوں کے بعض قدیم فرقے Basiledians باسلیدیہ وغیرہ) ٹھیک اسی اسلامی عقیدہ کے ہوئے ہیں ۱۳۵ (حضرت عیسیٰؑ سے ان کی گرفتاری کے موقع پر) واقعات و حالات کی رفتار سے حضرت عیسیٰؑ کو اپنا انجام یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کئے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے۔ اور پھر رُومیوں کی ملکی عدالت میں لے جا کر انہیں سزائے موت دلوائیں گے۔ یہ ارشادِ الٰہی حضرتؑ سے اُن کی تسکین کے لئے اسی موقع گرفتاری پر ہوتا ہے ۱۳۶ (تمہارے وقتِ معہود پر) سو تم ان ظالموں کے مکر و عداوت سے گھبراؤ نہیں۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اے ستوفی اجلک ومعناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک (کشاف) ممیتک حتف انفک لا قتلا بایدیھم (مدارک) مؤخرک الی اجلک المسمی عاصمًا ایاک من قتلھم (بیضاوی) انی متمم عمرک فحینئذ اتوفاک فلا اترکھم حتی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی ومقربک بملائکتی واصونک عن ان یتمکنوا من قتلک وھذا تاویل حسن (کبیر) تَوَفِّی کے معنی میں پُورا پُورا دینے کا مفہوم شامل ہے۔ اس لئے اشارۃً گویا یہ بھی ارشاد ہو گیا کہ تمہیں طولِ حیات پُورا پُورا ملے گا ۱۳۷ (اس درمیان میں) یعنی تمہاری وفات تو اپنے وقت مقرر پر جب ہو گی ہو گی۔ تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے کسی منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سر دست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں اُنکے درمیان سے اُٹھا لیا جائے گا۔ اِلَيَّ یعنی آسمان کی طرف۔ ملاءِ اعلیٰ کی جانب۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے۔ جہاں تعظیم و تفخیم مقصود ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ مثلاً ہجرتِ ابراہیمی کی عظمت کا اظہار مقصود تھا تو پیرایۂ بیان یہ رکھا گیا۔ انی ذاھب الی ربی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہجرتِ ابراہیمیؑ عراق سے شام کی طرف ہُوئی تھی۔ ای الی سمائی ومقر ملائکتی (کشاف) ای محل کرامتی ومقر ملائکتی (بیضاوی) ای سمائی ومقر ملائکتی (مدارک) رَافِعُكَ۔ حضرت مسیحؑ کے رفعِ جسمانی کی صراحت تو قرآن مجید میں موجود تھی۔ لیکن قریب بہ صراحت ہونے کے تو یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے تو اسے اور صاف اور مؤکد کر دیا ہے۔ واولی ھذہ الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنی ذلک انی قابضک من الارض ورافعک الی لتواتر الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء ورافعک الآن (مدارک) ابن جریرؒ کی عبارت میں لتواتر الاخبار عن رسول اللہ کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں اور اسی عقیدہ پر محققین اُمت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی جب پیدائش عام انسانی قاعدۂ توالد و تناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخۂ جبرئیل سے ہو گئی تو اس میں استبعاد کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اور قرینِ قیاس ہے کہ آپ کا انجام بھی معمولِ عام سے ہٹ کر ہوا۔ اور عجب کیا جو مس مَلَکی نے آپکے جسم میں لطافت بھی شروع سے ایسی رکھ دی ہو جو آپ کے صعودِ آسمانی میں مُعین ہو سکے۔ اور یہ دلیل تو بالکل بودی ہے کہ آپؑ کے رفعِ آسمانی سے آپؑ کی افضلیت دوسرے انبیا خصوصاً سید الانبیا پر لازم آجاتی ہے۔ آخر خدا معلوم کتنے فرشتہ دن رات زمین سے آسمان پر جاتے ہی رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیا سے افضل ہو گئے؟ ایک یورپین فاضل De Benson ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب اسلام یا حقیقی مسیحیت Islam or True Christianity کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے ص۱۴۲ کے حاشیہ میں اس نے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیحؑ کے رفعِ جسمانی کا تھا۔ نہ کہ وفاتِ مسیحؑ کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں بھی اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے ہی ایک جدید فرقہ نے وفاتِ مسیحؑ کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی سے کمال "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے ۱۳۸ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الفاظ تو عموم ہے لیکن سیاق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی لوگ مُراد ہیں جو حضرت کی نبوت و صداقت کے منکر تھے یعنی یہود۔ المراد من الموصول الیھود (روح) من الذین کفروا یعنی اُن لوگوں کی سختیوں سے ان کی افترا پردازیوں سے۔ ممّا قالوہ فیک وفی ابیک (بحر) مطلب یہ کہ یہود کے سارے مکائد کھل کر رہ جائیں گے اور انہوں نے جیسے جیسے گندہ الزامات تراشے ہیں سب کی قلعی اُتر کر رہے گی۔ ۱۳۹ (تمہاری نبوت و صداقت کے) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے یہاں بہلی کھلی ہوئی مُراد یہود ہی ہیں جیسا کہ اوپر کے حاشیہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وھم الیھود (کبیر) اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ۔ یعنی جو عیسیٰؑ کی رسالت و نبوت کے قائل ہیں مُراد مسلمان اور سچے عیسائی ہیں۔ وقیل اراد بہ النصاری (معالم) قال قتادۃ والربیع والشعبی ومقاتل والکلبی ھم اھل الاسلام (معالم) واما بعد الاسلام فھم المسلمون واما النصاری فھم ان اظھروا من انفسھم موافقتہ فھم یخالفونہ اشد المخالفۃ من حیث ان صریح العقل یشھد انہ علیہ السلام ما کان یرضی بشیء مما یقولہ ھؤلاء الجھال (کبیر) فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یہ مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کا غلبہ یہود و معاندینِ مسیح پر قیامت تک کس معنی میں اور کس حیثیت سے رہے گا، قوتِ دلائل کے لحاظ سے اور معنوی حیثیت سے تو بالکل ظاہر ہی لیکن اگر مادی، حربی، ملکی و سیاسی حیثیتیں مُراد ہوں، تو بھی اس وقت تک جو کیفیت یہود کی دنیا کے ہر حصہ میں ہے انہیں اس پیشگوئی کا مصداق بنانے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بہرحال مُراد دونوں شقیں ہو سکتی ہیں۔ اے ظاھرین قاھرین بالعزۃ والمنعۃ والحجۃ (معالم) المراد من ھذہ الفوقیۃ فوقیتہ بالحجۃ والدلیل (کبیر) ای بالقھر والسلطان والاستعلاء (کبیر) یعلونھم بالحجۃ وفی اکثر الاحوال بھا وبالسیف (مدارک) صاحبِ کبیر و صاحبِ معالم دونوں کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے دونوں نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ یہود کو دیکھو ہر جگہ ذلیل و خوار اور حکومت سے محروم ہیں۔ بہ خلاف اس کے عیسائی بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں ۱۴۰ (اور وہ فیصلہ عملی شکل میں اور انقطاعی طور پر ہو گا، ورنہ جہاں تک حجت اور دلیل کا تعلق ہے وہ فیصلہ تو اس وقت

میں تربیت سے، ادر تربیت موسوی ہی ہوتی ہے) حَرَّمَ عَلَیۡکُمۡ یعنی تربیت موسوی میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں۔ قانونی جزئیات اور فقہی فروع میں ترمیم و تسہیل، عمومی تصدیق و تائید کے ذرا بھی منافی نہیں ہیں۔ اَحَلَّ لَکُمۡ مسیحی تعلیم نے
قدیم موسوی تربیت میں جو بعض سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی تھیں ان کا ذکر انجیل مروجہ میں بھی موجود ہے۔ مثلاً:۔ " اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو
اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا نرم ہے اور میرا بوجھ ہلکا" (متی۔ ۱۲: ۲۸-۳۰) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ تمہارے جبروں اور ربیوں نے اپنی طرف سے جو احکام توریت میں خلط
کر دیئے ہیں میں اُس سارے بوجھ کو تم سے دُور کرنے آیا ہوں ف۱۲۸ (اپنی نبوت و رسالت کا) اٰیَةٍ نشان کا لفظ دلائل معجزات سب پر حاوی ہے۔ اور لفظ کے مفرد ہونے سے یہ خیال نہ ہو کہ معنی بھی صیغۂ واحد میں ہے اور کوئی ایک
مخصوص نشان مراد ہے۔ اٰیة بطور اسم جنس کے ہے اور مراد اس سے سارے ثبوت اور شواہد حضرتؑ کی صداقت کے ہیں۔ انما وحد وھی اٰیات لانھا جنس واحد فی الدلالة علی رسالته (قرطبی) خطاب بنی اسرائیل کو
ہے ف۱۲۸ (بحیثیت رسولِ خدا ہونے کے) فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرو اور اس کے رسُول کی تکذیب کی جُرأت نہ کرو ف۱۲۹ (جس کی تعلیم ابتداء سے لیکر آخر تک سارے ہی پیمبر دیتے آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل
تعلیم اسی عبدیت اور اسی توحید کی تھی۔ ظالموں نے اسے مسخ کر کے تثلیث بنا دیا۔ جو شرک ہی کی ایک کھُلی ہوئی شکل ہے۔ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ۔ اس میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ کے مخلوق، مربوب اور عبد ہونے کے اعتبار سے پیمبر اور
اُمتی سب یکساں ہیں۔ فَاعۡبُدُوۡهُ۔ یعنی صرف اسی کی پرستش کرو، بغیر کسی کی شرکت و آمیزش کے۔ آج جو انجیلیں دنیا کے پردہ پر موجود ہیں ان میں سے ایک انجیل برنابا بھی ہے اس کے انگریزی، عربی، اُردو ترجمے موجود ہیں اور

اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ‌ ۚ ثُمَّ
پیرو ہیں انہیں قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھنے والا ہوں جو منکر ہیں ف۱۲۹ تم سب کی
اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ
واپسی میری طرف ہو گی سو میں تمہارے درمیان اُس باب میں فیصلہ کر دوں گا جس میں تم (باہم)
تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا
اختلاف کرتے رہتے تھے ف۱۳۰ سو جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا انہیں دُنیا اور
شَدِيۡدًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ
آخرت میں سخت سزا دُوں گا اور اُن کا کوئی مددگار
نّٰصِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
نہ ہو گا ف۱۳۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے سو اللہ
فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۷﴾
انہیں اُن کے پُورے پُورے صلے دیگا اور اللہ ناانصافوں کو دوست نہیں رکھتا ف۱۳۲
ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡكَ مِنَ الۡاٰيٰتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۵۸﴾
یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ نشانیوں میں سے ہے اور پُر حکمت مضمون میں سے ف۱۳۳
اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ‌ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ
بیشک عیسٰی کا حال اللہ کے نزدیک مثل آدمؑ کے حال کے ہے: اللہ نے اُن کو مٹی سے
تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۵۹﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ
بنایا پھر اُن سے کہا وجود میں آجاؤ چنانچہ وہ وجود میں آگئے ف۱۳۴ یہ امرِ حق تیرے رب کی طرف سے ہے

منزل ۱

وہ حضرت برنابا سا نامی حضرتؑ کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے۔ اس میں ظہورِ اسلام کی خبریں اور حضرت ختم رسُلؐ کی بابت پیشگوئیاں ایسے صاف و صریح لفظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کر دیں خیر وہ تو ہر سچے سفیر الٰہی کے کلام کی طرح توحید کی تعلیم و تاکید سے لبریز ہی ہے لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس تعلیم سے خالی نہیں۔ مثلاً۔ یسوع نے اس سے کہا۔ اے شیطان دُور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر" (متی۔ ۴: ۱۰) تثلیث کا شرک جن ظالموں کی بھی ایجاد ہو بہرحال حضرت مسیحؑ کا دامن اقدس اس آلودگی سے بالکل پاک اور منزہ ہے ف۱۳۰ (اپنی ہر سعی اور تبلیغ کے باوجود) اَحَسَّ یعنی پایا یا محسوس کیا حواس ظاہری سے۔ معناه علم و وجد قاله الزجاج و قال ابو عبیدہ معنیٰ احس عرف (قرطبی) لا یقال ذلك الا فی ما کان من جهة الحاسة (راغب) تحقق ما یدرك بالحواس (بیضاوی) مِنۡهُمۡ یعنی اپنے مخاطبین کی طرف سے جو بنی اسرائیل یا یہود تھے۔ ای من بنی اسرآئیل (قرطبی) الۡكُفۡرَ یعنی انکار نبوتِ عیسوی سے اور انکار بھی ظلم و تعدّی کے ساتھ۔ یہ انکار و طغیان علانیہ و برملا تھا۔ کوئی دقیق و مخفی شے نہ تھی جو مستنبط کی جاتی بلکہ حواس ظاہری ہی سے محسوس ہونے والی کھُلی ہوئی چیز تھی اور یہی نکتہ ہے کہ یہاں فعل احس استعمال کیا گیا جس کے معنیٰ بالکل ظاہر ظہور پانے کے ہیں۔ فتنبیه انه قد ظهر منهم الکفر ظهورًا بان للحس فضلا عن الفهم (راغب) ف۱۳۱ آپؑ نے اپنی قوم کو نصرتِ دین کے لئے جو پکارا اس سے محققین نے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل دین سے دین کے بارہ میں مدد طلب کرنا توکل کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ان سے یہ مدد طلب کرنا اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ نصرت الٰہی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے دین کے لئے۔ قال الحسن المعنی من انصاری فی السبیل الی اللہ (قرطبی) قال ابو علی القاری معنی الی اللہ لِلّٰهِ (بحر) الی ههنا بمعنی مع او فی او اللام (بیضاوی) الحواریون حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اُسے صاف اور اُجلا کر دینے والے ہیں کے۔ حوّرت الشئ بیضته ودورته (راغب) واصل الحور فی اللغة البیاض وحورت الثیاب بیضتها (قرطبی) حضرت مسیحؑ کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے اس لئے آپؑ کے بعد کے بھی رفیقوں، شاگردوں کا یہی لقب پڑ گیا۔ مجازی معنی مخلص مددگار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضرت زبیرؓ کے لئے یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ الحواری ایضا الناصر (قرطبی) وقوله صلی اللہ علیه وسلم لکل نبی حواری وحواری الزبیر (راغب) حواری الرجل صفوته وخالصته (کشاف) بہرحال وجہ تسمیہ جو کچھ بھی ہو، مسیحؑ کے صحابیوں کے لئے لقب یہی چلا ہوا تھا۔ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ حضرت عیسیٰؑ نے تو اپنے مددگار طلب کئے تھے من انصاری گو خدا کے کام کے لئے۔ حواری جواب میں اپنے کو خدا کے مددگار انصار اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ نحن انصارك الی اللہ محققین نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

کرنا ف۱۳۲ مُسۡلِمُوۡنَ۔ مسلم ہی کا لفظی ترجمہ فرمان بردار ہے۔ مسلم کا اطلاق ہر نبی کے پیرو پر ہوتا ہے کہ حقیقۃً ہر نبی کی دعوت اللہ کی فرماں برداری ہی کی ہوتی ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ حواریوں کا سارا زور ایمان باللہ پر ہے۔ "ابن اللہ" کے تو تخیل سے بھی وہ بیچارہ آشنا نہ تھے ف۱۳۳ مسیحؑ کے صحابی ابھی مسیحؑ سے گفتگو کر رہے تھے دفعۃً براہِ راست حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے۔ قرآن مجید اکثر ایسے موقعوں پر یہی کرتا ہے کہ بندوں کے خطاب کا رُخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیر دیتا ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس اہتمام توحید کا۔ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ۔ حضرت مسیحؑ کے معاصر مسیحی آپؑ کو رسُول ہی تسلیم کرتے تھے۔ "ابن اللہ" "اقنوم" وغیرہ کے خرافات اس وقت تک نہ ایجاد ہوئے تھے نہ ہو سکتے تھے۔ الشّٰهِدِيۡنَ۔ گواہ تیری توحید کے اور تیرے پیمبروں کی پیمبری کے ف۱۳۴ مَكَرُوۡا کا اسم فاعل یہود ہیں۔ یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت و ایذاء کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ختم ہی کر دینا چاہیئے چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپؑ کو واجب القتل قرار دیا۔ پھر رُومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا۔ شام اس وقت رُومی سلطنت کا ایک جزو تھا۔ اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی جیسے انگریزی حکومت کے ماتحت والیانِ ریاست کو حاصل رہتی ہے۔ شہنشاہ رومہ کی طرف سے ایک نائب السلطنت (وائسرائے) شام کا تھا۔ اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر فلسطین کا تھا۔ رُومیوں کا مذہب شرک و بُت پرستی کا تھا۔ یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں لیکن سزاؤں کے نفاذ کیلئے انہیں پھر انہی مجرموں کو ملکی عدالتوں کے سامنے لانا پڑتا تھا۔ جرم الحاد میں فتوی قتل خود یہود کی مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن واقعۃً سزائے موت کا نفاذ صرف رُومی ملکی عدالت کے قبضہ میں تھا۔ اور سزائے موت رُومی حکومت میں سُولی کے ذریعہ سے دی جاتی تھی۔ یہود کی اسی گہری اسکیم کی جانب اشارہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے مخالفین و معاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں اُلٹ دیں اور حضرت مسیحؑ کو سولی کی موت سے بچا لیا۔ عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا "حملہ" مطلق نہ ہوگا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہو گی یا زیادہ سے زیادہ "جوابی حملہ"۔ یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اُس نے مجھے ٹھگا اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ ... (۱) مکروا ومکر اللہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾
اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لیکر آیا ہوں ۱۲۵، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۱۲۶

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ
بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اُس کی عبادت کرو یہی میری

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ
راہ ہے ۱۲۹ پھر جب عیسیٰؑ نے اُن کی طرف سے انکار ہی پایا ۱۳۰ تو

قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ
بولے میرا کون مددگار ہوگا اللہ کے لئے حواری بولے ہم ہیں

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾
اللہ کے مددگار ۱۳۱ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیے گا کہ ہم فرمانبردار ہیں ۱۳۲

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ
اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے اُس پر جو کچھ تُو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی (اختیار) کرلی رسول کی سو ہم کو

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾
ع ۱۴ ۵ م ۱۲
بھی گواہوں کے ساتھ لکھ لے ۱۳۳ اور انہوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ خفیہ تدبیر کرنیوالوں کا بہتر ہے ۱۳۴

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ
(وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایا ۱۳۵ اے عیسیٰ میں تم کو موت دینے والا ہوں ۱۳۶ اور تم کو اپنی طرف (ابھی)

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ
اُٹھا لینے والا ہوں ۱۳۷ اور اُن لوگوں سے جو کافر ہیں تمہیں پاک کرنیوالا ہوں ۱۳۸ اور جو تمہارے

غیرمعمولی ہر واقعہ کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے پیمبر محض واسطہ یا ذریعہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ایک قادرِ مطلق کے وجود کے قائل ہیں ان کیلئے کسی بڑے سے بڑے معجزہ کا نفسِ امکان تو قابلِ انکار بلکہ قابلِ استعجاب بھی ہو ہی نہیں سکتا۔ طبعی، غیر طبعی، مادی، غیر مادی، متعارف و مجہول، جلی و خفی اسباب کی تفریق تو بشری تجربات کے لحاظ سے ہے۔ قادرِ مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ اب رہا کسی متعین معجزہ کا ثبوت تو اس کا تعلق منطق سے نہیں تاریخ سے۔ عقل سے نہیں نقل سے درایت سے نہیں روایت سے ہے۔ ظن و تخمین کا یہاں دخل نہیں۔ اب گفتگو صرف سندِ متصل اور شہادتِ معتبر کی رُو سے ہوگی۔ معجزاتِ مسیحؑ کا ذکر انجیلوں میں بہ کثرت آیا ہے۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یہ اضافہ اس حقیقت کی تاکید اور اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ معجزہ کا ظہور حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ نہ کہ پیغمبر کے اختیار و قدرت سے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے مقصود پیمبر ہی کی تائید و نصرت ہوتی ہے ۱۲۵ یعنی اگر تم خبثِ باطن اور ضد و عناد کو چھوڑ کر ایمان کے طالب اور یقین و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اَخْلُقُ۔ فعل خلق کا انتساب جب خالق کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مُراد نیست سے ہست کرنا، عدم سے وجود میں لانا ہوتا ہے۔ اور جب انسان کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مُراد ہوتا ہے اندازہ کرنا ایک خاص انداز سے بنانا اور صورت پیدا کرنا اور یہاں کھُلی ہوئی مُراد یہی ہے۔ خلقه تقديره ولم يرد انه يحدث معدومًا (تاج) الخلق اصله التقدير المستقيم (راغب) الذي يكون بالاستحالة فقد جعله الله تعالى بغيره في بعض الاحوال والخلق لا يستعمل في كافة الناس الا على وجهين احدهما في معنى التقدير (راغب) اى أُقَدِّر و أُصَوِّر (كبير) والمراد بالخلق التصوير والابراز على مقدار معيّن (روح) لَكُمْ یعنی تم میں یقین پیدا کرنے کے لئے۔ اى لاجل تحصيل ايمانكم ودفع تكذيبكم اياى (روح) واللام في لكم معناه التعليل (بحر) عوام ہمیشہ بجائے دلائل و عقلیات کے معجزہ و خارقِ عادت ہی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہود تو اپنی اعجوبہ پسندی میں خصوصیت کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے۔ مِّنَ الطِّيْنِ۔ اس فقرہ نے اور زیادہ کھول کر اس حقیقت کو حضرت کی زبان سے ادا کر دیا ہے کہ میں عدمِ محض سے وجود میں ہرگز نہیں لاتا صرف مادہ میں ایک خاص ترکیب و ترتیب کے ساتھ تصرف کر دیتا ہوں۔ تقييد بانه لا يوجد من العدم الصرف بل ذكر المادة التى يشكل منها صورة الطير (بحر) كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ یعنی پرندوں کی شکل کے کھلونے مٹی سے بناتا ہوں۔ طَیْر یہاں بہ طور اسمِ جنس کے ہے۔ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا یعنی میری نفخِ دم سے اُن میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اُڑنے لگتے ہیں۔ چاروں انجیلیں جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے نزدیک مستند ہیں ان میں اس معجزہ کا ذکر نہیں لیکن جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) Coptic Church کی مستند الیہ ہے۔ اُس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر بج Budge نے اپنی کتاب Legends of our Lady Mary کے مقدمہ ص ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ:۔

"وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اُڑ سکتے تھے"۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ جو کچھ بھی میں کر دکھاتا ہوں اسے کہیں میری قوت و قدرت کا نتیجہ نہ سمجھ لینا یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے سب محض مشیتِ خداوندی و قدرتِ الٰہی کا ثمرہ ہے۔ الْاَكْمَهَ۔ اندھوں کو بغیر اپریشن کے بینا کر دینا یُوں بھی آسان نہیں چہ جائیکہ مادرزاد اندھوں کو، اور اکمہ ایسے ہی کو کہتے ہیں۔ اس معجزۂ مسیحؑ کا ذکر انجیلوں میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً انجیل متی۔ ۹: ۲۷، ۳۰ میں اور انجیل مرقس ۸: ۲۲۔ ۲۵ میں لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا ۹: ۱۔ ۷ میں ہے اور اس میں تصریح اندھے کے مادرزاد یا پیدائشی ہونے کی ہے۔ الْاَبْرَصَ۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر انجیل میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا اور دوسری جگہ دس کوڑھیوں کو "جب وہ اس پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اُس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اُسے سجدہ کیا اور کہا۔ اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے چھُوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا" (متی ۸: ۱۔ ۳) "اور ایسا ہوا کہ یروشلیم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ انہوں نے دُور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ اے یسوع، اے صاحب ہم پر رحم کر اُس نے انہیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے" (لوقا۔ ۱۷: ۱۱۔ ۱۴) انجیل کے جدید ناقدوں نے طرح طرح پر جرح کر کے پچھلی صدی میں اناجیل اربعہ کا گوشہ گوشہ مجروح کر ڈالا ہے۔ لیکن اتنے جز پر یہ ناقدین بھی متفق ہیں کہ مسیحؑ کے معجزاتِ شفا بخشی ثابت شدہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۵ ص ۶۲) نیز انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جو خاص انہی تنقیدات کیلئے ہے۔ اس کا کالم ۲۴۳۵۔ اُحْیِ الْمَوْتٰى برنابا حواری کی جو انجیل چلی آرہی ہے اس میں تو معجزۂ احیاءِ اموات کی تصریح بھی موجود ہے (ص ۲۲۷، ۲۴۱۔ انگریزی ایڈیشن) رہیں اور انجیلیں جو موجودہ مسیحیوں کو مسلّم اور اُن کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں بلکہ ان میں متعدد مثالیں اس قسم کے معجزہ کی مذکور ہیں چنانچہ لوقا جو یونان میں طبیب کی حیثیت سے مشہور تھے اُن کی جانب منسوب انجیل میں یہ درج ہے:۔ "تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ نائین نامی ایک شہر کو گیا اور اُس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھو ایک مُردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اُس کے ساتھ تھے اُسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اُس سے کہا رو نہیں۔ پھر اُس نے پاس آکر جنازے کو چھُوا اور اُٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اُس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ وہ مُردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اُسے اُس کی ماں کو سونپ دیا اور سب پر دہشت چھا گئی (لوقا۔ ۷: ۱۱۔ ۱۶) نیز (۷: ۲۲) انجیل متی (۹: ۱۸۔ ۲۵) میں ایک تازہ میّت (ایک سردار کی لڑکی) کے جلا اُٹھانے کا ذکر ہے۔ اور انجیل یوحنا (۱۱: ۱۔ ۴۴) میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک چار روز کے دفن شدہ مُردہ لعزر کے احیاء کا۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ مزید تاکید و تصریح کے لئے اس فقرہ کو مکرر لایا گیا ہے کہ کہیں ان اعجازی تصرفات کو میری جانب نہ منسوب کر دینا۔ جو کچھ بھی ہوا محض خدائے برحق کی قدرت و مشیت سے ہوا۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ بعض اہلِ حال سے جو ایسے اقوال منقول ہیں جن میں وہ اپنی جانب ایسے افعال کو منسوب کر گئے ہیں جو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں تو بشرطِ صحت نقل وہ دعوٰی غلبۂ حال پر محمول ہوں گے لیکن ان میں جو اہلِ ادب ہیں وہ ہر ایسے موقع پر حضرت مسیحؑ ہی کی طرح باذن اللہ یا اس کے مرادف کسی فقرہ کی قید لگا دیتے ہیں۔ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُيُوْتِكُمْ یہ بات آپ نے مثال اور نمونہ کے طور پر فرمائی یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ مجھے مطلع کر دیتا ہے۔ اٰيَةً۔ یعنی نشان میرے پیمبر اور مؤیّد من اللہ ہونے کا۔ حضرت مسیحؑ کے ہاتھ سے خوارق کا بہ کثرت صادر ہونا تاریخ کا ایک مسلّم واقعہ ہے خواہ ان کی توجیہ مفکرین کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔ یہود نے انہی خوارق کو دیکھ کر آپ کو ساحر و شعبدہ باز کہنا شروع کر دیا چنانچہ جوزیفس (متوفی ۱۰۰ء) نے اپنی تاریخ آثار یہود میں آپ کا ذکر اس حیثیت سے کیا ہے اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے:۔ "یسوع نے بہ حیثیت معلّم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بہ حیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت و ناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی" (جلد ۷، ص ۱۶۷) ۱۲۶ (یہ ارشادِ خداوندی) مُصَدِّقًا... التَّوْرٰىةِ کوئی نیا نبی پُرانے نبی کی تردید و تغلیط کے لئے نہیں آتا۔ (اس قسم کی تحقیقات صرف حکماء و فلاسفہ کو مبارک رہے) بلکہ ہر جدید پیامبر پیامِ قدیم کی تجدید و تکمیل ہی کے لئے آتا ہے۔ حضرت مسیحؑ بھی یہاں یہود سے یہی کہہ رہے ہیں کہ میں شریعتِ موسوی کے مٹانے کے لئے نہیں اُن کی تجدید و تصدیق کے لئے آیا ہوں۔ اس قسم کی تصریحات مروجہ انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں" (متی ۵: ۱۷) "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا۔ ۱۶: ۱۷) (انجیلی بیان

دوسری طرف یہودیت کے رد میں آپ کی شہادت دے دی۔ تیسری طرف مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ کی ترکیب سے یہ ظاہر کر دیا کہ اس مقبولیت میں وہ منفرد نہیں، دوسرے بندے بھی اُن کے ساتھ شریک ہیں اور مسیح بایں عظمت و اجلال بہرحال عبدیت سے مافوق کوئی
مرتبہ نہیں رکھتے۔ ۱۱۸ (نہ کہ معاذ اللہ ساحر یا شعبدہ باز یا بداخلاق جیسا کہ یہود نے افترا کر رکھا ہے) لیکن بایں عظمت و اجلال بہرحال دوسرے ہی بندگان صالح کی طرح ہوں گے۔ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ نہ کہ ان سے مافوق کچھ اور جیسا کہ مسیحیوں
نے اپنے دل سے ٹھہرا لیا ہے۔ یُكَلِّمُ النَّاسَ۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے آپ کے جوشِ تبلیغ کی جانب۔ لوگوں سے آپ کی گفتگو قصہ کہانی کی نہیں یقیناً توحید و تصحیح عقائد ہی پر ہوگی۔ انجیلوں سے بھی جتنی شہادتیں ملتی ہیں سب سے تائید آپ کے
جوشِ تبلیغ ہی کی ہوتی ہے۔ فِی الْمَهْدِ۔ یعنی بالکل بچپن سے۔ یا اس سن سے جو گہوارہ میں لیٹے رہنے کا ہوتا ہے۔ ای طفلا (کشاف) حال کونہ طفلا (بیضاوی) اتنی کم سنی سے گفتگو پر یہ قدرت اعجازی رنگ میں تھی۔ انجیلی روایتوں سے معلوم
ہوتا ہے کہ آپ بارہ سال کے سن میں تبلیغ کرنے لگے تھے۔ اور اچھے اچھے دانا آپ کی گفتگو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ (لوقا ۲: ۴۲، ۴۶، ۴۷) كَهْلًا۔ سے مراد پختہ عمر سے ہے یعنی بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی زمانہ اس کا اطلاق ۳۰ سے اوپر
۵۰ سال کے سن تک ہوتا ہے۔ الکھل بین حال الغلومة وحال الشیخوخة (قرطبی) الکھل ما بین الشاب والشیخ (روح) حضرت مسیح کے بچپن اور پھر پختہ عمری کے ذکر سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ ہر انسان کی طرح آپ کا نشوونما بھی
تدریجاً ہوتا رہا۔ اور یہ نشوونما خود ایک مستقل دلیل ردِ الوہیت پر ہے۔ ۱۱۹ (بہ طریق مواصلت) حسب بیانِ انجیل حضرت مریمؑ کی رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی کے قبل نامزد شوہر سے خلوت یہودی قانون میں بالکل ممنوع تھی۔
قَالَتْ رَبِّ۔ انجیل میں اس مقام پر ہے کہ "مریمؑ نے فرشتہ سے کہا" (لوقا ۱: ۳۴) قرآن مجید نے اپنے حسب دستور اس موقع پر بھی انجیل کے بیان کی تصحیح کر کے یہ بتا دیا کہ مریمؑ کی مخاطبت اب فرشتہ سے نہیں براہِ راست حق تعالیٰ سے تھی اور

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

کتاب اور حکمت اور انجیل سکھا دے گا ۱۲۲ اور وہ پیمبر ہوگا

اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ

بنی اسرائیل کے لئے ۱۲۳ (اور کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ

نشانی لیکر آیا ہوں ۱۲۴ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر

الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی

میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ

ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں

فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بتلا دیتا ہوں بیشک ان (سارے واقعات) میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ

رکھتے ہو ۱۲۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت

التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ

کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں ۱۲۶

ہر صاحبِ نظر پر واضح ہے کہ اس سے مریمؑ کا مرتبۂ معرفت و ایمان کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ
وَلَدٌ۔ فرشتہ کی زبان سے وہ پوری تقریر سن کر اب حضرت مریمؑ اپنے مالک و مولیٰ سے یہ عرض کر رہی تھیں۔ آپ
کا یہ سوال ظاہر ہے کہ حیرت اور واقعہ کی غرابت کی بنا پر تھا نہ کہ شک و انکار کی بنا پر۔ فرشتہ یا فرشتوں سے
دوبدو ہو جانے اور اُن کی گفتگو سن لینے کے بعد انکار کا تو اب کوئی محل رہا ہی نہیں تھا۔ استبعاد البتہ باقی
تھا جو عین لازمۂ بشریت تھا۔ انجیل نے اس موقع پر جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:-
"فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا۔ سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ
اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا کلام ہے۔ فرشتہ نے اُس سے کہا اے مریمؑ خوف نہ
کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع ہوگا
وہ بزرگ ہوگا ...... مریمؑ نے فرشتہ سے کہا۔ یہ کیونکر ہوگا جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں جانتی اور
فرشتہ نے جواب میں اُس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی"
(لوقا ۱: ۲۸–۳۴) ۱۲۰ رفع استبعاد کے لئے حضرت مریمؑ کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ نظر مسبب الاسباب
پر رکھنی چاہیے کہ وہی فاعلِ حقیقی ہے نہ کہ اسباب طبعی و ظاہری پر کہ اُن کی حیثیت محض واسطہ اور ذریعہ کی ہے
كَذٰلِكِ۔ یعنی مسِ بشر کے بغیر ہی۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔ ابھی چند ہی آیتیں قبل ذکر زکریا علیہ السلام
اور بڑھاپے میں ان کی اولاد کا آچکا ہے۔ وہاں اس موقع کے لئے جو آیت تھی اس کے الفاظ تھے كذٰلك
یفعل اللہ ما یشاء۔ وہاں یفعل اور یہاں یخلق کا استعمال محض اتفاقی نہیں۔ مفسر محقق ابو حیان
غرناطی نے خوب لکھا ہے کہ وہاں تو ولادت عام سنتِ الٰہی کے مطابق یعنی مرد و زن کے اتصال سے تھی
اگرچہ وہ مرد و زن سن سے اُتر چکے تھے وہاں قدرتِ الٰہی کے اظہار کے لئے یفعل بالکل کافی تھا۔ برخلاف
اس کے یہاں عام و جاری سنت الٰہی سے ہٹ کر بغیر مرد و زن کے اتصال کے صرف عورت ہی سے ولادت
کا تحقق کرانا ہے۔ اس لئے یہاں لفظ بھی یخلق لایا گیا جو حق تعالیٰ کی صفت ایجاد و اختراع پر دلالت کر رہا ہے۔
هناك یفعل لانه ممكن اذ هو من ذكر وانثى مسنین وهنا یخلق لانه لم یعهد مولود من
غیر ذكر فجاء بلفظ یخلق الدال على الاختراع الصرف من غیر مادة ذكر (نهر) من حیث
ان امر زكریا داخل فی الامكان العادی الذی یتعارف وان قل وفی قصة مریم یخلق
لانه لا یتعارف مثلا وهو وجود ولد من غیر والد فیه ایجاد واختراع من غیر
سبب عادی فلذلك جاء بلفظ یخلق الدال على هذا المعنى (بحر) ۱۲۱ (اور وہ ہو جاتا ہے
خواہ اسباب کے واسطہ سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے) اس قسم کی آیتیں برابر ان فلسفیوں اور باطل
مذہبوں کی رد میں ہیں جو حادث پر قیاس کر کے قدیم کو بھی سلسلۂ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔ لَهٗ۔ نادانوں
نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا خطاب
اس سے ہوتا کس طرح ہے؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں تو موجود ہی ہے یعنی اس کو حکم ہوتا ہے کہ خارج
میں بھی موجود ہو جا۔ یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ۔ قول کن سے مراد اس دو حرفی لفظ کا تلفظ نہیں کہ یہ حروف تو خود ہی حادث ہیں۔ مراد اللہ تعالیٰ کا قول اس کیفیت کے ساتھ ہے جو اس کے شانِ کمال کے لائق ہے۔ اور جس طرح اس کی تمام صفات
کی تفصیلات فہم بشری کی گرفت سے باہر ہیں اس کے قول کی بھی کیفیت تفصیل سے نہیں سمجھی جا سکتی۔ مراد صرف یہ کہ ارادۂ الٰہی اور اس کی تعمیل کے درمیان کوئی شی حائل یا حاجب نہیں۔ ۱۲۲ یُعَلِّمُهٗ میں ضمیر مفعول ظاہر ہے
کہ ولد مریمؑ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی جانب ہے۔ حضرت کا جو مقامِ عظمت ان الفاظ سے بیان کرنا مقصود ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خود مریمؑ کی بھی تشفیٔ خاطر کا کتنا سامان ضمناً ہوا جا رہا ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ تم غم نہ کرو اور پریشان
نہ ہو۔ بے شوہری اولاد کی بنا پر خلق تمہیں جتنا بدنام اور مطعون کرے گی۔ اس کی تلافی کے لئے اولاد بھی تمہیں کس پایہ کی مرحمت کی جا رہی ہے۔ اَلْكِتٰبَ۔ یعنی کتب سماوی۔ لفظ کتاب بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ ذهب كثیرون
الى ان ال فیه للجنس والمراد جنس الكتب الالٰهیة (روح) اَلْحِكْمَةَ۔ حکمت سے مراد یا تو جمیع امور دین ہیں (اور اس سے ضمناً اس پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ پیمبر دینی تعلیم اپنی کتاب یا صحیفہ کے علاوہ بھی لے کر آتے ہیں) اور یا تہذیب اخلاق
جمیع ما علمه من امور الدین (روح) المراد بالحكمة تعلیم العلوم و تهذیب الاخلاق (کبیر) ۱۲۳ رَسُوْلًا۔ آپ کا مرتبہ پیمبری کا ہوگا۔ نہ آپ معاذ اللہ ساحر و شعبدہ باز ہوں گے جیسا کہ بدتمیز یہود نے آپ کو سمجھا۔
اور نہ نعوذ باللہ آپ خود خدا یا فرزند خدا ہوں گے۔ جیسا کہ نصرانیوں نے اپنی بیہودگی سے فرض کر لیا۔ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ یہ بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی اور دوسرے بنی اسرائیلی پیمبروں کی طرح
آپ بھی صرف قومی نبی تھے۔ انجیل تک میں یہ تصریح۔ اتنی تحریفوں کے بعد بھی باقی رہ گئی ہے:- "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل
کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی ۱۰: ۵–۷) "اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا" (متی ۱۵: ۲۴) تقریباً دو ہزار سال کی کلیسا کی ساری ملمع
سازیوں کے بعد بھی آج بھی خود مسیحی فاضلوں کو اقرار ہے کہ تبلیغ نصرانیت کی یہ عالمگیری ایجاد بندہ ہے ورنہ خود حضرت مسیح کے ہاں اس تعلیم کا پتہ نہیں۔ "مسیح نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۳
طبع چہاردہم) اور مسیح تو مسیح حواریوں تک کا بھی یہ خیال نہ تھا۔ "اولین شاگردوں کو تعلیم مسیح کی عالمگیری کا احساس نہ ہوا" (ایضاً ص ۶۳۲) ۱۲۴ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ۔ اٰیة کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ یہاں معجزہ کے مفہوم میں آیا ہے۔
معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام و متعارف سلسلۂ اسباب سے الگ ہو۔ پیمبر کے ذریعہ سے ایسے غیر عادی واقعہ کا وقوع اس امر کی دلیل ہوتا تھا کہ نصرتِ حق و تائید الٰہی پیمبر کے ساتھ ہے۔ معجزہ کا فاعل کائنات کے بڑے چھوٹے معمولی

لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ
پاس تھے نہیں، اس وقت جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریمؑ کی سرپرستی
مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾
کرے اور نہ آپ ان کے پاس اُس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے
اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ
(وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریمؑ! اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے
مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا
ایک کلمہ کی ان کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ ہوگا ۱۱۶ دنیا و آخرت
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ
(دونوں) میں معزز اور مقربوں میں سے ۱۱۷ اور وہ لوگوں
النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾
سے گفتگو کریں گے۔ گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوں گے ۱۱۸
قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ
وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں
بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى
لگایا ہے ۱۱۹ ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ۱۲۰ جب وہ کسی بات کو
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ
پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس سے کہتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتی ہے اور اللہ اسے

۱۱۱ (بعض خصوصیات کے لحاظ سے) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ یہ قول خواہ بطور الہام ہو جس کا تعلق محض قلب و باطن سے ہے خواہ بطور ندا ہو جس کا تعلق سماعت اور ظاہر سے ہے ملٰٓئکہ کے صیغہ جمع سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہنے والے کئی کئی فرشتے ہوں۔ ملٰٓئکۃ سے مراد جنس ملائکہ بھی ہوسکتی ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ ملائکہ کا غیر انبیاء کے ساتھ ہمکلام ہونا آیت سے ثابت ہے البتہ ملائکہ کے لائے ہوئے پیام تبلیغ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اصْطَفٰكِ ۔ اس اصطفاء کا تعلق مریم علیہا السلام کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے تو شروع ہی سے آپ کو بزرگی دے رکھی ہے، آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سُن کر آپ کو خلعتِ وجود بخشا گیا۔ پھر ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرہ میں غذائیں جس اعجازی رنگ میں پہنچائی گئیں اس نے زکریاؑ نبی تک کو متحیر کردیا۔ یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔ طَهَّرَكِ ۔ یعنی آپ کو گناہوں کی آلائش سے پاک صاف کردیا۔ آپ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ بنادیا۔ یعنی طهر دينك من الريب والادناس التى فى اديان نساء بنى ادم (ابن جریر) اى نزهك عن الاخلاق الذميمة والطباع الردية (روح) روى عن الحسن وابن جبير ان المراد طهرك بالايمان عن الكفر وبالطاعة عن المعصية (روح) طهرك من الافعال الذميمة والعادات القبيحة (کبیر) عن مجاهد عما يعم النساء فى خلق وخُلق ودين (بحر) عن مجاهد من الريب والشكوك (بحر) یہ خصوصیت کے ساتھ یہود کے رد میں ہے جو اپنی خباثت سے طرح طرح کے گندے الزامات حضرت مریمؑ پر لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آرہے ہیں۔ ۱۱۲ اِصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ پہلے اصطفاء کا تعلق مریمؑ کے بچپن سے ہے۔ یعنی پیدائش ہی ایسی ہوئی۔ اس اصطفاء کا تعلق ان کے بلوغ کے بعد سے ہے۔ یہ دوسری برگزیدگی خاص خاص حیثیات سے تھی مثلاً اس صفت میں کہ مرد کے توسط کے بغیر محض مس مَلَکی سے انہیں ماں بنادیا گیا انجیل میں بھی فضیلتِ مریمؑ کا ذکر ہے لیکن قرآن مجید سے کہیں ہلکے لفظوں میں:۔ "اس کنواری کا نام مریمؑ تھا اور فرشتے نے اس کے پاس اندر آکر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے" (لوقا ۱: ۲۷، ۲۸) ۱۱۳ آیت ماقبل اگر یہود کے رد میں تھی جنہوں نے مریمؑ کی ذات کو اتہامات کا ہدف بنا رکھا تھا تو یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے رد میں ہے۔ یہود کو تو یہ بتایا گیا کہ آپؑ بڑی عبادت گزار و طاعت شعار خاتون تھیں اور نصرانیوں کو یہ جتلایا گیا کہ مریمؑ نہ (نعوذ باللہ) خدا کی ماں تھیں اور نہ کسی قسم کی دیوی، کہ ان کی پرستش کی جائے یا انہیں کسی درجہ میں بھی شریکِ عبادت کیا جائے بلکہ ان کی ساری بزرگی و برگزیدگی تو بس یہی تھی کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ کی مخلص پرستار، فرمانبردار اور نہایت درجہ عبادت گزار و طاعت شعار تھیں۔ ۱۱۴ (اے پیغمبرؐ) یعنی یہ واقعات وہ ہیں جو آپ سے کئی سو سال قبل ایک دوسرے ملک میں پیش آئے تھے اور اب دنیا سے ان کی صحیح تاریخ تک مٹ چکی ہے اور اُن کے علم واقعی کا کوئی ذریعہ بھی اب بجز وحی الٰہی کے باقی نہیں۔ آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک وحی کے ذریعہ سے القا کئے جارہے ہیں اور یہ بجائے خود ایک دلیل آپ کی صداقت کی ہے۔ ۱۱۵ (شام کے دریائے یردن میں تفاؤل کے لئے)۔ اِذْ يُلْقُوْنَ ۔ اس فعل کے فاعل کون تھے؟ یروشلم کے ہیکل مقدس کے خدام اور کاہن (بہ اصطلاح یہود) اَقْلَامَهُمْ ۔ ہیکل سلیمانی کی خدمت و نگہداشت کے لئے خادموں کی ایک بڑی جماعت رہا کرتی تھی جیسے کہ بڑی مسجدوں کی خدمت کے لئے جاروب کشوں، فراشوں، دربانوں، مؤذنوں وغیرہ کا پورا عملہ رہتا ہے۔ حضرت مریمؑ کے والد حضرت عمران اپنے زمانہ میں ان خادمانِ حرم کے سردار تھے۔ اُن کی وفات پر سوال یہ پیدا ہوا کہ اب مریمؑ کا سرپرست کون ہو۔ رشتہ ان خادموں میں سب سے قریب حضرت زکریاؑ کا تھا کہ آپ مریمؑ کے خالو تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعہ سے کیا جائے۔ فال بالشاؤ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ ان کے قلم جو توریت لکھنے کے ہوتے تھے، اُن پر توریت شریف ہی کے کچھ کلمات لکھ کر انہیں دریائے یردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اور قلم عموماً دریا ہی کے رُخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم مخالف رُخ کو بہتے اور یہی مخالف بہاؤ کامیابی کی علامت سمجھی جاتی جیت ایسے ہی قلم کے مالک کی سمجھی جاتی۔ گویا غیب سے ڈگری اُس کے حق میں ہوگئی۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ ۔ خطاب رسول اللہ صلعم سے ہے یعنی جب یہ مریمؑ کی کفالت و سرپرستی کا قضیہ طے ہو رہا تھا تو آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے اور نہ کوئی معتبر چشم دید شہادت ہی آپ تک پہنچی، پھر جو آپ اتنی صحیح اور سچی خبریں اپنی زبان سے ادا کر رہے ہیں ان کا ذریعہ بجز وحی الٰہی کے اور ہو کیا سکتا ہے؟ ۱۱۶ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ کے صیغے جمع پر حاشیے دو بار ابھی اوپر گزر چکے۔ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ ۔ کلمۃ اللہ پر حاشیہ ابھی چند آیتیں قبل گزر چکا ہے۔ بشارت یہاں مریمؑ کو بیٹے کی مل رہی ہے۔ وہ بیٹا جسے بن باپ کے ہونے کی بنا پر کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ اس وقت تک یہودی رسم و رواج کے لحاظ سے ناکتخدا اور کنواری تھیں البتہ آپ کی منگنی آپ ہی کے کفو و قبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہوچکی تھی جن کے ہاں کاروبار چوب سازی کا تھا۔ انجیل کا بیان ہے:۔ "جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریمؑ تھا۔" لوقا ۱: ۲۶، ۲۷) "یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔" (متی ۱: ۱۸) رسم منگنی کی جو اہمیت یہود کے ہاں تھی اس کے لحاظ سے ہمیں اپنی اصطلاح و زبان میں یوں کہنا چاہیئے کہ آپؑ کا عقد ہوگیا تھا، مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا خلوت کی اجازت ابھی عرفاً نہیں ہوئی تھی۔ اِسْمُهٗ ۔ اسم کی وسعت مفہوم و جامعیت پر حاشیہ پارۂ اول میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ اسم سمّی کے تعارف کے لئے ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے تعارف کے لئے یہ پوری عبارت ضروری تھی۔ المسیح عیسیٰ بن مریمؑ۔ الْمَسِيْحُ ۔ لفظ مسیح کے اشتقاق میں اختلاف ہے لیکن خواہ یہ لفظ عربی الاصل ہو خواہ عبرانی کے کسی لفظ کا معرب۔ بہرصورت اپنے معنی کے لحاظ سے "مبارک" کا مرادف ہے۔ عِيْسٰى ۔ انجیل کے تلفظ اور املا میں "یسوع"۔ ۱۱۷ (اللہ تعالیٰ کے) ابْنُ مَرْيَمَ ۔ یہودیت اور مسیحیت دونوں کے رد ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ابن مریم کہہ کر قرآن مجید نے یہ حقیقت بیان کردی کہ عیسیٰ علیہ السلام خود تو بشر تھے ہی ساری نسل بھی کسی دیوی دیوتا کسی مافوق البشر کے نہ تھے محض عورت ذات کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ یہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین و افترا روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت واکرام ہیں۔ یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیحؑ کی توہین وتحقیر کا اٹھا نہیں رہا ہے۔ یہ قرآن ہی کی برکت و اعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب خود یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے۔ آخرت کے اعزاز کا مشاہدہ تو خیر جب ہوگا ہوگا۔ دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے ۴۰۔۵۰ کروڑ مسلمان آج انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں عیسائی ہیں جو انہیں انسان کے مرتبہ سے بھی بلندتر سمجھ رہے ہیں یہ عقیدۃً گو احمقانہ ہے لیکن بہرحال آپ کی تعظیم واحترام ہی سے ناشی ہے۔ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ قرآن مجید کا یہ کمال اعجاز ہے کہ ایک ایک لفظ سے پورا پورا مضمون ادا ہوجاتا ہے یہاں اس لفظ سے ایک طرف تو آپ کا اصل مقام بتادیا، یعنی تقرب الٰہی

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾ قَالَ
ہوں گے اور مقتدا ہونگے اور بڑے ضبطِ نفس کرنے والے ہونگے اور نبی ہونگے صالحین میں سے[۱۰۶] (زکریاؑ) بولے

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَ
اے میرے پروردگار میرے بیٹا کس طرح ہوگا درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری

امْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ
بیوی بانجھ ہیں[۱۰۷] ارشاد ہوا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے[۱۰۸] (زکریاؑ) بولے

رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ
اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے[۱۰۹] ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہ کر سکیگا

اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ
تین دن تک بجز اشارہ کے[۱۱۰] اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو اور تسبیح کرتے رہو دن ڈھلے بھی

وَالْاِبْكَارِ ﴿٤١﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
اور صبح بھی[۱۱۱] اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بیشک اللہ نے

اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٢﴾
آپ کو برگزیدہ کیا ہے[۱۱۲] اور پاک کر دیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کر لیا ہے[۱۱۳]

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾
اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہ اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ[۱۱۴]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ
یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ کے اوپر ان کی وحی کر رہے ہیں[۱۱۵] اور آپ تو ان لوگوں کے

ع ۴ ۱۱ ۱۲

کے فضائل میں ہیں:۔ دلت هذه الاٰية على طلب الولد وهى سنة المرسلين والصديقين (قرطبی) وقد ترجم البخارى على هذا باب طلب الولد والاخبار فى هذا المعنى كثير ما تحث على طلب الولد وتندب اليه (قرطبی)
ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً۔ طَیِّبہ کے اضافہ نے اسے صاف کر دیا کہ اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہر حال رہتی ہے اولاد کی خواہش میں بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن حضرت زکریاؑ محض اولاد ہی نہیں چاہتے، اولاد صالح چاہتے ہیں جو اُن کے بعد اُن کے مشن تبلیغ توحید کو جاری رکھے۔ اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاقی و رُوحانی فضائل بہر صورت مقدم رہتے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسے امور کے لئے دعا کرنا جو اسباب قریبہ سے ہٹ کر ہوں، آداب دُعا کے منافی نہیں۔ ۱۰۳ (اور بڑا قبول کرنے والا ہے) حق تعالیٰ کی اس صفت پر بار بار زور دینا مادّی اور نیچری عقیدہ کے لوگوں کے رَد میں ہے جو واقعات کو تمامتر اسباب ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور ارادۂ حق تعالیٰ کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ انجیل میں ہے کہ زکریا نام ایک کاہن تھا۔ اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔" (لوقا۔ ۱: ۵۔ ۷) ۱۰۴ (دُعا معاً قبول ہو گئی۔ اور آپ کو عالَم نماز ہی میں فرزند کی بشارت مل گئی۔ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغۂ جمع ہے لیکن لازمی نہیں کہ آواز دینے والے کئی ہوں۔ صیغۂ جمع اسم جنس کا بھی کام دیتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آواز دینے والا ایک ہی فرشتہ ہو۔ وجائز فى العربية ان يخبر عن لفظ الجمع (قرطبی) قال الزجاج اى اتاه النداء من هذا الجنس الذين هم الملٰئكة (ابوسعود) ذلك جائز فى كلام العرب بان تخبر عن الواحد بمذهب الجمع (ابن جریر) یَحْیٰی۔ عہدِ جدید کے صحیفوں میں ان کا نام یُوحنّا آتا ہے۔ انجیل میں اس موقع پر آتا ہے:۔ "فرشتہ نے اس سے کہا۔ اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دُعا سنی گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یُوحنّا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی"۔ (لوقا ۱: ۱۳) حضرت عیسیٰؑ کے خالہ زاد بھائی اور آپ سے سن میں حسبِ روایت انجیل صرف چھ مہینہ بڑے تھے ۳۰ء میں والئ شام ہیرود کے حکم سے شہید ہوئے۔ ۱۰۵ كَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ جس طرح رُوح القدس لقب حضرت جبرئیلؑ کا ہے، کلمۃ اللہ لقب حضرت مسیحؑ کا ہے۔ یعنى عيسىٰ فى قول اكثر المفسرين (قرطبی) وهو اختيار الجمهور (کبیر) قاله ابن عباس ومجاهد والحسن وقتادة و السدى وغيرهم (بحر) مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ آپؑ کی اصل حیثیت مسیحؑ کے پیش رَو اور نقیب ہی کی تھی۔ بعض نے کلمۃ اللہ سے مُراد کتاب اللہ بھی لی ہے۔ قال ابو عبيدة معنى بكلمة من الله بكتاب من الله (قرطبی) سَيِّدًا۔ یعنی دین کے باب میں مقتدا و پیشوا۔ مسیحی تو خیر آپ کے تقدس کے قائل ہی ہیں یہود جو آپ کے منکر اور آپ کے سخت دشمن ہیں، وہ بھی آپ کی مرجعیت و مقبولیت سے انکار نہیں کرتے۔ حَصُوْرًا۔ یعنی لذات و شہوات پر اُسے قابو حاصل ہوگا۔ اور وہ نہایت درجہ محتاط و متقی ہوگا، انجیل میں آپ کے زہد و تبتل کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے مثلاً:۔ "وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مَے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔ اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے رُوح القدس سے بھر جائیگا"۔ (لوقا۔ ۱: ۱۶) "اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو اُن کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ انبیاء کی رُوح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے"۔ (لوقا۔ ۱: ۱۷، ۱۸) "اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا"۔ (لوقا۔ ۱: ۸۰) نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ حضرت یحییٰؑ کی نبوت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں ہے جو نعوذ باللہ آپ کو ایک بنا ہوا انسان سمجھتے تھے اور آپ کی صالحیت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں تو مُسلّم ہے لیکن خود مسیحیوں کے مقابلہ میں بھی ہے جن کے نزدیک عصمت و تقویٰ لازمۂ نبوت نہیں۔
۱۰۶ انجیل میں اس موقع پر ہے۔ "زکریاؑ نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بُوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی عمر رسیدہ ہے"۔ (لوقا۔ ۱: ۱۸) "ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا۔ ۱: ۷) اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ یعنی اس بشارت کے تحقق کی متعین صُورت آخر کیا ہوگی؟ آیا میری جوانی عود کر آئے گی یا اور کوئی خاص انقلاب ہوگا؟ وعدۂ الٰہی سے بے اعتباری کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ حضرت تو محض متعین صُورت جاننا چاہتے ہیں لیکن بالفرض عدمِ اطمینان بھی مُراد لی جائے، جب بھی خلاف اسباب عادیہ کسی شے کے غیر وقوع پر حیرت بالکل طبعی ہے اور پیغمبر بھی امُور طبعی میں بالکل بشر ہی تھے۔ ۱۰۷ (کہ اس حقیقت کا مراقبہ ہر استبعاد کے رفع کر دینے کے لئے کافی ہے) كَذٰلِكَ یعنی عودِ شباب وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ بس اسی موجودہ حالت کے ساتھ ولادتِ فرزند ہوگی۔ ۱۰۸ (جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ گھر میں حمل ہے اور زمانۂ ولادت قریب ہے اور میں ادائے شکر کا سامان کر سکوں) اٰيَةً۔ ہر ایسی چیز ہے جس سے قدرتِ الٰہی، نصرتِ غیبی خاص طور پر ظاہر ہو رہا ہو۔ ایسی چیز کو قدرۃً معمول عام سے کسی قدر ہٹا ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں اعجازی رنگ ضرور ہونا چاہئے۔ ۱۰۹ (اور تسبیح و عبادتِ الٰہی اس حال میں بھی جاری رہے گی) اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ۔ انجیل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی معصیت حضرت زکریاؑ سے سرزد ہو گئی تھی۔ اور اس کی سزا میں اُن کی قوتِ گویائی چند روز کے لئے سلب کر لی گئی تھی۔ "اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اسلئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رؤیا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا۔ اور وہ گونگا ہی رہا"۔ (لوقا ۱: ۲۰، ۲۲) قرآن مجید جو تمام قدیم صحیفوں پر مہیمن یا نگران و نگہبان ہے اور ان کی تمام غلطیوں اور غلط بیانیوں کی تصحیح کرتا جاتا ہے، یہاں بھی اس نے حسبِ معمول اپنا فرض ادا کیا اور حضرت زکریاؑ سے یہ بہتان رفع کر کے صحیح صورت حال یہ بیان کیا کہ ایک علامتِ غیبی و اعجازی کی تو انہوں نے خود درخواست کی تھی اور ان کی اس درخواست پر یہ علامت غیبی عطا ہوئی تھی کہ آپ تسبیح و ذکر الٰہی تو اپنی جگہ پر بدستور کرتے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت آپ کو تین دن کے لئے حاصل نہ رہے گی۔ تکلم الناس میں الناس ہی تو نقرہ کی جان ہے۔ انما خص تكليم الناس ليعلم انه يحبس لسانه عن القدرة على تكليمهم خاصة مع ابقاء قدرته على التكلم بذكر الله (مدارک) ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ تین دن اور تین راتیں۔ دن کہنے سے رات اس میں تبعاً شامل ہو گئی ہے سکوت طویل خصوصاً صوم سکوت کی حالت میں قدیم مذاہب و ادیان میں جزء عبادت رہ چکا ہے۔ رَمْزًا۔ رمز میں سر کے اشارے بھی آ گئے اور ہاتھوں کے بھی۔ انجیل میں ہے:۔ "اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا" (لوقا ۱: ۲۲) فقہاء [illegible] نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ اشارہ بھی کلام کا قائم مقام ہے۔ فى هذه الاٰية دليل على ان الاشارة تنزل منزلة الكلام وذلك موجود فى كثير من السنة (قرطبی) ۱۱۰ (دل و زبان سے) وَاذْكُرْ وَسَبِّحْ یعنی ذکر الٰہی و تسبیح کا شغل دل میں بھی [illegible] بھی یہ نہ ہوگا کہ آپ کی زبان بطور مرض یا عذاب الٰہی کے مطلقاً بند ہو جائے اور آپ بالکل "گونگے" ہو جائیں (جیسا کہ انجیل میں درج ہے) بلکہ ذکر و تسبیح میں آپ برابر لگے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ رہیں گے اور یہی اس امر [illegible] قریب ہو گیا دو ظہور یحییٰ کا زمانہ قریب آ گیا۔ عَشِىّ۔ زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت اس میں آ گیا۔ العشى من حين ان تزول الشمس الى ان تغيب (کشاف) اِبْكَار۔ طلوع فجر سے دن [illegible] الابكار من طلوع الفجر الى وقت الضحى (کشاف) محاورہ میں مُراد صبح و شام کے اوقات کی تعیین و تخصیص ہی نہیں بلکہ دوام بھی ہو سکتی ہے۔

۹۳ والدۂ مریمؑ کی توحید پرستی مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ وذریّتها۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدۂ مریمؑ اللہ سے امید لگائے ہوئے تھیں کہ لڑکی کا سلسلۂ نسل چلیگا ۹۴ یعنی والدۂ مریمؑ کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کرلیا۔ جو تاریخ خدمت ہیکل میں ایک نئی بات تھی۔ مسیحی نوشتوں کے بموجب حضرت مریمؑ تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے قبول کرلی گئی تھیں اور معبد کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو ہیسٹنگز Hastings کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۳ صفحہ ۲۸۸۔ نیز بج (Budge) کی حکایات خاتون مریمؑ Legends of Lady Mary ۹۵ یہ اچھا نشوونما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہوا اور ممکن ہے کہ قوائے روحانی واخلاقی کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں حیثیتوں سے ہو۔ یعنی سوّی خلقها من غیر زیادة ولا نقصان (قرطبی) ای ربّاها الرب تربیة حسنة فی عبادة و طاعة لربها قاله ابن عباس (روح) مجاز عن تربیتها بما یصلحها فی جمیع احوالها (بیضاوی) عبارة عن حسن النشأة والجودة فی خلق وخلق فانشأها علی الطاعة والعبادة (بحر) عجیب تماشہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے شرف وعظمت کی یہ ساری تفصیلات انجیل میں نہیں، قرآن مجید ہی میں مل رہی ہیں۔ انجیل اس قسم کے جزئیات سے بالکل خاموش ہے۔ ۹۶ زکریّا اللہ کے پیغمبر تھے۔ مسیحی صحیفے ان کے تذکرہ سے گویا بیگانہ ہیں، چار مقدس و مستند انجیلوں میں لے دے کر صرف ایک جگہ ان کا ذکر انجیل لوقا میں آتا ہے۔ وہ بھی پیغمبر کی حیثیت سے نہیں صرف ایک بزرگ و راستباز کاہن کی حیثیت سے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام ایک کاہن تھا (لوقا ۱: ۵) یہ حضرت زکریّا رشتہ میں حضرت مریمؑ کے خالو تھے یعنی آپ کی خالہ کے شوہر۔ حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمران کی وفات آپ کے بچپن ہی میں ہوگئی تھی اور ان کی وفات کے بعد ہیکل کے خادموں (یا یہود کی اصطلاح میں کاہنوں) کی سرداری حضرت زکریّا کے حصّہ میں آئی تھی۔ آپ ایک تو مریمؑ کے عزیز قریب اور پھر خدام ہیکل کے سردار حضرت مریمؑ کی تربیت کا واسطہ و ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بنایا۔ کفّلها کے لفظ میں اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ یہ سب خدائی انتظامات تھے۔ زکریّا کی حیثیت محض واسطہ یا ذریعہ کی تھی ۹۷ المحراب۔ محراب حجرہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہوکر بیٹھے۔ محراب مسجد کو بھی محراب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس دَر میں امام نماز سب سے الگ اور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ المحراب الغرفة (قاموس) قال الازهری وسمی المحراب محرابا لانفراد الامام فیه وبعده من الناس (لسان) کلما۔ ہیکل کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے ادھر اُدھر زاویے، حجرے یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے، انہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریمؑ کا تھا۔ حضرت زکریّا ایک تو یوں بھی سردارِ خدام تھے۔ اور اس حیثیت سے ہر خادم وخادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریمؑ کے تو آپ بزرگ و سرپرست بھی تھے ان کے حجرہ میں متعدد بار آپ کی آمد ورفت رہا کرتی۔ قرآن حکیم کے ایک ذرا سے لفظ کُلّما نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریّا کی کثرت آمد ورفت اور غیر متوقع وجودِ رزق سب کی طرف اشارہ کردیا۔ وکلما تقتضی التکرار فیدل علی کثرة تعهده وتفقده لاحوالها ودلت الاٰیة علی وجود الرزق عندها کل وقت یدخل علیها (بحر) رزقًا کھانے پینے کا سامان۔ مثلاً تر وتازہ میوے۔ بعض "جدت پسندوں" نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم وحکمت کے لئے ہیں۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کرجانا ہے۔ ابعد من فسّر الرزق هنا بانه "فیض" (بحر) هذا شبیه بتفسیر الباطنیة (بحر) رزقًا کی تنوین تعظیم وتفخیم کے لئے ہے یعنی وہ رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا۔ التنکیر فی قوله رزقا یدل علی تعظیم حال ذٰلك الرزق کانه قیل رزقًا ای رزق غریب عجیب (کبیر) مریمؑ اپنی ساری عظمت وجلالت کے باوجود بہرحال پیمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہل سنت نے آیت کو اثبات کراماتِ اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقۂ شیعہ بھی اس باب میں اُن سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے۔ واستدل بالاٰیة علی جواز الکرامة للاولیاء لان مریم لا نبوة لها وهٰذا هو الذی ذهب الیه اهل السنة والشیعة وقالت فی ذٰلك المعتزلة (روح) وهو دلیل جواز الکرامة للاولیاء (بیضاوی) احتج اصحابنا علی صحة القول بکرامة الاولیاء بهٰذه الاٰیة (کبیر) ۹۸ یعنی لاتا تو میں ہی لاتا۔ میرے سوا اور کون اس سامان کا پہنچانے والا ہوسکتا ہے؟ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے۔ استغرب زکریا وجود الرزق عندها

الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (۳۶) فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ

شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ۹۳ پھر اس کے پروردگار نے اس کو بوجہ احسن قبول کرلیا ۹۴

وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا

اور اُس کو اچھا نشوونما دیا ۹۵ اور اُس کا سرپرست زکریّا کو بنا دیا ۹۶ جب کبھی

دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ

زکریّا اُن کے پاس حجرہ میں آتے تو اُن کے پاس کوئی چیز کھانے پینے کی پاتے ۹۷

قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

(ایک بار) بولے کہ مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ ۹۸ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آجاتی

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۳۷)

ہیں ۹۹ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے ۱۰۰

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ

(بس) وہیں زکریّا اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے ۱۰۱ عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنے

مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ (۳۸)

پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر ۱۰۲ بیشک تو دعا کا (بڑا) سننے والا ہے ۱۰۳

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی

پس انہیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ

الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ

رہے تھے کہ اللہ آپ کو یحییٰؑ کی خوشخبری دیتا ہے ۱۰۴ جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے

وهو لم یکن اتی به فسأل علی سبیل التعجب من وصول الرزق الیها (بحر) ۹۹ (براہِ راست اور بلا کسی واسطۂ ظاہری کے) اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کے خوارق کا ظہور کوئی انوکھی بات نہیں ہوتے ہی رہتے ہیں اور بالفرض اس مومنہ قانتہ کو یہ سامان کسی ظاہری واسطہ سے بھی پہنچ رہے ہوں، جب بھی اس کی نظر تو اس واسطہ پر نہیں براہ راست اللہ تعالیٰ پر تھی ۱۰۰ (خواہ واسطوں سے ہو۔ خواہ بلا واسطہ اور بلا استحقاق) اللہ اپنی مشیت تکوینی کے ہر جزئیہ میں جس طرح آزاد ہے اسی طرح تقسیم رزق کے باب میں ہے۔ اس میں رد آگیا ان مشرک قوموں کا جنھوں نے خوشحالی اور بدحالی کو پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے ۱۰۱ (قدرت الٰہی کے تازہ مشاہدہ سے متاثر ہوکر) هُنَا کا دہرا ترجمہ (وہیں) کے علاوہ (معاً) بھی ہوسکتا ہے۔ ہُنا ظرفیہ کے لئے ہے اور اس میں ظرف مکان و ظرف زمان دونوں شامل ہیں یعنی اُسی جگہ بھی اور اسی وقت بھی۔ اسم یشار به للمکان القریب وقد یشار به للزمان اتساعًا (جمل) گو اصلی مفہوم ظرف مکان ہی کا ہے۔ یستعمل للزمان والمکان واصله للمکان (قرطبی) ای فی ذٰلك المکان او فی ذٰلك الوقت فقد یستعار هنا وثم وحیث للزمان (کشاف) هنا ظرف مکان وجوّز ان یراد بها الزمان مجازًا (روح) هُنَالِكَ دَعَا۔ آیت سے استدلال مکان مبارک میں دعا کی مقبولیت پر کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا وقت مبارک میں بھی دعا کی مقبولیت پر حضرت زکریّا کو جب یہ مشاہدہ ہوگیا کہ یہ مقام خرق عادت کے صدور کا ہے تو آپ بھی وہیں دعا کرنے لگے۔ فی قوله هنالك دعا دلالة علی ان یتوفی العبد بدعائه الامکنة المبارکة والازمنة المشرفة (بحر) ۱۰۲ (جو میرے سلسلۂ روحانی کو آگے چلا سکے) هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ۔ مجھے بھی اپنی عنایت سے اسی طرح دے جیسے کہ والدۂ مریمؑ کو مریمؑ عنایت ہوچکی ہیں۔ حضرت زکریّا کا سن زیادہ ہوچکا تھا اور بیوی صاحبہ بھی عقیم سمجھ لی گئی تھیں۔ ایک خارق عادت کو دیکھ کر آپ کا ذہن معاً اسی طرف زور شور کے ساتھ منتقل ہوا کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری یہاں یہ تر وتازہ میوے پہنچادے، وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ اس سن میں مجھے نعمت اولاد سے سرفراز کردے۔ مِنْ لَّدُنْكَ یہ خبر صاف ظاہر کررہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔ ذُرِّیَّةً اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زہد کیا معنی کمال زہد کے بھی منافی نہیں۔ قرآن مجید نے بار بار پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نقل کرکے بتادیا کہ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دُور ہیں جنھوں نے بیوی بچوں کو مطلق صورت میں جنجال قرار دیا ہے۔ ہماری شریعت حقہ میں اولاد کی خواہش تو سنت انبیاء وصدیقین بتائی گئی ہے اور صحیح بخاری میں تو مستقل عنوانات طلب ولد

۵۸۴ خطاب عامۂ ناس سے پیغمبر کے واسطہ سے ہے۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ ۔ اللہ کی اطاعت اصالۃً اور بطور مقصود کے ہے۔ وَالرَّسُوۡلَ ۔ رسُول کی اطاعت تبعاً و نیابۃً ہے بطور آلہ و واسطہ کے یعنی اس حیثیت سے کہ پیغمبر اللہ ہی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ ۵۸۵ (اور یہ لوگ کافر ہی تو ہیں جو اطاعتِ رسُول سے مُنہ موڑے ہوئے ہیں خواہ محبتّ الٰہی کے جیسے ہی دعوے انکی زبانوں پر ہوں) فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ۔ یعنی ایسے صاف و صریح حکم کے ماننے سے انکار کریں۔ ۵۸۶ (چنانچہ وہ خود اور ان کے گھرانے والے توحید کے علمبردار رہے ہیں) اِصۡطَفٰی ۔ یہ برگزیدگی توحید کے علمبرداری کی حیثیت سے رہی ہے۔ اٰدَمَ ۔ حاشیہ پارہ رکوع ۴ کے ذیل میں گزر چکے۔ نُوۡحًا ۔ حضرت نوحؑ بن لامخ بالمک ہوتے میں ایک نہایت قدیم پیمبر گزرے ہیں حسب روایت توریت حضرت آدمؑ سے دسویں پشت میں تھے عمر ۹۵۰ سال پائی۔ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ ۔ آل ابراہیمؑ کے تحت میں اسمٰعیلؑ اور خاندان اسمٰعیل بھی آگئے۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں پر حاشیہ پارہ رکوع ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ اٰلَ عِمۡرٰنَ ۔ عمران کے نام کی تاریخی شخصیتیں دو گزری ہیں۔ ۱۔ ایک حضرت موسیٰؑ کے والد ماجد عمران بن یصہر۔ ۲۔ دوسرے انکے کئی صدی بعد حضرت مریمؑ کے والد ماجد اور حضرت مسیحؑ کے جدِ مادری عمران بن ماتان یہاں مُراد دونوں سے ہو سکتی ہے لیکن بلحاظ سیاق ترجیح عمران ثانی کو ہے حسنؒ اور وہبؒ تابعین سے یہی قول منقول ہے۔ والمراد بعمرٰن هذا هو والد مريم بنت عمرٰن (ابن کثیر) والمراد بآل عمرٰن عيسٰى عليه السلام وامه مريم بنت عمرٰن قاله الحسن ووهب (روح) فقد اختلفوا فيه فمنهم من قال المراد عمران والد موسٰى وهارون ومنهم من قال بل المراد عمرٰن بن ماتان (کبیر)

قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
آپ کہدیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ۵۸۴ اس پر بھی اگر وہ رُوگرداں رہیں تو اللہ کافروں
يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّ
سے (ذرا) محبت نہیں رکھتا ۵۸۵ بیشک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ
اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً
ابراہیمؑ اور خاندانِ عمرانؑ کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے ۵۸۶ ایک دوسرے
بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ‌ۚ ﴿۳۴﴾ اِذۡ قَالَتِ
کی اولاد ہیں اور اللہ (خوب) سننے والا ہے (خوب) جاننے والا ہے ۵۸۷ (اور وہ وقت یاد کرو)
امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ
جب عمران کی بیوی نے عرض کیا ۵۸۸ کہ اے میرے پروردگار میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے اس (بچہ) کی جو
مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّىۡ‌ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۵﴾
میرے پیٹ میں ہے کہ (وہ) آزاد رکھا جائیگا ۵۸۹ سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو تو خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۵۹۰
فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّىۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰى ؕ وَاللّٰهُ
پھر جب اُس نے (مریمؑ) کو جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ۵۹۱ اور اللہ تو خوب
اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى‌ۚ وَاِنِّىۡ
جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا ہے اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا ۵۹۲ اور میں نے اس
سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ
لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو

۵۸۷ سَمِيۡعٌ ۔ سننے والا تمام زبان سے نکلے ہوئے الفاظ و کلمات کا۔ عَلِيۡمٌ ۔ جاننے والا تمام دل کے اندر کے جذبات و خیالات کا۔ ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ۔ نوحؑ اولاد میں حضرت آدمؑ کے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کی اولاد میں۔ اور حضرت عمران ان تینوں کی اولاد میں۔

۵۸۸ یہ اِمۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ ۔ حضرت مریمؑ کی والدہ اور حضرت عیسیٰؑ کی جدۂ مادری تھیں۔ مسیحی نوشتوں میں ان کا نام حنّہ (Haunnae.) آیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ شام وغیرہ میں کلیسا، کلیسائے حنّہ کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔ ودير حنة بالشام معروف وثم دير اٰخر يعرف بدير منه (بحر) وقبر حنة جدة عيسٰى بظاهر دمشق (بحر) ۵۸۹ (ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت و عبادت کے لئے وقف رہے گا) حضرت مریمؑ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نذر نیاز مانی تھی۔ اس کی بابت بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج تھیں لیکن بزرگانِ کلیسا نے جب کاٹ چھانٹ کرکے مستند اناجیل اربعہ مرتب کرنا شروع کیں تو اُن مضامین اور بیانات کو اُن سے خارج کر دیا۔ اور اس کی شہادت آج اُن ہی کے اکابر دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ کیتھولک ڈکشنری ص۴۱۲۔ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۳ ص۲۸۸۔ نَذَرۡتُ ۔ سادہ اردو میں "میں نے منت مانی ہے"۔ لَكَ میں لام تعلیل ہے یعنی مخصوص تیری خدمت و عبادت کے لئے۔ ای لعبادتك (قرطبی) لخدمة بيتك (روح) مُحَرَّرًا ۔ ای حقيقًا خالصًا لله تعالٰى خادمًا للكنيسة حبيسًا عليها (قرطبی) ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے اولاد کو نذر کر دینے کا دستور یہود کے ہاں جاری تھا۔ ۵۹۰ سَمِيۡعٌ ۔ سننے والا میری دعاؤں کا۔ عَلِيۡمٌ ۔ جاننے والا میرے اخلاص کا ۵۹۱ (اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی؟) حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ بصد حسرت و یاس بارگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں کہ تمنا تو لڑکے کی اسلئے تھی کہ اُسے ہیکل کی نذر کر دیا جاتا۔ وہ وہیں کی جاروب کشی اور مجاوری میں عمر بسر کرتا۔ اولاد تو ہوئی مگر لڑکی نکلی۔ لڑکی سے کیسے یہ نذر پوری ہو سکتی ہے؟ اسرائیلی قانون میں لڑکی سے اس خدمت کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ ۵۹۲ یہ پورا فقرہ والدۂ مریمؑ کی تقریر کا حصہ نہیں۔ بطور ایک مستقل جملۂ معترضہ کے براہِ راست ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و منزلت سے تو خدائے تعالیٰ ہی خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ قال مکی هو اعلام من الله تعالٰى لنا على طريق التثبيت (قرطبی) الذَّكَرُ ۔ یعنی جو لڑکا والدۂ مریمؑ کے حسبِ خواہش ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ۔ یعنی اس مولود سے جو جو عظمتیں وابستہ تھیں ان کی خبر ماں غریب کو کیا ہو سکتی تھی۔ ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔ ای الله اعلم بالشئ الذى وضعته وما علق به من عظائم الامور ودقائق الاسرار وواضح الاٰيات وهى غافلة عن ذلك كله (روح)

تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾
(ضرر کا) رکھتے ہو ؎ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے ؎ اور اللہ ہی کی طرف آنا ہے ؎
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ
آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اسے خواہ پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ اس کو
اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ
جانتا ہے ؎ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اُس (سب) کو جانتا ہے ؎
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ
اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ؎ جس روز ہر شخص اپنے ہر نیک
نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ
عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا ؎ اور اسی طرح، ہر بُرے
مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ
کام کو بھی (اس روز) تمنا کرے گا کہ کاش اس شخص اور اُس دن کے درمیان مسافتِ بعید
بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ
ہوتی ؎ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے ؎ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا
بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ
شفقت کرنے والا ہے ؎ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو ؎ تو میری پیروی کرو ؎
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾
اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا ؎ اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ؎

۵۷۰ (بس رفع ضرر کے لئے بہ قدرِ ضرورت ظاہری تعلقاتِ دوستانہ کی اجازت ہے) کافروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تین ہی ممکن صورتیں ہیں:۔ (۱) موالات یا دوستی۔ (۲) مدارات یا ظاہری خوش خلقی و خوش اخلاقی۔ (۳) مواسات۔ یا احسان و نفع رسانی۔ اپنے علمار شریعت کی تحقیق ہے کہ شق اوّل یعنی موالات یا حقیقی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں۔ شق سوم بھی زیادہ دشوار نہیں۔ مواسات اہلِ حرب کے ساتھ ناجائز ہے۔ غیر اہلِ حرب کے ساتھ جائز رہی شق دوم، سووہ تفصیل طلب ہے۔ مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ۱۔ ایک اپنے رفع ضرر کے لئے۔ ۲۔ دوسرے خود اس کافر کی مصلحت دینی ہو۔ یعنی توقع ہدایت کے موقع پر۔ تیسرے اکرام ضیف کے طور پر۔ یعنی کافر جب مہمان ہو اس وقت کے لئے۔ بس ان تینوں صورتوں کے سوا اپنے نفع یا حصول مال و جاہ کے لئے مدارات درست نہیں بلکہ جب اس سے ضرر دین کا اندیشہ ہو تو یہ اختلاط بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۔ یہ لحاظ رہے کہ آیت میں ذکر اندیشہ کا ہے محض توہم یا احتمال بعید اس کے لئے کافی نہیں اور ضرر بھی جس کا اندیشہ کیا جائے معتدبہ ہونا چاہیے۔ التقیۃ لا تحل الا مع خوف القتل او القطع او الایذاء العظیم (قرطبی) یعنی ان تخافوا تلف النفس او بعض الاعضاء وھذا ھو ظاھر ما یقتضیہ اللفظ وعلیہ الجمھور (جصاص) آیت میں ایک طرف رد ہے۔ فرقۂ شیعہ کا جس نے تقیہ کے حدود بہت وسیع کرکے اسے اپنے مذہب کا ایک جزو بنالیا ہے۔ اور دوسری طرف فرقۂ خوارج کا۔ جس نے جواز تقیہ ہی سرے سے انکار کردیا ہے۔ عدل و اعتدال کا مسلک افراط و تفریط دونوں سے یکساں بچ کر اہلِ سنت کا ہے۔ صاحب رُوح المعانی نے اس ذیل میں ماشاء اللہ بہت خوب لکھا ہے۔ ۵۷۱ (کہ حقیقۃً صاحب اقتدار و قابلِ عظمت صرف وہی ہے) نَفْسَهٗ ۔ مراد یہ سمجھی گئی ہے کہ اللہ اپنے عذاب سے تم کو ڈراتا ہے۔ المعنیٰ یحذرکم اللہ عقابہ (قرطبی) ۵۷۲ (سو اس کے احکام کی ظاہری، باطنی ہر مخالفت سے باز رہو) خطاب عامۃ الناس سے رسول اللہ صلعم کے واسطہ سے ہے۔ ۵۷۳ یعنی اس کا علم ہر طرح کامل، جزئیات و کلیات سب پر حاوی، حاضر و غائب سب پر شامل ہے۔ اس میں رَد آگیا یونان اور دوسری قوموں کے ان جاہل فلسفیوں کا جنہوں نے خدا کی صفت علم کو ناقص و محدود مانا ہے۔ ۵۷۴ اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ کی تصریح صرف محاورۂ زبان کے مطابق ہے۔ مُراد صفت علم کی کاملیت و جامعیت کا اظہار ہے۔ ۵۷۵ (اور جب علم کے ساتھ اُس کی قدرت بھی کامل ہے تو وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی سزا سے ڈرا جائے) مشرک قوموں کو اصل ٹھوکر صفت علم کے ساتھ صفت قدرت میں بھی لگی ہے۔ اسی لئے بار بار زور انہی صفات پر دیا گیا ہے۔ ۵۷۶ (جزاء اعمال کے لئے) یَوْمَ یعنی قیامت کے دن۔ مُحْضَرًا ۔ اپنے مواجہہ میں یا اللہ کے حضور میں لدیھا مشاھدًا (روح) مَا عَمِلَتْ ۔ یعنی اس عمل کو نامۂ اعمال میں لکھا ہوا۔ یا اُن اعمال کی جزا کو۔ فی الصحف (روح) وقیل تجد جزاء اعمالھا محضرًا (روح) تقدیرہ یوم تجد کل نفس جزاء ما عملت محضرًا (قرطبی) صحائف اعمالھا او جزاء اعمالھا (بیضاوی) بعض صوفیۂ عارفین نے یہ معنی کئے ہیں کہ انسان بجنسہٖ اُس عمل کو کرتے ہوئے اپنے کو پائے گا۔ قیل ظاھرًا فی صورۃ (روح) حضرت اکبر الٰہ آبادیؒ اردو کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ہی حکیم و عارف بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو ہر وقت ہم بولا کرتے ہیں کہ "وقت چلا گیا" وقت جاتا کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع رہتا ہے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اسی "وقت" کو واپسی کا حکم دیں گے۔ پس جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے اُس سب کو لئے ہوئے آئے گا۔ اس کے کائنات میں جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ سب اس روز بجنسہٖ دوبارہ واقع ہو کر رہے گا۔ ۵۷۷ (کہ اعمال بد یا ان کی جزاء کا معاینہ نہ کرنا پڑتا) یہ حسرت ان کے دلوں میں پیدا ہوگی جن کے پاس اعمال خیر و شر کا مجموعہ ہوگا۔ تو جس بد نصیب کے پاس نِری شر ہوگا اُس کی حسرت نصیبی کا کیا پوچھنا! بَيْنَهَا میں ضمیر نفس کی طرف اور بینہ میں یوم کی طرف ہے۔ ۵۷۸ (کہ قابلِ عظمت و صاحبِ اقتدار ذات صرف اسی کی ہے) نَفْسَهٗ سے مراد عقاب نفسہ سمجھی گئی ہے۔ ۵۷۹ (چنانچہ یہ بار بار کی تنبیہ و تہدید بھی اسی شفقت و رافت ہی کا نتیجہ ہے کہ کاش بندے اب بھی سنبھلیں اور راہِ ہلاکت پر چلنے سے باز رہیں) ۵۸۰ (جیساکہ تمہارا دعوٰی ہے۔ اور اپنے اسی زعم کی بنا پر جو توقع رکھتے ہو کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا) خطاب رسولؐ کے واسطہ سے عامۃ الناس سے ہے۔ تُحِبُّوْنَ ۔ محبت کے جو معنی عربی میں ہیں اس میں ارادہ کا شمول ضروری ہے۔ قال ابن عرفۃ المحبۃ عند العرب ارادۃ الشیء علی قصد لہ (قرطبی) ۵۸۱ (کہ میں جامع کمالاتِ انسانی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری زندگی ساری کائناتِ انسانی کے لئے ہر شعبہ میں معیار اور نمونہ کا کام دے گی) محبت الٰہی کے دعوی کی جانچ کے لئے کیا اچھا معیار بتا دیا گیا یعنی اتباع رسولؐ جو جتنا زیادہ متبع رسولؐ ہوگا اسی قدر اس کی محبت الٰہی مسلّم و معتبر ہوگی۔ اسی معیار پر آج بڑے بڑے مدعیانِ مشیخت و مدعیانِ محبت الٰہی کے دعووں کو جانچیے تو بہتوں کی قلعی کھل کر رہے۔ ۵۸۲ (کہ اس کے آگے اور کوئی درجۂ کمال نہیں) یہ طریقہ جو پچھلوں کو بتایا گیا، یہی آواز اگلوں کے کان میں ڈال دی گئی ہے حضرت مسیحؑ کے جو الفاظ اناجیل مروجہ میں نقل ہوئے ہیں حسبِ ذیل ہیں۔ "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"۔ (یوحنا ۱۴: ۱۵، ۱۶) یہ مددگار کا لفظ اردو انجیلوں کے متن میں ہے۔ حاشیہ پر وکیل اور شفیع دونوں لفظ درج ہیں گویا اصل یونانی لفظ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ انگریزی انجیل میں لفظ "کمفارٹر" (Comforter) آیا ہے جس کے معنی تسلی دہندہ کے ہیں۔ تو جو تھا مفہوم اس لفظ کا یہ ہوا۔ بہرحال وہ سب کا مددگار اور وکیل اور شافع اور تسلی دہندہ، اس پیشگوئی کرنے والے مسیحؑ کے پانچ صدی بعد آیا۔ اور ایک ابدی اور غیر منسوخ شریعت لے کر ابد تک ساتھ رہنے ہی کے لئے آیا۔ اور اسی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے خاتم النبیین کہلایا۔ پر صلیب کے پرستاروں اور مسیح کی عبادت کرنے والوں نے اُسے برابر جھٹلایا۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ کی محبت بندہ کے ساتھ یہی ہے کہ اُسے مغفرت سے سرافراز فرمائے۔ محبۃ اللہ للعباد انعامہ علیہ بالغفران (قرطبی) ۵۸۳ غَفُوْرٌ اس کی شانِ غفر کا تقاضا ہے کہ تمہارے معاصی "ذنوب" کی مغفرت کردے گا۔ رَحِيْمٌ ۔ سو اس کی شانِ رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ وہ تمہاری تقصیروں کو نظر انداز کردے گا اور تمہارے مراتبِ قرب میں ذرا کمی نہیں آنے دے گا۔

(۶۲ اگر کسی کو سزا بلاجرم یا زائد از جرم مل جائے یا کسی کی کوئی نیکی بغیر اجر کے چھوٹ جائے)۔ مَا اکْتَسَبَتْ۔ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے خواہ وہ حسنات ہوں یا سیئات۔ ۶۳ رسول کے واسطے سے طریقِ دعا کی تعلیم امت کو دی جا رہی ہے۔ مٰلِکَ الْمُلْکِ۔ مُلک سے مراد سارا جہان ہے۔ مالک کا لفظ دعا کے شروع ہی میں لا کر یاد دلا دیا کہ مالکانہ تصرف کا حق و اختیار اسی کو حاصل ہے جس سے دعا کی جا رہی ہے۔ تُؤْتِی وَتَنْزِعُ۔ حکومت کی نعمت دینا یا اس نعمت کو واپس لے لینا۔ تمام تر احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے اور نفسِ بادشاہت یا حکومت میں تقدس یا الوہیت ذرا سی بھی نہیں۔ اس میں رد آ گیا اس کثرت سے پھیلے ہوئے جاہلی عقیدہ کا، کہ بادشاہی خود ایک درجہ الوہیت یا نیم الوہیت کا ہے اور کسی کا بادشاہ ہو جانا گویا خدا کے اوتار کے مرتبہ پر پہنچ جانا ہے۔ مصر میں فرعون کی پرستش ہوتی رہی۔ ہندوستان میں چندر بنسی اور سورج بنسی راجہ مہاراجہ خدائی اوتار سمجھے گئے۔ جاپان میں میکاڈو آج تک مظہرِ خدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سب اسی عقیدۂ شاہ پرستی کے مظاہر ہیں۔ اسلام نے آ کر بتایا کہ بادشاہی بھی ساری دوسری نعمتوں کی طرح ایک خدائی تصرف ہے اور بادشاہ بھی بندگی، بے بسی، بیچارگی میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے سارے دوسرے بندے

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي

اور ان پر (ذرا) ظلم نہ کیا جائے گا ٦٢ آپ کہئے اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے

الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ

حکومت دیدے اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے ٦٣ تو جسے چاہے عزت

مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ

دے ٦٤ اور تو جسے چاہے ذلت دے ٦٥ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بیشک

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ

تو ہر چیز پر قادر ہے ٦٦ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور

تُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

رات میں دن کو داخل کرتا ہے اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور تو

تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ

جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا

حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ

ہے ٦٧ مومنوں کو نہ چاہیے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو

مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ

(اپنا) دوست بنائیں ٦٨ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں

مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ

کسی شمار میں نہیں ٦٩ مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ

حقیقت ہمیشہ سے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس وقت اس کا نظارہ پوری قوت و شدت کے ساتھ مسولینی (آمر اٹلی) و ہٹلر (آمر جرمنی) کے انجام سے کرا دیا گیا ہے۔ ۶۴ (اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق) اس مَنْ تَشَآءُ (جسے تو چاہے) کی وسعتِ اطلاق میں قومیں بھی آ گئیں اور فرد بھی۔ اور عزت کا سب سے بڑا ممکن مرتبہ یاد کر لیا جائے کہ نبوت ہے۔ اس طرح گویا اہلِ کتاب کو یہ یاد دلا دیا کہ جس قوم کے جس فرد کو وہ چاہے مرتبۂ نبوت سے سرفراز کر دے۔ اس پر حسد بالکل بے معنی ہے۔ ۶۵ (اس کے پاداشِ عمل میں) مَنْ تَشَآءُ کا عموم اطلاق یہاں بھی فرد و قوم دونوں پر حاوی ہے کوئی فرد تو مرتبۂ نبوت سے معزول ہوا نہیں ہے۔ البتہ یہ نعمت قوموں سے سلب ہو سکتی ہے چنانچہ قوم اسرائیل صدیوں تک اس نعمت سے سرفراز رہنے کے بعد معزول کی گئی۔ اور یہ نعمت اپنی انتہائی اور آخری شکل میں عرب قوم کے ایک ممتاز فرد کے حصہ میں آئی۔ ۶۶ (تو اہل کتاب اس پر حیرت کیوں کر رہے ہیں کہ نعمتِ نبوت سے عرب قوم کے ایک فرد کو سرافراز کیا جا رہا ہے) اَلْخَیْرُ۔ یعنی بھلائی ہر قسم کی اور ہر مرتبہ، درجہ کی۔ کائنات میں وجود ایجابی صرف خیر کا ہے اس لئے ذکر اسی کا کیا گیا اس کے مقابل کی چیز یعنی شر محض ایک سلبی حقیقت کا نام ہے۔ یہاں جو بجائے بیدك الخیر والشر کے صرف بیدك الخیر کا ارشاد واقع ہے اس سے عارفین صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جس چیز میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہو وہ محض خیر ہی ہے۔ اسے ناگوار نہ جانے اور اسے اپنے حق میں عذاب و مصیبت نہ سمجھے۔ ۶۷ (غرض یہ کہ تقلبات و تصرفات کائنات کا ہر ہر جزئیہ تیری ہی مشیت و قدرت کے تابع و محکوم ہے) تُولِجُ الَّيْلَ۔ تُولِجُ النَّهَارَ۔ یہ سارے تصرفات و تقلبات بغیر کسی کی شرکت و اعانت کے محض ارادۂ الٰہی سے رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ جاہلی قوموں نے لیل (رات) اور نہار (دن) دونوں کو دیوی دیوتاؤں کی حیثیت دے رکھی ہے۔ آیت میں ضمناً ان خرافات کا بھی رد آ گیا۔ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند کو انڈے سے نکالنا ہے۔ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند سے انڈے کی پیدائش ہے۔ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ سو ایسا قادرِ مطلق اگر ضعیفوں، عاجزوں کو بڑی بڑی سلطنتوں کا بھی مالک بنا دے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اور یہ تقسیم رزق، عطائے دولت وغیرہ تکوینی انعامات کے سلسلہ میں۔ مَنْ تَشَآءُ کی قید جو ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ اس سے محققین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دولت، حکومت، امارت وغیرہ کی تقسیم محض مشیتِ تکوینی کے مصالح کائناتی کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے۔ اسے قربِ الٰہی، اخلاقی افضلیت وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ۶۸ (کیا ظاہر میں اور کیا باطن میں) جسے دوستی کا علاقہ کہتے ہیں وہ ایک کیفیتِ قلب اور پھر عملی برتاوے کا نام ہے مسلمانوں کو، کافروں، منکروں، اللہ کے باغیوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کی قطعی ممانعت ہے اور عقلاً بھی یہ ملی خودداری اور قومی تشخص کے بالکل منافی ہے۔ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی نہ مومنین کو چھوڑ کر اور نہ مومنین کے شمول میں۔ ای من غیر المومنین (کبیر) ای متجاوزین المومنین الی الکافرین استقلالا او اشتراکا (روح) بعض اہل حق نے یہیں سے تمسک کر کے اپنے مریدوں، معتقدوں، شاگردوں کو منکروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ۶۹ یعنی دشمنانِ خدا کے ساتھ دوستی رکھنے والے کی دوستی اللہ کے ساتھ کسی درجہ میں بھی معتبر و مقبول نہیں۔ لیس من اللہ فی شیءٍ۔ من اللہ سے مراد من دین اللہ یا من ولایۃ اللہ سمجھی گئی ہے۔ ای من ولایتہ فی شیءٍ (بیضاوی) ای لیس من دین اللہ فی شیءٍ (معالم)

حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ
ہیں ۵۵ اور ان لوگوں کو جو عدل کا حکم دیتے ہیں انہیں قتل کر ڈالتے
النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ
ہیں بس آپ انہیں عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے ۵۶ یہی وہ لوگ ہیں جن کے
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
اعمال دُنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ
نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ
ہوگا ۵۷ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصّہ دیا گیا
الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ
تھا انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان
یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
میں سے ایک فریق بے رُخی کرتا ہوا مُنہ پھیر لیتا ہے ۵۸ یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ
قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ
کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز (چند) گِنے ہوئے دنوں کے ۵۹ اور جو کچھ یہ
فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ
تراشتے رہتے ہیں اُس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ۶۰ سو اس روز جس میں ذرا شک نہیں جب
لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۟ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
ہم انہیں اکٹھا کریں گے تو کیا حال ہوگا ۶۱ اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے پُورا پُورا بدلہ دیا جائیگا،

۵۵ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ کسی کتابِ الٰہی سے یا اس کے کسی جزء سے انکار یہ سب کفر بآیات اللہ کی صورتیں ہیں۔ بِغَیْرِ حَقٍّ۔ یعنی خود قاتلوں کے بھی آئین، قانون و ضابطہ کے خلاف، ورنہ قتل انبیاء فی الحقیقت اور عنداللہ تو ہمیشہ ہی ناحق رہیگا۔ یہود کے قتل انبیاء اور قتلِ ناحق پر حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۷ میں گزر چکا۔ ۵۶ (آخرت میں) یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی لوگوں کو اخلاق و معاملات میں عدل کی ہدایتیں کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ مُراد انبیاء اور ان کے نائبین ہیں۔ یَقْتُلُوْنَ۔ یہ سب اشارے یہود کی حق دشمنی سے متعلق اور ان کی تاریخ کی جانب ہیں۔ عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں یہود کی حق بیزاری کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً "وہ اس کا کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اُس سے نفرت رکھتے ہیں جو حق بات کہتا ہے" (عموس ۵: ۱۰) عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ ایسے مجرموں اور خطا کاروں پر نبوی لعنت حضرت داؤد نبی کی کتاب میں مفصل موجود ہے:۔ "وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے اور ہرے سبزے کی طرح مُرجھا جائیں گے اور شریر نہ ہوگا تو غور کرکے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہوگا۔ اُن کی تلوار اُنہی کے دلوں میں بیٹھے گی اور ان کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی" الخ (زبور ۳۷: ۱-۳۰) آیت سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سابق اُمتوں میں امر بالمعروف واجب تھا اور یہ فرض انبیاء اور ان کے نائبین انجام دیتے تھے۔ دلت هذه الاٰية على ان الامر بالمعروف و النهي عن المنكر كان واجبا في الامم المتقدمة و هو فائدة النبوة (قرطبی) ۵۷ (سزا کے وقت کہ انہیں عذاب سے چھڑا لے۔ یا اس میں کچھ تخفیف ہی کرا دے) ۵۸ حق و داعیانِ حق سے یہ مسلسل انحراف و اعراض تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی نیا انوکھا واقعہ نہیں۔ ان کے مقدس نوشتے اور صحیفے ان شکایات سے بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً:۔ "تم کہاں ہے کو مجھ سے محبت کرو گے۔ تم سب مجھ سے پھر گئے ہو" (یرمیاہ ۲: ۲۹، ۲۸) نیز ہوسیع ۱۰: ۲۷) مفصل حاشیے پارۂ اوّل رکوع ۶، ۷ کے ذیل میں گزر چکے۔ اَلَمْ تَرَ۔ خطاب یہاں رسول اللہ صلعم سے ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ ذکر وہی یہود کا چل رہا ہے۔ الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی و کلّی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جزء توریت ہے۔ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اسی عمومی و کلّی کتاب کا دوسرا جزء قرآن ہے اور وہی یہاں مُراد ہے۔ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ۔ یعنی مذہبی اختلافات کے باب میں فیصلہ کرے۔ ۵۹ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ سرکشی اور عُدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ یہ لوگ اپنے مشرک ہونے ہی کے گویا قائل نہیں۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ یعنی وہ ۴۰ روز کی مُدت جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی۔ آیت کا یہ جزء پارۂ اوّل میں بھی یہود کی زبان سے نقل ہو چکا ہے اور وہیں اس پر مفصل حاشیہ بھی گزر چکا ہے۔ ۶۰ (چنانچہ اپنی نجات کا یقین کئے ہوئے بیٹھے ہیں) مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۔ عقاید کے باب میں کوئی بات بے دلیل عقلی یا نقلی کے اپنی طرف سے گڑھ لینا افتراء علی اللہ کی ایک صورت ہے۔ اور یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے اس طرح قسم قسم کے عقائد کا ایک طومار گڑھ رکھا تھا۔ اور انہی میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہود پر آتشِ دوزخ (بجز برائے نام صورت کے) حرام ہے۔ اُن کے لئے اُن کے بزرگوں کی نسبت و شفاعت کافی ہے۔ اور ان کی نجات و مغفرت بلا ایمان و عمل خود بخود ہو جائیگی۔ ۶۱ (ان بدبختوں اور شامت زدوں کا) لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ۔ یعنی قیامت کے دن۔ اس طرزِ تسمیہ سے مقصود قیامت کا محض ذکر ہی کر دینا نہیں۔ بلکہ اس کے وقوع کی قطعیت کو ذہن میں تازہ کر دینا ہے۔ فکیف۔ اس طرزِ استفہام سے مقصود عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے۔ استعظام و تهويل وهذا مما استند اليه (ع) لِیَوْمٍ۔ میں ل فی کے معنی میں ہے۔ واللام في قوله ليوم بمعنى في قاله الكسائي (قرطبی)

۴۳ (اسلئے شرک ہر درجہ اور نوعیت کا باطل ہے) شَہِدَ اللّٰہُ ۔ اللہ کی یہ گواہی کتب آسمانی سے بھی ظاہر ہو رہی ہے ۔ اور صحیفۂ کائنات سے بھی ۔ ومن وحدانیتہ بنصب الدلائل الدالۃ علیہا وانزال الاٰیات القاطعۃ بہا ۔ ۔ (بیضاوی) کتب الٰہی کی شہادت دلیل نقلی کا حکم رکھتی ہے اور مصنوعاتِ فطرت کی دلالت دلیل عقلی کا ۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ ۔ یہ وہی مخلوق ہے جسے اکثر مشرک قومیں دیوتا کا لقب دے کر شریک خدائی سمجھ رہی ہیں ۔ اُولُوا الْعِلْمِ ۔ "علم" سے مُراد علمِ حقایق ہے نہ کہ علوم دنیوی ۔ محققین نے آیت سے علما کا خاص شرف و فضل نکالا ہے ۔ فی ھذہ الاٰیۃ دلیل علی فضل العلم وشرف العلماء فانہ لوکان احد اشرف من العلماء لقرنھم اللہ باسمہ واسم ملٰٓئکتہ کما قرن اسم العلماء (قرطبی) ۴۴ (ساری کائنات کا) قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ۔ عدل سے مُراد ہے کہ ہر شے اپنے محل مناسب میں ہو بعض جاہل قوموں نے خدا کا وجود تو تسلیم کیا ہے لیکن وجود معطل یا ایسی صفات سے موصوف ہے جو کمالاتِ الٰہیہ کے منافی ہیں ۔ اسلام کا خدا ، خدائے معطل نہیں ، منتظم ہے ، کارساز ہے ، ہر ایک کا اور ہر کام بنانے والا ہے ۔ ۴۵ اَلْعَزِیْزُ ۔ وہ جس کی قوت سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں ۔ اَلْحَکِیْمُ ۔ وہ جس کی حکمت سب سے بڑھی ہوئی ہے ۔

النصف

وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ
اور اہلِ علم کی (بھی گواہی یہی ہے ۴۳) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے ۴۴ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس
الْحَكِیْمُ ؕ ١٨ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ
زبردست حکمت والے کے ۴۵ یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے ۴۶ اور جو اختلاف کیا
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ
اس میں اہل کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انہیں صحیح علم
بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ
پہنچ چکا تھا ۴۷ اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب
الْحِسَابِ ١٩ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ
لینے والا ہے ۴۸ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں ۴۹ تو خیر آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنا رُخ اللہ کی طرف
مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ
کرچکا اور جو میرے پیرو ہیں (وہ بھی) ۵۰ اور آپ اہل کتاب سے اور اُمیّوں سے دریافت کیجیے کہ تم
ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا
اسلام لاتے ہو ۵۱ سو اگر وہ اسلام لے آئے تو بس راہ ہدایت پر آگئے ۵۲ اور اگر وہ رُوگرداں رہے
ع ۲ / ۱۱ / ۱۰ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ٢٠ اِنَّ الَّذِیْنَ
تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہی ہے ۵۳ اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھتے رہنے والا ہے ۵۴ بیشک جو لوگ
یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ
اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے

دونوں صفات کے اثبات سے مقصود یہ ہے کہ اُسے نہ قوت کے لحاظ سے اور نہ علم و حکمت سے کسی شریک کی ضرورت ہے ۔ ۴۶ (نہ کہ مطلقاً ہر وہ چیز جسے دین کے نام سے موسوم کردیا جائے) یہ رَدّ ہے بادشاہ اکبر اور دوسرے بددینوں کے اس عقیدہ کا ، کہ ہر دین دینِ حق ہے ؛ اور ہر مسلک خدا ہی کی راہ ہے ۔ اور دَیر و حرم ، کفر و ایمان میں فرق صرف لفظی و اصطلاحی ہے ۔ خطِ مستقیم حقیقت یہ ہے کہ دو نقطوں کے درمیان صرف ایک ہی ممکن ہے باقی سب خطوط منحنی و کج ہونگے ، راہِ مستقیم خدا اور بندے کے درمیان صرف ایک ہی ہے ۔ اور اسلام ہے جو انبیاء و ہادیانِ حق کا دین ہمیشہ سے چلا آرہا ہے ۔ الدِّیْنَ یعنی دینِ مقبول ۔ الدین اور الاسلام دونوں کا معرفہ ہونا حصر کے معنیٰ دے رہا ہے یعنی دین مقبول صرف یہی ہے ۔ وتعریف الجزئین للحصر ای لا دین مرضی عند اللہ تعالیٰ سوی الاسلام (روح) ۴۷ (نہ کہ کسی اجتہادِ فکری اور اختلاف فہم کی بنا پر) یہاں پھر ایک بار اسے کھول کر بیان کردیا ہے کہ اہلِ کتاب کا راہِ حق سے انحراف کسی خطاءِ اجتہادی کی بنا پر نہیں ، نفسانیت و ہوا پرستی کی بنا پر ہے ۔ یہود پہلے سے بھی یہی کہتے چلے آرہے تھے کہ راہِ حق ہماری راہ ہے ۔ اِس لئے کہ فلاں فلاں بزرگ ہمارے مورث ہوئے ہیں ۔ اور سرورِ کائنات کے زمانہ میں بھی اُن کا کہنا یہ تھا کہ نبوت تو اسرائیلیوں کا حق رہی ہے ۔ یہ نعمت ایک اسمٰعیلی کے حصہ میں کیونکر جاسکتی ہے ؟ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۔ یعنی نفسانفسی اور ضدم ضدی آپس میں بھی اور دین حق سے بھی ۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یعنی ان پر دینِ حق کی تبلیغ پوری طرح ہوچکی اور دینِ برحق کی حقانیت و صداقت کے دلائل واضح انہیں پہنچ چکے ۔ ۴۸ (اور حساب کا جو انجام منکرین و معاندین کے حق میں ہونے والا ہے ، بالکل ظاہر ہے) ۴۹ (خواہ مخواہ ازراہِ عناد اور پوری تبلیغ کے بعد بھی) اشارہ اہل کتاب کی جانب عموماً ہے اور نصرانیوں کی جانب خصوصاً ۔ حَآجُّوْكَ ۔ ای جادلوك بالاقاویل المزورۃ والمغالطات (قرطبی) ۵۰ (اب تم مانو یا نہ مانو ۔ تمہیں اختیار ہے) اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ ۔ پورا رُخ اللہ کی جانب کر لینا مترادف ہے اسلام کے یعنی میں اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کرچکا ۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ میں ہوسکتا ہے کہ وعطف کا نہ ہو ، بلکہ مع کا مرادف ہو ۔ (ویجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف) اہلِ طریق نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب وضوح حق کی پوری کوشش ہولے اور مخاطب پھر بھی قبول نہ کرے تو اب بحث و مباحثہ قیل و قال ترک کردینا چاہیئے ۔ ۵۱ ءَاَسْلَمْتُمْ کے ایک صاف اور صریح معنیٰ تو وہی ہیں جو متن ترجمہ میں درج ہو چکے ہیں لیکن بعض اہلِ علم نے صیغۂ امر میں معنیٰ "اسلام لاؤ" کے بھی لئے ہیں ۔ اور نحویین نے کہا ہے کہ الف استفہام کبھی امر کے بھی معنیٰ دیتا ہے ۔ بلکہ امر کے معنیٰ میں زور اور زیادہ پیدا کردیتا ہے ۔ المقصود منہ الامر (کبیر) قال النحویون انما جاء الامر فی صورۃ الاستفہام (کبیر) استفہام کی صورت میں بھی استفسار محض مراد نہیں بلکہ مقصود تہدید ہے جیسے اُردو محاورہ میں بھی تہدید کے موقع پر کہتے ہیں "کیوں جی ۔ سنتے ہو کہ نہیں" قال الزجاج ءاسلمتم تھدید وھذا احسن لان المعنی ءاسلمتم ام لا (قرطبی) وَالْاُمِّیّٖنَ ۔ مطلقاً اَن پڑھ یا کتب سماوی سے لاعلم و نابلد ۔ مُراد بہر صورت مشرکین مکہ ہیں ۔ الامی ھو الذی لا یکتب ولا یقرء من کتاب (راغب) ای الذین لا کتاب لھم (ابن جریر) الذین لا کتاب لھم وھم مشرکو العرب (قرطبی) ۵۲ (اور اب ان کی نجات و مغفرت میں بھی شبہ نہ رہا) جاہلیت کے نظریۂ حیات (Ideology.) میں اصلاح و تبدیلی ہی کا نام اسلام ہے پس جس نے بھی اسلام کے نظریۂ حیات کو قبول کرلیا وہ کسی بھی نسل ، قوم ، رنگ ، وطن کا ہو بہرحال اب اس کا تعلق کائنات و خالقِ کائنات کے ساتھ صحیح نوعیت کا قائم ہوگیا ۔ ۵۳ (آپ پر نتائج کی ذمہ داری ذرا بھی نہیں) رسول اللہ صلعم کو تسکین دی گئی ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ملول و فکر مند نہ ہوں ۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے ۔ ۵۴ (وہ خود ہی سب کے اعمال و احوال دیکھ کر مناسب جزا و سزا دے گا ۔

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ
یا نشان پڑے ہوئے گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے ۳۳ یہ سب (دنیوی
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭
زندگی کے سامان ہیں ۳۴ اور حسنِ انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے ۳۵
قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
آپ کہیے کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر دوں جو ان (چیزوں) سے کہیں بہتر ہے ۳۶، جو لوگ ڈرتے
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
رہتے ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں کہ ان کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں ان میں
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۳۷ اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ۳۸ ہوں گی اور اللہ کی خوشنودی ہوگی ۳۹ اور اللہ
بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ⑮ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا
اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے ۴۰ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم یقیناً ایمان
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ
لے آئے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا دے ۴۱ (یہ) صبر کرنے والے
الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ
ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں گناہوں
بِالْاَسْحَارِ ⑰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
کی بخشش چاہنے والے ہیں ۴۲ اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں

۳۳ (اور انہی کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کر کے معصیت کا سبب بن جاتی ہے۔ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ۔ شہوات یہاں مشتہیات کے معنی میں ہے یعنی مرغوب و دلپسند چیزیں۔ وقد یسمی المشتہی شہوۃ (راغب) جعل الاعیان التی ذکرها شهوات مبالغة فی کونها مشتهاة (کشاف) مِنَ النِّسَآءِ الخ ان مرغوبات کے نام صرف مثال اور نمونہ کے طور پر لے دیئے گئے ہیں۔ ان میں حصر مراد نہیں۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ ۔ یہ صراحت ہے اس باب میں کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت و کشش بطور امر طبعی کے ہے۔ اور بذاتِ خود معصیت نہیں۔ انسان ان کے شوق کے ازالہ کا مکلف نہیں صرف انہیں عقلِ سلیم و احکامِ شریعت کے ماتحت کر کے رکھنا چاہیئے۔ ۳۴ (سو اس حقیقت کو سمجھ کر ان کی محبت جائز حدود کے اندر محدود رکھنی چاہیئے) مَتَاعٌ کہتے ہی اس چیز کو ہیں جس سے کسی حیثیت سے کچھ مدت کے لئے نفع حاصل کیا جائے۔ کل ما ینتفع به علی وجه ما فهو متاع (راغب) والمتاع انتفاع عند الوقت (راغب) مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔ البتہ دنیوی زندگی برتنے میں مفید و معین یقیناً ہیں۔ سو ان کی قدر اسی حد تک کرنا چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ یہ مقاصدِ حیات بن جائیں۔ دنیا خود ہی فانی ہے اور اس کے یہ سارے ساز و سامان بھی فانی۔ والمعنی تحقیر امر الدنیا والاشارة الی فنائها وفناء ما یستمتع به فیها (کبیر) ۳۵ (سو دائمی اور غیر فانی راحت کے لئے فکر و اہتمام صرف اللہ کی رضا کا رکھنا چاہیئے اس کے آگے دنیا کی آنی و فانی بڑی سے بڑی لذت بھی بے بساط ہی ہے) ومعنی الآیة تقلیل الدنیا وتحقیرها والترغیب فی حسن المرجع الی الله فی الآخرة (قرطبی) ۳۶ (کیا بہ لحاظ کیفیت، کیا بہ لحاظ کمیت اور کیا بہ لحاظ قیام و دوام) خطاب عام انسانوں سے۔ رسول علیہ السلام کے واسطہ سے ہے۔ ذٰلِكُمْ یعنی یہ چیزیں جو سر تا سر بے ثبات و بے حقیقت ہیں۔ ۳۷ الذین اتقوا یعنی جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔ خوفِ خدا پر رحمتِ الٰہی کے مرتب و متوجہ ہونے کا ذکر قرآن مجید ہی میں نہیں اگلے صحیفوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ چنانچہ توریت کے حوالہ پارۂ اول کے حواشی میں گزر چکے۔ مسیحیوں کے مقدس نوشتے بھی خوف و خشیت کے ذکر سے خالی نہیں۔ "اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے" (لوقا ۱: ۵۰) "وہ آؤ اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی آلودگی سے پاک کر دیں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں" (۲۔ کرنتھیون ۷: ۱) "وہ وقت آپہنچا ہے کہ بڑے بڑے نبیوں اور مقدسوں اور ان چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے"۔ ۳۸ (ان کے لئے جنت میں) مُطَهَّرَةٌ ۔ پاک صاف کی ہوئی ہر جسمانی آلودگی و نجاست سے۔ قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ اہلِ جنت کے لئے راحت و لذت کا سامان ہر قسم کا ہوگا مادی لطف کا بھی، ذہنی لطف کا بھی، روحانی لطف کا بھی، پھر اگر انہیں وہاں بیویاں بھی عنایت ہوں، ہر طرح پاک صاف اور لطفِ ازدواجی بھی پوری طرح اٹھانے کا موقع ملے، تو اس میں "روشن خیالی" کے شرمانے کی کونسی بات ہے؟ ۳۹ (جو حاصل اور عطر ہے ساری نعمتوں و لذتوں، راحتوں کا) رِضْوَانٌ ۔ کی تنوین اظہارِ عظمت کے لئے ہے) ای رضا عظیم علی ما یشعر به التنوین (روح) ۴۰ (اور ان کے احوال، اقوال، اعمال کے ایک ایک جزئیہ سے پوری طرح خبردار ہے) پس اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی حساب یا صدور جزا سے رہ جائے۔ ۴۱ یہ کہنے والے کون ہیں؟ وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر الذین اتقوا کے ماتحت چل رہا ہے۔ یہ اپنے اعمال و احوال پر نازاں ہونا الگ رہا اُلٹے فرطِ خشیت و ہیبت سے اپنی مغفرت و حسنِ خاتمہ کے لئے مناجات کرتے رہتے ہیں۔ اٰمَنَّا ۔ یعنی ہم اللہ اور اس کے رسول اور اس کی شریعت پر ایمان لے آئے۔ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ۔ ایمان پر معاً طلبِ مغفرت کو مرتب کرتے ہیں نکتہ یہ ہے کہ مغفرت میں اصل حائل عدمِ ایمان ہی تو ہوتا ہے۔ جب یہ مانع رفع ہو گیا تو اب کیا ہے۔ اب ہماری باقی خطاؤں، لغزشوں کو تو معاف کر ہی دیجیے۔ ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی انتہائی اہمیت اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔ امام المفسرین امام رازیؒ نے اس مقام پر بہت خوب تقریر کی ہے۔ ذلك یدل علی انهم توسلوا بمجرد الایمان الی طلب المغفرة والله تعالٰی حکی ذلك عنهم فی معرض المدح لهم والثناء علیهم فدل هذا علی ان العبد بمجرد الایمان یستوجب الرحمة والمغفرة من الله تعالٰی (کبیر) اور انہی کی پیروی صاحبِ بحر و صاحبِ روح نے بھی کی ہے۔ ۴۲ بالاسحار ۔ سحر نام اس وقت کا ہے جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ السحر والسحرة اختلاط ظلام آخر اللیل بضیاء النهار وجعل اسما لذلك الوقت (راغب) آخر شب کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دلجمعی اور روحانی قوٰی کی بیداری و بالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی زاید ہوتا ہے۔ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ ۔ یعنی صبر کرنے والے اور راستی برتنے والے اپنے سارے معاملات میں۔ الْقٰنِتِيْنَ ۔ یعنی فروتنی کرنے والے اللہ کے حضور میں۔ الْمُنْفِقِيْنَ یعنی خرچ کرنے والے اللہ کی راہ میں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ یہ تمام صفات اولیاء اللہ کے ہوتے ہیں۔

٢٧ (مجرموں اور باغیوں کو ذُو انْتِقَامٍ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ اُسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اللہ کوئی بے بس اور مجبور عاجز بادشاہ تو نہیں کہ بندوں کو ہر طرح کے ظلم وعدوان کا مرتکب دیکھے اور پھر دم نہ مارے۔ وہ جب سزا دینے ہی پر آجاتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی گرفت اس کی گرفت سے شدید تر والیم تر نہیں۔ كَدَاْبِ ۔ دأب کے معنی حالت یا معاملہ کے ہیں۔ الداُب العادة والشأن (قرطبی) یہ تشبیہ بے سود ہونے میں ہے۔ گویا تاریخ سے استشہاد ہے کہ جس طرح ماضی میں فرعونیوں کے کام ان کا مال اولاد کچھ نہ آسکا۔ اور عذاب الٰہی سے انہیں کوئی چیز نہ بچا سکی، اسی طرح ان کافروں کے حق میں بھی یہ سارے مادّی سہارے بالکل عبث ولاحاصل ثابت ہوں گے۔ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون اور فرعونیوں پر مفصل حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ فرعونیوں کی ہلاکت کے ذکر میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ ان کی ہلاکت مسیحیوں کو مُسلّم تھی اور سُورہ کا روئے سخن خاص طور پر مسیحیوں ہی کی جانب ہے۔ اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ یعنی وہ نافرمان قومیں جو عہدِ مُوسوی سے بھی قدیم تر ہوئی ہیں۔ اٰیٰتِنَا ۔ نشانیاں خواہ آسمانی صحیفوں اور نوشتوں کی

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

جیسا کہ معاملہ فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور ان سے قبل والوں کے ساتھ انہوں نے ہماری

بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ

نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی ان کے گناہوں کے باعث اور اللہ بڑا سخت سزا

الْعِقَابِ ۝١١ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ

دینے والا ہے ٢٧ آپ (ان) کفر والوں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف

اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝١٢ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ

اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ٢٨ بیشک تمہارے لئے ایک نشانی (ان) دو گروہوں

فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى

میں ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دُوسرا

كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ

کافر ٢٩ یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے اُن سے (یعنی مسلمانوں سے) دگنی گنا ٣٠ اللہ اپنی

بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝١٣

نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے ٣١ بیشک اس (واقعہ) میں اہلِ بصیرت کیلئے بڑا سبق ہے ٣٢

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ

لوگوں کے لئے خوشنما کر دی گئی ہے مرغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے

وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

یا ڈھیر لگے ہُوئے سونے اور چاندی سے

صُورت میں ہوں یا معجزات وخوارقِ نبوت ہوں یا دلائلِ توحید ہوں۔ یحتمل ان یرید الاٰیات المتلوة ویحتمل ان یرید الاٰیات المنصوبة للدلالة علی الوحدانیة (قرطبی) اما المتلوة فی کتاب اللہ تعالٰی او العلامات الدالة علی توحید اللہ تعالٰی وصدق انبیاۤئه (روح) فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ۔ اور انہیں ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں مع ان کی ساری عظمت وشوکت کے نیست ونابود کر دیا۔ خطاب دینِ حق سے بغض وعناد رکھنے والوں سے رسُول کے واسطہ سے ہے۔ ٢٨ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ کا تعلق تو ظاہر ہے کہ آخرت ہی سے ہے۔ سوال آیت کے وعید اوّل ستغلبون سے متعلق ہے کہ دشمنانِ دین کی اس مغلوبیت ومقہوریت کا تحقق کہاں ہوگا؟ آخرت میں تو خیر ہو ہی گا لیکن آیا اس کے قبل اہلِ حق کے ہاتھوں اس دنیا میں بھی؟ اہلِ تفسیر نے بالاتفاق اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا وقوع عنقریب اس دنیا میں ہوگا۔ چنانچہ ہوا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ باقی یہ کہ اس سے کافروں کا کون سا گروہ متعین طور پر مُراد ہے بعض نے پیشگوئی کا مصداق بدر میں حکومتِ مکہ کی ہزیمت کو ٹھہرایا ہے۔ المراد مشرکی مکة (سالم من تقاتل) قل لمشرکی مکة ستغلبون یعنی یوم بدر (بیضاوی) قیل نزلت فی قریش قبل بدر بسنتین (بحر) لیکن اکثر نے مدینہ میں یہود کے پر قوّت جتھوں اور جرگوں کی شکست وپامالی مُراد لی ہے۔ یعنی الیهود ای تُهزمون (قرطبی۔ عن ابن عباس) فالمراد من الموصول الیهود (روح) سَتُغْلَبُوْنَ میں س قربِ وقوع کے لئے ہے یعنی اس دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ والسین لقرب الوقوع ای تغلبون عن قریب وأُرید منه فی الدنیا (روح) لیکن بہتر یہ ہوگا کہ لفظ کے اطلاق کو عام رکھا جائے اور یہود ومشرکین جو بھی رسول اللہ (صلعم) کے بعد میں مسلمانوں کے ہاتھ خوار ومغلوب ہوئے، سب کو آیت کا مصداق یکساں ٹھہرایا جائے۔ والظاهر ان الذین کفروا یعم الفریقین المشرکین والیهود وکل قد غلب بالسیف والجزیة والذلة وظهور الدلائل والحجج (بحر) بہرحال قرآنی پیشگوئی کا اعجازی رنگ ہر صُورت میں عیاں ہے، نزولِ آیت کے وقت مسلمانوں کی بے بسی بے سروسامانی وزبوں حالی دیکھ کر کوئی بھی انسانی دماغ یہ پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا کہ حکومتِ مکّہ یا دولتِ یہود کسی سے بھی یہ ایسی زبردست ٹکر لے سکتے ہیں۔

٢٩ (میدانِ بدر میں ٢ ہجری میں) اٰیَةٌ نشان اللہ کی قدرت وکارسازی اور رسول اللہ صلعم کی صداقت کا) فِیْ فِئَتَیْنِ یعنی دو گروہوں کے واقعہ میں۔ ایک گروہِ مومنین بے سروسامان، دوسرا گروہ مشرکین باسروسامان کا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ یہ گروہ مومنین کا تھا۔ تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ تعداد میں کل ٣١٣ تھے اور وہ بھی بغیر سامانِ حرب کے۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار پیادوں کے حصہ میں ایک ایک پڑتا تھا۔ گھوڑے لشکر بھر میں کل دو۔ آہنی زرہیں اتنے آدمیوں میں کل سات۔ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ ۔ یہ لشکر حکومتِ مکّہ کا تھا۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھا۔ یعنی ٩٥٠ افراد پر مشتمل۔ قریش کے بہترین سواروں کے زیرِ قیادت اور ہر ضروری سامان سے آراستہ۔ شتر سوار اُن میں ٧٠٠ تھے اور سب سوار و زرہ پوش ١٠٠ تھے۔ ٣٠ لیکن کثرتِ تعداد پھر بھی کچھ کام نہ آئی اور آخر کار ذلت وشکست لشکرِ مکہ ہی کو نصیب ہوئی) یَرَوْنَهُمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ۔ یعنی یہ محض وہم وخیال نہ تھا بلکہ واقعۃً مشاہدہ کر رہے تھے۔ رویة آیت میں رؤیتِ چشم کیلئے ہے۔ قال ابو علی الرویة فی الاٰیة رویة عین ولذلك تعدّت الی مفعولٍ واحدٍ (قرطبی) یعنی رویة ظاهرة مکشوفة (کشاف) یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ ۔ کون کس کو کتنا دیکھ رہے تھے؟ سوال کے جواب یا ضمیروں کی تعیین میں اہلِ تفسیر کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ اور باعمل بلادلیل قول کسی کا بھی نہیں۔ سب سے اسلم واحوط قول مفسر تھانوی کا نظر آتا ہے جنہوں نے یرونهم میں فاعل اور مفعول دونوں کی ضمیریں کافروں کی طرف پھیری ہیں۔ اور مثلیهم میں هم سے مراد مومنین سے لی ہے۔ مِثْلَیْنِ سے مراد دوچند بھی لی گئی ہے اور سہ چند بھی اور مطلق کثرتِ تعداد بھی بغیر کسی عددِ خاص کے تعین کے۔ زعم الفراء ان معنی یرونهم مثلیهم ثلاثة امثالهم (بحر) المراد بالمثلین مطلق الکثرة لا خصوص المثلین (جمل) ٣١ (چنانچہ اس موقع پر اس کی مشیّت نصرتِ مومنین سے متعلق ہوگئی اور کافروں کے کام نہ انکی تیاریاں آسکیں نہ کثرتِ تعداد) مَنْ یَّشَآءُ ۔ اس کی تائید اس عالمِ ابتلا میں مصالحِ تکوینی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ٣٢ (یعنی بڑا سبق ہدایت کا ان لوگوں کیلئے ہے جو بصیرت سے کام ہی لیتے رہتے ہیں۔ عِبْرَةً ۔ تنوین عظمت کے لئے ہے یعنی ہدایت وبصیرت کا بہت بڑا سبق۔ التنوین للتعظیم ای عبرة عظیمة کائنة (روح)

مالاقرھی التی منہا ابتداءہ والیہا مرجعہ فسماھا امّاً فاقتضی ذٰلک بناء المتشابہ علیہا وردہ الیہا (جصاص) ۱۶ مُتَشَابِہٰتٌ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ باہم تفریق و تمیز مشکل ہو اور اس کی تعبیر
و تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ ما اشکل تفسیرہ لمشابہتہ بغیرہ اما من حیث اللفظ او من حیث المعنیٰ (راغب) واما المتشابہ فھو ان یکون احد الشیئین مشابہاً للاٰخر بحیث یعجز الذھن عن التمییز (کبیر) انما المتشابہ
فی ھٰذہ الاٰیۃ من باب الاحتمال والاشتباہ وقیل ان المتشابہ ما یحتمل وجوھاً (قرطبی) المتشابہات لھن تصریف وتحریف وتاویل ابتلی اللّٰہ فیھن العباد (قرطبی عن مجاہد وابن اسحٰق) ۱۷ (اور محکمات سے قطع نظر کر لیتے ہیں)
اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ زَیْغٌ۔ کھلا ہوا اور براہِ راست اشارہ ہے مسیحیوں کی جانب جنہوں نے اپنے پیمبروں کی صاف و واضح و صریح ہدایاتِ توحید کو پسِ پُشت ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو توڑ مروڑ کر اصل قرار دے لیا تھا لیکن الفاظ عام و وسیع
ہیں۔ ہر کج رائے و کج رو، ہر زندیق و صاحب بدعت اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ ھٰذہ الاٰیۃ تعم کل طائفۃ من کافر و زندیق وجاھل وصاحب بدعۃ وان کانت الاشارۃ بھا فی ذٰلک الوقت الی نصارٰی نجران
(قرطبی) ھم اھل البدع (مدارک) محققین نے اہلِ اسرار کے باب میں تصریح کر دی ہے کہ ان سے اگر ایسا کلام منقول ہو جو اپنی ظاہری صورت میں شریعت کے مطابق نہ ہو، تو سلامتی اس میں ہے کہ نہ اس کلام کے ظاہر کو قبول کیا جائے اور
نہ اُن اشخاص ہی سے انکار کر دیا جائے۔ ۱۸ (تاکہ عقائد و احکام کے باب میں اُس کلام سے اپنی گمراہیوں کی سند حاصل کریں) جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی و تلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اس ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین

اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ
لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے (اسی حصہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں
مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ
جو متشابہ ہے ۱۷ شورش کی تلاش میں اور اس کے (غلط) مطلب کی تلاش میں ۱۸ درآنحالیکہ کوئی
تَاْوِیْلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ
اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے ۱۹ اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان
اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا
لے آئے (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے ۲۰ اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول
الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ہَدَیْتَنَا
کرتے ہیں ۲۱ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر بعد اس کے کہ تو ہمیں سیدھی راہ دکھا چکا
وَ ہَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَہَّابُ ۝۸
اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا کر ۲۲ بیشک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے ۲۳
رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
اے ہمارے پروردگار بیشک تو (تمام) لوگوں کو جمع کرنیوالا ہے اُس دن جس کے وقوع میں ذرا شک نہیں ۲۴ بیشک
لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۹ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْہُمْ
اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں جاتا ۲۵ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے مال اور اُنکی اولاد اللہ کے
اَمْوَالُہُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُہُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰
مقابلہ میں اُن کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے ۲۶

(رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا ... کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ...)

ع ۹

میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ نصوص کلامِ الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آجکل بھی ہر فرقہ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ الفتنۃ ھی الکفر والضلال فی ھٰذا الموضع (جصاص) اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ۔ اس غلط تعبیری میں بھی یہ لوگ مخلص نہیں۔ مقصود ہی ان کا عوام مسلمین کو تشویش میں ڈالنا اور وحدتِ دین میں رخنہ پیدا کرنا ہے۔ طلباً للتشکیک فی القراٰن واضلال العوام کما فعلتہ المزنادقۃ والقرامطۃ (قرطبی) وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ۔ یعنی تاکہ اس کے غلط سلط معنی اپنی مرضی کے موافق تراش لیں۔ تاویل یہاں تحریف کے مرادف ہے۔ ای تحریفہ علی ما یریدون (ابن کثیر) الاضافۃ فی تاویلہ للعھد ای بتاویل مخصوص وھو ما لم یوافق المحکم بل ما کان موافقاً للتشہی (روح) والمراد منہ انھم یطلبون التاویل الذی لیس فی کتاب اللّٰہ علیہ دلیل ولا بیان (کبیر) ای التاویل الذی یشتھونہ (مدارک) ۱۹ (اور وہی جس کو جتنا چاہے بتلا دے۔ چاہے نصوصِ قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً۔ چاہے اقوال رسولؐ سے صراحۃً) ۲۰ پس سارے کا سارا حق ہے۔ اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہر حال حق ہیں) الراسخون فی العلم یعنی علمِ دین میں پختہ اور صاحبانِ عقلِ سلیم۔ اکثر محققین کا مذہب یہ ہے کہ وقف تام وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ پر ہے اور الراسخون فی العلم سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے جس کی خبر یقولون ہے قرطبی نے صحابہ و تابعین میں حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ عروۃ بن زبیرؓ، ابی بن کعبؓ اور عمرؒ بن عبدالعزیز کا اور ائمہ لغت و نحو میں کسائی اور اخفش اور فراء اور ابو عبید کا مذہب یہی بتلایا ہے اور حنفیہ بھی عموماً اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ وھو الذی ذھب الیہ الحنفیۃ (روح) والوقف عند الجمھور علی قولہ الا اللّٰہ (مدارک) بلکہ اکثر صحابہ و تابعین اور محققین اہلِ سنت کا یہی مذہب ہوا ہے ھو مذھب الاکثرین من اصحاب رسول اللّٰہ والتابعین واتباعھم خصوصاً اھل السنۃ وھو اصح الروایات عن ابن عباس (روح) رسوخ کے معنی مضبوط ہو جانے اور جم جانے کے ہیں۔ الرسوخ الثبوت فی الشیء وکل ثابت راسخ (قرطبی) تو اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ وہ ہوئے جن کے دلوں میں دین کے حقائق ثبت ہو چکے ہیں۔ کل من عند ربنا خواہ اس کے بعض حصوں کے معنی بالکل ظاہر و واضح ہوں اور خواہ اس کے بعض حصوں کے مفہوم میں خفا و اشتباہ ہو تقدیرِ کلام یوں ہے۔ کلہ من عند ربنا اور کلہ میں ضمیر کتاب اللہ کی طرف ہے۔ ۲۱ (جو دین کے باب میں عقل و فہم سے کام لیا کرتے ہیں) بیان فہم سلیم رکھنے والوں کی عام ہے کہ ان لوگوں نے جب قرآن کے مجموعہ اور کل کو کلامِ الٰہی مان لیا، تو اب اس کے کسی حصے سے متعلق بھی بے اعتقادی اور ریب دل میں نہیں لاتے۔ ۲۲ یعنی ہم کو اس صراطِ مستقیم پر قائم رکھ اور ہمارا حال کہیں یہود و نصاریٰ کا سا نہ ہو جائے، جو کتاب و نبوت کے بعد بھی گمراہ ہو گئے۔ یہ ساری دعا الراسخون فی العلم کی زبان سے ہے۔ یعنی علمِ دین میں پختہ کاروں کی زبان سے۔ یہ لوگ اپنے رسوخ فی العلم اور پختہ کاری پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اس نعمت کے زوال سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً۔ انہیں خود اپنے کسی عمل پر ناز یا دعویٰ نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے کہ ہمیں ہمارے حسنِ عمل کے انعام میں راہِ راست پر قائم رکھ بلکہ کہتے ہیں کہ محض اپنے فضل و کرم لُطف و عنایت سے راہِ ہدایت پر مستقیم رکھ۔ ای من عندک ومن قبلک تفضلاً لا عن سبب منا ولا عمل (قرطبی) گویا اس میں ادبِ دعا کی تعلیم بھی آگئی۔ رَحْمَۃً کا صیغۂ نکرہ اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے ہے۔ وتنوینہ للتفخیم (روح) ۲۳ (تو ایسے کے لئے اس درخواست کا قبول کر لینا مشکل کیا ہے) مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ جاہل صوفیہ اور باطنیہ زنادقہ نے اس آیت سے یہ من گھڑت مسئلہ نکالا ہے کہ علم وہی ہے جو اللہ کی طرف سے محض وہبی ہو کسبی نہ ہو اور علم کتابی حجاب کے حکم میں ہے۔ ۲۴ (اس لئے قیامت کا آنا برحق اور بندوں کو اس کی یاد اور اس کا اہتمام ضروری) مومنین، کاملین کی یہ دعائیں خوفِ آخرت سے ہوتی ہیں، کسی مادی دنیوی غرض سے نہیں۔ جَامِعُ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کی موت کے بعد اٹھانے والا اور اکٹھا کرنے والا۔ ای باعثھم ومحییھم بعد تفرقھم (قرطبی) ۲۵ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں اور فرقوں نے گمان کر رکھا ہے) جاہلی قوموں کے عجیب عجیب معتقدات میں سے یہ عقیدے بھی ہیں کہ خدا کے لئے جائز ہے کہ وعدہ کر کے بھول جائے یا وعدہ کا ایفاء اُسے خلافِ مصلحت نظر آئے اور اس لئے اُسے وہ ٹال جائے۔ اور افسوس ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں نے ان خرافات میں ان کی تقلید شروع کر دی ہے۔ خلفِ وعید کا مسئلہ جو اہلِ سنت کے ہاں ہے وہ اس سے بالکل الگ ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شان میں کوئی منقصت نہیں نکلتی بلکہ عظمت و مکرمت کچھ اور بڑھ ہی جاتی ہے۔ ۲۶ اَلنَّارُ۔ یعنی آتشِ جہنم۔ جہنم کے عذابِ آتشیں پر توریت و انجیل کے حوالے پارۂ اول میں گزر چکے۔ آیۂ کریمہ فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ کے تحت میں۔ مِنَ اللّٰہِ۔ یعنی عذابِ الٰہی سے بچا سکیں گے۔ ای من عذاب اللّٰہ (قرطبی) لَنْ تُغْنِیَ عَنْہُمْ۔ جاہلی قوموں کا ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ اولاد اگر مرے ہوئے ماں باپ کی طرف سے دان پُن کر دے تو والدین کی نجات ہو جائے گی خواہ وہ ایمان سے محروم ہی دنیا سے اُٹھے ہوں۔

ــــ۵ (اصلاً لفظاً کے پھیرا) نَزَّلَ کا مصدر تنزیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کیلئے بکثرت آیا ہے۔ بخلاف اَنْزَلَ (مصدر انزال) کے جو عموماً دوسری کتب آسمانی کے لئے آیا ہے۔ تَنْزِیْل میں تدریج اور ٹکڑے ہوکر نازل ہونے کا تخیل تو موجود ہی ہے۔ القراٰن نزل نجوماً شیئاً بعد شیٔ والتنزیل مرۃ بعد مرۃ (قرطبی) لیکن عجب نہیں کہ اس کے مفہوم میں قرآن کا لفظ بلفظ، حرف بحرف نازل ہونا بھی شامل ہو۔ اور کچھ عجب نہیں جو اس کی سند آگے چل کر کسی محقق کو عربی لغت و زبان ہی سے ہاتھ آجائے۔ بِالْحَقِّ حق کے تحت میں حکمت بھی داخل ہے اور راستی بھی اور قوتِ دلائل بھی اور یہ لفظ ہزل کے مقابل بھی ہے۔ انه قول فصل ولیس بالهزل (کبیر) نزل بالحق لا بالمعانی الفاسدۃ المتناقضۃ (کبیر) بالصدق وقیل بالحجۃ الغالبۃ (قرطبی)
ــــ۶ (کتب آسمانی میں سے) مُصَدِّقًا۔ قرآن نے بار بار صراحت کردی ہے کہ اس کا تعلق کتب قدیم سے تصدیق کا ہے۔ قرآن اجمالاً ان کے مضامین کی تصدیق و توثیق بھی کرتا ہے۔ یہیں سے اُن دشمنانِ دین کی نادانی بھی ظاہر ہوئی جاتی ہے جو کسی قرآنی بیان کے مثل کوئی مضمون توریت و انجیل وغیرہ کا اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے کوئی خاص انکشاف کیا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) گویا قرآن کی بڑی چوری پکڑی ہے۔ ــــ۷ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں۔ اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا۔ جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیحؑ سے متعلق مختلف گمنام اور بے نشان لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں،

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
اُس نے (یہ) کتاب آپ پر نازل کی ہے قطعیت کے ساتھ ــ۵ اُن کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے آچکی ہیں ــ۶
وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى
اور اُس نے اُتارا تھا توریت اور انجیل کو (اس سے) پیشتر لوگوں کی ہدایت کے
لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
واسطے ــ۷ اور اُس نے فرقان کو اُتارا ــ۸ بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو
کفر کیا اُن کے لئے عذاب سخت ہے ــ۹ اور اللہ بڑا زبردست ہے بڑا بدلہ
انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ
لینے والا ہے ــ۱۰ بیشک اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی نہ زمین میں
وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي
اور نہ آسمان میں ــ۱۱ وہ وہی (خدا) ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا
الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾
ہے جس طرح وہ چاہتا ہے ــ۱۲ کوئی خدا نہیں بجز اسکے ــ۱۳ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ــ۱۴
هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ
وہ وہی (خدا) ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیتیں ہیں اور
مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا
وہی کتاب کا اصل مدار ہیں ــ۱۵ اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ــ۱۶ سو جو

لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں۔ بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہوگیا" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ صفحہ ۱۳ طبع چاردہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند "مقدس نوشتوں" کی تصدیق و توثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل یعنی عہدِ عتیق و عہدِ جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں کے لئے حجت نہیں۔ مِنْ قَبْلُ یعنی قرآن سے قبل عہدِ موسیٰؑ اور عہدِ عیسیٰؑ میں اُن کی اُمتوں کے لئے۔ ــ۸ الفرقان فرقان اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو۔ اور فرقان مخصوص اُس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان ہو۔ الفرقان ابلغ من الفرق لانه یستعمل فی الفرق بین الحق والباطل (راغب) بعض کے نزدیک یہ اسم جنس ہے کُل کتبِ آسمانی کے لئے۔ جنس للکتب السماویۃ (کشاف) ایک قول ہے کہ اس سے مُراد معجزات و دلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔ والمختار عندی ان المراد من هذا الفرقان للمعجزات التی قرنها اللہ تعالیٰ بانزال هذه الکتب (کبیر) لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مُراد قرآن مجید ہی ہے۔ هو القراٰن انزل علی محمد وفرق به بین الحق والباطل (ابن جریر عن قتادۃ) المراد هو القراٰن (کبیر) ای القراٰن (قرطبی) الفرقان هٰهنا القراٰن (ابن کثیر عن قتادۃ والربیع) ــ۹ (آخرت میں تو یقیناً اور دُنیا میں بھی احتمالاً) کَفَرُوْا یعنی باوجود اس کے کہ اُن پر تبلیغ دین پوری طرح ہوچکی تھی، وہ کفر اختیار کئے رہے۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مُراد آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں۔ اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل و شواہد۔ ــ۱۰ خوب خیال رہے کہ سورہ کا اصل موضوع مسیحیت کی تردید ہے عموماً ایسی ہی صفات کا اثبات کیا گیا ہے جن سے مسیحیت ہی کے کسی نہ کسی پہلو پر ضرب لگے۔ عَزِيْزٌ ہر سزا پر قادر ہے اور معاذ اللہ ہر حال میں سب سے بالادست و قوی تر ہے۔ وہ (معاذ اللہ) مسیحیوں کا خدا نہیں کہ انسانی قالب اختیار کرکے طرح طرح کی کمزوریوں اور بیچارگیوں کا شکار بن جائے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر سولی پر موت تک پا جائے۔ اس کی صفت عزیزیت اس تخیل ہی سے اِبا کرتی ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ۔ وہ رحمٰن و رحیم و رؤف ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور صفت معدلت کا اظہار مجرموں اور سرکشوں کے مقابلہ میں سزا و انتقام ہی سے ہوسکتا ہے۔ اسے سزا دینے میں ہرگز کوئی عار نہیں آتا کہ اس عار سے بچنے کے لئے اُسے "مصلوبیت اور کفارہ کے پیچ در پیچ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ جن مذہبوں نے اپنے خدا کو صرف رحیم ہی رحیم مانا ہے ان کا خدا کامل نہیں ناقص ہے۔ ــ۱۱ جاہلی مذہبوں کے حکما تک آخر جاہلی تھے! یونان کے نامی گرامی عقلاء و حکماء تک یہ کہہ گئے اور سکھلا گئے کہ علم باری صرف کلیات تک محدود رہتا ہے۔ جزئیات کو محیط نہیں ہوتا۔ اور مسیحیوں نے خیر نبوت کی برکت سے کھلم کھلا اس عقیدہ کو تو نہ مانا، تاہم مرعوب اس "حکیمانہ" تعلیم سے اچھے خاصے رہے۔ قرآن مجید نے للکار کر بتایا کہ یہ علم باری کا کمال نہیں، عین نقص ہوا علم باری ہر حیثیت سے کامل ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز پر حاوی۔ اَلْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ۔ آسمان اور زمین کے نام اس سلسلہ میں اسلئے لے دیئے گئے کہ علم انسانی کی وسعتِ گرفت انہی حدود کے اندر محدود ہے۔ ضمناً خطاب مسیحیوں سے بھی ہے کہ تم جو مسیحؑ کو خدا مانتے ہو تو بتاؤ ان کا علم کامل کہاں سے تھا اور خدا نے بندہ کی شکل اختیار کرکے کیسے اتنا بڑا نقص اپنے اندر گوارا کرلیا؟ ــ۱۲ (خواہ بغیر باپ کے بنائے خواہ باپ کی وساطت سے) قادر وہ ہر طرح اور ہر صورت سے ہے۔ باپ محض واسطہ تخلیق ہوتا ہے اور خالق جس واسطہ کو جب چاہے ہٹادے۔ يُصَوِّرُكُمْ۔ میں خطاب عام ہے۔ سارے انسان مخاطب ہیں فِي الْاَرْحَامِ۔ یعنی ماؤں کے رحم میں۔ اور حضرت مسیحؑ کی صورت بھی رحم مادر ہی میں بنی تھی۔ اُوپر ذکر اللہ کے علم کامل کا آچکا ہے۔ اب اشارہ اس کی قدرت کی طرف ہو رہا ہے کہ جس طرح اس کا علم کامل محیط کُل وغیر محدود ہے اسی طرح اس کی قدرتِ تخلیق بھی غیر محدود و نامتناہی ہے۔ انسان کا اس کی حدبندی کی کوشش کرنا خود انسان کا جہل ہے۔ ــ۱۳ (نہ ذات کے لحاظ سے نہ صفات کے) پھر یاد دلا دیا کہ کون اس کے معاملاتِ تخلیق میں دخل دے سکتا ہے یا مشورہ کا حق رکھتا ہے وہ ذات پاک ہر اعتبار سے یکتا، بے مثل اور بے مثال ہے۔ ــ۱۴ العزیز۔ عزیز پر حاشیہ ابھی گزر چکا۔ خدائے تعالیٰ تخلیق کی ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ اَلْحَكِيْمُ۔ اسکی صفت حکمت کا اثبات ہے یعنی جو صورت جہاں قرینِ حکمت و مصلحت ہوتی ہے وہ وہی اختیار کرتا ہے۔ ــ۱۵ (اور وہی بطور معیار کے ہیں کہ ان پر باقی کلام کو پیش کرنا چاہیئے) مُحْكَمٰتٌ۔ محکم قرآن مجید کی وہ واضح و صریح آیتیں ہیں جن کی دلالتیں متعین ہیں اور ان کے معانی میں کوئی خفا و اشتباہ نہیں۔ المحکم ما لا یعرض فیه شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی (راغب) واضحة المعنی ظاهرة الدلالة محکمة العبارۃ محفوظة من الاحتمال والاشتباه (روح) المحکمات فی آی القراٰن ما عرف تاویله وفهم معناه وتفسیره (قرطبی عن جابر بن عبد اللہ والشعبی وسفیان الثوری) قال النحاس احسن ما قیل فی المحکمات ان المحکمات ما کان قائماً بنفسه لا یحتاج ان یرجع فیه الی غیره (قرطبی) فالمراد به اللفظ الذی لا اشتراك فیه ولا یحتمل عند سامعه الا معنی واحداً (جصاص) اُمُّ ہر شی کی اصل کو کہتے ہیں۔ یقال لکل ما کان اصلاً لوجود شیٔ او تربیته او اصلاحه او مبدئه اُمٌّ (راغب) ای اصله والعمدۃ فیه یرد الیها غیرها (روح) یہاں اس حقیقت کو بیان کردیا کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بالکل واضح و صاف ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں۔ وہی اصل مدار و معیار ہیں۔ دوسری آیتوں کو جن کے کئی کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ انہی پر پھر پیش کرنا چاہیئے۔ فبین اللہ تعالیٰ ان القراٰن تشتمل علی محکم وعلی متشابه والتمسك بالمتشابهات غیر جائز (کبیر)

۱۱۲۰ لَا یُکَلِّفُ ۔ اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا احکام شرعیہ میں بجز ُ الخ۔ احکام شرعی کی قید لگادینے سے امورِ تکوینی خارج ہوگئے۔ ذمہ دار بنادینے سے مُراد ہے اُن اعمال سے متعلق سوال و بازپُرس ہونا ۔ اِلَّا وُسْعَہَا۔
یعنی اس کے اختیار کے اندر ہوں ۔گو بعض کسی قدر مشکل ہوں ۔اس قید کے لگادینے سے وسوسہ اور خیالاتِ غیر اختیاری سب حدِ محاسبہ سے نکل گئے۔ الوسع من القدرۃ ما یفضل عن قدر المکلف (راغب) قال لا یکلف
اللہ نفسا الا وسعہا تنبیہًا انہ یکلف عبدہ ما ینوء بہ قدرتہ (راغب) اِلا طاقتہا وقدرتہا لان التکلیف لا یرد بفعل لا یقدر علیہ المکلف (مدارک) اِلَّا ما تَسَعُہ قدرتہا فضلا ورحمۃ (بیضاوی)
صوفیہ محققین نے اس آیت سے ایک سبق تو یہ لیا ہے کہ مجاہدہ میں طالب کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔اور دُوسرا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تجلیات کا وُرود و نزُول بھی طالب کی طاقت و استعداد کے متناسب ہی ہوتا ہے۔
اور اگر ان میں کبھی کمی ہو تو طالب کو تنگدل نہ ہونا چاہیئے۔ ۱۱۲۱ یعنی اُس نیک عمل پر ثواب و جزا جو بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرے۔اور اس بدعمل پر عذاب و سزا جو بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرے۔ یہ رَد ہے۔
ہندی و بدھ مت کے عقیدۂ "کرم" کا۔یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں اس کے افعال و اعمال کا۔گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔اور تناسخ اور عقیدۂ جبریت لازم و ملزوم ہیں۔

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا

مگر اس کی بساط کے مطابق ۱۱۲۰ اسے ملے گا وہی جو کچھ اُس نے کمایا اور اُس پر پڑے گا

اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

وہی جو کچھ اُس نے کمایا ۱۱۲۱ اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں ۱۱۲۲

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى

اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تُونے ڈالا تھا اُن لوگوں پر جو

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

ہم سے پیشتر تھے ۱۱۲۳ اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اُٹھوا جس کی برداشت

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ

ہم سے نہ ہو ۱۱۲۴ اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے ۱۱۲۵ اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا

ع ۴۰ ۸
مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۲۸۶

کارساز ہے ۱۱۲۶ سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر ۱۱۲۷

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

مدنی ۲۰ رکوع ۲۰۰ آیتیں ۳۵۴۲ الفاظ ۱۵۳۳۶ حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۲ ۭ نَزَّلَ

الف۔لام میم ۱ اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے ۲ زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا (خدا ہے) ۳

قرآن مجید نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں تو انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔ اور یہیں سے نصاریٰ کے عقیدۂ کفارہ کا بھی رَد نکل آیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو اب عملِ صالح کی ضرورت ہی نہیں۔ "ابن اللہ" سب کی طرف سے بھینٹ چڑھ گئے ہیں اور سب کی نجات کا سامان اُن کی مصلوبیت سے ہوگیا ہے! ۱۱۲۲ یہ مومنین کو جامع و کامل دُعا کی تعلیم ہو رہی ہے اِنْ نَّسِيْنَآ یعنی باوجود یاد رکھنے کی کوشش کے بھول جائیں اَخْطَاْنَا ۔یعنی باوجود عزم و اہتمام کے بھی چوک جائیں۔ ۱۱۲۳ (اور جیسی جیسی آزمائشوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا، وہ ہم پر نہ ڈال) عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۔یعنی بعض سابق اُمتوں پر۔ انجیل میں پطرس حواری مسیح کا قول غیر اسرائیلی مسیحیوں کے باب میں نقل ہوا ہے کہ اب تم ان کی گردن پر ایسا جوا کیوں رکھتے ہو کہ جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم۔خُدا کو کیوں آزماتے ہو؟ (اعمال ۱۵: ۱۰) گویا اسرائیلی شریعت ان کے حق میں ایسا سخت جوا تھا جو اٹھائے اُٹھ نہ سکتا تھا۔ اِصْرًا سے مُراد ہے سخت حکم جو حدِ بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت و کلفت زیادہ پڑے۔ استعیر للتکلیف الشاق (کشاف) والمراد بہ التکالیف الشاقۃ (روح) قرآن مجید نے ضمناً اس مبالغۂ بیان کی بھی اصلاح کردی اور یہ اشارہ کر دیا کہ گو وہ احکام سخت ضرور تھے لیکن نہ ایسے کہ ان پر ناقابلِ برداشت ہونے کا اطلاق ہو سکے۔ ۱۱۲۴ (نہ حوادث تکوینی میں نہ احکام شرعی میں اور حق پرستی کو ہمارے لئے آسان کردے) دعا کا یہ جزو کمالِ عبدیت کا مظہر ہے۔شانِ رحمت کا اقتضاء تو خود ہی یہ ہے کہ ایسا بار ہم پر نہ ڈالا جائے گا لیکن عقلاً اس کا امکان تو بہرحال تھا اور ہے ——— مالکِ کامل کو مملوک پر اور خالق کو عبد پر اختیار و تصرف تو ہر وقت، ہر طرح کا حاصل ہے۔ ۱۱۲۵ (بلا کسی رکاوٹ کے۔ بغیر ادنیٰ شائبۂ سزا کے) عَنَّا ۔ہم سے یعنی ہماری بھول چوک سے۔ ۱۱۲۶ (ہر عالم میں) وَارْحَمْنَا ۔یعنی ہم پر رحمت کامل ہو دنیا اور آخرت دونوں میں۔ ۱۱۲۷ (کہ یہ دشمن ہیں تیرے دین اور تیرے آئین کے) فَانْصُرْنَا عَلَى ۔ نصر کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو معنیٰ غلبہ کے ہو جاتے ہیں۔ اور غلبہ سے مُراد دونوں ہیں بہ لحاظ دلائل و علوم غلبۂ علمی و معنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبۂ مادی و ملکی۔ای فی محاربتنا معہم وفی مناظرتنا بالحجۃ معہم وفی اعلاء دولۃ الاسلام علیٰ دولتہم (کبیر)

سورۂ آلِ عمران ۔ ۱ عرب کا نقشہ سامنے ہو تو جنوب میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ملے گا اس میں ایک مقام نجران کا ہے۔عہدِ نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی۔سنہ ہجری میں ان کے ۱۴۔اکابر وفد کی صُورت میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آنحضورؐ نے دَورانِ گفتگو میں ان کے عقائدِ تثلیث و ابنیت کی لغویت ان پر پُوری طرح واضح کردی۔ سورہ میں اشارے جابجا اس طرف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خطاب جس طرح خاص طور پر یہود کی جانب تھا۔کہا جا سکتا ہے کہ اسی طرح اس سورۃ میں مسیحیوں کی جانب ہے۔بقرہ ہی کی طرح آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ ۲ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ان پر حاشیہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا۔عجب نہیں جو یہ حروف مخفف ہوں فقرہ انا اللہ اعلم کے۔ ۳ (نہ بہ حیثیت اقنوم کے نہ کسی اور حیثیت سے) یعنی اُس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے نہ صفات میں نہ افعال میں۔ دنیا میں بہ کثرت ایسے شرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ خدائے اعظم تو بیشک ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں تو بہت سی ہیں۔ قرآن مجید ان سب کی تردید کرکے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی کسی دُوسرے خدا کا نہیں، نہ چھوٹے کا نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمامتر ایک ہی ذات میں ہے۔ آیت علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رَد میں ہے۔ ۴ اَلْحَيُّ ۔وہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہی ہے۔زندہ ہی رہا ہے اور زندہ ہی رہے گا۔موت کا اس کے لئے کوئی امکان ہی نہیں نہ صلیب کے اُوپر نہ کسی اور طرح پر۔اس کی حیات جس طرح آج قائم ہے ہمیشہ سے قائم ہے۔یہ نہیں کہ اسے بار بار قالب بدلتے رہنے کی ضرورت پیش آئے کبھی وہ انسان بن جائے اور کبھی نعوذ باللہ حیوان۔وہ زندہ معاذ اللہ اس طرح کا نہیں کہ ہر سال اس پر موت طاری ہوا کرے اور پھر وہ حیاتِ تازہ حاصل کرتا رہے۔ الحی کے لفظ نے اُس کی صفتِ حیات کا اثبات کرکے ان سارے خرافات کی تردید کردی۔(ملاحظہ ہو حاشیہ ۹۷۹ پارۂ ہذا) اَلْقَيُّوْمُ وہ بذاتِ خود قائم ہے اور ساری مخلوقات اس کے وجود سے قائم ہے۔یہ نہیں کہ وہ خود بھی کسی معنیٰ میں کسی دوسرے کا محتاج ہو۔ جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ:۔ "جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۲، صفحہ ۵۳۶) گویا نعوذ باللہ ابن اللہ اور اللہ دونوں اپنی خدائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ صفت قیومیت کا اثبات کرکے قرآن مجید نے فرزندیٔ خدا کے عقیدہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بہت سے جاہلی مذہب ایسے بھی ہیں جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے بھی قائل ہیں کہ وہ پیدا کسی اور سے ہے۔(ملاحظہ ہو حاشیہ ۹۷۹ پارہ ہذا)

۱۱۰۸ (اور اصل شئی قلب ہی کی گنہگاری ہے) اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ سب سے بڑا گناہ، تو قلب ہی کا گناہ ہے۔ چنانچہ کفر جو سارے کبائر سے بڑھ کر کبیرہ ہے۔ قلب ہی کا گناہ ہے اس لئے اس اسلوب بیان نے خود یہ ظاہر کر دیا کہ کتمانِ شہادت شدید ترین گناہ ہے۔ لان افعال القلوب اعظم من افعال سائر الجوارح الاتری ان اصل الحسنات والسیئات الایمان والکفر وھما من افعال القلوب واذا جعل کتمان الشھادۃ من آثام القلوب فقد شھد لہ بانہ من معاظم الذنوب (مدارک) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ ادائے شہادت کے وقت۔ یہ ادائے شہادت کا حکم عام ہے تمام معاملات قانونی کے لئے۔ مثلاً نکاح، مہر، وصیت وغیرہ۔ صرف معاملۂ رہن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور شہادت چھپانے کی ساری صورتیں اس ممانعت کے اندر آجاتی ہیں۔ مثلاً ادائے شہادت سے گریز کرنا یا شہادت میں واقعات صحیح نہ بیان کرنا۔ وقس علیٰ ہذا۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا۔ اور یہ کتمان خواہ جزئی ہو یا کلّی۔ ادائے شہادت چونکہ واجب ہے۔ فقہاء نے اس پر اُجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے البتہ آمد و رفت اور خوراک پر جو کچھ صرف ہو اس کا بہ قدر واقعی وصول کرنا جائز ہے ۱۱۰۹ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دے گا) بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ مثلاً ایک عمل اخفاء شہادت کا ہے جو معصیت ہے۔ اور دوسرا عمل ادائے شہادت کا ہے۔ جو طاعت ہے۔ ۱۱۱۰ (اور کسی دیوی، دیوتا، بروز، مظہر، اوتار کی شرکت اس میں نہیں) قرآن مجید کی طویل ترین سورہ کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے یہاں پر عقیدۂ توحید کامل کا اعادہ و اثبات ہے۔ سورہ کا آغاز اصول دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا۔ سورہ کا خاتمہ بھی اسی طرح جامعیت و مانعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے ۱۱۱۱ (زبان سے یا عمل سے) مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ جو کچھ دلوں کے اندر ہے۔ افعال ارادی و اختیاری ہیں ہے مثلاً کوئی عقیدہ فاسد یا عزم معصیت، اس میں وسوسہ اور گزرنے والے خیالات داخل نہیں کہ وہ حدود مؤاخذہ سے خارج ہیں۔ ولا تدخل الوساوس وحدیث النفس فیما یخفیہ الانسان لان ذلک مما لیس فی وسعۃ ولکن ما اعتقدہ وعزم علیہ (مدارک) ۱۱۱۲ (مثل تمام معاصی کے) ۱۱۱۳ مغفرت ہوگی تو قانونِ رحمتِ عامہ کے مطابق اور عذاب ہوگا تو قانون حکمتِ کاملہ کے ماتحت ۱۱۱۴ اللہ فاعل بالارادہ ہے، مختار کل ہے اور اس سے مُنزّہ ہے کہ عفو و مغفرت کے لئے اسے ضرورت بطور فدیہ یا کفارہ کے کسی "خدائے مصلوب" کی ہو۔ آیت میں اشارۃً رد آگیا عقیدۂ نصاریٰ کا اور متعدد مشرک قوموں کے عقائد کا۔ خدا بس اپنے ہی ارادہ یا مشیت کے علاوہ کسی اور قانون کا پابند نہیں جیسا کہ ہندی مشرک قوموں نے عقیدۂ کرم سے خیال کر رکھا ہے ۱۱۱۵ (یعنی قرآن پر) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ اپنی رسالت یعنی پیامِ حق کی حقانیت کامل پر ایمان لانے والے سب سے پہلے خود پیمبر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان ایمان تو سب برابر ہے۔ لیکن بہ اعتبار ظرف و بہ لحاظ کیفیت پیمبر کے ایمان عام اور عام افرادِ اُمت کے ایمان کے درمیان آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ہر ایک کے ایمان کا مرتبہ بھی اس کی حیثیت اور مرتبہ کے متناسب ہوتا ہے ۱۱۱۶ اس جامع آیت کے اندر تمام لوازمِ ایمان بیان ہو گئے ہیں۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اللہ پر ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات اور صفت دونوں کی تصدیق کی جائے۔ حسبِ تصریحاتِ قرآنی و تعلیماتِ نبوی یہ تردید ہو گئی دہریت، لاادریت، ارتیاب وغیرہ کی۔ خدائے واحد کی جزم کے ساتھ تصدیق کرنا لازمی ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ۔ فرشتہ کی تعریف اوپر گزر چکی ہے کہ وہ ایک نوری مخلوق ہے جس سے صدورِ معصیت کا امکان نہیں۔ کثرت سے مشرک قوموں کو ٹھوکر اسی عقیدہ میں لگی ہے۔ فرشتوں کو بجائے تمامتر خدائی کارندہ ہونے کے اُن کی عظمت سے متاثر ہو کر انہیں کائنات کے مختلف شعبوں میں مستقلاً متصرف سمجھنے لگے۔ اور انہیں دیوی دیوتا کہہ کر پکارنے لگے مثلاً فلاں آگ کا دیوتا ہے فلاں ہوا کی دیوی ہے فلاں بارش کا دیوتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

٣٩ ع

الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ

گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا ۱۱۰۸ اور تم جو کچھ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى

بھی کرتے ہو اللہ اس کا بڑا جاننے والا ہے ۱۱۰۹ اللہ ہی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

زمین میں ہے ۱۱۱۰ اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو ۱۱۱۱ یا اُسے

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

چھپائے رکھو بہرحال اللہ اس کا حساب تم سے لیگا ۱۱۱۲ پھر جسے چاہے گا بخش دیگا اور جسے چاہے گا

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ

عذاب دیگا ۱۱۱۳ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۱۱۱۴ پیغمبر ایمان لائے

الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

اس پر جو اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے ۱۱۱۵ اور مومنین (بھی) یہ

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ

سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اسکے پیمبروں پر ۱۱۱۶، ہم اس کے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ

پیمبروں میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے ۱۱۱۷ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور ہم نے اطاعت کی ۱۱۱۸

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ

ہم تیری مغفرت (طلب کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ۱۱۱۹ اور تیری ہی طرف واپسی ہے اللہ کسی کو ذمّہ دار نہیں بناتا

قرآن مجید نے جو فرشتوں کے عقیدہ پر بار بار زور دیا ہے اس کا مقصد شرک کی اس خاص قسم یعنی دیوتا پرستی کا استیصال ہے۔ فرشتہ گو نوری ہوتے ہیں معصوم ہوتے ہیں لیکن بہرحال خالقِ کائنات کے سامنے انسان ہی کی طرح ایک عاجز دبے بس مخلوق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ اُن کی ذات یا صفات کو مُدغم کر دینا انتہائی حماقت ہے۔ وَكُتُبِهٖ۔ آسمانی نوشتوں اور ہدایت ناموں کے باب میں بھی بڑی افراتفری ہوتی آئی ہے۔ کسی کسی قوم نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ خدا ہے لیکن کوئی ہدایت نامہ نہیں بھیجتا۔ اور بہت سی قوموں نے انہیں ذہنِ انسانی کی پیداوار قرار دیا جنہیں چند بڑے اور ہدایت یاب انسانوں نے مل کر لکھ لکھا لیا۔ وَرُسُلِهٖ رسالت کا عقیدہ بھی مشرک قوموں نے بالکل مسخ کر دیا تھا۔ دنیا رسولوں کو بھول چکی تھی اور قائل اس کی رہ گئی تھی کہ جس کے ذریعہ سے ہدایت اور پھر نجات ہوتی ہے، وہ یا تو خدا کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے یا خود خدا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں۔ قرآن مجید نے آکر بتایا کہ یہ انسان اور بندے ہی ہوتے ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔ سلسلۂ وحی کو ماننا بھی گویا "اوتار" کے عقیدہ پر ضرب لگانا ہے ۱۱۱۷ (کہ بعض کے قائل ہوں اور بعض کے منکر۔ بلکہ سب کو برحق سمجھتے ہیں اور سب کے مسلکِ ہدایت پر اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں) یہ مقولہ مومنین کا ہے۔ ای یقولون لانفرق (بیضاوی، مدارک) یہود کی طرح نہیں کہ بجز اپنی نسل یعنی اسرائیلی انبیاء کے اور کسی کو نہ مانیں اور ان میں سے بھی جس کا جی چاہے انکار کر دیں۔ یہاں تک کہ سلسلۂ اسرائیل کے خاتم (حضرت مسیحؑ) سے تو وہ عداوت رکھیں کہ اپنے خیال میں اُن کی جان ہی لے ڈالیں۔ اور نہ نصرانیوں کی طرح کہ ایک اسرائیلی ہی کے ماننے میں تو وہ غلو کریں کہ پیمبری سے اُٹھا کر الوہیت کے مرتبہ پر پہنچا دیں اور اسمٰعیلی شاخ سے پیمبری پانے والے سے عداوت ہی ٹھان لیں۔ انگریزوں میں ایک مشہور مؤرخ گبن ہوا ہے۔ قرآن مجید اس کے نزدیک کلام الٰہی نہیں، کلام [illegible] ہے۔ [illegible] اس آیت کی وسعت پر حیران ہو کر کہتا ہے۔ "محمد کی وسیع المشربی نے اپنے پیش رووں کے لئے بھی وہی درجہ رکھا جو خود اپنے لئے اور ہبوطِ آدمؑ سے لیکر نزولِ قرآن تک سلسلۂ وحی کو قائم رکھا۔" (تاریخ زوال روم [illegible]) لَا نُفَرِّقُ۔ بعض اہلِ طریق نے اسی پر قیاس کر کے کہا ہے کہ اولیاء کاملین میں بھی یہ تفریق نہ کرنا چاہیے کہ کسی سے اعتقاد رکھے اور کسی سے انکار کرے ۱۱۱۸ سَمِعْنَا سُن لیا ہم نے اللہ کے پیام کو۔ اَطَعْنَا اطاعت کی ہم نے اللہ کے پیام کی ۱۱۱۹ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا یعنی وہ مغفرت تو ہی عطا کرے گا۔ اس میں رد آگیا نصاریٰ اور دوسری قوموں کا۔ جو مغفرت کو عطیۂ الٰہی نہیں۔ بلکہ "ابن اللہ" یا کسی اور کی عنایت کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔

۱۰۹۵ (کہ اس میں اعانت ہے معاملاتِ اُمّت کی اور خدمت ہے دین کی) وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ۔ یعنی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں ۱۰۹۶ (یعنی وہی کتابت معاملۂ دَین سے متعلق) عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے قانون و ضابطہ میں۔ ای فی حکمہ سبحانہ (مدح) لَا تَسْـَٔمُوْٓا۔ بار بار لکھنے لکھانے سے نفس میں ایک قسم کی کاہلی پیدا ہو جانا تقریباً طبعی ہے۔ تَكْتُبُوْهُ۔ میں ضمیر اُسی معاملۂ دَین سے متعلق ہے۔ ناانھوں نے آج کل شور برپا کر رکھا ہے کہ اب زمانہ اس کا نہیں کہ مذہب خصوصاً اسلام کو عقائد و معاد سے پر رکھا جائے اب تو دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا کے لئے سب سے زیادہ عملی مذہب کون ہے؟ روزانہ مسائل زندگی کے حل کرنے میں کون مذہب سب سے زیادہ زور دے رہا ہے؟ یہ معیار بجائے خود کس حد تک صحیح ہے؟ یہ تو ایک الگ سوال ہے۔ لیکن بہرحال جو لوگ اسی معیار کو مانے ہوئے ہیں کم از کم وہ تو خلوئے ذہن کے ساتھ غور کریں کہ ساری شریعتوں میں اسلام سے بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ زندگی کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے حل کرنے کا اہتمام رکھا ہے!

۱۰۹۷ یا اس لئے کہ دست گرداں معاملتیں کثرت سے برابر واقع ہوتی رہتی ہیں اور عموماً مقدار میں بھی ان کی خفیف ہوتی ہیں اور عموماً ان میں احتمال نزاع و اختلاف کا بھی کم ہی ہوتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے موقعوں پر کتابت دستاویز کے التزام سے حرج لازم آتا تھا اس لئے شریعت نے التزام کو یہاں سے اُٹھا دیا۔ لیکن اگر کوئی معاملت ایسی ہو کہ شکل کے اعتبار سے ہو تو دست بدست لیکن مالیت بڑی ہو یا آئندہ اختلاف و نزاع کے احتمالات موجود ہوں۔ یا اور کسی اعتبار سے حالات وہاں وہ نہ ہوں جو عموماً تجارتِ حاضرہ یا معاملۂ دست گرداں میں ہوا کرتے ہیں تو ایسے موقع پر ترکِ کتابت کی علت مفقود ہوگی اور اہتمامِ کتابت مطلوب ہوگا

۱۰۹۸ یعنی ایسے موقع پر گواہی کرالینا بہتر ہوگی وَاَشْهِدُوْٓا۔ صیغۂ امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، صرف استحسان کے لئے ہے۔ والامر للندب (مدارک) والاوامر التی فی هذه الآية للاستحباب عند اکثر الائمة (بیضاوی)

۱۰۹۹ یعنی فریق اپنی مصلحت کی خاطر کاتب یا گواہ کو زحمت میں نہ ڈالے ادھر کاتب اور گواہوں کو حکم مل چکا ہے کہ کتابت اور گواہی سے پہلو تہی نہ کریں اب فریقین کو حکم مل رہا ہے کہ وہ بھی کاتب اور گواہوں کی مصلحت و آسائش کا خیال رکھیں۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ۔ کاتب کو نقصان پہنچانا مثلاً یہ کہ اُسے بلا اُجرت کتابت پر مجبور کیا جائے۔ وَلَا شَهِيْدٌ۔ گواہ کو تکلیف میں ڈالنا۔ مثلاً یہ کہ باوجود احتیاج اُسے آمد و رفت کا خرچ بھی نہ دیا جائے

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ

اور شہادت کو درست تر رکھنے والی ہے اور زیادہ سزاوار اس کی کہ تم شبہ میں نہ پڑو ۱۰۹۶

تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

بجز اسکے کہ کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے ہی رہتے ہو سو تم پر

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا

اس میں کوئی الزام نہیں کہ تم اسے نہ لکھو ۱۰۹۷ اور جب خرید و فروخت کرتے ہو (تب بھی)

تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ

گواہ کر لیا کرو ۱۰۹۸ اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے ۱۰۹۹ اور اگر (ایسا)

تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ

کروگے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ (شمار) ہوگا ۱۱۰۰ اور اللہ سے ڈرتے رہو ۱۱۰۱، اور اللہ تمہیں

اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۲۸۲ وَاِنْ

سکھاتا ہے ۱۱۰۲ اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے ۱۱۰۳ اور اگر تم

كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ

سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ ۱۱۰۴ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہیں جو قبضہ میں دیدی جائیں ۱۱۰۵

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي

اور تم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے ۱۱۰۶ تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اُسے چاہیے کہ

اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا

دوسرے کی امانت (کا حق) ادا کر دے اور چاہیے کہ اللہ (یعنی) اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے ۱۱۰۷، اور

۱۱۰۰ (کہ جس کام سے منع کیا گیا وہی کر رہے ہو) فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ کی تصریح کر کے حکم کی اہمیت کو کس درجہ بڑھا دیا ہے ۱۱۰۱ (چھوٹے بڑے سارے معاملات اور کارروائیوں میں) سبحان اللہ! تقویٰ الٰہی کی تاکید کن کن موقعوں پر کیا ہے ۱۱۰۲ (تمام تر حکمت کی باتیں) بعض اہلِ علم نے "يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ" کو فقرۂ سابق "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" سے بالکل مربوط پا کر استنباط یہ کیا ہے کہ علم حقیقی عین نتیجہ ہوتا ہے تقویٰ الٰہی کا۔ تقویٰ اختیار کرو اور از خود علمِ الٰہی مرحمت ہونے لگے گا ۱۱۰۳ چنانچہ اپنے اس علم کے مطابق معاملت بھی مطیع و عاصی سے کرے گا ۱۱۰۴ (کتابت دستاویز کے لئے، درآنحالیکہ معاملۂ رہن کی ضرورت آپڑے) رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر شاید اس لئے کر دیا گیا ہو کہ سفر کی حالت میں ضرورت رہن کے پیش آجانے کا احتمال زیادہ ہے ۱۱۰۵ (صاحبِ حق کے۔ مدیون کی طرف سے) رِهٰنٌ۔ ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ یہی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ رہن بالقبضہ تو صرف قرض دینے والے کے اطمینان کے لئے ہے۔ اسے یہ حق نہیں کہ وہ شے مرہون سے فائدہ بھی اُٹھاتا رہے ۱۱۰۶ (اور اس لئے رہن کی ضرورت نہیں سمجھتا) ۱۱۰۷ معاملات کے سلسلہ میں یہ تقویٰ الٰہی کی تاکید ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ۔ یعنی مدیون۔ فَلْيُؤَدِّ۔ ادا کرے پورا پورا۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ فَاِنْ

اور چاہیئے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے ١٠٨٨ پھر اگر وہ

كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا

جس کے ذمہ حق واجب ہے عقل کا کوتاہ ہو یا یہ کہ کمزور ہو ١٠٨٩ اور اس

يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ

قابل نہ ہو کہ وہ خود لکھوا سکے ١٠٩٠ تو لازم ہے کہ اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک لکھوا دے ١٠٩١

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ

اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو ١٠٩٢ پھر اگر دونوں مرد نہ

يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ

ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے

مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ

جنہیں تم پسند کرتے ہو ١٠٩٣ تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے اگر کوئی

اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا

ایک ان دو میں سے بھول جائے ١٠٩٤ اور گواہ جب بلائے جائیں تو انکار

دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ

نہ کریں ١٠٩٥ اور اس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی میعاد

كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

تک لکھنے سے اکتا نہ جاؤ یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرینِ عدل ہے

١٠٨٧ دستاویز کا ماحصل کسی حق کا اپنی طرف اقرار کرنا ہے۔ یہ قدرۃً اُسی کو کرنا چاہیئے جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہو۔ وَلْيُمْلِلِ۔ یعنی دستاویز کو لکھانا ١٠٨٨ یعنی جو حق جس طرح اور جتنا اُس پر واجب ہے اُس میں سے کاتبِ دستاویز کو بتلا لے اور لکھاتے وقت کچھ بھی کتر بیونت نہ کرے۔ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ. خوفِ خدا تو مسلمان کے لئے جزو زندگی اور اس کی زندگی بھر رہنا چاہیئے۔ دستاویز لکھاتے وقت اس کی تاکید و یاددہانی کی حکمتیں اور مصلحتیں بالکل واضح ہیں ١٠٨٩ اور یہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ دستاویز لکھانے والا وہی ہونا چاہیئے۔ سَفِيْهًا۔ یہ مراد نہیں کہ پاگل ہو بلکہ صرف ضعیف العقل مُراد ہے۔ ضعیف الرأی ناقص العقل من البالغین (کبیر) ضَعِيْفًا۔ یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ نابالغ اور پیر فرتوت سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الصغیر والمجنون والشیخ الخرف وھم الذین نقدوا العقل بالکلیۃ (کبیر) ١٠٩٠ (کسی اور عذر یا مانع سے) مثلاً یہ کہ گونگا ہو، یا پردیسی ہو، ملک کی زبان سے ناواقف ١٠٩١ (ایسی ہر صورت میں اس کی طرف سے ٹھیک ٹھیک) وَلِيُّهٗ سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار۔ (یا پردیسی کے لئے) ترجمان تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی صورت جب ایسی پیش آجائے کہ صاحبِ معاملہ کا اقرار اور بیان معتبر نہ رہ جائے تو اعتبار اُس کے کارکن کے بیان و اقرار کا کیا جائے ١٠٩٢ (جو عاقل ہوں، بالغ ہوں، آزاد ہوں، دیندار ہوں) ای من رجال المومنین والحرّیۃ والبلوغ مشروط مع الاسلام (مدارک) مِنْ رِّجَالِكُمْ کی قید نے صاف بتا دیا کہ گواہوں کو مسلمان ہونا چاہیئے۔ یہودی قانون میں بھی گواہ کا اسرائیلی ہونا ضروری ہے۔ کافروں کی گواہی کافروں کے معاملات میں مقبول ہو سکتی ہے۔ وشھادۃ الکفار بعضھم علٰی بعض مقبولۃ عندنا (مدارک) وَاسْتَشْهِدُوْا۔ گواہوں کی یہ گواہی تحریر دستاویز کے علاوہ ہونا چاہیئے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اصل مدارِ ثبوت اُنہی گواہوں کی گواہی ہوگی ١٠٩٣ (یعنی جو تمہارے نزدیک ثقہ و قابلِ اعتبار ہوں) فان لم یکونا رجلین۔ یعنی دو مرد گواہی کے لئے میسر نہ آئیں۔ رَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے اور عورت کی شہادت سرے سے قابلِ تسلیم نہیں۔ اِسلام نے اسے یہ حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے علمِ کامل اور تحقیقِ مطلق کی بنا پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ پر نصف مانا ہے۔ ممن ترضون۔ دیانت ضمیر، سیرت، کردار کا ایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ قید لا کر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزاز و منصب ہے ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں۔ اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت و کردار پر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔ ١٠٩٤ (اور اس طرح شہادت مکمل ہو جائے) اَنْ تَضِلَّ۔ بھول جائے شہادت کے کسی حصّہ کو۔ واقعہ کے کسی جزو کو۔ رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے۔ اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیات کی دُنیا میں دریافت یہ کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا اور مرد کو باوجود اس کے قوت و جسامت کے اس بار کے برداشت کے کیوں ناقابل سمجھ لیا گیا؟ یہ فاطرِ کائنات ظاہر ہے کہ جسمیات و مادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔ اُس کے پیشِ نظر ذہنیات و اخلاقیات کی بھی باریک سی باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلز Hoolock Ellis نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لئے دھوکا اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ‌ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ

اور اگر تم توبہ کرلوگے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں ۱۰۸۰ نہ تم کسی پر ظلم کروگے

وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ

نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا ۱۰۸۱ اور اگر تنگدست ہے تو اس کیلئے آسودہ حالی تک مہلت

اِلٰى مَيۡسَرَةٍ‌ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ

ہے ۱۰۸۲ اور اگر معاف کردو تو تمہارے حق میں (اور) بہتر ہے اگر تم علم

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ‌

رکھتے ہو ۱۰۸۳ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۱۰۸۴

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾

پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ ہوگا ۱۰۸۵

۳۸ ع ۸ ٦

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ اِلٰٓى

اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدتِ معین تک کرنے

اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكۡتُبُوۡهُ‌ؕ وَلۡيَكۡتُبْ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌ‌

لگو تو اس کو لکھ لیا کرو ۱۰۸۶ اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا

بِالۡعَدۡلِ‌ وَلَا يَاۡبَ كَاتِبٌ اَنۡ يَّكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھا دیا

اللّٰهُ فَلۡيَكۡتُبۡ‌ۚ وَلۡيُمۡلِلِ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَقُّ

ہے ۱۰۸۶ پس چاہیئے کہ وہ لکھدے اور چاہیئے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے ۱۰۸۷

۱۰۷۸ یعنی تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔ كما يحارب الفئة الباغية (کبیر) كحرب المرتد وكحرب البغاة (روح) اعلام بانهم ان لم يفعلوا ما امروا به فهم محاربون لله ورسوله (جصاص) اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لئے نہیں آئی ہے۔ العظمة لله حرمتِ سود کا کس درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کس درجہ شدید احکام ہیں۔ کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلاکر رسالہ "جوازِ سود" پر شائع کئے جائیں اور اپنی تحریر و تقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ سے یہ جو قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں، ان پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا۔ یعنی اگر اس حکم حرمتِ سود پر عمل نہ کروگے ۱۰۷۹ یعنی حکومتِ اسلامی تمہارا اصل سرمایہ تمہیں واپس دلادے گی۔ اگر توبہ نہ کروگے تو راس المال بھی بحقِ حکومتِ اسلام ضبط ہوجائے گا۔ اِنۡ تُبۡتُمۡ یعنی اگر سودخواری کی معصیت سے توبہ کرلوگے ۱۰۸۰ لَا تَظۡلِمُوۡنَ ظالم بننے کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی رقم قرض دی اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کرلی۔ بطلب الزيادة على راس المال (کبیر) لَا تُظۡلَمُوۡنَ۔ مظلوم بننے کی صورت یہ ہے کہ جتنی رقم قرض دی تھی اب ادا کرنا اس سے زائد کا پڑ رہا ہے۔ ای بنقصان راس المال (کبیر) ۱۰۸۱ یعنی مدیون یا قرضدار اگر وقت پر تنگدست ہے تو اُسے اسی وقت تک کے لئے مہلت دیدی جائے جب تک وہ ادا کرنے کے قابل ہوجائے ۱۰۸۲ (کہ اس احسان و حسنِ سلوک پر کتنا اجرِ عظیم موعود ہے) اَنۡ تَصَدَّقُوۡا۔ یعنی نادار مدیون کو اپنا مطالبہ بالکل معاف ہی کردو۔ عقائدِ اسلامی کی طرح قوانینِ اسلامی کی بھی پوری قدر اس وقت ہوتی ہے جب اُن کے مقابلہ میں اپنے کو مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کے قوانین رکھے جائیں۔ خود اس قرضہ کے معاملہ میں دوسری قوموں کے قانون قرض داروں کے حق میں سراسر ظالمانہ ہیں۔ رومی قانون (مرعوبِ ذہن) Roman Law میں مدیون کو قتل تک کیا جا سکتا تھا اور رومی تاریخ میں دائنوں کی ظلم و زیادتی سے بارہا نوبت شدید بلووں تک آگئی ہے۔ ایک اور نکتہ۔ اسلامی نظامِ معاشیات کی بنیاد مادّیات سے کہیں بڑھ کر انسانیت و روحانیت و تقویٰ الٰہی پر رکھی ہے۔ اور یہ خصوصیت اُسے دنیا کے قدیم و جدید سارے معاشی نظاموں سے ممتاز کئے ہوئے ہے ۱۰۸۳ (اپنے اپنے اعمال کی پیشی کے لئے) خطاب یہاں اہلِ ایمان سے ہے ۱۰۸۴ (کہ کسی کا نیک عمل بلا معاوضہ رہ جائے یا کسی کے نامۂ عمل میں کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ دی جائے) تُوَفّٰى مَا كَسَبَتۡ۔ یعنی اعمال کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا ۱۰۸۵ (اور اس صاف صاف لکھا پڑھی کو نہ دلیل بے اعتمادی کی سمجھو اور نہ اس میں شرماؤ) دَيۡنٍ۔ دَین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلہ میں ہے اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے، جس کے معاوضہ کا ایک جز فی الفور نہ ہو۔ هو عبارة عن كل معاملة كان احد العوضين فيها نقدا والآخر في ذمة النسيئة كان العين عند العرب ما كان حاضرا والدين ما كان غائبا (ابن عربی) تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ۔ دَین یا اُدھار معاملت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چیز ابھی خریدی اور قیمت کے لئے طے پاگیا کہ اتنی مدت کے بعد دیں گے۔ دوسری یہ کہ قیمت اُسی وقت دے دیں اور چیز کے لئے یہ طے پاگیا کہ اتنی مُدت کے بعد لیں گے۔ شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مُدت بالکل صاف اور متعین ہونا چاہیئے۔ گول اور مجمل نہ رہے۔ "جاڑوں کے زمانہ میں" "برسات کے موسم میں" "ربیع کی فصل میں" ان مبہم مُدتوں کی بجائے تعیین و صراحت ہونا چاہیئے کہ فلاں سنہ کے فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ۔ فقیہ ابن عربی مالکی نے ایک اس آیت کے ذیل میں ۵۲ مسئلے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت مسائل بیع میں اہم ترین آیت ہے۔ هي اصل في مسائل البيوع وكثير من الفروع عامی صوفیہ اور جاہل مشائخ نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ معاملت و معاشرت کی اصلاح و درستی، سلوک و طریقت کے منافی ہے وہ غور کریں کہ قرآن کو اس باب میں کتنا اہتمام بلکہ جزئیات تک کا انضباط مدِّنظر ہے! ۱۰۸۶ باہمی لین دین اور قانونی معاملات کے سلسلہ میں ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک کے لئے شریعت کا یہ اہتمام اللہ اللہ عالمگیر ہدایت و رہنمائی کا حق اگر کسی کتاب کو پہنچتا ہے تو بیشک وہ یہی کتاب ہوسکتی ہے۔ کہاں ایک طرف یہ مکمل نظامِ زندگی و مفصل ضابطۂ حیات اور کہاں اس کے مقابلہ میں انجیل جس کے صفحات قانون و معاملت کی چھوٹی چھوٹی ہدایات تک سے خالی ہیں! بِالۡعَدۡلِ یعنی کسی فریق سے متاثر ہوئے، کسی کی رورعایت کئے ہوئے بغیر لکھے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ کاتب کو متدین اور شرائطِ تحریر کا عالم ہونا چاہیئے اور فریقین پر لازم ہے کہ ایسے ہی کاتب کی تلاش کریں۔ فيه دليل ان يكون الكاتب فقيها عالما بالشروط وعو للمتداينين بتخيير الكاتب (مدارک) لَا يَاۡبَ كَاتِبٌ فقہاء نے کہا ہے کہ کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لینا جائز ہے۔

حیثیت سے ہیں ان میں سے ایک حرمتِ سُود بھی ہے۔ اس کے مفاسد روشن سب پر ہو چکے تھے۔ اس سے ماجز سب ہی آچکے تھے لیکن قطعی اور کُلّی صورت میں حرام اسے دنیا کے ضابطوں اور شریعتوں میں صرف اسلام ہی نے قرار دیا۔ سُود خوار کے دل میں شقاوت و سنگدلی، درحرصِ مال اور بلا مشقت مال ہاتھ آجانے سے نفس میں دناءت اور زر پرستی اور ساہوکاروں کا بخل اور باہمی حسد و رقابت اور قرضدار بیچارہ کی بے حرمتی و تذلیل یہ واقعات و مشاہدات کہاں چاہیئے کہ پیش پا افتادہ تھے۔ لیکن اس کی قطعی بندش کا خیال کسی انسانی دماغ کو نہ آیا۔ اصلاح حال کی جو کوششیں زیادہ سے زیادہ ہوئیں وہ بس شرح سُود کی تحدید تک رہیں۔ یونان میں سولن، انگلستان میں بیکن اور یورپ میں آبائے کلیسا کے جوشِ اصلاح و افادہ خلق کی کائنات کل اسی قدر ہے۔ یہ فخر قیامت تک کے لئے عرب کے اُمّی کے ساتھ مخصوص ہوگیا کہ اس انسانیت کُش رسم کی حرمت کی منادی اس کی زبان سے کرائی گئی اور حرّمَ الرِّبٰوا کا زلزلہ افگن نعرہ اس کے دہن سے بلند کرایا گیا ۱۰۷۱ (اور وہ اس کھائے ہوئے نوالہ کے اُگلنے پر مجبور نہیں) مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ یعنی یہی حرمتِ سُود کا حکم۔ فَانْتَهٰى یعنی وہ باز آگیا سُود لینے اور اسے جائز ٹھہرانے سے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ یعنی حکم حرمت سے قبل جو کچھ لے چکا، سو لے چکا۔ توبہ کے بعد اس کے لئے گنجائش ہے کہ اُس مال کو اپنے پاس رہنے دے۔ پچھلی رقموں کی واپسی پر شریعتِ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتی ۱۰۷۲ (جو دلوں کے اسرار و خفایا کا عالم ہے) مقصود یہ ہے کہ یہاں بیان بندوں کے سامنے معاملہ کے صرف ظاہری اور قانونی پہلوؤں کا ہو رہا ہے۔ باقی قلب کے تقویٰ و طہارت اور نفس کی اصلاح کا معاملہ اللہ پر چھوڑنا چاہیئے۔ اَمْرُهٗ۔ میں ضمیر باز رہنے والے (من انتہٰی) کی طرف ہے۔ الظاهر ان الضمير في امره عائد الى المنتهى (بحر) ۱۰۷۳ یعنی جو کوئی اس تبلیغ کے بعد بھی عقیدہ جوازِ سُود پر قائم رہے، یا سودی معاملت کرتا رہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ یہ سزا ہے سُودی معاملت کرنے والوں کی۔ معاملت سُود گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ کی سزا جہنّم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ یہ سزا ہے جوازِ سُود کے قائلوں کی۔ جوازِ سود کا عقیدہ کفر ہے اور کفر کی سزا خلودِ جہنم ہے۔ معتزلہ نے آیت کے اتنے جزء سے مومن اہلِ معاصی کی عدمِ مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ لیکن تفسیر کا جو پہلو یہاں اختیار کیا گیا اس پر یہ شبہہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ امام رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر میں اس مقام پر خوب تقریر کی ہے۔ ۱۰۷۴ آخرت میں تو اس وعدہ و وعید دونوں کا مشاہدہ پوری طرح ہو کر رہے ہی گا کہ سُود میں برکت و خیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اور صدقات کا اجر بے حساب ملے گا۔ لیکن دُنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے۔ سُود خوار قوموں کا انجام بارہا آپس کی خونریزی اور تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سُود خواری کی عادت بنیوں، مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہٖ محبوب بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سُود خوار زر و دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا۔ اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں، باہمی غمخواری و ہمدردی، ایک دوسرے کی شارکت و معاونت قوم اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سُودی کاروبار کی ترویج ہے ۱۰۷۵ اس کے اندر دونوں قسم کے نافرمان آگئے۔ وہ جو سُود کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ، حرمتِ سُود کے عقیدۃً بھی منکر ہیں۔ كَفَّارٍ کافر کا صیغہ مبالغہ ہے۔ ناشکرے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کے مفہوم میں کفود کا مرادف اور اس سے بلیغ تر۔ یہاں مُراد وہی لوگ ہیں جو جوازِ سُود کے قائل ہیں۔ ای عظیم الكفر باستحلال الربٰوا (مدارک) مُصِرٌّ علٰى تحليل المحرمات (بیضاوی) الكفور المبالغ فی كفران النعمة والكفار ابلغ من الكفور (راغب) اَثِيْمٍ۔ بڑے گنہگار۔ یعنی سُود خواری جیسی شدید معصیت میں مُبتلا۔ متماد فی الاثم باكله (مدارک) منهمك فی ارتكابه (بیضاوی) كَفَّارٍ کے لفظی معنیٰ بڑے ناشکرے کے ہیں۔ جس شخص پر اللہ اپنا اتنا فضل کرے کہ اُسے اس کی اپنی ضروریات سے زیادہ مال دے اور وہ اس مال کو بندوں کی آزار رسانی پر صرف کرے تو اس سے بڑھ کر سوءِ استعمال کی مثال اللہ کے فضل کی اور کیا ہوگی اور ایسے بدبخت سے بڑھ کر ناشکرا اور کون قرار پائے گا؟ ۱۰۷۶ (قیامت میں) خیر آخرت میں تو ایسے نیک کردار، متقی، خاشع، خادمِ خلق انسانوں کی خوش انجامی تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن دنیا میں بھی جو سکونِ قلب یکسوئی، طمانیتِ خاطر اور قناعت کی مسرتیں ایسے لوگوں کو حاصل رہتی ہیں اُن کا اندازہ وہ بدنصیب کر ہی نہیں سکتا۔ جو چوبیس گھنٹہ آنہ، پائی کی میزان لگاتا رہتا ہے جو مخلوق کی ایذا رسانی کا خوگر ہو کر ہمیشہ گرفتار رہتا ہے اور جس پر ہر گھڑی یہی کھانا سنبھالے رہنے کا بھوت سوار رہتا ہے ۱۰۷۷ (کہ ایمان کا مقتضیٰ سارے ہی احکام قرآن پر عمل کرنا ہے) محققین نے اس ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ شریعت کے کسی ایک جزء سے بھی انکار کرنا ساری شریعت سے انکار کرنا ہے۔ فيه دليل على ان من كفر بشريعة واحدة من شرائع الاسلام كان كافرا كما لو كفر بجميع شرائعه (کبیر) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ خوفِ خدا ہی اصل ہے تمام نیکیوں کی اور اجتناب معاصی کی۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ۔ یعنی حرمتِ سُود کے نزولِ حکم سے قبل جو رقم سود کی تم ٹھہرا چکے ہو اس کا وصول کر لینا اب جائز نہیں اُسے چھوڑ دو۔

جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَؕ
اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچ گئی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا ۱۰۷۱
وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ
اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا ۱۰۷۲ اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں،
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي
اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے ۱۰۷۳ اللہ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو
الصَّدَقٰتِؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾ اِنَّ
بڑھاتا ہے ۱۰۷۴ اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا ۱۰۷۵ بیشک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور
اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
زکوٰۃ دی اُن کے لئے ان کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے نہ اُن پر کوئی خوف
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے ۱۰۷۶ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ
وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾
سُود کا بقایا ہے اُسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو ۱۰۷۷
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۚ
لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اسکے رسُول کی طرف سے ۱۰۷۸

محذوف ہے۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ ھذہ الصدقات للفقراء (مدارک) أُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسبِ معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مُراد یہاں مجاہدین ہیں ھم الذین احصرھم الجھاد فمنعھم من التعفف (مدارک) اِحْصَارٌ۔ میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا فی سبیل اللہ میں بھی بڑی وسعت ہے۔ دین کا کوئی سا کام، کوئی سی ضرورت ہو سب اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔ گو اصل مراد جہاد ہے۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ آیت کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علومِ دین میں مشغول ہیں کہ علم دین میں جس مشغولی و انہماک کی ضرورت ہے اس کے ساتھ اگر فکرِ معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علمِ دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی ۱۰۶۰ (آزادی سے طلبِ معاش کے لئے) یعنی اُن کا وقت خدمتِ دین میں ایسا گھرا رہتا ہے کہ کسبِ معاش کے لئے انہیں مہلت نہیں ملتی ۱۰۶۱ یعنی اُن کی غیرت وخودداری گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں سے سوال کریں۔ ناواقفوں کو اس سے گمان یہ گزرتا ہے کہ یہ لوگ خوشحال ہیں، محتاج ومستحق امداد نہیں۔ (تونگری) شریعت میں حاجت اصلی سے مال کے زائد ہونے کو کہتے ہیں۔ الغنیٰ ھو ما یفضل عن مقدار الحاجۃ (جصاص) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سالکین کو کوئی ایسی خاص وضع نہ بنانا چاہیئے جس سے عام اہلِ دُنیا سے اُن کا امتیاز ظاہر ہوتا ہو ۱۰۶۲ (کہ یہ محتاج ومستحق امداد ہیں۔ اے مخاطب!) یعنی یہ لوگ زبان سے کچھ بھی نہ کہیں لیکن اُن کی طرزِ ہیئت خود سے دیکھنے کے بعد خود ان کے فقر وفاقہ کی غمازی کرے گی۔ بعض فقہاء نے یہیں سے قرائن سے استنباطِ نتائج کا جواز نکالا ہے ۱۰۶۳

فِی الْاَرْضِ ۫ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ
سکتے ۱۰۶۰ ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے اُن کی احتیاطِ سوال کے باعث ۱۰۶۱
تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۚ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا
تو انہیں ان کے بشرہ ہی سے پہچان لیگا ۱۰۶۲ ۔ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے ۱۰۶۳ اور تم
ع ۳۷ / ۵
تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِیْنَ
مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ۱۰۶۴ جو لوگ اپنا
یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً
مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ
ان لوگوں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے کوئی خوف ہے اور
لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا
نہ وہ غمگین ہوں گے ۱۰۶۵ جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں ۱۰۶۶ وہ لوگ نہ
یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ
کھڑے ہو سکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خبطی
مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ
بنا دیا ہو ۱۰۶۷ یہ سزا اس لئے ہوگی کہ وہ کہتے ہیں ۱۰۶۸ کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح
الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ
ہے ۱۰۶۹ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے ۱۰۷۰ پھر جس کسی کو نصیحت

(شدتِ احتیاج کے باوجود) اور یہ دلیل ہے ان کے کمال غیرت کی۔ اِلْحَافًا اوپر مِنَ التَّعَفُّفِ کے ضمن میں ابھی آچکا ہے کہ یہ غیور وخوددار لوگ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے اور اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ الحاف (لگ لپٹ کر مانگنے کی عادت) بُری عادت ہے۔ بعض محققین نے معنیٰ مطلقاً عدمِ سوال کے کئے ہیں۔ والمعنیٰ انھم لا یسئلون اصلا وھو المروی عن ابن عباس والیہ ذھب الفراء والزجاج واکثر ارباب المعانی (روح) ۱۰۶۴ (تمہارے اخلاص کا، اور اسی نسبت سے اجر بھی دے گا) وَمَا تُنْفِقُوْا۔ یعنی ایسے لوگوں پر خرچ کرتے ہو ۱۰۶۵ (قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر) بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ یعنی جس وقت اور جس گھڑی بھی ضرورت ومصلحت ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یعنی پوشیدہ تو حسبِ عادت اور علانیہ حسبِ ضرورت ومصلحت۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ۔ یعنی اللہ کی راہ اور خدمتِ دین میں۔ انفاق کی ترغیب جہاں جہاں بھی ہے۔ مطلق انفاق کی نہیں بلکہ مُراد وہی انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدمتِ دین میں خرچ ہے ۱۰۶۶ (اُسے جائز قرار دے کر) یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا سے مُراد اُردو محاورہ میں سُود لینا ہے۔ عربی اور فارسی محاورہ میں سُود کھانا آتا ہے۔ اور اُردو میں بھی سُود کھانا نامانوس نہیں۔ الرِّبٰوا ربٰو کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں۔ خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے۔ ربا ای زاد وعلا (راغب) الربا الزیادۃ فی راس المال (راغب) اصطلاح شریعت میں ربٰو کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی کو۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ خُصَّ فی الشرع بالزیادۃ علی وجہ دون وجہ (راغب) ھو فضل مال خال عن العوض فی معاوضۃ مال بمال (مدارک) اہلِ عرب اس لفظ کو اُس زائد رقم کے لئے استعمال کرتے تھے جو قرضخواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اُردو میں اسی کا ترجمہ سُود ہے اور سُود کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے ۱۰۶۷ اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اُٹھنے پر یہ سُود خوار سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے۔ لیکن اس کا ایک ہلکا سا نمونہ اسی دنیا ہی میں نظر آجاتا ہے۔ مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس پر سُود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے۔ اور جس کی حرص وطمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اُس کا حشر بھی اسی مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ اہلِ کشف اور محققین کا بیان ہے کہ حشر میں انسان اُسی صورت کے ساتھ اُٹھے گا۔ جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ قال العارف الرومی ؎

سیرتے کو بر نہادت غالب است ہم برآں تصویر حشرت واجب است

مِنَ الْمَسِّ۔ مس اور مسِّ شیطانی سے مُراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔ کنی بالمس عن الجنون (راغب) المس الجنون (کشاف) ان الفاظ کے آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید خود ہی اس عقیدہ کی تعلیم دے رہا ہے کہ جنون مسِّ شیطانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن بعض اوقات ایسے موقع پر صرف مخاطبین کے معتقدات کو دُہرا دیتا ہے۔ اور چونکہ اہلِ عرب کا عقیدہ یہی تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ قرآن اُنہی کی فہم کی مناسبت اور مذاق کی رعایت سے یہ فقرہ لے آیا ہو۔ قیل اضیف الی الشیطان علی زعمات العرب ان الشیطان یخبط الانسان فیصرعہ فورد علی ما کانوا یعتقدون (بحر) الناس یضیفون الصرع الی الشیطان والی الجن فخوطبوا علی ما تعارفوہ من ھذا ومن عادۃ الناس انھم اذا ارادوا تقبیح شیء ان یضیفوہ الی الشیطان (کبیر) ۱۰۶۸ (حکم حرمتِ ربٰو کے جواب میں بطور استدلال کے) مراد سُود خوار دل اور جوازِ سُود کے قائلوں کی جماعت ہے۔ یہ عہدِ جاہلیت کے "روشن خیال" تھے ۱۰۶۹ (حصولِ نفع واضافۂ دولت کے لحاظ سے) آج کل کے "روشن خیالوں" کی طرح اُس عہد کے سفیہوں کا بھی کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سُود کیوں حرام ہو؟ ان نافہموں نے اسے بالکل نظرانداز کر دیا تھا کہ دونوں کی ایک سطح نہ اخلاقی حیثیت سے ہے نہ معاشی حیثیت سے۔ سُود کی تو ایک متعین رقم بے کھٹکے ہر حال میں مہاجن کو ملتی رہتی ہے برخلاف اس کے تجارت میں نفع ونقصان دونوں کے احتمالات ہر وقت لگے رہتے ہیں اور تاجر کو نقصان سے بچنے کے لئے وقت، محنت، ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مُدت اور مہلت کے ساتھ ساتھ سُود خوار کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں حرمتِ سُود کے جو عقلی دلائل لکھے ہیں وہ طرزِ ادا وتعبیر کی تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد آج بھی پُوری طرح پڑھنے کے قابل ہیں۔ امام رازیؒ نے نمبر اوّل پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سُود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟ ۱۰۷۰ (اور معلوم ہے کہ اللہ وہ ہے جو شرائع واحکام کا مالک ہے اور حکیم بھی ہے اور حاکم بھی) جب حکیم مطلق نے ایک معاملت کو جائز اور دوسری کو حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جائز کے اندر بیشمار منافع ومصالح اور حرام کے اندر بے شمار مفاسد ونقصانات ہیں اور بالفرض کسی کی سمجھ میں یہ مصالح ومفاسد نہ بھی آئیں۔ جب بھی حاکم مطلق کا حکم واجب العمل تو بہرحال ہے۔ اسلام کے جو احسانات ساری دُنیا پر اور بہت روشن ونمایاں

أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ

ہی قبول کرتے ہیں ۱۰۴۹ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا جو نذر

مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

مانتے ہو یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ناانصافوں کا حامی کوئی بھی نہ ہوگا ۱۰۵۰

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا

اگر تم صدقات کو ظاہر کردو جب بھی اچھی بات ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقیروں کو

الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ

دو جب تو یہ تمہارے حق میں اور بہتر ہے ۱۰۵۱ اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردے گا ۱۰۵۲ اور

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ

تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ۱۰۵۳ اُن کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ۱۰۵۴ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ

ہدایت دیتا ہے ۱۰۵۵ اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لئے (کرتے ہو) ۱۰۵۶

وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ

اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو ۱۰۵۷ اور تم مال میں سے جو کچھ بھی

خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَاءِ

خرچ کرتے ہو (سب) تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائیگا اور تم پر (ذرا بھی) زیادتی نہ کی جائیگی ۱۰۵۸ (اصل)

الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا

حق ان حاجتمندوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں ۱۰۵۹ ملک میں کہیں چل پھر نہیں

۱۰۵۰ (یوم جزا میں) مَا أَنْفَقْتُمْ۔ جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ اچھے بُرے کسی مصرف میں۔ مِنْ نَذْرٍ۔ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی اُردو میں مَنّت ماننا کہتے ہیں۔ فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی مُراد کے پُورے ہونے پر اپنے اُوپر کوئی ایسی چیز لازم کرلینا ہے جو واجب نہ تھی۔ النذر عقد۔ ترتب علیٰ شیء و التزامه علیٰ وجهٍ مخصوص (روح) النذر ما یلتزمه الانسان بایجابه علیٰ نفسه (کبیر) یہ نذر عبادت بدنی کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے مثلاً نماز یا روزہ اور عبادت مالی کی صورت میں بھی۔ يَعْلَمُهُ۔ یعنی اس کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس نیت سے اور کس کی راہ میں مانی گئی ہے اور اس علم کامل کے مطابق جزا و سزا بھی ہوگی۔ کنایة عن مجازاته سبحانه علیه (روح) یجازیکم علیه (بیضاوی) لِلظَّالِمِينَ یعنی قانونِ الٰہی توڑنے والوں کا، اپنے حق میں ناانصافی کرنے والوں کا ۱۰۵۱ نیکی کی طرح صدقات و خیرات کے بھی مخفی ادا کرنے کی حقیقت تو ظاہر ہی ہے، لیکن زندگی میں ایسے مواقع بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں جہاں نیکی کا اعلان و اظہار بھی ضروری ہوجاتا ہے ایک شخص ہے کہ بھوک پیاس سے نڈھال یا بیماری میں مُبتلا سڑک پر پڑا تڑپ رہا ہے ہم قریب سے گزر رہے ہیں اور بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسے کھلا کر یا دوا دیکر کہنا چاہیئے کہ از سرِ نو زندہ اُٹھا کھڑا کریں لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں ہماری اس خدمت کا شمار ریا و نمائش میں نہ ہوجائے اس کے پاس سے کتراتے اور خاموش گزرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تقویٰ نہیں عین معصیت اور انتہائی وہم پرستی ہوئی۔ یہاں ضرورت فی الفور مدد رسانی کی تھی خواہ اس کے لئے اعلان بہ بانگِ دہل ہی کرنا پڑے۔ نہ یہ کہ شبہہ ریا و شائبہ نمائش سے بچنے کے لئے تلاش پہلے گوشہ تنہائی کی شروع ہوجائے۔ جن مذہبی طبقوں نے نیکی کے اہتمام یا اخفا میں تاکید حد سے زیادہ کی ہے اور خدمتِ خلق کو مخفی رکھنے کے ساتھ محدود و مقید کردیا ہے، ان کی تعلیم یقیناً ناقص، ناتمام، یکطرفہ ہے اور انہوں نے زندگی میں شب و روز اس قسم کے پیش آنیوالے بہ کثرت واقعات کو نظر انداز ہی کردیا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عملِ خیر کے اعلان و اخفا میں اختیار ہو اور ساتھ ہی افضلیت اخفا کی ہے، جب اعلان میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔ إِنْ تُبْدُوا وَإِنْ تُخْفُوا یعنی حسبِ ضرورت و مصلحتِ دین اعلان و اخفا جو بھی مناسب ہو۔ تُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ یعنی فقیروں کے حوالے کرو اہتمامِ اخفا کے ساتھ۔ هُوَ۔ یعنی وہی اہتمام اخفا ۱۰۵۲ (ان نیکیوں کی برکت سے) قرآن مجید نے ازالۂ سیئات کی جہاں اور صورتیں رکھی ہیں وہاں ایک صُورت یہ بھی ہے کہ نیکیاں بدیوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں اور حسنات سیئات کو محو کرتی رہتی ہیں۔ یہ چیز محض عقیدہ کی نہیں، مشاہدہ و تجربہ کی بھی ہے کہ خلق کی نظر سے چھپا کر طاعت اور نیکیوں کی عادت اگر ڈال لی جائے تو ایک عرصہ کی مشق کے بعد نفس کی اصلاح خود بخود ایک بڑی حد تک ہوجاتی ہے اور جو کچھ خرابیاں پھر بھی باقی رہ جائیں ان سے درگزر کے لئے خدائے رحمٰن و رحیم کا لطف و کرم کافی ہے جو خوبیوں کو خرابیوں کا اور بھلائیوں کو برائیوں کا عوض بناتا رہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مسیحیوں کے اس بُنیادی عقیدہ کو ایک بار پھر یاد کرلیا جائے کہ گنہ گاروں کی نجات اور گناہوں کے دُھلنے کی کوئی صُورت بجز اس کے نہیں کہ "خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا" انسان کے قالب میں دُنیا میں آئے اور اپنی جان کو صلیب پر دے کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کرے ۱۰۵۳ (اور اس لئے وہ ثمر بھی اعمال و احوال کے مطابق دے گا) گناہوں سے باز رکھنے میں خدائے علیم و خبیر کے علمِ کل و نظرِ محیط کا استحضار اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور اس لئے قرآن مجید نے اسے ہر ایسے موقع پر بار بار دُہرایا ہے ۱۰۵۴ (اے پیغمبر!) هُدَاهُمْ۔ اُن کی یعنی کافروں کی ۱۰۵۵ (اپنی مشیتِ تکوینی کے ماتحت و مطابق) رسُول کا کام صرف تبلیغ ہے، یعنی ہدایت کا پیام دنیا تک پہنچا دینا، باقی کس کو قبولِ حق کی توفیق ہوتی ہے اور کس کو نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر مشیتِ الٰہی سے ہے۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ بعض دفعہ کسی کافر مشرک صاحبِ حاجت کو خیرات دینے سے اس مصلحت سے رُک جاتے تھے کہ شاید یہ احتیاج ہی کی بنا پر اسلام قبول کرلیں۔ آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اتنے بعید اہتمام کی ضرورت نہیں محض تبلیغ کافی ہے۔ فقہاء اُمت نے کہا ہے کہ کافر کو خیرات دینا بالکل جائز ہے بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو۔ المراد اباحة الصدقة علیهم وان لم یکونوا علیٰ دین الاسلام وقد روی ذٰلک عن جماعة من السلف (جصاص) حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں۔ مُراد اُس سے طعام دعوت ہے اور آیت میں طعام حاجت۔ پس تعارض کا شبہہ نہ کیا جائے (تھانویؒ) کافر حربی کو صدقہ وغیرہ جائز نہیں (تھانویؒ) کافر ذمّی یعنی غیر حربی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں (تھانویؒ) اور دُوسرے صدقات واجب و نفل سب جائز ہیں (تھانویؒ) آیت میں ذکر زکوٰۃ کا نہیں عام صدقات کا ہے۔ مُرشدِ تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ کسی کے زیادہ درپے نہ ہو اور تدبیر میں بھی بہت زیادہ انہماک نہ رکھے، کفار کو صدقہ نہ دینا تدبیر ہی کی ایک قسم تھی ۱۰۵۶ یعنی اپنے ہی اجرِ اُخروی کے لئے نہ کسی اور کے لئے۔ فهو لانفسكم لا ینتفع به غیركم (كشاف) مَا تُنْفِقُوا یعنی اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ مِنْ خَيْرٍ یعنی اپنے مال میں سے۔ خیر یہاں مال کے مُرادف ہے۔ اے من مالٍ (معالم) من مال (کشاف) خیر۔ اصلاً شر کے مقابل ہو اور اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل و اخلاق پر منفعت شر و غیرہ الخیر ما یرغب فیه الكل كالعقل مثلا والعدل والفضل والشیء النافع اور قرآن مجید میں مال کے لئے خیر کا لفظ متعدد مقامات پر مال کے حسنِ استعمال کے سلسلہ میں آیا ہے۔ مثلاً ان ترك خیرا۔ وانه لحب الخیر لشدید۔ ما انفقتم من خیر فللوالدین وغیرہا ۱۰۵۷ (سو یہ مقصد ہر حاجتمند کی حاجت برآری سے پورا ہوجاتا ہے، خواہ اس کے عقائد کچھ بھی ہوں) كان النبی صلعم لا یتصدق علی المشركین فنزلت وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله فتصدق علیهم (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مقصود جب اپنے لئے نفع اُخروی یا حصُولِ اجر ہے تو وہ تو ہر حاجتمند کی امداد سے ہوسکتا ہے صدقہ کو مسلمانوں ہی پر محدود رکھنے کی قید کیوں لگائی جائے۔ وَجْهِ اللَّهِ کے عام طور پر معنی ذات الٰہی کے کئے گئے ہیں۔ دبما عبر عن الذات بالوجه (راغب) لیکن دوسرے معنی رضا الٰہی کے بھی ہوسکتے ہیں اور بعض محققین اس طرف بھی گئے ہیں۔ عبر بالوجه عن الرضا کما قال ابتغاء مرضاة الله وذالك عادة العرب (بحر) محض للہ کے مقابلہ میں ابتغاء وجہ اللہ کہنے میں ایک تو زور زیادہ پیدا ہوگیا۔ دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہوگئے کہ کسی درجہ کی شرکت مقصود و مطلوب نہیں، صرف اللہ ہی کی رضا مقصود ہے۔ گویا یہ ترکیب، تاکید اور حصر دونوں کی جامع ہے۔ ای ما تنفقون بسبب من الاسباب الا لهذا السبب (روح) ای ثوابه لا غیره من اغراض الدنیا (جلالین) آیت میں رد ہے ان جاہل صوفیہ کا جو ثواب و اجر کے مقصد کو اخلاص کے منافی سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو بارہا ضمناً نہیں صراحۃً ترغیب دی ہے اجر و ثواب کے تلاش کرنے کی ۱۰۵۸ (کہ اجر میں کچھ کسر رہ جائے اور ثواب کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے) مِنْ خَيْرٍ خیر کے مُرادف مال ہونے پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔ یعنی سارا اجر و ثواب آخرت میں ۱۰۵۹ یعنی صدقات کے اصل مستحق تو وہ حاجتمند ہیں جن کا ذکر اب آرہا ہے۔ مبتدا یہاں

(اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں) مَا كَسَبْتُمْ جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز، پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق صرف پاک ہی کمائی پر ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے بہ قاعدہ اشارۃ النص ماکسبتم ہی سے نکالا ہے کہ زکوٰۃ اُس مال میں ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو اضطرارًا حاصل ہو جائے، اس میں زکوٰۃ نہیں ۱۰۴۲ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔ لکم یعنی تمہارے کام کے لئے۔ مِنَ الْاَرْضِ۔ اس کے تحت میں زراعت، باغبانی، کانکنی وغیرہ کی ساری شاخیں آگئیں جس طرح مَا كَسَبْتُمْ کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آگئے تھے۔ فقہاء نے من الارض سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ زکوٰۃ زمینی پیداوار (زراعت، معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوئی، برخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے کہ وہ زمین سے نہیں سمندر سے نکلتے ہیں ۱۰۴۳ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں کہ اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً ان کی طرف سے چشم پوشی کر لو۔ تو اللہ کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیئے۔ اَلْخَبِيْثَ ردی، ناکارہ چیز۔ تُنْفِقُوْنَ مراد وہی اللہ کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے۔ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ یعنی جب وہ تمہیں قیمتًا یا ہدیۃً مل رہی ہو ۱۰۴۴ غنی۔ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو۔ اُس کی نذر اس کے دربار میں پیش کرنا چاہو۔ اُس کے ہاں اجر میں کوئی بخل نہیں۔ اُس سے معاملہ کرنے والا کبھی نادم و خاسر نہیں ہو سکتا۔ حَمِيْدٌ وہ خود ہر طرح ستودہ صفات و جامع کمالات ہے۔ تمہاری داد و دہش سے اس کی محمودیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لئے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں! ضمنًا یہ پہلو بھی آگیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے تو اُس کے ہاں مقبولیت بھی اُنھی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اس کی صفاتِ حسنہ سے رکھتے ہوں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مسلّم ہے صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔ ۱۰۴۵ (کہ راہِ خدا میں خرچ کر ڈالو گے تو خود مفلس رہ جاؤ گے) روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو چیز نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے سے روکتی ہے، وہ یہی خیال ہوتا ہے کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد پھر اپنی ضرورتوں کے لئے کیا رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمْ کے بلیغ الفاظ سے یہ تعلیم دے دی کہ یہ خیال تمامتر ایک وسوسۂ شیطانی ہے۔ اور یوں اس خیال کے باطل ہونے کا بہترین پیرایہ اختیار کر لیا اَلْفَحْشَآءِ عربی میں فحش و فحشاء کا اطلاق ہر شدید برائی، ہر بُری صفت پر ہوتا ہے۔ هو کل ما یشتد قبحه من الذنوب والمعاصی (تاج) وقیل کل خصلة قبیحة فهی فاحشة من الاقوال والافعال (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق علی الخصوص ہوتا ہے۔ الفاحش البخیل (قاموس) قیل الفاحش هو البخیل جدًّا (تاج) والعرب تسمی البخیل فاحشًا والبخل فحشًا وفحشاء (جصاص) اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں الفحشاء سے مراد ادائے زکوٰۃ و صدقات میں بخل ہے قال المفسرون ای یامرکم بان لا تتصدقوا (تاج) قیل الفحشاء ههنا البخل فی اداء الزکوٰۃ۔ (تاج) یعنی باعظم القبح فی البخل (راغب) یغریکم علی البخل ومنع الصدقات (کشاف) المراد بها فی هذا الموضع البخل (جصاص) ۱۰۴۶ (خوش دلی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر) مَغْفِرَةً وَّفَضْلًا وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے اور وعدۂ فضل کا دنیا سے۔ حاصل یہ ہے کہ خدائی احکام پر خدائی قانون کے مطابق چلو گے تو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود یقینی ہے۔ شیطانی راہ بربادی و ہلاکت کی ہے۔ اور خدائی راہ فلاح و صلاح کی ۱۰۴۷ وَاسِعٌ ایسے وسعت والے کے ہاں انعام و اکرام کی کیا کمی۔ عَلِيْمٌ ایسے علم کامل والے پر نیتوں کا حال رتی رتی روشن ہے۔ اس لئے ثمرہ بھی نیتوں کے مطابق ہی ملے گا ۱۰۴۸ (جس کے مقابل دنیا کی کوئی اور نعمت نہیں۔ اَلْحِكْمَةَ۔ حکمت کی تشریحیں بہت سی کی گئی ہیں۔ لیکن بہترین اور جامع ترین تشریح یہ ہے کہ وہ امورِ دین میں فہم صحیح کا نام ہے۔ اور اس فہم صحیح میں بخل سے بیزاری اور ایثار میں توازن بھی شامل ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ حکمت کی تقسیم و عطا مشیت تکوینی کے ماتحت و مطابق ہوتی رہتی ہے۔ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ۔ یہ حکمت و دانائی ہرگز نہیں کہ جو کچھ بھی کمایا جائے بس اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں پر اُڑا دیا جائے۔ عین دانائی اور حکمت یہ ہے کہ اس آج سے کل کا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ آج تخم ریزی ایسی کی جائے کہ کل پھل ہی پھل ہاتھ لگیں اور ایمان و طاعت کا ایسا بیمہ کرا دیا جائے جو آیندہ کی دائمی اور غیر منقطع زندگی میں برابر کام آتا رہے۔ خَيْرًا كَثِيْرًا نکرہ اظہارِ عظمت کے لئے ہے یعنی بہت ہی بڑی نعمت ۱۰۴۹ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل سلیم سے کام لینے والے۔ نصیحت سے مُراد راہ حق پر چلنے کی اور رہنمایانِ دین کی اطاعت کی نصیحت ہے۔ اہلِ لطائف نے کہا ہے کہ آیت میں شیطانی وسوسہ کا علاج علم (حکمت) کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے۔ جس طرح اس سے قبل تثبیتًا من انفسهم میں عمل سے بتایا جا چکا ہے۔

نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا
تاکہ تم فکر سے کام لو ۱۰۴۰ اے ایمان والو، جو تم نے کمایا ہے اس
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ
میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو ۱۰۴۱ اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے
الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ
نکالا ہے ۱۰۴۲ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود
لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا
بھی اسکے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی کر جاؤ ۱۰۴۳ اور جانے رہو
اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ
کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ۱۰۴۴ شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور
يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ
حکم دیتا ہے تمہیں بخل کا ۱۰۴۵ اور اللہ تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا وعدہ کرتا ہے ۱۰۴۶
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ۖۙ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے ۱۰۴۷ وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ
عطا ہو گئی اُسے یقینًا خیر کثیر عطا ہو گئی ۱۰۴۸ اور نصیحت تو بس صاحبانِ فہم

ع ۳۶ ۴

صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ
بالکل صاف کردے ۱۰۳۳ (ایسے لوگ) کچھ بھی نہ حاصل کرسکیں گے اپنی کمائی سے ۱۰۳۴ اور اللہ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھلائے گا ۱۰۳۵ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال رضاءِ الٰہی
اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی غرض
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
سے) ۱۰۳۶ ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑا ہو پھر وہ
اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ
دوگنے پھل لایا ہو ۱۰۳۷ اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار (ہی کافی ہے) ۱۰۳۸
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ
اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ۱۰۳۹ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے
تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ
کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں پڑی بہ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ
رہی ہوں (اور) اُس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اور اُس کا
الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ
بڑھاپا آچکا ہو اور اسکے عیال کمزور ہوں، اس (باغ) پر ایک بگولا آئے کہ اس میں

۱۰۳۵ (قیامت کے دن ثواب کے گھر یعنی جنت کا) یعنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں اور اپنی قوتِ فیصلہ سے صحیح کام نہیں لے رہے ہیں انہیں زبردستی راہِ ہدایت دکھانے کا قانونِ الٰہی ہی نہیں۔ ۱۰۳۶ (جیسا کہ ہر مومن مخلص کا شیوہ ہوتا ہے) تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ اتنے ٹکڑے میں نفسیاتِ بشری کی ایک گہری حقیقت بیان ہوئی۔ معصیت کی طرح ہر طاعت کا بھی خاصہ ہے کہ وہ متجانس اعمال کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ ہر عمل صالح کے بعد نفس میں دوسرے اعمال صالح کے لئے آمادگی و پختگی پیدا ہوجاتی ہے۔ نفس بشری کا خاصہ ہے کہ ہر عمل سے تکرار و عادت کے بعد اس عمل سے متعلق ایک ملکہ راسخہ پیدا ہوجاتا ہے اور اس سے مزاحمت کی قوت مغلوب وضعیف ہوتی جاتی ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ عمل صالح سے جس طرح حصولِ اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاحِ نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔ یعنی تو ظاہر ہی ہیں کہ وہ خرچ اس لئے کرتے ہیں کہ کمال ایمان اور ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں، وہ صرفِ مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ باعثِ گرانی۔ ۱۰۳۷ (کہ ہوا کی لطافت و زمین کی صلاحیت اور بارش کی کثرت بل ملا کر قوت بارآوری کو خوب بڑھا دیں گی) بِرَبْوَةٍ ۔ ٹیکرے کی ہوا قدرۃً لطیف و بارآور ہوتی ہے۔ ۱۰۳۸ تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ اخلاص اگر درجۂ اعلیٰ میں نہ ہو جب بھی محض ایمان، اور عدم موانع (یعنی احسان نہ رکھنا اور ایذا نہ پہنچانا) بجائے خود صدقات و خیرات کو مقبول بنا دینے کے لئے کافی ہیں ۱۰۳۹ (اور اسی لئے ہر ایک کے درجۂ اخلاص کا بھی خوب جاننے والا ہے) خطاب یہاں عام نسلِ انسانی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے محرکاتِ عمل اور سب کے درجۂ اخلاص و عدمِ اخلاص سے خوب واقف ہے۔ ۱۰۴۰ (اور اپنے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق عمل کرتے رہو) مِنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۔ تصریح کے ساتھ نام اُنہی میووں کا لیا گیا جو اہلِ عرب کے لئے خاص اہمیت اور خصوصی معنویت رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ یہ یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ باغ خوب سرسبز و شاداب بھی تھا۔ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۔ یہ مالک باغ کی مرفہ الحالی اور شانِ غنا ظاہر کرنے کو ہے۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ ۔ یعنی وہ مالک باغ اب محنت و مشقت کے قابل نہ رہے۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ قیامت کا دن آجائے اور اس شخص کی عمل سے معذوری اس پر عیاں ہوجائے۔ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ۔ یعنی اولاد بھی اس قابل نہ ہو کہ تحصیل معاش میں اس کے کچھ کام آسکے، گویا اس کی معذوری ہر طرح روشن و آشکارا ہوجائے۔ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ ۔ کہ وہی باغ وجہ معاش تھا۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ اُس شخص کا بھروسہ ظاہری طاعات و اعمالِ صالحہ پر تھا۔ فَاحْتَرَقَتْ ۔ یعنی اُس شخص کی ساری امیدیں غارت ہو کر رہ جائیں۔ تمثیل کی زبان میں مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کر رہا ہے اور اپنے نزدیک ساری توقعات اس سے لگائے بیٹھا ہے مگر عین احتیاج کے وقت یعنی قیامت کے دن اُسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائطِ قبول و مقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہوچکا ہے۔ اس لئے اجر و ثواب کیسا اب تو حرمانِ محض اس کے نصیب میں آیا۔ الْاٰيٰتِ ۔ یہاں مثالوں اور نظیروں کے معنی میں ہے۔ لَكُمُ ۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے۔ تمہیں سمجھانے کو۔ ذرا صورتِ حال کی حسرتناکی کا تصور کیجئے۔ ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے، سرسبز و شاداب، خوب پھلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں، پھلوں سے لدا ہوا باغ کا مالک بوڑھا ہوجاتا ہے۔ اور اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں، بچے موجود ہیں مگر کمزور، کم سن، جو بجائے اس کے کہ کسبِ معیشت میں باپ کا ہاتھ بٹائیں، اُلٹے اس کے لئے بارثابت ہو رہے ہیں۔ عین اُس وقت شدید ترین حاجت مندی کے وقت یک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہوگیا۔ باغ کے مالک کے غم و حسرت کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے؟ اس سے کہیں بڑھ کر ہزار گنا اور لاکھ گنا بڑھ کر حالت اُس بدنصیب انسان کی ہوگی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں گی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہوچکے گی۔ اور اب وہ دیکھے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے دفترِ عمل میں ایسی نہیں جو اس کے کام آسکے۔ کچھ ٹھکانا، کوئی اندازہ اس کی حسرت و حرماں نصیبی کا ہوسکتا ہے؟

كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ
بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے[١٠٢٥]
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ
اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ بڑا علم والا ہے[١٠٢٦] جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ
ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اُس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے[١٠٢٧]
لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
ان کیلئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور اُن پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور
يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
نہ وہ غمگین ہونگے[١٠٢٨] مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے
يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
عقب میں اذیت ہو[١٠٢٩] اللہ بڑا غنی ہے، بڑا بُردبار ہے[١٠٣٠] اے ایمان والو اپنے
لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ يُنْفِقُ
صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو[١٠٣١] جس طرح وہ شخص جو اپنا
مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ
مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو، اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا[١٠٣٢] سو اسکی مثال
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے، پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو

غلط قسم کا لغوی اجتہاد ہے۔ صحابیوں اور تابعین کے بعد سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی اہل تفسیر عربی کا ذوقِ سلیم رکھنے والے ہوئے ہیں سب نے مراد ہر ہر پرندے کے ٹکڑے ٹکڑے سے لی ہے۔ جزْءًا اجزاءً وجعل علٰی کل جبل منهن جزءًا (ابن کثیر) جزئهن وفرق اجزاءهن علی الجبال (کشاف) ١٠٢١ (صحیح و سالم اس طرح کر زندہ ہو کر ان میں سے ہر ایک کے متفرق و منتشر اجزاء آپس میں مل ملا کر ٹھیک ہو جائیں گے) اُدْعُهُنَّ۔ یعنی آواز دے کر انہیں اپنی طرف پکاریے۔ ١٠٢٢ عزیز۔ یعنی ایسا زبردست جو ہر شے پر یکساں قادر ہے۔ محال و ممکن، اشد اور سہل کی تفریقیں اور تقسیمیں تو انسان کی قائم کی ہوئی ہیں۔ قادرِ مطلق کے ہاں کسی چیز کے اشد یا محال ہونے کے کوئی معنی ہی سرے سے نہیں۔ حَكِيْمٌ۔ یعنی باوجود عموم قدرت و اختیارِ مطلق کے وہ کرتا صرف وہی ہے جو عین اُس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسے عزیز و حکیم کے لئے احیاء موتٰی میں دشواری ہی کیا ہے۔ جب بھی وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے مناسب سمجھے گا حشر برپا کر دے گا۔ ١٠٢٣ (اللہ کی نظر میں اور اپنی برکت و افزائشِ اجر کے لحاظ سے) فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی احکامِ شریعت کے مطابق نیک کاموں میں۔ اَمْوَالَهُمْ۔ اور فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دونوں عام ہیں۔ تمام مصارفِ خیر ان میں آجاتے ہیں۔ ١٠٢٤ (تو جس طرح غلہ کے ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اللہ کارِ خیر میں صرف کرنے والوں کو ان کے حُسنِ عمل کا اجر سات سَو گُنا دیتا ہے) ایک عام فہم مادّی مثال دے کر یہ سمجھا دیا کہ اس تکثیرِ اجر پر اتنی حیرت کیوں کی جائے ایسی مثالیں تو مادّیات میں روزمرّہ مل جاتی ہیں۔ تجارتی اور کاروباری تلمیحیں تو قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ زرعی اور کاشتکارانہ تلمیحیں بھی مفقود نہیں ١٠٢٥ یعنی اس کے اجر میں جس حد تک بھی چاہے اور بہ قدر اس کے اخلاص و شفقت کے۔ یہ جو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے اہلِ لطائف نے دو نکتہ اور پیدا کئے ہیں:۔ ١۔ ایک یہ کہ اپنے مصارفِ خیر کی حفاظت و نگہداشت بھی اہلِ زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ ریا، نمائش، عُجب، تکبر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہ کر دینا چاہیے۔ ٢۔ جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار، محنت اور قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو، تاہم حسن قبول و قرب درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت و اخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ ١٠٢٦ واسع۔ اس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں اس لئے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ عطاء و بخشش سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ عَلِيْمٌ۔ اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرّہ نہیں چھپ سکتا اس لئے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بھی مخلص و مستحق نظرانداز ہونے پائے گا۔ ١٠٢٧ یعنی جس کے ساتھ کچھ سلوک کیا ہے اس پر نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ اُسے اپنے برتاؤ سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ حقارت سے پیش آنا یہ بھی تکلیف دہ برتاؤ میں داخل ہے۔ کسی کی کچھ خدمت اپنے سے بن پڑ جائے یہ تو خود اپنے لئے باعثِ اجر و موجبِ سعادت ہے نہ یہ کہ اُلٹا اس پر فخر کیا جائے۔ اور نہ جس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے اُسے کسی درجہ میں بھی ذلیل ٹھیرایا جائے۔ ١٠٢٨ (قیامت کے دن) اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو پورا پورا اجر ملے گا ان کے درجۂ اخلاص کے تناسب سے۔ ١٠٢٩ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ یعنی معذرت کی نرم بات کہہ دینا۔ مَغْفِرَةٌ۔ یعنی سائل یا حاجت مند کی بات کو اُس وقت ٹال جانا جب وہ سختی یا بدتہذیبی سے پیش آنے لگے۔ آیت میں صاف یہ تعلیم ہے کہ صدقہ یا خیرات مقصود بالذّات نہیں، مقصود اصلاحِ قلب ہے اور اس کے بعد دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں رکھتا۔ بلکہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے بلکہ اُلٹا لینے والے کا شکر گزار ہوتا ہے کہ اُس نے قبول کر کے اس کو ایک بار سے ہلکا کر دیا۔ اَذًى۔ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کے آزار کو شامل۔ زبان سے یا عمل سے احسان جتانا بھی اس میں آگیا۔ خیر۔ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دے دینا۔ اور سائل کی سختی کو پی جانا موجبِ قربِ و اجر ہیں، اس لئے انہیں خیر سے تعبیر فرمایا۔ ١٠٣٠ غنی۔ وہ تمہارا مال تمہارے ہی فائدہ کے لئے خرچ کراتا ہے اور جو کوئی کچھ خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کے لئے کرتا ہے۔ کوئی مشرک یا مشرک صفت احمق یہ نہ سمجھ لے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ دیا جاتا ہے وہ خود خدا کو دیا جاتا ہے اور خدا بیچارہ مال کا محتاج ہے۔ حلیم۔ اسلئے مجرموں اور قانون شکنوں کو جو سزا فی الفور نہیں دیتا، سائل کی بدتہذیبی، غنی کی بد دماغی سب کو ایک مدّت تک معاف کرتا رہتا ہے۔ ١٠٣١ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ۔ یعنی ان ممنوع طریقوں سے اضافۂ اجر و ازدیادِ ثواب کو مٹا نہ دو۔ فقہائے نے یہی لکھا ہے کہ جس طرح صدقہ کا ابطال یہاں حرام و ممنوع قرار دیا گیا ہے اسی طرح کوئی سا بھی نیک عمل ہو اُسے باطل کرڈالنا حرام و ممنوع ہے چنانچہ نفل نماز کی نیت باندھ کر اسے توڑ ڈالنے کی حُرمت و ممانعت اسی قاعدہ کے ماتحت ہے۔ ١٠٣٢ (اور یہ شخص صدقہ کے نفس اجر و ثواب ہی کو ضائع کر کے رہتا ہے) دو صورتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ پہلی صورت میں خطاب اہلِ ایمان سے ہے۔ نفس صدقہ تو اُن لوگوں کا قبول ہو جائے گا لیکن احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے سے ترقی درجات و اضافۂ اجر سب سلب ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں ذکر اہل کفر کا ہے۔ یہ جب خدا اور آخرت پر ایمان ہی سے محروم ہیں تو اُن کے صدقہ و خیرات سے بظاہر جو کچھ بھی مقصود ہو۔ سب کا حاصل دُنیا ہی ہوگا۔ ایسوں کو اجر کس چیز کا؟ رضائے الٰہی کی طلب تو کسی درجہ میں بھی اُن کے عمل کا جز نہیں۔ رِئَآءَ النَّاسِ۔ انجیل میں بھی اس سے ملتی جُلتی ہدایت موجود ہے (متی۔ ٦:٢) محققین نے لکھا ہے کہ ریاء کی مذمت میں یہ آیت نص صریح ہے۔ ١٠٣٣ (اور وہ ویسا ہی کورا رہ جائے جیسا پہلے تھا) تشبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ کافر اسی طرح اپنے کو قیامت کے دن ہر خیر و خیرات کے اجر سے محروم پائے گا۔ اس کا انفاقِ مال حقیقۃً کسی صدقہ و خیرات کے حکم میں آتا ہی نہیں۔ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ۔ تشبیہ محرومیٔ اجر کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ ١٠٣٤ ذکر اُنہی لوگوں کا ہے جو نعمتِ ایمان سے محروم ہیں۔ بِمَا كَسَبُوْا۔ یعنی جسے وہ اپنے خیال و پندار میں اپنی کمائی سمجھ رہے ہیں۔ ورنہ بندہ کی کمائی تو حقیقۃً وہی ہے جس پر عمل صالح کا اطلاق ہو سکے اور عمل صالح کی پہلی اور بنیادی شرط ایمان ہے۔

١٠١٦ (قیامت کے دن) کَیۡفَ یعنی کس خاص کیفیت کے ساتھ کس متعین طریقہ پر فی ای حال او علیٰ ای حال (ابوسعود) یہ وقوع تو اُسے پوری طرح مُسلّم ہے اور سوال اس کی صرف کیفیت کے بارہ میں کر رہا ہے۔ الاستفہام بکیف انما هو سوال عن حال شئ موجود متقرر الوجود عند السائل والمسئول فان الاستفهام ههنا عن هیئة الاحیاء المتقرر عند السائل (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ سوال کے الفاظ سے خود یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو کوئی شبہ احیاءِ موتیٰ کے نفسِ وقوع میں نہیں۔ صوفیہ اہلِ لطائف نے اس قصۂ ابراہیمی سے ذیل کے نکات پیدا کئے ہیں:۔ ١۔ اللہ تعالیٰ سے کشفِ مقامات کا سوال موجبِ قبول ہے۔ ٢۔ مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے مراتبِ عرفان و کمالاتِ ایقان میں اور ترقی ہوتی ہے۔ ٣۔ اور پھر اس سے ان کے تقرب و اعزاز حضور میں اضافہ ہوتا ہے۔ ١٠١٧ سوال سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایمانِ کامل کا اقرار خود ان کی زبان سے کرا لیا جائے۔ اور دنیا کو تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا فقدانِ ایمان ہی سے نہیں پیدا ہوتے۔ ١٠١٨ حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے۔ ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد اطمینان اور زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس مرتبہ کو اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔ ورنہ یقین مرتبۂ تصدیق تک تو جسے اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے مومنِ اعظم کو کیوں نہ حاصل ہوتا۔ مُرشدِ تھانویؒ نے فرمایا کہ ایمان ہی بڑھتے بڑھتے اطمینانِ قلب پیدا ہو جاتا ہے اور محققین کہتے ہیں کہ یہ ترقی کبھی مشاہدہ و معائنہ سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے۔ اطمینان مقابل ہے سکون کے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عدمِ سکون کی کیفیت ایمان و عرفان کے منافی نہیں اور طمانیت کا جو درجہ ولایت و صدیقیت کے مناسب ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کو اب بھی حاصل تھا اور آپ کو طلب اُس طمانیت کی تھی جو درجۂ نبوت کے مناسبِ مقام ہو۔

لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَى الۡعِظَامِ كَيۡفَ نُنۡشِزُهَا ثُمَّ
لوگوں کیلئے بنائیں ١٠١٣ اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں اور پھر
نَكۡسُوۡهَا لَحۡمًا‌ ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ
ان پر گوشت چڑھاتے ہیں ١٠١٤ پھر جب اُس پر (یہ سب) روشن ہو گیا تو اُس نے کہا میں یقین رکھتا ہوں کہ
عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ١٠١٥ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی
كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى‌ ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ‌ ؕ قَالَ بَلٰى وَ
کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح جلائیگا ١٠١٦، ارشاد ہوا کیا آپ کو یقین نہیں ١٠١٧ ہے، عرض کی
لٰـكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ‌ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ
ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان ہو جائے ١٠١٨، ارشاد ہوا کہ اچھا، چار
فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ
پرندے لیجئے ١٠١٩ پھر انہیں اپنے سے ہلا لیجئے پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ
جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا‌ ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ
دیجئے ١٠٢٠ پھر ان کو اپنی طرف بلائیے (تو) وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئینگے ١٠٢١ اور یقین رکھئے
عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶۰﴾ مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ
کہ اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ١٠٢٢ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے
سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ
مال کی مثال ایسی ہے ١٠٢٣ جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اُس سے سات بالیاں اُگیں ہر ہر

ع ٣٥ / ٢

١٠١٩ ان پرندوں کے نام بھی تفسیروں میں نقل ہوئے ہیں لیکن ناقل تو سند کچھ قوی نہیں اور پھر یہ تعیین ہی سرے سے بے ضرورت ہے۔ البتہ اہلِ لطائف و اشارات نے ان چار پرندوں سے نکتے خوب پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ان سے اشارہ انسان کے اُن چار قویٰ کی جانب ہے جو مشاہدۂ حق اور حیاتِ حقیقی سے مانع ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ چار قوتیں یہ متعین کی ہیں:۔ (١) خود بینی و خود ستائی۔ (حُبِّ جاہ) (٢) افراطِ شہوتِ جنسی۔ (٣) حرص و طمع (حُبِّ مال)۔ (٤) طولِ امل یا محبتِ دُنیا۔ ١٠٢٠ (ان کو ذبح کر کے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد) صُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ۔ یعنی ان پرندوں کو پال کر اور اپنے پاس رکھ کر انہیں اپنے سے خوب مانوس کر لیجئے کہ پھر شناخت میں دقت نہ ہو۔ صُرۡهُنَّ کا مصدر صور ہے بمعنی امیل کے ہیں۔ اسی لئے صرهن کی تفسیر عموماً املهن اور وجههن سے کی گئی ہے۔ ای اضممهن الیك ووجههن نحوك (ابن جریر) فاملهن واضممهن الیك (کشاف) اور بعض نحویوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اجزاء آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی الیك کا تعلق صرهن سے نہیں فخذ اربعة من الطیر سے ہے۔ اور الیك صلہ فعل خذ کا ہے۔ کان فی الکلام تقدیم و تاخیر ویکون معناه فخذ اربعة من الطیر الیك فصرهن فیکون الیك من صلة خُذۡ (ابن جریر) فصرهن کے آگے اتنی عبارت محذوف مانی گئی ہے کہ اپنے سے ہلا چکنے کے بعد ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے پہاڑوں پر رکھ دیجئے۔ قرآن مجید کے اسلوبِ بلاغت میں اس قسم کے محذوفات و مقدرات کی مثالیں نایاب نہیں۔ اسی سورۂ بقرہ کے شروع کے رکوعوں میں ہے فقلنا اضرب بعصاك الحجر (ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو) اور اس کے معاً بعد آتا ہے۔ فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا (پس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) یہاں سب نے اتنا کلام محذوف مانا ہے کہ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی اور عصا کی ضرب چٹان پر لگائی ایسے محذوفات و مقدرات کی نظیریں تو اپنے شاعروں کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ پھر خُدا کا کلام تو ظاہر ہے کہ ہر شاعر کے کلام سے فصیح تر و بلیغ تر ہے۔ بعض ائمۂ لغت و تفسیر ادھر گئے ہیں کہ فعل صار یصور اور صار یصیر کے معنی ہی قطع کرنے کے ہیں۔ اس لئے کسی حذف و تقدیر کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت کے معنی ہی براہِ راست یہی ہیں۔ صار الشئ یصوره صوراً قطعه وفصله صورة صورة (تاج) قیل قطعهن صورة صورة (راغب) قال ابو عبیدة معناه قطعهن والصور القطع (معالم) علامہ ابن جریر نے جو تفسیر کے ساتھ لغت کے بھی امام ہیں بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو اس پر کیا ہے کہ صار یصور اور صار یصیر دونوں کے معنی لغتِ عرب میں قطع کے مشہور و معروف ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:۔ ففی ذالك اوضح الدلیل علیٰ جهل من زعم ان قول القائل صار یصور وصار یصیر غیر معروف فی کلام العرب بمعنی قطع بہرحال حذف مانا جائے تو اور نہ مانا جائے تو، دونوں صورتوں میں اتنے پر بجز ایک ابومسلم اصفہانی کے سب کا اتفاق ہے کہ مُراد یہاں ذبح کر کے پارہ پارہ کرنے ہی سے ہے۔ اجمع اهل التفسیر علیٰ ان المراد بالآیة قطعهن (کبیر) کل المفسرین الذین کانوا قبل ابی مسلم اجمعوا علیٰ انه حصل ذبح تلك الطیور وتقطیع اجزائها فیکون انکار ذلك انکاراً للاجماع (کبیر) فان کان بمعنی التقطیع فلاحذف او بمعنی الامالة فالحذف او قطعهن اجزاء (نہر) واجمع اهل التفسیر علیٰ ان ابراهیم قطع اجزاءها (بحر) ابن عباسؓ صحابی اور حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ بکثرت تابعین سب اسی طرف گئے ہیں۔ معناه قطعهن وهو قول ابن عباس وسعید بن جبیر ومجاهد (کبیر) قاله ابن عباس ومجاهد وضحاك وابن اسحاق (بحر) قال ابن عباس وعکرمة وسعید بن جبیر وابو مالك وابوالاسود الدؤلی ووهب بن مُنَبِّه والحسن والسدی وغیرهم (ابن کثیر) اور ابومسلم کا یہ قول آج چودھویں صدی ہجری میں بعض سطحیوں کی زبان سے پھر چل پڑا ہے اسکی بابت صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ لایخفی ان هذا اخلاف اجماع المسلمین وضرب من الهذیان لا یرکن الیه ارباب الدین۔ صُرۡهُنَّ۔ کی دُوسری قرأت متواتر صِرهن (بکسر صاد) کی ہے اور اس قرأت پر تو کھلے ہوئے معنی قطع و تشقیق ہی کے ہوتے ہیں۔ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ یعنی جو پہاڑیاں آپ کے آس پاس ہیں اُن پر، یہ مراد نہیں کہ رُوئے زمین پر جتنی بھی پہاڑیاں ہوں سب کو تلاش کر کے سب پر رکھیے۔ المعنیٰ علیٰ کل جبل من الجبال التی بحضرتك (کشاف) العموم فی کل جبل مخصص بوصف محذوف ای یلیك او بحضرتك قاله مجاهد (بحر) مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا یعنی ان کے ملے جلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔ جُزۡءً کے اصل معنی عربی میں ٹکڑے کے ہیں جس کا فارسی مرادف پارہ ہے۔ الجزء النصیب والقطعة من الشئ (تاج) جزء الشئ ما یتقوم به جملته کاجزاء السفینة واجزاء البیت (راغب)۔ جزء بالفتح پارہ پارہ کردن (صراح) وهن اجزاء متفرقات (ابن جریر) ای ربعاً من کل طائر (ابن قتیبہ) بلکہ امام ابن جریر جن کی نگاہ لغوی اور ادبی نکتوں پر خوب رہتی ہے انہوں نے تو یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ جزء اور سهم کے استعمال میں بھی فرق ہے کہ سہم کا اطلاق مُسلّم حصہ پر ہوتا ہے اور جزء کا لفظ عام ہے۔ الجزء من کل شئ هو البعض منه کان منقسما جمیعه علیٰ صحة او غیر منقسم فهو بذلك من معناه مخالف فی السهم لان السهم من الشئ هو البعض المنقسم علیه جمیعه علیٰ صحة۔ اور ایسا ہی دوسروں نے بھی کہا ہے وظاهر ثم اجعل علیٰ کل جبل منهن جزءً یدل علیٰ ان تلك الطیور جعلت جزأً جزأً (بحر) ای قطعة وبعضاً (روح) منهن سے پہلے تو مراد چاروں پرندوں کا مجموعہ لینا اور پھر جزءً سے مراد اس مجموعہ کا ایک ایک جزء یا ایک ایک مُسلّم پرندہ لینا خواہ مخواہ کا تکلف اور ایک

تعظیم بلکہ پرستش خدا ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لئے اُس نے ایک عرشِ الٰہی تیار کرایا تھا جس پر اجلاس کیا کرتا تھا (ملاحظہ ہو گِنزبوگ Ginzhug کی حکایاتِ یہود Legends of the Jews. جلد اوّل ص۱۷۸) اَنْ
اٰتٰهُ اللّٰهُ میں ان سببیہ ہے لان کے معنی میں لان اٰتٰه او لاجل ایتاء الملك وحمله علی المحاجة (بیضاوی) کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب خوب خیال رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں اصلاً شمس پرستی تھا یعنی سُورج دیوتا کی پُوجا اور یہی سب
دیوتاؤں کے سردار تھے۔ نمرود کلدانی فرعون مصری کی طرح اپنے کو اسی خدائے اعظم کا مظہر یا بروز یا اوتار سمجھتا تھا۔ اور اہلِ توحید کو اپنے ملک کا غدّار و باغی اور اپنے مذہب کا دشمن اور منکر قرار دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اہلِ توحید کے خدائے واحد سے بھی جلنے
لگا تھا جوزیفس یہود کا مؤرخِ قدیم اپنی تاریخ آثارِ یہود میں لکھتا ہے۔ " وہ لوگوں کی خوشحالی کو خدا کی جانب نسبت دینے سے روکنے لگا۔ گویا کہ وہ خود قادر علی الاطلاق ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اب کی خُدا نے طوفانِ نوحؑ کی طرح دنیا کو ڈبویا تو
مَیں اُس سے انتقام لوُں گا" (باب اول ۔ ۴:۲) ۱۰۰۱ (آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ کونسا خدا ہے جس کے تم پرستار ہو؟) نمرود تو مدعی اپنے خدا ہونے اور مظہرِ خدا ہونے کا تھا۔ اُس نے داعیٔ توحید کو چیلنج دے کر
پُوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو؟ ذرا مَیں تو اس کے اوصاف سنوں۔ مشرک افراد آج بھی بڑی حیرت اور بڑے اچنبھے کے ساتھ پُوچھا کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں دیوتا اور فلاں فلاں دیوی کے علاوہ اور ان سے
ماوراء آخر خدا ہے کونسا؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اسکے افعال و صفات کیا ہیں؟ ۱۰۰۲ یعنی حیات و موت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی سارے نظامِ ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ کائناتِ حیاتی کی بقا و فنا کے سارے قانون
اور ضابطے آخر میں اسی پر جاکر ٹھیرتے ہیں کسی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظامِ حیاتی و افنائی کو بدل دے یا اس میں کوئی ادنیٰ تصرف بھی کر دکھائے۔ فقہا مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے مداہنت کا ابطال ہو رہا ہے۔ محققین صُوفیہ نے محاجّۂ
ابراہیمی سے یہ استنباط کیا ہے کہ ضرورتِ دین کے وقت بحث و مناظرہ ہرگز تجرید و تفرید کے منافی نہیں خصوصاً کامل کیلئے۔ اور علم کلام کا سنتِ انبیاء میں سے ہونا تو بیان سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ وهذه الاٰية تدل علی صحة المحاجة فی
الدين واستعمال حجج العقول والاستدلال بدلائل الله تعالىٰ علیٰ توحيده وصفاته الحسنىٰ (جصاص) اور ایک محقق نے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ حضراتِ انبیاء توحیدِ باری میں صرف افعالِ حق سے استدلال کرتے تھے اور ایسی صفات
کو پیش نہ کرتے جن سے مذہب تشبہ و تجسم کیلئے گنجائش نکل سکے۔ تدل علی انه تعالیٰ لا يشبه شيئًا وان طريق معرفته ما نصب من الدلائل علی توحيده لان انبياء عليهم السلام انما حاجوا الكفار بمثل ذٰلك ولم يصفوا الله تعالیٰ
بصفة توجب التشبيه وانما وصفوه بافعاله واستدلوا بها عليه (جصاص) ۱۰۰۳ نمرود نے موت و حیات کے اسبابِ بعید و خفی کو چھوڑا اور صرف اسبابِ ظاہری و سطحی کو سامنے رکھ کر جواب دیا کہ سامانِ معیشت تو سب میرے ہاتھ میں ہے
مَیں جسے چاہوں روزی دُوں اور جسے چاہوں بھوکوں مار ڈالوں۔ یا کسی اور طریقہ سے اس کی زندگی ختم کردوں۔ ۱۰۰۳ (اگر تو اپنے دعوائے قدرت و تصرف میں کچھ بھی سچائی رکھتا ہے) نمرود اوتار تھا سُورج دیوتا کا۔ اور سُورج ہی کلدانیوں کے عقیدہ
میں معبودِ اعظم تھا۔ اسی کی مثال کو اور زیادہ قریب الفہم بنانے کیلئے موحدِ اعظم نے اس کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سُورج کے قادر و متصرف ہونے کے قائل ہو تو زیادہ نہیں یہی کر دکھاؤ کہ سُورج اپنے ارادہ سے عام سُنتِ الٰہی کے خلاف ذرا اپنا رُخ ہی بدل دے
دُوسروں پر قدرت رکھنا الگ رہا۔ خود اپنے ہی پر ذرا اپنا ارادہ صرف کر دکھائے۔ اور ارادہ بھی اتنا ہلکا کہ صرف رُخ بدل دینے کا۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا پیش ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے استدلال وہی قائم رکھا۔ صرف مخاطب کی
سطحِ ذہنیت کا لحاظ کر کے اس کی مثال دُوسری پیش کردی اور فرمایا کہ اچھا کائناتِ حیاتی نہ سہی کائناتِ طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کرکے دکھادو۔ نمرود سُورج دیوتا کا اوتار تھا، اور سُورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل۔ اس کے
عقیدہ کے ابطال و تردید میں سُورج ہی کو مثال میں پیش کرنا اس پر بہترین گرفت تھی۔ ۱۰۰۴ یعنی عاجز و لاجواب ہو گیا۔ اس کا جواب کسی مشرک و آفتاب پرست کے پاس ہو کیا سکتا تھا؛ نہ اس وقت کسی سے بن پڑا نہ آج کسی سے بن
پڑنا ممکن ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ہستی کے متعلق صاحبِ ارادۂ عظیم ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے وہ تجربہ و مشاہدہ سے ارادۂ خفیف سے بھی معرّیٰ ثابت ہو رہا ہے۔ ۱۰۰۵ عاجز و لاجواب ہو جانے کے باوجود وہ ایمان نہ لایا۔ اور
ایمان لاتا ہی کیسے؟ جو لوگ غصّہ اور عناد سے کجروی اختیار کئے رہتے ہیں انہیں ہدایت کبھی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وہی لوگ ہیں جو غلو، ذہن کے ساتھ حق و حقیقت پر غور ہی نہیں کرتے اور اپنی ضد و نفسانیت پر قائم
رہتے ہیں۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان مستقیم اور فہمِ سلیم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ۱۰۰۶ (اے مخاطب) آیت کا عطف معنوی ہے آیت سابق پر۔ اور تقدیرِ کلام اکثر نحویین کے نزدیک یہ ہے۔ ارأيت كالذي حاج ابراهيم
او كالذي مر علیٰ قرية۔ وهو قول الكسائي والفراء وابي علي الفارسي واكثر النحويين (کبیر) اور دوسری ترکیب یہ بھی مانی گئی ہے۔ او رأيت مثل الذي مر۔ زمخشری بیضاوی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ۱۰۰۷ یعنی
اس کی عمارتیں بالکل منہدم و مسمار ہو چکی تھیں۔ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۔ عربی کا ایک خاص محاورہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی چھتیں گریں پھر چھتوں کے اُوپر دیواریں۔ بان سقط السقف اوّلاً ثم تهدمت
الجدران عليه (روح) یہ کون صاحب تھے اور کس تباہ شدہ بستی سے ان کا گزر ہُوا تھا! الَّذِيْ مَرَّ ۔ مفسرین نے زیادہ تر مراد حضرت عُزیرؑ نبی سے لی ہے سلسلۂ اسرائیل کے ایک مشہور پیمبر گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔
۴۵۸ ق، م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں ان کا نام عزرا کاتب یعنی کاتبِ توریت کی حیثیت سے آتا ہے۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ۔ سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں
بلکہ یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ سے بھی مروی ہُوا ہے۔ ذكر انه عزير (ابن جرير عن قتادة) هو عزير (ابن جرير عن السدي) المار هو عزير كما اخرجه الحاكم عن علي واسحٰق بن بشر عن ابن عباسؓ وعبدالله بن سلامؓ
اليه ذهب قتادة وعكرمة والربيع والضحاك والسدي وخلق كثير (روح) دوسرا قول حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق نقل ہُوا ہے۔ یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیمبر ہوئے ہیں۔ یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھے۔ اور تاریخ یہود میں آتا ہے کہ انہیں نبوت ۶۲۶
ق، م میں ملی تھی۔ تاریخی اعتبار سے امکان ان کے لئے بھی ہے۔ گو ذرا ضعیف۔ حضرت باقرؒ اور وہب سے روایت انہی کے متعلق ہے۔ قيل هو ارميا بن خلقيا وهو المروي عن ابي جعفر واليه ذهب وهب (روح)
بائبل میں اس سے ملتا جلتا ہوا ایک قصّہ حضرت حزقیل نبی سے متعلق درج ہے، جو یرمیاہ نبی کے ہمعصر اور چھٹی صدی قبل مسیح میں تھے لیکن بائبل میں یہ قصّہ بصورتِ واقعہ نہیں، بلکہ کشف یا رؤیا کے طور پر ہے (حزقیل۔ باب ۳۶ و ۳۷)
قَرْيَةٍ ۔ یہ بستی کونسی تھی، نام مختلف شہروں کے لئے گئے ہیں لیکن اکثریت یروشلم یا بیت المقدس کی طرف گئی ہے۔ یہ شہر بخت نصر تاجدارِ بابل کے ہاتھوں ۵۸۶ ق، م میں پوری طرح تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔ بظاہر یہ واقعہ اسی شہر سے
متعلق اس کی تباہی کے بعد قریب ہی کے زمانہ کا ہے۔ القرية بيت المقدس قاله وهب وقتادة والضحاك وعكرمة والربيع (بحر) ۱۰۰۸ (قیامت کے دن) هٰذِهٖ ۔ اشارہ مُردہ شہر کے مُردہ باشندوں کی جانب ہے۔ اہلِ بصیرت کے لئے
ہر حسرتناک منظر ایک درسِ عبرت و معرفت ہوتا ہے عجب کیا جو خدا کے نبی کا ذہن اپنے پیشِ نظر منظر سے کائنات کے ہولناک ترین منظر کی طرف منتقل ہوا ہو، اور اس سے انہوں نے ایک اور سبقِ معرفت کا حاصل کرنا چاہا ہو۔ المشار اليه
اما نفس القرية بدون تقدير او تقدير مضاف اي اصحاب هٰذه القرية (روح) اي اهل هٰذه (مدارک) اَنّٰى یہاں كيف کے مرادف اور کس طرح، یا کس کیفیت کے ساتھ کے معنی میں ہے۔ اعتراف العجز عن معرفة طريقة الاحياء (کشاف)
اي علیٰ اي حال يحي (روح) آخرت میں حشر احیاء پر یقین نبی کیا معنی ہر مومن کو ہوتا ہے۔ سوال سے نبی کا یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کے نفسِ وقوع میں شبہ ظاہر کیا جائے۔ وہ صرف اس کی نوعیت جاننے اور کیفیت سمجھنے کے آرزومند
تھے۔ ۱۰۰۹ (بطورِ خرقِ عادت) معجزات یا خوارق پر کوئی عقلی اعتراض اگر کسی ملحد کی طرف سے ہو تو خیر اُس کیلئے تو کچھ گنجائش بھی ہے لیکن خدا کے ماننے والے کی طرف سے یہ "عقلی اعتراض" یا اس کے امکان میں گفتگو بالکل بے معنی ہے جب
معجزہ کا فاعل خدا تعالیٰ ہے تو وہ قادرِ مطلق تو جس طرح اپنی عادت یا معمولِ عام کے اجراء و بقاء پر قادر ہے ٹھیک اسی طرح اور ہمیشہ اسی درجہ میں اس کے ترک و خرق پر بھی! اسکے نزدیک تو یہ اور وہ ایسا اور ویسا یہ دونوں بالکل یکساں و مساوی ہیں
بلکہ اس ہستیٔ مطلق کے لئے یہ عادت، خلافِ عادت کے معنی ہی کیا؟ یہ موافقِ عادت و خارقِ عادت کی اصطلاحیں تو محض بندوں کے علم کے لحاظ سے ہیں، یہ تو ہم نے جس چیز کا بار بار اور متواتر مشاہدہ کیا اُسے عادتِ الٰہی میں داخل کر دیا۔ اور جس چیز کو
ایسا نہ پایا اُسے خلافِ عادت اور خارقِ عادت سے تعبیر کرنے لگے! ــــــــــ لفظ "معجزہ" تو خود ہمارے جہل کا پردہ پوش ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے کونسی تعبیر معجز ہو سکتی ہے؟ غرض کوئی مذہبی شخص کسی بڑے سے بڑے معجزہ کے نفسِ امکان میں تو زبان کھول
ہی نہیں سکتا، گفتگو جو کچھ بھی چلیگی رویت و روایت معتبر کے لحاظ سے چلیگی۔ اور یہ بحث ظاہر ہے کہ تمامتر نقلی اور تاریخی ہوگی نہ کہ عقلی۔ وقوعِ معجزہ کے راوی اگر معتبر اور شاہدِ عینی ہیں تو وہ خارقِ عادت بھی ہمارے لئے ایسا ہی قابلِ یقین ہوگا جیسا کہ روزمرہ کے
عام واقعات ہوتے ہیں اور پھر جس معجزہ کے راوی خود حق تعالیٰ یا نبی معصوم ہوں اس کے باب میں تو ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ آگے کوئی گفتگو چل ہی نہیں سکتی۔ کس وقت کس خارقِ عادت کے ظہور کی کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، یہ حال بجز
حکیمِ مطلق کے اور کون جان سکتا ہے؟ ۱۰۱۰ یہ جواب اس بندہ نے اپنے علم و شعور اور اپنے احساس و اندازہ کے مطابق دیا۔ اور بشری اندازہ و تخمین کی یہ غلطی ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔ جب دماغ و دل، شعور و اندازہ کی مشینوں کی حرکت ہی سرے سے
باطل ہو گئی تھی۔ تو کوئی بشر اندازہ کرہی کیونکر سکتا تھا اور یوں بھی گھنٹوں اور دنوں بلکہ مہینوں اور برسوں کی مدت کو خواب اور بیہوشی کی حالت میں ہم روزمرہ منٹوں اور سکنڈوں کے اندر سمٹے اور سمٹائے ہوئے آخر دیکھتے ہی ہیں۔ ۱۰۱۱ (اتنی مدت کے باوجود کھانا
مفسرین نے اس جواب سے جوازِ اجتہاد پر استشہاد کیا ہے۔ فيه دليل جواز الاجتهاد (مدارک) اور یہ نظیر ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جتنی مدت تک بھی چاہے محفوظ و سالم رکھ سکتا ہے۔ بشری عقل و فہم مادّی مثالوں اور نظیروں کی ہمیشہ حریص رہی ہے۔ اور آج کی "روشن خیالی"
اور نیچریت کے سارے مطالبات کا لب لباب صرف یہی نظیر کی فراہمی ہے۔ ۱۰۱۲ (جس کی ہڈیاں اس وقت تک باقی تھیں اور گوشت پوست سب خاک میں مل چکا تھا) جانوروں کے ڈھانچے مدتوں تک باقی رہتے ہیں بعض بعض ڈھانچے سیکڑوں ہزاروں سال کے بعد
سالم و محفوظ برآمد ہوئے ہیں حمار ۔ گدھے سے ہندوستان میں تو نہیں لیکن عرب شام مصر فلسطین وغیرہ میں سواری کا کام گھوڑے ہی کی طرح لیا جاتا تھا۔ اور اب بھی لیا جاتا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں میں گدھے کا ذکر سواری کے جانور کی حیثیت سے بکثرت آیا ہے۔ اور حضرت
مُوسیٰ اور حضرت مسیحؑ دونوں کا اسی پر سوار ہونا بیان ہوا ہے۔ ۱۰۱۳ (اپنی قدرتِ کاملہ کا، اور ایک نظیر واقعۂ بعث کی) ۱۰۱۴ یعنی اپنے مردۂ صد سالہ گدھے کے ڈھانچے کو بچشمِ خود دیکھئے کہ ہم اس کا جوڑ جوڑ بٹھاتے ہیں اور پھر از سرِ نو روح پھونک کر زندہ کر اُٹھاتے
ہیں۔ ۱۰۱۵ یعنی ان پیمبر پر جب یہ ساری کیفیتیں تجربۃً اور مشاہدۃً گزر لیں تو وہ تر و تازہ جوشِ ایمانی کے ساتھ بے اختیار پکار اُٹھے کہ بیشک یہ پروردگار ہر چیز پر قادر ہے اور اب میرا ایمان و اعتقاد سوگنا اور بڑھ گیا۔ اَعْلَمُ ۔ علم سے یہاں مُراد
علم مشاہدہ و رویت ہے۔ ورنہ علم بالدلیل تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ تاويله اني قد علمت مشاهدة ما كنت اعلمه قبل ذٰلك الاستدلال (کبیر) ۱۰۱۶ (قیامت کے دن) كيف یعنی کسی خاص کیفیت کے ساتھ کس متعین طریقہ پر فی اي حال اوعلی

وضوح الدلائل والحجج بحيث لا يكون فيه اكراه بل يحب الدخول فيه بانشراح صدر واختيار (مد) الدین -دین سے مراد مطلق دین نہیں -دین اسلام ہے- والدين هنا ملة الاسلام واعتقادها (بحر) ۹۹۰ھ اور دلائل وشواہد نے
دونوں کے درمیان علانیہ امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ الرُّشْدُ یعنی راہِ اسلام۔ الغَیّ یعنی طریقِ کفر۔ یعنی اب تو کفر و اسلام کے درمیان بہت کھلے ہوئے فرق و امتیازات پیدا ہو چکے ہیں۔ اب کسی پر خفا و التباس کی کوئی وجہ نہیں ا
۹۹۱ھ یعنی جس نے دینِ اسلام قبول کر لیا اور جو باطل کی پیروی سے باز آ گیا اُسے دنیا و آخرت میں ایک بڑا زبردست سہارا ہاتھ آ گیا۔ الطَّاغُوْتُ - طاغوت۔ کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اردو میں اسکے لئے قریب ترین لفظ شیطان کا
ہو سکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبودِ باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔ قال ابو اسحٰق كل معبود من دون الله جبت وطاغوت (لسان) الطاغوت عبارة عن كل معتد وكل معبود من دون الله (راغب)
مالک بن انس اور بعض اور اہلِ تفسیر بھی اسی عموم کی طرف گئے ہیں۔ قال مالك ابن انس كل ما عبد من دون الله تعالىٰ (مدح) مردة من الجن والانس كل ما يطغى (كبير) ما عبد من دون الله تعالىٰ قاله الطبرى (بحر) ۹۹۲ھ (نہ دنیا میں
نہ آخرت میں) بندہ کا فاطرِ کائنات سے صحیح و نظری تعلق ہی کا نام دینِ اسلام ہے۔ یہ وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر عقدہ کا حل مل جاتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر آخرت کی
بھی منزلیں آسان رہتی ہیں۔ اس ایک سہارے کے سوا باقی سارے سہارے ناقص، کمزور اور بودے ہیں۔ بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ عروۃ الوثقیٰ نسبت مع اللہ ہے۔ وہ حاصل ہو جانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی۔ ۹۹۳ھ سَمِيْعٌ

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ
میں دیتا ہوں ۹۸۹ھ ابراہیمؑ نے کہا اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا
الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
ہے تو اسے مغرب سے نکال دکھا ۱۰۰۰ھ اس پر وہ جو کافر تھا دنگ
الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾
رہ گیا ۱۰۰۱ھ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا ۱۰۰۲ھ
اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى
یا (پھر) اس شخص (کے حال) پر (نظر کی) ۱۰۰۳ھ جو ایک بستی سے گزر رہا تھا اس حال میں کہ وہ (بستی) اپنی چھتوں کے
عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ
بل گری ہوئی تھی ۱۰۰۴ھ وہ کہنے لگا اللہ اس (آبادی) کو اس کے مرے پیچھے کیوں کر جِلا
مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ
اٹھائے گا ۱۰۰۵ھ سو اللہ نے اس شخص کو سو سال تک مردہ رکھا، پھر اسے جِلا اٹھایا ۱۰۰۶ھ (پھر) پوچھا
كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ
تو کتنی مدت (اس حالت میں) رہا اس نے کہا میں رہا (اس حالت میں) کوئی دن بھر یا اس کا کچھ حصہ فرمایا
بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
نہیں بلکہ تو سو سال (کی مدت) تک رہا۔ اپنے کھانے اور پینے کی طرف تو دیکھ (کہ اب تک) وہ
لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً
سڑا گلا نہیں ہے، اور اپنے گدھے کو دیکھ ۱۰۰۷ھ اور (یہ سب) اس لئے کہ ہم تجھے ایک نشان

سننے والا الفاظ کا اور اقوال کا۔ عَلِيْمٌ جاننے والا احوال کا اور اعمال کا۔ یعنی اللہ کو ظاہر و
باطن، کُلّی، جزئی ہر قسم کا علم و اطلاع ہے ——— اللہ کی باخبری اور ہمہ علمی مسلمانوں کو ایک معمولی
اور موٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جاہلی قوموں میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسی ہیں جو حق تعالیٰ کی
صفتِ علم میں بھی شبہ کر چکی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی فلاسفہ یہ بھی کہہ گزرے ہیں کہ خدا کو علم صرف
کلیات کا ہے جزئیات کا نہیں ہوتا۔ کلامِ مجید کی اس قسم کی آیتوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے،
جب دنیا کی جاہلی قوموں کے عقائدِ باطلہ پر نظر ہو ——— ! ۹۹۴ھ وَلِیُّ - ولی کا ترجمہ بھی کسی
ایک لفظ سے مشکل ہی ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں
اور اہلِ تفسیر سے یہ سب معنی منقول ہیں۔ محبهم ومتولى امورهم (بیضاوی) نصيرهم وظهيرهم
يتولاهم بعونه (ابن جریر) الولى المتكفل بالمصالح (کبیر) معينهم ومحبهم او متولى امورهم (روح)
اہلِ ایمان کے بگڑے کام بنانے والا۔ آڑے وقت ان کے کام آنے والا اللہ ہی ہے نہ کہ ابن اللہ یا
کوئی دیوی دیوتا ——— نفی رد مسیحیوں اور مشرکوں کا یہاں بھی کیا گیا۔ بعض صوفیہ نے
آیت سے ولایتِ عامہ کے اثبات پر استدلال کیا ہے، ۹۹۵ھ (اور یہی مومنین کے حق میں سب سے
بڑی اور کارآمد نصرت و پشت پناہی ہے) الظُّلُمٰتِ سے مراد کفر، انواعِ کفر اور متعلقات و
ملحقاتِ کفر ہیں۔ مثلاً شک و ارتیاب شہوتِ ممنوع میں غلو وغیرہا۔ النُّوْر سے مراد ایمان و انوارِ
ایمان ہیں۔ عقلِ سلیم و ذوق شوق وغیرہا۔ کفر و ظلمات کی قسمیں بے شمار ہیں اس لئے ظلمات کو
صیغۂ جمع میں لائے۔ انواعِ کفر و اسبابِ کفر بہت زائد ہیں۔ دو نقطوں کے درمیان منحنی یا ٹیڑھے خط
بیشمار ہو سکتے ہیں۔ سیدھا خط ایک ہی ہو سکتا ہے۔ راہِ راست ایک ہی ہے اس لئے النور
قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے صیغۂ واحد ہی میں آیا ہے۔ ۹۹۶ھ (ترغیب، تحریص و تخویف
کے ہر ممکن حربہ سے کام لے کر) طَاغُوْت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے اس کا اطلاق واحد جمع دونوں
پر ہوتا ہے۔ یہاں معنی میں جمع ہی مراد ہے۔ اور جب فضا ہی ساری کی ساری ظلماتی ہو تو ظاہر ہے
کہ شیطنت اور بدی کے محرکات کتنے بڑھ جاتے اور ایمان و تقویٰ کے محرکات کتنے گھٹ جاتے ہیں۔
شیطان بدی کے چہرہ پر طرح طرح کے خوشنما نقاب ڈال، اس کے نام طرح طرح کے خوبصورت رکھ
اُسے سامنے لانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اہلِ ایمان، اہلِ تقویٰ ہیں وہی نکو بن کر رہ جاتے ہیں۔ اکبر
الٰہ آبادی ؎

منوی کو بھی بدرنہ کہئے ترغیب ہے یہ کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن اک شور مچا خلافِ تہذیب ہے یہ

۹۹۷ھ (کہ انہوں نے اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لیکر راہ کفر و ضلالت اختیار کی) ۹۹۸ھ (اے مخاطب)
اَلَمْ تَرَ اِلٰی۔ عربی ادب میں یہ اسلوبِ بیان حیرت و استعجاب کے موقع کیلئے ہے اور وہ بھی پہلوئے ذم لئے ہوئے
جب کبھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو اُسے شروع اس طریقہ
پر کرتے ہیں جیسے اُردو میں "کیئے کہ تم نے فلاں کی حرکت دیکھی ہے" وكذالك تفعل العرب اذا ارادت التعجب من رجل فى بعض ما انكرت من فعله قالوا ما ترى الى هذا! (ابن جریر) هى كلمة يوقف بها المخاطب على تعجب
منها ولفظها لفظ الاستفهام (کبیر) ۹۹۹ھ (منکر و مخالف کی حیثیت سے) یہ بحث و مناظرہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا۔ یہ تصریحات تو قرآن مجید بلکہ اس آیت کے اندر موجود ہیں۔ مفسرین نے اس
موقع پر نمرود کا نام لیا ہے اور چونکہ اس خاص قصہ کا ذکر اہلِ کتاب کی کتاب میں موجود نہیں اس لئے وہ اس روایت ہی کے ماننے میں تامل کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید توریت کی اس طرح کی خدا جانے کتنی فروگزاشتوں کی تصحیح کرتا گیا ہے۔ اتنا تو بہرحال
تاریخ توریت اور روایاتِ یہود میں تسلیم ہے کہ نمرود نامی بادشاہ کا وجود تھا۔ بادشاہ بہت بڑا تھا اور ساتھ ہی سخت ظالم اور مشرک اور آزر اس کا وزیر تھا۔ توریت میں ہے:۔ "اور کوش سے نمرود پیدا ہوا زمین پر جبار ہونے لگا۔ خداوند کے سامنے وہ
صیاد و جبار تھا۔ اسی واسطے مثل ہوئی کہ خداوند کے سامنے نمرود سا صیاد و جبار (پیدائش ۱۰: ۸-۹) اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبار ہونے لگا (۱۔ تواریخ ۱: ۱۰) اور حسبِ روایاتِ یہود یہ نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج سے آلِ یافث کو
شکست دینے کے بعد زمین کا بادشاہ ہو گیا۔ اور آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا۔ اس کے بعد اپنی عظمت کے نشہ میں نمرود خدا سے بیگانہ ہو گیا۔ اور بہت سخت قسم کا مشرک ہو گیا" جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۹ ص ۳۰۹ ۔ بابل (کلدانیہ) ہی کی تاریخ میں
ایک اور بادشاہ کا نام آتا ہے جو بابل کا سب سے پہلا انسانی خدا تھا بعض مؤرخین نے اسے نمرود کا مرادف قرار دیا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۶ ص ۲۴۶) انیسویں صدی عیسوی کے ثلثِ آخر میں فرنگی مادیت و عقل پرستی اور اس کی
تقلید میں ہندوستانی "روشن خیالی" اور "نیچریت" کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں ہی سے سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مؤرخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے
سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں اعتراف ہے کہ نصف صدی پیشتر ان قصوں کو جیسا بے اصل و ناقابلِ اعتبار سمجھ لیا گیا تھا وہ خیال اب مزید تحقیق سے قائم نہیں رہا۔ یہاں تک کہ نمرود کے ساتھ مناظرۂ ابراہیمی کا قصہ بھی (جلد ۱۳ ص ۱۲۵) رَبِّهٖ میں ضمیر
ابراہیم کی طرف ہے لیکن بعض نے الذی حاج کی جانب بھی جائز رکھی ہے۔ اور اس صورت میں ترجمہ ہو گا اپنے رب کے باب میں۔ والضمير يحتمل ان يعود الى ابرهيم ويحتمل ان يرجع الى الطاغى والاول اظهر (کبیر) بہرحال قابلِ لحاظ لفظ یہاں رب ہی
گفتگو رب کے بارہ میں تھی۔ "الٰہ" کے بارہ میں نہ تھی مسئلہ ربوبیت میں تھی، بابِ الوہیت میں نہ تھی ۱۰۰۰ھ یعنی اُسے وسعتِ سلطنت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور برخود غلط بنا رکھا تھا۔ روایاتِ یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنی

خدا کو قانونِ مکافات (ہندی میں کرم) کے ضابطوں سے ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے یہے معافی کی اور اسکے ہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ اسلام نے توسط و اعتدال کی شاہراہ اختیار کرکے بتایا کہ نجات کا مدار ہرگز
کسی کی شفاعت پر نہیں، البتہ خدا نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو دُوسروں کی شفاعت کا (جو درحقیقت دُعا ہی کی ایک صُورت ہے) موقع دے گا اور اُن کی دُعائیں قبول کرے گا۔ اور مقبولین کے سب سے
بڑے رئیس و سردار ہمارے رسول کریم صلعم ہیں۔ ٩٨٣ یعنی حاضر و غائب محسوس و معقول مدرک و غیر مدرک سب کا علم اُسے پُورا پُورا حاصل ہے۔ ما کان قبلھم وما کان بعدھم (کشاف) نام یہاں آگے اور پیچھے صرف دو ہی سمتوں
کا لیا گیا ہے لیکن مُراد جمیع جہات ہیں اور یہ کنایہ عربی زبان میں عام ہے۔ ھذا کنایۃ عن احاطۃ علمہ تعالٰی بسائر المخلوقات من جمیع الجہات۔ ایدیھم اور خلفھم میں ضمیر جمع غائب یا تو من ذا کے مدلول کی جانب
ہے جس میں انبیاء و ملائکہ سب آگئے اور یا فی السمٰوٰت والارض کی جانب ہے اور ضمیر مذکر اس لئے کہ مُراد زمین و آسمان کے اہلِ عقل سے ہے۔ والضمیر لما فی السمٰوٰت والارض لان فیھم العقلاء ولما دل علیہ من ذا من الملائکۃ
والانبیاء (کشاف) صفاتِ باری میں حیات کا، قیومیت کا، مالکیت کا اثبات اوپر ہو چکا ہے۔ اب یہاں اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کی صفتِ علم بھی کامل ہے۔ سعی و سفارش کا ایک موقع دُنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ
بس حاکم یا مالک کے سامنے مقدمہ درپیش ہو اس کا علم محیط و کامل نہیں اسلئے ضرورت ہے کہ خارجی ذرائع سے اسکے معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اسکے علم کو کامل کر دیا جائے۔ یہاں یہ بتلا کر کہ اللہ کا علم خود ہر خفی و جلی پر حاوی ہے۔ گویا یہ بتا دیا

مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ
کمل چکی ہے ٩٩٠ توجو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ
اُس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا ٩٩١ جس کے لئے کوئی شکستگی
لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿٢٥٦﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ
نہیں ٩٩٢ اور وہ بڑا سُننے والا بڑا جاننے والا ہے ٩٩٣ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان
اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ
لائے ٩٩٤ اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے ٩٩٥ اور جن لوگوں نے
كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
کفر اختیار کیا اُن کے ساتھی شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
طرف لے جاتے ہیں ٩٩٦ یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ
٣٤ ع ٢ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ
پڑے رہیں گے ٩٩٧ کیا تُو نے اُس شخص کے حال پر نظر نہیں کی ٩٩٨ جس نے ابراہیمؑ
وقف لازم فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
سے اسکے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا ٩٩٩، اس سبب سے کہ اللہ نے اُسے بادشاہت دے رکھی تھی جبکہ
رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ
ابراہیمؑ نے اُس سے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے ١٠٠٠ وہ بولا کہ زندگی اور موت تو

کہ اس کے علم پر کسی کے اضافہ کرنے اس کے آگے کسی کی خوبیاں بتلانے اُسے کسی نامعلوم شے پر
آگاہ کرنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ اور اس طرح مسیحی عقیدۂ شفاعت پر ایک اور ضرب لگی ۔۔۔
٩٨٤ کون نہیں گھیر سکتے؟ وہی مخلوقات جن میں پیر، پیمبر، فرشتہ سب شامل ہیں۔ مِنْ
عِلْمِهٖ میں علم سے مراد معلوماتِ الٰہی سے ہے۔ ای من معلوماتہ (کشاف) العلم ھنا
المعلوم (بحر) بڑے سے بڑے صاحبِ علم و معرفت کے بھی بس میں یہ نہیں کہ معلوماتِ الٰہی میں سے کسی
ایک ہی چیز کی کُنہ حقیقت سے پُوری طرح واقف ہو جائے۔ محدود و لامحدود کے علم کا مقابلہ ہی کیا۔
٩٨٥ (اپنی حکمت و مصلحت کے موافق) یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے کہ بندہ بڑے سے بڑا بھی
عالم و عارف ہو، بہرحال اس کا علم محدود ہوتا ہے اور عین مشیتِ الٰہی کے ماتحت و مطابق۔
٩٨٦ (وہ خود بڑی سے بڑی چیز میں کیسے سما سکتا ہے) اس کی کرسیٔ علم و قدرت تو خود
سارے کائنات پر محیط ہے اس کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے تو آسمان پر عرش پر کسی وسیع سے وسیع
چیز کے بھی اندر کیسے سما سکتا ہے؟ وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے، اُسے کون گھیر سکتا ہے۔ اس
صفت کے اثبات سے اُن مشرکوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہو گئی جو خدائے تعالیٰ کے مجسّم ہونے اور کسی
مکان میں اس کے محدود و مقید ہونے کے قائل ہیں۔ کرسی سے مُراد علم الٰہی لی گئی ہے۔
ابن عباسؓ صحابی سے یہی معنی منقول ہیں اور متعدد اہلِ تفسیر نے اس کی پیروی کی ہے۔ کرسیہ ای
علمہ (ابن جریر عن ابن عباس) قیل مجاز عن العلم (روح) الکرسی ھو العلم (کبیر) ای علمہ ومنہ
الکراسۃ لتضمنھا العلم سلک لی وسع علمہ وسمی العلم کرسیا تسمیۃ بمکان الذی
ھو کرسی العالم (کشاف) کرسی کے عام متعارف معنیٰ وہی ہیں جو اُردو ہی میں چلے ہوئے ہیں لیکن
حق تعالیٰ کے سلسلہ میں کہیں وہ معنیٰ تھوڑے ہی مُراد ہو سکتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی کوئی جسم
رکھتا ہے جو وہ اس عام معنیٰ میں کرسی نشین ہوگا۔ ولا کرسی فی الحقیقۃ ولا قاعد (بیضاوی)
کرسی کے اصلی معنیٰ علم ہی کے ہیں اور کراسۃ جو علمی صحیفوں کے لئے آتا ہے وہ اسی اصل کا
ماخوذ ہے اور اہلِ لغت نے کرسی کے جہاں ایک معنیٰ سریر کے دیئے ہیں، وہاں دُوسرے
معنیٰ علم کے کئے ہیں۔ الکرسی السریر والعلم (قاموس) اصل الکرسی العلم ومنہ قیل
الصحیفۃ یکون فیہا علم مکتوب کراسۃ (ابن جریر) کرسی کے دوسرے معنیٰ قدرت
وحکومت کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی بہتیرے اہلِ لغت و اہلِ تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ الکرسی الموضع
(قاموس) وقیل کرسیہ ملکہ (راغب) المراد من الکرسی السلطان والقدرۃ والملک (کبیر) قیل کرسیہ
ملکہ وسلطانہ والعرب تسمی الملک القدیم کرسیا (معالم) قال قوم کرسیہ قدرتہ التی
یمسک السمٰوٰت والارض (کشاف) ای وسع ملکہ تسمیۃ بمکانہ الذی ھو کرسی الملک (کشاف)
غرض یہ کہ اس کی کرسیٔ علم ہو یا کرسیٔ حکومت وہ جمیع کائنات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ بڑی چھوٹی، لطیف

کثیف، جلی خفی، ہر چیز اس پر عیاں و روشن ہے۔ ٩٨٧ (کہ اس سے تھک کر اسے کسی شریک یا مددگار کی ضرورت پڑے) مشرک قوموں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اتنے وسیع اور لق و دق سلسلۂ موجودات کی نگرانی تنہا خدا کہاں تک
کر سکتا ہے۔ اس لئے نعوذ باللہ وہ کبھی غافل بھی ہو جاتا ہے اور یہ کاروبار سنبھالنے کے لئے اُسے ضرورت شریکوں اور مددگاروں کی بھی پڑ گئی ہے۔ خود یہود اور مسیحیوں کا عقیدہ خدا کے ستانے اور آرام لینے کے باب میں بھی اسی تخیل
کی طرف مشیر ہے۔ حِفْظُهُمَا میں تثنیہ کے صیغہ سے مُراد ہے ایک طرف سلسلۂ سمٰوٰت اور دوسری طرف زمین اور اسی لئے قرآن مجید نے ہر ایسے موقع پر صیغہ بجائے جمع کے تثنیہ کا استعمال کیا ہے۔ ٩٨٨ یعنی ایک طرف ہر نقص سے
اور ہر عیب سے بالاتر۔ دوسری طرف تمام صفاتِ کمال کا جامع۔ علی اور عظیم دو دو صفتوں کا لانا معنیٰ سے خالی اور بے کار نہیں۔ علو کا حاصل ہے تمام صفاتِ نقص کی نفی، سارے عوارضِ حدوث سے برتری۔ لانہ المتعالی عن الاشباہ والانداد
والامثال والاضداد وعن امارات النقص ودلالات الحدث (روح) العلی الرفیع فوق خلقہ المتعالی عن الاشباہ والانداد (بحر) اور عظمت کا حاصل ہے تمام صفاتِ کمال کا اثبات اور ایسی ذات کا ایجاب نہ جس کے مرتبہ کی انتہا ہو اور نہ جس کی کنہ
دریافت ہو سکے۔ ای ذو العظمۃ وکل شی بالاضافۃ الیہ حقیر (روح) العظیم الذی لا منتھی لعظمتہ ولا یتصور کنہ ذاتہ (روح) العظیم ذو العظمۃ الذی کل شی دونہ فلا شی اعظم منہ (بحر) گویا ان دو صفات کے اندر عظمت و کمال کے سلبی و ایجابی پہلو
سارے کے سارے آگئے۔ اور ہر اُس ضلالت کی تردید ہو گئی جو شرک فی الصفات سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ٩٨٩ دین کا تعلق اصلاً عقیدۂ قلب سے ہے اور قلب پر جبر و اکراہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لئے گویا یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ و
اختیار سے ہے جبر و اضطرار پر نہیں۔ ای لم یجر اللہ امر الایمان علی الاجبار والقسر ولکن علی التمکین والاختیار (کشاف) ولولا ذلک لما حصل الابتلاء ولبطل الامتحان والی ذلک ذھب القفال (روح) قال ابو مسلم والقفال معناہ انہ ما بنی تعالیٰ
امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناہ علی التمکین والاختیار (بحر) جو یہ کوتاہ فہموں نے اسلام میں جبر کی اصل سمجھا ہے حالانکہ اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ جزیہ کی مشروعیت عین اس کے برعکس خود اس کی دلیل ہے کہ مقصودِ اصلی قانونِ اسلام حکومتِ
اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر کافر کو بجبر مسلم بنانا۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ اکراہ کی نفی سے مقصود اکراہ فی نفسہٖ کی نفی ہے۔ اسلئے کہ اگر مرتد پر یا کافر حربی پر بوجہ خفائے دلیل کے اکراہ کیا جائے جیسا شریعت میں حکم ہے تو یہ نفی اکراہ فی نفسہٖ کے معارض
نہیں اور یہ اکراہ بھی صورتِ دین پر ہوگا۔ نہ کہ حقیقتِ دین پر کیونکہ قلب پر اطلاع کا کوئی یقینی طریق نہیں اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی۔ اسلئے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے یعنی دین میں اکراہ مت کرو۔ ای ھو من

٩٧٦ یعنی روزِ قیامت۔ مطلب یہ ہے کہ مصارفِ خیر میں صرف کرنے اور نیکیاں جمع کرنے کا موقع جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ وقت کی قدر کرو، فرصتِ عمر کو نعمت سمجھو۔ ٩٧٧ (اپنے حق میں) ظلم کے اصل معنیٰ وضع الشئ فی غیر محلہ (کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے) کے ہیں۔ اللہ یا اس کے قانون کو نہ ماننے سے بڑھ کر کون سا ظلم انسان کا اپنے حق میں ہوگا۔ لَا بَیۡعٌ ۔ جاہلی اور نیم جاہلی قوموں کی گمراہیاں ایک سے بڑھ کر ایک عجیب رہی ہیں۔ مشرک قومیں تو سرے سے روزِ جزا ہی کی قائل نہیں۔ اہلِ کتاب نے اس کے وقوع کو مانا، تو اس میں بھی یہ خیال لگا دیں کہ وہاں بھی دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا۔ کوئی کسی سے نیکیاں خرید لے گا۔ کوئی کسی کے ہاتھ اپنی بدیاں فروخت کر دیگا وقس علیٰ ھٰذا قرآن نے اس ساری لغو خیالی کا خاتمہ کر دیا۔ وَلَا خُلَّۃٌ ۔ خلۃ گہری جگری دوستی کو کہتے ہیں مقصود ایسی دوستی کے نافع ہونے کا ابطال ہے جو ایمان کے بغیر کام دے سکے اور کفر کے مجرم کو نجات دلا سکے! اہلِ کتاب نے سمجھ رکھا تھا کہ یہاں کے نسبی رشتہ داریوں اور ذاتی خانگی دوستیوں سے وہاں کام چل جائیگا۔ جب گہری اور دلی دوستی کے نافع ہونے کی نفی ہوگئی۔ تو محض زبانی رسمی ظاہری تعلق کا لا حاصل ہونا تو اور زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا شَفَاعَۃٌ ۔ پہلی دو گمراہیوں کا بھی تعلق مسیحیوں سے تھا اور یہ تیسری گمراہی تو مسیحیت کے خصوصیات میں سے ہے مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ ابن اللہ کی حیثیت شافع مطلق کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اسی لئے تو جنم لیا تھا کہ اپنی جان کا فدیہ سب گنہگاروں کی طرف سے دے کر اور سب کی طرف سے صلیب پر اپنے خون کا چڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر و نمودار ہوں اور ان کی شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم قطعی رکھے گی۔

يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ
دن آجائے ٩٧٦ جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش

وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝٢٥٤ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
اور کافر ہی تو ظالم ہیں ٩٧٧ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا

هُوَ ۚ اَلۡحَـىُّ الۡقَيُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا
نہیں ٩٧٨ وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے ٩٧٩ اُسے نہ اُونگھ آ سکتی ہے نہ نیند ٩٨٠

نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ
اُسی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ٩٨١ کون ایسا ہے

ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ يَعۡلَمُ مَا
جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے ٩٨٢ وہ جانتا ہے جو کچھ

بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِشَىۡءٍ
مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے اس سب کو ٩٨٣ اور وہ اسکے معلومات میں سے کسی چیز

مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
کو بھی گھیر نہیں سکتے ٩٨٤ سوا اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے ٩٨٥ اس کی کرسی نے سما رکھا ہے ٩٨٦ آسمانوں اور

وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا يَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ
زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں ٩٨٧ اور وہ عالیشان ہے

الۡعَظِيۡمُ ۝٢٥٥ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ
عظیم الشان ٩٨٨ دین میں کوئی زبردستی نہیں ٩٨٩ ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف

ہمارے ہاں کے عام واعظوں اور نعت گو شاعروں نے شفاعتِ مصطفوی پر حد سے زیادہ زور دینا شروع کیا ہے یہ صاف مسیحیت سے تاثر کا نتیجہ ہے اَلۡكٰفِرُوۡنَ ۔ یہاں وہی کافر مراد ہیں جو اسی قسم کے عقائد کفریہ میں مبتلا ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت سے بخل کی مذمت نکلتی ہے جو لوگ ضروری مصارفِ خیر میں خرچ نہیں کرتے وہ اپنے کو اہلِ کفر اور اہلِ جہنم کے حکم میں لا رہے ہیں ٩٧٨ (نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ اصلی نہ ظلی، نہ خدا نہ خدا زادہ) خدا کے نفسِ وجود کے قائل تو جاہلی مذاہب بھی ہوئے ہیں، البتہ وہ اس معبودِ اعظم (ہندوؤں کی اصطلاح میں ایشور) کے علاوہ تحتانی معبودوں اور دیوتاؤں کے بھی قائل رہے ہیں۔ یہ تعلیم اسلام ہی کی ہے کہ اس ایک خدا کے سوا کسی اور خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ تو معبودِ اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود اور بھی موجود ہیں۔ عیسائی بھی چونکہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس لئے ان کے مقابلہ میں بھی توحید کامل کے اثبات اور پھر غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی اس قدر ضرورت تھی۔ یہ آیت اٰیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو۔ احادیث میں اس کے فضائل بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ اس کی معنویت اور جامعیت ہے بھی اتنی نمایاں اور اس درجہ کی۔ اپنے تو خیر اپنے ہی ہیں، بیگانے جیسے سیل مترجم قرآن مجید اور میور اور وہیری جیسے معاندین نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔ ٩٧٩ اَلۡحَـىُّ ۔ وہ مستقلاً زندہ ہے وہ ازلی اور ابدی ہے صفتِ حیات اس کی جزوِ ذات ہے۔ موت یا عدمِ حیات اس پر نہ پہلے کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہو سکتی ہیں۔ تو کیا کوئی قوم ایسی بھی ہوئی ہے جس نے اپنے معبود کی اس کھلی ہوئی اور موٹی صفت میں بھی شبہہ کیا ہو ——— ایک نہیں متعدد قوموں نے شک و اشتباہ کیا معنیٰ انکار تک اس صفت کا کیا ہے! بحرِ رُوم کے ساحل پر متعدد قومیں اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا جاتا ہے، اور دُوسرے دن از سرِ نو وجود میں آ جاتا ہے! چنانچہ ہر سال اس تاریخ کو خدا یا بعل کا پُتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسری صبح اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ہندوؤں کے ہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں ——— اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دُنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے! مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے شروع ہی سے ایک ازلی ابدی باقی و غیر فانی خدا کے عقیدہ سے چونکہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر انکے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا کبھی اور کسی حال میں کسی معنیٰ میں اور کسی لحاظ سے حادث و فنا پذیر بھی ہو سکتا ہے لیکن آخر آج بھی کروڑوں کی تعداد میں پڑھے لکھے لوگ خدا کی اسی فنا پذیری کو تسلیم کر رہے ہیں یا نہیں؟ اَلۡقَيُّوۡمُ مسیحیوں نے جس طرح حضرت حق کی صفت حیات کے باب میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اسی طرح صفتِ قیومیت سے متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت و آمیزش کے خدا نہیں اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کو شریک کئے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ گویا جس طرح نعوذ باللہ مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح خدا بھی اپنی خدائی کے اثبات کے لئے مسیح کا محتاج ہے ——— صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔ قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب و باعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ القیوم القائم الحافظ لکل شئ والمعطی لہ مابہ قوامہ (راغب) بہ القائم بنفسہ مطلقا لا بغیرہ وھو مع ذلک یقوم بہ کل موجود حتی لا یتصور وجود شئ ولا دوام وجود الا بہ (تاج) ائمہ تفسیر نے بھی اسی معنیٰ میں لیا ہے۔ القیم لغیرہ فجمیع الموجودات مفتقرۃ الیہ وھو غنی عنھا ولا قوام لھا بدون امرہ (ابن کثیر) ٩٨٠ (جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ لیا ہے) جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں۔ مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ اسلام کا خدا دائم، بیدار، ہمہ خبردار، غفلت سُستی اور تھکن سب سے ماورا، خدا ہے۔ ٩٨١ لہ کو مقدم کر دینے سے معنیٰ میں زور اور تاکید آ گئی اور مفہوم حصر کا پیدا ہو گیا یعنی ساری کائنات کی ملکیت اور مالکیت صرف اسی کی ہے۔ کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ اور اس کی مِلک سے مخلوق کا کوئی گوشہ کوئی شعبہ خارج نہیں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو کائنات کا مالک مانا بھی ہے تو اندھے، لولے، لنگڑے ناقص قسم کا۔ اسلام نے آ کر اس پر زور دیا کہ صحیح رشتہ و تعلق خالق کا مخلوق کے ساتھ ملکیت کامل ہی کا ہے۔ لہ میں ل متفقہ طور پر ملک کے معنیٰ میں ہے۔ واللام للملک (بحر، نہر) ٩٨٢ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ کون ایسا ہے؟ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی ایسا نہیں۔ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗ ۔ شفاعت پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ مسیح کی شفاعتِ کبریٰ مسیحیوں کا ایک عقیدۂ خصوصی ہے۔ مسیح کے لئے ان کے ہاں بالاستقلال شفاعت ہی ثابت نہیں، بلکہ تخلیق کائنات بھی خدا نے (نعوذ باللہ) اپنے اسی فرزند کے واسطہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید مسیحیوں سے مخاطبہ کے وقت اُن کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ و شفاعت وغیرہ پر برابر ضرب لگاتا جاتا ہے۔ باذنہ یہ تصریح بھی بہت ضروری تھی۔ مسیحیوں نے جہاں نجات کا دارومدار شفاعت پر رکھا ہے وہاں کے برعکس بعض مشرک قوموں نے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ
ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر نضیلت دے رکھی ہے ۹۶۴
مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ
ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے ۹۶۵ ان میں سے بعض کے درجے اس نے بلند کئے ہیں ۹۶۶
وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ
اور ہم نے عیسٰی ابن مریم ۹۶۷ کو شواہد عطا کئے ۹۶۸ اور ہم نے اُن کی تائید
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ
رُوح القدس کے ذریعہ سے کی ۹۶۹ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو اُن کے بعد کے لوگ آپس
مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
میں خونریزی نہ کرتے بعد اس کے کہ اُن کے پاس شواہد آچکے تھے ۹۷۰
وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ
لیکن (لوگ) آپس میں جھگڑے ۹۷۱ کوئی تو اُن میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں سے
مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ قف
کفر ہی کرتا رہا ۹۷۲ اور اگر اللہ کی مشیت ہی ہوتی تو وہ آپس میں خونریزی نہ کرتے ۹۷۳
۳۲ ع ۵ ۱ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۲۵۳ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو ارادہ کرلیتا ہے ۹۷۴ اے ایمان والو جو
اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو ۹۷۵ قبل اس کے کہ وہ

منزل

۹۶۴ (مراتب قرب ومنزلت میں) فضل کے لفظی معنیٰ بزرگی کے ہیں۔ یعنی ایسی صفت جس سے انسان دنیا میں مدح وثنا کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر سے سرفراز۔ فضلنا میں ضمیر متکلم کالحاظ رہے۔ تفضیل یا باہمی نضیلت وافضلیت جو کچھ ہے محض عنداللہ ہے۔ خالق کے ہاں درجات ومراتب قرب کے لحاظ سے ہے خلق کے لئے بحیثیت مطاع سب یکساں ہیں۔ عام خلقت کے لئے رسول سب برابر ہیں۔ اطاعت وتعظیم سب کی یکساں واجب ہے۔ اور اسی معنیٰ میں قرآن مجید کی دوسری آیت اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں آرہی ہے۔ لانفرق بین احد من رسلہ۔ لیس مقام التفضیل الیکم انما ھو الی اللہ عزوجل وعلیکم الانقیاد والتسلیم لہ والایمان بہ (ابن کثیر) تِلْكَ الرُّسُلُ ۔ مُراد وہی مُرسلین ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے۔ الرسل کے اعراب رفعی کی بنا پر ترکیب کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ تلک الجماعۃ الرسل (کبیر) اہل لطائف نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء کے نائبین یعنی اولیاء کاملین کے بھی فرق مدارج کے باب میں عوام کو بحث وگفتگو جائز نہیں۔ ان کا تقابل وتفاضل عوام کے منصب سے باہر ہے۔ ہاں بجائے خود ان کے مقامات واحوال، واقعات وفضائل ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں جیسا کہ یہاں بھی آگے ہو رہا ہے۔ ۹۶۵ (براہِ راست اور بلا توسط ملائکہ) جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ایک معنیٰ میں تو جس نبی پر بھی وحی آئی، اللہ کا مکالمہ اس سے ہو ہی گیا۔ اتفقوا علیٰ ان موسیٰ علیہ السلام مراد بقولہ تعالیٰ (کبیر) وھو موسیٰ علیہ السلام (مدارک) ۹۶۶ (بہت زیادہ) اشارہ ہے جامع کمالات وخاتم نبوت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ المراد ببعضھم ھنا النبی صلعم (ر،ح) وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو قول مجاھد (بحر) والظاھر انہ اراد محمدا صلعم (کشاف) زمخشری نے یہاں یہ نکتۂ ادب وبلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت وتعیین میں کوئی دقت ہی نہ ہو وہاں کنایہ وابہام صراحت وتفصیل سے بڑھ کر بلیغ ومؤثر ہوتا ہے۔ ۹۶۷ کہ وہ بھی اُنہی پیغمبران برحق میں سے تھے۔ ابن مریم یعنی مریم نامی ایک خاتون کے فرزند نہ کہ خدا زادہ یا ابن اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باایں شرف ومرتبہ بہرحال ایک انسانی شکل وصورت اور بشری گوشت پوست رکھنے والی عورت ہی کی اولاد تھے نہ خدا تھے نہ خدا زادے، الوہیت کا کوئی سا بھی جزو اُن میں نہ تھا انہیں خدا کا بیٹا ٹھہرا لینا نری جہالت تھی۔ اور اس کی وضاحت کے لئے ضرورت تھی انہیں صراحت کے ساتھ ابن مریم کہنے کی کہ محض اس نشان دہی اور پتہ ہی سے نصرانیت پر ضرب لگ جائے۔ ورنہ نام تو اور بھی پیمبروں کے لئے گئے ہیں کہیں ابن فلاں کر کے تعارف نہیں کرایا گیا ہے! نہ ابن داؤد نہ ابن ابراہیم۔ نہ ابن اسحٰق نہ ابن یعقوب نہ ابن زکریا نہ ابن عمران۔ اس طرح کا تعارف صرف ابن مریم ہی کے لئے مخصوص ہے کہ انہیں کے لئے ابن اللّٰہیت کی تردید کی ضرورت تھی۔ ۹۶۸ (ان کی حقانیت اور پیمبری کے) یہاں یہ فرمایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول برحق اور مؤید من اللہ تھے۔ نہ کہ نعوذ باللہ کوئی مفتری یا کذاب جس طرح نصاریٰ نے غلو وافراط سے کام لے کر آپ کو حد عبدیت وعبودیت میں سے باہر نکال رکھا تھا۔ اسی طرح یہود نے تفریط وعناد کو کام میں لا کر آپ کو سرے سے ایک بازیگر اور شعبدہ باز قرار دے لیا تھا۔ قرآن مجید ابھی ابھی نصرانی شرک کی تردید کر چکا ہے اب یہودی دجل کی تردید کر رہا ہے۔ الْبَيِّنٰتِ ۔ بینات کے تحت میں وہ تمام کھلی ہوئی چیزیں شامل ہیں جنہیں دیکھ کر ہر عقل سلیم والا منصف مزاج نبوت عیسوی کا قائل ہو جائے۔ کلھا یدل علیٰ نبوتہ (روح) ۹۶۹ کہ وہ قدم قدم پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ رُوْحِ الْقُدُسِ ۔ قرآن مجید اور اسلام کی اصطلاح میں اس سے مُراد فرشتۂ اعظم حضرت جبریلؑ ہیں۔ نصرانی تثلیث کے اقنوم ثانی سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ جبریلؑ ملکوتی مخلوق ہیں اور بہت مقرب لیکن بہرحال مخلوق ہی ہیں۔ الوہیت کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اَيَّدْنٰهُ ۔ ان کی تائید ہم نے کی جو ہر طرح قادر مطلق ہیں۔ یہ تائید خود بخود نہیں ہو گئی۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ عیسیٰ مسیحؑ باایں کمالات وفضائل بہرحال انسان ہی تھے اور وہ انسانوں کی طرح دفع ضرر اور حصول نفع دونوں کے محتاج۔ قدرت کاملہ نے ان کی محافظت وتقویت ورفاقت کے لئے ایک دوسری مخلوق، لطیف وغیر مرئی جنس کی مقرر کر دی۔ ۹۷۰ الْبَيِّنٰتِ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ بینات کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے عقلی وحسی دونوں قسم کے روشن شواہد یعنی ایک طرف دلائل وبراہین اور دوسری طرف خوارق ومعجزات سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ ۔ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے مشیت الٰہی کا اقتضا یہی ہوتا۔ مِنْ بَعْدِهِمْ غیر پیمبروں کی طرف سے یعنی ان پیمبروں کے ظہور کے بعد مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۔ یہ باہم خونریزی کرنے والے کون لوگ تھے؟ یقیناً پیمبروں کے منکرین اور انکار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظاہری اور صوری تو اقرار ہو اور حقیقی ومعنوی انکار ہی ہو جیسے یہود ونصاریٰ اہل کتاب کا ظاہر میں اقرار اور معنوی انکار۔ دوسرے یہ کہ انکار صورۃً ومعنیً دونوں طرح پر ہو، جیسے مشرکین کا انکار توحید ورسالت میں۔ ۹۷۱ گویا بینات کا تقاضائے طبعی تو یہی تھا کہ ایمان سب کے سب لے آتے لیکن ایک گروہ نے کج روی اور کج رائی سے کام لیا، اور یہ لوگ منکر ہی رہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ چونکہ مشیت الٰہی سب کو اضطراراً ایک ہی دین پر جمع کرنے کی نہ ہوئی۔ اور حکمت کاملہ نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھنا چاہا۔ اس لئے خلقت کا باہم مختلف ہونا بھی ناگزیر رہا۔ ۹۷۲ (تو جب یہ اختلاف دینی شروع سے اور انبیاء سابقین کے وقت سے چلا آرہا ہے تو آپ ایسے پیمبر اپنے زمانہ کے کافروں پر بہت زیادہ رنج وغم نہ کریں۔ اور اپنے کو اس فکر ومشقت میں نہ ڈالیں کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں) منھم من اٰمن ۔ سو جو لوگ ایمان لے آئے وہ تو نجات پا گئے۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۔ جو لوگ کفر پر قائم رہے وہ سزائے ابدی کے مستحق قرار پائے۔ من اٰمن اور من کفر دونوں کے صیغوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان اور کفر بندہ کی اپنی اختیاری چیزیں ہیں، خالق کی طرف سے جبر کسی صورت میں نہیں۔ ۹۷۳ یعنی اگر سب کی خلقت ہی یکساں رکھ دی گئی ہوتی، اور کفر وگمراہی کی آزادی ہی سلب کر لی گئی ہوتی جب البتہ نہ اختلاف ہوتا اور نہ نوبت قتل وقتال کی پہنچتی ۹۷۴ اللّٰهَ يَفْعَلُ ۔ اللہ وہی کرتا ہے بمقتضائے قدرت کاملہ مَا يُرِيْدُ ۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے بمقتضائے حکمت بالغہ۔ یعنی نہ اس کی قدرت وقوت فاعلہ پر کوئی قیدیں اور حد بندیاں عائد ہیں اور نہ اس کی تجویز دل، ارادوں میں کسی غلطی یا سہو وخطا کا امکان ہے۔ ارسطو جیسے مشہور فلسفی نے خدا کی قدرت وقوت کو محدود مانا ہے۔ اور سہو وخطا کا امکان تو مشرکوں نے اپنے خداؤں میں کثرت سے تسلیم کیا ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ چھوٹی بڑی اچھی بُری کوئی سی شے بھی ہو، بہرحال مشیت الٰہی سے باہر نہیں۔ وفی الاٰیۃ دلیل علیٰ ان الحوادث تابعۃ لمشیۃ اللہ تعالیٰ خیرًا کانت او شرًا ایمانًا او کفرًا (روح) ۹۷۵ (اللہ کی راہ میں بمصارف خیر میں) رَزَقْنٰكُمْ ۔ ضمیر متکلم لا کر اور رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے صاف بتا دیا کہ مالی دولت جو کچھ بھی بندوں کے پاس ہے خود بخود نہیں خُدا ہی کا بخشا ہوا عطیہ ہے اسی کی دین ہے اور اسی کو حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہے ان کے صرف کرنے کا حکم دے دے۔

(۴)

کھانا کھانے میں آپ کو لُطف کس وقت آتا ہے؟ اُس وقت جب کہ بھوک کھُل کر لگی ہو، یعنی کچھ دیر پیشتر سے کھانا نہ کھایا ہو۔ پانی کے گلاس میں مزہ کس وقت ملتا ہے؟ اُس وقت جب کہ پیاس لگی ہوئی ہو، اور پانی پینے کی طلب بے قرار کر رہی ہو۔ نیند سُکھ سے کس وقت آتی ہے؟ اُس وقت جبکہ کچھ گھنٹے قبل سے آپ برابر جاگ رہے ہوں۔ ان ساری مثالوں میں آپ کو روزمرہ، ہر وقت اور ہر جگہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ مادی لذتوں سے بھی پُوری طرح لُطف اٹھانے کے لئے کسی قدر ضبط، صبر و احتیاط لازمی ہے۔ یہی آپ کا مشاہدہ ہے، یہی آپ کا تجربہ ہے، اور اسی پر آپ کا عمل ہے۔ یہ آپ کبھی نہیں کرتے، کہ مسلسل چوبیسوں گھنٹے منہ میں نوالے چباتے رہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کرتا کہ ہر منٹ لگاتار پانی کے گھونٹ اُتارتا رہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھا، کہ دن اور رات، صبح اور شام، ہر وقت برابر پڑا سوتا ہی رہے۔

«روشن خیالی»، جب ایک قدم آگے بڑھاتی ہے، تو تعطیل اور چھٹی کو بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنا دیتی ہے۔ اسکولوں کے کمرے، کالجوں کے ہال، عدالتِ عالیہ کے ایوان، ہفتوں سے بند چلے آ رہے ہیں، اس لئے کہ موسمِ گرما کی تعطیلِ کلاں، کا زمانہ ہے! کچہریاں اور دفتر بند ہیں، اس لئے کہ آج بڑا دن ہے۔ ڈاک خانہ اور تار گھر، بینک اور خزانے بند ہیں، اس لئے کہ آج اتوار ہے! یہ سب اس لئے ہے کہ دماغ کو آرام ملتا ہے، اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طور پر انجام پاتا ہے، آپ اپنے اس نظام اور اس انتظام پر شرماتے نہیں، فخر کرتے ہیں۔ اور آپ کی عقلیت و روشن خیالی کا یہ ایک مسلّمہ ہے، کہ کام میں زیادہ مستعدی اور بہتر کارگزاری Efficiency کے لئے جسم اور اعضائے جسم کو آرام دیتے رہنا لازمی ہے! یہ نہیں کہتے کہ اس سے کام میں خواہ مخواہ ہرج اور نقصان ہوتا ہے۔

لیکن جب مذہب آپ سے کہتا ہے، کہ سال کے ایک خاص زمانہ میں چند گھنٹوں کے ایک محدود وقت کے لئے معدہ کو آرام دیتے رہو، بھوک اور پیاس کو ضبط کرتے رہو، تو معاً آپ کی عقلیت و روشن خیالی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ، نظریات و عملیات، سب کو پس پُشت ڈال دیتے ہیں رمضان کی آمد کو اپنے لئے ایک قہر و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اگر زبان سے نہیں تو کم از کم دل میں تو یہ ضرور کہنے لگ جاتے ہیں کہ روزہ کی یہ قیدیں کیسی سخت ہیں۔ اور آپ کے کمزور قویٰ ہرگز اتنی بڑی محنت کو نہیں برداشت کر سکتے! بیشک اگر آپ ہزاروں روپیہ کمانے اور اُڑانے والے بیرسٹر ہیں، اگر آپ اپنی «سرکار ابد قرار» کے بنائے ہوئے جج یا کلکٹر ہیں، اگر آپ صُوبہ یا ملک کی کونسل کے ممبر ہیں، اگر آپ لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کی پارٹیوں میں شریک ہونے والوں میں ہیں، اگر آپ کے پاس سواری کے لئے موٹریں، اور رہنے کے لئے اونچی اونچی کوٹھیاں موجود ہیں، تو آپ کی محرومی اور حرماں نصیبی نے، اجرِ روحانی و راحتِ سرمدی کی طرح، روزمرہ کی مادی لذتوں اور جسمانی فائدوں کا بھی دروازہ آپ پر بند کر رکھا ہے، اور آپ کی اس بے مائیگی پر جنّ و بشر، حور و ملائک جتنا بھی ترس کھائیں کم ہے لیکن اگر آپ اپنی خوش بختی سے کوئی غریب کاشتکار ہیں، کوئی مفلس مزدور ہیں، کوئی کم حیثیت خدمتگار ہیں، بھاری بھاری بوجھ کی گٹھریاں اور گٹھے اپنے سر پر لادنے والے ہیں، دھوپ میں چل چل کر اور بھُن بھُن کر کام کرنے والے ہیں، تو انشاءاللہ آج آپ اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل میں رمضان مبارک کے بارانِ رحمت سے سیراب ہو رہے ہونگے بالیقین کیجیے کہ آج آپکے مرتبہ پر زمین پر بسنے والے نہیں، آسمان پر اُڑنے والے، فضائے قدس میں سانس لینے والے، حریمِ عرش کے پایہ تھامنے والے رشک کر رہے ہیں! ممکن ہے کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاءاللہ حقیقت ہو کر رہے گی، اور اُن بے خبروں کو بھی خبردار کر کے رہے گی، جو آج روزہ داری کے طبّی فوائد اور مادی لذتوں سے بھی محرومی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ (منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۲، مارچ ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۵)

نیند پُورے سُکھ کے ساتھ کس کو آتی ہے؟ اُس کاہل کو جو رات دن بستر پر پڑا رہتا ہے، یا اُس محنتی کو جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد تھک کر اپنے دماغ و جسم کو چند گھنٹوں کے لئے آرام دینے کو لیٹتا ہے؟ کھانے میں اصلی مزہ کس کو ملتا ہے؟ اُس امیر کو جو سارے دن اپنے ذائقہ کی خاطرداریوں میں لگا رہتا ہے، اور طرح طرح کی بدپرہیزیاں کرتا رہتا ہے یا اُس غریب کو جو محنت و مشقت کے بعد دن میں ایک یا دو بار سادہ اور معمولی کھانا کھاتا ہے؟ سو کر اُٹھنے کے بعد فرحت اور چاقی کس کو حاصل ہوتی ہے؟ اُس کو جو ساری رات پریشان اور ہولناک خواب دیکھتا رہتا ہے، یا وہ جو شروع سے آخر تک میٹھی نیند لیتا رہتا ہے؟ پس اگر کسی کو نیند پُورے سکھ کے ساتھ نہیں آتی، کھانے میں پُورا مزہ نہیں ملتا، یا سو کر اُٹھنے کے بعد طبیعت سے کسل پُوری طرح دُور نہیں ہوتا، تو اُس کی ذمہ داری اور تنہا ذمہ داری، اُسی کی بے احتیاطیوں، بدپرہیزیوں، اور بے اعتدالیوں پر آتی ہے۔

روزہ جسم و رُوح دونوں کے ایک خاص ضبط و انضباط، تزکیہ و تنقیہ، پرہیز و احتیاط کا نام ہے، اس کے تمام ہونے پر انتہائی لُطف و راحت، لذّت و فرحت محسوس ہونی چاہیے۔ اگر آپ اس میں کمی محسوس کرتے ہیں تو یقیناً یہ آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزہ کی کچھ شرطیں آپ توڑ چکے ہیں، اور اس کے جو آداب نگاہ رکھنے کے تھے وہ آپنے نہیں رکھے جسم و دماغ کو اگر آپ دن بھر صحیح طور پر کام میں لگائے ہوئے ہیں، تو شب کو نیند کی حالت میں بھی سُکھ ملے گا اور نیند پُوری کرنے کے بعد بھی فرحت حاصل ہوگی، ٹھیک اسی طرح اگر جسم و رُوح کو آپ ٹھیک طور پر دن بھر مشغول رکھے ہوئے ہیں، اگر آپ وہی کرتے رہے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہئے تو آپ کا دن اور آپ کی رات، آپ کی صبح اور آپ کی دوپہر، آپ کا سہ پہر اور آپ کی شام، غرض آپکے وقت کی ہر گھڑی، آپ کے دل کی کلی کو کھلی رکھے گی۔ افسردگی اور اُداسی آپکے لئے بے مفہوم ہوگی اور سرور و نشاط کی ہوائیں آپکی رُوح کو تر و تازہ رکھینگی۔

روزہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے پیدا کرنے والے آپ کے سامانِ زندگی کے مہیا کرنے والے اور آپ کی موت و زندگی، بیماری و تندرستی ہر چیز پر قدرت رکھنے والے کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ سارے دن آپ اپنے تئیں اپنی آنکھ اور کان، اپنے منہ اور زبان، اپنے دل اور اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور پیر، اپنے جسم اور جان، غرض اپنے سارے وجود کو ہر ٹیڑھی راہ سے روکے رہیں گے، ہر کجی اور کج رَوی سے باز رکھیں گے اور صرف اُسی کے لئے وقف رکھینگے جو اُس کا اصل کام اُس کی سیدھی راہ اُس کا فطری حق اور اُس کی سچی غایت ہے۔ زبان اگر کھُلے گی تو صرف کلمۂ حق پر، کان اگر سنیں گے تو صرف سچی آواز، آنکھ اگر دیکھے گی تو صرف امرِ حق کو، دل اگر سوچے گا تو صرف سچائیوں کو، ہاتھ اور پیر اگر حرکت کریں گے تو صرف سچائی کی راہ میں۔ مادی زندگی کے سب سے بڑے اور طاقتور مظہر، سُورج کے ڈوب جانے پر جب آپ اُس ذات کے شکر کے ساتھ جس نے آپ کو یہ توفیق دی، اپنا جائزہ لیں اور اپنی اس نذر کی ہر شرط کو پوری طرح ادا کیا ہوا پائیں تو ——— دنیا کے کس لفظ اور کس عبارت میں اس کیفیت کو ادا کرنے کی قدرت ہے! رضائے الٰہی آپ میں اور آپ رضائے الٰہی میں جذب ہو گئے! راحت و لذت، لُطف و مسرت، سرور و نشاط، شادی و انبساط، یہ سارے لفظ اس بڑی فرحت (افطار) کی کیفیت کو ادا کرنے کے لئے ناکافی ہیں جو اُس سب سے بڑی فرحت (دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے، جس سے مُوسیٰ کلیم اللہؑ جیسے برگزیدہ پیمبر، باوجود شوق و تمنا، اس دنیا میں محروم رہے! (سچ لکھنؤ۔ ۱۴، مارچ ۱۹۲۶ء)

ضمیمہ

روزہ

(متعلق حاشیہ ۱۳۳ سورۃ البقرۃ)

آپ کو معلوم ہے کہ اطبائے یونانی کتنے متعدد امراض میں فاقہ کو مفید بتاتے ہیں؟ آپ کو خبر ہے کہ ڈاکٹروں کے اصول سے اب فاقہ کتنے امراض کا علاج ثابت ہو چکا ہے؟ آپ واقف ہیں کہ ہر طریقۂ علاج کے ماہرینِ فن نے کتنی شدید اور مہلک بیماریوں کا علاج اپنے تجربہ میں فاقہ ہی کو پایا ہے؟ خود آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے؟ آپ کو جب کبھی بیماری میں طبیب یا ڈاکٹر فاقہ کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ کیسی خاموشی کے ساتھ بے چون و چرا اور بغیر بحث و مناظرہ اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور اُس کی ہدایتوں کے مطابق کھانے اور پینے کی لذتوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں! لیکن جب اس سے کم تکلیف اور اس سے ہزاروں گنی زاید راحتوں اور نعمتوں کے وعدہ کے ساتھ اس قسم کی احتیاط خورونوش کا حکم، آپ کو سب سے بڑے حکیم کے مطب سے ملتا ہے، تو یہ کیا ہے کہ آپ اس خوش دلی کے ساتھ اُس کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہو جاتے بلکہ طرح طرح کی تاویلوں سے جن سے اکثر خود آپ کا دل بھی مطمئن نہیں ہوتا اُسے ٹال جانا چاہتے ہیں!

آپ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں اور ماہِ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں محسوس ہوتا۔ غصہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ ہی گیا ہے۔ دوسروں کے عیب چینی میں اب بھی آپ کو ویسا ہی مزہ آ رہا ہے نفسانی خواہشوں اور لڑنے جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ دن میں بے شبہہ آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے، سونے اور بیکاری میں گزارتے ہیں، یا پھر سحری، طعامِ شب اور افطار پارٹیوں کے اہتمام و انتظام میں! وہ وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ، سال میں گیارہ مہینے بالکل نامانوس رہتا ہے، آپ صرف اسی ماہ صبر و تقویٰ کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں، اور وقت اور روپے کا اچھا خاصا حصہ اسی ماہِ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے رہتے ہیں! کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں؟ کیا اسی کا نام آپکے خیال میں ماہِ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دُودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے، مگر اُس میں کچھ مکھیاں بھی پیس کر ملا دیتا ہے، آپ ایسے شخص کی صحت دماغی کی بابت کیا رائے قائم کریں گے؟ ایک شخص لذیذ سے لذیذ اور بہتر سے بہتر کھانا خوان میں لگا کر لاتا ہے لیکن اُس میں ایک جزو غلاظت کا بھی ملا دیتا ہے، آپ اس بدنصیب کی عقل و فہم پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ یقین فرمایئے کہ اس سے کہیں زائد موجبِ تاسف و مستحقِ ماتم اُس بے عقل و بدنصیب کی حالت ہے جو روزہ رکھ کر بھی غصہ کر کرکے عیب چینی میں مصروف رہ رہ کے نفسانی خواہشوں کے منصوبوں میں مبتلا رہ رہ کے روزہ کی نعمتوں اور راحتوں، لذتوں اور فرحتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے! اور جو حرماں نصیب سرے سے روزہ ہی کو ترک کئے ہوئے ہیں، اُن بیچاروں کو تو بس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور نیک ہدایت کی توفیق نصیب کرے!

(سچ۔ لکھنؤ ۱۲، مارچ ۱۹۲۶ء)

تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں، بلکہ مقصود صرف تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے۔ تمہارے ہی کمالات کی نشو و نما، اور تمہاری ہی ترقی ہے۔ تمہی میں ضبطِ نفس پیدا کرنا ہے۔ تمہی کو خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دینا ہے تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو ابھارنا، اور تمہیں حیوانیت کے غار سے نکال کے ملکوتیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آجاتی ہے، اسی کو توڑنا منظور ہے۔ تمہاری ہی راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنی مدِ نظر ہے، اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں، یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے۔ لعلکم تتقون۔ اور پھر یہ آزمائش بھی دائمی نہیں، تمہاری ساری عمر کے لئے نہیں کسی بڑی طویل مدت کے لئے نہیں بلکہ صرف گنتی کے چند روز یعنی گیارہ مہینہ کے بعد، رمضان کا ایک مہینہ۔[2] ایاماً معدودات

پھر ان عاشقین صادقین اور مومنین مخلصین میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو باوجود اپنے صدق و خلوص کے، اپنی جسمانی کمزوری یا پردیس میں ہونے کی بنا پر آسانی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکیں گے، ان کے لئے یہ آزمائش زیادہ سخت ہوگی۔ ایسے معذوروں کے لئے اس کی اجازت ہے کہ انہیں جب اطمینان و فراغت نصیب ہو، تو اس ماہِ مبارک کے چھوٹے ہوئے روزوں کو پورا کر لیں۔ بلبلِ بہار اگر اپنے جذبۂ دل میں صادق ہے، تو اس کے لئے سال کا ہر موسم موسمِ گل کا حکم رکھتا ہے۔ فمن کان منکم مریضاً او علٰی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ بعض بیچارے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو بسبب اپنی جسمانی کمزوری یا کسی اور مجبوری کے، ماہِ مبارک کے بعد بھی، روزہ رکھنے میں سخت مشقت محسوس کرتے ہیں۔[3] ایسوں کے لئے یہ رعایت ہے کہ وہ اپنی معذوری کے کفارہ کے طور پر کسی صاحبِ احتیاج کو پوری طرح کھانا کھلا دیا کریں۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ اس رخصت و اجازت کے باوجود بھی اگر کوئی شخص محنت و مشقت گوارا کر کے اس بڑی نیکی یعنی روزہ کو اختیار کرتا ہے، یا ایک مسکین سے زائد کو کھلاتا پلاتا ہے، تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ ایسی نیکی جو فرض نہ رہی ہو، اگر اختیار کی جائے تو اس کے افضل و برتر ہونے میں کیا شبہ۔ فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ۔ یہ ایک عام اصول بتایا گیا۔ باقی اگر روزہ کی حقیقت پر نظر ہو جائے، روزے سے جو باطنی ترقیاں مقصود ہیں، اگر ان کا علم ہو جائے تو کون ایسا ہے جو روزہ کی جانب بشوق و رغبت نہ دوڑے۔

یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں، کہ اس میں انسان، صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے، بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے، کہ اسی ماہ میں اول اول، دنیا کے لئے بہترین، کامل ترین، و جامع ترین ہدایت نامہ اتارا گیا۔ اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدرِ کامل سے پُرانوار بنایا گیا، اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار[4] نغمۂ ازل کی سریلی آواز، بیہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار، پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت، عالمِ تصور میں بھی موجود نہیں۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ھدًی للناس وبینٰتٍ من الھدٰی والفرقان۔ قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا تو کس طرح وہ اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہو جاتا، اور اس مبارک گھڑی کو کس قدر عزیز رکھتا! حسنِ ازل کے شیدائی بھی، نامۂ یار کے ورود کے زمانہ کو کیونکر بھول سکتے ہیں۔ جب جب یہ زمانہ آئے گا، اس کی یاد میں بیتاب ہو جائیں گے، اور اس پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک پیاس تک کو بھول جائیں گے۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔

موسمِ بہار کی فرحتیں، طراوتیں اور نشاط انگیزیاں، بڑے سے بڑے افسردہ دلوں تک میں امنگ پیدا ہی کر دیتی ہیں اور گل و گلزار کی سیر سے کوئی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ماہِ مبارک کی برکتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا ذکر سن کر بڑے سے بڑے بدہمت اور افسردہ دل کی رگوں میں جوش پیدا ہو جانا، اور بڑے سے بڑے فرزانہ و دوراندیش میں شورش و شوریدگی کا ابھر آنا قدرتی ہے۔ حالانکہ یہ آزمائش صرف ان کے لئے ہے جو اس کی جسمانی قوت بھی رکھتے ہیں، معذوروں پر خواہ مخواہ بارِ مشقت ڈالنا ہرگز مقصود نہیں۔ ان کے جذبۂ شوق کو تسکین دینے کے لئے ایک بار پھر اس ارشاد کی ضرورت ہوئی، کہ معذوروں کو ان دنوں کی گنتی بعد میں پوری کر لینی چاہئے، کہ مقصد آسانی راہ ہے، نہ کہ تنگی۔ اللہ کی بڑائی کرنے، اور اس کا شکر ادا کرنے کا مقصد بعد کو بھی گنتی کے دن پورے کر لینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ومن کان مریضاً او علٰی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علٰی ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون۔

یہ پُربہار موسم جب کسی کے شوق و ارمان میں گزرے گا، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک پیاس کے صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹیں گی، تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی، اور نفس میں پاکیزگی پیدا نہ ہو جائے۔ حیوانیت دور ہوگی، ملکوتیت نزدیک آئے گی اور انسان خود اپنی ایک جدید زندگی محسوس کرے گا، ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے، کہ سوزِ دل اور تیز ہو جائے، قرب و وصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ و مجاہدہ کے اثر سے، زنگ دور ہو کر کسی کا عکس قبول کرنے کے لئے آئینۂ قلب بے قرار و مضطر ہونے لگے۔ ٹھیک یہی گھڑی، ذوقِ طلب اور ذوقِ عطا، سوال اور اجابت، دعا اور مقبولیت، حاجتمندی اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی و بندہ پروری کے درمیان ناز و نیاز کی ہوتی ہے، اس لئے قدرۃً اس منزل پر پہنچتے ہی، حجلۂ غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے، کہ اے ہمارے پیام پہنچانے والے، ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے، اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں، تو ان کو بتا دو کہ ہم ان سے کچھ دور نہیں ہم تو ان سے بہت ہی قریب ہیں۔ ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم فوراً ان کی پکار کو سنیں گے۔ وہ صرف ہم سے اپنی لو لگائے رہیں، اور ہم پر بھروسہ رکھیں، اس سے وہ سیدھی راہ پا کر، اور منزلِ مقصود تک پہنچ کر رہیں گے۔ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون۔

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۳، اپریل ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبد الماجد)

(۳)

دو شخص ہیں۔ ایک وہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے، دوسرا وہ جو ان پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے، دوسرا وہ جو اسے اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند، اپنی حرص، اپنے غصہ، کسی شے پر قابو نہیں رکھتا، دوسرا وہ جو ان میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ ایسے دو شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے؟ یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر و پسندیدہ ہے، تو پھر یہ کیا ہے کہ ماہِ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق، مسرت و خندہ جبینی کے ساتھ نہیں بڑھتے؟

حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ دائم الصوم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ نے اپنی عمر کے سالہا سال روزہ رکھ کر گزارے، حضرت جنید بغدادیؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ مجھے جو کچھ ملا، سب بھوک اور گرسنگی ہی کی طفیل میں ملا۔ حضرت مولانائے رومؒ کا عمل خود انہی کی اس تعلیم پر تھا، کہ منزلِ حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں، سب بھوک اور پیاس سے۔ ہر سلسلے کے جتنے مقدس بزرگ اور مستند صوفی گزرے ہیں، سب کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی، مگر پھر یہ کیوں ہے، کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے، اور باوجود ان کے ماننے کے، اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا، اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاقِ الٰہی کے ساتھ کس درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر و ضبط، قوت و اختیار، حلم و تحمل، عفو و درگزر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں، یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود کی؟ خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرمانروا کی؟ پھر یہ کیونکر ہے، کہ جو شے کچھ ہی دیر کے لئے سہی، آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو، جو شے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو، جو شے آئینہ میں جلا پیدا کر کے اسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو، آپ اس نعمتِ عظمیٰ کی جانب لپکنے میں تامل کر رہے ہیں؟

حدیثِ قدسی کے الفاظ یاد کیجئے، الصوم لی وانا اجزی بہ "روزہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر خود میں ہوں"۔ حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں، جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں"۔ یہ کون، کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں، بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندہ سے! کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں، مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی، کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و بے پروائی کے نذر کر دیا جائے۔!

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۲۶، مارچ ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبد الماجد)

---

[2] واولیٰ ذالک بالصواب عندی قول من قال عنی اللہ جل ثناءہ بقولہ ایاماً معدودات، ایام شہر رمضان (ابن جریر) والمراد بھا رمضان (بیضاوی) المراد بھذہ الایام المعدودات شھر رمضان (ابو مسلم)

[3] عن عبد اللہ قال یقول وعلی الذین یطیقونہ ای یتجشمونہ (ابن کثیر) وقرأ ابن عباسؓ یطوقونہ بمعنی الطاقۃ والقلادۃ ای یکلفونہ او یتکلفونہ علی جھد منہ وعسر وھم الشیوخ والعجائز (زمخشری) یصومونہ جھدھم وطاقتھم ومبلغ وسعھم (زمخشری) وھو الرخصۃ لمن یتعبہ الصوم ویجھدہ وھم الشیوخ والعجائز فی الافطار والفدیۃ (بیضاوی) من صام بالکلفۃ والمشقۃ فعلیہ فدیۃ طعام مسکین (گازرونی)

[4] ای ابتدیٰ فیہ انزالہ (بیضاوی) ابتدیٰ فیہ انزالہ (زمخشری) ابتدیٰ فیہ انزالہ (روح المعانی) یکون ابتداء نزول القراٰن علیٰ محمد صلعم فی شھر رمضان وھو قول ابن اسحاق وابی سلیمان الدمشقی (خازن) اولت الاٰیۃ بان المراد انہ ابتدیٰ فیہ انزالہ ھذا قول محمد بن اسحاق (نیشاپوری)

ضمیمہ پارہ ۲

متعلق آیت ۱۸۳ حاشیہ ۶۵۱

(۱)

کھانا انسان کی زندگی قائم رکھنے کے لئے ہے، یا انسان کی زندگی اس لئے ہے، کہ اُسے کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے؟ موجودہ مادی دنیا نے شقِ دوم کو اختیار کیا ہے، اور اس کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مذہب نے شقِ اوّل کو اختیار کیا ہے، اور اپنے پیروؤں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے۔

اسلام دینِ فطرت کا دوسرا نام ہے۔ اس میں کوئی شے فطرتِ انسان و فطرتِ کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی۔ وہ ایک طرف اپنے پیروؤں کو جائز لذتوں سے لُطف اُٹھانے کی بار بار دعوت دیتا ہے اور دُوسری طرف قدم قدم پر لاتُسْرِفُوْا! دائرۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو کی بھی تاکید کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جُھک پڑنے کا نام فسق ہے، اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہِ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ فسق و رہبانیت، دونوں سے بچ کر ان کی درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں، تو رہبانیت کے دُھرّے پر پڑ جاتے ہیں۔ عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے نفسِ انسانی میں لذتوں پر جُھک پڑنے کا قدرتی مَیلان موجود ہے۔ انسان اکثر انہی لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتا ہے۔ رُوح کو چاہیئے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے، تاکہ جب جسم سے جُدا ہو جانے کا وقت آئے تو اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کرکے، جو از سرتا پا نور و لطافت ہے، وصل و وصال کا وہ انتہائی لُطف و سرور حاصل کرے، جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنّت ہے لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی اُن مادی لذتوں میں پڑ جاتا ہے، جو اس کی رُوحانی صحت کے حق میں مضر ہیں، تو رفتہ رفتہ اسکی رُوح کثافت اور گندگی میں آلودہ رہنے لگتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے جُدا ہونے کے بعد اُس میں اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کی صلاحیت باقی نہیں رہتی، اور مجبوراً اُسے تنزّل کرکے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے، جو اس سے کوئی بھی طبعی و خلقی مناسبت نہیں رکھتے، اس لئے اسے انتہائی اذیت و تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت و سرُور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین راہبر ہے۔ اس نے چُن چُن کر اپنے نظام و آئین میں وہی باتیں رکھی ہیں، جو رُوح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں، اور گندگی و کثافت میں آلودہ ہونے سے اُسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے محض بھُوکا اور پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کو اپنے تئیں گرسنگی و تشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا، ہرگز روزہ کا مُدعا نہیں۔ روزہ کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لئے تمام اہم لذّاتِ مادی کی طرف سے بے توجہ ہو کر رُوح کو اپنی صفائی و پاکیزگی کی جانب متوجہ ہونے کا موقع دے۔ قرآنِ پاک میں روزہ کی غایت دو لفظوں میں فرما دی ہے۔ لعلکم تتقون (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) 'تقویٰ'، کے معنی 'بچنے' کے ہیں۔ بچنا کس شے سے؟ ہر اُس شے سے جو رُوح کی پروازِ ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو رُوح کے جوہرِ لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو رُوح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ 'تتقون' کے ذریعہ سے ادا کر دیا۔

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جُدا گانہ چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی و سلبی، مثبت و منفی، دو پہلو ہیں۔ نماز کی حیثیت فاعلی ہے یعنی دربارِ خداوندی میں حاضری دو، اپنی رُوح جزئی کا براہِ راست تعلق رُوحِ کُلّی سے پیدا کرو۔ روزہ کی حیثیت انفعالی ہے، یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں، جو رُوح کو اس رفتارِ ترقی کے ناقابل بناتی ہیں۔ طبیبِ حاذق علاج بھی کرتا ہے، اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا اُسی وقت ممکن ہے جب مریض دونوں ہدایتوں پر عمل کرے۔ نماز بمنزلہ دوا ہے، اور روزہ بمنزلہ پرہیز۔ دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

یہیں سے ہے، کہ دُنیا کے کامل ترین انسان کو نماز کے بعد جو عبادت سب سے زیادہ محبُوب تھی، وہ روزہ تھا۔ رسُولِ خدا صلعم اس کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے کہ اہلِ خاندان اور صحابہؓ بعض اوقات دنگ رہ جاتے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ ترین رُوح کو رُوحانی پاکیزگی و صفائی کے نمونے بھی بہترین اور کامل ترین دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا جس جس نے عمل کیا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا، عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا، جھُوٹ بولنا سخت کلامی کرنا، کسی کا دل دُکھانا، کسی کے پیچھے اس کا بُرائی سے ذکر کرنا، مال و دولت کی ہوس کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو رُوح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں، اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں، اس میں تازگی کی بجائے پژمُردگی پیدا کرتی ہیں۔ اور جسم و مادہ کی کثافتوں کو بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے۔ اور روزہ دار کے لئے یہ سب اُمُور ممنوع ہیں۔

انسان اگر اپنی عمر کا بیشتر حصّہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پُوچھنا لیکن کم از کم سال کا بارھواں حصّہ تو اس طرح گزارنا اپنے لئے لازمی سمجھے۔ اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لئے مقرر کرلیں جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت و اجتماع کی بنا پر نفسِ روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں۔ مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں، کسی کو کبھی سہولت ہوگی، کسی کو کبھی۔ اس لئے خود شریعت نے (راحت و سرورِ ابدی کی منزل کے بہترین، ہموارترین و محفوظ ترین راستہ کا نام شریعت ہے) ایک خاص مہینہ کا تعین کر دیا، جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع و سجود، ہماری تکبیر و تسبیح سے بے نیاز ہے، اسی طرح اُسے ہمارے بھُوکے اور پیاسے رہنے، ہمارے روزہ و تراویح، ہماری سحری و افطار کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ یہ تمام اُمور صرف ہمارے نفع و فائدہ کے لئے ہیں۔ ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی اثرات سے مسخ ہو چکی ہیں۔ اس لئے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے لیکن کل جب حجابات دُور ہو جائیں گے، جب آنکھیں کھُل جائینگی، اس وقت اندازہ ہو سکے گا کہ رُوح میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے اور ابدی سرور و دائمی راحت حاصل کرنے کے لئے روزہ کتنا سہل، آسان، مفید، مؤثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھُل جائیں۔

(منقول از "سچ" لکھنؤ ہفتہ وار۔ مورخہ ۳۔ اپریل ۱۹۲۵ء۔ ایڈیٹر عبد الماجد)

(۲)

بہار کا موسم آتے ہی چمنِ دہر میں رُوح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، خشک درخت سبز ہو جاتے ہیں، پھُول کھِلنے لگتے ہیں جسم انسانی کی رگوں میں تازہ خون کی گردش ہونے لگتی ہے، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں، اور چستی و توانائی کا دَور دَورہ شروع ہو جاتا ہے جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پُورا دَورہ گزر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے، اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے مادّہ فاسد کے دفع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح رُوح و جان کی کائنات میں بھی چاند کا ایک پُورا دَورہ گزر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے ماہتاب کو عشق کے سودا زدوں سے مناسبت ہے۔ ظاہر ہے، ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے، تو عشق و محبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی و جنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور سال کے گیارہ مہینے کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں، طبیعت ان کے دفع کرنے کے لئے بیقرار ہو جاتی ہے، اسی لئے رحمتِ کاملہ و محبوبیتِ مطلقہ نے اپنے وفا شعاروں، اپنے سرمستوں کے لئے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کا مقرر کر دیا۔ جس کو اصطلاح میں ماہِ رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو۔ اے اپنے محبُوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو، اگر اپنے دعوی میں سچّے ہو، آؤ، اپنے طریقِ عشق و آئینِ اُلفت میں، ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو، اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو اس بڑی اور حقیقی لذّت کے تصور پر قربان کرتے رہو[1]، کہ یہی نفسانی لذتیں، اس شاہدِ حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔

یہ شرط محض تمہارے ساتھ مخصُوص نہیں، اکیلے تم ہی اس آزمایش میں نہیں ڈالے گئے ہو، بلکہ تمہارے اگلوں میں سے جس جس گروہ نے ہم سے پیمانِ وفا باندھا جس جس جماعت نے راہِ اُلفت میں قدم رکھنے کا دعویٰ کیا، اُن سب کو اپنے دعوے کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے، ان سب کو کچھ ایسی ہی آزمایشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، ہراساں نہ ہو، بہتوں کی آزمایش اسی طرح ہو چکی ہے۔ کما کتب علی الذین من قبلکم۔ اور اس حکم سے غرض تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں

---

[1] "صوم"، کے معنی ہیں، باز رہنے اور رُکنے کے، خواہ کھانے سے ہو یا کلام کرنے سے، یا کسی اور چیز سے جس پر نفس حریص ہو، یا جو طبیعت کو مرغوب ہو۔ الصوم فی الاصل الامساک عن الفعل مطعمًا کان او کلامًا او مشیًا (راغب)۔ الصوم امساک عن طعام او کلام او نحوھما (سجستانی) الصوم فی اللغۃ الامساک عما تنازع الیہ النفس (بیضاوی)

۹۵۲ (بہ نظرِ احوالِ ظاہر) یہ گفتگوئیں آپس میں ہونے لگی۔ دشمن کی کثرتِ تعداد اور اس کی عظمت و سامان پر نظر کر کے اس کی ہیبت دل میں بیٹھ جانا اور اپنی طرف سے مایوس ہو جانا ایک امرِ طبعی تھا۔ اچھے اچھے اہلِ ایمان کی بھی ہمت ایسے موقع پر طبعی طور پر چھوٹ جاتی ہے۔ جوزیفس اسرائیلی کی تاریخ آثارِ یہود میں ہے:۔ "طالوت اور اس کے لشکری یہ سامان دیکھ کر سہم اُٹھے" (باب ۶-۹:۱) خود توریت کی روایت ہے:۔ "جس وقت ساؤل اور سارے اسرائیل نے اس فلسطی کی بات سُنی تو ان کی دلاوری نکل گئی اور وہ نپٹ ڈر گئے" (۱ سموئیل۔ ۱۷:۱۱) جَالُوتَ ۔ فلسطینیوں کے لشکر کا مشہور سردار بڑے تن و توش کا پہلوان تھا۔ گویا انسان کیوں تھا، دیوزاد تھا۔ توریت میں اُس کی جسامت قد و قامت، اُس کی شہزوری، اُس کے اسلحہ اور اُس کی مبارزت کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا قد ۹ فٹ کا تھا، بجز چہرہ کے، سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا، اور اُس کی سپر کا وزن کوئی تین من کا تھا۔ ۹۵۳ (آخرت میں) لشکرِ طالوت میں مومن تو سب ہی تھے، بہتوں پر لشکرِ جالوت کی ہیبت طبعی طور پر طاری ہو گئی۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا ایمان خدا اور آخرت پر بالکل پختہ و غیر متزلزل رہا۔ اُس وقت بھی ان کے ذہن میں یہ عقیدہ مستحضر تھا اور وہ ہنگامی طور پر بھی مرعوب و دہشت زدہ نہ ہُوئے۔ بلکہ بڑے استقلال کے ساتھ بولے۔ يَظُنُّونَ ۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے معنی میں ہے۔ اے یعلمون ویستیقنون (ابن عباسؓ) اے یوقنون بالشہادۃ (مدارک) یحتمل ان یکون الظن بمعنی الایقان اے یوقنون بالبعث والرجوع الی اللہ قالہ السدی (بحر) ۹۵۴ (اس لئے دشمن کی کثرتِ تعداد سے خوف ہی کیا) ان مومنین راسخین نے اس وقت بھی کہا کہ اصل شے تو ایمان کی مضبوطی ہے۔ ایمان سے لبریز اقلیت بارہا اکثریت پر غالب آ چکی ہے۔ باذن اللہ میں اذن، مشیتِ تکوینی کے معنی میں نہیں۔ حکم و توفیقِ الٰہی کے معنی میں ہے۔ اے بحکمہ وتیسیرہ (روح) باذن اللہ کی قید نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اہم ترین شے ذاتی ہمت و شجاعت نہیں، یہی تائیدِ غیبی ہوتی ہے۔ ۹۵۵ (اسلئے اہم و مقدم شے صبر و ثبات اور اعتماد علی اللہ ہے) مع سے اللہ کی معیت جسمانی مراد نہیں، اس کی معیت نصرت و امداد کے ساتھ مراد ہے۔ المراد منہ المعیۃ بالنصر والاحسان (روح) اے بالنصر (مدارک) المراد بہ معیۃ نصرۃ وتوفیقہ (ابوسعود)

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَٰقُوا اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

جنہیں یقین تھا کہ اللہ کے رُوبرو پیش ہو نگے ۹۵۳ بولے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں ۹۵۴ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۹۵۵

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا

اور جب وہ جالوت اور اُس کی فوجوں کے مقابل آئے تو بولے اے ہمارے پروردگار ہمارے اُوپر

صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غالب کر کافر لوگوں پر ۹۵۶

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ

پھر انہوں نے ان کو اللہ کے حکم سے شکست دیدی ۹۵۷ اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا ۹۵۸ اور اللہ

اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ

نے داؤدؑ کو بادشاہت اور دانائی عطا کی، اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا ۹۵۹ اور اگر اللہ بعض

اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ

لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہو جاتا ۹۶۰

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ

لیکن اللہ تو جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے ۹۶۱ یہ اللہ کی آیتیں

اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

ہیں، ہم انہیں آپ کو پڑھ کر سُناتے ہیں ٹھیک ٹھیک ۹۶۲ اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں ۹۶۳

۹۵۶ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے لشکر کے سپاہیوں کو آدابِ جنگ کی تعلیم ہے، کہ بہ خلاف عام دنیوی سپاہیوں کے ان کا تکیہ قوت و شوکت پر نہیں، بلکہ نصرتِ الٰہی پر ہوتا ہے۔ قرآن اور توریت موجودہ کے بیانوں کا مقابلہ کر دیا جائے۔ توریت میں نفسِ جنگ کے خشک و خارجی واقعات کی تفصیل قرآن سے کہیں زائد ہے۔ لیکن وہ بس اسی پر قانع ہے۔ گویا کوئی کتاب تذکرہ و تاریخ کی ہے۔ قرآن مجید اس کے برخلاف ہر موقع پر تعلیم اصُولِ دین اور اخلاقِ عالیہ کی دیتا جاتا ہے۔ اور یہی اس نے یہاں بھی کیا۔ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا یعنی ہمیں ثباتِ قلب کی توفیق دے۔ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا ۔ یعنی ہمیں ثباتِ قدم نصیب کر۔ فَانصُرْنَا ۔ ثباتِ قلب و ثباتِ قدم کے بعد کافروں پر غلبہ تو قدرتی نتیجہ کے طور پر شاید حاصل ہو ہی جاتا لیکن مومنین عارفین کی نظر اپنے سارے انتظامات اور ساری سعی سے کہیں بڑھ کر تائیدِ الٰہی پر رہتی ہے۔ اس لئے صراحت کے ساتھ فتح و غلبہ کی دعا بھی ان کی زبان سے نقل کی گئی ۹۵۷ فَهَزَمُوهُمْ ۔ انہوں نے انہیں، یعنی طالوت کے لشکر نے جالوت والوں کو شکست دیدی۔ اذن ۔ یہاں بھی حکم و توفیق کے معنی میں ہے توریت میں فلسطینیوں کی اس شکستِ فاش کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ "اور فلسطیوں نے جو دیکھا کہ اُن کا پہلوان مارا پڑا تو وہ بھاگ نکلے اور اسرائیل اور یہوداہ کے لوگ اُٹھے اور للکارے، اور فلسطیوں کو وادی تک اور عقران کے پھاٹک کی راہ تک رگیدا" (۱ سموئیل۔ ۱۷:۵۲) ۹۵۸ دَاوُدَ ۔ داؤد بن لیسی بن عوبید (۱۰۲۲ تا ۹۶۲ ق م) ایک پیغمبر برحق ہُوئے ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر ۱۶ مقاموں پر آیا ہے۔ طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ اس وقت تک نہ نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، نہ ملک و سلطنت سے۔ توریت میں یہ واقعہ پُوری تفصیل کے ساتھ درج ہے:۔ "اور ایسا ہُوا کہ جب فلسطی اُٹھا اور آگے بڑھ کر داؤدؑ کے مقابلہ کے لئے نزدیک ہُوا، تو داؤد نے پھُرتی کی۔ اور صفوں کی طرف داؤد سے مقابلہ کرنے دوڑا۔ اور داؤد نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور اُس میں سے ایک پتھر لیا۔ اور فلاخن میں دھر کے فلسطی کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ پتھر اُس کے ماتھے میں غرق ہو گیا۔ اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہُوا۔ اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا" (۱ سموئیل۔ ۱۷:۴۸-۵۰) ۹۵۹ (یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہُوا) آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ۔ یہ بادشاہی خدائی عطیہ تھی، پہلے تو اسی کو قرآن نے صاف کیا۔ یہ فرماں روائی قومِ اسرائیل کو عطا ہُوئی۔ حضرت داؤدؑ نسلِ اسرائیلی کے دُوسرے بادشاہ ہیں۔ تاجدارِ اوّل طالوت تھے۔ آپؑ اُنہی کے داماد تھے۔ طالوت جب مع اپنے بڑے فرزند کے میدانِ جنگ میں کام آگئے تو قبیلہ یہوداہ نے آپؑ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ اور دو سال کی کشمکش کے بعد، باقی قبیلوں نے بھی آپؑ ہی پر اتفاق کر لیا۔ سات سال تک آپ نے اپنا پایۂ تخت حبرون (یعنی الخلیل) کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اُسے دارالسلطنت بنایا۔ آپؑ نے اپنے گرد و پیش کے حکمرانوں کو مسخر و مغلوب کیا۔ اور اپنے حدودِ سلطنت کو خوب وسیع کیا۔ آپؑ کا عہدِ حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحاتِ ملکی اور حسنِ انتظام دونوں کے لئے یادگار ہے۔ الحکمۃ ۔ حکمت سے یہاں مراد نبوت ہے۔ جو حکمت کا بلند ترین مقام ہے۔ حکمت کے عام معنی تمیز و دانائی بھی مُراد ہو سکتے ہیں۔ قیل الحکمۃ العلم والعمل بھا وفسرھا بعضھم بالنبوۃ (بحر) اے النبوۃ (بیضاوی) الحکمۃ بہ وضع الامور مواضعھا علی الصواب والصلاح وکمال ھذا المعنی یحصل بالنبوۃ فلا یبعد ان یکون المراد ھھنا النبوۃ (کبیر) عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۔ علومِ انبیاء کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ مِمَّا يَشَاءُ کے عموم میں وہ تمام علوم، فنون و صنائع آگئے جو حضرت داؤدؑ کو سکھا دیئے گئے تھے۔ مِمَّا میں مِن تبعیضیہ نہیں ابتدائیہ ہے ۹۶۰ (غلبۂ بدی و بدکاری سے) بَعْضَهُمْ ۔ یعنی مفسدوں، نافرمانوں، قانون شکنوں، باغیوں کو۔ بِبَعْضٍ یعنی دُوسرے بندوں کو مشیتِ تکوینی کا آلۂ کار بنا کر۔ یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہُوا کرتے ہیں یہ یوں ہی بلا ضرورت و مصلحت "گردشِ گردوں" سے نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ ہمیشہ با مقصد و پُر حکمت ہی ہُوا کرتے ہیں اور ان سے ظلم و عصیان و طغیان کی اصلاح مدنظر ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالمِ اسباب میں مشیّتِ تکوینی جو کام بھی لیتی ہے بندوں ہی کے واسطہ اور ذریعہ سے لیتی ہے ۹۶۱ (اس لئے وہ اپنے فضل و کرم سے روئے زمین پر اس فسادِ عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ و تسلط کو دُوسروں کے ذریعہ سے ہٹاتا اور مٹاتا رہتا ہے) غرض یہ کہ ہر ایسے انقلابِ حکومت کے عقب میں رحمتِ الٰہی ہی کام کرتی رہتی ہے ۹۶۲ بالحق یعنی بالکل بے کم و کاست، اپنی اصلی حالت میں، اور غرض صحیح کے ساتھ۔ بالیقین الذی لایشك فیہ اھل الکتٰب (مدارک) بالوجہ المطابق الذی لایشك فیہ اھل الکتاب وارباب التواریخ (بیضاوی) اے ملتبسۃ بالیقین الذی لایرتاب فیہ احد من اھل الکتاب وارباب التواریخ (ابوسعود) گویا یہاں یہ ظاہر کر دیا کہ صحیح و مستند بیان صرف قرآن ہی کا ہے۔ دوسری الہامی کتابوں اور مذہبی نوشتوں کی طرح اس کے قصے غلط سلط اور مسخ شدہ ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال خود یہی قصۂ طالوت ہے۔ بائبل والوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے ۹۶۳ (بس آپ اپنے پیغمبرِ برحق ہونے میں اصلا شک نہ کیجئے، ان حقائق کا نزول پیغمبروں ہی پر ہوتا ہے) مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۔ لفظ مرسلین کی معنویت قابلِ غور ہے۔ انبیاء کی حیثیت اسلام میں تمام تر قاصدوں، سفیروں، بھیجے ہوؤں کی ہے۔ اور جو مرسل (بھیجا ہُوا) ہوتا ہے، ظاہر ہے، کسی کی طرف سے، کسی کے پاس ہی بھیجا ہُوا ہوتا ہے۔ یہ مرسلین یا پیامبر، خالق کی طرف سے مخلوق کے پاس ایلچی بن کر آتے ہیں۔ ان کی عظمت و بندگی جو کچھ بھی ہے، اُن کے اسی منصبِ سفارت و پیامبری سے وابستہ ہے۔ یہ خود نہ اوتار ہوتے ہیں نہ دیوتا، نہ خدائی کے مظہر، نہ ان میں خدائی حلول کئے ہوتی ہے۔ معبودیت یا نیم معبودیت کی صلاحیت یہ ذرا سی بھی نہیں رکھتے اللہ اکبر! شرک بلکہ شائبۂ شرک سے بھی بچنے کا قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام ہے۔ اور الفاظ تک کے انتخاب میں وہ اس کا کیسا لحاظ رکھ لیتا ہے۔

عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

بڑا علم والا ہے۹۴۲ اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت کا نشان یہ ہے ۹۴۳ کہ تمہارے پاس

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

وہ صندوق (از خود) آجائیگا جس میں (سامان) تسکین تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے ۹۴۴ اور کچھ بچی ہوئی

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

چیزیں بھی جنہیں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون چھوڑ گئے ہیں ۹۴۵ اس (صندوق) کو فرشتے لے آئینگے ۹۴۶ بیشک

لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٤٨﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ

اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشان ہے ۹۴۷ اگر تم ایمان والے ہو، پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر ۳۲ ع ۲ ۱۶

بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

بڑھے ۹۴۸ تو بولے ۹۴۹ کہ اللہ تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے ۹۵۰ سو جو کوئی اس میں سے پانی

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ

پی لے گا وہ میرا نہیں ہے ۹۵۱ اور جو کوئی اُسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے،

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا

مگر ہاں جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چُلّو بھر لے (اس کا مضائقہ نہیں) لیکن ان (سب) نے اس سے پی

قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ

لیا بجز ان میں سے تھوڑے سے (آدمیوں) کے پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ اس (دریا) سے اُتر گئے

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ

تو وہ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ۹۵۲ اور وہ لوگ

۹۴۱ وَاسِعٌ۔ وہ بڑی ہی وسعت والا ہے۔ جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہی پست کو بلند، اور ہر ادنیٰ کو سرفراز کرسکتا ہے۔ واسع کی تفسیر واسع الفضل والرزق والرحمۃ سے بھی آئی ہے اور موسع سے بھی اور ذو سعۃ سے بھی (کبیر) عَلِيْمٌ۔ اس کا علم محیط و کامل ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری و ملکداری کی صلاحیت موجود ہے ۹۴۲ (یا وہ غیبی تصرف جو تمہارے اطمینان کا کام دے سکے) کچھ عجب نہیں جو بنی اسرائیل نے اپنی قدیم اعجوبہ پرستی کی بنا پر طالوت کے لئے کسی غیبی نشان کا مطالبہ اپنے پیمبر سے کیا ہو، اور وہ اس کے جواب میں بہ ایمائے الٰہی یہ فرمار ہے ہوں ۹۴۳ (درآنحالیکہ تم مدت دراز سے اپنی اس متاع عزیز سے محروم ہو) يَاْتِيَكُمُ۔ یعنی از خود بغیر تمہاری کسی خاص جد و جہد کے آجائے گا۔ التَّابُوْتُ۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی و قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخۂ توریت مع تبرکاتِ انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے، اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔ سفر و حضر جنگ و امن ہر حال میں اُسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی:۔ طول ۲½ فٹ عرض ۱½ فٹ بلندی ۱½ فٹ۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین لے گئے تھے۔ اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بدطالعی سمجھ، اس کی واپسی کے لئے نہایت درجہ بیتاب و مضطرب تھے طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمانؑ (متوفی ۹۳۳ ق، م) تک رہا۔ اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اُسے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکلِ سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی توریت کا نسخہ، اشعار ۹۴۴ یعنی ان دونوں حضرات اور اُن کی مقدس اولاد کے آثار و تبرکات۔ بعض اہلِ طریق نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے احترام کا جو طریقہ چلا آرہا ہے، اس کی اصل اور سند اس قصۂ تابوت سے مل جاتی ہے ۹۴۵ تاریخ کا بیان ہے کہ فلسطینی اس تابوتِ سکینہ کو چھینے کو تو چھین لائے۔ لیکن جس تاریخ سے اُسے لیکر آئے ایک دن بھی چین نہ اُٹھانے پائے۔ ابھی وبا کا زور ہے ابھی کوئی اور مصیبت۔ آخر عاجز آکر یہ طے کیا کہ (نعوذ باللہ) اس نحوست کی پوٹ کو کہیں اور پھینکوا دیا جائے۔ ایک بیل گاڑی پر اسے لاد، گاڑی کو بغیر کسی گاڑیبان کے یوں ہی ہانک دیا۔ بیل سیدھے علاقۂ بنی اسرائیل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور گاڑی صوبۂ یہودا کے شہر بیت شمس میں آکر ٹھہر گئی۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ تکوینی تصرفات جتنے بھی ہوتے رہتے ہیں، سب فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بیلوں کا رُخ خاص اسرائیلی علاقہ کی جانب کر دینا بھی فرشتوں ہی کا کام تھا۔ اور یہی غیبی نشان تھا طالوت کی تائید میں۔ بائبل میں تابوتِ سکینہ کی بازیابی عہدِ طالوت سے بہت پیشتر درج ہوگئی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں یہ تصریح کرکے، حسب معمول، بائبل کے بیان کی تصحیح کر دی ۔۔۔۔۔ مسیحیوں اور ان کے حلیفوں کی یہ کوشش جس قدر مضحکہ خیز ہے اسی قدر عبرت انگیز بھی، کہ بجائے اس کے کہ قرآن جیسی محکم، محفوظ، مستند دستاویز کو بائبل پر پیش کریں، اور اس کی روشنی میں بائبل کے بیانات کو جانچیں، پرکھیں، اُلٹے بائبل جیسی مشتبہ، غیر محفوظ، بے سند تحریر کی روشنی میں قرآن مجید کے بیانات کو جانچنا، پرکھنا چاہتے ہیں! ۔۔۔۔۔ گویا آفتاب کی روشنی میں لالٹین کو دیکھنے کی بجائے لالٹین سے آفتاب کو دیکھنے کی کوشش! ۹۴۶ (تصرفِ غیبی کا) فِيْ ذٰلِكَ اے فی رجوع التابوت الیکم (مدارک) ای فی اتیان التابوت (بحر) لَكُمْ۔ تمہارے لئے، یعنی تمہارے اطمینان کے لئے ۹۴۷ (اپنی فوج والوں سے) فَصَلَ، یعنی دشمن کے مقابلہ میں بڑھے ۹۴۸ (صبر و ثبات، ضبط اور ڈسپلن میں) نَهَرٍ۔ دریا سے یہاں مراد دریائے یردن Jorden ہے۔ یہ دریا بڑا نہیں، براہ راست لمبائی کل ۶۵ میل کی ہے۔ البتہ اس کے خم و پیچ ملا کر کوئی ۲۰۰ میل کی ہے۔ علاقۂ فلسطین میں اہم ترین دریا یہی ہے، اور گویا ملک کی قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ یردن کے اِس پار اور اُس پار علاقوں کی تقسیم خود توریت میں درج ہے۔ (یوشع۔ ۱:۱۴ و ۱۵) اس کا بہاؤ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ اور یہ بحر جلیل اور بحر طبریہ ہوتا ہوا بحر مردہ Dead Sea میں جا گرتا ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو صاف، شفاف، شیریں ہے، لیکن آگے چل کر گندلا، بدبودار اور مضر ہو جاتا ہے ۹۴۹ یعنی میرے ہمراہیوں، رفیقوں میں سے نہیں ہے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے ایمان ہی سے خارج ہوگیا۔ اے من اشیاعی (روح) لیس من اتباعی و اشیاعی (مدارک) لم یخرجھم بذلک عن الایمان (بحر) شَرِبَ مِنْهُ۔ یعنی جی بھر کر اس میں سے پانی پی لے گا۔ موسم گرمی کا تھا، اور طالوت کے سپاہیوں کو پیاس قدرۃً زور کی لگی ہوئی تھی ۹۵۰ معلوم ہوتا ہے کہ اصل حکم وہی پہلا تھا کہ کوئی راستہ میں یہ پانی زبان ہی پر نہ رکھے! اور یہ دوسرا حکم بطور رخصت و اجازت تھا کہ خیر ایک آدھ چُلّو سے منہ تر کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ۔ اے من لم یذقہ (روح) من لم یذقہ من طعم الشیٔ (مدارک) اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ۔ معناہ الرخصۃ فی اغتراف الغرفۃ بالید دون الکرع (مدارک) ۹۵۱ (کہ ان کی تعداد حسب روایت توریت ۳۰۰ تھی) "تب ساؤل نے اُن لوگوں کو جو اسکے پاس حاضر تھے، گنا! اور وہ مرد چھ سو کے قریب تھے۔" (۱۔ سموئیل۔ ۱۳: ۱۵) شَرِبُوْا مِنْهُ۔ یعنی خوب سیر ہو کر پیا جس کے بعد چلنا خصوصاً فوجی مارچ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

۹۳۲ یہ سب حضرت شموئیل نے کچھ تو اپنی فراستِ ایمانی سے فرمایا، اور کچھ اپنی قوم کی افتادِ طبیعت کے تجربوں کی بنا پر۔ عسیتم الا تقاتلوا کے معنی ہیں کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نہ لڑو گے۔ یعنی اتوقع جبنکم عن القتال کشاف
هل عسیتم میں هل تاکیدِ کلام کے لئے ہے۔ اراد بالاستفهام التقریر والتثبیت ان المتوقع کائن (کشاف) ۹۳۳ وہ لوگ بولے، کہ واہ بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے۔ حکمِ شرعی سے قطع نظر ہم لوگ انتہائی مظلوم اور
ستائے ہوئے بھی تو ہیں۔ اس دور میں فلسطینیوں کی جو شدید اور بے پناہ یورش اسرائیلیوں پر جاری تھی اور اسرائیلیوں کا ملک جس بے انداز حد تک ان کے ہاتھوں تاراج ہو رہا تھا اس کی تفصیلات قدیم اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کے صفحات
اور یہود کی دُوسری تاریخوں میں ملتی ہیں۔ توریت بھی ان معرکہ آرائیوں کے ذکر سے بالکل خالی نہیں۔ ایک جگہ ہے:۔ "اور جب وہ باہم مقابل ہوئے تو اسرائیلی نے فلسطیوں سے شکست پائی۔ اور اُنہوں نے اُن کے لشکر میں سے قریب
چار ہزار آدمی کے مارے" (۱۔سموئیل۔ ۴:۲) اور دُوسری جگہ ہے:۔ "سو فلسطی لڑے، اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیمہ کو بھاگا، اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی کہ تیس ہزار اسرائیلی مارے گئے
۔۔۔ اور خدا کا صندوق لوٹا گیا" (۱۔سموئیل۔ ۴:۱۰) ۹۳۴ آخر اُن کے نبی کا کہا اُن کے آگے آیا۔ اور بنی اسرائیل اتنے دعوؤں کے باوجود پست ہمتی اور بزدلی کا شکار ہو کر رہے۔ جوزیفس کی مشہور تاریخ آثارِ یہود میں ہے:۔ "اُن پر
دہشت طاری ہو گئی۔ یعنی پہاڑوں میں چھپ گئے، بعض نے زیرِ زمین غاروں میں پناہ لی، اور بہت سے لوگ تو اپنا ملک چھوڑ کر دریائے یردن کے پار عبور کر گئے۔" (باب ۶۔ فصل ۶۔ فقرہ ۱) ۹۳۵ (اور اُن کی سزا پر بھی پوری طرح قادر)

إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا
اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو؟ ۹۳۲ وہ بولے بھلا ہمارے
لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا
لئے کونسا ایسا سبب ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں۔ درآنحالیکہ ہم نکالے جا چکے ہیں
مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ
اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے ۹۳۳ لیکن جب اُن پر قتال فرض کر دیا گیا تو وہ (سب)
تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾
پھر گئے بجز اُن میں ایک قلیل تعداد کے ۹۳۴ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے ۹۳۵
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ
اور اُن لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا
مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ
ہے ۹۳۶ وہ بولے اُسے ہمارے اوپر کیسے امیری حاصل ہو سکتی ہے، درآنحالیکہ ہم اس سے
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ
بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے ۹۳۷ (نبی نے) کہا
إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ
کہ اُسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں انتخاب کر لیا ہے ۹۳۸ اور اُسے علم و جسم دونوں میں کشادگی
وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
زیادہ دی ہے ۹۳۹ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے ۹۴۰ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے

الظّٰلِمِیْنَ سے یہاں مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، یعنی اللہ کے نافرمان بندے۔ هم الذین ظلموا انفسهم عند القتال وترك الجهاد (بحر) ۹۳۶ طالوت بن کش تاریخ میں قوم اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ زمانۂ حکومت ۱۰۲۰ق۔م تا ۱۰۱۲ق۔م۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر توریت میں ساؤل Saul کے نام سے آیا ہے۔ توریت میں ان کی نصب حکومت کا ذکر حسبِ دستور طوالت کے ساتھ موجود ہے:۔ "اور خداوند نے ساؤل کے آنے سے ایک دن پیشتر سموئیل کے کان میں کہہ دیا تھا کہ کل اسی وقت میں ایک شخص کو بنیمین کی سرزمین سے تجھ پاس بھیجوں گا۔ تو اس پر تیل ملیو کہ وہ میری قوم اسرائیل کا حاکم ہو تاکہ میرے لوگوں کو فلسطیوں کے ہاتھ سے چھڑائے۔۔۔ سو جب سموئیل ساؤل سے دوچار ہوا تو ویں خداوند نے کہا کہ دیکھ یہی شخص ہے جس کی بابت میں نے تجھے کہا تھا یہی میرے لوگوں پر ریاست کرے گا" (۱۔سموئیل ۹:۱۵۔۱۶) ملکًا یہاں ترکیب میں طالوت سے حال واقع ہوا ہے ۹۳۷ حضرت سموئیل نبیؑ کا کہنا بالکل ٹھیک نکلا۔ اسرائیلی کہاں تو امیر کے تقرر کا خود ہی تقاضہ کر رہے تھے، اور کہاں اب جو اس کا خدائی تقرر ہو گیا، تو لگے نکتہ چینی بھی کرنے اور کہنے کہ ایسے شخص کا انتخاب ہو کیونکر سکتا ہے:۔ فلما بعث لهم ملكًا انكروا ذلك وعجبوا (ابن جریر) واستبعدوا جدًا ان یکون هو ملکًا علیهم (کبیر) انّٰی من این کا بھی مرادف ہو سکتا ہے اور کیف کا بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی کمال تعجب۔ مقصود نبی کی تکذیب نہیں، صرف اس کے قول پر کمال حیرت ہے۔ کیف ومن این، وهو انكار لتملكه علیهم واستبعاد له (کشاف) الاستفهام حقیقی او للتعجب لا لتكذیب نبیهم (بحر) ایک خاص قبیلہ کی طرف سے اعتراض و انکار کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ "بنی بعال بولے کہ یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا۔ اور اس کی تحقیر کی۔ اور اس کے لئے نذرانے نہ لائے" (۱۔سموئیل۔ ۱۰:۲۷) بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی بارہ اولادوں کی نسل میں نسلی بنا پر ۱۲ فرقوں یا قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا، اور توریت میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھے (۱۔سموئیل۔ ۹:۲۱) تو ایک وجہ تو ان کے حقیر سمجھے جانے کی یہی ہوئی۔ نسل و خاندان کی اہمیت جب جائز حد سے بڑھ جاتی ہے، تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسرائیلیوں کا بھی اب یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ نبوت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لاوہ کا، اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔ وکان فی بنی اسرائیل سبطان سبط نبوة وسبط مملكة ولم یكن طالوت من سبط النبوة ولا من سبط المملكة (ابن جریر) جیسے آج عام ہندوؤں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص جو نہ برہمن ہو نہ چھتری، وہ اعلیٰ حاکم و سردار کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا اعتراض اسرائیلیوں کا یہ تھا کہ یہ مالی اعتبار سے بھی تو منصبِ امارت کے لائق نہیں ——— جیسے ہندو کسی سے متعلق یہ اعتراض کریں کہ برہمن اور چھتری نہ سہی، یہ شخص ویش (مہاجن یا ساہوکار) کے درجہ کا بھی تو نہیں! ۹۳۸ (اور اللہ کا انتخاب ظاہر ہے کہ ہر طرح پُرحکمت و پُرمصلحت ہی ہوگا) حضرت شموئیل نبیؑ نے پہلا اور اصلی جواب تو یہی دیا کہ یہ انتخاب انسانی نہیں خدائی ہے۔ اور اس لئے ہر طرح یہی مناسب و پُرمصالح ہے، ایسا کہ تمہارا تو ذہن بھی ان باریک مصلحتوں تک نہیں پہنچ سکتا ؎ ہمبر برچہ گوید دیدہ گوید توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "اور سموئیل نے جماعت کو کہا کہ تم اُسے دیکھتے ہو کہ جسے خداوند نے چُن لیا کہ اس کی مانند سارے لوگوں میں ایک بھی نہیں" (۱۔سموئیل۔ ۱۰:۲۴) ۹۳۹ یہ شموئیل نبی کا دُوسرا اور "عقلی" جواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے معیار سے بھی دیکھ لو۔ تمہارے معیار سے سردارِ فوج میں بھی دو ہی چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسے سپہ داری و ملک گیری کے فنون سے واقفیت ہونا چاہئے۔ سو وہ طالوت کو حاصل ہے۔ اور دُوسرے خود اس کی جسمی قوت و توانائی، سو اس میں بھی وہ ممتاز ہے۔ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ۔ علم سے مراد یہاں وہی علوم و فنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری و ملک داری سے ہے۔ ای علم الحرب (ابن عباسؓ) لیتمکن به من حرفة الامور السیاسیة (بحر) کان اعلم بنی اسرائیل بالحرب والدیانات فی وقته (مدارک) وَالْجِسْمِ۔ بسطة فی الجسم سے مراد ہے کہ طالوت قد و قامت اور وجاہت ظاہری میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ای الطول والقوة (ابن عباسؓ) اطول من كل انسان برأسه ومنكبه (مدارک) توریت کی دی ہوئی تفصیلات سے اُن کے حلیہ کا نقشہ ذہن میں خود کھینچ لیجئے:۔ "بہت خوب جوان تھا۔ اور بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا۔ یہ ساری قوم میں کاندھے سے لیکر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا" (۱۔سموئیل۔ ۹:۱۰) "اور وہ جب کہ جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا" (۱۔سموئیل۔ ۱۰:۲۳) اور درازقامتی، اسرائیلیوں کے ہاں کوئی معمولی صفت نہیں، بڑی اہم اور ضروری صفت سرداری کے لئے تھی۔ توریت کے بعد اُن کے ہاں کا مقدس ترین نوشتہ تالمود ہے، اس کی تصریح ملاحظہ ہو:۔ "خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی سکینت کا نزول صرف اُس شخص پر کرتا ہے جو دانشمند ہو، مضبوط ہو، متموّل ہو اور درازقامت ہو" (Everyman's Talmud ص۱۲۵) قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جایئے، کہ اُس نے نام ہی ایسا رکھا جس سے بلندقامتی کی جانب پُورا اشارہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا، اور طول سے مشتق۔ کان طالوت اسمه بالعبرانیة ساؤل فسمی طالوت لطوله (معالم) قیل انه عربی من الطول واصله الطولوت (بحر) ۹۴۰ (کہ وہی مالک و مختار ہے، اور اُس کی ہر عطا اقتضاءِ حکمت کے موافق ہی ہوتی ہے) مُلْكَهُ، مُلک کی نسبت اپنی جانب کر کے اللہ نے بتا دیا کہ حقیقت میں وہی ایک مالک سارے ملکوں کا ہے۔

۹۱۸ (یعنی موقع جہاد پر) حَذَرَ الْمَوْتِ۔ یہ تصریح ہے اس کی کہ اتنی بڑی تعداد میں اپنے گھروں سے باہر نکل جانا محض امرِ اتفاقی نہ تھا، موت کے خوف سے تھا۔ ذکر کسی قدیم قوم کا ہے، اور اشارہ کسی ایسے واقعہ کی جانب ہے جو مخاطبین اول، اہلِ عرب کے لئے معروف و متعارف تھا۔ مفسرین نے مختلف قوموں اور مقاموں کے نام لئے ہیں۔ ممکن ہے ان ہی میں سے کوئی صحیح ہو، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی قوم و مقام ہو۔ پوری تحقیق انشاء اللہ مستقبل میں قرآنیات کا کوئی مسلم کرکے رہے گا۔ کچھ کام آخر آئندہ کے مفسرین و محققین کے لئے بھی تو اٹھ رہے۔ قرآن کی مخاطب جس طرح ہجرت کی دوسری صدی اور تیرھویں صدی کی دنیا رہی ہے، اسی طرح ہجرت کی پندرھویں اور بیسویں صدی کی دنیا بھی تو رہے گی۔ کچھ فرض ہے کہ جن تحقیقات بھی ہونا ہے سب چودھویں صدی ہی میں ختم ہو جائے، اور آئندہ صرف انہی کو دہرا دینا اور نقل کر دینا رہ جائے؟ عہد عتیق کی کتاب حزقی ایل (۳۷: ۱-۱۰) میں ایک روایت بصورت کشف و رؤیا اس سے ملتی جلتی ہے۔ بہرحال قرآن کا جو اصل مقصد موعظت و تذکیر ہے، وہ قوم و مقام کے ابہام و عدمِ تعیین کے باوجود بھی حاصل ہے۔ ۹۱۹ (وباء یا کسی اور طریق سے، چنانچہ وہ سب مر گئے) یعنی وطن سے نکل کھڑے ہوئے جان بچانے کو اور حکم جہاد کی تعمیل سے جی چراتے ہوئے۔ لیکن یہ تدبیر کچھ بھی کام نہ آئی، اور الٹے موت کا شکار ہو کر رہے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا۔ مقصود محض اس قول کا نقل کرنا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا، تو کوئی امر اس میں مانع نہ ہو سکا، اور عمل بن کر رہا۔ عربی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ المراد انه تعالیٰ متیٰ اراد ذٰلك وقع من غیر منع وتاخیر ومثل هذا عرف مشهور فی اللغة (کبیر) ۹۲۰ (اور انہیں مشاہدہ کرا دیا کہ موت و زندگی کا سررشتہ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عقل و تدبیر انسانی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس لئے جہاد یا دوسرے احکام شریعت کی تعمیل سے جی چرانا انتہائی سخافت و نادانی ہے) بعض مفسرین نے یہاں طاعون سے فرار کی بحث چھیڑ دی ہے اور فرمانِ نبوی نقل کیا ہے کہ جس سرزمین پر طاعون ہو وہاں سے بھاگو نہیں، اور جہاں ہو وہاں جاؤ نہیں۔ اس پر ایک عقلی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاعون زدہ مقام میں داخل ہونا اور طاعون زدہ مقام سے نہ ہٹنا، یہ دونوں عملاً متضاد ہدایتیں ہو گئیں۔ اگر طاعون بچنے کی چیز ہے، تو وہاں سے ہٹنے کا بھی حکم ملنا چاہیئے۔ اور اگر بچنے کی چیز نہیں، تو اس شہر میں پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیئے! اصل یہ ہے کہ وبا زدہ مقام سے بھاگنے اور ہٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک کو اجازت ملی، تو بس سب ہی بھاگنا شروع کریں گے، اور شہر خالی ہو جائے گا۔ اس بے تحاشا بھگدڑ Panic سے آبادی کو جن مالی، معاشی، تمدنی، اخلاقی نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا وہ بالکل ظاہر ہیں، اور بہ کثرت تجربہ و مشاہدہ میں بھی آ چکے ہیں۔ پھر ایک طرف یہ عادت اگر ہمت، ثباتِ قلب، شجاعت اور باہمی ہمدردی کے منافی ہے، تو دوسری طرف اسبابِ ظاہری پر ضرورت سے زیادہ تکیہ و اعتماد کی دلیل اور توکل، اعتماد علی اللہ کے منافی، اور ایک مذہبی قوم کے بالکل غیر شایان ہے۔ لیکن جہاں وبا ہے اور موت کا بازار دھڑا دھڑ گرم ہے، وہاں بے دھڑک داخل ہو جانا اور احتیاط نہ برتنا، ایک طرف سلسلۂ اسبابِ ظاہری کو بالکل نظر انداز کر دینا ہے، اور دوسری طرف انسان میں جو درجہ خوف و اندیشۂ طبعی کا رکھ دیا ہے، اس کے مقتضا کو پامال کرنا ہے۔ ان متضاد پہلوؤں کے درمیان اعتدال اور سلامتی کی راہ ڈھونڈ نکالنا اسلام ہی جیسے حکیمانہ مذہب کا کام تھا۔ اس نے عقلی اور طبعی تمام پہلوؤں کی رعایت رکھ کر یہ معتدل اور عادلانہ حکم دیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ خواہ مخواہ جاؤ، نہ خواہ مخواہ وہاں سے نکل بھاگو۔ ۹۲۱ (کہ انہی کے فائدے والے احکام انہیں دیتا رہتا ہے) ۹۲۲ (بلکہ الٹے ان احکام کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں) حکم قتال معاً آگے آتا ہے۔ اس کے قبل ایسی حکایت بیان کرنا، جس سے قلوب میں بے خوفی اور اللہ پر اعتماد پیدا ہو، عین تقاضائے حکمت ہے۔ ۹۲۳ (اے امتِ اسلامیہ!) حکم کی مخاطب امت بہ حیثیت جماعت ہے، افرادِ امت نہیں۔ کہ فرداً فرداً ہر شخص جب جی چاہے، تلوار اٹھا کر چلانا شروع کر دے۔ اس تمہیدی حکایت کے بعد کہ موت و زیست سب کا آخری سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے، اب حکم ملتا ہے کہ اسی کے حکم سے، اسی کے دین و آئین کی خدمت و نصرت کے لئے، جہاد و قتال میں مشغول ہو جاؤ۔ ۹۲۴ سَمِيْعٌ۔ وہ خوب سن رہا ہے، جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی باتوں کو۔ عَلِيْمٌ۔ وہ خوب جانتا ہے جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی نیتوں کو۔ ۹۲۵ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے۔ جہاد و قتال کا حکم ابھی ملا ہے۔ قدرۃً سامانِ جنگ کے لئے امتِ اسلامیہ کو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہو گی، اس لئے پہلے ہی نمبر پر امراءِ امت کو اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد ہر وہ رقم ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو سکے۔ یہاں مراد مصارفِ جہاد ہیں۔ اس ملی چندہ کو، قرض اور پھر قرضِ حسنہ سے تعبیر کرنا عین محاورۂ عرب کے مطابق ہے کہ اہل عرب ہر اچھے معاوضہ والے عمل کو اچھے قرض اور ہر برے معاوضہ والے عمل کو برے قرض سے تعبیر کرتے تھے۔ والعرب تقول لکل من فعل الیه خیرًا قد احسنت قرضی وقد اقرضتنی قرضًا حسنًا (تاج) قال الزجاج القرض هو کل ما یُفعل لیجازیٰ علیه تقول العرب لك عندی قرض حسن وسیّئ (کبیر) عرب ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھے۔ قرض، بیع و شرا وغیرہ کے الفاظ اگر ان کی زبان کے جزو بن گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایک بددین، اردو خواں جاہل، قرآن مجید میں قرض کا لفظ دیکھ اور اسے اردو کے قرضہ پر قیاس کر، تمسخر کی راہ سے بولا کہ خدا بھی محتاج ہو گیا ہے، جو اسے بندوں سے ادھار مانگنے کی ضرورت پڑی! ——— جہل مرکب بھی انسان کے لئے کیسی سخت لعنت ہے! مردم اند حسرتِ فہم درست

مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ
نکل گئے تھے موت سے بچنے کے لئے، اور وہ ہزاروں ہی تھے ۹۱۸ تو اللہ نے
لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
ان سے کہا کہ مر جاؤ ۹۱۹ پھر اس نے انہیں جلا دیا ۹۲۰ بےشک اللہ انسانوں پر بڑا افضل
عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ٢٤٣ وَ
کرنے والا ہے، ۹۲۱ لیکن اکثر انسان شکر نہیں ادا کرتے ۹۲۲
قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٢٤٤
اور اللہ کی راہ میں قتال کرو ۹۲۳ اور جانے رہو کہ اللہ بڑا سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۹۲۴
مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ
کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے ۹۲۵ پھر اللہ اسے بڑھا کر
لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ
اس کے لئے کئی گنا کر دے ۹۲۶ اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی کرتا ہے ۹۲۷ اور تم سب
تُرْجَعُوْنَ ٢٤٥ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۹۲۸ کیا تجھے خبر نہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی
مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا
ایک جماعت کی ۹۲۹ جب کہ ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا ۹۳۰ کہ ہمارے لئے ایک امیر
مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ
مقرر کر دیجئے کہ ہم خدا کی راہ میں قتال کریں ۹۳۱ (نبی نے) کہا کہیں ایسا تو نہیں، کہ

وقف لازم

۹۲۶ (یعنی اصل استحقاق سے کہیں بڑھا چڑھا کر) يُضٰعِفَهٗ۔ اس کو یعنی اس کے اجر و ثواب کو۔ ۹۲۷ (سو اس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے کیوں رکو، کیوں گھبراؤ) صاف بتلا دیا کہ معاشیات کے سارے قوانین اللہ ہی کی مٹھی میں ہیں۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ مفلس ہو جاؤ گے ۹۲۸ (اور وہی دین کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو جزا دے گا اور نہ خرچ کرنے والوں کو سزا) ۹۲۹ الم تر۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۱۔ الملاء۔ ملاء مطلق جماعت نہیں، اہل حل و عقد یا اہل الرائے کی جماعت ہے۔ الملاء جماعة یجتمعون علیٰ رأیٍ (راغب) الملاء من القوم وجوههم واشرافهم (روح) توریت میں اس موقع پر "اسرائیلی بزرگ" ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى۔ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد، اور حضرت داؤد سے کچھ ہی قبل کے زمانہ کا ہے۔ سنہ مسیحی کے آغاز میں ابھی کوئی ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی ۹۳۰ مراد حضرت شموئیل ہیں (سنہ ۱۱۰۰ ق م۔ تا سنہ ۱۰۲۰ ق م) ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے نام سے تھا۔ اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے ۹۳۱ (اور اس امیر کی ماتحتی میں ہم سب منظم ہو کر دشمنوں سے جنگ کریں) اسرائیلی اس وقت خاص طور پر دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے، اور لڑائی میں ان سے مغلوب و عاجز آ چکے تھے۔ توریت میں اس کی بھی تصریح ہے کہ حضرت شموئیل نبی اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت و سرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ مَلِكًا۔ عربی میں مَلِك کا لفظ بہت وسیع ہے، ہر صاحب قوت و اقتدار جو اپنے احکام و قوانین نافذ کر سکے مَلِك ہے۔ الملك هو المتصرف بالامر والنهی فی الجمهور (راغب) اور یہاں مَلِك سے مراد امیرِ جیش یا سالارِ لشکر لی گئی ہے، اور یہی سیاق کے مطابق ہے۔ ابعث لنا ملك الجیش (ابن عباسؓ) ای انهض لنا من نصدر عنه تدبیر الحرب وننتهی علیٰ امره (بحر) ای اقم لنا امیرًا (روح) طلبوا من نبیهم نحو ما کان یفعل رسول اللہ صلعم من التامیر علی الجیوش (کشاف) اردو میں رئیس و امیر کے الفاظ، اور سرحدی قبیلوں میں خان کا لفظ مَلِك کے مرادف ہے۔ توریت میں اس موقع پر "بادشاہ" کا لفظ آیا ہے، اور اسرائیلی تخیل میں بادشاہ کے لئے فوج کی سرداری لازمی تھی، اور ہر سردارِ اعلیٰ کو بادشاہ کہتے بھی تھے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ فوج کی امارت اور سپہ سالاری کرے" (جلد ۷، صفحہ ۵۰۱) اور یہ تصریح بھی ہے کہ "فلسطین میں تقریباً ہر بڑا سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا" (جلد ۷، صفحہ ۵۰۰) توریت میں اسی موقع کا بیان ان الفاظ میں ہے:۔ "تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ میں سموئیل کے پاس آئے، اور اسے کہا کہ دیکھ تو بوڑھا ہوا، اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے، اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر، جو ہم پر حکومت کیا کرے، جیسا کہ سب قوموں میں ہے" (۱۔ سموئیل۔ ۸: ۴ و ۵) "ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر مقرر ہو تاکہ ہم بھی اور سب گروہوں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے، اور ہمارے لئے لڑائی کرے" (۱۔ سموئیل۔ ۸: ۱۹ و ۲۰)۔

۹۰۸ (حالتِ نماز میں) قَانِتِيْنَ - لفظ قنوت بہت جامع ہے اور حاوی ہے ذکر اور دُعا اور خشوع و خضوع پر۔ قال ابو محمد ولا ازی اصل ھذا الحرف الا الطاعۃ لان جمیع ھذہ الخصال من الصلوٰۃ والقیام فیھا والدعاء وغیر ذٰلک یکون عنھا (ابن قتیبہ) ۹۰۹ (جس طرح بھی بن پڑے اور جس حد تک حالات اجازت دیں) فَاِنْ خِفْتُمْ - یعنی اگر عام قاعدہ کے مطابق نماز باجماعت میں کسی دشمن کی طرف سے خوف ہو۔ اسلام کی یہ ہنگامہ پنج وقتہ پریڈ یا دربارِ الٰہی میں حاضری اس درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ بالکل معاف عین حالتِ جنگ میں بھی نہیں ہوتی۔ محافظتِ صلوٰۃ کا حکم ہر حال قطعی اور دائمی ہے۔ ترکِ نماز کی اجازت اس خطرہ کے حال میں بھی نہیں۔ البتہ رعایتِ ماحول کی پوری گنجائش دوسرے موقعوں کی طرح اس محل میں بھی رکھ دی گئی ہے۔ نمازِ خوف کی تفصیلات کتبِ فقہ میں ملیں گی ۹۱۰ یعنی اب نماز عام قاعدوں کے موافق بہ تحت ادا کرو۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ - یعنی جب دشمن کی طرف سے اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے ۹۱۱ یہ وصیت

قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ
کھڑے رہا کرو ۹۰۸ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی پڑھ لیا کرو) یا سواری پر پڑھ ۹۰۹ جب
اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا
تم امن میں آجاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جس طرح اُس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم جانتے
تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
(ابھی) نہ تھے ۹۱۰ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ
اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ
جائیں (اُن پر لازم ہے) اپنی بیویوں کے حق میں نفع اُٹھانے کی وصیت (کر جانے) کی کہ وہ ایک
غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ
سال تک (گھر سے) نکالی نہ جائیں ۹۱۱ لیکن اگر (خود) نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر نہیں اُس
مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
باب میں جسے وہ (بیویاں) اپنے باب میں شرافت کے ساتھ کریں ۹۱۲ اور اللہ بڑا زبردست
حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا
ہے بڑا حکمت والا ہے ۹۱۳ اور طلاق والیوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے موافق مقرر ہے ۹۱۴ (یہ)
عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
پرہیزگاروں پر واجب ہے ۹۱۵ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر اپنے احکام بیان کرتا ہے
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا
شاید کہ تم سمجھو ۹۱۶ کیا تجھے خبر نہیں ۹۱۷ ان لوگوں کی کہ جو اپنے گھروں سے

ع ۳۱ / ۷ / ۱۵

کا حکم اُس وقت تھا جب میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے جب میراث کے مستقل احکام نازل ہو گئے اور شوہر کے ترکہ میں ایک مستقل حصہ بیوہ کا بھی مقرر ہو گیا، تو ظاہر ہے کہ اب حکمِ وصیت پر عمل کا کوئی محل باقی نہ رہا —— اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس وقت یعنی احکام میراث کے نزول سے قبل شریعت نے بیوہ عورتوں کے لئے حسبِ ذیل رعایتیں رکھی تھیں:۔ (۱) وہ اگر شوہر ہی کے گھر رہنا چاہیں تو ایک سال تک انہیں کوئی بے دخل نہیں کر سکے گا (۲) اُنہیں کھانا کپڑا بھی اس مدت تک شوہر ہی کے ترکہ سے ملتا رہے گا (۳) وہ خود ہی اگر اپنی کسی مصلحت سے اس گھر میں رہنا نہ چاہیں، تو بعد ختمِ عدت ان کے لئے یہ بالکل جائز تھا۔ اور دوسرے حقوق کی طرح اس حق سے بھی دستبرداری کا انہیں حق حاصل تھا۔ مَتَاعًا - یہ نفع اُٹھانا، کھانے اور کپڑے اور سکونتِ مکان کے متعلق ہوگا۔ المتاع عام شامل للانفاق والاسکان جمیعًا (مدح) بیوہ غریب ظہورِ اسلام کے وقت یوں بھی ہر مذہب میں کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور عرب جاہلیت میں تو کوئی اس کی بات پوچھے کا بھی روادار نہ تھا۔ اسلام ہی نے آکر دنیا کی تاریخ میں پہلی بار بیوہ کی عزت اور اس کے حقوق کی نصرت کی —— مشرکانہ مذہبوں میں تو بیوگی اور نحوست مترادف تھیں۔ اور بیوہ کو گھر بھر کی تحقیر و طعن کا ہدف بننا پڑتا تھا ۹۱۲ مثلاً یہی نکاح یا نکاح کی بات چیت۔ مِنْ مَّعْرُوْفٍ کی قید نے اسے واضح کر دیا کہ وہ کارروائی نہ کسی ضابطۂ شریعت کے خلاف ہوگی۔ مثلاً قانونِ عدت کی خلاف ورزی اور نہ کسی آئینِ اخلاق کے منافی ۹۱۳ عَزِيْزٌ - یاد دلا دیا کہ وہ بڑا قوت والا ہے، سو ایسے کے حکم کی خلاف ورزی کیسی زبردست نادانی ہے۔ حَكِيْمٌ - یاد دلا دیا کہ اس کے احکام سارے کے سارے، قریب و بعید، جلی و خفی، مصالح بشری کے جامع ہوتے ہیں ۹۱۴ (کسی نہ کسی درجہ میں) مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے، یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوچا کر کے بھوکا پیاسا، اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ فقہاء نے حدیث و سنت کی روشنی میں ایک سا ہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پہننے اور رہنے سہنے کا انتظام شوہر پر واجب ہے۔ مطلقہ پر تینوں طلاقیں اگر ابھی نہیں پڑی ہیں، جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے، اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے ہاں جب بھی یہی حکم ہے ۹۱۵ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ - یعنی مسلمانوں پر، کہ اس درجہ میں پرہیزگار ہر مسلمان ہوتا ہے۔ اے متقی الشرک (بحر) علٰی کل من کان متقیاً عن الکفر (کبیر) بمعنی المومنین المتقین الشرک (معالم) ۹۱۶ (اور ان پر عمل کرو) مفسر تھانویؒ نے بیان القرآن میں خوب لکھا ہے کہ ان احکام طلاق وغیرہ میں اتقوا اللہ اور حدود اللہ اور سمیع علیم اور عزیز حکیم اور بصیر اور خبیر اور ھم الظلمون اور فقد ظلم نفسہ وغیرہ کا اس کثرت سے آنا، جو سب مخالفت پر وعیدیں ہیں، اس امر پر دلیل قطعی ہیں، کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں، محض مشورہ کے طور پر نہیں ہیں کہ اُن میں ترمیم و تبدیل کا ہمیں حق و اختیار حاصل ہے ۹۱۷ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ - عربی میں یہ طرزِ خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے ہمیشہ چشمِ بصارت سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم و تخیل اور غور و فکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ و مشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس فعل کا صلہ الٰی کے ساتھ آتا ہے، تو کوئی مقصود کوئی نتیجہ کالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ واذا عدی رأیت بالی اقتضی معنی النظر المؤدی الی الاعتبار (راغب)

۹۰۰ یعنی کوئی بازپرس نہیں مہر کے باب میں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں شوہر کے ذمّہ مہر واجب بھی نہیں۔ لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ ۔ یہاں مس سے مراد ہمبستری کی دونوں قسمیں ہیں، حقیقی اور واقعی، اور حکمی و فقہی (یعنی خلوتِ صحیحہ) طلاق ہمبستری کے قبل بھی بالکل جائز ہے، بغیر کسی مہر کی ذمّہ داری کے۔ نکاح بلاتعینِ مہر بھی صحیح رہتا ہے۔ طلاق کے وقت اس واجب مبہم کا اندازہ شوہر کی حسب استطاعت کیا جائے گا۔ ۹۰۱ مَتِّعُوْهُنَّ کا لفظ قرآن میں عام ہے اور مذاقِ بشری کی ہمہ گیری اس عموم کو چاہتی بھی ہے۔ اے مملکوھن ما یمتعن بہ و ذلك الشیء یسمی متعة (روح) متعة الطلاق اعلاھا الخادم و دون ذلك الورق و دون ذلك الكسوة (روح۔ عن ابن عباسؓ) ادنی ما یکون من المتعة ثلاثون درھماً (روح۔ عن ابن عمرؓ) البتہ فقہاء نے یہاں عموماً تین کپڑوں کا جوڑا مراد لے لیا ہے۔ لیکن خود یہ جوڑا بھی یقیناً حسبِ رواجِ ملک و قوم ہوگا۔ ۹۰۲ اور خوش معاملہ تو سارے مسلمانوں کو ہونا چاہیئے۔ اس لئے مراد ہیں سارے مسلمان۔ لفظ محسنین لا کر ان کے اس وصف کو نمایاں کر دیا ہے۔ والاحسان انما علی وجہ التاکید (جصاص) اے علی المسلمین (مدارک)

اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا
کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ اُن کے لئے مہر مقرر کیا
لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ
طلاق دے دو ۹۰۰ وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ہے اور تنگی والے
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى
کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ۹۰۱ (یہ) خرچ شرافت کے موافق ہو (اور یہ) واجب ہے،
الْمُحْسِنِيْنَ ۝٢٣٦ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ
خوش معاملہ لوگوں پر ۹۰۲ اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے قبل اس کے کہ انہیں
تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ
ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے
مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
اس کا آدھا واجب ہے بجز اس صورت کے کہ (یا تو) وہ عورتیں خود معاف کر دیں۔ یا وہ (اپنا
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا
حق) معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ۹۰۳، اور اگر تم (اپنا حق) معاف کر دو تو یہ بہت ہی قرینِ تقویٰ ہے ۹۰۴
تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢٣٧
اور آپس میں لطف و احسان نظرانداز نہ کرو ۹۰۵ تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ یقیناً اس کا خوب دیکھنے والا ہے ۹۰۶
حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ
(سب ہی) نمازوں کی پابندی رکھو۔ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی ۹۰۷ اور اللہ کے سامنے عاجز بن (کی طرح)

منزل

۹۰۳ طلاق کی ایک صورت وہ تھی جو ابھی اوپر بیان ہو چکی، یعنی نہ مہر طے ہوا تھا اور نہ ابھی خلوت ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ دُوسری صورت اب بیان ہو رہی ہے کہ مہر تو معین ہو چکا تھا، لیکن خلوت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ عام قاعدہ ایسے موقع کے لئے یہ ہے کہ مہر مقرر کا نصف شوہر کے ذمّہ واجب الادا ہوگا۔ لیکن دو صورتیں اس حکم عام سے استثناء کی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی اپنے حق سے تمامتر دستبردار ہو جائے اور نصف مہر بھی نہ لے۔ اور دُوسری صورت یہ کہ شوہر اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، یعنی جو نصف مہر اُسے رکھ لینے کا اختیار تھا اُسے بھی وہ نہ رکھے اور بجائے نصف کے پُورا مہر ادا کر دے۔ يَعْفُوْنَ ۔ عورت اپنا حق معاف کر دے، اور اس کا حق ہے وہی مہرِ معین کا نصف۔ گویا عورت مہر تمامتر چھوڑ دے۔ نِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ۔ تعدادِ مہر اگر معین تھی، جب تو اس کا نصف ظاہر ہے۔ اگر تعداد معین نہ تھی تو فیصلہ مہرِ مثل پر ہوگا (یعنی خاندانی مہر پر) الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یعنی جو نکاح کی گرہ کے توڑنے اور جوڑے رکھنے کا اختیار رکھتا ہو۔ مراد شوہر ہے۔ یہ الفاظ اس پر ناطق ہیں کہ معاہدۂ نکاح میں شریکِ غالب کی حیثیت شوہر ہی رکھتا ہے ۹۰۴ قانون اور ضابطہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ شوہر طلاق کی اس صورت میں نصف مہر روک سکتا ہے، اب معاً اخلاق کے افضل و اعلیٰ مقام کی طرف رہنمائی کر دی گئی کہ حق وصول کرنے سے کہیں بہتر و برتر اس حق کا معاف کر دینا ہے۔ جائز و برتر، مباح و افضل، قانون و اخلاق کا یہ مسلسل امتزاج قرآن کے معنوی معجزات میں سے ہے ۹۰۵ چنانچہ طلاق کے موقع پر بھی، جو تعلقات کی بقا کا نہیں، اس کے اختتام انقطاع کے اعلان کا نام ہے، باہمی حسنِ سلوک، مروّت، رعایت سے نہ چوکو۔ آیت سے صاف اشارہ اِدھر نکل رہا ہے کہ کسی ناخوشگوار واقعہ کے پیش آجانے سے صحبتِ قدیم و محبتِ سابق کے حقوق زائل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ حالتِ طیش و ناگواری میں بھی بلحاظ تقویٰ اور حسنِ اخلاق اور عفو و احسان کا برابر رکھنا چاہیئے۔ وَلَا تَنْسَوُا ۔ نسیان یہاں بھول کے معنی میں نہیں، کہ وہ تو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک کرنے اور نظرانداز کرنے کے معنی میں ہے۔ قال ابو محمد والنسیان ھھنا الترك (ابن قتیبہ) ۹۰۶ سو اس کے ہاں تمہاری کوئی سی نیکی بھی، کسی درجہ اور کسی موقع کی ہو، رائیگاں نہ جائے گی ۹۰۷ اُوپر سے ذکر برابر بیویوں کے حقوق و مطالبات کا چلا آرہا تھا اور آگے پھر یہی ذکر چلے گا۔ درمیان میں احکام نماز سے متعلق آگئے، یہیں سے اس حقیقت پر ایک بار اور روشنی پڑ رہی ہے کہ اسلام میں معاشرت و معاملت، قانون و اخلاق کے مسائل، عبادات سے الگ نہیں۔ اور نظامِ شریعت میں خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق دوش بدوش چل رہے ہیں۔ حافظوا علی الصلوات محققین نے محافظتِ صلوٰۃ کے تین درجے قرار دیئے ہیں۔ ادنیٰ یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات ترک نہ کئے جائیں۔ اوسط یہ کہ جسم ہر طرح طہارتِ ظاہری سے آراستہ ہو، طبیعت اکلِ حلال کی خوگر ہو، دل میں خشوع و خضوع ہو، سنن و مستحبات کی پُوری رعایت رہے۔ اعلیٰ یہ کہ نماز گویا حق تعالیٰ کے مواجہہ میں ہو رہی ہے۔ اس قدر حضورِ قلب و استغراق رہے۔ اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔ اس درمیانی نماز سے کیا مراد ہے؟ اکثر ائمۂ تفاسیر نے نمازِ عصر مراد لی ہے اور یہی معنی ابن جریر میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ صحابیوں اور قتادہ و ضحاک تابعین اور امام ابوحنیفہؒ و امام نخعیؒ سے مروی ہوئے ہیں۔ لیکن ابن جریر ہی میں دُوسرے معنی، نمازِ ظہر اور نمازِ مغرب اور نمازِ فجر کے بھی اسی پایہ کے حضرات سے منقول ہیں۔ بعض نے لفظی پہلو پر زور دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ ہر نماز چونکہ اپنی جگہ پر عبادات و حسنات کا درجۂ متوسط ہے، اور پھر ہر نماز کے اِدھر اُدھر کچھ نمازیں بھی ہوتی ہیں، نمازِ وسطیٰ کا اطلاق ہر نماز پر ہو سکتا ہے، اور اس سے کسی خاص وقت کی نماز مقصود نہیں۔

٨٩٠ یعنی عدّت پوری ختم ہو جائے ٨٩١ یعنی جب عدّت ختم ہو گئی، تو اب نکاح کی تجویز وغیرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فلا جناح علیکم فی ما فعلن۔ خطاب عام ہے اہلِ امت کو
یعنی تم پر ایسی بات کے جائز رکھنے میں کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ ایھا الائمۃ الحکام (جصاص)، ھذا خطاب للاولیاء (ابن العربی)، قیل الخطاب لجمیع المسلمین (روح) اس
طرزِ خطاب سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کوئی شخص اگر خلافِ شرع کام کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ بشرطِ قدرت و بہ قدرِ قدرت اس کو روکیں، ورنہ یہ بھی گناہگار ہوں گے۔

اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِىۡۤ
تک پہنچ جائیں ٨٩١ تو تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے بارے
اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۳۴﴾
میں کچھ کارروائی کریں، شرافت کے ساتھ ٨٩٢ اور جو تم کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔
وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا عَرَّضۡتُمۡ بِهٖ مِنۡ خِطۡبَةِ
اور تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں کہ تم ان (زیرِ عدّت) عورتوں کے پیغامِ نکاح کے باب میں
النِّسَآءِ اَوۡ اَكۡنَنۡتُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ
کوئی بات اشارۃً کہو یا (یہ ارادہ) اپنے دلوں ہی میں پوشیدہ رکھو ٨٩٣ اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان عورتوں
سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ وَلٰـكِنۡ لَّا تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ
کا ذکر مذکور کرو گے ٨٩٤ البتہ ان سے کوئی وعدہ خفیہ (ابھی) نہ کرو ٨٩٥ مگر ہاں کوئی بات
اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ؕ وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ
عزّت و حرمت کے موافق (چاہو تو) کہہ دو ٨٩٦ اور عقدِ نکاح کا عزم اُس وقت تک کرو جب تک
النِّكَاحِ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡكِتٰبُ اَجَلَهٗ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ
کہ میعادِ مقرر اپنے ختم کو نہ پہنچ جائے ٨٩٧ اور جانے رہو کہ جو کچھ
اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا
تمہارے دلوں میں ہے، اللہ اُسے جانتا ہے ٨٩٨ سو اُس سے ڈرتے رہو اور جانے رہو
ع ٣٠ ١٤ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ
کہ اللہ بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے ٨٩٩ تم پر کوئی گناہ نہیں

فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ۔ یعنی نکاح اور متعلقاتِ نکاح کی تجویزیں بھی جو شرعاً جائز ہوں۔ بِالۡمَعۡرُوۡفِ۔ جو بھی کارروائی ہو قانونِ شریعت و آئینِ اخلاق کے باہر نہ ہو ٨٩٢ چنانچہ کوئی بات خلافِ شریعت اگر خود کرو گے یا اُسے ہونے دو گے تو اُس کے ذمہ دار قرار پاؤ گے، مشرک قوموں نے اپنے خداؤں سے علمِ کامل اور باخبری کی نفی کی ہے۔ قرآن مجید نے ان صفات کے اثبات میں ایک پہلو ردِّ شرک کا بھی رکھا ہے ٨٩٣ دورانِ عدّت میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد کسی بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کرے، اور زبان پر نہ لائے، یا اگر لائے بھی تو محض اشارۃً و کنایۃً۔ صراحت کے ساتھ البتہ اجازت اس زمانہ میں نہیں ٨٩٤ سو محض تذکرہ کی حد تک رہنے کا کوئی مضائقہ نہیں، یہ عین فطرتِ بشری ہے کہ جو عورت دل میں بس جاتی ہے، مرد اِدھر اُدھر گھوم گھما کر اس کا ذکر ضرور لاتا ہے، اور اس کا تذکرہ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا عین اسی فطرتِ بشری کا ترجمان ہے ٨٩٥ دورانِ عدّت میں عورت سے وعدۂ نکاح کر لینا، علانیہ نہ سہی، بطورِ راز کے بھی جائز نہیں۔ اور یہ ٹکڑا اسی حکم کی تاکید کے لئے ہے۔ سِرًّا، سِرّ

کے عام معنی چوراز کے ہیں، ظاہر ہیں۔ جمہور مفسرین نے وہی قبول کئے ہیں۔ لیکن ایک مجازی معنی خود نکاح کے بھی ہیں اور ابن سیدہ لغوی، فرا نحوی وغیرہ ہمانے یہاں اس سے کنایہ
نکاح ہی کا سمجھا ہے۔ وکنی عن النکاح بالسر (راغب) ومن المجاز السر للنکاح وقال ابن السید، وھو کنایۃ عنہ (تاج) وھو ان یصف احد ھم نفسہ
للمرأۃ فی عدتھا فی النکاح وبہ فسر الفراء (تاج) اِس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا "البتہ ان سے وعدۂ نکاح نہ کرو" ٨٩٦ اور وہ عزت و حرمت کے ساتھ بات
کہنا یہی ہے کہ جو کچھ بھی کہنا ہو اشارۃً و کنایۃً ہی کہا جائے نہ کہ صراحۃً ٨٩٧ یعنی ختمِ عدّت سے قبل عزمِ نکاح کر لینا بھی درست نہیں۔ عزم سے مراد قصدِ مصمم و قطعی ہے۔
٨٩٨ سو جو امور ناجائز ہیں ان کے ارتکاب کا عزم بھی اس کے علم میں رہتا ہے ٨٩٩ غَفُوۡرٌ (چنانچہ توبہ کے بعد نافرمانوں کو بھی معاف کر دیتا ہے) حَلِيۡمٌ (چنانچہ
بہت دفعہ نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دے دیتا ہے)۔

۸۸۱ مرضعہ کی تنخواہ اور کھانے کپڑے کی ذمہ داری بہرحال باپ کے سر ہے۔ اور مرضعہ عام حالات میں ماؤں ہی کو ہونا چاہیئے۔ خواہ وہ مائیں ہنوز قیدِ نکاح میں ہوں یا قیدِ عدت میں۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی عرف خیر یعنی دستور کے موافق، جو کسی قاعدۂ شرعی کے خلاف نہ ہو۔ اے بما یحسن فی الدین والمروءۃ (مدارک) اے بما لا یکون مستنکرا شرعا و مروءۃ (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کھلانے پہنانے میں مرد کی وسعت و حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اے نہ سختی سے کام لینا چاہیئے، نہ اسراف کی حاجت۔ یدل علی ان الواجب من النفقۃ والکسوۃ ھو علیٰ قدر حال الرجل فی اعسارہ ویسارہ (جصاص) ۸۸۲ (اور اس کے قوائے ترکیبی کے مناسبِ حال)، چنانچہ یہاں بھی رضاعت کا حکم ملا تو ماں کو، کہ یہ چیز عورت ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ اور مرضعہ کو کھلانے پہنانے کی ذمہ داری رکھی گئی ہے باپ کے سر، کہ کمانا اور خرچ کرنا مرد ہی کی زندگی سے مناسبت رکھتا ہے۔ جزئیات کے درمیان درمیان کلیے لے آنا یہ انشاء قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے ۸۸۳ آیت میں تنبیہ ہے باپ اور ماں دونوں کو، باپ کو تو یہ کہ وہ لڑکے کی ماں پر خواہ مخواہ سختی روا نہ رکھے اور ماں کو یہ کہ وہ لڑکے کے باپ سے خواہ مخواہ سخت مالی مطالبے نہ کرے ۸۸۴ (جب باپ زندہ نہ ہو) اَلْوَارِثِ۔ وارث سے فقہی اصطلاح میں وہ قرابت دار محرم مراد ہے جو بچہ کا شرعی وارث ہے۔ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح باپ پر بچہ کی ماں کا حفظِ حقوق واجب ہے اسی طرح باپ کے بعد اپنے قریب ترین عزیزوں پر بھی واجب ہے۔ علیہ مثل ما علیٰ والد الطفل من الانفاق علیٰ والدۃ الطفل والقیام بحقوقھا وعدم الاضرار بھا (ابن کثیر) وبہ قول الجمھور وقد استقصی ذٰلك ابن جریر فی تفسیرہ (ابن کثیر) باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی مال میں اس کا خرچ ہوگا۔ اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ سے ان کا رشتہ ایسا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو مرد اور ایک کو عورت فرض کریں تو باہم نکاح درست نہ ہو، اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اس کے مستحقِ میراث بھی ہیں۔ پس ایسے محرم وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہوگا اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے۔ مثلاً ایک ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے تو اس کے خرچ کا ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث بھی اسی نسبت سے پا سکتے ہیں (تھانویؒ)۔ شیرخوار کے مصارف جو دوسروں پر واجب کئے گئے ہیں اس کی علت یہی ہے کہ بچہ بذاتِ خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس اشتراکِ علت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ محتاج عورتوں، اپاہج مردوں اور نابالغوں کے مصارف ان کے اقارب کے ذمہ ہیں۔ اور یہی مسلک حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ وقد استدل بذٰلك من ذھب من الحنفیۃ والحنبلیۃ الی وجوب نفقۃ الاقارب بعضھم علیٰ بعض وھو مروی عن عمر بن الخطاب وجمھور السلف (ابن کثیر) ۸۸۵ (تکمیلِ رضاعت سے قبل یعنی دو برس کی مدت کے اندر ہی) تَرَاضٍ۔ تَشَاوُرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں کو جذبۂ شفقت اور حقِ پرورش زیادہ ہوتا ہے، اس لئے اس قسم کے امور کو محض باپ کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ ماں کی رائے اور رضامندی کی بھی شرط لگا دی گئی۔ مفسر تھانویؒ نے کہا کہ باہمی مشورہ کی ضرورت یہ ہے کہ خود بچہ کی مصلحت پر نظر کر لیں ۸۸۶ مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ ماں سے چھڑا کر کسی اور سے رضاعت کرانے کی ضرورت یا مصلحت بھی پیش آجاتی ہے۔ چنانچہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو کسی انا سے رضاعت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل جائز ہے بشرطیکہ اجرت حسبِ قرارداد ادا کر دی جائے۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی حسبِ معاہدہ و قرارداد۔ بالمعروف کا نحوی تعلق سلّمتم سے بھی ہو سکتا ہے اور اٰتیتم سے بھی ۸۸۷ (سارے احکام وادامر کے باب میں، چنانچہ یہاں بھی یہ ہے کہ اجرت نہ دو گے تو گنہگار ہوگے ——— معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے، قرآن مجید نے سارے دائرۂ زندگی میں قدم قدم پر تقوائے الٰہی کو شمع راہ رکھا ہے ۸۸۸ انسان کو بدمعاملگی، بددیانتی پر لانے والی چیز صرف یہی بھول غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا، اس کی ہمہ بینی، ہمہ خبری کا استحضار اگر ہر وقت رہے، تو کوئی لغزش ہونے ہی نہ پائے۔ قرآن مجید بار بار اسی جذبہ کو بیدار کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی خانگی زندگی کی کسی منزل میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہونے پائے ۸۸۹ (نکاح اور قریبی مقدمات نکاح سے) دُنیا کے عمرانی اور معاشرتی مسائل میں طلاق کے بعد بیوہ کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے مذہب نے کوئی خاص اعتبار تا ہی نہیں ہے۔ بلکہ بعض مذہبوں نے تو ستی وغیرہ کو جائز کر کے بیوہ کو زندہ ہی جلا دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے، پوری طرح زندہ رہنے کا، سہاگنوں ہی کی طرح زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے۔ اور یہ باب بھی، جہاں تک دنیوی برکتوں کا تعلق ہے، اسلام کا ایک روشن ترین باب ہے۔ تَرَبُّصٌ۔ انتظار کی اس مدت کا اصطلاحی نام عدت ہے۔ طلاق کی عدت پورے تین ماہ کی تھی۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن یا کل ۱۳۰ دن تجویز ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں بیوہ کے لئے بناؤ سنگار سب ناجائز ہے۔ بیوہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت تا وضعِ حمل ہے۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا

موافق دستور کے ۸۸۱ کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا بجز اس کی برداشت کے بقدر ۸۸۲ کسی

تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَ

ماں کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے

عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

بچہ کے باعث ۸۸۳ اور اسی طرح (کا انتظام) وارث کے ذمہ بھی ہے ۸۸۴ پھر اگر دونوں اپنی باہمی

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ

رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں ۸۸۵ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر

اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ

تم لوگ اپنے بچوں کو (کسی اور انا کا) دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا

نہیں جب کہ تم (ان کے) حوالے کر دو جو کچھ انہیں دینا ہے موافق دستور کے ۸۸۶ اور اللہ

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٣﴾ وَ

سے ڈرتے رہو ۸۸۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے ۸۸۸ اور

الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ

تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ

کو چار مہینہ اور دس دن تک روکے رکھیں ۸۸۹ پھر جب وہ اپنی مدت

وَالامد (کشاف) ویقع فی البلوغ ایضًا فیقال بلغ البلد اذا شارفه و دانا ہ (کشاف) جعل لفظ بلغ بمعنٰی قارب کما یقال اذ بلغت مکۃ فاغتسل (ابن العربی) ۸۶۷ یعنی جب وہ سراہی مدت عدت ختم ہونے پر آئے، تو شوہر کو اب دو اختیار ہیں۔ یا یہ کہ اپنی اُس نیم مطلقہ بیوی کو پھر شرافت و عزت کے ساتھ اپنی زوجیت میں واپس لے لے، اور یا پھر اُسے شرافت و عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کر دے۔ اور مستقل علیحدگی اختیار کر لے ——— غرض دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کی جائے، تمامتر شریعت و اخلاق کے قانون و آداب کے موافق ہو ۸۶۸ گویا عورت کی حق تلفی کی گنجائش کسی صورت اور کسی حال میں بھی نہیں ——— زوجیت میں واپسی خانہ آبادی کے لئے ہونا چاہیئے نہ کہ خانہ بربادی کے لئے ۸۶۹ (اور اپنی زیادتیوں کی سزا دُنیا یا آخرت میں بھگتے گا) بیویوں کے حقوق ادا کرنے والے۔ حقوق زوجیت میں برابر اور شدید کوتاہیاں کرتے رہنے والے خیال کرتے رہیں کہ ایسوں کے حق میں کیسی کیسی وعیدیں وارد ہو رہی ہیں ۸۷۰ (کہ جس پر جی چاہا عمل کیا، اور جسے چاہا یوں ہی چھوڑ دیا) شریعتِ اسلامی میں حیاتِ اجتماعی و معاشری کا سنگِ بنیاد خاندان اور خاندانی زندگی ہے، اور خاندان کا کلیدی نقطہ میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں۔ اس لئے ایک معنی میں کہنا چاہیئے کہ سارے نظامِ معاشرت کی بنیاد ہی یہی حقوقِ زناشوئی کی ادائی ہے۔ اور جس طرح بعض بظاہر معمولی

الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا
تم پر اتاری ہے کہ اُس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے ۸۷۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے
۲۹ ع ۱۲ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
رہو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۸۷۴ اور جب تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو
فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ
اور پھر وہ اپنی مُدت کو پہنچ چکیں ۸۷۵ تو تم انہیں اس سے مت روکو ۸۷۶ کہ وہ اپنے شوہروں سے
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ
نکاح کریں، جب کہ وہ آپس میں سب شرافت کے ساتھ راضی ہوں ۸۷۷ اس (مضمون)
یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ
سے نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے اس شخص کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر
الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ
ایمان رکھتا ہے ۸۷۸ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر اور صاف تر ہے اور اللہ جانتا ہے اور
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ
تم نہیں جانتے ہو ۸۷۹ اور مائیں اپنے بچوں کو
اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ
دُودھ پلائیں پورے دو سال ۸۸۰ (یہ مُدت) اس کے لئے ہے جو
الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ
رضاعت کی تکمیل کرنا چاہے ۸۸۱ اور جس کا بچہ ہے، اُس کے ذمہ ہے اُن (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا

بے احتیاطیاں بڑی بڑی سخت بیماریوں کا سبب بن جاتی ہیں، بعض جزئی احکام شریعت کی بے پروائی بڑے بڑے سخت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ——— ان دقائق کو سنبھالے رہنا شریعت ہی جیسے حکیمانہ نظام کا کام ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ احکام محض ہزل نہیں، پُوری سنجیدگی سے ہر حال میں نافذ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ پہلے تو زبان سے صاف لفظوں میں طلاق دے دی، اور پھر بعد کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ یہ تو ہنسی میں کہا تھا۔ بعض تابعین اسی طرف گئے ہیں ۸۷۱ (اور ان ہی نعمتوں میں سے آئینِ معاشرت کی یہ مکمل مفصل جامع تعلیم بھی ہے) ۸۷۲ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ اس سے یعنی اس کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے۔ بہ میں ضمیر ما انزل کی طرف ہے ۸۷۳ (اور چھوٹے بڑے ہر حکم کی مصلحتوں سے بھی وہی خبردار ہے) وَاتَّقُوا، وَاعْلَمُوْا تقوائے الٰہی اور علمِ الٰہی کی کاملیت کا استحضار یہی دو تو بنیادیں ہیں ہر عملِ صالح اور صالحانہ زندگی کی ۸۷۴ (اور عدت پوری کر کے دوسرے نکاح کی آرزو مند ہوں) اِذَا طَلَّقْتُمْ۔ یہاں یہ خطاب صرف شوہروں سے نہیں، عام امت سے ہے۔ خطاب للاولیاء و للازواج و لسائر الناس والعموم یقتضی ذلک (جصاص) بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ یہاں زمانۂ عدت کا قربِ ختم مراد نہیں، جیسا کہ آیت ماقبل میں تھا۔ بلکہ عین ختم مراد ہے۔ المراد حقیقۃ البلوغ بانقضاء العدۃ (جصاص) البلوغ ھہنا حقیقۃ لامجاز فیھا (ابن العربی) ۸۷۵ (جیسا کہ عرب میں بہت سے موقعوں پر اولیاء و اقرباء کی طرف سے روکنے کا رواج تھا) ۸۷۶ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی ان کے تجویز کئے ہوئے شوہر عام اس سے کہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے ہوں جو ایک بار انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ ای الذین یرغبن فیھم و یصلحون لھن (مدارک) یَّنْكِحْنَ۔ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ عورتیں خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہیں سے حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے بھی جائز ہے۔ قد دلت ھذہ الاٰیۃ من وجوہ علی جواز النکاح اذا عقدت علی نفسھا بغیر ولی ولا اذن ولیھا احدھا اضافۃ العقد الیھا من غیر شرط اذن الولی (جصاص) تَرَاضَوْا۔ حنفیہ نے اس لفظ سے استنباط کیا ہے کہ ایجاب و قبول رکنِ نکاح ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی بجائے زوجین کے اُن کے ولی یا وکیل کر دیں۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یہ قید ان احکام میں ہر جگہ لگی ہوئی ہے، اور کس کثرت سے اس کا اعادہ ہو چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ سی ادنیٰ بات بھی دین و اخلاق کے قانون کے خلاف نہ ہونے پائے ۸۷۷ ان تعلیمات و ہدایات کی پوری قدر ان ہی کو ہو گی جو مومنِ کامل ہیں ۸۷۸ (تیں حکمتوں اور حقیقی مصلحتوں کا علم ہمہ بیں، ہمہ داں، خدائے تعالیٰ کو ہو سکتا ہے، یا علم کے ناقص، عقل کے ناقص گندے بندوں کو؟) اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ۔ یعنی مفید، حکیمانہ، قابلِ عمل، آسان احکام، ذاتی و ملی ہر اعتبار سے۔ شخصی سیرتوں اور اجتماعی مصلحتوں دونوں کے معیار سے۔ دُوسرے مذہبوں کے برعکس اسلام جس نظام کو لے کر آیا ہے وہ محض معقول راہبوں، جوگیوں، فلسفیوں کے لئے نہیں، صرف نفس کشی و ریاضت کرنے والوں کے لئے نہیں۔ اس مادّی دنیا کے بھی معاشری، اجتماعی فوائد کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے قانون پر عمل کیا جائے۔ ذٰلِكُمْ۔ ای الاتعاظ بہ والعمل بمقتضاہ (روح) ۸۷۹ رضاعت اصلی حق ماں کا ہے، اور ماں سے بہتر کوئی مرضعہ ہو نہیں سکتی۔ پُرانے طبیبوں اور نئے ڈاکٹروں اور ڈاکٹرنیوں سب کو اس پر اتفاق کرنا پڑا ہے۔ یجعل الام احق برضاع الولد ھذہ المدۃ (جصاص) الْوَالِدٰتُ۔ خواہ ان ماؤں کا نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو۔ اَوْلَادَهُنَّ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ مراد مائیں ہی ہیں، نانیاں دادیاں مراد نہیں۔ رضاعتِ کامل کے لئے دو برس کی مدت پر بھی طبیبوں کا اتفاق رائے موجود ہے ۸۸۰ یعنی جو پُورے نصاب کی تکمیل نہ کرنا چاہے اُس کے لئے کم مدت کی بھی اجازت ہے۔

بیوی کو دیا لیا ہے، اس سے چھین لیتا ہے۔ عرب جاہلیت میں یہ دستور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اسی ظالمانہ دستور کی ممانعت ہے۔ اور بتایا ہے کہ مہر وغیرہ جو کچھ انہیں پہلے دے چکے ہو، اب اس کے چھیننے اور واپس لینے کا کوئی محل نہیں۔ مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا۔ عام مفسرین اور فقہاء نے اس سے مراد مہر کی رقم رکھی ہے۔ لیکن فقیہ ابن العربی مالکی نے اسے ہر اُس مال تک وسعت دی ہے جو شوہر بیوی کو دے چکا ہو۔ قال قوم یعنی من الصداق وعندی ان من کل شیء اعطاھا۔ حسنِ معاشرت، حسنِ معیشت، حسنِ سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے۔ بیویوں کو رکھو تو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ۔ رخصت کرو تو بھی ہنسی خوشی خوش عنوانی کے ساتھ ۸۵۵ اور ادائے حقوقِ زوجیت کے باب میں، یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا۔ وہ دونوں یعنی میاں بیوی ۸۵۶ یعنی حقوقِ زوجیت درجۂ اوّل میں بھی ادا نہ ہو سکیں، اور موافقت کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئے۔ حُدُوۡدَ اللّٰهِ۔ یعنی معاشرتِ زوجی کے فرائض۔ قال طاؤس فیما افترض علی کل واحد منہما فی العشرة والصحبة (جصاص) ۸۵۷ یعنی بیوی اگر قیدِ نکاح سے مخلصی پانے اور شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لئے اپنے مہر سے یا اس کے کچھ حصے سے دستبردار ہو جانا چاہے، تو یہ بھی ایک جائز صورت علیحدگی کی ہے، اور اس مال کو قبول کر لینا شوہر کے لئے درست ہوگا۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواستگار عورت ہو، اصطلاحِ شریعت میں خلع ہے اور احکامِ خلع کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی، مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں بھی کلام مبسوط ملے گا۔ خلع کے جائز صورتِ طلاق ہونے اور اس کے طلاق بائن کے درجہ پر رکھنے پر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے صحابیوں اور حسنؒ اور ابی سلمہ اور قاضی شریح اور ابراہیم اور شعبی اور مکحول جیسے تابعین تک کا اتفاق جصاص نے نقل کیا ہے، اور اس کو فقہاء کا متفقہ قول بھی قرار دیا ہے۔ وھو قول فقہاء الامصار لا اختلاف بینہم۔ فقہاء کے ہاں ایک بحث یہ بھی چلی ہے کہ خلع آیا صرف اسی اندیشہ کے وقت جائز ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے، یا یوں بھی عام طور پر؟ جمہور فقہاء اور مجتہدین اسی طرف گئے ہیں کہ خلع ہر صورت میں اور ہر حال میں جائز ہے۔ اما جمہور المجتہدین فقالوا الخلع جائز فی حالة الخوف وفی غیر حالة الخوف (کبیر) البتہ فقیہ زہری، نخعی اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ نقل ہوا ہے کہ خلع کی اجازت صرف اندیشہ اور غصہ کی حالت میں ہے۔ وقال الزہری والنخعی وداؤد لا یباح الخلع الا عند الغضب والخوف (کبیر) ۸۵۸ یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکامِ شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابلِ التفات نہ سمجھا جائے۔ اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیئے تھا ـــــ مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہوگی، اُسی قدر اُس کا ایک ایک تنہا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا ۸۵۹ یعنی اُن پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجعت نہ کرے، اور طلاق پر قائم ہی رہے، تو اب تیسری بار، یا پہلی طلاق سے تین مہینے گزر جانے کے بعد اب طلاق قطعی طور پر نافذ ہو جائے گی۔ تین مہینے کی مدت غور و فکر کے لئے اور سعیِ مصالحت و مفاہمت کے لئے بہت کافی ہوتی ہے ۸۶۰ اور وہ شوہر اُس سے ہمبستری بھی کرے، دُوسرے شوہر سے یہ نکاح، پہلے شوہر سے طلاق قطعی پانے کے تین مہینے بعد یعنی ایامِ عدت گزارنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ تَنۡكِحَ۔ نکاح یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں، یعنی عقدِ نکاح کے مرادف نہیں، بلکہ اپنے اصلی اور لغوی معنی میں، یعنی ہمبستری کے مرادف ہے۔ محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ زَوۡجًا سے نکل آتا ہے۔ تنکح سے مقصود ہمبستری کو ظاہر کرنا تھا۔ العقد فہم من زوجا والجماع من تنکح (روح) یحتمل ان تفسیر النکاح بالاصابة (بیضاوی) اور امام ابن جریر اس سوال کے جواب میں، کہ ہمبستری کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہیں تو آخر یہ دلالت کہاں سے پیدا کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ معنی کی یہ دلالت ساری اُمت کے اجماع نے پیدا کی ہے۔ الدلالة علی ذلك اجماع الامة جمیعا علی ان ذلك معناہ اور امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قولِ مختار یہی ہے کہ ہمبستری کی شرط حدیث سے نہیں، قرآن ہی سے ثابت ہے۔ واختلف العلماء فی ان شرط الوطیء بالسنة او بالکتاب قال ابو مسلم الاصفہانی الامران معلومان بالکتاب وھذا ھو المختار (کبیر) اور آگے اسے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ نکاح کا لفظ جب مطلق صورت میں ہے جب تو مراد عقدِ زوجیت سے ہوگی، لیکن جب اضافت زوجته وامرأته کے ساتھ ہوگی، تو ہمبستری ہی ہوگی۔ اور آخر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قولہ تنکح یدل علی الوطی وقولہ زوجا یدل علی العقد (کبیر) بہرحال جمہور فقہاء و ائمۂ مجتہدین کا مذہب یہی ہے کہ مطلقہ کے ساتھ پہلے شوہر کا نکاح جب ہی درست ہے جب دُوسرا شوہر اُس کے ساتھ ہمبستری کر کے اُسے طلاق دیدے، اور اس طلاق پر بھی تین ماہ کی مدت گزر لے۔ مذھب جمہور المجتہدین ان المطلقة بالثلاث لا تحل لذلك الزوج الا بخمس شرائط تعتد منه وتعقد للثانی ویطوءھا ثم یطلقها ثم تعتد منه (کبیر) اختلاف صرف دو تابعین سے منقول ہے۔ ان کے خیال میں مجرد عقدِ ثانی بھی، بغیر ہمبستری کے، طلاق کے بعد شوہر اوّل سے یا کسی اور سے عقد کے لئے کافی ہے۔ قال سعید بن جبیر وسعید بن المسیب تحل بمجرد العقد (کبیر) لیکن مذہبِ جمہور ہی نہایت قوی اور شریعت اسلامی کے عین مزاج کے مطابق ہے۔ شریعت نے طلاق کو پسند یقیناً نہیں کیا ہے۔ اس کے نفاذ میں طرح طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ ترغیب یہ دی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر ہی طلاق دی جائے۔ لیکن ان سب مرحلوں سے گزر جانے کے بعد جب طلاق نافذ ہی ہو جائے، تو پھر اب رعایت کا کوئی موقع نہیں، شوہر کو اب دوبارہ آسانی سے وہ بیوی واپس نہیں مل سکتی، اب اُسے ذرا خونِ جگر کھا لینا پڑے گا، جب وہ حاصل ہو سکتی ہے ـــــ سزائے زنا میں بھی یہی اصل کار فرما ہے۔ ثبوتِ زنا نہایت ہی قوی بلکہ قطعی ہونا چاہیئے۔ ذرا سے بھی شبہ کا فائدہ ملزم ہی کو ملے گا، لیکن جب یہ سب مرحلے طے ہو چکیں تو پھر اب نفاذِ سزا میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔ مِنۡۢ بَعۡدُ۔ یعنی طلاقِ ثالث کے بعد۔ ای التطلیقة الثالثة (مدارک) اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی، تاکہ وہ اپنے شوہر اوّل کے لئے جائز ہو جائے حلالہ کہلاتا ہے۔ حدیث میں محلّل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم، سنجیدہ اور مقدس معاہدہ کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے، اور محلّل لہٗ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدۂ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس خاک میں ملائی جا رہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔ اور اکثر فقہاء کے ہاں یہ نکاح، نکاحِ فاسد کے حکم میں آتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں ایسا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یعنی اس کا نفاذ قانونی ہو جائے گا، اگرچہ اس سے گناہ عائد ہوگا ۸۶۱ اور اس دوسری طلاق پر بھی تین مہینے کی عدت گزر جائے، ۸۶۲ (بدستورِ سابق) دوبارہ نکاح کر لے، مطلقہ اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ کو حرام اب بھی نہیں ہو جاتی۔ ان درمیانی مرحلوں سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کا نکاح اپنے شوہر اوّل سے ممکن ہے۔ ہر ہر فریقِ معاملہ کے حقوق کی پوری رعایت کا جو حکیمانہ اہتمام و التزام شریعتِ اسلامی کے سارے اجزاء میں ہے، اس کا ایک اعلیٰ نمونہ یہ طلاق کے جزئیاتِ احکام ہیں۔ انسانی ذہن اور بشری دماغ اپنی ساری کوششیں کر تھکے، اتنے دقائق کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا ۸۶۳ (اور آئندہ خواہ مخواہ کی رنجشیں پیدا کر کے اتلافِ حقوق میں نہ مبتلا ہوں گے، یُّقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ۔ حدود اللہ کی اقامت اس سیاق میں یہی ہے کہ حسنِ معاشرت کی رعایت رکھی جائے۔ ای یتعاشرا بالمعروف (ابن کثیر) ای یکون بینہما الصلاح وحسن الصحبة (معالم) اِنۡ ظَنَّاۤ۔ یعنی اگر امید و ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ باقی یقین کے ساتھ مستقبل کا حال کون جان سکتا ہے۔ ای رجوا لان احدا لا یعلم ما ھو کائن الا اللہ عز وجل (معالم) ای متی حصل ھذا الظن حصل لھما العزم علی اقامة حدود اللہ حسنت ھذہ المراجعة (کبیر) ای ان کان فی ظنہما انہما یقیمان حقوق الزوجیة (مدارک) ومن فسر الظن ھھنا بالعلم فقد وھم من طریق اللفظ (کشاف) ۸۶۴ اہلِ فہم و دانش کے لئے۔ اُن لوگوں کے لئے جو احکام و اوامرِ الٰہی کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی یعلمون ما امرھم اللہ تعالیٰ بہ (معالم) یرید من له عقل وعلم (کبیر) ای یفھمون ما تبین لھم (مدارک) حُدُوۡدُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام و قوانین۔ ای احکامه وشرائعه (ابن کثیر) ۸۶۵ یعنی وہی ایک بار یا دو بار دی ہوئی طلاقِ رجعی، جو ابھی قطعی نہیں ہوئی ہے اور جس سے ابھی رجوع کر لینے کی گنجائش ہے ۸۶۶ (لیکن وہ مدت ابھی پوری گزر چکی نہ ہو) یعنی زمانۂ عدت ابھی ختم ہونے ہی پر ہو، لیکن پوری طرح ختم ہو چکا نہ ہو۔ ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اب کوئی گنجائش ہی رجعت کی نہیں باقی رہی۔ بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ۔ المراد مقاربة البلوغ والاشراف علیه لا حقیقته (جصاص) المراد مقاربته دون انقضائه ونظائره کثیرة فی القراٰن واللغة (جصاص) معناہ قارب البلوغ (ابن العربی) اَجَلَهُنَّ۔ اجل کا اطلاق ساری مدت پر بھی ہوتا ہے اور آخر مدت پر بھی۔ والاجل یقع علی المدة کلہا وعلی اٰخرھا وکذلك الغایة

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ

پھر اگر کوئی اپنی عورت کو طلاق دے ہی دے، تو وہ عورت اُس کیلئے اُس کے بعد جائز نہ رہے گی یہاں تک کہ

زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ‌ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ

وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (بھی) اسے طلاق دیدے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ

اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ‌ؕ وَ

پھر مل جائیں بشرطیکہ دونوں گمان غالب رکھتے ہوں کہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝٢٣٠ وَ

اور یہ بھی اللہ کے ضابطے ہیں۔ انہیں وہ کھول کر اُن لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں اور

اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ

جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی مدت گزرنے پر پہنچ جائیں تو (اب یا تو) انہیں

بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ‌ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ

عزت کے ساتھ روک کے رکھو اور یا عزت کے ساتھ رہائی دیدو اور اُن کو تکلیف پہنچانے

ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ‌ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ

کی غرض سے نہ روکے رہو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر

نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا‌ ۚ وَّاذۡكُرُوۡا

ظلم کرے گا اور اللہ کے احکام کو ہنسی (کھیل) نہ سمجھو اور اللہ کی نعمتیں

نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ

اپنے اوپر یاد کرو اور (اس) کتاب و حکمت کو بھی جو اُس نے

ہم پہنچائی ہے۔ ملاحظہ ہو جصاص، جلد اوّل ص۴۲۳۔ بہر حال حنفیہ کے ہاں کا متفقہ مسئلہ یہی ہے کہ عورت اپنے تین ایام ماہواری کے آنے تک اپنے کو عدّت میں سمجھے، اور اس مدت میں نکاح ثانی اپنے لئے جائز نہ سمجھے ۸۴۴ اس لئے کہ چھپانے کی یہ کوشش زمانۂ عدت کے شمار و حساب میں خلل انداز ہوگی، اور اس طرح شریعت نے جو مصلحتیں اس کے اندر رکھی ہیں وہ ضائع ہو کر رہیں گی، مَا خَلَقَ اللّٰهُ میں مَا کا لفظ عام ہے۔ رحم کے اندر جو چیز بھی ہو، جاندار بچہ ہو، یا ایام ماہواری کا خون ہو، دونوں پر شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ حمل قائم ہو چکا ہو، خواہ ایام ماہواری کا دَور چل رہا ہو، کوئی بھی صورتِ حال ہو، اُسے چھپانا نہ چاہیئے ۸۴۵ دُنیا کے ہر علم و فن کا یہی حال ہے کہ وہ جس درجہ مکمل و منظم ہوگا، اُسی قدر اس کا ہر جُز دوسرے اجزاء سے مربُوط و مرتبط ہوگا۔ شریعت اسلامی جملہ دُنیوی علوم و فنون سے منظم تر ہے۔ اس لئے قدرۃً اس کے کسی معمولی جزئیہ کی طرف سے بھی بے التفاتی، دُوسرے اجزاء حیات پر لازمی طور پر مؤثر ہوگی۔ آیت کا یہ جزو بڑھا کر گویا یہ تاکید و تصریح کر دی ہے کہ جس کسی کو اللہ کی ہمہ گیر حکومت اور آخرت کی بازپرس کا پُورا عقیدہ ہے اس کی یہ شان نہیں کہ ایک جزئیہ کی بھی خلاف ورزی کی دانستہ جسارت کر سکے ۸۴۶ (اور یہ واپسی بلا تجدید نکاح ہو جائے گی) فِیْ ذٰلِكَ۔ یعنی تین مہینے کی میعاد و مدت کے اندر۔ اے فی ذلك التربص (مدارک) اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ اس کا اشارہ یہی نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اُسے پختہ نہ ہونے دے، اور میاں بیوی از سرِنو آباد ہو جائیں۔ طلاق کو شریعتِ الٰہی نے صرف ضرورت کے موقع پر بطور علاج اور آخری تدبیر کے جائز رکھا ہے، خواہ مخواہ اس کی ترغیب نہیں دی ہے، اور نہ بلا ضرورت اسے پسند فرمایا ہے۔ اور حدیثِ نبوی میں جو اسے ابغض المباحات سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی اللہ کی قانوناً جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند، وہ اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ تین مہینہ کی مدت غور و فکر کے لئے اور ناگواری و بیزاری کے ہنگامی جذبات کے سرد پڑ جانے کے لئے بہت ہوتی ہے۔ اس اثناء میں اگر شوہر بیوی کو واپس لینا چاہے، تو طلاق کو قول یا عمل سے منسُوخ کر سکتا ہے، اور اسی کو اصطلاح میں رجعت کہتے ہیں ۸۴۷ (اس رجُوع و رجعت سے۔ نہ یہ کہ فسخ طلاق سے مزید اذیت رسانی مقصود ہو۔ اگرچہ رجعت کا نفاذِ قانونی و ظاہری بہر صُورت ہو جائیگا) قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات دو الگ الگ چیزیں ہیں، قانونِ ظاہری کا نفاذ اسی دنیا تک ہے۔ مومن کو اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست رکھنا چاہیئے، کہ اجر و ترقیٔ درجات کا مدار اسی پر ہے۔ اسی لئے قانونی احکام کے بیچ بیچ تصحیح نیت و اخلاص کی تاکید برابر آتی جاتی ہے۔

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

اس (مدت) میں زیادہ حقدار ہیں ۸۴۶ بشرطیکہ اصلاحِ حال کا قصد رکھتے ہوں ۸۴۷

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ

اور عورتوں کا (بھی) حق ہے جیسا کہ عورتوں پر حق ہے ۸۴۸ موافق دستور (شرعی) کے ۸۴۹ اور مردوں کو

عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ

۲۸ ع ۱۲

ان کے اوپر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے ۸۵۰، اور اللہ بڑا زبردست ہے ۸۵۱، بڑا حکمت والا ہے ۸۵۲ طلاق تو دو ہی

مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌ ۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ ۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

بار کی ہے ۸۵۳ اس کے بعد (یا تو) رکھ لینا ہے قاعدے کے مطابق یا پھر خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا

دینا ہے ۸۵۴ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم انہیں دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لو ۸۵۵

اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ

ہاں بجز اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے ۸۵۶ سو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا

کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے ۸۵۷ تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا،

افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

جو عورت معاوضہ میں دیدے ۸۵۸ یہ (سب) اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے باہر نہ نکلنا،

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جو کوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائیگا، سو ایسے لوگ تو (اپنے حق میں) ظلم کرنے والے ہیں ۸۵۹

۸۴۸ یہ قرآنی بلاغت کا اعجاز ہے کہ اتنا بڑا مضمون اتنے مختصر سے فقرہ میں آگیا۔ اُردو میں یہ مضمون یوں ادا ہوگا۔ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اُسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔ گویا دنیا کو یہ بتایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ بس مردوں کے حقوق عورتوں پر اور شوہروں ہی کے حقوق بیویوں پر ہوتے ہیں، نہیں، بلکہ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مردوں پر اور بیویوں کے حقوق بھی شوہروں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ حقوقِ نسواں کا یہ نام عرب کے ایک اُمّی کی زبان پر اُس وقت لایا جا رہا ہے، جب کہ دُنیا کی دُنیا اس تخیل سے ناواقف تھی اور یہودیت و نصرانیت کی مذہبی دنیا میں تو عورت گویا ہر بُرائی کا سرچشمہ تھی، اور ذلت و حقارت کا ایک مرقع۔ یہود کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔ "معصیتِ اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہُوئی تھی، اس لئے اس کو شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا، اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس کا مالک و آقا ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے۔" (جلد ۶ ص۵۰۵) اور مسیحی دنیا سے متعلق، مشہور محقق Lecky فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاقِ یورپ History of European Morals میں لکھتے ہیں "عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفاتِ بشری کا باعث ہے۔ اُسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔" (جلد ۲ ص۱۴۲) یہ حال وقت کے اونچے اونچے مذہبوں کا تھا۔ شرک و جاہلیت کے پست مذہبوں کا ذکر ہی بے کار ہے۔ اور خود ملکِ عرب کا یہ حال تھا کہ عورتیں گویا انسان نہیں، جانور یا جائداد ہیں، کہ شوہر کے بعد بیویاں بھی ترکہ میں سوتیلے بیٹوں کی ملک و تصرف میں آنے لگی تھیں۔ مِثْلُ الَّذِيْ۔ یہ مثلیت و مماثلت کس لحاظ سے ہے؟ کیفیت و کمیت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ نفسِ وجُوب کے لحاظ سے ہے۔ والمراد بالمماثلة الواجب فی کونه حسنة لا فی جنس الفعل (کشاف) اے فی الوجوب استحقاق المطالبة علیها (بیضاوی) یعنی شوہر کہیں اس بھول میں نہ پڑ جائیں کہ اُن کے صرف حقوق ہی حقوق ہیں اور فرائض کچھ نہیں۔ فرائض ان پر بھی اسی طرح عائد ہوتے ہیں جس طرح ان کی بیویوں پر۔ اسی طرح بیویاں بھی کہیں اس افراط "روشن خیالی" میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ خدمت کرنا ہمارا کام نہیں، یہ کام سب مردوں کا ہے، ہمارا کام خدمت لینا ہے ۸۴۹ لیکن حقوقِ باہمی کا آخر معیار کیا ہے؟ آیت کا یہ ٹکڑا اسی سوال کا جواب ہے۔ یعنی ان حقوق کی جزئیات و تفصیلات کو شریعت ہی کے اصول و کلیات کے ماتحت ہونا چاہیئے، یا پھر عقلِ سلیم کے ماتحت۔ اے بالوجه الذی لا ینکر فی الشرع وعادات الناس (مدارک) یہ نہیں کہ محض ہوائے نفس سے یا جاہلی مزعومات کے ماتحت کوئی دستور گڑھ لیا جائے، اور ان کا نام "ضابطۂ حقوقِ نسواں" رکھ دیا جائے! ۸۵۰ تہذیبِ جاہلی ہر زمانہ میں عجیب عجیب بے اصل اور تمام تر غلط دعوے کرتی رہتی ہے، اور بعد کو ان دعووں کی عملی تردید بھی ہوتی رہی ہے۔ تہذیبِ جدید کے انہی بے بنیاد مفروضوں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں — محض دعویٰ کتنی ہی کثرت سے دُہرایا جائے، دعویٰ ہی رہے گا، دلیل نہ بن جائے گا۔ قرآن ابھی ابھی جاہلیت ہی کے ایک مفروضہ کی تردید میں کہہ چُکا ہے کہ عورت بے حق نہیں ہے، وہ بھی مَردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے۔ اب وہ جاہلیت کے دُوسرے دعوی کی تردید میں بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں جنسوں میں مساواتِ مطلق و مساواتِ کامل نہیں، بلکہ مرد کو عورت پر ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔ دَرَجَةٌ۔ قرآنی لفظ درجۃ خُوب خیال میں رہے۔ مرد عورت کے مالک نہیں، عورت اس کی کنیز یا باندی نہیں، بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں۔ پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت و ترجیح حاصل ہے۔ معناه فضیلة فی الحق (معالم) اے زیادة فی الحق (کشاف) جدید علوم و طبیات کے ماہرین جنہوں نے مرد و زن کی جسمانی ساخت و ترکیب، دماغی و ذہنی قویٰ اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ و تحقیق میں عمریں بسر کر دی ہیں، ان کی بڑی جماعت آخر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں ایک دُوسرے کے لئے متمم و مکمل ہیں، تاہم بلحاظ قوت و بلحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے۔ اور عورت جن ملکوں میں مردوں کے برابر ثابت بھی ہوئی ہے وہاں اپنی نسائیت کا خُون کر کے۔ ۸۵۱ معاشرتِ انسانی اور معاملاتِ باہمی کے بہت سے صیغوں کے اہم مسائل اس آیت میں آ گئے۔ اس لئے حق تھا کہ آیت کا خاتمہ ان ہی صفاتِ باری کے اثبات پر کیا جائے۔ عَزِيْزٌ۔ وہ بڑی قوت والا ہے۔ ہر مانع پر غالب۔ جو احکام وہ چاہے دے سکتا ہے۔ حَكِيْمٌ۔ لیکن ساتھ ہی وہ بڑا حکمت والا بھی تو ہے، اس لئے وہ وہی احکام دیتا ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ بندوں بیچاروں کی نظریں وہاں تک پہنچ کہاں سکتی ہیں ۸۵۲ رجب تک کہ واپسی کی گنجائش باقی ہے، طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے۔ دو بار تک الفاظ طلاق ادا کرنے پر رجُوع کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے ۸۵۳ یعنی دو ماہ کے بعد، تیسرے مہینہ۔ تیسری پاکی کے زمانہ میں، یا زبان سے الفاظِ طلاق ادا کرے، یا خاموش رہے، دونوں صُورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور اب بغیر کسی دُوسرے شوہر سے نکاح کئے اور طلاق پائے، اس پہلے شوہر سے نکاح درست نہ رہے گا۔ تو ایک صورت تو یہ ہُوئی کہ اب پختہ ارادہ کر کے اس طلاق کو مکمل اور قطعی کر دیا جائے۔ اور دُوسری صُورت یہ ہے کہ آخری گنجائش سے فائدہ اٹھا کر طلاق واپس لے لی جائے، اور تعلقِ زناشوئی از سرِنو قائم ہو جائے۔ فَاِمْسَاكٌ۔ یعنی اس کچّی طلاق پائی ہُوئی بیوی کو رجعت کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا ہے۔ بِمَعْرُوْفٍ۔ یعنی قواعدِ شرعی کے مطابق۔ تفصیلی احکامِ طلاق کتبِ فقہ میں ملیں گے۔ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی طلاق سے مقصود رفعِ نزاع ہو۔ ناخوشگوار صُورتِ حال کا خاتمہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ عورت کی دل شکنی، تحقیر و تذلیل مقصود ہو۔ قرآن مومن کے خاندان کی، اس کے گھر بار کی کتنی عزّت و حُرمت ملحوظ رکھتا ہے! اس کی بے حرمتی کسی حال میں اُسے گوارا نہیں۔ آج مسلمان کو خُود اپنی اور اپنے خاندان کی عزّت و حرمت کا اتنا خیال بھی ہوتا جتنا اُن کے خدا کو ہے، تو آج خانگی فضیحتوں کا کوئی وجود بھی کہیں باقی نہ رہتا! ۸۵۴ (طلاق کے وقت) اکثر انسان جب غصہ میں آ کر طلاق دیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ اب تک جو کچھ

عرصہ تک نعبتہ (لہ قاموس) لیکن ایک دوسرے معنی حجاب یا مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی زیادہ چسپاں ہیں۔ ای حاجزاً لما حلفتم علیہ (کشاف) قالوا العرضۃ عبارۃ عن المانع (کبیر) فقہائے بلا ضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے کہ سہیں اللہ کے نام کی بے توقیری پہ چہ جائیکہ
نصاً جھوٹی قسمیں کھانا! ۸۳۶ سَمِیْعٌ۔ خوب سننے والا ہے اقوال کا۔ اسلئے ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے کالو۔ عَلِیْمٌ۔ خوب جاننے والا ہے احوال کا۔ اسلئے نیت میں ہر وقت اخلاص رکھو۔ ۸۳۷ یعنی گرفت ان قسموں پر ہوگی جن میں جھوٹ کی آمیزش بالقصد کی گئی ہے
حرت میں بھی اُنہی پر دارو گیر ہے، اور دُنیا میں بھی ان کے لئے کفارہ ہے۔ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ۔ مُراد ان قسموں سے ہے، جو نادا قفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں محض عادۃً زبان سے نکل جاتی ہیں۔ اور جھوٹ کی آمیزش ان میں بلا قصد ہو جاتی ہے۔ فقہا نے اس
نوعیت کی ساقط الاعتبار قسموں کی کئی قسمیں کی ہیں ان کا تعلق ماضی کے واقعات سے بھی ہو سکتا ہے اور آیندہ کے ارادوں سے بھی۔ اُن کی تفصیلات اور ان کے احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ ۸۳۸ غَفُوْرٌ۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ چنانچہ اسی شان مغفرت کا تقاضہ ہے کہ
اُس نے لایعنی قسموں پر مؤاخذہ کو معاف کر دیا۔ حَلِیْمٌ۔ وہ بڑا بُردبار ہے۔ چنانچہ اسی شان حلم کا تقاضہ ہے کہ اُس نے ارادی جھوٹی قسموں پر بھی سزا فوراً نہ دی بلکہ قیامت تک کے لئے ملتوی کر دیا۔ ۸۳۹ ایلاء۔ عرب جاہلی کا ایک شعار یہی تھا کہ شوہر غصہ میں آ کر قسم
کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ لاخلاف انہ قد اضمرت فیہ الیمین علی ترک الجماع (جصاص) شریعت اسلامی نے اس میں جو اصلاحیں کیں، اور اس باب میں جو احکام دیئے یہاں ان کا ذکر ہے۔ تَرَبُّصُ
اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ۔ عرب جاہلی ایلاء کر لینے کے بعد جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، بیوی کے نان و نفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے مدۃً دستبردار ہو جاتے تھے۔ اسلام نے اس کی ایک اصلاح یہ کی کہ اس کو خلع نکاح یا فسخ نکاح کا مرادف نہیں، بلکہ اس کی صرف تمہید قرار دے کر غور و فکر کے لئے
ایک مدت مقرر کر دی۔ اور پھر اس مدت کی میعاد چار مہینے کی رکھی، جو اس کے لئے بالکل کافی ہے کہ سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیا جائے۔ ۸۴۰ فَاِنْ فَآءُوْ۔ یعنی اگر رجوع کر لیں اپنے قصد ترک تعلق سے، اور رشتۂ نکاح کو برقرار رکھیں۔ الفیٔ الرجوع الی
الشیٔ (جصاص) غَفُوْرٌ۔ بڑا مغفرت والا ہے۔ چنانچہ ایسی قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفارہ کے بعد معاف کر دے گا۔ رَحِیْمٌ۔ بڑا مہربان ہے، چنانچہ شوہر جواب از سر نو ادائے حقوق پر متوجہ ہو گیا ہے، اس پر وہ رحمت سے نظر کرے گا۔ ۸۴۱ رائے دلوں کے

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ۸۳۶ اللہ تمہاری قسموں میں سے لایعنی (قسم) پر مؤاخذہ نہ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ
کرے گا البتہ تم سے اُس (قسم) پر مؤاخذہ کریگا ۸۳۷ جس پر تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ
اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا بُردبار ہے ۸۳۸ جو لوگ اپنی بیویوں سے (ہمبستری کرنے کی) قسم
نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ
کھا بیٹھے ہیں، اُن کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے ۸۳۹ پھر اگر یہ لوگ رجوع
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا
کرلیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۸۴۰ اور اگر طلاق (ہی) کا پختہ ارادہ
الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ
کرلیں ۸۴۱ تو بیشک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ۸۴۲ اور طلاقنیں اپنے کو
يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ
تین میعادوں تک روکے رہیں ۸۴۳ اور ان کے لئے یہ
لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ
جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو پیدا کر رکھا ہے اُسے وہ چھپائے رکھیں ۸۴۴
اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ
اگر وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں ۸۴۵ اُن کے واپس لے لینے کے

غور و فکر کے بعد بھی، طلاق نام ہے زن و شو کے باہمی تعلق کے باضابطہ و کامل انقطاع کا۔ اسلام سے قبل دنیا میں طلاق
سے متعلق عجب افراط و تفریط قائم تھی۔ افراط یہود کے ہاں تھی اور تفریط مسیحیوں کے ہاں۔ یہود کے ہاں نہ کوئی قید طلاق
پر عائد تھی، نہ شوہر پر اس باب میں کوئی ذمہ داری تھی۔ اُس کا جب جی چاہتا، وجہ بلا وجہ، بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی
سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ بیوی اسی وقت دوسرا مرد کر سکتی تھی۔ توریت کے قانون کے الفاظ یہ ہیں۔ "اگر کوئی مرد
کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے، اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اُس نے اس
میں سے کوئی پلید بات پائی، تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ دے، اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔ اور جب وہ
اس کے گھر سے نکل گئی، تو جا کے دوسرے مرد کی ہووے" (استثنا۔ ۲۴: ۱ و ۲) اُس آزادی اور بے قیدی کے مقابلہ
میں مسیحیوں نے یہ سختی اور تنگی اختیار کی کہ زن و شو میں علیحدگی کی کوئی گنجائش ہی نہ رکھی۔ انجیل کے الفاظ ہیں:۔ "جسے خدا
نے جوڑا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے ..... جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے، وہ اُس پہلی کے خلاف
زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے، اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے" (مرقس۔ ۱۰: ۷-۱۲) "میں
نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی شوہر سے علیحدہ نہ ہو" (۱۔ کرنتھیون۔ ۷: ۱۰) چنانچہ مسیحی آبادی کے سواد اعظم یعنی
فرقۂ کیتھولک کے ہاں تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ اور بجز موت کے کوئی صورت میاں بیوی میں افتراق کی ممکن نہیں۔ اور یہی فرقہ
اسلام سے قبل موجود تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ ظہور اسلام سے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ اس کے ہاں البتہ اجازت ہوئی ہے۔ لیکن
صرف اس صورت میں کہ پہلے عدالت میں کسی ایک فریق کا ارتکاب زنا یا ظلم و جور ثابت ہو لے! یہ حال اُن قوموں کا تھا،
جو اہل کتاب تھیں۔ یعنی بہر حال اُن کے قانون کی بنیاد آسمانی کتابوں ہی پر تھی۔ رہیں قدیم جاہلی اور مشرک "مہذب"
"ترقی یافتہ" قومیں۔ سو ایک طرف یونانیوں میں، ہندوؤں میں، اور ایک عہد خاص تک رومیوں میں طلاق سے کوئی واقف
ہی نہ تھا۔ بلکہ ہندو مذہب میں تو آج تک طلاق ناجائز چلی آ رہی ہے۔ گو حالات سے مجبور ہو کر اُس کے جائز کرانے کے آج بڑے
زور انگریزی ہند میں بھی اور ریاستوں میں بھی کاؤنسلوں اور اسمبلیوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف رومیوں میں عہد
جمہوریت کے خاتمہ پر طلاق کے جائز ہونے کے ساتھ ہی اس کا جو زور بندھا تو گویا شرافت اور طلاق لازم ملزوم ہو گئے! دُنیا کے
دوسرے بڑے بڑے مذہبوں اور بڑی بڑی "مہذب" قوموں کی یہ بے اعتدالیاں اور افراط و تفریط پیش نظر رہیں، جب جا کر شریعت
اسلام کی حکمتوں اور اس کے پیدا کئے ہوئے توازن و اعتدال کی قدر ہوگی۔ اسلام نے فطرت بشری کا بالکل صحیح اندازہ
کر کے یہ حکم دیا کہ جب زوجین میں ناموافقت لاعلاج حد تک پہنچ جائے (اور اس ناموافقت کے اسباب کا احاطہ و استقصا
ممکن ہی نہیں، ہر شخص کے لئے کہنا چاہیئے کہ الگ الگ ایک سبب و محرک ہوتا ہے) اور دوسری صورتیں موافقت پیدا کرنے
کی ناکام ہو لیں، تو آخری علاج یہ ہے کہ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدۂ نکاح کو فسخ کر کے ایک دوسرے سے مستقل
علیحدگی اختیار کر لیں۔ اور اسی کا اصطلاحی نام طلاق ہے۔ اور اس انقطاعی عمل کو بھی مطلق نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس پر
متعدد پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں۔ آگے ذکر انہیں قیود و شرائط کا آئے گا۔ ۸۴۲ (اس لئے خوب اپنی ذمہ داری
محسوس کر کے عمل کا کوئی قدم اٹھاؤ) سَمِیْعٌ۔ وہ تو بڑا سننے والا ہے۔ اس لئے زن و شو کے ظاہر قول کو اور شوہروں کی
قسموں کو، سب کو سنتا رہتا ہے۔ عَلِیْمٌ۔ وہ بڑا جاننے والا ہے، اس لئے زن و شو کے دلوں کے اندر کی مخفی باتوں کو
جانتا ہے، اُن کے ارادوں سے واقف ہے، اور ان کے مناسب حال ہی حکم دیتا ہے۔ آیات کے آخر میں صفات باری کا اثبات محض یوں ہی اٹکل سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پُر معنی اور سیاق کلام کے لحاظ سے بلیغ ہی ہوتا ہے۔ یہاں مقصود زن و شو کو، خصوصاً شوہروں کو، ان
کی ذمہ داریوں پر متنبہ کرنا ہے، اس لئے انہی صفات باری کا لانا نہایت موزوں و مناسب ہوا۔ ۸۴۳ (دوسرے نکاح سے) اَلْمُطَلَّقٰتُ، لفظی معنی کے اعتبار سے ہر طلاقن عورت کے لئے وسیع ہے۔ لیکن یہاں مراد صرف اُن بیویوں سے لی گئی ہے جو آزاد ہوں (کنیز شرعی
نہ ہوں) بالغ ہوں (نابالغ نہ ہوں) اور جن سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو (غیر ملموس نہ ہوں)۔ یہاں احکام صرف اُنہی آزاد و شوہر دیدہ بیویوں سے متعلق بیان ہونگے، دوسری قسم کی عورتوں کے طلاق کے احکام دوسرے مقامات پر ملیں گے۔ المراد المدخول بھن من ذوات
الاقراء (مدارک) ای ذوات الاقراء من الحرائر المدخول بھن (روح) یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ۔ اپنے کو روکے رہیں۔ یہ نہ ہو کہ اِدھر شوہر نے طلاق دی، اور اُدھر بیوی نے معاً دوسرا شوہر کر لیا۔ یہ پہلی پابندی طلاق پر عائد ہوئی۔ اس سے پہلے نکاح سے آزادی کے بعد کا تعطل
کا زمانہ ہے، اُسے اصطلاح شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ عورت کے لئے انتظار کی اس مدت متعین میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کا پورا موقع مل جاتا ہے، دوسری طرف عورت کے حمل کی بابت پوری تحقیق ہو جاتی ہے۔ دوسرے
مذہب اور دوسری قومیں سب شریعت اسلامی کے قائم کئے ہوئے زمانۂ تعطل و وقفہ کے مصالح و فوائد سے محروم ہیں! ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ قرء کے لفظی معنی محض ایک مانہ معلوم یا مدت متعین کے ہیں۔ اصل القرء فی کلام العرب الوقت (ابن قتیبہ) اھل اللغۃ اتفقوا
علی ان القرء الوقت (ابن العربی) لیکن اس سے میعاد کا آغاز بھی مراد ہو سکتا ہے اور میعاد کا اختتام بھی۔ دونوں مفہوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں، لیکن لغت عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ قال ابو عبیدۃ الاقراء من الاضداد فی کلام العرب (کبیر)
: اصل القرء فی کلام العرب الوقت لمجیء الشیٔ المعتاد مجیئہ لوقت معلوم ولادبار الشیٔ المعتاد ادبارہ لوقت معلوم (ابن جریر) کلمۃ محتملۃ للطھر والحیض (ابن العربی) اسی لئے یہاں بھی اہل شرح و تفسیر کے دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک جماعت نے
معنی طہر یا پاکی قرار دیئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہی معنی مروی ہیں، اور امام شافعیؒ اسی طرف گئے ہیں۔ قالت عائشۃ الاقراء الاطہار (جصاص) والمراد بالقرء عند الشافعی الانتقال من الطھر الی الحیض (روح) لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ،
حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو موسیٰؓ جیسے تیرہ صحابیوں کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ یہاں قرء حیض یا ناپاکی کے معنی میں ہے (جصاص) اور یہی قول امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور تمام فقہائے حنفیہ کا ہے۔ قال اصحابنا
جمیعاً الاقراء الحیض وھو قول الثوری والاوزاعی والحسن بن صالح (جصاص) اور ائمہ لغت و لسان سے بھی سند اس معنی کی زیادہ مل رہی ہے۔ یقال اقرءت المرأۃ اذا حاضت ذکرہ الاصمعی والکسائی والفراء (جصاص) قرأت
المرأۃ رأت الدم واقرأت صارت ذات قرء (راغب) والقرء فی الحقیقۃ اسم للدخول فی الحیض عن طھر (راغب) ثلاثۃ قروء ای ثلاثۃ احیاض وقول من الطھر و فی الحیض۔ اور فقہائے حنفیہ نے حدیث نبوی سے قرء کے اس معنی پر شہادت

مسیحی مذہب میں بھی "بے ایمانوں" یعنی غیرمسیحیوں سے ازدواج کی ممانعت ہے۔ ۲ کرنتھیوں ۶: ۱۴، ۱۵ ویسٹرمارک کی کتاب مختصر تاریخ نکاح (شارٹ ہسٹری آف میرج) میں ہے "سینٹ پال کی تعلیم ہے کہ کوئی عیسائی کسی کافر سے ہرگز نکاح نہ کرے۔ اور ٹرٹولین کے نزدیک تو ایسے ازدواج کا نام حرامکاری ہے" (ص ۵۳) اور ہندوؤں کے ہاں تو نکاح مذہب سے باہر ہونا کیا معنی، ذات کے باہر بلکہ برادری کے باہر بھی درست نہیں۔ حَتّٰی یُؤْمِنَّ ۔ یہ قید لگا کر بتا دیا کہ ممانعت کی بنیاد تمامتر دینی و اعتقادی ہے نسلی، قومی، جغرافی وغیرہ ہرگز نہیں۔ جو بھی ایمان لے آئے، اسی وقت جائز ہو جاتی ہے۔

۸۱۷ (اور پسندیدگی کی بنا خواہ یہ ہو کہ وہ مالدار ہے، یا یہ کہ وہ حسین و جمیل ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بنا ہو) آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفر قرآن کی نظر میں کس قدر مبغوض ہے۔ کافر عورت میں جو بھی خوبیاں ہوں، کُل ایک طرف اور اُس کے کفر کی گندگی دوسری طرف۔ لَاَمَةٌ میں ل زور اور تاکید کے لئے ہے۔ اردو میں ایسے موقع پر "یقیناً" لاتے ہیں۔ لام الابتداء الشبیھۃ بلام القسم فی افادۃ التاکید (ابوسعود) واللام فی افادۃ التوکید (کبیر عن ابی مسلم) مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلم عورت، یہاں تک کہ نعمت آزادی سے محروم اور عرفاً حقیر و ذلیل بھی جانے والی باندی تک آزاد، خوش حال، خوش جمال کافر عورت سے بہتر ہے۔ اسی حقیقت کے زوردار اظہار کے لئے ہے کہ اصل مانع و حائل اُن مردوں کا کفر ہے۔ جب یہ مانع دُور ہو جائے، تو پھر کوئی امر مانع نہیں۔

۸۱۸ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا ۔ یہ ٹکڑا ایمان بھی کے مرادف ہے۔ قانون اسلام کا منکر جو کوئی جس قسم کا بھی ہو مومن خاتون اُس کے نکاح میں نہ دی جا سکتی ہے، نہ رہ سکتی ہے۔ اَلْمُشْرِکِیْنَ ۔ "مشرک" یہاں بھی اسی عام و وسیع معنی میں ہے جیسے "مشرکہ" ابھی اوپر آچکا ہے یعنی ہر قسم کے کافر۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر پہلے سے مسلمان ہے، اور بعد کو خدانخواستہ مرتد ہو گیا، تو مسلمان عورت اسی وقت اُس کے نکاح سے باہر ہو جائیگی۔ اور جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائیگا۔ اور یہ عورت عدت پوری کر کے کسی مسلمان شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں، اور عورت مسلمان ہو گئی، تو اب بقاء نکاح کی کوئی صورت نہیں بجز اس کے کہ شوہر بھی اسلام قبول کر لے۔ مزید تفصیل اس قسم کے مسائل کی کتب فقہ میں ملے گی۔ لَا تُنْکِحُوْا ۔ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ یہ طرز خطاب بہت پُرمعنی ہے۔ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطے سے ہونا چاہیئے۔

۸۱۹ (علمی قابلیت کی بنا پر، اونچی ڈگریوں کی بنا پر، بڑے عہدوں کی بنا پر، کسی بھی دنیوی بنیاد پر) لَعَبْدٌ کا ل یہاں بھی تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اردو کے "یقیناً" کے معنی میں یعنی نعمت آزادی سے محروم، اور عرفاً حقیر و ذلیل سمجھے جانے والے غلام تک کو اختیار کر سکتے ہو، لیکن نہ اختیار کرو تو کسی کافر کو، خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کیسا ہی بڑا آدمی ہو۔

۸۲۰ اِلَی النَّارِ ۔ دوزخ کی طرف یعنی اُن اعمال اور اُن عقائد کی طرف، اُس طریق زندگی کی طرف، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اور وہ طریق کفر و شرک ہے۔ ای الی الاعمال موجبۃ للنار (معالم) ای الکفر المؤدی الی النار (بیضاوی) اُولٰٓئِکَ ۔ اشارہ انہی کافر مردوں اور کافر عورتوں کی جانب ہے۔ انکی طرف سے مزید نفرت دلانے کے لئے یہ فقرہ بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ گویا جتا دیا ہے کہ ایسے گئے گزرے ہوئے اور خطرناک لوگ تو معمولی تعلقات رکھنے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ ان سے ازدواج کا سا گہرا رشتہ پیدا کیا جائے!

۸۲۱ (چنانچہ اس رحمت و مغفرت ہی کے تقاضے سے اُس نے یہ حکم بھی دے رکھا ہے کہ کافروں سے ازدواجی تعلق نہ رکھو۔ نہ اُن کے گہرے تعلق کا کوئی اثر تم پر پڑنے پائے، اور نہ تم جنت و مغفرت سے دُور ہوتے جاؤ) اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ یعنی اللہ ترغیب دیتا ہے ایمان و اسلام کی اور اس طریق زندگی کی جس کا انجام جنت و مغفرت ہی ہے۔ بِاِذْنِهٖ ۔ اذن کے معنی یہاں توفیق یا ارادہ یا اعلام احکام کے ہیں۔ باعلامہ ایاکم سبیلہ وطریقہ (ابن جریر) ای قضائہ وقدرہ وارادتہ (معالم) بتیسیر اللہ وتوفیقہ للعمل (کشاف)

۸۲۲ (اور نصیحت پر عمل کر کے جنت و مغفرت کے حقدار بن جائیں)

۸۲۳ یعنی عورت کے زمانہ خاص میں اُس سے ہمبستری کا حکم۔ قرآن زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ وہی زندگی جس میں کھانا، پینا، سونا، جنسی خواہش کا پیدا ہونا، بچہ کا باپ یا ماں بننا سب کچھ داخل ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ جو کچھ بھی تعلق تعمیر سیرت سے رکھتا ہے، اس کی بابت ہدایات و احکام وہ لازمی طور پر دیگا۔ وہ محض "بزرگانہ ملفوظات" کا مجموعہ نہیں۔ معاشیات، معاشرت، اخلاقیات، قانون، غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے ضروری ابواب کا ذکر ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا۔ تو اس ہدایت نامہ کی جامعیت و کاملیت پر حرف آجاتا۔ مَحِیْض ۔ مصدر میمی ہے معنی حیض کے مرادف۔

۸۲۴ (جیسا کہ دنیا میں عموماً دوسری قوموں نے بھی سمجھا ہے اور سامی نسل والوں نے علی الخصوص) طب قدیم و جدید دونوں کو مسلم ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا ناقص خون ہے، رنگ و بو و ترکیب میں عام خون سے الگ۔

۸۲۵ اِعْتَزِلُوْا ۔ اعتزال یا عورتوں کو چھوڑے رہنے کا حکم صرف ہمبستری کے عمل خاص تک محدود ہے۔ مجالست و مواکلت وغیرہ عام معاشرت سے اس کا تعلق نہیں۔ بعض قوموں میں عورتیں اپنے اس زمانہ میں نہ دوسروں کے ساتھ کھا پی سکتی ہیں، نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں، بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک الگ گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ غرض دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہے۔ شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی متشدد احکام موجود نہیں۔

۸۲۶ مشرک قوموں نے اس باب میں جو تخیل روا رکھی ہیں، اُن سے قطع نظر خود توریت کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورت اپنے ایام ماہوار کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اُس سے چھو جاتی ہے، وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے۔ "جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا ..... اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے، اور شام تک ناپاک رہے ——— اور جو کوئی اُس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہے چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے اور شام تک ناپاک رہے ...... اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہو، اور اس کی نجاست اُس پر ہو تو وہ سات دن تک ناپاک رہیگا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا، ناپاک ہو جائے گا" (احبار ۱۵: ۱۹-۲۴) یہ احکام تو خود توریت کے ہوئے۔ باقی فقہاء یہود تو اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور ایسی ایسی قیدیں بیچاری عورت پر عائد کر دی ہیں کہ گویا وہ عورت نہیں ہے، کوئی بلا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۱ ص ۳۰۱ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۴ ص ۸۲۵۔

۸۲۷ یعنی خون نجس کا آنا بالکل بند ہو جائے، اور عورت غسل کر لے۔ شریعت میں یہ غسل واجب ہے۔

۸۲۸ یعنی جائز و فطری طریق کے مطابق۔ اس عام و فطری طریق قربت کے علاوہ، حصول لذت کے اور سارے طریقے ناجائز ہیں۔

۸۲۹ اَلتَّوَّابِیْنَ ۔ توابین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں جن سے قوانین بالا کے باب میں کوئی اتفاقی خلاف ورزی ہو جائے، اور وہ بعد کو توبہ کریں، اور اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ اَلْمُتَطَهِّرِیْنَ ۔ متطہرین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں، جو عورت کی مواصلت سے اس کی طبعی ناپاکی کے زمانہ میں محترز رہتے ہیں۔ اسی لفظ سے فقہاء نے اشارۃ النص سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو اعمال صریحاً نجس ہیں (مثلاً اغلام) وہ سب حرام ہیں۔ صفائی و طہارت کی یہ روح قرآنی عام ہے۔ اور اس کے تحت میں جسمانی اور ظاہری صفائی پوری طرح آجاتی ہے اسلام کی اس لطافت پسندی، نظافت پسندی، طہارت پسندی کے مقابلہ میں، دوسرے سرے پر وہ مذاہب ہیں، جن میں قرب حق کا ذریعہ صفائی کو نہیں، عین جسمانی گندگی، کثافت و غلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ مشرک قوموں میں جو فرقے اگھور پنتی کے نام سے ہیں، ان کے تفصیلی ذکر سے تو ان صفحات کو نجس کرنے کی جرأت نہیں، خود مسیحیت کی تاریخ میں صدیوں تک راہبوں کے لئے غسل یا جسم کی شست و شو ایک مستقل معصیت رہی ہے۔

۸۳۰ اور کھیت کہتے ہیں اُس موضع زمین کو جس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشوونما ہوتا ہے۔ کھیت والے اُسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر نہایت درجہ عزیز رکھتے، اور اُس سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسلام نے ہمبستری کا اصل مقصد طلب اولاد ہی کو رکھا ہے۔ گو اُس کے دوسرے پہلو یعنی طلب لذت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔

۸۳۱ (اس تشبیہ اور اس کے مضمرات کو خوب سوچ سمجھ کر) فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ ۔ کنایہ ہے عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ اور قرآن حکیم ایسے موقعوں پر اکثر کنایہ ہی سے کام لیتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ ہر ایسے موقع پر مسلمان کو یہی چاہیئے کہ حتی الامکان بات اشارہ کنایہ ہی میں کہے۔ فاتوا حرثکم من الکنایات اللطیفۃ والتعریضات المستحسنۃ فعلی کل مسلم ان یتادب بہا ویتکلف مثلہا فی المحاورات والمکاتبات (مدارک) حَرْثَکُمْ "کہاں" کا یہ جواب خوب ملحوظ رہے۔ اتیان یا داخلہ کھیت ہی میں ہونا چاہیئے قبول تخم کے موضع یا عضو میں ہونا چاہیئے نہ کہ اس کے علاوہ یا اس سے خارج کسی اور موقع و محل میں۔ ای نساؤکم مزرع اولادکم فاتوا مزرعکم کیف شئتم واین شئتم (ابن جریر) اَنّٰی ۔ انّٰی کے مشہور و معروف معنی کیف اور این کے ہیں یعنی جس طرح کے جس کیفیت کے ساتھ کے، اور جدھر سے جس جہت سے۔ للبحث عن الحال والمکان (راغب) ھو بمعنی این وکیف (راغب) قرآن مجید میں انّٰی کیف کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بعد موتها ۔ یہاں انّٰی یحیی صاف کیف یحیی کے معنی میں ہے۔ یا پھر انّٰی یکون لی غلام ۔ اس آیت میں بھی قرآنیات کے بہترین ماہرین، ابن عباس صحابی نے اور مجاہد، قتادہ، عکرمہ وغیرہ تابعین نے انّٰی کو اسی معنی میں لیا ہے۔ یاتیہا کیف شاء (ابن جریر عن ابن عباسؓ و عکرمہ و مجاہد) ای کیف شئتم (ابن جریر عن السدی) انّٰی حرف استفہام یکون سؤالا عن الحال والمحل معناہ کیف شئتم وحیث شئتم بعد ان یکون فی صمام واحد (معالم) گویا یہاں صاف رد ہو رہا ہے یہود کا جو مباشرت کی صرف ایک ہی وضع و ہیئت کو جائز سمجھتے تھے اور باقی سب کو ناجائز۔ متعدد آثار و روایات اسی مضمون کے تفسیروں میں منقول ملیں گے۔ اور آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کھڑے ہونے بیٹھے رہنے، چت لیٹنے، پیٹ لیٹنے کروٹ کے بل لیٹنے کی ساری ہیئتیں جائز ہیں۔ ای کیف شئتم من قیام وقعود واضطجاع واقبال وادبار (جلالین) دوسرے معنی انّٰی کے این کے، یعنی جدھر کے جس رخ کے ہیں۔ اور اس معنی کو لے کر بعض گندہ مذاق لوگوں نے اس کی تشریح میں اپنی گندہ سیرتی کے عجیب عجیب مظاہرے کئے ہیں، حالانکہ ظاہر ہے کہ موضع و محل میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن کثیر نے تو اس معنی پر ابوحنیفہؒ و شافعیؒ و احمد حنبلؒ جیسے ائمہ فقہ اور انکے شاگردوں اور بہت سے تابعین کا اجماع نقل کر کے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس معنی سے تجاوز کر کے جواز ڈھونڈھنے والوں کا ان تمام علماء و فقہاء نے شدت سے انکار کیا ہے، بلکہ بعض نے تو اس تجاوز کو کفر کے حکم میں داخل کر دیا ہے۔ انہم انکروا ذلک اشد الانکار ومنہم من یطلق علی فعلہ الکفر وھو مذہب جمہور العلماء۔ موضع و مکان تو بہرحال متعین ہے۔ آزادی صرف اسی موضع و مکان میں دخلہ کیلئے، ہر رخ، ہر جہت کی دی جا رہی ہے۔ ای علی ای شق من الاحوال وذلک فی مکان الحرث (کبیر) سئل ابن عباس عن الذی یاتی امرأتہ فی دبرہا فقال ھذا یسألنی عن الکفر (جصاص) من حیث شئتم وای وجہ احببتم (ابن جریر) لیکن ان دو معروف و متداول معنوں کے علاوہ انّٰی کے ایک تیسرے معنی متی، یعنی جب اور جس وقت کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ گویا انّٰی یہاں ظرف زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے ضحاک تابعی اور بعض محققین قرآن اس طرف گئے ہیں۔ انّٰی بمعنی متٰی قال الضحاک (کبیر) ای فی متی زمان اردتم (کبیر) ای متی شئتم (ابن جریر عن الضحاک) ای متی شئتم من لیل ونہار (کبیر) ای وقت شئتم من اوقات الحل (کبیر) انّٰی شئتم من اللیل والنہار (ابن جریر عن ابن عباسؓ) جس خدا کی بنائی ہوئی دنیا کی عملی زندگی میں اس قسم کے سوالات و مسائل روزمرہ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں، اسی خدا کے اتارے ہوئے ہدایت نامہ میں اگر ان سے متعلق ہدایات و احکام نہ ہوتے تو یہ بہت عجیب سی بات ہوتی۔

۸۳۲ آیندہ کیلئے کچھ بھیجنے کی چیز عمل صالح ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ گویا اسکی تاکید ہے کہ عین لذت و التذاذ کے مشغلوں کے وقت بھی اپنی عبدیت کو، اپنی ذمہ داری کو بھول نہ جاؤ۔ تمامتر لذت پرستی ہی میں غرق نہ ہو جاؤ، بلکہ ہو سکے تو اپنی لذتوں کو بھی عین طاعت و عبادت بنا لو۔

۸۳۳ (کہ اسی کا استحضار ہر تقوی و خشیت کو آسان بنا دیگا) آیت میں تعلیم اسکی ہے کہ مومن کے ہاتھ سے تقوائے الٰہی کا سر رشتہ کسی حال میں نہ چھوٹنے پائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ یعنی ہر حال میں، ایام حیات کے ہر ہر لمحہ میں تقوائے الٰہی پر قائم رہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔ قرآن مجید صرف احکام ہی نہیں دیتا، بلکہ وہ طریقہ اور تدبیر بھی بتاتا جاتا ہے جن سے ان احکام پر عمل آسان ہو جائے۔ حکم ابھی تقوائے الٰہی کا ملا ہے، اور اب اسکی آسان تدبیر ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ لقاء آخرت کا استحضار ہے۔ واعلموا سے محض جان لینا مراد نہیں، بلکہ اس علم کا تر و تازہ رکھنا مراد ہے۔

۸۳۴ (اے پیغمبر!) یہاں جو اہل ایمان مراد ہیں، اُنکے صفات ابھی اوپر بیان ہو چکے ہیں کہ وہ اعمال صالحہ کا اہتمام رکھتے ہیں (وقدموا لانفسکم) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں (واتقوا اللہ) اور جزا و سزا کا عقیدہ تر و تازہ رکھتے ہیں (واعلموا انکم ملٰقوہ)

۸۳۵ عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ تھا کہ خدا کی قسم کھا کر یہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں فلاں کام نیکی کا، تقوی کا، اصلاح خلق کا نہ کرینگے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کر دیتے کہ ہم تو اسکی قسم کھا چکے ہیں! ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی ہر صورت میں مذموم تھا، چہ جائیکہ حضرت حق کے اسم بزرگ اور اسکی قسم کو بجائے قرب حق کے اس سے دوری کا ذریعہ بنا لیا جائے! ——— آیت اسی شعار جاہلی کی تردید میں ہے۔ عُرْضَةً کے عام و متداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہاں بھی یہی معنی رکھے ہیں۔ عرضۃ لایمانکم ای نصبا لھا (جوہری) حجتہ

۸۰۷ (خیر خیرات میں) فرض زکوٰۃ کی توشرح متعین تھی۔ یہ سوال اس کے علاوہ دوسرے نیک کاموں میں صرف سے متعلق تھا۔ ۸۰۸ اور اس آسانی کا معیار بقول مفسر تھانویؒ یہ ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ اُٹھانا پڑے۔ العفو۔ عفو سے مراد بس اتنا خرچ کرنا ہے جو اپنے اُوپر بار نہ ہو۔ العفو نقیض الجهد وهو ان ینفق مالا یبلغ انفاقه منه الجهد (کشاف) اے ما لا یجهد (روح عن الحسن) اے انفقوا ما فضل عن قدر الحاجة (مدارک) ۸۰۹ (ان احکام پر عمل کے وقت) اُمورِ آخرت میں غور وفکر کرتے رہنے کی اہمیت تو ظاہر ہے۔ یہاں حکم اس کا مل رہا ہے کہ امورِ دُنیا میں بھی سوچ بچار سے کام لیا کرو ______ تو کیا دُنیا بھی اس قابل ہے کہ اس کے معاملات میں غور وتدبر سے کام لیا جائے؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ راز اس کا یہ ہے کہ انسان خلوِ ذہن کے ساتھ جس قدر دنیا اور اُس کے کاروبار کو سوچے گا، اسی قدر اس کی بے ثباتی اور بے قدری اس کے دل پر جمتی جائیگی۔ ۸۱۰ (کہ ان کے خرچ کا نظام رکھا جائے، آیا اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ کر دیا جائے) یہ سوال کرنے والے یتیموں کے اولیاء تھے جن کی ولایت وسرپرستی میں یتیم بچے پل رہے تھے۔ اللہ رے صحابہؓ کی احتیاط اور مرتبۂ تقویٰ! احرات کے ساتھ اگر سوال کیا کہ یتیموں کی جائدادوں سے انتفاع کی آیا کوئی شکل بھی اولیاء اور سرپرستوں تک کیلئے جائز ہے؟ جائداد کی طمع بھی بُری ہوتی ہے۔ عرب جاہلی میں بہت سے لوگ اس لئے یتیموں کو اپنی ولایت وسرپرستی میں لیتے تھے کہ اُن کی جائداد میں خورد بُرد کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ کوئی یتیم لڑکی اگر مالدار نظر آئی، تو اُس سے اپنے لڑکے کی شادی بھی اسی طمع میں کر دیا کرتے تھے۔ الیتامیٰ۔ یتیم کی جمع ہے۔ اور یتیم سے مراد وہ لڑکا یا لڑکی ہے، جس کے سر سے باپ یا ماں کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ احکامِ شریعت میں تیمی باپ کی طرف سے معتبر مانی گئی ہے۔ الیتیم المنفرد عن احد ابویه (جصاص) انما المراد بالایتام الفاقدون لآبائهم وهم صغار (جصاص) ۸۱۱ سو وہ جس طریق پر حاصل ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ یہاں

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ ایک (طرح کی) گندگی ہے

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ

پس تم عورتوں کو حیض کے دَوران میں چھوڑے رہو اور جب تک وہ پاک نہ

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ

ہو جائیں اُن سے قربت نہ کرو پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس آؤ جس جگہ

حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

سے اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے بیشک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنیوالوں سے

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝۲۲۲ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ

اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں،

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ

سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو اور اپنے حق میں آیندہ کے لیے کچھ کرتے رہو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور آپ ایمان والوں

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۲۳ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ

کو خوشخبری سُنا دیجیے اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے اپنی نیکی کے اور اپنے

اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ

تقویٰ کے اور اپنی اصلاحِ خلق کے کاموں کے حق میں حجاب نہ بنالو اور اللہ

منزل ۱

اصل اصول بیان کر دیا کہ مقدم شرط جائدادِ یتیم کے مصالح کی رعایت ہے۔ اگر اس کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنا اور یتیم کا حساب ایک میں رکھا جائے، تو یہی کیا جائے، ورنہ اس کے برعکس۔ اصلاح کا لفظ عام ہے۔ اگرچہ اس کا قریبی تعلق مالی مصالح سے ہے۔ لفظ کے عموم میں جسمانی، مالی، اخلاقی، ہر قسم کی اصلاح آگئی۔ فقہاء نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اس عموم سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یتیم پر جو تہدید یا تنبیہ تعلیم وتربیت کی ضرورت سے ہو وہ بالکل درست ہے۔ اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح بیگانوں اور منکروں کو بھی ہے۔ برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے:۔ ''پیمبر کی توجہ خصوصی کے مرکز، غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں۔ وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے اس لئے دل سے چاہتے تھے کہ جو حُسنِ سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ رکھیں۔'' (محمڈ اینڈ محمڈنزم، ص ۲۵۱) امریکی ماہر اجتماعیات، ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں:۔ ''قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمدؐ کو بچوں کا کس قدر خیال تھا، خصوصاً اُن بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ملتی ہے'' (سوشل لاز آف دی قرآن ص ۴۰، ص ۴۱) اور پھر کہا ہے:۔ ''محمدؐ نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر اور اُن سے بدسلوکی کرنیوالوں اور اُن کے حقوق غصب کرنیوالوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرتِ محمدیؐ کے اُس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں، جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے۔'' (ص ۴۱) ۸۱۲ بھائی ہیں! (اور اسلئے مشترک خرچ میں کوئی مضائقہ نہیں) اِخْوَانُكُمْ لفظ اخ یا بھائی انتہائی اخلاص، یگانگت ومودّت کا مظہر ہے۔ اس ذرا سے لفظ میں بہت کچھ آ گیا۔ جب تم اور وہ بھائی ہی بھائی ٹھہرے، تو بھائی بھائی میں تکلف کیسا؟ ______ اور عرب میں تو یہ رشتہ اور زیادہ قوی تھا۔ فهم اخوانكم والاخوان يعين بعضهم بعضا ويصيب بعضهم من اموال بعض على وجه الاصلاح والرضاء (معالم) چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان ہی یتیم تھے، اس لئے اِخْوَانُكُمْ فرمایا۔ ورنہ اگر دُوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو، اس کا بھی بجنسہٖ یہی حکم ہے۔ اور اس کی دلیل دوسری آیات واحادیث ہیں جو الفاظ عامّہ سے وارد ہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زائد ہے کہ اس بچہ پر بعد بلوغ قبولِ اسلام کے لئے جبر نہیں کیا جاتا، مذہبی آزادی دی جاتی ہے۔'' (تھانوی) ۸۱۳ یعنی اس پر سب کی نیک نیتی اور بدنیتی دونوں خوب روشن ہیں۔ المفسد۔ یعنی یتیموں کی مصلحت کو ضائع کرنے والا۔ الذی یقصد بالمخالطة الخیانة وافساد مال الیتیم (معالم) المصلح یعنی یتیموں کی مصلحت کا لحاظ رکھنے والا۔ الذی یقصد الاصلاح (معالم) مفسر ابوسعودؒ نے کہا ہے کہ لفظ المفسد کو المصلح پر مقدم رکھنے میں وعید میں تاکید اور تہدید اور زیادہ پیدا ہو گئی۔ ۸۱۴ یعنی بجائے ان آسانیوں کے اس باب میں کوئی سخت قانون بنا دیتا۔ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ یعنی اگر اس کی حکمت مشیتِ تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ ۸۱۵ یہاں اپنی دونوں صفات یاد دِلا دیں۔ پہلی صفت عزیز کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ جو حکم چاہتا دے سکتا تھا، کوئی قوت اُس سے بالاتر، کوئی حاکم اُس کے اُوپر ممکن نہیں۔ سب پر بالادست خود ہی ہے۔ لیکن دُوسری صفت حکیم کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ احکام وہی دیتا ہے جو بندوں کے لئے نرم وآسان وقرینِ مصلحت ہوں۔ ۸۱۶ (اے مسلمان مَردو!) میاں بیوی کا رشتہ انتہائی اُلفت ورفق کا، اور باہمی مناسبت اور موانست کا ہوتا ہے۔ بیوی کو اگر شوہر سے اس درجہ نامناسبت ہے کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید ورسالت ہی کی منکر ہے، تو معلوم ہوا کہ دونوں میں باہمی مناسبت کی بنیاد درجۂ ضعیف میں بھی موجود نہیں، مرد کو ایسی عورت کے ساتھ عمر نباہ کرنے کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیئے، موافقت کامل کے دوسرے اجزاء عناصر موجود نہ ہوں، نہ سہی، لیکن کم از کم وہ بنیادی عقیدہ تو مشترک ہو جس کے تابع وماتحت، چھوٹا بڑا، زندگی کا ہر معاملہ ہے۔ فطرتِ بشری خود ایسے بے جوڑ ازدواج سے ابا کرتی ہے، دینِ فطرت اسے کیونکر جائز رکھ سکتا تھا۔ پھر نکاح اسلام میں ایک دینی اور مذہبی عمل ہے محض معاہدۂ دیوانی Civil Contract نہیں۔ جب ایک فریق دین ومذہب کی بنیادوں ہی سے منحرف ہے، تو اس کے ساتھ معاہدہ ممکن کیونکر ہے؟ المشرکات۔ لفظ مشرک یہاں اپنے عام ووسیع معنیٰ میں ہے۔ ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکمِ ممانعت میں داخل ہو گئی۔ اس کا بُت پرست ہونا لازمی نہیں۔ قول محقق یہی ہے۔ عن ابن عمر انها عامة فی الکتابیات وغیرهن (جصاص) المشرکات هنا الکفار (نہر) والاکثرون من العلماء علی ان اللفظ المشرك یندرج فیه الکفار من اهل الکتاب وهو المختار (کبیر) امام مالکؒ وامام شافعیؒ بس اسی آیت پر رُک گئے ہیں۔ اور اُن کی فقہ میں ہر قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ لا یجوز العقد بنکاح علی مشرکة کانت کتابیة او غیر کتابیة قال عمر فی احدی روایته وهو اختیار مالك والشافعی (ابن العربی) لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ سنجی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دُوسری آیت کی طرف بھی گئی، اور وہ آیت سُورۂ مائدہ کی ہے۔ والمحصنات من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم الخ اور انہوں نے پہلی آیت کے عموم کو اس کی جگہ پر رکھ کر اس کا خصوص اس دُوسری آیت سے پیدا کیا یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلم کے ساتھ نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ یعنی یہودی یا نصرانی عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اور یہی مذہب ابن عباسؓ اور بعض تابعین سے مروی ہوا ہے۔ وهو عموم خص بجواز نکاح الکتابیات (نہر) عن ابن عباسؓ قال فی ولا تنکحوا المشرکات نسخ من ذلك نکاح نساء اهل الکتاب احلهن للمسلمین وحرم المسلمات علی رجالهم وعن الحسن ومجاهد مثل ذلك (روح) مفسر تھانویؒ کے چند افادات اس موقع پر نقل کرنے کے قابل ہیں:۔ ۱۔ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح نادرست ہے۔ ۲۔ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح کا حکم دیندار ہی عورت سے کرنے کا ہے۔ ۳۔ ایسی عورت جو وضع وطرز سے کتابیہ معلوم ہوتی ہو لیکن بعد تحقیق اُس کے عقائد کتابیوں کے سے نہ نکلیں، اُس سے بھی نکاح نادرست ہے۔ یہودیت چونکہ ایک نسلی مذہب ہے، اسلئے اسرائیلیوں کو غیر اسرائیلیوں سے نکاح کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ خروج ۳۴: ۱۶۔ استثناء ۷: ۳، ۴۔ عزرا ۹، ۱۰۔

عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ

یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اسکی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، اور اگر تم

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

انکے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں، اللہ کو علم ہے کہ مُفسد (کون) ہے اور

مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

مُصلح (کون)، اور اللہ اگر چاہتا تو تم کو پریشانی میں ڈال دیتا، اللہ یقیناً زبردست

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۰ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ

ہے، حکمت والا ہے اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ

آئیں، کہ مومنہ کنیز تک بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ

اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور مومن غلام بھی بہتر

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ

ہے مشرک (آزاد) سے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو وہ لوگ دوزخ کی طرف

اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ

بلاتے ہیں، اور اللہ جنت و مغفرت کی طرف بلا رہا

بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۲۲۱

۲۷ ع ۵ ۱۱

ہے، اور لوگوں سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

منزل ۱

عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ شغلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رُومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک، جو شرفِ رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، ان کی روک تھام نہ کر سکی تھیں۔ شریعتِ اسلامی ہی دُنیا کا وہ قانون ہے جس نے آکر ان کی قطعی حُرمت کا اعلان کیا۔ یہ آیت سلسلۂ حُرمت کی سب سے پہلی آیت ہے قطعی حکم بعد کو نازل ہوا۔ علامہ آلوسی بغدادی، صاحب تفسیر رُوح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے شروبات کے لئے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لئے ہیں۔ عرق عنبری، ماء الاکسیر وغیرہ، لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکم شرعی نہیں بدل جایا کرتا۔ نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔ علامہ کا سالِ وفات ۱۲۷۰ھ ہے۔ گویا آج (۱۹۴۵ء) سے ایک سو سال قبل کے عراق میں آپ کو یہ حسرتناک تجربے ہو چکے تھے۔ اُن مرحوم کو کیا اندازہ کہ آج فرنگیوں کے اثر سے ان کے وطن عراق ہی میں نہیں، بلکہ مصر، ایران، ترکی، شام وغیرہ میں شراب کتنی اور کن کن شکلوں کے ساتھ پھیل چکی ہے! اور خبر ہی نہیں میسر بھی کیسے کیسے نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ "تہذیب و تمدن" کا جزو بن چکا ہے۔ اور کتنے گوشوں میں داخل ہو چکا ہے! ۸۰۴ (جیسا کہ مُشاہدہ ہے) اثم کا لفظ ہر ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) اثم کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ الاثم کله محرم (جصاص) چہ جائیکہ جب اس پر تاکید بھی کبیر کے ساتھ موجود ہو! اثم کبیر ہی سے فقہا نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی حرام ہے۔ ولاحد على تحريم القليل منه (جصاص) اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اثم بہت خوب لایا۔ معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہو چکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرامکاری کی طرف یہ لائے، بلوے، دنگے یہ کرائے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کردے، قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت سے، پاکیزہ بنشی سے یہ روک دے، اور اسراف تو اس کے لئے کوئی بات ہی نہیں۔ اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟ فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ مونٹے کارلو Monte Carlu میں ہر سال کتنی بیشمار دولت تلف ہوتی رہتی ہے! دیوالی اور جنمکھٹ کی راتوں کو ہندوستان کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھڑدوڑ کے جوئے، چٹھیوں (لاٹریوں) کے جوئے، سٹے وغیرہ کو کوئی کہاں تک شمار کرے؟

سچ کہا اُن مفسرین نے جنہوں نے کہا کہ ان دونوں شغلوں کے اندر نیکیوں سے بڑی رکاوٹ ہے۔ فی تناولهما ابطاء عن الخيرات (راغب) من حيث ان تناولهما مؤد الى ما يوجب الاثم وهو ترك المامور وفعل المحظور (روح) بعض صحابیوں، مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ کی بابت منقول ہے، کہ انہوں نے شراب کی بابت رسُول اللہ صلعم سے از خود دریافت کرنا شروع کر دیا تھا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال دونو کو غارت و برباد کر دینے والی ہو، اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟ كان المسلمون يشربونها وهى حلال لهم ثم ان عمر ومعاذا ونفرا من الصحابة قالوا يا رسول الله افتنا فى الخمر فانها مذهبة للعقل مسلبة للمال (کبیر) صُحبتِ رسُول کی برکت سے اگر قلوب میں از خود اتنی جِلا پیدا ہو گئی ہو، تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟ ۸۰۵ (کچھ تھوڑے بہت) حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح نفع و مصلحت سے خالی، کوئی شے موجود ہی نہیں۔ یہاں تک کہ شراب نوشی اور قمار بازی جیسے گندے مشغلے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے، بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے فوری لذت و سرور حاصل ہوتا ہے، بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہو جاتی ہے، وقس علیٰ ہذا یا اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے، اُسے بلا مشقت و تعب تھوڑی ہی سی دیر میں آمدنی ہو جاتی ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ اے باللذة والطرب فى الخمر واصابة المال بلا كد فى الميسر (جلالین) مفسرین نے آیت کے اس جزو کے تحت میں شراب کے بہت سے منافع و مصالح اپنی اپنی بصیرت و دائرۂ علم کے لائق گنائے ہیں۔ اور یہیں سے ایک اور مسئلہ نکل آیا۔ کسی حرام اور ناجائز شے کے جزوی منافع و مصالح بیان کرنا اُس کی حُرمت کے منافی اور اس کی حُرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں۔ آج جو اسپرٹ ملی ہوئی انگریزی دوائیں کثرت سے چل پڑی ہیں، یہ عموماً شراب کے قسم کی ہوتی ہیں۔ اور فقہا نے انہیں زہر کے حکم میں رکھا ہے۔ ۸۰۶ (اس لئے عقلِ سلیم کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں قابلِ ترک اور واجب الاحتراز ہیں) فقہا نے کہا اور بالکل صحیح کہا ہے کہ حُرمتِ خمر پر دُوسری آیتیں اس سے صریح تر موجود ہوتیں، جب بھی خود یہ آیت حُرمت کے لئے کافی تھی۔ هذه الاية قد اقتضت تحريم الخمر لو لم يرد غيرها فى تحريمها لكانت كافية مغنية (جصاص) یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ایک اشارہ ہی سے اپنے حدودِ مملکت سے کہنا چاہیئے کہ ان خبائث کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اور اشخاص و افراد کی کارستانیوں سے قطع نظر، اُمت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ "شرابی" اور لفظ "جواری" دونوں کو انتہائی تحقیر و ذلت کا لقب ٹھہرا دیا۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُس نے اپنے پیروؤں کو جہاں تک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اُس بلند مقام پر پہنچا دیا، جہاں تک باوجود علم و فضل فہم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے، آج تک نہ کوئی "ٹمپرنس ایسوسی ایشن" (اعتدال، احتیاط کی تبلیغ کرنیوالی انجمن) پہنچ سکی ہے نہ کوئی پروہیبیشنسٹ Prohibitionist گورنمنٹ" (قانون امتناع جاری کرنے والی حکومت)! سر ولیم میور، اپنے نہیں، بیگانے ہیں۔ معتقد نہیں، منتقد ہیں۔ باوجود اس کے لکھتے ہیں:۔ "اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترکِ میکشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے" (لائف آف محمد ص ۵۲۱) انیسویں صدی کے ربع آخر میں لندن میں چرچ کانگرس کے ایک اجلاس کے موقع پر ایک ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر نے کہا تھا:۔ "دنیا میں انسدادِ مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے۔" ٹمپرنس کے نام سے مے نوشی میں اعتدال و احتیاط پیدا کرنے کیلئے یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں آج بھی خدا معلوم کتنی انجمنیں بہترین نظم و نظام اور شہرتِ کارکردگی کے ساتھ قائم ہیں، اور امریکہ کے مشہور کارکن "گربا جانسن" Pussy Foot Johnson نے تو اپنی سرگرمیوں کی دھوم ساری دنیائے متمدن میں مچا دی۔ اور بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں لیکن ان ساری سرگرم کوششوں کے باوجود خود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۶ ص ۵۹، طبع یازدہم) ہندوستان میں ابھی دو ہی چار سال ہوئے (غالباً ۱۹۳۹ء میں) متعدد صوبہ دار حکومتوں نے اپنے علاقوں میں قانون امتناع نافذ کیا تھا لیکن آخر میں وہ قانون واپس لیتے ہی بنی! ——— محکمۂ آبکاری کی لکھو کھا روپیہ کی آمدنی سے دستبردار ہو جانا کوئی آسان بات ہے؟ رہی قمار بازی، سو اس باب میں قانون اسلام سے باغی و منحرف ہو کر یورپ اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کر رہا ہے، وہ عالم آشکار ہے۔ خودکشی اور اقدامِ خودکشی کے کتنے واقعات مے نوشی اور قمار بازی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں! پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یورپ کی پہلی جنگِ عظیم سے قبل، اکیلے ملک انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہے! (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۶ ص ۱۶۴) یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک، اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق تھا، اور وہ بھی پہلی جنگِ عظیم سے قبل کا! یورپ کے کل ملکوں (اور اس فہرست میں دنیائے معلوم کا مشہور ترین قمار خانہ مانٹی کارلو بھی شامل ہے) اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لئے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے! رہیں قانونِ وقت کی ناکام کوششیں، تو اسی انسائیکلوپیڈیا کے اسی مقالہ میں ہے کہ "قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کر رہا ہے بجز اُسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کے۔" (ص ۱۶۵) یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے "عقلائے فرنگ" کی اس "ناممکن کوشش" کو اپنے حدود میں ممکن ہی نہیں واقع کر کے دکھا دیا۔

قولِ محقق وہی ہے جو اُوپر درج ہوا۔ اَکْبَرُ کی تفسیر ابنِ عباسؓ صحابی اور تابعین کے قول میں اِستدلؔ سے آئی ہے۔ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی اُس خاص واقعہ قتل سے۔ مقصدِ ارشاد یہ ہے کہ دینِ حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اِس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، وہ حقیقۃً دُنیا کو امن، عدل وعافیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور اس لئے وہ نوع ونسلِ انسانی کے مُجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دُنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم وجور، شورش وبدامنی کو دُور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل وقتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔ ۷۹۷ؔ یہ بیان ہے اس کا کہ مشرکینِ عرب اسلام سے کس درجہ بیزار اور حق کے کس درجہ دُشمن تھے۔ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ میں اشارہ اُنہی دُشمنانِ حق کی جانب ہے۔ ایک انگریز مترجم قرآن، کیمبرج یونیورسٹی کے اُستادِ عربی پروفیسر پامر ہوئے ہیں، اس موقع پر طنز وتعریض کا نشتر یُوں چلاتے ہیں:۔ "اب اسلام نے کافروں پر ہر چہار طرف سے دھاوا بول دیا"۔ دھاوا چاروں طرف سے یقیناً بول دیا گیا تھا، لیکن اس جھوٹ میں سچ صرف اِتنا ہے کہ یہ دھاوا اسلام کا نہ تھا، خود اسلام پر تھا۔ حَتّٰی کے معنی یہاں "تاکہ" کے ہیں اور غرض ومقصود کے اظہار کے لئے ہے۔ حتّٰی للتعلیل (بیضاوی) یجوز ان یکون بمعنی الٰی (عکبری) ای الٰی ان یردوکم وقیل المعنٰی لیردوکم (کبیر) اِنِ اسْتَطَاعُوْا میں اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے ہٹنا اور کافروں کا انھیں اپنی کوششوں سے ہٹالینا کچھ آسان نہ تھا۔ استبعاد لاستطاعتھم (کبیر) اشارۃ الٰی تصلبھم فی الدین وثبات قدمھم فیہ کانہ قیل وانّٰی لھم ذٰلك (ابوسعود) ۷۹۸ؔ حَبِطَتْ......الْاٰخِرَۃِ۔ حبطِ اعمال کا اثر آخرت میں تو یُوں ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مُرتد اپنے کو ہر طاعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائیگا۔ اور دُنیا میں اُس کا ظہور یُوں ہوگا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے، نہ مسلمان کی میراث میں اُسے حصّہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

کہ ان کے اعمال دُنیا اور آخرت میں اکارت گئے ۷۹۸ اور یہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اہلِ دوزخ ہیں اسی میں (ہمیشہ) پڑے رہنے والے ۷۹۹ بیشک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ

ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد

اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

کیا ۸۰۰ تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں گے ۸۰۱ اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے،

رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۗ قُلْ

بڑا مہربان ہے ۸۰۲ (لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں ۸۰۳ آپ

فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ

کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے ۸۰۴ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں ۸۰۵ اور ان کا گناہ

مِنْ نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ

اُن کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے ۸۰۶، اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں ۸۰۷، آپ

الْعَفْوَ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

کہہ دیجیے کہ جتنا آسان ہو ۸۰۸، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

سوچ لیا کرو دُنیا اور آخرت (کے معاملات) میں، ۸۰۹ اور (لوگ) آپ سے

بدعہد، باغی وغدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔ شریعتِ یہود میں ارتداد ہی نہیں، سعیٔ ارتداد اور ترغیبِ ارتداد کی بھی سزا قتل و سنگساری ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے تجھے پوشیدہ میں پھسلاوے اور کہے کہ آج غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے ...... تو تو اُس سے موافق نہ ہونا، اور اُس کی بات نہ سُننا۔ تو اُس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اُسکی رعایت نہ کرنا تو اُسے پوشیدہ نہ رکھنا، بلکہ اُسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اُس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اُسے سنگسار کرنا، تاکہ وہ مرجائے" (استثناء ۱۳:۶-۱۰) اور نصرانیوں کے ہاں بھی۔ دانستہ اِرتداد ناقابلِ تلافی گناہ ہے قتل اور زناکاری کے درجہ کا" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس، جلد ۲ ص۶۲۳) چنانچہ انگلستان میں ایک جھوٹے پادری نے جب تیرھویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے پھیر میں دینِ نصرانیت کو ترک کر دیا تھا تو اُسے آکسفرڈ میں ۱۷۔ اپریل ۱۲۲۲ء کو جلا دیا گیا۔ (ایضاً۔ ص۶۲۳) فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ۔ "اُسی حالتِ کفر ہی میں اُس کی موت آجائے" یہ فقرہ بڑھا کر گویا یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو ہی گیا، تو اب بھی موقع ارتداد سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آجانے کا باقی ہے۔ امام شافعیؒ نے اس فقرہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ محض ارتداد سے اعمال کا حبط نہیں ہوجاتا جب تک کہ مرتد کی موت بھی ارتداد پر نہ ہو۔ وبھا احتج الشافعیؒ علٰی ان الردۃ لاتحبط العمل حتّٰی یموت علیھا (مدارک) قید الردۃ بالموت علیھا فی احباط الاعمال کما ھو مذھب الشافعی (بیضاوی) لیکن حنفیہ کے پاس جواب ہے کہ یہ مسئلہ تو خود قرآن ہی نے صاف کر دیا ہے، اور ایک دُوسری آیت میں صاف حبطِ عمل کو نفسِ ارتداد پر معلق کر دیا ہے۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ اور یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے۔ قال مالك یحبط بنفس الردۃ (ابن العربی) یَرْتَدِدْ باب افتعال سے ہے۔ اور افتعال میں ایک مفہوم تکلّف کا بھی نکلتا ہے۔ بعض اہلِ معانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل کے اس باب میں لانے سے اسی عملِ ارتداد کے استبعاد پر توجہ دلانا ہے۔ وجاء افتعل ھنا بمعنی التعمل والتکسب لانہ تکلف اذ من باشر دین الحق یبعد ان یرجع عنہ (بحر) عن دینہٖ۔ دین سے یہاں کھلی ہوئی مراد دینِ اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔ ۷۹۹ؔ خالدون۔ خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے قائم وباقی رہنا۔ الخلود بقاء الاشیاء علی الحالۃ التی علیھا من غیر اعتراض الفساد (راغب) اس تصریح نے اور صاف کر دیا۔ ورنہ یوں بھی عالمِ آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور جزا (تاوقتیکہ موقت ومحدود نہ کر دی جائے) یُوں بھی دائمی وجاودانی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو نہ ضح کر دیا ہے۔ ایشاں دراں جاویدند۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی) وہ بیچ اُس کے ہمیشہ رہیں گے (شاہ رفیع الدین دہلوی) ۸۰۰ؔ الَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا۔ دین کے تحفظ وبقا کی خاطر وطن جیسی عزیز ومحبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات ومالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی میں آجانے کا نام ہجرت ہے

الخروج من الکفر الٰی دار الایمان (راغب) جٰھَدُوْا۔ جہاد کے معنی شدید کوشش اور جد وجہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی بلائیں اور تکلیفیں آگئیں، اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔ فاطرِ کائنات کے قانون میں ہجرت وجہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں۔ ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اُس کے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہوجائیں، تو اُس کے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے! نفسِ ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہوچکے تھے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا، کہ ہجرت وجہاد، بجائے خود کیسے ہی مجاہدے سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دینِ خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہیگی ــــــــ وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی سی بڑی مصیبتیں جھیل لیجانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، رُوسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں مل جائیں گے، سب کے سب فی سبیل اللہ اور الذین اٰمنوا کے وصف سے خالی! اکبرؔ نے خوب کہا ہے ؎ ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم + دلوں کو طاعتِ حق سے یہ دُور کرتے ہیں + نہ یہ کہ عیش میں پیرے ہیں یہ غلط انداز + ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں + ۸۰۱ؔ اس میں بشارت وتسلّی ان مومنین کے لئے ہے جن کے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل یکم رجب کو بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے ہوگیا تھا۔ اُوپر حاشیوں میں ضروری تفصیل گزر چکی۔ ۸۰۲ؔ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفّی وبشارت ہے۔ غَفُوْرٌ۔ سو وہ اپنی صفتِ غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو وخطا کو معاف کریگا۔ رَّحِیْمٌ۔ سو وہ اپنی صفتِ رحیمیت کے تقاضہ سے اجر بھی مرحمت فرمائیگا۔ ۸۰۳ؔ یعنی اُن کے حکمِ شرعی کی بابت، ان کے جواز وعدمِ جواز کی بابت۔ والمعنٰی یسئلونك عمّا فی تعاطیھما بدلیل (کشاف) دل تخصیص الجواب علٰی ان ذٰلك السؤال کان واقعًا علی الحل والحرمۃ (کبیر) اَلْخَمْرِ۔ خمر ومیسر یہاں دونوں اپنے عام ووسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کردے۔ اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شیء (تاج) سمیت لکونھا خامرۃ لمقر العقل (راغب) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کر لیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ الخمر ما خامر العقل (بخاری۔ عن ابن عمر) الخمر کل شراب خمر العقل فسترہ وغطّی علیہ (ابن جریر) الْمَیْسِرِ بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جُوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔ کل شیء فیہ قمار فھو من المیسر (تاج) علماءِ شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ المیسر ھو القمار (ابن کثیر) یعنی القمار (معالم) وفی حکم المیسر انواع القمار والنرد والشطرنج ونحوھا (مدارک) شراب اور جُوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیلِ عزت وشرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازمِ شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور ایسے

۷۸۹ رجب اس کے شرائط کا تحقق ہوجائے۔ ملے مسلمانو! قتل کے آداب، شرائط و قواعد میں سے کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آیندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے، اس کو یاد رکھ کے
ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے جو یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک مقدس ہے:۔ "سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یکلخت ختم کر، اور ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے شیرخوار اور بیل بھیڑ، اور اونٹ اور گدھے
تک کو سب کو قتل کر۔" (۱۔ سموئیل۔ ۱۵: ۲) ۷۹۰ جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔ اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً ہچکچاتا ہے۔ پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترکِ وطن کر کے مدینہ میں
پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، روپیہ پیسہ میں، ساز و سامان میں، تعداد میں، غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے۔ ان شکستہ بازوؤں، شکستہ دلوں کو حکمِ جنگ و قتال پا کر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو تو یہ ان کے
مرتبۂ اخلاص اور قوتِ ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ شاق علیکم مکروہ طبعاً (بیضاوی)، مکروہ بالطبیعۃ (بحر)، ھذہ الکرہ من حیث نفور الطبع عنه لما فیه من مؤنة المال ومشقة النفس وخطر الروح لا انهم کرھوا
امر اللہ تعالیٰ (معالم) هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ، آیت پوری تردید کر رہی ہے ان بے غیرت "مستشرقین" کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مالِ غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاقِ جنگ و قتال کے تھے! كُرْهٌ لفظاً مصدر ہے، معنی مفعول کے دے
رہا ہے۔ جیسے خبز سے مخبوز مراد ہو جاتی ہے، اور نقص سے مراد منقوص۔ ۷۹۱ تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل جن مسلمانوں کو جہاد و قتال پر آمادہ کرنے کیلئے قرآن مجید کو اس تفصیل و اہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آ رہی
ہے ان کی بابت اسلام کے مشہور و معروف "کرم فرما"، اور مسیحی دنیا کے نامور مؤرخ و سیرت نویس، پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ (نعوذ باللہ) "محمدؐ نے اپنے شورش پسند پیرووں کو مشغولِ کار رکھنے کے لئے
انہیں جہاد میں لگا دیا!" گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لئے آنا، شکار کی قسم کا
کوئی مشغلۂ سیر و تفریح تھا! ——— دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے، کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی
ہیں! شَيْئًا صیغہ نکرہ ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے یعنی
ہر طبعی و مرغوب و محبوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ و مبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔ ۷۹۲ یعنی اللہ ہی کا علم
کامل اور ظاہر و باطن ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لئے اس کے احکام ہمیشہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے
ہیں۔ انسانی علم اس کے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل و جامع نہیں ہوتا۔ اسلئے خود انسان کی واقفیت و مصلحت
اسی میں ہے کہ احکامِ خداوندی کی تعمیل بے چون و چرا کر لیا کرے۔ ۷۹۳ الشھر الحرام بالشھر الحرام
کی ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک و
محترم تھے۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔ الشَّهْرُ
الْحَرَامُ سے یہاں مراد ماہِ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ھ ہجری میں یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں
بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہو گیا، اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے
خیال میں ۳۰ رجمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں بارہا ہوتا رہتا ہے) کہ چاند
۲۹ کا ہو گیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو و غلطی کی اس رائی کو لے کر پہاڑ بنا دیا، اور طعن و اعتراض
شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں۔ ان محمدًا بعث سریة فلقوا
عمرو بن الحضرمی بآخر لیلة من جمادی الاولی لیلة من رجب وان اصحاب محمد صلعم کانوا
یظنون تلك اللیلة من جمادی وكانت اول رجب ولم یشعروا فقتله رجل منهم واحد (ابن جریر عن ابن عباسؓ)
لقی واقد بن عبد اللہ عمرو ابن الحضرمی اول لیلة من رجب وهم یرون انه من جمادی فقتله (ابن جریر عن عتم)
قِتَالٍ فِيهِ ترکیب میں بدل ہے الشهر الحرام سے۔ بدل اشتمال من الشهر الحرام (بیضاوی) وهذا
یسمی بدل الاشتمال كقولك اعجبني زید علمه ونفعني زید كلامه (کبیر) ۷۹۴ رجب کر دانستہ یعنی
ماہِ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا) وما وقع من اصحابه
علیه السلام كان من باب الخطاء فی الاجتهاد وهو معفوٌّ عنه (روح) فقہاء مفسرین میں ایک بڑی بحث
اس کی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کافر
اس زمانہ میں قتال شروع کر دیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کے لئے دفاعی و جوابی قتال تو بہر حال جائز ہے
لاخلاف فی جواز القتال فی الشهر الحرام اذا بدءوا (زاد المعاد فصل احکام غزوہ خیبر) گفتگو اس میں
ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتدا جائز ہے؟ انما الخلاف ان یقاتل فیه
ابتدا (زاد المعاد) سو امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ و امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں
کہ قرآن ہی کی دوسری آیتوں سے یہ حکمِ حرمت کالعدم ہو گیا ہے، اور اب جہاد ان مہینوں میں بھی شروع ہو سکتا
ہے۔ فالجمهور جوزوه وقالوا تحریم القتال فیه منسوخ وهو مذهب الائمة الاربعة (زاد المعاد)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن
تمہارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا ہے ۷۸۹ درآنحالیکہ وہ تم پر گراں ہے ۷۹۰ لیکن کیا عجب کہ تم
تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا
کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے
وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾
ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعثِ) خرابی ہو ۷۹۱ اور علم تو اللہ ہی رکھتا ہے، اور تم علم نہیں رکھتے ۷۹۲

ع ۲۶ / ۱۰

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ
اور آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں ۷۹۳ آپ کہہ دیجیے
فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ
کہ اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے ۷۹۴ اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ سے روکنا
الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ
اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روک دینا اور اس سے اسکے رہنے والوں کو نکال دینا ہیں ۷۹۵ اور
أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ
فتنہ قتل سے کہیں بڑھ کر ہے ۷۹۶ اور یہ لوگ تو تم سے جنگ جاری ہی رکھیں گے، تاآنکہ اگر ان کا
يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ
بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر ہی کر رہیں ۷۹۷ اور جو کوئی بھی تم میں سو اپنے دین سے پھر جائے
مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ
اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مرجائے تو یہی وہ لوگ ہیں

قال سائر العلماء هی منسوخة (ابن العربی)، روی سلیمان بن یسار وسعید بن المسیب ان القتال جائز فی الشهر الحرام وهو قول فقهاء الامصار (جصاص) لیکن عطاؒ تابعی اور بعض اور اکابر اس کے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں
میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی و قطعی ہے۔ بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار تھے۔ مذهب عطاء وغیره الی انه ثابت غیر منسوخ وكان عطاء یحلف باللہ ما یحل القتال فی الشهر الحرام (زاد المعاد) كان عطاء
یحلف انها ثابت لان الآیات التی بعدها عامة فی الازمنة وهذا خاص والعام لا ینسخ بالخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفة حكمه باق لم ینسخ وفیمن قال ذلك عطاء بن ابی رباح (جصاص) ۷۹۵ (سو بالفرض وہ جرم مسلمان
سے سرزد ہوا بھی ہوتا، جب بھی ایسے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعۂ قتل پر اعتراض و احتجاج کا؟) صَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ۔ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے، اس سے روکنا یعنی اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی
رکاوٹیں ڈالنا، ان پر ظلم و ستم توڑنا۔ سبیل اللہ ای الاسلام او ما یوصل العبد الی اللہ (بیضاوی) كُفْرٌ بِهِ یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا۔ اللہ کے دین و شریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد کعبہ خاص اہلِ توحید ہی کا معبد و مرکز ہے۔ اس کا ہر وقت اللہ کے پرستاروں کے لئے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائضِ اولین میں سے ہے۔ المسجد الحرام کا عطف ترکیب میں سبیل اللہ پر نہیں، بلکہ تقدیرِ کلام یوں ہے
ویصدون عن المسجد الحرام۔ ولا یحسن عطفه علی سبیل اللہ (بیضاوی) تقدیره ویصدون عن المسجد (عکبری)، واختار ابو البقاء كونه متعلقًا بفعل محذوف دل علیه الصد ای ویصدون عن المسجد الحرام (روح) إِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ۔
دونوں ضمیریں المسجد الحرام کی طرف ہیں یعنی رسولؐ اور مومنین کو ہر طرح تنگ و پریشان کر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں ان کا داخلہ بند کر دینا۔ انہیں اہل اسلئے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ انما كانوا اهله
لانهم القائمون بحقوقه (روح) گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمدًا زمانۂ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی تو تمہارے ایسے
سنگین و شدید جرائم سے اس کا کیا مقابلہ؟ ۷۹۶ (اپنے مفاسد اور اپنی مضرتوں کے لحاظ سے) الْفِتْنَةُ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دینِ حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں ——— اس دین کی راہ میں جس کا مقصد ہی دنیا کو راہ
امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے نجات دلانا ہے۔ ای مما یفتن به المسلمون ویعذبون به لیكفروا (روح)، والمعنی عند جمهور المفسرین الفتنة التی كانت تفتن المسلمین عن دینهم حتی یهلكوا (بحر)
الفتنة هی ما كانوا یفتنون المسلمین عن دینهم تارة بالقاء الشبهات فی قلوبهم وتارة بالتعذیب (کبیر) فِتْنَةٌ کے معنی یہاں مطلق کفر کے بھی کئے گئے ہیں لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے، بقول امام رازیؒ کے وھو عندی ضعیف (کبیر)

الدر عزہبل عندعلی الکتاب (بحر) ٤٧٦ (تصدیق حق کی۔ اور اصول دین کے باب میں کسی قسم کا اشتباس اور خفار باقی نہیں رہا) بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ یہاں یہ صاف کردیا کہ اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی۔ نہ یہ امر کہ اصل احکام الٰہی یا پیام حق میں کسی طرح کا ایچ پیچ تھا۔ اور نہ یہ کہ مسائل اجتہادی میں کوئی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ یعنی وہی لوگ جنہیں کتاب بواسطۂ انبیا۔ ملی تھی، مراد ہیں علماء و مشائخ و پیشوایانِ قوم۔ گمرہی اور کجروی کی طرح یہی لوگ ڈالتے ہیں، عوام محض ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ٤٧٧ (چنانچہ اہلِ حق کو نزاع و اختلاف کبھی مضر نہیں پڑا) لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ میں ذکر اہلِ حق کے اختلاف کا ہے اہلِ باطل سے۔ بِاِذْنِهٖ میں اذن کے معنی فضل، توفیق و لطف کے ہیں۔ لاذن التوفیق (راغ) بارادتہ ولطفہ (بیضاوی) بتوفیقہ وتیسیرہ (روح) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پر سوال ہوا ہے کہ جو اس کے مصداق ہو چکے تھے وہ تو خود ہی ہدایت یافتہ تھے، پھر اب انہیں ہدایت کیسی؟ جواب یہ ہے کہ ایمان سے یہاں مراد قصد ایمان و صلاحیتِ ایمان ہے یعنی جو ایمان کے طالب تھے۔ انہیں ہدایت حاصل ہوگئی۔ ٤٧٨ (اور اُس کی مشیت ہدایت ہمیشہ اُن لوگوں سے متعلق ہو جاتی ہے جو اُس کی طرف بڑھنا چاہتے، اور ضد و تعصب کو چھوڑ کر طلبِ حق اختیار کرتے ہیں) اس میں مؤمنین کی تشفی و تسلی کا پہلو بھی نکل رہا ہے کہ مخالفین و معاندین کی سرگرم کوششوں اور زبردست پروپیگنڈے سے خوف و ہراس نہ کریں۔ اپنی طلب اگر صادق ہے تو کوئی مکر و تدبیر، کوئی قوت باشوکت ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ ٤٧٩ (بلا مشقت و بغیر امتحان، اے گروہِ مؤمنین!) خطاب براہِ راست عہدِ رسالت کے مؤمنین سے ہے۔ ایھا المؤمنون باللہ ورسلہ (ابن جریر) ٤٨٠ یعنی اُن مؤمنینِ سابقین، اُن انبیاء قدیم کی اُمتوں کی سی آزمائش اور مصیبتیں۔ مَثَل کے معنی غیر معمولی حالات و تجربات کے ہوتے ہیں۔ المثل الشبہ الا انہ مستعاد لحال غریبۃ او قضیۃ عجیبۃ لھا شان (بحر) یہاں مراد اُن پچھلی اُمتوں کے تحمل شدائد سے ہے۔ ماینال من اذی الکفار والفقر والمجاھدۃ فی سبیل اللہ (بحر) حالھم التی ھی مثل فی الشدۃ (کشاف) آیت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی مومن محض ایمان کی برکت اور فضلِ خدا سے جنت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہداتِ شدیدہ کی منزل سے نہ گزر لے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ صحابہ جن درجاتِ عالیہ کے طالب تھے اور بقول مُرشد تھانویؒ ہر مومن کو طلب ایسی ہی رکھنی چاہیئے۔ اُن درجاتِ عالیہ تک پہنچنے کے لئے عام شرط ان منزلوں سے گزرنے کی ہے۔ باقی نفس مجاہدہ تو ہر مومن کو اپنے درجہ و بساط کے لحاظ سے کرنا ہی ہوتا ہے۔ ٤٨١ (شدتِ تکلیف سے) لے مُزکوا بانواع البلایا و الرزایا (کبیر) اَلْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔ یعنی مخالفین کے ہاتھوں انہیں جو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ فرق یہ کیا گیا ہے کہ باساء میں راحت و آسائش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور ضراء میں واقعی درد و اذیت کا۔ الباساء عبارۃ عن تضییق جھات الخیر والضراء عبارۃ عن انفتاح جھات الشر (کبیر) ان آزمائشوں کے تذکرے قدیم صحیفوں میں بھی بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً "صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں" (زبور۔ ٣٤: ١٩) "چاندی کے لئے گھریا ہے اور سونے کے لئے بھٹی پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے"۔ (امثال ١٧: ٣) "ضرور ہے کہ ہم بہت سی مصیبتیں سہہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں" (اعمال ١٤: ٢٢) ٤٨٢ (شدتِ غم و حزن سے بیقرار ہو کر) الرسول سے مراد اس زمانہ کے پیمبر ہیں۔ المراد من الرسول الجنس لا واحد بعینہ (روح) الرسول ھنا اسم جنس (نہر) ٤٨٣ نصر اللہ۔ یعنی نصرتِ موعود۔ انبیاء و مؤمنین کا یہ قول حالتِ اضطرار میں دعا و مناجات کے طور پر تھا، نہ بطور اعتراض و شکوہ۔ وعدہ نصرتِ الٰہی کا تھا، مگر یہ تعیّن تو نہ تھا کہ کس وقت ہوگی۔ جب ہجوم شدائد ہوتا، تو نصرتِ غیبی کی ضرورت محسوس کرتے، اور اپنے اجتہاد سے بالحاح و زاری پکارتے کہ حضرت، یہی تو وقت دستگیری و نصرتِ غیبی کے نزول کا ہے۔ (تھانوی) آیت میں اشارہ ہے کہ اُمتِ محمدی کو بھی ہر قسم کی بلائیں پیش آئینگی جیسی کہ اگلی اُمتوں کو پیش آچکی ہیں۔ ٤٨٤ یہ جواب ان اُمتوں کو ان کی درخواست کا ملا کرتا۔ اس میں مؤمنین کو ہمیشہ کے لئے بشارت اور تسلی مل گئی۔ اور اس حقیقت کا بیان آگیا کہ نصرتِ الٰہی اپنے وقت پر ضرور آکر رہے گی۔ مجاہدات سے گھبرانا اور بددل نہ ہونا چاہیئے۔ صوفیہ نے آیت سے یہ تعلیم بھی اخذ کی ہے کہ حالات مخالف کے ہجوم سے بہ تقاضائے بشریت اضطراب تو کاملین تک کو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی ثابت قدمی اور اتباعِ احکام کی برکت سے نصرتِ الٰہی حاصل ہو کر رہتی ہے۔ ٤٨٥ (اور کن موقعوں پر) سال المؤمنون رسول اللہ صلعم این یضعون اموالھم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان مصرفہ ای شیء ھو (کبیر۔ عن القفال) مرادھم من قولھم لیس ھو طلب الماھیۃ بل طلب المصرف (کبیر) سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس باب میں تھا کہ اپنی حسبِ ہمت و حیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اس کی بابت نہ تھا۔ الاکثرون علیٰ ان الاٰیۃ فی التطوع (روح) عن الحسن ھی فی التطوع (مدارک) قرآن جو مکمل دستورِ حیات ہے، اس میں معاشیات کے مسائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اس کے اندر رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست بتا دیتا ہے ٤٧٨

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ

کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے ٤٧٩ درآنحالیکہ ابھی تم پر

مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ

اُن لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ٤٨٠ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی

وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ

اور انہیں ہلا ڈالا گیا ٤٨١ یہاں تک کہ پیمبر اور جو لوگ اُن کے ہمراہ ایمان

اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ

لائے تھے بول اُٹھے ٤٨٢ کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی ٤٨٣ سُن رکھو اللہ کی امداد یقیناً قریب

قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ

ہی ہے ٤٨٤ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں ٤٨٥ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہیں

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

مال سے خرچ کرنا ہے ٤٨٦ سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا

یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، ٤٨٧ اور جو بھی

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾

نیکی کرو گے، اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے ٤٨٨

٤٨٦ خیر کا مفہوم علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف و متعارف معنیٰ کے محمود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔ المال من وجہ محمود (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے ٤٨٧ مصارفِ خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے۔ سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، اُن کی کی جائے۔ پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور اس میں بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آگئے ——— شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے ——— پھر اُمت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لئے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علیحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔ قریبی اور دُور کے حقدار اور ملی رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوب صورتی سے ایک فریم کے اندر "فٹ" ہو گئے۔ مقصودِ شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم اس سے بے خبر چندہ لکھوا رہے ہوں چینی ریلیف فنڈ میں! ٤٨٨ (اور اس لئے اس کا اجر بھی پورا ادا کر رہے گا) خیر، عام ہے۔ بدنی، مالی، بڑی، چھوٹی ہر قسم اور درجہ کی نیکی کو شامل ہے۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے دیویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گڑھ لئے ہیں اُن پر قیاس کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے خدا کا بھی علم ناقص یا محدود ہے یا جزئیات یا مخفیات پر محیط نہیں۔

هَلْ .... اِلاَّ۔ هل یہاں استفہامیہ نہیں، بلکہ جب اِلاّ کے ساتھ آتا ہے تو نفی کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ کونہا بمعنی المنفی ھو جاء بعدھا الا کثیر الاستعمال فی القراٰن وفی کلام العرب (بحر) معناہ النفی ولھذا جاء بعدہ اِلّا (عکبری) ۷۶۵ (آخری فیصلہ اور تصفیہ کے لئے) کلام بطور تہدید کے ہے۔ ۷۶۶ (اور پھر وہ ہر آیت کا انکار وکفران بھی کس شدومد سے کرتے رہے) اٰیَةٍ بَیِّنَةٍ۔ یہ کھلی ہوئی نشانیاں کس چیز کی تھیں؟ خدائے تعالیٰ کے مخصوص فضل وکرم کی، اور بنی اسرائیل کی مخصوص سرافرازیوں کی مثلاً کتاب توریت اور دوسرے آسمانی صحیفوں کا نزول یا اس نسل میں انبیائے کرام کا مسلسل ظہور، وقس علیٰ ہذا۔ سَلْ بلفظ سل سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں کہ اسرائیلی ان سے انکار کرہی نہیں سکتے۔ ۷۶۷ (عام اس سے کہ اس سزا کا ظہور فوری اور اسی دنیا میں ہو، یا بہ تاخیر عالم آخرت میں) نعمة اللہ۔ نعمت ادنیٰ بھی ہو، جب بھی نعمت ہی ہے۔ اور بہرصورت قابل قدر، چہ جائیکہ ایسی اعلیٰ نعمتیں جن سے بنی اسرائیل کی مدتوں سرفرازی رہی۔ یبدل۔ تبدیل کے معنی ہیں کسی شے کی اصل حقیقت کو کچھ کا کچھ کر دینا، اُس شے کے اندر تحریف کر دینا، اُسے مسخ کر دینا۔ اور اللہ کی نعمتوں کے اندر تبدیلی ایک تو یہ ہوئی کہ جو چیزیں ہدایت واستفادہ کے لیے تھیں، اُلٹا اُنہی کو فسق وکفر کے کاروبار میں لگا دیا جائے، اور یا پھر یہ کہ جو کلام باعثِ ہدایت ہوتا تھا، اسی میں تصحیف وتحریف کا عمل شروع کر دیا جائے۔ اہلِ تفسیر نے دونوں شقیں اختیار کی ہیں وتبدیلھم ایاھا ان اللہ اظہرھا لتکون اسباب ھداھم فجعلھا اسباب ضلالتھم او حرفوا اٰیات الکتاب الدالة علی دین محمد صلعم (کشاف۔ مدارک) بجعلھا سبب الضلالة وازدیاد الرجس او بالتحریف والتاویل الزائغ (بیضاوی) شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ نعمة اللہ کی وسعتِ اطلاق، دینی ودنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر نعمت کے مسخ کر ڈالنے پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ اب نعمت اگر دینی ہے، مثلاً کتاب الٰہی یا ظہور انبیاء تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اُخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے، مثلاً دولت، صحت، سلطنت، تو اس کے سوء استعمال کا خمیازہ بیماری، ناکامی، افلاس، ذلت وغیرہ کی شکل میں اُٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ کا فقرہ زور دینے اور تاکید کیلئے ہے یعنی بعد اس کے کہ اس نعمت کا پوری طرح تحقق ہو سکے۔ اس کے پوری طرح فہم ومعرفت میں آجانے کے بعد پھر جو کوئی اس کے ساتھ کفران کرے۔ آیت آج اُمت کے کس قدر حسب حال اور کس درجہ قابلِ غور ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی ودنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا حق ہم ادا کر رہے ہیں، کونسی نعمت ایسی ہے جس کی رُوح ہم نے نہیں بدل ڈالی ہے؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری ساری عبادتیں مغز ورُوح سے خالی، ان عبادتوں کے خالی ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ اخلاق واتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی، نتیجہ جو نکلا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہاں ایک بات اور، مسیحیوں کے ہاں ایک عربی داں انگریز پادری ڈاکٹر وہیری Wherry ابھی حال میں گزرے ہیں، مسلمانوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، انگریزی میں مختصر سی تفسیر بھی لکھی ہے، اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔ ”مسلمانوں نے متن قرآن کی جو اتنی سخت حفاظت رکھی ہے، اس کا ایک سبب اسی قسم کی تہدیدی آیتیں ہیں“ خیر اس سے کم تر کم محفوظیت قرآن پر شہادت تو ایک دشمنِ اسلام کی زبان سے ہاتھ آگئی۔

الْعِقَابِ ۲۱۱ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا
ہے ۷۶۸ خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی اُن لوگوں کی نظر میں جو کافر ہیں ۷۶۹
وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ
اور وہ اُن لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں، درآنحالیکہ جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۲۱۲
وہ اُن سے (کہیں) اوپر ہونگے قیامت کے دن ۷۷۰ اور اللہ جسے چاہتا ہے بیشمار رزق دیتا رہتا ہے ۷۷۱
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ
لوگ ایک ہی اُمت تھے، ۷۷۲ پھر اللہ نے انبیاء بھیجے، خوشخبری
مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
دینے والے، اور ڈرانے والے، ۷۷۳ اور اُن کے ساتھ کتب حق نازل
بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ
کیں، ۷۷۴ کہ وہ لوگوں کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے ۷۷۵
وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا
اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا مگر اُنہی نے جنہیں وہ ملی تھی اُنہی کی ضد کے باعث
جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَی اللّٰهُ
بعد اس کے کہ انہیں کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں ۷۷۶ پھر اللہ نے اپنے فضل سے انہیں
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ
جو ایمان والے تھے، وہ امر حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے

۷۶۸ (اور اس کا ساز وسامان، جاہ وحشم، باغ ومکان، موٹر اور ریڈیو، کوٹھی اور فرنیچر، سب باوجود فانی وبے حقیقت ہونے کے انہیں نہایت اہم وقابل وقعت نظر آتا ہے، اور اُن کے دلوں کے لئے خاص کشش رکھتا ہے) جو کافر ہے وہ اسی دنیوی زندگی کی مادی لذت ودولت، عیش وعشرت پر مستار رہتا ہے۔ اسی کو مستم بالشان سمجھے ہوئے، اسی پیمانہ سے سب کو ناپتا رہتا ہے۔ وہ بیحد تنگ نظر ہوتا ہے۔ وہ اس برائے نام عیش پر عیشِ سرمدی وعشرتِ لازوال کو قربان کئے رہتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کافر اس باب میں معذور ہے۔ حبِ دنیا العیاذ اس پر اتنی غالب کر دی گئی ہے کہ وہ اس کے ترک ہی پر قادر نہیں ـــــ ایسا ہرگز نہیں۔ کافر تو کہتے ہی اس کو ہیں، جو بلا کسی معذوری کے، اپنے قصد واختیار سے حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار کرے اور دنیا کی خوشنمائی کا آنکھوں میں بس جانا یہ تو کفر کا نتیجہ اور معلول ہے، نہ کہ اس کا باعث وسبب۔ اپنے ارادہ کا سوءِ استعمال تو وہ پہلے ہی کر چکا، محض نتیجہ کے طور پر مشیتِ تکوینی نے اس کی کوشش کو کامیاب کر دیا۔ ۷۶۹ (اور سامان دنیوی سے محروم ہیں) کافر اسی غلط معیار کی بنا پر اسی کج نگاہی سے کام لیکر اپنے کو بڑا سمجھتا، اور ایمان وطاعت کی بے وقعتی اور تحقیر کرتا رہتا ہے۔ نگاہ کی یہ کجی، یہ غلط بینی ہی دنیا کا شدید ترین ابتلا ہے۔ حدیثِ نبوی کی یہ دُعا اسی فتنہ سے بچنے کیلئے ہے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقًا وارنا الباطل باطلاً اور عارفِ رُومی کی یہ مناجات بھی اسی موقع کیلئے ہے ؎

انچہ در کون ست اشیا ہر چہ ہست — وانماجاں را بہر صورت کہ ہست
آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ — اندر آتش صورتِ آبے منہ

۷۷۰ (کہ وہ دن ہوگا کشفِ حقائق کا) اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یا کفر وشرک سے بچتے رہتے ہیں۔ فَوْقَهُمْ۔ یعنی درجہ ومرتبہ میں ان سے ہزار چند بڑھے ہوئے ہونگے۔ لانھم فی علیین وھم فی اسفل السافلین (بیضاوی) ۷۷۱ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی مال ودولت کا تعلق مصالح تکوینی سے ہے۔ سو سال ودولت کی افراط، روپیہ پیسہ کی ریل پیل، یہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں اور بڑے بڑے ساہوکارے، ہرگز کوئی معیار مقبولیت یا حق وصداقت کا نہیں۔ چاہے وہ جاہ وتمول ذاتی وشخصی ہو یا قومی واجتماعی۔ کوئی اس میں بھول نہ پڑے۔ اور قومی اقبال مندی پر نہ مغرور ہو، نہ اُس سے مرعوب ہو۔ ۷۷۲ (آغازِ فطرت میں) آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی محققین، حسبِ معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے، اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے، کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک یا تعددِ آلہہ تھا۔ شروع شروع وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا۔ اور عقیدۂ توحید تک تو نسلِ انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد، اور عقلی ودماغی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسلِ انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک، اور واحد تھی۔ اس میں ”مذہب“ و ”ادیان“، کے یہ فرقے کچھ بھی نہ تھے۔ امةً واحدةً میں جس وحدت کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس سے دینی واعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ کانوا علی شریعة من الحق (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) کانوا علی الھدیٰ جمیعًا (ابن جریر۔ عن قتادة) انھم کانوا علی دین واحد وھو الایمان والحق ھٰذا قول اکثر المحققین (کبیر) صدیوں کی اُلٹ پھیر اور قیل وقال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرینِ اثریات، انسانیات واجتماعیات کا (سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا دینِ اولین، دینِ توحید تھا ۷۷۳ (بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق پر واپس لانے اور جمع کرنے کی خاطر) فبعث میں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد، جب کہ اہلِ باطل اپنے اختراعی عقائد واعمال سے بہتیرے فرقے اور مذاہب پیدا کر چکے تھے۔ مُبَشِّرِیْنَ۔ یعنی خوشخبری سنانے والے اہلِ ایمان کو، اُن لوگوں کو جو خدائی دستورِ حیات کو قبول واختیار کریں۔ مُنْذِرِیْنَ۔ یعنی ڈرانے والے اہلِ کفر کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستورِ حیات کے مقابلہ میں انکار وطغیان کو قائم کریں۔ ۷۷۴ الكتٰب سے کوئی مخصوص ومتعین کتاب الٰہی مراد نہیں، بلکہ ال جنس کتب کے لئے ہے، اور کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اُترتی رہیں۔ گویا لفظ کتاب صورةً واحد ہے، اور معنی جمع۔ یرید بہ الجنس (بیضاوی) بِالْحَقِّ۔ حق کو لے کر یا اظہارِ حق کے لئے۔ ترکیب میں بالحق حال واقع ہوا ہے کتاب کا۔ بتبیان الحق (مدارک) حال من الکتٰب ای ملتبسًا بالحق شاھدًا بہ (بیضاوی) ۷۷۵ یعنی عقائد واعمال کے باب میں۔ لِیَحْكُمَ۔ تاکہ وہ فیصلہ کرے۔ انہی انبیاء یا کتب کے واسطہ سے فیصلہ کون کرے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کرو ہی اصل فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لئے یحکم کی ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے لیکن بعض نے نبی اور بعض نے کتاب بھی مراد لی ہے۔ اور یہ دونوں بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ ای یحکم اللہ او النبی المنزل علیہ او الکتٰب (کبیر) والضمیر عائد علی اللہ ھٰذا ھو

مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
رضا جوئی میں بیچ ڈالتا ہے۷۵۹ اور اللہ بندوں کے حق میں بڑا شفیق ہے۷۶۰۔ اے ایمان والو
اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۷۶۱ اور شیطان کے نقشِ قدم پر
الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ
نہ چلو۷۶۲ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۷۶۳ پھر اگر تم بعد اس کے کہ
بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی ہیں ڈگمگا گئے تو جانے رہو کہ اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکیم
حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
ہے۷۶۴ (یہ لوگ) تو بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کے پاس خدا بادل کے
ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَ
سائبانوں میں آجائے اور فرشتے (بھی)۷۶۵ اور قصہ ہی ختم ہو جائے، اور
اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ۧ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۲۵ ع ۹
اللہ ہی کی طرف (سارے) معاملات رجوع کئے جائیں گے۷۶۶ (آپ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے
كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
ہم نے انہیں کھلی نشانیاں کتنی دے رکھی تھیں۷۶۷ اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
بدل ڈالے بعد اس کے کہ وہ اس کو پہنچ چکی ہو تو اللہ بھی سزا دینے میں بڑا سخت

حرث سے مراد دین ہے اور نسل سے انسان۔ عن الصادق ان الحرث فی ھذا الموضع الدین والنسل الناس (بحر) ۷۵۶ شریعتِ اسلام کا تو مشن یہ ہے کہ دُنیا کو عدل و امن سے بھر دے۔ بدامنی و فساد میں غضبِ الٰہی کی چیزیں ہیں اور ہدایاتِ اسلامی کے برعکس عمل کرنے ہی کے معنی ہیں
۷۵۷ یعنی جب اسے اس کا کوئی مخلص ہو کر خیر خواہ سمجھاتا ہے اور اسے تقویٰ اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے تو بجائے سنبھلنے کے، اور بگڑ جاتا ہے اور اپنی کج روی میں اور زیادہ دلیر ہو جاتا ہے۔ یہ بیان ہو رہا ہے اس کا کہ ایسے کافر معاند میں مخالفتِ حق و ایذاء الخلق کے ساتھ ساتھ کبر و پندار بھی کس درجہ کا ہوتا ہے ۷۵۸ اب بیان پھر مومنین کاملین کا ہو رہا ہے ۷۵۹ عباد کا لفظ ہے عام۔ لیکن سیاق چاہتا ہے کہ یہاں مراد بندگانِ مقبولین ہوں۔ حیث اشار ھم الی مثل ھذا الشراء (بیضاوی) لفظ العباد فی القرآن تشریف الاختصاص (بحر) ۷۶۰ حکم خاص طور پر قابلِ غور ہے! اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات، یا صرف چند قوانین کا نام نہیں۔ وہ تو ایک جامع و مانع نظامِ حیات ہے، ایک مکمل و منظم دستورِ زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ ہر ہر گوشہ پر حاوی۔ اور اس کا ہر جزو اُس کے کل سے، اور ایک دوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق و مرتبط۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے، لیکن عبادات کے لئے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے، یا رسالت پر تو ایمان لے آئے، لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لینے جائے۔ معاملات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں۔ کسی اور فلسفہ کسی اور دین، کسی اور نظریہ کی پیوندکاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔ آیت کا حکم عام ہے لیکن شانِ نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نومسلم یہود کی طرف تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائدِ قدیم کی کی جائیں۔ اور اسلام کی ایک مستقل شاخ یہودیانہ اسلام قائم کرلیں جس طرح بعد کو گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام، نیچری اسلام وغیرہ بہت سے "اسلام" قائم ہو کر رہے! اُدْخُلُوْا خود ہی صیغۂ امر وجوب کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اسکے حال کافۃ نے اسے کس درجہ مؤکد کر دیا اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص واجب ہو گیا کہ ظاہری باطنی انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی سارے اعمال و امور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔ السِّلْم۔ سلم کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں اور یہ لفظ حرب کے مقابل آتا ہے۔ السلم والسّلم الصلح وقیل السلم اسم بازاء الحرب (راغب) لیکن السِّلْم سے مراد دینِ اسلام لی گئی ہے

اہلِ لُغت نے بھی اسے قبول کیا ہے، اور صحابیوں اور تابعین سے بھی مروی ہے۔ ای فی الاسلام (تاج) ای ادخلوا فی الاسلام (ابن جریر عن ابن عباسؓ و مجاہد و قتادہ) وفسر السلم بالاسلام (نہر) ۷۶۱ یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان لیکن رسمیں اختیار کرلو مجوس عجم کی، معاشرت لے لو مشرکینِ ہند کی، قانونِ فوجداری اختیار کرلو ملحدینِ فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستورِ یہود کے مطابق۔ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیرِ اسلام کی آمیزش کی جانے لگے، اور اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ اسلام کامل فرض ہے، اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابلِ رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے۔ اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے (تھانویؒ) ۷۶۲ وہ تو تمہیں طرح طرح کی آمیزشوں اور جدتوں کا مشورہ دیتا ہی رہے گا، خوشنما سے خوشنما عنوانات کے ساتھ۔ آیت میں وعید و تنبیہ شدید ہے۔ ایک طرف جاہل و مبتدع اہلِ تصوف و طریقت کے لئے، اور دوسری طرف روشن خیال اہلِ تجدد کے لئے ۷۶۳ (ہر سزا پر قادر، اور سزا کو وقتِ مناسب ہی پر دینے والا) البیّنٰت مراد اس سے کھلے ہوئے احکام بھی ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کا خفا یا ابہام نہیں، مثلاً عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، حکمِ نماز، حکمِ جہاد اور ہر وہ چیز بھی اس میں داخل ہے جو دینِ اسلام کی حقانیت یا قانونِ اسلام کی صداقت پر روشن دلیل کا کام دے سکے۔ یہ بیّنات خواہ جس معنی میں بھی لئے جائیں، بہرحال ان نومسلم یہود کے پاس پہنچ چکے تھے، اور انہیں کوئی وجہ اب قدم پیچھے ہٹانے یا لڑکھڑانے کی نہیں رہ گئی تھی۔ زَلَلْتُمْ ذلت کے لفظی معنی پھسل جانے کے ہیں، جو بے اختیاری میں بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ لاکر ڈرا دیا ہے کہ قصداً و دانستہ مخالفت تو بہر بڑی چیز ہے، غلطی یا بے خیالی سے بہک جانے میں بھی گرفت کا احتمال ہے۔ عَزِيْزٌ۔ سیاقِ آیت میں وہ ہر جب اور جو کچھ چاہے سزا دے سکتا ہے۔ حَكِيْمٌ وہ ہے جو ہمیشہ وقتِ مناسب ہی پر سزا دیتا ہے ۷۶۴ (جن کا کام ہی تعمیلِ ارشاد کرنا ہوتا ہے) اب پھر اشارہ انہی نومسلم یہود کی طرف ہے، جن کا ذکر دو آیت قبل آچکا ہے۔ یہ اسلام میں ابھی داخل ہوئے ہیں، لیکن کفر و یہودیت سے پوری طرح نہیں نکل پائے ہیں۔ يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ ..... وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ۔ عقائد کا یہ اصولی اور مسلّم مسئلہ ہے کہ ذاتِ باری کے لئے نہ محل ہے نہ ظرف۔ اس لئے اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے "آنے" یا "جانے" کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام رازیؒ کہتے ہیں، اجمع المعتبرون من العقلاء علی انہ سبحانہ وتعالیٰ منزہ عن المجیء والذھاب (کبیر) اور آگے اس پر متعدد دلائل قائم کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں، ثبت انہ تعالیٰ لیس بجسم ولا بمتحیز وانہ لا یصح المجیء والذھاب علیہ (کبیر) اس لئے اکثر مفسرین نے آیت کو متشابہات میں سے مانا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ اس پر اجمالی ایمان کافی ہے، تفصیل عقلِ بشری سے ماوراء ہے۔ چنانچہ مفسر تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے لئے آنا وغیرہ جہاں مذکور ہے اس کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح اس کی ذات کی حقیقت کسی کو مدرک نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اس کی صفات و افعال کی کُنہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ وجود اور وقوع پر اجمالاً بلا تعیین کیفیت ایمان لے آنا چاہیئے کہ اس سے زیادہ فکر میں پڑنا مالا یطاق کا قصد کرنا ہے۔" اور صاحبِ روح المعانی نے یہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ یاتیھم اللہ بالمعنی اللائق بہ جل شانہ منزھا عن مشابھۃ المحدثات والتقید بصفات الممکنات اور "مذھب السلف الصالح" یہ نقل ہوتا چلا آرہا ہے کہ فالاولی السکوت عن التاویل وتفویض معنی الایۃ علی سبیل التفصیل الی اللہ تعالیٰ (کبیر) اور مفسر و محدث بغویؒ کو یہ لکھنا پڑا۔ الاولیٰ فی ھذہ الایۃ وفی ما شاکلھا ان یومن الانسان بظاھرھا ویکل علمھا الی اللہ تعالیٰ ویعتقد

ان اللہ عز اسمہ منزہ عن سمات الحدث علی ذلک مضت ائمۃ السلف وعلماء السنۃ (معالم) اور بہتوں نے آیت میں یاتیھم اللہ کے درمیان کوئی اور لفظ مثلاً امر یا باس یا آیات وغیرہ محذوف مان کر معنی یہ کئے ہیں کہ اللہ کا حکم آپہنچے یا عذاب آجائے۔ اے یاتیھم ثوابہ وحسابہ وعذابہ (ابن جریر) ای امرہ وباسہ (مدارک) ای آیات اللہ (کبیر) ای امر اللہ (کبیر) یاتیھم اللہ بما وعدھم من الثواب والعقاب قالہ الزجاج (بحر) یعنی بیاید عذاب او (شاہ ولی اللہ) اور ایک جماعت نے ملائکہ کی آمد اور قضی الامر کے پہلو کو مدِنظر رکھ کر ان واقعات کو روزِ قیامت سے متعلق کیا ہے کہ منکرین و معاندینِ قبولِ حق کے لئے اب شاید آمدِ قیامت ہی کے منتظر ہیں۔ قولہ یاتیھم اللہ اخبار عن حال القیامۃ (کبیر) یہ سب مذہب اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ہیں، لیکن ان سب میں بنائے مشترک یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن عام منکرین یا منافقین و اہلِ کتاب کی جانب سمجھا گیا ہے۔ ای یکذبون بمحمد صلعم (ابن جریر) ارید بہ المنافقون او اھل الکتاب (روح) لیکن سیاقِ کلام پر نظر کر کے اگر روئے سخن صرف یہود تک محدود کر دیا جائے تو بات بالکل صاف ہوئی جاتی ہے اور بجائے اوپر کی تفسیرات کے صرف اتنا بڑھا دینا ہوگا، حسبِ اعتقادِ یہود۔ اسلئے کہ یہود کا مذہب تشبیہ و تجسیم کا تھا۔ یہ لوگ خدا کی جسمانیت کے پوری طرح قائل تھے، اور جلوۂ حق کو بادلوں سے خاص طور پر متعلق سمجھتے تھے۔ بلکہ بادلوں کو گویا حق تعالیٰ کی سواری سمجھے ہوئے تھے۔ اُن کے مقدس صحیفوں اور نوشتوں میں اب تک اس قسم کی تعلیمات محفوظ چلی آتی ہیں "وہ نور کو پوشاک کی مانند پہنتا ہے اور آسمانوں کو پردہ کے مانند پھیلاتا ہے۔ وہ اپنے بالاخانوں کو پانیوں میں بناتا ہے اور بدلیوں کو اپنی رتھ ٹھہراتا ہے اور ہوا کے بازوؤں پر وہ سیر کرتا ہے" (زبور۔ ۱۰۴: ۲، ۳) "خداوند ایک تند رو ابر پر سوار ہو کر مصر آئے گا۔ اور مصر کے بت اسکے حضور میں لرزاں ہونگے" (یسعیاہ۔ ۱۹: ۱) "کروبی گھر کی داہنی طرف کھڑے ہوئے اور اندرونی صحن بادل سے بھر گیا۔ تب خداوند کا جلال کروبی سے اٹھ گیا، اور گھر کے آستانہ پر آیا، اور گھر بادل سے بھر گیا، اور صحن خداوند کے جلال کی چمک سے معمور ہوا" (حزقی ایل۔ ۱۰: ۴) غرض خدائے تعالیٰ کا بادلوں سے بطورِ مرکب یا سواری کے قریب ترین تعلق یہود کے تخیل میں رچ گیا تھا، یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید ترین ایڈیشن (طبع چہاردہم) میں حق تعالیٰ کی جو تصویر نیم یہودی نیم مسیحی تخیل کے مطابق دی ہے (جلد ۲ صفحہ ۱) اس میں (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کو صاف صاف بدلیوں پر سوار دکھایا ہے! تو قرآن مجید نے آیت میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے، صرف یہود کے خیال کی ترجمانی، اس کی صحت و غلطی سے بحث کئے بغیر کر دی ہے کہ یہ بنی اسرائیل اسی خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ خدا مع فرشتوں کے بدلیوں پر سوار ہو کر ان کے سامنے آجائیگا، اور ہر امر قطعی کا فیصلہ کر کے رکھ دے گا۔ اللہ بڑے اونچے مرتبے کرے امام المفسرین امام رازیؒ کے، ان کی نظر سے یہ نکتہ بھی نہ بچا۔ صاف اپنی تفسیر میں لکھ گئے ہیں اور صرف لکھ ہی نہیں گئے ہیں، اسی کو پہلے وجوہ کا اوضح عندی من کل ما سلف، اور پھر ھذا الوجہ اظھر من عندی من کل ما سبق کہہ کر بہترین توجیہ بھی قرار دے گئے ہیں کہ یہود حق تعالیٰ کی تشبیہ اور تجسیم کے قائل تھے، اور قرآن نے یہاں بجنسہٖ اُن کے اعتقاد کو اس پر تنقید کئے بغیر دہرا دیا ہے، اس لئے اس کے بعد نہ مجاز وغیرہ کسی تاویل کی حاجت رہتی ہے اور نہ کوئی اشکال ہی رہ جاتا ہے۔ اذا کان ھذا حکایۃ عن حال الیھود لم یمتنع اجراء الایۃ علی ظاھرھا وذلک لان الیھود کانوا علی مذھب التشبیہ وکانوا یجوزون علی اللہ المجیء والذھاب وعلی ھذا التقدیر یکون ھذا الکلام حکایۃ عن معتقد الیھود القائلین بالتشبیہ فلا یحتاج حینئذ الی التاویل ولا الی حمل اللفظ علی المجاز ولیس فی الایۃ دلالۃ علی انھم محقون فی ذلک الانتظار او مبطلون وعلی ھذا التقدیر یسقط الاشکال (کبیر)

فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۚ وَ مَنۡ تَاَخَّرَ
جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں ۔ اور جو تاخیر کرے
فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا
اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں ۵۵۰ (یہ) اس کے لئے جو ڈرتا رہتا ہے ۵۵۱، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے
اَنَّکُمۡ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ
رہو کہ تم (سب) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ۵۵۲ اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے ۵۵۳ کہ اس کی
قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیۡ
گفتگو جو دنیوی غرض سے اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو
قَلۡبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی
گواہ لاتا ہے ۵۵۴ درآنحالیکہ وہ شدید ترین دشمن ہے ۵۵۵ اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس
الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡهَا وَ یُهۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ
دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے ۵۵۶
وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ
درآنحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا ۵۵۷ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خوف خدا
اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئۡسَ
کرو، تو اُسے نخوت گناہ پر (اور زیادہ) آمادہ کردیتی ہے ۵۵۸ سو اسکے لئے جہنم بس ہے، اور بُری
الۡمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ
سے بڑی آرامگاہ ہے! اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان (تک) اللہ کی

منزل ۱

اٰتنا کا مفعول صرف حسنۃ ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جارہی ہے وہ حسنۃ یا بہتری ہے۔ فی الدنیا اور فی الاخرۃ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہوسکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے، دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمالِ خیر عنایت ہوں، اور آخرت میں ثمراتِ خیر۔ بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہل قلم نے آیت سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے، بلکہ قرآن خود طلبِ دنیا کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے! ——— تعالی اللہ علوًا کبیرًا۔ مغالطہ کی قلعی اوپر کھولی جاچکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہوکر خود مسلمانوں کو طلبِ دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اُسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمتِ اسلام کی عجیب و غریب صورت ہے! ۵۴۷ (دونوں جہانوں میں۔ اور جو گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے) ۵۴۸ (اور یوم حساب خود ہر لمحہ قریب آتا جارہا ہے۔ بس اس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل و دانش نہیں) مِّمَّا كَسَبُوْا۔ مِن سببیہ ہے۔ ای من اجل ما کسبوا (بحر) من اجلہ (بیضاوی) سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اُس جیسے قدرت کاملہ کے مالک کو حساب کرتے یا بندوں کو اُن کے اعمال کی جزا دیتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ ای سریع المجازاۃ للعباد باعمالھم (قرطبی) جاہلی قوموں نے اس وصفِ خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں ۵۴۹ یعنی ایام تشریق ہیں، زمانۂ قیامِ منیٰ ہیں۔ منیٰ مکہ معظمہ سے شمال و مغرب میں ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت سی پختہ و عالی شان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی رہتی ہیں۔ موسم حج میں خوب آباد ہوجاتی ہیں۔ صاحب حیثیت حاجی انہیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پُر رونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آجاتی ہیں۔ تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰۔۱۱۔۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات و مزدلفہ سے واپسی میں آکر صبح یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہر حال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات سنن و مستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اُتارنا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ ادھر حج کا بیان آیا، اُدھر ذکر الٰہی کی تاکید پھر شروع ہوگئی۔ تکبیر کی کثرت قیام زمانۂ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے۔ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اس پر صحابہ و تابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مُراد زمانۂ تشریق ہے۔ لا خلاف بین اھل العلم ان المعدودات ایام التشریق وقد روی ذلک عن علی وعمر وابن عباس وابن عمر وغیرھم (جصاص) ۵۵۰ یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف واپسی کے لئے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰ کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳ تک وہیں ٹھیرا رہے، جب بھی درست ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں اگر ۱۳ کو واپس ہوتا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کرلے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر ۱۳ تک ٹھیرنا ہے، تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل و مفضول نہیں۔ اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳ کا قیام افضل ہے ۵۵۱ یعنی یہ سب احکام نافع اسی کے حق میں ہوسکتے ہیں جو دل میں خوف خدا و خشیتِ الٰہی رکھتا ہو۔ تقوائے الٰہی کی اس شدومد سے تاکید یوں ہی اور بے کار نہیں۔ مومن کے دل پر تقویٰ کی اہمیت نقش کرنے کے لئے ہے۔ وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو ۵۵۲ (اور اسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا) یہ یاد دہانی حفظ اعمال میں کس درجہ موثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔ ۵۵۳ (اُس کی چرب زبانی کی بنا پر، اُس کے دعوائے اسلام و حبِ اسلام کے باعث) اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا۔ آخرت کے قائلین و معتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا۔ اب ذکر منکرین اور منافقین کا ہوتا ہے۔ اور ابتدا منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو۔ ایک بھی ہوسکتا ہے، بہت سے بھی ہوسکتے ہیں۔ اشارۃ الی بعضھم فیحتمل الواحد ویحتمل الجمع (کبیر) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فی اظہارِ مقصودیت کے لئے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اسے محض حصولِ دنیا ہوتی ہے، طلبِ آخرت نہیں۔ یطلب بہ حظًا من حظوظ الدنیا (کشاف) لطلب مصالح الدنیا (کبیر) فی۔ "باب میں" یا "دربارہ" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ وہ دنیوی امور سے متعلق ہے۔ ای مایقولہ فی امور الدنیا واسباب المعاش (بیضاوی) درباب زندگانی دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص خوش منظر و خوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا۔ مجلس رسولؐ میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان و اسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا۔ لیکن جب مجلس سے اُٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی عملی شرارتوں میں لگ جاتا۔ نزلت فی اخنس بن شریق الثقفی (ابن جریر) کان رجلًا حلو الکلام، حلو المنظر (معالم) کان منافقًا حسن العلانیۃ خبیث الباطن (کبیر) مگر شانِ نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی وہ صفات پائے جائیں گے، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہوگی۔ القول الثانی فی الایۃ وھو اختیار اکثر المحققین من المفسرین ان ھذہ الایۃ عامۃ فی حق کل من کان موصوفًا بھذہ الصفات المذکورۃ (کبیر) ۵۵۴ (اللہ کے دین کا، اللہ کے رسول کا) يُشْهِدُ اللّٰهَ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے۔ قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ یقول انی لاحبک ویحلف باللہ علی ذلک (معالم) رسولِ اکرمؐ علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے کائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے نکلتی ہے۔ منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپ کو کرا رہا ہے۔ ورنہ آپ تو اس کی باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپ اُسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے ۵۵۵ (جیسا کہ اخنس نے کیا بھی، کہ قبیلۂ ثقیف کے کھیت جلوا دیئے، اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کر ڈالا) کما فعلہ الاخنس بثقیف اذ بیتھم واحرق زروعھم واھلک مواشیھم (بیضاوی) وَاِذَا تَوَلّٰى۔ یعنی جب مجلس رسولؐ سے اُٹھ کر چلا گیا۔ ای اذا خرج من عندک (ابن عباسؓ) ای ادبر واعرض (روح عن الحسن) تَوَلّٰی کے دوسرے معنی "حاکم بن گیا" "حکومت پاگیا" کے بھی ہوسکتے ہیں، اور کئے گئے ہیں۔ یعنی جب وہ ملک میں حاکم و مسلط ہوجاتا ہے۔ قال مجاھد من الولایۃ ای صار والیا (بحر) ای ملک الامر وصار والیا (معالم عن الضحاک) چوں ریاست پیدا کند (شاہ ولی اللہ دہلوی) اور جب حاکم ہوتا ہے (شاہ رفیع الدین دہلوی) لیکن نظم کلام و سیاق عبارت کے لحاظ سے ترجیح معنی اول کو ہے، کہ نفاق پر روشنی یہی معنی لے کر پڑتی ہے ——— القول الاول اقرب الی نظم الایۃ لان المقصود بیان نفاقہ (کبیر) سَعٰی کے معنی ہیں سرگرم عمل ہونا، دوڑ دھوپ کرنا السعی فی کلام العرب العمل (ابن جریر) فِي الْاَرْضِ۔ عام طور پر اس سے مراد منافقین کی کثرت سعی اور وسعت عمل تخریب لی گئی ہے۔ یدل علی کثرۃ سعیہ ونقلتہ فی نواحی الارض (بحر) لیکن الارض کے ال سے مراد کوئی زمین معہود یعنی شہر مدینہ بھی ہوسکتا ہے۔ واذا کان المراد الاخنس فالارض ارض المدینۃ فالالف واللام للعھد (بحر) اَلْحَرْثَ وَالنَّسْلَ۔ کھیتوں میں اُس نے آگ لگادی، اور مویشیوں کو ہلاک کردیا۔ النسل سے ہر قسم کے جانور مراد لئے گئے ہیں۔ النسل نسل کل دابۃ (ابن عباسؓ) النسل من کل شیء من الحیوان (ابن جریر عن مجاہد) ازہری لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ حرث سے یہاں عورتیں مراد ہیں اور نسل سے اولاد انسانی۔ ذکر الازھری ان الحرث ھنا النساء والنسل الاولاد (روح) اور جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ۔

٥٣٨ یعنے رسول کے بتائے ہوئے اور اپنے مقررہ طریقوں سے بچو۔ الحاد و انکار سے بچ کر دین مذہب کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطرہ اہلِ مذہب کو شیطان کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر درپیش رہتا ہے وہ بدعات و محدثات کا ہے۔ انسان اپنے دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت و ذکرِ الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انہیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارعِ اللہ کی طرف سے پہنچائے، یا اپنے اجتہاد سے بتائے۔ یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ ذکرِ الٰہی میں لگے رہو، تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے بنائے ہوئے نہ ہوں، اللہ اور اللہ کے رسول ہی کے بتائے ہوئے ہوں۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ کرر الامر تاکیدًا (قرطبی) کرر علی سبیل التوکید والمبالغۃ فی الامر بالذکر (بحر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حکم مشعر الحرام میں ذکر کرتے رہنے کے لئے ہو، اور دوسرا حکم اہتمامِ اخلاص کے لئے ہو۔ قیل الاول امر بالذکر عند المشعر الحرام والثانی امر بالذکر علی حکم الاخلاص (قرطبی) ٥٣٩ (عبادات اور ذکرِ الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالّ ہمیشہ گمراہ ہی کے معنی میں نہیں آتا۔ ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکامِ الٰہی سے ناواقفیت ہو سکتی ہے۔ الضلال ضربان ضلال فی العلوم النظریۃ وضلال فی العلوم العملیۃ کمعرفۃ الاحکام الشرعیۃ التی ھی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد من الضلال الجہل بالایمان ومراسم الطاعات (روح) اِن یہاں اِنّ کے معنی میں تحقیق و توثیق کے لئے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قد کے مرادف ہے۔ ای وانکم کنتم (روح) ان ھذہ عند البصریین ھی المتوکید المخففۃ من الثقیلۃ (بحر) مِنْ قَبْلِهٖ میں ضمیرہ ہدیٰ کی طرف راجع ہے جو ھداکم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والھاء فی قبلہ عائدۃ علی الھدی المفھوم من قولہ ھداکم (بحر) ٥٤٠ یعنی عرفات سے۔ قریش کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں حج میں عرفات کی حاضری کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تک سب کے ساتھ جانا ہماری علوِ شان کے منافی ہے۔ ہمارے لئے مزدلفہ تک جانا کافی ہے۔ کانت قریش ومن دان دینھا یقفون بالمزدلفۃ وکانوا یسمون الحمس وکانت سائر العرب یقفون بعرفات (صحیح بخاری عن عائشہؓ) کانت قریش ومن کان علی دینھا وھم الحمس یقفون بالمزدلفۃ یقولون نحن قطین اللہ (ابن جریر۔ عن عائشہؓ) کانوا یقولون لا نخرج من الحرم فکانوا لا یشھدون وقف الناس بعرفۃ معھم (ابن جریر) کانوا یقولون نحن قطین اللہ فینبغی لنا ان نعظم الحرم ولا نعظم شیئًا من الحل (قرطبی) آیت اُنہی کی اصلاح کے لئے ہے۔ النّاس سے مراد جنسِ انسان ہے۔ المراد من الناس الجنس کما ھو ظاھر (روح) ثُمَّ یہاں تاخرِ زمانی کے لئے نہیں فصلِ کلام کے لئے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی، اب دوسری ہدایت سنو۔ جیسے اُردو میں ایسے موقع پر "اچھا تو" یا "ہاں تو" کہتے ہیں۔ ثم لیست فی ھذہ الآیۃ للترتیب وانما ھی لعطف جملۃ کلام ھی ھھنا منقطعۃ (قرطبی) ثم للترتیب فی الذکر لا للترتیب فی الزمان الواقع فیہ الافعال (نہر)

٥٤١ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یومِ عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کئے جاتے ہوں۔ حج کا بیان جہاں سے شروع ہوا ہے، دیکھتے آئیے تزکیۂ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف نہیں، حدودِ حرم بھی ابھی منزلوں فاصلہ پر ہیں کہ ساری عمر کا مالوف و مانوس لباس جسم سے اُتر گیا، اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے، نہ کسی قسم کی پگڑی صافہ، اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ عبا نہ قمیص؛ شاہ و گدا، رئیس و رعایا، حکام و عوام سب کے سب دو دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی جو چیزیں حرام تھیں ان کا ذکر ہی نہیں، جو ہمیشہ حلال تھیں اور فی نفسہٖ جائز ہیں ایک خاصی طویل مدت کے لئے بالکل ممنوع! کتنی ہی مرغوبات و مالوفات سے اس درمیان میں دستبرداری کرنی ہوتی ہے۔ یہ سب بھی کافی نہیں۔ گھڑی گھڑی لبیک کہتے رہو۔ اللہ کے دربار میں حاضری بولتے رہو، مسلسل ذکرِ الٰہی کرتے رہو، اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو، گناہوں کو، سیہ کاریوں کو یاد کرکر کے اُن کی معافی چاہتے رہو! ——— اتنے پاکیزہ، ایسے ستھرے اس قدر اصلاحی اجتماع سے دنیا جہان کے میلوں ٹھیلوں، بت پرستانہ، وہم پرستانہ، ہوس پرستانہ، میلوں تہواروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ ع کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو! کیسا صریح ظلم وہ اہلِ قلم خود اپنی بصارت و بصیرت پر کرتے ہیں، جو اسلام کو دوسرے ادیان و مذاہب کی سطح پر سمجھے ہوئے ہیں! غَفُوْرٌ۔ آیت کے آخر میں یاد دلا دیا کہ تمہارے رب کی صفتِ غفر بہت بڑی ہے۔ اُس سے مغفرت طلب کرکے دیکھو تو۔ طالبینِ مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا؟ رَحِيْمٌ۔ اور ساتھ ہی اس کی صفتِ رحمت بھی تو بے پایاں ہے طالبانِ مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ کیوں نہ کرے گا؟ ٥٤٢ (اور ابھی منیٰ سے منتشر نہیں ہوئے ہو) عرفات و مزدلفہ سے واپسی کے بعد منیٰ میں قیام تین دن ۱۰۔۱۱۔۱۲ کو لازمی ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک ۱۳ کو بھی۔ اِذَا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لئے مل رہا ہے۔ اِذا ہمیشہ بعد کے لئے نہیں آتا ہے۔ ہمزمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیامًا وقعودًا جس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو نہ یہ کہ جب تم نماز ختم کر چکو، یا اذا طلقتم النساء جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دینے لگو نہ یہ کہ جب تم طلاق دے چکو، اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔ مَّنَاسِكَكُمْ۔ مناسک شعائرِ حج کو کہتے ہیں۔ ھی شعائر الحج (قرطبی) قَضَيْتُمْ۔ قضا کے معنی کسی عبادت کے ادا کر چکنے یا بجالانے کے ہیں۔ قضیتم ھنا بمعنی ادیتم و فرغتم (قرطبی) قضاء المناسک ھو فعلھا علی تمام (جصاص) ٥٤٣ قومی عظمت و قومی خودداری، نسلی مفاخرت جس طرح جدید جاہلی تہذیب کا عنصرِ اعظم ہیں، عرب کے دینِ جاہلی کے بھی رکنِ اعظم تھے۔ عرب جب منیٰ میں جمع ہوتے تو ہر ہر قبیلہ اپنے قبائل کی جے پکارتا اور اپنے بزرگوں کے مفاخر و مناقب کے پُر زور بیان سے دلوں کو گرماتا۔ کان اھل الجاھلیۃ یجلسون بعد الحج فیذکرون ایام آباءھم (ابن عباس) کان القوم فی جاھلیتھم بعد فراغھم من حجھم ومناسکھم یجتمعون فیتفاخرون بمآثر آباءھم (ابن جریر) كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ۔ مسلمانوں کو حکم ملتا ہے کہ یہی جوش و خروش تم اللہ کے ذکر میں دکھاؤ۔ تمہاری نہ کوئی قوم ہے، نہ کوئی نسل، نہ تمہارا کوئی وطن۔ تم ان سب کے بدلے اللہ کی عظمت دلوں میں بٹھاؤ اور بساؤ، اور اللہ کا نام زبانوں پر لاؤ۔ اَوْ یہاں تخییر کے لئے نہیں، بلکہ ترقی کا مفہوم دے رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق کم از کم اس درجہ کا تو دکھو جتنا اپنے خاندان، اپنے قبیلہ، اپنی قوم کے ساتھ رکھتے ہو۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہو۔ قیل بمعنی بل (بحر) اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ مولانائے رومیؒ نے اسی کو اپنی شاعرانہ و عاشقانہ زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود

٥٤٤ دنیا میں ایسی بھی قومیں ہیں جو خدا کی قائل ہوتی ہیں، اسے معبودِ اعظم سمجھتی ہیں، لیکن حشر و نشر جزا و سزا کی قائل نہیں۔ ایسے لوگوں کی دعائیں، التجائیں، تمنائیں قدرۃً اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ مشرکینِ عرب کے عقیدے بھی اسی قسم کے تھے۔ اور یہ لوگ جب دعا بھی مانگتے تھے، تو تمام تر سامانِ دنیوی اور دشمن پر فتح و نصرت وغیرہ کی۔ ابن زید، سدی وغیرہ تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ المراد المشرکون، قال ابو وائل والسدی وابن زید کانت العرب فی الجاھلیۃ تدعوا فی مصالح الدنیا فقط فکانوا یسألون الابل والغنم والظفر بالعدو ولا یطلبون الآخرۃ (قرطبی) مَنْ يَّقُوْلُ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعائیں بالکل اُنہی الفاظ کے ساتھ کی گئی ہوں۔ "قول" کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تمنا کرنا، زبانِ حال سے کہنا، دل میں خیال لانا، سب اس میں شامل ہیں ٥٤٥ وہی آخرت جس کے تسلیم کرنے سے عمر بھر انکار کرتا رہا۔ اذ کانوا لا یعرفون ولا یؤمنون بھا (قرطبی) ٥٤٦ یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہلِ ایمان کی جانب ہے۔ مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔ حَسَنَةً وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے، اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر و خوبی آگئی۔ ان حسنۃ نکرۃ فی بیان الدعاء فھو محتمل لکل حسنۃ من الحسنات علی البدل (قرطبی) والحسنۃ الکاملۃ فی الدنیا ما یشمل جمیع حسناتھا (روح) دنیا میں حسنۃ توفیقِ خیر ہوئی، اور آخرت میں حسنۃ ثمرۂ خیر۔ والذی علیہ اکثر اھل العلم ان المراد بالحسنتین نعم الدنیا والآخرۃ وھذا ھو الصحیح فان اللفظ یقتضی ھذا کلہ (قرطبی) ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسولِ مقبول صلعم خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔ کان اکثر دعوۃ یدعو بھا النبی صلعم یقول اللّٰھم اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (بخاری، مسلم عن انس) مال و اولاد، صحت، اطمینان وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیلِ خیر میں معین ہو سکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔ آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔

حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں ٥٤٠ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بڑا

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

بخشنے والا مہربان ہے ٥٤١ پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر رہے ہو ٥٤٢ تو اللہ کی

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ

یاد کرو اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو ٥٤٣

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہمیں دنیا (ہی) میں دیدے

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ

اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ٥٤٤ اور کوئی ان میں ایسے ہوتے

مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ

(بھی) بہتری ٥٤٥ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھنا ٥٤٦ یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ

جنہیں ٥٤٧ حصہ مل کر رہے گا بعوض اسکے کہ جو انہوں نے عمل کر رکھا ہے اور اللہ حساب بہت جلد

الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ

لے لے گا ٥٤٨ اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے دنوں میں (برابر) یاد کرتے رہو ٥٤٩

النصف

منزل

وطاؤس وغیرہم الرفث الافحاش للمرأة بالکلام (قرطبی) قال ابن عباس ھو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث التعریض للنساء بالجماع (ابن جریر عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع وما دونہ من قول الفحش (ابن جریر) الجماع ودواعیہ محظورة علی المحرم (جصاص) وقال الحسن المراد منہ کل ما یتعلق بالجماع (کبیر) اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے۔ عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارةً و کنایةً بھی اُس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیرتھ ہوار، تیرتھ جاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے! اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکانِ حج تک میں فحش داخل تھا۔ وَلَا فُسُوْقَ۔ اس کے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آگئی۔ قال بعضھم الفسوق ھی المعاصی کلھا (ابن جریر) عن محمد بن کعب القرظی قال الفسوق معاصی کلھا (ابن جریر) یعنی جمیع المعاصی کلھا قالہ ابن عباس وعطاء والحسن کذلک قال ابن عمر وجماعة (قرطبی) ای لاتخرجوا عن حدود الشرع بارتکاب المحظورات (روح) حالتِ احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار، ناجائز ہو جاتے ہیں، تو بڑی چھوٹی کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے۔ یہاں یہ حکم محض تاکید کے لئے ہے۔ وَلَا جِدَالَ۔ جدال اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ مارپیٹ، ہاتھاپائی الگ رہی، زبانی حجت و تکرار جو اکثر مسابقت و مفاخرت کے موقعوں پر ہو جاتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ قال محمد بن کعب القرظی الجدال ان تقول طائفة حجنا أبر من حجکم ویقول الآخر مثل ذلك (قرطبی) وقیل الجدال کان فی الفخر بالآباء (قرطبی) ای لا اختصام مع الخدام والرفقة (روح) لا امراء مع الرفقاء والخدم (مدارک) ای الجدال فی تقریر الباطل وطلب المال والجاہ (کبیر) حج کے موقع پر دنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آ جاتی ہیں۔ ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص و طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی، راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں ــــ بڑے بڑے حلیم بھی دامنِ صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدال کے موقع قدم قدم رکھے ہوئے ہوتے ہیں ــــ حکیمِ مطلق کی حکیمانہ نگاہ نے رفث اور فسوق اور جدال سب کی تصریحاً اور تاکیداً ممانعت کر کے کمزور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے۔ محققین نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ فقرہ کے آخر میں، یعنی فی الحج میں جو بجائے ضمیر کے اصل اسم لایا گیا ہے، یہ تاکید و تعظیم کے لئے ہے۔ الاظہار فی مقام الاضمار لاظہار کمال الاعتناء بشانہ (روح) ۷۳۱ (اور اسی کے مطابق صلہ بھی دیگا) حاجیوں کے اعمالِ خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لئے یہ بہترین و موثرترین یاددہانی ہے۔ اللہ کے عالمِ کل و عالمِ جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھنا اہل جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑ جاؤ کہ ہمارے فلاں فلاں عملِ خیر کا صلہ ملے یا نہ ملے، علمِ الٰہی میں وہ آئے بھی، یا آنے سے رہ جائے۔ مومن کے لئے تو بڑی سی بڑی ہمت بھی اسی عقیدہ کا استحضار پیدا کر سکتا ہے کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اطباء یونانی موسمِ بہار میں مصفیات پلاتے ہیں، اور جاڑے کے زمانہ میں مقویات استعمال کراتے ہیں کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے ــــ رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم بھی روحانیات کے عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا کے لئے ممتاز ہیں، تو طبیبِ حقیقی ان موسموں میں اعمالِ خیر کی طرف خصوصی توجہ کیسے نہ دلاتا! ۷۳۲ جب ارادۂ حج سے نکلا کرو۔ اس ہدایت کی قدر اُس وقت ہو گی جب جاہلی قوموں کے زائرین کی ذہنیت پر نظر ہو، خصوصاً جاہلیتِ عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں، جو تیرتھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس و تہیدست نکلنا ہی اپنی روحانیت کا کمال سمجھتے ہیں! راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دوسرا انہیں کھلا پلا دیا کریگا یہ اپنے فقیر ہونے پر فخر کرینگے۔ اس قسم کے سارے تخیلات واوہام اسلام نے مٹا دیئے اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج و زیارت کے لئے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ لے کر نکلو۔ راستہ میں دوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو۔ عرب جاہلیت میں یہ مرض اور زیادہ پھیلا ہوا تھا، بلکہ بعض گروہوں کو تو یہ غلو تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اُسے بھی پھینک دیتے! کانوا یحجون بغیر زاد وکان بعضھم اذا احرم رمی بما معہ من الزاد (ابن جریر) کان اھل الیمن یحجون ولا یتزودون ویقولون نحن المتوکلون فاذا قدموا مکة سألوا الناس (بخاری عن ابن عباس) طائفة من العرب کانت تجیء الی الحج بلا زاد ویقول بعضھم کیف نحج بیت اللہ ولا یطعمنا فکانوا یبقون عالة علی الناس (قرطبی) اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا، اور ایک طرف شخصی غیرت و خودداری کے بھی منافی تھا، اور دوسری طرف حاشیاتِ اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روادار ہو سکتا تھا، اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا۔ تَزَوَّدُوْا کے صیغۂ امر سے فقہاء نے نکالا ہے کہ زادِ راہ لینے کا وجوب آیت سے بہ قاعدۂ عبارة النص ثابت ہے۔ فقہاء نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے، کہ آیت ان "توکل پیشہ" صوفیہ کے مذہب کی بھی تردید کر رہی ہے، جو کسبِ معاش کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اسے کوئی بڑا روحانی کمال سمجھ رہے ہیں ھذا یدل علی بطلان مذھب المتصوفة الذین یتسمون بالمتوکلة فی ترکھم التزود والسعی فی المعاش (جصاص) ھم المقصرون عن درجة التوکل الغافلون عن حقائقہ (ابن العربی) ۷۳۳ (خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے احتیاط) ای اتقوا الاستطعام وابرام الناس والتثقیل علیھم (کشاف) فان خیر الزاد ما تکفون بہ وجوھکم عن السؤال (کبیر) ای الاتقاء عن الابرام والتثقیل علیھم (مدارک) زائروں اور جاتریوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لئے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لئے یہ تصریح اور بڑھا دی، ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارفِ سفر کا انتظام کر کے چلو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لئے باعثِ گرانی نہ بننا پڑے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِ راہ اور زادِ عمل دونوں مراد ہو سکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام و التزام رکھا جائے۔ لما احتملت الاٰیة الامرین من زاد الطعام وزاد التقوی وجب ان یکون علیھما اذ لم تقم دلالة علی تخصیص زاد من زاد (جصاص) ۷۳۴ (ان احکام کی تعمیل کے باب میں) اہم حکم کے بعد تقویٰ الٰہی کی تاکید اس کی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ ۷۳۵ بسلسلۂ سفرِ حج۔ اسلام جس طرح فلاحِ اُخروی کا ضامن ہے، فلاحِ دنیوی کا بھی داعی ہے، اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل صاف ظاہر ہو رہی ہے، وضو، نماز، نمازِ باجماعت، روزہ، زکوٰة سب کے سب رُوح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہے ہیں حج کا منزل در منزل سفر، بری و بحری طویل سفر، اور امت کے مختلف طبقوں کا دنیا کے مختلف گوشوں سے عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت اور محض ذکرِ الٰہی کے لئے نہیں۔ فرد و ملت دونوں کے لئے یعنی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، اور کئے جانے چاہئیں ــــ حج کے روحانی اسرار و حقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لئے آسان نہیں لیکن اس "بین الاقوامی سالانہ کانگرس" سے جو سیاسی، ملی، اجتماعی فائدے وابستہ ہیں، اور اس "بین الاقوامی سالانہ بازار" سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، ان کا اندازہ اور اُن کا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے۔ یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر و اجتماع کے معاشی و تجارتی پہلو پر دلائی ہے۔ اور جو رُکاوٹ ایک خالص "دیندار" شخص کو ان فوائد کو حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے، اُسے دُور کر دیا ہے۔ فَضْلًا۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفعِ تجارت ہے۔ یعنی للمال وما یکتسب (راغب) ھو النفع والربح بالتجارة (کشاف) لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مالِ تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں کے لئے جاتے، یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ مزدلفہ، عرفات و منیٰ کے لئے لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا، کہ جہاں تجارت آگئی، وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا۔ قرآن مجید نے اس مغالطۂ عامۃ الورود کی تردید کر دی۔ نزلت ردا علی من یقول لا حج للتجار والاجراء والجمالین (کبیر) فی ھذا دلیل جواز التجارة فی الحج للحاج مع اداء العبادة ولا یخرج بہ المکلف عن رسم الاخلاص المفترض علیہ (ابن العربی) یدل علی ان الحج لا یمنع التجارة وعلی ھذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ھذا فی مواسم منیٰ ومکة فی ایام الحج (جصاص) ابن عباس صحابی سے لے کر حسن، عطاء، مجاہد، قتادہ وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر مروی ہے۔ (وروی نحو ذلك من جماعة من التابعین منھم الحسن وعطاء ومجاھد وقتادة ولا نعلم احدا روی عنہ خلاف ذلك (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے لیکن محققین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ ظاہر قرآن و اجماعِ عام دونوں کے منافی ہے۔ ھذا قول شاذ خلاف ما علیہ الجمہور وخلاف ظاھر الکتاب (جصاص) مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حسبِ تقدیرِ الٰہی۔ بات بات میں بات پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے۔ یہ ذرا سا لفظ لا کر یاد دلا دیا کہ اس نفع و تجارت کو بھی اپنے قوتِ بازو کا ثمرہ نہ سمجھ لینا، جو کچھ بھی حاصل ہو گا، سب کو کارسازِ حقیقی ہی کے لطف و کرم کا ثمرہ سمجھنا، نظر تجارت و کاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر رہے۔ اس ہدایت پر عمل کے بعد تجارت کی کوئی بڑی سی بڑی مشغولیت بھی تجارت باقی رکھ سکتی ہے؟ تجارت اس حال میں اگر عبادت نہ بن جائے، تو آخر کیا ہو۔ ۷۳۶ (۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات میں وقوف اور ادائے آدابِ وقوف کے بعد) حج کے اعمال (واجبات، سنن و مستحبات) تو بہت سے ہیں، لیکن فرض تین ہی ہیں۔ احرام پوشی ۹ کو عرفات میں حاضری یا وقوف اور طوافِ فرض۔ ان تینوں ارکان میں بھی اہم ترین رکن یہی وقوفِ عرفات ہے۔ اَفَضْتُمْ۔ افاضہ کے لفظی معنی انبوہ در انبوہ چلنے یا واپس ہونے کے ہیں۔ ای دفعتم منھا بکثرة (راغب) الافاضة الاندفاع فی السیر بکثرة (کبیر) اصطلاحِ فقہ میں افاضہ عرفات سے مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ عرفات مکۂ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف کو جاتی ہے اس پر مکہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے۔ اور اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے، سطحِ زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور ان کی سواریوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ حاجیوں کو ۸ ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ میں آ جانا چاہیئے، اور ۹ کی صبح کو بعد اشراق قافلہ عرفات کے لئے روانہ ہو جائیں، تاکہ ۸-۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہو جائے، دوپہر سے لے کر آخر وقتِ عصر تک اسی میدان میں رہنا چاہیئے، اور اسی کا اصطلاحی نام وقوف ہے۔ یہی حاضری اعمالِ حج کی جان ہے، اور یہ سارا وقت توبہ و استغفار، عبادت، انابت ہی میں صرف ہونا چاہیئے۔ قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کے لئے کوچ ہونا چاہیئے، اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ عصر کی نماز (بہ قاعدۂ تقدیم) عرفات کی مسجد نمرہ میں ملا لی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدۂ تاخیر) عشاء سے ملا کر اُس وقت پڑھی جائیگی، جب قافلے مزدلفہ پہنچ جائیں۔ ۷۳۷ المشعر الحرام، مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔ لم یختلف اھل العلم ان المشعر الحرام ھو المزدلفة (جصاص) والمشھور ان المشعر مزدلفة کلھا (...) مزدلفہ مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے، منیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ حاجی ۹ کو عرفات جاتے اسی راستہ سے ہیں۔ واپسی میں حکم ہے کہ دوسرے راستہ سے لوٹیں، یہ ذرا چکر کا ہے، اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے شب ۱۰ کے اول حصہ میں یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور رات یہاں تسبیح و تہلیل، نماز و استغفار میں گزارتے ہیں۔ مسجد پہاڑی کے اوپر ہے۔ جبل یقف علیہ الامام وانما سمی مشعرا لانہ معلم العبادة ووصف بالحرام لحرمتہ (بیضاوی) عِنْدَ الْمَشْعَرِ۔ یعنی اس مسجد کے گرد و پیش خصوصیت کے ساتھ، اور یوں تو سارا مزدلفہ [illegible] متبرک و محترم ہے۔ خص اللہ تعالی الذکر عندہ مع انہ مامور بہ فی جمیع المزدلفة لانھا کلھا موقف لمزید التشرف (روح) اُذْكُرُوا اللہ نے یاد دلا دیا کہ یہ رات رنگ رلیاں منانے کی نہیں، جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی و آتشبازی کے لئے نہیں، خوابِ غفلت میں پڑے رہنے کے لئے نہیں، فخریہ قصیدوں اور شعر و شاعری میں صرف کرنے کے لئے نہیں، ذکر و عبادتِ الٰہی کے لئے ہے۔

ح، سعد (الامن وهو عام فی العدو والمرض ليكون اخر الكلام على نظم اوله (ابن العربی) اِذَآ شرطیہ ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بعد حصر اگر وقت حج میں مانع دُور نہ ہو تو عاصی نہ ہوگا۔ اُمِنْتُمْ۔ فقہاء کہتے ہیں کہ صحت کو بھی امن ہی سے تعبیر کیا کہ صحت
جبھی ہو جانے پر بہ ظاہر فوت حج کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے ۷۲۲ (اور اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ کیا ہو تو اس پر یہ قربانی واجب العمل نہیں) فَمَنْ تَمَتَّعَ۔ تمتع کے لفظی معنی فائدہ اُٹھانے کے ہیں، اصطلاح فقہ میں مُراد حج اور عمرہ کے ملا لینے سے ہوتی
ہے یعنی زمانۂ حج میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج بھی کر لیا جائے۔ دونوں احراموں کی درمیانی مدت میں حالتِ احرام کے ممنوعات سے پُوری طرح تمتع کیا جا سکتا ہے۔ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر عرب جاہلی جہاں اور بہت سے
اوہام میں گرفتار تھے۔ وہاں ایک عقیدہ یہ بھی گڑھ لیا تھا کہ موسمِ حج میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے۔ لان العرب فی الجاھلیة كانت لا تعرف العمرة فی اشهر الحج وتنكرها اشد الانكار (جصاص) يروى عن ابن عباس وعن طاؤس ان ذلك عندهم
كان من افجر الفجور (جصاص) ۷۲۳ (ان ایامِ حج میں بسبب ناداری یا کسی اور معذوری کے) ۷۲۴ تین زمانۂ حج میں اور سات زمانۂ حج کے بعد۔ "پُورے دس" کی تصریح تاکید در تاکید کی غرض سے ہے۔ كاملة توكيد للكلام، كما يقول القائل سمعته
باذنی ورايته بعينی (ابن جریر) قيل هو توكيد كما تقول كتبت بيدی وقوله كاملة تاكيد اخر (قرطبی) اِذَا رَجَعْتُمْ۔ فقہاء حنفیہ اور بعض اکابر تابعین کے ہاں اس رُجوع سے مُراد اعمالِ حج سے فراغت ہے۔ خواہ واقعۃً کوئی وطن واپس ہو جائے یا ابھی وہیں مقیم رہے۔
اے بعد الفراغ من اعمال الحج وهو المراد من الرجوع المذكور فی الاٰية (معالم) قال ابو حنيفةؒ المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج (كبير) اے فرغتم ونفرتم من اعمال (روح) قال المجاهد وعطاء وابراهيم للمعنٰى اذا رجعتم نفرتم وفرغتم من اعمال الحج
وهو مذهب ابی حنيفة (بحر) بعض دُوسرے اکابر کے نزدیک مکّہ سے وطن کی واپسی مُراد ہے۔ یعنی الٰی بلادکم قاله ابن عمر وقتادة والربيع ومجاهد وعطاء وقاله مالك فی كتاب محمد وبه قال الشافعی (قرطبی) اذا رجع الٰی اهله و
مصره (ابن جریر) ۷۲۵ یعنی موسمِ حج میں عمرہ کے ساتھ حج کا ملا لینا۔ ذٰلِكَ۔ یہ اشارہ تمتع کی جانب ہے،
جس کا ذکر اُوپر فَمَنْ تَمَتَّعَ کے ضمن میں آچکا ہے۔ اے التمتع بالعمرة الی الحج (ابن جریر) اشارة الی التمتع
(مدارک) یہ تفسیر امام ابو حنیفہؒ اور بعض تابعین کے مسلک کے مطابق تھی جن کے ہاں حج میں تمتع اور قران یعنی
موسمِ حج میں عُمرہ کے ساتھ حج کر لینے کی دو صورتیں صرف آفاقیوں کے لئے درست ہیں، مکّہ اور جوارِ مکّہ والوں
کے لئے نہیں۔ اذ لا تمتع ولا قران لحاضری المسجد الحرام عندنا (مدارک) وقال ابو حنيفةؒ ان قوله
ذٰلك اشارة الی الابعد وهو ذكر التمتع المفهوم من قوله فمن تمتع عند ابی حنيفةؒ (روح) امام شافعیؒ
کے نزدیک ذٰلِكَ کا اشارہ اصل حکم یعنی وجوبِ قربانی کی جانب ہے ۷۲۶ یعنی جو مکّہ کے باشندے یا شہر مکّہ
سے بالکل متصل کے باشندے نہ ہوں، بلکہ حدودِ میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔ میقات اُس مقام کو کہتے
ہیں جہاں سے حرم کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر ہر آفاقی پر حج یا عُمرہ کی نیت کر لینا اور احرام باندھ
لینا واجب ہو جاتا ہے۔ ہر ہر سمت سے آنے والوں کی میقات الگ الگ ہے۔ لمن لم يكن میں ل بمعنٰی علٰی ہے۔
اے وجوب الدم علٰی من لم يكن من اهل مكة (قرطبی) حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے خاص اہلِ مکّہ کا مراد ہونا
اور ان کے لئے تمتع کا ناجائز ہونا سب کو مسلّم ہے۔ اجمع جميعهم علٰی ان اهل الحرم معنيون به وانه
لا متعة لهم (ابن جریر) لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں مکّہ کے علاوہ جوارِ مکّہ کے باشندے
بھی شامل ہیں۔ اور حدودِ میقات کے اِدھر تک کُل رہنے والے حاضری المسجد الحرام کے حکم میں داخل ہیں۔
عن مكحول قال من كان دون المواقيت (ابن جریر) عن عطاء قال من كان اهله من دون المواقيت فهو
كاهل مكة لا يتمتع (ابن جریر) هم اهل مواقيت فمن دونها الٰی مكة (مدارک) قال عطاء ومكحول من
دون المواقيت وهو قول اصحابنا (جصاص) امام شافعیؒ کے نزدیک مکّہ سے قصرِ نماز کی مسافت تک رہنے والے اہلِ مکّہ
ہی کے حکم میں رہتے ہیں۔ المراد بالموصول من كان من الحرم علٰی مسافة القصر عند الشافعیؒ ومن كان
مسكنه وراء الميقات عند ابی حنيفةؒ (روح) اور مفسر طبری نے بہ قاعدۂ عربیت لفظ حاضر کے اسی مفہوم کو ترجیح
دی ہے، جو امام شافعی کا اختیار کیا ہوا ہے۔ واولی الاقوال بالصحة عندنا قول من قال ان حاضری المسجد
الحرام من هو حوله ممن بينه وبين المسافة ما لا تقصر اليه الصلوٰة لان حاضر الشیء فی كلام العرب هو
الشاهد له بنفسه (ابن جریر) لیکن محقق جصاص رازی نے قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں کے سیاق سے یہ دکھایا
ہے کہ محاورۂ قرآنی میں البیت سے خانۂ کعبہ نہیں، بلکہ مکّہ، اور صرف مکّہ ہی نہیں بلکہ جوارِ مکّہ مُراد لیا گیا ہے
كان مراد الله تعالٰی بذكر البيت اقرب من مكة وان كان خارج منها (احكام القرآن) اور المسجد الحرام سے بھی
مراد مکّہ اور مضافاتِ مکّہ ہی لی گئی ہے۔ وهی مكة وما قرب منها (احكام القرآن) ۷۲۷ ان کی جو احکامِ
الٰہی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تقویٰ الٰہی اختیار نہیں کرتے۔ لمن لم يتقه (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی
اللہ سے ڈرتے رہو اور ان تمام احکام کی بجا آوری میں۔ اصل شے اور مدار کار تمام احکام و مسائل میں بس یہی تقویٰ الٰہی یا خوفِ خدا ہی باقی
تعبیر و تفسیر میں جزئی اختلافات تو اپنی اپنی فہم و بصیرت، فکر و نظر کے مطابق علماء و فقہاء، شارحین و مفسرین میں ہوتے ہی رہیں گے۔

۲۴ ع ۸

الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ
ہے ۷۲۷ ۔ حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں ۷۲۸ ، جو کوئی ان میں اپنے اُوپر
فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا
حج مقرر کرے ۷۲۹ تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات نہ ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ
جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ
کوئی جھگڑا ۷۳۰ ، اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے ، اللہ کو اس کا علم ہو کر
اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫
رہے گا ۷۳۱ اور زادِ راہ لے لیا کرو ۷۳۲ اور بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے ۷۳۳
وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
سو اے اہلِ فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کئے رہو ۷۳۴ تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ
جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ
نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاشِ معاش کرو ۷۳۵ پھر جب تم جوق در جوق
مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪
عرفات سے واپس ہونے لگو ۷۳۶ تو اللہ کا ذکر مشعرِ حرام کے پاس کر لیا کرو ۷۳۷
وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ
اور ان کا ذکر اس طرح کرو جیسا اُس نے تمہیں بتایا ہے ۷۳۸ اور اس سے قبل تم
مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ
یقیناً محض ناواقفوں میں تھے ۷۳۹ ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ یہاں جس سیاق میں آیا ہے اُس سے بعض علماء نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ مقدس و متبرک مقامات میں جس طرح قبولیت و سعادت کے موقع بہت زیادہ ہیں، اسی طرح گناہ و عقوبت کا خطرہ بھی زیادہ لگا ہوا ہے۔ ۷۲۸ اور چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں اس
لئے قرآن کو ان کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں، اور وہ تین مہینے شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکانِ حج تو ذی الحجہ کے دُوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرامِ حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتا ہے۔ احرام اُس خاص پوشش کا نام ہے جو حدود
حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہو جاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں، صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہئیں۔ حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جا سکتا ہے۔ گو قبل شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ
ہے کہ حنفیہ کے ہاں احرام رکنِ حج نہیں صرف شرطِ حج ہے، جیسے وضو کہ رکنِ نماز نہیں، صرف شرطِ نماز ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے۔ یہ اسلئے کہ شافعیؒ کے نزدیک احرام رکنِ حج ہے، اور کسی رکنِ حج کی ادائی قبل
موسمِ حج درست نہیں۔ الْحَجُّ۔ روزانہ پنج وقتہ نماز با جماعت، مہینہ بھر کے روزوں، اور مال کے ۱/۴۰ حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حجِ بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں، بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ اور مستشرقین
کے رُعب انگن نام سے فرنگی اہلِ علم و اہلِ قلم کا جو طبقہ ہے، اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بار بار رشک کیا ہے اور اسے اکثر عالمِ اسلامی کی سالانہ کانگرس سے تعبیر کیا ہے۔ ۷۲۹ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ۔ یعنی موسمِ حج میں ادائے حج کی نیت
کرلے، اور اسے اپنے اُوپر واجب کر لے۔ اے اوجبه علٰی نفسه (ابن قتیبه) فمن الزمه نفسه (کشاف) الفرض اصله وجوب الشیء (ابن قتیبه) لیکن اپنے اُوپر لازم کر لینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے، بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کر لینا کافی ہے۔ لیکن
حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اس کی علامت پوششِ احرام کو قرار دیا ہے۔ الفرض الاحرام (ابن جریر عن ابن عباس) فرض الحج الاحرام (ابن جریر عن عطاء والحسن) ولزم علٰی نفسه بالاحرام (مدارک) قال ابن عباس والحسن وقتادة فی احرم (جصاص)
۷۳۰ بلکہ اس سارے زمانہ میں اپنے آپ کو عبادت و ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھو) ایامِ صوم کی طرح یومِ حج کو بھی اعمالِ خیر کے ساتھ مناسبت خاص حاصل ہے۔ اور جو چیزیں حرام ہیں، وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو امور جائز و مباح ہیں، ان میں بھی بہت
سی چیزوں سے زمانۂ صیام کی طرح حالتِ احرام میں دستبردار ہونا چاہیئے۔ جملہ صورۃً خبریہ ہے، لیکن معنیً نہی ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ یعنی ان سب اُمور سے ممانعت کا قطعاً حکم ہو رہا ہے۔ وان كان ظاهره الخبر فهو نهی عن هذه الافعال
وعبر بلفظ النفی عنها لان المنهی عنه سبيله ان يكون منفيا غير مفعول (جصاص) نفی الثلاثة علٰی قصد النهی للمبالغة (بیضاوی) فِي الْحَجِّ۔ یعنی اس زمانۂ حج میں، حالتِ احرام میں۔ فی وقته وكان فی موضعه (قرطبی) اے فی ايامه (روح) فَلَا رَفَثَ۔
رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔ الرفث كلام متضمن لما يستقبح ذكره من ذكر الجماع ودواعيه (راغب) الرفث كلمة جامعة لما يريده الرجل من اهله (قرطبی) وقال قوم الرفث
الافحاش بذكر النساء كان ذلك بحضرتهن ام لا (قرطبی) یہاں مُراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ دواعی و مبادی مباشرت کو اس کے تحت میں شامل رکھا ہے۔ قال ابن عمر

التھلکۃ۔ لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ اُمّت کی ضرورت کے موقع پر بُخل کرکے اُمّت کو بربادی میں نہ ڈالو، اور یہی معنی ابن عباسؓ، ابُو ایّوب انصاریؓ، اور حذیفہؓ صحابیوں سے، اور حسنؒ اور قتادہؒ اور عکرمہؒ اور عطاؒ تابعین سے مروی ہیں اور محدث جلیل امام بخاری نے بھی یہی معنی اختیار کئے ہیں۔ بترك الانفاق فی سبیل الله وھو قول حذیفۃ والحسن وقتادۃ وعکرمۃ وعطاء (معالم) وقال حذیفۃ بن سلیمان وابن عباس وعکرمۃ وعطاء ومجاھد وجمھور الناس المعنی لاتلقوا بایدکم ان تترکوا النفقۃ فی سبیل الله ولاتخافوا عیلۃ والی ھذا المعنی ذھب البخاری اذلم یذکر غیرہ (قرطبی) التھلکۃ الاقامۃ فی الاھل والمال وترك الجھاد (کشاف عن ابی ایوب الانصاری) بعض نے یہ معنی بھی لئے ہیں کہ بہت زیادہ خرچ کرکرکے اپنے کو تباہ حال نہ کرو۔ وقال الجبائی التھلکۃ الاسراف فی الانفاق (روح) ای بالاسراف وتضییع وجہ المعاش (بیضاوی) قیل ھو الاسراف فی الانفاق حتی لایجد مایاکل ویشرب فیتلف (جصاص) ۲۱۴ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی جانب رغبت والتفات، ناپسندیدگی وبیزاری کے افعال وصفات بار بار منسوب کئے ہیں چنانچہ یہاں بھی اللہ کے لئے ہے کہ یحب المحسنین۔ ان سارے افعال وصفات کے لانے سے ایک بڑا مقصود اُن گمراہ قوموں کی تردید ہے جو وجودِ باری کے تو قائل ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو صفاتِ کمال وجمال سے معرّیٰ ایک طرح کا محض جامد بے جان، بےحس، علت العلل سمجھے ہوئے ہیں! ـــــ اسلام کا خدا، قرآن کا خدا، ہر معنی میں ایک زندہ خدا، بیدار، متحرک، فعّال خدا ہے۔ خوش بھی ہوتا ہے ناخوش بھی۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے، مبغوض بھی، صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی۔ اَحْسِنُوْا۔ یعنی جو کچھ بھی کرو حُسنِ نیّت واخلاص کے ساتھ کرو، محض بیگار سمجھ کر بوجھ سا نہ اُتارو، صحابیوں سے اسی قسم کے معنی مروی ہیں۔ ای احسنوا اعمالکم بامتثال الطاعات روی ذلك عن بعض الصحابۃ (قرطبی) احسنوا اعمالکم واخلاقکم (بیضاوی) ۲۱۵ یعنی جب یہ عبادتیں بجالاؤ، تو اللہ کی رضا جوئی ہی کے لئے بجالاؤ۔ اخلاص نیّت کے ساتھ، اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ، تمام ممنوعات سے محترز رہ کر، یہ نہ ہو کہ کسی طرح اُلٹے سیدھے ادا کرکے ان عبادتوں کو بھی ناقص وفاسد بنادو۔ ای افعلوا الحج والعمرۃ علی نعت الکمال والتمام (کبیر) وظاھر السیاق بالکمال اکمال افعالھما بعد الشروع فیھما (ابن کثیر) ای ائتوا بھما تامین بشرائطھما وفرائضھما لوجہ الله تعالیٰ بلاتوانٍ ولا نقصان (مدارک) حضرات صحابہؓ وتابعینؒ سے متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں لیکن سب سے جامع تفسیر مقاتل تابعی کی ہے کہ اس درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ کرو کہ جو ان عبادتوں کے غیر شایاں ہو۔ الا تفعلوا فیھما مالا ینبغی لکم (قرطبی) لِلّٰهِ کی تفسیر میں ایک فقیہ مفسر ابن العربی مالکیؒ نے یہ نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے کہ اعمال تو سارے کے سارے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی ہیں، خلق، علم، ارادہ وغیرہ ہر لحاظ سے یہاں اس تائید وتخصیص سے مقصود اس امر کی تنبیہ ہے کہ حج وعُمرہ کا قصد میلہ ٹھیلہ سمجھ کر نہ ہو، تفاخر کی راہ سے نہ ہو، تجارتی ضروریات سے نہ ہو، اخلاص محض کے ساتھ، قرب ورضائے الٰہی کی نیّت سے ہو۔ وفائدۃ ھذا التخصیص ان العرب کانت تقصد الحج للاجتماع والتناصر والتظاھر والتنافر والتفاخر وقضاء الحوائج وحضور الاسواق ولیس لله تعالیٰ فیہ حظ یقصد ولا قربۃ تعتقد فامر الله سبحانہ بالقصد الیہ لاداء فرضہ وقضاء حقہ (احکام القرآن) ۲۱۶ یعنی اگر کسی دشمن کی روک تھام کے باعث، یا کسی بیماری وغیرہ سے معذور ہو کر راستہ ہی میں رُک جانا پڑے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو تو قربانی کا جانور جو ساتھ میں ہو اُسے وہیں ذبح کردو اور احرام کھول ڈالو۔ عازمِ حج جب کسی معذوری کی بنا پر راہ ہی میں رُک گیا، اور اب قصدِ حج پورا نہیں کرسکتا، تو اب احرام سے باہر آنے کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔ اِنْ اُحْصِرْتُمْ۔ احصار کے لفظی معنی گھر جانے کے ہیں۔ خواہ کسی سبب سے بھی ہو۔ ائمہ لغت سے یہی عام مفہوم منقول ہے۔ الاحصار المنع من طریق البیت یقال فی المنع الظاھر کالعدو والمنع الباطن کالمرض (راغب) قال الفراء ان لفظ الاحصار یفید الحبس والمنع سواء کان بسبب العدو اوبسبب المرض (کبیر) قال الکسائی وابو عبیدۃ واکثر اھل اللغۃ الاحصار المنع بالمرض اوذھاب النفقۃ (جصاص) چنانچہ فقہاء حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں لیا ہے۔ اور یہی معنی بعض فقہاء صحابہ وتابعین سے منقول ہیں۔ ذھب الامام ابوحنیفۃ الی انہ المراد بہ مایعم کل منع من عدو ومرض وغیرھما (روح) روی عن ابن مسعود وابن عباس العدو والمرض سواء وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد وزفر والثوری (جصاص) ولما کان اصل الحصر الحبس قالت الحنفیۃ المحصر من یصیر ممنوعا من مکۃ بعد الاحرام بمرض او عدو او غیر ذلك واحتجوا بمقتضی الاحصار مطلقا (قرطبی) ای منعتم بای عذر کان قالہ مجاھد وقتادۃ وابوحنیفۃ (ابن العربی) البتہ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے باعث ہوسکتا ہے۔ المراد من الاحصار ھنا حصر العدو وعند مالك والشافعیؒ (روح) وعند الشافعی الاحصار بالعدو وحدہ (مدارک) ای بالعدو خاصۃ قالہ ابن عمر وابن عباس وانس والشافعی ھو اختیار علمائنا (ابن العربی) ۲۱۷ (جو علامت ہے مناسکِ حج کے تمام ہوجانے اور حالتِ احرام سے باہر آجانے کی) مَحِلَّهٗ۔ یعنی موضعِ حرم۔ قربانی کی اصل جگہ وہی ہے۔ ای مکانہ الذی یجب نحرہ فیہ وھو الحرم (مدارک) جب عازمِ حج خود وہاں پہنچنے سے

الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ

(اُسے پیش کردو) ۲۱۶ اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے اپنے سر

مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى

نہ منڈاؤ ۲۱۷ لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو ۲۱۸ یا اُس کے سر میں

مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ

کچھ تکلیف ہو ۲۱۹ تو وہ روزوں سے یا خیرات سے یا ذبح سے

اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

فدیہ دیدے ۲۲۰ لیکن جب تم حالتِ اطمینان میں ہو ۲۲۱ تو پھر جو شخص عُمرہ سے مستفید ہوئے

اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ

حج سے ملاکر تو جو قربانی بھی اُسے مُیسّر ہو، وہ کرڈالے ۲۲۲ اور جس کسی کو

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ

مُیسّر ہی نہ آئے ۲۲۳ وہ تین دن کے روزے زمانۂ حج میں رکھ ڈالے۔ اور

سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ

سات روزے جب تم واپس ہو یہ پورے دس (روزے) ہوئے ۲۲۴

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ

یہ ۲۲۵ اُس کے لئے (درست) ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قریب

الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

نہ رہتے ہوں ۲۲۶ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جانے رہو، کہ اللہ سخت گرفت کرنے والا

منزل ۱

معذور ہوجائے تو قربانی کا جانور وہاں بھیجدے۔ وہیں اُس کی قربانی کردی جائے گی۔ ھَدْی کے لفظی معنی محض اُس پیشکش کے ہیں، جو خانہ کعبہ کے لئے بھیجا جائے۔ الھدی مختص بمایھدی الی البیت (راغب) وھو مایھدی الی بیت الله من بدنۃ اوغیرھا (قرطبی) حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں رکھا ہے، اور قربانی کا ہر جانور اس سے مُراد لیا ہے۔ اور امام مالکؒ وامام شافعیؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔ فقال ابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد وزفر ومالك والشافعی الھدی من اصناف الثلثۃ الابل والبقر والغنم وھو قول ابن شبرمۃ (جصاص) بعض ائمہ کے نزدیک اس کا اطلاق قربانی کے صرف اُونٹ پر ہوتا ہے۔ ۲۱۸ (ایسے مرض میں کہ اس کی وجہ سے سر کے بال اُتروانے کی ضرورت پڑجائے) مرضا یحوجہ الی الحلق (بیضاوی) ۲۱۹ مثلاً درد، زخم، وغیرہ سے، اور اس لئے سر منڈانے کی ضرورت محسوس ہورہی ہو۔ ۲۲۰ معذوروں کو اجازت ہے کہ قبل از وقت ہی سر منڈا لیں، اور اس کا شرعی فدیہ دے دیں۔ ففدیۃ۔ من راسہ کے بعد عبارت مقدر یوں ہے۔ فحلق فعلیہ فدیۃ۔ فیہ اضمار ای فحلق فعلیہ فدیۃ (معالم) اور اس فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ یا روزے رکھ لئے جائیں، یا مسکینوں کو صدقہ دے دیا جائے، یا قربانی کردی جائے۔ مِنْ صِیَامٍ۔ جمہور فقہاء کا مسلک حدیث صحیح کی بنا پر تین روزے رکھنے کا ہے۔ جمھور فقھاء المسلمین علی ان الصوم ثلثۃ ایام وھو محفوظ صحیح فی حدیث کعب بن عجرۃ (قرطبی) اَوْ صَدَقَةٍ۔ کھانا اگر دیا جائے، تو چھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار کے مساوی دیا جائے علی ستۃ مساکین لکل مسکین نصف صاع من بُرّ (مدارک) ..... فیحصل من ذلك ان یکونوا من التمر ستۃ اصوع وعدد المساکین الذین یتصدق علیھم ستۃ بلاخلاف (جصاص) اَوْ نُسُكٍ۔ نُسُک سے مراد بالاتفاق ذبح ہے۔ یقال نسکت لله ای ذبحت لله (ابن قتیبہ) النسیکۃ مختصۃ بالذبیحۃ (راغب) یہ قربانی کم از کم ایک بکری کی ہونی چاہیئے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ ایک گائے یا اُونٹ کی ہو۔ ولاخلاف بین الفقھاء ان ادناہ شاۃ وان شاء جعلہ بعیرا او بقرۃ (جصاص) اعلاہ بدنۃ واوسطہ بقرۃ وادناہ شاۃ (معالم عن الحسن وقتادۃ) روزہ، صدقہ، قربانی، تینوں صورتیں فدیہ وکفارہ کی یکساں ہیں، جو شق بھی پسند آئے، اختیار کی جاسکتی ہے۔ لاخلاف انہ مخیر بین ھذہ الاشیاء الثلاثۃ یبتدی بایھا شاء وذلك مقتضی الایۃ واو تخییر (جصاص) وعامۃ الاثار عن کعب بن عجرۃ وردت بلفظ التخییر وھو نص القران وعلیہ مضی عمل العلماء فی کل امصار وفتواھم (قرطبی) ۲۲۱ بمقابلہ اس حالت خطرِ مرض کے جس کا ذکر شروع آیت میں فان احصرتم میں آچکا ہے۔ اور جس طرح وہاں ایک عام وجامع لفظ احصار آیا تھا، یہاں بھی ایک عام وجامع لفظ امن آیا ہے، جو مرض کے دُور ہوجانے پر بھی اسی طرح حاوی ہے، جس طرح خطرۂ دشمن کے دفع ہوجانے پر۔ اصل الامن طمانیۃ النفس وزوال الخوف (راغب) معناہ برأتم من المرض وقیل خوفکم من العدو قالہ ابن عباسؓ وقتادۃ وھو اشبہ باللفظ الا ان یتخیل الخوف من المرض فیکون الامن منہ (قرطبی)

اخافتنۃ۔ اور کفر و شرک ہر دین باطل کا زور ٹوٹ کر رہے۔ ذکر وہی خطۂ عرب کی خالص اسلامی حکومت کا چل رہا ہے کہ کم از کم اس "پاکستان" میں کفر و ترغیبات کفر کے لئے موقع ہی باقی نہ رہیں۔ یکون الاسلام والعبادۃ للہ فی الحرم (ابن عباسؓ)
ف۷۰۴ الدِّینُ۔ دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اما الدین الذی ذکرہ اللہ فی ھذا الموضع فھو العبادۃ والطاعۃ للہ فی امرہ
ان یکون دین اللہ ھو الظاھر العالی علی سائر الادیان (ابن کثیر) خالصاً لیس للشیطان فیہ نصیب (مدارک)
وغیرہ (ابن جریر) الدین ھو الطاعۃ ای لایکون الانقیاد خالصاً للہ (بحر) والدین الشرعی ھو الانقیاد للہ عزوجل والاستسلام لہ علی وجہ المداومۃ والعادۃ (جصاص) ف۷۰۵ (اپنے کفر و انکار سے، اور ملت اسلامیہ میں داخل ہو جائیں) عن قتالکم ودخلوا فی ملتکم
واختروا بما الزمکم اللہ من فرائضہ (ابن جریر) عن الکفر واسلموا (معالم) ف۷۰۶ (جو اسی بے انصافی کی راہ سے ابتک دین توحید تک سے منکر ہیں) اور جب یہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے، تو ظاہر ہے کہ اب اپنے حق میں ظالم باقی نہیں ہے۔ اور اب ان کے حق میں
سزائے قتل وغیرہ کا حکم باقی نہ رہا۔ فلا سبیل لکم بالقتل (ابن عباسؓ) عُدْوَانَ۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ والمراد من العدوان ھھنا المعاقبۃ والمقاتلۃ (ابن کثیر) ای العقوبۃ بالقتل (روح)
عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزائے عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کیلئے ہوتا ہے مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال استھزاء کے معاوضہ میں لفظ استھزاء وقس علیٰ ھذا۔
اس صنعت کا نام مشاکلت ہے۔ اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عُدوان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔ ومن العدوان الذی ھو علی سبیل المجازاۃ
قولہ فلا عدوان الا علی الظلمین (راغب) انہ ذلک علی وجہ المجازاۃ لما کان من المشرکین من الاعتداء (ابن جریر) سمی جزاء الظلمین ظلما للمشاکلۃ (کشاف) اراد ھنا بالعدوان الجزاء یقول لا جزاء ظلم الا علی ظالم (ابن قتیبہ) ف۷۰۷ یعنی کسی

وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ
اور دین اللہ ہی کے لئے رہ جائے ف۷۰۴ سو اگر وہ باز آجائیں ف۷۰۵ تو سختی (کسی پر بھی) نہیں،
اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩٣ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ
بجز (اپنے حق میں) ظلم کرنیوالوں کے ف۷۰۶ حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینہ کے عوض
الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى
میں ہوتا ہے ف۷۰۷ اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں، ف۷۰۸ تو جو کوئی تم پر زیادتی
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى
کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی
عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
کی ہے ف۷۰۹ اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۷۱۰ اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں
الْمُتَّقِيْنَ ۝١٩٤ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
کے ساتھ ہے ف۷۱۱ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو ف۷۱۲ اور
تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ ع
اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو ف۷۱۳ اور اچھے کام کرتے رہو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٩٥ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ
یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ف۷۱۴ اور حج اور عمرہ کو
وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ
اللہ کے لئے پورا کرو ف۷۱۵ پھر اگر گھر جاؤ، تو جو بھی قربانی کا جانور میسر ہو،

منزل

مہینہ کی حرمت کی بنیاد تو بس اسی پر ہے کہ دوسرا فریق بھی اس کی حرمت ملحوظ رکھے گا، اور اگر یہ نہیں تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ چیز تو محض عوض معاوضہ کی، اور طرفین کے تعامل پر مبنی ہے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ۔ کے لفظی معنی ہیں "حرمت والا مہینہ"۔ عرب کے قبائل آپس میں سخت جنگجو چلے آتے تھے لیکن آپس میں یہ بھی ٹھہر گئی تھی کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہے، اور یہ زمانہ امن و صلح کے ساتھ گزارا جائے۔ اور یہ چار مہینے یہ تھے:۔
محرم۔ سنہ قمری کا پہلا مہینہ۔ رجب۔ سنہ قمری کا ساتواں مہینہ۔ ذی قعدہ۔ سنہ قمری کا گیارہواں مہینہ۔ ذی الحجہ۔ سنہ قمری کا بارہواں مہینہ۔ یہاں اشارہ ذی قعدہ ۶ھ کی جانب ہے۔ رسول اللہ صلعم بہ قصد عمرہ اس وقت صحابیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، لیکن مشرکین آمادۂ قتال ہو گئے تھے، بلکہ تیر اندازی اور سنگ اندازی شروع کر دی تھی۔ عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت، جنگجوئی کیلئے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام ہے۔ لیکن اس کے باوجود سال کی صرف دو تہائی لڑتے تھے، اور باقی ⅓ حصہ امن و آشتی ہی کے شغل میں گزار دیتے تھے! ــــ یہ کمال تو جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ ہی کیلئے اٹھ رہا تھا کہ فرنگی قوموں کے بڑے بڑے سورما نہ اتوار دیکھیں، نہ بڑا دن، نہ ایسٹر، نہ گڈ فرائیڈے، نہ کوئی موسم نہ کوئی مہینہ، ہر روز اور ہر ہفتہ، ہر مہینہ اور ہر موسم میں، توپیں اور ٹینک اور ہوائی بم ہیں کہ ایک دوسرے کی جانیں لینے پر تلے ہوئے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر اڑے ہوئے رہتے ہیں! ف۷۰۸ (پس جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے، تم بھی اُن سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو) قصاص کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، خواہ وہ معاوضہ قولی ہو، یا عملی یا جسمانی۔ اور یہاں عملی بدلہ مراد ہے یعنی جیسا تمہارے فریق مقابل نے تمہارے ساتھ کیا، تم اُسکے ساتھ کرو۔ قصاصٌ ای بدلٌ (ابن عباسؓ) القصاص ھو المجازاۃ من جھۃ الفعل او القول او البدن وھو فی ھذا الموضع من جھۃ الفعل (ابن جریر) القصاص المساواۃ والمماثلۃ وھو ان یفعل بالفاعل مثل ما فعل (معالم) یہاں کافروں پر تعریض ہے، کہ خود تو ان مقدس مہینوں کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے، اپنی کسی حرکت سے بھی باز نہیں رہتے، اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے سارے ظلم اور زیادتیوں پر اس لئے خاموش رہیں گے کہ یہ مقدس مہینے ہیں! والحاصل ان حرمۃ الشھر الحرام لما لم تمنعھم عن الکفر والافعال القبیحۃ فکیف جعلوہ سبباً فی ان یمنع القتال من شرھم وفسادھم (کبیر) ف۷۰۹ یعنی اگر فریق مقابل قتال شروع کر دے، تو تم بھی برابر جواب دو۔ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ۔ مثلاً ایک زیادتی یہی، کہ دشمن ان مہینوں کا احترام نہ کرے، بلکہ تم سے جنگ شروع کر دے۔ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ۔ یہاں مسلمانوں کے اس جوابی اور دفاعی کارروائی کو محض مجازاً اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے اعتداء فرما دیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں جو کارروائی بطور سزا کی جائے، اُس پر حقیقۃً زیادتی کا اطلاق ہو کیونکر سکتا ہے؟ عربی زبان کے قاعدۂ مشاکلت الفاظ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے بس وہی صورت یہاں بھی ہے، اور محض لفظی تطابق کی بنا پر یہاں سزائے اعتداء کو خود اعتداء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں کے ہاں یہ تصریح منقول ہے۔ ای قابلوہ بحسب اعتدائہ وتجاوزہ والیہ بحسب تجاوزہ (راغب) انہ بمعنی المجازاۃ واتباع لفظ لفظاً وان اختلف معناھما (ابن جریر) انما سمی الفعل الثانی اعتداءً وھو مفعول بحق حملاً للثانی علی الاول علی محاورۃ العرب (ابن العربی) ف۷۱۰ (ان سارے احکام و معاملات میں، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں) یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے

کہ ایک طرف تو قتال اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر یہ بھی یاد دلا دیا کہ دیکھنا، حدود سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش پر قابو بہر صورت رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ اُلٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالت انتقام میں کرنے لگو۔ خوف خدا باز پرس کا خیال، ہر وقت مستحضر رہے، جو کچھ بھی ہو، شدید اشتعال کے موقع پر بھی، ہیجان نفس کے ماتحت نہیں خشیت الٰہی ہی کے ماتحت ہو! واتقوا ایھا المؤمنون فی حرماتہ وحدودہ ان تعتدوا فیھا (ابن جریر) اللہ اکبر! اس حکیمانہ امتزاج کی نظیر دُنیا کے کسی قانون کسی آئین کسی نظام کے اندر ملے گی؟ ف۷۱۱ اللہ اللہ کتنی بلند و پرحکمت تعلیم ہے۔ ابھی ابھی انتقام میں بھی اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عاید کی جا چکی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام سے کہیں پست ہمت نہ ہو جانا، اور یوں نہ خیال کرنے لگنا، کہ "حدود و قیود" عائد کر کے پرزور مقابلہ سے روکا جا رہا ہے، اور ان کے بعد دل کے حوصلے پوری طرح کیونکر نکل سکیں گے؟ تو یہ بات نہیں ہے، بلکہ قانون الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی فتح و نصرت، رحمت و عنایت شامل حال اُنہی لوگوں کے رہتی ہے، جو اُس کی خشیت و عظمت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور متقی ہوتے ہیں! ــــ تقویٰ کی تاکید عین نصرت و ہمت افزائی کے لئے ہے ضعف پیدا کرنے کیلئے نہیں۔ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ متقین کے ساتھ اللہ کی معیت کی آخر نوعیت کیا ہوتی ہے؟ محققین کا فیصلہ ہے کہ اللہ کی معیت بلحاظ اُس کی نصرت، اعانت، حفظ، علم وغیرہ کے ہوتی ہے نہ کہ کسی جسمانی یا مادی اعتبار سے۔ ای بالمعونۃ والنصرۃ والحفظ والعلم (کبیر) النصر والعون (روح) بالنصرۃ والتمکین والتائید (بحر) اور یہیں سے امام رازیؒ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ مجسم ہے اور نہ وہ کسی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے، جیسا کہ جسم کسی متعین جگہ کو اپنے سے بھر کر دیتا ہے۔ وھذا من اقوی الدلائل علی انہ لیس بجسم ولا فی مکان (کبیر) ف۷۱۲ (اپنا مال، جان قربان کر ڈالنے کا حکم تو قتال کے ذیل و ضمن میں آچکا، اب حکم صرف مال کا مل رہا ہے۔ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اس قید کا خوب خیال رہے، اسلام میں جس طرح محض جان دے دینا مطلوب و مقصود نہیں، بلکہ وہ جان دینا مطلوب و مقصود ہے جو خدا کی راہ میں ہو، اللہ کے دین کی بڑائی کیلئے ہو، اسی طرح مطلق صرف مال کی ہرگز کوئی وقعت و قدر نہیں۔ قدر صرف اُس صرف مال کی ہے جو باطل کی راہ میں نہیں، حق کی راہ میں ہو، ہوائے نفس کی تکمیل کے لئے نہیں، رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ہو۔ یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے لیکن فی سبیل اللہ کے الفاظ عام ہیں۔ ہر دینی خدمت میں مالی امداد اس کے تحت میں آجاتی ہے یعنی فی طاعۃ اللہ (قرطبی)
ف۷۱۳ جان یا مال میں بخل کر کے، قرآن مجید میں جب صیغۂ جمع حاضر آتا ہے تو کبھی تو افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت۔ یہاں اصل مخاطبت اُمت سے بہ حیثیت مجموعی ہے۔ اور بیان یہ حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد اُمت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی، اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل کیا، تو نتیجہ لازمی طور پر ساری اُمت کی تباہی، بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ۔ اصل تقدیر کلام یوں ہے:۔ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم یا انفسکم (الیکاب) کو محذوف ہے
قیل تقدیرہ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم (کشاف) ای لا توقعوا انفسکم فی الھلاک (بیضاوی)

اور اُن کی خونریزیاں اور خون آشامیاں، تو اُن کی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملے گی۔ عیاں راچہ بیاں! اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اس کا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو Finlays' Greece under the Romans. صفحہ ۳۵۳۔ نیز Bosworth Smith's Mohammad & Mohammadanism صفحہ ۲۱۷ و صفحہ ۲۱۸۔

امام رازیؒ نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں ابھی ابھی تقویٰ کی تاکید آچکی ہے، اب اُسی مناسبت سے ذکر تقویٰ کی شدید ترین اور نفس کے لئے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔ لما امرھا بالتقوی امر فی ھذہ الایۃ باشد اقسام التقوی واشقھا علی النفس (کبیر) ۶۹۶ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اِعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ حد سے مراد حد شریعت بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا فتحمندی کے زعم میں بے تحاشا غنیم کے مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کردیا جائے۔ اُن کے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگادی جائے، اُن کے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جانے لگیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن نے دنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہے۔ حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ عہد و پیمان شکن قوموں کی دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پرواہ نہ کی جائے، اور عہد شکنی کی ابتداء اپنی طرف سے کرکے دھاوا بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے۔ اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ ای لاتعتدوا بابتداء القتال او بقتال المعاھد او المفاجاۃ بہ من غیر دعوۃ او المثلۃ او قتل من نھیتم عن قتلہ (بیضاوی) ای لاتعتدوا بوجہ من الوجوہ (روح) اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لئے شروع کردیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔ ای لاتقاتلوا علی غیر الدین (ابن العربی) المعنی لا تعتدوا فی القتال لغیر وجہ اللہ کالحمیۃ وکسب الذکر (قرطبی) غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے مرتبۂ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اچھے اچھوں کی عقل، متانت اور قوت عدل و توازن اُس وقت جواب دے دیتی ہے۔ دو کل کے مظلوم، بیساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیروؤں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا، افراد امت کو بحکمت اخلاق فاضلہ کے بلند سے بلند مقام پر پہنچا دینا ہے۔ اور پھر جب یاد کرلیا جائے کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ ۶ھ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہو رہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ کر جنگ شروع کردیں گے، اور اُسکے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہو جائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور امتناعی حکم کی قدر و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے! پھر فتحمندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسولؐ کے صحابیوں، اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں محض تاریخ کا ہے۔ ۶۹۷ وَاقْتُلُوْھُمْ میں ھم کی ضمیر اُنہی لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں سے لڑنے نکلے ہیں۔ والضمیر عائد الی الذین امر بقتالھم فی الایۃ الاولیٰ (کبیر) حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ۔ یعنی ان مقاتلین محاربین کو جہاں کہیں بھی پکڑ پاؤ، اور جب کبھی اُن پر غلبہ حاصل کرپاؤ، قتل کردو۔ ھم الکفار من اھل مکۃ فامر اللہ تعالیٰ بقتلھم حیث کانوا فی الحل والحرم وفی الشھر الحرام (کبیر) ای حیث وجدتموھم من حل او حرم (ابو السعود) وَاقْتُلُوْا کے صیغۂ جمع سے فقہاء حنفیہ نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قتال یا جہاد فریضۂ انفرادی نہیں ہے، امام کی معیت میں ہے۔ لشکر کا وجود و وجوب بطور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بطور اقتضاء النص کے، کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر امام کے ممکن نہیں۔ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ یعنی سرزمین مکہ سے۔ مِنْ حَیْثُ کے معنی جہاں سے کے علاوہ جس طرح کے بھی ہیں۔ وَاَخْرِجُوْھُمْ۔ مراد ہے کہ سرزمین مکہ سے انہیں چاہے مارو، یا بے نکالو، جو بھی تمہیں اپنی قدرت و مصلحت کے مطابق نظر آئے۔ والمراد افعلوا الکل ما تیسر لکم من ھذین الامرین فی حق المشرکین (روح) ۶۹۸ یعنی مفسرون و مفسدوں کے لحاظ سے مفسر تھانویؒ نے خوب لکھا ہے کہ مشرکوں کی شرارت جسے یہاں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، وہی تو اصل جڑ تھی اور اخراج و قتل وغیرہ اس کی سزائیں تو محض فروع ہوئیں۔ الفتنۃ۔ فتنہ سے مراد شرک یا اس کی ترغیب و تحریص و اہل توحید کی تخویف ہے۔ الفتنۃ الشرک باللہ وعبادۃ الاوثان (ابن عباسؓ) اقدام الکفار علی الکفر وعلی تخویف المومنین (کبیر) روی عن جماعۃ من السلف ان المراد بالفتنۃ ھھنا الکفر وقیل انھم کانوا یفتنون المومنین بالتعذیب لیکرھوھم علی الکفر (جصاص) کفر و ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خون، غدر و بدامنی ہی کی طرف لیجاتا ہے۔ انما سمی الکفر بالفتنۃ لانہ فساد فی الارض یؤدی الی الظلم والھرج وفیہ الفتنۃ (کبیر) اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی حرم میں قتل و خون سے بھی شناعت میں کہیں بڑھا ہوا اور حرم اس مرکز توحید و ایمان میں شرک و اشاعت شرک و تبلیغ شرک کا ہے۔ اشد من القتل فی الحرم (ابن عباسؓ) ای شرکھم باللہ اعظم من القتل الذی یحل بھم منکم (مدارک) ایجوز ان یراد فتنتھم ایاکم بصدکم عن المسجد الحرام اشد من قتلکم ایاھم فی الحرم (کشاف) اعنی کفرھم وتعذیبھم المومنین فی البلد الحرام وفی الشھر الحرام اشد واعظم اثما من القتل فی الشھر الحرام (جصاص) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ گھر والوں کی یہ مسلسل و غیر منقطع ستمیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں۔ اور بعض قدیم اکابر کی نظر بھی اسی پہلو کی طرف گئی ہے۔ ای المحنۃ التی یفتن بھا الانسان کالاخراج من الوطن اصعب من القتل لدوام تعبھا وبقاء تالم النفس بھا (بیضاوی) ای المحنۃ والبلاء الذی ینزل بالانسان یتعذب بہ اشد علیہ من القتل (کشاف) الاخراج من الوطن لما فیہ من مفارقۃ المالوف والاحباب وتنغیص العیش دائما (بحر) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد وہ ابدی عذاب اُخروی ہے جو انہیں کفر کی سزا میں ملے گا۔ گویا ارشاد یہ ہے کہ وہ دائمی عذاب دنیا کی سزائے قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور عذاب پر اس معنی میں فتنہ کا اطلاق جائز ہے۔ المراد من الفتنۃ العذاب الدائم الذی یلزمھم بسبب کفرھم (کبیر) واطلاق اسم الفتنۃ علی العذاب جائز وذلک من باب اطلاق اسم السبب علی المسبب (کبیر) والکفر باللہ یقتضی العذاب دائما والقتل لیس کذلک (کبیر) ۶۹۹ کہ یہاں قتال کی ابتداء بلاوجہ اور بلا ضرورت کردینے سے حدود حرم کی ہتک لازم آتی ہے۔ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف یا مسجد مکہ کے گرد و نواح میں کئی میل کا پورا علاقہ جو اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اور اسکے احترام کے خاص آداب و قواعد ہیں۔ عند المسجد الحرام یقع علی الحرم کلہ (مدارک) نزول آیت کے وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اس پاس معاہدہ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے یہ دوسرا مانع احترام حدود حرم کا بھی تو ہے۔ بعض تابعین اور فقہاء حنفیہ نے آیت سے یہ مستقل حکم نکالا ہے کہ مسجد حرام میں قتل و قتال ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ جواب و مدافعت میں نہ ہو۔ قال مجاھد لا یجوز قتال احد فی المسجد الحرام الا بعد ان یقاتل وبہ قال طاؤس وھو الذی یقتضیہ نص الایۃ (قرطبی) والیہ ذھب ابوحنیفۃ واصحابہ (قرطبی) فیہ قولان احدھما انہ محکم قالہ مجاھد وابوحنیفۃ (ابن العربی) ۷۰۰ حفاظت خود اختیاری حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کردے گی۔ کَذٰلِکَ۔ یعنی یہی سزائیں جو اوپر گزر چکیں۔ وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ۔ یعنی ایسے معاند پیمان شکن، بے ادب کافروں کی سزا۔ کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام پر جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداء ناجائز ہے۔ البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے۔ (تھانوی) ۷۰۱ محض جنگ سے نہیں جسے انہوں نے شروع کیا تھا، بلکہ عقائد کفر و شرک سے جو محرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے۔ ای عن الکفر والشرک وتابوا (ابن عباس) ای فان تابوا (ابن جریر عن مجاھد) من قتالکم وکفرھم باللہ (ابن جریر) عن الشرک والقتال (مدارک) یعنی انتھوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منہ کما روی عن مجاھد وغیرہ او عنہ وعن القتال (روح) فَاِنِ انْتَھَوْا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔ حرف تعقیب فَ سے مراد ہے، جنگ شروع کرنے کے بعد۔ جن مفسرین جدید نے انتھوا سے صرف جنگ سے باز آجانا مراد لیا ہے، انہوں نے سخت غلطی کی ہے ۷۰۲ اس لئے اُن کی توبہ قبول کرلی جائے گی، انہیں دائرۂ اسلام میں داخل سمجھا جائے گا، اور ان کے اسلام کو لاحاصل یا بے قدر نہیں سمجھا جائے گا۔ آیت کے اس جزء نے ان انتھوا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کردیا کہ مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ صفات مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہوسکتا ہے، نہ کہ محض ترک جنگ پر۔ جو کفر سے تائب ہوگیا اُسکے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اور آئندہ بھی اُس کے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ غفور لمن تاب ورحیم لمن مات علی التوبۃ (ابن عباسؓ) فان اللہ یغفر لھم جمیع ما تقدم ویرحم کلا منھم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) ولذلک علق علیہ الغفران والرحمۃ وھما لا یکونان مع الکفر (بحر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، تو قتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ وفیہ دلالۃ علی قبول توبۃ قاتل العمد اذ کان الکفر اعظم مأثما من القتل وقد اخبر تعالیٰ انہ یقبل التوبۃ من الکفر (بحر) ھذا یدل علی ان قاتل العمد لہ توبۃ اذ کان الکفر اعظم مأثما من القتل وقد اخبر اللہ انہ یقبل التوبۃ منہ ویغفر لہ (جصاص) ۷۰۳ (ان لوگوں میں، یا سرزمین عرب پر) قَاتِلُوْھُمْ میں ھُم کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس کے مقابلہ میں دیا جارہا ہے؟ ظاہر ہے کہ روئے زمین کے عام کفار بھی مراد ہوسکتے ہیں، اور مشرکین عرب بھی سمجھے جاسکتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بکثرت تابعین نے مراد مشرکین مکہ ہی سے لی ہے۔ ومن راھا غیر منسوخۃ قال المعنی قاتلوا ھؤلاء الذین قال اللہ فیھم فان قاتلوکم (قرطبی) وھم کفار مکۃ والفتنۃ ھھنا الشرک ولایسن بھم سنۃ اھل الکتب فی قبول الجزیۃ قالہ ابن عباس وقتادۃ والربیع والسدی (بحر) عطف علی قاتلوا الذین یقاتلونکم ویؤیدہ ان مشرکین العرب لیس فی حقھم الا الاسلام او السیف (روح) وھذہ الایۃ خاصۃ فی المشرکین دون اھل الکتب لان ابتداء الخطاب جری بذکرھم فی قولہ عزوجل واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم وذلک صفۃ المشرکین اھل مکۃ الذین اخرجوا النبی صلعم واصحابہ فلم یدخل اھل الکتب فی ھذا الحکم (جصاص) حَتّٰی یہاں اظہار غایت کے لئے ہے اور کے یا الیٰ ان کے مرادف ہے۔ وھذا البیان غایۃ القتال (روح) حتیٰ بمعنی کے او الیٰ ان (مدارک) لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ۔ یعنی حدود حرم اور حدود عرب کے اندر شرک و کفر باقی نہ رہنے پائے۔ فتنہ سے یہاں کفر و شرک کے مراد ہونے پر گویا یہ کہنا چاہئے کہ محققین امت کا اجماع ہے۔ ای شرک قالہ ابن عباس وابو العالیۃ ومجاھد والحسن وقتادۃ والربیع ومقاتل بن حیان والسدی (ابن کثیر) ای الشرک باللہ فی الحرم (ابن عباسؓ) ای حتیٰ لاتکون شرک باللہ وحتیٰ لا یعبد دونہ احد (ابن جریر) قال ابن عباس وقتادۃ ومجاھد والربیع ابن انس الفتنۃ ھھنا الشرک وقیل انما سمی الکفر فتنۃ لانہ یؤدی الی الھلاک کما یؤدی الیہ الفتنۃ (جصاص) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائیں تو گو اور کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دستکش ہونے کا حکم ہے، لیکن یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لئے قانون جزیہ نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے لئے اسلام ہے یا قتل (تھانوی) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسکے لئے ضروری تھا کہ اس کا ایک جغرافی مرکز ہو مستقر ہو۔ اور روئے زمین پر کم از کم ایک خطہ تو ایسا ہو جو شرک و کفر سے قطعاً پاک، اور اہل توحید کے لئے صحیح معنی میں "پاکستان" ہو۔ اور اس غرض کے لئے مولد رسولؐ و مہبط قرآن سے بڑھ کر سرزمین اور کون ہوسکتی تھی؟ قدرۃً انتخاب اسکے لئے سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے لئے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تھانوی)

ہوگئے۔ انہی کی اصلاح خیال کے لیے آیت نازل ہوئی، اور عقیدۂ جاہلی کی تصحیح کی گئی۔ نزلت فی نفر من اصحاب النبی صلعم کنانۃ وخزاعۃ کانوا یدخلون بیوتھم فی الاحرام من خلفھا او من ظھرھا کما فعلوا فی الجاھلیۃ (ابن عباسؓ) مفسر قرطبیؒ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ انصار مدینہ جب حج یا عُمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے، تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا تقویٰ اور آدابِ احرام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور واپسی میں اپنے مکان میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے۔ وکان الانصار اذا حجوا وعادوا لا یدخلون من ابواب بیوتھم ...... فکانوا یرون ھذا من النسک والبر (قرطبی) یہ رسم چونکہ حج ہی کے سلسلہ میں تھی، اس لیے اس کا ذکر بھی حج ہی کے متصل فرمایا گیا ۶۹۲ (اور تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی منع کی ہوئی اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے ڈرا جائے، بچا جائے) ای بخافہ وتجنب محارمہ واطاعہ باداء فرائضہ التی امرہ بھا (ابن جریر) ضمناً یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوگئی، کہ اصل نیکی تقوائے الٰہی ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کا خوف، نہ کہ بنچ کسی گڑھے ہوئے دستور و رواج کا اتباع ۶۹۳ (جب آنا چاہو، اور گویا رسوم شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوئے) آیت سے فقہاء اُمت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب و سُنت میں اس کی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت و عبادت ٹھہرالینا، یا اسی طرح اسے بلا دلیل شرعی معصیت و محل ملامت یقین کرلینا، یہ دونوں اعتقاد گناہ ہیں۔ اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔ ھٰذا دلیل علیٰ مسئلۃ من الفقہ وھی ان الفعل بنیۃ العبادۃ لا یکون الا فی المندوبات خاصۃ دون المباح ودون المنھی عنہ وھٰذا اصل حسن (ابن العربی) فی ھٰذہ الاٰیۃ بیان ان مالم یشرعہ اللہ قربۃ ولاندب الیہ لا یصیر قربۃ بان یتقرب لہ متقرب (قرطبی) قال ابن خویز منداد اذا اشکل ماھو برٌ وقربۃ بما لیس ھو برٌ وقربۃ ان ینظر فی ذلک العمل فان کان لہ نظیر فی الفرائض والسنن فیجوز ان یکون ان لم یکن فلیس ببرّ ولا قربۃ (قرطبی) قرطبیؒ نے ابن عباسؓ کی سند سے حدیث نبویؐ بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسُول اللہ صلعم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں۔ اور اس کی نذر مانے ہوئے ہیں کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں، کھڑے ہی رہینگے اور سایہ میں نہ کھڑے ہونگے، اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں وہاں سے ہٹالاؤ۔ مروہ فلیتکلم ولیستظل ولیقعد ولیتم صومہ (وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں۔ اسلام نام صرف امتثال امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیل احکام کی ہے۔ خود رائی اس راہ میں سرتاسر کج رائی ہے ۶۹۴ (دُنیا اور آخرت دونوں میں) تقویٰ (خوف خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کرتی ہے، اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاح دارین کا اصل اصول تقویٰ ہے۔ خشیتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کے درمیان نسبت تضاد، تخالف، بلکہ تباین کی بھی بالکل نہیں، بلکہ علاقہ توافق و مناسبت کا ہے۔ مخلوقات میں جس کسی چیز سے خوف کیا جاتا ہے، اُس میں خاصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بھگاتی ہے، ہٹاتی ہے، دُور کرتی ہے۔ لیکن خشیتِ الٰہی میں تو اس کے برعکس ایک کشش ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف لاتی ہے، کھینچتی ہے، بُلاتی ہے، اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔ اور اس طرح عملاً محبتِ الٰہی کے مرادف ہے۔ اہل تقویٰ اور صالحین سے جس خوف کی نفی کی گئی ہے، وہ "دہشت" کے مرادف ہے اور وہ "وحشت" سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیتِ الٰہی، اسکے ٹھیک برعکس، احساسِ عظمت سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ رب عظیم و معظم سے قریب تر لانے والی ہوتی ہے۔ خوفِ خدا کی ترغیب اور خشیتِ الٰہی کی تاکید سے قدیم صحیفے بھی لبریز ہیں۔ مثلاً۔ "خداوند کا خوف، دانش کی ابتداء ہے۔" (امثال سلیمانی ۱۔۷) "خداوند کا خوف، دانائی کا شروع ہے۔" (امثال سلیمانی ۹۔۱۰) "خدا سے ڈر، اور اُسکے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کلّی یہی ہے۔" (واعظ کی کتاب ۱۲: ۱۳) ۶۹۵ قَاتِلُوْا۔ قتال کا یہ حکم اُن مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے، جو دو چار مہینے نہیں، پُورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد پر، اور شدائد کیسے، یہ کہئے شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر، صبر کے امتحان میں پُورے اُتر چکے تھے، اور اب وطن سے بے وطن ہو کر، گھر بار چھوڑنے پر بھی، مدینہ میں چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے لارڈ ہیڈلے انگریز کی۔ نو مُسلم ہو کر بات پتہ کی کہہ گیا ہے، کہ اسلامی غزوات کے تین ابتدائی جغرافی محلِ وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کرلو، کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی، اور چڑھائی کون کس پر کرکے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا، اور حفاظتِ خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہل فساد، یا مدینہ کے صابر و شاکر مومنین؟ (۱) جنگِ بدر۔ بدر میں ہوئی، مدینہ سے کُل تیس میل کے فاصلہ پر۔ جنگِ احد۔ اُحد تو مدینہ سے کُل بارہ ہی میل ہے (۳) جنگِ احزاب۔ اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا! غرض ہر دفعہ قریش مکہ یا اُن کے حلیف و مددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔ اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ خود یہ لفظ کیا بتا رہے ہیں؟ دو باتیں بالکل صاف ہوئی جاتی ہیں (۱) ایک یہ کہ جنگ کی ابتدا کرنے والے مُسلمان نہ تھے۔ ابتدا دُوسرا ہی فریق کر رہا تھا۔ ای الذین یبدؤنکم بالقتال (ابن عباسؓ) ای ینلجزونکم القتال دون المحاجزین (مدارک) ای یحل لکم القتال ان قاتلکم الکفار (قرطبی) (۲) دُوسرے یہ کہ قتال کا حکم صرف اُنہی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں، یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں Combatants کے مقابلہ میں۔ غیر مصافی Non-combatants آبادی کے سروں پر بم برسا دینے، پُرامن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے، اور اُن پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے "مہذب ترین" آئین حرب سے اسلام کا قانون جنگ ناآشنا ہے۔ بوڑھوں، بچّوں، عورتوں، اپاہجوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، غرض ایسے کُل لوگ جو جنگ سے معذور ہوں، انہیں رسُول کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہی ہے، لیکن خود یہ آیت بھی اس استثنار کی جانب صاف مشیر ہے۔ لاتقتلوا النساء ولا الصبیان ولا الشیخ الکبیر ولا من القی الیکم السلم وکف یدہ (ابن عباسؓ) ای لاتقاتلوا من لایقاتلک یعنی النساء والصبیان والرھبان (ابن جریر عن عمر بن عبدالعزیز) عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ فی بعض مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولۃ فانکر رسول اللہ صلعم قتل النساء والصبیان (بخاری۔ مسلم) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث جیشاً قال اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ ...... ولاتقتلوا امرأۃ ولا ولیداً ولا شیخاً کبیراً (معالم عن بریدۃ) امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اصل حکم میں تو پھل دار درخت کو کاٹنے تک کی ممانعت ہے۔ آپنے یہ حکم خلافت اسلامیہ کے پہلے سپہ سالار فوج (کمانڈر انچیف) یزید بن ابی سفیانؓ کو دیا تھا۔ اور اُن کی مشایعت آپنے پا پیادہ چل کر کی تھی۔ اس حکمنامہ کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں۔ وانی اوصیک بعشر لاتقتلن امرأۃ ولا صبیاً ولا کبیراً ھرماً ولا تقطعن شجراً مثمراً ولا تخربن عامراً ولا تعقرن شاۃ ولا بعیراً الا لماکلۃ ولا تحرقن نخلاً ولا تغرقنہ (طبقات ابن سعد) البتہ الذین یقاتلونکم سے یہ بھی مُراد نہیں کہ جب دشمن واقعۃً سر پر آجائے، اور لڑائی شروع کر دے، جبھی تم قتال کرو۔ اتنے انتظار و توقف کے معنی یہ ہوں گے کہ آدھی جیت اُن کی ہوگئی، جیسا کہ اس زمانہ کی لڑائیوں میں برابر مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ بلکہ غنیم کا ارادہ اور آمادگی ہی اُسے اس حکم کے تحت میں لے آنے کے لیے کافی ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ۔ یہ قید کتنی اہم اور دُنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دُنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جا رہی ہیں، آیندہ بھی لڑی جائیں گی۔ لیکن کاہے کے لیے؟ زر کے لیے، یا زن کے لیے، یا زمین کے لیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ "قوم" اور "وطن" کے نئے اصنام، زر و زمین کی طلب فرد کے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے رہ جائے۔ یہ خصوصیت صرف "اسلامی جہاد" بدنام و رُسوا "اسلامی جہاد" کی ہے، کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو۔ شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دین حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو، خودی کے لیے نہیں خدا کے لیے ہو، نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لیے، "آزادی تجارت" کے لیے، "آزادی سمندر" کے لیے، "نو آبادیوں کے تحفظ" کے لیے، "برآمد کی منڈیاں" پیدا کرنے کے لیے، نہیں۔ نہ ہی اور کسی قسم کی بھی عصبیت جاہلی کے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ۔ الجھاد لاعلاء کلمۃ اللہ واعزاز الدین (مدارک) ای جاھد والاعلاء کلمتہ واعزاز دینہ (بیضاوی) یعنی دیناً واظھاراً لکلمۃ ...... قتال کا طریقہ دُوسری اُمتوں سے بڑا اچھا اُمتِ محمدی کے ساتھ مخصوص نہیں، بائبل میں اس کا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔ رہیں مسیحی قومیں

اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
اختیار کئے رہو، تاکہ فلاح پا جاؤ ۶۹۴ اور اللہ کی راہ میں لڑو ۶۹۵ ان لوگوں سے جو
الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰہَ
تم سے لڑتے ہیں، ۶۹۶ اور حد سے باہر مت نکلو، کہ اللہ حد سے باہر نکل جانے
لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ
والوں کو پسند نہیں کرتا ۶۹۷ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو،
ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ
اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو ۶۹۸
وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ
فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے، ۶۹۹ اور اُن سے مسجد حرام کے
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ۚ
قریب قتال نہ کرو، جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں ۷۰۰
فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ۭ کَذٰلِکَ جَزَاۗءُ
ہاں اگر وہ (خود) تم سے قتال کریں تو (تم بھی) انہیں قتل کرو۔ یہی سزا ہے
الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ
کافروں کی ۷۰۱ پھر اگر وہ باز آجائیں ۷۰۲ تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے،
رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ
بڑا مہربان ہے ۷۰۳ اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے ۷۰۴

منزل ۱

گھر کے کسی گوشہ میں بھی ہو سکتا ہے، جسے نماز و عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے۔ انما المرأة تعتکف فی مسجد بیتھا و لو لم یکن لھا فی البیت مسجد تجعل موضعًا فیہ فتعتکف فیہ (ہدایہ)
والمرأة تعتکف فی بیتھا (شرح وقایہ) ویکرہ فی المسجد ولا یھیء فی غیر موضع صلاتھا من بیتھا (در مختار) دوسرے دُنیوی معاملات مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا حالت اعتکاف میں جائز ہیں، بشرطیکہ ان میں کوئی بات احترام مسجد یا آداب اعتکاف
کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔ رسُول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں پُورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے، اور علائق دنیوی سے انقطاع جو یُوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتا۔ اعتکاف مسنون بھی
ہے اور اسی کو فقہا نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کرے تو پُوری بستی کی طرف سے وہ سُنت ادا ہو جائے گی۔ باقی نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہر حال استحباب و فضیلت کی چیز ہے۔ رُوحانی قوت و توانائی کا ذخیرہ
اپنے اندر بھرنے کے لیے، اپنے کو رُوحانی و ایمانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور مؤثر تر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ بیس دن کی مُسلسل طاعت و عبادت، اور شب و روز کے ذکر الٰہی و فکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو،
ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسُوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے، اور اخلاص و للّٰہیت کی شمعوں کو دعاؤں سے، عبادتوں سے، ذکر و فکر سے منتہائے کمال پر پہونچا دے! لیکن ہر کس و ناکس کا ظرف اس مرتبہ کا متحمل نہیں
ہو سکتا، عجب عجب غیر متوقع صُورتیں معصیت کی پیش آجاتی ہیں (جیساکہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ و قابل نفرین تجربات ہو چکے ہیں) مثلاً یہی کہ کھانا لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر میں لایا، اور معتکف بے اختیار اُس پر غصہ
سے برس پڑا تو فقہا نے کہا ہے، کہ ایسی صُورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معصیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقض ہے جس طرح نماز و طہارت کی ناقض جسمی ناپاکیاں (بول و براز) ہیں۔ المعتکف اذا اتی کبیرة فسد
اعتکافہ لان الکبیرة ضد العبادة کما ان الحدث ضد الطھارة والصلوٰة قالہ ابن خویز منداد عن مالک (قرطبی) ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف علیہ العجز عن الوفاء بحقوقہ (قرطبی) ۶۸۴ بہت ہی برمحل یہ یاد دلا دیا گیا ہے کہ سب
ضابطے اور قاعدے خدائے دانا و بینا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ یہ احکام و ہدایات حکیم مطلق و حاکم برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انہیں عام انسانوں کے قانون قاعدہ پر قیاس کر کے معمولی باتیں نہ سمجھنا۔ تِلْكَ سے اشارہ اُن سب چھ یا سات احکام کی جانب ہے
جو آیت میں مذکور ہو چکے۔ ای ھٰذہ الاوامر والنواھی (قرطبی) ای الاحکام الستة المذکورة (ر ع) ۶۸۵ یعنی جس طرح اُس نے یہاں روزہ، اُسکے حدود و اوقات، اعتکاف، اور اُس کے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کر دیے
ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام و شرائع، انسان کے سُود و بہبود کے لیے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔ المراد انہ کما تبین ما امرکم بہ ونھاکم عنہ فی ھٰذا الموضع کذلک یبین سائر ادلتہ علی دینہ وشرعہ (کبیر) اٰیٰتِہٖ
آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں۔ ای امرہ ونھیہ (ابن عباسؓ) ای اٰیاتہ الدالة علی بقیة مشروعاتہ (بحر) ای العلامات الھادیة الی الحق (قرطبی) ۶۸۶ (ان احکام الٰہی پر مطلع ہو کر) احکام الٰہی کی عین تعمیل ہی پرہیزگاری
ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اس کا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک و تردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے یعنی احکام کی تعمیل تمہیں پرہیزگار بنا ہی دیگی، عمل کر کے تجربہ کر لو۔ ۶۸۷ (اے اہل ایمان!) لَا تَاْكُلُوْٓا
اکل، یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف "کھانا" مُراد نہیں، بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔ عبر بالاکل عن انفاق المال (راغب) عبر بہ عن الاخذ والاستیلاء (بحر) اُردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں، فلاں صاحب روپیہ
کھا گئے، یا رقم ہضم کر گئے۔ بِالْبَاطِلِ۔ باطل سے مُراد ہے ہر ناجائز طریق۔ فاکل المال بالباطل صرفہ الی ما ینافیہ حق (راغب) ای بالوجہ الذی لا یبیحہ اللہ تعالیٰ (مدارک) والمراد من الباطل الحرام وکل مال یاذن باخذہ
الشرع (روح) گویا دو مختصر لفظوں میں تقویٰ مالی کی ساری تعلیم آگئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کی تاکید، اور ہر قسم کی امانت و دیانت کا حکم۔ اور فقہا نے اکل باطل کی جو تفصیل لکھی ہے، اُس میں تمار، غصب، حق تلفی وغیرہ کے ساتھ ایک مد یہ بھی بڑھادی ہے
کہ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آجاتا ہے، جو مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے۔ یا مالک گو اسے خوشدلی سے دے رہا
ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو۔ (اُس مال کے مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے) مالا تطیب بہ نفس مالکہ او حرمتہ الشریعة وان طابت بہ نفس مالکہ (قرطبی) اَمْوَالَكُمْ۔ خطاب تمام مومنین کو ہے، اور حکم کے مخاطب افراد اُمت ہیں۔ اُردو میں اموالکم کا صحیح مفہوم "اپنا مال" سے نہیں بلکہ "ایک دُوسرے کا مال" سے ظاہر ہوگا۔ جیسے اقتلوا انفسکم
سے مُراد "ایک دُوسرے کا قتل کرنا" ہے۔ والمعنی لا یاکل بعضکم مال بعض (بحر) والمعنی لا یاکل بعضکم مال بعض بغیر حق (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس نے ایک کتاب قرآن مجید کے قوانین معاشرتی پر لکھی ہے۔ اُس میں اس آیت کو نقل کر کے لکھ
ہے۔ "یہ آیت اس امر کی شہادت مزید ہے کہ محمدؐ نے اپنے پیرووں میں کتنی تاکید باہمی حسن معاملت کے باب میں رکھی ہے" (سوشل لا آف دی قرآن، ص) بَيْنَكُمْ کے دائرہ کی وسعت میں فقہا نے ساری نسل آدم کو داخل کیا ہے، اور صرف مُسلمانوں
کے مال تک حکم کو محدود نہیں رکھا ہے، مسلم ہو یا کافر، کسی کا بھی مال دغا، فریب، ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔ صرف کافر حربی کے مال پر تصرف و تسلط جائز ہے، کہ جس سے اعلان جنگ ہو ہی چکا ہے۔ لیکن اُس سے بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ خاص خاص قیود
و شرائط کے ساتھ۔ رشوت، جعلسازی، خیانت، کافر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں ۶۸۸ (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو) دُنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو، اور کوئی حاکم عادل سے عادل سہی، بہر حال دُنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں، روداد
مقدمہ ہی کی بنا پر صادر ہوں گے۔ اور اُن میں غلطی، لغزش، ناانصافی، دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے، کہ جو حق ہے وہ عند اللہ حق ہی رہے گا، اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ حکام کا فیصلہ
اُس کے برعکس ہی ہو، قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ دلحاظ کے قابل خود اُس کا ضمیر اور تقویٰ ہے۔ حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آچکی ہے اور مفسرین بھی اسے خُوب صاف کر چکے ہیں۔
اعلم ابن اٰدم ان قضاء القاضی لا یحل لک حرامًا ولا یحق لک باطلا انما یقضی القاضی بنحو ما یری ویشھد بہ الشھود والقاضی بشر یخطی ویصیب (ابن جریر) ومن الاکل بالباطل ان یقضی القاضی لک وانت تعلم انک مبطل فالحرام لا
یصیر حلالا بقضاء القاضی لانہ انما یقضی بالظاھر ھذا اجماع فی الاموال (قرطبی) علی القول بھذا الحدیث جمھور العلماء وائمة الفقھاء وھو نص فی ان حکم الحاکم علی الظاھر لا یغیر حکم الباطن (قرطبی) وھذا رسول اللہ صلعم المصطفیٰ
للاطلاع علی الغیب یتبرأ من الباطن فکیف بغیرہ من الخلق (ابن عربی) بلکہ جو لوگ اپنی چرب زبانی سے، سخن سازی سے، اپنے "اثر" و "پیروی" سے جھوٹے مقدمے جیت جائیں، اُنہیں اور زیادہ ڈرنا چاہیے کہ اُن پر علاوہ دُوسرے جرائم اور فریق ثانی کی حق تلفی
کے، ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مُبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا۔ تُدْلُوْا بِهَآ۔ ھَا کی ضمیر اموال کی طرف ہے، ب فعل۔ ادلاء کا حرف صلہ ہے۔ تُدْلُوْا۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے، اور پھر مجازاً، کسی چیز کو کہیں پہونچانے یا اُسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے
کے ہیں۔ ادلیتھا ای اخرجتھا وقیل یکون بمعنی ارسلتھا واستعیر للتوصل الی الشیء (راغب) واصل الادلاء ارسال الرجل الدلو فی سبب متعلقا بہ (ابن جریر) مطلب یہ ہُوا کہ مال کو حکام تک پہونچنے کا، اپنی رسائی اور رسُوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ
بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ و تحائف سے حُکام پر اثر نہ ڈالو۔ ای لا ترشوھا الیھم (کبیر) ای تلقوا بعضھا الی حکام التوء علی وجہ الرشوة (مدارک) اسلامی حکومت قائم ہونا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی و فوجداری کا نافذ ہونا
تو خیر بڑی چیز ہے، قرآن مجید کی صرف اسی آیت پر اگر آج عملدرآمد ہو جائے، تو جھوٹے دعووں، جعلی کاغذات، جھُوٹی گواہیوں، جھُوٹے حلف ناموں، اہلکاروں، اور عُہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حکام کی خدمت میں نذر، نذرانوں، قیمتی
ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی رہ جائے، بِالْاِثْمِ۔ گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں، اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔ ای بالظلم والتعدی (قرطبی) بشھادة
الزور او بالایمان الکاذبة او بالصلح مع العلم بان المقضی لہ ظالم (مدارک) فَرِيْقًا۔ فریق کے معنی یہاں پارٹی یا گروہ کے نہیں، بلکہ حصہ یا جزو کے ہیں۔ ای قطعة وجزءًا (قرطبی) قطعة وجملة (روح) ۶۸۹ (اے پیغمبر! کہ اُن کے گھٹنے بڑھنے کی
غایت کیا ہے؟) اَلْاَهِلَّةِ۔ نیا چاند یا ہلال تو ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں سوال اہلہ (بصیغۂ جمع) سے متعلق ہے۔ سوال عن الاھلة کے معنی ہی ہوئے چاند کے مہینوں کی بابت دریافت کرنا۔ یعنی پہلے چاند کا طلوع ہونا۔ پھر تاریخ وار اس کا بڑھنا
اور پھر تاریخ وار اس کا گھٹنا، یہاں تک کہ اُس کا غائب ہو جانا۔ یرید بالاھلة شھورھا، قد یعبر بالھلال عن الشھر لحلولہ فیہ (قرطبی) ای عن زیادة الاھلة ونقصانھا لماذا (ابن عباس) سئل رسول اللہ عن زیادة الاھلة ونقصانھا و
اختلاف احوالھا (ابن جریر) چاند کے روزانہ (بلکہ شبانہ) تغیرات مشاہدہ کی چیزیں ہیں، اس لئے سوال بھی ان کی بابت آسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ آفتاب کے تغیرات عام نظروں کے لیے غیر مشاہد رہتے ہیں ۶۹۰ (اور اس سے زیادہ اُن کی کوئی حیثیت
نہیں) قرآن کا ایک ایک فقرہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید میں ہے۔ دُنیا میں مشرک قومیں کثرت سے قمر پرستی میں مبتلا رہی ہیں۔ اور بعض ہلال پرستی میں بھی۔ نئے چاند کو دیوتا مان کر اُس کی پُوجا کثرت سے کی گئی ہے۔ اور بڑھتے چاند کو مبارک، اور اُترتے
چاند کو منحوس سمجھنے کا رواج تو آج خدا معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں بھی موجُود ہے۔ اور ہندوستان میں چھپی ہوئی جس جنتری کو چاہیے آج اُٹھا کر دیکھ لیجئے، اُس کے کتنے خانے اس سے بھرے نظر آئیں گے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے لیے سعد ہے اور فلاں تاریخ
نحس۔ قرآن مجید نے عرُوج و زوال قمر کی یہ غایت بتا کر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیز ہیں ھِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ، ہلال پرستی اور اسکے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی کاٹ دی! ——— احمق انسان! تو چاند کی کیا پُوجا کر رہا ہے، چاند تو خود تیری خدمت کے
لیے ہے! مَوَاقِيْتُ جمع ہے میقات کی۔ اور اسکے معنی وقت کے بھی ہیں اور منتہائے وقت کے بھی، اور وقت موعُود و متعین کے بھی۔ جمع المیقات وھو الوقت وقیل المیقات منتھی الوقت (قرطبی) الوقت المضروب للشیء (راغب) مَوَاقِيْتُ
لِلنَّاسِ۔ یعنی اُن کے معاملات دُنیوی میں بھی اور حسابات شرعی میں بھی۔ سنہ قمری میں، دنوں، تاریخوں، مہینوں کا حساب چاند کے عرُوج و زوال سے ہوتے رہنا ظاہر ہی ہے۔ مفسر تھانویؒ نے یہاں سے یہ نکتہ خُوب نکالا ہے، کہ جب اعمال شرعی کا
مدار حساب قمر ہی پر ٹھہرا، تو اس حساب قمری کا اہتمام و انضباط بھی فرض کفایہ ہُوا۔ جنہیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آپڑا ہے، اُن کے لئے تو خیر عذر بھی ہے، لیکن بلا ضرورت سنہ ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی
انگریزی اختیار کر لینا واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ وَالْحَجِّ۔ قمری مہینے عام مواقیت انسانی کا تو کام دیتے ہی ہیں، اور ان کے علاوہ حج اور دُوسری طاعتوں اور عبادتوں کے لیے بھی معیار و مدار وہی ہیں۔ حج کا ذکر تخصیص کے ساتھ شاید اس لئے فرمایا گیا
ہو کہ اس کی اہمیت عرب کے ہر شعبۂ زندگی میں بہت نمایاں تھی ۶۹۱ (جیساکہ مُشرکین عرب اپنی سفاہت سے سمجھ رہے ہیں) جاہلی عرب جب احرام حج کی حالت میں ہوتے تو گھر میں جانے کے لیے دروازہ سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے، بلکہ پُشت
کی دیوار میں ایک بڑا سا روزن پیدا کر دیتے، اور اسکے اندر سے مکان میں داخل ہوتے، یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے، اور اس سے اندر پھاندتے، اور اسے اپنے نزدیک کوئی بڑی عبادت اور خانہ کعبہ کی تعظیم سمجھتے۔ کانوا اذا احرموا فی الجاھلیة
اتوا البیت من ظھرھا (بخاری) کانوا اذا حجوا الرید خلوا بیوتھم من ابوابھا بل کانوا ینقبون فی ادبارھا (ابن جریر) اذا احرم الرجل منھم نقب کوة فی ظھر بیتہ فجعل سلمًا فجعل یدخل منھا (ابن جریر) بعض قبیلوں کے نو مسلم صحابی بھی اس غلط فہمی میں مُبتلا

الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ
میں ٦٨٣ یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا ٦٨٤

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے ٦٨٥ عجب نہیں کہ

يَتَّقُوْنَ ۝١٨٧ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
وہ پرہیزگار بن جائیں ٦٨٦ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ ٦٨٧

بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا
اور نہ اُسے حُکّام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ
مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ، درآنحالیکہ تم

تَعْلَمُوْنَ ۝١٨٨ ع يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ
جان رہے ہو ٦٨٨ آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں ٦٨٩ آپ کہہ دیجیے کہ

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ
وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے آلۂ شناختِ اوقات ہیں ٦٩٠ اور یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں کہ تم

تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ
گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے آؤ، ٦٩١ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص

مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا
تقویٰ اختیار کرے ٦٩٢ اور گھروں میں اُن کے دروازوں ہی سے آؤ ٦٩٣ اور اللہ سے تقویٰ

ع ٢٣

الخیط فی کلامھم عبارۃ عن اللون (قرطبی) الخیط الابیض ھو اول مایبدو من الفجر (کشاف) سمیا خیطین لان کل واحد منھما یبدو فی الابتداء ممتدا کالخیط (مدارک) احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ روزہ دار کی رات بھی حتی الامکان ذکر و عبادت میں بسر ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اہل سنت کے یہاں جو نماز تراویح پر اتنا زور دیا ہے، وہ صاف اسی منشاء نبوی کی تعمیل ہے۔ مشقت و راحت، تعب و لذت کی جو خوشگوار اور حکیمانہ آمیزش، شریعت اسلامی کی ساری عبادتوں میں ہے۔ اس کا ایک نمایاں نمونہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ دن بھر صبر و ضبط کی مشق، کھانے پینے کا انتظار جس سے کھانے پینے کا لطف اور بڑھ کر رہتا ہے۔ شام کے وقت فرحت و تفریح۔ پھر شام سے لے کر صبح صادق تک عبادتوں اور مادی لذتوں کا ملا جلا ہوا تسلسل، یہ اسلام ہی کے خصوصیات میں سے ہے۔ من الفجر۔ فجر شرعی سے مراد صبح کاذب نہیں، جب کچھ دیر کے لئے اجالا شمال و جنوب میں معلوم ہونے لگتا ہے، بلکہ وہ نور کا تڑکا مراد ہے، جو صبح کاذب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے۔ اور روشنی شرقاً غرباً پھیلنے لگتی ہے۔ قال الجمھور ذلك الفجر المعترض فی الافق یمنۃ ویسرۃ و بھذا جاءت الاخبار و مضت علیہ الامصار (قرطبی) حدیث میں سحری میں تاخیر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح مسلم میں سمرۃ بن جندب صحابی کی روایت درج ہے، رسول اللہ صلعم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ بلال جو لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت سویرے اذان دیدیتے ہیں، ان کی اذان سے یا محض شمال جنوب میں روشنی دیکھ کر سحری نہ ختم کردو، بلکہ روشنی کے پھیل جانے کو یعنی وہی شرقی غربی سپیدہ کو معتبر جانو۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایغرنکم اذان بلال ولا ھذا البیاض لعمود الصبح الافق حتی یستطیر (کتاب الصیام، باب فضل السحور) روی الائمۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعنکم اذان بلال من سحورکم فانہ یوذن بلیل لیرجع قائمکم ویوقظ نائمکم (ابن العربی) بلکہ نسائی کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور حضرات صحابہ، بالکل صبح ہوجانے تک سحری سے شغل فرماتے رہتے۔ بس اس کا لحاظ رہتا کہ کہیں آفتاب ہی نہ نکل آئے۔ عن زید قال قلنا لحذیفۃ ای ساعۃ تسحرت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو النھار الا ان الشمس لم تطلع (کتاب الصیام، باب السحور) (زید کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حذیفہ صحابی سے دریافت کیا، کہ آپ نے رسول اللہ صلعم کے ہمراہ کس وقت تک سحری کھائی ہے؟ وہ بولے کہ صبح تک۔ بس اتنی کسر رہ گئی تھی کہ آفتاب طلوع نہیں ہوگیا تھا) دوسری روایتیں بھی ایسی ہی تاخیر سحور کی تائید میں ہیں۔ ایک گروہ ادھر گیا ہے کہ سحر اس وقت تک درست ہے، جب تک راستے اور مکانوں میں صبح کی روشنی نہ پھیل جائے۔ قالت طائفۃ ذلك بعد طلوع الفجر وتبینہ فی الطرق والبیوت (قرطبی) اور حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابیوں اور متعدد تابعین سے یہ منقول ہے کہ کھانے پینے سے احتیاط اس وقت واجب ہے جب صبح راستوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہوجائے۔ ان الامساك یجب بتبیین الفجر فی الطرق وعلی رؤس الجبال (قرطبی) حالت جنابت میں اگر صبح ہوگئی، اور ہنوز غسل کی نوبت نہیں آئی، تو روزہ بلا اختلاف جائز ہوگا۔ وفی تجویز المباشرۃ الی الصبح دلالۃ علی جواز تاخیر الغسل الیہ وصحۃ صوم من اصبح جنبا (ابو سعود) والجمھور من العلماء علی صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وھو جنب (قرطبی) اذا اجوز نالہ الوطی قبل الفجر ففی ذلك دلیل علی جواز طلوع الفجر علیہ وھو جنب وذلك جائز اجماعا (ابن العربی) ٦٨٢ اِلَى الَّيْلِ۔ یعنی جب رات داخل ہونے لگے۔ یہ مطلب نہیں کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے وقت تک روزہ رکھے رہو۔ روزہ رات آتے ہی ختم ہوجانا چاہیئے، یہ نہ ہو کہ رات کا کوئی جزو روزہ میں شامل و داخل ہوجائے۔ الی اللیل ای الی دخول اللیل (ابن عباسؓ) فجعل اللیل غایۃ الصیام ولم تدخل فیہ (جصاص) فانہ تعالی ذکر حد الصوم بان آخر وقتہ اقبال اللیل (ابن جریر) کلمۃ الی لانتھاء الغایۃ فظاھر الایۃ ان الصوم ینتھی عند دخول اللیل (کبیر) اللیل لیس من جنس النھار فیکون اللیل خارجا عن جنس النھار (کبیر) اللیل۔ اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر معاً ہوجاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال آثار شمس کا کیا گیا ہے۔ اللیل من مغرب الشمس الی طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج) اللیل عقب النھار ومبدءہ من غروب الشمس (لسان) اس لئے آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہوجانا چاہیئے۔ یقتضی الافطار عند غروب الشمس حکما شرعیا (ابن کثیر) اَتِمُّوا۔ صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے۔ امر یقتضی الوجوب من غیر خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام ھنا للوجوب (بحر) صوم وصال یعنی بلا افطار کئے دن اور رات کے مسلسل روزہ کی ممانعت بھی اسی آیت سے بہت سے فقہاء نے نکالی ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے۔ فیہ ما یقتضی النھی عن الوصال اذ اللیل غایۃ الصیام وقالتہ عائشۃ (قرطبی) فدل الایۃ علی نفی کون اللیل محل الصوم وان یکون صوم الیومین صومۃ واحدۃ وقد استنبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھا حرمۃ الوصال (سعح) معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لئے ہر زمانہ اور ہر موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد و اکد ہوجاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے۔ اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الہی کے احترام میں لذائذ نفس و طبیعت سے اجتناب میں بسر ہوتا ہی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں۔ رمضان میں کہنا چاہیئے کہ حرام تر ہوجاتی ہیں۔ پورے مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہ اسلام کی روحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ غفلت کسی لحہ نہ ہونا چاہیئے۔ سر ڈبلو۔ ٹی۔ آرنلڈ مسلمان نہیں، مسیحی ہیں۔ تاہم جذبۂ انصاف پسندی و حق گوئی سے مجبور ہوکر بیدرد مسیحی معاندین کے جواب میں لکھتے ہیں:۔ ماہ رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اس قدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کردینے سے ہوئی ہے۔ کارلائل کے بہ قول، محمدؐ کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے، طہارت کے ضابطے، عبادت کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اس کی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہوسکتی"۔ (پریچنگ آف اسلام، ص ٤١٢ طبع ثالث) ملاحظہ ہو ضمیمہ، سورۂ بقرہ کے خاتمہ پر ٦٨٣ (اگر کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول اُن سے نہ رکھو) وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ۔ لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے۔ یعنی عمل مجامعت کے علاوہ اُس کے مقدمات و دواعی، بوس و کنار وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہ اللمس والقبلۃ (ابن العربی) لایمس المعتکف امرأتہ ولا یباشرھا ولا یتلذذ منھا بشیء قبلۃ ولا غیرھا (ابن جریر۔ عن مالك بن انس) المراد بالمباشرۃ انما ھو الجماع ودواعیہ من تقبیل ومعانقۃ ونحو ذلك (ابن کثیر) یہ تفسیر حنفیہ و مالکیہ کے مسلک کے مطابق تھی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ چیزیں اعتکاف میں کراہت پیدا کردیتی ہیں، اُسے باطل نہیں کرتیں۔ اما ما دون الجماع من المباشرۃ کالقبلۃ واللمس بالشھوۃ فمکروہ ولا یفسد بہ الاعتکاف عند اکثر اھل العلم وھو اظھر قول الشافعیؒ (معالم) عٰكِفُوْنَ۔ اعتکاف کے لغوی معنی ہیں، اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یا لازم کرلینے کے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادت کے لئے مقید کرلینا۔ ھو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربۃ (راغب) اعتکف فی المسجد۔ ای اقام بہ ولازمہ وحبس نفسہ فیہ (تاج) الاعتکاف فی اللغۃ الملازمۃ وھو فی عرف الشرع ملازمۃ طاعۃ مخصوصۃ فی وقت مخصوص علی شرط مخصوص فی موضع مخصوص (قرطبی) العکوف ھو الاقامۃ علی الشیء والاعتکاف فی الشرع ھو الاقامۃ فی المسجد علی عبادۃ اللہ (معالم) معتکف کے لئے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے سہے، کھائے پیے، سوئے جاگے اور بغیر مادی یا شرعی ضرورت شدید کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ یجب ان لا یخرج الا لما لابد منہ من حاجۃ الانسان وقضاء فرض الجمعۃ (جصاص) لیس للمعتکف ان یخرج من معتکفہ الا لما لابد لہ منہ (قرطبی) مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں۔ البتہ اقل مدت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک لحظہ بھی ہوسکتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہیئے۔ واقل الاعتکاف عند مالك وابی حنیفۃ یوم ولیلۃ وقال الشافعی اقلہ لحظۃ ولا حد لاکثرہ (قرطبی) ھو غیر مقدر عند الشافعی واقلہ لحظۃ وقال مالك وابو حنیفۃ ھو مقدر بیوم ولیلۃ (ابن نصری) فِی الْمَسٰجِدِ۔ اس سے استنباط کیا گیا ہے کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیئے۔ اجمع العلماء علی ان الاعتکاف لا یکون الا فی مسجد (قرطبی) البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے

یعنی جتنے روزے قضا ہوجائیں اُن کی تکمیل کرلو، تو پُورا پُورا اجر روزوں کی ادائی ہی کا مل جائیگا۔ وَلِتُكْمِلُوا - یہ نحوی حیثیت سے ماتحت میں یُرِیْدُ اللّٰهُ کے ہے اور عطف لِلْيُسْرِ پر ہے۔ یجوزان یعطف علی الیسر ای ویرید بکم لتکملوا (بیضاوی) ۶٦٨ وَلَعَلَّكُمْ
ہی نفع اور فلاح کی) اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پُوری پُوری رعایت۔ ٦٦٩ شکرگزار بن جانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعتِ اسلامی کے
ذریعہ سے کیسے کیسے پُرسہولت طریقے اُسکے نفع اور اجر کے بتادیئے ہیں۔ ٦٧٠ (اے پیغمبر!) عَنِّي - یعنی میرے قرب و بُعد سے متعلق۔ اقریب ربنا فنناجیه ام بعید فنناديه (بیضاوی) گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے
وجود کا اقرار تو بارہا کیا ہے لیکن ذاتِ باری کو انسان سے اسقدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں! إِذَا سَأَلَكَ - اہل لطائف نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قرب و قبول
طلب پر موقوف ہے اور كَ خطاب اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسط آنحضرت صلعم کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔ ٦٧١ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہدیجیے) قَرِيبٌ - قریب باعتبار کمال
علم، یا قریب باعتبار قبول دُعا۔ ای قریب بالاجابة (ابن عباسؓ) قریب بالعلم لا یخفی علی شئ (معالم) ای بالاجابة وقیل بالعلم (قرطبی) علمًا واجابةً لتعالیه عن القرب مکانًا (مدارک) انه تعالیٰ یسمع دعاءهم ویریٰ تضرعهم او المراد من هذا القرب
العلم والحفظ (کبیر) قُرب سے ظاہر ہے کہ قربِ مادی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، قربِ معنوی مراد ہوگا۔ تمثیل لکمال علمه بافعال العباد واقوالهم والاطلاع علی احوالهم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے، یا رمضان
میں اس عموم میں خصوص پیدا ہوجاتا ہے اور یہ قرب با تعلقِ خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بندوں کی تسکین اور تسلی کا کس قدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے! انہیں اپنے خُدا کو ڈھونڈھنے کہیں اور نہیں جانا ہے۔ وہ تو ہم سے قریب ہی، ہم سے متصل
ہی ہے۔ ٦٧٢ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیتِ مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا) عَنِّي، إِنِّي، أُجِيبُ، دَعَانِ - متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ ہے، صیغۂ جمع عمومًا قدرت
عظمت، قوت کا مظہر ہے، اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ آیت کے الفاظ سے دُعا کی ترغیب و تشویق بھی نکل آئی۔ اور اشارہ اس جانب بھی ہو
گیا کہ دُعا بندہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجبِ تقرب ہے۔ ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لیے دُعا کا دروازہ کُھل جاتا ہے یعنی دُعا کی توفیق ہوجاتی ہے، اُسکے لئے رحمت کا بھی دروازہ کُھل جاتا ہے۔
٦٧٣ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي - یعنی میری دعوتِ ایمان و طاعت قبول کریں جس طرح میں اُن کی دُعائے حاجات قبول کرتا ہوں۔ اذا دعوتهم للايمان والطاعة كما انی اجیبهم اذا دعونی لحوائجهم (مدارک) المعنى فليجيبوا الى فيما دعوتهم اليه
من الایمان ای الطاعة والعمل (قرطبی عن مجاہد وغیرہ) حکیمِ مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ اُن میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لئے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی)
وَلْيُؤْمِنُوا بِي - یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایتِ مصالح پر۔ ٦٧٤ (اور اُن پر فلاح دارین کا دروازہ کُھل جائے) لَعَلَّ اُوپر بیان ہوچکا ہے کہ کلامِ الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب
ہوکر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض اُمید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مُراد یہ ہوئی کہ احکامِ الٰہی پر عمل کرنے، اور اُس کے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازہ فلاحِ دارین کا کُھل کر رہے گا۔ ٦٧٥ یہ اجازت شروع میں نہ
تھی۔ ابتداءً روزہ کی حالت میں، رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علیحدگی کا حکم تھا۔ شریعتِ اسلامی رسُول اللہ صلعم کی حیاتِ رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے، رفتہ رفتہ سخت کئے گئے، مثلاً
شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی، اور پھر ہوتے ہوتے اُس کی حُرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اسکے برعکس ہوا ہے یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے کہ پہلے صحبت
رات میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کردی گئی۔ الرَّفَثُ کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں لیکن جب صیغۂ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے تو اس سے مُراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں الرفث الیٰ آیا کرتا ہے۔ عداہ بالی
لانه فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایة من الجماع وعدی بالی لتضمنه معنی الافضاء (راغب) کنّی به عن الجماع (کشاف) والمراد به ههنا المباشرة (ابن جریر) یہیں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمالِ روحانیت و تزکیۂ نفس کے
منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے اور راہِ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں۔ جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ و راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ شریعتِ اسلامی
نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوتِ حرام اور اس کے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفسِ شہوت ——— بھوک پیاس، نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر ہے تو ایک طبعی اور بےضرر خواہش ہے۔ قصدًا اور بلا ضرورتِ
شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھی ہے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک عمل سے روزہ توڑ دیں تو دونوں کی یہی سزا ہے لیکن اگر بیوی رضامند نہ ہو، اور شوہر اُسے اس ہمبستری پر مجبور کرے، تو بیوی
پر گناہ نہیں۔ البتہ خود جبر کا تحقق ہونا چاہیے۔ اُسکے لئے صرف ایک روزہ کی قضا کافی ہے۔ کفارہ کی بنیاد تعمد و تعمّد پر ہے۔ ٦٧٦ (قرب و اتصال کے لحاظ سے۔ یا ایک دوسرے کے پردہ دار اور موجبِ تسکین ہونے کے لحاظ سے) گویا اُردو محاورہ
میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ اِن کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں، اور یہ اُن کے حق میں۔ یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اسکے مختلف جوابات ملتے ہیں بعض نے کہا کہ ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی بناپر
کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست و ملامست کی بناپر۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اُسکے حُسن و خوبی کو اُبھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص
اشارہ اسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی بناپر ظاہر ہے کہ جتنا
موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی، رُوحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دُوسرے سے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس صُورت حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے
کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صُورت میں ظاہر کرے اور ع ناخوش تو خوش بود بر جانِ من کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمالِ اخلاق کی یہی معراج ہے! ——— دونوں کی اخلاقی
تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُرتعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتادیا۔ یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لئے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر
کی گئی! ع کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہوگیا! کون جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کونسا اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہدِ عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے
دفتر کتب و اسفار میں کونسی تعلیم زن و شو کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟ ٦٧٧ یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صحبت کرتے تھے، اور جو حکم ممانعت اب تک تھا اُسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔ ٦٧٨ یعنی
پچھلے گناہوں کو معاف کردیا، اور آیندہ کے لئے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دے دی۔ ٦٧٩ (اپنے معمولی طریقہ پر، جیسے رمضان کے علاوہ دُوسرے زمانوں میں کرتے رہتے تھے) بَاشِرُوهُنَّ امر کا صیغہ ہے
مُراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔ مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے۔ کنایة عن الجماع (قرطبی) کنی به عن الجماع (بیضاوی) ٦٨٠ (بصورت اولاد اور بطورِ میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے) مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ - سے مُراد اولاد، اور اولادِ
صالح ہے۔ عملِ مباشرت اگر صحیح سِن میں اور مناسب وقت پر ہو، بڑی گہری طبعی لذت بھی رکھتا ہے لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا مقصد افزائشِ نسل اور حصولِ اولاد رکھا ہے کہ اُمت کی قوت اور کثرت میں برابر اضافہ ہوتا رہے
اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا زینہ بنتی رہے ——— ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنتی رہتی ہے۔ فرد کی حیات و بقا کا، اور اس کی تقویتِ جسم کا۔ ما قضى الله لكم من ولد صالح (ابن عباسؓ) یعنی الولد قاله اکثر
المفسرین (معالم) اور ابن کثیر نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ جیسے صحابیوں سے لے کر قاضی شریح، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہ اکابر تابعین تک سب کا اجماع نقل کردیا ہے۔
كَتَبَ - "لکھ رکھا ہے" یعنی لوحِ محفوظ میں۔ اپنی مشیتِ تکوینی میں۔ ای فی اللوح المحفوظ (معالم) ای اثبت فی اللوح من الولد (کشاف) وَابْتَغُوا - بعض نے وَابْتَغُوا سے مُراد شبِ قدر کی تلاش اور كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے معنی اسکے اجر و ثواب کے لئے ہیں لیکن
اہلِ تحقیق نے رد کردیا ہے۔ هو قریب من بدع التفاسیر (کشاف) وَابْتَغُوا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلوب افزائشِ نسل ہے، نہ کہ ارادی لاولدی یا عزل۔ قیل هو نهی عن العزل (کشاف) قیل النهی عن العزل (بیضاوی) منعِ حمل اور قطعِ نسل کی جس جدید تحریک کا اسوقت
زور ہے اور جو "ضبطِ تولید" وغیرہ مختلف خوشنما ناموں سے پیش ہورہی ہے، قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کردی اور بتادیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرۃً اور طبعًا نکلتا ہے، اسی کی توقع رکھنا چاہیے اور اسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ عام قاعدہ اور اصلِ عمومی یہی ہے
باقی اجتماع زوجین کے قدرتی نتیجوں کو بلاوجہ خاص و ضرورتِ شدید مصنوعی ذریعوں اور تدبیروں سے روکنا، اور ربڑ وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا مصیبتوں کو دُور کرنا نہیں، جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد و قوم دونوں کو نئے نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے
انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اول تو ابھی تک کوئی پوری طرح حمل روک آلہ دریافت ہی نہیں ہوسکا ہے۔ ابتک کوئی مانعِ حمل ایسا نہیں دریافت ہوسکا ہے جو ہر طرح قابلِ اطمینان ہو یعنی قطعی ہو، بےضرر ہو، اور سادہ ہو (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۶۵۔ طبع چہاردہم)
اور پھر اگر کوئی بےخطا اور حکمی تدبیر دریافت ہو بھی گئی، تو منعِ حمل کی جسمانی مضرتوں کے تدارک کی کیا صُورت ہوگی؟ "یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے، اور اس کے مُضر اثرات مرد و عورت کے اعلیٰ صفات پر مرتب نہ ہوں" (ایضاً صفحہ ۶۵) یہ اگر
مان بھی لیا جائے کہ جلد جلد استقرارِ حمل اور وضعِ حمل سے عورت کی صحت خراب ہوجاتی ہے، تو بھی خود طبِ جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانۂ حمل میں صنفی اعمال سے جو مہلت مل جاتی ہے، نیز وضعِ حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی و توجہ، یہ سب عورت کی صحت کے لئے ضروری
ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کی تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بار بار مشاہدہ میں آچکی ہیں کہ پہلے تو انہوں نے امتناع کی صناعی تدبیریں اختیار کرکے اپنے اعضاءِ تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کردیا اور پھر آگے چل کر جب اولاد
کی خواہش یا ضرورت محسوس کی تو اپنی سابقہ حرکتوں پر پچھتائے ہیں۔ یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ تھیں، باقی متعدد دُوسرے ڈاکٹروں اور انہی میں لیڈی ڈاکٹر بھی ہیں اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فتنہ کی لغویت اور بیہودگی پر اس سے بھی
زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے، اور اسکی طبعی مضرتیں کھول کھول کر دکھائی ہیں خصوصًا عورت کے حق میں۔ بلکہ یورپ کے متعدد ملک تو اس تحریک کے نتائج سے تنگ آکر اور طویل تجربوں کے بعد بالآخر اس پر مجبور ہوئے کہ ماؤں کیلئے انعام قرار دیں اور ہر نئی زچگی پر ایک نیا انعام دیں! جرمنی، اٹلی وغیرہ
سے تو یہ خبریں کئی سال سے آنا شروع ہوگئی تھیں، اور اب رُوس، فرانس وغیرہ سے عین دورانِ جنگ میں آنے لگی ہیں[1]! اور بالآخر بات اُسی کی سچی نکلی اور اُسی کی بلند رہی، جسنے کہا تھا کہ تزوجوا الولود الودود۔ شادیاں کرو زیادہ بچے پیدا کرنیوالی بیویوں سے! ٦٨١ یعنی طلوعِ
صبحِ صادق تک کھانے پینے، اور ہمبستری کی اجازت ہے۔ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ - الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ - فجر کی سفید دھاری کا سیاہ دھاری سے ممتاز ہوجانا کنایہ ہے تاریکیٔ شب کے دُور ہونے اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے یعنی طلوعِ فجر سے۔ ای بیاض النهار من سواد اللیل (راغب) یعنی
بیاض النهار من سواد اللیل (معالم) خود شارعِ اسلام علیہ السلام سے یہی تفسیر مروی ہے۔ هو سواد اللیل وبیاض النهار (بخاری) خط سے یوں بھی کنایہ تنگ سے ہوتا ہے، اور یہاں انہیں خط سے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ شروع میں یہ واقعۃً دھاریاں ہی سی نظر آتی ہیں۔

[1] یہ سطور ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں لکھی جارہی ہیں۔

دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ

دعا کرتا ہے ۶۶۳ پس لوگوں کو چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں ۶۶۴ عجب نہیں

يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

کہ ہدایت پا جائیں ۶۶۵ جائز کر دیا گیا ہے تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی

إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

بیویوں سے مشغول ہونا ۶۶۶ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ

ہو ۶۶۷ اللہ کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے کو خیانت میں مبتلا کرتے رہتے تھے ۶۶۸

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

پس اُس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی، اور تم سے درگزر کر دی ۶۶۹ سواب تم اُن سے ملو ملاؤ ۶۷۰

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا

اور اُسے تلاش کرو، جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۶۷۱ اور کھاؤ اور پیو

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

جب تک کہ تم پر صبح کا سفید خط سیاہ خط سے

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى

نمایاں ہو جائے ۶۷۲ پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا

اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ ۙ فِي

کرو ۶۷۳ اور بیویوں سے اِس حال میں صحبت نہ کرو، جب تم اعتکاف کئے ہو مسجدوں

۶۶۴ فَلْيَصُمْهُ بعض کج فہموں نے خدا معلوم کس قاعدۂ زبان سے اس لفظ کے یہ معنی نکال کر کہ رمضان "میں" یا رمضان کے "اندر" روزے رکھے جائیں۔ یہ حکم لگا دیا ہے کہ صرف تین دن کے روزے بھی کافی ہیں۔ یہ ایجاد بندہ تمام تر گندہ ہے۔ آیت کے صاف و صریح معنی اس مہینہ کو روزہ میں گزارنے کے ہیں اور اُردو میں اس مفہوم کو "مہینہ بھر" میں ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ فیصیر تقدیرہ من شھد جزءًا من اجزاء الشھر فلیصم کل الشھر (کبیر) ای الشھر کلہ (مدارک) شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ قمری مہینہ کا آغاز ہر ۲۹ یا ۳۰ دن کے بعد چاند دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور یہ رنگ اس کی اخلاقی، معاشرتی، تعبدی، جزئی، کلی، ہر تعلیم میں نمایاں ہے۔ طاعتوں اور عبادتوں کے باب میں جہاں اُس نے ایک طرف یہ تاکید رکھی ہے کہ وقت مقرر پر اور زمانہ معین ہی میں ادا ہوں، وہاں یہ نہیں کیا کہ خود اوقات کو یا زمان کی مقداروں کو ماہرین ہیئت و حساب کا محتاج و پابند بنا دیا ہو شمسی تقویم رکھنے والے بیچارے اپنی گھڑی گھنٹہ کے لئے تمام تر دستِ نگر رہتے ہیں ہیئت دانوں اور فلکیات کا حساب کتاب رکھنے والوں کے۔ اور اگر کسی ملک یا قوم کا تمدن ابھی اس درجہ تک نہ پہنچا ہو کہ رصد خانے بن سکے ہوں، دوربینیں ایجاد ہو چکی ہوں، طرح طرح کے آلات سے کام لیا جانے لگا ہو۔ ریاضیات کا طویل و عریض نظام وجود میں آ چکا ہو۔ تو وہاں کے لوگ بیچارے منہ دیکھتے رہ جائیں۔ اسلام تو اس سیدھے سادے فطری حساب کا قائل ہے کہ بغیر کسی آلہ کی مدد کے بغیر ریاضیات اعلیٰ کے توسط کے بس آنکھ سے جب چاند دیکھ لو، روزہ رکھنا شروع کر دو۔ شَهِدَ۔ وسیع معنی میں ہے یعنی جب ماہِ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔ خواہ چاند کو براہِ راست دیکھ کر، خواہ دُوسروں سے رؤیت کی خبر سُن کر، تو بیماروں، مسافروں، معذوروں کو چھوڑ کر، اور سب لوگ روزہ رکھنا شروع کر دیں۔ وشھد من الشھود والترکیب یدل علی الحضور اِمّا ذاتًا او علمًا (روح) اِمّا بالرؤیۃ وامّا بالسماع (کبیر) رؤیتِ ہلال معتبر کہاں کی ہو گی؟ فقہاء نے اس کے جواب میں بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، لیکن صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اسی شہر یا بستی کی یا قرب و جوار کی بستیوں کی سیکڑوں ہزاروں میل دُور سے رؤیتِ ہلال کی خبریں منگانے کا تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے انتظام کرنا، یا کلکتہ کی رؤیت کو ۱۹۰۰ میل دُور بمبئی پر حجت گرداننا شریعتِ اسلامی کی اصل رُوح پر ظلم کرنا ہے اختلاف مطالع ایک صریح مشاہدہ کی چیز ہے۔ اسے کیونکر جھٹلایا جا سکتا ہے۔ وحدت یقینًا ایک بڑی اہم چیز ہے لیکن اسکے لئے یہ زبردستی کی کوشش کرنا طبعی کو غیر طبعی کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ واختلفوا اذا اخبر مخبر عن رؤیۃ بلدۃ فلا یخلو انہ یقرب او یبعد فان قرب فالحکم واحد وان بعد فلاھل کل بلد رؤیتھم روی ھذا عن عکرمۃ والقاسم وسالم وروی عن ابن عباس وبہ قال اسحٰق والیہ اشار البخاری حیث بوّب لاھل کل بلد رؤیتھم (قرطبی) اسی تفسیر قرطبی میں ایک روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے اس مضمون کی درج ہے کہ ایک بار رمضان کے سلسلہ میں شام کی رؤیت کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ دونوں جگہ کی تاریخوں میں فرق نکلا۔ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی نے حدیثِ نبوی کا حوالہ دیکر فتویٰ دیا کہ ہم تو یہیں کی رؤیت کا اعتبار کریں گے۔ اس کے بعد امام قرطبی لکھتے ہیں۔ قال علماؤنا قول ابن عباس ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمۃ تصریح برفع ذلک الی النبی صلعم وبامرہ فھو حجۃ علی ان البلاد اذا تباعدت کتباعد الشام من الحجاز فالواجب علی اھل کل بلد ان تعمل علی رؤیتہ دون رؤیۃ غیرہ۔ امام مسلم کا شمار فقہاء محدثین میں ہے۔ انہوں نے اپنی صحیح کی کتاب الصیام کے ایک باب کا عنوان یہی قرار دیا ہے۔ باب بیان ان لکل بلد رؤیتھم وانھم اذا راؤا الھلال ببلد لا یثبت حکمہ لما بعُد عنھم، یعنی باب اس بیان میں کہ ہر شہر کے لئے رؤیت وہیں کی معتبر ہے۔ اور اس میں کہ جس بستی میں چاند دکھائی دے، وہاں سے دُور کی بستیوں پر وہاں کا حکم عائد نہ ہو گا۔ اور باب کے تحت میں وہی حدیث لائے ہیں جو قرطبی کے حوالہ سے اُوپر گزر چکی۔ اور اس حدیث کو محدث ابن منذر اور امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔ وحکاہ ابن المنذر عن عکرمۃ والقاسم وسالم واسحٰق وحکاہ الترمذی (فتح الباری) اور نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ

والصحیح عند اصحابنا ان الرؤیۃ لا تعم الناس بل تختص بمن قرب علی مسافۃ لا تقصر فیھا الصلٰوۃ وقیل ان اتفق المطلع لزمھم وقیل ان اتفق الاقلیم والا فلا۔

صحیح مسئلہ ہمارے علماء کے یہاں یہ ہے کہ رؤیت سارے انسانوں پر حجت نہیں بلکہ صرف اتنی مسافت والوں پر ہے جہاں تک نماز قصر نہ کی جائے۔ اور ایک قول ہے کہ جہاں تک مطلع متحد ہو، اور ایک قول ہے کہ ایک اقلیم کے حدود کے اندر اور اُس کے آگے نہیں۔

اور پھر اُس کے آگے یہ لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے غیر رؤیت پر بے اعتباری نہیں کی، بلکہ

انما ردہ لان الرؤیۃ لا یثبت حکمھا فی حق البعید۔

اُنہوں نے اس پر عمل کرنے سے اسلئے انکار کیا کہ رؤیت کا حکم دُور دراز مقامات پر صادق نہیں آتا۔

اور فقیہ قاضی ابن رشد مالکی نے اِس حدیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ ہر بستی کیلئے وہیں کی رؤیت معتبر ہے، چاہے بستیاں آس پاس کی ہوں یا دُور کی۔ فظاھر ھذا الاثر یقتضی ان لکل بلد رؤیتہ قرب او بعُد (بدایۃ المجتہد) مالکیہ کا مذہب مشہور تو یہ ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت سب جگہ کیلئے کافی ہو گی لیکن ابن عبدالبر نے اجماع اس کے برخلاف نقل کیا ہے یعنی ایسے دُور دراز ممالک جیسے خراسان اور اسپین ہیں، ان میں سے ایک کے ہاں کا اعتبار دُوسری جگہ نہیں کیا جائیگا۔ لکن حکا ابن عبد البر الاجماع علی خلافہ وقال اجمعوا علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فی ما بعد من البلاد کخراسان والاندلس (فتح الباری) وحکی ابو عمر الاجماع علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فی ما بعد من البلدان کالاندلس و خراسان؛ قال ولکل بلد رؤیتھم الا ما کان کالمصر الکبیر وما تقاربت اقطارہ من بلدان المسلمین (قرطبی) وروی المدنیون عن مالک ان الرؤیۃ لا تلزم بالخبر عند غیر اھل البلد الذی وقعت فیہ الرؤیۃ الا ان یکون الامام یحمل الناس علی ذلک وبہ قال ابن الماجشون والمغیرۃ من اصحاب مالک واجمعوا علی انہ لا یراعی ذلک فی البلدان النائیۃ کالاندلس والحجاز (بدایۃ المجتہد) واختلف فی تاویل قول ابن عباس ھذا فقیل ردہ لانہ خبر واحد وقیل ردہ لان الاقطار مختلفۃ فی المطالع وھو الصحیح (ابن عربی) الشَّهْرَ کوئی ملک اس دُنیا کے پردہ پر اگر ایسا آباد ہے کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، اور وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رؤیت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ——— قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شھد الشھر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی! بطور تطوع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دُنیا کے اور سارے کاروبار کے لئے وہاں اوقات کا جو معیار ہو، اسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ **۶۶۵** ابتدا میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں قضا کر سکتے ہیں، جب آیت مَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی، اس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔ اور رمضان کے روزے اُن کے لئے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہو گئے لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لئے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو مَن كَانَ مَرِيضًا الخ کو ایک بار پھر اسی لئے دوہرا دیا گیا کہ مَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی تعلیم سے کوئی یہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی۔ اسلئے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے حقیقی اور معنوی نہیں۔ کرر لئلا یتوھم نسخہ تعمیم من شھد (مدارک) مخصصًا لان المسافر والمریض ممن شھد الشھر ولعل تکریرہ لذلک لئلا یتوھم نسخہ (بیضاوی) **۶۶۶** چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام و قوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کے لئے کتنی گنجائش کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔ حدیث نبوی میں جو آیا ہے۔ دین اللہ یسر وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے، تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملیگا جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جگہ، موسم اور دُوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو، اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تہہ میں بھی بہتیری حقیقت پائی جائیگی کہ دراصل اُمت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔ اُمت اسلامی کے فخر و سرخروئی کیلئے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تعمیل میں بھی وہ آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مخالف فضا و ماحول کے باوجود اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔ سرولیم میور لکھتے ہیں: "روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں پڑیں، اور آج تک مشرق کے میدانوں میں جلجلاتی ہوئی دھوپ اور جھلساتی ہوئی موسم گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں محمدؐ کے پیرو صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے۔ اتنی سخت ریاضت، قوتِ ایمانی اور ضبط نفس کا پورا امتحان ہے۔" (لائف آف محمدؐ، ص ۱۹۳) **۶۶۷** (یعنی ایام قضا کی)

لَهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو ۶۶۱ تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو ۶۶۰

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى

ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے ۶۶۲ وہ لوگوں کے لئے ہدایت

لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

ہے ۶۶۳ اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کے ۶۶۴ سو

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ

تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے، لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے ۶۶۵ اور جو کوئی بیمار

مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ

ہو یا سفر میں ہو، تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے) ۶۶۶

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ

اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا ۶۶۷

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا ھَدٰىكُمْ

اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو ۶۶۸ اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو، اس پر کہ تمہیں ہدایت دی ۶۶۹

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ

عجب نہیں کہ تم شکرگزار بن جاؤ ۶۷۰ اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب

عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا

میں دریافت کریں ۶۷۱، تو میں تو قریب ہی ہوں ۶۷۲ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے

یخاف من الصوم زیادۃ مرض (مدارک) قال ابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد اذا خاف ان تزداد عینہ وجعًا او حمۃ شدۃ افطر (جصاص) فثبت اتفاق الفقہاء ان الرخصۃ فی الافطار للمریض موقوفۃ علی زیادۃ المرض بالصوم وانہ مالم یخش الضرر فعلیہ ان یصوم (جصاص) بیماری کی کوئی متعین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرسکتا ہے **۶۵۴** سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ وقد اتفقوا علی ان للسفر المبیح للافطار مقدارًا معلومًا فی الشرع (جصاص)۔ لیکن خود ان اندازوں میں اختلاف صحابہؓ کے زمانہ سے ابتک چلا آرہا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ صحابیوں اور فقیہ ثوریؒ کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن کے مسافت والے سفر پر ہوتا ہے۔ قال ابن عمر وابن عباس والثوری الفطر فی سفر ثلثۃ ایام (قرطبی) حنفیہ کے ہاں بھی فتوے تین ہی دن کی مقدار سفر پر ہے۔ گو دوسرے ائمہ کے یہاں دو روز بلکہ ایک روز کے سفر پر بھی افطار جائز ہے۔ فقال اصحابنا مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا وقال اٰخرون یومین وقال اٰخرون مسیرۃ یوم (جصاص) فقال مالک والشافعی اقل السفر یوم ولیلۃ وقال ابوحنیفۃ اقلہ ثلاثۃ ایام (ابن العربی) **۶۵۵** (اگر اس بیماری یا سفر کے دوران میں روزے چھوٹ گئے ہوں) یہ حکم نہیں، اجازت ہے۔ اور مقصود معذوروں کے لئے گنجائش ہے بجز اگر کوئی ایسی بیماری یا ایسا سفر ہو جس میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کی نوبت آئی جاتی ہو، تو اس حالت میں ترک صوم جائز ہی نہیں، واجب ہو جاتا ہے اور زیادہ تکلیف کی حالت میں ترک صوم ہی بہتر سمجھا گیا ہے **۶۵۶** یطیقونہ' میں ضمیر صوم کی طرف ہے یعنی روزہ رکھنے کو رکھ تو ڈالیں لیکن روزہ کا تحمل انہیں مشکل ہی سے ہو سکے مشقت بہت زائد اٹھانی پڑے۔ مثلاً زیادہ بوڑھے اشخاص، یا حاملہ اور مرضعہ عورتیں۔ طاقۃ اور وسعۃ ان دو لفظوں میں اہلِ لغت نے فرق کیا ہے۔ وسعت تو گویا امکان کے مرادف ہے، اور طاقت میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ کام، کرنے والے کی قدرت میں تو ہو لیکن اُسکے کرنے میں مشقت بہت زاید پڑے۔ کام تو ہو جائے، لیکن بہ مشکل ہو۔ ھو اسم لمقدار ما یمکن ان یفعلہ بمشقۃ منہ (تاج) الطاقۃ اسم لمقدار ما یمکن للانسان ان یفعلہ بمشقۃ (راغب) الوسع فوق الطاقۃ فالوسع اسم لمن کان قادرًا علی الشیٔ علی وجہ السھولۃ واما الطاقۃ فھو اسم لمن کان قادرًا علی الشیٔ مع الشدۃ والمشقۃ (کبیر) اور یہاں طاقۃ کا مادّہ استعمال ہوا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جو تکلیف کے ساتھ روزہ رکھ سکیں، مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں، حاملہ اور مرضعہ۔ اسے یصومونہ جھدھم وطاقتھم ومبلغ وسعھم (کشاف) الذین یقدرون علی الصوم مع الشدۃ والمشقۃ (کبیر) فیصیر المعنی وعلی الذین یصومونہ مع الشدۃ والمشقۃ فیشمل نحو الحبلی والمرضع (روح) یکلفونہ او یتکلفونہ علی جھد منھم وعسر وھم الشیوخ والعجائز (کشاف) اور ابن عباسؓ کی قرأت میں تو یطوقونہ' ہے، جو صاف مرادف یکلفونہ' کا ہے۔ ومشہور قراءۃ ابن عباس یطوقونہ بفتح الطاء وتشدید الواو بمعنی یکلفونہ (قرطبی) تابعین بلکہ صحابیوں کی متعدد روایتوں میں اس سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں ہی لی گئی ہیں، اور متعدد مفسرو نے بھی یہی سمجھا ہے اور آیت کے منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ ھو الشیخ والشیخۃ (ابن جریر عن علی) نزلت ھذہ الاٰیۃ فی حق الشیخ الھرم (کبیر) قال ابن عباسؓ لیست منسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما (ابن کثیر عن عطاء) فسر ابن عباس ان کان الاسناد عنہ صحیحًا یطیقونہ بیطیقونہ ویتکلفونہ (قرطبی) روی ابو داؤد عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونہ قال اثبتت للحبلی والمرضع (قرطبی) وخرج الدارقطنی عنہ ایضًا قال رخص للشیخ الکبیر ان یفطر ویطعم عن کل یوم مسکینًا ولا قضاء علیہ۔ ھذا اسناد صحیح (قرطبی) وروی عنہ ایضًا انہ قال وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام لیست بمنسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعما مکان کل یوم مسکینًا وھذا صحیح (قرطبی) وحکم ھؤلاء الافطار والفدیۃ وھو علی ھذا الوجہ ثابت غیر منسوخ (کشاف) مفسر قرطبی کا فیصلہ اس باب میں قول فیصل ہے:۔ فقد ثبت بالاسانید الصحاح عن ابن عباسؓ ان الاٰیۃ لیست بمنسوخۃ وانھا محکمۃ فی حق من ذکر۔ **۶۵۷** یعنی جن بوڑھوں، بوڑھیوں، ناتوانوں کے لئے روزہ رکھنا بہت تعب کا باعث ہو، انہیں اختیار ہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک غریب کو روزانہ کھانا کھلا دیا کریں۔ اور کھانے کا معیار وہ ہو جو خود اُن کا اوسطاً رہتا ہے۔ مختلف فقہاء سے مختلف مقداریں منقول ہیں۔ **۶۵۸** (اسی ادائے فدیہ کے باب میں) یعنی اسقدر مقدار تو بہرحال واجب ہے اب اگر اس میں کوئی اُو زیادتی کرنا چاہے، یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھلائے، کھانے کی تعداد بڑھا دے، کھانے کی قسم بہتر کر دے، فدیہ کے ساتھ روزہ کو بھی جمع کر لے تو اور بہتر ہے۔ خیر، خیرات، فیاضی، وسیرچشمی، حسن سلوک، حسنِ معاشرت کی تاکید تو اسلام میں ہمیشہ اور ہر حال کیلئے موجود ہے لیکن رمضان کے ماہِ مبارک میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ چنانچہ ماہِ مبارک کے ختم پر یا ختم سے ذرا قبل جو صدقۂ فطر واجب بنایا گیا ہے۔ کہ آس پاس کا کوئی کلمہ گو بھوکا نہ رہنے پائے وہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ رسول اللہ صلعم فیاضی، سخاوت، جود و کرم میں اپنی نظیر آپ تھے، تاہم متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں آپ کا جوش کرم اور بڑھ جاتا تھا، اور آپ فیاض سے فیاض تر ہو جاتے تھے۔ **۶۵۹** (کہ صوم رمضان کی کیا کیا برکتیں اور فضیلتیں ہیں اور اس کے کیا کیا منافع و مصالح ہیں) **۶۶۰** (اگرچہ معقول عذر روزہ کو قضا کر دینے اور اسکے بجائے فدیہ دینے کے موجود ہوں) اس میں ترغیب اور تشویق ہے کہ روزہ رکھنے کے جو منافع و مصالح ہیں، وہ تو روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوں گے، ہاں معذوروں کیلئے گنجائش فدیہ کی بھی رکھ دی گئی ہے **۶۶۱** یعنی اُترنا شروع ہوا۔ اے ابتدی فیہ انزالہ (مدارک۔ بیضاوی۔ روح) بدی بانزالہ فیہ علی رسول اللہ (بحر) کُل قرآن مجید کا نزول تو بڑی تدریج کے ساتھ کوئی ۲۱-۲۲ سال کی مدت میں ہوا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کی ابتدا ماہِ رمضان میں ہوئی۔ وحی قرآنی کی سب سے پہلی آیتیں سورۃ العلق کا ابتدائی حصہ ہے، اور وہ غارِ حرا میں رسول اللہ صلعم پر اسی مہینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (سنہ نبوی) بہت سے مفسر اس جانب بھی گئے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول آسمانِ دنیا پر اسی مہینہ میں ہوا اور پھر وہاں سے فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل کے توسط سے بتدریج رسول اللہ صلعم پر ہوتا رہا۔ القراٰن جس طرح ارض کا اطلاق سارے روئے زمین پر بھی ہوتا ہے اور زمین کے ہر ہر ٹکڑے پر بھی۔ اسی طرح قرآن کا اطلاق ۳۰ پاروں والی مکمل کتاب پر بھی ہوتا ہے اور اسکے ہر ہر جزو پر بھی۔ رمضان۔ سنہ قمری اسلامی کے نویں مہینہ کا نام ہے۔ شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے۔ قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں ادل بدل کر آتے رہتے ہیں مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک و تر ہر ہر موسم میں بھوک اور پیاس کے ضبط و تحمل کا خوگر ہو جاتا ہے۔ روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر ہی دی ہے، زمانہ بھی ایک متعین و مقرر ہے۔ یہ نہیں کہ محض تعداد جس کا جب جی چاہے پوری کرے۔ انفرادی اصلاح تو شاید ان حسب مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع و مصالح کے لئے تعداد کی طرح تعیین بھی ناگزیر تھی۔ وحدت اُمت کیلئے لازمی تھا کہ عرب و چین، مصر و ہندوستان طرابلس و جاپان، حبش و آسٹریلیا، افغانستان اور کناڈا، سائبیریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں روحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہو ۔۔۔۔ علم الاجتماع کے مبصرین جانتے ہیں کہ وحدتِ امت و تنظیمِ ملت میں کتنا زیادہ دخل اس اہم وقتی یا دقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے۔ قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحبِ نظر پر بالکل روشن ہے' اہلِ سنت اسی لئے قرآن مجید کے اس نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ بھر راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں۔ **۶۶۲** یعنی اس میں خفا و التباس کسی قسم کا نہیں، اور اسکے سارے ہدایات و احکام لوگوں ہی کے نفع کے لئے ہیں۔ للناس سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے محض قریش یا عرب نہیں۔ **۶۶۳** قرآن مجید ایک کتابِ محکم ہے نہ صرف دلالتِ احکام میں وضاحت کامل کی بناء پر، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اسکے دلائل حق کو باطل سے واضح اور نمایاں طور پر ممتاز کر دینے والے ہیں؛

لو موص فلا علیہ شئی ء (قرطبی) بِالْمَعْرُوْفِ ۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر عقل کی رعایت سے ۔ حاجت کا لحاظ کرکے حُسنِ معاشرت و حُسنِ معاملت دونوں قسم کے احکام کے موقع پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ متقین سے یہاں مُراد مؤمنین ہیں۔ اُن کے وصف تقویٰ کا ذکر کرکے مُراد خود اُنہی سے لی گئی ہے ۔ مراد بالمتقین المومنین وھم الذین اتقوا الکفر (بحر) والمراد بالمتقین المؤمنون (روح) ۶۴۳ ؎ یعنی حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں۔ بَدَّلَهٗ اور سَمِعَهٗ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے ۔ والضمیر فی بدلہ یرجع الی الایصاء وکذلک الضمیر فی سمعہ (قرطبی) یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اُس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کردیں جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور، قصور تو بس اُنہی جھوٹے گواہوں کا ہے ۔ ۶۴۴ ؎ سَمِيْعٌ ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی ۔ عَلِيْمٌ ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور و بے بس ہوتا ہے ۔ ۶۴۵ ؎ (اور وہ اس بنا پر ازراہِ خلوص و خیرخواہی وصیت میں تبدیل کردے جس سے اُس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہوجائے) خَافَ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مُراد ہیں ۔ اے فمن توقع وعلم وھذا فی کلامھم شائع (کشاف) والخوف والخشیۃ العلم (کبیر) ومعنی خاف توقع وعلم (روح) اے قد ظھر لہ من احوال الموصی ما یغلب معہ علی ظنہ انہ یرید الجور وصرف المیراث عن الوارث (جصاص) جَنَفًا ۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی یا بے ضابطگی کو۔ مُراد ہے سہو یا خطائے فہم سے کوئی زیادتی ۔ الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الجنف الخطاء من حیث لا یعلم بہ (کبیر) میلاً عن الحق بالخطاء (کشاف) اِثْمًا ۔ یعنی دانستہ غلطی کھلی ہوئی حق تلفی جس پر گناہ کا اطلاق ہوسکے ۔ الاثم العمد (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الاثم ھو العمد (کبیر) ۶۴۶ ؎ (مضمونِ وصیت میں ترمیم کرکے، اور وارثوں کی حق تلفیوں کو دُور کرکے)

يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ

اُسے بدل ڈالیں ؎۶۴۳ بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے ؎۶۴۴ البتہ جس کسی

خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ

کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہوجائے ؎۶۴۵ پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں

فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؒ﴿۱۸۲﴾

صلح کرادے ؎۶۴۶ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ؎۶۴۷ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے ؎۶۴۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے ایمان والو، تم پر روزے ؎۶۴۹ فرض کئے گئے

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

جیسا کہ اُن لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں ؎۶۵۰ عجب نہیں

تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ

کہ تم متقی بن جاؤ ؎۶۵۱ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) ؎۶۵۲ پھر تم میں سے جو شخص

مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

بیمار ہو ؎۶۵۳ یا سفر میں ہو ؎۶۵۴ اُس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ

(لازم ہے) ؎۶۵۵ اور جو لوگ اُسے مشکل سے برداشت کرسکیں ؎۶۵۶ اُنکے ذمہ

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے ؎۶۵۷ اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے ؎۶۵۸ اُس کے حق میں

۲۲ ع ۶

بَيْنَهُمْ میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے ۔ اے بین الموصی لھم (روح) الکنایۃ عن الورثۃ (قرطبی)۔ یعنی وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدۂ شرعی ہے اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوعِ نزاع یا احتمالِ نزاع ہی دیکھ کر مضمونِ وصیت میں ایسی ترمیم کردے جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہوجائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہوجائے۔ بعض فقہاء نے اس حکم کے ماتحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہانِ وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں، اُمت کا ہر فرد اس پر عمل کرسکتا ہے ۔ فمن خاف من سائر الناس من موص میلاً عن الحق وعدولاً الی الجور فالواجب علیہ ارشادہ الی العدل والصلاح (جصاص) الخطاب لجمیع المسلمین (ابن العربی) اس لئے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری اُمت پر فرض ہے ۔ ولا یختص بذلک الشاھد والوصی والحاکم دون سائر الناس لان ذلک من باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (جصاص) لان اصلاح الفساد فرض علی الکفایۃ (ابن العربی) فقہاء نے اس آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ غلبۂ ظن کے بعد رائے وعمل کا اجتہاد جائز ہوجاتا ہے اسلئے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم و زیادتی کا اندیشہ تو ظنِ غالب ہی کے حکم میں رہیگا ۔ وفیھا الدلالۃ علی جواز اجتھاد الرای والعمل علی غالب الظن لان الخوف من المیل یکون فی غالب ظن الخائف (جصاص) وفی ھذا دلیل علی الحکم بالظن (ابن العربی) ۶۴۷ ؎ (اس تبدیل و ترمیم مضمون وصیت کے باب میں) بلکہ وہ تو اور مستحق اجر و ثواب کا ہوگا ۔ لانہ تبدیل باطل الی حق (مدارک) ۶۴۸ ؎ اللہ تو گنہگاروں تک کے حق میں غفور و رحیم ہے ۔ چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار ہے بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے ۔ غَفُوْرٌ ۔ یعنی گناہوں کا بخشنے والا ۔ رَحِيْمٌ ۔ یعنی خطاکاروں کے حال پر رحم کرنے والا ۔ ۶۴۹ ؎ صیام جمع ہے صوم کی ۔ صوم یا روزہ اصطلاحِ شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک اپنے کو کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے روکے رہے ۔ جو روزے فرض ہیں وہ ماہِ رمضان کے ہیں ۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں ۔ جدید و قدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دُور کرنے کا بہترین علاج اور جسمِ انسانی کیلئے ایک بہترین مُصلح ہے پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبطِ نفس کی رُوح جو ساری اُمت میں تازہ ہوجاتی ہے، اُسکے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے ۔ ۶۵۰ ؎ روزہ کسی نہ کسی صُورت میں تو دُنیا کے تقریباً ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع چاردہم کی جلد ۹ ص ۱۰۶ اور جلد ۱۰ ص ۱۹۳ سے ظاہر ہے لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں ۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے اسکی اصل مُراد اہلِ کتاب ہی سے ہوسکتی ہے ۔ چنانچہ روزہ شریعتِ مُوسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے ۔ مذاہبِ عالم سے اِتنی گہری واقفیت، کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزوِ مذہب ہونے کی خبر دے دی، ڈاک اور ریل کے زمانہ سے صدیوں قبل اور اخبارات اور کتبخانوں کے دَور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دُور اُفتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک اُمّی کیلئے کسی طرح ممکن نہیں ——— بجُز وحیِ الٰہی کے توسط کے ۔ ۶۵۱ ؎ روزہ تعمیلِ ارشادِ خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیتِ جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے، اشخاص کے انفرادی اور اُمت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض و غایت کی تصریح ہوگئی کہ اس سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور اُمت و افراد کو متقی بنانا ہے ۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے جس طرح مُضر غذاؤں اور مُضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اور مادی لذتوں سے لُطف و انبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے ۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے خُونِ صالح پیدا ہونے لگتا ہے ۔ اِسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کرلینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحتِ رُوحانی و حیاتِ اخلاقی کے حق میں مُضر ہیں، اُن سے بچے رہنے سے) عالمِ آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لُطف اُٹھانے کی صلاحیت و استعداد انسان میں پُوری طرح پیدا ہوکر رہتی ہے ۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دُوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے اور خیر مشرک قوموں کے ناقص، ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں، یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو ۔ یہود کی قاموسِ اعظم جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے :- "قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامتِ ماتم کے رکھا جاتا تھا، اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبولِ الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا" (جلد ۵۔ ص ۳۴۷) اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد و ارادہ سے ایک مدت معین تک کیلئے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا ۔ اور اس سے ایک طرف طبی اور جسمانی، دُوسری طرف رُوحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، فرد اور اُمت دونوں کو، اُنکی تفصیل کی گنجائش تو یہاں بہرحال نہیں ۔ البتہ سُورۃ کے آخر میں بطورِ ضمیمہ اس نامہ سیاہ کی بعض اور تحریریں پرچہ صدق اور سچ سے نقل کرکے درج کی جاتی ہیں ۔ ۶۵۲ ؎ یعنی ان فرض روزوں کی ایک متعین تعداد ہے جیسا کہ ڈسپلن (تنظیم) یا باقاعدگی، کا اقتضاء ہے ۔ یہ نہیں کہ جب جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لئے رکھ ڈالے ۔ وحدتِ اُمت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ، متعین حدود کے ساتھ ساری اُمت کیلئے مقرر ہو ضمناً یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں ۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ ۔ چھ مہینے بلکہ تین مہینے بھی نہیں ۔ سال بھر میں کُل ۲۹ یا ۳۰ دن ۔ ۶۵۳ ؎ (اور بیماری کے باعث روزہ اُس پر شاق ہو) ۔ بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں ۔ بیماری بہت شدید بھی ہوسکتی ہے اور بہت خفیف برائے نام بھی ہوسکتی ہے اور پھر موسم، عمر، جثہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں ۔ یہاں مُراد ایسی بیماری ہے جو روزہ رکھنے میں خلل انداز ہو محض مرض کسی درجہ میں ہونا اجازت ترکِ صوم کے لئے کافی نہیں ۔ اے مریضاً یعسر علیہ الصوم معہ (روح) قال جمھور من العلماء اذا کان بہ مرض یؤلمہ او یخاف تمادیہ او یخاف تزیدہ صح لہ الفطر (قرطبی)

عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ
اُس کے فریق مقابل کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے ۶۳۶ سو مطالبہ معقول (اور نرم) طریق پر کرنا
وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ
چاہیے ۶۳۷، اور مطالبہ کو اُس (فریق) کے پاس خوبی سے پہنچا دینا چاہیے ۶۳۸، یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت
رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ
اور مہربانی ہے ۶۳۹ سو جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اُس کے لئے
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۱۷۸ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ
(آخرت میں) عذاب دردناک ہے ۶۴۰ اور تمہارے لئے اے اہلِ فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے
یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۷۹ كُتِبَ
تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۶۴۱ تم پر فرض
عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ
کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو، بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ
خَیْرَا ۖۚ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ
رہا ہو، تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں معقول طریقہ سے وصیت
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ۱۸۰ؕ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ
کر جائے یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر ۶۴۲ پھر جو کوئی اُسے اُس کے
بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ
سننے کے بعد بدل ڈالے، سو اُس کا گناہ بس اُنہی پر ہوگا جو

منزل

۶۳۶ فمن عُفِیَ لَهٗ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مُراد قاتل یا قاتلین ہی ہو سکتے ہیں۔ یراد بھا القاتل ھذا قول ابن عباس و قتادۃ و مجاھد و جماعۃ من العلماء (قرطبی) من ھو قتل معقولہ (مدارک) مِنْ اَخِیْهِ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ مُدعی یا مُستغیث کی طرف سے۔ لفظ اخیہ کی بلاغت و معنویت اس سیاق میں سر دُھننے کے قابل ہے۔ شدید ہیجان جذبات انتقام و اشتعال پیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لا کر بتا دیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہو جاتا، اخوت اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جاتا، مقتول کا ولی و وارث، قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے۔ والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) یعنی ولی الدم و ذکرہ بلفظ الاخوۃ الثابتۃ بینھما من الجنسیۃ والاسلام لیرق لہ و یعطف علیہ (بیضاوی) والاخ ولی المقتول و ذکر بلفظ الاخوۃ بعثا لہ علی العطف لما بینھما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک) شَیْءٌ۔ لفظ اہم ہے یعنی سزائے واجب کا کچھ حصّہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ کہ تمام تر معاف کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ اُسے ہلکی کوئی سزا دے کر، یا خونبہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصّہ اُسے معاف کر کے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔ رُومیوں کی مشرک قوم میں قتل تمام تر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا۔ قانون دیوانی سے اُسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمام تر رُومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے۔ اسلئے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعتِ اسلامی کی نظر فطرتِ بشری کی گہرائیوں اور مصالحِ اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اُس نے اپنے اصُول قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے۔ دیوانی کا بھی ہے۔ اس جرم سے محض (اسٹیٹ) حکومت اور سوسائٹی ہیئتِ اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ یہ فرد پر بھی اُس کی شخصی حیثیت میں ایک حملہ ہے گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیوٹ۔ اور جب اس کی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لے کر انتہائی سزا سے دستبردار ہو جائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دِیَۃ یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہو سکتی ہے (دیت کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آ رہا ہے) آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) مُلک کی رعایا کا خُون دُوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہو جائے، اور غیر مُلک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دُشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اُس کی پیروی کے صرف "ہرجانہ" (Damages) کی رقم پر کفایت کر لی جائے۔ یہ "ہرجانہ" اُسی خونبہا کے لئے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔ **۶۳۷** (اور خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ، شر و فساد کا موقع نہ نکالنا چاہیے) یعنی مقتول کا فریق، کہ وہی اب مُدعی یا مُستغیث ہوگا۔ خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت، آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اس کے جوش کو نہ بڑھائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی، عین جذبات و اشتعال طبع کے نازک موقعوں پر یہ رکھ رکھاؤ، اتنی احتیاط اور حُسنِ معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعتِ اسلامی کا مخصوص حصّہ ہے۔ **۶۳۸** اب یہ تاکید قاتل یا اُسکے فریق کو ہو رہی ہے اُن ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے بھی چاہیئے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہو چکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت یا پیچیدگی و بدمزگی کے، فریق مقتول یعنے مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہنچا دیں۔ الیہ میں ضمیر فریق مقتول کی جانب ہے۔ والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک) فطرتِ بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل و مقتول ہر ممکن فریق کے مصالح و جذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اِتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی ہی قانون کی شان ہو سکتی ہے۔ **۶۳۹** ذٰلك۔ یعنے یہی حکم جو اُوپر فمن عفی لہ کے اندر مذکور ہو چکا۔ یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک) ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دُوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حُسنِ امتزاج اور اعتدال و توازن کا یہ مکمل قوام اُسی قانون کا حصّہ ہو سکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمتِ مطلق سے نکلا ہو۔ **۶۴۰** (آخرت میں) اعتداد یعنی زیادتی کی صُورتیں بہُت سی ہو سکتی ہیں، مثلاً ایک یہی کہ کسی بیگناہ پر قتل کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کر دیا، اور پھر معافی کے بعد پُورے قصاص کے دَرپے ہو گئے۔ وقس علیٰ ہذا۔ ایسے بیدردوں اور خدا ناترسوں کو صرف خوفِ آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔ **۶۴۱** قانونِ قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے اور ہیئتِ اجتماعی کے نظم و قیام راستی کا بہترین ضامن و کفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیر دستوں پر ستم ڈھاتے رہیں۔ اُمت کے مختلف طبقوں میں ایک دُوسرے کی طرف سے اطمینان و دلجمی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔ اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہیگا، اس قانون کی رُوح اُمت میں سرایت کر جائیگی تو ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائیگا، اور آئین پسندی، باہم صلح و سازگاری، خدمت و معاونت جزوِ زندگی بن جائیگی، اور اُمت دیکھتے ہی دیکھتے اُمت صالحین و ابرار، اُمت عادلہ کہلانے کی مصداق بن جائیگی۔ **۶۴۲** یہ حکم وصیت، آیت میراث کے نزول سے (جس میں حقداروں کے حصّے معین کر کے بتا دیے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔ نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی) اس لئے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اُس آیت متاخر و مابعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔ جائداد کی تقسیم اب آیت میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائداد کے ایک ثُلث کے کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے۔ اور اس کی تصریح بھی اُسی سورۃ النساء کی آیت میراث میں موجود ہے۔ وصیۃ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں اس سے مُراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو وصیت کر جانیوالے کی موت کے بعد قابل عملدرآمد ہوتی ہیں فقہا نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں:۔ (۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجۂ واجب میں ہے مثلاً ادائے زکوٰۃ و کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔ (۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کارِ خیر کیلئے وصیت کر جانا، یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصّہ نہ پہنچ رہا ہو۔ (۳) بعض صرف مُباح ہوتی ہیں۔ جیسے کسی امر جائز کیلئے وصیت کر جانا۔ (۴) اُن کے علاوہ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی تعمیل ممنوع ہے۔ وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائینگی۔ مثلاً کسی کافر حربی کے حق میں، یا کسی فعلِ حرام کے لئے وصیت کر جانا۔ (۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ ان کی تعمیل شرط کے ساتھ معلّق ہوتی ہے مثلاً ترکہ کے ایک ثُلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اس کی تعمیل دُوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔ اَلْوَصِیَّةُ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے اور اسی معنی کا لحاظ کر کے اس کیلئے فعل مذکر (کُتِبَ) لایا گیا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (کُتِبَتْ) آنا چاہیے تھا۔ اور تاء تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیت اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاء تانیث حذف ہو جاتی ہے (قرطبی) خَیْرًا۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے مال طیّب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ (سورۂ بقرہ) یا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ (سورۂ بقرہ) وقس علیٰ ہذا بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخیر ھھنا المال من غیر خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء انما سمی المال ھھنا خیرا تنبیھا علی معنی لطیف وھو ان الذی یحسن الوصیۃ بہ ما کان مجموعا من المال من وجہ المحمود (راغب) ای مالا کما قالہ ابن عباس و مجاھد (روح) ایک گروہ نے لفظِ وجوب سے استناد کر کے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت بہرحال کر جانا چاہیئے۔ دُوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھیرایا ہے۔ امام نخعی کا قول اس باب میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اُسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابُوبکر صدیق وصیت کر گئے تھے لیکن خود رسُول اللہ صلعم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ وقال النخعی مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یوص وقد اوصی ابوبکر فان اوصی فحسن وان

باب ختیار کرکے بھی آسکتے ہیں۔ غرض یہ کہ اوتار معنی حقیقت کے اعتبار سے خدا ہوتا ہے، اور صورت اور ظاہر کے اعتبار سے انسان یا جانور۔ پیمبر اسکے برعکس صرف بشر ہوتا ہے اور ہمیشہ بشر ہی۔ کبھی فوق البشر، کبھی تحت البشر اور ہمرا اسکے کہ صاحب وحی ہوتا ہے اور
اس لئے اخلاق کی پاکیزگی میں بے نظیر، اور جرم و عصیان سے پاک، اور کسی حیثیت سے شکل و صورت میں، چلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، بھوک پیاس میں، غم و مسرت میں، صفات بشری سے ممتاز نہیں ہوتا۔ آیت کے اتنے جزو میں قرآن مجید نے اپنی معجزانہ
بلاغت و ایجاز سے تمام اعتقادی گمراہیوں کی جڑ کاٹ دی، اور سارے مذاہب باطلہ کی تردید کردی۔ اعتقادی گمراہی جب کبھی بھی انسانوں کو گھیرے گی، ہمیشہ ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالکتب اور ایمان بالانبیاء ہی کی کسی نہ کسی
غلطی یا غلط فہمی کی راہ سے آئے گی ۶۲۹ عقائد کی تصحیح ہوچکی، تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتدا شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی جزو میں اس کا بیان ہے۔ علیٰ حبّہٖ۔ اسکی محبت میں ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ اس کی محبت سے مراد اللہ تعالیٰ
کی محبت ہے۔ یعنی یعطون المال علیٰ حب اللہ اے علیٰ طلب مرضاتہ (کبیر) قیل علیٰ حب اللہ (کشاف) قیل الضمیر للہ تعالیٰ (بیضاوی) گویا یہ بتادیا کہ صرف مال فی نفسہٖ ہرگز محمود و مطلوب نہیں، مطلوب و مقصود صرف وہ صرفِ مال ہے جو اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضاجوئی کے لئے
اللہ کے دین کے فروغ کے لئے ہو۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ صرفِ مال، مال کی محبت کے باوجود ہو۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وھو قول الاکثرین اذ راجع الی المال (کبیر) اے مع حب المال والشح بہ کما قال ابن مسعود (کشاف) اس میں
بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی ہے۔ مال و زر کی محبت بدرجۂ قدر اسکے دل میں ہے، خواہشیں اس کی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے، لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے، اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے۔ اپنے شوق کو حکم خداوندی
پر قربان کردیتا ہے۔ وہ عمل اسی پر کرے گا، جو حکم ربانی ہے۔ اور خرچ وہیں کرے گا جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔ ذوی القربیٰ الخ۔ مصارف خیر کی اسلام نے کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں
آگیا ہے۔ مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہورہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہو۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں، اور بھتیجے کو اکّے کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زردار کو سب سے پہلے خبرگیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں
بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبیوں کی کرنا چاہیے۔ اسکے بعد نمبر محلے کے، بستی کے، شہر کے یتیم بچوں، بچیوں کا آتا ہے، جن کا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ اسکے بعد درجہ بدرجہ نمبر امت کے عام مفلسوں، محتاجوں، اور پھر ان مسافروں، راہگیروں
کا آتا ہے جو زادِ راہ سے محروم ہیں۔ اور اس لئے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہوگئے ہیں، اور کوئی ان کے ٹھہرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہورہا ہے۔ اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔ اس پورے معاشی پروگرام
پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے، تو امت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے! ۶۳۰ (قیدیوں اور غلاموں کی) فی الرقاب۔ رقاب، رقبۃ کی جمع ہے۔ لفظی معنی گردن کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں جن کی گردنیں آزاد نہیں،
یا جو بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں۔ یا قیدی، جو کسی جرم فوجداری یا دیوانی کی علت میں گرفتار ہوکر محبوس ہیں۔ الرقبۃ جعل فی التعارف اسما للمالیک کما عبر بالرأس وبالظھر عن المرکوب (راغب) الرقبۃ مجاز عن الشخص (روح) تقدیر کلام یوں ہے، فی تخلیص الرقاب۔ یا فی
فکاک الرقاب۔ گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔ مراد وہی زر معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے۔ یعنی المکاتبین قالہ اکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاساری (معالم) وھم المکاتبون (کبیر) اے فی تخلیصھا بمعاونۃ
المکاتبین او فک الاساری (بیضاوی) اے فی تخلیصھا الرقاب فکاکھا (روح) مصارف خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے آخر میں اس کا بھی اضافہ کردیا۔ اور اب یہ فہرست امت کے اجتماعی نقطۂ نظر سے ہر طرح مکمل ہوگئی ۶۳۱ تصحیح عقائد کی ہوچکی۔ تصحیح
معاملات کی ہوچکی۔ اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔ عبادات بے شمار ہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے۔ یہاں الصلوٰۃ والزکوٰۃ لاکر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کردیا۔ نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہوگئی۔ زکوٰۃ ساری مالی عبادتوں کی۔ اقام
الصلوٰۃ۔ یعنی نمازیں وقت مقرر پر، شرائط و قواعد معلوم کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اٰتی الزکوٰۃ۔ یعنی زکوٰۃ، حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں ۶۳۲ عقائد ہوچکے، معاملات ہوچکے، عبادتیں ہوچکیں، اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔ الموفون بعھدھم۔ فقرہ
ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔ خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو، یا معاہدہ بندوں کا بندوں کے درمیان ہو۔ مومن جھوٹا وعدہ کرنا یا جھوٹا عہد لینا جانتا ہی نہیں۔ اے فی ما بینھم وبین اللہ تعالیٰ وفی ما بینھم وبین الناس (قرطبی) الباسآء۔ مصیبت اور تنگدستی
میں۔ باسآء کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔ اے الشدۃ والفقر (قرطبی) الباسآء فی الاموال کالفقر (بیضاوی عن الازہری) الضرآء بیماری کی تکلیفوں میں۔ ضرآء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔ اے المرض والزمانۃ (قرطبی) الضرآء فی الانفس کالمرض (بیضاوی عن الازہری)
حین الباس۔ یعنی جنگ کے وقت دشمنانِ دین کے مقابلہ میں۔ اے وقت الحروب (قرطبی) اے وقت مجاھدۃ العدو (بیضاوی) ثبات و صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی جھلک دکھانے کے یہی تین خاص موقع ایک مومن کے لئے ہوتے ہیں ۶۳۳
یعنی کمالات حقیقی کے ساتھ موصوف، اور طاعت و پرہیزگاری (بر و تقویٰ) میں پورے اترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اوپر بیان ہوچکیں۔ اس معیار سے جس کو چاہو، جانچ لو، پرکھ لو۔ اے صدقوا فی الدین واتباع الحق وطلب البر (بیضاوی) قرآن مجید کی
ہر آیت بجائے خود معظم، محترم و واجب العمل ہے۔ لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی میں یہاں تک صراحت موجود ہے، کہ من عمل بھٰذہ الاٰیۃ فقد استکمل الایمان (جس نے اس آیت پر عمل کرلیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا) اور محققین کا قول نقل ہوا
ہے، کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اسکے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آگئے ہیں۔ قال علماؤنا ھٰذہ اٰیۃ عظیمۃ من امھات الاحکام لانھا تضمنت ست عشرۃ قاعدۃ الایمان باللہ وباسمہ وصفاتہ والنشر والحشر والمیزان والحوض والشفاعۃ
والجنۃ والنار والملٰئکۃ والکتب المنزلۃ وانھا حق من عند اللہ والنبیین وانفاق المال فی ما یعن من الواجب والمندوب وایصال القرابۃ وترک قطعھم وتفقد الیتیم وعدم اھمالہ والمساکین کذٰلک ومراعاۃ ابن السبیل والسوال وفک الرقاب (قرطبی)
اور بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کرکے کہا ہے کہ آیت اصل و مدار ہے شریعت و طریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لئے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں
احکام کی اطاعت بھی۔ اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں سے ایک ذات شریف پادری وہیری (Wherry) نامی ہوئے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما"۔ سن سفید ڈاڑھی کے بال اسلام کی عداوت ہی میں سفید کئے۔ سیل Sale
کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انہی کے قلم سے ہے۔ اس آیت پر پہونچ کر قدرت ان کے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔ "یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں ہے..... ذات باری پر ایمان، اور نوع انسانی کے ساتھ حسن سلوک، اس کو اس میں واضح طور پر
مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لب لباب عقائد اور اعمال کا آگیا ہے"۔ خیر یہی بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں "بلند" نظر آگئیں ۶۳۴ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو، اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت
رکھتے ہو) اسلام اپنے پیروؤں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے، اور اسے بطور ایک مسلّمہ کے فرض کئے رہتا ہے کہ امت دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل کافروں کے تسلط و اقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضاتِ اوّلین میں گویا داخل
ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظام حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی امت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔ لا اختلاف ان القصاص فی القتل لا یقیمہ الا اولو الامر فرض علیھم النھوض بالقصاص واقامۃ
الحدود وغیر ذٰلک (قرطبی) اتفق ائمۃ الفتویٰ علیٰ انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان لیس للناس ان یقتص بعضھم من بعض (قرطبی) قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کردے۔ بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم،
مہذب و منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ امت کا ایک قانونی و اجتماعی حق ہے۔ اس کے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل و عقد پر عائد ہوتی ہے۔ یٰایھا الذین اٰمنوا میں مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔ قتلیٰ۔ قتل عمد کی سزا یا
کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کرکے کسی آہنی سلاح سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے قتل کرے۔ اما العمد
فما تعمد ضربہ بسلاح او ما یجری مجری السلاح فی تفریق الاجزآء (کافی) السلاح ما یکون لہ قاتلۃ اُعِدّت للقتال (نہایہ) اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے ۶۳۵ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہے
گی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑگیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اس آزاد کی لینے کے بجائے کسی
غلام کی لی جاتی۔ دنیا کی تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (White) کا خون ایک کالے (Negro) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض
قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہونچ کر داد ان فقہاء و مفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنہوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے۔ اے المساواۃ بینھم لا الزیادۃ۔ اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا،
اور اعلان کردیا کہ زندگی ہر مومن کی، امت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جس کا جو قاتل ہوگا، وہی سزا پائے گا۔ القصاص عبارۃ عن المساواۃ۔ والمعنیٰ فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ
من القتلیٰ (مدارک) فقہ حنفی کے دو مسئلے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں:۔ (۱) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلم ہو۔ ہاں کافر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی "اسٹیٹ" کا
بھی، اور اسی لئے تو اسے حربی کہا ہی جاتا ہے، سو اس کے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ قتل عمد میں تو آزاد کے عوض میں آزاد قتل کیا ہی جائے گا، غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائے گا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو
ماری ہی جائے گی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا، اگر وہ قاتل ہے۔ آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرۂ اسلام
سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں:۔ "اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا وہ مار ڈالا جائے گا"۔ (احبار۔ ۲۴: ۱۷) "اور جو انسان کو مار ڈالے، جان سے مارا
جائے"۔ (احبار۔ ۲۴: ۲۱) "توڑنے کے بدلہ توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے"۔ (احبار۔ ۲۴: ۲۰)۔

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پھیر لیا کرو ۶۲۷ بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن اور

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

فرشتوں اور کتاب اور پیمبروں پر ایمان لائے ۶۲۸ اور اس کی محبت میں مال

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ

صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

سائلوں پر ۶۲۹ اور گردنوں کے آزاد کر دینے میں ۶۳۰ اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

ادا کرتے ۶۳۱ اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وعدہ کر چکے ہوں،

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ

اور تنگی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ۶۳۲

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

یہی لوگ ہیں جو سچے اترے، اور یہی لوگ تو متقی ہیں ۶۳۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ

اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے ۶۳۴

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ

آزاد کے بدلہ میں آزاد، اور غلام کے بدلہ میں غلام۔ اور عورت کے بدلہ میں عورت ۶۳۵ ہاں جس کسی کو

بجائے عذاب کے دوچار ہونا پڑے گا۔ ۶۲۴ (اور ناہنجار بندوں نے اُس میں خواہ مخواہ خلط و تلبیس کر دیا) الْکِتٰبَ۔ یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ مراد ہیں تمام کتب آسمانی۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح یا دلائل و شواہد کے ساتھ۔ اے بالصدق وقیل بالحجۃ (قرطبی) ذٰلِكَ یہ اشارہ عذاب کی طرف ہے۔ اے ذٰلک العذاب (بیضاوی) ۶۲۵ (اور اس کے نتائج بھگت کر رہیں گے) اِخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ۔ یعنی خواہ مخواہ اور اپنے اغراض کے لئے اپنی کتاب آسمانی میں جھگڑے نکال کھڑے کیے۔ ورنہ تعلیمات الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ۔ یعنی بھٹک کر حق و صداقت سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں۔ یہ مُراد بھی ہو سکتی ہے کہ یہ غفلت اُن میں اس سے پیدا ہو گئی ہے کہ اللہ کے سچے کلام میں اُنہوں نے از راہ نفسانیت خواہ مخواہ اختلاف کیا اور اس لئے اور زیادہ بھٹک گئے۔ ۶۲۶ (جیسا کہ گمراہ و مشرک قومیں سمجھ رہی ہیں) قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہ آیت بھی اصلاً گمراہ و مشرک قوموں کے رد میں ہے اور اس کا مفہوم پوری طرح جبھی روشن ہوگا، جب اُن کے عقائد باطل کو پیش نظر رکھا جائے۔ الْبِرَّ۔ بِر کے معنی لغت عربی میں بہت وسیع ہیں۔ نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔ اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔ البر التوسع فی فعل الخیر فی اللہ تعالیٰ الثواب من العبد الطاعۃ (راغب) البر الطاعۃ (زجاج) قال بعضھم البر الخیر قال لا اعلم تفسیرًا اجمع منہ لانہ یحیط بجمیع ما قالوا (رح) اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِر کے مفہوم کی بھی وسعت مسلّم ہے۔ البر اسم جامع للطاعات واعمال الخیر المقربۃ الی اللہ تعالیٰ (کبیر) اسم عام لجمیع ما یوجر علیہ الانسان (کبیر) اسم جامع لانواع الخیر والطاعات المقربۃ الی اللہ تعالیٰ (روح) البر کل فعل مرضی (بیضاوی) ۶۲۷ (حالت نماز میں یا عبادت کے وقت) ظہور اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی سمت پرستی تھی۔ یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہو گئی تھی اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت، مثلاً مشرق، مقدس ہے۔ اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صورت خاص کی تردید کر رہا ہے، اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے۔ اور کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اسلئے کہ اُن کی نظر مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی۔ اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لئے کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے، اُس نے نہ صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے اور اُسے قبلہ توجہ ٹھیرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کعبہ مصر و طرابلس و حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے۔ ہندوستان، افغانستان اور چین سے مغرب میں، شام و فلسطین و مدینہ سے جنوب میں، اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں۔ اور بہت سے مقامات سے ان مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں۔ الْمَشْرِقِ۔ سورج دیوتا دنیائے شرک کا معبود اعظم رہا ہے۔ مشرک قوموں نے اس کی پرستش بڑی کثرت سے کی ہے۔ اور یہ چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس لئے عموماً جاہلی قوموں نے مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا، اور عبادت کے لیے مشرق رُخی اختیار کر لی۔ حضرت مسیحؑ کے چند ہی سال بعد جب مسیحیوں میں ایک شخص پولوس نامی آگھسا (جسے ایک دنیا آج سینٹ پال کے نام سے یاد کرتی ہے) اور اُس نے مسیحیت کا رُخ بجائے تجدید موسویت کے ایک مستقل تثلیثی شرک کی طرف پھیر دیا۔ رومی اُس وقت حاکم قوم تھی۔ اور جیسے آج ہندوستان کے ہر شعبہ زندگی میں انگریزیت اور "صاحبیت" کا بول بالا ہے، اُس وقت بھی محکوموں کے دلوں میں رومی مشرکوں ہی کے علوم و فنون، تہذیب و معاشرت، دین و عقائد کا تسلط چھایا ہوا تھا۔ اور رومی مذہب کا ایک جزو آفتاب پرستی بھی تھا۔ پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے دھڑا دھڑ اخذ کر لئے، وہیں یہ مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رُخ کر کے کرنے لگے۔ چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رویہ چلے آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس مشرق رُخی پر زبردست ضرب لگائی، اور بتا دیا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی طاعت یا عبادت نہیں، بلکہ طاعتیں وہ ہیں جن کی تفصیل یہی آیت آگے کر رہی ہے۔ وَالْمَغْرِبِ۔ مشرق پرستی سے تو بہر حال کم اور بہت کم، لیکن پھر بھی بہت کچھ عام اور وسیع وبا مغرب پرستی کی بھی شرک کی دُنیا میں رہ چکی ہے۔ آفتاب کے طلوع و غروب پر قیاس کر کے شرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصدر حیات جس طرح سمت مشرق ہے، اُسی طرح مستقر موت و اجل سمت مغرب ہے، اور یہ بھی مستحق تعظیم و تقدیس ہے۔ نیز ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۴۵۱ و ۴۵۲ پ۱۔ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ یہ دو تو صراحت کے ساتھ صرف مثال کے طور پر لے لئے گئے۔ مقصود تمام سمتوں کی تعمیم ہے، انہی دو سمتوں کی تحدید یا تخصیص نہیں۔ والمراد من ذکر المشرق والمغرب التعمیم لا تعیین السمتین (روح) ۶۲۸ مشرکانہ ذہنیت کی تردید کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصلی طاعت یہ ہے جس کا بیان اب ہو رہا ہے، آیت کے اس جزو میں عقائد کی تصحیح آگئی۔ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ولکن البر بر من۔ طاعت تو اُس کی ہے، جو اللہ پر ایمان لایا الخ والتقدیر لکن البر بر من (قرطبی) فحذف المضاف وھو کثیر فی الکلام وھذا اختیار الفراء والزجاج (قطرب، کبیر) اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اس میں دہریت و الحاد کی جلی و خفی ہر صورت کی تردید آگئی۔ ایمان و طاعت میں داخلہ کا یہی دروازہ ہے، کوئی ایسا نظام یا مسلک (خواہ اس کی بنیادیں نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی) جس میں اللہ کی آیات و صفات پر ایمان کا اہل داخل نہ ہو، طاعت سے کوئی علاقہ بھی نہیں رکھتا۔ مادیت و عقلیت (ریشنلزم)، لاادریت (ایگناسٹی سزم)، بالشویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔ اور بودھ مذہب اور جین مت بھی، اگر اُن کی بابت یہ بیان صحیح ہے کہ اُن میں توحید باری موجود نہیں۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس میں تردید اُن تمام گمراہ قوموں کی آگئی جو وجود باری کی تو قائل تھیں، لیکن اس عقیدہ سے خالی ہیں کہ ایک عالم آخرت بھی ہے، جہاں ایک روز جزائے اعمال کا سامنا کرنا اور زندگی کے ایک ایک معاملہ کا حساب دینا ہے۔ اور تو اور یہود نے اپنی زبردست توحید کے باوجود، عالم آخرت سے اپنا تعلق نہایت درجہ ضعیف کر رکھا تھا۔ جزا و سزا اسی دُنیا میں سمجھنا خواہ قومی و اجتماعی عروج و زوال سے، خواہ بہ قاعدۂ تناسخ مختلف قالبوں میں رُوح کے الٹ پھیر سے، یہ سب انکار آخرت ہی کی شکلیں ہیں۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ۔ فرشتوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُن نورانی اور مجرد مخلوقات کا وجود اللہ کے بندوں اور کارساز مطلق کے قاصدوں، خادموں اور کارندوں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ نہ یہ کہ خود اُنہی کو مستقل قوتوں کی طرح فاعل، عامل، متصرف مان کر ان سے دُعائیں مانگی جائیں، اور اُنہی کو ایک چھوٹے پیمانہ پر حاجت روا قرار دے لیا جائے۔ اس ایمان بالملائکہ سے یونان، روم، ہندوستان، ایران کی ان تمام مشرک قوموں کی تردید ہو گئی، جنہوں نے فرشتوں ہی کے تخیل کو مسخ کر کے کائنات کے مختلف شعبوں کے لئے دیویاں اور دیوتے تجویز کر لئے ہیں۔ وَالْکِتٰبِ۔ کتاب یہاں بطور اسم جنس آیا ہے اس کا اطلاق صحیفۂ آسمانی کے نفس تخیل پر ہوگا۔ کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی ایک تمامتر اسلامی عقیدہ ہے۔ مشرک قومیں تو خیر اس تخیل ہی سے ناآشنا ہیں، کہ اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہوتی ہے۔ "اہل کتاب" تک اب اسلامی اصطلاح کے مطابق کسی "کتاب الٰہی" کے قائل نہیں۔ اُن کے ہاں "کتاب" کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خدا نے ہدایت کے لئے بعض اشخاص کو چن لیا، اور اُن کے قلوب میں کچھ مضامین بطور الہام القا کر دیئے۔ اور ایسا الہام ہر عارف کو ہو سکتا ہے، نبوت اس کی کوئی لازمی شرط نہیں۔ پھر بعد کو ان بزرگوں اور عارفوں نے انہی مضامین و معانی کو اپنے لفظ و عبارت میں مرتب کر کے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنا دیا، پھر اُن سامعین نے اُنہیں اپنے طور پر لکھ لکھا لیا۔ (بجز توریت کی ابتدائی پانچ سورتوں کے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق خود حضرت موسیٰ کی نوشتہ ہیں) ـــــ گویا ان الہامی کتابوں کی حیثیت کل وہ ہے جو ہمارے ہاں بزرگوں کے جمع کئے ہوئے ملفوظات کی ہوتی ہے! کہاں یہ تخیل، اور کہاں مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک وحی شدہ ہے، جس میں خلط اور خطا کا امکان ہی نہیں! اور مسیحی تو جب حضرت مسیحؑ کی رسالت و نبوت ہی کے سرے سے قائل نہیں بلکہ اُن کی الوہیت کے مدعی ہیں تو حضرت کا صاحب کتاب رسول ہونا اُن کے ہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ـــــ کوئی آپ اپنے اوپر بھی بھلا کتاب نازل کیا کرتا ہے؟ وَالنَّبِيّٖنَ۔ یعنی عقیدہ یہ ہو کہ اللہ انسانوں کو پیمبر بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ خود حق تعالیٰ مجسم ہو کر اس دنیا میں آجاتا ہے، یا کسی قالب میں حلول کر آتا ہے۔ اسی عقیدہ میں صاف تردید ہو گئی اوتار پرستی کی مظہر پرستی کی، حلول کی تجسم باری تعالیٰ کی۔ "اوتار" ٹھیک ضد اور مقابل ہے "پیمبر" کے۔ اوتار کا مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات خود کوئی مادی پیکر اختیار کر کے دُنیا میں آجاتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ قالب انسان ہی کا ہو۔ شیو جی یا بشن جی جس طرح رام چندر جی بن کر یا سری کرشن بن کر آ سکتے ہیں، اُسی طرح سانپ بن کر، شیر بن کر، مچھلی یا کچھوے کا

وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

کرنیوالا ہو، اور نہ حد سے نکل جانیوالا ہو تو اُسپر کوئی گناہ نہیں^{٦١٧} بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے^{٦١٨}

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بیشک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اُس کے

وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

معاوضہ میں قلیل قیمت حاصل کرتے ہیں [619، 620] سو ایسے لوگ تو اپنے سینوں میں

بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

بس آگ ہی (آگ) بھرتے ہیں [621] اور اللہ قیامت کے دن اُن سے نہ کلام کرے گا [621]

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اور نہ اُنہیں پاک کریگا [622] اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے یہ وہ لوگ ہیں

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

جنھوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں، اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں،

فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَي النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ

اور یہ لوگ کیسی جیوٹ رکھتے ہیں دوزخ کے لئے [623] اور یہ (سزا) اس لئے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ

کو (بالکل) ٹھیک ٹھیک اُتارا تھا [624] اور بیشک جو لوگ کتاب کے بارے میں اختلاف ڈال رہے ہیں (وہ بڑے)

ع ۲۱ ۹ ۵ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷٦﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ قِبَلَ

دُور دراز کے خلاف میں پڑے ہوئے ہیں [625] طاعت یہ نہیں ہے [626] کہ تم اپنا مُنہ مشرق یا مغرب کی طرف

منزل ۱

حُرمت کہاں لازم آتی ہے۔ فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں، کہ یہ اعتراض اہل عجم کی طرف سے ہوا ہے، جو یہی نہیں جانتے کہ لفظ لحم میں شحم شامل ہے۔ البتہ شحم میں لحم شامل نہیں جس طرح ہر حمد شکر ہے، لیکن ہر شکر حمد نہیں۔ وھم اعاجم لا یعلمون انہ من قال لحما فقد قال شحما ومن قال شحما فلم یقل لحما ان کل شحم لحم ولیس کل لحم شحم (ابن العربی) رہی اسکے جسم کی نجاست، تو جمہور فقہاء اس کے بھی قائل ہیں۔ قال الجمھور العلماء انہ نجس (ابن العربی) البتہ امام مالکؒ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے۔ اس لئے وہ سؤر کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔ قال مالک انہ طاھر وکذلک کل حیوان عندہ لان علۃ الطھارۃ عندہ ھی الحیاۃ (ابن العربی) سؤر کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے۔ البتہ اسکے بالوں سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کا جواز مذکور ہے۔ لاخلاف ان جملۃ الخنزیر محرمۃ الا الشعر فانہ یجوز الخرازۃ بہ وقد روی ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخرازۃ بشعر الخنزیر فقال لا بأس بذلک (قرطبی) امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ و اوزاعیؒ سؤر کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسفؒ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔ وقد اختلف الفقھاء فی جواز الانتفاع بشعر الخنزیر فقال ابو حنیفۃ ومحمد یجوز الانتفاع بہ للخرز وقال الشافعی لا یجوز الانتفاع بشعر الخنزیر (جصاص) فقہی احکام اور شرعی حُرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اُس کی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ قذر الشیء ("وہ چیز گندی ہوگئی") سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اِس جانور کے مثلاً Hog, Swine, Pig, یا اس جانور کے گوشت کے لئے ہیں مثلاً Ham, Pork, Bacon ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔ اور اسکے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح مُعین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سؤر کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پُرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں۔ بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔ آج مسیحی قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت، تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اُس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اس کی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جابجا کئے ہوئے ہیں، اُسے دیکھ کر تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ کراہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اس کی حُرمت اور نجاست دونوں، صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔ "اور سؤر کہ کھُر اس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے" (احبار اور سؤر بھی کہ اس کے کھُر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا۔ اور یہی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم اس کا گوشت نہ کھائیو، نہ اُس کی لاش کو ہاتھ لگائیو" (استثناء۔ ۱۴: ۸) وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ اہلال کے اصلی معنی آواز بلند کرنے، پکار کر دینے، شہرت دے دینے کے ہیں۔ ھو رفع الصوت عند رؤیۃ الھلال ثم یستعمل لکل صوت (راغب) الاھلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بہ طریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لئے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کر لی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اُھل بھا لغیر اللہ عند الذبح (جصاص) "در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بر ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے ست ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد" (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کرائیں گے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے، کہ اس نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر حلال ہو جاتا ہے" (تھانوی)۔ بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کرے گا، تو بھی وہ حرام ہو جائے گا۔ اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالی (درمختار) بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کرے گا، تو مرتد ہو جائے گا، اور اُس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائے گا۔ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (کبیر) [616] یعنی مجبور ہو کر حرام غذا کے استعمال پر۔ ای فمن اضطر الی شیء من ھذہ المحرمات ای الجیء الیھا (قرطبی) اِضطرّ اضطرار۔ ضرورت سے مشتق ہے، اور اسکے باب افتعال سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت اِن حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جا سکتا ہے۔ شدید ضرورت کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں۔ (۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو رہی ہے، یا افلاس کی بنا پر اس تک دسترس نہ ہو، اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔ (۲) یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کر رہا ہو۔ وھذہ الضرورۃ لھا سببان احدھما الجوع الشدید والثانی اذا اکرہ علی تناول ذلک (کبیر) الاضطرار لا یخلو ان یکون باکراہ من ظالم او بجوع فی مخمصۃ والذی علیہ الجمھور من الفقھاء والعلماء فی معنی الآیۃ ھو من صیرہ العدم والغرث وھو الجوع الی ذلک (قرطبی) [617] ان حرام چیزوں کے کھا لینے میں، بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔ بل ربما اثم بترک التناول (روح) اس لئے کہ حفظ نفس تو اولین فرائض میں سے ہے، اور ایسے موقع پر غذا نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے، جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔ ولا خلاف انہ لا یجوز لہ قتل نفسہ بالامساک عن الاکل انہ مامور بالاکل علی وجہ الوجوب (قرطبی) لو ترک الاکل تلف نفسہ فتلک اکبر المعاصی (قرطبی) وقال الطبری لیس الاکل عند الضرورۃ رخصۃ بل ذلک عزیمۃ واجبۃ ولو امتنع من الاکل کان عاصیا (بحر) وقال مسروق بلغنی انہ من اضطر الی المیتۃ فلم یاکل حتی مات دخل النار کانہ اشار الی انہ قاتل نفسہ بترکہ ما اباحہ اللہ لہ (بحر) غَيْرَ بَاغٍ۔ یعنی اس کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو۔ اور وہ محض طالب لذت نہ ہو۔ ضرورت واقعی ہو، یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی ہلکا ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ باغ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک، دُوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔ وَلَا عَادٍ۔ اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بھی بس محض بہ قدر ضرورت کھائے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔ قال الشافعی وابو حنیفۃ واصحابہ لا یاکل المضطر من المیتۃ الا قدر ما یمسک (مقدر کبیر) [618] غفور۔ ایسا مغفرت والا کہ بعض حالات میں جرائم پر بھی مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ اُنہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔ رَحِيْمٌ۔ ایسا شفقت والا کہ تنگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہنچا دیتا ہے [619] یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفاء و کتمان سے ان کا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا۔ [620] یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی اُن کی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی۔ [621] (بہ طریق لطف و ملاطفت) جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو ان کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی ان کی انتہائی بدنصیبی [622] اگناہوں سے: برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے گناہوں سے دُھلا دھلایا اور اپنے کو گرفت سے پاک پائیں گے، وہ بھی گویا بڑے سستے چھوٹ جائیں گے۔ بڑی اور اصلی مصیبت اُن کی ہے، جن میں قیامت کے دن بھی کوئی شائبہ ایمان نہ پایا جائے گا [623] (کہ اس کے لئے تیار ہو گئے، اور یہاں دُنیا میں ایمان و طاعت پر آمادہ نہ ہوئے!) ما۔ کلمہ تعجب ہے کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشتناک نتیجے معلوم ہیں، اس پر بھی یہ شوخ چشمی! مذھب جمھور ھم، حسن مجاھد ان معناہ التعجب (قرطبی) اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى۔ اس کا تعلق اسی دُنیا سے ہے۔ یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو لے لیا اسی دُنیا میں۔ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ۔ اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں مغفرت کے

۶۰۶ یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ۔ قول کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ مَا لَا تعلمون۔ علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی کے نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ فیدخل فی ھذا کل کافر وکل مبتدع ایضًا (ابن کثیر) ویدخل فیہ کل ما اضاف الی اللّٰہ تعالٰی مما لا یجوز علیہ (مدارک) ۶۰۷ ما انزل اللّٰہ۔ یعنی اللہ نے جو کچھ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُتارا ہے۔ مُراد یہ کہ جب ان سے عالمگیر شریعتِ الٰہی کی ماتحتی میں آنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ ۶۰۸ گویا طریق آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی اُن کے نزدیک نہیں۔ اور یہی جمود عین جہالت و ضلالت ہے۔ آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب اُنہیں اتباعِ حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباد اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں ۶۰۹ یعنی نہ فہم دین اور اسکے حقائق و معارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا۔ المراد انھم لا یعلمون شیئًا من الدین (کبیر) لَا یَھْتَدُوْنَ۔ ای لا یھتدون الی الحق (روح) بعض کج رائے فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ قاعدۂ اقتضاء النص اس کا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز نہیں عین جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہلِ علم کی تقلید جائز ہی نہیں بلکہ عین مطلوب ہے! کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور اَن پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور اَن پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی! ۶۱۰ (بے حسی اور نافہمی میں) ذکر داعی حق کی دعوتِ حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسولؐ اور اس کی اُمتِ دعوت کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔ علیٰ حذف مضاف تقدیرہ مثل

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا

جس کا تم علم نہیں رکھتے ہو ۶۰۶ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

اُتارا ہے ۶۰۷ اُس کی پیروی کرو ۶۰۸ تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اُس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا)

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

کو پایا ہے ۶۰۸، خواہ اُن کے باپ (دادا) نہ ذرا عقل بھی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں ۶۰۹

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا

اور جو لوگ کافر ہیں اُن کا حال تو اُس شخص جیسا ہے ۶۱۰ جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ

يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّ ۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ

سُنتا ہی نہیں بجز بُلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی)

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

نہیں سمجھتے ۶۱۱ اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں،

مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

کھاؤ پیو ۶۱۲ اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو ۶۱۳ اگر تم خاص اُسی کی بندگی کرنے والے ہو ۶۱۴

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اُس نے تو تم پر بس مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت، اور جو (جانور) غیر اللہ کے لئے

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے، ۶۱۵ لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے ۶۱۶ اور نہ بے حکمی

داعی الذین کفروا (بیضاوی) ای مثل داعیھم الی الایمان (کشاف) فیہا مضاف محذوف اما من جانب المشبہ او المشبہ بہ (روح) ۶۱۱ یعنی اُس جانور کی طرح جس کے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آ رہے ہیں باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوتِ حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سُن لیتے ہیں لیکن اُس کے معنی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔ مثل الدابۃ تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لہا کذلک الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر عن ابن عباسؓ) صُمٌّ۔ یعنی بہرے ہیں، آوازِ حق کی طرف سے۔ صُمٌّ عن الحق فلا یسمعونہ ولا ینتفعون بہ (ابن جریر عن قتادۃ) بُكْمٌ۔ یعنی اقرارِ حق کے لئے اُن کی زبان گونگی ہے۔ بُکمٌ عن الحق فلا ینطقون بہ (ابن جریر عن قتادۃ) عُمْيٌ۔ یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمی عن الھدی فلا یبصرونہ (ابن جریر عن قتادۃ) اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔ "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ اُن کی آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور اُن کے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں"۔ (یسعیاہ۔ ۴۴: ۱۸) ۶۱۲ یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغۂ امر یہاں بمعنی اجازت ہے، یعنی حکم نہیں۔ کلوا فی ھذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحۃ (کبیر) كُلُوْا۔ یہاں لفظی معنی میں صرف کھانے تک محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آ گیا۔ المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوہ (قرطبی) وکلوا العموم جمیع وجوہ الانتفاع دلالۃ وعبارۃ (روح) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ خطاب اب تک عامۃ الناس سے تھا، حلال و حرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کیلئے، اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ اُن سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال و حرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔ طَيِّبٰتِ۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں شریعتِ خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔ ۶۱۳ (زبان سے بھی اور عمل سے بھی) اشْكُرُوْا۔ شکر اس امر کا کہ اُس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال و طیب۔ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لئے ہے نہ کہ صرف اجازت کے لئے۔ اشکروا للّٰہ امر ولیس باباحۃ (کبیر) ۶۱۴ یعنی اگر اپنے دعویٰ ایمان و اخلاص میں سچے ہو تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اسکے مقرر کئے ہوئے حق ادا کرتے رہو ۶۱۵ یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعتِ الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں، نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔ یہاں تردید تمامتر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں، اُن سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔ لیس المراد من الاٰیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقًا بل مقید بما اعتقدوہ حلالًا (روح) الْمَيْتَةَ۔ میتہ یا مُردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کئے از خود مر جائے، یا ہلاک تو کیا جائے لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔ ھو غیر المذکی اما لانہ لم یذبح اولانہ ذبح ولکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر) وھی کل ما فارقہ الروح من غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک) زندہ جانور کے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مُردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں مُردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ مُردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں کہ یہ بھی تو اُس سے نفع اُٹھانا ہی ہوا۔ درآنحالیکہ قرآن میں مُردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علی وجہ ولا یطعمہا الکلاب والجوارح لان ذلک ضرب من الانتفاع بہا وقد حرم اللّٰہ المیتۃ تحریمًا مطلقًا معلقًا بعینہا (جصاص) لیکن عمل دباغت کے بعد، مُردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مُردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں، یہ مسئلہ احادیث و آثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دُوسرے ائمۂ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قال ابو حنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح وسفیان الثوری وعبد اللّٰہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعہ بعد الدباغ والانتفاع بہ (جصاص) والحجۃ لمن طھرھا وجعلھا ذکاۃ ما ورد عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الاٰثار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلہا یوجب طہارتہا والحکم بذکاتہا (جصاص) اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:۔ ایما اھاب دبغ فقد طھر (عن ابن عباسؓ) دباغ جلود المیتۃ طھورھا (عن زید بن ثابت) ذکاۃ الادیم دباغہ (عن سلمہ بن المحبق) دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رُو سے بغیر ذبح بھی جائز ہیں، ایک مچھلی دُوسرے ٹڈی۔ وقد احلت المیتتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ھذہ الاٰیۃ فلہا التخصیص بقولہ علیہ السلام احلت لنا میتتان الحوت والجراد اخرجہ الدارقطنی (قرطبی) فقیہ مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی بھی جائز ہیں۔ وقال ابو عمر ولا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس وسائر من لا کتاب لہ من الکفار ما لم یکن من ذبائحہم (قرطبی) وَالدَّمَ۔ یعنی خون جاری یا سیّال۔ المراد بالدم الجاری (معالم) یعنی السائل (مدارک) اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے اور فقہا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے وہ اسی قید سفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔ وحمل العلماء ھھنا المطلق علی المقید اجماعًا (ابن العربی) اس پر فقہاء اُمت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اس کا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اُٹھانا جائز ہے۔ اتفق العلماء علی ان الدم حرام نجس لا یؤکل ولا ینتفع بہ (ابن العربی) حدیثِ صحیح کی رُو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی، اور ان کی حلت پر فقہائے اُمت کا اجماع ہے۔ احلت لنا دمان الکبد والطحال اخرجہ الدارقطنی (قرطبی) گو علمانے یہ بھی کہا ہے کہ جگر و طحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس تخصیص و استثنار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ والصحیح انہ لم یخصص وان الکبد والطحال لحم یشھد بذلک العیان الذی لا یعارضہ بیان ولا یفتقر الی برھان (ابن العربی) وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حرمت لحم خنزیر کی آئی ہے لیکن فقہاء اُمت کا اجماع ہے کہ سؤر کا صرف گوشت ہی نہیں، بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس لئے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو اس کے تحت و تابعیت میں جانور کے دُوسرے اجزا بھی آ گئے۔ یعنی الخنزیر بجمیع اجزائہ وخص اللحم لانہ المقصود بالاکل (مدارک) اتفقت الامۃ علی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائہ (ابن العربی) بعض مبتدع فرقوں کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حرمت سے چربی کی

سکے گا، ایک مخصوص و متعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اوپر تیرائے گا، اور اسکے علاوہ وزن والیوں کو ڈبوئے گا۔ اسکے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا، کنوؤں کے پانی سے مختلف دریاؤں کے پانی سے مختلف، اس طرح کے سیکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند ہے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت کے کرکھا ہو؟ بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں یا خاص خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا بخارات کا ایک خاص گرمی پاکر سمندری ذخیرۂ آب سے اٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی پاکر ان دخانی وہوائی اجزا کا منجمد ہو جانا، ان کا بادل کی شکل اختیار کرلینا، ایک خاص درجۂ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا۔ پھر فلاں فلاں فضائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا۔ پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں، ایک متعین مدت کے اندر برس پڑنا، اس سے ازسرنو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے ردوبدل کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی کھلی ہوئی شہادت دے رہے ہیں! پھر حیات نباتی کے علاوہ خود حیات حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے۔ ہر زندہ جسم میں بے شمار ذرّوں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان کی جو ایک مخصوص ترتیب اور متعین ترکیب ہوتی ہے۔ ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے، ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس لعب میں نشر، اسس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے، نظامِ تغذیہ، نظامِ تنفس، نظامِ تناسل، نظامِ عصبی وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بے شمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظامِ اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت، کس کی حکومت کارفرما ہے؟ اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ سنجی سے کام لے گا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ہوتا جائے گا۔ جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطۂ نظر غلط ہوتا ہے، اُس کی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علوم مادّی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کر دیا جائے، تو بجائے الحاد، ارتیاب و تشکک کے عرفان و ایقان ہی کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے، کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے اور یہی اصل ہے مراقبۂ صوفیہ کی۔

جَمِيعًا ۙ وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ إِذْ تَبَرَّأَ

ساری کی ساری، اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے ۵۹۵ (اُس وقت کا خیال کرو) جب

الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ

مقتدا (یا متبوع) اپنے مقتدیوں (یا پیروؤں) سے الگ ہو جائیں گے ۵۹۶ اور اُن کے باہمی تعلقات

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

ٹوٹ کر رہ جائیں گے ۵۹۷ اور پیرو کہنے لگیں گے، ۵۹۸

لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ

کاش ہم کو پھر ایک دفعہ (جانا) مل جاتا ۵۹۹ تو ہم بھی اُن سے الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے الگ

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ

ہو گئے، بس اسی طرح اللہ اُن کے اعمال کو اُنہیں (خالی) ارمان (کرکے) دکھائے گا، ۶۰۰

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

اور وہ دوزخ سے کبھی بھی نہ نکل پائیں گے ۶۰۱ اے انسانو! زمین

كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا

پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اُس میں سے کھاؤ (پیو) ۶۰۲ اور شیطان کے

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾

نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو ۶۰۳ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۶۰۴

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا

وہ تو تمہیں بس برائی اور گندگی ہی کا حکم دیتا ہے ۶۰۵ اور اس کا کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو

ع ۲۰ / ۴

۵۹۰ اَنْدَادًا۔ ندّ کے لفظی معنی کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۱ پ ۱۔ انداد سے مراد عموماً مورتیوں، بتوں، دیوتاؤں سے لی گئی ہے۔ المراد الاوثان والاصنام التی کانوا یعبدونھا (قرطبی) المراد بھا الاصنام کما ھو الشائع فی القرآن والمروی عن قتادۃ ومجاھد واکثر المفسرین (روح) رؤسا، سردار، اور مقتدایانِ قوم بھی مراد لئے گئے ہیں۔ قیل الرؤساء الذی یطیعونھم طاعۃ الارباب من الرجال (روح) انھا السادۃ الذین کانوا یطیعونھم (کبیر عن السدی) تیسرا قول یہ ہے کہ مفہوم ان سب سے وسیع تر ہے اور لفظ کا عموم ہر ایسی چیز کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا قلب پر مسلط ہو جائے۔ اور امام رازیؒ نے اس قول کو صوفیہ اور عارفین کی جانب منسوب کیا ہے۔ القول الثالث قول الصوفیۃ والعارفین وھو ان کل شیء شغلت قلبک سوی اللہ تعالیٰ فقد جعلتہ فی قلبک ندًّا للہ تعالیٰ (کبیر) قیل المراد اعم منھا وھو ما یشغل عن اللہ تعالیٰ (روح) ۵۹۱ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج بھی مسیحیوں کو محبت اور تعلق خاطر خدا سے کہیں زیادہ "خدا کے بیٹے" اور پھر "روح القدس" اور "مقدس کنواری" سے ہے۔ اور ہندوؤں کی محبت اور تعلق خاطر اپنے ایشور اور پرماتما سے کہیں زیادہ دُرگا مائی، لکشمی مائی، اگنی دیوتا وغیرہ دیویوں دیوتاؤں کے ساتھ، اور رشیوں، منیوں، سادھوؤں کے ساتھ ہے۔ کَحُبِّ اللّٰهِ۔ اس فقرہ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ غیر اللہ سے نفس محبت ممنوع نہیں۔ بلکہ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی، عزیزوں، دوستوں، رفیقوں سے تو محبت درجۂ طبعی میں رکھ ہی دی گئی ہے۔ ائمۂ شریعت و طریقت سے بھی محبت رکھنا مستحب، بلکہ کسی حد تک تو واجب بھی ہے۔ البتہ جو محبت حرام ہے، وہ محبوب کو درجۂ ربوبیت پر جا پہنچانے والی محبت ہے۔ "یا علی" "یا حسین" "یا خواجہ" "یا غوث" "یا وارث" کے نعرے لگانے والے ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ محبت کا کتنا حصہ اللہ کے لئے باقی رہ گیا، اور کتنا دوسروں کی نذر ہو چکا ہے ۵۹۲ یعنی مومن کی محبت عقلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی تمام دوسری محبتوں پر غالب و حاکم رہتی ہے۔ آیت نے ضمناً اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا کہ مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلاً اُنس و محبت ہی کا ہوتا ہے۔ کاش اس آیت کو وہ مسیحی مشنری آنکھ کھول کر پڑھیں جن کے نزدیک اسلام کا خدا ایک دہشتناک قسم کا معبود ہے! ۵۹۳ (دیکھ لیتے) یری یہاں یعلم کے معنی میں ہے۔ و یری بمعنی یعلم (قرطبی) لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ وجواب لو محذوف والمعنی لو علموا فی الدنیا شدۃ عذاب اللہ (جلالین) اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنے حق میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والے، یعنی مشرکین ۵۹۴ (اور کوئی شخص اس عذاب کے دور کرنے پر قادر نہیں) "اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم مشرکین جب دنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے، اور دوسرے سب اُسکے سامنے عاجز ہیں۔ اور اسی مصیبت کی شدت میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ دار الجزاء ہے اور بھی سخت ہوگا تو اس طرح غور کرنے سے تراشے ہوئے معبودین کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت منکشف ہو کر توحید و ایمان اختیار کر لیتے۔" (تھانویؒ) ۵۹۵ (آخرت میں) اس شدتِ عذاب کا پورا ظہور عالم آخرت ہی میں ہوگا ۵۹۶ قیامت میں، یہاں اُس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جب قیامت میں مشرکین کے خواص، علما و امرا اپنے عوام اور اپنے مقلدین اور رعایا سے علیحدگی کا اعلان کر دیں گے، اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے ۵۹۷ اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں، اُستادی شاگردی کے، ہم نسبی و قرابت کے، ہم وطنی اور دوستی کے، یہ سب اسی دنیا تک محدود ہیں۔ آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ و معاینہ کا وقت ہوگا، سب ایک دوسرے سے بے تعلق بلکہ آپس میں مخالف نظر آئیں گے۔ یہ قرآن ہی کی نص ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ بھم میں ب عن کے معنی میں بھی لی گئی ہے۔ بھم ای عنھم (معالم) قیل بھم بمعنی عنھم (عکبری) اور ب سببیہ بھی مانی گئی ہے۔ یعنی یہ قطع تعلق بہ سبب کفر کے ہوگا۔ الباء ھنا للسببیۃ والتقدیر وتقطعت بسبب کفرھم (عکبری) الباء للسببیۃ ای تقطعت بسبب کفرھم الاسباب التی کانوا یرجون منھا النجاۃ (روح) ۵۹۸ (غم وغصہ اور جذبات انتقام کے ساتھ) ۵۹۹ (دنیا میں) کافروں کی زبان سے آخرت میں، دنیا میں ایک بار پھر جانے کی تمنا و حسرت کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے ۶۰۰ یعنی یہ حسرت بھی پوری نہ ہوگی۔ اور یہ خلش کانٹا بن کر ہمیشہ کھٹکتی ہی رہے گی ۶۰۱ سزائے دوزخ کے دوام و خلود پر یہ ایک نص صریح ہے۔ بخارجین میں ب خبر کی تاکید اور تائید کا کام دے رہی ہے۔ اردو ترجمہ کبھی بھی کیا جا سکتا ہے۔ دلیل علی خلود الکفار فیھا وانھم لا یخرجون منھا (قرطبی) بل ھم فیھا دائمون (مدارک) الآیۃ للمبالغۃ فی الخلود والاقناط عن الخلاص وزیادۃ الباء لتاکید النفی (روح) ۶۰۲ یعنی کھا سکتے ہو، بالکل جائز ہے کہ کھاؤ پیو۔ کھانے کی اجازت مل رہی ہے نہ کہ حکم۔ مراد یہ نہیں کہ لازمی طور پر کھاؤ۔ خطاب عام نسل انسانی سے ہے۔ دینِ حنیف ابراہیمی کو چھوڑ کر یہود، نصاریٰ، مشرکین، سب ہی کھانے پینے کے باب میں طرح طرح کی غلط روی اور کج راہی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور غلط کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کے حکم میں رکھ رہے تھے۔ مما فی الارض میں من تبعیضیہ ہے۔ من للتبعیض اذ لا یؤکل کل ما فی الارض (بیضاوی) حَلٰلًا۔ جو غذائیں بجائے خود جائز ہیں، اور حرام نہیں کی گئی ہیں۔ فالحلال ما احلہ الشرع (معالم) المراد بہ ما یکون جنسہ حلالًا کر طَیِّبًا یعنی جو غذائیں حاصل بھی جائز ذرائع سے ہوئی ہوں۔ اور جن میں غیر کا حق نہ ہو۔ مثلاً بیع فاسد نہ ہو، اجرت فاسد نہ ہو وغیرہا۔ المراد منہ ان لا یکون متعلقًا بہ حق الغیر (کبیر) الطیب الطاہر (معالم) ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص صحابی نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمۂ حلال کا التزام کر لو، خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے ۔۔۔۔۔۔ یہ ہے اسلام میں اکل حلال کی اہمیت ۶۰۳ اللہ کی جائز کی ہوئی چیزوں کو حرام، اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھیرا کر، حکم تو عام ہے ہر شیطانی روش کے لئے۔ لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ تعلق، حرام و حلال غذاؤں سے ہے۔ والصحیح ان اللفظ عام فی کل ما عدا السنن والشرائع من البدع والمعاصی (قرطبی) ۶۰۴ اور اسی دشمنی کے تقاضہ سے انسان کو الٹی صلاحیں اور قانون الٰہی توڑنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اس سے کسی نفع کی، خیر خواہی کی توقع ہی نہ رکھو ۶۰۵ انما کا حصر کا ہے۔ اسکے صاف معنی یہ ہوئے کہ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہوگا کسی نیکی کے صدور کا اس سے امکان ہی نہیں۔ دلت الآیۃ علی ان الشیطان لا یامر الا بالقبائح لان اللہ تعالیٰ ذکرہ بکلمۃ انما وھی للحصر (کبیر) سوء و فحشاء دو لفظ متقارب المعنی ہیں۔ لیکن متحد المعنی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہو، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے برا ٹھیرایا ہے۔ السوء والفحشاء ما انکرہ العقل واستقبحہ الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی) یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی معین ہوتی ہے، اور یہ معنی ابن عباسؓ سے منسوب ہیں۔ السوء ما لا حد فیہ والفحشاء ما فیہ حد حکی عن ابن عباس وغیرہ (قرطبی)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ
یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اول بدل

وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ
میں اور جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں اُن چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع

النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ
پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے اللہ نے اُتارا پھر اُس سے زمین کو اُس کے

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّ تَصْرِیْفِ
مُردہ ہونے کے بعد جِلا اُٹھایا اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیے، اور ہواؤں

الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ
کے بدلنے میں، اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں)

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ
ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
کو بھی شریک بنائے ہوئے ہیں اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے (رکھنا چاہیے)

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ یَرَى الَّذِیْنَ
اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں اور کاش ظالم جب عذاب کو

ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ
دیکھ لیتے تو سمجھ لیتے کہ قوت اللہ ہی کی ہے

۵۸۳ قرآن مجید کا بار بار صفت رحیمی اور قبول توبہ پر زور دینا ایک طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً بودھ مت والوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں کرم) ہر حال اور ہر صورت میں اپنا عمل کر کے رہتا ہے، اور کوئی خدائی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور دوسری طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً مسیحیوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ صفت رحیمی کا اظہار پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، اور اس کی صفت عدل کے تقاضہ کو پورا کرنے اور گناہگاروں کو معافی دلوانے کے لئے کسی کفارہ کا وجود لازمی ہے ۵۸۴ اجمعین کا لفظ تاکید کے لئے آیا ہے، اور اس کا تعلق اللہ اور ملائکہ اور الناس تینوں سے ہے۔ محض الناس سے نہیں۔ واجمعین تاکید بالنسبة الى الكل لا للناس فقط (روح) لَعْنَةُ اللّٰهِ اہل سنت کے ہاں کسی متعین گنہگار پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں البتہ بغیر کسی کو متعین کئے ہوئے مبہم و مطلق صورت میں جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ چور پر لعنت ہو۔ فاما العاصی المعین فلا یجوز لعنه اتفاقاً لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بشارب خمر مرارا... (ابن العربی)، بلکہ حدیث صحیح میں تو مومن پر لعنت اُسکے قتل کے مثل بتائی گئی ہے۔ وفی صحیح مسلم لعن المؤمن کقتله (ابن العربی) ومَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ بلکہ زندگی میں تو کافر متعین تک پر بھی لعنت کی اجازت نہیں۔ وماتوا کی قید نے صاف کر دیا کہ یہاں جن پر لعنت آئی ہے اُن کی موت ہی کفر پر ہو چکی تھی۔ اور اصل مدار ختم اعمال یا وفات پر ہے۔ قال لی کثیر من اشیاخی ان الکافر المعین لا یجوز لعنه لان حاله عند الموافاة لاتعلم (ابن العربی) وقد شرط اللہ تعالیٰ فی هذه الآیة فی اطلاق اللعنة الموافاة علی الکفر (ابن العربی) عبرت حاصل کرنا چاہیے اُن مسلمانوں کو جو اپنے کسی بھائی کو لغزش میں مبتلا دیکھ کر جھٹ اس پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں ۵۸۵ (ہمیشہ ہمیش کے لئے) خٰلدین۔ خلود کے معنی ہیں لازم پکڑ لینے کے۔ یعنی اسی لعنت و عذاب میں جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ الخلود اللزوم الطویل ومنه یقال اخلد الی کذا اى لزمه ورکن الیه (کبیر) فیها۔ ضمیر دوزخ کی طرف ہے۔ اور بعض نے لعنت کی طرف راجع کی ہے۔ ای فی اللعنة او النار (بیضاوی) اور بجائے اسم کے ضمیر لانے سے مقصود اظہار عظمت و اہمیت ہے۔ اضمرت تفخیما لشأنها وتهویلا (کشاف) ۵۸۶ تخفیف کا تعلق بعد عذاب سے ہے اور مہلت کا تعلق قبل عذاب سے۔ یعنی دوزخ میں پڑنے کے بعد نہ کسی قسم کی تخفیف اُن کے عذاب میں ہوگی اور نہ عذاب میں پڑنے سے قبل ہی کوئی مہلت انہیں ملے گی ۵۸۷ (نہ بڑا نہ چھوٹا۔ نہ ملکی نہ غیر ملکی) یہاں خطاب ساری نوع انسانی سے ہے۔ نفس وجود باری تو مشرکین عرب کو بھی تسلیم تھا جس طرح آج بھی ساری مشرک قوموں کو تسلیم ہے۔ لیکن مشرکین علاوہ اس خدائے اعظم یا خدائے برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ مشرکین قدیم تو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں کے، یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی دیوتاؤں کے وجود کے قائل تھے۔ اُن کی قوت کے قائل تھے، اُن کی خدائی کے قائل تھے۔ بس صرف اُن کی عبادت کے منکر تھے۔ اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ دشمن کا دیوتا بھی دشمن ہی ہوگا! ——— گویا خدا بھی جذبات و احساسات کے لحاظ سے انسان کا مثنیٰ ہوتا تھا۔ قرآن نے اگر اس عقیدہ پر بھی ضرب کاری لگائی۔ اور زور سے بار بار اعلان کیا کہ قابل پرستش و ناقابل پرستش ہونا کیسا، کسی دوسرے خدا یا دیوتا کا وجود ہی سرے سے نہیں۔ نہ بڑے کا، نہ چھوٹے کا، نہ ملکی کا، نہ غیر ملکی کا! اور اللہ کے ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے! ہمارے قدیم مفسرین بھی بغیر جدید علم الاقوام (اتھنالوجی) کی کسی تحقیق کے اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے لازاحة لان یتوهم ان فی الوجود الٰها لکن لا یستحق منهم العبادة (بیضاوی) ۵۸۸ یعنی مظہر کامل رحمانیت کا بھی اور رحیمیت کا بھی دونوں صفتیں اُسی پر ختم ہیں۔ کوئی اُس کا شریک نہ اُس صفت میں نہ اِس صفت میں ۵۸۹ (اللہ کی حکمت، ربوبیت، قدرت، صناعی، اور اُس کی فردیت کی) زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، بجائے خود اس کی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں جب تک کوئی صاحب شعور، صاحب ارادہ، قادر مطلق ہستی اُن کی صانع و خالق نہ ہو۔ ان سارے مظاہر فطرت کا تسلسل و استمرار، اُن کی یکرنگی و باقاعدگی، ان کا نظم و انضباط، ہر عقل سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ اُن کے عقب میں ایک ذی اختیار فعال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے ——— اسی عقل سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہر فن اور صناع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے! اور یہ خلاق ہستیاں اگر بصیغہ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کی جائیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق اِن سارے مشغلوں کے لئے کافی نہ تھا۔ اس سے اُس کا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز یا کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر کسی کی الوہیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد و یکتا بھی ماننا پڑے گا۔ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ کوئی نہیں۔ مشرک قوموں نے انہیں معبود، المعبود، اور صاحب تصرف و صاحب مراد دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ خلق سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح مخلوق ہی ہیں۔ اندرا، آکاش دیوتا، دھرتی ماتا وغیرہ قسم کے الفاظ نرے بے معنی اور مہمل ہیں۔ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے، جنہوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحب ارادہ و تصرف مان کر انہیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور اُن کی پوجا کی ہے۔ یہاں اُن کے اختلاف (اول بدل) کا ذکر کر کے یہ بتا دیا ہے کہ اُن کا غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا، یہ وقت و زمان کے بے حس و بے جان اجزا تو خود اپنی حرکت تک پر قادر نہیں۔ قادر مطلق ہی ان میں رات دن الٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ الْفُلْكِ۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے، تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں ایک "انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔ فُلك کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لائنر، ڈریڈناٹ، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض ادر کل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہو سکیں، سامان جنگ کے لئے یا سامان تجارت کے لئے، یا بغرض تفریح۔ مَا یَنْفَعُ النَّاسَ (انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام و مشترک ہے۔ ما ینفع الناس کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی نفع و منفعت کی ہر ممکن شے اس میں آگئی۔ ای بالذی ینفعهم من التجارات وسائر المآرب التی تصلح بها احوالهم (قرطبی) امام قرطبی نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نمک، مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ما ینفع الناس کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ السَّمَآءِ کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہو چکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لئے عام ہے۔ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اُسی خدائے واحد و حیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ دَآبَّةٍ عام ہے ہر حیوان کے لئے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزو اعظم تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلی، سانپ، کچھوے وغیرہ کی پوجا برابر ہوا کی ہے۔ زمین اگر ۲۴ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمائش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی چیز ہے تو بھی، اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی کیسی عظیم الشان کاریگری، کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اس کے اور چاند، سورج اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اس کی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کر دی ہے؟ آفتاب سے اسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دست قدرت اسے پہنچا رہا ہے؟ آسمان اگر ٹھوس مادی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا میں محض حد نظر ہیں تو بھی ہر صورت میں اُن کی وضع، ساخت، ترکیب، ہیئت، انسانی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! اَن گنتی شمار سے باہر ثوابت و سیارے کے سکون و حرکت کا انتظام کون قائم کئے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی، اور ان کے طلوع و غروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظام فلکی کے بیشمار اجزاء و عناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت و صنعت کے دم سے زندہ ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے! مختلف ملکوں میں اُن کے طلوع و ظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں؟ گرمی اور سردی اور برسات ہر موسم میں اُن کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ یہ نہیں ہوتا کہ جون میں دھوپ یا اُن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں؟ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے، جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھا جانے کے ہوتے ہیں، آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں باقی رہ جائیں۔ بحر ذخار، سارے نر عظموں کو اپنی گرفت میں لئے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چہار چند، اپنی اس ساری عظمت و ہیبت کے باوجود کس طرح مشت خاک انسان کے قبضہ میں آگیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر، اُن پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان سمندر کے بڑے سے بڑے مہیب فاصلوں اور مسافتوں کو طے کر کے رکھ دیتا ہے! اُس میں مد و جزر جب ہوگا، قمری مہینہ کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کے حدود سے آگے نہ بڑھ

اپنے درجہ کے متناسب ۔ درحمۃ ۔ یعنی یہ لوگ رحمت عام کے مورد رہیں گے ۔ ھم المھتدون ۔ دنیا میں ان کی ساری سعی حقیقت تک پہونچی تھی کہ کوئی چیز بھی اپنی نہیں ۔ یہاں تک کہ خود ان کے جسم و جان نفس و رُوح کا مالک حق تعالیٰ ہی ہے ۔ چنانچہ جب یہ اُسکے پاس پہونچیں گے تو سب کچھ پا لیں گے ۔ جس نے اللہ کی رحمت عامہ و خاصہ کو پا لیا ، اُس سے دُنیا و آخرت کی بھی کونسی نعمت ! واُولٰئک ھم المہتدون عطاھم بہ جمیع ما طلبوا ما یوبہ مائل مال تزکیۃ اللہ تعالیٰ و رحمۃ نوبہۃ مصعف (روح) ٥٧٣ (یہ دونوں یونانی کی یادگاروں میں سے ، صفا و مروہ کسی ۔ یہ مسجد الحرام کے پاس دو پہاڑیاں تھیں ۔ بہ مرور زمانہ یاں محض چٹان کی سی رہ گئی ہیں ۔ صفا حرم شریف کی سی جانب سے در مروہ ۔ یہ جانب ۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ٤٩٣ قدم کا ہے یا تقریباً ۔ فرلانگ ۔ صفا کے لغوی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں ۔ اور مروہ کے بھی لغوی معنی سفید نرم پتھر کے ہیں ۔ الصفا الحجارۃ الصافیۃ (راغب) قال المبرد والصفا کل حجر لا یخالطہ غیرہ من طین او تراب والمروۃ فی الاصل الحجر الابیض (روح) حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضرت ہاجرہؓ حضرت اسمٰعیل کو شیر خوارگی کے زمانہ میں خانہ کعبہ کے پاس پیاسا اور تنہا چھوڑ کر پانی کی تلاش میں گئی تھیں کہ کہیں کوئی قافلہ آتا ہوا نظر آجائے ، تو اُس سے پانی مانگ لائیں ۔ اُس وقت اضطراب میں دوڑ کر اس پہاڑی سے اُس پہاڑی پر جاتی تھیں کہ شاید بلندی سے کسی قافلہ پر نظر پڑ جائے ۔ شعائر اللہ ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں ، دین الٰہی کے وہ شعار جو عبادتوں میں بطور علم کام دیں ۔ شعائر جمع ہے شعیرۃ کی اور اسکے معنی ہیں علامت کے ۔ جمع شعیرۃ وھی العلامۃ ۔ اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں ۔ ای من اعلام مناسکہ و متعبداتہ (کبیر) من معالم اللہ فی الحج (ابن عربی) ٥٧٤ ۔ عبادات اسلامی کا چوتھا رکن ۔ یعنی نماز ، روزہ ، زکوٰۃ کے بعد چوتھا فریضہ ۔ استطاعت ہر فرد پر خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ کا ہو ، شرط استطاعت و صحت و امن زندگی میں ایک بار فرض ہے ۔ گویا دنیائے اسلام کی بین الاقوامی سالانہ کانگرس ۔ ارکان حج یعنی جو چیزیں فرض ہیں وہ تین ہیں ۔ پوستین احرام یعنی حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے عام لباس اُتار کر احرام یا بے سلا ہوا لباس پہن لینا ۔ میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو حاضری ۔ اصطلاح میں اسے وقوف کہتے ہیں (۳) طوافِ زیارت ۔ یعنی وقوف کے بعد خانہ کعبہ کا طواف ۔ اور واجبات حج چار ہیں ۔ (۱) ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں مزدلفہ میں قیام (۲) صفا و مروہ کے درمیان آمد و رفت ۔ اصطلاحی نام سعی ہے (۳) مزدلفہ میں قیام کے بعد منیٰ میں کنکریاں پھینکنا ۔ اصطلاحی نام رمی جمرات ہے (۴) طوافِ کعبہ ۔ (یہ طواف فرض کے علاوہ ہے اور طوافِ صدر کہلاتا ہے) ۔ قربانی کرنا ، سر کے بال اُتروانا ، وغیرہا بہت سے سنن و مستحبات ان کے علاوہ ہیں ۔ عمرہ ۔ اس کا دوسرا نام حج اصغر ہے ۔ اس میں حج کی طرح مہینہ اور تاریخ کی قید نہیں ۔ اور نہ اس میں وقوف عرفات ہے ، اور نہ قیام مزدلفہ و منیٰ ، سال کے ہر موسم میں اور ہر وقت ہو سکتا ہے ۔ عمرہ کی نیت سے احرام حدود حرم سے باہر باندھے ۔ طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال اُتروائے ، بس عمرہ ہو گیا ۔ احرام کھول دے ٥٧٥ لا جناح علیہ ۔ صفا و مروہ کو نسبت تو توحید کے خاص الخاص گھرانے سے حاصل تھی ۔ یعنی ہاجرہ ، اور اسمٰعیل اور ابراہیم علیہم السلام سے ۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں قبضہ ان پر بھی مشرکوں کا ہو گیا تھا ۔ اور ایک ایک پہاڑی پر ایک ایک دیوی کی مورتی نصب ہو گئی تھی ۔ مشرک تبرک کرنے جاتے تو انہیں بھی دوڑ دوڑ کر چھوتے اور چومتے ۔ قرن اول کے مسلمانوں ، صحابیوں کی توحید پرستی اور شرک بیزاری کا کیا پوچھنا ۔ قدرۃً خیال گزرا کہ کہیں ان پہاڑیوں کے درمیان آمد و رفت شعائر شرک میں نہ قرار پائے ۔ آیت میں اُنہی کا شبہ دُور کیا گیا ہے ، اور ارشاد ہوا ہے کہ یہ جاہلیت کی نہیں عین توحید کی یادگاریں ہیں ۔ اس لئے اگر ان کے درمیان آمد و رفت اسلامی و توحیدی حج کا جزو رکھی جائیں ، تو اس میں مطلق مضائقہ نہیں ۔ یطوّف بھما ۔ طوف کے اصلی معنی کسی چیز کے گرد گھومنے یا چکر کاٹنے کے ہیں ۔ لیکن وسعت دے کر اسکے معنی مطلق آس پاس چلنے کے بھی کئے گئے ہیں ۔ اور یہاں مراد دو مقاموں کے درمیان آمد و رفت سعی ہے ۔ الطوف المشی حول الشیء (راغب) والمراد ھنا السعی بینھما (مدارک) یہ سعی صفا و مروہ کے درمیان ، حنفیہ کے ہاں واجب ہے امام احمد کے ہاں سنت ہے ، اور مالکیہ و شافعیہ کے ہاں فرض ہے ۔ یہ آمد و رفت سات بار ہوتی ہے ۔ درمیان کا کچھ فاصلہ ، تقریباً ڈیڑھ فرلانگ دوڑ کر چلنا ہوتا ہے ۔ اسی لئے اس کا نام سعی (دوڑ) ہے ۔ اس فاصلہ کی علامت کے طور پر سڑک کے کنارے دو پتھر سبز رنگ کے نصب کر دیئے گئے ہیں ۔ کسی زمانہ میں یہاں بالکل ویرانہ تھا ، لیکن اب تو عین بازار ہے ، اور صفا و مروہ کے درمیان خوب آبادی اور چہل پہل رہتی ہے ٥٧٦ (اس لئے اسکے ہاں نہ اعزاز و اکرام کی کمی کسی نیک کار کے لئے ہو گی ، اور نہ وہ کسی کے اخلاص عمل سے ناواقف ہے) تطوّع ۔ تطوّع ہر وہ چیز ہے فرض کے علاوہ جو انسان اپنی خوشی سے انجام دے ۔ خیراً ۔ خیر عام معنی میں ہے ، ہر عمل خیر کو شامل ۔ المراد منہ جمیع الطاعات (کبیر عن الحسن) وھذا اولیٰ لانہ اوفق لعموم اللفظ (کبیر) مطلب یہ ہے کہ کوئی سا بھی نیک کام ہو کسی نوعیت اور کسی درجہ کا ، جو بھی انسان خوشی سے انجام دیگا ، اُس کا اجر اسے مل کر رہے گا ۔ شاکر ۔ شکر کا لفظ جب اللہ کے لئے آتا ہے تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی طاعت پر معاوضہ بہت زیادہ دیتا ہے ۔ الشکر من اللہ تعالیٰ ان یعطی لعبدہ فوق ما یستحقہ یشکر الیسیر و یعطی الکثیر (مسلم) علیم ۔ یعنی نیتوں تک سے واقف ۔ علیم بنیتہ (مسلم) ابھی ایک ہی آیت اوپر ذکر فضائل صبر کا ہو رہا تھا ، اُسکے معاً بعد ذکر حج کا شروع ہو جانا ، علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک خاص مناسبت بھی صبر سے رکھتا ہے ۔ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ موسم حج کے ہجوم و چپقلش اور مسلسل کوچ اور مقام میں فرائض تک کی پابندی مشکل پڑ جاتی ہے ۔ سُنن و مستحبات کا کیا ذکر ہے ، استعمال کے باوجود زبان پر قابو رکھیئے ، ہاتھ پیر پر قابو رکھیئے ، کان اور آنکھ پر قابو رکھیئے ۔ غرض صبر کا پورا امتحان ہر طرح ہو جاتا ہے ۔

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے نازل کر چکے ہیں بعد اس کے کہ ہم اُسے

بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ

لوگوں کے لئے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں ٥٧٧ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ اُن پر لعنت کرتا ہے

وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ١٥٩ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

اور اُن پر لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں ٥٧٨ البتہ جو لوگ توبہ کریں ٥٧٩ اور درست ہو جائیں ٥٨٠

وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ

اور ظاہر کر دیں ٥٨١ یہ وہ لوگ ہیں کہ میں اُن پر متوجہ ہو جاؤنگا رحمت سے ٥٨٢ اور میں بڑا توبہ قبول کرنیوالا

الرَّحِيْمُ ١٦٠ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ

ہوں بڑا رحمت والا ہوں ٥٨٣ بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اور مر جائیں اسی حال میں کہ وہ کافر

كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ

ہیں ، سو یہ وہی لوگ ہیں کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور

النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ١٦١ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

آدمیوں کی سب کی ٥٨٤ وہ اُس میں پڑے رہنے والے ہیں ٥٨٥ نہ اُن پر سے عذاب ہلکا ہونے

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ١٦٢ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

پائیگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ٥٨٦ اور تمہارا خدا ایک خدا ہے ۔ بجز

١٩ ع ١١ ٣ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ١٦٣ ع

اُس کے کوئی خدا نہیں ٥٨٧ بے انتہا رحم کرنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے ٥٨٨

٥٧٧ یعنی کتب سابق کے مضامین اور پیشین گوئیوں کو دانستہ چھپاتے ہیں ۔ مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اس پر ابن عباسؓ صحابی اور مشاہیر تابعین سب کا اتفاق ہے ۔ نزلت فی اھل الکتاب من الیھود والنصاریٰ (کبیر عن ابن عباس و مجاھد والحسن وقتادۃ والربیع والسدی والاصم) الاقرب انھا نزلت فی الیھود والحکم عام (روح) یکتمون ۔ اور حق پوشی بھی اس غضب کی کہ محض سکوت پر کفایت نہیں کرتے ۔ بلکہ اُلٹی حق کی مخالف شہادت دے گزرتے ہیں ۔ کتمان کا اطلاق اُس اخفا پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے ، اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو ۔ الکتمان ترک اظہار الشیء قصداً مع مساس الحاجۃ الیہ (روح) البینٰت و الھدیٰ ۔ بینات وہ نشانیاں ہیں جو بجائے خود واضح و صریح ہیں ۔ الھدیٰ وہ ہے جو دوسروں کے لئے ذریعۂ ہدایت بن سکے ۔ یہاں بینات سے مراد رسالت محمدی کے دلائل و شواہد ہیں ۔ اور ھدیٰ سے مراد احکام شریعت ہیں ۔ بینّاہ میں ہ کی ضمیر ما انزلنا کی طرف ہے ۔ یعنی اُس مضمون کو اُس مفہوم کو ۔ الکتٰب سے مراد ہے جنس کتاب یعنی قدیم کتب آسمانی ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں یہ شخص کی مذمت ہے جو اپنے مُریدوں کے سوا دوسروں سے علوم شریعت کو چھپاتا ہے ، کہ علوم ما انزل اللہ کے عموم میں داخل ہیں ۔ البتہ علوم مکاشفہ کا حکم دوسرا ہے وہ منزل نہیں ۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اظہار میں خوف فتنہ بھی ہے ٥٧٨ (خواہ وہ لعنت کرنے والے جنس آدم سے ہوں یا جنات ہوں یا ملائکہ ہوں یا اور کوئی مخلوق ہوں) لعنۃ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ۔ اللہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو اپنے سے دُور اور اپنے فضل و کرم سے مہجور کر دیتا ہے ۔ ای یبعدھم عن رحمتہ (روح) وذلک من اللہ تعالیٰ فی الاخرۃ عقوبۃ وفی الدنیا انقطاع من قبول رحمتہ وتوفیقہ (راغب) مخلوق کی لعنت یہ کہ ان بدکاروں کے لئے بددعا کی جائے ۔ ان کے لئے حق تعالیٰ کی رحمت سے دُوری اور اسکے فضل و کرم سے مہجوری طلب کی جائے ۔ ومن الانسان دعاء علی غیرہ (راغب) بعض الدعاء علیھم بالابعاد عن رحمۃ اللہ تعالیٰ (روح) لفظ لعنت ۔ قدیم صحیفوں کا بھی چلا ہوا محاورہ ہے ۔ ملاحظہ ہوں توریت میں استثنا ۱۱ : ۲۶ ، ۲۸ : ۲۷ ، ۲۸ ، نیز ۹ : ۵ ، ۱۵ : ۲۱ وغیرہ اور انجیل میں مرقس ۱۱ : ۲۱ ۔ یوحنا ۷ : ۴۹ وغیرہ ۔ فقہا نے آیت ماقبل سے استدلال کیا ہے کہ عالم پر تبلیغ حق اور اپنے علم کا بیان واجب ہے ۔ استدل بھا علماء نا علیٰ وجوب تبلیغ العلم الحق وتبیین العلم علیٰ الجملۃ (ابن عربی) ٥٧٩ (اپنے پچھلے پر نادم ہوں ، توبہ کرنے کہ ہم اوپر ہے ، اپنا نادم ہونا ، اور عزم ترک کے ساتھ عذر خواہی کرنا ٥٨٠ یعنی آیندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لیں ٥٨١ (اپنی آسمانی کتابوں کے اُن مضامین کو جنہیں وہ اب تک چھپاتے رہے ہیں ، یہاں مراد ہیں اسلام و پیمبر اسلام سے متعلق پچھلے صحیفوں میں بشارتیں ۔ خلاصہ یہ کہ بہ شرط مذکور اظہار و مواخذہ پر ایمان لے آئیں ، اور تلافی مافات پر آمادہ ہو جائیں ٥٨٢ یعنی یہ تائبین نہ صرف لعنت کی زد سے باہر ہو جاتے ہیں ، بلکہ رحمت و مغفرت الٰہی کے ماتحت بھی آجاتے ہیں ۔ البتہ جو لوگ اپنی انہی بدکرداریوں پر مُصر رکھتے ہیں اُن پر سزا بھی قائم رہتی ہے ۔ والذین تابوا ای عن الکتمان وسائر ما یجب ان یتاب عنہ (روح) اصلحوا و بیّنوا ۔ توبہ اور قبول توبہ کا مضمون قرآن مجید میں بار بار آیا ہے ۔ یہاں توبہ کے ساتھ قید اصلاح اور تبیین کی لگی ہوئی ہے ۔ یعنی جو فساد پھیلایا تھا اس کی اصلاح اور جو چھپایا تھا اس کا اظہار ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے ۔ مثلاً نماز ، روزہ کا ترک ۔ اُن کے لئے محض توبہ و استغفار کافی ہے ، کہ ان کا تعلق صفات رحمانیت و رحیمیت سے ہے ۔ لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی ہوتی ہے ۔ مثلاً غصب ، فساد ، بدعتی ، مشورہ ، چوری ، عقائد باطلہ کی تعلیم ۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ مرتکب معصیت کے ضرر کا عملی تدارک بھی بقدر امکان کرے ۔ جب جا کر توبہ قبول ہو گی ، کہ یہاں واسطہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے ہے ۔

نافہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوادی اور زندگی کے لطف سے محروم ہوگئے انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مُردہ سمجھ رہے ہو، اُس میں وہ سرے سے مُردہ ہی نہیں، بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر بہرہ لذت یاب ہو رہے ہیں۔ اصطلاح میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لئے ہے۔ لیکن شہیدوں کو اُس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی، آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ بقول مفسر تھانویؒ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور مثل جسد زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت و امتیاز رکھتے ہیں۔ تخصیص الشهداء لاختصاصهم بالقرب من الله تعالى ومزيد البهجة والكرامة (بیضاوی) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و رُوحانی دونوں ہوتی ہے۔ ذهب كثير من أهل السلف الى انها حقيقية بالروح والجسد وذهب البعض الى انها روحانية والمشهور ترجيح القول الاول (روح) آیت سے بہ قاعدۂ دلالۃ النص یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال کو صرف کرنے والے اور انہیں ہوائے نفس میں لٹانے والے یکساں نہیں ہوتے۔ حیات شہداء کے معتقد یہود کے بھی بعض فرقے ہوئے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۰ ص ۵۶۶) ابن العربی مالکیؒ نے کہا ہے کہ اسی آیت سے تمسک کرکے بعض ائمہ نے شہید کے لئے غسل و نماز جنازہ دونوں غیر ضروری بتائے ہیں، کہ ان کی تطہیر تو شہادت سے ہوچکی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے نماز جنازہ کو ضروری برقرار رکھا ہے (احکام القرآن) ۵۶۷ (اس لئے کہ برزخ حواس ناسوتی سے مدرک نہیں ہوتا) اور انسان اُسی حیات عالی و لطیف کا ادراک اپنے حواس ظاہری کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے، انما هى امر لا يدرك بالعقل بل بالوحى (بیضاوی) لانها من احوال البرزخ التى لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها الا بالوحى (روح) لان حياتها الشهيد لا

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

البتہ تم ادراک نہیں کر سکتے ۵۶۷ اور ہم تمہاری آزمائش کریں گے ۵۶۸ کچھ خوف اور

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان سے ۵۶۸ اور آپ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ

صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے ۵۶۹ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں ۵۷۰ کہ

قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ

بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور بیشک ہم اُسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں ۵۷۱ یہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

نوازشیں ہوں گی اُن کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت (بھی) اور یہی لوگ

الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ

راہ یاب ہیں ۵۷۲ بیشک صفا و مروہ اللہ کی یادگاروں میں سے

اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

ہیں ۵۷۳ سو جو کوئی بیت (اللہ) کا حج کرے یا عمرہ کرے ۵۷۴ اس پر ذرا بھی گناہ

عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ

نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرے ۵۷۵ اور جو کوئی خوشی سے کوئی امر خیر کرے،

فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ

سو اللہ تو بڑا قدر دان ہے، بڑا علم رکھنے والا ہے ۵۷۶ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو

نظم حسا (مدارک) ابن کثیر نے ایک حدیث نبوی نقل کرکے اور اس سے استنباط کرکے لکھ دیا ہے کہ یہی حیات عام مومنین کو بھی حاصل رہی ہے۔ البتہ شہداء کا ذکر خاص طور پر اُن کی عظمت و اکرام کے لئے قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے۔ ففيه دلالة لعموم المؤمنين ايضا وان كان الشهداء قد خصصوا بالذكر فى القرآن تشريفا لهم وتكريما وتعظيما۔

۵۶۸ (بہ تقاضائے حکمت) خطاب مومنین صادقین سے چلا آرہا ہے۔ انہیں بتایا ہے کہ مصیبتیں اور بلائیں اُن پر بھی یقیناً آئیں گی، لیکن بہ طور سزا و عذاب نہیں، بلکہ ابتلاء و امتحان کے رنگ میں۔ اور اس ارشاد سے ان کی تسلی و تسکین کا بہترین سامان بہم پہنچا دیا۔ آزمائش خداوندی سے مقصود نتائج کو دنیا پر ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو علم ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے حاصل ہے۔ بشئی میں یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر ایک کے جزو قلیل ہی سے متعلق ہوگا۔ کل سے متعلق نہیں۔ الخوف۔ خوف کا لفظ جامع ہے۔ جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ و ہراس اس کے تحت آگیا۔ الجوع۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مال حرام سے بچے۔ اور نہ روزہ سے ہچکچائے۔ نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔ اموال۔ رشوت، سود، خیانت، بیع فاسد، ہر غیر شرعی معاملت سے دستبردار ہوجائے۔ اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع ہوں۔ چوری ہوجائے، آگ لگ جائے، ان سب پر صبر سے کام لے۔ الانفس۔ موت، بیماری، جہاد کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔ الثمرات۔ اولاد سے بھی مراد ہوسکتی ہے اور تجارت، زراعت، وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی، ناموری کے موقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندہ کا ہر امتحان شرک و توحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرک جلی سے متعلق ہوتا ہے، اور خواص کا شرک خفی سے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ مجاہدہ اضطراری بھی نافع ہوتا ہے۔

۵۶۹ صبر کرنے والوں کو، یعنی اُن بندوں کو جو حالت غم میں بھی حدود شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے۔ صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہوجائے۔ اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ و ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت و حکمت پر، اُس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں!

سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں (اکبرؔ)

۵۷۰ (حضور قلب کے ساتھ) تحصیل صبر میں عقیدۂ قلب تلفظ زبانی پر مقدم ہے۔ مصیبۃ کے لغوی معنی افتاد کے ہیں۔ اور حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کل شئ ساء المؤمن فهو مصيبة (جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے، بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے) گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے، اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آگیا۔ بیماری ہو، مالی نقصان ہو، دوستوں عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو، موت کا غم ہو، اولاد کی موت ہو، بے عزتی ہو ..... كل ما اذى المؤمن فى نفس او مال او اهل صغيرة او كبيرة (بحر) ـ زبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمد اللہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے، لیکن تحصیل صبر کے لئے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں۔ قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہیے۔ الاسترجاع تسليم واذعان (مدارک) وليس الصبر بالاسترجاع باللسان بل به بالقلب (بیضاوی) قالوا۔ صورۃً صیغہ ماضی کا ہے۔ لیکن مقصود مومنین صابرین کی عادت کا بیان ہے۔ اذا۔ بیان کسی ایک اتفاقی واقعہ کیلئے نہیں۔ عام عادت کے اظہار کے لئے آیا ہے یعنی جب جب، یا جب کبھی بھی کوئی ناخوشگواری پیش آتی ہے۔ والمعنى فى اذا هنا على التكرار والعموم (بحر) ۵۷۱ (خواہ آج خواہ چند روز بعد) آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبد محض ہیں، اور تمام تر اُسی کی ملک۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی۔ اپنی کوئی شے ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان! ع۔ جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا! (اکبرؔ) انسان کے سارے رنج و غم، درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہوگیا، اور کوئی شے بھی سرے سے اپنی رہی ہی نہیں، تو اب گلہ و شکوہ، رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟ دوسری بات یہ کہ بڑے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں، رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عنقریب انہیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباق ہوجائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہوکر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اُسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا۔ غم و حزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے، یہ صحائف کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی، تو یہی اُسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لئے واللہ کافی تھی۔ صبر ایک کیفیت نفسی کا نام ہے۔ اور اصلاً اُس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمۂ صبر دہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور مؤکد بنانے کے لئے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اُس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں (۱) درجۂ اعلیٰ دل میں آیت کے معنی منقش ہوں، اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں (۲) درجۂ اوسط۔ دل میں معنی کا خیال کرے، اور زبان سے ادا نہ کرے (۳) درجۂ ادنیٰ۔ دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دُہرالے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دُہرالے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے، اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے۔ اور یہی معمول آپ کے صحابیوں کا رہا ہے۔ راجعون سے یہ مراد نہیں کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور پھر کسی ایسے مقام یا جہت میں آجائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت و ربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح و نمایاں ہوجائے گی، اُسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکارا ہوکر رہے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہوکر رہیں گے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی میں قبض بھی داخل ہے، جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے ۵۷۲ دنیا اور آخرت دونوں میں، اُوپر کی آیت میں صابرین کے حق میں جس خوشخبری کا ذکر تھا، یہ سب اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ عليهم صلوات من ربهم۔ یعنی یہ لوگ عنایت خاصہ کے مورد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے

۵۵۱ یعنی اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش کہ ہمارے نوشتوں کے موجب تو آخری نبی کا قبلہ، قبلۂ ابراہیمی ہونا تھا۔ یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبی دین ابراہیمی کے مدعی ہوکر قبلۂ ابراہیمی کیوں ترک کئے ہوئے ہیں۔ للناس میں
الناس سے مراد جملہ مخالفین و معترضین ہیں ۵۵۲ یعنی بجز ان کج فطرت معاندین کے جو اس کے بعد بھی اعتراضات پڑتے رہیں گے سو ان کی کچھ پروا ہی نہ کرو۔ الا للمعاندین منھم فانھم یقولون ... لا حجۃ لاحد علیکم الا الحجۃ الداحضۃ للذین من
الیہود وغیرھم ... الا کو یہاں ابوعبیدہ نحوی نے واؤ کے مرادف قرار دیا ہے۔ لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے (جصاص) ۵۵۳ اور نہ ان کی کوئی ہی کچھ پروا کرو۔ فلا تخافوا مطاعنھم فی قبلتکم ۵۵۴
اکیں ہی فرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ۵۵۵ اتمام نعمت کے مفہوم اور بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ سے ہے۔ بھدایتی الی قبلۃ ابراھیم (سلام) واتمام النعمۃ ہنا ... من القبلۃ (کبیر)
لاتمۃ کا عطف لئلا یکون پر ہے (جلالین)۔ خانۂ کعبہ کا محل نزول رحمت، مرکز تجلیات ہونا مسلّم ہے۔ ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلّم۔ ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہوجاتا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعیین قبلہ ہے نعمت عظیمہ اور
تکمیل نعمت الہٰیہ کیا ہوئی ۵۵۶ اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقی کرتے رہو۔ شریعت اسلامی دنیا کا مکمل ترین ممکن نظام ہے۔ اور اس مکمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جزو تعیین قبلہ و استقبال کعبہ بھی ہے۔ لعلکم میں لعل کے کا مرادف ہے۔ شک کے
لئے نہیں ہے ... کے معنی میں ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں۔ ان کو ہدایت یابی سے سرفراز کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے ۵۵۷ کما کا تعلق آیت ماقبل سے ہے۔
یعنی یہ اتمام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا۔ جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اس کے قبل ہوچکا ہے۔ کما ارسلنا متعلق بالتمام ای اتماما کاتمامھا بارسالنا الرسول (جلالین) ۵۵۸ ہر طرح کے فسق و عصیان اور

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں حجت نہ رہ جائے ۵۵۱ سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم

مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي

ہیں ۵۵۲ سو تم ان سے نہ ڈرو ۵۵۳ بلکہ صرف مجھی سے ڈرو ۵۵۴ تاکہ میں اپنا انعام تم پر

عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا

پورا کروں ۵۵۵ اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو ۵۵۶ (اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول

مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

تم ہی میں سے بھیجا ۵۵۷ جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے ۵۵۸ اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے ۵۵۹ جو تم نہیں جانتے تھے ۵۶۰ سو تم

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

مجھے یاد کرتے رہو ۵۶۱ میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا ۵۶۲ اور میری شکر گزاری کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو ۵۶۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو ۵۶۴

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۵۶۵ اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں،

يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ

انہیں مردہ نہ کہو (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں ۵۶۶

منزل

معانقۃ ۲ ع ۵/۲ ۱۸

اخلاقی آلودگیوں سے۔ رسول کی حیثیت محض پیام رساں اور مبلغ کی نہیں ہوتی۔ مزکی (پاک کرنے والے) کی
بھی ہوتی ہے۔ رسول کی گوناگوں حیثیتوں پر حاشیے آیت ... کے ذیل میں گزر چکے ہیں ۵۵۹ رسول کی حیثیت
معلم و شارح کی بھی ہوتی ہے۔ یعلمکم۔ لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہوگیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظ
عبارت تک محدود نہیں رہتے۔ وہ حکمت و دانائی کے سبق، روحانیت کے اصول و مسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔
یعنی انہیں اپنے مخاطبین کے رگ و ریشہ میں اتار دیتا ہے ۵۶۰ وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے
جو خورد بین ... سے ہے اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے اس لئے قدرۃً اس کی باریک بین، دور رس اور
دقیقہ سنج نگاہ ان دقیق حقائق تک پہنچ جاتی ہے جو بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں۔ اور رسول
کی رسائی عالم حقیقت کی ان گہرائیوں تک ہوجاتی ہے جو علم و عقل، کشف و اشراق سب کے ماوراء ہیں۔ یکون
ارسالہ صلی اللہ علیہ وسلم نعمۃ عظیمۃ ولولاہ لکان الخلق متحیرین فی امر دینھم لایدرون ما یصنعون (روح)
مالا سبیل الی معرفتہ الا بالوحی (مدارک) ۵۶۱ طاعت و عبادت کے ذریعہ سے، بندہ کا اپنے مالک کو یاد
کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود
و مقید نہیں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے چالتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا یہی بندہ
کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔ فاذکرونی۔ ابوبکر جصاص رازی نے ذکر سے مراد لی ہے آیات الٰہی اور ان کی عظمت و
قدرت کا تفکر۔ واذکروا بالتفکر فی دلائل اللہ وآیاتہ وقدرتہ وعظمتہ (احکام القرآن)۔ اور اسی کو سارے ذکر کا سرچشمہ
افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے۔ وھو افضل الذکر وسائر وجوہ الذکر مبنیۃ علیہ وتابعۃ لہ (احکام القرآن)
۵۶۲ اپنے لطف و عنایت خاص سے۔ اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ ان پر دنیا و آخرت دونوں
میں اپنے خصوصی فضل و کرم کی بارش کرتا رہے۔ فاذکرونی اور اذکرکم میں ضمیر متکلم کو صیغہ واحد میں لانا علامت
تخصیص کی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو ادھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہے گی۔
اور یہی اصل ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے ان کا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر و شاغل
کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو ۵۶۳ واشکروالی۔ توحید، ایمان و اسلام کے حقوق
ادا کرتے رہنا ہی اللہ کی شکر گزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں
کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ وَلَا تَكْفُرُونِ۔ کفر و شرک، الحاد و ارتیاب، فسق و بدعت میں لگے رہنا
یہی اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصل مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیئے
ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے ۵۶۴ یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی
سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اس پر بھروسہ رکھو۔ اس کے آگے جھکتے رہو، گرتے رہو ... روزمرہ کا مشاہدہ
ہے کہ کسی بڑی اور پرقوت ہستی سے تعلق قائم ہوجانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہوجاتی ہے۔ خطرہ کے وقت
پولیس کے پہنچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آجانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ شدید بیماری
کے وقت کسی نامور طبیب کے آجانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی جڑ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا ربط ہمہ بین و ہمہ دان
ناصر حقیقی و محافظ حقیقی سے قائم ہوجائے، تو انسان بے بنیان کی تسکین خاطر و تقویت قلب کا کیا پوچھنا! دنیا میں رہ کر، زندگی کی کشمکش میں پڑکر، مشکلات و مصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی۔ اور امت و جماعت کو بھی۔ اور وہ
دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیر ضروری اور نامتناہی تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کردیا۔ بالصبر۔ صبر کے لفظی معنی تنگی و ناخوشگواری کی حالت
میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔ الصبر الامساک فی ضیق (راغب) اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل
والشرع (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہوجانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر
آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو۔ خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔ بالصبر والصلوٰۃ
صبر ایک سلبی کیفیت اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہوگیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ و احتیاط، دوسرے اوامر کا اتباع ۵۶۵ اللہ کی
معیت عام تو کافر و مومن، فاسق و صالح، ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وھو معکم این ما کنتم۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے جس کے آثار حفاظت، اعانت و توجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس و استحضار تھا جس نے
رسول کریم کے صحابہ کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے واقعہ سے بڑھ کر نہ روح کے لئے کوئی لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لئے کوئی مرہم تسکین۔ یہی ایک تصور ہے اہل ایمان کے لئے جو ہر ناگوار کو خوشگوار،
ہر تلخ کو شیریں، ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے۔ دور حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیین نے بھی اسی تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور تسلیم کیا ہے کہ قلب کی اداسی، غمگینی، افسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس، رفیق و دمساز کوئی نہیں ملاحظہ
ہو Psychology of Religions ... نیز James کی Varieties of Religious Experiences کے مختلف مقامات۔ صبر۔ اپنے وسیع مفہوم میں ایک جامع لفظ ہے۔ صلوٰۃ اسی کی ایک مستاز
صورت ہے۔ معیت ہی کی یہ نسبت جب صابرین کو ملے گی، تو نمازیوں کو بدرجۂ اولیٰ ملے گی۔ اور اسی لئے اس کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔ ولم یقل مع المصلین لانہ اذا کان مع الصابرین کان مع المصلین من باب اولی لاشتمال الصلوٰۃ
علی الصبر ... ۵۶۶ عام برزخی زندگی سے خاص حیات کے ساتھ، اور عام انسانوں کی طرح مردہ نہیں۔ فی سبیل اللہ۔ یعنی دین حق کی راہ میں۔ مذہب صحیح کی خاطر۔ ای فی طاعتہ واعلاء کلمتہ (روح) غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہوگئے تو

منقول ہیں۔ لیکن متوسطین اور متاخرین میں تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہوگیا ہے کہ مراد ذات رسالت سے ہے۔ اور دلائل اسی کے زیادہ مؤید ہیں۔ اور سند اس کی بھی تابعین سے مل جاتی ہے۔ یعنی یعرفون محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم (معالم) اے یعرفون رسول اللہ صلعم (کشاف) ذکر وافیہ وجوہا احدہا انہ عائد الی رسول اللہ صلعم ...... والقول الثانی ...... واعلموان القول الاول اظہر (کبیر) والضمیر لرسول اللہ صلعم وان لم یسبق ذکرہ بدلالۃ الکلام علیہ (بیضاوی) والضمیر عائد علی النبی صلعم قال مجاہد وقتادۃ وغیرہما (بحر) ۂ ظاہر ہے کہ ضمیر غائب ہے۔ لیکن اردو میں نہایت تعظیم کے موقع پر غائب "وہ" کے بجائے حاضر "آپ" لاتے ہیں۔

۵۴۰ یہود اور دوسرے معاندین کا یہ اخفائے حق دانستہ اور بہ ارادہ ہے۔ کسی معذوری، دانستہ غلط فہمی، یا دلائل میں خفا کا نتیجہ نہیں۔ الحق۔ حق سے مراد یہاں رسول اللہ صلعم کا وہ مفصل و مکمل تعارف ہے، جو توریت اور دوسرے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ مافی کتبہم من صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر) اے یکتمون محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر۔ عن مجاہد) والحق للمکتوم ہنا ہو رسول اللہ صلعم قال قتادۃ ومجاہد (بحر) دوسرے معنی امر تحویل قبلہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ قیل امر القبلۃ (کبیر) وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اس ٹکڑے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ انکار کرنے والے عوام و جہلاء یہود نہیں، اُن کے علماء و اکابر تھے۔ ۵۴۱ (اے مخاطب) آیت کا یہ جزو تاکید کلام کے لئے ہے۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی بیان ہو رہا ہے، خواہ رسول اللہ صلعم کی رسالت سے متعلق ہو، یا امر تحویل قبلہ سے متعلق۔ بہرحال و بہرصورت یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اور ہرگز بے التفاتی یا کم التفاتی کے قابل نہیں۔ ۵۴۲ ع ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے! یعنی ہر قوم ہر اُمت نماز و عبادت کیلئے ایک مرکزی رُخ مقرر رکھتی ہے، سو اُمتِ اسلامیہ کے لئے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے۔ لِكُلٍّ۔ "ہر ایک" سے مراد ہر قوم یا ہر اُمت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔ ولم یقل لکل قوم او امۃ لانہ معروف المعنی عندہم (کبیر) یعنی بذٰلک اہل الادیان (ابن کثیر) لکل طائفۃ من اہل الادیان (بحر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ عارفین نے آیت کو حدیث نبوی کل میسر لما خلق لہ (ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) سے مؤید کر کے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تکوینی و تشریعی دونوں حیثیتوں سے اللہ نے انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں، اور متعدد طبقے ان کے پیدا کر دیئے ہیں۔ کوئی کاشتکاری میں لگا ہے، کوئی تجارت میں اور کوئی صنعت و حرفت میں۔ اسی طرح دینی حیثیت سے بھی، کوئی احادیث نبوی جمع کر رہا ہے، کوئی حفظ قرآن کر رہا ہے، کوئی مسائل فقہ کا استنباط کر رہا ہے، کوئی قرآن کی تفسیر و ترجمانی میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب مختلف طریقے راستے ہیں اللہ کی طرف کے۔ اللہ ان سارے طریقوں کو اپنے بندوں کے ذریعہ سے آباد رکھنا چاہتا ہے، تو جو شخص جس طریق پر بھی اللہ کی رضا کے قصد سے چلے گا، اللہ اُس کے لئے قبول و وصول آسان کر دے گا۔ هُوَ اخفش نحوی اور زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی رُخوں کا پھیرنے والا ہے۔ قیل ہو عائد علی اللہ تعالیٰ قال الاخفش والزجاج (بحر) ۵۴۳ (اے مسلمانو) خطاب اُمتِ اسلامیہ کو ہے کہ حُسنِ عمل کی طرف بڑھو، اور جملہ مذاہب و ادیان کے اتحادِ قبلہ کے خیال خام میں نہ پڑے رہو۔ خیرات۔ خیر کی جمع وسیع و عام مفہوم میں ہے۔ رضاء الٰہی کیلئے موافق شرع جملہ امور کو شامل۔ وصول الی اللہ کے بے شمار راستوں پر حاوی۔ فَاسْتَبِقُوا۔ عارفین نے کہا ہے کہ ہر وقت جو چیز اُس وقت کے لحاظ سے خیر و مصلحت ہو، اُس کی طرف بڑھنا ہی استباق خیر ہے ۵۴۴ (اور تمہاری نمازوں میں وحدت پیدا کر دے گا) ساری اُمت کا قبلہ ایک خاص مکان کو مقرر کر دینے سے ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ تو ایک صورت انتشار کی سی پیدا ہوگئی، کوئی شمال کی طرف رُخ کرے گا، کوئی جنوب کی طرف۔ وقس علیٰ ہذا۔ شبہ کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ شبہ محض سطحی ہے۔ مقصود تو نماز اور نمازیوں میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال، جنوب، شرق، غرب، دنیا کے کسی خطہ، کسی علاقہ میں بھی متفرق و منتشر ہو۔ عالم الغیب والشہادۃ کو تو بہرحال علم ہے کہ تم رُخ ایک ہی طرف کئے ہوئے ہو۔ وہ کعبہ کی طرف بڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک حکم میں رکھے گا۔ یجعل اللہ تعالیٰ صلاتکم مع اختلاف جہاتہا فی حکم صلاۃ متحدۃ الجہت (روح) اے یجمعکم ویجعل صلاتکم کلہا الی جہۃ واحدۃ قالہ الزمخشری (بحر) دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اشارہ یہاں موت و قیامت کی طرف ہے یعنی تم دفن جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں یکجا کر دے گا۔ ۵۴۵ (اور اُس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں) یہ ایک اصولی جواب بہت سے شبہات کا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے مسائل میں انسان کو جہاں کہیں بھی استبعادِ عقلی معلوم ہوتا ہے اُس کی بنیاد ہمیشہ اسی مغالطہ پر ہوتی ہے کہ اپنے اوپر قیاس کر کے اللہ کے قویٰ کو بھی محدود، اور اُس کی قدرت کو بھی زمان، مکان، وغیرہ کی قیود کا پابند سمجھ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس بشری ذہنیت (سائیکالوجی) کو پوری طرح سمجھ کر بار بار اسی حقیقت کی طرف تنبیہ کی ہے کہ خدائی فعلیت پر حکم لگاتے وقت خدائی قدرت کی بھی وسعتِ بے پایاں کو تو یاد رکھا کرو۔ ۵۴۶ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال کعبہ، سفر و حضر سب کہیں کے لئے ہے۔ محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بیّن بہذا استاوی الحالین اقامۃً وسفرًا فی انہ مأمور باستقبال البیت الحرام (بحر) ۵۴۷ یعنی امر ثابت شدہ جس میں اب کسی نسخ و تبدیلی کا امکان نہیں۔ هُوَ الْحَقُّ اے ثابت الذی لا یعرض لہ نسخ ولا تبدیل (بحر) اِنَّهٗ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے۔ ۵۴۸ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تنبیہ اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے۔ اور صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے۔ ۵۴۹ الفاظ کی تکرار غالباً تاکید معنی کے لئے ہے۔ اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے۔ کرر ت توکیدًا (بحر) ہو الاکثر المعہود فی لسان العرب وہوان تعاد الجملۃ مرۃ واحدۃ (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کیلئے ہے۔ یعنی سفر حضر میں جس حال میں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیم مکان کیلئے ہے۔ یعنی دور و نزدیک، حاضر غائب، جہاں کہیں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں۔ ۵۵۰ (اے مسلمانو!) یعنی یہ حکم رسولؐ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ساری اُمت پر اس کی تعمیل فرض ہے۔ یہاں تک یہ حکم استقبال کعبہ کُل ملا کر چھ بار آچکا ہے۔ اہل لطائف و اسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک ایک خاص اشارہ مقصود ہے۔ مثلاً (۱) پہلی بار سے مطلق حکم وجوب (۲) دوسری بار سے تعمیم احوال۔ یعنی سفر ہو یا حضر (۳) تیسری بار سے تعمیم مکان۔ یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب (۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رُو رہنے کا استحباب (۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی۔ یعنی دل اُسی طرف لگا ہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے (۶) چھٹی بار سے تاکید۔ یعنی رفع احتمال نسخ۔

فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾

ان میں کے کچھ لوگ خوب چھپاتے ہیں حق کو، حالانکہ جانتے ہوتے ہیں ۵۴۰ یہ امر

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾

حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، پس تو کہیں شک کرنے والوں میں ہرگز نہ ہو جانا ۵۴۱

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

اور ہر ایک کے لئے کوئی رُخ ہوتا ہے جدھر وہ متوجہ رہتا ہے ۵۴۲ سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو ۵۴۳

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ

تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم سب کو پالے گا ۵۴۴ بے شک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

ہر چیز پر قادر ہے ۵۴۵ اور آپ جس جگہ سے بھی باہر نکلیں اپنا

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ

مُنہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں ۵۴۶ اور یہ آپ کے

لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٩﴾

پروردگار کی طرف سے امر حق ہے ۵۴۷ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو ۵۴۸

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں، اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

کریں ۵۴۹ اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو، اپنا مُنہ اس کی طرف موڑ لیا کرو ۵۵۰

۵۲۵ انتظارِ وحی میں نے بیغمبر، رسول اللہ صلعم کو صحیح بصیرۂ دینی کے تحت اس کا یقین تھا کہ اب جب کہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے، تو ان کا قبلہ بھی قبلہ اُمّت نہیں رہ سکتا۔ تحویلِ قبلہ کا حکم اب آگ رہے گا۔ اور فرشتۂ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اُٹھ جاتی تھی۔ یہاں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند، کسی مکان سے محدود نہیں، تاہم تجلیاتِ خاصہ کو قرآن میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی لئے محققین نے لکھا ہے کہ بوقتِ اضطرار و دُعا آسمان کی طرف مُنہ کرنا موجباتِ قبول میں سے ہے۔ بلکہ اس نسبت عُلوی سے کمالِ یقین و تصفیۂ قلب میں اور مدد ملتی ہے۔ قد نری گو صیغۂ مضارع ہے، لیکن مراد ماضی ہے۔ لفظہ مستقبل والمراد به الماضی (عکبری) نری سے اشارہ یہ بھی ہو گیا کہ آپ حیران و مضطر کیوں ہوتے ہیں، ہم نے خُوب دیکھ لیا ہے آپ کے تعلقِ خاطر کو۔ اور اس میں کمال تسکین ہے رسول اللہ صلعم کی۔ فی السماء میں فی الی کے معنی میں ہے۔ فی جھۃ السماء (کشاف) نحو السماء وقبلھا (ابن جریر) ۵۲۶ یعنی خانۂ خدا و قبلۂ ابراہیمی کی جانب یہ وعدہ ہے تحویلِ قبلہ کا۔ یہاں بجائے براہِ راست یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دیدیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلعم کی کمال رفعتِ مراتب اور کمال درجۂ قبولیت ظاہر ہے۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہلِ طریقت کے ہاں جو اصطلاح مقام مرادیت و محبوبیت کی آئی ہے، اس کی اصل یہی آیت ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندیِ مرتبہ کا کہ مولیٰ خود طالب رضائے عبد ہو جائے! اس کے آگے کوئی مرتبہ تصوّر میں بھی نہیں آسکتا ہے۔ اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے ؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندہ سے خود پُوچھے بتا تیری رضا کیا ہے! فلنولینك کے دُوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہم آپ کو اس کا والی و حاکم اور اس پر متصرف بنا دیں گے۔ اے لنمکننك من استقبالها (مدارک۔ روح) ابھی وعدہ ہوا تھا تحویلِ قبلہ کا۔ اب حکم صادر ہو گیا تحویلِ قبلہ کا۔

رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بڑا مہربان ہے ۵۲۴ بیشک ہم نے دیکھ لیا آپ کے مُنہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ۵۲۵ سو ہم ضرور آپ کو متوجہ

قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ

کر دینگے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں ۵۲۶ اچھا اب کر لیجئے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف ۵۲۷ اور تم

حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا

لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو اُسی کی طرف ۵۲۸ اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی

الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ (حکم) واقعی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے ۵۲۹ اور اللہ بیخبر نہیں ان کی

عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا

کارروائیوں سے ۵۳۰ اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب مل چکی ہے، ساری ہی نشانیاں لے آئیں ۵۳۱

تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ

جب بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے ۵۳۲ اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنیوالے ہیں ۵۳۳ اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے

قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ

قبلہ کو ماننے والے ہیں ۵۳۴ اور اگر (کہیں) آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں ۵۳۵ بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم

مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

آچکا ہے ۵۳۶ تو یقیناً آپ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہو نگے ۵۳۷ جن لوگوں کو ہم کتاب دے

الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ

چکے ہیں ۵۳۸ وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو پہچانتے ہیں ۵۳۹ اور بیشک

وقف لازم

منزل ۱

الوجہ لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن حکم میں کل جسم کے ہے۔ المراد من الوجه ههنا جملة بدن الانسان (کبیر) وقد یعبر عن کل الذات بالوجه (کبیر) ۵۲۷ المسجد الحرام عزت و حرمت والی مسجد سے مراد مکہ معظمہ کی وہ مسجدِ اعظم ہے جس کے اندر خانۂ کعبہ واقع ہے۔ خانۂ کعبہ بہت ہی مختصر عمارت کا نام ہے۔ مدینہ والوں یا اور کہیں کے بھی لوگوں کو اس کی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی۔ اس لئے امت کی سہولت کے لئے نام نسبتاً ایک بہت بڑی عمارت کا لے دیا گیا (مدارک۔ بیضاوی) محققین کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہی ہے۔ سو مراد البیت نفسه (جصاص) والمراد به البیت لانه تعالیٰ خاطبنا بلغة العرب وهی تعبر عن الشیء بما یجاوره او بما یشتمل علیه (ابن العربی) وذکر المسجد الحرام دون الکعبة دلیل علیٰ ان الواجب مراعاة الجهة دون العین (مدارک) اور امام مالکؒ سے یہ قول منقول ہے کہ مسجد حرام قبلہ ساری دنیا کی ہے اور خانۂ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا۔ مسجدِ حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقشِ اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ بعد کے خلفاء و سلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے، خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی (متوفی ۱۵۷۴ء) کے عہد سے تقریباً قائم ہے۔ صحن کی وسعت ... فٹ بیان کی گئی ہے۔ متعدد بڑے بڑے عالی شان اور فراخ دالان چاروں طرف اس کے علاوہ ہیں۔ داخلہ کے اہم دروازے ہیں۔ منارے چھ ہیں۔ اور گنبد گمزیوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق شمالی غربی وسعت ۵۴۵ فٹ ہے۔ جنوبی و شرقی ۵۵۲ فٹ، شمالی شرقی ۳۶۰ فٹ، اور جنوبی و غربی ۳۶۴ فٹ۔ شطر سے مراد ہے مسجدِ حرام کی سمت میں یا اس کے رُخ پر۔ نہ کہ عین اس کے مقابل، کہ اس کی تعمیل دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ شطره اے نحوه وتلقاءه قاله ابن عباس وابو العالیة ومجاهد والربیع بن انس (جصاص) فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبالِ قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ نماز سے باہر ہونا صرف اُس وقت ممکن ہے جب چہرہ کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف سے پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہو جاتی ۵۲۸ (حالتِ نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امتِ محمدی سے ہے۔ ابھی ابھی رسول اللہ صلعم کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجئے۔ اب عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔ حیث ما کنتم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز، انسان کہیں بھی ہو، درست ہے، کچھ مسجد ہی کی قید نہیں ۵۲۹ علماء و اکابرِ یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبرِ آخر الزماں کا قبلہ وہی ہو گا جو ابراہیم خلیل اللہ کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ انه میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویلِ قبلہ ہے۔ اے التحویل الی الکعبة (کشاف) والضمیر للتحویل او للتوقیة (بیضاوی) من ربهم کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبالِ کعبہ رسول اللہ کا امر اجتہادی نہیں، تمام تر حکم ربانی ہے ۵۳۰ (جو وہ اخفاءِ حق و صداقت کی کرتے رہتے ہیں) ۵۳۱ یعنی اپنی پیغمبری کے سارے ممکن دلائل و معجزات بھی۔ الذین اوتوا الکتٰب سے مراد یہود ہیں ۵۳۲ یہ حد سے ان کے ضد، عناد و تعصب کی، اس لئے آپ کا ان کے اعتراضات کی طرف التفات کرنا ہی بے کار ہے ۵۳۳ (اس لئے کہ اسرائیل کی امامت کے خاتمہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے، اور یہود و نصاریٰ کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانا چاہیئے) ۵۳۴ چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکلِ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں، بلکہ سمتِ مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں۔ بحمد اللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود و نصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ فالیهود مستقبل بیت المقدس والنصاریٰ مطلع الشمس (مدارک) اور خیر نسفی تو بعد کے شخص ہیں، ابن جریر تو متقدمین میں ہیں، وہ تک اس سے باخبر تھے۔ وذلك ان الیهود تستقبل بیت المقدس بصلاتها وان النصاریٰ تستقبل المشرق (ابن جریر) ۵۳۵ (تحویلِ قبلہ کے باب میں، حالانکہ عصمتِ نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے) اہلِ کتاب کی اتباع و استرضاء تو مطلقاً ممنوع ہے لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں ان کی اتباع معصیت ہی نہیں، کفر ہے ۵۳۶ یعنی علم ثابت بالوحی۔ قرآنی اصطلاح میں العلم سے مراد یہی علم حقیقی ہوتا ہے، دنیوی "علوم" کی کوئی صنف نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لئے جو علم صحیح کے باوجود بجائے اس کے اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ وفی ذلك تحذیر لمن یترك الدلیل بعد انارة ویتبع الهویٰ (مدارک) ۵۳۷ اللہ کے قانون میں رو رعایت کی گنجائش کسی کے لئے نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کے لئے بھی نہیں۔ اور نفس فطرتِ بشری کے لحاظ سے گناہ ہونے کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے، جیسی دوسرے انسانوں میں، یہ اور بات ہے کہ توفیقِ الٰہی ان کا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے، اور انہیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔ امام رازیؒ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں۔ دلت الآیة علیٰ ان توجه الوعید علی العلماء اشد من توجهه علیٰ غیرهم (کبیر) ۵۳۸ عموم لفظ کے تحت میں مسیحی بھی داخل ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ مراد یہود ہیں۔ توریت و صحفِ قدیم کو مسیحی بھی مانتے ہیں۔ علماء بلاغت نے اشارہ کیا ہے کہ اس موقع پر صیغۂ موصوف اتینٰهم الکتٰب ضمیر متکلم کی تصریح کے ساتھ صیغۂ مجہول اوتوا الکتٰب سے کہیں زیادہ بلیغ و پُرمعنی ہے ۵۳۹ یعنی خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ و التباس کے۔ مطلب یوں ہوا کہ پچھلے نوشتوں میں ایک نبی آخر الزماں کی آمد کی بات پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے، ٹھیک اُسی طرح آپ کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ ابناءھم کے لفظی معنی اپنے لڑکوں کے ہیں لیکن ضمیر ھم سے مراد افراد و اشخاص نہیں بلکہ مجموعۂ قوم یہود و نسل اسرائیل ہے۔ یعنی ابناء اسرائیل۔ ابناء کا لفظ عربی میں اولاد سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ صلبی بیٹوں ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ جن جن پر فرزندی کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اُن سب پر حاوی ہے۔ یعرفونه میں ضمیر ہ سے مراد ... اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد بیت الحرام کو بہ حیثیت قبلۃ الانبیاء کے پہچاننا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ابن عباسؓ صحابی سے لیکر قتادہ، ابن زید، سدی، ابن جریج تابعین کے اقوال اسی معنی میں

سَيَقُولُ السُّفَهَاۤءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ
اب بیوقوف لوگ (ضرور) کہیں گے ۵۱۰ کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلہ سے جس پر
الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ
وہ اب تک تھے ۵۱۱ ہٹا دیا۔ آپ کہہ دیجئے ۵۱۲ کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں ۵۱۳
يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
وہ جسے چاہے ۵۱۴ سیدھی راہ چلا دیتا ہے ۵۱۵
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ
اور اسی طرح ہم نے تمہیں ۵۱۶ ایک اُمت عادل بنا دیا ہے ۵۱۷ تاکہ تم گواہ ہو
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ
لوگوں پر ۵۱۸ اور رسول گواہ رہیں تم پر ۵۱۹
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ
اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے ۵۲۰ اُسے تو ہم نے اسی لئے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول
مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَ
کا اتباع کرنے والوں کو اُلٹے پاؤں واپس چلے جانے والوں سے ۵۲۱ اور
اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَ
یہ حکم بہت گراں ہے، مگر اُن لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے ۵۲۲ اور
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ
اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمہارے ایمان کو، اور اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے،

منزل ۱

۵۱۰ (بطور استفہام و استفسار کے نہیں، بلکہ بطور طنز و تعریض) سیقول میں س ہو سکتا ہے کہ مستقبل کے لئے ہو اور اس کے معنی عنقریب کے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مطلق تاکید کے لئے ہو، اور معنی صیغہ ماضی کے دے۔ اور چونکہ آیت کا نزول ایک قول کے مطابق حکم تحویل قبلہ سے قبل نہیں، اس کے بعد ہوا ہے، اس لئے مفسرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، کہ یہاں ماضی مراد ہے، اور اردو محاورہ میں اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے کسی گزرے ہوئے واقعہ سے متعلق کہا جائے، کہ ہاں ہم تو جانتے ہی تھے کہ یہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کریں گے۔ قال القفال ان الاٰیة نزلت بعد تحویل القبلة وان لفظ سیقول مراد منه الماضی (روح) قیل ان سیقول بمعنی قال (فتح) اور اسی سے ملتا ہوا یہ قول بھی ہے، کہ صیغہ ماضی یہاں اس اعتراض کے استمرار کو ظاہر کرنے کو لایا گیا ہے، یعنی یہ لوگ برابر اس طرح کہتے رہیں گے۔ انما عبر عن الماضی بلفظ المستقبل للدلالة علی استدامته والاستمرار علیه (فتح) لیکن جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ یہاں مستقبل ہی مراد ہے، اور آیت کا نزول حکم تحویل قبلہ سے قبل ہی ہوا ہے۔ وسیقول ظاهر من الاستقبال (بحر) اس صورت میں بالکل درست ہوگا اگر آیت کو ایک سچی پیشگوئی یا اخبار بالغیب کی مثال میں بھی پیش کیا جائے۔ ان الله تعالی اخبرعنهم قبل ان ذکر واهذا الکلام انهم سیذکرونه (کبیر) ان اخبار من الله تعالی لنبیه صلی الله علیه وسلم انه یصدر منهم هذا القول فی المستقبل (بحر) ۵۱۱ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اُسی رخ پر نماز جاری رکھی۔ بلکہ جب مدینہ ہجرت فرمائی، جب بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقع ہے۔ آپ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں لیکن حکم الٰہی سے مجبور ہی تھی۔ آخر ورود مدینہ کے ۱۶ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا کہ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے اور حکم کی معاً تعمیل ہوئی۔ خانہ کعبہ مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقع ہے۔ اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رخ دفعتہً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ صلعم کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا۔ وہ یوں بھی رسول اللہ صلعم کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے تھے۔ تحویل قبلہ کے اس تنفیذ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے، اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے، ان کے ہنوا کچھ لوگ بھی منافقوں اور مدعیوں میں سے ہو گئے۔ السفهاء من الناس سے یہی لوگ مراد ہیں۔ سفہاء جمع ہے سفیہ کی، اور سفیہ کے معنی کم عقل و بد عقل کے ہیں۔ السفیه الخفیف العقل (تاج) واستعمل فی خفة النفس لنقصان العقل (راغب) یہاں سفاہت کا صاف اطلاق احکام الٰہی میں قیل و قال کرنے والوں کے حق میں ہے۔ السفہاء سے مراد یہود کا ہونا خود صحیح بخاری میں آچکا ہے۔ السفهاء هم الیهود (بخاری عن البراء) صحابہ تابعین کی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ بعض روایتیں منافقین سے متعلق بھی ملتی ہیں۔ نزلت فی المنافقین (ابن جریر عن السدی) راجح یہ ہے کہ آیت عام رکھی جائے تمام معترضین کے لئے۔ والاٰیة عامة فی هؤلاء کلهم (ابن کثیر) یدخل فیه الکل لان لفظ السفهاء لفظ عموم (کبیر) الاقرب ان یکون الکل (بحر) ۵۱۱ یعنی بیت المقدس سے۔ قبلہ۔ وہ مکان ہے جس کے مقابل رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ صار اسمًا للمکان المقابل المتوجه الیه للصلوة (راغب) یہ حکم سب سے زیادہ ناگوار یہودیوں کو گزرا۔ اب تک وہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ مسلمان کم از کم ہمارے ہم قبلہ تو ہیں۔ اب یہ مسرت بھی ان سے چھن گئی ۵۱۲ (ان کے جواب میں اے ہمارے پیغمبر!) ۵۱۳ (اور کسی خاص سمت و جہت میں کوئی تقدس رکھا ہوا نہیں ہے، اس کے لئے سب برابر ہیں، وہ جدھر اور جس چیز کو بھی چاہے، نماز کے لئے رخ مقرر کر دے۔ سوال اصلیہ ہو ہی نہیں سکتا) للہ میں لام ملکیت کا ہے۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی ملک ہیں، مخلوق ہیں، ہر دوسری مخلوق کی طرح تابع و محکوم ہیں۔ یہ ضرب ہے مشرق پرستی، مغرب پرستی، اور ہر قسم کی سمت پرستی پر، جو مختلف مشرک جاہلی قوموں کا مذہب رہی ہے۔ شرک کی ایک خاص قسم سمت پرستی، یا جہت پرستی پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ پارہ اول، رکوع ۱۴، آیت ۱۱۵ للہ المشرق والمغرب کے تحت میں ۵۱۴ (اور اس کا چاہنا ہمیشہ قانون حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے) ۵۱۵ (اور وہ بے چون و چرا، رسول یا وقت کے سب سے بڑے حکیم و عالم کے اتباع کی توفیق دے دیتا ہے) ۵۱۶ (اے مسلمانو! اسی طرح ایک اسی مسئلہ پر موقوف نہیں، ہر معاملہ میں) ۵۱۷ یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار سے اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو، کجی اور ہر افراط و تفریط سے پاک۔ وسط کا عربی زبان میں یہ لفظ خاص مدح کے موقع پر آتا ہے۔ وانما الوسط فانه فی کلام العرب الخیار (ابن جریر) اسم للخصال المحمودة بوقوعها بین طرفی افراط و تفریط (بیضاوی) حدیث نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی صلعم امة وسطًا قال عدلًا (ابن کثیر عن احمد) اور ائمہ لغت سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ قال الجوهری فی الصحاح امة وسطًا ای عدلًا وهو الذی قاله الاخفش والخلیل و قطرب (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ احتج جمهور الاصحاب وجمهور المعتزلة علی ان اجماع الامة حجة (کبیر) ۵۱۸ ملت اسلامی، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے، ساری دنیا کے لئے بطور نمونہ کے تیار کی گئی ہے، کائنات کی ہر امت کو اسی سانچہ میں ڈھلنا اور اسی معیار پر پورا اترنا چاہیے۔ آیت سے کمال درجہ کی فضیلت امت اسلامی کی ثابت ہو رہی ہے۔ شہداء سے یہ تنبیہ بھی نکل رہی ہے کہ مسلمانوں کو اخلاقی پستی اور فسق و فجور کی ہر صورت سے بچے رہنا چاہیے۔ ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل نہ رہیں گے ۵۱۹ جس طرح دنیا کی ہر امت کے لئے نمونہ اور معیار کا کام دینے کے لئے امت اسلامیہ ہے خود اس امت کے لئے معیار کا کام دینے کے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات ہے ۵۲۰ (اور اس پر بھی حکم الٰہی ہی سے تھے) یعنی بیت المقدس۔ اس سلسلہ میں یہ خوب ملحوظ رہے کہ اسلام میں قبلہ خواہ بیت المقدس یا خانہ کعبہ، بہرحال ایک متعین و مخصوص مکان کا نام ہے، خواہ وہ کسی مقام سے کسی طرف پڑے۔ نہ کہ کسی متعین سمت و جہت کا، جیسا کہ مشرکوں کے ہاں اور مسیحیوں کے ہاں ہے ۵۲۱ (اور فرمانبرداروں کا امتیاز نافرمانوں سے کرلیں) لنعلم۔ علم کے معنی یہاں تمیز و شناخت کے ہیں۔ ای لیتمیز به الثابت علی دینه من المرتد (بحر) علی اطلاق العلم علی معنی التمییز لان بالعلم یقع التمییز (بحر) الا لنتمیز هؤلاء من هؤلاء ..... فسمی التمییز علمًا (کبیر) علم الٰہی کلی تو ہر واقعہ شروع ہی سے موجود ہے، لیکن کائنات میں جب تک کوئی واقعہ واقع نہ ہولے، اس پر واقعہ کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ مضمون آیا ہے، مراد اس کے وقوع ظاہری عملی سے ہوتی ہے ۵۲۲ (اور وہ اطاعت رسول کے ذوق سلیم سے بہرہ ور ہیں) بعض علماء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے، کہ اہل قبلہ جتنے بھی ہیں، وہ ضروری حد تک راہ ہدایت پر ہیں۔ قبلہ پر قائم رہنا ایک بڑے سنگین امتحان سے گزرنا ہوا۔ اور اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی ایک بنا و بن گیا ۵۲۳ (اور اعمال ایمانی کو) بعض مسلمانوں کو یہود کے ورغلانے سے یا از خود یہ وہم ہو گیا تھا کہ جب اصل قبلہ خانہ کعبہ ہے اور بیت المقدس محض ایک عارضی قبلہ تھا، تو اس رخ پر جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ بیکار گئیں۔ اور جو مسلمان اس حکم جدید سے قبل وفات پا چکے، وہ تو سر تا سر گھاٹے میں رہے۔ جواب انہی کو مل رہا ہے، کہ یہ وہم کیسا۔ قبلہ کوئی سا بھی ہو، اجر تو تعمیل احکام کرنے والوں کا ہے۔ جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، انہوں نے بھی بہرحال حکم ہی کی تعمیل کی تھی۔ اجر ان کا تمام و کمال ثابت رہا ۵۲۴ چنانچہ دوسرے احکام کی طرح حکم تحویل قبلہ بھی تمام تر اس کی شفقت و مہربانی، رافت و رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔

ے دین اللہ (مدارک) والمراد بھا دینہ الذی فطر الناس علیہ (جلالین) یہی دین اللہ کے معنی ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد، ابو العالیہ، قتادہ وغیرہ متعدد تابعین سے مروی ہیں (ابن کثیر) رُوئے سخن اُوپر سے یہود و نصاریٰ کی
طرف چلا آرہا ہے۔ ان دونوں کے ہاں بڑی اہمیت ایک خاص قسم کے رسمی تطہیری غسل کی تھی، جسے بپتسمہ یا اصطباغ کہا جاتا تھا۔ انہیں کی اصطلاح میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے
رنگ پکڑنے کی چیز دینِ توحید ہے۔ یعنی التزموا دین اللہ (معالم) ۴۹۸ (جس کا دین ایمان کے رنگ کو نکھار دیتا ہے، اور کفر و ضلالت کی نجاستوں کو دُور کر دیتا ہے) والمراد انہ یصبغ عبدہ بالایمان ویطھرہ
بہ من اوساخ الکفر فلا صبغۃ احسن من صبغتہ (کشاف۔ کبیر) ۴۹۹ (اور سارے عقائدِ باطل، شعائرِ باطل، معبودانِ باطل کے منکر ہیں) نحن۔ ہم، یعنی مسلمان یا اُمتِ مسلمہ۔ ۵۰۰ خطاب اگرچہ سارے

مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ
رنگ (دینے والا) ہے؟ ۴۹۹ ہم تو اُس کی بندگی کرنے والے ہیں ۵۰۰ آپ کہئے کہ
اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا
کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کئے جاتے ہو ۵۰۱ درآنحالیکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ
پروردگار ہے ۵۰۱ اور ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم تو اُسی کیلئے خالص ہیں ۵۰۲ کیا تم (یہ) کہتے
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ
وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ
اور اولادِ (یعقوبؑ) یہودی یا نصرانی تھے؟ ۵۰۳ آپ کہئے تم
اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ
واقف تر ہو یا اللہ؟ ۵۰۴ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اُس شہادت کو چھپائے جو اُس کے
مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾
پاس اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی ہے؟ ۵۰۵ ورنہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر تو ہے نہیں ۵۰۶
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا
یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ۵۰۷ اُن کا کیا ہوا اُن کے آگے آئیگا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے
كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾
آگے آئیگا ۵۰۸ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اُس کی پُوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی ۵۰۹

ع ۱۶ / ۱۶

اہلِ باطل کیلئے عام ہے، لیکن سیاق میں خاص طور پر مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ذکروا فیہ وجوھًا احدھا انہ خطاب للیھود والنصاریٰ وھو الیق بنظم الآیۃ (کبیر) ۵۰۱ (تو کم از کم اس کی ذات و صفات کے باب میں تو تمہیں کوئی مغالطہ یا غلط فہمی نہ رہنا چاہیے) یعنی اے اہلِ کتاب جب ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف پروردگار کے تعین میں نہیں۔ تو اوّل تو اسکی توحید پر قائم رہنا چاہیے۔ اور تثلیث فی التوحید یا توحید فی التثلیث اور خدا کے فرزند، بروز و مظہر وغیرہ قسم کے خرافات سے بالکل بچنا چاہیے۔ دوسرے جب اسکی صفات کمالیہ پر ایمان ہے، تو وہ اپنی حکمت و ربوبیت کے تقاضا سے جس نسل کے جس فرد کو بھی چاہے نبوت و رسالت سے سرفراز کر دے۔ وہ ہر طرح مالک و مختار ہے۔ اسرائیلی غیر اسرائیلی کسی خاص نسل کا اجارہ نہیں۔ ۵۰۲ (اپنے عقائد اور اپنی عبادات میں ہر شرک، ہر ضلالت سے پاک صاف ہو کر) ہے اعمال تو ہمارے اور اپنے اعمال کے فرق کا اثر آخرت میں تو تمہیں بھی نظر آجائیگا۔ آج جتنا چاہو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرلو۔ ۵۰۳ یعنی کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ان پیمبروں، بزرگوں اور تمہارے مورثوں کے عقائد ذات و صفاتِ باری کے باب میں بجائے دینِ توحید و اسلام کے، یہودیت و نصرانیت کے تھے؟ ام تقولون۔ خطاب اہلِ کتاب خصوصًا یہود سے ہے۔ اور لہجۂ خطاب میں زجر کا پہلو شامل ہے۔ صیغۃ استفہام ومعناہ التوبیخ (معالم) جتنے اسماء و اعلام یہاں آئے ہیں، ان سب پر حاشیے آیت ۱۳۶ کے ذیل میں اور اسکے قبل گزر چکے۔ ۵۰۴ (ان حضرات کے دین و عقائد کے باب میں) اور اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحیدِ خالص کے پیرو تھے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم و فاضل موجود تھے ان سب کو چیلنج دیکر ایک اُمّی کی زبان سے کہلایا جا رہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر، صداقتوں کا گلا گھونٹ کر جو کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے مبلغ ہوئے ہیں۔ آج یورپ کے بڑے بڑے ماہرینِ تاریخ

اور محققینِ اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں، وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی اُمّی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے! ۵۰۵ (اور وہ شہادت ہے دینِ اسلام کے برحق ہونے کی، ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کے مومنِ کامل و مبلغِ توحید ہونے کی، اور آخر زمانہ میں ایک رسولِ برحق کے ظہور کی) اس شہادت کو چھپانے والے ظاہر ہے کہ اہلِ کتاب خصوصًا یہود کے علماء تھے۔ اور یہ شہادت محفوظ تھی ان کی مسلّم آسمانی کتابوں اور الہامی نوشتوں میں۔ شھادۃ فی کتبھم ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونبوتہ (ابن جریر) وھی شھادۃ اللہ لابراھیم بالحنیفیۃ (مدارک) وفیہ تعریض بکتمانھم شھادۃ اللہ لمحمد علیہ السلام بالنبوۃ فی کتبھم وسائر شھاداتہ (مدارک) ۵۰۶ (وہ وقت آنے پر انہیں کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا) مطمئن اور بے فکر نہ ہو جاؤ۔ وہاں رتی رتی کی خبر ہے۔ اور ویسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ وہاں بزرگوں کے ساتھ نسبی و نسلی انتساب ہرگز کام نہ دے گا۔ منکروں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے اس سے بہتر اور موثر کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ کے علم الغیب ہونے کا استحضار ذہن کے سامنے بار بار ہوتا رہے۔ اور قرآن مجید یہی کرتا رہتا ہے۔ ۵۰۷ (اور محض انکے نام کا انتساب بغیر انکے سے اعمال و عقائد کے ہرگز کافی نہیں) تلک امۃ سے مراد ہیں قوم اسرائیل کے اکابرِ سلف خصوصًا اجدادِ ثلثہ ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ، جن کی اولاد ہونے پر اسرائیلیوں کو حد سے زیادہ ناز تھا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۳۔ ۵۰۸ (آخرت میں) یعنی نہ انکے ایمان و اعمالِ صالحہ سے تمہیں کچھ نفع پہنچے گا، اور نہ تمہارے کفر و اعمالِ سیئہ سے انہیں کوئی ضرر ہوگا ۵۰۹ یہود کی کتابوں میں آج تک یہ تعلیمات موجود ہیں کہ جس طرح امگمر کی زندہ و شاداب بیل ایک بے جان ستون کے سہارے بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے، اسی طرح زندہ یہودی اپنے آنجہانی اور مرحوم مورثوں اور بزرگوں کے بل بوتے پر پروان چڑھتا رہتا ہے۔ اور تینوں اجداد اسرائیل نیز دوسرے صالحین و اخیار نے اعمالِ صالحہ کا جو انبارِ عظیم لگا دیا ہے، اسی سے ان کی اولاد کو مجموعًا و منفردًا برابر حصہ ملتا رہتا ہے، اور اس طرح کسی فرد میں خواہ کتنی ہی کمزوریاں ہوں اسکی نجات یقینی ہے؟ قرآنِ حکیم اس نجاتِ متوارث کے عقیدہ پر برابر ضرب شدید لگاتا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۴۔

اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہے گا۔ اور پھر اولادِ ابراہیمؑ کو تو کوئی ڈر ہی نہیں۔ "بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۶) "افرادِ یہود کی امیدیں
سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہو گئی تھیں (یعنی اس پر کہ) ہم ابراہیم کی اولاد ہیں" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۴ طبع یازدہم) ۴۸۴ قرآن مجید کی صاف اور سیدھی تعلیمات اور اسکے واضح دلائل کو سن کر چاہئے تو یہ تھا کہ اہلِ کتاب ان
سے متاثر ہوتے، اور قبولِ حق پر آمادہ ہو جاتے۔ لیکن بجائے اسکے ضد اور ہٹ سے کام لیکر الٹی مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو، تو تمہیں دنیا کی فلاح اور آخرت میں نجات حاصل ہو جائے۔
۴۸۵ (ساری امتِ اسلامیہ کی طرف سے ان لوگوں کے جواب میں، اے ہمارے پیغمبر!) ۴۸۶ (اسکی اصلی اور غیر محرف شکل میں) ملۃ ابراھیم۔ یہود اور نصاریٰ دونوں، نو مسلموں اور نیم مسلموں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے کہ "فلاح و نجات
منظور ہو تو ہمارے مذہب میں آؤ"۔ اس نئے مذہب میں کیا رکھا ہے"؟ مسلمانوں کو تعلیم اس جواب کی مل رہی ہے، کہ "تمہارے ہاں کیا رکھا ہے بجز تحریفات کے؟ رہا ہمارا دین تو وہ نو پیدا ذرا بھی نہیں۔ وہ تو بس قدیم دینِ توحید ابراہیم علیہ السلام کا،
اور ہم اسی کی اصلی اور غیر محرف شکل پر قائم ہیں"۔ حنیفًا۔ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے مضاف الیہ ابراہیم کا۔ اکثر اکابرِ تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ حال من المضاف الیہ (کشاف) ھو حال من المضاف الیہ (ابوسعود)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ
حنیفًا صفت ابراھیم کی نہیں بلکہ ملۃ کی ہے۔ اور حال مضاف الیہ کا نہیں، بلکہ مضاف کا واقع ہوا ہے۔ وھو حال من المضاف بتاویل الدین اوتشبیھًا لہٗ بفعیل بمعنی مفعول (روح) اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا "ہم نے پالیا

تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ
راہ یاب ہو جاؤ گے ۴۸۴ آپ کہہ دیجیے کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) ابراہیمؑ سیدھی راہ والے کا مذہب پالیا ہے ۴۸۵ اور وہ
مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۱۳۵ قُوۡلُوۡٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ
مشرکین میں سے نہ تھے ۴۸۶ کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو ہم پر
اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ
اُتارا گیا ۴۸۷ اور جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ
وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى
اور اولادِ (یعقوبؑ) پر اُتارا گیا ۴۸۸ اور جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو دیا گیا
وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ
اور اس پر جو دُوسرے انبیاء کو انکے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ۴۸۹ اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان
اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ۝۱۳۶ فَاِنۡ اٰمَنُوۡا
بھی فرق نہیں کرتے ۴۹۰ اور ہم اللہ ہی کے حکمبردار ہیں ۴۹۱ تو اگر یہ لوگ ایمان
بِمِثۡلِ مَآ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوْا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا
لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بیشک وہ بھی راہ پا گئے ۴۹۲ اور اگر منہ موڑے رہیں
فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ
تو بس (بڑی) مخالفت میں پڑے ہیں ۴۹۳ سو اب اللہ آپ کی طرف سے انکے مقابلہ میں بس ہے ۴۹۴ اور وہ
السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ؕ ۝۱۳۷ صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ
(بڑا) سننے والا، (بڑا) جاننے والا ہے ۴۹۵ (بھلے اوپر) اللہ کا رنگ ہے ۴۹۶ اور اللہ سے بہتر کون

ہے مذہب ابراہیمؑ کا جو سیدھی راہ ہے"۔ حنیفًا کے معنی بہرصورت مستقیمًا و مائلًا الی الحق کے
ہیں۔ اس جملہ کی تقدیر یوں ہے۔ بل تکون علی ملتہ علیہ السلام یا بل نتبع ملتہ علیہ السلام
۴۸۷ یہ تعریض ہے اہلِ کتاب پر کہ تم کس منہ سے اپنے کو دینِ ابراہیمؑ کی جانب منسوب کرتے ہو، وہ تو شرک
کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحیدِ خالص پر یہود، نصاریٰ سب ہی متفق تھے،
گو عملًا ان کی روش چھوڑے ہوئے تھے۔ بلکہ مسیحی تو صریح شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ۴۸۸ (اللہ کے
ہاں سے ہمارے پیمبر کے واسطہ سے) خطاب عام مسلمانوں سے ہے یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی
سے بھی نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمٰعیلی، اسرائیلی ہر شریعتِ الٰہی سے بس اعتقاد و انقیاد ہی کا ہے۔ الاسباط
جمع ہے سبط کی۔ اور معنی ہیں اولاد کی اولاد یا پوتے اور نواسے۔ الاسباط اولاد اولاد وقیل اولاد
البنات (تاج) عوام میں صرف نواسوں کے معنی میں مشہور ہے لیکن ائمہ لغت کی تصریح ہے کہ پوتوں اور
نواسوں دونوں کے لئے عام ہے۔ کلام الائمۃ صریح فی انہ یشتمل ولد الابن او الابنۃ کما صرح بہ
ابن سیدہ (تاج) بنی اسمٰعیل کی شاخیں جس طرح قبائل میں تقسیم ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کی شاخیں اسی طرح
اسباط کہلائیں۔ قال الازھری الاسباط فی بنی اسحٰق بمنزلۃ القبائل فی بنی اسمٰعیل (تاج) نسلِ
اسرائیل میں رسالت بہت وسیع پیمانہ پر پھیلی رہی۔ فقرہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان کسی پیمبر کے بھی منکر
نہیں۔ ۴۸۹ اللہ کے ہاں سے۔ اسمٰعیل و اسحٰق۔ یہ دو نام اس سیاق اور اس سلسلہ میں خاص
طور سے قابلِ توجہ ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا نام لانا تو اس لئے بہت ضروری تھا کہ اہلِ کتاب انہیں سے
تو بغض رکھتے تھے۔ بغیر ان کا نام لائے اسلام کے دعویٰ کا اثبات ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسحٰق علیہ السلام
کا نام لانا خود ایک دلیل روشن ہے اسلام کے طریقِ عدل اور بے تعصبی کی۔ قرآن اگر بشری کلام ہوتا،
تو بشر کی فطرت تو یہ تھی، کہ اہلِ کتاب کے شدید اور مسلسل اشتعال انگیز تعصب کے جواب میں اسمٰعیلؑ کی
نصرت و حمیت میں اسحٰقؑ کا نام نظرانداز ہی کر دیا جاتا۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ تینوں کی تاریخی شخصیتوں
پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ ۴۹۰ (کلامِ الٰہی یا کتاب آسمانی میں سے) موسیٰؑ۔ آپ کی تاریخی شخصیت پر
حاشیہ گزر چکا۔ عیسیٰؑ۔ ابن مریمؑ۔ بجائے والد کے اپنی والدہ کی جانب منسوب ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری
اور مشہور نبی ہوتے ہیں۔ آپ پر سلسلہ اسرائیلی رسالت کا بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کیلئے ختم ہو
گیا۔ ولادت صوبہ یہودیہ (ملک شام) کے قصبہ بیت اللحم میں یا بیت المقدس میں، حاکمِ شام ہیرود
کے زمانہ میں ہوئی۔ شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا۔ سالِ ولادت
غالبًا ۴ ق م ہے۔ یہ بات سننے میں بہت ہی عجیب معلوم ہو گی۔ لیکن اس پر اتنی حیرت نہ کیجئے۔ سنہ
عیسوی جو اس وقت رائج ہے، خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی، اور اسکا
پتہ بعد کو چلا۔ چنانچہ سنِ عیسوی کا پہلا سال آپ کا سالِ ولادت نہیں۔ آپ کی ولادت کے چوتھے
سال سے یہ سنہ جاری ہوا ہے۔ آپ کی عمر غالبًا ۳۳ سال کی تھی، اور سنہ ۳۰ء تھا کہ اسرائیلیوں نے
آپؑ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت درجہ آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد و خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا۔ اور پھر سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا۔ وہاں سے سزائے موت (بذریعہ صلیب)
کا حکم صادر ہوا۔ اسکے بعد کیا گزری، اس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت وما قتلوہ وما صلبوہ کے تحت میں انشاء اللہ آئے گا۔ ۴۹۱ (خواہ وہ کسی ملک کسی نسل، کسی زمانہ کے ہوں، کہ ان میں کسی کو نبی مرسل مانیں کسی کو نہ مانیں) اسلام کے ایک جدید
نو پیدا مذہب ہونے کی یہ تردید ایک بار پھر کی جا رہی ہے۔ عالمگیر مذہب، آج ہر شخص بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے، کہ وہ ہو سکتا ہے جو ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل، ہر زمانہ کے پیغمبروں اور سچے ہادیوں کی علانیہ اور پُرزور تصدیق کر رہا ہے۔ یا وہ مذہب ہو
سکتے ہیں، جو آسمانی ہدایت کو فلاں ملک، فلاں قوم، فلاں نسل کے ساتھ مخصوص و مقید کئے ہوئے ہیں۔ ۴۹۲ (وہ ہم کو جس کسی کی بھی اطاعت کا حکم دے دیگا، ہم اسی کے پیرو ہو جائیں گے ہمیں کسی سے نہ تعصب نہ عناد، ہم تو بس امرِ الٰہی کے فرمانبردار ہیں)
اسلامی تعلیمات کا عطر یا لب لباب بس یہی مسئلہ توحید ہے۔ ۴۹۳ (اور اپنے ایمان کی بنا پر نجات کے مستحق ہو گئے) خطاب مسلمانوں سے ہے، اور "یہ لوگ" سے مراد وہی منکر و کافر اہلِ کتاب ہیں جن کا سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اسمیں بشارت ہے کہ اتنی ضد
و عناد کے باوجود اگر اب بھی وہ ایمان لے آئیں تو ان کا پچھلا کفر و عناد انکی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ فان کی ف سے اشارہ اس طرف ہے کہ اب جب کہ تعلیمات اسلامی کا مغز ان پر پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔ ۴۹۴ (حق و راہ راست سے) یعنی اتنی واضح
ہدایت پہنچ جانے کے بعد اگر اب بھی ایمان نہ لائیں، تو اب جو انہیں مخالفت ہے وہ مخالفت ہی کی غرض سے، ضد اور عداوت ہی کی بنا پر ہے۔ اس لئے نہیں کہ وضوحِ حق میں کوئی خفا یا ابہام باقی رہ گیا ہے۔ اب جو وہ دین کو نہیں سمجھتے، تو محض اس لئے کہ
سمجھنا چاہتے نہیں۔ اے علمنا انہ لیس غرضھم طلب الدین والانقیاد للحق وانما غرضھم للمنازعۃ واظہار العداوۃ (کبیر) ۴۹۵ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین اور تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ہجومِ اعداء اور قوت و کثرتِ مخالفین سے
ذرا بھی تشویش و فکر نہ کریں۔ یہ حق کے معاندین آپ کو اور آپکے دین کو گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہ ہونگے۔ اب اللہ آپکا نگہبان ہے۔ ۴۹۶ سمیع۔ سننے والا ان کے الفاظ و اقوال، ان کے حرف حرف عبارت کا۔ یعنی جو کچھ ان کی زبانوں پر ہے، ان کی
گفتگوئیں اور تقریریں سب اللہ پر روشن ہیں۔ علیمؑ۔ جاننے والا انکے دلوں کے احوال و اسرار کا۔ یعنی ان کے ظاہر کی طرح ان کا باطن بھی اُس عالم کل پر روشن ہے، اور ان کی اندرونی کارروائیاں اور سازشیں سب اس کے سامنے
بے نقاب موجود ہیں۔ ۴۹۷ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ صبغنا اللہ صبغۃ (بیضاوی) کانہ قیل صبغنا اللہ صبغۃ (ابوسعود) یعنی ہمیں اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے مراد اسکے دینِ فطری یعنی اسلام سے ہے۔

۴۷۴ بھا یعنی اس دینِ توحید کی۔ ملتِ اسلام کی۔ ضمیر خواہ ملت کی جانب ہو خواہ اسلمتُ لرب العلمین کی طرف، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ والضمیر فی بھا للقولہ اسلمت لرب العلمین رکانہ والضمیر للملت او لقولہ اسلمت (بیضاوی)

وصّٰی۔ عربی کا لفظ وصیۃ، اردو کے وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بسترِ مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں۔ ہر حکم، ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ وَصَّیْنٰہ بکذا کے معنی ہیں "میں نے اس کو حکم دیا"، "میں نے اس سے یہ کرنے کو کہا"۔ بنیہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے آٹھ تھے۔ (۱) حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت ہاجرہؑ مصری کے بطن سے (۲) حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت سارہؑ عراقی کے بطن سے۔ (۳) زمران (۴) یقسان (۵) مدان (۶) مدیان (۷) اسباق (۸) سوخ یہ سب حضرت قتورہؑ کے بطن سے تھے (پیدائش ۲۵: ۱ و ۲) ۴۷۵ یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل کے پوتے اور حضرت اسحٰقؑ نبی کے صاحبزادہ تھے۔ اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ ہی کا دوسرا نام ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے اسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا" (پیدائش ۳۵: ۱۰ و ۱۱) عمر حسب روایت توریت ۱۴۷ سال کی پائی۔ زمانہ غالباً ۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۳ ق م۔ ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی۔ ۱۸۷۰ ق م میں اپنے نامور فرزند یوسفؑ نبی کے پاس مصر میں منتقل ہو گئے۔ وفات یہیں ہوئی۔ ۴۷۶ چار ازواج طاہرات سے آپ کے بارہ فرزند تھے ان کے نام حسب تصریح توریت حسب ذیل ہیں:۔ روبن۔ شمعون۔ لاوی۔ یہوداہ۔ اشکار۔ زبلون۔ یوسف۔ بن یامین۔ دان۔ نفتالی۔ جد۔ آشر (پیدائش ۳۵: ۲۴-۲۶) (انہیں صاحبزادوں میں سے جہاں تک خاندانی شجرہ اور نسب نامہ سے پتہ چلا ہے، حضرت لاوی کی نسل سے ان سطور کا راقم نامہ سیاہ بھی ہے) ۴۷۷ الدین۔ یعنی اس دینِ توحید کا، ملتِ اسلام کا۔ اصطفٰی۔ اصطفا کے معنی ہیں چُن لینا اور ملاوٹ یا آمیزش سے پاک کر دینا۔ لکم میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی یہ دین تمہارے لئے ہے اور تم اس دین کے لئے ہو۔

وَ وَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ
اور ابراہیمؑ اس کی ہدایت کر گئے اپنے بیٹوں کو ۴۷۴ اور اسی طرح یعقوبؑ بھی ۴۷۵ (اپنے بیٹوں کو) ۴۷۶ کہ
اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ
اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب فرمالیا ہے ۴۷۷ سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۱۳۲ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ
وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو ۴۷۸ بھلا اُس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوبؑ کو
یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
موت آپہنچی ۴۷۹ اور اُس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد
مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ
کس کی عبادت کرو گے؟ ۴۸۰ وہ بولے ہم عبادت کرینگے آپ کے اور آپ کے باپ دادوں
اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ نَحْنُ
ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی (اُس) معبود واحد کی اور ہم تو اُس کے
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۱۳۳ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
حکم بردار ہیں ۴۸۱ یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ۴۸۲ اُن کے آگے ان کا کیا ہوا آئیگا،
وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا
اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا اور وہ جو کچھ کرتے رہے اُس کی پوچھ گچھ تم سے
یَعْمَلُوْنَ ۱۳۴ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی
نہ ہوگی ۴۸۳ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو

مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو قوم عرب اور نسلِ یہود دونوں کے مورثِ اعلیٰ ہوئے ہیں۔ اور نصاریٰ کے بھی مقتدا۔ اور حضرت یعقوبؑ جو نسلِ اسرائیلی کے جدِ امجد ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تو اپنی اولاد کو خود اپنے اختیار کئے ہوئے اور خدا کے پسند کئے ہوئے دین کو منتقل ہی کر گئے اور فرما گئے کہ تمہیں کسی مزید تلاش میں حیران و سرگردان ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے لئے تو یہ اللہ کا بنایا ہوا اور بتایا ہوا دینِ توحید موجود ہی ہے —— قرآن کے مخاطبینِ اول سب کے سب اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار تھے۔ ان سے خطاب کا یہ بہترین اسلوب ہے کہ اچھا اگر دین کے بارے میں اپنے اسلاف ہی کو حَکم بنانا ہے ہو تو دیکھو وہی کیا کہہ گئے ہیں؟ ۴۷۸ (اور چونکہ موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں۔ اس لئے تیار اس کے لئے ہر وقت اور ہمیشہ رہو) مطلب یہ ہوا کہ مسلم ہمہ وقت بنے رہو۔ ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیئے رہو۔ دین کے مطالبات میں بس ایمان کا مطالبہ ایسا ہے جو ہمہ وقتی اور ہمہ حالی ہے ورنہ اعمال جتنے بھی ہیں سب حالات کے تابع ہیں اور حالات خود تغیر پذیر ہیں۔ ضمناً اہلِ کتاب کو بھی فہمائش ہو رہی ہے کہ تم جس دین کو نیا اجنبی اور انوکھا سمجھ کر اس سے بدکتے اور بھڑکتے ہو وہ نو پیدا نہیں۔ وہ تو عین تمہارے ہی بزرگوں کا تعلیم کیا ہوا دین و آئین ہے [راقم سطور نامہ سیاہ سے اگر فرمائش کی جائے کہ سارے قرآن مجید میں سے کسی ایک آیت کا اپنے لئے انتخاب کرے تو اسکی نظرِ انتخاب اسی آیت بلکہ جزو آیت پر پڑے گی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ جی میں ہے کہ زندگی کی ہر ساعت میں یہی آیت وردِ زبان رہے۔ اور دل میں اسی کے معنی کا استحضار رہے۔ موت کے وقت یہی دل و زبان پر بھی ہو۔ اور بعد موت یہی کفن پر بھی لکھ دی جائے، اور قبر کے کتبہ پر بھی کندہ کر دی جائے۔ بارہا اس آیت پر وجد کر چکا ہوں۔ بارہا اس آیت پر آنسوؤں سے رو چکا ہوں۔ اور دل یہ کہتا ہے کہ سارے قرآن مجید کا لُبِّ لُباب یہی آیت ہے] ۴۷۹ حضر الموت یعنی وقتِ موعود قریب آگیا۔ اور آپ کو علامات و آثار اسکے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہو گئی۔ کنی بالموت عن مقدماتہ لانہ اذا حضر الموت نفسہ لایقول المتحضر شیئاً (بحر) قرآن مجید ہی میں ایک اور دوسری جگہ ہے ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت۔ یہاں بھی موت سے مراد موت کے دواعی و اسباب ہی لئے گئے ہیں۔ ام کنتم شھدآء۔ خطاب اہلِ کتاب سے ہے اور استفہام میں لہجۂ زجر شامل ہے۔ معنی الاستفہام ھھنا الزجر والتوبیخ وھو فی معنی المنفی (بحر) یعنی تم جو واہیات خرافات حضرت یعقوبؑ کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اُس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ ۴۸۰ من بعدی۔ یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔ من بعدی اے من بعد موتی (ابو سعود) حضرات انبیاء کو زندگی کی طرح اپنے آخر وقت میں بھی سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے ۴۸۱ یعنی ہم سب اس پر اسلام لا چکے ہیں" توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مصلحت سے خاموش ہیں۔ البتہ احبارِ یہود کا یہ قول نقل ہو کر پہنچا ہے کہ "یعقوبؑ نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیئے (۱) بُت پرستی نہ کرنا (۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا (۳) میرے جنازے کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۲ صفحہ ۲۴) روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بڑھ کر ملتی ہے:۔ "یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا...... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا "سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔ (گنز برگ کی قصص یہود جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) اٰبآئک۔ اسمٰعیلؑ یعقوبؑ کے بڑے چچا (یا تایا) تھے۔ فرزندانِ یعقوبؑ نے کمال سعادت مندی سے ان کا شمار بھی آبائے یعقوبؑ میں کیا، جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے آپ کے چچا حضرت عباسؓ کیلئے یہی لفظ اب آیا ہے۔ ھذا بقیۃ اٰبائی یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔ اسحٰق۔ یہ نام پہلی بار آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ تھے، حرمِ اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م۔ سالِ وفات غالباً ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف توریت میں ۱۸۰ سال درج ہے۔ یہ بھی درج ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ آپ کے بسترِ مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔ "جب اسحٰقؑ نے دیکھا کہ ان کا وقتِ موعود آپہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، جسکی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان و زمین اور انکے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا" (جلد اول صفحہ ۴۱۶) ۴۸۲ اور انکے فضائل و کمالات بھی انکے ساتھ گزر چکے تمہیں آخر انکے نام گنانے سے کیا حاصل؟ تلک اُمّۃ سے مراد یہی اجدادِ یہود ہیں جن کا شمار جماعتِ انبیاء میں ہے۔ خطاب یہاں یہود سے ہے جو آبائی مفاخرت، نسلی عظمت، پیرزادگی کے نشہ میں چُور تھے۔ اس میں بڑا سبق آج کل کے پیرزادوں، رسمی شائخ زادوں، اور بہت سے بدعتی فرقوں کے لئے موجود ہے۔ بلاسعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اٹھانے کی جڑ جسے اسلام نے کاٹ دی ہے۔ ۴۸۳ اسلام کے طفیل اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اس وقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نادر سی بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہلِ توحید تک اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ذاتی عمل کی ضرورت ہی کیا ہے، مقبولانِ الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبتِ نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا مسئلہ "معصیتِ متوارث" سب کو معلوم ہے یعنی جو معصیت ابو البشر سے سرزد ہو گئی تھی، وہ ہر نسلِ آدم میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہود نے اسکے مقابل ایک عقیدہ "نجاتِ متوارث" کا وضع کر لیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ "خدائے تعالیٰ اپنے اسمِ پاک کے طفیل میں اور بطور اپنے افضال کے، باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۱ صفحہ ۴۳۷) توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے:۔ "میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ انکی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کینہ رکھنے والے ہیں لیتا ہوں" (استثنا ۵:۹) بس اس تنکے کی اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا کہ ہر نسل کو انتقالِ ثواب اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی یعنی

۴۶۰ سمیع۔ سننے والا زبان سے نکلے ہوئے لفظ و قول کا۔ علیم۔ جاننے والا دل کے اندر کے اخلاص کا۔ مشرک قوموں کے حکما اور فلاسفہ نے سب سے زیادہ شور حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے باب میں مچایا ہے۔ اور باری تعالیٰ کا علم (نعوذ باللہ) ناقص و محدود فرض کیا ہے۔ قرآن جو علم باری کے کامل و محیط ہونے کا شد و مد سے اثبات کرتا ہے، اور اللہ کے علیم، سمیع، بصیر ہونے کو بار بار پیش کرتا ہے، اس کا ایک مقصد فلاسفہ کے اس وہم باطل کی تردید کرنا ہے ۴۶۱ اور زیادہ مسلمین کے معنی یہاں دو طرح کئے گئے ہیں۔ ایک اللہ کی توحید کے ماننے والے بلا شائبۂ شرک و شرکت۔ اے موحدین مخلصین لانعبد الا ایاک (کبیر) دوسرے اسلام کے عام احکام کے پابند۔ اے قائمین بجمیع شرائع الاسلام (کبیر) لیکن دونوں معنی ایک دوسرے کے منافی بالکل نہیں۔ مسلم کے ترجمہ فرمانبردار میں نہ وہ وسعت ہے نہ وہ لطف جو خود لفظ مسلم میں ہے۔ مسلمون اے منقادون للحق مذعنون له (راغب) فرمانبردار بندے یا مسلم تو وہ اس وقت بھی تھے جب دعا کر رہے تھے: دعا کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہماری فرمانبرداری میں مزید ترقی دے! والمعنی زدنا اخلاصا واذعانا لک (کشاف) والمراد طلب الزیادة فی الاخلاص والاذعان او الثبات علیه (بیضاوی) ۴۶۲ امة مسلمة کے ترجمہ "فرمانبردار امت" میں وہ بلاغت و معنویت کہاں جو قرآنی لفظ امتِ مسلمہ میں ہے دعا کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ وہ امت آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے، دوست دشمن سب کی زبان پر۔ ایک امریکی یہودی ٹوری ییل یونیورسٹی کا استاد اپنی اسلام دشمنی میں آکسفورڈ والے مارگولیس آنجہانی کا پورا جانشین ہے۔ لیکن ایک بات بڑے پتے کی اس کی زبان سے بھی نکل گئی ہے۔ کہتا ہے۔ "اسلام کی بنیاد تو حقیقۃً اسمٰعیل کے ہاتھوں پڑی جو اہل عرب کے مورث اعلیٰ ہیں" (جیوش فاؤنڈیشن آف اسلام ص ۸ دیباچہ) من ذریتنا یعنی ابراہیم و اسمٰعیل کی مشترک نسل سے۔ دعا دونوں بزرگوار مل کر کر رہے تھے، اس لئے ذریت سے مراد بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے تھے۔ برنابا نامی حضرت مسیح کے ایک بلند پایہ حواری (صحابی) ہوئے ہیں، ان کی انجیل کو مسیحیوں نے اپنے مذاق و مسلک کے بالکل ناموافق پا کر اس کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا ہے۔ اس انجیل کے نسخے انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اس میں صراحت کے ساتھ ہے کہ عہد الٰہی اسمٰعیل کے ساتھ ہوا تھا نہ کہ اسحٰق کے ساتھ۔ وقولی لانی اقول لکم الحق ان العهد صنع باسمعیل لا باسحق (۴۳: ۲۱) میری بات کا یقین کرو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے۔ اور پھر ہے۔ وان الموعد صنع باسمعیل لا باسحق (۱۴۰: ۱۸) وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے ۴۶۳ مناسکنا۔ یعنی عام دینی قاعدے خصوصاً بیت اللہ کے حج و زیارت کے آداب و شعائر۔ اے شرائع دیننا واعلام حجنا (معالم) ارنا۔ ارادة کے معنی یہاں آنکھ سے دکھلا دینے کے نہیں بلکہ سکھلا دینے بتلا دینے کے ہیں۔ اے علّمنا و عرفنا (معالم) فعل رأی کا تعدیہ جب دو مفعولوں کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی رؤیت کے نہیں علم کے ہو جاتے ہیں۔ اراٰنی اذا عدی الی مفعولین اقتضی من العلم (راغب) الرویة ههنا بمعنی العلم (ابن قتیبہ) ابن حاجب نحوی اور ابو حیان مفسر نے اس معنی کے قبول کرنے سے انکار بھی کیا ہے لیکن جب تائید میں راغب اور زمخشری جیسے مستند ائمہ ادب و لغت کی شہادتیں موجود ہیں تو کسی کا انکار چل نہیں سکتا۔ وانکر ابن الحاجب واتبعه ابو حیان ثبوت رأی بمعنی عرف وذکره الزمخشری فی المفصل والراغب فی مفرداته وهما من الثقات فلا عبرة بانکارهما (روح) ۴۶۴ رحمت و شفقت و مغفرت کے ساتھ (توبة الرب علی عبده عوده علیه بالعفو له عن جرمه والصفح له عن عقوبت ذنبه مغفرة له منه وتفضلا علیه (ابن جریر) ۴۶۵ تو تیرے لئے ہماری اس دعا کو شرف قبول بخش دینا کچھ بھی دشوار نہیں ۴۶۶ منهم۔ یہ قید خوب خیال میں رہے۔ دعائے ابراہیمی ابھی چل رہی ہے۔ ابھی ابھی آپ اور حضرت اسمٰعیل دونوں مل کر عرض کر چکے ہیں کہ اے پروردگار ہم دونوں کی نسل میں سے ایک امت مسلمہ یعنی اپنی فرمانبردار امت پیدا کر۔ اور اس کے معاً بعد منهم کا لفظ لاتے ہیں۔ کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیلی سے ہے۔ لفظ هم کا مرجع ذریة کو بھی سمجھا گیا ہے اور امتِ مسلمہ کو بھی۔ والضمیر فی منهم یحتمل ان یعود علی الذریة ویحتمل ان یعود علی امة مسلمة (بحر) ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نسل اسمٰعیل۔ اور یہ جزو تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسمٰعیل قوم عرب ہی رہ گئی تھی۔ اس لئے لازمی تھا کہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہو۔ رسولا۔ اس کا ایک تو صیغہ واحد اور پھر اعراب کی تنوین۔ گویا باشارۂ قریب بہ صراحت کہہ دیا گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا، متعدد نہ ہوں گے۔ یہود کا دعویٰ ہے۔ اور نصاریٰ بھی انہیں کا ساتھ دیتے رہے ہیں، کہ نبوت و رسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔ یہ نیا پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کیسے پیدا ہو گیا! لیکن انہی کی توریت باوجود ان کی ساری تحریفات کے اب تک شہادت کچھ اور ہی دے رہی ہے۔ ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو" (استثناء ۱۸: ۱۵) قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں تو ایک ہی نہیں خدا معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوتے رہے ہیں۔ خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تصریح بتا رہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں، بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔ اگر خبر اسرائیلی ہی نبی کی دینا ہوتی تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی۔ یہ الفاظ تو صرف مخاطبین کی وحشت دور کرنے اور ان میں جذبۂ انس و موانست پیدا کرنے کے لئے ہیں کہ اے ہم قوم جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا۔ وہ بھی تمہارا کوئی غیر نہیں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور پھر دو ہی آیتوں کے بعد توریت میں بعینہٖ یہی مضمون براہ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے۔ "خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کیلئے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" (استثناء ۱۸: ۱۸) اس سے قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجیے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے ساری آسمانی کتابوں میں اور ہے ہی کون! لفظی کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کس دوسری کتاب کا ہے! اور اس سے بھی قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجیے کہ "تجھ سا" یعنی "موسیٰ کا سا" مثیل موسیٰ ہونے کا مصداق تاریخ کی دنیا میں بجز ذات محمدی کے اور ہوا کون ہے! اور کیا اس سے بھی قطع نظر ممکن ہوگی کہ یہاں بھی بجائے "ان میں سے" کے یا "اسرائیلیوں میں سے" کے "انکے بھائیوں میں سے" ہونے کی صراحت یہاں بھی موجود ہے! اور پھر یہی پیشگوئی انہیں لفظوں میں موسیٰ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی نصاریٰ کی انجیل میں بھی دہرائی ہوئی موجود ہے۔ "موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے تم اس کی سننا" (اعمال ۳: ۲۲) ۴۶۷ ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گا کہ رسول اعظم کے جملہ فرائض کمال ایجاز کے ساتھ ان چند فقروں میں آ گئے ہیں۔ یتلوا علیهم آیتک رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کا کلام پہنچانا۔ گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔ یعلمهم الکتب۔ رسول کا کام محض تبلیغ و پیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا، اس کا کام کتاب الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آ گئی۔ اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہو گئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوئے ہیں۔ گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوئی۔ والحکمة۔ پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت (دانائی) کی تلقین بھی امت کو کریں گے۔ احکام و مسائل، دین کے قاعدے اور آداب۔ عوام و خواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار و رموز میں بھی کریں گے۔ گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوئی۔ یزکیهم۔ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔ رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے۔ رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوئی ۴۶۸ انک انت۔ عربی کے اس دوہرے فقرۂ مخاطبت کا مفہوم اردو میں یقیناً تو تو (پہلا "تو" واؤ مجہول اور دوسرا "تو" واؤ معروف کے ساتھ) سے ادا ہوتا ہے۔ العزیز۔ ہر دعا کے قبول کرنے پر، ہر آرزو کے پورا کرنے پر قادر، اس کی مشیت پر مانع اور غالب کوئی چیز نہیں آ سکتی۔ الحکیم۔ قادر مطلق ہونے کے ساتھ حکیم مطلق بھی۔ قبول وہی دعائیں کرتا ہے بندوں کی آرزوئیں وہی پوری کرتا ہے، جو قانون حکمت کے مطابق و ماتحت ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر! خلیل و ذبیح کی ادب شناسیوں کا کیا کہنا! دعا میں بھی کیسے کیسے نکتے ملحوظ رکھ لئے ہیں ——— حضرات انبیاء سے بڑھ کر ادب شناس اور ہو بھی کون سکتا ہے؟ ۴۶۹ یعنی ملت ابراہیمی تو عین دین فطرت ہے، اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں۔ اس سے کنارہ کشی تو صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کی فطرت ہی سلیم نہ باقی رہی ہو، بلکہ مسخ ہو چکی ہو۔ اس مقدمہ کی تصدیق انسان جب چاہے اعتقاد سے نہیں، آزمائش سے کرے۔ اسلام نے جماعت (سوسائٹی) کا جو نظام قائم کیا ہے، وہی بہترین نظام اجتماعی ہے۔ ہر فرد کے لئے جو ضابطۂ عمل بنا دیا وہی بہترین ضابطۂ شخصی ہے۔ عقل و جذبات، فرد و جماعت، دل و دماغ، جسم و روح، حریت و اطاعت، حیات بشری کے متضاد و متناقض عنصروں کی جتنی باہمی رعایت شریعت اسلام نے ملحوظ رکھی ہے، دنیا کے کسی قانون میں کہیں اس کی نظیر نہ ملے گی۔ دعائے ابراہیمی ختم ہوئی۔ اب بیان ملت ابراہیمی کا شروع ہو رہا ہے۔ کہ یہ تو وہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج اسلام ہی دے رہا ہے۔ اور جسے تم سب باوجود اپنے مشترک بزرگ ابراہیم کی پیروی کے دعوے کے چھوڑے بیٹھے ہو۔ ملة ابرهم۔ قرآن مجید نے عجب بلاغت و نکتہ سنجی سے کام لے کر یہاں اپنے دین اسلام کی نسبت نہ حق تعالیٰ کی جانب کی، نہ رسول وقت حضرت محمد صلعم کی جانب، بلکہ حضرت ابراہیم خلیل کی جانب کی۔ یہاں مخاطب اصلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں اور یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیم کو اپنا مقدس پیشوا مانتی تھیں۔ اس اسلوب بیان کو اختیار کر کے گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ قرآن تمہیں کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتا۔ عین تمہارے ہی بزرگ و محترم پیشوا ابراہیم ہی کے دین کی جانب تمہیں بلا رہا ہے! ——— تلطف اور حسن تبلیغ کا پیرایہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا! مشرکین عرب کے پاس آسمانی کتاب کی قسم سے کوئی کتاب تو نام کے لئے بھی موجود نہ تھی۔ البتہ یہود و نصاریٰ کے نوشتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اس وقت بھی درج تھے اور آج تک لکھے چلے آتے ہیں۔ توریت مروجہ میں ہے: "اپنے باپ ابراہام پر اور سرہ پر جو تمہیں جنی نگاہ کرو کہ جب میں نے اسے بلایا وہ اکیلا تھا پھر اس کو برکت دی اور اس کو بہت بنایا" (یسعیاہ ۵۱: ۲) "اے ابراہام تو مت ڈر، میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں" (پیدائش ۱۵: ۱) "اور وہ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لئے صداقت محسوب ہوا" (پیدائش ۱۵: ۶) اور مسیحیوں کی انجیل مروجہ میں ہے: "ابراہیم خدا پر ایمان لایا، اور یہ اس کے لئے راستبازی گنا گیا، بس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں" (گلتیون ۳: ۶-۷) نیز (رومیون ۴: ۳) ۴۷۰ (ان کی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں ہر قسم کی نعمتوں اور سرفرازیوں کے لئے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت و رسالت کے لئے) ایک مسیحی مورخ ریونڈ ولیم ڈین ایم اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیم انگریزی میں لکھی ہے، اس سے آپ کے دنیوی عروج و اقبال پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ ان "روشن خیال" لامذہبوں کی تردید کے لئے یہی کافی ہے جنہوں نے ابھی انیسویں صدی کے آخر میں آپ کے وجود کو فرضی قرار دیا تھا ۴۷۱ (ایک پیغمبر جلیل القدر کے شایان شان، یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت و سلسلۂ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار بنانے میں اٹھا نہیں رکھی۔ اس لئے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے اکثر ان حضرات کی اخلاقی و روحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے اور اس طرح انبیاء برحق کی نصرت و حمایت کا فرض، توریت و انجیل کی عائد کی ہوئی فرد جرم کے مقابلہ میں ادا کرتا جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب اہل کتاب، نبی اور نبوت کے قائل گویا ان کے صرف لفظی معنی میں تھے۔ یعنی نبی وہ ہر جو کاہنوں جوتشیوں کی طرح غیب کی خبریں دے سکے۔ اور اس سے انہیں کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اس کے اخلاق کا کیا عالم تھا، اس کے روحانی کمالات کس درجہ کے تھے، اس کی تعلیمات کیا تھیں۔ وقس علی ہذا۔ ابراہیم خلیل تو اکثر انبیاء کے ابوالآباء ہیں۔ آپ کی عصمت کے تحفظ کا تو قرآن نے اور زیادہ اہتمام رکھا ہے ۴۷۲ اسلموا کا دوسرا ترجمہ "اسلام لے آؤ" یا "مسلم ہو جاؤ" بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے اور یہاں اسے پھر یاد کر لیا جائے کہ قرآن مجید میں واقعات کا بیان ہمیشہ ترتیب تاریخی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اسلام لانے کے معنی ہیں اپنے آپ کو تمام تر خدائے واحد کے سپرد کر دینا، اس کا پرستار بن جانا، عقیدہ، معاشرت، معاملت غرض کہ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا، اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ اصطلاح میں اسلام و ایمان گویا مترادف ہیں۔ اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے ۴۷۳ یعنی میں خدائے پروردگار عالم پر اسلام لے آیا۔ یہاں گویا حضرت ابراہیم نے اشارۃً اپنے ایمان لانے کی وجہ بھی بیان کر دی۔ یعنی اسلام میں کیوں نہ لاؤں؟ ایک ہی پروردگار، ایک ہی حاکم مطلق، ایک ہی مالک، ایک ہی ربوبیت کے سارے شعبوں کا ناظم وہی ہے۔ میں اس پر ایمان کیسے نہ لاتا! اس کے قانون کا باغی کیوں ہو سکتا

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً
اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دے ۴۶۱ اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار
مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ
اُمت پیدا کر ۴۶۲ اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے ۴۶۳ اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ۴۶۴ یقیناً تو
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۸ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ
تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۴۶۵ اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انہیں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
میں سے بھیج ۴۶۶ (جو) انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب (الٰہی)
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (وصاف) کرے ۴۶۷ یقیناً تو تو بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا
الْحَكِيْمُ ۝۱۲۹ ع وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰھٖمَ ع ۱۵ ۸ ۱۵
ہے ۴۶۸ اور ابراہیمؑ کے مذہب سے کون پھرے گا مگر
اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي
وہی جس نے اپنے کو احمق بنا لیا ہو ۴۶۹ اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا
الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۳۰ اِذْ قَالَ
تھا ۴۷۰ اور آخرت میں بھی وہ زمرۂ صالحین میں ہوں گے ۴۷۱ اور اس وقت بھی
لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱
یاد کرنے کے قابل ہے، جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکمبردار ہو جاؤ ۴۷۲، وہ بولے میں حکمبردار ہوں سارے جہان کے پروردگار کا ۴۷۳

سے کم السجود ۔ رکوع اور سجدہ نماز کی دو مشہور و متعارف ہیئتیں ہیں۔ طائفین اور عاکفین اور رکوع اور سجود چار لفظوں کے لانے کے بجائے یہ بھی ممکن تھا کہ صرف عابدین یا ذاکرین کہہ دیا جاتا لیکن تفصیل و تصریح سے ایک ایک عبادت کی تخصیص اور بزرگی کا الگ الگ اظہار ہو گیا۔

۴۵۵ ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعا جس حیرت انگیز طریقہ پر پوری ہوئیں وہ خود ایک معجزہ ہے۔ پہلی دعا یہ تھی کہ شہر مکہ کو امن و الا بنا دیا جائے۔ آس پاس کے رہنے والے لٹیرے اور خونخوار، لوٹ مار قتل و خون کا بازار گرم، وسائل سفر محدود و خطرناک، راستہ غیر محفوظ۔ اس پر بھی حج و زیارت کے لئے حاجیوں اور زائروں کا تانتا صدیوں سے بندھا ہوا اور اب امن و امان کے لحاظ سے مکہ اور حوالی مکہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ نہ ڈاکے پڑتے ہیں، نہ قافلے لُٹتے ہیں۔ نہ لاشے تڑپتے نظر آتے ہیں بلکہ شریعت اسلامی نے تو شہر و مضافات شہر کو "حرم" ہی قرار دے دیا یعنی ان حدود کے اندر جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور خونی بھی اگر آ کر خانہ کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو جائے تو اُسے وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ شہر اور خانہ کعبہ کا اتنا احترام جاہلیتوں نے بھی اپنے زمانہ میں ملحوظ رکھا۔ دوسری دعا یہ تھی کہ مکہ والوں کو پھل پھلاری کھانے کو ملتے رہیں۔ مکہ واقع ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین یا سخت ریتلی ہے یا سخت پتھریلی، بارش بھی بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ تازے پھلوں اور میوے دار درختوں کا ذکر ہی نہیں معمولی سے پھل پھول کے درخت بلکہ تازہ و سبز گھاس تک نہیں پیدا ہوتی۔ اور کاشتکاری و باغبانی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں۔ ایک بے آب و گیاہ سرزمین، کہیں ریگستان، کہیں گرم و خشک پہاڑیوں کے چٹان، لیکن ان سب کے باوجود جتنے تازہ تازہ پھل، میوے، ترکاریاں، غلے چاہیئے شہر مکہ میں خرید لیجیے۔ اس باب میں کچھ تفصیلات اس عاجز کے سفر نامہ حجاز میں بھی ملیں گی۔ ۴۵۶ ابھی ابھی حضرت ابراہیمؑ کو بتایا جا چکا تھا کہ فضل و برکت کے خاصہ وعدے ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان کے بغیر نہیں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۱۲۴) اللہ کے پیغمبر نے اللہ کے اس ارشاد کو گرہ باندھ لیا۔ اور اب جو دعا کی، اس میں خود ہی یہ قید لگا دی کہ پُر امن شہر اور رزق ثمرات کی برکتیں صرف اہل ایمان و طاعت کے لئے مقصود و مطلوب ہیں دعاء للمومنين خاصة (معالم) الرزق على الامامة نخص المومنين (مدارک) خص دعاءه بالمؤمنين دون الكافرين (کبیر) حضرات انبیاء کی ادب شناسی کا کیا کہنا حق تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ امامت یا دینی سرداری مخصوص ہے اہل ایمان و طاعت کے ساتھ۔ خلیل جلیل نے یہ اشارہ پا کر دنیوی منفعت و تمتع کو بھی اہل ایمان و طاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ حالانکہ اس کا تعلق ربوبیت سے ہے جو مومن و کافر سب کے لئے اس عالم میں عام ہے۔ فنبه سبحانه على ان الرزق رحمة دنيوية تعم المومن والكافر بخلاف الامامة والتقدم في الدين (بیضاوی) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ ایمان کے اجزاء ایمان دو ہی بیان کئے گئے ہیں اللہ پر ایمان اور روز آخرت پر ایمان انہیں کے ضمن میں ایمان کے دوسرے ضروری اجزاء بھی آ گئے اس کی ضرورت مطلق نہیں کہ ایمان کا ذکر جہاں کہیں بھی آئے ہر جگہ اس کے سب ہی اجزاء کی تصریح ہو۔ لما كان الايمان بالله واليوم الآخر يتضمن الايمان بجميع ما يجب ان يؤمن به اقتصر على ذلك (بحر) ۴۵۷ قَلِيْلًا۔ کچھ دن۔ یہاں مراد ہے زندگی بھر سے کہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوتی ہے۔ متاعا يتمتع به الى وقت مماته (ابن جریر) الى منتهى اجله (معالم) مطلب ہوا کہ وہ جو فضل خداوندی اہل ایمان و اہل ہدایت کے ساتھ مخصوص ہے اور جس سے اہل ضلالت و کفر محروم رہیں گے، اس کا تعلق نفع آخرت سے امامت دین سے ہے، رہے اس دنیوی زندگی کے انعامات در منافع، غذا اور مسکن وغیرہ تو ان سے محروم کافروں اور منکروں تک کو نہ کیا جائیگا کہ یہ قانون ربوبیت کا عین اقتضاء ہے۔ دوزخ جیسی جگہ میں کوئی شخص خوشی سے تو جائیگا نہیں، ہر ایک کشاں کشاں ہی لیجایا جائیگا۔ قرآن نے یہاں جو اسکی تصریح کر دی ہے وہ جہنم کی ہولناکی کا نقش واضح کرنے کیلئے۔ ۴۵۸ البیت سے مراد خانہ کعبہ ہے اور اسمیں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ الکتاب جسطرح قرآن کریم ہے النبی جس طرح محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔ البیت اسی طرح کعبۃ اللہ ہے۔ یرفع کا لفظ قابل غور ہے۔ بنیادیں اوّل بار رکھی نہیں جا رہی تھیں وہ تو حضرت آدمؑ اپنے عہد ہی میں رکھ گئے تھے عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انہیں از سر نو اٹھایا جا رہا تھا بلند کیا جا رہا تھا۔ مسیحیوں کو خانہ کعبہ سے جو ضد اور اسکی قدامت سے جو کد ہے بالکل ظاہر ہے، ہر امکانی کوشش اپنے قلم سے اسکی مخالفت میں کر چکے ہیں لیکن حقیقت اس کے باوجود حقیقت ہی ہے۔ آفتاب کے وجود سے روز روشن میں انکار کہاں تک کیا جا سکتا ہے؟ مترجم قرآن جارج سیل (Sale) اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:۔ "مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقام اجتماع عظیم کے ہیں۔ یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور بعض کی رائے میں توریت کے شہر میسا سے یہی مراد ہے۔" اور پھر وہی آگے کہتا ہے:۔ "مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمدؐ سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا تھا۔" باسورتھ اسمتھ جو لیکچرز آن محمد اینڈ محمدن ازم کے مصنف ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ "بناء کعبہ کا سلسلہ حسب روایات، اسمٰعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے، بلکہ شیث و آدم تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے۔" (ص ۱۶۶) سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:۔ "مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے ملک عرب کا مرکز چلا آتا ہے جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مسلّم ہو اسکے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے" (لائف آف محمدؐ۔ مقدمہ ص ۱۰۲ و ص ۱۰۳) ۔ یہ شہادتیں مخالفوں کی تھیں۔ باقی ہمارے ہاں کی روایتوں میں خانہ کعبہ کی قدامت کی جو روایتیں ہیں اُن سے تو تفسیر، حدیث، سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اسمٰعیل۔ اسمٰعیل کی عمر اور زمانہ وغیرہ پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ ایک پیغمبر برحق کی حیثیت سے اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے، ظاہر ہے لیکن آپ کا ایک مستقل معجزہ یہ ہے کہ جن قوموں نے آپ کی اور آپکی والدہ ماجدہ کی ہجو اور بدگوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اُن تک کے نوشتوں میں آپ کی تعظیم منقول چلی آتی ہے چنانچہ بعض احبار یہود کا یہ قول آجتک یہود ہی کی دائرۃ المعارف میں لکھا چلا آتا ہے کہ "جو کوئی خواب میں اسمٰعیل کو دیکھ لے حق تعالیٰ کے ہاں اس کی دعا قبول ہو جائیگی۔" (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ ص ۴۶۸) آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ اور مصر کا شاہی خاندان حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کی ایک شاخ تھا۔ عراق سے منتقل ہو کر مصر میں آباد ہو گیا تھا جب حضرت ابراہیمؑ اپنے سفر میں ادھر سے گزرے تو بحیثیت ایک شیخ قبیلہ کے آپ کو شاہ مصر نے اپنا مہمان بنایا اور رخصت کے وقت آپ کے اعزاز و اکرام میں اپنی صاحبزادی کو بطور تحفہ کے پیش کیا۔ اور تواضع و انکسار کی راہ سے کہ مشرقی میزبانی کا خاصہ ہے، کہا کہ یہ آپکی کنیزی کیلئے ہدیہ ہے۔ اُردو زبان میں یہ محاورہ آجتک چلا ہوا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو کنیز ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مشرقی تواضع کے اس عام پیرایۂ بیان سے معاندین کو گویا ایک بڑی معتمد اور مستند دستاویز ہاتھ آگئی۔ اور امّ اسمٰعیلؑ ان کے ہاں آجتک کنیز ہی چلی آ رہی ہیں۔ واقعات بہرحال واقعات ہیں۔ انہیں کوئی کہاں تک جھٹلا سکتا ہے؟ اسی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اکابر احبار یہود کے حوالہ سے ہے:۔ "ہاجرہ فرشتہ ہی کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہو ہیں۔ انکی عصمت مآبی اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ نے انہیں اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ جب بھی ان کی وفاداری میں فرق نہ آیا . . . . ان کے نام کے ایک معنی "آراستہ" بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ وہ زیور اخلاق و حسن عمل سے آراستہ تھیں۔" (جلد ۶ ص ۱۳۸) ۔ اور اسی میں ایک دوسری جگہ یہ روایت بھی درج ہے کہ "بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور کنیز ہدیہ کر دی۔" (جلد ۱ ص ۵۵) اور قصص یہود کا جو مجموعہ گنزبرگ (Ginzberg) نے چار جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس میں ہے:۔ "بادشاہ مصر نے عہد کر لیا کہ وہ ابراہیم کو ہر طرح پُر قوت و شوکت بنا کر رہے گا . . . . . . چنانچہ اپنی بیٹی تک ہدیہ دے دی۔ سارہ کی تعلیم و تربیت میں رہ کر وہ بھی ویسی ہی باخدا بن گئیں اور ہر طرح ابراہیم کی رفاقت کے قابل۔" (جلد ۱، ص ۲۲۳ و ص ۲۳۷) ۔ ۴۵۹ (محض اپنے فضل و رحمت سے) کیا ٹھکانا ہے اس خشیت قلب کا! اخلاق کے مجسمے ہیں۔ صداقت کے پتلے ہیں۔ اس پر بھی ڈرتے جاتے ہیں کہ دیکھیے نذر قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں ۔۔۔! اب فعل کا ایک خاصہ تکلف ہے۔ اس لئے بعض نکتہ سنجوں نے لفظ تقبل سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عمل بذات خود ہرگز قابل قبول نہیں۔ تمام تر ناقص ہے۔ اور مقبولیت محض لطف و کرم سے ہو رہی ہے نہ کسی استحقاق کی بنا پر۔ ان التقبل عبارة عن ان يتكلف الانسان في قبوله (کبیر) في اختيار صيغة التفعل اعتراف بالقصور لما فيه من الاشعار بالتكلف في القبول (روح) مزدور اور معمار جب کام کرتے ہیں تو عموماً وعادةً کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے یہ معمار اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھاتے وقت خاموش نہ تھے۔ یہاں ان کی مناجات بیان ہو رہی ہے۔ فقہاء کا استنباط ہے کہ ہر عمل صالح کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ختم نماز پر دعا اور افطار صوم کے وقت دعا، اسی قبیل سے ہیں۔

۴۵۰ مثابة مصدر ثوب کے معنی ہیں کسی شے کا اپنی حالت اصلی یا حالتِ مقصودہ کی طرف لوٹنا رجوع الشیٔ الی حالۃ الاولی التی کان علیہا او الی الحالۃ المقدرۃ المقصودۃ (راغب) اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثاب القوم اور اسی کو مثابة اسم ظرف
المثابۃ مفعلۃ من ثاب القوم الی الموضع اذا رجعوا الیہ فہم یثوبون الیہ مثابا ومثابۃ (ابن جریر) مثابة میں ۃ مبالغہ کی ہے۔ اس میں زور و تاکید مثاب سے زائد ہے۔ والتاء فی مثابۃ للمبالغۃ قالہ الاخفش (بحر) گویا مثابة کے معنی ہیں وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع
کرے اور پھر جی نہ بھرے۔ مرجعًا للناس معاذًا یاتونہ کل عام ویرجعون الیہ فلا یقضون منہ وطرًا۔ یہ معنی امام ابن جریر نے خود بھی لئے ہیں۔ اور یہی ابن عباس صحابی اور مجاہد، سدی، عطاء وغیرہ تابعین سے بھی نقل کئے ہیں۔ اور بیت الحرام کا یہ وصف تو مشاہدہ ہی ہے۔
لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں، اور اس سے اکتاتے نہیں۔ پھر چونکہ البیت مرجع ارباب حج وعمرہ کا ہے اسلئے اجتماع ورجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازمًا اس لفظ میں شامل ہو گیا ہے۔ مباءةً ومرجعًا للحجاج والعمار یتفرقون عنہ ثم یثوبون
الیہ (کشاف) للناس۔ عام زائرین کا جو تانتا کعبۃ اللہ کی زیارت اور عمرہ کا سال کے ہر موسم، ہر فصل، ہر زمانہ میں لگا رہتا ہے۔ اس سے قطع نظر تصور میں نقشہ ان لاکھوں انسانوں کا جمائیے جو صرف حج کے موقع پر کھنچے چلے آتے ہیں، صرف حجاز یا ملک عرب ہی کے ہر حصہ سے
نہیں، بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ، ہر علاقہ، ہر ملک سے۔ اور پھر یہ بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ یہ سلسلہ دس بیس سال سے نہیں حضرت ابراہیم کے زمانہ یعنی تقریبًا چار ہزار سال سے قائم ہے! اب جا کر للناس کی جامعیت کی تفسیر ذہن میں آسکے گی۔ امنًا۔ مامونیت اس سے ظاہر ہے
کہ صرف عمارتِ کعبہ یا مسجدِ الحرام ہی نہیں بلکہ اردگرد کی سرزمین میلوں تک داخل حرم ہے اور حرم وہ علاقہ ہے جہاں انسان کی جان الگ رہی جانور تک کا شکار جائز نہیں! اور یہ حکم تو خیر شریعتِ اسلامی کا ہے، ارضِ حرم کا مامن ہونا جاہلیتوں کو بھی مسلم رہا ہے۔ بڑے بڑے مجرم
مشرکوں کے دورِ حکومت میں بھی جرم کر کر کے خانۂ کعبہ کی دیوار و چھت کے درمیان آ کر پناہ پا جاتے تھے۔ فرنگی قاموس علم و دانش میں ہے:۔ اتنا تو بہر حال بعد محمد کے دور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں ہم مسلّم پاتے ہیں۔ ایک تجارتی مرکز کی، ایک مقدس معبد کی جس کے اردگرد کی زمین بھی

وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى ۭ وَ
مقام امن مقرر کیا۔ اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور
عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ
ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک
لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ١٢٥ وَاِذْ قَالَ
صاف رکھو طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع کرنیوالوں اور سجدہ کرنیوالوں کیلئے
اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ
اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیم نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن
اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
والا بنادے اور اسمیں رہنے بسنے والوں کو روزی دے پھلوں سے (یعنی) ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر
الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
ایمان لائیں (اللہ نے) ارشاد فرمایا کہ جو کفر کریگا میں اُسے بھی کچھ دن مزہ اُٹھانے دونگا پھر اُسے
اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ١٢٦
کشاں کشاں عذاب جہنم تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے
وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ
اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادیں بلند کررہے تھے
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ١٢٧
اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ) قبول کر یقینا تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ) جاننے والا ہے

حرم ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۰ طبع چہاردہم) غرض کہ قرآن نے البیت کے جو دو وصف یہاں ذکر کئے ہیں وہ اعتقاد سے زیادہ تو مشاہدہ ماضی و حال کی چیزیں ہیں۔ ۴۵۱ (اے مسلمانو!) اتخذوا صیغۂ امر ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلعم کے واسطے امتِ اسلامیہ سے ہے۔ الخطاب لامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (بیضاوی) المامور بہ الناس کما هو الظاہر (روح) والخطاب علی ہذین الوجہین لامۃ محمد صلعم وهو صلی اللہ علیہ وسلم رأس المخاطبین (روح) مقام ابراہیم کے معنی اس پتھر ہی کے لئے گئے ہیں جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم خانۂ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور یہ پتھر خانۂ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلہ پر اب بھی ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ نزولِ قرآن سے بعد کی ہے لیکن ایک بہت بڑے گروہ نے یہی معنی لئے ہیں۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ حنفیہ و مالکیہ کے ہاں یہ نماز واجب ہے، اور شافعیہ کے ہاں محض سُنت۔ محققین کے دوسرے گروہ نے جس میں ابن عباس صحابی، مجاہد و عطا تابعین اور امام نخعی وغیرہ شامل ہیں، اسکے معنی سارے حرم یا کُل مشاہد حج کے لئے ہیں۔ قال ابن عباس الحرم کلہ (ابن کثیر) وروی عن مجاهد وعطاء مثل ذلک (ابن کثیر) وذهب النخعی ومجاهد الی ان المراد من مقام ابراهیم الحرم کلہ وابن عباس وعطاء الی انہ مواقف الحج کلہا (روح) من مقام میں من تبعیضیہ ہے یعنی ایک حصہ ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ بعض نے فی کے معنی میں لیا ہے۔ ومن للتبعیض وبعض فی او زائدۃ والاظهر الاول (روح) مصلًّى۔ نماز کی جگہ یا دُعا کی جگہ۔ صلوٰت دعوت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اصل مصدر کے اعتبار سے جائے نماز اور جائے دُعا میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ اور اب اسے اور زیادہ صاف ہو جانا چاہیے کہ قرآن مجید اپنے مخاطبات میں تاریخِ انسانی کی ترتیب کا پابند نہیں۔ بارہا پاس پاس کی آیتوں میں بلکہ کبھی خود ایک ہی آیت کے اندر معنوی مناسبت کی بنا پر دو ایسے واقعات جمع کر دیے جاتے ہیں جنکے درمیان زمانی حیثیت سے صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ واقعاتِ ماضی کے بیان سے متصل ہی اور گویا انھیں کے ضمن میں کوئی مستقل حکم حال و مستقبل کیلئے دیدیا جائے اور صیغۂ امر لا کر اس کا عطف صیغۂ ماضی پر کر دیا جائے۔۔۔۔۔ قرآن اصلاً صرف کتابِ ہدایت ہے اور وہ اپنے اس مقصدِ اصل کے آگے پروا کسی انسانی حد بندی اور کسی مصنوعی و اختراعی تکلف کی نہیں کرتا۔ ۴۵۲ عهدنا یہاں امرنا کے معنی میں ہے۔ ای امرنا (ابن جریر عن ابن زید) امرناهما (ابن کثیر) عہد بمعنی امر پر حاشیہ عہد بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اوپر گزر چکا ہے۔ ابراهیم پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اسمٰعیل ابراہیم کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ کی مصری بیوی حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے سالِ ولادت غالبًا ۲۰۷۴ ق م سالِ وفات غالبًا ۱۹۳۷ ق م۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۳۷ سال کی پائی۔ آپکے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔ توریت میں ان بارہ فرزندوں کے نام درج ہیں اور یہ تصریح ہے کہ وہ اپنی اُمتوں کے بارہ رئیس تھے (پیدائش ۲۵:۱۳) عرب کا مشہور و ممتاز قبیلۂ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے۔ اسلئے آپ رسول اللہ صلعم کے بھی مُورثِ اعلیٰ ہوئے۔ اہلِ کتاب کہلانے والوں نے آپکے خلاف زہر اگلنے اور اپنے خبث و عناد کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم اپنی کتاب کی تصریحات کو کیا کرینگے جو تحریف و تلبیس کی ہر ممکن کوشش کے بعد بھی نہ مٹ سکیں۔ ان میں ابراہیم خلیل کی دُعا بھی شامل ہے۔ اور خداوند کریم کے وعدے بھی اور تاریخ کا بیان بھی:۔ اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ (پیدائش ۱۷:۱۸) "اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا۔ اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤنگا۔" (پیدائش ۱۷:۲۰) "اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤنگا۔" (پیدائش ۲۱:۱۸) "اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا۔" (پیدائش ۲۱:۲۱) یہاں حکم جو کچھ مل رہا ہے وہ آپؑ کو اور آپکے والد ماجد کو مشترک مل رہا ہے۔ گویا خدمتِ کعبہ میں آپ اپنے والد ماجد کے برابر کے شریک تھے۔ ۴۵۳ (ہر طرح کے شرک و بُت پرستی کی گندگی سے) طهرا۔ طہارت سے اصلاً یہاں مُراد یہ ہے کہ نجاست معنوی و اعتقادی سے دُور اور ذکرِ توحید و عباداتِ الٰہی سے معمور رکھو ضمناً ظاہری صفائی کا حکم بھی آجاتا ہے۔ هو تطهیرہ من الاصنام وعبادۃ الاوثان فیہ ومن الشرک باللہ (ابن جریر عن مجاہد وقتادۃ وابن زید) من الاوثان والخبائث والانجاس کلها (مدارک) والتطهیر المامور بہ هو التنظیف من کل ما لا یلیق بہ۔ طهرا تثنیہ کا صیغہ ہے حکم حضرت ابراہیم کے ساتھ حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی مل رہا ہے اور اقامتِ توحید میں برابر کے شریک بنائے جا رہے ہیں فقہاء نے خطاب کے اس صیغہ سے مفہوم عموم کا لیا ہے یعنی تطہیر کی ذمہ داری ہر فرد پر ہے۔ خواہ وہ ابراہیمؑ کی طرح متبوع و مقتدا ہو یا اسمٰعیلؑ کی طرح تابع و مقتدی ہو۔ طهرا بالتشدید مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی خوب اچھی طرح پاک و صاف رکھو۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ مسجد کی صفائی فرض ہے۔ بیتی اضافتِ تشریفی ہے "میرے گھر" کی ترکیب کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اسلام کا خدا نعوذ باللہ! کوئی مرئی و مجسم دیوی دیوتا تو ہے نہیں جو اسے رہنے سہنے، اُٹھنے، بیٹھنے کیلئے کسی گھر یا مکان کی ضرورت ہو۔ اسلئے "میرے گھر" سے مراد "میرے رہنے کا گھر" تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ گھر جو میری یاد و عبادت کیلئے مخصوص و نامزد ہو چکا ہے۔ اضافت سے مقصود محض اظہار شرف و عظمت ہے۔ هذا اضافۃ تشریف لا ان مکانًا محل للہ (بحر) الاضافۃ للتشریف کناقۃ اللہ (روح) اضافۃ البیت الی ضمیر الجلالۃ للتشریف (ابو سعود) آیت میں کوئی اشارہ مخصوص کعبہ کیلئے نہیں۔ ذکر صرف وصف یعنی بیت کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہی حکم ہر عبادت خانۂ الٰہی یعنی ہر مسجد کیلئے رہے گا۔ ۴۵۴ للطائفین میں لام تخصیص کیلئے ہے یعنی کعبہ (اور اسی طرح ہر مسجد) پر حق انہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ عمارت بن کر تیار ہو چکی تو اب غایت تعمیر بیان ہو رہی ہے کہ مقصود اس عمارت سے قیام توحید و استیصالِ شرک ہے۔ للطائفین۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرنیوالے طواف کے معنی پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ حج وغیرہ کے سلسلہ میں تو طوافِ کعبہ فرض ہی ہے لیکن یوں بھی بجائے خود بڑے اجر کی چیز ہے اور ساتھ ہی بڑے لُطف کی بھی۔ جیسا کہ ہر صاحبِ ذوق کا تجربہ شاہد ہے۔ اس نامہ سیاہ نے اس کا بیان اپنے سفر حجاز میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کو تمام دنیائے اسلام کی مسجدوں بلکہ نمازوں سے جو مرکزی نسبت حاصل ہے، اسی مناسبت سے اہمیت طوافِ کعبہ کو بھی حاصل ہے کعبہ مظہرِ اعظم ہے دینِ توحید کا۔ اس کے گرد چکر لگانا گویا زبانِ حال سے اقرار کرنا ہے کہ ہماری ساری عبادتوں کا سارے اعمال کا ساری زندگی کا مرکزی نقطہ ہی توحیدِ الٰہی ہے۔ عاکفین عکوف کے لفظی معنی ہیں کسی جگہ کے رہنے کو تعظیماً لازم کر لینا العکوف الاقبال علی الشیٔ وملازمتہ علی سبیل التعظیم لہ (راغب) اور اعتکاف اصطلاح شریعت میں نام ہے مسجد کے اندر بہ نیت عبادت قیام کو کسی مدت کیلئے لازم کر لینے کا، کہ بجز بشری ضرورتوں کے اور کسی حال میں باہر نہ نکلا جائے۔ هو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربۃ (راغب) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے نفس اعتکاف ہر حال میں موجب اجر و قربت ہے۔

۴۳۸ (اور اسلام قبول کرلیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب ضد، نفسانیت، ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے وہ خود اپنی کتاب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت وصداقت کے قائل ہو جائیں گے، اور رسول اللہ صلعم پر ایمان لے آئیں گے۔ یؤمنون بہ میں ضمیر رسول اللہ صلعم کی جانب بھی پھیری جاسکتی ہے۔ اس تاویل سے کہ اوپر آپ کا ذکر انا ارسلنٰك بالحق میں مضمر ہے۔ قیل یعود علی النبی صلعم وقد تقدم ذکرہ فی قولہ انا ارسلنٰك بالحق (بحر) اکثر نے الکتٰب کی طرف پھیری ہے۔ ظاھرہ ان الضمیر فی بہ یعود الی ما یعود الضمیر فی یتلونہ ای الکتٰب (بحر)۔ لیکن سب سے انسب یہ ہے کہ ضمیر میں مرجع الحق (آیت ۱۱۹) اور العلم (آیت ۱۲۰) کو مانا جائے اور معنی یہ کئے جائیں کہ یہ لوگ اس دینِ حق اور علمِ وحی پر ایمان لے آئیں گے۔ مفسر تھانوی اور مفسر دہلوی (شاہ عبدالعزیز) دونوں نے یہی ترکیب اختیار کی ہے۔ یہ اختلافات صرف ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے ہیں۔ مآل ومقصودِ کلام ہر صورت میں تقریباً ایک ہی ہے۔

۴۳۹ (دنیا وآخرت میں) منکرینِ اسلام یہود کی ہلاکت آخرت میں تو یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی بربادی سب کے مشاہدہ میں آچکی ہے۔ یکفر بہ میں بھی ضمیر کے مرجع کے بارہ میں اختلافات ہیں اور انسب یہاں بھی یہی ہے کہ الحق والعلم کو مانا جائے۔

۴۴۰ قوم بنی اسرائیل اور اُن پر احساناتِ خداوندی تھے ان کا تعارف رکوع ۵ میں مفصل کرایا جاچکا ہے۔ وہیں کے حاشیے ملاحظہ فرمالئے جائیں۔ شروع میں تاریخ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بیان ہوئی۔ یعنی اس کے اس عہد کی جب وہ مستقل صاحبِ کتاب وشریعت ہوکر آزاد وخود مختار ہے اور ہر طرح کی نافرمانی وسرکشی میں بھی مبتلا۔ اب اسی کے قدیم ترین دور یعنی عہدِ ابراہیمی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم ہی کے بعد سے تو آپ کی نسل کی دو شاخیں ہوئیں اور ایک کا نام دو پشتوں کے بعد بنی اسرائیل پڑا۔

۴۴۱ (توحید کی علمبردار اور مبلغ کی حیثیت سے) قرآن مجید جو دعویٰ کرتا ہے کسی کی پروا کئے بغیر، بے تکان اور بے دھڑک کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو اس نے مطلق صورت میں بلا کسی قید وشرط کے، اس وقت تک کی تمام قوموں کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے۔ یہ افضلیت اسی نعمتِ توحید کی بنا پر تھی۔ دنیا کی دنیا شرک کی لعنت میں مبتلا تھی۔ توحید پر قائم صرف یہی قوم تھی۔ اور سلسلۂ نبوت کی قائل صرف یہی نسل تھی تفصیل کے لئے رکوع ۶ کے حاشیے ملاحظہ فرمائے جائیں۔ بنی اسرائیل کو ان کے عروج اور ان کی گمراہیوں کی سرگزشت سنا کر یاد یہ دلایا جارہا ہے کہ ان کی افضلیت واشرفیت کا راز تھا کیا؟ یہی تھا کہ وہ موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں تھے۔ اور توحید ونبوت کی امانت انہیں کی نسل کے سپرد کی گئی تھی۔ انہیں اگر پھر استفادہ انہیں انعامات سے منظور ہے تو چاہئے کہ اسی دینِ ابراہیمی کی طرف رجوع کریں۔

۴۴۲ (کسی طرف سے بھی۔ اور نہ اُن کی فریاد رسی کسی سے بھی ہوسکے گی) یہ آیت ہی رکوع ۶ میں گزر چکی۔ اور وہیں اس پر متعدد حاشیے دیئے جاچکے ہیں۔ بنی اسرائیل نے اس وقت ایک تو عقیدۂ قیامت کو بالکل بھلا دیا تھا اور جزا وسزا کی ساری صورتیں اسی دنیا میں محدود سمجھ لی تھیں۔ چنانچہ موجودہ توریت میں بھی جہاں جہاں سعادت وشقاوت کے ثمرات مذکور ہیں، اسی دنیا کی خوشحالی وبدحالی کا بیان ہے۔ اس لئے پہلے تو انہیں یوم آخرت کی یاد دلائی گئی۔ اور پھر ان کی گمرہی کے ایک ایک مرکزی عقیدہ، شفاعت، کفارہ وفدیہ پر ضرب لگائی گئی۔ آیت کے الفاظ اتنے جامع ہیں کہ یہودیت کے ساتھ نصرانیت کی بھی جڑ کٹی جاتی ہے۔ نصرانیت کی بنیاد ہی شفاعت، کفارہ وفدیہ ہی کے عقائدِ باطلہ پر ہے۔

۴۴۳ یہ نام پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ قرآن کے مخاطب اوّل اہلِ عرب تھے۔ جو شخصیتیں ان کے لئے معلوم ومعروف تھیں، قرآن ان کے نام ان کے سامنے بے تکلف بغیر کسی مزید تعارف کے لے آتا ہے۔ اور پھر ابراہیم تو وہ بزرگ تھے جن سے علاوہ مشرکینِ عرب کے یہود ونصاریٰ بھی خوب ہی واقف تھے۔ ان کا تعارف اور بھی غیر ضروری تھا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جو اسلامی عقیدہ کے علاوہ یہودی ونصرانی عقیدہ میں بھی ایک بڑے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح سے آیا ہے۔ توریت کی روایت ہے کہ آپ کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہوا ہے۔ یعنی آپ ان کی گیارہویں پشت میں تھے۔ لیکن خود توریت ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توریت ..... میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔ سالِ ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ق۔م ہے اور عمر شریف توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے۔ سالِ وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ق۔م ٹھہرتا ہے۔ والد کا نام تارح تھا۔ یا عربی تلفظ میں آزر۔ نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی کئی طرح آیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآنی لفظ آزر کافی ہے۔ وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا۔ جدید جغرافیہ میں اسی کو ملک عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اُور (UR) آیا ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سرِ نو نمودار ہوگیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۰ء ہی میں پڑ گئی تھی ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرینِ اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم برٹش میوزیم اور پنسلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق کو روانہ ہوئی۔ اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہوگیا اور عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لاکر ان کھنڈروں کو محفوظ کردیا ہے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور نبوت چونکہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصرانیوں کو بھی مسلم ہے۔ اس لئے ان قوموں کے علماء نے بھی آپ کے حالات کی تحقیق وجستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض "روشن خیال" محققین نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کردیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب۔ لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اوّل کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہوجانا پڑا ہے۔ نسل اسرائیلی اور نسل اسمٰعیلی دونوں میں ایک طرح کی رقابت اور چشمک مدتوں سے چلی آرہی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سلسلوں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ اللہ کی نعمتِ خاص الخاص یعنی توحید کی علمبرداری اب نسل اسرائیل سے اس کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھن کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے اب ساری دنیا کے لئے عام ہورہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ابراہیمی شخصیت اور ان کے ضمن میں اسمٰعیلی شخصیت، کی مرکزیت اور اہمیت سے دنیا کو روشناس کردیا جائے۔ چنانچہ یہاں یہی ہورہا ہے۔

۴۴۴ (اور وہ چند امور، احکام تھے اوامر ونواہی کی قسم کے) ابتلیٰ۔ آزمایا۔ یہ واقفیت کے لئے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے ایمانِ کامل کا مشاہدہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔ وابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالھم بالابتلاء فانہ عالم بھم ولکن لیعلم العباد احوالھم (معالم) کلمٰت۔ یہ کلمات کیا تھے ان کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ قد اختلف العلماء فیھا اختلافا کثیرا (ابن عربی) لیکن تفصیل ان کی جو کچھ بھی ہو، بہرحال تھے وہ احکام شرائع ہی۔ ای شرائع الاسلام (معالم عن ابن عباس) ای اختبارہ لہ بما کلفہ من الاوامر والنواھی (ابن کثیر)

۴۴۵ یعنی آپ ان امتحانوں میں پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کردی۔ ای فادّاھن (ابن جریر عن ابن عباس) ای عمل بھن (ابن جریر عن قتادۃ) روایاتِ یہود میں بھی یہ ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۴۴۶ (کہ امور دین وشریعت میں تمہاری اقتدا کریں۔ ای یاتمون بك فی دینك (کبیر) ای یاتمون بك فی دینھم (مدارک) اماماً۔ امام کہتے ہی ایسے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ لغت میں بھی اور اصطلاحِ شریعت میں بھی۔ ھو اسم من یوتم بہ (مدارک) اسم الامامۃ مستحق لمن یلزم اتباعہ والاقتداء بہ فی امور الدین او فی شیء منھا (جصاص) توریت میں بھی یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے۔ "اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا، اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا، اور ان کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا، اور دنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔" (پیدائش ۱۲: ۲، ۳)۔ یہ دینی سرداری اور امامت پورے ایک عالم کی آج تک آپ کے حصہ میں چلی آرہی ہے۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو مذاہب توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت ونصرانیت وہ آپ کی امامت پر متفق ومتحد ہیں۔ ایک نامور فرنگی فاضل، بیسویں صدی کے ثلث اوّل کے ختم پر آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے۔ "ابراہیمؑ کی ہستی کسی بدوی سردار کی نہ تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے اور ملک گیری کرتے رہتے۔ ان کی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے۔ وہ حقیقۃً مورثِ اعلیٰ کسی نسل کے نہیں، بانی وامام وہ مذہبی تحریک کے تھے محمدؐ کی طرح جو ان کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، وہ سامی قوموں اور قبیلوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور توریت کے حسبِ روایت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اوّل صفحہ ۶۰ طبع چہاردہم) جن لفظوں کو یہاں ترجمہ میں جلی کردیا گیا ہے، انہیں ایک بار پھر پڑھ لیا جائے ——— یورپ کی زبان سے اللہ کے حبیبؐ اور اللہ کے خلیلؑ کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف! بس اللہ ہی کی شان ہے! آیت سے ایک نتیجہ فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام کی تعمیل اور امتحانِ الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی وسرداری کا مستحق بنادیتی ہے۔ اور انبیاءِ کرام کے بعد اولیاءِ امت اور علماءِ امت کی امامت، اپنے اپنے ظرف وحیثیت کے مطابق، اسی قانون کی مظہر ہے۔ فقیہ جصاص رازیؒ نے کہا ہے کہ فالانبیاء علیھم السلام فی اعلیٰ مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون بعد ذٰلك ثم العلماء والقضاۃ العدول ومن الزم اللہ تعالیٰ بالاقتداء بھم ثم الامامۃ فی الصلوٰۃ ونحوھا (احکام القرآن) (امامت کے جو معنی بیان ہوئے اس کے لحاظ سے امامت کے اعلیٰ مرتبہ پر تو حضرات انبیاء فائز ہوتے ہیں۔ ان سے اتر کر خلفائے راشدین ہیں۔ پھر نمبر علماء اور عادل ججوں کا آتا ہے اور اُن کا جن کی پیروی خدا نے لازم کردی ہے، پھر امامت نماز ہے وغیرہا)

۴۴۷ (امام ہوتے رہیں گے، عالم کی پیشوائی، سرداری وامامت کی بشارت پاکر ابراہیم علیہ السلام کا دل قدرتی طور پر باغ باغ ہوگیا اور اس جوش مسرت میں سوال کر بیٹھے کہ اس انعام میں میری نسل اور میری اولاد بھی شریک ہے نا؟ ذُرِّیَّۃ کے معنی ہیں اولاد اور اولاد در اولاد۔ اس میں سارا سلسلۂ نسل آگیا۔ اور یہ سلسلۂ ابراہیمی شاخ اسرائیلی اور شاخ اسمٰعیلی دونوں کو شامل ہے۔ اسرائیلیوں کو جو دعوی تخصیص تھا اس کی جڑ یہیں سے کٹ گئی۔ من ذریتی میں من تبعیضیہ ہے اور فقرہ کی ترکیب نے اسے صاف کردیا کہ ابراہیمؑ کی یہ دعا وسوال کے رنگ میں، اپنی ساری نسل سے متعلق نہیں اس کے ایک جزء سے متعلق تھی۔ من تبعیضیۃ ای وجاعل بعض ذریتی (ابو سعود) ومن ذریتی۔ یدل انہ علیہ السلام طلب ان یکون بعض ذریتہ ائمۃ للناس (کبیر) من ذریتی کا عطف جاعلك کے ك پر ہے۔ گویا تقدیرِ کلام یوں ہے۔ وجاعل بعض ذریتی۔ محاورۂ عرب میں جب ساکرمك بولا جاتا ہے تو جواب استفہامی میں بجائے پورے فقرہ ساکرم زیداً کے صرف وزیداً کافی ہے (کشاف)، گو صاحب بحر کے نزدیک یہ عطف یہاں صحیح نہیں۔ آیت سے معلوم ہوا کہ مسرت ونعمت میں اپنی اولاد کو شریک کرنا نہ صرف امر طبعی ہے بلکہ سنتِ انبیاء بھی ہے

۴۴۸ یعنی برکت وفضل کا سلسلہ تمہاری نسل میں بھی ضرور رہے گا۔ لیکن اس کے تحقق کے لئے محض ارث، نسب، نسل کافی نہیں۔ بلکہ ایمان وعمل صالح بھی حاصل کرنا ہوگا۔ گویا دعائے ابراہیمی اولادِ صالح کے حق میں قبول ہوگئی۔ دل علی انہ ینالہ غیر الظالم (جلالین) اور حضرت کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ کچھ صالح ومطیع اور کچھ ظالم ونافرمان۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کردیئے گئے۔ تنبیہ علی انہ قد یکون من ذریتہ ظلمۃ وانھم لا ینالون الامامۃ وانما ینالھا البررۃ الاتقیاء منھم (بیضاوی) عھدی میرا وعدہ یعنی دینی منصبِ امامت وپیشوائی کا وعدہ۔ معنی العھد عھد الامامۃ (ابن جریر عن مجاہد) ھذا العھد ھو الامامۃ المذکورۃ فی ما قبل (کبیر) الظٰلمین۔ ظلم سے یہاں مراد کفر بھی لی گئی ہے اور فسق بھی۔ کافر کو امامتِ دینی نہ ملنا بالکل ظاہر اور متفق علیہ ہے۔ بعض نے اس منصب سے محرومی کے لئے فسق بھی کافی سمجھا ہے۔ قد فسر الظلم ھھنا بالکفر وھو قول ابن جبیر وبظلم العاصی غیر الکفر وھو قول عطاء والسدی (بحر) ای اھل الکفر (مدارک) اخبر ان امامۃ المسلمین لا یثبت لاھل الکفر (مدارک) المراد بالظالم الکافر ھھنا اذ ھو الظالم المطلق (مدارک) المتبادر من الظلم الکفر لانہ الفرد الکامل من افرادہ (روح) فقہاء امت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں۔ واحتج الجمھور علی ان الفاسق لا یصلح ان تعقد لہ الامامۃ بھٰذہ الاٰیۃ (کبیر) مرشد تھانوی نے آیت سے استنباط کیا کہ عدمِ عمل کے ساتھ فضل الٰہی وانعام خداوندی جمع نہیں ہوتے

۴۴۹ بیت کے لفظی معنی گھر کے ہیں (جہاں رات بسر کی جائے) البیت سے متفقہ طور پر مراد بیت الحرام یا خانہ کعبہ ہے۔ شہر مکہ معظمہ کے اندر کی یہ عمارت روئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے۔ اور قرآن نے اس حقیقت کا اعلان کھلے لفظوں میں ادا کردیا ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً۔ مسیحیت کو کعبہ کی تقدیس وبرکت کے ساتھ ساتھ کعبہ کی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے لیکن انکارِ قدامت پر کوئی دلیل ہر ممکن کوشش کے بعد آج تک قائم نہیں ہوسکی ہے بلکہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ کو کہنا پڑا۔ "یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پرے ہے۔" (محمد اینڈ محمڈنزم صفحہ ۱۲۶) پھر آگے مشہور وقدیم رومی مؤرخ ڈایوڈورس سکولس (Diodorus Seculus) جس کا زمانہ خود حضرت مسیحؑ سے ایک صدی قبل کا ہے کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس وقت بھی یہ معبد قدیم ترین تھا اور ساری نسل عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا صفحہ ۱۲۶۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اُسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اسکے پڑھنے کا حق ہے ۴۲۷ وہ لوگ

١٤ ع ١٤ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾
اس پر ایمان لے آئینگے ۴۲۸ اور جو کوئی اس سے کفر اختیار کریگا تو یہی لوگ (پورا) نقصان اُٹھانیوالے ہیں ۴۲۹

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو بخشیں ۴۳۰

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ
اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ۴۳۱ اور اُس روز سے ڈرو جب نہ کوئی

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا
کسی کے بھی کام آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائیگا اور نہ اُسے

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
سفارش نفع پہنچا سکے گی اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ۴۳۲ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب

رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
ابراہیم ۴۳۳ کو ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا ۴۳۴ اور انہوں نے وہ انجام دے دیئے ۴۳۵، ارشاد ہوا کہ میں

اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى
یقیناً تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں ۴۳۶ بولے اور میری نسل سے بھی ۴۳۷؟ ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ
نہیں پہنچتا ۴۳۸ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کیلئے ایک مقام رجوع اور

منزل

۴۲۴ (جس سے ہم چار و ناچار ان پیمبر کے دعوی کی تصدیق کر ہی دیں) ایۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں بکثرت معجزہ کے معنی میں آیا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہے جو معمولِ عام سے ہٹا ہوا ہو اور بلا اسبابِ ظاہری اس کا ظہور تائیدِ رسول کے لئے ہو۔ رسول اللہ صلعم کی صداقت پر معنوی دلائل و شواہد تو کثرت سے موجود تھے لیکن مشرکین کی طرف سے پیہم فرمائشیں یہ جاری رہیں کہ کوئی عظیم الشان، حیرت انگیز حسی معجزہ دکھایا جائے جس کے بعد گنجائش ہی چون و چرا کی نہ رہے۔ جن لوگوں کی عقلی، روحانی، اخلاقی سطح پست ہے۔ ان کی طرف سے اولیاء ربانی سے فرمائشیں آج بھی اس قسم کی خارقِ عادت کرامات ہی کے ظہور کی ہوتی رہتی ہیں۔ ایۃ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے یعنی کوئی عظیم الشان لرزہ انگیز معجزہ ۴۲۵ (اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبروں اور داعیانِ حق سے) یعنی ان کی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی اور ان کا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر دور اور ہر ملک میں اس قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔ رسالتِ محمدی سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت عیسیٰ کا گزرا ہے۔ آپ عرب میں نہیں شام میں تھے۔ آپ سے بھی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے انہیں آسمانی نشانوں کے ہوتے رہتے تھے۔ "فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آکر آزمانے کے لئے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا۔" (متی ۱:۱۶) یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ کو لا دکھانے کی فرمائش شروع ہو گئی تھی، "فلپس نے اُس سے کہا کہ اے خداوند ہمیں باپ کو دکھا بس ہمیں کافی ہے۔" (یوحنا ۸:۱۴) ۴۲۸ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بالکل ایک سے ہیں بے بصیرتی اور ناحق ناشناسی میں۔ انجیل میں غضب کا ٹی کے لہجہ میں ہے۔ "اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا۔" (متی ۴:۱۶) "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو، تم ہر وقت رُوح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے، ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں کس کو تم نے نہیں ستایا؟" (اعمال ۷:۵۱، ۵۲)
۴۲۹ مطالبہ ایک نشان (آیتٌ بصیغۂ واحد) کا تھا جواب یہ ملا کہ یہاں تو نشان پر نشان (الآیات بصیغۂ جمع) پیش کئے جا چکے ہیں۔ تاریخ اور سیرت میں جن معجزوں کا ذکر آتا ہے اُن سے قطع نظر دو معجزے تو بالکل بیّن و نمایاں تھے۔ ۱۔ رسول اللہ صلعم کا سچائی، امانت، پاکبازی، عقل و فہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت مبارک کے ایک ایک جز کا بجائے خود معجز ہونا۔ ۲۔ قرآن مجید کا لفظی، معنوی، ظاہری، باطنی، تعلیمی و ادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ بیّنّا۔ یعنی یہ نشانات کچھ ان سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے انہیں بالکل واضح و آشکار کر رکھا ہے۔ ان میں کسی طرح کا خفا نہیں۔ قد بیّنّا۔ قد کی تاکید نے بیّنّا کی صراحت کو اور زیادہ زوردار بنا دیا۔ اور اسی کے اظہار کے لئے اُردو ترجمہ میں "کھول کھول" لایا گیا ہے۔ لقوم یوقنون یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر انہیں لوگوں کو آتے ہیں جن کے قلب جہل و عناد کی گندگی اور شک و ارتیاب کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد و دلائل مادی قسم کے ہوں یا معنوی، بہرحال ان سے نفع حاصل کرنے کے لئے دیدۂ بصیرت و چشم بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لئے پیمبر کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر معجزہ ہے۔ عارف رُومی نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے سے
دردلِ ہر کس کہ از دانش مزہ است ۔ رُوئے و آوازِ پیمبر معجزہ است
اما من کان فی ارتیاب او شك او تغافل او جھل فلا ینفعہ فیہ الآیات ولو کانت فی غایۃ الوضوح (بحر)۔ یقین شک کی ضد ہے اور علم و تحقیق کے مرادف ہے۔ الیقین ازاحۃ الشك والعلم وتحقیق الامر ونقیضہ الشك (تاج) لقوم یوقنون کے معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں ای طالبون معرفۃ حقائق الاشیاء علی یقین وصحۃ (ابن جریر) ای یطلبون الیقین (بیضاوی) ۴۳۰ (سارے عالم کے لئے اے ہمارے پیغمبر) بالحق۔ حق کے ساتھ۔ یعنی دینِ حق کے ساتھ یا راہِ حق کا ہادی بنا کر۔ یہ مُراد بھی ہو سکتی ہے کہ حقانیت و صداقت کے ساتھ مع اس کی ساری ترتوں اور دلائل کے۔ بشیرا۔ مومنین مطیعین کے حق میں کہ جو آپ کے پیغام کو مان لیں گے ان سے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا وعدہ ہے۔ نذیرا۔ منکروں اور سرکشوں کے حق میں کہ جو آپ کے پیام سے بغاوت کریں گے اُن کی آخرت تو یقیناً اور دنیا اکثر تباہ ہو کر رہے گی۔ اقبال نے لطف و قہر او سراپا رحمتے ۔ آں بیاراں ایں باعدا رحمتے ۴۳۱ (اور اہلِ دوزخ وہی ہو نگے جو آپ کے پیام کے منکر ہیں) تو مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے انجام کی ذمہ داری آپ پر کیا ہے؟ آپ کیوں ان کے لئے اس قدر فکر و تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ کا فرض تو پیام پہنچا دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔ آگے کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو کوئی خود اپنی اصلاح نہ چاہے مرشد کو اس کے زیادہ درپے نہ رہنا چاہئے ۴۳۲ (خواہ آپ ان کی کتنی ہی رعایت ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ برتاؤ کتنی ہی غمخواری اور دلسوزی کا رکھیں) یہ حکم ـــــ نصرانیوں سے متعلق ہے جو بہرحال اہلِ کتاب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مشترک ایمان سلسلۂ وحی و نبوت پر رکھتے تھے۔ تو جو کھلے ہوئے اہلِ شرک ہیں، اور اسلامی عقائد سے اشتراک کسی درجہ کا بھی نہیں رکھتے، ان کی رضا جوئی اور ان سے توقع صلح رکھنے کا جو حکم ہوگا ظاہر ہی ہے ۴۳۳ (یعنی اس مذہب کے جو انہوں نے گڑھ رکھا ہے۔ اور اپنے دینِ حق سے دستبردار نہ ہو جائیں) ملّۃ کے معنی مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ الملۃ الشریعۃ او الدین (قاموس) قال ابو اسحق الملۃ السنۃ والطریقۃ (تاج) دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ دین کا استعمال اللہ اور افراد امت کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً دین اللہ یا دین زید اور ملۃ کا استعمال نبی اور جماعت کے سیاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً ملّتِ ابراہیم یا ملّتِ یہود (راغب) لفظ ملّۃ کے صیغۂ واحد سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کفر جس قسم کا بھی ہو بہرحال ایک ہی ملّت کے حکم میں ہے۔ وقد استدل کثیر من الفقہاء علی ان الکفر کلہ ملۃ واحدۃ (ابن کثیر) اور اسی اصل کی بنا پر وراثت کافروں اور مسلموں کے درمیان جائز نہیں رکھی ہے۔ لیکن کافروں کافروں کے درمیان جائز رکھی ہے۔ خواہ ان کا کفر آپس میں مختلف ہی ہو۔ وھذا مذھب الشافعی وابی حنیفۃ واحمد فی روایۃ عنہ (ابن کثیر) ۴۳۴ (حق و صواب کی، اسی پر عقل و نقل کے دلائل کا اتفاق ہے اور اسی اللہ کی بتلائی ہوئی راہ کا نام طریقِ اسلام ہے) ۴۳۵ (مسائل دین میں۔ اور یہ پیروی ان کے لئے محال ہے) لئن میں لام قسم کا ہے تاکید و قطعیت کے لئے ہے۔ لام قسم (جلالین) قرآن ہے خدا کا کلام لیکن ہے بہرحال محاورۂ انسانی ہی میں، انسانی کلام میں جہاں جہاں قسم کا موقع آتا ہے قرآن میں بھی اس کی رعایت کی جائیگی۔ اھواء سے مراد وہ رائیں اور خیالات ہیں جو علم و حقیقت کے بجائے نفسانی خواہشوں پر مبنی ہوں۔ ای آراءھم الزائغۃ (بیضاوی) والھوی رأی یتبع الشھوۃ (بیضاوی) العلم سے مراد علم وحی ہے۔ ہر طرح پر قطعی و یقینی اور ہر اشتباہ سے بالاتر۔ العلم الوحی (بیضاوی) ای من بعد الذی اقتصصت علیك من نبئھم (ابن جریر) گویا ایک سرے پر العلم ہے، حقیقت سے تمامتر لبریز۔ اور دوسرے سرے پر اھواء، حقیقت سے تمامتر خالی۔ استدلال قرآنی کی منطقی شکل گویا اب یہ ہوئی۔ ۱۔ یہود و نصاریٰ کی رضا طلبی کے لئے لازمی ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں۔ لیکن ان کا دین سرتاسر محرّف و باطل ہے۔ اس لئے اُن کی رضا طلبی کے لئے لازم ہوا کہ آپ دینِ محرّف و باطل اختیار کریں۔ ۲۔ جو رحمتِ خداوندی سے مالامال اور توفیقِ الٰہی سے سرفراز ہو اُس کے لئے باطل کی پیروی محال ہے۔ آپ رحمتِ خداوندی سے مالامال اور توفیقِ الٰہی سے سرفراز ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے پیروئ باطل محال ہے۔ ۳۔ اور جب آپ کے لئے پیروئ باطل محال ہے۔ تو ملّتِ یہود و نصاریٰ کی پیروی جو خود ایک شکل زیغ و باطل ہی کی ہے، اس کی پیروی بھی محال ہے۔ اور اس لئے ان باطل پرستوں کی حصولِ رضا کی بھی کوئی شکل آپ کے لئے نہیں۔ آگے جو وعید اتباعِ باطل پر آئی ہے اور اس کے ساتھ قید بعد الذی جاءك من العلم کی لگی ہوئی ہے۔ اس قید سے امام رازیؒ نے استنباط کیا ہے کہ وعید ہمیشہ دلائلِ صریح کے بعد ہی ہو گی۔ یدل علی انہ لا یجوز الوعید الا بعد نصب الادلۃ (کبیر) ۴۳۶ (ولی دیار، اِس دنیا میں اور نصیر (مددگار) عالمِ آخرت میں۔ خوب خیال ہے کہ رسول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے یہ بات محض بطور فرض کے کہی گئی ہے۔ اور فرض جب محالات عقلیہ تک کئے جا سکتے ہیں تو محالاتِ عادی یا منفیاتِ شرعی کے فرض کر لینے میں تو اور بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور اس طرزِ مخاطبت سے مقصود بھی غالباً مسئلہ کی اہمیت پر زور دینا ہے۔ منکروں کی طرف میلان پر اتنا تشدد جب خود رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ فیہ تھدید و وعید شدید للامۃ عن اتباع طرائق الیھود والنصاریٰ (ابن کثیر) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں خطاب رسول اللہ صلعم سے صرف لفظاً ہے ورنہ مراد امت ہی ہے اور اصل حکم اسی کو ہے۔ الخطاب مع الرسول والامر لامتہ (ابن کثیر) قیل خطاب مع النبی والمراد بہ الامۃ (معالم) قیل للمقصود منہ امتہ (روح) ۴۳۷ یعنی دل سے اس کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف و تغیر کو راہ نہیں دیتے۔ حقِ تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آ گیا۔ یتبعونہ حق اتباعہ (ابن عباس) یحرفون الکلم عن مواضعہ ولا یتأولونہ علی غیر الحق (کبیر) الکتب سے مراد توریت ہے۔ یعنی التوراۃ (ابن عباس) الذین اٰتینٰھم الکتب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ھم الیھود والنصاریٰ وھو قول عبد الرحمٰن بن زید واختارہ ابن جریر (ابن کثیر)

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ

کہتا ہے (کہ) ہوجا ۴۲۱ بس وہ ہوجاتا ہے ۴۲۲ اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں ۴۲۳ وہ کہتے

لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ ۴۲۴ یا ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آجاتا ہے ۴۲۵ اسی طرح

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں کا سا کہنا ۴۲۶ انکے قلوب متشابہ ہوگئے ۴۲۷

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

ہم نے اپنے نشان تو کھول کھول دیے ہیں اُن لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں ۴۲۸ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے

بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ

خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر ۴۲۹ اور آپ سے اہل دوزخ کی بابت کچھ بھی پوچھ

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

نہ ہوگی ۴۳۰ اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے ۴۳۱

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ

جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوجائیں ۴۳۲ آپ کہدیجیے کہ اللہ کی بتلائی ہوئی (توراہ بس وہی ہے ۴۳۳

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ

اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے اُن کی خواہشوں کی پیروی

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ

کرنے لگے ۴۳۴ تو آپ کے لئے اللہ (کی گرفت) کے مقابلہ میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار ۴۳۵ جن لوگوں کو

وقف منزل

منزل ۱

صاف مفہوم یہ ہے کہ خدا نے گویا کسی کو متبنّیٰ کرلیا ہے ـــــ قرآن مجید کی تلمیحات کو پوری طرح سمجھنے کیلئے قرآن کے صد ہا مقامات کی طرح یہاں بھی اسکی ضرورت ہے کہ نظر اہل باطل کے عقائد و خیالات پر ذرا گہری ہو۔ مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ Adoptionists کے نام سے گزرا ہے۔ ان کے مرکزی عقیدہ کیلئے اصطلاحی لفظ تبنیت Adoptionism کا ہے۔ عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح خلقۃً خدا نہیں۔ وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ خدا شروع سے بنے بنائے اور خود بخود نہیں ہیں۔ بلکہ اصلاً وخلقۃً وہ انسان ہی تھے۔ البتہ اقنوم ثالث یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا۔ اسلئے وہ قدوسیت کے ایسے اوج کمال پر پہنچ گئے اور روح الٰہی انکے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنوم اول یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر، اپنا متبنّیٰ بنا کر، شریک الوہیت کرلیا۔ اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفات الٰہی میں شریک و سہیم ہیں۔ اس عقیدہ کے وجود کی شہادت تاریخ میں ۱۸۵ء میں ملتی ہے، آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم نے اسے الحاد و زندقہ قرار دیا۔ بارھویں صدی عیسوی میں اس نے پھر زور پکڑا اور پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اس شاخ کی جانب ہے۔ بڑے سے بڑا مقرب بھی بہرحال بندہ اور بشر ہی ہوتا ہے کسی کی نظر سے کوئی بیلورہ جاتا ہے کسی کی نظر کوئی مسیحیت کے سلسلہ میں یہ خوب یاد رہے کہ مسیحی مذہب میں عقیدۂ ابنیت کوئی ثانوی درجہ یا فرعی حیثیت نہیں رکھتا۔ مسیحیت کی روح اور جان یہی عقیدہ ہے۔ ۴۱۷ (ہر قسم کی بشری رشتہ داریوں سے جو اس کیلئے ہر حال میں پست اور باعث توہین ہیں) تنبیہ ہے مسیحیوں کو کہ معاذ اللہ، خدا کو خدا بھی کہے جاتے ہو اور پھر اس کیلئے یہ بشری سطح والی رشتہ داریاں بھی مانے جاتے ہو! الوہیت کے باب میں کتنا گھٹیا تخیل اور کیسا کریہہ نظریہ رکھتے ہو! ۴۱۸ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت و مملوکیت مطلقہ کا ہے۔ نہ کہ فرزندی و دلبندی وغیرہ خرافات کا۔ توحید کی صاف و سادہ تعلیم یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان سارے امتیازات و تعینات سے پاک ہے جو اہل شرک نے اس کیلئے گڑھ رکھے ہیں۔ ضمناً آیت شرک کی دوسری قسموں پر بھی ضرب لگاتی جاتی ہے، ہر ہستی اللہ کی مملوک ہے، کوئی ہستی اسکی مملوکیت سے خارج نہیں اور ہر ہستی صرف اللہ ہی کی مملوک ہے، یہ نہیں کہ کچھ ہستیاں اسکی مملوکہ ہوں اور کچھ کسی اور کی۔ ۴۱۹ (اگر ارادۃً نہیں تو جبلۃً و اضطراراً) اللہ کی تکوینی محکومی اور فرمانبرداری سے چارہ کسی کو بھی نہیں۔ کُلٌّ یعنی جمیع مخلوق، مومن و کافر، بلند و پست، کبیر و صغیر، زندہ و بیجان، قلنتون، سب اس کے آگے جھکے ہوئے، سب کی تقدیر اسکی مشیت سے وابستہ۔ ای منقادون لا یمتنع شیء منهم علی تکوینه و تقدیره و مشیته (کشاف) منقادون لا یمتنعون عن مشیته و تکوینه (بیضاوی) قنوت کے بہترین معنی یہی کئے گئے ہیں کہ اپنے جسم کی شہادت سے اور زبان حال سے اللہ کی عبودیت و طاعت کا اقرار کیا جائے۔ واولی معانی القنوت فی الطاعة والاقرار لله عز وجل بالعبودیة بشهادة اجسامهم بما فیها من آثار الصنعة (ابن جریر) بڑی یا چھوٹی، وحشی یا ترقی یافتہ کس مخلوق کی مجال ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے دن اور اللہ کی بنائی ہوئی رات کے چوبیس گھنٹوں کے علاوہ کوئی گھنٹہ، کوئی منٹ، کوئی لمحہ اپنے لئے پیدا کر سکے۔ بڑے سے بڑے ماہرین سائنس میں سے کس کے امکان میں ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضائے کائنات سے باہر ایک گز، ایک فٹ، ایک انچ جگہ اپنے لئے تلاش کر سکے؟ کون ایسا ہے کہ اللہ نے زمان اور مکان کی جو حدیں مقرر کردی ہیں اُن سے قدم باہر نکال سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے خلق کئے قانون حرارت، برودت، رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ کون ایسا ہے جو اسکے باندھے ہوئے قانون کشش اجسام سے بغاوت کر سکے! عدد، وزن، مقدار کے جو ضابطے خدا نے مقرر کر رکھے ہیں کس میں اتنی ہمت ہے کہ گنجائش ان سے عدول و انحراف کی پا سکے؟ ـــــ بڑے سے بڑے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال بجز اسکے کیا ہے کہ اُسنے نظام تکوینی کے ضابطوں اور قاعدوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کرلیا ہے۔ اور مسبب الاسباب کے حضور میں وہ دوسروں سے بڑھ کر بندۂ قانت ہے؟ کل له قانتون۔ اس میں رد آگیا ہر مشرک قوم کا کہ جن جن کو تم ابن اللہ یا دیوی یا دیوتا مانتے ہو، وہ اللہ کے شریک و سہیم و ہمسر تو کسی حیثیت سے بھی کیا ہوتے سب کے سب اسکے محکوم، اس کے مخلوق، اسکے قوانین تکوینی کے تابع و مسخر ہیں۔ ۴۲۰ (اور اسی طرح ساری مخلوق کا نیز ان سب سے سابق و متقدم بھی ہے) بدیع یہاں مبدع کے معنی میں اور بدیع یہاں مبدع کے معنی میں ہے، جیسے الیم مولم کے معنی میں اور سمیع مسمع کے معنی میں آتا ہے۔ البدیع یقال للمبدع (راغب) ای مبدعها وانما هو مفعل صرف الی فعیل کما صرف المؤلم الی الیم (ابن جریر) اور مصدر ابداع کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنا۔ عدم محض سے وجود میں لانا بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ یا ہیولیٰ کے الابداع انشاء صنعة بلا احتذاء واقتداء (راغب) واذا استعمل فی الله تعالیٰ فهو ایجاد الشیء بغیر آلة ومادة ولا زمان ولا مکان (لغب) بدیع وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مقام و مکان کا پابند نہ زمان و وقت سے مقید۔ محتاج نہ کسی نمونہ کا، نہ استاد کا، وہ صناع ہے، کاریگر نہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے وجود میں لانیوالا۔ معنی المبدع المنشیء والمحدث مالم یسبقه الی انشاء مثله واحداثه احد (ابن جریر) هو بارئها وخالقها وموجدها من غیر اصل ولا مثال احتذاها علیه (ابن جریر) لفظ الفطان مشرک قوموں کے رد میں ہے جو خدا کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں اور روح یا مادہ یا دونوں کو کسی نہ کسی درجہ میں اس کا شریک و سہیم رکھتے ہیں گویا مادہ پہلے سے موجود ہی تھا وہ قدیم و غیر حادث ہے، یا روح بھی اسکے ساتھ ساتھ قدیم و غیر حادث ہے۔ اب خدا نے صرف اتنا کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے کیمسٹ کی طرح ان میں باہمی ترکیب و ترتیب سے نئی نئی صورتیں نمودار کردیں۔ ابداع کا لفظ ان سارے مشرکانہ تخیلات کی تردید کیلئے کافی ہے۔ تقدم ذاتی کے علاوہ تقدم زمانی بھی تمام صفات کمال کی طرح اسکی ذات کیلئے ثابت ہے، وہ سب پر زمانۃً بھی مقدم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ صرف وہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ نہ جہات نہ اعیان۔ انه تعالیٰ خالق الجهات کلها والخالق متقدم علی المخلوق لا محالة (کبیر) فقد کان الباری تعالیٰ قبل خلق العالم منزهاً عن الجهات والاعیان (کبیر) ۴۲۱ (محض اپنے ارادہ و مشیت سے اور محض اپنی حکمت مطلقہ کے مقتضیٰ کی حیثیت سے) ومعنی قضی هنا اراد (بحر) حکم بانه یفعل شیئاً (کبیر) ای حکم...... (مدارک) قرآن کا خدا صاحب ارادہ، ذی حیات، صاحب اقتدار خدا ہے۔ یونان کے فلسفیوں اور بعض دوسرے مشرکوں کے خدا کی طرح صرف ایک بیجان، مسلوب الارادہ علت العلل یا آخری سبب نہیں۔ ۴۲۲ یعنی عدم محض سے وجود میں آجا نیست سے ہست ہوجا۔ یقول (کہتا ہے) کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دو حرفی لفظ کُن بولتا ہے۔ لفظ و حروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اسکے سوا قریب سے قریب پیرایۂ بیان اور اسلوب تعبیر اور کیا اختیار کیا جائے۔ اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک برفرق من و تمثیل من مقصود صرف اسقدر ہے کہ ادھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور ادھر فوراً اور بلا توسط و توقف اس کا ظہور عملاً ہوگیا۔ وهذا مجاز عن سرعة التکوین والتمثیل اذ لا قول ثم (مدارک) قلنا ان کن لیس بامر حقیقة اذ لا فرق بین ان یقال واذا قضی امراً فانما یکونه فیکون وبین ان یقال فانما یقول له کن فیکون (مدارک) لیس المراد به حقیقة امر وامتثال بل تمثیل حصول ما تعلقت به ارادته بلا مهلة بطاعة المامور المطیع بلا توقف (بیضاوی) له میں ضمیر اس چیز کی جانب ہے جس کا وجود ابھی خارج میں نہیں ہوا لیکن علم الٰہی میں تو بہرحال موجود ہی ہے۔ اور امر الٰہی کے اعتبار سے معدوم و موجود میں کوئی فرق ہی نہیں، حیثیت سے نہیں ہر مامور کے معنی موجود ہونے کے ہیں۔ اور ہر موجود کے معنی مامور ہونے کے ہیں امره للشیء بکن لا یتقدم الوجود ولا یتاخر عنه فلا یکون الشیء مأموراً بالوجود الا وهو موجود بالامر ولا موجوداً الا وهو مأمور بالوجود (ابن جریر) اطلق علی تعلق الارادة الالٰهیة بوجود الشیء من حیث انه یوجبه (بیضاوی) هو بمنزلة الموجود اذ هو عنده معلوم (بحر) المخاطب هو ذلک الشیء الموجود فی علم الله تعالیٰ للامر به الدخول فی الوجود الخارجی (گازرونی) کن فیکون کان یہاں تامہ ہے، ناقصہ نہیں یعنی ہوجا، موجود میں آجانے کے مرادف ہے۔ فلاں چیز ہوجا یا بن جا کے مرادف نہیں من کان التامة بمعنی احدث فیحدث (بیضاوی) ۴۲۳ یعنی بس وہ شے فوراً وجود میں آجاتی ہے۔ اسکے ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے نہ اس کیلئے کسی اعانت، وساطت، شرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ المراد من هذه الکلمة سرعة نفاذ قدرة الله تعالیٰ فی تکوین الاشیاء (کبیر) یہ بھی گویا مشرکین ہی سے خطاب ہے کہ تم عمل تخلیق خداوندی کو سمجھے بیٹھے ہو؟ اس میں تو بجز ارادۂ الٰہی کے اور کسی چیز کی شرکت کا گزر ہی نہیں اور اس سے تمہارے شرک کی بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے۔ ۴۲۴ یعنی علم حقیقی سے، علوم آسمانی سے مراد مشرکین ہیں۔ هم کفار العرب (ابن جریر عن قتادة والربیع) والمراد جهلة المشرکین وقد روی ذلک عن قتادة والسدی والحسن وجماعة علیه اکثر المفسرین (روح) ۴۲۵ (براہ راست، اور بلا واسطہ انبیاء و رسل کے) اسکا کلام رسالہ انبیاء علاوہ بریں لولا یہاں ہلا کے معنی میں ہے اور ہلا کا اردو ترجمہ "کیوں نہیں" ہی ہو سکتا ہے۔ محاورۂ قرآنی میں لولا عموماً اسی معنی میں آتا ہے یعنی هلا بکلمنا الله (ابن جریر) کل ما فی القرآن لولا فهو بمعنی هلا الا واحدًا (معالم) اور سیوطی نے بھی اتقان (نوع ۴۲) میں یہ قول خلیل نحوی اور مالک سے نقل کیا ہے۔ مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ خدا اگر اپنے فلاں فلاں بندہ سے بقول اُنہیں کے کلام کر سکتا ہے اور کرتا ہے تو آخر ہم سے کیوں نہیں کرتا ہم بھی تو انسان ہی ہیں ـــــ احمقوں کے نزدیک مکالمۂ الٰہی کیلئے گویا صرف بشریت کافی تھی۔

۴۰۷ (جیسا کہ مشرکین مکہ نے عین حرم کعبہ میں ذکر و عبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا خصوصاً واقعہ حدیبیہ میں) ھؤلاء المشرکون حین حالوا بین رسول اللّٰہ صلعم یوم الحدیبیۃ وبین ان یدخل مکۃ (ابن جریر عن ابن زید) بعض نے مراد بیت المقدس لی ہے کہ وہاں ٹائٹس Titus رُومی کے عہد میں رُومی مشرکین نے یہود اہل توحید کو ذکر الٰہی سے روک دیا تھا۔ بہر حال حکم عام ہے۔ قریبی سبب نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔ اور حکم کو کسی خاص مسجد یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ انہ کل مسجد وھو الصحیح لان اللفظ عام ارادہ بصیغۃ الجمع فتخصیصہ ببعض المساجد او فی بعض الازمنۃ محال (ابن عربی) مسجد کے لفظی معنی جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد اس سے مسلمانوں کی عبادتگاہ ہوتی ہے۔ مسجد کے حسن و تاثیر کشش و دلآویزی صفائی و سادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اظلم۔ یعنی ظالم تر، خبیث تر، مجرم تر۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر و داخلۂ مسجد اگر کسی ضرورتِ دینی اور مصلحتِ شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے کہ ایسے موقع پر یہ امور مسجد کی بربادی و ویرانی میں نہیں، عین اصلاح و آبادی میں داخل ہیں۔ مسائل ذیل بھی فقہاء نے آیت کے تحت میں ذکر کئے ہیں۔ (۱) مسجد میں اذنِ عام ہونا شرط ہے (۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہو۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکر حق روک دینے والوں کے حق میں قرآن نے یہ وعید اور پھٹکار رکھی ہے تو اُس قوم یا شخص کے جرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوبِ انسانی کو کہ وہ معنوی سجدہ گاہِ حق ہیں، ذکرِ حق سے روکے۔ اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرنا، اشاعتِ مذہب حق میں روڑے اٹکانا، سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ۴۰۸ فقہاء نے کہا ہے کہ جس طرح اللّٰہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے، ممنوعات و بدعات کے ارتکاب سے مسجد کی بربادی بھی سمجھی جائیگی۔ نیز وہ تمام امور جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کے باعث ہوں، آیت کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ۴۰۹ (مسلمانوں کے رُعب و دبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف اس حال میں دی جا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور اس کا داخلہ سرکشانہ نہیں مطیعانہ ہو۔ قرآن مجید میں لفظ مساجد بہ صیغۂ جمع ہے لیکن ایک قول ہے کہ مساجد سے یہاں مراد

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا

اور اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللّٰہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اُس کا

اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

نام لیا جائے ۴۰۷ اور اُن کی بربادی کی کوشش کرے ۴۰۸ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں

اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا

کہ ان میں داخل ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے ۴۰۹ اُن کے لئے دُنیا میں (بھی بڑی)

خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ

رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے ۴۱۰ اور اللّٰہ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) ۴۱۱ سو تم جدھر کو بھی مُنہ پھیر دو ۴۱۲ اللّٰہ ہی کی

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ

ذات ہے ۴۱۳ اللّٰہ بڑا وسعت والا ہے ۴۱۴ بڑا علم والا ہے ۴۱۵ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے

اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ

ایک بیٹا بنا لیا ہے ۴۱۶ پاک ہے وہ ۴۱۷ اصل یہی ہے کہ اُسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور

الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ

زمین میں ہے ۴۱۸ سب اسی کے حکم بردار ہیں ۴۱۹ (وہ) موجد ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

زمین کا ۴۲۰ اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے ۴۲۱ تو بس اتنا ہی اس سے

منزل ۱

مسجد حرام یا حرم کعبہ ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام (معالم عن ابن زید) اور اس شبہہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوگی، جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورۂ زبان میں یہ جائز ہے، مثلاً اگر کوئی محض ایک ہی مرد نیک کو ایذا پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے۔ کما تقول لمن اذی صالحاً واحداً ومن اظلم ممن اذی الصالحین (کشاف) ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں، اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے۔ چنانچہ کافروں کو دار الاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں بجز اس کے مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو۔ اور یہ قول امام ماتریدی کی جانب منسوب ہے (احمدی) مراد اگر مسجد حرام لی جائے تو قانونی و تشریعی حیثیت سے قطع نظر واقعاتی رنگ میں بات بالکل صحیح نظر آئیگی۔ چنانچہ مسجد حرام اس وقت سے آج تک بحمد اللّٰہ! مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ مساجد اللّٰہ کی ترکیب سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ جو جگہ عبادت کے لئے مخصوص کر دی جائے اور اس کیلئے اذنِ عام دیدیا جائے وہ شخصی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے البتہ اگر کسی نے اپنے گھر کا کوئی حصہ عبادت کیلئے مخصوص کر لیا، اور اس کیلئے اذنِ عام نہیں رکھا تو اس پر مسجد کا اطلاق ہی نہ ہوگا اور وہ اس شخص کی ذاتی ملک باقی رہیگی (ابن عربی) ۴۱۰ عذابِ آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان لوگوں کی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا۔ یہود، مشرکین، منافقین، سارے اعدائے اسلام جزیرۂ عرب میں اور اس کی سرحدوں میں دیکھتے دیکھتے نیست و نابود ہو کر رہے اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ ۴۱۱ (بحیثیتِ مخلوق و بحیثیتِ مملوک بھی) یعنی لہ ملکا و خلقا (ابن جریر) للّٰہ میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک لام اختصاص بھی ہے یعنی مشرق و مغرب سب اُسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص ای ھو خالقھما ومالکھما (کبیر) اُمتِ محمدی جو اب ساری دُنیا کیلئے اُمتِ عادلہ بنا کر بھیجی جا رہی تھی، لازمی تھا کہ اس کی مرکزیت و یکجہتی کیلئے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ اب خانۂ کعبہ مقرر ہو رہا تھا۔ اہل کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کئے۔ یہ نقلِ اعتراض و جوابِ اعتراض کی تمہید ہے۔ المشرق والمغرب۔ دونوں سمتیں اور نہیں دو پر کیا موقوف ہے ہر سمت اور ہر جہت اللّٰہ تعالیٰ کیلئے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، حاکم ہے، مالک ہے۔ کسی خاص سمت میں کوئی بھی خاص تقدیس کوئی شائبۂ الوہیت، کوئی شانِ حق نمائی موجود نہیں، مذاہب جاہلی کی تاریخ انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی شرک قوموں میں یہ رہی ہے کہ خدا چونکہ متمکن ہے اور مجسم ہے، اسلئے لازمی ہے کہ اس کی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو اور اس تلبّس کی بنا پر خود وہ سمت یا جہت مقدس ہے۔ مصری، ہندی، رُومی تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کر کے خود اسی جہت کو مقدس مانا ہے اور چونکہ سورج دیوتا کا مرتبہ مذاہب شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا، اس لئے شاہِ خاور کے طفیل میں سمتِ مشرق ہی عموماً مقدس سمجھی گئی اور دُنیا کے اکثر علاقوں میں پُجتی رہی ــــــ مسلمان جس کی آنکھیں ہی توحید کے آغوش میں کھلی ہیں، اس کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سمت و جہت جیسی خیالی چیز بھی قوموں کی معبود ہو سکتی ہے! مشرکوں ہی کے اثر سے یہ سمت پرستی کا شرک اہلِ کتاب میں بھی سرایت کر گیا، اور مسیحی مذہب چونکہ عقائد و عبادات دونوں میں اپنے وقت کے رائج و شائع رُومی مذہب ہی کا مثنیٰ یا پرتو ہے، اسلئے وہ تو کھلم کھلا مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا! یہود جنہیں اپنی توحید پر ناز تھا وہ بھی تمامتر محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ اُن کے بعض فرقے۔ ــــ تو پوری طرح اس صف میں آگئے بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا! انہوں نے دیکھا کہ مشرق اگر خطۂ حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے تو مغرب بھی خطۂ موت و دیارِ ہلاکت ہے شاہِ خاور طلوع اگر ادھر سے ہوتا ہے تو روزانہ غروب اور فنا تو ادھر ہی ہوتا ہے۔ پھر اس کے تقدس کا بھی کیوں نہ قائل ہو لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں سمتیں خوب پُجتی رہیں، مشرق زیادہ اور مغرب اس سے کچھ کم۔ اصل انگریزی حوالوں کیلئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ دُنیا کی دُنیا اس سمت پرستی کے شرک، مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی کہ توحیدِ قرآنی نے ساری دنیا کے عقائد کو چیلنج کر کے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگا کے ایک عالم کو چونکا دیا۔ قدیم مذاہب یہ آواز سُن کر بھونچکے سے رہ گئے۔ ۴۱۲ (دُعا کیلئے، نماز کیلئے، یا کسی عبادت کی بھی غرض سے، اے مسلمانو!) خطاب اس اُمت سے ہو رہا ہے جس کا کام ہی دنیا میں خدائے واحد کی پرستاری تھی اور شرک اور ہر شائبۂ شرک سے بیزاری۔ ۴۱۳ یعنی وہ خدائے واحد جو ہر مکان، ہر ظرف کی قید سے پاک، ہر سمت و جہت سے منزہ ہے۔ اسکی ذات پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں، سب کہیں ہیں۔ جدھر بھی رُخ کر وگے جلوہ اسی کا پاؤ گے۔ اسکی تجلیات کو کسی خاص جہت کے ساتھ محدود و مخصوص کر لینا عین جہل ہے۔ وجہ۔ لفظی معنی چہرہ کے ہیں، ثانوی معنی ذات کے ہیں۔ وجہ اللّٰہ کی ترکیب جب آئیگی، مراد ذات ہی سے ہوگی، اور وہی یہاں بھی مراد ہے۔ ربما عبر عن الذات بالوجہ (راغب) فثم ذاتہ (بیضاوی) قیل الوجہ بمعنی الذات جعل ھنا کنایۃ عن علمہ واطلاعہ بما یفعل ھناک (روح)۔ آیت میں پوری تردید آگئی عقیدۂ تجسیم کی جس کیلئے انگریزی میں ایک لمبا سا نام Anthropomorphism ہے، ہمارے اکابر نے بھی آیت کو اسی معنی میں لیا ہے۔ الاٰیۃ من اقوی الدلائل علی نفی التجسیم واثبات التنزیہ (کبیر) ھذا یدل علی نفی الجھۃ والمکان عنہ تعالیٰ لاستحالۃ ذٰلک علیہ (ابن عربی) مسیحیوں کے ہاں آج تک ایک مذہبی اصطلاح Orientation شرق روی کی چلی آرہی ہے اور گرجے وغیرہ شرق رویہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ فثم وجہ اللّٰہ۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اسیطرح کائنات میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتے ہیں انوارِ حق ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ ۴۱۴ وہ تو خود ہی بے پایاں وسعتوں والا ہے، بڑی سی بڑی وسعت خود اس کے اندر شامل۔ اسے بھلا کون اپنے اندر لے سکتا ہے؟ اسکی سمائی کس بڑے سے بڑے ظرف و مکان میں ہو سکتی ہے؟ ہر سمت اور ہر جہت تو خود ہی اس کی مخلوق ہے، مملوک ہے۔ وہ لامحدود بھلا کسی محدود سمت و جہت میں گھر سکتا ہے۔ واسع بالاحاطۃ بالاشیاء (بیضاوی) ۴۱۵ وہ اپنے اس علم کامل اور حکمتِ بالغہ کے لحاظ سے جو قبلہ چاہے مقرر کرے۔ اس کے مصالح و حکم کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ وہ وحدتِ اُمت کیلئے تعین قبلہ جب کریگا مناسب ہی کرے گا۔ اس میں کسی جہت کی قدوسیت کو اصلاً دخل نہیں۔ ۴۱۶ یہ کہنے والے کون تھے؟ مراد بہت سے اہلِ باطل لئے جا سکتے ہیں لیکن خاص طور پر اشارہ اس گرتے ہوئے مذہب تثلیث کی جانب ہے جس کا نام ایک پیغمبر برحق کی جانب منسوب کر کے مسیحیت رکھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اسکے عقائد باطلہ سے (نعوذ باللّٰہ) حضرت مسیحؑ کو کوئی نسبت نہیں۔ اتخذ ولداً کا صحیح ترجمہ ہے "لے رکھا ہے ایک بیٹا" "بنا رکھا ہے ایک بیٹا" یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل ہو رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے۔ بلکہ یہ کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ اتخاذ ولد کا

واقعہ کی بنا پر ہو) مفسرین نے یہاں اہل کتاب سے مراد یہود یا احبار یہود لی ہے۔ لیکن لفظ قرآنی عام ہے اور یہود و نصاریٰ بعد دونوں اسکے عموم میں یکساں داخل ہیں۔ مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبتاً ہلکا اور مخفی پروپگنڈا عقائد اسلام کے خلاف سیاسی، معاشری، تاریخی، جغرافی تحریروں کے ذریعہ سے اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے، وہ سب اسی کے مظاہر ہیں۔ غایت ان ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان گو یہودیت و مسیحیت کو نہ بھی قبول کریں جب بھی کم از کم اپنے دین کی طرف سے تو ضرور بدگمان و برگشتہ ہو کر رہیں۔ ۳۸۸ یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و ہواخواہی کی راہ سے نہیں۔ رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہود کا حسد تو خود اپنے پیغمبر؛ ہادی تک سے رہا ہے اور اس پر خود عہد عتیق ناطق ہے:۔ "انہوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کے برادر و خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا" (زبور۔ ۱۰۶: ۱۶) اور عہد جدید کی شہادتیں بھی حسد کے باب میں کچھ کم واضح و صریح نہیں:۔
"یہودیوں نے حسد میں آکر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے۔" (اعمال ۱۷: ۵) "یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے۔" (اعمال ۱۳: ۴۵) ۳۸۹ یعنی اہل کتاب کے اس انکار و مخالفت کی بنیاد کوئی اشتباہ یا مغالطہ عقلی نہیں محض ضد اور عناد اور استکبار ہے۔ وضوح حق ان پر پوری طرح ہو چکا ہے ۳۹۰ (سردست اے مسلمانو! ان سے کسی طرح کا انتقام نہ لو) یہود کی منویانہ کوششوں پر مسلمانوں کا اشتعال ایک امر طبعی تھا۔ ان کو ہدایت ہو رہی ہے کہ سردست عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو اور انتقامی تعزیری کارروائیاں فوراً ہی نہ شروع کر بیٹھو۔ ۳۹۱ (جہاد و قتال کے لئے) اکثر صحابہ و تابعین سے حکم کی تفسیر حکم جہاد و قتال کے ساتھ منقول ہے۔ انہ الامر بالقتال وھو قول

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ
اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر ہاں وہی جو یہودی یا
نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ
نصرانی ہوں ۳۹۶ یہ ان کی (نری) آرزوئیں ہیں ۳۹۷ آپ کہہ دیجیے کہ اپنی سند لاؤ ۳۹۸ اگر
كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ
تم سچے ہو ۳۹۹ ہاں البتہ ۴۰۰ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے
مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
اور وہ مخلص بھی ہو ۴۰۱ تو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں
13 وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ
پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہونگے ۴۰۲ اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد
عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ
پر نہیں ۴۰۳ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر
شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ
نہیں ۴۰۴ درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں ۴۰۵ اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ
لگے انہیں کا سا قول جو (کچھ بھی) علم نہیں رکھتے ۴۰۶ سو اللہ ان کے درمیان
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾
قیامت کے دن اس باب میں فیصلہ کر دیگا جس میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں ۴۰۷

ع ۱۳ ۱۴

اکثر الصحابۃ (کبیر) الذی ھو الاذن فی قتالھم (بیضاوی) المراد بہ الامر بالقتال (روح) حکم قتال اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا آیت سے صاف اشارہ اس طرف نکل آیا کہ عنقریب ہونے والا ہے۔ ۳۹۲ (پس ایسے قادر مطلق کیلئے کیا مشکل ہے کہ سرکش اور زور آور کافروں سے پورا بدلہ لے لے اور ان کا زور توڑ دے! اور مظلوم مغلوب مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے مظفر و منصور، حاکم و غالب بنا دے) ۳۹۳ (اس درمیان میں اے مسلمانو) مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جہاد کے احکام دوسرے ہیں جب تک وہ نافذ نہ ہوں انکے انتظار میں عام احکام اسلامی کی پابندی ہیں غفلت و تساہل کو راہ نہ دو۔ یہ مالی اور بدنی عبادتیں تو ہر حال و صورت میں واجب العمل ہیں۔ ۳۹۴ نیکی کچھ جہاد و قتال ہی پر موقوف نہیں۔ اعمال صالحہ جو کچھ بھی میسر آجائیں سب یکساں مقبولیت رکھتے ہیں۔ برابر انہیں میں لگے رہو۔ لانفسکم حذف مضاف ہے یعنی اپنے نفع اپنی نجات و مغفرت کے واسطے وھو علی حذف مضاف ای لنجاۃ انفسکم (بحر) تجدوہ۔ اسے پالوگے، یعنی اسکے اجر و ثواب کو پالوگے یہ مراد نہیں کہ بعینہ وہ عمل موجود ملے گا۔ تجدوہ ای ثوابہ (بیضاوی) المراد وجدان ثوابہ وجزائہ (کبیر) ۳۹۵ (سو اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی نیکی ضائع جائیگی، اجر ہر نیکی کا پورا پورا ملے گا) ۳۹۶ یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ تھے۔ قرآن مجید نے انہیں کی ترجمانی کی ہے۔ یہود کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آرہا ہے کہ نجات انہیں کی قوم اور وابستگانِ قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ انجیل میں بھی ان کا یہ مقولہ نقل ہوا ہے کہ:۔ "نجات یہود میں ہے" (یوحنا۔ ۴: ۲۲) یہود و نصاریٰ دونوں کے ہاں کے مزید حوالوں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ ظہور اسلام کے وقت یہود و نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ اس نئے دین کے قبول کرنے کی ضرورت کیا، نجات تو ہمارے دینوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ۳۹۷ (جو کبھی پوری ہونے والی نہیں اور جن کی تائید میں نہ کوئی دلیل معقول ہے اور نہ سند منقول) محض بزرگ زادگی اور نسلی و نسبی شرافت جب پیغمبروں کی اولاد کے کام نہ آسکی تو ہمارے زمانہ کے پیرزادوں اور شیخ زادوں کا اپنے شرف نسلی پر قناعت کئے رہنا کس درجہ بے عقلی ہے۔ امنیۃ واحد ہے امانی کا منی سے مشتق۔ افعولۃ اور اعجوبۃ کے وزن پر۔ ۳۹۸ (اپنے اس دعویٰ میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے) پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت ہوتی ہے کہ اہل کتاب سے کہیئے کہ خالی زبانی دعووں اور خالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ۔ ۳۹۹ یعنی نجات کا صحیح قانون یہ ہے جو اب بیان ہو رہا ہے۔ بلیٰ اپنے ماسبق کی نفی و تردید کے لئے ہے۔ یعنی تمہارا دعویٰ غلط محض ہے۔ صحیح قاعدہ یہ ہے جو آگے آرہا ہے۔ ۴۰۰ (اپنے اس ایمان و اعتقاد میں) یعنی اس کا عمل بھی اسکے عقیدۂ توحید کے مطابق ہو۔ گویا ایمان و حسن عمل دونوں جمع ہوں۔ وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد ذات سے یا عین شے سے ہوتی ہے اور وہی یہاں مراد ہے (جملۃ عبّر عن الذات بالوجہ (راغب) فالوجہ اما استعارۃ للذات وامّا مجاز عن القصد (روح) اسلم وجھہ للہ یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہو جائے بلا آمیزش شرک۔ ای اخلص نفسہ لہ لایشرک بہ غیرہ (کشاف) لم یقصد سواہ (روح) ۴۰۱ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن و غم ماضی کے واقعات پر ہوتا ہے۔ ذکر قیامت کا ہے کہ اس روز اہل ایمان نہ اپنے ماضی پر حسرت و تاسف کرینگے نہ آیندہ کیلئے دہشت زدہ ہونگے۔ ۴۰۲ یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ یہودی قوم عقیدۃً بہر حال موحد تھی۔ نصرانیت کا شرک اور الوہیت کی تثلیث وہ برداشت ہی نہ کر سکتی تھی اور نہ اسکی قائل ہو سکتی تھی کہ ایسے گرے ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۴۰۳ یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ شریعت موسوی سے متعلق موجودہ انجیلوں میں تذکرہ الفاظ ذیل میں ملتا ہے:۔ "آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے۔" (گلتیون ۲: ۱۶) "شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرے گا" (ایضاً ۲: ۱۷) "راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا۔" (ایضاً ۲: ۲۰) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ (اصطلاح انجیل میں مطلق شریعت) سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) ۴۰۴ الکتب۔ یعنی مجموعۂ صحائف انبیاء بنی اسرائیل اسی کو آج عہد نامۂ عتیق کہتے ہیں۔ یہود و مسیحی دونوں ان صحیفوں کے الہامی اور مقدس ہونے کے قائل ہیں۔ وھُم میں و حالیہ ہے عطف کیلئے نہیں۔ الواو للحال (کشاف) افسوس ہے کہ انہیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی باوجود اپنی مشترک کتاب قرآن کے گروہ در گروہ ہو کر ایک دوسرے کی تحقیر بلکہ تفسیق و تضلیل شروع کر دی۔ اور نوبت تکفیر کی آجاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ شافعیہ حنفیہ کو ذلیل سمجھنے لگے اور اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک ہدایت انہیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ۴۰۵ (وحی اور نبوت کا) وہ کہنے لگے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے۔ یہ کہنے والے کون تھے عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لئے گئے ہیں اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جس کی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو یعنی ہر دین جاہلی کے پیرو اسکے تحت میں آجاتے ہیں۔ عنی بذلک مشرکی العرب لانھم لم یکونوا اھل الکتب ونفوعنھم من اجل ذلک العلم (ابن جریر) ای الذین لاعلم عندھم ولا کتاب کعبدۃ الاصنام والمعطلۃ ونحوھم (کشاف) وھم مشرکوا العرب فی قول الجمھور (روح) قرآن مجید نے علم اور اسکے مختلف صیغوں یعلمون وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی یعنی علم وحی و نبوت ہی کے معنی میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کل کے رواجی "علوم و فنون" اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی "تعلیم" پر استدلال کرنا کس قدر شدید ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔ ۴۰۶ فیصلہ سے عملی حتمی فیصلہ مراد ہے۔ ورنہ جہاں تک دلائل و شواہد کا تعلق ہے، حق و باطل، کفر و ایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔ بینھم سے مراد ہے ایک فریق اہل حق و ایمان کا، اور دوسرا گروہ اہل باطل و کفر کا۔ یقضی بین المحق والمبطل (معالم) یحکم بین المحق والمبطل (کبیر)

مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو چاہے وہ اہلِ کتاب ہوں یا مشرک، یہ کسی طرح گوارا ہی نہیں، بلکہ دل سے شاق گزر رہا ہے کہ خیر و رحمت کا نزول مسلمانوں پر ہو۔ الخیر۔ خیر سے مراد عموماً وحی و نبوت لی گئی ہے۔ الخیر الوحی (کبیر) فسّر الخیر بالوحی (بیضاوی) لیکن
بہتر یہ ہے کہ اسے ہر قسم کی فلاح دنیوی و اُخروی کا جامع سمجھا جائے اور اسکے تحت میں علم، نصرتِ غیبی، فتوحاتِ ملکی وغیرہ سب کو شامل کرلیا جائے۔ اے بالعلم و بالنصرۃ ولعل المراد بہ ما یعمّ ذلک (بیضاوی) ھنا عام فی جمیع انواع الخیر (بحر) عام فی
انواع الخیر کلھا (روح) ۳۷۷ (اپنے قانونِ حکمت و مصالحِ تکوینی کے ماتحت) یہود کو اصل حسد اس کا تھا کہ نعمتِ نبوت کے حقدار تو ہم ہیں یعنی اولادِ اسرائیل۔ یہ اہلِ عرب کو کہ بنی اسماعیل ہیں، یہ دولتِ نبوت کہاں سے مل جاتی ہے اور کیسے مل
سکتی ہے؟ اور اھل الکتٰب سے اشارہ زیادہ تر انھیں کی طرف ہے، اور الحمد للہ کہ ہمارے قدیم مفسرین نے بھی آیت کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ بعث الانبیاء من ولد اسحاق فلما بعث النبی صلعم من ولد
اسمٰعیل، لم یقع ذلک بودّ الیھود (معالم) ۳۷۸ (وہ جس فرد جس نسل، جس جماعت کو چاہے اپنے فضل و کرم سے نوازدے) اور اب اگر کسی قوم یا نسل کو محروم کیا جارہا ہے تو اسکی بنا یہ نہیں کہ ادھر سے فضل و کرم میں کچھ کمی ہوگئی ہے بلکہ
یہ اس لئے ہے کہ خود اس قوم نے اپنی مسلسل نالائق روش سے پنے کو اس فضل و کرم کا نااہل ثابت کردیا۔ اور اب اسے اس نعمت سے نوازے جانا آئینِ حکمت کے منافی ہے ۳۷۹ (لوگوں کے دماغ یا حافظہ سے) انساء ھا اے حذف ذکرھا عن
القلوب (راغب) انساء آیۃ اے اذھابھا عن القلوب (بیضاوی) آیۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا اطلاق آیتِ مکتوبی پر بھی ہوتا ہے اور نشان، دلیل، معجزہ پر بھی۔ یہاں مراد اگر دلائل و معجزات سے لی جائے جب تو آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
ایک کے بجائے دوسرا نشان حقانیتِ قرآن کا وجود میں اب بھی آتا ہی رہتا ہے۔ اور زمانۂ نزولِ قرآن میں تو خارقِ عادت نشانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ البتہ اگر آیت مکتوبی ہی مراد لی جائے جب بھی دو شقیں ممکن ہیں۔ آیتیں یا قرآن مجید کی ہوں یا کتب

سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ
(اسکے) قبل موسیٰؑ سے سوال کئے جاچکے ہیں اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں
بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ
کفر اختیار کرلیگا سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا بہت سے
کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
اہلِ کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان لے آنے کے بعد پھر سے
اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْۢ
کافر بنالیں حسد کی راہ سے جو اُن کے نفسوں میں ہے (اور یہ بھی)
بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا
بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہوچکا سو معاف کرتے رہو تاآنکہ
حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ
اللہ اپنا حکم بھیج دے یقیناً اللہ ہر چیز پر
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ
قادر ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو
وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ
اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیجدو گے اُسے اللہ کے پاس
اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾
پالوگے یقیناً تم جو کچھ کررہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے ۳۹۵

سابق کی۔ اگر کتبِ سابق کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ ابو مسلم اصفہانی کا مذہب ہے، جب بھی بحث آگے نہیں بڑھتی۔
پرانی کتابوں کی آیتوں کا قرآنی آیتوں سے منسوخ ہونا تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں نہ کوئی اختلاف ہے،
نہ نزاع، اب اگر آیاتِ قرآنی ہی مراد ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے تو سوال یہ رہ جاتا ہے کہ
نسخ سے مفہوم کیا ہے؟ نسخ سے مراد کسی نے آج تک یہ تو لی نہیں کہ فلاں عقیدہ کسی زمانہ میں واجب تھا اب وہ
منافیِ ایمان قرار پایا۔ یا جھوٹ، چوری، زنا، قتل پہلے حرام تھے پھر حلال قرار پاگئے یا فلاں حکایت پہلے جس
طرح قرآن میں بیان ہوئی تھی بعد کو اسکی تردید ہوگئی۔ غرض نسخ کی گنجائش کا عقائد میں، کلیاتِ اخلاق میں امورِ
حسی میں، قصصِ گزشتہ اور حکایاتِ ماضی میں، اخبارِ غیب میں یعنی قرآن مجید کے بیشتر حصہ میں تو کوئی بھی قائل
نہیں۔ نسخ کی گنجائش جو کچھ بھی ہے لے دے کے بابِ احکام میں ہے اور احکام کی مثال طبیب کے نسخہ کی ہے۔
طبیب کی تشخیص اپنی جگہ پر بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور پھر موسم اور آب و ہوا میں بھی
فرق ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخہ کے اجزا میں ان بدلے ہوئے
حالات کے مطابق ترمیم کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ قرآن کے بعض احکام قانون کے نسخ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ
خود قانون ساز و قانون آفریں کے قلم سے عین وضعِ قانون کے دوران میں بعض قانون جو عارضی و ہنگامی
حیثیت رکھتے ہیں بدل دیئے گئے اور ان کی جگہ مستقل و دوامی قوانین نے لے لی۔ انسان
کے دانت اور جبڑے مستقل طور پر غذاؤں کے چبانے، پیسنے، چرنے، کاٹنے اور پھاڑنے ہی کے کام کے لئے
ہیں۔ لیکن ابتدائی شیرخوارگی میں دانت نکلنے سے قبل دوسری قسم کی شربی یا نیم شربی غذائیں اسکے لئے موزوں
ہیں۔ اس موٹی اور سیدھی سی بات میں خدا معلوم اتنا گھبرانے کا کونسا پہلو ہے جو آج بعض مفسرین جدید خود مسئلہ
نسخ ہی سے انکار پر تُل گئے ہیں۔ یہ بھی خوب واضح رہے کہ یہ نسخ جو کچھ بھی ہوگا محض علمِ بشری ناقص و محدود کے اعتبار
سے ہوگا۔ ورنہ علمِ الٰہی میں تو ہر حکم ازل سے وقتِ معین کیلئے مقرر و ثابت ہی ہے۔ جمہور کا مذہب اسی وقوعِ نسخ کا
ہے۔ گو ایک گروہ عدمِ نسخ کا بھی قائل ہاہی۔ ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمھور من المسلمین
علیٰ جواز النسخ ووقوعہ (کبیر) اور فقیہ جصاص نے ایک غیر فقیہ کا قول بھی اس معنی میں نقل کیا ہے کہ شریعتِ محمدی کے
اندر کوئی نسخ نہیں، ناسخ خود یہ شریعت ساری سابق شریعتوں کی ہے۔ زعم بعض المتأخرین من غیر اھل الفقہ انہ
لانسخ فی شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما ذکر فیھا من النسخ فانما المراد بہ نسخ شرائع الانبیاء
المتقدمین (احکام القرآن) اور نسخ کے معنی شریعت میں ازالہ یا تبدیلی کے ہیں بھی نہیں۔ اصلی مغالطہ یہیں سے شروع ہوتا ہے
کہ نسخ کو اُردو کی منسوخی کے مرادف سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصطلاحِ شریعت میں نسخ کے معنی کسی مطلق و غیر مقید حکم کو صرف
محدود و مقید کردینے کے ہیں۔ وتفسیر النسخ لغۃً التبدیل وشریعۃً بیان انتھاء الحکم الشرعی المطلق الذی تقرر فی
اوھامنا استمرارہ بطریق التراخی فکان تبدیلاً فی حقنا بیاناً محضاً فی حق صاحب الشرع (مدارک) ۳۸۰
(یعنی وقت و موسم، بدلے ہوئے حالات کے زیادہ مطابق) اے بما ھو انفع لکم واسھل علیکم (معالم) مرشد تھانوی
نے فرمایا کہ آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو حال یا وارد، بلا اختیار عبد زائل یا مغلوب ہوجائے حق تعالیٰ اس سے بہتر
یا اس کے مثل ہی دوسرا عطا کردیتا ہے۔ سو اس پر افسوس و حسرت نہ کرنا چاہیئے۔ ۳۸۱ (سو ایسے قادرِ مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ احوال و مصالح کی رعایت برابر کرتا رہے) خطاب یہاں معترض، معاند منکرِ نسخ سے ہے۔ قیل لمنکر النسخ (روح) اور
بعض نے مطلق سامع کو مخاطب قرار دیا ہے۔ والاولیٰ ان یکون المخاطب السامع (بحر) ۳۸۲ (اور اسی کو ہر طرح کا اختیارِ کامل و تصرفِ مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے ہر سامع اور مخاطب کے لئے۔ اور ام کا مفہوم ایجابی ہے یعنی اے مخاطب
تجھے خوب معلوم ہے معناہ الایجاب اے قد علمت ایھا المخاطب (بحر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسولؐ اور پھر آپ کے واسطہ سے امت سے ہے۔ الخطاب للنبی والمراد ھو وامتہ (بیضاوی) ۳۸۳ (اے بنی آدم) آیت بجائے خود ایک درسِ توحید
کامل کا ہے ملک، ولایت، نصرت سب اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے۔ ۳۸۴ (از راہِ عناد و اعتراض) مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں۔ نزلت فی الیھود (معالم) اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں لیکن ترجیح اسی قول کو ہے۔ اختلفوا فی المخاطب بہ علی وجوہ
احدھا انھم المسلمون والقول الثانی انہ خطاب لاھل مکۃ والقول الثالث المراد الیھود وھذا القول اصح (کبیر) ورجح انھم الیھود (بحر) رسولکم سے مراد اس صورت میں رسولِ وقت سے ہوگی۔ تمہارے زمانہ کے رسولؐ سے لیکن مسلمان ہی
اگر مخاطب سمجھے جائیں تو یہ بھی تہدیداً جائز ہوگا۔ ام یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں منقطعہ ہے۔ بل کا مرادف ام اے بل (جلالین) ام منقطعۃ التقدیر بل تریدون (مدارک) ام ھھنا منقطعۃ والتقدیر بل تریدون (عسکری) فیھا الاضراب
والانتقال عن حملھم علی العمل بموجب علمھم (ابو سعود) ۳۸۵ سوال اگر کسی مسئلہ کی سنجیدہ تحقیق و دریافت کیلئے ہوں تو باعثِ رحمت ہیں لیکن جب ضد اور نفسانیت اور شرارت سے ہوں اور اعتراض محض اعتراض کی غرض سے ہو تو وہی لات
ایک لعنت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بھرمار بنی اسرائیل کرتے رہے، ان کے تذکرہ سے تاریخ اسرائیل اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں، قرآن کا اسکو اتنی کھلی ہوئی تلمیح کے طور پر لے آنا
بجائے خود اسکی دلیل ہے کہ قرآن بھیجنے والا اس سے خوب واقف تھا۔ اور یہ کلام عرب کے ایک اَن پڑھ انسان کی تصنیف ہو نہیں سکتا۔ ۳۸۶ (جس کی ایک شکل یہی رسولؐ سے معاندانہ اور گستاخانہ سوال و جواب ہے) یبدل الکفر بالایمان کے
معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہِ کفر کو اختیار کیا۔ من یتبدل الکفر اے یختارہ ویاخذہ لنفسہ (ابو سعود) بالایمان اے بمقابلتہ بدلا منہ (ابو سعود) سیاق میں ذکر یہود کا ہے اس لئے انہیں کے ایک نبی کے صحیفہ کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔
"سنو اے آسمانو! اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا پھر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ
خطاکار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انہوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے خدا ہی کو حقیر جانا، اس سے بالکل پھر گئے" (یسعیاہ ۱: ۲-۴) ۳۸۷ (اے ایمان والو) شانِ نزول کے ایک مخصوص

توضیحاً اور گویا بالکل لپیٹ میں ایک بات کہہ دی۔ اب دیکھئے بیسویں صدی کے علمائے یہود (محققین اسرائیلی) اپنے اسلاف کے شغلۂ سحر و ساحری کی نوعیت سے متعلق کیا شہادت دیتے ہیں:- ''سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اُس نقش کی تھی جو عشق و محبت کیلئے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کیلئے لکھا جاتا تھا۔ اس قسم کے سحر کی ماہر عورتیں ہی زیادہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ذکر بھی سحر اور حرامکاری کا عموماً ساتھ ہی ساتھ آیا ہے'' (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۹ ص ۲۵۵) ۳۶۵ یعنی بجز مشیتِ تکوینی کے۔ اسلام نے شرک کی جڑ جس جس طرح کاٹی ہے، اسکے لحاظ سے یہ صراحت ضروری بھی تھی۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ کہیں مؤثرِ حقیقی ان عملیاتِ سحریہ کو، اس منتر جنتر کو، ان ٹونے ٹوٹکوں کو ہرگز نہ سمجھ لینا۔ ان میں قوت ذرا سی بھی نہ تھی۔ مؤثر و فاعلِ حقیقی جس طرح ہر حال میں ہماری مشیت، صرف ہماری تجلیِ ارادی تکوینی رہتی ہے۔ اس موقع پر بھی صرف وہی رہی۔ اذن اللہ کے معنی یہاں تقدیرِ الٰہی، مشیتِ تکوینی، قضا و قدر کے ہیں۔ معناہ الا بقضائہ وقدرتہ ومشیتہ (معالم۔ عن سفیان ثوری) ای بعلمہ تکوینیۃ فالساحر یسحر واللہ یکون (معالم) ای بعلمہ ومشیتہ (مدارک) یعنی بحکمہ وقضائہ لا بامرہ (ابن عربی) بس اتنا یاد رہے کہ یہ اللہ کی قدرت، مشیت، حکمتِ تکوینی ہرگز ہرگز اللہ کے حکم یا رضا کے مرادف نہیں —— زہر کے اثر سے بے گناہوں کی ہلاکت، کافروں کے ہاتھوں اولیاء و انبیاء کی اہانت و اذیت، مشرکوں کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط جس قانون حکمتِ تکوینی کے مطابق یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، اسی کے ماتحت سحر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے اور رضائے الٰہی سے بُعد جس قدر غلبۂ کفر وغیرہ کو ہے، اسی قدر تاثیرِ سحر کو۔ ہر ہر ارادۂ الٰہی کے اندر کتنی تکوینی حکمتیں اور کائناتی مصلحتیں ہوتی ہیں، اس کا علم بھی بجز اسی دانا و بینا، علیم و خبیر کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ ۳۶۶ (جیسا کہ ہر معصیت کا قاعدہ ہے کہ اسکی تحصیل مضر اور غیر مفید ہی ہوا کرتی ہے) یعنی یہ بدبخت یہود اپنا وقت اور اپنی قوتیں کیسی ضائع کر رہے ہیں، ان علوم و فنون کی تحصیل میں جو ان کے حق میں نافع تو ذرا سے بھی نہیں اور مضر ہی ہیں۔ ضمناً اس سے علومِ سحریہ کے سیکھنے کی ممانعت بھی نکل آئی، جیسے ان علومِ عقلیہ و فلسفیہ سے جو گمراہی کی طرف لے جائیں۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا

جو لوگ کافر ہیں (خواہ) اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکین

الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ

میں سے ۳۷۵ وہ اسے (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے

رَبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ

پروردگار کی طرف سے اتر کرے ۳۷۶ حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص کرلے ۳۷۷ اور وہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ أَوْ

بڑے ہی فضل والا ہے ۳۷۸ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا

نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ

بھلا دیتے ہیں ۳۷۹ تو (کوئی) اس سے بہتر ہی ۳۸۰ یا مثل اس کے لے آتے ہیں۔ کیا تجھے خبر نہیں

أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۶﴾ أَلَمْ

کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۳۸۱ کیا تجھے

تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ

خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے ۳۸۲

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۰۷﴾

اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا یار و مددگار نہیں ۳۸۳

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا

تم تو شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے سوال کر ڈالو ۳۸۴ جیسا کہ

فیہ دلیل علی انہ واجب الاجتناب کتعلم الفلسفۃ التی تجر الی الغوایۃ (مدارک) ۳۶۷ (خود اپنے مذہبی نوشتوں کی تصریحات سے) اشارہ عہدِ رسالت کے یہود کی جانب ہے۔ یہ کلام متعلق ہے آیۂ ماقبل لما جاءھم رسول الخ سے۔ یہود عہدِ سلیمانی اور انکی ساحری کا قصہ درمیان میں آ گیا تھا۔ اب رجوع پھر اسی پہلے تذکرہ کی جانب ہے یعنی یہود معاصرین عہدِ رسول سے تعلق۔ متعلق بقولہ تعالیٰ ولما جاءھم وقصۃ السحر مستطردۃ فی البین فالضمیر لاولٰئک الیھود (روح) قرآن نے کس دعوٰی سے کہہ دیا، کہ (لَقَدْ عَلِمُوا) یہ یہود ہی خوب جانتے ہیں کہ سحر و ساحری کیسی گندی چیز ہے۔ یہود کہہ سکتے تھے کہ ہم کہاں جانتے ہیں؟ کس نے ہمیں یہ خبر دی ہے؟ ہمارے مقدس نوشتوں میں کہاں یہ موجود ہے؟ مگر نہ کہہ سکے۔ اس لئے کہ آج کی تحریف شدہ، مسخ شدہ توریت تک میں یہ تصریحات باقی ہیں:- ''تو جادوگری کو جینے مت دے''۔ (خروج ۲۲: ۱۸) ''اور جادو نہ کرو، اور ساعتوں پر لحاظ مت کرو''۔ (احبار ۱۹: ۲۶) ''اور نہ رمّال و ساحر ہو کیونکہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں، خداوند کی نفرت کے باعث ہیں''۔ (استثنار ۱۸: ۱۲) ۳۶۸ اشترٰہ۔ ضمیر سحر کی طرف ہے۔ ای اختار السحر (معالم) ای استبدل ما تتلوا الشیٰطین بکتاب اللہ واستبدل السحر بدین اللہ (جصاص) یہود کو دعوتِ حق دی جا رہی تھی۔ پیام انکے پاس مذہبِ توحید کا پہنچ رہا تھا۔ اور وہ تھے کہ اُدھر سے غافل و بے پروا، فارغ و غیر متوجہ، اپنے انہیں علومِ سحر و کہانت میں لگے ہوئے اور انہیں خرافات کو کمال کے درجہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اشارہ ان کی اسی محرومی و بدنصیبی کی جانب ہے۔ ۳۶۹ ''اپنے آپ کو بیچ ڈالا'' یعنی اپنی جان کو عذاب و ہلاکت میں ڈالا۔ بئسما شروا بہ۔ وہ بُری چیز کفر و اعمالِ سحریہ ہیں جن کا ذکر اُوپر آ چکا ہے۔ بندوں کے حال پر کمال شفقت سے تاسف و حسرت کے لہجہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ دینِ برحق جیسی نعمت سے منہ موڑے ہوئے یہ کفر و سحر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا دوزخ کی خریداری کر چکے ہیں۔ حیث اختاروا السحر والکفر علی الدین الحق (معالم) ۳۷۰ یعنی افسوس کہ اس حد تک بھی انہوں نے اللہ کی دی ہوئی عقلِ سلیم سے کام نہ لیا! ۳۷۱ (اور اپنی موجودہ روش کفر و فسق سے تائب ہو جاتے) گنہگار بلکہ سرکش و نافرمان و غدار بندوں کے حق میں اس قدر تاسف اسی مالکِ حقیقی ہی کا حصہ ہے! کیا حد ہے اس شفقت و کرمِ بے حساب کی! ۳۷۲ (مجمع میں رسول اللہ کو مخاطب و متوجہ کرتے وقت) رسول اللہ صلعم جب مجمع میں قرآن مجید سناتے یا تبلیغ کرتے ہوتے اور لوگ کوئی بات سن نہ پاتے تو قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے۔ یہود نے ایسے موقع کے لئے ازراہِ شرارت لفظ راعنا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اسکے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ ''ہماری رعایت کیجیے''۔ لیکن راعنا کے ''ع'' کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اسکے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن، خود بھی بعض اوقات یہ لفظ بولنے لگتے۔ یہاں انہیں کو یہ ممانعت ہو رہی ہے۔ اُنظرنا کے معنی ہیں ''ہمارے اُوپر نظر کیجیے''۔ اور یہ پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبۂ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے، ان سے احتیاط لازم ہے۔ وھذا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملۃ التی فیھا التعریض للتنقیص (ابن عربی) بلکہ امام مالکؒ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ فقہاء حنفیہ نے جو اپنی باریک بینی کیلئے سب سے ممتاز ہیں، یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مراد امرِ خیر ہے یا شر، واضع کی نیت کے لحاظ سے ہوگا، تابع کی رائے سے نہیں۔ صحابۂ کرامؓ ظاہر ہے کہ سوءِ ادب کے قصد سے بالکل بری تھے۔ ممانعت جو کی گئی، وہ یہود کی نیت پر حکم کر کے۔ ۳۷۳ (رسولؐ کے ارشادات، ادب و تعظیم کے ساتھ) حال کے بعض گمراہ فرقوں نے ایمان و اسلام کیلئے رسولؐ کی شخصیت سے بالکل قطع نظر کر کے محض قرآن کی اتباع کو کافی سمجھ لیا ہے، ان کی گمراہی آیت سے ظاہر ہے۔ ۳۷۴ (پیمبرِ برحق کی توہین اور اپنی دنائتِ اخلاق کی پاداش میں) خصوصاً ان کافروں کیلئے جو رسولؐ کے ساتھ شدتِ بغض و عداوت میں اس حد تک پہنچ جائیں، اور عام انسانیت و تہذیب کے بھی حدود کا لحاظ نہ رکھیں —— ایسے بدتمیز معاندین کی اصلاح کی توقع بھی کیا ہو سکتی تھی۔ ۳۷۵ الذین کفروا۔ کافروں یعنی طریقِ اسلام کے منکروں کی بڑی قسمیں دو ہیں۔ ایک مشرک جو سرے سے توحید، رسالت، ملائکہ و جنات ہی کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے بجائے عجب عجب تخیلات اور اوہام گڑھ رکھے ہیں۔ دوسرے اہلِ کتاب جو ان بنیادی حقائق پر لفظاً ایمان رکھتے ہیں، لیکن عملاً و معناً ان میں سے ہر حقیقت کو مسخ کر چکے ہیں۔ یہاں جملہ میں آگے جو خبر نکلے گی، اس کا مبتدا ابھی الذین کفروا ہے۔ مزید صراحت کیلئے اسکی دونوں قسموں کو بھی کھول کر بیان کر دیا جائے۔ اھل الکتٰب یہ لفظ قرآن مجید میں پہلی بار آیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ مومنین اور مشرکین کا درمیانی درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اصلاً توحید و نبوت و معاد کے قائل تھے، اور آسمانی صحیفے بھی اپنے پاس رکھتے تھے، گو معنوی اور لفظی تحریفات کے لحاظ سے بالکل مسخ شدہ، اور قرآن اور صاحبِ قرآن کے منکر تھے۔ المشرکین۔ مشرک وہ تھے، جو سرے سے توحید و نبوت ہی کے قائل نہ تھے، بجائے ایک خدائے واحد کے مختلف فرشتوں کو مختلف قویٰ کا مستقل مالک و متصرف سمجھتے تھے۔ ان کو دیویوں، دیوتاؤں کے نام سے پکارتے اور انہیں کی پرستش کرتے۔ اور مختلف عناصر اور مظاہرِ فطرت کی بھی الوہیت کے قائل رہتے۔ حیرت اور افسوس ہے کہ انگریزی کے تقریباً کل مترجمین قرآن اور اردو کے بھی متعدد شارحین نے شاید افراطِ ''روشن خیالی'' کے اثر سے ترکیبِ عبارت کو بالکل نظر انداز کر کے ترجمہ یوں کر دیا ہے:- ''اہلِ کتاب میں سے جو کافر ہیں وہ اور مشرکین (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے'' حالانکہ یہ ترجمہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو اھل الکتٰب کا مفہوم ہی کافر اہلِ کتاب کا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اہلِ کتاب کہے ہی کیوں جائیں؟ مومن ہی نہ کہلانے لگیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ ان میں سے جو کافر ہیں، خود ہی بے معنی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر صریح اور قاطع المشرکین کا اعراب ہے۔ للمشرکین حالتِ جرّی میں ہے۔ اور من حرفِ جار کا مجرور۔ اس کا عطف صریحاً اھل الکتٰب پر ہے۔ اگر الذین کفروا پر ہوتا تو حالتِ رفعی میں ہوتا۔ اور بجائے المشرکین کے المشرکون ہوتا۔ ایک حدیث میں کافروں کی یہ دوگونہ تقسیم اہلِ کتاب و مشرکین میں صراحت کر کے دونوں کے حق میں عذاب کی دعا آئی ہے:- اللّٰھم عذب الکفرۃ اھل الکتٰب والمشرکین الذین یجحدون اٰیاتک ویکذبون رسلک ویصدون عن سبیلک ویتعدون حدودک ویدعون معک الٰھا اٰخر لا الٰہ الا انت تبارکت وتعالیت عما یقول الظلمون علواً کبیراً۔ ۳۷۶ (اے مسلمانو!)

مرادف مستعمل ہوا ہے۔ اِنَّا مُنزِلُونَ عَلٰی ھٰذِہِ القَریَۃِ رِجزًا مِّنَ السَّمَاءِ (عنکبوت۔ آیت ۳۴) سو جن لوگوں نے نزولِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا اسکی قدوسیت کے منافی سمجھا وہ خود ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے، کائنات میں تمام اچھا برا، حق و باطل، ایمان و کفر، طاعت و معصیت جو کچھ بھی موجود ہے سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے تو ہوا ہے۔ انزال یہاں اپنے اسی وسیع معنی میں ہے یعنی انہیں یہ بات بتادی گئی، ان کے دل میں یہ ڈال دیا گیا۔ کوئی اظہارِ شرف و تکریم مقصود نہیں۔ الانزال بمعنی التعلیم والالہام (معالم) الانزال اما علیٰ ظاھرہ او بمعنی القذف فی قلوبھما (روح) قلنا کل خیرٍ او شرٍ او طاعۃٍ او معصیۃٍ او ایمانٍ او کفرٍ منزلٌ من عند اللہ تعالیٰ (ابن عربی) انزل اے قذف فی قلوبھما مع النھی عن العمل (مدارک) الانزال بمعنی الخلق لا بمعنی الایحاء (ابن کثیر) الملکین۔ لفظ کی قراءتِ مشہور مَلَکَین (بہ فتح لام) ہے۔ القراءۃ المشھورۃ بفتح اللام (کبیر) لیکن دوسری قراءت مَلِکَین (بہ کسرِ لام) کی بھی صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے، ابن عباسؓ، ضحاک، حسن بصری کی روایت ہے۔ قرأ الحسن بکسر اللام وھو مروی ایضاً عن الضحاک و ابن عباسؓ (کبیر) چنانچہ اسی دوسری قراءت کی بناء پر مفسرین اسی طرف چلے گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلاً فرشتے نہ تھے۔ بشر تھے اور بادشاہ، اور انہیں جو دوسری روایتوں میں فرشتہ کہا گیا ہے، تو وہ محض مجازاً ہے یعنی ان کے صفاتِ ملکوتی کی بناء پر۔ قیل رجلان سُمیا ملکین باعتبار صلاحھما (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول وہی قراءتِ مشہور کی بناء پر ان کے فرشتہ ہونے کا ہے۔ ذھب کثیر من السلف الی انھما کانا ملکین من السماء وانھما انزلا الی الارض (ابن کثیر) اور نظامِ تکوینی میں فرشتوں کے اوپر حقیقتِ سحر کا نزول ان کی نزاہت کے ذرا بھی منافی نہیں خصوصاً جب کہ ان پر اس فن کے الہام کئے جانے سے مقصود ہی تمامتر اصلاحِ خلق تھا یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا، نہ کہ اس پر آمادہ کرنا ——— مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو جرائم سے عملی واقفیت حاصل کرتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، بلکہ اس لئے کہ اپنی عملی واقفیت کو مجرموں کے ارتکابِ جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔ بابل۔ بابل جس قدیم ملک کا نام ہے۔ وہ موجودہ نقشہ اور جغرافیہ میں عراقِ عرب کہلاتا ہے۔ ملک کے پایۂ تخت کا بھی یہی نام تھا۔ شہر بابل دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل سمتِ جنوب میں۔ تقریباً وہیں جہاں آج حِلّہ کی آبادی ہے۔ شہر بہت بڑا تھا، رقبہ میلوں کا تھا۔ ملک اپنے عروج کے زمانہ میں بڑا سر سبز، شاداب، خوشحال، مہذب و متمدن رہ چکا ہے۔ نہروں، پانی کے نلوں، شاہی قصور و ایوان، زبردست قلعوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سے اتنا تو بہرحال ثابت ہو جاتا ہے کہ ملک میں ماہرِ فن انجینیوں کی کمی نہ تھی۔ دجلہ و فرات دو دو مشہور دریا اسکے علاقہ کو سیراب کر رہے تھے سلطنت کے عروج کا زمانہ تخمینی طور پر ۲۰۰۰ ق م سمجھا گیا ہے۔ ملک کی ایک خاص شہرت علومِ سحر، عملیاتِ سفلی اور جنتر منتر کے لحاظ سے تھی جنہیں آج انگریزی میں Occult Sciences (علم پُر سحر یات) کہتے ہیں۔ اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) ہے۔ اور انگریزی میں آج تک لفظ کالڈین (کلدانی) ساحر کا مرادف چلا آ رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر اس ملک کی عظمت کا بھی اور اسکی بدعملیوں تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو صحیفہ دانی ایل ۴: ۳۔ مکاشفہ ۱۰: ۵، ۱۸ : ۳۰ وغیرہا۔ لیکن اس فہرستِ جرائم کا عنوانِ اول سحر کاری تھا۔ بائبل کی شہادت ملاحظہ ہو:۔ "تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہو گئیں۔ اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا۔" (مکاشفہ۔ ۱۸: ۲۳ و ۲۴) "پُرانے کتبے اور نوشتے آج جو کچھ دریافت ہوئے ہیں، ان کی متفقہ شہادت ہے کہ دینِ بابلی کا جزوِ اعظم سحر و کہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے تھے۔" "بابلی مذہب کا جزوِ اعظم سحر و کہانت کے انواع و اقسام ہیں۔۔۔۔ بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے ہر طرف کہانت کے خزنی منتر نظر آئینگے" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۸ صفحہ ۲۶۱) ایک اور فاضل کی تحقیق ہے:۔ "مذہبِ بابل نینوا کا جزوِ اعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا تھا" (راجرس کی رلیجن آف بابلونیا اینڈ اسیریا ص ۱۴۵) "یہ سحر پیشہ و کہانت دوست قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدارِ ایران کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوئی، تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنونِ سحر و کہانت کو بھی لیتی گئی تاریخ کا بیان ہے:۔ "یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ان کی تعلیم دیتے رہے اور ضعیف العقیدہ خلقت انہیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی" (ریگوزین کی کالڈیا ص ۲۵۵) یہود ان اُستادوں کے شاگردِ رشید ثابت ہوئے:۔ "بابل کے سیلِ جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ و شیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ ص ۱۸۲ طبع یازدہم) خود یہود کے اکابر کا اعتراف ہے کہ "بابل کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں قائم رہا" (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ ص ۴۱۳) ہمارے قدیم مفسرین کی یہ تصریحیں اللہ شنیدی رکھے بغیر اسکے کہ انکے کان میں بھنک بھی آوازوں کی پڑے کہ انیسویں صدی کے آخر میں سر ہنری رالنسن کو، اور بیسویں صدی میں سر لیونارڈ وولی اور دوسرے ماہرینِ اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے۔ محض اپنی قوتِ ایمانی کی بخشی ہوئی جلاء و اشراقیت سے کام لے کر و ما انزل علی الملکین کا عطف ماتتلوا الشیٰطین پر کر کے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کر گئے کہ یہود کی فردِ جرم دونوں جرموں سے سیاہ ہے۔ اتباعِ سحرِ فلسطین سے بھی، اور اتباعِ سحرِ بابل سے بھی! ——— خود قرآن کا اعجاز تو خیر بہت بڑی چیز ہے، حق یہ ہے کہ قرآن والوں کا اعجاز بھی اپنی جگہ دلوں کو ہلا دینے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بابل کی اسی سحر پرور و کہانت خیز سرزمین میں جب عملیاتِ سفلیہ اور علومِ سحریہ کا زور حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں دینِ حق انبیاء کرام اور اولیائے صالحین کی حیثیت خلط ملط اور ملتبس ہو کر کاہنوں، ساحروں، عاملوں، شعبدہ بازوں کی ہو کر رہ گئی، تو مشیتِ الٰہی اور حکمتِ ربانی نے حق و باطل کے ان دو علمبردار گروہوں کے درمیان نمایاں فصل و امتیاز کرنے اور لوگوں کی اصلاحِ خیال کیلئے دو فرشتوں کو انسانی صورت و قالب میں بھیجا۔ ھٰرُوتَ وَ مٰرُوتَ۔ یہ نام ہیں ان دونوں فرشتوں کے۔ دونوں اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب ایک غرضِ خاص کے ساتھ انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لئے بھیجے گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل و شباہت، رنگ و روپ، جسم و قالب انسانوں ہی کا ہو گا۔ اور انکی عادتیں اور انکے جذبات بھی بالکل بشری ہو نگے۔ بعض اہلِ تفسیر نے یہاں ایک قصہ یہود کا بیان کیا ہوا ملکِ عراق کی مشہور رقاصہ اور بیسوا زُہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف کسی درجہ میں بھی نہیں۔ دوسرے خود محدثین اور محققین تفسیر نے اسکی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ قصہ بالکل گڑھا ہوا اور لغو و مردود ہے۔ اور اس گروہ میں قاضی عیاض، امام رازیؒ، شہاب الدین عراقی وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان ھٰذہ الروایۃ فاسدۃ مردودۃ غیر مقبولۃ (کبیر) وھذا کلہ لا یصح منہ شیءٌ (بحر) ونص الشھاب العراقی علی ان من اعتقد فی ھاروت وماروت انھما ملکان یعذبان علی خطیئتھما مع الزھرۃ فھو کافر باللہ تعالیٰ (روح) لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتہ کو پیکرِ انسانی اور جذباتِ بشری دے دیئے گئے، تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل انسان بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے، تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔ ۳۵۹ یُعَلِّمٰنِ۔ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بناء پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس یا سبق دیا کرتے تھے۔ استغفر اللہ۔ تعلیم کے معنی علاوہ سکھانے اور سبق دینے کے، اعلام یعنی جتلانے، بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ والتعلیم ربما استعمل فی معنی الاعلام (راغب) چنانچہ ماہرینِ قرآن کی ایک جماعت نے یہاں بھی یہی معنی لئے ہیں۔ والتعلیم بمعنی الاعلام (معالم) فکان المعنی فی یُعَلِّمٰنِ یُعْلِمٰنِ (بحر) التعلیم انما ھو تعریف یسیر بمبادئہ (بحر) اور خود ایک قراءۃ بھی مصدرِ اعلام کے ساتھ منقول ہے۔ وقرأ طلحۃ من مصرف یعلمان بالتخفیف من الاعلام (روح) من احدٍ میں مِن زائد ہے، تاکیدِ استغراق کیلئے۔ معنی ہونگے "کسی کو بھی" یا "کسی ایک کو بھی" من زائدۃ لتاکید استغراق الجنس (بحر) ۳۶۰ یہ نظرِ احتیاطِ مزید۔ ملائکہ اس باب میں اتنی احتیاط رکھتے کہ خیر خود سے تو کسی کو کیا بتلاتے، سکھلاتے، جو لوگ پوچھنے آتے، انہیں بھی پہلے متنبہ کر دیتے۔ حتیٰ ینصحاہ اولاً (معالم) حتیٰ ینبھاہ وینصحاہ (مدارک) لا یعلماہ حتیٰ یبالغا فی نصیحۃ (جصاص) ۳۶۱ امتحان یعنی وہ چیز جس سے کھل جائے کہ سحر و کہانت سے بچا کون کون رہا اور مبتلا ان میں کون کون ہو گیا۔ فتنۃ کے معنی امتحان آزمائش جانچ پرتال کے ہیں۔ تارۃ یستعمل فی الاختبار (راغب) اور یہاں بھی آزمائش ہی مراد ہے۔ ومعناھا فی ھٰذا الموضع الاختبار والابتلاء (ابن جریر۔ عن ابن جریج) اے ابتلاء واختبار من اللہ (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ یہ انسان نما ملائکہ کسی پر بھی حقیقتِ سحر کو نہ کھولتے، کسی کو بھی کلماتِ سحر پر مطلع نہ کرتے جب تک کہ اُسے متنبہ نہ کر دیتے۔ ہوتا یہ تھا کہ فسق پیشہ لوگ آ کر ہاروت و ماروت کو گھیرتے اور ان سے اصرار کر کے دریافت کرتے کہ آپ ہمیں سحر سے روک تو رہے ہیں، لیکن یہ تو بتایئے کہ سحر کہتے کسے ہیں۔ وہ ہیں کون سے اعمال و اقوال جن پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے؟ فرشتے انہیں اس تنبیہ و یاد دہانی کے بعد کہ اس فن سے کام لینا کفر ہے، جب انہیں آگاہ و خبردار کرنے کیلئے ان اعمال و اقوال کی نقل و حکایت انکے سامنے کرتے تو وہ فسق پیشہ لوگ اس سے فائدہ یہ اٹھاتے کہ خود اس فن ہی کے سیکھ جانے کا کام لینے لگتے ——— بالکل ایسی ہی بات جیسے آج کوئی کسی فقیہ عالم سے یہ دریافت کرے کہ رشوت اور سود کا اطلاق کن کن آمدنیوں پر ہوتا ہے اور پھر ان سے بچنے کے بجائے الٹا انہیں طریقوں پر عمل شروع کر دے! یہ مفہوم طبعزاد نہیں۔ حضرت علیؓ سے ایک اثر ٹھیک اسی معنی میں مروی ہے۔ قال علی کان ایعلمان تعلیم انذار لا تعلیم دعاء الیہ کانھما یقولان لا تفعل کذا کما لو سأل سائل عن صفۃ الزنا او القتل فاخبر بصفتہ لیجتنبہ (بحر) ۳۶۲ (ان اعمال و اقوالِ سحر کو اختیار کر کے) اے لا تجعل ما تسمع منا سبباً للکفر (ابن عربی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اعمال و اقوالِ سحریہ کا اعتقاداً اختیار کر لینا کفر کے مرادف ہے۔ اے لا تکفر بعمل ھٰذا السحر واعتقادہ فثبت ان ذٰلک کفرٌ اذا عمل بہ و اعتقدہ (جصاص) اس میں فقہائے امت کا اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے کہ آیا مطلق سحر یعنی اس کا سیکھنا بھی حرام ہے یا محض اس پر عمل۔ شروع سے قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے تعلم کو بالکل جائز رکھا ہے اور صرف عمل کو حرام قرار دیا ہے اور بعض نے نفسِ تعلم کو بھی۔ قیل فلا تفعلہ لتعمل بہ وھذا اعلیٰ قول من قال تعلمہ جائز والعمل بہ کفر وقیل لا تکفر بتعلیم السحر وھذا اعلیٰ قول من قال ان تعلمہ کفر (بحر) بعض نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سحر کا سیکھنا بہر صورت حرام ہے یہاں تک کہ ساحروں کے رد کیلئے سیکھا جائے جب بھی حرام ہے اسلئے کہ کلامِ الٰہی خلا تکفر دلالت کرتا ہے عموم کی علی الاطلاق حرمت پر اور یہ سحر ہی رد المحتار لیکن تحقیق خود حنفیہ کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں اور شافعیہ کو تو اس سے بالکل اختلاف ہے۔ فلا تکفر بالعتقاد جوازہ والعمل بہ وفیہ دلیل علی ان تعلم السحر وما لا یجوز اتباعہ غیر محظور وانما المنع من اتباعہ والعمل بہ (بیضاوی) اے لا تتعلم السحر فتعمل بہ فتکفر (معالم) فلا تکفر بتعلمہ والعمل بہ علی وجہ یکون کفراً (مدارک) مفسر تھانوی کی تحقیق اس موقع پر بھی قابلِ قدر ہے:۔ "سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس میں کلماتِ کفریہ ہوں مثل استعانتِ شیاطین و کواکب وغیرہ۔ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے، یا نفع پہنچایا جائے، اور اگر کلماتِ مباحہ ہوں تو اگر کسی خلافِ اذنِ شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے، یا کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو وہ فسق و معصیت ہے۔ اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے، نہ کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اُسے عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو بوجہ احتمالِ کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور کفرِ عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے" ۳۶۳ یعنی وہ فسق پیشہ اور معصیت دوست لوگ سحر سیکھ ہی جاتے۔ ملائکہ کی نسبت کا خبر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وہ تو نفسِ مسئلہ سمجھاتے، سحر کی حقیقت بیان کرتے، اسکی حرمت کا حکم صادر کرتے، لیکن فاسد الطبع لوگ اس سے فن سیکھ جاتے۔ اور اسے کام میں لانے لگتے ۳۶۴ ذکر، ایک بار پھر حافظہ کو تازہ کر لیجئے، یہود کا چل رہا ہے۔ یہود عہدِ سلیمانی کا نیز اگلی اولاد در اولاد کا۔ قرآن، ایک اُمی کا لایا ہوا قرآن، ان کی فردِ جرم سناتے سناتے یک بیک یہ بھی کہہ ڈالتا ہے کہ یہود سحر اور عملیاتِ سفلی میں تو مشغول رہتے ہی تھے لیکن ان میں بھی خصوصاً ان عملیات میں جن کا تعلق میاں بیوی کے افتراق سے تھا۔ قرآن

بھی محض غفلت یا عدم ہمت کی بدعملی کو ہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی۔ توحید ہی کی طرف سے بے یقینی! ـــ آگے اور ملاحظہ ہو:- "سو ایسا ہوا کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا، اس لئے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اُس نے اسے
حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اُس نے اپنے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا" (۱۔ سلاطین۔ ۱۱: ۹ و ۱۰) معاذ اللہ۔ خدا کا پیمبر اور کفر و شرک میں مبتلا! چہ کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! دنیا سینکڑوں سال تک، ہزار ڈیڑھ ہزار سال
تک، انہیں یہودیانہ تحریفات و اختراعات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو نعوذ باللہ کافر و مشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ قرآن آیا، جو ہر قوم ہر زمانہ کے سچّے پیمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔ اور اس نے آکر یقین نہ کرنے والی دنیا کے سامنے آکر اعلان کیا
کہ سلیمان کو معاذ اللہ کافر کہتے ہو! وہ تو کفر کے قریب تک نہیں گئے تھے! قرآن کی صدائے حق فضا میں بلند ہو کر خاموش ہوگئی۔ جن کے کان تھے انہوں نے سُنا۔ دنیا اپنے کاروبار میں لگی رہی، پھنسی رہی۔ بابل والوں نے بابل کی پرستاری نہ چھوڑی۔
یہاں تک کہ ۱۳۰۰، ۱۳ ½ صدیاں اور گزر گئیں۔ اور اب قدرت حق کا اعجاز دیکھئے کہ اب جو محققانہ و فاضلانہ کتب جوامع و معادیات بابل ہی کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی اور شائع ہو رہی ہیں وہ تائید اور تصدیق بابل کی الزام دہی کی نہیں، قرآن کے
جواب صفائی کی کر رہی ہیں! انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا برطانوی کاوش و تحقیق کا لب لباب ہوتا ہے، اسکے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان سلیمان نکال کر دیکھئے، صاف یہ مضمون ملے گا۔ "سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے"
(جلد ۲۔ صفحہ ۹۵۲ طبع چہاردہم) انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، خاص مسیحی ہی فضلا اور پرستاران بابیل کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ہے۔ اس میں تو یہاں تک ہے کہ بابیل کی جو آیتیں ابھی اُوپر نقل ہو چکی ہیں، ان کا حوالہ دیکر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو
بڑھائی گئی ہیں، اور الحاقی ہیں! اور پھر لکھا ہے:- "یہ تو غالباً صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں، اسرائیلی بھی غیر اسرائیلی بھی۔ لیکن انہوں نے نہ تو سب کے لئے قربان گاہیں ہی تیار کرائیں، اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ اپنی بیویوں
کے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہونے دیا" (کالم ۴۶۸۹) خیر، یہ اعجاز تو کلام الٰہی کا تھا۔ اس سے بڑھ کر
بھی ہوتا تو ہو سکتا تھا۔ لیکن محدود و ناقص عقل اور زمان و مکان سے مقید علم رکھنے والے بندوں نے
اپنی ایمانی فراست و اشراقیت سے جو کام کر دکھایا ہے، وہ بھی اعجاز سے کچھ کم نہیں۔ رئیس المفسرین امام ابن جریر
آج کے نہیں، آج سے ایک ہزار سال قبل کے شخص ہیں، اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے شاید زیادہ واقف بھی نہ
ہوں آج نہیں، اس وقت اپنی تفسیر میں یہ روایت بصراحت درج کر گئے ہیں کہ آیت بالا یہود ہی کے گندے
عقائد اور افترا کے رد میں نازل ہوئی ہے جو آپس میں کہتے تھے کہ ان نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو، کہ ابن داؤد کو
قال بعض احبار الیھود الا تعجبون من محمد یزعم نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بخدا
ابن داؤد کان نبیا واللہ ما کان الا ساحرا فانزل وہ تو بس ایک ساحر تھا۔ اللہ نے انہیں کے قول
اللہ فی ذلک من قولھم وما کفر سلیمٰن الخ کے رد میں یہ آیت نازل کی ہے۔ وما کفر سلیمٰن الخ
۳۵۵ (اور اُسے منسوب حضرتؑ کی جانب کر دیتے تھے) ان شیطانوں کی (خواہ وہ جن ہوں یا انس) ایک
شیطنت یہ بھی تھی کہ اپنی کافرانہ ساحرانہ حرکتوں کی نسبت حضرت سلیمانؑ کی جانب کر دیتے تھے، اور شہرت
یہ دے دیتے تھے کہ ہم تو یہ جو کچھ کر رہے ہیں، ان کی رضامندی بلکہ انکے اشارہ ہی سے کر رہے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ
اللہ کے نبیٔ برحق کو ان گندگیوں سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف
سے صفائی پیش کی ہے، اُنھیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبّے ان کی پاک سیرتوں سے دُور کئے ہیں۔
اور یہ ناشکر گزار قومیں ہیں کہ الٹی قرآن ہی کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں! **۳۵۶** سحر نام ہے اسباب خفی (مثلاً
تاثیر کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ) سے کام لیکر تصرفات عجیب کرنے کا۔ خاص خاص مشقتوں اور ریاضتوں
سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے۔ مشرک جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے بھی زور شور سے رہ چکا ہے۔ اب بھی ہے۔
شریعت اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ۔ یعلمون کا فاعل شیاطین ہونا ظاہر ہی ہے۔
اکثر مفسرین نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہاں بھی ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا۔ لیکن اسکی بھی گنجائش ہے
کہ فاعل بجائے شیاطین کے یہود ہی کو قرار دیا جائے: یعنی فریق من الذین اوتوا الکتٰب کو۔ معنی اس صورت
میں بجائے ماضی کے حال کے ہو جائیں گے۔ یعنی یہ یہود، لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں سحر کی۔ سحر و کہانت
تاریخ بنی اسرائیل کا ایک مسلم و ناقابل انکار جزو ہے۔ خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود
ہے۔ "انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا اور فال گیری اور جادوگری کی ......
ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نہایت غصہ ہوا۔ اور اپنی نظر سے انہیں گرا کر دور کر دیا" (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۷ و ۱۸)
۳۵۷ بیان انہیں یہود عرب کا چل رہا ہے۔ واؤ عاطفہ کبھی فقرہ کو فقرہ سے
جوڑتا ہے، کبھی کبھی لفظ کو لفظ سے، اور کبھی فقرہ کو لفظ سے۔ یہاں فقرۂ وما انزل علی الملکین کا عطف
ہے فقرۂ ماقبل ما تتلوا الشیاطین پر اور دونوں فقرے تابع ہیں فعل اتبعوا کے۔ گویا تقدیر کلام یُوں ہے
واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین الخ واتبعوا ما انزل علی الملکین۔ بعض نے ما انزل الخ کا عطف السحر پر مانا

یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ
جس سے وہ جدائی ڈالدیتے درمیان مرد اور اس کی زوجہ کے ۳۶۳ حالانکہ وہ (فی الواقع) کسی کو
بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ
بھی اس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچا سکتے مگر ہاں ارادۂ الٰہی سے ۳۶۵ اور یہ وہ چیز سیکھتے
مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ
ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے اور انہیں نفع نہیں پہنچا سکتی ۳۶۶ اور (یہ بھی) یہ خوب جانتے ہیں ۳۶۷ کہ
اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ
جس نے اسے اختیار کر لیا اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۳۶۸ اور بہت ہی بُری
مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۲
وہ چیز ہے جس کے عوض میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے ۳۶۹ کاش وہ (اتنا ہی) جانتے ۳۷۰
وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ
اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو اُس کا ثواب اللہ کے ہاں
12 ع 12
اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۳ يٰٓاَيُّهَا
کہیں بہتر ہوتا کاش وہ (اتنا) جانتے ۳۷۱ اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا
ایمان والو "راعنا" مت کہا کرو ۳۷۲ اور "انظرنا"
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴
کہا کرو اور سنتے رہا کرو ۳۷۳ اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے ۳۷۴

منزل ۱

ہے۔ عطف علی السحر وقیل ھو عطف علی ما تتلوا ای واتبعوا ما انزل (کشاف) معنی میں کوئی بڑا فرق اس سے بھی نہیں پڑتا۔ اور حاصل دونوں صورتوں میں ایک ہی رہتا ہے۔ قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے حق مطلق کی شان بے نیازی کے ساتھ بالکل بے خوف اور
بے دھڑک کہتا ہے۔ اُسے کسی خارجی سہارے کی تلاش نہیں ہوتی۔ خارجی سہارے از خود اسکی طرف کھنچتے چلے آتے ہیں۔ اُسے اپنی جگہ پر اطمینان کامل ہے کہ اسکے کسی بیان میں تردید کی گنجائش تو کجا، شک و تردد کا احتمال بھی کسی طالب حق کو نہیں ملے گا۔ یہود عرب
کی طویل فرد جرم اُوپر سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ ابھی ابھی ذکر انکے فلسطینی سحر کا آچکا ہے، (سلیمان نبیؑ بادشاہ فلسطین کے تھے، انکے عہد کا سحر فلسطینی ہی سحر کہا جائیگا) اب وہ یہ بھی کہے ڈالتا ہے کہ یہ توحید کے پرانے امانت دار اور کتاب و سنت کے قدیم قدر شناس
یہی نہیں کہ عہد سلیمانی کے شیاطین جن و انس کی روایات سحر و کہانت کا حق ادا کر رہے ہیں، بلکہ اس فلسطینی سحر کے علاوہ بابل یا عراق کے بھی سحر کے وارث بنے ہوئے ہیں! ادعی ہیں علم و فضل، دین و روحانیت کے، لیکن عملاً غرق ہیں فنون سحر کے انواع
و اقسام میں! تاریخ قدیم کے جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ عہد رسالت و طلوع اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک ٹکڑا وہ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق)
میں رہ پڑا تھا اور وہیں بس گیا تھا۔ دوسری شاخ وہ جو ایک مدت دراز کے بعد وہاں سے واپس آکر پھر فلسطین میں آباد ہوئی ـــــ آیت اس تاریخی حقیقت کو فاش کر رہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر یہود عرب جامع ہیں فلسطینی اور بابلی دونوں
قسم کے رذائل و خبائث کے۔ تاریخ قدیم کے یہ نازک دقائق اور اپنی جگہ پر بالکل مسلم و مستند حقائق، جو عام طور پر اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، ادا کرائے جا رہے ہیں، کسی مؤرخ اعظم کی زبان سے نہیں، عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے۔ اللہ اللہ!
۳۵۸ (کسی خاص حکمت و مصلحت کے ماتحت) دو باتوں کا اس سلسلہ میں استحضار رہے تو ان شاء اللہ آیت کی تفسیر میں کوئی الجھن ذہن میں پیدا نہیں ہونے پائے گی:- ایک یہ کہ نزول و انزال کا اطلاق صرف احکام تشریعی ہی میں نہیں ہوتا، امور تکوینی میں بھی برابر ہوتا رہتا
ہے۔ دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جو کام جیسا بھی لیا جاتا ہے، اسکے لئے واسطہ اور وسیلہ بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ امر ان کی نزاہت و معصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ما انزل میں ما موصولہ ہے الذی کے معنی میں۔ بعض نے ما کو نافیہ قرار
دے کر ما انزل کا عطف ما کفر سلیمان پر کیا ہے۔ لیکن محققین نے اسکے قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور ابن جریر میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔ ثم شرع ابن جریر فی رد ھذا القول وان ما بمعنی الذی واطال القول فی ذلک (ابن کثیر) ظاھر ان ما
موصولۃ الخ عطف علی السحر ای یعلمونھم ما انزل علیھما (ابو سعود) الجمھور علی ان ما بمعنی الذی (مدارک) اُنزل۔ اللہ کی طرف سے "نازل" صرف کتاب و حکمت، وحی و الہام ہی نہیں ہوتا، قحط، بیماری، موت سب کا نزول و انزال بہ حیثیت مسبب
الاسباب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ محاورۂ قرآنی میں انزال کا لفظ رزق (روزی) ماء (پانی) لباس (پوشاک) حدید (لوہے) انعام (چوپائے) کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں تک کہ رجز (عذاب یا بلا) کیلئے بھی یہی لفظ

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ
اور جب اُن کے پاس پیمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس (کتاب) کی جو
لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
انکے پاس موجود تھی ۳۴۹ تو (ان) اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو
كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا
اپنی پُشت کے پیچھے پھینک مارا ۳۵۰ گویا وہ جانتے ہی (نہیں)
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى
نہیں ۳۵۱ اور (یہ لوگ) پیچھے لگ لئے ۳۵۲ اُس (علم) کے جو سلیمانؑ کی بادشاہت میں شیطان
مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ
پڑھا کرتے تھے ۳۵۳ اور سلیمانؑ نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا ۳۵۴ البتہ شیطان (ہی) کفر کیا کرتے
الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ
تھے ۳۵۵ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ۳۵۶ اور اسی (طرح) وہ
اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ
پیچھے لگ لئے ۳۵۷ اُس (علم) کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُتارا گیا تھا ۳۵۸
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ
اور وہ دونوں کسی کو بھی (اس فن کی باتیں) نہیں بتاتے تھے ۳۵۹ جبتک یہ نہ کہدیتے ۳۶۰ کہ ہم تو بس ایک
فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا
(ذریعہ) امتحان ہیں ۳۶۱ سو تم (کہیں) کفر نہ اختیار کر لینا ۳۶۲ مگر (لوگ) ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ ہی لیتے

۳۴۹ یعنی کتاب توریت کی۔ یہود کو بتایا یہی جارہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اسکے دین کو مٹانے کیلئے نہیں۔ یہ تو عین اسے تازگی بخشنے، اسے حیات تازہ دینے کے لئے آئے ہیں۔ رَسُوْلٌ۔ یکس پیمبر کے آنے کا ذکر ہے؟ جائز ہے کہ رسول کو مطلق رسول کے معنی میں لیا جائے، اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھی جائے یعنی یہی یہود کی عام عادت تکذیب انبیاء۔ درسل کے لحاظ سے صحیح ہیں لیکن ترجیح اس پہلو کو ہے کہ یہاں مراد رسول موعود، نبی آخر الزماں ہیں۔ اور رسولٌ کا صیغہ نکرہ میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ صیغۂ نکرہ جس طرح تعمیم کے لئے آتا ہے عظمت و تکریم کے لئے بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ والتنکیر للتعظیم (ابو سعود) ۳۵۰ نبذ وہ وراء ظہورھم۔ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اسکی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اسکی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ لما طرحوہ بقلۃ اعتداد ہم بہ (راغب) مثل بما یرمی بہ وراء الظہر استغناءً عنہ وقلۃ التفات الیہ (کشاف) کتاب اللہ سے یہاں کیا مراد ہے۔ یہود کی بے التفاتی اور بے تعلقی قرآن سے تو ظاہر ہی تھی، اور یہ کوئی بات ایسی ذکر کرنے اور توجہ دلانے کی نہ تھی۔ غضب یہ تھا کہ قرآن و صاحب قرآن سے مخالفت کی دُھن میں خود اپنی کتاب آسمانی کی طرف سے بھی وہ بے پروا اور بے تعلق ہو گئے تھے۔ کہ آخر توریت میں بھی تو نبی آخر الزماں کی بابت پیشگوئیاں، ان کی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی۔ اس لئے محققین نے ترجیح اس کو دی ہے کہ کتاب اللہ سے یہاں مراد توریت ہے۔ یعنی التوراۃ (کشاف) قیل انہ القرآن وقیل انہ التوراۃ وھذا ھو الاقرب (کبیر) ویعنی بقولہ کتاب اللہ التوراۃ (ابن جریر عن السدی) ۳۵۱ (کہ اس کتاب کے اندر بھی کوئی مضمون اس قسم کا موجود ہے) لایعلمون ما فی التوراۃ من الامر باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم وتصدیقہ (ابن جریر) ۳۵۲ ذکر اسرائیلیوں کا چل رہا ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہیں خصوصاً یہود عرب ۳۵۳ یعنی بجائے اسکے کہ وحی الٰہی کا اتباع کرتے اور رسول برحق کی تصدیق کرتے، یہ یہود تو ایک اور ہی علم کے پیچھے لگ گئے، اور وہ علم بھی کس کا؟ شیطان کا۔ قرآن مجید وقت کی اہم ترین قوم یہود کے پتّرے تو کھول ہی رہا ہے۔ اب اُس نے انکی فرد جرم میں ایک اس عنوان کا بھی اضافہ کیا کہ یہ لوگ وحی الٰہی کی اتباع کے بجائے ایک دوسرے ہی سفلی علم میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید بعض اور اہم تاریخی اور دینی حقیقتوں کو زبردست روشنی میں لے آیا ہے۔ اِس علم سے مراد فن سحر ہے۔ فنون سحر و کہانت میں یہود کی مہارت تاریخ میں مسلّم چلی آرہی ہے۔ انکے اکابر و مشاہیر اس کا برابر اعتراف کرتے آئے ہیں بلکہ اکثر فخر کے ساتھ۔ قرآن مجید نے اکثر تاریخی حقائق کی طرح ان کی تفصیلات میں گئے بغیر، یہاں بھی صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے۔ یہود کا یہ شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں بھی قائم تھا۔ آکسفرڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل و یہود خصلت پروفیسر مارگولیس آنجہانی جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی ہے اپنی انگریزی سیرت رسول میں عام یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔ "یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے"! ص ۱۸۹ اصل عبارت اور مزید حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور ہمارے مفسرین نے بھی اس سحر پرستی میں یہود عہد سلیمانی اور یہود عہد محمدی کو شریک سمجھا ہے۔ قیل یہود زمان سلیمان وقیل یہود زماننا واللفظ یفہم عام ولجمیعھم محتمل وقد کان الکل منہم متبعاً لھذا الباطل (ابن عربی) شیاطین۔ جب صیغہ جمع میں ہے، تو ظاہر ہے کہ ابلیس تو یہاں مراد ہو نہیں سکتی۔ اہل لغت اور اکابر اہل تفسیر دونوں کی رائے ہے کہ شیطانوں سے مراد یہاں خبیث و سرکش قسم کے جنات ہیں جو حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے۔ ای مردۃ الجن (راغب) المراد شیاطین الجن وھو قول الاکثرین (کبیر) والمتبادر من الشیاطین مردۃ الجن وھو قول الاکثرین (روح) وھو المتمردون من الجن (ابو سعود) لیکن خود جنات کیا ہیں؟ جنات سے مراد وہ صاحب شعور و ادراک ہستیاں ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور جو انسانی آنکھ کو عموماً اور عادۃً نظر نہیں آتے۔ انسان کی طرح وہ بھی مکلف ہیں گو یہ ضرور نہیں کہ ان کی شریعت بھی جزئیات و تفصیلات کے لحاظ سے شریعت انسانی ہو ——— اس آتشیں مخلوق کا وجود دلائل نقلی و شواہد سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور اس وجود سے انکار پر کوئی ایک دلیل بھی قائم نہیں، نہ عقلی نہ نقلی۔ بعض کا قول ہے کہ مراد شیاطین انس ہیں، یعنی وہ سرکش و خبیث انسان جو حضرت سلیمانؑ کے خلاف بغاوت میں پیش پیش تھے۔ اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور سحر و کہانت کے بھی ماہر تھے۔ فرقۂ معتزلہ کے متکلمین کا رجحان اسی معنی کی طرف ہے۔ قیل شیاطین الانس وھو قول المتکلمین من المعتزلۃ (کبیر) راغب لغوی نے بھی معنی جس طرح سرکش جنات کے جائز رکھے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کے بھی۔ فہم مردۃ الجن ویصح ان یکونوا ھم مردۃ الانس ایضاً (راغب) اور مفسرین اہل سنت نے بھی گنجائش دونوں کیلئے رکھی ہے۔ الشیاطین من الجن والانس او منہما (بیضاوی) وھو یرید شیاطین الجن والانس (جصاص) اگر انسان ہی مراد لئے جائیں، یعنی دربار سلیمانی کے باغی سردار و سرغنہ، تو ان کا مفصل ذکر عہد عتیق کے بعض صحیفوں میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو اسلاطین باب ۱۱ و ۱۲ علٰی ملك سلیمٰن۔ یعنی آپ کے عہد حکومت میں۔ علیٰ۔ صرف استعلاء کیلئے نہیں، بلکہ مصاحبت تعلیل وغیرہ کی طرح ظرفیت کیلئے بھی آتا ہے۔ اور فی کے معنی میں اس کا استعمال عام ہے۔ ابن جریر جو عربیت کے بھی امام ہیں لکھتے ہیں:۔ والعرب تضع فی فی موضع علیٰ وعلیٰ فی موضع فی اور عرب فی کا استعمال علیٰ کی جگہ پر کرتے ہیں اور علیٰ کا استعمال فی کے موقع پر۔ اور اتقان (سیوطی) میں اس معنی کی تصریح ہے اور اہل لغت لکھتے ہیں:۔ کان ذٰلك علیٰ عھد فلان ای فی عھد فلان (تاج) فلاں واقعہ علیٰ عہد فلاں ہوا، اسکے معنی ہوتے ہیں 'فی عہد فلاں' ہوا۔ خود قرآن مجید میں بھی علیٰ ایک دوسری جگہ صاف فی کے معنی میں آیا ہے۔ ودخل المدینۃ علیٰ حین غفلۃ (قصص، ع ۲) ای فی حین غفلۃ۔ چنانچہ یہاں بھی اہل تحقیق نے یہی معنی لئے ہیں کہ سلیمانؑ کے عہد حکومت میں۔ ای علیٰ عھد سلیمان (ابن کثیر) ای فی عھد سلیمان (ابن جریر) ای فی ملکہ وعھدہ (معالم) سلیمان۔ سلیمانؑ بن داؤدؑ (سنہ ۹۹۱ ق۔ م تا سنہ ۹۳۱ ق۔ م غالباً) اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیمبر گزرے ہیں اور اپنے والد ماجد ہی کی طرح، لیکن ان سے بڑے تاجدار بھی۔ شام و فلسطین کے علاوہ آپکے حدود حکومت مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحد مصر تک وسیع تھے۔ آپکی سلطنت کی عظمت و شوکت پر دوست دشمن سب کو اتفاق ہے ——— اسلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی و اخلاقی مرتبہ، یعنی نبوت و رسالت کے ساتھ جس طرح فقر و مسکنت جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح دولت و امارت، حکومت و ریاست بھی۔ اسلام کا خدا غریبوں اور امیروں، ناداروں اور زرداروں سب کا یکساں خدا ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ان یہود کے آباء و اجداد عہد سلیمانی میں شیطانی مشغلوں (سحر و کہانت) میں لگے رہے اسی طرح آج خود بھی بجائے نبی کی ہدایتوں پر چلنے کے اُنھیں سفلی شغلوں میں پڑے ہوئے ہیں ۳۵۴ (جیسا کہ ناسپاسوں، کافروں، افترا پردازوں نے مشہور کر رکھا ہے) آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرما دی؟ جب حضرت سلیمانؑ پیمبر برحق تھے، تو یہ تو کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبۂ کفر و شبہ کفر سے بمراحل دور تھے پیمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ وہ کفر سے بری تھے، یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی، جیسے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کر کے رعایا کو بتائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی و غدار نہیں ہے۔ کھٹک بجا ہے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ مگر یہاں قرآن کو اس اعلان و اعلام کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمان کو کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا علم تو اسکے ہمہ بین و ہمہ دان پروردگار ہی کو ہو سکتا تھا۔ سلیمانؑ کو پیمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو اہل کتاب کہلاتی ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو انکی عظمت و پیمبری کے قائل ہیں، اور دوسری طرف انکے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں! یہاں تک کہ کفر و شرک بھی! کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آسکتا۔ یہودی قصص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کی کتابوں کو چھوڑیئے۔ خاص الخاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف جن پر یہود و نصاریٰ دونوں کا ایمان ہے، انہیں ملاحظہ فرمالیجئے کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آرہی ہیں:۔ "جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اسکی جوروؤں نے اسکے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف سے کامل نہ تھا" (ا۔ سلاطین۔ ۱۱:۴، ۹، ۱۰)

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ
چاہتا ہے کہ ہزار ہزار برس کی عمر پائے ۳۳۷ حالانکہ اگر اتنی عمر وہ پا بھی جائے تو یہ امر، اسے عذاب سے تو نہیں
اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ
بچا سکتا ۳۳۸ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے (خوب) دیکھ رہا ہے ۳۳۸ آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبریل
ع ۱۱
عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰي قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
کا مخالف ہے ۳۳۹ تو انہوں نے تو اس (قرآن) کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے ۳۴۰
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى
(وہ) تصدیق کرنیوالا ہے اس (کلام) کا جو اس کے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ
کے لئے خوشخبری ہے ۳۴۱ جو کوئی مخالف ہو اللہ کا یا اس کے فرشتوں کا یا
وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ
اس کے پیغمبروں کا یا جبریل کا یا میکائیل کا ۳۴۲ تو اللہ (بھی) بالیقین مخالف ہے
لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا
(ایسے) کافروں کا ۳۴۳ اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان اتارے ہیں ۳۴۴ اور ان سے
يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا
کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے ۳۴۵ کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد
نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
کیا ہے ۳۴۶ تو انہیں میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے توڑ کر پھینکا ہے ۳۴۷ اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے ۳۴۸

۳۳۶ احدھم ضمیر ھم کا مرجع یہود ہیں اے یود احد الیھود (ابن کثیر عن السدی) بعض نے مرجع الذین اشرکوا کو ٹھہرایا ہے لیکن سیاق قول اوّل کو صاف ترجیح دے رہا ہے۔ کما یدل علیہ نظم السیاق (ابن کثیر) ۳۳۷ بالفرض اس قدر طویل زندگی حاصل بھی ہوگئی تو آخر کیا نتیجہ؟ بہرحال خاتمہ تو ایک روز اس طویل سے طویل زندگی کا بھی ہونا ہے۔ اور پھر اُسی مؤاخذۂ اخروی کا سامنا۔ سو ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں پڑے رہنا کسی دیندار شخص کیلئے ممکن ہی کیونکر ہے ۳۳۸ (اور ہر طرح کی جزا و سزا پر قادر ہے) خدا تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی، ہمہ توانی کا استحضار انسان کو راست پر قائم رکھنے کے باب میں اکسیر ہے۔ انسان غفلت و معصیت کی طرف قدم اسی وقت رکھتا ہے جب ذہن سے ایک حاضر و ناظر حاکم کا تصور غائب ہوتا ہے۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید میں اللہ کی صفات ہمہ بینی و ہمہ دانی کی یاد دہانی اس کثرت و تکرار کے ساتھ ہوئی ہے۔ ۳۳۹ جبریل۔ اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔ انسان، بڑے سے بڑا مقبول انسان بھی بہرحال بشر ہی ہوتا ہے، اور جسم خاکی ہی رکھتا ہے۔ اس کے محدود اور کثیف خاکی قویٰ علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہِ راست تجلیاتِ لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کرسکیں۔ اس غرض کیلئے عموماً لطیف الجسم نوُر کے بنے ہوئے فرشتوں سے مدد و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ یہود بھی وجودِ ملائکہ کے قائل تھے، بلکہ خود حضرت جبریلؑ کو بھی ایک فرشتۂ اعظم مانتے تھے، اور ان کا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جما لیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں۔ اُن کا کام وحی لانا نہیں عذاب لانا ہے اور رحمت لانا تو کام ایک دُوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے۔ اپنے ان خود ساختہ مقدمات و مسلمات کے بعد وہ رسول اللہ صلعم پر معترض ہوتے تھے کہ یہ نئے مدعیٔ نبوت اپنی وحی کے سلسلہ میں نام حضرت جبریل کا کیوں لاتے ہیں ــــــ یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جارہا ہے۔ موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے جو لوگوں کو مارتا تھا" (۲ سموئیل۔ ۲۴: ۱۶، ۱۷) اور علمائے یہود نے اس سے مراد فرشتہ جبریل ہی سے رکھی تھی۔ آج بھی یہود حضرت جبریل کو حضرت میکائیل کا ہمسر و ہم پلہ نہیں، ان سے کمتر ہی سمجھتے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۵۴۱) ۳۴۰ پھر اُن سے مخالفت و عداوت و بدگمانی کے کیا معنیٰ؟ یہاں یہود کے جہل کو رفع کیا گیا، اور بتایا گیا کہ حضرت جبریل کے نام سے چڑھنا کیا معنیٰ، وہ تو خدا کے ایک معتمد سفیر ہیں، اور خدمتِ سفارت پر مامور۔ باذن اللہ۔ اذن کے معنیٰ لغت میں علاوہ اجازت کے حکم یا ارشاد کے بھی ہیں۔ دیکون باذنہ اے بامرہٖ (لسان) دیکون الامر اذنا (تاج) چنانچہ یہاں بھی اذن اللہ سے مراد اللہ کا حکم یا ارشاد ہی ہے۔ اے باذن اللہ (معالم) فالاظھر بامر اللہ (کبیر) اے بامرہٖ (بیضاوی) ۳۴۱ یہاں کلام مجید نے اپنے تین وصف متعین طور پر بیان کئے۔ ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء اور سابق صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دُوسرے یہ کہ وہ فی نفسہٖ ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں مایۂ بشارت ہے ۳۴۲ یعنی جو شخص بھی اللہ یا اس کے پیمبروں یا اس کے فرشتوں، خصوصاً جبریل و میکائیل جیسے مقرب فرشتوں سے دور و تعلق قائم رکھتا ہو جو ان کے مرتبۂ واجب کے منافی ہے۔ عدوّ عربی میں بطور مصدر بھی آتا ہے، اور اس معنیٰ میں یہ ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاۃ الالتیام (راغب) دُوسرا استعمال اس کا بحیثیت اسم کے ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔ اور اس معنیٰ میں یہ مقابل ہے دوست کے۔ العدوّ للشخص ضد الصدیق (تاج) اور اس کے مفہوم میں محض عداوت نہیں، بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، غرض دوستی و محبت کے منافی جو کچھ ہے سب داخل ہے۔ میکال یا میکائیل بھی جبریل کی طرح ایک فرشتۂ مقرب کا نام ہے مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ ان کے ذمہ مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے گویا جس طرح احکام تشریعی کیلئے واسطۂ خاص حضرت جبریل ہیں، احکام تکوینی کیلئے واسطۂ خاص میکائیل ہیں، پہلے کا تعلق خاص بارگاہِ الوہیت سے ہے۔ دُوسرے کا کارگاہِ ربوبیت سے۔ توریت میں ان کا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں موجود ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انہیں سے جوڑ رکھے تھے، اور انہیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبریل کے حاملِ وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ ۳۳۹) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انہیں دو فرشتوں کا نام لیکر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے قرآنی جواب میں بھی تصریح انہیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی جیسا کہ قرآن مجید کا عمومی دستور کسی واقعۂ خاص سے ایک ہدایت عام بیان کر دینے کا ہے، ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کر دیا گیا۔ و۔ اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ عطف و جمع ہی کیلئے نہیں آتا، بلکہ "یا" کے معنیٰ بھی کبھی دیتا ہے۔ تکون بمعنی اَوْ (قاموس) چنانچہ یہاں چاروں جگہ اسی معنیٰ میں ہے۔ یعنی ان اسماء کا مجموعہ مُراد نہیں، بلکہ مُراد یہ ہے کہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔ یعنی من کان عدوًّا لاحد ھؤلاء انہ عدو للکل (سالم) یعنی من کان عدوًّا لاحد من ھؤلاء (کبیر) ۳۴۳ یعنی ایسا شخص کافر سمجھا جائیگا اور اس کے ساتھ معاملہ وہ کیا جائیگا جو دشمن کے ساتھ دشمن کرتا ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ معصوموں کی اطاعت عین اطاعت الٰہی، اور معصوموں کی مخالفت عین مخالفتِ حق ہے۔ فرشتہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعتِ رب بتائی گئی ہے:۔ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اُس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اُسے مت چڑھا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا کہ میرا نام اُس میں ہے۔ پر اگر تو سچ مچ اس کا کہا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہونگا" (خروج۔ ۲۳: ۲۰-۲۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلفائے راشدین و صحابۂ رسول جن کے فضائل گویا تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی مخالفت و عداوت بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل اللہ سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔ ۳۴۴ (آپ کی صداقت اور نبوت کے) یعنی ایک تو قرآن خود ایک معجزہ ہے، پھر دوسرے تائیدی شواہد و دلائل، بشارات و معجزات۔ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ سے مُراد آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ جن بےنظیر تعلیمات کی حامل ہیں، ان پر نظر کرکے بعض محققین نے یہی پہلو اختیار کیا ہے الاظھر ان المراد اٰیات القراٰن الذی لایاتی بمثلہ الجن والانس (کبیر) لیکن لفظ اٰیات ہے عام و وسیع۔ اسلئے دوسرے بزرگوں نے سارے اقوال کو جمع کرکے لکھا ہے کہ اس سے مراد سبھی کچھ ہے، قرآن بھی، معجزات بھی، کتب سابقہ پر اطلاع بھی، معجزاتِ سابقہ پر اطلاع بھی، قرآن کا قانونی نظام بھی، وقس علیٰ ہذا۔ اے القراٰن والمعجزات المقرونۃ بالتحدی عما خفی واخفی فی الکتب السابقۃ والشرائع والفرائض (مجموع کل ما تقدم بحر) یہود جو اپنے پیمبروں کے معجزات کی روایتوں کے خوُب عادی ہو چکے تھے بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں، نبی ہیں تو کوئی نشانی تو دکھلائیں۔ جواب ملا کہ تم ایک نشانی کو کہتے ہو، ہم تو انہیں متعدد نشانات (صیغۂ جمع) دیے چکے ہیں اور وہ بھی دقیق و خفی نہیں، نمایاں و روشن، سب کو نظر آجانے والے۔ ۳۴۵ یعنی ان شواہد صریح اور دلائل روشن سے انکار کوئی فطرتِ سلیم والا تو کرتا نہیں پس وہی لوگ کرتے ہیں جو قانونِ الٰہی کے توڑتے رہنے اور شرائع ربانی سے بغاوت کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ انجیل میں یہود کی قساوت قلب کے سلسلہ میں ہے کہ مسیح نے "اگرچہ اُن کے سامنے اتنے معجزے دکھائے تو بھی وہ اُس پر ایمان نہ لائے" (یوحنا۔ ۱۲: ۳۷) ۳۴۶ (خدایا اس کے کسی نبی کی اطاعت کا) ذکر انہیں عصیان پیشہ یہود کا چل رہا ہے۔ ۳۴۷ بنی اسرائیل کی تاریخ، غداری، عہد شکنی، نافرمانی، سرکشی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ توریت کے صفحے، انجیل کے ورق، قدیم مؤرخین یہود جوزیفس وغیرہ کے دفتر سب اسی سرگزشت سے لبریز ہیں اور یہاں اشارہ ان کی اسی قومی خصوصیت کی جانب ہے۔ ۳۴۸ (اپنے کسی عہد و پیمان اطاعت کا، یعنی ایفائے عہد تو الگ رہا ان میں سے بہت سے اسی کے قائل نہیں ملتے کہ کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا بھی تھا گویا ایمان، لایؤمنون میں اپنے اصطلاحی معنیٰ میں نہیں لغوی معنیٰ میں ہے۔ لایؤمنون کے دُوسرے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ایمان کو ایمان اصطلاحی کے مفہوم میں لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان کب رکھتے ہیں۔ لایصدقون بکتابھم (کبیر) لایؤمنون بالتوراۃ (مدارک) ماحصل دونوں صورتوں کا یہی ہے کہ وہ پاس عہد خصوصاً آخری نبی کی تصدیق کرنے کے عہد کا اپنے کو پابند ہی کب سمجھتے ہیں۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور تمہارے اُوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا ۳۲۴ (کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے ۳۲۵ اسے مضبوطی

وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ

کے ساتھ پکڑو اور سنو ۳۲۶ یہ (اُس وقت) بولے تھے کہ (ہاں) ہم نے سُن تو لیا مگر ہم نے مانا نہیں ۳۲۷ اور ان کے

قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

دلوں میں گوسالہ اُنکے کفر سابق کے سبب پیوست ہو گیا تھا ۳۲۸ آپ کہہ دیجئے (کیسی) بُری ہے وہ بات جس کا

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ

حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو ۳۲۹ آپ کہہ دیجئے کہ اگر

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ

عالمِ آخرت خاص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کو

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

چھوڑ کر ۳۳۰ تو موت کی آرزو کر دیکھو اگر تم سچے ہو ۳۳۱

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ

لیکن وہ اسکی آرزو ہرگز کبھی بھی نہ کرینگے بسبب ان (اعمالِ بد) کے جو یہ اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں ۳۳۲ اور

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ

اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے ۳۳۳ اور آپ انہیں زندگی پر حریص سب لوگوں سے

عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ

بڑھ کر پائیں گے ۳۳۴ (یہانتک کہ) مشرکوں سے بھی بڑھ کر ۳۳۵ اُن میں سے ایک ایک یہ

مقام

۳۲۴ (تمہارے اُوپر نزولِ شریعت کے وقت) اس پر حاشیہ رکوع (۷) میں گزر چکا۔ ۳۲۵ یعنی یہ احکام و شرائع جو ابھی تم پر نازل کئے ہیں۔ ۳۲۶ (ان احکام و شرائع کو گوشِ دل سے سنو، اور ان پر عمل کرو) اے اقبلوا ما سمعتم (بحر) قال الماتریدی معنی اسمعوا اقبلوا (بحر) وقیل اعلموا (بحر) ۳۲۷ آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عَصَيْنَا (ہم نے نہیں مانا) ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا ہو۔ قال ابو مسلم وجائز ان یکون المعنی سمعوہ وتلقوہ بالعصیان فعبر عن ذٰلك بالقول وان لم یقولوہ (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ قول یہاں بطور مجاز زبانِ حال کے معنی میں استعمال ہوا ہے نطقِ لسانی مراد نہیں۔ قیل یعبر بالقول للشئ عما یفہم به من حاله وان لم یکن نطق (بحر) وقیل المعنی قالوا بلسان القال سمعنا وبلسان الحال عصینا (مدح) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی، اس لئے گویا زبانِ حال سے یہی کہہ رہے تھے (تھانوی) قول کا لفظ یوں بھی عربی زبان میں نہایت وسیع معنی رکھتا ہے۔ زبان سے ادا کرنا ہرگز اس کیلئے لازمی نہیں۔ راغب نے اپنے مفردات میں خود قرآن ہی سے اس کے متعدد معنی نقل کئے ہیں۔ اور چوتھے نمبر پر اس کے معنی دلالتِ حالی لکھے ہیں، اور ایک شاعر کا مصرعہ بھی سند میں پیش کیا ہے۔ یقال للدلالة علی الشئ نحو قول الشاعر۔ امتلأ الحوض وقال قطنی اور تاج العروس میں سیبویہ وغیرہ ائمہ لغت کے حوالہ سے اس سے بھی زیادہ وسیع معنی بیان کئے گئے ہیں لیکن اگر ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ زبان سے بھی نکالا ہو، تو ان کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اس سے ملتی جلتی، گویا ایک دوسرے موقع کیلئے موجود ہی ہے:۔ ”خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ بھلی راہ کہاں ہے؛ اسی میں چلو کر تم اپنے جیوں میں آرام پاؤ گے۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم اس میں نہ چلینگے، اور میں نے تمہارے اُوپر نگہبان بھی ٹھیرائے، اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے۔“ (یرمیاہ۔ ۶: ۱۶، ۱۷) ۳۲۸ چنانچہ بیل کے تقدس کا اعتقاد اسرائیل قوم میں مدت دراز تک قائم رہا (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ ص ۵۰۲) اشربوا فی قلوبھم۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی۔ جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزوِ بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہلِ عرب کی زبان میں عام ہے: وانّ من عادتھم اذا ارادوا العبارة عن مخامرة حب او بغض استعاروا الیٰ اسم الشراب لانه ھو ابلغ انجاعًا فی البدن (راغب) یا یہ استعارہ رنگ سے ہو کہ وہ بھی کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کما یداخل الثوب الصبغ (کشاف) کما یتداخل الصبغ الثوب والشراب اعماق البدن (بیضاوی) بکفرھم۔ ب سببیہ ہے یعنی ان کے کفر کے باعث نتیجۂ کفر کے طور پر۔ الباء للسبب اے الحامل لھم علی عبادة العجل ھو کفرھم السابق (بحر) ۳۲۹ جتلانا ہی ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ دعوی تو یہ کہ ہم صاحبِ ایمان و توحید ہیں، اور عمل یہ کہ گوسالہ کی تنزیہ و تقدیس میں لگے ہوئے ہو، کیا اچھا تمہارا ایمان ہے! ۳۳۰ (جیسا کہ تم اپنے زعم و پندار میں سمجھ رہے ہو) بنی اسرائیل کے اس بنیادی عقیدہ کا ابتدائی خاکہ تو خود موجودہ توریت میں موجود ہے مثلاً ”تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو“ (استثناء۔ ۱۴: ۱) ”تو خداوند اپنے خدا کے لئے مقدس قوم ہے۔ اور خداوند نے تجھ کو چُن لیا، تاکہ سب قوموں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں، تو اس کیلئے خاص قوم ہو“ (استثناء۔ ۱۴: ۲) رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ یہود اپنے سوا کسی اور کو جنت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے تھے اور نجاتِ اُخروی کو اپنا مخصوص حق سمجھنے لگے تھے۔ اپنے کو خدا کا محبوب اور خدا کا لاڈلا اور چہیتا فرزند قرار دینے لگے تھے اور خیال یہ جما لیا تھا کہ خداوند خدا کا جو معاملہ ہماری قوم و نسل کے ساتھ ایک ناقابلِ تبدیل طور پر ہے وہ دنیا جہان میں کسی اور کے ساتھ نہیں ——— نسلی تقدیس کی یہی وبا ہے جو ہندوستان میں برہمنیت کے نام سے جلوہ گر ہے۔ الدار الاٰخرة عند اللّٰه ۔ مراد ہے جنت اور نجات کا حاصل ہونا۔ دون الناس۔ ناس سے مراد نوعِ انسانی ہے اور دون الناس سے مراد اپنی قوم و نسل کی خصوصیت کا اظہار اور اس میں دوسروں کی شرکت سے انکار ہے۔ دون ھٰذا لفظ یستعمل للاختصاص وقطع الشرکة (بحر) ۳۳۱ (اپنے اس دعوی میں کہ ہماری نجات یقینی اور قطعی ہے) قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو اُلٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ صلعم سے کر سکتے تھے اور پھر اپنے اپنے مذاق پر اس کے جوابات دیئے ہیں لیکن حقیقةً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟ مسلمان تو خود ہی ایمان اور عملِ صالح کے دُہرے دُہرے اختیاری معیار سے ڈرتا، لرزتا رہتا ہے، کہ دیکھا چاہیئے حشر میں اس امتحان میں پورا اُترتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ اطمینان اور یہ زعم کہ چونکہ ہم فلاں گھرانے، فلاں خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں، اسلئے بغیر کسی جہد و اکتساب کے ہماری نجات تو یقینی ہو چکی، یہ عقیدہ اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص تھا، مسلمان اس کے قریب ہی کب گیا، جو یہ سوال اس پر عائد ہو سکے؟ اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اس اضطراری نجات کے مٹانے کیلئے ہی آیا ہے۔ مسلمان تو خود ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنا انجام نہیں معلوم، میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضلِ خداوندی کا منتظر ہوں۔ مسلمان کے سامنے اس سوال کو پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ مطالبہ ہر اسرائیلی سے ہر زمانہ کیلئے ہے بھی نہیں۔ اس کا دائرہ صرف انہیں معاند یہود کے ساتھ مخصوص ہے جو رسول اللہ صلعم کے معاصر تھے اور سارے شواہد کے بعد بھی آپ کے منکر تھے۔ وھٰذا خاص بالمعاصرین له صلی اللّٰه علیه وسلم (روح) یہ تفسیر خود صحابی حضرات سے مروی ہے، بلکہ حضرت ابن عمرؓ نے تو اپنے زمانہ کے ایک گستاخ یہودی کے جواب میں یہ مضمون بڑی حدت و شدت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ توھم ھٰذا الکلب اللعین الجاھل ان ھٰذا لکل یھودی اولليھود فی کل وقت لا انما ھو لاولٰئك الذین کانوا یعاندون ویجحدون نبوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعد ان عرفوا (روح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ موت کی محبت، خواہ طبعی ہو یا عقلی، ولایت کی علامتوں میں سے ہے۔ ۳۳۲ یعنی ان کا دل خود چور ہے۔ ان کا ضمیر ان پر ملامت کر رہا ہے۔ لقاء رب کا کوئی ولولہ کوئی جذبہ ان میں باقی ہی کہاں ہے، جو یہ عالمِ آخرت کی تمنا کر سکیں۔ ابدًا۔ احتجاج بالا جب صرف یہود معاصرینِ رسول کے ساتھ مخصوص ہو گیا، تو ابدًا کے معنی بھی لازمی طور پر یہ ہونگے کہ یہ اپنی زندگی بھر ایسا نہ کریں گے۔ والمعنی بالابد ھنا ما یستقبل من زمان اعمارھم (بحر) اے لن یتمنوہ ما عاشوا (روح) ۳۳۳ یعنی اُن لوگوں سے، جو اپنے ہتکنڈوں سے خود اپنے حق میں ظلم کرتے رہتے ہیں۔ الظلم ھو تجاوز ما حد اللّٰه (بحر) ۳۳۴ یعنی اس زندگی پر حریص جو پلیدی اور گندگی سے لبریز ہے۔ زندگی سے محبت اور موت سے وحشت تو ایک حد تک طبعی ہے، اور ان طبعی حدود کے اندر ہرگز اسلام میں کوئی ملامت نہیں لیکن یہود کا جذبۂ حُبِّ دنیا طبعی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ دنیا پرستی مقصود بالذات بن گئی تھی۔ اور روحانیت کا ذوق بالکل مُردہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں بھی جن قوموں نے جنتر منتر وغیرہ ظاہری رسوم میں غلو اور اُن پر تکیہ کر رکھا ہے۔ اُن کے دل بھی ذوقِ آخرت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں، اور یہود کی حُبِّ دنیا و حُبِّ مال آج بھی ضرب المثل ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں تالمود وغیرہ کے حوالہ سے اس مضمون کے متعدد قول نقل ہوئے ہیں کہ دنیوی زندگی بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے، معصیت گوارا کر لینا چاہیئے لیکن موت نہ گوارا کرنا چاہیئے۔ وقس علی ھٰذا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۳۳۵ (جو بیچارے کتابِ آسمانی اور پیامِ انبیاء کی دولتوں سے محروم ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشرکین تو سرے سے اُخروی نعمتوں کے لذت شناس ہی نہیں، وہ اگر اُدھر سے غیر ملتفت ہو کر اپنا سارا توجہ و محور زندگی اسی مادّی زندگی کو بنائے رکھیں، تو کچھ ایسا حیرت انگیز نہیں، غضب تو یہود کر رہے ہیں جو اپنے آسمانی صحیفوں اور پیمبرانہ ہدایتوں کے باوجود بھی مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب بات اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ تطویلِ عمر کے جو عجب عجب نظریے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کیلئے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ پیش پیش یہودی ہی ڈاکٹر اور اہلِ سائنس ہیں۔

اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
نازل کیا ہے (محض) اس ضد پر کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَ
اپنا فضل (خاص) نازل کیا ٣١٣ سو وہ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے ٣١٤ اور

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا
کافروں کے لئے عذاب ذلت والا ہے ٣١٥ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ
اس (کلام) پر جو اللہ نے نازل کیا ہے ٣١٦ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے ٣١٧

يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا
اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں ٣١٨ حالانکہ وہ خود بھی حق ہے اور اسکی بھی تصدیق کرنیوالا ہے

مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ
جو انکے پاس ہے ٣١٩ آپ کہئے کہ اچھا تو تم اس کے قبل انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو، اگر

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٩١ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
تم واقعی ایمان والے تھے؟ ٣٢٠ اور موسیٰ تمہارے پاس کھلے ہوئے

مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ
نشان لے کر آئے ٣٢١ اس پر بھی تو تم نے انکے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا ٣٢٢

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝٩٢ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
اور تم تو ہی ہو ظالم ٣٢٣ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا

٣١٣ قرآن نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ یہود کا یہ کفر و انکار کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطہ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس غصہ و عناد کا نتیجہ تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کو کیوں مل رہی ہے؟ ——— وہی نسلیت یا قومیت کی ملعون عصبیت جو آجتک دُنیا پر مسلط ہے۔ امام رازی کی خداداد نظر قرآن حکیم کے عجب عجب نکتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر لکھا ہے کہ یہود تو نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے۔ ایک عرب کو اس کا مدعی پا کر اُلٹے اس کے رشک و حسد پر اُسے محمول کرنے لگے۔ ظنوا ان هذا الفضل العظيم بالنبوة المنتظرة يحصل فی قومهم فلما وجدوه فی العرب حملهم ذلك على البغی والحسد (کبیر) کیا بعد ہے اس ضد اور نفسانیت کی کہ نسلی و خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت تک سے انکار کر دیا! من فضله میں فضل سے مراد فضل وحی ہے یعنی الوحی (بیضاوی) مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ احوال موہوبہ محض فضل مشیت کے تابع ہوتے ہیں کسب و اکتساب کو دخل نہیں۔ ٣١٤ غَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ کی تفسیر میں بہت سے قول نقل ہوئے ہیں ان میں سے ایک قول تابعی حضرات سے منقول یہ ہے کہ یہود کی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی کا انکار ہے۔ اور دوسری مغضوبیت کی بنیاد رسالت محمدی سے انکار۔ وهو قول الحسن والشعبی وعكرمة وابی العالية وقتادة (کبیر) یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر بہت خوب ہے لیکن اس سے بھی زیادہ دلنشین اور بے تکلف قول یہ ہے کہ پہلا عتاب اُنکے بالکل بلا وجہ اور دلیل واضح و صریح کی موجودگی میں انکار و تکذیب رسالت پر ہے۔ اور دوسرا عتاب انکے جذبات حسد و عناد پر۔ لانهم كفروا بنبی الحق وبغوا عليه (کشاف) للكفر والحسد (بیضاوی) بما اقترفوا من الكفر والحسد (روح) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مقصود کلام غضب کی تکرار نہیں بلکہ اس کی تاکید اور اشدیت ہے۔ المراد به تاكيد الغضب وتكثيره (کبیر) ويحتمل ان يراد الترادف والتكاثر لا غضبان (روح) ٣١٥ عذاب الٰہی کا نہایت شدید و الیم ہونا تو ظاہر ہی ہے، پھر اس عذاب کی بنا چونکہ یہود کی قومی منافرت و نسلی عصبیت ہے، اس مناسبت سے یہ سزا اُن کے غرور کو توڑنے والی، ان کی توہین، ذلت و رسوائی کو بڑھانے والی بھی ہوگی۔ ٣١٦ (اپنے بندہ اور آخری رسول محمدؐ پر)۔ ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے۔ انہیں سے کہا جاتا تھا کہ آخری کتاب الٰہی قرآن پر ایمان لاؤ۔ ٣١٧ (اور وہ ہمارے لئے بالکل کافی ہے) انزل علينا۔ ہمارے اُوپر یعنی ہماری قوم و نسل کے اُوپر نازل ہوا ہے۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سلسلۂ وحی یا مسئلۂ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں، ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیل کے انبیاء کے قائل ہیں۔ ٣١٨ یہ یہود کے قول کا تتمہ ہے۔ قرآن مجید نے یہ اضافہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ کے باہر کسی اور نبوت کے قائل نہیں، ایک عرصہ تک الطاف الٰہی و عنایات خداوندی کے مورد خاص بنے رہنے، اور اسی نسل کے اندر انبیاء کے مسلسل پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ ٣١٩ هو الحق ضمیر هو قرآن کی جانب ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے۔ مصدقا لما معهم یعنی وہ تصدیق کرتا ہے توریت اور انبیاء بنی اسرائیل کے دُوسرے صحیفوں کی۔ قرآن یہاں یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کر رہا ہے۔ (١) ایک یہ کہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے۔ اسلئے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔ (٢) توریت اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں کے ساتھ اس کا تعلق منافات کا نہیں۔ اس کا رشتہ اتحاد و تصدیق کا ہے۔ ٣٢٠ تیسرا جواب قرآن مجید نے یہود کو یہ دیا کہ خود یہی دعویٰ تمہارا کب صحیح ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہو؟ ایمان و تصدیق الگ رہی، تم نے خود اس زور و شور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت و عداوت پر اس حد تک اُتر آئے کہ انہیں قتل تک کر کر ڈالا۔ اور تمہاری قومی تاریخ کے تو صفحات رنگین ہیں انبیاء کے خون سے۔ اسرائیل اور قتل انبیاء پر مفصل حاشیے رکوع (٧) کے ذیل میں گزر چکے۔ بائبل کے اُن حوالوں کے علاوہ ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبیؑ کے زمانہ میں خود اکابر بنی اسرائیل اپنے باپ دادوں سے متعلق مناجات میں کہتے ہیں:۔ "وہ نافرمانبردار نکلے اور تجھ سے پھر گئے۔ اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پُشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو اُن کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھر لائیں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا" (نحمیاہ۔ ٩: ٢٥، ٢٦) ٣٢١ (اور اُن کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ تم خُدا کی طاعت اور نبی کی اطاعت میں دل سے لگ جاتے) حضرت موسیٰؑ کے کھُلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے، عصا، ید بیضا وغیرہ، وہ تو مشہور ہی ہیں لیکن جاءکم سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ معجزات موسوی خود بنی اسرائیل کیلئے بھی تھے۔ ٣٢٢ (پرستش کیلئے) یہ ہے تمہارے دعویٰ توحید کی حقیقت! گوسالہ پرستی پر حاشیے (رکوع ٦) کے ذیل میں گزر چکے۔ ثم یہاں محض تاخر زمانی کیلئے نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ تم کیسی پستی میں اُتر گئے۔ اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل و شواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والدلالة على نهاية قبح ما صنعوا (ابو سعود) كلمة ثم للاستبعاد (روح) من بعده۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں، حضرت موسیٰؑ اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر ستر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طُور پر گئے ہوئے تھے تفصیلات رکوع (٦) کے ذیل میں گزر چکیں۔ ٣٢٣ (اپنے حق میں) یعنی تمہاری تاریخ گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی رُوحوں پر ظلم کرنے کے کیسے عادی ہو! یہ گویا جوابات سابق کا تتمہ ہے۔ اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر تم نے جو کچھ کیا، خیر وہ تو کیا ہی، شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰؑ ہی کے زمانہ میں شروع کر دیا۔ اور شرک بھی کیسا جلی۔ گوسالہ پرستی! اور وہ بھی پیمبرؑ کی صرف چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں! تمہارے لئے مانع نہ اُن کے لائے ہوئے نشانات اور دلائل ہو سکے۔ اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ سلامت موجود ہیں۔ غرض کہ نافرمانیوں میں دلیر تم آج سے نہیں، مدت دراز سے ہو۔

بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا
روح القدس (کے ذریعہ) سے اُنکی تائید کی ۳۰۰ تو کیا جب کبھی کوئی پیمبر تمہارے پاس ان (احکام) کے ساتھ آیا جو

تَہۡوٰۤی اَنۡفُسُکُمُ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِیۡقًا کَذَّبۡتُمۡ ۫ وَ
تمہارے نفس کو نہ بھائے ۳۰۱ تو تم اکڑنے لگے ۳۰۲ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا ۳۰۳ اور

فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ
بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے ۳۰۴ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ۳۰۵ (نہیں) بلکہ

لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ وَ
اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے انکے کفر کے باعث ۳۰۶ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں ۳۰۷ اور

لَمَّا جَآءَہُمۡ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
جب اُن کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنیوالی اسکی جو انکے پاس

مَعَہُمۡ ۙ وَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی
(پہلے سے) موجود ہے ۳۰۸ اور اس کے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے بیان کیا کرتے

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا
تھے ۳۰۹ پھر جب اُن کے پاس وہ آگیا جس کو (خوب) پہچانتے تھے تو اسی سے کفر

بِہٖ ۫ فَلَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۹﴾ بِئۡسَمَا
کر بیٹھے ۳۱۰ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ۳۱۱ بُری ہے وہ چیز

اشۡتَرَوۡا بِہٖۤ اَنۡفُسَہُمۡ اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ
جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے ۳۱۲ کہ انکار کرتے ہیں اس (کلام) کا جو اللہ نے

۳۰۰ روح القدس۔ اسلامی اصطلاح میں مشہور ممتاز و مقرب فرشتہ حضرت جبرئیل کو کہتے ہیں۔ اے بجبریل علیہ السلام واطلاق روح القدس علیہ شائع (روح) الروح الامین سمی بہ جبریل وسماہ بروح القدس (راغب) مسیحی اصطلاح میں روح القدس "تثلیث مقدس" کے اقنوم ثالث کو کہتے ہیں، اُس سے یہاں کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ اصطلاح کے مشترک ہونے سے بعض دفعہ بڑے بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش چونکہ خداوندی مصالح کے مطابق، عام بشری طریق سے الگ، ایک نئے قانون کے ماتحت محض مسِ ملکوتی سے ہوئی تھی، اس لئے عجب کیا جو بعد میں بھی آپ کو مناسبت عالم ملائکہ سے زیادہ رہی ہو۔ اور اسی مناسبت سے استفاضہ بھی ملائکہ سے زیادہ ہوتا رہتا ہو۔ ایدنٰہ میں اشارہ ادھر بھی نکلتا ہے کہ آپ اپنی بشریت کی بنا پر اعانت خداوندی کے محتاج تھے اور وہ اعانت ایک فرشتہ کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی۔ ۳۰۱ (اور اسی طرح کے احکام تو کم و بیش سب ہی پیمبر لائے) مخاطبت اُنھیں بنی اسرائیل سے ہے۔ روئے سخن دفعۃً صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب کی طرف (یا کسی ایک صیغہ سے دوسرے کی طرف) پلٹ دینا صنعتِ التفات کہلاتا ہے اور عربی ادب و انشاء میں یہ عیب نہیں حسن ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ۳۰۲ (اور اس پیمبر کی اطاعت و اتباع سے عار محسوس کرنے لگے) انسان کی یہ شامت شروع سے رہی ہے کہ وحیِ الٰہی کے مقابلہ میں حاکم و قاضی وہ اپنے ہوائے نفس ہی کو رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو احکام اُسے اپنی خواہشوں یا اپنی محدود و ناقص اور جذبات زدہ عقل کے منافی نظر آتے ہیں جھٹ اُن سے انکار اور اُن کے مقابلہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیتا ہے ــــــ آج جس چیز کا نام "روشن خیالی" ہے تحلیل کرکے اور خوب غور کرکے دیکھا جائے تو اس کی تہ میں بھی اصلاً صرف یہی ملے گا۔ استکبار نفس اور پیمبر کے اقتدا و اتباع سے عار۔ ۳۰۳ (اور سرطرح اُنکی ایذا کے درپے ہوگئے) ۳۰۴ جیسے زکریا نبیؑ یحییٰ نبیؑ وغیرہما تفصیل حاشیہ رکوع ، کے ذیل میں گزر چکا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبر ہی اکثر معاصی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے تکذیبِ انبیاء وقتلِ انبیاء کو کبر ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے ۳۰۵ (اور دعوتِ اسلام ہمارے اوپر کچھ اثر نہیں کرسکتی) یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے کہ "نئے پیغمبر" کچھ بھی کر ڈالیں ہم اُن کے کہے میں نہیں آنے کے۔ غُلف ممکن ہے کہ جمع غلاف کی ہو۔ اس صورت میں معنٰی یہ ہونگے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارفِ موسوی سے لبریز ہیں ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ ھی جمع غلاف اے ھی اوعیۃ العلم تنبیھًا انّا لا نحتاج ان نتعلم منک فلنا غنیۃ بما عندنا (راغب) یہ بھی ممکن ہو کہ یہ اغلف کی جمع ہو۔ اور اغلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اس کو جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ قیل ھو جمع اغلف (راغب) مستعار اعن الاغلف الذی لم یختتن (کشاف) قیل واصلہ ذو القلفۃ الذی لم یختتن (روح) مختون و "نامختون" کہنے کا محاورہ یہود کی زبان پر عام طور سے چڑھا ہوا تھا۔ کبھی اپنے کو "نامختون" کہتے کبھی اپنے دل و جسم کو یا کبھی اپنے اعضاء و جوارح کو۔ توریت میں بار بار اس کا استعمال ہوا ہے مثلاً "بس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیوں کر سُنے گا" (خروج۔ ۶: ۱۲) "تب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی اور دل کو میرے مقدس میں لائے" (حزقی ایل۔ ۴۴: ۷) بلکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی آیا ہے مثلاً "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو" (اعمال۔ ۷: ۵۱) قرآن کا یہ اندازِ بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی انہیں کی اختیار کی۔ ۳۰۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ جواب میں کہتا ہے کہ جس محفوظیت پر انہیں اس قدر غرور ہے یہ کوئی فخر و ناز کی چیز نہیں، یہ تو ایک نشان ہے صداقت سے اُن کے دُور ہوجانے اور حق سے ان کے بُعد پیدا ہوجانے کا۔ اور یہی حقیقت ہے لعنت کی۔ لعنت پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ نام ہے رحمتِ الٰہی سے بُعد و ہجران کا۔ بکفرھم اس میں یہ بتادیا کہ یہ ملعونیت اور مغضوبیت جو اُن پر طاری ہوگی اُن کے کفر اختیاری کے باعث ہوگی یعنی کے پیمبر سے مخالفت و عناد پر اصرار رکھنے کے باعث ہوگی۔ ب سببیہ ہے۔ اے بسبب کفرھم (ابوسعود) لعنت کا محاورہ توریت میں بہت عام ہے۔ صرف ایک مقام کا اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو:۔ "یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی اور تجھ تک پہنچیں گی۔ تو شہر میں لعنتی ہوگا اور تو کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔ تیرا ٹوکرا اور تیرا کٹھرا لعنتی ہوگا۔ تیرے بدن کا پھل اور تیری زمین کا پھل تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیرے بھیڑ بکری کے گلے لعنتی ہو جائیں گے تو بھیتر آنے کے وقت لعنتی ہوگا اور تو باہر جانے کے وقت لعنتی ہوگا۔ خداوند ان سارے کاموں میں جن میں تو کرنے کیلئے ہاتھ لگادے تجھ پر لعنت اور حیرت اور ملامت نازل کریگا" (استثناء ۲۸: ۱۵-۲۰)۔ لعنت انجیل میں بھی منقول ہے حضرت مسیحؑ کی زبان سے نہ صرف کاہنوں اور فریسیوں کیلئے بلکہ انجیر کے خشک درخت کے لئے بھی ۳۰۷ (اور یہ تھوڑا یا برائے نام ایمان نجات کیلئے کافی نہیں) قلیلاً۔ قلیل یہاں ایمان کی صفت ہے جو ایمان نجات کیلئے ضروری ہے اور جس کا حکم ہر مکلّف کو ہے۔ اس کے متعدد اجزاء ہیں۔ یہود کا ایمان جو کچھ بھی تھا، صرف ان میں سے بعض پر تھا۔ اے لا یؤمنون الا بقلیل مما کلفوا بہ (کبیر) قلیلا صفۃ مصدر محذوف اے فایمانا قلیلا یؤمنون (مدارک) ما یؤمنون میں ما مزیدہ ایمان کی قلت پر زور دینے کیلئے ہے یعنی بہت ہی تھوڑا ایمان ۔ ما مزیدۃ للمبالغۃ فی التقلیل (بیضاوی) ما مزیدۃ للمبالغۃ (ابوسعود) قلیلاً۔ صفت مومن کی بھی ہو سکتی ہے مفہوم اس صورت میں یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر ادھر بھی گئے ہیں۔ اے لا یؤمن منھم الا قلیل (ابن جریر۔ عن قتادۃ) قال بعضھم فقلیل من یؤمن منھم (ابن کثیر) اور امام رازیؒ نے ترجیح اسی آخری ترکیب کو دی ہے لیکن محاورہ میں قلیل کا استعمال نفی مطلق کے موقع پر بھی ہوتا ہے یجوز ان تکون القلۃ بمعنی العدم (کشاف) معنی اس صورت میں یہ ہونگے کہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔ والمعنیٰ فیہ نفی جمیعہ (ابن جریر) معناہ لا یؤمنون اصلا لا قلیلا ولا کثیرا (کبیر) ۳۰۸ کتب من عند اللہ یعنی قرآن۔ لما معھم۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید نے اپنی یہ صفت جابجا بیان کی ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ بجائے خود صادق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ان پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور توریت ہے۔ ۳۰۹ (کہ عنقریب آخری نبی نجات دہندہ کا ظہور ہونیوالا ہے) الذین کفروا سے مراد اس سیاق میں مشرکین عرب ہیں۔ ایک نو مسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ زمانۂ قبل اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے تھے کہ اچھا ٹھیرجاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونیوالا ہے ہم اسکے ساتھ ہوکر تمہیں قتل کرکے رکھ دینگے (سیرۃ ابن ہشام باب خبر انذار یہود برسول اللہ صلعم) یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے مسیح ماننے سے تو انکار کر دیا تھا لیکن بس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے اور اس کا ذکر مشرکین مکہ سے اکثر کرتے رہتے یستفتحون یہاں یفتحون کے مرادف قرار دیا گیا ہے اور فتح کے معنی عربی میں خبر دینے اور بیان کرنے کے ہیں۔ اے یعرفون المشرکین ان نبیا یبعث منھم (روح) اے یفتحون علیھم ویعرفونھم (کشاف) لیکن یستفتحون اپنے عام اور مشہور معنی کے لحاظ سے مفہوم طلب فتح و نصرت کا رکھتا ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اس کے قبل یہود اس پیمبر جی کا واسطہ دلا دلا کر خدا سے مدد چاہا کرتے تھے اور ائمۂ تفسیر کی اکثریت نے یہی مراد لی ہے اے یستنصرون اللہ ببعثۃ محمد علیہ السلام (راغب) یستنصرون بمحمد والقرآن (ابن عباسؓ) ومعنی الاستفتاح الاستنصار (ابن جریر) یسألون الفتح والنصرۃ (کبیر) ۳۱۰ (اور اسی سے انکار کرنے لگے کہ یہ کلام کلامِ الٰہی ہے یا یہ شخص اللہ کا پیمبر ہے) ما عرفوا سے مراد قرآن بھی ہوسکتا ہے اور ذاتِ رسالت بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ کنی عن الکتاب ویحتمل ان یراد بہ النبی صلعم (روح) مقصد یہ ہے کہ یہود اس آخری نبی اور اسکی نبوت کی علامتوں سے اپنے ہی دینی نوشتوں کے ذریعہ سے خوب واقف ہوچکے تھے۔ نبی کا ظہور بالکل اچانک اور اُن کے علم و واقفیت سابق کے بغیر نہیں ہوا۔ انجیل یوحنا میں حضرت یحییٰ نبی کی (انجیلی زبان میں ان کا نام یہی یوحنا ہے) کے ظہور کا حال یوں درج ہے کہ:۔ "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ نہیں پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟" (یوحنا۔ ۱: ۱۹-۲۲) اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہود صدیوں قبل سے ایک جانے بوجھے ہوئے نبی ("وہ نبی") کے انتظار میں تھے۔ ۳۱۱ (یعنی اُن پر جو جان بوجھ کر عناد و تعصب کی راہ سے کفر و انکار کر بیٹھیں۔ لعنت پر ایک حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ۳۱۲ یعنی کیسی بُری وہ حالت ہے جسے اختیار کرکے وہ بزعم خود اپنی جانوں کو عقوبت آخرت سے چھڑانا چاہتے ہیں بئس ما باعوا بہ حظ انفسھم اے اختاروا الکفر وبذلوا انفسھم للنار (معالم) اشتراء لغات اضداد میں سے ہے خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے۔ الاشتراء ھھنا بمعنی البیع (معالم) معناہ باعوا (بیضاوی)

۲۸۸ (اور اس کو اپنے نزدیک جینداری کا بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر فخر کرتے اور احسان جتاتے ہو) ۲۸۹ توریت محرّف میں بھی آجتک اسی قسم کے احکام لکھے چلے آتے ہیں:۔ "تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر" (خروج۔ ۲۰:۱۷) لیکن بالفرض کوئی صراحت اس قسم کی نہ ملے جب بھی کسی کو بلا عذر شرعی وطن سے بے وطن کرنا شقاوت کی انتہائی صورت ہے۔ ۲۹۰ الکتٰب سے اس سیاق میں مراد ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں ہی کی آسمانی کتاب توریت ہے حجت الزامی یہود پر قائم ہو رہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانا تو الگ رہا تم خود توریت ہی کے کب پابند ہو؟ بلکہ جس بیباکی سے تمہارے اکابر اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے لئے حجت اور اپنے لئے واجب العمل توریت کے صرف بعض ہی اجزاء کو سمجھتے ہو، اور بعض اجزاء پر تمہارا ایمان ہی نہیں۔ ۲۹۱ پیشگوئی چند ہی روز میں لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔ حجاز میں یہود کے تین زبردست قبیلے رہتے تھے۔ بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ تینوں دولت، وجاہت، قوت، علم و ہنر میں ممتاز تھے تینوں چند سال کی مختصر مدت میں رسول اللہ صلعم کی حیات مبارک ہی میں تہس نہس ہو کر رہے ۲۹۲ اسرائیلیوں کیلئے جہنم کی وعید خود ایک اسرائیلی نبی اور سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم، حضرت مسیحؑ کی زبان سے بھی منقول ہے انجیل موجود میں ہے:۔ "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھردو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچوگے"؟ (متی ۲۳: ۲۳) ۲۹۳ (اور وہ سب کو سزا مناسب وقت پر دیتا ہے یا آخرت میں ضرور دیگا) آیت میں اشارہ ہے یہود کے خفیہ طریق کار اور سازشی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے متعلق

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

اور اگر وہ تم تک اسیر ہو کر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو ۲۸۸ حالانکہ ان کا

اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ

(وطن سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا ۲۸۹ تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک حصہ سے

بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ

انکار کرتے ہو ۲۹۰ پس تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا کیا ہے بجز دنیوی زندگی

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

میں رسوائی کے؟ ۲۹۱ اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے بھی

الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ

جائیں گے ۲۹۲ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ۲۹۳ یہی لوگ ہیں

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا

جنہوں نے دنیوی زندگی خرید لی ہے آخرت کے معاوضہ میں ۲۹۴ سو ان پر

يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ

سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا ۲۹۵ اور نہ انہیں مدد ہی پہنچے گی ۲۹۶ اور ہم نے

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ

موسیٰؑ کو کتاب عطا کی ۲۹۷ اور ان کے پیچھے ہم نے پے در پے پیمبر بھیجے ۲۹۸

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو ہم نے روشن نشانات عطا کئے ۲۹۹ اور ہم نے

ع ۱۰

۲۹۴ حالانکہ آخرت کا سودا بھی بہت ارزاں تھا۔ ایمان و عمل و طاعت سے اُسے بہ آسانی خرید سکتے تھے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں فکر اُخروی باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کے مقدس مذہبی نوشتوں تک کی تعلیمات کا خلاصہ صرف یہ رہ گیا تھا کہ مذہب کی راہ پر چلو تاکہ دنیوی فلاح حاصل ہو، قوم کو آزادی ملے، اور تم ایک اقبال مند قوم بن جاؤ۔ آخرت کی جزا و سزا جس سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اُس سے حد یہ ہے کہ توریت تک تقریباً خالی ہے۔ ۲۹۵ (آخرت میں) شدید ترین عذاب الٰہی ابھی اُوپر ہی والی آیت میں آچکا ہے۔ اب تاکیداً ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بے پناہ عذاب سے رہائی پانے کا کیا ذکر ہے تخفیف تک کی صورت اس میں ممکن نہ ہوگی۔ فلا کی ف کا ترجمہ سو سے کیا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ یہ عذاب تکذیب انبیاء کے جرم میں اس کے نتیجہ کے طور پر اور ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہوگا۔ ۲۹۶ (کہ ان کے اکابر و اجداد ہی آکر سفارش کر دیں) یہود کو بڑا غرّہ اسی کا تھا کہ ہم انبیاء مقبولین کی اولاد ہیں۔ ہمیں کیا غم ہے۔ ہماری نصرت و شفاعت کیلئے ہمارے یہ اسلاف کافی ہیں۔ قرآن کو اسی لئے اس عقیدہ کی تردید بار بار کرنی پڑی اور مختلف پیرایوں میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ قانون الٰہی کے باغیوں کا حمایتی و سفارشی کوئی بھی نبی یا ولی نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں ان کی امداد و نصرت کسی سمت و جہت سے بھی نہ ہوگی۔ ۲۹۷ (اور ایک مستقل دستور شریعت سے قوم اسرائیل کو بطور انعام خاص مشرف و ممتاز کیا) الکتٰب سے مراد وہی توریت ہے حضرت موسیٰؑ کون تھے کس زمانہ میں تھے، یہ سب ذکر پہلے حاشیوں میں آچکا ہے۔ ۲۹۸ (تمہاری ہی نسل اسرائیل میں) اسرائیلیوں میں حضرت موسیٰؑ کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور بکثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے حضرت یوشعؑ نبی حضرت داؤدؑ نبی حضرت زکریاؑ نبی حضرت یحییٰؑ نبی کے نام سے اُردو خواں طبقہ بھی واقف ہے۔ متعدد انبیاء کے صحیفے کیسے ہی محرّف سہی، "عہد نامۂ عتیق" کے موجودہ مجموعہ میں شامل ہیں۔ ۲۹۹ (انکی پیمبری و صداقت کے) البیّنٰت۔ اس میں دلائل، خوارق، معجزات سب آگئے۔ عیسیٰ۔ آپ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے بعد صرف نبوت محمدی ہوئی۔ ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی آبائی وطن تھا۔ ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی۔ خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ جناب یوسف لکڑی کی صنعت سے خوب واقف تھے اسی لئے یوسف نجار کے نام سے مشہور تھے، شام اُس وقت رُومی مملکت کا ایک نیم خود مختار صوبہ تھا۔ اور اس وقت والیٔ شام ہیرود تھا۔ مسیحی تقویم میں ۳ سال کی غلطی شروع سے چلی آرہی ہے۔ اسلئے آپ کا سال ولادت وہ نہیں جس سے مسیحی تقویم شروع ہوئی ہے، بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے۔ اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیئے کہ آپ کی ولادت ۳ ق م میں ہوئی۔ ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ جمہور اہل سنّت کے عقیدہ کے مطابق (اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کیلئے وفات پاکر) آسمان پر اٹھالئے گئے۔ مریم۔ مریم بنت عمران بن ماشان۔ قوم اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں اور خود بھی بڑی باعصمت اور خوبصورت تھیں۔ سال وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ء ہے۔ عیسیٰ ابن مریم۔ ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ مسیحؑ اپنی پیمبرانہ عظمت کے باوجود محض بشر ہی تھے ایک عورت کے بطن سے پیدا۔ خدا یا مثیل خدا یا فرزند خدا وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَ بِالْوَالِدَیْنِ
بنی اسرائیل سے عہد لیا^۲۷۹ کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے ^۲۸۰ اور حُسنِ سلوک سے
اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ
پیش آنا (اپنے) ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے بھی ^۲۸۱
وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا
اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا ^۲۸۲ اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ
الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ
دیتے رہنا ^۲۸۳ پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے، اور تم ہی ہو
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ
گردن کش ^۲۸۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا
دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ
خون نہ بہانا ^۲۸۵ اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے مت نکالنا
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ
پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم (اس کے) گواہ ہو ^۲۸۶ پھر تم ہی وہ ہو کہ
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے ہی ایک گروہ کو اُن کے وطن سے نکال بھی
دِیَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ
دیتے ہو (اور) اُن کے مقابلہ میں گناہ و ظلم کے ساتھ (انکے مخالفین کی مدد بھی کرتے ہو ^۲۸۷

منزل ۱

۲۷۹ (انکے پیغمبروں کے واسطہ سے) عہد، جب اس کا تعلق خدائے تعالیٰ سے ہوتا ہے، محاورۂ توریت میں حکم کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً "اور اُس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حکم بھی اُس نے تمہیں دیا، یعنی دس احکام" (استثنار ۴: ۱۳) بعض شارحینِ قرآن نے بھی یہاں 'عہد لینے' کو 'حکم دینے' کے معنی میں لیا ہے۔ اے امرنا بذلك (ابن قتیبہ) **۲۸۰** توریت اثباتِ توحید و ممانعتِ شرک سے بھری پڑی ہے۔ صرف دو ایک مقام بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:- "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جُھکا اور نہ ان کی عبادت کر" (خروج ۲۰: ۲-۵) "میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر" (استثنار ۵: ۷ و ۸) "سُن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (استثنار ۶: ۴) "تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کر دے" (استثنار ۶: ۱۴ و ۱۵) تعبدون۔ صورۃً صیغۂ مضارع ہے، لیکن معنیً امر ہے۔ ھو اخبار فی معنی النھی (کشاف) بلکہ امرِ صریح سے بلیغ تر ہے یعنی اس سے یہ نکلتا ہے کہ گویا اس حکم کی تعمیل ہو چکی۔ ھو ابلغ من صریح الامر والنھی لانہ کانہ سودع الی الامتثال (کشاف) ھو ابلغ من صریح النھی لما فیہ من ایھام ان المنھی سارع الی الانتھاء فھو یخبر عنہ (بیضاوی) **۲۸۱** اس سے ملتے جلتے احکام توریت موجودہ میں اب بھی موجود ہیں:- "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے" (خروج ۲۰: ۱۲) "اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔ جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے" (استثنار ۵: ۱۶) "اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجیو۔ بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اسکی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو" (استثنار ۱۵: ۸ و ۹) "اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں۔ آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں" (استثنار ۱۴: ۲۹) "مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے۔ اس لئے یہ کہ میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے لئے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو" (استثنار ۱۵: ۱۱) **۲۸۲** یعنی عام طور پر لوگوں سے حسنِ گفتار کو قائم رکھو۔ اے قولوا للناس مقالۃ حسنۃ (بحر) قولوا لھم القول الطیب (بحر عن ابی العالیۃ) بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ فریضۂ انسانیت ہے۔ اس لئے یہ حکم عام ہے۔ یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہئے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس حکم کی تعمیم آیاتِ قتال سے منسوخ ہو گئی لیکن حضرت ابو جعفر باقرؒ سے مروی ہے کہ یہ حکم اب بھی عام ہے، تحدید و تخصیص پر کوئی دلیل نہیں، اور یہی مذہب قوی ہے۔ زعم ابو جعفر محمد بن علی الباقر ان ھذا العموم باقٍ علی ظاھرہ وانہ لا حاجۃ الی التخصیص وھذا ھو الاقوی (کبیر) توریت موجودہ میں اب حسن سلوک کے جتنے بھی احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے بنی اسرائیل کے ساتھ۔ اس لئے یا تو اس حکم کو اہلِ توریت نے بدل ڈالا۔ اور یا حکم ہے ہی خاص شریعتِ محمدیؐ کا حکم، جیسا کہ متعدد اہلِ تفسیر کا گمان ہے **۲۸۳** صلوٰۃ، اقامتِ صلوٰۃ، زکوٰۃ۔ اب یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اسرائیلیوں کو یہ سب احکام انھیں مخصوص ہیئتوں اور انھیں متعین قیود کے ساتھ ملے تھے۔ انھیں جو احکام ملے تھے، وہ تھے انھیں عبادتوں سے متعلق، لیکن اُن کی مخصوص بولی میں اور ان کے حالات و ماحول کے مطابق۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دعا اور عبادت کی تاکید اب بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہے۔ **۲۸۴** چند شہادتیں اسی مضمون کی خود توریت سے ملاحظہ ہوں:- "وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے" (خروج ۳۲: ۸) "میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے" (خروج ۳۲: ۹) "اس لئے کہ تم گردن کش لوگ ہو" (خروج ۳۳: ۳) "بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو" (خروج ۳۳: ۵) یہ چند حوالے صرف نمونہ کے طور پر دیئے گئے۔ ورنہ توریت کا تو یہ ایک خاص موضوع ہے۔ **۲۸۵** "عہد لیا" یہاں بھی "حکم دیا" کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۷۹ خونریزی کی ممانعت توریتِ مروجہ میں بھی متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً:- "تو خُون مت کر" (خروج ۲۰: ۱۳) "بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے، بہایا نہ جائے کہ خون تجھ پر ہو" (استثنار ۱۹: ۱۰) **۲۸۶** یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا، جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا چلا آتا ہے، اور تمہیں اس سے مجال انکار نہیں۔ توریت میں ہے:- "وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے" (خروج ۲۴: ۷) **۲۸۷** یہود کے جو قبیلے عہدِ نبوی میں، مدینہ اور جوارِ مدینہ میں آباد تھے، ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہم خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشرکینِ مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں، آج کل کی "مہذب" فرنگی قوموں کی طرح بٹے ہُوئے تھے۔ ایک اتحاد اوس کا تھا دوسرا خزرج کا۔ اسرائیلیوں کے بھی بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ یہی کیا کرتے کہ ان میں سے ایک مشرکوں کے ایک جتھے کے ساتھ ہو جاتا، اور دوسرا مشرکوں کی دوسری پارٹی کے ساتھ۔ اور پھر جنگ جب شروع ہو جاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب ہی کچھ ہوتا جو جنگ میں ہُوا کرتا ہے۔ جلاوطنی، اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے، وغیرہا —— یہاں عہدِ نبوی کے عام اسرائیلوں کی یہی خصوصیات بے نقاب کئے جا رہے ہیں۔ بالاثم والعدوان۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر قرآن نے بتلا دیا کہ پھر یہ نہیں کہ اس خانہ جنگی اور مشرک نوازی کی بنیاد کسی جذبۂ صادق و صحیح اور حسنِ نیت و اخلاص پر ہو۔ بلکہ تمام تر ان اخلاقی گندگیوں میں جن میں دنیوی اہلِ سیاست عموماً مبتلا رہتے ہیں، اور مشرکین خاص طور پر مبتلا تھے، وہی ان محاربات کا باعث تھیں۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آج بھی یہ درج ہے کہ جنگِ بعاث مشرکین کی باہمی جنگ تھی۔ یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہو گئے اور نمایاں حصہ لیا۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا، اور بنی قینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے۔ جنگ نے طول کھینچا اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی (جلد ۲ ص ۴۳) اسی انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح بھی موجود ہے، کہ یہودی قبیلے مشرکینِ مدینہ کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے۔ اور جنگ میں دونوں فریقوں کے شریک ہو جاتے تھے۔"

مدت دین تھی۔ تمام تر تحصیل زر و مال ہی تھی۔ ثمنًا ثمن کے معنی صرف نقدی یا قیمت کے نہیں، بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کی ثمن ہے۔ کل ما یحصل عوضًا عن شیء فھو ثمنہ (راغب) مفسرین نے بھی اسے یہاں اسی
بیع معلوم یعنی مطلق دنیوی معاوضہ کے معنی میں لیا ہے۔ الثمن ھنا ھو عرض الدنیا (بحر) قلیلًا۔ کلامِ ربانی کی تصحیف و تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادی نفع کسی قسم کا بھی حاصل ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ حقیر و بے وقعت ہی ہوگا۔ بعض خشک
ظاہر نے آیت کے ظاہر الفاظ پر جاکر یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید و فروخت دونوں ناجائز ہیں۔ لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ دونوں بالکل جائز ہیں۔ بیع و شرا یہاں جو کچھ بھی ہوتی ہے، وہ کاغذ، کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے۔ ذکر "آیات اللّٰہ" کی آیت گر کوئی وعید
آتی ہے تو وہ جھوٹے مسئلے بنانے والوں اور موضوع حدیثیں بیان کرنے والوں کے حق میں ہے ۲۷۲ قرآنی اور اسلامی معیارِ صداقت و دیانت سے ہر تحریف اور ہر تصحیف موجب لعنت ہے اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت۔ اور اسی لئے یہ بات مسلمانوں کی سمجھ میں آتی نہیں کہ کوئی
شخص کسی کلام کو کلامِ الٰہی مان کر اس میں دخل و تصرف کی نیت کر کیسے سکتا ہے۔ لیکن دوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ بعض اہلِ کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لئے ہر برائی درست، اور "خدا کی سچائی" اور "خداوند کے جلال" کے اظہار کے لئے ہر جھوٹ جائز۔ آج دنیا میں مسیحیت کے نام
سے جو تثلیثی شرک پھیلا ہوا ہے، اس مذہب کے بانی پولوس صاحب Paul اسرائیلی ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ مقولہ آج تک انجیل مروج میں لکھا چلا آرہا ہے۔ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟
اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟" (رومیون ۳: ۷، ۸) ۲۷۳ (اپنی تحریفی جسارتوں سے) مما یکسبون سے مراد کیا ہے؟ یعنی وہ کیا چیز ہے جو وہ اپنی ان حرکتوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں؟ اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ایک یہ کہ

لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا
تاکہ اس سے قدرے قلیل معاوضہ حاصل کریں سو خرابی ہے ان کے لئے اس کی
كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾
بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں ۲۷۲ اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں ۲۷۳
وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۭ قُلْ
اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے چنے دنوں کے ۲۷۴ آپ کہئے
اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ
کیا تم اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو، جو اللہ اب اپنے وعدہ کے خلاف
عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾
نہ کرے گا، یا (یوں ہی) اللہ پر وہ جوڑ رہے ہو جس کا علم تم نہیں رکھتے ۲۷۵
بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ
(نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کریگا اور اس کا گناہ اس کو گھیر لے گا
فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۸۱﴾
سو یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں ۲۷۶ اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ۲۷۷
وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہلِ جنت
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ ع ۹ ۱۱ ۹
ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ۲۷۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے

ان کے گناہوں کا ذخیرہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے معاصی ہی کا انبار بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یقال من المعاصی (معالم) والمراد بذٰلك سائر معاصیھم (کبیر) دوسرے یہ کہ جو مالی نفع وہ اپنی غرض مندانہ تحریف اور بہ قول خود اور دروغ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں، وہ یہاں مراد ہے۔ یصیبون من الحرام والرشوة (ابن عباسؓ) ای مما اکلوا بہ من السحت (ابن کثیر) المال الماخوذ علی ھذا الوجہ (کبیر) یرید بہ الرشی (بیضاوی) ۲۷۴ اور یہ چند دن وہی ہیں، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے حاشیہ میں اکابر یہود کے حوالے سے لکھا ہے، جن میں قوم اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہی تھی یعنی کوئی ۴۰ دن۔ اور یہی بات ہمارے بعض ائمۂ تفسیر نے بھی نقل کی ہے:۔ قدر اربعین یومًا التی عبد فیھا آباؤنا العجل (ابن عباس) اور ایک دوسرے مسیحی مترجم قرآن، سیل، نے یہ مدت گیارہ مہینہ یا ایک سال نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک میعاد سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے۔ بہرحال وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔ بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیل اپنے کو آتشِ دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے، چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے۔ "آتشِ دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ درِ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے۔" (جلد ۵ ص۵۸۳) اور یہود کے بڑے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر کوہن Kohen کا مرتب کیا ہوا Everyman's Library Series میں شائع ہوا ہے، اس میں یوں آیا ہے:۔ "قیامت کے دن ابراہیم درِ دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں نہ گرنے دیں گے۔" (ص۴۰۴) "جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی۔" (ص۴۰۵) حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔ یہود کی زبان سے اس سلسلہ میں "ہم" صیغۂ جمع متکلم جہاں جہاں بھی آیا ہے، اجتماعی معنی رکھتا ہے۔ یعنی مراد قوم اسرائیل ہے ۲۷۵ یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو اپنی قوم کی محبوبیتِ خاصہ کا، عذابِ آخرت سے محفوظیت کا، عدمِ مسئولیت کا عقیدہ تم نے اپنے دل میں جما رکھا ہے، تو آخر یہ یوں ہی اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، یا اس کی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو! آخر یہ اعتبار کہاں سے قائم کرلیا ہے؟ تقولون علی اللّٰہ قال کا صلہ جب علٰی کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں کسی پر کوئی بات جوڑ لی، کسی پر بہتان باندھ دیا۔ قال علیہ ای افترٰی (تاج) ۲۷۶ نجات و عدمِ نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ احاطت بہ خطیئتہ۔ قصد بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لئے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کیلئے ممکن ہے جو سرے سے اہلِ باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہوگا۔ تمام اکابر اہلِ سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ ای اشرك باللّٰہ ومات علیہ (ابن عباسؓ) السیئۃ الکفر والشرك قال ابن عباسؓ ومجاھد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ھذہ الآیۃ (معالم عن الواحدی) فاما اذا مات مؤمنًا فاعظم الطاعات ھو الایمان معہ فلا یکون الذنب محیطًا بہ فلا یتناولہ النص (مدارک)۔ بعض اہلِ باطل (معتزلہ و خوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدمِ مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحًا باطل ہے ۲۷۷ خلود کے معنی اگرچہ مدت طویل کے بھی ہیں، لیکن اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام یا ہمیشگی ہے، اور اس کی تاکید و تائید میں قرآن مجید میں خالدین فیھا کے ساتھ ساتھ جابجا ابدًا بھی آیا ہے۔
والمراد بالخلود الدوام (روح) ومن الناس من حمل الخلود علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل لیس بشیٔ لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام (روح)
۲۷۸ دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز و اختصار کے ساتھ آگیا کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے بدعقیدگی و بدکرداری کی راہ پر چلے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے ایمان و عملِ صالح کی روش پر انتخاب کرے گا، اس کی منزل جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ فَاُولٰٓئِكَ۔ اوپر کی آیت کے الفاظ تھے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ اور اس آیت میں ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ گویا ایک ہی قسم کا حکم لگانے میں ایک جگہ اولٰئك ف کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ بغیر ف کے۔ یہ فرق گو خفیف سا ہے اور لفظی بھی نہیں محض حرفی ہے، لیکن اتنا فرق بھی آخر کیوں؟ اہلِ تحقیق نے جواب میں کہا ہے کہ پہلا موقع وعید کا تھا اہلِ جہنم کے لئے اور وعید میں امکان خلف وعید کا ہے، اس لئے اس پر زور دیا گیا ہے۔ اور دوسرے موقع پر صرف وعدہ تھا اہلِ جنت سے جس کے خلف کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لئے محض اُولٰٓئِكَ بغیر ف کے بالکل کافی تھا۔ اور دوسرا جواب اس کے برعکس یہ بھی دیا گیا ہے کہ اہلِ نحو کہتے ہیں کہ اس فقرہ من دخل داری فاکرمہ میں اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کا اکرام نہ بھی کیا جائے۔ لیکن دوسرے فقرہ من دخل داری اکرمہ میں اکرام کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ عدم اکرام کا احتمال نہیں باقی رہتا۔ اسی نمونہ پر قرآنی فقرے میں نیک کاروں کو جنت ملنا بالکل یقینی ہے۔ (روح) ذرا امنوا وعملوا الصلحت کی جو ترتیب یہاں ہے، یہ قرآن نے ہر جگہ اور بڑی کثرت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گو عملِ صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے، لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے۔ اور بغیر ایمان کے محض عمل ... ایمان کی حقیقت نیتِ عمل اور فکر کی تصحیح ہے۔ اور قرآن مجید نے بالکل فطری ترتیب کے مطابق تصحیحِ فکر کو تصحیحِ عمل پر مقدم رکھا ہے۔ محض عمل، اگر نیت سے قطعِ نظر کرلی جائے، تو صرف صورتِ عمل رہ جاتا ہے، حقیقتِ عمل نہیں۔

لَكُمْ - یعنی تمہاری خاطر سے، تمہارے کہنے سے، تمہاری دعوت پر۔ ای لاجل دعوتکم ولیستجیبوا لکم (کشاف) لام السبب ای یؤمنوا لاجل دعوتکم لھم (بحر) ۲۶۲ (کیسی سخت جسارت کر رہے ہیں) وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ - کان کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، اور لغت ونحو دونوں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان۔ گویا ذکر ماضی کا اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا فریق رہا ہے اُن کے درمیان۔ یعنی ذکر حال کا اور یہود کا ہو رہا ہے۔ ائمۂ تفسیر سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے۔ کہ بحث معاصرین ہی پر قائم کی جارہی ہے، اور کم از کم انہیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ المراد بالفريق من كان فی زمان محمد عليه الصلوٰة وھذا القرب (کبیر) كَلَامَ اللّٰهِ - یعنی یہود کے آسمانی صحیفے۔ اپنے ہاں کے صحیفوں کی تحریف یہود کو خود مسلّم رہی ہے۔ یرمیاہ نبی اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ " تم نے زندہ خدا، رب الافواج، ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے"۔ (یرمیاہ ۲۳:۳۶)
قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں، اور ان کے علماء و اکابر اب صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین و مطالب کا القاء ہمارے انبیاء و اصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرات انہیں الہامات معنوی کی روشنی میں اپنے لفظ و عبارت میں نوشتے تیار کر دیتے تھے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ - یعنی نادانستگی میں نہیں۔ دیدہ و دانستہ، سب کچھ جان لینے، سمجھ لینے کے بعد ۲۶۳ اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود کی ایک تعداد تو مدینہ میں علانیہ دشمن اسلام تھی ہی۔ لیکن کچھ ان کے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ یعنی للمنافقين من اليهود (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ۲۶۴ یعنی یہ دیکھ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور وہ اُسے (خوب) جانتے بھی ہیں ۲۶۳ اور جب وہ اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں ۲۶۴ اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں ۲۶۵
قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
تو کہتے ہیں کہ اے کیا تم انہیں وہ بتا دیتے ہو جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے ۲۶۵
لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾
جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کر دیں گے ۲۶۶ سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ۲۶۷
اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
کیا یہ (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے جسے یہ چھپاتے ہیں،
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا
اور اُس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں؟ ۲۶۸ اور ان میں اَن پڑھ (بھی) ہیں جو
يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
کتاب (الٰہی) کا کوئی علم نہیں رکھتے بجز جھوٹی آرزوؤں کے، اور یہ محض تخیلات
يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
میں پڑے رہتے ہیں ۲۶۹ سو (بڑی) خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کتاب (الٰہی) کو اپنے
بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
ہاتھوں سے لکھتے ہیں، پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے

النصف

لیتے ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔ ۲۶۵ یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارتیں اور علامتیں۔ یہود جب آپس میں ملتے، تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دے دیتے ہو۔ انہیں معلومات سے وہ ہمیں قائل کرتے ہیں، یہی دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں ——— گویا یہ احمق یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ رسولِ اسلام اور پیروانِ اسلام کو جو کچھ بھی علم ہوگا محض انہیں کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس اس کے سوا اُن پر علم و معلومات کے کل دروازے بند ہیں! یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں، تو اس مفروضہ کو بنیادِ کار بنا لیتے ہیں، کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروجہ، مسیحیوں کی انجیل مروجہ، اور اسی طرح کے دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔ اور اس کا تو کوئی امکان دُور کا بھی نہیں کہ اس میں کوئی غیبی امداد وحی و الہام کے قسم کی شامل ہو! لفظ اللہ اب تو ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ لیکن پہلے بھی اس کا استعمال صرف اہل عرب کی زبان پر تھا، یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہوا ہے جو مسلم تھے نہ عرب۔ اس لئے بجائے اسی کو بجنسہٖ رکھنے کے اس کا ترجمہ "خدا" درج کیا گیا ۲۶۶ عِنْدَ رَبِّكُمْ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اور آخرت میں تمہیں قائل کریں گے چنانچہ ایک گروہ نے یہی معنی لئے ہیں۔ المراد يحاجوكم يوم القيٰمة (کبیر۔ عن الاصم) ای عند ربكم يوم القيٰمة (جلالین) لیکن زیادہ لگتے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسی دنیا میں تم پر حجت قوی قائم کر دیں گے۔ اور عند ربكم یہاں عند اللّٰه کی طرح حجت قوی و معروف کے معنی میں ہے اس لئے کہ اول تو یہود عالم آخرت کے پوری طرح قائل نہ تھے۔ دوسرے وہاں حجت قائم کرنے کے لئے کسی ایسے ظاہری سہارے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہاں تو کشفِ حقائق از خود ہو کر رہے گا، اس لئے یہاں گویا احتجاج بہ کتاب اللہ کو عند اللّٰه سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ امر قدیم ائمۂ تفسیر کی عظمت پر بس کرتا ہے، کہ انہوں نے یہود کے عقائد متعلق بہ آخرت کا پورا علم رکھے بغیر بھی یہی پہلو اختیار کر لیا ہے۔ هو فی كتاب اللّٰه هكذا وهو عند اللّٰه هكذا بمعنى واحد (کشاف) ای فی حكم اللّٰه (کبیر۔ عن القفال) قيل هذا على اضمار المضاف ای عند كتاب ربكم (مدارک) ليحتجوا عليكم بما انزل ربكم فی كتابه (بیضاوی) ای فی كتابه وحكمه (روح) ۲۶۷ (جو مسلمانوں کو اپنے رازوں سے اپنی زبان سے واقف کئے دیتے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنے خلاف ہتھیار دیئے دیتے ہو) اب جا کر اکابرِ یہود کی تقریر اپنے ہم قوموں سے ختم ہوئی ۲۶۸ (اور وہی اللہ جب چاہے رسولؐ اور مومنین کو اطلاع دے سکتا ہے) موٹی سی بات ہے کہ اللہ کے لئے ایسے امور کی اطلاع اپنے پیمبر کو دے دینا مشکل ہی کیا تھا۔ لیکن بے مغز یہود اس امکان ہی کی طرف اپنا ذہن نہیں لے جاتے تھے کہ شاید اس مدعیٔ نبوت کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ واقعی کچھ ہو! ٹھیک اسی طرح جیسے آج بے مغز فرنگی اس امکان ہی کی طرف ذہن نہیں لے جاتے کہ کہیں قرآن انسانی تصنیف کے بجائے واقعی خدا ہی کی کتاب ہو ۲۶۹ (کہ "ہمارے بزرگ ہمیں بخشوا لیں گے"؛ "ہم خدا کے خاص محبوبوں کی اولاد ہیں، ہمیں کیا غم" وغیرہ) اشارہ اسی قسم کے خرافات عقائد کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ذکر عوام یہود کا ہے۔ یہ عوام کالانعام، پڑھے نہ لکھے، باپ دادا کی لکیر کے فقیر، اپنی دل کی گڑھی ہوئی آرزوؤں اور دل خوش کن روایتوں میں پڑے مست رہتے تھے۔ انجیل میں کہیں تو مسیحؑ کی زبان سے اور اس سے بڑھ کر پولس کی زبان سے یہود کی انہیں باطل پرستیوں اور حماقت نوازیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ امانی۔ اُمنيّة کی جمع ہے۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت و حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ اُمنيّة ما تخيله الانسان (کبیر) التمنی فی هذا الموقع هو تخلق الكذب وتخرصه (ابن جریر) دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی روایتوں، بے ثبوت و بے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ اكاذيب مختلفة سمعوها من علمائهم فنقلوها على التقليد (بحر۔ عن ابن عباسؓ ومجاهد والفراء) ۲۷۰ پچھلی آیت میں ذکر عوام یہود کا تھا اب ذکر خواص، اکابر یہود کا ہے۔ توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں اور اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے۔ کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔ اب زیادہ سے زیادہ جو کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خاصانِ خدا نے الہام خداوندی سے مشرف ہو کر اسے اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں ترتیب و تالیف دے دیا۔ اور خدائے تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے، حقیقی اور براہ راست کے مفہوم میں نہیں۔ پھر وقتاً فوقتاً جو تصحیفات ہوتی رہی ہیں، وہ بالغرض کسی مصلحت یا ضرورت ہی سے ہوئی ہوں، بہرحال نفس ان کے وقوع کا اعتراف کھلے خزانے سب کو ہے۔ اور بائبل کی تنقید Higher Criticism ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزارہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں، اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقادِ متن Textual Criticism انتقادِ تاریخی Historical Criticism وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں ——— کاش سید احمد خان مرحوم (رحمہ اللہ) ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) آج زندہ ہوتے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے، کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی، اس جرم کا اقبال اب کھلے لفظوں میں وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں! یورپ اب جا کر جو کہہ رہا ہے، اور یہ فن ابھی پچھلی صدی، انیسویں صدی سے پیدا ہوا ہے۔ عرب کے "اُمّی" کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے تیرہ صدی پیشتر ہی اہل کتاب کی "کتاب" (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) کو تمام تر محرّف و ناقابل اعتماد قرار دے دیا تھا! اللہ کا لفظ یہاں بھی یہود کی زبان سے ادا ہوا ہے، اس لئے ترجمہ یہاں بھی "خدا" سے کیا گیا ۲۷۱ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہود کی انتہائی شقاوتِ قلب کی جانب کہ کلام ربانی تک میں تحریف سے نہ چوکے۔ دوسرے اس امر کی طرف کہ اس تحریف سے بھی مقصود کوئی

۲۵۰ تفصیلات کا علم تو عالم الغیب کو ہے۔ البتہ اتنا پتہ تو یہود کے قانونِ شریعت (توریت) کے مطالعہ سے بہرحال چلتا ہے کہ قتل کے موقع پر جب قاتل کی تحقیق ہو رہی ہو، چند خاص شرائط کی پابندی کے ساتھ ایک جوان گائے کو جس سے کوئی خدمت نہ لی گئی ہو، ذبح کیا جاتا تھا۔ اور اسکے لاشہ پر بزرگانِ قوم ایک خاص طریق پر دعا کر کے خون کے گناہ سے اپنی بخشائش چاہتے تھے۔ کتاب استثناء کے باب ۲۱ میں آیات ۱-۹ میں یہ تفصیلات درج ہیں۔ یہاں صرف چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:۔ ''اگر اس سرزمین میں جس کا خداوند تیرا خدا تجھے ارشاد کرتا ہے، کسی مقتول کی لاش کھیت میں پڑی ہوئی ملے اور معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے، تب تیرے بزرگ اور تیرے قاضی باہر نکلیں اور ان بستیوں تک جو مقتول کے گرداگرد ہیں، درمیان کو ناپیں۔ اور یوں ہوگا کہ جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جوئے تلے نہ آئی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر اس شہر کے سارے بزرگ جو مقتول سے نزدیک ہیں اس بچھیا کے اوپر جو اس وادی میں گردن ماری گئی ہے اپنے ہاتھ دھوئیں اور جواب دے کے کہیں کہ ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں کیا۔ نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا'' تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اور قاتل کا نام اور پتہ بتا کر پھر مر گیا۔ واللہ اعلم ۲۵۱ (قیامت کے دن) جعل تبارك وتعالیٰ ذلك الصنیع حجة لهم على المعاد (ابن کثیر)

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ

تو ہم نے کہا کہ اس میت پر اُس (گائے) کا کوئی ٹکڑا مارو ۲۵۰ یوں ہی اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا ۲۵۱

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ

اور وہ تم کو اپنی نشانیاں ۲۵۲ دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۲۵۳ اس پر بھی تمہارے دل

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ

اس کے بعد بھی سخت ہی رہے ۲۵۴ چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں، بلکہ سختی میں اُن سے بھی بڑھ کر ۲۵۵

اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ

اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں ۲۵۶ اور کوئی

مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا

ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے ۲۵۷ اور کوئی ان میں سے ایسا

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آگرتا ہے ۲۵۸ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس سے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ

بے خبر نہیں ۲۵۹ تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو ۲۶۰ کہ وہ لوگ تمہارے (کہنے سے)

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ

ایمان لے آئیں گے ۲۶۱ درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سُنتے ہیں،

اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ

پھر اُسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں، بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں،

منزل

قرآن مجید نے اپنی عام خصوصیت یعنی خاص سے عام کی تعلیم کی یہاں بھی نہ چھوڑی۔ اور ایک جزئی واقعہ سی اپنی قدرت اور امکانِ بعث ہی کا پہلو نمایاں کیا ۲۵۲ (اور نمونے اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق کے) ۲۵۳ (اور کم از کم، اس نظیر کے مشاہدہ کے بعد امکانِ بعث اور وقوعِ قیامت کے انکار سے تو باز آجاؤ) ۲۵۴ یعنی قبول کی طرف ذرا نہ مائل ہوئے۔ ثُمَّ۔ یہاں استبعاد کیلئے ہے، یعنی جو نتیجہ نہ نکلنا چاہیئے تھا وہ نکلا۔ ثم لاستبعاد القسوة بعد مشاهدة ما يزيلها (ابو سعود) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ اس تصریح نے اس استبعاد کو اور زیادہ قوی و شدید کر دیا۔ مؤكد للاستبعاد اشد تاكيد (جمل) ۲۵۵ (عدم قبولِ حق کے باب میں) اسرائیلی صحیفوں میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً ''وہ تربیت پزیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہرہ کو چٹان سے سخت تر بنایا۔ انہوں نے پھرنے سے انکار کیا ہے'' (یرمیاہ۔ ۵: ۳) ''سارے اہلِ اسرائیل بے حیائی کی پیشانی رکھتے اور سنگدل ہیں''۔ (حزقیل ۳: ۷) او۔ یہاں ''یا'' کے معنی میں نہیں، بلکہ ''بلکہ'' کے معنی میں ہے۔ کلمة او بمعنی بل (کبیر) او بمعنی بل (جمل) یہ بھی کہا گیا ہے کہ او یہاں بطور کلمہ اباحت آیا ہے یعنی خواہ انہیں پتھر سمجھو یا پتھر سے بھی بڑھ کر سخت، دونوں باتیں صحیح ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ او کو کلمہ تنویع قرار دیا جائے اور آیت کے معنی یہ کئے جائیں کہ انکے قلوب دو قسم کے ہیں کچھ تو پتھر جیسے سخت، اور کچھ اس سے بھی زیادہ سخت۔ فالمعنی هم فرقتان فيهم من قلبه كالحجر، فيهم من قلبه اشد من الحجر (قرطبی) كان قلوبهم على قسمين قلوب كالحجارة قسوة وقلوب اشد قسوة من الحجارة (بحر) او للتنويع اى بعض كالحجارة وبعض اشد (روح) ۲۵۶ (اور ان سے ایک عالم سیراب ہوتا ہے) اس قسم کے پتھروں کی مثال انسانی آبادی میں حضرات انبیاء و رسل ہیں۔ انکے چشمہ فیض سے ایک عالم اپنی رُوحانی پیاس بجھاتا اور سیراب ہوتا رہتا ہے ۲۵۷ (اور ان سے بھی کسی درجہ میں اللہ کی مخلوق سیراب ہوتی رہتی ہے) اس نوعیت کے پتھروں کی مثالیں اولیاء امت اور ابرار و متقین ہیں کہ ان سے بھی انسانوں کا ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے ۲۵۸ (اور اس طرح خود اپنے تاثر کا ثبوت بہم پہنچاتا رہتا ہے) اس طرح کے پتھروں کی مثال عام مومنین صالحین ہیں کہ دوسروں کی اصلاح و ہدایت اگر نہ کر سکیں جب بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبولِ حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ اُوپر سے ذکر پتھروں ہی کا چلا آ رہا ہے پتھروں کا جمود تو مسلم اور اُن کی قساوت تو مشاہد ہے پھر ان میں خشیت اللہ کا گزر کیسے اور ہیبتِ الٰہی کا اثر کیونکر؟ اہلِ سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیت الٰہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی اور لفظی معنوں میں ہے یعنی بعض پتھروں میں گداز کا جزو ہوتا ہے۔ گو انکے مرتبہ جمادی کے مطابق۔ اور ان میں فہم و ادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو انکی سطح حجری کے متناسب۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلی الٰہی کے وقت جلالتِ ربانی سے چُور چُور ہو گیا۔ ذلك بان الله جل ذكره اعطى بعض الحجارة المعرفة والفهم (ابن جریر) قيل المراد به حقيقة الخشية (مدارک) مذهب قوم وهو المروي عن مجاهد وغيره انها خشية حقيقة (روح) مذهب اهل السنة والجماعة ان لله تعالىٰ علما فى الجمادات وسائر الحيوانات سوى العقلاء لا يقف عليه غير الله فلها صلوٰة وتسبيح وخشية (معالم) لیکن ایک دوسرا گروہ کہ وہ بھی اہلِ سنت ہی کا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ خشیت سے یہاں مراد محض خشیتِ مجازی یا انقیادِ تکوینی ہے عقل، فہم، شعور و ارادہ سے اس کا تعلق نہیں لیکن بہرحال طبعی و اضطراری طور پر تو موجودات کا ایک ایک ذرہ قوانینِ الٰہی کے تابع ہی ہے۔ اسی کو یہاں مجازاً خشیتِ الٰہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ جیسے خود محاورہ قرآنی ہی میں ایک دوسری جگہ ارادہ کو بے جان و بے روح دیوار کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جدارا يريد ان ينقض (کہف) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ دیوار میں کوئی قوتِ ارادہ کی ہوتی ہے نہ خواہش کی۔ انما اريد بذلك انه من عظم امر الله يرى كانه هابط خاشع من ذل خشية الله (ابن جریر) قيل هو مجاز عن انقيادها لامر الله (مدارک) والخشية مجاز عن الانقياد (بیضاوی) قال قوم ان الخشية مجاز عن انقياد لامر الله (روح) دونوں گروہ اہلِ حق ہی کے ہیں اور دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں ۲۵۹ خدائے تعالیٰ نہ بے علم و بے خبر ہے، نہ بے طاقت و بے اختیار ہے۔ اور اسکے علم و طاقت دونوں کا حال عنقریب منکشف اور مشاہد ہو کر رہے گا ۲۶۰ (اے مسلمانو اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی رُوداد سننے کے بعد بھی) خطاب اس آیت میں اسرائیلیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ حسن بصریؒ تابعی کا قول ہے کہ اسکے مخاطب رسولؐ اور مومنین ہیں (کبیر) قال القاضي هذا التي بالظاهر (کبیر) يريد محمدا واصحابه (معالم) افتطمعون میں جو ہمزۂ استفہامی ہے، اس سے مقصود استبعاد ہے یعنی بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے؟ الهمزة لانكار الواقع استبعاده (ابو سعود) الاستفهام لاستبعاد او للانكار التوبيخي (روح) تطمعون۔ طمع کے عام معنی لالچ کرنے، حرص رکھنے کے ہیں لیکن دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ طمع فيه وبه اى حرص عليه ورجاه (لسان) افترجو يا محمد (ابن عباسؓ) مترجم دہلویؒ نے ترجمہ فارسی میں ''امید'' سے اور مفسر تھانوی نے اردو میں ''توقع'' سے کیا ہے ۲۶۱ ''وہ لوگ'' یعنی عہدِ رسولؐ کے معاصر یہود، جن کی قساوتِ قلب کی اتنی مفصل و مسلسل سرگزشت ابھی بیان ہو چکی۔ هم اليهود الذين كانوا فى زمن رسول عليه السلام (کبیر)

دین میں برابر رائج رہی ہے۔ ولیس المزاح من الاستہزاء بسبیل الاترٰی ان النبی صلعم کان یمزح والائمۃ بعدہ (قرطبی) والفرق بین الھزء والمزاح ظاھر ولاینافی وقوعہ من الانبیاء (رح)
اور مفسر قرطبی نے اس سلسلہ میں ابنِ خویز منداد کے حوالہ سے شر کوذ کے قاضی (ج) کی ایک دلچسپ حکایت بھی نقل کی ہے ۲۳۶ (بہ لحاظِ عمر) ماھی سے مراد بیان حقیقت نہیں بمقصود توضیح مزید ہے ۲۳۷ یعنی نہ ایسی بوڑھی ہو نہ بالکل بچہ۔ فارض وہ ہے جس کے بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو۔ بکر وہ ہے جس نے ابھی بچہ جنا ہی نہ ہو۔ الفارض المسنۃ التی لاتلد والبکر الفتیۃ التی لم تلد قط (معالم) یہیں سے خیال ہوتا ہے کہ بقرۃ سے مراد بیل نہیں گائے ہی ہے۔ عوان کے معنی درمیانی سن رکھنے والی۔ العوان المتوسط بین المسنین (راغب) ۲۳۸

ذٰلِكَ ۚ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا
ہو ۲۳۸ سو (اب) کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اُس کا رنگ کیسا ہے کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ
صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ
کی ہو ۲۳۹ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہو ۲۴۰ وہ بولے اپنے
لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۚ
پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ (اور) کیسی ہو، اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے ۲۴۱
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پا جائیں گے ۲۴۲ کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت
بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ
کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو ۲۴۳
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
اس میں کوئی داغ (دھبہ) نہ ہو ۲۴۴ وہ بولے اب آپ ٹھیک پتہ لائے ۲۴۵
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا
ع ۸ ۱۰
پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، اور وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک
فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾
شخص کو قتل کر ڈالا تھا ۲۴۷ پھر تم آپس میں اس باب میں جھگڑنے لگے ۲۴۸ اور اللہ کو وہ ظاہر کر دینا تھا جسے تم چھپا رہے تھے ۲۴۹

اہلِ مصر بیل کی تقدیس کے باوجود اسے قربانی میں بھی چڑھایا کرتے تھے۔ مگر قربانی کے بیل میں بڑی بال کی کھال نکالا کرتے تھے۔ اس کا رنگ یکسر سفید ہو، اسکے جسم بھر پر بال ایک بھی سیاہ نہ ہو، دُم بالکل صحیح اور طبعی حالت میں ہو، کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ غرض طرح طرح کی قیدیں اور شرطیں تھیں۔ یہ سب پوری ہو لیتیں جب کہیں جاکر قربانی کی نوبت آتی۔ اسرائیلیوں نے جو اتنی موشگافیاں کیں، عجب نہیں کہ مصریوں ہی کی صحبت کا اثر ہو ۲۳۹ یعنی رنگ خوب شوخ کھلتا ہوا ہو۔ فلسطین وسینا کی بعض گائیں یقیناً اس رنگ کی ہوتی ہونگی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہلِ کشف خود نفس کو بھی زرد ہی رنگ کا بتاتے ہیں۔ اور صوفیہ نے جو نفس کو اس گائے سے تشبیہ دی ہو تو اس سے وہ مشابہت اور بڑھ جاتی ہے ۲۴۰ یعنی وہ گائے خوش نما، خوش منظر، خوش رنگ ہو۔ بد رنگ، بدنما، بدمنظر نہ ہو ۲۴۱ یعنی ذرا اور متعین ومحدود کیجئے، اور اسکی اور خصوصیات بیان کیجئے۔ اس حلیہ اور اس رنگ کی گائیں تو بہت سی ہیں ۲۴۲ (گائے تک اور اسے ضرور ذبح کر کے رہیں گے) ای الی عین البقرۃ المامور بذبحھا (بحر) ۲۴۳ ہندوستان میں عام رواج صرف بیل سے کاشتکاری کا کام لینے کا ہے، گائے سے نہیں، لیکن دوسرے ملکوں میں یہ کام گائے سے بھی لیا جاتا ہے ۲۴۴ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۳۸۔ ۲۴۵ یعنی مفصل و پورا پتہ تو اب بتلایا ہے ۲۴۶ یعنی ان کی مسلسل موشگافیوں سے تعمیلِ حکم بعید ہی معلوم ہوتی تھی ۲۴۷ (اپنے ہی میں سے) "تم نے" یعنی تم میں سے کچھ لوگوں نے۔ ذکر بنی اسرائیل ہی کا بدستور چل رہا ہے۔ یہاں بھی اشارہ ان کی قومی تاریخ ہی کے کسی واقعہ کی طرف ہے لیکن اس خاص واقعہ کی تعیین کیلئے یہود کے ذخیرۂ تاریخ وروایات میں بہت زیادہ گھسنے اور کرید کرنے کی ضرورت ہے۔ اِنشاءاللہ کوئی آیندہ مفسر ہمت کر کے اس فرض کو ادا کرے گا۔
۲۴۸ (اور ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے) یعنی اصل قاتل کا پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ قاتل فلاں ہے اور کوئی کہتا کہ فلاں۔ ایک دُوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ فادّٰرأتم۔ درء کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں اور دفع کرنے کے بھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دفع کرنے ہی کے معنی میں آیا ہے مثلاً فادرءوا عن انفسکم الموت۔ ویدرأ عنھا العذاب۔ یدرءون بالحسنۃ السیئۃ۔ یہاں ادّٰرأتم (بروزن اِفّاعَلتُم) سے مراد آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنے سے ہے۔ ای ینفی کل واحد منکم القتل عن نفسہ ویضیفہ الی غیرہ (کبیر) اختلفتم واختصمتم فی شانھا (کبیر) ۲۴۹ یعنی اصل قاتل کا پتہ۔ رکوع سابق میں جو حکم ذبحِ گاؤ کا ملا ہے، وہ جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے، شاید اسی موقع کے لئے تھا۔

۲۲۹ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ عِلْم کا لفظ خود ہی تحقیق کے معنی میں قرآن مجید میں بارہا استعمال ہوا ہے۔ پھر لَ حرفِ تاکید۔ قد حرفِ تاکید۔ لقد جس فعل پر داخل ہوتا ہے، اس میں معنیٔ شدّتِ تاکید کے پیدا کرتا ہے۔ گویا قرآن بنی اسرائیل کو انکی تاریخ کا کوئی واقعہ انکے لئے خوب اچھی طرح سے جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے۔ اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل جس واقعہ کا ذکر آگے آرہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلّم و متعارف واقعہ ہے اور تم اس سے بلاشک و اشتباہ خوب واقفیت رکھتے ہو۔ منکم۔ یعنی تمہارے اسلاف و اجداد میں سے۔ فی السبت۔ یعنی احکام سبت کے بارہ میں۔ سبت کے لفظی معنی ہیں ہفتہ کا ساتواں دن یعنی شنبہ یا سنیچر۔ السبت شریعتِ یہود کی اصطلاح میں ایک مقدس دن مسیحیوں کے اتوار کی طرح ہے۔ یہ دن صرف یادِ خدا اور عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ اور اس روز تجارت، زراعت، شکار وغیرہ ہر قسم کے دنیوی کام سب ممنوع تھے۔ اور ممانعت بھی اس شدومد کے ساتھ کہ جو اس حکم کو توڑے اسکی سزا قتل۔ توریت کے الفاظ ہیں:۔ ”پس سبت کو مانو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے۔ جو کوئی اسکو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے“ ..... پس جو کوئی روزِ سبت کو کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔“ (خروج۔ ۳۱: ۱۴ و ۱۵) اِعْتَدَوْا۔ تجاوز کر جاتے تھے شریعتِ موسوی کے حدود سے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں تھی۔ یہ ذکر انہیں کا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا زمانۂ حکومت ۱۰۱۳ق م تا ۹۷۳ق م کا ہے۔ مقام ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر توریت میں ایلات (Elath) کے نام سے آتا ہے۔ (استثناء ۲: ۸) تو یہ فلسطین کے جنوب میں، عرب کی عین شمالی سرحد پر (قدیم علاقۂ ادوم میں) بحرِ قلزم کی شرقی خلیج میں لب ساحل واقع ہے۔ موجودہ جغرافیہ اسکو عقبہ کے نام سے پہچانتا ہے۔ اور عقبہ خلیج عقبہ کا مشہور بندرگاہ ہے۔ ایلہ کے یہودی اپنی شریعت کے قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتے مچھلی کا شکار ایک خاص چالاکی کے ساتھ اور اسے ظاہری صورت جواز دے کر سبت کے دن کیا کرتے ۲۳۰ اس مسلسل نافرمانی پر سزا تو ان مجرموں کو یقیناً ملی۔ باقی کیا ملی، اسکی تفصیلات اس درجہ قطعی نہیں۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سزا اسی طرح واقع ہوئی جیسی قرآن کے ظاہر الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی وہ انسان بندر بنے اور پھر تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔ اس تفسیر پر عقلاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللہ کے قانونِ تشریعی کے توڑنے میں اتنے جری و بیباک ہوں، انکے حق میں خالقِ کائنات اپنے قانونِ تکوینی کو کسی حد تک اگر بدل دے، اور بجائے ”ارتقاء“ کے کبھی اگر ”ارتقاء معکوس“ ہو جائے تو اسمیں عدمِ امکان تو خیر کیا ہوگا، استبعاد بھی کچھ ایسا زائد تو نہیں لیکن روایتیں خود اس نتیجہ پر تمام تر متفق نہیں۔ بلکہ یہ قول تابعین ہی کے زمانہ سے تفسیروں میں لکھا چلا آرہا ہے کہ مسخ صرف معنوی ہوا تھا، صوری نہیں یعنی ان کے عادات و اخلاق بندروں کے سے کر دیئے گئے تھے۔ اور بندر کا اطلاق ان پر مجازاً ہونے لگا تھا۔ ورنہ حقیقۃً وہ بندروں کے جسم و قالب میں تبدیل نہیں کئے گئے تھے۔ لم یمسخوا قردۃ انما ھو مثل ضربه الله لھم (ابن جریر عن مجاہد) مسخت قلوبھم ولم یمسخوا قردۃ (ابن جریر عن مجاہد) روی عن مجاھد فی تفسیر ھذہ الآیۃ انہ انما مسخت قلوبھم وردت افہامھم کافہام القردۃ (قرطبی) مفردات میں بھی ایک قول اسی معنی میں نقل ہوا ہے۔ قیل بل جعل اخلاقھم کاخلاقھا وان لم تکن صورتھم کصورتھا (راغب) لیکن جمہور مفسرین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ قول غریب اور ظاہر سیاقِ قرآنی کے خلاف ہے۔ قول غریب خلاف الظاھر من السیاق فی ھذا المقام وفی غیرہ (ابن کثیر) وظاھر القرآن انھم مسخوا قردۃ علی الحقیقۃ وعلی ذلک جمھور المفسرین وھو الصحیح (روح) ۲۳۱ سزا کی تفصیلی نوعیت کچھ بھی ہو، بہرحال تھی وہ کوئی بہت سخت اور عبرتناک سزا۔ قرآن مجید کا مقصود اس سزا کی تفصیل بیان کرنا نہیں، بلکہ اسکی عبرت انگیزی اور موعظت آموزی کے پہلو کو واضح کرنا ہے۔۔۔۔ واقعہ جو کچھ بھی ہو، یہود کا جانا بوجھا ہوا تھا، قرآن اسے صرف یاد دلا رہا ہے۔ جعلنھا میں ھا کی ضمیر عقوبت کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور اس مسخ شدہ امت کی طرف بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ اے جعلنا تلك العقوبۃ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) یعنی به فجعلنا الامۃ التی اعتدت فی السبت (ابن جریر) نکالاً۔ نکال وہ سخت سزا ہے جو دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔ اے عبرۃ تنکل المعتبر بھا (بیضاوی) عبرۃ تنکل من اعتبر بھا (کشاف) مَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا۔ ما دونوں جگہ مَن کے معنی میں آیا ہے، یعنی ما کا استعمال جاندار و صاحبِ عقل مخلوق کیلئے ہوا ہے۔ مَا بَیْنَ یَدَیْھَا معاصرین کے معنی میں ہے اور ماخلفھا بعد کے آنے والوں کے معنی میں۔ مابین یدیھا اے معاصریھم (ابن عباسؓ) ماخلفھا اے من خلفھم (ابن عباس) بما قبلھا وبما بعدھا من الامم والقرون (کشاف) یَدَیْھَا اور خلفھا دونوں میں ضمیر ھا عقوبت کی طرف ہے۔ والضمیران للعقوبۃ (قرطبی) گویا سزا ایسی تھی کہ مدتوں تک نسلاً بعد نسلٍ اس کا چرچا رہے، اور لوگ اس کا تذکرہ سن سن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں ۲۳۲ یعنی تاکہ متقین کو اس واقعہ کی حکایت سے راہِ تقویٰ کی طرف ترغیب اور زیادہ ہو۔ یا یہ مراد لی جائے کہ نصیحت کو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے متقین ہی ہوں گے۔ صاحبِ روح المعانی نے یہاں یہ نکتہ اہلِ عرفان کیلئے لکھا ہے کہ اللہ نے عبادتوں کو خاص خاص ہیئت کے ساتھ خاص اوقات میں متعین کیا ہے۔ تاکہ طبعی ظلمتیں دور ہوں سو جو شخص ان ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اس کا نورِ استعداد ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اصحابِ سبت کی طرح مسخ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جس جانور کے اوصاف اسمیں راسخ ہیں، انھیں کی طبیعت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ اس امت کیلئے مسخ صورت نہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ادویۂ شرعیہ کے ذریعہ سے اپنی انسانیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہے۔ چنانچہ بعض اہلِ کشف اس زمانہ میں ایسے بھی پائے گئے ہیں، جو انسان کو اسی حیوان کی شکل میں دیکھتے ہیں، جس کی صفتِ حیوانی اس پر غالب ہوتی ہے۔ مثلاً جس میں ظلم و شقاوت غالب ہوتی ہے، اُسے آتا ہوا دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ بھیڑیا آرہا ہے۔ یا جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اُسے دیکھ کر یوں بول اٹھتے ہیں کہ سؤر چلا آرہا ہے۔ اور اس قسم کا کشفِ تکوینی صرف اہلِ حق و مقبولین کے ساتھ مخصوص نہیں ۲۳۳ اسرائیلیوں میں ایک واقعہ قتل کا ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ذبحِ گاؤ کا حکم اسی سلسلہ میں ملا۔ اسکی کچھ تصریح اگلے رکوع میں آرہی ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے کہ صدیوں تک مصر میں اور مصر والوں کے درمیان رہتے رہتے بہت سے مشرکانہ رسوم توحید کے علمبردار اسرائیلیوں میں پھیل چکے ہیں۔ اور گائے کی عظمت بلکہ تقدیس ان کے دلوں میں رچ چکی ہے۔ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی گائے کی تقدیس مشرکانہ مذہب کا ایک جزو تھی۔ توریت میں اسرائیلیوں کو ذبحِ گاؤ کا حکم خاص خاص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔ مثلاً۔ ”بنی اسرائیل کو کہہ کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں۔ تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لے جائے اور وہ اسکے حضور ذبح کی جائے“۔ (گنتی۔ ۱۹: ۲) ”جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جُوئے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بہتے وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں“۔ (استثناء ۲۱: ۳ و ۴) بقرۃ۔ اصلاً صرف گائے کیلئے ہے، اور ثور کا مؤنث ہے۔ قیل للذکر ثور (راغب) البقرۃ اسم للانثی والثور اسم للذکر (قرطبی) لیکن بعض مفسرین نے اسے گائے اور بیل دونوں کیلئے عام رکھا ہے اور یہاں اس سے بیل مراد لی ہے ۲۳۴ بنی اسرائیل ”گئو ماتا“ کے احترام و تقدیس کے جذبہ سے سرشار تھے یقین ہی نہ آیا کہ ایسے مقدس و محترم جانور کے ذبح کر ڈالنے کا حکم ملا ہوگا۔ بس یہی سمجھے کہ حضرت موسیٰ ہنسی اور تفننِ طبع کی راہ سے کہہ رہے ہیں ۲۳۵ (اور احکامِ خداوندی کی پیام رسانی میں ہنسی دل لگی سے کام لینے لگوں) جاھلین جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اسکے برخلاف ادا کرنا جو اسکے ادا کرنے کا حق ہے۔ الجھل فعل الشیٔ بخلاف ما حقه ان یفعل (راغب) اللہ کی طرف سے پیام گڑھ لینے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ سے غافل و جاہل ہو۔ انما یکون ذلك من الجھل بالله تعالیٰ (بحر) یا وہ کر سکتا ہے جو امورِ دینی میں استہزاء کے نتائج و عواقب سے بے خبر ہو۔ ان اکون من الجاھلین بما فی الاستھزاء فی امر الدین من العقاب الشدید (بحر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ دین و معظماتِ دین کے ساتھ استہزاء حکمِ جہل اور گناہِ عظیم میں داخل ہے اور اس کا مرتکب مستحقِ وعید ہے۔ وفی الآیۃ دلیل علی منع الاستھزاء بدین الله ودین المسلمین ومن یجب تعظیمه وان ذلك جھل وصاحبه مستحق للوعید (قرطبی) یدل علی ان الاستھزاء من الکبائر العظام (کبیر) لیکن ساتھ ہی یہ ضروری تصریح بھی کر دی ہے کہ مزاح یا خوش طبعی کو استہزاء یا تمسخر سے کوئی مناسبت نہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خوش طبعی تو خود رسول اللہ صلعم اور اکثر

رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ
رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں ہوتے ۲۲۸ اور تم خوب جان چکے ہو
الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سبت کے بارہ میں تجاوز کیا تھا ۲۲۹ تو ہم نے اُن سے کہا
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ
کہ ذلیل بندر ہو جاؤ ۲۳۰ پھر ہم نے اُسے (موجب) عبرت بنا دیا اُس
يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ
زمانہ کے اور اسکے بعد کے لوگوں کے لئے ۲۳۱ اور ایک (موجب) نصیحت (بنا دیا) خوفِ خدا رکھنے والوں کیلئے ۲۳۲ اور
قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ
(وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ حکم دیتا ہے کہ ایک
تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ
گائے ذبح کرو ۲۳۳ وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں کیا؟ ۲۳۴ موسیٰؑ نے
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا
کہا خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں ۲۳۵ وہ بولے
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو ۲۳۶ کہا کہ وہ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ
فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بن بیائی (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان

ایک دینی مسلک کا، ایک اعتقادی نظام کا شروع ہو رہا ہے۔ ضروری ہوا کہ اب نام ایسا لیا جائے، کوئی وصف ایسا بیان کیا جائے، جو بجائے نسل، نسب و خاندان کے مسلک و عقیدہ کی جانب رہنمائی کرے۔ الذین ھادوا اسی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے ـــــ قرآن مجید کی بلاغت
کے وجوہ اعجاز بیشمار ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ متقارب، لیکن ممتاز معانی کیلئے لفظ بھی وہ مختلف لاتا ہے اور ان کے دقیق باہمی فرق کا لحاظ رکھ لیتا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے تبلیغی مذہب نہیں کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں
لیکن عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے لیکن یہود کی صحبت سے متاثر اور ان کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر ان کے عقیدے اختیار کر لئے اور رفتہ رفتہ ان کا شمار بھی یہودی آبادی
میں ہونے لگا۔ بجائے الیہود کے الذین ھادوا لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے عقاید اختیاری کی جانب دلالت خوب واضح ہو جائے۔ بنی اسرائیل کی قومی حکومت و وجاہت کا خاتمہ تو ظہورِ اسلام سے مدتوں پہلے بلکہ کہنا چاہیئے کہ سنہ ء میں مشرک رومیوں کے ہاتھوں
بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلعم کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقہ کی رہ گئی تھی، اسی لئے خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کا لفظ جہاں جہاں استعمال کیا ہے، سیاق عبارت ہر جگہ تاریخی ہے ۲۱۸
النصارٰی۔ نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ ہے (Nazareth) علاقہ گلیل میں، بیت المقدس سے ستر میل شمال میں، اور بحر روم کے شرق میں ۱۵ میل کے فاصلہ پر۔ موجودہ آبادی آٹھ اور نو ہزار کے درمیان ہے حضرت عیسیٰ کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے۔ اور
آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں نصرانی کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔ سمو بذلک انتسابًا الی قریۃ یقال لھا نصران (راغب) نصران قریۃ بالشام ینسب الیہ النصارٰی (جوہری) یہی اشتقاق ایک روایت
میں حضرت ابن عباسؓ صحابی سے آیا ہے۔ سمیت النصارٰی نصارٰی لان قریۃ عیسٰی ابن مریم کانت تسمّٰی ناصرۃ وکان اصحابہ یسمون الناصریین (ابن جریر عن ابن عباسؓ) اور یہی قول قتادہ و ابن جریج تابعین کا ہے۔ نیز بعد کے محقق مفسرین کا۔ ھو قول
ابن عباس و قتادۃ و ابن جریج (کبیر) سمو بذلک لقریۃ تسمّٰی ناصرۃ کان ینزلھا عیسٰی فلما ینسب اصحابہ الیہ قیل النصارٰی (قرطبی) بعض نے اسے عربی کا لفظ فرض کر کے نصرت سے مشتق سمجھا ہے لیکن قول صحیح وہی ہے جو ابھی گزر چکا۔ خوب خیال کر لیا جائے
قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں، نصاریٰ کا کر رہا ہے۔ اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ پر حکمت ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح کو خدا کا نبی نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا اُن کے قالب میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا (Saviour) خدا
کو نہیں، مسیح ابن اللہ کو یقین کرتے ہیں۔ اور خدا کو تین اقنوموں میں تقسیم کر کے ایک ناقابل فہم فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے، اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں ـــــ اس کھلے ہوئے شرک کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس مقام پر مقصود نہیں، اسی لئے نام بھی جو مشہور
اور چلا ہوا تھا، اُسے ترک کر کے نصاریٰ لایا گیا۔ نصرانی معرب ہے Nazarene کا حضرت مسیح کے سچے پیرو، نبی کو نبی ماننے والے ابتدائی زمانہ میں Nazarenes کہلاتے تھے۔ یہ توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے۔ آگے چل کر یہی لوگ ابیونیہ (Ebonites)
بھی کہلائے لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت حلولیت اور تثلیث ہی قرار پا گئی، تو قدرۃً نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا۔ اور نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے تحقیر کے موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے ۔ موجودہ مسیحیت سرتاسر پولوسیت ہے۔
اور تمام تر پولوس (Paul) طرسوسی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح کے کچھ ہی روز بعد شروع ہو گئی تھی۔ اور نصرانی اسکے بالکل منکر تھے۔ قرآن مجید نے محل مدح میں ایک موقع پر بھی تثلیثی مسیحیت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جب کبھی آیا ہے تو ہمیشہ ملامت و بیزاری کے ساتھ۔ ان آیتوں میں
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ وقس علٰی ہذا ۲۱۹ الصابئون۔ صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آ جائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ من خرج او مال عن دین
الی دین (قرطبی) قیل لکل خارج من الدین الی دین آخر صابی (راغب) اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے اور اسلئے اصلاً اہل کتاب
تھے، اپنے کو نصارائے یحییٰ کہتے تھے۔ گویا حضرت یحییٰ کی اُمت تھے حضرت عمرؓ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ قال عمر ابن الخطاب و
ابن عباس ھم قوم من اھل الکتاب و قال عمر تحل ذبائحہم مثل ذبائح اھل الکتاب (معالم) تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ھم طائفۃ من اھل الکتب (ابن جریر عن السدی) فرقۃ من اھل الکتاب
(ابن کثیر عن ابی العالیۃ والربیع بن انس والضحاک والسدی واسحٰق بن راہویہ) ابن زیدان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصریؒ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے (ابن جریر) اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے اور
اسلئے صابیوں سے براہ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور انکے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ قال ابو حنیفۃ لاباس بذبائحھم و نکاح نسائھم (قرطبی) تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اردو
ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اُردو دہلی) اس کے صفحہ ۷۴ پر فاضل مترجم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اورینٹل کالج لاہور لفظ مینڈین Mandean پر حاشیہ دیتے ہیں:۔ "مینڈین بزبان آرامی بمعنی اولوالعلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابیون کہلاتے ہیں
وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں۔ عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰ کی اُمت کہتے ہیں" (ایران بعہد ساسانیاں) ۲۲۰ من اٰمن باللہ ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفت پر ایمان لائے جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے اور وہ ایمان ہر قسم کی شرکت آمیزی سے پاک ہو۔
اس ایمان باللہ کے تحت میں اسکے سارے لوازم و تضمنات بھی داخل ہیں، ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے۔ اور ان لوازم توحید میں سب سے اونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنیوالی، اس کا سیدھا راستہ بتانے والی ذات
رسول ہی کی ہوتی ہے۔ قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبہ اعنی الایمان برسلہ (کبیر) والیوم الاٰخر ۔ یوم آخرت پر ایمان لانے کے معنی یہی ہیں کہ سارے احکام آخرت پر ایمان لایا جائے۔ دخل فی الایمان بالیوم الاٰخر جمیع احکام الاٰخرۃ (کبیر)
تناسخ، حلول وغیرہ کے گمراہانہ عقائد کی بنیاد صرف یہی ہے کہ دوسرے مذہبوں میں یوم حشر کا ایمان صحیح باقی نہیں رہا اور انہوں نے جزا و سزا کی اور اور صورتیں تجویز کر لیں۔ ۲۲۱ اور عمل صالح کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل وحی الٰہی یعنی شریعت اسلامی کے ماتحت ہو۔ دور حاضر کی جلتی ہوئی
گمراہیوں میں سے ایک سوال جو بار بار پیش ہوتا رہتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص صاحب ایمان ہے مگر بدعمل، اور دوسرا خوش عمل ہے مگر ایمان سے خالی، تو ان دو میں نجات کس کی ہوگی؟ علماء اس کے جوابات مختلف دیتے رہتے ہیں، لیکن سب سے سیدھا اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ
حسن عمل کا ایک لازمی عنصر تو خود ایمان ہی ہے، بغیر تصحیح ایمان کے بغیر حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے خیال کے، کوئی عمل، عمل صالح کی تعریف میں آ ہی کب سکتا ہے؟ ایمان سے خالی شخص کا "حسن عمل" تو صرف صورۃً عمل ہوگا، ورنہ اسکی حقیقت (یعنی خالق کونین کی رضا طلبی) تو اس سے خارج ہی
ہوگی۔ ۲۲۲ اعتقاد صحیح اور عمل صحیح بس یہی دو شرائط نجات ہیں۔ گویا مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ اور عمل ہیں، اور ان دو کی تصحیح کے بعد قوم، نسل وغیرہ کی ساری نسبتیں ہیچ ہیں۔ عند ربھم میں عند سے مراد عندیت مکانی نہیں
کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جو مکان و جہت سے پاک و منزہ ہے محال ہے۔ بلکہ مراد اجر کا یقینی اور قطعی ہونا ہے۔ لیس المراد العندیۃ المکانیۃ فان ذٰلک محال فی حق اللہ تعالیٰ بل المراد ان اجرھم متیقن جار مجریٰ (کبیر) قرآن مجید کا ایک بلیغ و حکیمانہ اسلوب یہ بھی ہے کہ
جزئیات کے ضمن میں بڑے بڑے اہم کلیات بیان کر جاتا ہے۔ ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشتہا پشت کی سرکشی کا چلا آ رہا تھا، مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کیلئے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی کیا سکتی ہے؟ معاً درمیان میں یہ آیت لا کر اس
مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی، غرض کوئی بھی ہو، رحمت و مغفرت کی راہیں سب کے لئے کھلی ہوئی ہیں، کام کی چیزیں صرف ایمان صحیح اور عمل صحیح ہیں۔ لیعرف ان جمیع ارباب الضلال اذا
رجعوا عن ضلالھم و اٰمنوا بالدین الحق فان اللہ سبحانہ و تعالیٰ یقبل ایمانھم وطاعتھم ولا یردھم عن حضرتہ البتۃ (کبیر) لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔ بیان آخرت کا ہو رہا ہے یعنی قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اہل ایمان کو نہ اپنے
ماضی پر حسرت ہوگی نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش۔ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور غم و حزن کا ماضی سے ۲۲۳ (اے بنی اسرائیل تمہارے پیغمبر کے واسطہ سے اس مضمون کا کہ تم توریت پر عمل کروگے) ۲۲۴ الطور ۔ طور مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے
سینا کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ الطور اسم جبل مخصوص و قیل اسم لکل جبل (راغب) جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے لیکن حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے
مراد جبل سینا ہوتا ہے لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انھیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔ قوم کے اوپر پہاڑ بلند کرنے سے کیا مراد ہے؟ توریت میں اس کی کچھ مجمل سی کیفیت درج ہے:۔ "وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا پر زیر و بالا
دھواں تھا، کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور شور کا سا دھواں اس پر اٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا" (خروج ۱۹: ۱۷، ۱۸) اور تالمود جو توریت کی مشہور و مستند اور نہایت ضخیم شرح یہود کے ہاں موجود ہے، اس میں اس اجمال کی تفصیل میں اقوال ذیل درج ہیں: "حق تبارک و تعالیٰ نے
ان کے اوپر کوہ سینا کو اُلٹ دیا جس طرح کوئی برا ظرف اُلٹ دیا جاتا ہے اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤگے" (جیوئش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ صفحہ ۳۲۱) "خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر اُلٹ کر اوندھا کر دیا اور اُن سے کہا کہ توریت کو اگر
قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہیگا" (ایضاً) ہمارے مفسرین نے جو آثار صحابہ و تابعین کی زبان سے نقل کئے ہیں، ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔ ۲۲۵ یہ پورا مقولہ اسی وقت کا ہے جب کتاب نازل ہوئی تھی۔
کتاب ہدایت کے نزول اور رفع طور کے ساتھ ساتھ ہدایت اس کی بھی ہوئی تھی کہ اس کتاب کی محافظت کرنا اور اس کے احکام پر مداومت۔ اعملوا بما اعطیتکم من الکتب (ابن عباس) مَآ اٰتَیۡنٰکُمۡ سے مراد کتاب توریت ہے۔ احکام توریت کے اس اخذ و تمسک کی
تاکید اور اس کے ترک پر وعید خود توریت میں بھی جابجا مذکور ہے:۔ "جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اُس پر لعنت، سب جماعت کہے آمین" (استثناء ۲۷: ۲۶) "اگر تو کوشش کر کے خداوند اپنے خدا کی آواز سُنے تاکہ ان سب حکموں پر جو آج کے
دن میں تجھ سے فرماتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا زمین کی قوموں کی نسبت تجھے سرافراز کریگا" (استثناء ۲۸: ۱) "لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوانہ ہوگا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو بتاتا ہوں، دھیان رکھ کے
عمل کرے تو ایسا ہوگا کہ یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی، اور تجھ تک پہنچیں گی" (استثناء ۲۸: ۱۵) ۲۲۶ اور تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل کیا جائے) وَاذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ ۔ یاد رکھو اس کے مضامین کو تاکہ ان پر عمل کر سکو۔ احکام الٰہی کا یاد رکھنا اصلاً اسی غرض سے ہوتا
ہے کہ اُن پر عمل کیا جا سکے حکم کے تحت میں حفظ، قراءت وغیرہ بھی داخل ہیں، لیکن مقصود اصلی وہی عمل ہے۔ اقرءوا ما فی التورٰۃ واعملوا بہ (ابن کثیر عن ابی العالیۃ) ای تدبروہ و احفظوا اوامرہ و وعیدہ ولا تنسوہ ولا تضیعوہ ھذا ھو المقصود من الکتب
العمل بمقتضاھا لا تلاوتھا باللسان و ترتیلھا (قرطبی) لَعَلَّ کے لئے پوری تصریح اوپر گزر چکی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو مفہوم شک و احتمال کا نہیں رہتا، بلکہ معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ۲۲۷ (اور حسب سابق پھر نافرمانی
کرنے لگے) مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ۔ یعنی اس قول و اقرار کے بعد۔ کتاب ہدایت و احکام مل جانے کے بعد۔ ای من بعد البرھان (قرطبی) ۲۲۸ یعنی فی الفور ہلاک کر دئے گئے ہوتے، اور ساری قوم کی قوم دُنیا سے اسی طرح بے نشان ہو گئی ہوتی، جیسے کہ
پُرانی متعدد قومیں ہو چکی ہیں۔ فضل و رحمت خداوندی بنی اسرائیل کے حق میں یہی تھی کہ ان کی خطاؤں اور جرائم سے مزید چشم پوشی کی گئی اور انہیں اور مہلت سنبھلنے اور اپنے کو درست کرنے کی دی گئی۔

ع ۲

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ
یہ (سب) اس لئے ہُوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے ۲۱۵ بیشک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ
جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ۲۱۶ اور جو لوگ یہودی ہوئے ۲۱۷ اور نصاریٰ ۲۱۸ اور
الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ
صابی ۲۱۹ (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے ۲۲۰
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
اور نیک عمل کرے ۲۲۱ سو ان (سب) کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ
اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے ۲۲۲ اور (وہ وقت
اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا ۲۲۳ اور ہم نے تمہارے اُوپر (کوہِ) طُور کو بلند کیا ۲۲۴
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا
مضبوطی کے ساتھ اس (کتاب) کو پکڑ رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے ۲۲۵ اور جو کچھ
فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ
اس میں ہے اُسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ ۲۲۶ پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد (بھی)
بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ
پھر گئے ۲۲۷ سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی

منزل

ایک ذرا سا لفظ جانِ بلاغت ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کردیا کہ جو ذلت، نکبت، افلاس، مغضوبیت تقریباً ۴۰۰۰ سال گزر جانے پر بھی آج تک چپکی لپٹی چلی آرہی ہے اُس کی مورد و حامل ایک مخصوص قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب و ملت کے پیرو —— خود لفظ Anti Semitism بتا رہا ہے کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً اور اٹلی، ہنگری، رومانیہ وغیرہ یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں کو عموماً ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی ہے، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ لیکن سیاسی محکومی اور ذلت تک تو خیر، باقی مفلسی، محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو، اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تمول تو یہود کا ضرب المثل ہے، پھر اس قوم کو محتاج و تنگدست کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ محض دھوکا، اور عام طور سے چلا ہوا مغالطہ ہے۔ دولت و ثروت جتنی بھی ہے، وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے۔ جیوش انسائکلوپیڈیا میں ہے:۔ ”گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پاچکا ہے لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں، وہاں کی آبادی میں اُنہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے“ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۱) ”عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ اُن کے چند افراد بہت زائد دولتمند ہیں“ (جلد ۱۰ صفحہ ۶۱) ۲۱۲ (اسی دنیا میں اپنی ہی جیسی مخلوق کے ہاتھوں) باءُو کے معنی اور بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن اکثر محققین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد استحقاق ہے۔ اے استوجبوا اللعنة (ابن عباسؓ) اے استحقوا (کبیر) اے استحقوا غضباً (بحر) نسل اسرائیلی پر اس قدرتی غضب کا ظہور برابر انسانوں ہی کے ہاتھوں ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس آخر زمانہ میں ہٹلر جیسے چنگیزی فرمانروا کی یہود دشمنی و یہود بیزاری اخبار بین و تاریخ خواں طبقہ سے پوشیدہ نہیں۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ عارف کیلئے اس قصہ میں بڑا سبق ہے۔ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑنا چاہئے جنہوں نے نہ بلا پر صبر کیا، نہ نعمت پر شکر ادا کیا، اور نہ قضاءِ الٰہی پر راضی رہے۔ ایسوں پر ذلتِ طغیان لگادی گئی، حُبِ دنیا ان کے قلب میں جمادی گئی۔ اور انہیں درجاتِ عالیہ سے گرادیا گیا۔ ۲۱۳ لفظ یہاں کفروا نہیں کانوا یکفرون استعمال ہوا ہے۔ ذکر کسی خاص موقع کا نہیں کہ اس وقت وہ منکر ہو بیٹھے تھے بلکہ ذکر ان کی مستقل قومی خصلت کا ہو رہا ہے کہ انکار کرتے ہی رہتے تھے انکار کو شعار ہی بنالیا تھا۔ اٰیٰت اللہ کا لفظ عام ہے معجزات و خوارق بھی مُراد ہو سکتے ہیں۔ اور کتبِ آسمانی بھی۔ اے المعجزات مطلقاً ...... اوالکتب المتلوة مطلقاً (روح) المعجزات التسع وغیرھا ...... اوالقراٰن اوجمیع اٰیات اللہ المنزلة علی الرسل (بحر) بانّھم میں با سببیہ ہے یعنی یہ سزا انہیں کفر عادی اور مسلسل قتل انبیاء کی پاداش میں ملی۔ ۲۱۴ ”قتل تک“ یعنی دوسری بیہودگیاں، شرارتیں، سفلہ پردازیاں تو تھیں ہی، حد یہ ہے کہ قتل تک سے بھی نہ چُوکے۔ یسعیاہ نبیؑ کا قتل، یرمیاہ نبیؑ کا قتل، زکریا نبیؑ کا قتل، یحییٰ نبیؑ کا قتل، اور عیسیٰ مسیحؑ کا اقدامِ قتل (بلکہ اپنے خیال میں قتل ہی) یہ اسرائیل کی تاریخ جرائم کے چند جلی عنوانات ہیں —— یہ قوم اس قابل رہ گئی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی رعایتیں روا رکھی جائیں؟ اسے زندہ رہنے کی بھی کچھ مہلت دی جاتی؟ بغیر الحق۔ لیکن نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوگا۔ نبی کے قتل جائز کی کوئی صُورت ہی نہیں۔ پھر قرآن جس میں ایک لفظ بھی بیکار یا بطور حشو نہیں اسے کیوں لایا؟ قرآن کا مقصود اس اضافہ سے یہ ہے کہ خود ان قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناحق و ناجائز تھے یعنی خلافِ عدل تو خیر ہوتے ہی، قانونِ وقت کے لحاظ سے خلاف قانون اور بے ضابطہ بھی تھے! اے عندھم ایضاً (مدارک) قتلوھم من غیر ان کان ذٰلك القتل حقاً فی اعتقادھم وخیالھم (کبیر) اے لو یدّعوا فی قتلھم وجھاً یستحقون به القتل عندھم (بحر) بعض نے کہا ہے کہ اس تصریح سے مقصود قتل کے ناحق ہونے پر زور اور تاکید ہے۔ کأن ھٰذا تعظیماً للشنعة علیھم (قرطبی) تعظیم للشنعة والذنب الذی اتوہ (قرطبی) سلسلۂ اسرائیلی کے خاتمِ نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے زمانہ بھی آپ کا نسبۃً بہت قریب کا ہے یعنی عہدِ تاریخی کے اندر کا۔ اُس وقت کی تاریخ ایک اچھی خاصی حد تک محفوظ ہے۔ حال میں اٹلی کے ایک ایڈوکیٹ روزیڈی (Rosedi) اور انگلستان کے ایک بیرسٹر انیس Innes نے قدیم کاغذات کی چھان بین کرکے، آپ کے مقدمہ کی رُودادیں الگ الگ شائع کی ہیں۔ یہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپؑ کے مقدمہ میں یہ نہیں ہُوا کہ رُومی حاکمِ عدالت سے سزائے صلیب کا فیصلہ سنانے میں کوئی اجتہادی غلطی ہوگئی۔ بلکہ ہُوا یہ کہ یہود نے ایک بالکل جھوٹا استغاثہ گڑھا۔ اور پہلے اپنی مذہبی عدالت میں، اور پھر ملک کی عام فوجداری عدالت میں بالکل ہی بے ضابطہ کارروائیاں کرکے حکم سزا دلادینے میں کامیاب ہوگئے —— رُومی اور جیسے بھی کچھ ہوں، آئین دوستی اور قانون پرستی تو ان کی مشہور ہے۔ جب اُن تک کے عہد میں یہ اندھیر ہُوا، تو پھر قدیم ترین انبیاء کی مظلومیت کا کیا ٹھکانا۔ جن کے قتل میں غالباً ضابطہ کی ظاہری اور رسمی صورت بھی نہیں برتی گئی! ۲۱۵ اسرائیلیوں کے مسلسل تمرّد، سرکشی نافرمانی کے تذکروں سے توریت و انجیل دونوں کے صفحات لبریز ہیں، سب کی نقل کرنے کی نہ گنجایش نہ ضرورت مشتے نمونہ از خروارے دو چار نمونے دیکھتے چلیے:۔ ”انہوں نے خُدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑادیا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا۔ اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہانتک کہ خُدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا“ (۲ تواریخ ۳۶: ۱۶) ”تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے۔“ (یرمیاہ۔ ۲: ۳۰) ”اے اہلِ یعقوبؑ اور اہلِ اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں نے مجھ میں کونسی ناانصافی پائی جو وہ مجھ سے دُور بھاگے اور بطلان کے پیرو ہُوئے اور آپ باطل ہوگئے“ (یرمیاہ۔ ۲: ۴ و ۵) ”وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور اُنہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں، قتل کیا۔ اور انہوں نے کاموں سے تجھے غصّہ دلایا“ (نحمیاہ۔ ۹: ۲۶) یہ مختصر، بہت ہی مختصر، اقتباسات عہدِ قدیم کے نوشتوں سے تھے۔ اب عہدِ جدید کے نوشتوں کے ایسے ہی مختصر نمونے ملاحظہ ہوں:۔ ”اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو ..... نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادوں نے نہیں ستایا؟“ (اعمال۔ ۷: ۵۱ و ۵۲) ”تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں ..... دیکھو میں نبیوں، داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں اُن میں سے بعض کو قتل کروگے اور صلیب پر چڑھاؤگے۔ اور بعض کو اپنے عبادتخانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بشہر ستاتے پھروگے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا ہے، تم پر آئے ..... اے یروشلم، اے یروشلم تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں، اُنہیں سنگسار کرتی ہے“ (متی۔ ۲۳: ۲۹۔ ۳۷۔ لوقا۔ ۱۲: ۳۴، ۳۵) غرض توہینِ انبیاء اور پیمبر کشی کا الزام یہود پر قرآن مجید نے دُنیا میں پہلی بار نہیں لگایا ہے۔ انکی فردِ جرم کا یہ عنوان تو قدیم نوشتوں میں موجود چلا ہی آتا تھا۔ قرآن مجید نے محض اسکی تصدیق و توثیق کردی۔ بما عصوا میں با سببیہ ہے۔ ذٰلك۔ اس اسم اشارہ کا اشارہ الیکفر اور قتل انبیاء ہے۔ الاشارة الی الکفر والقتل (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کسی گناہ کو بھی خفیف نہ سمجھنا چاہئے ایک گناہ برابر دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے یہانتک کہ کفر کا۔ چنانچہ یہاں بھی عصیان اور تجاوز حد تھا جو ان لوگوں کو کفر آیاتِ الٰہی اور قتل انبیاء تک لایا۔ مفسر بیضاوی نے بھی یہاں یہی کہا ہے کہ جس طرح چھوٹی طاعت بڑی طاعت کی طرف لیجاتی ہے چھوٹی معصیت بھی بڑی معصیت تک نوبت پہنچا دیتی ہے چنانچہ یہاں بھی خوئے عصیان نے رفتہ رفتہ کفر و قتل انبیاء تک پہنچا دیا۔ جرھم العصیان التمادی والاعتداء فیه الی الکفر بالاٰیات وقتل النبیین فان صغار الذنوب سبب یؤدی الی ارتکاب کبارھا ۲۱۶ آخری رسولؐ اور آخری کتاب پر یعنی مسلمان ہوچکے ہیں، ایمان لانے کے معنی کل عقائد ضروری کے تسلیم کرلینے کے ہیں، توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سب کچھ اس میں شامل ہے اور الذین اٰمنوا مطلق صورت میں قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے۔ مراد اس سے مسلمان ہی ہیں۔ یہاں بھی مراد مومنین ہی ہیں۔ اے من اٰمن بمحمد صلی اللہ علیه وسلم (بحر۔ عن ابن عباسؓ) ھم المصدقون رسول اللہ صلعم فیما اتاھم من الحق من عند اللہ (ابن جریر) اور رازی نے بھی متکلمین سے یہی معنی نقل کئے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر دین پر ثابت و قائم رہے۔ الذین اٰمنوا فی الماضی وثبتوا علی ذٰلك واستمروا علیه فی المستقبل هو قول المتکلمین (کبیر) ۲۱۷ یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں یقال ھاد و تھود اذا دخل فی الیھودیة (بیضاوی) خواہ پہلے سے یہودی چلے آرہے ہوں، نسلاً یہودی ہوں یا پہلے مشرک وغیرہ کچھ اور ہوں اور اب یہود کے عقیدے و شعار اختیار کرلئے ہوں۔ ابتک ذکر بنی اسرائیل نام ایک خاص نسل و خاندان کا چلا آرہا تھا اور ان کی تاریخ کے اہم ترین منظر سامنے لائے جاتے تھے۔ اب ذکر ان کے مسلک و عقیدہ کا شروع ہونا ہے، اور دلیل بلفظ الذین ھادوا آیا ہے۔ بنی اسرائیل ایک نسلی نام تھا ایک کنبہ قبیلہ یا قوم کا نام تھا جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا۔ اپنے آباو اجداد کی مقبولیت پر ناز تھا۔ تاریخ کے دُہراتے وقت ضروری تھا کہ اس نسلی نام کو لیا جائے۔ اب بیان

جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں، ان ناہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے لمبے ہیں۔ پینے والے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے" ۲۰۳ زنا کر اسی چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے۔ پہاڑی چشمے پہاڑوں کے اندر سے پانی کے اُبلتے ہوئے دھارے ہر ایک کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے جب پانی کیلئے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو انہیں ہدایت ہوئی کہ فلاں پہاڑی تک چلے جاؤ، وہاں چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی اُبلنے لگے گا۔ توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی جس سے چشمہ اُبلا، حورب یا حرب میں واقع تھی:۔ "خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تُو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں قریب چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہوں گا۔ تو اس چٹان کو مار یہاں اس سے پانی نکلیگا تاکہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا" (خروج - ۱۷: ۵ و ۶) عصا معروف و متعارف معنیٰ لاٹھی یا ڈنڈے کے ہیں۔ موسیٰؑ کے اس عصا کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔ اس کے یہ کھلے ہوئے معنیٰ چھوڑ کر ایک مجازی معنیٰ جو صرف عصا المسلمین وغیرہ کی ترکیب میں جائز ہے "جماعت یا گروہ" کے کرنا لغت پر ظلم کرنا ہے۔ الحجر سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسیٰؑ کے علم میں تھی۔ الاشارة الی حجر معلوم (کبیر) اللام فیہ للعھد (بیضاوی) کان حجرًا معینًا بدلیل انہ عرفہ بالالف واللام (معالم) فاضرب۔ ضرب۔ کے عام و معروف معنیٰ مارنے کے ہیں۔ چلنے کے معنیٰ اسی صورت میں ہوتے ہیں جب فعل ضرب کا صلہ "فی" کے ساتھ آئے مثلاً ضَرَبَ فِی الْاَرْضِ۔ "روشن خیالی" کے مرض میں مبتلا معاصرین نے جو آیت کا ترجمہ "اے موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ کیا ہے" یہ جس طرح لغت و قواعدِ زبان کے خلاف ہے، اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف، اور اپنی تائید میں کوئی دلیل کسی قسم کی نہیں رکھتا، نہ عقلی نہ نقلی۔ ۲۰۴ یعنی اس پہاڑی چشمہ سے بارہ دھارے یا بارہ ٹونٹیاں الگ الگ جاری ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق۔ بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں

وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

کر سکتے ۲۰۷ سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے اُن چیزوں کی جنہیں

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَ

زمین اُگاتی ہے ۲۰۸ ساگ ہوا، ککڑی ہوئی،

فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ

گیہوں ہوا، مسور ہوئی، پیاز ہوا ۲۰۹ (موسیٰؑ نے) کہا تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم

الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

اُسے لینا چاہتے ہو اُس چیز کے مقابلہ میں جو بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ

اُتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو ۲۱۰ اور اُن پر

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

جمادی گئی ذلت اور محتاجی ۲۱۱ اور وہ اللہ کے غضب کے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

مستحق ہو گئے ۲۱۲ یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

انکار کرتے رہتے تھے ۲۱۳ اور انبیاء کو ناحق قتل (تک) کر ڈالتے تھے ۲۱۴

کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل، انگریزی میں قرآن کریم کا قدیم ترین مترجم ہے۔ آیت کے حاشیہ پر لکھتا ہے:۔ "ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے بتصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا" اور ایک دوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ بیان کرتا ہے:۔ "چٹان میں اسوقت ۲۴ سوراخ موجود ہیں، جو بہ آسانی شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ۱۲ ایک طرف ہیں اور ۱۲ انکے مقابل جانب" پادری ڈین سٹینلی (Dean Stanley) نے جو انیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے ہیں، صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافی تحقیق کیلئے بہ نفس نفیس فلسطین اور اسکے ملحقات کا سفر کیا، اور اپنے مشاہدات و تحقیقات پر ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی ہے، اس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔ "یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے۔ آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفسفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔ شگاف دہانے بھی پھٹے ہوئے ہیں، کچھ مٹے ہوئے ہیں، کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے گنتی میں اگر سب لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، مگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے" (صفحہ ۳۷-۳۶) عرب کے اُمّی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جائیے۔ صدیاں گزر جانے پر اُسکے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق ہو رہی ہے منکرین و معاندین کی زبان سے ۲۰۵ اُناسٍ یعنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے ہر گروہ نے۔ ای من کل سبط (بیضاوی) ای من قومہ الذین استحقی لھم (بحر) مشربَہُمْ۔ جمع ہے لفظاً اس کا کوئی واحد نظر نہیں آتا۔ جمع لا واحد لہ من لفظہ (روح) مشربہم۔ یعنی اپنے اپنے لئے پانی لینے کی جگہ۔ ای عینھم التی یشربون منہا (کشاف) ۲۰۶ جب قوم کی قوم قانونِ الٰہی کو چھوڑ کر اپنے ہوائے نفس کے مطابق کوئی روش اختیار کر لیتی ہے، تو اس کا نتیجہ دنیا میں لازمی طور پر فتنہ و فساد، حرب و ضرب، اور کثرتِ جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور امن انفرادی و اجتماعی دونوں طرح پر اُٹھ کر رہتا ہے۔ فضل و انعام سے سیراب کر کے بنی اسرائیل کو ہدایت یہ ہوئی کہ جو فارغ البالی نصیب ہے اس کو غنیمت سمجھو، قانونِ الٰہی کی پابندی کرو، اس قانون کو توڑ کر امن و نظمِ عالم میں اختلال کے باعث نہ بنو۔ رزق اللہ میں رزق کی نسبت اپنی جانب کر کے گویا ایک بار پھر انہیں جتا دیا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ سب خدا ہی کے فضل و عطا سے ہے، تمہارے زورِ بازو کا نتیجہ نہیں۔ لا تعثوا فی الارض مفسدین۔ عثی کے معنیٰ خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ العیث شدۃ الفساد (قرطبی) العثی اشد من الفساد (معالم) مفسدین۔ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے، ہر پہلو سے فساد کی تاکید کیلئے ہے۔ تکرر المعنی تاکیدًا لاختلاف اللفظ (قرطبی) عیث و عثی کے معنیٰ ایک ہی ہیں، عثی لغتِ قرآنی ہے (قرطبی) ایک باریک فرق دونوں میں یہ ہے کہ عیث کا تعلق فسادِ حسی سے ہے اور عثی کا فسادِ معنوی سے (راغب) ۲۰۷ (اور اسے کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں) یہ ذکر بھی اسی دشتِ سینا کے زمانۂ خانہ بدوشی کے کسی اور موقع کا ہے، قرآن مجید بیان واقعات میں ان کی تاریخی ترتیب کا تسلسل کا ہرگز پابند نہیں۔ بنی اسرائیل عرصۂ دراز تک ایک ہی قسم کی غذا کھاتے کھاتے اکتا گئے تھے اور اب اپنے پیمبر سے فرمائش کر رہے تھے کہ اس بیابان سے نکال کر کہیں دوسری جگہ لے چلیئے، جہاں قسم قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے موجود ہوں۔ طعامٍ واحدٍ یعنی ایک ہی قسم کا کھانا، بٹیر اور ترنجبین جو ہمیں ہر روز ملے چلا جاتا ہے ۲۰۸ (اور جن کے خوگر ہم مصر میں رہ چکے ہیں) مصریوں کی مرغوب غذا اکثر زراعت پیشہ قوموں کی طرح یہی زمینی پیداوار تھی "مصر میں آج کی طرح اُسوقت بھی بڑی مانگ سبزی، پیاز، ہلدی وغیرہ کی تھی" (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۱۲۰۹)۔ اور یہی چیزیں اسرائیلیوں کی بھی اصل غذا بن چکی تھیں:۔ "اسرائیلیوں کی اصل غذا سبزی تھی، خصوصاً غلہ کی اقسام" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلدہ صفحہ ۴۳) "قدیم اسرائیلی سبز ترکاریوں اور پھلوں پر بسر کرتے تھے" جلدہ صفحہ ۵۹۶۔ ۲۰۹ توریت کی روایت اس سے ملتی جلتی مگر کسی قدر مختلف حسبِ ذیل ہے:۔ "اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے۔ کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دے گا۔ ہمکو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے۔ اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چلی، یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مگر یہ من" (گنتی - ۱۱: ۴-۶) فوم کے معنیٰ گیہوں کے علاوہ لہسن کے بھی آتے ہیں۔ ۲۱۰ (کہ بڑے شہروں میں سبزیاں اور پھل علاوہ فصل اور موسم کے، بےفصل اور خلافِ موسم بھی مل جایا کرتے ہیں) مصرًا۔ کوئی شہر۔ یہاں مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر ہے۔ مصر کے لفظی معنیٰ شہر کے ہیں جس کی حدبندی ہو چکی ہو۔ اسم لکل بلد محصور ای محدود۔ اور یہاں تو تنوین کے ساتھ کھلا ہوا اسم نکرہ ہے لیکن بڑے بڑے فاضل انگریز مترجمین نے بے کھٹکے اس کا ترجمہ "ملک مصر" کر ڈالا ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش بیجا ہے، نامعقول ہے، جب دیکھا کہ اصرار جاری ہے تو پھر یہ کہا کہ اچھا، اگر یہی منظور ہے تو شہری تمدن اختیار کر لو۔ ساری گفتگو سمجھنے کیلئے قوم اسرائیل کے اُس وقت کے طرزِ معاشرت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ صورت حال یہ ہے کہ مصر جیسے متمدن و مہذب ملک سے لاکھوں کی تعداد میں نکل تو آئے ہیں لیکن ابھی دوسرے مہذب و متمدن ملک اور اپنے قدیم وطن یعنی فلسطین (یا کنعان) تک نہیں پہنچ پائے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان اور فلسطین کے جنوب میں جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں معلق ہیں۔ یہ علاقہ اس وقت تک غیر متمدن ہے، مکان، باغ، عمارتیں، کھیت وغیرہ جو لوازم تمدن ہیں، اس لق و دق بیابان میں کہیں ہو جو دنہیں، اسرائیلی اسوقت مکانوں میں سکونت پذیر نہیں، بلکہ اپنے خیموں ڈیروں کے ساتھ، کہ آج یہاں سے کوچ ہے تو کل وہاں مقام، خانہ بدوش قبیلوں کی طرح ایک مستقل سفر اور مستمر نقل و حرکت اس بیابان میں کر رہے ہیں، البتہ بیابان کے خاتمہ کے بعد ملک سرے سے ویران اور بےآب و گیاہ نہیں، غیر بیابانی علاقے اچھے خاصے آباد تھے اور شہری اور حضری تمدن کے نمونے جابجا موجود تھے۔ یہ علاقہ مصر کے زیرِ حکومت تھا گو برائے نام۔ مصرًا میں اشارہ اسی قسم کے کسی شہر کی طرف ہے ۲۱۱ ضُرِبَتْ کے معنیٰ ہیں لیس دی گئی، چپکا دی گئی، مسلط کر دی گئی۔ ذلّۃ کے معنیٰ ہیں خواری و رسوائی، اور مسکنۃ سے مراد ہے فقر اور محتاجی۔ الذلۃ الذل والصغار (قرطبی) المسکنۃ الفقر والفاقۃ وتشدید المحنۃ (کبیر) علیھم میں ضمیر ھم کے مرجع کو خوب سمجھ لینا چاہیئے، یہ کون لوگ جنکے اوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی؟ ضمیر کا مرجع الیھود یا الذین ھادوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں، بلکہ اسرائیل نامی ایک متعین قوم و نسل ہے۔ سبحان اللہ!

۱۹۴ یہ بستی کون سی تھی؟ ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو۔ جو موجودہ نقشوں میں Jericho کے نام سے ملے گا۔ یہ بحر مردہ کے شمالی ساحل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ کے زمانہ میں فتح کیا تھا۔ قدیم اکثر تفسیر کا رخ بیت المقدس کے بعد پھر اسی شہر کی جانب ہے قریۃ اریحا (ابن عباسؓ) ھی اریحا قریبۃ من بیت المقدس (ابن جریر عن ابن زید) اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لئے گئے ہیں بعض شہروں کے نام تک اب بدل گئے ہیں مثلاً ایلہ کہ اب اُسے عقبہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سطیم ہو۔ یہ علاقہ موآب میں واقع ہے، جو بحر مردہ کے مشرق میں ہے شہر دریائے یردن کے مشرق (بائیں) کنارہ پر ہے بحر مردہ کے شمال و مشرق میں۔ بنی اسرائیل کی دشت پیمائی کے زمانے میں یہ شہر گویا اُن کا سرحدی ناکہ تھا، عربی میں اُسے ولوی النار بھی کہتے ہیں اور وادی ستی مریم بھی بعض مفسرین نے جو دون کا نام لیا ہے۔ اُس سے بھی یہی مراد معلوم ہوتا ہے ۱۹۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر خوب وسیع اور خوب آباد و پُر رونق تھا۔ ۱۹۶ بطور اظہار عجز و نیاز و عبودیت کے (کہ یہی شان مومنین مخلصین کی ہے)۔ الباب۔ دروازہ سے مراد شہر کا پھاٹک ہے۔ قدیم شہروں کے گرد ایک بلند چار دیواری شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی شہر میں داخل ہوتے وقت اسی شہر پناہ کے پھاٹک سے گزرنا ہوتا تھا سجدًا یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی عاجزی سے فروتنی کے ساتھ۔ سجدۂ نماز کی ہیئت مخصوص مراد نہیں سجدًا ای متذللین منقادین (راغب) خاشعۃ خاضعۃ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) اراد بہ الخضوع وھو الاقرب (کبیر) قیل متواضعین خضوعًا لا علی ھیئۃ متعینۃ (قرطبی) توریت اس اہم جزو کے تذکرہ سے خالی ہے۔ ۱۹۷ گویا زبان بھی قلب و اعضا کی طرح اظہار تذلل کرتی رہے یہ فرق ہے اللہ والوں کے لشکر اور دنیا دار بادشاہوں کے لشکروں کے داخلہ میں! ایک کے ہاں قومی جھنڈے اور ترانے بجتے ہوتے ہیں۔ وطنی نعرے لگتے ہوتے ہیں یعنی قدم قدم پر قومی شیخی اور وطنی بڑائی کا اظہار، دوسرے کے ہاں قلب خشوع سے لبریز اور زبان پر تسبیح قولوا حطۃ۔ یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ لفظ حطۃ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبری یا عبرانی تھی مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ و استغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔ وقد روی عن ابن عباس انھم اُمروا بھٰذہ اللفظۃ بعینھا وھٰذا محتمل ولکن اقرب بخلافہ بوجھین احدھما ان ھٰذہ اللفظۃ عربیۃ وھم ما کانوا یتکلمون بالعربیۃ وثانیھما وھو الاقرب انھم اُمروا بان یقولوا قولا دالا علی التوبۃ والندم والخضوع (کبیر) ولا تتوقف التوبۃ علی ذکر لفظۃ بعینھا (روح) اور ایسا ہی صاحب بحر نے بھی کہا ہے۔ تفسیر قرطبی اور ابن العربی مالکی کی احکام القرآن میں یہاں طویل بحث اس کی موجود ہے کہ آیا شریعت کے الفاظ میں تبدیلی جائز ہے؟ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جہاں الفاظ ہی تعبد کے ہوں یعنی حکم انہیں الفاظ ہی کا ہو، وہاں تبدیلی جائز نہیں لیکن جہاں اصل مقصود معانی ہوں، وہاں لفظی تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ معنوی تغیر تک نہ پہنچ جائے ۱۹۸ یعنی ان لوگوں کو جو نیک کاموں میں اخلاص کامل سے لگے ہوئے ہیں عفو و مغفرت کا وعدہ تو سب ہی توبہ کرنیوالوں سے ہو چکا۔ اس کے بعد یہ ذکر مزید فضل و کرم کا ہے۔

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ

دروازہ (شہر) میں عاجزی سے جھکے ہوئے داخل ہونا ۱۹۶ اور کہتے جانا توبہ ہے ۱۹۷ ہم تمہاری خطائیں

لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ

بخش دیں گے اور ہم نیک کاروں کو زیادہ ہی دیتے ہیں ۱۹۸ تو ان

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ

زیادتی کرنے والوں نے جو انہیں بتایا گیا تھا اس کے خلاف ایک اور کلمہ بدل ڈالا ۱۹۹

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

سو ہم نے اُن زیادتی کرنے والوں پر ایک بلا آسمان سے نازل کی ۲۰۰

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹ ۶ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى

اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے رہے تھے ۲۰۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے

لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ

پانی کی دعا مانگی ۲۰۲ سو ہم نے کہا اے موسیٰ اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو ۲۰۳ تو اس میں سے

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۲۰۴ (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا)

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ

گھاٹ معلوم کر لیا ۲۰۵ کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے)

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

رزق میں سے، اور زمین پر فسادی بن کر مت پھرو ۲۰۶

۱۹۹ یعنی جو الفاظ انہیں تلقین کئے گئے تھے، انہیں چھوڑ چھاڑ کچھ اور کلمے ہزل اور تمسخر کے زبان پر لانے لگے یہ کلمے کیا تھے، اس میں روایتیں مختلف ہیں مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے اب وہ کام تمسخر و استہزا سے لے رہے تھے و معنی الآیۃ انھم وضعوا مکان ما اُمروا بہ من التوبۃ والاستغفار قولا مغایرا لہ مشعرا باستھزاءھم بما اُمروا بہ کل ذٰلک عدم مبالاۃ باوامر اللہ (بحر) ۲۰۰ رجزًا۔ رجز عام ہے ہر عذاب کے لئے خواہ وہ کسی صورت میں ہو الرجز ھو العذاب (لسان) لفظ کی تنوین عذاب کی شدت و ہیبت کے اظہار کے لئے ہے والتنوین للتھویل والتفخیم (ابو سعود) من السماء سے مراد یہ نہیں کہ وہ عذاب، برف، بارش وغیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ بلکہ یہ فقرہ اس حقیقت کے نمایاں کرنے کیلئے ہے کہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ لا معقد من السماء (بیضاوی) الذین ظلموا کی تکرار آیت میں، ان ظالموں کے ظلم نمایاں کرنے کیلئے ہے فی تکریر الذین ظلموا زیادۃ فی تقبیح امرھم وایذانا بان انزال الرجز علیھم لظلمھم (کبیر) ولم یضمر تعظیما للامر (قرطبی) یہ عذاب تھا کس صورت میں؟ ہمارے ہاں روایتیں طاعون کی نقل ہوئی ہیں بعث اللہ علیھم الطاعون (کبیر عن ابن زید) الطاعون (کبیر عن وہب) والمراد بہ الطاعون (بیضاوی) تاریخ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ طاعون اس قوم پر بار بار آیا اور بائبل میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ آیت ماقبل میں اگر قریہ سے مراد شہر سطیم ہی لیا جائے جو موآب کے علاقہ میں ہے تو اس کے طاعون کا تو مفصل ذکر بائبل میں موجود ہے:۔ ”سو اسرائیل سطیم میں مقیم ہوئے اور ان لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرامکاری شروع کی۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں پر لوگوں کو دعوت کی۔ لوگوں نے کھایا اور ان کے معبودوں کو سجدہ کیا۔ اور اسرائیلی بعل فغور سے ملے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا“ (گنتی۔ ۲۵: ۱۔۳) ”وہ جو اس وبا میں مرے چوبیس ہزار تھے۔ (گنتی۔ ۲۵: ۹) ۲۰۱ بما کانوا یفسقون۔ ای بسبب فسقھم المستمر (ابو سعود) کانوا یفسقون کا صیغہ دوام، عادت و استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہ تھا، روحانی یا اخلاقی بد پرہیزیاں یا نافرمانیاں تھیں۔ قوانین تکوینی کی خلاف ورزی نہیں، اصل باعث شریعت موسوی کی خلاف ورزی تھی۔ شریعت کی خوردبین نگاہ امراض اور معاصی کے اُن خفی و مخفی تعلقات تک بہ آسانی پہنچ جاتی ہے، جو دنیا کے بڑے بڑے حاذق طبیبوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ عارف رومیؒ نے سچ کہا ہے ؎ ابر ناید از پے منع زکات وز زنا خیزد وبا اندر جہات فقہائے نے آیت سے اہل بدعت کا ظالم اور سزاوار غضب ہونا نکالا ہے۔ بدعت کہتے ہیں دین میں ایسے نئے امر کے پیدا کرنے کو جس کا نشان اصل شریعت میں نہ موجود ہو۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ جب لفظی تبدیلی یہ نوبت پہنچا دیتی ہے تو عملی تحریف کی شناعت کا کیا ٹھکانا! والقول انقص من العمل فکیف بالتبدیل والتغییر فی الفعل (قرطبی) ۲۰۲ اب قوم اسرائیل فلسطین سے دور، اور مصر سے الگ، دونوں کے درمیان معلق جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق بیابان و ریگستان میں اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہو رہی ہے۔ قدیم گلہ بان قوموں میں یہ دستور عام تھا اور آج بھی بہت سی خانہ بدوش قوموں میں عام ہے خشک ملک اور پھر مقامی جغرافیہ سے ناواقفیت، چلتے چلتے یہ لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نایاب تھا اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ صورت حال کا ذرا تصور کیجئے۔ پیاس سے بے حال اور بیدم تو ہو ہی رہے تھے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور لگے اپنی جھنجھلاہٹ اور غصہ اپنے رہبر اور سردار حضرت موسیٰؑ پر اتارنے۔ توریت میں ہے:۔ ”تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا، وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے۔ اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں..... موسیٰؑ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ وہ سب تو مجھے ابھی سنگسار کرنے کو تیار ہیں“ (خروج۔ ۱۷: ۱۔۴) اور قدیم ترین یہودی مورخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ ”وہ مقام رفیدیم میں پہنچے جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے..... یہاں کی سرزمین میں پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے..... لیکن وہ خدا کے آگے دعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گیا“ (باب ۳ فصل ۲) پیمبر بھی غیب دان ہر وقت نہیں ہوتے جب تلاش کے بعد مایوسی ہو چکی تھی تو بجز دعا اور مناجات کے اور کیا کرتے؟ البتہ خود توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدیش) درج ہے اور تفصیلات تقریباً سب وہی:۔ ”بعد اس کے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے دشت صین کو آئی اور قادس میں رہنے لگی..... وہاں جماعت کے لئے پانی نہ تھا سو وہ جمع ہو کے موسیٰ و ہارون کے برخلاف ہوئے اور اُن لوگوں نے موسیٰ سے جھگڑا کیا اور کہا..... یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں تب موسیٰؑ و ہارونؑ جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے اور اوندھے منہ گر گئے (گنتی۔ ۲۰: ۱۔۲) اس بنا پر علماء اہل کتاب میں باہم سخت اختلاف پڑ گیا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہ مقام کون سا تھا لیکن بہرحال وہ مقام کوئی سا بھی ہو اور ایک ہو یا دو ہوں نفس اس واقعہ کا وقوع کوئی اختلافی و نزاعی مسئلہ نہیں اور یہ تاریخ بنی اسرائیل کے مسلمات میں سے ہے استسقیٰ لفظی معنی ہیں کہ پانی طلب کیا۔ پانی کی تلاش کی۔ اور مراد یہ ہے کہ پانی کیلئے دعا کی اے دعا لھم مونی بالسقیا (کشاف) مشہور ماہر اثریات سر فلنڈرز پٹری (Pettie) ۳۰ آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۱۹۰۵ء میں اسی جزیرہ نمائے سینا کی تحقیق مہم پر روانہ ہوئے، اُن کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبان سے سنئے:۔ ”یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں اور شگاف جا بجا نخلستانوں کے ساتھ فاصلے

مجاہدہ یا ریاضت یا نفس کُشی کرے گرنا، کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے ماتحت۔ یہ واقعۂ قتل تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے۔ توریت کی سند ابھی گزر چکی۔ تاریخ کی سب کتابیں اس کو دہرا رہی ہیں۔ سارے دفترِ نقل و روایت میں کوئی لفظ اس کے خلاف موجود نہیں۔ رہی "عقل" سو خدا معلوم دنیا کے پردہ پردہ کونسی پاگل گورنمنٹ ہے، جو اپنے قانونِ فوجداری کے شدید مجرموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟ ——— آج کے "روشن خیال" تفسیر نویسوں کی تاویلات بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں! ۱۸۰ (اور اس خیریت اور بہتری کا ظہور آخرت میں ہوگا) خیر سے اشارہ یہاں نجات، مغفرت اور گناہ کی گندگی سے پاک صاف ہونے سے ہے۔ یہاں ذکر تو ایک اسرائیلی ضابطۂ شریعت کا ہے۔ لیکن خود اسلامی شریعت کا ضابطہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ رہزنی، سرقہ، زناکاری وغیرہ جن جن جرائم کے لئے حدود مقرر ہیں، وہ دُنیا میں معاف نہیں ہوسکتے، خواہ مجرم صدقِ دل سے تائب ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اجرائے حد کے بعد یہ امید ضرور قائم ہوجاتی ہے کہ نادم و تائب حشر میں دُھلا دُھلایا، پاک صاف حاضر ہوگا۔ ۱۸۱ تاب علیکم۔ یعنی تمہاری توبہ من حیث القوم قبول کرلی۔ سزا صرف انہیں افراد کو ملی جو شرک کے مجرم واقعۃً اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریکِ جرم رہا اس کی خطا معاف ہوگئی۔ ۱۸۲ دُنیا کی بہت سی گمراہ قوموں کا یہ عقیدہ رہ چکا ہے اور اب بھی ہے (مثلاً بدھ مذہب والوں کا) کہ خدا کو معاف کردینے کا کوئی اختیار ہی نہیں، کیونکہ وہ خود قانونِ مکافاتِ عمل کا پابند ہے۔ مسیحیت بھی اسی اساسی گمراہی میں مبتلا ہے۔ خدا چونکہ از خود کسی کو معاف نہیں کرسکتا، اور معاف کرنا چاہتا ہے، اس لئے اُس نے اپنے بیٹے کو سب کی طرف سے بطور کفارہ سزا دے کر دوسروں کو معاف کردیا۔ یہودیت نے بھی خدا کی قہاریت پر اتنا زور دیا کہ اس کی رحمت و رحمانیت کی تصویر بالکل ہی دھندلی پڑ گئی۔ قرآن مجید نے توبہ و قبولِ توبہ اور رحمتِ الٰہی کی وسعت پر بار بار زور دے کر ان ساری گمراہیوں کی تردید کردی۔ ۱۸۳ (کہ جو مخاطبہ تم سے ہوا وہ مخاطبۂ الٰہی ہی تھا، اور جو کلام تم نے سنا ہے وہ کلامِ الٰہی ہی ہے) قلتم "تم نے کہا تھا" یعنی تمہاری قوم کے ستر بڑے بوڑھے نمائندوں نے۔ والقائلون ھم السبعون الذین اختارھم موسٰی للمیقات (بیضاوی) لن نؤمن لك۔ اے لاجل قولك (بیضاوی) تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دُہرائے جارہے ہیں۔ اور اسرائیلیوں پر اُن کی قومی تاریخ سے حجت قائم کی جارہی ہے۔ اب ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت موسٰی علیہ السلام ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لیکر لشکرگاہ سے کوہِ طور پر گئے ہیں۔ دامنِ کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے ہیں اور مکالمہ و مخاطبۂ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگانِ قوم کو پہنچائی ہے۔ ۱۸۴ (اپنی انہیں مادی اور ظاہری آنکھوں سے، گویا اللہ تعالٰی بھی کوئی مادی جسم رکھتا ہے، اور گویا رسول کے حواس عام بشری حواس سے کچھ ممتاز ہی نہیں ہوتے!) ۱۸۵ (اس گستاخانہ مطالبہ کی پاداش میں) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحیل (بیضاوی) اخذتکم "پکڑ لیا تم کو" یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کی جماعت کو۔ معتزلہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ رؤیتِ باری جائز ہی نہیں ورنہ اگر جائز ہوتی تو اس سوال پر سزا ان اسرائیل کو اتنی سخت سزا ملتی۔ لیکن اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ رؤیتِ باری جنت میں تو مومنین کو ہو ہی کر رہے گی، باقی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بطور فضلِ خاص ممکن ہے۔ البتہ بہ جہت جسم، اور مادی کم و کیف سے پاک۔ وقد اختلف فی جواز رؤیة اللہ تعالٰی فاکثر المبتدعة علی انکارھا فی الدنیا والاٰخرة واھل السنة والسلف علی جوازھا فیھما ووقوعھا فی الاٰخرة (قرطبی) الممکن ان یری رؤیة منزھة عن الکیفیة وذلك للمومنین فی الاٰخرة ولافراد من الانبیاء فی بعض الاحوال فی الدنیا (بیضاوی) رہی ان کی یہ سزا تو اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پیمبر کی بات کو جھٹلا رہے تھے (حالانکہ ظہورِ معجزات و دلائل کے بعد پیمبر پر ایمان لانا فرض ہوجاتا ہے) یا یہ کہ وہ سوال اپنے رفعِ جہل کے لئے نہیں، بلکہ بطور انکار، از راہِ عناد کر رہے تھے۔ انما عوتبوا بکفرھم لانھم امتنعوا عن الایمان بموسٰی بعد ظھور معجزاته والایمان بالانبیاء واجب بعد ظھور معجزاتھم ولانھم لم یسألوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارک) ۱۸۶ توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا امڈی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے"۔ (خروج ۱۹:۱۶) وانتم تنظرون۔ مفسر ابن حیان نے کہا ہے کہ ینظرون عربی میں ینتظرون کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے اگر کوئی یہ مراد لے کہ تم سوال رؤیت کے قبول ہونے کا انتظار کر رہے تھے، تو اس معنی کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے اگرچہ کسی سے منقول نہیں۔ ولکن ھذا الوجه لیس بمنقول فلا اجسر علی القول به وان کان اللفظ یحتمله (بحر) ۱۸۷ یہ احیا حضرت موسٰی کی سفارش پر ہوا تھا۔ اسرائیلی روایات اس باب میں خاموش ہیں۔ بعثناکم "جلا اٹھایا تم کو" یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کو۔ بعثناکم من بعد موتکم۔ موت اور بعث دونوں کے کھلے ہوئے معنی مرنے اور جی اٹھانے کے ہیں۔ اور ایسا ہی مفسرین نے عموماً سمجھا ہے، بلکہ یہ کہہ دیا ہے کہ بعد موت کی قید لگائی ہی اس لئے گئی ہے کہ بعث کو کوئی غشی یا نیند کے بعد نہ سمجھے۔ اے احییناکم (قرطبی) ماتوا وذھبت ارواحھم ثم ردوا لاستیفاء آجالھم (قرطبی) وقید البعث لانه قد یکون عن اغماء او نوم (بیضاوی) والموت ھنا ظاھر مفارقة الروح الجسد وھذا ھو الحقیقة (بحر) بحر، روح وغیرہ میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ موت حقیقی نہ تھی، بلکہ بیہوشی کی قسم سے مجازی موت تھی ۱۸۸ اور آئندہ توحید اور ایمان پر پوری طرح قائم رہا۔ بعض تفسیروں میں یہاں یہ قصہ نقل ہوا ہے کہ یہ ستر اشخاص بعد کو حضرت موسٰی کی دعا سے نبی ہوگئے۔ لیکن یہ قصہ بے اصل ہے۔ ھذا غریب جدًا (ابن کثیر) وھو بعید (روح) ۱۸۹ (تمہیں آفتاب کی تپش سے بچانے کیلئے جب کہ تم صحرائے سینا میں بھٹک رہے تھے) جزیرہ نمائے سینا جیسے ریگستانی ملک اور چٹیل میدان کی دُھوپ میں سایہ میسر آجانا واقعی مایۂ رحمت سے کم نہیں۔ توریت میں ستونِ ابر اور ستونِ زر دونوں کا ذکر بطور معجزہ کے ہے۔ سیاقِ قرآنی سے معجزہ کا پہلو لازم نہیں آتا۔ ذکر عام نعمتوں کا ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل پران کی تاریخ کے اہم ترین دور میں برابر نازل ہوتی رہیں۔ اور قرآن مجید نے عام مستقل اور بظاہر طبعی اسباب سے پیدا شدہ نعمتوں کو کہیں بھی معجزانہ و خارقانہ نعمتوں سے کم اہمیت نہیں دی ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خداوند دن کو بدلی کے ستون میں ہو کے تاکہ انہیں راہ بتائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کے تاکہ انہیں روشنی بخشے اُن کے آگے چلا جاتا تھا کہ دن رات چلے جائیں اور بدلی کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو اُن کے آگے سے ہرگز نہ اٹھاتا تھا"۔ (خروج ۱۳:۲۱، ۲۲) روایاتِ یہود میں حسبِ بیان جیوش انسائکلوپیڈیا (جلد ۴ صفحہ ۱۲۳) یہ تصریح بھی موجود ہے کہ بنی اسرائیل جب کثرتِ معاصی میں مبتلا ہوجاتے تھے تو یہ ابر ان پر سایہ کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ الغمام۔ قرآن مجید نے اسے لطیف ابر بتایا ہے۔ یہود اسے تختِ خداوندی سمجھتے تھے۔ ۱۹۰ (اسی دشتِ سینا میں) انزل۔ "اتارا" سے یہ مراد لازمی طور پر نہیں ہوتی کہ وہ چیز کسی غیر طبعی معجزانہ طریق پر اُتری ہو۔ پانی، لوہا، کھانے کے سامان وغیرہ جو اپنے معمولی اور طبعی طریقوں پر انسان کے کام کے لئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے لئے قرآن مجید کی زبان میں "اتارنے" ہی کا لفظ آیا ہے۔ من۔ اہلِ لغت کی تحقیق میں یہ ایک میٹھی میٹھی رطوبت تھی جو درختوں پر گرا کرتی تھی۔ المن شیء کالطل فیه حلاوة یسقط علی الشجر (راغب) عربی میں اسم جنس ہے، خیر و شر کی طرح جس کا واحد نہیں آتا۔ اسم جنس لا واحد له من لفظه مثل الخیر والشر قاله الاخفش (قرطبی) معنی اس کے متعدد بیان کئے گئے ہیں۔ میٹھا گوند، شہد، شربت وغیرہ۔ لیکن اکثر کا خیال ہے کہ یہ ترنجبین کے مرادف ہے۔ الترنجبین وعلی ھذا اکثر المفسرین (قرطبی) الاکثرون علی ان المن ھو الترنجبین (معالم) اور ترنجبین سے متعلق قدیم طب کی کتابوں میں یہ درج ہے کہ شہد کی طرح جمی ہوئی اور لذیذ، آسمان سے گرنے والی شبنم کی قسم کی چیز ہے۔ الترنجبین طل یقع من السماء وھو ندی شبیه بالعسل جامد متحبب (مفردات ابن البیطار) بہر حال اتنا یقینی ہے کہ کوئی لذیذ قدرتی غذا تھی جو بنی اسرائیل کو مسلسل مسافرت کے زمانہ میں، بلا مشقت و تعب مل جاتی تھی۔ توریت کی تصریحات اس بارہ میں حسبِ ذیل ہیں:۔ "صبح کو لشکر کے پاس اوس پڑی۔ اور جب اوس پڑ چکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز ایسی سفید جیسے برف کا چھوٹا ٹکڑا زمین پر پڑی ہے۔ اور بنی اسرائیل نے دیکھ کر آپس میں کہا کہ من ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ جانا کہ وہ کیا ہے۔ تب موسٰی نے انہیں کہا کہ یہ روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تمہیں دی ہے"۔ (خروج ۱۶:۱۴ و ۱۵) "اسرائیل کے گھرانے نے اس کا نام من رکھا اور وہ دھنیے کے بیج کی طرح سفید تھی، اور مزا اس کا شہد میں ملی ہوئی پھلوری کا تھا"۔ (خروج ۱۶:۳۱) "اور من سوکھے دھنیے کی مانند تھا۔ اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا۔ لوگ ادھر ادھر جاکر اُسے جمع کرتے تھے۔ اور چکی میں پیستے تھے۔ یا اوکھلی میں کوٹتے تھے، اور تووں پر پکاتے تھے اور پھلکیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا اور رات کو جب خیموں پر اوس پڑتی تھی تو من بھی اُن پر پڑتا تھا"۔ (گنتی ۱۱:۸-۱۱) سلوٰی۔ ایک قسم کا بٹیر ہے۔ جزیرہ نمائے سینا کا خاص جانور ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آجاتا ہے۔ اڑتا اونچا نہیں، بہت نیچے رہتا ہے۔ تھک بہت جلد جاتا ہے اور شکار بڑی آسانی سے ہوجاتا ہے۔ (جیوش انسائکلوپیڈیا۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۵) اس کا شمالی سفر مصر سے فلسطین کی جانب عموماً مارچ میں ہوتا ہے، اور جنوبی فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ یہ اسرائیلی بٹیر وہ تھے جو مارچ اپریل میں رات کے وقت اپنی شمالی پرواز میں ہوتے ہیں۔ بحر قلزم شمال میں جہاں دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے، وہاں تک یہ اپنے سالانہ اڑان میں آتے ہیں۔ اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سمندری ہواؤں کی بیشمار تعداد بہ آسانی اسرائیلیوں کے ڈیروں تک لے آتی تھی (ڈکشنری آف دی بائبل۔ از ڈاکٹر ہیسٹنگز۔ جلد ۴ صفحہ ۱۹) ان کا گوشت چربی دار ہوتا ہے، رکھنے سے بہت جلد خراب ہوجاتا ہے۔ (انسائکلوپیڈیا بائبلیکا، کالم ۳۹۹۹) واضح رہے کہ سارے رکوع میں اور اس کے بعد بھی ذکر بنی اسرائیل کے ساتھ حق تعالٰی کے معاملات کا ہے۔ اور ان معاملات کو حق تعالٰی نے بطور اپنے احسانات و انعامات کے گنایا ہے۔ ضرور نہیں کہ یہ سارے واقعات اپنے عام طبعی اسباب سے ہٹ کر بصورتِ معجزات ہی پیش آئے ہوں۔ اصل مقصود یہاں احسانات و الطافِ خداوندی کی یاد دہی ہے۔ خواہ وہ حسبِ عادت ہوں، خواہ بطور خارقِ عادت۔ یعنی قانونِ تکوینی کی عام دفعات کے ماتحت، یا کسی خصوصی دفعہ کے مطابق۔ اہلِ تفسیر نے عموماً ابر کی سایہ افگنی، من و سلوٰی کے نزول، اور چٹان سے چشمہ کی روانی، سب کو معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن کسی کی تحقیق میں اگر یہ سب امور عام واقعاتِ طبیعیہ میں داخل ہوں اور ان کی توجیہ عام اور معمولی قوانینِ تکوینی کے ماتحت ہوجائے، یا آج کل کی اصطلاح میں ان کے سائنٹفک اسباب دریافت ہوجائیں، تو اس کا اثر ارشاداتِ قرآنی پر مطلق نہیں پڑے گا۔ اُن کی احسانی اور انعامی حیثیت بہر صورت قائم رہتی ہے۔ اور اسی کی تذکیر قرآن کا مقصود ہے۔ توریت میں البتہ اس کے برعکس، سارا زور ان واقعات کی معجزانہ حیثیت پر ہے ۱۹۱ (اور ان چیزوں کا ذخیرہ نہ کرو۔ روز کی روز خرچ کرتے رہو) حکم اسرائیلیوں کو یہ ملا تھا کہ بلا ضرورت ان غذاؤں کا ذخیرہ نہ کرتے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ "ذخیرہ اندوزی" Hoarding کی عادت یہودیوں کی آج کی نہیں، بہت قدیم ہے ۱۹۲ (اس حکم کی خلاف ورزی کرکے) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور سخت خطرناک ہے۔ اور اس میں جاہل صوفیوں کو سخت دھوکا ہوا ہے، چنانچہ وہ کثرتِ جاہ و مال کو علامت مقبولیت کی سمجھتے ہیں، حرص میں مبتلا، توکل سے ناآشنا، اور نافرمانی کے عادی بنی اسرائیل سے تعمیل اتنے معمولی حکم کی بھی نہ ہونے پائی۔ لگے ان غذاؤں کا ذخیرہ فراہم کرنے، اور لطیف غذائیں باسی ہو ہو کر سڑنے لگیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور باوجودیکہ موسٰی نے کہا کہ کوئی اس میں سے صبح تک باقی نہ چھوڑے۔ وہ اس کے سننے والے نہ ہوئے۔ اور بعضوں نے صبح تک کچھ رہنے دیا۔ سو اس میں کیڑے پڑ گئے اور سڑ گیا"۔ (خروج ۱۶:۲۰) یہود جو مشرک قوموں کے اثر سے عقیدۂ تجسیم کے قائل تھے۔ یعنی خدا تعالٰی کو بھی بشری اوصاف سے متصف جانتے تھے، اور اس کے تاثر و انفعال کے معتقد تھے، انہیں یہ بار بار بتانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ خدا تعالٰی کسی نفع و نقصان سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ انسان ہی ہے جو احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرکے نقصان اٹھاتا ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۱۹۳ (بنی اسرائیل سے ان کے پیمبر کی وساطت سے) یہ واقعہ اگر حضرت موسٰی کے زمانہ کا ہے تو وہی مراد ہیں، اور اگر ان کے بعد کا ہے تو ان کے جانشین حضرت یوشع۔ قرآن مجید، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، توریت کے بعض حصوں کی طرح تاریخ کی کوئی کتاب نہیں۔ اس لئے اس کے بیانات میں تسلسلِ زمانی اور ترتیبِ تاریخی ہرگز ضروری نہیں۔ اس کا مقصود صرف نتائج و عبر ہیں، اخلاقی و روحانی سبق، نہ کہ واقعات کی روداد، اس ایک حقیقت کو پیش نظر نہ رکھنے سے یہود و نصارٰی آج قرآن فہمی میں طرح طرح کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ یہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ تاریخِ اسرائیل ہی کا ایک مسلّم واقعہ ہے۔ زمانہ تاریخی اس کا جو کچھ بھی ہو۔

پر لکھنؤ کی ماہوری ستمبر ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں درج ہے۔ البحر۔ بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں۔ جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہوگیا ہے۔ بلکہ بحر قلزم (یا بحر احمر) مراد ہے۔ دریائے نیل تو بنی اسرائیل کے مسکن اور مقام سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اور اسرائیلیوں کا راستہ شام کے لئے مشرق کی طرف تھا۔ نیل سے اس راستہ کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مصر سے شام کی راہ کے قریب بحر قلزم تھا اسی کے تنگ شمالی سرے کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ مصر کے مشرق میں جہاں اب نہر سویز کھدگئی ہے۔ اس سے متصل جنوب میں۔ نقشہ میں سمندر دو شاخوں کی شکل میں تقسیم نظر آئے گا۔ یہاں ان میں سے مغربی شاخ مراد ہے۔ اسرائیلیوں نے اسی کو عبور کرکے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا تھا۔ ۱۶۹ اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پاکر قدرۃً سخت پریشان ہوئے۔ لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیمبر کر رہے تھے۔ آپ نے وحی الٰہی کے اشارہ سے فرمایا کہ بلا توقف سمندر میں چل پڑو۔ سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہوگیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہوگیا۔ اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کرگیا۔ اتنے میں فرعونی بھی لب ساحل پہنچ گئے۔ اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں در آئے۔ لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی ہوئی دیواریں آناً فاناً آپس میں مل گئیں۔ اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہوگیا۔ اور دیکھتے دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہوکر رہ گیا۔ توریت میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ "پھر موسیٰ نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا اور خداوند نے بسبب بڑی پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلایا۔ اور دریا کو سکھا دیا۔ اور پانی کو دو حصہ کیا۔ اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہوکر گزر گئے۔ اور پانی ان کے داہنے اور بائیں دیوار تھی" (خروج ۱۴: ۲۱-۲۲) "بنی اسرائیل خشک زمین پر دریا کے بیچ میں چلے گئے اور پانی کی ان کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔ سو خداوند نے اس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے یوں بچایا" (خروج ۱۴: ۲۹-۳۰) "اور مصریوں نے پیچھا کیا اور ان کا پیچھا کئے ہوئے وہ اور فرعون کے سب گھوڑے اور اس کی گاڑیاں اور اس کے سوار دریا کے بیچوں بیچ تک آئے۔۔۔۔۔۔ اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ دریا پر بڑھایا۔ اور دریا صبح ہوتے ہی اپنی اصلی قوت پر لوٹا اور مصری اس کے آگے بھاگے اور خداوند نے مصریوں کو دریا میں ہلاک کیا۔ اور پانی پھرا۔ اور گاڑیوں اور سواروں اور فرعون کے سب لشکر کو جو ان کے پیچھے دریا میں آئے تھے چھپالیا۔ اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا" (خروج ۱۴: ۲۳-۲۸) واقعہ کا زمانہ جدید ترین اثری تحقیق کے مطابق ۱۴۴۷ ق م یا اسکے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔ وانتم تنظرون۔ فقرہ غیر ضروری یا برائے بیت نہیں۔ بنی اسرائیل پر اس حقیقت کا پُر زور طریقہ پر اعلان مقصود ہے کہ اپنے ایسے پُر قوت دشمن کی ہلاکت و بربادی کا نظارہ محض تائید خداوندی سے تم نے اپنی آنکھوں سے کرلیا۔ توریت میں ہے "اسرائیلیوں نے مصریوں کی لاشیں دریا کے کنارہ پر دیکھیں" (خروج ۱۴: ۳۱) ۱۷۰ جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو مصری حکومت کے پنجۂ غضب سے نکال لائے۔ تو اب مشیت خداوندی یہ ہوئی کہ اس قوم کو ایک پورا نظام شریعت اور دستور زندگی عطا ہو چنانچہ حضرت موسیٰؑ جزیرہ نمائے سینا کے ایک پہاڑ کی چوٹی کوہ طور پر نوشتۂ غیبی لینے کیلئے ایک چلّہ کیلئے طلب کئے گئے۔ موسیٰ۔ موسیٰؑ بن عمران سلسلہ اسرائیل کے سب سے زیادہ مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ایک سو بیس سال کی پائی (استثناء ۳۴: ۷) آپ کا زمانہ مؤرخین اور اثریین کا تخمینہ ہے کہ پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کا تھا۔ سال ولادت غالباً ۱۵۲۰ ق م۔ سال وفات غالباً ۱۴۰۰ ق م۔ اربعین لیلۃ۔ چالیس رات دن مراد ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور موسیٰؑ پہاڑ پر چالیس دن رات خداوند کے پاس رہا" (خروج ۲۴: ۱۸) اسلامی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ زمانہ ذی قعدہ کے پورے مہینہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا تھا۔ قیل انہا ذوالقعدۃ بکمالہ وعشر من ذی الحجۃ (ابن کثیر) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اہل سلوک کے یہاں جو چلّہ کی میعاد متعارف ہے اسکی اصل یہیں سے ہے۔ ۱۷۱ (بطور اپنے معبود کے) من بعدہٖ۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔ اُدھر حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر تشریف لے گئے اِدھر انکی بدعقد قوم نے گرد و پیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ایک گوسالہ کی مورت سونے کی بناکر اس کی پرستش شروع کردی۔ توریت میں خروج کا باب ۳۲ پورا اسی گوسالہ پرستی کی تفصیلات کی نذر ہے۔ ۱۷۲ (اپنے حق میں) قرآن مجید نے اس قسم کے فسق شدید بلکہ شرک کو اکثر ظلم ہی سے تعبیر کیا ہے اور واقعی اس سے بڑھکر ظلم انسان کا اپنے حق میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اسرائیلیوں میں یہ گمراہی آئی کہاں سے؟ اس سوال کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ مصریوں کی گاؤ پرستی کا عکس تھا۔ دوسرا قول ہے کہ مشرک کنعانیوں (فلسطینیوں) کے ہمجوار ہونے کا اثر تھا۔ تیسرا قول ہے کہ گوسالہ مورت تھی چندر یا دیوتا کی۔ اور گوسالہ پرستی مرادف تھی ماہتاب پرستی کی۔ بہرحال یہ شرک جس راہ سے بھی آیا ہو قرآن نے اسے ہی شرک قرار دیا، خواہ وہ مورتی (نعوذ باللہ) خدائے واحد ہی کی کیوں نہ بنائی گئی ہو۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ حلول باری تعالیٰ کی جناب میں محال ہے ورنہ اگر محض غلطی ہوتی تو اسرائیلی اس میں معذور سمجھے جاتے۔ ۱۷۳ تمہارے توبہ و استغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد) گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا چاہیئے تو یہ تھا کہ ساری قوم کو ملتی، شرک کرنے والوں کو شرک کی، اور باقی تماشہ دیکھتے رہنے والوں کو سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی۔ لیکن واقعۃً سزا صرف ایک مخصوص گروہ کو ملی۔ جیسا کہ ابھی آتا ہے، اور باقی ساری قوم توبہ و استغفار کے بعد بچ گئی ۱۷۴ (کہ شکر گزاری اور منت پذیری تو جوہر شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے) اس موقع پر عملی شکر گزاری توحید و طاعت پر ثابت قدمی تھی ۱۷۵ (اور جزئیات تک کیلئے زندگی کا ایک دستور العمل ہاتھ آجائے) اجمالاً راہ ہدایت یعنی توحید کی تعلیم تو اسرائیلیوں کو پہلے سے ہی ملی ہوئی تھی، اور پیمبر ان کے درمیان موجود ہی تھے۔ اب کتاب اس لئے نازل فرمادی گئی کہ ایک مستقل و مرتب دستور العمل جزئیات زندگی کا ان کے ہاتھ میں آجائے، اور آئندہ یہ راہ سے بھٹکنے نہ پائیں۔ الکتٰب۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق الکتٰب کا لفظ، علاوہ قرآن کے توریت کے لئے بھی آیا ہے۔ الفرقان۔ فرقان اپنے لفظی معنی میں ہر وہ چیز ہے جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ کل ما فرق به بین الحق والباطل فهو فرقان (لسان)۔ الفرقان۔ قرآن کا بھی ایک نام ہے، اس مناسبت سے کہ قرآن حق و باطل، حرام و حلال کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت و انجیل پر بھی ہوسکتا ہے، کہ یہ کتابیں بھی

لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ
تمہارے حق میں تمہارے خدا کے نزدیک ۱۸۰ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی ۱۸۱ بیشک وہ بڑا توبہ قبول
الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ
کرنیوالا، بڑا مہربان ہے ۱۸۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ باور کرینگے تمہارے
نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ
(کہنے سے) ۱۸۳ جبتک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں علانیہ ۱۸۴ سو (اس پر) تم کو آلیا کڑک نے ۱۸۵ اور تم (اس کا آنا)
تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ
دیکھ رہے تھے ۱۸۶ پھر ہم نے تم کو جلا اٹھایا تمہارے مرے پیچھے ۱۸۷ کہ شاید تم
تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا
شکر گزار بنو ۱۸۸ اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کردیا ۱۸۹ اور ہم نے
عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
تمہارے اوپر مَنّ و سلویٰ اتارا ۱۹۰ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے
مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا
جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ۱۹۱ اور انہوں نے زیادتی ہم پر نہیں کی بلکہ زیادتی اپنی
أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ
ہی جانوں پر کرتے رہے ۱۹۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا ۱۹۳ کہ اس
الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَ
بستی میں داخل ہوجاؤ ۱۹۴ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پیو ۱۹۵ اور

فارق ہیں بہ لحاظ عقائد حق و باطل کے درمیان۔ بہ لحاظ اقوال صدق و کذب کے درمیان۔ اور بہ لحاظ اعمال نیک و بد کے درمیان (راغب)۔ اس مقام پر الفرقان کی متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ ۱۔ الکتٰب والفرقان کے درمیان عطف تفسیری ہے۔ اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی توریت۔ توریت ہی کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت کتابت۔ دوسری صفت فرقانیت۔ اول کے لحاظ سے وہ الکتٰب ہے۔ اور دوسری کے لحاظ سے الفرقان۔ یعنی الجامع بین کونه کتابا منزلا وفرقانا یفرق بین الحق والباطل یعنی التوراۃ (کشاف)۔ الفرقان نعت والواو زائدۃ یعنی الکتٰب الفرقان (معالم عن الکسائی)۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد یہاں توریت اپنے احکام و شرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباسؓ اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ یہ قول قول اول سے معنی بالکل ملتا ہوا ہے۔ ۳۔ مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰؑ کو عطا ہوئے تھے۔ مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ ید بیضا، وغیرہما۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ انه معجزات الفارقة بین الحق والباطل (روح)۔ ۴۔ مراد وہ فتح و غلبہ ہے جو بنی اسرائیل کو حکومت فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا تھا۔ النصر والفرج الذی اتاہ اللہ بنی اسرائیل علی قوم فرعون (کبیر) الفرقان الفرج من الکرب لانهم کانوا مستعبدین مع القبط (قرطبی)۔ یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے اسرار و مسائل کی تعلیم حضرت موسیٰؑ کو ہوئی تھی۔ اور وہ ان کے بعد سے سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی قوم میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اس علم سفینہ کے علاوہ یہ علم سینہ ہے ۱۷۶ (بعد اس کے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہوچکے تھے) ۱۷۷ (کہ توحید جیسی دولت بے بہا پاکر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سفلیت پر اتر آئے) ۱۷۸ فتوبوا میں فا سببیہ ہے کہ نہ انہوں نے ظلم کیا ہوتا نہ آج توبہ کی نوبت آتی والفاء للتسبیب (بیضاوی) لان الظلم سبب للتوبة (بحر)۔ توریت میں ہے:۔ "اور موسیٰؑ نے کہا کہ آج خداوند کے لئے اپنے تئیں مخصوص کرو۔ ہر ایک مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرکے تاکہ وہ تمہیں برکت دیوے" (خروج ۳۲: ۲۹) ۱۷۹ اپنے ہاتھ سے یعنی غیر مجرمین مجرمین کو قتل کریں۔ فلیقتل الذی لم یعبد العجل الذی عبدہ (ابن عباسؓ)۔ شرک شریعت موسوی اور آئین اسرائیلی میں علاوہ معصیت مذہبی کے فوجداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا، مستوجب قتل۔ توریت کی قانونی آیتوں میں مشرک بمشرکہ کے لئے تصریح ہے کہ "اس مرد یا اس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مر جائیں۔۔۔۔۔۔ گواہوں کے ہاتھ اس پر پہلے اٹھیں تاکہ اس کو قتل کریں اور ان کے بعد باقی سب لوگوں کے ساتھ، تم یونہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست و نابود کیجیو" (استثناء ۱۷: ۵-۷) اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ صاحب شریعت کے سامنے بھی نہ ہوتا تو کب ہوتا۔ شرک کے مجرمین کو پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔ توریت میں ہے:۔ "تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک تمام لشکر گاہ میں گزرتا پھرے۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے اور بنی لاوی نے موسیٰؑ کے کہے کے موافق کیا، چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار آدمی مارے پڑے" (خروج ۳۲: ۲۷، ۲۸) فاقتلوا انفسکم۔ میں قتل سے مراد یہی ہلاک ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اور محققین کا گروہ اسی معروف معنی میں قتل کا قائل ہے۔ والمراد من القتل القتل المعروف من ازهاق الروح (روح) ظاهر هذا انه هو القتل المعروف من ازهاق الروح (بحر) والصحیح انه قتل علی الحقیقة هنا (قرطبی)۔ اس کھلے ہوئے معنی کو چھوڑکر، بلا وجہ و بلا ضرورت قتل کے مجازی معنی

آتی کہ "امتِ موسوی" اور "قومِ اسرائیل" تک کے درمیان خلط ہوگیا، اور دونوں کا عظیم الشان فرق نظر میں نہ رہا۔ اُمتِ محمدیؐ کی افضلیت بلحاظِ دین و عقیدہ ہے، نہ کہ کسی نسلی یا قومی اعتبار سے، اور آیت میں ذکر ایک خاص نسل کی افضلیت کا ہے۔ یہ کوئی نظریہ یا اجتہادی مسئلہ نہیں۔ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت دُنیائے تہذیب طرح طرح کے شرک کفر و وہم پرستیوں میں مبتلا تھی، موحدِ اعظم ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل کی ایک شاخ توحید کا عَلَم بلند کئے ہوئے تھی۔ ہمارے مفسرین میں سے بھی کسی کسی کے ذہن کی رسائی اس حقیقت تک ہوگئی ہے، اور وہ صاف کہہ گئے ہیں کہ نسلِ اسرائیلی کی افضلیت اس میں سلسلۂ نبوت و انبیاء کے لحاظ سے تھی بما جعل فیہم من الانبیاء وھٰذہ الخاصۃ لھم ولیست لغیرھم (قرطبی) ۱۶۳؎ یوماً "اُس دن" سے مراد ظاہر ہے کہ یومِ قیامت ہے۔ قیامت کی یاد بڑے حکیمانہ موقع پر دلائی گئی۔ حشر و نشر جزا و سزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی رُوح ہے، اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، کہنا چاہئے کہ ان کی مقدس کتابوں اور نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا۔ آگے روزِ قیامت کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، سب میں رد ہی ہے کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدہ کا۔ لا تجزی نفس عن نفس۔ اس سے مقصود اُس اسرائیلی عقیدہ کی تردید ہے، جو آج تک جیوش انسائکلوپیڈیا میں ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے "بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اور بہت سے لوگ اپنے اخلاف کے اعمالِ حسنہ کی بنا پر بخش دیئے جائیں گے" (جلد ۹۔ ص۱۰۱) ولا یقبل منھا شفاعۃ (جس صورت میں کہ موت حالتِ کفر پر اور عدمِ ایمان میں ہوئی ہو) یہاں بھی تردید ہے اس اسرائیلی عقیدہ کی کہ عمل اور عقیدے کیسے ہی ہوں، بہرحال اپنے اسلافِ کرام شفاعت کرکے بخشوا ہی لیں گے۔ شفاعت اور ایک شفیعِ مستقل کا یہی وہ مبالغہ آمیز تخیل ہے جس نے مسیحیت میں آکر انتہائی شکل اختیار کرلی۔ اور کفارہ ہی کی طرح شفاعت پر مسیحیت کی بنیاد ہے۔ ولا یوخذ منھا عدل۔ اس میں اصل ضرب یہودی اور مسیحی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ مسیحیوں کے ہاں عقیدۂ کفارہ کی اہمیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن خود یہود بھی ایک بڑی تعداد میں اسی عقیدۂ کفارہ سے متاثر ہوکر اس کے قائل ہوگئے تھے (جیوش انسائکلوپیڈیا، جلد ۲ ص۲۷۶)۔ ولاھم ینصرون۔ ایمان نہ رکھنے والوں کو کسی طرف سے مدد و نصرت بھی نہ پہنچے گی کہ سزا میں کچھ تخفیف ہی ہوسکے چہ جائے کہ نجاتِ کامل ہوسکے ۱۶۴؎ آل لغت میں اھل کا مرادف

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ
تمہاری بڑی آزمائش تھی ۱۶۹؎ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا
فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾
پھر ہم نے تمہیں نجات دے دی اور فرعون والوں کو غرق کردیا، درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے ۱۷۰؎
وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ
اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کرلیا تھا ۱۷۱؎ پھر تم نے ان کے
الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ
پیچھے گوسالہ کو اختیار کرلیا ۱۷۱؎ اور تم (سخت) ظالم تھے ۱۷۲؎ پھر ہم نے
عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ
تم کو اس کے بعد بھی معاف کردیا ۱۷۳؎ کہ شاید تم
تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ
شکر گزار بن جاؤ ۱۷۴؎ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان دیئے
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ
تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ ۱۷۵؎ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ۱۷۶؎
يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ
کہ اے میری قوم، یقیناً تم لوگوں نے اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا اپنی گوسالہ گیری سے ۱۷۷؎
فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ
سو اب اپنے خدا سے توبہ کرو ۱۷۸؎ پھر اپنے اشخاص کو قتل کرو ۱۷۹؎ یہی بہتر ہے

ہے۔ اور مراد اس سے اہل و عیال، اتباع، ہم مذہب اور ہم نسب ہوتے ہیں۔ اھل الرجل عیالہ واتباعہ واولیاؤہ۔ فرق یہ ہے کہ اھل کا استعمال عام ہے اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لئے آتا ہے۔ لا یستعمل الآل الا فیما فیہ شرف غالباً (تاج)۔ فرعون۔ یہ کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا عَلَم نہیں۔ قدیم شاہانِ مصر کا عام لقب تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں ابھی کل تک جرمنی کے بادشاہ کو قیصر، روس کے تاجدار کو زار، اور ٹرکی کے فرمانروا کو سلطان کہتے تھے۔ یا آج بھی والیٔ مصر کو خدیو اور والیٔ دکن کو نظام کہتے ہیں۔ فرنگی مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہوئے ہیں، یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسے بھی قرآن کا اعجاز ہی کہنا چاہئے، کہ وہ بجائے شخصی نام کے عمومی لفظ لایا جس کے بعد شخصیتوں کے ایک یا دو یا چند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یسومونکم سوء العذاب یعنی ظالم و جابر حکمرانوں کی طرح تمہیں رعایا بنائے ہوئے تمہارے اوپر طرح طرح کی سختیاں کر رہے تھے۔ توریت میں ہے۔ "مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب طرح کی خدمت کھیت کی کرواکے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے مشقت کی تھیں" (خروج۔ ۱: ۱۳ و ۱۴) قدیم ترین اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثارِ یہود (History of Jewish Antiquities) میں تفصیلات اور زیادہ موجود ہیں۔ قرآن مجید اور توریت کے بیان کا یہ فرق بھی قابلِ لحاظ ہے کہ توریت نے یہ ساری سخت گیریاں سارے مصریوں کی جانب منسوب کردیں۔ اور قرآن نے اپنے حسبِ معمول محتاط اور انتہائی صادقانہ لہجہ میں نام صرف "فرعونیوں" کا لیا —— دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ایسی ہی الگ ہیں، جیسے انگریزی قوم اور انگریزی حکومت۔ نجینا۔ باب تفعیل سے ہے اور اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سارے اسرائیلی مصر سے دفعۃً نہیں نکلے تھے، بلکہ رفتہ رفتہ مختلف ٹولیوں میں نکلتے رہے۔ اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا جو حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں روانہ ہوا، اور دریا عبور کرکے پار ہوا۔ ہیسٹنگز کی "ڈکشنری آف دی بائبل" میں ہے۔ "ممکن ہے کہ مصری اسرائیلیوں کے گروہ وقتاً فوقتاً مصر سے نکل کر اپنے اجداد کے مقبروں کے گرد آباد ہوتے رہے ہوں" (جلد ۳ ص۸۹۶) اگر تاریخ نے کبھی مؤرخین کے اس خیال کی تصدیق کردی، تو قرآن مجید کے لفظ نجینا کے باب تفعیل سے آنے کی اہمیت قدر اُس وقت ہوگی ۱۶۵؎ توریت میں ہے۔ "اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کردو .... اور فرعون نے اپنے سب لوگوں کو تاکید کرکے کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو" (خروج۔ ۱: ۱۵ و ۲۲) ۱۶۶؎ یہ لڑکیوں کا قتل نہ کرنا اور انہیں عورت بننے کے لئے زندہ رکھنا غالباً اس لئے تھا کہ انہیں آیندہ فرعونی امراء اپنے حرم میں داخل کریں۔ (ملمین کی "ہسٹری آف دی جیوز" جلد اول ص۳)۔ توریت میں ذکر قرآن کی طرح صرف اُن کے زندہ رکھنے کا ہے۔ وجہ و مصلحت درج نہیں۔ "اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کردو۔ اور اگر بیٹی ہو تو اسے جینے دو .... ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو، اور جو بیٹی ہو، جیتی رہنے دو" (خروج۔ ۱: ۱۵ و ۲۲) ۱۶۷؎ مشہور و قدیم یہودی مؤرخ جوزیفس کے الفاظ بھی تقریباً بالکل یہی ہیں۔ "یہ ایک بہت سخت ابتلا تھا" (تاریخ آثارِ یہود۔ باب ۹ فصل ۹) ۱۶۸؎ فرعون اور مصری گورنمنٹ کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کرکے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کرلیا۔ سفر مصری حکومت سے چھپ چھپا کر رات کے وقت شروع کیا۔ زمانہ وہ تھا کہ نہ آج کل کی سی باقاعدہ سڑکیں تھیں، نہ راستوں میں لیمپ لالٹین۔ شب کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ اور آگے بڑھ کر اپنے داہنے پر مشرق کی طرف مڑتے، پہلے ہی اِدھر گھوم پڑے۔ اُدھر فرعون کو خبر ہوگئی، اور وہ اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آپہنچا۔ اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب، سمندر تھا، اور دائیں بائیں شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت پر یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر۔ قرآن مجید میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ توریت میں اس کو خروجِ بنی اسرائیل سے موسوم کیا ہے۔ زمانہ کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق پندرھویں صدی قبل مسیح کا وسط قرار پایا ہے۔ بلکہ بعض نے جرأت کرکے سنہ بھی متعین کردیا ہے۔ ۱۴۴۷ ق م۔ بکم۔ تمہارے لئے یعنی تمہیں بچانے کے لئے۔ تمہیں راستہ دینے کے لئے۔ ای فرقنا لکم (معالم) ای فرقنا بسببکم و بسبب انجائکم (کشاف)۔ فرقنا البحر۔ بشر کے محدود نقطۂ نظر اور انسان کے ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد، خلافِ معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں، ظاہری مادّی اسباب سے بے تعلق، ظہور میں آئے، اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت، مشاہدہ یا نقلِ صحیح سے مل جائے، "خلافِ عقل" کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ تاریخی عجائب سے آخر تاریخ لبریز ہی ہے۔ اور خوارق، نوادر، حوادثِ عجیبہ سے دنیا کا کون سا گوشہ زمانہ کا کون سا دور خالی رہا ہے! یا آج کس دن، کس تاریخ کے اخبارات خالی رہتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلافِ معمول، خلافِ عادت عامہ کہا جاسکتا ہے۔ اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کرنا چاہئے۔ راویوں پر جرح بھی خوب کرلینا چاہئے۔ لیکن اس سے تجاوز کرکے اُن کے نفسِ امکان میں شک کرنا یا انہیں خلافِ عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے، وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبۂ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ جو قادرِ مطلق ہے، اُس کے لئے تو "حسبِ معمول" اور "خلافِ معمول" سب ایک ہے۔ اور "غریب" و "مانوس" کا فرق اس کے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ "وقوع" اور "امکان" دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اور انہیں کے خلطِ مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کردی ہے۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ اللہ کے دائرۂ قدرت کے اندر بڑی سے بڑی چیز ہے۔ ناممکن تو اس کے لئے کوئی سی بھی چیز نہیں۔ لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لئے ضرورت شاہدوں کی ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ جس قدر عجیب اور معمولِ عام سے ہٹا ہوگا، اسی نسبت سے اُس پر یقین لانے کے لئے شہادت بھی زبردست ہونی چاہئے۔ یہ تو معجزات پر اصولی گفتگو تھی۔ باقی یہاں جس فرق البحر کا ذکر ہے، تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں کہ اس کی نظیر کہیں ملتی ہی نہ ہو۔ بحری زلزلہ کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء (رمضان ۱۳۵۲ھ) میں جو عظیم الشان زلزلہ بہار اور اطرافِ بہار میں آیا، اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام، شہر پٹنہ میں دن دہاڑے کوئی ڈھائی بجے کے وقت ٹھیک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہوگیا۔ اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سکنڈ نہیں، چار پانچ منٹ تک قائم رہا، یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے اُبل کر پھر جاری ہوگیا! ——— واقعہ کی مفصل رُوداد ایک وقائع نگار کے قلم سے، انگریزی روزنامہ

اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ
مگر خشوع رکھنے والوں پر (نہیں) جنہیں اس کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے
مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ یٰبَنِیۡۤ
پروردگار سے ملنا (بھی) ہے اور اس کا کہ انہیں اس کی طرف واپس ہونا ہے ۱۶۰ اے
اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ
بنی اسرائیل، میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ۱۶۱
وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا
اور تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ۱۶۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو
تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا
جب نہ کوئی کسی کے حق میں بدلہ بن سکے گا اور نہ کسی کے حق میں
شَفَاعَۃٌ وَّ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا ہُمۡ
سفارش قبول ہوگی اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں مدد
یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ
ہی پہنچ سکے گی ۱۶۳ اور اس وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی
یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ
جو تمہارے اوپر بڑا عذاب توڑ رہے تھے ۱۶۴ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے ۱۶۵
وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ
اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے ۱۶۶ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے

ع ۵ ۵

... و صیت ... نہیں ... دستہ تمہارے علم کے اندر ہو رہی ہے ... نفس کو فوت کر ... یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے ان اعمال تلبیس و کتمان کی شناعت پر بھی خوب واقف ہو ۱۵۶ یعنی ایمان کے بعد عملاً بھی ارکان اسلام کی پابندی کرو۔ ایمان لانے کا
حرج ہی ... قبل ... سو ... میں مل چکا ہے اب تعلیم اہم جزئیات احکام کی ہو رہی ہے۔ اقیموا الصلوۃ نماز کے پابند ہو جاؤ کہ اس سے مرض حب جاہ کا علاج ہو جائیگا (تھانوی) اٰتوا الزکوۃ۔ زکوۃ دیتے رہو کہ اس سے مرض حب مال کی اصلاح ہو جائیگی (تھانوی) ارکعوا مع الرٰکعین۔ جھکنے والوں
کے ساتھ جھکو۔ تو ضع باطنی کے حصول میں بڑا دخل اس تواضع کی ہیئت کو ہوتا ہے (تھانوی) ارکعوا۔ رکوع اسلامی نماز کے ایک معروف رکن کا نام ہے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز جماعت میں شریک رہو۔ نقہا میں ایک بحث یہ پیدا ہوئی کہ آیا کافروں کو فروع
کا مخاطب بنانا درست ہے؟ ایک گروہ نے اسی آیت سے استدلال کرکے جواب اثبات میں دیا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کی طرف سے معقول جواب یہ ہے کہ آیت کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان (وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ) کے ماتحت ہیں یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکام پر عمل کرو۔
۱۵۷ یعنی کیسے غضب کی بات ہے کہ دوسروں کو تو ایمان لانے کا مشورہ دیدیتے ہو اور خود ایمان نہیں لاتے۔ خطاب یہود سے چلا آرہا ہے۔ اوپر کسی حاشیہ میں یہ آچکا ہے کہ یہود اپنے صاحب علم و کتاب ہونے کی بنا پر مشرکین عرب کی نظر میں بھی محترم اور قابل وقعت تھے۔ اہل یثرب اکثر انکے پاس کر
رسول اللہ صلعم اور آپ کی دعوت کے باب میں استفادۃً مشورے کیا کرتے کہ اس مدعی نبوت کے دعووں میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہم اسکی تصدیق کریں یا نہ کریں؟ وغیرہا۔ احبار یہود ایسے موقعوں پر بار ہا یہ مشورہ دے اٹھتے کہ بیشک ان میں علامتیں تو ہمارے ہاں کی پیشگوئیوں کے مطابق پائی جاتی ہیں۔
(قالوا هو صادق وامره حق فاتبعوه (کبیر) نزلت فی احبار المدینة کانوا یامرون سرًّا من نصحوه باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح عن ابن عباسؓ) ضمیر دیانت کے لحاظ سے تو ان کا مشورہ یہ تھا۔ لیکن اپنے عمل کے وقت ہوائے نفس حائل ہو جاتی۔ اور خیال گزرنے
لگتا کہ اسلام لانے کے بعد ماتحتی اور پابندی کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ سیادت کے یہ مالی اور جاہی مزے کہاں حاصل رہیں گے۔ وهم کانوا لایتبعونه لطمعهم والصلات التی کانت تصل الیهم من اتباعهم (کبیر) ولا یتبعونه (روح عن ابن عباس) البِرّ۔ بِرّ کے لفظی معنی نیکی
کے ہیں، اور یہ اپنے اطلاق میں عام ہے یعنی ہر قسم کی نیکی پر شامل۔ البرّ اے التوسع فی الخیر الکامل (راغب) هو
اسم جامع لاعمال الخیر (کبیر) یتناول جمیع اصناف الخیرات (ابن سعود) یہاں مراد قبول اسلام و تصدیق رسالت محمدی سے
ہے۔ اَتَامُرون۔ ہمزہ یہاں اظہار حیرت اور ملامت کے لئے ہے۔ والهمزة للتقریر مع التقریع والتعجب (کبیر) الهمزة
للتقریر مع التوبیخ والتعجب من حالهم (کشاف) ۱۵۸ یعنی کتاب توریت جس میں علامتیں اور بشارتیں
ان خاتم النبیین کی درج ہیں۔ یعنی بالکتب التورىة (ابن جریر عن ابن عباسؓ) ۱۵۹ (ایمان کی ثابت قدمی اور شعائر
کفر کے ترک پر) ۱۶۰ انها۔ ضمیر نماز کی طرف ہے۔ نماز کا حکم ابھی ابھی ملا ہے۔ اب بیان اُن طریقوں کا ہو رہا ہے، جن سے
نماز آسان ہو جائے اور نماز کی پابندی میں سہولتیں پیدا ہو جائیں۔ خاشعین۔ خشوع کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اب یہاں آیت
میں خشوع قلب کے دو خاص اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلا اثر یہ ہے کہ خاشعین کو اس کا دھیان لگا رہتا ہے کہ یہ عبادتیں رائگاں
جانے والی نہیں۔ اپنے شفیق و کریم پروردگار کے حضور میں بہرحال حاضر ہونا ہے۔ اُس وقت یہ ساری محنت وصول ہو جائیگی۔
اور استحقاق سے کہیں بڑھ کر اجر ملے گا۔ شوق نماز اس مراقبہ سے پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ دوسرا اثر خشوع قلب کا یہ ہے کہ خاشعین کے
دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ آخر تو ایسی مالک حقیقی کے روبرو ہوگی۔ حساب ہر ہر عمل اور ترک عمل کا ہوگا۔ ترک نماز کی عادت
اس سے خود بخود ترک ہو جائے گی۔ عمل میں ساری سہولتیں یقین ہی کی مضبوطی اور قوت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یقین کے ایجابی و
سلبی دونوں پہلو یہاں بیان میں آگئے۔ نفسیات جدید میں محرک عمل دو ہی چیزیں مانی گئی ہیں۔ ترغیب و ترہیب۔ ترغیب کا
جزو انهم ملٰقوا ربهم میں جزا و اجر کے استحضار سے آگیا۔ اور ترہیب کا جزو انهم الیه راجعون میں مراقبۂ مواخذہ
سے آگیا۔ یظنون۔ ظن لغت میں شک اور یقین دونوں کے معنی میں آیا ہے۔ العرب تسمی الیقین ظنًّا والشک
ظنًّا (ابن جریر) الظن من الاضداد یکون شکًّا و یقینًا (معالم) اور کلام عرب میں ظن بمعنی یقین کے استعمال کے نظائر
بے انتہا ہیں۔ والشواهد من اشعار العرب وکلامها علی ان الظن فی معنی الیقین اکثر من ان تحصی (ابن جریر)
الظن بمعنی الیقین او الترجیح مشهور عن العرب (نہر) یہاں اکثر ائمۂ تفسیر نے یقین ہی کے معنی میں لیا ہے۔ اے
یعلمون و یستیقنون (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الظن هٰهنا الیقین (ابن جریر عن ابی العالیہ) اے یستیقنون
(معالم) وروی عن مجاهد والسدی والربیع بن انس وقتادة نحو قول ابی العالیة (ابن کثیر) معناه یوقنون
قاله الجمهور (بحر) بعض نے یہاں بھی مراد توقع و امید سے لی ہے۔ اور اس قدر بھی کافی ہے۔ یظنون اے یتوقعون (کشاف)
۱۶۱ ملاحظہ ہوں حواشی ۱۳۶ و ۱۶۲۔ ۱۶۲ خوب خیال رہے کہ یہاں ذکر مذہب یہود کا نہیں۔ ایک مخصوص قوم و نسل کا ہے۔
بنی اسرائیل نام کسی مذہب یا فرقہ یا عقیدہ کا نہیں، ایک خاص نسل کا ہے۔ افضلیت یہاں مذہب یہودیت کی نہیں نسل اسرائیل
کی بیان ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نسل کی افضلیت سارے عالم پر کس معنی میں ارشاد ہو رہی ہے؟ اور وہ کونسی ایسی نعمت تھی
جو بہ حیثیت نسل بنی اسرائیل کے ساتھ بلا شرکت غیرے، مدتوں مخصوص رہی؟ اگر کہیے کہ دولت یا حکومت یا تجارت یا کثرت
آبادی۔ تو اول تو یہ انعامات اللہ کے خود اس درجہ کے نہیں کہ انکا ذکر اس شان و اہتمام کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں کو معیار فضیلت و
افضلیت بنایا جائے۔ اور پھر یہ نعمتیں تو بہت سی قوموں کو اپنے اپنے وقت میں نصیب رہ چکی ہیں۔ کلدانیہ، مصر، ہندوستان، ان
سب ملکوں کا تمدن اپنے زمانہ میں، اسرائیلیوں سے قبل، عروج پر رہ چکا ہے۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ ان قوموں کا دنیوی جاہ و
حشم اسرائیلیوں سے کچھ بڑھ ہی چڑھ کر رہا ہے۔ پھر آخر قوم اسرائیل کی وہ مخصوص فضیلت کیا تھی؟ تاریخ کی زبان سے جواب ایک ہی ملتا ہے کہ وہ دولت یا اللہ کی اعلیٰ ترین نعمت، مسلک توحید کی تھی۔ دنیا کی تاریخ کے جس دور میں ساری قومیں اور ساری نسلیں کم و بیش شرک میں مبتلا
تھیں، یا اس کی طرف بہی چلی جا رہی تھیں یہ نسل اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار رہی۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رسالت کی قائل صرف وہی قوم ہوگی، جس کا عقیدۂ توحید واضح و پختہ ہوگا۔ اور انبیاء و رسل جہاں تک کسی نسل کا
تعلق ہے، نسل اسرائیل ہی میں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ ہاں متفرق طور پر کسی دوسری نسل میں بھی کبھی کبھی پیدا ہو گئے ہوں، تو وہ اس کے منافی نہیں۔ ذکر یہاں افراد کا نہیں، نسل و قوم کا ہو رہا ہے۔ دنیا کی ساری دوسری قوموں میں جس وقت ظہور "اوتاروں" کا ہو رہا تھا اور وہ قومیں عناصر پرستی،
مظاہر پرستی، دیوتا پرستی، بت پرستی، غرض شرک ہی کی کسی نہ کسی شکل میں گرفتار تھیں، انبیاء و رسل اور ان کی تعلیمات کا چرچا صرف بنی اسرائیل میں تھا۔ ہندوستان کی آریہ نسل میں فلسفہ، ہندسہ، ریاضیات، معقولات کے ماہرین و علماء جیسے بھی پیدا ہوتے رہے ہوں، بہرحال حلولیت کا شرک
اُن میں حلول ہی کئے ہوئے تھا۔ اور توحید و رسالت کی دعوت صرف سامی نسل کی شاخ اسرائیل کے حصہ میں آئی تھی۔ موجودہ یہود کو بھی اپنے اسلاف کی یہ امتیازی حیثیت یاد ہے۔ جیوش انسائکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحید باری کی دعوت دیتے رہیں
اور آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، کواکب پرستی، کے خلاف جہاد کرتے رہیں" (جلد ۶۔ ص ۵) "بنی اسرائیل کا واحد فریضہ دنیا میں خدا کا گواہ بننا تھا" (جلد ۶۔ ص ۲) "مخلوقات کے مراتب مختلف ہیں۔ ذی شعور مخلوق، غیر ذی شعور سے فائق و برتر ہے۔ انسان فائق ترین ہے
... بنی اسرائیل بحیثیت موحد پرستاران حق کے مشرکوں سے افضل و بالاتر ہیں" (جلد ۶۔ ص ۱۱) "سامی قوموں میں سب سے پہلے عبرانیوں ہی کی رسائی اپنے انبیاء کی تعلیم سے توحید باری تک ہوئی" (جلد ۸۔ ص ۶۵۹) مسیحی فرنگی مورخین نے بھی اسی تاریخی حقیقت کا اعادہ کیا ہے
... "دین توحید کی بنیاد بنی اسرائیل ہی میں پڑی" (جلد ۲۔ ص ۳) "انسانیت کی موجودہ روحانی کائنات، عام اس سے کہ مسیحی ہو یا اسلامی، سب کی تہ میں اسی عقیدۂ توحید کی بازگشت ہے جس کی دعوت سب سے پہلے اسرائیلیوں نے
... خود توریت کی تصریحات بھی اس سلسلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں:۔ "تو خداوند اپنے خدا کے لئے ایک پاک قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے چن لیا کہ تو سب گروہوں کی نسبت جو زمین پر ہیں اس کے خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں
... گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے۔ کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے بلکہ اس لئے کہ خداوند عالم نے تم سے محبت رکھی" (استثناء ۷: ۶ و ۷) "خداوند کو خوش آیا کہ تمہارے باپ داداؤں سے محبت رکھے۔ اس لئے ان کے بعد ان کی اولاد کو یعنی تم کو سارے گروہوں
... (استثناء ۱۰: ۱۵) "تم میرے گواہ ہو۔ خداوند فرماتا ہے اور میرا بندہ بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا ...... سو تم میرے گواہ ہو" (یسعیاہ ۴۳: ۱۰ و ۱۱) قوم بنی اسرائیل اور امت موسوی دو بالکل اور قطعاً علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور آیت کی
... امت موسوی اور امت محمدی کے تقابل و تفاضل کا کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ اس سوال کا یہاں اٹھانا قطعاً بے ضرورت بلکہ بے محل ہے۔ افضلیت بنی اسرائیل کو کسی خاص زمانہ کے اندر محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہمارے قدیم مفسرین کو محض اس لئے پیش

وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ
اور تم صرف مجھی سے ڈرتے رہو ۱۴۹ اور اُس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب)
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ
نازل کی ہے تصدیق کرتی ہوئی اُس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے اور مت بنو اس کے سب
بِهٖ ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّ اِيَّايَ
اوّلین کفر کرنے والے ۱۵۰ اور میری آیتوں کو فروخت مت کر ڈالو تھوڑی سی قیمت پر ۱۵۱ اور صرف
فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ
مجھی سے ڈرو ۱۵۲ اور حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط مت کرو ۱۵۳ اور
تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اَقِيْمُوا
حق کو مت چھپاؤ ۱۵۴ درآنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو ۱۵۵ اور نماز قائم
الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ
کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کے
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ
ساتھ جھکتے رہو ۱۵۶ کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول
اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾
جاتے ہو ۱۵۷ درآنحالیکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے رہتے ہو ۱۵۸ سو کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے؟
وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ
اور صبر اور نماز سے مدد چاہو ۱۵۹ اور وہ بیشک گراں ہے

الخٰلِدُوْنَ (انبیاء-۳۴) اور خلود فی الجنۃ اور خلود فی النار سے مراد ہے جنّت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہلِ جنّت اور اہلِ جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ اہلِ جنّت کے تنعم اور اہلِ جہنم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔ لے مخلدون فیہا لا محید لھم عنہا ولا محیص (ابن کثیر) فھم اصحاب العذاب الدائم (کبیر) والخلود ھھنا الدوام علی ما انعقد علیہ الاجماع (روح) ۱۴۶ بنی اسرائیل۔ شہور و نامور پیمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق م) سے شہور و نامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ علیہا السلام مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسمٰعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری، بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب عرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ اس کا وطن شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا، شام ہی کا جزو تھا۔ ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، اور بنی قطورہ کہلائی۔ لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی۔ انبیاء و مرسلین انکے درمیان ہوتے رہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد ان میں پیدا ہوئے حکمراں سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔ نزولِ قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی رخصت ہو چکا تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر عراق، مصر وغیرہ اطراف و جوانب میں پھیل چکے تھے۔ اور ان کے بعض قبیلے حجاز و اطرافِ حجاز خصوصاً یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینۃ النبی پڑا) اور حوالیٔ یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔ "بنی اسرائیل" تو ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہلِ کتاب تھے۔ توریت محرف و مسخ شدہ ہو کر، لیکن بہر حال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی و نبوت اور عقیدۂ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء و معارفِ اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر و کہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی۔ ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی۔ وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل اور اُن کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے۔ اور دوسری طرف اکثر ان کے قرضدار بھی رہا کرتے تھے۔ گویا دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات، بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا استاد جانتے تھے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ، یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور یہ لوگ اُس نبی موعود کے ظہور کے منتظر بنے تھے۔ ان اسباب عام و خاص دونوں کی بنا پر بالکل قدرتی تھا کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب مفصل ہو۔ اس منزل پر پہنچ کر بہتر ہوگا کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیبِ بیان پر بھی کر لی جائے۔ قرآن مجید کا اصل تخاطب ساری کائناتِ انسانی سے ہے۔ اسی مناسبت سے رکوع اول میں بیان اس کا ہو کہ نوعِ انسان کی حقیقی تقسیمیں کل دو ہیں۔ ایک اچھے یا مومن، دوسرے بُرے یا کافر۔ مومن یا نیک وہ جو قرآن مجید کے دستورِ حیات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کافر یا بد وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں بیان کافروں ہی کی ایک خاص قسم یعنی منافقوں کا ہوا۔ اور یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی ایمان و نجات سے محروم ہی رہیں گے۔ تیسرے رکوع میں مخاطب ساری نسلِ انسانی کو کیا گیا، اور قرآن مجید کا اصل پیام یعنی توحید و رسالت بیان کر دیا گیا۔ چوتھا رکوع تاریخِ نسلِ انسانی پر ہے۔ اس میں یہ بیان ہو کہ انسان کی اصل غرضِ آفرینش دنیا میں قانونِ الٰہی کی تنفیذ ہے، اور حاکمیتِ الٰہی کی نیابت۔ ذرا سی غفلت میں نسلِ انسانی کا ازلی دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا، اور حق سے باطل کی طرف، نور سے ظلمت کی جانب اسے موڑ سکتا ہے۔ لیکن انسان اگر ذرا بھی ہمت اور توجہ صرف کرتا ہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی اور دکھائی ہوئی صراطِ مستقیم پر قائم رہے تو وہی غالب و منصور رہے گا۔ اب پانچویں رکوع میں بیان اس کا شروع ہوتا ہے (اور اس کی تفصیل متعدد رکوعوں تک چلتی رہے گی) کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی کاہل ثابت ہوئی۔ مرتیں اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اُس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا۔ یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر (حضرت عیسٰی علیہ السلام) کی مخالفت میں تو حد ہی سے گزر گئی۔ طویل و مسلسل مراعات کے بعد اب حکومتِ الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔ اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیاں پیشہ قوم کو اس منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔ اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک کامل پیغمبر کے واسطہ سے دُنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں کے واسطے عام کی جا رہی ہے ۱۴۷ اس انعام خداوندی کی تصریح کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی ۱۲۶ و ۱۲۷ بہر حال کوئی ایسا انعام تھا جو نسلِ اسرائیل پر نسلِ اسرائیل کی حیثیت سے تھا ۱۴۸ توریت نسلِ اسرائیل پر احساناتِ الٰہی اور خداوندی نعمتوں کی یاد دہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ عھدی یعنی تمہارا وہ عہد جو میرے ساتھ ہے۔ طاعتِ الٰہی و اطاعتِ انبیاء کا عہد۔ بما عاھدتمونی من الایمان لی والطاعۃ لی (کشاف) توریت میں بھی اسی عہد کا ذکر جا بجا ہے۔ مثلاً "تونے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے...... اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا، اور اُس کی شرطوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا۔ اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا۔" (استثناء ۲۶: ۱۷) عھدکم۔ یعنی جو عہد میں نے تم سے تمہارے ایمان و طاعت پر بطورِ انعام کر رکھا ہے۔ لے ارضی عنکم وادخلکم الجنۃ (کبیر عن ابن عباس) توریت میں اس کا ذکر بھی جا بجا ہے۔ مثلاً "اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا" (استثناء ۲۶: ۱۸) "اگر تم میری آواز کے فی الحقیقت سُننے والے ہوگے اور میرے عہد کو حفظ کرو گے تو تم ساری قوموں سے زیادہ میرے ایک خزانۂ خاص ہوگے" (خروج۔ ۱۹: ۵) اوفوا۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا، کہ وفائے عہد جس کا یہاں ذکر ہے، اس کے مراتب میں بہت وسعت ہے۔ ادنیٰ مرتبہ بندہ کی طرف سے ادائے کلمۂ شہادت ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظتِ جان و مال ۱۴۹ (نہ کہ اپنی ہی جیسی مخلوق سے) توحید کے لئے خطاب عام جملہ عالمِ انسانیت سے رکوع ۳ میں ہو چکا ہے۔ اب خطاب خاص اسی مخصوص حامل توحید قوم، بنی اسرائیل سے ہے۔ لیکن یہاں اشارہ شرکِ جلی اور بت پرستی سے زیادہ شرکِ خفی اور ضعفِ ایمان کی جانب ہے۔ یہ اخلاقی بیماری اسرائیلیوں کی ساری قوم میں پھیل چکی تھی اور خالق کی رضا اور عدم رضا کے بجائے انسانوں کو راضی رکھنے کی پروا اور ان کی ناخوشی سے بچنے کی اہمیت اچھے اچھے علماء و مشائخ یہود کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ انجیل میں حضرت مسیحؑ کے مواعظ میں اس قسم کی ہدایتیں اور تنبیہیں کثرت سے ملتی ہیں ۱۵۰ بما انزلت۔ اشارہ ہے قرآن کی طرف۔ لما معکم۔ اشارہ ہے توریت کی طرف۔ کافر۔ صورۃً واحد ہے، معنیً جمع ہے۔ یعنی یا تو تقدیرِ کلام یہ ہے۔ ولا تکونوا اول فریق کافر (قرطبی) اور یا بقولِ اخفش نحوی و فراء نحوی اعتبار معنیٔ فعل کا کیا گیا ہے۔ لان المعنی اول من کفر بہ (قرطبی) بہ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ اول کافر بہ۔ قرآن کا اولین منکر بنی اسرائیل کو اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مشرکین عرب یہود کے تسلیم و اقرار کے بعد جس طرح اس باب میں اُن کی تقلید کرتے، اُسی طرح یہود کے انکار و مخالفت کے بعد اسے بھی سند میں پیش کرتے اور خود بھی انہیں کی راہ پر چلتے، یہود بہر حال اہلِ کتاب تھے۔ کتابِ آسمانی کی قدر انہیں کو ہونا چاہیے تھی، اور بطور مقتدائے عرب انہیں کی ذمہ داری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۴۶ - وعندکم فیہ من العلم مالیس عند غیرکم (ابن جریر عن ابن عباسؓ) فان وظیفتکم ان تکونوا اول من اٰمن بہ لما انکم تعرفون حقیقۃ الامر (روح) ۱۵۱ ثمنا قلیلا۔ حق کو کسی دنیوی مادی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا، آخرت کی ابدی دولت کو دُنیا کے ثمن قلیل (تھوڑی سی قیمت پر) فروخت کر ڈالنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ عقبیٰ کو تھوڑے دام پر نہ بیچا جائے، اور زیادہ دام پر بیچ ڈالا جائے۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی آخرت کے مقابلہ میں بہر حال قلیل ہی ہے۔ کل کثیر الیہ قلیل وکل کبیر الیہ حقیر (کشاف) یہود کی حق فروشیوں کے کاروبار کا ذکر انجیل میں بھی ہے مثلاً "یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کر دیتے ہیں۔" (طیطس۔ ۱: ۱۱) ۱۵۲ خوف خداوندی کی تاکید سے توریت اور انجیل دونوں بھرے پڑے ہیں ۱۵۳ (کلام الٰہی میں لفظی یا معنوی تحریف کر کے) لا تلبسوا۔ تلبیس کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔ واصل اللبس ستر الشیٔ (راغب) ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گڑھے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈا ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں اُستاد تھے ۱۵۴ احکامِ الٰہی کو بدل دینے کی ممکن صورتیں دو ہیں۔ ایک ان میں اندرونی تحریف، تلبیس و تخلیط۔ دوسرے ان کا سرے سے اخفاء و کتمان۔ یہود نے اپنے دینی صحیفوں میں دونوں طرح کے عمل جاری کر رکھے تھے۔ توریت کے مکرر تلف ہو جانے سے اول تو یوں ہی کتنے احکام سرے سے غائب اور گم ہو گئے تھے۔ پھر جو باقی رہ گئے تھے، انہیں حاملانِ توریت نے اپنے اپنے اغراض و مصالح کے ماتحت خدا معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا ۱۵۵ (کہ تم تلبیس و کتمان کے مرتکب ہو رہے ہو یعنی تحریف تمہارے

کہ پھر یہاں سے ہٹائے نہیں جا سکو گے۔ اور وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو ایک عارضی حکم تھا کہ اُس وقت تک تمہاری استعداد پختہ نہیں ہوئی تھی۔" حضرت آدمؑ قربِ الٰہی کے اس محل (جنت) سے بڑھ کر اور کس نعمت کے حریص ہو سکتے تھے، مکار کے فریب میں آگئے۔ دانستہ نافرمانی کا سایہ بھی پڑنا الگ رہا، وہ تو درخت کے پھل کو بُعد کے بجائے قرب کا ذریعہ سمجھے۔ یہ فہم، اجتہادی غلطی جیسی اور جس درجہ کی بھی ہو، بہرحال فسق و معصیت سے تو اسے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ اور روایتوں سے قطع نظر، قرآن مجید میں بھی جا بجا تصریحات ملتی ہیں، اُن سے بھی تائید اسی صُورتِ واقعہ کی نکلتی ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ بہکانے والا سانپ کی صُورت میں گیا۔ اُس نے آکر پہلے حوا کو بہکایا اور پھر انہوں نے حضرت آدمؑ کو ترغیب کی۔ ہمارے مفسرین نے بھی ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جس میں شیطان، سانپ، طاؤس سب کا ذکر آتا ہے۔ یہ قصہ بجائے خود کہاں تک صحیح ہے، اس سے یہاں بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ اسلامی عقائد میں بہرحال داخل نہیں۔ اور اس کا ماخذ قرآن و سنت نہیں، بلکہ اسرائیلی روایات ہیں۔ اسی لئے جو اہلِ تفسیر زیادہ محتاط و محقق ہوئے ہیں، وہ اس سے الگ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس سے احتیاط ہی کی تنبیہ کر گئے ہیں۔ اعلم ان ھذا وامثالہ مما یجب ان لا یلتفت الیہ (کبیر) وقد اکثر المفسرون فی نقل قصص کثیرۃ فی قصۃ ادم وحوا والجنۃ واللہ اعلم بذلک (بحر) وقد ذکر المفسرون ھھنا اخبارا اسرائیلیۃ (ابن کثیر) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ زلّت کے لفظ تک کا (بہ خلافِ معصیت و اثم وغیرہ) اطلاق حضرات انبیاء پر جائز ہے۔ ھذا دلیل علی انہ یجوز اطلاق اسم الزلّۃ علی الانبیاء علیھم السلام کما قال مشائخ بخاری (مدارک) وقد کانت منھم اے من بعض الانبیاء قبل ظہور مراتب النبوۃ او بعد ثبوت مناقب الرسالۃ زلات لا تقصیرا (شرح فقہ الاکبر للقاری) اور مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ کاملین بھی شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں، کہ حضرت آدمؑ کے اُس وقت بھی کامل ہونے میں شک نہیں ۱۳۳؎ مِمَّا كَانَا فِيهِ۔ ترجمے دو ہو سکتے ہیں: "اُس حالت سے جس میں وہ تھے" یا "اُس مقام سے جس میں وہ تھے" منقول دونوں قول ہیں۔ اے من النعیم والکرامۃ او من الجنۃ (کشاف) اور حاصل بھی دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ۱۳۴؎ (زمین پر) یہ جنت زمین کے کسی حصہ میں نہیں آسمان پر تھی۔ قولِ محقق یہی ہے۔ اور خود لفظ اھبطوا کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ جب تک کوئی اور قرینہ موجود نہ ہو گا ھبوط کے معنی بلندی سے پستی میں اترنے ہی کے لئے جائیں گے۔ اے انزلوا الی الارض (معالم) الھبوط النزول الی الارض (مدارک) اھبطوا۔ خطاب اب بجائے صیغۂ تثنیہ (تم دونوں) کے صیغۂ جمع (تم سب) میں ہو رہا ہے۔ گویا مخاطب اب تنہا آدمؑ و حوا ہی نہیں، بلکہ ان کی ساری نسل بھی ہے۔ المراد ھما و ذریتھما (مدارک) اجمع الضمیر لانھما اصلا الجنس (بیضاوی) ۱۳۵؎ یہ مختصر لفظوں میں کل زمینی زندگی کا نقشہ آگیا یعنی یہاں کشمکش، بغض، حسد، نفسانیت، خودغرضی کا زور رہا کرے گا ۱۳۶؎ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ آیت کا یہ جزو خود اس امر پر دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر اب پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ اور اب تک جس جنت میں وہ تھے وہ زمین پر نہیں آسمان پر تھی۔ اس وقت سے ان کی زندگی کا نیا دَور شروع ہو رہا ہے۔ نئی زندگی اور نیا ماحول۔ اور اب یہیں انہیں رہنا سہنا ہے۔ اِلٰى حِينٍ۔ یعنی قیام یہاں بھی دائمی نہ ہو گا۔ صرف ایک مدّتِ موعود تک رہنا ہو گا۔ متاع اور الٰی حین دونوں سے زمینی زندگی کا عارضی اور بے ثبات ہونا بالکل ظاہر ہو رہا ہے ۱۳۷؎ (توبہ و انابت کے) خطاوار کو توبہ و انابت کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا خود ایک بڑی فردِ رحمت خداوندی اور رحمتِ الٰہی کی ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم و تلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی گئی، بلکہ اُسے حضرت آدمؑ کی جانب منسوب کر دیا گیا کہ انہیں نے وہ الفاظ سیکھ لئے! کیا حد ہے شفقت و بندہ پروری کی! یہ کلمات و الفاظ کیا تھے؟ روایتیں جو اس باب میں نقل ہوئی ہیں مختلف ہیں۔ لیکن خود قرآن مجید میں تو یہ الفاظ حضرت آدمؑ و حوا کی زبان سے نقل ہوئے ہیں ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین۔ ۱۳۸؎ (اور ان کی خطا سے درگزر کر دی) تاب علیہ۔ تاب کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں، کہ رحمت کے ساتھ رجوع و توجہ کی۔ یا توبہ کی توفیق دی۔ یا توبہ کے اسباب آسان کر دیئے رزقہ التوبۃ من خطیئتہ (ابن جریر) رجع الیہ بالرحمۃ والقبول (کشاف) عبارۃ عن قبول التوبۃ والعفو عن الذنب التوفیق لھا والتیسیر لاسبابھا (روح) ۱۳۹؎ صیغۂ مبالغہ کی اہمیت ملحوظ رہے۔ اسلام کا خدا ایسی نہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے بلکہ توبہ کے سامان و اسباب بھی بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ یقال بِاللہِ ذٰلک لکثرۃ قبولہ توبۃ العباد حالاً بعد حالٍ (راغب) الرجاع علی عبادہ بالمغفرۃ او الذی یکثر اعانتھم علی التوبۃ (بیضاوی) ۱۴۰؎ یعنی وہ صرف خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور بھی فضل و کرم کرنے والا ہے۔ المبالغ فی الرحمۃ۔ یہی وہ رحیم اور غفور اور توّاب (تینوں صفات کا بہ صیغۂ مبالغہ ہونا خیال رہے) خدا ہے جس کے لئے معاند مسیحیوں اور ان کے پادریوں نے بار بار لکھا ہے کہ اسلام کا خدا ایک غضبناک سخت گیر خدا ہے! ۱۴۱؎ (اے اولادِ آدم) اھبطوا جمیعًا مراد ذریتِ آدمؑ ہے۔ والمراد الذریۃ (ابن کثیر) عنھا میں ضمیر جنّت کی طرف ہے۔ یعنی جنّت سے نیچے اترو۔ یہ حکم بہ طور سزا و عتاب نہیں مل رہا ہے، اس لئے کہ خطا تو اب معاف ہی ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ محض نتیجۂ طبیعی کا ظہور ہے۔ شجرِ ممنوع کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتّب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنّت میں قیام کی گنجائش نہ تھی۔ رُوح کے داغ دُھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں، کوئی شخص خودکشی

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ

پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لئے ۱۳۷؎ پھر اللہ نے

عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا

اُن کی توبہ قبول کر لی ۱۳۸؎ وہ تو ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ۱۳۹؎ بڑا مہربان ۱۴۰؎ (اور ہم نے

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

حکم دیا کہ تم سب اس سے نیچے اُتر جاؤ ۱۴۱؎ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی

مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا

ہدایت پہنچے ۱۴۲؎ تو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا، سو اُن

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

کے لئے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ۱۴۳؎

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِىْٓ

دوزخی ہیں ۱۴۴؎ اور وہ اُس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ۱۴۵؎ اے

اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ

بنی اسرائیل ۱۴۶؎ میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر

عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

کیا ۱۴۷؎ اور مجھ سے وعدہ پورا کرو تو میں تم سے وعدہ پورا کروں ۱۴۸؎

ع ۴ / ۱۰

کے ارادہ سے اگر زہر کھا لے، اور معاً اُسے اپنی عصیان کاری پر تنبہ ہو جائے، اور وہ روئے، گڑگڑائے، دل سے توبہ کرے، اُس سے گناہ تو عجب نہیں کہ معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبیعی اثرات جو نظامِ جسم پر مرتب ہوتے ہیں وہ تو بہرحال ہو کر رہیں گے۔ خشوع، خضوع، انابتِ قلب ان مادی اثرات کو مٹانے کے لئے کافی نہیں ۱۴۲؎ (اور وہ یقیناً پہنچے گی، پیمبروں یا ان کے نائبوں کے ذریعہ سے) اس ناسُوتی دنیا میں رہنے سہنے کا قانون بتایا جا رہا ہے ۱۴۳؎ (روز جزا میں) ھدای جو پیام ہدایت رسُولوں کے ذریعہ سے آتا ہے، اُسے براہِ راست حق تعالیٰ کی جانب بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ اُن کے اوپر کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آئے گا یعنی اُن کے لئے فی نفسہ کوئی بات خطرہ یا تشویش کی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صالحین طبعی طور پر بھی اپنے انجام کی طرف سے اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ فکر و اندیشہ تو صالحین کو دوسروں سے کہیں زیادہ لگا رہتا ہے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حُزن کا تعلق ماضی سے۔ مطلب یہ ہوا کہ حشر میں مومنین صالحین کو نہ کوئی سزا پیش آنے والی ہے اور نہ وہ لوگ اپنی ناسوتی زندگی پر حسرت و تاسف کریں گے۔ مَنْ۔ من موصولہ کا استعمال واحد جمع دونوں کیلئے آتا ہے۔ ۱۴۴؎ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ اہل جنت کے ذکر میں ذاتِ حق کے لئے ضمیر متکلم صیغۂ واحد کی ابھی گزر چکی ہے۔ تبع ھدای اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغۂ جمع میں ہو گئی ہے۔ بِاٰيٰتِنَا اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہارِ خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لئے "میری" ہی مناسب تھا اب محل حاکمانہ جلالت و اقتدار کا ہے، اس لئے یہاں "ہماری" ہی موزوں ہے۔ اصحٰب النار۔ یعنی دوزخ والے۔ وہ لوگ جو دوزخ کے ہو چکے۔ گویا وہ دوزخ ہی کی آبادی ہیں۔ الصاحب الملازم (راغب) ومعنی الصحبۃ اقتران بالشیء والغالب فی العرف ان نطلق علی الملازمۃ (روح) گویا جو لوگ ضابطۂ شریعت سے انکار اور قانونِ الٰہی کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اپنا مستقل تعلق دوزخ اور آتشِ دوزخ سے پیدا کر لیا ہے۔ آخرت میں یہی تعلق جو ابھی خفی اور غیر مرئی ہے مجسم و متشکل ہو جائے گا۔ عذابِ آخرت سے ڈرانا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گو جتنا زور اس پر قرآن مجید نے دیا ہے، اس کی نظیر بیشک کہیں نہیں ملتی۔ جہنم کے عذاب آتشیں بلکہ اس کے دوام و خلود کے ذکر سے بائبل کے صفحات بھی خالی نہیں۔ "خداوند سلطنت کرتا ہے...... ایک آگ اُس کے آگے آگے جاتی ہے، اور اُس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے" (زبور۔ ۹۷: ۱ و ۳) "فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جُدا کریں گے۔ اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانتوں کا پیسنا ہو گا" (متی۔ ۱۳: ۴۹ و ۵۰) "اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے...... اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے" (متی۔ ۲۵: ۴۱ و ۴۶) "...... جہنم میں ڈالا جائے جہاں اس کا کیڑا انہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی" (مرقس۔ ۹: ۴۸) ۱۴۵؎ خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ الخلود ھو تبری الشیء عن اعتراض الفساد وبقاؤہ علی الحالۃ التی بہ علیھا (راغب) اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ ثم استعیر للمبقی دائما (راغب) الخلد البقاء و الدوام فی دار لا یخرج منھا کالخلود ودار الخلد الاخرۃ لبقاء اھلھا (تاج) خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ

ف۱۲۵ (بطورِ اظہارِ عجز و نیاز، بحیثیت علامت تسلیم و اطاعت) اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی و سجدۂ نماز نہیں بلکہ مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجد ای خضع (قاموس) کل من ذل و خضع لما امر به فقد سجد له (لسان، عن الفراء) السجود اصله التطامن والتذلل (راغب) سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ ویکون السجود علی جهة الخضوع والتواضع (لسان) خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً الم تر ان الله یسجد له من فی السمٰوٰت والارض (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین میں جو بھی مخلوق ہے سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت عرفی کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ کان ذلك انحناء ولم یکن خروراً علی الذقن (مدارک عن ابن عباسؓ) قیل المعنی اللغوی ولم یکن فیه وضع الجباه بل کان مجرد تذلل وانقیاد (روح) قال قوم لم یکن هذا السجود المعتاد الیوم ولکنه یبقی علی اصل اللغة فهو من التذلل والانقیاد (قرطبی) قیل امروا بالتذلل له والقیام بمصالحه ومصالح اولاده (راغب) لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے انہوں نے بھی تصریح کردی ہے کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا۔ تکرمةً لآدم لا عبادةً لآدم (ابن جریر) کان ذلك سجود تعظیم وتحیة لا سجود عبادة (معالم) کان السجود تحیة لآدم (مدارک) اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ واقعہ عالمِ ارواح کا ہے، عالمِ ناسوت کا ہے ہی نہیں۔ اور تکلیفاتِ شرعیہ کا تعلق اسی عالمِ ناسوت سے ہے۔ لِاٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائبِ سلطانِ حقیقی کی طرف رُخ کر کے، نہ کہ اسکو۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے، یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمتِ آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمتِ کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں، ربِّ کعبہ ہے۔ اُسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنی میں آیا ہے۔ اقم الصلوٰة لدلوک الشمس۔ نصبه الله قبلة لسجودهم

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ
جھکو ف۱۲۵ تو (وہ سب) جُھکے مگر ابلیس (نہ جُھکا) ف۱۲۶ اُس نے انکار کیا ا(ور)
اسْتَكْبَرَ ۫ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴ وَ
تکبّر میں آگیا ف۱۲۷ اور کافروں میں سے ہو گیا ف۱۲۸ اور
قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ
ہم نے کہا اے آدم، تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو، اور
وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا
اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ ف۱۲۹ اور اس
تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
درخت کے پاس نہ جانا ف۱۳۰ ورنہ تم گنہ گاروں میں سے
الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا
ہو جاؤ گے ف۱۳۱ پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اسی درخت کے باعث ف۱۳۲
فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا
اور جس میں تھے اس سے اُنہیں نکلوا دیا ف۱۳۳ اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اُتر جاؤ ف۱۳۴
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي
ایک دُوسرے کے دشمن ہو کر ف۱۳۵ اور تمہارے لئے زمین
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶
ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اُٹھانا ہے ف۱۳۶

کالکعبة (بحر عن الشعبی) ای الی اٰدم فکان اٰدم قبلة والسجود لله تعالیٰ (معالم) ای اسجدوا الی مستقبلین وجه اٰدم (قرطبی) ف۱۲۶ اِبْلِيْسَ۔ لفظی معنی ہیں یاس زدہ کے۔ قرآن مجید میں مصدر ابلاس مختلف موقعوں پر اسی مفہوم میں آیا ہے۔ یبلس المجرمون۔ فاذا هم مبلسون۔ وغیرہا۔ ابلیس اسی سے مشتق ہے۔ اور یہاں بطور عَلَم کے شیطان کیلئے آیا ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة الیاس منه اشتق ابلیس (راغب) ابلیس افعیل من الابلاس وهو الایاس من الخیر والندم والحزن (ابن جریر) یہ ابلیس کوئی فرشتہ نہ تھا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے تتبع میں ایک عام خیال پھیل گیا ہے۔ بلکہ جنّی تھا جیسا کہ قرآن مجید میں مُصرّح ہے۔ کان من الجن (کہف۔ آیت ۵۰) نور کا بنا ہوا فرشتہ نہیں جو نافرمانی پر قادر ہی نہیں۔ بلکہ آگ کا بنا ہوا جن تھا۔ خلقتنی من نار (اعراف۔ آیت ۱۲) ان صریح نصوص کے مقابلہ میں قول کسی کا بھی ہو قابلِ اعتنا نہیں ف۱۲۷ اَبٰى۔ انکار کیا حکم کی تعمیل سے۔ وَاسْتَكْبَرَ۔ اس نے صاف کر دیا کہ تعمیلِ ارشاد سے انکار کسی اشتباہ یا غلط فہمی کی بناء پر نہیں محض پندارِ تفوق کی بنا پر تھا۔ انکار اس نے اپنی بڑائی کی راہ سے کیا ف۱۲۸ یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا ہی۔ ای صار من الکٰفرین (ابن عباس) صار من الکٰفرین باباٸه و استکباره (مدارک) وهو من اقسام کان الناقصة ان تاتی بمعنی صار کقوله تعالیٰ فکان من الکٰفرین (تاج) جن اہلِ تفسیر نے کان کو "ہو گیا" کے بجائے "تھا" کے معنی میں لیا ہے انہوں نے فی علم الله (اللہ کے علم میں) محذوف مانا ہے۔ ابلیس پر کفر کا اطلاق حکم کے رد و انکار کی بناء پر ہوا، محض ترکِ عمل (سجدہ) کی بناء پر نہیں۔ ترکِ عمل گو گناہ کیسا ہی ہو ایمان سے خارج کر دینے اور کفر تک پہنچا دینے کیلئے اہلِ سنت کے مذہب میں کافی نہیں (مدارک) ف۱۲۹ جنة۔ لفظی معنی ہر اس باغ کے ہیں جس کے درخت زمین کو چھپالیں۔ کل بستان ذی شجر یستر باشجاره الارض (راغب) الجنة سے اصطلاحِ شرعی میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لئے ہوئے عالمِ آخرت میں نیک کاروں کیلئے مخصوص ہے اور آج نظروں سے مستور ہے۔ اسکا نام جنت یا تو اس لئے پڑا کہ وہ دنیا کے باغوں سے مشابہ ہے، گو مشابہت بہت دور کی سہی۔ اور یا اس لئے کہ اسکی نعمتیں ابھی مستور ہیں۔ سمیت الجنة اما تشبیهاً بالجنة فی الارض وان کان بینهما بون ولما لستره نعمها عنا (راغب) اَنْتَ۔ اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبِ اصلی حضرت آدمؑ تھے حضرت حواؑ کی حیثیت تابع کی سی تھی۔ زَوْجُكَ۔ مراد حضرت حواؑ ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہو چکی تھیں۔ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اس سے اشارۃً جنت کی وسعتِ عظیم بھی معلوم ہو گئی۔ ف۱۳۰ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی متعین اور حضرت آدمؑ کیلئے معلوم و معروف درخت تھا لیکن اب اسکی تعیین سے کوئی نتیجہ نہ تھا۔ اس لئے قرآنِ حکیم جو کبھی بے نتیجہ بات نہیں کہتا، اس سے خاموش ہے اور حدیثِ صحیح میں بھی اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے۔ لم یضع لعباده دلیلاً علی ذلك فی القرآن ولا فی السنة الصحیحة (ابن جریر) اس لئے محققین کا مسلک بھی اس باب میں خاموشی کا ہے اقوال و آثار بکثرت مروی ہیں۔ توریت میں ایک بڑی طویل عبارت میں اس کا بیان آیا ہے۔ اسکے آخر میں ہے۔ "اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دے کر کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا ضرور مرے گا۔" (پیدائش۔ ۲: ۱۶ و ۱۷) بات یہاں بھی اسی قدر مجمل رہی۔ ادنیٰ درختوں میں سے گیہوں، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لیکر شجرِ محبت، شجرِ علم وغیرہ معنوی درختوں تک کے نام لئے گئے ہیں۔ قیل الحنطة وقیل النخلة وقیل التین، قیل الحنظل وقیل شجرة المحبة وقیل شجرة الطبیعة والهویٰ وقیل وقیل (روح) لیکن اہلِ تحقیق کا فیصلہ وہی خاموشی کا ہے۔ ولا علم عندنا بایة شجرة کانت علی التعیین فلا حاجة ایضاً الی بیانه اکبر والاولیٰ عدم القطع والتعیین (روح) ف۱۳۱ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہوگا۔ اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت اس وقت تک دار الجزاء یا دار الخلد نہ تھی، جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ اس وقت وہاں تکلیفاتِ شرعی تھیں۔ احکام تھے، نواہی تھے، اور جب جنت کی ماہیت اس وقت یہ تھی، تو کوئی اشکال نہیں بتا وہاں وسوسۂ شیطانی کے پہنچ جانے پر یا کسی شخص کے وہاں سے نکالے جانے پر۔ مُرشد تھانوی مدظلہٗ نے لاتقربا سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا کہ اصلاً صرف اکل ممنوع تھا لیکن ممانعت قربِ شجر کی بھی کر دی گئی۔ اسی طرح مشائخ محققین بعض دفعہ مباحات سے روک دیتے ہیں کہ کہیں غیر مباح کی طرف منجر نہ ہو جائے۔ ف۱۳۲ الشَّيْطٰنُ شیطان وہ ہے جو خیر اور رحمتِ الٰہی سے دُور ہو گیا۔ شطن ای تباعد (راغب) الشیطٰن فیعال من شطن ای بعد ما سمی به لبعده عن الخیر وعن الرحمة (معالم) ابلیس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ وہی اب یہاں اپنے صفتی نام شیطان سے یاد کیا جا رہا ہے۔ نافرمانی کی پاداش میں وہ جنت سے نکالا جا چکا ہے اور بنی آدم سے شدید حسد رکھے ہوئے ہے۔ اب اس کا نام شیطان ہے۔ اسکے پاس اور کوئی قوت نہیں۔ انسان کو مجبور ذرا بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ ورغلانے کے فن کا وہ امام ہے۔ ترغیب خوب دے سکتا ہے، سیاہ کو سفید کر کے خوب دکھا سکتا ہے۔ اور وسوسہ اندازی کی طاقت غضب کی رکھتا ہے۔ نزدیک اور دُور اپنا عمل کہیں سے کر سکتا ہے۔ فاصلہ اسکے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور مادی رکاوٹیں کسی قسم کی بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں جنت کی حیثیت اس وقت تک دار الجزاء کی متعین نہیں ہوئی تھی، اسلئے وہاں بھی اس کا عمل بے تکلف اثر کر سکتا تھا۔ اَزَلَّ۔ زلہ سے ہے۔ اور اسکے معنی ہیں، جگہ سے ہٹا دیا، ڈگا دیا، پھسلا دیا۔ بغاوت، سرکشی یا ارادی نافرمانی کا کوئی مفہوم اسمیں شامل نہیں۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد (راغب) انه اسم لفعل یقع علی خلاف الامر من غیر قصد الی الخلاف کزلة الماشی فی الطین (مدارک) قرآن مجید نے پیغمبروں کی غلطیوں، لغزشوں، فروگزاشتوں کا ذکر بار ہا کیا ہے لیکن بائبل کے برخلاف، کوئی اخلاقی جرم، کوئی دانستہ نافرمانی، کوئی حقیقی معصیت کبھی بھی ان کی جانب منسوب نہیں کی ہے۔ نہ صراحةً نہ کنایةً۔ عنها میں ضمیر ها شجرة کی جانب ہے۔ اور عن تعلیلیہ ہے۔ معنی "اس کے سبب سے"۔ اکثر اہلِ تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ عنها ای بسببها (ابن کثیر) والضمیر فی عنها للشجرة ای فحملهما الشیطان علی الزلة بسببها (کشاف) ای حملهما علی الزلة بسببها (روح) قرآن مجید میں عن کثرت سے اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً الا عن موعدة (توبہ) وما نحن بتارکی الهتنا عن قولك (ہود) وما فعلته عن امری (کہف) ضمیر ها سے اشارہ جنت کی طرف بھی سمجھا گیا ہے۔ اس قول پر مراد یہ ہوگی کہ شیطان انہیں دُور لے گیا جنت سے۔ روایاتِ احادیث میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو قسم کھا کر آدمؑ و حواؑ کو اپنی دوستی، ہوا خواہی و اخلاص کا یقین دلایا۔ ان بیچاروں کے خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ خدا کی قسم جھوٹی بھی کھائی جا سکتی ہے۔ اسکے بعد کہا کہ "اس درخت کا پھل اگر کھا لو گے تو جنت میں قیام مستقل ہو جائے گا۔ اس میں تاثیر یہ

۱۱۲ (مصالح کائنات و مخلوقی حاجات کے سلسلہ میں) مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اسکی کیا خبر کہ عبدیت کے علاوہ نیا کام خلافت الٰہی کا جو اس نئی مخلوق سے لیا جانے والا ہے۔ اور اسکے لئے جن صلاحیتوں اور جس قسم کی استعداد کی ضرورت ہے، وہ تمہارے اندر کہاں تک موجود ہیں۔ انی اعلم من المصلحۃ الراجحۃ فی خلق ھذا الصنف علی المفاسد التی ذکرتموھا ما لا تعلمون (ابن کثیر) دیوتا پرستی پر ایک اور ضرب لگی۔ ملائکہ پرستوں کو ان کے جہل پر ایک اور تنبیہ کی گئی، کہ صفات خلق، قدرت وغیرہ الگ رہیں محض ان مصالح کے علم کے لحاظ سے بھی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت؟ کہاں علم محدود، کہاں علم نامحدود؟ ۱۱۳ یعنی آدم کو اشیاء کائنات کے اسماء اور آثار و خواص کا علم دے دیا۔ آدمؑ یہی سب سے پہلے بشر تھے، اسی لئے ابوالبشر کہلاتے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق۔ جنت سے جب زمین پر آئے تو غالباً دجلہ و فرات کے دوآبہ میں آباد ہوئے، جو اب مُلکِ عراق کہلاتا ہے۔ توریت میں تین صاحبزادوں کا نام آتا ہے۔ ہابیل، قابیل، شیث۔ توریت ہی کی حسب روایت عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا؟ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لئے آدم کہلائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سُرخی کی بناء پر۔ خُلق آدم من ادیم الارض فسمّی آدم (ابن جریر عن سعید بن جبیر) قیل سمی بذلک لکونہ جسدہ من ادیم الارض وقیل بسمرۃ فی لونہ (راغب) اسماء۔ اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے۔ اسم الشیء علامتہ (قاموس) الاسم ما یعرف بہ ذات الشیء (راغب) اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اہل لغت نے بھی تشریح میں اس کا لحاظ رکھ لیا ہے۔ قال ابن سیدہ الاسم ھو اللفظ الموضوع علی الجوھر او العرض للتمییز لیفصل بہ بعضہ عن بعض (تاج) اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہوا، تو اسم محض ایک آواز کانوں تک رہے گی۔ اور ذہن کے سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہو گا۔ علامہ راغب نے اسی لئے اس پر شرح و بسط سے کلام کر کے آخر میں کہا ہے، ان معرفۃ الاسماء لا تحصل الا بمعرفۃ المسمّٰی و

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
اور اللہ نے آدم کو نام سکھلا دیئے کُل کے کُل ۱۱۳ پھر انہیں فرشتوں کے

عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ
سامنے پیش کیا ۱۱۴ پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے

هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا
نام اگر تم سچے ہو ۱۱۵ وہ بولے

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
تُو پاک ذات ہے ۱۱۶ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو تُو نے ہمیں علم دیدیا ۱۱۷

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓاٰدَمُ
بیشک تُو ہی ہے بڑا علم والا ۱۱۸، حکمت والا ۱۱۹ (اللہ نے فرمایا اے آدم،

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ
بتلا دو انہیں ان کے نام ۱۲۰ پھر جب انہوں نے انہیں ان کے نام بتلا دیئے ۱۲۱

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
تو فرمایا ۱۲۲ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی

وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ
چیزیں جانتا ہوں اور جو کہ تم ظاہر کرتے ہو، اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، وہ سب

تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
جانتا ہوں ۱۲۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا ۱۲۴ کہ آدمؑ کے آگے

حصول صورتہ فی الضمیر (کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت اور ذہن میں اسکی تصویر کے ہو نہیں سکتی) اور ایک دوسرے امامِ لغت نے اسکی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ ھو کلامٌ نفیسٌ (تاج) اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسم مرادف ہے ذات شے اور عین شے کے۔ یقال ذات ونفس وعین واسم بمعنیً (قرطبی) یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ آیت کی تفسیر میں محققین نے مراد معلوماتِ اشیاء سے لی ہے۔ اور اسما کے ساتھ مسمیات اور ذوات و خواصِ اشیاء کو شامل کیا ہے۔ اور اشیاء کے اسماء سے مراد انکے آثار و خواص کا علم لیا ہے۔ فالمراد الانواع الثلاثۃ من الکلام وصورۃ المسمیات فی ذواتھا (راغب) علّم آدم مسمّیات الاسماء (کشاف) الھمہٗ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصھا واسمائھا واصول العلوم وقوانین الصناعات وکیفیۃ اٰلاتھا (بیضاوی) علّمہٗ صفات الاشیاء ونعوتھا وخواصھا (کبیر) صاحبِ تفسیر مظہری نے کہا کہ مُراد اسماء سے اسماء الٰہی ہیں۔ انہیں کا علم اجمالی کامل آپ کو مل گیا تھا! اور ہر اسم و صفت کے ساتھ ایسی مناسبت تامہ آپ کو پیدا ہو گئی تھی کہ آپ جس کسی اسم یا صفت کی طرف توجہ کرتے وہ اسم یا صفت فوراً آپ پر متجلّی ہو جاتی مثلاً جب اسم پاک الاوّل کی تجلّی آپ پر ہوئی تو ہر گزری ہوئی چیز آپ پر منکشف ہو گئی۔ اسی طرح جب اسم پاک الاٰخر کی تجلّی ہوئی تو ہر آنے والی چیز معلوم ہو گئی۔ اور اسی پر قیاس سارے اسماء الٰہی کا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ مقام ہے انسان کی فضیلتِ کبریٰ کا حیف ہے کہ یہ خلیفۃ اللہ دیوتا پرستی، ملائکہ پرستی میں مبتلا ہو جائے! ۱۱۴ (تاکہ انسان کی اعلیٰ صلاحیت اور منصبِ خلافتِ الٰہی سے اس کی مناسبت فرشتوں پر بھی ظاہر ہو جائے) عَرَضَھُمْ۔ سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر ھُمْ ذوی العقول کے لئے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً و تبعاً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات و موجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ عرض الخلق علی الملٰٓئکۃ (ابن جریر عن ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرہما من اصحاب النبیؐ) عرض تلک الاشیاء علی الملٰٓئکۃ (ابن جریر عن قتادۃ) اے عرض المسمیات (کشاف) المراد بہ ذوات الاشیاء او مدلولات الالفاظ (بیضاوی) تقدیر کلام یُوں تھی اسماء المسمیات۔ مضاف الیہ حذف کر دیا گیا، کہ مضاف اسکی وضاحت کے لئے کافی ہے (بیضاوی) ۱۱۵ (اپنے اس گمان میں کہ تم ہر منصب کی اہلیت اور ہر خدمت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو) خطاب فرشتوں سے ہو رہا ہے۔ اسمآء پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مراد یہاں بھی محض نام نہیں۔ خواص و آثار بھی مراد ہیں۔ صٰدقین۔ صدق سے مراد یہاں ارادی سچائی اور راست گفتاری نہیں کہ اسکے خلاف کا تو فرشتوں میں احتمال ہی نہیں۔ بلکہ مراد محض ان کے دعویٰ کا صحیح ہونا یا ان کے خیال کا مطابق واقعہ ہونا ہے۔ صدق کا اطلاق لغت عربی میں اردو کی "سچائی" سے کہیں زیادہ وسیع ہے وہ جس طرح ارادی راست گفتاری کے لئے آتا ہے اسی طرح اصابت رائے و صحتِ خیال کے لئے بھی۔ وقد یستعمل الصدق والکذب فی کل ما یحق ویحصل فی الاعتقاد (راغب) والصدق ھو الصواب (بحر) صدق و کذب۔ عربی کے ان دو لفظوں کے صحیح مفہوم پر نظر نہ ہونے سے اردو خوان طبقہ قرآن و حدیث سے متعلق کتنی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مرشدِ تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ مدارِ خلافت مجاہدۂ اعمال نہیں بلکہ علم و فہم ہے بشرطیکہ بدعملی نہ ہو اور اسی لئے مشائخ طریقت عطائے خلافت کے وقت اسی کی زیادہ رعایت کرتے ہیں ۱۱۶ (اور اس سے برتر اور منزہ کہ تیرا کوئی سا بھی فعل حکمت سے خالی اور مصلحت سے عاری ہو) ملائکہ کی زبان سے بار بار توحید پرستی کے کلمات ادا کرنا دُنیا میں پھیلی ہوئی ملائکہ پرستی (دیوی دیوتا پُوجا) پر ضرب شدید لگانا ہے ۱۱۷ (اور ہم ناچیز بندوں کے علم کی تیرے نامتناہی اور لامحدود علم کے سامنے بساط ہی کیا؟) صفتِ خلق، صفتِ قدرت وغیرہ دوسری صفات کا ذکر ہی نہیں، خود صفتِ علم کے بھی معیار سے کہاں فرشتوں کا علم جزئی اور کہاں حق تعالیٰ کا علم کلّی! ۱۱۸ (جس کے علم کیلئے حاضر و غائب، قریب و بعید، حال و مستقبل سب یکساں! اور جو بحیثیت ہمہ دان و ہمہ بین کے ہر مخلوق کے ظرف سے، استعداد سے، ملکاتِ طبع سے یکساں واقف ہو) ۱۱۹ (اور اسی قانونِ حکمت کے ماتحت بشر و ملک ہر مخلوق میں اسکی استعداد کے مطابق، اسکے ظرف کے متناسب، علم کا تقسیم کرنے والا، کام لینے والا) ۱۲۰ (یعنی فرشتوں کو اشیاء کائنات کے آثار و خواص) اسماء پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ جب فرشتے اظہارِ عجز کر چکے، تو اب آدمؑ سے ارشاد ہوا کہ تم اپنے معلومات کا اظہار کرو۔ آدمؑ کی فضیلت اس علم تکوینی ہی کی بناء پر تو تھی ۱۲۱ یعنی حضرتِ آدمؑ جب امتحان میں پورے اُترے، پہلے اپنے معلوماتِ تکوینی کا اظہار سارے خلائق پر کر دیا۔ اور اس طرح ان کا شرف عیاناً سارے کائنات پر ثابت ہو گیا ۱۲۲ خطاب کا یہاں براہِ راست ملائکہ سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن عجب نہیں کہ بالواسطہ ساری مخلوق سے ہو ۱۲۳ گویا آیت نمبر ۳۰ میں انی اعلم ما لا تعلمون کی جو اجمالی حقیقت بیان ہوئی تھی، اب اسکی تفصیل ہو گئی۔ اور ضمناً ان مسائل کی تعلیم آگئی کہ علم کُل صرف ذات باری کا خاصہ ہے۔ اور خالق کے لامحدود و نامتناہی علم سے مخلوق، اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق کے بھی علم کو کوئی نسبت نہیں۔ مفسرین نے یہاں ایک روایت نقل کی ہے کہ آدمؑ کا ابھی جسدِ خاکی ہی تیار ہوا تھا اور رُوح ابھی اس میں نہیں پڑی تھی کہ اُدھر سے ابلیس کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوا۔ ہمراہیوں سے پُوچھا کہ یہ نئی مخلوق اگر ہم سب پر حاکم بنا دی گئی تو کیا کرو گے؟ فرشتے بولے کہ جان و دل سے اطاعت کرینگے اور کیا کریں گے۔ اس پر ابلیس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو اطاعت نہ ہو گی، میں تو خود ہی اس پر غلبہ حاصل کروں گا۔ اور مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں مَا تُبْدُوْنَ کا تعلق فرشتوں کے اعلانِ اطاعت اور اظہارِ طاعت سے ہے، اور ما کنتم تکتمون کا تعلق ابلیس کے اخفارِ بغاوت سے۔ لیکن خطاب کو اگر شروع ہی سے ساری مخلوق کیلئے عام لے لیا جائے (جیسا کہ ابھی اُوپر کے حاشیہ میں گزر چکا) تو پھر اس روایت سے استناد کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی ۱۲۴ یہاں صراحت صرف فرشتوں کی ہے۔ لیکن جب یہ حکم فرشتوں کو مل رہا تھا تو جنات وغیرہ جو نسبۃً ادنیٰ مخلوق تھے، وہ اس حکم کے مخاطب بدرجۂ اولیٰ ٹھہرے۔ بادشاہ کا حکم جب وزیر یا نائب السلطنت کو ملتا ہے تو ادنیٰ عہدہ دار بدرجۂ اولیٰ اس کے مخاطب سمجھتے ہیں۔

مفہوم یہ ہوا کہ وہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا۔ والمراد بالسماء جہات العلو کانہ قیل ثم استوی الی فوق (کشاف) استوی کا صلہ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں قصد کیا، توجہ کی، التفات کیا۔ چنانچہ یہاں ائمہ تفسیر عموماً اسی طرف گئے ہیں۔ عمد الی خلق السماء (ابن عباسؓ) قال بعضہم اقبل علیہا وقال بعضہم عمد الیہا (ابن جریر) قصد الیہا بخلقہ واختراعہ (قرطبی عن سفیان وابن کیسان) اقبل وعمد الی خلق السمٰوٰت (مدارک) ۱۰۶ آسمانوں کا تعداد میں سات ہونا توریت و انجیل دونوں کو مسلّم ہے ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل میں ہے۔ "عہدِ عتیق وعہدِ جدید دونوں میں آسمانوں کا جو تخیل ہے ...... وہ سات آسمانوں کا ہے" (جلد ۲ ص ۳۲۲) سَوّٰىهُنَّ۔ تسویہ کے معنی ہیں تکمیل تک پہنچا دینے اور ہر طرح درست کر دینے کے ضمیر هُنَّ السماء کی طرف راجع ہے خواہ اسکی تفسیر اجرام سے کی جائے یا خود اسی کو معنیً جمع قرار دیا جائے (بیضاوی) ومعنی تسویتہن تعدیل خلقہن واخلاؤہ من العوج والفطور واتمام خلقہن (کبیر) اسی لئے فَسَوّٰىهُنَّ کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو میں یہی ہو سکتا ہے کہ "انھیں ٹھیک ٹھاک کر دیا"۔ سبع سمٰوٰت۔ قدیم اہلِ ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لئے ہیں۔ یعنی کرۂ قمر، کرۂ عطارد، کرۂ زہرہ، کرۂ شمس، کرۂ مریخ، کرۂ مشتری، کرۂ زحل (کبیر) صاحبِ تفسیر مظہری نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ عرش اور اسکے اندر جتنے سماوات ہیں سب کُروی ہیں اور عرش زمین کے اطراف کو محیط ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں ایک خاص چال سے چلتا ہے اور آسمان کو حرکت نہیں ۱۰۷ (چنانچہ اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی اسے پورا علم ہے، اور اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ از راہِ بندہ پروری اُس نے ان کی ہر ضرورت کے پورا کرنے کا بھی سامان کر دیا) صفتِ خلق کے بعد صفتِ علم کا اثبات بھی ضروری تھا۔ جاہلی قوموں نے کثرت سے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ان کے معبود تسلیم کر لینے کے باوجود ان کے علم کو ناقص مانا ہے ۱۰۸ اِذْ ظرفِ زمان ہے کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے جس طرح اِذَا کسی واقعۂ مستقبل پر آتا ہے۔ اذ ظرف موضوع لزمان نسبۃ ماضیۃ وقع فیہا نسبۃ اُخری مثلہا (ابو سعود) بعض نے اذکر اس کے قبل مقدر مانا ہے۔ ہو نصب باضمار اذکر والمعنی اذکر لہم (کبیر) واذکر وانعلی بابیکو (کبیر) ابو عبیدہ نحوی نے کہیں کہہ دیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے۔ اس کی شدومد سے تردید اہلِ لغت و ائمہ تفسیر دونوں نے کی ہے۔ قال ابن اسحٰق ھذا اقدام من ابی عبیدۃ (لسان) قال الزجاج ھذا اجترام من ابی عبیدۃ (ابن کثیر) ردہ ابن جریر قال القرطبی وکذا ردہ جمیع المفسرین (ابن کثیر) ۱۰۹ (آفرینشِ آدم کے وقت) سورہ کے رکوع اول میں بیان فطرتِ انسانی کا تھا کہ قرآن کے مخاطبین میں ۳ طرح کے لوگ ہیں، ایک اسکے پیام کو قبول کرنے والے، صالح و سلیم فطرت رکھنے والے۔ دُوسرے بد فطرت، پیامِ الٰہی سے انکار کرنے والے۔ دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا۔ تیسرے رکوع میں اصل پیام کا لُبّ لباب سنا دیا گیا یعنی توحید و رسالت کی تبلیغ کر دی گئی۔ اب اس چوتھے رکوع میں اس تبلیغ کی تاریخ شروع ہوتی ہے یعنی یہ پیام ابتداءً نسلِ انسانی کے بانی و مُورث حضرت آدمؑ کو دیا گیا۔ اور ان سے نسل بہ نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ ملٰئکۃ۔ جمع ہے مَلَک کی۔ اور وہ الوک سے ہے جس کے معنی پیامبری یا پیام رسانی کے ہیں۔ الالوک الرسالۃ ومنہ الکنی لی ابلغہ رسالتی (راغب) من الالوکۃ وھی الرسالۃ (روح) ملائکہ کو ملائکہ کہتے ہی اسی لئے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے۔ لو رب خالق کے پیامات مخلوق تک لایا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ایجنٹ یا واسطے ہیں۔ لانہم وسائط بین اللہ تعالیٰ وبین الناس فہم رسل اللہ او کالرسل الیہم (بیضاوی) اردو میں انھیں کو فرشتے کہتے ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہوتے ہیں۔ وجودِ خارجی رکھتے ہیں محض صفاتِ الٰہی یا قوائے طبیعی کے مرادف نہیں۔ عادۃً انسان کیلئے غیر مرئی رہتے ہیں جب بضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اجسام لطیفۃ ہوائیۃ تقدر علی التشکل باشکال مختلفۃ مسکنہا السمٰوٰت وھذا قول اکثر المسلمین (کبیر) ذھب اکثر المسلمین الی انہا اجسام لطیفۃ قادرۃ علی التشکل باشکال مختلفۃ مستدلین بان الرسل کانوا یرونہم کذلک (بیضاوی) ان کی لا انتہا تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وجود میں انسان پر تقدمِ زمانی رکھتے ہیں۔ سرشت معصومانہ ہوتی ہے یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خالق کے خاص فرمانبردار خادم ہوتے ہیں۔ مخلوق، محکوم، بندے ہونے میں بالکل انسان ہی جیسے ہیں۔ خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی قسم کی مطلق نہیں رکھتے۔ اور یہیں سے رد ہو جاتا ہے ان اہلِ مذہبوں کا جنھوں نے ملائکہ کو خواہ اسی نام کے ساتھ، خواہ انھیں دیوی دیوتا قرار دے کر خالق و مخلوق کے درمیان ایک برزخی درجہ دے رکھا ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ میں لام تبلیغ کا ہے۔ اللام الجارۃ للتبلیغ (روح) ۱۱۰ (عنقریب اپنی حکومت کی تنفیذ کیلئے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف و مرتبہ! اللہ کی مخلوق تو اُس وقت تک بھی بے شمار تھی۔ اب ان میں انسانِ خاکی محض ایک نئی صنف کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اللہ کا نائب زمین پر پیدا کیا جا رہا ہے! بعض اہلِ تحقیق نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری ہی موجودات کی ہوئی ہے جنات کی بھی اور ملائکہ کی بھی جنت کی بھی اور عرش کی بھی لیکن اور کسی کے بھی قصدِ تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن مجید نے نہیں کیا ہے۔ یہ فخر صرف خلقتِ آدم کے حصہ میں آیا۔ اور یہ دلیل ہے آدم کی افضلیت و اشرفیت کی۔ ولم یقل انی خالق عرشا او جنۃ او ملکا ولما قال ذلک تنبیہا وتخصیصا لآدم (بحر) خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی کی نیابت کرے، خواہ اس لئے کہ وہ موجود نہیں، یا اس لئے کہ فوت ہو چکا، یا اس لئے کہ معذور ہو، اور خواہ اس لئے کہ اس سے مستخلِف کی تعظیم ظاہر ہو۔ الخلافۃ النیابۃ عن الغیر اما لغیبۃ المنوب عنہ واما لموتہ واما لعجزہ واما لتشریف المستخلَف (راغب) اور خلیفۃ اللہ وہ ہے جو زمین پر اللہ کی شریعت کی حکومت قائم کرے۔ یخلفنی فی الحکم بین خلقی وذلک الخلیفۃ ھو آدم ومن قام مقامہ فی طاعۃ اللہ والحکم بالعدل بین خلقہ (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ) خلیفۃ اللہ فی ارضہ لاقامۃ احکامہ وتنفیذ قضایاہ (معالم) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انسان کو جو قوتیں ملیں گی وہ اس غایت و مقصود یعنی منصبِ خلافتِ الٰہی کے تناسب میں ملیں گی نسلِ انسانی خود اپنی صلاح و فلاح کے لئے اس کی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ اپنے کسی ہم جنس کے واسطہ سے شریعتِ الٰہی سے استفادہ کرے۔ اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا ہے۔ والمراد بہ آدم وکذلک کل نبی استخلفہم اللہ فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسہم وتنفیذ امرہ فیہم (بیضاوی) واضح ہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان، نوعِ انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت و نیابتِ الٰہی پر نہیں رکھا ہے۔ اور غیر جاہلی مذہبوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت دونوں اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں۔ بائبل میں اس موقع پر ذکر اس قدر ہے۔

"خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اٹھتا تھا اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا، اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اسکے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا" (پیدائش ۲: ۵-۷)

گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک "جاندار" آدم بھی پیدا ہو گیا۔ اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ "زمین کی کھیتی کرے"! کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان، اور کہاں قرآن مجید کا باوجود شدتِ اختصار انسان کو مرتبہ خلافتِ الٰہی پر پہنچا دینے والا بلند و جامع اعلان! بعض صوفیہ نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جوہرِ خاک کو شرفِ خلافت اس لئے عطا ہوا کہ کثافت ہی فیضانِ اتم کے قابل اور تحمل نورانیت کے لائق ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ نورِ آفتاب کا فیضِ کامل و ذاتی زمین ہی پر ہے بسبب اسکے کمالِ کثافت کے۔ اور پانی اور ہوا اور آگ پر یہ فیضان صرف صفاتی ہے اس لئے کہ کثافت ان میں کم ہے۔ اور اجرامِ علویہ تو اس نورانیت کے صرف سایہ بلکہ عکس ہی سے مستفیض ہو سکتے ہیں بسبب کمالِ لطافت کے۔ اور آدم کی ترکیبِ جسمی چونکہ خاکی عنصر سے ہوئی ہے، اور ان کے اخلاق کی عالمِ ملکوت سے اور انکی روح کی عالمِ امر و نور سے، اس لئے ان میں صلاحیتِ فیضان بھی غایت کمال کی قرار پائی ۱۱۱ اللہ معاف کرے، یہاں کلام کے سمجھنے میں بعض اکابر سے تسامحات ہو گئے ہیں۔ فرشتوں کا یہ قول بر اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا۔ فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے۔ "باغی فرشتوں" کا تخیل تمامتر مسیحی ہے۔ اور عجب نہیں کہ مسیحیوں ہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں سرایت کر گیا ہو۔ فرشتوں کا یہ قول تمامتر فدویانہ نیازمندی، اقرارِ وفاداری اور جوشِ جاں نثاری کا نتیجہ تھا جیسا کہ ہمارے محققین نے صراحۃً سمجھا ہے۔ لیس علی وجہ الاعتراض علی اللہ ولا علی وجہ الحسد لبنی آدم کما قد یتوہمہ بعض المفسرین (ابن کثیر) ولیس باعتراض علی اللہ تعالیٰ ولا طعن فی بنی آدم علی وجہ الغیبۃ فانہم اعلیٰ من ان تظن بہم ذلک (بیضاوی) لیس المقصود الا الاستفسار عن الرحمۃ لا العجب والتفاخر (روح) علی طریقۃ قول من یجد فی خدمۃ مولاہ وھو یامر بہا غیرہ اتستخدم العصاۃ وانا مجتہد فیہا (ابو سعود) بہترین تقریر اس سلسلہ میں وہ ہے جو ہمارے شیخ وقت مفسر تھانوی مدظلہٗ نے کی ہے۔ وہ ذیل میں بجنسہٖ نقل ہے: "مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں اور اُن میں کوئی کوئی مفسد سفاک بھی ہوگا۔ سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اسکو انجام دینگے۔ اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہونگے۔ البتہ جو مطیع ہونگے وہ تو جان و دل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد و ظالم ہونگے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں۔ خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا، نہ اپنا استحقاق جتلایا، جو ان مقدس خدمتگاروں پر شبہات پیدا ہوں، بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کرکے اسکے لئے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے اور اپنے قدیمی عملہ سے اس کا اظہار کرے، وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی راہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کیلئے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ بعض بعض تو اسکو بخوبی انجام دے سکیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے جس سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اور حضور کی جان و مال کو دعا دیتے رہتے ہیں۔ کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا۔ اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر و انکار نہ ہوگا۔ اسی طرح فرشتوں کی عرض و معروض اظہارِ نیازمندی کے واسطے تھی۔ اور یہ بات کسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرا دی ہوگی کہ بنی آدم میں بُرے بھلے سب ہی طرح کے ہونگے"۔ تجعل فیہا۔ یفسد فیہا۔ ضمیر ھا دونوں جگہ ارض (روئے زمین) کیلئے ہے۔ فیہا کی تکرار شدتِ فساد کے اظہار کے لئے ہے۔ وتکرار الظرف للدلالۃ علی الافراط فی الفساد (روح) اتجعل فیہا الخ مطلب یہ ہے کہ یہ جدید مخلوق اور اسکی ذریات آپ کے قوانین کی نافرمانی بھی کرے گی۔ اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روئے زمین پر مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فساد برپا ہو کر رہے گا۔ فرشتوں کی یہ ساری عرض و معروض انکی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں، بلکہ نیابتِ الٰہی و خلافتِ ربانی کا نام سنکر خود ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبیعی تقاضوں کا بھی۔ اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود انکے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر شر و فساد بھی ہوگا اور انسانوں میں سرباغی و نافرمان بھی پیدا ہونگے۔ بحمدک میں ب تسبیح کے ساتھ حمد کے دوام معیت کے اظہار کیلئے ہے۔ الباء للاستدامۃ الصحبۃ والمعیۃ (مد) لک میں ل اظہارِ تخصیص کیلئے ہے یعنی تقدیس خاص تیری رضا ہی کیلئے ہے۔ اشعاراً بان ایقاع الفعل لاجل اللہ تعالیٰ خالصاً لوجہہ سبحانہٗ (مد) تسبیح اور تقدیس کے درمیان یہ فرق کیا گیا ہے کہ تسبیح کا اطلاق باعتبار طاعات کے ہوتا ہے اور تقدیس کا بلحاظ اعتقادات کے (روح) ونحن میں و حالیہ ہے والواو للحال (کبیر) بما فہموہ من الطبیعۃ البشریۃ (ابن کثیر) انہم عرفوا خلقتہ وعرفوا انہ مرکب من ھذہ الاخلاط الاربعۃ (کبیر) والاحتیاج الی الحاکم والقاضی انما یکون عند التنازع والتظالم فکان الاخبار عن وجود الخلیفۃ اخبارا عن وقوع الفساد بطریق الالتزام (کبیر) علموا ذلک من تسمیتہ خلیفۃ لان الخلافۃ تقتضی الاصلاح وقہر المستخلف علیہ وھو یستلزم ان یصدر منہ فساد (روح) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جو جنات آباد تھے، انکی سرشتِ فطرت پر قیاس کرکے فرشتے یہ سمجھے۔ کما فعل بنو الجان فقاسوا الشاہد علی الغائب (معالم) توریت میں اس مخلوق کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے۔ آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا مان لیا۔ بارش کے فرشتہ کو اندر دیوتا۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن نے نحن نسبح بحمدک ونقدس لک فرشتوں کی زبان سے کہلا کر انکی عبدیت محض پر انھیں کی زبان سے ایک اور مہر لگا دی۔ فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید و تقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
درآنحالیکہ تم بے جان تھے ۹۹ سو اس نے تمہیں جاندار کیا ۱۰۰ پھر وہی تمہیں موت دیگا ۱۰۱ پھر
يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ
وہی تمہیں زندہ کریگا ۱۰۲ پھر اسی کی طرف تم واپس کیے جاؤ گے ۱۰۳ وہ وہی (خدا) ہے،
خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى
جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب ۱۰۴ پھر اس نے
اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ
آسمان کی طرف توجہ کی ۱۰۵ اور انہیں سات آسمان درست کرکے بنا دیے ۱۰۶ اور وہ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
ہر چیز کا جاننے والا ہے ۱۰۷ اور (وہ وقت یاد کرو ۱۰۸) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں
اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا
سے کہا ۱۰۹ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں ۱۱۰ وہ بولے
اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ
کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کریگا اور خون
الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ
بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں ۱۱۱ اور تیری پاکی
لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
پکارتے رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۱۱۲

ع ۳

شرانے میں دنیا کے مذہبوں کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں چنانچہ انہیں سمجھنے کیلئے ایک دوسرا خالق شر بھی فرض کر لیا گیا ہے لیکن اس دشواری کی اصل یہ ہے کہ خیر کی طرح شر کا بھی کوئی وجود فرض کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ شر تو اشیائے کائنات کے، موجودات عالم کے، اور اپنے قویٰ کے صرف غلط و ناجائز طریق استعمال کا نام ہے۔ خالق کائنات نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے مختلف راہوں میں سے ایک کے انتخاب کی، اور اسی کا نام ارادہ ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے اسی ارادہ و اختیار سے غلط کام یا غلط راہ کا انتخاب کرتا ہے تو اسی کو شر میں مبتلا ہو جانا کہتے ہیں۔ اللہ علاوہ احکم الحاکمین ہونے، مالک الملک ہونے آخری اور اصلی قانون ساز ہونے کے تکوینی حیثیت سے ہر شے کا آخری مسبب الاسباب بھی تو ہے۔ وہ بدی کا خالق صرف اسی معنی میں ہے جس معنی میں زہر کا، زہریلے جانوروں کا، خونخوار درندوں کا ہے۔ یُضِلُّ بِہٖ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچا دیتا ہے۔ یہ نہیں کرتا کہ سامان گمراہی آگے کھینچ کر ہو جائیں اور نتیجہ برآمد ہونے دے۔ بہٖ یعنی اس سے اور اسی طرح دوسری قرآنی تمثیلات سے ضمیر کا مرجع مثلاً ہے۔ کَثِیْرًا بہتوں کو، یہ بہت وہی ہیں جو اپنی قوت فکر و نظر سے صحیح کام نہیں لیتے۔ اور اس لئے اپنے ارادہ سے کفر و ضلالت اختیار کئے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا کو ان کے کفر میں ذرا بھی دخل نہیں ۹۲ (اللہ اپنے اسی قانون تکوینی کے مطابق) بہٖ ضمیر کا مرجع یہاں بھی مثلاً ہے۔ کَثِیْرًا یہ بہت وہ ہیں جو اپنی قوت فکر و نظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں۔ مومنین مہتدین کا شمار گو کافرین مضلین کے مقابلہ میں کم تر ہو، پھر بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تعداد میں ہے۔ اور اسی لئے کثیر کا لفظ اسکے لئے بھی آیا ہے ۹۳ آیت نے خود اس مضمون کو صاف کر دیا کہ گمراہی تو بس انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ہرگز جبر نہیں دیتا۔ بالکل ارادی نافرمانیوں اور بدعملیوں سے اندر کا نور بجھ کر رہ جاتا ہے اور طبیعت میں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش باقی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس کے برعکس باطل اور ناحق پر جمود پیدا ہو جاتا ہے، اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر و انکار پر ہوتا ہے۔ فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرۂ اطاعت سے باہر نکل جائے۔ الفسق العصیان والترک لامر اللہ عز وجل والخروج عن طریق الحق (لسان) المنافق و الکافر سُمّیا فاسقین لخروجہما عن طاعۃ ربہما (ابن جریر) ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فیروزآبادی کا قول ہے لیس فی کلامہم ولا شعرہم فاسق علی انہ عربی (قاموس) اور ابن الاعرابی نے کہا ہے لم یسمع فی کلام الجاہلیۃ ولا فی شعرہم فاسق ھذا عجب وھو کلام عربی (لسان) فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بہ حیثیت اسم فاسق کا استعمال انسان کیلئے کلام عرب میں نہیں ملتا۔ لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب عن ابن الاعرابی) اس اصطلاحی معنی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمام تر ایک اسلامی لفظ ہے اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔ لا یعرف اطلاقہا علی ھذا المعنی قبل الاسلام (تاج) آج انگریزی زبان بھی باوجود اپنی وسعت کے حلت، حرمت، طہارت، تقویٰ کے مفہوم کے بہت سے الفاظ سے محروم ہے۔ ایں حدیث را بیان دیگر است ۹۴ عہد اللہ یعنی معاہدۂ طاعت کو۔ عہد ایمان کو، توحید کے حاسۂ فطری کو۔ اقرار توحید ربوبیت تو ایسا سیدھا سادہ صاف مسئلہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت سلیم اس عقیدہ پر گواہ ہے۔ نافرمان و فاسق خود اپنی اس فطرت سلیم سے، اقرار فطری سے بغاوت کرتا رہتا ہے۔ اور اس لئے یہاں فاسقین کے تحت میں ہر قسم کے اہل کفر آ گئے۔ عنی بھذہ الآیۃ جمیع اہل الکفر والشرک والنفاق وعہدہ الی جمیعہم فی توحیدہ ما وضع لہم من الادلۃ الدالۃ علی ربوبیتہ (ابن کثیر) من بعد میثاقہٖ۔ اس عہد فطرت کی توثیق ہر دور اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے۔ والمراد بہ ما وثق اللہ بہ عہدہ من الآیات والکتب (بیضاوی) ۹۵ آیت کے وسعت مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں یعنی وہ سارے فرائض جو ہر انسان پر خالق و مخلوق دونوں سے متعلق عائد رہتے ہیں۔ ان یوصل من الایمان والارحام (ابن جریر عن ابن عباسؓ) صلۃ الارحام والقرابات وقیل المراد اعم من ذلک (ابن کثیر) امام رازیؒ نے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ حکم الٰہی مومنین کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے کا ہے۔ یہ اہل فسق اسے چھوڑ کر اپنا رشتہ کافروں سے جوڑ لیتے ہیں ۹۶ (اپنے عقائد کفریہ باطلہ سے) اس فساد کے اندر روحانی، مادی ہر قسم کے مفسدے شامل ہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی چونکہ یہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے اور ایک ہمہ گیر نظام حیات۔ اس لئے اس سے اعراض و انحراف کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ کسی ناقص دستور زندگی اور چھوٹے نصب العین کو قبول کر لیا گیا ہے اور اس ناقص پروگرام کا لازمی نتیجہ ہے انفرادی انتشار اور اجتماعی اختلال۔ والاظہر ان المراد منہ الصد عن طاعۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام لان تمام الصلاح فی الارض بالطاعۃ (کبیر) یہ عقیدہ نہیں مشاہدہ ہے کہ آج دنیا اتنی ترقیوں اور علمی کمالات کے باوجود کیسی کیسی مصیبتوں میں بھٹک رہی ہے، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے۔ اور یہ صلاح و فلاح سے محرومی نتیجہ ہے اسلامی زندگی کو گم کر دینے کا ۹۷ اس نقصان میں خسارۂ عاجل بھی شامل ہے اور خسارۂ آجل بھی۔ عاجل اس لحاظ سے کہ عدم ایمان سے دلوں سے سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔ اور قوم و افراد قوم طرح طرح کی بداخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور آجل اس اعتبار سے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محرومی رہے گی۔ مغبونون بذہاب الدنیا والآخرۃ (ابن عباسؓ) ۹۸ (اے کافرو اور منکرو!) یعنی کفر و انکار کی جرأت و ہمت کس طرح رکھتے ہو؟ سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے۔ علی وجہ التعجب (ابن عباسؓ) فالمراد بہ التبکیت والتعجب (کبیر) لفظ کیف کا استعمال قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی حق تعالیٰ کے سلسلہ میں آیا ہے، سیاق ہمیشہ تنبیہ یا توبیخ ہی کا رہا ہے۔ وکل ما اخبر اللہ تعالیٰ بلفظۃ کیف عن نفسہ فہو استخبار علی طریق التنبیہ للمخاطب او توبیخا (راغب) ۹۹ (مطلب پدر میں) یعنی ابھی تمہاری تشکیل ہوئی بھی نہ تھی ۱۰۰ (رحم مادر میں) نعمتوں میں سب سے مقدم صفت حیات ہے کہ دوسری ساری نعمتوں سے استفادہ اسی کے بعد ممکن ہے۔ اس لئے ذکر میں بھی اسے یہاں سب سے مقدم رکھا ۱۰۱ (اس دنیوی مدت زندگی کے خاتمہ پر) بیان توحید کامل کا ہو رہا ہے کہ خلق، احیاء، افنا سب قوتیں باری تعالیٰ ہی کی ہیں۔ یہ نہیں جیسا کہ بعض مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ موجد و خالق برہما جی ہیں، اور قائم و باقی رکھنے والے وشنو جی، اور موت و ہلاکت لانے والے شیو جی ۱۰۲ (حشر میں) حشر کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں ہے۔ بغیر اسکے اس محدود مختصر زندگی میں نظام عدل کا قیام ممکن ہی نہیں ۱۰۳ (حساب و کتاب کے لئے) انسان کو جزا و سزا اعمال کی جوابدہی کے لئے براہ راست اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس میں رد آ گیا مسیحی مشرکوں کے اس عقیدہ کا کہ حشر میں پیشی مسیح کے حضور میں ہوگی ۱۰۴ خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ تم تو خود ہی ساری کائنات ارضی کے مقصود و مطاع ہو، پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود و مطاع بنا لو۔ آیت ہر قسم کے شرک، ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کافی ہے۔ اس فرش زمین پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لئے ہے، نہ یہ کہ انسان کسی اور مخلوق کے لئے ہو۔ اور مشرک انسان اس فطری اور قدرتی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ حدیث نبوی کا یہ ٹکڑا جو مسلمان ہر جمعہ کو خطیب کی زبان سے سنتا ہے، کہ اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ (دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم پیدا کئے گئے ہو آخرت کے لئے) اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ اور خلیفۃ اللہ کی بیشک یہی شان ہونا چاہیئے۔ سب کچھ اسکے لئے ہو اور وہ خود خدا کیلئے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح بھی چاہے اپنے تصرف میں لائے۔ اور اس کا جواب دہ صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبۂ انسانی کا یہ شرف و احترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے ——— ڈاروِن کے "ترقی یافتہ بندر" غریب کو اس رتبہ و مقام سے کیا واسطہ! لکم۔ اے لاجلکم ولانتفاعکم بہ فی دنیاکم و دینکم (کشاف) ہو بدل علی ان المذکور بعد قولہ خلق لاجل انتفاعنا فی الدین والدنیا (کبیر) جمیعًا۔ اس "سب" میں گنگا جی بھی شامل ہیں اور نربدا جی بھی، گئو ماتا بھی اور ہنومان جی بھی۔ حجر پرستی، شجر پرستی، دریا پرستی، کوہ پرستی، ناگ پوجا وغیرہ مخلوق پرستی اور مظاہر پرستی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنی اور ننگ انسانیت ہیں ۱۰۵ سماء واحد اور جمع دونوں طرح آتا ہے یستعمل للواحد والجمع (راغب) یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں لفظاً واحد ہے لیکن معنیً جمع ہے کہ جنس سماء کے معنی میں ہے فانہا فی معنی الجنس (ابو سعود) بہر صورت ضمیر جمع ھُنَّ سے کوئی خلجان نہ ہونا چاہیئے۔ سماء کی وسعت مفہوم پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے (۱۵۰) یہاں مراد اجرام علوی سے بھی لی گئی ہے اور سمت علوی سے بھی۔ المراد بالسماء ھذہ الاجرام العلویۃ او جہات العلو (بیضاوی) گویا

دیدی جاتی۔ اٰمنوا یعنی توحید و رسالت پر ایمان لے آئے۔ عملوا الصّٰلحٰت یعنی عمل مطابق شریعتِ اسلام کئے۔ نیک عمل کے سمجھنے میں بہتوں کو دھوکا ہوا ہے، اور یہ مغالطہ آج کل بہت عام ہوگیا ہے۔ سمجھا یہ جانے لگا ہے کہ نیکی اور ایمان ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق چیزیں ہیں۔ اور پھر اس مفروضہ کی ایک فرع یہ قائم کی گئی ہے کہ کوئی شخص ممکن ہے کہ بہت صالح اعمال کا ہو لیکن ایمان سے یکسر محروم ہے ۔۔۔ حالانکہ یہ تخیل ہی سرتاسر غلط ہے نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے۔ ایمان جب تک قلبی ہے، ایمان ہے۔ اگر قولی و لسانی ہے تو اسلام ہے۔ اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کا نام حسنِ عمل حسنِ کردار یا عمل صالح پڑ جاتا ہے۔ اور حسنِ عمل کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے جس کی تہ میں جذبۂ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہیں، تو وہ نیکی نہیں، نیکی کی صرف صورت ہے نیکی کی صرف نقل ہے۔ اور جس طرح نماز کی نقلِ محض، نماز نہیں۔ اسی طرح کسی نیکی کی نقل پر اطلاق نیکی کا نہیں ہو سکتا۔ عمل نیک کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے موافق ہو۔ فقہا نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ ایمان و اعمال دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اعمال ایمان کے علاوہ ہیں ۸۰ یہ عالم آخرت کے انعام کا بیان ہے جنت کے انعامات اس قسم کے جتنے بھی بیان کئے گئے ہیں، سب عمومی اور اکثری کے حکم میں داخل ہیں۔ حصر اور کلیہ کی صورت میں نہیں چنانچہ عموماً چونکہ انسان کو لطف دریا اور باغ میں ملتا ہے، اس لئے اُسکے لئے یہ سامان آخرت میں موجود ہوگا۔ لیکن بالفرض کوئی شخص ایسا ہی جسے بجائے سبزہ و گلزار کے دشت و ریگستان پسند ہو تو جنت میں یہ سامان مہیا ہوتے بھی دیر نہ لگے گی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ بشارتِ جنت کے استحقاق کے پورے سبب ایمان اور عمل دونوں وصف ہیں۔ ۸۱ (فرطِ مسرت و انبساط سے) ۸۲ (دنیا میں یا جنت میں) یعنی جنتیوں کو جب کوئی پھل پھلاری کھانے میں آئے گا تو انہیں پچھلا مزہ بھی تازہ ہو جائے گا اور اسکی شکل دیکھتے ہی وہ بول اٹھیں گے کہ ارے یہ تو وہی لذیذ میوہ ہے جس کا مزہ ہمیں خوب یاد ہے۔ من قبل۔ یہ قبل والے پھل دنیا کے باغوں کے بھی ہو سکتے ہیں اور جنت کے باغوں کے بھی۔ اہل تفسیر سے دونوں منقول ہیں۔ ماحصل

فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ

یا اس سے بھی بڑھ کر کسی اور چیز کی ۸۸ سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ (مثال) یقیناً حق ہے انکے پروردگار کی جانب سے ۸۸ البتہ جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں

فَيَقُوْلُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

وہ یہی کہتے رہیں گے ۸۹ کہ اللہ کا اس مثال سے مطلب کیا تھا، ۹۰

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

گمراہ بھی کرتا ہے بہتوں کو اسی سے ۹۱ اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے ۹۲

وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ

ہاں وہ گمراہ کسی کو (بھی) اس سے نہیں کرتا بجز بے حکمی کرنے والوں کے ۹۳ جو اللہ سے

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

اپنے معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں ۹۴

وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

اور جس چیز کو اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رکھنے کا اُسے کاٹتے ہیں ۹۵ اور

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ۹۶ تو بس یہی لوگ ہیں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ

نقصان اُٹھانے والے ۹۷ تم لوگ کس طرح کفر کر سکتے ہو اللہ سے ۹۸

دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے یعنی اہلِ جنت میں شوق آفرینی و رغبت افزائی۔ یعنی فی الدنیا وقیل یعنی فی الجنة (قرطبی) فیہا وجہان۔ الاول انه من ارزاق الدنیا والثانی ان المشبه به رزق الجنة ایضاً (کبیر) لمعن قبل هذا فی الدنیا جعل ثمر الجنة من جنس ثمر الدنیا لتمیل النفس الیه اوفی الجنة لان طعامها متشابه فی الصورة کما حکی ابن کثیر عن الحسنؓ (بیضاوی) ۸۳ یعنی یہ تشابہ محض اہل جنت کے خیال کے مطابق نہ ہوگا۔ واقعہ اور نفس الامر بھی یہی ہے۔ یہ تشابہ کس سے ہوگا؟ بعض نے کہا کہ دنیا کے پھل پھلاریوں سے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جنت ہی کے میوے ایک دوسرے سے مشابہ ہونگے لیکن اگر دنیا ہی کے پھلوں سے تشابہ مراد لی جائے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، کہ یہ مشابہت صرف صوری اور ظاہری ہی ہوگی۔ ورنہ اصل لذت، ذائقہ، خوشبو وغیرہ کے لحاظ سے جنت اور دنیا کی نعمتوں میں آسمان و زمین کی نسبت ہے۔ چنانچہ محققین نے کہہ دیا ہے کہ دونوں میں اشتراک صرف نام کا ہوگا۔ لیس فی الدنیا مما فی الجنة الا الاسماء (ابن جریر عن ابن عباسؓ) بعض اہل لطائف و اسرار نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اسی دنیا کے اعمالِ حسنہ جنت میں طرح طرح کی نعمتوں کی شکل و تمثل اختیار کر لینگے اور اہلِ جنت کو اپنے حسناتِ دنیوی اور ان کے ثمراتِ اُخروی کے درمیان ایک خاص تشابہ و تناسب محسوس ہوگا۔ ۸۴ مطهرة۔ پاک صاف ہر طرح اور ہر اعتبار سے، جسم کی، رُوح کی، ہر ممکن گندگی اور آلودگی سے ستھری، پاکیزہ مطهرة من القذر والاذی (ابن جریر عن ابن عباسؓ) قیل مطهرة من مساوی الاخلاق (معالم) فالمراد طهارة ابدانهن وطهارة ازواجهن من جمیع الخصال المذمیمة (کبیر) بعض "روشن خیالوں" کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا۔ اور ازواج مطهرة کی تفسیر عجب طرح توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں، ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت و راحت کے موقع پر، بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا کوئی بڑی ہی شرم و غیرت کی بات ہے! جنت کے نفسِ وجود ہی سے اگر کسی کو انکار ہے، جب تو خیر بات ہی اور ہے۔ ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائیگا۔ لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی؛ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں نہ عقل کے اعتبار سے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا ۔۔۔ یا پھر یہ کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت، اور مسیح کی لائی ہوئی نہیں پولوس کی پھیلائی ہوئی "مسیحیت" سے وابستہ ہے۔ زوجیت جب دنیا میں اللہ کا ایک اعلیٰ انعام ہے تو آخر جنت میں کس جرم میں اس سے محرومی ہو جائیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی، مادی، حسی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا، یا اُن سے شرمانا، تمام تر جاہلی مذہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسی اور معنوی، مادی اور رُوحانی، جسمانی اور عقلی ہر قسم کی نعمت کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی خشک لذت جس میں کوئی شائبہ نہ لامسہ کا ہو نہ باصرہ کا نہ ذائقہ کا نہ سامعہ کا، اور صرف اسی پر قانع رہنا کمال نہیں نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے۔ اور معلوم ہے کہ نقص و عیب جنت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ۸۵ سب سے بڑی اور آخری بات جنت کے سلسلہ میں یہ فرما دی گئی کہ اس کی لذتیں اور مسرتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں، اور داخلۂ جنت کے بعد زوالِ عیش کا امکان ہی نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی، لیکن کیسی فانی اور عارضی نعمتیں اسکے سامنے تصور میں بھی لائی جا سکتی ہیں؟ خلدون۔ خلود کے معنی ایسی حالت میں رہنے کے ہیں جس میں کبھی تغیر اور خرابی نہ پیدا ہو۔ الخلود هو تبری الشیء من اعتراض الفساد وبقاءه علی الحالة التی هو علیها (راغب) فلا آخر له ولا انقضاء بل فی نعیم سرمدی ابدی علی الدوام (ابن کثیر) ۸۶ (جیسا کہ بعض کج فہم اور معاند معترضین کے خیال میں شرمانا چاہیئے) قرآن مجید میں اپنے اپنے موقع اور محل پر تذکرہ بڑی سے بڑی مخلوق کا بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی۔ جانوروں میں ایک طرف ہاتھی، اونٹ، شیر کا۔ اور دوسری طرف چیونٹی مکھی اور مچھر کا۔ اسی تذکرہ پر بعض نافہموں نے کہنا شروع کیا کہ واہ دعویٰ تو کلام الٰہی ہونے کا اور مضامین اسکے اندر ایسے حقیر! یہ نافہم اور کم عقل معترضین بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہود تھے بعض میں کہ مشرکین تھے بعض میں کہ منافقین۔ عجب نہیں کہ تینوں ہوں۔ نزلت فی الیهود (روح عن ابن عباسؓ) نزلت فی المنافقین (روح عن مجاہد) والقول الثالث ان هذا الطعن کان من المشرکین قال القفال الکل محتمل ههنا (کبیر) ۸۷ (کسی دینی حقیقت کی توضیح کے لئے) مثال کی غایت ہی یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو ذہن کے سامنے زیادہ کھول کر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لے آئے۔ اب یہ مقصد جس مثال سے پورا ہو سکے، اسکو بہترین کہا جائیگا، خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہے بجائے خود کیسی ہی ہو۔ مچھر بظاہر ایک بہت حقیر اور بے حقیقت سی مخلوق ہے۔ اب جہاں مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنا ہوگی وہاں موزوں مثال ظاہر ہے کہ مچھر ہی کی ہوگی۔ پھر اس پر اعتراض کرنا کیسی سخافت کی دلیل تھی۔ امام رازیؒ نے یہ بات بھی خوب لکھی ہے کہ صانعِ عالم اور خلاقِ علیم کی بنائی ہوئی کوئی شے بھی درحقیقت حقیر و بے حقیقت نہیں۔ بلکہ جو چیز بظاہر جتنی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہوگی، اسی قدر اس کا بیان کمالِ علم، کمالِ اطلاع اور کمالِ حکمت پر اور زیادہ دلالت کریگا (کبیر) مثلاً مّا۔ مثلاً کا لفظ خود نکرہ تھا مَا کے اضافہ نے اسکے وصفِ تنکیر کو اور بڑھا دیا۔ فما فوقها یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر، اپنے جُثہ کے صغر یا ظاہری بے حقیقتی کے اعتبار سے۔ فما فوقها فی الصغر (راغب) اراد بما فوقها فی الصغر والمحققون مالوا الی هذا القول (کبیر) ما دونها فی الصغر والحقارة وهذا قول الکسائی وابی عبید قاله الرازی واکثر المحققین (ابن کثیر) ای فما تجاوزها وزاد علیها فی المعنی الذی ضربت فیه مثلاً وهو القلة والحقارة (کشاف) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں اصل ہے عادت صوفیہ کی کہ مثال لانے میں حیا عرفی کی پروا نہیں کرتے ۸۸ (اور اپنے مقصود و غایت اور توضیح مراد میں بالکل کافی و وافی) اَنَّهُ میں ضمیر مَثَل کی طرف راجع ہے۔ هذا المثل (ابن کثیر عن ابی العالیہ) المثل هو (معالم) دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر خود قرآن کی طرف راجع ہے۔ ای یعلمون انه کلام الرحمٰن وانه من عند الله (ابن کثیر عن قتادہ) اَمَّا حرف اَمَّا آغاز کلام میں لے آنے سے فقرہ میں قوت اور زور کی زیادتی ہو گئی ہے۔ توکید ما صدر به (ابو سعود) یوکد ما به صدر (بیضاوی) ۸۹ (استفساراً نہیں، طنز و تعریض کی راہ سے) ۹۰ یعنی وہ اسی میں الجھے رہیں گے کہ ایسی مثالوں سے حاصل کچھ بھی نہیں۔ هٰذا کے لفظ میں ایک پہلو تحقیر و اہانت کا ہے۔ وفی قولهم ماذا اراد الله بهذا الاستحقار (کبیر) وفی هذا استحقار و استرذال (بیضاوی) اردو روزمرہ کے مطابق هٰذا مَثَلًا کا ترجمہ ہوگا "ایسی ایسی مثال سے"۔ ۹۱ (اور اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) اللہ کو حق

الماء سبائق حرو جهاد مادة لها (کشاف) پانی کو جو دخلِ عظیم ہر قسم کی زمینی پیداوار اور نباتات میں ہے محتاجِ بیان نہیں ٦٨ (کسی کو کسی حیثیت سے بھی) خلیفۃ اللہ جب کبھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر پستی میں گرا ہے تو اس نے اپنا سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا ہے درختوں کے آگے۔ ان کے پھلوں کے آگے۔ بارش کے دیوتا کے آگے۔ زمین کے آگے، آسمان کے آگے۔ قرآن مجید اسی حماقت و سخافت پر اُسے تنبیہ کر رہا ہے۔ فلا تجعلوا میں ف سببیہ ہے یعنی جس نے تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا، وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ انداداً۔ نِد عربی میں کہتے ہیں مثل و مشابہ کو بھی، اور مخالف و مدِّ مقابل کو بھی۔ الند للمثل والنظیر وقال الاخفش الند الضد والشبه (تاج) چنانچہ انداد کے معنی اضداد اور اشباہ دونوں کئے گئے ہیں (تاج) لفظ کی جامعیت میں نکتہ یہ ہے کہ شرک دنیا میں دونوں قسموں کا مروج رہا ہے۔ بہت سی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو محض ایک خدائے اصغر یا ماتحت خدا تسلیم کیا ہے، اور مجوس نے اہرمن کو یزدان کے حریف و مدّ مقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے ٦٩ (اپنے الہام فطری اور عام فہم بشری کی بناء پر) کہ سب کا حاکم، سب کا خالق بس وہی ایک ہے، اتنی بصیرت، جو توحید تک پہنچائے ہر طلبِ بشری میں ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ بشرطیکہ غلط تعلیم و تربیت اور ناقص ماحول اس فطرت ہی کو مسخ نہ کر ڈالے۔ وانتم تعلمون انی صانع هذه الاشياء (ابن عباس) انكم لكمال عقولكم تعلمون ان هذه الاشياء لايصح جعلها انداداً لله تعالىٰ (کبیر) ٧٠ (یعنی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کے باب میں اے کافرو اور منکرو!) خطاب یہاں یایها الناس کے تحت میں ساری دنیا سے ہو رہا ہے، صرف اہلِ عرب یا قریش سے نہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہارے خیال میں یہ کلامِ الٰہی نہیں، تو یقیناً ایک انسانی تصنیف ہو گی۔ اور جب ایک انسان ایسی تصنیف پر قادر ہے تو دوسرا بھی ہو سکتا ہے، چہ جائیکہ لائق و فائق انسانوں کا ایک پورا مجمع! کلمۂ اسلام کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک توحیدِ باری، دوسرے رسالتِ محمدی۔ توحید کا بیان اوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا، اب دعوت تصدیقِ رسالت کی دی جا رہی ہے ٧١ (جن کا نام محمدؐ ہے) سیاق و موقع ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے خاص قرب و اختصاص کے اظہار کا ہے۔ نیز آیت میں ایک نہایت پر زور اور دائمی

صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا

سچے ہو [٧٤] اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے [٧٥]

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

تو پھر اُس آگ سے ڈرو [٧٦] جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں [٧٧]

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(اور) وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے [٧٨] اور اُن لوگوں کو خوشخبری سُنا دیجئے جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور نیک عمل کئے، [٧٩] کہ ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں کہ اُن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ

دریا بہ رہے ہوں گے [٨٠] انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا

ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ

جائے گا تو وہ بول اٹھیں گے [٨١] کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں (اس کے) قبل

قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ

مل چکا ہے [٨٢] اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا [٨٣] اور اُن کے لئے

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾

پاکیزہ بیویاں ہوں گی [٨٤] اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہوں گے [٨٥]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً

اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا [٨٦] کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی

چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے لیکن اس انتہائی زور اور اہمیت کے موقع پر بھی جو سردار انبیاء اور سردار رسل تھے، وہ قرآن کی زبان میں محض ایک "عبد" بندہ یا چاکر ہیں! —— نہ خدا کے بیٹے اور اکلوتے بیٹے، نہ خدا کے مثل، نہ خدا کے بروز یا اوتار، نہ خدا کے وزیر یا مشیر، بلکہ محض عبد المحض بندے! توریت میں "خداوند کے خادموں" کا لقب ایسے ہی اعزاز و اکرام کے موقع پر آیا ہے، اور ابراہیمؑ نبی، اسحٰقؑ نبی اور یعقوبؑ نبی کو خداوند کا خادم ہی ٹھہرایا ہے۔ نزّلنا یعنی جس کلام کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے بہ تدریج حسب ضرورت و مصلحت اُتارا ہے۔ شک و تردد کا ایک بڑا سبب یہی نزولِ تدریجی تھا، منکرین کہتے تھے کہ جس طرح اور شاعر سوچ سوچ کر شعر کہتے ہیں، یہ "رسولؐ" بھی وقفوں کے ساتھ اسے گڑھتے رہتے ہیں۔ خدائی کلام ہوتا تو ایک بارگی سب کا سب نہ آجاتا (مظہری) عبدنا سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ آپ عبدیت میں کامل اور احکامِ الٰہی کے پورے پورے مطیع و فرمانبردار تھے (مظہری) ٧٢ (معانی کی بلندی، مطالب کی جامعیت، مضامین کی ندرت کے لحاظ سے) قرآن مجید اپنی زبان کی فصاحت اور حسنِ انشاء کے لحاظ سے بھی یقیناً بینظیر ہے، جیسا کہ عرب کے بڑے بڑے ماہرینِ ادب تسلیم کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں جو تحدّی کی جا رہی ہے اس کا مخاطب یایها الناس کے ماتحت سارا عالم ہے، صرف قریش یا اہلِ عرب نہیں۔ اس لئے قرآن مجید کو یہاں صرف انشاء و فصاحت تک محدود رکھنا اُس کے عام و عالمگیر چیلنج کو محدود کر دیتا ہے۔ قرآن نے اپنی حقیقت خود یہ بیان کر دی ہے کہ وہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کتابِ ہدیٰ ہے۔ یعنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کا جامع نظام نامہ، مکمل، ہمہ گیر و ہر جہتی دستور العمل، اس کے علاوہ اُس کی اور جتنی حیثیتیں ہیں، تبعی و ضمنی ہیں۔ وہ یہاں پیش اپنے اسی سب سے بڑے وصف کو کر رہا ہے، اور پکارے کہہ رہا ہے کہ جو ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک ایک سورہ کے اندر موجود ہیں، اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جد و جہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کر سکتے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ من مثله میں مثلیت کی تفسیر پر بہترین روشنی خود قرآن مجید ہی سے پڑتی ہے۔ قل فاتوا بكتٰب من عند الله هو اهدٰى منهما اتبعه ان كنتم صٰدقين (قصص۔ آیت ٤٩) ھو اھدٰی کے ایجاز میں سب کچھ آگیا۔ من مثله کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال کثرت سے مثله فی البلاغة اور حسنِ نظم کے منقول ہوئے ہیں لیکن اعجاز من جهة المعنٰی کا پہلو بھی اہلِ تحقیق سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ یعنی مثل هذا القرآن حقاً و صدقاً لا باطل فيه ولا كذب (ابن جریر عن قتادة) اور امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں متعدد پہلو اختیار کئے ہیں۔ من مثله میں مِنْ بعض نے کہا ہے تبعیض کے لئے ہے، بعض نے کہا ہے تبیین کے لئے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زائد ہے۔ من للتبعيض او للتبيين و زائدة عند الاخفش (بیضاوی) بسورة۔ یعنی پورا قرآن نہ سہی، اس کا نصف یا ثلث بھی نہیں۔ اس کی کسی ایک سورة ہی کے برابر تم تصنیف کر دکھو! لفظ سورة پر حاشیہ شروع میں گزر چکا ہے۔

٧٣ شهداءكم میں شهداء سے عموماً مراد حامیوں اور ناصروں سے لی گئی ہے۔ یعنی اعوانكم ما انتم عليه (ابن جریر عن ابن عباسؓ) معناه اعوانكم و نصراءكم (قرطبی) المراد من الشهداء اكابرهم او من يوافقهم فی انكار امر محمد عليه السلام (کبیر) لیکن اگر شہداء کے وہی لفظی معنی گواہ کے رکھے جائیں جب بھی مراد یہ ہو گی کہ ان لوگوں کو بھی بلا دیکھو، جو تمہارے اس دعوٰی کی کہ تم نے کسی قرآنی سورت کا جواب لکھ لیا ہے تصدیق کر دیں۔ اے قوم يشهدون لكم (ابن جریر عن مجاہد) ٧٤ (اپنے اس زعم و گمان میں کہ قرآن انسانی دماغ کی پیداوار ہے) قرآن کا سیدھا سادہ دعوٰی یہ ہے کہ وہ انسان کا نہیں، خدا کا کلام ہے۔ اور اپنے اس دعوٰی پر دلیل اس نے کیسی قطعی، اور عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی پیش کر دی ہے کہ اگر کوئی اسے امکانِ بشری کے اندر سمجھتا ہے، تو ذرا اس کا ادنیٰ اور ہلکا نمونہ بھی سب کی متحدہ کوشش سے پیش کر دکھائے! قرآن کے چیلنج کو ساڑھے تیرہ سو سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ اور دنیا کے کتب خانے اس کتاب سازی کے عہد میں، قرآن کے برابر کیا معنی تقریباً برابر کتاب سے بھی یکسر خالی ہیں! ٧٥ (قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدّی ہے اور وہ بھی ایک اُمّی کی زبان سے! اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہوگا اور آج بھی آ رہا ہے۔ ع لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی "isms" ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام، اور شرمناک حد تک ناکام! ٧٦ یہ دنیا کی نہیں دوزخ کی آگ ہو گی۔ وہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ یہاں تک کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس سے ستر حصہ زیادہ تیز ہو گی۔ آخرت کے عذابِ آتشیں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیاہ ٣٣: ١٤ نیز ٦٦: ٢٤۔ انجیل کی تعلیم تمام تر رافت و حلم، عفو و درگزر کی سمجھی جاتی ہے لیکن آگ کے جہنم کا ذکر حضرت مسیحؑ کے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو متی ١٨: ٨ و ٩۔ فاتقوا جوابِ شرط ہے۔ اور ف نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکارِ حق کئے چلے جانا بجز عناد و خبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذابِ آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے ٧٧ جہنم کی اصل غذا تو خود اہلِ کفر و شرک ہوں گے۔ سزا انہیں کو ملے گی لیکن اس سزا میں اشتداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی مورتیوں، ان کے ٹھاکروں کو بھی ان کے پہلو میں رکھ دیا جائے گا۔ اور گویا ان سے کہا جائے گا کہ لو، اب اپنے انہیں معبودوں سے کام لو، جنہیں دنیا میں پوجتے رہے تھے۔ شرک اور مورتی پوجا میں تعلق بہت قدیم، بہت وسیع، بہت گہرا ہے۔ دنیا کی تقریباً ہر مشرک قوم نے بت پرستی بھی ضرور کی ہے۔ کلدانیہ، مصر، عرب، یونان، روم سب بُت پرست رہ چکے ہیں، اور ہندوستان کی بت پرستی تو مشہور ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ والمراد بها حجارة الاصنام والانداد التی كانت تعبد من دون الله (ابن کثیر) اراد بها الاصنام (معالم) جدید جاہلی متمدن و مہذب قوموں کا ذوقِ سنگ تراشی و مجسمہ سازی بھی بت پرستی سے کچھ بہت زیادہ دور نہیں ٧٨ یہیں سے اہلِ سنت نے یہ استنباط کیا ہے کہ جہنم کی اصل غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ نہ کہ محض اہلِ فسق و عصیان کی۔ عارضی طور پر یہ بھی تادیب کے لئے اس میں داخل کر دیئے جائیں تو یہ ایک الگ چیز ہے ٧٩ (اے ہمارے پیغمبر!) بشّر۔ گویا مومنین صالحین اس کے مستحق ہیں کہ مخاطب انہیں مبارکباد پہنچائے۔ اور اس میں ان لوگوں کی تکریم زائد ہے بمقابلہ اس کے کہ انہیں براہ راست خود ہی بشارت

تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں یہ کلام اثر نہ کر جائے اور انہیں اسلام لاتے ہی نہ بن پڑے۔ من الصواعق ای من بیان القرآن و وعدہ و وعیدہ (ابن عباسؓ) حذر الموت ای مخافۃ میل القلب الیہ (ابن عباسؓ) ۵۵ (اپنے علم سے، قدرت سے، ہر لحاظ سے) سو کافر اسکی گرفت سے بچ کر جا کہاں سکتے ہیں اور اس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں اور حیلے بے اثر رہیں گے۔ جیسے محیط سے وہ چیز نہیں بچ سکتی جو اس کے احاطہ میں ہو۔ ای عالم بھم و جامعھم فی النار (ابن عباسؓ) مرشد تھانوی مد ظلہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر محض علم ہی کے لحاظ سے محیط نہیں بلکہ ذاتاً بھی محیط ہے، بلا کسی کیفیت کے۔ اور عارف رومیؒ نے کہا ہے اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔ ہست رب الناس را با جان ناس ۵۶ (اور ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں) تشبیہ مرکب کے سلسلہ میں بیان ہو رہا ہے آثار غلبۂ اسلام کی قوت و شدت کا، کہ یہ منافقین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے لئے اور انہیں مرعوب کرنے کے لئے کافی ہے۔ وھذا تمثیل لشدۃ الامر علی المنافقین (کشاف) ۵۷ یعنی جب اسلام کی مادی فتحمندیاں اور کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ان منافقین و مذبذبین کے قدم گویا اضطراراً اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، طلب حق تو ان کے دل میں ہوتی ہی نہیں، البتہ مرعوبیت کچھ دیر کے لئے آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن جب اہل ایمان کو ابتلا پیش آنے لگتے ہیں، تو یہ منافقین و مذبذبین انکار اور بے یقینی کے مقام پر پھر ٹھٹک جاتے ہیں۔ اور اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ۔ کلما اصاب المنافقین من عز الاسلام اطمانوا الیہ (ابن کثیر۔ عن ابن عباسؓ) وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا۔ ولذا اصاب الاسلام نکبۃ قاموا لیرجعوا الی الکفر (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) مرشد تھانوی مد ظلہ نے فرمایا کہ ایسا ہی حال اس سالک کا ہے جو حالت بسط میں طاعات میں لگا رہتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے ۵۸ (جیسا معاملہ کہ بعض اگلی قوموں کے ساتھ پیش بھی آ چکا ہے) توریت میں ہے:۔ "جب وہ اس کی طرف کو اترے تو الیسع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا کہ مہربانی کر کے ان لوگوں کو اندھا کر دیجئے۔ سو اس نے جیسا کہ الیسع نے کہا تھا ان کو اندھا کر دیا" (۲۔ سلاطین۔ ۶ : ۱۸) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مشیت الٰہی اگر یہی ہوتی، قانون تکوینی اگر اب بھی یہی ہوتا۔ اس سے اشارہ یہ بھی نکل آیا کہ مؤثر حقیقی صرف ارادۂ الٰہی ہے۔ اور اسباب ظاہری میں تاثیر جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے، مشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ بذات خود موجود نہیں ہے۔ والتنبیہ علی ان تاثیر الاسباب فی مسبباتھا مشروط بمشیۃ اللہ تعالیٰ (بیضاوی) ۵۹ (چنانچہ اس پر قادر ہے، اور اب بھی یہی کر سکتا ہے) قدیر صیغۂ مبالغہ ہے، زور و قوت میں قادر سے زیادہ۔ اسلام کا خدا قادر مطلق ہے، ہمہ تواں ہے۔ مصری، ہندی، یونانی خداؤں کی طرح ناقص اور محدود القویٰ نہیں ۶۰ قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل شلاً بنی اسرائیل اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ خطاب لجمیع من یعقل (بحر) یہ طرز خطاب خود ایک دلیل ہے تخاطب کے عام ہونے پر۔ پچھلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم از روئے اعتقاد بیان ہو چکی ہے، یعنی مومن، کافر، منافق۔ اب خطاب سارے عالم انسانی کو مجموعی طور پر شروع ہو رہا ہے ۶۱ قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس کا عنوان اول ہی مسئلۂ توحید، کہ وہی اصل و اساس ہی سارے عقائد و مسائل اسلامی کی ۶۲ (تن تنہا، بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) عمل تخلیق خالص خدائی عمل ہے۔ ہمسر و مساوی ہونا تو خیر الگ رہا، ماتحت و معاون کی بھی حیثیت سے کوئی شریک تخلیق نہیں۔ پھر خلقکم سے اس پر بھی زور دینا مقصود ہے کہ کائنات "خلق" ہوئی ہے، نیست سے ہست ہوئی ہے، عدم سے وجود میں آئی ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود تھا۔ اللہ نے اسکی صورت میں کوئی خاص صفت و ترتیب پیدا کر دی۔ بہت سے باطل مذہبوں کا رد اسی سے نکل آیا ۶۳ (پس الوہیت و معبودیت کا سزاوار وہی ایک خالق بے ہمتا ہے) الذین من قبلکم سے پچھلی انسانی نسلوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقت انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق بھی آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے۔ قرآنی لفظ ان سب ممکن مخلوقات پر حاوی ہے۔ "تم کو" (یعنی موجودین بصیغۂ حال) اور "تم سے قبل والوں کو" (یعنی موجودین بصیغۂ ماضی) یہ دو لفظ لا کر قرآن مجید نے اشارہ ادھر بھی کر دیا کہ توحید کا درس ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۶۴ (کہ توحید ہی مرتبۂ تقویٰ تک پہنچانے کا بے خطا نسخہ ہے) تکونوا من المتقین الذین رضی اللہ عنھم بھم (ابن جریر) لعل ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کیلئے لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوا ہی، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اسکے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے اور اردو ترجمہ "تاکہ" سے بھی جائز ہو گیا ہے۔ ھی کلمۃ رجاء و طمع و شک وقد جاءت فی القرآن بمعنی کی (لسان) وقد جاءت فی القرآن بمعنی کی (تاج) ۶۵ آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل روح جعل لکم ہی۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ (دیکھو الذی جعل لکم الخ۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کیلئے خلق ہوئے ہیں، انسان زمین و آسمان کے لئے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہی۔ زمین و آسمان دونوں باذن الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہی کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے اور انہیں کو معبود قرار دیکر انکی پرستش کرنے لگے۔ الارض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ وکل ماسفل فھو ارض (تاج) اسی طرح سماء ہر اس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو۔ السماء کل ما علاک (تاج) کل ما علا فاظل قیل لہ سماء (قرطبی) ارض میں اصل تخیل پستی کا ہی۔ اور انسان کے تعلق میں اس کا اصلی وصف فراش یا مایفرش کا ہی یعنی وہ ایسی چیز ہی جو بچھا دی گئی ہی، یا بچھی ہوئی ہی۔ ہمارے لئے فرش ہی یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہی جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہیں، چل سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں، لیٹ سکتے ہیں، نہ کہ کوئی ایسی کھردری یا پلپلی چیز ہے جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ یہ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ثابت ہو یا چپٹی، بہر حال و بہر صورت اس کا تعارف انسان و انسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کیلئے فرش کا کام دے رہی ہی، اور اس کام پر اسے اللہ ہی نے لگایا ہے چنانچہ قرآن نے یہاں اُس کا یہی وصف بیان کر دیا۔ اسی طرح سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہی، آسمان اسی طرح ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس و مرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے بلند سیاروں کی بلندیاں، اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیاں، سب اس کے اندر سما جائیں، اور سب اُس سے پست ہی رہیں، تو چھت کا اطلاق اس پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ زمین کی طرح آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید یعنی دنیا کے اس اخلاقی اور روحانی نظام نامہ کو کوئی تعلق نہیں۔ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے، یا محض خلا، منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجربی علوم سے ہے۔ قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا، جو سلسلۂ الٰہی و خلافت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی اُس نے کر دیا۔ زمین و آسمان کی پوجا ہر مشرک، جاہل و "متمدن"، قوم نے کی ہے۔ اور آسمان کو تو بہت بڑا دیوتا یونانیوں سے لیکر ہندیوں تک سب نے مانا ہے۔ قرآن کی اصلی زد انہیں مشرکانہ تخیلات اور جاہلی اوہام پر آکر پڑتی ہے ۶۶ (اسی معبود واحد برحق اور اسی خالق یکتا و مطلق نے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا نے) مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ آسمان اور بارش سب خدائے واحد ہی کی مخلوق و مصنوع ہیں۔ نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں، نہ کوئی اندر دیوتا اور نہ کوئی Father-Zeus بلکہ یہ کلدانیوں، مصریوں، ایرانیوں، ہندیوں، یونانیوں، رومیوں کے سب گڑھے ہوئے خرافات ہیں۔ آسمان اور بارش کی پرستش دنیا سے بالکل ختم اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایشیا، افریقہ، امریکہ تینوں براعظموں کے خدا معلوم کتنے گوشوں میں اب بھی یہ شرک جاری ہی۔ لفظ سماء کے معنی اُوپر کے حاشیہ میں ابھی گزر چکا ہے کہ بہت وسیع ہیں۔ اس لئے سماء سے پانی کا اُترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پا کر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں ۶۷ (اسی معبود واحد اور خالق یکتا نے، نہ کہ کسی اور دیوی دیوتا نے) خدا جانے کتنی مشرک قومیں الگ الگ دیوی دیوتا، زراعت کے، نباتات کے، پھل پھلاریوں کے مان چکی ہیں۔ قرآن مجید کا کام مسائل طبعیات، فلکیات، جغرافیۂ طبعی وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ اُن عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ از خود اور بے سبب ہے، اور نہ کسی اور کی قوت سے ہو رہا ہے۔ تمام تر قادر مطلق ہی کی کارفرمائی کا ثمرہ ہے۔ بہ یعنی پانی کے واسطہ یا ذریعہ سے للمعنیٰ انہ جعل

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ
اے انسانو ۶۰ عبادت (اختیار) کرو اپنے پروردگار کی ۶۱ جس نے تمہیں
خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
پیدا کیا ۶۲ اور تم سے قبل والوں کو (بھی) ۶۳ عجب نہیں کہ
تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
تم پرہیزگار بن جاؤ ۶۴ (وہ، وہی) پروردگار ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ایک
فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
فرش اور آسمان کو ایک چھت بنا دیا ہے ۶۵ اور آسمان سے پانی
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ
اتارا ۶۶ پھر تمہارے لئے غذا کو پھل پیدا کئے ۶۷
فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾
سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ ۶۸ اور تم جانتے (بوجھتے) بھی ہو ۶۹
وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى
اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارہ میں شک میں ہو ۷۰ جو ہم نے اپنے بندہ پر
عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا
اتاری ہے ۷۱ تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ ۷۲ اور اپنے
شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلے میں بلا لو ۷۳ اگر تم

۳۹ یعنی اپنے شریر رفیقوں یا سرداروں کے پاس۔ شَیٰطِیْنِهِمْ شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے ہر سرکش اور ہر بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ الشیطان کل عارم متمرد من انس اوجن اومن دابۃ (تاج) الشیطان اسم لکل عارم من الجن والانس والحیوانات (راغب) یہاں شیاطین سے مراد رؤسا یہود و منافقین لئے گئے ہیں جو اپنی سرکشی وطغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز ان کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔ کھنتھم و رؤساءھم (ابن عباس) رؤسهم فی الکفر (ابن جریر عن ابن عباس وابن مسعود) خَلَوْا اِلٰی۔ خلیٰ کا صلہ جب الیٰ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہا ہونے کے، تنہائی میں ملنے کے۔ خلا الیه اجتمع معه فی خلوۃ (لسان) خلا الیه اے انتھی الیه فی خلوۃ (راغب) ۴۰ (اپنے اصلی عقائد و خیالات میں) یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہرداری کے طور پر ہیں، اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً تو ہم تمہارے ہی ہم عقیدہ وہم مذہب ہیں۔ انا معکم ما انتم علیه من التکذیب بمحمدؐ (ابن جریر) ۴۱ (ان مسلمانوں کو ان کے پیمبر اور ان کے صحابیوں کو) بمحمدٍ واصحابه (ابن عباس) مطلب یہ ہوا کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ باقی مسلمانوں کے بنانے کے لئے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔ استہزاء کے معنی تمسخر کرنے ہنسی اڑانے بنانے کے ہیں ۴۲ یعنی ان کے تمسخر کو انہیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، سزا، معاوضہ کے موقع پر لغت عرب میں یہ محاورہ عام ہے کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اے یجازیهم جزآء الهزء (راغب) مثل قول نسوا اللّٰه فنسیهم اے جازاهم جزاء النسیان (ابن قتیبہ) جزاء الاستهزاء باسمه کما جزاء السیئة سیئة (بیضاوی) ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذات باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔ "تو اے خداوندان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادے گا" (زبور ۹: ۸) "...... میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا" (امثال ۱: ۲۶)

يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا
کچھ دیکھتے بھالتے نہیں ۴۹ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں ۵۰ تو اب وہ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ
واپس نہ ہوں گے ۵۱ یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو ۵۲ اس میں
ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ
اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی ۵۳ وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں
فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ
میں انگلیاں، کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے ۵۴
وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ
حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ۵۵ قریب ہے کہ بجلی اُن کی
يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا
بینائی ہی اُچک لے جائے ۵۶ وہ جب اُن پر چمکتی ہے تو اُس کی روشنی میں یہ
فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ
چلتے ہیں، اور جہاں اُن پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں ۵۷ اللہ اگر
شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ
چاہتا تو اُن کے کان اور اُن کی بینائی سلب کرلیتا ۵۸
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۳ ۲
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵۹

۴۳ (اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) خالقِ کائنات نے بندوں کو جو آزادی واختیار دے رکھا ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی کبھی نہیں کرتا۔ سانپ کو کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی، یہ ساری اجازتیں اور آزادیاں اسی کے قانونِ تکوینی کے مطابق ہیں ۴۴ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے "استہزا" کی۔ عمه اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے، اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ هو التردد فی الضلال والتحیر فی منازعة (تاج) العمی فی العین والعمه فی القلب (قرطبی) وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہوجاتی ہے۔ اپنی محدود وناقص "عقل" کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے "نظریے" قائم کرتا ہے۔ "اصول" و "کلیات" بناتا ہے۔ ہر طرف ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ کھلا ہوا راستہ کوئی نہیں سجھائی دیتا ہے۔ شک ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے ۴۵ ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ انہوں نے ہدایت وایمان جیسی جنس بے بہا قیمت میں دیکر خریدی بھی تو کیسی نکمی اور بے حقیقت چیز، گمراہی وکفر! اشْتَرَوُا۔ اشترا یا خریداری کے معنی کسی چیز کا معاوضہ میں لینا۔ ایمان کا قبول کرلینا ان منافقین کے بالکل اختیار کے اندر تھا لیکن اسکے بجائے انہوں نے روشِ کفر اختیار کرلی۔ اہلِ عرب ہر استبدال کے موقع پر اشتراء بولتے ہیں۔ اختاروا الکفر علی الایمان (ابن عباسؓ) اے استبدلوا الکفر بالایمان (معالم) والعرب تستعمل ذٰلك فی کل من استبدل شیئًا بشیءٍ (قرطبی) ویجوز الشراء والاشتراء فی کل ما یحصل به شیءٌ (راغب) بِالْهُدٰی میں ب کے معنی ہیں بعوض۔ اے بدلًا منه (ابو سعود) عرب کے باشندوں کا تجارتی کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، اور تجارت کی اصطلاحیں ان کی زبان وادب کا ایک جزو بن گئی تھیں۔ جیسا کہ آج کل انگریزوں کا کاروبار خوب پھیلا ہوا ہے، اور کاروباری اصطلاحیں انگریزی زبان وادب کا جزو بن چکی ہیں ۴۶ (اور ہوتے بھی کیسے، جب کہ اپنی قوتِ ارادہ وفیصلہ سے صحیح کام نہ لے کر خود گمراہی خرید رہے تھے) تجارت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور نفع اس پر بڑھتا رہے۔ یہاں منافق کافروں نے نفع کا کیا ذکر عقلِ سلیم کے اصل سرمایہ ہی کو الٹا برباد کرڈالا (کبیر) ربح بھی تجارتی اصطلاح ہے، اردو کے لفظ منافع کے معنی میں ۴۷ (محرومی وخسران کے لحاظ سے) الذی لفظاً واحد ہے لیکن یہاں معنیً بطور جمع کے استعمال ہوا ہے۔ یقع للواحد والجمع (قرطبی) وضع الذی موضع الذین (کشاف) عربی میں متعدد نظائر اس طریقِ استعمال کے کہ لفظ واحد لاکر مراد جمع لی گئی ہے، خود قرآن مجید ہی میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً خضتم کالذی خاضوا۔ الذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئك هم المتقون۔ ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدة۔ وغیرها۔ مَثَل کے مفہوم میں ایک پہلو ندرت وغرابت کا بھی شامل رہتا ہے یعنی ایسا حال جو عجیب وغریب ہو۔ ولم یضربوا مثلًا الا قولا فیه غرابة من بعض الوجوه (کشاف) ۴۸ یعنی مسائل وحقائق خوب واضح وروشن ہوگئے ۴۹ (اور طرح طرح سی ٹھوکریں کھارہے ہیں) مطلب صرف اس قدر ہے کہ منافقین کا اندرونی نورِ بصارت سلب ہوگیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں طلبِ حق مطلق نہ تھی۔ اور قانونِ اسلام کے مقابلہ میں وہ راہ تمامتر انکار وبغاوت کی اختیار کئے ہوئے تھے لیکن ادنیٰ و حقیر مصلحت کوشیوں کی بنا پر زبان سے اظہارِ اسلام کئے جاتے تھے۔ یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جب حقانیت کی آگ خوب روشن ہوگئی اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا، تو بجائے اس کے کہ اس سے مستفید ہوتے، منافقین نے خود اپنے اندرونی حاسۂ بصارت کو ضائع کردیا۔ اور اس روشنی سے محروم ہوگئے۔ سلبِ بصارت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی جب منافقوں نے گمراہ رہنا چاہا اور دعوتِ حق کو قبول وتوجہ کے کانوں سے سنا ہی نہیں، تو مشیتِ الٰہی نے بحیثیت علت العلل کے اس پر نتیجہ بھی وہی مرتب کردیا۔ رضائے الٰہی کو اس میں مطلق دخل نہیں ۵۰ یعنی صدائے حق کو یا سنتے ہی نہیں، اور کلمۂ حق وایمان کے ادا کرنے سے ان کی زبان گنگ ہے۔ اور دیدِ حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہوچکی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ۵۱ (باطل سے حق کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف) عن کفرهم وضلالتهم (ابن عباسؓ) الی الهدیٰ ولا الی خیر (ابن جریر عن ابن عباسؓ) ۵۲ منافقین مدینہ کے بھی دو طبقے تھے۔ ایک تو وہ تھے جن کے دلوں میں سرتاپا کفر تھا۔ ایمان کا گزر ہی نہ تھا۔ اس طبقہ کے منافقین کی مثال ابھی اوپر گزر چکی۔ ذهب اللّٰه بنورهم وترکهم فی ظلمٰت لا یبصرون۔ دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو کسر منکر نہ تھے بلکہ آج کل کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین ومذبذبین میں تھے۔ اسلام کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی اقتدار وفتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم اس کی طرف بڑھتے۔ اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتے۔ تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔ آیت میں مثال اس طبقہ کے منافقین کی بیان ہو رہی ہے۔ هٰذا مثل اٰخر ضربه اللّٰه تعالیٰ لضرب اٰخر من المنٰفقین وهم قوم یظهر لهم الحق تارةً ویشکون تارةً اخریٰ (ابن کثیر) هٰذا هو المثل الثانی للمنافقین (کبیر) صَیِّب اس بارانِ رحمت سے اشارہ ہے طلوعِ اسلام کی جانب۔ المراد من الصیب هو الایمان والقراٰن (کبیر) السَّمَآء۔ یہاں کثرت سے اس کے معنی بادل یا سحاب کے نقل ہوئے ہیں۔ اے من السحاب (معالم) قیل المراد بالسماء السحاب (بیضاوی) سماء کے خود لفظی معنی میں بھی اس مفہوم کی پوری گنجائش موجود ہے کہ ہر چیز جو انسان سے اوپر کی طرف ہو لغت میں سما ہی ہے۔ السماء کل ما علاك فاظلك (قرطبی) او کو بعض نے یہاں بل کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے و کے معنی میں (کبیر) ۵۳ اشارہ ہے ان شدائد کی طرف جو آغاز اسلام میں امت کو برداشت کرنے پڑتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ شرعی پابندیاں مراد ہوں جو اظہارِ اسلام کے بعد بہرحال منافقین پر بھی عائد ہوجاتی تھیں۔ مثلاً ادائے نماز، فریضۂ جہاد، ترکِ امارتِ قدیم، اطاعتِ رسول وغیرہا (کبیر) فیه میں ضمیر کا مرجع صیّب بھی ہوسکتا ہے اور السمآء بھی۔ ظلمت کا تعلق فی صیّب سے بھی ہوسکتا ہے اور فی السمآء سے بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ۵۴ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے والے وہی اندھیروں میں راہ چلنے والے ہیں یعنی منافقین ومذبذبین۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین اپنی بزدلی، پست ہمتی، دون فطرتی کی بنا پر اسلام لانے میں ہر وقت خطرے ہی دیکھ رہے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ منافقین قرآن مجید کے بیانات اور احکام ومواعید کی تصریحات سننے ہی سے بچنا چاہتے

اوراک فضائل اور تحصیل حیاتِ اُخروی کی راہ میں حائل ہوجاتے ہیں (راغب) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ امراضِ قلب کا معاصی کے معنی میں اثبات خود قرآن مجید سے ہوگیا ۲۸ (رسولِ اسلام اور جماعت مومنین کو مزید ترقیاں اور فتحمندیاں نے دیکر یا اپنے کلام کے مسلسل نزول سے) منافقوں کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ یا تو یوں کہ جوں جوں اسلام کو مزید غلبہ واقتدار حاصل ہوتا گیا، ان لوگوں کے دل کی کڑھن اور جلن بڑھتی گئی۔ اور یا یوں کہ کلامِ الٰہی کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ اُن کے غیظ وبغض میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اہلِ تفسیر نے یہ دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ کلما زاد رسولہ نصرۃ وتبسطا فی البلاد ونقصا من اطراف الارض ازدادوا حسدًا وغلًا وبغضًا (کشاف) کلما انزل علی رسولہ الوحی کفروا بہ فازدادوا کفرًا الی کفرھم (کشاف) فَزَادَهُمُ میں حرف ف بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آرہا ہے، وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ والفاء للدلالۃ علی ترتب مضمونھا علیہ (ابو سعود) حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات واسباب پیدا کردیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل وارادہ کا صحیح استعمال کرتے، تو انہیں اسباب وحالات سے ہدایت بھی پاسکتے تھے۔ وکان اسناد الزیادۃ الی اللہ تعالیٰ من حیث انہ مسببٌ من فعلہ (بیضاوی) یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسبِ حال ہی ملی۔ وھو الجزاء من جنس العمل (ابن کثیر) اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ ”اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب مَیں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا“ (زبور ۸: ۱۰، ۱۱) ”بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پُوجیں“ (اعمال ۷، ۴۲) ”خدا نے ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کئے جائیں“ (رومیون ۱: ۲۴)

۲۹ یعنی اپنے مومن ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ عذابِ الیم جس کا یہاں ذکر ہے منافقوں پر مطلق کفر پر نہیں، بلکہ ان کی منافقت پر یا جھوٹے دعویٰ ایمان پر ہوگا۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ کافروں کے لئے جس عذاب کی خبر اوپر دی جاچکی ہے (آیت ۷ میں) اس کی صفت عظیم آئی ہے، اور یہاں منافقوں کے لئے جس عذاب کی وعید ہے، وہ الیم ہوگا۔ اور الیم کے معنی ہیں مؤلم یعنی دکھ پہنچانے والا۔ گویا تکلیف واذیت کا پہلو اسی میں زیادہ نمایاں ہوگا۔ وصف بہ العذاب للمبالغۃ (بیضاوی) خوب سمجھ لیا جائے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی، لیکن کافر کے علاوہ بھی کچھ اور تھے، یعنی خادع وکاذب۔ تو عذابِ عظیم کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بنا پر ہو ہی چکے، یہ منافقت کا عذابِ الیم اس پر مستزاد۔ گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہوگا۔ قد حصل للمنافقین مجموع العذابین فصار المنافقون اشد عذابًا من غیرھم من الکفار (بحر) بما میں ب سببیہ ہے اور ما مصدری۔ الباء للسببیۃ وما مصدریۃ (ابو سعود) منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرزِ خطاب حسبِ ذیل ہے۔ ”تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو، جو اُوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہُوئی ہیں“ (متی ۲۳: ۲۷) اور شیوخ واکابر یہود کے الفاظ ان کی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یُوں منقول ہیں:۔ ”جو ادلیا کی صحبت میں منافقت کے ساتھ رہتے ہیں، خدا انہیں غارت کرکے رہے ...... جو کوئی منافقت برتے خدا کرے چیل کوے اس کی آنکھیں نکال کر رہیں“ (جلد ۶ صفحہ ۵۱۴) اور انہیں کے تالمود میں ہے:۔ ”جو کوئی منافقت برتتا ہے وہ غضب (خداوندی) دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو بچے ابھی رحمِ مادر میں ہیں، وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں، اور اس کی جگہ جہنم ہے“ (ایوری مینس تالمود صفحہ ۱۰۱)

۳۰ اس سے معلوم ہوا کہ قانونِ شریعت کے علاوہ کسی دینِ جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مرادف ہے۔ امنِ عالم ونظامِ اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد قانونِ شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سرِمو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کُشت وخون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ وکشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کرچکی ہے، اور اس وقت بھی کررہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظامِ عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ اس قول کا قائل کون تھا؟ بعض نے اس کا قائل رسول اللہ کو قرار دیا ہے اور بعض نے عام مومنین کو، اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو بھی۔ الفاظ میں گنجائش ان سب کی ہے۔ وکل ذٰلک محتمل (کبیر) ۳۱ (اور الٹا ہم ہی پر الزام فساد وتخریب کا لگ رہا ہے!) جواب بعینہٖ وہ ہے جو آج بھی خدا معلوم امت کے اندر کے کتنے منافقوں کی زبان پر ہے۔ دین میں رخنے قدم قدم پر ڈالتے جاتے ہیں، اور زبان پر دعوے وہی تجدد کے، تجدید کے، اصلاح کے، تعمیر کے ہیں۔ نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے معروف معنی تو یہی ہیں کہ یہ لوگ زبانی دعویٰ اپنے دینِ حق پر قائم ہونے کا رکھتے تھے۔ قالوا انما نحن علی الھدیٰ مصلحون (ابن جریر عن مجاہد) دُوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہم تو لوگوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ محمدی اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى

لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں[۳۰] تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لاچکے ہیں[۳۱]۔ اور جب اپنے

شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ

شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں[۳۲] تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں[۳۳] ہم تو محض

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ

بنا رہے تھے[۳۴] انہیں اللہ بنا رہا ہے[۳۵] اور وہ انہیں ڈھیل

يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

دے رہا ہے[۳۶] (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگردان ہو رہے ہیں[۳۷] یہ وہ لوگ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا

ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کرلی ہدایت کے بدلے[۳۸] سو نہ

رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

اُن کی تجارت ہی سُود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے[۳۹]

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

اُن کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے[۴۰] جنہوں نے آگ جلائی، پھر جب آگ

فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ

نے اپنے ارد گرد کو روشن کردیا[۴۱] تو اللہ نے اُن کی روشنی

بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا

سلب کرلی، اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ

غیر محمدی کے درمیان جو کشمکش ہے اس کے مٹانے والے ہیں۔ قالوا انما نرید الاصلاح بین الفریقین من المومنین واھل الکتٰب (ابن جریر عن ابن عباسؓ) انما کلمۂ حصر ہے۔ اُردو میں زور کا یہ مفہوم لفظ ”ارے“ سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۳۲ (کہ فساد تو تمامتر انہی کی ذات سے پھیل رہا ہے) کیا ٹھکانا ہے اُن کی غباوت کا، مسخ شدہ ذہنیت کا! سیاہ کو سفید کہہ رہے ہیں، تاریکی کا نام کافور رکھ رہے ہیں، اور احساس اپنے اس جہل کا بھی نہیں رکھتے! اَلَآ کلمۂ تنبیہ ہے، عربی میں ”خبردار ہوجاؤ“ ”آگاہ رہو“ کے معنی ہیں۔ لفظ ”اجی“ میں اگر ثقاہت کی کمی نہ ہوتی تو اُردو میں اس مفہوم کے لئے یہی بہترین لفظ ہوتا ۳۳ (اسلام اور رسولِ اسلام پر صدق واخلاص کے ساتھ) دعویٰ ایمان کا تو اب بھی ان لوگوں کو تھا۔ سمجھانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ایمان دل سے لاؤ۔ دیانت اور راستی کے ساتھ رسُول کی رسالت کو تسلیم کرو۔ اے ایمانًا مقرونًا بالاخلاص بعیدًا عن النفاق (کبیر) اخلصوا فی ایمانکم (خازن) الناس، ناس، ال کے داخلہ کے بعد معرفہ ہوگیا۔ اب مراد ساری نوعِ انسان نہ رہی، بلکہ وہ متعین ومخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کیلئے معلوم ومعروف تھے۔ روایتوں میں عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں، جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کرلیا تھا۔ ھم بعض الناس لا جمیعھم (ابن جریر) کما صدق المھاجرون والمحققون من اھل یثرب (قرطبی) ھم ناس معھودون کعبد اللہ بن سلام واشیاعہٖ (کشاف) یہ بھی جائز ہے کہ الناس کو انسانِ کامل کے معنی میں لیا جائے۔ اور اس صورت میں مراد ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفتِ انسانیت میں کامل ہیں۔ اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ الکاملون فی الانسانیۃ (کشاف) واللام فی الناس للجنس والمراد بہ الکاملون فی الانسانیۃ (بیضاوی) اس سے اشارہ یہ نکلا کہ جو منکرین ہیں وہ صورۃً انسان ہیں لیکن حقیقۃً اپنی ناسمجھی کے لحاظ سے چوپائے ہیں۔ ومن عداھم کالبھائم فی فقد التمییز بین الحق والباطل (کشاف) ۳۴ (اس کے جواب اور اپنی صفائی میں) ۳۵ یطنز ہے اس وقت کے سچے اور پکے مسلمانوں پر رسُول کے صحابیوں پر۔ یعنون اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابنِ مسعودؓ) یہی سُنت آج تک چلی آرہی ہے ”ترقی پسندوں“ ”روشن خیالوں“ اور ”اہلِ تجدد“ کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، تاریک خیال وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص ومخلص اہلِ ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں! ۳۶ کیا ٹھکانا ہے ان کے حمق اور نافہمی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے۔ اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقل، دوراندیشی، حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں! سفیہ کہتے ہیں اس کم عقل کو جسے اپنے نفع ونقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ السفیہ الجاھل الضعیف الرائی القلیل المعرفۃ بمواضع للمنافع والمضار (ابن جریر) ۳۷ (اور صاحبِ وجاہت وصاحبِ اثر بھی ہیں) اے ابابکر واصحابہٖ (ابن عباسؓ) ۳۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں) اٰمنا کایمانکم (معالم) یہ بات یہ لوگ ذی اثر مسلمانوں کی ضلالت اور خوشنودی کے لئے کہتے۔ غرورًا منھم للمومنین ومصانعۃ وتقیۃ (ابن کثیر) منافقین کی ایک ذہنیت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے لیکن مسلمانوں میں جو صاحبِ اثر واقتدار ہوتے انکے آگے خود جھک جاتے اور ان سے تملق پیش آتے

نہ اول الذکر سے ہے نہ آخر الذکر سے! اس طرزِ بیان کی اور فہم، سماعت و بصارت کی قوتوں سے سزا کے طور پر محرومی کی مثالیں قدیم صحیفوں میں بھی کثرت سے ملتی ہیں:۔ "خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہیں دیئے" (استثنا ۲۹: ۴) "تم سنا کرو پر سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں۔ تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے اور ان کے کانوں کو بھاری کر" (اسیاہ ۶: ۹، ۱۰) "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں" (اسیاہ ۴۴: ۱۸) "تمہاری آنکھیں جو کہ نبی ہیں مُونْدی ہیں اور تمہارے سروں پر جو کہ غیب بین ہیں حجاب ڈالا ہے" (اسیاہ ۲۹: ۱۰) "مَیں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا" (زبور ۸۱: ۱۱، ۱۲) انجیل میں اس قسم کی مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو رومیون ۱۱: ۷، ۸ اور ۲ تھسلنیکیوں ۲: ۱۱۔ ۲۱ (آخرت میں) اسلام مسلسل حیات کا قائل ہے۔ یہ ناسوتی، مادی زندگی صرف ایک حصہ ہے کل زندگی کا۔ باقی اس کا پورا ظہور و بروزِ حیاتِ اُخروی ہی میں ہوگا۔ اُخروی زندگی لازمی تمہ و نتیجہ ہے اس دنیوی زندگی کا۔ اور یہاں کی مسلسل قانون شکنی و نافرمانی وہاں عذابِ الیم کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ گویا جو تخم آج ڈالے گئے ہیں، کل وہی تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہونگے۔ عذاب کے شدید و عظیم ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ اور قرآن مجید میں اسے مختلف پیرایوں میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے۔ پھر بھی اس کی تفصیلی کیفیت اور نوعیت ادراکِ بشری سے بالاتر اور مافوق ہے۔ اور بعض نے عظیم کے کلمہ نکرہ ہونے سے بھی یہی استنباط کیا ہے کہ وہ کسی خاص وغیر متعارف ہی نوعیت کا ہوگا۔ من الآلام العظام نوع عظیم لا یعلم کنھہ الا اللہ (مدارک۔ بیضاوی) والتنکیر فیہ للنوعیۃ ای لھم فی الآخرۃ نوع من العذاب غیر متعارف فی عذاب الدنیا (روح) ۲۲ (محض زبان سے، شرکتِ قلب کے بغیر) مَنْ۔ واحد، تثنیہ، جمع، تینوں موقعوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حالتِ افراد میں لحاظ اس کی لفظی حیثیت کا کیا جاتا ہے اور جمع میں نظر اس کے معنیٰ و مفہوم پر رکھی جاتی ہے۔ اب تک قرآن مجید نے ذکر دو قسم کے انسانوں کا کیا ہے۔ ایک مومن فرمانبردار

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ
اور اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ۲۶ اُن کے دلوں میں بیماری ہے ۲۷ سو
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اللہ نے بڑھادی اُن کی بیماری ۲۸ اور اُن کے لئے عذاب دردناک
اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا
(ہونا) ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے ۲۹ اور جب
قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا
اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ ۳۰ تو کہتے ہیں
اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ
کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں ۳۱ سُن رکھو۔ حقیقۃً یہی لوگ
هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫
فسادی ہیں اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ۳۲
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ
اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیساکہ لوگ ایمان لائے ہیں ۳۳
قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ
تو کہتے ہیں ۳۴ کہ کیا ہم (ایسا) ایمان لے آئیں جیساکہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ ۳۵ سُن رکھو کہ
هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَاِذَا لَقُوا
بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں اور اس کا بھی علم نہیں رکھتے ۳۶ اور جب اُن

قانونِ الٰہی کے مطیع۔ دوسرے کافر، نافرمان، قانونِ الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسری صنف کا شروع ہو رہا ہے۔ ہوتے یہ بھی کافر و منکر ہی ہیں، لیکن اپنے کفر و انکار پر پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں۔ یعنی زبان پر دعویٰ اسلام رکھتے ہیں لیکن دل میں کفرِ خالص۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل نہیں۔ ان ننگِ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اعلان و اظہار بھلائی کا کرتا پھرے، اور شر کو اندر ہی اندر چھپائے رکھے۔ النفاق ھو اظہار الخیر و اسرار الشر (ابن کثیر) پھر نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاقِ حقیقی یا اعتقادی جس میں ایمان سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اور اس کی سزا ابدی خلودِ جہنم ہے۔ دوسرا نفاقِ عملی یا مجازی۔ اس میں ایمان کا استحضار نہیں رہتا، اور انسان گناہ پر بے دریغ جری ہو جاتا ہے۔ ھو انواع اعتقادیؑ وھو الذی یخلد صاحبہ فی النار وعملیؑ ھو من اکبر الذنوب (ابن کثیر) سورۂ بقر مدنی ہے۔ اور مدینہ میں منافقین کثرت سے تھے۔ اسلام سے عداوت میں اور رسولِ اسلام سے عناد میں، یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے۔ شاید کچھ بڑھے ہی ہوئے ہوں۔ نفاق یعنی جھوٹا اظہار اسلام مکہ میں نہ تھا۔ بلکہ مکہ میں تو اس کے برعکس صورتِ حال یہ تھی کہ لوگ مومن ہو کر بھی اپنے ایمان کو چھپائے رکھتے، اور بظاہر کافروں ہی میں شامل رہتے۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی، وہ بھی غزوۂ بدر کے بعد، جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت بعض لوگوں نے اپنے کو محض تقیۃً بلا شائبۂ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا سرغنہ یا سرخیل بنو خزرج کا سردار عبداللہ بن اُبَی بن سلول تھا۔ اس کا اثر و اقتدار حریف قبیلہ بنو اوس پر بھی تھا۔ یہ اپنے وقت کا کامیاب ترین لیڈر تھا۔ یہاں تک کہ ساری آبادی اس کی سرداری پر متفق ہو چکی تھی۔ اور قریب تھا کہ اس کی بادشاہی کا اعلان ہو جائے، کہ یک بیک اسلام کے قدم مدینہ میں جم گئے۔ اُس نے اپنی دوکان اجڑتے دیکھی تو اپنے پیرووں کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ زبان سے کلمہ اسلام کا پڑھتے جاؤ لیکن دل میں اپنے ہی عقائد پر جمے رہو۔ اوس و خزرج کے علاوہ یہود کی بھی ایک غدّار و ضمیر فروش جماعت نے خوشی سے اس تحریک پر لبیک کہا۔ البتہ مکہ کا کوئی مہاجر اس میں شریک نہیں ہوا۔ ابن کثیر نے تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں بھی زیادہ تر اسی کی تلخیص ہے ۲۳ یعنی ان کے دل میں ایمان کا گذر ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔ یقولون ذلک قولاً لیس وراءہ شیءٌ آخر (ابن کثیر) انھم لیسوا من الایمان فی شیءٍ (بیضاوی) بمؤمنین۔ حرف بار تاکید کے لئے ہے۔ اکّد النفی بالباء (بیضاوی) ظاہر سیاق کا تقاضہ تھا کہ فعلِ ماقبل قالوا اٰمنّا کی تردید و تغلیط میں ما اٰمنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا۔ لیکن یہاں تاکید اور زور کے لئے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔ وفیہ من التوکید والمبالغۃ ما لیس فی غیرہ (کشاف) تاکیدًا او مبالغۃً فی التکذیب لان اخراج ذواتھم من عداد المؤمنین ابلغ من نفی الایمان عنھم فی ماضی الزمان (بیضاوی) کان ذلک مبالغۃ فی تکذیبھم (کبیر) ۲۴ یعنی محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے کیلئے، اُن کی گرفت سے اپنے کو بچانے کے لئے اپنے تئیں مسلمان کہہ رہے ہیں۔ اور جرم کفر پر اضافہ جرم خدع کا کر رہے ہیں۔ یُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا خاصہ طرفین سے مشارکت ہے۔ لیکن یہاں یَخْدَعُوْنَ کے معنیٰ میں ہے۔ اور باب مفاعلہ محض زور اور تاکید کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ المفاعلۃ لافادۃ المبالغۃ فی الکیفیۃ (ابو سعود) اخرج فی زنۃ فَاعَلْتُ للمبالغۃ (بیضاوی) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ۔ حق کی مخالفت اور تکذیب کرتے کرتے جسارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اپنے خیال و پندار میں خدا کو بھی دھوکا دیئے چلے تھے۔ اجترء وا علی اللہ حتّٰی ظنوا انھم یخدعون اللہ (ابن جریر عن ابن عباس) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اپنے خیال کے مطابق۔ معناہ یخادعون اللہ فی زعمھم (مدارک) اسی مفہوم کے پیشِ نظر ترجمہ کیا گیا ہے کہ "اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں"۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول کو اس دھوکا دینے کی کوشش کو قرآن مجید نے عین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے سے تعبیر کیا ہو۔ اس کی اور بھی نظیریں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ذکر نفسہ واراد بہ رسولہ علی عادتہ فی تفخیم امرہ (کبیر) ای رسول اللہ (مدارک) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مثلاً عداوت یا فریب کا ایسا ہی ہے جیسے حق تعالیٰ کے ساتھ کرنا ۲۵ یعنی ان کے اس نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں۔ خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔ آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی، فضیحت اور منافقت کی پردہ دری۔ ضرر ھا یلحقھم ومکر ھا یحیق بھم (کشاف) یفتضحون فی الدنیا ویستوجبون العقاب فی العقبیٰ (معالم) ۲۶ (کہ اس منافقت کا وبال خود انہیں پر ہو کر رہے گا) لا یعلمون ان وبال خداعھم یعود علیھم (معالم) یشعرون۔ بجائے یعلمون کے یہاں یشعرون وارد ہوا ہے۔ شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے۔ اور مشاعر انسان کے آلاتِ حواس کو کہتے ہیں۔ المشاعر الحواس (راغب) الشعور علم الشیء علم حس من الشعار و مشاعر الانسان حواسہ (کشاف) اس لفظ کے لانے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکر و فریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچے گا وہ بالکل مادی ہونے کی طرح صاف اور صریح ہے لیکن یہ حمق فرطِ غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ والمعنی ان لحوق ضرر ذلک بھم کالمحسوس وھم لتمادی غفلتھم کالذی لاحس لہ (کشاف) ای لا تدرکونہ بالحواس (راغب) ۲۷ (کفر کی اور نفاق کی اور شک کی، جو انہوں نے اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے) شک ونفاق وظلمۃ (ابن عباس) دوسرا پہلو ان کم اعتقادوں کے مرض کا یہ تھا کہ جُوں جُوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک و حسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ائمہ تفسیر کی نظر سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں ہونے پایا ہے۔ والمعنی ان المنافقین مرضت قلوبھم لما ... اوا ثبات امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستعلاء شانہ یومًا فیومًا (کبیر) والمراد بہ ھنا ما فی قلوبھم ...... من الغل والحسد والبغضاء لان صدورھم کانت تغلی علی رسول اللہ صلعم والمؤمنین مرض لغوی اعتبار سے نام ہے انسان کے حالتِ طبعی سے خروج کا۔ المرض الخروج عن الاعتدال الخاص بالانسان (راغب) رذائل نفسانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مجازاً نفاق و کفر کو بھی مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ وہ انسان کے لئے

کہ اللہ کے ہاں سے انہیں جو بھی ظاہری و معنوی نعمتیں عطا ہوئی ہیں، انہیں وہ اللہ ہی کے دینِ برحق کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اللہ کی مخالفت، عدوان و عصیان میں صرف نہیں کرتے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ جو علم
نے انہیں جو انوارِ معرفت عطا کئے ہیں ان کا وہ طالبین پر افاضہ کرتے رہتے ہیں ف۱۱ (اے ہمارے رسول) یعنی ان متقین کا چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں رسول کے لائے ہوئے ہر پیغام پر، خواہ قرآن ہو یا اس کے علاوہ۔ آیت کی عبارت
سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔ (۱) ایک کلام کا نازل کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۲) دوسرے وہ شخص جس پر کلام نازل ہوا ہے یعنی اللہ کا رسول برحق۔ (۳) تیسرے خود کلام ——— بروز، تمثل، حلول اور وحدت
الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں)، ان سب مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ اس آیت سے کٹ جاتی ہے۔ نہ کلام متمثل ہوا ہے، اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار انسانی قالب میں خدا ہیں۔ بلکہ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتے ہیں ف۱۲ (دوسرے
پیغمبروں پر خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم، کسی زمانہ کے ہوں) قرآن مجید نے اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ سلسلۂ ارشاد و ہدایت کوئی نو پیدا چیز نہیں بلکہ اُس وقت سے قائم ہے جب سے انسان دنیا میں آئے۔ سلسلۂ وحی کی عمر اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانیت کی۔ اور
مومن کیلئے تصدیق صرف ختم المرسلین کی کافی نہیں، بلکہ سارے انبیاء و رسل کی کرنا ضروری ہے، خواہ وہ درجۂ اجمال ہی میں ہو۔ انہیں متقین کا یہ پانچواں وصف ارشاد ہوا، کہ وہ بخلاف یہود و نصاریٰ کے دوسرے انبیاء کی تعلیمات پر بھی اعتقاد
رکھتے ہیں۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ طالب کو اعتقاد تو تمام شیوخِ اہلِ حق کے ساتھ ایسا ہی رکھنا چاہئے جیسا اپنے شیخ کے ساتھ۔ لیکن اتباع صرف اپنے شیخ کا کرنا چاہئے۔ جیسا بعینہٖ یہی حکم انبیاء علیہم السلام کے باب میں ہے ف۱۳ چھٹا اور
آخری وصف ان متقین اہلِ ضمیر کا بیان ہوا، جو قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ الاٰخرۃ سے مراد ہے دار الآخرت یا عالمِ آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلۂ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس ناسوتی
زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دار الآخرۃ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ ویعتبر بالدار الآخرۃ عن النشأۃ الثانیۃ وربما ترك ذكر الدار (راغب) انما وصفت بذلك لمصیرھا
آخرۃ لاولٰی کانت قبلھا (ابن جریر) جزا و سزا کے لئے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دینِ صحیح کے لوازم میں سے ہے۔ یہیں سے تردید ہو گئی ان باطل مذہبوں کی جو کہنے کو تو مذہب ہیں، لیکن یا تو سرے سے جزاء اعمال ہی کے قائل
نہیں یا قائل تو ہیں لیکن اس جزا کا محل و مکان اسی عالمِ ناسوت کو سمجھتے ہیں۔ خواہ ایک ہی قالب میں یا کئی کئی قالبوں میں۔ بعض جدید اہلِ باطل نے الاٰخرۃ کا ترجمہ کیا ہے "زمانۂ آخر کی وحی"۔ تاکہ اس سے ان کی خود ساختہ نبوت کا اجرا قرآن سے
ثابت ہو۔ لیکن یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر۔ یہ صرف تمسخر و تلعب ہے، قرآن مجید اور لغتِ عربی دونوں کے ساتھ۔ یوقنون۔ ایقان یا یقین کے معنی یہ نہیں کہ محض عقل کسی عقیدہ کو استدلالاً مان لے۔ یا منطق با دلِ ناخواستہ سکوت پر مجبور ہو جائے۔
یا دماغ اس کے مان لینے کا محض سرسری، رسمی، سطحی طور پر لفظی اقرار کرے۔ جیسا کہ اکثر فلسفیانہ نظریوں کے ساتھ معاملہ رہتا ہے۔ بلکہ یقین یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دل و جان سے اعتقاد جم جائے، اور عقل، جذبات، ارادہ سب پر وہی چھا
جائے۔ یقین کی راہ شک، گمان، خیال سب سے الگ ہے۔ الیقین ازاحۃ الشك (تاج) الیقین من صفۃ العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتھا (راغب) الایقان اتقان العلم بانتفاء الشك والشبھۃ عنہ (کشاف)
الیقین العلم دون الشك (قرطبی) وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ یقین کا مرتبہ یوں بھی محض علم سے قوی تر تھا۔ پھر فقرہ کی ترکیب یعنی فعل یوقنون کے تاخر اور بالآخرۃ کے تقدم اور ھُم کے اضافہ نے قوت کئی درجہ اور بڑھا دی
مطلب یہ ہوا کہ مومنین متقین کے نزدیک آخرت اس درجہ اہم ہے کہ گویا وہ بس اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی عقیدہ ان کی زندگی میں رچا بسا رہتا ہے ف۱۴ سورۂ فاتحہ میں دعا بندوں کی زبان سے طلبِ ہدایت کی تھی، اھدنا الصراط
المستقیم دعا گویا قبول ہوئی کتابِ ہدایت نازل ہو گئی۔ ھدًی للمتقین، اب ارشاد ہوا کہ فلاں فلاں علامتیں جن میں موجود ہوں، وہی ہدایت یاب لوگ ہیں، اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اُولٰٓئِكَ۔ ان ہدایت یاب لوگوں کے خصوصیات ذیل
قرآن مجید ہی سے معلوم ہو چکے ہیں۔ (۱) ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ اُن کے دلوں میں خوفِ خدا کی جگہ ہوتی ہے (المتقین) (۲) ان کا اعتقاد اس مادی دنیا سے پرے ایک عالمِ غیب پر ہوتا ہے (یؤمنون بالغیب) (۳) ان کے تعلق مع اللہ کا عملاً اظہار
یوں ہوتا ہے کہ یہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور نماز کا حق ادا کرتے رہتے ہیں (یقیمون الصلوٰۃ) (۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو یہ اللہ کی مخلوق پر صرف کرتے رہتے ہیں (مما رزقنٰھم ینفقون) (۵) یہ رسولؐ کے رسولِ برحق اور بہترین معلم و ہادی
ہونے اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ (یؤمنون بما انزل الیك) (۶) پورے سلسلۂ وحی و نظامِ نبوت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں (وما انزل من قبلك) (۷) ان کا کامل اعتقاد یومِ آخرت یا روزِ جزا پر رہتا ہے (وبالآخرۃ
ھم یوقنون) ف۱۵ (دنیا و آخرت دونوں میں) دنیا کی فلاح تو یہ کہ انہیں راہِ ہدایت نصیب ہو گئی، اور انفرادی و اجتماعی، شخصی و قومی ہر حیثیت سے جامع ترین و بہترین دستورِ حیات منازلِ زندگی کے طے کرنے کا ہاتھ آ گیا۔ اور آخرت کی
فلاح یہ کہ وہاں پورا پورا صلہ مل کر رہے گا۔ ای الذین ادرکوا وجدوا ما طلبوا ونجوا من شر ما منہ ھربوا (ابن جریر عن ابن عباسؓ) فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لئے
المفلحون کا پورا ترجمہ "کامیاب" "بامراد" وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امامِ لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمۂ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیتِ خیر کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لیس فی کلام العرب کلہ
اجمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والآخرۃ کما قال ائمۃ اللسان (تاج) اُولٰٓئِكَ ھم المفلحون کی ترکیب نے معنی میں حصر و تاکید پیدا کر دی۔ اور ھم بطور کلمۂ فصل کے تاکیدِ نسبت و تخصیص کے لئے ہے۔ وھو فصل یفصل
الخبر عن الصفۃ ویؤکد النسبۃ ویفید اختصاص المسند بالمسند الیہ (بیضاوی) وادخال ھو فی مثل ھذا الترکیب احسن لانہ محل تاکید ورفع توھم (بحر) مفسر تھانوی مدظلہٗ نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق
فلاحِ کامل سے ہے نہ کہ فلاحِ مطلق سے، اور المفلحون سے مراد الکاملون فی الفلاح ہے۔ اور معتزلہ و خوارج جنہوں نے آیت سے یہ نکالنا چاہا ہے کہ کبائر کا مرتکب فلاحِ مطلق یعنی نجات سے محروم رہے گا، انہوں نے فلاحِ مطلق (نجاتِ
کاملہ) کے اور مطلق فلاح کے درمیان خلط کر دیا ہے۔ المراد بہ الفلاح الکامل المستفاد من الاطلاق فالحصر للفلاح المطلق لا لمطلق الفلاح (تھانوی) ف۱۶ (اور قیامِ دلائل کے باوجود اس پر اڑے ہوئے ہیں) اما ثبتوا علی
الکفر (ابن عباسؓ) ایسے لوگ ظاہر ہے کہ علمِ الٰہی میں کفر ہی پر رہنے والے ہیں۔ جو لوگ دلائلِ حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کی استعدادِ قبولِ حق کے باب میں روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل مُردہ ہو جاتی ہے آیت
میں خصوصی اشارہ یہودِ مدینہ کی جانب ہے۔ ان کا کفر جحود کی قسم کا تھا یعنی یہ نبیِ آخر الزمان کی بابت پیشگوئیوں اور ان کی علامتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور پھر دانستہ اغماض و اخفا کرتے رہتے تھے کہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ
پڑنے پائے۔ واما معنی الکفر فانہ الجحود ذلك ان الاحبار من یھود المدینۃ جحدوا نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وستروہ عن الناس وکتموا امرہ (ابن جریر) ف۱۷ (لیکن آپ کی دعوت و تبلیغ برابر جاری رہے۔ آپ کا اجر اس سے ثابت
ہو تا رہے گا) آج معمولی مبلغ بھی اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں، تو رسول اللہ صلعم تو دنیا کے لئے "مبلغِ اعظم" تھے۔ دینِ الٰہی کی اشاعت کے لئے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا۔ آپ کو حرص اگر تھی تو اسی کی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہاں
یہ حقیقت آپ کو بتلائی گئی ہے کہ آپ کچھ بھی کر ڈالیے ان کے حق میں سب یکساں ہے۔ یہ بدبخت اپنی صلاحیتِ حق شناسی کو ضائع کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کا اجرِ تبلیغ بہرحال ثابت ہے۔ فلا تذھب نفسك علیھم حسرات فمن استجاب لك فلہ
الحظ الاوفر ومن تولی فلا تحزن علیھم (ابن کثیر) ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک خبر ہے جو خبیرِ مطلق اپنے بندہ کو دے رہا ہے۔ ایک اطلاع ہے جو علیمِ کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے۔ مرضیِ الٰہی سے اسے شائبۂ تعلق بھی نہیں۔ "علم" و "مرضی" کے درمیان زمین و
آسمان کا فرق ہے۔ عوام کے ذہن ان دو بالکل مختلف قانونوں کے درمیان خلطِ مبحث کر کے اپنے کو عجیب الجھنوں میں ڈال لیتے ہیں ——— طبیبِ حاذق اپنے علم کی رُو سے مدتوں پیشتر خبر دے دیتا ہے کہ فلاں بد پرہیز، خود رائے مریض اچھا نہ ہوگا۔ کیا
اس پیش گوئی اس اخبارِ غیب میں اُس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟ بقول مفسر تھانوی مدظلہٗ اس کافر کا ناقابلِ ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابلِ ایمان ہونے کی وجہ
سے واقع ہوا ہے۔ اور ناقابلِ ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفتِ حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے ساتھ استعدادِ قبولِ حق کی رکھی ہے۔ جیسا حدیث میں آ گیا ہے۔ مگر یہ شخص خود اپنی
ہوائے نفسانی اور خود غرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے ف۱۸ (اس لئے کہ وہ ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے، اور نہ خلوتِ ذہن کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی پر غور کرتے ہیں) ای لا یصدقون
ان یؤمنوا (ابن عباسؓ) اس سے پہلے فقرہ کی مزید تاکید اور توثیق ہو گئی۔ اور اہلِ عناد کے حق میں ان کی بے التفاتی اور عدمِ احساس کی بنا پر انذار اور عدمِ انذار کا یکساں ہونا اور روشن ہو گیا۔ اکثر ائمۂ تفسیر نے آیت کی ترکیبِ نحوی یوں ہی سمجھی ہے۔
اور لا یؤمنون کو جملۂ مؤکدہ و مفسرہ فقرۂ ماقبل کا سمجھا ہے۔ جملۃ مؤکدۃ للتی قبلھا (ابن کثیر) جملۃ مفسرۃ لاجمال ما قبلھا او حال مؤکدۃ (بیضاوی) لیکن ایک دوسری ترکیب بھی انہیں بزرگوں سے یہ منقول ہے، کہ لا یؤمنون خبر ہے
ان الذین کفروا کی اور پورا فقرہ سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم درمیان میں بطور جملۂ معترضہ کے آ گیا ہے۔ خبرًا لان والجملۃ قبلھا اعتراض (کشاف) خبر ان والجملۃ قبلھا اعتراض (بیضاوی) خبر لان والجملۃ قبلھا اعتراض (مدارک) ویحتمل ان یکون لا
یؤمنون خبرًا (ابن کثیر) اصل مقصود دونوں ترکیبوں کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے ف۱۹ قلب۔ دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں
دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعالِ ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ ختم اللہ۔ اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفرِ اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ
ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرتِ سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائلِ حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل
منہ موڑے ہوئے قانونِ شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرتِ الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر
آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لئے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانونِ تکوینی (نہ کہ قانونِ رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر
ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادی چیز نہیں ف۲۰ (چنانچہ کھلے ہوئے دلائلِ حق اور روشن سے روشن آیاتِ الٰہی بھی انہیں نظر نہیں آتے) یہ سب ثمرہ ہے ان کافروں کے ارادی اعراض عن الحق اور دانستہ کج روی کا۔ حق تعالیٰ کی جانب ان افعال کا انتساب
جو کچھ ہے وہ محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی بطور علت العلل و مسبب الاسباب کے ——— ارادۂ حق جس طرح بندہ کے زہر کھا لینے پر موت کا ثمرۂ طبعی مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح بندہ کی ارادی کج روی پر موتِ روحانی کا ثمرہ بھی مرتب کر دیتا ہے۔ یعنی خلق کا تعلق

نہیں کہ علوم طبیعی و ریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈھا جائے۔ کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے اشراقیوں اور مشائیوں، یونانیوں اور ہندیوں کے ظنون اور نظریات میں الجھے رہیں۔ افسانہ و محاضرات کی کتاب نہیں کہ پڑھنے والے اُسے تفریح و دل بہلانے کے لئے پڑھیں۔ اس کی اصلی اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے، دستورِ حیات ہے، مکمل و مفصل نقشۂ زندگی ہے۔ للمتقین۔ یہ قید لگا کر صاف بتا دیا کہ اس قانونِ عام و ہدایتِ تام سے فائدہ لینے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر خوفِ خدا موجود ہو۔ کتابِ ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لئے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے، اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی، لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہو چکی۔ ان کے لئے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر بھی میعدہ کے مریض کے لئے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ قرآن مجید سے استفادہ کے لئے اوّلین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ ھو فی نفسہ ھدًی ولکن لاینالہ الا الابرار (ابن کثیر) ۵ (رسُولؐ کی تعلیمات و تصریحات کے مطابق۔ کہ اپنے ظن و تخمین، وہم و گمان سے۔ یؤمنون۔ ایمانیات کے دائرہ کے اندر کی جتنی چیزیں بھی ہیں سب کو تصریحاتِ نبوی کے مطابق و ماتحت ہونا ضروری ہے کسی اور راہ سے آیا ہوا علم اس دائرہ میں نامقبول ہے۔ ایمان کی کیفیتِ نفسی شک، ریب، تردد و تذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحبِ ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا۔ ایمان کے بغیر دل میں بے کلی اور بے چینی ہی رہا کرتی ہے لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ وہ بڑا سہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔ بالغیب۔ یعنی ایمان ایسے عالم پر رکھتے ہیں جو محسوسات اور معقولات سے ماورا ہے۔ اور جس کی بابت خبریں صرف نبی کے

هُمْ يُوقِنُونَ ۝٤ أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن
(وہ) پورا یقین رکھتے ہیں ۱۳ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر

رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥ إِنَّ
ہیں ۱۴ اور یہی (پورے) بامُراد ہیں ۱۵ بیشک

الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ
جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ۱۶ ان کے حق میں یکساں ہے، خواہ آپ انہیں ڈرائیں،

أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ
یا آپ انہیں نہ ڈرائیں ۱۷ وہ ایمان نہ لائیں گے ۱۸ مُہر لگادی ہے اللہ نے

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ أَبْصَٰرِهِمْ
اُن کے دلوں پر اور اُن کی شنوائی پر ۱۹ اور اُن کی آنکھوں پر

غِشَٰوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧ وَمِنَ
پردہ ہے ۲۰ اور اُن کے لئے بڑا (ہی) عذاب ہے ۲۱ اور کچھ

ع ۱

النَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ
لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ۲۲ کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روزِ آخرت پر،

الْءَاخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝٨ يُخَٰدِعُونَ اللَّهَ
حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان والے نہیں ۲۳ دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو

وقف لازم

وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ
اور ایمان والوں کو ۲۴ حالانکہ (فی الواقع) دھوکا کسی کو بھی نہیں دیتے بجز اپنی ذات کے ۲۵

ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غیب لغت میں شہُود کی ضد ہے۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہُوئی ہو یا مشاہدہ و تجربہ سے باہر ہو۔ الغیب کل ما غاب عنك (لسان) استعمل فی کل غائب عن الحاسة (راغب) یہ لغوی تشریح تھی۔ آیت میں الغیب سے مراد ائمۂ تفسیر نے وہ عالم لیا ہے، جو حواس و عقل سے ماورا ہے، اور جس کی بابت جو کچھ بھی علم ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء کے توسط سے مثلاً احوالِ حشر و نشر، حور و ملائک، جنّت و دوزخ وغیرہا۔ اور یہ تفسیر خود جماعتِ صحابہ سے مروی ہے۔ اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنة وامر النار وما ذکر اللہ تعالیٰ وتبارك فی القرآن (ابن جریر عن ابن مسعود وناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) وھو قول جمھور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبًا عن الحاسة (کبیر) غیب کی تفسیرِ منقول اسی قدر ہے لیکن اسے ذرا سی وسعت دینے سے اس کے اندر پیمبر کے سارے علوم داخل ہو جاتے ہیں۔ اور پیمبر جن جن امور سے وحیِ جلی یا وحیِ خفی کی روشنی میں لوگوں کو روکتا ہے، ان کی باریک باریک برائیوں کا امت کے نقطۂ نظر سے داخلِ غیب ہونا صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ وحیِ الٰہی کی خوردبین سُود، شراب، زنا وغیرہ کی خرابیوں اور مفسدوں کو جس طرح اپنی گرفت میں لے آتی ہے، وہ انسان کے لئے غیب ہی کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب غیب کی حقیقت یہ معلوم ہو گئی کہ وہ شہود یا علم کے مقابلہ کی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شخص کا علم و مشاہدہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسی نسبت سے ہر ایک کا غیب بھی دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ طبیب کے لئے مرض و مریض سے متعلق بہت سے امُور شہود میں ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے غیب کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فن کا ماہر ایسی چیزیں جانتا ہے جو عامی کے لئے غیب یا خفا میں ہوتی ہیں۔ گویا جس شخص کا دائرۂ علم جس قدر وسیع ہوگا، اسی نسبت سے اس کا دائرۂ غیب چھوٹا ہوگا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ پر چونکہ ہر چیز روشن و عیاں ہے، اس لئے کوئی شے اس کے لئے غیب میں داخل ہی نہیں۔ اور اس لئے اسے جب عالم الغیب کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جو سب بندوں کے لئے غیب میں ہوتی ہیں۔ ”غیب“ کی اضافت یہاں صرف بندوں کی جانب ہوتی ہے، ورنہ حق تعالیٰ کے لئے تو جس طرح دُور و نزدیک، آسان و دشوار، بڑا اور چھوٹا سب یکساں ہیں، اور ان کے باہمی فرق بے معنی ہیں، اسی طرح غیب و شہود بھی بالکل ایک ہیں۔ ویقال للشیء غیبٌ وغائبٌ باعتبارہ بالناس لا باللہ تعالیٰ فانہ لایغیب عنہ شیءٌ (راغب) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر چونکہ تمام دُوسرے انسانوں سے دانا تر و عالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ ادراک و معرفت ساری دوسری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے، اس لئے قدرۃً انہیں بے شمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لئے تمامتر مجہول ہوتی ہیں لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں، کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور دائرۂ غیب ان کا بھی شروع ہو جاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا تو آیت میں متقین کی سب سے پہلی علامت بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہی نہیں، تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں، متقیوں کے سردار و پیشوا ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان بھی اگر مغیبات و مخفیات پر نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ ہاں البتہ ان کا غیب، انہیں کے ظرف و مرتبہ و بساط کے موافق ہوتا ہے۔ ہم شما کا سا غیب ان کا نہیں۔ دین کا مغز کہئے یا ایمان کی روح یہی عالمِ غیب کا عقیدہ ہے یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالمِ مادی سے ماورا اس کائنات حسّی سے اُوپر، کچھ اور، ایک عالم ہے ضرور۔ اور جو اس عالم کے وجُود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں۔ اور سب سے بڑا غیب تو خود وجودِ باری ہے ——— سب سے بڑھ کر روشن و عیاں، مگر سب سے زیادہ مخفی و نہاں۔ بڑے سے بڑے عالم و عارف کے لئے بھی اس کے مرتبۂ علم و معرفت کے بعد پھر غیب کے حدود شروع ہوتے ہیں ۹ (وقت کے خشوع کے تعدیلِ ارکان کے، غرض جملہ لوازمِ باطنی و شرائطِ ظاہری کے ساتھ) صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزوِ اعظم ہے۔ الصلوٰة التی ھی العبادة المخصوصة اصلھا الدعاء (راغب) محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعا ءِ قولی، دعاءِ قلبی، دعاءِ فعلی کا مجموعہ۔ اقامت صلوٰۃ اور محض ادائے صلوٰۃ میں فرق ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ میں نماز کی تکمیلِ صوری و معنوی ہر طرح کی آگئی۔ کسی شے کی اقامت کرنے کے معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔ اقامة الشیء توفیة حقه (راغب) اور اقامت صلوٰۃ کی تعبیریں مداومت سے، تعدیلِ ارکان سے، اور اور مختلف طریقوں سے کی گئی ہیں (ابن جریر، کبیر وغیرہ) سب سے زیادہ جامع تشریح یقیمون الصلوٰۃ کی صاحبِ جلالین نے اپنے دو مختصر لفظوں میں کردی ہے یاتون بھا بحقوقھا۔ اُن دیکھے خدا کے آگے جھکنے، سرِ عبودیت خم کرنے، اس سے گہرا ربط و تعلق پیدا کرنے، اور خود افرادِ امت میں باہم نظم پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ اور بدنی عبادتوں میں یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان، توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔ فرد کے لئے اسلامی نمازِ باجماعت کے جو اخلاقی، طبی، مادی فائدے ہیں، نیز ملت کے لئے جو معاشرتی اجتماعی مصلحتیں ہیں ان کی جھلک کہیں دُور سے دیکھ کر یہود، مسیحی اور منکرین تک اس کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے اہلِ علم اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر داد و مدح کے لہجہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ متقین کی پہلی علامت یہ ارشاد ہوئی ہے کہ وہ عقیدۂ غیب کے قائل ہیں۔ دوسری علامت یہ بیان ہو رہی ہے کہ عملی زندگی میں وہ نماز کے پابند ہیں ۱۰ (مناسب و ضروری موقعوں پر، جائز اور مفید کاموں میں) رزق کا لفظ کلامِ عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں۔ خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال و صحت، اولاد۔ یا معنوی و روحانی ہوں مثلاً علم و حکمت، فہمِ سلیم وغیرہ۔ یقال للعطاء الجاری تارةً دنیویًا کان ام اخرویًا وللنصیب تارةً (راغب) الرزق فی کلام العرب ھو الحظ (کبیر) اسم لکل ما ینتفع به (معالم) رزقنٰھم میں ہر رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے بتا دیا کہ جو نعمت جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملتی ہے، سب اللہ ہی کے فیض و عطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ ینفقون۔ متقین کی تیسری صفت یہ ارشاد ہُوئی

محقق رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ مغضوب علیہم میں رکھا جائے اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کا شمار طبقۂ ضالین میں کیا جائے فالاولیٰ ان یحمل المغضوب علیہم علی کل من اخطأ فی الاعمال الظاهرة وهم الفساق ویحمل الضآلون علی کل من اخطأ فی الاعتقاد لان اللفظ العام والتقیید خلاف الاصل (کبیر) سُورت کے خاتمہ پر آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ اس کے معنی ہیں استجب۔ یعنی اے رب قبول فرما! یعنی آمین عند اکثر اهل العلم اللّٰهم استجب لنا (قرطبی)

تذییل

یہ خوش عقیدگی نہیں اظہارِ حقیقت ہے کہ جس حیرت انگیز ایجاز و جامعیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی سات مختصر آیتوں میں توحیدِ الٰہی اور صفاتِ کمالیہ کا بیان آگیا ہے، اس کی نظیر سے مذاہبِ عالم کے دفتر خالی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر کی بھی مثال پیش کرنے سے دنیائے مذاہب عاجز ہے۔ مسیحی دُنیا کو بڑا ناز اپنی انجیلی دُعا Lord's Prayer پر ہے۔ لیکن اوّل تو اس کا ضعفِ اسناد بھی خود مسیحی فاضلوں کو مسلّم ہے یعنی اسی کی تحقیق نہیں کہ الفاظ خود حضرت مسیح کے ہیں بھی۔ پھر چیز جہاں سے بھی آئی ہو یہاں اس کے الفاظ سُورہ فاتحہ کے بالمقابل درج کئے جاتے ہیں۔ ہر منصف مزاج خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ قرآن کی فاتحۃ الکتاب اور اس انجیلی دعا کے درمیان کیا نسبت ہے!

سورۃ الفاتحہ

۱۔ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے (وہ) سارے جہانوں کا مربّی۔
۲۔ (وہ) نہایت رحم کرنے والا (وہ) بار بار رحم کرنے والا
۳۔ (وہ) مالک روزِ جزا کا۔
۴۔ ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔
۵۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ
۶۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کیا ہے۔
۷۔ نہ ان کا راستہ جو زیرِ غضب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

انجیلی دُعا (متی ۶: ۹-۱۴)

۱۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے، تیرا نام پاک مانا جائے
×
۲۔ تیری بادشاہت آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔
×
۳۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں آج دے۔ اور
۴۔ جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو ہمارے قرض ہم کو معاف کر۔
۵۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا۔

(۱) کہاں رب العالمین کی لامحدود وسعت و ہمہ گیری اور کہاں آسمان پر بیٹھے رہنے والی بعید اور محدود، اور پھر باپ جیسی محض مادّی تعلق رکھنے والی ہستی! (۲) ایک طرف اعلان ہو رہا ہے ہمہ گیر صفاتِ ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت و مالکیت کا۔ اور دوسری طرف ان کی بجائے ذکر ہے صرف زمین پر آسمانی بادشاہت کے آنے کا! (۳) توحیدِ خالص پر جو زور قرآنی عبارت میں، منع عبادت غیر و منع استعانت بالغیر میں ہے۔ انجیلی دُعا میں کہیں اس کا پتہ تک نہیں (۴) انجیلی دعا کی آیت نمبر ۳ میں روٹی کی اس درجہ اہمیت، مادیت کی انتہا ہے۔ (۵) محض برائی سے بچنے کی دُعا، صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی نسبت سے کہیں زیادہ ہلکی ہے۔

سورۃ البقرۃ ۱ سورت کے اور بھی متعدد نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام یہی ہے۔ بقرہ کے لفظی معنی گائے کے ہیں اور بیل کے بھی۔ لفظ بقرہ سورہ کے آٹھویں رکوع میں آیا ہے، اور وہیں ایک قصہ بھی اس سے متعلق درج ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے پڑا۔ بزرگ و معظم تو ہر سورت قرآن کی ہے لیکن اس سورت کا شمار بزرگ ترین سورتوں میں ہے۔ عقائد و اعمال دونوں کے باب میں اسلام کی اہم ترین تعلیمات کہنا چاہیئے کہ سب اس کے اندر آگئی ہیں۔ اور یہ جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فلاں فلاں صحابی کو اس کے سیکھنے اور حاصل کرنے میں کئی کئی سال لگ گئے، تو یہاں سیکھنے سے مراد محض تلاوت یا اس کے الفاظ کا حفظ نہیں، بلکہ اس کے احکام و مسائل پر عبور ہے۔ احادیث میں اس سورت کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان اور سورۂ بقرہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ شیطان مصدرِ ظلمت و ضلالت، ظاہر ہے کہ وہ مرکزِ نور و ہدایت کے ساتھ کیونکر اکٹھا ہو سکتا ہے۔ ان الشیطن یفر من البیت الذی تقرأ فیها سورة البقرة (مسلم۔ ترمذی عن ابی ہریرہ) اقرؤا سورة البقرة فان اخذها برکة وترکها حسرة ولا تستطیعها البطلة وهی فسطاط القرآن (دارمی عن خالد بن معدان) بالفرض یہ روایتیں نہ موجود ہوتیں جب بھی سورت کے مضامین کی بلندی معنویت و جامعیت سورت کو بجائے خود اس مرتبۂ فضیلت کا مستحق بنانے کو کافی تھیں **۲** یعنی اس سُورت کی بیشتر بلکہ تقریباً تمام تر آیتیں رسول اللہ صلعم کے قیامِ مدینہ کے زمانہ میں بعد ہجرت نازل ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں کسی مکی آیت کا شامل ہو جانا سورت کے مدنی ہونے کے منافی نہیں **۳** اللہ اور رحمٰن اور رحیم سب پر حاشیے گزر چکے **۴** الٓمٓ یہ حروف پڑھنے میں پوری پوری آواز کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اردو رسم الخط میں ظاہر بھی کر دیا گیا ہے۔ اور یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی اور بعض تابعین کا قول ہے کہ الٓمٓ مخفف اور قائم مقام ہے پُورے فقرہ انا اللّٰه اعلم کا (ابن جریر) زجاج لغوی نے یہی قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ حروف مقطعات میں سے ہر حرف کسی متعین معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "عربی شاعری" سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں (قرطبی) بعض نے کہا ہے کہ یہ سُورت کا نام ہے۔ اکثر متکلمین اور خلیل نحوی اور سیبویہ نحوی اسی طرف گئے ہیں۔ انها اسماء السور وهو قول اکثر المتکلمین واختیار الخلیل وسیبویه (کبیر) بعض کا قول ہے کہ یہ قرآن ہی کا ایک نام ہے۔ اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں۔ بعض صوفیہ نے انہیں عارفانہ اشارات و رموزات قرار دیا ہے، اور ان سے طرح طرح کے نکتے اور لطیفے پیدا کئے ہیں۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ خطباتِ عرب کے دستور کے مطابق یہ حروف محض افتتاحِ کلام کے لئے لائے گئے ہیں۔ اور یہ بات اس لئے دل کو زیادہ لگتی ہے کہ عرب اگر اس طرزِ خطاب و خطابت سے آشنا و مانوس نہ ہوتے تو اس پر اعتراض ضرور ہی کرتے۔ اعتراض کے لئے تو مخالفین بہانے ہی ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن اس قسم کا کوئی بھی اعتراض اہلِ زبان سے منقول نہیں۔ لیکن مشاہیر صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف اُن متشابہاتِ قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ ان هذا علم مستور وسر محجوب استأثر الله تعالٰی وتبارك به (کبیر) حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم و ابو حاتم وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے (قرطبی و ابن کثیر) یہ اعتراض کہ قرآن کے مخاطب جب ہم ہیں تو ان حروف کو بھی ہمارے لئے قابلِ فہم ہونا لازمی ہے، کچھ زیادہ باوقعت و باوزن نہیں۔ قرآن مجید کے اندر اور جتنے مضامین و مطالب ہیں، کیا وہ سب ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آگئے ہیں؟ یا کائناتِ خارجی میں جو کچھ موجود ہے، کیا ان موجودات میں سے سب کا معرف بڑے بڑے فاضلوں اور ماہرین کی بھی سمجھ میں آگیا ہے؟ **۵** الکتٰب۔ محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ باضابطہ و مستند نوشتہ، ایک صحیفۂ مکتوب۔ قرآن مجید اپنا پہلا تعارف اسی حیثیت سے کراتا ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آیا ہوا، ایک کتابی شکل میں مرتب، صحیفۂ آسمانی ہے۔ وہ دُوسرے مذہبوں کی کتبِ الہامی کی طرح نہیں کہ صاحبِ مذہب کے دماغ میں ان کے صرف معانی و مطالب ہوں، اور کوئی راوی ان سے کوئی ٹکڑا نقل کرے اور کوئی کچھ اور۔ یہاں تک کہ صدیوں بعد جب نوبت جمع و کتابت کی آئے، تو صحتِ لفظی اور استنادِ حرفی تو خیر بہت دُور کی چیز ہے نفسِ مفہوم و معنی تک مسخ ہو کر رہے۔ اور نام تو ایک کتاب کا ہو، لیکن اس کی ترتیب و تالیف میں خدا معلوم کتنے انسانی دماغ اور کتنے بشری قلم شریک ہو جائیں! دلائل و شواہد کو چھوڑیئے محض دعویٰ کی حد تک بھی تو اس باب میں قرآن کی حریف و مقابل دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب نہیں۔ توریت، انجیل وید کسی کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ وہ لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل شدہ کتاب ہے۔ اور نہ ان کے پیرو انہیں اس حیثیت سے پیش ہی کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ تنزیلِ لفظی کا تو صرف قرآن مجید ہی کا ہے۔ آج دنیا میں، اس کاغذ و قلم کے دَور میں "کتابیں" (بصیغہ جمع و عموم) جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں الکتٰب (بصیغۂ واحد و بتخصیص الف ولام) یا "کتابِ واحد" کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔ زمخشری معتزلی کا مرتبہ اللہ بلند کرے، کیا خُوب بات کہہ گیا ہے:۔ معناه ان ذلك الکتٰب هو الکتٰب الکامل کان ما عداه من الکتب فی مقابلته ناقص (کشاف) مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی ایک کتاب کامل ہے۔ اور اس کے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہوں گی۔ زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ تا ۹ ذی الحجہ ۵۳۸ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء تا ۱۴ جون ۱۱۴۴ء) بہرحال مومن تھے، اور آج سے آٹھ، ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن۔ وہ اگر یہ کہہ گئے تھے تو انہیں کہنا ہی چاہیئے تھا۔ یہ دیکھیے، کہ قرآن کا منکر اور مادیت و عقلیت کا پرستار دَور بھی اس بیسویں صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most widely-read book in the world وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے" (جلد ۱۵ ص ۸۹۸) اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ قرآن "گو دورِ آخر کی کتابوں میں سب سے کم سن ہے لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے" (تاریخ اہلِ عرب، ص ۱۲۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء) ذٰلك اسم اشارہ ہے۔ اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں "وہ" سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بُعد ہمیشہ بُعدِ مکان یا بُعدِ زمان ہی نہیں ہوتا۔ بُعدِ منزلت و علوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور ھٰذا کے مقابلہ میں ذٰلك اسی بلندیٔ منزلت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ یقال بازاء هذا فی المستبعد بالشخص او بالمنزلة ذلك وذاك (راغب) انما قال ذلك لبعد منزلة فی الشرف والتعظیم (تاج) اُردو اور فارسی زبانوں میں بھی اشارۂ بعید "آں" بارہا اظہار تکریم و علوئے منزلت کے موقع پر آتا ہے۔ آنحضرت، آنمحترم، آنجناب، آنعزیز وغیرہ۔ صحابی ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت کثیر مجاہد، عکرمہ، سعید، ابن جبیر، سدی، مقاتل، زید بن اسلم وغیرہ سے ذٰلك، ھٰذا کے معنی میں مروی ہوا ہے، (ابن کثیر) لیکن خود ذٰلك اور ھٰذا دونوں اسموں کے درمیان تبادلہ محاورۂ عرب میں بالکل جائز ہے۔ یستعملون کلا منهما مکان الاخر وهذا معروف فی کلامهم (ابن کثیر) اشارہ کا مشار الیہ اس کے ما بعد کا اسم یعنی الکتٰب ہے۔ گویا فقرہ کا صحیح اُردو ترجمہ یہ ہوا "یہ مکرم و معظم کتاب" **۶** (کہ یہ کتابِ الٰہی ہے۔ اس کا ہر مضمون برحق اور اس کا ہر لفظ صدق ہے) ای لاشك فیه انه من عند الله وانه الحق والصدق (معالم) یہ معنی تابعین کو، صحابہ کو، سب کو مسلّم ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی هذا اختلافا (ابن کثیر) اس حقیقت کو ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ قرآن بجائے خود ایک عالم ہے۔ اس عالمِ قدس کے اندر گزر نہ کسی شک و تردد کا ہے نہ خلجان و اضطراب کا۔ یہاں تو جو کچھ ہے تسکین و اطمینان ہے، علم و ایقان ہے، یکسوئی و اذعان ہے۔ ہر دعویٰ مدلل ہے، اور ہر حقیقت ثابت شدہ۔ اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو گناہ چشمۂ آفتاب کا نہیں، قصور شپرہ چشمی کا ہے۔ اسی لئے ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ اس کے باب میں کسی کو شک و تردد لاحق ہو ہی گا نہیں، بلکہ ارشاد صرف یہ ہوا ہے کہ خود یہ کتاب، اس کے مضامین شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ ما نفی ان احدا لا یرتاب فیه وانما المنفی کونه متعلقا للریب ومظنة له (کشاف) المراد انه بلغ فی الوضوح الی حیث لا ینبغی لمرتاب ان یرتاب فیه (کبیر) لاریب فیه مقصود چونکہ نفیٔ ریب کی تاکید ہے۔ اس لئے ترکیبِ کلام بجائے لافیه ریب کے لاریب فیه رکھی گئی، کہ اس میں زور اس سے زیادہ ہے (کبیر) **۷** ھُدًی۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت اُس کا یہ اپنا بتایا ہوا وصفِ اوّل ہی سے خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں کہ اس میں سنہ وار ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانہ کے واقعات درج ہوں۔ کوئی سائنس کی کتاب

هو المتصرف فی الاعیان المملوکة کیف یشآء من الملك (بیضاوی) ہندوستان کی بعض مشہور مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ قانُونِ مکافاتِ عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") کے خلاف خدا بھی نہیں جاسکتا۔ اور کسی خطادار کو معاف نہیں کرسکتا
مسیحیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ خدا انصاف کرنے پر مجبُور ہے۔ اور اسی لئے صفتِ عفو ورحم کے اظہار کے لئے اُسے اپنے اکلوتے "بیٹے" کو بطورِ کفارہ کے سب گنہگار مخلوق کی طرف سے پیش کرنا پڑا۔ قرآن مجید کے ایک لفظ مالک میں ان سب
باطل عقاید کی تردید آگئی۔ یوم الدین۔ دین کے لفظی معنی جزا یا بدلہ کے ہیں۔ الدین الجزآء۔ اور قیامت کو بھی روزِ جزا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پُورے حساب اور ہر عمل کے بدلہ کا دن ہوگا۔ یہاں بھی یوم الدین سے مراد روزِ حشر کر
لے یوم حساب الخلائق وهو یوم القیمة یدینهم باعمالهم (ابن جریر۔ عن ابن عباس) لے یوم البعث والجزاء اکبر اللہ تعالیٰ مالک تو آج بھی ہے۔ روزِ جزا کے ساتھ تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفتِ مالکیت
کا مشاہدہ و تحقق بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہوکر رہے گا ۱۵ (نہ کسی اور کی، اے اللہ!) ایاك لفظ ایا خود ہی حصر اور تخصیص کے لئے آتا ہے۔ اور بہ حیثیت مفعول اس کی تقدیم فعل نَعۡبُدُ پر اس حصر و تخصیص کو اور زیادہ مؤکد کر
رہی ہے یعنی ہم تیری عبادت میں شایبہ بھی کسی کی شرکت کا نہیں رکھتے۔ معناه نعبدك ولانعبد غیرك (ابن عباس) وقدم المفعول للتعظیم والاهتمام به والدلالة علی الحصر (بیضاوی) اب یہاں سے دعا کی تعلیم ہے گویا
بندے اپنی زبان سے دعا کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے صرف تمہیدِ دُعا تھی۔ صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب، یا مخاطب سے غائب کی طرف دفعۃً انتقال کا نام صنعتِ التفات ہے۔ اور عربی ادب وانشا میں یہ عیب نہیں۔ اس کا شمار
بہترین صنعتوں میں سے ہے۔ صاحب کشاف نے اس موقع پر امرء القیس جاہلی کے تین شعر شہادۃً نقل کئے ہیں، تینوں میں یہ صنعت موجود ہے۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ قرآن مجید کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا
لُبِّ لباب یہ آیت ہے۔ قال بعض السلف الفاتحة سر القرآن وسرها هذه الكلمة (ابن کثیر) نعبد۔ عبادت نام ہے تذلل، انکسار و افتقار کے آخری مرتبہ کا۔ انها غایة التذلل (راغب) العبادة اقصیٰ غایة الخضوع و
التذلل (کشاف) اور اسی لئے اس کا مستحق بجز ذاتِ باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لم تستعمل الا فی الخضوع للہ تعالیٰ (کشاف) ولا یستحقها الا من له غایة الافضال وهو الله تعالیٰ (راغب) مشرک قومیں خدا معلوم
چھوٹے بڑے کتنے دیوی دیوتاؤں کو عبادت میں شریک کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ ان کی عبادتوں میں تو خدا کی شرکت رہنے بھی نہیں پاتی۔ معبود تمام تر اگنی دیوتا اور سورج دیوتا اور کالی مائی اور لچھمی جی وغیرہ بن جاتی ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں بھی نماز
جیسی اور جب کبھی بھی ہوتی ہے، اس میں برابر خدا کے ساتھ فرزندِ خدا کی شرکت رہتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت کے ایک لفظ ایاك سے تردید ہوگئی سارے مذہبوں کے مشرکانہ طرزِ عبادت کی۔ نعبد کا صیغہ جمع بھی
قابلِ لحاظ ہے۔ دُعا تنہا ایک ایک فرد نہیں کررہا ہے۔ ساری ملتِ اسلامیہ مل کر اجتماعی رنگ میں کررہی ہے۔ اور یہ اجتماعیت کی اہمیت قرآن وحدیث دونوں کی دعاؤں میں کثرت سے جلوہ گر ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ یہ نسبتِ عبودیت
سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ کوئی مقام اس سے مافوق نہیں ۱۶ (نہ کہ کسی اور سے، اسے حاجت روا سمجھ کر، اے اللہ) آیت کے جزو اول میں بیزاری اور تبری ہے شرک سے۔ اس آخری جزو میں بندہ کی زبان سے اقرار ہے اپنی
بے بساطی، بے قدرتی کا۔ اور اقرار ہے اپنے کو حفاظت اور نصرت کے لئے ہر طرح اللہ کے ہاتھ میں سپرد کردینے کا۔ فالاول تبرء من الشرك والثانی تبرء من الحول والقوة وتفویض الی الله عز وجل (ابن کثیر) نعبد کے
مُعابعد نستعین لانا گویا بندوں کی زبان سے یہ کہلانا ہے کہ ہم عبادت تک میں تیری ہی توفیق، تیری ہی اعانت، تیری ہی دستگیری کے محتاج ہیں۔ ایاك کی تکرار توحید اور ردِّ شرک کی اہمیت کو اور دوبالا کررہی ہے۔ کرر للاهتمام
والحصر (ابن کثیر) کرر الضمیر للتنصیص علی انه المستعان به لا غیر (بیضاوی) آیت نے جڑ کاٹ دی ہے ہر قسم کی مظہر پرستی اور مخلوق پرستی کی۔ شرک کی خفی سے خفی بھی راہیں بند کردی ہیں، اور کوئی خفیف سی
بھی گنجائش پیر پرستی، پیمبر پرستی، فرشتہ پرستی وغیرہ کی باقی نہیں چھوڑی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ سالک کا مقام ایاك نعبد پر تمام ہوجاتا ہے۔ ایاك نستعین سے وہ طالب تمکین ورسوخ کا ہوتا ہے۔ ۱۷ یعنی
وہ راہ جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں، کہیں ٹھوکر لگنے کا احتمال نہیں۔ مراد اس سے جادۂ شریعت ہے کہ یہی زندگی کا مکمل نظام ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ کے باب میں ایک مکمل دستورِ ہدایت ہے۔ اور اسی پر چلتے رہنا فرد و جماعت
دونوں کے حق میں، دنیوی واخروی اعتبار سے فلاح ہی فلاح ہے۔ صحابہ، تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ هو دین الله الذی لا عوج له (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال ابن عباس وجابر هو الاسلام وهو قول مقاتل (معالم)
یہ گویا بندوں کی زبان سے درخواست ہے کہ اے ہمارے ہادئ برحق و رہنمائے حقیقی، اپنا سیدھا راستہ ہم پر کھول دے۔ اس پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اور اپنے فضل وکرم کو ہمارا دستگیر رکھ! طلب ہدایت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ
راہرو بھٹکا ہوا ہے اور وہ راستہ دریافت کررہا ہے۔ دوسرے یہ کہ راہ تو مل چکی ہے، درخواست اسی پر قائم رہنے کی ہے۔ یہاں مراد یہی دوسری قسم کی دستگیری ہے۔ لے وفقنا للثبات علیه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اهدنا لے
ثبتنا (کشاف۔ عن علیؓ وابیؓ) جو پہلے ہی سے ہدایت یاب ہیں، ان کی طرف سے یہ درخواست ہدایت پر ثبات واستقامت اور مزید ہدایت کی ہے۔ اور چونکہ رُوحانی ترقیوں کی انتہا نہیں اس لئے جو جس مرتبہ پر ہے اس کی دُعا اس سے
بھی بلند تر مرتبہ کی رہتی ہے۔ اور مومن کی ہوسِ ہدایت طلبی کبھی نہیں بجھتی۔ یہ اعتراض محض طفلانہ ہے کہ ہدایت یاب کو درخواستِ ہدایت کی ضرورت نہیں۔ نعبد، نستعین، اهدنا سب میں ضمیر متکلم کا صیغہ جمع میں آنا بہت ہی پُر
معنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اظہارِ عبودیت کرنے والا اپنی اپنی جگہ پر فردِ واحد ہی ہوگا۔ اس پر بھی یہ التزام ہے کہ فرد کا ربطِ امت سے کسی حال میں بھی نہ چھُوٹنے پائے۔ عبادت کرتے ہیں تو ایک "مَیں" نہیں بلکہ "ہم سب"۔ طلبِ اعانت کرتے
ہیں تو "ہم سب"۔ درخواستِ ہدایت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ امت وملت کی یہ زبردست وہمہ وقتی شیرازہ بندی اسلام ہی کا حصّہ ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ مطلوب ومقصود صراطِ مستقیم تشریعی ہے نہ کہ تکوینی جو ساری مخلوق
کے لئے خود بخود عام ہے ۱۸ (باب ہدایت میں) یہ مزید شرح وتفسیر ہوا اسی سیدھے راستہ یا صراطِ مستقیم کی۔ تعلیمات وہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے لفظ وعبارت میں آگئیں۔ لیکن مشیتِ الٰہی نے مزید شفقت وکرم سے ان تعلیمات
وہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی رُوح وقالب میں بشری صُورت وسیرت میں بہ کثرت بھیج دیئے کہ اس صراطِ مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہوجائے۔ یہ انعام پائے ہُوئے لوگ انبیاء ومرسلین ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات وحالات قرآن
مجید میں کثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے پاکیزہ ترین سردار محمد رسول اللہ صلعم۔ آپ کی سیرتِ مبارکہ کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کے جو صحیح نائب وجانشین آپ کے مُعابعد ہوئے
ہیں، اور پھر ہر دَور میں ہوتے آئے ہیں۔ یعنی اولیائے امت یا صدیقین، یا پھر شہیدانِ راہِ حق اور عام صالحین، کہ یہ بھی اپنے اپنے درجہ میں نمونہ کا کام اپنے بعد آنے والوں کے لئے دے سکتے ہیں۔ خود قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے
ہُوؤں کی فہرست کے خاص خاص عنوانات گنا دیئے ہیں۔ ومن یطع الله والرسول فاولٓئك مع الذین انعم الله علیهم من النبیّن والصدّیقین والشهدآء والصٰلحین (سورۃ النساء) انعمت علیهم کے لفظ سے امام ابن جریر
نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جن لوگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے اس کی تہہ میں اصل شے محض انعامِ الٰہی وفضلِ خداوندی ہے۔ وفی هذه الاٰیة دلیل واضح علی ان طاعة الله جل ثناءه لا ینالها المطیعون الا بانعام الله بها علیهم و
توفیقه ایاهم لها۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ الذین انعمت علیهم سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ صراطِ مستقیم میسّر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہلِ صراطِ مستقیم کی کی جائے۔ اور اس کے لئے محض اوراق وکتب کافی نہیں۔
۱۹ (اپنی دانستہ وارادی کج روی کی بدولت) غیر المغضوب علیهم کی تقدیرِ کلام غیر صراط المغضوب علیهم ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا، اور مضاف محذوف ہے۔ عربی ادب وانشا میں حذفِ موصوف، حذفِ مضاف کی مثالیں
کثرت سے ملتی ہیں۔ صرف صفت یا صرف مضاف الیہ بول کر کام چلا لیا جاتا ہے، اور ایسا حذف قرینۂ مقام سے بے تکلّف سمجھ لیا جاتا ہے۔ اکتفی بالمضاف الیه عن ذکر المضاف وقد دلّ علیه سیاق الکلام (ابن کثیر) "زیرِ غضب"
سے مراد زیرِ غضبِ الٰہی ہے۔ انعامِ الٰہی کا ذکر ابھی اُوپر آچکا ہے۔ وہاں صیغۂ معروف استعمال ہوا تھا اور ضمیرِ فاعلی صریح تھی۔ یہاں غضب کے موقع پر صیغۂ مجہول کردیا گیا ہے! اور فاعل کی کوئی صراحت نہیں۔ یہ اثر ہے غلبۂ رحمتِ الٰہی کا۔ غضب
الٰہی کا ذکر اگلے آسمانی نوشتوں میں صراحت کے ساتھ ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے کہ:۔ "اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور مَیں انہیں بھسم کردوں"۔ (خروج ۳۲:۱۰) نیز خروج ۲۲-۱۲ و ۱۳، استثناء
۹: ۲۰ و ۲۱ وغیرہ۔ انجیل کو عام طور پر سرتاسر حلم ورأفت وشفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے، وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ ملاحظہ ہو متی ۳: ۸ و ۱۰۔ مکاشفہ ۱۹: ۱۵ وغیرہ۔ حیرت ہے کہ بعض جدید اہلِ قلم نے مسیحی پادریوں کے دجل وتلبیس سے
متاثر بلکہ مرعوب ہوکر اسلام میں غضبِ الٰہی کے وجود ہی سے انکار کردینا چاہا ہے۔ گویا حق سُبحانہٗ تعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو، سنیاسی مہاتما ہیں کہ جو بد بخت چاہے، اُن کے بنائے اور آنائے ہوئے قوانین
کو، جو سرتاسر بندوں ہی کے نفع ومصلحت۔ فلاح وبہبود کے لئے ہیں، آزادی وبے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے، اور وہ اہمسا اور شانتی کے ساتھ صبر وخاموشی کے ساتھ جمود وتعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھتا رہے۔ اور اصلاح
حال کے لئے نہ اپنی غیر محدود قوّت اور لامتناہی توانائی کو حرکت میں لائے، اور نہ دفعِ فساد کے لئے کوئی عملی اقدام کرے! پادریوں کے اعتراض کی اصل بنیاد ہی غلط ہے انہوں نے غضبِ الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصہ اور طیش پر جو نتیجہ
ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق تعالیٰ پاک ہے ہر قسم کے انفعال وتاثر سے۔ وہ صرف فاعل ہے۔ تمام تر مؤثر ہے۔ اس کے اصلاحی اقدامِ عمل، اس کی تعزیری حرکتِ ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضبِ الٰہی ہے۔ اس کی
ناکمال قوت، مرتبانہ شفقت دونوں کا عین مقتضٰی یہی ہے کہ وہ گنہ گاروں، باغیوں، مجرموں کو ان کے جرم وبغاوت کے آخری عملی نتائج تک پہنچائے۔ اس کا غیظ وغضب درحقیقت تمہ اور ضمیمہ ہے اُس کی رحمتِ بے حساب کا، اور لازمی نتیجہ
ہے اس کی شفقتِ بے کراں کا۔ اہلِ تفسیر عمومًا اس طرف گئے ہیں کہ المغضوب علیهم سے مراد یہود ہیں۔ احادیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ مَنۡ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیۡهِ کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے لیکن
ایک گروہ نے مشرکین مراد لی ہے۔ عجب نہیں کہ آیت ان سب کے حق میں عام ہو جو از راہِ شرارت وخبثِ نفس حق کی مخالفت دیدہ ودانستہ کرتے رہتے ہیں ۲۰ یعنی ان کی راہ بھی نہیں جو اپنی غفلت، بے التفاتی، نادانی کی بنا پر حق کی طرف
رُخ بھی نہیں کرتے۔ اہلِ تفسیر عمومًا اس طرف گئے ہیں کہ الضآلین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ حدیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے لیکن حقیقت
یہ ہے کہ مغضوب علیهم اور ضآلین کے مصداقوں کا حصر انہیں دو مذہب والوں کے ساتھ کردینا مشکل ہے جو کھلے ہُوئے مشرکین وملحدین ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ضلالت میں ان سے بھی بڑھے ہوئے اور غضبِ الٰہی کے ان سے مستحق تر ہیں۔

کہتا ہے کہ "لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر وصفِ رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے"۔ رحیم بھی اسم صفت صیغۂ مبالغہ ہے۔ فعیل کے وزن پر۔ تکرار و تواتر کے اظہار کے لئے۔ مبالغۃ الفعیل من حیث التکرار (بحر) گویا صفتِ رحمت و شفقت کی انتہائی قوت کا اظہار رحمٰن سے ہو رہا ہے اور انتہائی کثرت کا رحیم سے۔ اس فرق کے اظہار کے لئے رحمٰن کا ترجمہ "نہایت رحم کرنے والے" اور رحیم کا ترجمہ "بار بار رحم کرنے والے" سے کیا گیا ہے۔ رحمٰن میں شانِ کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لئے۔ اور اسی لئے اس کا ظہور اسی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ رحیم میں تجلی رحمت و مغفرت کا خصوص ہے اہلِ ایمان کے ساتھ۔ اس لئے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ اور اسی معنی میں یہ حدیث صحیح مسلم میں صحابی ابنِ مسعودؓ کے واسطہ سے آئی ہے کہ الرحمٰن رحمٰن الدنیا والرحیم رحیم الآخرۃ۔ اور اسی معنی میں جعفر صادقؒ کا بھی یہ قول نقل ہوا ہے۔ الرحمٰن اسم خاص لصفۃ عامۃ والرحیم اسم عام لصفۃ خاصۃ (تاج) صوفیانہ مذاق پر ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و وسائط کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلاواسطہ ہو۔ رحمانیت وہ شفقت ہے جو طبیب مریض کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور رحیمیت شفقتِ محض ہے (روح)۔ اسلام کے اس خالص توحیدی کلمہ کے مقابلہ میں اب مسیحیت کا فقرۂ افتتاحیہ ملاحظہ ہو:۔ "شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے" کوئی نسبت اس شرکِ جلی کو اسلام کی توحیدِ خالص سے ہے؟ راقم آثم کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ عجب نہیں جو خالق اکبر کی یہی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت ہی مسخ ہو کر مسیحیت میں بیٹا اور روح القدس بن گئی ہوں۔ ۱۰ الحمد میں ال کلمۂ استغراق ہے۔ یعنی جمیعِ حمد۔ کوئی سی بھی ہو، کسی قسم کی بھی ہو، بہ ظاہر کسی کے لئے بھی ہو۔ حمد کا درجہ لغوی اعتبار سے، مدح اور شکر دونوں سے بلند تر ہے۔ شکر تو کسی متعین ہی نعمت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، اور مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ صرف حمد ہی ایسی چیز ہے، جو محمود کی عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے (راغب) فی کلام العرب معناہ الثناء الکامل (قرطبی) گویا قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم توحید کے جملہ اصناف کی جامع ہے۔ مدح اور تعریف کسی کی بھی ہو، کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہوتی ہے، اور اسی کو پہنچتی ہے۔ الالف واللام فی الحمد لاستغراق جمیع اجناس الحمد للہ تعالیٰ (ابن کثیر) اور یہی معنی ہیں اس حدیثِ نبوی کے بھی کہ اللھم لک الحمد کلہ ولک الملک کلہ وبیدک الخیر کلہ والیک یرجع الامر کلہ۔ حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے صفتِ عدل اس کے اندر رکھ دی ہے۔ طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطا کر دیا ہے۔ کسی کی شکل جمیل ہے اور کسی کی سیرت پاکیزہ ہے تو، ہر موقع پر مدح و ثنا، تعریف و ستائش کی اصل مستحق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ ع ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد! ۱۱ ربّ، جو یہاں بہ طور اسم استعمال ہوا ہے، مصدر ہے تربیت کے معنی میں۔ اور تربیت کے معنی ہیں کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشو و نما دیتے رہنا۔ تاآنکہ وہ حدِ کمال تک پہنچ جائے۔ ھو انشاء الشیء حالاً فحالاً الی حد التمام (راغب) وھی تبلیغ الشیء الی کمالہ شیئاً فشیئاً (بیضاوی) الرب المصلح والمدبر والجابر والقائم یقال لمن قام باصلاح شیء واتمامہ (قرطبی) اردو میں اس کا ترجمہ پروردگار سے بھی صحیح ہے۔ لیکن قریب ترین لفظ اس مفہوم کے لئے "مربّی" کا ہے، اور یہی ترجمہ تھانوی مدظلہ نے اختیار کیا ہے۔ عربی میں اس کا اطلاق مطلق اور بلا اضافت صورت میں صرف حق تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ ولا یقال الرب مطلقاً الا للہ تعالیٰ (راغب) ولا یستعمل الرب لغیر اللہ بل بالاضافۃ (ابن کثیر) صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے مابعد اب اللہ کی صفت ربوبیت کا اظہار ہے۔ مسیحیوں کے "آسمانی باپ" سے کہیں زیادہ شفقت، کہیں زیادہ قدرت، کہیں زیادہ حکمت لفظ ربّ سے عیاں ہے۔ عالمین عالم کا لفظ خود اسم جمع ہے کوئی اس کا واحد نہیں آتا۔ اور مرادف ہے خلقت یا موجودات کے۔ العالم الخلق کلہ (لسان) عالمون بہ صیغۂ جمع کے معنی ہوئے ہر ہر صنفِ موجودات اور سارے سلسلۂ کائنات کے۔ والعالمون اصناف الخلق (لسان) ربّ العالمین کا لفظ لا کر قرآن مجید نے گویا بتا دیا کہ ہر صنفِ موجودات کا ایک مستقل نظامِ تربیت ہے۔ اور سب کا آخری سرا اسی قادرِ مطلق واحد و یکتا کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی بھی صنفِ موجودات اس کے ہمہ گیر نظامِ ربوبیت و تربیت سے آزاد و مستثنیٰ نہیں۔ یہ تعلیم بھی اسی ایک لفظ سے مل گئی کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں۔ یہ حقیقت تاریخِ مذاہب میں نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب جس صورت میں موجود تھے وہ اس وسیع تخیل ہی سے آشنا نہیں رہے تھے۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ بابل، مصر، ہند، یونان، روم، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا ذکر نہیں، بنی اسرائیل جیسی موحد قوم بھی خدا کے خدائے کائنات ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی۔ قرآن نے ایک لفظ رب العالمین لا کر ان سارے مشرکانہ و گمراہانہ عقائد کی تردید کر دی۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے۔ اسی لئے قرآن نے تصحیح میں بھی اسی کو مقدم رکھا۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ کلمۂ الحمد للہ رب العلمین تمام کلموں سے افضل و اشرف ہے۔ یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللہ سے بھی۔ اس لئے کہ اس میں صرف توحید ہے، اور اس میں توحید کے ساتھ حمد بھی (قرطبی)

۱۲ (جو دنیا میں سب کو رزق دے رہا ہے، سب کو راحت پہنچا رہا ہے۔ نفع رسانی کا دروازہ سب کے لئے کھولے ہوئے ہے) الرحمٰن العاطف علی البر والفاجر بالرزق لھم ودفع الآفات عنھم (ابن عباسؓ) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ ۱۳ (جو آخرت میں مومنین کو اجر ان کے استحقاق سے بہت زاید دے گا) الرحیم خاصۃ علی المؤمنین بالمغفرۃ وادخالھم بالجنۃ (ابن عباسؓ) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ صفات کے بیان میں صفتِ ربوبیت کو سب سے پہلے لانا اور اس کے مابعد صفاتِ رحمانیت و رحیمیت پر زور دینا خود اس امر کی ایک واضح شہادت ہے کہ عقائدِ اسلام میں ان صفات کا مرتبہ کتنا بلند اور ان کا درجہ کیسا اہم ہے۔ ان تصریحات کی موجودگی میں اور ان کی تکرار کے باوجود مسیحی پادریوں کا یہ کہے جانا کہ اسلام کا خدا صرف قوت اور قہرمانی کا خدا ہے، حقیقت پر کیسا ظلم کرنا ہے۔ ۱۴ ملک۔ حاکم یا قاضی خواہ کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہرحال اس کے اختیارات محدود ہی ہوتے ہیں، اور وہ مجرم کو حسبِ ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا خود حاکم پر حکومت ضابطہ یا قانون کی ہوتی ہے۔ بہ خلاف اس کے مالک وہ ہوتا ہے جسے پورے اختیارات حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے وہ بخش دے، چاہے سزا دے۔ کوئی اس سے بازپرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔ حدیثِ مسلم میں آچکا ہے کہ لا مالک الا اللہ عز وجل (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں) اور محققین کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں لا یجوز ان یتسمّی احدٌ بھذا الاسم ولا یدعیٰ بہ الا اللہ تعالیٰ (قرطبی) لفظ کا فارسی ترجمہ بھی اسی لئے سفیان تابعی سے "شہنشاہ" مروی ہے قال سفیان مثل شاھان شاہ (قرطبی) اور مفسرین نے بھی معنی مطلق الاختیار کے لئے ہیں۔ المالک

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

سورۂ بقرہ

مدنی۔ ۴۰ رکوع۔ ۲۸۶ آیتیں۔ ۶۰۲۱ لفظ۔ ۲۰ ہزار حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

الف لام میم یہ کتاب ہے (کہ) کوئی شبہہ اس میں نہیں

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

ہدایت ہے (اللہ سے) ڈر رکھنے والوں کے لئے جو غیب پر ایمان رکھتے

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے

يُنْفِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

خرچ کرتے رہتے ہیں اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اُتارا گیا ہے

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ

اور (اس پر) جو آپ سے قبل اُتارا گیا ہے اور آخرت پر بھی

مع ۱ عند المتأخرین

سُورَةُ الفَاتِحَةِ

سُورۂ فاتحہ

مکی - ایک رکوع - ۷ آیتیں - ۲۵ لفظ - ۱۲۳ حرف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ

(ساری) تعریف اللہ کے لئے ہے (وہ) سارے جہان کا مربّی (وہ) رحمٰن

الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ

(وہ) رحیم (وہ) مالک روزِ جزا کا ہم بس تیری ہی عبادت

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو سیدھا

الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راستہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کیا ہے

ع ۱ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

نہ اُن لوگوں کا راستہ جو زیرِ غضب آچکے ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا

سُورَۃ الفاتحۃ ۱ سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں۔ السورۃ الرفعۃ (لسان) السورۃ المنزلۃ الرفیعۃ (راغب) جس طرح دُنیا کی دُوسری کتابیں مختلف بابوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ وبہا سمیت السورۃ من القرآن لے رفعتہ (لسان) بہ سمیت سورۃ القرآن لاجلال ورفعۃ (تاج) سورۃ کے دوسرے معنی شہر پناہ کی دیوار کے بھی ہیں سور المدینۃ حائطہا (راغب) سورۂ قرآنی کو سورہ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ گویا وہ فصیلِ شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں تقسیم وترتیب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے تھے۔ آنحضورؐ ہی کے ارشاد کے مطابق ایک سورۃ شروع کی جاتی تھی اور دوسری ختم۔ کل قرآنی سُورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ **۲** فاتحہ کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے۔ قرآن مجید کی اس ابتدائی سورۃ کو بھی اسی لئے الفاتحہ کہتے ہیں۔ یہ گویا دیباچۂ قرآن ہے۔ سورتوں کے نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ اکثر ایک ایک سُورت کے کئی کئی نام روایت ہوتے ہیں۔ اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں۔ سورۃ الشفاء، سورۂ وافیہ، اُمّ القرآن وغیرہ قرطبی نے ۱۲ نام گنائے ہیں۔ مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے۔ سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں۔ اہمیتِ خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ شافعیہ کی تحقیق میں فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر قرآن کے اس جزو کے مکمل نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان چار مرتبہ خاص طور پر رویا چلایا ہے۔ اور ان چار میں سے ایک موقع نزولِ سورۂ فاتحہ کا ہے۔ سورۂ فاتحہ گو صورۃً مختصر ہے۔ لیکن بلحاظ معنویت وجامعیت گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔ منکرین ومخالفین تک اس کے ایجاز کے اعجاز کے قائل ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔ ”حمدِ باری کی یہ زبردست مناجات ..... سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز۔ اس پر بھی معنویت سے لبریز“ (جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۳ طبع یازدہم)

۳ قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانۂ نزول کی گئی ہے۔ جو سُورتیں قبل ہجرتِ نبوی یعنی رسول اللہ صلعم کے زمانۂ قیامِ مکہ میں نازل ہوئیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہرِ مکہ سے باہر ہی ہوا ہو مکّی کہلاتی ہیں۔ اور جو سُورتیں بعد ہجرتِ نبوی، یعنی زمانۂ قیامِ مدینہ میں نازل ہوئیں، وہ مدنی کہلاتی ہیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہرِ مدینہ سے باہر ہی ہوا ہو۔ لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے۔ ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مدنی سورت کے اندر مکّی آیتیں رکھا دی ہیں، یا اس کے برعکس۔ ربطِ مضمون ومناسبتِ مقام کا صحیح تر ولطیف تر احساس رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؛ اس لئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکّی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، کوئی درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں محض مفیدِ ظن ہیں۔ مفیدِ یقین نہیں۔ اور اس قسم کے عقلی وقیاسی معیار کہ مثلاً یٰایّہا الذین اٰمنوا سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مدنی ہونگی اور یٰایّہا الناس سے شروع ہونے والی لازمی طور پر مکّی، محض اکثری وتخمینی ہیں۔ کلّی اور قطعی نہیں۔ اور محض ان روایات ونظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم ووثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر اُسے ترتیبِ نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی ہی جسارت کا کام ہے۔ اصل میں یہ بلا مسیحیوں کے ہاں سے آئی ہے کہ انہیں نے اپنے ہاں کے قدیم وجدید دونوں صحیفوں کو اس قسم کی سرتاسر ظنّی بلکہ وہمی ”تحقیقات“ کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ **۴** سورۃ کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں اکثر رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے جو ایک رکعت میں بہ آسانی پڑھی جا سکتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ پارہ ۳۰ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں بھی کل ایک ہی ایک رکوع ہے۔ **۵** اٰیۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ اصطلاح میں سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔ ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا وہ ایک مستقل عبارت ہو ایک آیت ہے۔ وقیل لکل جملۃ من القرآن دالۃ علیٰ حکمٍ اٰیۃ (راغب) وقد یقال لکل کلام منہ منفصل بفصلٍ لفظیٍ اٰیۃ (راغب) قرآن مجید کی کل آیتیں شمار کر لی گئی ہیں اور ان کی میزان بقولِ اصح ۶٫۶۱۶ ہے (اتقان) **۶** قرآن مجید کے کل الفاظ بھی شمار کر لئے گئے ہیں۔ اور ان کی میزان بقولِ اصح ۷۷٫۹۳۴ ہے (اتقان) **۷** کل حروفِ قرآنی بھی شمار کر لئے گئے ہیں، اور ان کی میزان بقولِ اصح ۳٫۲۳٫۷۶۰ ہے (اتقان) اللہ اللہ کلامِ الٰہی کے عاشق وشیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اس کے واسطے کر گئے ہیں! **۸** قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سورت کے، ہر سُورت کی ابتدا میں دُہرایا گیا ہے، یعنی ۱۱۳ بار۔ اور سورہ النمل کے اندر عبارت میں طور آیتِ قرآنی بھی آیا ہے۔ اور اس لئے اس کے جزوِ قرآن ہونے نہ ہونے کی بابت تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ہر سُورت کی ابتدا میں بھی اس کی حیثیت بطور ایک مستقل آیت کے ہے؟ امام ابُو حنیفہ کا مذہب ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامتِ فرق وتمیز کے اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی مسلک سے متفق ہیں۔ قال مالک وابو حنیفۃ لیست فی اوائل السورۃ باٰیۃ وانما ہی استفتاح لیعلم بہا مبدؤہا (ابن العربی) مفصل بحث جصاص رازیؒ حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے۔ ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اور خود رسول اللہ صلعم کی عادتِ مبارک یہی تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضو کرتے، جانور ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتدا بسم اللہ ہی سے کرتے۔ اور یہ بھی یہی کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن ورحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے، وہ عملاً اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت مخلصانہ ہے میرا مقصد اعلیٰ ہے، اور میں توحید کا پرستار ہوں۔ ایک طرف شرک سے اور دوسری طرف الحاد سے بیزار۔ غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ رُوح واخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں۔ بسم اللہ کی ب نحویوں کی اصطلاح میں بار الاستعانت کہلاتی ہے، پڑھنے والا گویا یُوں کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اس کلام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے۔ اور یہ کہ کر بسم اللہ خواں اپنی اور سب کی طرف سے قطع نظر کرکے تکیہ کر لیتا ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات رحمانیت ورحیمیت پر۔ **۹** اللہ خدا کے لئے اسمِ ذات ہے۔ کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ فارسی کے خدا یا انگریزی کے گاڈ کی طرح اسمِ نکرہ نہیں کہ معبودِ واحد کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی بولا جا سکے۔ اس کی نہ جمع آتی ہے نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔ علمٌ للذات واجب الوجود المستجمع بجمیع صفات الکمال غیر مشتق (تاج) لم یُسَمَّ بہ غیرہ تبارک وتعالیٰ ولہذا لایعرف فی کلام العرب لہ اشتقاق من فعل یفعل (ابن کثیر) رحمٰن کا صحیح ترجمہ دشوار ہے۔ مصدر رحمۃ سے صیغۂ مبالغہ ہے فعلان کے وزن پر، زیادتیٔ صفت کے لئے جس کے بعد زیادتی کا کوئی درجہ نہ ہو۔ معناہ عند اہل اللغۃ ذو الرحمۃ التی لاغایۃ بعدہا فی الرحمۃ (تاج) مبالغۃ فعلان مثل غضبان وسکران من حیث الاستیلاء والغلبۃ (بحر) اسمِ ذاتِ ”اللہ“ کی طرح اسمِ صفت، رحمٰن کا اطلاق بھی صرف ذاتِ باری ہی پر ہوتا ہے۔ ولا یطلق الرحمٰن الا علی اللہ تعالیٰ (راغب) اسم مخصوص باللہ لایجوز ان یسمّیٰ بہ غیرہٗ (تاج) یہ بات اتفاقی نہیں بہت پُرمعنی ہے کہ قرآن مجید میں اسمِ ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسمِ صفاتی ارشاد ہوا ہے وہ صفتِ رحمانیت کا مظہر ہے۔ لین پول (Lane-Poole) انگریز اسی لئے اپنے ہم قوموں کو سنا کر

القرآن الحکیم

مع ترجمہ و تفسیر

از

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی

الحكيم جل جلاله	الودود جل جلاله	المجيد جل جلاله	الباعث جل جلاله	الشهيد جل جلاله	الحق جل جلاله
الوكيل جل جلاله	القوی جل جلاله	المتين جل جلاله	الولی جل جلاله	الحميد جل جلاله	المحصی جل جلاله
المبدئ جل جلاله	المعيد جل جلاله	المحيی جل جلاله	المميت جل جلاله	الحی جل جلاله	القيوم جل جلاله
الواجد جل جلاله	الماجد جل جلاله	الواحد جل جلاله	الاحد جل جلاله	الصمد جل جلاله	القادر جل جلاله
المقتدر جل جلاله	المقدم جل جلاله	المؤخر جل جلاله	الاول جل جلاله	الاخر جل جلاله	الظاهر جل جلاله
الباطن جل جلاله	الوالی جل جلاله	المتعالی جل جلاله	البر جل جلاله	التواب جل جلاله	المنتقم جل جلاله
العفو جل جلاله	الرؤف جل جلاله	مالك الملك جل جلاله	ذو الجلال والاكرام جل جلاله	المقسط جل جلاله	الجامع جل جلاله
الغنی جل جلاله	المغنی جل جلاله	المانع جل جلاله	الضار جل جلاله	النافع جل جلاله	النور جل جلاله
الهادی جل جلاله	البديع جل جلاله	الباقی جل جلاله	الوارث جل جلاله	الرشيد جل جلاله	الصبور جل جلاله

تاج کمپنی لمیٹڈ، ناشران قرآن مجید و اسلامی مطبوعات کراچی - لاہور - ڈھاکہ

بسم الله الرحمن الرحيم

هو الله جل جلاله	الذي لا إله جل جلاله	إلا هو جل جلاله	الرحمن جل جلاله	الرحيم جل جلاله	الملك جل جلاله
القدوس جل جلاله	السلام جل جلاله	المؤمن جل جلاله	المهيمن جل جلاله	العزيز جل جلاله	الجبار جل جلاله
المتكبر جل جلاله	الخالق جل جلاله	البارئ جل جلاله	المصور جل جلاله	الغفار جل جلاله	القهار جل جلاله
الوهاب جل جلاله	الرزاق جل جلاله	الفتاح جل جلاله	العليم جل جلاله	القابض جل جلاله	الباسط جل جلاله
الخافض جل جلاله	الرافع جل جلاله	المعز جل جلاله	المذل جل جلاله	السميع جل جلاله	البصير جل جلاله
الحكم جل جلاله	العدل جل جلاله	اللطيف جل جلاله	الخبير جل جلاله	الحليم جل جلاله	العظيم جل جلاله
الغفور جل جلاله	الشكور جل جلاله	العلي جل جلاله	الكبير جل جلاله	الحفيظ جل جلاله	المقيت جل جلاله
الحسيب جل جلاله	الجليل جل جلاله	الكريم جل جلاله	الرقيب جل جلاله	المجيب جل جلاله	الواسع جل جلاله

قرآن کریم

مع ترجمہ و تفسیر ماجدی

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی